بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸- اردو بازار لاہور

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد اوّل

المقدمہ ○ الفاتحہ ○ البقرہ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ISBN 969-563-010-3

تصحیح : مولانا حافظ محمد اکرم ساجد
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الثالث : ربیع الاول 1420ھ / جون 1999ء
الطبع التاسع : رجب 1430ھ / جون 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

سرنامہ

بہ حضور سرورِ کائنات

علیہ افضلُ الصلوٰت وَاکمل التحیّات

اے اللہ! مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور

مجھے اِس کی اتّباع عطا فرما!

اے اللہ! مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور

مجھے اِس سے اجتناب عطا فرما!

آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوٰۃ اللہ عن صلوٰۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا مانزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امہات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تفریرہٖ اللھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا ۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجہک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت امین یارب العالمین ۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں' جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حدیث دل

اللہ تعالیٰ کا بہت کرم اور بے حد احسان ہے کہ'' شرح صحیح مسلم'' کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے'' تبیان القرآن'' لکھنے کی سعادت عطا فرمائی اور کلام رسول کی تشریح کے بعد کلام اللہ کی تفسیر کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے علماء متقدمین نے تفسیر کے موضوع پر اس قدر زیادہ اور عظیم کام کیا ہوا ہے کہ اس پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکتا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء اسلام کی زیادہ تر کاوشیں عربی زبان میں ہیں جن تک عام اردو دان طبقہ کی رسائی نہیں ہے تو اس بات کی بے شک ضرورت تھی کہ علوم اور معارف کے ان جواہر پاروں کو سہل اور عام فہم انداز میں جدید اسلوب نگارش کے مطابق اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کے تراجم کا حال ہے' ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا اور ان کی یہ مساعی بہت قابل قدر بلکہ لائق رشک ہیں لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے' اس وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہیے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔

میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔ تفسیر میں میں نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے وہاں میں نے تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان میں سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کروں' عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کر دیتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔ میں نے کافی محنت اور جانفشانی کر کے'' تبیان القرآن'' میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے' البتہ حافظ منذری' حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان کے حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی نے ایک حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' اب وہ حافظ سیوطی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تلبیس کرتے ہیں کہ گویا اس حدیث کو انہوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے

حوالوں سے تلاش کیا ہے' میرے نزدیک یہ تلبیس سخت مذموم ہے۔ اگر حافظ منذری یا حافظ ہیثمی یا حافظ سیوطی نے کسی حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو میں نے اس طرح لکھا ہے کہ حافظ منذری یا حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم تلبیس نہیں کی۔ اسی طرح فقہاء کے حوالہ جات کا معاملہ ہے۔

نئے اور تازہ مسائل میں غور وفکر اور اجتہاد کی کافی وسعت اور گنجائش ہے اور ظاہر ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہوتی ہیں اور جو عالم بھی کسی تازہ اور نئے مسئلہ میں غور وفکر سے اجتہاد کرتا ہے وہ پوری دیانتداری اور خدا خوفی سے اس کے حکم کو دلائل شرعیہ سے اخذ کرتا ہے' اگر کسی عالم کو اس سے اختلاف ہو تو اس کو دلائل کے ساتھ اپنا نظریہ تو بیان کرنا چاہیے لیکن فریق مخالف پر کیچڑ نہیں اچھالنی چاہیے اور طعن وتشنیع سے کام نہیں لینا چاہیے' بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگوں کا یہ مزاج نہیں ہے اور لوگوں کا جس شخص سے کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو وہ اس کو جاہل' خائن اور اس نوع کے دیگر القابات سے نوازتے ہیں بلکہ اس کو دین اور ملت سے خارج کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ان تازہ مسائل میں سے بعض مسائل میں ہمارا دوسرے علماء سے اختلاف ہے لیکن ہم نے اپنا موقف دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان علماء کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور ان کے اعزاز' اکرام اور احترام کو پوری طرح قائم رکھا ہے' مثلاً ہمارے نزدیک اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہ رکے تو چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا اعادہ واجب نہیں ہے' تاہم جو علماء اس عمل کو ناجائز کہتے ہیں' ہم نے ان کو مطعون نہیں کیا' اسی طرح ہمارے نزدیک ایلو پیتھک دواؤں سے علاج کرنا اور ضرورت کے وقت خون کو منتقل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے' اور اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے' ہم نے اس سلسلہ میں ان کے دلائل پر بحث کی ہے لیکن طعن اور تشنیع سے اجتناب کیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

جن موضوعات پر ''شرح صحیح مسلم'' میں مفصل بحث آچکی ہے' بعض جگہ میں نے اسی بحث کو نقل کر دیا ہے' بعض جگہ اس کو ملخص کیا ہے' اور بعض جگہ ان مباحث کو از سر نو لکھا ہے' ترجمہ میں' میں نے زیادہ تر علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے ترجمہ ''البیان'' سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر میں زیادہ تر احکام القرآن' الجامع لاحکام القرآن' البحر المحیط' تفسیر کبیر' الدر المنثور اور روح المعانی سے استفادہ کیا ہے۔ جدید تفاسیر میں سے تفسیر منیر' مراغی' فی ظلال القرآن اور تفسیر قاسمی بھی میرے پیش نظر رہی ہیں۔ اسباب نزول کے بیان میں ''جامع البیان'' پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے۔ احادیث کی بہت سی کتابیں جن کے ہم پہلے صرف نام سنتے تھے الحمد للہ اب وہ چھپ گئی ہیں اور ہمیں دستیاب ہیں' میں نے زیادہ تر کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث کو ان کے اصل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کروں' اسی طرح فقہی مباحث میں مذاہب ائمہ کو ان کو اصل کتابوں کے حوالے کے ساتھ درج کیا ہے' مآخذ اور مراجع کی فہرست میں نے سنین وفات کی ترتیب سے مرتب کی ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ پہلی بار اس نوع کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدث' مفسر' فقیہ یا مصنف کس زمانہ اور کس دور کا ہے۔

دس رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کے مبارک دن اس تفسیر کا آغاز ہوا تھا اور بارہ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کے مسعود دن میں اس کی پہلی جلد اختتام کو پہنچ گئی۔ فالحمد للہ رب العلمین.

اس جلد میں ایک مقدمہ ہے اور الفاتحہ اور البقرہ کی تفسیر ہے' میں نے اس تفسیر کو متوسط طریقہ پر لکھا ہے' اس میں بہت زیادہ تفصیل ہے نہ بہت اختصار ہے' مسائل حاضرہ پر میں نے بہت شرح وبسط کے ساتھ ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھا دیا ہے' اسی

طرح عبادات اور معاملات پر بھی سیر حاصل بحث اس میں آ گئی ہے تاہم جو مسائل اور مباحث اس میں آنے سے رہ گئے ہیں ان شاء اللہ ان کا اس میں تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا۔ معاصرین اور عہد قریب کے مفسرین کی تحقیقات اور نگارشات کو میں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے اور جہاں میری رائے ان کے ساتھ متفق نہیں ہو سکی میں نے ادب اور احترام کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

اخیر میں میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے منصۂ شہود پر آنے میں میرے ساتھ تعاون کیا' خاص طور پر سید اعجاز احمد صاحب' صاحبزادہ محسن اعجاز صاحب (فرید بک سٹال)' پروفیسر مولانا مفتی منیب الرحمان صاحب زید مجدہم' مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب وغیرہم کا میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں' اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق دے' اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور مجھے' اس کتاب کے تمام معاونین اور قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر ہمیں عطا فرمائے۔ آمین

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ / ۲۴ اگست ۱۹۹۵ء

اَلْمُقَدِّمَۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

مقدمہ تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر سے پہلے ضروری ہے کہ بطور مقدمہ چند اہم امور کو جان لیا جائے' اس لیے پہلے ہم وحی کی حقیقت' قرآن مجید کی تعریف' قرآن مجید کے فضائل' قرآن مجید کا اعجاز' قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجوہ' سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت کی تحقیق' مکی اور مدنی سورتوں کی بحث' قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کی سات قراءتوں کا بیان' اور قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد کا ذکر کریں گے' پھر تفسیر اور تاویل کی تعریف' تفسیر کے فضائل' تفسیر بالرائے کی تحقیق' امہات مآخذ تفسیر' شروط تفسیر' طبقات مفسرین اور بعض دیگر اہم امور کو بیان کریں گے۔ فنقول و باللّٰہ التوفیق و بہ الا ستعانة یلیق.

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے' لکھنے' اشارہ کرنے' کسی کو بھیجنے' الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۴ ص ۱۶۳' مطبوعہ موسسۃ مطبوعاتی' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ' لکھنا' مکتوب' رسالۃ' الہام' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرو اسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔

(قاموس ج ۴ ص ۵۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے' اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے' لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (الانعام: ۱۱۲)

اور اس طرح ہم نے سرکش انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور پر ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔

اور ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنی ہے خفیہ طریقہ سے خبر دینا' اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں' ازہری نے کہا ہے: اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ (مریم: ۱۱)

سو زکریا اپنی قوم کے سامنے (عبادت کے) حجرہ سے باہر نکلے پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی)

تسبیح کیا کروO

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ (الشوریٰ:۵۱)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے یا الہام کے ذریعہ یا خواب کے ذریعہ یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا' اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں' اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے' یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے' کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے' جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے' یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے' جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے اور کبھی کسی کے دکھائی دیے بغیر کلام سنا جاتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے' جیسے حدیث میں ہے: جبرئیل نے میرے دل میں بات ڈال دی' اس کو "نفث فی الروع" کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ (القصص:۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ O (النحل:۶۸)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈال دیا کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور ان چھپریوں میں گھر بنا جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیںO

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: نبوت منقطع ہو گئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(المفردات ص ۵۱۶۔۵۱۵ ملخصاً' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱۔۳۷۹' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ' قم' ایران)

علامہ بدرالدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنی یہ بیان کیا ہے:

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنی کو ڈالنا یہ الہام ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک' کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کرے گا' اس لیے عدل اور انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے' اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا' اس لیے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو' اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے' جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے' عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے' قیامت کے قائم ہونے' حشر و نشر اور جزا و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہی ہو گا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ برے کاموں اور بری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے' اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کیا کیا ہیں' اور وہ کس طرح ادا کی جائیں' وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء' کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے' لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ' آواز اور ذائقہ کو' اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں' لیکن کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے' مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے' کتنے ایام کے روزے فرض ہیں' زکوۃ کی کیا مقدار ہے اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے' غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے' اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی!

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح

حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے' اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے' اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے' اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا' مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا اور کہتا مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل کر دو۔ ایک شخص بہ زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو' اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو' لہٰذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الٰہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے' اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن' فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں' جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے' اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں' اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے' اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی' اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ اتصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور ''صلصلة الجرس'' (گھنٹی کی آواز) سے بھی

پہلی قسم مراد ہے' اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے' جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا' اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے' اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا اور وہ عظیم اور کبیر ہے' اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے' پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر کی جاتی ہے' اور یہ آپ کے لیے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لیے آسان تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لیے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسری طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہوسکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدرالدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر آثار صحیحہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطہ سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی' اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے "الروض الانف" (ج ۱ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳' مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنی القاء کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

کی شکل میں آئیں' حضرت دحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے' حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے' مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اصلی صورت میں آئے' اس صورت میں ان کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا' یا نیند میں ہم کلام ہو جیسے ''جامع ترمذی'' میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

(۷) اسرافیل علیہ السلام کی وحی' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرافیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے' اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے' پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا' اور ''مسند احمد'' میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرافیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے' اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے' پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا' دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا' البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے مختلط' محرف اور محو ہو جانے کے بعد دنیا میں قیامت تک وحی الٰہی صرف قرآن مجید کی صورت میں باقی اور محفوظ رہے' گزشتہ شریعتیں' شریعت مصطفوی کے بعد منسوخ ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان فرما دیا' اور دین اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان قرآن مجید ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں' انبیاء سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے' حلال اور حرام' عبادات اور معاملات' آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا بیان ہے' معاد جسمانی' حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے' اور انسان کی ہدایت کے لیے جس قدر امور کی ضرورت ہو سکتی ہے' ان سب کا قرآن مجید میں بیان ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (النحل: ۸۹)	اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے○

علماء اصول فقہ نے قرآن مجید کی یہ تعریف کی ہے:

قرآن مجید' اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا' یہ مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور ہم تک تواتر سے پہنچا ہے' اس کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہے اور اس کا اختتام سورۃ الناس پر ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ پر قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید الفاظ عربیہ میں ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا. (یوسف:۲) ہم نے اس کتاب کو بہ طور عربی قرآن نازل کیا۔

اسی طرح قراءات شاذہ جو تواتر سے منقول نہیں ہیں ان پر بھی قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں قرآن مجید کے پانچ اسماء ذکر کیے گئے ہیں: قرآن' فرقان' کتاب' ذکر اور نور' ان اسماء کا ذکر حسب ذیل آیات میں ہے:

إِنَّهٗ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ ۝ (الواقعہ:۷۸۔۷۷) بے شک یہ بہت معزز قرآن ہے ۝ محفوظ کتاب میں (موجود ہے)۝

بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ (البروج:۲۲۔۲۱) بلکہ وہ بہت معظم قرآن ہے ۝ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۝

قرآن مجید میں اٹھاون مرتبہ ''القرآن'' کا ذکر ہے' دس مرتبہ ''قرآن'' کا ذکر ہے اور دو مرتبہ ''قرانه'' کا بہ طور مصدر ذکر ہے۔ قرآن کا لفظ قراءت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پڑھنا اور چونکہ اس کو بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ نیز ''قرء'' کا معنی ہے جمع کرنا' اور چونکہ قرآن مجید میں سورتیں اور آیات مجتمع ہیں اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

فرقان کا ذکر اس آیت میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۝ (الفرقان:۱) بہت برکت والا ہے جس نے اپنے (محبوب) بندہ پر ''فرقان'' کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو ۝

فرقان' فرق سے ماخوذ ہے اور کیونکہ یہ کتاب حق اور باطل' ایمان اور کفر اور خیر اور شر کے درمیان فرق کرتی ہے' اس لیے اس کا نام فرقان ہے۔

کتاب کا ذکر ان آیات میں ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ. (البقرہ:۲) یہ عظیم کتاب (ہے) اس میں کوئی شک نہیں (ہے)۔

قَالُوا يٰقَوْمَنَآ إِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا أُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى. (الاحقاف:۳۰) جنوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔

کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے' اس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اس میں مختلف قصص' آیات اور احکام کو جمع کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام کتاب ہے۔

ذکر اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ ۝ (الحجر:۹) بے شک ہم ہی نے ''ذکر'' نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۝

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور چونکہ قرآن مجید میں بہت زیادہ نصیحتیں بیان کی گئی ہیں اس لیے اس کا نام ذکر ہے۔

نور کا ذکر اس آیت میں ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝ (النساء:۱۷۴) اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بیان کرنے والا

نور نازل کیا○

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے اور قرآن مجید بھی خود ظاہر ہے اور بہت سی اخبار' احکام اور اسرار کا مظہر ہے۔

مذکور الصدر اسماء کے علاوہ قرآن مجید کو مصحف بھی کہتے ہیں' مصحف کا معنی ہے جس میں صحیفوں کو جمع کیا گیا ہو اور صحیفہ چمڑی ٹکڑے یا کاغذ کے ورق کو کہتے ہیں۔ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد اس کا نام رکھنے کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا اور پھر اس کا نام مصحف رکھا۔

(غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۵ 'مطبوعہ مطبعہ کبری امیریہ بولاق' مصر' ۱۳۲۳ھ)

قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا' اس کے گھر میں ایک جانور تھا۔ اچانک وہ جانور بدکنے لگا' اس نے دیکھا کہ ایک بادل نے اس کو ڈھانپا ہوا ہے' اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اے شخص! پڑھتے رہو' یہ سکینہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت نازل ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو وہ معزز اور بزرگ فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے' اور جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان فتنوں سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کے لیے پیش گوئیاں ہیں اور یہ تمہارے درمیان حکم ہے' یہ (حق اور باطل کے درمیان) فیصل ہے' بے فائدہ نہیں ہے' جس متکبر نے اس کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا' جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو تلاش کیا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں رہنے دے گا' یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' یہ حکمت آمیز نصیحت ہے' یہ صراط مستقیم ہے' اس کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں آئے گی' کسی زبان کا کلام اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا' علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوں گے' بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی' اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے' جنوں نے جب اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا اور بے ساختہ کہا: بے شک ہم نے حیرت انگیز کلام سنا جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لے آئے۔ جس نے اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا' جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا گیا' جس نے اس کے مطابق حکم کیا اس نے عدل کیا' جس نے اس کی دعوت دی وہ

صراط مستقیم پر ہدایت یافتہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳۔ ۴۱۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے' اور میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے' بلکہ الف ایک حرف ہے' اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن پڑھنے والا آئے گا تو قرآن کہے گا: اے رب! اس کو مزین کر' تب اس کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا' پھر قرآن کہے گا: اے رب! اس کو اور مزین کر' تو اس کو عزت والے حلے پہنائے جائیں گے' پھر قرآن کہے گا: اے رب! اس سے راضی ہو جا' تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا' پھر اس شخص سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ میں قرآن نہ ہو وہ ویران گھر کی مانند ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں چڑھتا جا' اور جس طرح دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا' اسی طرح پڑھ' جہاں تو آخری آیت پڑھے گا وہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: علانیہ قرآن پڑھنے والا' علانیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پوشیدگی سے قرآن پڑھنے والا پوشیدگی سے صدقہ دینے والے کی مثل ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص قرآن پڑھنے میں مشغولیت کی وجہ سے میرا ذکر نہ کر سکا اور مجھ سے دعا نہ کر سکا' میں اس کو دعا کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماؤں گا' اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ ''الحمد لله رب العلمين'' پڑھتے' پھر ٹھہرتے' پھر ''الرحمن الرحيم'' پڑھتے' پھر ٹھہرتے' پھر ''مالك يوم الدين'' پڑھتے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کی مخلوق سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اہل قرآن' وہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۱۷ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو شخصوں میں حسد

(رشک) کرنا جائز ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ دن رات اس مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے' اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات قیام میں قرآن پڑھتا ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۷۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اس کے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرنے والا بنائے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن مجید پڑھانے کا حکم دیا اور اس پر برانگیختہ کیا' اور فرمایا: قیامت کے دن جب قرآن پڑھنے والے کے گھر والوں کو بہت سخت حاجت ہوگی تو قرآن ان کے پاس آئے گا اور مسلمان سے کہے گا مجھے پہچانتے ہو؟ وہ شخص کہے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گا: میں وہ ہوں جس سے تم محبت کرتے تھے اور اس سے جدائی کو ناپسند کرتے تھے' جو تم کو کھینچتا تھا اور تم کو قریب کرتا تھا' وہ شخص کہے گا: شاید تم قرآن ہو' پھر قرآن اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جائے گا' اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوگا اور بائیں طرف جنت ہوگی' اس کے سر کے اوپر سکینہ کو رکھا جائے گا' اور اس کے ماں باپ کو تمام دنیا سے قیمتی حلے دیئے جائیں گے' وہ کہیں گے کہ ہمارے اعمال تو اس انعام کے لائق نہیں' یہ کس چیز کا صلہ ہیں؟ قرآن کہے گا: یہ تمہارے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز متروک راوی ہے اور ہشیم نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے ہیں اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۰' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بزرگ لوگ حاملین قرآن ہیں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سعد بن سعید ضعیف راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جس شخص نے سبحان اللہ العظیم کہا اس کے لیے جنت میں ایک پودا اگایا جاتا ہے اور جس نے پورا قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں زبان بن فائد ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱-۱۶۲' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو قصداً سنا' اس کے لیے ایک نیکی کو دگنا کر کے لکھا جائے گا اور جس نے اس کو تلاوت کیا وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں عباد بن میسرہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والا جب قرآن کے حلال کو حلال قرار دے اور اس کے حرام کو حرام قرار دے تو وہ اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جعفر بن حارث ضعیف

راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے وہ غور کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص علم کا ارادہ کرے وہ قرآن میں غور کرے کیونکہ اس میں اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

عثمان بن عبداللہ بن اوس اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصحف میں دیکھے بغیر قرآن پڑھنے کا ہزار درجہ اجر ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا دو ہزار درجہ اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں ابوسعید بن عون ہے' ابن معین سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک روایت میں اس کی تضعیف کی ہے اور دوسری میں اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن پڑھایا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے اس کو زبانی قرآن پڑھایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسی صورت میں اٹھائے گا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھو اور جب بھی وہ ایک آیت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا ایک درجہ بلند کر دے گا' حتیٰ کہ اس کا بیٹا وہ تمام قرآن پڑھ لے گا جو اس کو یاد ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے ایک روای کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶۔ ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی اپنے بچے کو دنیا میں قرآن کی تعلیم دیتا ہے اس کو قیامت کے دن جنت میں تاج پہنایا جائے گا' جس کو تمام جنت والے پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں اس کے بیٹے کو قرآن پڑھانے کی وجہ سے پہنایا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں جابر بن سلیم ہے' جس کو ازدی نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶۔ ۱۶۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں قرآن پڑھا جائے اس میں بہت خیر ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اس میں کم خیر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عمرو بن نبہان ضعیف روای ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی 'بیروت' ۱۴۰۲ھ)

قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام' آداب اور بعض ضروری مسائل

جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اپنے منہ کو ہر قسم کی بدبو سے اچھی طرح صاف کرلے' خاص طور پر تمباکو نوشی کرنے والے' نسوار ڈالنے والے اور کچا لہسن اور پیاز کھانے والوں کو کسی اچھی پیسٹ سے منہ صاف کرنا چاہیے اور منہ میں الائچی وغیرہ رکھنی چاہیے اور دیگر عطریات کی خوشبو لگانی چاہیے کیونکہ فرشتے تلاوت قرآن کے دوران حاضر ہوتے ہیں اور بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے' اور خوشبو سے راحت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت باوضو کرنا مستحب ہے' اور اگر قرآن مجید کو چھوئے بغیر زبانی بے وضو پڑھا جائے تو جائز ہے' اس پر

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں' تاہم یہ خلاف مستحب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے تلاوت کرے' جس عورت کو حیض نہ ہو صرف استحاضہ کا خون جاری ہو وہ بے وضو کے حکم میں ہے' وہ نماز کے کسی ایک وقت کے شروع میں وضو کر لے تو دوسرے وقت کے شروع ہونے تک اس کا وضو رہے گا بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے' جنبی اور حائض کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا حرام ہے' خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم ہو' البتہ جنبی اور حائض بغیر تلفظ کے دل میں قرآن مجید کو پڑھ سکتے ہیں' البتہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تسبیح' تہلیل' تحمید' درود شریف اور دیگر تمام اذکار اور وظائف جنبی اور حائض پڑھ سکتے ہیں اور اگر تلاوت قرآن کا قصد نہ ہو تو بطور دعا قرآن مجید کی آیات بھی پڑھ سکتے ہیں مثلاً بہ طور شکر "الحمد لله رب العلمين" پڑھ سکتے ہیں۔ سواری پر بیٹھتے وقت "سبحان الذی سخر لنا هذا" والی آیت اور مصیبت کے وقت "انا لله وانا اليه راجعون" پڑھ سکتے ہیں' لیکن یہ بھی خلاف مستحب اور خلاف افضل ہے۔

کسی پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ مسجد میں تلاوت کرنا بہت عمدہ ہے' اسی طرح اعتکاف میں اور جب بھی انسان مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے' اگر مسجد میں تنہا ہو تو متوسط بلند آواز سے تلاوت کرے اور اگر اور لوگ بھی تلاوت کر رہے ہوں' یا دوسرے لوگ نماز اور اذکار میں مشغول ہوں تو پھر آہستہ تلاوت کرے تاکہ کسی کی تلاوت اور عبادت میں خلل نہ پڑے' نیز سر ڈھانپ کر سکون' خضوع' خشوع' وقار اور ادب کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تلاوت کرے۔ حدیث میں ہے کہ بہترین نشست وہ ہے جس میں منہ قبلہ کی طرف ہو۔ امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حمام میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے۔ ابو میسرہ سے روایت ہے کہ پاک جگہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے' آج کل لوگ اٹیچ باتھ میں وضو کرتے ہیں' بسم اللہ اور وضو کی دعائیں اس جگہ پڑھنی نہیں چاہئیں اور کسی بھی مہان' مبتذل اور غیر محترم جگہ پر قرآن مجید پڑھنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اجتناب کیا جائے۔

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے "اعوذ بالله من الشيطن الرجيم" پڑھے' اور قرآن مجید کی آیات کے معانی میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرے' جس آیت میں ذوق و شوق اور وجد آئے اس کو بار بار دہرائے' کیونکہ امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات صبح تک اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے تو' تو بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے ۝

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷۔ ۱۵۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات صبح تک آپ اس آیت کو دہراتے رہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے' وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ۝

اسی طرح صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے منقول ہے کہ انہوں نے تلاوت کے دوران بعض آیات کو بار بار پڑھا۔

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے یا تلاوت کو سنتے ہوئے‘ جب اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب‘ اس کی گرفت اور اس کے عذاب کی آیات سے گزریں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۹۔۱۰۷)

بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا‘ جب ان پر اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں ۝ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ہر عیب سے) پاک ہے‘ بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے ۝ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے (دلوں میں) خوف خدا کو اور زیادہ کرتا ہے ۝

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھتے ہوئے روؤ‘ اگر رونا نہ آئے تو کوشش کر کے روؤ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۵ ‘مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی)

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس قدر روتے تھے کہ مشرکوں کی عورتیں بھی ان کا گریہ سن کر متاثر ہوتی تھیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۷‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ) اسی طرح بہ کثرت صحابہ اور تابعین سے تلاوت قرآن کے دوران رونا منقول ہے۔

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جلدی جلدی پورا قرآن پڑھنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ صرف ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھ لی جائے‘ قرآن مجید میں ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (المزمل: ۴) قرآن مجید آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے ۝

مجاہد سے روایت ہے کہ ہمیں جلدی جلدی قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترتا‘ لیکن جب قرآن مجید دل میں ٹھہر کر جم جائے تو نفع دیتا ہے۔ ترتیل کے ساتھ پڑھنے میں قرآن کی زیادہ توقیر اور احترام ہے اور اس کی دل میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۴‘ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ھ)

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور مغفرت کا سوال کرے‘ اور جب عذاب کی آیت کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کرے‘ جب کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا ذکر ہو تو سبحان اللہ کہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں‘ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (نفلی) نماز میں کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو اس کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور جب اللہ کی عظمت کی آیت پڑھتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۶‘ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا ذکر ہو تو دعا کرے کہ اللہ ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ اسی طرح جنت کے ذکر پر جنت کا سوال کرے اور دوزخ کے ذکر پر دوزخ سے پناہ مانگے۔ جب یہ آیت پڑھے: ’’الیس اللّٰہ باحکم الحاکمین‘‘ تو کہے: ’’بلٰی وانا علٰی ذالک من الشاھدین‘‘ جب ’’فبای الاء ربکما تکذبان‘‘ پڑھے یا ’’فبای حدیث بعدہ یومنون‘‘ پڑھے تو کہے: ’’امنت باللّٰہ‘‘ جب ’’الیس ذالک بقادر علٰی ان یحیی الموتٰی‘‘ پڑھے تو کہے: ’’بلٰی‘‘۔ (سنن ابوداؤد‘ جامع ترمذی) امام شافعی کے نزدیک نماز میں بھی اس طرح دعا کرنا اور جواب دینا مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا

استحباب فرض نماز کے غیر میں ہے' فرض نماز میں اس طرح کرنا مکروہ ہے' البتہ نفلی نمازوں میں جائز ہے اور ''سنن ابن ماجہ'' میں نفلی نماز کی تصریح ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے دوران اس کا مکمل احترام ملحوظ رکھے' اس دوران باتیں نہ کرے ہنسنے سے گریز کرے الا یہ کہ کوئی ناگزیر بات کرنی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۴)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ○

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تک وہ اپنے ارادہ کے مطابق قراءت نہیں کر لیتے تھے کسی سے بات نہیں کرتے تھے' اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سے فارغ ہونے سے پہلے بات نہیں کرتے تھے۔

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے متعلق فقہاء احناف کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کا سننا مطلقاً واجب ہے' خواہ نماز میں سنے یا خارج از نماز میں' کیونکہ یہ آیت اگرچہ نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہوتا' لیکن یہ اس وقت واجب ہے جب کوئی عذر نہ ہو' ''قنیہ'' میں مذکور ہے کہ گھر میں بچہ قرآن کریم پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہیں' بہ شرطیکہ انہوں نے کام پہلے شروع کیا ہو ورنہ نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے دوران فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا حکم ہے' ''فتح القدیر'' میں ''خلاصہ'' سے منقول ہے کہ کوئی شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر کوئی شخص قرآن پڑھنا شروع کر دے اور اس کے لیے قرآن مجید کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ پڑھنے والے پر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص چھت پر قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گنہ گار ہوگا' کیونکہ وہی شخص ان کے استماع سے اعراض کا سبب بنا ہے' کیونکہ وہ ان کو جگا کر ایذاء پہنچا رہا ہے اور شرح المنیۃ میں مذکور ہے کہ اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے' کیونکہ قرآن مجید پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض لوگوں کے خاموش ہونے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کا جواب دینا اس مسلمان کے حق کی رعایت کی وجہ سے واجب ہے اور بعض لوگوں کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے' اور باقی تمام لوگوں سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے' ہاں! قرآن مجید پڑھنے والے پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے' بایں طور کہ بازاروں میں قرآن نہ پڑھے' نہ ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں' اگر اس نے ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھا تو وہی شخص قرآن مجید کے احترام کو ضائع کرنے والا ہوگا' نہ کہ مصروف اور مشغول لوگ تاکہ لوگ حرج میں مبتلا نہ ہوں۔ علامہ حموی نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ منقاری زادہ سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں مائیک پر تراویح اور شبینے پڑھتے ہیں اور باہر کے اسپیکروں کو کھول دیتے ہیں جس سے محلوں اور بازاروں میں دور دور تک قرآن مجید کی آواز جاتی ہے اور لوگ اپنی مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید نہیں سن سکتے اور یوں قرآن مجید کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس کا گناہ ان پر ہوتا ہے جو مسجد کے باہر کے اسپیکر چلاتے ہیں' اس لیے واجب ہے کہ صرف مسجد کے اندر کے اسپیکروں کو چلایا جائے اور ان کی آواز بھی اتنی اونچی نہ کی جائے جس سے مسجد کے باہر آواز جائے۔

تلاوت کے دوران صرف قرآن مجید پر نظر رکھنی چاہیے' ادھر ادھر نہ دیکھے خاص طور پر اجنبی عورتوں اور خوبصورت اور بے ریش لڑکوں کی طرف نہ دیکھے کیونکہ خوبصورت بے ریش لڑکے بھی عورتوں کے حکم میں ہیں اور عورتوں کی بہ نسبت ان سے قضاء شہوت زیادہ سہل ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۷۳' مطبعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ) البتہ خرید و فروخت' علاج معالجہ اور تعلیم کے وقت بہ قدر ضرورت ان کی طرف دیکھنا جائز ہے' ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف نہ دیکھے اور یہ حکم صرف بے ریش لڑکے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی اس کی شہوت کا محل ہو' مرد ہو یا عورت اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

قرآن مجید کو مصحف کی ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہیے مثلاً پہلے سورۂ فاتحہ' پھر سورۂ بقرہ' امام طبرانی' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہیں بتایا گیا کہ ایک شخص الٹی قراءت کرتا ہے' فرمایا: اس کا دل الٹا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۸) اس لیے کسی سورت کے آخر سے شروع تک الٹا پڑھنا سخت ممنوع ہے' البتہ بچوں کو تعلیم کے لیے آخری پارہ کی آخری سورتوں سے حفظ کی ابتداء کرانا جائز ہے۔ قرآن مجید کو مصحف سے دیکھ کر پڑھنا' زبانی پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف میں دیکھنا بھی عبادت مقصودہ ہے لیکن اگر کسی شخص کا خضوع اور خشوع اور تدبر اور تفکر زبانی پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے تو اس کو زبانی پڑھنا افضل ہے' امام طبرانی نے حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر مصحف کے پڑھنے کے ہزار درجات ہیں اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کے دو ہزار درجات ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵) بعض صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا افضل ہے اور بعض صورتوں میں بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے' آہستہ پڑھنا خدشہ ریا سے مامون ہے' اور جب یہ خطرہ نہ ہو تو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے' کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے' اور اس سے پڑھنے والے کا دل بیدار اور اس کا ذہن متوجہ رہتا ہے' اور اس کو سننے کا ثواب بھی ملتا ہے' اس کی نیند دور ہوتی ہے اور اس کی تروتازگی زیادہ ہوتی ہے اور وہ غافلوں کو متنبہ کرتا ہے لیکن یہ فضیلت اس وقت ہے جب اس کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے کسی کی نیند' آرام' عبادت اور کام میں حرج اور خلل نہ ہو' قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرہما نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو مزین کرو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۷)

البتہ قرآن مجید کو سازوں اور دھنوں کے تابع کر کے نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ اس طرح کہ صیغہ بدل جائے یا لفظ حدود قراءت سے نکل جائے' جن فقہاء کرام نے قرآن مجید کو تغنی کے ساتھ پڑھنے سے منع کیا ہے اس کا یہی محمل ہے۔

قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً مستحب ہے مگر بعض احوال میں مکروہ ہے۔ نماز کے رکوع' سجود اور تشہد میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' امام کے پیچھے قیام میں بھی قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' بیت الخلاء اور حمام میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' اونگھتے ہوئے اور جمعہ کے خطبہ کے وقت نمازیوں کا قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ حالت طواف میں قرآن مجید پڑھنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بہت زیادہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' ایک یا دو آیتیں زیادہ ہوں تو حرج نہیں۔ اسی طرح نماز میں اتنی زیادہ قراءت کرنا جو مقتدیوں پر گراں اور دشوار ہو یہ بھی مکروہ ہے یا کسی ایک سورت کو معین کر لینا اور دوسری سورت پڑھنے کو ناجائز سمجھنا یہ بھی مکروہ ہے۔

جب کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس دوران کوئی بزرگ عالم دین' یا اس کا والد یا اس کا استاد آجائے تو اس کے احترام اور اکرام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۲۲' مطبوعہ مطبع کبریٰ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ) اکرام اور تعظیم کے لیے قیام کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب اور فقہاء تابعین اور علماء صالحین سے ثابت ہے' بہ شرطیکہ

اس میں ریا اور دنیاوی غرض نہ ہو۔

جب کوئی شخص چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس کا کسی قوم پر گزر ہو تو قراءت منقطع کر کے ان کو سلام کرے اور پھر سے قراءت شروع کر دے' اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے والے کے پاس آئے تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو سلام نہ کرے' اگر اس نے سلام کر دیا تو قاری اشارہ سے جواب دے اور اگر اس نے زبان سے جواب دیا تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ لے اور اگر قرآن کریم پڑھنے کے دوران چھینک آئے تو الحمد للہ کہنا مستحب ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کو ایک ماہ میں ختم کیا جائے اور سات دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کو نماز میں ختم کرنا مستحب ہے یا سنت فجر میں ختم کرے' اور اگر غیر نماز میں ختم کرے تو دن یا رات کے اول حصہ میں ختم کرے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا کرتے' بعض احادیث صحیحہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے' اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے' اس وقت اپنے اہم کاموں اور عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ قرآن مجید کی یا مصحف کی تخفیف کرنا' یا اس کی تکذیب کرنا' یا اس کے کسی حرف پر انکار کرنا یا اس میں قصداً کسی حکم کو کم کرنا یا زیادہ کرنا یا تحریف کرنا کفر ہے' اور بغیر علم کے قرآن مجید کے معنی بیان کرنا یا اس کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ امام ابوداؤد' حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کی اگرچہ وہ صحیح ہو پھر بھی اس نے خطا کی۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸) قرآن مجید یاد کر کے اس کو بھول جانا سخت گناہ ہے۔ امام ابوداؤد' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھ کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۷) امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ یہ کہے کہ فلاں فلاں آیت نے مجھے بھلا دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳) قرآن مجید پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔ امام بخاری' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سورہ اخلاص' سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرتے' پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے سر اور اپنے چہرے پر اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

تفسیر کی کتابیں مصحف کی مثل ہیں (قرآن مجید کی طرح ان کو بھی بلاوضو چھونا جائز نہیں ہے) باقی دیگر شرعی کتابوں کا یہ حکم نہیں ہے اور ماسوا تفسیر کے باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے" "درر" میں "مجمع الفتاویٰ" سے اسی طرح منقول ہے۔ "سراج" میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ باقی شرعی کتابوں کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگائے' لیکن "اشباہ" میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہمارے اصحاب نے بے وضو تفسیر کی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے یہ فرق نہیں کیا کہ اس کتاب میں اکثر حصہ تفسیر کا ہو یا قرآن مجید کا اور اگر وہ یہ فرق کرتے تو بہتر تھا۔

(درمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۱۱۸-۱۱۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) بے وضو کے لیے مصحف (قرآن کریم) کو ہاتھ لگانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اسی طرح احادیث اور کتب فقہ کو بھی بے وضو کا ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) ''شرح المنیہ'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اور کتب فقہ میں جو قرآن مجید کی آیات ہیں وہ بہ منزلہ تابع ہیں اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مس کرنے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن مجید کو مس کر رہا ہے۔

(۲) علامہ ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں کہا ہے کہ تفسیر' حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کتابیں قرآن مجید کی آیات سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس قول کے مطابق نحو کی شروحات کو بھی بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہوگا کیونکہ ان میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں (بلکہ بعض منطق کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں)۔

(۳) ''النہر الفائق'' میں مذکور ہے کہ جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات زیادہ ہوں ان کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ ہے اور جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کم ہوں ان کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار اکثر اور اغلب کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر کتب تفسیر کو بے وضو چھونا مکروہ ہوگا اور باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہوگا' اور ان کتابوں میں بھی جس جگہ قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں وہاں بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

علامہ شامی نے اس تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کو بالقصد لکھا جاتا ہے بالتبع نہیں لکھا جاتا اس لیے یہ مصحف کے مشابہ ہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۱۹۔۱۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قرآن مجید کا اعجاز

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النساء: ۸۲)

تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے ○

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (الشعراء: ۱۹۵۔۱۹۲)

اور بے شک وہ (قرآن) رب العٰلمین کا نازل کیا ہوا ہے ○ جسے جبرئیل نے نازل کیا ○ آپ کے قلب پر تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ○ واضح عربی زبان میں ○

قرآن مجید معجز کلام ہے' اور تمام جن و انس مل کر بھی اس کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی نظیر نہیں لا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ. (بنی اسرائیل: ۸۸)

آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔

نیز فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑ لیا ہے' آپ فرما دیجیے کہ پھر تم اس کی مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ

صٰدِقِیْنَ ○ (ھود: ١٣) اور اپنی مدد کے لیے اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو! اگر تم سچے ہو ○

اور فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔ (البقرہ: ٢٣) اگر تم کو (اس کلام کے کلام ربانی ہونے میں) شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ؕ (الطور: ٣٤) انہیں چاہیے کہ وہ اس کی مثل کوئی بات (آیت) لے آئیں اگر وہ سچے ہیں ○

عدیم النظیر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور دن بہ دن دنیا میں علوم وفنون کی ترقی ہو رہی ہے' اور اسلام کے مخالفین اور منکرین بھی بہت زیادہ ہیں' اس کے باوجود آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثال نہیں لا سکا' اگر کسی شخص کی قدرت میں اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثال لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لا چکا ہوتا۔ قرآن مجید کی ہر سورت بلکہ ہر آیت ایک چیلنج ہے اور اس کی ہر آیت معجز ہے اور اس کی ہر آیت قرآن کریم کی صداقت' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی روشن دلیل ہے۔

قرآن مجید کے معجز ہونے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ چودہ سو سال سے لے کر آج تک کوئی اس کی نظیر اور مثال نہیں لا سکا۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں صرف مواعظ (نصیحتیں) بیان کی ہیں' اور زبور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء ہے اور انجیل میں صرف مثالیں بیان کی ہیں' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل کی ہے اس میں مواعظ' حمد وثناء اور تمثیلات بھی ہیں اور وہ تمام خصوصیات ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں اور ان میں مستزاد یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے اصول اور احکام بیان کیے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے نظام حیات کے لیے کافی اور وافی ہیں۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں ان کی عبارت ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء حیران و ششدر رہ گئے اور ان کو یہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں' اللہ وحدہٗ لاشریک کا کلام ہے۔

قرآن مجید کے مضامین میں توحید ورسالت ہے' ہدایت ہے' ترغیب وترہیب ہے' وعد اور وعید ہے' امر اور زجر ہے' قصص ہیں' دلائل اور براہین ہیں' مثالیں ہیں' حقائق کائنات ہیں اور ان کے اسرار ہیں' ماضی اور مستقبل کے واقعات ہیں' غیب کی خبریں ہیں اور بہ کثرت پیش گوئیاں ہیں جو حرف بہ حرف صادق ہوئیں اور مسلسل صادق ہو رہی ہیں۔

قرآن مجید کے مضامین جس نظم اور عبارت میں بیان کیے گئے ہیں ان کے معجز ہونے کا اور انسان کی قدرت کے قاصر ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ انسان جب ایک خطبہ یا قصیدہ لکھتا ہے تو وہ اس میں اپنی تمام صلاحیت بروئے کار لاتا ہے' پھر اس میں مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور کئی لفظ حذف کرتا ہے' کئی جملے تبدیل کرتا ہے' لکھتا ہے' مٹاتا

ہے' پھر تصحیح درتصحیح کرتا ہے' پھر کسی اور شخص کو دکھاتا ہے اور وہ اس میں طبع آزمائی کرتا ہے اور اس کی تنقیح کرتا ہے اور اس میں غور وفکر کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے' پھر بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں اب کوئی لفظ تبدیل نہیں کیا جاسکتا یا کوئی جملہ حذف نہیں کیا جاسکتا' اور قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا چاہیں تو تمام لغت عرب کو چھاننے کے بعد بھی اس لفظ کا متبادل نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام معجز ہے اور انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر غور وفکر کے فی البدیہہ یہ کلام پیش کیا جبکہ آپ امی تھے' کسی مکتب میں لکھنے پڑھنے کبھی نہیں گئے تھے اور یہ ایسا کلام ہے کہ اس کی ہر آیت میں اعجاز ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

کفار عرب میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کو جب پہلی بار سنا تو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا اور فوراً مسلمان ہو گئے' اور بعض نے اس کے اعجاز کو جانا لیکن عناداً کفر کیا' کسی نے کہا: یہ شعر ہے' کسی نے کہا: کہانت (جنوں کا کلام) ہے' کسی نے کہا: یہ سحر ہے۔ جن لوگوں نے قرآن مجید کو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو سورۃ طٰہٰ کی چند آیات سنتے ہی ہادی اسلام کی دہلیز پر قبول اسلام کے لیے جا پہنچے' اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں جو حٰم السجدہ کی ابتدائی چند آیات سنتے ہی مسلمان ہو گئے' اور جو قرآن مجید کے اعجاز کا ادراک کرنے کے باوجود کفر پر قائم رہے ان میں سے عتبہ ہے' اور ولید بن مغیرہ ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی نے بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے بنو مخزوم سے کہا: میں نے ابھی ابھی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ جن کا' اس کلام میں شہد کی شیرینی ہے اور سمندروں کی روانی ہے' اس کی بلندی ثمر آور ہے اور اس کی گہرائی چشموں کا منبع ہے' یہ کلام سب کلاموں پر فائق اور غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اس کے باوجود وہ نفسانیت اور حسد سے مغلوب ہو گیا اور یہ کہہ کر ایمان نہیں لایا:

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ (المدثر: ۲۵-۲۴)

پس اس نے کہا: یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے ۝ یہ محض بشر ہی کا قول ہے ۝

(البحر المحیط ج ۱ ص ۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

کمی اور زیادتی نہ ہو سکنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم میں سے کسی لفظ کو کم کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی لفظ کو زیادہ کیا جاسکتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۝

اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کا محافظ ہے اس لیے اس میں کوئی سورت بلکہ کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس چیلنج کو چودہ صدیاں گزر گئیں اور اسلام کا کٹر سے کٹر مخالف بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید میں فلاں سورت یا فلاں آیت یا فلاں لفظ کم ہو گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حٰم السجدۃ: ۴۲-۴۱)

اور بے شک یہ قرآن بہت معزز کتاب ہے ۝ باطل (غیر قرآن) اس میں سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی لفظ کو بڑھایا نہیں جاسکتا اور چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور کوئی بڑے

سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں تحریف ہو گئی' اور پہلے قرآن مجید میں یہ لفظ نہیں تھا اور اس کو بعد میں ملایا گیا' اور قرآن مجید میں کسی لفظ کے کم نہ ہو سکنے اور زیادہ نہ ہو سکنے کے ان دونوں دعووں کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔

پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرہ: ۹۵-۹۴)

آپ کہیے: اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت' لوگوں کے سوا صرف تمہارے لیے مخصوص ہے' تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ○ اور جو کام وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے ○

اس آیت میں قرآن نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے' یہودی قرآن کے منکر اور مخالف تھے' ان کو چاہیے تھا کہ وہ اسلام اور قرآن کی تکذیب کے لیے موت کی تمنا کرتے' لیکن وہ موت کی تمنا نہ کر سکے اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے کہ قرآن نے مخالفین کے دلوں کے متعلق پیش گوئی کی اور وہ قرآن مجید کی پیش گوئی کے خلاف دل میں خیال تک نہ لا سکے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ (البقرہ: ۱۴۲)

اب یہ جاہل لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے) تھے اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔

اس آیت میں قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق یہ پیش گوئی کی ہے کہ وہ ضرور تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے' یہودی جو قرآن کے منکر اور مخالف تھے ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس پر کوئی اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ دیکھو قرآن جھوٹا ہو گیا۔ قرآن نے کہا تھا کہ یہ تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے اور ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہوا وہی جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی' قرآن مجید نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ یہ فلاں بات کہیں گے اور انہوں نے وہی بات کہی اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہو گیا' اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ مخالفین کی زبانوں اور ان کے دلوں کے ذریعہ قرآن مجید کی تصدیق ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ۴۳)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد رجم ہے' یعنی شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ تورات میں یہ حکم موجود ہے' یہود آئے دن تورات میں تحریف کرتے رہتے ہیں' اگر وہ چاہتے یا چاہیں تو تورات سے رجم کا حکم نکال دیں' اور پھر کہیں کہ دیکھو قرآن نے کہا تھا کہ تورات میں رجم کا حکم ہے' حالانکہ اس میں یہ حکم نہیں ہے' کتنی صدیاں گزر گئیں تورات میں کتنی تبدیلی اور تحریف ہوئی اور کتنی آیتیں نکال دی گئیں لیکن رجم کی آیت تورات میں ہر دور میں موجود رہی اور یہ قرآن مجید کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے۔

تورات کی حسب ذیل آیات میں رجم کا حکم موجود ہے:

پر اگر یہ بات سچی ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ (استثناء: باب ۲۲' آیت: ۲۱۔۲۰)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء: باب ۲۲' آیت: ۲۴۔۲۳)

یوحنا کی انجیل میں بھی تورات کے حوالے سے رجم کا حکم موجود ہے: (یوحنا: باب ۸' آیت: ۵)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ سو آج ہم تیرے (بے روح) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو (یونس: ۹۲) اپنے بعد والوں کے لیے (عبرت) کا نشان ہو جائے۔

جب فرعون سمندر میں غرق ہو گیا تو چاہیے تھا کہ فطرت کے عادی نظام کے مطابق سمندر کی موجیں اسے دور کہیں بہا کر لے جاتیں اور سمندر کا کھارا پانی اس کے گوشت اور پوست کو گلا دیتا اور سمندری جانور اس کو کھا لیتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو باقی رکھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ خدائی کے دعوے دار کا کیا انجام ہے' سو سمندر کی موجوں نے اس کے بے جان جسم کو ایک ٹیلہ پر پھینک دیا' یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے' اس کی لاش کو دیکھ کر بنو اسرائیل کو بھی اس کی موت کا یقین ہو گیا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس میں اللہ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ مصر کے عجائب گھر میں اس کی لاش آج بھی محفوظ ہے اور ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق ہے کہ یہی وہ فرعون (رعمیس ثانی یا منفتاح دوم) ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ہرچند کہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے اس کا جسم باقی اور محفوظ رہے گا اور بہ طور نشان عبرت قائم رہے گا لیکن قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ وہ فرعون کے (بے جان) جسم کو بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دے گا۔ یہ فرعون ۱۲۶۳ قبل مسیح میں غرق ہوا (اردو دائرۃ المعارف ج ۱۵ ص ۲۷۵) اور یہ ۱۹۹۶ء ہے اور اس کی موت کو اب تین ہزار دو سو انسٹھ سال گزر چکے ہیں اور اس کا جسم اب بھی مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہ اب بھی عبرت کا نشان ہے۔ مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی اور بہ ظاہر ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ فرعون کی لاش کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیتے لیکن یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ اس نے مخالفین اسلام اور دشمنان قرآن کے ہاتھوں بھی فرعون کی لاش کی حفاظت کرائی اور قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق وہ آج بھی بعد والی نسلوں کے لیے عبرت بنا ہوا ہے۔

حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۳۳) اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' (سورج اور چاند) ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے ۝

نیز فرمایا:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (الرعد: ۲، الفاطر: ۱۳)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے سورج اور چاند کو ایک نظام کا پابند کیا' (ان میں سے) ہر ایک مقرر میعاد تک چل رہا ہے۔

اور فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ؕ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس: ۴۰-۳۸)

اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے' یہ زبردست علیم ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے ۝ اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کردی ہیں حتیٰ کہ وہ ان سے گزرتا ہوا کھجور کی پرانی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے ۝ نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے' اور ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے ۝

قدیم فلسفیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور چاند اور سورج او دیگر کواکب سیارہ حرکت کر رہے ہیں' اس کے بعد سائنس دانوں نے یہ کہا کہ زمین متحرک ہے اور چاند سورج وغیرہ ستارے ساکن ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے چالیس سال پہلے میں نے ایک سائنس کے طالب علم سے کہا کہ قرآن میں ہے: سورج اور چاند متحرک ہیں تو اس نے کہا: یہ غلط ہے' سورج اور چاند ساکن ہیں۔ میرا اس وقت بھی یہی ایمان تھا کہ صحیح وہی ہے جو قرآن نے کہا ہے اور اب سائنس دانوں نے آلات رصدیہ سے مشاہدہ کر کے یہ تحقیق کرلی ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور چاند اور سورج بھی متحرک ہیں۔ جس حقیقت کو سائنس دانوں نے برسہا برس کے مشاہدات' تجربوں اور تحقیق سے پایا اب سے چودہ سو سال پہلے ایک امی نبی نے بغیر کسی رصدگاہ کے یہ بتایا کہ سورج اور چاند دونوں حرکت کر رہے ہیں اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے' زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آجاتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ اس سے چھپا رہتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا چودہ سو سال بعد سائنس نے اس کی تصدیق کردی ہے' کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ فرمایا تھا یہ کسی انسان کا کلام نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی تھی اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا چودہ سو سال بعد علم اور سائنس نے اس کی حرف بہ حرف تصدیق کردی۔

نیز قرآن مجید نے فرمایا:

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ (الزمر: ۶)

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں میں تم کو پیدا کرتا ہے' ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش۔

جس وقت علم تشریح الاعضاء کی ابتداء نہیں ہوئی تھی اس وقت قرآن مجید نے یہ بتایا تھا کہ رحم کے اندر تین تاریکیوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے اور جدید میڈیکل سائنس نے اب انکشاف کیا ہے کہ رحم کے اندر تین پردوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۲۰-۱۹)

اس نے (تلخ اور شیریں) دو سمندر رواں کردیئے' جو ایک دوسرے سے (بہ ظاہر) ملے ہوئے ہیں ۝ ان کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے ۝

حاتم دیالا نے لکھا ہے کہ فرانسیسی سائنس دان کوسٹیو (COSTEAU) جو سمندری تحقیقات میں عالمی شہرت رکھتے ہیں' نے یہ دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس' کیمیادی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اور ان کے ملنے کے مقام پر بھی یہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے' اور جبل الطارق (جبرالٹر) کی باڑھ دونوں کو الگ کرتی ہے' اس تحقیق کے بعد جب کوسٹیو کو ان قرآنی آیات کا علم ہوا تو وہ قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قرآن کریم کا معجز ہونا دس اعتبار سے ہے:

(۱) قرآن مجید ایسی حسین نظم اور عبارت میں نازل ہوا ہے جو بالکل منفرد ہے' اس سے پہلے زبان عرب میں اس کی کوئی مثال تھی نہ کسی اور زبان میں' کیونکہ اس سے پہلے اصناف کلام میں' یا شعر تھا' یا کہانت (جنوں کا کلام) تھی یا سحر تھا' صحیح مسلم میں ہے' حضرت ابوذر کے بھائی حضرت انیس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: مکہ میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تمہارے دین پر ہے' ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اللہ نے رسول بنایا ہے' میں نے پوچھا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: لوگ ان کو شاعر' کاہن اور ساحر کہتے ہیں' حضرت انیس خود شاعر تھے' انہوں نے کہا: بہ خدا میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ کاہنوں کا قول نہیں ہے' اور میں نے اس کلام کا شعر کی تمام اصناف اور اقسام سے تقابل کر کے دیکھا' یہ شعر نہیں ہے' بہ خدا! وہ سچے ہیں اور لوگ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں:

حٰمٓ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (حم السجدۃ: ۴۔۱)

حم ۝ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے' جو نہایت رحم کرنے والا اور بے حد رحیم ہے ۝ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں' درآں حالیکہ یہ عربی قرآن (عربی میں پڑھا جاتا ہے) علم والے لوگوں کے لیے ۝ خوشخبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے' سو اکثر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیر لیا تو وہ نہیں سنتے ۝

تو عتبہ بن ربیعہ نے ان آیات کو سن کر کہا کہ یہ جادو ہے نہ شعر ہے اور اس نے کہا: اس نے فصاحت اور بلاغت میں قرآن کی طرح کوئی اور کلام نہیں سنا' اور اس نے قرآن مجید کے معجز ہونے کا اقرار کر لیا۔

(۲) قرآن مجید کا اسلوب کلام عرب کے تمام اسالیب سے مختلف ہے۔

(۳) قرآن مجید کے خطاب میں ایسی جلالت اور عظمت ہے جو کسی اور خطاب میں متصور نہیں ہے' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ (ق: ۳۔۱)

قٓ قرآن کریم کی قسم ۝ بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا تو کافروں نے کہا: یہ عجیب بات ہے ۝ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ لوٹنا تو فہم سے بعید ہے ۝

نیز فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن:۱۶) آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی ہے جو واحد ہے سب پر غالب ہے ○

ابن الحصاء نے کہا: یہ حسین نظم منفرد اسلوب اور جلالت خطاب ہر سورت بلکہ ہر آیت میں لازم ہیں اور ان تین اوصاف سے قرآن مجید کی ہر سورت تمام انسانوں کے کلام سے متمیز ہے اور انہی اوصاف کے ساتھ قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور ہر سورت میں یہ تین اوصاف الگ الگ اطوار سے بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ کوثر قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے اس میں بھی یہ تینوں امور بہ طریق اتم موجود ہیں اور اس میں غیب کی خبریں بھی ہیں ایک خبر یہ ہے کہ آپ کو کوثر دی جائے گی اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے پیروکار دنیا میں تمام رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا دوسری ولید بن مغیرہ کے متعلق یہ پیش گوئی ہے کہ وہ مقطوع النسل ہوگا حالانکہ اس آیت کے نزول سے پہلے وہ بہت مالدار اور کثیر الاولاد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو ہلاک کر دیا اور اس کی نسل منقطع کر دی۔

(۴) قرآن مجید میں عربی زبان کے مطابق ایسا تصرف ہے کہ ہر کلمہ اور حرف اپنی جگہ پر صحیح ہے اور کسی کلمہ اور حرف کو اس کی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور بعثت سے پہلے آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کیے اور گزشتہ اقوام کے واقعات پڑھے اور اہل کتاب کے سوالات کے جوابات دیئے' انہوں نے بہ طور چیلنج کے آپ سے اصحاب کہف' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ماجرا اور ذوالقرنین کا حال پوچھا اور آپ نے ان کا صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا' حالانکہ آپ ایک ان پڑھ قوم سے مبعوث ہوئے تھے اور خود امی تھے' کسی مکتب میں گئے تھے نہ کسی استاد سے پڑھا تھا نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا' اس لیے آپ کا یہ دعویٰ سچا ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۶) قرآن مجید کے وعدوں کا سچا اور پورا ہونا' اللہ تعالیٰ نے جتنے وعدے کیے ہیں ان سب کا پورا ہونا مشاہدہ میں آ چکا ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار آپ کو بے وطن کریں گے اور اللہ آپ کی مدد فرمائے گا' اور جو وعدے کسی شرط کے ساتھ معلق کیے گئے وہ اس شرط پر پورے ہوئے مثلاً:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق:۳) اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ (الطلاق:۲) اور جو اللہ سے ڈرے' اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا دے گا ○

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ (الانفال:۶۵) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب ہو جائیں گے۔

(۷) قرآن کریم نے مستقبل کے واقعات کے متعلق ایسی خبریں دی ہیں جن کو وحی کے سوا جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح:۲۸) وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے گا' اور فی الواقع ایسا ہو گیا' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کافر قوم پر حملہ کرتے تو مسلمان لشکر کو یہ باور کرا دیتے کہ انہی کو غلبہ حاصل ہو گا' حتیٰ کہ وہ پے در پے فتوحات حاصل کرتے رہے اور شرق و غرب اور بحر و بر میں اسلام پھیل گیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ. (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا کہ اللہ کے چاہنے سے تم ضرور بہ ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے۔

اور آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے دن ایسا ہو گیا۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ۗ. (الروم: ۴-۱)

الم ○ اہل روم (فارس سے) شکست کھا گئے ○ قریب کی زمین میں اور وہ اپنی شکست کے بعد عنقریب فتح یاب ہوں گے ○ چند سالوں میں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اہل فارس بہت طاقتور اور رومی ان کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے اور اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے' لیکن چند سال بعد وہی ہوا جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ. (الانفال: ۷)

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے۔

ایک گروہ کفار کا تجارتی قافلہ تھا جس پر قبضہ سے مسلمانوں کو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوتی' اور دوسرا گروہ کفار کا لشکر تھا جس پر فتح حاصل کرنے سے مسلمانوں کی ہیبت کفار پر چھا جاتی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحان کے پیش نظر مسلمانوں نے لشکر کفار سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو فتح عطا فرمائی:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور: ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں زمین میں ضرور بہ ضرور خلافت دے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایمان اور اعمال صالحہ کی اعلیٰ روایات قائم کیں اور اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کو روئے زمین پر عرصہ دراز تک قائم رکھا اور جب تک مسلمان اسلام پر کاربند رہے اور تبلیغ اسلام میں سرگرم رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا کی اور زمانہ میں سرخ رو رکھا۔ (برصغیر میں مسلمانوں کی طویل غلامی کا باعث یہ تھا کہ وہ جذبہ جہاد سے عاری ہو چکے تھے' اور اپنی حکمرانی کے طویل دور میں تبلیغ اسلام کو چھوڑ بیٹھے تھے)۔

(۸) قرآن مجید میں حلال اور حرام اور دیگر احکام شرعیہ کا بیان ہے جو نوع انسانی کے لیے مکمل دستور حیات ہے۔

(۹) قرآن مجید میں ایسی بلیغ حکمتیں بیان کی گئی ہیں جو عادۃً ایک انسان نہیں بیان کر سکتا۔

(۱۰) قرآن مجید میں تناسب اور یکسانیت ہے اور اس میں ظاہراً اور باطناً کوئی اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النساء: ۸۲)

اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے ○

(علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۷۵۔ ۷۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں تناسب دو اعتبار سے ہے: ایک تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے معجز ہیں اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت میں درجہ اعجاز سے کم ہو اس کے برعکس انسان کے کلام میں عادۃً یکسانیت نہیں ہوتی' بعض جملے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور بعض سرسری ہوتے ہیں' بعض کتابوں میں شروع شروع میں تو بہت تحقیق ہوتی ہے اور بعد میں محض بھرتی ہوتی ہے' اسی طرح شروحات میں ابتداء میں تو بہت تفصیل کی جاتی ہے اور بعد میں صرف برائے نام شرح ہوتی ہے' اور اول تا آخر پوری کتاب میں ایک معیار کو قائم رکھنا یہ انسان کے بس میں نہیں ہے' یہ صرف اسی قادر اور قیوم کے کلام کا اعجاز ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نسیان اور خطاء کا پتلا ہے وہ ایک جگہ کچھ لکھتا ہے اور دوسری جگہ کچھ لکھ دیتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے' اس لیے تناقض اور اختلاف سے مبرا ہونا یہ اللہ رب العزت ہی کے کلام کو زیبا ہے اور اسی کے کلام کا خاصہ ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا ہر کتاب کی عصمت کا انکار فرماتا ہے۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقرر نہیں کیا یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے' یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے جس کے حق میں فرمایا:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ اس کتاب میں باطل سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

(حٰم السجدۃ: ۴۲)

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں' کیونکہ وہ انسان کی تصنیفات ہیں اور خطا اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاری نے ''اصول بزدوی'' کی شرح میں لکھا ہے کہ بویطی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا: میں نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے' میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا لیکن اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (النساء: ۸۲) اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے ۝

لہٰذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ملے اس کو چھوڑ دو' کیونکہ میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' ان کے سامنے اسی مرتبہ پڑھی' اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطاء پر مطلع ہوئے' بالآخر امام شافعی نے فرمایا: اب تصحیح کو چھوڑ دو' اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

نسخ کی تحقیق

علوم قرآن میں نسخ بھی ایک اہم اور معرکۃ الآراء موضوع ہے ہم اس سلسلہ میں پہلے نسخ کا لغوی اور شرعی معنی بیان کریں گے پھر نسخ میں مذاہب اسلامیہ اور بعض متجددین کے نظریات کا ذکر کریں گے اس کے بعد ''نسخ القرآن بالقرآن' نسخ القرآن بالسنة' نسخ السنة بالقرآن ''اور'' نسخ السنة بالسنة'' کا تفصیل سے ذکر کریں گے اور مثالوں اور شواہد سے ان چاروں قسموں کی وضاحت کریں گے اور اس سلسلہ میں اہل حق کے نظریہ پر دلائل پیش کریں گے اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق.

نسخ کا لغوی معنی

علامہ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

نسخ کا معنی ہے: کسی چیز کو زائل اور متغیر کرنا' کسی چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کرنا۔

(قاموس ج ۱ ص ۵۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

عرب کہتے ہیں: ''نسخت الشمس الظل'' سورج نے سائے کو منسوخ کر دیا' یعنی سائے کو زائل کر دیا' سائے کو لے گیا' ایک آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کر دیا' یعنی اس کے حکم کو زائل کر دیا اور نسخ کا معنی ہے: ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا لیث نے کہا: نسخ کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز پر پہلے عمل کیا جاتا تھا اس کو زائل کر دیا جائے اور کسی نئے کام پر عمل کیا جائے' فراء نے کہا: نسخ یہ ہے کہ پہلے ایک آیت پر عمل کیا جائے' پھر دوسری آیت نازل ہو تو اس پر عمل کیا جائے اور پہلی آیت پر عمل کو ترک کر دیا جائے اور ابن الاعرابی نے کہا: نسخ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کر دیا جائے۔

(تاج العروس ج ۲ ص ۲۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نسخ کا شرعی معنی

امام رازی لکھتے ہیں:

ناسخ وہ دلیل شرعی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناسخ سے پہلے جو حکم کسی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ ناسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ ھ)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے خلاف کو واجب کرے۔

(توضیح تلویح ج ۲ ص ۳۱' مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبری' مصر)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا نسخ ہے' اس حکم کی انتہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے' مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور ناسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہا معلوم ہوتی ہے' اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغییر سے عبارت ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ' ۱۳۰۶ ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں:

کسی حکم شرعی کو دلیل شرعی سے ساقط کر دینا نسخ ہے۔ (مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نسخ میں مذاہب

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک نسخ عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ سے نسخ ثابت اور واقع ہے' اس میں یہود کا اختلاف ہے' بعض یہود نے نسخ کا عقلاً انکار کیا اور بعض یہود نے نسخ کو عقلاً جائز کہا اور سمعاً انکار کیا' بعض مسلمانوں سے بھی نسخ کا انکار منقول ہے' جمہور مسلمین نے نسخ کے جواز اور وقوع پر اس سے استدلال کیا ہے کہ دلائل سے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے اور جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ آپ سے پہلے کی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس وقت تک آپ کی نبوت اور شریعت ثابت نہیں ہوگی اس لیے قطعی طور پر نسخ واقع ہے۔

یہود کے خلاف نسخ پر حجت یہ ہے کہ تورات میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے تمام جانور حلال کر دیئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے جانور حرام کر دیئے' دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہن کا بھائی سے نکاح کر دیتے تھے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۲۔ ۴۳۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی لکھتے ہیں:

نصاریٰ نے بھی نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا: آسمان اور زمین زائل ہو جائیں گے اور میرا کلام زائل نہیں ہوگا' اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ جو کتاب ان کے ہاتھوں میں ہے ہم اس کو وہ انجیل تسلیم نہیں کرتے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی' کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں جن کو بعض عیسائیوں نے وضع کیا ہے' جس میں حضرت مسیح کی ولادت' ان کی نشوونما' ان کی دعوت' ان کے سفر' ان کے معجزات اور ان کے وعظ اور مناظرات کا ذکر ہے' اور اس میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا بیان ہے اور ان واقعات کے راویوں کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان کے ضبط اور اتصال کا بیان ہے۔

اور بر تقدیر تسلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوگی نہ کہ ان کی شریعت' اور متی کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: امتوں کے راستوں پر نہ جاؤ اور سامریوں کے شہر میں نہ داخل ہو' اور مرقس کی انجیل میں مذکور ہے: ''تمام عالم میں جاؤ'' اور قول ثانی قول اول کا ناسخ ہے۔

(مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۱۔ ۱۰۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

اہل اسلام میں سے ابو مسلم نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○ (حٰم السجدۃ: ۴۲)

اس کے پاس باطل نہیں آسکتا' اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے' یہ حکمت والے حمد کیے ہوئے (رب) کی طرف سے اتاری ہوئی (کتاب) ہے ○

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو منسوخ فرمایا ہے وہ باطل نہیں ہے بلکہ جس زمانہ میں وہ حکم مشروع تھا اس زمانہ کے اعتبار سے وہی حکم برحق تھا' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں باطل چیز نہیں آسکتی' اور اس آیت کا معنی یہ

ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ عقائد عقل کے موافق ہیں اور اس کے احکام حکمتوں پر مبنی ہیں اور اس کی دی ہوئی خبریں واقع کے مطابق ہیں اور اس کے الفاظ تغییر اور تبدیل سے محفوظ ہیں اور اس میں کسی وجہ سے بھی خطاء کا در آنا ممکن نہیں ہے۔

(مناہل العرفان ج ۲ ص ۱۰۴۔ ۱۰۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور قرآن مجید میں جہاں نسخ کا ذکر ہے اس سے مراد شرائع سابقہ کا منسوخ ہونا ہے اور قرآن مجید میں نسخ کی نفی پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی ہے:

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہیے' چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے' اس لیے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا' چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی' حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس عقیدہ کی رو سے اب دیکھیے کہ خدا' قرآن کریم اور رسول اللہ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا ہے کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔ (لغات القرآن ص ۱۶۰۸ 'مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام '۱۹۸۴ء)

قائلین نسخ کے نزدیک نسخ کی یہ تعبیر ہرگز نہیں ہے جو پرویز صاحب نے بیان کی ہے بلکہ نسخ کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن حالات میں جو حکم پہلے دیا تھا ان حالات میں وہی حکم برحق اور صحیح تھا اور جب حالات بدل گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم بدل دیا اور بعد کے حالات میں وہی حکم صحیح اور برحق ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں کفار کی زیادتیوں کے خلاف عفو و درگزر کا حکم دیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی جمعیت نہیں تھی کہ وہ کفار سے ایک بڑی جنگ کا خطرہ مول لیتے' اس لیے فرمایا:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (البقرہ: ۱۰۹)

تو انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی (اور) حکم لے آئے۔

اور جب مسلمانوں کی جمعیت قوی ہو گئی تو یہ ارشاد فرمایا:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ (التوبہ: ۵)

تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو' اور ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔

نیز ۹ ھ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے منع فرمادیا' اس کا صریح مفاد یہ ہے کہ ۹ ھ سے پہلے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے کی اجازت تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ اجازت منسوخ کر دی گئی' وہ آیت یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ (التوبہ: ۲۸)
اے ایمان والو! تمام مشرکین محض ناپاک ہیں تو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

نیز پرویز صاحب نے سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کو جائز کہا ہے تو کیا ان کے طور پر معاذ اللہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت کو نازل کیا' پھر سوچا کہ معاذ اللہ یہ شریعت ٹھیک نہیں ہے تو دوسری شریعت کو نازل کر دیا اور جس دلیل سے یہ نسخ جائز ہے اسی دلیل سے اسلام کے بعض احکام کا منسوخ ہونا بھی جائز ہے۔

پرویز صاحب سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے' اس لیے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام وقوانین روک لئے جاتے تھے' تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی' تو وہ "روکے ہوئے" احکام وقوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کار فرما رہا ہے۔

(لغات القرآن ص ۱۶۰۹ مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۴ء)

یہی بات اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے متعلق کہی جا سکتی ہے اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پہلے شراب نوشی سے منع کیا گیا نہ جوئے کو حرام کیا گیا۔ مکی زندگی کے پورے دور اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں شراب اور جوا مباح رہے' بعد میں جب مسلمانوں کے دل ودماغ میں اسلام پوری طرح رچ بس گیا تو شراب اور جوئے کو مکمل اور قطعی طور پر حرام کر دیا گیا' حرمت شراب کے متعلق ان آیات کو غور سے پڑھا جائے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ (البقرہ: ۲۱۹)
لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ فرما دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے' اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اس آیت سے بھی شراب اور جوئے کی ایک گونہ اباحت کا پہلو نکلتا ہے۔

نیز فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ . (النساء: ۴۳)
اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' یہاں تک کہ تم اس چیز کو سمجھنے لگو جس کو تم کہتے ہو۔

اس آیت سے بھی یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حالت نماز کے علاوہ دیگر احوال میں شراب نوشی سے منع نہیں کیا گیا ہے اور غیر اوقات نماز میں شراب نوشی کی اباحت ہے اور سورہ مائدہ کی مذکور ذیل آیت سے اس اباحت کو کلی اور قطعی طور پر منسوخ کر دیا گیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدہ: ۹۰)
اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور جوئے کے تیر (سب) محض ناپاک ہیں' شیطانی کاموں میں سے ہیں' سو تم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ○

جس قوم کو اسلام کا پیغام پہنچایا گیا تھا وہ جوئے اور شراب کی رسیا تھی اور یک لخت ان پر شراب کو حرام کرنا حکمت کے

خلاف تھا اس لیے بہ تدریج ان پر شراب کی خرابیاں واضح کی گئیں اور شراب کے سلسلہ میں ان پر مختلف النوع پابندیاں عائد کی گئیں اور جب ان کے دلوں میں اسلام کی جڑیں راسخ ہو گئیں اور وہ اسلام کے حکم کے مقابلہ میں ہر مرغوب طبعی کو ترک کرنے پر تیار ہو گئے تو شراب نوشی کی سابقہ اباحت کو منسوخ کر کے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

اسی طرح زنا کار عورتوں کے لیے پہلے آسان سزا رکھی کہ ان کو گھروں میں قید کر دیا جائے اور بعد میں جب اسلام کی جڑیں لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئیں تو کنواری عورتوں کے لیے سو کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی اور شادی شدہ عورتوں کے لیے رجم کی حد مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو پھر اگر وہ ان کے خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک مقید رکھو کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے (کوئی اور حد مقرر فرما دے) ۝

پھر زانی عورتوں کی اس سزا (گھروں میں تاحیات مقید رکھنا) کو منسوخ کر کے یہ حد مقرر فرمائی:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ (النور: ۲)

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں:

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے' البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے' مثلاً صلوٰۃ کے لیے وضو کرنے کا حکم ہے' لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آجائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آجائے گا اور تیمم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔ (لغات القرآن ۱۶۱۲' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' ۱۹۸۴ء)

نسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں:

نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا (ابن فارس) ''نسخت الشمس الظل'' آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا' کسی چیز میں تبدیلی کر دینا'' نسخت الریح اثار الدیار'' ہوا نے آبادی کے آثار (نشانات و علامات) کو تبدیل کر دیا۔

(لغات القرآن ص ۱۶۰۶' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' ۱۹۸۴ء)

پرویز صاحب قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم احادیث اور آثار کے بجائے لغت سے متعین کرتے ہیں اور لغت میں نسخ کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا ہے' کسی حکم کو بار بار آگے پیچھے کرنا نہیں ہے اور تیمم کے وقت وضو منسوخ نہیں ہوتا بلکہ بدستور مشروع رہتا ہے' اسی طرح جس معاشرہ میں چوری اور زنا نہ ہو وہاں حدود مٹ نہیں گئیں بلکہ بدستور مشروع ہیں' اسی طرح جس شخص کے پاس مال نہ ہو یا جو مرتے وقت ترکہ نہ چھوڑے اس کے حق میں زکوٰۃ اور میراث بدستور مشروع ہیں مٹ نہیں گئے لیکن چونکہ ان لوگوں کے حق میں ان احکام شرعیہ کی فرضیت کی شرائط نہیں پائی گئیں اس لیے ان پر یہ

احکام فرض نہیں ہوئے ایسا نہیں ہے کہ یہ احکام منسوخ یا معطل ہو گئے۔ اس کے برخلاف ہم نے مثالوں کے ذریعہ جو منسوخ احکام بیان کیے ہیں وہ کسی حال میں بھی مشروع نہیں ہو سکتے۔

نسخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ (البقرہ: ١٠٦)

ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں' تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (النحل: ١٠١)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرماتا ہے' تو کافر کہتے ہیں: آپ یہ آیتیں خود بنا لیتے ہیں' (یہ بات نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں○

ان دونوں آیتوں میں نسخ کے وقوع کی واضح اور روشن دلیل ہے' پرویز صاحب نے آیت کا معنی یہاں سابقہ شریعتیں اور حوادث کائنات کیا ہے اور یہ دونوں معنی لغت اور اسلوب قرآن کے خلاف ہیں اور باطل ہیں۔

تمام علماء سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض ایسی آیات ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ ان کی تفصیل ان شاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

ثبوت نسخ کے ذرائع

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

نسخ کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نقل (حدیث) سے کیا جائے گا' یا کسی صحابی کا قول اس طرح منقول ہو کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہوگئی' اور کبھی نسخ کو استنباط سے معلوم کیا جائے گا' جب دو آیتوں میں قطعی تعارض ہو اور کسی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک آیت متاخر ہے' نسخ کے متعلق عام مفسرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور نہ بغیر کسی نقل صریح کے مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا' کیونکہ نسخ میں کسی ایسے حکم کو اٹھا لینا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ثابت تھا اور اس کی جگہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا ہے اور اس میں نقل اور تاریخ پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر' نسخ کے ثبوت میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نسخ میں اخبار آحاد صحیحہ بھی معتبر نہیں ہیں اور بعض علماء اس میں تساہل کر کے یہ کہتے ہیں کہ مفسر یا مجتہد کے قول سے نسخ ثابت ہو جاتا ہے' اصل میں یہ دونوں قول افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔

(الاتقان ج ۲ ص ۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات منسوخہ کا بیان

ہماری تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی بارہ آیات کا حکم منسوخ ہے' ان کے منسوخ ہونے پر دلائل ان شاء اللہ ہم ان کی آیات کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کریں گے' وہ آیات یہ ہیں:

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۭ (البقرہ: ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرے' یہ متقین پر حق ہے○

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس شخص پر وصیت کرنا فرض ہے جس کی موت کا وقت قریب آپہنچا ہو اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے' البتہ اس کے ناسخ میں اختلاف ہے' بعض لوگوں نے کہا: یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے' اس لیے اب وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰ 'مطبوعہ مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام دارمی نے اس حدیث کو عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہے' کیونکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت مواریث کی آیات سے منسوخ ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور قرابت داروں کے حصے خود متعین کر دیئے تو ان کے لیے وصیت کرنا جائز نہ رہا' عکرمہ اور حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ ۝

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سونے کے بعد روزہ دار پر کھانا' پینا اور عمل زوجیت حرام ہو جس طرح پہلی امتوں پر سونے کے بعد یہ کام حرام ہو جاتے تھے کیونکہ اس آیت میں ہمارے روزوں کو پچھلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پھر اس کے بعد امت مسلمہ کو سہولت دی گئی اور روزہ دار کے لیے رات میں کھانا پینا اور عمل زوجیت حلال کر دیا گیا:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (البقرہ: ۱۸۷) روزے کی رات میں تمہارے لیے عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔

(۳) يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ (البقرہ: ۲۱۷) لوگ آپ سے ماہ حرام میں قتال کا حکم پوچھتے ہیں' آپ کہئے کہ ان مہینوں میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے۔

رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم یہ حرمت والے مہینے ہیں' اس آیت میں ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت بیان کی ہے اور اس آیت کے آخری حصہ میں اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا ہے:

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (البقرہ: ۲۱۷) اور اللہ کی راہ سے روکنا' اور اللہ اور مسجد حرام کا کفر کرنا اور اہل حرم کو وہاں سے نکالنا' اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے' اور فساد کرنا قتل سے بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز حرمت والے مہینوں میں قتال کا منسوخ ہونا ان آیات سے بھی واضح ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ (التوبہ: ۳۶) اور تم سب مشرکوں سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ (التوبہ:۵)

تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔

سورہ توبہ کی پہلی آیت میں اشخاص کا عموم ہے اور دوسری آیت میں امکنہ کا عموم ہے یعنی ہر مشرک کو ہر جگہ قتل کر دو اور اشخاص اور امکنہ کا عموم ازمنہ کے عموم کو بھی مستلزم ہے یعنی ہر وقت ہر زمانہ میں ان کو قتل کر دو اور یہ آیتیں حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کی ناسخ ہیں۔

(۴) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ (البقرہ:۲۴۰)

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے ان کے گھر سے نکالے بغیر ایک سال کا خرچ دینے کی وصیت کر جائیں' پھر اگر وہ (خود) نکل جائیں تو تم پر ان کے اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے موافق کیا۔

اس آیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر کی ہے' اس کے بعد یہ عدت منسوخ کر کے چار ماہ دس دن کر دی گئی:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (البقرہ:۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں چار ماہ دس دن کی عدت گزاریں۔

(۵) وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ (البقرہ:۲۸۴)

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

اس آیت کا مقتضٰی یہ ہے کہ دل میں آنے والے خطرات پر بھی محاسبہ اور مواخذہ ہوگا' لیکن مذکورہ ذیل آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور دل میں آنے والے خطرات انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہیں' لہٰذا ان پر مواخذہ کرنے کو منسوخ کر دیا گیا۔

(۶) وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○ (النساء:۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو' پھر اگر وہ ان کے خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک مقید رکھو کہ انہیں موت آ جائے' یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے (کوئی اور حد مقرر فرما دے) ○

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ (النور:۲)

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد' ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(۷) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ۔ (المائدہ:۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کا حکم منسوخ ہو چکا ہے' اس کی تفصیل نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

(۸) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ

اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر

وَإِنْ يَكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَغْلِبُوْا أَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ (الانفال: ۶۵)

غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو وہ ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ وہ بے وقوف لوگ ہیں ○

یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ (الانفال: ۶۶)

اب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی اور اس کو علم ہے کہ تم میں کمزوری ہے' سو اگر تم میں سو صابر آدمی ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے' اور اگر تم میں ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے۔

(۹) اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور: ۳)

زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے اور زانیہ عورت صرف زانی یا مشرک مرد سے نکاح کرے اور مسلمانوں پر یہ (نکاح) حرام کر دیا گیا ہے ○

یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہو گئی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۗ (النساء: ۳)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں' اور نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ غیر زانی کی قید نہیں لگائی۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: ۳)

تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کرو۔

(۱۰) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ (الاحزاب: ۵۲)

ان (موجودہ ازواج) کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان بیویوں کی جگہ اور بیویاں تبدیل کریں' خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو ماسوا اس کنیز کے جو آپ کی ملک ہو۔

جب ازواج مطہرات نے عسرت اور تنگ دستی کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کر لیا اور مزید خرچ کا مطالبہ ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ازواج کے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی' ہر چند کہ اس اجازت کے باوجود آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا' وہ آیت یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ (الاحزاب: ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال فرما دیں جن کا آپ مہر دے چکے ہیں' اور وہ کنیزیں جن کے آپ مالک ہیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا فرمائی ہیں' اور آپ کے چچا کی بیٹیاں' اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور ایمان والی عورت

اگر (بلا عوض) اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے' بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں' یہ حکم آپ کے لیے مخصوص ہے ماسوا دوسرے مسلمانوں کے۔

(۱۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ (المجادلہ: ۱۲)

اے ایمان والو! جب تم تنہائی میں رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ (المجادلہ: ۱۳)

کیا تم تنہائی میں اپنی بات گوش گزار کرنے سے قبل صدقہ دینے سے گھبراتے ہو؟ جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے رحمت سے تم پر رجوع کیا تو نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۱۲) يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (المزمل: ۴-۱)

اے چادر لپیٹنے والے ۝ رات کو نماز میں قیام کریں خواہ تھوڑی رات ۝ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کریں ۝ یا اس پر کچھ زیادتی کریں اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں ۝

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیام لیل فرض کیا گیا ہے' خواہ نصف شب ہو یا اس سے کم یا زیادہ' بعد میں مذکور ذیل آیت سے اس قیام کو منسوخ کر دیا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ (المزمل: ۲۰)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں' (کبھی) آدھی رات کے قریب اور (کبھی) ایک تہائی رات کے قریب' اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت بھی ہوتی ہے' اور اللہ دن رات کا اندازہ کرتا ہے' وہ جانتا ہے کہ (اے مسلمانو!) تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے' پھر اس نے تم پر رحمت سے رجوع کیا' تو جتنا تم کو آسان لگے قرآن پڑھ لیا کرو۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید کی ان بارہ آیتوں کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں نبوت کے ابتدائی دور میں کفار کی زیادتیوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینے کا حکم دیا تھا پھر آیت سیف نازل ہونے کے بعد ان کا حکم منسوخ ہو گیا۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی بیس آیتوں کا حکم منسوخ ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) اور بعض علماء نے بائیس آیات لکھی ہیں لیکن ہم نے باقی دس آیتوں میں غور کیا تو ان میں ایسا تعارض نہیں ہے کہ ان کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک آیت کا الگ الگ محمل ہے' اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گی اگر ہمیں اپنے قارئین کی اکتاہٹ کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم ان سب کا یہاں تفصیل سے ذکر کرتے۔

احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے لیے ہوا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہے' اور منسوخ الحکم آیتوں کو اس لیے برقرار رکھا گیا تا کہ مسلمان ان آیات کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مشقت سے نجات دی اور ان کے لیے آسان احکام مشروع کر دیئے۔

یہ کلام ان آیات کے متعلق ہے جن میں مشکل احکام کو منسوخ کر کے آسان احکام مشروع کیے گئے' لیکن بعض منسوخ الحکم آیات ایسی ہیں جن میں آسان احکام کو منسوخ کر کے مشکل احکام مشروع کیے گئے ہیں' ان کی حکمت یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ زمانہ فترت تھا اور برسوں سے جو عقائد' عادات اور معمولات ان میں رچ بس گئے تھے اور ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے اور یک لخت ان تمام چیزوں سے ان کو چھڑانا بہت مشکل تھا' کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ وہ اسلام کو ہی چھوڑ جاتے' اس کی مثال یہ ہے کہ قریش نے وسائل کی کمی کی وجہ سے کعبہ کی نامکمل تعمیر کی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بناء ابراہیم کے مطابق کعبہ کو تعمیر کرنا چاہتے تھے (بناء ابراہیم میں حطیم کعبہ میں داخل تھا) اور آپ اس میں دخول اور خروج کے لیے دو دروازے بنانا چاہتے تھے' لیکن آپ نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ اہل عرب کو کعبہ سے بہت والہانہ اور جذباتی عقیدت تھی' اگر نئی تعمیر کے لیے کعبہ کو منہدم کیا جاتا تو جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اسلام چھوڑ جاتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ (مفصلاً) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) سو اسی وجہ سے شروع میں آسان احکام مشروع کیے گئے اور جب لوگ اسلام میں راسخ ہو گئے تو پھر نسبۃً سخت احکام مشروع کیے گئے' حرمت خمر کی مثال سے ہم اس کی پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں۔

بعض ایسے احکام منسوخ کیے گئے جو مشکل اور سہل ہونے میں ناسخ کے مساوی ہیں' ان میں نسخ کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ابتلاء اور امتحان میں ڈالا جائے تاکہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے اور خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں' جیسے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو مومن اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور منافقوں کا خبث ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ (البقرہ: ۱۴۳)

(اے رسول!) آپ (پہلے) جس قبلہ پر تھے وہ ہم نے اسی لیے مشروع کیا تھا کہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں' اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) شاق تھا ماسوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی۔

یہ بحث اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے سلسلہ میں تھی' رہا یہ امر کہ اسلام کے آنے کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں' اس کی حکمت یہ ہے کہ نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے اس طرح تدریجاً ترقی کرتی رہی ہے جس طرح بچہ اپنی نشوونما کے اعتبار سے بہ تدریج ترقی کرتا ہے' اس لیے ہر نبی کے عہد میں نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے جس

درجہ میں تھی اسی درجہ کے اعتبار سے اس پر احکام شرعیہ مشروع کیے گئے اور جب نوع انسان اپنے کمال ارتقاء کو پہنچ گئی تو سابقہ تمام احکام منسوخ کر کے اس پر قیامت تک کے لیے ایک کامل شریعت نازل کر دی گئی۔

''نسخ القرآن بالسنة'' کے قائلین اور ان کے دلائل

امام مالک' اصحاب امام ابی حنیفہ' جمہور اشاعرہ اور معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ سنت سے قرآن کا نسخ ہو سکتا ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ سنت بھی اسی طرح وحی الٰہی ہے جس طرح قرآن وحی الٰہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ۝ ان کا کلام وہی ہوتا ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ۝ (النجم: ۳-۴)

اور قرآن اور حدیث میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انشاء اور ترتیب پر مبنی ہیں اور دونوں کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں' اس لیے عقلاً اور شرعاً یہ جائز ہے کہ کسی ایک وحی سے ثابت ہونے والا حکم دوسری وحی سے منسوخ کر دیا جائے۔

''نسخ القرآن بالسنة'' کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ

امام شافعی' امام احمد کے ایک قول اور اہل ظاہر کے نزدیک سنت سے قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴) اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بیان کر دیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب قرآن کے معانی بیان کرنے میں منحصر ہے اور اگر سنت قرآن کی ناسخ ہو تو سنت قرآن کے بیان کی بجائے اس کی رافع ہو جائے گی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمہ حصر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیان کرنے والے ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱) وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو ۝

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نذیر فرمایا ہے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں' تو جس طرح آپ کو نذیر کہنے سے آپ کے بشیر ہونے کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی سنت کے بیان ہونے سے اس کے ناسخ ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور بالفرض اگر آپ کا منصب صرف قرآن کے بیان کرنے میں منحصر ہو تو پھر آپ کا شارع ہونا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کرنا بھی اس حصر کے خلاف ہوگا حالانکہ قرآن مجید سے آپ کا شارع ہونا اور آپ کے لیے تحلیل اور تحریم کا منصب بھی ثابت ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر: ۷) اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو' اور جس سے منع کریں (اس سے) رک جاؤ۔

اس آیت میں آپ کے شارع ہونے کا بیان ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

اور وہ (نبی امی) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

اس آیت میں آپ کے منصب تحلیل اور تحریم کا بیان ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نسخ 'بیان کے منافی نہیں ہے' کیونکہ سنت سے قرآن کا کوئی حکم بالکلیہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کی بعض آیات کے عموم کو سنت سے خاص کر لیا گیا ہے اور سنت سے یہ متعین کرنا کہ اس آیت کے عموم سے فلاں فرد کو خاص کر لیا گیا ہے یہ بھی قرآن کا بیان ہے۔

مخالفین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن سے سنت کی حجیت ثابت ہے اب اگر سنت خود قرآن کی ناسخ ہو تو سنت بھی حجت نہیں رہے گی کیونکہ نسخ رفع ہے اور جب اصل اٹھ جائے گی تو فرع بھی اٹھ جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات سے سنت کی حجیت ثابت ہے سنت ان کے لیے ناسخ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ اعتراض لازم آئے' بلکہ وہ دوسری بعض آیات کے عموم کی ناسخ ہے۔

مخالفین کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ (یونس: ۱۵)

اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں جن کو (آخرت میں) ہم سے ملاقات کی امید نہیں ہے: آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو بدل دیں' آپ کہیے: میرے لیے اس کو اپنی طرف سے بدلنا جائز نہیں ہے' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تبدیلی کرنا آپ کے اختیار میں نہیں اور سنت کے ناسخ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے بعض افراد کو خاص کر لیا جائے۔

مخالفین کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ (البقرہ: ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ اگر سنت قرآن کی ناسخ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ سنت قرآن کی مثل ہو یا اس سے افضل ہو' اور یہ محال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کے الفاظ اور نظم قرآن کی مثل نہیں ہو سکتے اور سنت کے ناسخ قرآن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن کے عموم اور اطلاق کی تقیید کرتی ہے اور سنت متواترہ سے ثابت ہونے والا حکم بھی اسی طرح قطعی ہے جس طرح قرآن قطعی ہے' نیز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سنت بھی وحی الٰہی ہے' اس لیے درحقیقت منسوخ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط مبلغ اور معبر ہیں۔

"نسخ القرآن بالسنۃ" میں سنت کا محمل

واضح رہے کہ جو سنت قرآن مجید کے عام حکم کے لیے ناسخ ہوتی ہے یہ وہ سنت ہے جو وحی پر مبنی ہو۔ اس سے مراد سنت اجتہادیہ نہیں ہے' نیز اس سے مراد سنت قطعیہ ہے اور جو سنت ظنی الثبوت ہو وہ اس میں داخل نہیں۔ بعض احادیث سنداً اخبار آحاد ہیں اس کے باوجود صحابہ کرام نے ان سے قرآن مجید کے عام حکم سے بعض افراد کو خاص کرلیا مثلاً قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ "وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ" (النساء:۱۱) ایک بیٹی کو باپ کے ترکہ سے نصف حصہ دیا جائے" لیکن حضرت ابوبکر نے اس حدیث کی بناء پر کہ "ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا' ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ نہیں دیا' اور قرآن مجید کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرلی' اسی طرح قرآن مجید میں کسی معاملہ میں دو مرد گواہ بنانے کا حکم عام ہے لیکن صحابہ نے ایک حدیث کی بناء پر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲ 'مطبوعہ مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ) اور اس کی اور بھی مثالیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث ہم تک واصل ہونے کے اعتبار سے اخبار آحاد ہیں اور صحابہ کرام نے چونکہ یہ احادیث بلاواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اس لیے ان کے نزدیک یہ اسی طرح قطعی الثبوت تھیں جس طرح قرآن مجید قطعی ہے' سو انہوں نے سنت قطعیہ سے قرآن مجید کے عموم کو منسوخ مانا ہے نہ کہ سنت ظنیہ سے۔

"نسخ القرآن بالسنۃ" میں نسخ کا محمل

علامہ صدر الشریعہ لکھتے ہیں:

قرآن کو سنت سے منسوخ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے' اور مدینہ آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے' پس اگر پہلا حکم (مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھنا) قرآن سے ثابت تھا تو یہ سنت سے منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم (مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا) سنت سے ثابت تھا اور اس کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کتاب سے ثابت تھا یا سنت سے' پھر جب آپ مدینہ آئے تو سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں پڑھیں' اور یہ حکم کتاب سے ثابت نہ تھا بلکہ سنت سے ثابت تھا' پھر کتاب سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور آپ کو مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا: "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (البقرہ:۱۴۴) پس سنت کا کتاب سے منسوخ ہونا یقینی ہے اور کتاب کا سنت سے منسوخ ہونا مشکوک ہے۔ (توضیح مع تلویح ج ۲ ص ۳۵ 'مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبری' مصر)

میں کہتا ہوں کہ اگر سنت کے ناسخ قرآن ہونے سے یہ مراد ہے کہ قرآن مجید سے ثابت شدہ حکم بالکلیہ سنت سے مرتفع ہو جائے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ محض جواز عقلی کے درجہ میں ہے اور اگر اس کی یہ تقریر کی جائے کہ جو حکم قرآن مجید میں عام ہے اس کو سنت سے خاص کر دیا گیا یا اس کے عموم سے چند افراد کو مستثنیٰ کر لیا گیا تو اس کی بہت مثالیں ہیں۔

"نسخ القرآن بالسنۃ" کی مثالیں

(۱) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ . (النور:۲) — زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

قرآن میں یہ حکم عام ہے خواہ زانیہ اور زانی کنوارے ہوں یا شادی شدہ اور سنت سے اس حکم کو کنواروں کے ساتھ خاص

کرلیا گیا اور شادی شدہ زانیوں کو رجم کا حکم دیا گیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے اور وہ اس فرض کے ترک سے گنہ گار ہوں گے' جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے' سنو! شادی شدہ زانی پر رجم کی سزا برحق ہے' جب کہ گواہی سے یا حمل یا اعتراف سے زنا ثابت ہو' سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۹۔ ۱۰۰۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ بے شک ایمان والوں پر نماز (ایک) وقت مقرر میں فرض ہے۝ (النساء: ۱۰۳)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے لیکن سنت متواترہ سے عرفات کی عصر کو خاص کرلیا گیا کیونکہ میدان عرفات میں وہ اپنے وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور مزدلفہ کی مغرب کو خاص کرلیا گیا کیونکہ وہ اپنے وقت کے بعد عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

(۳) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ (النساء: ۳) تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں' ان سے نکاح کرو' دودو سے' تین تین سے اور چار چار سے۔

اس آیت میں عموم ہے اور ہر شخص بہ شرط عدل دودو' تین تین اور چار چار نکاح کرسکتا ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنت ابی جہل کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ کے اوپر ابوجہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا' اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں' لیکن بہ خدا! رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۳ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

(۴) وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ (النساء: ۴۳) اور حالت جنابت میں جب تک غسل نہ کرلو مسجد کے قریب نہ جاؤ' الا یہ کہ مسجد کو عبور کرنا ہو۔

اس آیت کے مطابق کوئی شخص بھی جنبی ہو کر مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عموم سے اپنے آپ کو اور حضرت علی کو خاص کرلیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! میرے اور تمہارے سوا کوئی شخص بھی اس مسجد سے حالت جنابت میں نہیں گزرسکتا۔

(جامع ترمذی ص ۵۴۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ان کے علاوہ اور بھی بہت مثالیں ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ہم نے صرف اسی قدر پر اکتفاء کی ہے۔

''نسخ السنة بالقرآن'' کا بیان

امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سنت کا قرآن سے نسخ جائز ہے' اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں جمہور کی دلیل یہ ہے کہ سنت اور قرآن دونوں وحی ہیں اور ایک وحی کا دوسری وحی سے منسوخ ہونا جائز ہے۔

اور اس کی چند مثالیں ہیں:

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا سنت سے معلوم ہے۔ امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اور یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ (البقرہ: ۱۴۴)

تو آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اسی کی طرف پھیرو۔

(۲) پہلے رمضان کی راتوں میں (سونے کے بعد) کھانا پینا اور عمل تزویج حرام تھا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں جب کوئی شخص روزہ رکھتا اور شام کو سو جاتا تو اس پر کھانا پینا اور عورت حرام ہو جاتی حتیٰ کہ وہ اگلے روز افطار کرے' ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے رات کو لوٹے' وہ آپ کے پاس باتیں کرتے رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی سوئی تھیں' انہوں نے ان سے اپنی خواہش ظاہر کی' بیوی نے کہا: میں تو سو چکی ہوں' حضرت عمر نے کہا: تم نہیں سوئی تھیں' اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی' حضرت کعب بن مالک نے بھی ایسا ہی کیا تھا' صبح حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ماجرا سنایا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ (البقرہ: ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے' اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو معاف کر دیا' تو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو' اور جو (اولاد) اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اس کو تلاش کرو' اور کھاؤ اور پیو' حتیٰ کہ تمہارے لیے صبح کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ میں یہ شرط مان لی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں گے' اس شرط کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل کو واپس کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

پھر ایک عورت مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۗ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۗ (الممتحنہ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کو آزما لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تمہیں ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

"نسخ السنة بالسنة" کا بیان

نسخ السنۃ کی چار قسمیں ہیں: سنت متواترہ کا سنت متواترہ سے نسخ' سنت آحادیہ کا آحادیہ سے نسخ اور سنت آحادیہ کا سنت متواترہ سے نسخ' یہ تین قسمیں بالاتفاق جائز ہیں' اور سنت متواترہ کا سنت آحادیہ سے نسخ اہل ظاہر کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ کے لیے رہائش اور نفقہ کا حق رکھا ہے' حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سکنیٰ کا حق نہیں دیا تھا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مسترد کر دیا اور صحابہ نے اس رد کو برقرار رکھا' اس کی وجہ یہی تھی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت سنت متواترہ کے خلاف تھی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

امام شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سکنیٰ (رہائش) اور نفقہ (خرچہ) نہیں رکھا' پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینک دیں اور کہا: افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو' حضرت عمر نے فرمایا تھا' ہم اللہ کی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے' ہم نہیں جانتے کہ اس کو (صحیح) حدیث یاد ہے یا یہ بھول گئی' اس کو سکنیٰ بھی ملے گا اور نفقہ بھی' اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ ان میں سے کوئی عورت کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نسخ السنۃ کا ثبوت یا تو شارع علیہ السلام کی تصریح سے ہوتا ہے' جیسے امام مالک روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا' پس اب کھاؤ' صدقہ اور ذخیرہ کرو' اور میں نے تم کو نبیذ بنانے سے منع کیا تھا' پس اب نبیذ بناؤ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب قبروں کی زیارت کرو اور کوئی بے ہودہ بات مت کرو۔ (موطا امام مالک ص ۴۹۶' مطبوعہ مجتبائی پاکستان' لاہور)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو بعض برتنوں (دبا' حنتم' مزفت اور مقیر) میں پینے سے منع فرمایا تھا' اور بے شک برتن کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے' اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو چمڑے کے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا' اب تم ہر برتن میں پیا کرو' البتہ نشہ آور مشروب نہ پینا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

یا نسخ السنۃ کا ثبوت صحابہ کی تصریح سے ہوتا ہے جیسے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ آگ سے پکی ہوئی چیز کو

کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابو داؤد ج ا ص ۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

نسخ السنۃ کی معرفت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تاریخ سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سنت فلاں سنت سے موخر ہے جیسے آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا: امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور آخری مرض میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا تو آخری مرض کی سنت پہلے حکم کی ناسخ ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے گر گئے جس سے آپ کی بائیں جانب زخمی ہو گئی' تب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' نماز کے بعد آپ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہے تو تم ''ربنا ولک الحمد'' کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو' امام بخاری کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو'' مرض قدیم میں تھا' پھر اس کے بعد آخری مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور عمل آخری سنت پر کیا جائے گا اور آخری سنت یہی ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۹۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

بعض علماء نے ایک چوتھی قسم بھی ذکر کی ہے کہ جس حدیث کے خلاف پر علماء کا اجماع ہو جائے وہ بھی منسوخ ہے اور اس کی یہ مثال دی ہے کہ ''جامع ترمذی'' میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص شراب پئے اس کو کوڑے مارو' دوبارہ اور سہ بارہ بھی کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار شراب پئے تو اس کو قتل کر دو' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کے نسخ پر اجماع کی دلالت ہے' کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں اور ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے' لہٰذا اس حدیث کے خلاف پر اجماع نہیں ہے۔ (توضیح الافکار ج ۲ ص ۴۱۹ مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

میری رائے یہ ہے کہ جو حدیث سند صحیح سے ثابت ہو وہ اجماع پر مقدم ہے اور ائمہ اور علماء کے اجماع میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حدیث رسول کے مزاحم ہو سکے' نسخ تو دور کی بات ہے۔

اسباب نزول کا بیان

قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً نازل کیا اور وہ کسی خاص سبب یا واقعہ کے ساتھ مربوط نہیں تھی وہ محض مخلوق کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی' اس قسم کی آیات بہ کثرت ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا خاص واقعہ کے ساتھ مربوط ہے یا کسی سوال کے جواب میں نازل کی گئی' ان اسباب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے' بعض اوقات ایک آیت کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب کی وجہ سے متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اور ہر چند کہ آیت کسی خاص مورد اور واقعہ میں نازل ہو لیکن جمہور ائمہ اور مفسرین کے نزدیک خصوصیت مورد کی بجائے عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اسباب نزول کے فوائد

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:۱۱۵) اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں تو جہاں کہیں تم منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے اور اس کے لیے سفر اور حضر میں کہیں بھی بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے' لیکن اس آیت کا صحیح معنی صرف شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے' یعنی سفر میں نمازی کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی طرف ہو' اسی طرح اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین تیز رفتاری سے دوڑتی رہے اور کہیں نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز بھی پڑھی جائے گی خواہ ٹرین کا رخ کسی طرف ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک قوم کے متعلق نازل ہوئی جس پر ایک غزوہ میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندھیرے میں جنوب یا شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور جب صبح ہوئی تو پریشان ہوئے کہ ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ (البقرہ:۱۵۸) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۶۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی مباح ہے واجب نہیں ہے' عروہ بن زبیر کو بھی یہی اشکال لاحق تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر یہ سعی مباح ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی: ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ'' (البقرہ:۱۵۸) اگر وہ ان کی سعی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں' پھر حضرت عائشہ نے اس آیت کا شان نزول بتلا کر یہ سمجھایا کہ سعی واجب ہونے کے باوجود اس طرح کیوں فرمایا: صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عروہ نے اس آیت: (البقرہ:۱۵۸) کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: اس آیت کی رو سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اے بھتیجے! تم نے درست نہیں کہا' اگر اس آیت کا وہی معنی ہوتا جس طرح تم نے تاویل کی ہے تو یہ آیت اس طرح ہوتی: ''لا جناح علیه ان لا یطوف بهما'' جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں' لیکن یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ اسلام لانے سے پہلے مناۃ (بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مشلل کے پاس عبادت کرتے تھے' پھر جو احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتا' پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا اور عرض کیا: (یارسول

اللہ!) ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے (سعی کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے' حضرت عائشہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان سعی کو واجب قرار دیا ہے' پس کسی شخص کے لیے ان کے درمیان سعی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے' عروہ کہتے ہیں: میں نے ابوبکر بن عبدالرحمان کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا: لاریب یہی علم ہے' میں نے پہلے یہ نہیں سنا تھا' اور میں نے اہل علم سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ (انصار کے ان لوگوں کے سوا جن کا حضرت عائشہ نے ذکر کیا ہے) مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے' یہ سب صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کرنے کا حکم دیا اور قرآن میں صفا اور مروہ کا ذکر نہیں کیا' تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کا طواف کرتے تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا تو اگر ہم اب بھی صفا اور مروہ کا طواف کریں تو آیا کوئی گناہ ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے' ابوبکر بن عبدالرحمان نے عروہ سے کہا: تو سنو! یہ آیت ان دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کرنے کو گناہ سمجھتے تھے' اور وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان طواف کرتے تھے' پھر اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان طواف کرنے کو اس لیے گناہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا تھا اور صفا کا ذکر نہیں کیا تھا' حتیٰ کہ بعد میں بیت اللہ کے طواف کے بعد صفا کا ذکر بھی فرمادیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کس لیے نازل ہوئی' اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

عام سبب اور آیت کے عام الفاظ

قرآن مجید میں کبھی سبب عام ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی خاص ہوتے ہیں' اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ عام ہوتے ہیں اور اسی میں اختلاف ہے' جمہور کے نزدیک خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت جب سبب اور الفاظ دونوں عام ہوں تو بالاتفاق عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے' اور اس کی سورۂ آل عمران میں بہ کثرت مثالیں ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ احد کے سلسلے میں نازل ہوئیں مثلاً یہ آیت ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو' اور غمگین نہ ہو' اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے ○

یہ آیت بالعموم اہل احد کے متعلق نازل ہوئی' اس کے الفاظ عام ہیں اور اس میں عموم ہی کا اعتبار ہے۔

خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ

دوسری صورت میں جس میں سبب اور لفظ خاص ہو تو خصوص ہی کا اعتبار ہوتا ہے اور لفظ کا خاص ہونا یا علم کی وجہ سے ہو گا یا لام عہد کی وجہ سے۔

علم کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیت ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا

پھر جب زید نے اس (قطع تعلق) کی غرض پوری کر لی

تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔ (الاحزاب: ۳۷)

حضرت زید بن حارثہ اور ان کی زوجہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا میں ان بن رہتی تھی' اس وجہ سے وہ ان کو طلاق دینا چاہتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکتے تھے' بہر حال جب زید نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔

اور لام عہد کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیات ہیں:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (اللیل: ۲۱-۱۷)

اور سب سے بڑے متقی کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا ۝ جو حصول پاکیزگی کے لیے اپنا مال راہ الٰہی میں خرچ کرتا ہے ۝ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۝ اس کا یہ مال خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے ۝ اور وہ ضرور عنقریب راضی ہو گا ۝

یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں' جب انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا جن کو ایمان لانے کے جرم میں سخت عذاب دیا جا رہا تھا' کفار نے کہا: ضرور بلال نے پہلے کوئی ابو بکر پر احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے ان کو آزاد کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بلال تو الگ رہے روئے زمین پر کسی کا ابو بکر پر کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جا سکے۔ ان کا یہ عمل تو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہے' اور اس آیت کے مصداق صرف حضرت ابو بکر تھے کیونکہ باقی تمام مسلمانوں پر کسی نہ کسی کا کوئی نہ کوئی دنیاوی احسان ضرور تھا' اس آیت میں حضرت ابو بکر کو "الاتقی" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں' لہٰذا اس آیت کا سبب بھی خاص ہے اور الفاظ بھی خاص ہیں۔

خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ

تیسری صورت یہ ہے کہ آیت کا سبب خاص ہو اور الفاظ عام ہوں۔ اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے' اس کی مثال یہ آیات ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۷-۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے کسی شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے ۝ اور پانچویں گواہی یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو ۝

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں عشاء کے وقت اپنی اہلیہ (خولہ بنت عاصم) کے پاس گیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد (شریک بن سحماء) دیکھا' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا' صحابہ کرام کا خیال تھا کہ اب حضرت ہلال پر حد قذف لگ جائے گی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۰۴ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ان آیات میں لعان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ہر چند کہ اس کا سبب نزول حضرت ہلال بن امیہ کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور جو شخص بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو شوہر اور بیوی کے درمیان لعان کیا جائے گا۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری حضرت سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل کر دے؟ تو پھر وہ قتل کر دیا جائے گا' تو وہ کیا کرے؟ حضور نے اس کو ناپسند کیا' تب حضرت عویمر نے کہا کہ میں حضور سے براہ راست سوال کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تھے' حضرت عویمر آئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ تو پھر آپ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے! پھر وہ شخص کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق مجھ پر آیت نازل ہو چکی ہے۔ جاؤ اس کو لے آؤ' حضرت سہل نے کہا: پھر ان دونوں نے لعان کیا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۰۔۷۹۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے واقعے ان آیات کا شان نزول ہیں اور یہ کہ ان آیات کے دو سبب نزول ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ (المجادلہ: ۴۔۳)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں (اپنی بیوی سے کہیں: تیری پشت میری ماں کی پشت کی طرح ہے) پھر اسی کام کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے لیے اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں (یعنی عمل زوجیت) تو ان پر عمل تزویج سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یہ وہ نصیحت جو تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ۝ تو جس کو غلام نہ مل سکے وہ عمل تزویج سے پہلے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے' پھر جو (روزوں کی بھی) طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

علامہ سیوطی ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم نے صحیح سند سے اور امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا کہ میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور اب میں زیادہ عمر کی ہو گئی اور میرے بچے بھی نہیں رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا' وہ مسلسل یہ شکایت کرتی رہی حتیٰ کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ (درمنثور ج ۶ ص ۱۷۹ 'مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران)

ظہار کی آیات کا سبب خاص ہے اور وہ خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر کا ان سے ظہار کرنا ہے اور اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار اسی عموم کا ہے' یعنی ہر ظہار کرنے والے مسلمان کا یہی حکم ہے۔

ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض اوقات ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہوتے ہیں' اسی طرح بعض اوقات سبب واحد ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں متعدد آیات نازل ہوتی ہیں' اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں عورتوں کا ذکر کیا ہو تو سورہ آل عمران میں کئی آیات نازل ہوئیں' نیز امام حاکم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ مردوں کا ذکر کرتے ہیں اور عورتوں کا ذکر نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○ (الاحزاب: ۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب تیار کیا ہے○

اور یہ آیت نازل ہوئی:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ (آل عمران: ۱۹۵)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت' تم سب آپس میں ہم جنس ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جن کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور وہ شہید ہوئے' تو میں ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا' اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ کی طرف سے ثواب ہوگا' اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے○

اسباب نزول سے متعلق یہ اہم اور ضروری مباحث تھے جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

مکمل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تئیس سالہ زندگی میں قرآن مجید متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا' یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں ہوئی' قرآن مجید میں ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تا کہ آپ اس کو ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے اس کو (حسب حالات) بہ تدریج نازل کیا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۝ (الفرقان: ۳۳-۳۲)

اور کافروں نے کہا: اس (رسول) پر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ ہاں! ہم نے اسی طرح (تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے) تا کہ ہم اس پر آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اس کی بہ تدریج تلاوت فرمائی ہے O اور (اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ) جب بھی یہ لوگ آپ کے پاس کوئی عجیب سوال لے کر آئے تو ہم نے اس کا (بروقت) صحیح اور ٹھوس جواب دیا اور واضح اور روشن بیان کر دیا O

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ان پڑھ تھی اور لکھنا پڑھنا ان کا بالعموم شعار نہ تھا' اگر قرآن یکبارگی مکمل نازل ہو جاتا تو ان کے لیے اس کو ضبط کرنا مشکل ہوتا اور ان سے اس میں بہت غلطیاں ہوتیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے' نزول کتاب سے پہلے آپ لکھتے اور پڑھتے نہیں تھے اور تورات کو یکبارگی نازل کیا گیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔

(۲) جس شخص کے پاس کتاب ہو وہ اس کتاب پر اعتماد کر لیتا ہے اور اس کو حفظ کرنے میں تساہل اور سستی کرتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں فرمائی تا کہ آسانی سے اس کو حفظ کیا جا سکے اور مسلمان اس میں سستی نہ کریں۔

(۳) اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل کر دی جاتی تو پوری شریعت ایک مرتبہ ہی نازل ہو جاتی اور اس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے دشوار ہوتا' اس کے برعکس جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو لوگ بہ تدریج احکام کے مکلف ہوئے اور ان پر عمل کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو گیا۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار حضرت جبرائیل سے ملاقات کرتے تو ان کی ملاقات سے آپ کا دل قوی ہو جاتا اور تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی کلفتوں اور دشواریوں پر آپ کا صبر اور پختہ ہو جاتا اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں آپ کا شوق اور ولولہ اور بڑھ جاتا۔

(۵) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے سے قرآن مجید کا اعجاز اور واضح ہو گیا' کیونکہ اگر کسی انسان کی قدرت میں ایسا کلام لانا ممکن ہوتا تو وہ بھی اس طرح کی چند آیات پیش کر دیتا۔

(۶) مختلف مواقع پر لوگ مختلف سوالات کرتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۷) جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چند آیتوں کے ساتھ ان کو چیلنج کرتے اور جب وہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی نظیر بھی نہ لا سکے تو پورے قرآن کی نظیر نہ لانا اور زیادہ واضح ہو گیا اور آپ کے دل میں اور استحکام

آ گیا کہ یہ قوم آپ کے معارضہ سے عاجز ہے۔

(۸) اگر پورا قرآن کریم ایک بار نازل ہو جاتا تو حضرت جبرائیل صرف ایک بار آتے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت منقطع ہو جاتی اور جب کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا تو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت کا رابطہ تاحیات قائم رہا۔

(۹) اس میں آپ کی دوسرے رسولوں پر فضیلت ہے کیونکہ ان پر یکبارگی کتاب نازل کر دی گئی اور ان کے پاس صرف ایک بار حضرت جبرائیل آئے اور اس کے بعد ان کے اور اللہ کے درمیان سفارت منقطع ہو گئی' اور جو سفارت کا رابطہ دوسرے رسولوں کے ساتھ صرف ایک بار ہوا وہ رابطہ آپ کے ساتھ تاحیات برقرار رہا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یکبارگی کوہ طور پر تورات نازل ہوئی' تو کوہ طور کو مہبط وحی الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جب حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد مقامات کو مہبط وحی الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہوا حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے بستر پر بھی قرآن نازل ہوا۔

(۱۱) مختلف اسباب اور واقعات کی وجہ سے بھی قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں' مثلاً کسی کافر یا منافق نے کوئی دل آزار کلمہ کہا تو اس کے رد میں آپ کو تسلی دینے کے لیے آیات نازل ہوئیں' مسلمانوں نے رات کے روزے میں روزہ توڑ لیا تو رات کا روزہ ختم کرنے میں آیات نازل ہوئیں۔ منافقین نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تو آپ کی براءت میں آیات نازل ہوئیں' علیٰ ھذا القیاس اگر قرآن مجید مکمل یکبارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۲) بعض اوقات کوئی حکم نازل کیا جاتا' پھر اس کو منسوخ کر دیا جاتا' مثلاً پہلے بیوہ عورت کی عدت ایک سال رکھی گئی' پھر یہ عدت چار ماہ دس دن کر دی گئی' اور مکہ مکرمہ میں جہاد شروع نہیں کیا گیا اور کفار کے مقابلہ میں صبر و ضبط کا حکم دیا گیا تھا اور مدینہ منورہ میں جہاد کا حکم دیا گیا' اس طرح ناسخ اور منسوخ آیتوں اور احکام کا سلسلہ اسی وقت ممکن تھا جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہو۔ اگر قرآن مجید یکبارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۳) عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت کی عادتوں اور رسموں میں جکڑے ہوئے تھے' اگر یکبارگی ان پر تمام احکام شرعیہ کا بوجھ ڈال دیا جاتا تو وہ گھبرا جاتے اور ممکن تھا کہ وہ ان تمام احکام کو قبول نہ کر پاتے' اس لیے حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو بہ تدریج احکام کا مکلف کیا جائے' اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ جو عادات ان میں راسخ ہو چکی تھیں ان کو آہستہ آہستہ بدلا جائے۔

(۱۴) جیسے جیسے واقعات اور حوادث پیش آتے رہے اور ان کے اعتبار سے جس جس طرح حکمت اور مصلحت کا تقاضا تھا اسی اعتبار سے قرآن مجید کو نازل کیا جاتا رہا۔

رمضان کے مہینہ کی شب قدر میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور مسلسل تیئیس سال تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی زندگی کا کوئی وقت وحی الٰہی سے رابطہ کے بغیر نہیں گزرا اور حضرت جبرائیل کی رفاقت اور معیت سے آپ کی بعثت کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی' اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے '' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ '' (العلق:۱) نازل ہوئی' امام بخاری' امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے کی گئی' آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو روشن صبح کی طرح اس کی تعبیر آجاتی' پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت پیدا کی گئی' آپ حراء میں جاکر کئی کئی راتیں گزارتے اور وہاں عبادت کرتے' آپ وہاں قیام کے لیے کھانا لے جاتے' اس کے بعد حضرت خدیجہ کے پاس لوٹتے اور پھر کھانا لے جاتے' آپ غار حراء میں تھے کہ ایک دن فرشتہ آیا' اور اس نے کہا: پڑھیے' آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا' میں کیا پڑھوں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کردی' پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا' میں کیا پڑھوں؟) اس نے سہ بارہ مجھے پکڑ کر بھینچا حتیٰ کہ اس نے پوری قوت صرف کی' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے '' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ '' (العلق:۱) اور یہ آیت '' مَالَمْ یَعْلَمْ '' (العلق:۵) تک پڑھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو دہرایا اور درانحالیکہ آپ کے کندھے کپکپارہے تھے۔

امام حاکم نے '' مستدرک '' میں اور امام بیہقی نے '' دلائل النبوۃ '' میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ '' اقرا باسم ربك '' ہے۔

امام طبرانی نے حدیث صحیح کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ ابو رجاء عطاردی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری دو سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک حلقہ میں ہم کو قرآن پڑھا رہے تھے' جب انہوں نے '' اقرا باسم ربك الذی خلق '' کی تلاوت کی تو کہا: یہ پہلی سورت ہے' جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا: پڑھیے' آپ نے فرمایا: میں کیا پڑھوں؟ بہ خدا! میں پڑھنے والا نہیں ہوں' حضرت جبرائیل نے کہا: '' اقرا باسم ربك الذی خلق '' اور یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔

ابوعبید نے فضائل قرآن میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قرآن کی پہلی نازل ہونے والی سورتوں میں '' اقرا باسم ربك '' اور '' نٓ وَالْقَلَمِ '' (القلم:۱) ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے '' یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ '' (المدثر:۱) نازل ہوئی' کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی سورت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا: '' یایھا المدثر '' (الحدیث) اس حدیث کا یہ جواب ہے کہ سب سے پہلی آیت '' اقرا باسم ربك '' ہے اور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ '' یایھا المدثر '' ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ '' اقرا باسم ربك '' کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا آنا رک گیا تھا' اس فترت اور وقفہ کے بعد جو سب سے پہلی سورت نازل ہوئی وہ '' یا یھا المدثر '' ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ سورہ مدثر اس لحاظ سے پہلی سورت ہے کہ اس میں احکام ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور '' اقرا باسم ربك '' مطلقاً سب سے پہلی آیت ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلی سورت ہے' امام بیہقی اور امام واحدی نے ابومیسرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں' بہ خدا! مجھے خوف ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب بات ہے! حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا' بہ خدا

آپ امانت کو ادا کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں' پھر جب حضرت ابوبکر' حضرت خدیجہ کے پاس آئے تو حضرت خدیجہ نے ان کو یہ قصہ سنایا اور کہا: (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورقہ کے پاس جاؤ' سو وہ آپ کے ساتھ ورقہ کے پاس گئے اور یہ قصہ سنایا اور فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو کوئی مجھے پیچھے سے آواز دیتا ہے: یا محمد! یا محمد! تو میں بھاگ کر افق میں (بہت دور) چلا جاتا ہوں' ورقہ نے کہا: آپ ایسا نہ کریں' جب یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے پھر آکر مجھے بتائیں' پھر آپ کو تنہائی میں آواز آئی: یا محمد! کہیے: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین'' حتیٰ کہ ''ولا الضالین'' تک سورہ فاتحہ آپ نے سنی' یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے روای ثقہ ہیں' امام بیہقی نے کہا: اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ سورہ اقراء اور سورہ مدثر کے نزول کے بعد پیش آیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' نازل ہوئی' واحدی نے اپنی سند کے ساتھ عکرمہ اور حسن سے روایت کیا ہے کہ پہلی آیت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' اور پہلی سورت اقراء ہے۔

(الاتقان ج ۱ ص ۲۴۔ ۲۳ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی' امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی: ''يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' (النساء:۱۷۶) اور سب سے آخری سورت' سورہ توبہ ہے' امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے' امام بیہقی نے بھی حضرت عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس سے مراد یہ آیت ہے: ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا'' (البقرہ:۲۷۸) امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی حضرت عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی نے از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ'' (البقرہ:۲۸۱)۔ امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ:۲۸۱) اس آیت کے نزول کے اکیاسی (۸۱) دن بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا' اور امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ:۲۸۱) ہے اور اس کے نزول کے نو دن بعد پیر کے دن ۲۸ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ میراث میں آخری آیت ''يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' (النساء:۱۷۶) ہے اور سود میں آخری آیت ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا'' (البقرہ:۲۷۸) ہے اور مطلقاً آخری آیت ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ:۲۸۱) ہے۔

امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت ''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ'' (التوبہ:۱۲۸) ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ'' (النصر:۱) ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت' سورہ مائدہ اور سورہ فتح ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشہور روایت ہے کہ سب سے آخر میں سورہ توبہ نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے یہ کہا ہے کہ ان مختلف روایات کی بہ تقدیر صحت یہ توجیہ ہے کہ ہر صحابی نے اپنے نظریہ کے مطابق کہا ہے' قاضی ابوبکر نے یہ کہا ہے کہ ان اقوال میں سے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد نہیں ہے' اور ہر صحابی کا قول اس کے اجتہاد اور غلبہ ظن پر محمول ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۲۷۔۲۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

مکی اور مدنی سورتوں کے متعلق علماء کی تین اصطلاحیں ہیں' ان میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں' عام ازیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ میں' فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہوں یا حجۃ الوداع کے سال میں' یا کسی سفر کے دوران نازل ہوئی ہوں۔

دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ وہ ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئی ہوں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں' اس اصطلاح کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں میں ایک واسطہ ہوگا کیونکہ جو آیات دوران سفر نازل ہوئیں وہ مکی ہوں گی نہ مدنی' اور امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن تین جگہوں میں نازل ہوا ہے' مکہ' مدینہ اور شام میں۔ ولید نے کہا: شام سے مراد بیت المقدس ہے' اور شیخ عماد الدین بن کثیر نے کہا: شام کی تفسیر تبوک سے کرنا زیادہ بہتر ہے' اور میں کہتا ہوں کہ مکہ میں اس کے مضافات مثلاً منیٰ' عرفات اور حدیبیہ داخل ہیں اور مدینہ میں بدر' احد اور سلع داخل ہیں۔

تیسری اصطلاح یہ ہے کہ جن سورتوں میں اہل مکہ سے خطاب ہو' وہ مکی ہیں اور جن سورتوں میں اہل مدینہ سے خطاب ہو وہ مدنی ہیں۔

قاضی ابوبکر نے کہا: مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت میں صحابہ اور تابعین کی معرفت پر اعتماد کیا گیا ہے' اور اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں ہے' اور فرائض اور واجبات میں سے کوئی چیز ان کی معرفت پر موقوف نہیں ہے' البتہ ناسخ اور منسوخ کی معرفت میں سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا دخل ہے۔

(الاتقان ج ۱ ص ۹۔۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سب سے پہلے قرآن مجید کو حفظ کر کے سینوں (دماغوں) میں جمع کیا گیا اور سب سے پہلے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ (ذہن مبارک) میں محفوظ اور جمع ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ (القیامہ: ۱۹۔۱۶)

آپ (قرآن یاد کرنے کے لیے) جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں ○ بے شک اس کو (آپ کے ذہن میں) محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ○ تو جب ہم اس

کو پڑھ چکیں تو پھر آپ اس پڑھے ہوئے کو پڑھیں O پھر بے
شک اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا آپ نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: جبرئیل ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ اب میرا وقت آ گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جواد تھے' اور آپ کی جود و سخا رمضان کے مہینے میں بہت زیادہ ہوتی تھی' کیونکہ حضرت جبریل ماہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے تھے حتیٰ کہ ماہ رمضان پورا ہو جاتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ خیر کی سخاوت فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید کو یاد کرتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ مسروق کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرو نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن مجید کو حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود' سالم' معاذ اور ابی بن کعب۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا: بہ خدا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے (سن کر) ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم ہے حالانکہ میں ان سب سے افضل نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوتی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی ہے اور کتاب اللہ کی جو آیت نازل ہوتی تھی مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اونٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جا سکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن جمع کیا تھا' انہوں نے کہا: چار صحابہ نے اور وہ سب انصار میں سے تھے' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت صرف چار صحابہ نے

قرآن مجید جمع کیا تھا' حضرت ابو درداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موخر الذکر دو حدیثوں پر دو اعتراض ہوتے ہیں' ایک اعتراض یہ ہے کہ پہلی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے اور دوسری حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر کیا ہے اور یہ ان کے ذکر کردہ حصر کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر ہے وہ غیر محفوظ اور غیر راجح ہے' اور محفوظ اور راجح وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے دو مختلف وقتوں میں یہ حدیثیں بیان کی ہوں' ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور دوسری دفعہ حضرت ابو درداء کا ذکر کیا' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے: حضرت معاذ بن جبل' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ایوب انصاری' یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جن میں حضرت ابو درداء' حضرت معاذ' حضرت ابو زید' اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل ہیں' مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید جمع کرنے کا انکار کیا ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا رد کرنے کے لیے بہ طریق حصر حضرت ابو درداء کا ذکر کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا' حالانکہ ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن سائب' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ ہیں (البتہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن مجید مکمل کیا) اور ابن ابو داؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن صامت' حضرت معاذ ابو حلیمہ' حضرت مجمع بن حارثہ' حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن مخلد وغیرہم کا ذکر کیا' (اور ان میں سے بھی بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عمرو بن عاص' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انس نے جو یہ کہا ہے کہ چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر اور واقع میں بھی اسی طرح ہو' اور حضرت انس کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ان کو ان چار کے سوا باقی کا علم نہیں تھا' ورنہ اس کا کس طرح احاطہ ہو سکتا ہے جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے' اور حضرت انس کا یہ قول صرف اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے حضرت انس سے ملاقات کر کے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے مکمل قرآن جمع نہیں کیا اور یہ عادۃً بہت بعید ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے ملحدوں نے قرآن مجید کے متواتر ہونے پر طعن کیا ہے' تاہم اگر فی نفسہ یہ قول درست بھی ہوتا' تب بھی جم غفیر میں سے ہر ایک کو پورا قرآن مجید یاد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جم غفیر کو مجموعی طور پر بھی قرآن مجید یاد

نہ ہو اور تواتر کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو پورا قرآن حفظ ہو' بلکہ اگر کل نے مل کر کل کو یاد کر رکھا ہو پھر بھی کافی ہے اور علامہ قرطبی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر حافظ قرآن شہید ہو گئے تھے' اسی طرح عہد رسالت میں بیر معونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے' اس لیے یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

حضرت انس کی اس حدیث کی بعض مزید توجیہات یہ ہیں:

(۱) تمام وجوہ اور تمام قراءات کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

(۲) ان چار صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔

(۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے' اس لیے ان کا حال مخفی رہا' انہوں نے ریا اور عجب کے خدشہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔

(۴) ان چار کے جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔

(۵) ان چار نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے مکمل قرآن جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۔۵۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کر لیا گیا تھا' کیونکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب قرآن کو یہ حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھ دو' اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو یہ حکم دیتے کہ اس کو فلاں سورت کے بعد لکھو۔

(غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۴' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۲۳ھ)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید لکھ لیتے تھے' اور مشہور یہ ہے کہ پچیس صحابہ کاتب وحی تھے' اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ساٹھ صحابہ تھے' ان میں زیادہ مشہور خلفاء اربعہ' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاویہ بن ابی سفیان' حضرت یزید بن ابی سفیان' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت زبیر بن عوام' حضرت خالد بن ولید' پھر علامہ زحیلی نے ابوعبیدہ کے حوالے سے ان حفاظ صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ زیادہ مشہور حفاظ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابو درداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔ (التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۱۔۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو بکر کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا گیا کہ نزول وحی کا عمل آپ کی حیات مبارکہ میں مسلسل جاری تھا اور ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان تھا' البتہ قرآن مجید کی تمام آیات کپڑے کے ٹکڑوں پر' ہڈیوں پر' پتھروں پر اور پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی ٹہنیوں پر لکھی ہوتی تھیں' پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ یمامہ کے دوران بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے' تب قرآن مجید کو پہلی بار ایک مصحف میں جمع کرنے

کی تحریک ہوئی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دوران' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت ابوبکر نے کہا: میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا: جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے' اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر یونہی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا' اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں' میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر کر دیا' اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا: تم عقل مند شخص ہو اور ہم کو تمہارے متعلق کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں ہے' اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتے تھے' سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو' بہ خدا! اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا' میں نے کہا: آپ لوگ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: بہ خدا! اس میں خیر ہے' پھر حضرت ابوبکر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کا سینہ کھول دیا تھا' پس میں نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا' میں نے پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی شاخوں' پتھروں اور مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا' حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت: ''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ'' (التوبہ: ۱۲۸) مجھے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملی' پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن مجید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا گیا' پھر ان کی وفات کے بعد تاحیات حضرت عمر کے پاس رہا' پھر ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا' اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر پر رحم کرے' وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا' بعض روایات میں حضرت علی کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف روایات ہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد ہے: ان کا جمع کرنے کے لیے مشورہ دینا۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے آ کر کہا: جس شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جتنا قرآن مجید لکھ لیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور اس وقت لوگ صحیفوں میں' تختیوں پر اور پتوں سے خالی شاخوں پر لکھتے تھے اور حضرت زید کسی سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دیتے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید صرف لکھے ہوئے کو کافی نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیتے کہ اس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' حالانکہ حضرت زید بن ثابت خود حافظ قرآن تھے لیکن وہ حفاظت میں مبالغہ کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے فرمایا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر

بیٹھ جائیں' اور جو شخص کتاب اللہ پر دو گواہ لے کر آئے اس کو لکھ لیں' علامہ ابن حجر نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ انہوں نے اس آیت کو حفظ کیا تھا اور اسکو لکھ لیا تھا' علامہ سخاوی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو لکھ لیا گیا تھا' ابو شامہ نے کہا: ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ صرف اسی آیت کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ علی التعیین اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لیا گیا تھا' کیونکہ جب تک کسی آیت کا تحریری ثبوت نہ مل جائے وہ اس کے صرف حفظ کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔

ابن اشعث نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے قرآن کو جمع کیا' اور حضرت زید نے لکھا' لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیتوں کے لکھے جانے پر دو گواہ پیش نہ کرتے حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے' اور سورہ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شہادت تھی' حضرت زید نے کہا: اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی اکیلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے' پھر اس آیت کو لکھ لیا گیا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۵۸۔۵۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

جس حدیث میں حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: وہ گھوڑے کی قیمت لے کر آتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی چل کر گھوڑے کی قیمت لینے گئے اور وہ اعرابی آہستہ آہستہ چلتا رہا' لوگ اس اعرابی کے ساتھ چلنے لگے اور اس سے اس گھوڑے کی قیمت پوچھنے لگے اور ان کو یہ پتا نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' اس اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی: اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے' ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی یہ ندا سنی تو آپ نے فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اعرابی نے کہا: نہیں! بہ خدا میں نے یہ گھوڑا آپ کو نہیں بیچا' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اعرابی کہنے لگا: اچھا آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ گھوڑا آپ نے اس سے خریدا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت خزیمہ سے فرمایا: تم کس بنا پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دینا ان کے ایمان کی پختگی کی بنا پر تھا اور اس بات کا انعام تھا کہ انہوں نے بن دیکھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کر دی لیکن درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ سورہ توبہ کی آخری آیت کے لکھے جانے پر حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہوگا' اگر حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر نہ قرار دیا گیا تو سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن میں درج ہونے سے رہ جائے گی اور قرآن نامکمل رہ جائے گا' سو اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اختیار کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں اور ایک گواہی کو دو کے برابر کر دیں اور آپ کے علم کی عظمتوں کا بھی پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والے واقعات آپ کی نظر میں ہوتے ہیں اور نہ صرف نظر میں ہوتے ہیں بلکہ آپ ان کا تدارک بھی فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا تھا' اور ہر قبیلہ کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی' لیکن جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچا اور لوگوں نے مختلف حرفوں پر قرآن پڑھا تو جو شخص دوسرے حرف سے ناواقف تھا' اس نے اس کی تکذیب شروع کر دی مثلاً کوئی پڑھتا تھا: ''ننشزها'' اور دوسرا پڑھتا تھا: ''ننشرها'' یا کوئی پڑھتا تھا: ''فتمت كلمة ربك'' اور دوسرا پڑھتا تھا: ''تمت كلمات ربك'' اور ہر شخص کو یہ اصرار تھا کہ جس حرف پر اس نے قرآن پڑھا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرے کا پڑھا ہوا غلط ہے۔ اس صورت کی اصلاح کے لیے حضرت عثمان نے اس نسخہ کو منگوایا جو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا' اور اس کی متعدد نقلیں تیار کرا کے تمام شہروں میں بھجوا دیں اور باقی تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے پانی میں دھو ڈالا اور پھر ان اوراق کو جلا ڈالا' اور تمام امت کو قرآن مجید کے ایک حرف پر جمع کر دیا جو لغت قریش کے مطابق تھا اور یہ وہی نسخہ تھا جس کو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا اور بعد میں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوایا گیا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ آرمینیا اور آذر بائیجان کو فتح کرنے کے لیے جہاد میں گئے ہوئے تھے' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قراءت میں اختلاف سے خبردار کیا' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف ہو جائے اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے' پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ ہمیں بھیج دیجئے ہم ان کو مصاحف میں نقل کریں گے' پھر آپ کو واپس کر دیں گے' حضرت حفصہ نے وہ مصحف حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا' حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام سے کہا کہ وہ اس مصحف کو لکھیں اور حضرت عثمان نے قریشیوں کی جماعت سے کہا: جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا کسی قراءت میں اختلاف ہو تو اس کو لسان قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید لسان قریش میں نازل ہوا ہے' سو انہوں نے ایسا ہی کیا' اور جب انہوں نے حضرت حفصہ کے مصحف سے نقل کر کے ایک مصحف تیار کر لیا تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا مصحف ان کو واپس بھیج دیا' اور جو مصحف اس سے نقل کر کے تیار کیا تھا اس کی نقلیں تیار کر کے ہر علاقہ میں بھجوا دیں اور یہ حکم دیا کہ اس کے ماسوا جس قدر صحائف میں قرآن مجید لکھا ہوا ہے ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حضرت زید' حضرت ابن الزبیر' حضرت سعید اور حضرت عبدالرحمٰن قرآن مجید لکھنے کے لیے بیٹھے اور جب ان کا اس میں اختلاف ہوتا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے تو وہ حضرت عثمان کی طرف رجوع کرتے مثلاً تابوت میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے' آیا اس کو ہا کے ساتھ تابوہ لکھا جائے یا تا کے ساتھ تابوت لکھا جائے' حضرت زید بن ثابت نے کہا: یہ تابوہ ہے اور تین قریشی صحابہ نے کہا: یہ تابوت ہے' تب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا' حضرت عثمان نے فرمایا: اس کو لغت قریش پر لکھو کیونکہ قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر' مطبوعہ ادارۃ الاندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

حضرت عثمان کے دور میں اوراقِ قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات

''صحیح بخاری'' کی مذکور الصدر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے جمع کیے ہوئے مصحف کی نقلیں سب شہروں میں بھجوائیں اور اس سے پہلے جن صحیفوں میں قرآن لکھا ہوا تھا ان کو جلانے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے مصحف کے خلاف جو مصحف تھا اس کو حضرت عثمان نے جلانے کا حکم دیا' اور اس زمانہ میں عراق میں مصاحف کو جلایا گیا' اور سوید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ مصاحف جلانے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو' اور ابوقلابہ کی روایت میں ہے: جب حضرت عثمان مختلف شہروں میں مصحف بھیجنے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ان شہر والوں کی طرف لکھا: ''میں نے اس اس طرح قرآن مجید جمع کیا' اور میرے پاس (پہلے) جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو میں نے مٹا دیا' اور تمہارے پاس جو کچھ پہلے لکھا ہوا ہے تم بھی اس کو مٹا دو'' اور مٹانے کا مفہوم ان صحائف کو دھونے اور جلانے سے عام ہے اور اکثر روایات میں جلانے کی تصریح ہے اور ہو ابھی ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کاغذات سے آیات کے نقوش کو دھو کر پھر انہیں جلا دیا ہو' اور قاضی عیاض مالکی نے وثوق سے کہا ہے کہ پہلے ان کاغذات کے نقوش کو دھویا' پھر اس کو مٹانے میں مبالغہ کے لیے ان کاغذات کو جلا ڈالا' علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کتابوں میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو' ان کو جلانا جائز ہے' اس عمل میں ان کتابوں کی تکریم ہے' اور ان کو بے ادبی سے بچانا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر کے عہد میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے' ہر سورت میں آیات ترتیب سے تھیں لیکن تمام سورتیں متفرق تھیں' ترتیب وار نہ تھیں اور حضرت عثمان نے جو مصحف جمع کیا وہ مرتب تھا' اس میں سورتیں ترتیب وار تھیں' حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا' اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ التلاوت تھیں یا جو غیر لغت قریش پر آیات تھیں' یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی اس کو جلانے کا حکم دیا تھا' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو میں مبالغہ کرنے کے لیے کاغذات کو جلایا تھا' علامہ ابن بطال نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے ان کو جلا دیا جائے' لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی' اور اب اگر قرآن مجید کے کسی ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قابل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۔ ۱۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے' ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے ان اوراق کو جلایا تھا جن کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا' یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا' انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تا کہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے' کیونکہ اگر وہ واقعۃً قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا'

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نجاست سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا' اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت سے ثابت ہے' جب اس کے اوراق بوسیدہ ہوجائیں تو ان کو دھونا متعین ہے یا نہیں' بلکہ چاہیے یہ کہ دھونے کے بعد ان کے غسالہ (دھوون) کو پی لیا جائے کیونکہ قرآن ہر بیماری کی دوا ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۹ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو بوسیدہ اوراق کے دھونے کا مسئلہ لکھا ہے یہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہے' آج کل جب کہ پختہ سیاہی سے طباعت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے' ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کر دینا چاہیے جو جگہ لوگوں کے پیروں تلے نہ آتی ہو۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

جن بوسیدہ کتابوں سے نفع حاصل نہ کیا جاسکے' ان سے اللہ' فرشتوں اور رسول علیہ السلام کا نام مٹا کر باقی کو جلا دیا جائے' اور ان کو اسی طرح جاری پانی میں ڈالنے میں بھی حرج نہیں ہے یا ان کو دفن کر دیا جائے اور یہ احسن ہے' جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا جاتا ہے۔ (درمختار علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی ج ۴ ص ۲۱۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جب بوسیدہ ہو جائے اور اس کو پڑھنا دشوار ہو تو ہم اس کو آگ میں نہیں جلائیں گے' ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج ۴ ص ۲۰۱ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

''مجتبیٰ'' میں لکھا ہے کہ جب مصحف پرانا اور بوسیدہ ہو جائے تو اس کو دفن کرنا احسن ہے جیسے نبیوں اور ولیوں کو دفن کیا جاتا ہے' اور باقی دینی کتابیں جب بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے' اور دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی دفن کیا جاتا ہے' اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا' امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور مناسب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی لحد بنائی جائے' کیونکہ اگر اس کی قبر بہ طریق شق بنائی گئی تو اس پر مٹی گرے گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے' ہاں اگر چھت بنا کر پھر مٹی ڈالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح اگر کسی پاک جگہ قرآن مجید کو رکھ دیا جائے جہاں نہ کسی بے وضو کا ہاتھ لگے نہ گرد و غبار پڑے اور نہ اس کی تعظیم میں فرق آئے تو یہ بھی جائز ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴ 'مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سنو کہ روایات شاذہ میں ہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی اور اس کا بعض حصہ ضائع ہو گیا' تو ان روایات کا کوئی وزن نہیں ہے' یہ روایات مضطرب اور ضعیف ہیں اور یہ روایات مسلمانوں کے مخالف ہیں۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۴۱۱ھ)

نیز شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

شیخ المحدثین نے ''کتاب الاعتقاد'' میں لکھا ہے کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم پر نازل کیا یہ وہ قرآن ہے جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے' اور وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کو مانتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور جن روایات میں ہے کہ قرآن مجید کو کم کر دیا گیا ہے ان کے کئی محمل ہیں' شیخ مفید نے فصل الخطاب کے اواخر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں سے کوئی کلمہ' کوئی آیت اور کوئی سورت کم نہیں ہوئی' البتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مصحف میں آیات قرآن کے معانی کی جو تفسیر اور تاویل لکھی ہوئی تھی اس کو حذف کر دیا گیا' سید مرتضٰی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں ہے' بعض امامیہ اور بعض حشویہ نے بعض ضعیف روایات کی بناء پر یہ کہا کہ قرآن مجید میں کمی کی گئی ہے لیکن ان کا اختلاف غیر معتبر ہے اور شیخ طوسی نے تفسیر تبیان کے اول میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کے موضوع پر بحث کرنا' مناسب نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کا قول کرنا بھی مسلمانوں کے مذاہب کے خلاف ہے' اور ہمارا صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایات ہے' البتہ بہت سی روایات میں قرآن مجید میں کمی کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایات اخبار احاد ہیں جو علم اور عمل کے لیے مفید نہیں ہیں اور ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۲۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۱۱ھ)

شیخ کاشانی لکھتے ہیں:

قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح باقی ہے' اور زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے' تمام علماء اسلام عام ہوں یا خاص اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز زیادہ نہیں ہوئی' البتہ کمی کے متعلق ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے اور منافقین نے چند آیات کو حذف کر دیا اور شیعہ فرقے کے اکثر علماء اور سنی علماء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی تغیر' تبدل' کمی اور زیادتی نہیں ہوئی (الی قولہ) جن روایات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف' تبدیل' حذف یا تغیر ہوا ہے ان روایات کی تاویل اور توجیہ کرنی چاہیے اور اگر ان روایات کی توجیہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہیے۔

(منہج الصادقین ج ۱ ص ۸ ۲-۷ ۲' مطبوعہ خیابان ناصر و خسرو ایران)

جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

اس جگہ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک گروہ کے درمیان یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن متفرق صورت میں تھا' اس کے بعد (حضرت) ابوبکر یا (حضرت) عمر یا (حضرت) عثمان کے زمانہ میں اس کو جمع کیا گیا' اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن اسی طرح جمع کیا ہوا تھا جس صورت میں آج جمع کیا ہوا ہے' اور اس کی ابتداء میں بھی سورت فاتحہ تھی' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس پر متعدد دلائل ہیں کہ جس صورت میں آج قرآن ہمارے سامنے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے حکم سے اس کو اسی طرح جمع کیا گیا تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: قرآن مجید ریشم اور کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں میں متفرق ہے اس کو جمع کرو' پھر حضرت علی علیہ السلام اس مجلس سے اٹھے اور زرد رنگ کے ایک کپڑے میں قرآن مجید کو جمع کر کے اس پر مہر لگا دی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور سنی عالم خوارزمی نے ''کتاب المناقب'' میں علی بن رباح سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور امام حاکم نیشاپوری نے ''مستدرک'' میں حضرت زید بن ثابت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن کو متفرق ٹکڑوں سے جمع کر کے پیش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جس آیت کا جو مقام تھا وہاں اس آیت کو رکھنے کا حکم دیتے تھے' البتہ اس وقت یہ نوشتہ متفرق تھا (یکجا نہ تھا)' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا کہ اس کو ایک جگہ جمع کریں' اور ہم کو اس سے خبردار کرتے تھے کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔

علماء شیعہ کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جس صورت میں آج ہمارے پاس قرآن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس صورت میں موجود تھا۔

طبرانی اور ابن عساکر' شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ چھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا اور قتادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس نے قرآن کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار صحابہ نے اور وہ سب انصار سے تھے: حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاذ اور حضرت ابوزید۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی نے قرآن جمع کیا تھا یا دوسروں نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے صرف قرآن کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ اس مجموعہ میں قرآن بھی تھا' تفسیر بھی تھی' آیات کا شان نزول بھی تھا اور اس کی مثل دیگر امور تھے' اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے اختلاف قراءات کو ختم کر کے ایک قراءت پر قرآن کو جمع کیا اور حروف پر نقطے لگائے کیونکہ اس سے پہلے نقطے لگانے کا رواج نہ تھا' البتہ اس پر اصرار کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن جمع کیا ہوا نہ تھا یہ حضرت عثمان یا خلیفہ اول یا دوم کا حصہ ہے' محض ان کی فضیلت سازی ہے۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۱۱۔ ۸' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

تفسیر نمونہ کے اس اقتباس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا' یہ ہمارے مخالف نہیں ہے جب کہ اس میں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ آیات اور سورتوں کے محل اور مقامات بتا دیئے گئے تھے اور اس کو لکھ کر جمع کر لیا گیا تھا لیکن ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا' ایک جگہ جمع پہلی بار حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے کیا گیا اور حضرت عثمان نے مختلف لغات یا قراءات کو ختم کر کے ایک قراءت پر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے' کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

سات حرفوں پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا' میں نے ان سے رجوع کیا اور مسلسل زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ حروف زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات حرفوں پر انتہا ہو گئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۷۔ ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری نے حضرت عمر سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے' اس میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے' جو حرف تم کو آسان لگے' اس پر قرآن پڑھو۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حرفوں سے کیا مراد ہے' ابو حاتم محمد بن حبان بستی نے اس مسئلہ میں علماء کے پینتیس اقوال ذکر کیے ہیں' ہم ان میں سے پانچ اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے:

(۱) اکثر اہل علم مثلاً سفیان بن عیینہ' عبد اللہ بن وھب' ابن جریر طبری' ابو جعفر طحاوی وغیرھم کا یہ نظریہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد ہے سات مختلف الفاظ سے متقارب معانی مثلاً ''اقبل' تعال'' اور ''ھلم'' ان سب کا معنی ہے آؤ' اور ''اذھب' اسرع'' اور ''عجل'' ان کا معنی ہے: جاؤ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۳ ''للذین امنوا انظرونا'' میں ''للذین امنوا امھلونا' للذین امنوا اخرونا' للذین امنوا ارقبونا'' پڑھتے تھے' اور حضرت ابی بن کعب سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰ ''کلما اضاء لھم مشوافیہ'' میں ''مروا فیہ'' اور ''سعوا فیہ'' پڑھتے تھے' اور ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ ان تمام حروف کا معنی واحد ہے' اور ان میں حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ان حروف میں پڑھنے کی لوگوں کو اس لیے اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغت پر پڑھنے سے عاجز تھے' کیونکہ ماسوا چند کے وہ سب ان پڑھ لوگ تھے اور دوسروں کی لغت پر پڑھنے سے ان کو دشواری ہوتی تھی' اس لیے جب معنی واحد ہو تو ان کو اختلاف الفاظ کی اجازت دی گئی' حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت اس خاص وقت میں ضرورت کی بنا پر تھی اور جب یہ ضرورت ختم ہو گئی تو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت ہی ختم ہو گئی اور اب صرف ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت ہے' جس حرف پر ابتداء میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔

(۲) ایک قوم نے یہ کہا کہ سات حرفوں سے مراد عرب کی سات لغات ہیں اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے گا' بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں' بعض آیات لغت قریش پر ہیں' بعض لغت ھذیل پر ہیں' بعض لغت ہوازن پر ہیں' بعض لغت یمن پر ہیں' علامہ خطابی نے کہا کہ ''عبد الطاغوت'' کو سات لغات پر پڑھا گیا ہے' ان کی مراد یہ ہے کہ بعض آیات کو سات لغات پر پڑھا گیا ہے اور ہر آیت اس طرح نہیں ہے۔ ابو عبید اور ابن عطیہ کا یہی مختار ہے' ابو عبید نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان نے صحابہ کی ایک جماعت کو مصحف لکھنے کا حکم دیا تو فرمایا: جب تمہارا اور زید کا اختلاف ہو تو اس لفظ کو لغت قریش پر لکھنا' قاضی ابن الطیب اور حافظ ابن عبد البر نے یہ کہا ہے کہ جس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اکثر حصہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ اس میں بعض الفاظ دوسری لغات پر بھی ہیں۔

(۳) ایک قوم نے یہ کہا کہ یہ سات لغات مضر میں ہیں' کیونکہ حضرت عثمان نے کہا ہے کہ قرآن لغت مضر پر نازل ہوا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ قریش' کنانہ' اسد' ھذیل' تمیم' ضبہ اور قیس یہ سب مضر کے قبائل ہیں اور یہ سات لغات انہی مراتب پر ہیں' البتہ مضر میں بعض شواذ بھی ہیں کیونکہ قیس میں مونث کی ضمیر خطاب میں کاف کی جگہ شین لاتے ہیں اور ''جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا'' (مریم: ۲۴) کو یوں پڑھتے ہیں: ''جعل ربش تحتش سریا'' اور تمیم ''الناس'' کو ''النات'' اور ''اکیاس'' کو ''اکیات'' پڑھتے ہیں' قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) سات حروف سے مراد سات قراءات ہیں، صاحب ''الدلائل'' اور قاضی ابن الطیب نے کہا ہے کہ ہم نے اختلاف قراءات میں تتبع کیا تو یہ سات ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر آیت میں سات قراءات جاری ہوتی ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ میں قراءات کی زیادہ سے زیادہ سات وجوہ ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض کلمات میں سات سے زیادہ وجوہ قراءات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب کلمات میں سات سے زیادہ قراءات نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۹، ص ۳۲، طبع لاہور) اس اختلاف قراءات کی حسب ذیل مثالیں ہیں:

(ا) حرکت متغیر ہو اور صورت اور معنی متغیر نہ ہو، مثلاً ''ولا یضار کاتب ولا شھید'' ر پر زبر ہو یا پیش ہو۔

(ب) صیغہ کا تغیر ہو، مثلاً ''بٰعِد بین اسفارنا'' اور ''بٰاعَد بین اسفارنا'' پہلی قراءت میں امر کا صیغہ ہے اور دوسری میں فعل ماضی کا۔

(ج) نقطہ کا تغیر ہو، مثلاً ایک قراءت میں ''ثم ننشرھا'' ہے اور ایک قراءت میں ''ثم ننشزھا'' ہے۔

(د) قریب المخرج لفظ کے ساتھ تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فرق، مثلاً ایک قراءت میں ہے ''طلح منضود'' اور دوسری قراءت میں ''طلع منضود'' ہے۔

(ھ) تقدیم اور تاخیر کا فرق ہو، مثلاً ''وجاءت سکرۃ الموت بالحق'' اور حضرت ابوبکر صدیق، طلحہ بن مصرف اور زین العابدین کی قراءت میں ہے: ''وجاءت سکرۃ الحق بالموت''۔

(و) زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر، مثلاً حضرت ابن مسعود اور حضرت ابودرداء کی قراءت میں ہے: ''والیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی'' یہ کمی کی مثال ہے کیونکہ مشہور قراءت میں ہے ''وما خلق الذکر والانثی'' اور زیادتی کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ''وانذر عشیرتک الاقربین'' کے بعد ہے ''ورھطک منھم المخلصین''۔

(ز) ایک کلمہ کو دوسرے مترادف کلمہ کے ساتھ بدلنا، مثلاً مشہور قراءت میں ہے: ''کالعھن المنفوش'' اور حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر کی قراءت میں ہے: ''کالصوف المنفوش''۔

(۵) سات حرفوں سے مراد قرآن مجید کے سات معانی ہیں اور وہ یہ ہیں: امر، نہی، وعد، وعید، قصص، مجادلہ اور امثال۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ ان عنوانات کو حروف نہیں کہتے، نیز اس پر اجماع ہے کہ حلال، حرام اور کسی معنی کے تغیر میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۔ ۴۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید کی سورتوں، آیتوں اور حرفوں کی تعداد کا بیان

سورت کا لفظ سور مدینہ سے ماخوذ ہے شہر کے گرد جو دیوار ہوتی ہے جس نے شہر کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو سور مدینہ کہتے ہیں اور قرآن کی سورت نے بھی اس کے مضامین کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے، یا اس کا معنی ہے: منازل قراءت میں سے ایک منزل۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیرہ سورتیں ہیں، انہوں نے سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی علامت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو ماقبل اور مابعد سے منقطع ہو، ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے

منقطع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا: آیات کا علم توقیفی ہے' اس میں قیاس کی مجال نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ ''الم'' جس سورت میں بھی ہے اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور ''المص'' کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے۔

''الر'' اور ''المر'' کو ایک آیت نہیں شمار کیا' حٰم' یٰس'' اور'' طٰہٰ'' کو ایک آیت شمار کیا ہے اور'' طٰس'' کو آیت نہیں شمار کیا۔

آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیت کی طرف پر وقف فرماتے تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے' جس سے سننے والا یہ گمان کرتا کہ یہ ایک آیت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں۔ علامہ دانی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھ ہزار آیات ہیں' پھر اس کے بعد اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس سے زائد نہیں ہیں۔ بعض نے کہا: دو سو چار زائد ہیں' بعض نے کہا: چودہ زائد ہیں' بعض نے انیس کہا' بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۷۔ ۶۴ ملخصاً' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ) بعض محققین کی رائے ہے کہ کل آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔

قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کتابت میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا' اور تمام سورتوں اور آیتوں کو مرتب کر کے اپنی اپنی جگہ لکھ دیا گیا' امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے میری طرف پیغام بھیجا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کو لکھتے تھے' لہٰذا اب تم قرآن مجید کو جمع کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سو ہڈیوں پر' پتھروں پر اور کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو لکھا گیا لیکن یہ تمام اجزاء متفرق تھے اور کسی کتابی شکل میں مجتمع اور مدون نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر کے عہد میں لغت قریش کے مطابق قرآن مجید کا ایک مجموعہ کتاب یا مصحف کی شکل میں مرتب کرا لیا گیا' لیکن مسلمانوں کو اپنی لغات کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی۔

(۳) حضرت عثمان کے عہد میں اسی نسخہ قرآن کی نقول تیار کی گئیں جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں لغت قریش پر مرتب کیا گیا تھا' اور تمام اسلامی شہروں میں اسی کی نقول ارسال کی گئیں اور باقی تمام نسخوں کو دھلوا کر جلوا دیا گیا۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام امت مسلمہ کے پاس یہی قرآن مجید ہے' اس میں کسی قسم کی کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوئی' مستشرقین اور غیر مسلم محققین نے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کئی اعتراضات کیے ہیں جن میں سے بعض اعتراض تو بالکل سطحی اور بے وزن ہیں جو مطلقاً لائق التفات نہیں ہیں' ہم چونکہ بلاوجہ طوالت سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم صرف ان اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں جن کی بہر حال کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن مجید محفوظ نہیں تھا تو بعد والوں کو کیسے محفوظ رہے گا' اس کی سند یہ ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا' تو آپ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحمت فرمائے' اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھے فلاں فلاں سورت سے بھلا دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے:

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی کسی حکمت کو پیدا کرنے کے لیے کسی چیز کی طرف سے وقتی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور بعد میں آپ کو پھر اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' عام لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ کسی چیز کو بھول جاتے ہیں' پھر کسی سے سن کر یا کسی اور سبب سے ان کو وہ چیز یاد آجاتی ہے' اس سے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کیا زد پڑتی ہے' اس حدیث کا منشاء صرف اتنا ہے کہ کسی چیز سے وقتی طور پر توجہ کا ہٹ جانا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے' اس شخص کے حفظ کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو حفظ کر لیا تھا' پھر وحی لکھنے والوں سے اس آیت کو لکھوا دیا تھا' اور مسلمانوں کو اس آیت کی تبلیغ فرما دی تھی اور انہوں نے آپ سے سن کر ان آیتوں کو یاد کر لیا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چند آیتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری کھا گئی تھی اس لیے وہ ضائع ہو گئیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رجم کی آیت نازل کی گئی اور بالغ آدمی کو دس چسکیاں دودھ پلانے سے رضاعت کی آیت نازل کی گئی' یہ آیتیں ایک پتے پر لکھی ہوئی تھیں جو میرے گھر میں میرے تکیہ کے نیچے رکھا ہوا تھا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ہم آپ کی تیمارداری میں مشغول ہو گئے اور ایک چوپایہ گھر میں داخل ہوا اس پتے کو کھا گیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۹ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت رجم اور دس چسکیوں سے رضاعت کے ثبوت کی آیت منسوخ التلاوت ہے' خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں' نیز اس کا ثبوت محض خبر واحد سے ہے تواتر سے نہیں ہے اور قرآن اس مجموعہ کلام اللہ کا نام ہے جو ہم تک تواتر سے پہنچا ہے' لہٰذا ان آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین ("قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" (الفلق: ۱) اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" (الناس: ۱)) کو قرآن مجید کی دو سورتیں نہیں مانتے تھے' اور اس کا ثبوت ان احادیث سے ہے:

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصاحف سے معوذتین کو کھرچ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام میں سے نہیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰۔۱۲۹ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام احمد کی سند صحیح ہے اور امام طبرانی کی سند ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو کھرچ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو اس میں نہیں اس کو تم کیوں زیادہ کرتے ہو؟ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: انہوں نے قرآن میں اس کو خلط کر دیا جو اس میں نہیں ہے' تیسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں ہیں' چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: جو قرآن میں نہیں اس کو قرآن کے ساتھ خلط نہ کرو' یہ دونوں پناہ طلب کرنے کی دعائیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں کے ذریعہ پناہ طلب کی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۹ ص ۲۳۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے اس کے جواب میں شرح المہذب میں لکھا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن مجید میں شامل ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ نقل باطل ہے اور روایت صحیح نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد بن حزم نے بھی ''محلی'' میں اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہوں تو ان کی توجیہ یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابن مسعود کے نزدیک معوذتین کا قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھوانا ثابت نہیں تھا (اگر چہ دوسرے صحابہ کے نزدیک لکھوانا بھی ثابت تھا) اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کے لکھنے پر رد فرماتے تھے۔ امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ فی نفسہ اگر چہ معوذتین کا قرآن ہونا متواتر ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ متواتر نہیں تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۴۳ - ۷۴۲ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن مجید کی بعض سورتوں میں جو بعض صحابہ کا اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور آحاد میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ تواتر کے مزاحم ہو سکیں اور نہ ظن' یقین کے معارض ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۷۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حافظ الہیثمی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے یا ثقہ ہے' اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ نقل باطل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ صرف سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح ہو اور اس کے متن میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو اور وہ حدیث معلل ہو یا اس میں شذوذ ہو اور وہ حدیث شاذ ہو اور یہ دونوں امر صحت حدیث کے منافی ہیں۔ یہ حدیث شاذ اس لیے ہے کہ یہ زیادہ صحیح راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں دیکھی گئی ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' (الفلق: ۱) اور ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' (الناس: ۱)۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں علت خفیہ یہ ہے کہ یہ تواتر اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے' لہٰذا یہ حدیث شاذ اور معلل ہے' اس لیے یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معتبر ہے اور لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار اس وقت کیا تھا جب انہیں ان کے قرآن ہونے کا علم نہیں ہوا تھا اور جب ان کو ان کے قرآن ہونے کا علم ہو گیا اور تواتر اور اجماع سے ان کا قرآن ہونا ثابت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود بھی معوذتین کے قرآن ہونے پر ایمان لے آئے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عاصم کی قراءت از زر از ابن مسعود ہے اور اس میں سورہ فاتحہ بھی ہے اور معوذتین بھی ہیں' اور یہ چیز سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔

حضرت ابن مسعود نے جس طرح معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اسی طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سورہ فاتحہ کا ان کے نزدیک قرآن ہونا اس قدر جلی اور واضح تھا کہ اس کو لکھ کر محفوظ کرنے کی ان کے نزدیک ضرورت نہیں تھی' کیونکہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے' سو اس طرح کی توجیہ معوذتین کے متعلق بھی کی جا سکتی ہے' تاہم قطعی اور یقینی بات یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد خبر متواتر کے مزاحم نہیں ہو سکتی۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں دعاء قنوت ''اللھم انا نستعینك و نستغفرك الخ'' بھی لکھی ہوئی تھی اور اس کا نام سورہ خلع اور سورہ حفد رکھا تھا اور موجودہ قرآن میں یہ سورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کمی بیشی ہوئی ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ ہم کو امیہ بن عبداللہ بن خالد نے خراسان میں نماز پڑھائی اور دو سورتوں میں سے ''انا نستعینك و نستغفرك الخ'' پڑھا' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں کیونکہ انہوں نے معوذتین کو نہیں لکھا' اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے آخر میں دو سورتیں حفد اور خلع لکھی ہیں۔

امام ابوعبید نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب' معوذتین اور ''اللھم انا نستعینك و اللھم ایاك نعبد'' لکھا۔ حضرت ابن مسعود نے ان کو ترک کر دیا اور حضرت عثمان نے ان میں سے فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو لکھا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

حافظ سیوطی نے اپنی تفسیر کے آخر میں سورۃ الخلع اور سورہ الحفد سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی' ایران)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کلام اللہ کے اس مجموعہ کا نام ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور سورہ خلع اور سورہ حفد اخبار آحاد سے ثابت ہیں لہٰذا یہ قرآن نہیں ہیں اور حضرت ابی بن کعب کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ وہ ان کو بہ طور قنوت اور دعا کے اپنے مصحف میں لکھتے تھے بہ اعتبار قرآن کے نہیں لکھتے تھے۔

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق

شروع میں جب قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا تو قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات' سکنات اور

اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز اوقاف تھے کیونکہ اہل عرب اپنی زبان اور محاورہ کی مدد سے نقطوں اور حرکات' سکنات اور اعراب کے بغیر بالکل صحیح قرآن پڑھ لیتے تھے' اور نہ انہیں کسی فقرہ کو ملانے یا اس پر وقف کرنے کے لیے رموز اوقاف کی ضرورت تھی' وہ اہل زبان تھے اور ان تمام چیزوں سے مستغنی تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کرایا تھا وہ بھی ان تمام چیزوں سے معریٰ تھا' پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور غیر عرب لوگ مسلمان ہوتے گئے اور وہ اہل زبان نہ ہونے کی وجہ سے قراءت میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام چیزوں کا اہتمام اور التزام کیا گیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے' پھر حرکات' سکنات اور اعراب لگائے گئے' پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے قراءت اور تجوید کے قواعد مقرر کیے گئے' اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم کی آیتوں پر رموز اوقاف کو لکھا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

عبدالملک بن مروان نے مصحف کے حروف کو متشکل کرنے اور ان پر نقطے لگانے کا حکم دیا' اس نے اس کام کے لیے حجاج بن یوسف کو شہر واسط میں فارغ کر دیا' اس نے بہت کوشش سے اس کام کو انجام دیا اور اس میں احزاب کا اضافہ کیا' اس وقت حجاج عراق کا گورنر تھا' اس نے حسن اور یحییٰ بن یعمر کے ذمہ یہ کام لگایا' اس کے بعد واسط میں ایک کتاب لکھی جس میں قراءت کے متعلق مختلف روایت کو جمع کیا' بڑے عرصہ تک لوگ اسی کتاب پر عمل کرتے رہے حتیٰ کہ ابن مجاہد نے قراءات میں ایک کتاب لکھی۔

زبیدی نے ''کتاب الطبقات'' میں مبرد کے حوالہ سے یہ لکھا ہے: جس شخص نے سب سے پہلے مصحف کے حروف پر نقطے لگائے وہ ابوالاسود الدؤلی (متوفی ۶۹ ھ) ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک مصحف تھا' جس پر یحییٰ بن یعمر نے نقطے لگائے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۶۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ ھ)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

ابوالاسود الدؤلی کا پورا نام ہے: ظالم بن عمرو بن سفیان بن جندل بن یعمر بن حلس بن نفاثہ بن عدی بن الدیل بن بکر الدیلی' یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم نحو کو وضع کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین قسمیں ہیں: اسم' فعل اور حرف اور فرمایا: اس بنیاد پر تم قواعد تحریر کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسود عراق کے گورنر زیاد کے بچوں کو پڑھاتا تھا' ایک دن وہ زیاد کے پاس گیا اور کہا: اللہ امیر کی خیر کرے' میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ بہ کثرت عجم مخلوط ہو گئے ہیں اور ان کی زبان متغیر ہو گئی ہے' کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایسے قواعد تحریر کروں جن کی بناء پر وہ درست طریقہ سے عربی بولیں؟ زیاد نے کہا: نہیں' پھر ایک دن ایک شخص نے زیاد سے کہا: ''توفی ابانا و ترك بنون'' زیاد نے حیرت سے کہا: ''توفی ابانا و ترك بنون؟'' (کہنا چاہیے تھا: ''توفی ابونا و ترك بنین'' ہمارا باپ فوت ہو گیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں' گویا اس نے عربی میں گرامر کی غلطی کی) تب زیاد نے کہا: ابوالاسود کو بلاؤ' جب وہ آیا تو اس سے کہا: لوگوں کے لیے وہ قواعد تحریر کرو جن سے میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ زیاد نے از خود ابوالاسود سے اس علم کی فرمائش کی لیکن اس نے زیاد سے معذرت کر لی' پھر ایک دن ابوالاسود نے ایک شخص سے سنا' وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا تھا:

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ   اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

(التوبہ: ۳)

اس آیت میں رسولہ میں رسول پر پیش ہے' وہ شخص زیر پڑھ رہا تھا اور اس سے یہ معنی ہو جاتا ہے: اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ العیاذ باللہ! تب ابو الاسود زیاد کے پاس گیا اور کہا: میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں' اس وقت ابو الاسود نے زبر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ قرار دی (ـــــــ ٥ ـــــــ) اور پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ قرار دی (ـــــــ ٥) اور زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ قرار دی (ـــــــ ٥ ـــــــ)۔ ابو الاسود ۶۹ ھ میں بصرہ میں طاعون کی بیماری میں فوت ہوا' اس کی عمر ۸۵ سال تھی۔

(وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۳۹۔۵۳۵ ملخصاً مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران' ۱۳۶۴ ھ)

حافظ ابن عساکر نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے سورہ توبہ کی اسی آیت کو غلط پڑھا تو حضرت عمر نے ابو الاسود کو قرآن مجید کے قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا۔

(مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۰۴ ھ)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عراق کے گورنر زیاد کے کہنے سے ابو الاسود نے عربی زبان کے قواعد مرتب کیے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۲' دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ ھ)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

عبد الملک بن مروان نے حجاج کو یہ حکم دیا کہ قرآن مجید پر نقطے لگائے جائیں اور حجاج نے نصر بن عاصم اللیثی اور یحییٰ بن یعمر العدوانی کو اس کام کے لیے مقرر کیا' یہ دونوں' ابو الاسود الدؤلی کے شاگرد تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ابو الاسود نے سب سے پہلے نقطے لگائے اور اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ جب ابو الاسود نے ایک شخص کو سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھتے سنا تو اس نے علم نحو ایجاد کیا اور زبر' زیر اور پیش کے لیے نقطوں کی علامات وضع کیں۔ ایک عرصہ تک حرکات اور اعراب کے لیے یہی علامات رائج رہیں لیکن چونکہ ان علامات کا نقطوں کے ساتھ التباس اور اشتباہ تھا اس لیے پھر زبر' زیر اور پیش کے لیے (ـــــــَ' ـــــــِ' ـــــــُ) اس طرح کی علامات مقرر کر دی گئیں۔ (مناہل العرفان ج ۱ ص ۴۰۱۔۴۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

عبد الملک بن مروان ۶۶ ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور ۸۶ ھ میں فوت ہوا' اور ابو الاسود ۶۹ ھ میں فوت ہوا' اس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۶ ھ اور ۶۹ ھ کے درمیان میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

قرآن مجید پر رموز اوقاف کی تاریخ اور تحقیق

قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وقف اور وصل کا صحیح علم حاصل کیا جائے' یعنی کس جملہ کو دوسرے جملہ یا کس لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے یا کس جملہ اور لفظ کو دوسرے جملہ اور لفظ سے جدا کر کے پڑھنا ہے' اردو میں اس کی مثال ہے: روکو' مت جانے دو' اگر روکو پر وقف کر لیا جائے تو اس کا معنی روکنا ہے اور روکو مت' پر وقف کر کے جانے دو' پڑھا جائے تو اس کا معنی نہ روکنا ہے' قرآن مجید سے اس کی حسب ذیل دو واضح مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ (آل عمران: ۷) اور اس کی (آیات متشابہات کی) تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں اگر ''الا اللہ'' پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہوگا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر ''والراسخون فی العلم'' پر وقف کیا جائے تو معنی بدل جائے گا اور اب یوں معنی ہوگا: آیات متشابہات کی تاویل کو اللہ اور علماء راسخین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . (التوبہ: ۲۰-۱۹) اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

اس آیت میں اگر ''القوم الظلمین'' پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہوگا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر اس پر وقف نہ کیا اور اس کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ معنی ہوگا: اللہ ان ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' اور ایسے لوگوں کو ظالم کہنا قرآن مجید کی بہت ساری آیتوں کی تکذیب ہے اور قرآن مجید کی تکذیب کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں صحیح جگہ پر وقف نہ کرنا قرآن مجید کے معنی اور منشاء کو بدل دیتا ہے اور بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

اہل عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جس طرح بغیر اعراب کے قرآن مجید کو صحیح پڑھنے پر قادر تھے اسی طرح وہ قرآن مجید کو پڑھتے وقت صحیح جگہ پر وقف کرتے تھے اور ان سے معنی میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی تھی لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کے باہر پہنچا اور عربی زبان سے ناواقف لوگوں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو معانی سے لاعلمی کی وجہ سے وہ غلط جگہ پر وقف کرنے لگے' اس لیے اس وقت کے علماء نے قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر امام احمد بن یحییٰ الثعلب النحوی المتوفی ۲۹۱ھ نے ''کتاب الوقف والابتداء'' کے نام سے کتاب لکھی۔ اس طرح تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگائے گئے۔

قرآن مجید کی آیات پر وقف کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک بڑے عرصہ تک ہمارا یہ معمول رہا کہ ہم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان لے آتا تھا' سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورت نازل ہوتی' ہم اس سورت کے حلال اور حرام کا علم حاصل کرتے' اور اس چیز کا علم حاصل کرتے کہ اس سورت میں کہاں کہاں وقف کرنا چاہیے جس طرح تم آج کل قرآن مجید کا علم حاصل کرتے ہو اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے سے پہلے قرآن کو پڑھ لیتے ہیں' وہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک قرآن پڑھتے ہیں اور ان سے کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ قرآن نے کس چیز کا حکم دیا ہے' اور کس چیز سے منع کیا ہے اور نہ اس کو یہ پتا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں کس کس جگہ وقف کرنا چاہیے۔

(شرح مشکل الآثار ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کو امام حاکم[1] اور امام بیہقی[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی نے فرمایا: اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

الوقف والابتداء کے موضوع پر حسب ذیل علماء اور ائمہ نے کتابیں تصنیف کی ہیں:

امام ابوسعید حسن بن عبداللہ السیرافی المتوفی ۳۶۸ھ' امام ابوجعفر احمد بن محمد النحاس النحوی المتوفی ۳۳۸ھ' امام احمد بن یحییٰ

---

[1] (امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

[2] (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۲۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

الثعلب النحوی المتوفی ۲۹۱ھ' امام محمد بن حسن الرداسی' امام ابن مقسم محمد بن الحسن المتوفی ۳۵۵ھ' امام ابوبکر محمد بن القاسم بن بشار الانباری المتوفی ۳۲۸ھ' امام محمد بن محمد بن عبدالرشید بن طیفور السجاوندی المتوفی ۶۰۰ھ' امام ابو عمرو عثمان الدانی المقرہ المتوفی ۴۴۴ھ' امام الزجاج النحوی المتوفی ۳۱۰ھ' امام برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری المتوفی ۷۳۲ھ' امام ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عباد المقری النحوی المتوفی ۴۴۳ھ' امام ابومحمد عبدالسلام بن علی بن عمر الزدادی المتوفی ۶۸۱ھ۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۷۱ مطبوعہ مطبع اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ)

وقف کی پانچ مشہور اقسام ہیں: وقت لازم' وقف مطلق' وقف جائز' المرخص بوجہ اور المرخص ضرورۃ' ان کی تعریفات اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

(وقف لازم) اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا معنی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں ہے' اس کی مثال یہ ہے:

مَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَادِعُونَ اللَّهَ. (البقرہ: ۹۔۸) (وہ منافق) مومن نہیں ہیں ۝ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اگر اس جگہ ''بمؤمنین'' پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو ''یخدعون اللّٰہ'' کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہوگا: وہ منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکا دیں' حالانکہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔

(وقف مطلق) وہ ہے جس کو ملائے بغیر ابتداءً پڑھنا مستحسن ہو' اس کی مثال یہ ہے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ. (النور: ۵۵) اور اللہ ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا' وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے' اور دوسرے جملہ میں بندوں کے فعل کا بیان ہے' اس لیے ان دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز وہ ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملہ پر وقف کر کے دوسرے کو ابتداءً پڑھنا دونوں طرح جائز ہو' اس کی مثال یہ آیت ہے:

''وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ'' (یوسف: ۲۴)

اگر ''ھم بھا'' پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہوگا: عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا' اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر ''ھم بھا'' کے بعد والے جملہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معنی اس طرح ہوگا:

عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا' اگر یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

واضح رہے کہ ''ھم'' کا درجہ عزم سے کم ہوتا ہے' ''ھم'' کا معنی ہے: کسی فعل کا قصد کیا جائے اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا بھی پہلو ہو' اور عزم کا معنی ہے: کسی فعل کو کرنے کا پختہ قصد ہو اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا پہلو بالکل نہ ہو۔ اس کی وضاحت ہم نے ''وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ'' (البقرہ: ۲۳۵) میں کر دی ہے۔

المرخص بوجہ' جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو' اس کی مثال یہ آیت ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ. (البقرہ:۸۶)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی خریدی تھی' سو ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

''فلا یخفف عنهم العذاب'' پہلے جملہ کے لیے بہ منزلہ سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا ہے اور لفظ فاء ابتداء کو چاہتا ہے اس لیے پہلے جملہ پر وقف کر کے ''فلا یخفف'' سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے۔

الرخص ضرورۃ جو لفظاً یا جملہ پہلے لفظ یا جملہ سے مستغنی نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا ہو' لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کے بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے اور دوبارہ ملا کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. (البقرہ:۲۲)

جس ذات نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

''انزل من السماء'' میں ''انزل'' کی ضمیر ''الذی'' کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ سے مستغنی نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ''والسماء بناء'' پر وقف کرے تو اس کی اجازت ہے کیونکہ ''وانزل من السماء ما'' کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف کرنا جائز نہیں ہے یہ وہ کلام ہے جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو' شرط اور جزا کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں ہے یا کلام مبتدا اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتدا پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے' اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہیے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے:

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ. (البقرہ:۲۶-۲۷)

اور اللہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے ۝ جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

اس آیت میں ''الذین ینقضون'' ''الفاسقین'' کی صفت ہے' اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔

رموز اوقاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

م: وقف لازم

ط: وقف مطلق

سکتۃ: اس طرح ٹھہرا جائے کہ سانس نہ ٹوٹے' پورے قرآن مجید میں صرف سات جگہ یہ علامت ہے۔

مذکور الصدر علامات پر وقف کرنا ضروری ہے۔

لا: جب ۵ اور ہ کے بغیر ''لا'' ہو تو ملا کر پڑھنا ضروری ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ج (البقرہ:۸۹)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آ گئی' جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (اصل آسمانی کتاب) ہے حالانکہ وہ (یہود) اس سے پہلے (اس کتاب اور صاحب کتاب کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے۔

''وکانوا من قبل'' کا جملہ' سابقہ جملہ کی ''ھم'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور حال اور ذوالحال میں فصل نہیں ہوتا

اس لیے یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

حسب ذیل مقامات پر وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے:

ز: وقف مجوز

ج۔ز: وقف جائز و مجوز

ق: وقف کا قول ضعیف ہے۔

صلی: وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔

اور جہاں قف لکھا ہو اس کا معنی ہے: وقف کرنا اولیٰ ہے۔

صل: ملاؤ۔

۵: اس کا مطلب ہے: اس وقف یا وصل میں اختلاف ہے۔

ہ: وقف، اور وصل دونوں جائز ہیں۔

ج: وقف کرنا جائز ہے۔

ص: وقف کی رخصت ہے۔

قرآن مجید میں جب ایک مضمون ختم ہو جاتا ہے تو وہاں رکوع کی علامت ع لکھی ہوتی ہے۔قرآن مجید میں کل ۵۵۸ رکوع ہیں' یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی۔قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے کا بھی پہلے رواج نہیں تھا' حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کا بہ کثرت رواج ہے اور علماء سلف کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔(تفسیر القرآن ج ۷ ص ۴۵۱ 'مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

''فتاویٰ عالم گیری'' میں مذکور ہے: قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ہر چند کہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے' اور کتنے ہی کام نئے ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور کتنی چیزوں کا حکم زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔(فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۲۳ 'مطبوعہ مطبع بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

(۱) قرآن مجید کے پارے	۳۰	(۷) وعید	۱۰۰۰
(۲) قرآن مجید کی سورتیں	۱۱۴	(۸) قصص و اخبار	۱۰۰۰
(۳) قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق	۶۶۱۶	(۹) عبر و امثال	۱۰۰۰
		(۱۰) حرام و حلال	۵۰۰
(۴) امر	۱۰۰۰	(۱۱) دعا	۱۰۰
(۵) نہی	۱۰۰۰	(۱۲) منسوخ الحکم آیات (باعتبار شہرت)	۱۲
(۶) وعد	۱۰۰۰		

تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

فسر کا معنی ہے: معقول کا اظہار کرنا' مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں اور کبھی تفسیر پر تاویل کا

اطلاق ہوتا ہے اسی لیے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر اور تاویل کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۸۰ ۳۸۰ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

ابن الاعرابی نے کہا: فسر کا معنی ظاہر کرنا اور بند چیز کو کھولنا ہے "بصائر" میں ہے: معنی معقول کو منکشف کرنا فسر ہے نیز فسر کا معنی طبیب کا پیشاب کا معائنہ کرنا ہے تفسرہ اس پیشاب کو کہتے ہیں جس سے مریض کے مرض پر استدلال کیا جاتا ہے اس کا طبیب معائنہ کرتے ہیں اور اس کے رنگ سے مریض کے مرض پر استدلال کرتے ہیں تفسیر اور تاویل دونوں کا ایک معنی ہے یا تفسیر مشکل لفظ کی مراد کے بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل دو احتمالوں میں سے کسی ایک احتمال کے ترجیح دینے کو کہتے ہیں جو ظاہر عبارت کے مطابق ہو "لسان العرب" میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو مجمل قصے ہیں ان کی شرح کرنا اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا اور آیات کا شان نزول بیان کرنا تفسیر ہے اور معانی متشابہ کو بیان کرنا تاویل ہے اور جن الفاظ کا غور وفکر کیے بغیر قطعیت کے ساتھ معنی معلوم نہ ہو سکے وہ متشابہ ہیں۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۴۷۰ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

تفسیر کا لغوی معنی ہے: کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا اس سے مسائل مستنبط کرنا اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا۔

(کتاب التعریفات ص ۲۸ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تاویل کا لغوی معنی ہے: لوٹانا اور اصطلاح شرع میں ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب اور سنت کے موافق ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ" (الروم: ۱۹) وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مؤمن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۲۲ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

تفسیر کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق ان کے مدلولات ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

الفاظ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قراءات ہے الفاظ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معانی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے مفرد اور مرکب کے احکام اس سے مراد علم صرف علم نحو (عربی گرامر) اور علم بیان اور علم بدیع (فصاحت اور بلاغت) ہے اور حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معانی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اس کا تعلق علم معانی اور بیان سے ہے اور تتمات سے مراد ناسخ اور منسوخ کی معرفت آیات کا شان نزول اور مبہمات قرآن کا بیان کرنا ہے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

کسی چیز کو (جہالت کی) تاریکی سے نکال کر (علم کی) روشنی میں لانا تفسیر ہے اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل

کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تاویل ہے جس کی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نہ ہٹایا جاتا۔ (زاد المسیر ج ا ص ۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

تفسیر اور تاویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کا بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے یہ تفسیر ہے سو اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے اور یہ منع ہے اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا تاویل ہے اور ابوطالب ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ لفظ کی حقیقت اور مجاز کو بیان کرنا تفسیر ہے جیسے ''صراط'' کی تفسیر راستہ ہے اور ''صیب'' کی تفسیر بارش ہے اور تاویل لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے مثلاً ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ'' (الفجر: ۱۴) اس کا لفظی معنی ہے: بے شک آپ کا رب ضرور گھات میں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ علامہ اصبہانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تفسیر کا معنی ہے: قرآن کے معانی کو بیان کرنا' کبھی اس میں مشکل الفاظ کے معانی بیان کیے جاتے ہیں مثلاً بحیرہ' سائبہ اور وصیلہ کے معانی اور کبھی کوئی کلام کسی قصہ کو متضمن ہوتا ہے اور اس قصہ کے بیان کیے بغیر اس کلام کی معرفت نہیں ہوتی' مثلاً

اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَةٌ فِی الۡكُفۡرِ (التوبہ: ۳۷) تقدیم و تاخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ آیت اس قصہ کو متضمن ہے کہ کفار اپنی ہوائے نفس کی بناء پر مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے اور تاویل میں کبھی لفظ کو عموم پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی خصوص پر' مثلاً ایمان کا لفظ مطلقاً تصدیق کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور تصدیق شرعی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایک لفظ جو کئی معنی میں مشترک ہے اس کے کسی ایک معنی کی تعیین کی جاتی ہے جیسے ''قرء'' یہ حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔ بعض علماء نے کہا: تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہے' اور ابونصر قشیری نے کہا: تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور تاویل کا تعلق استنباط کے ساتھ ہے' علامہ بغوی اور کواشی نے کہا کہ آیت جس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور اس کا سیاق اور سباق اس کے موافق ہو اور وہ معنی کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو تو استنباط کے طریقہ سے آیت کو اس معنی پر محمول کرنا تاویل ہے' اور بعض علماء نے تفسیر کا یہ معنی بیان کیا: آیات کے اسباب نزول اور ان کے قصص اور ان کے مکی اور مدنی ہونے کا علم اور ان کے محکم' متشابہ' ناسخ' منسوخ' خاص' عام' مطلق' مقید' مجمل' مفسر' حلال' حرام' وعد' وعید' امر' نہی' عبر اور امثال کا علم تفسیر ہے' اور علامہ زرکشی نے کہا: تفسیر وہ علم ہے جس سے اس کتاب کی فہم حاصل ہوتی ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے' اور اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کا استخراج معلوم ہوتا ہے' اور علم لغت' نحو' صرف' علم بیان' اصول فقہ اور قراءات سے اس میں مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کی معرفت کے لیے اسباب نزول اور ناسخ اور منسوخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۱۷۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علم تفسیر کا فائدہ قرآن مجید کے معانی کی معرفت ہے اور اس کی غرض سعادت دارین ہے' اور اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ

سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل

امام راغب اصفہانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صنعتوں میں سب سے افضل صنعت قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل ہے کیونکہ صنعت کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ سنار کی صنعت دباغ کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ سنار کا موضوع سونا اور چاندی ہے اور دباغ (کھال رنگنے والا) کا موضوع مردار کی کھال ہے' یا صنعت کی فضیلت اس کی غرض کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے طب کی صنعت جمعدار کی صنعت سے افضل ہے' کیونکہ طب کی غرض صحت کا افادہ کرنا ہے اور جمعداری کی غرض بیت الخلاء کی صفائی ہے' نیز صنعت کی فضیلت صورت کے اعتبار سے ہوتی ہے' جیسے تلوار کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے۔

اور صنعت تفسیر ان تینوں جہات کے اعتبار سے تمام صنعتوں سے افضل ہے' کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر صورت کا معدن ہے اور اسکی صورت اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار کا اظہار ہے اور تدوین شریعت ہے اور یہ ہر صورت سے افضل ہے اور اس کی غرض سعادت حقیقیہ تک پہنچنا اور خیر کثیر کا حصول ہے جو ہر غرض سے افضل ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ — اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی۔

(البقرہ:۲۶۹)

ایک قول یہ ہے کہ خیر کثیر سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت' سوتم اس کو شعر میں تلاش کرو' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو' اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے (اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

قاضی ابو محمد عبد الحق رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں' کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

قاضی ابو العالیہ نے "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ" (البقرہ:۲۶۹) کی تفسیر میں کہا: حکمت سے مراد قرآن کی فہم ہے' اور قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد قرآن میں تفقہ کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا: حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف کی' ان میں سے ایک شخص نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں' آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے: "اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ"

(القصص:۸۵)۔

شعبی نے کہا: مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ کا سفر کیا' وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرتا تھا وہ شام چلا گیا ہے' پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

ایاس بن معاویہ نے کہا: جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے' وہ ان لوگوں کی مثل ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں' اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں' ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کے پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا' وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے۔ (یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے۔)

مجاہد نے کہا: اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو قرآن کی وجوہ کثیرہ کا علم نہ ہو۔

حسن بصری نے کہا: غیر عربی ہلاک ہو گئے' ان میں سے ایک شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہوتا ہے' پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

حضرت ابن عباس اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے' پھر اس کی تفسیر کرتے' پھر حدیث بیان کرتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر چیز کا علم قرآن میں ہے' لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔

علامہ ابوالحیان اندلسی نے بھی ان احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۱۹۔ ۱۴' المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ)

قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات

حافظ الہیثمی نے "مسند بزار" اور "مسند ابو یعلیٰ" کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا ان چند معدود آیات کے جن کا علم حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پہنچایا ہے' قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے نہ بیان کی جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ عبدالرحمان ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ یہ حدیث ان امور کی تفسیر پر محمول ہے جن کا تعلق توقیف سے ہے' مثلاً جن کا تعلق مغیبات سے ہے' جیسے وقت وقوع قیامت کا علم یا صور پھونکنے کی تعداد اور آسمان و زمین کی تخلیق کی ترتیب کا علم' اور اس سے وہ امور خارج ہیں جن کا تعلق بیان لغت' مشکل اعراب قرآن' شان نزول اور احکام کے استخراج اور استنباط سے ہے۔

امام ترمذی حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی تو اس نے خطا کی۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت کے متعلق بحث کی گئی ہے" مدخل" میں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے محض اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی ہے تو اس نے طریقہ میں خطا کی ہے' کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ معنی بیان کرنے کے لئے لغت کی طرف رجوع کیا جائے' اور ناسخ اور منسوخ کو بیان کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اور مراد بیان کرنے کے لیے صاحب شرع کی طرف رجوع کیا جائے' اور جب یہ امور نہ ہوں تو پھر غور وفکر کرنے اور آیات سے معانی اور احکام کا استنباط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور اپنے مذہب کو اصل اور قرآن مجید کو اس کے تابع قرار دے تو اس نے واقعی خطا کی ہے کیونکہ اصل قرآن کریم ہے' جو اس کے موافق ہو وہ مقبول ہے اور جو اس کے مخالف ہو وہ مردود ہے اور اس حدیث کا چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متشابہات پر محمول ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے' تو ان کے متعلق اگر اس نے اپنی رائے سے کوئی صحیح بات بھی کہی تو اس کی خطا یہ ہے کہ اس نے آیات میں رائے زنی کی ہے جن میں غور وفکر کی اجازت نہیں ہے' اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ جس شخص نے بلا دلیل قطعیت کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اس نے خطا کی کیونکہ بلا دلیل قطعیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے' پہلی حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ان حدیثوں کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) جس شخص نے بغیر علم کے قرآن مجید کے کسی اشکال کو حل کرنے کی کوشش کی' یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

(۲) جس شخص کو علم ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ حق کے خلاف ہے اور محض ہوائے نفس یا انانیت یا اپنی موضوعی فکر کی تائید میں کہہ رہا ہے' وہ اس وعید کا مصداق ہے۔

(۳) جس شخص نے بغیر کسی یقینی یا ظنی دلیل کے کوئی بات کہی یا بغیر کسی ایسی عقلی دلیل کے بات کہی جو قواعد شرع کے مطابق ہو۔

(۴) جس شخص نے ائمہ لغت' ائمہ عربیہ اور ائمہ مجتہدین کی نقل کے بغیر' قرآن مجید کے کسی لفظ کا معنی یا کوئی شرعی حکم بیان کیا۔

(۵) جس شخص نے اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ سے متعلق بغیر نقل صحیح کے اپنی طرف سے کوئی بات کہی' یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید' احادیث اور آثار سے دلائل

تفسیر کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید اور احادیث میں بہت دلائل ہیں' بعض ان میں سے یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ (النساء: ۸۳)	اور اگر وہ اس بات کو رسول کی طرف لوٹا دیتے اور ان کی طرف لوٹا دیتے جو ان میں سے صاحبان امر ہیں' تو اس بات (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو کسی بات کا نتیجہ نکالنے

کے اہل ہیں۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ (محمد: ۲۴) کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں ○

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (ص: ۲۹) ہم نے آپ کی طرف کتاب کو نازل کیا ہے یہ مبارک ہے تا کہ وہ اس میں غور کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں ○

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴۳) اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور ان کو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں ○

امام ابونعیم اور دیگر ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن نرم اور ذو وجوہ ہے (اس کے متعدد محامل ہیں) سو اس کو سب سے بہتر محمل پر محمول کرو۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی (مخصوص) کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں' صرف کتاب اللہ یا (استنباط کی) وہ فہم ہے جو مسلمان شخص کو دی گئی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو سنت اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

امام حمیدی' امام احمد' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا میں فرمایا: اے اللہ! اس کو دین کی فقہ (فہم) عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۰ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

اور امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار میرے لیے حکمت کی دعا کی' اس لیے کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: تم کیا خوب ترجمان قرآن ہو۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

طبقات مفسرین کا بیان

مفسرین کے چھ مشہور طبقات ہیں:

(۱) دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں معروف ہیں: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوموسیٰ

اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

خلفاء راشدین میں حضرت علی متوفی ۴۰ھ کی تفسیری روایات باقی خلفاء سے بہت زیادہ ہیں' اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۸ھ کی روایات حضرت علی سے بھی زیادہ ہیں' حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ' ترجمان القرآن' حبر الامۃ اور امام المفسرین ہیں' اور ان سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں' علامہ فیروز آبادی صاحب ''القاموس'' کی روایت سے وہ تفسیر چھپ گئی ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے' علامہ فیروز آبادی نے اس کا نام ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس'' رکھا ہے۔

اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس تفسیر کی سند یہ ہے: از کلبی از ابی صالح از ابن عباس (الدر المنثور ج اص ۱' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران) اور محمد بن سائب کلبی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

لیث بن ابی سلیم نے کہا: کوفہ میں دو کذاب تھے' ایک کلبی اور دوسرا سدی' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ کوئی چیز نہیں' ابوعوانہ نے کہا: میں نے کلبی سے کفریہ اقوال سنے ہیں' ابو جزء نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے' یزید بن زریع نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لائے' آپ کسی کام کے لیے اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آ کر بیٹھ گئے تو جبرئیل نے حضرت علی پر وحی نازل کر دی' وہ اپنا سینہ پیٹ کر کہتا تھا کہ میں سبائی ہوں' میں سبائی ہوں' عقیلی نے کہا: وہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے تھا' ابو جناب کلبی کہتے ہیں کہ ابوصالح نے حلف اٹھا کر کہا: میں نے کلبی کو تفسیری روایات بالکل نہیں سنائیں' سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا: میں نے از ابوصالح از ابن عباس جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں' ان کو مجھ سے روایت نہ کرو' یہ شخص ۱۴۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۰۔ ۱۷۸' مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس سند سے ''تنویر المقباس'' مروی ہے' وہ جھوٹی سند ہے اور اس کتاب میں ہر قسم کی روایات ہیں اور اس کتاب کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا صحیح نہیں ہے' حضرت ابن عباس کی صحیح تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی جس روایت میں محمد بن سائب کلبی متوفی ۱۴۶ھ اور محمد بن مروان السدی متوفی ۱۸۶ھ دونوں موجود ہوں وہ غایت درجہ کی ضعیف روایت ہے۔

(۲) مفسرین کا دوسرا طبقہ تابعین کا ہے' ان میں حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ کے حسب ذیل تلامذہ بہت مشہور ہیں' یہ علماء مکہ ہیں:

(ا) مجاہد بن جبر متوفی ۱۰۳ھ (ب) سعید بن جبیر متوفی ۹۴ھ (ج) عکرمہ مولیٰ ابن عباس متوفی ۱۰۵ھ (د) طاؤس بن کیسان یمانی متوفی ۱۰۶ھ (ھ) عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۸ھ کے حسب ذیل تلامذہ تفسیری روایات میں معروف ہیں' یہ علماء کوفہ ہیں:

(ا) علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ' (ب) اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ' (ج) ابراہیم نخعی متوفی ۹۵ھ' (د) شعبی متوفی ۱۰۵ھ

حضرت زید بن اسلم متوفی ۱۳۶ھ کے تلامذہ' یہ علماء مدینہ ہیں:

(ا) عبدالرحمن بن زید متوفی ۱۸۲ھ' (ب) مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ' (ج) حسن بصری متوفی ۱۲۱ھ' (د) عطا بن ابی مسلم خراسانی متوفی ۱۳۵ھ (ھ) محمد بن کعب قرظی متوفی ۱۱۷ھ (د) ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی متوفی ۹۰ھ (ز) ضحاک بن مزاحم متوفی ۱۰۵ھ (ح) عطیہ بن سعید عوفی متوفی ۱۱۱ھ (ط) قتادہ بن دعامہ سدوسی متوفی ۱۱۷ھ (ی) ربیع بن انس متوفی ۱۳۹ھ (ک) اسماعیل بن عبدالرحمان سدی متوفی ۱۲۷ھ

(۳) مفسرین کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا ہے' ان میں مشہور علماء حسب ذیل ہیں:
(ا) سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ (ب) وکیع بن جراح کوفی متوفی ۱۹۷ھ (ج) شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ (د) یزید بن ہارون سلمی (ہ) عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ (و) آدم بن ابی ایاس متوفی ۲۲۱ھ (ز) اسحاق بن راھویہ متوفی ۲۳۸ھ (ح) روح بن عبادہ متوفی ۲۰۵ھ (ط) عبداللہ بن حمید جہنی (ی) ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ

(۴) مفسرین کے چوتھے طبقہ میں ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں' وہ اس زمانہ میں سب سے مشہور مفسر تھے' علامہ سیوطی نے ''اتقان'' میں لکھا ہے کہ ان کی کتاب بہت عظیم تفسیر ہے' وہ متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں' علامہ نووی اور علامہ ابواسحاق اسفرائنی نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر بھی اسی کا خلاصہ ہے۔ ان کے علاوہ اس طبقہ کے دیگر مفسرین یہ ہیں:
(ا) علی بن ابی طلحہ متوفی ۱۴۳ھ (ب) ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی متوفی ۳۲۷ھ (ج) ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ (د) ابن مردویہ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی متوفی ۴۱۰ھ (ہ) ابوالشیخ بن حبان بسی متوفی ۳۵۴ھ' (و) ابراہیم بن منذر متوفی ۲۳۶ھ

(۵) پانچویں طبقہ میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کر دیا' ان کے اسماء حسب ذیل ہیں:
(ا) ابواسحاق زجاج ابراہیم بن السری النحوی متوفی ۳۱۰ھ (ان کی تفسیر کا نام معانی القرآن ہے) (ب) ابوعلی فارسی متوفی ۳۷۷ھ' یہ لغت اور بلاغت میں ماہر تھے (ج) ابوبکر محمد بن الحسن المعروف بالنقاش الموصلی متوفی ۳۵۱ھ (د) مکی بن ابی طالب القیسی النحوی المغربی متوفی ۴۳۷ھ (ہ) ابوجعفر النحاس مصری متوفی ۳۳۸ھ (و) ابوالعباس احمد بن عمار المھدوی متوفی ۴۳۰ھ (ان کی تفسیر کا نام ہے: التفصیل الجامع لعلوم التنزیل)

(۶) چھٹے دور میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں کے چیلنج کا مقابلہ کیا' کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کئی براعظموں تک ہو چکی تھی اور مخالفین اسلام' قرآن کریم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہے تھے' یونان کے فلسفی' منطق اور فلسفہ سے اسلام پر اعتراض کر رہے تھے' یہود و نصاریٰ الگ اعتراضات کر رہے تھے' دہریوں نے بھی ایک طوفان اٹھا رکھا تھا' اور فقہی مکاتب فکر کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں لے دے ہو رہی تھی' اس دور میں قرآن مجید کی تفسیر کے ساتھ ساتھ ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:
(ا) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کی' ان میں مشہور علامہ جاراللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کی تفسیر ''کشاف'' ہے' یہ چونکہ معتزلی تھے اس لیے تفسیر میں اعتزال کا رنگ غالب ہے۔
(ب) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معنی بیان کیے' اس سلسلہ میں امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی ''المفردات'' بہت مشہور ہے' اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ کی معانی القرآن ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔
(ج) بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے صرفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا' زجاج نے اس موضوع پر ''معانی القرآن'' کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ نے ''البسیط'' کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے ''البحر المحیط'' لکھی' یہ کتاب نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''البحر المحیط'' نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے اور بہت عمدہ تفسیر ہے۔

(د) بعض علماء نے صرف گزشتہ واقعات اور قصص کی طرف توجہ کی اور انہوں نے قرآن مجید کے بیان کردہ قصص کی تفسیر میں کتب تاریخ اور اسرائیلیات سے جو چاہا نقل کر دیا' انہوں نے اس سلسلہ میں تورات' انجیل اور اہل کتاب کے نزدیک دوسری معتبر کتابوں پر اقتصار نہیں کیا' بلکہ انہوں نے یہودی اور عیسائی علماء سے جو کچھ سنا اس کو صحیح اور ضعیف کی تحقیق کیے بغیر نقل کر دیا اور اس بات کو واضح نہیں کیا کہ کون سی بات شرع اور عقل کے مخالف یا موافق ہے' ان میں زیادہ مشہور ابواسحاق احمد بن محمد ثعلبی کی ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' ہے اور علامہ علاؤ الدین بن محمد المعروف بالخازن متوفی ۷۲۵ھ کی ''لباب التاویل'' ہے۔

(ہ) بعض علماء نے صرف فقہی مسائل کے استنباط اور تحقیق کی طرف توجہ کی' ان میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ کی ''احکام القرآن'' اور علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ کی ''الجامع الاحکام القرآن'' ہے۔

علامہ ابوبکر رازی نے فقہ حنفی پر دلائل فراہم کیے ہیں' اور اختلاف مسائل میں زیادہ تر فقہ شافعی کا رد کیا ہے اور علامہ قرطبی مذاہب اربعہ کا ذکر کرتے ہیں اور فقہ مالکی کے دلائل فراہم کرتے ہیں' فقہ کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر اسرار اور نکات کا بھی بیان کرتے ہیں' علامہ ابوبکر رازی کی تفسیر تین جلدوں میں ہے اور انہوں نے صرف فقہی احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کی ہے اور علامہ قرطبی کی تفسیر بیس جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ بہت جامع تفسیر ہے' علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے ''النکت والعیون'' کے نام سے چھ جلدوں میں تفسیر لکھی ہے اور اس میں فقہ شافعی پر دلائل فراہم کیے ہیں' اور علامہ احمد جیون حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ نے بھی احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی ہے جو ''التفسیرات الاحمدیہ'' کے نام سے دستیاب ہے۔

(و) بعض علماء نے زیادہ تر عقائد کے مباحث سے بحث کی اور اپنے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا رد کیا' ان میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی ''تفسیر کبیر'' مشہور ترین تفسیر ہے' اس میں معتزلہ' جبریہ' قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے اور آیات سے بہت نفیس اور عمدہ نکات کا استنباط کیا ہے' فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دینے میں کافی مبالغہ کیا ہے' آیات کا شان نزول بیان کیا ہے اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے' امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی تھی' ان کی وفات کو آٹھ سو سال گزر گئے اور اس کے بعد بہت تفسیریں لکھی گئیں لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی وہ واقعی تفسیر کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔

(ز) بعض علماء نے فضائل' آداب' صوفیاء کی حکایات اور وعظ اور نصیحت پر زور دیا' ان میں علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ کی ''روح البیان'' بہت مشہور ہے۔

(ح) بعض علماء نے اپنی تفسیر میں ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا جو صرف ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے رموز بیان کیے ہیں' ان میں محی الدین بن عربی متوفی ۶۳۸ھ کی تفسیر ہے جو ''عرائس البیان'' کے نام سے مشہور ہے۔

(ط) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ کی ''روح المعانی'' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے' اس میں صرف' نحو' بلاغت' قراءات' شان نزول اور عقائد سے بحث کی ہے اور فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے' علامہ نبہانی نے

''شواہد الحق'' میں لکھا ہے کہ ان کا پوتا نعمان آلوسی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شیخ ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر تھا اور اس نے ان کی تفسیر کے بعض مقامات میں تحریف کر دی ہے۔

سید محمد قطب شہید نے ''فی ظلال القرآن'' لکھی ہے اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔

علامہ طنطاوی جوہری نے ''الجواہر فی تفسیر القرآن'' لکھی ہے اور قرآن مجید کے مضامین کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ی) اردو تفاسیر میں ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کی تفسیر ''التبیان'' نہایت جامع تفسیر ہے اس کا صرف ایک پارہ لکھا جا سکا' اگر آپ کو حیات مہلت دیتی اور آپ یہ تفسیر مکمل کر لیتے تو یہ تفسیر تمام اردو تفاسیر پر فائق ہوتی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''تفہیم القرآن'' چھ جلدوں پر محیط ہے' اس تفسیر میں بعض مقامات پر مقام نبوت کا ادب اور احترام نہیں کیا گیا اور ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت اور محبت ہوتی ہے' اس کا مصنف اس سے محروم ہے' یہ وہابی عقائد کی ترجمان ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی ''ضیاء القرآن'' پانچ جلدوں پر مشتمل ہے' اس میں آیات اور مندرج احادیث کا ترجمہ بالعموم تحت اللفظ ہے' تفسیر میں زیادہ تر اختصار ہے' تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے' اس میں مسلک اعلیٰ حضرت کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ کی ''تفسیر نعیمی'' بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے تک پہنچے تھے کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ تفسیر امام احمد رضا رحمہ اللہ کے افکار کی ترجمان ہے۔

مفتی محمد شفیع کی ''معارف القرآن'' آٹھ جلدوں میں ہے' اس میں ترجمہ قرآن شیخ محمود الحسن کا ہے' اور خلاصہ تفسیر کے عنوان سے شیخ تھانوی کی تکمیل ''بیان القرآن'' ہے' اور معارف و مسائل کے عنوان سے خود مفتی محمد شفیع نے تفسیر کی ہے' اس تفسیر کا ماخذ ''تفسیر قرطبی'' اور ''البحر المحیط'' ہے' اس تفسیر میں دیوبندی رنگ کو اجاگر کیا گیا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی کی ''تدبر قرآن'' ہے' یہ نو جلدوں میں ہے' انہوں نے فہم القرآن کے لیے ادب جاہلیت کو بہت اہمیت دی ہے اور احمد فراہی کی فکر کے تابع ہیں۔ یہ اپنی تفسیر میں احادیث' آثار صحابہ' اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا بالکل ذکر نہیں کرتے' صرف اپنے ذاتی غور و فکر کا حاصل بیان کرتے ہیں' اقوال مجتہدین سے بحث کرتے ہیں نہ فقہی احکام سے۔

قرآن مجید کی تفسیر کے اصل ماخذ

قرآن مجید کی تفسیر کے چار اہم ماخذ ہیں' ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کسی آیت کی جو تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے احتراز کرنا واجب ہے' اور ایسی روایات بہت زیادہ ہیں' اسی وجہ سے امام احمد نے کہا ہے کہ تین قسم کی کتابوں کی کوئی اصل نہیں ہے' مغازی' ملاحم (میدان ہائے جنگ) اور تفسیر۔

(۲) قرآن مجید کی تفسیر کا دوسرا ماخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیر ہے' کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بہ منزلہ ہیں اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنے میں

حنابلہ کے دو قول ہیں' ابن عقیل نے منع کیا ہے' لیکن عام مفسرین کا عمل اس کے برعکس ہے' انہوں نے تابعین کے اقوال کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے' کیونکہ اکثر و بیشتر تابعین کے اقوال صحابہ سے سماع پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا ماخذ لغت ہے' کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے' امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو لغت عرب کا علم نہ ہو اور وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے تو میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔

(۴) چوتھا ماخذ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے قرآن مجید کی آیات سے احکام کا استخراج اور معانی کا استنباط ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی اور کہا: اے اللہ! اس کو دین کی فہم عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما اور حضرت علی نے جو فرمایا تھا' مگر اس میں قرآن مجید کی وہ فہم ہے جو ہر شخص کو دی جاتی ہے' اس سے بھی یہی مراد ہے اور بغیر کسی اصل اور قاعدہ کے محض رائے اور اجتہاد سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ (بنی اسرائیل: ۳۶) اور جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

''اور شیطان تمہیں صرف برے کاموں اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہنے کا حکم دیتا ہے' جو تم نہیں جانتے''۔ (البقرہ: ۱۶۹)

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیونکہ علم لغت کے ذریعہ مفردات قرآن کے وضعی معنی معلوم ہوتے ہیں' اور صرف اور نحو کے قواعد کا علم ضروری ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی حرکات اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ فلاں اعراب اور حرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہے' معانی' بیان اور بدیع (فصاحت و بلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مقتضی حال کے اعتبار سے معانی' حقیقت' مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن مجید کے معانی اور تحسین کلام کا علم ہوتا ہے' علم حدیث کی ضرورت ہے' اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے' علم اصول فقہ کی ضرورت ہے' اس سے قرآن مجید کے عام' خاص' مطلق' مقید اور امر اور نہی کی دلالت کا علم ہوتا ہے' علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو' اور علم قراءت کی ضرورت ہے تاکہ بعض قراءات کے بعض پر راجح ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

(۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفاتحہ

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَكِّيَّۃٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ٧ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ الفاتحہ مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿٢﴾ مٰلِكِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ روز جزاء کا

يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿٣﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿٤﴾ اِهْدِنَا

مالک ہے ○ (اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ○ ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

سیدھے راستہ پر چلا ○ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾ ع

نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ○

المنزل ١ — ع ١

سورہ فاتحہ کے اسماء

سورہ فاتحہ کے بہت اسماء ہیں اور کسی چیز کے زیادہ اسماء اس چیز کی زیادہ فضیلت اور شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ بہت شرف اور مرتبہ والی سورت ہے ان اسماء کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(١) فاتحۃ الکتاب: فاتحۃ الکتاب کے ساتھ اس سورت کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ مصحف کا افتتاح اس سورت سے ہوتا ہے' تعلیم کی ابتداء بھی اس سورت سے ہوتی ہے اور نماز میں قراءت کا افتتاح بھی اس سورت سے ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق کتاب اللہ کی سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی اور بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو فاتحۃ الکتاب فرمایا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فاتحۃ الکتاب کو

نہیں پڑھا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوئی۔ (جامع ترمذی ص ۴۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ[1] اور امام احمد[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

(۲) ام القرآن: کسی چیز کی اصل اور اس کے مقصود کو ام کہتے ہیں' اور پورے قرآن کا مقصود چار چیزوں کو ثابت کرنا ہے' الوہیت (اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات)' معاد (مر کر دوبارہ اٹھنا)' نبوت اور قضاء وقدر' سورہ فاتحہ میں ''الحمد لله رب العالمين الرحمان الرحيم'' کی الوہیت پر دلالت ہے' اور ''مالك يوم الدين'' کی معاد پر دلالت ہے' ''اياك نعبد و اياك نستعين'' کی اس پر دلالت ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور انسان مجبور محض ہے نہ اپنے افعال کا خالق ہے اور ''اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين'' کی نبوت پر دلالت ہے' کیونکہ اس آیت میں اس راستہ کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو ''ام القرآن'' فرمایا ہے' امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للہ ''ام القرآن'' ہے اور ''ام الکتاب'' ہے اور ''سبع مثانی'' ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۱ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اور امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''لاصلوة لمن لم يقرء بام القرآن'' جو ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

(۳) سورۃ الحمد: اس سورت کا نام ''سورۃ الحمد'' بھی ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے' جیسے سورہ بقرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں بقرہ کا ذکر ہے' اسی طرح سورہ اعراف' سورہ انفال اور سورہ توبہ کے اسماء ہیں' نیز مذکور الصدر ''سنن دارمی'' کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو الحمد للہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۴) السبع المثانی: قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ. (الحجر: ۸۷) ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الحمد لله رب العلمين'' السبع المثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سنن دارمی کی مذکور الصدر حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو السبع المثانی فرمایا۔ اس سورت کو السبع اس لیے فرمایا ہے کیونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور مثانی فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(اول) اس سورت کے نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور نصف میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے (ثانی) ہر دو رکعت نماز میں اس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا (ثالث) یہ سورت دو بار نازل کی گئی ہے (رابع) اس سورت کو پڑھنے کے بعد نماز میں دوسری سورت کو پڑھا جاتا ہے۔

(۵) ام الکتاب: سنن دارمی کی مذکور الصدر حدیث میں اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ام الکتاب'' فرمایا ہے اور

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۶۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

''صحیح بخاری'' میں ہے: حضرت ابو سعید خدری نے ایک شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھو نے کاٹا ہوا تھا اور کہا: میں نے صرف ام الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

(۶) الوافیہ: سفیان بن عیینہ نے اس کا نام سورہ وافیہ رکھا' کیونکہ صرف اس سورت کو نماز میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جا سکتا' لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۂ الکوثر کو بھی ایک رکعت میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جاسکتا لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ اس سورت کے مضامین جامع اور وافی ہیں اس لیے اس کو وافیہ کہا جاتا ہے۔

(۷) الکافیہ: اس سورت کو کافیہ اس لیے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں اس سورت کو پڑھا جاسکتا ہے اور اس سورت کے بدلہ میں کسی سورت کو نہیں پڑھا جاسکتا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام القرآن'' دوسری سورتوں کا عوض ہے اور دوسری کوئی سورت اس کا عوض نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۰ 'الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۳)

(۸) الشفاء: امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امراض جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے: ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'' (البقرہ: ۱۰) ان کے دلوں میں بیماری ہے' اور اس سورت میں اصول اور فروع کا ذکر ہے' جن کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روحانی امراض میں شفاء حاصل ہوتی ہے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس سے جسمانی اور دیگر ہر قسم کی بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

(۹) سورۃ الصلوٰۃ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا ہے' امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز (سورہ فاتحہ) کو میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھا' آدھا تقسیم کیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے' پس جب بندہ کہتا ہے: ''الحمد للہ رب العلمین'' تو میں کہتا ہوں: بندہ نے میری حمد کی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

(۱۰) سورۃ الدعاء: یہ سورت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع ہوتی ہے' پھر بندہ کی عبادت کا ذکر ہے' پھر اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا ہے اور دعا اور سوال کا یہی اسلوب ہے کہ پہلے داتا کی حمد و ثناء کی جائے' پھر دست طلب بڑھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی ہے' پھر اپنے لیے دعا کی ہے:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۙ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۙ۝ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۙ۝ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ۝ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ۝ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۙ۝ (الشعراء: ۸۵-۷۸)

وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے ۝ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے ۝ اور جب میں بیمار پڑوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے ۝ اور وہی مجھے وفات دے گا اور پھر زندہ فرمائے گا ۝ اور اسی سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہی میری (ظاہری یا اجتہادی) خطائیں معاف فرمائے گا ۝ اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ لاحق کر

دے○ اور میرے بعد آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ○ اور مجھے جنۃ النعیم کے وارثوں میں شامل کر دے○

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ○ (یوسف:۱۰۱)

اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے میری وفات اسلام پر کر اور مجھے نیکوں کے ساتھ لاحق کر دے○

سو دعا کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے' پھر اس سے سوال کیا جائے' اور سورہ فاتحہ میں اسی طریقہ سے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے' اس لیے اس کو سورہ دعا کہتے ہیں۔

علامہ بقاعی نے ان اسماء کے علاوہ سورۃ فاتحہ کے اسماء میں اساس' کنز' واقیہ' رقیہ اور شکر کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ بقاعی نے ان اسماء میں نظم اور ربط کو بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

(۱) فاتحہ کے اعتبار سے ہر نیک چیز کا افتتاح اس سورت سے ہونا چاہیے (۲) اور ام کے لحاظ سے یہ ہر خیر کی اصل ہے (۳) اور ہر نیکی کی اساس ہے (۴) اور مثنی کے لحاظ سے دوبار پڑھے بغیر یہ لائق شمار نہیں (۵) اور کنز کی حیثیت سے یہ ہر چیز کا خزانہ ہے (۶) ہر بیماری کے لیے شفا ہے (۷) ہر مہم کے لیے کافی ہے (۸) ہر مقصود کے لیے وافی ہے (۹) واقیہ کے لحاظ سے ہر برائی سے بچانے والی ہے (۱۰) رقیہ کے اعتبار سے (۱۱) ہر آفت ناگہانی کے لیے دم ہے (۱۲) اس میں حمد کا اثبات ہے جو صفات کمال کا احاطہ ہے (۱۳) اور شکر کا بیان ہے جو منعم کی تعظیم ہے (۱۴) اور یہ بعینہ دعا ہے' جو مطلوب کی طرف توجہ ہے' ان تمام امور کی جامع صلوٰۃ ہے۔ (نظم الدرر ج ۱ ص ۲۰۔۱۹' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی' قاہرہ' ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی نے سورہ فاتحہ کے بائیس اسماء کا ذکر کیا ہے' ان میں فاتحۃ القرآن' تعلیم المسئلہ' سورۃ السؤال' سورۃ المناجاۃ' سورۃ التفویض' شافیہ' اور سورۃ النور بھی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا' (دوران نماز) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا' میں حاضر نہ ہوا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا' آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ. (الانفال:۲۴) اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ''۔ پھر فرمایا: سنو! میں تم کو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا' پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا' جب ہم نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا: میں تم کو قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا' آپ نے فرمایا: ''الحمد للہ رب العلمین'' یہ سبع مثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت' سورت فاتحہ ہے' اور اس کا نام ''السبع المثانی'' بھی ہے' اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر نماز کے دوران بلائیں' تب بھی آنا واجب ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے‘ ہم نے ایک جگہ قیام کیا‘ ایک لڑکی نے آ کر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہمارے لوگ حاضر نہیں ہیں‘ کیا تم میں سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ گیا جس کو اس سے پہلے ہم دم کرنے کی تہمت نہیں لگاتے تھے‘ اس نے اس شخص پر دم کیا جس سے وہ تندرست ہو گیا‘ اور اس سردار نے اس کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا‘ اور ہم کو دودھ پلایا‘ جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: کیا تم پہلے دم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں‘ میں نے تو صرف ام الکتاب (سورہ فاتحہ) پڑھ کر دم کیا ہے‘ ہم نے کہا: اب اس کے متعلق کوئی بحث نہ کرو‘ حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق پوچھ لیں‘ ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کیا معلوم کہ یہ دم ہے‘ (ان بکریوں کو) تقسیم کر دو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ پڑھ کر بیمار شخص پر دم کرنا جائز ہے‘ اس لیے سورت کو ”سورۃ الرقیۃ“ اور ”سورۃ الشفاء“ بھی کہتے ہیں‘ اور اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس سورت کو ”ام الکتاب“ بھی کہتے ہیں‘ اور یہ کہ قرآن پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لینا جائز ہے اور اس قرآن مجید اور کتب دینیہ پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور اس میں مصحف کو قیمۃً فروخت کرنے اور مصحف کی کتابت پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور یہ کہ استاذ کی تعلیم سے تلمیذ کو جو آمدنی ہو اس میں استاذ کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اب کسی بیمار کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے اور وہ شفاء نہ پائے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دم کرنے والے میں روحانیت کی کمی ہے‘ سورہ فاتحہ کے شفاء ہونے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی! اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے‘ حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے‘ حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”السلام علیك یا رسول اللہ!“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وعلیك“ اے ابی! جب میں نے تم کو بلایا تھا تو تم کو آنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا‘ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو میری طرف وحی فرمائی ہے کیا تمہیں اس میں یہ حکم نہیں ملا ”اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ“ (الانفال: ۲۴) جب اللہ اور رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے گی تو (فوراً) حاضر ہو جاؤ“۔ حضرت ابی نے کہا: کیوں نہیں؟ اور میں ان شاء اللہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا‘ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایسی سورت کی تعلیم دوں‘ جس کی مثل تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں‘ نہ زبور میں نہ قرآن میں؟ میں نے کہا: جی! یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس کی مثل تورات میں نازل ہوئی ہے نہ انجیل میں‘ نہ زبور میں نہ فرقان میں‘ یہ ”السبع من المثانی“ (دودو بار پڑھی جانے والی سات آیتیں) ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے‘ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۸‘ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے‘ نیز وہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''السبع من المثانی'' میں ''من'' زائدہ ہے اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور اس کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ کو دو بار پڑھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مثانی استثناء سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سورت کے ساتھ یہ امت مستثنیٰ ہے۔ اس امت سے پہلی امتوں پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ثنا سے ماخوذ ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مثانی سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۗ — اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا' ایسی کتاب جس کی آیتیں آپس میں متشابہ ہیں بار بار دہرائی ہوئی ہیں۔ (الزمر: ٢٣)

تمام قرآن کو مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں قصص اور امثال کو دہرایا گیا ہے اس تقدیر پر ''السبع من المثانی'' کا معنی ہے: قرآن کی سات آیتیں اور ایک قول یہ ہے کہ مثانی سے مراد قرآن مجید کی وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہوں۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی' کیونکہ تم ''السلام علیك ایها النبی'' کہہ کر نماز میں حضور سے خطاب کرتے ہو جب کہ کسی اور کے ساتھ نماز میں خطاب کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (شرح السنۃ ج ٣ ص ١٥۔ ١٤)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوٰۃ (سورۃ فاتحہ) کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا گیا ہے' اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرے' اور جب بندہ کہتا ہے: ''الحمد لله رب العلمین'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری حمد کی' اور جب وہ کہتا ہے: ''الرحمٰن الرحیم'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری ثناء کی' اور جب وہ کہتا ہے: ''مالك یوم الدین'' تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری تعظیم کی' اور ایک بار فرمایا: میرے بندہ نے (خود) کو میرے سپرد کر دیا' اور جب وہ کہتا ہے: ''ایاك نعبد وایاك نستعین'' تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے' اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے' اور جب وہ کہتا ہے: ''اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین'' تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرے۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٧٠۔ ١٦٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

اس حدیث میں سورہ فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کے شروع میں ''بسم الله الرحمٰن الرحیم'' کا ذکر نہیں ہے' اس سے علماء احناف اور مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ''بسم الله الرحمٰن الرحیم'' سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور یہ ان کی بہت قوی دلیل ہے' فقہاء شافعیہ نے اس کے جواب میں جو تاویلات کی ہیں وہ بہت ضعیف ہیں' ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد اول میں ان کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے اوپر کی جانب سے ایک چرچراہٹ کی آواز سنی' حضرت جبرائیل نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازہ سے ایک فرشتہ نازل ہوا' حضرت جبرائیل نے کہا: یہ فرشتہ جو زمین

کی طرف نازل ہوا ہے یہ آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا' اس فرشتہ نے آکر سلام کیا اور کہا: آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے (ایک نور) فاتحۃ الکتاب ہے اور (دوسرا) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں' ان میں سے جس حرف کو بھی آپ پڑھیں گے وہ آپ کو دے دیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۵ ص ۱۳ ـ ۱۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عبد الملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب سے ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا' آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو تہجد کی نماز میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھ رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس سورت کو سنتے رہے حتیٰ کہ اس نے وہ سورت ختم کرلی' آپ نے فرمایا: قرآن میں اس کی مثل (اور کوئی سورت) نہیں ہے' امام طبرانی نے اس حدیث کو ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی حسن بن دینار ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن فاتحۃ الکتاب (سورہ فاتحہ) نازل ہوئی' اس دن ابلیس بہت رویا تھا اور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

سورہ فاتحہ کا مقام نزول

سورہ فاتحہ کے نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اس لیے محققین کا یہ موقف ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے' ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ علامہ سیوطی نے ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واحدی نے ''اسباب النزول'' میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں اور ابونعیم اور بیہقی دونوں نے اپنی اپنی ''دلائل النبوۃ'' اور واحدی اور ثعلبی نے از ابی میسرہ از عمرو بن شرحبیل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں' بہ خدا! مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ کوئی عجیب وغریب چیز ہے' حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا' بہ خدا! آپ امانت کو ادا کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں' اسی اثناء میں حضرت ابوبکر آئے' اس وقت گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے' حضرت خدیجہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا' اور کہا: آپ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ورقہ کے پاس جائیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ورقہ کے پاس چلیں' آپ نے پوچھا: تم کو کس نے بتایا؟ انہوں نے

کہا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے' پھر دونوں ورقہ کے پاس گئے' اور اس کو واقعہ سنایا' آپ نے فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو مجھے اپنے پیچھے سے آواز آتی ہے: یا محمد! یا محمد! تو میں بھاگنے لگتا ہوں' ورقہ نے کہا: آپ ایسا نہ کریں' جب آپ کے پاس یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے' پھر مجھے آ کر بتائیں' پھر جب آپ خلوت میں تھے تو آپ کو آواز آئی: یا محمد! کہیے: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ' الحمد للّٰہ رب العلمین '' اور اس کو ''ولا الضالین '' تک پڑھا' اور کہا: کہیے: ''لا الہ الا اللّٰہ '' پھر آپ ورقہ کے پاس گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا: آپ کو بشارت ہو' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کے آنے کی ابن مریم کو بشارت دی گئی تھی' اور آپ کے پاس حضرت موسیٰ کے ناموس کی مثل ہے' اور آپ نبی مرسل ہیں۔

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب بنوسلمہ کے جوان مسلمان ہوئے اور عمرو بن جموح کا بیٹا مسلمان ہوا تو عمرو کی بیوی نے عمرو سے کہا: تم اپنے بیٹے سے پوچھو وہ اس شخص سے کیا روایت کرتے ہیں؟ عمرو نے اپنے بیٹے سے کہا: مجھے اس شخص کا کلام سناؤ تو اس کے بیٹے نے پڑھا: ''الحمد للّٰہ رب العلمین '' اور ''الصراط المستقیم '' تک پڑھا' اس نے کہا: یہ کتنا حسین اور جمیل کلام ہے' کیا اس کا سارا کلام اسی طرح ہے؟ اس کے بیٹے نے کہا: اے ابا! اس سے بھی زیادہ حسین ہے' اور یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے' ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں' ابوسعید بن اعرابی نے ''معجم'' میں اور طبرانی نے ''اوسط'' میں مجاہد کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فاتحۃ الکتاب نازل ہوئی تو ابلیس خوب رویا اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

وکیع اور فریابی نے اپنی تفسیروں میں' ابوبکر بن انباری نے ''فضائل قرآن'' میں' امام ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں' عبد بن حمید اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں' ابوبکر بن انباری نے ''کتاب المصاحف'' میں' ابوالشیخ نے ''العظمۃ'' میں اور ابونعیم نے ''حلیہ'' میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

وکیع نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدینہ نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

ان تینوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ فاتحہ کی آیات کی تعداد

ہم اس سے پہلے مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے سورہ علق اور سورہ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں' اور جو سب سے پہلے مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورہ فاتحہ ہے' یہ سورت دو بار نازل ہوئی' ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اور اس میں بالاتفاق سات آیتیں ہیں' اس لیے اس کو ''السبع المثانی'' کہا جاتا ہے' فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' سورہ فاتحہ کا جز ہے اور اس سمیت سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور علماء احناف اور علماء مالکیہ کے نزدیک ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔[1] ان کے نزدیک' صراط الذین انعمت علیھم'' ایک آیت ہے اور اول الذکر کے نزدیک' صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین '' مل کر ایک آیت ہے۔ ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم '' سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں اس پر مفصل گفتگو عنقریب آئے گی۔

[1] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ' المغنی ج ۱ ص ۲۸۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ ھ

سورۃ فاتحہ کے مضامین

قرآن مجید کے حسب ذیل مضامین ہیں:

(١) توحید: نزول قرآن کے وقت دنیا میں بالعموم بت پرستی کا دور دورہ تھا' اور کفار عرب توحید کے دعوی دار ہونے کے باوجود اپنے زعم میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس لیے قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ صرف خالق اور رب ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا کافی نہیں ہے بلکہ استحقاق عبادت کے اعتبار سے بھی اس کو واحد ماننا ضروری ہے' یعنی اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(٢) نبوت: عام انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو جاننے کے لیے ناکافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کرنے سے عاجز ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہ نمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور نبی چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے' اس کو ماننا اللہ کو ماننا اور اس کا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہوتا ہے' اس لیے قرآن نے نبی کے ماننے کو ضروری قرار دیا ہے۔

(٣) عبادت: بدن' مال اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق صرف کرنا عبادت ہے' قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان خود اور اس کا مال اس کی ملکیت نہیں ہے' اللہ کی ملکیت ہے' اب وہ کس طرح اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف کرے' یہ قرآن نے تفصیل سے بتایا ہے۔

(٤) وعد اور وعید: اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ پر انعام فرمائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور بندہ کی نافرمانی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عذاب سے ڈرایا ہے' اس وعد اور وعید کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

(٥) قصص اور امثال: گزشتہ امتوں کے صالحین کے واقعات اور نافرمانوں پر عذاب کی عبرت انگیز مثالیں۔

(٦) معاد: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کا بیان۔

(٧) دعا: تمام عبادات کا خلاصہ اور حاصل اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انسان کو ہدایت عطا فرمائے اور اس پر تاحیات برقرار رکھے اور آخرت میں عذاب سے نجات' جنت نعیم' اپنی خوشنودی' رضا اور دیدار عطا فرمائے۔ سورہ فاتحہ میں ان تمام مضامین کو اجمال' اختصار اور اشارات سے بیان کر دیا گیا ہے۔

(١) سورہ فاتحہ کے شروع میں فرمایا: "الحمد للہ رب العلمین. تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے" یعنی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی پرورش سے ان کو باقی رکھے ہوئے ہے' آسمان' زمین' پہاڑ' سمندر' جمادات' نباتات' حیوانات' انسان اور جن یہ سب اپنے وجود میں کسی موجد کے اور اپنی بقا میں کسی رب کے محتاج ہیں' اور یہ سب ممکنات ہیں' اس لیے ان کو پیدا کرنے والا اور ان کو باقی رکھنے والا ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن تو پھر انہی کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں محتاج ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ ان کا موجد اور ان کا رب واجب بالذات ہو' اور واجب بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے' وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے' اس کائنات رنگ و بو میں جو حسن اور کمال ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے' اور حمد حسن اور کمال پر ہوتی ہے تو تمام محامد کا وہی مستحق ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لائق ہیں' اس آیت میں جہاں یہ بتایا ہے کہ تعریف کا مستحق صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے' وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ تمام کائنات کا خالق اور مربی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ

قرآن کا وہ پہلا مضمون ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کی چھٹی آیت میں ہے: ''صراط الذین انعمت علیھم. ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا''
اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان کا بیان اس آیت میں ہے:

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ (النساء:۶۹)　جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔

نیز فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ۗ (مریم:۵۸)　جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نسل آدم سے انبیاء ہیں۔

قرآن مجید کا دوسرا اہم مضمون نبوت ہے اور اس کی طرف اشارہ ''صراط الذین انعمت علیھم''میں ہے۔

(۳) قرآن مجید کا تیسرا اہم مضمون عبادت ہے' اور اس کا ذکر ''ایاك نعبد. ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' میں ہے۔

(۴) وعد اور وعید کی طرف اشارہ ''مالك یوم الدین ''میں ہے۔

(۵) گزشتہ امتوں کے واقعات اور مثالیں' نیکوں پر انعام اور بدکاروں پر غضب اور عذاب' اس کی طرف اشارہ چھٹی اور ساتویں آیت ''صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ''میں ہے۔

(۶) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کی طرف اشارہ بھی ''مالك یوم الدین ''میں ہے۔

(۷) قرآن مجید کا بہت اہم مضمون اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے' اور اس سورت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح دعا کی جائے' اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے' جس کا ذکر ''الحمد للّٰہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ''میں ہے۔ پھر خضوع اور خشوع کا اظہار کیا جائے جس کا ذکر ''ایاك نعبد و ایاك نستعین ''میں ہے' پھر اپنے عجز اور احتیاج کو بیان کیا جائے جس کا بیان ''ایاك نعبد و ایاك نستعین ''میں ہے' پھر حرف مدعا زبان پر لایا جائے اور اس سے مانگا جائے' نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا جائے اور کیا نہ مانگا جائے تو بتلایا اس سے صراط مستقیم پر برقرار رہنے کی ہدایت مانگو' وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتگان کا راستہ ہے' نہ ان کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا اور نہ گمراہوں کا' پھر جیسے ہی ہدایت کی دعا ختم ہوتی ہے تو اس کے جواب میں فوراً ہدایت آجاتی ہے ''الم○ ذالك الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین ''یعنی تم نے ہم سے ہدایت مانگی تھی تو یہ پوری کتاب تمہارے لیے ہدایت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے دعا کرو گے تو اس دعا کی استجابت یقینی ہے۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

میں شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں

اعوذ باللہ کے مفردات کے معانی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O (النحل: ۹۸)

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

استعاذہ کا معنی ہے: کسی ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لیے کسی چیز کی پناہ میں آنا' شیطان کا لفظ ''شطن'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے خیر سے دور ہونا' شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا' ایک قول یہ ہے کہ شیطان ''شیط'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا' اس بناء پر شیطان کو شیطان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک ہو گیا' رجیم کا لفظ ''رجم'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے سنگسار کرنا' قتل کرنا' لعنت کرنا اور دھتکارنا' چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کی ہے' اس کو دھتکار کر راندہ بارگاہ کر دیا ہے' اس وجہ سے اس کو رجیم کہتے ہیں۔

اعوذ باللہ کے صرف اور اعراب کا بیان

شیطان صفت مشبہ کا صیغہ ہے' اگر یہ ''شیط'' سے بنا ہے تو اس کا وزن فعلان ہے اور اگر یہ ''شطن'' سے بنا ہے تو اس کا وزن فیعال ہے' رجیم فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے' اس کا معنی ہے: راندہ ہوا' دھتکارا ہوا۔

''من'' ابتداء کے لیے ہے اور جار مجرور ''اعوذ'' کے متعلق ہے' اس کا معنی ہے: میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی ابتداء اللہ سے کرتا ہوں' اور یہ من سببیہ بھی ہو سکتا ہے' اور اس کا معنی ہو گا: شیطان رجیم کے سبب سے میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نماز اور غیر نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز میں قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر پڑھتے:

''سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك'' پھر تین مرتبہ ''لا اله الا الله'' پڑھتے' پھر تین مرتبہ پڑھتے: ''الله اكبر كبيرا اعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم من همزه و نفخه و نفثه'' (میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو بہت سننے والا' بہت جاننے والا ہے' شیطان رجیم کے مجنون کرنے' اس کے تکبر اور اس کے شر سے) اس کے بعد آپ قراءت کرتے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق[1] اور امام بیہقی[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو فرماتے: ''اللهم انى اعوذ بك من الشيطان الرجيم من همزه و نفخه و نفثه''۔ (المصنف ج ۱ ص ۲۳۸' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عطاء نے کہا: اعوذ باللہ پڑھنا ہر قراءت میں واجب ہے خواہ وہ قراءت نماز میں ہو یا غیر نماز میں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ (النحل: ۹۸) ابن جریج نے کہا: ہاں! میں

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ' المصنف ج ۱ ص ۱۸۳' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۶_۳۵' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

پڑھتا ہوں" بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم الرحمٰن الرحیم' من الشیطان الرجیم واعوذ بك رب ان یحضرون اوید خلوا بیتی الذی یووینی" عطا نے کہا: یہ پڑھنا بھی تمہیں کفایت کرے گا' لیکن تم" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" سے زیادہ نہ پڑھا کرو۔ (المصنف ج ١ص ٨٣' مطبوعہ کتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٠ھ)

عثمان بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے اور میری تلاوت قرآن کے درمیان شیطان حائل ہوجاتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شیطان کا نام خنزب ہے' تم جب اس کو محسوس کرو تو" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" پڑھو اور بائیں جانب تین بار تھوکو۔ (المصنف ج ١ص ٨٥' مطبوعہ کتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٠ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید پڑھنے سے پہلے" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" پڑھتے تھے۔ (المصنف ج ١ص ٨٦' مطبوعہ کتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٠ھ)

ابراہیم نے کہا: ہر چیز سے پہلے" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" پڑھنا کافی ہے۔
(المصنف ج ١ص ٨٥' مطبوعہ کتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٠ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک فرض نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں' اور تراویح میں پڑھنے کے قائل ہیں۔
(الجامع الاحکام القرآن ج ١ص ٨٦' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ١٣٨٧ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

نفل نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا (بلا کراہت) جائز ہے اور فرض نماز میں مکروہ ہے۔
(الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ١ص ٢٥١' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

نماز میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے' حسن' ابن سیرین' عطا' ثوری' اوزاعی' شافعی اور اصحاب رائے کا بھی نظریہ ہے' امام مالک نے کہا: نماز میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نماز کو" الحمد للّٰہ رب العلمین" سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)
(المغنی ج ١ص ٢٨٦' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے' سراً پڑھتے تھے اور جہراً قراءت" الحمد للّٰہ رب العلمین" سے شروع کرتے تھے تاکہ اس روایت کا ان احادیث سے تعارض نہ ہو جس میں قراءت قرآن سے پہلے" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" پڑھنے کی تصریح ہے۔

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

دعاء استفتاح (سبحانك اللھم) کے بعد" اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم" پڑھنا مستحب ہے' ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ" اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم" پڑھے' اور ہر اس لفظ کا پڑھنا جائز ہے' جس سے

یہ معنی حاصل ہو اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز سری ہو یا جہری اس کو سراً پڑھے' ایک قول یہ ہے کہ جہری نماز میں جہراً پڑھے' ایک قول یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے' ایک قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قطعاً آہستہ پڑھے' نیز مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھے اور پہلی رکعت میں پڑھنا زیادہ موکد ہے' امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۴۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جب نماز میں قراءت شروع کرے تو اعوذ باللہ پڑھے' اگر سورہ فاتحہ مکمل پڑھنے کے بعد اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب اس کو چھوڑ دے اور اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو یاد آیا تو اعوذ باللہ پڑھے اور از سر نو سورہ فاتحہ پڑھے' اور جب شاگرد استاذ کو قرآن مجید سنائے تو اس وقت اعوذ باللہ نہ پڑھے' یعنی اس وقت پڑھنا سنت نہیں ہے' جب مسبوق اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے' امام عید کی نماز میں تکبیرات عید کے بعد اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ تکبیرات عید کے بعد قراءت شروع ہوتی ہے (درمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب سورہ فاتحہ کو دوبارہ اعوذ باللہ کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے' کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ سنت کی وجہ سے فرض (قراءت) کو چھوڑ دیا جائے' نیز اس سے واجب کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا کیونکہ سورہ فاتحہ یا اس کے اکثر حصہ کو دوبارہ پڑھنا سجدہ سہو کا موجب ہے' اور فقیہ ابوجعفر نے ''نوادر'' میں ذکر کیا ہے کہ نمازی نے اللہ اکبر پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ اور ''بسم اللہ'' پڑھی اور ثناء پڑھنا بھول گیا تو اب ثناء نہ پڑھے' اسی طرح اگر اس نے اللہ اکبر کے بعد قراءت شروع کر دی اور ثناء' اعوذ باللہ اور ''بسم اللہ'' پڑھنا بھول گیا تو اب ان کو دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ ان کا محل فوت ہو گیا اور اس پر سجدہ سہو نہیں ہے' اس کو زاہدی نے ذکر کیا ہے (خلاصہ یہ ہے کہ علامہ حصکفی کا یہ کہنا درست نہیں کہ اگر اعوذ پڑھنا بھول گیا اور سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی تو اعوذ پڑھ کر از سر نو سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے)۔

''ذخیرہ'' میں یہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے اور اس سے اس کا مقصد قرآن مجید کی تلاوت ہو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے اور اگر حصول برکت کے لیے بسم اللہ پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص شکر ادا کرنے کی نیت سے ''الحمد للہ رب العلمین'' پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے' اور اگر قرآن مجید کی تلاوت کا قصد کرتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ پڑھنے کے اعتبار سے ہے افعال کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے' اس لیے بیت الخلاء جانے سے پہلے ''اعوذ باللہ من الخبث والخبائث'' پڑھنا اس قاعدے کے منافی نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ ثوری اور عطا نے یہ کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے سے پہلے ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنے کے محل میں اختلاف ہے' امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا محل ثناء کے بعد ہے اور یہ قراءت کے تابع نہیں ہے' لہٰذا جو شخص بھی ثناء پڑھے گا وہ اعوذ باللہ پڑھے گا' کیونکہ اعوذ

باللہ پڑھنا دفع وسوسہ کے لیے ہے اور دفع وسوسہ کے سب محتاج ہیں' لہٰذا امام اور منفرد جس طرح ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں اسی طرح مقتدی بھی پڑھے اور عید کی نماز میں بھی امام اس کو ثناء کے بعد پڑھے نہ کہ تکبیرات کے بعد' اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعوذ باللہ پڑھنا قراءت کے تابع ہے' لہٰذا جو شخص تلاوت قرآن کرے گا وہی اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو' اور مقتدی چونکہ قراءت نہیں کرتا اس لیے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا اور امام اور منفرد چونکہ قراءت کرتے ہیں اس لیے وہ اعوذ باللہ پڑھیں گے۔ اسی طرح عید کی نماز میں چونکہ قراءت تکبیرات کے بعد شروع ہوتی ہے اس لیے تکبیرات کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے گی۔ فتاویٰ قاضی خان' ہدایہ' اس کی شروح' کافی' اختیار اور اکثر کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا قراءت کے تابع ہے اور ہمارا بھی یہی مختار ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۰۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ)

نیز علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:

دوسری رکعت میں ثناء پڑھے گا نہ اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ ان کا محل اول صلوٰۃ اور اول قراءت ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھنے سے امام ابویوسف کی تائید ہوتی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا ثنا کے تابع ہے اور جب دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی تو اعوذ باللہ بھی نہیں پڑھی جائے گی' اگر یہ قراءت کے تابع ہوتی جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے تو دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ باللہ کو بھی پڑھا جاتا' سو اس طریقہ میں امام ابویوسف کے قول پر عمل ہے حالانکہ تمہارے نزدیک امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول مختار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی نے ایک مرتبہ قراءت سے پہلے اعوذ باللہ کو پڑھ لیا اور قراءت کے درمیان میں کسی اجنبی فعل کو داخل نہیں کیا تو اس کے لیے دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور افعال نماز' قراءت کے حق میں اجنبی نہیں ہیں کیونکہ نماز کے اعتبار سے تمام افعال واحد ہیں' لہٰذا اس کی قراءت کے دوران کوئی اجنبی فعل خلل انداز نہیں ہوا' اس لیے اب اعوذ باللہ کا تکرار مسنون نہیں ہے۔

(غنیۃ المستملی ص ۳۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

بائے بسم اللہ کا معنی

عربی زبان میں باء متعدد معانی کے لیے آتی ہے اور اس میں تفصیل ہے کہ بسم اللہ میں باء کس معنی میں ہے' علامہ زمخشری کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ میں باء مصاحبت اور ملابست کے لیے ہے یعنی شروع کرنے کا فعل اللہ تعالیٰ کے نام سے ملابس ہے اور اس کے نام کے ساتھ شروع ہے' جیسے کہتے ہیں: ''کتبت بالقلم'' میں نے قلم کے ساتھ لکھا' یا اس کا معنی ہے: ''متبرکا بسم اللہ اقراء'' اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے میں پڑھتا ہوں' یا شروع کرتا ہوں'[1] اور علامہ بیضاوی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ باء استعانت کے لیے ہے' یعنی اللہ کے نام کی مدد سے میں شروع کرتا ہوں۔

(انوار التنزیل علیٰ ہامش عنایۃ القاضی ج ۱ ص ۳۸' مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہاں فعل امر مقدر کیا ہے' یعنی اللہ کے نام سے ہی شروع کرو۔

[1] علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ' کشاف ج ۱ ص ۵۔ ۴' مطبوعہ مطبعہ بہیہ' مصر' ۱۳۴۳ھ

فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجوہ

اس فعل کو بسم اللہ سے پہلے مقدر نہیں کیا بلکہ "بسم اللہ" کے بعد مقدر کیا ہے یعنی "بسم الله اقرء یا اشرع" "اللہ کے نام سے ہی شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں" اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر ماننے سے عربی قواعد کے مطابق حصر ہو جائے گا اور معنی ہوگا: اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں' مشرکین کسی اہم کام کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اور جب ہم کہیں گے: اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں تو اس سے ان مشرکین کا رد ہوگا' جیسے قرآن مجید میں ہے: "ایاك نعبد" اس میں بھی فعل کو موخر ذکر کیا ہے تاکہ حصر مستفاد ہو' اس کا معنی ہے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ مقدم اس کو کیا جاتا ہے جو اہم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام اور ہمارے فعل ان دونوں میں اہم اللہ تعالیٰ کا نام ہے' اس لیے فعل کو موخر اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مقدم ماننا چاہیے' تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندہ کے تذلل کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہو اور پھر ہمارے کام کا ذکر ہو' چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ ترتیب نفس الامر اور واقع کے بھی مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ہے ہم اور ہمارا فعل بعد میں ہے' پانچویں وجہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین نے بعض مواقع پر پہلے اپنا ذکر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا' پھر اپنا نام لیا' مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" (الشعراء: ۶۲) "بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے" اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبہ: ۴۰) "بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے" اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف خط لکھا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِۙ (النمل: ۳۰) بے شک یہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہےO

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ھرقل کی طرف خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (سیدنا) محمد عبداللہ ورسولہ کی جانب سے روم کے بادشاہ ھرقل کے نام" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

اور صلح نامہ حدیبیہ میں لکھوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ہے جس کا (سیدنا) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹)

سو اگر فعل بسم اللہ سے پہلے مقدر مانا گیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اتباع ہوگی اور اگر بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر مانا گیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہوگی اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر ماننا کلام اللہ کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں فعل کا ذکر بسم اللہ کے بعد ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ (ھود: ۴۱) اللہ کے نام کی مدد سے ہے' اس کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔

ہم نے بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے: اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) اس میں لفظ اللہ کو پہلے ذکر کر کے ان وجوہ کی طرف اور "ہی" سے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ

مشہور نحوی فراء لکھتے ہیں:

تمام مصاحف کے لکھنے والوں اور قراء کا اس پر اجماع ہے کہ بسم اللہ میں اسم کا الف محذوف ہے اور ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○'' (الواقعہ: ۷۴ الحاقہ: ۵۲) میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ سورتوں اور دیگر کتابوں کی ابتداء میں بسم اللہ کی جگہ معروف ہے اور پڑھنے والا اس کے معنی سے ناواقف نہیں ہے اور اس کے الف کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا' کیونکہ عرب کا طریقہ اختصار' اور کثیر الاستعمال لفظ کے حروف کو کم کرنا ہے بہ شرطیکہ اس کا معنی معروف ہو اور ''فسبح باسم ربك'' میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ بسم اللہ کی بہ نسبت ''باسم ربك'' کا استعمال بہت کم ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ کھانے' پینے' ذبح کرنے بلکہ ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (معانی القرآن مطبوعہ بیروت)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اسم کا الف جو حذف کیا گیا ہے اس کے عوض بائے بسم اللہ کو لمبا کر کے لکھا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا معنی اور کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق

علامہ مکی بن ابی طالب لکھتے ہیں:

لفظ اللہ اصل میں ''الـاه'' ہے پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا تو ''الـالـاه'' ہو گیا' پھر تخفیفاً الف کو حذف کیا اور اس کی حرکت پہلے لام پر داخل کر دی اور پہلے لام کا دوسرے لام میں ادغام کر دیا تو یہ لفظ ''اللـه'' ہو گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل میں ''لـاه'' ہے' اس پر الف لام داخل کیا اور لام کا لام میں ادغام کیا تو یہ لفظ ''اللـه'' ہو گیا اور خلیل سے منقول ہے کہ اس کی اصل ''ولاه'' ہے۔ (مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور' ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

''الہ'' کا معنی ہے حیرت زدہ ہونا' کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے' اور ''لاہ'' سریانی زبان کا لفظ ہے' جو چیز بلند اور محجوب ہو اس کو ''لاہ'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی آنکھوں سے محجوب ہے اور جو چیز اس کے لائق نہ ہو اس سے بلند ہے' اور ''ولـاه'' کا معنی ہے بچہ کا خوف زدہ ہو کر ماں کی طرف لپکنا' اور تمام مخلوق اپنے مصائب اور پریشانیوں میں گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لپکتی ہے' ان وجوہ سے کہا جاتا ہے کہ لفظ اللہ ''الـہ'' سے ''لـاه'' سے یا ''ولاہ'' سے بنا ہے۔ ابن اثیر نے کہا: یہ ''الہ'' سے بنا ہے اور منذری نے کہا: یہ ''الالہ'' سے بنا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۴۶۹۔۴۶۷ 'مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران)

اور علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

سیبویہ نے کہا کہ لفظ اللہ کا ''لاہ'' سے بننا جائز ہے' اس کا معنی بلندی اور ارتفاع ہے۔

(قاموس ج ۴ ص ۴۱۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کے لیے علم (شخصی نام) ہے جو کہ تمام صفات کمال کی جامع ہے اور یہ لفظ مشتق نہیں ہے' ابن العربی نے کہا: یہ علم ہے اور الٰہ حق پر دلالت کرتا ہے اور یہ تمام اسماء حسنیٰ الٰہیہ احدیہ کا جامع ہے۔

(تاج العروس ج ۱ ص ۴۷۳ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

ہمارے نزدیک تحقیق یہی ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے نہیں بنا' اور یہ اصل میں علم ہے وصف نہیں ہے کیونکہ لفظ اللہ موصوف ہوتا ہے اور کسی موصوف کی صفت نہیں بنتا' نیز اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں اور ان صفات کے محمل کے لیے کسی موصوف کی ضرورت ہے اور لفظ اللہ کے علاوہ اور کوئی لفظ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا' اور اگر لفظ اللہ مشتق اور صفت ہو تو پھر لا الٰہ الا اللہ سے

توحید ثابت نہیں ہوگی کیونکہ صفت کلی ہوتی ہے اور شرکت کثیرین سے مانع نہیں ہوتی اور علامہ بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ لفظ اصل میں وصف تھا اور غلبہ استعمال کی وجہ سے بہ منزلہ علم ہو گیا کیونکہ پھر مرتبہ وضع میں توحید ثابت نہیں ہوگی' اور ''الٰہ'' اور ''لاہ'' کے ساتھ لفظی مناسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ ان میں سے کسی ایک لفظ سے بنا ہو اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کسی سے نہیں بنی اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والا بھی کسی لفظ سے نہیں بنا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس ذات کے لیے علم (شخصی نام) ہے جو واجب الوجود ہے' اور تمام صفات محمودہ کی جامع ہے' اور علامہ میر سید شریف نے کہا: جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کرنے سے انسان کی عقل حیران اور عاجز و درماندہ ہے اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والے اسم کی حقیقت کو پانے سے بھی عقلیں حیران اور پریشان ہیں۔ کسی نے کہا: یہ لفظ سریانی ہے' کسی نے کہا: یہ عربی ہے' کسی نے کہا: یہ وصف اور مشتق ہے' کسی نے کہا: علم ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور علم مرتجل ہے (کوئی اور لفظ اس کی اصل نہیں ہے) امام ابوحنیفہ' امام محمد بن الحسن' امام شافعی اور خلیل کا یہی نظریہ ہے' امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی اسم ہے' امام طحاوی اور دیگر کثیر علماء اور عارفین کا یہی قول ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول ۱۳۲۷ھ)

رحمن اور رحیم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

رحمت اس رقت قلب کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مرحوم پر احسان کیا جائے' کبھی یہ لفظ رقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی' اور جب رحمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان اور افضال ہے نہ کہ رقت قلب' اور جب رحمت آدمیوں کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی رقت اور شفقت ہے۔

رحمان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رحمان کا معنی ہے: وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو اور اس معنی کا مصداق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا' اور رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رحیم کا معنی ہے: جو بہت رحم کرتا ہو' قرآن مجید میں رحیم کا اطلاق اللہ پر بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ۝ (الحج: ۶۵)	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۝

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۝ (التوبہ: ۱۲۸)	بے شک تمہارے پاس تمہی میں سے ایک عظیم رسول آئے جن پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا سخت دشوار ہے' وہ تمہاری بھلائی پر بہت حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۝

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے کیونکہ دنیا میں اس کا احسان مومنوں اور کافروں دونوں پر ہے اور آخرت میں رحیم ہے کیونکہ آخرت میں اس کا احسان صرف مومنوں پر ہوگا کافروں پر نہیں ہوگا۔

(المفردات ص ۱۹۲-۱۹۱ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہ

خلاصہ یہ ہے کہ رحمان اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمان میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ عرب کا طریقہ یہ ہے کہ صفات مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں: ''فلان عالم نحریر'' (فلاں شخص عالم ماہر ہے) اس لیے بہ ظاہر پہلے رحیم اور پھر رحمان کا ذکر ہونا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا اطلاق چونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا' اس لیے یہ لفظ اللہ کی طرح ہے اور بہ منزلہ علم ہے' اور رحیم وصف ہے اور علم وصف پر مقدم ہوتا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا لفظ تمام عظیم اور جلیل نعمتوں کو شامل ہے جو بہ منزلہ اصول ہیں اور رحیم اس کا تتمہ ہے جو فروعی اور دقیق نعمتوں کو شامل ہے' اور جو لفظ جلیل' عظیم اور اصل نعمتوں پر دلالت کرتا ہے وہ اس لفظ پر مقدم ہونا چاہیے جو دقیق اور فروعی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا آخرت سے پہلے ہے' اس لیے رحمٰن کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ رحمان عام ہے کیونکہ اس کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہے اور رحیم خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف مومن سے ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے رحمان کو رحیم پر مقدم کیا ہے' کیونکہ رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے' اس لیے ہم نے رحمٰن کا معنی ''نہایت رحم فرمانے والا'' اور رحیم کا معنی ''بہت مہربان'' کیا ہے۔

بسم اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رمز اور اشارہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

الف بسیط اور مطلق ہے اور وہ اپنی بساطت اور اطلاق کی وجہ سے اللہ عزوجل کی ذات مطلقہ پر دلالت کرتا ہے اور الف کے بعد باء ہے اور یہ تمام تعینات پر مقدم ہے سو باء اپنے تعین اول کے لحاظ سے حقیقت محمدی پر دلالت کرتی ہے' اسی طرح بسم اللہ کی باء میں ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے' اور باء پر کسرہ (زیر) ہے اور اس سے آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ (الانبیاء: ۱۰۷) — اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف بہ طور رحمت بھیجا ہے○

نیز فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (التوبہ: ۱۲۸) — اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں○

اس میں یہ رمز ہے کہ جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگرچہ وہ صاحب خلق عظیم ہیں اور ان کا ہر وصف اعلیٰ ہے لیکن ان پر صفت رحمت کا غلبہ ہے' وہ ''رءوف رحیم'' ہیں اور جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ ''الرحمن الرحیم'' ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت سے پہلے بسم اللہ ہے اور اس میں آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے' سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی' وہ براءۃ سے شروع ہے اور باء سے آپ کی ذات اور باء کی فتح (زبر) سے آپ کی صفت جلال کی طرف اشارہ ہے' قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں' ایک سو تیرہ سورتوں میں بسم اللہ کے ذکر سے آپ کی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ایک سورت میں براءۃ کی نصب سے آپ کے غضب کی

طرف اشارہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ ہر سورت کی لوح جبیں پر حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ ایک سو تیرہ سورتوں میں آپ کے جمال کی طرف اور ایک سورت میں آپ کے جلال کی طرف اشارہ ہے۔ (روح المعانی ج ا ص ۵۲۔۵۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بعض محققین نے بیان کیا کہ بسم اللہ میں باء کے بعد اسم اللہ ہے اور اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے کیونکہ اسم وہ ہے جو مسمّٰی پر دلالت کرے اور یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہے لیکن کامل دلالت کرنے والا وہ ہوگا جس کی دلالت سب کے لیے ہو' جو نبیوں اور رسولوں کے لیے بھی اللہ کی دلیل ہو' انسانوں اور جنوں کے لیے بھی رہنما ہو' شجر و حجر' دشت و جبل' بحر و بر اور کائنات کی ہر حقیقت کے لیے دلیل ہو اور ایسی کامل دلیل بہ جز ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے تو وہی اسم اللہ ہیں اور یوں اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ آپ اللہ کا اسم ہیں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے اور آپ اللہ کی طرف مسند ہیں اور ساری کائنات کے لیے مسند الیہ ہیں' اسم کا خاصہ ہے حرف جر' اور جر کا معنی ہے کھینچنا اور آپ لوگوں کو جہنم کے کنارے سے کھینچ کھینچ کر جنت کی طرف لائے اور حروف جارہ میں ''من'' اور ''الی'' ہیں' ''من'' ابتدا کے لیے اور ''الی'' انتہاء کے لیے ہے اور نبوت کی ابتداء بھی آپ سے ہے اور نبوت کی انتہا بھی آپ پر ہے اور حروف جارہ میں باء ہے' باء الصاق کے لیے آتی ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے لیے' اور آپ نے بندوں کو خدا سے ملایا ہے' اور حروف جارہ میں ''علی'' ہے' ''علی'' استعلاء اور بلندی کے لیے آتا ہے اور آپ ساری کائنات پر بلند ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ کی باء' باء کے کسرہ اور اسم اللہ ان سب میں حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔

''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' سے متعلق فقہی مباحث

ایک بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں جو ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' لکھی ہے آیا وہ قرآن کریم کا جز ہے یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ آیا وہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں' تیسری بحث یہ ہے کہ سورتوں کے اوائل میں جو ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' لکھی ہے وہ ان سورتوں کا جز ہے یا نہیں۔ چوتھی بحث یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں' چھٹی بحث یہ ہے کہ بسم اللہ کو جہراً پڑھا جائے یا آہستہ' اور ساتویں بحث میں بسم اللہ کے احکام شرعیہ اور مسائل ہیں اور آٹھویں بحث میں بسم اللہ کے فوائد اور حکمتیں ہیں۔

''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق

علامہ ابوبکر رازی لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ نمل کی یہ آیت ''اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (النمل: ۳۰) قرآن کریم کا جز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ ''اقرا باسم ربك الذی خلق'' ہے۔ مسعودی نے حارث کلبی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مکاتیب کی ابتداء میں ''باسمك اللھم'' لکھتے تھے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا'' (ھود: ۴۱) تو آپ بسم اللہ لکھنے لگے پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ'' (الاسراء: ۱۱۰) تو آپ ''بسم اللّٰہ الرحمن'' لکھنے لگے۔ ''سنن ابوداؤد'' میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' کو اس وقت تک نہیں لکھا جب تک کہ سورہ نمل نازل نہیں ہوئی' اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ حدیبیہ لکھوایا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لکھو' ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' تو سہیل نے کہا: ''باسمك اللھم'' لکھو کیونکہ ہمارے نزدیک رحمٰن معروف نہیں ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' پہلے قرآن مجید میں نہیں تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس

کو سورہ نمل میں نازل کیا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

"صحیح بخاری" میں ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" لکھوائی تو سہیل نے کہا: بہ خدا! میں نہیں جانتا کہ رحمن کیا چیز ہے لیکن آپ "باسمك اللهم" لکھیں جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ہر چند کہ سورہ نمل مکی سورت ہے لیکن اس سے پہلے متعدد سورتیں نازل ہو چکی تھیں اگر "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" ہر سورت کے اوائل کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً ہی سے "باسمك اللهم" کی بجائے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" لکھتے' لہٰذا "سنن ابو داؤد" کی مذکور الصدر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ نمل نازل ہونے سے پہلے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" قرآن مجید میں نہیں تھی اور نہ ہی اوائل سورہ قرآن کا جز تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں' قراء کوفہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت قرار دیا ہے اور قراء بصریہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی آیات سے شمار نہیں کیا' ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) سے یہ تصریح منقول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے' البتہ ہمارے شیخ ابوالحسن کرخی نے فقہاء احناف کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہیں پڑھا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت نہیں ہے' ورنہ اس کو بھی جہراً پڑھا جاتا جیسے سورہ فاتحہ کی باقی آیات کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوٰۃ (سورہ فاتحہ) کو نصف' نصف تقسیم کر دیا گیا ہے' نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے' پس جب بندہ کہتا ہے: "الحمد لله رب العلمين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے میری حمد کی اور جب بندہ کہتا ہے: "الرحمن الرحيم" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے میری تعظیم کی یا میری ثنا کی' اور جب بندہ کہتا ہے کہ "مالك يوم الدين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے خود کو میرے سپرد کر دیا' اور جب بندہ کہتا ہے: "اياك نعبد واياك نستعين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے' پھر میرا بندہ کہتا ہے: "اهدنا الصراط المستقيم" آخر سورت تک' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۹-۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو سورہ فاتحہ کی آیات میں اس کا بھی ذکر اس حدیث میں ہوتا' اور جب آپ نے سورہ فاتحہ کی آیات میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ' سورہ فاتحہ کی آیت اور جز نہیں ہے۔

"شرح صحیح مسلم" جلد اول میں ہم نے اس کے مزید دلائل ذکر کیے ہیں اور علماء شافعیہ نے ان دلائل کے جو جوابات دیے ہیں ان پر بحث کی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" سورہ فاتحہ کی جز نہیں

ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سورہ فاتحہ کی جز ہے۔

اوائل سور میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اوائل سور میں بسم اللہ قرآن کا جز ہے' کیونکہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سوئے ہوئے تھے' پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے تلاوت کی: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر)۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی '۱۳۷۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو تبرکاً پڑھا ہے' سورۂ کوثر کی آیت ہونے کے لحاظ سے نہیں پڑھا کیونکہ اگر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہر سورت کی ابتداء میں اس کا جز ہوتی تو آپ پر سب سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نازل ہوتی حالانکہ ''صحیح بخاری'' اور دیگر کتب صحاح میں یہ تصریح ہے کہ آپ پر سب سے پہلے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ'' (العلق: ۱) نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ آپ پر سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورہ نمل میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کتاب اللہ کی آیت ہے اور ہر سورت کی ابتداء میں اس کے آیت ہونے میں اختلاف ہے' امام مالک اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ہر سورت کی ابتداء میں یہ آیت نہیں ہے' اس کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں سے سورت شروع ہوئی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں ہے' علامہ زرکشی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (انصاف ج ۲ ص ۴۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت '۱۳۷۴ھ)

غالباً علامہ مرداوی کو اس مسئلہ میں امام شافعی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ آیا اوائل سور میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ان سورتوں کی ایک آیت ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک ہر سورت کے اول میں جو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے وہ اس سورت کی آیت نہیں ہے' کیونکہ اس سورت کے ساتھ بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھا جاتا' نیز جب یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے تو اسی طرح باقی سورتوں کی بھی جز نہیں ہے' کیونکہ یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے اور باقی سورتوں کی جز ہے' اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ ہر سورت سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس سورت کی ایک آیت ہے اور ان سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف یہ اختلاف تھا کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز ہے یا نہیں۔ اوائل سور سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے جز نہ ہونے کے یہ دلائل ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے سورہ توبہ اور سورہ انفال کو سات بڑی سورتوں میں رکھا ہے اور آپ نے ان دو سورتوں کے درمیان ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھی؟ حضرت عثمان نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی آیات نازل ہوتیں تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو اور جب آپ پر ایک یا دو آیتیں نازل ہوتیں تب بھی آپ اسی طرح فرماتے' سورہ انفال اس وقت نازل ہوئی جب آپ شروع شروع مدینہ میں آئے تھے اور سورہ توبہ قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اور سورہ انفال کا مضمون سورہ توبہ کے مضمون کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کے ساتھ لاحق ہے' اس لیے میں نے ان دونوں کو سات بڑی سورتوں میں رکھا' اور ان کے درمیان ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کی سطر نہیں لکھی۔ اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' کسی سورت کا جز نہیں ہے اور وہ سورت سے پہلے بسم اللہ کو صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھتے تھے' نیز اگر ہر سورت سے پہلے بسم اللہ اس سورت کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہر شخص کو اس کا علم ہوتا' جیسا کہ دوسری آیات کا سب کو بغیر کسی نزاع کے علم ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں ایک سورت کی تیس آیتیں ہیں جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہے گی حتیٰ کہ اس کی مغفرت کردی جائے گی (وہ سورت ہے) ''تبارك الذی بیدہ الملك'' اور تمام قراء وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ ''تبارك الذی'' میں ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کے علاوہ تیس آیتیں ہیں' اگر بسم اللہ اس سورت کا جز ہو تو اس سورت کی اکتیس آیتیں بن جائیں گی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام قراء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ کوثر کی تین اور سورہ اخلاص کی چار آیتیں ہیں' اگر بسم اللہ کو ان سورتوں کا جز مانا جائے تو پھر ان کی آیتوں کی تعداد چار اور پانچ ہو جائے گی اور یہ ان کے اتفاق کے خلاف ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۔۹ ملخصا' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ' امام محمد' امام زفر اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نماز میں ''اعوذ باللّٰہ'' کے بعد سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے' اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں' اسی طرح سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں۔ امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک (ضم) سورت سے پہلے دوبارہ بسم اللہ نہ پڑھے' اور امام محمد اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو اب اس نماز میں سلام پھیرنے تک اس پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے' اور اگر اس نے ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھ لی تو مستحسن ہے۔ حسن بن زیاد نے کہا: اگر وہ مسبوق ہے تو اس کی پہلی رکعت میں اس پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ امام پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھ چکا ہے اور امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

امام مالک بن انس نے یہ کہا ہے کہ فرض نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھے نہ بلند آواز سے اور نفل میں اس کو اختیار ہے' اگر

چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو ترک کردے اور ہمارے نزدیک تمام نمازوں میں بسم اللہ پڑھے کیونکہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھتے تھے: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمد للّٰہ رب العلمین'' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں' وہ پست آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۴ ـ ۱۳ ملخصا' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام شافعی کے نزدیک چونکہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز ہے اس لیے ان کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور امام احمد کے نزدیک بسم اللہ صرف سورہ فاتحہ کا جز ہے اس لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور سورت سے پہلے نہیں پڑھی جائے گی۔

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (احناف) اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ نماز میں ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کو آہستہ پڑھا جائے' اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھے' یہ اختلاف اس وقت ہے جب امام نماز میں جہراً قراءت کرے' اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت اختلاف ہے' عمر بن ذر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بلند آواز سے ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھی' حماد نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے' پھر سورہ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے' حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے' ابراہیم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' آہستہ پڑھتے تھے' جہر سے نہیں پڑھتے تھے' اور حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' آہستہ پڑھتے تھے' اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بدعت ہے' امام ابوحنیفہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اعرابیوں (بدوؤں) کا طریقہ ہے' اسی طرح عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی نماز میں ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کو جہر سے پڑھتے تھے نہ ''اعوذ باللّٰہ'' کو' نہ آمین کو' اور حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان نماز میں بسم اللہ کو آہستہ سے پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مغفل جہر سے بسم اللہ پڑھنے کو بدعت کہتے تھے۔ (جامع ترمذی ص ۶۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ''اللّٰہ اکبر'' اور ''الحمد للّٰہ رب العلمین'' کی قراءت سے شروع کرتے تھے اور سلام سے ختم کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرض نماز میں ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کو جہراً نہیں پڑھا' نہ حضرت ابوبکر نے نہ حضرت عمر نے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۶ ـ ۱۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہ پڑھا جائے' خواہ ہم اس کو سورہ فاتحہ کا جز کہیں یا نہ کہیں' یہی صحیح قول ہے' مجد نے اپنی شرح میں اس کی تصحیح کی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ ترک جہر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے' خواہ ہمارے نزدیک یہ سورہ فاتحہ کا جز

ہے ابن حمدان' ابن تمیم' ابن جوزی اور زرکشی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور اس قول کو مقدم رکھا ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔

ابن حامد اور ابوالخطاب نے ایک روایت جہر کی بیان کی ہے' بہ شرطیکہ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جز کہا جائے' ابن عقیل نے بھی اس کا ذکر کیا' ایک قول یہ ہے کہ مدینہ میں جہر کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ نفل میں جہر کیا جائے' اور شیخ تقی الدین کا مختار یہ ہے کہ ''بسم اللہ' اعوذ باللہ'' اور سورۂ فاتحہ کو نماز جنازہ وغیرہ میں کبھی کبھی جہر سے پڑھا جائے۔

(انصاف ج ۲ ص ۴۹۔۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۴ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نماز میں سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو جہراً پڑھا جائے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرض نماز میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری' سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے نہ اس کے بعد والی سورت سے پہلے اور نفل نماز میں جائز کہا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں سورۂ فاتحہ اور بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ کو جہراً پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو آہستہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک فرض نماز میں مطلقاً بسم اللہ نہ پڑھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید احمد طحطاوی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے احکام شرعیہ کے بیان میں لکھتے ہیں:

(۱) ذبح کرتے وقت' شکار کی طرف تیر پھینکتے وقت اور شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ ''البحر الرائق'' میں لکھا ہے کہ بسم اللہ کہنا ضروری نہیں ہے صرف اللہ کا نام لینا شرط ہے' اور بعض کتابوں میں ہے: ''الرحمٰن الرحیم'' نہ کہے (صرف بسم اللہ کہے) کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

(۲) ''قنیہ'' میں لکھا ہے کہ ہر رکعت میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا واجب ہے' اور اس کے ترک سے سجدہ سہو کرنا لازم ہے' لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

(۳) وضو کی ابتداء میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا سنت ہے' استنجاء سے پہلے اور بعد بھی' لیکن حالت استنجاء اور محل نجاست میں نہ پڑھے۔ اگر وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا بھول گیا تو دوران وضو جب بھی یاد آئے بسم اللہ پڑھ لے' وضو کے اول میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا سنت ہے اور درمیان میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۴) کھانے کی ابتداء میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا سنت ہے' اگر بھول گیا تو درمیان میں پڑھنا بھی سنت ہے اور درمیان میں یوں پڑھے: ''بسم اللہ اولہ واخرہ''۔

(۵) سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

(۶) کسی کتاب کے شروع میں اور ہر نیک اور اہم کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۷) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ''اعوذ باللہ'' کے بعد ''بسم اللہ'' پڑھنا مستحب ہے۔

(۸) مشتبہ چیز کھاتے وقت "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا مکروہ ہے' جمہور کے نزدیک تمباکو نوشی کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(۹) سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے' اگر سورہ توبہ سے ہی پڑھنا شروع کیا ہے تو پھر بعض مشائخ کے نزدیک بسم اللہ مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰) اٹھتے' بیٹھتے' چلتے پھرتے اور دیگر کاموں کے وقت بسم اللہ پڑھنا مباح ہے۔

(۱۱) "خلاصۃ الفتاویٰ" میں مذکور ہے: اگر کسی شخص نے شراب پیتے وقت یا حرام کھاتے وقت یا زنا کرتے وقت بسم اللہ پڑھی تو وہ کافر ہو جائے گا' یہاں حرام سے مراد حرام قطعی ہے' کیونکہ کسی کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے استعانت اور برکت حاصل کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اسی کام میں حاصل کی جائے گی جس کام کو اس نے جائز کیا ہو اور اس پر وہ راضی ہو' اس لیے کسی حرام کام پر بسم اللہ پڑھنا اسکو حلال قرار دینے کے مترادف ہے اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

(۱۲) جنبی اور حائض کے لیے بہ طور قرآن "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا حرام ہے' البتہ بطور ذکر اور برکت حاصل کرنے کے لیے پڑھنا جائز ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۔۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

"فصول" میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً "عزوجل' جل مجدہ" یا "تبارك وتعالىٰ" کہے اور بعض کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیمی کلمہ مثلاً عزوجل لکھے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے' اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ وسلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے' اسی طرح صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمہ اللہ لکھے اور پڑھے' اور صرف صلوٰۃ یا سلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے' ملا مسکین نے لکھا ہے: یہ مکروہ نہیں ہے' لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہر حال ہے' اسی طرح لکھتے وقت رمز اور اشارہ سے صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم یا رض لکھنا) مکروہ ہے مکمل "علیہ الصلوٰۃ والسلام" اور "رضی اللہ عنہ" لکھے' تاتارخانیہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تخفیف کفر ہے' تاہم یہ کفر اس وقت ہوگا جب کوئی شخص تخفیف کے قصد سے ایسا کرے گا' بہر حال اس سے احتیاط لازم ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں

(۱) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ کو مقدم کر کے ہمیں یہ ادب سکھایا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام اقوال' افعال اور مہمات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے شروع کیا کریں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ' بولاق' مصر' ۱۳۲۳ھ)

(۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ کھانے' پینے' ذبح کرنے' جماع کرنے' وضو کرنے' کشتی میں سوار ہونے' غرض ہر (صحیح) کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ. (الانعام: ۱۱۸) تو اس (ذبیحہ) سے کھاؤ' جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔
وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا. (ھود: ۴۱) اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس کا چلنا اور رکنا اللہ کے نام سے ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' چراغ گل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' برتن ڈھانکتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' اور مشک کا منہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو اور فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص عمل تزویج کے وقت کہے: بسم اللہ' اے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہم کو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ' تو اگر اس عمل میں ان کے لیے اولاد مقدر کی جائے گی تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا' اور آپ نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا: اے بیٹے! بسم اللہ پڑھو' اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ' اور آپ نے فرمایا: شیطان ہر کھانے کو حلال کر لیتا ہے ماسوا اس کھانے کے جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو' حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسلام لائے ہیں ان کے جسم میں درد رہتا ہے' آپ نے فرمایا: تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات بار یہ پڑھو' اعوذ بعزة اللّٰه وقدرته من شر ما اجد واحاذر'' یہ تمام احادیث صحیح ہیں' اور امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنو آدم بیت الخلاء میں داخل ہوں تو ان کی شرم گاہوں اور شیاطین کے درمیان بسم اللہ حجاب ہے' اور امام دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے' پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۸۔ ۹۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

(۳) ہر نیک اور صحیح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی انسان کو عادت پڑ جائے تو پھر اس کا برے کاموں سے باز رہنا زیادہ متوقع ہوگا' کیونکہ اگر وہ کسی وقت خواہش نفس سے مغلوب ہو کر برائی میں ہاتھ ڈالے گا تو عادۃً اس کے منہ سے بسم اللہ نکلے گی اور پھر اس کا ضمیر اس کو سرزنش کرے گا۔

(۴) انسان اسی کا نام بار بار لیتا ہے' جس سے اس کو محبت ہوتی ہے' اس لیے جو انسان ہر صحیح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

(۵) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو ''بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم'' لکھتے دیکھا تو فرمایا: اس کو خوبصورت لکھو' کیونکہ ایک شخص نے بسم اللہ کو خوبصورت لکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۶) سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کاغذ کو دیکھا اس میں ''بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم'' لکھی ہوئی تھی' اس نے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کی بخشش دیا گیا۔

(۷) بشر حافی پہلے ایک ڈاکو تھے' انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آ رہا تھا' انہوں نے اس کاغذ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا' انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا' رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے' میں تم کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ ''بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم'' پڑھے تا کہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ اس کو جہنم کے ایک فرشتہ سے محفوظ رکھے کیونکہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۹۲۔ ۹۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

(۹) امام رازی لکھتے ہیں: روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی دی' اور فرمایا: اس میں "لا الہ الا اللہ" لکھواؤ' حضرت ابوبکر نے نقاش سے کہا: اس میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھ دو' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ انگوٹھی پیش کی تو اس میں لکھا ہوا تھا: "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق" آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! یہ زائد (کیسے لکھا ہوا ہے؟) حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میں نے آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کرنا پسند نہیں کیا اور باقی میں نے نہیں لکھوایا' اور حضرت ابوبکر اس پر شرمندہ تھے' تب جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: یارسول اللہ! ابوبکر کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ جب ابوبکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اللہ عزوجل کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے تو اللہ تعالیٰ' ابوبکر کے نام کو آپ کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا اور اس میں سے نکتہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے آپ کے فراق کو گوارا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرکز بن جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کے نام سے فراق نہ گوارا کرے اور ہر کام کے ساتھ اللہ کا نام لے وہ کب اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہوگا!

(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام نے "بسم اللہ مجرھا و مرسھا" کہا تو طوفان سے نجات پائی' حالانکہ بسم اللہ" "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا نصف ہے تو جب ایک بار نصف بسم اللہ کے پڑھنے سے طوفان سے نجات مل گئی تو جو شخص ساری عمر بسم اللہ پڑھتا رہے' وہ نجات سے کیسے محروم ہوگا!

(۱۱) قیصر روم نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اس کے سر میں درد رہتا ہے جس سے افاقہ نہیں ہوتا' میرے لیے کوئی دوا بھیج دیجئے' حضرت عمر نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیجی' وہ اس ٹوپی کو پہن لیتا تو آرام آجاتا اور اس ٹوپی کو اتار دیتا تو پھر سر میں درد شروع ہو جاتا' وہ حیران ہوا' اور ایک دن اس نے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔

(۱۲) بعض کفار نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں' آپ ہمیں اسلام کی صداقت پر کوئی نشان دکھایئے تاکہ ہم بھی اسلام لے آئیں' حضرت خالد نے زہر منگایا اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر کھالیا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے صحیح سالم کھڑے رہے' مجوس نے کہا: واقعی یہ دین حق ہے۔

(۱۳) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے ایک مردہ کو عذاب دے رہے ہیں' جب اپنے کام سے واپس لوٹے تو اس قبر میں رحمت کے فرشتوں کو دیکھا جن کے پاس نور کے طباق تھے' حضرت عیسیٰ کو اس سے تعجب ہوا' انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہ گار تھا اور جب یہ مرا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا' مرتے وقت اس کی بیوی حاملہ تھی' اس کے بچہ ہوا' اس نے اس کو پالا حتیٰ کہ وہ بڑا ہو گیا' اس نے اس کو مکتب میں داخل کیا' وہاں اس کو معلم نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" (ان کی زبان میں) پڑھائی تو مجھے حیا آئی کہ جو بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے' اس کے باپ کو میں زمین کے نیچے عذاب میں مبتلا رکھوں!

(۱۴) سورہ توبہ میں قتال کا ذکر ہے' لہٰذا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی' اور ذبح سے پہلے "بسم اللہ ' اللہ اکبر" کہا جاتا ہے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں کہا جاتا کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے' تو جو شخص ہر روز سترہ مرتبہ فرض نمازوں میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھے گا وہ کب عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۹۔ ۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O (الفاتحہ: ۱)

حمد کے لغوی اور اصطلاحی معانی

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

حمد ذم کی نقیض ہے تحمید حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ عام ہے جس شخص میں بہ کثرت خصال محمودہ ہوں اس کو محمد کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۲ ص ۴۶۶ مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

حمد کا معنی ہے: شکر رضا جزاء اور حق کو ادا کرنا تحمید کے معنی ہیں: اللہ کی بار بار حمد کرنا اور محمد کے معنی ہیں: جس کی بار بار حمد کی گئی ہو۔ (قاموس ج ۱ ص ۵۶۳۔ ۵۶۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

حمد مذمت کی نقیض ہے ثعلب نے کہا: حمد کا تعلق نعمت اور غیر نعمت دونوں سے ہے اور شکر کا تعلق صرف نعمت سے ہے۔ لحیانی نے کہا: حمد شکر ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے اخفش نے کہا: ''الحمد للّٰہ'' کا معنی ہے: ''الشکر للّٰہ'' اور کہا: ''الحمد للّٰہ'' اللہ کی ثناء اور اس کی تعریف ہے ازہری نے کہا: شکر صرف اس ثناء کو کہتے ہیں جو نعمت پر کی جاتی ہے اور حمد بعض اوقات کسی کام کے شکر کو کہتے ہیں اور کبھی ابتداء نعمت کے بغیر کسی شخص کی ثناء کو حمد کہتے ہیں سو اللہ کی حمد اس کی ثناء ہے اور اس کی ان نعمتوں کا شکر ہے جو سب کو محیط ہیں اور حمد شکر سے عام ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۱۵۵ مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ قم ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حمد اور شکر متقارب ہیں اور ان میں حمد زیادہ عام ہے کیونکہ تم انسان کی صفات ذاتیہ اور اس کی عطاء پر اس کی حمد (تعریف) کرتے ہو اور اس کی صفات ذاتیہ پر اس کا شکر نہیں ادا کرتے (مثلاً کسی کی سخاوت کی تعریف کرنا شکر ہے اور اس کے حسن کی تعریف کرنا شکر نہیں حمد ہے) حدیث میں ہے: حمد رئیس شکر ہے جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا حمد شکر کی رئیس اس لیے ہے کہ اس میں نعمت کا اظہار اور اس کو مشہور کرنا ہے اور حمد شکر سے عام ہے۔

(نہایہ ج ۱ ص ۴۳۷۔ ۴۳۶ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۴ھ)

علامہ میر سید شریف حمد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حمد: کسی خوبی کی بطور تعظیم ثنا کرنا خواہ کسی نعمت کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر۔

حمد قولی: زبان سے اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں کے ذریعہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

حمد فعلی: اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے بدن سے نیک اعمال کرنا۔

حمد حالی: روح اور قلب کے اعتبار سے ثناء کرنا مثلاً علمی اور عملی کمالات سے متصف ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا۔

حمد عرفی: منعم کے انعام کی وجہ سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس کی تعظیم ظاہر ہو عام ازیں کہ زبان سے ہو یا دیگر

اعضاء سے۔ (کتاب التعریفات ص ۴۲۔۴۱ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی غیر اختیاری خوبی پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے' مثلاً یاقوت اور موتی کی خوبصورتی پر تعریف کرنا' اور کسی شخص کے انعام اور احسان پر اس کی تعظیماً ثنا کرنا شکر ہے اور کسی کی اختیاری خوبی پر اس کی تعظیماً تعریف کرنا خواہ اس نے کوئی نعمت دی ہو یا نہ دی ہو' یہ حمد ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جس کو اللہ نے کوئی نہ کوئی نعمت نہ دی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر ثنا اور ہر تعریف اس کا شکر ہے اور اس کی ہر حمد شکر کے ضمن میں ہے۔

تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر دلیل

''الحمد للّٰہ'' میں الف لام یا استغراق کے لیے ہے یا جنس کے لیے ہے' اگر یہ لام استغراق ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر حامد کی ہر زمانہ میں ہر حمد اللہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے' اور اگر لام جنس کا ہو تو معنی یہ ہے کہ حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ کا حق اور اس کی ملک ہے' اور یہ اس کے منافی ہے کہ حمد کا کوئی فرد اللہ کے غیر کے لیے ثابت ہو' تو ہر دو طریقوں سے یہ معلوم ہوا کہ حمد صرف اللہ کا حق ہے کسی اور کا حق نہیں ہے' کیونکہ تعریف کسی حسن اور کمال کی ہوتی ہے اور تمام محاسن اور کمالات کا مبدا اللہ تعالیٰ ہے تو ثابت ہوا کہ تمام تعریفات کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ ''للّٰہ'' میں لام' یا اختصاص لائق کے لیے ہے یا ملک کے لیے ہے' پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں' کیونکہ ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کے فضل اور احسان سے معمور ہے' دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفوں کا اللہ ہی مالک ہے کیونکہ ہر چیز ہر حال میں اللہ کی مملوک ہے تو جس حال میں وہ حمد کرتے ہیں اس حال میں بھی وہ اللہ کی مملوک ہیں' لہٰذا وہ حمد بھی اللہ کی مملوک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہ ظاہر کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کر رہا ہے' یا کسی عالم کے علم کی تعریف کر رہا ہے تو وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کر رہا ہے کیونکہ اس پھول میں خوشبو اور عالم میں علم کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس لیے یہ تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اسی ایک جملہ سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ جو شخص سورج کی' کسی نبی کی یا کسی دیوی اور دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ ان میں کسی خوبی اور کمال کو دیکھ کر ان کی پرستش کرتا ہے حالانکہ وہ کمال اور حسن ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور اس کا عطا کردہ ہے اس لیے پرستش کا حق دار صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے۔

مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا محسن شکر یہ ادا کیے جانے کا مستحق نہیں ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محسن اور ہر منعم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہم اس سے منع نہیں کرتے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نعمت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے' اس لیے کسی منعم کے انعام اور کسی محسن کے احسان پر اس کی تعریف کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ ہر نعمت اور ہر احسان درحقیقت اللہ کی دی ہوئی نعمت اور اس کا احسان ہے' مثلاً کسی بھوکے شخص کو بھوک سے بلبلاتے دیکھ کر کوئی شخص اس کو کھانا کھلا دیتا ہے' بہ ظاہر اس شخص کا احسان ہے' لیکن غور کیجئے اگر اللہ کھانا ہی پیدا نہ کرتا تو وہ شخص بھوکے کو کیسے کھلاتا' یا کھانا تو پیدا کیا تھا لیکن اس شخص کے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو کہاں سے کھلاتا' کھانا بھی ہوتا' اس کے حصول کے لیے پیسے بھی ہوتے لیکن اس کے دل میں بھوکے کو دیکھ کر رحم نہ پیدا ہوتا تو بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا' یہ سب کچھ ہوتا لیکن بھوکے آدمی میں کھانے کی صلاحیت نہ ہوتی مثلاً

اس کے منہ میں ناسور ہوتا' یا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ جانے کی وجہ سے اس کا منہ بند ہو گیا ہوتا تو وہ بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا؟ تو نعمت بھی اس نے پیدا کی' نعمت کے حصول پر منعم کو قدرت بھی اس نے دی' نعمت دینے کے لیے منعم میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا اور نعمت سے فائدہ اٹھانے کی منعم علیہ میں صلاحیت بھی اس نے پیدا کی' تو پھر حمد اور شکر کا کون مستحق ہوگا؟ اس لیے اولاً اسی کی حمد کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے' اب یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ظاہری وسائل اور اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس ظاہری منعم اور محسن کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد وثنا سے مخلوق کا عاجز ہونا

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ (النحل: ۱۸)   اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ سکو گے۔

تو جب ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گن نہیں سکتے تو ان کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ نیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور قدرت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا' اس لیے جب انسان کسی نعمت پر شکر ادا کرے تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق اور قدرت پر بھی شکر ادا کرے' پھر اس دوسرے شکر کی توفیق پر شکر ادا کرے اور یوں ساری عمر ختم ہونے کے باوجود اس کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا' ''تفسیر کبیر'' میں منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ خدایا! میں تو تیری ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا کجا غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو تو ہمارا شکر ادا ہو گیا' بس تم اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق ہمارا شکر ادا کرتے رہو!

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اس کی حمد کرنے سے عاجز ہیں اور اس کی استطاعت نہیں رکھتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد کی اور فرمایا: ''الحمد للہ رب العلمین'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی نعمتوں کا عارف' اور اس کی حمد وثناء میں رطب اللسان رہنے والا کون ہو سکتا ہے! اس کے باوجود آپ بارگاہِ الٰہیہ میں عرض کرتے ہیں: ''لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك. میں تیری ایسی ثنا نہیں کر سکا جیسی ثنا تو خود اپنی کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اللہ کی حمد کرنے کے احوال اور اوقات

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کلام کی ابتدا ''الحمد للہ'' سے نہیں کی جائے گی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مہتم بالشان کام کی ابتداء ''الحمد للہ'' سے نہیں کی گئی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا کیسا نصیب رکھا ہے! اس کو اگر بھلائی پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو

مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲ـ ۱۷۷ـ ۱۷۱ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک بندہ کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کا بچہ اٹھالیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں! اللہ فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اٹھالیا' وہ کہتے ہیں: ہاں! اللہ فرماتا ہے: میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: تیری حمد کی اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

(جامع ترمذی ص ۱۴۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔ (جامع ترمذی ص ۴۹۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھانا کھا کر کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ کو بغیر کوشش اور طاقت کے یہ رزق دیا' تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۴۹۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنا پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر ''الحمد للہ'' کہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ ''الحمد للہ'' کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو دعا کرتے: اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے نفس پر موت وارد کرنے کے بعد اس کو زندہ کیا' اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۹۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ٹیلے یا کسی بلندی پر چڑھتے تو فرماتے: اے اللہ! ہر بلندی سے زیادہ بلندی تیرے لیے ہے' اور ہر حمد سے بالا حمد تیرے لیے ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکیزگی نصف ایمان ہے' "الحمد للہ" میزان کو بھر دیتا ہے اور "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

یعنی "الحمد للہ" یا اس کے اجر کو اگر مجسم کیا جائے تو اس سے میزان بھر جائے گی' "سبحان اللہ" سے مراد اللہ کی تنزیہ ہے اور "الحمد للہ" سے مراد اس کی ثناء ہے گویا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نقص سے بری ہونے اور اس کی تعریف اور ثناء پر دلالت کرتی ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے بعد چار کلام افضل ہیں اور وہ بھی قرآن سے ہیں' تم ان میں جس سے بھی ابتداء کرو کوئی مضائقہ نہیں ہے "سبحان اللہ' الحمدللہ' لاالٰہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر"۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰' ج ۴ ص ۳۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو "سبحان اللہ" کہا اس نے گویا سو حج کیے اور جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو "الحمد للہ" کہا اس نے گویا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سو گھوڑے مہیا کیے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے کہا: "الحمد للہ" شکر ہے' اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہے اور اس کی نعمت اور ہدایت کا اقرار کرنا ہے۔ (جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کہتے ہو: "الحمد للہ رب العلمین" تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تم کو زیادہ نعمت دے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو حمد سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے اپنی حمد کی اور فرمایا: "الحمد للہ"۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں:

امام مسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ کی حمد کرے اور کچھ پیے تو اللہ کی حمد کرے۔

حسن بصری نے کہا: ہر نعمت کی بہ نسبت "الحمد للہ" کہنا افضل ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت پر "الحمد للہ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

"نوادر الاصول" میں حضرت انس بن مالک کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: اگر کسی کو تمام

دنیا دے دی جائے، پھر اس کو "الحمد للّٰہ" کہنے کی توفیق دی جائے تو "الحمد للّٰہ" کہنے کی نعمت تمام دنیا سے افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

خود اپنی حمد وثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے اور انسان کے لیے تکبر کرنا حرام ہے، اسی طرح انسان کا عیوب سے اپنی تنزیہہ اور محاسن سے خود اپنی حمد وثناء کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، کیونکہ تسبیح اور تنزیہہ اور حمد وثنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خودستائی سے منع فرمایا ہے اور اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (النجم: ۳۲) خودستائی نہ کرو، پرہیزگاروں کو وہی زیادہ جانتا ہے ۝

تزکیہ کا معنی ہے: عیوب اور قبائح سے منزہ کرنا یعنی نہ عیوب سے اپنی براءت بیان کرو نہ اپنے محاسن بیان کرو۔

علامہ آلوسی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نیک اعمال کرتے، پھر اپنی نمازوں، اور حج کا ذکر کرتے تھے۔

(روح المعانی ج ۲۷ ص ۶۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب یہود ونصاریٰ نے اپنی تعریف کی اور یہ کہا: "نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ"، "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں" اور بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے کہا: ہم بچوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ (النساء: ۴۹) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۴۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابن عطا کہتے ہیں: میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ (نیکوکارہ) رکھا، مجھ سے حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع فرمایا ہے، میرا نام پہلے برہ تھا، (یعنی نیکی کرنے والی) تو میرا نام زینب رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خودستائی نہ کرو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیکی کرنے والا کون ہے، صحابہ نے پوچھا: پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا: اس کا نام زینب رکھو۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کا خود اپنی تعریف اور حمد وثنا کرنا اور اپنے آپ کو عیوب اور قبائح سے بری اور پاک دامن کہنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، تسبیح اور تنزیہہ اور حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے، وہی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور وہی تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع ہے اور وہی تمام تعریفوں اور حمد وثنا کا مستحق ہے۔

تاہم اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے انسان اپنی تعریف کرے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی تعریف وتوصیف کی تاکہ وہ باغی بغاوت سے باز آجائیں اور ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابوعبدالرحمان سلمی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کا محاصرہ کرلیا گیا تو انہوں نے اپنے گھر کی چھت سے ان کی طرف متوجہ ہوکر کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ جب جبل حراء ہلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! پرسکون ہوجا! کیونکہ تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے' باغیوں نے کہا: ہاں! آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے یہ فرمایا تھا' اس کے لیے کون مقبول خرچ مہیا کرتا ہے؟ اس وقت مسلمان سخت مشکل اور تنگ دستی میں تھے تو میں نے اس لشکر کے لیے زادراہ مہیا کیا' باغیوں نے کہا: ہاں! پھر آپ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہو کیا تمہیں علم ہے کہ چاہ رومہ (ایک کنواں) سے صرف قیمت دے کر پینے کے لیے پانی حاصل کیا جاتا تھا' میں نے اس کنویں کو خرید کر امیروں' غریبوں اور مسافروں کے لیے وقف کردیا' باغیوں نے کہا: ہاں! اس کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں حضرت عثمان نے گنوائیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۱۔ ۵۳۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے باغیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو چاہ رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردے؟ اور اس نیکی کے عوض میں جنت لے لے! میں نے اس کنویں کو خالص اپنے مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے! حتیٰ کہ میں سمندر کا کھارا پانی پی رہا ہوں! باغیوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ مسجد نبوی میں جگہ کم تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو فلاں شخص سے زمین خرید کر اس مسجد کو وسیع کرے؟ اور اس نیکی کے عوض جنت لے لے! پھر اس جگہ کو میں نے اپنے خالص مال سے خریدا تھا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے نہیں دیتے! باغیوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ غزوہ تبوک کے لیے میں نے اپنے مال سے خرچ مہیا کیا تھا' انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے پھر فرمایا: میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جبل ثبیر پر کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر تھے اور میں تھا' اس وقت پہاڑ ہلنے لگا' حتیٰ کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے' تو آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا: اے ثبیر! ساکن ہوجا! تجھ پر نبی ہے' صدیق ہے اور دو شہید ہیں' باغیوں نے کہا: ہاں! آپ نے تین بار فرمایا: اللہ اکبر! خدا کی قسم! ان باغیوں نے میرے حق میں گواہی دے دی اور میں شہید ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی حمد وثنا اس لیے کی تھی کہ یہ باغی اسلام کے لیے حضرت عثمان کی خدمات اور بارگاہ رسالت میں ان کے مقام کو پہچان کر بغاوت سے باز آجائیں' تو ایسی کوئی غرض صحیح ہو مثلاً غاصبوں کے سامنے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے یا محض اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرنے کے لیے اپنی تعریف کی جائے اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو تو پھر اپنی تعریف کرنا جائز ہے اور اگر حمد وثنا سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں' حمد وثناء اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح بغیر کسی غرض صحیح کے خود اپنی تعریف کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اسی طرح کسی غرض صحیح کے بغیر کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کرنا بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی' آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی' یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص نے اپنے صاحب کی لامحالہ تعریف کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ ہی جاننے والا ہے' اور میں کسی کو اللہ کے نزدیک سراہا ہوا نہیں کہتا' خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں چیز میں اس سے افضل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم نے اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی۔ یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص نے خواہ مخواہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو' تو یہ کہے: میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے خواہ وہ اس کو اسی طرح سمجھتا ہو اور وہ یہ نہ کہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں کسی شخص کے سامنے اس کی تعریف سے منع کیا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز بھی ثابت ہے'

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے' اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے' حضرت ابوبکر یہ سن کر رونے لگے' حضرت ابوسعید کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا: اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور اس نے جو اللہ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا تو اس بوڑھے کو کیا چیز رلاتی ہے؟ لیکن آپ کے اس ارشاد میں بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر ہم سب سے زیادہ عالم تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! مت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں' اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت قائم رہے گی' اور ابوبکر کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے' باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶' ۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۶۔ ۵۲۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان احد (پہاڑ) پر چڑھے' وہ ہلنے لگا' آپ نے فرمایا: اے احد ساکن ہو جا! تجھ پر صرف نبی' صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

امام مسلم نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے' جبکہ ''معجم طبرانی'' میں ایسی روایات ہیں جن میں کسی کے سامنے تعریف کرنے کی اجازت ہے اور صحاح ستہ میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے سامنے ان کی تعریف کی ہے' اس لیے علماء کرام نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ اگر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف جائز ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

امام مسلم نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے' صحیح بخاری' صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے' ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا' یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکڑ جائے گا یا تکبر میں مبتلا ہو جائے گا' اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے' اور جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے' بہ شرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو' بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لیے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لیے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کرلے اور ان اوصاف پر اعتماد کرکے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے (مثلاً ایک شخص کسی سے کہے: میں نے تم کو خواب میں بارگاہ رسالت میں دیکھا ہے' اور تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ جنتی ہوگا' یا جو تمہارے وعظ میں شریک ہوگا وہ جنتی ہوگا۔ العیاذ باللہ) اس لیے جس حدیث میں یہ ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو' اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ میں مٹی نہیں ڈالی۔

علامہ ابن بطال کا کلام ختم ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت عثمان کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد نے اس کے منہ

پر کنکریاں پھینکیں اور مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا' اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کرو' تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے کہو: تمہارے منہ میں مٹی' چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکا نہ کھائے اور تعریف کرنے والے سے کہے: تم غلط کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں' اور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے' پانچویں توجیہ یہ ہے کہ وہ شخص جس مقصد اور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا منہ بند کر دیا جائے اور اس کو روانہ کر دیا جائے' مثلاً کوئی شخص کسی سے کچھ رقم مانگنے کے لیے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے: یہ رقم لو اور جاؤ' اور یہ اس کے منہ کو بند کرنا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے' علامہ بیضاوی اور علامہ طیبی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں لکھا ہے کہ مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلا کرتا ہے' خصوصاً جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے' امام ابویعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک متحقق نہیں ہوتی' اور جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتماد کر کے عمل میں کمی کر دے' اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہوتی ہے' ابن عیینہ نے کہا: جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا اور بعض سلف نے کہا: جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ دعا کرے: اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۸-۴۷۷' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' لاہور)

رب کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

الرب اللہ عزوجل ہے' اور وہ ہر چیز کا رب ہے' یعنی ہر چیز کا مالک ہے' اور تمام مخلوق اس کی ملک میں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ ''رب الارباب'' اور ''مالک الملوک'' ہے' ابومنصور نے کہا: لغت میں مالک' سید' مدبر اور مہتمم پر رب کا اطلاق ہوتا ہے اور جب اس پر الف لام ہو (الرب) تو پھر اس کا اللہ عزوجل کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا' اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو پھر اس کی کسی چیز کی طرف اضافت کی جاتی ہے جیسے ''رب الدار'' (مکان کا مالک) حدیث میں علامات قیامت کے ذکر میں ہے: ''ان تلد الامۃ ربتھا. باندی اپنی مالکہ کو جنم دے گی'' یعنی بہت زیادہ باندیاں ہوں گی' اور اذان کی دعا میں ''اللھم رب ھذہ الدعوۃ. اے اس نداء کے صاحب'' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی مملوک اپنے مالک کو میرا رب نہ کہے' آپ نے اس کو ناپسند کیا کہ مالک کو رب قرار دے کر اس کو ربوبیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اذکرنی عند ربک'' حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا: تم اپنے رب کے سامنے میرا ذکر کرنا' اور یہاں عزیز مصر پر رب کا اطلاق کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ اور ان لوگوں کے عرف کے مطابق تھا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گم شدہ اونٹ کے متعلق فرمایا: ''حتی یلقاھا ربھا. اونٹ چرتا پھرے گا حتیٰ کہ اپنے رب (مالک) سے مل جائے گا'' کیونکہ جانور عبادت کرتے ہیں نہ احکام کے مخاطب ہوتے ہیں' بلکہ جانور مال و متاع کے حکم میں ہیں اور جس طرح رب الدار وغیرہ کی اضافت جائز ہے اسی طرح ان کی طرف اضافت بھی جائز ہے' اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا: ''انہ ربی احسن مثوای. بے شک وہ عزیز مصر

میرا صاحب ہے اس نے مجھے اچھی رہائش دی ہے۔'' یہاں بھی صاحب پر رب کا اطلاق ان کے عرف کے مطابق ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی رہائش دی ہے رب کی جمع ارباب اور ربوب ہے اور راسخ عالم یا عالم باعمل یا بہت بڑے عالم کو ربانی کہتے ہیں جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے کہا: آج اس امت کے ربانی فوت ہوگئے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۶۰ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ ھ)

العٰلمین کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

عالم خاتم طابق اور دانق کے وزن پر ہے اس کا معنی ہے: کل مخلوق اسی طرح صحاح میں ہے یا آسمان اور اس کے نیچے جو جواہر اور اعراض ہیں وہ عالم ہیں جس طرح خاتم مہر لگانے کا آلہ ہے اسی طرح عالم اسم آلہ ہے اس کا معنی ہے موجد کو جاننے کا آلہ حضرت جعفر صادق نے کہا: عالم کی دو قسمیں ہیں عالم کبیر اور عالم صغیر۔ آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر ہے اور انسان میں وہ سب کچھ ہے جو عالم کبیر میں ہے۔ ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ مخلوق کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صانع پر علامت ہے بعض مفسرین نے کہا: عالم اس کو کہتے ہیں جس سے خالق کا علم حاصل ہو پھر بہ طور تغلیب جن اور انس میں سے عقلاء پر اس کا اطلاق کیا گیا یا جن اور انس پر یا انسان اور فرشتوں پر اور سید شریف کا مختار یہ ہے کہ اس کا اطلاق ہر جنس پر کیا جاتا ہے اور تمام اجناس کے مجموعہ پر بھی کیا جاتا ہے۔

زجاج نے کہا: عالم کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کسی لفظ کی جمع واؤ اور نون (عالمون یا عالمین) کے ساتھ نہیں آتی ''بصائر'' میں مذکور ہے کہ اس کی جمع اس لیے آتی ہے کہ موجودات کی ہر نوع ایک عالم ہے مثلاً عالم انسان عالم نار وغیرہ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ عالم پیدا کیے ہیں اور اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ انسان بھی عالم کا ایک فرد ہے (ورنہ غیر ذوی العقول کی جمع جمع مکسر ہوتی ہے) ایک قول یہ ہے کہ اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ اس سے مراد مخلوق کی اصناف میں سے صرف ملائکہ جن اور انس ہیں اور دوسرے غیر ذوی العقول یا غیر ذوی العلوم اس سے مراد نہیں ہیں یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جعفر صادق نے کہا: اس سے صرف انسان مراد ہے اور ہر انسان ایک عالم ہے میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے ''رب العٰلمین'' کی تفسیر میں کہا: ''رب الجن والانس'' اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا: تمام مخلوق کے رب ازہری نے کہا: حضرت عباس کے قول کی دلیل یہ آیت ہے:

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۙ (الفرقان: ۱) تا کہ آپ عالمین کے لیے نذیر ہو جائیں O

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں اور فرشتوں کے لیے نذیر نہیں ہیں حالانکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں آپ صرف جن اور انس کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ کل اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور یہ دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۴۰۷ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم پیدا کیے اور یہ دنیا شرق سے غرب تک ایک عالم ہے مقاتل نے کہا: اسی ہزار عالم ہیں چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار سمندر میں ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ جن ایک عالم ہے انس ایک عالم ہے ان کے سوا زمین کے چار زاویے ہیں اور ہر زاویہ میں پندرہ سو عالم ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ ھ)

العلمین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار

میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود عالم ہے اور مخلوق عالم میں شامل ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ٢٣-٢٤) فرعون نے کہا: رب العلمین کیا ہے؟O (موسیٰ نے) کہا: وہ آسمانوں' زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہوO

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تمام آسمان' زمینیں اور ان کے درمیان ہر چیز عالم ہیں' اور اس کی جمع عالم کی انواع اور اصناف کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور وفکر

ایک بیج زمین میں گرا دیا جاتا ہے' پھر زمین میں وہ پھول جاتا ہے' پھولنے کے بعد وہ ہر طرف سے پھٹ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی وجہ سے وہ صرف اوپر اور نیچے سے پھٹتا ہے' اوپر سے پھٹ کر اس میں سے ایک جز زمین کو پھاڑ کر نکلتا ہے اور درخت بن جاتا ہے' اس میں شاخیں پھوٹتی ہیں' پھر ان شاخوں میں پھول کھلتے ہیں اور پھل بنتے ہیں اور پھلوں میں چھلکا بنتا ہے' مغز بنتا ہے اور مغز میں روغن ہوتا ہے' اور بیج کے نیچے سے جو جز زمین کو پھاڑ کر نکلتا ہے وہ جڑ بنتی ہے اور زمین کی گہرائی میں راستہ بناتی ہوئی وہ جڑیں نکل جاتی ہیں اور مٹی اور پانی سے اپنی طبعی غذا حاصل کر کے پورے درخت کو پہنچاتی ہیں اور اس کو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔

باپ کی پشت سے ایک قطرہ نکل کر ماں کے رحم میں پہنچتا ہے' پھر وہ قطرہ پہلے جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر گوشت کا ٹکڑا' پھر اس میں ہڈیاں' رگیں اور مختلف اعضاء بنتے ہیں' پھر ان میں الگ الگ اثرات کی قوتیں رکھی جاتی ہیں' آنکھ میں دیکھنے کی' کان میں سننے کی اور زبان میں گویائی کی قوت رکھی جاتی ہے تو سبحان ہے وہ جس نے ہڈی میں سماعت' چربی میں بصارت اور گوشت کے ایک ٹکڑے میں گویائی رکھی!

ماں باپ کے دل میں ایسا جذبہ رکھا کہ انہوں نے اپنے سکھ اور آرام کو چھوڑ کر اس کی پرورش کی' ماں کے سینے میں اس کے لیے دودھ اتارا اور باپ کے دل میں شفقت رکھی اور یوں تدریجاً اس کو پالتا رہا' تربیت کرتا رہا' بڑھاتا رہا اور جب وہ اپنی نشوونما کے کمال طبعی کو پہنچ کر بالغ ہو گیا' اس کا شعور پختہ اور عقل کامل ہو گئی تب کہا: اب ہماری ان نعمتوں کا شکر ادا کرو' ہمارے ان کمالات کی حمد وثناء کرو جن کے نتیجہ میں تم اس کمال طبعی تک پہنچے ہو' دیکھو! اس نے تمہارے چلنے کے لیے زمین بنائی ہے' تمہارے سانس لینے کے لیے ہواؤں کے سمندر رواں دواں کیے ہوئے ہیں' تمہارے پینے کے لیے آسمان سے پانی اتارا اور زمین کی تہوں میں چشمے جاری کیے' تمہیں روشنی پہنچانے کے لیے دن بنایا' تمہارے آرام کے لیے رات بنائی' سورج کی حرارت سے تمہاری کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسانوں اور نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کے بعد تمہارے دلوں میں اس کی حمد وثنا کرنے اور اس کا شکر بجا لانے کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا!

کمال ذات' گزشتہ احسان' رجا اور خوف سے حمد وثناء کا تقاضا

دنیا میں انسان کسی شخص کی چار وجوہ سے تعریف کرتا ہے: یا اس لیے کہ وہ شخص اپنی ذات وصفات میں کامل ہے اور

عیوب اور نقائص سے بری ہے' خواہ اس نے اس انسان پر کوئی احسان کیا ہے یا نہیں' وہ شخص کمال ذات کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اس پر ماضی میں احسانات کیے ہیں اور انعامات دیے ہیں تو وہ ان گزشتہ احسانوں کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے انعامات کی توقع رکھتا ہے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے غیظ و غضب اور اس کے قہر اور قدرت سے ڈر کر اس کی تعریف کرتا ہے' تو گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کمال ذات کی وجہ سے کسی کی حمد و ثناء کرتے ہو تو میری ذات کامل ہے' سو میری حمد کرو اور اس کی طرف ''الحمد للہ'' سے اشارہ ہے اور اگر گزشتہ نعمتوں کی وجہ سے حمد و ثنا کرتے ہو تو ساری نعمتیں میں نے دی ہیں' میری تعریف کرو' میں ہی ''رب العلمین'' ہوں' اور اگر مستقبل میں نعمتیں حاصل کرنے کے لیے تعریف کرتے ہو تو میں ''الرحمٰن الرحیم'' ہوں' سو میری حمد کرو اور اگر ڈر اور خوف کی وجہ سے حمد و ثنا کرتے ہو تب بھی میری حمد و ثنا کرو میں ہی ''مالك يوم الدين'' ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O (الفاتحہ: ۲)

بعض مفسرین کی فروگزاشت

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر میں ہم ''الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر کو بیان کر چکے ہیں' یہاں پر ہم بعض مفسرین کی ایک فروگزاشت پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے' اور اگر ایک مبالغہ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا' تو پھر وہ اس معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے' اس قدر وسیع ہے' ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا' اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ''سخی'' کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر ''داتا'' کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب ''گورے'' کو کافی نہیں پاتے تو اس پر ''چٹے'' کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب ''لمبا'' کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد ''تڑنگا'' بھی کہتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۴ 'مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۳ء)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اس پر دو اعتراض کیے ہیں' اول یہ کہ اگر کسی اہم چیز کا بیان مبالغہ کے صیغوں سے کرنا انسان کا خاصہ ہے تو اس کو اللہ کے کلام پر منطبق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ جس چیز کا خاصہ ہو اسی میں پایا جاتا ہے' دوسرے میں نہیں پایا جاتا' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ''الرحمٰن الرحیم'' کی مثال گورے چٹے اور لمبے تڑنگے سے دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ''الرحمٰن الرحیم'' دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور گورے چٹے اور لمبے تڑنگے میں سے کوئی لفظ بھی مبالغہ کا صیغہ نہیں ہے۔ (التبیان ص ۳۰۔۲۹ 'کاظمی پبلیکیشنز' ملتان' ۱۹۹۳ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روز جزاء کا مالک ہے O (الفاتحہ: ۳)

مالِک اور مَلِک کی دو قراءتیں

مالک اور مَلِک' اس آیت میں دونوں متواتر قراءتیں ہیں' امام عاصم' امام کسائی اور امام یعقوب کی قراءت میں مالک ہے

اور باقی پانچ ائمہ کی قراءت میں مَلِک ہے۔

مالک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مملوکہ چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرنے پر قادر ہو اور مَلِک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا میں احکام (امر و نہی) نافذ کرتا ہو۔

قرآن مجید کی بعض آیات مالک کی موافقت میں ہیں اور بعض مَلِک کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: ۲۶)

کہیے: اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے، اور تمام بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ (الانفطار: ۱۹)

یہ وہ دن ہے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

ان دونوں آیتوں سے مالک کی تائید ہوتی ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ (الناس: ۱-۲)

آپ کہیے: میں تمام لوگوں کے رب، تمام لوگوں کے بادشاہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (المومن: ۱۶)

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ کی جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے ۝

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (الحج: ۵۶)

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی، وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اور ان دو آیتوں سے مَلِک کی تائید ہوتی ہے۔

یوم کا عرفی اور شرعی معنی

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

عرف میں طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کے زمانہ کو یوم کہتے ہیں، اور اعمش کے سوا اہل سنت کے نزدیک شریعت میں طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب شمس تک کے وقت کو یوم کہتے ہیں اور یوم قیامت اپنے معروف معنی میں حقیقت شرعیہ ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یوم قیامت کی مقدار

قیامت کے دن کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج: ۴)

جبریل اور فرشتے اس کی طرف عروج کرتے ہیں (جس دن عذاب ہوگا) اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ۝

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں اس دن کے متعلق ہے

کہ وہ پچاس ہزار برس کا ہوگا' یہ کتنا لمبا دن ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! مومن پر اس دن میں تخفیف کی جائے گی' حتیٰ کہ وہ جتنی دیر میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن جریر (جامع البیان ج ۲۹ ص ۴۵) اور حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۱۳) نے بھی اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان' ص ۶۳۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی اس کو امام احمد' امام ابویعلیٰ' امام ابن جریر' امام ابن حبان اور امام بیہقی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

علامہ آلوسی نے بھی اس کو مذکور الصدر حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث مذکور کے متعلق حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے' اس کا ایک راوی ضعیف ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

نیز حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ رب العلمین کے سامنے آدھے دن تک کھڑے رہیں گے جو پچاس ہزار برس کا ہوگا اور مومن پر آسانی کردی جائے گی' جیسے سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک' اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس نے دنیا میں نیک عمل نہیں کیے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

عدل وانصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ گویا وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں' پھر وہ اس میں اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں گرد وپیش کا ہوش نہیں رہتا' امام ابوحنیفہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا' افراتفری مچ گئی مگر وہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے' ایک انصاری صحابی کو نماز کے دوران تیر لگا' خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے' امام بخاری کو نماز میں متنیہ نے سترہ ڈنک مارے اور انہیں احساس تک نہ ہوا' سو ایسے ہی کاملین کی یہ جزاء ہوگی کہ قیامت کے دن ان کو فی الواقع دیدار الٰہی عطا کیا جائے اور جب ان کو دیدار الٰہی عطا کیا جائے گا تو وہ اس کی دید میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ قیامت کے ہنگامہ خیز پچاس ہزار برس گزر جائیں گے اور ان کو یوں معلوم ہوگا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت گزرا ہو' لیکن اللہ تعالیٰ ہم پر عدل نہیں کرم فرماتا ہے' عدل کے لحاظ سے تو ہم دنیا میں بھی کسی نعمت کے مستحق نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہم کو نیکوں کے صدقہ میں نعمتیں دیتا ہے' سو آخرت میں بھی ان نیکوں کے طفیل ہم پر

قیامت کا دن بہ قدر فرض نماز گزرے گا اور اپنے دیدار سے مسرور فرمائے گا۔

وقوع قیامت پر عقلی دلیل

ہم اس دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں کہ بعض لوگ ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض لوگ ظلم سہتے سہتے مرجاتے ہیں اور ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی' اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی اور عالم ہو جس میں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا۔

اور جزاء اور سزاء کے نظام کے برپا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے' کیونکہ جزاء اور سزا اس وقت جاری ہو سکتی ہے جب بندوں کے اعمال ختم ہو جائیں' اور جب تک تمام انسان اور یہ کائنات ختم نہیں ہو جاتی لوگوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا' مثلاً قابیل نے قتل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا' اب اس کے بعد جتنے قتل ہوں گے ان کے قتل کے جرم سے قابیل کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جاتا رہے گا' اس لیے جب تک قتل کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا قابیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہوگا' اسی طرح ہابیل نے ظالم سے بدلہ نہ لینے کی رسم ایجاد کی' اب اس کے بعد جو شخص بھی یہ نیکی کرے گا اس کی نیکی میں سے ہابیل کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی رہے گی' اس لیے جب تک اس نیکی کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا ہابیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہوگا' اسی طرح ایک شخص مسجد یا کنواں بنا کر مرجاتا ہے تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی' جب تک اس کنوئیں سے پانی پیا جاتا رہے گا' اس شخص کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور کوئی شخص بت خانہ یا شراب خانہ بنا کر مر گیا تو جب تک وہاں بت پرستی یا شراب نوشی ہوتی رہے گی اس کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی۔

اس لیے جب تک یہ دنیا اور اس دنیا میں انسان موجود ہیں اس وقت تک لوگوں کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے نامہ اعمال کو مکمل کرنے کے لیے دنیا اور دنیا والوں کو مکمل ختم کرنا ضروری ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہے کہ جزا اور سزا کا نظام قائم کیا جائے اور جزا اور سزا کو نافذ کرنے سے پہلے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے۔

وقوع قیامت پر شرعی دلائل

یہ دنیا دار الامتحان ہے اور اس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے اور اس امتحان کا نتیجہ اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن نیک اور بد' اطاعت گزار اور نافرمان' موافق اور مخالف اور مومن اور کافر میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق صرف قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۚ (النجم: ۳۱)

تاکہ برے کام کرنے والوں کو ان کی سزا دے اور نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دے O

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ O (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ O

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا

کیا برے کام کرنے والوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں

يَحْكُمُوْنَ۝ (الجاثیہ: ۲۱)
نے نیک کام کیے کہ (ان سب کی) زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۝

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ۝ؕ مَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۝ؕ (القلم: ۳۶-۳۵)
کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں جیسا کر دیں گے۝ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟۝

دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزاء اور سزا نہیں ہے

ہر چند کہ بعض لوگوں کو دنیا میں ہی ان کی بداعمالیوں کی سزا مل جاتی ہے مثلاً ان کا مالی نقصان ہو جاتا ہے' یا وہ ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان پر دشمنوں کا خوف طاری ہو جاتا ہے' لیکن یہ ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا نہیں ہوتی' اور ہم کتنے ہی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ساری عمر عیش پرستی' ہوسناکیوں اور ظلم وستم کرنے میں گزار دیتے ہیں' پھر اچانک ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور ان کی دولت اور طاقت کا نشہ کافور ہو جاتا ہے لیکن ان کے جرائم کے مقابلہ میں یہ بہت کم سزا ہوتی ہے' اس لیے ان کی مکمل سزا کے لیے ایک اور جہان کی ضرورت ہے جہاں قیامت کے بعد ان کو پوری پوری سزا ملے گی۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ (السجدہ: ۲۱)
اور ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے (دنیا میں) ہلکا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ باز آجائیں۝

اس طرح بہت سے نیک بندے ساری عمر ظلم وستم سہتے رہتے ہیں اور مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں اور انہیں اپنی زندگی میں آرام اور راحت کا بہت کم موقع ملتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کی پوری پوری جزا اور سزا دے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۝ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝ (الزلزال: ۸-۷)
سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی (جزا) پائے گا۝ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی (سزا) پائے گا۝

دین کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

دین کا معنی ہے جزا اور مکافات' قرآن مجید میں "مالك يوم الدين" کا معنی ہے: یوم جزاء کا مالک' دین کا معنی عادت بھی ہے' کہا جاتا ہے: "مازال ذالك ديني" میری ہمیشہ سے یہ عادت ہے' اور دین کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے' اور دین کا معنی طاعت ہے' حدیث میں ہے:

يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية. وہ امام کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

(علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس ج ۹ ص ۲۰۸-۲۰۷' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

دین' شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات

میر سید شریف لکھتے ہیں:

دین ایک الٰہی دستور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا ہے جو عقل والوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے' دین اور ملت متحد بالذات ہیں اور مختلف بالاعتبار ہیں کیونکہ شریعت بہ حیثیت اطاعت دین ہے اور بہ حیثیت ضبط اور تحریر ملت ہے اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے مذہب ہے' ایک قول یہ ہے کہ دین اللہ کی طرف منسوب ہے اور ملت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے۔

(کتاب التعریفات ص ٤٧ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ١٣٠٦ھ)

عبودیت کا التزام کر کے حکم ماننا شریعت ہے ایک قول یہ ہے کہ شریعت دین کا ایک راستہ ہے۔

(کتاب التعریفات ص ٥٥ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ١٣٠٦ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

"شرعۃ ومنهاجا" کی تفسیر میں قتادہ نے کہا: دین ایک ہے اور شریعت مختلف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ١ ص ١١٧ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ١٣٤٨ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات کے لیے تورات مقرر کی اور اہل انجیل کے لیے انجیل اور اہل قرآن کے لیے قرآن مقرر کیا اور یہ تقرر شریعتوں اور عبادتوں میں ہے اور اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ٦ ص ٢١١ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ١٣٨٧ھ)

امام بخاری مجاہد سے روایت کرتے ہیں:

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

(صحیح بخاری ج ١ ص ٦ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ١٣٨١ھ)

قرآن مجید میں ہے:

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ (المائدہ: ٤٨) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی شریعت الگ ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات احادیث اور عبارات علماء کا حاصل یہ ہے کہ جو عقائد اور اصول تمام انبیاء میں مشترک ہیں مثلاً توحید رسالت قیامت جزاء سزا اللہ کی تعظیم اور اس کے شکر کا واجب ہونا قتل اور زنا کا حرام ہونا ان کا نام دین ہے اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور نظام حیات کے جو مخصوص احکام بتائے وہ شریعت ہے ان کو مدون اور منضبط کرنا ملت ہے اور امام اور مجتہد نے کتاب اور سنت سے جو احکام مستنبط کیے ان کا نام مذہب ہے اور مشائخ طریقت نے جو اوراد اور وظائف کے مخصوص طریقے بتائے ان کا نام مسلک اور مشرب ہے اور کسی مخصوص درسگاہ کے نظریات کا نام مکتب فکر ہے مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم دین کے اعتبار سے مسلمان ہیں شریعت کے اعتبار سے محمدی ہیں مذہب کے اعتبار سے ماتریدی اور حنفی ہیں اور مسلک اور مشرب کے اعتبار سے قادری ہیں اور مکتب فکر کے لحاظ سے بریلوی ہیں۔

اللہ رب رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط

سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ اسماء ذکر کیے ہیں: اللہ رب رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین اور ان میں

ارتباط اس طرح ہے کہ "اللہ" کے تقاضے سے اس نے انسان کو پیدا کیا "رب" کے تقاضے سے اس نے غیر متناہی نعمتوں سے انسان کی پرورش کی "رحمٰن" کے تقاضے سے انسان کے گناہوں پر پردہ رکھا "رحیم" کے تقاضے سے انسان کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرمایا اور "مالک یوم الدین" کے تقاضے سے انسان کو اس کے اعمال صالحہ کی جزاء عطا فرمائی۔

اگر یہ سوال ہو کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن و رحیم کا ذکر ہے اور سورہ فاتحہ کی ابتداء میں پھر ان صفات کا ذکر ہے' اس کی کیا وجہ ہے کہ رحمٰن اور رحیم کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے اور باقی اسماء کا دو مرتبہ ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کا غلبہ ہے اس لیے بندہ کو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور ہر وقت اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیے' اس کے بعد "مالک یوم الدین" فرمایا کہ کہیں اس کی رحمت سے دھوکا کھا کر انسان گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے کیونکہ وہ "مالک یوم الدین" بھی ہے۔

جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے:

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ذِى الطَّوۡلِؕ . (المومن: ۴۰) وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا' بہت سخت عذاب دینے والا' قدرت والا ہے۔

"الحمد للہ" میں مسند الیہ مقدم ہے اور خبر معرفہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق ایسی ترکیب مفید حصر ہوتی ہے' نیز اللہ تعالیٰ کی صفات رب' رحیم اور "مالک یوم الدین" بہ منزلہ علت ہیں' اس اعتبار سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہی رب ہے' وہی رحمان' رحیم اور مالک روز جزاء ہے' اور اس میں یہ رمز ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ تو ستائش کے لائق بھی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ پرستش کا مستحق ہو اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے تو ہم سے یہ کہلوایا: اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں O (الفاتحہ: ۴)

عبادت کا لغوی معنی

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

عبودیت کی اصل خضوع اور ذلت ہے' عبادت کا معنی ہے: اطاعت کرنا اور تعبد کا معنی ہے: تنسک (فرمانبرداری کرنا)۔

(الصحاح ج ۲ ص ۵۰۳' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

لغت میں عبادت کا معنی ہے خضوع (تواضع اور عاجزی) کے ساتھ اطاعت کرنا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۳' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں:

عبادت کا معنی ہے طاعت' بعض ائمہ نے کہا کہ عبودیت کی اصل ذلت اور خشوع ہے' دوسرے ائمہ نے کہا: عبودت کا معنی ہے: رب کے فعل پر راضی ہونا' اور عبادت کا معنی ہے: ایسا فعل کرنا جس سے رب راضی ہو' اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آخرت میں عبادت ساقط ہو جائے گی عبودت ساقط نہیں ہو گی' کیونکہ عبودت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حقیقت میں متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے' ہمارے شیخ نے کہا: یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے' اس میں لغت کا دخل نہیں ہے' ازہری نے کہا: غلام جو اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے اس کو عبادت نہیں کہتے اور مسلمان جو اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اس کو عبادت

کہتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: "اعبدوا ربکم" اس کا معنی ہے: اپنے رب کی اطاعت کرو اور "ایاك نعبد" کا معنی ہے: ہم خضوع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے کہا: عبادت کا لغت میں معنی ہے: عاجزی کے ساتھ اطاعت کرنا۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۴۱۰ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

عبادت کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔

عہد کو پورا کرنا' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا' جو مل جائے اس پر راضی رہنا اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا عبودیت ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۶۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ توحید اور اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا . (النساء: ۳۶) اللہ کو واحد مانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ . (یٰس: ۶۰) اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عبادت کا اصطلاحی معنی ہے: اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا اور "یایھا الناس اعبدوا ربکم" کا معنی ہے: اے لوگو! اپنے رب کو الٰہ مان کر اس کی تعظیم اور اطاعت کرو' اور "ایاك نعبد" کا معنی ہے: ہم اعتقاد الوہیت کے ساتھ تیری تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات

قرآن مجید میں پانچ قسم کے لوگوں پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے:

(۱) غلام اور مملوک پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے:

اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ . (البقرہ: ۱۷۸) غلام کے بدلہ میں غلام (کو قتل کیا جائے)۔

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ" اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک مملوک (غلام) کی جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔ (النحل: ۷۵)

(۲) جو اللہ کی تسخیر سے عبد ہیں:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۭ (مریم: ۹۳) آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں بطور عبد حاضر ہوں گے O

(۳) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں کامل ہیں:

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا O (بنی اسرائیل: ۳) ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا' بے شک وہ (نوح) عبد شاکر تھے O

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا . (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ جو اپنے (مقدس) عبد کو رات کے ایک قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

(۴) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں ناقص ہیں:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے ○

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ (الزمر: ۵۳)

کہیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(۵) جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۞ (الفرقان: ۱۷)

اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے؟ ○

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ○ (یٰس: ۳۰)

ہائے افسوس ان بندوں پر! ان کے پاس جو رسول بھی آیا یہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○

خلاصہ یہ ہے کہ جو مملوک اور غلام ہیں' جو تسخیراً عبد ہیں' جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبد کامل ہیں اور جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبد ناقص ہیں اور جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں ان سب پر قرآن مجید میں عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اپنے غلام کو "میرا عبد" کہنے کی کراہت اور عبد النبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق

غلام کے لیے اپنے مالک کو میرا رب کہنا مکروہ تنزیہی ہے' اسی طرح مالک کا غلام کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھلاؤ' اپنے رب کو پلاؤ' بلکہ میرا سید اور میرا مولا کہے' اور تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: میرا عبد اور میری بندی' اسے یہ کہنا چاہیے: میرا نوکر' میری نوکرانی اور میرا غلام۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۶-۳۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے مملوک کے لیے میرا عبد نہ کہے' لیکن میرا خادم کہے' اور نہ مملوک اپنے مالک کو میرا رب کہے لیکن میرا سید کہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عبد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا خادم کہے' یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عبودیت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۱۷۰' مطبوعہ موسسہ مطبوعاتی' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں ہے' کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مملوک اللہ کا عبد ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے' اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عبد کہے تو یہ شرک اور مشابہت کو واجب کرتا ہے' لہٰذا اس سے احتراز کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کو میرا نوکر اور میرا خادم کہے' اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عبد کی اضافت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عباد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کردو۔

علامہ ابن بطال نے کہا کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تغلیظ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں' اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہر حال اللہ کا عبد ہے' اب اگر وہ اسے میرا عبد کہے گا تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۱۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

بعض لوگوں کا نام عبدالنبی اور عبدالرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے:

علی بخش' حسین بخش' عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا۔ (بہشتی زیور ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ' لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے' عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنا' سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ عبدالنبی' عبدالرسول اور عبدالمصطفیٰ نام رکھنا' ہر چند کہ جائز ہے' لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے' اس لیے مکروہ تنزیہی ہے' اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنا ممنوع ہے' علامہ مناوی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جب کہ اس نسبت سے شرف ہونا مقصود ہو' اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے' جیسے عبدالدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۹' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں O اس آیت میں عبادت کا اللہ تعالیٰ میں حصر کردیا ہے' بعض علماء نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ اس حصر کی وجہ کیا ہے' اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ (مستحق عبادت) نہیں ہے' اس لیے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی عبادت نہیں کرتے' اور اس کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ عبادت نہایت تعظیم کو کہتے ہیں اور نہایت تعظیم اسی کی کی جائے گی جس نے بے شمار نعمتیں دی ہوں اور چونکہ تمام نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں' اس لیے عبادت بھی اسی کی کی جاتی ہے' دیکھئے اللہ تعالیٰ ہم کو عدم سے وجود میں لایا' جہل سے نکال کر علم عطا فرمایا' پھر تمام زمین' آسمان' سیارگان'

جمادات' نباتات اور حیوانات کو ہمارے نفع کے لیے مسخر کر دیا!

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ (مریم: ۹)
اور بے شک میں نے تم کو اس سے پہلے پیدا کیا' حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے ۝

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (النحل: ۷۸)
اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا' حالانکہ تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا اور تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ ۝

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (الجاثیہ: ۱۳)
اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دیا۔

اس سے بڑا اور کیا انعام ہوگا! تو اس کے سوا اور کون عبادت کا مستحق ہوگا۔

"ایاك نعبد" میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا: "نعبدك" "ہم تیری عبادت کرتے ہیں' بلکہ فرمایا ہے: "ایاك نعبد" "تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم' اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے ہے اور ہماری عبادت کرنے کا ذکر بعد میں ہے' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہے' اور ہم اور ہماری عبادات بعد میں ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے: جس شخص کی نظر نعمت کے وقت نعمت کی بجائے منعم پر ہو' تو مصیبت کے وقت اس کی نظر مصیبت کی بجائے مصیبت میں مبتلا کرنے والے پر ہوتی ہے' پھر مصیبت' مصیبت نہیں رہتی اور نعمت آنے کے بعد اگر وہ نعمت زائل ہو جائے تو اس کو ملال نہیں ہوتا' اور جس کی نظر نعمت پر ہوتی ہے تو حصول نعمت کے وقت بھی وہ پریشان رہتا ہے کہ کہیں وہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور مصیبت کے وقت بھی وہ رنج اور افسوس میں مبتلا رہتا ہے' اور جس کی نظر ہر حال میں اللہ پر ہو وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے' لہٰذا ان کے مقام کا کیا کہنا جن کی توجہ ہر حال میں صفات کی بجائے ذات کی طرف رہتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "واذكروا نعمتى" "میری نعمت کو یاد کرو اور حضرت سیدنا محمد کی امت سے فرمایا: "فاذكرونى اذكركم" "تم مجھے (میری ذات کو) یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا' ان کی رسائی صفت تک تھی ہماری رسائی ذات تک کر دی ہے اور جب اس تصور سے انسان کہے گا: تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم' اور اس کی ذات کا اس لیے مقدم ذکر کرے گا کہ وہ ہر حال میں پہلے اس کو دیکھتا ہے بعد میں اور کو دیکھتا ہے تو پھر "ایاك نعبد" پڑھنے کا کچھ اور لطف ہوگا!

نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے بالمشافہ خطاب کر رہے ہو' اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ عبادت میں صعوبت اور مشقت تو بہت ہے لیکن جب عابد کی نظر معبود کے جمال پر ہو اور وہ محو نظارہ ذات ہو تو پھر کسی مشقت اور صعوبت کا پتا نہیں چلتا جس طرح مصر کی عورتوں کی نظر جب حسن یوسف پر پڑی تو انہوں نے پھل کی جگہ انگلیاں کاٹ ڈالیں اور ان کو کچھ درد نہیں ہوا' یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کو نماز کے دوران تیر لگتے رہے' خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹) مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا' بھگدڑ مچ گئی اور امام ابوحنیفہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۹) امام بخاری کو نماز میں' تتیہ نے سترہ ڈنک مارے اور ان کو کچھ پتا نہیں چلا۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۸۱-۲۸۰) عروہ بن زبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا' اس عضو کا کاٹنا ضروری تھا' جب انہوں نے نماز شروع کی تو لوگوں نے وہ عضو کاٹ دیا اور ان کو ذرا احساس نہیں ہوا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۹)

"ایاک نعبد" میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں' یہاں پر لفظ جمع لایا گیا ہے' کیونکہ اگر بندہ یوں کہتا کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں تو اس سے تکبر اور عجب کا وہم ہوتا اور جب کہا: ہم (سب) تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں تیرے عبادت گزار بندوں میں سے ایک عبادت گزار بندہ ہوں اور اس میں تواضع اور انکسار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر کرے' اس میں بہت سے نقائص اور تقصیرات ہیں' اس لیے وہ اپنی عبادت کو تمام عبادت گزاروں کی عبادت میں درج کر کے ذکر کرتا ہے کہ ان عبادت گزاروں میں صالحین اور مقبولین بھی ہیں' جن کی عبادتوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا' اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ وہ بعض کی عبادتیں قبول کرے اور بعض کو مسترد کر دے۔

علامہ محی الدین درویش لکھتے ہیں:

ایک شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی مختلف جنس کی چیزوں کو بیع واحد کے ساتھ فروخت کرے' پھر خریدار بعض چیزوں کے کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو تمام چیزیں واپس کرنے کا اختیار ہے' یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بعض چیزوں کو رکھ لے اور بعض کو واپس کر دے' کیونکہ تمام چیزیں بیع واحد کے ساتھ فروخت کی گئی ہیں' وہ ان میں تفریق نہیں کر سکتا (مثلاً کوئی شخص سیبوں کا ایک کریٹ خریدے اور کوئی ایک سیب داغدار ہو تو وہ صرف اس سیب کو واپس نہیں کر سکتا یا سب کو واپس کرے گا یا سب کو رکھے گا) علی ھذا القیاس جب عبادت گزار نے اپنی عبادت کو ناقص اور معیوب جانا تو اس نے اپنی عبادت کو الگ نہیں پیش کیا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں درج کر دیا' اس امید سے کہ تمام عبادات مسترد نہیں ہوں گی' کیونکہ ان میں بعض مقبولین کی عبادات بھی ہیں اور جب باقی مقربین کی عبادات مقبول ہوں گی تو اس کی عبادت بھی مقبول ہو جائے گی اور یہی اس کے کرم عظیم کے مناسب اور فضل عمیم کے لائق ہے۔ (اعراب القرآن الکریم وبیانہ ج ۱ ص ۱۸' دار ابن کثیر' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۱۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھر میں نماز پڑھنے پر ایک نماز کا اجر ہے اور قبائل کی مسجد (محلہ کی مسجد) میں نماز پڑھنے پر پچیس نمازوں کا اجر ہے (بعض روایات کے مطابق ستائیس نمازوں کا اجر ہے) اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے پر پانچ سو نمازوں کا اجر ہے' اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے' اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے کا (بھی) پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے' اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۲' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

اجر میں اس اضافہ کی وجہ ایک تو ان مساجد کی عظمت اور خصوصیت ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد کی نسبت جامع مسجد میں زیادہ نمازی ہوتے ہیں' اور جہاں زیادہ نمازی ہوں گے وہاں اللہ کے نیک بندے بھی زیادہ ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے مقرب اور نیک بندوں کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور ان کے واسطے سے سب نمازیوں کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرما دے گا' علیٰ ھذا القیاس جیسے جیسے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اجر و ثواب بڑھتا جائے گا' اس لیے بندہ اپنی عبادت کا علیحدہ ذکر نہیں کرتا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں اپنی عبادت ضم کر کے ذکر کرتا ہے تاکہ اسے بھی وہ برکتیں مل جائیں جو مقربین بارگاہ ناز کے طفیل سب عابدوں کو ملیں گی۔

غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات

بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ کلام کے پیرائے کو مثلاً صیغہ غائب سے صیغہ خطاب کی طرف منتقل کیا جائے' اس کو

اصطلاح میں التفات کہتے ہیں' کیونکہ مسلسل ایک طرز سے سننے والا اکتا جاتا ہے اور جب کلام کا پیرایہ تبدیل کیا جاتا ہے تو سننے والے کا ذہن حاضر اور بیدار رہتا ہے اور اس کا شوق برقرار رہتا ہے اور تجسس بڑھتا رہتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے شروع کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اس کی حمد و ثنا کی گئی' پھر ''ایاک نعبد. ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' میں اس سے بالمشافہ خطاب کیا گیا' اس میں صنعت التفات کے علاوہ حسب ذیل اسرار ہیں:

(۱) جب بندہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت' رحمت اور اس کے مالک ہونے کا ذکر کیا تو اس کو حریم ناز میں داخل ہونے کی اجازت ملی اور اس سے کہا گیا کہ اب جو کہنا ہے بالمشافہ کہو تو بندہ نے کہا: ''ایاک نعبد و ایاک نستعین''۔

(۲) دعا اور سوال میں اصل یہ ہے کہ بالمشافہ خطاب کر کے سوال کیا جائے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' (طٰہٰ: ۱۱۴) '' آپ کہیے کہ اے رب! میرے علم کو زیادہ کر' سو اسی نہج پر یہاں بہ صورت خطاب دعا کی گئی ہے۔

(۳) ''الحمد'' سے ''مالک یوم الدین'' تک اللہ کی حمد و ثنا ہے' اور تعریف میں اصل یہ ہے کہ غیاب میں کی جائے اور ''ایاک نعبد'' میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ حضور میں اور بالمشافہ ہو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ. تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

(امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

استعانت کے معنی

استعانت کا لفظ عون سے ماخوذ ہے' علامہ زبیدی عون کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی کام پر مدد کرنے والے کو عون کہتے ہیں' عرب کہتے ہیں: جب قحط آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعوان بھی آتے ہیں' یعنی ٹڈیاں' مکھیاں اور بیماریاں' لیث نے کہا: ہر وہ چیز جو تمہاری مدد کرے وہ تمہاری عون ہے جیسے روزہ عبادت کے لیے عون ہے' اس کی جمع اعوان ہے' اور عرب کہتے ہیں: ''استعنتہ فاعاننی'' میں نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۲۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

''ایاک نستعین'' کی تفسیر

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

''ایاک نستعین'' کا معنی یہ ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنی عبادات' اپنی طاعات اور اپنے تمام معاملات میں صرف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں' تیرے سوا اور کوئی مددگار نہیں ہے' کفار اپنے معاملات میں اپنے باطل معبودوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم اخلاص کے ساتھ تیری عبادت کرتے ہیں اور اپنے تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہم اپنی اطاعت اور تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۵۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی' پھر بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ پہلے ''ایاک نستعین''

ہوتا پھر "ایاک نعبد" ہوتا' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ○ (آل عمران: ٤٣) — اے مریم! اپنے رب کی عبادت کر' سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ○

اس آیت میں پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے پہلے رکوع اور پھر سجدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے بندہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تم نے دعا اور سوال کرنا ہو تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' تاکہ تمہاری دعا قبول ہو' اس لیے مدد طلب کرنے سے پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا گیا' تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے "الحمد للّٰہ رب العلمین" اور "مالک یوم الدین" فرمایا تھا تو اسی وزن پر "ایاک نعبد و ایاک نستعین" فرمایا' اگر "ایاک نستعین و ایاک نعبد" ہوتا تو ان آیات کے آخری الفاظ کا اختتام ایک فصل اور ایک وزن پر نہ ہوتا۔

اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

استعانت میں عموم مراد ہے' ہر چیز میں ہم صرف تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس سے فرمایا:

اذا استعنت فاستعن باللّٰہ. (جامع ترمذی ص ٣٦١) — جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے۔

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے استعانت میں عموم کا قول اختیار کیا ہے' سو جس شخص نے اپنے اہم معاملات بلکہ دوسرے غیر اہم معاملات میں بھی غیر اللہ سے مدد چاہی ہو تو اس نے ایک عبث عمل کیا' اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مدد طلب کی جاتی حالانکہ وہ غنی کبیر ہے اور دوسروں سے کیسے مدد طلب کی جائے گی جب کہ سب اس کے محتاج ہیں' اور محتاج کا محتاج سے مدد طلب کرنا ناپختہ رائے ہے اور عقل کی کج روی' اور ہیں نے کتنے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے غیر اللہ سے عزت اور دولت طلب کی اور وہ ذلیل اور فقیر ہوئے' سو اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔

(روح المعانی ج ١ ص ٩١' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ مراغی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی معبود کی تعظیم کی جاتی ہے اور اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ طلب کریں اور کسی کام کو پورا کرنے کے لیے جو طاقت درکار ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہ مانگیں ماسوا ان اسباب کے جن کا کسب کرنا اور جن کو حاصل کرنا ہمارے لیے عام اسباب میں مشروع اور میسر ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط کیا ہے' اسی طرح ارتفاع موانع پر بھی ان کو موقوف کیا ہے اور ان اسباب کے حصول کے لیے انسان کو علم اور معرفت سے نوازا ہے اور موانع اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر انسان کو قدرت عطا کی ہے اور اسی اعتبار سے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ (المائدہ: ٢) — اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ (الکہف: ٩٥)

ذوالقرنین نے کہا: میرے رب نے جس پر مجھے قدرت دی ہے وہ (تمہارے مال سے) بہتر ہے تو تم (محنت کے کام میں) طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنادوں گا O

اسی اعتبار سے ہم بیماروں کی شفا کے لیے اطباء سے دوائیں طلب کرتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کی فراوانی کے لیے حشرات الارض اور مضر کیڑوں مکوڑوں کو دور کرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں' اور ان اسباب کے بغیر اگر ہم بیماروں کے لیے شفاء اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہوں تو اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی جائے گی اور زمین و آسمان کی تمام حاجات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے گا اور نبی کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے' آپ نے مختلف غزوات میں کفار کے خلاف غلبہ اور فتح کے لیے صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں' اسی سے فتح اور نصرت کی دعائیں کی ہیں اور اسی سے بیماری میں حصول شفا کے لیے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں۔

سو جو شخص اپنی حاجات پوری کرانے کے لیے' کسی بیمار کی شفا کے لیے' دشمن پر غلبہ کے لیے یا اولاد کی طلب کے لیے اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے مدد مانگتا ہے وہ شخص سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا' اس نے اللہ کی شریعت سے اعراض کیا اور اس نے زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام کیا۔ (تفسیر المراغی ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہمارے نزدیک علامہ مراغی کا یہ فتویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے' زمانہ جاہلیت میں کفار بتوں کو مستحق عبادت قرار دیتے تھے اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرتے تھے' لیکن جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو' اور نہ اولیاء اللہ کو متصرف بالذات سمجھتا ہو' نہ ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء اللہ' اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے' تاہم ہمارے نزدیک شریعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنی چاہیے' اولیاء اللہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں' تو سلامت روی اسی میں ہے کہ ہر حاجت اللہ سے طلب کی جائے اور ہر ضرورت میں اس کے آگے دست سوال دراز کیا جائے۔

ہم نے ان پڑھ عوام اور جہلاء کو اولیاء اللہ کے مزارات پر بار ہا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے' جو منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتے' اسی طرح ان کو مزارات پر صاحب مزار کی نذر اور منت مانتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیم' اللہ کے غیر کے لیے جائز نہیں ہے اور نذر بھی عبادت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ O فَلَمَّا أَنجَاهُمْ

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلاتا ہے' حتیٰ کہ جب تم کو کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں' تو (اچانک) کشتیوں پر تند و تیز آندھیاں آئیں اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور (مسافروں نے) سمجھ لیا کہ وہ طوفان میں گھر گئے' تب سب

إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط (یونس: ۲۳۔۲۲)

نے اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر کے دعائیں مانگیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچالیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزاروں میں سے ہوجائیں گے ○ پھر جب اللہ نے ان کو بچالیا تو وہ ناگہاں زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔

جب انسان مصائب کے گرداب اور پریشانیوں کے طوفان میں گھر جائے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے' سو مسلم اور موحد اس بات کے زیادہ لائق اور مستحق ہے کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے التجاء کرے اسی سے مدد مانگے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

امام رازی سورہ یونس آیت: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی صورتوں کے بت بنا لیے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے' اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۵۶ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قبر کو سجدہ کرنا' قبر کا طواف کرنا اور حصول منفعت کے لیے صاحب قبر کی نذر ماننا' قبر کے سامنے جھکنا' یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔

اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ

ہونا یہ چاہیے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے' ان کے مزارات پر ایصال ثواب کیا جائے' یہ بھی احادیث سے ثابت ہے' ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی جائے' کیونکہ قرآن مجید میں وفات یافتہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم ہے' اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی قبولیت کی دعا کی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کے لیے اپنے اور انبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کردیں اور اس کی اصل نابینا کی حدیث ہے' جس کو ان شاء اللہ ہم عنقریب تفصیل سے بیان کریں گے' اب ہم وسیلہ اور غیر اللہ سے استمداد کے موضوع پر تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبه الاستعانة يليق.

وسیلہ کا لغوی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

هي في الاصل ما يتوصل به الى الشيء ويتقرب به.

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس شے کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ ج ۵ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ موسسۃ مطبوعاتی' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الجوهري: الوسيلة ما يتقرب به الى الغير.

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

(سید جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب ج ۱۱ ص ۷۲۵ - ۷۲۴' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ زبیدی نے ابن اثیر اور علامہ جوہری کے حوالوں سے وسیلہ کی تعریف میں مذکور الصدر عبارات نقل کی ہیں۔

(تاج العروس ج ۸ ص ۱۵۴' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن منظور افریقی اور علامہ زبیدی نے علامہ جوہری کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

جس چیز سے غیر کا تقرب کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۴۱' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

ائمہ لغت کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے' اللہ تعالیٰ کا تقرب اعمال صالحہ اور عبادات سے حاصل ہوتا ہے' تاہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عزت اور وجاہت حاصل ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کے لیے اس عزت اور وجاہت کو پیش کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے' زندگی میں اور وفات کے بعد بھی۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے توسل کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

امام محمد بن جزری آداب دعا میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حصن حصین مع تحفۃ الذاکرین ص ۳۴' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر' ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا: دعا میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا امور مستحبہ میں سے ہے کیونکہ ''صحیح بخاری'' کی کتاب الاستسقاء میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو (اے اللہ!) تو بارش نازل فرماتا تھا' اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما' پھر ان پر بارش ہو جاتی' اور جیسا کہ نابینا کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے جس کا کو امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح' غریب ہے اور ہم نے اس کو ''حصن'' میں ذکر کیا ہے اور حدیث ابوامامہ کی بناء پر جس کو ہم نے صبح کی دعاؤں میں ذکر کیا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' اور ''کتاب الدعاء'' میں ذکر کیا ہے۔

(الحرز الثمین ص ۱۷۶' مطبوعہ مطبعہ امیریہ' مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

امام جزری نے حضرت ابوامامہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

اسئلك بنور وجهك الذى اشرقت له السموات والارض وبكل حق هو لك وبحق السائلين عليك.

اے اللہ! میں تجھ سے تیری ذات کے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور تیرے ہر حق کے وسیلہ سے اور جو سوال کرنے والوں کا تجھ پر حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

(امام محمد بن جزری متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین مع تحفۃ الذاکرین ص ۶۸' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوال کرنے والوں کا اللہ پر اس لیے حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) ان کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے'

گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے بندوں پر اس کے حق کے وسیلہ سے اور سائلین کا اللہ پر جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں' اس کی حمد وثناء کریں' اس کے احکام پر عمل کریں' اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں' اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا کرے' کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا ہونا واجب ہے' کہ اس کا وعدہ حق ہے اور اس کی خبر صادق ہے۔ (الحرز الثمین ص ۱۷۶ 'مطبوعہ امیریہ' مکہ مکرمہ '۱۳۰۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرہم کے حق سے سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو' اور یہ دعا صحیح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے' جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے' حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱ 'مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو مسترد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے: مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

(تحفۃ الذاکرین ۶۹ 'مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ' مصر '۱۳۵۰ھ)

نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کر کے کہا: یہ حدیث حسن' صحیح اور غریب ہے' امام نسائی' امام ابن ماجہ' اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اس کو روایت کر کے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے' حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت بحال کردے' آپ نے فرمایا: یا میں رہنے دوں؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ پر نابینائی بہت دشوار ہے' آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو' پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' اور محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' الحدیث۔ ''حصن حصین'' کے باب صلوۃ الحاجۃ میں اس حدیث کا ذکر آئے گا' اور صالحین کے توسل کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جو صحیح (بخاری) میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! ہم تیرے نبی کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۳۷ 'مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ' مصر '۱۳۵۰ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم سے (اجتہادی) خطاء ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے رب! میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا' سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم تم نے سچ کہا' وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ایک ضعیف راوی ہے لیکن فضائل میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔

(معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳۔ ۸۲' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الوفاء ص ۳۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

شیخ ابن تیمیہ نے بھی ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے' لیکن انہوں نے لکھا ہے کہ ابو نعیم حافظ نے اس حدیث کو ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کیا ہے' اس نسبت میں شیخ ابن تیمیہ کو خطا لاحق ہوئی' یہ حدیث حافظ ابو نعیم کی ''دلائل النبوۃ'' میں نہیں ہے بلکہ حافظ بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' میں ہے' ان دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کے درجہ میں ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۶' مطبوعہ دار الجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حافظ الہیثمی نے بھی ذکر کیا ہے' وہ اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم صغیر'' اور ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل ص ۱۰۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

امام حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد لکھا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع' مکہ مکرمہ)

امام حاکم نیشاپوری نے ایک اور حدیث اس کے مقارب روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی: اے عیسیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ' اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو' کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا' پھر میں نے اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع' مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی نے ان دونوں حدیثوں کے راویوں کی صحت سے اختلاف کیا ہے' لیکن شیخ ابن تیمیہ کی تصحیح مقدم ہے۔

علامہ سیوطی نے امام حاکم' امام بیہقی' امام طبرانی' امام ابونعیم اور امام ابن عساکر کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ قسطلانی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المواہب اللدنیہ مع الزرقانی ج ۱ ص ۴۴ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں امام حاکم اور ابوالشیخ کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت بیان کی ہے اور لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ سبکی نے ''شفاء السقام'' میں اور علامہ بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصحیح کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی' اس لیے یہ حدیث حکماً مرفوع ہے' علامہ ذہبی نے کہا: اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے' پتا نہیں وہ کون ہے؟ اور امام دیلمی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا کرتا نہ نار کو پیدا کرتا۔ (شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۴۴ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ)

ملا علی قاری نے بھی امام دیلمی کی اس روایت کو استشہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(موضوعات کبیر ص ۵۹ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی' ۱۳۱۵ھ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حقیقت محمدی پر بحث کرتے ہوئے یہ دو حدیثیں لکھی ہیں:

اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا' اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

(مکتوبات دفتر سوم' حصہ دوم' مکتوب نمبر ۱۲۲)

یہ حدیثیں ہر چند کہ ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں مذکور نہیں ہیں لیکن یہ معنیً ثابت ہیں' حدیث لولاک پر ''مقالات سعیدی'' میں ہمارا ایک تفصیلی مقالہ ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ مقربین بارگاہ کے وسیلہ سے دعا کرنا ابتداء آفرینش سے مشروع اور معمول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مدح میں اس دعا کا ذکر فرما کر اس کے جواز اور استحسان کو بیان فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہوگئے تو آپ ان کی لحد میں لیٹ گئے اور یہ دعا کی: اللہ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی' اے اللہ! اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما' ان کو حجت القا فرما' ان کی قبر کو وسیع کر' بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے' پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ نے' حضرت عباس نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو قبر میں اتارا' اس حدیث کو امام طبرانی نے ''کبیر'' اور ''اوسط'' میں روایت کیا ہے' اس میں روح بن صلاح نام کا ایک راوی ہے' امام حبان اور امام حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ضعف ہے' اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو علامہ نور الدین سمہودی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۹۹ ـ ۸۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل ص ۱۰۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے وسیلہ سے دعا کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھیک کر دے' آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کام کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں' اس نے کہا: آپ دعا کر دیجئے' آپ نے فرمایا: تم اچھی طرح وضو کرو' دو رکعت نماز پڑھو' اس کے بعد یہ دعا کرو: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو' اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۹۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۵۱۹ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع' مکہ مکرمہ)

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر' دمشق)

امام ابن ماجہ' امام ترمذی' امام احمد اور امام حاکم نے اس حدیث کو عمارہ بن خزیمہ بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے بھی روایت کیا ہے اس روایت میں یہ اضافہ ہے:

قال عثمان: فواللہ ما تفرقنا ولا طال الحديث حتى دخل الرجال وكانه لم يكن به ضر قط. (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بہ خدا! ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ ابھی سلسلہ گفتگو دراز ہوا تھا کہ وہ (نابینا) شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔

امام ابن السنی نے بھی اس حدیث کو ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے روایت کیا ہے' جس میں مذکورہ الصدر اضافہ ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۲۰۲ مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف' دکن' ۱۳۱۵ ھ)

علامہ نووی نے اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ترمذی کے حوالوں سے بیان کیا اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سنن کبریٰ (ج ۶ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ ھ) میں روایت کیا ہے۔

امام محمد جزری نے اس حدیث کو امام ترمذی' امام حاکم اور امام نسائی کے حوالوں سے ذکر کیا اور اس میں بھی یا محمد کے الفاظ ہیں۔ (الاذکار ص ۱۶۷ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۷۵ ھ)

قاضی شوکانی ''حصن حصین'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی' امام حاکم نے ''مستدرک'' میں اور نسائی نے روایت کیا ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے' امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا: یہ حدیث صحیح ہے' امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا' سو ان ائمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' البتہ نسائی کی روایت میں یہ تفرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے: اس نے دو رکعت نماز پڑھی' اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے' اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقۃً دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۱۳۸۔ ۱۳۷' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ)

حضرت عثمان بن حنیف کی یہ حدیث جس کو بکثرت محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں صحت سند کی صراحت کے ساتھ روایت کیا ہے اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز اور مستحسن ہے اور چونکہ آپ کی ہدایات قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت ہیں' اس لیے آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور بالخصوص آپ کے وصال کے بعد آپ کے توسل سے دعا کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو اس کی قضاء حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم کی' اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔ یہاں تک جو ہم نے احادیث بیان کی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں آپ کے توسل پر دلیل ہے' اب ہم ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل پر دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار' جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا' ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ' ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی' اور ان سے کہو: تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے' تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے' پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس میں میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۱۲ ص ۳۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں (ایک بار) قحط

واقع ہوا' ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے' کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو' اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو' اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی' حضرت عمر نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲-۹۱ مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

حافظ ابوعمرو بن عبدالبر[1] اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹' مطبوعہ دارالکتاب العربیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر جا کر آپ سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا' ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے' کیونکہ وہ ہلاک ہو رہی ہے' پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ' الحدیث۔ سیف نے ''فتوح'' میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶-۴۹۵ مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سنداً صحیح قرار دیا ہے اور ان دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار در خور اعتناء ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے' اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے' ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی' اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی' حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو' پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو' پھر یہ کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی' نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا' پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں' وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل

[1] حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۴۶۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

کیا' پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا' دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا' حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا: تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا' حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا: تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا: جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا' پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی' حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی' لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا' آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو' پھر دو رکعت نماز پڑھو' پھر ان کلمات سے دعا کرو' حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا درآں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ نے "الترغیب والترہیب" (ج ۱ ص ۴۷۶۔ ۴۷۴' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ) میں اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۲۷۹' مطبوعہ بیروت) میں اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید' توثیق اور تصحیح

امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا: اس حدیث کو شعبہ نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے اور شعبہ سے اس حدیث کو صرف عثمان بن عمر نے روایت کیا ہے اور وہ اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے (یعنی اس کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ حدیث غریب ہے) اور حدیث صحیح ہے' شیخ ابن تیمیہ نے امام طبرانی پر اعتراض کیا کہ اس حدیث کو شعبہ سے روایت کرنے میں صرف عثمان بن عمر متفرد نہیں ہے بلکہ روح بن عبادہ نے بھی اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے امام طبرانی کی یہ روایت دو صحیح سندوں سے مروی ہے' شیخ ابن تیمیہ کی اصل عبارت یہ ہے:

امام طبرانی نے کہا: اس حدیث کو شعبہ نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے اور اس کا نام عمر بن ابی یزید ہے اور وہ ثقہ ہے' عثمان بن ابی عمر' شعبہ سے اس روایت میں متفرد ہے۔ ابو عبداللہ مقدسی نے کہا: اور حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی نے اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے عثمان بن ابی عمر کو متفرد کہا ہے' ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی عمر اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴' مطبوعہ دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت کو امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام احمد اور امام ابن سنی نے روایت کیا اور اس میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں وسیلہ کے ساتھ دعا کا ذکر نہیں ہے' اس کے برخلاف امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بھی حضور سے توسل کرنے کا ذکر کیا

ہے اس کی کیا وجہ ہے؟
اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث کو بعض ائمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض ائمہ تفصیل کے ساتھ روایت کرتے ہیں' اعتراض کا محل یہ تھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہ ہوتی یا ضعیف ہوتی اور جب شیخ ابن تیمیہ نے خود بیان کیا کہ طبرانی کی مفصل حدیث دو صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے تو پھر اعتراض کی کب گنجائش ہے؟
امام بیہقی نے پہلے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا (دلائل النبوۃ ج ٢ ص ١٦٧۔ ١٦٦) پھر اس حدیث کو روح بن قاسم عن ابی جعفر مدینی عن ابی امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے بعد مزید یہ کہا:
اس حدیث کو ہشام دستوائی نے از ابوجعفر از ابوامامہ بن سہل از عم خود روایت کیا ہے' ابوامامہ کے چچا حضرت عثمان بن حنیف ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ٦ ص ١٦٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)
امام بیہقی کی اس مفصل روایت کا اور اس دوسری سند کا شیخ ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے' لکھتے ہیں:
امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ قصہ کو روایت کیا ہے اور اس سے آپ کے وصال کے بعد آپ سے توسل پر استدلال کیا جاتا ہے' بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ١ ص ٢٦٨' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ تو کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس حدیث سے وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہے' لیکن انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس میں کوئی ضعف نہیں نکال سکے' علاوہ ازیں امام بیہقی کی روایت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی روایت کو امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا اور اس کا ایک متابع بھی بیان کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں' جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں' لہٰذا جب امام طبرانی کی روایت صحیح ہے اور اس روایت کی دوسری سند بھی صحیح ہے تو شیخ ابن تیمیہ کے اپنے اقرار کے مطابق وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا اور آپ کو یا محمد کے صیغہ سے ندا کرنا صحابہ کرام کے نزدیک جائز تھا' جبھی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین کی کہ اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔
شیخ ابن تیمیہ نے اس بحث میں جو آخری اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے:
حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:
حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میری بینائی چلی گئی ہے' آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجئے' آپ نے فرمایا: جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو' پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد! میں اپنے رب کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں' اے اللہ! میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی کی شفاعت قبول فرما' اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ١ ص ٢٧٥' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)
اس روایت پر شیخ ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

(١) "اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو اسی طرح کرو" یہ حضرت عثمان بن حنیف کے الفاظ ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔

(٢) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے' کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں' کیونکہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

(٣) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس طرح (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے) دعا کرنا جائز ہے' حالانکہ حدیث کے الفاظ اس کے خلاف ہیں' کیونکہ نابینا صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں گے اور آپ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما! اور اس طریقہ سے یہ دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کی دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے' اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے' اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا اور یا قیامت کے دن درست ہوگا جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ١ ص ٢٧٦۔ ٢٧٤' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف ہی کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز نا جائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خیثمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے' اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں' ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے؟

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ٢٠٧' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

اس حدیث کے پیش نظر جب آپ کا کوئی امتی آپ سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے' کیونکہ آپ نے خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید نہیں لگائی' اس لیے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے" کیونکہ حیات اور ممات

میں وسیلہ کے جواز اور عدم جواز کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہوسکتا تھا اور آپ کو ہر دو صورت میں علم حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام مسلمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور آپ کے افعال مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں' اگر آپ کا کوئی حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور بعد کے لوگوں کے لیے اس کا کرنا جائز ہو تو آپ پر لازم ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں کہ یہ حکم میری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک شش ماہہ بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا: تمہارے بعد کسی کے لیے یہ عمل جائز نہیں ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بدلہ میں اور قربانی کرو' انہوں نے کہا: میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فربہ ہے' آپ نے فرمایا: اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کردو' اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے شش ماہہ بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء اس لیے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں کے حق میں قیامت تک کے لیے حجت ہیں اگر آپ یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی سب کے لیے قیامت تک جائز ہوجاتی' شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں: وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا شرک کی طرف لے جاتا ہے:

ہر چند کہ انبیاء اور صالحین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور بے شک اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں' پھر بھی کسی شخص کے لیے ان سے دعا کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اور پہلے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کیا کیونکہ یہ شرک کا سبب ہے' اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کا ذریعہ ہے' اس کے برخلاف اگر ان کی زندگی میں ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۳۰ 'مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

شیخ ابن تیمیہ کا یہ قاعدہ باطل ہے کیونکہ وفات کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا صحابی سے فرمادیتے کہ اس طریقہ سے دعا کرنا صرف میری زندگی میں جائز ہے اور میرے وصال کے بعد اس طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ شرک کا سبب ہے' کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بیخ کنی کرنا تھا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی استثناء کے نابینا صحابی کو دعا کا یہ طریقہ تعلیم کیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اس طریقہ سے دعا کرنا جائز ہے' اور صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا' اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک شخص کو دعا کا یہ طریقہ بتلایا اور ہمارے لیے صحابی رسول کے طریقہ کی اتباع کرنا' شیخ ابن تیمیہ کے افکار کی اتباع کرنے سے بہتر ہے۔

توسل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی' جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں' یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا' اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندہ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم

کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما' کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت برلائے' سو مطلوب کو دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے' اور قادر' فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور اولیاء اللہ' اللہ تعالیٰ کے فعل' سطوت' قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور ان کو اب قبر میں افعال پر قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا' جب وہ زندہ تھے۔

اور امداد و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے یہ تھا کہ صالحین سے طلب دعاء اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے' اور اگر منکر یہ کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ سے معزول ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی وہ باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے؟

اور اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعا وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کے لیے ابتلا قیامت تک رہتا ہے' زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استمداد سودمند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ رہے تو وہ اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ کی جانب میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں' جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کو بوسہ دیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں' یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ناواقف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں' اور وہ خارج از بحث ہیں اور عارف بشریعت و عالم بہ احکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور مشائخ اور اہل کشف سے ارواح کاملہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کی کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے' حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۲-۴۰۱ مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

توسل بعد از وصال کے متعلق علامہ آلوسی کا نظریہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی عزت اور وجاہت کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے' اور آپ کی وجاہت سے یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مراد ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی آپ سے وہ کامل محبت جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو مسترد نہ کرے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے' اور جب کوئی شخص دعا میں کہتا ہے: اے اللہ! میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری حاجت کو پورا فرما' تو اس دعا کا یہ معنی ہے اے اللہ! میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے میں تیری محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور اس دعا میں اور تمہارے اس قول میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اے اللہ! میں تیری رحمت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرا یہ کام کر دے' بلکہ میں یہ کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اے اللہ! میں تجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے۔

وجاہت اور حرمت کے ساتھ سوال کرنے میں ایک جیسی بحث ہے' توسل اور ذات محض کی قسم دینے میں یہ بحث جاری نہیں ہوگی' ہاں وجاہت اور حرمت کے وسیلہ سے دعا کرنا کسی صحابی سے منقول نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صحابہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بدعقیدگی جگہ نہ پکڑے' کیونکہ ان کا زمانہ بتوں کے ساتھ توسل کرنے کے قریب تھا' اس کے بعد ائمہ طاہرین نے بھی صحابہ کی اقتداء میں وسیلہ کے ساتھ دعا نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی اس وقت کی عمارت کو منہدم کر کے بناء ابراہیم پر اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے' لیکن چونکہ آپ کی قوم تازہ تازہ کفر سے نکلی تھی' اس لیے آپ نے فتنہ پیدا ہونے کے خدشہ سے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے' میں نے وجاہت سے توسل اور قسم دینے کا جواز اور اس کی توجیہ اس لیے بیان کی' تاکہ عام مسلمانوں کو اس دعا میں حرج نہ ہو' کیونکہ بعض لوگ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرنے پر گمراہی کا حکم لگانے کا دعویٰ کرتے ہیں' اس تقریر سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس طرح وسیلہ سے دعا کرنا ان دعاؤں سے افضل ہے' جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور جن دعاؤں پر صحابہ کرام کار بند رہے اور اخیار تابعین نے جس طریقہ کو اپنایا' یقیناً دعا کا یہی طریقہ زیادہ اچھا' زیادہ جامع' زیادہ نفع آور اور زیادہ سلامتی والا ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ

شیخ وحید الزمان لکھتے ہیں:

جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا کی تھی' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں ہے' انہوں نے حضرت عباس کے وسیلہ سے اس لیے دعا کی تاکہ حضرت عباس کو لوگوں کے ساتھ دعا میں شریک کریں' اور انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں' اسی طرح شہداء اور صالحین بھی زندہ ہیں' ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعویٰ کیا' پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے' ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو آپ کے وسیلہ سے دعا تعلیم کی جو حضرت عثمان کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اس دعا میں یہ الفاظ تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے' کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب اور سنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری نے ''حصن حصین'' کے آداب دعا میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے' اور ایک اور حدیث میں ہے: یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' سید نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے' امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' ایک حدیث میں ہے: میں تیرے نبی محمد اور موسیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اس کو علامہ ابن اثیر نے 'نہایہ' میں اور علامہ طاہر پٹنی نے ''مجمع بحار الانوار'' میں ذکر کیا ہے' اور امام حاکم' امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم کی اس دعا کو روایت کیا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے بحق محمد سوال کرتا ہوں' اور ابن منذر نے روایت کیا ہے: اے اللہ! تیرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' علامہ سبکی نے کہا ہے کہ وسیلہ پیش کرنا' مدد طلب کرنا اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے' علامہ

قسطلانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ و زاری کرنے کا متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے انکار کیا' قاضی شوکانی نے کہا کہ انبیاء میں سے کسی نبی' اولیاء میں سے کسی ولی اور علماء میں سے کسی عالم کا بھی وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' جو شخص قبر پر جا کر زیارت کرے یا فقط اللہ سے دعا کرے اور اس میت کے وسیلہ سے دعا کرے کہ اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفاء دے اور میں اس نیک بندے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ قاضی شوکانی کا کلام ختم ہوا۔

(ہدیۃ المہدی ص ۴۹' مطبوعہ میور پریس' دہلی' ۱۳۲۵ھ)

توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ مبارکپوری ''الدر النضید'' سے قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

انبیاء اور صالحین کے توسل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الزمر: ۳) اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (جن: ۱۸) اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے' اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (الرعد: ۱۴) ان آیات سے استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ سورہ زمر کی آیت نمبر ۳ میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے' وہ اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے' اسی طرح سورہ جن کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے' مثلاً کوئی شخص کہے: میں اللہ اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں' اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرتا ہے' جیسا کہ ایک غار میں تین شخص تھے اور اس غار کے منہ پر ایک چٹان گر گئی تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی' اسی طرح سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۴ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے رب کو نہیں پکارتے تھے جو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے' وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا' اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست مدد طلب کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں' جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابوبکر دینوری معروف بابن السنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو' اے اللہ کے نیک بندو

اس کو روک لو' کیونکہ زمین میں اللہ عزوجل کے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

(عمل الیوم واللیلہ ص ۱۶۲' مطبوعہ مطبع مجلس الدائرۃ المعارف' حیدر آباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کراماً کاتبین کے سوا' اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں' جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ ص ۳۴' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کردے در آں حالیکہ وہ کسی اجنبی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو' کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ یہ امر مجرب ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے بعض راویوں کے ضعف کے باوجود ان کی توثیق کی گئی ہے' البتہ یزید بن علی نے حضرت عتبہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کراماً کاتبین کے سوا اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں' جب کسی ویران زمین پر کسی کو مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! روک لو' اے اللہ کے نیک بندو! روک لو' اے اللہ کے نیک بندو روک لو' کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے روکنے والے ہیں جو اس کو عنقریب روک لیں گے' اس کو امام ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: وہ اس کو تمہارے لیے روک لیں گے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

رجال غیب (ابدال) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ نووی' امام ابن السنی کی کتاب سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مجھ سے میرے بعض اساتذہ نے بیان کیا جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی' ان کو اس حدیث کا علم تھا' انہوں نے یہ کلمات کہے: (اے اللہ کے بندو! روک لو) اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک دیا۔ (علامہ نووی فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا' اس جماعت کی ایک سواری بھاگ گئی' وہ اس کو روکنے سے عاجز آ گئے' میں نے یہ کلمات کہے تو بغیر کسی اور سبب کے صرف ان کلمات کی وجہ سے وہ سواری اسی وقت رک گئی۔

(کتاب الاذکار ص ۲۰۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع رابع' ۱۳۷۵ھ)

ملا علی قاری نے بھی علامہ نووی کی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین علی ہامش الدر الغالی ص ۳۷۸' مطبوعہ المطبعۃ المنیریہ' مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

شیخ شوکانی نے بھی علامہ نووی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین ص ۱۵۵ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

ملاعلی قاری ''یا عباد اللہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اے اللہ کے بندو!'' اس سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مردان غیب مراد ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں (یعنی اولیاء اللہ)۔ (الحرز الثمین علی ہامش الدرر الغالی ص ۳۷۸ مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ)

شیخ محمد بن جزری نے ''حصن حصین'' میں اس حدیث کو طبرانی' ابویعلیٰ' ابن السنی' بزار اور ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے درج کیا ہے' ان تمام روایات کو درج کرنے کے بعد ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

بعض ثقہ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے مروی ہے کہ یہ امر مجرب ہے۔ (الحرز الثمین علی ہامش الدرر الغالی ص ۳۷۹ مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ)

شیخ شوکانی' حضرت ابن عباس کی روایت میں لکھتے ہیں:

مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں' اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں' جیسے فرشتے اور صالح جن' اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ جب سواری کھسک جائے یا بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۶۔۱۵۵ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عہد صحابہ میں ندائے یا محمداہ کا رواج

عہد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا کہ وہ شدائد اور ابتلاء کے وقت ''یا محمداہ'' کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتے تھے۔

جنگ یمامہ میں جب مسیلمہ کذاب اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی' اس کا نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد بن ولید نے (دشمن کو) للکارا اور للکارنے والوں کو دعوت (قتال) دی' پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق یا محمداہ کہہ کر نعرہ لگایا' پھر وہ جس شخص کو بھی للکارتے اس کو قتل کر دیتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۴۶ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

حافظ ابن کثیر بھی جنگ کے اس منظر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد نے مسلمانوں کے معمول کے مطابق نعرہ لگایا اور اس زمانہ میں ان کا معمول یا محمداہ کا نعرہ لگانا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن اثیر اور ابن کثیر نے یہ تصریح کی ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں شدائد اور ابتلاء کے وقت یا محمداہ کہنے کا معمول تھا' ندائے غائب کے منکرین کے ہاں حافظ ابن کثیر کی بہت پذیرائی ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ عہد صحابہ و تابعین میں یا محمداہ کہنے کا معمول تھا' ان کے خلاف قوی حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''المطالب العالیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر عیسیٰ میری قبر پر کھڑے ہو کر ''یا محمد'' کہیں تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (المطالب العالیہ ج ۴ ص ۳۴۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ندائے یا محمد اور توسل میں علماء دیو بند کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی ''یارسول اللہ انظر حالنا' یا نبی اللہ اسمع قالنا'' کے جواز یا عدم جواز کی بحث میں لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں' مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے' یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں' ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ' پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت مگر ہاں بہ وجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ابہام بھی ہے' لہٰذا نہ ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے اور نہ اس کے مولف پر طعن ہو سکتا ہے۔ (الی قولہ) مگر اسی طرح پڑھنا اور پڑھوانا کہ اندیشہ عوام کا ہو بندہ پسند نہیں کرتا گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا مگر خلاف مصلحت وقت کے جانتا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۸' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

گویا یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے علماء دیو بند کا منع کرنا ذاتی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔ شیخ گنگوہی سے سوال کیا گیا:

سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے: ''یارسول کبریا فریاد ہے' یا محمد مصطفےٰ فریاد ہے' مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفےٰ' میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے'' کیسے ہیں؟

جواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال سے جائز ہیں اور بعقیدہ عالم الغیب اور فریاد رس ہونے کے شرک ہیں اور مجامع میں منع ہیں کہ عوام کے عقائد کو فاسد کرتے ہیں' لہٰذا مکروہ ہوں گے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۹۵' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

عام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں سمجھتے' عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے آپ پر حقائق غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں جس طرح ہم کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے ہم پر عالم شہادت کے واقعات منکشف ہو جاتے ہیں' نہ ہم بذاتہ شہادت (عالم ظاہر) کے عالم ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ غیب کے عالم ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے عالم شہادت منکشف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل نے عالم غیب بھی منکشف کیا۔ یہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور شیخ گنگوہی کی تصریح کے مطابق یہ شرک اور معصیت نہیں ہے بلکہ جائز ہے' علماء اہل سنت اپنی تقاریر اور تصانیف میں عوام کو یہ فرق ہمیشہ سے ہر دور میں بتاتے رہتے ہیں اور عام مسلمان اس فرق کو جانتے ہیں' اس لیے عوام کے جلسوں میں بھی اس قسم کے اشعار پڑھنا جائز ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتا ہے اور اس کی عبادت بجالاتا ہے اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل سامع یا مستقل عالم گردانتا ہے' البتہ ذاتی ناپسندیدگی کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور اولیاء کی نسبت بھی یہ عقیدہ ایمان ہے کہ حق تعالیٰ جس وقت چاہے ان کو علم و تصرف دیوے اور عین حالت تصرف میں حق تعالیٰ ہی مصرف ہے' اولیاء ظاہر میں مصرف ہی معلوم ہوتے ہیں' عین حالت کرامت و تصرف میں حق تعالیٰ ہی ان کے واسطے سے کچھ کرتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۹' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

شیخ محمود الحسن "ایاک نستعین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔
(حاشیۃ القرآن الحکیم ص ۲ 'مطبوعہ تاج کمپنی' کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے' کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں۔ (معارف القرآن 'مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۳۹۷ھ)

شیخ رشید احمد گنگوہی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ دعا میں بحق رسول و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں' بعض فقہاء ومحدثین منع کرتے ہیں' اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں' سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے' لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہو جاوے فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۴ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

یہاں ہم صرف "المہند" کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے' ان کی حیات میں یا بعد وفات کے بایں طور کہے کہ یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں' اسی جیسے اور کلمات کہے' چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم المکی نے' پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۹۳ پر مذکور ہے' جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (انتہی المہند ص ۱۲' ۱۳) (تسکین الصدور ص ۳۱۳ 'مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم' گوجرانوالہ)

شیخ اشرف علی تھانوی' امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(ف) اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایۃ کے درایۃً بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے' وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۵۳ 'مطبوعہ تاج کمپنی' کراچی)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کے لیے درخواست کی تھی اس کے متعلق شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیر' حافظ ابن حجر اور علامہ سمہودی وغیرہ اس روایت کو صحیح کہتے ہیں' امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۷ھ اور ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے' (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱) اور مورخ عبدالرحمان بن محمد بن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے۔

(ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے تقریباً سات آٹھ سال بعد پیش آیا' اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرام موجود تھے۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے' بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی (المتوفی ۶۷ ھ) رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت شرک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر کی تائید و تصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو ''علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث'' کے تحت سنیت کا ہو گا ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو گا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۲۔ ۳۴۹ ملخصاً' مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

نیز شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دعا کا تذکرہ ہے' چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے عتبی سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے' جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں بیان کیا ہے کہ عتبی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا' کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے ''اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے'' اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے درد دل سے چند اشعار پڑھے اور جذبہ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا گیا' اور اسی واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عتبی! جا کر اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) یہ واقعہ امام نووی نے ''کتاب الاذکار'' ص ۱۸۵' طبع مصر میں اور علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ نے اپنی تفسیر ''مدارک'' ج ۱ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکی نے ''شفاء السقام'' ص ۴۶ میں اور شیخ عبدالحق نے ''جذب القلوب'' ص ۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبدالعلی نے ''رسائل الارکان'' ص ۳۸۰ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے' اور علامہ علی بن عبدالکافی السبکی اور علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ

عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے' اسی طرح دیگر متعدد علماء نے قدیماً و حدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (النساء: ۶۴) اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں' پھر دو شعر پڑھے' اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے' الخ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی نے اس وقت نکیر منقول نہیں بس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴)

اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: ''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں' اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت

میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں' اھ (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے' بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(تسکین الصدور ص ۳۶۵۔۳۶۴ ملخصاً مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ' شیخ ابن قیم اور شیخ ابن الہادی وغیرہم کی ایک یہ دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام' ائمہ دین اور سلف صالحین سے ایسی کارروائی ثابت نہیں' اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے' اس کے جواب میں شیخ محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرانا اور طلب دعا' نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ' تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کارروائی کے نہ کرنے پر وہ ملامت کیے جاتے' اس کارروائی کے مقر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلال بن الحارث کا یہ فعل جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابن عمر صحابی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانئے کہ بلال بن الحارث اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہ ہی ہیں' اگرچہ حافظ ابن تیمیہ یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے۔ (ملخصاً قاعدہ جلیلہ ص ۷۲)

(تسکین الصدور ص ۳۵۴ ملخصاً مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اکابر اور اصاغر علماء دیوبند کے نزدیک یارسول اللہ کہنا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقربین کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے' بلکہ سنت اور مستحب ہے اور ہم بھی اس سے زیادہ نہیں کہتے۔

ندائے غیر اللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کے متعلق جو ہم نے احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات نقل کی ہیں اس سے ہمارا صرف یہ منشاء ہے کہ عام مسلمان جو شدائد اور ابتلاء میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارتے ہیں' ان کا یہ پکارنا شرک نہیں ہے اور اس نداء کو شرک کہنا شدید ظلم اور زیادتی ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہر حال اللہ کی مخلوق اور اس کا مقرب بندہ گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہر فعل اور ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن' اس کی مشیت اور اس کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہوں یا عام انسان' اس کائنات میں جس سے بھی جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے' اور اس اعتقاد کے ساتھ ندائے غیر اللہ کو علماء دیوبند بھی جائز کہتے ہیں' جیسا کہ شیخ گنگوہی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ کرنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل' احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے' امام

ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں' تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا' تم اللہ کو یاد رکھو' تم اللہ کو سامنے پاؤ گے' جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہارے لیے لکھ دیا ہے' اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے' قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ٣٦١' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ابو یعلی[1]' امام ابن سنی[2] اور امام ابن عبد البر[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم اور تلقین کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اسی سے مدد چاہیں' اور دعا میں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگیں' زیادہ محفوظ اور زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں' تاکہ دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سایہ فگن رہے' اگر کسی خاص حاجت میں دعا مانگنی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگنی چاہیے۔

ہمارے فاضل معاصر علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری ثم نقشبندی لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا' مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے' کیونکہ حقیقت' حقیقت ہے اور مجاز' مجاز ہے' یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے' اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی۔

(ندائے یا رسول اللہ ص ١٢' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا' لاہور' ١٤٠٥ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ نداء غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہر چند کہ جائز ہے' لیکن افضل' اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور کا تقاضا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد' نداء اور توسل کے متعلق میں نے بہت طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں جانبین سے غلو کیا جاتا ہے' شیخ ابن تیمیہ' ابن القیم اور ابن الہادی کے پیروکار اور علماء نجد' غیر اللہ سے استمداد اور وصال کے بعد ان کے توسل سے دعا مانگنے کو ناجائز اور شرک کہتے ہیں اور بعض غالی اور ان پڑھ عوام اللہ سے دعا مانگنے کے بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں' انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں' سو میں نے چاہا کہ قرآن مجید' احادیث صحیحہ' آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں حق کو واضح کروں' تاکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو مشرک کہا جائے نہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور استعانت کا رابطہ منقطع کیا جائے اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام کی تعظیم و تکریم میں کوئی

---

١ امام ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی ٣٠٧ھ' مسند ابو یعلی موصلی ج ٣ ص ٨٥ - ٨٢' مطبوعہ موسسۃ علوم القرآن' بیروت

٢ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن سنی متوفی ٣٦٤ھ' عمل الیوم واللیلۃ ص ١٣٦

٣ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ' تمہید ج ٤ ص ١١١' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ' لاہور' ١٤٠٤ھ

کمی کی جائے۔

الٰہ العٰلمین! ان سطور میں اثر آفرینی پیدا فرما' اور جانبین سے غلو کرنے والوں کو اعتدال کی راہ اور صراط مستقیم پر گامزن فرما' مجھے اس کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما' اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما' اس کتاب کو میری بخشش کا ذریعہ بنا دے اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین الطاہرین و اصحابہ الکاملین الراشدین و ازواجہ امہات المومنین و اولیاء امتہ الواصلین و علماء ملتہ الراسخین و الائمۃ و المجتہدین المحدثین و المفسرین و سائر المسلمین اجمعین الی یوم الدین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم کو سیدھے راستہ پر چلاO (الفاتحہ: ۵)

ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام

''اھد'' کا لفظ ''ھدایۃ'' سے مشتق ہے' علامہ راغب اصفہانی ''ھدایۃ'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو چیز مطلوب تک پہنچا دے اس کی طرف ملائمت اور نرمی سے رہنمائی کرنا ہدایت ہے' فلاں شخص کو ہدایت دی یعنی اس کی رہنمائی کی' اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی ہدایت دی ہے۔

(۱) عقل اور شعور کی ہدایت اور بدیہیات کا علم ہر شخص کو عطا فرمایا ہے:

اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی O (طٰہٰ: ۵۰) جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) بناوٹ عطا فرمائی پھر ہدایت دیO

(۲) انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا. (الانبیاء: ۷۳) اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا' وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔

(۳) توفیق الٰہی جو ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے:

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ O (محمد: ۱۷) اور جن لوگوں کو ہدایت کی توفیق مل گئی (یعنی جنہوں نے ہدایت قبول کی) اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایاO

(۴) آخرت میں جنت کی طرف پہنچانا:

قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا. (الاعراف: ۴۳) جنتی کہیں گے: اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا۔

یہ چاروں ہدایتیں ترتیب وار ہیں کیونکہ جس چیز کو ہدایت کی پہلی قسم (عقل و شعور) حاصل نہیں ہے اس کو باقی اقسام بھی حاصل نہیں ہوں گی بلکہ وہ مکلف بھی نہیں ہے' جیسے حیوانات' اور جس کو دوسری قسم کی ہدایت حاصل نہیں ہوئی اس کو باقی دو قسمیں بھی حاصل نہیں ہوں گی' (اس میں اشکال ہے) اور جس کو تیسری قسم حاصل نہیں ہوئی جیسے کفار اس کو چوتھی قسم حاصل نہیں ہوگی اور جس کو چوتھی قسم حاصل ہوگی اس کو پہلی تین قسمیں حاصل ہو چکی ہوں گی۔

(المفردات ص ۵۳۹ ـ ۵۳۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران ۱۳۴۲ھ)

ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل

اس تفصیل میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت کی پہلی قسم وجدان ہے جو انسان کو مبدء ولادت میں عطا کیا جاتا ہے‘ جب اس کو بھوک اور پیاس کا ادراک ہوتا ہے‘ جب وہ غذا کی طلب کے لیے روتا اور چلاتا ہے‘ اور دوسری قسم حواس کی ہدایت ہے اور یہ قسمیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں‘ اور تیسری قسم عقل کی ہدایت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے‘ عقل کی ہدایت سے انسان حواس کی اصلاح کرتا ہے مثلاً صفراوی مزاج والا میٹھی چیزوں کو کڑوا محسوس کرتا ہے تو عقل ہدایت دیتی ہے کہ یہ میٹھی چیز ہے‘ ہدایت کی چوتھی قسم دین اور شریعت کی ہدایت ہے‘ اور ہدایت کی پانچویں قسم توفیق ہے۔

وجدان‘ حواس اور عقل کی ہدایت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰۔۸) کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں ○ زبان اور ہونٹ نہیں بنائے ○ اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی) دونوں واضح راستے دکھا دیئے ○

اور دین اور شریعت کی ہدایت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى . (حم السجدۃ: ۱۷) اور رہے ثمود کے لوگ تو ہم نے ان کو ہدایت دی سو انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کرلیا۔

اور ہدایت کی توفیق کے متعلق فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (الفاتحہ: ۵) ہم کو سیدھے راستے پر چلا ○

اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار‘ اس کی رضا اور جنت الفردوس کی ہدایت ہے‘ اس ہدایت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو وجدان‘ عقل اور شعور (حواس سے ادراک) کی ہدایت عطا فرمائی‘ پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے واسطے سے ہم کو دین اور شریعت کی ہدایت میسر کی‘ اب ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو دین اور شریعت پر چلا اور اس کی توفیق مرحمت فرما تاکہ ہم کو جنت کی ہدایت حاصل ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا فرق

ہدایت کا ایک معنی ”ایصال الی المطلوب الخیر“ (نیک مطلوب تک پہنچانا) ہے اور دوسرا معنی ”ارشاد“ اور ”اراءۃ الطریق“ (راستہ دکھانا) ہے‘ مطلوب خیر تک پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے‘ اس کو ہدایت یافتہ بنانا اور باطن میں ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور ”راستہ دکھانا“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے‘ اس کو ہدایت نافذ کرنے اور ظاہراً ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد راستہ دکھانا ہے اور جہاں آپ سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی اس سے مراد ہدایت یافتہ بنانا ہے‘ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (القصص: ۵۶) بے شک آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کو آپ چاہیں‘ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ (البقرہ: ۲۷۲) انہیں ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

ہدایت یافتہ بنانا‘ مطلوب خیر تک پہنچانا اور باطن میں ہدایت دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے‘ آپ کا منصب اللہ کی ہدایت

کو نافذ کرنا' ظاہر اُہدایت دینا اور راستہ دکھانا ہے اسی اعتبار سے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ　　اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم دکھاتے ہیں O

(الشوریٰ: ۵۲)

صراط مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں' یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوات اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا' جس دین سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنی ہے' اور اس کا عام معنی یہ ہے:

تمام اخلاق' اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنی یہ ہے:

کفر' فسق' جہل' بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم' عمل' خلق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا پل۔

اس معنی میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہوتا ہے' پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے' مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھابھی میں پردہ نہیں ہوتا' حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے' سرکاری ملازمتیں رشوت' سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں' یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناممکن ہے' دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دیئے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے' نجی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے' استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے' سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے بغیر منظور نہیں ہو سکتا' پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا' غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے' ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب ''اھدنا الصراط المستقیم'' کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ ہمیں ''سیر الی اللّٰہ'' کے بعد ''سیر فی اللّٰہ'' عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے اور جب عوام ''اھدنا الصراط المستقیم'' کہتے ہیں تو اس کا معنی ہے: اے اللہ ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

کیا نمازی کا صراط مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے؟

اس جگہ ایک مشہور سوال یہ ہے کہ جب نمازی نماز میں کہتا ہے: ''اھدنا الصراط المستقیم'' سو وہ تو خود صراط مستقیم

کی ہدایت پر ہے اگر صراط مستقیم پر نہ ہوتا تو نماز کیسے پڑھتا' لہٰذا یہ تحصیل حاصل ہے۔ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) اس دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم اور ثابت رکھ اور اس میں دوام عطا فرما۔ یہ معنی عوام مسلمین کے اعتبار سے ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا.

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ (آل عمران: ۸)

اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکثر ان یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ کہتے تھے: اے دلوں کے پلٹنے والے! میرے دل کو بھی اپنے دین پر قائم اور ثابت رکھ۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی معرفت کے درجات غیر متناہی ہیں اور نمازی معرفت کے جس درجہ میں ہے وہ اس سے اگلے مقام کی معرفت کی دعا کرتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ میری ہدایت میں ترقی عطا فرما۔ یہ خواص مسلمین کے اعتبار سے ہے' اور اس کی تائید ان آیات میں ہے:

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ط (مریم: ۷۶)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ زیادتی فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ نے زیادہ کیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔ (محمد: ۱۷)

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ (الضحیٰ: ۴)

اور بے شک آپ کی ہر بعد کی گھڑی' پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔

جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں جمع کے صیغہ سے دعا کی تعلیم ہے'' ہم کو سیدھے راستہ پر چلا'' واحد کا صیغہ کیوں نہیں ہے؟ '' مجھ کو سیدھے راستہ پر چلا'' اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے گا تو ان میں کچھ اللہ کے مقرب اور مقبول بندے بھی ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائے گا اور یہ اس کے کرم عمیم سے بعید ہے کہ وہ بعض کے حق میں دعا قبول کرے اور باقی بعض کے حق میں دعا کو مسترد کر دے۔

ان آیات میں ربط اس طرح ہے کہ جب بندوں نے کہا: اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری مہمات یا عبادات میں' میں تمہاری کیسے مدد کروں؟ پس بندوں نے کہا: ہمیں دین اسلام پر چلا اور چونکہ دین اسلام پر چلانا اللہ کی خاص نعمت ہے اس لیے فرمایا:

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ○ (الفاتحہ: ۷)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے وہ گزشتہ امتوں میں سے انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔ امام ابن جریر

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت اور عبادت کا انعام کیا ہے جو ملائکہ' انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں' جنہوں نے تیری اطاعت اور عبادت کی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۵۹۔۵۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

انعام یافتہ لوگوں کا بیان

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (النساء: ۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ (مریم: ۵۸)

جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا وہ اولاد آدم میں سے انبیاء ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا' اور ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے اور ان میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ان کو منتخب کر لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیںO

انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان

ان انعام یافتہ نفوس قدسیہ کے راستہ پر چلنے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکلیہ اطاعت الٰہی اور اس کی قضاء پر راضی ہونے میں جذب کر لے اور ایسا ہو جائے کہ اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے تو اس کی اس طرح اطاعت کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی' اور اگر خود اس کو ذبح ہونے کا حکم دیا جائے تو اپنے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح کے لیے تیار پائے' اور اگر کسی بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کو کسی سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب علم کے لیے روانہ ہو جائے' اور اپنی بڑائی کو عار نہ بنائے اور اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اس راہ میں اس کو آرے سے چیر دیا جائے تو حضرت یحییٰ اور زکریا کی طرح قتل ہو جائے اور اف نہ کرے' سخت موذی بیماریوں میں مبتلا کیا جائے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے' اگر قاضی اور حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے سامنے جھکنے میں عار محسوس نہ کرے اور اگر اس کے بیٹے کا کیا ہوا فیصلہ اس کے کیے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں صحیح ہو تو قبول حق کے راستہ میں انانیت کو نہ آنے دے' جیسے حضرت داؤد نے اپنے کیے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو راجح قرار دیا تھا' اور سلطنت اور شاہی ملے تو حکومت کے رعب اور دبدبہ میں اللہ کی یاد' عبادت و ریاضت اور شب بیداری کو نہ بھولے' جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظیم الشان حکومت ملنے کے باوجود اطاعت الٰہی سے غافل نہ تھے اور رکوع اور سجدوں میں راتیں گزارتے تھے اور اگر قضاء الٰہی سے کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اپنے قصور نفس کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کرتے رہے' اگر نوجوان' حسین و جمیل اور پیارا بیٹا گم ہو جائے تو حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور حضرت یعقوب کی طرح صبر جمیل کرے' اور

اگر کوئی بااختیار و اقتدار حسین و جمیل عورت کسی جوان مرد کو گناہ کی دعوت دے تو قید خانے میں جانا منظور کر لے اور گناہ سے دامن بچائے رکھے اور جب قید خانہ میں جائے تو وہاں بھی دعوت و ارشاد کو نہ بھولے اور وہاں کے قیدیوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت دے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ اور نمونہ ہے اور ان کا راستہ ہے۔

یہ سابق انعام یافتہ لوگوں کی سیرتوں کا اجمالی بیان ہے اور سب سے زیادہ انعام حضرت سید المرسلین و سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا ہے اور ان کی سیرت تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع' کامل اتم اور اکمل ہے اور یہ سارا قرآن انہی کی سیرت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل آپ کی احادیث اور سنت میں ہے' اس لیے قرآن اور سنت ہی دراصل صراط مستقیم ہے' اس لیے جو شخص انعام یافتہ نفوس قدسیہ کی صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہو وہ قرآن اور سنت کو دانتوں سے پکڑ لے اور ان پر پورا پورا عمل کرے۔

''مغضوب'' کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: غضب کا معنی ہے: انتقام کے ارادے سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غضب سے بچو کیونکہ یہ ایک انگارہ ہے جو بنو آدم کے دلوں میں دہکتا ہے کیا تم غضبناک شخص کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں اور اس کی سرخ آنکھوں کو نہیں دیکھتے' اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے صرف انتقام مراد ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ. (النساء: ۹۳) اور اللہ (مومن کے قاتل سے) انتقام لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے دور کرے گا۔

''المغضوب علیھم'' کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں۔

(المفردات ص ۳۶۱' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

''المغضوب علیھم'' کی ماثور تفسیر

امام ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عدی بن حاتم' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ''المغضوب علیھم'' سے مراد یہود ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۶۲۔۶۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

مغضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ''المغضوب علیھم'' کے ترجمہ میں لکھا ہے ''اور جو معتوب نہیں ہوئے''۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۵' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک معاصر نے ''غیر المغضوب علیھم'' کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ''جو معتوب نہیں ہوئے'' یہاں ''مغضوب'' کا ترجمہ ''معتوب'' صحیح نہیں' عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا' بلکہ ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غضب سے عتاب مراد لینا مراد الٰہی کے قطعاً خلاف ہے' اس لیے کہ اللہ کا غضب انہی لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ارادۂ انتقام متعلق فرمایا۔ رہا ''عتاب'' تو فی الجملہ وہ رسولوں کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں

ہے۔ ''عتب اللہ علیہ'' ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا۔'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳' صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹) بلکہ سورہ ''عبس وتولی'' کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی آمد پر فرمایا: ''مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی'' جس کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوا اس کو خوش آمدید (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۷۰' روح المعانی ج ۳۰ ص ۳۹' ابن جریر ج ۳۰۔ ۲۹۔ ۲۸' ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۱۱) جس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی عتاب متوجہ ہوا۔ اگر ''مغضوب'' کا ترجمہ ''معتوب'' صحیح مان لیا جائے تو معاذ اللہ حبیب وکلیم علیہما الصلوٰۃ والتسلیم بھی ''مغضوب علیہم'' میں شامل ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ غضب جو اللہ کی صفت ہے اس کی بنیاد صرف عقوبت اور ارادۂ انتقام ہے' اور اس عتاب کا مبنیٰ مودت ومحبت ہے۔ اہل لغت نے عتاب کے معنے ''مخاطبۃ الادلال'' لکھے ہیں یعنی محبوب کی لاپرواہی یا بے توجہی پر محبت بھری خفگی کا اظہار۔ صاحب ''لسان العرب'' اور ''صاحب تاج العروس'' نے اس معنی پر بطور شاہد یہ شعر نقل کئے:

اعاتب ذا المودۃ من صدیق اذا ما رابنی منہ اجتناب

اذا ذھب العتاب فلیس ود ویبقی الود ما بقی العتاب

(لسان العرب ج ۱ ص ۵۷۷' تاج العروس ج ۱ ص ۳۶۵)

''محبت والے دوست کے ساتھ میں عتاب سے پیش آتا ہوں' جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو' جب عتاب گیا تو محبت بھی نہ رہی کہ محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب باقی رہے'' یعنی عتاب سے پیش آنا محبت کی نشانی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اردو لغت کی کتابوں میں ''غضب'' کے معنی عتاب اور ''عتاب'' کے معنی غضب اور ''مغضوب'' کے معنی ''زیر عتاب'' لکھے ہیں تو عرض کروں گا کہ ہر زبان کے علماء لغت کی طرح اُردو لغت والوں نے بھی اپنی اُردو زبان کے استعمالات و محاورات کو اُردو لغت کی کتابوں میں جمع کر دیا' مگر قرآن مجید ''اردو'' میں نہیں بلکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ہر زبان کے محاورات واستعمالات اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں' اس لئے اردو استعمالات پر عربی استعمالات کا قیاس درست نہیں' بالخصوص قرآنی استعمالات میں غضب اللہ سے عتاب مراد لینا یا مغضوب کا ترجمہ معتوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

(التبیان ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۲ مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز' ملتان' ۱۹۹۳ء)

''ضالین'' کے معانی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ضلال کے معنی ہیں: طریق مستقیم سے عدول اور اعراض کرنا' اس کی ضد ہدایت ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ (بنی اسرائیل: ۱۵)

جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑا۔

صحیح راستہ سے ہر انحراف کو ضلال کہتے ہیں خواہ وہ انحراف عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ' کیونکہ جو صحیح راستہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس پر چلنا بہت دشوار ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مستقیم رہو اور تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کرسکو گے' بعض حکماء نے کہا: ہمارے صحت اور صواب پر ہونے کی ایک وجہ ہے اور ہمارے ضلال پر ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں' بعض صالحین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا: آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ھود اور اس کی نظائر نے بوڑھا کر دیا! ان میں سے کس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا' فرمایا: ''فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ'' جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس طرح

مستقیم رہو۔" (ھود: ١١٢) اور جب کہ ضلال کا معنی ہے: طریق مستقیم کو ترک کرنا' خواہ یہ ترک کرنا عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ تو ضلال کا استعمال متعدد وجوہ سے ہوتا ہے' یہ لفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور کفار کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اگرچہ دونوں کی ضلالت میں بہت زیادہ فرق ہے' حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے بیٹوں نے کہا:

قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِيۡمِ۝ — وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً آپ اسی اپنی پرانی محبت میں ہیں۝ (یوسف: ٩٥)

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب کو شدید محبت تھی اور یوسف کے بھائیوں کے خیال میں یہ بے جا محبت تھی' اس لیے انہوں نے اس محبت کو ضلال کے ساتھ تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بالکل وارفتہ ہو گئے تھے تو آپ کو امت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۝ (الضحیٰ: ٧) — اور آپ کو (اپنی محبت میں) وارفتہ پایا تو (امت کی طرف) راہ دی۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ۝ — موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا جب میں بے خبروں میں سے تھا۝ (الشعراء: ٢٠)

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کا قتل سہواً ہوا تھا۔ ضلال نسیان کے معنی میں بھی مستعمل ہے:

اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰهُمَا الۡاُخۡرٰى‌ؕ — کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو ان میں سے دوسری اس کو یاد دلائے۔ (البقرہ: ٢٨٢)

علم اور عمل کے اعتبار سے ضلال کے دو اور معنی ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی وحدانیت اور نبوت اور رسالت میں کوئی شخص صحیح راہ سے بھٹک جائے' اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا۝ (النساء: ١٣٦) — جو شخص اللہ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور روز قیامت کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ گمراہ ہو گیا (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑا۝

دوسرا معنی ہے: عبادات اور احکام شرعیہ میں صحیح راہ سے بھٹک جانا' اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا۝ (النساء: ١٦٧) — بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا یقیناً وہ گمراہ ہو گئے (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑے۝

ضلال غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ‌ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ وَلَا يَنۡسَى۝ (طٰہٰ: ٥٢) — (موسیٰ نے کہا: پچھلی قوموں کا) علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۝

زیر بحث آیت میں ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (المفردات ص ٢٩٨۔ ٢٩٧' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ضالین کی منقول تفسیر

امام ابن جریر لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور کئی اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الضالین'' سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۶۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ہر وہ شخص جو سیدھے راستہ سے انحراف کرے اس کو عرب ضال کہتے ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو ضالین فرمایا' کیونکہ انہوں نے سیدھے راستہ سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہود نے بھی تو طریق مستقیم سے انحراف کر کے غیر طریق مستقیم اختیار کر لیا' پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو مغضوب کی صفت کے ساتھ مخصوص کیا اور نصاریٰ کو ضالین کی صفت کے ساتھ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ہی ضالین ہیں لیکن نصاریٰ نبی کی محبت میں گمراہ ہوئے اور نبی کو خدا کا بیٹا کہا' اور یہود نبی سے بغض میں گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے کئی نبیوں کو قتل کر ڈالا' اس لیے یہود پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہے اور ان کو مغضوب فرمایا۔

جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟

ضالین کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بالکل معرفت حاصل نہیں ہوئی' یا ان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوئی' اول الذکر وہ لوگ ہیں جن کو نبوت کا پیغام نہیں پہنچا' اور ثانی الذکر وہ لوگ ہیں جن کو پیغام نبوت پہنچا لیکن ان پر حق اور باطل اور صواب اور خطا میں اشتباہ ہو گیا' اور جن لوگوں کے زمانہ میں نبی مبعوث نہیں ہوا' وہ اصحاب فترت ہیں' وہ کسی شریعت کے مکلف ہیں نہ آخرت میں ان کو عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ اور جب تک رسول کو نہ بھیج دیں ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں ○

(بنی اسرائیل: ۱۵)

جمہور کی رائے یہی ہے' لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مکلف ہونے کے لیے صرف عقل کافی ہے' سو جس شخص کو عقل دی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں غور و فکر کرے اور ان کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور جس طرح اس کی عقل ہدایت دے اس کے مطابق خالق کی تعظیم اور عبادت کرے اور نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے۔

علامہ محب اللہ بہاری لکھتے ہیں:

جو شخص دور دراز کے پہاڑوں میں بلوغت کی عمر پا لے اور اس کو پیغام نہ پہنچے اور وہ عقائد صحیحہ کا معتقد نہ ہو اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کرے تو معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا' کیونکہ جن امور کا عقل ادراک کر سکتی ہے اس نے ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا' اور اشاعرہ اور جمہور احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا' کیونکہ انسان احکام کا مکلف شریعت سے ہوتا ہے اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ اس کو شریعت کی دعوت نہیں پہنچی۔

(مسلم الثبوت مع شرحہ للخیر آبادی ص ۶۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

آمین کا معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

یہ وہ کلمہ ہے جو دعا کے بعد کہا جاتا ہے' یہ اسم اور فعل سے مرکب ہے اور اس کا معنی ہے: ''اللھم استجب لی۔ اے

اللہ! میری دعا کو قبول فرما'' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حامیوں کے لیے دعاء ضرر کی اور فرمایا:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ. اے ہمارے رب! ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے (یونس: ٨٨) اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: آمین۔

ایک قول یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے: اسی طرح ہوگا۔ زجاج نے کہا ہے: اس میں دو لغتیں ہیں: امین اور آمین۔ ابوالعباس نے کہا ہے کہ آمین عاصبین کی طرح جمع کا صیغہ ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حسن سے منقول ہے کہ آمین اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' مجاہد نے بھی کہا ہے کہ یہ اللہ کا ایک اسم ہے' اور یہ یا اللہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ''استجب'' مقدر ہے' ازہری نے کہا: یہ قول صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آمین رب العالمین کی اپنے بندوں پر مہر ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آفات اور بلیات کو آمین سے دور کر دیتا ہے جیسے جب کسی لفافے پر مہر لگا دی جائے تو اس مہر کی وجہ سے اس میں فاسد اور ناپسندیدہ چیز داخل نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ امین جنت میں ایک درجہ ہے' ابوبکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ آمین کہنے والے کو جنت میں ایک درجہ ملے گا۔ (لسان العرب ج ١٣ ص ٢٧۔ ٢٦' مطبوعہ نشر ادب الحوذہ' قم' ایران' ١٤٠٥ھ)

نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس الرملی الشافعی لکھتے ہیں:

سورۂ فاتحہ یا اس کے قائم مقام کسی دعا کے بعد کچھ وقفہ سے آمین کہنا سنت ہے' خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں' لیکن نماز میں یہ بہت زیادہ مستحب ہے' کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز کے ساتھ آمین کہتے اور الف کو کھینچ کر (دراز کر کے) آمین کہتے۔

(نہایۃ المحتاج ج ١ ص ٤٨٩۔ ٤٨٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٤ھ)

علامہ محمد بن عبد اللہ خرشی مالکی لکھتے ہیں:

''ولا الضالین'' کے بعد آہستہ آواز کے ساتھ آمین کہنا مستحب ہے' سری نماز میں صرف امام آمین کہے اور جہری نماز میں امام اور مقتدی دونوں پست آواز کے ساتھ آمین کہیں کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ پست آواز کے ساتھ کی جائے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ١ ص ٢٨٢' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی جہراً آمین کہیں اور سری نمازوں میں دونوں سراً آمین کہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آمین آہستہ کہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند آمین کہی اور آپ نے امام کے آمین کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا' اگر امام نے بلند آواز سے آمین نہ کہی تو امام کی آمین پر مقتدی کی آمین نہیں ہوسکے گی۔ (المغنی ج ١ ص ٢٩٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں خواہ سراً ہو یا جہراً' اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جب امام آمین کہے تو آمین کہو' یہ

پست آواز سے آمین کہنے کے منافی نہیں ہے' کیونکہ یہ معلوم اور متعین ہے کہ" ولا الضالین " کے بعد آمین کہی جاتی ہے' اس لیے مقتدی کا آمین کہنا امام سے سننے پر موقوف نہیں ہے' کیونکہ سورہ فاتحہ کے اخیر میں آمین کہی جاتی ہے' حدیث میں ہے: جب امام" ولا الضالین " کہے تو آمین کہو۔ (در مختار مع حاشیہ الطحطاوی' ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۱۹' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت)

آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے تو آسمان میں فرشتے (بھی) آمین کہتے ہیں' پس جب ایک فریق کی آمین دوسرے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶)' امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵)' امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۷)' امام مالک (موطا امام مالک ص ۶۹)' اور امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۹)' نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے' جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو اس کے پاس کھڑا ہوا ایک فرشتہ آمین کہتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے لیے بھی وہی دعا کرتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۵' ج ۶ ص ۴۵۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ تم سے آمین پر حسد کرتے ہیں سو تم بہ کثرت آمین کہا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

آمین بالجہر کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ولا الضالین " پڑھتے تو بہ آواز بلند فرماتے: آمین۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵۔۱۳۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام ترمذی نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس میں " رفع بها صوته " کی بجائے " مد بها صوته " (آمین کو مد کے ساتھ پڑھا) ہے۔ (جامع ترمذی ص ۶۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے بہ آواز بلند آمین کہی۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۶ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی' آپ

نے اللہ اکبر کہہ کر کانوں کے بالمقابل رفع یدین کیا' پھر آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے فارغ ہو کر بہ آواز بلند آمین کہی۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ''ولا الضالین'' پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے جس کو صف اول والے سنتے تھے' پھر آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ آمین سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ تمام احادیث ابتداء امر اور تعلیم پر محمول ہیں۔

آمین بالسر کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قرآن پڑھنے والا ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' کہے اور اس کے پیچھے (نمازی) آمین کہے اور اس کا قول آسمان والوں کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ فرشتوں کی موافقت جہر سے نہیں اخفاء سے حاصل ہوگی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' پڑھا پھر کہا: آمین اور پست آواز سے کہا۔ (جامع ترمذی ص ۴۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حافظ زیلعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد' امام ابوداؤد طیالسی اور امام ابویعلیٰ موصلی نے اپنی مسانید میں' امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ مجلس علمی' سورت ہند' ۱۳۵۷ھ)

امام بغوی روایت کرتے ہیں:

شعبہ نے سلمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو آہستہ کہا۔

(شرح السنۃ ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

ہر چند کہ امام بغوی نے اس کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے جس میں ''مدبھا صوتہ'' ہے ''آمین کو کھینچ کر پڑھا'' لیکن مد کے ساتھ پڑھنا آہستہ پڑھنے کے خلاف نہیں ہے' نیز شعبہ کی روایت کو بھی انہوں نے صحیح کہا ہے ضعیف نہیں قرار دیا۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (نماز میں) ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' اور آمین کو بلند آواز کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۷ ص ۲۶۷ مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

''آمین'' قرآن مجید کا جز نہیں ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے' اسی وجہ سے سورہ فاتحہ اور آمین کے درمیان تھوڑا سا وقفہ کیا جاتا ہے' مجاہد سے یہ منقول ہے کہ آمین سورت کا جز ہے لیکن یہ قطعاً باطل قول ہے' مصحف عثمان اور دیگر مصاحف میں آمین کو نہیں لکھا جاتا' اور متعدد علماء نے یہ کہا کہ آمین کو قرآن کا جز ماننا کفر ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اس سورت کا نماز میں پڑھنا متعین ہے' اس کے سوا کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی الا یہ کہ کوئی شخص اس کی قراءت سے عاجز ہو' یہ امام مالک' امام شافعی' جمہور فقہاء صحابہ' تابعین اور بعد کے علماء کا مذہب ہے' اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ایک قلیل جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے' بلکہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو۔ (علامہ نووی نے یہ صحیح نہیں لکھا' امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ فرضیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں' امام اعظم کا مذہب ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہٗ)

جمہور کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کے بغیر نماز (کامل) نہیں ہوتی۔ اگر انہوں نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی تو یہ خلاف ظاہر ہے (بلکہ یہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے: جس نے سورہ فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز ناقص ہے' یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا اور ناقص کے مقابلہ میں کامل ہے' اگر سوۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو آپ فرماتے: جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز باطل ہے' اور اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: وہ نماز کافی نہیں ہوتی جس میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہ کی جائے' اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے' اور ابوحاتم بن حبان نے بھی بیان کیا ہے' اور جس حدیث میں ہے: جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو' وہ سورہ فاتحہ پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس کا پڑھنا آسان ہے۔ (یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ''ما'' ہے جو عام ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلیل ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ امام' مقتدی اور منفرد سب پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو کیا کریں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سورۃ فاتحہ کو دل میں پڑھو' اس کا معنی ہے: اس کو چپکے چپکے پڑھو جس کو تم خود سنو اور بعض مالکیہ وغیرہم نے جو اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے معانی میں تدبر کرو یہ غیر مقبول ہے' کیونکہ قراءت کا اطلاق صرف زبان کی اس حرکت پر ہوتا ہے جو سنائی دے' اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ جنبی اور

حائض اگر زبان کی حرکت کے بغیر قرآن مجید کے معانی میں تدبر کریں تو اس پر قراءت کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے' زبان کی جو حرکت سنائی دے خواہ آہستہ یا زور سے وہ قراءت لفظی ہے قراءت نفسی نہیں ہے' قراءت نفسی کا معنی یہی ہے کہ الفاظ کے معانی میں تدبر کیا جائے' جیسا کہ علامہ نووی نے بعض مالکیہ سے نقل کیا ہے' اور اگر جنبی قرآن کے معنی میں تدبر کرے تو اس کو قراءت نفسی کہہ سکتے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' یہ امام مالک' امام اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے' امام احمد سے ایک روایت ہے کہ نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' نخعی' ثوری اور امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح روایت ہے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرو اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کرو' نیز اگر باقی رکعات میں قراءت واجب ہوتی تو جہری نمازوں میں ان میں جہر سے قراءت واجب ہوتی' حسن بصری سے روایت ہے کہ اگر ایک رکعت میں قراءت کر لی تو کافی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (المزمل: ۲۰) تو قرآن سے جتنا (تم پر) آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر تین رکعات میں قراءت کر لی تو کافی ہے کیونکہ وہ نماز کا اکثر حصہ ہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے' پہلی رکعت میں زیادہ قراءت کرتے اور دوسری میں کم' اور کبھی ہم کو قراءت سناتے تھے' اور دوسری دو رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے' نیز امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہے: اس طرح نماز پڑھو' جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو' اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی' اور حضرت ابوسعید اور حضرت عبادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کو پڑھیں' نیز جس شخص نے اچھی طرح نماز پڑھی تھی اس کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پہلی رکعت سکھائی تو اس کو فرمایا: تمام رکعات اس طرح پڑھو اور یہ حکم تمام رکعات میں قراءت کو بھی شامل ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں قراءت نہیں کی تو اس کی یہ نماز صرف امام کے پیچھے ہو سکتی ہے۔ (اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے' اور اس سے پہلے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا گیا ہے اس کی سند میں حارث اعور ہے اور اس کو شعبی نے کذاب کہا ہے' نیز حضرت عمر اور حضرت جابر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۸۸ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور آرام کرے تاکہ اس وقفہ میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنے میں امام کے ساتھ کھینچا تانی نہ کریں' یہ امام اوزاعی' امام شافعی اور اسحاق کا مذہب ہے' امام مالک اور اصحاب رائے نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت

کیا ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے ہیں' ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک سکتہ ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین '' کی قراءت کے بعد' عمران نے اس کا انکار کیا اور ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا' انہوں نے جواب دیا کہ سمرہ کو یہ حدیث محفوظ ہے' اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے کہا: امام کے لیے دو سکتے ہیں' ان میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کو غنیمت جانو' ایک سکتہ نماز کے شروع کے وقت ہے اور ایک سکتہ جب وہ ''ولا الضالین '' کہے' عروہ بن زبیر نے کہا: میں امام کے ان دو سکتوں کو غنیمت جانتا ہوں' جب وہ ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین '' کہتا ہے تو میں اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا ہوں اور جب وہ سورت ختم کرتا ہے تو میں رکوع سے پہلے قراءت کر لیتا ہوں' یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک معروف تھا۔

(المغنی ج ۱ ص ۲۹۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ اشہب مالکی' ابن وھب مالکی اور کوفیوں کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قراءت نہ کی جائے' صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بعض اوقات ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا: اس وقت اپنے دل میں پڑھو۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو اس کے معانی میں تدبر کرو' تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قراءت نہ کی جائے' وہ کہتے ہیں کہ صرف ہونٹ ہلائے جائیں اور خود کو بھی آواز نہ آئے' اور جس نے خود کو سنایا اس نے اچھا کیا' امام مالک اور ان کے عام اصحاب اور بہت سے متقدمین نے یہ کہا ہے: مقتدی امام کے ساتھ سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے' امام احمد نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری دونوں نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھے' امام شافعی کے اس میں تین قول ہیں' ایک قول کوفیین کی طرح ہے' ایک قول امام احمد کی مثل ہے اور ایک قول جمہور صحابہ اور تابعین کی مثل ہے' امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک سورہ فاتحہ کا سری نمازوں میں پڑھنا فرض ہے' ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے' ایک قول سنت ہے اور ایک قول مستحب ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۱۵۰۔ ۱۴۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا امام ہو' تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ (سنن ابن ماجہ وطحاوی) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے' یہ رکن امام اور مقتدی دونوں کے درمیان مشترک ہے' لیکن مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور سنے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو' امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قراءت کرنا مستحسن ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس پر وعید ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں تمام نمازیوں کو قراءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے' ''فاقرء وا ماتیسر منہ۔ جس قدر قرآن مجید آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے کہ کوئی نماز قرآن مجید پڑھے بغیر نہیں ہو سکتی'' لیکن جب حدیث

صحیح میں وارد ہے: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے' تو اس آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کرنا واجب ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قاعدہ ہے' اس لیے مقتدی اس حکم کے عموم سے خارج ہے' نیز اس پر اجماع ہے کہ رکوع میں نماز کو پانے والا نماز کی رکعت کو پالیتا ہے حالانکہ اس رکعت میں اس نے قراءت نہیں کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مدرک رکوع بھی قراءت کے عمومی حکم سے خارج ہے' اسی طرح جس حدیث میں ہے: اللہ اکبر کہو پھر تم کو جس قدر قرآن یاد ہے پڑھو' یہ بھی مقتدی کے غیر پر محمول ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مقتدی کے لیے بھی شرعاً قراءت ثابت ہے' کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے' اگر مقتدی نے قراءت کی تو ایک نماز میں دو قراءتیں ہو جائیں گی' یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت جابر بن عبداللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے' امام دارقطنی' امام بیہقی اور امام ابن عدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ضعیف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے' متعدد راویوں نے اس حدیث کو ارسال سے بیان کیا ہے' ایک سند سے امام ابوحنیفہ نے بھی اس کو مرسلاً روایت کیا ہے' تو ہم کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے اور اس سے صرف نظر کر کے ہم یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے' امام محمد بن الحسن نے اپنی ''موطا'' میں روایت کیا ہے از ابوحنیفہ' از ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ از عبداللہ بن شداد از جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آپ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو بے شک امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے' اس حدیث کو سفیان' شریک' جریر اور ابوالزبیر نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ اپنی اپنی مسانید میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور سفیان کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اس لیے مخالفین کا اس حدیث کو مرسل قرار دینے پر اصرار کرنا باطل ہے' کیونکہ اگر ثقہ راوی کسی حدیث میں منفرد ہو تو اس کو قبول کرنا واجب ہے اور رفع ارسال پر زیادتی ہے اور ثقہ اگر منفرد ہو تب بھی اس کی زیادتی مقبول ہوتی ہے' چہ جائیکہ یہاں چار سے زائد ثقہ راوی اس حدیث کو مرفوعاً روایت کر رہے ہیں اور ثقہ راوی کبھی حدیث کی ایک سند کو ارسال سے بیان کرتا ہے اور کبھی اتصال سے' امام ابو عبداللہ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی' آپ کے پیچھے ایک شخص قراءت کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی اس کو نماز میں قراءت سے روکتے رہے' جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس نے صحابہ سے کہا: کیا تم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں قراءت کرنے سے منع کرتے ہو؟ وہ دونوں تکرار کرنے لگے' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہوتی ہے' امام ابوحنیفہ نے ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے قراءت کی تو اس کو ایک صحابی نے منع کیا' الحدیث' اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی اصل یہ واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کبھی پورا واقعہ بیان کیا اور کبھی صرف اس کا حکم بیان کر دیا اور کبھی امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کو بیان کر دیا۔

اس حدیث کے معارض یہ روایت ہے: مجھ سے قرآن کیوں کھینچا جا رہا تھا' اگر کسی مقتدی نے ضرور قرآن پڑھنا ہو تو وہ صرف سورہ فاتحہ پڑھے' اسی طرح امام داؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھا تو آپ پر قرآن پڑھنا دشوار ہوا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے! ہم نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوا سورہ فاتحہ کے اس طرح نہ کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں امام کے پیچھے قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا ہے اس کی سند زیادہ قوی ہے اور اس

ہیں ممانعت علی الاطلاق ہے' اس لیے قوت سند اور عموم کی وجہ سے وہ حدیث ان احادیث پر مقدم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیگر احادیث سے مؤید ہے' ہر چند کہ ان کی اسانید ضعیف ہیں اور صحابہ کے مذاہب سے بھی مؤید ہے' حتیٰ کہ صاحب ''ہدایہ'' نے یہ کہا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر اجماع صحابہ ہے' وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) امام مالک نے اپنی ''موطا'' میں از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرے' اور حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

(۲) امام دار قطنی نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور یہ کہا کہ اس کا مرفوع ہونا راوی کا وہم ہے لیکن یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے۔

(۳) امام ابن عدی نے ''کامل'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے' اس حدیث کی سند میں اسماعیل ضعیف راوی ہے' اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام ابن عدی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' بلکہ اسماعیل کا متابع ہے نضر بن عبداللہ' امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں نضر بن عبداللہ از حسن اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن سے سنداً اور متناً بھی روایت ہے' امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔

(۴) امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مقاسم نے حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہ کرو۔

(۵) امام محمد بن حسن نے اپنی ''موطا'' میں اپنی سند کے ساتھ ابووائل سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قراءت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: خاموش رہو' نماز میں صرف ایک شغل ہے اور تمہارے لیے امام کافی ہے' اور اسی کتاب میں حضرت سعد کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارے ڈال دوں' اس کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں ہے: میں اس کے منہ میں پتھر ڈال دوں۔

(۶) امام محمد نے اپنی ''موطا'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا: جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے کاش! اس کے منہ میں پتھر ہوتے' اس اثر کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔

(۷) امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابوجمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: کیا میں امام کے ہوتے ہوئے قراءت کروں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

(۸) امام ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرو خواہ جہری نماز ہو یا سری۔

(۹) امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے

فطرت میں خطا کی۔

(۱۰) امام نسائی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کیا ہر نماز میں قراءت ہے؟ فرمایا: ہاں! انصار کے ایک شخص نے کہا: قراءت واجب ہوگئی' حضرت ابودرداء کہتے ہیں: میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا: جب امام کسی قوم کو نماز پڑھائے تو اس کی قراءت قوم کے لیے کافی ہے۔ اگر مؤخر الذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہو بلکہ حضرت ابودرداء کا کلام ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کریں کہ ہر نماز میں قراءت ہے' پھر امام کی قراءت کو مقتدی کی قراءت قرار دیں' یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کو یہ علم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کی قراءت کو امام کی قراءت قرار دیا ہے۔

اسی (۸۰) کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت منقول ہے' ان میں حضرت علی المرتضیٰ' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسماء شامل ہیں' اور محدثین نے ان تمام صحابہ کے اسماء کو ضبط کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ قراءت نماز کا ایک رکن ہے اور اس میں امام اور مقتدی دونوں مشترک ہیں' ہم کہتے ہیں کہ دونوں مشترک ہیں لیکن مقتدی کا حصہ قرآن مجید سننا اور خاموش رہنا ہے' کیونکہ قراءت سے مطلوب تدبر اور تفکر ہے اور اس پر عمل کرنا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ۔ (ص: ۲۹) یہ (قرآن مجید) مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور کریں۔

اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ قرآن مجید کو سنیں گے' جیسے جمعہ کا خطبہ' وعظ اور تذکیر کے لیے مشروع کیا گیا ہے تو اس کا سننا واجب ہے تاکہ اس کا فائدہ حاصل ہو' یہ نہیں کہ ہر شخص اپنے نفس کو خطبہ دینے لگے' اس کے برخلاف باقی ارکان خشوع کے لیے مشروع کیے گئے ہیں اور خشوع رکوع اور سجود سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ وجہ تو صرف جہری نماز میں درست ہو سکتی ہے اور قراءت خلف الامام کا اختلاف تو سری نماز میں بھی ہے' اس میں یہ فائدہ کس طرح حاصل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے' سننے کا اور خاموش رہنے کا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۝

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام مسلم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں دو چیزوں کا حکم ہے' سننے کا اور خاموش رہنے کا اور جب امام زور سے قراءت نہ کرے اور اس کے لیے سننا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا تو ممکن ہے' ''محیط'' میں مذکور ہے کہ مقتدی سے قراءت ساقط نہیں ہوئی لیکن امام کی قراءت اس کی قراءت ہے' حتیٰ کہ وہ امام کے ساتھ قیام میں شریک ہو جائے جو قراءت کا محل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ مقتدی کے لیے بھی قراءت رکن ہے کیونکہ اگر مقتدی کو رکعت فوت ہونے کا خوف ہو (اور وہ رکوع میں مل جائے) تو اس کی نماز جائز ہے' خواہ وہ بالکل قراءت نہ کرے اور اس کے جواز پر اجماع ہے' مثلاً جب

ایک شخص امام کو رکوع میں پائے اور اگر مقتدی کے لیے بھی قراءت رکن ہوتی تو اس عذر کی وجہ سے اس سے قراءت ساقط نہ ہوتی' جیسے رکوع اور سجود اس سے ساقط نہیں ہوتے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ سے قیام ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہم کہیں گے: نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اللہ اکبر کہے تو یہ جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے' البتہ قیام کا امتداد رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور قیام کا فرض ادنیٰ قیام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے رکوع مطلقاً جھکنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۷ ـ ۲۹۴ ملخصاً و موضحاً 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے امام کی پشت سیدھی ہونے سے پہلے امام کو رکوع میں پالیا اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۴۷ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

''شرح صحیح مسلم'' جلد اول میں ہم نے قراءت خلف الامام کے موضوع پر مزید دلائل تحریر کیے ہیں۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کو میں نے تفسیر تبیان القرآن کا مقدمہ لکھنا شروع کیا' اور اس دوران سفر حج کی تیاریوں میں بھی مصروف رہا' سفر حج سے پہلے میں نے یہ مقدمہ مکمل کر لیا' اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ اس نے مجھے حج اکبر عطا فرمایا' چالیس روز حرمین طیبین میں بسر ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ سفر کی تھکاوٹ اتارنے میں گزرا اور آج تیس صفر ۱۴۱۵ھ کو سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمد للہ۔

الہ العٰلمین! جس طرح آپ نے مجھے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر مکمل کرنے کی توفیق' ہدایت اور سعادت عطا کی ہے' اسی طرح باقی قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کی بھی توفیق' ہدایت اور سعادت سے سرفراز فرمائیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت' مخالفین کے لیے ہدایت اور میرے لیے نجات کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنائیں' مجھے' میرے والدین' احباب اور میرے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور دارین کی سعادتوں کو ہمارے لیے مقدر کر دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین وعلی الہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

(۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ البقرہ

سورہ بقرہ کا اجمالی تعارف

سورہ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے' اور یہ مدنی سورت ہے' علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورۃ البقرۃ ہے۔ (اسباب النزول ص ۱۱)

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی تمام سورتوں میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی نظام حیات' عبادات' سیاسیات' معاشیات' اقتصادیات' اور عمرانیات کے اصول اور احکام بیان کیے گئے ہیں' اس کے برخلاف مکی سورتوں میں اعتقادیات اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا ہے' کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ریاست قائم ہو چکی تھی' اور نظام مملکت کو چلانے کے لیے جن اصول اور قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کی تمدنی زندگی کی فوز و فلاح اور عبادات کے اجتماعی نظام کے لیے جن ہدایات کی احتیاج ہو سکتی ہے وہ سب ان مدنی سورتوں میں نازل کی گئیں۔

عقائد اسلامیہ کی اساس ایمان بالغیب ہے' اور بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک ماننا ہے' اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے اور تمام آسمانی کتابوں کو ماننا ہے' جزاء اور سزا کا اقرار کرنا ہے اور اعمال صالحہ میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت عبادت نماز کو قائم کرنا ہے اور طبقاتی منافرت کا سدباب کرنے کے لیے اہم عبادت زکوٰۃ کو ادا کرنا ہے' اس لیے سورہ بقرہ ایمان بالغیب' اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کے بیان سے شروع ہوتی ہے' پھر آگے چل کر اس سورت میں شریعت اسلامیہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور عبادات اور معاملات کی تفصیل کی گئی ہے اور اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کے علاوہ تحویل قبلہ' توحید پر دلائل' ماہ رمضان کے روزوں' بیت اللہ کے حج' جہاد فی سبیل اللہ' انفاق فی سبیل اللہ' والدین اور قرابت داروں کے حقوق' زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف' یتیموں کی کفالت' عائلی زندگی کے اصول اور احکام میں نکاح' طلاق' رضاع' عدت اور ایلاء کو بیان کیا گیا ہے' قسم کھانے کا شرعی حکم' جادو کا حرام ہونا' قتل ناحق کی ممانعت' قاتل پر قصاص کو واجب کرنا' ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی ممانعت' شراب' جوئے اور سود کی حرمت' ایام حیض میں عمل ازدواج کی ممانعت' عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی تحریم کو بیان کیا ہے۔

اسی سورت میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی وحدت اور اس کی اہم صفات کا بیان ہے اور یہ آیت الکرسی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۴) اسی سورت میں وہ آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے' اس کو آیت مداینہ کہتے ہیں' اس آیت میں قرض دینے' قرض کو لکھنے اور کاروباری معاملات میں مردوں اور عورتوں کو گواہ بنانے' رہن رکھنے' امانت ادا کرنے اور گواہی چھپانے کی ممانعت کو بیان کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۸۲) اسی سورت میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔

اور وہ آیت ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۸۱)

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے‘ پھر ہر شخص کے کیے ہوئے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۝

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف مشرکین تھے‘ اس لیے مکی سورتوں میں صرف توحید اور آخرت پر ایمان لانے پر زور دیا ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر جب مختلف قبائل نے اسلام قبول کرلیا اور انصار کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست قائم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے قانون‘ سیاست‘ معیشت‘ معاشرت اور تمدن اور ثقافت کے متعلق بھی اصول اور ہدایات نازل فرمائیں‘ یہاں مسلمانوں کا مقابلہ یہود سے تھا‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے تقریباً ۱۹ صدیاں گزر چکی تھیں اور اس عرصہ میں یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور تورات کو بالکل مسخ کردیا تھا‘ اور تورات میں لفظی اور معنوی تحریف ہوچکی تھی‘ مدینہ منورہ میں یہود کے علاوہ منافقین بھی تھے‘ یہ منافقین کئی قسم کے تھے‘ سورہ بقرہ میں کفار و مشرکین‘ یہود و نصاریٰ اور منافقین سب کے متعلق آیات نازل کی گئی ہیں۔

سورہ فاتحہ میں اس دعا کی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کی جائے اور اس دعا کی استجابت کے طور پر سورہ بقرہ میں مسلمانوں کے لیے صراط مستقیم بیان کی گئی ہے اور کامل مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کے مخالف کفار اور مشرکین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں‘ اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا مبنیٰ دین اسلام کی اتباع اور شریعت اسلام پر استقامت ہے‘ اس سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا پر ہے کہ وہ مشکل اور دشوار احکام ہم سے اٹھالے اور کفار کے مقابلہ میں ہم کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور اپنے فضل اور احسان سے ہم کو ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ

سورہ بقرہ کا نام بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے‘ قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں اور ادنیٰ مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ بعض احادیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سورت کو سورہ بقرہ کہنا منع ہے۔ حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں: امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ بقرہ نہ کہو‘ نہ سورہ آل عمران اور نہ سورہ نساء‘ اسی طرح پورا قرآن‘ لیکن یوں کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ وہ سورت ہے جس میں آل عمران کا ذکر کیا جاتا ہے‘ اسی طرح پورے قرآن کی سورتوں کے متعلق کہو‘ اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر کا یہ قول روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ نہ کہو لیکن یہ کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۸ ‘ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ‘ ایران)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس طرح سورتوں کا نام رکھنے سے منع کیا گیا تھا‘ کیونکہ کفار ان سورتوں کا نام لے کر ان کا مذاق اڑاتے تھے‘ پھر جب اسلام کا غلبہ ہوگیا اور قرآن کریم کا نور ہر طرف پھیل گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہوگئی کیونکہ بہ کثرت احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت پر سورہ بقرہ کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے ”مصنف“ میں‘ امام احمد‘ امام مسلم‘ امام ابوداؤد‘ امام ترمذی‘ امام نسائی‘ امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان کی ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی‘ آپ نے بقرہ شروع کی‘ میں نے دل میں

کہا: شاید آپ پوری سورت ایک رکعت میں پڑھیں گے' پھر آپ نے نساء شروع کی اور اس کو پڑھا' پھر آپ نے آل عمران شروع کی اور اس کو آہستہ آہستہ پڑھا' جب آپ ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ سبحان اللہ پڑھتے اور جب آپ سوال کی آیت پڑھتے تو سوال کرتے اور جب تعوذ کی آیت پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے۔

امام احمد' امام ابن الضریس اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی' آپ نے بقرہ' آل عمران اور نساء کو پڑھا' جب آپ بشارت والی آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے اور جب آپ ڈرانے والی آیت کو پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔

امام ابوداؤد' امام ترمذی نے ''شمائل'' میں' امام نسائی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' آپ نے سورہ بقرہ پڑھی' آپ جب بھی کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو ٹھہر کر سوال کرتے اور جب بھی کسی عذاب کی آیت کو پڑھتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے' پھر آپ نے جتنا قیام کیا تھا اتنا ہی رکوع کرتے اور رکوع میں یہ پڑھتے: ''سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ'' پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کرتے اور سجدہ میں بھی یہی کلمات فرماتے' پھر کھڑے ہو کر آپ نے آل عمران پڑھی' پھر ایک ایک سورت پڑھی۔

امام ابوعبیدہ' امام احمد' امام حمید بن زنجویہ نے ''فضائل القرآن'' میں' امام ابن الضریس' امام ابن حبان' امام طبری' امام ہروی نے ''فضائل قرآن'' میں' امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے اصحاب کی شفاعت کرنے والا ہوگا' زہراوین (یعنی) سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن بادلوں کی طرح آئیں گی' یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی طرح آئیں گی' اور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی' سورہ بقرہ پڑھا کرو' کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا ترک کرنا حسرت ہے اور بدکار لوگ اس کو پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

(الدر المنثور ج ١ ص ١٨' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی النجفی' ایران)

ان احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سورہ بقرہ' سورہ آل عمران وغیرہ فرمایا ہے' اس سے واضح ہوا کہ سورہ بقرہ کہنا جائز ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مثلاً رحمت کی آیت پڑھی جائے تو اللہ سے رحمت کے حصول کی دعا کی جائے اور عذاب کی آیت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سے عذاب سے پناہ طلب کی جائے' اور رات کی نفل نمازوں میں اس طرح قرآن مجید پڑھنا جائز ہے اور آپ کی سنت ہے۔

سورہ بقرہ کے محل نزول اور آیات اور حروف کی تعداد کا بیان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

سورہ بقرہ مدنی ہے' یہ کافی عرصہ تک نازل ہوتی رہی ہے' یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہے' اس کی ایک آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ ہے: ''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ: ٢٨١)۔

یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی۔ یہ حجۃ الوداع میں یوم نحر (عید الاضحیٰ) کو منیٰ میں نازل ہوئی ہے' اور سود کی حرمت کی آیات بھی قرآن مجید کی آخری آیتوں میں سے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ١ ص ١٥٢' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

یہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے' جیسے سب سے قصیر سورت سورہ کوثر ہے' اور اس میں آیت مداینہ (البقرہ:

۲۸۲) ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے جیسے والضحیٰ اور والفجر قرآن مجید کی سب سے قصیر آیات ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت ایک ہزار خبر' ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے' اور شمار کرنے والوں نے بتایا ہے کہ اس سورت میں دو سو ستاسی آیات ہیں' چھ ہزار اسی کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۱۔ ۷۰' ۲ مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

نواس بن سلیمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا' ان کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں آج تک نہیں بھولا' فرمایا: وہ ایسی ہیں جیسے وہ بادل ہوں' یا دو سیاہ سائبان ہوں جن کے درمیان نور ہو' یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہوں' وہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی وکالت اور حمایت کریں گی۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جو بادل' سائبان یا پرندوں کی قطاروں کی طرح ہوں گی اور قرآن پڑھنے والوں اور قرآن پر عمل کرنے والوں پر سایہ کریں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ناگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اوپر اٹھایا' حضرت جبرائیل نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جس کو صرف آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا' پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ فرشتہ جو آج نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا' اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے' ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کا آخری حصہ' ان میں سے آپ جو حرف بھی پڑھیں گے آپ کو اس کا مصداق مل جائے گا۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

یعنی ناگہانی مصائب اور شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمنذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے' آپ نے فرمایا: تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا: ''اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم'' (آیت الکرسی) آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوالمنذر! تمہیں یہ علم مبارک ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

آیت الکرسی کی ایک وجہ فضیلت یہ ہے کہ اس میں اسم ظاہر' اسم صفت اور اسم ضمیر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا سترہ مرتبہ ذکر ہے اور کسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا اتنی بار ذکر نہیں ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے' جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا' اس وقت میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور میرا بیٹا یحییٰ میرے قریب لیٹا ہوا تھا' وہ اس وقت کم سن بچہ تھا' اچانک وہ گھوڑا اچھلنے لگا' میں کھڑا ہو گیا' مجھے اس وقت صرف اپنے بیٹے یحییٰ کے متعلق تشویش تھی' پھر گھوڑا پر سکون ہو گیا' اور میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کر دی' گھوڑا پھر اچھلنے لگا' میں پھر کھڑا ہو گیا اور مجھے صرف اپنے بیٹے یحییٰ کی فکر تھی' میں نے پھر پڑھنا شروع کیا اور گھوڑے نے پھر اچھلنا شروع کیا' اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک سائبان کی طرح کوئی چیز اتر رہی ہے' جس میں روشن چراغ ہیں' میں خوفزدہ ہوا اور صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا: اے ابو یحییٰ! پڑھو' میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں نے پڑھا تو گھوڑا اچھلنے لگا اور مجھے اپنے بیٹے کی فکر تھی' آپ نے فرمایا: اے ابن حضیر! پڑھو' وہ کہتے ہیں: میں نے پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر سائبان کی مثل کوئی چیز تھی اور اس میں چراغ روشن تھے' میں خوفزدہ ہو گیا' آپ نے فرمایا: یہ فرشتے ہیں جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آئے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو دیکھ لیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ صدقہ کی کھجوروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی ہاتھ کھجوریں لے رہا ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کہو:

سبحان ہے وہ ذات جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ناگاہ وہ ایک جن تھا جو میرے سامنے کھڑا ہوا تھا' میں نے اس کو پکڑ لیا تاکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آؤں' اس نے کہا: میں نے فقراء جن کے لیے یہ کھجوریں لی تھیں اور میں دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گا' حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں: وہ پھر آیا' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: کہنا: سبحان ہے وہ جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا' پھر دوبارہ جب میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانے لگا تو اس نے عہد کیا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا' تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو میں نے انہی کلمات کی برکت سے اس کو پکڑا اور کہا کہ تم مجھ سے عہد کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو اور پھر آ جاتے ہو' اس دفعہ میں تم کو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا' اس نے کہا: تم مجھے چھوڑ دو' میں تم کو ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم وہ کلمات پڑھ لو تو کوئی مذکر یا مونث جن تمہارے قریب نہیں آسکے گا' میں نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: ہر صبح اور شام کو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو' میں نے اس کو چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم ان کلمات (آیت الکرسی) کی یہی تاثیر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری (دوسرے) لوگوں پر تین وجہ سے فضیلت ہے' تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لیے ذریعہ طہارت بنا دی گئی ہے' اور ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں اور ہم کو یہ آیات دی گئی ہیں' سورہ بقرہ کی آخری آیات جو عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی کو دی گئی ہیں اور نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔

(السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۵۔ ۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام دارمی کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بقرہ اور آل عمران کو پڑھا' قیامت کے دن وہ سورتیں کہیں گی: اے ہمارے رب! اس سے مواخذہ نہ کر۔

امام ابو عبید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔

امام دارمی' امام طبرانی' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورہ بقرہ ہے۔ جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

امام وکیع' امام حارث بن ابی اسامہ' امام محمد بن نصر اور امام ابن الضریس نے سند صحیح کے ساتھ حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں افضل سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت سب سے عظیم ہے' وہ آیت الکرسی ہے اور جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۰۔ ۱۹ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی النجفی' ایران)

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۸۶ رُكُوْعَاتُهَا ۴۰

سورۃ البقرہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں دو سو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں

الٓمّٓ ۚ (۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚۖۛ فِيْهِ ۚۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (۲)

الف لام میم O (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے یہ ان متقین کے لیے ہدایت ہے O

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ (۳) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

(ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں O اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ (۴)

کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا او یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں O

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵)

وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف' لام' میم O (البقرہ: ۱)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ان حروف مقطعات کے ساتھ شروع فرمایا تا کہ قرآن مجید کے وصف اور اس کے اعجاز پر تنبیہ ہو اور اس چیلنج کی طرف اشارہ ہو کہ کوئی انسان قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لاسکتا' اور یہ اللہ کا کلام ہے جس کے مشابہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن عربوں کی لغت اور ان کے حروف تہجی مثل الف' لام' میم سے مرکب ہو کر نازل ہوا ہے' اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے تو انہی حروف سے ایک کلام بنا کر تم بھی لے آؤ کیونکہ یہ ان حروف ہجاء سے مرکب ہے جن سے ہر اہل زبان عرب کلام کرتا ہے' اس کے باوجود جب تم اس کلام کی نظیر لانے سے ہمیشہ عاجز رہے تو پھر مان لو کہ یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے۔

حروف مقطعات کے علم کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ''الم'' اور اس کی مثل دیگر حروف مقطعات کا معنی کسی کو معلوم ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان

اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو ان حروف مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا' اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا اور یہ بہت بعید ہے۔ (انوار التنزیل مع الخفاجی' ج ۱ ص ۱۷۸' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ظن غالب یہ ہے کہ حروف مقطعات کا علم مخفی ہے' علماء اس کی تاویل سے عاجز ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار اوائل سور ہیں' امام شعبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسرار کا کھوج نہ لگاؤ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی معرفت صرف اولیا کرام کو ہے جو وارث علم رسول ہیں' ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں سنگریزوں نے تسبیح کا نطق کیا' اور گوہ اور ہرن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا: اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے' یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مومن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحب ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔

ملا جیون لکھتے ہیں:

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے' اگرچہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد متشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ امت کے حق میں ہے اور بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات کا قطعی طور پر علم ہے' ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہوگا جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام "راسخین فی العلم" کو متشابہات کا علم ہے۔ (نور الانوار ص ۹۳' مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں:

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں' ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف سے افہام مقصود تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کامل متبعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں (الی قولہ)' علامہ سجاوندی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی محبین کے درمیان کچھ کلمات بہ طور معمہ ہوتے ہیں' ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو محرمان راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات اور متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے' ان کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے اور نہ آپ کے متبعین کو' یہ قول بہت بعید ہے' کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے' اگر ان حروف سے افہام نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہوگا' یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے'

نیز پورا قرآن بیان اور ہدایت نہیں رہے گا (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو ان سے ہدایت کیسے حاصل ہوگی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ ﴿ؕ﴾ (القیامہ: ۱۹) پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ۝

اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا (اسی طرح ''الرحمان علم القران'' کا بھی خلاف لازم آئے گا' کیونکہ حروف مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں سکھایا) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن خواہ محکم ہو یا متشابہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ''راسخین فی العلم'' سے ہوں اور میں ان علماء سے ہوں جن کو ان کی تاویل کا علم ہے' اسی طرح مجاہد سے مروی ہے' حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تاویل کو ظاہر فرمادیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے' لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرار الٰہیہ ہونے کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۔ ۱۴ 'مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں:

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں' ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو بہ وجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ (حاشیۃ القرآن ص ۳ 'مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اکثر علماء ان حروف مقطعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار قرار دیتے ہیں اور بعض علماء نے ان حروف کی تاویلات کی ہیں' علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات ان سورتوں کے اسماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے لیے حروف زائدہ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان حروف سے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جو ان حروف سے مرکب ہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الف سے مراد آلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں اور لام سے مراد اللہ کا لطف ہے اور میم سے مراد اس کا ملک ہے' اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ''الر' حم'' اور ''ن'' اس کے مجموعہ سے ''الرحمٰن'' مراد ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ ''الم'' سے مراد ہے: ''انا اللہ اعلم'' (میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں) اور باقی سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان سے بھی اسی طرح کے کلمات مراد ہیں' حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی ہے کہ الف سے اللہ کی طرف' لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ قرآن اللہ نے لسان جبریل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا' یا ان حروف سے بعض اقوام کی مدتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے تو آپ نے ان پر ''الم'' البقرہ کی تلاوت کی' انہوں نے حساب کر کے کہا: ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت اکہتر سال ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے' انہوں نے کہا: اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ تو آپ نے پڑھا: ''المص' الر' المر'' وہ کہنے لگے: آپ نے ہم پر حساب مشتبہ کر دیا' اس کے علاوہ بھی تاویلات ہیں۔

(انوار التنزیل علی ہامش الخفاجی ج ۱ ص ۱۷۴۔ ۱۷۰ 'ملخصاً مطبوعہ دار صادر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(البقرہ: ۲)

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ لانے کی مناسبت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں اللہ کے بندوں نے اللہ سے صراط مستقیم کی ہدایت کا

سوال کیا تھا جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہو گمراہ اور مغضوب لوگوں کا راستہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس ہدایت کا تم نے سوال کیا ہے وہ اس کتاب میں ہے اور اس میں انعام یافتہ لوگوں کی صفات بیان کیں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں' غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں' اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئیں ان سب پر یقین رکھتے ہیں اور یہی لوگ دنیا میں ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں فوز وفلاح پانے والے ہیں' پھر گمراہ اور مغضوب لوگوں کی نشانیاں بیان کیں کہ ان لوگوں پر تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں ہوتا' یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں' یہ کلمۂ حق کو سننے کے لیے بہرے ہیں' اعتراف حق کے لیے گونگے ہیں' آیات اللہ کو بہ غور دیکھنے سے اندھے ہیں' ان کی آنکھوں پر بغض اور عناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور یہ حق وصداقت کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

عربی قواعد کے مطابق ''ذالك'' کسی بعید چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہاں کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قریب ہے لیکن یہاں بعد رتبہ کو بعد مسافت کے قائم مقام کیا گیا ہے' اس لیے اس کا معنی ہے: وہ عظیم الشان کتاب۔

کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کتب کا معنی ہے چمڑے کے دو ٹکڑوں کو سی کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا' اور عرف میں اس کا معنی ہے: بعض حروف کو لکھ کر بعض دوسرے حروف کے ساتھ ملانا' اور کبھی صرف ان ملائے ہوئے حروف پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے' اسی اعتبار سے اللہ کے کلام کو کتاب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ لکھا ہوا نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے: ''الم ذالك الكتاب'' کتاب اصل میں مصدر ہے' پھر مکتوب کا نام کتاب رکھ دیا گیا' نیز کتاب اصل میں لکھے ہوئے صحیفہ کا نام ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔ (النساء: ۱۵۳)
اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی صحیفہ نازل کردیں۔

فرض اور تقدیر کے معنی میں کتاب کا لفظ مستعمل ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ (البقرہ: ۱۸۳)
اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ (التوبہ: ۵۱)
آپ کہیے: ہمیں صرف وہی چیز پہنچے گی' جو ہمارے لیے اللہ نے مقدر کردی ہے۔

کتاب کا لفظ بنانے اور شمار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ۵۳)
سو گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا شمار کرلے ○

اللہ کی طرف سے حجت ثابتہ کے معنی میں بھی کتاب کا لفظ مستعمل ہے' قرآن کریم میں ہے:

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۔ (الزخرف: ۲۱)
کیا ہم نے اس (قرآن) سے پہلے انہیں کوئی حجت ثابتہ دی ہے؟

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (الصافات: ۱۵۷)
تم اپنی حجت ثابتہ لے آؤ اگر تم سچے ہو ○

کتاب کا لفظ حکم کے معنی میں بھی وارد ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ۝ (الانفال: ۶۸)

اگر پہلے (معاف کر دینے کا) حکم اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو (کافروں سے) جو (فدیہ کا مال) تم نے لیا تھا' تمہیں اس میں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۝

قرآن مجید میں جہاں اہل کتاب کا لفظ آتا ہے تو اس کتاب سے تورات' انجیل یا یہ دونوں کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

(المفردات ص ۴۲۵۔ ۴۲۳ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

کتاب کا اصطلاحی معنی یہ ہے: وہ صحیفہ جو ایسے متعدد مسائل کا جامع ہو جو جنساً متحد ہوں اور نوعاً اور صنفاً مختلف ہوں اور وہ صحیفہ ابواب اور فصول پر منقسم ہو' جیسے کتاب الطہارۃ' کتاب الزکوٰۃ وغیرہ۔

اس آیت میں کتاب سے مراد آسمانی صحیفہ ہے یعنی قرآن مجید۔

''ریب'' کا معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

''ریب'' کا معنی حاجت ہے' حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کچھ یہودی گزرے' بعض نے کہا: ان سے سوال کرو' اور بعض نے کہا: ''ما رابکم الیہ'' تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور ریب کا معنی شک اور تہمت بھی ہے' ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو' حدیث میں ہے: جس چیز میں ریب ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں ریب نہ ہو' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی: ''علیک بالراءب من الامور'' جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کرلو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے بارے میں فرمایا: ''یریبنی ما یریبھا'' جو چیز (حضرت) فاطمہ کو بے قرار کرتی ہے' وہ مجھے بے قرار کرتی ہے' اور ''تہذیب'' میں ہے: شک مع تہمت کو ''ریب'' کہتے ہیں۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۸۳۔ ۲۸۲ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں ''ریب'' کی نفی اور اثبات کا محمل

شک کی حقیقت ہے: کسی چیز کا دل میں کھٹکنا اور دل کا مضطرب ہونا' شک کی ضد طمانیت ہے' آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں' اس کی ہدایت اور ارشاد میں' فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس کے معجز اور بے مثال ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ (البقرہ: ۲۳)

اور جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے' اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا' اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے' اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہوگا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے' اس کے

باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے' خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید ہے' انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "فیہ" "ریب" کی صفت ہے اور "للمتقین" اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ متقین کے لیے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جن لوگوں نے شک کیا ہے وہ متقین نہیں ہیں' کفار اور مشرکین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے O (البقرہ: ۲)

آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے؟

اس جگہ فرمایا کہ قرآن مجید متقین کے لیے ہدایت ہے' اور ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ. رمضان کے مہینہ میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے دراں حالیکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرہ: ۱۸۵)

قرآن مجید کی صراط مستقیم پر دلالت ہے اور متقین کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے' وہ قرآن مجید کے انوار سے مستنیر اور مستفید ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کرنے سے ان کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور غیر متقین کے لیے بھی قرآن کریم ہدایت ہے' نیکی اور دنیا کی خیر کی طرف رہنمائی ہے' اگرچہ وہ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو روشن نہیں کرتے' اور جن کفار اور مشرکین نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کیا' اس سے قرآن مجید کے ہدایت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا' اگر اندھا آفتاب کو نہ دیکھے تو اس سے آفتاب کے روشن ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے! اور صفراوی مزاج والا اگر شہد کی شیرینی محسوس نہ کرے تو اس سے شہد کی مٹھاس میں کیا کمی ہوتی ہے!

قرآن مجید میں جہاں فرمایا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے اور یہاں جو فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نتیجۃً اور مآل کار یہ متقین ہی کے لیے ہدایت ہے کیونکہ اس ہدایت سے وہی فیضیاب ہوتے ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں انسان وہی ہیں جو متقی ہیں اور رہے غیر متقی تو وہ اس آیت کا مصداق ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ O (الاعراف: ۱۷۹)

اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے' ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں' ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں' وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں' وہی غافل ہیں O

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ متقی انسانوں کے اعلیٰ افراد ہیں' اس لیے ان ہی کا تشریفاً اور تکریماً ذکر کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا صیغہ اور اس کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ "تقوی" اصل میں "وقوی" تھا' یہ فعلی کے وزن پر اسم (حاصل بالمصدر) ہے اور "وقیت"

سے بنا ہے واؤ کو تا سے بدل دیا یہ ''تقویٰ'' ہو گیا اسی طرح ''تقاۃ'' اصل میں ''وقاۃ'' ہے اور ''تجاہ'' اور ''تراث'' اصل میں ''وجاہ'' اور ''وراث'' ہیں ''وقاہ یقیہ'' کا معنی ہے: کسی چیز کو اذیت سے محفوظ رکھنا اور اس کی حمایت اور حفاظت کرنا' قرآن مجید میں ہے: ''مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ'' (الرعد: ۳۴) ''انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے''۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے: کسی ڈرانے والی چیز سے نفس کو بچانا اور اس کی حفاظت کرنا' اور کبھی خوف کو بھی تقویٰ کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی ہے: گناہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا' اور یہ ممنوع کاموں کے ترک سے حاصل ہوتا ہے' اور کامل تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب بعض مباحات کو بھی ترک کر دیا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے' سو جو شخص مشتبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا' الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳' طبع کراچی) تقویٰ کے کئی مراتب ہیں جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتے ہیں:

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (الاعراف: ۳۵) — پس جو لوگ گناہوں سے باز رہے اور انہوں نے نیکیاں کیں' تو ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (آل عمران: ۱۰۲) — اور اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ. (الزمر: ۷۳) — اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ بھیجے جائیں گے۔

(المفردات ص ۵۳۱۔۵۳۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

تقویٰ کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف نے تقویٰ کی حسب ذیل تعریفات لکھی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچانا تقویٰ ہے' اللہ تعالیٰ کی معصیت کے عذاب سے نفس کو بچانا تقویٰ ہے' اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو محفوظ کرنا تقویٰ ہے' آداب شریعت کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے' ہر وہ کام جو تم کو اللہ سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے' حظوظ نفسانیہ کو ترک کرنا اور ممنوعات سے دور رہنا تقویٰ ہے' تم اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھو یہ تقویٰ ہے' تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر گمان نہ کرو یہ تقویٰ ہے' ماسوی اللہ کو ترک کرنا تقویٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً اور فعلاً اقتداء کرنا تقویٰ ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۳۹' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے: کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کے لیے' اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ بنا لینا' اور متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک اعمال اور پر خلوص دعاؤں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے زر بن حبیش کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا: لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو تائب ہوں یا متقی ہوں' پھر ایک دن کہا: لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم ہوں' ابو یزید بسطامی نے کہا: متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کے لیے ہو' ابو سلیمان دارانی نے کہا: متقی وہ ہے جس کے دل سے شہوات کی محبت نکال لی گئی ہو' ایک قول یہ ہے کہ

متقی وہ ہے جو شرک سے بچے اور نفاق سے بری ہو' ابن عطیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ فاسق بھی اسی طرح ہوتا ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: کیا آپ نے کانٹوں والا راستہ دیکھا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! پوچھا: پھر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے پائنچے اوپر اٹھائے اور ان سے بچ کر نکلا' حضرت ابی بن کعب نے کہا: یہی تقویٰ ہے' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: تقویٰ ہر قسم کی خیر کا جامع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کو وصیت کی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۲۔۱۶۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور ممنوعات سے بچے' اس میں اختلاف ہے کہ گناہ صغیرہ سے بچنا بھی تقویٰ میں داخل ہے یا نہیں' حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقین کے درجہ کو نہیں پا سکتا جب تک ان چیزوں کو ترک نہ کر دے جن میں حرج نہ ہو اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو' حضرت ابن عباس نے فرمایا: متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب سے بچنے کے لیے خواہش نفس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہاں تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ حج کی ابتداء میں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ (النساء: ۱' الحج: ۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

حسب ذیل آیات میں بھی تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۰۶) جب ان کے ہم قوم نوح نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ O

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۲۴) جب ان کے ہم قوم ھود نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ O

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۴۲) جب ان کے ہم قوم صالح نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ O

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۶۱) جب ان کے ہم قوم لوط نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ O

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۷۷) جب شعیب نے ان سے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ O

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ (العنکبوت: ۱۶) اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: ۱۰۲) اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

ہر چند کہ تقویٰ خشیت الٰہی کا نام ہے لیکن قرآن مجید میں تقویٰ توحید پر ایمان' توبہ' طاعت' ترک معصیت اور اخلاص کے لیے بھی استعمال ہوا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (الفتح: ۲۶) اور اللہ نے انہیں کلمہ توحید پر مستحکم کر دیا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الاعراف: ۹۶)
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور توبہ کرتے۔

اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۝ (النحل: ۲)
لوگوں کو ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو میری اطاعت کرو۝

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (البقرہ: ۱۸۹)
اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝ (الحج: ۳۲)
اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ دلوں کے اخلاص سے ہے۝

تقویٰ کا مقام بہت عظیم اور بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (النحل: ۱۲۸)
بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳)
بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے' جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم ہو وہ اللہ سے ڈرے' اور حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: معصیت پر اصرار نہ کرنا' اور عبادت پر مغرور نہ ہونا' تقویٰ ہے' ابراہیم بن ادھم نے کہا: تقویٰ یہ ہے کہ تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو' فرشتے تمہارے افعال میں عیب نہ پائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کوئی عیب نہ دیکھے' علامہ واقدی نے کہا: تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے مزین کرتے ہو' اس طرح اپنے باطن کو اللہ کے لیے مزین کرو' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے منع کیا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنائے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے' اپنے نفس کو اخلاص اور وفا کا پابند کرے اور حرام اور جفا سے اجتناب کرے وہی متقی ہے اور اگر " " کے سوا متقین کی فضیلت میں اور کوئی آیت نہ ہوتی تو یہی آیت کافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں " " فرمایا ہے اور اس کے بعد " " فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقت میں انسان وہی ہے جو متقی ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۲۔۱۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

تقویٰ اور متقین سے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرر ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت میمون بن مہران نے کہا: بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنا اس طرح حساب نہ کرے' جس طرح اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور اس کے کپڑے کہاں سے آئے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، تناجش (کسی کو پھنسانے کے لیے زیادہ قیمت لگانا) نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو، کسی کی بیع پر بیع نہ کرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہ کرے، اس کو رسوا نہ کرے، اس کو حقیر نہ جانے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، کسی شخص کے برے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو برا جانے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر مکمل حرام ہے، اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے " " کی تفسیر میں فرمایا: " "۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۲، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اگر لوگ صرف اسی آیت پر عمل کرلیں تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی، جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ سنا اس نے یہ حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: اے لوگو! سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے، نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر فضیلت صرف تقویٰ سے ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے، حضرت معاذ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے صدمہ میں رونے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے سب سے زیادہ قریب متقی ہوں گے خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

تقویٰ کے مراتب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا متقین کے لیے ہدایت ہونا تحصیل حاصل ہے کیونکہ متقین تو خود ہدایت یافتہ ہیں، اس کے کئی جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ حاصل کرنے کا ارادہ کریں سو یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام اور ثبات ہے یعنی اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے متقین کو ہدایت پر دوام اور ثبات حاصل ہوگا، تیسرا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں: (۱) نفس کی کفر

اور شرک سے حفاظت کرنا' (ب) نفس کی گناہ کبیرہ سے حفاظت کرنا (ج) نفس کی گناہ صغیرہ سے حفاظت کرنا (د) نفس کی خلاف سنت سے حفاظت کرنا (ہ) نفس کی خلاف اولیٰ سے حفاظت کرنا (و) نفس کی ماسوی اللہ سے حفاظت کرنا' سو جو شخص تقویٰ کے کسی ایک مرتبہ پر فائز ہو یہ کتاب اس کے لیے تقویٰ کے اگلے مرتبہ کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرہ:۳)

متقین کی تین صفات بیان کی ہیں' ایمان بالغیب' اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ' پہلی صفت ایمان بالغیب ہے جس کا اس آیت میں بیان ہے' اس آیت کریمہ کی تفسیر کے جاننے کے لیے ایمان اور غیب کو سمجھنا ضروری ہے' ہم پہلے ایمان کی تشریح اور تحقیق کریں گے اور اس کے بعد غیب پر مفصل گفتگو کریں گے۔

ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی ہے: نفس کا مطمئن ہونا اور خوف کا زائل ہونا' امن' امانت اور امان اصل میں مصادر ہیں' امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں' انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال:۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو' اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب:۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔

اور قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران:۹۷)

اور جو حرم میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا' یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا' اس کا معنی ہے کہ حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لیے کیا جاتا ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ (البقرہ:۶۲)

بے شک اسلام قبول کرنے والے' یہودی' عیسائی اور ستارہ پرست۔

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل ہو در آں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال بر سبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے' زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے' اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَنُوۡرُهُمۡ ؕ (الحدید:۱۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں' ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ (المجادلہ:۲۲)

وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے:

وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِیۡنَ ۝ (یوسف:۱۷)

اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں ۝

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَكُمۡ ؕ (البقرہ:۱۴۳)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (تحویل قبلہ سے پہلے تمہاری پڑھی ہوئی) تمہاری نمازوں کو ضائع کردے۔

جب جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کے صحیفوں' اس کے رسولوں' قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے' اس حدیث میں چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے' یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مشہور کتابوں میں ہے۔ (المفردات ص ۲۶۔۲۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

ایمان تصدیق ہے' علامہ زمخشری نے ''اساس'' میں اسی پر اعتماد کیا ہے' اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے' علامہ سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے' اور ''کشاف'' میں لکھا ہے کہ کسی شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے' بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے' اور جب اس کا معنی اذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اعتراف ہو' تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' ازہری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے' اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے' وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا' وہ منافق ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہوگا یا جاہل (علامہ زبیدی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ (المنافقون:۳)

یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی۔

اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا. (النساء: ۱۳۷)

بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے' پھر (زبان سے) ایمان لائے' پھر کافر ہوئے' پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے۔

زجاج نے کہا ہے: کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' امام راغب نے کہا ہے کہ ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بہ طور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں' ایمان تصدیق' اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' مومن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' جس کا معنی ہے: مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا' یا اپنے اولیاء کو عذاب سے امن میں رکھنے والا' منذری نے ابو العباس سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کی تصدیق کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی تصدیق کرے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ کا نام مومن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وہ اس اعتبار سے مومن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو عذاب سے امان میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے' یہ علامہ ابن اثیر کا قول ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۱۲۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۲) امام ابو منصور ماتریدی کا مذہب ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے لیے شرط ہے۔ یہ دونوں تعریفیں نفس ایمان کی ہیں۔

(۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان کے دو جز ہیں' اقرار اور تصدیق' لیکن اکراہ کے وقت اقرار ساقط ہو سکتا ہے۔

(۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں' تصدیق' اقرار اور اعمال صالحہ' لیکن اعمال کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے' یہ تعریف ایمان کامل کی ہے۔

(۵) معتزلہ میں سے واصل بن عطاء' ابو الہذیل اور قاضی عبد الجبار کا یہ نظریہ ہے کہ تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور اعمال میں واجب اور مستحب داخل ہیں اور عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا' عمل کی نفی سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا اور تکذیب نہ کرنے کی وجہ سے وہ کفر میں داخل نہیں ہوا۔

(۶) ابو علی جبائی معتزلی اور ابو ہاشم معتزلی کا یہ مسلک ہے کہ فقط اعمال واجبہ کا نام ایمان ہے' باقی تفصیل حسب سابق ہے۔

(۷) نظام معتزلی کا مذہب ہے: جس کام پر وعید ہے اس کے ترک کرنے کا نام ایمان ہے۔

(۸) خوارج کا مذہب ہے: تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور انسان معصیت کے ارتکاب سے کافر

ہو جاتا ہے خواہ معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۹) کرامیہ کا یہ قول ہے کہ فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(۱۰) غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ اقرار بہ شرط معرفت کا نام ایمان ہے۔

(۱۱) جہم بن صفوان کا یہ نظریہ ہے کہ فقط معرفت بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۱۲) مرجئہ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔

نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام شافعی سے منقول ہے کہ ایمان تصدیق' اقرار اور عمل کا نام ہے' جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ منافق ہے' جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے' وہ دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا' اور جنت میں داخل ہو جائے گا' امام رازی نے کہا: اس مسلک پر یہ قوی اشکال ہے کہ جب اعمال ایمان کا جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہوگا؟ اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت میں داخل ہوگا؟ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں اعمال کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس سے ملاقات پر' اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ' اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم)

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان' ایمان کامل کے معنی میں ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے' آپ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' محمد اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا۔ (صحیح مسلم)

پہلی حدیث میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور اس دوسری حدیث میں ایمان' ایمان کامل کے معنی میں ہے' اور جن احادیث میں اعمال کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث میں عمل کی نفی کے باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے' اس کی مثال یہ ہے:

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جس شخص نے بھی ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا' پھر اسی پر مر گیا' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا' میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو! آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں نفس ایمان مراد ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع ایمان کی تفسیر کی طرف ہے اور ایمان کا کون سا معنی منقول شرعی ہے اور کون سا معنی مجاز ہے اس میں اختلاف ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وجہ سے دوزخ میں دخول سے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے اس میں اہل سنت کا اتفاق ہے اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔
حاصل بحث یہ ہے کہ سلف اور امام شافعی نے جو اعمال کو ایمان کا جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے اور جب وہ کسی بے عمل یا بد عمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل وہ کہتے ہیں کہ اس شخص میں ہر چند کہ ایمان کامل نہیں ہے لیکن وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۲۔۱۰۳ ملخصاً مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:
ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کرنا اور آپ کو مخبر صادق ماننا ہے کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۴۶)

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے انہوں نے فرعون سے فرمایا:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۝

موسیٰ نے فرمایا: یقیناً تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون! میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا اس کے باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق قرار دے۔
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۰۴ ملخصاً مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:
ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے پس جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہے۔ (بیان القرآن ص ۳ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)
جیسا کہ باحوالہ تفصیل اور تحقیق سے واضح ہو گیا ہے ایمان سچا سمجھنے یا سچا جاننے کو نہیں کہتے بلکہ ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں اس لیے ایمان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے شیخ محمود الحسن نے بھی "یومنون بالغیب" کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے: یعنی جو

چیزیں ان کے عقل وحواس سے مخفی ہیں (جیسے دوزخ' جنت' ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں۔ (شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ حاشیۃ القرآن ص ۳' مطبوعہ العربیۃ السعودیہ) شیخ محمود الحسن کی بھی یہ عبارت صحیح نہیں ہے اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کی وجہ سے کسی خبر کو حق اور یقینی ماننا ایمان ہے' اس کو حق اور یقینی سمجھنا ایمان نہیں ہے' کیونکہ بعض کفار ان خبروں کو حق اور یقینی سمجھتے تھے لیکن عناداً مانتے نہیں تھے' البتہ انہوں نے اس کے بعد یہ جملہ لکھا ہے: ان امور غائبانہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔ یہ جملہ صحیح ہے' لیکن ان دونوں شیوخ نے ایمان کی تعریف صحیح نہیں لکھی۔

ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

ہم نے ذکر کیا تھا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے' اس پر محققین نے حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ. (المجادلہ: ۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ. (المائدہ: ۴۱) انہوں نے اپنے منہ سے کہا: ہم ایمان لائے ہیں' حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ. (الحجرات: ۱۴) دیہات کے لوگوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ فرمائیں: تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو: ہم نے اطاعت کی ہے' اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ان آیات میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے' اقرار کا محل زبان اور اعمال کا تعلق باقی اعضاء سے ہوتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ (البقرہ: ۸) اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے' حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ۝

زبان سے اقرار کے باوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی' نیز قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون: ۱) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں ۝

ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں' اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلیل ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ (الکہف: ۱۰۷) کیے ان کے لیے جنت الفردوس کی مہمانی ہے O

اس آیت میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغایر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل: ۹۷)

جس نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں' اور اسی نہج پر یہ آیات ہیں:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ۔ (النساء: ۱۲۴)

اور جس نے نیک کام کیے خواہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا O (طٰہٰ: ۱۱۲)

اور جس نے نیک کام کیے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف ہو گا نہ کسی نقصان کا O

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (الانفال: ۱)

اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو' بہ شرطیکہ تم مومن ہو O

قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے' اگر نیک اعمال ایمان کا جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۭ (البقرہ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے' اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ (الحجرات: ۹)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

جب دو جماعتیں قتال کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہو گی اور اس آیت میں دونوں جماعتوں پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ (النور: ۳۱)

اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں ہے' اور اسی نہج پر یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ (التحریم: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ اور محدثین اور دیگر اسلاف جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے وہ

قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا. (الانفال: ٢)

اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کردیں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (التوبہ: ١٢٤)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں کس کے ایمان کو زیادہ کردیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کردیا اور وہ خوش ہوتے ہیں ○

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ. (آل عمران: ١٧٣)

لوگوں نے ان سے کہا: بے شک لوگوں نے (تم سے مقابلہ کے لیے بڑے لشکر) جمع کرلیے ہیں سو تم ان سے ڈرو' تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ۭ (الاحزاب: ٢٢)

اور جب مسلمانوں نے (کافروں کے) لشکر دیکھے (تو) کہنے لگے: یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس سے ان کا ایمان اور اسلام زیادہ ہی ہوا ○

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى. (محمد: ١٧)

اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کردیا۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ۖ (الکہف: ١٣)

بے شک کچھ جوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کردیا ○

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ. (الکہف: ١٣)

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کردیتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا. (المدثر: ٣١)

اور ہم نے (دوزخ کے فرشتوں کی تعداد) صرف اس لیے مقرر کی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو' اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہوجائے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ. (الفتح: ٤)

وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کی زیادتی ہو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ' محدثین اور دیگر اسلاف جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' انہوں نے بہ کثرت احادیث سے استدلال کیا ہے' جن میں سے بعض احادیث یہ ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ساٹھ اور کچھ حصے ہیں' اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں' اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کردے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ کو ادا کریں' اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا اس کے جو اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا معنی جانتے ہو؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے' آپ نے فرمایا: یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ان احادیث میں ایمان کے متعدد اجزاء بیان کیے گئے ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جز پر عمل کو ترک کرے گا اس کا ایمان اس شخص سے کم ہوگا' جو ان تمام اجزاء پر عمل کرے گا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکور الصدر آیات اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان کم ہوگا اور اعمال زیادہ ہوں گے تو ایمان زیادہ ہوگا۔

ان تمام آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں' اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بالاتفاق مراد نہیں ہے۔

امام رازی نے کہا: یہ بحث لفظی ہے کیونکہ اگر ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہ کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا اور اگر اس سے مراد عبادات ہوں تو وہ کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے' پھر امام نے کہا: عبادات تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں' اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا' ان سے مراد اصل ایمان اور نفس ایمان ہے اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے ان سے مراد ایمان کامل ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے: حق یہ ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے' خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب وہ اعتقاد جازم ہے جو قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے' کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے' جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کمی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے' پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق کیفیت نفسانیہ ہے' جیسے خوشی' غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اور ان میں قوت' ضعف اور کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اسی طرح تصدیق میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام افراد امت کا ایمان

برابر ہو اور یہ اجماعاً باطل ہے اور دوسری وجہ ہے تصدیق تفصیلی‘ کیونکہ انسان کو جس جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لے کر آئے ہیں‘ اس کا ایمان اس کے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا‘ اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔

بعض علماء نے اس تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجمالی طور پر تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے‘ پھر جیسے جیسے اس کو احکام شرعیہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور کثرت دلائل سے ایمان زیادہ ہوتا ہے‘ یہی وجہ ہے کہ صدیقین اور علماء راسخین کا ایمان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے‘ یہی وجہ ہے کہ تشکیک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۹۔۱۰۸‘ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر‘ ۱۳۴۸ھ)

آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ایک بحث یہ ہے کہ آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد ہیں‘ پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے: انقیاد (اطاعت) اور اذعان (ماننا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اللہ کی اطاعت کرنا‘ کلمہ شہادت پڑھنا‘ واجبات پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا‘ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو‘ نماز قائم کرو‘ زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو‘ اور اسلام کا اطلاق دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں: دین یہودیت‘ دین نصرانیت‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ (آل عمران: ۱۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذاق طعم الاسلام من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا. جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا‘ اور اسلام کو دین مان لیا‘ اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے‘ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں اور یہی صحیح ہے‘ اور بعض محدثین‘ متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعاً مترادف ہیں‘ علامہ خطابی نے کہا: ایمان اور اسلام مطلقاً متحد یا متغائر نہیں ہیں‘ کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے‘ اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا‘ (یعنی بعض اوقات اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے‘ (یعنی ہر وقت انقیاد باطن کرتا ہے) لہٰذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے‘ اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (اطاعت) ہے‘ بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا‘ اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا‘ میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم‘ خصوص مطلق کی نسبت ہے‘ جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے‘ اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم‘ خصوص من وجہ کی نسبت ہے‘ کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے‘ مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود‘ اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے‘ اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل

کرنے سے پہلے اچانک مرجائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے' کیونکہ اس نے باطنی اور ظاہری اطاعت نہیں کی اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام' تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں' لہٰذا ایمان اور اسلام مفہوماً متغایر اور مصداقاً متحد ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ایمان اور اسلام واحد ہیں' کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا' اور یہ ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الذاریات: ۳۶۔۳۵)

اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال لیا ۝ تو ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ پایا ۝

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے' ایمان اور اسلام کے اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے' خواہ مفہوم متغایر ہو) اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متغایر مانتے ہیں' جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں' اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (طاعت) کا نام اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا انقیاد متحقق نہیں ہوگا' اس لیے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴)

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ فرمائیں: تم ایمان نہیں لائے' ہاں! یہ کہو کہ ہم اسلام لائے (مطیع ہوئے ہیں)۔

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقق کی تصریح ہے' ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا' اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے' جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔

(بخاری و مسلم)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبد القیس کے وفد سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ فقط اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں۔

غیب کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جس چیز کا حواس (خمسہ) سے ادراک نہ کیا جاسکے اور نہ اس کو ابتداء عقل سے معلوم کیا جاسکے' وہ غیب ہے' اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۳۶۷' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے' ابو اسحاق زجاج نے ''یؤمنون بالغیب'' کی تفسیر میں کہا ہے: جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے' جیسے مرنے کے بعد اٹھنا' جنت' دوزخ' اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔

(تاج العروس ج ۱ ص ۴۱۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

آیت مذکورہ میں غیب کا مصداق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اس جگہ غیب کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے' ایک گروہ نے کہا: اس آیت میں غیب سے مراد اللہ سبحانہ ہے' ابن العربی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' دوسرے مفسرین نے کہا: اس سے مراد قضاء وقدر ہے' ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد قرآن اور قرآن میں مذکور غیوب ہیں' بعض علماء نے کہا: ہر ایسی چیز جس کی طرف عقل کی رسائی نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے وہ غیب ہے مثلاً علامات قیامت' عذاب قبر' حشر' نشر' صراط' میزان اور جنت' دوزخ وغیرہ' ابن عطیہ نے کہا: یہ اقوال متعارض نہیں ہیں' بلکہ ان سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

آیت مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے قیامت تک کے متبعین ہیں کیونکہ وہ قرآن کے غیب کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے' اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں' حارث بن قیس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: اے اصحاب محمد! ہم آپ کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ آپ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم تم کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ تم آپ پر بن دیکھے ایمان لائے ہو اور افضل ایمان' ایمان بالغیب ہے' پھر حضرت عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی: ''الذین یؤمنون بالغیب''۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۹۰' مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو دیکھا اس کے لیے ایک سعادت ہے' اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا' اس کے لیے سات سعادتیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے' ان میں سے ایک شخص کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ اپنے (سارے) اہل اور مال کے بدلہ میں میری زیارت کرلے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟

اس آیت میں متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جنت دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کی قسم ہے' اس کا معنی ہے: وہ غیب کا علم رکھتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے' لیکن یہ واضح رہے کہ اس غیب سے مراد الغیب المطلق (جمیع معلومات الٰہیہ) نہیں ہے بلکہ غیب کے وہ افراد مراد ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے متقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے خبر دی ہے۔ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد عقلاً جائز ہے شرک نہیں ہے' بہ شرطیکہ اس سے مراد مخصوص غیب ہو "الغیب المطلق" (تمام معلومات کا علم) نہ ہو۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کا ابتداءً صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے اور ہم کو اس میں سے صرف ان ہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا ہے یا جن کے علم پر دلیل قائم ہے' اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو غیب کا علم ہے اور یہاں غیب سے مراد صانع اور اس کی صفات' امور نبوت' حشر ونشر اور حساب وغیرہ ہیں۔

(کشاف ج ۱ ص ۱۷' مطبوعہ مطبعہ بہیہ' مصر' ۱۳۴۳ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

رہا وہ غیب جس کے حصول پر دلیل قائم ہے تو یہ کہنا نا جائز نہیں کہ ہمیں اس غیب کا علم ہے جس کے حصول پر ہمارے لیے دلیل قائم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۹' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

متعدد مفسرین نے "وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا" (الکہف: ۶۵) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خضر کو غیب کا علم تھا۔

علامہ سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

حضرت خضر ایک مرد تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۳۱' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو علم الغیب سے علم عطا فرمایا تھا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

ہم نے ان کو اپنا علم لدنی سکھایا' یعنی علم الغیب۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۱۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو سعود حنفی نے اس علم کے متعلق لکھا ہے۔

یہ غیوب کا علم ہے۔ (تفسیر ابو سعود علی ھامش الکبیر ج ۶ ص ۵۲۶ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی لکھا ہے: یہ غیوب کا علم ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۳۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان کے علاوہ علامہ ابن جریر طبری' علامہ ابو حیان اندلسی' علامہ شوکانی ظاہری' علامہ اسماعیل حقی حنفی' علامہ بیضاوی شافعی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ظاہری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

ان کے علاوہ بعض دیگر مستند علماء نے مخلوق کی طرف علم غیب کی اضافت کو جائز لکھا ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کو سازوں کے ساتھ پڑھا' یا اس سے پوچھا گیا: تم غیب جانتے ہو؟ اور اس نے کہا: ہاں! تو یہ کفر ہے اور جو شخص سفر کے لیے نکلا' اور کوا بول پڑا اور وہ لوٹ آیا تو اس کے کفر میں اختلاف ہے' میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں مسئلوں میں کفر نہیں ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۲۸۶ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جو کہتا ہوں کہ مومن کو غیب کا علم ہے' اس سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیا کو بعض غیوب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ قول مقبول ہوگا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور نقلاً واقع ہے' یہ ان جملہ کرامات سے ہے جو شمار سے باہر ہیں۔ بعض اولیاء کو خطاب (الہام) کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے' بعض کو کشف حجاب کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے' اور بعض اولیاء اللہ کے لیے لوح محفوظ کو منکشف کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کو دیکھ لیتے ہیں' اور اس پر دلیل کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت خضر بعض کے نزدیک ولی تھے (اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ وہ نبی تھے) اور قرآن مجید نے ان کے علم غیب کو بیان کیا ہے' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے حمل کے متعلق خبر دی کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا' اور اسی طرح ہوا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عجم میں ساریہ اور اس کا لشکر منکشف ہو گیا' اور انہوں نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کہا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا' "رسالہ قشیریہ" اور "عوارف المعارف" میں بعض اولیاء کے غیب کی خبر دینے کے بہت واقعات ہیں۔

(فتاوی حدیثیہ ص ۲۶۷ 'مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

شیخ اکبر ابو عبداللہ نے اپنی کتاب "معتقد" میں لکھا ہے: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال میں ترقی کرتا ہوا مقام روحانیت سے واصل ہو جاتا ہے' پھر اس کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۶۲ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے ایک معاملہ میں یا چند معاملات میں علم غیب کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' علامہ نووی نے "روضۃ الطالبین" میں جو تکفیر کی نفی کی ہے اس کا یہی محمل ہے اور جس نے تمام معاملات میں علم کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر کی جائے گی اور جن فقہاء نے علم غیب کے مدعی کی تکفیر کی ہے اس کا یہی محمل ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۱ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی جن آیتوں میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں' کیونکہ انبیاء اور اولیاء کا علم اللہ تعالیٰ کے اعلام (خبر دینے) سے ہے' اور ہمارا علم ان کے اعلام سے ہے' اور یہ اللہ تعالیٰ کے

اس علم کا غیر ہے جس کے ساتھ وہ متفرد ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ ابدیہ میں سے ایک صفت ہے جو علامات حدوث' تغیر اور نقص سے منزہ ہے بلکہ وہ علم واحد ہے جس سے اس کو تمام کلیات اور جزئیات اور ''ما کان وما یکون'' کا علم ہے (صفت واحدہ امور غیر متناہیہ کے لیے منشاء انکشاف ہے) اور مخلوق کا علم اس طرح نہیں ہے' اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جس علم کے ساتھ اپنی مدح کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا وہ یہی علم ہے اور اللہ کے علاوہ اگر کسی کو غیب کا علم ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے چند جزئیات کا علم ہے' اور اس وقت مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو غیب کا علم ہے' کیونکہ ان کے پاس ایسی کوئی صفت نہیں ہے جس کے ساتھ وہ مستقلاً علم غیب کو حاصل کرنے پر قادر ہوں' نیز ان کو از خود علم نہیں ہوتا' ان کو علم دیا جاتا ہے' اور وہ غیب مطلق کو نہیں جانتے اور ان کو جس چیز کا علم دیا جاتا ہے' اس میں فرشتے اور دوسرے بھی ان کے شریک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انبیاء اور اولیا کو بعض غیوب کی خبر دینا کسی وجہ سے محال کو مستلزم نہیں ہے' اس لیے اس کا انکار کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ''الغیب المطلق'' کے علم کے ساتھ متفرد ہے جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے' اور وہ اپنے رسولوں کو ان بعض غیوب پر مطلع فرماتا ہے جو ان کی رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں' ان کو یہ اطلاع وحی صریح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو واضح اور جلی ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہوتا' اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ اپنے بعض اولیاء کو بھی بعض غیوب سے مطلع فرمائے اور یہ اطلاع انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے کم مرتبہ کی ہوتی ہے' بہر حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو غیب مختص ہے وہ الغیب المطلق ہے اور بندہ جس غیب کا مدعی ہوتا ہے وہ غیب حقیقی نہیں ہوتا' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۴' سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے' اس کی تشریح ''حاشیہ کشاف'' پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے' کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۴۷۔۴۶' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

علامہ میر سید شریف نے ''حاشیہ کشاف'' پر لکھا ہے:

غیر اللہ کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ شخص ابتداء اور از خود علم غیب رکھتا ہے' لیکن جب مقید کر کے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم غیب دیا ہے' یا اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب پر مطلع کیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (حاشیہ کشاف بر کشاف ج ۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ مصر)

نیز امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

علم غیب میں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا (الی قولہ) برابری تو درکنار میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو کروڑ سمندر سے ہے کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ (علم الٰہی) غیر متناہی ہے' غیر متناہی کو متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

قرآن مجید میں ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (الجن:۲۶) وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا O مگر جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' اور اولیا کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا اور یہ کرامات اولیاء کے خلاف ہے' علامہ تفتازانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ''الغیب'' سے مراد عموم نہیں ہے (''الغیب المطلق'' مراد نہیں ہے) بلکہ ''مطلق الغیب'' مراد ہے (یعنی غیر رسول سے ہر غیب کی نفی مراد نہیں ہے) یا غیب سے مراد غیب خاص ہے اور وہ وقت وقوع قیامت ہے' جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے' اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسل ملائکہ یا رسل بشر کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے (گویا کہ اولیاء کرام کو وقت وقوع قیامت پر مطلع نہیں فرماتا اور باقی غیوب میں سے جس قدر چاہے مطلع فرماتا ہے) اور اگر اس استثناء کو منقطع قرار دیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے' کیونکہ جب اسم جنس مضاف ہو تو وہ بہ منزلہ معرف باللام ہوتا ہے یا یہ کلام سلب عموم کے لیے ہے' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض غیوب پر مطلع فرمائے' اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہ طریقہ وحی صرف رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تب بھی کوئی اشکال نہیں (کیونکہ اولیاء کو بہ طریقہ الہام غیب پر مطلع فرماتا ہے)۔ خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کا استدلال اس پر قائم ہے کہ یہ کلام عموم السلب کے لیے ہو یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے کسی چیز کو کسی فرد پر ظاہر نہیں فرماتا اور یہ لازم نہیں ہے۔

(شرح مقاصد ج ۵ ص ۷۷۔۷۶' مطبوعہ منشورات الشریف' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

حق کی آنکھ سے کل کا مشاہدہ کرنا غیب ہے' کبھی قرب نوافل کی وجہ سے بندہ پر کرم ہوتا ہے اور حق سبحانہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور قرب فرائض کے بعد وہ اور ترقی کرتا ہے' پھر وہاں ایسا نور ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے غیب شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہمارے سامنے سے غائب ہوں وہ اس کے سامنے حاضر ہو جاتی ہیں' اس کے باوجود جو شخص اس مقام پر واصل ہو' ہمیں اس کے حق میں کہنا جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کو غیب کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ . (النمل:۶۵) فرما دیجئے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی (بہ ذات خود) غیب کو نہیں جانتا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ جس علم کی اللہ تعالیٰ کے غیر سے نفی ہے یہ وہ علم ہے جو بہ ذاتہٖ ہو اور بلاواسطہ ہو اور جو علم خواص کو حاصل ہے' وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے افاضہ کرنے کی وجہ سے ہے' اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے بہ ذاتہٖ اور بلاواسطہ غیب کو جان لیا' بلکہ یہ کفر ہے' اس لیے یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے' ہر چند کہ عقلاً یہ کہنا جائز ہے کہ

انہیں غیب کا علم دیا گیا سوانہیں غیب کا علم ہے یا وہ غیب جانتے ہیں لیکن اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی ظاہر آیات سے تصادم اور تعارض ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور اس میں سوء ادب بھی ہے۔
(روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو علی حسب المراتب غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے لیکن غیب مطلق (یعنی تمام معلومات کا احاطہ کاملہ) یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اسی کو غیب مطلق کا علم ہے اور غیب کی جن خبروں پر اللہ نے اپنے خواص کو مطلع فرمایا ہے ان کے اعتبار سے ان بندوں کو غیب کا علم ہے لیکن اس کو علم الغیب کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کو ایسی صفت حاصل نہیں ہے جس سے ان پر ہر غیب منکشف ہو یہ علامہ شامی کی بیان کردہ توجیہ ہے اور علامہ آلوسی کی توجیہ یہ ہے کہ اگر چہ ان کو بعض غیوبات پر مطلع کیا گیا لیکن ظاہر آیات سے تعارض کی بناء پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کو غیب کا علم ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کو غیب پر مطلع کیا گیا ہے یا ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے اور امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کی تحقیق ہے کہ مطلقاً علم غیب بولا جائے تو اس سے علم ذاتی مراد ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض غیوب کو ظاہر فرمایا' آپ کو بعض غیوب پر مطلع کیا گیا یا آپ کو غیب کی خبریں دی گئیں' اور جن علماء اور فقہاء کی عبارات میں مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد کیا گیا ہے' وہاں چونکہ غیب سے مراد غیب مطلق نہیں ہے اس لیے وہ عبارات عقلاً جائز ہیں اور کفر و شرک نہیں ہیں لیکن ایسا کہنا شرعاً مستحسن نہیں ہے۔

جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟

ایک عام سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو غیب کی خبر دے دی گئی تو پھر وہ غیب نہ رہا' اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غیب ایک امر اضافی ہے سو جن لوگوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ان کے اعتبار سے وہ غیب ہے' جیسے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں' سو اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بھی اضافی ہے یعنی جو چیز ہمارے اعتبار سے غیب ہے وہ اس کا عالم ہے' لیکن یہ سوال و جواب غیب کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں' غیب کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ سوال وارد نہیں ہوتا' کیونکہ غیب کا اصطلاحی معنی ہے' جو چیز حواس خمسہ (عادیہ) اور بداہت عقل سے معلوم نہ ہو سکے اور جس غیب کی خبر دے دی جائے وہ پھر بھی غیب ہے کیونکہ اس کو حواس خمسہ اور بداہت عقل سے معلوم نہیں کیا جا سکتا' مثلاً ہم کو جنت' دوزخ اور قیامت کی خبر دے دی گئی لیکن یہ چیزیں پھر بھی غیب ہیں کیونکہ ہم ان کو حواس خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے نہ بداہت عقل سے جان سکتے ہیں' اگر یہ سوال کیا جائے کہ صاحب قوت قدسیہ تو ان مغیبات کا مشاہدہ کر لیتا ہے' اس کے لیے یہ چیزیں غیب نہ رہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کے لیے بھی غیب ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے حواس خمسہ عادیہ سے ان چیزوں کو نہیں جان سکتا' اس نے ان کو غیر معمولی اور غیر عادی قوتوں سے جانا ہے' اور اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جو چیز انسان کے حواس خمسہ (عادیہ) اور اس کی بداہت عقل سے معلوم نہ کی جا سکے' وہ اس کا عالم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ حواس خمسہ اور عقل سے پاک اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۳)

ایمان بالغیب کے بعد اس آیت میں متقین کی دوسری صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔

صلوٰۃ کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

صلوٰۃ' عبادات مخصوصہ (نماز) کا نام ہے' اس کی اصل دعا ہے اور چونکہ اس عبادت کا ایک جز دعا ہے' اس لیے کل کو جز کا نام دے دیا گیا' کوئی شریعت صلوٰۃ سے خالی نہیں رہی اگرچہ اس کی ہیئت مختلف شریعتوں میں مختلف تھی' عبادت کی جگہ کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں' اس لیے کلیسا پر بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ. (الحج: ۴۰)

تو ضرور گرادی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں' گرجے' کلیسے اور مسجدیں۔

(المفردات ص ۲۸۶-۲۸۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

اقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے تمام حقوق و فرائض اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ. (المائدہ: ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس (کلام) کو (قائم رکھتے) جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے نازل کیا گیا ہے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے پاؤں تلے سے (کھاتے)۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. (الشوریٰ: ۱۳)

اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ. (البقرہ: ۲۲۹)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں (میاں' بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت کے بدل خلع میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○ (الرحمان: ۹)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو ○

اس اعتبار سے اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط پوری کی جائیں' اس کے تمام فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات کے ساتھ نماز کی تمام ظاہری حدود پوری کی جائیں' اور نماز میں ادھر ادھر کی سوچ و بچار نہ ہو' اور نماز کے دوران دنیاوی منصوبوں اور دنیاوی خیالات میں منہمک اور مستغرق نہ ہو' وہ صرف یہ سوچے کہ وہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے اور اس سے مناجات کر رہا ہے' فقط اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دوران نماز اس کا ڈر اور خوف دامن گیر رہے' یہ نماز کی باطنی حدود ہیں اور اسی کا نام خشوع ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ (المومنون: ۲)

وہ لوگ جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں ○

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

پھر حضرت عثمان بن عفان کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من توضا نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

نے فرمایا: جس نے میرے اس طریقہ سے وضو کیا' پھر اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ اس میں اپنے دنیاوی کاموں کے منصوبے بنائے اور نہ ان میں سوچ بچار کی تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

عن انس قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان احدکم اذا صلی یناجی ربه الحدیث۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے چپکے چپکے ہمکلام ہوتا ہے۔

نیز ''اقام العود'' کا معنی ہے: گیلی لکڑی کی کجی کو آگ کی گرمی پہنچا کر سیدھا کرنا' اس لحاظ سے ''اقامت صلوۃ'' کا معنی ہے: ہر قسم کی کمی اور کجی سے افعال نماز کی حفاظت کرنا' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ (المومنون: ۹)

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

''اقام'' کا معنی کسی چیز کو دائما کرنا بھی ہے' اس لحاظ سے ''اقامت صلوۃ'' کا معنی ہے: نماز کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا' قرآن مجید میں ہے:

الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ (المعارج: ۲۳)

وہ لوگ جو نمازوں کو پابندی سے ہمیشہ پڑھتے ہیں O

''اقام الامر'' کا معنی کسی چیز کو شوق کی فراوانی' پوری توجہ اور دلچسپی سے کرنا بھی ہے' اس لحاظ سے ''اقامت صلوۃ'' کا معنی ہے: نماز کو اس کے وقت پر پوری توجہ' شوق اور انہماک سے پڑھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵-۴)

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے O جو اپنی نماز سے غافل ہیں O

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (النساء: ۱۴۲)

اور جب منافق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں (محض) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور صرف تھوڑا سا اللہ کا ذکر کرتے ہیں O

خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے: نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ پڑھنا' ہر قسم کی کمی اور کجی سے نماز کی حفاظت کرنا' نماز کو پابندی اور دوام کے ساتھ پڑھنا اور نماز کو اپنے وقت پر شوق اور توجہ سے پڑھنا۔

بہ تدریج نمازوں کی فرضیت کی کیفیت کا بیان

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

بعثت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص نبی کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے' بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور نبی کی شریعت میں سے جو چیز آپ کے کشف (یا اجتہاد) کے مطابق ہوتی تھی' آپ اس پر عمل کرتے تھے اور حدیث صحیح میں ہے کہ آپ غار حرا میں عبادت کرتے تھے۔ (بخاری) (الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

غار حرا میں آپ کی عبادت کئی انواع پر مشتمل تھی‘ لوگوں سے تخلیہ‘ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور غور وفکر اور بعض علماء نے کہا کہ غار حراء میں آپ کی عبادت صرف تفکر تھی۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۳۹‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۰۷ھ)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی‘ حضرت جبریل وضو کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا‘ پھر جبریل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۶۳‘ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ‘ ملتان)

اس طرح پہلی وحی کے ساتھ نماز کی ابتداء ہوگئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ شب معراج سے پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی اور اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (المزمل: ۴۔۱)

اے چادر لپیٹنے والے! ۝ رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑی رات ۝ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کردیں ۝ یا اس پر کچھ بڑھا دیں اور (حسب عادت) ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں ۝

علامہ حربی نے کہا ہے کہ پہلے دو نمازیں فرض تھیں‘ دو رکعت صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی اور دو رکعت شام (غروب آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ (آل عمران: ۴۱)

صبح اور شام کو اللہ کی تسبیح کیجئے ۝

اور امام شافعی نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ پہلے پوری رات کی نماز فرض تھی‘ پھر حسب ذیل آیت سے پوری رات کا قیام منسوخ ہوگیا اور رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہوگیا:

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (المزمل: ۲۰)

اللہ کو علم ہے (اے مسلمانو!) تم پوری رات کا ہرگز احاطہ نہ کرسکو گے تو وہ رحمت سے تم پر متوجہ ہوا‘ سو اس میں سے جتنا آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور جب شب اسراء کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کے حصہ کے قیام کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۶۵‘ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ‘ لاہور‘ ۱۴۰۱ھ)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے ہوئی‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی‘ پھر سفر میں یہ تعداد برقرار رہی اور حضر میں رکعات کی تعداد بڑھا دی گئی‘ ہجرت کے ایک سال بعد یہ تعداد بڑھائی گئی تھی۔

(الروض الانف ج ۱ ص ۱۶۳۔۱۶۲‘ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ‘ ملتان)

عبادات میں نماز کی جامعیت

نماز اسلام کی تمام عبادات کی جامع ہے‘ نماز میں توحید و رسالت کی گواہی ہے‘ راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہے‘ قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے‘ دوران نماز کھانے پینے کو ترک کرنا اور نفسانی خواہشوں سے باز رہنا ہے اور ان امور میں زکوٰۃ‘ حج اور روزہ

کی طرف اشارہ ہے' قرآن کریم کی تلاوت ہے' اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کی تعظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور آپ کی تکریم ہے' آخر میں سلام کے ذریعہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے' اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعا ہے' اخلاص ہے' خوف خدا ہے' تمام برے کاموں سے بچنا ہے' شیطان سے' نفس کی خواہشوں سے اور اپنے بدن سے جہاد ہے' اعتکاف ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے' اپنے گناہوں کا اعتراف اور استغفار ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے' مراقبہ ہے' مجاہدہ ہے' مشاہدہ ہے اور مومن کی معراج ہے۔

قرآن کریم میں نوے سے زیادہ مرتبہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے' اسلام میں سب سے پہلی عبادت نماز ہے' یہ صرف نماز کی خصوصیت ہے کہ وہ امیر و غریب' بوڑھے اور جوان' مرد اور عورت' صحت مند اور بیمار ہر ایک پر یکساں فرض ہے' یہی وہ عبادت ہے جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی' اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو' اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھو' اگر قیام نہیں کر سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو' حالت جنگ یا سفر میں اگر سواری سے اتر نہیں سکتے تو سواری پر پڑھو' بہرحال نماز کسی حال میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔

قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اور نماز قائم رکھو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ○

(الروم: ۳۱)

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ (جنتی مجرموں سے سوال کریں گے:) تم کو کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا؟○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے○

(المدثر: ۴۳-۴۲)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان (فرق) نماز کو ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ ھ)

یعنی نماز کو ترک کرنا کافروں اور مشرکوں کا کام ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے' اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا: دیکھو کیا اس کی کچھ نفلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے' پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۸۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں ان کو مار مار کر ان سے نماز پڑھواؤ اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۷۱ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۷ ' ۱۸۰ ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ بار بار فرماتے تھے: نماز اور غلام۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۷ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزع روح کے وقت جب اپنی جان کی سخاوت فرما رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: نماز اور غلام۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۵۳ ' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا' انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے گرنے لگے' پھر انہوں نے کہا: اے ابوعثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا' میں آپ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا' آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر اسے ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے' آپ نے فرمایا: اے سلمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۚ (ہود: ۱۱۴)

اور دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو قائم رکھو' بے شک نیکیاں' برائیوں کو مٹا دیتی ہیں' یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۹ ـ ۴۳۸ ـ ۴۳۷ ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام دارمی[1] اور امام طبرانی[2] نے بھی روایت کیا ہے:

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو ''معجم اوسط'' اور ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے' امام احمد کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے' اس کی روایت سے استدلال میں اختلاف ہے اور اس کی سند کے بقیہ راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸ ' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

---

[1] امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی ج ۱ ص ۱۴۸ ' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

[2] امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر ج ۶ ص ۲۵۷ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے سر کے اوپر اس کے گناہ جمع ہو جاتے ہیں اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں' اس حدیث کو امام ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۹ ص ۵۱۸۔ ۵۱۷، مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابن عساکر حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وضو کرے اور تین بار اپنے ہاتھوں کو دھوئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے' اور جو کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور ہونٹوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے' اور جو اچھی طرح وضو کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو' راوی نے پوچھا: آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ فرمایا: ایک' دو' تین' چار' پانچ' چھ بار نہیں' بے شمار مرتبہ سنا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۰۰، مطبوعہ دارالفکر' دمشق' ۱۴۰۴ھ)

تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو' لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو' اس کے متعلق امام احمد' اسحاق' اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو تین وجوہ کے سوا اور کسی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں ہے' ایمان کے بعد کفر کرے یا شادی شدہ شخص زنا کرے یا کسی شخص کو بغیر بدلہ کے قتل کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان (سلامتی کا) عہد نماز ہے' سو جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا (ترمذی ونسائی) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اور کفر اور شرک کے درمیان (فرق) نماز کا ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیثیں امام احمد' اسحاق اور ابن المبارک کی دلیل ہیں جو تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس کے کفر کی وجہ سے اس کے قتل کو واجب قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اس حدیث کو تغلیظ اور زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا' کافروں کا فعل ہے اور یہ صورۃً کفر ہے حقیقۃً کفر نہیں ہے اور امام مالک اور امام شافعی جو تارک نماز کے حداً قتل کرنے کو واجب کہتے ہیں ان کا قول ضعیف ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے البتہ ایک ضعیف قیاس ہے کہ سب سے بڑا حکم نماز کا ہے اور سب سے بڑی نہی قتل ہے' اور امام احمد وغیرہ جو تارک صلوٰۃ کو کافر کہتے ہیں یہ قول خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے جو گناہوں کی وجہ سے مومن کی تکفیر کرتے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۶۔ ۶۵ ملخصاً مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار کیے بغیر سستی سے نماز کو ترک کیا تو اس کو نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے' اگر وہ نماز کا وقت تنگ ہونے تک نہ پڑھے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے' یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور اصحاب کا عمل ہے' ابو اسحاق بن شاقلا نے کہا: اگر اس نے ایک نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت بھی نکل گیا تو اس کو قتل کرنا واجب ہے' یہ قول حسن ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ تین نمازیں ترک کرے اور چوتھی کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ایک روایت میں تین دن کی نمازوں کا ذکر ہے۔ (الانصاف ج ۱ ص ۴۰۱' ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۶ھ)

نماز پڑھنے کی دعوت امام یا اس کے نائب کی طرف سے دی جائے گی' اگر دعوت سے پہلے اس نے کثیر نمازیں بھی ترک کی ہوں تو اس کو قتل کرنا واجب نہیں ہے' اس کی توبہ نماز پڑھنا ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۲' ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

آیا اس کو قتل حداً کیا جائے گا یا کفراً؟ اس میں دو روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور یہی مذہب ہے اور اکثر فقہاء کا مختار ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو حداً قتل کیا جائے گا اور یہ بعض فقہاء کا مختار ہے' اور مذہب حنبلیہ کے مطابق اس کا حکم کفار کا حکم ہے' اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا' وہ کسی کا وارث ہوگا نہ اس کا کوئی وارث ہوگا' اور وہ مرتد کی مثل ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۵۔ ۴۰۴' ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

نماز کے علاوہ اور کسی عبادت کو سستی سے ترک کیا تو یہ کفر نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱ ص ۴۰۲' ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

فقہاء حنبلیہ کا تارک نماز کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور یہ مذہب خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے' ایمان کی بحث میں ہم خارجیوں کے مذہب کا رد کر چکے ہیں۔

تارک نماز کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

جس شخص نے نماز کی فرضیت کا انکار کیا وہ مرتد ہے اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے۔

جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے نماز کو ترک کیا مثلاً نیند یا نسیان کی وجہ سے تو اس پر فقط قضا ہے اور اس کے لیے وقت میں وسعت ہے۔ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا تو صحیح قول یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور شاذ قول یہ ہے کہ وہ منکر نماز کی طرح مرتد ہے۔

صحیح قول کی بناء پر نماز کے تارک کو حداً قتل کیا جائے گا' اس کو کب قتل کیا جائے؟ صحیح قول یہ ہے کہ جب وہ ایک نماز کو ترک کر دے اور اس کا وقت تنگ ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا' دوسرا قول یہ ہے کہ جب دوسری نماز کا وقت تنگ ہو جائے' تیسرا قول یہ ہے کہ جب چوتھی نماز کا وقت تنگ ہو جائے' چوتھا قول یہ ہے کہ جب وہ چار نمازیں ترک کر دے' پانچواں قول یہ ہے کہ جب وہ سستی کی وجہ سے نمازیں ترک کرنے کا عادی ہو جائے لیکن مذہب پہلا قول ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس کو مرتد کی طرح تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

(روضۃ الطالبین ج اص ۶۶۸-۶۶۹ ملخصاً مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

جب تارک نماز کو قتل کیا جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنائی جائے گی جیسا کہ باقی مرتکبین کبیرہ کے لیے کیا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو نہ غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اس کو کفن پہنایا جائے گا اور اس کی قبر مٹادی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین ج اص ۶۴۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی نے بھی تارک نماز کے متعلق یہی تفصیل لکھی ہے۔

(نہایۃ المحتاج ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

نیز علامہ نووی لکھتے ہیں:

تارک نماز کو حداً قتل کرنے کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ (التوبہ: ۵)

تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، سو اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال (جنگ) کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے۔ (صحیح بخاری و مسلم) اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص نماز قائم نہ کرے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے، اور پہلی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو نماز نہ پڑھے اس سے قتال کرنے کا حکم ہے اور دوسری حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو تارک نماز ہو اس کو قتل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

(شرح المہذب ج ۳ ص ۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات

اس آیت سے علامہ نووی نے جو استدلال کیا ہے، فقہاء احناف نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ ان کا استدلال مفہوم مخالف سے ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال صحیح نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو ان کا راستہ نہ چھوڑ دو اور راستہ نہ چھوڑنے کو قتل کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو گرفتار کرکے ان کو قید کیا جائے یا مارا پیٹا جائے، تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر راستہ نہ چھوڑو کا مطلب قتل کرنا ہو تو پھر تارک نماز کی طرح تارک زکوٰۃ کو بھی حداً قتل کرنا واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے حالانکہ امام شافعی تارک زکوٰۃ کو قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں، چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مسلمان تارک نماز کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور بحث اسی میں ہے۔

علامہ نووی نے ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں بھی مفہوم مخالف سے

استدلال ہے' علاوہ ازیں اس میں تارک نماز سے قتال اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ہے' اس لیے شافعیہ کا تارک نماز اور تارک زکوٰۃ میں فرق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ نووی نے ''سنن ابوداؤد'' کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں بھی مفہوم مخالف سے استدلال ہے' علاوہ ازیں اس حدیث کے متعلق علامہ نووی نے خود لکھا ہے: یہ حدیث ضعیف ہے' اس میں ایک مجہول راوی ہے۔

(شرح المہذب ج ۱ ص ۱۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ حطاب مالکی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کئی نمازیں عمداً ترک کیں حتیٰ کہ ان کا وقت نکل گیا' اگر وہ ان کے متعلق سوال کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ استغفار کرے اور جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے نمازوں کو ترک کرتا ہے' اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو دھکا دیا جائے گا اور مارا پیٹا جائے گا' اگر اس کے بعد بھی اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کو حداً قتل کر دیا جائے گا نہ کہ کفراً بہ شرطیکہ وہ نماز کی فرضیت کا اقرار کرتا ہو اور منکر نہ ہو' ابن التلمسانی نے اپنی شرح میں ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ روزہ بھی نماز کی طرح ہے' اس کے تارک کو بھی قتل کیا جائے گا'' ذخیرہ'' میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک روزہ اور نماز کا تارک قتل کیا جائے گا اور امام شافعی اور عراقیین کے نزدیک تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ جبراً لی جاسکتی ہے۔ (مواہب الجلیل ج ۱ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مکتبۃ النجاح' لیبیا)

علامہ خرشی مالکی لکھتے ہیں:

اگر چہ تارک نماز یہ کہے کہ میں نماز پڑھوں گا اور بدستور ترک کرتا رہے اور نماز شروع نہ کرے' پھر بھی اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ مذہب کے نزدیک قولاً اور فعلاً امتناع اور صرف فعلاً امتناع میں کوئی فرق نہیں ہے' اس کو نماز کے ترک کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نماز کا ترک متحقق ہے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ۱ ص ۲۲۷' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

تارک نماز کو تلوار سے حداً قتل کیا جائے گا' اس کی نماز جنازہ کوئی فاضل عالم نہیں پڑھائے گا اور اس کی قبر قائم رکھی جائے گی اس کو ہموار نہیں کیا جائے گا۔ (الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

فقہاء مالکیہ کا جواب بھی وہی دلائل ہیں جن کو ہم نے فقہاء شافعیہ کے رد میں ذکر کیا ہے کیونکہ مالکیہ اور شافعیہ دونوں اس کے قائل ہیں کہ تارک نماز کو حداً قتل کر دیا جائے گا اور بقول قاضی ابن رشد مالکی اس نظریہ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے' اور جو شخص نماز کو عمداً سستی سے ترک کرے وہ فاسق ہے' اس کو قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے' کیونکہ بندہ کو بندوں کے حق کے بدلہ میں قید کیا جاتا ہے تو اللہ کے حق کے بدلہ میں بندہ کو قید کرنے کا زیادہ حق ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کو اس حد تک مارا جائے کہ اس کا خون بہنے لگے۔

(الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امام محبوبی نے کہا ہے کہ تارک نماز کو مارا جائے' اور ''حلیہ'' میں لکھا ہے کہ یہی مذہب ہے اور کہا: بشمول زہری ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے یا توبہ کرے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

فقہاء احناف کے موقف پر دلیل

فقہاء احناف تارک نماز کو فاسق کہتے ہیں اور اس کو حداً یا کفراً قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں' ان کے موقف پر یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں' جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان نمازوں کو ان کے وقت میں پڑھا اور ان کے رکوع اور خشوع کو مکمل کیا' تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اس کو بخشنے کا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر کوئی ذمہ نہیں' اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲۔ ۳۱۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو حافظ سیوطی نے امام ابوداؤد اور امام بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحادیث الکبیر ج ۴ ص ۲۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ نووی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد اور دیگر ائمہ حدیث نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (شرح المہذب ج ۱ ص ۱۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں O (البقرہ: ۳)

اس آیت میں متقین کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے۔

رزق کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

رزق کا معنی ہے: عطا' خواہ دنیاوی عطا ہو یا اخروی اور رزق کا معنی نصیب ہے' جو غذا پیٹ میں جائے اس کو بھی رزق کہتے ہیں' علم دینے کو بھی رزق کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۱۹۴' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

رزق کا اصطلاحی معنی

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

رزق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جاندار تک پہنچائے اور وہ اس کو کھائے اور پیئے خواہ وہ حلال ہو یا حرام۔

(شرح عقائد ص ۷۴' مطبوعہ سکندر علی تاجران کتب' کراچی' ۱۳۸)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

رزق وہ ہے جس کو اللہ جاندار تک پہنچائے' وہ اس کو کھائے اور رزق' حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے اور معتزلہ کے نزدیک رزق اس چیز کو کہتے ہیں جو بندہ کی ملکیت میں ہو اور وہ اس کو کھائے' اس وجہ سے حرام رزق نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ (التعریفات ص ۴۹۔ ۴۸' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف رزق کی اضافت کی ہے اس آیت میں فرمایا ہے: اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ بے شک اللہ ہی بڑا رزاق اور بڑی زبردست قوت والا ہے ○ (الذاریات: ۵۸)

اگر حرام بھی رزق ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندوں تک حرام چیزوں کا پہنچانے والا ہے اور یہ قبیح کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے نیز اگر اللہ تعالیٰ نے بندوں تک حرام چیز پہنچائی اور بندوں نے اس کو کھالیا تو پھر بندوں سے مواخذہ کرنا کس طرح صحیح ہوگا! اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق میں سے خرچ کرنے پر بندوں کی مدح فرمائی ہے اگر حرام بھی رزق ہو تو حرام کو راہ خدا میں خرچ کرنا کب لائق تعریف ہوگا! اور کفار نے جب بعض رزق کو حرام کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ آپ کہیے کہ تم بتاؤ تو سہی اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ حرام کرلیا اور کچھ حلال! (یونس: ۵۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رزق کا حرام کو شامل ہونا صحیح نہیں ہے اس لیے رزق کی صحیح تعریف یہ ہے: کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کے لیے اس کو جاندار تک پہنچانا اور دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے سے روکنا یعنی جس کو جو رزق دیا جائے اس سے نفع اٹھانا اسی کے ساتھ خاص ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کا مالک ہو اور اب حرام چیز رزق نہیں ہوگی کیونکہ حرام چیز کا انسان مالک نہیں ہوتا۔

معتزلہ کے دلائل کے جوابات

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام قبیح نہیں ہے ہر چند کہ رزق حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کا رزاق ہونا اور اس کی طرف رزق کی نسبت میں کوئی حرج نہیں ہے دیکھیے اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے اور یہ معتزلہ کو بھی تسلیم ہے تو کیا اللہ کو خالق کہنے میں کوئی حرج ہے البتہ خصوصیت کے ساتھ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے یا وہ عرش اور کرسی کا خالق ہے البتہ خصوصاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کتوں اور خنزیر کا خالق ہے یا شیاطین کا خالق ہے۔ اسی طرح خصوصیت سے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ حرام چیزوں کا رازق ہے۔

معتزلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر رزق حرام کو شامل ہو تو پھر مال حرام کھانے پر بندوں سے مواخذہ کیوں ہوگا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مال حرام کھانے سے بندوں کو منع کیا ہے اس لیے اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے بندوں سے مواخذہ ہوگا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں رزق میں سے خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے متقین کی تعریف فرمائی ہے اگر رزق حرام کو بھی شامل ہے تو یہ کیسے لائق تعریف ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ متقین اللہ کے رزق میں سے خالص حلال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہی وصف قابل تعریف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی حلال اور پاک کمائی سے خرچ کرو۔ (البقرہ: ۲۶۷)

رہا یہ سوال کہ اس آیت میں رزق سے رزق حلال مراد لینے پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی مدح فرمائی ہے اور مدح اسی وقت ہوگی جب وہ رزق حلال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ مشرکین نے بعض رزق کو حرام کرلیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت اس وجہ سے کی ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اس کو انہوں نے از خود حرام کرلیا جیسے انہوں نے بحیرہ' سائبہ وغیرہ کو از خود حرام کرلیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے (جانوروں میں سے) کسی کو بحیرہ بنایا ہے[1] نہ سائبہ نہ وصیلہ اور نہ حام۔

حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل

اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کو از راہ کرم اپنے ذمہ لیا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (ھود: ٦)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے۔

فرض کیجئے ایک شخص نے ساری عمر حرام کھایا ہے' اب اگر حرام کو رزق میں شامل نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو رزق نہیں دیا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام پر بھی رزق کا اطلاق فرمایا ہے' امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ عمرو بن مرہ آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اللہ نے میری تقدیر میں شقاوت لکھ دی ہے اور میرا خیال ہے کہ میرے پاس سوائے اپنے ہاتھ میں دف (ڈھول) بجانے کے کمائی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے' آپ مجھے اس قسم کے گانے کی اجازت دیں جس میں بے حیائی کے کلمات نہ ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے اجازت نہیں دوں گا اور نہ تجھے عزت دے کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا' اے خدا کے دشمن! اللہ نے تجھے پاک اور حلال رزق دیا اور تو نے اللہ کے حلال کیے ہوئے رزق کے بدلہ میں اللہ کے رزق میں سے حرام کو اختیار کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عمرو بن مرہ سے فرمایا:

اگر میں تجھے پہلے منع کر چکا ہوتا (اور تو اس کے بعد اجازت طلب کرتا) تو میں تجھے سزا دیتا' میرے پاس سے اٹھ جا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اگر تو نے اس کے بعد گایا بجایا' تو میں تجھے سخت دردناک سزا دوں گا' اور تیرا سر مونڈ دوں گا اور تجھ کو مثلہ (ناک' کان یا دیگر اعضا کاٹنا) کروں گا اور تجھے تیرے گھر سے نکال دوں گا' اور تیرے مال' اسباب کو مدینہ کے جوانوں کے لوٹنے کے لیے مباح کردوں گا' یہ سن کر عمرو وہاں سے اس قدر ذلت اور رسوائی کے ساتھ اٹھا جسے اللہ ہی جانتا ہے' جب وہ پیٹھ

[1] جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کردیا جائے اور کوئی اس کو استعمال نہ کرے وہ بحیرہ ہے' جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈ کی طرح چھوڑ دیا جائے وہ سائبہ ہے' جو اونٹنی مسلسل مادہ بچے جنے اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو وصیلہ کہتے تھے' جو نر اونٹ ایک خاص عدد سے جفتی کرچکا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس کو حام کہتے تھے مشرکین نے ان چاروں جانوروں کے استعمال کو لوگوں پر حرام کردیا تھا۔

پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی لوگ نافرمان ہیں ان میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مر گیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اسی طرح ننگا اور مخنث اٹھائے گا جس طرح دنیا میں وہ لوگوں سے اپنا ستر نہیں چھپاتا تھا' جب بھی کھڑا ہوگا تو مدہوش ہو کر گر پڑے گا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۸۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے عبرت کا مقام ہے جو سازوں کے ساتھ گانے میں مشغول رہتے ہیں۔

آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوٰۃ مراد ہے یا عام خرچ کرنا؟

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں' یہاں پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟ امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا مراد ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اولیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ظاہری اور باطنی نعمتیں دی ہیں ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مراد لیا جائے' سو متقین وہ ہیں جو ضرورت مندوں پر مال خرچ کرتے ہیں' اہل وعیال' قرابت داروں اور عام لوگوں کی مدد کرتے ہیں' زبان کو خدا کی راہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ خرچ کرتے ہیں' ہاتھ پیروں کی طاقت سے کمزوروں کے کام آتے ہیں' خدا کی دی ہوئی عقل سے کم عقلوں کو مشورے دیتے ہیں' تقویٰ اور پرہیزگاری کے اثر سے ان کو جو روحانیت حاصل ہے اس سے لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ'' میں اور امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس علم کو حاصل کرنے کے بعد اس کو بیان نہ کیا جائے وہ اس خزانے کی طرح ہے جس کو خرچ نہ کیا جائے۔ (عنایۃ القاضی ج ۱ ص ۲۳۱' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

راہ خدا میں کل مال خرچ کرنے کی شرعی حیثیت

اس آیت میں ''من'' تبعیضیہ ہے' یعنی کل مال سے اللہ کی راہ میں بعض مال کو خرچ کرنا مراد ہے' کیونکہ جو شخص تنگی اور فقر پر صبر نہ کر سکے اس کے لیے کل مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور جو شخص مال نہ ہونے پر صبر کر سکتا ہو اس کے لیے کل مال کا صدقہ کرنا جائز ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل اثاثہ لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو ان کے صبر کا علم تھا اور ان کے دل میں جو ایمان اور توکل علی اللہ کی قوت تھی آپ اس پر مطلع تھے' حسن بن سہل سے کہا گیا: اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے تو انہوں نے کہا: خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے' یعنی خدا کی راہ میں اگر سب کچھ دے دیا جائے تو اسراف نہیں ہے' لیکن یہ مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

شقیق بن ابراہیم بلخی بھیس بدل کر عبداللہ بن مبارک کے پاس گئے' پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: بلخ سے' پوچھا: کیا تم شقیق کو جانتے ہو' کہا: ہاں! پوچھا: ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ کہا: جب انہیں کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں' اور مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں' عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے' شقیق نے پوچھا: پھر کاملین کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا: کاملین وہ ہیں جنہیں کچھ نہ ملے تو شکر ادا کرتے ہیں اور مل جائے تو دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا' اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں O (البقرہ: ۴)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں متقین کی چوتھی صفت کا بیان ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف متقین پر ہو یعنی یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے جنہوں نے اپنے آپ کو شرک سے بچایا اور ان کے لیے بھی ہدایت ہے جو اہل کتاب سے ایمان لائے۔

''انزال'' کا معنی اور اس کی کیفیت

''انزال'' کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر کی طرف سے نیچے کی طرف منتقل کرنا' ''انزال'' اعیان کا ہوتا ہے اور یہاں وحی کا ''انزال'' مراد ہے جو از قبیل معانی ہے اور معانی کا ''انزال'' ان ذوات کے واسطے سے ہوتا ہے جن ذوات کے ساتھ وہ معانی قائم ہوتے ہیں' وحی چونکہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف آتی ہے جو جانب علو میں ہے اس لیے اس کو ''انزال'' کہا گیا ہے' اللہ کا کلام اس کے رسولوں پر نازل ہوتا ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یا تو حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ سے اپنی نورانیت اور تجرد سے قریب ہوتے ہیں اور اللہ کا کلام حاصل کرتے ہیں اور یا لوح محفوظ سے اس کلام کو حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔

''ما انزل الیک وما انزل من قبلک'' کی تفصیل

''ما انزل الیک'' سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن کریم' اور وہ وحی بھی مراد ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یعنی سنت' جیسے نماز کی رکعات کی تعداد اور اس کی ہیئت مخصوصہ' زکوٰۃ' عشر اور قربانی کی مقدار اور کیفیت' روزہ اور حج کے احکام اور جنایات حدود کی تفصیلات' یہ تمام امور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ . (النحل: ۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

غرضیکہ اس سے مراد پوری شریعت پر ایمان لانا ہے۔

''وما انزل من قبلک'' سے تورات' انجیل اور کتب سماویہ مراد ہیں' ان کتابوں پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے' بایں طور کہ یہ کتابیں اللہ کی طرف نازل کی گئی ہیں اور جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر اجمالی ایمان لانا فرض عین ہے اور اس پر تفصیلا ایمان لانا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن اور سنت کے ہر ہر جز پر تفصیلا ایمان لانا اگر ہر شخص پر فرض عین ہو تو لازم آئے گا کہ تمام مسلمان روزگار حیات کی تمام ذمہ داریوں کو ترک کرکے صرف پڑھنے پڑھانے پر لگ جائیں اور اس سے حرج اور فساد معاش لازم آئے گا' اس لیے جو کلام آپ پر نازل کیا گیا ہے اس پر تفصیلا ایمان لانا فرض کفایہ ہے۔

ختم نبوت پر دلیل

اس آیت میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جو وحی آپ پر نازل ہوئی اس پر ایمان لایا جائے اور جو وحی آپ سے پہلے نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لایا جائے' اور اگر آپ کے بعد بھی وحی کا نزول ممکن ہوتا تو بعد میں آنے والی وحی پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا' اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کے اوپر نبوت ختم ہوگئی' آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہوگا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے قرب قیامت میں نازل ہونا اس

کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ مبعوث نہیں ہوں گے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کریں گے اور ہمارے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۴۹۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

دار آخرت اور یقین کا معنی

دار آخرت سے مراد اعمال کا دار الجزاء ہے اور اس پر ایمان لانا حساب' میزان' صراط' جنت اور نار پر ایمان لانے کو مستلزم ہے بلکہ ہر اس چیز پر ایمان لانے کو مستلزم ہے جس کا ذکر قرآن اور سنت میں وارد ہے۔

یقین اس جازم تصدیق کو کہتے ہیں جس میں کوئی شک اور شبہ نہ ہو اور وہ جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو سکے' اس کی تین قسمیں ہیں: علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین' ہمیں جو اللہ' رسول اور آخرت پر یقین ہے وہ علم الیقین ہے' علم الیقین نظر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے' عین الیقین مشاہدہ سے اور حق الیقین تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم یقین کے ساتھ متصف نہیں ہوتا' کیونکہ اس کا علم استدلالی نہیں ہے۔

آخرت پر یقین کا اظہار اعمال کے آثار سے ہوتا ہے' جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو' شراب پیتا ہو' لوگوں کے حقوق پامال کرتا ہو' نماز اور روزہ کا تارک ہو اس کے آخرت پر یقین کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہے' قرآن مجید میں آخرت اور قیامت پر بہت زور دیا گیا ہے' کیونکہ صالحیت اور نیکی کی بنیاد آخرت اور قیامت پر یقین ہے' جب انسان کو محاسبہ کا خطرہ نہ ہو تو وہ عیش پرستی کا دلدادہ اور ظلم اور سرکشی پر دلیر ہو جاتا ہے' اس لیے قرآن مجید نے انسان کو بار بار یاد دلایا ہے کہ موت کے بعد اس کی دوسری زندگی شروع ہوگی اور اس دار العمل کے بعد دار الجزاء ہے تاکہ انسان خوف آخرت سے گناہوں سے باز رہے اور نیکیوں کے لیے کوشاں رہے۔

اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ متقین یا مومنین اہل کتاب ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ جو اہل کتاب غیر مومن ہیں ان کا آخرت پر صحیح ایمان نہیں ہے' ان کا زعم ہے کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی ہی داخل ہوں گے' اور ان کا زعم ہے کہ ان کو صرف چند ایام کے لیے دوزخ کا عذاب ہوگا' اور ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا جیسی ہیں اور آیا جنت دائمی ہے یا نہیں لہٰذا آخرت کے متعلق ان کا اعتقاد صحت سے بہت دور ہے چہ جائیکہ وہ درجہ یقین پر ہو کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یقین اس جزم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں' اور وہی فلاح پانے والے ہیں O (البقرہ: ۵)

یہ متقین کی پانچویں صفت ہے۔

اس آیت میں دونوں جگہ ''اولٰئک'' سے متقین کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی پانچ صفات بیان کی ہیں' یعنی جو متقین غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم رکھتے ہیں' راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں' قرآن مجید اور اس سے پہلی کتب سماویہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں' وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے اور فلاح پانے کا سبب یہ مذکورہ اوصاف ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان مذکورہ اوصاف کا نتیجہ فلاح کامل ہے۔

فلاح کے معنی کسی چیز کو پھاڑنا اور کاٹنا ہے' کسان کو اس لیے فلاح کہتے ہیں کہ وہ ہل چلا کر زمین کو پھاڑتا ہے' اور جو شخص محنت اور جدوجہد کرنے کے بعد کسی مطلوب کو حاصل کر لیتا ہے اس کو بھی مفلح کہتے ہیں گویا کہ اس پر غور و فکر کی راہیں کھل گئیں اور بند نہیں ہوئیں۔

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فلاح' کامل متقی کے لیے بیان کی گئی' اس سے لازم آیا کہ فاسق ہمیشہ جہنم میں رہے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ کامل فلاح کامل متقی کے لیے ہے اور نفس فلاح فاسق مومن کو بھی حاصل ہوگی کیونکہ وہ بھی مآل کار جنت میں چلا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

بے شک جو لوگ کفر میں راسخ ہو چکے ہیں' ان کے حق میں برابر ہے' خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ

وہ ایمان نہیں لائیں گے O اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے' اور ان کی آنکھوں پر

ع ١
أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے O

قرآن مجید میں پہلے مومنین اور متقین کی پانچ صفات بیان کیں' اس کے بعد غیر مومنین کی صفات بیان کیں' غیر مومنین میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے کفر کا علی الاعلان اظہار کیا' مذکور الصدر دو آیتیں ان ہی کے متعلق ہیں' اور بعض وہ ہیں جنہوں نے علی الاعلان کفر کے اظہار کی جرات نہیں کی' انہوں نے بہ ظاہر مسلمانوں سے موافقت کی اور در پردہ کافر رہے' ان کو قرآن کی اصطلاح میں منافق کہا گیا ہے' اس کے بعد آنے والی تیرہ آیتوں میں منافقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور ان کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے بعد کفار کا بیان اس لیے شروع کیا ہے کہ شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' کیونکہ کفر ایمان کی ضد ہے' کفار دائمی معذب ہیں اور مومن عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔

کفر کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لغت میں کفر کا معنی ہے: کسی شے کو چھپانا' رات کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے' کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے' جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفران کہتے ہیں' سب سے بڑا کفر وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کرنا ہے' قرآن مجید میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ (النمل: ٤٠)

تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری' اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے پرواہ' بزرگی والا ہے O

اس آیت میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور ناشکری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۔ (البقرہ: ۴۱) اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔

اس آیت میں کفر' کفر بالقرآن کے معنی میں ہے' جب کافر کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے متعارف وہ شخص ہے' جو وحدانیت یا شریعت یا نبوت یا ان تینوں کا انکار کرے۔ (المفردات ص ۴۳۴۔ ۴۳۳ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

دیگر مفردات کے لغوی معانی

''انذار'' کا معنی ہے: کسی خطرہ سے خبردار کرنا' ''ختم'' کا معنی ہے: کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا اور ڈھانپ دینا کہ اس میں دوسری چیز کسی طرف سے داخل نہ ہو سکے' قلوب سے مراد عقول ہیں یعنی ان کی عقول کو اس طرح ڈھانپ دیا ہے کہ ان میں ایمان اور نور داخل نہیں ہو سکتا' اس میں استعارہ تصریحیہ ہے' ان کے قلوب (عقول) کو اس ظرف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر مہر لگا دی گئی ہو' ''سمع'' سے مراد کان ہیں اور ''ابصار'' کا معنی آنکھیں ہیں جن سے رنگ' شکل اور دیگر مبصرات کا ادراک کیا جاتا ہے' ''غشاوۃ'' کا معنی ہے: پردہ' مقصود یہ ہے کہ یہ کفار اللہ کی آیات کو دیکھنے سے از خود اور دانستہ اندھے بن گئے ہیں' عذاب کے معنی ہیں: عبرتناک سزا' عذاب زائل کرنے کو بھی کہتے ہیں اور سزا آرام اور لذت کو زائل کرتی ہے اس لیے اس کو عذاب کہتے ہیں۔

شان نزول

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں ایک محلّہ بنا لیا تھا' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کفر پر مر گئے۔ ان کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حریص تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں' اور ہدایت میں آپ کی اتباع کریں' تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے ازل میں ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے اور وہی لوگ گمراہ رہیں گے جن کے لیے ازل میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' اس سے وہ کفار مراد ہیں جو بدر میں قتل کیے گئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۸۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت سے معین کافر مراد ہیں مثلاً ابولہب' ابوجہل' ولید بن مغیرہ اور علماء یہود۔

(انوار التنزیل ص ۱۳ (درسی) مطبوعہ مطبع سعیدی' کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ پہلے ابولہب وغیرہ نے کفر کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ انہوں نے کفر کیا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ان کے کفر کے بعد حادث ہوا' لہٰذا قرآن حادث ہے' اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کا علم بھی حادث ہونا چاہیے کیونکہ جب انہوں نے کفر کیا تب ہی اللہ کو ان کے کفر کرنے کا علم ہوا اور اگر ان کے کفر کرنے سے پہلے یہ علم ہو کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر پہلے یہ علم تھا کہ وہ کفر کریں گے اور پھر یہ علم ہوا کہ انہوں نے کفر کر لیا ہے تو اس کے علم میں تغیر آ گیا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے تو اس طرح اللہ کا علم بھی حادث ہو جائے گا حالانکہ معتزلہ کے

نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے'اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازل میں ''لابشرط شئی'' کے مرتبہ میں ہے اور اس میں ماضی' حال اور استقبال کی اضافات نہیں ہیں اور ان اضافات کے تغیر سے اصل صفت علم میں تغیر پیدا نہیں ہوتا' مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو ابولہب کے کفر کا علم ہے' پھر جب اس کا ماضی سے تعلق ہوگا تو اس کی اور تعبیر ہوگی' حال سے تعلق ہوگا تو اور تعبیر ہوگی اور مستقبل سے تعلق ہوگا تو اور تعبیر ہوگی یعنی ابولہب کفر کرے گا' وہ کفر کر رہا ہے' وہ کفر کر چکا ہے' یہ تغیر متعلق میں ہے اصل صفت میں تغیر نہیں ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ایک ستون کے گرد گھوم رہا ہے تو کبھی وہ ستون اس کے سامنے ہوگا' کبھی پیچھے' کبھی دائیں' کبھی بائیں لیکن یہ ان اوضاع اور نسبتوں میں تغیر ہے اس شخص کی ذات میں تغیر نہیں ہے' اسی طرح اللہ کے علم کا تعلق جب مختلف زمانوں میں ہوگا تو ان تعلقات میں تغیر ہوگا' نفس علم میں تغیر نہیں ہوگا' اسی طرح اللہ کا کلام نفسی بھی ازل میں ''لابشرط شئی'' کے مرتبہ میں ہے اور اس کا تعلق جب زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً ابولہب کفر کرے گا' ابولہب نے کفر کرلیا' وغیرہ اور اس کی صفت کلام جو کلام نفسی ہے اس میں کوئی تغیر اور اختلاف نہیں ہوتا' قرآن مجید میں جہاں بھی ماضی کے صیغے واقع ہوئے ہیں معتزلہ ان سے اسی طرح استدلال کرتے ہیں اور ان کا بھی جواب ہے' یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت کلام ہے وہ کلام نفسی ہے اور جن الفاظ کو ہم پڑھتے ہیں وہ کلام لفظی ہیں اور قدیم کلام نفسی ہے' ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت اور اس پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ مکلف کرنے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور دیگر جن کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے' ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اس لیے ہے کہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اور ممتنع لذاتہ کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت میں نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ. (البقرہ: ۲۸٦) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور ممتنع بالغیر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے' اب اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا کاذب ہونا محال بالذات ہے' لہٰذا ابولہب وغیرہ کا ایمان لانا محال بالذات کو مستلزم ہے اور جو ممکن محال بالذات کو مستلزم ہو' وہ ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہوتا ہے' اس لیے ابولہب وغیرہ کا ایمان لانا ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے۔

محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنے پر علامہ بیضاوی کی دلیل اور اس کا جواب

علامہ بیضاوی نے یہ کہا ہے کہ تکلیف بالمحال عقلاً جائز ہے لیکن تتبع اور استقراء (جستجو اور تفتیش) سے یہ ثابت ہے کہ تکلیف بالمحال واقع نہیں ہے' جواز عقلی پر انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر ابولہب مثلاً ایمان لانے کا مکلف ہو تو وہ پورے قرآن پر ایمان لانے کا مکلف ہوگا اور پورے قرآن میں ''لایؤمنون'' بھی ہے یعنی وہ ایمان نہیں لائے گا اور اس کی تصدیق تب ہوگی جب وہ ایمان نہ لائے تو وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے کا مکلف ہوا' اور یہ اجتماع نقیضین ہے جو محال بالذات ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ ابولہب محال بالذات کا مکلف ہے' لیکن علامہ بیضاوی کی اس تقریر کا تقاضا یہ ہے کہ محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنا صرف عقلاً جائز ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے اور یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے۔

اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ ابولہب مثلاً ایمان لانے کا فی نفسہ مکلف ہے اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے

متعلق ''لا یؤمنون'' فرمایا ہے اور اس آیت سے صرف نظر کر کے فی نفسہ اس کا ایمان لانا ممکن بالذات ہے اور وہ اسی اعتبار سے ایمان لانے کا مکلف ہے' اور کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی خبر دینے سے وہ چیز نفس امکان سے خارج نہیں ہوتی مثلاً فرض کیجئے اللہ تعالیٰ کو زید کے متعلق علم ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا' اب زید کا نماز پڑھنا محال ہوگا' کیونکہ اگر وہ نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا جہل محال بالذات ہے' تو اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زید کو نماز پڑھنے کا مکلف کرنا محال کا مکلف کرنا ہے کیونکہ اس کے نماز پڑھنے کا محال ہونا اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے قطع نظر فی نفسہٖ اس کا نماز پڑھنا ممکن ہے اور وہ اسی اعتبار سے نماز پڑھنے کا مکلف ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے عدم وقوع کی خبر دی یا اس کو جس چیز کے عدم وقوع کا علم ہے اس کے وقوع کا مکلف کرنا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور اس کے ساتھ مکلف کرنا جائز ہے اور اس چیز کا واقع ہونا محال بالغیر ہے کیونکہ وہ اللہ کے کذب یا اس کے جہل کو مستلزم ہے اور یہ دونوں محال بالذات ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اشاعرہ کے نزدیک محال بالذات کا مکلف کرنا صحیح ہے اور ماتریدیہ کے نزدیک محال بالذات کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہے اور اکثر شوافع اشاعرہ ہیں اور اکثر احناف ماتریدیہ ہیں۔

جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ

اگر یہ سوال ہو کہ جب یہ کفار تبلیغ کے باوجود اسلام قبول نہیں کریں گے تو پھر ان کو تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کو تبلیغ نہ کی جائے تو ممکن ہے وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش کریں کہ ہم کو تبلیغ ہی نہیں کی گئی' ہم اسلام کیسے لاتے؟ لہٰذا ان پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کو تبلیغ کی گئی' دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں ان کو تبلیغ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہرحال ثواب حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سواء علیہم. ان کے لیے برابر ہے'' یہ نہیں فرمایا: ''سواء علیك. آپ کے حق میں برابر ہے'' جیسا کہ بت پرستوں کے متعلق فرمایا:

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۹۳)

اور (اے مشرکو!) اگر تم اپنے بتوں کو اپنی ہدایت کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آسکیں گے' (لہٰذا) تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو ۝

اگر اس آیت سے معین کفار مراد ہوں جیسا کہ حضرت انس کی روایت ہے[1] یا جس طرح علامہ بیضاوی نے نقل کیا ہے کہ اس سے ابولہب' ابوجہل' وغیرہ مراد ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جن کے ایمان نہ لانے کی آپ نے پہلے خبر دے دی ہے وہ بہر حال ایمان نہ لاسکے اور کفر پر ہی مرے۔

جب کفار کے دلوں پر مہر لگادی گئی تو پھر ان سے مواخذہ کیوں؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو ان کے لیے اسلام کے دلائل پر غور وفکر کرنا اور اس کو سننا اور دیکھنا ممکن نہ رہا تو اس صورت میں اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کفار اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں راسخ ہو گئے' کفر اور معصیت سے والہانہ محبت کرنے لگے اور ایمان اور عبادت الٰہی کو بہت برا جاننے لگے اور اسلام کے دلائل میں غور وفکر کرنے سے اعراض اور امتناع پرڈٹے رہے اور اپنی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سرکشی اور ہٹ دھرمی کی سزا میں ان کے دلوں اور دماغوں کو ایسا بنادیا کہ وہ قبول حق کے قابل نہ رہے اور کان حق کی سماعت سے عاری ہو گئے' اس کیفیت کو

---

[1] امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ منہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کے ساتھ تعبیر فرمایا' اور انسان کی آنکھ خارج میں اور اپنے نفس میں جس صلاحیت سے دلائل توحید دیکھتی ہے ان کی آنکھوں سے وہ صلاحیت سلب کر لی اور اس کو ان کی آنکھوں پر پردہ کے ساتھ تعبیر فرمایا' ورنہ حسی طور پر ان کے دلوں اور کانوں پر کوئی مہر تھی اور نہ ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مسلسل ہٹ دھرمی اور عناد کی سزا میں ان سے قبول حق کی استعداد سلب کر لی' اس کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیتوں میں طبع' اغفال اور اقساء سے تعبیر فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ. (النحل: ۱۰۸)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا. (الکہف: ۲۸)

اور آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ. (المائدہ: ۱۳)

تو ان کی (اتنی بڑی) عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بہ طور سزا ان کے دلوں اور کانوں کو قبول حق کے قابل نہ رہنے دیا' اس کی دلیل حسب ذیل آیات ہیں:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ○ (النساء: ۱۵۶-۱۵۵)

پھر ان کے عہد توڑنے' اللہ کی آیات کا انکار کرنے' انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں' (یہ غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی تو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے ○ اور ان کے کفر اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے بھی ○

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ. (الانفال: ۲۳)

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سنا دیتا۔

كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ (المطففین: ۱۴)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے کرتوتوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ○

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان ہو جاتا ہے' پس اگر وہ توبہ کرے' اس گناہ سے باز آئے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو وہ سیاہ نشان زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: "كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○" (المطففین: ۱۴)۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام احمد، امام عبد بن حمید، امام حاکم، امام ترمذی (موخر الذکر اماموں نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے) امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، امام ابن حبان، امام ابن المنذر، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۳۲۵ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران)

ہر چند کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معصیت سے مومن کے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے، اور اگر معصیت سے توبہ نہ کی جائے تو وہ زنگ اور زیادہ ہو جاتا ہے تاہم اس حدیث سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب معصیت سے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور معصیت پر اصرار سے وہ زنگ زیادہ ہو جاتا ہے تو کفر اور اس پر اصرار اور ہٹ دھرمی سے تو دل بہ طریق اولیٰ مکمل طور پر سیاہ اور تاریک ہو جاتا ہے اور دل کی یہ سیاہی اور تاریکی کفار کی اپنی شامت اعمال کی وجہ سے ہے، اللہ کا ان پر کوئی ظلم اور جور نہیں ہے۔

قلب کی تعریف

قلب گوشت کا ایک صنوبری عضو ہے، جس کا کام خون کو تمام جسم میں پہنچانا ہے، دل کے پھیلنے اور سکڑنے سے پورے جسم میں خون گردش کرتا ہے، اور جب طب اور میڈیکل سائنس کی زبان میں دل کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے اور ادب اور روز مرہ گفتگو میں دل کے لفظ سے عقل کا ارادہ کیا جاتا ہے کیونکہ سوچ و بچار، غور و فکر اور علم اور ادراک کا محل عقل ہے اور قرآن طب اور میڈیکل سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ رشد و ہدایت کی کتاب ہے اور اس میں عرب کے عام رواج اور اسلوب کلام کے مطابق خطاب کیا گیا ہے، اس لیے قرآن کی زبان میں قلب سے عقل ہی مراد ہوتی ہے، اس پر مزید تفصیل کے لیے ''شرح صحیح مسلم'' جلد رابع کا مطالعہ فرمائیں ''فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا'' (الحج: ۴۶) کی تفسیر میں ہم اس پر ان شاء اللہ سیر حاصل بحث کریں گے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

اور قلب سے مراد علم کا محل ہے اور کبھی قلب کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے عقل اور معرفت مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ (ق: ۳۷)

بے شک اس قرآن میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس عقل اور معرفت ہو۔

(انوار التنزیل ص ۲۵ (درسی) مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ

وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ج وَمَا

مومن نہیں ہیں O وہ (بہ زعم خویش) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اور (درحقیقت) وہ صرف

يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ لا

اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے O ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری

وقف لازم

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

کو زیادہ کر دیا' اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے' کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن مجید کے بیان سے شروع کیا اور یہ فرمایا: یہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے پھر تین آیتوں میں متقین کی پانچ صفات بیان کیں' اس کے بعد دو آیتوں میں کفار کا بیان کیا جو متقین کی ظاہراً اور باطناً ضد ہیں' پھر اس کے بعد اب تیرہ آیتوں میں منافقین کا بیان فرمایا ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان مذبذب تھے' یہ زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان نہیں لائے' یہ کفر کی بدترین قسم ہے' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے' کیونکہ انہوں نے کفر پر ایمان کا ملمع چڑھایا' دھوکہ اور فریب سے کام لیا اور در پردہ مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کیا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خبث' جہل ان کے فریب اور ان کی ہٹ دھرمی کا طویل بیان فرمایا' ان کی کئی مثالیں بیان فرمائیں اور یہ اعلان فرمایا کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے۔

''ومن الناس'' میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے یہ منافقین کی وہ جماعت ہے جو نزول قرآن کے زمانہ میں تھی' ان میں بڑا منافق عبداللہ بن ابی بن سلول تھا' ان میں اکثر یہودی تھے جو مطلب برآری کے لیے وقتی طور پر بہ ظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔

''الیوم الاخر'' سے مراد حشر سے لے کر غیر متناہی مدت ہے یا روز حشر سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا زمانہ مراد ہے۔

منافقین نے خصوصیت سے یہ کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے' کیونکہ یہودیوں کا درحقیقت اللہ پر ایمان تھا نہ آخرت پر' اللہ پر ایمان اس لیے نہیں تھا کہ وہ کہتے تھے کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے' اس لیے وہ مشرک تھے اور آخرت پر اس لیے ایمان نہیں تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جنت میں یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا' اس لیے انہوں نے ملمع کاری کے لیے اللہ اور آخرت پر ایمان کا ذکر کیا تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ یہودیت سے تائب ہو کر خالص مسلمان ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: وہ مومن نہیں ہیں' یعنی وہ ان سچے اور مخلص مسلمانوں میں داخل نہیں ہیں' جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خلوت اور جلوت پر مطلع ہے' کیونکہ منافقین بعض ظاہری عبادات کر لیتے تھے' اور یہ زعم کرتے تھے کہ ان سے ان کا رب راضی ہو جائے گا' اس کے بعد حرص' طمع' شر اور فساد اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور دسیسہ کاری میں مشغول رہتے تھے' جیسا کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے فتنہ اور فساد کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

منافقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات

''یخادعون'' کا لفظ ''خدع'' سے بنا ہے' ''خدع'' کا معنی ہے: کسی شخص کے ساتھ کیے ہوئے مکر و فریب یا سازش کو مخفی رکھ کر اس سے خیر خواہی اور ہمدردی کا اظہار کرنا' جس کا خلاصہ ہے: اس کو دھوکہ دینا' اور ''یخادعون'' چونکہ باب ''مفاعلہ'' سے ہے' اس لیے اس کا معنی ہے: ہر فریق کا دوسرے فریق کو دھوکہ دینا۔

منافقوں کا مسلمانوں کو دھوکہ دینا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مومن ہیں اور اپنے کفر کو مخفی رکھتے تاکہ مسلمانوں کے خفیہ منصوبوں پر مطلع ہوں اور پھر اس کی خبر مسلمانوں کے دشمنوں یہودیوں اور مشرکوں تک پہنچا دیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا کہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں' مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تو وضاحت ہو گئی' اب سوال یہ ہے کہ اللہ کو دھوکہ دینا کس طرح صحیح ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور نہ وہ خود اللہ کو دھوکہ دینے کا قصد

کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ اللہ سے پہلے لفظ رسول بہ طور مضاف محذوف ہے اور یہ مجاز بالحذف ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کو واضح فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ ثانیہ میں ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱) بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

سو جس طرح آپ کی اطاعت کرنا' اللہ کی اطاعت کرنا' آپ کا خریدنا' اللہ کا خریدنا ہے اور آپ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے اسی طرح آپ کو دھوکہ دینا اللہ کو دھوکہ دینا ہے اور یہ ''مجاز فی النسبة الایقاعیہ'' ہے۔

دوسرا سوال یہاں پر یہ ہے کہ ''یخادعون'' باب ''مفاعلہ'' سے ہے اور اب اس باب کے اعتبار سے اس کا معنی ہے: ہر ایک کا دوسرے کو دھوکہ دینا' منافقین تو اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے تھے' اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ وہ منافقین کو دھوکہ دیتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استعارہ تمثیلیہ[1] ہے یعنی منافقین کی اللہ کے سامنے ایمان کو ظاہر کرنے اور کفر کو مخفی رکھنے کی کارروائی اور اس کی سزا میں اللہ کی منافقوں پر مسلمانوں کے احکام جاری کرنے کی کارروائی (حالانکہ وہ اس کے نزدیک بدترین کافر ہیں) کی مثال ایسے ہے جیسے دو شخص ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کارروائی کرتے ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ''یخادعون'' ''یخدعون'' کے معنی میں ہے اور اس کو مبالغۃً ''یخادعون'' کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

شعور کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے' عقل سے جو ادراک کیا جائے اس کو علم کہتے ہیں اور حواس سے جو ادراک کیا جائے اس کو شعور کہتے ہیں۔ (البقرہ: ۹)

مرض کی تعریف اور منافقین کے مرض کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا۔ (البقرہ: ۱۰)

انسان کے بدن کو ایسی چیزیں عارض ہوں جن سے اس کے مزاج اور اعتدال میں فرق واقع ہو اور اس کی کارکردگی متاثر ہو جائے' اس کو مرض کہتے ہیں' عوارض جسمانیہ میں مرض حقیقت ہے اور عوارض نفسانیہ مثلاً حسد' بغض' برائی سے محبت وغیرہ میں مرض مجاز ہے' منافقین کا مرض نفسانی تھا' کیونکہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ میں یہودیوں کی ریاست جاتی رہی تھی' اس غم میں ان کا دل جلتا رہتا تھا اور یہی جلنا اور حسد کرنا ان کا مرض تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1] ایک مرکب سے جو حالت یا کیفیت منتزع ہوتی ہے اس کو اس حالت یا کیفیت سے تشبیہ دینا جو دوسرے مرکب سے منتزع ہو رہی ہو۔

افزوں اور دن بدن بڑھ رہا تھا' اس سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا' یا بار بار وحی نازل ہونے اور ان کو دن بہ دن زیادہ احکام کا مکلف کرنے سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا۔

جھوٹ کی تعریف' اس کا شرعی حکم اور منافقین کے جھوٹ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے O (البقرہ: ۱۰)

منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ ان کے دل میں کفر تھا اور زبان سے ''امنا'' (ہم ایمان لائے) کہہ کر جھوٹ بولتے تھے' جو خبر واقع کے مطابق نہ ہو وہ جھوٹ ہے' جھوٹ بولنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ' کیونکہ جھوٹ فجور (گناہ) تک پہنچاتا ہے اور فجور دوزخ تک پہنچاتا ہے' ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا ہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۵' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کردے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہو' وہ تم سے دور رہیں' کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ جھوٹ کو ترک نہ کردے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور ریا کو ترک کردے خواہ وہ اس میں صادق ہو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۴' ۳۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جبرائیل اور میکائیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ میں لے گئے' میں نے دیکھا وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا تھا' اس نے وہ آنکڑا اس کی باچھ میں داخل کیا اور آنکڑے سے اس کی باچھ کو کھینچ کر گدی تک پہنچا دیا' پھر وہ آنکڑا دوسری باچھ میں داخل کیا اور اس باچھ کو گدی تک پہنچا دیا' اتنے میں پہلی باچھ مل گئی اور اس نے پھر اس میں آنکڑا ڈال دیا' (الی قولہ) جبریل نے کہا: جس شخص کی باچھ پھاڑ کر گدی تک پہنچائی جارہی تھی یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا' پھر اس سے وہ جھوٹ نقل ہو کے ساری دنیا میں پھیل جاتا

تھا اس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کذب حرام ہے لیکن حلال اور حرام کرنے کے احکام شارع کے اختیار میں ہیں' اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کردے اور جس چیز کو چاہے حرام کردے' اللہ اور اس کے رسول نے کذب کو حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع پر اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الکذب الا فی ثلاث یحدث الرجل امرءتہ یرضیھا والکذب فی الحروب والکذب لیصلح بین الناس.

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے: (۱) ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے (۲) جنگ میں جھوٹ بولنا (۳) لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

(جامع ترمذی ص ۲۸۷ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت

علامہ شامی ''احیاء العلوم'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہر وہ نیک مقصد جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جاسکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذاء پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے' اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' اسی طرح لڑائی میں صلح کرانے کے لیے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے' اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا' کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے' اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا راز بتانے سے انکار کرے' اور یہ دیکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مترتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مترتب ہونے والی خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں' اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مترتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے' اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔[۱] خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز

کسی بات میں مبالغہ کرنا جھوٹ نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے: میں تمہارے پاس ہزار بار گیا ہوں' یعنی بار بار گیا ہوں' مبالغہ کے جواز پر اس حدیث صحیح میں دلیل ہے: ''اما ابو جھم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ''۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۳ 'مطبوعہ

۱؎ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۷ 'مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول ۱۳۲۷ھ

اصح المطابع کراچی) ''لیکن ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں'' یعنی وہ بیوی کو بہت مارتا ہے'اسی طرح شعر میں بھی جھوٹ جائز ہے جبکہ اس کو مبالغہ پر نہ محمول کیا جاسکے'جیسا کہ یہ شعر ہے:

انا ادعوك ليلا ونهارا ولا اخلي مجلسا عن شكرك

''میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں'اور ہر مجلس میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں''۔

علامہ رافعی اور علامہ نووی نے ان دونوں صورتوں کو جائز لکھا ہے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۷'مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول'۱۳۲۷ھ)

ہر چند کہ علامہ شامی نے علامہ رافعی اور علامہ نووی کے حوالے سے شعر میں بغیر مبالغہ کے بھی جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر مبالغہ نہ ہو تو پھر شعر میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے' کیونکہ مبالغہ کے لیے تو حضرت ابوجہم کی حدیث اصل ہے اور شعر میں جھوٹ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تعریض اور توریہ میں جھوٹ بولنے کا جواز

جمہور فقہاء اسلام نے تعریض اور توریہ کے طور پر جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے بلکہ بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ تعریض اور توریہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اگر تعریض اور توریہ سے کام لیا جائے تو پھر حقیقۃً جھوٹ بولنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی' اس پر دلائل دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تعریض اور توریہ کی تعریفات ذکر کر دیں تاکہ عام قارئین اس بحث سے مستفید ہو سکیں۔

تعریض کا لغوی معنی ہے: دوسرے پر ڈھال کر بات کرنا۔ (المنجد)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: تعریض' تصریح نہ کرنے کو کہتے ہیں اور معاریض کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے توریہ (کنایہ) کرنا ہے' حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاریض مسلمان کو جھوٹ سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مجھے معاریض سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کی عدت میں نکاح کا پیغام دینا ہو تو اس کی تصریح نہ کرے اور تعریضاً کہے: تم بہت خوبصورت ہو' یا کہے: ''مجھے نکاح کی ضرورت ہے''۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان وسادك لعريض'' ''تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے'' اور تکیہ سے ان کی نیند کا ارادہ کیا یعنی تم بہت سوتے ہو' حدیث میں ہے:

من عرض عرضنا له ومن مشى على الكلا القيناه في النهر — جو شخص تعریض کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ تعریض کریں گے اور جو شخص دریا کے کنارے چلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر تعریضاً تہمت لگائے گا تو ہم اس کو تعریضاً سزا دیں گے یعنی ایسی سزا دیں گے جو حد سے کم ہوگی اور جو شخص کسی پر صراحۃً تہمت لگائے گا اور تہمت کی کشتی پر سوار ہو کر دریا میں چلے گا ہم اس پر حد جاری کریں گے اور اس کو ''حد'' کے دریا میں ڈبو دیں گے۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳'مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ تفتازانی تعریض کی تعریف میں لکھتے ہیں: کلام کو ایک ایسی جانب پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے' تعریض ہے' یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔ (مختصر المعانی ص ۴۴۱۔ ۴۴۰'مطبوعہ میر محمد کتب خانہ' کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ جب کلام میں صراحۃً ایک شخص کی طرف کسی فعل کا اسناد ہو اور اشارہ اور مراد کوئی دوسرا شخص ہو تو یہ تعریض

ہے مثلاً کوئی بڑا افسر دیر سے دفتر میں آتا ہو جس سے لوگوں کے کاموں میں دشواری ہوتی ہو اور اس کو صراحۃً تنبیہ کرنا اس کے وقار اور مرتبہ کے خلاف ہو تو کوئی شخص اس سے کہے کہ دفتر کا سٹاف یا کلرک وغیرہ دیر سے دفتر آتے ہیں اور اس سے بڑا حرج ہوتا ہے۔

توریہ کا معنی چھپانا اور کنایہ کرنا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں: "ورى الخبر تورية" کا معنی ہے: اصل خبر کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کیا' حدیث میں ہے کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو سفر کو چھپا کر یہ وہم ڈالتے کہ آپ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہے ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۹ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ تفتازانی توریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ توریہ کو ایہام بھی کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں: قریب اور بعید' اور بولنے والا کسی خفی قرینہ کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنی مراد لے اور مخاطب اس سے قریب سمجھے۔

(مختصر المعانی ص ۴۵۷ 'مطبوعہ میر محمد کتب خانہ' کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں توریہ پر جھوٹ کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہراً اور صورۃً جھوٹ ہوتا ہے حقیقۃً جھوٹ نہیں ہوتا۔

قرآن اور حدیث میں تعریض اور توریہ کی بہ کثرت مثالیں ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ○ (الصّٰفّٰت: ۸۹) حضرت ابراہیم نے کہا: میں بیمار ہوں ○

سقیم کا قریب معنی ہے: جسمانی بیمار اور بعید معنی ہے: روحانی بیمار' حضرت ابراہیم جسمانی بیمار نہ تھے' انہوں نے اس لفظ سے توریہ کر کے روحانی بیماری مراد لی' یعنی قوم کی بت پرستی کی وجہ سے ان کی روح بیمار تھی یا مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ھٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: ۶۳ـ۶۲)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟ ○ ابراہیم نے کہا: بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے یہ کام کیا ہے' اگر یہ بولتے ہیں تو تم ان سے پوچھ لو ○

اس آیت میں "کبیرھم ھذا" کا قریب معنی ہے: اس بڑے بت نے' اور اس کا بعید معنی ہے: قوم کے اس بڑے شخص نے' لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے' حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ قوم کے اس بڑے شخص یعنی خود حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑا ہے اور آپ نے اس بڑے بت کی طرف اسناد کا ایہام اس لیے کیا ہے کہ ان کی قوم خود دیکھے کہ یہ بت تو ہل جل بھی نہیں سکتے' بتوں کو کس طرح توڑ سکتے ہیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے' اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک شخص آیا ہے' اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہے' بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: یہ میری بہن ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

''اخت'' کے دو معنی ہیں' قریب معنی ہے: نسبی بہن اور بعید معنی ہے: دینی بہن' بادشاہ نے اس لفظ سے نسبی بہن سمجھا اور حضرت ابراہیم نے دینی بہن کا ارادہ کیا اور یہ توریہ ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی خدمت میں آ کر ایک شخص نے سواری طلب کی' آپ نے فرمایا: میں تم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کروں گا' اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گا' آپ نے فرمایا: جو اونٹ پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ (الادب المفرد ص ۷۷ 'مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل)

اس حدیث کو امام ابوداؤد[1] اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا[2]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہو گیا' انہوں نے (بیوی سے) کہا: لڑکے کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا: وہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو آرام مل گیا اور حضرت ابوطلحہ نے ان کی بات کو سچ سمجھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ام سلیم نے جو کہا کہ ''بیٹا پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو راحت مل گئی'' اس کا قریب معنی یہ تھا کہ اس کو بیماری سے شفا مل گئی ہے اور بعید معنی یہ تھا کہ وہ فوت ہو گیا اور اس کو ابدی راحت مل گئی ہے' حضرت ام سلیم نے اس معنی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ حضرت ابوطلحہ اسی وقت سفر سے آئے تھے اور وہ ان کو آتے ہی کوئی تکلیف دہ بات سنانا نہیں چاہتی تھیں' اس لیے انہوں نے صراحۃً یہ نہیں کہا کہ وہ فوت ہو گیا اور توریہ سے کلام کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: میں حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۳۔ ۲۹۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (الادب المفرد ص ۷۷ 'مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل)

توریہ کے سلسلے میں فقہاء کی رائے

علامہ شامی لکھتے ہیں: غرض صحیح کے لیے توریہ اور تعریض جائز ہے مثلاً مزاح میں' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی (یعنی بڑھیا بہ حیثیت بڑھیا نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی)' نیز فرمایا: تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے' نیز فرمایا: ہم تم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کریں گے (کیونکہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے)۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۸ 'مطبوعہ مطبع عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

خلاصہ بحث

قرآن مجید کی آیات' احادیث' آثار صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس جگہ کسی مصلحت سے جھوٹ بولنا پڑے تو صراحۃً جھوٹ بولنے کے بجائے توریہ اور تعریض سے کام لینا چاہیے تاہم بعض مواقع پر صراحۃً جھوٹ بولنے کی بھی

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۶ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۶ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۲۹۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

گنجائش ہے جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور علامہ شامی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مسلمان کے لیے اپنی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس کے برعکس ہے اور دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اور ان مواقع پر بھی توریہ مستحسن ہے۔

فقہاء کرام نے اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے سلسلے میں جو جواز اور وجوب کا فرق کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے معاملہ میں تو رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے شخص کے معاملہ میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

اور جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو انہوں نے کہا: ہم تو صرف

مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

اصلاح کرنے والے ہیں O سنو بے شک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان کو شعور نہیں ہے O

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ

اور جب ان سے کہا گیا: اس طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں' تو انہوں نے کہا: کیا ہم اس طرح

كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا

ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں

يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

لیکن ان کو علم نہیں ہے O

منافقین اپنے افساد کو اصلاح کیوں کہتے تھے؟

منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ کفار سے تعاون کرکے اور مسلمانوں کے راز ان پر ظاہر کرکے جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے اور فتنوں کو جگاتے تھے کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں زمین پر لہلہاتے ہوئے کھیت اجڑ جاتے تھے' مال اور مویشی ہلاک ہوجاتے تھے اور انسانوں کا قتل ہوتا تھا' یا ان کا فساد یہ تھا کہ وہ زمین پر اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں زمین پر خوں ریزی ہوتی تھی اور فتنہ اور فساد ہوتا تھا اور چونکہ منافقین کے دلوں میں بیماری تھی اس لیے وہ اپنے فساد کرنے کو اصلاح اور اپنی شر انگیزی کو کار خیر گمان کرتے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ (الفاطر: ۸) تو کیا جس شخص کے لیے اس کا برا کام مزین کردیا گیا تو اس نے اس کو اچھا سمجھا۔

منافقین کا مقصد یہ تھا کہ ہم تو فساد کرنے سے بہت دور ہیں' کیونکہ ہم اپنے علماء اور پیروں کی پیروی کرتے ہیں' جنہوں

نے انبیاء علیہم السلام سے تعلیم حاصل کی ہے تو ہم ان کے طریقہ کو کیسے چھوڑیں اور اپنے گلے میں ایک نئے دین کا قلادہ کیسے ڈال لیں؟ اور ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکا کر ان کو کمزور کر رہے ہیں تاکہ یہ نیا دین پھلنے پھولنے نہ پائے لہٰذا لوگوں کو اس نئے دین سے دور رکھنے کی ہماری یہ کوشش لوگوں کی اصلاح اور ان کی خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک افساد کو اصلاح کا نام دینے کا تسلسل

ہر زمانہ میں مفسدین کا یہی حال رہا ہے' جو لوگ دین میں نئی نئی بدعات پیدا کرتے ہیں اور نئے نئے مذاہب ایجاد کرتے ہیں اور الحاد اور بے دینی کی تحریکات چلاتے ہیں' وہ اپنی مخترعہ بدعات' مذاہب اور تحریکات کو نہایت خوش نما اور خوبصورت نام دے دیتے ہیں' جیسے محبت اہل بیت کے نام پر تعزیہ داری' ماتم اور سب صحابہ کی بدعات نکل آئیں ہیں اور توحید کے نام پر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شان اور عظمت کو کم کیا جاتا ہے اور جب ان لوگوں کا محاسبہ کیا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں' اہل بیت کی عظمت اجاگر کر رہے ہیں اور شرک کو مٹا رہے ہیں' اسی طرح بعض غیر معتدل لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے اظہار میں غلو کرتے ہیں' نماز' روزہ اور دیگر فرائض باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے اور عید میلاد کے جلوس کو باقاعدہ میلوں ٹھیلوں کی طرح نکالتے ہیں۔ (تاہم سب جلوس ایسے نہیں ہوتے' میں نے برطانیہ میں کئی بار میلاد کے جلوسوں میں شرکت کی جن میں نعت خوانی اور ذکر ہوتا ہے' کوئی غیر شرعی بات نہیں ہوتی' صبح سے جلوس نکلتا ہے اور ظہر سے پہلے ختم ہو جاتا ہے اور تمام شرکاء جلوس باجماعت ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر جلسہ ہوتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کی سیرت کا بیان ہوتا ہے اور عصر سے پہلے جلسہ ختم ہو جاتا ہے اور سب شرکاء جلسہ عصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں' کاش پاکستان کے شہروں میں بھی ایسا ہو!) اسی طرح بعض غیر معتدل مقرر اور شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر بیان کرتے ہیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان کی نکلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ لگا دیا اور آپ کے دست اقدس کی برکت سے اس سے زیادہ نظر آنے لگا تو اس میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ سے اتنا نظر نہیں آتا تھا جتنا مصطفیٰ کی دی ہوئی آنکھ سے نظر آتا تھا' حالانکہ دونوں آنکھیں خدا کی دی ہوئی ہیں' فرق یہ ہے کہ پہلی آنکھ ماں باپ کے واسطے سے ملی ہے اور دوسری آنکھ سرکار کے ہاتھوں سے ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا گیا: اس طرح ایمان لاؤ' جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو انہوں نے کہا: کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ (البقرہ: ۱۳)

ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا معیار ہونا

علامہ ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں'' اس سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور منافقین نے جو کہا: جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں' اس سے ان کی مراد بھی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں' یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۹۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: اس سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۵' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ سیوطی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ ''تاریخ ابن عساکر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

(درمنثور ج ۱ ص ۳۱ ۔ ۳۰ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی ایران)

شیعہ مفسر شیخ فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل شدہ کتاب کی اس طرح تصدیق کرو جس طرح آپ کے اصحاب نے اس کی تصدیق کی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ (حضرت) عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھ جو دوسرے یہودی ایمان لائے تھے'ان کی طرح آپ کی تصدیق کرو۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۱۱ھ)

ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کا ایمان معیار ہے۔

زندیق کی توبہ کی قبولیت پر دلیل

اس آیت سے زندیق کی توبہ کے مقبول ہونے پر استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نفاق کی خبر دی اور ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ظاہر اسلام کے قبول کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کو ان کے فاسد عقائد کا جو علم تھا اس کے مطابق ان کے ساتھ کفار کا معاملہ کرنے کا حکم نہیں دیا' اور یہ ثابت ہے کہ یہ آیات مدینہ منورہ میں کفار سے قتال کی مشروعیت کے بعد نازل ہوئی ہیں' نیز ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ وہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی گواہی دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں' جب وہ ایسا کریں گے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کرلیں گے' البتہ اسلام کا حق لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے[1] اور منافقین بہ ظاہر کلمہ پڑھتے تھے' نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ منافق کا ایمان لانا اور اس کی توبہ مقبول ہے' اسی پر زندیق کو قیاس کیا گیا ہے۔ اب ہم پہلے زندیق اور ملحد کی تعریفیں ذکر کریں گے' پھر ان کا شرعی حکم بیان کریں گے۔

زندیق کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کافروں کی حسب ذیل اقسام لکھی ہیں:

کافر: جو شخص ظاہراً ایمان نہ لائے' **منافق:** جو شخص بہ ظاہر ایمان لائے اور حقیقت میں کافر ہو' **مرتد:** جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام سے رجوع کر کے کفر کو قبول کرلے' **مشرک:** جو شخص متعدد خدا مانے' **کتابی:** جو شخص ادیان سابقہ منسوخہ کا معتقد ہو جیسے یہودی اور عیسائی' **دہری:** جو شخص دہر کو قدیم مانے اور حوادث کی نسبت دہر کی طرف کرے' **معطل:** جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم نہ کرے' **زندیق:** جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرتا ہو' شعائر اسلام کا اظہار کرتا ہو اور اس کے دل میں کفریہ عقائد ہوں۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۲۷ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران' ۱۴۰۹ھ)

ملحد: جو شخص شریعت مستقیمہ سے کفر کی کسی جہت کی طرف میلان کرے' اس میں وجود باری کو ماننے کی شرط ہے نہ نبوت کے ماننے کی شرط ہے' نہ کفر کو چھپانے کی شرط ہے' نہ پہلے اسلام کو ماننے کی شرط ہے' یہ کفر کی تمام اقسام سے عام ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۹۶)

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی زندیق کے متعلق لکھتے ہیں:

"فتاویٰ قاری الھدایہ" میں لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو دہر کے قدیم ہونے کا معتقد ہو خالق اور آخرت پر ایمان نہ لائے اور اس کا اعتقاد ہو کہ اموال اور محرمات مشترک ہیں' اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو خدا کا قائل ہو نہ آخرت کا اور نہ کسی چیز کو حرام سمجھتا ہو' یہ علامہ بیری سے منقول ہے' اور "فتح القدیر" میں ہے کہ زندیق کسی دین کا قائل نہیں ہوتا' اور "حاشیہ ابی سعود" میں "ملتقطات" سے منقول ہے کہ زندیق کی تین قسمیں ہیں: (۱) زندیق اصلی یہ وہ عجمی شخص ہے جو اپنے سابق شرک پر قائم ہو (۲) زندیق غیر اصلی وہ شخص ہے جو پہلے مسلمان ہو اور پھر زندیق ہو جائے' اس پر اسلام پیش کیا جائے گا' اگر یہ مسلمان ہو گیا تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ یہ مرتد ہے (۳) جو شخص پہلے ذمی ہو اور پھر زندیق ہو جائے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے اور توبہ اس سے قتل کو ساقط کر دیتی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار ج ۲ ص ۴۸۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ طحطاوی نے زندیق کی جتنی تعریفیں لکھی ہیں یہ سب اس کے لغوی معنی ہیں' اصطلاح شرع میں اس کا وہی معنی ہے جو علامہ تفتازانی نے لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ لغت میں زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو خالق کی نفی کرے' اور جو متعدد خداؤں کا قائل ہو' اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرے' اور اصطلاح شرع میں زندیق وہ شخص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرے اور کفر کو مخفی رکھے جیسا کہ "شرح مقاصد" میں ہے' زندیق کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنی گمراہی کی طرف دعوت نہیں دیتا تو پھر اس کی تین قسمیں ہیں (زندیق اصلی' غیر اصلی اور وہ زندیق جو پہلے ذمی ہو' ان کی تفصیل علامہ طحطاوی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور اگر زندیق اپنی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کر لی ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی ورنہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندیق تو اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے' وہ اپنی گمراہی کی طرف کیسے لوگوں کو دعوت دے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر پر اسلام کا ملمع چڑھا کر اور اپنے عقائد فاسدہ کو عقائد صحیحہ کی صورت میں پیش کر کے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے گا (جیسے ہمارے زمانہ میں مرزائی ہیں)۔ (ردالمختار ج ۳ ص ۲۹۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہے ○ (البقرہ: ۱۳)

صحابہ کرام پر سب وشتم کی مذمت اور رد

منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جاہل کہا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور ان کی زیادہ جہالت بیان کی کہ وہ نہ صرف جاہل ہیں بلکہ ان کو اپنی جہالت کا علم بھی نہیں اور اس آیت میں قصر قلب ہے اور کئی وجہ سے تاکید ہے' قصر قلب کا تقاضا یہ ہے کہ اصحاب رسول جاہل نہیں ہیں بلکہ یہی جاہل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں اور خود کو عالم سمجھ رہے ہیں اور اس جملہ کو اللہ تعالیٰ نے "الا' ان" اور اسمیت جملہ سے مؤکد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمیشہ جہالت میں رہیں گے اور ان کو اپنی جہالت کا علم نہیں ہوگا' اور ایسی جہالت زیادہ لائق مذمت ہے' کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا پتا نہ ہو اس میں صرف ایک جہالت ہے' اور وہ بسا اوقات معذور ہوتا ہے اور جب اس کو اس چیز کا پتا چل جائے یا اس کو مسئلہ بتا دیا جائے تو اس کی جہالت زائل ہو جاتی ہے اور اس کو ہدایت سے نفع پہنچتا ہے اور جو شخص جاہل ہو اور وہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہو اس

میں دو جہالتیں ہیں: ایک مسئلہ سے جہالت دوسری اپنی جہالت سے جہالت' اس کو جہل مرکب کہتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا اللہ کو بہت ناگوار ہے' منافقین نے ایک بار صحابہ کو جاہل کہا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل کردی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ جاہل نہیں بلکہ ان کو جاہل کہنے والے خود جاہل ہیں اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں اور ان کا جہل دائمی ہے' اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی جہل سے براءت کی اور ان کو جاہل کہنے والوں کی مذمت کی' منافقوں نے تو ایک بار صحابہ کو جاہل کہا تھا لیکن جب تک قرآن مجید پڑھا جاتا رہے گا یہ کہا جاتا رہے گا کہ منافق جاہل ہیں اور دائمی جہل میں گرفتار ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ پر سب وشتم کرنے والوں کا رد کرنا چاہیے اور صحابہ کا دفاع کرنا چاہیے کہ یہ سنت الٰہیہ ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی

اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے' اور جب یہ اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں

شَیٰطِیْنِہِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں O

اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ وَیَمُدُّہُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ان کو ان کے مذاق کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے' یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں O

ان شیاطین کا بیان جن سے منافق خلوت میں ملتے تھے

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بعض یہودی (یعنی منافق) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملاقات کرتے تو کہتے: ہم تمہارے دین پر ہیں' اور جب اپنے اصحاب سے تنہائی میں ملتے جو کافروں کے سردار تھے' تو کہتے: یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو صرف مذاق کرتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

علامہ خازن اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ سامنے سے صحابہ کرام ان کی طرف آرہے ہیں' اس نے اپنی قوم سے کہا: دیکھو میں ان بے وقوفوں کو کس طرح تم سے واپس کرتا ہوں' اس نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا: مرحبا! اے بنو تیم کے سردار! شیخ الاسلام' غار میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفیق' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان اور مال کو خرچ کرنے والے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: مرحبا! اے بنو عدی کے سردار! فاروق' اللہ کے دین میں قوی' اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے' پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا: مرحبا! اے رسول اللہ کے عم زاد! آپ کے داماد' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام بنو ہاشم کے سردار' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابی! اللہ سے ڈر' نفاق نہ کر' منافق اللہ کی بدترین مخلوق ہیں' عبداللہ بن ابی نے کہا: اے ابوالحسن! ذرا ٹھہریئے' خدا کی قسم! میں نے یہ باتیں از راہ نفاق نہیں کہیں' ہمارا ایمان آپ ہی کی طرح ہے' پھر صحابہ کرام کے جانے کے بعد عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم نے دیکھا

میں نے ان کو کیسے بے وقوف بنایا! (معاذ اللہ) صحابہ کرام نے واپس آکر یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۰۔ ۲۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ خفاجی نے اس روایت پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

اس حدیث کو واحدی نے اپنی سند کے ساتھ روایت ہے' حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند بیان کر کے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور کہا: یہ سلسلۃ الذھب نہیں ہے بلکہ سلسلۃ الکذب ہے (یعنی جھوٹی سند ہے) اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار ظاہر ہیں' کیونکہ محدثین کی تصحیح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آتے ہی شروع میں سورہ بقرہ نازل ہوئی تھی اور ہجرت کے دوسرے سال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی تھی' اور اس حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن ابی نے حضرت علی کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا داماد کہا۔

(عنایۃ القاضی ج ۱ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یہ اپنے شیاطین سے خلوت میں ملتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۴)

علامہ ابواللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ شیاطین سے مراد یہود کے پانچ قبیلے ہیں: کعب بن اشرف مدینہ میں' ابوبردہ اسلمی بنو اسلم میں' ابو السوداء شام میں' عبد الدار جہینہ میں سے اور عوف بن مالک بنو اسد سے' ابو عبیدہ نے کہا: ہر وہ شخص جو گمراہ اور سرکش ہو وہ شیطان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ان کے ساتھ استہزاء فرماتا ہے۔ (البقرہ: ۱۵)

اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ قصداً مذاق کرنے کو استہزاء کہتے ہیں اور استہزاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کا معنی استہزاء کی جزا دینا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مدت تک مہلت دیتا ہے' پھر اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے' اس کو استہزاء اس لیے فرمایا ہے کہ منافقین اس دھوکے میں تھے کہ وہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے نفاق اور سرکشی کے باوجود ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے گئے اور ان سے مواخذہ نہیں کیا گیا لیکن حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق کا علم تھا اور آخرت میں ان کے ساتھ صورۃً استہزاء کیا جائے گا۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر نے ابو صالح سے روایت کیا ہے کہ دوزخ میں دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ دوزخ سے نکلو اور دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے' جب وہ دوزخ کے کھلے ہوئے دروازے دیکھیں گے تو وہ دوزخ سے نکلنے کے لیے بھاگیں گے اور مومن جنت میں اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے اور جب کفار دروازوں کے قریب پہنچیں گے تو وہ دروازے بند ہو جائیں گے اور مومن ان پر ہنسیں گے[1] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (المطففین: ۳۶۔ ۳۴)

تو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہیں ۝ وہ (عالی شان) تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں ۝ کہ کافروں کو ان کے کیے ہوئے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے ۝

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے استہزاء کی جزاء (سزا) کو استہزاء صورۃً فرمایا ہے' حقیقت میں یہ استہزاء نہیں ہے اس کی نظیر یہ

[1] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' درمنثور ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران

آیت ہے:
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔
حالانکہ برائی کا بدلہ حقیقت میں عدل و انصاف ہوتا ہے' برائی نہیں ہوتی لیکن کسی چیز کا بدلہ صورۃً اسی کی مثل ہوتا ہے اس لیے اس کو برائی فرمایا' اسی طرح منافقین کے استہزاء کا بدلہ حقیقۃً استہزاء نہیں صورۃً مماثل ہونے کی وجہ سے اس کو استہزاء فرمایا۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خریدا' سو ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی اور
وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ
نہ یہ ہدایت یافتہ تھے O ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب
فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي
اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور ان کو
ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾
اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے O بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' پس وہ (ہدایت کی طرف) رجوع نہیں کریں گے O

اس جگہ خرید و فروخت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے' بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرلیا' ان کے سامنے قرآن کریم اور رسول اللہ کی پیش کردہ ہدایت بھی تھی اور اس کے مقابلہ میں یہودیت کے عارضی منافع بھی تھے لیکن انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کرلیا' اس تجارت میں ان کا راس المال بھی ضائع ہو گیا کیونکہ ان کی فطرت میں ہدایت کو قبول کرنے کی جو استعداد اور صلاحیت تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور جب اس کا ماحول روشن ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کرلیا۔ (البقرہ: ۱۷)

منافقین کے احوال کی پہلی مثال

علامہ ابن جریر لکھتے ہیں:
قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب منافق ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے تو اس کے لیے دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے' وہ مسلمانوں سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرتا ہے' زکوٰۃ' صدقات اور مال غنیمت کے فوائد حاصل کرتا ہے اور مسلمانوں میں نکاح کرتا ہے اور ان کا وارث ہوتا ہے اور جب اس کو موت آتی ہے تو اسلام کے تمام ثمرات اور فوائد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ دل سے مسلمان نہ تھا۔
(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۱ — ۱۱۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو ظلمات (اندھیروں) میں چھوڑ دیا۔ (البقرہ: ۱۷)

ظلمت اس چیز کو کہتے ہیں جو دیکھنے سے منع کرتی ہے' منافقوں کے لیے کئی ظلمات ہیں' ظلمت کفر' ظلمت نفاق اور ظلمت یوم قیامت' جس دن مومنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب چمک رہا ہوگا' اور منافقوں کے سامنے اندھیرا ہوگا' یا اس سے مراد ہے گمراہی کی ظلمت' اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ظلمت اور دائمی عتاب کی ظلمت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کی ہدایت مہیا کی اور انہوں نے اس کو ضائع کردیا اور جنت کو حاصل نہیں کیا' اس آیت کے عموم میں یہ منافق بھی داخل ہیں کیونکہ انہوں نے کلمہ پڑھا لیکن کفر کو مخفی رکھنے اور اپنے شیطانوں کی موافقت کرنے کی وجہ سے اس کو ضائع کردیا' اس آیت کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگئے اور اس آیت میں وہ بھی داخل ہیں جو مقام ارادت (یہ احوال سالک کی ابتداء ہے جس سے وہ نفسانی خواہشوں کو ترک کرتا ہے' راضی بہ رضاء الٰہی رہتا ہے تو اس پر انوار الٰہیہ کا فیضان ہوتا ہے) پر فائز ہوتے ہیں اور اس سے اگلے مقام' مقام محبت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں تو مقام ارادت کا نور بھی جاتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہرے ہیں' گونگے ہیں اندھے ہیں' پس وہ (ہدایت کی طرف) رجوع نہیں کریں گے O (البقرہ: ۱۸)

یعنی حق کو سننے سے بہرے ہیں' حق بولنے سے گونگے ہیں اور حق دیکھنے سے اندھے ہیں' اللہ تعالیٰ نے کان اس لیے دیئے ہیں کہ وہ حق کو سنیں' سو جس نے حق کو نہیں سنا' وہ خواہ کان رکھتا ہو اللہ کے نزدیک بہرا ہے' اور زبان کلمہ حق بولنے کے لیے دی ہے' سو جس نے کلمہ حق نہیں بولا وہ خواہ زبان رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک گونگا ہے اور جس نے حق کو نہیں دیکھا وہ خواہ آنکھیں رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اندھا ہے' یہ لوگ اب اس ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے جس کو ضائع کر چکے ہیں اور اس گمراہی کو ترک نہیں کریں گے جس کو اختیار کر چکے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ

یا ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو آسمان سے برسنے والی بارش میں (گھرے ہوئے) ہوں اس بارش میں تاریکیاں' کڑک

اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ

اور چمک ہو' وہ کڑک (سن کر) جان کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو

بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ

گھیرے ہوئے ہے O لگتا ہے کہ بجلی ان کی بصارت اچک لے گی' جب بھی ان کے لیے بجلی

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

چمکتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں' اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں' اور

۲ ع ۱۳ ۲ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا' یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

منافقین کے احوال کی دوسری مثال

امام ابن جریر طبری اس آیت کے شان نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود وغیرہما سے روایت کرتے ہیں:

اہل مدینہ سے دو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مشرکین کی طرف بھاگے' تو ان کو اس بارش نے آلیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' اس میں شور' گرج اور کڑک تھی اور بجلی چمک رہی تھی اور جب بھی بجلی زور سے کڑکتی تو وہ موت کے ڈر سے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیتے اور جب بجلی چمکتی تو وہ اس کی روشنی میں چلتے اور جب اندھیرا چھا جاتا تو کھڑے رہ جاتے' وہ کہنے لگے کہ کاش صبح ہو جائے تو ہم پھر (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلے جائیں' پھر جب صبح ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئے اور خلوص دل سے اسلام لے آئے اور انہوں نے نیکی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا' اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے منافقوں کی مثال ان دو منافقوں کے ساتھ دی ہے جو مدینہ سے نکلے تھے۔

منافق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ اس خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ مبادا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے متعلق کوئی کلام نازل ہوا ہو یا ان کی کوئی بات پکڑی گئی ہو اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جائے' جس طرح بارش میں گھرے ہوئے ان دو منافقوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں' اور جب فتوحات اسلام کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی تو وہ اسلام پر کچھ قائم ہوئے اور کہنے لگے کہ (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کا) دین حق ہے' جس طرح وہ دو منافق بجلی کی روشنی میں چل پڑتے تھے' اور جب کسی مصیبت کی وجہ سے ان کا مال اور اولاد ہلاک ہو جاتے' پھر کفر کی طرف لوٹ جاتے اور کہتے کہ یہ دین (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے' جس طرح جب بجلی چمکتی اور اندھیرا چھا جاتا تو وہ دو منافق کھڑے رہ جاتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۱۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

دونوں مثالوں کا تجزیہ

پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو دل میں قطعی منکر تھے اور کسی دنیاوی غرض اور مصلحت کی وجہ سے مسلمان بن گئے تھے اور یہ دوسری مثال ان منافقین کی ہے جو شک اور تذبذب میں مبتلا تھے' زکوٰۃ اور مال غنیمت کو تو دلی رغبت سے قبول کرتے لیکن اسلام کی خاطر جہاد کی آزمائشوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا نہیں؟

منافقوں کا وجود صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں ممکن تھا' یہ آپ ہی کا منصب تھا کہ آپ وحی الٰہی سے یہ بتائیں کہ فلاں شخص منافق ہے' اور اب جب کہ وحی منقطع ہو چکی ہے تو اب کسی شخص کے متعلق یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ وہ منافق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص قطعی طور پر کسی کے دل کے حال پر مطلع نہیں ہو سکتا' لہٰذا جو شخص اسلام کو ظاہر کرے گا وہ مسلمان ہے' اور جو کفر کو ظاہر کرے گا وہ کافر ہے اور جو اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جائے گا وہ مرتد ہے اور جو شخص اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا ملمع چڑھائے گا وہ زندیق ہے' اور حقیقی منافق کوئی نہیں ہے' البتہ جو شخص بے عمل ہو اس کو عمل کے اعتبار سے منافق کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے O (البقرہ: ۲۰)

شے کے معنی میں اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف

شے کے معنی میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے' معتزلہ کے نزدیک شے کا معنی ہے: جس کا موجود ہونا صحیح ہو' یہ معنی واجب اور ممکن دونوں کو شامل ہے' معتزلہ کے نزدیک شے کی دوسری تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا معلوم ہونا صحیح ہو یا جس چیز کی خبر دینا صحیح ہو اور یہ معنی واجب' ممکن اور ممتنع تینوں کو شامل ہے اور جب کہ واجب اور ممتنع تحت قدرت نہیں ہیں' اس لیے ہر تقدیر پر معتزلہ کو شے کے ساتھ ممکن کی قید لگانی پڑے گی یعنی اللہ ہر شے ممکن پر قادر ہے' اہل سنت کے نزدیک شے موجود کے ساتھ خاص ہے' کیونکہ شے مصدر ہے' اگر یہ بہ معنی اسم فاعل ہے یعنی ''شاء'' تو اس وقت یہ واجب کو بھی شامل ہوگا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَہَادَۃً ط قُلِ اللّٰہُ ﻻ آپ کہیے: سب سے بڑی گواہی کس کی ہے؟ آپ کہیے: اللہ۔ (الانعام: ۱۹)

شے کا دوسرا معنی ہے: ''مشیء وجودہ'' جس کا وجود چاہا گیا ہو' یہ اس وقت بہ معنی مفعول ہے' اس کا معنی ہے: جو موجود ہو خواہ حال میں خواہ استقبال میں' ''ان اللّٰہ خالق کل شئی. اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے'' اور ''ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر'' میں شے بہ معنی موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے خواہ وہ اب موجود ہو یا مستقبل میں۔

(انوار التنزیل ص ۳۸' (درسی) مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محال ہونا

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے امکان کے قائل ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور کذب بھی ایک شے ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کذب پر بھی قادر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شے کا معنی موجود ہے خواہ حال میں یا استقبال میں' اگر تم اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے کذب پر استدلال کرتے ہو تو صرف کذب کا امکان لازم نہیں آئے گا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حال یا استقبال میں بالفعل کاذب ہو (معاذ اللہ) اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت ہے' اب اگر خدا کو اپنے کذب پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔ اس کا جواب (بہ طور نقض اجمالی) یہ ہے کہ اس طرح تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زید کو اپنے عدم پر قدرت ہے مثلاً وہ خودکشی کر لے' اب اگر خدا کو اپنے عدم پر قدرت نہ ہو تو زید کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی تو خدا کا معدوم ہونا بھی ممکن ہو گیا' اور جس کا عدم ممکن ہو وہ ممکن ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا' اور اس کا دوسرا جواب (بہ طور نقض تفصیلی) یہ ہے کہ زید کی قدرت کا خدا کی قدرت سے بڑھنا تب لازم آئے گا کہ جس پر زید کو قدرت ہے بعینہٖ اسی چیز پر خدا کو قدرت نہ ہو' اور یہاں اس طرح لازم نہیں آتا کیونکہ زید کو اس پر قدرت ہے کہ زید جھوٹ بولے اور اس پر خدا کو بھی قدرت ہے کہ زید سے جھوٹا کلام صادر کرائے بلکہ اصل میں خدا ہی کی قدرت ہے کہ زید کی قدرت تو مجازاً ہے' اور جس پر خدا کو قدرت نہیں ہے کہ خدا سے جھوٹ صادر ہو اس پر زید کو کب قدرت ہے! مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ معترض نے دونوں جگہ اپنے اپنے لفظ کو دیکھا' زید کو اپنے کذب پر قدرت اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت اور یہ نہیں غور کیا کہ زید کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے زید سے کذب کا صدور ہو' اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت کا معنی ہے: خدا سے کذب کا صدور ہو!

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے کذب کے محال ہونے پر دلائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

قادر وہ شخص ہے جو اگر چاہے تو کوئی کام کرے اور اگر چاہے تو وہ ترک کر دے' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو فعل اور ترک فعل کا اختیار ہو اور یہ اس کے لیے ممکن ہو یعنی اگر اس کے لیے فعل کا داعی اور محرک ہو تو اس کے لیے فعل کرنا ممکن ہو اور اگر اس کے لیے ترک کا باعث اور محرک ہو تو اس کے لیے ترک کرنا ممکن ہو۔

(شرح المقاصد ج ۴ ص ۸۹' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

قدرت وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کسی زندہ شخص کے لیے اپنے ارادہ سے کسی فعل کا کرنا یا اس کا ترک کرنا ممکن ہوتا ہے۔ (التعریفات ص ۷۴' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب' ظلم' جہل اور دیگر برائیوں پر قادر نہ ہو تو یہ اس کے علی الاطلاق قادر ہونے کے منافی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس وقت لازم آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کذب' ظلم اور جہل وغیرہ کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا' لیکن اللہ تعالیٰ کذب اور ظلم وغیرہ کا ارادہ نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحان ہے' اور اس کے سبحان اور قدوس ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے برائی کا ارادہ کرنا محال ہو' اس لیے کذب پر قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا' عجز اس وقت ہوتا جب وہ کذب اور ظلم کا ارادہ کرتا اور ان کو وجود میں نہ لاسکتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ عجز اس وقت ہوتا جب کسی فعل کا ہونا ممکن ہوتا اور پھر اس فعل کو وجود میں نہ لایا جاسکتا' سو جس طرح دوسرے خدا کو پیدا کرنا ممکن نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے ولد کا ہونا ممکن نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی زوجہ کا ہونا ممکن نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا پیدا ہونا یا اس کا مرنا ممکن نہیں ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا اور اس کا ظلم کرنا ممکن نہیں ہے اور چونکہ یہ تمام امور ممکن نہیں ہیں' اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کے قادر نہ ہونے سے اس کا عجز لازم نہیں آتا۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کیوں ممکن نہیں' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قدیم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث ہو تو وہ محل حوادث ہوگا اور محل حوادث خود حادث ہوتا ہے اور جب کذب قدیم ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ صدق سے متصف نہیں ہوسکتا' کیونکہ صدق تو کذب کی نقیض ہے' لہٰذا اگر صفت کذب کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے' اور اللہ تعالیٰ صدق سے متصف ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (النساء: ۸۷) اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون صادق ہے ۝

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادق ہے اور اس کا صدق قدیم ہے اور کذب' صدق کے زوال کا نام ہے' اور اس کا صدق زائل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ قدیم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کاذب ہو نہیں سکتا' صدق جا نہیں سکتا اور کذب آ نہیں سکتا۔

نیز ہم اس سے پہلے علامہ بیضاوی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ ''ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ موجود کرنے کا ارادہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس چیز کا ارادہ فرمائے گا جو اس کے سبحان اور قدوس ہونے کے خلاف نہ ہو' کذب اور ظلم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تحت آسکیں اس لیے وہ اس کی قدرت کے تحت نہیں ہیں' جیسے بالاتفاق اللہ تعالیٰ کے شریک کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قدرت کے تحت نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، اس امید پر کہ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

تم متقی (پرہیزگار) بن جاؤ O جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کو فرش

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ

الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھل پیدا کیے، لہٰذا تم اللہ کے لیے شرکاء نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو O

ربط آیات اور التفات کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع سے یہاں تک مومنین، کفار اور منافقین کا ذکر فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کے خواص کا ذکر فرمایا کہ مومنین نے قرآن مجید کی ہدایت سے نفع اٹھایا، غیب پر ایمان لائے، نماز پڑھی اور خدا کی راہ میں مال خرچ کیا، اور دنیا اور آخرت میں فلاح پائی، کفار نے کفر پر اصرار کیا، اور ان کی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور منافقین نے اپنے کفر کو مخفی رکھا اور اپنے زعم میں خدا، رسول اور مومنوں کو دھوکا دیا، پھر ان کی خصوصیات کے متعلق دو بلیغ مثالیں بیان فرمائیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کو اے لوگو! فرما کر خطاب کیا، اور ان سب کو عبادت کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کا غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا اور پھر ان سے بالمشافہ خطاب فرمایا تاکہ سننے والوں کا ذہن بیدار اور متوجہ رہے اور ان کی رغبت اور شوق میں اضافہ ہو اور اس پر تنبیہ ہو کہ عبادت ایک مہتم بالشان فعل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر ان کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے عبادت کی مشقت اور کلفت جاتی رہے۔ ہم اس سے پہلے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عبادت کا معنی بیان کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا، یا نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔

باوجود اللہ تعالیٰ کے قرب کے ''یایھا الناس'' سے ندا کرنے کی توجیہ

عربی زبان میں بعید شخص اور دور والے کو ندا کرنے کے لیے ''یـا'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور قریب والے اور نزدیک شخص کو ندا کرنے کے لیے ''ای'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات قریب شخص کو بعید کے قائم مقام کر کے اس کو بھی ''یا'' کے ساتھ ندا کی جاتی ہے، کبھی کسی کی عظمت کی وجہ سے بعد رتبہ کو بعد مقام کے مرتبہ میں نازل کرتے ہیں جیسے دعا کرنے والا ''یا اللہ'' کہتا ہے اور کبھی کسی غفلت کی وجہ سے اس کو بعید قرار دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یایھا الناس'' اور کبھی اس اعتبار سے کہ واجب اور قدیم کے مقابلہ میں ممکنات اپنے حدوث اور امکان کی وجہ سے انتہائی پستی اور بعد میں ہیں جیسے

قرآن مجید میں ''یا سماء' یا ارض' یا جبال' یا نار'' وغیرہ کی ندا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ''یایھا الناس'' فرمایا' اس لیے کہ تمام لوگ اپنی غفلت یا اپنے امکان اور حدوث کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بعید ہیں۔

''یایھا الناس'' سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے پر اعتراض کا جواب

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

امام بزاز نے اپنی ''مسند'' میں' امام حاکم نے ''مستدرک'' میں اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس سورت میں ''یایھا الناس'' ہو وہ مکی ہے اور جس سورت میں ''یایھا الذین امنوا'' ہو وہ مدنی ہے' اس لحاظ سے یہاں پر یہ اشکال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں ''یایھا الناس'' سے خطاب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جس سورت میں فقط ''یایھا الناس'' ہو وہ مکی ہوتی ہے اور اس سورت میں ''یایھا الناس'' کے علاوہ ''یایھا الذین امنوا'' سے بھی متعدد جگہ خطاب ہے' نیز ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ جس سورت میں منافقین کا ذکر ہو وہ سورت مدنی ہوتی ہے' لہٰذا روایت اور درایت کے لحاظ سے اس سورت کا مدنی ہونا متعین ہے اور علامہ بیضاوی وغیرہ کا اس قاعدہ پر اعتراض کرنا عدم تدبر پر مبنی ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۶ ملخصاً' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

مومنین' کفار اور منافقین کے لیے عبادت کے حکم کا الگ الگ معنی

اس آیت میں مومنین' کفار اور منافقین کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' مومنین کو عبادت کے حکم کا یہ معنی ہے کہ وہ زیادہ عبادت کریں یا دائماً عبادت کریں' اور عبادت پر ثابت قدم رہیں' اور منافقین کو عبادت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ نفاق کو ترک کر کے اخلاص سے عبادت کریں اور کفار کو عبادت کے حکم کا معنی یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبادت کو شروع کریں' کیونکہ جو کام کسی چیز پر موقوف ہو تو اس کام کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے اس چیز کو حاصل کرو' پھر اس کام کو کرو' جس طرح کسی شخص کو نماز کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے وضو کرے اور پھر نماز پڑھے' اسی طرح کفار کو عبادت کا حکم دینا اس کو مستلزم ہے کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں اور پھر اس کی عبادت کریں۔

کفار کے فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار فروع (مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ وغیرہ) کے مکلف فقط اعتقاد میں ہیں' یا اداء اور اعتقاد دونوں کے مکلف ہیں' بخارا کے علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف حق اعتقاد میں مکلف ہیں یعنی کفار پر یہ ضروری ہے کہ وہ نماز' روزہ وغیرہ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں ان پر ان عبادات کا ادا کرنا فرض نہیں ہے' اور عراق کے علماء احناف اور علماء شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ کفار نماز' روزہ وغیرہ کی فرضیت پر ایمان لانے اور ان کو ادا کرنے دونوں کے مکلف ہیں اور ان کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی جانب تصریح نہیں کی' البتہ امام محمد کی بعض عبارات سے عراقی علماء کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید کی ان آیات کا بھی بہ ظاہر یہی تقاضا ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (حم السجدۃ: ۶۔۷)

اور عذاب ہے مشرکوں کے لیے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی آخرت کے منکر ہیں ۝

علماء بخارا اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مشرکین کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے عذاب ہوگا' فریقین

کے اس اختلاف کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء بخارا کا نظریہ صحیح ہے' کیونکہ اگر کفار اپنے کفر کے زمانہ میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ادا کرنے کے مکلف ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہونی چاہیے' حالانکہ عہد رسالت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر میں چھوڑی ہوئی نمازوں اور روزوں کا مکلف کیا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عراقیوں کا قول ہی معتمد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار اعتقاد اور اداء دونوں کے مخاطب ہیں۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۱۲۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ (البقرہ: ۲۱)

اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو یہ تسلیم ہے کہ ان کو اور ان سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کفار نے بھی اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (الزخرف: ۸۷)

اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' سو یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۝

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' سو یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۝

اور اگر کوئی کافر اور مشرک اس کا اعتراف نہ کرے کہ ان کا اور ان سے پہلے لوگوں کا بلکہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بے شمار ایسے دلائل رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق اور اس کے رب ہونے پر دلالت کرتے ہیں' جو شخص ذرا سا بھی غور وفکر کرے گا' اس کو اللہ تعالیٰ کے خالق اور رب ہونے میں کوئی شک نہیں رہے گا' ہم ان میں سے کچھ دلائل کا ذکر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے خالق اور لاشریک ہونے پر دلائل

اس کائنات کا خالق انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کا پیدا ہونا اور مرنا ہمارے سامنے ہے' جمادات' نباتات' حیوانات' دریا اور سمندر وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کا بھی پیدا ہونا' فنا ہونا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہونا ہماری نظر میں ہے' سورج' چاند اور ستارے وغیرہ خالق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کرنا ہمارے مشاہدہ میں ہے اور ان کا ایک مقررہ نظام کے تابع ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی زبردست اور قاہر نظام کے بنائے ہوئے نظام کے پابند ہیں اور جب اس سلسلہ کائنات میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق اور رب نہیں ہے تو ضرور اس کائنات کے علاوہ کوئی قادر و قیوم ہستی ہے' جو اس سلسلہ ممکنات اور حوادث کی غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے' جس نے اس کائنات کو بنایا ہے اور وہ اللہ ہی ہے کیونکہ اسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس پوری کائنات کو بنانے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا ہے' اسی نے دنیا والوں کے پاس انبیاء اور رسل بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور نبیوں اور کتابوں کے واسطے سے اپنی ذات کا عرفان کرایا اور یہ پیغام بھیجا کہ سب انسان اس کی مخلوق ہیں اور سب پر اس کی عبادت لازم ہے' اللہ کے سوا اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اس

کائنات سے الگ اور مغائر ہو اور اس نے اس کائنات کو بنانے اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا کسی نبی اور رسول کو بھیجا ہو یا اپنی حجت قائم کرنے کے لیے کوئی کتاب نازل کی ہو اور جب اس کائنات کے اندر کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہے اور اس کائنات سے باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے اور بغیر کسی کے بنانے یہ کائنات بن نہیں سکتی تو پھر اللہ کا یہ دعویٰ کیوں نہ مانا جائے کہ وہی اس کائنات کا خالق اور رب ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' واحد لاشریک ہے۔

علاوہ ازیں اس کائنات کے اندر بھی کسی جن' انسان[1]' فرشتے' پتھر کے تراشے ہوئے بت یا کسی درخت یا ستارے نے کبھی از خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس کائنات کا بنانے والا ہے' سورج کے سامنے زمین کی گردش سے لیل ونہار اسی کے حکم سے بنتے ہیں' اسی کے حکم سے بارش نازل ہوتی ہے' کسی چیز نے آج تک از خود اس پوری کائنات کے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں ممکنات اور حوادث میں سے کوئی چیز بھی اس کائنات کی خالق نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز اس کی تخلیق کی مدعی ہے' تو پھر اس کائنات کا خالق ضرور اس کائنات کا غیر اور اس سے الگ کوئی ہستی ہے جو اس کائنات کی طرح حادث اور ممکن نہیں' قدیم اور واجب ہے' اور جب اس کائنات کے اندر اور باہر اللہ کے سوا اور کوئی اس کی تخلیق کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر اللہ کو اس کائنات کا خالق اور رب کیوں نہ مانا جائے اور اس کو واحد اور لاشریک کیوں نہ تسلیم کیا جائے!

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ ساری کائنات بغیر کسی بنانے والے کے از خود بن گئی ہے تو یہ بات بالکل بداہت کے خلاف ہے' مٹی کے تیل کا ایک چراغ بھی از خود نہیں جلتا تو آسمانوں پر یہ اربوں ستارے خود بہ خود کیسے روشن ہو گئے؟ ایک گلاس پانی بھی خود بہ خود مہیا نہیں ہوتا تو زمین کے نیچے چشمے خود بہ خود کیسے رواں ہو گئے اور اتنا بڑا سمندر کیسے وجود میں آ گیا اور یہ زمین و آسمان کیسے خود بہ خود بن گئے' پھولوں میں رنگ اور خوشبو' پھلوں میں ذائقہ اور ایک مربوط اور مقرر نظام کے تحت اس کائنات کا چلنا کیسے خود بہ خود ہو گیا!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوقِنُوْنَ ۝ (الطور: ۳۶۔ ۳۵)

کیا وہ کسی شے کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ (خود) خالق ہیں؟ ۝ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے ۝

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَ

(بھلا بتاؤ تو سہی!) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور تمہارے لیے آسمان سے پانی کس نے نازل کیا ہے؟ ہم نے ہی اس پانی سے خوشنما باغ اگائے' تمہارے لیے ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغوں) کے درخت اگاتے' کیا (اس تخلیق میں) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے انحراف کر رہے ہیں ۝ (بھلا بتاؤ تو

[1] فرعون وغیرہ نے اپنی ربوبیت یعنی لوگوں کے پالنے کا دعویٰ کیا' پوری کائنات کے بنانے کا دعویٰ نہیں کیا' وہ اپنی پرستش کرانے اور مستحق عبادت ہونے کے خواہاں اور مدعی تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے دعویٰ کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا۔

يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (النمل: ۶۴۔۶۰)

یہی!) زمین کو ٹھہرنے اور قرار کی جگہ کس نے بنایا؟ اور زمین کے درمیان دریا کس نے پیدا کیے؟ اور زمین (کے قرار) کے لیے مضبوط پہاڑ کس نے پیدا کیے؟ اور دو سمندروں کے درمیان آڑ کس نے پیدا کی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ○ (بتاؤ) جب بے قرار شخص اس کو پکارتا ہے تو اس کی پکار کا کون جواب دیتا ہے؟ اور اس سے تکلیف کو کون دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین پر (پہلے لوگوں کا) نائب کون بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ○ (بتاؤ) تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں کون راہ دکھاتا ہے؟ اور اس کی رحمت کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ جن چیزوں کو یہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اللہ ان سے بری اور برتر ہے ○ (بتاؤ) ابتداءً مخلوق کو کس نے بنایا تھا؟ اور اس کو دوبارہ کون لوٹائے گا؟ اور تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لے آؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ (البقرہ: ۲۱)

''لعلکم تتقون'' میں امید کی نسبت بندوں کی طرف ہے

عربی میں ''لعل'' کا لفظ امید کے لیے آتا ہے اردو میں اس کا معنی ''شاید'' کیا جاتا ہے اور یہ اس شخص کے کلام میں متصور ہے جس کو مستقبل کا علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اس لیے یہاں اس لفظ کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ کو امید ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ امید رکھو کہ عبادت کرنے سے تم متقی بن جاؤ گے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ''لعل'' بہ معنی ''کی'' ہے یعنی تمہیں عبادت کرنے کا حکم دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم متقی بن جاؤ اور فوز و فلاح دارین حاصل کرلو۔

انسان عبادت پر غرور کرے نہ عبادت کی وجہ سے خود کو اجر کا مستحق سمجھے

تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بری ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر غاروں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام فرائض حقوق اور ذمہ داریوں کو اللہ کی وجہ سے پورا کرے اور ہر کام میں اس کی نیت اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی رہے اور یہ تقویٰ ہی سالکین کے درجہ کی انتہاء ہے اسی کو فنافی اللہ کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عبادت سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے اور یہ کہ انسان کو اپنی عبادت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے بلکہ مکمل عبادت کرنے کے بعد بھی یہ یقین نہ کرے کہ وہ متقی ہو گیا

ہے' بلکہ یہ امید رکھے کہ شاید متقی ہو گیا ہو' اور اپنے آپ کو خوف اور رجا کے درمیان رکھے' اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرتا رہے اور اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اپنی بخشش اور مغفرت کی امید رکھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔ (السجدہ: ۱۶)

ان کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں' وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۔ (بنواسرائیل: ۵۷)

جن نیک بندوں کی (یہ کافر) پرستش کرتے ہیں' وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے (کہ اس کی دعا سے خدا کا قرب حاصل ہو) وہ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شب بیدار' تہجد گزار اور اللہ کے مقرب بندوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ خوف اور طمع کے درمیان ہیں' اپنی عبادت پر بھروسہ یا گھمنڈ نہیں کرتے بلکہ اس کی رحمت اور فضل کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' جب اس کے شب بیدار اور مقرب بندوں کا یہ حال ہے تو عام فرائض اور نوافل ادا کرنے والوں کا کیا حال ہونا چاہیے!

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال لن ینجی احدا منکم عمله قال رجل ولا ایاك یا رسول الله قال ولا ایای الا ان یتغمدنی الله منه برحمة ولکن سددوا.

(امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا' ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا' لیکن تم نیک اعمال کی کوشش جاری رکھو۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' بلکہ یہ تمام جہان اس کی ملک ہے اور دنیا اور آخرت اس کی سلطنت ہے اور وہ اپنی سلطنت میں جو چاہے کرے۔ اگر وہ تمام نیکوکاروں اور صالحین کو عذاب دے اور جہنم میں داخل کر دے تو یہ اس کا عین عدل ہو گا' اور اگر وہ ان پر کرم فرمائے' ان کو نعمتوں سے نوازے اور جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے' اور اگر وہ کافروں کو بھی جنت میں داخل کر دیتا تو وہ اس کا مالک تھا' لیکن اس نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ مومنین کو بخش دے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ اس کا فضل ہے' اور کافروں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ جہنم میں رکھے گا اور یہ اس کا عدل ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے تو وہ بہر حال جنتی ہیں' اور اس وجہ سے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے' کیا پتا خاتمہ ایمان پر ہو یا نہ ہو' اور اگر خاتمہ ایمان پر ہو بھی گیا تو کیا پتا کہ ابتدائی مرحلہ میں نجات ہو جائے گی یا اپنی تقصیرات پر گرفت اور عذاب کے بعد نجات ہو گی' اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے تمہارے نفع حاصل کرنے کے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ (البقرہ: ۲۲)

زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا' اس کے فرش ہونے کے منافی نہیں ہے

پانی کی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مٹی کے اوپر ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین کے بعض حصوں کو پانی سے الگ کر دیا' اور زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط رکھا تا کہ وہ فرش کی طرح ہو جائے اور لوگوں کا اس پر بیٹھنا اور لیٹنا ممکن ہو' اور زمین کا فرش ہونا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ جو بہت عظیم اور جسیم کرہ ہو وہ بہ ظاہر ایک مسطح جسم معلوم ہوتا ہے' اسی طرح زمین کا گردش کرنا بھی اس کے فرش ہونے کے خلاف نہیں ہے' جیسے لوگ بحری جہاز میں سفر کرتے ہیں' جہاز حرکت کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس پر بستر بچھا کر سو جاتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ۚ — بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ (محور) سے ہٹنے سے روکتا ہے۔ (الفاطر: ۴۱)

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ زمین ساکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو روکا ہوا ہے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے' بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے محور سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اب جبکہ سائنٹفک طریقہ سے زمین کی گردش ثابت ہو چکی ہے تو علم اور سائنس کے خلاف قرآن مجید کی تفسیر کرنے سے خدشہ ہے کہ سائنس کے طلباء اور ماہرین قرآن مجید کا انکار کر دیں اور اس ترقی یافتہ دور میں پرانی لکیروں کو پیٹتے رہنے میں دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

آسمان کیا ہے؟ اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں' سائنس دان ابھی چاند تک ہی پہنچ پائے ہیں' چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے' آسمان تو چاند' سورج اور سیاروں سے بہت دور ہے' قدیم یونانی فلسفیوں کا خیال تھا کہ چاند پہلے آسمان میں مرکوز ہے' لیکن تحقیق اور مشاہدہ سے یہ بات غلط ثابت ہو گئی ہے' قرآن مجید نے آسمان کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق کوئی چیز نہیں بتائی اور نہ یہ قرآن کا موضوع ہے۔ قرآن مجید عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے رشد و ہدایت کی کتاب ہے' اشیاء کی حقیقت اور ماہیت اور اس کے طبعی خواص بیان کرنا قرآن مجید کا موضوع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی سے تمہارے رزق کے لیے کچھ پھل پیدا کئے۔ (البقرہ: ۲۲)

پھلوں کو بتدریج پیدا کرنے کی حکمت

پھل اور زمین سے پیدا ہونے والی تمام غذائی اجناس صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب مٹی میں آلودہ پانی کو بنایا ہے جس طرح نطفہ کو جاندار کی پیدائش کا مادہ بنایا ہے' اللہ تعالیٰ نے زمین میں قوت قابلہ رکھی ہے اور پانی میں قوت فاعلہ رکھی ہے اور ان دونوں قوتوں کے اجتماع سے زرعی اجناس پیدا ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ مٹی اور پانی کے بغیر پھلوں کو پیدا کر دیتا جس طرح خود مٹی اور پانی کو کسی سبب کے بغیر پیدا کیا ہے لیکن ان کو بتدریج پیدا کرنے میں نظر غائر سے دیکھنے والوں کے لیے ایسی حکمتیں ہیں جو ان کو دفعۃً پیدا کرنے میں نہیں ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے لیے یہ سبب بنایا ہے کہ مرد عورت کے رحم میں تخم ریزی کرے اور نو ماہ کی طویل مدت کے بعد ایک بچہ کی شکل میں انسان کی پیدائش عمل میں آئے تا کہ بہ ظاہر انسان کی سعی اور جدوجہد بھی اس پیدائش کے حصول میں شامل ہو اور اسی وجہ سے انسان اپنے بچہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے' اسی طرح ہل چلا کر زمین کو قابل کاشت بنانے اور اس میں پانی پہنچانے سے زرعی پیداوار میں انسان کی سعی اور عمل کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور اس سعی اور عمل پر بے شمار ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا باطنی معنی یہ ہے کہ اس آیت میں انسان کے بدن کو زمین سے تشبیہ دی ہے اور روح کو آسمان سے تشبیہ دی ہے اور عقل کو پانی سے تشبیہ دی ہے اور انسان کو عقل اور حواس کے استعمال کرنے اور قوت بدنیہ اور روحانیہ کے امتزاج کے واسطے سے جو علمی اور عملی کمالات عطا کیے ہیں ان کو ان پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ ہر آیت کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لہٰذا تم اللہ کے لیے شرکاء نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو○ (البقرہ: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی بڑی نعمتیں متحقق ہو چکی ہیں اور تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل آ چکے ہیں تو پھر علم کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ' کیونکہ تم غور وفکر کی اہلیت رکھتے ہو اور تم ادنیٰ تامل سے یہ جان سکتے ہو کہ انسانوں کو اور زمین و آسمان کو پیدا کرنا اور زرعی اجناس کو اگانا یہ ایسا کام ہے جس کو اس کائنات میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا اور ممکنات میں سے کسی ممکن کی قدرت میں ان کو پیدا کرنا نہیں ہے تو ضرور ان کا پیدا کرنے والا اس کائنات اور ممکنات کا غیر ہے جو واجب اور قدیم ہے اور وہ اللہ ہی ہے' اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جن شرکاء کی تم پرستش کرتے ہو وہ انسانوں' آسمانوں اور زمین اور زرعی اجناس کے اگانے پر قدرت نہیں رکھتے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ (الروم: ۴۰)	اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا' پھر تم کو رزق دیا' پھر تم پر موت طاری کرے گا' پھر تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا' کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی (شریک) ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے؟

اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی نے اس کائنات کی تخلیق کا دعویٰ نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے' وہ تنہا خالق ہے' واجب اور قدیم ہے اور قادر مختار ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس آیت میں ''انداد'' کی نفی کی ہے' ''انداد'' ''ند'' کی جمع ہے' ''ند'' اس مخالف کو کہتے ہیں جو جوہر ذات میں کسی شخص کے مساوی ہو' اور ایک جنس کے تحت جو دو ایسے افراد ہوں جو آپس میں مخالف ہوں اور جمع نہ ہو سکیں ان کو ضد کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا کوئی ''ند'' نہیں ہے' کیونکہ کوئی اس کی ذات کے مساوی نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جنس نہیں ہے۔

متکلمین نے اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر برہان تمانع سے استدلال کیا ہے' اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور ان میں سے ایک زید کے متحرک ہونے کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی وقت اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کرے تو بہ یک وقت زید متحرک ہو اور ساکن بھی یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارادہ پورا ہوگا' اور جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہے' اور جس کا ارادہ پورا نہ ہو سکے گا وہ عاجز ہوگا' اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا' لہٰذا فرض کیا تھا خدا دو ہیں' لازم آیا کہ ایک خدا ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ارادہ کی مخالفت نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس امکان کی تقدیر پر جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا' نیز جب وہ اتفاق کریں گے تو ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور موافقت کرنے والا تابع اور دوسرا متبوع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہوتا' غرضیکہ جب بھی دو خدا فرض کریں گے لازم آئے گا کہ دو خدا نہیں ہیں' ان میں سے ایک خدا ہے۔

منطقیوں نے اس طرح دلیل دی ہے کہ اگر دو خدا فرض کریں تو وہ دونوں واجب ہوں گے اور وجوب ان میں ما بہ الاشتراک ہوگا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے کیونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے تو ان میں ایک ما بہ الامتیاز بھی ہوگا' لہٰذا ہر ایک خدا دو چیزوں سے مرکب ہوگا ما بہ الاشتراک اور ما بہ الامتیاز سے' اور جو مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی طرف محتاج اور حادث ہوتا ہے' اور محتاج اور حادث خدا نہیں ہوتا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ ہر کثرت وحدت کی تابع ہوتی ہے' مثلاً کئی وزیر ہوں تو ان پر ایک وزیر اعلیٰ ہوتا ہے' کئی وزیر اعلیٰ ہوں تو ان پر ایک وزیر اعظم ہوتا ہے' کئی کانسٹیبل ہوں تو ان پر ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوتا ہے' کئی ڈائریکٹر ہوں تو ان کا ایک چیئرمین ہوتا ہے۔ اگر سب وزیر ہوں اور ان کے اوپر کوئی وزیر اعلیٰ نہ ہو تو وزارت کا نظام فاسد ہو جائے گا' اگر کئی ماسٹر ہوں اور ان کے اوپر کوئی ہیڈ ماسٹر نہ ہو تو اسکول کا نظام فاسد ہو جائے گا' لہٰذا جب تک کثرت کے اوپر کوئی وحدت نہ ہو اس کثرت کا نظام فاسد ہو جاتا ہے' تو اس کائنات کی کثرت کے اوپر اگر اللہ کی وحدت نہ ہوتی تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا اور اس نظام کا قائم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی وحدت کے تابع ہے۔

اسی کے قریب یہ دلیل ہے کہ کسی ملک میں مساوی طاقت اور اختیار کے دو حکمران نہیں ہوتے۔ جہاں پارلیمانی نظام ہے وہاں صرف ایک بااختیار وزیر اعظم ہوتا ہے اور جہاں صدارتی نظام ہے وہاں صرف ایک بااختیار صدر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک میں دو مساوی اختیار کے حکمران ہوں تو وہاں کا نظام چل نہیں سکتا' ان میں اختلاف اور ٹکراؤ ہوگا اور ان میں سے کسی کی بھی حکومت قائم نہ رہ سکے گی تو جب ایک ملک کے دو صدر یا دو وزیر اعظم نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں!

شرک کی تعریف

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام.

شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے' خواہ کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوس مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں۔

(شرح العقائد ص ۵۶ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے' وجوب وجود اور استحقاق عبادت' اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت مانے تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

''وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ'' (النحل: ١٠٠) کی تفسیر میں ابو العباس نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شیطان کی عبادت بھی کرتے ہیں' اسی وجہ سے یہ مشرک ہو گئے۔

(تاج العروس ج ۷ ص ۱۴۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات مانے تو یہ بھی اس کو واجب الوجود ماننا ہے' لہٰذا جو شخص کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے سننے یا دیکھنے کی صفت مستقل ہے یعنی وہ اپنی ذاتی طاقت سے سنتے یا دیکھتے ہیں یا ان کا علم ذاتی ہے یا ان کی قدرت ذاتی ہے تو یہ شرک ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے وہ سنتے ہیں اور

دیکھتے ہیں اور ان کا علم اور قدرت اللہ کی عطا سے ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔

''یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ'' پڑھنے کے متعلق شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور جو شیخ قدس سرہ کو متصرف بالذات اور عالم غیب بالذات خود جان کر پڑھے گا وہ مشرک ہے اور اس عقیدہ سے پڑھنا کہ شیخ کو حق تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور باذنہ تعالیٰ شیخ حاجت براری کر دیتے ہیں تو یہ شرک نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۵۰ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

''یارسول اللہ انظر حالنا'' کہنے کے متعلق شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

یہ خود آپ کو معلوم ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل اعتقاد کرے ورنہ شرک نہیں' مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا' یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ' پس انہی اقسام سے کلمات مناجات واشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

اہل قبور سے استعانت کے متعلق شیخ گنگوہی لکھتے ہیں:

استعانت کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کر دے یہ باتفاق جائز ہے' خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں' دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے[1] اور بعض روایات میں جو آیا ہے ''اعینونی عباد اللہ'' تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحراء میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے' اس سے حجت جواز پر لانا جہل ہے معنی حدیث سے' تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے' اس میں اختلاف علماء کا ہے' مجوز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں' سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں' اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے' پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۱۱۲ 'مطبوعہ سعید اینڈ سنز' کراچی)

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے یا کسی غیر اللہ کی کوئی صفت مستقل بالذات مانی جائے تو یہ شرک ہے ورنہ شرک نہیں ہے' لہٰذا عطائی علم' عطائی قدرت' اور عطائی اختیارات ماننا شرک نہیں ہے اور اس عقیدہ سے یارسول اللہ کہنا جائز ہے جیسا کہ علماء دیوبند کے سب سے بڑے عالم شیخ رشید احمد گنگوہی کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر غیر اللہ کی تعظیم بہ طور عبادت کی جائے تو یہ شرک ہے اور اگر بہ طور عبادت تعظیم نہ کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

علامہ محمد حصکفی لکھتے ہیں:

---

[1] شیخ گنگوہی اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ جو شخص شیخ کو متصرف بالذات اور عالم الغیب کے عقیدہ کے ساتھ ''یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للہ'' کہے تو شرک ہے' یہی قید یہاں بھی ملحوظ ہونی چاہیے کہ جو شخص صاحب قبر کو متصرف بالذات سمجھ کر یہ کہے ''تم میرا کام کر دو'' تو یہ شرک ہے۔ منہ

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے تو یہ حرام ہے اور اس کے کفر ہونے میں دو قول ہیں' "صید المدیہ" میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور کفر نہیں ہے' کیونکہ ہم کسی مسلمان کے متعلق یہ گمان نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷۔ ۱۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شامی تقرب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو تقرب بہ طور عبادت ہو' کیونکہ اسی تقرب سے تکفیر کی جائے گی' اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے (کہ وہ کسی شخص کا تقرب بہ طور عبادت حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرے گا) اس لیے ظاہر ہے کہ اس نے دنیا کے حصول کے لیے جانور ذبح کیا ہے' یا اس سے اظہار محبت کے لیے جانور ذبح کیا ہے' لیکن جب کہ اس ذبح میں غیر اللہ کی تعظیم شامل ہے' تو اس کا بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا حکماً خالص اللہ کے لیے نہیں ہے' اس لیے یہ فعل حرام ہوگا' جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے: بسم اللہ و بسم فلاں' تو یہ فعل حرام ہے' لیکن کسی چیز کے حرام ہونے اور اس کے کفر ہونے میں کوئی تلازم نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ محمد حصکفی لکھتے ہیں:

بعض لوگ علماء اور مشائخ کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے ہیں' یہ فعل حرام ہے' اس فعل کا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ بت پرستوں کی عبادت کے مشابہ ہے اور آیا اس پر تکفیر کی جائے گی؟ اگر یہ فعل بہ طور عبادت اور تعظیم ہو تو یہ کفر ہے اور اگر یہ فعل صرف بہ طور تعظیم ہو تو پھر یہ کفر نہیں ہے' لیکن گناہ کبیرہ ہے۔

(در مختار ج ۵ ص ۲۴۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کی کسی صفت کو مستقل بالذات سمجھنا شرک ہے اور کسی شخص کی تعظیم بہ طور عبادت کرنا شرک ہے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعظیماً قیام کرنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک نہیں ہے اور اسی نوع کے دوسرے افعال جو آپ کی تعظیم اور محبت کی جہت سے کیے جاتے ہیں شرک نہیں ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام الٰہی ہونے) میں شک ہے' جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی

مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

مانند کوئی اور سورت (بنا کر) لے آؤ' اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو' اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

تم سچے ہو○ سو اگر تم نہ کر سکے اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے' جس کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے○

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو مخاطب فرما کر اپنے خالق رب اور وحدہ لاشریک ہونے پر دلیل قائم کی تھی اور اب اس پر دلیل قائم کی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور اس میں آپ کی رسالت پر دلیل ہے' کیونکہ عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت فخر کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں باقی دنیا کو عجم کہتے تھے' اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی کسی چھوٹی سورت کی مثال لانے سے بھی عاجز رہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی سورت لانے کے بجائے جنگ و جدال کے درپے ہوئے اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کا سچا ہونا ظاہر ہو گیا کہ ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے' اور جس طرح پہلی آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ آسمان سے پانی نازل کرنا اور اس سے زرعی اجناس کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا' اور یہ اس کے خالق ہونے کی دلیل ہے' اسی طرح ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام اور جو کلام غیب کی خبروں اور علوم و معارف پر بھی مشتمل ہو وہ صرف قرآن کریم ہے اور کوئی شخص اس کلام کی نظیر نہیں لا سکتا اور یہ آیتیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مکی سورتوں میں قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا تھا' ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۝ (بنی اسرائیل: ۸۸)

فرمایئے: اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۝

اور جب وہ اس پورے قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہے تو اللہ تعالیٰ نے چیلنج میں تخفیف کر کے فرمایا:

فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ. (ھود: ۱۳)

سو تم اس کی مثل دس سورتیں لے آؤ۔

اور جب وہ اس کی مثل دس سورتیں بھی نہ لا سکے تو اور تخفیف کر کے فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ. (یونس: ۳۸)

آپ کہیے: تم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اور جب وہ کوئی ایک سورت بھی نہ لا سکے تو فرمایا:

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ. (الطور: ۳۴)

یہ (منکر) اس کی مثل ایک بات (آیت) ہی لے آئیں۔

یہ تمام مکی سورتوں کی آیتیں ہیں جن میں قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہے' اور اب اس مدنی سورت میں اس چیلنج کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے' تاکہ باقی کفار اور مشرکین کے سامنے بھی قرآن مجید کا معجز اور حجت ہونا ظاہر ہو جائے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

ان آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کئی وجوہ سے دلیل ہے:

مشرکین عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف اور معاند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید کی سورتوں جیسی ایک سورت لانے کا چیلنج دیا اور اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی بھی کر دی کہ وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے' یہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا تھا' اگر اس کی مثل لانا ان کے لیے ممکن ہوتا تو وہ اس کی مثل ضرور لے آتے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنا اور آپ کے اصحاب کو آپ سے متنفر کرنا ان کا انتہائی مقصود تھا' اور جب وہ اس کی مثل لانے سے عاجز رہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے معارضہ کرنا مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کو اپنے اپنے زمانے میں معجزات دیئے گئے مثلاً حضرت موسیٰ کو ید بیضاء دیا گیا اور ان کو عصا دیا گیا جو ان کے ہاتھ میں اژدھا بن جاتا تھا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو بینائی عطا کرتے اور برص کے

مریضوں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے مگر ان کے یہ معجزات صرف ان کی حیات اور ان کے زمانہ میں قائم اور حجت تھے اور جب یہ انبیاء علیہم السلام ظاہری نگاہوں سے رخصت ہوئے تو یہ معجزات بھی ان کے ساتھ رخصت ہو گئے' اس کے برخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی قرآن مجید اسی طرح معجزہ ہے' اب سے چودہ سو سال پہلے بھی قرآن مجید کی نظیر کوئی نہیں لا سکا تھا اور نہ اب تک لا سکا ہے' حالانکہ قرآن مجید کے مخالفین کی تعداد دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے اور علوم و فنون بھی روز افزوں ترقی پر ہیں تو اگر کسی شخص کے لیے قرآن مجید کی نظیر لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لا چکا ہوتا۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی کو اپنے دین کے متعلق تردد ہو تو اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس کو اپنے نبی کی نبوت کے متعلق مطمئن کر سکے' اس کے برخلاف اگر کسی مسلمان کو اپنے دین کے متعلق بالفرض تردد ہو تو اس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق یقین اور اطمینان پہنچانے کے لیے قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موافقین اور مخالفین سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بہت دور رس تھی' آپ بہت معاملہ فہم اور انتہائی دانش مند تھے' آپ کی رائے بہت صائب اور فکر بہت صحیح تھی' پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے اور اپنی نبوت کی دلیل ایسے کلام کو قرار دیتے جس کی مثل پیش کرنے پر ہر عرب قادر ہوتا اور اس سے آپ کے دعویٰ کا کذب اور بطلان ظاہر ہوتا (العیاذ باللہ)' ظاہر ہے کہ آپ ایسا غیر معمولی ذہین شخص اس قسم کا کمزور چیلنج نہیں کر سکتا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ جس کلام کی نظیر لانے کا آپ نے چیلنج کیا تھا وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کلام کی نظیر لانا کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' ولن تفعلوا. تم اس کلام کی مثل ہرگز نہ لا سکو گے'' یہ اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی ہے اور اس آیت میں غیب کی خبر ہے اور بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ پیش گوئی درست تھی اور غیب کی یہ خبر صادق تھی اور اب تو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں' اسلام کے مخالفین بہ کثرت ہیں لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی نظیر نہیں پیش کر سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے سوا اپنے شہداء (مددگاروں) کو بھی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ: ۲۳)

شہید کا معنی

شہداء' شہید کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: حاضر' گواہی دینے والا' مددگار' اور امام' اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں' کیونکہ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے سامنے اس کا اجر اور سعادت حاضر ہو جاتی ہے یا اس کے سامنے حوریں حاضر ہو جاتی ہیں' یا اس کی عزت افزائی اور اس کو بشارت دینے کے لیے فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۰)

ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ خوف کرو نہ غم کرو' اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ○

اور اس شہید سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے لڑتا ہوا شہید ہوا' یہ دنیا اور آخرت کے حق میں شہید ہے' اور جو شخص دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہوا قتل نہیں ہوا بلکہ اپنی جان' مال یا عزت کی حفاظت کرتا ہوا قتل ہو گیا یا ظلماً قتل کیا گیا وہ دنیا کے اعتبار سے شہید ہے' اور جو شخص غرق ہوا یا پیٹ کی بیماری میں فوت ہوا وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔ اول الذکر دونوں قسم کے شہیدوں کو غسل دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا' ان کو بغیر غسل کے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی سورت کی مثل لانے کے لیے تم انسانوں' جنوں اور خود ساختہ معبودوں کو بلاؤ اور ان سے مدد حاصل کرلو اللہ کے سوا اس کلام کی مثل اور کوئی نہیں لاسکتا' یا اللہ کے سوا اور گواہوں کو بلاؤ جو یہ گواہی دیں کہ تمہارا بنایا ہوا کلام اللہ کے کلام کی مثل ہے' یا شہداء سے مراد وہ غیر اللہ ہیں جن کو تم نے اپنا کارساز بنا کر رکھا ہے یا شہداء سے مراد وہ خود ساختہ معبود ہیں جن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہارے حق میں گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم نہ کرسکے اور تم ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

(البقرہ: ۲۴)

دوزخ میں جلنے والے پتھروں کا بیان

ان پتھروں سے مراد وہ بت ہیں جن کو بنا کر انہوں نے ان کی پرستش کی' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ (الانبیاء: ۹۸) بے شک تم اور اللہ کے سوا تم جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

بتوں کو اس لیے آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ مشرکین کی زیادہ ذلت اور رسوائی ہو اور یہ واضح ہو کہ جن بتوں کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے وہ خود اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاسکتے' یا اس لیے کہ ان کے جرم اور شرک کا منشاء یہ بت تھے' اس لیے ان بتوں کو عذاب دیا جائے گا جس طرح جو شخص سونے چاندی کی محبت کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ نہ نکالے سونا چاندی تپا کر ان سے اس کی پیشانی' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ (التوبہ: ۳۵) جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیوں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کو یہ بشارت دے دیجئے کہ ان کے لیے ایسے باغات

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا

ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں' جب بھی ان کو ان باغات سے کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ

الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا' اور ان کو صورۃً ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے' اور ان کے لیے ان باغات میں پاکیزہ

مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ازواج ہوں گی اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے O

نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور ڈرانے کے بعد خوشخبری کا ذکر فرماتا ہے' اس سے پہلے کفار کو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمایا ہے کہ آپ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت' جنت کے پھلوں' پاکیزہ بیویوں اور ان نعمتوں کے دوام کی خوشخبری دے دیں' ان چار نعمتوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان بنیادی طور پر رہائش' طعام اور نکاح کو چاہتا ہے' اس کی رہائش کے لیے جنت کی' طعام کے لیے جنت کے پھلوں کی اور نکاح کے لیے پاکیزہ بیویوں یعنی حوروں کی خوشخبری دی اور اگر کسی نعمت کے ساتھ اس کے زوال کا بھی خدشہ اور خطرہ لاحق ہو تو پھر انسان اس نعمت سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور حالت عیش میں بھی وہ فکر مند رہتا ہے' اس لیے مومنوں کو یہ بشارت بھی دی کہ یہ نعمتیں دائمی ہیں اور کبھی فنا نہیں ہوں گی' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خوشخبری کے سنانے کا حکم دیا ہے اور آپ کے وصال کے بعد ہر زمانہ کے علماء اور مبلغین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائیں۔

یہ خوشخبری سنانے کا حکم ان لوگوں کے لیے دیا گیا ہے جو ایمان لائے ہوں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں' اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بشارت کا استحقاق ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ ایمان بنیاد کی طرح ہے اور نیک اعمال اس پر بنی ہوئی عمارت کی طرح ہیں اور جس بنیاد پر عمارت نہ ہو وہ رہائش کے لیے کافی نہیں ہوتی' اسی لیے قرآن مجید میں ان دونوں کا اکثر و بیشتر ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے ان نعمتوں کے مستحق ہوں گے لیکن یہ استحقاق اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیک عمل کرنے والے مومنوں اور اس پر برقرار رہنے والوں سے ان نعمتوں کا وعدہ کر لیا ہے' یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ان نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انسان بالغ ہونے کے بعد نیک عمل شروع کرتا ہے اور اس کے ہر لقمہ بلکہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کی غیر متناہی نعمتیں وابستہ ہیں' سو اس کی ساری عمر کی عبادتیں تو ان نعمتوں کے برابر بھی نہیں ہیں جو وہ اس دنیا میں حاصل کر چکا ہے تو اب وہ اخروی نعمتوں کا مطالبہ کون سی عبادتوں کے عوض کرے گا' اس کے لیے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پچھلی نعمتوں کا حساب نہ مانگے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز نہیں داخل کرے گا' عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: مجھ کو بھی نہیں' مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

جنت کا معنیٰ' قرآن اور حدیث میں جنت کی ترغیب اور اس کی طلب کا بیان

علامہ راغب اصفہانی جنت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جن'' کا اصل میں معنی ہے: کسی چیز کو حواس سے چھپا لینا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ . (الانعام: ۷۶) جب رات نے ان کو چھپا لیا۔

جنان' قلب کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حواس سے مستور ہوتا ہے' جنین' پیٹ میں بچہ کو کہتے ہیں وہ بھی مستور ہوتا ہے' مجن اور جنہ ڈھال کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی حملہ آور کے حملہ سے چھپاتی ہے اور جن بھی حواس سے مستور ہوتے ہیں' اور جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ گھنے درخت ہوں اور درختوں کے گھنے پن اور زیادہ ہونے کی وجہ سے زمین چھپ گئی ہو' اور دارالجزاء کا نام جنت اس لیے ہے کہ اس کو زمین کی جنت (گھنے باغ) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اگرچہ دونوں جنتوں میں

بہت فرق ہے یا اس کو اس وجہ سے جنت کہا گیا ہے کہ اس کی نعمتیں ہم سے مستور ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ (السجدہ: ۱۷)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جمع کے صیغہ سے ''جنات'' اس لیے فرمایا ہے کہ جنتیں سات ہیں: (۱) جنت الفردوس (۲) جنت عدن (۳) جنت النعیم (۴) دار الخلد (۵) جنت الماویٰ (۶) دار السلام (۷) علیین۔

(المفردات ص ۹۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

بعض صوفیاء اور قرب الٰہی کے مدعی جنت کو بہت کم درجہ کی اور گھٹیا چیز قرار دیتے ہیں' اور بعض کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں رضائے مولیٰ چاہیے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہے اور اس کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے اس کو کم درجہ اور گھٹیا کہنے سے اللہ کیسے راضی ہوگا' بعض کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اور جنت کو ادنیٰ اور مدینہ کو اعلیٰ قرار دیتے ہیں حالانکہ مدینہ کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے اور جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آرام فرما رہے ہیں وہ بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے' اور آخرت میں بھی آپ کی قیام گاہ جنت ہوگی تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہونا وجہ محبت ہے تو آپ کا مسکن دنیا میں بھی جنت ہے اور آخرت میں بھی جنت ہے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب ہونا چاہیے' اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں جنت کی قدر و منزلت پیدا فرمائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پہنائی آسمان اور زمین ہیں' اس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے O (آل عمران: ۱۳۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: ''فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین. سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز پوشیدہ رکھی گئی ہے۔'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا' نہ وہ اس میں تھوکیں گے' نہ ناک سے ریزش آئے گی' نہ فضلہ خارج ہوگا' ان کے برتن جنت میں سونے کے ہوں گے اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے اور اس میں عود کی خوشبو ہوگی' ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا' ہر جنتی کو دو بیویاں ملیں گی' ان کی پنڈلیوں کا مغز گوشت کے پار سے نظر آئے گا' یہ ان کے حسن کی جھلک ہے' ان کے دلوں میں اختلاف اور بغض نہیں ہوگا' سب کے دل ایک طرح کے ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں چابک جتنی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۱۔ ۴۶۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اگر تم چاہو تو یہ پڑھو: ''وظل ممدود''۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (الواقعہ: ۳۸۔ ۲۷)

اور دائیں طرف والے کیا ہی خوب ہیں دائیں طرف والے O وہ بے کانٹوں کی بیریوں میں رہیں گے O اور تہ بہ تہ کیلوں میں O اور پھیلی ہوئی لمبی چھاؤں میں O اور (ہمیشہ) چھلکتے ہوئے پانی میں O اور بہت سے (لذیذ) پھلوں میں O جو نہ ختم ہوں گے نہ روکے ہوئے ہوں گے O اور اونچے بستروں میں O بے شک ہم نے (ان حوروں کو) خصوصیت سے بنایا O سو ہم نے ان کو کنواریاں بنایا O اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور ہم عمر O یہ دائیں طرف والوں کے لیے ہوں گی O

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جنت میں سو درجات ہیں' اور ہر دو درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور ان درجوں کے وسط میں ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں' پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں۔ (البقرہ: ۲۵)

''بحر'' کا معنی ہے: سمندر' ''نھر'' کا معنی ہے: دریا اور ''جدول'' نہر کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان باغات کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ دریا کے دونوں کناروں پر درخت لگے ہوئے ہیں' یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں کوئی لمبی نہر زمین میں کھودی ہوئی ہے' مسروق سے امام ابن جریر' امام ابن مبارک اور امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کیا ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۶۶ 'مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب بھی ان کو ان باغات سے کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۲۵)

حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنتی کو ایک پیالہ دیا جائے گا' وہ اس میں سے کھائے گا' پھر اس کو دوسرا اسی طرح کا پیالہ دیا جائے گا تو وہ کہے گا: یہ تو پہلے کی طرح ہے تو فرشتے کہیں گے: تم کھاؤ ان کا رنگ ایک ہے اور ذائقہ مختلف ہے' اور امام ابن جریر نے موقوفاً روایت کیا ہے اور حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اہل جنت میں سے کوئی شخص پھل توڑے گا اور ابھی وہ پھل اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا کہ اس درخت پر اس کے بدلہ دوسرا پھل لگ جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہ تو اسی طرح ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کے پھل شکل وصورت میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں تاکہ جنتی ان کی طرف راغب ہوں کیونکہ جب انسان کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس سے متوحش ہوتا ہے اور اس وقت جنتی کہیں گے: یہ ایسے ہی پھل ہیں جیسے ہم کو دنیا میں دیے گئے تھے حالانکہ وہ صرف صورت میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے ذائقہ

مختلف ہوگا' اور اس میں یہ حکمت ہے کہ ان کو بہت تعجب اور خوشی ہوگی کہ صورۃً مماثل ہونے کے باوجود ان کا ذائقہ کس قدر مختلف ہے۔ اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کی عبادت اور اس کی معرفت سے جو لذت دنیا میں حاصل ہوتی تھی اسی جنس کی لذت جنت میں بھی ذکر الٰہی اور اس کی معرفت سے حاصل ہوگی لیکن جنت میں یہ لذت بہت زیادہ ہوگی' اس کو پھلوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح پھلوں سے حواس کو لذت حاصل ہوتی ہے' اسی طرح معرفت الٰہی سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۷۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے ان باغات میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ (البقرہ: ۲۵)

جنتی عورتوں اور حوروں کی پاکیزگی' حسن و جمال اور ان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان

امام ابن جریر اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ نجاست سے پاک ہوں گی' مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بول اور براز اور منی سے پاک ہوں گی اور مجاہد ہی سے روایت ہے کہ حیض سے' بول اور براز سے' ناک کی ریزش سے' تھوک سے' منی سے اور بچہ جننے سے پاک ہوں گی' قتادہ سے روایت ہے کہ گناہ سے پاک ہوں گی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۳۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد اور امام ترمذی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کا جنتی شخص وہ ہوگا جس کے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی۔ (حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' درمنثور ج ۱ ص ۳۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران) (دو دنیا کی عورتیں ہوں گی اور ستر آخرت کی۔ ابن عساکر)

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام نسائی' امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم اپنی اپنی اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے ابو القاسم! آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! ایک جنتی شخص کو کھانے' پینے' جماع اور شہوت سے سو دنیاوی آدمیوں کی قوت دی جائے گی' اس نے کہا: جو شخص کھاتا پیتا ہے وہ رفع حاجت بھی کرتا ہے اور جنت پاک جگہ ہے وہاں نجاست نہیں ہوتی' آپ نے فرمایا: ان کی رفع حاجت ایک پسینہ نکلنے سے ہوگی جس سے مشک کی سی خوشبو آئے گی اور پسینہ آنے کے بعد ان کا پیٹ خالی ہو جائے گا۔

(درمنثور ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

امام طبرانی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیشاب اور جنابت (جماع کے وقت منی کا خروج) ایک پسینہ ہوگا جو ان کے بالوں کے نیچے سے لے کر پیروں تک سے نکلے گا اور اس سے مشک کی خوشبو آئے گی۔

(درمنثور ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت سعید بن عامر بن حذیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اہل جنت کی ازواج میں سے کوئی عورت جھانکے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! قرآن مجید میں ہے: ''حور عین'' اس کی تفسیر فرمائیے' آپ نے فرمایا: وہ گورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی اور ان کی اتنی گھنی پلکیں ہوں گی جیسے گدھ کے پر' میں نے کہا: یارسول اللہ! قرآن کی آیت ''کانهن الياقوت والمرجان'' کی تفسیر فرمائیں' آپ نے فرمایا: جیسے صدف میں موتی صاف اور شفاف ہوتا ہے' جس کو کسی نے چھوا نہ ہو' وہ اس طرح صاف اور ان چھوئی ہوں گی' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''فيهن خيرات حسان'' کی تفسیر فرمائیں' آپ نے فرمایا: ان کی صورت حسین اور سیرت جمیل ہوگی' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''كانهن بيض مكنون'' کی تفسیر فرمائیں' فرمایا: ان کی کھال اس طرح باریک ہوگی جیسے انڈے کے چھلکے کے اندر لپٹی ہوئی کھال باریک ہوتی ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''عربا اترابا'' کی تفسیر فرمائیں' آپ نے فرمایا: جو عورتیں دنیا میں بوڑھی ہو کر فوت ہوں گی' ان کے بال سفید ہو چکے ہوں گے اور وہ کمزور ہو چکی ہوں گی' اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاپے کے بعد دوشیزہ بنا کر اٹھائے گا اور وہ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں گی اور سب ایک عمر کی ہوں گی' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا دنیا کی عورتیں افضل ہوں گی یا حور عین افضل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی عورتیں' حور عین سے اس طرح افضل ہوں گی جس طرح ظاہر باطن سے افضل ہوتا ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی وجہ؟ آپ نے فرمایا: اس کی فضیلت کا سبب ان کے روزے اور ان کی نمازیں ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے چہروں میں نور پیدا کر دے گا' ان کا جسم ریشم کی طرح ہوگا' رنگ گورا ہوگا' کپڑے سبز ہوں گے' سنہرے زیورات ہوں گے' ان کی انگوٹھی موتی کی ہوگی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی' وہ کہیں گی: سنو! ہم دائمی ہیں' کبھی نہیں مریں گی' سنو! ہم ہمیشہ نعمت میں ہیں' کبھی مغموم نہیں ہوں گی' ہم قیام کرنے والیاں ہیں' کبھی سفر نہیں کریں گی' ہم خوش ہونے والیاں ہیں' کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کو مبارک ہو جس کے لیے ہم ہیں اور وہ ہمارے لیے ہے' میں نے عرض کیا: ہماری بعض عورتیں دنیا میں دو خاوندوں سے (یکے بعد دیگرے) نکاح کرتی ہیں' بعض تین سے اور بعض چار سے' تو وہ عورت جنت میں کس خاوند کے نکاح میں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! اس عورت کو اختیار دیا جائے گا اور جس خاوند کا اخلاق دنیا میں سب سے اچھا ہوگا وہ اس کو اختیار کرے گی' وہ کہے گی: اے میرے رب! میرے اس خاوند کا اخلاق سب سے اچھا تھا' میرا اس کے ساتھ نکاح کر دے۔ اے ام سلمہ! دنیا اور آخرت کی خیر اچھے اخلاق کے ساتھ وابستہ ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۶۸۔ ۳۶۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس عورت نے دنیا میں متعدد نکاح کیے ہوں' وہ آخرت میں کس خاوند کے نکاح میں ہوگی؟

جس عورت نے متعدد نکاح کیے ہوں تو ایک صورت یہ ہے کہ ہر خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو اور جب وہ فوت ہو تو وہ کسی خاوند کے نکاح میں نہ ہو' اس صورت میں اس کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس خاوند کے اخلاق سب سے اچھے ہوں' وہ اس سے نکاح کرے جیسا کہ حضرت ام سلمہ کی مذکور الصدر حدیث میں ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے متعدد نکاح کیے ہوں اور آخری خاوند نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور وہ اس کے نکاح میں فوت ہوئی ہو' اس صورت میں وہ جنت میں آخری خاوند کے نکاح میں ہوگی جیسا کہ حضرت ابوداؤد اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں ہے۔

(فتاوی حدیثیہ ص ۴۱ 'مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

جن مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

جو کم سن بچے حشر میں دنیاوی عمر اور جسامت پر اٹھایا جائے گا' جنت میں دخول کے وقت اس کی جسامت بڑھا دی جائے گی اور وہ بالغوں کی طرح جنت میں داخل ہوگا اور اس کا دنیاوی عورتوں اور حوروں کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۵۶ مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح بعض کم سن بچے فوت ہوتے ہیں اسی طرح بعض کم سن بچیاں فوت ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں بالغوں کی طرح جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا۔

اسی طرح بعض مردوں کا ساری زندگی نکاح نہیں ہوتا اور وہ تجرد کی زندگی گزارتے ہیں اور بعض عورتیں بھی بغیر نکاح کے بوڑھی ہو جاتی ہیں' ان کا بھی جنت میں ایک دوسرے سے نکاح کر دیا جائے گا۔

جنت میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں نہیں ہوں گی

بعض لوگ یہ بے ہودہ سوال کرتے ہیں کہ مردوں کو تو حوریں ملیں گی عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا! بعض کہتے ہیں کہ جنت میں ان کو غلام ملیں گے' بعض کہتے ہیں کہ جب مردوں کو کئی حوریں اور بیویاں ملیں گی تو عورتوں کو بھی کئی کئی خاوند ملنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی بے ہودہ اور ناپاک خواہشوں کا منبع شیطان ہے اور چونکہ شیطان جنت میں نہیں ہوگا اس لیے یہ ناپاک خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی' جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے کئی باپ ہوں تو اس کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ (حم السجدۃ: ۳۱)

اور تمہارے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کی تم خواہش کرو اور جس کی تم طلب کرو۔

جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی لیکن ناپاک اور ناجائز خواہشیں وہاں اس کے دل میں نہیں پیدا ہوں گی۔ فرض کیجیے کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ شیطان کو جنت میں داخل کر کے اس کو نبیوں اور رسولوں سے اونچا مقام دے دیا جائے' حالانکہ یہ محال ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ اس قسم کی لغو' ناپاک اور ناجائز خواہشوں کا منبع شیطان ہے اور جب وہ جنت میں نہیں ہوگا تو ایسی لغو اور ناجائز خواہشیں بھی جنت میں نہیں ہوں گی۔

جنت کی عظمت اور کرامت کے متعلق میں نے بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جھوٹے صوفی اور بناوٹی محب رسول' جنت کا بہت حقارت سے ذکر کرتے ہیں اور جنت طلب کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں اور ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ اے بار الٰہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرما۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ

بے شک اللہ (ہدایت کے سلسلہ میں) کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں کرتا خواہ مچھر کی مثال ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے سچی ہے' اور رہے وہ لوگ

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ وقف لازم

جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (حقیر) مثال سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ وہ اس (مثال کے بیان) سے بہت لوگوں

بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے O

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ

جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے ملانے کا

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

حکم دیا ہے ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

نقصان اٹھانے والے ہیں O

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان کیں (آگ جلانے والے کی اور بارش میں گھرے ہوئے شخص کی) تو منافقین نے کہا: اللہ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ وہ مثالیں بیان کرے' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' سیاق و سباق کے بھی شان نزول مناسب ہے' نیز امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی اور مکڑی کی جو مثالیں دی تھیں ان پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان کرے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۳۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی حقارت بیان کرنے کے لیے ان کو مکھی اور مکڑی سے تشبیہ دی ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ښ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ (العنکبوت: ۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے مددگار بنا لیے ان کی مثال مکڑی کی مثال ہے جس نے (جالے کا) گھر بنایا' اور بے شک سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْــــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ O (الحج: ۷۳)

اور اگر مکھی ان بتوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں O

پہلی مثال میں بتوں کی عبادت کا کمزور ہونا بتایا ہے کہ وہ مکڑی کے جالے کی مثل ہے' اور دوسری مثال میں بتوں کی خست اور حقارت بتائی ہے کہ اگر بتوں سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ان مثالوں پر منافقوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ کیا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ مکھی اور مکڑی ایسی چھوٹی اور حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے' تب ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۷۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

مثال بیان کرنے کا قاعدہ

مثال دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کی وجہ سے مثال دی گئی ہے اس وجہ سے وہ مثال ممثل لہ کے موافق ہو' اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو عظیم چیز سے مثال دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی خست بیان کرنا مقصود ہو تو حقیر چیز سے مثال دی جائے گی' کیونکہ مثال کے ذریعہ ممثل لہ (مقصود) کے معنی کو منکشف کیا جاتا ہے اور امر معقول کو محسوس اور مشاہد کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھ آجائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ (ہدایت کے سلسلہ میں) کسی بھی مثال کے بیان کو ترک نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۲۶)

حیا کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف حیا کی نسبت کا محمل

برا کام کرتے وقت لوگوں کی ملامت اور مذمت کے خوف سے انسان کا منقبض ہونا (سمٹنا' سکڑنا) اس کو حیا کہتے ہیں' یہ بے باکی اور بزدلی کی ایک درمیانی کیفیت ہے' بے باک شخص دلیری کے ساتھ برے کام کرتا ہے اور بزدل شخص مطلقاً کوئی کام نہیں کر سکتا' برا ہو یا اچھا' حیا کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی ملامت سے متاثر ہو' اس لیے یہاں حیا کا لازمی معنی مراد ہے' حیا کی وجہ سے انسان کسی کو دیکھ کر برا کام ترک کر دیتا ہے' اس لیے حیا کو ترک کرنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جب حیا کا لفظ استعمال ہو تو اس سے ترک کرنا ہی مراد ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ترک کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بر بناء مشاکلت ہے کیونکہ منافقوں نے کہا تھا: کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو حیا نہیں آتی کہ وہ مکھی اور مکڑی کی مثالیں دیتا ہے! تو ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق واضح کرنے کے لیے کسی بھی مثال دینے سے حیا نہیں فرماتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف حیا کی نسبت کی ہے: علامہ علی متقی ہندی' امام ابن النجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یستحی من عبدہ و امتہ یشیبان فی الاسلام ان یعذبھما۔

(کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۷۲' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا جو بندہ اور بندی اسلام میں بوڑھے ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے سے حیا فرماتا ہے۔

حافظ سیوطی' امام ابن النجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بوڑھا شخص صحیح عمل کرتا ہو اور پابندی سے سنت پر عمل کرتا ہو' اللہ تعالیٰ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ کوئی سوال کرے اور اللہ اس کو نہ دے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۳۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اللہ کا بندہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اللہ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اپنی کسی حاجت کا سوال کرے اور اس کے پورا ہونے سے پہلے لوٹ جائے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۳۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب حیادار' کریم ہے' جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی[1] امام ابن ماجہ[2] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۲ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور مولیٰ ہو کر بندوں کی بات ٹالنے اور ان کی دعا مسترد کرنے سے حیا فرماتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی کام کا حکم دے تو اس کے حکم پر عمل نہ کرنے سے بندوں کو کس قدر حیا کرنی چاہیے' غالباً اسی نکتہ پر متنبہ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کرنے کے بجائے حیا کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اس (مثال کے بیان) سے بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶)

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ

کفار اور منافقین نے جو یہ سوال کیا تھا کہ اللہ نے ان مثالوں کے بیان کرنے سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اس آیت میں اس کا جواب ہے' یعنی جن لوگوں پر جہالت غالب ہے اور جو ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے وہ جب ان مثالوں کو سنیں گے تو ضد اور عناد کی وجہ سے ان مثالوں پر غور و فکر نہیں کریں گے اور فوراً ان کا انکار کر دیں گے' لہٰذا ان مثالوں کا بیان کرنا ان کے حق میں گمراہی کا موجب ہوا اور جن لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے' کھلے ہوئے ذہن سے سوچتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں وہ جب ان مثالوں کو سنیں گے تو ہدایت پا جائیں گے' کلیات اور باریک چیزوں کی وضاحت مثال سے ہی ہوتی ہے اور جو شخص ان مثالوں پر غور و فکر کرتا ہے وہ ہدایت پا لیتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴۳)

اور ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں' اور ان کو صرف عالم ہی سمجھتے ہیں ○

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کثیر کو گمراہ کرتا ہے اور کثیر کو ہدایت دیتا ہے' حالانکہ گمراہ تو کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ قلیل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہ عدداً کثیر ہیں اور ہدایت یافتہ اپنے مرتبہ اور شرف کے اعتبار سے کثیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے ○ (البقرہ: ۲۶)

فسق کی تعریف اور اس کی اقسام

فسق کا معنی ہے: اعتدال اور طریق مستقیم سے خروج' اور شریعت میں گناہ کبیرہ کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے تین مراتب ہیں: (۱) تغابی: جو شخص کبھی کبھی گناہ کبیرہ کرے اور اس کو برا جانتا ہو (فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے) (۲) انہماک: جو شخص گناہ کبیرہ کا عادی ہو اور اس کو اس کا کوئی خوف نہ ہو (۳) جحود: جو شخص گناہ کبیرہ کو اچھا اور صحیح سمجھ کر کرے' پس جو شخص اس درجہ میں پہنچ جائے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے' اور جب تک وہ تغابی اور انہماک

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۵۱۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۲۷۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸' ج ۶ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ

کے درجہ میں ہوتا ہے وہ ایمان سے نہیں نکلتا کیونکہ اس کے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق قائم رہتی ہے اور اسی تصدیق کا نام ایمان ہے۔

یہاں فاسق سے مراد وہ منافقین ہیں جو فسق کے تیسرے درجہ میں پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کو جو فاسقوں میں منحصر کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فسق نے ہی ان کو گمراہی تک پہنچایا' کیونکہ مسلسل حق کا انکار کرنے اور باطل پر اصرار کرنے کی وجہ سے وہ ایسے معاند اور ہٹ دھرم ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں پر غور نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ مکھی اور مکڑی کی مثالیں دے کر اللہ تعالیٰ نے بتوں کی خست اور حقارت کو بیان کیا ہے اور ان کی جہالت اور گمراہی اور پختہ ہو گئی اور اس طرح ان مثالوں کا مذاق اڑانے اور انکار کرنے سے ان فاسقوں کی گمراہی اور زیادہ راسخ ہو گئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ صرف فاسقوں کو ہی اس سے گمراہ کرتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اللہ سے خوب پکا عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷)

عہد موثق کا معنی اور اس کی اقسام

پکے عہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رعایت اور حفاظت کی جائے جیسے قسم اور وصیت کی رعایت اور حفاظت کی جاتی ہے' اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں کو عقل دینے کی صورت میں لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کیے ہیں اور نشانیاں رکھی ہیں اور عقل میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچ سکتی ہے۔ اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ O (الاعراف: ۱۷۲)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنایا (فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی (یہ گواہی اس لیے لی ہے) کہ (کہیں) قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہنے لگو کہ ہم اس سے بے خبر تھے O

دوسرا عہد وہ ہے کہ جو نبیوں اور رسولوں کے واسطوں سے ان کی امتوں سے لیا گیا اور وہ یہ عہد تھا کہ جب ان کے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جن کی پچھلی کتابوں میں تصدیق ہے اور معجزات سے ان کی رسالت ثابت ہو جائے تو یہ سب اس عظیم رسول کی اتباع کریں گے اور ان کی کتابوں میں اس کی نبوت کا جو بیان ہے اس کو نہیں چھپائیں گے اور اس کی مخالفت نہیں کریں گے' اور اس عہد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ O (آل عمران: ۱۸۷)

اور یاد کرو! جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم یہ عہد لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے سو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس عہد کے بدلہ میں حقیر معاوضہ لے لیا' تو یہ کیسی بری چیز کو خرید رہے ہیں O

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی فطرت میں جو ہدایت رکھی تھی اس کو انہوں نے غور و فکر سے کام نہ لے کر ضائع کر دیا' اور ان کے نبیوں اور رسولوں نے جو ان سے آخری نبی کی پیروی کا عہد لیا تھا' انہوں نے اپنے تعصب اور عناد کی

وجہ سے اس عہد کو بھی توڑ دیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن چیزوں کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے' ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O (البقرہ: ۲۷)

منافقین کا شر اور فساد

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ رشتے داروں سے تعلق جوڑیں یہ توڑتے تھے' اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ مسلمانوں سے محبت کریں یہ ان سے اعراض کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ نبیوں میں ایمان لانے کے لحاظ سے فرق نہ کریں یہ فرق کرتے تھے' فرض نماز کو جماعت سے پڑھنے کا حکم تھا یہ ترک کرتے تھے اور ہر وہ کام جس میں خیر ہو اس کو ترک کر کے شر کو اختیار کرتے تھے' اور زمین میں ان کا فساد یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے' اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور جن چیزوں کے وصل سے امن عالم قائم ہے ان میں فصل کرتے تھے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ

تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے' اس نے تم کو زندہ کیا' پھر وہ

يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ

تم پر موت طاری کرے گا' پھر تم کو زندہ کرے گا' پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O (اللہ) وہی ہے جس نے

لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰىهُنَّ

تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات

۳ ع ۹ ۳ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ ع

ہموار آسمان بنا دیئے' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O

اس آیت میں کفار کو مخاطب کر کے یہ بتایا کہ تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کر سکتے ہو' حالانکہ پہلے تم نطفہ کی شکل میں بہ ظاہر مردہ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم میں روح پھونک کر تم کو زندہ کیا' پھر جب تمہاری مدت حیات پوری ہو جائے گی تو پھر تم پر موت طاری کرے گا' پھر قبر میں سوال و جواب کے وقت یا صور پھونکنے کے وقت تم کو دوبارہ زندہ کرے گا' پھر حشر کے بعد تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور اللہ تم کو تمہارے اعمال کو جزا دے گا اور جب تم کو اپنے ان احوال کا علم ہے تو پھر تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا کس قدر تعجب خیز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو یہ علم تھا کہ وہ پہلے مردہ تھے' پھر ان کو زندہ کیا گیا اور پھر ان پر موت آئے گی' لیکن موت کے بعد دوبارہ زندگی کے تو وہ قائل نہ تھے تو اس حیات کو ان کے خلاف بہ طور حجت پیش کرنا کس طرح درست ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیات بعد الموت پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اس لیے ان دلائل کے ظہور کو کفار کے علم کے قائم مقام کیا گیا ہے' علاوہ ازیں اس آیت میں بھی حیات بعد الموت پر دلیل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان کو مردہ حالت میں زندگی کی طرف

منتقل کیا تو دوبارہ ان پر موت طاری کر کے انہیں زندہ کرنا اس کے لیے کب مشکل ہو سکتا ہے!

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ موت طاری کرنے کو کس طرح نعمتوں میں سے شمار کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موت دوسری حیات کی طرف پہنچاتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنوں سے خطاب ہو کہ پہلے تم مردہ تھے یعنی جاہل تھے' پھر تم کو زندہ کیا یعنی علم اور ایمان سے سرفراز کیا' پھر تم پر معروف موت طاری کی جائے گی اور تم کو حقیقی حیات دے دی جائے گی اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر تم کو ایسا اجر و ثواب دیا جائے گا' جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ اس کا کسی دل میں خیال آیا ہے۔

حیات اور موت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

حیات کے متعدد معنی ہیں:

(۱) نباتات میں جو نشو و نما کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ. (الحدید: ۱۷) بے شک اللہ ہی زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ فرماتا ہے۔

(۲) حیوانات میں جو احساس اور حرکت بالارادہ کی قوت ہے اس کو حیات کہتے ہیں:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۗ. (الفاطر: ۲۲) اور زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

(۳) عمل اور عقل کی قوت کو حیات کہتے ہیں:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ. (الانعام: ۱۲۲) اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا' پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو روشنی دی جس سے وہ چلتا ہے۔

(۴) حیات اخرویہ ابدیہ جس کو عقل اور علم سے حاصل کیا جاتا ہے:

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ. (الانفال: ۲۴) اللہ اور رسول جب تمہیں ابدی زندگی دینے والی چیز کی طرف بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(۵) جس حیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ متصف ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کے لیے موت ممکن نہیں ہے اور وہ عالم اور قادر ہے۔ حیات کے معنی کے مقابلہ میں موت کا معنی ہے' زمین کا بے آب و گیاہ ہونا اور بنجر ہونا زمین کی موت ہے' حس اور حرکت ارادیہ کی قوت کا ختم ہو جانا جانداروں اور حیوانوں کی موت ہے' عمل اور عقل کی قوت کا ختم ہو جانا انسانوں کی موت ہے۔ (المفردات ۱۳۹ ـ ۱۳۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا' پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سات ہموار آسمان بنا دیئے۔ (البقرہ: ۲۹)

زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زمین کو پہلے بنایا گیا یا آسمان کو' جو علماء پہلے زمین کی تخلیق کے قائل ہیں ان کا استدلال اس آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو پیدا کرنے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا' اور حسب ذیل آیات سے بھی ان کا استدلال ہے:

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ۚ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ۟ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ۟ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۟

(حٰمٓ السجدۃ: ۱۲۔۹)

آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک بناتے ہو؟ وہ (عظیم) رب ہے تمام جہانوں کا O اور اس نے زمین میں بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی' جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O پھر آسمان کی طرف قصد کیا درآں حالیکہ وہ دھواں تھا' پھر آسمان اور زمین سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوئے O پھر دو دن میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے موافق حکم بھیجا' اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور اس کی حفاظت کی' یہ بہت زبردست ذات اور بڑے علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے یہ نقل کیا کہ آسمان کو پہلے بنایا گیا ہے اور پھر زمین کو بنایا گیا ہے' ان کا استدلال قرآن مجید کی ان آیات سے ہے:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۟ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۟ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ (النازعات: ۳۰۔۲۷)

آیا تمہاری تخلیق زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟ (اللہ نے) آسمان کو بنایا O اس کی چھت بلند کی' پھر اس کو ہموار کیا O اور اس کی رات تاریک کی اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کیا O اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا O

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا کیا گیا ہے لیکن جمہور علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ زمین کی تخلیق پہلے کی گئی تھی جیسا کہ سورہ البقرہ اور سورہ حم السجدۃ سے واضح ہوتا ہے اور زمین کو پھیلانے کا عمل آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا جیسا کہ سورہ النازعات سے واضح ہوتا ہے۔

اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اس آیت میں لام انتفاع کے لیے ہے سبب اور تعلیل کے لیے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی کوئی علت نہیں ہوتی۔ (بیضاوی) اس آیت سے جمہور فقہاء اور اصولیین نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے اصل میں سب اشیاء مباح ہیں' پھر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو بعض کام واجب ہو گئے اور بعض کام حرام ہو گئے مثلاً شراب نوشی اور کتوں کے ساتھ اشتغال اور تصویریں بنانا پہلے مباح تھا اور جب شریعت میں ان سے ممانعت وارد ہو گئی تو یہ کام حرام ہو گئے' اسی طرح والدین کی اطاعت کرنا پہلے مباح تھا' جب شریعت نے اس کا حکم دے دیا تو یہ واجب ہو گیا' اور جن مشرکوں نے حکم شرع کے بغیر از خود کسی چیز کو حرام کر لیا جس طرح مشرکوں نے سائبہ' بحیرہ وغیرہ جانوروں کو حرام کر دیا تھا' ان کا دودھ پینا' ان پر سواری کرنا

اور ان کا گوشت کھانا سب کچھ حرام کرلیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیات نازل فرمائیں:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط (النحل: ۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے متعلق نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تا کہ تم اللہ پر بہتان باندھو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ط قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ○ (یونس: ۵۹)

آپ کہیے کہ بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے کچھ اس میں حرام کرلیا اور کچھ حلال' آپ کہیے کہ آیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو ازخود حرام کرنا صحیح نہیں ہے' جب تک اللہ اور رسول کسی چیز سے منع نہ کریں وہ چیز حلال ہے' اسی طرح حدیث میں ہے:

عن سلمان قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن السمن والجبن والفراء فقال الحلال ما احل الله فی کتابه والحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه[1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی' پنیر اور پوستین (کھال کی قمیص' چغہ) کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: جو چیز حلال ہے اس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کردیا اور جو چیز حرام ہے اس کو اپنی کتاب میں حرام کردیا اور جس کے متعلق اللہ نے سکوت کیا اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ[2] اور امام ابوداؤد[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اکثر مالکیہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اس حال میں ان کے نزدیک کوئی حکم نہیں ہے اور جب شریعت وارد ہوگی تو جو حکم چاہے گی وہ نافذ کرے گی' اور عقل کسی چیز کو واجب یا حرام نہیں کرسکتی' عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اشیاء کی اس طرح معرفت حاصل کرے جس طرح وہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۲ ـ ۲۵۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام اشیاء نافعہ مباح ہیں۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۵۷' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

''تحریر ابن ہمام'' میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک احکام میں اصل اباحت ہے'' ''ھدایہ'' اور

---

۱. امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۲۹۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲. امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۲۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۳. امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

''خانیہ'' میں بھی اسی طرح لکھا ہے'' ''شرح تحریر'' میں لکھا ہے کہ معتزلہ بصرہ' کثیر شافعیہ اور اکثر حنفیہ کا یہی قول ہے امام محمد نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ کیونکہ انہوں نے کہا کہ جس شخص سے کسی نے یہ کہا کہ تم مردار کھاؤ یا شراب پیو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا' اور اس نے اس طرح نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو مجھے خدشہ ہے کہ وہ گنہ گار ہوگا' کیونکہ مردار کا کھانا اور شراب کا پینا صرف شریعت کی ممانعت کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ امام محمد نے اس عبارت میں اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو شرعی ممانعت کی وجہ سے عارضی قرار دیا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن' سنت اور فقہاء کرام کی آراء کے مطابق احکام میں اصل اباحت ہے اور قرآن اور سنت میں جن کاموں کو فرض' واجب' حرام یا مکروہ نہیں قرار دیا گیا ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مشاہیر اسلام کے فضائل اور سیرت کی مجالس کو منعقد کرنا' اور آپ کے میلاد پر خوشی کا اظہار کرنا' صدقہ' خیرات اور دیگر عبادات کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم' بزرگان دین اور اپنے رشتہ داروں کو پہنچانا' انفرادی اور اجتماعی طور پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا' تراویح میں باجماعت قرآن مجید کو ختم کرنا' وسیع وعریض مساجد بنانا' لائبریریاں قائم کرنا' مصحف (قرآن) پر سورتوں کا نام اور آیتوں کی تعداد لکھنا' پاروں کے حساب سے قرآن مجید کو تقسیم کرنا' مسجدوں میں محراب اور منبر بنانا' وعظ ونصیحت کے لیے جلسے منعقد کرنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ایام میں جلوس نکالنا اور ان کے ذکر کی مجلسیں قائم کرنا' دینی مدارس کے سالانہ جلسے کرنا' دورہ حدیث پڑھانا اور ختم بخاری کرنا اور ایسے بہت سے دینی امور جن سے دین کے شعار اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے ہر چند کہ شریعت میں ان کے کرنے کا حکم ہے نہ ان کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تمام کام اپنی اصل پر مباح ہیں لیکن ان کو فرض اور واجب اعتقاد نہ کیا جائے نہ ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا جائے' ان کاموں کو لازم سمجھا جائے نہ ان کے نہ کرنے والوں پر ملامت کی جائے اور نہ ان پر طنز وتشنیع کی جائے۔ جب کسی مباح کام کو فرض اور واجب کا درجہ دے دیا جاتا ہے تو وہیں سے بدعت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے O (البقرہ: ۲۹)

حشر اجساد پر دلیل

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حشر اجساد پر دلیل قائم کی ہے' مشرکوں کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد انسانوں کے اجسام بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں' پھر مختلف زلزلوں' آندھیوں اور طوفانوں میں یہ ذرات بکھر کر منتشر ہو جاتے ہیں اور دوسرے ذرات کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے ہیں' ایک ہی انسان کا جسم ذرات میں بکھر کر آندھیوں اور ہواؤں کے ذریعہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے ذرات سے مخلط ہو جاتا ہے تو اب مثلاً ایک انسان کے تمام ذرات کو مختلف مقامات سے یکجا کرنا اور دوسرے ذرات سے ممتاز اور الگ کرنا ان کے خیال میں بہت بعید تھا' اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتلا دیا کہ یہ اس کے لیے بعید ہوگا جس کو علم نہ ہو' اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کے لیے ان منتشر ذرات کو پھر سے جمع کر دینا کچھ مشکل نہیں اور جب وہ تم کو اور تم سے کہیں بڑی چیزوں آسمان اور زمین کو بنا چکا ہے تو پھر دوبارہ تم کو پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے بلکہ زیادہ آسان ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں'

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

فرشتوں نے کہا: کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ

کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں' فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O اور اللہ نے

اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔــوْنِىْ

آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو

بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ

مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ O فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے ہمیں صرف انہی چیزوں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

کا علم ہے جن کی تو نے ہمیں تعلیم دی ہے' بے شک تو ہی سب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O فرمایا: اے آدم! ان کو ان سب چیزوں کے

بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ

نام بتاؤ' جب آدم نے ان سب چیزوں کے نام ان کو بتا دیئے تو فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں ہی

اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

آسمانوں اور زمین کا غیب جاننے والا ہوں' اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

تھے وہ سب جانتا ہوں O

ربط آیات

جس طرح اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا' تاکہ انسان ان نعمتوں کا اعتراف کرے اور کفر اور معصیت سے باز آئے اللہ پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے' اسی طرح ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں سے نوازا' حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا' ان کو اپنی صورت پر پیدا کیا' ان کو کائنات کی تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا اور ان کو مسجود ملائک بنایا' ان کو پہلے جنت میں رکھا' پھر ان کو خلافت جاری کرنے کے لیے زمین پر بھیجا اور یہ حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں' ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اولاد

اپنے صورت اعلیٰ پر کی گئی ان نعمتوں کا شکر بجالائے' اچھی طرح سے اس کی اطاعت کرے اور کفر اور معصیت سے دور رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۳۰)

ملائکہ کی حقیقت' ان کی خصوصیت اور ان کے فرائض منصبی کا بیان

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

''ملائکۃ'' کا لفظ ''ملاك'' کی جمع ہے' یہ ''الوکۃ'' سے بنا ہے' جس کا معنی رسالت (پیغام پہنچانا) ہے کیونکہ ملائکہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں' ان میں سے بعض حقیقۃً رسول ہیں مثلاً جو فرشتے خود ان کے لیے رسول ہیں' ان کی حقیقت میں عقلاء کا اختلاف ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جوہر ہیں جو قائم بذاتہ ہے' اکثر مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ اجسام لطیفہ ہیں جو مختلف شکلوں میں متشکل ہونے پر قادر ہیں' کیونکہ انبیاء کرام ان کو اسی طرح دیکھتے تھے' ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۰) وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں ۝

ان فرشتوں کو علیین اور ملائکہ مقربین کہا جاتا ہے' اور دوسری قسم وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرمو مخالفت یا نافرمانی نہیں کرتے' قرآن مجید میں ہے:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم: ۶) وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝

ان فرشتوں کو ''المدبرات امرا'' کہا جاتا ہے' ان میں سے بعض فرشتے آسمانوں کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور بعض زمین کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۵۹' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

محمد رشید رضا لکھتے ہیں:

سلف صالحین نے فرشتوں کے متعلق یہ کہا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کی اور ان کے بعض کاموں کی خبر دی ہے جس پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے اور یہ ایمان لانا ان کی حقیقت کے جاننے پر موقوف نہیں ہے' اس لیے ہم ان کی حقیقت کا علم اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتوں کے پر ہیں تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان پروں کی کیفیت کا علم نہیں ہے' اور جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتے سمندروں اور سبزہ زاروں پر مقرر کیے گئے ہیں تو ہم اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس کائنات میں اس عالم محسوس سے زیادہ لطیف ایک اور عالم ہے اور اس عالم میں فرشتے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے اور وحی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (المنار ج ۱ ص ۲۵۴' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

فرشتے جو محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں اور ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آسمان سے زمین پر پہنچ جاتے ہیں اور آسمانوں کی خبریں زمین تک پہنچاتے ہیں سائنس کی ترقی اور کمپیوٹر کے اس دور میں اس کا سمجھنا آسان ہوگیا' جب خلائی سیاروں اور برقی لہروں کے ذریعہ ایک براعظم سے دوسرے بعید براعظم تک ایک آن میں آواز اور تصویر پہنچ سکتی ہے اور چاند سے زمین پر ٹیلی فون سے گفتگو ہوسکتی ہے تو فرشتوں کے تصرفات اور نظام عالم میں ان کی تدبیروں کا واقع ہونا اب بعید از فہم

نہیں رہا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

کبھی فرشتے ایسے بدنوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو ہر خاص اور عام دیکھ لیتا ہے' دراں حالیکہ وہ اپنی اصل صورت پر بھی قائم رہتے ہیں' حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے تو اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ میں بھی موجود ہوتے تھے اور کامل ولی اللہ بھی اسی طرح بیک وقت کئی جگہ موجود ہوتا ہے اور ہر چند کہ یہ چیز بہ ظاہر عقل سے بعید ہے' لیکن میرا اس پر ایمان ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جسب ذیل آیات میں فرشتوں کی بعض خصوصیات اور افعال کو بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ (الحج: ۷۵) اللہ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ (النازعات: ۵۔۱) ان فرشتوں کی قسم جو نہایت سختی سے (کافر کی جان) کھینچتے ہیں O اور جو بہت نرمی سے (مومن کی جان کی گرہ) کھولتے ہیں O اور جو (زمین و آسمان میں) سرعت سے تیرتے پھرتے ہیں O اور جو (احکام الہیہ کی اطاعت میں) پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں O اور جو (امور تکوینیہ اور نظام عالم کی) تدبیر کرتے ہیں O

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ (الذاریات: ۴) اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو کام تقسیم کرنے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ O (حم السجدۃ: ۳۰) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے' ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کرو' اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا O

وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ O (الزخرف: ۸۰) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں O

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ O (الانفطار: ۱۲۔۱۰) اور بے شک ضرور تم پر نگہبان (مقرر) ہیں O معزز فرشتے لکھنے والے O وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو O

خلیفہ کی تعریف اور اس کی اقسام

خلیفہ' نائب یا قائم مقام کو کہتے ہیں' جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے' مثلاً اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لیے خلیفہ مقرر کرتے ہیں یا اصل شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کہیں جانے یا فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی کیونکہ انسان اپنی مادی کثافت اور عدم قرب کے حجابات کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام وصول نہیں کر سکتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بنایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا' اور انبیاء علیہم السلام کو ایسی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتوں کے واسطے سے یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر سکیں۔ عام انبیاء اور مرسلین کی طرف فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور مقربین سے اللہ تعالیٰ خود بھی کلام فرماتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کلام فرمایا۔

خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے: جو اللہ کا نائب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے' یہ معنی نبی اور رسول کے مترادف ہے' خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو نبی اور رسول کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو اور نبی کی بیان کی ہوئی شریعت کو لوگوں پر نافذ کرے اور منہاج نبوت پر حکومت چلائے' قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دوسرا معنی مراد ہے' اس معنی میں خلیفہ کے تقرر میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف ہے' شیعہ علماء کے نزدیک خلیفہ کے تقرر کے لیے نبی اور رسول کی نص صریح ضروری ہے' جب کہ اہل سنت کے نزدیک نص' اہل اجتہاد کے اجماع اور ارباب حل وعقد کے انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کرنا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ صرف اللہ کا نبی ہوتا ہے اور خلیفہ رسول لوگوں کے مقرر کرنے سے مقرر ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں خلیفہ کے مصداق کا بیان

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں' یا حضرت آدم اور ان کی اولاد مراد ہیں' کیونکہ حضرت آدم' اللہ کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد آنے والی ان کی اولاد لغوی معنی کے اعتبار سے ان کی خلیفہ تھی یعنی بعد میں آنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کے لیے چار الفاظ استعمال فرمائے ہیں' اس آیت میں خلیفہ فرمایا اور اس کے بعد اسی آیت میں اس کو آدم فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا . (البقرہ: ۳۰)

اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادیے۔

اس کو بشر سے تعبیر فرمایا:

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ (ص: ۷۱)

(جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا:) میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں ○

اس کو انسان بھی فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر: ۲۶)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجنے والی سیاہ مٹی سے پیدا کیا ○

اللہ کے نائب ہونے کے اعتبار سے آپ کو خلیفہ فرمایا' گندمی رنگ کی وجہ سے آدم فرمایا' جسم کی ظاہری وضع' چہرے مہرے اور کھال کی ساخت کے اعتبار سے بشر فرمایا اور حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے انسان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف مشورہ کی نسبت کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں' یہ فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا' کیونکہ مشورہ کا معنی ہے: کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف رجوع کر کے ایک رائے کو حاصل کرنا۔ (علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ المفردات ص ۲۷۰ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ) اور اللہ تعالیٰ اپنے کام میں کسی کی رائے حاصل کرنے سے پاک اور بری ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پیشگی خبر دی تھی تاکہ فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی نعمتوں کو بیان فرمائے' اس لیے علامہ بیضاوی کا اس آیت کو مشورہ کی تعلیم پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرشتوں نے کہا: کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں' فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتےO (البقرہ: ۳۰)

حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال کرنے کا محمل

اگر حضرت آدم کے متعلق فرشتوں نے یہ کہا تھا کہ وہ فساد اور خون ریزی کریں گے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم اپنی اولاد کی اصل اور منشاء ہیں اور اولاد آدم میں سے بعض لوگ فتنہ' فساد اور خون ریزی کریں گے اس لیے فرشتوں نے ان کی طرف ان کاموں کا اسناد کر دیا اور اگر فرشتوں نے حضرت آدم کی اولاد کے متعلق یہ کہا تھا تو پھر تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں' کیونکہ حضرت آدم کی اولاد میں سے بعض فساق نے بہر حال یہ کام کیے۔

فرشتوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی اس خبر یا اطلاع پر اعتراض یا انکار اور بنو آدم کی غیبت نہیں ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں بلکہ یہ اس پر اظہار تعجب ہے کہ زمین کی آبادکاری اور اصلاح کے لیے فسادیوں اور خون ریزوں کو خلیفہ بنایا جائے گا یا فرشتوں جیسے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جائے گا! یا فرشتے اس سوال کے ذریعہ اس حکمت کو جاننا چاہتے تھے جس کی بناء پر ان مفسدوں کے فساد سے صرف نظر کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے گا' جیسے استاذ کی تقریر پر متعلم کو کوئی شبہ پیدا ہو تو وہ اس شبہ کے ازالہ کے لیے استاذ سے سوال کرتا ہے' اس لیے فرشتوں کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر انکار ہے نہ بنو آدم کی غیبت اور عیب جوئی ہے' فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ○ (الانبیاء: ۲۷۔۲۶)	بلکہ وہ (فرشتے) عزت والے بندے ہیںO کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیںO

باقی رہا یہ کہ فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ بعض بنو آدم فساد اور خون ریزی کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مطلع فرمایا تھا' یا انہوں نے لوح محفوظ میں صرف اتنا مطالعہ کر لیا تھا کہ بنو آدم فساد کریں گے اور بنو آدم کے شرف اور فضیلت کے مطالعہ سے ان کو روک دیا گیا تھا' کیونکہ وہ اس کا بھی مطالعہ کر لیتے تو پھر ان کو کوئی شبہ نہ رہتا' یا ان کی عقول میں یہ مرتکز تھا کہ معصوم ہونا صرف ان کا خاصہ ہے' اس لیے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے سوا باقی مخلوق گناہ کرے گی یا اس لیے کہ اس سے پہلے زمین پر جن فساد کر چکے تھے تو انہوں نے انسان کو بھی جنوں پر قیاس کیا۔

حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے شبہ کا ازالہ

فرشتوں نے جو کہا: ہم تیری تسبیح' حمد اور تقدیس کرتے ہیں' اس سے خود ستائی' خود نمائی' عجب اور تفاخر مقصود نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس میں تین قوتیں ہیں' قوت شہوانیہ' قوت غضبیہ اور قوت عقلیہ' پہلی دو قوتوں کے لحاظ سے وہ فتنہ اور فساد کرے گا اور ان دو قوتوں کے اعتبار سے تو اس کو پیدا ہی نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنایا جائے اور رہی قوت عقلیہ تو وہ فرشتوں کو بھی حاصل ہے اور ان کو اس لیے ترجیح ہے کہ ان میں شہوت اور غضب نہیں ہے جو فتنہ اور فساد کی موجب ہو تو پھر راجح کو چھوڑ کر مرجوح کو خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے؟ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ شہوت کو جب اعتدال میں رکھا جائے تو وہ قابل تعریف صفت ہے جس کو عفت کہتے ہیں اور غضب کو جب اعتدال میں رکھا جائے تو وہ بھی قابل ستائش وصف ہے اور اس کو شجاعت کہتے ہیں اور جب ان دو قابل تعریف وصفوں کے ساتھ قوت عقلیہ بھی ہو تو ان قوتوں کا حامل اس سے یقیناً افضل ہے جو صرف قوت عقلیہ کا حامل ہو' اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں اجمالی اشارہ فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے' اور اگر یہ سوال ہو کہ بنو آدم میں نیک اور صالح افراد کم ہیں اور شریر اور فاسق زیادہ ہیں' اس وجہ سے بنو آدم کو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اور صالح افراد میں خیر کثیر ہے اور فاسق اور فاجر افراد اگرچہ زیادہ ہیں لیکن نیک اور صالح افراد کی خیر کی عظمت اور شرف کے مقابلہ میں ان کا شر قلیل ہے اور شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک نہیں کیا جاتا' اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ جن میں خیر غالب ہے ان کو پیدا کیا جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم کی فضیلت علمی بیان کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ خلیفہ بننے کے اہل حضرت آدم ہی ہیں نہ کہ فرشتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ○ (البقرہ: ۳۱)

آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے مراحل

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

آدم اسم علم ہے اور عجمی ہے جیسے آذر' عابر اور عاذر ہے' اور یہ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے' اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ ''ادمۃ'' (گندم گوں رنگ) سے مشتق ہے یا ''ادیم الارض'' (زمین کی سطح) سے مشتق ہے' ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اشتقاق عربی زبان کا خاصہ ہے' عجمی لفظ کا مادہ اشتقاق عربی الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(اعراب القرآن و بیانہ ج ۱ ص ۸۰' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام فریابی' امام ابن سعد' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم کو آدم اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو ادیم ارض (زمین کی سطح) سے بنایا گیا ہے' سرخ' سفید اور سیاہ مٹی سے' اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں' سرخ' سفید اور سیاہ' پاک اور نجس۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ادیم ارض سے پیدا کیا' سرخ' سفید اور سیاہ مٹی سے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۴۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

امام ابن سعد' امام ابویعلیٰ' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر اس کو کیچڑ (گیلی مٹی) کر دیا' پھر اس کو چھوڑ دیا' حتیٰ کہ سیاہ گارا ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی' پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو کر بجنے والی مٹی کی طرح ہوگیا' ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ یہ کسی امر عظیم کے لیے بنایا گیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی' اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا' ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا القاء کیا' انہوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمک اللہ' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو' دیکھو یہ کیا کہتے ہیں' حضرت آدم ان (فرشتوں) کے پاس گئے اور کہا: السلام علیکم انہوں نے کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ' پھر حضرت آدم اللہ کے پاس گئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کیا کہا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے' حضرت آدم نے کہا: اے رب! میں نے ان کو سلام کیا' انہوں نے کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۴۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) تھا اور فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو' اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا' حضرت آدم نے جا کر کہا: السلام علیکم' فرشتوں نے کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ' انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا' سو جو شخص بھی آدم کی صورت پر جنت میں داخل ہوگا اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا' پھر یہ طول بہ تدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۴۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت آدم نے ان چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے کی وجہ سے بتائے' اگر فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیئے جاتے تو وہ بھی ان چیزوں کے نام بتا دیتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا خمیر مختلف اجزاء اور متضاد قوتوں کو ملا کر بنایا تھا اس وجہ سے وہ معقولات' محسوسات' متخیلات اور موہومات کے ادراک کی صلاحیت رکھتے تھے اور فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی' اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اشیاء کے حقائق' خواص' اسماء' علوم کے قواعد اور مختلف صنعتوں کے قوانین تعلیم فرمائے' پھر فرشتوں کو عاجز کرنے اور اہلیت خلافت سے ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ' اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ معصوم ہونے کی وجہ سے صرف تم خلافت کے اہل ہو' ہر چند کہ فرشتوں نے صراحۃً یہ دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن ان کے کلام سے یہ دعویٰ مترشح ہوتا تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا: آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا' اس نے انکار کیا

وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا ○ اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا

بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۳۵﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ

نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے O پس شیطان نے انہیں

عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

اس درخت کے ذریعے لغزش میں مبتلا کیا' اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا' ہم نے فرمایا: تم (سب) نیچے اترو'

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰى

تم میں سے بعض' بعض کے دشمن ہوں گے' اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے O پھر آدم نے

اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

ہم نے فرمایا: تم سب جنت سے اتر جاؤ' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَ

کی پیروی کی تو انہیں کوئی ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

ع ۴ ۱۰ ۴ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۳۹﴾

ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں' وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا: آدم کو سجدہ کرو۔ (البقرہ: ۳۴)

حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ

جب حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت علمی ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے حضرت آدم کی فضیلت علمی کا اعتراف کرانے کے لیے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک اور آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا جسم بناتے ہی فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا:

فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهٗ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی

سٰجِدِيْنَ○ (الحجر: ۲۹) پسندیدہ روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا○

اس آیت کے اعتبار سے فرشتوں کا امتحان ہے اور حضرت آدم کی فضیلت کا اظہار اور فرشتوں کی اطاعت گزاری کا بیان ہے۔

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ سجدہ کا معنی ہے: سر نیچے کیا اور جھک گیا۔

(قاموس ج ۱ ص ۵۷۹ 'دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سجدہ کا لغوی معنی ہے: تذلل کے ساتھ جھکنا' سجدہ کو اللہ کی عبادت سے تعبیر کرتے ہیں' سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ اختیاری ہے اور دوسرا سجدہ تسخیر ہے' سجدہ اختیاری باعث ثواب ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا○ (النجم: ۶۲) سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو○

اور سجدہ تسخیر' انسان' حیوان اور نباتات سب ادا کرتے ہیں: (المفردات ص ۲۲۳ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا. (الرعد: ۱۵) اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں۔

سجدہ کے شرعی معنی کے متعلق علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: عبادت کے قصد سے پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔

(انوار التنزیل (درسی) ۶۲ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

پیشانی کو زمین پر رکھنا ہاتھوں کو اور گھٹنے یا پیروں میں سے کسی ایک کے زمین پر رکھنے پر موقوف ہے' اس لیے سجدہ کا رکن پیشانی' ہاتھوں اور گھٹنوں اور پیروں میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھنا ہے' اور سنت کے مطابق سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے: چہرہ' دونوں گھٹنے' دونوں ہاتھ اور دونوں پیر' بعض علماء نے جو یہ لکھا ہے کہ پیروں کی انگلیاں اٹھ جائیں یا مڑ جائیں تو سجدہ نہیں ہوتا یہ صحیح نہیں ہے' اس کی پوری تفصیل اور تحقیق "شرح مسلم" جلد اول میں بیان کی گئی ہے۔

فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اس سے یا تو شرعی سجدہ مراد ہے' اس صورت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور حضرت آدم کو ان کی عزت افزائی کے لیے قبلہ بنایا گیا تھا' اور یا یہ لغوی سجدہ تھا یعنی سجدہ تعظیم' اور فرشتوں کو حضرت آدم کی تعظیم اور تحیت کے لیے تواضعاً جھک جانے کا حکم دیا گیا تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضعاً سجدہ کر کے تعظیم کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا' اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا○ (البقرہ: ۳۴)

تکبر کا معنی اور ابلیس کے تکبر کا بیان

تکبر کا معنی ہے: کوئی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ بڑا خیال کرے اور استکبار کا معنی اپنے لیے بڑائی طلب کرنا ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ

اس کا لباس اچھا ہو' اس کے جوتے اچھے ہوں' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے' تکبر (کا معنی ہے) حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ابلیس کا تکبر یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر جانا' اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو برا جانا' کیونکہ اس کے خیال میں وہ حضرت آدم سے افضل تھا اور افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم دینا قبیح اور برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جاننا کفر ہے' حسب ذیل آیات میں اس کے کفر کی وجہ صراحۃً بیان کی گئی ہے:

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۞ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۞ (ص: ۷۵۔۷۶)

اللہ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ آیا تو نے اب تکبر کیا ہے یا تو پہلے سے ہی متکبرین میں سے تھا؟ ۞ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ۞

ابلیس کا معنی اور اس کے فرشتہ یا جن ہونے کی تحقیق

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

لفظ ابلیس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا نہیں؟ صحیح قول یہ ہے کہ عجمی علم ہے اور اسی وجہ سے یعنی علمیت اور عجمیت کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اور اگر یہ ''ابلاس'' (بمعنی مایوس ہونے) سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔

(اعراب القرآن وبیانہ ج ۱ ص ۸۴ 'مطبوعہ مطبع دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

محمد صافی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ ج ۱ ص ۱۰۳ 'مطبوعہ انتشارات مدین ایران' ۱۴۱۲ھ)

جریج نے کہا ہے کہ یہ علم ہے اور علامہ قرطبی نے اس کو مشتق لکھا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق ابلیس فرشتوں میں سے تھا' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' ابن جریج' ابن المسیب اور قتادہ وغیرھم کا یہی مختار ہے' امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی نظریہ ہے' امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابلیس کا نام عزازیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چار پروں والا تھا' اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا' قتادہ سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا' سعید بن جبیر نے کہا: کچھ ملائکہ نار (آگ) سے پیدا کئے گئے تھے' ابلیس بھی انہی میں سے تھا' اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

ابن زید' حسن اور قتادہ نے کہا کہ ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے اور اس کا نام حارث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے' شہر بن حوشب اور بعض اصولیین نے یہ کہا کہ ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے' فرشتوں نے ان سے قتال کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا' اس نے فرشتوں کے ساتھ عبادت کی' اس وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا' اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے' اس بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا۔

جن صحابہ اور ائمہ کا یہ نظریہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں جن تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی تھی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے:

لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (التحریم: ۶) — وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝

اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ ابلیس جن تھا:

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ (الکہف: ۵۰) — ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا' وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے' ان کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا' اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا' اس کا نام سریانی زبان میں عزازیل اور عربی زبان میں حارث ہے' یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا' آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی' علم اور عبادت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی' آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا' ان امور کی وجہ سے یہ اپنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا' اس زعم نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا' سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور راندہ درگاہ قرار دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۹۵۔ ۲۹۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا' ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا: آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' ابلیس کو سجدہ کا حکم اسی وقت ہوگا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جن تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا اس لیے بطور تغلیب وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جنوں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی' کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاغر کو اس کی تعظیم کا بہ طریق اولیٰ حکم ہے۔

امام ابن جریر طبری' علامہ قرطبی' امام رازی' قاضی بیضاوی' علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ آلوسی وغیرہ کی تحقیق ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا' اس کے برخلاف علامہ سیوطی' علامہ نسفی' علامہ زمخشری' بعض دیگر مفسرین اور متکلمین کی تحقیق یہ ہے کہ ابلیس جن تھا اور قرآن مجید کی ظاہر آیات اسی کے موافق ہیں' علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ابلیس جن تھا' اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبادت گزار تھا اور ان میں چھپا رہتا تھا' اس لیے اس کو بھی تغلیباً فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔

(شرح عقائد ص ۹۹' مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب' کراچی)

ابلیس کے جن ہونے پر حسب ذیل دلائل قائم کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ" (الکہف: ۵۰) اس آیت میں ابلیس کے جن ہونے کی تصریح ہے۔

(۲) فرشتوں کی نسل نہیں چلتی اور ابلیس کی نسل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ (الکہف: ۵۰) — کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہیں؟

حضرت ابن عباس کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ فرشتوں کی ایک نوع میں توالد ہوتا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔
(نبراس ص ۳۴۱)

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ '' (التحریم: ۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

(۴) امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ شیطان کو نار سے پیدا کیا گیا ہے۔

جو علماء ابلیس کو فرشتہ قرار دیتے ہیں وہ ان تین آیات اور اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں' اور جو ابلیس کو جن قرار دیتے ہیں وہ صرف ''فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ '' (البقرہ: ۳۴) میں تاویل کرتے ہیں یا اس استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں اور زیادہ آیتوں میں تاویل کرنے کی بہ نسبت ایک آیت میں تاویل کرنا اولیٰ ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت عمر سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے' اس میں ہے: حضرت جبرائیل رو رہے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل! اللہ نے تمہیں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور پھر بھی تم رو رہے ہو' حضرت جبرائیل نے کہا: میں کیوں نہ روؤں' میں رونے کا زیادہ حقدار ہوں' ہو سکتا ہے اللہ کے علم میں میرا یہ مقام نہ ہو جس پر میں فائز ہوں اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اس طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہو جس طرح ابلیس کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا' بے شک وہ بھی فرشتوں میں سے تھا۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی متروک ہے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس کے جن یا فرشتہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس کے جن ہونے پر زیادہ دلائل قائم ہیں اور فرشتہ ہونے پر صرف اس آیت میں استثناء متصل سے استدلال کیا گیا ہے اور اس استثناء میں یا تاویل کی جائے گی یا اس کو استثناء منقطع پر محمول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ (البقرہ: ۳۵)

حضرت حوا کی خلقت کا بیان

قرآن مجید میں حضرت حواء کو پیدا کرنے کا ذکر ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ (الاعراف: ۱۸۹)

(اللہ) وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو' کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس کے اوپر والے حصے میں ہوتا ہے' اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی' سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم کو جنت میں رکھا گیا' حضرت آدم جنت میں تھے اور ان کو وحشت ہوتی تھی' ان کی بیوی نہیں تھی جس سے ان کو سکون ملے' ایک دن وہ سو گئے' جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا' حضرت آدم نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: عورت' پوچھا: تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ تم کو مجھ سے سکون ملے' فرشتوں نے حضرت آدم سے پوچھا: اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حوا' پوچھا: آپ نے اس کا نام حواء کیوں رکھا؟ فرمایا: اس لیے کہ یہ حی (زندہ شخص) سے پیدا کی گئی ہے! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

آیا حضرت آدم کو جنت الخلد میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی باغ میں؟

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد باڑ ہو' جس جنت میں حضرت آدم کو رکھا گیا تھا اس میں اختلاف ہے آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لیے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا' جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی ان کی دلیل یہ ہے کہ جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس سے نکلتا نہیں ہے اور یہ محال ہے' البتہ احادیث میں یہ ہے کہ جو بہ طور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم کی طرح ابتداءً جنت میں داخل ہو اس کا جنت سے نکلنا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔ (المحرر الوجیز ج ۱ ص ۱۸۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۳۹۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

معتزلہ اور قدریہ کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا' ان کی دلیل یہ ہے کہ جنت الخلد میں ابلیس نہیں جا سکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ (الواقعہ: ۲۵) — وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۚ (النباء: ۳۵) — وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹی بات O

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ O (الحجر: ۴۸) — انہیں وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے O

وہ کہتے ہیں کہ ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور آدم اور حواء کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ بہ طور جزاء کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دار الخلد ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لیے موت مقدر کر دی گئی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے' اور حضرت آدم کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے

فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا' پھر آپ نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دار الخلد میں رکھا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا' ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے O (البقرہ: ۳۵)

شجر ممنوع کا بیان

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اس درخت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ زیتون کا درخت تھا' ایک روایت یہ ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حواء کو کسی معین درخت کے پھل کھانے سے منع کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کون سا درخت ہے' اس درخت کا نام ذکر کیا اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا' اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے درختوں میں سے کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم اور حضرت حوا کو منع کیا تھا باقی تمام درختوں سے منع نہیں کیا تھا' ہمارے پاس اس کے علم کی کوئی سبیل نہیں ہے کہ وہ کونسا درخت تھا' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر کیا ہے نہ سنت صحیحہ میں اس کی کوئی تعیین ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ گندم کا درخت تھا' یا زیتون کا درخت تھا یا انگور کا درخت تھا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کون سا درخت تھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے O (البقرہ: ۳۵)

آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھایا اور اس درخت کے قریب گئے تو کیا وہ ظالموں میں سے ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصد اور ارادہ سے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس کا محمل یہی ہوتا ہے کہ اس کام کو قصد اور ارادہ سے نہ کیا جائے اور گناہ کی بھی یہی تعریف ہے کہ قصداً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور جو کام نسیان اور خطاء سے سرزد ہو گیا وہ گناہ نہیں ہوتا' سو اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت آدم نے اس درخت سے قصداً کھایا یا بھول کر' تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا O (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) پس وہ بھول گئے' اور ہم نے ان کا قصد نہیں پایا O

اور جب آدم علیہ السلام نے بھول سے اس درخت سے کھایا تو نہ ان سے معصیت سرزد ہوئی اور نہ وہ ظالموں میں سے ہوئے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: آدم نے معصیت کی:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿ۖ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۱)

آدم نے اپنے رب کی معصیت کی سو وہ (جنت کی سکونت سے) بے راہ ہو گئے O

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت آدم بھول کر درخت کے قریب گئے تھے اور ان کا یہ فعل حقیقت میں معصیت نہیں تھا لیکن یہ فعل اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت تھا' اور اس آیت میں ان کے اس فعل کو ظاہر اور صورت کے اعتبار سے معصیت فرمایا ہے۔ اس آیت سے مقصود تو یہ تھا کہ حضرت آدم اس درخت سے نہ کھائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس درخت کے قریب نہ جانا' اس سے معلوم ہوا کہ جو کام ممنوع ہو اس کے مبادی اور مقدمات بھی ممنوع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے لغزش میں مبتلاء کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکال دیا۔ (البقرہ: ۳۶)

شجر ممنوع سے کھانے کے لیے ابلیس کی وسوسہ اندازی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا حسب ذیل آیتوں میں بیان فرمایا ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ (طٰہٰ: ۱۲۱۔ ۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا' کہا: اے آدم! کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتادوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو؟ ۝ تو (آدم وحوا) دونوں نے اس درخت سے کھا لیا' سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف: ۲۱۔ ۲۰)

اور شیطان نے کہا: تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ۝ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۝

حضرت آدم نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا' یا انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے' میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں' دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطاء لاحق ہوئی اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطاء اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے اور باقی رہا ان کا عرصہ دراز تک توبہ اور استغفار کرنا تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔

ایک اور سوال یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکال دیا تھا تو وہ حضرت آدم کو وسوسہ ڈالنے کے لیے جنت میں کیسے پہنچ گیا؟

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (الحجر: ۳۴)

فرمایا: تو جنت سے نکل جا' سو بے شک تو مردود ہے ۝

مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں' ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت اور کرامت کے ساتھ جنت میں اس کے دخول کو منع فرمایا تھا اور وہ چوروں کی طرح چھپ کر گیا اور کسی اور صورت میں متمثل ہو کر حضرت آدم سے یہ گفتگو کی اور ان کو وسوسہ ڈالا' یا وہ جنت کے دروازہ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور وہاں سے حضرت آدم کو آواز دے کر بلایا' یا وہ کسی جانور کی صورت میں جنت میں چلا گیا اور جنت کے محافظ اس کو نہ پہچان سکے' یا وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا یا اس نے اپنے بعض چیلوں کو یہ پیغام دے کر جنت میں بھیجا۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے' اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا' جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا' اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا' ابلیس نے اس سے کہا: وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے' سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتا نہ چلا' پھر ابلیس نے حضرت آدم سے کہا: کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے' حضرت آدم نے انکار کیا تو حضرت حواء نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھا لیا اور حضرت آدم سے کہا: اے آدم! اسے کھاؤ' دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا' جب حضرت آدم نے اس کو کھا لیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۸۷' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن حیان اندلسی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدم کو بہ طریق وسوسہ خطاب کیا تھا اور وہ دھتکارے جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۲۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوع سے پھل کھایا اور اس کے نتیجہ میں ان کا ستر کھل گیا اور ان کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہاں یہ بحث کی جاتی ہے کہ آیا ان کا شجر ممنوع سے کھانا ان کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں' اس لیے ہم عصمت کا اصطلاحی معنی' عصمت انبیاء میں مذاہب' عصمت انبیاء پر دلائل اور بہ ظاہر عصمت کے منافی امور کا جواب اور قصہ آدم کے تفصیلی جوابات ذکر کریں گے' ہم نے اس موضوع پر "شرح صحیح مسلم" جلد سابع (۷) میں بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے' تاہم یہاں بھی ہم ضروری امور کا ذکر کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

عصمت انبیاء کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عصمت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام میں گناہ پیدا نہ کرے اور حکماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ (صفت راسخہ' صفت نفسانیہ) ہے جو معاصی کی قباحت اور عبادت کی فضیلت کے علم کی وجہ سے ان کو گناہوں سے روکتی ہے اور عبادت پر برانگیختہ کرتی ہے اور اوامر اور نواہی کی مسلسل وحی کی وجہ سے یہ صفت اور راسخ ہو جاتی ہے' اور انبیاء علیہم السلام سے جو سہوا اور بعض کے نزدیک عمدا صغائر صادر ہوتے ہیں یا وہ کسی اولیٰ اور افضل کام کو ترک کر دیتے ہیں' اس سے ان کی عصمت پر اعتراض نہیں ہوگا' کیونکہ صفات نفسانیہ ابتداءً غیر راسخ ہوتی ہیں' پھر بتدریج راسخ ہو جاتی ہیں (اور راسخ ہونے کے بعد وہ صفات ملکیہ کہلاتی ہیں) اور ایک قوم (علماء شیعہ) نے عصمت کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ کسی انسان کی روح یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہوتا ہے' یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر ان سے گناہوں کا صدور محال ہو تو وہ گناہوں کے ترک پر دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کے مستحق نہ ہوں' کیونکہ جو چیز محال

ہو اس کے ترک سے تعریف ہوتی ہے نہ ثواب' کیونکہ اس کا کرنا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے' نیز اس پر اجماع منعقد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں کے ترک سے ثواب ہوتا ہے اور وہ گناہوں کے ترک کرنے کے مکلف ہیں اور اگر ان سے گناہوں کا صدور محال ہوتا تو ان کو مکلف نہ کیا جاتا نہ ثواب دیا جاتا کیونکہ محال کو ترک کرنے کا مکلف نہیں کیا جاتا نہ اس پر ثواب دیا جاتا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے' یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو امور بشریت کی طرف راجع ہیں آپ ان میں تمام بشروں کی مثل ہیں اور آپ کا امتیاز صرف وحی سے ہے' اس لیے جس طرح اور بشروں سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے' انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہوں کا صدور محال نہیں ہوگا۔

(شرح المواقف ج ۸ ص ۲۸۱۔ ۲۸۰' مطبوعہ منشورات الشریف' ایران' ۱۴۱۲ھ)

انبیاء علیہم السلام اور عام بشروں میں صرف وحی کے لحاظ سے ہی فرق نہیں ہوتا بلکہ خصوصیات کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے' ان کی بشریت مادی کثافتوں سے منزہ ہوتی ہے اور کمال قرب الٰہی کی وجہ سے ان کا قلب انوار الٰہیہ کی جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جس قدر خوف خدا ان کو ہوتا ہے مخلوق میں سے کسی کو نہیں ہوتا۔

علماء شیعہ میں سے شیخ طوسی[1] اور شیخ طبرسی[2] نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں صغیرہ اور کبیرہ گناہ محال ہیں۔

علماء اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود خوف خدا کے غلبہ سے گناہوں سے باز رہتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ عمداً نہیں کرتے' البتہ نسیان یا اجتہادی خطاء سے ان سے بعض اوقات صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے یا تبلیغی مصلحت کی وجہ سے وہ کسی افضل اور اولیٰ کام کو ترک کر دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر انبیاء علیہم السلام سے (العیاذ باللہ) گناہ صادر ہو تو ان کی اتباع حرام ہوگی' حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران: ۳۱)

آپ فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۲) جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات: ۶)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(۳) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ: ۱۲۴)

اللہ نے فرمایا: ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا ۝

---

[1] شیخ ابوجعفر محمد حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ' التبیان ج ۱ ص ۱۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹۵' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۹ھ

(۴) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذاء پہنچے گی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ. (ص: ۴۶ ـ ۴۵)

اور ہمارے بندوں ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۝ (ص: ۸۳ ـ ۸۲)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کردوں گا O سوا تیرے مخلص بندوں کے O

(۶) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ۝ (ص: ۴۷)

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں O

(۷) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں' اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (الصف: ۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے O

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء سے راضی ہے' ارشاد ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن: ۲۷ ـ ۲۶)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو (بذریعہ وحی) مطلع نہیں فرماتا O بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے' اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں ہے۔

(۸) اگر معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا۝ؕ (الجن: ۲۳)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لاریب اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا O

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

(۹) انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے' فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم

السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَۙ (آل عمران: ۳۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے ○

(۱۰) اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں' تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی کیونکہ ان کی اتباع واجب ہے اور دوسرے دلائل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے' سو لازم آئے گا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

عصمت انبیاء کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور مذاہب

امام رازی نے عصمت انبیاء کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) حشویہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز نہیں' البتہ عمداً گناہ صغیرہ کا صدور جائز ہے' البتہ ان صغائر کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(۳) جبائی کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً کبائر اور صغائر دونوں کا صدور جائز نہیں' البتہ تاویلاً جائز ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا' لیکن ان سے سہو اور خطاء پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

(۵) رافضیوں کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے صغیرہ نہ کبیرہ' سہواً نہ عمداً تاویلاً نہ خطاءً۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

مذکور الصدور اقوال نقل کرنے کے بعد امام رازی اپنا مختصر بیان کرتے ہیں:

عصمت انبیاء کے متعلق محققین کا مذہب

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا' کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلان نبوت کے بعد گناہ کبیرہ مطلقاً نہیں کرتے' اور صغائر عمداً نہیں کرتے' البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۹۳' مطبوعہ دارالمعارف النعمانیہ' ۱۴۰۱ھ)

میر سید شریف جرجانی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ نبوت میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ (شرح مواقف ص ۶۸۹' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' لکھنؤ)

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا اجمالی جواب

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا اجمالی جواب یہ ہے کہ کچھ روایات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف بعض ایسے واقعات منسوب ہیں جو عصمت کے خلاف ہیں' یہ تمام واقعات اخبار احاد سے مروی ہیں' اور یہ

روایات ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات میں جو انبیاء علیہم السلام کی طرف عصیان غوایت اور ذنب کی نسبت ہے وہ سہو نسیان ترک اولیٰ یا اجتہادی خطاء پر محمول ہے اور انبیاء علیہم السلام کا توبہ اور استغفار کرنا ان کی کمال تواضع انکسار اور امتثال امر پر محمول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے فرمایا: تم (سب) نیچے اتر و تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے O (البقرہ: ۳۶)

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کی حکمتوں کا بیان

اس آیت میں حضرت آدم اور حوا کو خطاب ہے کیونکہ قرآن مجید میں تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہے'' اھبطا منھا'' (طٰہٰ: ۱۲۳) اور یہاں جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہے'' اس میں حضرت آدم کی پشت میں جو ان کی ذریت ہے اس کو بھی خطاب ہے یا حضرت آدم' حواء اور ابلیس کو خطاب ہے' ہر چند کہ ابلیس کو پہلے بھی نکال دیا تھا لیکن جب وہ چوری سے چھپ کر وسوسہ ڈالنے کے لیے داخل ہوا تو اس کو دوبارہ نکال دیا۔

منکرین عصمت یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو ان کو سزا کیوں ملی اور ان کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دینا' ان کے حق میں سزا نہیں ہے' بلکہ یہ ان کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہے' کیونکہ ان کو زمین پر خلافت الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آدم اور ابلیس کے معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکلوا دیا' یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ شیطان تو حضرت آدم کے جنت میں عارضی قیام کو بھی نہیں برداشت کر سکا تھا اور وہ اب دنیا میں آ کر اور فرائض نبوت اور کار خلافت کو انجام دے کر دائمی قیام کے لیے جنت میں جائیں گے اور شیطان تو ان کے تنہا وجود کو جنت میں برداشت نہیں کر سکا تھا اور حضرت آدم دنیا میں آنے کے بعد اپنی بے شمار ذریت کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور شیطان لعنتی ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا' اس لیے حضرت آدم کا دنیا میں آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی اور نامرادی کا مقدمہ تھا' سو اس معرکہ میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب تھے اور ابلیس خائب و خاسر ہوا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت آدم شجر ممنوع سے نہ کھاتے تو ہم جنت میں ہی رہتے' ان کے شجر ممنوع سے کھانے کی وجہ سے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کیسے جنت میں رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا؟ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے' حضرت آدم کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر زمین پر چھوڑ آؤ' پھر جو پاک لوگ ہوں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو ناپاک ہوں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت آدم کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود ان کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم کو زمین کی خلافت کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے انہوں بہر حال زمین میں آنا تھا' شجر ممنوع سے کھانا سبب نہ ہوتا تو کوئی اور سبب ہوتا' نیز انبیاء علیہم السلام بعض اوقات اپنے مخالفین کے شر کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ پھر دوبارہ کامیاب و کامران ہو کر اس جگہ لوٹتے ہیں' جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے شر کی وجہ سے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اور پھر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر میں فاتحانہ لوٹے' حضرت عیسیٰ نے زمین سے آسمان کی طرف ہجرت کی اور پھر زمین پر آئیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اور پھر جنت میں فاتحانہ داخل ہوں گے' اور اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ. (آل عمران: ۵۹)
بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے' اسے مٹی سے بنایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا متعدد حکمتوں کی وجہ سے ہے اور ان کی فضیلت کا موجب ہے' کوئی سزا نہیں ہے۔

علامہ ابوجعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ مدت پانچ سو سال ہے' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کو ہند میں اور حضرت حواء کو جدہ میں اتارا گیا' حضرت آدم ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی' اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حواء جنت کی نعمتوں کے چلے جانے پر دو سو سال تک روتے رہے' چالیس دن تک کھانا کھایا نہ پانی پیا اور حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حواء سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۸۹۔ ۸۱۔ ۸۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے O (البقرہ: ۳۷)

حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا: اے رب! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟ فرمایا: کیوں نہیں! کہا: کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں! کہا: کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کیا: اے رب! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کیا: یہ بتا کہ اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا تو مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا؟ فرمایا: ہاں! قتادہ اور حسن نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ O (الاعراف: ۲۳)
اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۹۳ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن کثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے بیان کیا کہ وہ کلمات یہ ہیں: (ترجمہ) اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' سو مجھے بخش دے' تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے' اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں: میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' تو مجھ پر رحم فرما' بے شک تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے' اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ کہتا ہوں' اے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' تو

میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحیم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۴۲' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام نے (صورۃ) گناہ کرلیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور عرض کیا: میں محمد کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تیرا نام برکت والا ہے' جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے' تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی: اے آدم علیہ السلام! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم! تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی[1]' امام ابن جوزی[2] اور امام حاکم[3] نے بھی اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ نور الدین الہیثمی[4]' حافظ جلال الدین سیوطی[5]' شیخ ابن تیمیہ[6] نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حاکم' بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا' یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۸۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ)

''شرح صحیح مسلم'' جلد سابع میں ہم نے اس حدیث کے مزید حوالہ جات بیان کئے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے کہ حضرت آدم نے عرش کے پائے پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا تو آپ کے وسیلہ سے دعا کی' اور کلمات سے یہی کلمات مراد ہیں' یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت آدم نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا' جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

[2] امام عبدالرحمان جوزی متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء ص ۳۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد

[3] امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ

[4] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ

[5] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸' مطبوعہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران

[6] شیخ ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ' فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶' مطبوعہ السعودیہ العربیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی اور کہا: اے اللہ! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما' رب العالمین نے فرمایا: تم نے ان کو کیسے پہچانا جوان کے وسیلہ سے دعا کی؟ عرض کیا: جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج ۱ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵ 'مطبوعہ چھپرطہران' ۱۳۷۱ھ' الطبع الخامس)

علامہ ثعالبی[1]' علامہ اسماعیل حقی[2] اور علامہ آلوسی[3] نے بھی اس روایت کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ حضرت آدم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر' محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم سے لغزش ہوگئی تو ان کو بہت رنج ہوا' اور شدید ندامت ہوئی' تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس آئے اور کہا: اے آدم! کیا میں آپ کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرلے؟ حضرت آدم نے کہا: کیوں نہیں! کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں' آپ نے کہا: اے جبرائیل! میں کیا کہوں؟ انہوں نے کہا: آپ کہیے (ترجمہ:) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اس کا ملک ہے اور اس کے لیے حمد ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی' تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اس کے بعد آپ اپنی خطاء پر توبہ کریں اور کہیں: اے اللہ! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا' تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے' حضرت آدم نے اسی طرح دعا کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم کو یہ دعا کس نے تعلیم کی؟ حضرت آدم نے کہا: اے رب! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا: ''بسم اللّٰہ الرحمن لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له محمد رسول اللّٰہ'' اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا' پھر حضرت آدم نے اپنے رب کی حمد وثنا کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج درفوج آکر حضرت آدم کو مبارک باد دی۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۰ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

(حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبریل کی تعلیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خود بھی عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا اس لیے اسی کا حوالہ دیا)۔

توبہ کا لغوی اور شرعی معنی

توبہ کا لغوی معنی ہے: رجوع کرنا' اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ معصیت سے طاعت کی طرف اور غفلت سے اللہ کو یاد کرنے کی طرف رجوع کرے' اللہ کے توبہ قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندہ کے گناہ پر پردہ رکھے بایں طور کہ کوئی شخص اس

[1] علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی ج ۱ ص ۵۴ 'مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات' بیروت

[2] علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان ج ۱ ص ۱۱۳ 'مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ

[3] علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت

کے گناہ پر مطلع نہ ہو اور آخرت میں اس کو سزا نہ دے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ عذاب دینے سے مغفرت کی طرف رجوع کرے۔

توبہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کو برا جان کر فی الفور ترک کردے' اس سے جو تقصیر ہوئی ہے اس پر نادم ہو' آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے' اور جو گناہ اس سے ہو گیا اس کا تدارک اور تلافی کرے (مثلاً فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو قضا کرے) اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو پھر توبہ کے قبول ہونے کی ایک زائد شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق کو اس کا حق واپس کرے یا اس سے معاف کرائے' اور اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ ہیں تو وہ نوافل اور فرض کفایہ میں مشغول ہونے کے بجائے ان فوت شدہ فرائض کو ادا کرے' کیونکہ جس شخص کی نمازیں اور روزے قضا ہوں اور وہ نوافل میں مشغول ہو تو وہ نفل ادا کرنے کے حال میں بھی فسق سے خارج نہیں ہوگا۔

قرآن مجید اور سنت میں توبہ کا بیان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ (رجوع) کرو۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ (النساء: ۱۸ ـ ۱۷)

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو (عذاب الٰہی سے) جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں' پھر جلدی سے توبہ کرلیں' تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے' اور اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے ۝ اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے: میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لیے ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۳ ـ ۴۲۳ ـ ۳۷۶' ج ۶ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے' پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کو امام دارمی[1] اور امام احمد[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ غرغرہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

ستر مرتبہ سے مراد کثرت ہے' یعنی اگر ایک دن میں انسان کئی بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد نادم ہو اور صحیح نیت سے توبہ کرے' اور شامت نفس سے پھر گناہ کر بیٹھے اور پھر نادم ہو اور توبہ کرے اور بار بار ایسا ہوتا رہے تو یہ گناہ پر اصرار نہیں ہے' اصرار اس وقت ہوتا ہے جب معصیت پر نادم اور تائب نہ ہو اور بغیر ندامت اور توبہ کے گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے' صغیرہ گناہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے' مجھ سے علماء کی مجلس میں ایک محترم فاضل نے سوال کیا تھا کہ صغیرہ کے بعد دوبارہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا اسی کی مثل اور اسی درجہ کی معصیت ہے' یہ کبیرہ کیوں ہو جاتا ہے؟ میں نے جواب دیا: جب انسان صغیرہ کے ارتکاب کے بعد بغیر توبہ اور استغفار اور بغیر ندامت کے دوبارہ اسی معصیت کو کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معصیت کو بہت خفیف اور معمولی جانتا ہے اور کسی بھی معصیت کو ہلکا سمجھنا کبیرہ گناہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کے بعد اس پر اصرار کرنا یعنی اس پر نادم اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے' امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ کبیرہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں رہتا (یعنی مٹ جاتا ہے) اور صغیرہ پر اصرار کرنے کے بعد وہ گناہ' صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۴۸ 'مطبوعہ دارالفکر دمشق' ۱۴۰۴ھ)

نیز امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے استغفار کرنے کو لازم کر لیا' اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کا حل بنا دے گا' اور ہر تنگی سے اس کے لیے کشادگی کر دے گا اور اس کو وہاں

۱۔ امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

سے رزق دے گا جہاں اس کا وہم و گمان نہ ہوگا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ٣ ص ١٥٢ 'مطبوعہ دارالفکر دمشق' ١٤٠٢ھ)

اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتا رہے اور یہ پڑھا کرے:

''رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین'' یا یہ پڑھا کرے: ''اللھم اغفرلی وتب علی انك انت التواب الرحیم''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے فرمایا: تم سب جنت سے اتر جاؤ' پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O (البقرہ: ٣٨)

دوبارہ نیچے اترنے کا حکم دینے کی حکمت

اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں بھی یہ فرمایا تھا کہ تم (سب) نیچے اتر جاؤ اور دوبارہ پھر وہی حکم دیا ہے اور یہ تکرار ہے جو بلاغت کے منافی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے' اور دونوں آیتوں سے مقصود مختلف ہے' پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ تم دار البقاء سے دار البلاء کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تم ایک دوسرے سے عداوت رکھو گے اور تمہیں دوام نہیں ہوگا' اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم دار الجزاء سے دار التکلیف کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تمہیں احکام شرعیہ کا مکلف کیا جائے گا' جو ان پر عمل کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلی آیت سے مقصود ہے جنت سے آسمان دنیا کی طرف اترنا اور دوسری آیت سے مقصود ہے آسمان دنیا سے زمین کی طرف اترنا لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری آیت میں ''منھا'' کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے' لہٰذا اس آیت میں بھی جنت سے زمین کی طرف اترنا مراد ہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ معصیت نعمت کو زائل کر دیتی ہے' کیونکہ حضرت آدم کو ان کی (ظاہری) معصیت کی وجہ سے جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اس وقت تک تغیر نہیں کرتا یعنی ان کو نعمت دے کر واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر تغیر نہ کرلیں یعنی اطاعت اور شکر کے بجائے معصیت اور کفران نعمت کو اختیار نہ کرلیں۔ (تفسیر سمرقندی ج ١ ص ١١٣ 'مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ' ١٤١٣ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی۔ الخ

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کو بھیجے اور کوئی کتاب یا صحیفہ نازل کرے تو جو لوگ ان کی دی ہوئی ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کو اپنے مستقبل (آخرت) کے متعلق کوئی خوف ہوگا نہ وہ اپنے ماضی پر پشیمان اور غمگین ہوں گے' واضح رہے کہ اس آیت میں مطلقاً خوف کی نفی نہیں کی ہے' کیونکہ اللہ کے نیک بندوں کو بہر حال خدا کا خوف ہوگا اور جو شخص جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اس کو اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے' یہاں وہ خوف مراد ہے جو باعث ضرر ہو کیونکہ عربی قواعد کے مطابق ''علی'' ضرر کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف نفع کا باعث ہے۔

پھر اس آیت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس دوزخ میں رہیں گے O

عصمت آدم پر حشویہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

فرقہ حشویہ نے حضرت آدم کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے' ان کے دلائل اور جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوع کے قریب جانے سے منع کیا تھا' انہوں نے اس درخت سے کھایا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا یا وہ کھاتے وقت اس نہی کو بھول گئے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے خود کہا: ہم نے ظلم کیا' اور ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تواضعاً وانکساراً ایسا کہا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم نے معصیت کی اور وہ بے راہ ہوئے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ظاہری اور صوری معصیت ہے' حقیقت میں معصیت نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم بھول گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

(۴) حضرت آدم کو توبہ کی تلقین کی گئی اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہ پر نادم ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اپنی اس غفلت پر نادم تھے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو بھول گئے اور اسی غفلت پر روتے رہے اور توبہ کرتے رہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کی توبہ ہوتی ہے' اور گناہ پر نادم ہونا عام انسانوں کی توبہ ہے۔

(۵) اگر آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو اس درخت سے کھاتے ہی ان کا لباس کیوں اتر گیا اور انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر زمین پر کیوں بھیجا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی غفلت پر عتاب تھا اور غفلت گناہ نہیں ہے اور عتاب سزا نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سبب پر مسبب کا ترتب ہو' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کھانے کو لباس کے اترنے اور زمین پر جانے کا سبب بنایا ہو جیسے کوئی بھولے سے زہر کھالے تو وہ پھر بھی مر جائے گا کیونکہ زہر کھانا موت کا سبب ہے۔

(۶) جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس درخت کے پھل کھانے سے وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے اور اس کے بعد انہوں نے اس درخت سے کھایا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بھولے سے کھالیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے اس وسوسہ کے فوراً بعد انہوں نے پھل نہیں کھایا لیکن اس کے کہنے سے ان کی طبیعت میں اس پھل کی طرف میلان پیدا ہو گیا' اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس پھل کے کھانے سے روکتے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو' پھر ایک بار وہ اس حکم کو بھول گئے اور غلبہ میلان کی وجہ سے اس کو کھالیا یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس نہی کو تنزیہ پر محمول کیا یا اس نہی کو اس معین درخت سے متعلق سمجھا اور اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیا۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیت میں خلیفہ اعظم ہونا

عالم اجسام اور ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام ہی پہلے انسان اور اللہ کے خلیفہ ہیں لیکن حقیقت میں اول خلق اور اللہ کے خلیفہ اعظم سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے' یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام محمد بن سعد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ نبی کب بنے تھے؟ لوگوں

نے کہا: چپ کرو، چپ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۱۴ ص ۲۹۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام ابن جوزی روایت کرتے ہیں:

حضرت میسرۃ الفجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنے تھے؟ فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (الوفاء ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے تھے؟ فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۶۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام احمد نے عبداللہ بن شقیق کی روایت کو ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے اور اس حدیث کو حضرت میسرہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۹، ۵۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی حضرت میسرۃ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی حضرت میسرۃ الفجر کی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۶ ص ۴۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام رازی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں وہی خلیفہ اور پہلے امام ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو آدم پیدا کیے جاتے اور نہ کوئی اور چیز پیدا کی جاتی۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سادات صوفیہ کا مسلک ہے کہ فرشتوں میں سے عالین کو سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا اور ان آیات میں جن فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور جن کو سجدہ کا حکم دیا اور جنہوں نے سجدہ کیا وہ سب عالین کے ماسوا تھے' کیونکہ جو فرشتے عالین ہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا' اور اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ (ص: ۷۵) — تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے تھا؟ ○

اور عالین میں سے ہی ایک فرشتہ ہے جس کا نام روح' قلم اعلیٰ اور عقل اول رکھا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور صرف اس فرشتے میں ہوتا ہے' اور باقی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صرف صفات کا ظہور ہوتا ہے اور وہ فرشتہ دنیاوی اور اخروی عالم کا قطب ہے اور جنت اور دوزخ والوں کا قطب ہے اور کثیب اور اعراف والوں کا قطب ہے اور تمام مخلوقات کا مدار اس فرشتہ پر ہے' اس فرشتہ کو حضرت آدم کی تخلیق اور ان کے مرتبہ کا علم تھا کیونکہ اسی نے لوح میں ماکان و مایکون کو لکھا تھا اور قلم نے جو کچھ لکھا اس کا لوح کو علم ہے اور اس فرشتہ کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حقیقت محمدیہ میں ظہور ہوا جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ — اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح کی وحی ہے۔ (الشوریٰ: ۵۲)

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں افضل علی الاطلاق ہیں بلکہ وہی ساتوں آسمانوں میں حقیقت میں خلیفہ ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اسی سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما من نبی یومئذ ادم فمن سواہ الا تحت لوائی. (جامع ترمذی ص ۵۲۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) — آدم ہوں یا ان کے ماسوا حشر کے دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔

جس دن اللہ کے حضور کسی نبی کو شفاعت کا حوصلہ نہیں ہوگا اور صرف آپ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے' آپ ہی کوثر کے ساقی ہوں گے اور آپ ہی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے اور ساری خلقت کا آپ ہی کی طرف رجوع ہوگا اس دن آپ کے خلیفۃ اللہ الاعظم ہونے کا ظہور تام ہوگا۔

بشر اور فرشتے کے درمیان افضلیت کا بیان

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' قرآن اور حدیث سے ان کا وجود ثابت ہے' "صحیح مسلم" میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ (ج ۲ ص ۴۱۳) تاہم ہمیں ان کی حقیقت کا علم نہیں ہے' وہ معصوم ہیں' ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے' اس میں اختلاف ہے کہ بشر افضل ہے یا فرشتہ' بعض علماء نے کہا: فرشتے افضل ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ابلیس نے حضرت آدم سے کہا: تم اس شجر سے کھالو تو فرشتہ ہو جاؤ گے' اور زلیخا کی مہمان عورتوں نے جب حضرت یوسف کو دیکھا تو بے ساختہ کہا: یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے' اور بعض علماء نے کہا کہ نوع بشر نوع ملائکہ سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کے ایک فرد کو تمام فرشتوں سے سجدہ کرایا' فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کا اس اطاعت میں کوئی مزاحم نہیں ہے اور بشر کے اندر اللہ تعالیٰ نے بھوک' پیاس' شہوت اور غضب کو رکھا ہے اور وہ ان کی مزاحمت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے' بعض علماء نے کہا: فرشتوں کو نور سے بنایا ہے اور بشر کو مٹی سے بنایا ہے اور نور مٹی سے افضل ہے اس لیے فرشتے جوہر ذات کے اعتبار سے بشر سے افضل ہیں لیکن اس پر کون سی شرعی دلیل ہے کہ نور مٹی سے افضل ہے؟ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مٹی نور سے افضل ہے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کا مبداء خلقت ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ خواص بشر (حضرات انبیاء علیہم السلام) خواص ملائکہ اور عام ملائکہ سے افضل ہیں اور خواص ملائکہ (رسل ملائکہ) عوام بشر سے افضل

ہیں اور عوام بشر (نیک مسلمان اس میں کفار اور فساق داخل نہیں ہیں) عوام ملائکہ سے افضل ہیں بہر حال تفضیل کا یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس میں کسی جانب قطعیت نہیں ہے اس لیے بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

قصہ آدم و ابلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض علوم اور حکمتوں پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا حتی کہ فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت آدم کو خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے مٹی جس کو عام لوگ حقیر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے انسان بنایا اور اس کو علوم و معارف سے نوازا اور اس کو اتنی عزت دی کہ سارے فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا۔

(۳) انسان اتنی عزت و کرامت کے باوجود ضعیف البنیان ہے وہ بھول گیا اور شجر ممنوع سے کھالیا۔

(۴) اپنی تقصیر پر نادم ہونا اور اللہ سے توبہ کرنا بلند درجات کے حصول کی دلیل ہے اپنا قصور ماننا آدم کا طریقہ ہے اور نہ ماننا اور اکڑنا ابلیس کا طریقہ ہے۔

(۵) معصیت سے نعمت زائل ہو جاتی ہے اور شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۶) جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ جانب علو میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ۔

(۷) انسان خلوص دل سے تائب ہو تو اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔

(۸) حضرت آدم نے بھول سے شجر ممنوع سے کھایا اس کے باوجود تواضعاً توبہ کی اور کہا: ہم نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج خلافت رکھا' شیطان نے عمداً نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ سے کہا: اے رب! تو نے مجھے گمراہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔

(۹) ابلیس آدم اور اولاد آدم کا دشمن ہے اور ان کو زک دینے کی تاک میں لگا رہتا ہے۔

(۱۰) حضرت حوا کے توبہ کرنے کا الگ سے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ عورتوں کے احکام مردوں کے احکام کے تابع ہوتے ہیں۔

(۱۱) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ نجات یافتہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کفر اور نافرمانی کرے گا وہ عذاب میں ہلاک ہوگا۔

(۱۲) ہدایت ربانی بھیجنے کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی' اور تم میرا عہد

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ

پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا' اور تم مجھ سے ہی ڈرو ○ اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے نازل

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ

کیا ہے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے' اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور تھوڑی قیمت کے بدلے

ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۡ وَّاِيَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ

میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈروO اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور

تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ O اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو O کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو'

اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَاسۡتَعِيۡنُوۡا

حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو' کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟O اور صبر اور

بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيۡنَ

نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے سوا ان لوگوں کے جو (اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیں O جو یہ

يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ ع

یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O

الربع ۵ ع ۵

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید رسالت اور حشر ونشر پر دلائل قائم فرمائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عام نعمتوں کو ذکر فرمایا جن سے ہر انسان مستفید ہوا' اور ان نعمتوں کا وجود اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا کوئی موجد ہے جو حکیم اور حمید ہے اور وحدہ لاشریک ہے' ان نعمتوں کا سابقہ آسمانی کتابوں میں ذکر تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ذکر کو نازل فرمایا اور سب کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا' اور نہ کسی عالم کی صحبت اختیار کی اور پھر آپ نے وہ مضامین اور گزشتہ امتوں کی خبریں اور واقعات بیان کیے جو آسمانی کتابوں میں موجود ہیں اور غیب کی خبریں دیں اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آپ کا خود ساختہ کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے آپ کے قلب پر نازل فرمایا ہے' نیز اس بیان میں حشر ونشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جب وہ ان سب کو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے تو فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور اہل کتاب کو خطاب کیا اور ان سے فرمایا کہ وہ ان نعمتوں کو یاد کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور دلائل کے مطابق حق کی پیروی کریں اور ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور ان کے احکام پر عمل کریں اور آخرت کو نہ بھولیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ (البقرہ: ۴۰)

بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ

اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اللہ کا برگزیدہ بندہ' یا عبداللہ یا امیر اور مجاہد اور یہ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا لقب ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کرسکو گے۔

عام نعمتوں کے علاوہ جو نعمتیں بالخصوص اولاد اسرائیل کو عطا فرمائیں وہ یہ ہیں کہ ان کو آل فرعون سے نجات دی' ان میں سے انبیاء بنائے' ان پر من وسلویٰ نازل کیا' ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے رواں کردیئے اور ان کو تورات کا امین بنایا جس میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان ہے اور آپ کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے۔ ہر چند کہ یہ نعمتیں اس زمانہ کے یہود کے آباء و اجداد کو عطا کی گئی تھیں لیکن آباء و اجداد کو دی گئی نعمتیں ان کی اولاد کے حق میں بھی نعمتیں ہوتی ہیں کیونکہ ان نعمتوں سے ان کو عظمت اور فضیلت حاصل ہوتی ہے اور خصوصاً یہ نعمتیں ان کی بقاء کا سبب ہیں' اگر فرعون بنو اسرائیل کی نسل کشی جاری رکھتا یا فرعون کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھی سمندر میں غرق کردیا جاتا تو آج دنیا میں یہودیوں کا وجود نہ ہوتا اور وہ کب کے صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلائی ہیں کہ وہ غور و فکر کریں اور جب کوئی شخص کسی کی بہ کثرت نعمتوں کو یاد کرتا ہے تو اس کو اس کی مخالفت سے حیا آتی ہے' سو یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے باز آنا چاہیے' اور تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن صفات کا ذکر ہے ان کو چھپانا نہیں چاہیے اور تورات کی وساطت سے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے اور وہ عہد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے' اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ وہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو اللہ بھی ان سے کیا ہوا عہد پورا کرے گا' اور ان کو جنت میں داخل کردے گا۔

بنو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان

اور یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم اور اس کا فضل ہے کہ اس نے برابر کا معاملہ کرنے کا فرمایا کہ تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا' ورنہ کہاں بندہ کہاں خدا' بندہ اس کا حکم بجالائے تو اس کا کام ہی بندگی کرنا ہے اور اس اطاعت پر جو اس نے جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا وہ محض اس کا کرم اور فضل ہے کسی کا اس پر کوئی استحقاق نہیں ہے۔

یہودیوں کا اللہ سے عہد اور اللہ کا ان سے عہد یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا عہد پورا کریں تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت اور مشکل احکام کا بوجھ اتارنے کا عہد پورا کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور عام لوگوں سے عہد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو دنیا میں ان کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور آخرت میں وہ دائمی عذاب سے محفوظ رہیں گے' اور جو فرائض اور واجبات کو ادا کریں گے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت سے نوازے گا اور جو صراط مستقیم پر ثابت قدم رہیں گے وہ ابتداءً جنت میں چلے جائیں گے اور جو بحر توحید میں اس طرح مستغرق رہیں گے کہ وہ اپنی ذات سے بھی غافل ہوجائیں انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار' اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوگی اور اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس عہد کے معاملہ میں خاص مجھ سے ڈرنا کیونکہ عہد شکنی کی صورت میں اللہ کے قہر

اور غضب کا سامنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے' جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ (البقرہ: ۴۱)

قرآن مجید کس چیز میں تورات کا مصدق ہے؟ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل ــــ اور حضور کی رسالت کا عموم

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تورات میں یہودیوں نے جو تحریف کر دی ہے قرآن مجید ان تحریفات کا بھی مصدق ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اس کا مصدق ہے کہ تورات بھی ایک آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور تورات میں انبیاء سابقین کے صحیح واقعات' علماء یہود سے لیے ہوئے عہود' اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کا حکم' لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا ارشاد' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے حیائی کے کاموں سے ممانعت' ان امور میں قرآن مجید تورات کا مصدق ہے اور چونکہ ہر نبی کی شریعت الگ ہوتی ہے اور اس نبی کے زمانہ اور اس کے تقاضوں کے اعتبار سے احکام وضع کیے جاتے ہیں' اس لیے قرآن مجید بعض جزوی احکام شرعیہ میں تورات کا مخالف ہے' لیکن یہ مخالفت اصول دین میں نہیں ہے بلکہ فروعی احکام میں اس زمانہ کی خصوصیات کے لحاظ سے ہے مثلاً وضو' نماز' روزہ اور حلال اور حرام چیزوں کی تعداد اور کیفیات میں اختلاف ہے اور اگر قرآن اس زمانہ میں نازل ہوتا تو اس میں وہی تورات کے احکام ہوتے اور اگر تورات اب نازل ہوتی تو اس میں وہی قرآن مجید کے احکام ہوتے' اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کوئی مسئلہ معلوم نہ کرو' کیونکہ وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے' وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں (ان سے سوال کر کے) یا تو تم کسی باطل کی تصدیق کرو گے' یا حق کی تکذیب کرو گے۔ بے شک اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کچھ جائز نہ ہوتا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۴۲۷۔ ۴۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو بعض اہل کتاب سے ایک کتاب ملی' وہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا' آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم اس میں متحیر ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف صاف دین لایا ہوں' تم ان سے جب بھی کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے یہ تم کو سچی خبر دیں گے تو تم اس کی تکذیب کرو گے اور جھوٹی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کرو گے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ تمہارے اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس حدیث کو امام احمد' امام ابو یعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجالد بن سعید ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام احمد اور امام ابویعلیٰ کی روایت کا متن وہ ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے ان کے حوالوں سے نقل کیا ہے اور دوسری روایت کا متن غالباً ''مسند بزار'' میں ہے' ابھی تک ''مسند بزار'' مکمل نہیں چھپی' ہمارے پاس اس کی ابتدائی تین جلدیں ہیں' ان میں یہ روایت نہیں ہے۔

اس حدیث کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں واجب العمل ہے حتیٰ کہ اگر متاخر نبی متقدم کے زمانہ میں مبعوث ہوتا یا متقدم نبی متاخر کے زمانہ میں مبعوث ہوتا تو اس کی بعینہٖ وہی شریعت ہوتی' علامہ بیضاوی کی تفسیر اسی تقریر کے مطابق ہے' اور اس حدیث کی دوسری تقریر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شامل ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے' اس لیے انبیاء سابقین میں سے جو نبی بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتا تو اس کے لیے آپ کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور آپ کی رسالت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی شریعت کے بغیر کوئی عمل جائز نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے اکمل ہے اور آپ کی رسالت کے عموم پر یہ آیت دلیل ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران: ۸۱)

اور (یاد کیجئے) جب اللہ نے (سب) نبیوں سے یہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس عظیم رسول آجائیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس (کتاب اور حکمت) ہے تو ضرور ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا' فرمایا: پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ۝

اگر یہ تمام نبی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو ان سب پر لازم تھا کہ یہ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے' سو یہ تمام نبی حکماً اور تقدیراً آپ کی امت ہیں اور ہم تحقیقاً آپ کی امت ہیں اور آپ کی رسالت سب کو عام ہے' یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون.

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

مجھے تمام مخلوق کا رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔ (البقرہ: ۴۱)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہودیوں سے پہلے تو مشرکین قرآن مجید کا انکار کر چکے تھے تو یہود کس طرح اس کے سب سے پہلے منکر ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تعریض ہے کہ چونکہ یہ کتاب تمہاری کتاب کی مصدق ہے تو تم کو سب سے پہلے اس پر ایمان لانا چاہیے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تھوڑی قیمت کے بدلہ میں میری آیتوں کو فروخت نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو ۝ (البقرہ: ۴۱)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق

''شراء'' کا لفظ لغت اضداد سے ہے اور یہ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں معنوں میں آتا ہے اور یہاں اس سے مراد ''استبدال'' ہے کیونکہ یہودی علماء دنیاوی فوائد کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہیں لاتے تھے اور انہوں نے دنیاوی فوائد کے

بدلہ میں قرآن پر ایمان نہ لانے کو اختیار کر لیا تھا اور ان کے یہ دنیاوی فوائد اگرچہ ان کے نزدیک بہت زیادہ تھے لیکن قرآن مجید پر ایمان لانے سے ان کو جو اخروی فوائد حاصل ہوتے ان کے مقابلہ میں یہ بہت قلیل اور حقیر تھے' یہ علماء اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کی قوم ان کو تحفے اور ہدیے پیش کرتی تھی اور ان کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تو ان کو وہ نذرانے نہیں ملیں گے' اس لیے انہوں نے ان ہدیوں اور نذرانوں کو آخرت پر ترجیح دی' ایک قول یہ ہے کہ وہ رشوت لے کر حق چھپاتے تھے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو جو اپنی کتاب اور آیات کا علم دیا ہے تم اس علم کو دنیا کے قلیل مال کے عوض فروخت نہ کرو کیونکہ وہ لوگوں سے تورات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ذکر کو چھپاتے تھے حالانکہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ وہ نبی امی ہیں جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے اور وہ اپنے پیروکاروں پر اپنی ریاست اور ان سے نذرانے لینے کے لالچ میں اس کو چھپاتے تھے حالانکہ اس کے عوض میں ان کو ساری دنیا بھی مل جاتی تو وہ قلیل تھی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے' لیکن واضح رہے کہ اس آیت میں اجرت لینے سے منع نہیں کیا بلکہ دنیاوی متاع کے بدلہ میں اللہ کی آیات کو چھپانے سے منع کیا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری'' میں ہے کہ جس چیز پر تمہیں سب سے زیادہ اجرت لینے کا حق ہے وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس حدیث میں قرآن مجید پر اجرت لینے کی صاف تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے' اور اس آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب بنو اسرائیل ہیں اور یہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے اور یہ ہم پر حجت نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳۶۔ ۳۳۵ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

جب خصوصیت مورد اور عام الفاظ میں تعارض ہو تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات قرائن کی وجہ سے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جاتا ہے اور یہاں دلیل کی وجہ سے خصوصیت مورد متعین ہے' علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعت ہے۔

ہمارے نزدیک تعلیم قرآن' حج' امامت' اذان اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں اجر کی سب سے زیادہ حقدار اللہ کی کتاب ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۴' ج ۲ ص ۸۵۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۵ھ)

یہ حدیث تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے باب میں نص صریح ہے' بعض علماء نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث میں دم کرنے پر اجرت لینے کا جواز ہے' اس سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز لازم نہیں آتا' لیکن یہ تاویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں الفاظ عام ہیں اور خصوصیت مورد کے مقابلہ میں عموم الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے' اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ سب سند اً ضعیف ہیں جو اس حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۴۵۴۔ ۴۵۳ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' ۱۴۰۱ھ)

اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچ وقت کی نمازیں اور جمعہ پڑھاتے تھے' وعظ و نصیحت کرتے تھے'

مقدمات کے فیصلے کرتے تھے' مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہتے تھے اور جہاد کا انتظام کرتے اور ان تمام خدمات کے عوض ان کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا' اور اخبار امت کا یہ تعامل اس مسئلہ پر واضح دلیل ہے کہ تعلیم قرآن' امامت' خطابت اور دیگر عبادات پر اجرت لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ خلفاء راشدین کی سنت ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کسب (تجارت) میرے اہل وعیال کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں تھا اور اب میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہوں' اب ابوبکر کے اہل وعیال بیت المال کے مال سے کھائیں گے اور ابوبکر مسلمانوں کے لیے کسب کرے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن سعد نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو وہ اپنے معمول کے مطابق سر پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھ کر بازار میں تجارت کے لیے چلے گئے' راستہ میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں' حالانکہ آپ مسلمانوں کے ولی مقرر ہو چکے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اگر میں تجارت نہ کروں تو پھر اپنے عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں' پھر انہوں نے ہر روز کے لیے نصف بکری مقرر کر دی۔

میمون سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو مسلمانوں نے آپ کا دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا' حضرت ابوبکر نے فرمایا: میرے اہل وعیال کا خرچ زیادہ ہے' مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت ہے' پھر مسلمانوں نے پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۸۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری'' کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی عامل کے اوپر کوئی اور عامل نہ ہو تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے اور ہر وہ شخص جس کو مسلمانوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے' کیونکہ اس کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے رقم کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کو کوئی وظیفہ نہیں دیا جائے گا تو وہ بلاعوض مسلمانوں کے کسی کام پر تیار نہیں ہوگا اور اس سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات اور مصالح ضائع ہو جائیں گے' اسی بناء پر ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ قاضی کو وظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قاضی شریح رضی اللہ عنہ قضاء کا وظیفہ لیا کرتے تھے' امام بخاری نے رزق الحکام کے باب میں اس کا ذکر کیا ہے' پھر اگر قاضی ضرورت مند ہو تو بیت المال سے اس کی کفالت واجب ہے اور اگر اس کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ وظیفہ سے مستغنی ہو تو پھر اس کا بیت المال سے وظیفہ نہ لینا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پھر بھی اس کا وظیفہ لینا زیادہ صحیح ہے تاکہ وہ قضاء کے معاملہ اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں سستی نہ کرے' کیونکہ جب وہ اپنے کام کا کوئی وظیفہ نہیں لے گا تو قضاء کی ذمہ داریوں کو توجہ اور باقاعدگی سے پورا نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ عینی نے قاضی کو وظیفہ دینے کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ تمام وجوہات تعلیم قرآن' امامت اور اذان وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامہ آلوسی حنفی ''ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس آیت سے قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم کی اجرت کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے اور اس مسئلہ میں بعض احادیث بھی مروی ہیں جو صحیح نہیں ہیں حالانکہ حدیث میں یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم تعلیم قرآن پر اجرت لیں؟ آپ نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے' اور اس کے جواز کے سلسلہ میں علماء کے بکثرت اقوال منقول ہیں اگرچہ بعض علماء نے اس کو مکروہ بھی کہا ہے' اور اس آیت میں اس کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۶۵۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر یہ کہا جائے کہ عالم دین پر دینی علوم کی تعلیم دینا اور فرائض کی جماعت کرانا فرض ہے اور فرض کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (اس کے وعدہ کی بناء پر جو اس نے محض اپنے فضل سے کیا ہے) بندوں کے ذمہ نہیں ہے' تو میں کہوں گا کہ یہ صحیح اور برحق ہے لیکن عالم دین پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ مثلاً جامعہ نعیمیہ میں جا کر تعلیم دے اور وہاں نماز پڑھائے' اور اس پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ آٹھ سے بارہ بجے تک چار گھنٹے پڑھائے' اسی طرح اس پر مثلاً ظہر کی نماز پڑھانا ضروری ہے' یہ کب ضروری ہے کہ وہ ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز پڑھائے' نیز یہ کب ضروری ہے کہ مدرسہ کے معین کردہ نصاب کے عین مطابق پڑھائے' پھر اس پر یہ کب ضروری ہے کہ وہ فلاں فلاں طالب علم کو پڑھائے اور فلاں فلاں لوگوں کو نماز پڑھائے؟

اس لیے جب کوئی ادارہ کسی عالم دین کو مخصوص مدرسہ کے مخصوص نصاب کے مطابق مخصوص طلبہ کو تعلیم دینے کا پابند کرے گا یا مخصوص مسجد کے مخصوص اوقات میں مخصوص لوگوں کو نماز پڑھانے یا اذان دینے کا پابند کرے گا تو وہ معاوضہ ان خصوصیات اور تقییدات کے مقابلہ میں ہوگا' نفس عبادات کا معاوضہ نہیں ہوگا اور نہ کسی عالم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ ان عبادات کا معاوضہ لے رہا ہے' عالم کو جس جگہ جس وقت اور جن لوگوں کا پابند کیا جاتا ہے' وہ اسی جگہ' اس وقت اور ان لوگوں کی پابندی کرنے کا معاوضہ لیتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دینی فرائض کو ادا کرنے میں عالم دین جو وقت صرف کرتا ہے' وہ معاوضہ اس وقت کا ہوتا ہے ان عبادات کا معاوضہ نہیں ہوتا' یا ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں اس کی جو توانائی خرچ ہوتی ہے یہ معاوضہ اس توانائی کا ہے ان عبادات کا معاوضہ نہیں ہے یا جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کرتا تو وہ میری ضروریات کا کفیل ہوتا' اب مسلمانوں کے ان امور کی انجام دہی کی وجہ سے وہ اس کار معاش کو اختیار نہیں کر سکا' لہٰذا اس کے بدلہ میں اس کی ضروریات کا خرچ قوم یا کسی قومی ادارہ پر واجب ہوگا۔

امام مالک اور امام شافعی نے اور ایک قول میں امام احمد نے عبادات پر معاوضہ لینے کو جائز کہا ہے۔

ہر چند کہ متقدمین فقہاء احناف نے اسلامی فرائض کی بجا آوری پر اجرت لینے سے منع کیا تھا' لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت علماء کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کیے جاتے تھے لیکن اب جبکہ امراء اور سلاطین نے علماء کی کفالت ترک کر دی ہے تو اب علماء کا اپنے فرائض منصبی پر اجرت لینا جائز ہے اور متاخرین فقہاء احناف نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے' علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام خیر اخزی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام' مؤذن اور معلم کا اجرت لینا جائز ہے' اسی طرح ''روضہ'' اور ''ذخیرہ'' میں ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵ 'مطبوعہ ملک سنز' فیصل آباد)

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اجرت دینے کو مستحسن قرار دیا ہے' کیونکہ امور دینیہ میں لوگوں پر سستی غالب ہوگئی ہے' اور اجرت نہ دینے میں حفظ قرآن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے' فتویٰ اسی قول پر ہے۔

(ہدایہ آخرین ص ۳۰۳' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ بابرتی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں تعلیم قرآن پر اجرت دینا جائز ہے اور فقہاء نے اس کے لیے مدت اور اجرت کے مقرر کرنے کو بھی جائز کہا ہے اور اگر مدت مقرر نہ کی گئی ہو تو اجرت مثلی دینے کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ متقدمین نے تعلیم قرآن مجید کی اجرت لینے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ پہلے معلمین کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر تھے' اس لیے معلمین اپنی ضروریات اور معاش میں مستغنی تھے' نیز اس زمانہ میں محض ثواب کے لیے قرآن مجید کی تعلیم دینے کا بھی رجحان تھا اور اب یہ بات باقی نہیں رہی' امام ابوعبداللہ الخیر اخزی نے کہا کہ اس زمانہ میں امام' مؤذن اور معلم کے لیے بھی اجرت لینا جائز ہے۔ (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۰' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

علامہ علاؤالدین الحصکفی لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں اجرت پر قرآن مجید کی تعلیم دینے' فقہ پڑھانے' امامت کرنے اور اذان دینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے' اور اجرت پر تعلیم دلوانے والے کو مقررہ اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر پہلے اجرت طے نہ کی گئی ہو تو اس کو اجرت مثلی دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (درمختار علی ہامش ردالمختار ج ۵ ص ۳۴' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول)

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

علامہ ابن الشحنہ نے کہا ہے کہ فقہاء مدارس سے جو وظیفہ لیتے ہیں وہ اجرت نہیں ہے کیونکہ اس میں اجارہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں' اور نہ یہ صدقہ ہے کیونکہ غنی بھی یہ وظیفہ لیتے ہیں' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء درس کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں' اس لیے یہ ان کی اعانت ہے' حتیٰ کہ اگر وہ کسی کام یا مشغولیت کی وجہ سے درس میں نہ آسکیں' پھر بھی ان کا وظیفہ لینا جائز ہے۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۹' مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

اب ایک نقطہ بحث طلب رہ گیا ہے کہ اگر علماء ان عبادات پر اجرت لیں تو کیا ان کو آخرت میں اجر ملے گا یا نہیں' میرا یہ گمان ہے کہ اگر علماء اس معاوضہ کو اپنی عبادات کا معاوضہ سمجھ کر لیتے ہیں تو پھر وہ اجر اخروی کے مستحق نہیں ہیں اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبادات تو محض للہ فی اللہ ہیں' وہ محض پابندی اوقات کا معاوضہ لیتے ہیں تو پھر ان کو اجر اخروی کی امید رکھنی چاہیے۔

اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث اور جانبین کے دلائل پر تبصرہ ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' کی ساتویں جلد میں کیا ہے۔

قرآن خوانی کے نذرانوں کے جواز کا بیان

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے جو قرآن خوانی کی جاتی ہے اس میں پڑھنے والے چونکہ پیسوں کے عوض قرآن مجید پڑھتے ہیں اس لیے ان کو اس پڑھنے کا اجر نہیں ملتا' اور جب ان کو خود اجر نہیں ملتا تو یہ میت کو کس چیز کا اجر پہنچائیں گے' اور تعلیم قرآن کی اجرت کے لیے جو تاویلات کی جاتی ہیں کہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہیں اور قرآن خوانی میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ممانعت بعض احادیث کی وجہ سے بیان کی جاتی ہے' ''شرح صحیح مسلم'' جلد سابع کے آخر میں میں نے تفصیل کے ساتھ ان احادیث کا ضعف اور محمل بیان کیا ہے اور جواز کے لیے ''صحیح بخاری'' کی وہ حدیث کافی ہے جس میں یہ

ذکر ہے کہ صحابہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ فرمایا کہ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۳۰۴)

ثانیاً ہمارے عرف میں قرآن خوانی سے پہلے اجرت طے نہیں کی جاتی' پڑھنے والے بغیر کسی مطالبہ کے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور پڑھوانے والے حسب توفیق کچھ خدمت کر دیتے ہیں اور اگر وہ کچھ نہ دیں تو کوئی ان سے مطالبہ نہیں کرتا اور یہ کہنا کہ پڑھنے والے پیسوں کی نیت سے پڑھتے ہیں' بلاوجہ دوسروں کے حق میں بدگمانی کرنا ہے' نیت کا حال اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں' تاہم اگر یہ اصرار کیا جائے کہ نہیں وہ پیسوں ہی کی وجہ سے پڑھتے ہیں تو جن تاویلات کی وجہ سے تعلیم قرآن' امامت' اذان' خطابت اور تدریس کا معاوضہ جائز ہے وہی تاویلات یہاں بھی جاری ہو جائیں گی اور ضرورت کا فرق اس وقت مفید ہوتا جب احادیث صحیحہ سے اس کی ممانعت ہوتی' اس کے برعکس بخاری کی حدیث صحیح سے اس کا جواز ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ O (البقرہ: ۴۲)

یہود کی تلبیس اور کتمان حق کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''لبس'' کا معنی ہے: اختلاط' یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ' ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں اور یہ حق تھا اور وہ اس حق کے ساتھ اپنی اس باطل تاویل کو ملاتے تھے کہ آپ ان کی طرف مبعوث نہیں ہیں بلکہ ان کے غیر کی طرف مبعوث ہیں' اور یہ باطل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حق سے مراد تورات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور باطل سے مراد وہ تحریفات ہیں جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ص ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے حق کو چھپانے کی تفسیر میں فرمایا: یہود حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپاتے تھے' حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ص ۳۴۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عالم پر حق کا اظہار کرنا واجب ہے اور حق کو چھپانا حرام ہے' سورہ بقرہ: ۱۵۹ میں حق کو چھپانے پر لعنت کی گئی ہے۔ امام ابوداؤد' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ص ۱۵۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (البقرہ: ۴۳)

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان

سورہ بقرہ: ۳ میں نماز کا معنی' نماز قائم کرنے کی تفسیر اور نماز کی تاکید اور اس کے فوائد کے متعلق تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے' زکوٰۃ کا لغت میں معنی ہے: کسی چیز کا بڑھنا اور پاکیزہ ہونا' اور اس کا شرعی معنی یہ ہے:

نصاب کے مطابق جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو اس مال میں سے چالیسویں حصہ کا کسی غیر ہاشمی فقیر کو اللہ کی رضا کے

لیے مالک بنا دینا۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۳۔ ۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

زکوٰۃ مسلمان عاقل بالغ اور آزاد شخص پر فرض ہوتی ہے اور اس کی فرضیت کا سبب ایسا مال ہے جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو اور اس مال پر کسی مخلوق کا قرض نہ ہو اگر اس مال پر اللہ کا حق ہو مثلاً اس کے ذمہ پچھلی زکوٰۃ ہو نذر یا کفارہ کی ادائیگی ہو یا حج ہو تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہے البتہ وہ مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد ہو حاجات اصلیہ میں اس کے اور اس کے بیوی اور بچوں یا اس کے بوڑھے ماں باپ کے کھانے پینے علاج کپڑوں اور رہائش کے اخراجات شامل ہیں اور اسی طرح جو اس نے کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے ان چیزوں کے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو رقم اس کے پاس بچے اور نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی ہے جو ساڑھے باون تولے یا ۶۱۲٫۳۶ گرام کے برابر ہے اور سونے کا نصاب چالیس دینار یا بیس مثقال ہوتا ہے جو ساڑھے سات تولے یا ۸۷٫۴۸ گرام کے برابر ہے۔ کرنسی نوٹوں اور مال تجارت کو چاندی کے نصاب کے تابع کیا جائے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو○ (البقرہ: ۴۳)

باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد

اس کا معنی ہے: نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو رکوع نماز کا ایک جز ہے اور یہاں جز کا کل پر اطلاق کیا گیا ہے اور خصوصیت سے رکوع کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں ہے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اس کا مطلب ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہودی الگ الگ نماز پڑھتے تھے تو ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا تا کہ ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے فوائد حاصل ہوں۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) تنہا نماز پڑھنے کی بہ نسبت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(۲) ہو سکتا ہے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہ ہو اور جماعت میں کوئی ایسا مقبول بارگاہ ہو جس کی وجہ سے سب کی نماز قبول ہو جائے۔

(۳) بعض لوگ قراءت صحیح نہیں کرتے یا طمانیت اور اعتدال سے رکوع اور سجود نہیں کرتے' تنہا نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز ناقص یا باطل ہو گی اور جماعت کے ساتھ نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔

(۴) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کسی شخص پر بے نمازی ہونے کی تہمت نہیں لگائی جائے گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون شخص اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون شخص نافرمان ہے۔

(۵) اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں تقویت ملے گی' وہ ایک دوسرے کے دکھ درد' صحت اور بیماری' خوشی اور غمی اور خوشحالی اور افلاس پر مطلع ہو سکیں گے اور ایک دوسرے کے کام آنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

جماعت کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء

جو علماء جماعت کے وجوب کے قائل ہیں وہ اس آیت میں امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور جو وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ اس امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

داؤد ظاہری' عطاء' ابوثور' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض عین ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے' ''غایت'' میں مذکور ہے کہ ہمارے عامہ مشائخ کے نزدیک جماعت واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۰)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی لکھتے ہیں:

مردوں کے حق میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے' زاہدی نے کہا کہ تاکید سے مراد وجوب ہے' مگر جمعہ اور عید میں جماعت شرط ہے' اور تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے' اور رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے اور غیر رمضان اور نوافل میں بہ طور تداعی کے جماعت مکروہ تنزیہی ہے (بہ شرطیکہ دائماً ہو) محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار کرنا مکروہ ہے (اذان اور اقامت کے بغیر ہیئت تبدیل کر کے تکرار جماعت جائز ہے) راستہ کی مسجد میں یا جس مسجد میں کوئی امام معین نہ ہو اور نہ مؤذن ہو وہاں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں ہے۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

جمعہ میں جماعت فرض عین ہے اور باقی فرائض میں جماعت کے بارے میں اختلاف ہے' زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۴۴۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

مردوں پر پانچ وقتوں کی نماز کے لیے جماعت واجب ہے' شیخ تقی الدین وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

(الانصاف ج ۲ ص ۲۱۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۴ھ)

علامہ خرشی مالکی لکھتے ہیں:

فرض نمازوں کے لیے یا قضا نمازوں کے لیے جماعت سنت مؤکدہ ہے اور جمعہ کے سوا کسی نماز میں جماعت واجب نہیں ہے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ۲ ص ۱۷' مطبوعہ دارصادر' بیروت)

رکوع کا معنی نماز میں رکوع کرنا بھی ہے اور خضوع اور خشوع بھی ہے' اس لیے یہ لفظ جماعت کے لیے قطعی الدلالۃ نہیں ہے اور اس سے جماعت کی فرضیت پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ حسب ذیل احادیث سے جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی شخص مسجد میں لے جانے والا نہیں ہے' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی' آپ نے اس کو اجازت دے دی' جب وہ چلا گیا تو آپ نے پھر اس کو بلایا اور فرمایا: تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں' آپ نے فرمایا: تو پھر نماز کے لیے جاؤ۔[1]

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کے نابینا ہونے کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تھی' اس لیے اس حدیث میں امر استحباب پر محمول ہے اور اس کا وجوب منسوخ ہے' یعنی جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے مسجد میں جاؤ ہر چند کہ یہ تم پر واجب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری رائے یہ تھی کہ نماز کی جماعت صرف وہ شخص چھوڑتا ہے جو ایسا منافق ہو جس کا نفاق معلوم ہو یا وہ بہت بیمار ہو' بے شک ایک بیمار آدمی دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چل کر نماز پڑھنے کے لیے جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنن الہدیٰ کی تعلیم دی اور سنن الہدیٰ میں سے یہ ہے کہ جس مسجد میں اذان دی گئی ہو اس میں نماز پڑھی جائے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ کل وہ اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے' اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان دی جائے تو وہ ان کی حفاظت کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے سنن الہدیٰ کو مشروع کیا ہے اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنن الہدیٰ میں سے ہے' اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ فلاں تارک جماعت اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے' اور اس کو فرض عین یا فرض کفایہ کہنا ضعیف قول ہے۔ عورتوں کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے' "شرح صحیح مسلم" کی پانچویں جلد میں اس کی بحث ہے۔ نماز عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سب سے افضل ہے' اس لیے ان دونوں کو ساتھ ذکر کیا ہے' امام رازی نے کہا ہے کہ یہود زکوٰۃ نہیں دیتے تھے اس لیے زکوٰۃ کا ذکر کیا اور وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے تھے اس لیے باجماعت نماز پڑھنے کا ذکر کیا۔

امام شافعی وغیرہ جو اس کے قائل ہیں کہ کفار فروع کے مخاطب ہوتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہود کافر تھے اور ان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یا یہ حکم مسلمانوں کو ہے۔

ہم نے جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے' ہمارے زمانہ میں نوافل کی جماعت' عورتوں کی عورتوں کے لیے امامت اور سمجھ دار نابالغ لڑکے کی تراویح میں امامت کے متعلق کافی بحث کی جاتی ہے اس لیے ہم یہاں اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق.

نوافل کی جماعت کی تحقیق

فقہاء احناف کے نزدیک چار سے کم افراد کی جماعت کرنا مطلقاً جائز ہے اور اگر چار سے زیادہ افراد ہوں اور دوام کے ساتھ نوافل کی جماعت کی جائے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کبھی کبھی نوافل کی جماعت کی جائے تو پھر مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

"مختصر قدوری" میں یہ لکھا ہے کہ نوافل کی جماعت جائز نہیں ہے' اس سے مراد جواز کی نفی نہیں ہے' بلکہ فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے کیونکہ "خلاصۃ الفتاویٰ" میں "قدوری" سے نقل کیا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں ہے اور اس کی تائید "حلیہ" میں مذکور ہے کہ امام طحاوی نے منصور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے وتر نہیں پڑھے' پھر وہ کھڑے ہو گئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف باندھی' حضرت عمر نے ہم کو تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی اور صرف آخر میں سلام پھیرا' پھر صاحب "الحلیہ" نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ نوافل کی جماعت غیر مستحب ہے' اگر یہ جماعت کبھی کبھی ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

وتر کی جماعت کرائی تھی تو یہ مباح غیر مکروہ ہے اور اگر دائماً ہو تو پھر یہ بدعت مکروہ ہے کیونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور "مختصر قدوری" میں جو اس کو ناجائز یعنی مکروہ لکھا ہے وہ دوام پر محمول ہے اور دیگر کتابوں میں جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب نوافل کی جماعت احیاناً (کبھی کبھی) ہو علامہ شامی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: صاحب "الحلیہ" کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "البدائع" میں مذکور ہے کہ تراویح کے سوا نوافل کی جماعت سنت نہیں ہے (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۹۸) کیونکہ سنیت کی نفی کراہت کو مستلزم نہیں ہے ہاں! اگر دائماً نوافل کی جماعت کی جائے تو پھر یہ مکروہ ہے اور علامہ خیر الدین رملی نے "البحر الرائق" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کراہت کی علت دوام ہے اور "نہایہ" میں مذکور ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں کیونکہ وتر کی ہر رکعت میں قراءت واجب ہے اور وتر بغیر اذان اور اقامت کے ادا کیے جاتے ہیں اور نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہیں کیونکہ رمضان کے علاوہ صحابہ نے وتر جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ بخاری لکھتے ہیں:

اگر امام کے سوا تین نمازی ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہی ہے چار کی نسبت کتب حنفیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہہ جس کا حاصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ گناہ و حرام جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۸۵-۴۸۰) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابرین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کیے جائیں گے علماء امت و حکماء ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔ (امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۰۰ مطبوعہ لائلپور)

علامہ نور اللہ بصیر پوری نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی نوافل کی جماعت کرنا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔

(فتاویٰ نوریہ ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

خواتین کی امامت کی تحقیق

جماعت کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ عورتوں کی جماعت ہے امام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا اور ان کا باجماعت نماز پڑھنا جائز ہے امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت مستحب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ غیر مستحب ہے امام مالک کے نزدیک عورتوں کا عورت کی اقتداء میں نماز پڑھنا ناجائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے امام ہونا مکروہ تحریمی ہے ہر چند کہ امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک عورت کا عورتوں کے لیے امام ہونا جائز ہے لیکن انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ عورتوں کا مردوں کے لیے امام ہونا ناجائز ہے اور مردوں کے لیے عورت کی امامت کے باطل ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے عورت کی امامت کے جواز کے سلسلہ میں جو احادیث ہیں پہلے ہم ان کا ذکر کریں گے پھر فقہاء کے مذاہب کو بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق.

خواتین کی امامت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن خلاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ورقہ سے ملنے ان کے گھر جاتے تھے آپ

نے ان کے لیے ایک موذن مقرر کیا تھا جوان کے لیے اذان دیتا تھا اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں۔ عبدالرحمان کہتے ہیں: میں نے ان کے موذن کو دیکھا' وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۸۸۔ ۸۷ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

ولید بن جمیع بیان کرتے ہیں کہ میری دادی نے حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے جاتے تھے اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھا تھا' حضرت ام ورقہ نے قرآن حفظ کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر کے لیے گئے تو حضرت ام ورقہ نے عرض کیا: مجھے بھی اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیں' میں زخمیوں کی دوا دارو کروں گی اور مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی' شاید اللہ تعالیٰ میرے لیے بھی شہادت مقدر کر دے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شہادت مقدر کر دی ہے' اور آپ نے ان کا نام شہیدہ رکھ دیا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں' انہوں نے اپنی ایک باندی اور ایک غلام کو مدبر کر دیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا' وہ دونوں قتل کر کے بھاگ گئے اور پکڑے گئے' اور ان کو پھانسی دی گئی اور یہ پہلے لوگ تھے جن کو مدینہ میں پھانسی دی گئی' اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ چلو ہم شہیدہ کی زیارت کریں۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۰ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام حاکم روایت کرتے ہیں:

حضرت ام ورقہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: چلو شہیدہ کے پاس جائیں اور ہم ان کی زیارت کریں اور آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر والوں کو فرض نمازیں پڑھائیں' مسلم بن ولید بن جمیع نے اس سے استدلال کیا ہے' میں اس مسئلہ میں اس حدیث کے سوا اور کسی حدیث متصل کو نہیں جانتا' اور ہم نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ اذان دیتی تھیں' اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کو نماز پڑھاتی تھیں۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۰۳ 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

رائطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نمازوں میں عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان دیتی تھیں' اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

حجیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورت عورتوں کی امامت کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۳۱ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں امامت کرتی تھیں اور آپ نے

ان کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں۔ (سنن دار قطنی ج ١ ص ٤٠٣ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

رائطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرض نماز میں ہماری امام ہوئیں' اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔ (سنن دار قطنی ج ١ ص ٤٠٤ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حجیرہ بنت حصین بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔ (سنن دار قطنی ج ١ ص ٤٠٤ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

آیا عورت کا عورتوں کو نماز پڑھانا مستحب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے' امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مستحب ہے' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' عطاء' ثوری' اوزاعی' امام شافعی' اسحاق اور ابوثور سے روایت ہے کہ عورت' عورتوں کی امامت کرائے' اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ غیر مستحب ہے' اصحاب رائے (فقہاء احناف) نے اس کو مکروہ کہا ہے' لیکن اگر وہ پڑھیں گی تو نماز ہو جائے گی۔ شعبی' نخعی اور قتادہ نے کہا ہے کہ نوافل میں عورتوں کا امامت کرانا جائز ہے' فرائض میں جائز نہیں ہے' حسن بصری اور سلیمان بن یسار نے کہا ہے کہ عورت فرض میں امامت کرائے نہ نفل میں' امام مالک نے کہا ہے کہ عورت کسی شخص کی کسی نماز میں امامت نہ کرے کیونکہ عورت کا اذان دینا مکروہ ہے اور اذان کی تعریف ہے: جماعت کی دعوت دینا اور جب اس کے لیے جماعت کی دعوت دینا مکروہ ہے تو جماعت کرانا بھی مکروہ ہے' اور ہماری دلیل حضرت ام ورقہ کی حدیث ہے۔ (المغنی ج ٢ ص ١٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٥ھ)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

(الانصاف ج ٢ ص ٢٦٣ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٣٧٢ھ)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اگر عورت مردوں کو نماز پڑھائے تو مردوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے تو جمعہ کی نماز کے سوا یہ تمام نمازوں میں صحیح ہے اور جمعہ کی نماز میں دو قول ہیں' زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ نماز نہیں ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی۔ (شرح المہذب ج ٤ ص ٢٥٥ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کا والی عورت کو بنا دیا' اور امام ابوداؤد نے عبدالرحمان خلاد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ورقہ کی زیارت کے لیے ان کے گھر جاتے تھے' اور آپ نے ان کے لیے ایک موذن مقرر کیا تھا' جو ان کے لیے اذان دیتا تھا' اور آپ نے حضرت ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں' عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں نے ان کے موذن کو دیکھا' وہ ایک بوڑھا شخص تھا'

امام شافعی نے کہا: جو مرد عورت کے پیچھے نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ عورت کی امامت مطلقاً صحیح نہیں ہے مردوں کے لیے نہ عورتوں کے لیے امام مالک نے کہا: عورت کسی صورت میں امام نہ بنے اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۵۶۔ ۳۵۵ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ عبدری مالکی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عورت کی امامت صحیح نہیں ہے اور جو شخص بھی عورت کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ اپنی نماز دہرائے خواہ وقت نکل جائے۔ (التاج والاکلیل ج ۲ ص ۹۲ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں:

تنہا عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ یہ فعل حرام کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے' اور وہ امام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے جیسے برہنہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں اس لیے یہ فعل مکروہ ہے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو جو عورت امام بنے وہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کیا تھا' اور حضرت عائشہ کا عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانا ابتداء اسلام پر محمول ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۲۳ 'مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

''مبسوط'' میں اسی طرح لکھا ہے' علامہ سروجی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ توجیہ بعید ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ سال رہے' جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے' پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ہجرت کے ایک سال بعد مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی' اس وقت ان کی عمر نو سال تھی' اور وہ نو سال آپ کے پاس رہیں' اور نماز میں امامت انہوں نے بلوغت کے بعد ہی کی ہوگی' تو یہ ابتداء اسلام کب ہے؟ لیکن یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جب عورتوں نے مسجد میں جا کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دیا تو یہ فعل منسوخ ہو گیا' لیکن ''مستدرک'' میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ اذان دیتی تھیں' اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں' اور امام محمد نے ''کتاب الآثار'' میں امام ابوحنیفہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینہ میں امامت کرتی تھیں' اور عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (کتاب الآثار ص ۴۴ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی) اور یہ بات معلوم ہے کہ تراویح کی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مروج ہوئی ہے' اور ''سنن ابوداؤد'' میں ہے کہ حضرت ام ورقہ انصاریہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں' اور ان کے لیے ایک موذن مقرر کیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ام ورقہ کو ان کے ایک غلام اور باندی نے چادر سے ان کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا اور وہ زبان رسالت کی پیشگوئی کے مطابق شہیدہ ہو گئیں۔ عبدالرحمان نے کہا: میں نے ان کے موذن کو دیکھا تھا' وہ بوڑھا شخص تھا' یہ تمام روایات دعویٰ نسخ کی نفی کرتی ہیں' ''سنن ابوداؤد'' کی روایت کی سند میں ولید بن جمیع اور عبدالرحمان بن خالد انصاری پر ابن القطان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں کا حال معلوم نہیں لیکن امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ان حدیثوں کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ورقہ کو جو نماز پڑھانے کی اجازت

دی تھی اس سے اس اجازت کا دوام اور استمرار لازم نہیں آتا اس لیے ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو رمضان میں امامت کرتی تھیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ تراویح کی امامت کرتی تھیں' اور ''مصنف عبدالرزاق'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا گیا ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرے اور ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ (المصنف ج ۳ ص ۱۴۰) اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کو ناسخ کا علم نہ ہوا ہو' لیکن اس کے باوجود یہ سوال قائم رہے گا کہ وہ کون سا ناسخ ہے جس نے ان احادیث کو منسوخ کر دیا؟ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''سنن ابوداؤد'' اور ''صحیح ابن خزیمہ'' وغیرہما میں یہ حدیث ہے کہ عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا حجرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور کوٹھڑی در کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کوٹھڑی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور یہ بات معلوم ہے کہ بالکل اندرونی کوٹھڑی جماعت کی گنجائش نہیں رکھتی' اس حدیث کو بعض علماء نے حضرت عائشہ' حضرت ام ورقہ اور حضرت ابن عباس کی احادیث کا ناسخ قرار دیا ہے' لیکن اس حدیث کا ناسخ ہونا واضح نہیں ہے' اور اگر اس کو ناسخ مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عورت کا امامت کرنا اب مسنون نہیں ہے اور یہ کراہت تحریم کو مستلزم نہیں ہے' بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ اس فعل کا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہونا لازم آئے گا اور ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہم اس کو مکروہ تحریمی ثابت کریں' ہمارا مقصود تو حق کی اتباع کرنا ہے خواہ وہ کسی جگہ ہو۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۷۔ ۳۰۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ ابن ھمام نے اس عبارت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمد اور امام شافعی کا قول صحیح ہے' کیونکہ وہ احادیث کے موافق ہے اور امام مالک نے حضرت ابوبکرۃ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ نظام مملکت کی والایت سے متعلق ہے' نماز کی امامت سے نہیں ہے' نیز احادیث صحیحہ سے عورت کا عورتوں کی نماز میں امامت کرنا ثابت ہے' اور اس کا ناسخ متعین اور متحقق نہیں ہے اور احادیث رسول اقوال فقہاء پر مقدم ہیں۔

سمجھ دار نابالغ لڑکے کی امامت

نابالغ اور سمجھ دار لڑکے کی امامت میں ائمہ کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی امامت مطلقاً جائز نہیں ہے فرائض میں نہ نوافل میں' البتہ مشائخ احناف کا اس میں اختلاف ہے۔ بلخ کے مشائخ نابالغ حافظ قرآن کی تراویح میں امامت کو جائز کہتے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۱۔ ۳۰۹) علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے جو بچہ سمجھ دار ہو وہ تراویح میں بچوں کی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے' اور بالغوں کے متعلق اس کی امامت میں مشائخ کا اختلاف ہے اور جو بچہ ناسمجھ ہو وہ امامت کا بالکل اہل نہیں ہے کیونکہ وہ نماز کے لائق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)

امام مالک کے نزدیک بھی نابالغ کا بالغوں کو نماز پڑھانا جائز نہیں ہے (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۳۵۳) اور امام احمد کے نزدیک فرائض میں نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے اور نوافل میں ان کے دو قول ہیں (المغنی ج ۲ ص ۳۲۔ ۳۱) اور امام شافعی کے نزدیک نابالغ سمجھدار لڑکے کی امامت مطلقاً جائز ہے' خواہ فرض ہو یا نفل۔ (شرح المہذب ج ۴ ص ۲۴۹)

مانعین کی دلیل یہ ہے کہ بالغ کی نماز فرض ہے اور نابالغ کی نماز نفل ہے اور متنفل کی اقتداء میں مفترض کی نماز نہیں ہوتی' کیونکہ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے (جامع ترمذی ص ۵۷) یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن اور شامل ہوتی ہے اور فرض نفل کو شامل ہوتا ہے' نفل فرض کو شامل نہیں ہوتا' اور مجوزین کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے نابالغ کا بالغوں کو نماز پڑھانا ثابت ہے' خاص طور سے جب کہ نابالغ کو بالغوں سے زیادہ قرآن یاد ہو' وہ حافظ قرآن ہو اور اچھا قاری ہو کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امام بنانے پر زور دیا

ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ' اگر قراءت میں سب برابر ہوں' تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو اور اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اور کوئی شخص کسی کی ولایت اور اس کے گھر میں نماز نہ پڑھائے اور نہ اس کی مسند نشست پر بیٹھے سوا اس کے کہ وہ اس کو اجازت دے دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی کی روایت میں ہے کہ اگر سب ہجرت میں برابر ہوں تو جو سنت کا زیادہ عالم ہو اس کو امام بناؤ۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم سفر کرو تو جس شخص کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اس کو امام بناؤ خواہ وہ تم میں سب سے چھوٹا ہو اور جو شخص تمہارا امام ہوگا وہی تمہارا امیر ہوگا

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کی گزرگاہ میں رہتے تھے' ہمارے پاس سے سوار گزرتے رہتے تھے' ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ اور یہ شخص کون ہے؟ لوگ بتاتے کہ وہ شخص یہ کہتے ہیں کہ ان کو اللہ نے بھیجا ہے اور ان کی طرف یہ یہ وحی کی ہے' میں ان سے اس کلام کو سن کر یاد کرتا رہتا' گویا کہ وہ کلام میرے دل میں راسخ ہو گیا' اور عرب اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے' وہ کہتے تھے کہ اس شخص کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو' اگر وہ ان پر غالب آ گیا تو پھر وہ سچا نبی ہوگا' جب مکہ فتح ہو گیا تو سب لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی' اور میرے والد اپنی قوم میں سب سے پہلے اسلام لے آئے' جب وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ بہ خدا! میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آیا ہوں وہ برحق ہیں' آپ نے فرمایا ہے: فلاں فلاں وقت میں نماز پڑھا کرو' اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کرے' جب انہوں نے تلاش کیا تو مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہیں تھا' کیونکہ میں سواروں سے سن کر قرآن یاد کرتا تھا تو انہوں نے مجھے امام بنا دیا' اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی' میں نے ایک چھوٹی سی چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا' جب میں سجدہ میں جاتا تو وہ سمٹ کر اوپر آ جاتا' قبیلہ کی ایک عورت نے کہا: تم اپنے قاری کی شرم گاہ ہم سے کیوں نہیں چھپاتے! تب لوگوں نے مجھے ایک قمیض خرید کر دی' مجھے اس قمیض سے اس وقت سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۶ ـ ۶۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام نسائی[1] اور امام احمد[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد کا مذہب قیاس کے زیادہ قریب ہے اور امام شافعی کا مذہب احادیث کے زیادہ قریب

1۔ امام احمد شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

2۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۷۱' ۳۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

ہے' ہمارے زمانہ میں بچے جلد قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں' اگر وہ تراویح میں قرآن مجید نہ سنائیں یا نہ سنیں تو قرآن مجید بھول جائے گا' اس لیے اگر بلخ کے مشائخ احناف کے قول پر عمل کرتے ہوئے نابالغ حافظ کو تراویح میں امام بنا دیا جائے تو قرآن مجید کی حفاظت اور ان احادیث کے پیش نظر مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو' حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟O (البقرہ: ۴۴)

یہود کی بے عملی کا بیان

بھولنے سے مراد یہاں چھوڑ دینا ہے' کیونکہ کوئی شخص اپنے آپ کو نہیں بھولتا' یعنی تم خود نیکی پر عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو' یہاں نیکی کے حکم میں کئی اقوال ہیں۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو تورات کے عہد اور نبوت کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو اور خود تم تورات میں کیے ہوئے عہد سے کفر کرتے ہو' میرے رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے' مجھ سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہو اور میری کتاب میں مذکور احکام کا انکار کرتے ہو۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تم لوگوں کو (سیدنا حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہونے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

سدی سے روایت ہے کہ تم لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کا حکم دیتے ہو اور خود اس کی معصیت کرتے ہو۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بے عمل علماء کے عذاب کا بیان

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ جنت میں سے کچھ لوگ دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے: تم کیسے دوزخ میں ہو' حالانکہ ہم تمہاری تعلیم پر عمل کر کے جنت میں پہنچ گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم کہتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث کو طبرانی' خطیب اور ابن عساکر نے سند ضعیف سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام طبرانی' خطیب اور اصبہانی نے حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عالم کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دے اور اس پر عمل نہ کرے اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود کو جلاتا رہتا ہے۔ امام اصفہانی نے ''ترغیب'' میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو امامہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم سوء کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گردش کرتا ہے اس طرح اس کی انتڑیاں دوزخ میں گردش کر رہی ہوں گی۔

امام احمد بن حنبل نے ''کتاب الزھد'' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی نہیں جانتا اس کے لیے ایک عذاب ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو علم دے دیتا' اور اس شخص کے لیے سات عذاب ہیں جو جانتا ہے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

آیا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے خود نیک ہونا ضروری ہے؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے علماء نے تین شرطیں ذکر کی ہیں' اول مکلف ہونا' ثانی ایمان' ثالث عدل یعنی اس کا نیک ہونا۔ بعض علماء نے چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے کہ امام کی طرف سے اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہو' لیکن امام غزالی اور دیگر محققین نے اس شرط کو مسترد کر دیا ہے' باقی رہی تیسری شرط یعنی نیکی کا حکم دینے کے لیے خود نیک ہونے کی شرط تو اس کے متعلق بھی علماء نے کافی بحث کی ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے امر بالمعروف کے لیے عدالت کو شرط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ فاسق کا کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز نہیں ہے' انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ. (البقرہ: ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف: ۳-۲)

اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے ہو؟ ○ اللہ کو سخت ناراض کرنے والی بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ○

عدالت کی شرط پر ان احادیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

امام احمد' امام ابویعلیٰ' امام طبرانی اور امام ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی شب میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا' میں نے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نیکی نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو برائی سے روکتے تھے اور خود برے کام کرتے تھے' اور امام ابونعیم نے ''حلیہ'' میں مالک بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی: اپنے آپ کو نصیحت کرو' اگر تم نے خود نصیحت پر عمل کر لیا تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کرو۔

عدالت کی شرط پر قیاس سے بھی استدلال کیا گیا ہے کیونکہ غیر کا ہدایت حاصل کرنا خود ہدایت یافتہ ہونے کی فرع ہے اور غیر کو مستقیم کرنا خود مستقیم ہونے کی فرع ہے اور غیر کی اصلاح خود صالح ہونے کی فرع ہے تو جو شخص خود نیک نہ ہو دوسرے کو کب نیک کر سکتا ہے۔

یہ مذکورہ دلائل بہ اعتبار ظاہر ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ فاسق بھی امر بالمعروف کر سکتا ہے' کیونکہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا امر بالمعروف کے لیے تمام گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے؟ اگر یہ شرط لگائی جائے تو ایک تو یہ اجماع کے خلاف ہے' دوسری بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام بھی معصوم نہیں تھے چہ جائیکہ بعد کے لوگ! اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص تبلیغ کر سکتا ہے نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے' حالانکہ قرآن مجید اور احادیث میں امت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مکلف کیا گیا ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ امر بالمعروف کے لیے کبیرہ گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے اور مرتکب کبیرہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ جو شخص ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہو اس کے لیے زنا اور شراب نوشی سے روکنا جائز نہیں ہے' تو ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ریشم پہننے والے کے لیے کفار کے خلاف جہاد کرنا اور ان کو کفر سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے' کیونکہ اسلام کے ہر دور میں نیک اور بد لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو کر کفار کے

خلاف جہاد کرتے رہے ہیں' اگر وہ کہیں کہ ہاں یہ جائز ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ اسلام کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مرتکب کبیرہ کے لیے تبلیغ جائز ہو تو لازم آئے گا کہ ایک شخص کسی ایسی عورت سے زنا بالجبر کر رہا ہو جس نے اپنا منہ چھپایا ہوا ہو' دوران زنا وہ عورت خود اپنا منہ کھول دے اور وہ شخص اس سے کہے: تو نے غیر محرم کے سامنے چہرہ کیوں کھولا؟ زنا کرانے میں تو تو مجبور تھی چہرہ دکھانے میں تو مجبور نہیں تھی! تو یہ ایسی تبلیغ ہے جس کو ہر عقل مند برا سمجھے گا اور اس سے نفرت کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حق بالطبع برا لگتا ہے اور باطل بالطبع اچھا لگتا ہے اور اتباع دلیل کی' کی جاتی ہے وہمی اور خیالی نفرت کی نہیں کی جاتی' اس حال میں اُس عورت کو منہ چھپانے کا حکم دینا کیا حرام ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ حرام نہیں ہے کیونکہ نامحرم کے سامنے منہ کھولنا معصیت ہے اور معصیت سے روکنا حق ہے' باقی رہا یہ کہ طبیعت ان کاموں سے متنفر ہوتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص زیادہ اہم چیز (زنا سے اجتناب) کو ترک کر کے کم درجہ کی اہم چیز میں مشغول ہو گیا' جیسے طبیعت ان کاموں سے متنفر ہوتی ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ سود کھاتا ہو اور کسی غصب شدہ چیز کو کھانے سے احتراز کرے' یا جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہو اور وہ غیبت سے احتراز کرے اور اس طبعی تنفر سے یہ لازم نہیں آتا کہ غصب شدہ طعام کھانا حرام نہ ہو یا غیبت کو ترک کرنا واجب نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین علی ہامش اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۷۔ ۱۴' ملخصاً' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ھ)

امام رازی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مکلف کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے' ایک معصیت کو ترک کرنا' دوسرا غیر کو معصیت سے منع کرنا' اور ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے حکم پر بھی عمل نہ کرے' اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ "تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو" اس آیت کے دو محمل ہیں' ایک یہ کہ مطلقاً اپنے آپ کو بھلانے یعنی خود عمل نہ کرنے سے منع کیا ہے' دوسرا محمل یہ ہے کہ جس وقت وہ خود عمل نہ کر رہا ہو اس وقت دوسروں کو اس کا حکم دینے سے منع کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کا پہلا محمل مراد ہے نہ کہ دوسرا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک ان آیات اور احادیث کا منشاء یہ ہے کہ انسان کا نیکی پر عمل نہ کرنا اور برائی سے اجتناب نہ کرنا عقلاً برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا موجب ہے لیکن اس وقت زیادہ برا ہے اور زیادہ غضب اور عذاب کا موجب ہے جب وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے رہا ہو اور ان کو برائی سے روک رہا ہو تو جو چیز قبیح ہے اور غضب اور عذاب کا موجب ہے وہ خود عمل نہ کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو عمل کی تبلیغ کرنا' کسی دنیاوی طمع کی بناء پر برائی سے نہ روکنا مداہنت ہے اور کسی دینی منفعت کی وجہ سے خاموش رہنا مدارات ہے اور کفار سے موالات (دوستی رکھنا) حرام ہے اور ان سے صرف معاملات مثلاً بیع وشراء کرنا جائز ہے۔

بے علم کے وعظ' تقریر اور اس کے مرید کرنے کا شرعی حکم

تقریر اور وعظ کرنے کے لیے علم دین کا حاصل کرنا شرعاً واجب ہے' اور بے علم آدمی کا تقریر اور وعظ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس پر اصرار کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے' عالم کا معیار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کر سکے' احادیث کی عربی عبارات صحیح صحیح پڑھ سکے اور سمجھ سکے' علم کلام اور علم فقہ کی عبارات کو پڑھ اور سمجھ سکے' محض اردو کی کتابوں کو پڑھ کر وعظ کرنا اور لوگوں کو مسائل بتلانا شرعاً حرام ہے' البتہ اگر علماء اور منتہی طلباء کسی محقق عالم دین (مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری' صدر الشریعہ

مولانا امجد علی صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین اور غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہم اللہ) کی اردو تصانیف سے مطالعہ اور استفادہ کر کے بیان کریں تو یہ جائز ہے' لیکن جو شخص علوم عربیہ سے بالکل جاہل ہو اس کے لیے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنا قطعاً حرام ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۴۳) اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں' اور ان کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں ۝

اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص قرآن مجید کی آیات کا از خود ترجمہ نہ کر سکے اور اس کے لطائف اور دقائق کو نہ سمجھ سکے وہ عالم نہیں ہے۔ امام رازی عالم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نظری اور دقیق مسائل کو عالم ہی سمجھتا ہے' جب اس کے سامنے کوئی ظاہر امر پیش کیا جائے تو وہ اس کی کنہ کا ادراک کر لیتا ہے' جو چیز دقیق ہو اس کو جاننے کے لیے عالم ہونا ضروری ہے' اللہ تعالیٰ نے جو مثالیں بیان کی ہیں ان کی حقیقت اور ان کے تمام فوائد کو صرف علماء سمجھ سکتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۹۳ 'ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص صفت علم میں کامل ہو۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ مراغی لکھتے ہیں:

ان مثالوں کے مغز کو اور ان کی تاثیر کی معرفت کو صرف ماہر علماء ہی جان سکتے ہیں اور ان مثالوں سے کثیر فوائد کو علماء ہی مستنبط کر سکتے ہیں جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر المراغی ج ۲۰ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی مثالوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کو علم سے وافر حصہ ملا ہو اور وہ قضایا اور مسائل میں منہمک رہتے ہوں۔ (التفسیر المنیر ج ۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ عالم اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کا ترجمہ کر سکے' اس کے معانی کے دقائق کو سمجھ سکے اور اس کے فوائد کو مستنبط کر سکے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کہا اس نے خطا کی اگرچہ اس نے صحیح کہا ہو۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کیا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے پندرہ علوم ضروری ہیں: لغت' نحو' تصریف' اشتقاق' معانی' بیان' بدیع' قراءات' اسباب نزول والقصص' ناسخ اور منسوخ' فقہ' احادیث' اصول حدیث اور اصول فقہ' اصول تفسیر۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۹۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تفسیر لکھنے کے لیے یہ علوم ضروری ہیں بلکہ یہ اصول عام ہے' وہ زبانی کسی آیت کی تشریح

کرے یا اس کو لکھے اس کے لیے ان علوم کا جاننا ضروری ہے الا یہ کہ وہ کسی معتبر تفسیر سے پڑھ کر سنائے (خواہ وہ کسی زبان میں ہو) یا اس کو ضبط کر کے اس کے حوالے سے بیان کرے۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیر عالم کے لیے وعظ اور تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب علم کو اٹھائے گا تو اس کو لوگوں کے سینوں سے نہیں نکالے گا' لیکن علماء کو اٹھانے کے ذریعہ سے علم کو اٹھائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ (جواب) دیں گے' سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۷۔ ۱۲' مطبوعہ دار الفکر' دمشق' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیادت (منصب) حاصل کرنے سے پہلے علم حاصل کرو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کو اس کی قوم نے فقہ کی وجہ سے امیر بنایا اس میں اس کی بھی حیات ہے اور اس کی قوم کی بھی' اور جس شخص کو اس کی قوم نے بغیر فقہ کے امیر بنایا اس میں اس کی بھی ہلاکت ہے اور اس کی قوم کی بھی۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۶۹' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ابوالبختری روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر کے لوگوں کو ڈرا رہا تھا' آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شخص لوگوں کو وعظ کر رہا ہے' آپ نے فرمایا: یہ شخص لوگوں کو وعظ نہیں کر رہا لیکن یہ دراصل یہ کہہ رہا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھ کو پہچان لو (یعنی وعظ سے اس کا مقصد خود نمائی ہے)' آپ نے اس کو بلا کر دریافت کیا: کیا تم قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور اس میں وعظ نہ کرو' ایک روایت میں ہے آپ نے پوچھا: تم ناسخ اور منسوخ کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تم ہلاک ہو گئے' تم ہلاک ہو گئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس روایت کی مثل منقول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۶۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بے علم شخص کا وعظ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو مزید منقح کرنے کے لیے ہم امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کر رہے ہیں' ان سے سوال کیا گیا:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ برسر بازار و مسجد بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں' ان کا کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار" (جو شخص بغیر علم کے قرآن سے کچھ بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) والعیاذ باللہ (ترمذی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۲۲۴ 'مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا' کراچی' ۱۹۸۸ء' مکتبہ رضویہ ج ۱/ ۱۰ ص ۱۸۸)

علماء اور مرشدین کے لیے جس قدر علم ضروری ہے اس کے متعلق امام بیہقی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: عوام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض' واجبات' سنن اور آداب اور تمام محرمات اور مکروہات کا علم حاصل کریں اور خواص کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی تمام فروعات' قرآن مجید کی صریح عبارات' دلالت' اشارات اور اقتضاء نصوص کا علم حاصل کریں' قیاس اور اس کی شرائط کا علم حاصل کریں اور ایسی مہارت حاصل کریں کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل کتاب اور سنت سے بتایا جاسکے' ہر شخص کے لیے اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے' ورنہ سب گنہ گار ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۵۳ 'ملخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے شیخ طریقت کی چار شرطیں لکھی ہیں' ان کے بغیر اس کا بیعت لینا جائز نہیں ہے:

(۱) مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

(۲) عقائد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو' حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کرسکتا ہو۔

(۳) علم کے مطابق عمل کرتا ہو' فرائض' واجبات اور سنن اور مستحباب پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچتا ہو۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی نسبت متصل ہو اور اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

ہمارے زمانہ میں بے علم لوگ وعظ کرتے ہیں اور لوگوں سے بیعت لیتے ہیں' یہ لوگ اپنی بے علمی کا عیب چھپانے کے لیے علماء کی تنقیص کرتے ہیں' ان کو منافق اور بے عمل کہتے ہیں اور سادہ لوح عوام علماء کو چھوڑ کر بے علم واعظین اور بے علم مرشدین کے حلقہ ارادت میں کثرت سے شامل ہو رہے ہیں' ہم اس جہالت اور تعصب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(فتاویٰ افریقیہ ص ۱۲۷۔ ۱۲۶ 'ملخصا' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

بے علم کا اپنے آپ کو مولوی اور عالم کہنا' وعظ کرنا اور مرید کرنا' اس کے متعلق امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے' قال اللہ تعالی "هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ" (النجم: ۳۲) اللہ تمہیں خوب جانتا ہے کہ جب اوس نے تمہیں زمین سے اوٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو' خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے' اور فرماتا ہے: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ" (النساء: ۴۹) کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے' حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من قال انا عالم فھو جاھل" جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے۔ "رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما بسند حسن" ہاں! اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں' ہدایت پائیں' اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا: "انی حفیظ علیم" پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا' قال اللہ عزوجل "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ

يَفْرَحُونَ بِمَآ اَتَوا وَّيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؁ ‘‘ (آل عمران: ۱۸۸) ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ ’’معالم شریف‘‘ میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ’’یفرحون باضلالھم الناس وبنسبته الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم. خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں‘‘ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے‘ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’’من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار. جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے‘‘ رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما. احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’’من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار‘‘ (جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے) رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ‘ اور فرماتے ہیں‘ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ’’افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا. بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا‘‘ رواہ الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما. دوسری حدیث میں آیا‘ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض. جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں‘‘ رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ. جاہل کا پیر بننا‘ لوگوں کو مرید کرنا‘ چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا‘ چھوٹا منہ بڑی بات ہے‘ پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا‘ نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے

ع کہ بے علم نتواں خدرا شناخت

(امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ‘ فتاویٰ رضویہ ج ۱/ ۱۰ ص ۹۶۔ ۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ‘ کراچی)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا۔

مسئلہ: از اجمیر مقدس محلہ لاکھی کوٹھڑی اور پری گلی نزد پیرزادگان مسئولہ کمال الدین ۸ شوال ۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اپنے کو عوام پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند منشی عالم فاضل کی حاصل کی اور خود ساختہ استفتاء پر خود ہی جواب تحریر کردے اور طلباء و مدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذات کا متمتع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم و مولوی صاحبان و قاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زر حاصل کرنے کی غرض سے جابجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتا رہا ہو اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتا ہے اور صدہا علماء قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا‘ ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے‘ حدیث میں ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’’من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض. جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے‘‘ اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سبب

لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا: ”اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (آل عمران: ۷۷) ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“ اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے' حدیث میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق بین النفاق ذو العلم و ذوا الشیبة فی الاسلام و امام مقسط. تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو' (۱) عالم' (۲) اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور (۳) سلطان اسلام عادل۔ تحصیل زر کے لیے علماء و مسلمین پر بے جا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات۔ قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ ج ۲/ ۱۰ ص ۳۰۸' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے اس جواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بے علم کا وعظ کرنا اور لوگوں کو بیعت کرنا جائز نہیں ہے اور علماء دین کی توہین کرنا نفاق ہے جیسا کہ جاہل پیروں کا عام وطیرہ ہے' وہ علماء دین کی تخفیف کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو۔ (البقرہ: ۴۵)

اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ رہنے اور گمراہ کرنے سے منع فرمایا' اور یہ ان کے لیے دشوار امر تھا' کیونکہ گمراہی ان کی طبیعت میں رچ اور بس چکی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کا علاج بتلا دیا کہ وہ صبر کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ روزے رکھیں۔

صبر کے معانی

صبر کا معنی ہے: کسی چیز کو تنگی میں روکنا' نیز کہتے ہیں کہ نفس کو عقل اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق روکنا صبر ہے۔ مختلف مواقع اور محل استعمال کے اعتبار سے صبر کے مختلف معانی ہیں' مصیبت کے وقت نفس کے ضبط کرنے کو صبر کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں جزع اور بے قراری ہے' اور جنگ میں نفس کے ثابت قدم رہنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی ہے' حرام کاموں کی تحریک کے وقت حرام کاموں سے رکنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق ہے' عبادت میں مشقت جھیلنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں معصیت ہے' قلیل روزی پر قناعت کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں حرص ہے' دوسروں کی ایذا رسانی برداشت کرنے کو بھی صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انتقام ہے۔

صبر کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں' مصیبت کے وقت صبر اچھا ہے' اور اس سے بھی اچھا صبر ہے اللہ کے محارم سے صبر کرنا (یعنی نفس کو حرام کاموں سے روکنا)۔

امام ابن ابی الدنیا' ابوالشیخ اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کی تین قسمیں ہیں' مصیبت پر صبر کرنا' اطاعت پر صبر کرنا' اور معصیت سے صبر کرنا۔

امام احمد' امام عبد بن حمید' امام ترمذی' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اے بیٹے! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن سے اللہ تمہیں نفع دے' میں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: اللہ کو یاد رکھو' اللہ تمہیں یاد رکھے گا' اللہ کو یاد رکھو تم اس کو اپنے

سامنے پاؤ گے'اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد رکھو وہ تم کو مشکل میں یاد رکھے گا' اور جان لو کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں تھی اور اللہ نے تمہیں جس چیز کے دینے کا ارادہ نہیں کیا تمام مخلوق بھی جمع ہو کر تمہیں وہ چیز نہیں دے سکتی اور جو چیز اللہ تمہیں دینا چاہے تو سب مل کر اس کو روک نہیں سکتے' قیامت تک کی تمام باتیں لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے' جب تم سوال کرو تو اللہ سے کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور جب تم کسی کا دامن پکڑو تو اللہ کا دامن پکڑو' اور شکر کرتے ہوئے اللہ کے لیے عمل کرو اور جان لو کہ ناگوار چیز پر صبر کرنے میں خیر کثیر ہے اور صبر کے ساتھ نصرت ہے' اور تکلیف کے ساتھ کشادگی ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابوالحویرث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے خوشی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہ قدر حاجت رزق دیا اور اس نے اس پر صبر کیا۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذاء پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذاء پر صبر نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں' نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۶۷۔ ۶۵ 'ملتقطاً' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان

جب وہ روزہ رکھ کر اپنے نفس کو صاف کر لیں گے تو ان کی دعاؤں کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہوگا اور نماز سے مدد حاصل کرنے کی بھی یہی صورت ہے' کیونکہ نماز کی صورت میں متعدد عبادات حاصل ہو جاتی ہیں' مثلاً اعتکاف' قرآن مجید کا پڑھنا' تسبیح اور استغفار وغیرہ اور نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اور نماز سے بندہ کے گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہے تو جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر تسبیح اور استغفار کے بعد دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے گا تو اس کی دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام ابن جریر اور امام ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے خوف یا دہشت لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے۔

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کسی رات کو آندھی آتی تو آندھی رکنے تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پناہ لیتے اور جب سورج گرہن لگتا یا چاند گرہن لگتا تو نماز پڑھتے۔

امام سعید بن منصور' امام ابن المنذر' امام حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں ان کو ان کے بیٹے کی موت کی خبر دی گئی' وہ سواری سے اترے' دو رکعت نماز پڑھی اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور کہا: ہم نے اللہ کے حکم پر عمل کیا ہے کہ ''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو''۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۶۷ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے سوا ان لوگوں کے جو (اللہ کے لیے) خشوع کرنے والے ہیں O (البقرہ: ۴۵)

خشوع کا معنی

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

نفس کی وہ حالت جس کا اثر ظاہری اعضاء میں سکون اور تواضع سے ظاہر ہوتا ہے اس کو خشوع کہتے ہیں' قتادہ نے کہا: دل میں خوف اور نماز میں نظر نیچی رکھنے کو خشوع کہتے ہیں' زجاج نے کہا: جس پر ذلت کے آثار دکھائی دیں وہ خشوع کرنے والا ہے' ابراہیم نخعی نے کہا: سوکھی روٹی کھانے' سخت اور موٹے کپڑے پہننے اور سر جھکانے سے خشوع نہیں ہوتا' خشوع یہ ہے کہ حق بات میں تمہارے نزدیک معزز اور حقیر برابر ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی تم پر فرض کی ہے اس کی اطاعت میں جھک جاؤ۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص کو سر جھکائے دیکھا تو فرمایا: سر اٹھاؤ' خشوع صرف تمہارے دل میں ہے' حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: خشوع دل میں ہوتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے لیے تمہارے ہاتھ ملائم ہوں' اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو' جس نے اپنے دل سے زیادہ خشوع کو ظاہر کیا اس نے نفاق کو ظاہر کیا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: خشوع اس وقت ہوگا جب خوف خدا سے تمہارے بدن کا ہر رونگٹا کھڑا ہو جائے' قرآن مجید میں ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ. (قرآن سننے سے) ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (الزمر: ۲۳)

سلف صالحین اپنے خشوع کے اثرات کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسا خشوع محمود ہے اور خشوع مذموم یہ ہے جیسے جاہل لوگ تکلف سے روتے ہیں اور سر جھکاتے ہیں تاکہ لوگ ان کو نیک اور بزرگ جانیں' یہ نفس کا فریب اور شیطان کا گمراہ کرنا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۷۵۔ ۳۷۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین اور جو لوگ فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے اور آخرت کے منکر ہیں ان پر نماز کا پڑھنا دشوار ہے اور جو مخلص مومنین ہیں اور اطاعت گزار ہیں' اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے دیدار کے مشتاق ہیں ان پر نماز آسان ہے' اس کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھ کر دیکھنا چاہیے اور اگر ہمیں نماز پڑھنا گراں اور دشوار معلوم ہو تو پھر ہمیں اپنے ایمان اور آخرت پر یقین کا جائزہ لینا چاہیے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے بنو اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانہ کے) لوگوں

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ

پر فضیلت دی تھیO اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہ ہو سکے گا'

عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اور نہ کسی شخص کی (بلا اذن الٰہی) شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ کسی شخص سے فدیہ

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO

اس آیت کو دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ بنو اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانے کی تاکید ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کرنے سے غافل ہیں' اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے تم کو تمام عالمین پر فضیلت دی تھی' اس پر یہ سوال ہے کہ تمام عالمین میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بھی داخل ہے حالانکہ یہود ان سے افضل نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ عالمین سے مراد ان کے زمانہ کے لوگ ہیں قیامت تک کے لوگ مراد نہیں ہیں۔ اس تاویل کی اس لیے ضرورت ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر امت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. تم ان امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۰)

ہر چند کہ اس آیت کے مخاطب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بنو اسرائیل ہیں مگر اس سے مراد ان کے آباء واجداد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بعد تھے' جنہوں نے اپنے دین میں کوئی تغیر اور تبدل کیا تھا اور نہ تورات میں کوئی تحریف کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نعمتیں عطا فرمائی تھیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ○ (المائدہ: ۲۰)

اور یاد کیجئے جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت! اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو اس نے تم کو عطا کیں' جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو (اس زمانہ میں) سارے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا تھا ○

یہ نعمتیں ان مخاطبین کے حق میں اس لیے نعمتیں ہیں کہ آباء واجداد کی فضیلتیں اولاد کے حق میں بھی موجب شرف ہوتی ہیں۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب آخرت سے ڈرا کر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنو اسرائیل! اگر تم نے اللہ کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی فضیلتوں کے تقاضوں کو پورا نہ کیا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو تم اللہ کے عذاب سے کسی طرح بچ نہیں سکو گے' سزا سے بچنے کی چار صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مجرم کے بدلہ میں اس شخص کو سزا دی جائے' دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی سفارش کر دے' تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مجرم کی طرف سے تاوان یا فدیہ ادا کرے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دباؤ اور زور ڈال کر مجرم کی مدد کرے اور اس کو عذاب سے چھڑا لے ان چاروں صورتوں میں سے کسی صورت سے بھی مجرم کو اللہ کے عذاب سے چھڑایا نہیں جا سکتا۔

شفاعت کی تحقیق

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کی شفاعت جائز نہیں ہے' خوارج اور معتزلہ کا یہی مذہب ہے' شیخ ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بھی یہی نظریہ ہے' شیخ اسماعیل دہلوی کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کے متبعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے اذن سے انبیاء علیہم السلام' ملائکہ' اولیاء کرام' علماء' حفاظ قرآن اور صالح مومنین گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے' یہ شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت اور تخفیف عذاب کے لیے ہوگی اور

صالحین کے لیے ترقی درجات کی شفاعت ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار کے لیے بھی تخفیف عذاب کی شفاعت کریں گے' شفاعت کبریٰ اور شفاعت کی بعض دیگر اقسام ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت بالوجاہت بھی عطا فرمائی ہے۔

ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثانی میں مسئلہ شفاعت پر تفصیل سے بحث کی ہے' شفاعت کا معنیٰ' منکرین شفاعت کے مذاہب' ان کے دلائل اور ان کے جوابات بیان کیے ہیں اور شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی پچاس سے زیادہ آیات اور چالیس احادیث ذکر کی ہیں اور مسئلہ شفاعت پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور شفاعت کی ۴۹ اقسام ذکر کی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص اقسام کا بیان کیا ہے' اس مسئلہ کو تفصیل سے جاننے کے لیے اس مقام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس جگہ ہم شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی چند آیات اور بعض احادیث ذکر کریں گے۔

فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق.

شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل

انبیاء علیہم السلام کی شفاعت

حضرت نوح علیہ السلام:

(۱) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا. (نوح: ۲۸)
اے میرے رب! میری' میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

(۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ○ (ابراہیم: ۴۱)
اے ہمارے رب! روز حشر میری' میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی مغفرت فرما○

(۳) سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا○ (مریم: ۴۸)
میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا' وہ مجھ پر مہربان ہے○

(۴) اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ. (الممتحنہ: ۴)
مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ میں تیری شفاعت کروں گا۔

(۵) فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (ابراہیم: ۳۶)
جو میرا پیروکار ہے' وہ میرا ہے اور جس نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے تو بخشنے والا اور مہربان ہے○

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

(۶) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ. (الاعراف: ۱۵۱)
اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

(۷) سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○ (یوسف: ۹۸)
میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا' لاریب وہ بخشنے والا مہربان ہے○

حضرت یوسف علیہ السلام:

(۸) لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۚ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ (یوسف: ۹۲)
آج تم پر کوئی ملامت نہیں' اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

(۹) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المائدہ: ۱۱۸)
اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے ○

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت:

(۱۰) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)
اور اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضری دیں' اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور آپ ان کی شفاعت کر دیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ○

(۱۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ (محمد: ۱۹)
اور آپ (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ کاموں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

(۱۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔ (آل عمران: ۱۵۹)
ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے شفاعت کیجئے۔

صالحین کی شفاعت مومنین کے لیے:

(۱۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔ (الحشر: ۱۰)
اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے ہمارے مسلمان بھائیوں کی۔

فرشتوں کی شفاعت:

(۱۴) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ ۔ (المومن: ۷)
وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔

(۱۵) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النبا: ۳۸)
جس دن جبرئیل اور عام فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور وہی بات کر سکے گا جس کو رحمن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا ○

(۱۶) وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ۔ (الانبیاء: ۲۸)
اور فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

(۱۷) فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ (المومن: ۷)
اے اللہ! ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا ○

(۱۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ
اے ہمارے رب! مسلمانوں کو دائمی جنت میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء' ازواج

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ (المؤمن: ۸) اور اولاد میں سے صالح ہوں' ان کو بھی جنت میں داخل فرما' لاریب تو غالب اور حکمت والا ہے O

(۱۹) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (المؤمن: ۹) اے اللہ! ان لوگوں کو گناہوں کے عذاب سے بچا اور جس شخص کو تو نے اس دن گناہوں کے عذاب سے بچا لیا اس پر تو نے رحم کیا' اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا' شفاعت کا ان کے لیے نفع آور نہ ہونا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہونا اور اس محرومی پر ان کی حسرت (اگر مسلمانوں کو بھی کسی کی نصرت اور شفاعت حاصل نہ ہو تو کفار کے لیے یہ محرومی باعث حسرت نہ ہوتی کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ مسلمان بھی اس محرومی میں ان کے ساتھ ہیں)۔

(۲۰) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ؕ (المدثر: ۴۸) کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی O

(۲۱) فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ . (الاعراف: ۵۳) تو کیا ہماری شفاعت کرنے والے کوئی ہیں؟

(۲۲) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ (الشعراء: ۱۰۰) جو ہماری شفاعت کریں O

(۲۳) لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ . (الانعام: ۵۱) اللہ سے ہٹ کر کفار کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

(۲۴) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ O (المؤمن: ۱۸) کفار کے لیے کوئی ایسا مددگار اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے O

شفاعت پر احادیث سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا' پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ' مانگو ملے گا' شفاعت کرو قبول ہوگی' پھر میں اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم کرے گا' پھر میں شفاعت کروں گا' پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی' پھر میں گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردوں گا' پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک لیا ہے۔ قتادہ کہتے تھے: جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے کلمہ پڑھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی' تمام روئے زمین کو

میرے لیے مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا' لہٰذا میری امت سے جو شخص نماز کا وقت پائے نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا' مجھے شفاعت عطا کی گئی' پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور ہر ایک نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جو شرک سے پاک رہے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا: ''رب انھن اضللن'' اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا: اے اللہ! اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو' تو غالب اور حکیم ہے' پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور عرض کیا: اے اللہ! میری امت' میری امت' پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو (حالانکہ وہ خوب جانتا ہے) ''کیوں روتے ہو؟'' پھر جبرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبر دی' پھر جبرائیل نے جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے' اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور فرمایا: جا کر کہو: ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا (عذاب میں تخفیف ہوگی)۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص (اویس قرنی یا عثمان) کی شفاعت کے سبب سے بنو تمیم کے افراد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے' کچھ ایک قبیلہ کی' کچھ ایک جماعت کی اور کچھ ایک شخص کی حتیٰ کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدھی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں۔ میں نے شفاعت کو اختیار

کرلیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہوگی جو شرک پر نہیں مرے گا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (فوت شدہ کم سن بچے) ہوں وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبہ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائے گا۔ عرض کیا: جس کا کوئی پیش رو نہ ہو؟ فرمایا: "جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا "میں" ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی سے تکلیف نہیں پہنچی۔ (جامع ترمذی ص ۱۷۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم موذن سے اذان سنو تو وہ کلمات دہراؤ' پھر مجھ پر درود شریف پڑھو' کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ (مقام رفیع) کی دعا کرو' کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا' جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۗ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے' اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

عظیم آزمائش تھی ○ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیر دیا' پھر ہم نے تم کو

اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى

نجات دی اور ہم نے آل فرعون (فرعون اور اس کے متبعین) کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے ○ اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا' پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے ○

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کیا تاکہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو O اور جب ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

موسیٰ کو کتاب دی اور حق اور باطل میں فرق کرنے والا (معجزہ) دیا' تاکہ تم ہدایت پاؤ O اور جب موسیٰ نے

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اپنی امت سے کہا: اے میری امت! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے'

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو' سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو' تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

لیے زیادہ بہتر ہے' تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تم کو بدترین عذاب پہنچاتے تھے۔

(البقرہ: ۴۹)

بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان

سورہ بقرہ کی آیت ۴۹ سے لے کر آیت ۶۰ تک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر کی گئی دس نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے' ان میں پہلی نعمت بنو اسرائیل کو فرعون کے مظالم اور اس کے عذاب سے نجات عطا فرمانا ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ فرعون بنو اسرائیل کو عذاب دیتا تھا' ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا' بعض سے مکان بنواتا' بعض سے کاشتکاری کراتا' بعض سے مزدوری لیتا اور جن سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۴ ' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

سدی نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنو اسرائیل کو چھوڑ دیا' اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی' انہوں نے کہا: جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے' وہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے' تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے' اس نے قبطیوں سے کہا: تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنو اسرائیل سے کام لو اور ان سے نیچ اور رذیل کام لو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ (القصص: ۴)

بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے ان میں ایک گروہ (بنواسرائیل) کو کمزور کر رکھا تھا' ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔

بنواسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے' اور بنواسرائیل کے بوڑھے قضاء الٰہی سے مر رہے تھے' ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا' تب قبطیوں نے کہا کہ بنواسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں' اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا' پھر ہمارے کام کون کرے گا؟ تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال بنواسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں' جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

فرعون کا نام

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے اور فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبع ہے اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے' ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان ہے' مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب سلطان' ہندوؤں کے بادشاہ کا لقب راجا اور انگلستان کے بادشاہ کا لقب جارج ہے' فرعون کا لفظ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

امام ابن جریر طبری نے امام ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن میں جس فرعون کا ذکر ہے اس کا نام ولید بن مصعب بن الریان تھا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

آل کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اھل (بیوی) اور اس کے عیال (اولاد) کو اس شخص کی آل کہتے ہیں' اور اس شخص کے متبعین اور احباء کو بھی آل کہتے ہیں' حدیث میں ہے: سلمان ہمارے آل بیت سے ہے' قرآن مجید میں ہے: '' کداب ال فرعون '' اس میں آل فرعون سے مراد اس کے متبعین ہیں' اور نبی صلی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: صدقہ محمد اور آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل ہی وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور صدقہ کے بدلہ میں ان کو خمس دیا گیا' اور یہ بنوھاشم اور بنوعبدالمطلب ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کی آل کون ہیں؟ فرمایا: آل علی' آل جعفر' آل عقیل اور آل عباس' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آل محمد کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر تقی (متقی)۔

آل کا استعمال غالباً اشراف میں ہوتا ہے' اس لیے آل اسکاف (موچیوں کی آل) نہیں کہا جائے گا اگرچہ اھل اسکاف کہا جاتا ہے' نیز اس کی اضافت اعلام ناطقین کی طرف ہوتی ہے نکرہ' زمان اور مکان کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوتی' اس لیے آل رجل' آل زمان یا آل مکان نہیں کہا جائے گا' اس کی اصل اھل ہے اور اس کی تصغیر اھیل آتی ہے۔

(تاج العروس ج ۷ ص ۲۱۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ آل فرعون سے مراد فرعون کے اہل دین اور اس کے متبعین ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے مصداق کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے متعلق تین قول ہیں: آپ کے متبعین اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت اور مومنین میں سے آپ کے نسبی قرابت دار اور یہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۲۰۶)

آل سے آپ کے متبعین ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں آل فرعون کا لفظ آیا ہے اس سے فرعون کے متبعین اور اس کے اہل دین مراد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کے متعلق فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، بے شک اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ (ھود: ۴۶)

یہی وجہ ہے کہ ابوجہل اور ابولہب کو آپ کی آل اور اہل نہیں قرار دیا جاتا حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان نسبی قرابت داری ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! فلاں شخص کی آل میرے ولی نہیں ہیں، میرا ولی اللہ ہے اور نیک مومن میرے ولی ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام عبد الرزاق سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے ثوری سے پوچھا: آل محمد کون ہیں؟ ثوری نے کہا: اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: اہل بیت ہیں اور بعض نے کہا: جو آپ کی اطاعت کرے اور آپ کی سنت پر عمل کرے وہ آپ کی آل ہے، امام بیہقی نے کہا: امام عبد الرزاق کا بھی یہی قول ہے اور یہی رائے حق کے مشابہ ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا کہ کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو کو اور اپنے اہل کو سوار کرو، حضرت نوح نے عرض کیا: میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے، تیرا وعدہ حق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے، فرمایا: اے نوح! بے شک تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے، اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے حضرت نوح کے بیٹے کو ان کے اہل سے نکال دیا۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل آپ کی امت ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی شخص۔ (معجم الصغیر ج ۱ ص ۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو درج کر کے لکھا ہے: اس میں نوح بن ابی مریم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ابو ہرمز بصری ایک ضعیف راوی ہے۔
(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

قاضی عیاض مالکی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۶۶ 'مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن مردویہ' طبرانی اور بیہقی کے حوالوں سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔
(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۸۳ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے لیکن یہ تعدد اسانید کی وجہ سے حسن لغیرہ ہو گئی اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے' نیز اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ اپنے اپنے صدقات لے کر آتے تو آپ فرماتے: اے اللہ! آل فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما' سو میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! آل ابی اوفی پر صلوٰۃ نازل فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے اور آپ کا آل ابی اوفی پر صلوٰۃ پڑھنا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی آپ کی آل میں ہیں۔

نیز امام حاکم روایت کرتے ہیں:

حضرت مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک مسلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۹۸ 'مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی اس پر دلالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر متبع اور صالح مومن آپ کی آل سے ہے۔

آل کے متعلق دوسرا قول ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور آپ کی ازواج' اس کی دلیل یہ حدیث ہے' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: اے اللہ! محمد پر صلوٰۃ نازل فرما اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت پر' جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں آپ نے آل کی جگہ ازواج اور ذریت کا ذکر فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج اور آپ کی ذریت بھی آپ کی آل ہیں۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کون ہیں؟ ازہری اور دیگر محققین کا مختار یہ ہے کہ تمام امت آپ کی آل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت (ازواج) اور آپ کی ذریت ہے۔
(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

آل کے متعلق تیسرا قول ہے: مومنین میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابت دار یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب آپ کی آل ہیں' اس پر دلیل یہ حدیث ہے' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ

تمیں رکھ لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو' چھوڑو' اس کو پھینک دو' کیا تم کو علم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۴ ـ ۳۴۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں' یہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵ ـ ۳۴۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیر دیا' پھر ہم نے تم کو نجات دی۔ (البقرہ: ۵۰)

بنو اسرائیل کے لیے سمندر چیرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی' اس نے کہا: ابھی رہنے دو' صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے' اس رات مرغ نے اذان نہیں دی' جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری ذبح کرائی اور کہا: جب میں اس کی کلیجی کھانے سے فارغ ہوں تو یہاں چھ لاکھ قبطی جمع ہو جائیں' پھر چھ لاکھ قبطیوں کے ساتھ فرعون نے بنو اسرائیل کا پیچھا کیا' ادھر حضرت موسیٰ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ان کے اصحاب میں سے یوشع بن نون نے کہا: اے موسیٰ! آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ حضرت موسیٰ نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتیٰ کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو پھر لوٹ آئے اور پھر پوچھا کہ آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ تین بار اس طرح ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں' جب حضرت موسیٰ نے سمندر پر عصا مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس سے پار گزر گئے۔ بعد میں جب فرعون اور اس کے ساتھ قبطی اس سے گزرنے لگے تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبطی غرق ہو گئے۔ یہ سمندر بحر قلزم تھا' قتادہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبطی بارہ لاکھ تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۹ ـ ۲۱۸ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا' پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ (البقرہ: ۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام ونسب کا بیان

امام رازی لکھتے ہیں:

لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے' اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے' مو کا معنی ہے: پانی اور سا کا معنی ہے: درخت' حضرت موسیٰ کو ان کی ماں نے فرعون کے خوف سے تابوت میں رکھ دیا تھا اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا' سمندر کی موجیں اس تابوت کو فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں لے آئیں' فرعون کی بیوی آسیہ کو وہ تابوت ملا' اس نے اس تابوت سے بچہ نکال لیا اور چونکہ یہ بچہ اسے پانی اور درختوں میں ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ونسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصھر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۳ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گئو سالہ پرستی

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس سے نجات دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا' پھر ان کو دس مزید راتوں سے پورا کیا۔ ان راتوں میں حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کی' اور حضرت ہارون کو بنو اسرائیل پر خلیفہ بنایا اور کہا: میں اپنے رب کے پاس جلدی میں جا رہا ہوں' تم میرے خلیفہ بنو اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا' حضرت موسیٰ اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں جلدی چلے گئے' حضرت ھارون قائم مقام ہوئے اور سامری بھی ان کے ساتھ رہا۔

ابوالعالیہ نے بیان کیا ہے: یہ مدت ایک ماہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے' اس مدت میں حضرت موسیٰ اپنے اصحاب کو چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہارون کو ان پر خلیفہ بنایا اور طور پر چالیس راتیں ٹھہرے اور ان پر زمرد کی الواح میں تورات نازل کی گئی' اللہ تعالیٰ نے ان کو قریب کر کے سرگوشی کی اور ان سے ہم کلام ہوا' اور حضرت موسیٰ نے قلم کے چلنے کی آواز سنی اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ان چالیس راتوں میں وہ بے وضو نہیں ہوئے حتیٰ کہ طور سے واپس آئے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۲' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام' حضرت ہارون کو خلیفہ بنا کر طور پر چلے گئے' بنو اسرائیل کے پاس قبطیوں کے وہ کپڑے اور زیورات تھے جو آنے سے پہلے قبطیوں سے انہوں نے عاریۃً لیے تھے' حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا: یہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے جائز نہیں ہیں ان کو جلا دو' انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی' جب حضرت موسیٰ سمندر میں جا رہے تھے تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک گھوڑی پر جاتے ہوئے دیکھا تھا' اس نے اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی' سامری کے پاس جو سونا اور چاندی تھی اس نے اس کو پگھلا کر اس کا ایک بچھڑا بنالیا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی' اس کے اثر سے اس مجسمہ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی' پھر سامری نے بنو اسرائیل سے کہا: یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ کا خدا ہے اور وہ قوم اس گوسالہ کی پرستش کرنے لگی' حضرت ہارون اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب نے گوسالہ پرستی کی۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی۔ (البقرہ: ۵۳)

کتاب سے مراد تورات ہے' اور اس کے نزول کا واقعہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے' اور فرقان سے مراد حضرت موسیٰ کے معجزات ہیں' جن میں عصا تھا' اور ید بیضا' اور بھی کئی معجزات تھے جن کو نو آیات بینات سے تعبیر فرمایا ہے' ان سب کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ (البقرہ: ۵۴)

بنو اسرائیل کی قبولیت توبہ کا بیان

اس آیت کے پس منظر اور پیش منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے' اس کا ترجمہ اس طرح ہے: (ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا:) اے موسیٰ! آپ نے لوگوں کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حضرت موسیٰ نے کہا: وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں' اور اے میرے رب! میں تجھے راضی کرنے کے لیے تیری بارگاہ میں جلدی حاضر ہوا' فرمایا: ہم

نے آپ کے بعد آپ کی امت کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا' سو حضرت موسیٰ نہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس ہوئے' اور فرمایا: میری امت! کیا تم سے تمہارے رب نے (تورات عطا کرنے کا) اچھا وعدہ نہیں کیا تھا' پھر کیا تم پر بہت طویل مدت گزر گئی تھی' یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو کیونکہ تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے' انہوں نے کہا: ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے وعدہ خلافی نہیں کی' لیکن ہم پر قوم فرعون کے بھاری زیور کا بوجھ تھا' ہم نے ان زیورات کو آگ میں ڈال دیا اور سامری نے بھی اپنے حصہ کے زیورات کو آگ میں ڈال دیا' پھر اس نے ان کے لیے بچھڑے کا بے جان جسم نکالا جو بیل کی سی آواز نکالتا تھا' لوگوں نے کہا: یہی موسیٰ کا معبود ہے اور تمہارا معبود ہے' موسیٰ تو بھول گئے' کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ بچھڑا تو ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا تھا اور نہ وہ ان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک تھا' اور بے شک ہارون نے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! اس بچھڑے کے ذریعہ تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو' اور بے شک تمہارا رب رحمن ہے' سو تم میری اتباع کرو اور میرا کہا مانو' انہوں نے کہا: ہم تو اسی کی پوجا پر جمے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر نہ آئیں' (موسیٰ نے واپس آ کر) کہا: اے ہارون! جب آپ نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ کو کیا چیز مانع تھی کہ آپ نے میری اتباع نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ (ہارون نے) کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور میرے سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے' بے شک مجھے یہ ڈر تھا کہ (اگر میں نے ان کو سختی سے روکا) تو آپ کہیں گے کہ تم نے بنو اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی' اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا' (موسیٰ نے سامری سے) فرمایا: اے سامری! تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہ دیکھی تھی (مجھے گھوڑی پر جبرائیل سوار نظر آئے) تو میں نے رسول (جبرائیل) کی سواری کے نقش قدم (کی مٹی) سے ایک مٹھی بھر لی' پھر میں نے اس کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح بات آئی تھی' فرمایا: تو (اب) دفع ہو جا' بے شک اب زندگی بھر تیری یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے کہ (خبردار مجھے) نہ چھونا' اور تیرے لیے (عذاب کا) وعدہ ہے جو ہرگز تجھ سے نہیں ٹلے گا' اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جما بیٹھا تھا' ہم اس کو ضرور جلا کر بھسم کر دیں گے' پھر اس (کی راکھ) کو (اڑا کر) دریا میں بہا دیں گے' تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' جس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا' اسی طرح ہم آپ کو گزشتہ واقعات کی خبریں بیان فرماتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے۔

(طٰہٰ: ۹۹۔ ۸۳)

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

سدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس گئو سالہ کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دیا[1] پھر حضرت موسیٰ نے فرمایا: اس سمندر سے پانی پیو تو جو اس بچھڑے سے محبت کرتا تھا اس کی مونچھوں پر اس سونے کے ذرات لگ گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں پلایا گیا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد جب بنو اسرائیل کو اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں بنو اسرائیل کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا' پس موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: اے میری امت! تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر

[1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ مجسمہ گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا تھا حضرت موسیٰ نے اس کو ذبح کر کے جلا دیا' اور بعض نے کہا: وہ اسی طرح سونے اور چاندی کا مجسمہ تھا' اس کو آلات سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیا۔ منہ

ظلم کیا ہے' تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور تم ایک دوسرے کو قتل کرو' پھر انہوں نے دو صفتیں بنائیں۔ایک صف میں بچھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صفت میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی اور انہوں نے گوسالہ پرستوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کردیئے گئے'[1] پھر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی کہ اے رب! اس طرح تو سارے بنو اسرائیل ہلاک ہو جائیں گے' اے رب! بقیہ کو معاف فرمادے' تب انہیں ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا' جو قتل ہو گئے وہ شہید قرار پائے اور جو بچ گئے ان کا کفارہ ہو چکا تھا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۷ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

یہ بنو اسرائیل کی توبہ تھی اور ہمارے لیے توبہ یہ ہے کہ گناہوں پر اشک ندامت بہائیں' گناہ کو فوراً ترک کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیں کہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کے ذریعہ جو حق ضائع ہوا ہے اس کی تلافی کر لیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھ لیں' سو تم

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے ○ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا

تمہیں دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم شکر ادا کرو ○ اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ فگن کیا اور تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا

من وسلویٰ کو نازل کیا' ہم نے تم کو جو پاک چیزیں دی ہیں ان سے کھاؤ' اور (ہماری حکم عدولی کر کے) انہوں نے

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

ہم پر ظلم نہیں کیا' البتہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اور جب ہم نے کہا: اس شہر میں

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں جھکتے ہوئے داخل

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ

ہونا اور یہ کہو "حطۃ" (ہمارے گناہ معاف فرما) تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکی

[1] امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ستر ہزار افراد بلا امتیاز قتل کیے گئے اور علامہ خازن نے لکھا ہے کہ بری نے مجرم کو قتل کیا۔

(خازن ج ۱ ص ۵۴) منہ

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ

کرنے والوں کو زیادہ اجر دیں گے O سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا اس کو ظالموں نے بدل دیا

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ

پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۶ ۱۳

کیونکہ وہ فسق کرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرہ: ۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا

امام محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور بچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا' پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد ستر تھی' سے فرمایا: تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور اپنی اس گوسالہ پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو' جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا: آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں' حضرت موسیٰ نے فرمایا: اچھا' حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا' حضرت موسیٰ اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا: تم قریب آجاؤ' جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا' تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے' جب قوم اس بادل کے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی' حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے' جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا' تو یہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے: ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں' اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آپڑی اور وہ سب مر گئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا: اے اللہ! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا' جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے' بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں پھر بنو اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۲۔ ۲۳۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کو طلب کرنا جائز ہے لیکن بنو اسرائیل نے چونکہ سرکشی اور عناد سے دیدار طلب کیا تھا اس لیے ان کو بجلی کی کڑک کا عذاب ہوا۔ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور آخرت میں مسلمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے معتزلہ اس کے منکر ہیں' سورہ اعراف: ۱۴۳ میں ان شاء اللہ اس کی مفصل بحث آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرہ: ۵۶)

ستر اسرائیلیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ان کے مکلف ہونے کے منافی نہیں

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. وہ کہیں گے: اے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار تو نے ہمیں زندہ فرمایا۔ (المؤمن: ۱۱)

پہلے انسان بے جان مٹی کی صورت میں یا بے جان نطفہ کی صورت میں تھا' پھر اس کو زندہ کیا' پھر اس پر طبعی موت آئی اور اس کو پھر آخرت میں زندہ کیا' اس طرح ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں اور ان بنو اسرائیل کے لیے تین موتیں اور تین حیاتیں ہو گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت جاریہ یہی ہے کہ ہر شخص پر دو بار موت آتی ہے لیکن کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اپنی عادت کے خلاف بھی کرتا ہے' جیسا کہ عام عادت یہ ہے کہ انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کرتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کو بغیر مرد کے' حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کر دیا' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی مدت عمر علم الٰہی میں پوری ہو چکی تھی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی' اور جن لوگوں کی مدت عمر علم الٰہی میں ابھی باقی تھی اور بہ طور سزا یا کسی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر اجل سے پہلے موت طاری کی گئی ان کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور ان ستر بنو اسرائیل پر موت کے بعد حیات طاری کرنا اسی قبیل سے تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل کو زندہ کرنے کے بعد ان کو پھر مکلف کیا گیا حالانکہ مرنے کے بعد انہوں نے احوال آخرت کو دیکھ لیا تھا اور ان پر غیب مشاہد ہو چکا تھا' اور اگر ان کو مکلف کرنا جائز ہے تو عام لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ مکلف کرنا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ مکلف نہ کرنے کی وجہ صرف مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان احوال آخرت کا مشاہدہ کر لیتا ہے' جنت کی راحت یا دوزخ کے عذاب کو جان لیتا ہے اور اب آخرت پر ایمان اس کے نزدیک بدیہی اور ضروری ہو جاتا ہے اور اس میں عقل کی آزمائش اور امتحان کا کوئی دخل نہیں رہتا' اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ان ستر بنو اسرائیل نے مرنے کے بعد احوال آخرت کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور عام لوگوں پر موت کے بعد جو واردات مرتب ہوتی ہیں وہ ان پر مرتب نہ ہوئی ہوں' اس لیے ان کو دوبارہ مکلف کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کی خصوصیت ہو کیونکہ بنو اسرائیل کو ایسی نشانیاں دکھائی گئیں جن کے بعد عقل کی آزمائش کا دخل نہیں رہتا' اس کے باوجود ان کو مکلف کیا گیا' مثلاً انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ ان کے اوپر ہوا میں معلق ہو گیا ہے' اسی طرح چالیس سال تک بادل کا ان پر سایا کرنا' ان پر من اور سلویٰ کا نازل ہونا' نیز حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے بھی عذاب کے آثار دیکھ لیے تھے اور اس کے بعد وہ ایمان لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ فگن کیا اور تم پر من اور سلویٰ کو نازل کیا۔ (البقرہ: ۵۷)

میدان تیہ میں بنو اسرائیل کی سرگردانی کا پس منظر و پیش منظر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جبارین کے شہر میں داخل ہوں اور ان کے خلاف جہاد کریں' انہوں نے حضرت موسیٰ

سے کہا: آپ اور آپ کا رب ان سے جنگ کریں' ہم یہیں بیٹھے رہیں گے' ان کی اس گستاخی کی سزا کے طور پر ان کو میدان تیہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھا گیا' میدان تیہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ فرسخ (ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا ہے) کا ایک وسیع وعریض میدان ہے۔ اس کی تفصیل اور پس منظر اس طرح ہے:

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آ کر مقیم ہوئے۔ فرعون مصر کی غلامی کا دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا' بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات عطا فرمائی' فرعون سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دوران ملک شام پر قوم عمالقہ قابض ہو چکی تھی' فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا وطن آزاد کرائیں۔ بنی اسرائیل جہاد کے لیے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے' جب یہ عمالقہ کی حدود کے قریب پہنچے تو ان کی قوت اور طاقت کا حال سن کر ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزا یوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے' رات بسر کرنے کے بعد صبح کو اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا ہوتا' اسی پریشان حالی کے عالم میں چالیس سال انہوں نے میدان تیہ میں گزار دیے۔ اس وادی میں نہ کوئی سایا دار درخت تھا اور نہ ہی کوئی عمارت' نہ پینے کے لیے پانی نہ کھانے کے لیے کوئی چیز' نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات' اس بے سروسامانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لیے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایا کے حصول کے لیے بادل بطور سائبان نازل فرما دیا' کھانے کے لیے من وسلویٰ بھیج دیا' من وسلویٰ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' صحیح قول یہی ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

سلویٰ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں' صحیح قول یہی ہے کہ وہ بٹیر تھا' بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے' وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے' الغرض من وسلویٰ ان کی شیریں اور نمکین غذائیں تھیں جنہیں کھاتے تھے' حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر پر عصا مارا اور اس سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ تاریکی دور کرنے کے لیے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی۔ لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اس طرح دکھایا کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم کے ساتھ ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۰۸۔ ۴۰۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے کہا: اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہو: "حطۃ" (ہمارے گناہ معاف فرما)۔ (البقرہ: ۵۸)

بنو اسرائیل کا "حطۃ" کو "حنطۃ" کہنا

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق اس شہر سے مراد بیت المقدس ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اریحا ہے' ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد شام ہے اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد رملہ ہے یعنی اردن اور فلسطین۔ اس آیت میں ایک اور نعمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میدان تیہ سے نجات دی اور بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عنایت فرمایا' اس کی تفصیل اس طرح ہے:

جیسا کہ پچھلی آیت میں بیان فرمایا ہے بنو اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے' اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون کی اور پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم عمالقہ سے جہاد کیا اور جو بنو اسرائیل زندہ بچ گئے تھے' انہوں نے حضرت یوشع بن نون کا ساتھ دیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنو اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی' جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور حطۃ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا' مگر یہ لوگ اللہ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور ''حنطۃ'' یا ''حنطۃ فی شعرۃ'' (گندم' گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہیے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۱۔ ۴۰۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو قول کہنے کے لیے ان سے کہا گیا تھا اس کو ظالموں نے بدل دیا' پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (البقرہ: ۵۹)

بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے بیان کیا کہ جب بنو اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطۃ کی جگہ انہوں نے حنطۃ کہا تو طاعون کی وبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہوگئے اور ان کے بیٹے بچ گئے اور بنو اسرائیل میں جس فضل اور عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیٹوں میں تھا اور ان کے تمام آباء واجداد طاعون کی اس وبا میں ہلاک ہوگئے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۴۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس طاعون سے ستر ہزار بنو اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

طاعون کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام ابن جریر' امام مسلم' امام نسائی اور امام ابن ابی حاتم' حضرت سعید بن مالک' حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ طاعون گندگی ہے اور تم سے پہلے جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان کا بچا ہوا عذاب ہے' اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں ہو تو تم وہاں سے مت نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقہ میں طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۲' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عذاب ہے' اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیج دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا' جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہو اور وہ صبر کے ساتھ وہیں ٹھہرا رہے اور اس کا ایمان ہو کہ اس کو وہی مصیبت

پہنچے گی جو اس کی تقدیر میں ہے تو اس کو ایک شہید کا اجر ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲۔ ۸۵۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۳۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو گے (اور میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو) تو تم پر مختلف عذاب نازل ہوں گے' جب قوم علانیہ بدکاری کرنے لگے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسے دردوں والی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں' اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے اس میں قحط سالی' سخت مشقت اور ظالم حکومت نازل کی جاتی ہے' اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیے جاتے ہیں' اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی' اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرتے ہیں' ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کے بعض اموال کو لوٹ لیتے ہیں اور جو ائمہ اور حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ آپس کی جنگوں کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۹۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

طاعون کے متعلق قدیم علماء اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق

علامہ نووی لکھتے ہیں:

طاعون جسم میں نکلنے والی گلٹیاں ہیں' یہ گلٹیاں' کہنیوں' بغلوں' ہاتھوں' انگلیوں اور سارے بدن میں نکلتی ہیں' اس کے ساتھ سوجن ہوتی ہے اور سخت درد ہوتا ہے' یہ گلٹیاں جلن کے ساتھ نکلتی ہیں اور ان کی جگہ سیاہ' سرخ یا سبز ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے طبیعت میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۷۵ھ)

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ طاعون کی بیماری کی اصل وجہ ایک خورد بینی جرثومہ یریسیمیا پسٹس (YARISIMIAPASTIS) ہے' جو ایک پسو نما کیڑے میں پرورش پاتا ہے' یہ پسو زیادہ تر چوہوں اور چوہوں کی اقسام کے جانوروں میں پائے جاتے ہیں اور یہ چوہے کی کھال کے ساتھ مضبوطی سے چپٹے ہوتے ہیں۔ جب یہ چوہے طاعون زدہ پسو کو سوار کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' یا مر جاتے ہیں تو پسو دوسرے جانوروں یا انسانوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور بیماری کا باعث بنتے ہیں' بیماری زیادہ تر ان ہی پسوؤں کے کاٹنے سے جنم لیتی ہے' اس کے علاوہ یہ بیماری دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے' اس میں ہوا کے ذریعے جرثومہ کی بیمار آدمی سے تندرست آدمی تک منتقلی یا جرثومہ کا کسی اور جانور میں منتقل ہونا اور بعد ازاں بیماری کی وجہ بننا شامل ہے۔

طاعون کی علامت دو طرح سے نمودار ہوتی ہے

(۱) غدودی طاعون: یہ پسوؤں کے کاٹنے سے ہوتا ہے' اس میں مرض بڑھے ہوئے غدودوں کے ساتھ آتا ہے' ساتھ ساتھ اس کو بخار' سر میں درد' سستی اور پیٹ کی تکلیف وغیرہ بھی ہوتی ہے' غدودوں کا سائز ایک سم سے دس سم تک ہوتا ہے' یہ غدود زیادہ تر چڈھوں کے حصہ میں پائے جاتے ہیں' اس کے علاوہ بغل اور گردن میں بھی پائے جاسکتے ہیں' یہ بالائی کھال اور زیریں حصہ سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ ہلائے جاسکتے ہیں' بالائی کھال زیادہ تر سرخ ہو جاتی ہے غدودوں کے ظاہر ہونے سے پہلے بخار اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے' غدودوں کے ظہور کے ساتھ متلی' الٹی اور دست کی علامات بھی ہو سکتی ہیں' اگر

اس مرحلہ پر علاج نہ کیا جائے تو یہ جرثومے سارے جسم میں پھیل جاتے ہیں اور موت کا باعث ہوتے ہیں۔

(۲) نیمونی طاعون: یہ طاعون ہوا کے ذریعہ بیمار سے تندرست میں منتقل ہوتے ہیں' اس قسم کے طاعون میں پھیپھڑے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور مریض میں نمونیہ کی علامات ہوتی ہیں' اس میں بخار' کھانسی اور سانس کا تیز چلنا شامل ہوتا ہے' اگر بروقت علاج نہ ہو تو بیماری شدت اختیار کر لیتی ہے' جس سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ تھوک میں خون آنے لگتا ہے اور بالآخر پھیپھڑے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ مرض کی تشخیص میں لیبارٹری کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ زیادہ تر تشخیص مرض کی علامات اور وبائی شکل میں موجودگی سے ہی ہو جاتی ہے۔

طاعون کا علاج

مرض کا علاج فوری طور پر اینٹی بائیوٹک (ANTIBIOTICES) سے کیا جاتا ہے' جس میں ٹیٹرا سائیکلین (TETRACYCLINE) اسٹریپٹو مائی سین (STREPTOMYCIN) اور کلورو مائی سی ٹن (CLORUOMYCTIN) شامل ہیں۔ جب طاعون کی وباء پھیل جائے تو مادی اسباب بھی اختیار کرنا چاہئیں' شہر کو گندگی اور چوہوں سے صاف کیا جائے اور فوراً کسی قابل ڈاکٹر کے مشورہ سے علاج کیا جائے اور باقی صحت مند افراد کو مریض سے الگ رکھا جائے اور روحانی اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں۔ اپنے اپنے گناہوں کو فوراً ترک کر دیا جائے اور ان پر توبہ اور استغفار کیا جائے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ارواح خبیثہ کی تاثیرات سے بھی طاعون ہو جاتا ہے اور اس کو دفع کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ارواح طیبہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ ارواح خبیثہ کے شر کو دور کر دیتی ہے۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۷۶۔ ۷۵ مطبوعہ مصطفی البابی و اولادہ مصر ۱۳۶۹ھ)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا: اپنا عصا اس پتھر پر مارو

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ

مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى

کو جان لیا' اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى

میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ○ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک (قسم کے) کھانے پر صبر

طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

نہیں کریں گے' سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ (من اور سلویٰ کی بجائے) ہمیں زمین کی

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ

اگائی ہوئی چیزیں، سبزی، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز نکال کر دے، فرمایا:

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز مانگتے ہو؟ شہر میں چلے جاؤ، وہاں تم کو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ

وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا، اور ان پر ذلت اور بدحالی

وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

ڈال دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ

یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ

کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے (بھی) ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

حد سے تجاوز کرتے تھے O

زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی کا معجزہ

میدان تیہ میں جب بنو اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس چٹان پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، وہ چٹان اب بھی جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے، ایک عیسائی محقق نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے فلسطین کا سفر کیا اور اس چٹان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے اور آگے کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

ایک پتھر پر عصا مارنا اور اس سے پانی کے چشموں کا پھوٹ پڑنا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اس پتھر نے زمین کی اندرونی تہوں سے پانی کھینچ لیا تھا، یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس پتھر میں پانی پیدا کر دیا، چٹان پر لاٹھی مار کر پانی نکالنا خلاف عادت کام ہے لیکن بہت زیادہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین کے نیچے پانی ہوتا ہے اور آلات کے ذریعہ زمین کو کھود کر پانی نکالا جا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے آلات کے بغیر لاٹھی کی ایک ضرب سے بارہ چشمے جاری کر دیئے، لیکن ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کو جاری کر دیا اور وہاں سے پانی نکالا جہاں عادتاً پانی ہوتا نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو سب لوگ ٹوٹ پڑے' آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: ہمارے پاس وضوء کے لیے پانی ہے اور نہ پینے کے لیے' صرف یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے' آپ نے اس برتن پر اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی ابلنے لگا' ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہم سب نے وضوء کیا' راوی نے پوچھا: حدیبیہ کے دن آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ حضرت جابر نے کہا: ہم لوگ پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کافی ہو جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)
حضرت جابر نے پندرہ سو صحابہ کے وضو کرنے کا ذکر کیا ہے' یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے' قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین سو صحابہ کے وضوء کرنے کو روایت کیا ہے' یہ مدینہ منورہ میں مقام زوراء کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۴) حسن بصری نے حضرت انس سے ستر صحابہ کے وضو کا واقعہ روایت کیا ہے' یہ کسی سفر کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵) حمید نے حضرت انس سے اسی صحابہ کے وضو کرنے کو روایت کیا ہے' یہ مدینہ منورہ میں مسجد کے قریب کسی جگہ کا واقعہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵)
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے چشمے پھوٹنے کا معجزہ متعدد بار سفر اور حضر میں رونما ہوا' اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے کئی درجے افضل ہے۔

یہودیوں کے نبیوں کو قتل کرنے پر تورات کی شہادت

جب بنو اسرائیل نے من اور سلویٰ کی بجائے زمین کی پیداوار میں سے گندم اور مسور کی دال وغیرہ کو طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تعجب اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: تم اس کامل اور لذیذ غذا کے بدلہ میں ادنیٰ درجہ کی چیزیں مانگ رہے ہو' تم کسی بھی زرعی زمین میں چلے جاؤ' وہاں تم کو مطلوبہ اجناس مل جائیں گی' لیکن بنو اسرائیل نے جو کفران نعمت کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کا مذاق اڑایا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا' کیونکہ انہوں نے اشعیا' زکریا اور یحییٰ علیہم السلام وغیرھم کو بلاوجہ قتل کیا تھا' اس کی سزا میں ان پر دنیا میں ذلت اور خواری مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہوئے اور اخروی عذاب دائم اس کے علاوہ ہے۔
بنو اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کو جو ایذا پہنچائی اور قتل کیا اس کی شہادت تورات سے حسب ذیل ہے:
اور اخی اب نے سب کچھ کیا جو انبیاء نے کیا تھا اور یہ بھی کہ اس نے سب نبیوں کو تلوار سے قتل کر دیا۔
(۱۔ سلاطین' باب: ۱۹' آیت ۱' پرانا عہد نامہ ص ۳۵۳' مطبوعہ لاہور)
اور شاہ اسرائیل نے کہا: میکایا (یہ نبی تھے۔ سعیدی غفرلہ) کو لے کر اسے شہر کے ناظم امون اور یوآس کے پاس لوٹا لے جاؤ اور کہنا: بادشاہ یوں فرماتا ہے کہ اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا جب تک میں سلامت نہ آؤں۔ (۱۔ سلاطین' باب: ۲۲' آیت ۲۷۔ ۲۶' پرانا عہد نامہ ص ۳۵۸' مطبوعہ لاہور)
تب خدا کی روح یہویدع کاہن کے بیٹے زکریا پر نازل ہوئی' سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا: خدا یوں فرماتا ہے کہ تم کیوں خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا۔
(۲۔ تواریخ' باب ۲۴' آیت ۲۱۔ ۲۰' پرانا عہد نامہ ص ۴۴۶' مطبوعہ لاہور)

یرمیاہ نبی۔ کے متعلق لکھا ہے:

اور جب یرمیاہ قید خانہ کے صحن میں بند تھا خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا۔ یرمیاہ باب ۳۹ آیت: ۱۶

وہ کلام جو خداوند کی طرف سے یرمیاہ پر نازل ہوا' اس کے بعد کہ جلوداروں کے سردار نبوزرادان نے اس کو رامہ سے روانہ کر دیا' جب اس نے اسے ہتھکڑیوں سے جکڑا ہوا ان سب اسیروں کے درمیان پایا جو یروشلم اور یہوداہ کے تھے جن کو اسیر کر کے بابل کو لے جا رہے تھے۔ (یرمیاہ باب: ۴۰ آیت: ۱' پرانا عہد نامہ ص ۷۵۶' مطبوعہ لاہور)

حضرت یحییٰ کے متعلق لکھا ہے:

وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا بپتسمادینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے O بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے اس سے انکار نہ کرنا چاہا O پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے' اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔ (مرقس باب: ۶' آیت: ۲۹-۲۱' نیا عہد نامہ ص ۴۰' مطبوعہ لاہور)

یہودیوں پر ذلت مسلط کیے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت جو ڈالی گئی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ذلیل اور غیروں کا محتاج رکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہودی مال دار ہیں لیکن یہ بہت خسیس اور بخیل ہیں' یہ مال جمع کرنے کی حرص میں ہمیشہ ذلت' خواری اور بدحالی کی زندگی گزارتے ہیں' ہر چند کہ یہودیوں کی اسرائیل میں حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن وہ اس حکومت کے قیام میں اور اپنی اقتصادیات' سیاست اور فوجی قوت میں بڑی طاقتوں خصوصاً امریکہ کے محتاج ہیں' قرآن مجید میں ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ. (آل عمران: ۱۱۲)

یہ جہاں کہیں بھی رہیں ان پر خوار ہونا لازم کر دیا گیا ہے بجز اس کے کہ یہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی کا سہارا لیں۔

اور آج کل جو ان کی حکومت قائم ہے وہ برطانیہ اور امریکہ کی رسی کے سہارے ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ

بے شک ایمان والے (مسلمان) یہودی' عیسائی اور صابئین' جو بھی اللہ

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

اور آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے' اور نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

صابئین کے دین کی تحقیق

صابئین کا لفظ صباء سے بنا ہے' علامہ ابن جریر اس کے متعلق لکھتے ہیں:

جو شخص ایک دین کو ترک کر کے دوسرے دین کو اختیار کر لے اس کو لغت میں صابی کہتے ہیں' مجاہد نے کہا: صابی وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہ ہو' مجاہد سے ایک اور روایت ہے کہ صابی' مجوس اور یہود کے درمیان ایک قوم ہے' ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' حسن بصری سے روایت ہے کہ صابی فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں' ابوالعالیہ نے کہا: صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور کو پڑھنے والا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ص ۲۵۳۔ ۲۵۲' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اسحاق نے کہا: صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے' امام ابوحنیفہ نے کہا: ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں[1]۔

خلیل نے کہا: ان کا دین دین نصاریٰ کے مشابہ ہے' جنوب کی ہوا کی طرف ان کا قبلہ ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ حضرت نوح کے دین پر ہیں' حضرت ابن عباس نے کہا: ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ ہمارے علماء نے جو ان کے متعلق بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صابی موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں' اسی وجہ سے ابوسعید اصطخری نے ان کی تکفیر کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ص ۴۳۵۔ ۴۳۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ بیضاوی نے ان اقوال کے علاوہ یہ قول نقل کیا ہے کہ صابی ستارہ پرست ہیں۔

(انوار التنزیل (درسی) ص ۷۹' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

صابئین کے کئی فرقے ہیں' روم کے صابی ستارہ پرست ہیں' ہند کے صابی بت پرست ہیں' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صابی بت پرست نہیں ہیں' یہ ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ موحد ہیں اور ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ص ۲۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

صابئہ کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں (قہستانی) اور بدائع میں مذکور ہے' ان کی کتاب زبور ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان کے کئی فرقے ہوں۔ (ردالمحتار ج ۵ص ۱۸۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اغلب یہی ہے کہ صابئین کے کئی فرقے ہیں' ان کے متعلق جتنے اقوال ہیں' ان کے اتنے ہی فرقے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے جس فرقے کے متعلق کہا کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے وہ حکماً اہل کتاب ہیں' تمام صابئین کے متعلق امام اعظم کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔

ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ

اس آیت میں دوسری تحقیق طلب بات یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے یہودی' عیسائی اور صابی ان میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ان کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا' تو جو ایمان لا چکے ہیں' ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہوگا' ان میں سے جو ایمان لائے' کیونکہ ایمان لائے ہوئے لوگوں کا پھر ایمان لانا تحصیل حاصل ہے۔ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

[1] علامہ ابوالیث سمرقندی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ص ۱۲۵) منہ

(۱) ''ان الذین امنوا'' سے مراد یہ ہے کہ جو زبان سے ایمان لائے اور ''من امن باللّٰہ'' سے مراد ہے: دل سے ایمان لائیں یعنی جو لوگ صرف زبان سے ایمان لائے ہیں جیسے منافقین ان میں سے جو دل سے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو ان کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا' اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(النساء: ۱۳۶)

یعنی جو صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہ دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔

(۲) ''ان الذین امنوا'' سے مراد یہ ہے کہ جو ماضی میں اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ''من امن باللّٰہ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں برقرار اور ثابت قدم رہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ''ان الذین امنوا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور یہود اور نصاریٰ نے جو دین میں باطل چیزیں داخل کر لی ہیں ان سے بری تھے' مثلاً قس بن ساعدہ' بحیرہ راھب' حبیب النجار' زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' سلمان فارسی اور نجاشی کا وفد' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: جو لوگ بعثت محمد سے پہلے ایمان لائے تھے' اور یہود و نصاریٰ میں سے جو ادیان باطلہ پر ہیں' ان میں سے جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا اس کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی؟

اس آیت سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ نجات کے لیے مسلمان ہونا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان' یہودی' عیسائی اور صابئی جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں ان کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا اور موجودہ یہودی اور عیسائی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' لہٰذا ان میں سے جو بھی نیک کام کرنے والے ہیں ان سب کی نجات ہوگی۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ''من امن باللّٰہ'' کا معنی ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے ہر قول اور اس کے ہر حکم کو مان لیا جائے اور جب تک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آپ کو خاتم النبیین نہ مان لیا جائے' اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوگا' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ (الفتح: ۲۹) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (الاحزاب: ۴۰) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آخری نبی نہ مان لیا جائے' اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا صحیح نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ (آل عمران: ۱۹) بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (التوبہ: ۳۳)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین پسند نہ کریں ○

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (آل عمران: ۸۵)

اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی یہودی' عیسائی یا صابی اپنے مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول نہیں کرے گا اس کا اللہ پر ایمان نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے' جب تک کہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات اور احادیث کا مطالعہ نہ کر لیا جائے' کیونکہ بعض آیات مجمل ہوتی ہیں اور ان کی تفصیل دوسری آیات میں ہوتی ہے' بعض آیات بہ ظاہر متعارض ہوتی ہیں اور ان میں کسی دقیق وجہ سے تطبیق ہوتی ہے اور بعض آیات منسوخ اور بعض ناسخ ہوتی ہیں' بعض آیات عام ہوتی ہیں اور بعض دوسری آیات ان کے لیے مخصص ہوتی ہیں اور یہی حال احادیث کا ہے' اس لیے کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو دیکھ کر نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔

نجات کے لیے صرف دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ مسلمان' یہود اور نصاریٰ آپس میں ملے' یہود نے مسلمانوں سے کہا: ہم تم سے بہتر ہیں' ہمارا دین تم سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تم سے پہلے ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں' اور ہم ہی دین ابراہیم پر ہیں اور جنت میں صرف یہودی ہی داخل ہوں گے' نصاریٰ نے بھی اسی طرح کہا' مسلمانوں نے کہا: ہماری کتاب تمہاری کتاب کے بعد ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نبی کے بعد ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین کے بعد ہے اور تم کو اپنے دین کے ترک کرنے اور ہمارے دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں' ہم ہی حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے دین پر ہیں اور جنت میں وہی شخص داخل ہو گا جو ہمارے دین پر ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ (النساء: ۱۲۳۔ ۱۲۴)

تمہاری خواہشوں پر (کچھ موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی امیدوں پر' جو برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی' اور وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا ○ اور جو حالت ایمان میں نیک کام کریں گے' خواہ مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○

(المنار ج ۱ ص ۳۳۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے کہ جنت ان کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی مسلمان کا محض زبانی ایمان کا دعویٰ کرنا کافی ہے بلکہ جو اللہ اور اس کے رسول پر صحیح ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا وہ جنتی ہو گا' اسی نہج پر یہ آیت

ہے کہ جو لوگ محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہودی' عیسائی اور صابیٔ ان کا محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنا' یا کسی کا یہودی ہونا یا کسی کا عیسائی ہونا یا کسی کا صابیٔ ہونا نجات کا سبب نہیں ہے' نجات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر صحیح ایمان لائیں اور آخرت کو مانیں بایں طور کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانیں اور پچھلے تمام ادیان کو منسوخ مانیں اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں اور ان کو آخرت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھا لیا کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ

اس کو مضبوطی سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو اس امید سے یاد کرو کہ تم پرہیز گار بن جاؤ O اس (عہد) کے بعد

بَعْدِ ذٰلِكَۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ

پھر تم نے اعراض کیا' سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور

مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے O اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے

السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ ﴿۶۵﴾ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا

ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا' پس ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ O سو ہم نے اس (واقعہ) کو

لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾

اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا۔ (البقرہ: ۶۳)

عہد اور میثاق کا معنی

عہد کا معنی ہے: کسی شے کی حفاظت کرنا اور ہر حال میں اس کی رعایت کرنا' جس عقد کی رعایت لازم ہو اس کو بھی عہد کہتے ہیں' ہماری عقلوں میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں کتاب اور سنت کے ذریعے احکام دیے ہیں اور ہم نے ان کی اطاعت کا اقرار کیا ہے' اس کو بھی عہد کہتے ہیں اور جس چیز کو شریعت نے لازم نہیں کیا تھا لیکن ہم نے از خود نذر مان کر اس کو لازم کر لیا اس کو بھی عہد کہتے ہیں' جو کفار مسلمانوں کے عہد میں داخل ہوں ان کو ذو عہد اور معاہد کہتے ہیں۔ عاقدین کے درمیان جس عقد کو حفاظت کے لیے لکھا جاتا ہے اس کو عہدہ اور وثیقہ کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۳۵۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

وثاقت کے معنی ہیں: کسی چیز کو مضبوط کرنا' رسی سے باندھنا' میثاق اس عقد کو کہتے ہیں جس کو قسم اور اقرار کے ذریعہ موکد کیا گیا ہو۔ (المفردات ص ۵۱۲۔ ۵۱۱' المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھالیا۔ الخ (البقرہ: ۶۳)

کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے

اس آیت میں جو طور کا لفظ ہے اس کے مصداق میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد وہ پہاڑ ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا' مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے غیر معین پہاڑ مراد ہے' مجاہد نے کہا: سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا: ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو' تو انہوں نے کہا: جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے' پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ ہلاک کیے گئے' اور پھر زندہ کیے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا' انہوں نے پھر انکار کیا' تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں' ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آرہی تھی' ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا' تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے' انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا: اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا' پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو' اور جو کچھ اس میں ہے' اس کو یاد کرو' یعنی اس میں تدبر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو' کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے' یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کرلی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا' اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۴۳۷۔ ۴۳۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

کیا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر کے ان سے تورات کو قبول کرانا' ان کے اختیار کے منافی نہیں تھا؟

اس مقام پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تو پھر ان کا تورات کو قبول کرنا جبر سے ہوا' اور جبر کے ساتھ کسی کا ایمان لانا مقبول نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جبر نہیں ہے' جبر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کا اختیار نہ ہو' اور اس میں ان کا اختیار تھا' وہ چاہتے تو پہاڑ کے نیچے رہنا قبول کر لیتے اور چاہتے تو تورات کو قبول کر لیتے' سو انہوں نے جان بچانے کے لیے تورات کو قبول کر لیا' البتہ یہ اکراہ ہے' اکراہ وہ ہوتا ہے جس میں جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کوئی کام کرایا جائے' اور ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں اکراہ کے ساتھ ایمان جائز ہو۔ ہماری شریعت میں بھی ابتداءً دین میں اکراہ ممنوع تھا' بعد میں جب کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب کافروں سے یہ کہا گیا کہ یا وہ اسلام قبول کرلیں' یا جزیہ دیں

ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو پھر دین میں اکراہ کی ممانعت منسوخ ہو گئی۔

(عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۱۷۴۔ ۱۷۳ 'مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۹۸۳ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا' پس ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ (البقرہ: ۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ''ایلہ'' میں آباد تھی' یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا' اس جگہ کے سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں' ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں' ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا' یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا' وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے' نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی' خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے' کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں' نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے' مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ' ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے' جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا' تو مانعین نے کہا: بہ خدا! ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے' انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے' پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل فرمایا' ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا کہ مجرمین میں سے کوئی نہیں نکلا' جب کافی دیر ہو گئی تو وہ دیوار پھاند کر گئے' دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے' ایک قول یہ ہے کہ جوان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے' وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے' وہ تین دن اس حال میں روتے رہے' پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۶۰ 'مطبوعہ دار الکتب العربیہ' پشاور)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے' کیونکہ آپ امی تھے' آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے' اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الٰہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بہ کثرت مچھلیاں آتی تھیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہتات دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے پر جمے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ (العنکبوت: ۲)	کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی

آزمائش نہیں کی جائے گی؟O

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو متمیز کر دیتا ہے۔

موجودہ بندروں کے مسخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

ایک بحث یہ ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر آیا انہی بنو اسرائیل کی نسل سے ہیں جن کو مسخ کر دیا تھا یا وہی بندر اور خنزیر ہیں جو شروع سے نسل در نسل چلے آ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسخ شدہ بنو اسرائیل تین دن بعد مر گئے تھے۔ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی ایک طویل روایت ذکر کی ہے' اس میں ہے:

جن لوگوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا تھا' ان کی معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا' وہ زمین میں صرف تین دن زندہ رہے' انہوں نے کچھ کھایا' نہ پیا' نہ ان کی نسل چلی' اور اللہ تعالیٰ نے بندروں' خنزیروں اور باقی تمام مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا اور وہ جس کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۶۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

تقریباً تمام علماء اسلام' محدثین' مفسرین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے' البتہ علامہ ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ جن کو مسخ کیا گیا تھا ان کی ان کے بعد نسل چلی یا نہیں۔ بعض نے یہ کہا: ان کی نسل نہیں چلی اور بعض نے کہا: ان کی نسل چلی ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں' پہلی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک امت مسخ کی گئی تھی اور مجھے خدشہ ہے کہ گوہ اسی امت سے ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۲۔ ۱۵۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے' ہم نے بہت سی گوہ شکار کیں' میں نے ان میں سے ایک گوہ بھون کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی' آپ ایک لکڑی سے اپنی انگلیاں گنتے رہے' پھر آپ نے فرمایا: بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو مسخ کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا' میں نہیں جانتا وہ کون سا جانور تھا' پھر آپ نے گوہ نہیں کھائی اور نہ اس سے منع فرمایا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۷۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۸۔ ۱۹۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ثابت بن زید انصاری سے روایت کیا ہے' اس میں مذکور ہے: آپ نے گوہ کے متعلق فرمایا: بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو مسخ کر کے زمین میں چلنے والا جانور بنا دیا تھا' میں (از خود) نہیں جانتا شاید کہ وہ یہی جانور ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۳۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۶۔ ۱۹۔ ۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمان بن حسنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے‘ ہم ایسی جگہ ٹھہرے جہاں گوہ بہت تھیں‘ ہم نے ان کو ذبح کیا اور جس وقت ہم پتیلیوں میں ان کو پکا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اسرائیل کا ایک گروہ گم ہوگیا تھا اور مجھے ڈر ہے کہ وہ یہی گوہ ہیں۔ ان دیگچیوں کو الٹ دو‘ تو ہم نے بھوکے ہونے کے باوجود دیگچیوں کو الٹ دیا‘ اس حدیث کو امام احمد‘ امام طبرانی (نے معجم کبیر میں)‘ امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور ان تمام ائمہ کی اسانید صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۷‘ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت‘ ۱۴۰۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوہوں کے متعلق بھی اسی قسم کے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے‘ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا ایک گروہ گم ہوگیا تھا‘ یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کہاں ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ (مسخ شدہ) چوہے ہیں‘ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب چوہوں کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو نہیں پیتے اور جب ان کے سامنے بکری کا دودھ رکھا جائے تو وہ اس کو پی لیتے ہیں‘ دوسری روایت میں ہے: چوہا مسخ شدہ ہے۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۳‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق[1]‘ امام احمد[2] اور امام طبرانی[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ دو حدیثیں جو بہ کثرت اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حال کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ گوہ اور چوہے بنو اسرائیل کی مسخ شدہ نسل ہیں‘ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ اس وقت تھا جب آپ کو وحی کے ذریعہ یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہوا تھا کہ جن لوگوں کو مسخ کر دیا جائے ان کی نسل نہیں چلتی‘ اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے زمانہ میں ظاہر ہو جائے لیکن بعد میں آپ کو وحی کے ذریعہ قطعی طور پر بتا دیا گیا کہ دجال کا ظہور قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں ہوگا‘ پھر آپ کا اندیشہ زائل ہوگیا۔ مسخ شدہ لوگوں کے فوراً ہلاک ہونے اور ان کی نسل نہ چلنے کے متعلق یہ صریح حدیث ہے‘ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بندر اور خنزیر مسخ شدہ لوگ ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا کسی قوم کو عذاب دے کر اس کی نسل نہیں چلائی اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۸‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۱۴۲‘ مطبوعہ دارالمامون تراث‘ بیروت‘ ۱۴۰۴ھ)

یہ حدیث زیر بحث مسئلہ میں صاف تصریح ہے کہ موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ بنو اسرائیل نہیں ہیں۔

علامہ ابن العربی نے اپنے نظریہ پر جو دوسری دلیل قائم کی ہے وہ یہ ہے:

امام بخاری نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے‘ وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ بندر ایک بندریا کو رجم کر رہے تھے‘ حدیث کی عبارت یہ ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا نے زنا کیا تھا‘ اس کے گرد دوسرے بندر جمع ہوگئے جنہوں نے اس کو سنگسار کیا‘ میں نے بھی اس کو سنگسار کیا‘ یہ حدیث ”صحیح بخاری“ کے بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ‘ المصنف ج ۴ ص ۴۴۷‘ مطبوعہ مکتب اسلامی‘ بیروت‘ ۱۳۹۰ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ‘ مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۱‘ مطبوعہ مکتب اسلامی‘ بیروت‘ ۱۳۹۸ھ

[3] امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ‘ معجم صغیر ج ۲ ص ۴۴‘ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ‘ مدینہ منورہ‘ ۱۳۸۸ھ

علامہ ابن العربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا جانوروں میں بھی بنو اسرائیل کی شریعت کے احکام معروف تھے حتیٰ کہ وہ نسل در نسل ان احکام کے وارث چلے آرہے تھے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں! اسی طرح ہے' حتیٰ کہ جب یہود نے رجم کے حکم کو تبدیل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ مسخ شدہ اسرائیلیوں (بندروں) میں بھی رجم موجود ہے تاکہ ان کے انکار کے خلاف یہ قوی حجت ہو کہ رجم کا حکم ان کی کتابوں میں ہے' ان کے علماء میں معروف ہے اور حتیٰ کہ یہ حکم مسخ شدہ اسرائیلیوں میں بھی موجود ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ قرطبی' علامہ ابن العربی کی اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام حمیدی نے کہا: ہم نے اس حدیث کو ''صحیح بخاری'' کے نسخوں میں تلاش کیا تو یہ بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے' یہ حدیث ''صحیح بخاری'' کے بعض نسخوں میں ہے' فربری کی روایت سے یہ حدیث نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ بعد میں کسی نے اس حدیث کو ''صحیح بخاری'' میں ملا دیا ہو اور یہ حدیث الحاقی ہو' امام بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا' ایک بندریا کے گرد بہت سے بندر جمع ہو کر اس کو پتھر مار رہے تھے' سو میں نے بھی ان کے ساتھ اس کو پتھر مارے۔ اس میں یہ لفظ نہیں ہے کہ اس نے زنا کیا تھا' تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے امام بخاری کا مقصود صرف اتنا ہے کہ عمرو بن میمون نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں کیا گمان کیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۲۔ ۴۴۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ہمارے پاس جو ''صحیح بخاری'' کے معروف نسخے ہیں' ان سب میں یہ حدیث موجود ہے' امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا' اس کے گرد دوسرے بندر جمع تھے جو اس کو سنگسار کر رہے تھے' میں نے بھی ان کے ساتھ مل کر اس کو سنگسار کیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اسماعیلی نے اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے' انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمرو بن میمون نے کہا کہ میں یمن میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا' میں نے ایک بلند جگہ سے دیکھا کہ ایک بندر' بندریا کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ کے اوپر سر رکھ کر سو گیا' پھر ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو اشارہ کیا' بندریا نے چپکے سے بندر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور اس بندر کے ساتھ چلی گئی اور اس بندر نے اس کے ساتھ جنسی عمل کیا' بندریا پھر جا کر چپکے سے اسی بندر کے ساتھ لیٹ گئی' جب وہ بندر بیدار ہوا تو اس نے اس بندریا کو سونگھا اور غضب ناک ہو کر چیخا' پھر بہت جلد بہت سے بندر جمع ہو گئے۔ بندر نے اس بندریا کی طرف اشارہ کیا' بندروں نے دائیں بائیں دیکھا اور اس بندر کو پکڑ لائے اور ان دونوں کو سنگسار کر دیا۔ اس وقت میں نے پہلی بار غیر بنو آدم میں رجم کو دیکھا۔ علامہ ابن التین نے کہا کہ شاید یہ بندر ان لوگوں کی نسل سے تھے جن کو مسخ کر دیا گیا تھا' اور ان میں یہ حکم باقی تھا' پھر انہوں نے کہا کہ ممسوخ کی نسل نہیں چلتی' کیونکہ ''صحیح مسلم'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ہلاک کیا یا عذاب دیا اس کی نسل نہیں چلائی' اور ان بندروں کے رجم کرنے کا یہ جواب ہے کہ جب بنو اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنایا تھا تو ہوسکتا ہے کہ اصلی بندر بھی ان کے ساتھ آکر رہنے لگے ہوں' اور انہوں نے بنو اسرائیل کے بعض افعال دیکھ کر یاد کر لیے ہوں' باقی جانوروں کی بہ نسبت بندر بہت ذہین جانور ہے اور اس میں شدید غیرت

ہوتی ہے اور ایک بندر اپنی بندریا کے قریب دوسرے بندر کو نہیں جانے دیتا۔

علامہ ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کی اس روایت کو بہت عجیب و غریب قرار دیا ہے اور کہا: اس میں غیر مکلف کے فعل کو زنا کہا ہے اور جانوروں پر حد کا ذکر ہے اور یہ اہل علم کے نزدیک ناقابل یقین ہے اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ بندروں کی صورت میں یہ جن تھے اور جن مکلف ہیں' تاہم یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ فعل صورۃً زنا تھا' اسی طرح یہ صورۃً رجم تھا حقیقۃً یہ زنا اور رجم نہیں تھا۔

امام حمیدی نے ''الجمع بین الصحیحین'' میں نہایت عجیب بات کہی اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ حدیث ''صحیح بخاری'' کے بعض نسخوں میں ہے' صرف ابومسعود نے اس کا اطراف میں ذکر کیا ہے' اور یہ ''صحیح بخاری'' کے نسخوں میں اصلاً نہیں ہے اور یہ امام بخاری کی کتاب میں الحاقی حدیث ہے' ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ یہ حدیث بخاری کے ان تمام معظم اصول میں موجود ہے جس سے ہم واقف ہیں' اور حافظ ابوذر کا اس حدیث کو تین اماموں کی روایت کے ساتھ فربری سے نقل کرنا کافی ہے' اسی طرح اسماعیلی اور ابونعیم نے بھی اس کو اپنی اپنی مستخرج میں ذکر کیا ہے اور ابومسعود نے اطراف میں' البتہ نسفی کی روایت میں یہ حدیث نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ فربری کی روایت میں نہ ہو' کیونکہ فربری کی روایت سے نسفی کی روایت کی بہ نسبت بہت احادیث زیادہ ہیں' اور یہ کہنا کہ ''صحیح بخاری'' میں کوئی الحاقی حدیث ہے علماء کے اجماع کے خلاف ہے' کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کتاب میں درج تمام احادیث صحیح ہیں' اور جب کسی ایک حدیث میں یہ مان لیا جائے کہ وہ الحاقی ہو سکتی ہے تو ہر حدیث میں یہ احتمال قائم ہوگا' پھر یہ کتاب قابل اعتماد نہیں رہے گی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۱۔ ۱۶۰ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ'' میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ وہ بندر جن تھے اور امام حمیدی نے جو اس حدیث کو الحاقی قرار دیا ہے اس پر رد کیا ہے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۸ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

تناسخ اور تماسخ کا بیان

کفار کے بعض فرقے مثلاً آریہ' قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر ہیں' وہ کہتے ہیں کہ انسان کی روحیں اپنے اعمال کی جزا اور سزا پانے کے لیے ہمیشہ سے آواگون کے چکر میں ہیں اور ہر شخص موت کے بعد اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جنم لیتا ہے' اچھا انسان مرنے کے بعد اچھا اور برا انسان مرنے کے بعد برا جنم لیتا ہے' بنو اسرائیل کو جو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تھا اس سے بھی وہ آواگون پر استدلال کرتے ہیں' ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اپنے زمانہ تعلیم میں پنڈت رام چند سے مناظرہ کیا' اس نے اس آیت سے تناسخ پر استدلال کیا' آپ نے فرمایا: تناسخ میں مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے اور یہاں بنو اسرائیل مرے نہیں تھے' زندگی میں ہی ان کی شکلیں مسخ کر دی گئی تھیں' سو یہ تناسخ نہیں ہے تماسخ ہے' اس نے کہا: اب تو میں جا رہا ہوں آئندہ سال اسی جگہ پھر ملوں گا' آپ نے فرمایا: زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' یہ بتاؤ کہ اگر تم مر گئے تو کس جون میں آ کر مجھ سے ملاقات کرو گے؟ وہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور انعام میں آپ کو اپنی گھڑی دے گیا۔

حیلہ کی تحقیق

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ ناجائز کاموں کو کسی حیلہ سے جائز کرنا باطل ہے' امام مالک کا بھی

مذہب ہے ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ کواشی نے کہا: اکثر علماء کے نزدیک حیلہ کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ اس کی وجہ سے کسی باطل چیز کو حاصل نہ کیا جائے اور نہ کسی کا حق باطل کیا جائے' اور یہود نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کا حیلہ نہیں کیا تھا بلکہ جب انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں قید کرلیا تو ان کا مچھلیوں کو قید کرنا ہی ان کا شکار کرنا تھا تو انہوں نے بعینہٖ حرام کا ارتکاب کیا تھا اور اس کے لیے کوئی حیلہ نہیں کیا تھا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح جب یہود پر چربی کو حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا' یہ بھی حیلہ نہیں تھا بلکہ بعینہٖ حرام کا ارتکاب تھا' اسی لیے آپ نے ان کے اس فعل پر لعنت کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت

حیلہ کی اصل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ　اور (اے ایوب! آپ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے لیں' پھر اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔ (ص: ۴۴)

حضرت ایوب علیہ السلام کسی وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے اور یہ قسم کھالی کہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے' صحت یاب ہونے کے بعد ان کو یہ پریشانی ہوئی کہ اگر میں قسم پوری کرتا ہوں تو میری خدمت گزار بیوی کو اذیت پہنچے گی اور اگر نہیں مارتا تو قسم ٹوٹ جائے گی' تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیلہ بتایا کہ وہ سو تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ان کو ماریں' اس طرح آپ کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور آپ کی بیوی بھی اذیت پہنچنے سے محفوظ رہے گی۔

حیلہ کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت یوسف اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے تو ان کے شاہی کارندے نے شاہی پیمانہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا اور اس ملک کا قانون یہ تھا کہ جس شخص کے پاس سے مال مسروقہ برآمد ہو تو بہ طور سزا اس شخص کو مالک کے حوالہ کر دیا جاتا تھا' سو جب بنیامین کے سامان سے وہ شاہی پیمانہ برآمد ہوا تو ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالہ کر دیا گیا' قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (یوسف: ۷۶)　اسی طرح ہم نے یوسف کو تدبیر بتائی' وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون کی وجہ سے نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

احادیث میں بھی حیلہ کا ثبوت ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

انصار میں سے ایک شخص بیمار ہو گیا حتیٰ کہ وہ بہت کمزور ہو گیا اور اس کی کھال ہڈیوں سے چپک گئی' اس کے پاس انصار کی ایک باندی آئی جس پر وہ فریفتہ ہو گیا اور ہشاش بشاش ہو گیا اور اس نے جنسی عمل کر لیا' پھر جب اس کے قبیلہ کے لوگ اس کے پاس عیادت کے لیے آئے تو اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق حکم معلوم کرو کیونکہ میں نے اس باندی سے جماع کر لیا ہے' صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور کہا: ہم نے اس جتنا بیمار شخص اور کوئی نہیں دیکھا' اگر ہم اس کو اٹھا کر آپ کے پاس لائیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی' اس کی ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک گچھا لے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس میں ہے کہ پتلی پتلی سو

شاخوں کا ایک گچھا لے آؤ اور اس پر اس کی ایک ضرب مارو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام احمد[1] نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ سے اسی طرح روایت کیا ہے' امام ابن عساکر[2] نے بھی اس حدیث کو حضرت سعد بن عبادہ سے روایت کیا ہے' اور امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا' وہ آپ کے پاس عمدہ کھجوریں لے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہیں؟ اس نے کہا: نہیں' بہ خدا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دو صاع (ایک صاع تقریباً چار کلو گرام کا پیمانہ ہے) کھجوریں دے کر یہ ایک صاع لیتے ہیں' یا تین صاع کھجوریں دے کر دو صاع یہ کھجوریں لیتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس طرح نہ کرو' سب کھجوروں کو دراہم کے بدلہ میں بیچو اور عمدہ کھجوروں کو دراہم کے بدلہ میں خریدلو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں آپ نے سود سے بچنے کا حیلہ بیان فرمایا ہے۔

حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کسی خفیہ طریقہ سے مقصود کے حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں' علماء کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اگر جائز طریقہ سے کسی حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندہ کا حق ہو) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود' رشوت اور پگڑی وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔

(۲) اگر جائز طریقہ سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی باطل یا ظلم کو دفع کیا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا واجب ہے۔

(۳) اگر جائز طریقہ سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا مباح ہے۔

(۴) اگر جائز طریقہ سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۶ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

فقہاء کے بیان کیے ہوئے بعض حیلے

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں نے اپنے بھائی سے بات کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہوں' حضرت عمر نے فرمایا: اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دو اور اپنے بھائی سے کلام کرلو اور بیوی سے پھر دوبارہ نکاح کرلو۔ (المبسوط ج ۳۰ ص ۲۰۹ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے' اگر کوئی شخص کسی کا مثلاً ہزار روپے کا مقروض ہے اور اس نے ہزار روپے زکوٰۃ میں نکالنے ہیں تو وہ اپنا قرض کس طرح وصول کرے؟ علامہ محمد حصکفی لکھتے ہیں:

جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقروض کو جو صاحب نصاب نہ ہو اپنی زکوٰۃ دے اور اس کو مالک بنادے' پھر اس مقروض سے اپنا قرض وصول کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ وہ اپنا بعینہٖ قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے' اور اگر زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب آدمی کا کفن بنانا ہو تو کسی غریب کو کفن کی رقم زکوٰۃ میں دے دے' پھر وہ شخص اس کو کفن پہنادے'

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

[2] امام ابو القاسم حسن بن علی الشافعی ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' مختصر تاریخ دمشق ج ۹ ص ۲۲۸ 'مطبوعہ دار الفکر' دمشق' ۱۴۰۴ھ

اس میں دونوں کو ثواب ملے گا' مسجد کی تعمیر میں بھی زکوٰۃ کی رقم اسی طرح لگائی جاسکتی ہے۔

(درمختار ج ۲ ص ۱۲ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی رقم کو مسجد' سرائے' سبیل وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور اس کا حیلہ یہ ہے کہ یہ رقم کسی غریب آدمی کو دے دے' پھر اس کو کہے کہ وہ رقم ان نیک کاموں میں اپنی طرف سے خرچ کرے۔

(درمختار ج ۲ ص ۶۳ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو زکوٰۃ کا ثواب مل جائے گا اور اس غریب شخص کو ان عبادات میں رقم خرچ کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

حافظ سیوطی نے ''جامع صغیر'' میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ اگر صدقہ سو ہاتھوں سے منتقل ہوتا ہوا کسی شخص کو ملے تو ہر شخص کو اتنا ثواب ہوگا جتنا پہلے شخص کو ثواب ملے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

(فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۵ ص ۳۴۳ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۱ھ)

علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس کی سند میں بشیر بلخی ضعیف راوی ہے۔

اسی اصل پر فقہاء نے حیلہ اسقاط کو جائز کہا ہے۔

حیلہ اسقاط کی تحقیق

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

نماز' روزہ' دیگر کفارات اور جنایات کو میت سے ساقط کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام حقوق مالیہ کا ایک اندازہ کرلیا جائے اور اس کے تہائی مال سے اس رقم کو صدقہ کردیا جائے بہ شرطیکہ اس نے وصیت کی ہو' اگر اس نے وصیت نہ کی ہو اور کوئی وارث یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے بہ طور احسان میت کی طرف سے صدقہ کردے تو جائز ہے اور اگر اتنی رقم نہ ہو سکی ہو مثلاً کل رقم ایک لاکھ ہے اور وارث کے پاس ہزار روپے ہیں تو سو آدمی بیٹھ جائیں اور وہ ایک شخص کو ہزار روپے میت کا ذمہ ساقط کرنے کی نیت سے دے' وہ دوسرے شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے حتیٰ کہ جو نناوے واں شخص ہے وہ سو ویں شخص کو اسی نیت سے ہزار روپے دے دے یا وارث اور فقیر ایک دوسرے کو سو بار دیں تو میت کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے حقوق ساقط ہوجائیں گے اور ان سو آدمیوں میں سے ہر شخص کو ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

(مراقی الفلاح ص ۲۶۲۔ ۲۶۱ 'ملخصاً وموضحاً مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

علامہ محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص فوت ہوگیا اور اس کی کئی فوت شدہ نمازیں ہیں تو وہ ان کے کفارہ کی وصیت کرے' اور ہر نماز کے لیے نصف صاع (دو کلو گرام) گندم کفارہ دے' اسی طرح وتر اور ہر روزہ کا کفارہ ہے' یہ کفارہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا' اگر اس نے مال نہیں چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گندم (یا اس کی قیمت) قرض لے لے' وہ یہ گندم ایک فقیر کو میت کی طرف

سے نماز کے فدیہ میں صدقہ کرے وہ فقیر دوبارہ اس وارث کو یہ گندم صدقہ کردے اور اسی طرح بار بار یہ دور کرتے رہیں حتی کہ میت کی تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ (درمختار ج ا ص ۴۹۲ علی ھامش ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اقرب یہ ہے کہ میت کی نمازوں کا اندازہ کر کے اس کے حساب سے قرض لے مرد پر بارہ سال اور عورت پر نو سال کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے تو ان کی عمر کی قضا نمازوں کا اندازہ کرے اور چھ ماہ یا ایک سال کی نمازوں کے فدیہ کی رقم ادھار لے پھر وہ رقم فقیر کو صدقہ کرے اور فقیر پھر وارث کو یہ رقم صدقہ کر دے یا کسی اور فقیر کو صدقہ کر دے (اور اگر ایک سال کے فدیہ کی رقم قرض لی تھی اور نمازیں دس سال کی ہیں تو وارث اور فقیر ایک دوسرے کو دس بار دیں یا دس فقیروں میں اس رقم کو بار بار دیں اور بعد میں یہ رقم قرض خواہ کو واپس کر دیں)۔ اسی طرح سے میت کے روزوں اور اس کے دوسرے مالی حقوق کی طرف سے بھی فدیہ دیا جائے۔ (ردالمحتار ج ا ص ۴۹۳۔ ۴۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ہمارے دیہاتوں میں یہ رواج ہے کہ میت کی فوت شدہ نمازوں اور دیگر حقوق مالیہ کا حساب کیے بغیر چند آدمی بیٹھ کر ایک قرآن مجید اور چند روپوں کا آپس میں دور کرتے ہیں' اس سے تمام نمازوں اور دیگر مالی حقوق کا فدیہ ادا نہیں ہوتا' بلکہ قرآن مجید کی قیمت اور دوسرے روپوں کا جتنی بار دور کیا جاتا ہے اس کے حساب سے فقط اتنی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے'

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ

جاہلوں سے ہو جاؤں ○ انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ (گائے)

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ بَيْنَ

کیسی ہے؟ موسیٰ نے کہا: بے شک وہ فرماتا ہے کہ بالتحقیق وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ بچھیا' ان کے درمیان متوسط عمر کی ہے'

ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاؤ ○ انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں

لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ

یہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا ہے: بالتحقیق وہ چمکدار زرد رنگ کی گائے ہے'

تَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا

دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے ○ انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ

هِیَ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیۡنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

اس کے اوصاف کیسے ہیں؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے ○

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِیۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِی

موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا ہے: بالتحقیق وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرنے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ وہ

الۡحَرۡثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیۡهَا ؕ قَالُوا الۡـٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَقِّ ؕ

کھیتی میں پانی دیتی ہے، وہ صحیح سالم اور بے داغ ہے، وہ پکار اٹھے کہ اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے،

ع ۸ ۱۰

فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ع

پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے ○

بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں:

بنو اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا (علامہ قرطبی نے کہا: اس کا نام عامیل تھا) اس کی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا (سدی کی روایت میں ہے: وہ اس کا بھتیجا تھا) اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا: میرا رشتہ دار قتل کر دیا گیا اور میرے نزدیک آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آ کر بیان کرے، جب کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں آپ اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتلا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کریں ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے، اس لیے انہوں نے کہا: آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، حضرت موسیٰ نے کہا: میں جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، انہوں نے کہا: آپ اللہ سے معلوم کریں کہ وہ کیسی گائے ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، پھر کہا: اللہ سے دعا کریں کہ فرمائے اس کا رنگ کیسا ہو، کہا: اللہ فرماتا ہے: وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو، انہوں نے پھر کہا: معلوم کریں اس کی صفت کیسی ہو؟ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور ان شاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے۔ فرمایا: وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو، نہ ہل چلاتی ہو نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو اور وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو، انہوں نے کہا: اب آپ نے پوری بات بتائی ہے، پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے۔

جس وقت ان لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا' لیکن انہوں نے سوالات کر کے گائے میں قیودات لگوائیں تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور اگر یہ آخر میں ان شاء اللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی بھی ہدایت نہ پاتے' جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ صرف ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے یتیم بچے تھے' جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کو ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بہت بڑھادی (سدی کی روایت میں ہے: اس عورت نے اس کے وزن سے دس گنا زیادہ سونا طلب کیا۔ طبری ج ۱ ص ۳۴۹) وہ حضرت موسیٰ کے پاس گئے اور کہا: وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے' حضرت موسیٰ نے فرمایا: تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے' اب اس کی منہ مانگی قیمت دو' انہوں نے وہ قیمت ادا کر کے گائے کو خریدا اور اس کو ذبح کیا' حضرت موسیٰ نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو' جب مقتول پر گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام بتادیا اور پھر مر گیا' اور قاتل وہی شخص تھا جس نے اس کے قاتل کا مطالبہ کیا تھا' اس کو اس برے عمل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۴۸ ـ ۳۴۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

اس مقتول کا نام عامیل تھا' عطاء اور سدی نے کہا کہ اس کا قاتل اس کا چچازاد بھائی تھا' ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھائی تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کا بھتیجا تھا' نیز عطاء نے کہا ہے کہ عامیل کے عقد میں اس کی چچازاد تھی اور وہ بنو اسرائیل میں سب سے حسین عورت تھی' قاتل نے اس لیے قتل کیا کہ وہ اس عورت سے بعد میں نکاح کرے۔

(البحر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

بنو اسرائیل کی گائے کا بیان

بنو اسرائیل نے جس گائے کو ذبح کیا تھا اس کے متعلق حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکان میں کچھ چیزیں فروخت کرتا تھا' اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا' ایک دن ایک اور شہر سے ایک شخص آیا اور اس سے کچھ سودا طلب کیا' اور اس کی قیمت دے دی' وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا' تاکہ اس کو وہ چیز دے دے' چابی اس کے والد کے پاس تھی اور وہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا' اس شخص نے کہا: اس کو جگا دو' اس لڑکے نے کہا: وہ سویا ہوا ہے اور میں اس کو بیدار نہیں کروں گا' اس شخص نے اس کو جگانے کے لیے دگنی قیمت پیش کی' اس لڑکے نے انکار کر دیا' حتیٰ کہ وہ شخص چلا گیا' اس لڑکے نے جو اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی تھی اللہ تعالیٰ نے اسکی یہ جزا دی کہ ان کی گائے سے وہ گائے پیدا ہوئی جس کی بنو اسرائیل کو تلاش تھی' بنو اسرائیل اس گائے کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ لڑکا راضی نہ ہوتا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس کو راضی کر کے گائے خریدو' بالآخر اس کی قیمت یہ طے کی گئی کہ اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

امام ابن جریر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۴۹ ـ ۳۴۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

گائے ذبح کرنے کے واقعہ سے استنباط شدہ مسائل

بنو اسرائیل کے گائے کو ذبح کرنے کے واقعہ سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے:

(۱) بنو اسرائیل کو اس حکم میں جو بھی اشکال ہوا اس کے حل کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی' ازخود

دعا نہیں کی نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا: تم خود دعا کرو اس سے وسیلہ اور مقربین سے دعا کرانے کا ثبوت ہے۔

(۲) مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے' البتہ مزاح اور چیز ہے یعنی کوئی نکتہ افروز بات کرنا' جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے حکم پر بے چون و چرا عمل کرنا چاہیے اور اس میں حیل و حجت نہیں نکالنی چاہیے۔

(۴) اگر کوئی شخص اپنے اوپر سختی کرے تو اللہ بھی اس پر سختی کرتا ہے' بنو اسرائیل نے بے جا سوالات کر کے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی اس میں قیودات لگائیں۔

(۵) جو شخص ماں باپ کا ادب اور ان کی فرماں برداری کرے اللہ اس کو اچھی جزا دیتا ہے۔

(۶) ان شاء اللہ کہنے کی برکت سے کام ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا گائے کی طرف ہدایت نہیں پائی تھی۔

(۷) انسان کو اپنی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار ہے حتیٰ کہ ایک گائے کی قیمت اس کے ہم وزن سونا بھی ہو سکتی ہے۔

(۸) شوخ زرد رنگ اللہ کا پسندیدہ رنگ ہے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا' پھر تم ایک دوسرے کو اس قتل میں ملوث کرنے لگے اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا

تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ

تھا جس کو تم چھپاتے تھے ○ سو ہم نے کہا: اس گائے کے ایک ٹکڑے کو اس مقتول پر مارو' اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا

الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ

اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ○ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ

سو وہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں' اور بے شک بعض پتھروں سے

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ

دریا پھوٹ پڑتے ہیں' اور بے شک بعض پتھر پھٹتے ہیں تو ان سے پانی

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ

نکل آتا ہے' اور بے شک بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں'

اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے O

گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا

ان آیات میں بھی اسی قصہ کو بیان فرمایا ہے جس واقعہ کا اس سے پہلی آیات میں ذکر تھا' اس کا تحقق پہلے ہوا تھا اور اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے تاکہ بنو اسرائیل کو ان کی خودسری' ہٹ دھرمی اور شقاوت پر دوبارہ سرزنش کی جائے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ قتل تو ایک شخص نے کیا تھا اور اس آیت میں تمام بنو اسرائیل کی طرف اس کا اسناد کیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کا اسلوب ہے کہ قبیلہ کے ایک فرد نے فعل کیا ہو تو پورے قبیلہ کی طرف اس کی نسبت کر دیتے ہیں' بنو اسرائیل قاتل کو مخفی رکھنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کرو جس کی تفصیل اس سے پہلی آیات میں ذکر کی جا چکی ہے' اور فرمایا: اس گائے کے کسی عضو کو اس مقتول پر مارو' اس عضو میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان' دم' کان' ہڈی اور دل وغیرہ' جب گائے کے عضو کو مقتول پر مارا گیا تو اس کی رگوں سے خون بہنے لگا اور اس نے کہا: مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

گائے ذبح کرا کر مقتول کو زندہ کرنے کی حکمت

رہا یہ سوال کہ اس مقتول کو اس طرح کیوں زندہ کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی دعا سے ویسے ہی زندہ فرما دیتا' آخر اس سے پہلے بھی تو ستر اسرائیلیوں کو زندہ فرمایا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ مقتول کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں مشقت کا کچھ بار اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر ڈالنا چاہتا تھا' اور ان کی کج بحثی اور حیلہ جوئی کو دکھانا چاہتا تھا اور اس ذریعہ سے ایک صالح اور ماں باپ کے فرمانبردار لڑکے کو فائدہ پہنچانا چاہتا تھا' اور یہ بتلانا چاہتا تھا کہ کسی چیز کو طلب کرنے سے پہلے کسی عبادت سے تقرب حاصل کرنا مستحسن ہے اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے' نیز ان کے سوالات کرنے کی وجہ سے گائے میں قیودات لگا کر سختی کی گئی تاکہ دوسروں کو عبرت ہو کہ اللہ کے حکم پر حیل و حجت کے بغیر عمل کرنا چاہیے اور یہ کہ اللہ کے حکم سے جو جانور ذبح کیا جائے وہ بہت قیمتی' صحیح سالم' بے داغ اور حسین و جمیل ہونا چاہیے اور اس میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا' لیکن اگر عادل نے باغی کو قتل کیا یا کسی حملہ آور کو مدافعت میں قتل کیا تو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائے گا' ہر چند کہ یہ آیت بنو اسرائیل سے خطاب کے سلسلہ میں ہے لیکن اس میں ان لوگوں کی تعریض ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ (البقرہ: ۷۴)

اس میں مردہ کو زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے' یا اس کے کلام کرنے کی طرف اشارہ ہے یا اس سے پہلے جن نشانیوں کا ذکر ہوا ان کی طرف اشارہ ہے' یعنی پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری کرنا' ان پر پہاڑ معلق کر دینا' یا ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دینا۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد ان کے دل کی سختی کا یہ عالم تھا کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر بتایا کہ فلاں شخص اس کا قاتل ہے تو انہوں نے کہا: یہ جھوٹ ہے۔ علاوہ ازیں ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی اور نافرمانیوں سے باز نہیں آئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک بعض پتھروں سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں' اور بے شک بعض پتھر پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکل آتا ہے اور بے شک بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ (البقرہ: ۷۴)

پتھروں' درختوں اور جانوروں کا ادراک اور ان کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا

اس آیت میں اثر پذیری کے اعتبار سے پتھروں کی تین قسمیں بتائی ہیں' ایک قسم وہ ہے جس سے دریا پھوٹ پڑتے ہیں' ان میں سب سے زیادہ اثر پذیری ہے' دوسری قسم میں اس سے کم اثر پذیری ہے جن سے پانی نکل آتا ہے' اور سب سے کم اثر پذیری ان پتھروں میں ہے جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ بنو اسرائیل میں اتنی اثر پذیری بھی نہیں ہے' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی ادراک ہوتا ہے' جس کی وجہ سے ان میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی اس پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں اور پہاڑوں میں ایک قسم کا ادراک پیدا کیا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر: ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم ضرور اس کو جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتے۔

يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ (سبا: ۱۰)

اے پہاڑو اور پرندو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کے متعلق فرمایا: احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۱۔ ۴۰۰' ج ۲ ص ۵۸۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا' میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم صغیر ج ۱ ص ۹۲' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود اور رکن یمانی کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کی دو آنکھیں زبان اور دو ہونٹ ہوں گے' اور جس نے ان کی پوری تعظیم کی وہ اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ (معجم کبیر ج ۱۱ ص ۱۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو وہ تسبیح کرنے لگیں' شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی الحدیث۔ اس حدیث کو امام بزار نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھ پر وحی کی گئی تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! اس حدیث کو امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۰-۲۵۹ مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا' آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سلام عرض کرتا تھا۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی کا مجھے علم نہیں' باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۰ مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا کہ آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ! (جامع ترمذی ص ۵۲۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے علاوہ درختوں میں بھی ادراک پیدا کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنا کر لایا گیا تو جس کھجور کے ستون کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے وہ اس طرح چیخ مار کر رو رہا تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ سامنے سے ایک اعرابی آ رہا تھا' جب وہ قریب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: اپنے اہل کے پاس' آپ نے فرمایا: کیا تم کوئی خیر حاصل کرو گے؟ اس نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' اس نے کہا: آپ کے اس قول پر کون گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت' وہ درخت وادی کے کنارے تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا تو وہ زمین کو پھاڑتا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا' آپ نے اس سے تین مرتبہ اپنی رسالت پر شہادت طلب کی اور اس نے اسی طرح شہادت دی جس طرح آپ نے کلمہ شہادت پڑھا تھا' پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا' وہ اعرابی اپنی قوم کی طرف چلا گیا اور اس نے کہا: اگر قوم نے میری بات مان لی تو میں ان کو لے کر آؤں گا ورنہ خود حاضر ہوں گا۔

(معجم کبیر ج ۱۲ ص ۴۳۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۲۵۸ مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

جانوروں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ادراک تھا' امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں بنو سلیم کا ایک اعرابی آیا' اس نے ایک گوہ شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی' اس نے جب یہ جماعت دیکھی تو لوگوں سے پوچھا: اس جماعت کا امیر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: وہ شخص ہیں جو خود کو نبی گمان کرتے ہیں' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد! تم سے بڑھ کر جھوٹا کوئی نہیں ہے اور میرے نزدیک تم سے بڑھ کر

مبغوض کوئی نہیں ہے اور اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم مجھ کو جلد باز کہے گی تو میں تم کو قتل کر دیتا اور اس پر سب لوگ خوش ہوتے' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو اجازت دیں میں اس کو قتل کر دوں! رسول اللہ نے فرمایا: تم کو معلوم نہیں کہ نبی بردبار ہوتا ہے! اس اعرابی نے کہا: اگر یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے تو لات اور عزیٰ کی قسم! میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور اس نے آستین سے گوہ نکال کر رسول اللہ کے سامنے پھینک دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے کہا: اے گوہ! اس نے فصیح عربی میں کہا: اے رب العلمین کے رسول! لبیک میں حاضر ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا: جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے' سمندر میں جس کی سبیل ہے' جنت میں جس کی رحمت ہے اور دوزخ میں جس کا عذاب ہے' آپ نے فرمایا: اے گوہ! میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رب العلمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں' جس نے کی آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہے اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہے' پھر اس اعرابی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں' بے شک جس وقت میں آیا تھا تو میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر مبغوض کوئی نہیں تھا اور اب میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔ (معجم صغیر ج ۲ ص ۶۵۔ ۶۴ 'مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

محمد بن علی بن ولید بصری کے علاوہ اس کی سند کے باقی راوی صحیح ہیں' اس حدیث کا مدار اسی پر ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۴ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحراء میں تھے کہ کسی آواز دینے والے نے آواز دی: یارسول اللہ! آپ نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا' آپ پھر متوجہ ہوئے تو ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی' اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قریب آئیں' آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا: تمہیں کیا کام ہے؟ اس نے کہا: اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں' آپ مجھے کھول دیں تاکہ میں جا کر انہیں دودھ پلا آؤں' پھر میں آپ کے پاس واپس آجاؤں گی' آپ نے فرمایا: تم ایسا کرو گی؟ اس نے کہا: اگر میں ایسا نہ کروں تو اللہ مجھے اس اونٹنی کے عذاب میں مبتلا کرے جس کے بچے گم ہو گئے ہوں' آپ نے اس کو کھول دیا' وہ گئی' جا کر اس نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا' پھر واپس آگئی اور آپ نے اس کو باندھ دیا' اعرابی بیدار ہوا تو اس نے پوچھا: یارسول اللہ! کو کوئی کام ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس ہرنی کو کھول دو' وہ چھلانگیں لگاتی ہوئی گئی اور کہہ رہی تھی: میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(معجم کبیر ج ۲۳ ص ۳۳۲ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان کا ایک فریق اللہ کا

يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ

کلام سنتا تھا پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ

تبدیلی کر دیتا تھا○ اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ

اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ (حق)

اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾

باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ ان باتوں کو تمہارے رب کے سامنے حجت بنائیں' کیا تم عقل نہیں رکھتے؟○

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں○

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ

اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں' جو زبانی پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب کا علم نہیں رکھتے اور وہ صرف

إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ق النصف

ظن (گمان) کرتے ہیں○ پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں'

ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ

پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں' سو ان کے لیے

فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور جو کچھ انہوں نے کمایا اس کے سبب سے ان کو عذاب ہوگا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے؟

(البقرہ: ۷۵)

آیات مذکورہ کا شان نزول

جب کسی چیز کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور انسان اس کے حصول کی قوی امید کر لیتا ہے تو اس کو طمع کہتے ہیں' ہم نے اس کا ترجمہ توقع کیا ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں: اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں:

(۱) یہ آیت ان انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہود کے حلیف تھے' وہ ان کے پڑوسی بھی تھے اور ان کے درمیان رضاعت بھی تھی' وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں جو یہودی ہیں وہ مسلمان ہو جائیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور ان کے پاس شریعت تھی' حضور ان کے ساتھ نرمی کرتے تھے اور ان کی وجہ سے دوسروں پر سختی کرتے تھے تا کہ وہ یہودی مسلمان ہو جائیں۔ (البحرالمحیط ج ۱ ص ۴۳۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حالانکہ ان کا ایک فریق اللہ کا کلام سنتا تھا' پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تبدیلی کر دیتا تھا O (البقرہ: ۷۵)

بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان

اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ایک فریق اللہ کا کلام سنتا تھا اس کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا اور پھر اس میں تبدیلی کی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے' جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ پہلے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کڑک حائل ہو گئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہو تو آپ ہمیں اس کا کلام سنا دیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا' حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم غسل کرو' صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو' پھر وہ ان کو لے کر طور پر آئے' جب بادل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: سجدہ میں گر جائیں' وہ سجدہ میں گر گئے' حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا' اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا' انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا' جب بنو اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے' تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جوزی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس روایت کا شدید انکار کیا ہے' ان میں سے امام ترمذی صاحب "نوادر الاصول" بھی ہیں' انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلاواسطہ سننا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے' ورنہ ان میں اور حضرت موسیٰ میں کیا فرق رہے گا؟ اس قسم کی احادیث کو کلبی نے روایت کیا ہے اور وہ جھوٹا شخص ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

دوسرے قول کے متعلق امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا: اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے' بنو اسرائیل اس میں تحریف کر کے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتے تھے۔ جب ان کے پاس صاحب حق رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس

کی منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے اور جب باطل پر قائم کوئی شخص ان کے پاس رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی مرضی کے مطابق حکم بیان کرتے' اور جب کوئی شخص رشوت لے کر نہ آتا تو پھر کتاب سے صحیح حکم نکال کر بیان کر دیتے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۱ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: زیادہ صحت کے قریب یہ ہے کہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات مذکور تھیں ان میں دانستہ تحریف کرتے تھے اور آپ کی صفات کو تبدیل کر کے بیان کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۲ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تورات میں مذکور تھا کہ آپ کا گورا رنگ ہے اور متوسط قد ہے اور جب ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو یہ کہتے: ان کا سانولا رنگ ہے اور لمبا قد ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۸ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے۔ (البقرہ: ۷۶)

یہود کے نفاق کا بیان

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب منافقین یہود حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ابوالعالیہ اور قتادہ نے بیان کیا کہ جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہاری کتاب میں جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ تم مسلمانوں کے سامنے کیوں بیان کرتے ہو' وہ اس بیان کو تمہارے خلاف حجت بنالیں گے کہ جب یہ وہی آنے والے نبی ہیں تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹۲ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جو زبانی پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب کا علم نہیں رکھتے۔

(البقرہ: ۷۸)

''امی'' اور ''امنیہ'' کا معنی

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کئی گمراہ فرقوں کا بیان فرمایا ہے' پہلے اس فرقہ کا بیان کیا جو اللہ کے کلام میں تحریف کرتا ہے' پھر دوسرے فرقہ کا بیان کیا جو منافقین ہیں' پھر تیسرے فرقہ کا بیان کیا جو مجادلین (بحث میں ضد سے کام لینے والے) تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے سامنے تورات کی ایسی آیات بیان کرو جو خود تمہارے خلاف حجت ہوں' اس کے بعد اب چوتھے فرقہ کا بیان کیا جو عوام اور ناخواندہ لوگ ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے امیین فرمایا' امی وہ شخص ہے جو لکھتا ہو نہ پڑھتا ہو یعنی جس طرح ماں کے بطن سے ناخواندہ پیدا ہوا تھا اسی حالت پر ہو اور کسی سے علم حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے ماسوا ''امانی'' کے' ''امانی'' ''امنیہ'' کی جمع ہے' ''امنیہ'' کا ایک معنی ہے: پڑھنا' یعنی یہ عام ان پڑھ لوگ صرف زبانی تورات کو پڑھ لیتے ہیں' اس کا معنی نہیں جانتے' جیسے ہمارے برصغیر میں عام خواندہ لوگ قرآن مجید کی عبارت کو معنی سمجھے بغیر پڑھتے ہیں' اور اس کا دوسرا معنی ہے: تمنا اور آرزو' یعنی ان کی صرف تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور ان گناہوں پر گرفت نہیں فرمائے گا' اور ان کے آباء واجداد میں جو انبیاء ہیں وہ ان کی شفاعت کریں گے' یا ان کے علماء کی جو تمنائیں تھیں کہ دوزخ کی آگ ان کو صرف چند دن جلائے گی' یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سوائے ان جھوٹی اور من گھڑت باتوں کے کتاب کا علم نہیں رکھتے جو انہوں نے اپنے علماء سے سن لی ہیں اور ان کو بہ طور تقلید کے مانتے

چلے آرہے ہیں' لیکن یہاں ''امنیہ'' کو تمنا کے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں ان کی اس تمنا کا ذکر آرہا ہے کہ ان کو صرف چند دن آگ جلائے گی۔ ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' کی پانچویں جلد میں اسی کا معنی زیادہ تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے اور سورہ اعراف میں' ان شاء اللہ اس پر مکمل بحث کریں گے' اسی طرح ان شاء اللہ سورہ حج میں ''امنیہ'' کے معنی پر بحث کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ (البقرہ: ۷۹)

ویل کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اصمعی نے کہا: ''ویل'' بری چیز ہے اور اس کا استعمال حسرت کے موقع پر ہوتا ہے اور ''ویح'' کا استعمال ترحم کے طور پر ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۵۳۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

امام ابن جریر طبری اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''فویل لھم'' کا معنی ہے: ان پر عذاب ہو' ابوعیاض نے کہا: ویل اس پیپ کو کہتے ہیں جو جہنم کی جڑ میں گرتی ہے' حضرت عثمان بن عفان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ویل' جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور حضرت ابوسعید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے' کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ ان احادیث اور آثار کے اعتبار سے ویل کا معنی یہ ہے کہ جو یہودی اپنی طرف سے لکھ کر کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں ان کو جہنم کی گہرائی میں اہل جہنم کی پیپ پینے کا عذاب ہوگا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۰۔ ۱۹۹' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ابوالعالیہ نے کہا کہ یہود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں تحریف کرتے تھے اور دنیاوی مال کی وجہ سے اس میں تبدیلی کرتے تھے' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے اپنی خواہش کے مطابق تورات میں احکام لکھ دیئے اور جو احکام ان کو ناپسند تھے ان کو انہوں نے تورات سے مٹا دیا' نیز انہوں نے تورات سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹا دیا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ

اور انہوں نے کہا: گنتی کے چند دنوں کے سوا ان کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی' آپ کہیے: آیا تم نے اللہ سے کوئی

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

عہد لے لیا جس کی اللہ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ

جس کا تمہیں علم نہیں ہے؟ O کیوں نہیں! جنہوں نے برا کام کیا اور ان کی برائی نے ان کو (پوری طرح)

بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

گھیر لیا وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں،

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۱

وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے O

عذاب یہود کے مزعومہ چند دنوں کا بیان

یہودی کہتے تھے: ان کو صرف چند دن عذاب ہوگا اور ان چند دنوں کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے:

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے دشمن یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل کرے گا اور یہ چالیس دن کی مدت ہے جس میں ہم نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

اور دوسرا قول یہ ہے:

مجاہد نے بیان کیا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ دنیا کی مدت ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار کے مقابلہ میں ایک سال عذاب دیا جائے گا یعنی کل سات سال عذاب دیا جائے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۳۔ ۳۰۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیوں نہیں جنہوں نے برا کام کیا اور ان کی برائی نے اُن کو (پوری طرح) گھیر لیا وہ جہنمی ہیں۔ (البقرہ: ۸۱)

بلا توبہ مرتکب کبیرہ مرنے والے کے دائمی عذاب پر معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مسلمان نے گناہ کبیرہ کیا اور بغیر توبہ کے مرگیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہوں سے باطل ہے:

اول تو اس وجہ سے کہ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں "سیئۃ" (برائی) سے مراد کفر ہے اور ابووائل مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ "سیئۃ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۰۵۔ ۳۰۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اور جو شخص مشرک ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ برائی اس کا احاطہ کرلے اور احاطہ اس وقت ہوگا جب اس کے دل سے بھی تصدیق نکل جائے اور اس میں ایمان اور خیر مطلقاً نہ رہے اور ایسا شخص کافر ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان بغیر توبہ کے مرگیا تو اس کی بخشش ہوسکتی ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشے گا اور جو (گناہ) اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان نے شرک نہیں کیا خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اللہ چاہے گا تو اس کو بخش دے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ

اور یاد کرو جب ہم نے بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ

نیکی کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا' اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا'

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

پھر تم میں سے چند لوگوں کے علاوہ تم سب (اس عہد سے) منحرف ہو گئے اور تم (ہو ہی) منہ موڑنے والے O

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے برے کام کیے اور برے کاموں نے ان کا احاطہ کر لیا' اب اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے' لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے' نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے' پھر چند اشخاص کے سوا باقی سب نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت کرنا' نماز قائم کرنا' اور زکوٰۃ ادا کرنا' ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا' یہ اس قسم کی عبادات ہیں جو ہر نبی کے دور میں مشترک رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے' اس لیے ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل ذکر کر رہے ہیں اور اس کے بعد رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان کریں گے' ان شاء اللہ۔

والدین کی اطاعت پر ثواب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اللہ کو سب

سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ (بخاری' مسلم)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر جہاد کی اجازت طلب کی' آپ نے فرمایا: کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

(۳) معاویہ بن جاہمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے' میں آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں' آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں (زندہ) ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ چمٹے رہو' کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔

(ابن ماجہ' نسائی' حاکم' حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

اس حدیث کو سند جید کے ساتھ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا' آپ نے فرمایا: تمہارے ماں باپ ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: ان کے پیروں کے ساتھ چمٹے رہو' جنت ان کے پیروں کے نیچے ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے' آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے؟ اس نے کہا: میری ماں ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ کوشش کرو' جب تم یہ کرلو گے تو تم حج کرنے والے' عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہو گے۔ اس حدیث کو ابویعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند عمدہ ہے۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے تھے' انہوں نے مجھ سے کہا: اس کو طلاق دے دو' میں نے انکار کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو طلاق دے دو۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کے لیے طوبیٰ (جنت کا ایک سایادار درخت) ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں زیادتی کرتا ہے۔

(ابویعلیٰ' طبرانی' حاکم' اصبہانی' حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلودہ ہو' اس کی ناک خاک آلودہ ہو' اس کی ناک خاک آلودہ ہو' پوچھا: کس کی؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا' اس کے باوجود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (مسلم)

(۸) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا: آمین' آمین' آمین' آپ نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا' وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے' کہیے آمین تو میں نے کہا: آمین' پھر کہا: یا محمد! جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس

نے روزے نہیں رکھے) وہ دوزخ میں داخل کیا جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے' کہیے آمین' تو میں نے کہا: آمین' اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے' کہیے آمین' تو میں نے کہا: آمین' (اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند حسن ہے' امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے)۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی سفر کررہے تھے۔ ان کو بارش نے آلیا' انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی' غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آگری اور غار کا منہ بند ہوگیا' پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو' شاید اللہ غار کا منہ کھول دے' ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی' میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ دوہ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا' پھر اپنی بچی کو پلاتا' ایک دن مجھے دیر ہوگئی' میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا' وہ سوچکے تھے' میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا' بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا' تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کردے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں' اللہ عزوجل نے ان کے لیے کشادگی کردی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔ (بخاری' مسلم' ابن حبان)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (بخاری و مسلم)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی' ابن حبان' حاکم' طبرانی)

(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے' کیا اس کی کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں' فرمایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (ترمذی' ابن حبان' حاکم)

(۱۳) حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا' کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرسکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو' کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو' ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ' ابن حبان)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۲۳۔ ۲۱۴ ملتقطاً' مطبوعہ دارالحدیث' القاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب عمل ہے' اس کا ثواب جہاد کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے اور اس کا اجر حج اور عمرہ کے مساوی ہے' ماں باپ کے قدموں میں رہنا جنت کی طرف پہنچاتا ہے'

اس سے عمر زیادہ ہوتی ہے' دعا قبول ہوتی ہے' دوزخ سے نجات ملتی ہے' مغفرت ہوتی ہے' اور ان کو راضی کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے' پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی' آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش آپ سکوت فرماتے۔ (بخاری' مسلم' ترمذی)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' ماں باپ کا نافرمان' عادی شرابی' کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا' اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے' ماں باپ کا نافرمان' دیوث (اپنی بیوی کی بدکاری پر علم کے باوجود خاموش رہنے والا) اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔

(نسائی' بزار' ان دونوں کی سند حسن ہے۔ حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کا پہلا حصہ روایت کیا ہے)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی' اپنے کام کا احسان جتانے والے کو' ماں باپ کے نافرمان کو اور عادی شرابی کو یہ خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔

(طبرانی)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل' ماں باپ کا نافرمان' احسان جتانے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔ (کتاب السنۃ)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا' وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی)

(۶) حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں' اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں' رمضان کے روزے رکھتا ہوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس عمل پر فوت ہو گیا' وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا' پھر آپ نے دونوں انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا: بہ شرطیکہ اس نے ماں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ (احمد' طبرانی' ان دونوں نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک سند صحیح ہے' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے' اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے' اور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کافی ہے'

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے' غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا ملعون ہے' اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے۔ (طبرانی' حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے)

(٨) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے' اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا' آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے' آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ' اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' کسی نے کہا: یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ' وہ آئی' آپ نے پوچھا: یہ تمہارا بیٹا ہے' اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی' آپ نے فرمایا: تب تم اللہ کو گواہ کرو' اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو' اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! اب کہو: "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ" تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے' جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(طبرانی' احمد) (الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٣٣٣۔٣٣٣' ملتقطاً' مطبوعہ دار الحدیث' القاہرہ' ١٣٠٧ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے' اس کی وجہ سے انسان جہنم میں جا گرتا ہے' محشر میں جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے' ماں باپ کے نافرمان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا' موت سے پہلے اس کو دنیا میں فقر اور ذلت اور مہلک بیماریوں کی سزا ملتی ہے۔ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اور فرشتوں کی لعنت ہے' ماں باپ کے نافرمان کا خاتمہ خراب ہوتا ہے' اس کی بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ مرتے وقت کلمہ شہادت نہیں پڑھ سکتا۔ اے اللہ! ہم پر ہمارے والدین کو راضی رکھ اور ان کو ہماری طرف سے بہترین جزاء عطا فرما!

رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔ (بخاری ومسلم)

(الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٣٣٣' مطبوعہ دار الحدیث' القاہرہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعرات کو جمعہ کی شب بنو آدم کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جو شخص رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا ہو اس کا عمل قبول نہیں ہوتا' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٣٣٣' مطبوعہ دار الحدیث' القاہرہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے' آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔ (بخاری' ابوداؤد' ترمذی)

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۴۶ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم عزت کے ساتھ رہتا ہو۔ (طبرانی واصبہانی) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۴۸ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کی پرورش کے لیے جدوجہد کرنے والا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے اور میرا گمان ہے آپ نے فرمایا: اس شخص کی مثل ہے جو اکتائے بغیر قیام کرے اور مسلسل روزے رکھے۔ (بخاری' مسلم' ابن ماجہ) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵۱ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ

اور جب ہم نے تم سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا' اور نہ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ

نکالنا' پھر تم نے (اس کا) اقرار کیا' (اور اس عہد پر) تم خود بھی گواہی دیتے ہو○ پھر تم

اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ

ہی وہ لوگ ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو' اور تم اپنے ایک فریق کو ان کے گھروں سے

مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ

نکالتے ہو اور تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو' اور اگر وہ

يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ

قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو' حالانکہ ان کو (گھروں سے) نکالنا (بھی تو) تم پر حرام کیا گیا تھا'

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا کفر کرتے ہو؟ سو تم

جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ

میں سے جو لوگ یہ کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو گی کہ وہ دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا

رسوا ہوں' اور قیامت کے دن وہ زیادہ شدید عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے' اور

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

کے بدلہ میں خرید لیا' سو نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ ان کی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

ع ۱۰

مدد کی جائے گی O

یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنواسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں گے' نسل در نسل یہ عہد و میثاق مدینہ میں آباد یہودیوں میں بھی منتقل ہوا' مدینہ میں اوس اور خزرج ' مشرکوں کے دو قبیلے تھے جو کسی شریعت کے پیروکار تھے نہ کسی چیز کے حرام اور حلال ہونے کے قائل تھے' یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ مدینہ میں رہنے والے یہود بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے' بنوقینقاع' خزرج کے حلیف تھے اور بنونضیر اور بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی تو بنوقینقاع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنونضیر اور بنوقریظہ اوس کا ساتھ دیتے اور اس جنگ میں یہود ایک دوسرے کو قتل کرتے اور گھروں سے نکال دیتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی تو بنونضیر اور بنوقریظہ کے جو لوگ خزرج کی قید میں ہوتے ان کو بنوقینقاع فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور بنوقینقاع کے جو لوگ اوس کی قید میں ہوتے ان کو بنوقریظہ اور بنونضیر فدیہ دے کر چھڑا لیتے' اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم فریق مخالف کے قیدیوں کو فدیہ دے کر کیوں چھڑا رہے ہو؟ تو کہتے کہ ہمیں تورات میں یہ حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں' پھر ان سے کہا جاتا کہ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور اور گھروں سے نہ نکالو تو تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم اپنے حلیف سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری کرتے ہیں' یعنی مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے تھے اور خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۴ ' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ' ۱۴۰۹ ھ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اور ان کے بعد لگاتار رسول بھیجے '

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلیلیں دیں' اور ہم نے روح القدس (جبریل) سے

أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ ٱسْتَكْبَرْتُمْ

ان کی تائید کی' تو کیا ہر بار (ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی رسول تمہارے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو تمہاری مرضی کا

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا۟ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ

نہ تھا تو تم نے تکبر کیا (رسولوں کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے O اور (یہود نے) کہا: ہمارے دلوں

بَل لَّعَنَهُمُ ٱللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

پر غلاف ہیں' بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے' سو ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لاتے ہیں O

عیسیٰ' مریم اور روح القدس کے معنی

عیسیٰ اور یسوع عبرانی زبان کے الفاظ ہیں' ان کا معنی ہے: سید یا برکت والا' مریم بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: خادم' کیونکہ ان کی ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی' بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں' مثلاً مردوں کو زندہ کرنا' پیدائشی نابینا کو بینا کرنا' برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کرنا' روح القدس سے مراد ہے پاکیزہ روح' حضرت جبریل کو روح القدس کہتے ہیں' قدس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور روح کی اضافت تشریف کے لیے ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ روح' قرآن مجید میں حضرت جبریل کو روح القدس بھی فرمایا ہے اور الروح الامین بھی فرمایا ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ. (النحل: ۱۰۲) — آپ کہیے کہ اس قرآن کو حق کے ساتھ روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ (الشعراء: ۱۹۳) — اس (قرآن) کو الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا ہے O آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں O

''غلف'' کے معنی ہیں: ڈھانپنے والی چیز' پردے۔

انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان

ان آیات میں یہودیوں کے دل کی سختی بیان فرمائی ہے' اور یہ کہ وہ مادہ پرست اور نفسانی خواہشوں پر چلنے والے تھے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں بار بار رسول بھیجے' امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک یکے بعد دیگرے مسلسل رسول آتے رہے' علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ جب تک حضرت یوشع کو نبی نہیں بنا دیا گیا اس وقت تک حضرت موسیٰ فوت نہیں ہوئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع' حضرت شمویل' حضرت شمعون' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت شعیا' حضرت ارمیا' حضرت عزیر' حضرت حزقیل' حضرت الیاس' حضرت الیسع' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور بہت سے رسول آئے۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو رسول بھی مبعوث ہوا وہ بنو اسرائیل کو تورات پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وقفینا'' یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول اسی منہاج اور اسی شریعت پر بھیجا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت بعض احکام میں تورات سے مختلف تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے

ان کو معجزات عطا فرمائے' وہ مردوں کو زندہ کرتے' مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک جانور بنا دیتے' اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جاتا' بیماروں کو تندرست کر دیتے' غیب کی خبریں دیتے' ان کے صدق کی تائید میں حضرت جبریل ان کے ساتھ رہتے تھے۔ بنو اسرائیل ان سے بہت حسد اور بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کے بعض احکام تورات کے خلاف تھے' قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا:

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ. اور (میں اس لیے آیا ہوں) کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔ (آل عمران: ۵۰)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی کوئی رسول ایسی شریعت لے کر آتا جو ان کی خواہش کے خلاف ہوتی تو وہ اس کا کفر کرتے اور اس کے خلاف مہم چلاتے اور بغاوت کرتے' ان میں سے بعض رسولوں کی تو انہوں نے تکذیب کی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض رسولوں کو انہوں نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام' اور ان آیات میں ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر بنو اسرائیل نے آپ کی تکذیب کی' اور آپ پر ایمان نہیں لائے تو اس میں کسی تعجب اور غم اور افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ نبیوں سے عناد رکھنا اور ان کی تکذیب کرنا ان کی سرشت اور عادت ہے' ان آیات میں تمام یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے حالانکہ اس زمانہ کے یہودیوں نے انبیاء سابقین کی تکذیب یا ان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ یہ کام ان کے اسلاف اور آباء و اجداد نے کیا تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے یہودی اپنے پہلوں کے ان کاموں پر راضی تھے اور ان سے براءت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

یہود کے قبیح اقوال میں سے ایک قبیح قول یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں' اس لیے آپ کی بات ہمارے دلوں میں نہیں اترتی اور نہ ہم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: یہ بات نہیں ہے' تمہارے دلوں میں بھی غور و فکر کرنے اور حق بات کو قبول کرنے کی استعداد رکھی گئی تھی لیکن تم نے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بغض اور عناد رکھا' ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اس سبب سے بہ طور سزا اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ تم نے خود ایسے قبیح کام کیے جس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت کے مستحق ہوئے' اسی وجہ سے یہود میں سے بہت کم لوگ ایمان لانے والے ہیں۔

آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے احکام سے اعراض کرے یا ان کا انکار کرے یا تکبر کی وجہ سے ان کو قبول نہ کرے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے اور لعنت اور عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا بنو اسرائیل میں لگاتار انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی اصلاح اور ہدایت کی متقاضی تھی' لیکن انہوں نے خود ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا' ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے' اس لیے اب اصلاح اور ہدایت کے لیے کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا' البتہ ہر دور میں علماء ربانیین' مجتہدین اور مجددین پیدا ہوتے رہتے ہیں جو بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں' اور بدلتے ہوئے حالات اور عصری تقاضوں اور نت نئے مسائل کے لیے قرآن اور سنت سے حل پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں' اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا' بنو اسرائیل کو جو رحمت سے دور کیا گیا اس کا سبب ان کا کفر تھا' یہود اپنی جن برائیوں کو تورات میں چھپاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دے دی' اس میں آپ کے علم غیب

کا ثبوت ہے اور آپ کی نبوت کے صدق پر دلالت ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی جو اس آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ

اور وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

اور جب ان کے پاس وہ آ گئے جن کو وہ جان اور پہچان چکے تھے تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا' سو کافروں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

پر اللہ کی لعنت ہو O کیسی بُری چیز ہے وہ جس کے معاوضہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا ہے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ

کہ وہ اس کتاب کا کفر کریں جس کو اللہ نے نازل کیا ہے' اس پر سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے فضل سے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (کتاب) نازل فرماتا ہے' وہ غضب در غضب میں آ گئے' اور کافروں کے لیے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے O

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود' اوس اور خزرج کے خلاف جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرنے کی دعا کرتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب میں مبعوث کر دیا تو جو کچھ وہ آپ کے متعلق کہتے تھے اس کا انہوں نے انکار کر دیا' ایک دن حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ' جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے' تم ہم کو یہ خبر دیتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور تم اس نبی کی وہی صفات بیان کرتے تھے جو آپ میں موجود ہیں' اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلام بن مشکم نے کہا: وہ کوئی ایسی چیز

لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں' اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۲۵ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود کفار کے خلاف جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یوں فتح کی دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہم نبی امی کے وسیلہ سے تجھ سے نصرت طلب کرتے ہیں' تو ہماری مدد فرما' تو ان کی مدد کی جاتی اور جب وہ نبی آ گئے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے ان کا کفر کیا۔ امام ابونعیم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس طرح دعا کا ذکر کیا ہے:

اے اللہ! اپنے اس نبی کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما اور اس کتاب کے وسیلہ سے جو تو ان پر نازل کرے گا' تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ان کو آخر زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۸۸ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

خلاصہ آیات اور استنباط مسائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ یہ جانتے تھے کہ تورات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی ہی بشارت دی گئی ہے' لیکن وہ حسد اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو جو نذرانے ملتے تھے اور وہ مجرموں سے جو رشوتیں وصول کرتے تھے وہ بند ہو جائیں گی اور عام یہودیوں پر جو علماء یہود کی ریاست تھی وہ ختم ہو جائے گی اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس پر وحی نازل کر دے' ان کی خواہش تھی کہ بنو اسرائیل ہی میں سے وہ نبی مبعوث ہو' انہوں نے پہلے نبیوں کا بھی انکار کیا اور اب ہمارے نبی کو نہ مان کر نیا انکار کیا' اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو ذلت کی زندگی دی اور آخرت میں ان کو ذلیل کرنے والے عذاب کا مستحق قرار دیا۔ ان آیات میں مقربین کے وسیلہ سے دعا کا ثبوت ہے اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے کا ثبوت ہے اور یہ کہ آپ کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے' اور یہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی آمد کا شہرہ تھا اور آپ کے نام کے وسیلہ سے حاجت روائی ہوتی تھی' بنو اسرائیل حسد اور سرکشی کی وجہ سے آپ پر ایمان نہ لائے' اس سے معلوم ہوا کہ حسد اور سرکشی حرام ہے' اور حسد کی وجہ سے انسان اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے' کیونکہ حسد کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل دولت ایمان سے محروم رہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ ذلت اور اہانت والا عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے' اگر بعض گنہ گاروں کو عذاب ہوا تو وہ ذلت اور اہانت کا عذاب نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جن کو اللہ نے نازل کیا' تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ ط

گیا ہے' اور اس کے ماسوا کا کفر کرتے ہیں' حالانکہ وہ حق ہے اور جو (اصل) کتاب ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے'

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ

آپ کہیے: اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

قتل کرتے تھے؟ ○ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل لے کر آئے پھر تم نے اس کے بعد

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

بچھڑے کو (معبود) بنا لیا اور تم ظالم تھے ○ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

اور (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا (اور فرمایا:) جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے لو اور سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑا بسا

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

دیا گیا تھا آپ کہیے: اگر تم (تورات پر) ایمان لانے والے ہو تو یہ کیسی بُری چیز ہے جس کا تمہیں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

تمہارا ایمان حکم دیتا ہے ○

تورات پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال

جب مدینہ کے یہودیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا: ہم صرف تورات پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے کہ قرآن حق ہے اور اس (اصل) تورات کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور دونوں اللہ کے کلام ہیں تو جب تمہارا تورات پر ایمان ہے تو قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ وہ بھی تورات کی طرح اللہ کی کتاب ہے اور تمہاری کتاب کا مصدق بھی ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تمام کتابوں پر ایمان لایا جائے' پھر اللہ تعالیٰ ان پر دوسری حجت قائم فرماتا ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے ہو تو تم انبیاء علیہم السلام کو قتل کیوں کرتے تھے؟ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف قتل کی نسبت کی ہے حالانکہ قتل ان سے پہلے کے

یہودیوں نے کیا تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اور اس کو اللہ کے حکم کی مخالفت اور معصیت نہیں کہتے تھے اور نہ اس سے انہوں نے براءت کا اظہار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ آیات بینات لے کر آئے' پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنا لیا اور تم ظالم تھے ○ (البقرہ: ۹۲)

ان آیات بینات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو نزول تورات کی میعاد سے پہلے نازل ہوئی تھیں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں۔

(بنی اسرائیل: ۱۰۱)

وہ نو نشانیاں یہ تھیں: عصا موسیٰ علیہ السلام' ید بیضاء' حضرت موسیٰ کی زبان کی لکنت کو دور کرنا' بنو اسرائیل کے لیے سمندر کو چیرنا' ٹڈی دل کی صورت میں عذاب' طوفان' بدن کے کپڑوں میں جوؤں کا پیدا کرنا' مینڈکوں کا عذاب کہ ہر کھانے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے اور خون کا عذاب کہ ہر برتن میں خون آجاتا تھا' لیکن ان نشانیوں کے باوجود ان کے شرک اور بت پرستی میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور انہوں نے اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے بچھڑے کی پرستش کرنی شروع کر دی' اسی کو اللہ تعالیٰ نے ظلم فرمایا ہے' کیونکہ کسی مستحق شخص کا حق دوسرے کو دے دینا ظلم ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ اللہ کا حق دوسرے کو دے دیا جائے اور عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور جب اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کی جائے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور اس میں یہود پر تیسرا رد ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان لانے والے تھے تو تم بچھڑے کی عبادت کیوں کرتے تھے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور (پہاڑ) طور کو تم پر اٹھایا۔ (البقرہ: ۹۳)

اس میں یہود پر چوتھا رد ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تورات کے احکام منوانے کے لیے تم پر پہاڑ طور کیوں اٹھایا گیا؟ اور جب تم سے کہا گیا کہ تورات کے احکام قبول کرو اور سنو تو تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی' کیا تورات پر ایمان لانے کے یہی تقاضے ہیں! یہ سب پہلے یہودیوں کے کرتوت تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو ان کا اس لیے مخاطب قرار دیا ہے کہ انہوں نے اپنے پہلوں کے ان کاموں سے نفرت اور براءت ظاہر نہیں کی تھی۔

قرآن مجید کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کتاب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے تمام احکام اور تمام تقاضوں پر عمل کیا جائے اور ان آیات میں بار بار یہی فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم اس کے احکام کی خلاف ورزی کیوں کرتے تھے؟ آج ہم بھی قرآن مجید پر ایمان لانے کے دعویٰ دار ہیں لیکن قرآن مجید پر عمل نہیں کرتے تو جو بات یہود سے کہی گئی ہے وہی ہم پر صادق آرہی ہے۔ قرآن نے ہمیں نماز پڑھنے' روزے رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہماری بھاری اکثریت اس پر عمل نہیں کرتی۔ قرآن نے ہمیں ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال کھانے سے منع کیا اور ہم رشوت' اسمگلنگ' ملاوٹ' مصنوعی اشیاء' بلیک مارکیٹنگ' چور بازاری' لوٹ مار اور ڈاکوں سے دوسرے مسلمانوں کا مال کھا رہے ہیں' قرآن نے ہمیں قتل ناحق سے منع کیا اور ہم مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہیں آتے' قرآن نے ہماری عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا' اور بوقت ضرورت پردے کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا لیکن ہمارے معاشرہ کے ہر طبقہ میں عورت بے پردہ بناؤ سنگھار کر کے اجنبی مردوں کے سامنے رہتی ہے اور بے حیائی کی راہیں کھلتی ہیں' یہود کے متعلق بار بار فرمایا کہ ان پر اللہ کا غضب بالائے غضب ہے اور وہ جہاں بھی ہوں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور آج ان یہودیوں کو اللہ نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا اور

یہودیوں نے مسلمانوں کے علاقے چھین لیے اور بار بار مسلمان یہودیوں سے شکست کھا رہے ہیں تو سوچنا چاہیے کہ جو قوم اس لعنتی اور مغضوب قوم سے پیہم شکست کھا رہی ہے وہ خود کس قدر اللہ کے غضب میں ڈوبی ہوئی اور رحمت سے دور ہو گی۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ

آپ کہیے کہ اگر دار آخرت اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے بجائے خصوصیت سے تمہارے لیے

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ

ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ○ اور

لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

جو اعمال وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ

جاننے والا ہے ○ اور آپ ضرور دیکھیں گے کہ وہ اور لوگوں سے اور مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے دلدادہ ہیں،

وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ

ان میں سے ہر ایک شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُّعَمَّرَ ۗ

سال ہو، اور یہ عمر اسے دی جائے تو یہ اس کو عذاب سے دور کرنے والی نہیں ہے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ○

معانقۃ ۲ عند المتاخرین ۱۲

ع ۱۱

یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف وہی مستحق ہیں

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اور یہود اور ان کے علماء کے خلاف حجت قائم کی ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارا دین برحق ہے اور آخرت میں صرف تم ہی جنت کے مستحق ہو تو تم دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے اور آخرت اور جنت اور اس کی نعمتوں کو پانے کے لیے موت کی تمنا کرو تا کہ معلوم ہو جائے کہ کس کا دین سچا ہے، لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی کیونکہ آخرت کی تو ویسے ہی ان کو امید نہ تھی کہیں دنیا بھی ہاتھ سے جاتی نہ رہے، مشرکین جو مرنے کے بعد دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتے اصل میں ان کو دنیا میں لمبی عمر کی تمنا ہونی چاہیے کیونکہ ان کے لیے جو کچھ ہے یہی دنیا ہے لیکن یہ یہودی جو دنیا کے بعد آخرت اور جنت کے دعویٰ دار تھے ان مشرکوں

سے بھی زیادہ لمبی عمر کی خواہش رکھتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی کوئی ہزار سال کی زندگی کی تمنا کرتا تھا اور موت کی تمنا کرنے کے بجائے لمبی زندگی کی خواہش کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دخول جنت کے متعلق ان کا دعویٰ جھوٹا ہے' قرآن مجید میں فرمادیا کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر وہ ایک دن بھی موت کی تمنا کرتے تو روئے زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا اور صفحۂ ہستی سے یہودیت مٹ جاتی۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۷۔ ۴۳۶' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل

اس آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے یہ پیش گوئی کی کہ یہودی موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے' اگر یہودی سچے تھے تو وہ موت کی تمنا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہتے: لو ہم نے موت کی تمنا کر لی ہے' اور یوں قرآن جھوٹا ہو جاتا اور آپ کی نبوت باطل ہو جاتی۔ یہ بڑی نازک اور خطرناک پیش گوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ وہ موت کی تمنا نہیں کر سکتے' کبھی نہیں کریں گے' ان کے لیے بڑا آسان تھا کہ آپ کے دعویٰ نبوت کو باطل کرنے کے لیے موت کی تمنا کر لیتے لیکن ایسا نہ ہو سکا اور آپ کی نبوت کا صدق اور قرآن مجید کی حقانیت ظاہر ہو گئی۔ جھوٹا نبی کبھی ایسی پیش گوئی کی جرات نہیں کر سکتا جس کو باطل کرنا مخالف کے اختیار میں ہو اور اس کے تمنا کرنے پر موقوف ہو۔ جھوٹے نبی کی کوئی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی' مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی کی لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا' پھر اس نے پیش گوئی کی کہ سلطان محمد ڈھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آ جائے گی لیکن غلام احمد مر گیا اور مرزا سلطان محمد اس کے بعد تادیر زندہ رہا' اس طرح اس نے ایک بیمار عیسائی پادری آتھم کے متعلق پیش گوئی کی وہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو مر جائے گا لیکن وہ اس تاریخ کو نہیں مرا بلکہ تندرست ہو گیا۔

حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا استحباب اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہودی مسلمانوں سے یہ کہیں کہ اگر تم اسلام کے دین حق ہونے اور دخول جنت کے مدعی ہو تو تم موت کی تمنا کرو' حالانکہ تم موت کی تمنا نہیں کرتے بلکہ تمہارے نبی نے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا محمد علیہ السلام اور یہودیوں کے درمیان فرق ہے' کیونکہ سیدنا محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا' اس لیے میں قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہوں' اور تمہارا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۰۷' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ابھی تورات کی تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے اور یہ مقصد ابھی تک حاصل نہیں ہوا' اس لیے ہم قتل کیے جانے پر راضی نہیں ہیں۔

اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں:

اس کا جواب یہ ہے کہ اول ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ صرف ہمارے نبی کے پیروکار جنت میں جائیں گے' بلکہ ہر نبی کے سچے پیروکار جنت میں جائیں گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے اور اللہ سے ملاقات' جنت اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت واقع کر۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی مرنے کے بعد ثواب مل جائے وہ دنیا میں واپس جانا نہیں چاہتا سوا شہید کے' کیونکہ شہادت کی فضیلت دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ دنیا میں جا کر خدا کی راہ میں مرنا چاہتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۴۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں اس چیز کی تصریح ہے کہ اللہ سے ملاقات' جنت اور شہادت کے لیے موت کی تمنا صحیح ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اور صحابہ نے یہ تمنا کی ہے' البتہ دنیا کی مشکلات اور مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت آنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور تمنا کرنی ہو تو یوں کہے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے وفات دے دے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

آپ کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)' پس بے شک اسی جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرَى

کے دل پر (قرآن) نازل کیا جو ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس (کے نزول) سے پہلے موجود ہیں اور وہ مومنین

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ○ جو شخص اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کے رسولوں کا

وَجِبْرِيلَ وَمِيكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ

اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے O اور بے شک (اے رسول!)

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں' اور ان آیتوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں O

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے' بلکہ ان میں سے اکثر

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

ایمان نہیں لاتے O اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ

کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو اس

اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

طرح اپنے پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں ہے O

یہود کا جبریل کو اپنا دشمن کہنا

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں بنو اسرائیل کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئیں کہ جبریل ہمارا دشمن ہے اور میکائیل ہمارا دوست ہے' امام ابوجعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم آپ سے چار ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن کا جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جو چاہو سوال کرو لیکن اس کی ضمانت دو کہ اگر تم ان جوابات کا صدق پہچان لو تو پھر تم اسلام کو قبول کرلو گے' انہوں نے اس کا وعدہ کرلیا' انہوں نے سوال کیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل کیا ہے! کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب سخت بیمار ہوگئے اور جب ان کی بیماری طول پکڑ گئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی' تو میں اپنا پسندیدہ طعام اور مشروب اپنے اوپر حرام کرلوں گا' اور ان کا پسندیدہ طعام اونٹ کا گوشت تھا (ابو جعفر نے کہا: میرا گمان ہے کہ ان کا پسندیدہ مشروب اونٹنیوں کا دودھ تھا) انہوں نے کہا: ہاں! ان کا دوسرا سوال تھا کہ مرد کا پانی کیسا ہے اور عورت کا پانی کیسا ہے؟ اور نر کر اور مونث کیسے بنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا

کوئی معبود نہیں ہے اور جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی! کیا تم کو معلوم ہے کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے اور جس کا پانی غالب ہو بچہ اسی (جنس) کا ہوتا ہے اور اللہ کے اذن سے اس کی مشابہت ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا' ان کا تیسرا سوال تھا: اس نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کو اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی! کیا تم کو معلوم ہے کہ اس نبی امی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا؟ انہوں نے کہا: بہ خدا ہاں! آپ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ ہو جا' انہوں نے کہا: اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا دوست کون ہے؟ اور آپ کے دین قبول کرنے یا نہ کرنے کا مدار اس سوال کے جواب پر ہے' آپ نے فرمایا: میرا دوست جبریل ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس کے وہی دوست تھے' انہوں نے کہا: اب ہم آپ کو چھوڑتے ہیں' اگر کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے اور آپ پر ایمان لے آتے' آپ نے فرمایا: تم جبریل کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: وہ ہمارا دشمن ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۲ ـ ۳۳۱ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس حدیث کو امام احمد[۱] اور امام طبرانی[۲] نے بھی روایت کیا ہے اور حافظ سیوطی نے اس کا امام طیالسی' ابونعیم' بیہقی اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (درمنثور ج ۱ ص ۹۰ ـ ۸۹ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب یہود کے پاس گئے' جب انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا تو ان کو خوش آمدید کہا' حضرت عمر نے فرمایا: میں کوئی تم سے محبت یا تمہاری طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں' لیکن میں تمہاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوں' پھر دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات کیے اور بحث کی' یہودیوں نے پوچھا: آپ کے نبی کا دوست کون ہے؟ حضرت عمر نے کہا: جبریل' انہوں نے کہا: وہ تو ہمارا دشمن ہے' وہ آسمان سے آکر (سیدنا حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے راز بتا دیتا ہے' وہ جب بھی آتا ہے جنگ اور قحط سالی لے کر آتا ہے' البتہ ہمارے نبی کا دوست میکائیل ہے' وہ جب بھی آتا ہے صلح' خوشحالی اور غلہ کی فراوانی کے ساتھ آتا ہے' حضرت عمر نے کہا: تو تم جبریل کو پہچانتے ہو اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرتے ہو' پھر حضرت عمر وہاں سے اٹھ گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: کہیے: جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۳ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام (ایک یہودی عالم) آپ کے پاس آئے اور کہا: میں آپ سے تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا' قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ بچہ ماں یا باپ میں سے کس پر ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ابھی جبریل نے ان چیزوں کی خبر دی ہے' عبداللہ نے کہا: فرشتوں میں جبریل یہود کا دشمن ہے (صحیح بخاری میں ہے: تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "قل من کان عدو الجبریل" الآیہ) آپ نے فرمایا: قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب کی طرف جمع کرے گی' اور

---

۱ - امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۱ ص ۸ ـ ۲۷۴ ـ ۲۷۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۲ - امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر ج ۱۲ ص ۱۹۱ ـ ۱۹۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت

جس چیز کو جنتی سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی ہوگی' اور بچہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب مرد کا پانی غالب ہو تو وہ بچے کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہو تو وہ بچہ کو کھینچ لیتا ہے' عبداللہ بن سلام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یہود بہتان لگانے والے ہیں' اگر میرے متعلق پوچھنے سے پہلے آپ نے ان کو میرے مسلمان ہونے کے متعلق بتا دیا تو مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ جب یہود آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہارے نزدیک عبداللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا: وہ ہم سب سے اچھا ہے اور اس کا باپ بھی سب سے اچھا تھا' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئے؟ انہوں نے کہا: اللہ اس کو اسلام سے اپنی پناہ میں رکھے' تب حضرت عبداللہ بن سلام نے آ کر کہا: اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ' وہ کہنے لگے: یہ ہم میں سب سے برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی سب سے برا تھا' اور ان کی مذمت کی' حضرت عبداللہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اسی بات کا خوف تھا۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۸۷۔ ۲۸۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

جبریل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

ان آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! ان سے کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کی وحی کا دشمن ہوگا کیونکہ تورات اور قرآن دونوں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید' تورات' زبور اور انجیل کا مصدق ہے اور یہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کی توحید' عبادات اور اخلاق حسنہ کی دعوت دیتی ہیں اور یہی گمراہی سے ہدایت دیتی ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کے لیے فرمایا: جو شخص جبریل کا دشمن ہوگا وہ اللہ کا دشمن ہوگا کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ بھیجنے والا ہے اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ سارے فرشتوں کا دشمن ہوگا کیونکہ سارے فرشتے جبریل کے موافق ہیں' اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ سب رسولوں کا دشمن ہوگا کیونکہ جبریل تمام رسولوں کا ولی اور مؤید ہے اور جو جبریل کا دشمن ہوگا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں' دونوں رسل ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور جو ان کا دشمن ہے وہ سن لے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کے رسولوں کا' اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک (اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں' اور ان آیتوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں ○ (البقرہ: ۹۹)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک یہودی عالم) ابن صوریا القطیونی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! آپ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم جانتے پہچانتے ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی آیت بینہ (واضحہ) نازل نہیں فرمائی تا کہ ہم آپ کی اتباع کریں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ الایۃ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۰' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح آیات نازل فرمائیں جن سے وہ تمام علوم اور اسرار ظاہر ہو گئے جن کو علماء یہود

چھپایا کرتے تھے' اور جس شخص نے تورات کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ ان پر مطلع نہیں ہو سکتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ تورات کے اصل احکام کیا تھے اور علماء یہود نے ان میں کیا تحریف کردی' سو جو شخص حسد اور بغض کا شکار ہو کر اپنی فطرت سلیمہ کو نہ کھو چکا ہو اس کے لیے آپ کی نبوت کا صدق بالکل واضح تھا کیونکہ جس شخص نے نہ کسی کتاب کو پڑھا ہو نہ کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا ہو وہ بغیر اللہ کی وحی کے ان مخفی چیزوں کو کیسے جان سکتا ہے اور کیسے بیان کر سکتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰۰)

یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے عہد کو توڑنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے کیا کیا عہد و میثاق لیے ہیں تو ایک یہودی عالم مالک بن صیف نے کہا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم سے کوئی عہد نہیں لیا اور نہ ہم سے کوئی میثاق لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب بھی یہ کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس عہد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۱' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے بار بار یہ عہد لیا تھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا' لیکن انہوں نے اس عہد اور میثاق کا انکار اور کفر کیا' اور اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ کی صفات کو بیان کیا تھا جس کو انہوں نے چھپایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ عظیم رسول آئے جو اس (آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت پھینک دیا گویا انہیں کچھ علم ہی نہیں O (البقرہ: ۱۰۱)

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ دین کے عام اصولوں اور عقائد میں تورات کی تصدیق کرتے تھے' مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید' قیامت' جزاء و سزا' رسولوں کی تصدیق اور تقدیر پر ایمان وغیرہ تو وہ قرآن پر ایمان نہ لائے اور قرآن پر ایمان نہ لانا اس کو مستلزم ہے کہ ان کا مکمل تورات پر ایمان نہ ہوا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا' انہوں نے مکمل تورات کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ تورات کے صرف اس حصہ کو ترک کیا تھا جس میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ اولاد اسماعیل سے ایک نبی آنے والا ہے اور یہ بشارت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی پر منطبق نہیں ہوتی تھی۔

وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّيٰطِيۡنُ عَلٰى مُلۡكِ سُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَمَا كَفَرَ

اور انہوں نے اس (جادو کے کفریہ کلمات) کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے' اور

سُلَيۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا يُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ‌ۗ

سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے' وہ لوگوں کو جادو (کے کفریہ کلمات) سکھاتے تھے

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا

اور انہوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا' اور وہ

يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

(فرشتے) اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے: ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو'

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ

وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کر دیتے'

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس (جادو) سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے' وہ اس چیز کو سیکھتے تھے جو ان کو

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ

نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے' اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا

فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ

اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اور کیسی بری چیز ہے وہ جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے'

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ

کاش یہ جان لیتے ○ اور اگر یہ ایمان لے آتے اور متقی بنتے تو اللہ کے پاس سے ثواب

۱۲ ع ۷ ۱۲ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

بہت بہتر ہے' کاش یہ جان لیتے ○

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تحقیق

مدینہ کے یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کا نبیوں میں ذکر فرماتے تو وہ اس پر طعن اور تشنیع کرتے اور کہتے کہ دیکھو ان کو کیا ہوا ہے کہ یہ سلیمان کا نبیوں میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ سلیمان محض جادوگر تھے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں شیاطین آسمان پر گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور بیٹھ کر فرشتوں کا کلام کان لگا کر سنتے کہ زمین میں کون کب مرے گا' بارش کب ہوگی اور اس قسم کی دیگر باتیں' پھر آ کر کاہنوں کو وہ

باتیں بنانے' کاہن لوگوں کو وہ باتیں بتاتے' اور وہ باتیں اس طرح واقع ہو جاتیں' ان کے ساتھ بہت سے جھوٹ ملا کر لوگوں نے وہ باتیں کتاب میں لکھ لیں' اور بنو اسرائیل میں یہ مشہور ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم ہے' حضرت سلیمان نے ان کتابوں کو تلاش کروا کر منگوایا اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا اور شیاطین میں سے جو بھی ان کی کرسی کے قریب جاتا وہ جل جاتا' اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ میں نے جس شخص کے متعلق بھی یہ سنا کہ وہ کہتا ہے کہ شیاطین غیب جانتے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا' سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ علماء بھی گزر گئے جن کو یہ واقعہ معلوم تھا اور پشت باپشت گزر گئیں تو ایک دن وہ شیطان انسان کی صورت بن کر بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس گیا' اور کہا: میں تم کو ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ دکھاتا ہوں' اس نے ان سے کہا: اس کرسی کے نیچے زمین کھودو' انہوں نے کھودا تو وہ کتابیں نکل آئیں' شیطان نے کہا: سلیمان اس جادو کی وجہ سے انسانوں' جنوں اور پرندوں پر حکومت کرتے تھے' پھر بنو اسرائیل میں نسل در نسل یہ مشہور ہو گیا کہ سلیمان جادوگر تھے' حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے حضرت سلیمان کا انبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا تو بنو اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: سلیمان تو جادوگر تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب شیاطین (جنوں) کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہوا تو انہوں نے سحر کی مختلف اصناف اور اقسام کو لکھ کر ایک کتاب میں مدون کیا اور اس کے اوپر یہ نام لکھ دیا کہ یہ سلیمان بن داؤد کے دوست آصف بن برخیا کی تحریر ہے اور اس میں علم کے خزانوں کے ذخیرے ہیں' پھر اس کتاب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا' پھر بعد میں بنو اسرائیل کی باقی ماندہ قوم نے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے سے نکال لیا' جب انہوں نے اس کتاب کو پڑھا تو انہوں نے کہا کہ سلیمان بن داؤد کی حکومت اس کتاب کی وجہ سے تھی' پھر انہوں نے خود بھی جادو سیکھا اور لوگوں کو بھی جادو سکھایا اور اس طرح جادو پھیلا دیا' اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان بن داؤد کا انبیاء اور مرسلین میں ذکر کیا تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا: کیا تم (حضرت سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تعجب نہیں کرتے کہ وہ سلیمان کا انبیاء میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل کی: اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو سلیمان کے دور حکومت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (جادو کر کے) کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۵۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان دونوں روایتوں کو طبری کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام ابن جوزی نے ان آیتوں کے شان نزول میں مزید چار قول نقل کیے ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کے ہاتھ سے ان کی سلطنت نکل گئی تو شیاطین (جنوں) نے سحر کو لکھ کر ان کی جائے نماز کے نیچے دفن کر دیا اور جب ان کی وفات ہوئی تو اس کو نکال لیا اور کہا: ان کی سلطنت اس سحر کی وجہ سے تھی' مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے احکام لکھ لیا کرتے تھے

اور ان کو ان کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا کرتے تھے' جب حضرت سلیمان فوت ہو گئے تو اس کتاب کو شیطانوں نے نکال لیا اور ہر دو سطور کے درمیان سحر اور جھوٹ لکھ دیا اور بعد میں اس کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر دیا۔

(۳) عکرمہ نے کہا: شیطانوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سحر کو لکھا اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

(۴) قتادہ نے کہا: شیطانوں نے جادو کو ایجاد کیا' حضرت سلیمان نے اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تا کہ لوگ اس کو نہ سیکھیں' جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے تو شیطانوں نے اس کو نکال لیا' اور لوگوں کو سحر کی تعلیم دی اور کہا: یہی سلیمان کا علم ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۲۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سحر کے لغوی معنی

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ جس چیز کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو وہ سحر ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۶۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ جوہری نے بھی یہی لکھا ہے۔ (الصحاح ج ۲ ص ۶۷۹' مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

''تہذیب'' میں مذکور ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف پلٹ دینا سحر ہے' کیونکہ جب ساحر کسی باطل کو حق کی صورت میں دکھاتا ہے اور لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ چیز اپنی حقیقت کے مغائر ہے تو یہ اس کا سحر ہے۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۲۵۸' ملخصاً' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

سحر وہ عمل ہے: جس میں شیطان کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے کوئی کام کیا جاتا ہے' نظر بندی کو بھی سحر کہتے ہیں' ایک چیز کسی صورت میں دکھائی دیتی ہے' حالانکہ وہ اس کی اصلی صورت نہیں ہوتی (جیسے دور سے سراب پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے یا جیسے تیز رفتار سواری پر بیٹھے ہوئے شخص کو درخت اور مکانات دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں)' کسی چیز کی کیفیت کے پلٹ دینے کو بھی سحر کہتے ہیں' کوئی شخص کسی بیمار کو تندرست کر دے یا کسی کے بغض کو محبت سے بدل دے تو کہتے ہیں: اس نے اس پر سحر (جادو) کر دیا۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۳۴۸' ملخصاً' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سحر کا کئی معانی پر اطلاق کیا جاتا ہے:

(۱) نظر بندی اور تخیلات جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی' جیسے شعبدہ باز اپنے ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کی نظریں پھیر دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (الاعراف: ۱۱۶) تو جب انہوں نے (لاٹھیاں اور رسیاں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا اور ان کو ڈرایا۔

لوگوں کو ان جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپوں کی شکل میں دکھائی دینے لگیں اور وہ ڈر گئے:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ (طٰہٰ: ۶۶) تو اچانک ان کے جادو سے موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ۝

(۲) شیطان کا تقرب حاصل کر کے اس کی مدد سے کوئی غیر معمولی کام (عام عادت کے خلاف) کرنا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ. البتہ شیطانوں نے کفر کیا تھا لوگوں کو سحر (جادو) سکھاتے تھے۔ (البقرہ: ۱۰۲)

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جادو سے کسی چیز کی ماہیت اور صورت بدل دی جاتی ہے' مثلاً انسان کو گدھا بنا دیا جاتا ہے' لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(۴) کسی چیز کو کوٹ کر اور پیس کر باریک کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں' اسی لیے معدہ کے فعل ہضم کو سحر کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی معنوی لطافت اور باریکی ہو اس کو بھی سحر کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے: بعض بیان سحر ہوتے ہیں۔

(المفردات ص ۲۲۶' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

سحر کا شرعی معنی

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

جس کام کو انسان خود نہ کر سکے اور وہ شیطان کی مدد اور اس کے تقرب کے بغیر پورا نہ ہو اور اس کام کے لیے شیطان کے شر اور خبث نفس کے ساتھ مناسبت ضروری ہو اس کو سحر کہتے ہیں' اس تعریف سے سحر' معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہو جاتا ہے' مختلف حیلوں' آلات' دواؤں اور ہاتھ کی صفائی سے جو عجیب و غریب کام کیے جاتے ہیں' وہ سحر نہیں ہیں اور نہ وہ مذموم ہیں' ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے کیونکہ ان کاموں میں بھی دقت اور باریکی ہوتی ہے اور لغت میں سحر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے صدور کا سبب دقیق اور مخفی ہو۔ (انوار التنزیل (درسی) ص ۹۶-۹۵' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

سحر کے تحقق میں مذاہب' سحر کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جوابات

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کوئی غیر معمولی اور عام عادت کے خلاف کام یا چیز صادر ہو اس کو سحر کہتے ہیں' اور یہ باقاعدہ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے' اس اعتبار سے سحر معجزہ اور کرامت سے ممتاز ہے' سحر کسی شخص کی طبیعت یا اس کی فطرت کا خاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں' بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے' جادو کا معارضہ کیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے' سحر کرنے والا فسق کے ساتھ ملعون ہوتا ہے' ظاہری اور باطنی نجاست میں ملوث ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے' اہل حق کے نزدیک سحر عقلاً جائز ہے اور قرآن اور سنت سے ثابت ہے' اسی طرح نظر لگنا بھی جائز اور ثابت ہے۔

معتزلہ نے کہا: سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ محض نظر بندی ہے اور اس کا سبب' کرتب' ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ سحر فی نفسہ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس کا خالق ہے اور ساحر صرف فاعل اور کاسب ہے اور اس کے وقوع اور تحقق پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی ان آیات میں ہے:

(ترجمہ) البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے (یہودیوں نے) اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ فرشتے اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہتے: ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر نہ کرو' وہ ان سے اس چیز کو سیکھتے تھے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی

بیوی میں علیحدگی کردیتے' اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے' وہ اس چیز کو سیکھتے تھے جو ان کو نقصان پہنچائے اور ان کو نفع نہ دے (البقرہ: ۱۰۳۔ ۱۰۲) اور قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ (الفلق: ۴) آپ کہیے کہ میں گرہوں میں (جادو کی) بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں O

اگر جادو کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم نہ دیتا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ سحر ایک حقیقت ثابتہ ہے' سحر کے ذریعہ نقصان پہنچ جاتا ہے' مرد اور اس کی بیوی میں علیحدگی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ فلق اس وقت نازل ہوئی جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ تین راتیں بیمار رہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا' حتیٰ کہ آپ یہ خیال کرتے تھے کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے' حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ ایک دن میرے پاس تشریف فرما تھے' آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو پوچھا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا' میں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس دو آدمی آئے' ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور ایک میرے پاؤں کی جانب' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: اس شخص کو کیا درد ہے؟ اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے' پوچھا: جادو کس نے کیا ہے؟ کہا: لبید بن اعصم یہودی نے جو بنوزریق سے ہے' پوچھا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟ کہا: ایک کنگھی میں اور نر کھجور کے غلاف میں لپٹے ہوئے خوشہ میں ہے' پوچھا: وہ کہاں ہے؟ کہا: وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کنویں پر گئے' آپ نے اس میں جھانک کر دیکھا' اس کنویں کے پاس ایک کھجور کا درخت تھا' پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس گئے اور فرمایا: بہ خدا! اس کنویں کا پانی گوندھی ہوئی مہندی کے پانی کی طرح ہے اور گویا اس کھجور کے خوشے شیاطین کے سر ہیں' میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے اس کو کنویں سے نکال کیوں نہ لیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' مجھ کو تو اللہ نے شفا دے دی' اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس کے نکالنے سے لوگوں کو ضرر پہنچے گا' پھر آپ نے اس کنویں کو دفن کرنے (بند کرنے) کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۸)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سحر کیا' اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر سحر کیا گیا تو ان کی کلائی ٹیڑھی ہو گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو کا اثر ثابت ہوتا تو جادوگر تمام انبیاء اور صالحین کو نقصان پہنچاتے اور وہ جادو کے ذریعہ اپنے لیے ملک اور سلطنت کو حاصل کر لیتے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ○ (طٰہٰ: ۶۹) اور ساحر جہاں بھی جائے وہ کامیاب نہیں ہو سکتاO

کہا جاتا ہے کہ سحر ہر زمانہ اور ہر وقت میں نہیں پایا جاتا' اور نہ ہر علاقہ اور ہر جگہ میں پایا جاتا ہے' اور نہ سحر کا اثر ہر وقت ہو سکتا ہے اور نہ ہر معاملہ میں جادوگر کا تسلط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھے گا اس کا

مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو لوگوں کے ہلاک کرنے سے محفوظ رکھے گا' یا آپ کی نبوت میں خلل ڈالنے سے محفوظ رکھے گا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جادوگر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یا آپ کے بدن میں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا۝ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا۝ (بنو اسرائیل: ۴۸ـ ۴۷)

جب کہ ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف اس شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۝ دیکھئے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں' تو وہ اس طرح گمراہ ہو چکے کہ اب صحیح راستہ پر نہیں آ سکتے۝

کفار نے کہا کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا' اور ''صحیح بخاری'' میں یہ حدیث ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی مراد یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی عقل زائل ہو گئی ہے اور آپ کا دعویٰ نبوت کرنا اور وحی الٰہی کو بیان کرنا اسی جادو کے اثر سے ہے' اور اسی جادو کے اثر کی وجہ سے آپ نے عربوں کے دین کو ترک کر دیا' اور حدیث میں جادو کے جس اثر کا بیان ہے اس کا اثر آپ کی عقل پر نہیں تھا بلکہ آپ کے حواس پر تھا' آپ نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا تھا اور آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے اور جس طرح آپ پر بیماری کا طاری ہونا' آپ کا سواری سے گرنا' جسم سے خون کا نکلنا عوارض بشریہ کی وجہ سے تھا اور نبوت کے منافی نہیں تھا اسی طرح آپ پر جادو کا اثر ہونا عوارض بشریہ سے تھا اور یہ آپ کی نبوت کے منافی نہیں تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ سحر زدگی کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہو۔ اس کی مکمل تحقیق بنی اسرائیل: ۴۸ـ ۴۷ کی تفسیر میں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰی۝ (طٰہٰ: ۶۶)

حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو کی وجہ سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۝

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ صرف نظر بندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے' ہم کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادوگروں کا سحر بھی تخیل اور نظر بندی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے علاوہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی طرح نظر لگنا بھی ثابت ہے کیونکہ بعض انسانوں میں ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں تو اس چیز پر کوئی آفت آ جاتی ہے اور یہ چیز مشاہدات میں سے ہے' اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر حق ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۰ 'مطبوعہ کراچی)

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۸۱ـ ۷۹ 'موضحاً و مفصلاً 'مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

سحر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ صرف تخییل ہے' علامہ استر بازی شافعی' علامہ ابوبکر رازی حنفی' اور علامہ ابن حزم ظاہری کی یہی رائے ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے' جمہور کے نزدیک یہ قطعی ہے' عام علماء کی یہی رائے ہے۔ کتاب' سنت صحیحہ مشہورہ کی اسی پر دلالت ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سحر سے انقلاب حقائق ہو جاتا ہے یا نہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سحر صرف تخییل ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں' اور جو کہتے ہیں کہ اس کی

حقیقت ہے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ جادو کی تاثیر صرف کسی چیز کے مزاج میں ہوتی ہے' مثلاً صحت مند کو بیمار کرنا' یا اس سے کسی چیز کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے' مثلاً پتھر کو حیوان بنا دینا' جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس کا اثر صرف مزاج میں ہوتا ہے' اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ سحر' معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ سحر بعض اقوال اور افعال خبیثہ سے مکمل ہوتا ہے اور کرامت میں اس کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ وہ عموماً اتفاقاً صادر ہوتی ہے اور معجزہ میں چیلنج ہوتا ہے' امام الحرمین نے یہ نقل کیا ہے کہ سحر صرف فاسق سے صادر ہوتا ہے' اور کرامت کا ظہور فاسق سے نہیں ہوتا۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

سحر کے شرعی حکم کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' جادو کرنا' جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا' اور مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فی نفسہ جادو کرنا' حرام اور گناہ کبیرہ ہے' اگر جادو کے عمل میں شرکیہ اقوال یا افعال ہوں تو پھر جادو کرنا کفر ہے اور جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں فقہاء کے مختلف نظریات ہیں۔

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے' اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے' اگر جادو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے' ورنہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے' اسی طرح جادو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی قول یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے' ہمارے نزدیک جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس سے توبہ طلب کی جائے گی' اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

نیز علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جادو کا سیکھنا جائز ہے تاکہ انسان کو جادو کی معرفت ہو اور وہ جادو کے ضرر سے بچ سکے اور جادوگر کا رد کر سکے' اور ان کے نزدیک جادو کی ممانعت جادو کرنے پر محمول ہے' جادو سیکھنے پر نہیں۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حوادث کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے' امام رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جادو کا عمل نہ کیا جائے' کیونکہ شیاطین کی تعظیم کرنا اور حوادث کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرات

نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے' اگر جادو کا توڑ اسی کی مثل جادو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے' جادو کے توڑ کے لیے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے' بہ شرطیکہ جادو سے یہ توڑ نہ کیا جائے' جادو کے ذریعہ احوال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور حقائق بدل جاتے ہیں' اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے' البتہ اگر جادو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عداوت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حرام ہے' اگر کوئی شخص علی الاعلان جادو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال فئی ہے (یعنی لوٹ لیا جائے گا) بہ شرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔

(الشرح الکبیر ج ۴ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ دسوقی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ خرشی مالکی[1]' علامہ علی مالکی[2]' علامہ خطاب مالکی[3] اور علامہ العبدری[4] نے بھی یہی لکھا ہے۔

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کا اتفاق ہے' جادو کے سیکھنے اور جادو کے عمل کی وجہ سے ساحر کی تکفیر کی جائے گی' خواہ وہ جادو کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مباح ہونے کا اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' کیونکہ امام احمد نے فرمایا: عراف' کاہن اور ساحر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے ان افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے' کیونکہ میرے نزدیک وہ حکماً مرتد ہیں' اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔ راوی نے پوچھا: اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟ تو کہا: نہیں بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے' راوی نے پوچھا: اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ کہا: جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔ امام احمد کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ساحر کافر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وما کفر سلیمان. سلیمان نے کفر نہیں کیا'' یعنی انہوں نے جادو نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی تکفیر کی جائے' اور فرشتوں نے کہا: ''انما نحن فتنة فلا تکفر. ہم تو محض آزمائش ہیں تو تم جادو سیکھ کر کفر نہ کرو''۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے' اور حضرت علی نے فرمایا: ساحر کافر ہے۔

حضرت عمر' حضرت عثمان بن عفان' حضرت ابن عمر' حضرت حفصہ' حضرت جندب بن عبد اللہ' حضرت حبیب بن کعب' حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ ساحر کو بہ طور حد کے قتل کر دیا جائے گا' امام ابو حنیفہ اور مالک کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجہوں سے جائز ہے' ایمان لانے کے بعد کفر کرے' شادی کرنے کے بعد زنا کرے یا ناحق قتل کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ساحر نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا' اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ سحر کرنا بھی ارتداد ہے' نیز حضرت جندب بن

[1] علامہ محمد بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر الخلیل' ج ۸ ص ۶۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت

[2] علامہ علی بن احمد الصعیدی العدوی المالکی' حاشیۃ العدوی علی الخرشی ج ۸ ص ۶۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الحطاب المالکی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف العبدری المتوفی ۸۹۷ھ' التاج والاکلیل علی ہامش مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا

عبداللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ساحر کی حد اس کو تلوار سے مارنا ہے (ابن المنذر) اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: ہر ساحر کو قتل کردو۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۱ ـ ۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

ساحر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا' یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے' ایک روایت یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوئیں سے شعبدہ بازی کرتا ہو اس کو صرف تعزیر دی جائے گی۔

(الانصاف ج ۱۰ ص ۳۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۲ھ)

سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

سحر کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے' جادو کو سکھانا بالاتفاق حرام ہے' اور اس کی اباحت کا اعتقاد کرنا کفر ہے' ہمارے بعض اصحاب' امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے' خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے' اس کو قتل کردیا جائے گا' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت ابن عمر' حضرت جندب بن عبداللہ' حبیب بن کعب' قیس بن سعد اور عمر بن عبدالعزیز نے ساحر سے توبہ طلب کیے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا' حضرت جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے ماردیا جائے' امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ساحر جادو کے مباح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر کہا جائے نہ اس کو قتل کیا جائے' ساحر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں امام شافعی کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے' البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے' جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کرکے جادو کرتا ہے' اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کردیا جائے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۲۳۳ ـ ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ساحر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی ''النہر الفائق'' میں اسی پر اعتماد کیا ہے' اور علامہ حصکفی نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور ساحر کو مطلقاً قتل کردیا جائے گا ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کے لیے کوئی عمل کرے' وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کردیا جائے بہ شرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو' اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لیے سحر کرتا ہو اس کو قتل کردیا جائے گا' اور جو ساحر تجربہ کے لیے سحر کرتا ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جس شخص کا سحر کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کردیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی' اس میں مسلمان' ذمی' آزاد اور غلام برابر ہیں' ساحر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معوذات سے جادو کو دور کرتا ہو' نہ طلسم کرنے والا مراد ہے (شعبدہ باز)۔ علامہ ابن ہمام نے جو ہمارے بعض اصحاب سے سحر کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ سحر کا تحقق کلمات کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۹۶ ـ ۲۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ اگر پکڑے جانے سے پہلے جادوگر نے توبہ کرلی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہوگی اور قتل کیا جائے گا۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

سحر کی ایک قسم بعض مخصوص کلمات سے ہوتی ہے اور یہ حواس خمسہ میں ادراک کو واجب کرتی ہے' اس کو سیمیا کہتے ہیں' دوسری قسم ھمیا ہے جو کھانے' پینے کی چیز میں تخییل واقع کرتی ہے' اور تیسری قسم وہ ہے جس سے بعض اشیاء کے احوال میں تاثیر ہوتی ہے' سحر کی اور بھی قسمیں ہیں لیکن سحر کی ہر قسم کفر نہیں ہے' کیونکہ کسی کو ضرر پہنچانے کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاتی بلکہ کسی کفریہ امر کی وجہ سے تکفیر کی جاتی ہے' مثلاً ستاروں میں الوہیت کا اعتقاد رکھا جائے یا قرآن مجید کی اہانت کی جائے یا کوئی کفریہ کلمہ کہا جائے' لیکن ساحر کی تکفیر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قتل بھی نہ کیا جائے' اس لیے جو شخص سحر کے ذریعہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ڈاکوؤں کے ضرر پہنچانے کی وجہ سے ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ساحر کافر ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

(التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۵۲۔ ۲۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر ہے اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ساحر مطلقاً کافر نہیں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سحر کفریہ عقائد اور کفریہ اقوال اور افعال کے بغیر متحقق نہیں ہوتا' اس لیے وہ سحر کو مطلقاً کفر کہتے ہیں' اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سحر عام ہے' یہ کفر کے بغیر بھی ہو سکتا ہے' اس لیے سحر مطلقاً کفر نہیں ہے' البتہ جس سحر میں کفر کا دخل ہو وہ ان کے نزدیک بلاشبہ کفر ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے واضح ہے' اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سحر حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے' البتہ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ دفع ضرر کے لیے جادو کا سیکھنا جائز ہے' اور امام مالک' امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک ساحر کو حداً قتل کرنا واجب ہے اور وہ ڈاکو کے حکم میں ہے' امام شافعی کے نزدیک ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان یہودیوں نے اس (جادو) کی پیروی کی جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا۔

(البقرہ: ۱۰۲)

ھاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت

ھاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں' ان کے متعلق علماء اسلام میں اختلاف ہے' محققین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتائیں اور لوگوں پر یہ واضح کریں کہ لوگ جو سحر کے نام سے مختلف حیلوں اور شعبدوں سے عجیب وغریب کام کرتے ہیں وہ سحر نہیں ہے' وہ لوگوں پر جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لیے جادو کی تعلیم دیتے تھے اور جادو پر عمل کرنے سے روکتے تھے' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے سحر کو نازل کیا' جس نے سحر سیکھ کر اس پر عمل کیا وہ کافر ہو گیا' اور جس نے سحر کو نہیں سیکھا یا جادو کے ضرر سے بچنے کے لیے اور جادو کی حقیقت جاننے کے لیے اس کو سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا وہ اپنے ایمان پر سلامت رہا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب جادو حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جادو سکھانے کے لیے فرشتوں کو کیوں نازل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر ہر چیز کا خالق ہے' زہر کھانا اور کھلانا حرام ہے' کتے اور خنزیر کو کھانا حرام ہے' شراب پینا حرام ہے' چوری' قتل' زنا کرنا حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں اور تمام کاموں کو پیدا کیا ہے اور انسان کو ان تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کا حکم دیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور آزمائش کے لیے فرشتوں کو

جادو کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تا کہ ظاہر ہو جائے کہ کون جادو پر عمل کرنے سے باز رہتا ہے اور کون جادو سیکھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت

ھاروت اور ماروت اللہ تعالیٰ کے دو مقرب فرشتے ہیں اور ان کا واقعہ صرف اسی قدر ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے' بعض روایات میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے زمین پر آ کر گناہ کیا' ان تمام روایات کو محققین علماء نے مسترد کر دیا ہے' ہم پہلے وہ روایات بیان کرتے ہیں' پھر ان کے مردود ہونے پر دلائل کو پیش کریں گے' پھر ان کے متعلق محققین کی تصریحات کو بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق.

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان سے جھری کی' جب انہوں نے بنو آدم کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا' تو انہوں نے کہا: اے رب! یہ وہ بنو آدم ہیں جن کو تو نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور وہ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ان کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی ان کی طرح عمل کرتے' انہوں نے کہا: تو سبحان ہے' ہم ایسا نہیں کر سکتے' پھر ان سے کہا گیا کہ تم دو فرشتوں کو منتخب کر لو تو انہوں نے ھاروت اور ماروت کو منتخب کر لیا' انہیں زمین پر بھیج دیا گیا اور ان کے لیے زمین پر ہر چیز حلال کر دی گئی اور شرک' چوری' زنا' شراب نوشی اور قتل ناحق سے منع کر دیا' وہ زمین پر آ کر رہنے لگے' وہاں انہوں نے بیذغت نام کی ایک عورت دیکھی جو بہت حسین تھی' وہ اس پر فریفتہ ہو گئے' انہوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا' اس نے کہا: پہلے تم اللہ کے ساتھ شرک کرو' شراب پیو' قتل ناحق کرو اور اس بت کو سجدہ کرو' شروع میں انہوں نے انکار کیا لیکن جب وہ عورت اس کے بغیر راضی نہ ہوئی تو انہوں نے یہ سب کام کر لیے' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ منظر دکھایا' فرشتوں نے کہا: تو سبحان ہے اور تجھ کو خوب علم ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان[1] بن داؤد علیہما السلام کے ذریعہ ان کو یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں' انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا' سوان کو بابل (دنباوند یا عراق یا کوفہ کی ایک بستی) میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ (مجاہد نے بیان کیا کہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں (ص ۳۶۵) اور ان کے ٹخنوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فارس میں زہرہ نام کی ایک حسین عورت تھی' ھاروت اور ماروت نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی' اس نے کہا: مجھے وہ کلام سکھاؤ جس کو پڑھ کر میں آسمان پر چلی جاؤں' انہوں نے اس کو وہ کلام سکھایا' وہ اس کو پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور وہاں اس کو مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا گیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ ھاروت اور ماروت کا قصہ حضرت نوح کے زمانہ سے پہلے کا ہے اور سحر نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قوم نوح نے ان کو ساحر گمان کیا اور قوم فرعون سے پہلے سحر موجود تھا' وہ بھی حضرت سلیمان سے پہلے تھی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳) اور طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے' واللہ اعلم۔ ۱۲

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان

زہرہ ستارہ تو آسمان پر شروع سے موجود ہے اس لیے یہ روایت عقلاً باطل ہے اور ھاروت اور ماروت کے گناہ کا جو ذکر ہے یہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں فرشتوں کی عصمت کو بیان فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (التحریم: ۶۶)

وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ (الانبیاء: ۲۷۔ ۲۶)

بلکہ (سب فرشتے) ان کے مکرم بندے ہیں ۝ اس (کی اجازت) سے پہلے بات نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کار بند رہتے ہیں ۝

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (النحل: ۵۰۔ ۴۹)

وہ (فرشتے) تکبر نہیں کرتے ۝ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝

وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ (الانبیاء: ۲۰۔ ۱۹)

اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں ۝ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں (اور ذرا) سستی نہیں کرتے ۝

ھاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث و نظر

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں:

ھاروت اور ماروت کے قصہ میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی' انہوں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی' اس نے کہا: پہلے مجھے اسم اعظم سکھاؤ' وہ یہ اسم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور ستارہ بن گئی' میرا گمان ہے کہ اس قصہ کو اسرائیلیوں نے وضع کیا ہے' ہر چند کہ اس کو کعب الاحبار نے روایت کیا ہے اور ان سے متقدمین کی ایک جماعت نے بہ طور حدیث بنی اسرائیل کے نقل کیا ہے' امام احمد اور امام ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں بہت طویل قصہ ہے' اور امام عبدالرزاق نے اس کو اپنی سند کے ساتھ کعب احبار سے روایت کیا ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے' امام حاکم نے "مستدرک" میں اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۸۔ ۳۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ھاروت اور ماروت کے قصہ میں تابعین کی ایک جماعت مثلاً مجاہد' سدی' حسن بصری' قتادہ' ابوالعالیہ' زہری' ربیع بن انس' مقاتل بن حیان وغیرہم نے روایات ذکر کی ہیں اور بہت سے متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں' کیونکہ اس قصہ میں معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور مصدوق سے کوئی حدیث مرفوع صحیح متصل الاسناد مروی نہیں ہے' اور قرآن مجید نے ھاروت اور ماروت کا بغیر کسی تفصیل کے اجمالاً ذکر کیا ہے' سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

یہ تمام روایات ضعیف ہیں' حضرت ابن عمر وغیرہ سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسی روایت کریں' ان میں سے کوئی روایت صحیح

نہیں ہے' فرشتے اللہ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہیں' وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا رہے' ہر چند کہ عقلاً فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور ان میں شہوت کا پیدا ہونا ممکن ہے اور ہر ممکن اللہ کی قدرت میں ہے' لیکن یہ ممکن بغیر کسی صحیح حدیث کے ثابت نہیں ہو سکتا اور اس قصہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے' اور اس کے صحیح نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب اللہ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں ان سات سیاروں کو پیدا کیا' زحل' مشتری' بہرام' عطارد' زہرہ' شمس اور قمر' اور اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ عورت زہرہ ستارہ بن گئی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۲ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی نے لکھا ہے کہ فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں بہ طریق عموم فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے ان میں تخصیص ہو سکتی ہے کیونکہ علم اصول میں مقرر ہے کہ عام میں تخصیص ہو سکتی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۷ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابوبکر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور اس کے عموم کا ناسخ اور مخصص بھی اس کے مساوی ہونا چاہیے' اس لیے اس عموم کا مخصص یا تو قرآن مجید ہو سکتا ہے یا حدیث صحیح متواتر' اور ان روایات میں سے تو ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ ہوں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

یہ تمام روایات فاسد' مردود اور غیر مقبول ہیں' کتاب اللہ میں ان میں سے کسی پر دلالت نہیں ہے' اور قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے' یہ روایات اس کی مخالف ہیں' نیز ان روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ھاروت اور ماروت کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت میں اختیار دیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ تاحیات شرک کرنے والے کو بھی توبہ اور عذاب آخرت کے درمیان اختیار دیتا ہے' سو یہ روایات اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے بھی خلاف ہیں' اور ان بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ حالت عذاب میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جادو کی دعوت دیتے تھے اور یہ غیر معقول ہے' رہا یہ امر کہ ان فرشتوں کو کیوں نازل کیا گیا تھا؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت جادوگر ہو گئے تھے جو جادو سے عجیب و غریب کام کرتے اور نبوت کا دعویٰ کرتے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کا چیلنج کرتے' تب اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے بھیجا تاکہ مومنین جھوٹے نبیوں کا جادو سے معارضہ کر سکیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۲۹ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کی بیان کردہ یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جادو کا معارضہ کرنا جادو کرنے پر موقوف ہے حالانکہ لوگوں کو جادو کرنے سے وہ فرشتے منع کرتے تھے' البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جادو کی حقیقت جاننے کے بعد لوگوں پر یہ بات کھل گئی تھی کہ جھوٹے نبی جو کچھ عجیب و غریب کام دکھا رہے ہیں یہ جادو ہے معجزہ نہیں ہے' اس لیے اس زمانہ میں جادو کا سیکھنا اور سکھانا صحیح تھا۔

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ان روایات میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے' اور فرشتے معصوم ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے' اور فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جس جادو سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اس کے دوستوں میں تفرقہ ہو جائے وہ اس زمانہ میں مباح یا مستحب تھا۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۵۲۸ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

یہ روایات یہود سے نقل کی گئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ متقدمین کی رموز ہوں جن کا حل کرنا اہل علم پر مخفی نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی نیکیوں کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا۔

(انوار التنزیل (درسی) ص ۹۶ 'مطبوعہ ایچ۔ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ رموز متقدمین ہیں' اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ فرشتہ بہ حیثیت فرشتہ گناہوں سے معصوم ہے اور جب اس کی حقیقت بدل دی جائے اور اس کو آدمی کے خواص اور اس کی قوتوں سے مرکب کر دیا جائے تو پھر اس کا گناہ کرنا قرآن مجید کی آیات کے مخالف نہیں ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قصہ میں تمثیل بیان کی گئی ہو اور ہاروت و ماروت سے مراد انسان کا بدن اور زہرہ سے مراد اس کی روح ہو' بدن نے روح کو گناہ پر ابھارا اور جب روح اس پر متنبہ ہوئی تو وہ آسمان پر چلی گئی اور اگر یہ کہا جائے کہ ہاروت اور ماروت دو آدمی تھے جن کو ان کی غیر معمولی عبادت کی وجہ سے فرشتہ کہا گیا تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۲۱۶ 'مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ خوب جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خرید لیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور کیسی بری چیز ہے وہ' جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا ہے' کاش! یہ جان لیتے O (البقرہ: ۱۰۲)

علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکماً جہل ہے

اس آیت کے اول میں یہ فرمایا ہے کہ وہ جادو کی برائی جانتے تھے اور آخر میں فرمایا ہے کہ وہ جان لیتے' یعنی وہ نہیں جانتے اور بہ ظاہر یہ تناقض ہے کہ وہ جانتے بھی تھے اور نہیں بھی جانتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جادو کی برائی کا علم تھا لیکن چونکہ وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جادو کرتے تھے اس لیے ان کے علم کو عدم علم کے قائم مقام کر کے فرمایا: کاش وہ جان لیتے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالم علم کے مطابق عمل نہ کرے وہ بہ منزلہ جاہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق

''کاش وہ جان لیتے'' اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل کریں لیکن اللہ کا چاہا پورا نہیں ہوا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہا ہوا پورا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی ایک مشیت ہے اور ایک مرضی ہے' اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا' یہودیوں کا ایمان لانا اور ان کا جادو نہ کرنا' اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی' اس کی مشیت نہیں تھی' اللہ تعالیٰ کفر اور بدعملی پر راضی نہیں لیکن دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ''کاش وہ جان لیتے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جادو کرنا اور علم کے خلاف عمل کرنا اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

اے ایمان والو! (اپنے رسول سے) راعنا نہ کہو انظرنا کہو' اور ابتداء (غور سے)

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ

سنا کرو' اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے O کافروں میں سے اہل کتاب اور

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ

مشرکین یہ نہیں پسند کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر (وحی) نازل

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

کی جائے اور اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

کر لیتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے O

''راعنا'' کہنے کی ممانعت اور ''انظرنا'' کہنے کا حکم

ان آیات میں یہود کے ایک اور عناد اور حسد کو بیان فرمایا ہے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے ہوئے ایسا لفظ استعمال کرتے تھے جس سے گستاخی کا پہلو نکلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ''راعنا'' کہتے تھے' یعنی ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے' جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے: ''راعنا' ہماری رعایت فرمائیں''۔ یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا' اور اس کا معنی تھا: سنو تمہاری بات نہ سنی جائے' انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کہنے لگے کہ پہلے ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے' تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ''راعنا'' کہتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہود کی لغت کا علم تھا' انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو' اگر میں نے آئندہ تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' یہود نے کہا: کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے تو) تم ''راعنا'' نہ کہو بلکہ ''انظرنا'' کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی ''راعنا'' کہنے سے منع فرمایا ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء: ۴۶)

بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق اور سباق سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نافرمانی کی' (اور آپ سے کہتے ہیں:) سنیے درآں حالیکہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو! اور دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو موڑ کر ''راعنا'' کہتے ہیں' اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان)

(ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا' لیکن اللہ
نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمادی' تو صرف قلیل
لوگ ایمان لائیں گے O

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان موڑ کر ''راعنا'' کی جگہ ''راعن'' کہتے تھے اور ''راعن'' کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کر کے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ (امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان ج ۱ ص ۳۷۴' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ) سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سد باب کرنے کے لیے مسلمانوں کو ''راعنا'' کہنے سے منع فرمادیا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحیح کام سے کسی بڑی برائی کا راستہ نکلتا ہو تو اس بڑی برائی کے سد باب کے لیے اس صحیح کام کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی بہت نظائر ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام: ۱۰۸)

اور تم مشرکین کے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ عداوت اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی کسی زوجہ نے ذکر کیا کہ میں نے حبشہ کے ملک میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ دیکھی ہے جس کا نام ماریہ ہے' حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ حبشہ سے آئی تھیں' انہوں نے اس عبادت گاہ کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کو بیان کیا' آپ نے سر اٹھا کر فرمایا: جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے' یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

عیسائیوں کے پہلے لوگوں نے نیک انسانوں کی تصویریں اس لیے بنائی تھیں کہ لوگ ان کی تصویروں کو دیکھ کر ان کے نیک اعمال کو یاد کریں' اور ان کی طرح نیکی کرنے کی کوشش کریں اور ان کی قبروں کے پاس اللہ کی عبادت کریں' جب کافی زمانہ گزر گیا اور بعد میں لوگوں کے عقائد اور اعمال میں فساد ظاہر ہوا اور بعد کے لوگ ان تصویروں کی غرض سے ناواقف ہو گئے' تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے آباء واجداد ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سد باب کے لیے تصویریں بنانے سے مطلقاً منع فرمادیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہود اور نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان کی تعظیم کے لیے ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بت بنالیا تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس فعل سے منع فرمایا' البتہ جو شخص کسی نیک مسلمان کے قرب میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا قصد کرے اور اس قبر کی تعظیم کا قصد نہ کرے اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں توہین کا معنی نکلتا ہو اس لفظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استعمال کرنا ناجائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کفر ہے' ہم اس مقام پر اس مسئلہ کی تحقیق کر رہے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف اقوال ہیں خواہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو' آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ اہانت خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً ہو' تعریضاً ہو یا تلویحاً ہو' اسی طرح کوئی شخص آپ کو بددعا کرے' آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے' آپ کے عوارض بشریہ یا آپ سے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے' غرض جس شخص سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قائل واجب القتل ہے۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی' علامہ علائی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی نبی کو گالی دینے سے کافر ہو گیا اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گالی دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

(درمختار علی الرد ج ۳ ص ۲۰۰' مطبوعہ مطبع عثمانیہ' استنبول)

علامہ شامی حنفی عدم قبول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی' اسی طرح ''البحر الرائق'' میں ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۰۰' مطبوعہ مطبع عثمانیہ' استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحۃً گالی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابوبکر فاسی نے ''کتاب الاجماع'' میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قذف صریح کے ساتھ گالی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے' اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور)

احناف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ کو گالی دی اس کو قتل کیا جائے گا' خواہ اس نے توبہ کر لی ہو' امام مالک کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور احناف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی وہ کافر ہو گیا خواہ مذاق سے خواہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا یا

اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ (التوبہ: ۶۵-۶۶)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے: ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے آپ کہیے: کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزاء کر رہے تھے؟ ۝ اب عذر نہ پیش کرو کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۳ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

مشہور آزاد محقق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے' اس کے متعلق عذاب الٰہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کو بالاتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے' اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے اور اگر گالی دینے والا ذمی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور عنقریب ہم ان کی عبارت نقل کریں گے' اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے' امام احمد نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے' حنبل کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ (امام احمد) سے سنا وہ فرماتے تھے: جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔

(الصارم المسلول ص ۴ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک' ان کے اصحاب' سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بہ طور حد قتل کیا جائے گا نہ بہ طور کفر' شیخ ابوالحسن قابسی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کسی شخص نے آپ کو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گالی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے' ابومحمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے' البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عنداللہ مومن قرار پائے گا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۲۳ - ۲۲۲ 'مطبوعہ ملتان)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے' اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی' لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ نتف وغیرہ سے منقول ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہوگا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۹۴ - ۲۹۱ 'مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

گستاخانہ کلام میں تاویل کی گنجائش

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ جس کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو اس کلام کو اسلام پر محمول کیا جائے گا اور قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ علامہ علائی لکھتے ہیں:

''درر'' وغیرہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کچھ وجوہ کفر کو واجب کرتی ہوں اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اس کو ''منع عن الکفر'' پر محمول کرے بشرطیکہ قائل کی نیت بھی وہی ہو ورنہ مفتی کے ''منع عن الکفر'' پر محمول کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ (درمختار علی الردج ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

''خلاصہ'' وغیرہ میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ سے کفر لازم ہو اور ایک وجہ کفر سے روکتی ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس وجہ کی طرف میلان کرے جو کفر سے روکتی ہو کیونکہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور ''بزازیہ'' میں ہے: البتہ جب قائل خود اس احتمال کا التزام کرے جس وجہ سے تکفیر ہو تب تاویل سے فائدہ نہیں ہوگا اور ''تاتارخانیہ'' میں ہے: جس کلام میں کئی احتمال ہوں اس پر تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جو انتہائی جرم کا تقاضا کرتی ہے اور جب دوسرا احتمال موجود ہو تو یہ انتہائی جرم نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کی ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ جس لفظ یا جس جملہ میں متعدد احتمالات ہوں اور ان احتمالات میں سے کچھ کفریہ ہوں اور کچھ غیر کفریہ اس وقت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ قائل کے کلام کو غیر کفریہ معنی پر محمول کرے لیکن اگر کسی کلام کے متعدد احتمالات نہ ہوں بلکہ صرف ایک معنی ہو اور وہ معنی خدانخواستہ کفریہ ہو تو اب مفتی کے لیے قائل کی تکفیر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

گستاخانہ کلام میں توہین کی نیت کی بحث

ایک بحث یہ ہے کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولتا ہے اور جب اس کی تکفیر کی جائے تو وہ اپنے دفاع میں کہتا ہے کہ اس کلمہ سے میری نیت یہ نہیں تھی آیا اس کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تحقیق ہے کہ جس لفظ کے متعدد معنی ہوں اس کے متعلق قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میری نیت میں فلاں گستاخانہ معنی نہیں تھا بلکہ فلاں معنی ہے لیکن جس لفظ کا ازروئے لغت یا عرف یا شرع کے اعتبار سے صرف ایک ہی معنی ہو اور وہ معنی خدانخواستہ گستاخانہ اور کفریہ ہو تو اب قائل کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کی تکفیر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا۔ دیکھئے ''انت طالق'' (تم کو طلاق) کا لفظ عرف اور شرع میں طلاق کے لیے معین ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''انت طالق'' کہہ دے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اب اگر وہ یہ کہے کہ طالق سے میری نیت لغوی معنی تھا یعنی وہ کھلی ہوئی ہے بندھی ہوئی نہیں ہے یا میں نے یہ کلمہ یونہی کہہ دیا تھا میری نیت اس کلمہ سے طلاق دینا نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ لفظ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''انت امی'' (تو میری ماں کی مثل ہے) کہتا ہے تو یہ لفظ کیونکہ طلاق کے لیے

معین نہیں ہے اس میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا' اگر وہ طلاق کا ارادہ کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عزت اور کرامت کا ارادہ کرتا ہے تو اس معنی کا اعتبار ہوگا اور طلاق نہیں ہوگی! اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ولد الحرام یا حرام زادہ کہتا ہے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اگر قائل یہ کہے کہ حرام سے میری نیت ناجائز اولاد نہیں' بلکہ حرمت اور کرامت تھی یا میری نیت اس شخص کی اہانت نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' کیونکہ عرف میں یہ الفاظ ناجائز اولاد کے لیے معین ہیں' اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو غصہ میں یا کافر کہہ دے تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور اگر قائل کہے کہ میری نیت کافر بالطاغوت تھی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ عرف میں کافر' کافر باللہ کے لیے معین ہے۔ ان تصریحات کے پیش نظر جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا کلام کہتا ہے جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو چیز توہین کی دلیل ہو اس پر تکفیر کی جائے گی خواہ اس نے توہین کی نیت نہ کی ہو۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۹۲ 'مطبوعہ مطبع عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

ایک شخص سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم! تو اس نے کہا: اللہ' رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور بہت قبیح کلام ذکر کیا۔ اس سے کہا گیا کہ اے اللہ کے دشمن! تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو اس نے اس سے بھی زیادہ شدید قبیح کلام کیا' پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ سے بچھو کی نیت کی ہے (یعنی بچھو بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے) ابن ابی سلیمان نے کہا: اس کو قتل کرنے میں میں بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف شہادت دیتا ہوں اور اس کے ثواب میں شریک ہوں اور حبیب بن ربیع نے کہا: لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۱ 'مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

قاضی عیاض کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری[1] اور علامہ خفاجی[2] نے بھی اس بات کو مقرر رکھا ہے کہ صریح لفظ میں تاویل قبول نہیں ہوتی' اسی طرح علامہ وشتانی مالکی[3] نے بھی شرح مسلم میں کہا ہے کہ لفظ صریح تاویل کو قبول نہیں کرتا' نیز قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے جائیں تو توہین کا قصد ہو یا نہ ہو قائل کی تکفیر کی جائے گی۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی بات کہے اور اس کا قصد نہ گالی دینے کا ہو نہ آپ کی توہین کا اور نہ وہ اس کا اعتقاد کرتا ہو لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا کفریہ کلمہ کہے جس میں لعنت ہو یا گالی ہو یا آپ کی تکذیب ہو یا آپ کی طرف کسی ایسی چیز کی اضافت کرے جو ناجائز ہو یا اس چیز کی نفی کرے جو آپ کے لیے واجب ہو' یا وہ بات کہے جو آپ کے حق میں نقص ہو یا آپ کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرے' یا تبلیغ رسالت میں مداہنت کی نسبت کرے یا آپ کے مرتبہ اور شرف نسب یا آپ کے علم کی عظمت اور آپ کے زہد میں کمی کرے یا آپ کے جو اوصاف مشہور اور متواتر ہیں ان کی تکذیب کرے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی نازیبا بات کہے جو از قسم گالی ہو اگرچہ اس کے حال سے یہ ظاہر ہو کہ وہ آپ کی توہین کا قصد نہیں کرتا نہ اس پر اعتقاد کرتا ہے یا اس نے جہالت کی وجہ سے کہا ہو یا رنج اور قلق کی بناء پر یا نشہ کی وجہ سے کہا ہو یا سبقت لسانی سے ایسا کہا ہو' یا یونہی بے سوچے سمجھے یا جوش غضب سے ایسا کہہ دیتا ہے تو ایسے شخص کا بلا توقف یہ حکم ہے

---

[1] ملا علی قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۴۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت

[2] علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۴۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت

[3] علامہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۹۲ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت

کہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جہالت تکفیر میں عذر نہیں ہے نہ سبقت لسانی کا دعویٰ نہ مذکور الصدر اسباب میں سے کوئی اور سبب جبکہ اس کی عقل صحیح ہو سوا اس شخص کے جس کو ان کلمات کے کہنے پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کے دل میں ایمان ہو۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۰۲-۲۰۳ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا آپ کی صفات مثلاً کمال علم یا کمال قدرت کے متعلق کوئی نازیبا بات کہی خواہ اس کا قصد اور نیت توہین نہ ہو اور نہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو بلکہ وہ آپ کے کمالات کا قائل ہو پھر بھی اس نازیبا بات کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ملا علی قاری حنفی[1] اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی[2] نے بھی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال نمبر ۳۰: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم یا بت یا آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: یہ الفاظ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ بہ معانی ظاہرہ خود مراد نہیں رکھتا' بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی' اہانت' واذیت ذات پاک حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں' یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ''راعنا'' سے صحابہ کو منع فرمایا ''انظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہرگز وہ معنی کہ جو یہود مراد لیتے تھے نہ تھی' مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا ''لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا'' اور علیٰ ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ وجہ اذیت و گستاخی معاذ اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا یہ حکم ہوا:

''یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون'' کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے حبط اعمال تمہارے ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی' اور ایسا ہی حدیث میں ہے: ''تکنی بکنیة ابی القاسم'' آپ کی حیات شریف میں منع ہو گئی تھی بہ وجہ اذیت ذات سرور عالم کے کہ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ارادہ کرتا ہے التفات فرمائیں گے حالانکہ نادی ہرگز اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرتا تھا اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟ اور یہ عرض والغیب عند اللہ بایں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں' تو آپ نے فرمایا: ہمارے ماموؤں کو تہمت زنا مت لگا اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کر' ہم اولاد نضر ہیں' دیکھو اس لفظ میں فقط ایہام بعید کو کس قدر آپ نے نفی کر کے نہی فرمایا اور کلام کا ادب تلقین کیا' وعلی ھذا ''خبثت نفسی'' کو منع فرمایا اور ''لقست نفسی'' کی اجازت دی کہ وہ بہ ظاہر سخت لفظ ہے گو معنی ایک ہیں' الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اور اذیت ظاہرہ ہے' پس ان الفاظ کا بکنا کفر ہوگا: ''ان الذین یؤذون اللہ ورسوله لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرة واعدلھم عذابا مھینا''۔

(اس کے بعد شیخ گنگوہی نے قاضی عیاض کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں۔)

1. ملا علی قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح شفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۸۸-۳۸۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت
2. علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض ج ۴ ص ۳۸۸-۳۸۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت

پس ان کلمات کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۲۷۔ ۱۷ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ گنگوہی نے اپنے اس طویل فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں موجب اہانت ہو اس کا کہنے والا کافر ہے خواہ کہنے والا اس کفریہ معنی کا ارادہ نہ کرے اور نہ ہی اس کی نیت توہین کی ہو اور اس نقطہ پر استدلال کرنے کے لیے شیخ گنگوہی نے بھی قاضی عیاض کی اسی عبارت سے استدلال کیا ہے جس کا ترجمہ ہم پیش کر چکے ہیں۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ O

نسخ کی تحقیق

یہود مسلمانوں سے حسد اور بغض رکھتے اور ان پر اعتراض کرنے اور دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدلا اور مسلمان مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود نے کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو پہلے ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں' سو یہ قرآن ان ہی کا بنایا ہوا ہے' اس لیے اس کے احکام متضاد ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ ہم جس آیت کو منسوخ یا محو کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

ہم نے اس جلد کے مقدمہ میں نسخ کا معنی' نسخ میں مذاہب' نسخ کی اقسام' آیات منسوخہ کی تعداد اور نسخ کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' تاہم اس جگہ چند مزید نکات بیان کر رہے ہیں۔

نسخ کے دو معنی

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں' ایک معنی لکھنا اور نقل کرنا' اس اعتبار سے تمام قرآن منسوخ ہے' یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت کی طرف نقل کیا گیا ہے' قرآن مجید میں نسخ کا لفظ لکھنے اور نقل کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ O (الجاثیہ: ۲۹) بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے O

نسخ کا دوسرا معنی ہے: کسی چیز کو باطل اور زائل کرنا' اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا) کسی چیز کو زائل کر کے دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے جیسے عرب کہتے ہیں کہ بڑھاپے نے جوانی کو منسوخ کر دیا یعنی جوانی کے بعد بڑھاپا آ گیا' اور زیر بحث آیت میں ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے: دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو زائل کرنا۔

(ب) کسی چیز کا قائم مقام کیے بغیر اس کو زائل کر دیا جائے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کو محو کر دیتے ہیں یعنی ہم تمہارے

ذہنوں اور دلوں سے اس آیت کو نکال دیتے ہیں پس وہ آیت یاد آتی ہے نہ اس کو پڑھا جاتا ہے اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے:

علامہ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں امام طیالسی اور امام سعید بن منصور نے امام عبداللہ بن احمد نے ''زوائد مسند'' میں امام نسائی اور امام ابن منذر نے اور ابن الانباری نے ''مصاحف'' میں امام دار قطنی نے امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ امام ابن مردویہ نے اور امام الضیاء نے ''المختارۃ'' میں زر بن حبیش سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب نے کہا: تم سورہ احزاب میں کتنی آیات پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر آیات' حضرت ابی بن کعب نے کہا: مجھے یاد ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی' اور ہم نے اس میں یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کردو' یہ اللہ کی طرف سے عبرت والی سزا ہے اور اللہ عزیز اور حکیم ہے' پھر ان میں سے جو آیتیں محو کر دی گئیں وہ محو کر دی گئیں۔

امام بخاری نے اپنی ''تاریخ'' میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ احزاب پڑھی تھی' مجھے اس کی ستر آیتیں بھلا دی گئی ہیں جن کو اب میں نہیں پاتا۔

امام ابوعبید' امام ابن الانباری اور امام ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورہ احزاب میں دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور جب حضرت عثمان نے مصاحف کو لکھا تو وہ صرف اتنی آیات لکھنے پر قادر ہوئے جو اب ہیں۔ (درمنثور ج ۵ ص ۱۸۰۔ ۱۷۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

نسخ اور بداء کا فرق

یہود نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ دلیل ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں خون کے سوا ہر چیز حلال تھی' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سے حیوان حرام کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا بھائی سے نکاح جائز تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اللہ نے اس کو حرام کر دیا' اور پہلے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں' پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا' اور پہلے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کریں اور ستر ہزار اسرائیلیوں کے قتل کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ بداء نہیں ہے' بلکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف اور ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل کرنا ہے اور اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے' اور کسی حکم کا اظہار ہوتا ہے' بداء اس وقت ہوتا جب حکم دینے والے کو اس حکم کے انجام کا علم نہ ہوتا اور جس کو اپنے حکم کے نتیجہ کا علم ہو اور وہ مصلحت کے تبدیل ہونے سے اپنے احکام تبدیل کرتا ہو وہ بداء نہیں ہوتا جیسے ماہر ڈاکٹر کو مریض کے احوال کا علم ہوتا ہے' اور وہ نسخہ بدل بدل کر دوائیں لکھتا ہے' اللہ تعالیٰ کے احکام اور خطابات تبدیل ہوتے ہیں اور علم اور ارادہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

یہود نے نسخ اور بداء کو ایک چیز قرار دیا' اسی وجہ سے انہوں نے بداء کو ناجائز کہا' نحاس نے کہا: نسخ اور بداء میں فرق یہ ہے کہ نسخ میں عبارت کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے' مثلاً پہلے کوئی چیز حلال تھی' پھر اس کو حرام کر دیا یا اس کے برعکس اور بداء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک کام کا ارادہ کرے' پھر اس کو ترک کر دے' مثلاً ایک شخص کہے: فلاں آدمی کے پاس جاؤ' پھر اس کو خیال آئے کہ اس کے پاس نہ جانا بہتر ہے تو وہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے کہے: وہاں مت جاؤ' اور یہ انسانوں کو عارض ہوتا ہے کیونکہ ان کا علم ناتمام ہے اور مآل کار کو محیط نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص کہے: اس سال فلاں چیز کی کاشت کرو' پھر اس کو خیال آئے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور کہے: یہ کاشت نہ کرو تو یہ بداء ہے' اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے حق

میں یہ مقصود نہیں ہے۔

علماء شیعہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بداء کے قائل ہیں' شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

ابوعبداللہ علیہ السلام نے اس آیت ''یمحو اللہ ما یشاء و یثبت'' کے متعلق فرمایا: اللہ اسی چیز کو مٹاتا ہے جو ثابت تھی اور اسی چیز کو ثابت کرتا ہے جو نہیں تھی۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۱۴۶' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ' تہران)

شیخ طباطبائی اس حدیث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

بداء ان اوصاف میں سے ہے جن کے ساتھ ہمارے افعال اختیاریہ متصف ہوتے ہیں' کیونکہ ہم کسی مصلحت کے علم کی وجہ سے کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں' پھر ہمیں کسی اور مصلحت کا علم ہوتا ہے جو پہلی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے' پھر ہم پہلے ارادہ کے خلاف ارادہ کرتے ہیں کیونکہ جو چیز ہم سے پہلے مخفی تھی وہ اب ظاہر ہوئی ہے اور اسی کو بداء کہتے ہیں کیونکہ بداء کا معنی ظہور ہے' (الی قولہ) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات اور حوادث کا واقع کے مطابق علم ہے اور اس علم میں مطلقاً بداء نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ایک علم وہ ہے جو اشیاء کے مبادی' اس کے مقتضیات اور شرائط اور اس کے موانع کے عدم کے ساتھ متعلق ہے (مثلاً فلاں چیز ہو اور فلاں چیز نہ ہو تو فلاں چیز ہوگی جیسے بارش ہو اور سیلاب نہ آئے تو فصل اچھی ہوگی) اور اس علم میں یہ ممکن ہے کہ جس چیز کا ہونا اللہ کے نزدیک ظاہر تھا وہ کسی شرط کے عدم یا کسی مانع کے وجود کی وجہ سے نہ ہو اور پھر اللہ کو معلوم ہو کہ وہ چیز نہیں ہوگی' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: ''یمحو اللہ مایشاء و یثبت'' اس سے یہی مراد ہے۔

(حاشیہ الاصول من الکافی ج ۱ ص ۱۴۶' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ' تہران)

شیخ طباطبائی نے علم کی جو دوسری قسم بیان کی ہے وہ مخلوق کا علم تو ہوسکتا ہے خالق اور عالم الغیب کی شان کے لائق یہ علم نہیں ہے' کیونکہ یہ علم نہیں ہے حقیقۃً جہل ہے' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی شرط یا مانع کے عدم کا اللہ کو پہلے علم نہ ہو اور اس پر یہ چیز بعد میں ظاہر ہو اور بداء کہلائے! اور اس آیت سے مراد تقدیر معلق ہے مثلاً کسی شخص کی عمر چالیس سال لکھ دی' پھر اس نے کوئی نیکی کی یا کسی نے دعا کی تو اس کی عمر بڑھا کر پچاس سال کر دی اور چالیس سال کو مٹا دیا اور اگر نیکی نہیں کی یا کسی نے دعا نہیں کی تو چالیس سال کو برقرار رکھا' لیکن یہ اس کا علم نہیں ہے' اس کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا ہے کہ نیکی اور دعا کی فضیلت ظاہر ہو۔

خبر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اخبار میں نسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں' جمہور کا موقف ہے کہ نسخ صرف اوامر اور نواہی (احکام) کے ساتھ مخصوص ہے' خبر منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اگر وہ منسوخ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس کا منسوخ ہونا جائز ہے اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۚ (النحل: ۶۷)

اور کھجور اور انگور کے بعض پھل ہیں جن سے تم سکر اور اچھا رزق بناتے ہو۔

''سکر'' کا ایک معنی ہے: سرکہ اور میٹھا مشروب' اور سکر کا دوسرا معنی ہے: نشہ آور مشروب' اگر اس کا معنی سرکہ یا میٹھا مشروب ہو تو پھر اس کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن ابن جبیر' نخعی' شعبی اور ابوثور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نشہ آور مشروب اور خمر ہے' اور یہ آیت مکی ہے اور خمر (انگور کی شراب) کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے' یہ آیت اس حکم شرعی کو

متضمن ہے کہ خمر حلال ہے اور سورہ مائدہ میں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی خمر کو حرام کر دیا گیا۔ بہر حال اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر خبر کسی حکم شرعی کو متضمن ہو تو اس پر نسخ وارد ہو سکتا ہے۔

نسخ اور تخصیص کا فرق

جب عام میں تخصیص کی جاتی ہے تو اس تخصیص پر بھی نسخ کا گمان کیا جاتا ہے' حالانکہ تخصیص نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ کی تعریف ہے: دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کا اٹھا دینا' اور تخصیص کی تعریف ہے: عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر کر دینا' ہر چند کہ دونوں کی تعریفیں الگ الگ ہیں لیکن ان دونوں میں قوی مشابہت ہے' کیونکہ نسخ میں حکم کو بعض زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور تخصیص میں بعض افراد سے حکم کو ساقط کر دیا جاتا ہے' اس کے باوجود ان دونوں میں حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے:

(۱) تخصیص کے بعد عام مجاز ہے کیونکہ عام کے لفظ کو کل افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کا قرینہ مخصص ہے اور یہ مجاز کی علامت ہے' اور جو نص منسوخ ہو گی وہ اسی طرح حقیقت ہے اور وہ اپنے مدلول کے لحاظ سے تمام زمانوں کو شامل ہے' البتہ ناسخ نے اس پر دلالت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں وقت تک اس حکم پر عمل کرانے کا ارادہ کیا ہے۔

(۲) تخصیص سے جو افراد خارج ہو گئے وہ لفظ عام سے مراد نہیں ہوتے اور جو حکم منسوخ ہو گیا وہ اس لفظ سے مراد ہوتا ہے۔

(۳) جو نص منسوخ ہو جائے اس سے استدلال کرنا باطل ہے اور تخصیص کے بعد بھی عام اپنے باقی ماندہ افراد میں حجت ہوتا ہے۔

(۴) نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے اور تخصیص حس اور عقل سے بھی ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ھود نے قوم عاد سے فرمایا:

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا. (الاحقاف: ۲۵۔ ۲۴)

بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے' ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۝ یہ آندھی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی۔

ہر چیز کے عموم میں زمین اور آسمان بھی شامل ہیں اور حس ان کی مخصص ہے کیونکہ اس آندھی سے زمین اور آسمان برباد نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدہد نے بلقیس کے متعلق بیان کیا:

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝ (النمل: ۲۳)

اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے ۝

ظاہر ہے کہ بلقیس کے پاس ہر چیز نہیں تھی اور حس اس کی مخصص ہے کہ اس کے پاس حضرت سلیمان اور ان کے درباری نہیں تھے اور موجودہ دور کی ایجادات بلقیس کے پاس نہیں تھیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۰)

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

اس کے عموم کی عقل مخصص ہے کیونکہ واجب اور محال اللہ کی قدرت میں نہیں ہیں یعنی اپنا شریک بنانا اور اپنے آپ کو معدوم کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہیں۔

(۵) جمہور کے نزدیک خبر میں نسخ نہیں ہوتا' اور تخصیص خبر میں بھی ہوتی ہے۔

نسخ اور تقیید کا فرق

بعض عبارات میں کسی خبر کو مطلق بیان کیا جاتا ہے' اور بعض دوسری عبارات میں اس خبر کی تقیید بیان کر دی جاتی ہے' اس تقیید کو بھی بعض علماء نسخ گمان کر لیتے ہیں حالانکہ یہ اطلاق اور تقیید کے باب سے ہے نسخ نہیں ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن

مجید میں ہے:
اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ (البقرہ: ۱۸۶) جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو ہر حال میں قبول فرماتا ہے لیکن ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے قبول کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کر دیا ہے:

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ (الانعام: ۴۱) بلکہ تم اسی سے دعا کرو تو وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرتے ہو۔

عرف اور تعامل کا بدلنا نسخ نہیں ہے

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ احکام شرعیہ میں نسخ صرف کتاب اور سنت سے ہوتا ہے' اور فقہاء کا جو یہ قاعدہ ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں اور تعامل اور عرف کے بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں' اس کو نسخ نہیں کہتے' یہ مجتہدین کا اختلاف ہے' مثلاً متقدمین تعلیم قرآن' امامت' اذان' خطبہ اور تدریس کی اجرت کو ناجائز کہتے تھے' لیکن متاخرین نے اس کو جائز کہا' اسی طرح مفقود الخبر کے متعلق متقدمین پہلے امام اعظم کے قول پر یہ کہتے تھے کہ اس کی بیوی نوے سال تک انتظار کرے' پھر اس کو مردہ قرار دے کر اس کی بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے گی لیکن متاخرین فقہاء احناف امام مالک کے قول پر اس کو صرف چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح پہلے صاع وغیرہ کے اعتبار سے خرید و فروخت ہوتی تھی اب کلوگرام کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا منشاء

بعض متقدمین علماء نے نسخ کا بہت عام معنی مراد لیا اور مطلقاً ازالہ کو نسخ قرار دیا' ان کے نزدیک کسی تلاوت کا ازالہ بھی نسخ ہے' اور کسی حکم شرعی کا بدل جانا بھی نسخ ہے' عام کی تخصیص بھی نسخ ہے' استثناء بھی نسخ ہے' مطلق کی تقیید بھی نسخ ہے' کسی آیت میں بیان کیے گئے وصف کا ازالہ بھی نسخ ہے' اس لیے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی اور محققین علماء نے یہ کہا کہ نسخ صرف دلیل شرعی سے حکم شرعی کے زائل کرنے کو کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کسی حکم کو بیان کرتے ہیں' اللہ اور اس کے رسول کے علم میں وہ حکم کسی مصلحت کی وجہ سے کسی خاص وقت کے لیے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس حکم کے ساتھ اس مدت کو بیان نہیں کیا جاتا' اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حکم دائمی ہے' اور جب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کو زائل کر دیتے ہیں تو اس پہلے حکم کو منسوخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس ناسخ کے ذریعہ اللہ یا اس کا رسول اس پہلے حکم کی مدت بیان فرماتے ہیں کہ جس حکم کو تم دائمی سمجھ رہے تھے وہ دراصل اس مدت تک کے لیے تھا' خلاصہ یہ ہے کہ نسخ سابق حکم شرعی کی مدت کا بیان ہے' اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی صرف بارہ آیات منسوخ ہیں' ان کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کے لیے ہے؟ (اے مسلمانو!) اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ

تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے ○ کیا تم (بھی) اپنے رسول سے

تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ

ایسے (لایعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان

الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِیْرٌ

کو کفر سے بدلا وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا ○ بہت سے

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ

اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

سو تم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے' بے شک اللہ ہر چیز پر

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا

قادر ہے ○ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور جو

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نیک کام تم اپنے لیے پہلے بھیجو گے' ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے' بے شک اللہ تمہارے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ

کاموں کو دیکھنے والا ہے ○ اور اہل کتاب نے کہا: جنت میں صرف

كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

یہودی یا عیسائی جائیں گے' یہ ان کی (باطل) تمنائیں ہیں' آپ کہیے: اگر تم سچے ہو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

تو دلیل پیش کرو O کیوں نہیں! جس نے اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

نیکی کرنے والا بھی ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے' اور (آخرت میں) ان کو نہ خوف ہوگا اور

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع ۱۳ / ۹ / ۱۳

نہ وہ غمگین ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کے لیے ہے؟ (البقرہ: ۱۰۷)

ربط آیات

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے' بلکہ اس میں عام مخاطب یا عام مسلمانوں سے خطاب ہے' کیونکہ اس آیت کے دوسرے جز میں فرمایا ہے: اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ پر دلیل قائم کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہے' اور جو مالک اور حاکم ہو وہ اپنے محکوم اور مملوک لوگوں کی مصلحتوں اور ان کے احوال کی رعایتوں سے واقف ہوتا ہے' اس لیے وہ ان کی رعایتوں اور مصلحتوں کے اعتبار سے احکام بدلتا رہتا ہے' کبھی ایک مصلحت کے اعتبار سے ایک حکم نافذ کرتا ہے' اور مصلحت کے پورا ہونے کے بعد اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرے حال کے اعتبار سے دوسرا حکم نازل کرتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو حکم چاہے نازل کرے' اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ ولی کا معنی ہے: قریب اور دوست' اور نصیر کا معنی ہے: مددگار' کبھی دوست مددگار ہوتا ہے اور کبھی دوست ہوتا ہے اور مددگار نہیں ہوتا اور کبھی اجنبی مدد کرتا ہے اور وہ دوست نہیں ہوتا' ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (لایعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ (البقرہ: ۱۰۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کی ممانعت کا محمل

اس آیت میں کن سائلین کی طرف خطاب متوجہ ہے؟ اس میں تین قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ سوال کرنے والے یہود تھے اور یہی سیاق اور سباق کے مناسب ہے' دوسرا قول ہے: یہ آیت مشرکین مکہ کے سوالوں کے رد میں ہے اور تیسرا قول ہے کہ مسلمانوں کے سوال کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رافع بن حریملہ اور وھب بن زید (یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جو آسمان سے نازل ہو اور ہم اس کو پڑھیں' اور ہمارے لیے دریا جاری کر دیں' پھر ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ وہ ان کے لیے پہاڑ صفا کو سونے کا بنا دیں۔

ابوالعالیہ نے بیان کیا: ایک مسلمان شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہمارے کفارات‘ بنواسرائیل کے کفارات کی طرح ہوتے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کفارے عطا فرمائے ہیں وہ بنی اسرائیل کے کفاروں سے بہت بہتر ہیں‘ جب ان میں کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھا ہوا ہوتا تھا‘ اگر وہ کفارہ دے دیتا تو اسے دنیا میں ذلت اٹھانی پڑتی اور اگر کفارہ نہ دیتا تو اس کے لیے آخرت میں رسوائی ہوتی‘ اور تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی برائی کی یا اپنی جان پر ظلم کیا‘ پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا پائے گا‘ اور فرمایا: دن کی پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کا وقفہ ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں‘ اور جس شخص نے کسی نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اللہ کے غضب میں وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کسی بڑے گناہ میں مبتلا کر لیتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۸۶۔ ۳۸۵‘ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت‘ ۱۴۰۹ھ)

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: کیا تم (بھی) اپنے رسول سے ایسے (لایعنی) سوال کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے۔ اس آیت کے بعد فرمایا ہے: جس نے ایمان کو کفر سے بدلا یعنی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کیا وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا سوال کیا تھا جو کفر تھا‘ یہودیوں نے ایک مکمل کتاب لانے کا مطالبہ کیا تھا اور مشرکین نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ صفا کو سونے کا بنا دیں اور نبوت پر کسی دلیل کا مطالبہ کرنا کفر نہیں ہے‘ لیکن ان کا یہ سوال چونکہ بہ طور عناد اور سرکشی تھا اس وجہ سے اس کو کفر فرمایا جیسے بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں ایمان نہیں لائیں گے‘ امام ابن جریر نے مسلمانوں کا جو سوال نقل کیا ہے کہ ہمارے لیے بنواسرائیل کے کفاروں کی مثل کفارے ہوں‘ یہ کفر نہیں ہے‘ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک خدا بنا دیا جائے جس پر ہم چڑھاوے چڑھائیں‘ تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ سوال کرنا یقیناً کفر ہے‘ تاہم زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے‘ سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یا بلا ضرورت اور لایعنی سوالات کرنا ممنوع ہے لیکن کوئی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے‘ یا کسی چیز کی وضاحت کے لیے سوال کرنا جائز ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے‘ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دینیہ معلوم کرتے تھے اور آپ ان کو جوابات دیتے تھے‘ قرآن مجید میں ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ — اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے سوال کرو ۝

(النحل: ۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔ (البقرہ: ۱۰۹)

امام رازی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

جب مسلمان جنگ احد میں شکست کھا گئے تو فنحاص بن عاز اور زید بن قیس اور کچھ اور یہودی‘ حضرت حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کے پاس گئے اور کہا: تم نے دیکھا تم پر کیسی مصیبت آئی ہے‘ اگر تم حق پر ہوتے تو تم پر یہ مصیبت نہ آتی‘ اب تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ‘ وہ تمہارے لیے بہتر اور افضل ہے اور ہمارا دین سیدھا راستہ ہے‘ حضرت عمار نے پوچھا: تمہارے ہاں عہد شکنی کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: وہ بہت بڑا گناہ ہے! انہوں نے کہا: میں نے عہد کیا ہے کہ میں تاحیات

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر نہیں کروں گا' یہود نے کہا: وہ اپنا آبائی دین ترک کر چکے ہیں؟ حضرت حذیفہ نے کہا: میں اس پر راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے' اسلام میرا دین ہے' قرآن میرا امام ہے' کعبہ قبلہ ہے اور سب مسلمان بھائی ہیں' پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو سنایا' آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا' اور تم کامیاب ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۹' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حسد کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود حسد کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے دین سے لوٹانا چاہتے تھے' اس لیے ہم یہاں حسد کی تحقیق کریں گے' حسد کا معنی' حسد کے متعلق احادیث' حسد کے مراتب' حسد کے اسباب' اور حسد کو زائل کرنے کے طریقے بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق.

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جس مستحق شخص کے پاس نعمت ہو اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کو حسد کہتے ہیں' روایت ہے کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے: ''من شر حاسد اذا حسد. جب حاسد حسد کریں تو میں ان کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔ (المفردات ص ۱۱۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

صاحب نعمت کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور ہمیں بھی اس کی مثل مل جائے یہ رشک ہے۔

حسد کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں اور گھاس کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندے کے دل میں احسان اور حسد جمع نہیں ہوتے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۶۷۔ ۲۶۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت حارثہ بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں' بدفالی' حسد اور بدگمانی' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان کا کس طرح تدارک کرے؟ آپ نے فرمایا: جب تم حسد کرو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' اور جب بدگمانی کرو تو اس پر جمے نہ رہو اور جب تم کسی کام کی بدفالی نکالو تو وہ کام کر گزرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۲۲۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

بشر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رشتہ داروں میں عداوت ہوتی ہے' پڑوسیوں میں حسد ہوتا ہے اور بھائیوں میں منفعت

ہوتی ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳ 'دار الکتب العلمیہ' بیروت '۱۴۰۱ھ)
احنف بن قیس نے کہا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جس طرح ان کو میں بیان کرتا ہوں' حاسد کے لئے کوئی راحت نہیں ہے' جھوٹے کی کوئی مروت نہیں ہے' حاکم کی وفا نہیں' بخیل کا کوئی حیلہ نہیں اور بدخلق کی کوئی سیاست نہیں ہے۔
(شعب الایمان ج ۵ ص ۲۷۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:
حضرت ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک لوگ حسد نہیں کریں گے وہ خیریت سے رہیں گے۔ (معجم کبیر ج ۸ ص ۳۰۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)
حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۴۷ 'مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)
حافظ منذری بیان کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: حسد کرنے والا' چغلی کرنے والا اور کہانت[1] کرنے والا میرے طریقہ پر نہیں ہے' اور نہ میں ان کے طریقہ پر ہوں' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتوں کی بعض بیماریاں تم میں سرایت کر گئی ہیں' حسد اور بغض' بغض مونڈنے والا ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے' لیکن وہ دین کو مونڈتا ہے' اس حدیث کو امام بزار نے جید سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا' پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی سے وضوء کا پانی ٹپک رہا تھا' اور اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی جوتیاں تھیں' دوسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا' تیسرے دن پھر آپ نے یہی فرمایا اور پھر وہی شخص آیا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین دن اس شخص کے ساتھ رہے تا کہ اس کا وہ عمل معلوم کریں جس کی وجہ سے آپ نے اس کو تین بار جنت کی بشارت دی تھی' حضرت عبداللہ بن عمر نے دیکھا' وہ شخص رات کے قیام کے لئے نہیں اٹھتا تھا' البتہ اللہ کا نام لے کر سوتا اور صبح اللہ کا نام لے کر اٹھتا تھا' حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کی زبان سے خیر کے سوا کسی کا ذکر نہیں سنا' جب تین دن گزر گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ تمہارے متعلق جنت کی بشارت سنی ہے اور میں نے تم کو کوئی غیر معمولی نیکی کرتے ہوئے نہیں دیکھا' آخر وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ہے؟ اس نے کہا: بس وہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا' جب حضرت عبداللہ جانے لگے تو اس نے آپ کو آواز دی اور کہا: وہ عمل میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ نے کوئی نعمت دی ہو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اسی نیکی کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے ہو' اس حدیث کو امام احمد نے امام بخاری کی شرط کے مطابق روایت کیا ہے اور اس کو امام مسلم' امام نسائی' امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے بھی روایت کیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مخموم القلب اور راست گو ہو' صحابہ نے کہا: راست گو کو تو ہم جانتے ہیں مخموم القلب کا کیا معنی

[1] کہانت کا معنی ہے: خبریں سن کر اور اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر لوگوں کو غیب کی خبریں دینا۔

ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شخص متقی ہو صاف دل ہو اس نے کوئی گناہ اور سرکشی نہ کی ہو وہ کسی سے کینہ رکھتا ہو نہ حسد رکھتا ہو اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ابدال زیادہ نمازوں' روزوں اور صدقات کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ اللہ کی رحمت' نفس کی سخاوت اور (حسد اور بغض سے) سینے صاف رکھنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے' اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا نے ''کتاب الاولیاء'' میں مرسلا روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵۱۔ ۵۴۷' ملتقطا مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

حسد کے مراتب

حسد کے چار درجات ہیں:

(۱) کسی شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ چاہے کہ خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے لیکن اس شخص سے زائل ہو جائے' یہ انتہائی حسد ہے۔

(۲) دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور اس کو مل جائے۔

(۳) وہ بعینہٖ اس نعمت کی خواہش نہ کرے بلکہ یہ چاہے کہ اس کو بھی اس جیسی نعمت مل جائے اور اگر اس کو ایسی نعمت نہ ملے تو دوسرے شخص سے وہ نعمت زائل ہو جائے تاکہ دونوں میں فرق نہ رہے۔

(۴) اس کو اس جیسی نعمت مل جائے لیکن اگر اس کو نہ ملے تو دوسرے شخص سے زائل نہ ہو' دنیاوی نعمتوں میں اس قسم کی خواہش مباح اور اخروی نعمتوں میں یہ خواہش مستحسن ہے۔

کسی شخص میں دنیاوی نعمت دیکھ کر اس کی تمنا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (النساء: ۳۲) اور اس کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور کسی شخص میں اخروی نعمت (کثرت عبادت اور تقویٰ) دیکھ کر اس کو طلب کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ۝ (المطففین: ۲۶) اور رغبت کرنے والوں کو اسی (نیک لوگوں) میں رغبت کرنی چاہیے ۝

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو شخصوں پر حسد کرنا جائز ہے' ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہو' سو وہ آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی قرآن دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا' دوسرے اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ شخص حق کے راستے میں اس مال کو خرچ کرتا ہو' سو آدمی یہ تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی مال دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح مال خرچ کرتا[1]' اس حدیث میں حسد سے مراد حسد کا یہی چوتھا مرتبہ ہے۔

حسد کے اسباب

(۱) عداوت اور بغض حسد کا سبب ہے' جب انسان کسی سے عداوت رکھتا ہے تو وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے' اگر وہ اس کو ذلیل

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ

نہ کر سکے تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اس سے زائل ہو جائیں۔

(۲) تکبر بھی حسد کا سبب ہے' ایک انسان اپنے معاصروں پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے' اور اس کو فوقیت ملنے کے بجائے اس کے کسی معاصر کو عزت اور بڑائی مل جاتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو وہ عزت نہیں ملی تو اس کے معاصر سے بھی وہ عزت زائل ہو جائے تا کہ اگر اس کو فوقیت نہیں ملی تو اس کے معاصروں کو بھی نہ ملے۔

(۳) لوگ کسی شخص کو کم درجہ کا خیال کرتے ہوں اور اچانک اس کو کوئی منصب مل جائے تو وہ اس سے حسد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس سے یہ منصب زائل ہو جائے' مکہ کے سرداروں کے ایمان نہ لانے کا یہی سبب تھا' وہ کہتے تھے کہ ایک یتیم شخص ہم سے کیسے بڑھ گیا' ہم اس کے آگے اپنا سر کیسے جھکائیں' اللہ تعالیٰ ان کے قول کو نقل کر کے فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (الزخرف: ۳۱)

انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا○

(۴) جب کئی شخص کسی ایک مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے تو باقی لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

(۵) اپنا تفرد اور تسلط چاہنا بھی حسد کا سبب ہے مثلاً کوئی شخص کسی فن میں کمال حاصل کر کے یگانہ روزگار ہو' پھر اس کو معلوم ہو کہ کوئی اور شخص بھی اس کی طرح صاحب کمال ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا کمال زائل ہو جائے تا کہ اس کا تسلط و تفرد برقرار رہے۔

حسد کو زائل کرنے کا علاج

حسد کو زائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تقدیر پر اپنے ایمان کو مستحکم کرے اور جو نعمتیں اس کو مل گئی ہیں ان پر راضی رہے اور ان کا شکر ادا کرے اور جو نعمتیں اس کو نہیں ملیں ان پر صبر کرے اور دوسرے شخص میں ان نعمتوں کو دیکھ کر ملول نہ ہو اور ان نقصانوں پر غور کرے جو اس کو حسد کی صورت میں پیش آئیں گے:

(ا) حسد کی وجہ سے انسان اللہ کے حکم اور اس کی تقسیم کو ناپسند کرتا ہے۔

(ب) انسان جب کسی مسلمان کے پاس زیادہ نعمتیں دیکھ کر حسد کرتا ہے تو وہ اولیاء اللہ کے زمرہ سے خارج ہو کر ابلیس کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے' کیونکہ سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس تھا جس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا تھا۔

(ج) حسد کرنے والا شخص ہمیشہ جلتا اور کڑھتا رہتا ہے اور جیسے جیسے دوسرے شخص پر زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اس کی جلن بڑھتی جاتی ہیں۔

(د) حسد کرنے والا شخص لوگوں کے نزدیک مذموم اور اللہ کے نزدیک ملعون ہوتا ہے۔

(ھ) حاسد ہمیشہ یہ تمنا کرتا ہے کہ جس سے وہ حسد کرتا ہے اس سے نعمت زائل ہو جائے' اگر وہ عالم ہے تو غلط مسئلہ بتائے اور پکڑا جائے یا کسی مصیبت کا شکار ہو' لوگوں میں رسوا ہو' سخت بیمار ہو یا مر جائے اور جو شخص کسی کا برا چاہتا ہے وہ خود اس برائی میں پڑ جاتا ہے۔

حسد کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے کام کرے جو حسد کے تقاضوں کے خلاف ہوں' اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کی برائی کرنا چاہتا ہو تو اس کی تعریف کرے' اگر حسد کی وجہ سے وہ اس کے سامنے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا چاہتا تھا تو اس کے سامنے

تواضع کرے اگر وہ اس سے کسی بھلائی اور فیض کو منقطع کرنا چاہتا تھا تو اس کو خیر اور نفع پہنچائے وہ اس سے جن نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتا تھا اس کے لیے ان نعمتوں میں زیادتی کی دعا کرے۔

جب حسد کرنے والا حسد کے نقصانات پر غور کرے گا اور اس کی تلافی کیلئے محسود کا بھلا چاہے گا تو اس سے حسد زائل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوتم (ان کو) معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ (البقرہ: ۱۰۹)

کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درگزر کرنا

کافروں اور مشرکوں سے جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ایذارسانیوں کو برداشت کیا کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر اوڑھ کر دراز گوش پر سوار ہو کو بنو خزرج کے امیر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے جا رہے تھے اور حضرت اسامہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے' آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بیٹھا ہوا تھا' یہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا' اس مجلس میں مسلمانوں' مشرکوں' بت پرستوں اور یہودیوں کے بہت سے لوگ تھے اور مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی تھے' جب اس مجلس کو آپ کی سواری کے گرد و غبار نے ڈھانپ لیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر رکھ لی' پھر کہا: ہم پر گرد نہ ڈالو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سلام کر کے توقف کیا' اور ان کو اللہ کی (عبادت کی) دعوت دی اور ان پر قرآن پڑھا' عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے شخص! اس کلام سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے' اگر یہ حق ہے تو تم ہمیں ہماری مجلس میں ایذا نہ دو اور اپنی سواری پر واپس چلے جاؤ' اور جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ' حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھہریں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں' پھر مسلمان' مشرک اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے' حتیٰ کہ وہ لڑنے کے قریب ہو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے' اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابوحباب (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا ہے؟ اس نے یہ یہ کہا ہے' حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے' اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! بے شک اللہ نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ حق ہے' اس شہر کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ عبداللہ بن ابی کو سرداری کا تاج پہنائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر بھیجا اور اس کو یہ موقع نہیں دیا تو وہ غضبناک ہو گیا' اسی وجہ سے اس نے وہ سب کیا جو اس نے کیا اور آپ نے دیکھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب' اللہ کے حکم کے بہ موجب اہل کتاب اور یہودیوں کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذاء پر صبر کرتے تھے۔[1] اس حدیث کو امام مسلم[2] اور امام احمد[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۶۔ ۶۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۰۔ ۱۰۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (آل عمران: ١٨٦)

بے شک تمہارے مال اور جان میں ضرور تمہاری آزمائش ہوگی اور اہل کتاب اور مشرکین سے تم ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔

عفو اور درگزر کا منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہود کے حسد اور ان کی ریشہ دوانیوں پر اور اسی طرح مشرکین کی ایذا رسانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک وقت مقرر تک کیلئے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم صادر فرمائے۔ مشرکین اور یہودیوں سے درگزر کرنے کا حکم اس وقت تک کیلئے تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ بعد میں اللہ نے یہ حکم دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں اور جزیہ دیں' علماء نے بیان کیا کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ: ٢٩)

جو اہل کتاب' اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لائیں' اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہ کہیں اور نہ دین حق کی اطاعت کریں ان سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں O

اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کا حکم ہے اور درج ذیل آیت میں مشرکین سے قتال کا حکم ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. (التوبہ: ٥)

سو مشرکین کو تم جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دائمی نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت تک تھا تو قتال کا حکم آنے کے بعد اس پہلے حکم کو منسوخ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حکم میں مدت کو بیان نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کو مبہم رکھا گیا تھا اس لئے اس کو منسوخ کہا جاتا ہے۔

شخصی معاملے میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا

معاف کرنے اور درگزر کرنے کیلئے اسی سے کہا جاتا ہے جو سزا دینے اور بدلہ لینے پر قادر ہو' اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود ایمان کی طاقت سے اس قدر قوی تھے کہ وہ یہودیوں اور مشرکوں کو سزا دے سکتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی وجہ سے ان کو عفو اور درگزر کا حکم دیا۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بنو قریظہ اور بنو نضیر سے درگزر کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کو قتل کرنے اور بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کس کو معاف کرو اور کس سے درگزر کرو' اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا عام حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ تمام جاہلوں اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کر لیں' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ یہ تھا کہ اگر آپ کی ذات کے ساتھ کوئی شخص زیادتی کرتا تو معاف کر دیتے لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی حرمت اور اس کے احکام کے خلاف کوئی کام کرتا تو پھر آپ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا کے منافی بات نہیں کرتے تھے نہ بازاروں میں زور سے بولتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا' بہ شرطیکہ حدود اللہ کی خلاف ورزی نہ کی جائے' اور جب کوئی حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب کرنے والے تھے' اور جب بھی آپ کو دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کسی کو نہیں مارا' کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے لئے تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا' ضد بحث کرنا' اپنے لئے بڑائی چاہنا اور غیر متعلقہ باتوں میں پڑنا' اور لوگوں کے لئے بھی تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا' کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے' کسی کا عیب بیان نہیں کرتے تھے' اور کسی کے عیوب کا کھوج نہیں لگاتے تھے' صرف انہی امور میں کلام فرماتے جن میں ثواب کی امید ہوتی۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

آج ہماری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بالکل برعکس گزر رہی ہے' اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔

آخرت کے لئے نیکیوں کا بھیجنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیک کام تم اپنے لئے پہلے بھیجو گے ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ (البقرہ: ۱۱۰)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جب انسان مر جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کیا چھوڑا اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بھیجا؟ امام نسائی روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال کو ہی محبوب رکھتا ہے! تمہارا مال وہ ہے جس کو تم نے (آخرت کے لئے) بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جس کو تم نے رکھ چھوڑا ہے[1] اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے: انسان کا مال وہی ہے جو اس نے (آخرت کے لئے) بھیج دیا اور جو اس نے رکھ چھوڑا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بقیع الغرقد (مدینہ کا قبرستان) کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: ''السلام علیکم اھل القبور!'' ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے دوسری شادیاں کرلیں' تمہارے مکانوں میں اور لوگ رہنے لگے اور تمہارے اموال تقسیم کر دیئے گئے' تو غیب سے ایک آواز آئی: اے ابن الخطاب! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ ہم نے آخرت کے لئے جو صدقات بھیجے تھے وہ ہم نے پا لئے اور ہم نے آخرت کے لئے جو خرچ کیا تھا' ہمیں اس کا نفع مل گیا اور ہم نے جو دنیا میں چھوڑ دیا تھا اس کا ہم نے نقصان اٹھایا۔

[1] سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ نور محمد' کراچی' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۲' مطبوعہ بیروت

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۷۳ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران '۱۳۸۷ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کون سے صدقہ کا زیادہ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست اور بخیل (ضرورت مند) ہو' تم کو تنگ دستی کا اندیشہ ہو اور تم کو غنی ہونے کی امید ہو' صدقہ کرنے کو موخر نہ کرتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلق تک آ جائے تو کہو: فلاں کو اتنا دے دو' فلاں کو اتنا دے دو' (اب تم کہو یا نہ کہو) فلاں فلاں کو تو اب مل ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو مال کی کثرت نے عبادت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے' یہ میرا مال ہے حالانکہ تمہارا مال تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھا لیا اور فنا کر دیا یا کپڑے پہن کر بوسیدہ کر دیئے یا صدقہ کر کے آخرت کے لیے روانہ کر دیا (یعنی اس کے علاوہ جو مال ہے وہ تمہارا نہیں ہے تمہارے وارثوں کا ہے)۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۸ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اس کی صرف ایک دستی باقی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ایک دستی کے سوا وہ سب باقی ہے جس کو تم نے تقسیم کر دیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۵۰ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب نے کہا: جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے' یہ ان کی باطل تمنائیں ہیں۔ (البقرہ: ۱۱۱)

یعنی یہود نے کہا: صرف یہودی جنت میں جائیں گے اور عیسائیوں نے کہا: صرف عیسائی جنت میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیے: تم اگر سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: کیوں نہیں' جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے تو اس پر کوئی غم اور خوف نہیں ہے۔ تمام اعضاء میں سے صرف چہرہ کو خاص کیا ہے کیونکہ وہ اشرف الاعضاء ہے اور حواس' فکر اور تخیل کا معدن ہے' جب اللہ کے لیے چہرہ جھک جائے گا تو باقی جسم بہ طریق اولیٰ جھک جائے گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ذات سے چہرہ کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ (القصص: ۸۸) اللہ کے چہرہ (ذات) کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۷) اور آپ کے رب کا چہرہ (ذات) باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہے ۝

تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز میں افضل رکن سجدہ ہے اور وہ چہرہ زمین پر رکھنے سے ادا ہوتا ہے' اس لیے انسان کو چہرہ سے تعبیر

فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ

لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ

یہود کا دین کچھ نہیں' حالانکہ وہ (دونوں آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں' اسی طرح

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

بے علم لوگ (مشرکین) ان کی مثل باتیں کرتے ہیں' سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

اس چیز میں فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O

یہود ونصاریٰ کا فرقوں میں بٹنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نجران کے عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہود آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان سے بحث کرنا شروع کردی' رافع بن حریملہ یہودی نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کا کفر کیا' اور نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور حضرت موسیٰ کا انکار کیا اور تورات کا کفر کیا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ نے کہا: متقدمین عیسائی صحیح دین پر تھے' بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے' اسی طرح متقدمین یہودی صحیح دین پر تھے' بعد میں انہوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

اس آیت میں جن بے علم لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق عطاء نے کہا کہ یہ تورات اور انجیل کے نزول سے پہلے کے لوگ ہیں' اور بعض نے کہا: اس سے مراد مشرکین عرب ہیں' چونکہ یہ اہل کتاب نہیں تھے اس لیے ان کو جاہل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے اختلاف میں اپنا فیصلہ سنائے گا' اور حق باطل سے ممتاز ہو جائے گا' اہل حق ثواب پائیں گے اور اہل باطل کو عذاب ہوگا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۹۶۔ ۳۹۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے' اسی طرح نصاریٰ' اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی' اور حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے: یہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سی ملت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۳۷۹۔ ۳۷۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۵) امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷) امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲) امام داری (سنن داری ج ۲ ص ۱۵۸) امام طبرانی (المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۵۶) امام حاکم (المستدرک ج ۳ ص ۵۴۷) اور امام ابن عساکر (تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ ص ۱۲۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۹) علامہ علی متقی (کنز العمال ج ۱۱ ص ۱۱۵۔ ۱۱۴) اور علامہ زبیدی (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰) نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں:

"سنن ابوداؤد" کی صحیح روایت میں ہے: عنقریب میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہوگا۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۳۳۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ)

شیخ ابن القیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرقوں کو میری امت فرمایا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ تمام فرقے دین سے خارج نہیں ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو فرقہ کسی تاویل سے کوئی نظریہ رکھے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا خواہ اس نے تاویل میں خطا کی ہو۔ (تہذیب ابن القیم مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

جو لوگ ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً حدوث عالم حشر اجسام اور ان کے مشابہ امور (روزمرہ کی پانچ نمازیں ماہ رمضان کے روزے زکوٰۃ اور حج بیت اللہ) اور اس کے ماسوا اصول میں مختلف ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات (اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان سات صفات پر اتفاق ہے حیات علم قدرت سمع بصر کلام ارادہ اور ماتریدیہ ایک زائد صفت "تخلیق" کے بھی قائل ہیں اور معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور حکماء کہتے ہیں کہ صفات اللہ کی ذات کا عین ہیں) اعمال کا مخلوق ہونا (معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اہل سنت کے نزدیک انسان کے اعمال کو اللہ خلق کرتا ہے) اللہ کے ارادہ کا عموم اللہ کے کلام کا قدیم ہونا (معتزلہ کے نزدیک اللہ کا کلام حادث ہے) اللہ کے دکھائی دینے کا جواز (معتزلہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے) اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ان امور میں حق صرف ایک ہی ہے اور جو شخص اس حق کے خلاف اعتقاد رکھتا ہو آیا اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو حشر اجسام کو نہ مانتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا قائل نہ ہو اور اسی طرح کی دیگر ضروریات دین کا قائل نہ ہو خواہ وہ شخص ساری عمر عبادت کرتا رہا ہو وہ قطعاً کافر ہے اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ باقی اصول میں اختلاف کرنے والا کافر نہیں ہے یہ امام اشعری اور دیگر اصحاب کا مذہب ہے امام شافعی نے فرمایا: میں اہل بدعت میں سے کسی کی شہادت کو رد نہیں کرتا ماسوا خطابیہ کے کیونکہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں اور "منتقیٰ" میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی اور اسی پر اکثر فقہاء کا اعتماد ہے (الی قولہ) استاذ ابواسحٰق اسفرائنی نے کہا: جو ہماری تکفیر کرے گا ہم اس کی تکفیر کریں گے اور جو ہماری تکفیر نہیں کرے گا ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اسلام کا صحیح ہونا ان اصول میں حق کے اعتقاد پر موقوف ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ایمان لانے والے سے ان چیزوں (مثلاً صفات رویت

خلق اعمال) پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتے' اور اس کے عقائد کے متعلق تفتیش کرتے کہ ان امور کے متعلق اس کا کیا عقیدہ ہے' اور ان اصول میں حق بات پر اس کو تنبیہ کرتے' حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۲۹۔ ۲۲۸ 'مطبوعہ منشورات الشریف ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی لکھتے ہیں:

اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جائے گی' جو ہمارے قتل کو اور ہمارے مال کو مباح سمجھتے ہیں اور اصحاب رسول کو برا کہنا جائز سمجھتے ہیں اور اللہ کی صفات اور اس کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں' کیونکہ ان کے یہ عقائد کسی تاویل اور شبہ پر مبنی ہیں' ماسوا خطابیہ کے ان سب کی شہادت مقبول ہے اور ہمارے بعض علماء نے ان کی تکفیر کی ہے (علامہ شامی نے لکھا ہے کہ معتمد مذہب تکفیر کے خلاف ہے) اور اگر اس نے ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے ''التحریر'' کے اواخر میں لکھا ہے کہ معتزلہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات' عذاب قبر' شفاعت اور اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں' ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ان امور میں قرآن' حدیث اور عقل سے استدلال کرتے ہیں' کیونکہ اہل قبلہ کی تکفیر منع ہے' اور ان کی شہادت قبول کرنے پر اجماع ہے' اور جو شخص بغیر دلیل کے محض ہٹ دھرمی سے کسی معصیت قطعیہ کو حلال سمجھے وہ کافر ہے برخلاف اس کے جو دلیل شرعی سے ایسا سمجھے' اور بدعتی کو اس کی دلیل میں خطا لاحق ہوئی' وہ ہٹ دھرمی سے ایسا نہیں کرتا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو شخص عناد (بغیر دلیل کے) کی وجہ سے ادلہ قطعیہ کا انکار کرے گا جن میں کوئی شبہ نہ ہو مثلاً جو شخص حشر اور حدوث عالم کا انکار کرے گا وہ قطعاً کافر ہے اور جو شخص کسی شبہ کی وجہ سے کسی عقیدہ ثابتہ کا انکار کرے جیسے معتزلی اللہ کی جلالت اور عظمت کی وجہ سے اس کے دیدار کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اس کا انکار ایک شبہ پر مبنی ہے خواہ وہ شبہ فاسد ہے' اور ہر وہ شخص جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور اس کی بدعت کسی شبہ پر مبنی ہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا' البتہ جو حشر' حدوث عالم اور دیگر ضروریات دین کا انکار کرے اس کے کفر میں شک نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس امت کے تہتر فرقوں کا ذکر ہے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد امت دعوت ہے یا امت اجابت' امت دعوت سے مراد تمام دنیا کے لوگ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی' اور امت اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا' اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے' ترمذی کی روایت میں ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سی ملت ہے؟ آپ نے فرمایا: جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں' اور یہ نجات پانے والے اہل سنت و جماعت ہیں اور باقی فرقے بدعتی ہیں۔ ''شرح مواقف'' میں مذکور ہے کہ اصل میں کل آٹھ فرقے ہیں اور باقی ان کی فرع ہیں:

(۱) معتزلہ: یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' یہ نیک لوگوں کے لئے ثواب اور بدکاروں کے لئے عذاب کے وجوب کے قائل ہیں اور رؤیت باری اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں' پھر ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۲) شیعہ: یہ حضرت علی کی محبت میں افراط کرتے ہیں' خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام پر لعنت اور سب وشتم کرتے ہیں' ان کے بائیس فرقے ہیں۔

(۳) خوارج: یہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کو کافر کہتے ہیں' گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں' ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۴) مرجئہ: ان کے نزدیک ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں' ان کے پانچ فرقے ہیں۔

(۵) نجاریہ: یہ اللہ کے کلام کو حادث مانتے ہیں اور اس کی صفات کو نہیں مانتے' البتہ انسان کے افعال کو مخلوق مانتے ہیں' ان کے تین فرقے ہیں۔

(۶) جبریہ: جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں' ان کا ایک فرقہ ہے۔

(۷) مشبہ: یہ اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے ہیں۔

(۸) فرقہ ناجیہ: اور یہ اہل سنت و جماعت ہیں۔

ملا علی قاری نے باطل فرقوں میں شیعہ کے علاوہ جتنے فرقے ذکر کیے ہیں یہ سب مردہ مذاہب ہیں' اب دنیا میں ان کا کوئی ماننے والا نہیں ہے' البتہ کچھ نئے مذاہب وجود میں آ گئے ہیں جیسے شیخ ابو سلیمان بن داؤد علی ظاہری متوفی ۳۰۷ھ کے پیروکار' یہ عرف میں غیر مقلدین کہلاتے ہیں' یہ ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور عقائد اور افکار میں شیخ ابو العباس احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ کے متبع ہیں خصوصاً انکار توسل میں' اور شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے پیروکار' یہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات' ان سے توسل' استمداد اور شفاعت کے قائل نہیں اور ان کے قائل کو مشرک کہتے ہیں' یہ عرف عام میں وہابیہ کہلاتے ہیں' موجودہ غیر مقلدین کے بھی یہی عقائد ہیں لیکن وہابیہ حنبلی المذہب ہیں' اور شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ کے پیروکار یہ حنفی المذہب ہیں لیکن عقائد اور نظریات میں شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ اور شیخ محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ کے تابع ہیں' ان کے عقائد اور نظریات کا مطالعہ ''تقویت الایمان'' اور ''صراط مستقیم'' نامی کتابوں سے کیا جا سکتا ہے' اور سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ کے پیروکار' ان کے متبعین جماعت اسلامی کے نام سے موسوم ہیں' ان کے عقائد اور افکار بھی شیخ اسماعیل دہلوی کے تابع ہیں' اور عبد اللہ چکڑالوی یہ شخص مطلقاً احادیث کی حجیت کا منکر تھا' اس کے پیروکار بہت کم ہیں اور غلام احمد پرویز کے پیروکار یہ بھی مطلقاً احادیث کی حجیت کا منکر تھا' لیکن بعض احادیث سے استدلال بھی کرتا تھا' اس کے علاوہ قادیانی' بہائی' ذکری' دیندار جماعت وغیرہ بھی ہیں لیکن ہم ان کو اسلام کے فرقوں میں شمار نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے ایک الگ نبی مان کر اپنے آپ کو امت اجابت سے نکال لیا ہے۔

اس حدیث میں ہے: ایک ملت کے سوا سب جہنم میں جائیں گے' اس کی تشریح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان باطل فرقوں میں سے جو حد کفر کو پہنچ گئے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جو فرقے بدعات سیئہ کے معتقد ہیں اور انہوں نے کسی کفر کا ارتکاب نہیں کیا وہ دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ جن مسائل اعتقادیہ میں ان فرقوں کو شبہات واقع ہوئے اور انہوں نے دلائل سے اپنی رائے کو حق سمجھا' اور ان شبہات کو دور کرنے کے لئے علماء اہل سنت نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچ سکے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں یا جن لوگوں تک وہ دلائل پہنچ گئے لیکن ان دلائل سے ان کا شرح صدر نہیں ہو سکا اور ہنوز ان کے شبہات باقی

رہے وہ بھی معذور ہیں لیکن جن لوگوں پر حجت تمام ہوگئی اور وہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے اپنے باطل موقف پر ڈٹے رہے تو اگر ان کا موقف کسی کفر کو مستلزم ہے تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے اور اگر ان کا موقف کسی گمراہی کو مستلزم ہے تو وہ دوزخ میں دخول کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے' مثلاً جو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے معتقد ہیں' یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل کی خطاء کے قائل ہیں یا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگاتے ہیں' یا جو حضرت ابوبکر کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں' یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تین یا چھ صحابہ کے علاوہ سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے' یہ سب کافر ہیں' اور جو خلفاء ثلاثہ کو مفضول کہتے ہیں یا ان پر سب کرتے ہیں (گالی دیتے ہیں) وہ کافر نہیں ہیں' لیکن وہ بدترین فسق اور گمراہی میں مبتلا ہیں' اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح کفریہ عبارات لکھیں وہ کافر ہیں اور جو لوگ ان عبارات پر مطلع ہو گئے اور ان پر وجہ کفر منکشف ہوگئی لیکن وہ مذہبی تعصب اور ہٹ دھرمی سے ان عبارات کو صحیح کہتے ہیں وہ بھی کافر ہیں' لیکن جو لوگ ان عبارات پر مطلع نہیں ہیں یا ان پر وجہ کفر منکشف نہیں ہوئی اس لئے وہ تکفیر نہیں کرتے' تاہم اس قاعدہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ کا اجماع ہے' جیسے مرزائیہ کا قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ یا اور کوئی ایسا فرقہ جس کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ متفق ہو اور اس کی تکفیر واضح اور غیر مشتبہ ہو۔[1] اور بعض اعتقادی مسائل میں شبہ کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً علم غیب اور تصرف میں ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے یا بدعت حسنہ کا انکار کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق نہیں کرتے یا استمداد اور ندائے غیر اللہ کو ناجائز کہتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت' آپ کے معجزانہ تصرفات اور آپ کی علمی' روحانی اور بعض مواقع پر حسی نورانیت کے قائل ہیں' آپ کی حیات کے معتقد ہیں اور قبر انور پر آپ سے شفاعت طلب کرنے اور یا رسول اللہ کہنے کے معتقد ہیں' ان پر کفر کا حکم نہیں ہے' ان مسائل میں اختلاف محض فروعی ہے جیسے بعض امور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہیں یا اس کے برعکس۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۵۳' مطبوعہ سنی دارالاشاعت' لائل پور)

شریعت' طریقت اور حقیقت کا بیان

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ملت اسلامیہ کے ظاہر کو شریعت' باطن کو طریقت اور اس کے خلاصہ کو حقیقت کہتے ہیں' شریعت بدن کا حصہ ہے' طریقت قلب کا حصہ ہے اور حقیقت روح کا حصہ ہے' شریعت میں احکام کی اطاعت ہے' طریقت میں علم اور معرفت ہے اور حقیقت

[1] امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان کے کفر میں شک ہی کرے تو خود کافر جب کہ ان کے خبث اقوال پر مطلع ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۵۳' مطبوعہ سنی دارالاشاعت' لائل پور)

علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ہم کسی دیوبندی یا لکھنوی والے کو کافر نہیں کہتے' ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومحبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں اور باوجود تنبیہ شدید کے انہوں نے گستاخیوں سے توبہ نہیں کی' نیز وہ لوگ جو ان کی گستاخیوں کو حق سمجھتے ہیں اور گستاخیاں کرنے والوں کو اہل حق' مومن' اپنا مقتداء اور پیشوا مانتے ہیں اور بس! ان کے علاوہ ہم نے کسی مدعی اسلام کی تکفیر نہیں کی' ایسے لوگ جن کی ہم نے تکفیر کی ہے اگر ان کو ٹٹولا جائے تو وہ بہت قلیل اور معدود افراد ہیں' ان کے علاوہ نہ کوئی دیوبند کا رہنے والا کافر ہے نہ لیگی نہ ندوی' ہم سب مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

(مقالات کاظمی ج ۲ ص ۲۵۹۔ ۲۵۸)

میں مشاہدہ ربوبیت ہے' اگر شریعت' حقیقت سے موید نہ ہو تو وہ غیر مقبول ہے اور اگر حقیقت شریعت سے مقید نہ ہو تو وہ غیر معتبر ہے' شریعت احکام کی اطاعت ہے اور حقیقت قضاء وقدر کا مشاہدہ ہے۔ (المرقات ج ۱ص ۲۴۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ایک قول یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال شریعت ہیں' آپ کے افعال طریقت ہیں اور آپ کے احوال حقیقت ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ تمام فرائض' واجبات' سنن اور مستحباب پر عمل کرنا' اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچنا شریعت ہے' اور شیخ طریقت نے جو اوراد اور وظائف بتائے اور سلوک کے لئے جو ہدایات دیں ان پر عمل کرنا طریقت ہے اور جب دل تجلیات الہیہ کے لئے آئینہ ہو جائے اور نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ ہو جائے تو یہ حقیقت ہے' بعض علماء نے کہا ہے کہ جسم کے اعضاء کو گناہوں سے روکنا شریعت ہے اور دل کو گناہوں کی خواہشوں اور ذہن کو اس کے تصورات سے روکنا طریقت ہے اور جب یہ حالت ہو کہ بغیر کسی کوشش اور کسب کے دل و دماغ میں گناہ کی خواہش اور تصورات نہ آئیں تو یہ حقیقت ہے اور یہ بہت عمدہ قول ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ

اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور

سَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے' یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں'

اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب ہے O اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے' بے شک اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے O

آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں' راجح قول یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں جو بیت المقدس میں گندگی پھینکتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد اللہ کے دشمن نصاریٰ ہیں جنہوں نے یہود کے بغض کی وجہ سے بخت نصر بابلی مجوسی کی بیت المقدس کو ویران کرنے میں مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں' ابن زید نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے قصد سے (چودہ سو اصحاب کے

ساتھ) مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو روک لیا اور عمرہ کرنے کے لئے مسجد حرام میں جانے نہیں دیا اور انہوں نے کہا: جن لوگوں نے ہمارے آباء واجداد کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا ہم ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کیلئے نہیں جانے دیں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکنے والوں سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا' کیونکہ حج اور عمرہ سے روکنا' مسجد حرام میں اللہ کے ذکر سے روکنا اور اس کو ویران کرنا ہے' علامہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں پہلا قول راجح ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر کی مدد سے بنو اسرائیل کے مومنوں کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق اور سباق میں یہود اور نصاریٰ کے برے افعال کا بیان کیا جا رہا ہے' مشرکین کی برائیوں کا بیان نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا' لیکن ان کا مقصد مسجد حرام کو ویران اور برباد کرنا نہیں تھا' بلکہ مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے تھے' اس لئے آیت کا روئے سخن بخت نصر مجوسی کی طرف ہی متوجہ ہے جو بیت المقدس کو ویران اور برباد کرنے کے لئے اس میں گندگی اور مردار ڈال دیتا تھا اور بنو اسرائیل کے مومنوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا' اور یہودیوں سے بغض کی وجہ سے نصاریٰ اس کے شریک تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۹۸۔ ۳۹۶ 'ملخصاً' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ذکر بالجہر کی تحقیق

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ مسجدوں میں جہر متوسط کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے' البتہ اس قدر گلا پھاڑ کر چلانا نہیں چاہیے جو مسجد کے احترام اور وقار کے بھی خلاف ہے اور اس سے دوسرے نمازیوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے' اور ان کا ذہن الجھتا ہے' مسجد میں فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر کے مشروع اور مسنون ہونے پر یہ دلیل ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معروف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ اکبر کی آواز آتی تو میں جان لیتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد کہتے تھے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (الی قولہ) اور حضرت ابن الزبیر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخر تک پڑھتے تھے[۱]۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد لا الہ الا اللہ آخر تک پڑھتے تھے اس پر محمول ہے کہ آپ یہ ذکر بلند آواز کے ساتھ کرتے تھے' جب ہی حضرت ابن الزبیر نے اس ذکر کو سنا اور یاد کر لیا' اگر آپ یہ ذکر آہستہ کرتے تو حضرت ابن الزبیر کیسے سنتے' اس وجہ سے امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ نے ''مشکوٰۃ'' میں اس حدیث کے الفاظ ''یقول بصوته الاعلیٰ' آپ بلند آواز سے ذکر فرماتے تھے'' لکھا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۸) جب کہ ''صحیح مسلم'' میں یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت ابن الزبیر کا ان الفاظ کو سننا اس وقت متصور ہو سکتا ہے جب آپ بلند آواز سے ذکر فرمائیں' اس لحاظ سے اس کو روایت بالمعنی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ امام تبریزی کا وہم نہیں ہے جیسا کہ ''حکم الذکر بالجہر'' کے مولف کو وہم ہوا ہے۔

---

[۱] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

ہم نے لکھا ہے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرنا صحیح ہے' اور گلا پھاڑ کر اور چلا کر ذکر کرنا جس سے نمازیوں کی عبادت میں خلل ہو مکروہ ہے' اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری المتوفی ۵۰ ھ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے نکلے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے اور انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو' بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے' تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے' اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے: اس حدیث میں اس جہر سے منع فرمایا ہے جو بہت شدید اور مضر ہو۔

(فتاوی خیریہ علی ہامش الحامدیہ ج ۲ ص ۲۸۲' مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ' کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

بعض احادیث سے ذکر بالجہر کی تائید ہوتی ہے اور بعض سے ذکر خفی کی' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ اشخاص اور احوال کے اختلاف پر محمول ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر ذکر خفی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے' کیونکہ ذکر خفی اس وقت بہتر ہے جب جہر سے ریا کا خدشہ ہو یا کسی کی نیند یا عبادت میں خلل کا اندیشہ ہو اور جب یہ موانع نہ ہوں تو بعض علماء نے کہا کہ جہر افضل ہے کیونکہ اس کا نفع سننے والوں تک پہنچتا ہے اور اس کے قلب کو بیدار کرتا ہے' اس کو غور و فکر کا موقع ملتا ہے' اس کی نیند دور ہوتی ہے اور اس کی فرحت زیادہ ہوتی ہے' اور علامہ حموی نے امام شعرانی سے نقل کیا ہے کہ تمام اگلے اور پچھلے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ ذکر بالجہر مستحب ہے ماسوا اس کے جب ان کے جہر سے سونے والے یا نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش اور خلل ہو۔

(رد المختار ج ۱ ص ۴۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس مبحث کو زیادہ تفصیل سے جاننے کے لئے ہمارا رسالہ "ذکر بالجہر" ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ

اس آیت میں ہے: یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

مسجد میں مشرک کے دخول کے متعلق کئی مذاہب ہیں' فقہاء احناف کے نزدیک مسجد میں مشرک کا دخول مطلقاً جائز ہے' امام مالک کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور امام شافعی کے نزدیک مسجد حرام میں مشرک کا داخلہ منع ہے اور باقی مساجد میں جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۶۰' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مسجد حرام میں ذمیوں کا داخلہ کسی صورت میں جائز نہیں اور غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مساجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی کافروں کا مسجد میں دخول جائز نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۸۷۔ ۲۸۶' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حرم اور غیر حرم کسی مسجد میں بھی کافروں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ' ۱۳۸۷ھ)

علامہ محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے مساجد میں مشرکین کے گزرنے کو جائز کہا ہے خواہ وہ جنبی ہوں۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۴۸ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس بحث کو تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ ہم سورہ توبہ کی تفسیر میں لکھیں گے' اور "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی اور جلد سابع میں ہم نے اس بحث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے' فقہاء کے دلائل اور مذہب احناف کی ترجیح کو جاننے کے لئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔ الآیہ (البقرہ: ۱۱۵)

"وللہ المشرق والمغرب" کے شان نزول کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو قرآن مجید نے منسوخ کیا وہ قبلہ ہے' اور اس کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو مدینہ میں زیادہ تر یہودی تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا' یہود اس سے بہت خوش ہوئے' آپ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں' آپ اس کی دعا کر رہے تھے اور مسجد حرام کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (ترجمہ) "بے شک ہم آسمان کی طرف آپ کے چہرہ کے پھرنے کو دیکھ رہے ہیں (الی قولہ) تم اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو" اس وقت یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ان کو ان کے پہلے قبلہ کی طرف سے کس نے پھیر دیا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۰ ۔ ۳۹۹ ' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں جس طرف سواری کا منہ ہوتا اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیتے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کی طرف منہ کرو گے' اور حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل پڑھتے' جس طرف سواری کا منہ ہوتا تھا اور اشارہ سے رکوع اور سجدہ فرماتے تھے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی' ہم ایک جگہ ٹھہرے' اور ہر شخص نے اپنی اپنی سجدہ گاہ کی طرف پتھر رکھے اور نماز پڑھی' صبح کو معلوم ہوا کہ سب نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے اس رات غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں' تم جہاں کہیں بھی منہ کرو گے وہیں اللہ ہی کی طرف منہ کرو گے۔

(جامع البیان ج ۱ص ۴۰۱ ـ ۴۰۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنا جائز ہیں خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو اور فرض نماز سواری پر بلا عذر پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور بلا عذر فرض ساقط نہیں ہوتا' اور اگر عذر ہو تو پھر جائز ہے' اور اگر راستہ میں کیچڑ ہو اور سواری سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے سے کپڑے کیچڑ میں ملوث ہوں تو سواری پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

یعلیٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سفر میں تھے کہ نماز کا وقت آ گیا' آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے زمین پر کیچڑ تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اذان دی اور اقامت کہی' پھر آپ اپنی سواری پر آگے بڑھ گئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے سواریوں پر تھے' آپ نے سواری پر انہیں اشارہ سے نماز پڑھائی' آپ سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے بھی کیچڑ کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھی۔ (جامع ترمذی ص ۸۶ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ قاضی خاں اوز جندی لکھتے ہیں:

بغیر عذر کے سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' اعذار یہ ہیں: چوپایہ (سواری) سے اترنے میں اسے اپنی جان یا چوپایہ کی جان کا درندہ سے یا چور سے خطرہ ہو یا زمین پر کیچڑ ہو اور خشک جگہ نہ پائے یا چوپایہ سرکش ہو اس سے اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو' اور مددگار میسر نہ ہو' ان احوال میں چوپایہ پر نماز جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر نماز پڑھو۔ (البقرہ: ۲۳۹) اور سواری سے اترنے پر قادر ہونے کے بعد اس پر نماز کا دہرانا لازم نہیں ہے' جیسا کہ مریض سواری پر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے خواہ چوپایہ اس وقت چل رہا ہو۔

(فتاویٰ قاضی خاں علیٰ ہامش الہندیہ ج ۱ص ۱۷۰ 'مطبوعہ مطبع بولاق' مصر' المطبعۃ الثانیہ' ۱۳۱۰ھ)

''فتاویٰ عالمگیری'' میں کچھ مزید عذر بیان کیے گئے ہیں:

بغیر عذر کے چوپایہ پر فرض نماز جائز نہیں ہے اور اعذار یہ ہیں: چوپایہ سے اترنے میں اس کو اپنی جان یا اپنے کپڑوں یا سواری کی جان کا چور' درندہ یا دشمن سے خطرہ ہو یا چوپایہ سرکش ہو اور اترنے کے بعد بغیر مددگار کے اس پر سوار نہ ہو سکتا ہو' یا بوڑھا ہو اور خود سے سوار نہ ہو سکتا ہو اور سوار کرانے والا نہ پائے' یا زمین پر کیچڑ ہو اور خشک جگہ نہ ہو' ''محیط'' میں اسی طرح ہے اور اترنے پر قادر ہونے کے بعد اس پر اعادہ لازم نہیں ہے' اسی طرح ''سراج وہاج'' میں ہے۔

(عالمگیری ج ۱ص ۱۴۳ 'مطبوعہ مطبع کبریٰ بولاق' مصر' الطبعۃ الثانیہ' ۱۳۱۰ھ)

قاضی خان اور عالمگیری کے علاوہ یہ اعذار علامہ کاسانی[۱]' علامہ ابن ہمام[۲]' علامہ بابرتی[۳]' علامہ خوارزمی[۴]' علامہ حلبی[۵]'

---

۱ ملک العلماء علاؤ الدین بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع ج ۱ص ۱۰ ـ ۹' مطبوعہ ایچ ـ ایم سعید' کراچی' ۱۴۰۰ھ

۲ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر ج ۱ص ۴۰۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۳ علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ علیٰ ہامش فتح القدیر ج ۱ص ۴۰۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۴ علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ مع فتح القدیر ج ۱ص ۴۰۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۵ علامہ ابراہیم حلبی متوفی ۷۶ ۷ھ' غنیۃ المستملی ص ۲۷۰ ـ ۲۶۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی' ۱۳۲۳ھ

علامہ شامی[1]' علامہ ابن نجیم[2]' علامہ حصکفی[3]' علامہ شرنبلالی[4]' علامہ طحطاوی[5]' علامہ شبلی[6]' علامہ ابن بزاز کردری[7] اور مولانا امجد علی[8] نے بھی بیان کیے ہیں۔

جب کوئی تیز رفتار ایکسپریس ٹرین نماز کے پورے وقت میں کسی سٹیشن پر نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ قرآن مجید (البقرہ: ۲۳۹) سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر جان جانے کا خطرہ ہو تو سواری پر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور چلتی ٹرین سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں یقیناً جان کا خطرہ ہے' ہمارے فقہاء نے اس سے کم تر خطرہ میں سواری پر فرض نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس میں نماز کا اعادہ نہیں ہے' جب کیچڑ میں لتھڑنے کے اندیشہ سے اور قافلہ سے کٹ جانے کے خدشہ سے چلتی سواری پر نماز جائز ہے تو جان کے خطرہ کی وجہ سے تیز رفتار دوڑتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے' وہ اس سے پاک ہے' بلکہ تمام آسمان

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور زمینیں اسی کی ملکیت میں ہیں' سب اسی کے مطیع ہیں ○ (وہ) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے'

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَ

اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صرف یہ فرماتا ہے: "ہوجا" تو وہ ہو جاتی ہے ○ اور

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

جاہلوں (مشرکوں) نے کہا: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح ان کے قول کی مثل کہا تھا' ان کے دل ایک دوسرے کے

۱ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمختار ج ۱ ص ۶۵۵' مطبوعہ مطبع عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ

۲ علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق ج ۲ ص ۶۴' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ

۳ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ' درمختار علیٰ ہامش الرد ج ۱ ص ۶۵۶' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ

۴ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ' مراقی الفلاح علیٰ ہامش الطحطاوی ص ۲۲۴' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی مصر' الطبعۃ الثانیہ

۵ علامہ احمد بن محمد الطحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۲۴' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی مصر' الطبعۃ الثانیہ' ۱۳۵۶ھ

۶ شیخ شبلی حاشیۃ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق' ج ۱ ص ۱۷۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان

۷ علامہ محمد ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ' فتاوی بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۷۰' مطبوعہ مطبع کبری بولاق' مصر' الطبعۃ الثانیہ

۸ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ' بہار شریعت ج ۴ ص ۱۹' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی

قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

مشابہ ہو گئے ہیں' بے شک یقین کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے نشانیاں بیان فرما دی ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق

بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے' اور جہنمیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت عزیر' اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح' اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں' اس سے پہلی آیات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کے مذموم عقائد' اقوال اور افعال کا بیان کیا گیا ہے' ان کے مذموم اقوال میں سے ایک قول یہ تھا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے' اور اولاد باپ کی ملکیت نہیں ہوتی' نیز اولاد باپ کی مثل اور اس کی جنس سے ہوتی ہے' اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو وہ بھی اللہ کی طرح واجب' قدیم اور الٰہ ہوتی' جب کہ متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے نہ متعدد ہو سکتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی مملوک اور اس کی مطیع ہے اور واجب' قدیم اور الٰہ کسی کا مملوک اور مطیع نہیں ہو سکتا' ہم نے سورہ بقرہ کی آیت: ۲۲ میں واجب اور قدیم کے تعدد کے باطل ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت میں بہت دلائل پیش کیے ہیں۔

میری ایک دفعہ ایک عیسائی پادری سے گفتگو ہوئی' میں نے کہا: تم اللہ کو باپ اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا کہتے ہو' جب اللہ کی کوئی بیوی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا؟ اس نے کہا: ہم عیسیٰ کو جسمانی طور پر اللہ کا بیٹا نہیں کہتے نہ اللہ کو جسمانی باپ مانتے ہیں بلکہ باپ میں جو شفقت کا معنی ہے اس لحاظ سے اللہ کو باپ' اور مسیح کو اس کا بیٹا کہتے ہیں' میں نے کہا: پھر تم اللہ کو رحیم اور رحمان کہو' باپ کا لفظ جسم کی صفت ہے' وہ اللہ کی شان کے لائق نہیں' اس سے اللہ کی ذات میں نقص کا وہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا: اللہ کے ہاں کہنے والے کے خلوص کو دیکھا جاتا ہے' ان علمی لطائف اور باریکیوں کو نہیں دیکھا جاتا' میں نے کہا: تم علمی باریکیاں اور لطائف کو نہیں جانتے' حضرت عیسیٰ تو عالم تھے' تمہاری کتاب کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کو باپ کیوں کہا؟ اس پر وہ مبہوت اور لاجواب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وہ) آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔ (البقرہ: ۱۱۷)

ابداع اور بدعت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے ''بدیع'' فرمایا ہے یہ لفظ ''ب د ع'' سے بنا ہے' علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی صنعت کو کسی کی اقتداء اور پیروی کیے بغیر بنانا' (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کو بغیر مثال اور نمونہ کے بنانا) جو نیا کنواں کھودا ہو اس کو ''رکیۃ بدیع'' کہتے ہیں اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو بغیر آلہ' بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا' قرآن مجید میں ہے: ''بدیع السموات والارض. آسمانوں اور زمینوں کو بغیر آلہ' بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے بنانے والا'' اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے: کسی ایسے قول کو وارد کرنا جس کے قائل اور فاعل

نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو اور نہ اس کو سابقہ شرعی مثالوں اور شرعی قواعد سے مستنبط کیا ہو اس کے متعلق حدیث میں ہے: (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

(المفردات ص ۳۹ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ جزری لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان (تراویح کی جماعت) کے متعلق فرمایا: ''نعم البدعة هذه. یہ کیا اچھی بدعت ہے''۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹) بدعت کی دو قسمیں ہیں' ایک بدعت ہدایت ہے اور ایک بدعت ضلال ہے' جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم اور واجب الانکار ہے' اور جو چیز کسی ایسے عموم کے تحت داخل ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہو اور اس کی طرف رغبت دلائی ہو وہ مستحسن ہے اور لائق تعریف ہے' اور جس چیز کا پہلے کوئی نمونہ نہ ہو جیسے جود وسخا کی اقسام اور نیک کام وہ افعال محمودہ ہیں' اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ہوں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نیک کاموں کے ایجاد کے لئے ثواب بیان کیا ہے' آپ نے فرمایا: جس نے کسی نیک کام کو ایجاد کیا اس کو خود بھی اس نیکی کا اجر ملے گا اور اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷) اور جو کسی برے کام کو ایجاد کرے اس کے لئے عذاب کو بیان کیا ہے' آپ نے فرمایا: جس نے کسی برے کام کو ایجاد کیا اس کو اپنی برائی کا بھی گناہ ہوگا اور اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو' اور بدعت ہدایت میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (تراویح کی جماعت کے لئے) یہ فرمانا ہے: ''نعم البدعة هذه'' جب کہ تراویح کی جماعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے سنت نہیں قرار دیا' آپ نے تین راتیں تراویح پڑھیں' پھر اس کو ترک کر دیا' آپ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور نہ مسلمانوں کو اس کیلئے جمع کیا اور نہ یہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تھی' صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو قائم کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی' اس اعتبار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت فرمایا اور چونکہ یہ نیک کاموں میں سے ہے اور لائق تعریف عمل ہے اس لئے اس کی مدح کی اور فرمایا: کیا ہی اچھی بدعت ہے! حضرت عمر نے اس کو بدعت کہا لیکن درحقیقت یہ سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے تحت داخل ہے: تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۳' سنن ابن ماجہ ص ۵' سنن داری ص ۴۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷۔ ۱۲۶) نیز آپ نے فرمایا: ابوبکر اور عمر جو میرے بعد ہیں ان کی اتباع کرو۔ (طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳) اسی تاویل کے مطابق اس حدیث کو محمول کیا جائے گا جس میں ہے: ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵) اس سے مراد وہ بدعت ہے جو اصول شریعت کے مخالف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو' بدعت کا زیادہ استعمال بدعت مذمومہ میں ہی ہوتا ہے۔

(نہایہ ج ۱ ص ۱۰۷۔ ۱۰۶ 'مطبوعہ موسسۃ مطبوعاتی' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ اقسام ہیں' واجبہ' مستحبہ' محرمہ' مکروہہ اور مباحہ' بدعت واجبہ کی مثال ہے متکلمین کے وہ دلائل جو انہوں نے ملحدوں اور بدعتیوں کے رد پر قائم کئے ہیں اور اس کی امثال' بدعت مستحبہ کی مثال ہے: علم کی کتابوں کو تصنیف کرنا' دینی مدارس اور سرائے وغیرہ بنانا' بدعت مباحہ کی مثال ہے: لباس اور طعام میں وسعت کو اختیار کرنا' بدعت حرام اور مکروہ ظاہر ہیں'

میں نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں اس کی تفصیل کی ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

علامہ نووی نے جس تفصیل کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق انہوں نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں لکھا ہے:

بدعت واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے' قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کو حاصل کرنا' علم فقہ کو مرتب کرنا' سند حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا' تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز حاصل ہو سکے' بدعت محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ' جبریہ' مرجئہ اور مجسمہ کے نظریات (اسی طرح شعیہ' وہابیہ اور منکرین حدیث کے نظریات) اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعت واجبہ میں داخل ہے۔ بدعت مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: سرائے اور مدارس بنانا' ہر وہ اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا' تراویح کی جماعت' تصوف کی دقیق ابحاث' بدعقیدہ فرقوں سے مناظرے کرنا اور جلسے منعقد کرنا (قرآن مجید کے اعراب' مصحف شریف میں سورتوں کے نام' آیات کی تعداد اور رکوعات کا لکھنا' قرآن مجید اور "صحیح بخاری" کو پاروں میں تقسیم کرنا اور مسجد میں محراب بنانا وغیرہ) بدعت مکروہہ مساجد کو مزین کرنا' مصحف کو سجانا (عصر کے بعد التزام سے مصافحہ کرنا' کسی مستحب کام کے ساتھ واجب اور لازم کا معاملہ کرنا' کسی مستحب کام پر ملامت کرنا) بدعت مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: کھانے اور لباس میں وسعت کو اختیار کرنا' سبز چادریں اوڑھنا' کھلی آستینوں کی قمیص پہننا وغیرہ۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۳۔ ۲۲ 'مطبوعہ موسسۃ مطبوعات' ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی بدعت کی پانچ اقسام ذکر کی ہیں۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی نے تفصیل سے بدعت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں' بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ جس طرح علامہ جزری نے ذکر کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۸۷۔ ۸۶ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے بھی علامہ نووی کی "تہذیب الاسماء" علامہ مناوی کی "شرح الجامع الصغیر" اور برکلی کی "الطریقۃ المحمدیۃ" کے حوالے سے بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں اور بدعت سیئہ کی یہ تعریف کی ہے: جو نیا عقیدہ یا نیا عمل یا نیا حال کسی شبہ یا کسی استحسان کی وجہ سے اختراع کیا گیا ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہو اور اس کو صراط مستقیم اور دین قویم بنالیا گیا ہو۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۷۔ ۳۷۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علماء دیوبند کے مشہور عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی پانچ مشہور اقسام لکھی ہیں۔

(فتح الملہم' ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ مکتبۃ الحجاز' کراچی)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان نے چار قسمیں لکھی ہیں' بدعت مباحہ' بدعت مکروہہ' بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

(ہدیۃ المھدی ص ۱۱۷ 'مطبوعہ میور پریس' دہلی' ۱۳۲۵ھ)

اور مشہور نجدی عالم شیخ محمد بن علی شوکانی نے "فتح الباری" سے نقل کر کے بدعت کی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۲۵ 'مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ' ۱۳۹۸ھ)

بدعت اور سنت باہم متقابل ہیں' ہم نے بدعت کی تعریف اور اقسام لکھی ہیں تو یہاں پر اختصار کے ساتھ سنت کی تعریف اور اس کی اقسام بھی لکھ رہے ہیں۔

سنت کی تعریف' اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سنت کا معنی ہے: طریقہ اور سنت النبی کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔
(المفردات ص ۲۴۵ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:
سنت کا لغوی معنی ہے: طریقہ اور سیرت اور اس کا شرعی معنی ہے: جس کام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو یا اس کو قولاً یا فعلاً مستحب قرار دیا ہو۔ (نہایہ ج ۲ ص ۴۰۹ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران ۱۳۶۴ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:
سنت کا شرعی معنی ہے: بغیر فرضیت اور وجوب کے جو طریقہ دین میں رائج کیا گیا ہو' جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائماً کیا ہو اور کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو وہ سنت ہے' اگر یہ دوام بہ طور عبادت ہو تو یہ سنن الھدیٰ ہیں اور اگر یہ دوام بہ طور عادت ہو تو یہ سنن الزوائد ہیں' سنت الھدیٰ وہ ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کیلئے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اساءت ہے اور سنن الزوائد وہ ہیں جن پر عمل کرنا مستحسن ہے اور ان کا ترک کراہت نہیں ہے' اور نہ اساءت ہے جیسے اٹھنے' بیٹھنے' کھانے' پینے اور لباس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت' سنن ھدیٰ کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں جیسے اذان اور اقامت' سنت مؤکدہ کا مطالبہ واجب کی طرح ہے مگر واجب کے ترک پر سزا کا استحقاق ہے اور اس کے (احیاناً) ترک پر عقاب نہیں ہے۔
(کتاب التعریفات ص ۵۲۔ ۵۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:
بغیر لزوم کے دین میں جو طریقہ دائماً رائج کیا گیا ہو وہ سنت ہے' اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب ہے اور اس کے (احیاناً) ترک کرنے پر عتاب اور ملامت ہے اور سزا نہیں ہے' نیز علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فعل کو دائماً کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو وہ سنت مؤکدہ کی دلیل اور علامت ہے جیسے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے' آپ نے اس کو کبھی ترک نہیں فرمایا' اور جس فعل کو آپ نے کبھی کبھی ترک فرمایا وہ سنت غیر مؤکدہ کی دلیل اور علامت ہے' اور جس فعل کو آپ نے دائماً کیا ہو' کبھی ترک نہ فرمایا ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' وہ وجوب کی دلیل اور علامت ہے۔
(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث

بعض علماء ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب کہتے ہیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ وجوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے ثابت ہوتا ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ تک ڈاڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہو۔ بعض علماء وجوب پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائماً قبضہ تک ڈاڑھی رکھی اور کبھی اس کا ترک نہیں کیا اور یہ وجوب کی دلیل ہے' ہم کہتے ہیں کہ صرف دوام سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ نے اس فعل کے ترک پر انکار بھی فرمایا ہو جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے اور علامہ ابن ہمام کی بھی یہی تحقیق ہے' اور کسی حدیث میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنے پر انکار فرمایا ہو' نیز آپ وضوء میں ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کرتے تھے اور یہ بالاتفاق واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے' ہمارا موقف یہ ہے کہ نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈاڑھی منڈانے والے مجوسی پر انکار فرمایا (المصنف ج ۸ ص ۳۷۹) نیز ڈاڑھی رکھنا اسلام اور مسلمانوں کا شعار ہے' البتہ قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے' لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق آسکے'

کیونکہ احکام میں عرف کا اعتبار ہے' علامہ شامی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی شرعاً مقدار معین نہ ہو اس میں مبتلا بہ کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے۔ (ردالمحتار ج ا ص ۱۲۸ مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

خشخشی ڈاڑھی یا فرنچ کٹ ڈاڑھی سے یہ تقاضا پورا نہیں ہوتا' یہ ایک فنی بحث ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ لمبی اور دراز ڈاڑھی رکھی جائے جو سینہ کے بالائی حصہ کو بھر لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی لمبی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔

کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟

علامہ سید طحطاوی لکھتے ہیں:

''قنیہ'' میں مذکور ہے کہ سنت (موکدہ) کا تارک فاسق ہے (صحیح یہ ہے کہ فرض کا تارک اور حرام کا مرتکب فاسق ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور اس کا منکر بدعتی ہے اور ''تلویح'' میں مذکور ہے کہ سنت موکدہ کو ترک کرنا حرام کے قریب ہے اور اس کا تارک شفاعت سے محروم ہونے کا مستحق ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا' اور شیخ زین نے ''شرح المنار'' میں لکھا ہے کہ سنت موکدہ کے ترک سے گنہ گار ہوگا لیکن یہ گناہ ترک واجب کے گناہ سے کم ہوگا۔ (حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۲۹ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

علامہ طحطاوی نے ''تلویح'' کے حوالہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے: جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا' یہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے' اور یہ حدیث احادیث صحیحہ کے خلاف ہے' جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے میری شفاعت ہے[1] اور سنت کا ترک گناہ کبیرہ نہیں ہے' فرض کا ترک یا حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور سنت کے ترک کا گناہ ترک واجب کے گناہ سے بھی کم درجہ کا ہے' اگر بالفرض یہ حدیث ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جو سنت موکدہ کو بہ طور تخفیف یا بہ طور انکار ترک کرے' علامہ شامی نے ابن الحاج کی ''شرح تحریر'' کے حوالے سے لکھا ہے: جو شخص بلا عذر سنت موکدہ کو بہ طور اصرار ترک کرے وہ ملامت کئے جانے اور عذاب کا مستحق ہوگا لیکن سنت موکدہ کے ترک کا گناہ ترک واجب کے گناہ سے کم ہے (اور اگر کبھی کبھی سنت موکدہ کو ترک کرے تو وہ صرف ملامت کا مستحق ہے)۔ (ردالمحتار ج ا ص ۴۵۲۔ ۷۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

''کن فیکون'' کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صرف یہ فرماتا ہے: ''ہوجا'' تو وہ ہو جاتی ہے ○ (البقرہ: ۱۱۷)

اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس چیز کو یہ خطاب (ہوجا) اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہے یا اس چیز کے وجود میں آنے کے بعد ہے' اگر اس چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو خطاب ہے تو یہ خطاب بالمعدوم ہے اور یہ باطل ہے اور اگر اس کے وجود میں آنے کے بعد اس کو خطاب ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یہ بھی باطل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''کن'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو فوراً پیدا کر دیتا ہے اور جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کے لئے تفکر' تدبر' معاینہ اور تجربہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''کن'' سرعت تخلیق سے استعارہ ہے۔

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم تھا' اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی صورت علمیہ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے: '' کــــن '' یعنی خارج میں موجود ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے' پس تحصیل حاصل لازم آئی نہ خطاب بالمعدوم۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر لفظ '' کـــن '' سرعت تخلیق سے استعارہ ہے تو پھر زمین اور آسمان کی پیدائش چھ دنوں میں کس طرح ہوئی اور انسان کی پیدائش نو ماہ میں کیوں ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی پیدائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے تدریج مقدر کی ہے اور اس تدریج کے لئے جتنا عرصہ مقرر کیا ہے وہ اس عرصہ کے بعد فوراً ہو جاتی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو جب اور جتنے وقت میں پیدا کرنا چاہے وہ اس وقت میں علی الفور پیدا ہو جاتی ہے' بعض چیزوں کو وہ مادہ سے پیدا کرتا ہے اور بعض چیزوں کو وہ بغیر مادہ کے پیدا کرتا ہے جیسے نفس مادہ کو' یا روح کو' لیکن وہ اپنی تخلیق میں مادہ کا محتاج ہے نہ وقت کا محتاج ہے' نہ منصوبہ بندی اور تجربہ کا محتاج ہے' وہ جس چیز کو جب چاہتا ہے' جیسے چاہتا ہے' جتنے عرصہ میں چاہتا ہے فوراً پیدا کر دیتا ہے' یہی '' کن فیکون '' کا مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جاہلوں (مشرکوں) نے کہا: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اس سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ (البقرہ: ۱۱۸)

مشرکین کے فرمائشی معجزات اور مطالبات پورا نہ کرنے کی وجوہ

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکوں نے کہا: اللہ ہم سے کلام کر کے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق کیوں نہیں بتاتا تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ وہ نبی ہیں اور ہم ان پر ایمان لے آئیں' یا ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں آتی جو ان کی نبوت پر دلالت کرے' اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ یا پچھلی امتوں کے کافروں نے بھی اسی طرح کہا تھا' سرکشی' ہٹ دھرمی' بے ہودہ مطالبوں اور ایمان نہ لانے میں ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں' ایمان لانے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں۔

جاہل اور مشرک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے مطالبات کرتے تھے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(بنو اسرائیل: ۹۳۔۹۰)

اور انہوں نے کہا: ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ۝ یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو' پھر آپ اس کے درمیان بہتی ہوئی نہریں جاری کر دیں ۝ یا جیسے آپ نے کہا ہے آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں ۝ یا آپ کے لئے سونے (کی دھات) کا گھر ہو' یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں' اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں' آپ کہہ دیجئے: میرا رب (ایسے لایعنی مطالبات کو پورا کرنے سے) پاک ہے' میں تو صرف بشر رسول ہوں ۝

جس طرح مشرکین مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان لانے کیلئے بے سروپا مطالبات کیے تھے اسی طرح اس سے پہلے یہودیوں نے بھی حضرت موسیٰ سے ایسے ہی مطالبات کیے تھے انہوں نے میدان تیہ میں کہا: ہم ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کریں گے انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا: ہمارے لئے بھی ایسا خدا بنادو جیسا ان لوگوں کا خدا ہے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا: ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو بالکل ظاہر نہ دیکھ لیں!

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ان مطالبات کو جو پورا نہیں کیا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک نشانی پیش کر دی تو وہ ایک مکلف اور انصاف پسند شخص کے ایمان لانے کیلئے کافی ہے اور وہ نشانی قرآن مجید ہے جس کی نظیر لانے سے آج تک ساری دنیا عاجز ہے اور جو شخص کج بحث' کٹ حجت اور ہٹ دھرم ہو اس کے لئے ہزاروں نشانیاں بھی ناکافی ہیں' اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک یقین کرنے والے لوگوں کے لئے ہم نے نشانیاں بیان فرمادی ہیں۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ (العنکبوت: ۵۱۔ ۵۰)

اور کافروں نے کہا: ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں نازل کی گئیں؟ آپ کہئے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ○ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر ایک (عظیم) کتاب نازل کی ہے جس کو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ ان فرمائشی معجزات کو نازل کرنے سے ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرمادیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ ان کے مطالبات پورے بھی کر دے تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اور ضد بحث کریں گے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانفال: ۲۳)

اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر جانتا تو ان کو ضرور سنا دیتا' اور اگر ان کو (ان کے اس حال میں) سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ لیتے ○

(۳) جس قسم کے معجزات کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا ان کو پورا کرنے کے بعد عقل کی آزمائش اور ایمان بالغیب کی کوئی گنجائش نہ رہتی اور یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے کہ ایمان لانے میں عقل کے امتحان کا کوئی دخل نہ ہو اور غیب پر ایمان نہ ہو' کیونکہ جب سب لوگ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے اور خدا کو بھی دیکھ لیتے تو پھر ایمان بالغیب نہ رہتا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرے اور پھر اس کے بعد ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک اور ملیا میٹ کرنے کے لئے آسمانی عذاب نازل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ وعدہ کر چکا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے آسمانی عذاب نہیں آئے گا' اب اگر ان کے مطالبات پورے ہونے کے بعد یہ ایمان نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہ کرتا تو یہ اس کی سنت کے خلاف تھا اور عذاب نازل کر دیتا تو یہ اس کے وعدہ کے خلاف تھا۔

(۵) جس قدر کثرت کے ساتھ یہ معجزات کا مطالبہ کر رہے تھے اگر اتنے کثیر معجزات آ جاتے تو پھر معجزہ معجزہ نہ رہتا بلکہ عادت اور معمول کے مطابق ایک کام ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے' اور جہنمیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا○ (البقرہ: ۱۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث

جب کفار نے ضد اور عناد سے اپنے فرمائشی معجزات کے مطالبہ پر اصرار کیا اور ایمان نہیں لائے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر نشانیاں نازل کر دی تھیں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان نہ لانے پر رنج اور افسوس ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کا کام تو صرف ایمان لانے والوں کو بشارت دینا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ سے ڈرانا ہے' پھر بھی اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو آپ سے ان دوزخیوں کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا گیا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث معضل الاسناد اور ضعیف ہے اور حجت نہیں ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۱' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ہم نے کتاب (التذکرہ) میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماں باپ کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نجات یافتہ ہونے کے متعلق متعدد مسلک ہیں:

مسلک اول: آپ کے والدین کریمین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور جو بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے ان کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا○ اور ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں○ (بنی اسرائیل: ۱۵)

یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی اور ابوین کریمین کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی' انبیاء سابقین کا زمانہ اس سے بہت بعید تھا کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت (انقطاع نبوت) چھ سو سال ہے' پھر وہ زمانہ جاہلیت میں تھے اور اس وقت شرق اور غرب میں جہالت پھیل چکی تھی' دنیا کے چند علاقوں میں گنتی کے علماء اہل کتاب تھے' اس کے علاوہ شریعت کی معرفت کے ذرائع معدوم ہو چکے تھے اور آپ کے والدین شریفین نے کہیں سفر نہیں کیا صرف آپ کے والد گرامی ایک بار مدینہ منورہ گئے اور انہوں نے زیادہ عمر نہیں پائی' جب حضرت آمنہ امید سے ہوئیں تو اس وقت حضرت عبد اللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی' اس وقت آپ مدینہ گئے اور وہیں وفات پائی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کی تھی تو حضرت آمنہ غالباً اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں اور وہیں فوت ہو گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔
مسلک ثانی: آپ کے ابوین کریمین سے شرک صادر نہیں ہوا' بلکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسے اور بھی کئی عرب تھے' مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہما' امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب ''اسرار التنزیل'' میں لکھا ہے: آذر حضرت ابراہیم کے والد نہیں چچا تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کافر نہیں تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۹)
جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ○ اور دیکھتا ہے سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ○

یعنی آپ کا نور ہمیشہ سجدہ کرنے والوں میں ایک دوسرے سے منتقل ہوتا رہا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. (التوبہ: ۲۸)
سب مشرکین محض نجس ہیں۔

اور آپ نے فرمایا: میں ہمیشہ طاہرین کی پشتوں سے طاہرات کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا' اس لیے واجب ہے کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو' (امام رازی کا کلام ختم ہوا) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور خیر تھے کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر قرن میں بنو آدم کے خیر قرن سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ وہ قرن جس میں میں مبعوث ہوا' اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب بھی لوگوں کے دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے خیر میں رکھا' میں اپنے ماں باپ سے پیدا کیا گیا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے نہیں چھوا' حضرت آدم سے لے کر میرے والدین تک میں (ہمیشہ) نکاح سے پیدا ہوا' زنا سے پیدا نہیں ہوا' میں تم سے خیر (افضل) ہوں اور میرے باپ تمہارے باپ سے خیر ہیں' اور امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر دور میں روئے زمین پر کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے' اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ. (البقرہ: ۲۲۱)
اور غلام مومن مشرک سے خیر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء ہر زمانہ کے لوگوں میں خیر تھے اور خیر مومن ہے' اور ہر زمانہ میں مومن تھے تو ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء ہر زمانہ میں مومن تھے۔

مسلک ثالث: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ابوین کریمین کو زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے' امام ابن شاہین' حافظ ابوبکر خطیب بغدادی' علامہ سہیلی' علامہ قرطبی' محب طبری اور علامہ ناصر الدین وغیرہ کا یہی مسلک ہے' انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں' خطیب بغدادی نے ''السابق واللاحق'' میں' امام دارقطنی اور امام ابن عساکر نے ''غرائب'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا' پھر میرے ساتھ ایک گھاٹی پر حجون میں آئے دراں حالیکہ آپ غمزدہ تھے اور رو رہے تھے' آپ کافی دیر ٹھہرے رہے' پھر میرے پاس لوٹے' اس وقت آپ خوش تھے اور مسکرا رہے تھے' آپ نے فرمایا: میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا' میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کر دے' اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا' وہ مجھ پر ایمان لائیں' پھر اللہ نے ان کو لوٹا دیا' یہ حدیث محدثین کے اتفاق سے ضعیف ہے' بلکہ ایک قول یہ ہے کہ موضوع ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ

یہ ضعیف ہے' یہ موضوع نہیں ہے' میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے' علامہ سہیلی نے ''الروض الانف'' میں ایک سند سے روایت کیا ہے' جس میں مجہول راوی ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کر دے' اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا' وہ آپ پر ایمان لے آئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' اس کے بعد علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے' اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لائق ہیں کہ وہ ان کو اس خصوصیت کے ساتھ اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابوین کریمین کو زندہ کرنے کی حدیث اور ان کے لیے استغفار کی ممانعت میں کوئی تعارض نہیں ہے (کیونکہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا ان کے حق میں معصیت کا وہم پیدا کرتا ہے)' علامہ قرطبی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بے شمار ہیں اور ابوین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً و شرعاً محال نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کرنے اور اپنے قاتل کی خبر دینے کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے کسی نے پوچھا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد دوزخ میں ہیں' اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے (الاحزاب: ۵۷) اور آپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ایذا ہوگی کہ آپ کے والد کو جہنمی کہا جائے (صحیح مسلم کی جس حدیث میں ہے: میرا باپ اور تمہارا باپ جہنم میں ہے اس میں باپ کا اطلاق چچا پر ہے اور اس سے مراد ابو طالب ہے)۔

علامہ باجی نے بھی ''المنتقی'' میں اسی طرح لکھا ہے۔ امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت طلق بن علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پالیتا' میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور وہ مجھے یا محمد کہہ کر پکارتے تو میں لبیک کہتا۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۲۰۲ ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عزت دی کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کو علامہ قرطبی اور حافظ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے' اور انہوں نے خلاف قاعدہ موت کے بعد ایمان کا نفع پایا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے جیسے بنو اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں: احادیث صحیحہ میں ہے کہ ابو طیبہ اور حضرت ابن الزبیر نے آپ کے اس خون کو پی لیا جو آپ نے ان کو پھینکنے کے لیے دیا تھا' آپ نے فرمایا: میرا خون جس خون کے ساتھ مل گیا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی تو جس کے شکم میں اس کے خون اور دودھ سے آپ کی پرورش ہوتی رہی اور جو آپ کی خلقت کی اصل ہیں وہ دوزخ سے کیونکر نہ محفوظ ہوں گے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۵' مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ' کوئٹہ)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کی ملت کی

مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

پیروی کریں' آپ کہیے کہ اللہ کی (دی ہوئی) ہدایت ہی (حقیقت میں) ہدایت ہے' اور (اے مخاطب!) جب کہ

اَهْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

تیرے پاس علم آچکا ہے اس کے بعد (بھی) تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو تجھے اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے

وقف منزل

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ

نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار O جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس کی اس طرح

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے' وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور جو اس کا کفر کرتے ہیں

ع ۱۴ ۹ ۱۴

فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

سو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

یہود و نصاریٰ کی عدم اطاعت کی خبر کا قرب قیامت میں ان کے ایمان لانے کی آیت سے تعارض ...... اور اس کا جواب

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتادیا تھا کہ اگر یہود و نصاریٰ آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں' یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور نہ آپ سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی' مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں تو اس سے یہود کو یہ امید ہو چلی تھی کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محرف شدہ دین میں ان کی موافقت کرلیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور یہود و نصاریٰ کے ایمان لانے کی توقع کو منقطع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت یعنی ان کے تحریف شدہ دین کی پیروی نہ کرلیں اور ظاہر ہے کہ یہ محال ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو بتادیں کہ حقیقت میں ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی ان کا محرف شدہ دین ہدایت نہیں ہے' ملت کا معنی ہم "مالك يوم الدين" کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور سورہ نساء میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے اور یہ کھلا ہوا تعارض ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ (النساء: ۱۵۹)

اور عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں یہود و نصاریٰ کے حسد اور بغض کی وجہ سے ان کے ایمان لانے کی نفی فرمائی ہے اور قرب قیامت میں نزول مسیح کے وقت جب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو دین اسلام اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کا حسد اور بغض زائل ہو جائے گا اور ان پر آپ کی حقانیت واضح ہو جائے گی اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

بعض آیات میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب ہونا

اس کے بعد فرمایا ہے: اگر آپ نے وحی نازل ہونے کے بعد بھی بہ فرض محال یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو (معاذ اللہ) اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا' اس آیت میں مسلمانوں سے تعریضاً خطاب ہے' تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحۃً اور بہ ظاہر کسی سے خطاب ہو اور حقیقتاً دوسروں سے خطاب ہو' اسی طرح اس آیت میں بھی بہ ظاہر صراحۃً تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور تعریض عام مسلمانوں سے ہے' یعنی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اتباع کرنا محال ہے' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ وعید سنائی ہے تو عام مسلمانوں کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہے۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ . (الزمر: ۶۵) اگر (بہ فرض محال) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت میں بھی عام مسلمانوں کو تعریض ہے' بہ ظاہر صراحۃً خطاب آپ سے ہے اور مراد عام مسلمان ہیں' یعنی اگر چہ آپ کا شرک کرنا محال ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس محال کی تقدیر پر جب یہ وعید سنائی ہے تو اگر عام مسلمان شرک کریں تو ان کی طرف یہ وعید بہ طریق اولیٰ متوجہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے' وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۲۱)

تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں یا مسلمان' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیات میں بھی اہل کتاب کا ذکر ہے اور پہلے اہل کتاب میں ان لوگوں کی مذمت کی تھی جنہوں نے تورات میں تحریف کی اور کج بحثی اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا' اور اب ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے تحریف نہیں کی' تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں پڑھ کر آپ پر ایمان لے آئے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ' اور تورات کی تلاوت کرنا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بغیر تحریف کے پڑھنا' یا اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کرنا' دوسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کرنے کا حق ہے' اس آیت میں کتاب کی تلاوت کرنے کی تعریف کی ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے اور یہ صفت صرف قرآن مجید کی ہے' تورات اور انجیل کی نہیں ہے' کیونکہ ان کی تلاوت اب جائز نہیں ہے' حافظ الہیثمی نے امام بزار کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات پڑھ رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اگر اب موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۴ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

اس لیے متعین ہو گیا کہ یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ:

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے معانی میں غور و فکر کرنا۔

(۲) اگر جنت یا آیت رحمت کو پڑھے تو اس کو طلب کرے۔ عذاب کی آیت پڑھے تو اس سے پناہ مانگے' اگر نیک لوگوں کی صفات پڑھے تو ان کو اپنانے کی دعا کرے' برے لوگوں کا ذکر پڑھے تو ایسے اعمال سے محفوظ رہنے کی دعا کرے' احکام کی آیات پڑھے تو ان پر عمل کرنے کی توفیق طلب کرے۔

(۳) قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرے کہ اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔

(۴) قرآن مجید کو خشوع اور خضوع سے پڑھے' آیات غضب کو پڑھ کر اس پر خوف طاری ہو اور اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں' اپنے گناہوں پر اشک ندامت بہائے۔

(۵) قرآن مجید کی محکم آیات پر عمل کرے' متشابہات پر ایمان لائے اور ان کا معنی اور مراد اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب کا ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ

اے بنو اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں' اور

اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ

بے شک میں نے تم کو (تمہارے زمانہ میں) تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے ○ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

کسی شخص کی طرف سے کوئی بدلہ نہیں دے سکے گا' اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ (تاوان) قبول کیا جائے گا اور نہ کسی

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ

شخص کو (بلا اذن) کسی کی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش

بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ

کی تو انہوں نے ان (سب) کو پورا کر دیا' اللہ نے فرمایا: بے شک میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' (ابراہیم نے) کہا:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور میری اولاد سے بھی' اللہ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ○

نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا

پہلی دو آیتوں کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۴۸‘ ۴۷ میں گزر چکی ہے‘ تیسری آیت میں ارشاد ہے:

اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش کی۔ (البقرہ: ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے پہلے تفصیل سے بنو اسرائیل پر کیے گئے انعامات کو بیان فرمایا‘ پھر یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنے دین اور اعمال میں کیا کیا بدعات اور خرابیاں پیدا کیں‘ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا‘ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے شخص ہیں کہ تمام ادیان اور مذاہب کے پیروکار ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور مشرکین مکہ بھی اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں اور خدام حرم ہیں‘ اور یہود و نصاریٰ بھی ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کی اولاد سے ہونے کا شرف ظاہر کرتے تھے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جس سے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے دین کا ان سب پر حجت ہونا لازم آتا ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خصوصیت حج بیت اللہ ہے‘ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ بیت اللہ کا حج حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور اس کا داعی صرف اسلام ہے‘ اس لیے جو حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو ماننا واجب ہے۔

(۲) جب کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا تو یہود نے اس کا برا منایا‘ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم کو ماننے والے ہو اور یہ کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے تو اس کے قبلہ بنائے جانے پر تو تمہیں ناراض ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق بدن کی صفائی اور پاکیزگی سے تھا اور یہ طہارت صرف دین اسلام میں ہے‘ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کو مانیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج‘ چاند اور ستاروں کی خدائی کا انکار کیا اور بت پرستی کا رد کیا اور اسلام بھی اسی کا داعی ہے۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کرا دیا‘ اور اس تاریخ کو سنت ابراہیم کے مطابق قربانی کرنا صرف دین اسلام میں ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔

(سنن ابن ماجہ ۲۲۶)

ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کلمات سے آزمائش کی گئی ان کے متعلق متعدد اقوال ہیں‘ ایک قول یہ ہے:

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیس کلمات سے آزمائش کی گئی جن میں سے دس کا ذکر سورہ توبہ میں‘ دس کا ذکر سورہ احزاب میں اور دس کا ذکر سورہ مومنون میں ہے‘ سورہ توبہ میں جن دس

کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (التوبہ: ۱۱۲)

توبہ کرنے والوں' عبادت کرنے والوں' حمد کرنے والوں' روزہ رکھنے والوں' رکوع کرنے والوں' سجدہ کرنے والوں' نیکی کا حکم دینے والوں' برائی سے روکنے والوں' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں' اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ○

سورہ احزاب میں ان دس کلمات کا ذکر ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ (الاحزاب: ۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں' اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں' اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں' اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ○

اور سورہ مومنون میں جن دس کلمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ (المؤمنون: ۹-۱)

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے ○ جو اپنی نماز خشوع سے پڑھتے ہیں ○ اور جو بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں ○ اور جو زکوۃ دیتے ہیں ○ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ○ ماسوا اپنی بیویوں اور باندیوں کے' بے شک اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں ○ اور جو اس کے سوا کسی اور کو طلب کرے تو وہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں ○ اور جو اپنی نماز کی (قضا ہونے سے) حفاظت کرتے ہیں ○

اور طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دس کلمات سے آزمائش کی گئی' پانچ کا تعلق سر کی طہارت سے اور پانچ کا تعلق باقی جسم کی طہارت سے ہے' وہ دس کلمات یہ ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں (سنت ہیں): مونچھیں کم کرنا' ڈاڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن تراشنا' انگلیوں کے جوڑ دھونا' بغل کے بال نوچنا' زیر ناف بالوں کو مونڈنا' استنجاء کرنا' راوی نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا البتہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ان دس چیزوں کی مکمل تشریح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں کر دی ہے۔

اور حنش نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کلمات کی تفسیر میں جسمانی طہارت کے علاوہ مناسک حج کا بھی ذکر کیا ہے اور ان میں طواف' سعی' رمی جمار اور وقوف عرفات کا ذکر کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۱۵۔ ۴۱۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں تم کو (تمام) لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۱۲۴)

امام کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے' خواہ وہ انسان ہو جس کے قول اور فعل کی اطاعت اور اتباع کی جائے' یا کتاب ہو جس میں مذکور احکام کی اطاعت کی جائے' اور خواہ وہ امام حق ہو یا باطل' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ (بنو اسرائیل: ۷۱) جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس آیت میں امام سے مراد وہ شخص ہے جس کی اقتداء کی گئی ہو' خواہ وہ حق ہو یا باطل' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کتاب ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ○ (یٰس: ۱۲) اور ہم نے ایک روشن کتاب میں ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے ○

اس آیت میں امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ (المفردات ص ۲۴' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی

جب امام کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی منہاج نبوت پر امور دین میں پیروی کی جائے' اور اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام' خلفاء راشدین' قضاۃ' فقہاء' ائمہ اور نماز کے امام ہیں' انبیاء علیہم السلام اس لیے امام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امور دین میں ان کی اتباع اور اقتداء لازم کر دی ہے اور خلفاء راشدین اس لیے امام ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء لازم کر دی ہے' حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سنت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء راشدین کی پیروی کرو[1] اور قضاۃ' فقہاء' ائمہ مجتہدین' اور ائمہ تفسیر و حدیث بھی امام ہیں کیونکہ یہ سب اولی الامر میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ (النساء: ۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

اور نماز کے امام کو اس لیے امام کہا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام کو اس لیے امام بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ قیام کرے تو قیام کرو' جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو سجدہ کرو۔[۱] انبیاء علیہم السلام کا امامت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے' پھر خلفاء راشدین ہیں' پھر علماء' فقہاء' ائمہ مجتہدین' عادل قاضی اور نماز کے امام ہیں' اور جب امام سے مراد امام باطل ہو تو اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہوتا ہے جس سے اس پر دلالت ہو کہ یہاں امام باطل مراد ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ. (التوبہ: ۱۲) کفر کے اماموں سے قتال کرو۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ. (القصص: ۴۱) اور ہم نے ان کو ایسا امام بنایا کہ وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔

ہر چند کہ امام کا اطلاق' خلفاء راشدین' فقہاء' ائمہ مجتہدین اور ائمہ مساجد پر بھی ہوتا ہے لیکن اس جگہ امام سے مراد نبی ہے' کیونکہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بہ طور امتنان اور احسان ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس سے امامت کا اعلیٰ درجہ مراد لیا جائے اور وہ نبوت ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ الناس میں لام استغراق ہے اور اس کا معنی ہے: میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں' اور جو تمام لوگوں کا امام ہو وہ نبی ہوتا ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد امام معصوم ہے کیونکہ جب حضرت ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد سے بھی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا' اور امام معصوم صرف نبی ہوتا ہے' اس لیے اس آیت میں امام سے مراد نبی ہے۔

تمام مسلمانوں کے امیر کو بھی امام کہتے ہیں' اس کی تعریف یہ ہے: جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور خلیفہ ہو اور اس کو دین اور دنیا کے تمام امور میں ریاست عامہ حاصل ہو' علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ امت کے لیے ایک امام ضروری ہے جو دین کے احکام کو زندہ کرے' سنت کو قائم کرے' مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے اور حق داروں کو ان کے حقوق پہنچائے' امام کے تقرر کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مکلف ہو' مسلمان ہو' نیک ہو' آزاد ہو' مرد ہو' مجتہد ہو' بہادر ہو' صاحب رائے ہو' سمیع' بصیر اور ناطق ہو اور قرشی ہو' اس کے لیے ہاشمی ہونا' معصوم ہونا اور سب سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۴۳۔ ۲۳۲' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

اہل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و نظر

محققین شیعہ کی کتاب ''تفسیر نمونہ'' میں لکھا ہے:

دنیاوی حکومت یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی حدود کو جاری کرنا' اور دینی تربیت یعنی لوگوں کے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق اور پاک اور صاف بنانا ان دونوں منصبوں کا مجموعہ امامت ہے' اور یہ مرتبہ رسالت اور نبوت سے بلند تر ہے' کیونکہ رسالت اور نبوت سے صرف اللہ کے احکام کی تبلیغ کی جاتی ہے' ڈرایا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے' اور امامت میں اس کے ساتھ ساتھ ظاہر اور باطن کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ امامت کا معنی صرف اراءت طریق (نیکی کا راستہ دکھانا) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ایصال بہ مطلوب (صالح مومن بنا دینا) ہے۔ امام کا یہ منصب بارہ اماموں پر صادق آتا ہے' اور بعض بزرگ انبیاء علیہم السلام کو بھی امامت کا یہ منصب حاصل ہے۔

نبوت کا معنی ہے: اللہ کی وحی کو حاصل کرنا' رسالت کا معنی ہے: وحی الٰہی کی تبلیغ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک

[۱] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

پہنچانا' اور امامت کا معنی ہے: دنیا میں احکام الٰہی کو جاری کرنا اور خلق خدا کے ظاہر اور باطن کو نیک بنانا' خلاصہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب اراءت طریق ہے اور امامت کا مرتبہ ایصال بہ مطلوب ہے۔

(تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۴۱ ـ ۴۳۸' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

علماء شیعہ کا یہ کہنا کہ امامت کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے' اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر اماموں کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں کو مومن بنا دیتے اور کوئی کافر' مشرک اور فاسق و فاجر باقی نہ رہتا' "تفسیر نمونہ" میں اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ ائمہ لوگوں کو جبراً مسلمان نہیں بناتے بلکہ ان کو ان کے اختیار سے مسلمان کرتے ہیں جیسے سورج موجودات کی تربیت کرتا ہے یا بارش زمین کو زندہ کرتی ہے' پھر بھی بہت سی زمینیں مردہ ہیں۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۴۵)

اس جواب سے ان کو نجات نہیں ملے گی' یہ جواب اس وقت صحیح ہوتا جب ائمہ کا منصب صرف اراءت طریق یعنی راستہ دکھانا ہوتا خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے' لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا منصب ایصال بہ مطلوب ہے اور ظاہر اور باطن میں ہدایت کو پہنچانا ہے تو کیوں نہ ائمہ نے کافروں اور فاسقوں کے باطنوں میں انقلاب برپا کیا اور ان کے دلوں کی کجی کو سیدھا کیا اور کیوں نہ ان کو مسلمان اور صالح بنایا' اس اعتراض سے ان کی جان نہیں چھوٹ سکتی حتیٰ کہ شیعہ یہ اقرار کرلیں کہ ایصال بہ مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ائمہ دونوں کا منصب اراءت طریق یعنی راستہ دکھانا ہے' ائمہ کو انبیاء سے بڑھانے کے شوق میں شیعہ نے یہ کہا کہ انبیاء اور مرسلین صرف اراءت طریق کرتے ہیں اور ائمہ ایصال بہ مطلوب کرتے ہیں۔

امامت کو نبوت اور رسالت سے بڑھانے کے لیے شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو نبوت کے بعد امامت ملی' اس سے معلوم ہوا کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے' یہ کہنا بھی غلط ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانے سے شیعہ کی اختراعی امامت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بعد میں آنے والے تمام انبیاء اور مرسلین کا مبدا اور باپ بنا دیا اور بعد کے تمام انبیاء آپ کی نسل سے مبعوث ہوئے۔

علماء شیعہ کا بارہ اماموں کو انبیاء اور رسل سے افضل اور بلند تر قرار دینا صریح کفر ہے اور بداہۃً باطل ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۳۳﴾ (آل عمران: ۳۳)	بے شک اللہ نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر بزرگی دی ہے O

آل ابراہیم اور آل عمران میں ان کی اولاد میں سے انبیاء مراد ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں وہ ائمہ بھی داخل ہیں جو نبی نہیں ہیں' پس ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ان سے افضل ہیں' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ کُلًّا ہَدَیۡنَا ۚ وَ نُوۡحًا ہَدَیۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡسُفَ وَ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿ۙ۸۴﴾ وَ زَکَرِیَّا وَ یَحۡیٰی وَ عِیۡسٰی وَ اِلۡیَاسَ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿ۙ۸۵﴾ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ وَ یُوۡنُسَ وَ لُوۡطًا ؕ وَ کُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۸۶﴾	اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے سب کو ہدایت دی' اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی' اور ان کی اولاد سے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی' اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O اور زکریا' یحیٰی' عیسیٰ اور الیاس' یہ سب صالحین میں سے

ہیں O اور اسماعیل' الیسع' یونس اور لوط (کو بھی ہم نے ہدایت دی)' اور ہم نے سب کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی O (الانعام: ۸۶۔۸۴)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از حضرت نوح تا آخر تمام نبیوں کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہان والوں میں غیر نبی ائمہ بھی ہیں' لہٰذا غیر نبی اماموں کا انبیاء اور رسل سے افضل ہونا باطل ہو گیا۔

امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور بحث ونظر

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

تمام علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام تمام گناہوں سے از اول عمر تا آخر معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ' سہواً ہوں یا عمداً اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) امام کو مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ رعیت سے گناہوں کا صدور جائز ہے' اس لیے کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو ان کو گناہوں سے باز رکھے' اگر امام سے بھی گناہ کا صدور جائز ہو تو اس کے لیے ایک اور امام کی ضرورت ہوگی اور اگر اس سے بھی گناہ کا صدور جائز ہو تو اس کے لیے پھر ایک اور امام کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور وہ باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے' لہٰذا امام کا معصوم نہ ہونا باطل ہے۔ یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امت کو گناہوں سے باز رکھنے کے لیے نبی کا وجود کافی ہے اور نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کی وفات کے بعد اس کی تعلیمات کافی اور وافی ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے' اگر امام معصیت کرے گا تو امت کے علماء اور فقہاء قرآن اور حدیث سے اس کی معصیت کی نشان دہی کریں گے اور اگر وہ معصیت پر اصرار کرے گا تو وہ اس کو بشرط استطاعت معزول کر دیں گے۔

(۲) قرآن مجید اور احادیث میں تمام احکام کی تفصیل نہیں ہے' اور غیر معصومین کا اجماع حجت نہیں ہے' لہٰذا شریعت کی حفاظت کے لیے اور احکام کی تفصیل کے لیے امام معصوم کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ اگر امام معصوم نہ ہو تو اس کی بتائی ہوئی تفصیل پر اعتماد نہیں ہوگا۔

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے' کیونکہ اجماع علماء حجت ہے' اگرچہ انفرادی طور پر ہر عالم کی رائے غلط ہو سکتی ہے' لیکن جب کسی زمانہ کے تمام علماء کسی رائے پر متفق ہو جائیں تو وہ حجت ہوگا' کیونکہ کل اور جز کے احکام متغایر ہوتے ہیں' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایک سے دو بہتر ہیں' دو سے تین بہتر ہیں' تین سے چار بہتر ہیں' تم جماعت کے ساتھ لازم رہو' کیونکہ اللہ عزوجل میری امت کو صرف ہدایت پر ہی مجتمع کرے گا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نیز فرمایا: میں نے اللہ عزوجل سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اور امام ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔[1] اور امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی' کسی کی مخالفت اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔[2] نیز

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

اجتہادی مسائل میں صرف ظن غالب پر عمل کر لینا کافی ہے' خود شیعہ حضرات تمام فروعی مسائل میں ہر دور میں زندہ مجتہد کے اجتہاد اور اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں' امام غائب کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہتے' ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام حسن عسکری کا ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا' اس وقت امام محمد بن الحسن جن کو قائم' امام غائب اور امام منتظر کہتے ہیں' ان کی عمر پانچ سال تھی' وہ اس وقت سے غائب ہیں[1] تو گویا ۲۶۵ھ سے تمام شیعہ کسی امام معصوم کے بغیر احکام شرعی پر عمل کر رہے ہیں' لہٰذا ثابت ہوا کہ حفاظت شریعت کے لیے کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) اگر امام سے خطاء واقع ہو تو لوگ اس کو ملامت کریں گے اور یہ اس کی اطاعت کے وجوب کے منافی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ اللہ کی اطاعت کرو' اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔ (النساء: ۵۹)

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل ہے' اور صاحبان امر کی اطاعت اسی وقت واجب ہے جب وہ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق حکم دیں' امام مسلم' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر خوشی اور ناخوشی میں سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے' ماسوا اس کے کہ اس کو معصیت کا حکم دیا جائے' اگر اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس پر سننا اور اطاعت کرنا لازم نہیں ہے[2] اگر امام سے معصیت صادر ہو تو اس کو امام بنانے کی غرض فوت ہو جائے گی کیونکہ اس کو امام بنانے کی غرض یہ تھی کہ تمام امت اس کے اقوال اور افعال کی پیروی کرے۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۱۵' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران)

یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام امت پر جس کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور امام کا کام صرف اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرانا ہے' نیز امام محمد بن حسن تو ۲۶۵ھ کے بعد غائب ہو گئے تھے' تو ۲۶۵ھ کے بعد سے لے کر اب تک کون سے امام معصوم کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی لازم ہے؟

علماء شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے امام کا تقرر اور بحث ونظر

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

علماء امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مخصوص ہونا چاہیے' اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(۱) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے' اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون معصوم ہے' لہٰذا وہی امام کا تقرر کر سکتا ہے۔

یہ دلیل امام کے معصوم ہونے پر مبنی ہے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۲) تتبع اور استقراء سے معلوم ہے کہ اگر کوئی قاہر حاکم نہ ہو جو لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی اور فساد سے نہ روکے تو خلق خدا فساد کرتی ہے' اس لیے شریعت کے مطابق اصلاح کے لیے ہر زمانہ میں امام معصوم کا تقرر کرنا لازم ہے' اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے تو لازم آئے گا کہ وہ فساد سے راضی ہے اور یہ محال ہے۔

---

[1] ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون (مترجم) ج ۲ ص ۷۶۹' مطبوعہ لاہور

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فساد کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر شریعت نازل کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے' اور خلفاء راشدین اور ہر زمانہ میں علماء ربانیین اس شریعت پر عمل کرانے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں اور اس جدوجہد کے نتیجہ میں فساد کا ختم ہونا لازم نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقین فساد کرتے رہے' حضرت علی کے دور میں خارجی فساد کرتے رہے' اور اسی طرح باقی گیارہ اماموں کے دور میں فساد ہوتا رہا' نیز ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے امام معصوم منصوص ہوتا ہے جو شریعت پر عمل کرائے اور فساد دور کرے تو امام حسن عسکری متوفی ۲۶۵ھ کے بعد کون فساد کو دور کر رہا ہے؟ کیونکہ امام محمد بن حسن تو ساڑھے گیارہ سو سال سے غائب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر جو شفقت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کا کوئی خلیفہ ہو اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت امیر المومنین (علی) علیہ السلام کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی امامت کی تصریح نہیں کی۔

یہ صراحۃً غلط ہے' اس کے برعکس مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں ہی زیادہ (خلافت کا) حق دار ہوں اور اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا ہر ایک کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۶' ج ۲ ص ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر کے جاتے اس لیے ضروری ہوا کہ وفات کے وقت بھی آپ کسی کو مقرر کرتے۔

(حیات القلوب ج ۳ ص ۱۲۔ ۱۱' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ' تہران)

ہاں! لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ حضرت علی کو مقرر کرتے' آپ نے ایام مرض میں حضرت ابوبکر کو نمازوں کا امام مقرر کیا اور حضرت عائشہ سے حضرت ابوبکر کے لیے امر خلافت لکھنے کا اظہار کیا' ان تمام دلائل سے متعین ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کے بعد حضرت ابوبکر ہی خلیفہ ہونے تھے۔

علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر وجوب اور بحث ونظر

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف کرنا اور ان کے حق میں زیادہ بہتر کام کو کرنا واجب ہے' اور مسلمانوں کے لیے امام کا وجود اللہ کا لطف ہے۔

یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر بندوں کے حق میں زیادہ بہتر کام کرنا اللہ پر واجب ہو تو بندوں کے حق میں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ بغیر امام کے از خود نیک کام کریں' کیونکہ کسی کے نیک بنانے کے بعد نیک بننے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان از خود نیک ہو' اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(٢) تحریف' تغییر' زیادتی اور کمی سے حفاظت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا کوئی محافظ ضروری ہے' اور قرآن مجید میں جو احکام مجمل ہیں ان کی تفصیل کے لیے اور استنباط احکام کے لیے امام ضروری ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کاغذ اور قلم طلب کیا تھا تاکہ آپ امت کے لیے ایسا مکتوب لکھ دیں جس کے بعد امت ہرگز گمراہ نہ ہو سکے' لیکن ایک شخص نے کہا: ہمیں قرآن کافی ہے' حالانکہ وہ شخص قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر نہیں جانتا تھا' اور امام باقر نے معتبر سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈرانے والے تھے اور ہدایت دینے والے حضرت علی تھے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍO (الرعد: ٧) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک ہدایت دینے والا ہےO

اور سند صحیح کے ساتھ امام باقر سے منقول ہے کہ اس آیت میں ھادی سے مراد امام ہے یعنی ہر زمانہ میں اللہ کی طرف سے لوگوں کا ایک امام ہوگا جو ان کو ہدایت دے گا اور حلال اور حرام بیان کرے گا۔

(حیات القلوب ج ٣ ص ٢-٣ 'ملخصاً' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ' تہران)

یہ دلیل کئی مغالطہ آفرینیوں پر مبنی ہے' قرآن مجید کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے' اس کے لیے الگ محافظ کی ضرورت نہیں ہے' اور قرآن مجید کے احکام کی تفصیل اور استنباط مسائل کے لیے احادیث اور ائمہ مجتہدین کافی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کاغذ اور قلم لانے کا حکم فرمایا تھا یہ حتمی حکم نہیں تھا ورنہ آپ کو کاغذ اور قلم منگوانے سے کون روک سکتا تھا' اور حضرت عمر کا منع کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت مرض میں زحمت نہ دینے کے لیے آپ کی محبت کے پیش نظر تھا' دین مکمل ہو چکا تھا اور تکمیل دین کی آیت نازل ہو چکی تھی' اگر حضرت عمر کا جواب غلط تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مسترد کر دیتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ کے سامنے کوئی غلط بات کہی جائے اور آپ اس پر سکوت فرمائیں' اور کاغذ اور قلم منگوانے سے یہ کب لازم ہے کہ آپ امام کو نامزد کرنے کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے اور اگر امام ہی کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے تو یہ کب لازم ہے کہ حضرت علی کو امام لکھوانا چاہتے تھے بلکہ آپ حضرت ابوبکر کے متعلق لکھوانا چاہتے تھے جیسا کہ ہم "صحیح مسلم" سے حضرت عائشہ کی روایت نقل کر چکے ہیں۔ حدیث قرطاس کی مکمل بحث ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد رابع میں کر دی ہے' اور رہا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈرانے والے تھے ھادی حضرت علی تھے قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے' سیاق وسباق کے ساتھ یہ آیت اور اس کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے:

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ط اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍO (الرعد: ٧) اور کافر کہتے ہیں: ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی؟ (یہ آپ کا کام نہیں) آپ تو صرف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیںO

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرانے کے ساتھ ہدایت بھی دیتے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍO (الشوریٰ: ٥٢) اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہیںO

اس سے بڑا اور کیا ظلم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ڈرانے والا اور آپ کے مقابلہ میں حضرت علی کو ہدایت دینے والا کہا جائے۔

اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

شیعہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ مانتے ہیں' اور امامیہ اور اثناء عشریہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو قائم حضرت مہدی تک بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور ان کو امام اور اللہ اور رسول کا خلیفہ جانتے ہیں اور امام کے لیے معصوم ہونے کو شرط مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی (۱) متوفی ۴۰ ھ کو امام اور خلیفہ مانتے ہیں اور ان کے بعد حضرت حسن بن علی (۲) متوفی ۴۹ ھ' اور ان کے بعد حضرت حسین (۳) متوفی ۶۱ ھ' ان کے بعد حضرت زین العابدین (۴) متوفی ۹۵ ھ' ان کے بعد حضرت محمد باقر (۵) متوفی ۱۱۴ ھ' ان کے بعد حضرت جعفر بن محمد الصادق (۶) متوفی ۱۴۰ ھ' ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر کاظم (۷) متوفی ۱۸۳ ھ' ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ الرضا (۸) متوفی ۲۰۳ ھ' ان کے بعد حضرت محمد علی تقی (۹) متوفی ۲۲۰ ھ' ان کے بعد حضرت علی بن محمد نقی (۱۰) متوفی ۲۵۴ ھ' ان کے بعد حضرت حسن بن علی عسکری (۱۱) متوفی ۲۶۰ ھ' اور ان کے بعد حجت' ابن الحسن مہدی (۱۲) کو امام منتظر مانتے ہیں- یہ پانچ سال کی عمر میں غائب ہو گئے تھے اور تا حال غائب ہیں- (حق الیقین ج ۱ ص ۲۷۹' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ' تہران' ۱۳۵۷ ھ)

امام غائب کا نام محمد بن الحسن ہے لیکن اہل تشیع کے نزدیک ان کے ظہور سے پہلے ان کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے' وہ مخالفین اور دشمنوں کے خوف سے روپوش ہیں۔ ہم نے ان تمام ائمہ کے سنین وفات ملا باقر مجلسی کی جلاء العیون سے اخذ کیے ہیں' حق الیقین میں صرف ان کے اسماء لکھے ہیں' سنین وفات نہیں ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے طریقے

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: امامت کو منعقد کرنے کے حسب ذیل طریقے ہیں:

(۱) علماء اور رؤسا میں سے ارباب حل وعقد کسی شخص کو امام منتخب کر لیں' اس میں عدد کی شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ تمام شہروں کے لوگ اس کی امامت پر اتفاق کریں۔

(۲) امام کسی شخص کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ نامزد کر دے' اور اگر وہ اس کام کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنا دے اور وہ اپنے اتفاق سے کسی شخص کو خلیفہ بنا دیں تو یہ بھی صحیح ہے' اگر امام خلافت سے دستبردار ہو جائے تو یہ اس کی موت کے قائم مقام ہے' پھر امامت ولی عہد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۳) کوئی شخص غلبہ اور طاقت سے حکومت پر قبضہ کر لے جب کہ وہ بیعت لینے اور خلافت کی تمام شرائط کا جامع ہو وہ لوگوں کو اپنی طاقت سے مقہور کرے تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی' اسی طرح اگر وہ شخص فاسق یا جاہل ہو تو اظہر قول کے مطابق پھر بھی اس کی امامت منعقد ہو جائے گی' الا یہ کہ وہ اپنے افعال سے معصیت کرے (یہ استثناء محل نظر ہے کیونکہ فاسق مرتکب معصیت ہی کو کہتے ہیں' بہ ظاہر یہ علامہ تفتازانی کا تسامح ہے)۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۳۳' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ ھ)

امامت کے مسائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

امام عادل ہو یا ظالم جب تک وہ احکام شرع کی مخالفت نہ کرے اس کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اظہر قول کے مطابق ایک وقت میں دو اماموں کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے' ایک شخص طاقت اور غلبہ سے امام بنا' پھر دوسرے شخص نے طاقت اور غلبہ

سے اس کو معزول کر دیا تو اب یہ امام ہو جائے گا' کسی شخص کو بغیر کسی سبب کے امامت سے معزول کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر لوگ اس کو معزول کریں تو یہ عزل نافذ نہیں ہوگا' اگر وہ حکومت چلانے سے عاجز ہو جائے تو پھر معزول ہو جائے گا' فسق اور بے ہوش ہونے سے امام معزول نہیں ہوتا' جنون' اندھا ہونے' بہرا اور گونگا ہونے اور جس مرض سے وہ تمام علوم بھول جائے ان عوارض سے وہ معزول ہو جائے گا۔

(بہرا ہونا پہلے لاینحل مسئلہ تھا' اب ہیئرنگ ایڈ (آلہ سماعت) کی ایجاد کی وجہ سے یہ لاینحل مسئلہ نہیں ہے اس لیے اب اس کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے البتہ جس شخص میں بالکل سماعت نہ ہو اس کا معاملہ الگ ہے۔)

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۳۴۔ ۲۳۳ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

امامت کے وجوب پر دلائل

امام مقرر کرنے کے وجوب پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) امام مقرر کرنے کے وجوب پر اجماع ہے حتیٰ کہ صحابہ نے اس معاملہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا۔

(۲) حدود کو قائم کرنا' احکام شرع کو نافذ کرنا اور مسلمانوں کے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا واجب ہے' اور یہ امور امام پر موقوف ہیں اور واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔

(۳) عدل و انصاف کو قائم کرنا' ظلم و جور کو دور کرنا' اور معاش اور معاد کی اصلاح کرنا واجب ہے اور یہ امور امام پر موقوف ہیں۔

(۴) کتاب و سنت سے امام کی اطاعت واجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنا واجب ہو۔

امام کو مقرر کرنے کے وجوب پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔ (النساء: ۵۹)

اور اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے' امام مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية۔ جو شخص کسی کی بیعت کیے بغیر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

کیا اب امام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت گمراہ ہے؟

واضح رہے کہ امام اس کو کہتے ہیں جو روئے زمین کے تمام اسلامی ملکوں کا واحد امیر ہو' جیسے خلفاء راشدین' خلفاء بنو امیہ اور خلفاء بنو عباس تھے اور امامت کی شرائط مذکورہ بھی اسی کے لیے ہیں اور جو صرف کسی ایک ملک کا امیر ہو اس کو سلطان کہتے ہیں جیسے آج کل اسلامی ممالک کے امراء ہیں' ان میں سے بعض بادشاہ ہیں' بعض منتخب صدر ہیں اور بعض مطلق العنان آمر ہیں جنہوں نے طاقت سے اقتدار پر قبضہ کیا' نہ یہ امام ہیں نہ ان کے لیے امامت کی شرائط ضروری ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

اگر امام کا مقرر کرنا واجب ہو تو لازم آئے گا کہ اکثر زمانوں میں تمام مسلمانوں نے اس واجب کو ترک کیا ہو' کیونکہ صفات مذکورہ کا حامل ان زمانوں میں نہیں رہا' خصوصاً خلافت عباسیہ کے ختم ہونے کے بعد' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: میرے بعد امت میں خلافت تیس سال رہے گی‘ پھر اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی ص ۳۲۳ ‘مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تیس سال پورے ہو گئے‘ حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے حکمران ملوک اور امراء تھے‘ ائمہ اور خلفاء نہ تھے‘ اور تمام مسلمان ترک واجب پر متفق نہیں ہو سکتے‘ کیونکہ واجب کو ترک کرنا معصیت اور گمراہی ہے اور پوری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پوری امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب وہ قدرت اور اختیار سے اس واجب کو ترک کرتی نہ کہ عجز اور اضطرار سے (اور خلافت عباسیہ ساتویں صدی ہجری میں ختم ہو گئی تھی اور اسلامی حکومتیں مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی تھیں‘ اس وقت چالیس سے زیادہ اسلامی ملک ہیں‘ اور ان سب کا کسی ایک امت کے ماتحت ہونا بہ ظاہر ممکن نہیں ہے‘ اس لیے اس دور کے مسلمان امام کے قائم نہ کرنے میں معذور ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق ”شرح صحیح مسلم“ جلد خامس میں کی ہے) اور یہ حدیث ہر چند کہ خبر واحد ہے‘ تاہم اس کا محمل یہ ہے کہ خلافت کاملہ یا پے در پے خلافت متصلاً تیس سال تک رہے گی‘ کیونکہ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس میں خلفاء رہے ہیں۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۳۹۔ ۲۳۸ ‘مطبوعہ منشورات الشریف الرضی‘ ایران‘ ۱۴۰۹ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسلمان جس کی امامت اور بیعت پر متفق ہو جائیں اس کی امامت ثابت ہو جائے گی‘ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دل سے کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ اس کی حتیٰ المقدور اطاعت کرے‘ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے امامت میں نزاع کرے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو‘ اور حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت کسی ایک شخص کی امامت پر مجتمع ہو‘ پھر کوئی دوسرا شخص اس کے خلاف خروج کرے تو اس کی گردن اڑا دو‘ خواہ وہ کوئی شخص ہو‘ اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باغیوں سے قتال کیا جائے گا اور اسی کے حکم میں اس شخص کی امامت ہے جس کو امام اول نے امام مقرر کر دیا ہو جیسے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو امام بنایا تھا‘ اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور اپنی طاقت سے اس کو زیر کرے اور اپنی تلوار سے مسلمانوں کو مغلوب کرے حتیٰ کہ وہ اس کی اطاعت کا اقرار کر لیں تو اب وہ امام ہو جائے گا اور اس سے قتال کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہو گا کیونکہ عبدالملک بن مروان نے حضرت ابن الزبیر کے خلاف خروج کیا‘ ان کو قتل کر دیا اور تمام ممالک اور ان کے باشندوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی‘ اب وہ امام ہو گیا اور اس کے خلاف خروج حرام ہو گیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۵ ‘مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے ”لاینال عھدی الظالمین. میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا“ سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ صالح ہو اور نظام سلطنت کو قائم کر سکتا ہو‘ اور امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ جو شخص امامت کا اہل ہو گا ہم اس سے نزاع نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵) اور فاسق اور ظالم امامت کے اہل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”لا ینال عھدی

الظالمین'' اسی وجہ سے حضرت ابن الزبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے خروج کیا اور عراق کے صالحین اور علماء نے حجاج کے خلاف خروج کیا' اور اہل مدینہ نے بنوامیہ کے خلاف خروج کیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ برپا ہوا۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اس کے خلاف خروج کرنے میں امن کو خوف سے بدلنا ہے' خون بہانا ہے' مسلمانوں پر لوٹ مار کا دروازہ کھولنا ہے اور زمین میں فساد کرنا ہے' بعض معتزلہ اور خوارج کا مذہب اس کے برعکس ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ابن خویز منداد نے کہا ہے کہ ظالم نہ نبی ہوسکتا ہے' نہ خلیفہ' نہ حاکم' نہ مفتی' نہ نماز کا امام اور نہ اس کی حدیث کی روایت قبول کی جائے گی' نہ احکام میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی' البتہ وہ فسق کی وجہ سے از خود معزول نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ارباب حل وعقد اس کو معزول کر دیں' اور اس کے دیئے ہوئے سابقہ احکام میں سے جو صحیح ہوں گے وہ بدستور نافذ رہیں گے' امام مالک نے یہ تصریح کی ہے کہ باغیوں اور خوارج کے احکام میں جو احکام کسی بھی اجتہاد کے اعتبار سے صحیح ہوں ان کو باقی رکھا جائے گا' جب تک کہ وہ نصوص کے مخالف نہ ہوں یا اجماع کے منافی نہ ہوں کیونکہ ان پر صحابہ کا اجماع ہے کہ ایام صحابہ میں خوارج نے خروج کیا اور ان کے احکام کو باقی رکھا گیا' انہوں نے جو مسلمانوں سے زکوٰۃ لی تھی اور جو حدود قائم کی تھیں ان کو باطل نہیں قرار دیا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۹۔ ۱۰۸' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

جس چیز پر علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان بغیر فتنہ اور ظلم کے امیر کو معزول کرنے پر قادر ہوں تو ان پر اس کا معزول کرنا واجب ہے' ورنہ ان پر صبر کرنا واجب ہے' بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ ابتداءً فاسق کو کسی منصب کا امیر بنانا جائز نہیں ہے' اور اگر کوئی امیر پہلے نیک تھا بعد میں فاسق ہوگیا تو اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنے سے منع کیا جائے گا الا یہ کہ اس سے کفر صادر ہو' پھر اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۸' مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم کسی امام سے علی الاعلان کسی ایسے کفر کو نہ دیکھ لو جس پر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو' اس وقت تک اس کے خلاف خروج نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ امراء اور حکام کی امارت اور حکومت میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان پر اعتراض نہ کرو' ہاں! اگر تم ان میں کوئی ایسی برائی دیکھو جس کا برا ہونا قواعد اسلام سے یقینی طور پر ثابت ہو تو ان پر انکار کرو' اور تم جہاں کہیں بھی ہو حق کو بیان کرو' لیکن ان کے خلاف خروج کرنا اور ان سے قتال کرنا یہ اجماع مسلمین سے حرام ہے' خواہ وہ امراء فاسق اور ظالم ہوں' اور اس کی تائید میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں' اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان فسق سے معزول نہیں ہوتا' اور ہماری فقہ کی بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ فسق سے معزول ہو جاتا ہے تو یہ غلط ہے اور اجماع کے خلاف ہے' اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کی علماء نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس سے فتنہ اور فساد ہوگا اور مسلمانوں کا خون بہے گا' لہٰذا فاسق کو اس کے منصب پر باقی رکھنے کی بہ نسبت اس کو معزول کرنے میں فساد زیادہ ہے' قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی' اور اگر اس سے بعد میں کفر صادر ہو تو وہ معزول ہو جائے گا' اور اگر وہ نمازوں کو ترک کرے

یا نماز کی طرف دعوت دینے کو ترک کرے یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور بعض بصریوں نے کہا: فاسق کی امامت منعقد ہو جائے گی اور اس کو برقرار رکھا جائے گا کیونکہ وہ تاویل کرنے والا ہے' قاضی عیاض نے کہا: اگر امام پر بعد میں کفر طاری ہو یا وہ شریعت میں تغیر کرے یا کسی بدعت کا ارتکاب کرے تو وہ امامت کے منصب سے خارج ہو جائے گا اور اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی' اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں' اس کو معزول کر دیں اور کسی امام عادل کو مقرر کریں بہ شرطیکہ یہ ممکن ہو' بدعتی کو معزول کرنا واجب نہیں ہے' ہاں! اگر وہ اس پر قادر ہوں تو پھر واجب ہے' اور اگر ان کا اس (کافر کو معزول کرنے) سے عاجز ہونا یقینی ہو تو وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کو بچائیں' قاضی عیاض نے کہا: فاسق کی امامت ابتداءً منعقد نہیں ہوتی' اور اگر خلیفہ بعد میں فسق کرے تو بعض نے کہا: اس کو معزول کرنا واجب ہے بہ شرطیکہ اس سے فتنہ اور جنگ نہ ہو' اور جمہور اہل سنت کے فقہاء' محدثین اور متکلمین نے یہ کہا کہ امام اور خلیفہ ظلم اور فسق سے معزول نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے' بعض علماء نے یہ کہا کہ اس پر اجماع ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت حسن' حضرت ابن الزبیر اور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا اور قرن اول کے مسلمانوں نے حجاج کے خلاف خروج کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں اختلاف تھا' بعد میں اس پر اجماع ہو گیا کہ امام اور خلیفہ اگر خلافت کے بعد فسق کرے تو اس کے خلاف خروج سے منع کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

فاسق کی امامت امت میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○" (البقرہ: ۱۲۴) سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کا نبی ہونا جائز ہے نہ نبی کا خلیفہ ہونا جائز ہے' نہ قاضی نہ مفتی' نہ حدیث کی روایت کرنا' نہ کسی معاملہ میں شہادت دینا' اور اس کے لیے ہر وہ منصب ناجائز ہے جس کی رو سے دوسروں پر اس کی کوئی چیز لازم ہو اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز کے ائمہ نیک اور صالح ہونے چاہئیں نہ کہ فاسق اور ظالم' کیونکہ اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امور دین میں امامت کے منصب کے لیے عادل اور صالح ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں فاسق کا امام اور خلیفہ ہونا جائز ہے اور یہ کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق حاکم اور قاضی تو نہیں بن سکتا' امام اور خلیفہ ہو سکتا ہے' متکلمین میں سے زرقان نے اس کو ذکر کیا اور یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی دونوں کے لیے عادل اور صالح ہونا شرط ہے اور فاسق کے لیے دونوں منصب جائز نہیں ہیں' امام ابوحنیفہ کی طرف اس چیز کی نسبت کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو گی حالانکہ بنو امیہ کے ایام میں ابن ھبیرہ نے امام ابوحنیفہ کو قضاء کے عہدہ کے لیے مجبور کیا لیکن آپ نے اس منصب کو قبول نہیں کیا' اس نے آپ کو قید کر لیا اور وہ ہر روز آپ کو کوڑے مارتا تھا لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا' حتیٰ کہ جب آپ کی جان کا خوف ہوا تو فقہاء نے یہ کہا: آپ اس کا کوئی اور کام قبول کر لیں تو آپ نے گھاس کے گٹھوں کا گننا قبول کر لیا' تب اس نے آپ کو رہا کیا' پھر بنو عباس کے دور میں خلیفہ منصور نے آپ کو قضاء کے عہدہ کو قبول کرنے کا حکم دیا' آپ نے پھر انکار کیا' اس نے بھی آپ کو قید کر لیا' حتیٰ کہ آپ نے مضافات شہر سے بغداد میں آنے والی اینٹوں کے گننے کو قبول کر لیا' ظالم اور فاسق ائمہ کے متعلق امام ابوحنیفہ کا مذہب مشہور تھا' زید بن علی امامت کے مدعی تھے اور وہ اس منصب کے لیے موزوں تھے' امام ابوحنیفہ ان کی مالی امداد کرتے تھے اور ان کی نصرت کرنے اور ان کی حمایت میں قتال کرنے کا خفیہ طور پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن حسن کے دو صاحبزادوں

محمد اور ابراہیم کی بھی انہوں نے تائید کی' امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب قاضی فی نفسہ عادل اور صالح ہو تو اس کا ظالم امام کی طرف سے منصب قضا کو قبول کرنا جائز ہے' یہ صحیح مذہب ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ امام ابوحنیفہ فاسق کی امامت کو جائز کہتے ہیں کیونکہ جب قاضی خود صالح ہو گا اور اس کو اقتدار حاصل ہو گا تو وہ احکام شرعیہ کو نافذ کر سکے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۷۱۔ ۶۹ ملخصاً' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ جصاص کے ذکر کردہ قاعدہ سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام اعظم قضاء کے عہدہ کو قبول کر لیتے۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو' نیک ہو' قادر ہو' صاحب رائے ہو اور بہادر ہو تا کہ قصاص لینے میں' حدود قائم کرنے میں' میدان جنگ میں اور لشکر تیار کرنے میں بزدلی نہ کرے اور وہ قریشی ہو' اور اس کا ہاشمی ہونا اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے' بعض علماء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ اصول دین اور فروع میں اجتہاد کر سکتا ہو اور بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے' اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک امامت کی صحت کے لیے عدالت (نیک ہونا اور فاسق نہ ہونا) شرط نہیں ہے' اس لیے فاسق کو بھی امام بنانا جائز ہے لیکن یہ مکروہ ہے' اور جب نیک شخص کو امام بنایا جائے اور وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو وہ معزول نہیں ہو گا لیکن وہ معزول کیے جانے کا مستحق ہو گا بہ شرطیکہ اس میں فتنہ نہ ہو' اس کو نیکی کی دعوت دی جائے اور اس کے خلاف خروج کرنا واجب نہیں ہے' اسی طرح فقہاء احناف نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے اور تمام ائمہ احناف نے بالاتفاق اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض بنو امیہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں اور ان کے دیئے ہوئے عہدے قبول کیے ہیں لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ بنو امیہ امام نہ تھے بلکہ ملوک تھے' انہوں نے غلبہ سے ملک پر قبضہ کر لیا تھا' اور متغلب کے دیئے ہوئے عہدوں کو ضرورت کی بناء پر قبول کرنا جائز ہے' اور کسی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہو (کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر امام کے ماتحت تم پر جہاد کرنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار' اور گناہ کبیرہ کرتا ہو)۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۳' مسایرہ ص ۱۹۲) (المسایرہ مع المسامرہ ج ۱ ص ۱۹۲۔ ۲۸۶' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران)

علامہ ابن ہمام نے امام کے متعلق جو نیک ہونے کی شرط لگائی ہے اس کے متعلق علامہ کمال بن ابی شریف لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے امام کے لیے ورع (نیک) کی شرط لگانے میں حجۃ الاسلام امام غزالی (شافعی) کی اتباع کی ہے اور اس سے مقصود فاسق سے احتراز کرنا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات خواہش نفس کی پیروی میں بیت المال کا غلط استعمال کرے گا اور مسلمانوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ (المسامرہ ج ۱ ص ۲۸۷' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام کے لیے یہ شرائط ہیں: مرد ہو' عاقل بالغ ہو' قادر ہو' قریشی ہو' ہاشمی' علوی یا معصوم ہونے کی شرط نہیں ہے' فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے' اگر فتنہ نہ ہو تو وہ فسق کی وجہ سے معزول کر دیا جائے گا اور اس کو نیکی کی دعوت دینا واجب ہے اور جو طاقت سے غلبہ حاصل کر لے اس کی سلطنت صحیح ہے۔ (درمختار ج ۱ ص ۳۶۹۔ ۳۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ امام کے لیے عدالت (نیک ہونے) کی شرط نہیں ہے اور علامہ ابن ہمام نے ''مسایرہ'' میں امام غزالی کی اتباع میں عدالت کی شرط لگائی ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا' ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہے' یعنی کافر مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۸۷ 'مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ نسفی حنفی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک فاسق امام بن سکتا ہے' علامہ ابن ہمام' علامہ حصکفی علامہ شامی اور صاحب فتاوی تاتار خانیہ نے بھی یہی لکھا ہے اور اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے' اس کے برعکس علامہ ابوبکر جصاص نے یہ لکھا ہے کہ یہ جھوٹ اور افتراء ہے' امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسق کی امامت جائز نہیں ہے' اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ نے اہل بیت میں سے امامت کا دعویٰ کرنے والوں کی خفیہ طور پر مدد کی اور ابن ہبیرہ اور خلیفہ منصور نے ان کو قضا کی جو پیش کش کی تھی اس کو قبول نہیں کیا' واللہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ

جو شخص علی الاعلان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو (گناہ صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہے مثلاً بغیر ندامت اور توبہ کے مسلسل ڈاڑھی منڈانا) مثلاً شراب پینا' قتل کرنا' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور دیگر فرائض کو ترک کرنا' فرائض قطعیہ کا ترک اور حرام قطعی کا ارتکاب فسق قطعی ہے اور ڈاڑھی منڈانا فسق ظنی ہے۔

فاسق کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کے مختلف اقوال ہیں: علامہ خلیل مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز باطل ہے۔ (مختصر خلیل مع الخرشی ج ۲ ص ۲۲ 'مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ خرشی مالکی نے لکھا ہے کہ معتمد قول یہ ہے کہ فاسق کی امامت صحیح اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(الخرشی علی مختصر خلیل ج ۲ ص ۲۳ 'مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ عدوی مالکی نے لکھا ہے کہ فاسق کی اقتداء حرام ہے۔ (حاشیۃ العدوی علی الخرشی ج ۲ ص ۲۲ 'مطبوعہ دار صادر' بیروت)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ

فقہاء حنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ فاسق کی امامت ناجائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ اس کی امامت جائز ہے۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

فاسق کی امامت جائز نہیں ہے اور یہی مذہب ہے' خواہ اس کا فسق از روئے اعتقاد ہو یا از روئے افعال' اکثر اصحاب اور مشائخ کا یہی مختار ہے' زرکشی نے کہا: یہی مشہور ہے' ابن ابی موسیٰ' قاضی' شیرازی اور ایک جماعت کا یہی مختار ہے' "مسبوک الذہب' رعایتین' حاوی صغیر' اور مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ صحیح روایت کے مطابق فاسق کی امامت جائز نہیں' ابن عقیل وغیرہ نے "التذکرۃ" میں اسی پر اعتماد کیا ہے" "وجیز" میں لکھا ہے کہ فاسق کی امامت جائز نہیں' "الفروع" اور "المستوعب" وغیرہما میں اسی قول کو مقدم کیا ہے۔ شیخ تقی الدین نے کہا ہے کہ صاحب ھوا (بدمذہب) بدعتی اور فاسق کے پیچھے قدرت کے باوجود نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کراہت کے ساتھ فاسق کی امامت جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نفل میں جائز ہے' البتہ جو از روئے اعتقاد کے فاسق ہو اس کی اقتداء کسی حال میں جائز نہیں' اور مذہب مختار کے مطابق جو شخص فاسق کی اقتداء میں نماز

پڑھے اس کو دہرانا لازم ہے' خواہ اس کو نماز کے وقت اس کے فسق کا علم ہو یا بعد میں پتا چلے خواہ اس کا فسق ظاہر ہو یا نہ' یہی صحیح مذہب ہے۔(الانصاف ج ۲ ص ۲۵۳۔ ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۷۴ھ)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے' اور جس کی بدعت کفر کی حد تک نہیں پہنچی اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے اور جس کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہے اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے' صاحب ''الافصاح'' نے کہا: جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو یا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرے وہ کافر ہے' امام ابو حامد اور ان کے متابعین کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کی تکفیر کی جاتی ہے اور خوارج کی تکفیر نہیں کی جاتی' اور ہمارے بہت سے اصحاب اہل بدعت کی اقتداء میں جواز نماز کے قائل ہیں اور ان کی تکفیر نہیں کرتے' صاحب ''العدۃ'' نے کہا: امام شافعی کا ظاہر مذہب یہی ہے۔

(علامہ نووی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ صاحب ''العدۃ'' کا قول ہی صحیح اور صواب ہے' کیونکہ امام شافعی نے فرمایا: میں خطابیہ کے سوا تمام اہل اھواء کی شہادت کو قبول کرتا ہوں' کیونکہ خطابیہ اپنی موافقت میں جھوٹی گواہی کو جائز کہتے ہیں' اور تمام سلف اور خلف معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ مناکحت' میراث اور مسلمانوں کے تمام معاملات کرتے رہے ہیں اور ہمارے جن علماء اور محققین نے معتزلہ کی تکفیر کی ہے اس تکفیر کی حافظ ابوبکر بیہقی نے یہ تاویل کی ہے کہ کفر' کفران نعمت کے معنی میں ہے' ملت اسلامیہ سے خروج کے معنی میں نہیں ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۶۰۔ ۳۵۹ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالعباس رملی شافعی لکھتے ہیں:

آزاد فاسق کی بہ نسبت نیک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے' کیونکہ امام حاکم نے روایت کیا ہے: اگر تم کو یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو تم میں بہتر لوگ تمہاری امامت کریں' اور فاسق کی امامت صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر حجاج کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے' اور امام شافعی نے کہا: اس کا فاسق ہونا کافی ہے اور فاسق کی اقتداء اور جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(نہایۃ المحتاج ج ۲ ص ۱۸۰۔ ۱۷۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ شبراملسی قاہری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

اگر فاسق اور بدعتی کے سوا جماعت نہ مل سکے تو پھر اس کی اقتداء مکروہ نہیں ہے' فاسق کا از خود امام بننا مکروہ ہے' اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہاں نیک لوگ ہوں وہاں لوگ اس کی اقتداء کر لیں تو ان کی اقتداء مکروہ نہیں ہے' فاسق کی امامت مکروہ ہے' (الی قولہ) خلاصہ یہ ہے کہ حرمت یا کراہت فاسق کے حق میں ہے اور جو مقتدی فاسق کو مکروہ جانتے ہوں ان کا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔(حاشیہ ابی الضیاء علی نہایۃ المحتاج ج ۲ ص ۱۸۰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

فاسق کی امامت نماز میں ائمہ احناف کا نظریہ

فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا اختلاف ہے' بعض علماء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص از روئے عمل کے فاسق ہو مثلاً زانی اور شرابی ہو تو ابن الحبیب نے یہ زعم کیا کہ جس نے شرابی کی اقتداء میں نماز

پڑھی وہ ہمیشہ نماز دہرائے الایہ کہ وہ امام حاکم ہو اور ایک روایت میں ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز صحیح ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۳۲ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں:
فاسق کو جب امامت سے ہٹانا مشکل ہو تو جمعہ اس کے پیچھے پڑھ لے اور جمعہ کے علاوہ نمازیں کسی اور مسجد میں پڑھے۔
(تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ 'ملتان)

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں:
فاسق عالم کی امامت مکروہ (تحریمی) ہے' کیونکہ وہ احکام دین کا اہتمام نہیں کرتا اس لیے اس کی اہانت شرعاً واجب ہے' لہٰذا اس کو امام بنا کر اس کی تعظیم نہ کی جائے اور اگر اس کو امامت سے ہٹانا دشوار ہو تو جمعہ اور باقی نمازوں کے لیے کسی اور مسجد میں جائے اور اگر صرف وہی جمعہ پڑھاتا ہو تو اس کی اقتداء میں پڑھ لے۔
(مراقی الفلاح ص ۱۸۱ 'مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی واولادہ 'مصر' ۱۳۵۶ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:
اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی امامت اور اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔
(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۸۱ 'مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی واولادہ 'مصر' ۱۳۵۶ھ)

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:
اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو گنہ گار ہوں گے کیونکہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔
(غنیۃ المستملی ص ۴۷۹ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی)

علامہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:
جو شخص سود خوری میں معروف ہو اس کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے' فاسق جمعہ پڑھاتا ہو اور اس کو منع کرنا دشوار ہو تو بعض علماء نے کہا: اس کی اقتداء میں جمعہ پڑھ لے اور اس کی امامت میں جمعہ کو ترک نہ کرے۔
(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۵۵ 'مطبوعہ مطبع کبری امیریہ 'بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

ان علماء کے علاوہ دوسرے فقہاء احناف نے فاسق کی اقتداء میں نماز کو کراہت کے ساتھ جائز لکھا ہے یعنی یہ کراہت تنزیہی ہے کیونکہ کراہت تحریمی جواز کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔
شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:
امام محمد فرماتے ہیں: نابینا' دیہاتی' غلام' ولد زنا اور فاسق کی امامت جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی امامت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے (الی قولہ) اس کے بعد علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فاسق کو امامت کے لیے مقدم کرنا جائز ہے اور مکروہ (تنزیہی) ہے' امام مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ احکام دین کا اہتمام نہیں کرتا اور اس کی شہادت مردود ہوتی ہے' ہماری دلیل مکحول کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امیر کے ساتھ جہاد واجب ہے اور ہر امام کے پیچھے نماز واجب ہے اور ہر میت کے اوپر نماز واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۳) (المبسوط ج ۱ ص ۴۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ 'بیروت' ۱۳۹۸ھ)
علامہ مرغینانی صاحب ''ہدایہ'' نے بھی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(ہدایہ اولین ص ١٢٢ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث مکحول سے مروی ہے اور ان کا حضرت ابوہریرہ سے سماع نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے' اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اور اس کی ہر سند میں ضعیف راوی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف طریقوں سے مروی ہو وہ محققین کے نزدیک درجہ ''حسن'' کو پہنچ جاتی ہے۔ (فتح القدیر ج ١ ص ٣٠٥ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

مصنف یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں حدیث متصل بھی موجود ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عدی بن خیار بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے پاس اس وقت گئے جب باغیوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا' عدی نے کہا: آپ عام مسلمانوں کے امام ہیں اور آپ پر وہ افتاد پڑی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں' اب ہمیں فتنہ کرنے والا (باغی) امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس میں گناہ سمجھتے ہیں' حضرت عثمان نے فرمایا: نماز لوگوں کے اعمال میں سے اچھا عمل ہے' جب لوگ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو۔

(صحیح بخاری ج ١ ص ٩٦ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جن کی اقتداء میں نماز مکروہ ہے' ان کے پیچھے نماز پڑھ لینا جماعت کو ترک کرنے سے اولیٰ ہے (الی قولہ) اور ''محیط'' میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو جماعت کا ثواب مل جائے گا' البتہ متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا' اور ''مبسوط'' میں ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ (تنزیہی) ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٥ ص ٢٣٢ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ١٣٤٨ھ)

حدیث مکحول بیان کرنے کے بعد علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

(اور فاسق کی اقتداء میں نماز کا جواز اس لیے ہے کہ) صحابہ اور تابعین حجاج کی اقتداء میں جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھنے سے احتراز نہیں کرتے تھے' حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین فاسق شخص تھا' حسن نے کہا: اگر ہر امت اپنے اپنے خبیثوں کو لے کر آئے اور ہم صرف حجاج کو لے کر آئیں تو ہم غالب رہیں گے (اور فاسق کی اقتداء میں) کراہت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کریں گے' امام ابو یوسف نے ''امالی'' میں کہا: میرے نزدیک امام کا صاحب بدعت ہونا اس لیے مکروہ ہے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے متنفر ہوں گے۔ (المبسوط ج ١ ص ٤١۔ ٤٠ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت)

علامہ قاضی خاں اوز جندی حنفی فرماتے ہیں:

جہمیہ' قدریہ اور غالی رافضی کے سوا باقی لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز اور مکروہ (تنزیہی) ہے' اسی طرح اس شخص کی اقتداء بھی جائز ہے جو سود خوری میں معروف ہو اور فاسق معلن ہو' یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے مروی ہے' اور جب کوئی شخص فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ١ ص ٩٢۔ ٩١ 'مطبوعہ بولاق' مصر' ١٣١٠ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

''محیط'' میں لکھا ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن متقی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا' اھ۔

''محیط'' کی عبارت میں بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو اور اس تفصیل کے ساتھ تمام اہل اہواء کی اقتداء میں نماز جائز ہے' البتہ جہمیہ' قدریہ' غالی روافض' خلق قرآن کے قائلین' خطابیہ اور مشبھہ کے پیچھے نماز جائز نہیں' خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ہمارے قبلہ والا ہو اور غلو نہ کرتا ہو اور اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے' البتہ عذاب قبر' شفاعت' رویت باری اور کراماً کاتبین کے منکروں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۰۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل ہے یا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہر حال بہتر ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے کتب فتاویٰ سے نقل کر چکے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے' اگر ان کے علاوہ کسی اور کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو فبہا ورنہ تنہا نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے' اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہے جب دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا میسر ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۹' مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

غلام' اعرابی' فاسق اور نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔

(در مختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی مکروہ تنزیہی کی وجہ میں لکھتے ہیں:

کیونکہ امام محمد نے اصل (مبسوط) میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے غیر کی امامت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے' پھر فرمایا: ان کا امام بننا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے' اگر ان کے علاوہ دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنا ممکن ہو تو افضل ہے ورنہ اکیلے نماز پڑھنے سے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ طحطاوی نے بھی ''در مختار'' کی شرح میں کراہت تنزیہی کی یہی وجہ بیان کی ہے اور یہی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی بہ نسبت فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۲۴۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ عالم بن العلاء الانصاری لکھتے ہیں:

بدعتی خواہ فاسد تاویل کرتا ہو اگر اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کی اقتداء میں نماز کراہت (تنزیہی) کے ساتھ جائز ہے (الی قولہ) ''منتقی'' میں مذکور ہے: امام محمد سے شارب خمر کی اقتداء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور اس میں کراہت (تحریمی) نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ تاتار خانیہ ج ۱ ص ۶۰۲ - ۶۰۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۱ھ)

علامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی لکھتے ہیں:

فاسق کی اقتداء میں نماز کراہت (تنزیہی) کے ساتھ جائز ہے۔ (الاختیار ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی لکھتے ہیں:

اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن ایسا ثواب نہیں ملے گا جو متقی کے پیچھے نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ)

علامہ قہستانی لکھتے ہیں:

اعرابی، فاسق، نابینا اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں ہے (الی قولہ) ''منتقی'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت و جماعت کے مذہب کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: تم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو فضیلت دو، حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت رکھو، موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو (کیونکہ معتزلہ فاسق کی امامت کے قائل نہیں ہیں)۔ (شرح فقہ اکبر ص ۷۶ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں:

اگر غیر فاسق موجود ہو تو فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے (بحر) اور ''النہر'' میں لکھا ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (فتح المعین علی ملا مسکین ج ۱ ص ۲۰۸۔ ۲۰۷)

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف (۱) علامہ زیلعی حنفی (۲) علامہ شرنبلالی (۳) علامہ حلبی حنفی (۴) اور علامہ ابن بزاز کردری (۵) کے نزدیک فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور امام ابوحنیفہ (۱) امام محمد شیبانی (۲) شمس الائمہ سرخسی (۳) علامہ قاضی خاں اوزجندی (۴) علامہ المرغینانی صاحب ''ہدایہ'' (۵) علامہ ابن ہمام (۶) صاحب ''محیط'' (۷) علامہ ابن نجیم حنفی (۸) علامہ علاؤ الدین حصکفی (۹) علامہ ابن عابدین شامی (۱۰) علامہ سید طحطاوی (۱۱) علامہ عالم بن العلا انصاری دہلوی صاحب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' (۱۲) علامہ عبداللہ بن محمود صاحب ''الاختیار'' (۱۳) علامہ عبد الرشید بخاری صاحب ''خلاصۃ الفتاویٰ'' (۱۴)، علامہ قہستانی (۱۵) علامہ ابوسعود حنفی (۱۶) صاحب ''النہر الفائق'' (۱۷) اور ملا علی قاری (۱۸) کے نزدیک فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے۔

فقہاء احناف کے ان کثیر حوالہ جات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد فاسق کی امامت کی حوصلہ افزائی نہیں ہے بلکہ اس سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ یہ محقق ہو جائے کہ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا کیا مذہب ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ کسی متقی امام کی اقتداء نہ ملنے کی وجہ سے فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھ لینا ایک الگ چیز ہے اور اسی کو فقہاء احناف نے کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز کہا ہے اور کسی فاسق معلن کا از خود امام بننا یا لوگوں کا اس کو امام بنا دینا ایک الگ بات ہے اور فقہاء احناف میں سے کسی نے اس کو جائز نہیں کہا، یہ بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولا یوم فاجر مومنا. کوئی فاسق کسی مومن کا امام نہ بنے''۔ (سنن ابن ماجہ ص ۷۵) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے سب سے بہتر ہوں ان کو امام بناؤ۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۹۰) اس لیے جب امام بننے کا مرحلہ ہو تو اس شخص کو امام بنایا جائے جو عالم اور متقی ہو، اور جو شخص فاسق معلن ہو اس کو امام بنانا ناجائز اور گناہ ہے، ڈاڑھی منڈانے والا بھی فاسق معلن ہے اگرچہ اس کا فسق ظنی ہے، اس کو امام نہ بنایا جائے اور جو شخص فرنچ کٹ

داڑھی یا خشخشی داڑھی رکھتا ہو اس کو بھی امام نہ بنایا جائے' جس شخص کی داڑھی سنت کے مطابق ہو اور اس کا ظاہر حال نیک ہو' وہ عالم ہو اور اس پر کسی وجہ سے فسق کی تہمت نہ ہو اس کو امام بنایا جائے' "شرح صحیح مسلم" جلد دوم میں بھی میں نے یہی تحقیق کی ہے' فاسق کے امام بنانے یا از خود امام بننے کو ناجائز لکھا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۰) اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو اکثر یا بعض فقہاء کے حوالوں سے جائز لکھا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۱) لیکن بعض معاندین نے ان عبارات کو گڈمڈ کر دیا اور میری طرف یہ منسوب کیا کہ وہ فاسق اور داڑھی منڈے کے امام بنانے کو جائز کہتے ہیں' فالی اللہ المشتکی۔ اسی طرح میں نے فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب بیان کیے اور باحوالہ لکھا کہ بعض احناف کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور اکثر احناف کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے اور ان سب کے حوالہ جات بیان کیے لیکن بعض معاندین نے ان حوالوں کو حذف کر کے میری طرف یہ منسوب کر دیا کہ ایک جگہ یہ فاسق کی اقتداء میں نماز کو مکروہ تحریمی کہتا ہے اور ایک جگہ مکروہ تنزیہی کہتا ہے' خیر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سب باتوں کا حساب ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے کہا:) اور میری اولاد سے بھی! اللہ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا O (البقرہ: ۱۲۴)

حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا کرنے کی توجیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کے لیے امامت کی دعا کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ ظالم اور کافر امام نہیں بن سکتے لیکن اس دعا کے وقت ان کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے اپنی دعا میں یہ قید نہیں لگائی کہ میری اولاد میں سے مومنین اور صالحین کو امامت عطا فرما اور مطلقاً عرض کیا: اور میری اولاد سے بھی' اللہ تعالیٰ نے مسئلہ واضح کرنے کے لیے فرما دیا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے معبد اور امن کی جگہ بنا دیا' اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کی جگہ بنا لو اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے تاکیداً فرمایا کہ میرے گھر کو

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں' رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو O

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ

اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس میں رہنے والوں میں

اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما'

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ

فرمایا: اور جس نے کفر کیا میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا' پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا'

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٦﴾

اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے O

''مثابۃ'' کا معنی ہے: لوٹنے کی جگہ کیونکہ جو شخص بھی بیت اللہ سے واپس جاتا ہے وہ سیر نہیں ہوتا اور پھر دوبارہ وہاں جاتا ہے یا جانا چاہتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو: اجر و ثواب کی جگہ' کیونکہ عبادت پر جس قدر اجر و ثواب یہاں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملتا۔

حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

''امنا'' کا معنی ہے: امن کی جگہ' ہر چند کہ یہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے۔

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کعبہ میں کسی پر حد نہیں جاری کی جائے گی لیکن باقی حرم میں بھی حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حرم میں حد جاری کی جائے گی اور ''من دخله كان امنا'' منسوخ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ٢ ص ١١١ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ١٣٨٧ھ)

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

حرم میں حد جاری کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عاصم بن ثابت بن افلح اور حضرت خبیب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ قادر ہوں تو ابوسفیان کو مکہ میں اس کے گھر میں قتل کر دیں اور اس وقت مکہ حرم تھا' اور قرآن مجید میں جو ہے: یہ امن کی جگہ ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جنگ نہیں کی جائے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قحط اور آفات سے امن کی جگہ بنا دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ١ ص ٤٧٢ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٣٩٨ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی اور جگہ جرم کیا ہو' پھر وہ حرم میں آ کر پناہ لے لے' تو وہ مامون ہے لیکن اہل مکہ کو چاہیے کہ وہ اس کو کوئی چیز فروخت کریں نہ کھلائیں نہ پلائیں اور نہ اس کو پناہ دیں نہ اس سے کلام کریں حتیٰ کہ وہ حرم کی حدود سے نکل جائے اور جب وہ حرم کی حدود سے باہر آ جائے تو اس پر حد جاری کر دیں۔ امن کی جگہ بیت اللہ کی صفت ہے لیکن اس سے مراد پورا حرم ہے جیسے فرمایا: ''هديا بالغ الكعبة. قربانی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے۔'' یہاں بھی کعبہ سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ کعبہ اور مسجد حرام میں جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

(زاد المسیر ج ١ ص ١٤١ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرم میں کسی شخص سے قصاص لیا جائے گا نہ کسی پر حد جاری کی جائے گی' اگر کسی مجرم نے حرم میں آ کر پناہ لے لی تو اس پر کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور اس سے کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آ جائے اور جب وہ باہر آ جائے گا تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔ (روح المعانی ج ١ ص ٣٧٨ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ (آل عمران: ۹۷) اور جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے۔

علامہ قرطبی مالکی نے جو کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس پر انہوں نے کوئی دلیل قائم نہیں کی اور امام رازی شافعی نے جو لکھا ہے کہ حضرت عاصم اور حضرت خبیب کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں جا کر ابوسفیان کو قتل کر دیں یہ برتقدیر صحت روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے' نیز امام رازی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگ نہیں کی جائے گی یا یہ شہر قدرتی آفات سے مامون ہے یہ تاویلات اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتیں: جو حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہے' ظاہر قرآن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد کی تائید ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ (البقرہ: ۱۲۵)

مقام ابراہیم کی تعیین کی تحقیق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے دوران یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب ہم نے کعبہ کو یہ عظمت اور جلالت عطا کی کہ اس کو مشرق اور مغرب سے لوگوں کے بار بار آنے کی جگہ بنا دیا اور اس کو تمہارے لیے عبادت اور امن کی جگہ بنا دیا اور اس کو تمام روئے زمین کے نمازیوں کے لیے قبلہ بنا دیا تو جس شخص نے اس عظیم کعبہ کو بنایا ہے اس کے کھڑے ہونے کی جگہ کو تم اپنا مصلیٰ بنالو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں! تو یہ آیت نازل ہوگئی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى" (البقرہ: ۱۲۵) اور آیت حجاب ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ اپنی ازواج کو یہ حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت حجاب نازل ہوگئی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج غیرت میں مجتمع ہوگئیں تو میں نے کہا: اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہوگئی: "عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ" الایہ (التحریم: ۵)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے سات طواف کیے' پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھی' اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

مقام ابراہیم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں' عکرمہ اور عطاء نے کہا: پورا حج مقام ابراہیم ہے' شعبی نے کہا: عرفہ' مزدلفہ اور جمار مقام ابراہیم ہیں' نخعی نے کہا: پورا حرم مقام ابراہیم ہے' اور سب سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ پتھر جس کو اب لوگ مقام ابراہیم کے عنوان سے پہچانتے ہیں اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں' وہ مقام ابراہیم ہے' اور یہ حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے' امام مسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کو تعظیم دی' اور پہلے تین طوافوں میں رمل کیا

اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کیے‘ پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں‘ اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف لاحق ہوا جو ان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے‘ حضرت انس نے کہا: میں نے ”مقام“ میں حضرت ابراہیم کی انگلیوں‘ ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسمٰعیل کی زوجہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھوتے وقت ان کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۲‘ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو‘ ۱۳۸۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے‘ جب کعبہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم کے لیے رکھا‘ حضرت ابراہیم اس پتھر پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیل ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔ (الحدیث) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۶‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ)

امام رازی نے سدی کی روایت کو ترجیح دی ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۷۳) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت کو ترجیح ہے۔ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا مقام کس قدر بلند ہے اور آثار انبیاء سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے۔ (الآیۃ) (البقرہ: ۱۲۶)

آیا مکہ مکرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے حرم بنا یا اس سے پہلے حرم تھا‘ ایک قول یہ ہے کہ جابر حکمران‘ زلزلہ‘ زمین کا دھنسنا‘ قحط‘ خشک سالی او دیگر مصائب اور قدرتی آفات جو دوسرے شہروں میں نازل ہوتی ہیں مکہ مکرمہ ہمیشہ سے ان سے مامون اور محفوظ رہا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے‘ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس شہر کو اللہ نے اس دن حرام کیا جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا‘ پس یہ شہر اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے‘ اور مجھ سے پہلے اس شہر میں کسی کے لیے بھی جنگ کرنا جائز نہ تھا‘ اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں یہ جنگ کرنا جائز ہوا اور اب یہ اللہ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۷‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۷‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ پہلے شہر مکہ حرم نہیں تھا‘ حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد یہ حرم ہوا‘ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لیے دعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صاع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد حرم بنا لیکن اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل میں مکہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے اور حضرت ابراہیم نے اس کی تحریم کی تجدید اور تحریم کی بقاء اور دوام کے لیے دعا کی تھی اس وجہ سے ان کی طرف تحریم کی نسبت کی جاتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا' اس لیے حضرت ابراہیم نے دعا میں یہ کہا کہ اس میں رہنے والے مومنوں کو رزق عطا فرما' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس نے کفر کیا میں اس کو (بھی) تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا' پھر اس کو مجبور کر کے دوزخ میں ڈالوں گا' اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے O

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور اس وقت وہ یہ دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب!

تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

ہم سے قبول فرما' بے شک تو ہی بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O اور اے ہمارے رب! ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

پر برقرار رکھ' اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر' اور ہمیں حج کی عبادات بتا

وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اور ہماری توبہ قبول فرما' بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے O

تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان

اس مسئلہ میں مختلف روایات اور مختلف اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی' یا حضرت آدم نے کی تھی یا حضرت ابراہیم نے کی تھی۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا' فرمایا: اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لیے ایک بیت (گھر) بناؤ' پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا' پھر حضرت آدم نے حرا' طور زیتا' طور سینا' جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے اتارا تو فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا' جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے' طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھا لیا گیا انبیاء اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۲۸ 'مطبوعہ دار المعرفۃ 'بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۷۔ ۴۰۶ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ 'لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسری روایت کو علامہ عینی نے بھی بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۶ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے' پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا' دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے بنایا' تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا' چوتھی مرتبہ حضرت ابن الزبیر نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا' پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا اور امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ 'مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ 'ملتان)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا' اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث مرفوع مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے' اور قوی قول یہ ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا' حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ پھر کعبہ منہدم ہو گیا' پھر اس کو عمالقہ نے بنایا' پھر منہدم ہو گیا' پھر اس کو جرہم نے بنایا' پھر منہدم ہو گیا' پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور زہری سے روایت ہے کہ اس وقت آپ بلوغت کے قریب تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ۱۳۹۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ "صحیح بخاری" سے امام زہری کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے بنایا' ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا' امام ابن اسحاق نے کہا: اس کو سب سے پہلے حضرت آدم نے بنایا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم نے بنایا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۸۸ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا کہ کعبہ کو دس مرتبہ بنا گیا:

(۱) پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا (۲) دوسری مرتبہ حضرت آدم نے بنایا (۳) تیسری بار حضرت شیث بن آدم نے بنایا (۴) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا (۵) پانچویں بار قوم عمالقہ نے بنایا (۶) چھٹی بار جرہم نے بنایا (۷) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا (۸) آٹھویں بار قریش نے بنایا (۹) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا کعبہ کو بنایا' اس میں دو دروازے رکھے' ایک داخل ہونے اور ایک خارج ہونے کا' اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی' قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے' اور آپ کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم پر بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ نے نہیں بنایا تھا (۱۰) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔

(ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۴۴۔ ۱۴۳ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جب ھارون رشید کو یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ کو پھر حضرت ابن الزبیر کی بناء کے مطابق بنادے لیکن امام مالک نے اس کو منع کیا اور فرمایا: میں تم کو قسم دیتا ہوں اب کعبہ کو اس طرح رہنے دو' بار بار منہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ اسعد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے' اور حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے دعا کی:) اور ہمیں خاص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر۔ (البقرہ: ۱۲۸)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے مسلمان کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب

قرآن مجید کی اس آیت میں "واجعلنا" کا لفظ ہے یعنی ہم کو اپنے لیے مسلم کردے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل پہلے بھی تو مسلم ہی تھے! اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اسلام کا معنی اطاعت ہے اور یہ اطاعت میں زیادتی کی دعا ہے یعنی ہم کو اور زیادہ مطیع اور فرمانبردار کردے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اطاعت اور فرمانبرداری میں دوام کے حصول کی دعا ہے' یعنی جس طرح ہم اب مطیع ہیں' ہمیں آئندہ بھی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھنا' تیسرا جواب یہ ہے کہ اسلام سے مراد یہاں تمام احکام شرعیہ کو ماننا اور قضاء وقدر کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی رہنا ہے یعنی ہمارے دلوں کو ایسا بنادے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے خلاف دل میں کوئی تنگی نہ آئے اور قضاء وقدر کے معاملات کے خلاف دل میں کوئی ملال نہ آئے' چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد صرف تسمیہ ہے یعنی ہمارا نام مسلم کردے۔

اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیے خصوصاً دعا کیوں کی عام لوگوں کے لیے دعا کیوں نہیں فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد شفقت اور مصلحت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ۶)

نیز جب انبیاء علیہم السلام کی اولاد نیک اور صالح ہوگی تو وہ دوسرے لوگوں کی نیکی اور خیر کا بھی ذریعہ بنے گی' اس دعا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں سے کوئی عرب مسلمان نہیں تھا۔

امام رازی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قفال نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ذریت میں ہمیشہ موحد رہے ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے' زمانہ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بھی موحد تھے' اسی طرح عامر بن الظرب تھے۔ یہ سب موحد تھے' قیامت اور ثواب اور عقاب کے قائل تھے' مردار کھاتے تھے نہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۸۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے کہا: اور ہم کو ہمارے مناسک دکھا۔ (البقرہ: ۱۲۸)

حضرت ابراہیم کو مناسک حج کی تعلیم کا بیان

شریعت میں "منسک" عبادت کا نام ہے اور یہاں "مناسك" سے مراد حج کی عبادات ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

زبیر بن محمد سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کو بنانے سے فارغ ہو گئے تو دعا کی: اے رب! میں اس کو بنانے سے فارغ ہو گیا' اب ہم کو ہماری عبادات بتا' تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ حج کیا' حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات سے لوٹے اور یوم نحر (دس ذوالحجہ) آیا تو شیطان ظاہر ہوا' حضرت جبرائیل نے کہا: اس کو کنکریاں ماریئے تو حضرت ابراہیم نے اس کو سات کنکریاں ماریں' پھر دوسرے اور تیسرے روز' پھر حضرت ابراہیم ثبیر (مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک پہاڑ) پر چڑھے اور فرمایا: اے اللہ کے بندو! جواب دو' تو جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان تھا اس نے کہا: "لبیك اللّٰھم لبیك" اور روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات آدمی مسلمان رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم کو تمام مناسک دکھائے' صفا' مروہ' منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۹۔ ۱۲۸' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَ

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے' جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے بے شک تو ہی بہت غالب ہے ۱۵ ع ۸ ۱۵

الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

بڑی حکمت والا O

حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی دعا کی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں اہل مکہ میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے اس سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اجماع حجت ہے۔

(۲) امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں' میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں' اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا' ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لیے شام کے

محلات روشن ہو گئے تھے۔[1] اس حدیث کو امام بزار[2]' امام طبرانی[3]' امام ابن حبان[4]' امام حاکم[5]' امام ابونعیم[6]' امام بیہقی[7] اور امام بغوی[8] نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اہل مکہ کے لیے کی ہے اور مکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔

اہل مکہ ہی میں سے رسول کو مبعوث کرنے کی حکمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ مکہ میں اہل مکہ ہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما! اس میں ایک بات تو یہ بتائی ہے کہ یہ رسول انسانوں کی جنس سے ہے' فرشتوں یا جنات کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ اگر وہ رسول فرشتہ یا جن ہوتا تو انسان اس کو دیکھ نہ سکتے' اس کا کلام سن نہ سکتے' اور اس کی سیرت انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی' دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ رسول اہل مکہ میں سے ہوگا' تو اہل مکہ اس کی پیدائش' اس کی تربیت اور اس کی نشوونما سے واقف ہوں گے' اس کا صدق' اس کی امانت اور دیانت اور اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ ان پر عیاں اور بیاں ہوگا اور پھر اس کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے خود اس کی زندگی ہی میں ان کو قرائن اور دلائل مل جائیں گے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' ان کافروں سے کہیے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ میں اس سے پہلے تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں' تو کیا تم نہیں سمجھتے ○ (یونس: ١٦)

نیز حضرت ابراہیم نے اہل مکہ میں سے اپنی ذریت کے لیے دعا کی تھی اور ان کو یہ علم تھا کہ جب وہ رسول مکہ میں پیدا ہوگا تو یہ ان کی ذریت کے لیے باعث عزت اور فخر ہوگا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا دو ہزار سات سو پچھتر سال بعد قبول ہوئی' اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا دیر سے قبول ہونا مقبولیت کے منافی نہیں ہے۔

نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ کی تخصیص اور ان کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں

حضرت ابراہیم نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بار دعا کی اور آپ نے ہر نماز میں تشہد کے بعد ان کے لیے دعا کی ہدایت کر دی کہ جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو حضرت ابراہیم پر بھی صلوٰۃ پڑھو اور جب میرے لیے برکت کی دعا کرو تو حضرت ابراہیم کے لیے بھی برکت کی دعا کرو' باقی رہا یہ اعتراض کہ اس دعا میں ہے: اے اللہ! سیدنا محمد اور سیدنا محمد کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے' دعا میں سیدنا محمد مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ' مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے' اس سے حضرت ابراہیم کی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ' مسند احمد ج ٤ ص ١٢٨۔ ١٢٧' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٨ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ٨٠٧ھ' کشف الاستار عن زوائد البزار ج ٣ ص ١١٣' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت

[3] امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ' المعجم الکبیر ج ١٨ ص ٢٥٢' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت

[4] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ٨٠٧ھ' موارد الظمآن عن زوائد ابن حبان ص ٥١٢' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

[5] امام ابوعبداللہ محمد بن حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ' المستدرک ج ٢ ص ٦٠٠' مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ

[6] امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ٤٣٠ھ' حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ٩٠۔ ٨٩' مطبوعہ دار الکتب العربی' ١٤٠٧ھ

[7] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ' دلائل النبوۃ ج ٢ ص ١٣٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

[8] امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ٥١٦ھ' شرح السنۃ ج ٧ ص ١٣' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٢ھ

لازم آئے گی حالانکہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مشبہ افضل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ”مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ“ (النور: ۳۵) ”اللہ کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو۔“

(۲) تشبیہ ابراہیم اور آل ابراہیم کے مجموعہ سے ہے اور آل ابراہیم میں دیگر انبیاء کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔

(۳) یہ تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے اس کی کیفیت سے قطع نظر کے ساتھ' جس طرح قرآن مجید میں ہے: ”اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ“ (النساء: ۱۶۳) ”ہم نے آپ کو ایسی وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف کی تھی“ حالانکہ آپ پر جو وحی ہے وہ قرآن ہے اور وہ بالاجماع افضل ہے۔

(۴) اس دعا میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے جیسے ”وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ“ (البقرہ: ۱۸۵) ”تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے“ میں ہے' اور اس دعا کا معنی ہے: اے اللہ! سیدنا محمد پر اور سیدنا محمد کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل کی ہے۔

کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح

اس عظیم رسول کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم نے کہا: وہ تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔

آیات کی تلاوت کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل' آیات اور علامات ہیں ان کو بیان کریں۔

کتاب کی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کر کے دکھائیں اور جن آیات کی تفصیل کی ضرورت ہے ان کی تفصیل کریں اور جن آیات کے شرعی معنی بیان کرنے کی ضرورت ہے ان کے شرعی معنی بیان کریں۔

حکمت کا معنی ہے: معرفت الموجودات اور فعل الخیرات' اور یہاں اس سے مراد ہے: قرآن کے ناسخ اور منسوخ اور محکم اور متشابہ کو جاننا یا قرآن مجید کے اسرار اور دقائق کو جاننا' یا حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اور اصلاح نفس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرتے ہیں' ان کے ظاہر اور باطن کو رذائل اور نقائص سے دور کرتے ہیں اور ان کی عبادات میں خلوص' للّٰہیت اور دوام کو اجاگر کرتے ہیں جس سے ان کا دل تجلیات الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ

اور ملت ابراہیم سے اس شخص کے سوا کون منحرف ہو گا جو بے وقوف ہو' اور

لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کر لیا' اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں O

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور (یاد کیجئے) جب ان سے ان کے رب نے کہا میری اطاعت پر (برقرار) رہو انہوں نے کہا میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں O

ملت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ملت ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تا کہ بندوں کو اللہ کا قرب حاصل ہو دین کا بھی یہی معنی ہے لیکن دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ دین کی اضافت اللہ کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے "لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ" (النور: ۲) اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے "قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ" (یونس: ۱۰۴) اور مسلمانوں کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے جیسے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" (المائدہ: ۳) اس کے برعکس ملت کی اضافت صرف انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے۔

(المفردات ص ۴۷۱ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

دین، ملت، شریعت وغیرہا کے مفاہیم اور ان کا باہمی فرق ہم نے سورہ فاتحہ میں "مالك يوم الدين" کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ملت ابراہیم سے انحراف کا حماقت ہونا

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اترے اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام لوگوں کا امام بنایا' انہوں نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ بنایا اور فرمایا کہ ان کو اپنی اولاد پر شفقت تھی' انہوں نے اس کے لیے دعا کی' مدینہ میں رہنے والے یہود اپنا نسب حضرت اسحق کے واسطہ سے حضرت ابراہیم سے ثابت کرتے تھے اور نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ کی ماں کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی طرف خود کو منسوب کرتے تھے اور قریش مکہ حضرت اسماعیل کے واسطہ سے خود کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے' الغرض یہ سب حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہونے میں اپنا فخر سمجھتے تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی اور آپ نے جس دین کی دعوت دی وہی ملت ابراہیم ہے تو اب جو شخص خود کو ابراہیمی کہتا ہو اور دین ابراہیم سے اعراض اور انحراف کرتا ہو اس سے بڑا بے وقوف اور کون ہو گا!

تمام انبیاء کا پیدائشی مومن ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اسلم. اسلام لاؤ" امام رازی نے کہا: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا' ایک قول یہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے' چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسلام لاؤ' اور انہوں نے کہا: میں تمام جہانوں کے رب پر اسلام لایا۔

امام رازی نے کہا: اکثر علماء کی یہی رائے ہے' اور بعض علماء نے کہا: یہ حکم نبوت کے بعد تھا اور اس کا معنی ہے: اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۸۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۶۳۱ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اور علامہ آلوسی نے بھی یہ دو قول ذکر کیے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۸۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بہر حال یہ حکم نبوت سے پہلے ہو یا بعد' انبیاء علیہم السلام پیدائشی مومن ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے کفر سے معصوم ہوتے ہیں' اس لیے اس کا معنی ہے: اعضاء سے اطاعت کر دیا اسلام پر ثابت قدم رہو یا اپنے آپ کو ہمیں سونپ دو' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایمان لے آؤ جس سے یہ وہم ہو کہ آپ پہلے مومن نہیں تھے۔ معاذ اللہ

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور اسی ملت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے (بھی)' اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۭ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

دین کو پسند کر لیا' پس تم تادم مرگ مسلمان رہنا ○ کیا تم اس وقت حاضر تھے

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ

جب یعقوب کو موت آئی؟ جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم میرے بعد

بَعْدِىْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا' ابراہیم' اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

اور اسحٰق کے معبود کی' ایک معبود کی' اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں ○ وہ امت

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ

گزر چکی ہے' اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے' اور ان کے

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے' ان کی ماں ہاجر قبطیہ تھیں' حضرت ابراہیم ان کو شیر خوارگی میں مکہ لے آئے' یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق سے چودہ سال بڑے تھے' جس وقت حضرت اسماعیل کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر نواسی (۸۹) سال تھی' حضرت اسماعیل

ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق کی والدہ سارہ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ ذبیح ہیں (علامہ قرطبی کے نزدیک حضرت اسحاق ہی ذبیح ہیں لیکن ہمیں اس سے اختلاف ہے' ان شاء اللہ سورہ الصافات میں یہ بحث آئے گی) ان کی اولاد بنی اسرائیل ہیں' حضرت اسحاق کی عمر ایک سو اسی (۱۸۰) سال تھی' یہ ارض مقدسہ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس دفن کیے گئے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ فوت ہو گئیں تو انہوں نے قطنورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کر لی' اور ان سے مدین' مداین' نہشان' زمران' نشیق اور شیوخ پیدا ہوئے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہو گئے' ان کی وفات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں' حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ان شاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا' حضرت یعقوب اپنے جدامجد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے' اور جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی حضرت یعقوب نے بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی' حضرت یعقوب ایک سو سینتالیس (۱۴۷) سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے' آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ کے باپ حضرت اسحاق کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف نے آپ کو ان کے پاس دفن کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی؟ (البقرہ: ۱۳۲)

یہود یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے ان کے دین پر تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت حاضر تھے اور کیا تم کو معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو کیا وصیت کی تھی؟ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت رہنے اور توحید پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ امت گزر چکی ہے' اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔ (البقرہ: ۱۳۴)

جبریہ اور قدریہ کے نظریہ کا رد

اس آیت میں یہ بتایا کہ بندہ کے عمل اور کسب کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے' اگرچہ بندہ کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جو نیک کام ہیں وہ اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں اور جو برے کام ہیں وہ بندہ کے اپنے نفس کی شامت ہیں' اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے' قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں' بندہ صرف کسب کرتا ہے اور کسب کا معنی ہے: کسی فعل کا ارادہ کرنا خواہ وہ اچھا ہو یا برا اور جس وقت بندہ ارادہ کرتا ہے اللہ اسی وقت اس میں اس فعل کی قدرت پیدا کر دیتا ہے اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ بندہ فعل کا کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فعل کو خلق کرتا ہے۔ اس کے برعکس جبریہ یہ کہتے ہیں: بندہ کا فعل میں کوئی دخل نہیں اور اس کو فعل پر کوئی قدرت اور اختیار نہیں جیسے درختوں کے پتے ہواؤں سے اپنے اختیار کے بغیر ہل رہے ہیں اسی طرح بندہ اپنے اختیار کے بغیر افعال کر رہا ہے لیکن یہ بداہۃً باطل ہے' ہم اپنے اختیار سے کسی کام کو کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں' جس شخص پر رعشہ طاری ہو اس کے اختیار کے بغیر اس کا ہاتھ حرکت کرتا ہے جبکہ ہم اپنے اختیار سے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہیں' پھر اگر بندہ کا فعل پر بالکل اختیار نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنا' قیامت اور جزا اور سزا کا نظام عبث ہو کر رہ جائے گا' معتزلہ اور قدریہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے صراحۃً خلاف ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصافات: ۹۶) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا ۝ (البقرہ: ۱۳۴)

کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہ دینا

یعنی کسی شخص کے گناہ کی وجہ سے دوسرے شخص سے مواخذہ نہیں ہوگا اور اسی کی مثل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط (الزمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے؟ امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون (کی سزا) کا ایک حصہ آدم کے بیٹے (قابیل) پر ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد کے قاتلوں کو عذاب نہیں ہوگا اور ان کے گناہ کا عذاب قابیل کو ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قاتل کو اپنے گناہ کی پوری پوری سزا ملے گی' لیکن ظلماً قتل کرنے کو قابیل نے ایجاد کیا تھا' لہٰذا ہر قتل کا سبب قابیل قرار پایا اور قیامت تک جتنے بھی قتل ہوں گے سب کے قتل کا سبب ہونے کی سزا قابیل کو ملے گی اور ان قاتلوں کی اپنی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم حضرت ابن جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: جس شخص نے کسی برے کام کو ایجاد کیا اس پر اپنی برائی کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کے بعد اس برائی پر عمل کرنے والوں کا بھی بوجھ ہوگا اور ان برائی کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ وار کیے گئے تو حضرت صہیب روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: ہائے میرے بھائی! ہائے میرے صاحب! حضرت عمر نے کہا: اے صہیب! تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میت کے گھر والوں میں سے کسی کے رونے سے اس میت کو عذاب ہوتا ہے' حضرت ابن عباس نے کہا: جب حضرت عمر فوت ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کا ذکر کیا' حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے' بہ خدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے' اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے: "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط" . (الزمر: ۷)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے لکھا ہے کہ اگر میت نے یہ وصیت کی ہو کہ اس پر نوحہ کیا جائے تو پھر گھر والوں کے رونے سے اس کو عذاب ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز

حضرت عمر یہ کہتے تھے کہ میت پر گھر والوں کے رونے سے اس میت کو عذاب ہوگا اور حضرت عائشہ نے حضرت ابن عباس

کے سامنے اس کا قرآن مجید سے رد کیا (صحیح بخاری) حالانکہ حضرت عمر دوسرے خلیفہ راشد ہیں اور ان کا مرتبہ حضرت عائشہ سے بڑا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دلیل کے ساتھ اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت عمر اور عثمان حج تمتع کرنے سے منع کرتے تھے اور حضرت علی' حضرت عمران بن حصین وغیرہما ان سے اختلاف کرتے تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حج تمتع کرنا ثابت ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں حاضر تھا' حضرت عثمان تمتع کرنے سے منع کررہے تھے' جب حضرت علی نے یہ دیکھا تو حضرت علی نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا: میں کسی شخص کے قول کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کروں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۲۱۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن مجید بھی نازل ہوا ''فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ'' (البقرہ: ۱۹۶) ''جس نے حج کے ساتھ عمرہ ملا کر تمتع کیا تو اس پر وہ قربانی لازم ہے جو اسے آسان ہو'' اور ایک شخص (حضرت عمر) نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۲۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

سالم بن عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ شام کے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تمتع کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: یہ حلال ہے' شامی نے کہا: آپ کے باپ (حضرت عمر) اس سے منع کرتے تھے! حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میرے باپ نے تمتع سے منع کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا: بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا' حضرت ابن عمر نے فرمایا: تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت علی' حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابن عمر علم و فضل اور مرتبہ و مقام میں حضرت عمر اور حضرت عثمان سے کم درجہ کے تھے لیکن انہوں نے دلائل کی بناء پر اپنے سے بڑے درجہ کے صحابہ سے اختلاف کیا اور ان کا رد کیا اور اس چیز کو ان کے مرتبہ کی خلاف ورزی یا بے ادبی نہیں سمجھا گیا' آج اگر قرآن اور حدیث کی بناء پر کسی مشہور عالم سے اختلاف کیا جائے تو اس کے معتقدین کہتے ہیں کہ ان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا؟ لیکن حضرت ابن عمر وغیرہم پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ کیا حضرت عمر اور عثمان کو قرآن اور حدیث کا علم نہیں تھا؟ کیونکہ خیر القرون میں لوگ اس قدر غلو کا شکار نہیں تھے اور کسی شخص کی رائے اور اس کے قول کو قرآن اور حدیث پر فوقیت نہیں دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کو جائز نہیں قرار دیتے تھے' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کی بناء پر ان سے اختلاف کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان بن ابزی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر حضرت عمر سے پوچھا: میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا' حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے' ہم دونوں جنبی ہو

گئے آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں زمین میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور میں نے نماز پڑھ لی پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیاں زمین پر ماریں' ان پر پھونک ماری اور چہرے اور ہاتھوں پر تیمم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' حضرت ابوموسیٰ نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا: جب ایک شخص جنبی ہو اور اس کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: جب تک پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے' حضرت ابوموسیٰ نے کہا: پھر آپ حضرت عمار کی حدیث کا کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر ان کی روایت سے مطمئن نہیں تھے؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا: اچھا حضرت عمار کی حدیث کو چھوڑیں آپ اس آیت کا کیا جواب دیں گے: ''اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا'' (المائدہ: ۶) ''جب تم جنبی ہو جاؤ اور پانی نہ ملے تو تیمم کرو'' حضرت ابن مسعود کو اس آیت کا کوئی جواب نہ آیا' پھر وہ کہنے لگے: اگر میں لوگوں کو اس کی اجازت دے دوں تو جس کو سردی لگے گی وہ غسل کی جگہ تیمم کرلے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس مسئلہ میں بھی جمہور امت نے حضرت عمر کے قول اور حضرت ابن مسعود کی رائے پر عمل نہیں کیا بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کیا ہے۔

بعض جمود پسند لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ سب مجتہد تھے' ان کا ایک دوسرے سے اختلاف جائز ہے' ہم مقلد ہیں' ہمارا ائمہ اور اکابر علماء سے اختلاف جائز نہیں' میں کہتا ہوں کہ دلائل کی بناء پر ہمارے فقہاء نے امام ابوحنیفہ سے بھی اختلاف کیا ہے' مثلاً علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے خواہ وہ متفرقاً رکھے جائیں یا متصلاً اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ روزے متصلاً رکھنا مکروہ ہیں لیکن عام متاخرین کے نزدیک ان میں کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸ 'مطبوعہ مطبع علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

اور علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنے مستحب ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رمضان کے بعد متصل چھ روزے رکھے اس کو دائماً روزہ رکھنے کا اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

(مراقی الفلاح ص ۳۸۷ 'مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح عقیقہ کو امام ابوحنیفہ نے مباح کہا ہے لیکن ہمارے فقہاء نے حدیث کی بناء پر کہا: یہ سنت ہے اور کار ثواب ہے' بہر حال قرآن اور حدیث سب پر مقدم ہیں اور قرآن اور حدیث کے دلائل کی وجہ سے اکابر علماء سے اختلاف کرنا جائز ہے اور میری زندگی کا یہی مشن ہے کہ قرآن اور حدیث کی بالادستی بیان کروں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور اہل کتاب نے کہا: یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے آپ کہیے: (نہیں) بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو باطل سے

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

اعراض کرنے والے تھے' اور مشرکین میں سے نہ تھے ○ (اے مسلمانو!) تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو

أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَ

ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق

يَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ أُوْتِيَ

یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا، اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ

جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم (ایمان لانے میں) نبیوں میں سے کسی ایک میں (بھی) فرق نہیں کرتے اور ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں O سو اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پائیں گے،

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ

اور اگر وہ انحراف کریں تو (جان لیجئے) کہ وہ محض ضد اور ہٹ دھرمی پر ہیں تو عنقریب ان کے (شر سے بچانے کے) لیے اللہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ ط

آپ کو کافی ہوگا، اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O

حنیف کا معنی

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن صوریا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہدایت صرف ہمارے دین میں ہے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہماری پیروی کریں تو ہدایت پا جائیں گے! اور عیسائیوں نے بھی اسی طرح کہا، تب یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہیے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں جو حنیف ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۴۴ ۔ ۴۴۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حنیف کے معنی ہیں: مستقیم، یعنی ابراہیم کا دین مستقیم ہے، بعض اہل تاویل نے کہا: حنیف کا معنی ہے: حج کرنے والا، اور حضرت ابراہیم کے دین کو حنیف اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے حج کرنے والوں کے امام ہیں اور بعض علماء نے کہا: حنیف کا معنی اسلام ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جو شخص ٹیڑھے راستے سے انحراف کر کے سیدھے راستہ پر چلے وہ حنیف ہے، اہل عرب حج اور ختنہ کرنے والے کو حنیف کہتے تھے کیونکہ وہ ملت ابراہیم پر ہے۔ (المفردات ص ۱۳۳، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا۔الایہ (البقرہ: ۱۳۶)

تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ

جب یہود اور عیسائیوں نے یہ کہا: تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو پہلے فرمایا: آپ کہیے کہ نہیں بلکہ ہم ابراہیم کی ملت پر ہیں' اب فرمایا: تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا الخ' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت کی دلیل ان کے صدق پر معجزہ کا ظہور ہے اور جب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر معجزہ ظاہر ہو گیا' تو آپ پر ایمان لانا واجب ہے' اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور رسالت کی جب قرآن نے شہادت دی تو ان پر بھی ایمان لانا واجب ہوا اور ہم انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں جس طرح یہود اور نصاریٰ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔

باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے محامل

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد پر جو نازل کیا گیا ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے جو احکام ان پر نازل کیے گئے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے' دین ان عقائد اور ان اصول کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء میں مشترک ہیں' مثلاً الوہیت' توحید' رسالت' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' قضاء و قدر کا حق ہونا' عبادت کا فرض ہونا' شرک' قتل ناحق اور جھوٹ کا حرام ہونا وغیرہ اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادت اور معاشرت کے جو احکام ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں اور ہر نبی کی شریعت الگ ہے' تو اگر اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم ان انبیاء سابقین کی شرائع پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ ہر نبی کی شریعت اس کے زمانہ میں برحق تھی اور اب اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع منسوخ کر کے صرف شریعت محمدی کو قیامت تک کے لیے جاری کر دیا ہے اور اگر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم انبیاء سابقین پر نازل ہونے والے صحائف پر ایمان لاتے ہیں تو اس کا محمل یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ جو اصل صحائف اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کیے تھے وہ برحق ہیں اور بعد میں ان کی امتوں نے ان میں جو تحریف کر دی اس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانیہ میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو بلکہ کہو: "امنا باللّٰه وما انزل الینا"۔ الایۃ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (کہو:) ہم اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں۔ (البقرہ: ۱۳۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ان سب انبیاء پر ایمان لانا اسلام کی وجہ سے ہے اور قرآن کی شہادت کے سبب سے ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت معجزہ کے ظہور سے ہوتا ہے اور معجزہ کے ظہور کے بعد کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے تو یہ خواہش نفس کی اتباع ہے دلیل کی اتباع نہیں ہے' سو یہود اور عیسائیوں نے اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کو ظہور معجزہ کی وجہ سے نبی مانا ہے تو ان پر لازم ہے کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبی مانیں ورنہ لازم آئے گا کہ وہ دلیل کے متبع نہیں ہیں بلکہ خواہش نفس کے متبع ہیں' جس کو چاہا نبی مانا اور جس کو چاہا نہ مانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا ئیں گے۔ (البقرہ: ۱۳۷)

اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں اشکال اور اس کے جوابات

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جن پر مسلمان ایمان لائے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید' ان کی تو مثل ہے ہی نہیں بلکہ ان کی مثل کا ہونا محال ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا: اگر وہ ان کی مثل پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں مثل کا لفظ زائد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے' اور اس کا معنی ہے: اگر وہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پالیں گے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۴۳' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۰ھ) دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پر بغیر تحریف اور تغییر کے ایمان لائے ہیں اسی طرح اگر یہود بھی تورات پر بغیر تحریف اور تغییر کے ایمان لائیں تو ہدایت پا جائیں گے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مؤمن بہ میں مماثلت مراد نہیں ہے بلکہ ایمان میں مماثلت مراد ہے یعنی اگر یہ اللہ اور رسول پر تمہاری طرح ایمان لائیں اور تمہاری طرح تصدیق کریں تو یہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لائیں تو ان کے شر سے بچانے کے لیے آپ کو اللہ کافی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ پورا ہوا' اس آیت میں پیش گوئی ہے جو صادق ہوئی اور غیب کی خبر ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کی دلیل ہے' علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تو اس آیت "فسیکفیکھم اللہ" پر حضرت عثمان کا خون گرا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ) واضح رہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کافر آپ کو قتل نہیں کر سکے گا' رہا ایذاء اور تکالیف کا پہنچنا تو وہ اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

(تم ان سے کہو:) ہم نے خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا' اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت

عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ

کرتے ہیں ○ آپ کہیے: کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے' اور ہمارے لیے

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں ○ کیا تم کہتے ہو کہ

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا

بے شک ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی

هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ ءَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ

یا عیسائی تھے؟ آپ کہیے: کیا تم زیادہ جاننے والا ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا

مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے' اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

نہیں ہے O وہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے' اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے

لَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ع ۱۲ ۱۶

لیے ان کا بدلہ ہے' اور ان کے کاموں کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گاO

"صبغۃ اللہ" (اللہ کا رنگ) کی تفسیر

اللہ کے رنگ میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا دین ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عیسائی اپنے بچوں کو پیلے رنگ میں رنگتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اس کے لیے تطہیر ہے اور اب وہ عیسائیت میں داخل ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کے رنگ کو طلب کرو اور وہ دین اسلام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اللہ کی فطرت ہے' یعنی جس فطرت اور خلقت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کی سنت ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رنگ سے مراد اس کی صفات ہوں اور اللہ کے رنگ میں رنگنے سے مراد یہ ہو کہ بندہ اللہ کی صفات سے متصف ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے بحث کرتے ہو' حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کے ساتھ مخلص ہیں۔ (البقرہ: ۱۳۹)

حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ بحث یہ تھی کہ یہود مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تمہاری بہ نسبت ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارے آباء اور ہماری کتابیں تم سے پہلے کی ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہہ دو کہ مقدم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اعتبار صرف عمل کا ہے اور اس عمل کا اعتبار ہے جس میں اللہ کے لیے اخلاص ہو۔

اخلاص کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

خالص کا معنی ہے: صاف' جس چیز میں ملاوٹ ہو اور وہ ملاوٹ دور کر دی جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں' (جس چیز میں ملاوٹ ہو سکتی ہو لیکن ملاوٹ نہ ہو اس کو بھی خالص کہتے ہیں) قرآن مجید میں مسلمانوں کو مخلص فرمایا ہے کیونکہ وہ یہود کی تشبیہ اور نصاریٰ کی تثلیث سے بری ہیں اور اخلاص کی حقیقت ہے: اللہ کے سوا ہر چیز سے بری ہونا۔

(المفردات ص ۱۵۵۔ ۱۵۴' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس عبادت میں ریاکاری کی بالکل آمیزش نہ ہو اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے صاف کر لینا اخلاص ہے' جنید بغدادی نے کہا: اخلاص اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے' نہ اس کو فرشتے جانتے ہیں کہ لکھ سکیں نہ اس کو شیطان جانتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے' اور نہ اس کو خواہش جانتی ہے کہ اس کو کسی طرف مائل کر سکے' ابو القاسم قشیری وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبرائیل سے پوچھا: اخلاص کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق پوچھا' فرمایا: وہ میرا ایک راز ہے جس کو میں نے اپنے محبوب بندہ کے دل میں رکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اپنا عمل کسی کو نہ دکھایا جائے' فضیل بن عیاض نے کہا: لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں ان دونوں سے محفوظ رکھے' ابن معاذ نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ جس طرح دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان سے نکالا جاتا ہے اس طرح عمل صالح کو گناہوں سے متمیز کیا جائے۔ ابو شیخی نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ اس عمل کو نہ فرشتے لکھ پائیں' نہ شیطان فاسد کر سکے' نہ اس پر کوئی انسان مطلع ہو یعنی اللہ کے سوا اس پر کوئی مطلع نہ ہو' حذیفہ المرعشی نے کہا: بندے کے افعال کا ظاہر اور باطن میں برابر ہونا اخلاص ہے' ابو یعقوب المکفوف نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپائے جس طرح اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے' سہل نے کہا: اپنے عمل کو حقیر جاننا اخلاص ہے' ابو سلیمان الدارانی نے کہا: ریاکار کی تین علامتیں ہیں: جب وہ اکیلا ہو تو عبادت سے تھک جاتا ہے' اور جب لوگوں کے درمیان ہو تو تر و تازہ ہوتا ہے اور جب اس کی تعریف کی جائے تو نیک عمل زیادہ کرتا ہے' اور اخلاص ریا کے بالمقابل ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۶۵۹ ـ ۶۵۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ آپ کہیے: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ (البقرہ: ۱۴۰)

حضرت ابراہیم اور اسماعیل وغیرہ کے دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان

یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء یہودی تھے اور عیسائی ان کو عیسائی کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا ہے' یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت ابراہیم موحد تھے' اسی طرح ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء بھی موحد تھے اور حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے وفات سے پہلے اپنے بیٹوں سے توحید پر تادم مرگ قائم رہنے کا اقرار کرایا جیسا کہ قرآن مجید میں گزر چکا ہے' اور یہود مشرک تھے کیونکہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی بھی شرک کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں' اس لیے یہود اور عیسائیوں کا حضرت ابراہیم اور ان انبیاء کو اپنے اپنے دین پر کہنا بداہۃً باطل ہے۔

واضح رہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے '' اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ''. (آل عمران: ۱۹) اور ان کی شریعت الگ الگ ہے '' لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا '' (المائدہ: ۴۸) یعنی انسان کے فکری اور تہذیبی ارتقاء اور زمانہ اور ماحول کے خصوصی تقاضوں کی وجہ سے ہر نبی کے دور میں عبادات اور معاملات کے الگ الگ طریقے مشروع (مقرر) کیے گئے' البتہ عقائد سب کے ایک ہی تھے اور بعض غیر متبدل اصول بھی ہر دور میں برقرار رہے جیسا کہ ہم '' مالك يوم الدين ''

کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے۔ (البقرہ: ۱۴۰)

اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا

اس شہادت کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ یہود اور عیسائیوں کو یہ علم تھا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں یہ انبیاء یہودی یا عیسائی نہیں تھے اور انہوں نے علم کے باوجود اس شہادت کو چھپایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شہادت موجود تھی لیکن انہوں نے اس کو چھپایا' حالانکہ بعض راہبوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کی تصدیق کی اور قرآن مجید میں ہے: ''یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ'' (الانعام: ۲۰) ''وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔ اس کے باوجود وہ حسد اور عناد کی وجہ سے اس شہادت کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک امت ہے جو گزر چکی ہے' اس نے جو کام کیے اس کے لیے ان کا بدلہ ہے اور تم نے جو کام کیے تمہارے لیے ان کا بدلہ ہے۔ (البقرہ: ۱۴۱)

ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق

یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی' یہ معنی برحق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی شخص کو دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اس کلیہ کی وجہ سے فوت شدہ مسلمانوں کے لیے ایصال ثواب کے جواز کا انکار کرنا باطل ہے' بعض لوگ قرآن مجید کی اس آیت کی بناء پر ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں:

اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿النجم: ۳۹﴾ انسان کے لیے صرف اسی کی کوشش کا اجر ہے O

اور ایصال ثواب میں دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے اس لیے وہ ناجائز ہے' یہ دلیل باطل ہے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (الطور: ۲۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی' ان کی اولاد کو ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس آیت سے پہلے صحف ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے' اس لیے یہ حکم ان کی امتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

رہی یہ امت تو اس کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور جو اس کے لیے سعی کریں گے اس کا اجر بھی ملے گا' تیسرا جواب یہ ہے کہ علامہ ربیع بن انس اور علامہ ثعلبی نے فرمایا: اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہیں اور کافروں کو صرف ان کی سعی کا اجر ملتا ہے اور وہ بھی صرف دنیا میں' آخرت میں ان کے لیے کوئی چیز نہیں ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ علامہ حسین بن فضل نے کہا: اس آیت میں دوسروں کی سعی سے جس اجر کی نفی ہے وہ بہ طریق عدل ہے اور جس اجر کا ثواب ہے وہ بہ تقاضاء فضل ہے' پانچواں

جواب یہ ہے کہ علامہ ابوبکر وراق نے کہا: اس آیت میں سعی' نیت کے معنی میں ہے یعنی انسان کو صرف اپنی نیت کا اجر ملتا ہے' چھٹا جواب یہ ہے کہ آیت میں لام بہ معنی ''علی'' ہے یعنی انسان کو صرف اس کے عمل سے گناہ ہوتا ہے دوسروں کے عمل کا بار اس پر نہیں' ساتواں جواب یہ ہے کہ علامہ زعفرانی نے کہا: اس آیت میں سعی سے مراد عام ہے انسان نے خود سعی کی ہو یا سعی کا سبب فراہم کیا ہو مثلاً جس انسان کی اولاد' دوست احباب اور ملنے والے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں تو یہ بھی اس کی سعی کا سبب ہے کیونکہ وہ اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرتا ہے اور قرابت داروں اور ملنے جلنے والوں سے ایسا حسن سلوک کرتا ہے جس کی بناء پر وہ اس کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں گویا کہ اس دعا اور استغفار کا سبب اس شخص کی سعی سے قائم ہوا' آٹھواں جواب یہ ہے کہ علامہ عینی نے فرمایا: یہ حصر اصل مقصود کے اعتبار سے ہے کل کے اعتبار سے نہیں ہے۔

(حاشیہ مراقی الفلاح ص ۳۷۷' مطبوعہ مصطفی البابی' مصر' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۵۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو صرف اس کے عمل سے نفع ہوتا ہے وہ اجماع کا مخالف ہے اور یہ متعدد وجوہ سے باطل ہے' ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کو دوسرے شخص کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے اور یہ عمل غیر سے فائدہ پہنچا' دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان محشر میں پہلے حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے' پھر جنت میں دخول کے لیے سفارش کریں گے اور آپ کے عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچے گا' تیسری وجہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ (گنہگار) شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور یہ نفع عمل غیر سے ہوگا' چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتے زمین والوں کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں' پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ایسے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالے گا جن کا کوئی عمل صالح نہیں ہوگا اور یہ نفع بغیر عمل اور سعی کے حاصل ہوا' چھٹی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اولاد اپنے آباء کے عمل سے جنت میں جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو یتیم لڑکوں کے قصہ میں بیان فرمایا: ''وکان ابوھما صالحا'' ان لڑکوں کو اپنے باپ کی نیکی سے فائدہ پہنچا۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ میت کو دوسروں کے کیے ہوئے صدقات سے فائدہ پہنچتا ہے' نویں وجہ یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ میت کے ولی کی طرف سے حج کرنے سے میت سے حج مفروض ساقط ہو جاتا ہے اور یہ فائدہ بھی عمل غیر سے ہے' دسویں وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ نذر مانا ہوا حج اور نذر مانا ہوا روزہ بھی غیر کے کرنے سے ادا ہو جاتا ہے' گیارہویں وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھی حتیٰ کہ ابوقتادہ نے اس کا قرض ادا کر دیا' اس طرح غیر کے عمل سے قرض ادا ہوا' بارہویں وجہ یہ ہے کہ ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس پر صدقہ کیوں نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور اس کو جماعت کا ثواب مل جائے' تیرہویں وجہ یہ ہے کہ اگر کسی میت کی طرف سے لوگ قاضی کے حکم سے قرض ادا کریں تو میت کا قرض ادا ہو جاتا ہے' چودھویں وجہ یہ ہے کہ جس شخص پر لوگوں کے حقوق ہیں اگر لوگ وہ حقوق معاف کر دیں تو وہ بری ہو جاتا ہے' پندرہویں وجہ یہ ہے کہ نیک پڑوسی سے زندگی میں اور موت کے بعد بھی نفع حاصل ہوتا ہے' سولہویں وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے: ذکر کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ایک ایسا شخص بخشا گیا جس نے ذکر نہیں کیا تھا' صرف ان کی مجلس میں بیٹھنے کی وجہ سے بخشا گیا' سترہویں وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لیے استغفار کرنا' عمل غیر کا نفع ہے' اٹھارہویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ'' (الانفال: ۳۳) ''اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ ان میں موجود ہوں'' اور انیسویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ ''(الفتح: ۲۵)اور فرمایا: ''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ''(البقرہ: ۲۵۱)''اور اگر بعض لوگوں کی نیکیوں کے سبب اللہ تعالیٰ بعض بروں سے عذاب نہ ٹالے تو زمین تباہ و برباد ہو جائے'' اور یہ عمل غیر سے نفع ہے بیسویں وجہ یہ ہے کہ نابالغ کی طرف سے بالغ صدقہ فطر ادا کرتا ہے' اکیسویں وجہ یہ ہے کہ (ائمہ ثلاثہ کے نظریہ کے مطابق) نابالغ کی طرف سے اس کا ولی زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہ عمل غیر سے نفع حاصل کرنا ہے' معلوم ہوا کہ کتاب' سنت اور اجماع کی روشنی میں عمل غیر سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(فتح البیان ج ۹ ص ۱۴۴۔ ۱۴۳ 'مطبوعہ مطبع بولاق' مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۱ھ)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں کو) ان کے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے

الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ

آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں' وہ جسے چاہے

يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے O اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ

تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں' اور

مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

(اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول

يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى

کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے

اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

ان کے سوا سب پر یہ (قبلہ کا بدلنا) بھاری ہے' اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے' بے شک اللہ لوگوں

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

پر بہت مہربان ہے بے حد رحم فرمانے والا ہے O

آیا مکہ میں ابتداءً آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداءً نماز فرض ہوئی تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا خانہ کعبہ کی طرف' حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ منورہ کے ابتدائی سترہ مہینوں میں آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا' علامہ بدر الدین عینی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴۰) تاہم آپ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ جب آپ پر ابتداءً نماز فرض ہوئی تو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا' حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر نے کہا: میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے یہود کی تالیف قلب کے لیے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تاکہ دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے ان میں زیادہ داعیہ ہو اور جب آپ ان کے قبول اسلام سے مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ چاہا کہ آپ کو پھر کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں اہل عرب کے قبول اسلام کا زیادہ داعیہ تھا' ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہود کی مخالفت کی بناء پر ایسا کیا۔

تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ مکہ میں آپ کا قبلہ کعبہ تھا تو پھر دو بار قبلہ کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اس لیے محققین کا نظریہ ہے کہ آپ ابتداءً مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

تحویل قبلہ کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً مدینہ میں آئے تو اپنے نانا یا ماموں کے گھر ٹھہرے اور آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے اور آپ نے اس کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی' آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی' پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ اس وقت رکوع میں تھے اس نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے' وہ لوگ نماز کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے' یہود اور دیگر اہل کتاب کو یہ پسند تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں' جب آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا تو ان کو یہ ناگوار ہوا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۔ ۱۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اس مسجد کے نمازیوں کو خبر واحد سے یہ علم ہو گیا کہ قبلہ بدل گیا ہے اب ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس نماز کو توڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور تحویل قبلہ کی تحقیق کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس خبر پر اعتماد کر کے نماز میں قبلہ بدل لیتے' انہوں نے اجتہاد سے دوسری صورت پر عمل کیا' اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے اور اپنے اجتہاد سے نماز میں قبلہ کی سمت بدلنا جائز ہے' بلکہ اگر ہر رکعت میں اس پر قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد سے ہر رکعت میں سمت بدل لے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری'' کی اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ کی طرف جو نماز سب سے پہلے پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی' اور امام مالک کی روایت میں ہے: وہ صبح کی نماز تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم بنوسلمہ کی مسجد میں نازل ہوا' اس وقت آپ ظہر کی نماز میں تھے اور دو رکعت پڑھ چکے تھے' پھر نماز ہی میں آپ نے قبلہ بدل لیا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا' چونکہ بیت اللہ اور بیت المقدس ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اس لیے نماز میں مرد گھوم کر عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں گھوم کر مردوں کی جگہ چلی گئیں۔

ابوحاتم البستی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے سترہ ماہ اور تین دن بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں' کیونکہ آپ بارہ ربیع الاول کو مدینہ منورہ آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منگل کے دن نصف شعبان کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی کیفیت میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) حسن' عکرمہ اور ابوالعالیہ نے کہا: آپ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا۔

(۲) طبری نے کہا: آپ کو بیت المقدس اور بیت اللہ میں سے کسی ایک کی طرف منہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا' آپ نے یہود کے ایمان لانے کی خواہش کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کر لیا۔

(۳) حضرت ابن عباس نے کہا: آپ نے اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کو اختیار کیا تھا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے (اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں' جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے) اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۰- ۱۴۸ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر چلاتا ہے O (البقرہ: ۱۴۲)

تحویل قبلہ سے متعلق مسائل

اس آیت میں منافقین اور یہود کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ بیت المقدس خود مستقل بالذات ہے کیونکہ مشرق اور مغرب سب اس کی ملک ہیں' وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے وہی قبلہ ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کی تفسیر میں جو ''صحیح بخاری'' کی روایت ذکر کی گئی ہے ان سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب یہ بے وقوف یہ کہیں گے کہ ''مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے اور یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور یہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت کی قوی دلیل ہے۔

(۲) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسے احکام بھی ہیں جو ناسخ اور منسوخ ہیں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید نے جس حکم کو سب سے پہلے منسوخ کیا ہے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

(۳) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں تھا' یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس حکم کو منسوخ کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت کا ناسخ ہے۔

(۴) خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ اہل قبا کو جب یہ خبر پہنچی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے نماز کی حالت میں اپنا قبلہ بدل لیا۔

(۵) جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد بھی اہل قبا نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی کیونکہ ان کو اس وقت تک تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید تدریجاً نازل ہوتا تھا اور حسب ضرورت احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔

نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار

تمام نمازیوں کے لیے کسی ایک جہت کو قبلہ بنانے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اگر نماز میں کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا کوئی مغرب کی طرف اور کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف اور اس طرح عبادت میں مسلمانوں کی وحدت' نظم اور جمعیت نہ رہتی اور جب تمام دنیا کے مسلمان ایک جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تو ان کی عبادت میں وحدت' نظم اور جمعیت پائی جائے گی اور اسلام نے تمام عبادات میں مسلمانوں کو وحدت اور نظم کے تابع کیا ہے۔

(۲) جب انسان کسی صاحب اقتدار کے پاس جاتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے' نماز میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی حمد و ثناء کرتا ہے' اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی درخواست پیش کرتا ہے تو اس کی توجہ کے ارتکاز کے لیے قبلہ بنایا گیا۔

(۳) نماز میں اصل یہ ہے کہ خضوع' خشوع' اور حضور قلب ہو' اگر انسان مختلف جہات کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے تو اس سے حضور قلب حاصل نہیں ہوگا اس لیے ایک قبلہ بنایا گیا تا کہ سب اس کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھیں۔

کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار

(۱) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے متعلق فرمایا: یہ میرا گھر ہے "اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ" (البقرہ: ۱۲۵) تو اپنی عبادت کرنے والوں کے لیے اپنے بیت کو قبلہ بنا دیا۔

(۲) یہود نے سمت مغرب کو قبلہ بنایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو مغرب کی جانب سے ندا آئی تھی: "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ" (القصص: ۴۴) اور عیسائیوں نے جہت مشرق کو قبلہ بنایا کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس جانب مشرق سے گئے تھے "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا" (مریم: ۱۶) تو مسلمانوں کا قبلہ کعبہ بنایا کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے اور سیدنا محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے اور اللہ کا حرم اور بیت اللہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ (آل عمران: ۹۷-۹۶)

بے شک (اللہ کی عبادت کے لیے) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے ۝ اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے' جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ. (المائدہ: ۹۷) اللہ نے کعبہ کو عزت والا گھر اور لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا۔

(۳) کعبہ زمین کے وسط میں ہے‘ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین کے وسط کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں کیفیت متوسط (عدل) کو اختیار کریں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر یہ ظاہر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں‘ کیونکہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی یہ وجہ بیان فرمائی:

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا. (البقرہ: ۱۴۴) ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۝ (طٰہٰ: ۱۳۰) اور رات کے کچھ اوقات اور دن کے اطراف میں اس کی تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں۝

دنیا میں آپ کو راضی کرنے کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا‘ اور دن رات میں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور آخرت میں آپ کو راضی کرنے کے لیے مقام محمود اور شفاعت کبریٰ سے نوازا:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ (بنی اسرائیل: ۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر فرمائے گا۝

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۝ (الضحیٰ: ۵) اور عنقریب ضرور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۝

(۵) حضرت آدم نے پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر کعبہ بنایا تھا‘ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تمہارے گناہ پہاڑ جتنے بھی ہوئے تو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے سے جھڑ جائیں گے۔

(۶) جب مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود طعنہ دیتے تھے کہ تم ہماری مخالفت کرتے ہو اور ہماری مسجد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا قبلہ بدل دیا‘ اور کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۷) مسلمان ملت ابراہیم کے اتباع کے داعی تھے اس لیے حضرت ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کو ان کا قبلہ بنا دیا۔

(۸) جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے تو اس کو قبلہ بنانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

استقبال کعبہ کے فقہی مسائل

(۱) نماز میں مسجود لہ اللہ تعالیٰ ہے‘ کعبہ کو سجدہ کرنے کی نیت کرنا کفر ہے۔

(۲) کعبہ سے مراد وہ جگہ ہے اور تحت الثریٰ سے لے کر عرش عظیم تک وہ فضاء ہے جہاں کعبہ بنا ہوا ہے حتیٰ کہ اگر بیت اللہ کی یہ عمارت نہ بھی ہو تو اس جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی۔

(۳) مکہ اور مدینہ میں رہنے والوں کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور دوسروں کے لیے کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔

(۴) اگر کسی شخص کو اندھیرے یا لاعلمی کی وجہ سے کعبہ کی سمت کا پتا نہ ہو تو وہ غور و فکر کرے اور جس جانب اس کا ظن غالب ہو

اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے اگر بعد میں یہ پتا چلے کہ اس نے غلط سمت کی طرف نماز پڑھی تو اس پر اعادہ نہیں ہے اگر نماز کی ہر رکعت میں اس کی رائے بدل جائے تو اپنی رائے کے مطابق ہر رکعت میں پھرتا رہے۔

(۵) نفل نماز چلتی سواری پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو۔

(۶) عذر کی وجہ سے فرض نماز چلتی سواری (خواہ چلتی ٹرین ہو) پر جائز ہے خواہ سواری کا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو اور بعد میں اس کا اعادہ نہیں ہے۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۲۹۱۔ ۲۸۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ)

کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی[۱] علامہ ابن عابدین شامی حنفی[۲] اور علامہ سید احمد طحطاوی حنفی[۳] نے لکھا ہے کہ کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے اور اس مسئلہ کو نجم الملۃ والدین علامہ عمر نسفی اور علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی نے نقل کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا: تیری حرمت کس قدر عظیم ہے لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے' اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے: تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے' سو جب بندہ مومن کعبہ سے افضل ہے تو کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا بعید نہیں ہے' رہا یہ شبہ کہ اگر کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو اتنا بھاری بھرکم جسم کیسے منتقل ہوتا ہے اور تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ کعبہ اپنی جگہ سے کبھی غائب ہوا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے (واقعہ معراج میں) میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس کو لا کر میرے سامنے دار عقیل کے پاس رکھ دیا اور میں اس کو دیکھ رہا تھا' بیت المقدس بھی ایک بھاری جسم ہے اور اس کا منتقل ہونا بھی عادۃً محال ہے اور اس کے متعلق بھی تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ وہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہو اس حدیث کی یہ توجیہ ہے کہ بیت المقدس کی مثال اس کی جگہ پر تھی اور اس کی حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی گئی اس طرح ہو سکتا ہے کہ حقیقت کعبہ زیارت کے لیے گئی ہو اور اس کی مثال وہاں اس کے قائم مقام کر دی گئی ہو۔

(بوادر النوادر ص ۱۳۷-۱۳۵ 'ملخصا' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' ۱۹۶۴ء)

اور قرآن مجید میں پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لانے کا واقعہ مذکور ہے اس سے یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ ایک بھاری جسم کیسے منتقل ہو سکتا ہے۔

علامہ یافعی یمنی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو دور دراز کے شہروں سے کعبہ دکھایا' ایک اور شخص نے بعض منکرین کو دکھایا

۱۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ' درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمحتار ج ۲ ص ۶۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۳۔ علامہ سید احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ' حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۱۳۹' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۵ھ

کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اور ہم نے تحقیق کے ساتھ یہ سنا ہے کہ تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ مشاہدہ کیا گیا کہ کعبہ ایک جماعت کا حقیقتاً طواف کر رہا تھا اور میں نے بعض معتمد اولیاء اور مستند علماء کو دیکھا ہے جنہوں نے کعبہ کو اولیاء کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (روض الریاحین فی حکایات الصالحین ص ۴۳ 'مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں کعبہ کی تعظیم اور توقیر اور ہیبت اور جلال اور زیادہ کرے' ہمیں یہ نقول اور دلائل بہت عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں خصوصاً اس لیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والاولیاء ہیں لیکن آپ نے کعبہ کا طواف کیا اور آپ کے گرد کعبہ کا طواف کرنا ثابت نہیں ہے' اگر ان مستند فقہاء اور علماء نے کعبہ کے طواف کرنے کو نقل نہ کیا ہوتا تو ہم اس کو صراحتہً رد کر دیتے' جو فضیلت آپ کے لیے ثابت نہ ہو اس فضیلت کو ہم آپ کے امتی کے لیے ثابت کرنے کی جرات نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے تمہیں متوسط (بہترین) امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔ (البقرہ: ۱۴۳)

امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا

اس کلام کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے' اول میں ہے: آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں اور آخر میں ہے: (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے الخ اور درمیان میں اس کلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب کیا گیا ہے' اس میں یہود کو بتایا گیا ہے کہ تم مسلمانوں کے قبلہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور ان کے دین کو کیوں قبول نہیں کرتے حالانکہ مسلمان قیامت کے دن تمہارے خلاف شہادت دیں گے اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی' اس لیے تم کو چاہیے کہ تم دنیا میں ان کی مخالفت نہ کرو اور ان کے دین کی پیروی کرو۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح کو قیامت کے دن بلایا جائے گا' وہ کہیں گے: میں حاضر ہوں اے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا نوح نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ ان کی امت کہے گی: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا! اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے فرمائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت' اور وہ گواہی دیں گے کہ حضرت نوح نے ان کو تبلیغ کی تھی' یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہوگا' اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے' اس سے کہا جائے گا: کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا: ہاں! پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: نہیں' پھر اس نبی سے کہا جائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت' پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا: کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا: تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے' اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۲ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب سے افضل ہونا

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم کو ہدایت یافتہ بنایا ہے اور تمہارے قبلہ کو تمام امتوں کے قبلہ سے افضل بنایا ہے اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط یعنی سب سے افضل امت بنایا ہے۔ دائرہ میں جس نقطہ (مرکز) سے محیط کی طرف تمام مساوی خطوط نکلتے ہیں ان مساوی خطوط کو خط وسط کہتے ہیں اور عرف میں وسط سے وہ کیفیت مراد ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو‘ مثلاً اسراف اور بخل کے درمیان سخاوت ہے اور رہبانیت اور فسق و فجور کے درمیان عفت ہے اور کیفیت متوسط سب سے افضل ہوتی ہے‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو سب سے افضل امت بنایا ہے۔ باقی امتوں میں سے یہود و نصاریٰ ہیں جو ایک سے زیادہ خدا مانتے ہیں اور یادہریے ہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں‘ ان میں مسلمان متوسط ہیں جو خدا کے وجود کے قائل ہیں اور صرف ایک خدا مانتے ہیں‘ ہندو نبوت کے قائل نہیں اور مرزائی قیامت تک نبوت کو جاری مانتے ہیں اور مسلمان نبوت کے قائل ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم مانتے ہیں‘ اسی طرح اسلام کے فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسط ہیں‘ رافضیہ صحابہ کو سب اور لعنت کرتے ہیں‘ ناصبیہ اہل بیت کو سب کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تعظیم کرتے ہیں‘ جبریہ کہتے ہیں: انسان مجبور محض ہے‘ معتزلہ کہتے ہیں: انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسان کو کسب کا اختیار ہے اور افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے‘ خوارج کہتے ہیں کہ صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرنا کفر ہے اور مرجئہ کہتے ہیں کہ گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو عذاب کا مستحق ہوتا ہے‘ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام متوسط ہے اور اسلام کے تمام فرقوں میں اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور متوسط ہونا افضل ہونے کو مستلزم ہے۔

عدالت صحابہ اور حجیت اجماع

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امت مسلمہ کو گواہ قرار دیا ہے اور گواہی اس کی مقبول ہوتی ہے جو عادل اور نیک ہو اور اس آیت کے اولین مخاطب اور مصداق حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں‘ سو یہ آیت اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام صحابہ عادل اور نیک ہیں اور شیعہ کا یہ کہنا باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تین چار کے سوا باقی تمام صحابہ (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے‘ نیز صحابہ کرام کے علاوہ قیامت تک کے تمام مسلمان بھی امت مسلمہ میں ثانیاً و بالعرض داخل ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ امت مسلمہ کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی کیونکہ ان کا گمراہی پر مجتمع ہونا ان کی عدالت اور نیکی کے خلاف ہے اور جو عادل نہ ہو وہ گواہ نہیں ہو سکتا اس لیے امت مسلمہ کا گواہ ہونا امت مسلمہ کے اجماع کے حق اور حجت ہونے کو مستلزم ہے‘ اور یہ واضح رہے کہ کفر اور بدعت عدالت کے منافی ہے اس لیے امت مسلمہ کے اجماع میں روافض‘ خوارج اور مشبہہ وغیرہ داخل نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔ (البقرہ: ۱۴۳)

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں پچھلی امتوں اور اس امت کے افعال اور احوال کا ———— نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جانا

عربی قواعد کے مطابق ''علی'' جب شہادت کا صلہ ہو تو اس کا معنی ہے: کسی کے خلاف گواہی دینا اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کے حق میں گواہی دیں گے اور ان کے عادل اور نیک ہونے کو بیان کریں گے‘ علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں شہید رقیب اور مہیمن (نگہبان) کے معنی کو متضمن ہے اور ''علی'' رقیب کا صلہ ہے‘

اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں' اس لیے ان کے حق میں گواہی دیں گے۔

(انوار التنزیل ص ۲۹ 'مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع)

بہ کثرت احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پچھلی امتیں پیش کی گئیں اور اس امت کے افعال اور اعمال آپ پر پیش کیے گئے اور چونکہ آپ سب کے احوال اور افعال پر مطلع ہیں اس لیے سب کے متعلق گواہی دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان (سب) پر گواہ بنا کر لائیں گے ○

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے فاسد عقائد اور برے اعمال کے خلاف گواہی دے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کی گواہی کے صدق پر گواہی دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہوں گے' کیونکہ بغیر علم کے گواہی جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے احوال اور افعال پر مطلع فرمایا ہے اور ان کی دنیا اور آخرت کا آپ کو علم عطا فرمایا ہے' اور خصوصاً آپ کی امت کے اعمال قبر انور میں آپ پر پیش کیے جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی' پھر وہاں چاشت کے وقت تک بیٹھے رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے' پھر اسی جگہ بیٹھے رہے' پھر آپ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء پڑھیں اور اس دوران کسی سے بات نہیں کی' پھر گھر تشریف لے گئے' لوگوں نے حضرت ابوبکر سے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں کہ آج کا دن آپ نے غیر معمولی طور پر گزارا' حضرت ابوبکر نے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اور آخرت کے امور میں سے جو کچھ بھی ہونے والا تھا وہ سب مجھ پر آج پیش کیا گیا' تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کیا گیا' لوگ گھبرا کر حضرت آدم کے پاس گئے درآں حالیکہ وہ لوگ منہ تک پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۴ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام ابوعوانہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۷۷۔۱۷۶ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امت کے اچھے اور برے (تمام) اعمال پیش کیے جاتے ہیں' میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ نجاست کو راستہ سے ایک طرف کر دیا گیا' اور برے اعمال میں دیکھا کہ ناک کی ریزش کو مسجد میں ڈال دیا گیا اور اس کو دفن نہیں کیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام احمد[1]' امام ابوعوانہ[2] اور امام بیہقی[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] امام احمد حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

[2] امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۴۰۶ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت

[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۱ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں:
بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی' مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب میں برا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۴' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۳۸۸ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)
حافظ ابن حجر عسقلانی[۱] علامہ علی متقی ھندی[۲] اور علامہ مناوی[۳] نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر' امام بزاز کی سند بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں' وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں' اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
اس حدیث کو امام بزار نے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔
(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام عبداللہ بن عدی الجرجانی روایت کرتے ہیں:
خراش بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت تمہارے لیے بہتر ہے' حیات اس لیے بہتر ہے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں' اور میری موت اس لیے بہتر ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں' سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال' ج ۳ ص ۹۲۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث کو امام ابن جوزی نے حضرت انس کی روایت سے ذکر کیا ہے' اس روایت میں ہر جمعرات کو عرض اعمال کا ذکر ہے پیر کا ذکر نہیں ہے۔ (الوفاء ص ۸۱۰' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۶۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:
حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے' اس دن مجھ پر بہت زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھا کرو' کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری صلوٰۃ آپ پر کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳۔ ۲۲' مطبوعہ توزیع عباس احمد الباز' مکہ مکرمہ
۲۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۔ علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر ج ۳ ص ۴۰۱' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۱ھ

اللہ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۹۔ ۱۵۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے (نیک کاموں کے) اجر پیش کیے گئے حتیٰ کہ مسجد سے کوڑا کرکٹ نکال کر پھینکنے کا اجر پیش کیا گیا' اور میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا کوئی آیت دی گئی ہو اور اس نے اس کو بھلا دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی [1]' امام بیہقی [2]' امام طبرانی [3] اور امام عبدالرزاق [4] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت پر جو کچھ مفتوح تھا وہ آپ پر پیش کر دیا گیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ نور الدین الہیثمی امام بزار کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کو پیش کیا گیا اور ان میں تابع ہو یا متبوع' مجھ پر کوئی مخفی نہیں رہا۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابونعیم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں' ایک نبی کے ساتھ ایک جماعت گزری' ایک نبی کے ساتھ ایک اور دو آدمی گزرے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابوعوانہ [5] اور امام طبرانی [6] نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔ (البقرہ: ۱۴۳)

بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا اشکال اور اس کے جوابات

اس آیت کا لفظی معنی یہ ہے: تاکہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے' لیکن اس ترجمہ سے یہ لازم آتا ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ رسول کی پیروی کرنے والے اور دین سے پھر جانے والے کون ہیں' بعض مترجمین نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے:

---

1. امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
2. امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۴۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان
3. امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ
4. امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ' المصنف ج ۳ ص ۳۶۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ
5. امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۸۵' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت
6. امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت

شیخ محمود الحسن اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو پہلے تھا' مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں۔
شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:
اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔
سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:
پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پیر پھر جاتا ہے۔
اس عبارت میں دیکھنے سے متبادر بھی جاننا ہے اس لیے یہ عبارت محل اشکال ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت میں دیکھنے کا لفظ جاننے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔
اور ہم نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:
اور (اے رسول!) جس قبلہ پر آپ پہلے تھے ہم نے اس کو اسی لیے قبلہ بنایا تھا تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔
ہم نے اس آیت میں علم کو اظہار اور تمیز کے معنی پر محمول کیا ہے تاکہ صرف اردو پڑھنے والے لوگ جن کی عربی تفاسیر تک رسائی نہیں ہے یہ وہم نہ کریں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی ہو رہی ہے۔ معاذ اللہ!
اس آیت کا ظاہری معنی ہے: تاکہ ہم جان لیں یا تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے' اس معنی پر جو اشکال ہے اس کے امام رازی نے متعدد جواب دیے ہیں:
(۱) تاکہ ہم جان لیں' اس کا معنی ہے: تاکہ ہمارے نبی اور ایمان والے جان لیں' جیسے بادشاہ کہتا ہے: فلاں شہر ہم نے فتح کیا' یعنی ہماری فوجوں نے فتح کیا۔
(۲) علم بہ معنی تمیز ہے یعنی تاکہ ہم رسول کے متبعین کو غیر متبعین سے ممتاز کر دیں۔
(۳) علم بہ معنی مشاہدہ ہے' یعنی تاکہ ہم یہ مشاہدہ کر لیں کہ کون متبع ہے' اللہ کو اس کا علم تو پہلے تھا لیکن مشاہدہ تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔
(۴) اس آیت میں حدوث علم مخاطبین کی طرف راجع ہے یعنی تاکہ تم لوگ یہ جان لو کہ کون متبع ہے اور کون پھرنے والا ہے۔
(۵) علم بہ معنی تحقق ہے یعنی تاکہ واقع میں متبعین متحقق ہو جائیں اور آپ کی اتباع سے پھرنے والے متحقق ہو جائیں۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۱۔ ۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:
یہ کلام بہ طور تمثیل ہے یعنی تحویل قبلہ کا یہ فعل اس شخص کے فعل کی مثل ہے جو یہ جاننا چاہے کہ کون متبع ہے اور کون غیر متبع ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ علم بہ معنی جزاء آیا ہے اور اس آیت میں بھی علم بہ معنی جزاء ہے' یعنی تاکہ ہم آپ کی اتباع کرنے والے کو جزا دیں اور آپ کی اتباع سے پھرنے والے کو سزا دیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ٦ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے سوا سب پر یہ (قبلہ کا بدلنا) بھاری ہے۔ (البقرہ: ۱۴۳)

اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل کر لوگوں کو امتحان میں ڈالا' اور یہ امتحان ان پر اس لیے بھاری تھا کہ جو چیز مالوف ہو اور جس کی عادت ہو اس کو ترک کرنا اور اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو چھوڑنا بہت دشوار ہوتا ہے اور ہر نئی چیز سے انسان متوحش ہوتا ہے' البتہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت پیدا کر دی اور اس نے اپنی طبیعت کو شریعت میں ڈھال لیا' اس کو فی نفسہ کسی چیز سے رغبت نہیں ہوتی' اس کی رغبت تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں ہے' اس کے نزدیک بیت المقدس کی جہت مقصود ہے نہ کعبہ کی سمت' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ تھا اور اب اللہ اور رسول نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اس کا قبلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ (البقرہ: ۱۴۳)

نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے' کچھ شہید ہو گئے اور ہم نے نہیں جانا کہ ہم (بیت المقدس کی طرف ان کی پڑھی ہوئی نمازوں کے متعلق) کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(ترجمہ) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

اس آیت میں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے' اس سے محدثین اور ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں اعمال داخل ہیں' اور متکلمین اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور ایمان کامل میں ہمارے نزدیک بھی اعمال داخل ہیں' البتہ نفس ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں' سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

جس پر آپ راضی ہیں' پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف

وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

پھیر لو اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ

حق ہے' اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے ۝ اور اگر آپ

أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اہل کتاب کے پاس ہر قسم کا معجزہ بھی لے کر آئیں پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور (اے مخاطب!) اگر علم حاصل

اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

ہونے کے بعد تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تو بے شک ضرور

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ظلم کرنے والوں میں سے ہوگا O جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق یقیناً جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے O

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) بے شک ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ (البقرہ: ۱۴۴)

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کردے گا اور یہ نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو۔ (البقرہ: ۱۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا خواہ وہ کسی جگہ ہوں اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہٖ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمین پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہیے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز کی حالت قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہیے نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولیٰ ہوگا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہوگا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۰۔ ۱۵۹ ملخصاً مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

قیام میں نظر موضع سجود کی طرف ہونی چاہیے اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور سجدہ میں ناک کے نرم گوشے کی طرف اور بیٹھتے وقت گود میں اور سلام کے وقت کندھوں کی طرف اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس کی نظر بھی ان ہی مواضع کی طرف ہو کیونکہ اس سے مقصود خشوع ہے جب وہ قصداً ان مواضع کی طرف دیکھے گا تو اس کی توجہ ادھر ادھر ہٹنے سے محفوظ رہے گی اور جب کہ مقصود خشوع ہے اور ان مواضع کی طرف دیکھنے سے خشوع حاصل نہ ہو تو ان سے عدول کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خشوع کا معنی ہے: عجز اور انکسار کرنا اور آنکھیں نیچی کرنا اور اللہ تعالیٰ نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی مدح فرمائی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۲۔۱)

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے ۝ جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ۝

اس لیے نماز کی حالت قیام میں سجدہ گاہ پر نظر رکھنا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے اور یہ کعبہ کی طرف چہرہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (البقرہ: ۱۴۴)

اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم

یعنی یہود اور نصاریٰ کو یہ علم ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود و نصاریٰ کو کیسے یہ علم ہوگا حالانکہ یہ حکم ان کے دین میں تھا نہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے یہ علم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں آپ اللہ کی وحی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے اور آپ کی کہی ہوئی ہر بات حق اور صواب ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنے دین سے یہ معلوم تھا کہ احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان کو علم تھا کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے اس لیے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے علم تھا کہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور یہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ معجزات اور دیگر دلائل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو چکی تھی

اس لیے ان کو لامحالہ علم تھا کہ جس جانب کو آپ نے قبلہ قرار دیا ہے وہی قبلہ ہے' پانچواں جواب یہ ہے کہ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا حکم بھی لکھا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر علم حاصل ہونے کے بعد تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی' تو تو بے شک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہوگا O (البقرہ: ۱۴۵)

علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ قبیح ہونا

اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے جن کے لیے خواہش کی اتباع کرنا محال نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' اور آپ کا ظالم ہونا آپ کی نبوت کے منافی ہے اور محال بالغیر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ علم حاصل ہونے کے بعد اگر اہل کتاب کی اتباع کی تو ضرور تو ظالموں میں سے ہوگا' اس آیت میں علم کی قید لگائی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت پر علماء کے حق میں وعید بہت شدید ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں علم سب سے عظیم نعمت ہے اور جس کو سب سے عظیم نعمت دی ہے اس سے نافرمانی اور گناہ کا صدور سب سے زیادہ قبیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۴۶)

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے متعدد اسانید کے ساتھ قتادہ' ربیع' حضرت ابن عباس' سدی' ابن زید اور ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ ضمیر تحویل قبلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اہل کتاب تحویل قبلہ کے حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

یہ ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے' مجاہد' قتادہ وغیرہما سے بھی روایت ہے' زجاج' تبریزی اور زمخشری کا بھی مختار ہے' پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ خطاب سے ذکر کیا تھا اور اب ضمیر غائب سے ذکر کیا ہے' سو یہ باب التفات سے ہے' یعنی اہل کتاب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح معرفت حاصل تھی' ان کو آپ کی معرفت میں کوئی شک نہیں تھا نہ آپ کی دی ہوئی خبروں کے صادق ہونے میں کوئی تردد تھا اور جن چیزوں کا آپ کو مکلف کیا گیا تھا مثلاً بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا منسوخ ہونا' ان کی صداقت پر ان کو یقین تھا کیونکہ ان کی کتاب میں آپ کا ذکر اور آپ کی صفات لکھی ہوئی تھیں' قرآن مجید میں ہے:

يَجِدُونَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ‌ؗ جس رسول کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس ضمیر کے لوٹنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کی ہے کہ "اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ" (البقرہ: ۱۴۶) تو یہ معرفت کیسی ہے' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: اے عمر! جب میں نے آپ کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں' اور میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب میں آپ کی صفات بیان کی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق ہمیں پتا نہیں کہ عورتیں کیا کرتی ہیں' میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں' حضرت عمر نے ان کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں توفیق دی

ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۳۔ ۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ قرطبی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اور یہ لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس نبی کو اپنے آپ سے زیادہ پہچانتے ہیں کیونکہ انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر ایک زمانہ تک اپنی معرفت نہیں ہوتی اور وہ اپنے بیٹے کو شروع سے پہچانتا ہے اور اس کی معرفت کے بغیر اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین رازی حضرت عمر کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت معجزات سے ثابت ہوگئی تھی اس لیے آپ کے نبی ہونے کا ان کو قطعی علم تھا' جبکہ اپنے بیٹے کے متعلق ان کو قطعیت کے ساتھ یہ علم نہیں تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے' اس لیے آپ کی معرفت بیٹوں کی معرفت سے زیادہ قوی تھی' نیز امام رازی فرماتے ہیں:

اس آیت میں ضمیر کو تحویل قبلہ کی طرف لوٹانے کے قول سے یہ قول راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان کی کتابوں میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کا ذکر لکھا ہوا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلی آیت میں آپ کا ذکر ہے ''وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ' وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ '' اور تحویل قبلہ کا ذکر اس سے بعید ہے اور قریب کو مرجع بنانا اولیٰ ہے' اور تیسری وجہ یہ ہے کہ معجزات سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا ثابت ہوا ہے اس لیے اہل کتاب آپ کی نبوت کے صدق کو پہچانتے تھے اور تحویل قبلہ کا برحق ہونا آپ کے برحق ہونے کی فرع ہے اس لیے اس ضمیر کو آپ کی طرف لوٹانا زیادہ اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۶۔ ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ ثعلبی نے از سدی صغیر از کلبی روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل کی ہے: '' يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ '' (البقرہ: ۱۴۶) اے عبداللہ! یہ معرفت کیسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں' بلکہ مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی کیونکہ ہماری کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان کی ہیں تو میں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا کہ یہ برحق نبی ہیں اور اپنے بیٹوں کے متعلق میں نہیں جانتا کہ عورتیں کیا کرتی ہیں' حضرت عمر نے کہا: اے عبداللہ بن سلام! تم کو اللہ نے توفیق دی۔

(درمنثور ج ۱ ص ۱۴۷ مطبوعہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دین کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو مجھے اہل کتاب کے باقی لوگوں میں سے چند راہب ملے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ '' (البقرہ: ۱۴۶) وہ کہتے تھے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں عنقریب سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہوگا' اس کی خاص علامات ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے کندھوں کے درمیان تلوں کے گول مجموعہ کی شکل میں مہر نبوت ہوگی' میں عرب میں پہنچا' اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا تھا۔ میں نے ان تمام علامات کو دیکھا اور مہر نبوت کو بھی دیکھا' پھر میں نے کلمہ پڑھ لیا'' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' الحدیث۔ (المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۶۸۔ ۲۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

(یہ تحویل قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے' (تو اے مخاطب!) تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا O اور ہر ایک

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) منہ کرتا ہے سو تم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو تم جہاں کہیں بھی ہو گے

جَمِيعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اللہ تم سب کو لے آئے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ

اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے'

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے O اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۤ

پھیر لو' تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے' البتہ ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ تم پر ضرور ناحق الزام تراشی کریں گے)

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو (اور کعبہ کی طرف منہ کرو) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا

ہدایت پا جاؤ O اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے' جو تم پر ہماری آیات

وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا

تلاوت کرتا ہے اور تمہاری باطنی اصلاح کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

جن کو تم نہیں جانتے تھے O سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ تحویل قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے (تو اے مخاطب!) تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا O (البقرہ: ۱۴۷)

قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس آیت میں بھی تعریض ہے' صراحۃً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور مراد آپ کی امت ہے' کیونکہ اس آیت میں شک کرنے سے منع کیا ہے اور جس چیز سے منع کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے واقع ہو چکی ہو یا متوقع ہو ورنہ منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ قبلہ کے برحق ہونے میں شک کریں گے اس لیے منع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کا خطاب بے فائدہ نہیں ہو سکتا اس لیے یہاں خطاب سے بہ طور تعریض آپ کی امت مراد ہے' اس جگہ ایک اور سوال یہ ہے کہ شک کرنا یا نہ کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' اور غیر اختیاری چیز کا مکلف نہیں کیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ شک کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل بیان کر دیئے اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان دلائل پر غور کرو تاکہ شک پیدا نہ ہو' اور دلائل یہ ہیں کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں' وہ کسی جہت اور سمت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لیے جس سمت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو گے اسی کو سجدہ ہو گا اور اس نے کعبہ کو اس لیے قبلہ بنایا کہ وہ تمہارے نبی کے باپ ابراہیم کا قبلہ اور تمہارے نبی کا مولد ہے۔

اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) منہ کرتا ہے۔ (البقرہ: ۱۴۸)

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں' ایک یہ ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں کے لیے کعبہ کی ایک جہت اور سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں بعض علاقوں کے مسلمانوں کے شمال کی طرف کعبہ ہے' اور بعض علاقہ والوں کے جنوب کی طرف کعبہ ہے' بعض کے مشرق کی طرف اور بعض کے مغرب کی طرف کعبہ ہے' مثلاً ایتھوپیا کے شمال کی طرف کعبہ ہے' ماسکو کے جنوب کی طرف' وسطی افریقہ کے مشرق کی طرف اور برصغیر کے مغرب کی طرف کعبہ ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصحاب شریعت اور رسولوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتے ہیں' مقربین کا قبلہ عرش ہے' روحانیین کا قبلہ کرسی ہے' کروبین کا قبلہ بیت المعمور ہے' انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ کعبہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور آپ کی روح کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی روح کا قبلہ اللہ کی ذات ہو یہ تو متصور ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کا قبلہ آپ کی ذات ہو یہ کیسے متصور ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ سے مراد جہت عبادت نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد مرکز توجہ ہے یعنی آپ کی توجہ اللہ کی طرف رہتی ہے اور اللہ کی خاص توجہ آپ کی طرف رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوتم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو۔ (البقرہ: ۱۴۸)

پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں تم دوسروں سے آگے نکلو اور یہ اس کو متضمن ہے کہ ہر نیکی میں سبقت کرو۔ فقہاء شافعیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے' امام ابوحنیفہ کے مذہب کے اعتبار سے اس آیت کی یہ توجیہ ہوگی کہ ہر نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھنے میں سبقت کی جائے' فجر کی نماز کا مستحب وقت ہے جب طلوع فجر کے بعد سفیدی ہو جائے' ظہر کی نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے اور ایک مثل سائے تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے' عصر کی نماز کو موخر کر کے سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے' مغرب کی نماز کو غروب آفتاب کے فوراً بعد جلدی پڑھنا مستحب ہے' اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

فجر کے مستحب وقت کی دلیل یہ حدیث ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو' اس میں زیادہ اجر ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور حضرت عائشہ سے جو روایت ہے کہ ہم منہ اندھیرے نماز پڑھتے تھے' یہ عمل اس حدیث سے منسوخ ہے نیز یہ حدیث قولی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور حدیث قولی حدیث فعلی پر راجح ہے۔

گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے اور ایک مثل تک موخر کرنے پر یہ دلیل ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو' کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موذن ظہر کی اذان دینے لگا تو آپ نے فرمایا: ٹھنڈا کرو' ٹھنڈا کرو اور فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے بھڑکنے سے ہوتی ہے' سو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو' حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایا دیکھا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۷۷۔۷۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے تک رہتا ہے اور ایک مثل سائے سے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔

عصر کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ منافق کی نماز ہے' وہ سورج کو دیکھتا رہتا ہے' حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۲۲۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہیے اور امام حاکم روایت کرتے ہیں:

زیاد بن عبداللہ نخعی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھے ہوئے تھے' موذن نے آ کر کہا: نماز یا امیر المومنین! آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ گیا' اس نے پھر اٹھ کر کہا: نماز یا امیر المومنین! آپ نے فرمایا: یہ کتا ہمیں سنت کی تعلیم دیتا ہے! پھر حضرت علی نے کھڑے ہو کر ہمیں عصر کی نماز پڑھائی' پھر ہم واپس آ کر وہیں بیٹھ گئے جہاں پہلے

بیٹھے ہوئے تھے پھر ہم گھٹنوں کے بل جھک کر سورج کو غروب کے لیے اترتا ہوا دیکھ رہے تھے۔امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ا ص ۱۹۲ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

چونکہ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے تا کہ نفل پڑھنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے اس کی تائید حضرت علی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

اور مغرب کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میری امت مغرب کی نماز کو ستاروں کے نکلنے تک مؤخر نہیں کرے گی وہ خیر پر رہے گی یا فرمایا: نیکی پر رہے گی۔

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۶۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اور عشاء کے مستحب وقت کے متعلق یہ حدیث ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں اس کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو تہائی یا نصف رات تک مؤخر کرے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

تاہم قرآن مجید کی اس آیت سے اول وقت میں نماز پڑھنے پر استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نیکی کرنے میں دوسروں پر سبقت کرو نیکی کرنے میں دوسروں سے آگے نکلو یا بڑھ چڑھ کر نیکی کرو جن اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں اور جن اوقات میں آپ نے نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے اور ترغیب دی ہے ان ہی اوقات میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا۔ (البقرہ: ۱۴۸)

یہ آیت یا تو خاص نمازیوں کے متعلق ہے یعنی تم کعبہ کے شمال میں ہو یا جنوب میں مشرق میں ہو یا مغرب میں تم دور دراز کی مختلف جہات اور مختلف علاقوں میں جہاں سے بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو گے اللہ تعالیٰ ان نمازوں کو عین کعبہ کی طرف نماز قرار دے گا۔

یا یہ آیت تمام لوگوں کے متعلق ہے کہ موت کے بعد تمہارے بدن کے اجزاء خاک میں مل کر ہواؤں اور آندھیوں سے اور دیگر قدرتی آفات سے بکھر کر خواہ کہیں پہنچ جائیں اللہ تعالیٰ تمہارے ان اجزاء کو قیامت کے دن مجتمع کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے۔اس کے بعد پھر فرمایا: اور (اے رسول!) آپ جہاں سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے (الی قولہ) تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں اور تا کہ تم ہدایت پا جاؤ O (البقرہ: ۱۵۰۔۱۴۹)

کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر کرنے کی حکمتیں

اس رکوع میں تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بہ ظاہر یہ تکرار ہے لیکن حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے کیونکہ ہر مرتبہ اس حکم کی ایک نئی علت بیان فرمائی ہے پہلی بار اس حکم کی علت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور آپ کی رضا جوئی کے لیے مسجد حرام کو قبلہ بنایا اور نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا' دوسری مرتبہ یہ علت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بناتا ہے جس کی طرف وہ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں سو اس نے مسلمانوں کا قبلہ مسجد حرام کو بنایا' اور اس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا' اور تیسری دفعہ اس کی علت یہ بیان فرمائی تاکہ یہود مسلمانوں کے خلاف حجت قائم نہ کریں' کیونکہ تحویل قبلہ سے پہلے یہود یہ کہتے تھے کہ تورات میں جس نبی کے مبعوث ہونے کے متعلق لکھا ہوا ہے اس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا' اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں' لہٰذا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کے مبعوث ہونے کی ہماری کتاب میں پیش گوئی کی گئی ہے' سو مسلمانوں کو تیسری بار اسی وجہ سے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تاکہ یہود مسلمانوں پر اعتراض نہ کریں

دوسری توجیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے تین احوال ہیں' ایک حال یہ ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھی جارہی ہو' دوسرا حال یہ ہے کہ مسجد حرام سے باہر شہر مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی جارہی ہو' تیسرا حال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے باہر کسی اور شہر میں نماز پڑھی جارہی ہو' پہلی آیت اس پر محمول ہے کہ مسجد حرام میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے' دوسری آیت اس پر محمول ہے کہ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے اور تیسری آیت اس پر محمول ہے کہ دیگر شہروں میں سے جہاں کہیں بھی ہوں کعبہ کی طرف منہ کیا جائے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کے ساتھ بتایا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کے معاملہ کا یہود و نصاریٰ کو علم ہے اور تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے' دوسری بار اس حکم کے ساتھ فرمایا: اللہ کے نزدیک کعبہ کا قبلہ ہونا برحق تھا اس لیے کعبہ کو قبلہ بنایا اور تیسری بار فرمایا: یہ حکم اس لیے ہے تاکہ اللہ تم پر اپنی نعمت پوری کردے کیونکہ عرب اپنے تمام افعال میں اتباع ابراہیم کو پسند کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے تنگ ہوتے تھے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کے لیے نعمت تھا' نیز یہ حکم ملت ابراہیم کی طرف ہدایت تھا۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلی بار فرمایا: آپ کی رضا کے لیے کعبہ کو قبلہ بنایا' دوسری بار اس لیے فرمایا کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہٖ یہ تحویل برحق ہے اور تیسری بار اس لیے فرمایا کہ یہ حکم عارضی نہیں ہے' دائمی ہے اور تمام زمانوں اور تمام علاقوں کے لیے ہے۔

پانچویں توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت تمام احوال کے لیے ہے' دوسری آیت تمام علاقوں کے لیے ہے اور تیسری تمام زمانوں کے لیے ہے۔

چھٹی توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت حالت اختیار میں قلب اور بدن کے ساتھ تحقیقاً کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے' دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے اور تیسری آیت حالت اضطرار میں (مثلاً جب سواری پر ہو جیسے ٹرین یا جہاز) اپنے قلب کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔

اور ساتویں توجیہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں پہلی بار نسخ کا حکم مسلمانوں میں متعارف ہوا اور چونکہ یہود نسخ کا انکار کرتے تھے اور اس کو بداء کہتے تھے اس لیے یہ ایک مہتم بالشان امر تھا' لہٰذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اس کی تاکید کی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو (اور کعبہ کی طرف منہ کرو) تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں۔

(البقرہ: ۱۵۰)

اتمام نعمت کا مصداق

یعنی یہود اور نصاریٰ تمہارے قبلہ پر جو چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں تو تم اس سے مت ڈرو

اور مت گھبراؤ اور ان کے اعتراضات کی وجہ سے کعبہ کی طرف منہ کرنے کو ترک مت کرو بلکہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے میرے عذاب سے ڈرو‘ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کے عذاب کو اپنے پیش نظر رکھے اور ہر کام کے وقت صرف یہ دیکھے کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے یا ناراض ہوتا ہے۔ اس آیت میں تمام نعمت کا ذکر ہے‘ امام ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا‘ وہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بلاء (مصیبت) کا سوال کیا ہے‘ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو‘ ایک اور شخص کے پاس سے آپ کا گزر ہوا‘ وہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں تجھ سے تمام (پوری) نعمت کا سوال کرتا ہوں‘ آپ نے فرمایا: اے ابن آدم! کیا تم جانتے ہو کہ تمام نعمت کیا ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے نیکی کی توقع پر دعا کی ہے‘ آپ نے فرمایا: تمام نعمت جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے نجات پانا ہے۔ ایک اور شخص کے پاس سے گزر ہوا‘ وہ کہہ رہا تھا: یا ذا الجلال والاکرام! آپ نے فرمایا: تمہاری دعا قبول ہو گی‘ سوال کرو۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۸۔ ۵۰۷‘ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری[1]‘ امام احمد[2]‘ امام طبرانی[3] اور امام ابن ابی شیبہ[4] نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ سیوطی[5] نے اس حدیث کا امام بیہقی کی ”کتاب الاسماء والصفات“ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے اور علامہ علی متقی[6] نے بھی اس حدیث کو متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے۔ (البقرہ: ۱۵۱)

اس آیت میں رسول کے بھیجنے کو تشبیہ دی گئی ہے‘ اس کے مشبہ بہ کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) جس طرح میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں گا‘ بایں طور کہ تم کو آخرت میں جنت میں داخل کروں گا‘ اسی طرح میں نے دنیا میں تم میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر تم پر نعمت پوری کی ہے۔

(۲) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ پہلی دعا قبول کر کے (اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار بنا دے) اپنی نعمت پوری کی‘ اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر اپنی نعمت پوری کی۔

(۳) جس طرح میں نے ابراہیم کی یہ دوسری دعا قبول کر کے (اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے) اپنی نعمت پوری کی‘ اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۴) جس طرح ہم نے تم کو امت وسط (افضل) بنایا‘ اسی طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۵) جس طرح ہم نے کعبہ کو تمہارا قبلہ بنایا جو قیامت تک تمہارا قبلہ رہے گا جس کے بعد کوئی اور سمت قبلہ نہیں ہو گی اور جو آخر القبلات ہے‘ جس طرح ہم نے تم پر یہ نعمت پوری کی ہے‘ اسی طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا‘

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ‘ الادب المفرد ص ۱۸۸‘ مطبوعہ مکتبہ اثریہ‘ سانگلہ ہل

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ‘ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱‘ مطبوعہ مکتب اسلامی‘ بیروت‘ ۱۳۹۸ھ

۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ‘ المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۵۶۔ ۵۵‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۴۔ امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ‘ المصنف ج ۱۰ ص ۲۷۰‘ مطبوعہ ادارۃ القرآن‘ کراچی‘ ۱۴۰۶ھ

۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ‘ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۶۵‘ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ‘ ایران

۶۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ‘ کنز العمال ج ۲ ص ۱۷‘ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ

جس کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی' جس کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا' جو آخر الانبیاء ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (البقرہ: ۱۵۱)

دعاء ابراہیم میں تزکیہ کا مؤخر ہونا اور دعاء استجابت میں مقدم ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس رسول کی یہ صفت ذکر کی ہے کہ وہ ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے' اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ اُمی تھے اور کسی اُمی کا ایسی آیات کی تلاوت کرنا بشری طاقت سے باہر ہے جو انتہائی فصیح و بلیغ ہوں' غیب کی خبروں پر مشتمل ہوں اور ان میں بنی نوع انسان کی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے ایک مکمل نظام حیات ہو۔

اور وہ رسول تمہارا تزکیہ کرتا ہے' تزکیہ کے کئی معنی ہیں: تحسین کرنا' بڑھانا اور پاک کرنا' اس رسول نے تمہاری تحسین کی ہے اور تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے' اور دن رات مؤثر تبلیغ کر کے تم کو باقی امتوں سے بڑھایا ہے اور تم کو شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک کیا ہے اور وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں تزکیہ' کتاب اور حکمت کی تعلیم پر مقدم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں مؤخر ہے کیونکہ انہوں نے کہا: ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تزکیہ' کتاب اور حکمت کی تعلیم کے لیے علت غائیہ ہے اور علت غائیہ ذہن میں مقدم ہوتی ہے اور خارج میں مؤخر ہوتی ہے' کتاب اور حکمت کی تعلیم کی غرض اور غایت یہ ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن کی اصلاح ہو' لہٰذا جس تزکیہ اور اصلاح کے لیے تعلیم دی جاتی ہے' اس سے پہلے ذہن میں اس کا تصور ہوگا' پھر اس کے حصول کے لیے آیتوں کی تلاوت کی جائے گی اور کتاب اور سنت کی تعلیم دی جائے گی' پھر اس کے نتیجہ میں ظاہر اور باطن کی اصلاح عمل اور وجود میں آئے گی' اس آیت میں وجود ذہنی کے لحاظ سے تزکیہ کو مقدم کیا ہے اور حضرت ابراہیم کی دعا میں وجود خارجی کے لحاظ سے تزکیہ کو مؤخر کیا ہے' اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قوت نظریہ کے کمال کے بعد قوت عملیہ کا کامل ہونا یا اصلاح عقائد کے بعد اصلاح عمل ہونا اور ظاہر اور باطن کا نیک ہونا تزکیہ ہے۔

دعاء ابراہیم میں اور اس آیت میں رسول کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے ہم یہاں نبی اور رسول کی تعریف' ان کی شرائط اور ان کی تعداد کا بیان کر رہے ہیں۔

نبی اور رسول کی تعریف

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو' رسول کی بھی یہی تعریف ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لیے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ (مسایرہ مع المسامرہ ص ۲۰۷' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران)

علامہ تفتازانی نے بھی یہی دو تعریفیں لکھی ہیں' پھر دوسری تعریف کے اعتبار سے رسول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

رسول نبی سے خاص ہے رسول وہ ہے جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتاب ہو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں رسولوں کی تعداد کتابوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے اس لیے رسول کی تعریف میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو یا شریعت سابقہ میں سے کچھ احکام اس کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۶ مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۴۰۹ھ)

صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں (جیسے حضرت جبرئیل وغیرہ)۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ا ص ۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور)

نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں

رسولوں کا بھیجنا محض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف اور اس کی رحمت ہے اور اس کی بے شمار حکمتیں ہیں' بعض حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) بعض احکام انسانوں کی عقل سے ماوراء ہیں جیسے اللہ کا وجود اس کی وحدانیت' اس کا علم اور اس کی قدرت وغیرہ' اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی ان امور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا' اللہ تعالیٰ کا کلام اور قیامت کے بعد جزاء اور سزا' عقل از خود ان کو معلوم نہیں کر سکتی' اس وجہ سے ان امور کی تعلیم کے لیے رسولوں کو بھیجا۔

(۳) ایک ہی کام بعض اوقات میں اچھا اور بعض اوقات میں برا ہوتا ہے' مثلاً طلوع' غروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنا برا ہے' اور باقی اوقات میں اچھا ہے' یا عید اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا برا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہے یا بعض افراد کے اعتبار سے ایک کام اچھا اور بعض افراد کے اعتبار سے برا ہوتا ہے جیسے کافر حربی کو قتل کرنا اچھا ہے اور مومن یا کافر ذمی کو قتل کرنا برا ہے اور یہ فرق نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۴) کیا چیز کھانی حلال ہے اور کیا چیز کھانی حرام ہے' اس کو بھی صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۵) ایک شخص کے اعتبار سے نیک اور بد افعال' ایک خاندان کے اعتبار سے نیک اور بد افعال اور ایک ملک اور قوم کے اعتبار سے نیک اور بد افعال' نیکی اور بدی کی یہ تفصیل صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔

(۶) نیکی پر ابھارنے کے لیے نیکوکار کے ثواب کی تفصیل اور بدی سے بچانے کے لیے بدی کے عذاب کی خبر بھی صرف نبی ہی بیان کر سکتا ہے۔

(۷) ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ملک کے حقوق اور فرائض کا تعین بھی صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔

(۸) انسان کی قوت علمی اور قوت عملی کو کامل کر کے اس کے ظاہر اور باطن کو پاک صاف کرنا اور مزین کرنا' یہ بھی صرف نبی کا منصب ہے۔

(۹) مختلف غذاؤں کے فوائد اور نقصانات بیان کرنا' اسی طرح مختلف صنعتوں کے اسرار بیان کرنا' یہ بھی صرف نبی کا حصہ ہے۔

(۱۰) نبی کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی حجت پوری کرتا ہے تا کہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اس لیے گمراہ ہو گئے کہ ہم کو کوئی بتانے والا نہیں تھا۔

نبی کی شرائط

علامہ ابن ہمام نے نبی کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

(۱) نبی کا مذکر ہونا شرط ہے' کیونکہ مؤنث ہونا نقص ہے۔

(۲) عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانہ میں سب سے کامل ہو' لیکن یہ کمال بعثت کے وقت ضروری ہے' کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے' انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کے لیے دعا کی۔

(۳) ذہانت اور رائے کی اصابت اور قوت کے اعتبار سے وہ سب سے کامل ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور ان کی مشکلات کا مرجع ہوتا ہے۔

(۴) نبی کے آباء میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جس کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اس کی ماں کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو۔

(۵) نبی کا دل سخت نہ ہو' کیونکہ انسان کے باقی جسم کی سلامتی کا مدار اس کے دل پر ہے۔

(۶) نبی میں کوئی ایسا جسمانی عیب یا بیماری نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں' جیسے برص اور جذام۔

(۷) وہ وقار کے خلاف اور معیوب کام نہ کرتا ہو' مثلاً بازاروں میں راستہ چلتے ہوئے کسی چیز کو کھانا۔

(۸) جو پیشے لوگوں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں جیسے حجامت بنانا' نبی ایسے پیشے نہ کرتا ہو' کیونکہ نبوت مخلوق میں سب سے زیادہ عزت کا منصب ہے تا کہ لوگ اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں' اس لیے وہ وقار کے منافی کسی متبذل پیشے میں نہ ہو۔

(۹) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد نبی کفر سے بالا جماع معصوم ہو (باقی معاصی میں تفصیل ہے' بعض کے نزدیک اعلان نبوت سے پہلے صغیرہ کا ارتکاب جائز ہے' ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد عمداً معصیت کے ارتکاب سے معصوم ہے' ہاں بعض اوقات نسیان یا اجتہاد سے بہ ظاہر خطاء ہو جاتی ہے)۔

(۱۰) نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے معجزہ کا اظہار بھی شرط ہے۔

ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے لیکن مجھے اس سلسلہ میں کوئی صریح عبارت نہیں ملی' قرآن مجید میں یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا عہد و میثاق اور قول و اقرار لیا' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت علم الٰہی میں پہلے سے متحقق تھی' لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ہر چیز کی حیثیت علم الٰہی میں پہلے سے متحقق ہے' البتہ قرآن مجید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ثابت ہے کہ وہ پیدائشی نبی تھے' اور حضرت یحییٰ کے متعلق بھی قرآن مجید میں ہے کہ ان کو بچپن میں نبوت ملی اور ہمارے نبی سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدائشی نبی تھے' کیونکہ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۱۱ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور)

اگر ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے تو پھر قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید بے فائدہ ہوگی اور یہ صرف صدر الشریعت کی عبارت نہیں ہے بلکہ تمام متکلمین اور مفسرین نے جہاں بھی عصمت انبیاء سے بحث کی ہے قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید کا ذکر کیا ہے یہ بھی واضح رہے کہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے متعلق یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ وہ پیدائشی نبی ہوتا ہے۔

نبیوں رسولوں کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابو نعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں میں نے کہا: بہت اچھے ہیں میں نے کہا: یا رسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم شیث اور خنوخ یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ھود صالح شعیب اور تمہارے نبی اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات انجیل زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن ص ۵۴ ـ ۵۲ مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶ ـ ۱۷۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۵۷ ـ ۲۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی نے ''الجامع الکبیر'' میں اس حدیث کو امام ابن حبان' امام اصبہانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۷ص ۲۰۶۔ ۲۰۴ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۱۶ص ۱۳۳۔ ۱۳۲ 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے ''الدر المنثور'' میں لکھا ہے: امام عبد بن حمید' امام حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں' امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں' امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی تھے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا' اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے ''موضوعات'' میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متضاد ہیں' اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' نہ موضوع ہے' نہ صحیح ہے جیسا کہ میں نے ''مختصر الموضوعات'' میں بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ص ۲۴۶ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے بھائی نبی پہلے گزرے ہیں ان کی تعداد آٹھ ہزار ہے' پھر عیسیٰ بن مریم آئے پھر میں۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۴ص ۱۴۳ 'مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

نیز امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے' چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۴ص ۱۵۷ 'مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ص ۵۹۷ 'مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

امام ابویعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقاشی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔

(تلخیص المستدرک ج ۲ص ۵۹۷ 'مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

علامہ بدرالدین عینی نے امام ابن حبان کی صحیح اور امام ابن مردویہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابوذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابویعلیٰ اور حافظ ابوبکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ص ۲۰۴ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں' اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ص ۳۶۱ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابویعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے راویوں کی جو تضعیف کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں نے امام ابن حبان کی تصحیح کو بلاتبصرہ نقل کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے' اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ

ابن حجر عسقلانی بہت معتمد ہیں اس لیے یہی صحیح ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں۔

(شرح عقائد ص ۹۷ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ پرھاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔

(نبراس ص ۴۴۷ 'مطبوعہ مکتبہ قادریہ' لاہور' ۱۳۹۷ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے' لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی' حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا لیکن دو لاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تفتازانی کی نظر بہت کم ہے' بلکہ علامہ تفتازانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث: جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(شرح عقائد ص ۱۰۶' شرح مقاصد ج ۵ ص ۲۳۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے' پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں' امام احمد کی یہ سند زیادہ صحیح ہے' اور اس حدیث کو امام بزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۴ 'مطبوعہ ادارۃ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اعتماد حضرت ابوذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرہ: ۱۵۲)

ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال

کسی عمل کے وقت تم میرے امر اور نہی کو یاد کرو' یعنی میرے حکم کے مطابق کسی کام کو کرو یا میرے منع کرنے کے مطابق کسی کام سے رکو تو میں تم کو اس عمل کی جزا سے یاد کروں گا' تم مجھے عبادت اور اطاعت سے یاد کرو میں تم کو ثواب سے یاد کروں گا' ایک قول یہ ہے کہ تم راحت میں مجھ کو عبادت اور دعا سے یاد کرو میں مصیبت میں تم کو عطاء اور نعمت سے یاد کروں گا' ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو سوال سے یاد کرو میں تم کو عطا سے یاد کروں گا' ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو توبہ سے یاد کرو میں تم کو عفو اور کرم سے یاد کروں گا' تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تم کو آخرت میں یاد کروں گا۔

کبھی ذکر زبان سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا' تسبیح کرنا' قرآن مجید کی تلاوت کرنا' وعظ اور نصیحت کرنا' اور کبھی ذکر دل سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے دلائل پر غور و فکر کرنا' (علامہ جصاص نے لکھا ہے کہ یہ ذکر کی سب سے افضل قسم ہے' احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹۳) اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے طریقوں پر غور کرنا' اور اللہ کی مخلوق کے اسرار پر غور کرنا' اور کبھی اعضاء سے ذکر ہوتا ہے جیسے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنا' عام مؤمنین کا ذکر زبان سے ذکر کرنا ہے' امام ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت کرتے ہیں: ایک اعرابی نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اسلام کے احکام بہت ہیں' مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جو میں اپنے اوپر لازم کرلوں' آپ نے فرمایا: تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رکھو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸) نیز حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ میرے ذکر سے اپنے ہونٹ ہلاتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸)

خواص مؤمنین اور عارفین دل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں' ان کے دل میں ہر وقت صرف اللہ کی یاد رہتی ہے اور وہ اپنے دل میں غیر کا خیال نہیں آنے دیتے۔ ذکر کا اصل معنی ہے: یاد کرنا' قرآن مجید میں ہے: "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ" (الکہف: ۲۴) "جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے"۔ زبان سے ذکر کو بھی اس لیے ذکر کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہے' تاہم بغیر حضور قلب کے فقط زبان سے ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے' ابوعثمان سے کسی نے شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر دل میں اس کی حلاوت محسوس نہیں کرتے' انہوں نے کہا: اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے کم از کم تمہارے ایک عضو کو تو اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے۔ ابوعثمان نہدی نے کہا: میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ تعالیٰ مجھے یاد کرتا ہے' پوچھا: وہ کون سا وقت ہے؟ کہا: جب میں اسے یاد کرتا ہوں۔ ذوالنون مصری نے کہا: جو حقیقت میں اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو ہر چیز کا بدل عطا فرماتا ہے' اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے زیادہ اور کوئی عمل اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸' الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۱)

حق تو یہ تھا کہ ہم اس کو یاد کرتے رہتے اور وہ توجہ نہ فرماتا' کیونکہ ہم بندے ہیں اور وہ مولیٰ ہے' ہم حاجت مند ہیں اور وہ بے نیاز ہے! لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے بندہ اور مولیٰ سے قطع نظر فرما کے مساوی سلوک کی دعوت دی: آؤ تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا' لیکن ہم اس کے ساتھ مساوی سلوک پر بھی تیار نہیں' ہم اس کو یاد نہیں کرتے اور چاہتے یہ ہیں کہ وہ ہمیں یاد رکھے' ہماری ہر ضرورت پوری کر کے ہماری ہر دعا قبول کرے۔ "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ" (الانعام: ۹۱) بنو اسرائیل سے فرمایا: "اُذْكُرُوا نِعْمَتِيَ" (البقرہ: ۴۰) "میری نعمت کو یاد کرو" اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا: "فَاذْكُرُونِي" (البقرہ: ۱۵۲) "میری ذات کو یاد کرو" ان کے نبی اللہ کی صفت کے مظہر تھے تو انہیں صفت کو یاد کرنے کا حکم دیا' ہمارے نبی اللہ کی ذات کے مظہر تھے تو ہمیں ذات کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو○ (البقرہ: ۱۵۲)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کر کے میرا شکر ادا کرو اور معصیت کر کے میری ناشکری نہ کرو' اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ میری نعمتوں کا اعتراف کر کے میری حمد و ثنا کرو۔ شکر کا معنی یہ ہے کہ انسان نعمت دینے والے کا احسان مند ہو' اس کے احسان کی قدر کرے' اس کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور وہ اپنے منعم اور اپنے محسن کا وفادار رہے' اور کفرانِ نعمت یہ ہے کہ یا تو انسان سرے سے اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اس نعمت کو اپنی ذاتی قابلیت یا کسی اور کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے' یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اس کو ضائع کر دے یا منعم کی تعظیم نہ کرے یا اس کی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرے یا اس کے احسانات کے باوجود اس سے بے وفائی اور غداری کرے' اس قسم کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی' نمک حرامی' غداری اور ناشکرے پن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مُردہ مت کہو بلکہ

اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے O اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ

بھوک اور (تمہارے) مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے' اور ان صبر

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ

کرنے والوں کو بشارت دیجیے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور

اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَ

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O

ربط آیات

اس آیت میں دو وجہوں سے صبر کا حکم دیا ہے' ایک تو اس وجہ سے کہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر یہودی اعتراضات کرتے تھے اور مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے' اس سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچتی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر قسم کی عبادات کو بجالانے کے حکم کو متضمن ہے اور عبادات میں جو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اس پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلی آیت میں شکر کرنے کا حکم دیا ہے اور نعمت ملنے پر شکر کیا جاتا ہے' سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح نعمت ملنے پر اللہ کا شکر کرنا لازم ہے اسی طرح نعمت زائل ہونے پر صبر کرنا واجب ہے۔

صبر کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ مصائب ٹوٹنے پر صبر کے ساتھ ساتھ نماز سے بھی مدد حاصل ہوتی ہے' امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ نماز پڑھتے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

صبر اور نماز کے معانی ہم سورۂ بقرہ کی آیت ۴۵ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے O (البقرہ: ۱۵۴)

اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنیٰ اور شانِ نزول

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۷۰۔۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے O اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر خوش ہیں اور اپنے بعد کے مسلمانوں کے متعلق جو ان سے ابھی نہیں ملے یہ بشارت پاکر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر (بھی) نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے O

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو زمین پر چلتا پھرتا ہو وہ زندہ ہے اور جو زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے وہ مردہ ہے لیکن ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک زندہ وہ ہے جس کی زندگی اللہ کی راہ میں بسر ہو وہ زمین کے اوپر ہو پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جس کی زندگی لہو ولعب اور کفر میں بسر ہو وہ زمین کے اوپر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے بھی مردہ ہے' اسی لیے فرمایا: ''اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى''. (النمل: ۸۰) ''آپ مُردوں کو تو نہیں سناتے'' کافر زمین پر چلتے پھرتے تھے ان کو مردہ فرمایا اور شہید زمین کے نیچے دفن ہو گئے لیکن ان کو زندہ فرمایا۔

امام رازی سورۂ بقرہ کی اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے' جنگ بدر کے دن چودہ مسلمان شہید ہوئے تھے' چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے' مہاجرین میں سے عبیدہ بن حارث' عمر بن ابی وقاص' ذوالشمالین' عمرو بن نفیلہ' عامر بن بکر اور مجع بن عبداللہ اور انصار میں سے سعید بن خیثمہ' قیس بن عبدالمنذر' زید بن حارث' تمیم بن ھمام' رافع بن معلیٰ' حارثہ بن سراقہ' معوذ بن عفراء اور عوف بن عفراء' اس وقت لوگ یہ کہتے تھے کہ فلاں مر گیا اور فلاں مر گیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ راہ خدا میں مرنے والوں کو مردہ نہ کہو' اس آیت کے شانِ نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ کفار اور منافقین یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کی خاطر مسلمان بے فائدہ اپنے آپ کو قتل کرا رہے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

برزخ میں حیات کا بیان

اس آیت میں شہداء کی حیات کو بیان کیا گیا ہے' قبر میں حیات کئی قسم کی ہے:

حیات کی ایک قسم برزخی حیات ہے' یہ حیات ہر مومن اور کافر کو حاصل ہے' دو چیزوں کے درمیان حد اور حجاب کو برزخ کہتے ہیں' اور یہاں برزخ سے مراد موت سے لے کر قیامت تک کا وقت ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۰۰)

اور ان کے آگے اس دن تک ایک حجاب ہے جس دن میں وہ اٹھائے جائیں گے O

حیات برزخی پر دلیل یہ ہے کہ کافروں اور فاسقوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نیک مسلمانوں کو قبر میں ثواب ہوتا ہے اور

حیات کے بغیر عذاب اور ثواب متصور نہیں ہے' انسان کا جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جاتی ہیں' پھر عذاب اور ثواب کیا صرف روح کو ہوتا ہے؟ اس میں تحقیق یہ ہے کہ انسان کے بدن کے اصلی جز کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں قائم رکھتا ہے اور اس جز کے ساتھ روح متعلق ہو جاتی ہے اور عذاب اور ثواب کا ترتب روح اور بدن کے اس جز پر ہوتا ہے' لیکن دنیاوی احکام میں یہ مردہ ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان

اولیاء اللہ کو قبر میں جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ مومن جب فرشتوں کے سوال کا صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر میں ستر در ستر وسعت کر دی جاتی ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس (دلہن) کی طرح سو جا جس کو اس کے محبوب اہل (زوج) کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا' حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اس قبر سے اٹھائے۔ (جامع ترمذی ص ۱۶۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن قیامت تک قبر میں سوتا رہے گا اور سونا حیات کی فرع ہے اور جب کہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ قبر میں بالعموم مسلمانوں کے اجسام گل سڑ جاتے ہیں اس لیے اس حدیث کو خواص مومنین یعنی اولیاء اللہ پر محمول کیا جائے گا اور اولیاء اللہ کی قبر میں حیات کے متعلق بہ کثرت نقول موجود ہیں۔ شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام بھی بحکم شہداء ہیں اور مشمول آیت ''بل احیاء عند ربھم'' (البقرہ: ۱۶۹) کے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۸۷' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا اس شہید کی طرح ہے جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہو اگر وہ مر گیا تو اس کی قبر میں کیڑے نہیں پڑیں گے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو مومن ثواب کی نیت رکھتا ہو اس کو بھی زمین نہیں کھاتی[1] یہ حدیث اولیاء اللہ کی جسمانی حیات پر واضح دلیل ہے۔

شہداء کی حیات کا بیان

شہداء کی حیات بھی جسمانی ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت: ۱۷۰ میں ذکر ہے' شہداء کو رزق بھی دیا جاتا ہے' اور سورۂ بقرہ کی اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ان کی حیات کا شعور نہیں رکھتے یعنی تم اپنے حواس سے ان کی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے' بایں طور کہ ہم ان کو رزق کھاتا ہوا دیکھیں' یا چلتا پھرتا ہوا دیکھیں جس طرح ہم دنیا میں اور زندہ لوگوں میں آثار حیات دیکھتے ہیں اس طرح شہداء میں ہم کو آثار حیات دکھائی نہیں دیں گے' لیکن شہداء بھی دنیاوی احکام میں مردہ ہیں' کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیویوں سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی حیات پر معارضہ کا جواب

حیات شہداء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم کئی بار میدان جنگ میں مسلمان مقتولین کو دیکھتے ہیں' چند دن گزرنے کے بعد ان کا جسم پھول اور پھٹ جاتا ہے اور اس سے بدبو آنے لگتی ہے' قبروں میں ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور یہ جسمانی حیات کے منافی ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میدان جہاد میں مقتول

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی احوال الموتی و امور الآخرۃ ص ۱۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

ہوئے لیکن ان کی نیت صحیح نہیں تھی' یہ لوگ صرف روزی کمانے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے یا شہرت اور ناموری کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے' ان کے دلوں میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان دینا یا راہ خدا میں قتل ہونے کا جذبہ نہیں تھا' اس لیے باوجود میدان جہاد میں مارے جانے کے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید نہیں تھے' اس لیے ان کو جسمانی حیات سے بھی نہیں نوازا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص مال غنیمت کی خاطر لڑتا ہے' ایک شخص نام آوری کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے' ان میں سے اللہ کے لیے لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرے وہی (درحقیقت) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک شخص دنیا کو حاصل کرنے کے لیے جہاد کا ارادہ کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

اور جن مسلمانوں کی نیت صحیح ہوتی ہے ان کو شہادت کے بعد جسمانی حیات حاصل ہوتی ہے' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے:

حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا' ان کی قبریں سیلاب کے قریب تھیں' یہ دونوں ایک قبر میں مدفون تھے' یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے' ان کی قبر کھودی گئی تا کہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے' جب ان کے جسموں کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا' یوں لگتا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہوں' ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا' اس کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا' اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اپنے زخم پر آ گیا' جنگ احد اور قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک ص ۲۸۳ ۔ ۲۸۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸ ۔ ۵۷' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کاملین کو اصلی جسم کے ساتھ حیات عطا کی جائے اور عام مسلمانوں کو اس جسم معروف کے ساتھ حیات عطا نہ کی جائے بلکہ جسم مثالی کے ساتھ حیات عطا کی جائے۔ اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد خامس میں بیان کیا ہے۔

سبز پرندوں میں شہید کی روح کے متمثل ہونے سے تناسخ کا جواب

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام مالک' امام احمد اور امام ترمذی نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں' وہ جنت کے پھلوں یا درختوں پر ہوتے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی صورتوں میں جنت کی قندیلوں سے معلق ہوتی ہیں' حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ انہیں (ان کے بدنوں میں) لوٹا دے گا۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۵۵' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

امام عبدالرزاق کی اس ثانی الذکر روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شہادت کے بعد شہید کی روح کا سبز پرندہ کی صورت میں منتقل ہو جانا بعینہٖ تناسخ ہے' اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ تناسخ انکار معاد پر مبنی ہے اور اس حدیث میں معاد کو بیان کیا گیا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور زیادہ قوی اول الذکر حدیث ہے جس کی صحت کی امام ترمذی نے تصریح کی ہے اور اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہے' کیونکہ شہید کی روح پرندہ کے پوٹے میں حلول نہیں کرتی بلکہ پرندہ میں اپنی روح ہوتی ہے اور شہید کی روح بہ منزلہ سوار اور پرندہ اس کی سواری ہے' اور اس روح کا اپنے اصل جسم یا جسم مثالی کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے' لہٰذا یہ حدیثیں شہید کی جسمانی حیات کے منافی نہیں ہیں اور ان سے تناسخ ثابت نہیں ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان

انبیاء علیہم السلام کی حیات بھی قبر میں جسمانی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ' افضل اور قوی حیات ہے' اور انبیاء علیہم السلام دنیاوی احکام میں بھی زندہ ہوتے ہیں' ان کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور وفات کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے کسی شخص کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ○ (سباء: ۱۴)

تو جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر سوائے زمین کی دیمک کے کسی نے مطلع نہیں کیا جو سلیمان کے عصا کو کھاتی رہی' پھر جب سلیمان زمین پر آرہے تو جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے ○

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کی تجدید کرا رہے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو موت کے وقت سے مطلع کر دیا تو آپ نے جنوں کو نقشہ بنا کر دیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے' اسی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی اور آپ کا جسم مبارک اس عصا کے سہارے کھڑا رہا اور کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا' وفات کے بعد مدت دراز تک جن بہ دستور تعمیر کرتے رہے' جب تعمیر پوری ہو چکی تو وہ عصا دیمک کے گھن لگنے کی وجہ سے گر پڑا' تب سب کو آپ کی وفات کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء پر موت طاری ہونے کے بعد ان کا جسم صحیح سلامت رہتا ہے' پھولنے' پھٹنے' گلنے اور سڑنے سے محفوظ رہتا ہے' لیکن ان کی جسمانی حیات کی کیفیت ہمارے دائرہ احساس اور شعور سے خارج ہے۔ عصا میں جب گھن لگ گیا اور وہ زمین پر گر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک بھی زمین پر آرہا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے لیکن اس پر دنیاوی حیات کے آثار مرتب نہیں ہوتے' ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اپنے قیام میں عصا کا محتاج نہ ہوتا اور عصا گرنے کے باوجود آپ کا جسم مبارک قائم رہتا۔ انبیاء علیہم السلام زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ان کی شفاعت کرتے ہیں' اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق رہتے ہیں اور احوال برزخ پر بھی نظر رکھتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کائنات میں تصرف بھی کرتے ہیں لیکن یہ تمام امور متشابہات میں سے ہیں' یہ امور ایسے نہیں ہیں جیسے دنیا میں کسی انسان سے صادر ہوتے ہیں' ان کی کیفیت ہم ایسے عام لوگوں کے دائرہ ادراک اور شعور سے خارج ہے' احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات اور ان کے جسمانی تصرفات پر دلیل ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق میں گزرے' آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ وادی ازرق ہے' آپ نے فرمایا: گویا کہ میں (حضرت) موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں' وہ باآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے اتر رہے ہیں' پھر آپ وادی ھرشیٰ سے گزرے' آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ وادی ھرشیٰ ہے' آپ نے فرمایا: گویا کہ میں (حضرت) یونس بن متی کی طرف دیکھ رہا ہوں' وہ ایک سرخ رنگ کی فربہ اونٹنی پر سوار ہیں' جس کی مہار کھجور کی چھال کی ہے' انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ ''اللھم لبیک'' کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام حج اور تلبیہ کس طرح کرتے ہیں' حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بہ منزلہ شہداء ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں' اس لیے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

شیخ عثمانی لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اس لیے ان کے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے' (الیٰ قولہ) اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ان کی روح کو دیکھا تھا' آپ کے لیے ان کی روحوں کو اس طرح متمثل کر دیا گیا جس طرح شب معراج انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو متمثل کر دیا گیا تھا اور ان کے اجسام قبروں میں تھے' علامہ ابن منیر وغیرہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نبی کی روح کے لیے ایک جسم مثالی بنا دیتا ہے' پھر وہ جس طرح خواب میں دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح بیداری میں دکھائی دیتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰' مطبوعہ مکتبۃ الحجاز' کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا' اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا' میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے بال قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے تھے' اور اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے' عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارے نبی ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں' پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب نبیوں کی امامت کی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھا تھا' حالانکہ آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور آپ نے ان کو آسمانوں میں بھی اپنے اپنے مراتب میں دیکھا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بیت المقدس جاتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے دیکھا ہو' پھر حضرت موسیٰ آپ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو پہلے نماز پڑھائی ہو اور پھر ان کو آسمانوں پر دیکھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو اور حضرت موسیٰ کو دیکھا ہو۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے' اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں' روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق۔ (نشر الطیب ص ۶۵۔ ۶۴' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس قسم کے اختیار عطا فرماتا ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے' اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس وقت اللہ نے مجھ پر روح لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے معارضہ کے جوابات

قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وفات کے بعد عصا کا سہارا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم زمین پر آ رہا' اور احادیث صحیحہ میں وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا' نمازیں پڑھنا' حج کرنا' سلام کا جواب دینا اور باتیں کرنا مذکور ہے۔ ان میں توفیق اور تطبیق کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) عام انسانوں اور جنات کی نظروں میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر وفات کے بعد آثار حیات نہیں ہوتے۔ ان میں آثار حیات کا مشاہدہ صرف اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے اجسام عنصریہ میں حس اور حرکت ارادی کے آثار نہیں ہوتے' البتہ ان کی روح کے ساتھ اجسام مثالیہ کو متعلق کر دیا جاتا ہے اور تصرف کے جس قدر واقعات کا ذکر احادیث میں ہے' یہ سب اجسام مثالیہ ہیں۔

(۳) وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان سے آثار حیات کو سلب فرما لیتا ہے (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں جنوں کے دعویٰ علم غیب کو رد کرنا مقصود تھا یا ان کی وفات ظاہر کر کے ان کی تجہیز و تکفین اور ان کو قبر میں دفن کرانا تھا) اور بعض اوقات اپنی کسی حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کے اجسام میں آثار حیات جاری فرما دیتا ہے' جیسے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے شب معراج آپ کی اقتداء میں سب نبیوں سے نماز پڑھوائی اور عبادت میں ان کا شغف ظاہر کرنے کے لیے وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں نماز پڑھتا ہوا اور حج کرتا ہوا دکھایا۔

وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے کی کیفیت کا بیان

امام غزالی لکھتے ہیں:

صوفیاء کی پہلی منزل مکاشفات اور مشاہدات سے شروع ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ بیداری میں فرشتوں کا اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں' ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

(المنقذ من الضلال ص ۵۰' مطبوعہ بیت الاوقاف' لاہور' ۱۹۷۱ء)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

آیا ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا جسم مثالی کے ساتھ؟ امام غزالی نے کہا ہے کہ ارباب احوال آپ کے جسم اور روح کو نہیں دیکھتے بلکہ مثال کو دیکھتے ہیں (علامہ سیوطی فرماتے ہیں:) آپ کی ذات مبارک کی جسم اور روح کے ساتھ زیارت ممتنع نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور آپ سب کی روحیں آپ کے جسموں میں لوٹا دی گئی ہیں اور تمام انبیاء کو اپنی قبروں سے باہر آنے کا اور تمام کائنات میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور امام بیہقی نے حیات انبیاء میں ایک رسالہ لکھا ہے اور ''دلائل النبوۃ'' میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دکھائی دیتی ہے بایں طور کہ وہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا تعلق جسد انور کے ساتھ باقی رہتا' جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے اور یا آپ کا جسم مثالی دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح متعلق ہوتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ بے شمار اجسام مثالیہ ہوں اور ان سب کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح واحد متعلق ہو جیسا کہ ایک جسم کے متعدد اعضاء کے ساتھ روح واحد متعلق ہوتی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

میرے نزدیک بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے بائیس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے چند احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا اور آپ کے تصحیح فرمانے کے بعد ان احادیث کو صحیح لکھا اور علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے آپ کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے

''بخاری'' پڑھی جن میں سے ایک حنفی تھا۔ (فیض الباری ج ا ص ۲۰۴ مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۵۷ھ)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول ہیں' ان پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں' نیک اعمال دیکھ کر وہ اللہ کی حمد کرتے ہیں اور بُرے اعمال دیکھ کر امت کے لیے استغفار کرتے ہیں' اور اہل اللہ اور خاص خاص بندگانِ خدا ان کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں' ان کا کلام سنتے ہیں اور وہ اپنی قبروں سے باہر بھی آتے ہیں اور زمین اور آسمان میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں' ایک وقت میں کئی جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں' اس وقت ان کی روح کئی صورتوں میں متشکل ہوتی ہے یا ایک وقت میں کئی جگہ ان کے اجسام مثالیہ نظر آتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حاضر ناظر کہا جاتا ہے اس کا یہی مفہوم ہے' حاضر ناظر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے جسم معروف اور جسد عنصری کے ساتھ ایک وقت میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

شہید کا معنی

شہید کا معنی گواہ اور حاضر ہے۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والے کو شہید کہتے ہیں' اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی شہادت دی گئی ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ مرنے کے فوراً بعد شہید کی روح جنت میں حاضر ہو جاتی ہے' جب کہ دوسروں کی روحیں فوراً جنت میں نہیں جاتیں' ایک قول یہ ہے کہ شہید راہِ خدا میں جان دے کر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہی کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے۔

شہداء کی تعداد کا بیان

جو شخص دین کی سربلندی کے لیے راہِ خدا میں مارا جائے وہ حقیقۃً شہید ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ بھی چند مرنے والوں کو شہید فرمایا ہے' ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد خامس میں احادیث کے حوالوں سے پینتالیس شہداء کا ذکر کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں احادیث کے حوالوں سے بعض شہداء کا ذکر کیا ہے' ہم اس میں سے یہاں ان شہداء کا ذکر کر رہے ہیں جن کا ذکر ''شرح صحیح مسلم'' میں نہیں ہے۔

علامہ قرطبی ''التذکرہ'' میں لکھتے ہیں:

امام آجری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! اگر ہو سکے تو تم ہمیشہ باوضو رہو کیونکہ ملک الموت جس بندہ کی روح قبض کرے اور وہ اس وقت باوضو ہو اس کے لیے شہادت لکھ دی جاتی ہے۔

امام شعبی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی نماز پڑھی' ہر ماہ تین روزے رکھے' اور سفر اور حضر میں وتر کو ترک نہیں کیا اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے' اس حدیث کو امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام حکیم ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ہر شخص کے

پاس کوئی نہ کوئی ایسا پسندیدہ جانور ہوتا ہے جس کے ذبح کرنے سے وہ انکار کرتا ہے اور اللہ کی بھی ایک ایسی مخلوق ہے جس کو ذبح کرنے سے وہ انکار ہے' کچھ لوگ بستروں پر مرتے ہیں اور ان کے لیے شہداء کا اجر تقسیم کیا جاتا ہے [1] ان تین قسموں کو ملانے کے بعد شہداء کی تعداد اڑتالیس ہوگئی۔

شہید کے متعلق فقہی احکام

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جس شخص کو مشرکین قتل کر دیں یا جو میدان جنگ میں مردہ پایا جائے اور اس پر زخموں کے نشان ہوں' یا جس کو مسلمان ظلماً قتل کر دیں اور اس کے قتل کرنے پر ان پر دیت واجب نہ ہو وہ شہید ہے' اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ شہداء احد کے معنی میں ہے' جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں ان کے زخموں اور خون میں لپیٹ دو اور ان کو غسل نہ دو (یہ حدیث غریب ہے' صحیح حدیث یہ ہے: امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن فرمایا: انہیں ان کے خون کے ساتھ دفن کر دو اور ان کو غسل نہیں دلوایا۔ ج ا ص ۱۷۹)۔

ہر وہ شخص جو کسی دھار والے آلہ کے ساتھ قتل کیا گیا ہو بہ شرطیکہ وہ طاہر ہو (جنبی نہ ہو) اور بالغ ہو' اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی مال عوض واجب نہ ہو' وہ شہداء احد کے معنی میں ہے اور وہ ان کے ساتھ لاحق ہوگا' امام شافعی شہید کی نماز جنازہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: اس کا تلوار سے مارا جانا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے' لہٰذا وہ نمازیوں کی شفاعت سے مستغنی ہے' ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی تعظیم اور توقیر کے اظہار کے لیے ہے' اور شہید اس توقیر کے زیادہ لائق ہے اور جو گناہوں سے پاک ہو وہ مسلمانوں کی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور بچوں کے لیے دعا کی جاتی ہے اور جس مسلمان کو اہل حرب' یا باغی یا ڈاکو قتل کر دیں' خواہ وہ اس کو کسی چیز سے بھی قتل کریں اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام شہداء احد کو تلوار اور ہتھیاروں سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جانے کے متعلق فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ منبر کی طرف لوٹ گئے اور فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں اور تمہارے حق میں گواہ ہوں' اور بے شک بہ خدا! میں ضرور اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں' اور مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک بہ خدا! مجھے تم سے اندیشہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ اندیشہ ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علم اور شعور کا فرق

اس آیت میں فرمایا ہے: تم شہداء کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔ حواس سے ادراک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے ادراک کرنے کو علم کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''لا تشعرون'' کا معنی ہے: تم حواس سے ادراک نہیں کرتے اور ''لا تشعرون'' کی جگہ ''لا تعقلون'' کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ کئی ایسی چیزیں ہیں جن کا حواس سے ادراک نہیں ہوتا لیکن

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ ص ۱۸۲۔ ۱۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' ۱۴۰۷ھ

عقل سے ان کا ادراک ہو جاتا ہے۔[1] نیز راغب اصفہانی لکھتے ہیں: کسی شے کی حقیقت کا ادراک کرنا علم ہے اور علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا خبر سے۔ (المفردات ص ۳۴۳ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

علم صاحب عقل کی وہ صفت ہے جس سے اس کے لیے ذکر کی ہوئی چیز منکشف ہو جائے اور فرشتوں' انسانوں اور جنوں کے لیے علم کے تین اسباب ہیں: حواس سلیمہ' خبر صادق اور عقل۔ (شرح عقائد ص ۱۰۔۹ 'مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب' کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی' علامہ تفتازانی پر اعتراض کرتے ہیں:

حواس کے ادراک کو علم میں شمار کرنا عرف اور لغت کے خلاف ہے' کیونکہ عرف اور لغت میں بہائم (حیوانات) ذوی العلم نہیں ہیں۔ (حاشیۃ الخیالی ص ۲۲ 'مطبوعہ یوسفی فرنگی محلی' لکھنؤ)

علامہ خیالی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے' کیونکہ علامہ تفتازانی نے انسانوں کے لیے حواس کو علم کا سبب بنایا ہے' مطلقاً حواس کو علم کا سبب نہیں کہا۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب' اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے' ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔ (حفظ الایمان ص ۷ 'مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' دیوبند' یوپی)

اس عبارت پر حسب ذیل اعتراضات ہیں:

(۱) اس عبارت میں حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' حالانکہ حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے' چہ جائیکہ حیوانات کے ادراک پر علم غیب کا اطلاق کیا جائے۔

(۲) مکتب فکر دیوبند کی تعلیم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق جائز نہیں بلکہ عطائی علم غیب کو بھی انہوں نے کفر لکھا ہے' شیخ سرفراز نے لکھا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔ (ملخصا ازالۃ الریب ص ۴۸) پھر جانوروں کے لیے علم غیب ثابت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

(۳) تھانوی صاحب کی اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ آپ کو عالم بھی نہ کہا جائے کیونکہ کل علم آپ کو حاصل نہیں اور بعض میں آپ کی تخصیص نہیں۔

(۴) عام لوگوں کو جن بعض غیوب کا علم ہوتا ہے (جیسے جنت' دوزخ وغیرہ) یہ بعض قلیل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن بعض غیوب کا علم ہے وہ بعض کثیر ہے' آپ کے علم کے سامنے تمام مخلوق کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو اور اللہ کے مقابلہ میں آپ کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ اور سمندر میں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں محدود کی نسبت محدود کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ کے علم میں محدود کی نسبت لامحدود کی طرف ہے اور بعض قلیل کی بناء پر وصف کا اطلاق نہیں ہوتا اور بعض کثیر کی بناء پر وصف کا اطلاق ہوتا ہے' مثلاً ہر مسلمان کو دین کے بعض مسائل کا علم ہے' لیکن اس کو عالم نہیں کہتے' اور عالم دین کو عالم کہتے ہیں' حالانکہ اسے بھی کل مسائل کا علم نہیں ہوتا' بعض مسائل ہی کا علم ہوتا ہے لیکن اس

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ' المفردات ص ۳۶۲ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ

کو چونکہ بعض کثیر کا علم ہوتا ہے اس لیے اس کو عالم کہتے ہیں۔ باقی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے' ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء الٰہی سے غیب کا علم ہے' لیکن چونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ آپ میں برکت اور بلندی کا معنی پایا جاتا ہے اس کے باوجود محمد تبارک وتعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور شرع میں تبارک وتعالیٰ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور البتہ ہم تم کو کچھ خوف' بھوک اور (تمہارے) مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے۔ (البقرہ: ۱۵۵)

دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات

خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے' بھوک سے مراد قحط ہے' مالوں کے نقصان سے مراد مویشیوں کا مر جانا' حادثاتی طور پر فصلوں کا تباہ ہو جانا اور گاڑیوں کا ٹکراؤ سے برباد ہو جانا ہے' روپے پیسے وغیرہ کا لٹ جانا بھی اس میں شامل ہے' جانوں کے نقصان سے مراد دوستوں اور رشتہ داروں کی موت ہے اور ثمرات کے نقصان سے مراد اولاد کی موت ہے' اولاد پر ثمرات کا اطلاق مجاز مشہور ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی بندہ کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر لی' وہ کہتے ہیں: ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے دل کے ثمرہ پر قبضہ کر لیا' وہ کہتے ہیں: ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے (اس پر) کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: تیری حمد کی اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(جامع ترمذی ص ۱۶۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

دنیا میں لوگوں کا جو حادثات اور قدرتی آفات سے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے' اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے' دوسری قسم مکافات عمل اور کفارۂ ذنوب ہے' کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی جانی اور مالی نقصان سے دوچار کیا ہوتا ہے اور وہ شخص اس پر صبر کر لیتا ہے تو اللہ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے اور اس کو بھی جانی اور مالی نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ جانی اور مالی نقصان آدمی کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور اس کے گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے یا وہ بالکل گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جب بھی کانٹا چبھنے کی یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ یا جسمانی درد لاحق ہوتا ہے یا کوئی غم پیش آتا ہے یا کوئی بیماری لگتی ہے یا کسی چیز کا اندیشہ اور خوف دامن گیر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۵۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور مکافات عمل کے نتیجہ میں جو مصائب پیش آتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَ يَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ (الشوریٰ: ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی اور وہ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں O (البقرہ: ۱۵۶۔ ۱۵۵)

صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت

صبر کے معنی ہیں: نفس کو روکنا اور کسی چیز کو برداشت کرنا' حرام اور فحش کاموں کی ترغیب اور تحریک کے وقت اپنے نفس کو گناہ سے روکنا صبر ہے' فرائض' واجبات اور سنن کی ادائیگی میں مشقت کو برداشت کرنا اور نفس کو آرام طلبی اور عبادت نہ کرنے سے روکنا بھی صبر ہے۔ لوگوں کی اذیت رسانی پر اپنے آپ کو انتقام لینے سے روکنا بھی صبر ہے اور مصیبت پہنچنے پر واویلا کرنے اور شکوہ اور شکایت کرنے سے خود کو روکنا بھی صبر ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے۔

جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس سے کوئی نعمت چلی جائے تو وہ اس پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے مقابلہ میں لاکھوں نعمتیں اس کو دی ہوئی ہیں' اگر یہ ایک نعمت جاتی رہی تو کیا غم ہے اور اس کی دی ہوئی اور لاکھوں نعمتیں موجود ہیں' پھر جب اس نے خود ہی ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے تو اس ایک نعمت کے چلے جانے سے کیا فرق پڑے گا۔

امام غزالی لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کے بدن' یا مال یا اولاد میں کوئی مصیبت بھیجتا ہوں' پھر وہ اس پر صبر جمیل کرتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کے لیے میزان قائم کرنے یا اس کا نامۂ اعمال کھولنے سے حیا کرتا ہوں۔ (کامل ابن عدی)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرائیل! اس شخص کی کیا جزا ہے جس کی بینائی کو میں سلب کرلوں اور وہ اس پر صبر کرے؟ انہوں نے کہا: اے اللہ! تو پاک ہے ہمیں صرف اس چیز کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم عطا فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی جزا میرے گھر میں ہمیشہ رہنا ہے اور میرا دیدار کرنا ہے۔ (صحیح بخاری' معجم اوسط' کامل ابن عدی' ابو یعلیٰ)

امام مالک ''موطا'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: جب میں اپنے بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کروں اور وہ اس پر صبر کرے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کے گوشت کو بہتر گوشت سے اور اس کے خون کو بہتر خون سے بدل دیتا ہوں اور جب میں اس کو صحت مند کرتا ہوں تو اس کا کوئی گناہ نہیں رہتا اور اگر میں اس کو وفات دوں تو وہ میری رحمت کی طرف ہے۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۲۲' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ)

''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنے کی فضیلت

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کو ایک ایسی چیز دی گئی ہے جو پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی' وہ مصیبت کے وقت ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱۲ص ۲۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے گا' جب ابوسلمہ (حضرت ام سلمہ کے سابق شوہر) فوت ہوگئے تو میں نے سوچا: ابوسلمہ سے بہتر اور کون ہوگا' جن کے گھر نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی' بہرحال میں نے یہ دعا پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا عقد کردیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ص ۳۰۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں: امام بزار نے سند ضعیف کے ساتھ اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی رسی ٹوٹ جائے تو وہ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے' کیونکہ یہ بھی مصائب میں سے ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی الدنیا نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا تو آپ نے فرمایا: ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہر وہ چیز جو مومن کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے اور اس میں اس کے لیے اجر ہے۔ امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنا دیتا ہے' جو لا الٰہ الا اللہ سے اپنی (جان اور مال کی) حفاظت کرے' اور جب اس کو مصیبت پہنچے تو ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے اور جب اس کو کوئی چیز دی جائے تو الحمد للہ کہے اور جب وہ کوئی گناہ کرے تو استغفر اللہ کہے۔ (الدرالمنثور ج ۱ص ۱۵۷۔ ۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے' اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O (البقرہ: ۱۵۷)

صلوٰۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اکثر اہل لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے اور تبریک اور تمجید ہے' جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی ان کو پاک اور صاف کرنا ہے اور جب فرشتے صلوٰۃ پڑھیں تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہے۔ (المفردات ص ۲۸۵ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ آلوسی نے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی تعریف اور ثناء کرنا ہے اور تعظیم کرنا ہے۔

(روح المعانی ج ۲ص ۲۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت پر صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے یا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں پر صلوٰۃ بھیجنا ان کے باطن کو پاک اور صاف کرنے کے معنی میں ہے' اور امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امت کے لیے غیر نبی پر مستقل صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے' یعنی ''اللھم صل علی ابی بکر'' کہنا جائز نہیں ہے اور سلام بھیجنا جائز ہے' ''السلام علی ابی بکر'' کہنا صحیح ہے۔ علامہ خفاجی حنفی نے اس کو بھی مکروہ تنزیہی کہا ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ص ۵۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء کے علاوہ اور کسی پر صلوٰۃ نہ بھیجی جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۱۶) علامہ نووی نے کہا ہے کہ عرف میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے اس لیے غیر نبی پر صلوٰۃ نہیں بھیجی جائے گی۔ اس مسئلہ کو ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' ج ۲ ص ۸۷۰ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

مروجہ ماتم کی شرعی حیثیت

اس آیت میں مصیبت کے آنے پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کسی چیز کا امر اس کی ضد کی حرمت کو مستلزم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت پر ماتم کرنا حرام ہے۔

شیخ کافی کلینی روایت کرتے ہیں:

ابو عبداللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصیبت کے وقت مسلمان کا اپنے ہاتھ کو اپنے زانو پر مارنا اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۹۱ھ)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: صبر بہ قدر مصیبت نازل کیا جاتا ہے، جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے زانو پر مارا اس کا عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ ص ۱۲۲۹ مطبوعہ انتشارات زرین ایران)

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسین نے میدان کربلا میں جانے سے پہلے اپنی بہن حضرت زینب کو یہ وصیت کی:

اے میری معزز بہن! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ جب میں اہل جفا کی تلوار سے عالم بقا میں رحلت کر جاؤں تو گریبان چاک نہ کرنا، چہرے پر خراشیں نہ ڈالنا اور واویلا نہ کرنا۔ (جلاء العیون ج ۲ ص ۵۵۳ (فارسی) مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ ایران)

''شرح صحیح مسلم'' جلد اوّل (طبع خامس) میں ہم نے مروجہ ماتم کے حرام ہونے پر بہت دلائل پیش کیے ہیں اور اہل تشیع کے تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج یا

اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ

عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی (نفلی) نیکی کی

فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ

تو بے شک اللہ جزا دینے والا خوب جاننے والا ہے ○ بے شک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے

الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ

روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں، تو یہی وہ

يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ○ البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی

وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہوں O

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ پر اعتراضات کے جواب دیئے اور مخالفین کے اعتراضات اور طعنوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی اس پر صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہے اور وہ ہدایت پر ہیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا ذکر شروع کیا' کیونکہ اس سے پہلے نمازوں میں کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم تھا اور اب حج اور عمرہ کے ذریعہ کعبہ کی زیارت اور اس کے گرد طواف کا حکم دیا' نیز اس سے پہلے صبر کا حکم تھا اور صبر کرنے میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اب حج اور عمرہ کا ذکر کیا' ان میں جسم کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے' نیز اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ حکم دیا تھا کہ میرے بیت (کعبہ) کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو' اور بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج اور عمرہ ہے اور طواف کے ذکر میں ان کی طرف اشارہ ہے' سو یہاں صراحۃً حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا' نیز اس سے پہلے حضرت ابراہیم کی اس دعا کا ذکر تھا کہ ہمیں مناسک (احکام حج) بتا تو اب حج اور عمرہ کے احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

صفا اور مروہ کے معنی

صفا اور مروہ کعبہ کے سامنے دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا کے معنی ہیں: چکنا پتھر' اور مروہ کے معنی ہیں: سفید اور ملائم پتھر' ایک قول یہ ہے کہ صفا کے معنی ہیں: صاف اور خالص' اور مروہ کے معنی ہیں: چھوٹے چھوٹے پتھر۔ ایک قول یہ ہے کہ صفا کو اس لیے صفا کہتے ہیں کہ اس پر حضرت آدم صفی اللہ بیٹھے تھے اور مروہ کو اس لیے مروہ کہتے ہیں اس پر ان کی امراۃ (بیوی) بیٹھی تھیں۔

''شعائر'' ''شعیرۃ'' کی جمع ہے۔ ''شعیرۃ'' کا معنی علامت ہے اور ''شعائر اللہ'' کا معنی ہے: اللہ کے دین کی علامتیں اور خصوصیات' اور وہ اعمال جن کو اللہ نے عبادت اور دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی

حج کا لغوی معنی ہے: قصد' اور اس کا شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اسلام' حریت' عقل' بلوغ اور حج کی استطاعت حج کی فرضیت کے لیے شرط ہیں۔ وقوف عرفات اور طواف زیارت حج میں فرض ہیں۔ حج کے واجبات یہ ہیں: میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا' غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا' وقوف مزدلفہ' صفا اور مروہ میں دوڑنا' شیطان کو منیٰ میں کنکریاں مارنا' سر منڈوانا یا بال کٹانا اور غیر ملکی کے لیے طواف وداع کرنا۔

حج میں یہ کام ممنوع ہیں: عمل زوجیت' بال کاٹنا' ناخن کاٹنا' خوشبو لگانا' سر اور چہرہ ڈھانپنا' سلا ہوا کپڑا پہننا' کسی دوسرے محرم کا سر مونڈنا' حل اور حرم میں شکار کے درپے ہونا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ شرنبلالی نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ افضل الایام ہے اور

جب یہ دن جمعہ کا ہو تو یہ ستر حجوں سے افضل ہے۔ (مراقی الفلاح ص ۴۲۵ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: اس حدیث کو رزین بن معاویہ العبدری نے "تجرید الصحاح" میں طلحہ بن عبید اللہ کریز سے روایت کیا ہے اور اس پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے کسی اور موطا میں ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۴ مطبوعہ مطبع میمنہ مصر ۱۳۱۱ھ)

میں نے "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث میں بڑی تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اگر حج ہو تو اس کا ثواب ستر سے زیادہ ہوتا ہے اور یہ حج اکبر ہے۔ کتاب الحج کے آخر میں میں نے دعا کی: اے اللہ! مجھ کو بھی حج اور عمرہ کی سعادت عطا فرما۔ یہ دعا ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ میں کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے تین سال بعد مجھے عمرہ کی سعادت عطا کی اور ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ کو بروز جمعہ میں نے عمرہ کیا اور اس کے تین سال بعد ۱۴۱۴ھ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کی نعمت عطا کی اور یہ حج بھی جمعہ کے روز تھا اور حج اکبر تھا۔ الہ العالمین! جس طرح آپ نے میری یہ دعا قبول فرمائی ہے میری باقی دعائیں بھی قبول فرمانا۔

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: عمرہ کا لغوی معنی ہے: زیارت اور اس کا شرعی معنی ہے: بیت اللہ کی زیارت کرنا' عمرہ کرنا سنت ہے۔ اس میں میقات سے احرام باندھنا' کعبہ کا طواف کرنا' صفا اور مروہ میں سعی کرنا اور حلق یا قصر کرنا واجب ہے اور احرام باندھنا شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ فرض ہے۔ (مراقی الفلاح ص ۴۲۵ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۱۱ھ)

شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں یہ مشہور ہے کہ جس شخص نے پہلے حج نہ کیا ہو وہ اگر ماہ شوال میں عمرہ کرے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے' خواہ اس کے پاس ایام حج تک وہاں ٹھہرنے اور کھانے پینے کی استطاعت نہ ہو اور خواہ اس کے پاس وہاں ٹھہرنے کے لیے سعودی عرب کا ویزا نہ ہو اگر وہ حج کیے بغیر واپس آ گیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو گا' اس پر لازم ہے کہ وہ کسی سے قرض لے کر یا کسی بھی طرح حج کرے اگر اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو گنہ گار ہو گا۔

یہ فتویٰ قرآن' حدیث اور فقہ کے صراحۃً خلاف ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران: ۹۷)	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ اس کے گھر کا حج کریں جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا' استطاعت کی تفسیر میں صدر الشریعت مولانا امجد علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سفر خرچ اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے فاضل ہوں' یعنی مکان' لباس' خادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دین (قرض) سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لیے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل وعیال کے نفقہ میں قدر متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی نہ اسراف۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ (درمختار' عالم گیری) (بہار شریعت ج ۶ ص ۱۲۔ ۱۱ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ شوال میں عمرہ کرنے والے جس شخص کے پاس حج کرنے تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے اور

طعام کی استطاعت نہیں ہے اس پر حج فرض نہیں ہے۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو حج کرنے سے کوئی ظاہری حاجت (طعام' قیام اور سفر خرچ کی کمی) مانع نہ ہوئی نہ ظالم بادشاہ' نہ کوئی ایسی بیماری جو حج سے مانع ہو' وہ شخص اس حال میں مرجائے کہ اس نے حج نہ کیا ہو تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۳۶۰' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

اس حدیث کو حافظ منذری[1] اور صدر الشریعت[2] نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ظالم بادشاہ کے منع کرنے سے بھی حج فرض نہیں ہوتا اور جو شخص شوال میں واپسی کا ویزا لے کر عمرہ کرنے گیا ہے اس کو سعودی حکام مکہ میں قیام کرنے سے منع کرتے ہیں' وہ لوگوں کی تلاش لیتے رہتے ہیں اور جو پکڑا جائے اس کو پہلے گرفتار کر کے سزا دیتے ہیں' پھر واپس اس کے ملک بھیج دیتے ہیں' اس لیے شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج کو فرض کہنا اس حدیث کے بھی خلاف ہے' نیز جو نادار آدمی کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے وہ حج کے ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے' اگر صرف حج کے ایام میں مکہ پہنچ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے تو حج بدل کرنے والے نادار پر بھی حج فرض ہونا چاہیے' حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے' نیز شوال حج کا مہینہ ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے' ''عالم گیری'' میں لکھا ہے:

المفرد بالعمرة يحرم للعمرة من الميقات او قبل الميقات في اشهر الحج او في غير اشهر الحج. (عالم گیری ج ۱ ص ۲۳۷' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری' بولاق' مصر ۱۳۱۰ھ)	صرف عمرہ کرنے والا میقات سے عمرہ کا احرام باندھے یا میقات سے پہلے' حج کے مہینوں میں یا حج کے مہینوں کے علاوہ۔

اور اس جگہ یہ نہیں لکھا کہ جو شخص حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کرے اس پر حج لازم ہو جاتا ہے حالانکہ موضع البیان میں بیان کرنا لازم ہوتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں بعض علماء کا فتویٰ دیکھا' انہوں نے شوال میں عمرہ کرنے پر حج فرض ہونے کے متعلق ''عالم گیری'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر حج فرض ہو جاتا ہے' خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو' بہ شرطیکہ وہ خود چل سکتے ہوں۔ اول تو ہمارا کلام اس شخص کے بارے میں ہے جو یہاں سے عمرہ کے لیے جائے کیونکہ حج کرنے تک رہائش اور کھانے کی استطاعت اسی سے متعلق ہے' مکہ میں رہنے والوں کے لیے رہائش کی استطاعت کا مسئلہ نہیں ہے' ثانیاً انہوں نے فتویٰ میں ''عالم گیری'' کی آدھی عبارت نقل کی ہے' ''عالم گیری'' کی پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

''ینابیع'' میں مذکور ہے: اہل مکہ اور تین دن کی مسافت سے کم اس کے گرد رہنے والوں پر حج کرنا واجب ہے جب کہ وہ چلنے پر قوت رکھتے ہوں' خواہ ان کو سواری پر قدرت نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کے پاس دستور کے مطابق طعام کی اتنی مقدار ہو جو ان کے اہل و عیال کے لیے واپس آنے تک کے لیے کافی ہو' اسی طرح ''السراج الوہاج'' میں ہے۔

(عالم گیری ج ۱ ص ۲۱۷' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری' بولاق' مصر ۱۳۱۰ھ)

---

[1] حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۱' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ

[2] مولانا مولوی حکیم محمد امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ' بہار شریعت ج ۶ ص ۹' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی

غور فرمایئے! جب اہل مکہ اور اس کے گرد رہنے والوں پر بھی واپس آنے تک طعام کی استطاعت کے بغیر حج فرض نہیں ہے تو دور دراز کے علاقوں سے مکہ مکرمہ پہنچنے والوں پر رہائش اور طعام کی استطاعت کے بغیر حج کیسے فرض ہوگا۔

اس فتویٰ میں دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ اگر کسی شخص پر استطاعت کی وجہ سے حج فرض تھا اور اس نے حج نہیں کیا' حتیٰ کہ اس کا مال تلف ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض لے کر حج کرے' خواہ وہ وفات تک اس قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو' اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا' جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ قادر ہونے پر اس قرض کو ادا کر دے گا۔ (درمختار ج ۲ ص ۱۴۰)

یہ عبارت ہمارے بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ عبارت اس شخص کے متعلق ہے جس پر مالی استطاعت کی وجہ سے حج فرض ہو چکا ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو اور پھر اس کا مال تلف ہو گیا ہو اور ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس حج کر کے واپس آنے تک رہائش اور طعام کے لیے اپنے اور اپنے عیال کا خرچ نہیں ہے' سو ظاہر ہے اس پر حج فرض ہوا ہی نہیں' نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جس پر حج فرض تھا اس نے حج نہیں کیا اور اس کا مال تلف ہو گیا' اس کے لیے قرض لینا اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اس قرض کو ادا نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے افضل قرض نہ لینا ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ شوال میں عمرہ کرنے والے پر بغیر استطاعت کے حج کرنے کو فرض کہتے ہیں ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا' اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے

صفا اور مروہ میں طواف کو مسلمان دو وجہوں سے گناہ سمجھتے تھے' ایک وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ بتوں کی عبادت اور ان کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے' اس لیے اسلام لانے کے بعد انہوں نے اس کو عمل جاہلیت کی بناء پر گناہ سمجھا اور بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کو گناہ سمجھتے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان میں طواف کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں صفا پر اساف نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اور مروہ پر نائلہ نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا' اہل جاہلیت جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کو چھوتے تھے' جب اسلام کا ظہور ہوا اور بت توڑ دیئے گئے تو مسلمانوں نے کہا: صفا اور مروہ میں تو ان بتوں کی وجہ سے سعی کی جاتی تھی اور ان میں طواف کرنا شعائر اسلام سے نہیں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن جریر اور ابن منذر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ا ص ۱۶۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے' (ان کا مطلب تھا: یہ سعی واجب نہیں ہے) سو بہ خدا! اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا! حضرت عائشہ نے فرمایا: اے بھتیجے! تم نے غلط کہا: جس طرح تم نے اس آیت کی تاویل کی ہے' اگر اسی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' اور اس طرح فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ اسلام سے پہلے منات (ایک بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مشلل کے پاس عبادت کرتے تھے تو جو شخص احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنے میں گناہ سمجھتا تھا' جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم صفا اور مروہ کے طواف میں گناہ سمجھتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے' حضرت عائشہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف کو مقرر کیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان طواف کرنے کو ترک کر دے' عروہ نے کہا: بلاشک وشبہ یہ علم کی بات ہے' میں نے اس سے پہلے اس کو نہیں سنا' اور حضرت عائشہ کے بیان کرنے سے پہلے میں نے لوگوں سے یہ سنا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور وہ سب لوگ صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور قرآن میں صفا اور مروہ کے درمیان طواف کا ذکر نہیں فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم نازل کیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا' آیا اگر ہم صفا اور مروہ میں طواف کرلیں تو کوئی حرج ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابوبکر بن عبد الرحمان (حدیث کے راوی) نے کہا: سنو! یہ آیت دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتے تھے' اور جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں ان کا طواف کرتے تھے' پھر ظہور اسلام کے بعد انہوں نے ان کے طواف کو گناہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر نہیں فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲' ج ۲ ص ۶۴۶۔ ۶۴۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی [1] اور امام نسائی [2] نے بھی روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اصل میں عبادت ہو اور شریعت میں صحیح ہو وہ اپنی اصل پر صحیح رہتا ہے' خواہ جاہل اور بدمذہب بعد میں اس کام کو کسی غلط نیت اور فاسد عقیدہ سے کرنے لگیں' جس طرح سیاہ عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' بعد میں روافض اور شیعہ نے سوگ کی نیت سے سیاہ عمامہ باندھنا شروع کر دیا تو ان کے اس عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اور سیاہ عمامہ باندھنا اپنی اصل کے اعتبار سے مسنون رہے گا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ

صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے' یہ سعی صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوگی' ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ صفا سے مروہ تک ایک طواف ہے' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک صفا

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۱۴۲۔ ۱۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ

سے مروہ پھر مروہ سے صفا تک سعی ایک طواف ہے' یہ غلط ہے۔ امام شافعی کا مذہب جمہور کے مطابق ہے۔

(شرح المہذب ج ۸ ص ۷۲۔۷۱ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

صفا اور مروہ میں سعی کے متعلق امام احمد کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ سعی رکن ہے' اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے صفا اور مروہ میں طواف نہیں کیا اللہ نے اس کا حج تمام نہیں کیا' سعی کرنا حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سعی سنت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے اس لیے اس کا مرتبہ سنت سے کم نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۹۴ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: حج میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے' دم دینے سے اس کی تلافی نہیں ہوگی' اور محرم اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ (روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۷۲ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالعباس رملی شافعی نے لکھا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف کرنا عمرہ کا بھی رکن ہے۔

(نہایۃ المحتاج ج ۳ ص ۲۲۲ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ حطاب مالکی لکھتے ہیں: حج اور عمرہ دونوں میں صفا اور مروہ میں سعی کرنا رکن ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۳ ص ۸۴ 'مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا)

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا (حج اور عمرہ میں) واجب ہے' رکن نہیں ہے' امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یہ رکن ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کر دی' پس سعی کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۱) ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ صفا اور مروہ میں طواف کرنا گناہ نہیں ہے اور یہ مباح ہونے کو مستلزم ہے اور فرضیت کے منافی ہے' نیز ہم نے رکن سے وجوب کی طرف اس لیے عدول کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور رکنیت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۴۳ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جس نے خوشی سے کوئی (نفلی) نیکی کی تو بے شک اللہ جزا دینے والا اور خوب جاننے والا ہے O (البقرہ: ۱۵۸)

امام رازی[1]' علامہ قرطبی[2]' علامہ ابوالحیان اندلسی[3] اور علامہ ماوردی[4] وغیرہ نے کہا ہے کہ اس نیکی سے مراد نفلی نیکی ہے' کیونکہ قرآن اور حدیث کے اطلاقات میں تطوع کا نفل پر اطلاق ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی طور پر حج یا عمرہ کیا' اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عام نیکی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ شاکر علیم ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے قصد اور نیت کو جانتا ہے اور ان کی نیکیوں کی جزا دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ قلیل نیکی کی بھی جزاء دیتا ہے اور

---

1. امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ
2. علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۱ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران
3. علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط ج ۲ ص ۶۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ
4. علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون ج ۱ ص ۲۱۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

اس کو ثواب کا علم ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہمارے نازل کیے ہوئے روشن دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں' تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں O (البقرہ: ۱۵۹)

علم چھپانے پر وعید کا بیان

ان دلائل اور ہدایت کو چھپانے والوں سے مراد یہود اور نصاریٰ کے علماء ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے دین کو چھپاتے تھے اور ان کی کتابوں میں آپ کی بعثت اور آپ کی صفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو بیان نہیں کرتے تھے' حالانکہ تورات اور انجیل میں یہ سب لکھا ہوا تھا۔

امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم نے علماء یہود سے پوچھا کہ تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے تو انہوں نے ان سے چھپایا اور ان کو بتانے سے انکار کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ یہ چھپانے والے کعب بن اشرف' کعب بن اسد' ابن صوریا اور زید بن تابوت نام کے رؤساء یہود تھے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور جو شخص بھی اللہ کے دین میں سے کسی چیز کے علم کو چھپائے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مصداق ہے' کیونکہ صحابہ کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا تھا' امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو یہ حدیث بیان نہ کرتا' پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا' قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔
(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو نصر حمیدی نے کہا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کو پوری کوشش اور جدوجہد سے علم کو پھیلانا چاہیے' خواہ اس سلسلہ میں اس کو مشقت برداشت کرنی پڑے اور اپنا پیسہ خرچ کرنا پڑے' ورنہ علم مٹ جائے گا۔

لعنت کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں یا جن اور انس میں سے مؤمنین ہیں یا جن اور انس کے ماسوا حیوانات اور حشرات الارض ہیں' امام ابن جریر روایت کرتے ہیں: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حیوانات اور حشرات الارض ان پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم بارش سے محروم ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نا اہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کے سامنے ایسی حدیثیں بیان کرو جن کو وہ پہچانتے ہوں' کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ دو قسم کے علم محفوظ ہیں' ایک علم کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا' اور اگر دوسرے علم کو پھیلایا تو یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم لوگوں کے سامنے ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقلوں کے مطابق نہیں ہوگی تو وہ بعض لوگوں کے لیے فتنہ بن جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن مرہ نے کہا: بے وقوف لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو' وہ تمہاری تکذیب کریں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۸۸ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو تمہارے سامنے ایک ہزار ایسے کلمات بیان کروں جن کو سن کر تم مجھ سے بغض رکھو' مجھ سے دور بھاگو اور میری تکذیب کرو۔ (معجم کبیر ج ۳ ص ۱۶۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء (سوال) کا جواب دیتا ہے وہ مجنون ہے۔ حافظ الہیثمی نے ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی کی "معجم کبیر" کے حوالہ سے درج کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ دونوں حدیثوں کی سندوں میں ثقہ راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۳ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائے' اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے مناظرہ کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی شخص کو ایسی حجت کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کا مال ہڑپ کر لے' اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ رکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

لعنت کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے شرعی احکام

لغت میں لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنا' لعنت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شریعت میں جس عام وصف کے ساتھ لعنت کی گئی ہو اس وصف عام کے ساتھ لعنت کرنا' جیسے قرآن مجید میں ہے: کافروں پر اللہ کی لعنت ہو' فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہو' جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو' اور "صحیح بخاری" میں ہے: جو مرد عورتوں کی مشابہت کریں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کریں ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۲) جس شخص کی موت کفر پر دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے ابلیس اور ابولہب پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص ظاہر حال کے اعتبار سے مومن ہو یا کافر ہو اور اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کافر کو اسلام کی توفیق دے دے''جامع ترمذی'' میں ہے: مومن بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔[1] نیز اس میں ہے: اللہ کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرو[2] اور''سنن ابوداؤد'' میں ہے: جس نے اس شخص پر لعنت کی جو لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت' لعنت کرنے والے پر لوٹے گی[3] لعنت کافروں پر بھی کی گئی ہے اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر بھی وصف عام کے ساتھ لعنت کی گئی ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو' کافروں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کر دینا اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے قرب خاص' اس کی خصوصی رحمت اور رضا سے دور کر دینا۔

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا ہو اس پر لعنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ بغیر تعیین کے تمام کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اور بعض نے اس کو واجب کہا ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین کافروں پر لعنت فرمائی ہے۔ امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر مسلمانوں کے لیے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک رعل' ذکوان اور لحیان پر لعنت کی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر منافقوں کا نام لے لے کر فرماتے: اے اللہ! فلاں پر لعنت کر' فلاں پر لعنت کر' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ○ (آل عمران: ۱۲۸)

آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے' بے شک یہ ظالم ہیں۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس آیت کی تشریح ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کافروں اور منافقوں کے لیے لعنت فرمائی جن کے متعلق آپ کو وحی سے معلوم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لعنت کرنے سے روک دیا' کیونکہ بہ ظاہر یہ آپ کی رحمت کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ (البقرہ: ۱۶۰)

توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں کو چھپانے والے یہودی کفر کو ترک کر کے اسلام لے آئیں اور اصلاح سے مراد یہ ہے کہ اپنی باطنی اصلاح کر لیں' اور ظاہری اعمال کو درست کر لیں' یا اس سے مراد ہے: اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۱۹۶۔ ۱۹۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۲۹۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

اسلام کی تبلیغ کرکے ان کی اصلاح کریں اور تورات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق جو لکھا ہوا ہے اس کا بیان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ جس برائی سے توبہ کی ہے اس کو ترک کر دیا جائے اور اس برائی کی تلافی کی جائے' کیونکہ یہود کی برائی یہ تھی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپاتے تھے' تو ان کی توبہ قبول کرنے کی یہ شرط بیان فرمائی کہ وہ اپنی اصلاح کریں یعنی آپ کی صفات چھپانے کو ترک کرکے اسلام لائیں اور چھپائی ہوئی صفات کو اب لوگوں میں بیان کریں' یہ پچھلی برائی کی تلافی ہے' اس لیے اب کوئی قادیانی مثلاً مسلمان ہو تو اس پر لازم ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوت سے برأت کا بیان کرے اور اس کے کفر کا اقرار کرے اور کوئی عیسائی مسلمان ہو تو حضرت عیسیٰ کے بندہ اور رسول ہونے کا اقرار کرے اور ان کے خدا ہونے کی نفی کرے اور اسی طرح جو مسلمان جس گناہ سے توبہ کرے دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور اس کی جو تلافی ممکن ہو وہ تلافی کرے اور جو شخص جب کسی گناہ سے توبہ کرلے پھر اس کو اس گناہ پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا گناہ نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں

اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ

کی اور سب لوگوں کی (لعنت) ہے ○ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے' ان سے عذاب کم

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا

کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ اور تمہارا معبود ایک معبود ہے' اس کے سوا

إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ ع ۱۹ ۱۱/۳

کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی' پھر ان میں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور اب ان کا ذکر فرمایا جنہوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کی' کفر پر اصرار کیا اور کفر پر ہی مر گئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

اللہ کی لعنت کا معنی ہے: عذاب کی خبر دینا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت کا معنی ہے: اللہ کی رحمت سے دور کرنے کی بددعا دینا۔

مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو کفر پر مر گئے اس سے جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس کی موت علی الکفر معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بعض کفار پر لعنت کی ہے ان کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر مریں گے۔ علامہ ابوبکر ابن العربی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! بے شک عمرو بن العاص نے میری ہجو کی ہے اور اس کو علم ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں تو اس کی ہجو فرما اور جتنی بار اس نے میری ہجو کی ہے اتنی بار اس پر لعنت فرما۔ اس حدیث کو امام رویانی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔

(کنزالعمال ج ۱۳ ص ۵۴۸ 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کا ظاہر حال کفر ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے اس سے جہاد کرنا جائز ہے' حالانکہ عمرو بن العاص بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۷۵ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس حدیث کی سند میں کلام ہے' ثانیاً اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کا بدلہ لیا حالانکہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنے ساتھ کی جانے والے زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا' جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سے زیادہ غضب میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر' اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت کر' اے اللہ! صفوان بن امیہ پر لعنت کر' تب یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۲۸)

آپ اس میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں' یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے' یا ان کو عذاب دے' بے شک یہ ظالم ہیں ۝

سو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے اسلام میں اچھے عمل کیے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۲۷ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب' کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے کا واقعہ ہے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر لعنت سے روک دیا تو پھر آپ نے ان پر لعنت نہیں کی' اس سے یہ موقف اور مضبوط ہو گیا کہ زندہ کافروں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں پر لعنت کرنے سے منع کر دیا تو کسی اور کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے' اور علامہ ابن العربی کا اس کو کافروں سے قتال کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ کافروں سے قتال کرنا تبلیغ اسلام کا سبب ہے جو رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے' اس کے برخلاف زندہ کفار پر لعنت کرنا ان کو رحمت سے دور کرنے کی دعا ہے۔

مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمان کو لعنت کی تو یہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبداللہ نام کا ایک شخص تھا جس کا لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شراب نوشی پر حد لگایا کرتے تھے' ایک دن اس شخص کو حد لگائی جارہی تھی کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' اس کو کتنی بار حد لگائی گئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو' بہ خدا! تم کو معلوم نہیں ہے یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

البتہ گناہ کبیرہ کرنے والوں پر بلاتعیین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت کرے وہ بیضہ (لوہے کا گولہ) چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ (جہاز کی) رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: جو کفر پر مرے اس پر سب انسان لعنت کرتے ہیں' حالانکہ کافر تو اس پر لعنت نہیں کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ کافر اس پر آخرت میں لعنت کریں گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان سے مراد کامل انسان ہے اور کامل انسان مسلمان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان سے نہ عذاب کم کیا جائے گا نہ ان کو مہلت دی جائے گی O (البقرہ: ۱۶۲)

کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات

نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے' ایمان کے بغیر نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

مرد یا عورت جس نے کوئی نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے' اور ان کے اچھے کاموں کا ان کو ضرور اجر دیں گے O

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان: ۲۳)

اور انہوں نے جو بھی (نیک) کام کیے ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے' پھر ہم انہیں باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرات بنا دیں گے O

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۚ (المائدہ: ۵)

اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا' اور مسکین کو کھانا کھلاتا تھا' آیا اس کو یہ عمل نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا کیونکہ

اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ کفار کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی' ان پر اجر ملے گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی' لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''صحیح بخاری'' میں ہے کہ پیر کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کیا تھا[1] اور ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو آگ سے کھینچ کر نکال لیا اور صرف اس کے ٹخنوں تک آگ رہ گئی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حافظ بیہقی نے ''کتاب البعث والنشور'' میں کہا ہے کہ کفر کی وجہ سے جو عذاب ہو گا اس میں تخفیف نہیں ہوگی اور باقی جرائم پر جو عذاب ہوگا اس میں نیکیوں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۸۱ھ)

لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو کافر کی نیکیاں ضائع نہ ہوئیں' حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اس کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی' اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کی وجاہت کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابو طالب اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کر دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق مدت سے ہے یعنی عذاب کی غیر متناہی مدت میں کمی نہیں ہوگی اور جن کے عذاب میں تخفیف کی ہے ان کا تعلق عذاب کی کیفیت سے ہے یعنی عذاب کی شدت میں کمی کر دی جائے گی' چوتھا جواب یہ ہے کہ تخفیف نہ کرنے کا تعلق عذاب آخرت سے ہے اور تخفیف کرنے کا تعلق عذاب برزخ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارا معبود ایک معبود ہے' اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ (البقرہ: ۱۶۳)

واحد کا معنی اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت

اس سے پہلی آیات میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بیان کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر فرمایا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی توحید کو چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ منفرد ہے اور اس کی کسی صفت میں کوئی اس کا مثیل' شبیہ اور نظیر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہم البقرہ: ۲۱ میں دلائل بیان کر چکے ہیں۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام ہوا الٰہ الا اللہ' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۸۸ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کا امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۶۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا' لیکن یہ حدیث صحیح ہے۔

---

1. امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

(المستدرک ج ۱ ص ۳۵۱ مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع‘ مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

شبلی سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ کہتے تھے لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تھے‘ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے خوف ہے کہ میں نے لا الہ کہا اور اسی وقت مر گیا اور الا اللہ پر نہ پہنچ سکا تو خدا کی نفی کرتا ہوا مروں گا‘ لیکن یہ ان کی محض علمی موشگافی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے‘ مقصود دل سے اللہ کو ماننا ہے اگر کوئی شخص دل سے اللہ کو مانتا ہو اور لا الہ الا اللہ کہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور صرف لا الہ پر اس کو موت آ جائے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اہل جنت میں سے ہوگا‘ اس لیے وہی پڑھنا چاہیے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور اپنی طرف سے باریکیاں نہیں نکالنی چاہیے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران‘ ۱۳۸۷ھ)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین ابن العربی نے کہا ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جس کے لیے پڑھا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی‘ میں نے ستر ہزار بار یہ کلمہ پڑھ لیا تھا اور کسی کے لیے خصوصی نیت نہیں کی تھی‘ ایک مرتبہ میں ایک کھانے کی دعوت میں پہنچا‘ وہاں ایک نوجوان کشف میں مشہور تھا‘ کھانے کے دوران وہ رونے لگا‘ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے‘ میں نے دل ہی دل میں ان ستر ہزار کلمات کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا اور اب وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا: اب میں نے اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھا ہے‘ تو مجھے اس حدیث کی صحت کا اس نوجوان کے کشف سے یقین ہوا اور اس کے کشف کی صحت کا اس حدیث سے یقین ہو گیا۔ (مرقات ج ۳ ص ۹۹ - ۹۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان‘ ۱۳۹۰ھ)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے‘ رات اور دن کے بدل کر آنے اور ان کشتیوں میں

الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر میں رواں دواں ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا

آسمان سے نازل کیا‘ پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے

مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ

جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے تابع ہیں‘

السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ (۱۶۴)

ضرور ان (سب) میں عقل والوں کے لیے (اللہ کی معرفت کی) نشانیاں ہیں O

اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا معبود واحد ہے' اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق اور واحد ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر دلائل بھی ہیں اور انسان کے حق میں نعمتیں بھی ہیں۔

آسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی ہے کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہے' نہ اس کے اوپر کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ لٹکا ہوا ہو اور عام عادت کے خلاف بغیر ستونوں کے آسمانوں کو قائم رکھنا بغیر کسی زبردست قادر اور خالق کے ممکن نہیں ہے۔

زمین میں سمندر اور دریا ہیں' معدنیات ہیں' جنگلات ہیں' باغات اور فصلیں ہیں اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر نشانیاں ہیں' سمندروں کی روانی اور زمین کی پیداوار کا ہمیشہ ایک جہت اور ایک نظم پر قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ ان سب کا بنانے والا ایک ہے' کیونکہ کبھی سیب کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہوتا اور نہ کبھی سمندر کے مدوجزر کا نظام بدلتا ہے۔

دن اور رات میں نشانیاں ہیں' دن کو روشنی اور رات کو اندھیرے کا سبب بنایا' پھر دن اور رات میں کمی اور بیشی کا نظام ایک بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ ہمیشہ جون اور جولائی میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور نومبر' دسمبر میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں' اس نظام میں کبھی فرق نہیں آتا' اس سے معلوم ہوا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

سمندروں پر رواں دواں کشتیوں میں نشانیاں ہیں جو محض اللہ کی قدرت سے پانی پر قائم رہتی ہیں اور لوگوں کو اور ان کے سازوسامان کو لے کر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتی ہیں' ہمیشہ لکڑی اور پلاسٹک کی چیزیں سطح آب پر قائم رہتی ہیں اور تیرتی ہیں اور لوہے اور پیتل کی چیزیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں' ان تمام چیزوں کا واحد طبعی شعور یہ بتاتا ہے کہ ان کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

بارش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں کہ کس طرح بخارات سے حاصل شدہ پانی فضا میں جمع ہوتا ہے اور کس طرح منتشر ہوتا ہے اور اس جہان کی بقاء میں وہ کیا رول ادا کرتا ہے اور اس سے سبزیوں اور پھلوں کی کس طرح روئیدگی ہوتی ہے اور اس نظام کی وحدت بھی مخفی نہیں ہے۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو حیوانات اور حشرات الارض پیدا کیے ہیں ان میں عجیب و غریب حکمتیں اور فوائد ہیں' کچھ جانور انسان کی خوراک کے لیے حلال کر دیئے اور کچھ جانور اس کے امتحان کے لیے حرام کر دیئے' کچھ اس کی سواری کے کام آتے ہیں' کچھ جانوروں کو عبرت کے لیے پیدا کیا' اور کتنے ہی جانور ایسے ہیں جن کو پیدا کرنے کی حکمت سے ہماری عقل عاجز ہے' پھر ان تمام جانوروں کی پیدائش' نشوونما اور ان کی موت کا نظام واحد ہے' متعدد نہیں ہے تو ان کے پیدا کرنے والے متعدد کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہواؤں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت نشانیاں ہیں' بعض ہوائیں بانجھ ہوتی ہیں' بعض ہوائیں ثمر آور ہوتی ہیں' بعض ہوائیں سرد ہوتی ہیں' بعض گرم ہوتی ہیں' بعض ہوائیں فصلوں کو اجاڑ دیتی ہیں اور ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں' ہوا کے ذریعہ انسان سانس لیتا ہے' ہوا کے لیے عربی میں ریح اور ریاح دونوں لفظ آتے ہیں' ریح کا لفظ زیادہ تر ہلاکت اور تباہی والی ہواؤں کے لیے آتا ہے اور ریاح کا لفظ خوشگوار اور رحمت والی ہواؤں کے لیے آتا ہے' امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریح اللہ کی رحمت سے

ہے جو رحمت لاتی ہے اور عذاب کو لاتی ہے جب تم ریح (آندھی) کو دیکھو تو اس کو بُرا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبا[1] سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا۔

انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک' پانی اور ہوا کی ضرورت ہے' خوراک کے بغیر وہ چند دن زندہ رہ سکتا ہے اس لیے خوراک حاصل کرنے کے لیے اسے روزی حاصل کرنے اور مشقت کرنے کا مکلف کر دیا' پانی کی اس سے زیادہ شدید ضرورت ہے تو اس کا حصول اس کے لیے بہت سہل اور ارزاں کر دیا' اور ہوا کے بغیر وہ چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو اس کا حصول بالکل عام کر دیا' ہر شخص کو ہر جگہ اور ہر وقت بغیر کسی محنت اور معاوضہ کے ہوا میسر ہے' کیا یہ عجیب و غریب حکمت نہیں ہے۔

بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں' کس طرح بادل بنتے ہیں' کس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور بغیر کسی ظاہری سبب کے کس طرح فضا میں معلق ہیں' بادلوں کے گرجنے سے کس قدر ہیبت ناک اور ہولناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ آسمان سے بارش ہونے کا بھی ہمیشہ سے ایک طریقہ ہے' اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی' کیا اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے' اس میں کوئی تعدد نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ان تمام مظاہر قدرت میں غور و فکر اور تدبر کرے کہ یہ تمام چیزیں متغیر اور حادث ہیں اور ان کا حدوث اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہیے اور چونکہ ان تمام چیزوں کے نظام عمل میں انتشار اور اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم آہنگی اور وحدانیت ہے اس لیے ان کا بنانے والا بھی واحد ہی ہونا چاہیے' پھر ان تمام چیزوں میں جو بے شمار حکمتیں اور فوائد ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بنانے والا انتہائی علیم اور حکیم ہے اور یہ ساری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے' اس کا نظم اور ربط اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل صحیح منصوبہ بندی سے وجود میں آئی ہے' اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اور علیم اور حکیم ہے۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

ہم نے عام تعلیم یافتہ لوگوں کے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یہ دلیل ذکر کی ہے اور بالخصوص علماء اور فقہاء کی ضیافت طبع کے لیے متکلمین کے طریقہ پر اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اگر ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی اور معبود بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تو اس کو بھی ان مقدورات پر قادر ماننا پڑے گا' اب سوال یہ ہے کہ ان مقدورات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق ہے یا نہیں' اگر دونوں متفق ہیں تو ایک شئے کو پیدا کرنے کے لیے دو مستقل علتوں کا ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے' کیونکہ معلول علت مستقلہ کے غیر سے مستغنی ہوتا ہے ورنہ وہ علت مستقلہ نہیں ہوگی اور اگر ایک معلول کی دو علت مستقلہ ہوں تو معلول ان میں سے ہر ایک کا محتاج بھی ہوگا اور ہر ایک سے مستغنی بھی ہوگا اور یہ باطل ہے' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان دو علتوں میں سے صرف ایک تاثیر کر سکتی ہے دوسری تاثیر نہیں کر سکتی تو یہ ترجیح بلا مرجح بھی ہے اور دوسرے کا عجز بھی ہے اور عجز الوہیت کے منافی ہے اور اگر ان مقدورات کو پیدا کرنے میں دونوں کا ارادہ متفق نہیں ہے بلکہ ایک پیدا کرنا چاہتا ہے اور دوسرا نہیں چاہتا تو یا تو دونوں کا ارادہ پورا ہوگا' پھر لازم آئے گا کہ وہ چیز بیک وقت ہو اور نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین کو مستلزم ہے یا کسی کا ارادہ پورا نہیں ہوگا اور یہ ارتفاع نقیضین کو مستلزم ہے اور یہ دونوں باطل ہیں اور یا ایک کا ارادہ پورا ہوگا اور دوسرے کا ارادہ پورا نہیں ہوگا تو جس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا وہ مجبور ہوگا اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا' اس سے واضح ہو گیا کہ خدا ایک ہی ہے دوسرا خدا نہیں ہو سکتا۔

---

[1] مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا کو صبا اور مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی ہوا کو دبور کہتے ہیں۔ منہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

اور بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں،

كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں، اور اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

لیتے جس عذاب کو یہ قیامت کے دن دیکھیں گے (تو یہ دنیا میں ضرور اقرار کر لیتے) کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے، اور یہ کہ اللہ

شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

سخت عذاب دینے والا ہے O جن لوگوں کی (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی جب وہ (آخرت میں) پیروی کرنے والوں سے

وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

بری الذمہ ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تمام وسائل منقطع ہو جائیں گے O اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے:

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ

کاش! ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا (ممکن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے جس طرح یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں اسی طرح

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ

اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو باعثِ حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا، اور وہ نار جہنم سے ہرگز

النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

نکلنے والے نہیں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں۔

(البقرہ: ۱۶۵)

مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، علم، قدرت اور وحدانیت پر دلائل دیئے ہیں، اور اب فرما رہا ہے کہ ان عظیم اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے بعض لوگ انداد (غیر اللہ کو اللہ کا شریک) بناتے ہیں، انداد سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکین اللہ کی طرح عبادت کرتے ہیں، اور جس طرح مومنین اللہ سے بربنا حق محبت کرتے ہیں یہ مشرکین بتوں سے بربنا باطل محبت

کرتے ہیں' ایک قول یہ بھی ہے کہ انداد سے مراد ان کے کافر پیشوا ہیں جن کی وہ اللہ کی معصیت میں اطاعت کرتے تھے' اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محبت مؤمنین اللہ سے کرتے ہیں بلکہ مؤمن سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے' اور اس کی تعظیم اور تقدیس کرتا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم اور توقیر کرتا ہے' پھر اپنے والدین کی تعظیم اور اطاعت کرتا ہے' اس کے بعد اپنے نفس سے محبت کرتا ہے' پھر اس کے بعد اپنے اہل و عیال' اقرباء' پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح پہلے تعظیم اور محبت میں قرآن مجید کا مرتبہ ہے' پھر احادیث کا' پہلے مسجد حرام کا مرتبہ ہے اور پھر مسجد نبوی کا' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ سے زیادہ افضل ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق مدینہ منورہ' مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے اور جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر آرام فرما ہے وہ جگہ کائنات کی ہر جگہ سے افضل ہے' پھر اس کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مقابر اور مزارات کے مراتب ہیں اور حدود شرع کے مطابق ان کی تعظیم کرنا برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر یہ ظالم (دنیا میں اس عذاب کو) جان لیتے۔ (البقرہ: ۱۶۵)

البقرہ کی آیت: ۱۶۵ کے متعدد نحوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی

اس آیت کا ترجمہ بہت دقیق ہے اور عربی قواعد اور نحوی قوانین کے اعتبار سے اس کی متعدد ترکیبیں ہیں جن کی نوعیت خالص علمی ہے' ہم ان ابحاث کو چھوڑ کر صرف یہ ذکر کر رہے ہیں کہ مختلف تراکیب کے اعتبار سے اس آیت کے کیا معانی ہیں۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

عطاء نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے: اگر یہ ظالم مشرکین قیامت کے دن کا عذاب دیکھ لیں تو یہ ضرور جان لیں گے کہ تمام قدرت اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا میں اس عذاب کو جان لیتے جس عذاب کو یہ قیامت کے دن دیکھیں گے تو یہ ضرور اقرار کر لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے)۔

زمخشری نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے: اگر مشرکین یہ جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو' اور ظالموں پر عذاب کی شدت کو جان لیتے جب قیامت کے دن یہ عذاب کی شدت کا معائنہ کریں گے تو انہیں بڑی شدید حسرت اور ندامت ہوتی۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام رازی نے یہ معنی بیان کیا ہے:

اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو جان لیتے تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے:

اگر قیامت کے دن عذاب کے مشاہدہ کے وقت یہ ظالم اپنے عاجز ہونے کو جان لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ابوعبید نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم دنیا میں عذاب آخرت کو دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے' اور اخفش نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر یہ ظالم اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو (حقیقۃً) جان لیتے تو خدا کا

شریک بنانے کے نقصان سے بچ جاتے۔

ایک قراءت میں ''ولو یری'' کی جگہ ''ولو تری'' ہے' خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے' اس صورت میں معنی یہ ہے: اور اے محمد! اگر آپ ان ظالموں کو عذاب کا مشاہدہ کرتے وقت دیکھ لیتے تو آپ ضرور جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے۔

حالانکہ آپ اس امر کو جانتے تھے اس لیے یہاں خطاب آپ کو ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن (لوگوں) کی (دنیا میں) پیروی کی گئی تھی۔ (البقرہ: ۱۶۶)

گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا

قتادہ' عطاء اور ربیع نے کہا ہے کہ جن رئیسوں اور سرداروں کے حکم سے دنیا میں مشرکین نے کفر کیا تھا جب وہ دونوں آخرت میں عذاب کو دیکھ لیں گے تو اپنے متبعین کے کفر سے بری ہو جائیں گے' سدی نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین انسانوں سے بری ہو جائیں گے' اور ایک قول یہ ہے کہ ہر گمراہ کرنے والا متبوع اپنے تابع سے بری ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے اسباب منقطع ہو جائیں گے O (البقرہ: ۱۶۶)

سبب کے معنی ہیں: وہ رسی جس سے کسی چیز کو باندھ کر کھینچتے ہیں' پھر اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس سے کسی چیز کو کھینچا جائے' یہاں اسباب سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: دنیا میں جن کے ساتھ کافر میل جول کر رہتے تھے' ابن جریج نے کہا: جن رشتہ داروں کے ساتھ وہ دنیا میں شفقت کرتے تھے' سدی نے کہا: جن اعمال کو وہ نیکی سمجھ کر لازما کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جو وہ عہد و پیمان کرتے تھے اور حلف اٹھاتے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں اور جن چیزوں کو وہ نجات کا سبب سمجھتے تھے' آخرت میں وہ سب ان سے منقطع ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ان کی) پیروی کرنے والے کہیں گے: کاش! ہمارے لیے دنیا میں لوٹنا (ممکن) ہوتا تو ہم ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے۔ (البقرہ: ۱۶۷)

تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں کہیں گے کہ کاش! دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو باعث حسرت بنا کر انہیں دکھائے گا۔ (البقرہ: ۱۶۷)

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی سندوں کے ساتھ اس آیت کی دو تفسیریں نقل کی ہیں:

(۱) سدی بیان کرتے ہیں کہ کافروں کو جنت دکھائی جائے گی اور جنت میں ان کے مکان دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کر لیتے تو یہ مکان ان کو دے دیئے جاتے' پھر وہ مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور وہ کافروں کے وارث ہوں گے' اس وقت کافروں کو ندامت اور حسرت ہو گی۔

(۲) ابن زید اور ربیع وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال دکھائے گا' پھر ان کو حسرت اور پشیمانی ہو گی کہ انہوں نے کیوں برے عمل کیے اور کیوں نہ اچھے عمل کیے تاکہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۴۵۔ ۴۴ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ دوسری تاویل آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں' اور شیطان کے قدموں کی پیروی

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ

نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O وہ تمہیں صرف برائی

بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا (حکم دیتا ہے) جس کو تم نہیں جانتے O

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے

عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

جس پر اپنے باپ دادا کو پایا' خواہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں O

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ" (البقرہ: ۲۱) سے امور دین کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا' اور اب "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ" (البقرہ: ۱۶۸) سے دنیاوی امور کو بیان فرما رہا ہے' دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے روح کی غذا کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اب جسم کی غذا کا تفصیل سے بیان فرما رہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کی نشوونما کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔

ثقیف' خزاعہ اور بنو مدلج نے اپنے اوپر کچھ جانوروں کو حرام کرلیا تھا' ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمین کی ان چیزوں سے کھاؤ جو حلال طیب ہیں' اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ (البقرہ: ۱۶۸)

حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی

جس چیز سے حرمت کی گرہ کھل گئی ہو وہ حلال ہے اور طیب وہ چیز ہے جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو' سہل بن عبداللہ نے کہا کہ نجات تین چیزوں میں ہے: حلال کھانا' فرائض کو ادا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنا' نیز سہل نے کہا: حلال مال وہ ہے جو سود' حرام' رشوت' خیانت' مکروہ اور شبہ سے محفوظ ہو۔

جو کام شریعت کے مخالف ہو وہ شیطان کا طریقہ ہے' اگر اس کو کار ثواب اور نیکی سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے اور اگر اس کو برا سمجھ کر کیا جائے تو وہ گناہ ہے' مثلاً ماتم اور تعزیہ داری شریعت کے خلاف ہے اور اس کو نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ بدعت ہے اور چوری اور قتل بھی شریعت کے خلاف ہیں اور ان کو برا سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ گناہ ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ بدعت اور گناہ کا عمل

کرنا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے' اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا (حکم دیتا ہے)۔ (البقرہ: ۱۶۹)

''سوء'' اور ''فحشاء'' کا معنی

''سوء'' کے معنی ہیں: برائی اور ''فحشاء'' کے معنی ہیں: بے حیائی' ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہو وہ ''سوء'' اور ''فحشاء'' ہے' قرآن مجید میں ''فحشاء'' کا اطلاق زیادہ تر زنا پر آیا ہے اور ایک جگہ اس کا اطلاق بخل پر ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جس کام پر حد نہ ہو وہ ''سوء'' ہے اور جس پر حد ہو وہ ''فحشاء'' ہے۔

مشرکین ''بحیرہ' سائبہ' وصیلہ'' اور ''حام'' (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) کو حرام قرار دیتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام نہیں کیا' لیکن یہ مشرکین اللہ پر افتراء باندھتے ہیں اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ شیطان نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف اس تحریم کو منسوب کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی جن میں آخری نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان کو چیر دیتے اور اس پر سوار ہونے' بوجھ لادنے اور اس کے ذبح کو حرام کر دیتے اور اس کو ''بحیرہ'' کہتے' اور جو کوئی شخص دور دراز کے سفر سے واپس آتا' یا بیماری سے تندرست ہوتا یا کسی جنگ یا مصیبت سے نجات پاتا تو وہ اعلان کر دیتا کہ میری اونٹنی بتوں کے لیے چھوڑی گئی ہے اور اس پر سواری اور اس کے ذبح کو حرام کر دیتا اور اس کو کسی جگہ بھی گھاس چرنے یا پانی پینے سے منع نہ کیا جاتا' اس کو ''سائبہ'' کہتے تھے' جب کوئی اونٹنی یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دیتی تو اس کو بھی بتوں کے تقرب کے لیے ذبح نہیں کرتے تھے' اس کو ''وصیلہ'' کہتے تھے اور جب ایک معین تعداد میں اونٹ جفتی کر لیتا تو اس کو بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیتے' اس کو ''حام'' کہتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ (البقرہ: ۱۷۰)

مشرکین سے جب کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا' ان کا کھانا جائز ہے' سو ان کو ذبح کر کے کھاؤ اور ان سے نفع اٹھاؤ تو وہ کہتے کہ ہم اپنے باپ دادا سے یہی سنتے چلے آتے ہیں کہ ان جانوروں کا کھانا حرام ہے' ہم ان ہی کی پیروی کریں گے خواہ ان کے باپ دادا بے علم اور بے ہدایت ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور معصیت میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جن کی تقلید کی جارہی تھی وہ بے علم اور بے ہدایت تھے۔

تقلید کی تعریف

مسائل فرعیہ فقہیہ میں تقلید کرنا جائز ہے' تقلید کی تعریف ہے: کسی شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا' کیونکہ عام آدمی میں اتنی اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ کتاب اور سنت سے مسائل کا استنباط کر سکے' اس لیے وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں علماء سے رجوع کرے گا اور علماء اس کو اللہ اور رسول کا جو حکم بتائیں گے وہ اس پر عمل کرے گا' اسی طرح تمام علماء بھی تمام احکام شرعیہ کو براہ راست کتاب' سنت' آثار صحابہ' اجماع اور قیاس سے نہیں نکال سکتے اور وہ اس معاملہ میں کسی فقیہ اور مجتہد کے استنباط کردہ مسائل پر

اعتماد کرتے ہیں جس کی فقہ اور جس کے اجتہاد پر انہیں وثوق ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو O

(النحل: ۴۳)

امت کا اس پر اجماع ہے کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے' ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ کتاب اور سنت اور عقل سے غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کا علم حاصل کرے اور دلیل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو حق جانے اور مانے۔ "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث میں ہم نے تقلید اور اجتہاد پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے' اس موضوع پر بصیرت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ

اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو بلانے اور آواز دینے کے سوا اور کچھ نہ سنتا ہو'

اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰۤاَيُّهَا

یہ بہرے' گونگے' اندھے ہیں تو یہ کچھ نہیں سمجھتے O اے ایمان والو!

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ

ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں' اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم

كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ

اسی کی عبادت کرتے ہو O اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے' وہ صرف مردار' خون'

وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ

خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو' سو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۷۳﴾

اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

"نعق" کا معنی

"نعق" کا معنی ہے: چرواہے کا اپنی بکریوں کو ڈانٹنا اور للکارنا۔

اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے' اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ اس دعوت پر کان نہیں دھرتے اور لبیک نہیں کہتے' اس کی

مثال ایسے ہے جیسے کوئی مویشیوں کو چرانے والا اپنی بکریوں اور اونٹوں کو آوازیں دے کر بلا رہا ہو اور وہ جانور اس کی صرف آواز سن رہے ہوں اور ان کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' عکرمہ' سدی' زجاج' فراء اور سیبویہ وغیرہ سے یہ تفسیر منقول ہے۔

(۲) کفار اپنے باطل معبودوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آدھی رات کو چلا رہا ہو اور اس کی آواز گونج رہی ہو۔

(۳) کفار اپنے بتوں کو جو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے گم شدہ مویشیوں کو پکار رہا ہو اور اس کو پتا نہ ہو کہ وہ مویشی کہاں ہیں۔

''صم بکم عمی'' کی تفسیر البقرہ: ۱۸ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں' اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ (البقرہ: ۱۷۲)

حرام کھانے کا وبال

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا' سو فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو' میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں' اور فرمایا: اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ' پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال غبار آلود ہیں' وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: یا رب! یا رب! اس کا کھانا پینا حرام ہو' اس کا لباس حرام ہو' اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی!

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

شکر کا معنی البقرہ: ۱۵۲ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے' وہ صرف مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (البقرہ: ۱۷۳)

حرام کیے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان

''میتہ'' (مردار): ذبح کیے جانے والے جانوروں میں سے جو جانور بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر گیا ہو اس کو مردار کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی اس نص قطعی سے ہر مردار کا کھانا حرام ہے' تاہم اس کے عموم سے سمندر کے مردہ جانوروں کو خاص کر لیا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ۹۶) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک مچھلی ہو یا کوئی اور سمندری جانور سب بغیر ذبح کے حلال ہیں' امام مالک کے نزدیک

سمندری خنزیر کے علاوہ سب حلال ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے باقی سمندری جانور حرام ہیں' امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانوروں سے گھن آتی ہے اور گھناؤنے جانور حرام ہیں' قرآن مجید میں ہے: '' وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) اور ناپاک چیزیں آپ ان پر حرام کرتے ہیں''۔

امام احمد نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے' اور اس حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱' مطبع مجتبائی' لاہور) امام احمد نے فرمایا: یہ حدیث سو حدیثوں سے بہتر ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: سمندر کے طعام سے مراد سمندر کے مردار جانور ہیں' البتہ جو جانور طبعی موت سے مر کر سطح آب کے اوپر آ جائے وہ بدبودار ہو جاتا ہے' اس کا کھانا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۱۵۔ ۳۱۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک قرآن مجید کے حکم عام کی سنت سے تخصیص جائز نہیں ہے' اس لیے اگر ٹڈی اپنی طبعی موت سے مر جائے تو اس کا کھانا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ وہ خشکی کا شکار ہے اور بغیر ذبح کے اللہ تعالیٰ نے صرف سمندر کا شکار حلال کیا ہے' اور امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مچھلی اور ٹڈی کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' رہے مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۳۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد[1] اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۷۲' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

عنبر کی تحقیق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اسی طرح حضرت جابر کی عنبر کے متعلق حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے اور وہ عموم قرآن کی تخصیص کرتی ہے' اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

ان حدیثوں کو بیان کرنے سے پہلے ہم عنبر کا معنی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

عنبر ایک خوشبودار چیز ہے' یہ سمندری جانور کی لید ہے یا سمندر کی گہرائی میں چشمہ سے نکلتی ہے' (ازہری نے کہا:) یہ ایک سمندری مچھلی ہے' بعض نے کہا: یہ زعفران ہے' بعض نے کہا: یہ سمندری مچھلی کی ڈھال ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی سمندری مچھلی کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس مچھلی کا طول پچاس ذراع (۷۵ فٹ) ہوتا ہے۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۴۲۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

امام بخاری لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا: عنبر دفینہ نہیں ہے' وہ ایک چیز ہے جس کو سمندر نکال کر (ساحل پر) پھینک دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حکیم مظفر حسین اعوان لکھتے ہیں:

یہ ایک مچھلی (سپرم ویل) کے شکم سے نکلتا ہے اور سمندر میں سطح آب پر تیرتا ہوا یا ساحل بحر سے ملتا ہے' اس کی صورت اکثر گول ہوتی ہے (اس لیے اسے شامہ بھی کہتے ہیں)' اس کا وزن نصف سیر سے لے کر دس سیر تک ہوتا ہے' یہ موی مادہ ہے جو سرد پانی میں حل نہیں ہوتا' لیکن گرم پانی میں گداز ہو جاتا ہے اور چکنا محسوس ہوتا ہے' عنبر اشہب بہترین خیال کیا جاتا ہے' اشہب اس سیاہ رنگ کو کہتے ہیں جس میں سفیدی غالب ہو' رنگ: بھورا یا سیاہی مائل و چکنا اور سنگ مرمر کی طرح جوہر دار' ذائقہ: قدرے تلخ و خوشبودار' مزاج: گرم اور خشک' مقام پیدائش: سپرم ویل برازیل' امریکہ کے جنوبی ساحل' بحر ہند اور خلیج بنگال میں پائی جاتی ہے' اس کی تجارت کے مرکز ممباسہ اور دار السلام ہیں' افعال و استعمال: مفرح اور مقوی قلب و دماغ ہے' حواس کو تقویت دیتا ہے' زیادہ تر اعصاب' دماغ اور قلب کے امراض میں مستعمل ہے۔

(کتاب المفردات ص ۳۶۶' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' کراچی)

علامہ قرطبی نے عنبر کے متعلق جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ کی قیادت میں بھیجا' ہم قریش کے قافلہ کو تلاش کر رہے تھے' زادِ راہ میں ہمارے پاس صرف کھجوروں کی ایک تھیلی تھی' حضرت ابوعبیدہ ہمیں ہر روز ایک ایک کھجور دیتے تھے' راوی نے پوچھا: آپ اس ایک کھجور کو کس طرح کھاتے تھے؟ حضرت جابر نے کہا: ہم اس کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ چوستا ہے' پھر ہم اس کے بعد پانی لیتے تھے تو وہ ہمیں ایک دن اور رات کے لیے کافی ہوتی تھی' اور ہم لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے' پھر ان کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ ایک دن ہم ساحل سمندر پر گئے' وہاں کنارے پر ایک بڑے ٹیلے کی مانند کوئی چیز پڑی ہوئی تھی' ہم اس کے پاس گئے' دیکھا تو وہ ایک جانور ہے' جس کو عنبر کہا جاتا تھا' حضرت ابوعبیدہ نے کہا: یہ مردار ہے' پھر کہا: نہیں! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے ہیں اور اللہ کے راستہ میں ہیں اور تم لوگ حالت اضطرار میں ہو' سو اس کو کھاؤ' ہم لوگ تین سو تھے اور وہاں ایک ماہ ٹھہرے تھے اور اس کو کھا کر ہم موٹے ہو گئے تھے' مجھے یاد ہے کہ ہم نے اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے مشکوں سے بھر بھر کر اس جانور سے چربی نکالی تھی' اور اس میں سے بیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لے کر اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں بٹھا دیئے اور اس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور سب سے بڑے اونٹ کی پیٹھ پر کجاوہ کس کر اس کے نیچے سے گزار لیا' اور اس کے گوشت کو ابال کر ہم نے زادِ راہ تیار کر لیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: یہ ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے' کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ اگر ہے تو ہمیں کھلاؤ' حضرت جابر کہتے ہیں: پھر ہم نے اس میں سے کچھ گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا (اس حدیث میں مچھلی پر عنبر کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے)۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۶۔ ۸۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ سپرم ویل مچھلی کے پیٹ سے نکلنے والے ایک خوشبودار موی مادہ کو عنبر کہتے ہیں اور اس حدیث میں یہ

دلیل ہے کہ سمندری مردہ جانوروں کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور یہ صحیح حدیث قرآن مجید میں "میتہ" کی عمومی حرمت کے لیے مخصص ہے۔

سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم

جو مچھلی طبعی موت سے پانی کے اندر مر جائے اور بدبودار ہو کر سطح آب پر ابھر آئے' امام شافعی کے نزدیک اس کو بھی کھانا جائز ہے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے' امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو سمندر پھینک دے یا جس جانور سے پانی منقطع ہو جائے اس کو کھالو اور جو جانور پانی میں مر کر اوپر آ جائے اس کو مت کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم

خشکی کے مردہ جانوروں کی چربی کو بھی کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے' آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے متعلق بتائیے کیونکہ اس چربی سے کشتیوں پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کا تیل کھالوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: نہیں! وہ حرام ہے' پھر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے' جب اللہ نے مردار کی چربی کو حرام کر دیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی چربی حرام ہے' اس کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے' اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے' عام طور پر مشہور ہے کہ صابن میں مردار کی چربی ہوتی ہے خاص طور پر غیر ملکی صابن میں' لیکن یہ امر یقینی نہیں ہے' اس لیے اس کا استعمال ناجائز نہیں ہوگا' نیز نفس چربی تو نجس ہے لیکن اگر چربی کسی چیز میں مل جائے اور وہ چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جائے تو وہ چیز شرعاً نجس نہیں ہوگی' اس لیے صابن ملکی ہو یا غیر ملکی اس کے استعمال سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہوگا' خصوصاً اس لیے کہ صابن لگانے کے بعد ہاتھ یا بدن پر بغیر صابن کے پانی بہا لیا جاتا ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر چربی میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟ آپ نے پوچھا: کیا وہ جمی ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: چوہے کو اور اس کے اردگرد کی چربی کو پھینک دو اور اپنی چربی کھالو' صحابی نے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر وہ چربی پگھلی ہوئی ہو تو؟ آپ نے فرمایا: اس سے نفع حاصل کرو اور اس کو کھانا نہیں۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اس سے ہر قسم کے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی ہے' حضرت ابن عمر' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور دیگر سلف صالحین نے اس قسم کی چربی سے نفع حاصل کرنے کو جائز کہا ہے' البتہ کھانے سے منع کیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا

ہے کہ اس قسم کی چربی کو بیچنا جائز ہے اور بائع کو اس کا عیب بیان کر دینا چاہیے۔

یہ بحث اس چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو' مفتی محمد شفیع دیو بندی نے اس کو مطلقاً مردار کی چربی پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے: نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام ابن عمر' ابو سعید خدری' ابو موسیٰ اشعری نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے' خارجی استعمال کی اجازت دی ہے' اس لیے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (جصاص)

(معارف القرآن ج ۱ ص ۴۱۸ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف' ۱۴۱۳ھ)

مفتی صاحب کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے' نہ مذکور الصدر صحابہ کرام کا یہ نظریہ ہے' نہ علامہ جصاص کی یہ عبارت مطلقاً مردار کی چربی کے متعلق ہے بلکہ یہ بحث اس پگھلی ہوئی چربی میں ہے جس میں چوہا گر گیا ہو' علامہ جصاص اس بحث کے اخیر میں لکھتے ہیں:

یہ چربی ان کے نزدیک مردار کی چربی کے قائم مقام نہیں ہے' کیونکہ وہ مردار کے گوشت کی طرح بعینہٖ حرام ہے' اور جس پگھلی ہوئی چربی میں چوہا گر گیا ہو وہ بعینہٖ حرام نہیں ہے' مردار کی مجاورت سے اس کا صرف کھانا حرام ہے اور اس سے باقی ہر طرح کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

علامہ جصاص نے اس حدیث سے یہ اصول مستنبط کیا ہے:

جو چیز فی نفسہٖ نجس ہو وہ کسی چیز میں گر جائے تو جتنے حصہ میں وہ نجس چیز ہو گی اس نجس چیز کی مجاورت کی وجہ سے وہ حصہ نجس ہو جائے گا اور جو حصہ اس نجس حصہ سے مجاور ہے وہ نجس نہیں ہو گا' کیونکہ جس حصہ میں چوہا گرا اس کو آپ نے نجس فرمایا اور چربی کا باقی حصہ جو اس حصہ سے ملا ہوا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کو جائز فرمایا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۹۔ ۱۱۸ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض صابن میں مردار کی چربی ہو تب بھی چربی کی وجہ سے صابن نجس ہو گا لیکن صابن جب بدن پر ملا جائے گا تو اس سے بدن نجس نہیں ہو گا کیونکہ جو چیز کسی کی مجاورت کی وجہ سے نجس ہو' وہ دوسری چیز کو نجس نہیں کرتی اور اگر بالفرض نجس ہو تب بھی پانی بہا لینے کے بعد کسی قسم کی نجاست نہیں رہی' اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ مردار کی چربی سے صابن بنانا ناجائز ہے' لیکن جو صابن بالفرض اس چربی سے بنا ہوا ہو اور اس میں دیگر اور بہت سے کیمیائی مادے شامل ہوں تو اس صابن کو استعمال کرنا مردار کی چربی کو استعمال کرنا نہیں ہے' جب کہ ظن غالب یہ ہے کہ مسلمان اور عیسائی ممالک میں مذبوح جانور کی چربی کو استعمال کیا جاتا ہے' اس لیے ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے ہاتھ یا بدن نجس نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار' خون .... (البقرہ: ۱۷۳)

بہائے ہوئے خون کا بالاجماع حرام ہونا

اس آیت میں مطلقاً خون کو حرام فرمایا ہے اور سورۃ الانعام میں اس کو بہائے ہوئے خون کے ساتھ مقید فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے کے کھانے پر کوئی چیز حرام نہیں کی گئی' ماسوا مردار یا بہائے ہوئے خون یا خنزیر کے گوشت کے' بے شک وہ (خنزیر) نجس ہے یا وہ فسق (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر

اللہ کا نام پکارا گیا ہو' سو جو شخص مجبور ہو جائے (اور) وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو (اور وہ ان کو کھا لے یا استعمال کر لے) تو آپ کا رب بخشنے والا بڑا مہربان ہےO (الانعام: ۱۴۵)

تمام ائمہ اور مجتہدین نے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور یہاں خون سے بہایا ہوا خون مراد ہے' کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے وہ بالا جماع حرام نہیں ہے' اسی طرح جگر اور تلی کے حلال ہونے پر بھی اجماع ہے اور مچھلی کے ساتھ جو خون لگا ہوا ہوتا ہے وہ حرام اور نجس نہیں ہے۔

ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز

قرآن مجید کی ان مذکور الصدر دونوں آیتوں میں شرعی ضرورت کے بغیر مردار اور خون وغیرہ کو حرام کیا گیا ہے اور جب شرعی ضرورت متحقق ہو یعنی ان چیزوں کے استعمال سے جان بچانے کا مسئلہ ہو یا بیماری کو زائل کرنا اور صحت کو قائم رکھنا مقصود ہو تو پھر ان چیزوں کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط　　اور اللہ تعالیٰ نے دین کے احکام میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔ (الحج: ۷۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صرف آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' اور مشکل احکام بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

دین سے مشقت اور بوجھ کو اٹھا لیا گیا ہے اور شریعت میں قاعدہ یہ ہے کہ جس عبادت کی ادائیگی میں امت کو حرج اور ثقل ہو وہ عبادت امت سے اٹھالی گئی ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ مضطر (مجبور) مردہ کھا لیتا ہے' اور مریض روزہ توڑ دیتا ہے اور تیمم کر لیتا ہے' اس کی اور مثالیں بھی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۲ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

مجبوری کی بعض حالتوں میں ایک بیمار یا زخمی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے خون کو منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے' ایک وجہ یہ ہے کہ جب کسی حادثہ کی بناء پر جسم سے بہت زیادہ خون نکل جائے جس کی وجہ سے فوری طور پر اس کی جان بچانے کے لیے اس کے جسم میں خون منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کا جگر خون بنانا بند کر دیتا ہے' اس وقت اس کو زندہ رکھنے کے لیے اس کے جسم میں مسلسل خون منتقل کرنے کی ضرروت پڑتی ہے' تیسری وجہ بلڈ کینسر (خون کا سرطان) ہے جس میں بعض اوقات ہر ماہ جسم کا پورا خون بدلنا پڑتا ہے' چوتھی وجہ کوئی بڑا آپریشن ہے (مثلاً دل کا بائی پاس آپریشن) جس کی وجہ سے بعض اوقات جسم کا اتنا خون نکل جاتا ہے کہ اگر اس کے جسم میں دوسرا خون نہ منتقل کیا جائے تو اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

یہ تمام اضطرار کی صورتیں ہیں اور قرآن مجید نے اضطرار کی صورت میں خون کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے' اس لیے ان صورتوں میں ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کا خون منتقل کرنا جائز ہے۔

حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث

بعض علماء مذکور ذیل احادیث کی بناء پر حرام دواؤں سے علاج کو ناجائز کہتے ہیں خواہ مریض مرجائے مگر حرام چیزوں سے علاج نہ کرے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل کی ہیں اور ہر بیماری کے لیے دواء ہے سو تم دوا کرو اور حرام دوا نہ لو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت سوید بن طارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا' آپ نے اس سے منع فرمایا' انہوں نے پھر سوال کیا' آپ نے پھر منع فرمایا' انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! یہ دوا ہے' آپ نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ بیماری ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نشہ آور چیزوں کے متعلق فرمایا: اللہ نے ان چیزوں میں تمہاری شفا نہیں رکھی جن کو تم پر حرام کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لکھا ہے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۶) حالانکہ ''صحیح بخاری'' میں یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۳ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری بیٹی بیمار ہوگئی' میں نے اس کے لیے ایک کوزہ میں نبیذ بنایا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اس وقت نبیذ میں جوش آ رہا تھا' آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میری بیٹی بیمار تھی' سو میں نے اس کے لیے یہ نبیذ بنایا ہے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس حدیث کو امام ابویعلیٰ [1]' امام ابن حبان [2] اور امام بیہقی [3] نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو علامہ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۲ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۸۶ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

---

[1] امام احمد بن علی المثنی التمیمی الموصلی المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ ج ۶ ص ۲۷۰ 'مطبوعہ دار المامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ

[2] امام ابوحاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ' موارد الظمآن ص ۳۳۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۵ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۷۲ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

فقہاء اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل

امام بیہقی تحریر فرماتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں (اللہ نے حرام میں شفا نہیں رکھی' اور حرام دوا سے علاج نہ کرو) اگر صحیح ہوں تو ان کا محمل یہ ہے کہ نشہ آور دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے یا بغیر ضرورت کے ہر حرام دوا سے علاج کرنا ممنوع ہے تاکہ ان حدیثوں میں اور عرنیین کی حدیث میں تطبیق رہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۵ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (شافعیہ) کہتے ہیں کہ نجس چیز کو اس وقت بہ طور دوا استعمال کرنا جائز ہے جب اس کے قائم مقام پاک چیز نہ مل سکے' اگر پاک چیز مل جائے تو پھر نجس چیز بالاتفاق حرام ہے اور جس حدیث میں یہ ہے: اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے' اس کا یہی محمل ہے کہ جب حرام دوا کے علاوہ حلال دوا بھی موجود ہو تو پھر حرام دوا کا استعمال حرام ہے' اور جب حرام دوا کے علاوہ کوئی اور دوا موجود نہ ہو تو پھر وہ حرام نہیں ہے' ہمارے اصحاب نے کہا: یہ اس وقت جائز ہے جب معالج طب کا عارف ہو اور اس کو علم ہو کہ اس دوا کا اور کوئی بدل نہیں ہے یا کوئی مسلمان نیک طبیب اس کی خبر دے' اور علامہ بغوی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ صرف ایک طبیب کی خبر بھی کافی ہے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۵۱۔ ۵۰ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ احمد قسطلانی شافعی لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے حضرت ام سلیم (بلکہ ام سلمہ) سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے اس چیز میں تمہاری شفا نہیں رکھی جس کو تم پر حرام کیا ہے' یہ حالت اختیار پر محمول ہے لیکن ضرورت کے وقت یہ حرام نہیں ہے' جیسے ضرورت کے وقت مردار حرام نہیں ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۹۴ 'مطبوعہ مطبع میمنہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کا یہی محمل بیان کیا ہے کہ حالت اختیار میں حرام چیز میں شفا نہیں ہے اور ضرورت کے وقت حرام دوا سے علاج کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۸ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

چونکہ ان دو حدیثوں میں حرام چیز کے ساتھ علاج کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے عرنیین کی حدیث (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں کے پیشاب کو بہ طور دوا استعمال کرایا اور عرنیین تندرست ہو گئے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ضرورت کی صورت پر محمول ہے' کیونکہ زہر کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے اور اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۱ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہے جب انسان کو حلال اور حرام دونوں دواؤں کے استعمال کا اختیار ہو' لیکن جب حرام دواء کے علاوہ اور کوئی دوا نہ ہو تو پھر وہ دوا شرعاً حرام نہیں رہے گی' جیسے ضرورت کے وقت مردار حرام نہیں رہتا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۵ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ قاضی خاں حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد وہ اشیاء ہیں جن میں شفا نہیں ہے لیکن جب کسی چیز میں شفا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج

نہیں ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔
(فتاویٰ قاضی خاں ج ۳ ص ۴۰۴ 'مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن بزاز کردری حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ جب حرام دوا میں شفا کا علم ہو تو پھر اس کا استعمال حرام نہیں ہے' جیسے پھنسے ہوئے لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لیے (جب پانی نہ ہو تو) شراب کا گھونٹ پینا جائز ہے' اسی طرح پیاسے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔
(فتاویٰ بزازیہ علیٰ ھامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۶۵ 'مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق)

علامہ حموی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ تمرتاشی نے ''شرح الجامع الصغیر'' میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ بیمار کے لیے مردار کھانا' اور خون اور پیشاب کو پینا جائز ہے' بہ شرطیکہ مسلمان طبیب یہ کہے کہ اس میں شفاء ہے اور اس کے قائم مقام جائز چیز نہ ملے۔
(غمز عیون البصائر ج ۱ ص ۲۷۵ 'مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

جس چیز میں شفا ہو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح ضرورت کے وقت پیاسے کے لیے شراب حلال ہے' صاحب ''ہدایہ'' نے ''تجنیس'' میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۴۰ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پئیں' جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو آٹھ سندوں سے روایت کیا ہے' امام مسلم نے اس حدیث کو سات سندوں سے روایت کیا ہے' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کو متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۱ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

نیز اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الطہارۃ' اطعمہ اور الطب میں روایت کیا ہے' امام ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں روایت کیا ہے' امام احمد بن حنبل نے مسند احمد (ج ۱ ص ۱۹۲' ج ۳ ص ۷۰۔ ۲۹۰۔ ۱۹۰۔ ۲۸۷۔ ۲۰۵۔ ۱۹۸۔ ۱۷۷۔ ۱۶۱۔ ۱۰۷) میں روایت کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پیشاب پینا تو حرام ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت حرام ہے جب دوسری دوا کا بھی اختیار ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۵ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

علامہ نووی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ خمر اور باقی نشہ آور مشروبات کے سوا ہر نجس چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

لیکن علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں لکھا ہے کہ ضرورت کی بناء پر شراب سے بھی علاج جائز ہے۔
(شرح المہذب ج ۹ ص ۴۱ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خارش کی وجہ سے حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام شافعی اور ان کے موافقین کے موقف پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ اگر مردوں کو خارش ہو تو ان کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۹۶ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جوؤں یا خارش کی وجہ سے ریشم پہننے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۲۴۲ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی' انہوں نے چاندی کی ناک لگائی' اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ باندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔
(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۵ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث سے دانت کو سونے کے ساتھ باندھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۶۸ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام نسائی[1] اور امام احمد[2] نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی بناء پر سونے کی ناک لگانے اور سونے کے ساتھ دانت کے باندھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔
(مرقات ج ۸ ص ۲۸۰ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ہم نے اس بحث میں فقہاء احناف' فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کی تصریحات پیش کی ہیں کہ ضرورت کے وقت حرام دواؤں سے علاج کرنا جائز ہے' فقہاء حنبلیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض منع کرتے ہیں اور جمہور جائز کہتے ہیں' علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

جمہور اصحاب کے نزدیک اضطرار کے وقت حرام چیز بہ قدر ضرورت کھانا جائز ہے اور اضطرار اس وقت ہے جب جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو یا جان کے نقصان کا خدشہ ہو یا مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اگر مرض کے طول کا خدشہ ہو تو صحیح مذہب یہ ہے کہ پھر بھی اضطرار ہے۔ (الانصاف ج ۱۰ ص ۳۷۰۔ ۳۶۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۷۶ھ)

---

[1] امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۲ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خون کی حرمت قطعی ہے اور خون منتقل کرنے سے مریض کا بچ جانا یا اس کا صحت یاب ہو جانا ظنی ہے اور ظنی فائدہ کی امید پر حرام قطعی کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عرنیین کو بیماری میں اونٹنیوں کا پیشاب پلایا تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ ان کی اسی سے شفا ہوگی اور وحی کا علم قطعی ہے' اس لیے اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا' اور فقہاء نے شدید بھوک کی حالت میں مردار اور خنزیر کھانے کا جو جواز لکھا ہے اس سے بھی معارضہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ کسی چیز کے کھانے سے بھوک کا زائل ہونا قطعی ہے اور دوا سے بیماری کا علاج ظنی ہے' اسی طرح یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حلق میں لقمہ پھنسا ہوا ہو اور کوئی اور پینے کی چیز نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پی کر لقمہ کو حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے کیونکہ کسی مشروب سے لقمہ کا حلق سے اتر جانا قطعی ہے اور دوا سے صحت اور شفا کا حاصل ہونا ظنی ہے اور ظنی کو قطعی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کی قوت اور متانت میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن معترض نے اس پر توجہ نہیں کی کہ جان کو بچانا اور صحت کو قائم رکھنا فرض ہے اور یہ فرض باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور خواہ جان بچانا اور مرض سے محفوظ رکھنا کسی ظنی امر پر موقوف ہو اس کے لیے فرض قطعی کو ترک کر دیا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ (البقرہ: ۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

رمضان میں روزہ رکھنا فرض قطعی ہے' لیکن اگر روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے یا مرض بڑھنے کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں روزہ نہ رکھنے اور بعد میں اس کو قضاء کرنے کا حکم دیا ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ۔ (البقرہ: ۱۸۵)

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو تو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے' اور جو شخص بیمار یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو اسے دوسرے دنوں میں (قضا شدہ) عدد پورا کرنا لازم ہے' اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم عدد پورا کرو۔

روزہ رکھنے سے بیماری لاحق ہونا' یا بیماری کا بڑھنا' اسی طرح سفر سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے لیکن اس امر ظنی کی وجہ سے فرض قطعی کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ زندگی اور صحت کی حفاظت کرنے کا حکم باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے حکم پر عمل کرنے کو صحت کی حفاظت پر مقدم کرے اور سفر کی مشقت برداشت کر کے روزہ رکھے تو وہ گنہ گار ہوگا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ نے روزہ رکھ لیا' حتیٰ کہ آپ کراع الغمیم پر پہنچ گئے' سو لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا تھا' پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھا کر پی لیا' جس کو سب لوگوں نے دیکھ لیا' پھر آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ بدستور روزہ سے ہیں اور ان پر روزہ دشوار ہو رہا ہے' آپ نے فرمایا: یہ لوگ نافرمان ہیں' یہ لوگ نافرمان ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جس کو سفر میں روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحت کو قائم رکھنا روزہ رکھنے پر مقدم ہے حالانکہ روزہ رکھنا فرض قطعی ہے' اور سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت کا لاحق ہونا ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی بناء پر اس فرض قطعی کو ترک کرنا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا گناہ ہے۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا' اس دن بہت سخت گرمی تھی' ہم نے ایک جگہ قیام کیا' ہم میں سے اکثر لوگ چادروں سے اپنے اوپر سایا کیے ہوئے تھے' اور بعض اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر سایا کر رہے تھے' روزہ دار (بے ہوش ہو کر) گر گئے اور روزہ نہ رکھنے والوں نے ان پر سایا کیا اور ان پر پانی کے چھینٹے ڈالے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لے گئے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص رمضان میں بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے روزہ رکھا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے' امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھے' وہ (روزہ نہ رکھنے کے لیے) جان کی ہلاکت یا عضو کی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کا زیادہ ہونا اور اس کا بڑھنا کبھی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے' اس لیے اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲۱ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

مرض کا زیادہ ہونا ایک امر ظنی ہے' اسی طرح امام شافعی کے اعتبار سے روزہ رکھنے سے جان یا عضو کی ہلاکت بھی ایک امر ظنی ہے اور اس امر ظنی کی وجہ سے رمضان میں روزہ رکھنے کے قطعی حکم کے ترک کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دیا گیا ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے۔

نیز علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

اگر ایک شخص مسافر ہو اور اس کو روزہ سے ضرر نہ ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو جائز ہے کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہوتا' اس لیے سفر میں نفس مشقت کو (روزہ نہ رکھنے کا) عذر قرار دیا گیا ہے' اس کے برخلاف مرض میں کبھی روزہ رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے (جیسے ہیضہ میں) اس لیے مرض میں روزہ نہ رکھنے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ روزہ رکھنے سے ضرر ہو۔

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ سفر میں (مطلقاً) روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس سفر پر محمول ہے جس میں مشقت ہو اور اگر مریض اور مسافر اسی حال میں مر جائیں تو ان پر قضا لازم نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲۱ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

سفر میں مشقت کالاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے جس کی بناء پر رمضان میں روزہ کے قطعی حکم کو ترک کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

نیز علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جب (رمضان میں) روزہ رکھنے سے اپنے اوپر یا اپنے بچہ کے اوپر (ضرر کا) خوف محسوس کریں تو روزہ نہ رکھیں اور قضا کریں تاکہ ان پر تنگی نہ ہو۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲۲ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ رکھنے سے ضرر کالاحق ہونا بھی ایک امر ظنی ہے۔ (ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۶)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

غلبہ ظن علامات تجربہ یا مسلمان ماہر طبیب کے بتانے سے اگر تندرست شخص کو روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے کا خدشہ ہو تو ان کے لیے (رمضان میں) روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور جب وہ روزہ رکھنے پر قادر ہوں تو اس کی لازماً قضا کریں۔

(درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۷۔ ۱۱۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

جو شخص بہت بوڑھا ہو یا جس کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفاء کی امید نہیں ہے (جیسے ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر) اور اس وجہ سے اس کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور اس پر ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کے طعام کا (دو کلو گندم) فدیہ دینا لازم ہے قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ؕ اور جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر ایک مسکین کے طعام کا فدیہ لازم ہے۔ (البقرہ: ۱۸۴)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

شیخ فانی اور جس شخص کو ایسا مرض لاحق ہو جس سے شفا کی امید نہ ہو اس رخصت میں داخل ہیں۔

(ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کسی مرض سے شفا کی امید نہ ہونا بھی امر ظنی ہے جس کا مدار تجربہ مشاہدہ اور طبیب کے قول پر ہے اور ان میں سے کوئی چیز قطعی نہیں ہے اور اس کی بناء پر دائماً روزہ کو ترک کرنے اور اس کے بدلہ میں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ روزہ کا حکم فرض قطعی ہے۔

امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے: جب جنبی کو اپنے نفس پر موت کا یا مرض کا خدشہ ہو یا پیاس کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کرلے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سردی کی ایک رات میں جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (النساء: ۲۹)

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس پر ملامت نہیں کی یعنی اس عمل کو صحیح قرار دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

جنبی کے لیے غسل کرنے کا حکم فرض قطعی ہے اور سردی میں غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ محض ظن پر مبنی ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس ظن کی بناء پر فرض قطعی کو ترک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو

مقرر رکھا اور صحیح قرار دیا اور امام بخاری نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ جنبی کے لیے مرض یا موت کے اندیشہ سے غسل کی بجائے تیمم کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید' احادیث' محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یہ یقین نہ ہو کہ حرام چیز کے علاوہ اور کسی چیز میں شفا نہیں ہے اس کا استعمال جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ غیر نبی کے لیے یقین کا حصول ممکن نہیں ہے اس لیے عام مکلفین کے لیے صرف غلبہ ظن کا اعتبار کیا جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

تم کو معلوم ہے کہ اطباء کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ تجربہ سے بھی غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے یقین حاصل نہیں ہوتا' البتہ فقہاء علم اور یقین سے غلبہ ظن مراد لیتے ہیں اور ان کی عبارات میں یہ اطلاق عام اور شائع ہے۔

(ردالمحتار ج ا ص ۱۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے

اس بحث میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ہم اپنی زندگی کے مالک نہیں ہیں' ہمارے پاس یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' ہم اس کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کے مجاز نہیں ہیں' اس لیے کسی مضر چیز کو استعمال کر کے زندگی اور صحت کو نقصان پہنچانا جائز ہے نہ بیماری میں علاج کو ترک کر کے زندگی اور صحت کو نقصان پہنچانا جائز ہے' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیماری میں حرام چیز سے علاج نہ کرنا عزیمت اور تقویٰ ہے اور علاج کرنا رخصت اور فتویٰ ہے اور عزیمت اور تقویٰ پر عمل کرنا افضل ہے' یہ محض جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عذر کی حالت میں جو رخصت دی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل نہ کرنا گناہ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لیے جو رخصت دی ہے اس رخصت پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۳۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو قبول نہیں کیا اس کو میدان عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہو گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی معصیت کو ناپسند فرماتا ہے' اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اس جانور کا کھانا حرام ہے) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (البقرہ: ۱۷۳)

''وما اهل به لغير الله'' کی تحقیق

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں' اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو' قتادہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ جس

جانور پر اللہ کا نام لیے بغیر غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو' حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کے علاوہ دیگر کافروں نے جس جانور کو بتوں کے لیے ذبح کیا ہو' اس سے وہ جانور مراد ہے۔

(۲) ربیع نے کہا: اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو' ابن وہب نے کہا: اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۱ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ (احکام القرآن ج ا ص ۱۲۵ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو وہ حرام ہے' اور بت' مسیح وغیرہ یہ سب غیر اللہ میں داخل ہیں' اس کو اہلال (آواز بلند کرنا) کہتے ہیں کیونکہ ذبح کے وقت یہ بلند آواز سے اس کا نام لیتے ہیں جس کے لیے جانور کو ذبح کرتے ہیں' پھر اس کے مفہوم میں وسعت دی گئی اور ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس کو "ما اھل بہ لغیر اللہ" کہا جانے لگا' خواہ بلند آواز سے اس کا ذکر کیا گیا ہو یا نہیں' اور عطاء' مکحول' حسن بصری' شعبی' ابن المسیب' اوزاعی اور لیث وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا جائے اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح کے نام پر نصرانی کا کیا ہوا ذبیحہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد' امام زفر' امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب نصرانی مسیح کے نام پر جانور کو ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۱۱۵ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امیر یا کسی معظم شخص کی آمد پر جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ ذبیحہ حرام ہے کیونکہ یہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" ہے' خواہ اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو' اور اگر مہمان کے لیے جانور کو ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو کھانے کے لیے ذبح کیا ہے تو ذبح کرنا اللہ کے لیے ہے اور منفعت مہمان یا دعوت کے لیے ہے اور اگر اس نے کھانے کے لیے ذبح نہیں کیا بلکہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے حرام ہے' علامہ شامی نے وضاحت کی ہے کہ اگر ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم کا قصد ہو گا تو ذبیحہ حرام ہو گا (مثلاً کوئی بڑا آدمی آیا تو اس کی تعظیم کے لیے جانور کا خون بہا دیا' تو یہ ذبیحہ حرام ہے[1]) اور اگر یہ قصد نہیں ہے تو ذبیحہ جائز ہے مثلاً مکان کی بنیاد ڈالتے وقت جانور ذبح کیا جائے' یا کسی کے بیمار ہونے پر یا کسی کے بیماری سے شفا پانے پر' تو اس ذبیحہ کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' کیونکہ اس ذبیحہ سے مقصد اس کے گوشت کو صدقہ کرنا ہے' حموی۔ اس کی مثل یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر وہ سمندر کے سفر سے سلامت واپس آ گیا تو اللہ کی رضا کے لیے ایک جانور ذبح کرے گا' بحر۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے گوشت کو صرف فقراء پر صدقہ کرے' شبلی۔ آیا غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں' بزازیہ وشرح وہبانیہ۔

[1] ہو سکتا ہے ان فقہاء کے زمانہ میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کر کے اس کا خون بہایا جاتا ہو مگر اب یہ کہیں مروج نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ "منیہ" کی کتاب الصید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے گا۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں: یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ کیونکہ وہی کفر کا سبب ہے' اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے' لہٰذا جو شخص کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور کو ذبح کرتا ہے اس کا مقصد یا تو دنیاداری ہے یا اس جانور کو ذبح کر کے اس شخص سے اظہار محبت کرنا اور اس کے نزدیک مقبول ہونا اس کا مقصود ہے' لیکن جب کہ اس فعل میں اس کی تعظیم داخل ہے تو اس جانور پر بسم اللہ پڑھنا خالصاً محض اللہ کے لیے نہ ہوا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے بسم اللہ اور بسم فلاں پڑھا تو یہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے)۔

(درمختار مع ردالمختار ج ۵ ص ۱۹۸۔ ۱۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے مثلاً یہ کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میرا کام کر دیا تو میں اس بزرگ کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا' سو یہ نذر حرام ہے کیونکہ "البحر الرائق" اور فقہ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اور اگر اس شخص نے اس بزرگ کی تعظیم کے لیے اس بکرے کو ذبح کیا تو فقہاء کی تصریحات مذکورہ کی بناء پر وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور "وما اھل بہ لغیر اللہ" کا مصداق ہوگا اور اگر اس نے اللہ کی نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اس کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا تو یہ نذر جائز ہے' اور یہ ذبیحہ بھی جائز ہے اور اگر وہ نذر ماننے کے بعد یہ کہے کہ میں اس بکرے کا گوشت فلاں بزرگ کے مزار کے فقراء میں تقسیم کروں گا اور اس نذر کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو یہ بھی جائز ہے' لیکن یہاں نذر کے لفظ سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ اس عرفی نذر کا شرعی نذر سے التباس نہ ہو اور ان پڑھ عوام کے عقائد خراب نہ ہوں' اس طرح ایصال ثواب کرنے کو علماء دیوبند نے بھی جائز کہا ہے' شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں:

البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقراء کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب' یا پیر اور بزرگ کو پہنچادے' یا کسی مردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہیے کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لیے ہرگز نہیں۔

(حاشیہ بر قرآن ص ۳۲ مطبوعہ سعودی عربیہ)

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ

بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے' اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ

نہیں کرے گا' اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O یہ وہ لوگ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ

ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا' اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب کو (خرید لیا) وہ آگ پر

اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ

کس قدر صبر کرنے والے ہیں O یہ (مخالفت) اس لیے ہے کہ اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی' اور بے شک

۲۱ ۹ ۵ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں O

تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا' اور پاک اور صاف چیزوں کو نہ کھانا جس طرح گمراہی اور گناہ ہے' اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کو چھپانا اور ان کے عوض دنیا کا قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ جس چیز سے بعینہٖ فائدہ حاصل نہ کیا جا سکے بلکہ اس کو خرچ کر کے کوئی فائدہ کی چیز حاصل کی جا سکے اس کو ثمن کہتے ہیں' علماء یہود تورات کی آیات کو چھپا کر جو دنیاوی فوائد اور نذرانے حاصل کرتے تھے اس کو ثمن قلیل اس لیے فرمایا کہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی مدت قلیل ہے اور دنیا کی متاع بجائے خود قلیل ہے۔ یہ فرمایا کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں' تاکہ کھانے کا معنی مؤکد ہو جائے اور یہ وہم نہ ہو کہ یہاں آگ کھانا مجاز ہے' اس آیت کی تفصیل البقرہ: ۴۱ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تین بار پڑھا' حضرت ابوذر نے کہا: یہ لوگ نقصان اٹھانے والے اور نامراد ہیں۔ یا رسول اللہ! یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: (تکبر سے) چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا' احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔ حضرت ابوہریرہ سے ایک اور روایت میں ہے: جو شخص جنگل میں مسافر کو فالتو پانی دینے سے (بھی) منع کرے' جو شخص عصر کے بعد کسی کو جھوٹی قسم کھا کر سودا فروخت کرے اور یہ کہے کہ خدا کی قسم! اس نے وہ چیز اتنے کی لی تھی حالانکہ اس طرح نہ ہو' اور وہ شخص اس کو سچا سمجھے' اور جو شخص کسی امام سے مال دنیا کی خاطر بیعت کرے اگر وہ اس کو مال دے تو وہ اس سے وفا کرے اور مال نہ دے تو اس سے وفا نہ کرے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس وعید کے متعلق امام مسلم نے تین مختلف حدیثیں روایت کی ہیں' ہر حدیث میں تین مختلف شخصوں کا بیان ہے' جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا' خلاصہ یہ ہے کہ یہ نو ایسے گناہ ہیں جن کی وجہ سے قیامت کے دن انسان اللہ تعالیٰ

کے لطف و کرم سے محروم ہو گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس امت میں ان کبائر میں مبتلا رہیں گے اور بغیر توبہ کے مر جائیں گے' اور قرآن مجید میں اس عذاب کا مصداق ان یہودیوں کو قرار دیا ہے جو تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا۔ (البقرہ: ۱۷۵)

اس آیت کی تفسیر کے لیے البقرہ: ۱۶ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ بہت زیادہ مخالفت میں ہیں O (البقرہ: ۱۷۶)

ایک قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے' نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ تورات میں حضرت عیسیٰ کی صفت ہے اور یہود اس کی مخالفت کرتے تھے' یا تورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تھیں یہود ان کی مخالفت کرتے تھے' یا یہودی قرآن مجید کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے مشرکین تھے' بعض کہتے تھے کہ یہ قرآن سحر ہے' بعض کہتے تھے کہ یہ ''اساطیر الاولین'' ہے یعنی پچھلے لوگوں کے قصے اور بعض کہتے تھے کہ اس میں اللہ پر افتراء ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ

(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن (اصل)

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ

نیکی اس شخص کی ہے' جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت' اور فرشتوں اور کتابوں اور

النَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ

نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں' یتیموں'

الْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَ

مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرے اور

اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے' اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں'

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ

اور تکلیف اور سختی میں' اور جہاد کی مشقت میں صبر کرنے والے یہی

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں O

آیت مذکورہ کے شانِ نزول کے متعلق اقوال

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، یعنی صرف یہ نیکی نہیں ہے کہ تم نماز پڑھ لو اور اس کے سوا اور کوئی نیک عمل نہ کرو۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ صرف مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لینا کوئی نیکی نہیں ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرائض کے نازل ہونے سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دے دیتا تو اس کے حق میں خیر کی توقع کی جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۶۔ ۵۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ، یومِ آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا معنی

اللہ پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے، اس کو ہر عیب اور نقص سے منزہ مانے، اس کی تمام صفات کو قدیم مانے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرے، اس کے سوا کسی کو نہ واجب اور قدیم مانے اور نہ اس کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانے اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کرے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور آپ کی شریعت کو آخری شریعت مانے۔

یوم آخرت پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ قیامت کی، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی، عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزا، سزا، حساب و کتاب کی، صراط، میزان اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی شفاعت کی تصدیق کرے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کے معصوم ہونے، اور رسل ملائکہ کی رسالت، کراماً کاتبین کے اعمال کو لکھنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو بری مانے۔

کتاب پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کا اقرار کرے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جس کو حضرت جبرائیل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا ہے، یہ آخری کتاب ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی نہ کوئی اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثل لا سکتا ہے۔

تمام نبیوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ یہ مانے کہ تمام انبیاء اور رسل برحق ہیں اور سب پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ جائز نہیں ہے کہ بعض نبیوں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا کفر کیا جائے، چونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں، اس لیے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا۔

رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود خرچ کرے، اس کا معنی یہ ہے کہ انسان تندرست ہو، اس کو پیسوں کی ضرورت بھی ہو،

تاکہ وہ اپنے مستقبل کے لمبے لمبے منصوبوں کو پورا کرے اور اسے فقر کا خدشہ بھی لاحق ہو پھر بھی وہ اللہ کی راہ میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین وغیرہ پر خرچ کرے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے، پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

(جامع ترمذی ص ۱۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

بعض علماء نے کہا: یہ بھی زکوٰۃ میں داخل ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا اس کے بعد ذکر فرمایا ہے اور یہ قول حدیث مذکور کے بھی خلاف ہے، امام مالک نے کہا: اس سے مراد فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑانا ہے، زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات واجبہ بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ، پہلو تہی کرنے والے مخالف رشتہ دار پر صدقہ کرنا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۷، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

زکوٰۃ، قربانی، عشر اور صدقہ فطر صدقات واجبہ ہیں، باقی صدقات نفل اور مستحب ہیں۔ صدقات واجبہ ماں باپ، اولاد اور شوہر یا بیوی کے علاوہ ان رشتہ داروں کو دیئے جائیں گے جو غیر سادات اور فقراء ہوں، اور صدقات نفلیہ دینے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، وہ ہر رشتہ دار کو دیئے جا سکتے ہیں۔ امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشتہ دار پر صدقہ کرنے کا دو مرتبہ دگنا اجر دیا جاتا ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یتیم، مسکین اور ابن السبیل کا معنی

یتامیٰ: یتیم کی جمع ہے، یتیم اس نابالغ شخص کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

مساکین: مسکین کی جمع ہے، مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس قدر کفایت یعنی گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے گرد چکر کاٹتا ہے اور ایک لقمہ، دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجور لے کر چلا جاتا ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کے پاس گزارے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور نہ اس کے ظاہر حال سے اس کی مسکینی کا پتہ چلے تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

ابن السبیل: اس مسافر کو کہتے ہیں جو حالت سفر میں ضرورت مند ہو اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو چونکہ راستہ میں اس کے ماں باپ نہیں ہوتے اور راستہ کے سوا اس کا کسی سے تعلق نہیں ہوتا اس لیے اس کو ابن السبیل کہتے ہیں۔

سوال کرنے کی جائز حد

سائلین: سائل کی جمع ہے، بلا ضرورت سوال کرنا شرعاً حرام ہے، اور سائل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے

زیادہ کا سوال نہ کرے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ انگاروں کا سوال کرتا ہے' خواہ کم سوال کرے یا زیادہ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے اوپر سوال کرنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۳۸ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے' ایک وہ شخص جو مقروض ہو' اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے' اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کوئی ناگہانی آفت پہنچی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو' اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقل مند آدمی یہ گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے' تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' اور اے قبیصہ! ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ) سوال کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

تین آدمیوں کی گواہی کی شرط بطور استحباب ہے' ورنہ دو آدمیوں کی گواہی بھی کافی ہے اور یہ شرط اس شخص کے لیے ہے جو معاشرہ میں مال دار مشہور ہو اور جس شخص کا مال دار ہونا مشہور نہ ہو اس کے فاقہ زدہ ہونے کی خبر کے لیے اس کا اپنا قول کافی ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مال دار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے اور نہ صحیح الاعضاء اور قوی شخص کے لیے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سوال کیا درآں حالیکہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کو سوال سے مستغنی کر سکتا تھا وہ جہنم کے انگارے جمع کرتا ہے' راوی نے پوچھا: مال میں کتنی مقدار ہو تو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: جس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو وہ سوال نہ کرے' ایک اور روایت میں ہے: جس کے پاس اتنا کھانا ہو کہ وہ ایک دن اور ایک رات سیر ہو کر کھا سکے وہ سوال نہ کرے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک ہو' خواہ وہ خوراک بنفسہ موجود ہو یا اس شخص میں اس خوراک کو کما کر لانے کی صلاحیت ہو بایں طور کہ وہ تندرست اور کمانے والا ہو' ایسے شخص کے لیے خوراک کا سوال کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر خیرات دینے والے کو اس کے حال کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو بھیک دے تو وہ گنہ گار ہوگا'

کیونکہ وہ ایک حرام کام میں مدد کر رہا ہے اور اگر سائل ضرورت مند ہو اور کپڑوں کا سوال کرے یا جہاد یا طلب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے خوراک کا سوال کرے اور اس کو ان چیزوں کی ضرورت بھی ہو تو اس کا سوال کرنا جائز ہے اور اس کو دینا بھی جائز ہے۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور کمانے کے لائق ہو' اس کے باوجود پیشہ ور گداگری کرتا ہو اس کو خیرات بالکل نہ دی جائے' سوال سے پہلے نہ سوال کرنے کے بعد' تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ جائز طریقہ سے کسب معاش کرے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب حتمی طور پر معلوم ہو کہ وہ سائل تندرست اور کمانے کے لائق ہے اور جب یہ معلوم نہ ہو تو کسی مسلمان سائل کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس کے سوال کو جائز صورت پر محمول کیا جائے' مثلاً یہ کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کپڑوں کے لیے سوال کر رہا ہو' یا اپنے بیوی بچوں کے علاج یا کسی اور شدید ضرورت کی وجہ سے سوال کر رہا ہو' یا وہ طالب علم ہو یا مسافر' اور جن کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ضرورت مند ہیں یا بے روزگار ہیں' یا ان کی آمدنی ان کی خوراک' لباس' رہائش' تعلیم اور علاج وغیرہ کے لیے کافی نہیں ہے تو ان کی سوال کے بغیر از خود مدد کرنی چاہیے اور جو لوگ مسجد میں آکر سوال کرتے ہیں' ان کے حال کا اکثر و بیشتر لوگوں کو علم نہیں ہوتا' اگر وہ نمازیوں کے آگے سے نہ گزریں' اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں اور گڑگڑا کر سوال نہ کریں تو ان مسلمان سائلوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے سوال کو جائز صورت میں محمول کرنا چاہیے اور حتی الوسع ان کی مدد کرنی چاہیے۔

غلام آزاد کرنے' نماز پڑھنے اور زکوٰۃ وغیرہ کے معانی

غلام کو آزاد کرنے کے دو معنی ہیں: یا تو مکمل غلام خرید کر اس کو آزاد کیا جائے اور یا جو غلام مکاتب ہو اسے بدل کتابت دے کر اس کو آزاد کرایا جائے۔ غلام آزاد کرنے کا بہت اجر ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا' اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس کی فرج کے بدلہ میں فرج آزاد کر دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اور نماز قائم کرے: یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے باقی شرائط کے ساتھ نماز کے اوقات میں نماز پڑھے۔

اور زکوٰۃ ادا کرے: یعنی جو شخص نصاب کا مالک ہو وہ ایک سال گزر جانے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو ادا کرے۔ نماز پڑھنے سے روح کی تطہیر ہوتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کا تزکیہ ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید میں دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں' اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) بندہ جب اللہ سے کسی عبادت کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرے (۲) بندہ لوگوں کے ساتھ جو عہد کرے اس کو پورا کرے۔ ان دونوں عہدوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ عہد کو پورا کرنا ایمان صحیح کی علامت ہے اور عہد پورا نہ کرنا نفاق کی علامت ہے' لیکن اگر کسی سے گناہ کا عہد کیا ہے تو اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے: اس آیت کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) یہ آیت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ان کے سوا اور کوئی پوری طرح اس آیت پر عمل نہیں

کر سکتا (۴) یہ آیت تمام لوگوں کے حق میں عام ہے' کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب فرمایا ہے۔ جب کسی ناگہانی مصیبت سے آدمی فقر میں مبتلا ہو جائے' یا مرض طاری ہونے یا اپنے بچوں کی موت سے غم میں مبتلا ہو جائے یا معرکہ جہاد میں شدت میں مبتلا ہو جائے تو ان حالات میں صبر کرنا نصف ایمان ہے کیونکہ صبر کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص قضاء وقدر پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی امید رکھتا ہے۔

یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں: یعنی جو لوگ نیکی کی ان تمام اقسام کے ساتھ متصف ہیں یہی اپنے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ حقیقۃً متقی ہیں' کیونکہ یہ لوگ معاصی سے اجتناب کی وجہ سے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے اجر وثواب کے ساتھ کامیاب ہو گئے اور حق یہ ہے کہ جس نے اس ایک آیت پر عمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے'

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ

آزاد کے بدلہ آزاد' غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت' سو جس (قاتل) کے لیے اس کے

لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ

بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے'

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے' پھر اس کے بعد جو حد سے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے O اور اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلہ (مشروع کرنے) میں زندگی ہے'

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

تاکہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو O

اس سے پہلے عبادات اور معاملات کے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے اب فوجداری معاملات سے متعلق احکام شرعیہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے' ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ اور پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کر دیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے' اسی طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کر دیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' اللہ تعالیٰ نے اس تکبر اور بغاوت سے منع کیا اور فرمایا: آزاد کے بدلہ میں آزاد کو' غلام کے بدلہ میں غلام کو اور عورت کے بدلہ میں عورت کو قتل کیا جائے گا' اور سورۂ مائدہ میں فرمایا: جان کا بدلہ جان ہے' آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے' ناک کا بدلہ ناک ہے' کان کا بدلہ کان ہے' دانت کا بدلہ دانت اور ہر زخم کے بدلہ میں زخم ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۶۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۴۶' المغنی ج ۸ ص ۲۱۴)

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے آزاد شخص کو غلام کے بدلہ میں قتل کرنے سے منع کیا ہے' خواہ وہ غلام اس قاتل کا ہو یا اس کے غیر کا' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام کو قتل کر دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوڑے مارے' اس کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا' اور اس سے اس کے غلام کا قصاص نہیں لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۴) نیز حضرت علی نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے اور نہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۴' مطبوعہ ملتان) اور اس لیے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما محضر صحابہ میں آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے' اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۵) نیز اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کے بدلہ میں آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جاتے' اور قرآن مجید میں جو ہے: "النفس بالنفس جان کا بدلہ جان ہے" خواہ غلام کی جان ہو یا آزاد کی ہو' اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ یہ تورات کا حکم ہے اور تورات کا حکم قرآن کے اس حکم کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتا کہ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔

(انوار التنزیل ص ۳۷۔ ۳۶' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' بیروت)

اس آیت میں مفہوم مخالف سے استدلال نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں قاضی بیضاوی نے بھی اعتراف کیا ہے' پھر قاضی بیضاوی کا اپنے مذہب کو قرآن کا حکم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ حدیث بھی دلیل ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا مرقوم ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

غلام اور ذمی کے قصاص کے متعلق امام ابوحنیفہ کا مذہب

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں:

آزاد کو آزاد اور غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' چھوٹے کو بڑے کے بدلہ

ہیں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مسلمان اور ذمی کو مستامن کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور مستامن کو مستامن کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور صحیح الاعضاء کو اپاہج' اندھے' مجنون اور ناقص الاعضاء کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور کسی شخص کو اس کے بیٹے' اس کے غلام' اس کے بیٹے کے غلام' اور اس کے مکاتب کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔

(الاختیار ج ۴ ص ۲۷۔ ۲۶' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے امام ابوحنیفہ سے دو صورتوں میں اختلاف کیا ہے' پہلا اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے' امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ (البقرہ: ۱۷۸)
اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مقتول کا لفظ عام ہے' یہ ہر مقتول کو شامل ہے' خواہ آزاد ہو یا غلام' مسلمان ہو یا ذمی' اس کا بدلہ اس کے قتل کرنے والے سے لیا جائے گا' خواہ وہ آزاد ہو یا غلام' لہٰذا اگر آزاد شخص نے کسی کے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کا قصاص اس آزاد سے لیا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے:

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ (المائدہ: ۴۵)
بے شک جان کا بدلہ جان ہے۔

اس آیت میں بھی مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا گیا اور اس پر علامہ بیضاوی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید نے یہ تورات کا حکم بیان کیا ہے' یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا رد کیا ہوتا' اور سابقہ شریعتوں کے جو احکام قرآن اور سنت میں بلانکیر بیان کیے گئے ہیں وہ ہم پر حجت ہیں۔

اس آیت کے ہمارے حق میں حجت ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اس کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' اس کا خون صرف تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے بہانا جائز ہے: جان کا بدلہ جان' شادی شدہ زانی اور دین سے مرتد ہونے والا اور جماعت کو ترک کرنے والا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا: جان کا بدلہ جان ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ سورۂ مائدہ کی مذکور الصدر آیت ہمارے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ تورات کے ساتھ خاص نہیں ہے' نیز ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرہ: ۱۷۹)
اور قصاص کے حکم میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

اس آیت میں بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور اس کو آزاد یا غلام کے ساتھ خاص نہیں کیا' قصاص کی وجہ سے مسلمان کسی کو قتل کرنے سے باز رہیں گے' آزاد غلام کو قتل کرے گا نہ غلام آزاد کو۔

امام ابوحنیفہ کے موقف کے ثبوت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے' حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے'

اس سے خیانت کرے نہ اس کو ذلیل کرے ان کا خون ایک دوسرے (کے کفو) کی مثل ہے الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی کا نام قاسم بن ابی الزناد لکھا ہے حالانکہ اس کا نام ابوالقاسم بن ابی الزناد ہے اس کے علاوہ حافظ الہیثمی نے اس حدیث پر اور کوئی جرح نہیں کی۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۳ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

قاضی بیضاوی نے ائمہ ثلاثہ کے مؤقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس سے قصاص نہیں لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۴) اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے مؤقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اختلاف اس صورت میں ہے جب کوئی آزاد شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو قتل کر دے۔

دوسری حدیث جس سے قاضی بیضاوی نے استدلال کیا ہے اس کو امام بیہقی نے "سنن کبریٰ" میں از جابر از عامر حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہ قتل کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے خود "کتاب المعرفۃ" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں جابر جعفی متفرد ہے اور اس کے معارض حضرت علی سے دو روایتیں ذکر کی ہیں کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس میں قصاص ہے ہر چند کہ ان روایتوں کو بھی انہوں نے منقطع لکھا ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۸ ص ۱۵۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

قاضی بیضاوی نے تیسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کرتے تھے اور اس پر کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی آزاد شخص اپنے غلام کو قتل کر دے کیونکہ اسی صورت میں قصاص نہ لینے پر اتفاق ہے' حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی "معجم اوسط" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مملوک کا قصاص مالک سے نہیں لیا جائے گا اور نہ بیٹے کا باپ سے تو میں تم سے قصاص لیتا۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۸۸ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

نیز متعدد صحابہ اور تابعین کا یہ مؤقف ہے کہ اگر آزاد کسی کے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ جب آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

ابراہیم نے کہا کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سعید بن المسیب نے کہا کہ اگر آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا' پھر کہا: بہ خدا! اگر تمام یمن والے مل کر ایک غلام کو قتل کریں تو میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

شعبی نے کہا: آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

سفیان نے کہا: اگر کوئی شخص دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اپنے غلام کو قتل کرے تو پھر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(المصنف ج ۹ ص ۳۰۷۔ ۳۰۶ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی '۱۴۰۶ھ)

ان روایات سے قطع نظر امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب قرآن مجید کی صریح آیات پر مبنی ہے اور امام اعظم کے مذہب میں انسانیت کی تکریم ہے کیونکہ آپ نے آزاد اور غلام مسلمانوں کے خون میں کوئی فرق نہیں کیا۔

مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کی طرف سے ''صحیح بخاری'' کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے' اور امام ابوحنیفہ کی دلیل سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے: اے ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص فرض کیا گیا ہے' مقتول کا لفظ عام ہے مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے' اور حربی کافر' قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ ہے جن میں کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اسی طرح سورۂ مائدہ میں ہے: جان کا بدلہ جان ہے' اور ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمان سلیمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسلمان شخص کو لایا گیا جس نے ایک ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گردن مار دی اور فرمایا: میں ذمی کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح حضرمی بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا جس نے ایک کافر کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور فرمایا: میں اس کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

(مراسیل ابوداؤد ص ۱۲ 'مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز' کراچی)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۰ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان شخص نے ایک ذمی کو عمداً قتل کر دیا' یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا' حضرت عثمان نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پر بھاری دیت مقرر کی جیسے مسلمان کے قتل ناحق پر مقرر کی جاتی ہے۔

امام بیہقی نے کہا: یہ حدیث متصل ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۳۳ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

یہ حدیث بھی امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کیونکہ دیت قصاص کی فرع ہے' فریقین میں صلح یا کسی اور وجہ سے قصاص کی جگہ دیت فرض کی گئی۔ انسانیت کی تکریم اور عدل وانصاف کے قریب امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ جب ذمی سے اس کی جان اور مال کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا اور اس سے اس کے بدلہ میں جزیہ لیا گیا تو اس کا یہی تقاضا ہے کہ اگر ذمی کو مسلمان بھی قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے' اس سے اسلام میں اخلاق کی بلندی' اصول کی برتری اور تکریم انسانیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان

ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چند آدمیوں کی جماعت مل کر ایک شخص کو قتل کر دے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا'

کیونکہ ظاہر آیت نے قصاص اور مساوات کی شرط لگائی ہے اور واحد اور جماعت میں مساوات نہیں ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا خواہ قاتل واحد ہو یا متعدد۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا' حضرت عمر نے فرمایا: اگر اس کے قتل میں (تمام) اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا' اور مغیرہ بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ چار آدمیوں نے مل کر ایک بچے کو قتل کیا تو حضرت عمر نے اس کی مثل فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سلطان اگر اپنی رعیت میں سے کسی شخص پر زیادتی کرے تو وہ خود اپنی ذات سے قصاص لے گا' کیونکہ سلطان اللہ تعالیٰ کے احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے مقتول کے سبب سے تمام مسلمانوں پر قصاص کو فرض کیا ہے' اگر سلطان کسی شخص کو بے قصور قتل کر دیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خود کو قصاص کے لیے پیش کرے۔ امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز تقسیم کر رہے تھے' ایک شخص آپ پر جھک گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک چھڑی چبھوئی' اس نے ایک چیخ ماری' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ بدلہ لے لو' اس شخص نے کہا: نہیں! یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۴۔ ۲۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اس کے چہرہ پر زخم لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ مجھ سے بدلہ لے لو' اس نے کہا: میں نے معاف کر دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۴۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

ابوفراس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: میں عاملوں کو اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ لوگوں کے جسموں پر ضرب لگائیں اور نہ اس لیے کہ وہ ان کا مال لیں' جس شخص کے ساتھ کسی حاکم نے ایسا کیا وہ مجھ سے شکایت کرے' میں اس سے قصاص لوں گا' حضرت عمرو بن العاص نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی رعیت کو تادیبا مارے' آپ پھر بھی اس سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمر نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اس سے قصاص لوں گا' اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے' آپ نے اپنے نفس کو قصاص کے لیے پیش کیا تھا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۴۸' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

ابونضر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے (سرخ رنگ کی) خوشبو لگائی ہوئی تھی' آپ نے وہ تیر اس کو چبھو کر فرمایا: کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس شخص نے کہا: رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اور بے شک آپ نے مجھے زخمی کر دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اس کے آگے ڈال دیا اور فرمایا: تم اپنا بدلہ لے لو' اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! جب آپ نے مجھے تیر چبھویا تھا تو میرے بدن پر کپڑا نہیں تھا اور آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا' اس شخص نے جھک کر آپ کے بدن مبارک کا بوسہ لے لیا۔

حضرت سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت میں نے سرخ رنگ کی خوشبو لیپی ہوئی تھی' جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اے سواد بن عمرو! تم نے ورس (ایک خوشبودار گھاس جس سے سرخ رنگ ہو جاتا ہے) کا لیپ کیا ہوا ہے' کیا میں نے تم کو اس خوشبو سے منع نہیں کیا تھا؟ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' آپ نے مجھے وہ چبھوئی جس سے مجھے درد ہوا' میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دیں' آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا اور میں آپ کے پیٹ کو بوسہ دینے لگا۔

ابویعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر بہت ہنسانے والے تھے' ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اس کی کوکھ میں چبھوئی' انہوں نے کہا: آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے' آپ نے فرمایا: بدلہ لے لو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے اور میں نے قمیص نہیں پہنی ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اٹھا دی' وہ آپ کے بدن سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کا بوسہ لے لیا اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' میرا یہی ارادہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک حبشی شخص کو لشکر میں بھیجا' اس نے واپس آ کر کہا کہ لشکر کے امیر نے بغیر کسی قصور کے میرا ہاتھ کاٹ دیا' حضرت ابوبکر نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو میں اس سے ضرور تمہارا بدلہ لوں گا۔ الحدیث ملخصاً

جریر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ مل کر دشمن پر غلبہ پایا اور مال غنیمت حاصل کیا' حضرت ابوموسیٰ نے اس کو اس کا حصہ دیا اور تمام مالِ غنیمت نہیں دیا' اس نے منع کیا اور کہا: وہ تمام مال غنیمت لے گا' حضرت ابوموسیٰ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر مونڈ دیا' اس نے وہ تمام بال جمع کیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور حضرت ابوموسیٰ کی شکایت کی اور وہ بال نکال کر دکھائے' حضرت عمر نے حضرت ابوموسیٰ کے نام خط لکھا: سلام کے بعد واضح ہو کہ فلاں شخص نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے اور میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر واقعی تم نے اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی لوگوں کے مجمع میں کی ہے تو میں لوگوں کے مجمع میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا اور اگر تم نے تنہائی میں اس شخص کے ساتھ یہ زیادتی کی ہے تو میں تنہائی میں تم سے اس شخص کا قصاص لوں گا' لوگوں نے سفارش کی اور کہا: ابوموسیٰ کو معاف کر دیجئے' حضرت عمر نے فرمایا: نہیں! خدا کی قسم! میں کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کروں گا' جب حضرت عمر نے اس شخص کو وہ خط دیا اور قصاص لینے کے لیے تیار ہو گئے تو اس شخص نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: میں نے ان کو اللہ کے لیے معاف کر دیا۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۵۰۔ ۴۸ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

قصاص لینا حکومت کا منصب ہے

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ازخود قصاص لے قصاص لینے کے لیے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس مرافعہ کیا جائے' پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کے لیے مقرر کرے گا' قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے' ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے' اسی طرح جادوگر اور مرتد کو قتل کرنا اور حدود اور تعزیرات کو جاری کرنا حکومت کا منصب ہے۔

کیفیت قصاص اور آلۂ قتل میں ائمہ مذاہب کی آراء اور ان کے دلائل

امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا راجح مذہب یہ ہے کہ جس طرح اور جس کیفیت سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طرح اور اسی کیفیت سے قاتل کو قتل کیا جائے اور یہی قصاص کا تقاضا ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے: بدلہ' اور بدلہ اسی صورت میں ہوگا' نیز حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے پتھر مار کر ایک باندی کو قتل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس یہودی کا پتھر سے سر پھاڑ کر اس کا بدلہ لیا' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان ایک باندی کا سر پھاڑ دیا' اس باندی سے پوچھا گیا: کس نے تمہارا سر پھاڑا ہے' کیا فلاں نے' یا فلاں نے' حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس باندی نے سر ہلایا' اس یہودی کو بلایا گیا' اس نے قتل کرنے کا اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی پتھر سے پھاڑ دیا گیا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوحنیفہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس حدیث میں مثلہ کرنے کی ممانعت سے پہلے کے واقعہ کا بیان ہے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرما دیا تو پھر اس کیفیت سے قصاص لینا منسوخ ہو گیا' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے' امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا (جائز) نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلوار کے بغیر کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

ابراہیم نے کہا: جس شخص کو پتھروں سے قتل کیا جائے یا اس کا مثلہ کیا جائے اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا' اس کو مثلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ شعبی نے کہا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

قتادہ نے کہا: تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ (المصنف ج ۹ ص ۳۵۵۔ ۳۵۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

جس کیفیت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس کو قتل کیا جائے گا' اگر اس نے غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا' اور اگر اس نے پتھر سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر سے قتل کیا جائے گا' امام مالک اور امام شافعی کا یہی قول ہے' البتہ اگر اس کیفیت سے زیادہ عذاب ہو تو پھر اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور جس نے آگ سے جلا کر قتل کیا اس کے متعلق امام مالک کے مختلف قول ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی کو عمداً قتل کرے گا تو جس کیفیت سے اس نے قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے گا' اگر کسی نے تلوار سے قتل کیا ہے تو اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے پتھر یا لکڑی سے قتل کیا ہے تو اس کو پتھر یا لکڑی سے قتل کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر متعدد وار کر کے زخمی کر دیا پھر زخم مندمل ہونے سے پہلے اس کو قتل کر دیا تو اس کی گردن پر تلوار مار کر اس کو صرف قتل کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بغیر تلوار کے قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ عطاء' ثوری' امام ابو یوسف' اور امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس صفت سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی صفت سے اس کو قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر اس نے آگ میں جلایا ہے تو اس کو آگ میں جلایا جائے گا' اور اگر اس نے دریا میں غرق کیا ہے تو اس کو غرق کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ (النحل: ۱۲۶) — اور اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جس طرح تمہیں تکلیف پہنچائی گئی تھی۔

فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۚ (البقرہ: ۱۹۴) — جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اسی طرح زیادتی کرو جس طرح اس نے تم پر زیادتی کی تھی۔

امام احمد نے یہودی کا پتھر سے قصاص لینے پر بھی استدلال کیا ہے اور تلوار سے قصاص لینے والی حدیث کے متعلق کہا ہے: اس کی سند درست نہیں ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۲۳۰ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں:

قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے: تلوار کے بغیر قصاص لینا جائز نہیں ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص ۵۶۳ 'مطبوعہ مکتبہ علمیہ' ملتان)

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو مثلہ کر کے قتل کیا یعنی اس کے جسم کے مختلف اعضاء کاٹ ڈالے اور اگر پھر قاتل سے اسی کیفیت سے قصاص لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اس قاتل کو مثلہ کیا جائے حالانکہ احادیث صحیحہ میں مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو' جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ قتال کرو' خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' مثلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضا کاٹ کر اس کے جسم کو نہ بگاڑو)۔ الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام مالک' امام دارمی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

تاہم قرآن مجید کی یہ آیات اور سورۂ نحل اور سورۂ بقرہ کی آیتیں ائمہ ثلاثہ کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) — اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

مَنۡ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجۡزٰٓى اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ (المومن: ۴۰) — جس نے برائی کی تو اس سے اسی کی مثل بدلہ لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے' اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے' یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے' پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے O (البقرہ: ۱۷۸)

ولی مقتول کے معاف کرنے کی تفصیل

یعنی مقتول کے ولی نے قاتل کو معاف کر دیا' قاتل کو مقتول کے بھائی سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ ولی کی مقتول کو معاف کرنے میں رغبت ہو اور وہ قصاص کا مطالبہ ترک کر دے اور دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کیا جائے یعنی شریعت میں جو دیت کی مقدار مقرر کی گئی ہے ولی مقتول اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے اور قاتل کے عصبات دیت کی ادائیگی کی مدت میں تاخیر اور مقدار میں کمی نہ کریں اور معاف کرنے اور دیت ادا کرنے کا حکم تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور اس میں تم پر رحمت ہے کیونکہ یہود کی شریعت میں صرف قصاص واجب تھا اور نصاریٰ کی شریعت میں صرف دیت واجب تھی' اور تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ مقتول کا ولی قاتل سے قصاص لے' یا دیت لے یا بالکل معاف کر دے۔ تمہیں ہر طرح اختیار کی وسعت دی گئی اور کوئی ایک شق واجب نہیں کی گئی' اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا یعنی اگر ولی مقتول نے معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کیا تو اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا' دنیا میں اس کو قتل کیا جائے گا اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔

دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان

(ا) دیت کی مقدار سو اونٹ یا ہزار دینار (۴ء۳۷ء۴ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (۶۱۸ء۳۰ کلو چاندی) ہے۔

(ب) دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقلہ پر لازم ہے۔

(ج) عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں' یہ اس کے اہل قبیلہ' اہل محلہ اور اہل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں' جو شخص کسی مل یا کارخانہ میں ملازم ہو' اس مل یا فیکٹری کے مالکان اور کارکنان کو بھی عاقلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

دیت پر مفصل بحث ان شاء اللہ سورۂ نساء آیت: ۹۲ میں بیان کی جائے گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ

جب تم میں سے کسی کو موت آئے (سو) اگر اس نے مال چھوڑا ہے (تو) اس پر ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ

کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے O سو جس نے

بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ

وصیت کو سننے کے بعد اس کو تبدیل کیا تو اس کا گناہ صرف تبدیل کرنے والوں پر ہے' بے شک

اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا

اللہ سب کچھ سننے والا بہت جاننے والا ہے O پھر جس کو وصیت کرنے والے سے بے انصافی یا گناہ کا خوف ہو'

ع ۲۲ ۹ ۹

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

پس وہ ان کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں قتل اور قصاص کا ذکر تھا جس کے ضمن میں موت کا معنی تھا' اور لوگ عام طور پر موت کے وقت وصیت کرتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وصیت کے متعلق ہدایت دی کہ جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو یا کسی اور وجہ سے اس پر موت کی علامات ظاہر ہوں اور اس کے پاس مال ہو تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے' اور وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس کی وصیت کو تبدیل کرنا سخت گناہ ہے' اگر مرنے والے نے دستور کے مطابق وصیت کی تھی اور بعد میں کسی نے اس کو تبدیل کر دیا تو وصیت کرنے والے سے آخرت میں باز پرس نہیں ہوگی' اس کا گناہ صرف وصیت تبدیل کرنے والے کو ہوگا۔ اگر کسی شخص کو قرآن سے یا وصیت کرنے والے کے کسی بیان سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے یا کسی وارث کو دستور سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے' اور وصیت کرنے والے کو عدل و انصاف کی تلقین کرے۔

وصیت کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں:

وصیت کا معنی اتصال ہے' اور وصیت کو اس لیے وصیت کہتے ہیں کہ یہ میت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے کہا: دوسروں کے عمل کرنے کے لیے پیشگی کوئی بات بہ طور تاکید کہنا وصیت ہے۔

(المفردات ص ۵۲۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ میر سید شریف نے کہا: موت کے بعد کسی کو کسی چیز کا بہ طور احسان مالک بنانا وصیت ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۱۱۱' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے کہا: کسی شخص کا اپنے ترکہ میں ایسا تصرف کرنا جس کا اثر موت کے بعد مرتب ہو' یہ وصیت ہے۔

(التفسیر المنیر ج ۱ ص ۱۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

وصیت کی اقسام

علامہ شامی نے وصیت کی چار اقسام بیان کی ہیں:

(۱) واجب: انسان اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے' مثلاً جن سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی' یا حج نہیں کیا تو ان کے متعلق وصیت کرے یا اس سے نمازیں اور روزے چھوٹ گئے جن کی قضا نہیں کی' ان کے فدیے کے بارے میں وصیت کرے یا مالی کفارے ادا نہیں کیے' ان کے لیے وصیت کرے' اسی طرح انسان بندوں کے جن حقوق کو ادا نہیں کر سکا ان کے متعلق وصیت کرے' مثلاً کسی کا قرض دینا ہے' جس کا کسی کو پتا نہیں' کسی کی امانت لوٹانی ہے' کسی کی کوئی چیز غصب کر لی تھی اس کو واپس کرنا ہے' اس قسم کی وصیت کرنا واجب ہے۔

(۲) مستحب: دینی مدارس' مساجد' علماء' دینی طلبہ' غریب قرابت داروں اور دیگر امور خیر کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔

(۴) مباح: امیر رشتہ داروں اور دنیاداروں کے لیے وصیت کرنا مباح ہے۔

(۴) مکروہ: فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۴۱۵ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جن حقوق کا ادا کرنا فرض ہے ان کے لیے وصیت فرض ہوگی جیسے زکوٰۃ اور جن حقوق کا ادا کرنا واجب ہے ان کے بارے میں وصیت واجب ہوگی جیسے روزے کا کفارہ (کیونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور ظنی ہے) اسی طرح غریب فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور امیر فساق اور فجار کے لیے وصیت کرنا مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ اگر وہ غریب ہیں تو ہوسکتا ہے اس مال کو وہ اپنی کفالت پر خرچ کریں اور اگر امیر ہیں تو ظن غالب ہے کہ وہ معصیت اور فسق و فجور پر خرچ کریں گے اور معصیت کے اداروں کے لیے وصیت کرنا حرام ہے' مثلاً فلم سٹوڈیو' آرٹ کونسل' ریس کورس وغیرہ' اسی طرح کفار کے لیے وصیت کرنا بھی حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کی تحقیق کے مطابق وصیت کی سات قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) مستحب (۴) مباح (۵) مکروہ تنزیہی (۶) مکروہ تحریمی (۷) حرام (مستحب اور مباح کی وہی مثالیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں)۔

وصیت کی شرائط اور رکن

وصیت کی حسب ذیل شرائط ہیں:

(۱) وصیت کرنے والا مالک بنانے کا اہل ہو' اس لیے نابالغ' مجنون اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے۔

(۲) وصیت کرنے والے کے ترکہ پر قرض محیط نہ ہو کیونکہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔

(۳) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وصیت کے وقت زندہ ہو خواہ تحقیقاً یا تقدیراً (جیسے حاملہ کے بطن میں بچہ کے لیے وصیت کی جائے)۔

(۴) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ وارث نہ ہو۔

(۵) جس کے لیے وصیت کی جائے وہ قاتل نہ ہو' خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطاء' البتہ قتل بالسبب وصیت کے منافی نہیں ہے۔

(۶) جس چیز کی وصیت کی ہو وہ تملیک کے قابل ہو' خواہ وہ اس وقت موجود ہو یا اس کا وجود بعد میں ہو' مثلاً ایک سال یا ہمیشہ کے لیے باغ یا درخت کے پھلوں کی وصیت کی جائے۔

(۷) کل ترکہ کے تہائی مال میں وصیت کی جائے۔

وصیت کا رکن یہ ہے کہ وصیت کرنے والا کہے: میں نے فلاں چیز کی فلاں شخص کے لیے وصیت کی ہے۔

(درمختار علی هامش ردالمحتار ج ۵ ص ۴۱۶ ـ ۴۱۵ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

وصیت کا لزوم

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی وصیت کے لائق چیز ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو اس کے لیے وصیت لکھے بغیر دو راتیں گزارنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے' وصیت لکھے بغیر مجھ پر ایک رات بھی نہیں گزری۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹ ـ ۳۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا اور غیر ورثاء کے لیے تہائی مال کی وصیت کا استحباب

جمہور علماء اور اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت' میراث کی آیتوں سے منسوخ ہے' کیونکہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے اللہ تعالیٰ نے خود حصے مقرر فرما دیے' اس لیے ان کے حق میں وصیت کرنے کا وجوب اب منسوخ ہو گیا۔امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے' سو وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔الحدیث

(جامع ترمذی ص ۳۰۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی وجہ سے اب ورثاء کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے وارث کے لیے وصیت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی' اور جو رشتہ دار وارث نہ ہوں' ان کے لیے تہائی مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں مجھے ایسا درد لاحق ہوا کہ میں قریب المرگ ہو گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ درد سے میری کیا حالت ہے! میں ایک مال دار شخص ہوں اور ایک لڑکی کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں ہے' کیا میں دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: نصف مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تہائی مال صدقہ کرو' تہائی مال بہت ہے' اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ تو یہ ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے جس کے سبب وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں' اور تم جو کچھ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرو گے' تم کو اس کا اجر ملے گا حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی اجر ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال سے تم پر صدقہ کیا ہے' یہ تمہاری نیکیوں میں زیادتی ہے تاکہ تمہارے اعمال کو اس صدقہ سے پاکیزہ کردے۔(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۵۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اگر تمام وارث تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے کی اجازت دیں تو یہ جائز ہے کیونکہ تہائی مال کی حد ورثاء کا حق محفوظ کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے' سو اگر ورثاء خود اپنے حق سے دستبردار ہو رہے ہوں تو پھر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے' البتہ اگر ورثاء چاہیں تو جائز ہے۔

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت کرنا

جائز نہیں ہے' البتہ اگر (دیگر) وارث اجازت دیں تو پھر جائز ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵۲ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اگر کوئی شخص کسی وارث کو محروم کر دے یا کسی شخص کے لیے اس قدر زیادہ وصیت کرے جس سے دوسرے حق داروں کے حصوں میں کمی ہو تو وہ شخص گنہ گار ہو گا۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آ جاتی ہے اور وہ وصیت میں (کسی کو) ضرر پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

زندگی میں صحت کے وقت صدقہ کرنے میں موت کے وقت صدقہ کی وصیت کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ فضیلت ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم صحت مند ہو' مال پر حریص ہو' زندگی کی امید ہو اور تنگ دستی کا خوف ہو' اور صدقہ میں تاخیر نہ کرتے رہو' حتیٰ کہ جب موت حلقوم تک پہنچ جائے تو کہو: یہ چیز فلاں کے لیے اور یہ چیز فلاں کے لیے' یہ تو (اب تم کہو یا نہ کہو) فلاں کے لیے ہو ہی جائے گی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے رکھنا فرض کیا گیا تھا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ

تاکہ تم متقی بن جاؤ O معدودے چند دنوں میں' سو جو شخص

كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

تم میں سے بیمار ہو یا مسافر (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے)'

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ

اور جن لوگوں پر روزے رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے' پھر جو خوشی سے فدیہ

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

کی مقدار بڑھا کر زیادہ نیکی کرے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے' اور اگر تمہیں علم ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے O

ربط آیات

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل اپنے جسم کو حکام اور ولی مقتول کے حوالے کر دے تاکہ وہ اس کو قتل کر دیں' اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے' اس کے بعد وصیت کرنے کا حکم دیا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں کے حوالے کر دے' یہ حکم پہلے حکم کی بہ نسبت بہت کم مشکل اور کم دشوار ہے' پھر اس کے بعد روزہ رکھنے کا حکم دیا' یہ اس سے بھی کم مشکل ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں' اب وہ فجر سے پہلے سحری کرے گا اور دن بھر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہے گا' پھر مغرب کے بعد کھانا کھائے گا' یہ حکم پہلے دو حکموں کی بہ نسبت اور بھی کم مشکل ہے تو ان احکام ثلاثہ میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے ایک زیادہ مشکل کام کا حکم دیا' پھر بہ تدریج اس مشکل کو کم کر کے احکام دیئے' نیز اسلام کے پانچ ارکان میں سے توحید و رسالت پر ایمان' نماز' زکوٰۃ اور ضمناً حج کا بھی ذکر اس سے پہلی آیات میں آ چکا تھا سو اب روزہ کا ذکر فرمایا'

قصاص اور وصیت کی روزہ کے ساتھ یہ مناسبت بھی ہے کہ قصاص میں نفس انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے اور روزہ میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے اور شہوت وطی کا سبب ہے اور وطی نفس انسان کے پیدا ہونے کا حسا سبب ہے' نیز قصاص میں معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے اور روزہ میں ارواح کی حیات ہے' کیونکہ روزہ سے ذہن پاکیزہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں اور اپنی بُری عادتوں اور کوتاہیوں میں غور و فکر کرتا ہے جس سے ندامت ہوتی ہے اور وہ توبہ کرتا ہے اور اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور وہ گناہوں سے بچتا ہے اور دنیا کی رنگینیوں کو ترک کرتا ہے اور فرشتوں کے اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے' اسی سبب سے اس مہینہ میں فرشتہ کی وساطت سے قرآن نازل ہوا' بایں ہمہ روزہ کا حکم وصیت کے مناسب تھا' کیونکہ وصیت کے ذریعہ پاکباز لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب ان سے فرشتوں کی ملاقات کا وقت آ رہا ہے' اس لیے وہ مال دنیا کو ترک کر دیں اور دنیا کا مال وصیت کر کے دوسرے ضرورت مندوں کے حوالے کر دیں' پھر وصیت کے حکم کو مغفرت اور رحمت پر ختم کیا اور اس کے بعد روزہ کا حکم شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ مغفرت اور رحمت سب سے زیادہ روزہ داروں کو حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا۔ (البقرہ: ۱۸۳)

روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی تاریخ

روزہ کا لغوی معنی ہے: کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا' اور روزہ کا شرعی معنی ہے: مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے' پینے اور جماع کو ترک کرنا اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کے لیے تیار کرنا۔

تمام ادیان اور ملل میں روزہ معروف ہے' قدیم مصری' یونانی' رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے' موجودہ تورات میں بھی روزہ داروں کی تعریف کا ذکر ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن روزہ رکھنا ثابت ہے' یروشلم کی تباہی کو یاد رکھنے کے لیے یہود اس زمانہ میں بھی ایک ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں' اسی طرح موجودہ انجیلوں میں بھی روزہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور روزہ داروں کی تعریف کی گئی ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے' تاکہ مسلمانوں کو روزہ رکھنے میں رغبت ہو کیونکہ جب کسی مشکل کام کو عام لوگوں پر لاگو کر دیا

جاتا ہے تو پھر وہ سہل ہو جاتا ہے۔
علامہ علاؤ الدین حصکفی نے لکھا ہے کہ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔
(درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)
سب سے پہلے نماز فرض کی گئی پھر زکوٰۃ فرض کی گئی اس کے بعد روزہ فرض کیا گیا کیونکہ ان احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اس لیے اس کو پہلے فرض کیا گیا پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے پھر اس کے بعد اس سے زیادہ مشکل عبادت روزہ کو فرض کیا گیا کیونکہ روزہ میں نفس کو کھانے پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے اور یہ انسان کے نفس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بہ تدریج احکام شرعیہ نازل فرمائے اور اسی حکمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام میں نماز اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کا ذکر فرمایا قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے:

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ. (الاحزاب: ۳۵)

اور نماز میں خشوع کرنے والے مرد اور نماز میں خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے روزہ دار نہ جماع کرے نہ جہالت کی باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ اپنے کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور (باقی) نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا ان کے داخل ہونے کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔
امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت میں جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت

سے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے' روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا' روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے نہ شور وشغب کرے' اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے' روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں' ایک خوشی افطار کے وقت ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی' اس وقت وہ اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۲۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصال کے روزے رکھے' ان پر یہ روزے دشوار ہوئے' آپ نے ان کو منع فرمایا' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا: تم میں میری مثل کون ہے؟ مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۲۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر عذر یا بغیر مرض کے چھوڑا تو اگر وہ تمام دہر بھی روزے رکھے تو اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۲۵۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۳۶۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ منذری لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ' اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ گناہ کبیرہ سے بچا جائے۔

(صحیح مسلم)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے' جب آپ نے پہلی سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! جب دوسری سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! پھر جب تیسری سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد! جس نے رمضان کو پایا اور اس کی بخشش نہیں کی گئی اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے' میں نے کہا: آمین!' اور کہا: جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اس کے باوجود دوزخ میں داخل ہو گیا' اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے' میں نے کہا: آمین! اور کہا: جس کے سامنے آپ کا ذکر

کیا گیا اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے میں نے کہا: آمین!۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آ پہنچا ہے اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے' اللہ نے اس مہینہ میں روزہ کو فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے' جو شخص اس مہینہ میں کوئی نیکی کرے تو وہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرنے کی مثل ہے' اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کیے' یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے' یہ غمگساری کرنے کا مہینہ ہے' یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے' اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن کے لیے دوزخ سے آزادی ہے' اور اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے' یہ وہ مہینہ ہے جس کا اوّل رحمت ہے' جس کا اوسط مغفرت ہے اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے' جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف کی اللہ اس کی مغفرت کر دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ اس مہینہ میں چار خصلتوں کو جمع کرو' دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو اور دو خصلتوں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے' جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے' اور جن دو خصلتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا' اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔

(صحیح ابن خزیمہ' بیہقی' صحیح ابن حبان)

امام ابن حبان نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینہ میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو رمضان کی تمام راتوں میں فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جبریل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے جبریل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بہت آنسو نکلتے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا: یا رسول اللہ! یہ فرمایئے اگر کسی شخص کے پاس افطار کرانے کے لیے کچھ نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک مٹھی طعام دے دے' میں نے کہا: یہ فرمایئے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک گھونٹ دودھ دے دے' میں نے عرض کیا: اگر اس کے پاس وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا: ایک گھونٹ پانی دے دے (امام ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے)۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رمضان آ گیا ہے' یہ برکت کا مہینہ ہے' اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھانپ لیتا ہے' اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا مقبول ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بدبخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم رہا (اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں' البتہ اس کے ایک راوی محمد بن قیس کے متعلق مجھے کوئی جرح یا تعدیل مستحضر نہیں ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے' تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا' اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا' اور سرکش جنوں کے گلوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور ہر رات صبح تک ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے: اے نیکی کے طلب کرنے والے! نیکی کا قصد کر اور زیادہ نیکی کر' اور اے برائی کے طلب کرنے والے! برائی میں کمی کر اور آخرت میں غور و فکر کر' کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی توبہ کرنے والا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے تو اس کا سوال پورا کیا جائے' اور اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر رات میں ساٹھ ہزار لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے' اور رمضان کی ہر رات میں جتنے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے عید کے دن اس سے تیس گنا زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے (اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے)۔

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا اور تمام مہینوں پر اس کی فضیلت بیان کی' پس فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو (اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے)۔

حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے اگر میں اللہ کے وحدہٗ لاشریک ہونے اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں' اور پانچوں نمازیں پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور قیام کروں تو میرا کن لوگوں میں شمار ہوگا؟ آپ نے فرمایا: صدیقین اور شہداء میں۔

(مسند بزار' صحیح ابن خزیمہ' صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۰۶ ـ ۹۲ ملتقطا مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)

بعض نفلی روزوں کی فضیلت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں' یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: نہ کرو' روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو (بغیر روزہ کے رہو)' قیام بھی کرو اور سوؤ بھی' کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھو' اور تمہیں ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا اور یہ تمہارے پورے دہر کے روزے ہو جائیں گے' میں نے شدت کی اور کہا: یا رسول اللہ! میں قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اللہ کے نبی داؤد کے روزے رکھو اور اس پر زیادتی نہ کرو' میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی داؤد کے روزے کس طرح تھے؟ آپ نے فرمایا: نصف دہر (ایک دن روزہ' ایک دن افطار)۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

ابن ملحان قیسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے کا اور فرماتے: ان روزوں سے پورے دہر کے روزوں کا اجر ملے

گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

تین روزوں کا دس گنا اجر ملے گا جیسا کہ "صحیح بخاری" کی روایت میں ہے تو ہر ماہ تین روزے رکھنے سے پورے ماہ کے روزوں کا اجر ملے گا اور جو شخص ہمیشہ یہ روزے رکھے گا اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے' پھر اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو چھتیس روزوں کا اجر ۳۶۰ روزوں کے برابر ہوا' گویا وہ پورا سال روزہ دار رہا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دے گا اور دس محرم کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ مٹا دے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

قدامہ بن مظعون بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ساتھ وادی القریٰ میں اپنے مال کی طلب میں گئے' حضرت اسامہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے' قدامہ نے کہا: آپ بوڑھے آدمی ہیں' آپ پیر اور جمعرات کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے' آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار (روزہ ترک کرنا) نہیں کریں گے' اور آپ روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے: اب آپ روزے نہیں رکھیں گے' اور میں نے رمضان کے علاوہ آپ کو کسی ماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے دیکھا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت

امام ابوداؤد بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا' عید الاضحیٰ کے دن کیونکہ اس دن تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو اور عید الفطر کے دن کیونکہ اس دن تم اپنے روزوں سے افطار کرتے ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ' یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹۔ ۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

میدانِ عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے اور دوسری جگہوں میں اس دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے اور عیدین میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے' الا یہ کہ اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھتے تھے' ان کی مشابہت کی وجہ سے اس دن کے روزے سے منع فرمایا۔

روزہ کے اسرار و رموز

(۱) روزہ رکھنے سے کھانے پینے اور شہوانی لذات میں کمی ہوتی ہے' اس سے حیوانی قوت کم ہوتی ہے اور روحانی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) کھانے پینے اور شہوانی عمل کو ترک کر کے انسان بعض اوقات میں اللہ عزوجل کی صفت صمدیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور بہ قدر امکان ملائکہ مقربین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(۳) بھوک اور پیاس پر صبر کرنے سے انسان کو مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی عادت پڑتی ہے اور مشقت برداشت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

(۴) خود بھوکا اور پیاسا رہنے سے انسان کو دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے اور پھر اس کا دل غرباء کی مدد کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۵) بھوک پیاس کی وجہ سے انسان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔

(۶) بھوکا پیاسا رہنے سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کھانے پینے کی معمولی مقدار کا کس قدر محتاج ہے۔

(۷) بھوکا رہنے سے ذہن تیز ہوتا ہے اور بصیرت کام کرتی ہے' حدیث میں ہے: جس کا پیٹ بھوکا ہو اس کی فکر تیز ہوتی ہے۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۱۸)

اور پیٹ (بھر کر کھانا) بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز علاج کی بنیاد ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۲۱) اور لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی: اے بیٹے! جب معدہ بھر جاتا ہے تو فکر سو جاتی ہے اور حکمت گونگی ہو جاتی ہے اور عبادت کرنے کے لیے اعضاء سست پڑ جاتے ہیں' دل کی صفائی میں کمی آ جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور ذکر میں رقت نہیں رہتی۔

(۸) روزہ کسی کام کے نہ کرنے کا نام ہے' یہ کسی ایسے عمل کا نام نہیں ہے جو دکھائی دے اور اس کا مشاہدہ کیا جائے' یہ ایک مخفی عبادت ہے' اس کے علاوہ باقی تمام عبادات کسی کام کے کرنے کا نام ہیں وہ دکھائی دیتی ہیں اور ان کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور روزہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا' باقی تمام عبادات میں ریا ہو سکتا ہے روزہ میں نہیں ہو سکتا' یہ اخلاص کے سوا اور کچھ

نہیں۔

(۹) شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے اور بھوک پیاس سے شیطان کے راستے تنگ ہو جاتے ہیں اسی طرح روزہ سے شیطان پر ضرب پڑتی ہے۔

(۱۰) روزہ امیر اور غریب' شریف اور خسیس سب پر فرض ہے'اس سے اسلام کی مساوات مؤکد ہو جاتی ہے۔

(۱۱) روزانہ ایک وقت پر سحری اور افطار کرنے سے انسان کو نظام الاوقات کی پابندی کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

(۱۲) فربہی' تبخیر اور بسیار خوری ایسے امراض میں روزہ رکھنا صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

روزہ کے فساد و عدم فساد کے بعض ضروری مسائل

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

اگر روزہ دار بھولے سے کھالے یا پی لے یا جماع کرے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا' اگر روزہ دار کے حلق میں غبار یا مکھی یا دھواں داخل ہو خواہ اس کو روزہ یاد ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے' تیل لگانے سے یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ ان کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو' فصد لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا بہ شرطیکہ اس سے انزال نہ ہو' احتلام سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' کلی کرنے کے بعد جو تری منہ میں رہ گئی اس کو نگلنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' کان میں پانی داخل ہونے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' اگر دانتوں کے درمیان سے خون نکلا اور اس کو نگل لیا تو اگر خون غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں' استمنا بالید سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا' ورنہ نہیں۔ اگر ناک (رینٹ) کو اندر کھینچ لیا اور وہ حلق میں چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا' کسی چیز کے چکھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' اگر رات سمجھ کر سحری کی اور صبح ہو چکی تھی یا غروب آفتاب سمجھ کر روزہ افطار کیا اور آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر صرف قضاء ہے اور کفارہ نہیں ہے' اگر کوئی شخص رمضان کے روزہ میں عمداً جماع کرے' یا عمداً دوا یا غذا کھائے یا پئے تو ان تمام صورتوں میں قضا اور کفارہ ہے' اور اگر از خود قے آئے اور وہ اس کو واپس حلق میں نہ لوٹائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ قے منہ بھر کر آئے یا منہ بھر کر نہ آئے' اور اگر خود بخود واپس حلق میں چلی جائے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا' اور اگر عمداً قے لوٹالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا بہ شرطیکہ منہ بھر کر قے آئی ہو' یہ مختار مذہب ہے' اور اگر از خود قے کی تو اگر منہ بھر کر قے کی ہے تو اجماعاً روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

روزہ میں کسی چیز کو بلا عذر چکھنا مکروہ ہے' دندا سہ چبانا مکروہ ہے' بوسہ لینا اور معانقہ کرنا مکروہ ہے' مونچھوں پر تیل لگانا اور سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے' مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے خواہ شام کے وقت کی جائے۔

(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۴۔ ۱۰۷ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان

تحقیق یہ ہے کہ انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' قدیم فقہاء کے دور میں انسانی جسم کی اور اس کے تمام اعضاء کی مکمل تحقیق نہیں ہوئی تھی اور ان کے نظریات محض مفروضات پر مبنی تھے' انہوں نے انسان کے جسم کا مکمل مشاہدہ اور تجزیہ نہیں کیا تھا اور اب تحقیق اور تجربہ سے ان کے کئی نظریات غلط ثابت ہو گئے' مثلاً ان کا مفروضہ تھا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان ایک منفذ (راستہ) ہے اور دماغ سے معدہ میں یا معدہ سے دماغ میں کوئی چیز چلی جاتی ہے' حالانکہ دماغ اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے' نیز ان کا مفروضہ تھا کہ کان اور معدہ میں منفذ ہے حالانکہ کان اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے' انہیں مفروضات کی بناء پر

انہوں نے یہ کہا کہ جوف دماغ یا جوف معدہ میں کوئی غذا یا دوا چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا' لیکن یہ فقہاء اس غلطی میں معذور تھے کیونکہ اس زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جسم کے تمام رگ و ریشہ کا مکمل مطالعہ اور مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا' نیز ان کے زمانہ میں جسم کو غذا یا دوا کے ذریعہ منفعت پہنچانے کا ذریعہ صرف معدہ کا نظام ہضم تھا' اس لیے انہوں نے کہا: دوا یا غذا معدہ میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا' جب ہم منہ کے ذریعہ دوا کھاتے ہیں تو معدہ کے ہضم کرنے کے بعد وہ دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور جب تک وہ دوا خون میں نہ مل جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا' پہلے دوا سے استفادہ کا صرف یہی ایک طریقہ تھا' لیکن اب میڈیکل سائنس نے ترقی کر لی ہے اور انجکشن کے ذریعہ دوا کو براہِ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے' بعض اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے معدہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور منہ سے دوا کھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا' بعض دفعہ اس قدر الٹیاں آتی ہیں کہ جو دوا کھاؤ وہ فوراً الٹی کے ذریعہ نکل جاتی ہے' پہلے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا' لیکن اب جب معدہ کام نہ کرے یا کسی چیز کو قبول نہ کرے یا دوا کا اثر جلدی مطلوب ہو تو دوا کو انجکشن کے ذریعہ براہِ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے' لہٰذا منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے وہ انجکشن کے ذریعہ دوا خون میں پہنچانے سے بہ طریق اتم اور اکمل حاصل ہو جاتا ہے' فرق یہ ہے کہ منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے معدہ کے عمل ہضم کے بعد دوا خون میں پہنچتی ہے اور انجکشن کے ذریعہ اسی وقت براہِ راست دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور اثر کرتی ہے اس لیے جس طرح منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے روزہ ٹوٹتا ہے اسی طرح دوا کا انجکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض علماء یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ پھر مچھر یا بھڑ کے ڈنگ لگانے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا' اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کا مدار اس پر ہے کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے کوئی دوا یا غذا جسم میں پہنچائے اور مچھر یا بھڑ کے کاٹنے میں انسان کا قصد اور اختیار نہیں ہے۔ ثانیاً ان کے ڈنک سے جو زہر جسم میں پہنچتا ہے وہ دوا یا غذا نہیں ہے نہ اس میں جسم کی منفعت ہے بلکہ اس سے جسم کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز صورۃً اور معنیً دونوں طرح مفطر ہو اس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں اور جو صرف صورۃً یا صرف معنیً مفطر ہو اس سے صرف قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے اور دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانا صرف معنیً مفطر ہے صورۃً مفطر نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر مکمل بادلائل اور باحوالہ بحث میں نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد اول طبع خامس میں کی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں' اس کا کچھ ذکر ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث کے ضمیمہ میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (اور وہ روزے نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں عدد (پورا کرنا لازم ہے)۔ (البقرہ: ۱۸۴)

مریض کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو' روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اس مرض کے زائل ہونے کی توقع ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور جب مرض زائل ہو جائے تو اس پر ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: '' فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ '' (البقرہ: ۱۸۴) اور اگر کسی شخص نے صبح کو تندرستی کی حالت میں روزہ رکھا پھر بیمار ہو گیا تو وہ روزہ توڑ دے کیونکہ ضرورت کی وجہ سے اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے اور ضرورت متحقق ہے' لہٰذا روزہ توڑنا جائز ہے۔ (المہذب مع شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸۔ ۲۵۷ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ نووی شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص کسی ایسے مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جس کا زائل ہونا متوقع ہو اس پر اس وقت روزہ رکھنا لازم نہیں ہے' اور اس پر قضا لازم ہے' یہ اس وقت ہے جب اس کو روزہ رکھنے سے مشقت ہو اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا مرض اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہی نہ ہو' بلکہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ افطار کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کو مشقت ہو' اگر اس کو پورے وقت بخار رہتا ہو تو وہ رات کو روزے کی نیت نہ کرے' اور اگر کسی وقت بخار ہو اور کسی وقت نہ ہو اگر روزہ کے شروع کے وقت بخار ہو تو روزہ کی نیت نہ کرے اور اگر بخار نہ ہو تو روزہ کی نیت کرے' پھر اگر بعد میں بخار ہو جائے اور روزہ توڑنے کی ضرورت ہو تو روزہ توڑ دے۔ اسی طرح اگر تندرست آدمی صبح روزہ رکھے اور بعد میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے بغیر کسی اختلاف کے روزہ توڑنا جائز ہے۔

(شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس کی دلیل سورۂ بقرہ کی یہ آیت (۱۸۴) ہے۔ جس مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے یہ وہ مرض ہے جو روزہ رکھنے سے زیادہ یا روزہ رکھنے کی وجہ سے دیر میں صحیح ہو' امام احمد سے کہا گیا کہ مریض کب روزہ نہ رکھے؟ کہا: جب روزہ کی طاقت نہ رکھے' پوچھا گیا: مثلاً بخار' تو کہا: بخار سے بڑھ کر اور کون سا مرض ہوگا؟ (المغنی ج ۳ ص ۴۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص تندرست ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو بیمار پڑنے کا خدشہ ہو وہ اس مریض کی طرح ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔ (المغنی ج ۳ ص ۴۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

مریض کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت یہ ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلقاً طاقت نہ ہو' اس حالت میں اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہے' دوسری حالت یہ ہے کہ وہ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ سکتا ہو' اس حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے اور اس صورت میں صرف جاہل ہی روزہ رکھے گا۔ (الی قولہ) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ جب روزہ رکھنے سے کسی شخص کو درد ہو یا تکلیف پہنچے یا روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کا طول پکڑنے یا زیادہ ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ امام مالک کے مذہب کے ماہرین کا بھی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: جب یہ خوف ہو کہ اس کی آنکھ میں درد زیادہ ہو گا یا بخار زیادہ ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

سفر شرعی کرنے والے مسافر' حاملہ اور دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو یا مرض بڑھنے کا خوف ہو' یا تندرست آدمی کو غلبہ ظن' تجربہ' علامات یا طبیب کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو یا خادمہ کو ضعف

کا خوف ہو تو ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور بعد میں ان ایام کی قضاء کریں۔
(درمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۷۔ ۱۱۶ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

جس شخص کے گردہ میں پتھری ہو یا جس کو درد گردہ کا عارضہ ہو اس کو دن میں بیس پچیس گلاس پانی پینے ہوتے ہیں یا جو شخص ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں داخل ہو یہ لوگ اس بیماری کے دوران روزے نہ رکھیں اور بیماری زائل ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا کریں۔

مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ ایک شخص پر سایہ کیا گیا ہے' آپ نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ عرض کیا: یہ روزہ دار ہے' فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے' روزہ دار' روزہ نہ رکھنے والے کی مذمت کرتا تھا نہ روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار کی مذمت کرتا تھا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ گئے' جب آپ عسفان پر پہنچے تو آپ نے پانی منگایا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا تا کہ اس کو لوگ دیکھ لیں' پھر آپ نے روزہ کھول لیا (اس کے بعد آپ نے روزے نہیں رکھے) حتیٰ کہ مکہ پہنچ گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور روزہ نہ رکھنا دونوں جائز ہیں' اگر اس کو روزہ رکھنے سے ضرر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر ضرر ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۶۶ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے' اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو یہ مکروہ ہے لیکن روزہ ہو جائے گا۔
(المغنی ج ۳ ص ۴۴ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کا اختلاف ہے کہ کس سفر پر روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ حج' جہاد یا دیگر عبادات کے لیے سفر ہو تو اس میں اس رخصت پر اجماع ہے۔ رشتہ داروں سے ملاقات اور طلب معاش کے لیے سفر بھی اس کے ساتھ لاحق ہے' تجارات اور مباح سفر (مثلاً سیر و سیاحت) میں اختلاف ہے لیکن ان میں بھی رخصت کا ہونا زیادہ راجح ہے' اور جو سفر معصیت ہو (مثلاً چوری یا ڈاکے کے لیے سفر کرے) اس میں اختلاف ہے اور اس میں رخصت کا ممنوع ہونا راجح ہے' اور سفر کی مسافت کی مقدار امام مالک کے نزدیک وہی ہے جتنی مسافت میں قصر جائز ہوتی ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

سفر شرعی میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے جو تین دن تین راتوں کی مسافت پر مشتمل ہو خواہ یہ سفر معصیت ہو۔

(ردالمختار ج ۲ ص ۱۱۹ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ (البقرہ: ۱۸۴)

''الذین یطیقونہ'' کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے' آیا اس کا معنی ہے: جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دیں' اور پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ (البقرہ: ۱۸۵) تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ میں روزہ رکھے۔

یا اس آیت میں ''یطیقونہ'' ''یطوقونہ'' کے معنی میں ہے: یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

اول الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ'' (البقرہ: ۱۸۴) حضرت ابن عمر اور حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ'' (البقرہ: ۱۸۵)۔

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ رمضان نازل ہوا اور صحابہ پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو بعض صحابہ جو روزہ کی طاقت رکھتے تھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے اور روزہ ترک کر دیتے' انہیں اس کی رخصت دی گئی تھی' پھر اس رخصت کو اس آیت نے منسوخ کر دیا: ''وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ'' (البقرہ: ۱۸۴) روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے'' تو انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے ''فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ'' (البقرہ: ۱۸۴) کو پڑھا اور فرمایا: یہ منسوخ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اور ثانی الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے' امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب بوڑھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو وہ ایک مد (ایک کلو) طعام کھلا دے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۰۴ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام دار قطنی نے ایک اور سند سے روایت کیا:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے ''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ'' (البقرہ: ۱۸۴) کی تفسیر میں فرمایا: ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور ''فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا'' (البقرہ: ۱۸۴) کی تفسیر میں فرمایا: اگر ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو زیادہ بہتر ہے' اور فرمایا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے' البتہ اس میں اس بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو طعام کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

امام دار قطنی نے ایک اور سند سے اس حدیث کو عطاء سے روایت کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''یطیقونہ'' کا معنی ہے: ''یکلفونہ'' یعنی جو سخت دشواری سے روزہ رکھیں وہ اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جو ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے' یہ رخصت

صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کے لیے ہے جس کو بیماری سے شفا کی توقع نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ مجاہد اور عطاء سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے اور اس پر قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۷۔ ۲۰۵ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

نیز امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے ایک حاملہ عورت نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم روزہ نہ رکھو اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ اور قضاء نہ کرو۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی بیٹی ایک قرشی کے نکاح میں تھیں وہ حاملہ تھیں ان کو رمضان میں پیاس لگی تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

ایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ایک کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک تھال میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں) بنایا اور تین مسکینوں کو سیر کر کے کھلایا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے حضرت انس کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہ رکھے اور گھر والوں سے کہا: ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' تو انہوں نے تیس مسکینوں کو کھلایا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ہر شخص روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلاتا ہے تم میری طرف سے دو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو بڑھاپا آ جائے اور وہ روزہ نہ رکھ سکے اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک کلو گندم دے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۸۔ ۲۰۷ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور جو کسی دائمی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ فدیہ دے اور اس کے بعد جو "وان تصوموا خیرلکم" ہے اس کا معنی ہے: مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا بہتر ہے' یہ آیت فدیہ کی ناسخ نہیں ہے۔ امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت انس بن مالک بوڑھے ہو گئے حتیٰ کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ رہے تو وہ فدیہ دیتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۲۵۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام مالک کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے سوال کیا گیا کہ حاملہ عورت کو جب اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو اور اس پر روزہ دشوار ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک کلو گندم کھلائے۔

(موطا امام مالک ص ۲۵۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن لوگوں پر روزہ سخت دشوار ہو وہ ایک روزہ

کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' یہ رخصت صرف اس بوڑھے کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس مریض کے لیے جس کو شفا کی امید نہ ہو۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۲۳۱۔ ۲۳۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سائب نے کہا: رمضان کے مہینہ میں انسان ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تم میری طرف سے ایک مسکین کو ہر روز ایک صاع (چار کلو) طعام دو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب روزہ نہ رکھ سکیں تو فدیہ دیں' اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے حاملہ عورت کے متعلق فدیہ دینے کی روایت ذکر کی ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۴ ص ۲۳۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جو بہت مشکل سے روزہ رکھیں' ان کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ دینا جائز ہے اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں' اور حضرت انس جب کمزور ہو گئے تو انہوں نے فدیہ دیا۔ (شرح السنۃ ج ۳ ص ۴۰۵۔ ۴۰۴' مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام دار قطنی' امام مالک' امام نسائی' امام طبرانی' امام بیہقی اور امام بغوی نے متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ آثار نقل کیے ہیں کہ بوڑھا شخص اور دائمی مریض جن پر روزہ رکھنا دشوار ہے' وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیں۔

"الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے "الذین یطیقونہ" کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

عکرمہ نے "الذین یطیقونہ" کی تفسیر میں کہا ہے: حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "وعلی الذین یطوقونہ" اس کا معنی ہے: جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ "الذین یطیقونہ" کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں' یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے ہے جس کو شفا کی امید نہ ہو' مجاہد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۸۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ "الذین یطیقونہ" سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں' ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' بلکہ محکم ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے' حضرت ابن عباس کا یہی مختار ہے' اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے' البتہ یہ احتمال ہے کہ نسخ بمعنی تخصیص ہو (الی قولہ) اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزے کی طاقت نہیں رکھتے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے' ربیعہ اور امام مالک کے نزدیک ان پر فدیہ واجب نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

''وعلی الذین یطیقونہ'' اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ تکلیف اور مشقت سے روزہ رکھیں' جیسے بوڑھے' حاملہ اور دودھ پلانے والی' یہ لوگ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں' ان پر قضا نہیں ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے متعلق نازل ہوئی' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابن عباس نے اس آیت میں یہ قرأت کی ''وعلی الذین یطوقونہ'' (جو مشکل سے روزہ رکھیں) اس سے بوڑھے لوگ مراد ہیں۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۸۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

صحابہ اور تابعین میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں روزہ رکھنے کا اختیار تھا' جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو خواہ وہ روزے رکھے خواہ فدیہ دے' بعد میں روزہ کی طاقت رکھنے والوں سے یہ اختیار ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' سے منسوخ ہو گیا (الی قولہ) اس آیت کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جو لوگ مشقت اور صعوبت سے روزہ رکھتے ہیں وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں' وہ بھی روزے کے مکلف ہیں لیکن ان پر روزہ کے قائم مقام فدیہ ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرنے کا مکلف ہے لیکن اس کے لیے مٹی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۷۔ ۱۷۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک پہلے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لیے روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا اختیار تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا' اور حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ نے اس آیت کو ''یطوقونہ'' پڑھا' یعنی جو مشکل سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دے دیں اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور بعض علماء نے اس آیت کو ''الذین یطیقونہ'' قرأت متواترہ کے مطابق پڑھا اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ وسعت اور طاقت میں فرق ہے' وسعت کا معنی ہے: کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہونا اور طاقت کا معنی ہے: کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہونا' تو آیت کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دیں یا اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ فدیہ دیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۵۹۔ ۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے

بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابوہریرہ' حضرت انس رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر' طاؤس' ثوری اور اوزاعی کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت بوڑھے شخص کی رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے' اور اس لیے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور جب عذر کی وجہ سے اس سے روزہ ساقط ہو گا تو اس کے بدلہ میں قضا کی طرح کفارہ لازم آئے گا۔

نیز وہ مریض جس کے مرض کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے' وہ بھی روزہ نہیں رکھے گا اور یہ روزہ کے بدلہ میں ایک مریض کو کھانا کھلائے گا کیونکہ وہ بھی بوڑھے شخص کے حکم میں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۳۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھا شخص جس کو روزہ رکھنے میں شدید مشقت ہو اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو اس پر بالاجماع روزہ فرض نہیں ہے اور اس پر وجوب فدیہ کے متعلق دو قول ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ (شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا سخت مشقت سے روزے رکھتے ہیں' ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان پر کیا واجب ہے؟ ربیعہ اور امام مالک نے کہا: ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' البتہ امام مالک نے کہا: اگر وہ ہر روزے کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو یہ مستحب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص بہت بوڑھا اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو' اسی طرح جس مریض کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو وہ ہر روزہ کے لیے فدیہ دیں۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ایک روزہ کے لیے نصف صاع یعنی دو کلو گندم یا اس کی قیمت فدیہ دے' روزہ کے فدیہ میں فقراء کا تعدد شرط نہیں ہے اور ایک فقیر کو متعدد ایام کا فدیہ دے سکتا ہے اور مہینہ کی ابتداء میں بھی دے سکتا ہے۔

(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شوگر' بلڈ پریشر' دمہ اور جوڑوں کا درد یہ چار بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے' ان کو دواؤں سے کنٹرول تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بیماریاں زائل نہیں ہو سکتیں' ان میں جوڑوں کا درد روزے کے منافی نہیں ہے' اور عام حالت میں دمہ بھی روزوں کے منافی نہیں ہے' لیکن جب شوگر زیادہ ہو تو زیادہ گولیاں لینی پڑتی ہیں جس سے وقفہ وقفہ سے شدید بھوک لگتی ہے' اسی طرح جب بلڈ پریشر زیادہ ہو تو پانی پینا پڑتا ہے اس لیے جن لوگوں کو شوگر یا بلڈ پریشر کا عارضہ ہو اور ڈاکٹر انہیں روزہ رکھنے کی اجازت نہ دے تو وہ روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' لوگوں کو ہدایت دینے والا اور

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

روشن دلیلیں ہدایت دینے والیں اور حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والیں' سوتم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور

فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ

اس ماہ کے روزے رکھے' اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا

اُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا

کرے' اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا' اور تاکہ تم (مطلوبہ)

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

عدد پورا کرو' اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو O

اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن کو لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر ماہِ رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل کیا' پھر حسب مصلحت تئیس سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل قرآن کو نازل فرمایا' اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ روزہ کو فرض کرنے کے احکام ماہِ رمضان میں نازل ہوئے۔

حافظ ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ابراہیم پر صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی' اور حضرت عیسیٰ پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل کی' اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل کیا۔

(تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۱۹۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان

امام رازی لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور رمضان کے مہینہ کا معنی ہے: اللہ کا مہینہ' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا' بلکہ یہ کہو کہ رمضان کا مہینہ آیا اور رمضان کا مہینہ گیا' کیونکہ رمضان' اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

دوسرا قول ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے جیسا کہ رجب اور شعبان مہینوں کے نام ہیں۔ خلیل سے منقول ہے: رمضان' رمضاء سے بنا ہے اور رمضاء خریف کی اس بارش کو کہتے ہیں جو زمین سے گرد و غبار کو دھو ڈالتی ہے' اسی طرح رمضان بھی اس امت کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور ان کے دلوں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان رمض سے بنا ہے اور رمض سورج کی تیز دھوپ کو کہتے ہیں اور اس مہینے میں روزہ داروں پر بھوک اور پیاس کی شدت بھی تیز دھوپ کی طرح

سخت ہوتی ہے' یا جس طرح تیز دھوپ میں بدن جلتا ہے اسی طرح رمضان میں گناہ جل جاتے ہیں اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان اللہ کے بندوں کے گناہ جلا دیتا ہے۔

رمضان کے مہینہ میں نزول قرآن کی ابتداء اس وجہ سے کی گئی کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے اور انوار الہیہ ہمیشہ منجلی اور منکشف رہتے ہیں' البتہ ارواح بشریہ میں ان انوار کے ظہور سے حجابات بشریہ مانع ہوتے ہیں اور حجابات بشریہ کے زوال کا سب سے قوی سبب روزہ ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کشف کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ روزہ ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بنی آدم کے قلوب میں شیطان نہ گھومتے تو وہ آسمانوں کی نشانیوں کو دیکھ لیتے' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور رمضان میں عظیم مناسبت ہے' اس لیے نزول قرآن کی ابتداء کے لیے اس مہینہ کو خاص کر لیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۲۱۔ ۱۲۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے۔ (البقرہ: ۱۸۵)

قطبین میں روزے اور نماز کی تحقیق

بہ ظاہر اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس آیت سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس مہینہ سے غائب بھی ہو سکتا ہے' ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ بات عجیب معلوم ہو لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا کہ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں کے رہنے والے رمضان کے مہینہ میں حاضر نہیں ہوتے' اس لیے قطبین کے رہنے والوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں ہیں' البتہ جب باقی دنیا میں رمضان کا مہینہ ہو ان دنوں میں کسی قریبی اسلامی ملک کے حساب سے وہاں کے رہنے والے طلوع فجر اور غروب آفتاب کے اوقات کا اپنے علاقہ کی گھڑیوں کے وقت کے حساب سے ایک نظام الاوقات مقرر کر لیں اور اتنا وقت روزہ سے گزاریں تو بہت بہتر ہے' اور اب جب کہ تمام دنیا کا ٹائم بتانے والی گھڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں' یہ ایسا مشکل بھی نہیں ہے' وہاں کے رہنے والے اگر گھڑیوں کے حساب سے نمازیں پڑھیں تو یہ بھی بہت بہتر ہے ہر چند کہ سورج کے طلوع اور غروب کے لحاظ سے ان پر ایک سال میں صرف ایک دن کی نمازیں فرض ہوں گی۔

سعودی عرب کے حساب سے روزے رکھتا ہوا پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

پاکستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ سعودی عرب سے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھتے ہوئے آتے ہیں اور ان کے تیس روزے پورے ہو جاتے ہیں اور یہاں ہنوز رمضان ہوتا ہے تو چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے' اس لیے اس کو روزے رکھنے چاہئیں' نیز قرآن مجید میں ہے: '' فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ '' (البقرہ: ۱۸۵) تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے'' ۔ اور اس شخص نے اس صورت میں رمضان کا مہینہ پایا ہے' اس لیے وہ سب کے ساتھ روزے رکھے' نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون. جس دن لوگ روزہ رکھیں اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے۔ (جامع ترمذی ص ۱۲۴)'' اس حدیث کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو شخص پاکستان میں آ گیا وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں تو اس پر اب روزے لازم نہیں' کیونکہ حدیث کے اعتبار سے مہینہ انتیس یا تیس دنوں کا ہوتا ہے اور وہ ایک مہینہ کے روزے رکھ چکا ہے' لیکن پہلی رائے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

پاکستان سے روزے رکھتا ہوا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پاکستان میں چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کیے اور اثناء رمضان میں سعودی عرب چلا گیا جہاں لوگوں نے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھنے شروع کیے تھے اور ابھی اس کے اٹھائیس یا انتیس روزے ہوئے تھے کہ انہوں نے عید کر لی اس صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

ایک شخص نے ایک ایسے شہر سے سفر کیا جنہوں نے رمضان کا چاند نہیں دیکھا اور اس شہر میں پہنچا جس میں (اس کے حساب سے) ایک دن پہلے چاند دیکھ لیا گیا تھا اور ابھی اس نے انتیس روزے رکھے تھے کہ انہوں نے عید کر لی۔ اب اگر ہم عام حکم رکھیں یا یہ کہیں کہ اس کے لیے اس شہر کا حکم ہے تو وہ عید کرلے اور ایک دن کے روزے کی قضاء کرے' اور اگر ہم حکم عام نہ رکھیں اور یہ کہیں کہ اس کے لیے پہلے شہر کا حکم ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دن روزہ رکھے۔

چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے' اس لیے پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے کے بعد اس شخص پر سعودی عرب کے مطلع کے احکام لازم ہوں گے' وہ اس کے حساب سے روزے رکھے گا اور ان کے حساب سے عید کرے گا' لیکن اس کے روزے تیس سے کم ہیں تو وہ کم دنوں کی احتیاطاً قضا کرلے۔

سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مثلاً سعودی عرب سے عید کے دن جہاز پر سوار ہو کر پاکستان پہنچا اور یہاں ہنوز رمضان ہے۔ ایسی صورت کے بارے میں علامہ نووی لکھتے ہیں: اگر ایک شخص نے ایک شہر میں چاند دیکھا تو صبح عید کی اور وہ کشتی کے ذریعہ کسی دور دراز شہر میں پہنچا جہاں لوگوں کا روزہ تھا۔ شیخ ابو محمد نے کہا: اس پر لازم ہے کہ وہ بقیہ دن کھانے پینے سے اجتناب کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم یہ کہیں کہ اس پر اس شہر کا حکم لازم ہے اور اگر ہم حکم عام رکھیں یا اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کریں تو اس پر افطار کرنا لازم ہے۔

چونکہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے' اس لیے جو شخص سفر کر کے دور دراز علاقہ میں پہنچے گا اس پر وہاں کے جغرافیائی حالات کے اعتبار سے شرعی احکام لازم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا کرے۔
(البقرہ: ۱۸۵)

روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان

اس حکم کو دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ رخصت منسوخ ہو گئی ہے۔ کتنی مسافت کے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے' داؤد ظاہری کے نزدیک مسافت کم ہو یا زیادہ اس پر شرعی سفر کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں' خواہ ایک میل کی مسافت کا سفر ہو' امام احمد کے نزدیک دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے' امام شافعی کے نزدیک بھی دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے' امام مالک کے نزدیک ایک دن کی مسافت معتبر ہے' امام ابوحنیفہ سفر شرعی کے لیے تین دن کی مسافت کا اعتبار کرتے ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

جمہور فقہاء احناف نے تین دن کی مسافت کا اندازہ اٹھارہ فرسخ کیا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۷۔ ۵۲۱) اٹھارہ فرسخ ۵۴

شرعی میل کے برابر ہیں جو انگریزی میلوں کے حساب سے اکسٹھ میل' دو فرلانگ' بیس گز ہے اور ۹۸.۲۲ کلو میٹر کے برابر ہے۔ مسافت قصر کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثانی میں بیان کی ہے۔

میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ

جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی شخص اس کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا' ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الانعام: ۱۶۴) کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس پر نذر کے روزے ہوں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت میت کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہے' نیز صحیح مذہب یہ ہے کہ ولی کا غیر بھی میت کی طرف سے اس کی اجازت سے اور اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھ سکتا ہے' اگر ولی روزے نہ رکھے تو میت کے مال سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (الانصاف ج ۳ ص ۳۳۷۔ ۳۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ (موطا امام مالک ص ۲۳۵' مطبوعہ لاہور) دوسری دلیل یہ ہے کہ زندگی میں عبادات کی ادائیگی میں کوئی شخص کسی کا نائب نہیں ہو سکتا' لہٰذا موت کے بعد بھی نہیں ہو سکتا' کیونکہ عبادت کا مکلف کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مکلف کے بدن پر اس عبادت کی مشقت ہو اور نائب کے ادا کرنے سے مکلف کے بدن پر کوئی مشقت نہیں ہوئی' البتہ اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا' کیونکہ اب اس مکلف کا خود روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے تو فدیہ اس کے روزہ کا قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ شیخ فانی کی صورت میں ہے اور اگر اس نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے کھانا کھلانا لازم ہے اور امام شافعی کے نزدیک وہ وصیت کرے یا نہ کرے اس کی طرف سے کھانا کھلانا لازم ہے' فدیہ کی مقدار ہمارے نزدیک دو کلو گندم ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایک کلو گندم ہے۔

(المبسوط ج ۳ ص ۳۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں اور فقط ان روزوں کی قضاء کریں اور اگر ان کو اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں' ان پر قضا بھی ہے اور فدیہ بھی' ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

(المغنی ج ۳ ص ۳۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ العبدری مالکی لکھتے ہیں:

اگر حاملہ پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور صرف قضاء کرے اور اگر دودھ پلانے والی پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے وہ قضا بھی کرے اور فدیہ بھی دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف قضا کرے۔

(التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل ج ۲ ص ۴۴۷' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا)

علامہ شمس الدین رملی شافعی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان کا خوف یا اپنی اور بچہ دونوں کی جان کو خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں' صرف قضا کریں اور اگر صرف بچہ کی جان کا خوف ہو تو روزہ کی قضا بھی کریں اور فدیہ بھی دیں۔

(نہایۃ المحتاج ج ۳ ص ۱۹۴' مطبوعہ دارالکتب' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو یا اپنے بچہ کا خوف ہو تو وہ روزہ رکھیں اور قضا کریں' تا کہ ان پر تنگی نہ ہو' ان پر فدیہ لازم نہیں ہے' کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہیں' امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر بچہ کا خوف ہو تو فدیہ دیں' وہ اس کو شیخ فانی پر قیاس کرتے ہیں' ہم کہتے ہیں کہ شیخ فانی میں فدیہ کا وجوب خلاف قیاس ہے اور یہاں روزہ نہ رکھنا بچہ کے سبب سے ہے اور بچہ شیخ فانی کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ شیخ فانی روزہ کے وجوب کے بعد عاجز ہوا' اور بچہ پر اصلا روزہ کا وجوب نہیں ہے' اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲۲' مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

(البقرہ: ۱۸۵)

اسلام دین یسر ہے

اسلام نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے امت حرج اور دشواری میں مبتلا ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (المائدہ: ۶) — اللہ تعالیٰ یہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر تنگی کی جائے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸) — اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔

يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ○ (النساء: ۲۸) — اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ: ۱۷۸) — (قصاص کے ساتھ دیت کی گنجائش رکھنا) یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔

قصاص کے ساتھ دیت کی گنجائش' پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کی سہولت' بیمار اور مسافر کے لیے روزہ قضا کرنے کی رخصت' بوڑھے اور دائمی مریض کے لیے روزے کے فدیہ کی اجازت' جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کے لیے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی وسعت' اگر سواری سے اتر نہ سکے تو سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت' جو شخص خود حج نہ کر سکے اس کے لیے حج بدل کی وسعت' سفر میں نماز کو قصر کرنا اور بہت سے احکام ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرعیہ میں مشقت کی صورت میں رخصت پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے' وصال کے روزوں' صیام دہر' عمر بھر شادی نہ کرنے اور ساری رات قیام کرنے سے منع کیا ہے' اسی طرح مشکل عبادات کی نذر ماننے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے' تمام مال کو صدقہ کرنے سے منع کیا ہے اور اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے' بہ کثرت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان احکام اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے' جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا (بایں طور کہ آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل طریقہ کو اختیار کرے) دین اس پر غالب آجائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت سعید بن ابی بُردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سُنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کو اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا اور فرمایا: آسانی کرنا' مشکل میں نہ ڈالنا' خوشخبری دینا' متنفر نہ کرنا اور آپس میں موافقت کرنا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو' اپنے کسی کام کے لیے بھیجتے تو یہ فرماتے: خوشخبری دینا' متنفر نہ کرنا' آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے بچنے والے ہوتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳' ج ۲ ص ۱۰۰۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو باطل ادیان سے الگ ہو اور آسان اور سہل ہو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو' تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو' تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۸' ج ۵ ص ۳۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص فیصلہ کرنے اور تقاضا کرنے میں آسانی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

بعض مفتی فتویٰ دیتے وقت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں' مثلاً اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے تو کہتے ہیں وہ نوے سال تک انتظار کرے' پھر عقد ثانی کرے' جس عورت کو اس کا خاوند کھانے پینے کا خرچ دے نہ آباد کرے اور نہ اس کو طلاق دے تو کہتے ہیں کہ خاوند کی طلاق کے بغیر اس کی نجات نہیں ہو سکتی' عدالت نے جس کا نکاح فسخ کر دیا ہو اس کو نکاح کی اجازت نہیں دیتے' انگریزی دواؤں اور انتقال خون کو حرام کہتے ہیں' ریڈیو اور ٹی وی پر رویت

ہلال کے اعلان کو ناجائز کہتے ہیں' پرفیوم کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں' چلتی ٹرین اور ہوائی جہاز میں نماز کو ناجائز کہتے ہیں' تعلیم نسواں کو حرام کہتے ہیں' نماز میں سجدہ کے دوران اگر پیروں کی تین انگلیاں اٹھ جائیں' کہتے ہیں کہ نماز فاسد ہو گئی' بعض علماء سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ لگانے کو فرض کہتے ہیں' گھڑی کے چین کو ناجائز کہتے ہیں' جس مسئلہ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہوں تو اس قول پر فتویٰ دیتے ہیں جس پر عمل کرنا سب سے مشکل اور سخت ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان اور سہل احکام بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو O(البقرہ: ۱۸۵)

عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان شوال کا چاند دیکھیں تو ان پر حق ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر کہیں' حتیٰ کہ وہ عید سے فارغ ہو جائیں اور زہری' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ عید الفطر کے دن جب عیدگاہ جاتے تو تکبیر پڑھتے اور جب نماز پڑھ لیتے تو تکبیر منقطع کر دیتے' حضرت علی' ابوقتادہ' حضرت ابن عمر' سعید بن مسیب' عروہ' قاسم' خارجہ بن زید' نافع بن جبیر بن مطعم وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ عید کے دن عیدگاہ کو جاتے وقت تکبیر پڑھتے تھے۔ حنش بن معتمر نے بیان کیا کہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت علی اپنے خچر پر سوار ہو کر گئے اور تکبیر پڑھتے رہے حتیٰ کہ جبانہ پہنچ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو تکبیر پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ کیا امام تکبیر پڑھ رہا ہے؟ میں نے کہا: نہیں' فرمایا: تو کیا یہ لوگ پاگل ہیں؟ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس نے عیدگاہ کی طرف جانے کے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا انکار کیا' اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس آیت میں تکبیر سے مراد وہ تکبیریں ہیں جو امام خطبہ میں پڑھتا ہے' اور حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت ہے کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر پڑھیں اس سے مراد آہستہ تکبیر پڑھنا ہے' اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے تو عیدگاہ تک بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور عید الفطر کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر نہ پڑھے اور امام ابویوسف عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں تکبیر پڑھتے تھے' قرآن مجید میں کسی چیز کی تعیین نہیں ہے' امام محمد نے فرمایا کہ عیدین میں تکبیر پڑھے' اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ عیدین میں تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے راستہ میں نہ عیدگاہ میں' تکبیر صرف عید کی نماز میں واجب ہے۔ امام اوزاعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ دونوں عیدوں میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر پڑھے' جب امام آجائے تو تکبیر منقطع کر دے اور واپسی میں تکبیر نہ پڑھے۔ امام شافعی نے فرمایا: دونوں عیدوں کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا مستحب ہے اور صبح جب عیدگاہ کو جائے تو امام کے آنے تک تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور ہلال شوال دیکھ کر آہستہ تکبیر پڑھنا بھی جائز ہے' اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے اور جس نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کے لیے کہا اس نے بہ طور استحباب کہا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابن ابی عمران نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا سنت ہے' یہ قول امام ابوحنیفہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے' کیونکہ

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنتی پوری کرنے کے بعد تکبیر پڑھی جائے اور گنتی پورا کرنا عید الاضحیٰ کی بہ نسبت عید الفطر کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عید الفطر میں روزوں کا عدد پورا کیا جاتا ہے اور جب امام ابوحنیفہ کے نزدیک عید الاضحیٰ میں تکبیر پڑھنا سنت ہے تو عید الفطر میں بھی سنت ہونا چاہیے کیونکہ دونوں عیدوں کی نمازوں میں تکبیر کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے نہ اس کے بعد خطبہ میں نہ سنتوں میں سو چاہیے کہ عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنے میں بھی دونوں عیدوں میں اختلاف نہ ہو۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۶ ـ ۲۲۲ ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوبکر جصاص نے امام شافعی کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا۔ امام شافعی کے نزدیک یہ تکبیرات واجب ہیں اسی طرح ان کا جہر کے استحباب کو متفق علیہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ان تکبیرات کو جہر سے پڑھنا واجب ہے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عید الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا سنت ہے اور جب عیدگاہ کی طرف جائیں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جب عیدگاہ پہنچ جائیں تو تکبیرات منقطع کر دیں اور ایک روایت ہے: جب امام خطبہ سے فارغ ہو۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اگر طلوع شمس کے بعد عیدگاہ کے لیے روانہ ہو تو عیدگاہ کے راستہ میں امام کے آنے تک تکبیرات پڑھے اس میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ برابر ہیں اور اگر طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو تو پھر نہ پڑھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۷ ـ ۳۰۶ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک عیدین کی تکبیرات واجب ہیں۔

علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: عیدین کی تکبیروں کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے۔

(لباب التاویل ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ؕ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور (اے رسول!) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرما دیں کہ) بے شک میں ان کے قریب ہوں دعا

إِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ (بھی) میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں O

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا وہ تمہارے لیے لباس ہیں

لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

اور تم ان کے لیے لباس ہو' اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے

أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ

سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا' سو اب تم (چاہو تو) ان سے عمل زوجیت کرو' اور جو اللہ نے تمہارے لیے

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو' یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے)

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ أَتِمُّوا

سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے' پھر روزہ کو

الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي

رات آنے تک پورا کرو' اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں

الْمَسٰجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

سے عمل زوجیت نہ کرو' یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان کے قریب نہ جاؤ' اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں O

شانِ نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بصری بیان کرتے ہیں: صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہمارا رب کہاں ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتایئے کہ میں قریب ہوں۔

عطاء نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' تو صحابہ نے پوچھا: ہم کس وقت دعا کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتایئے کہ میں قریب ہوں اور جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۳ ـ ۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث

ہمارے زمانہ میں بعض جہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں' فقیروں سے کرتے ہیں اور

قبروں اور آستانوں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں' حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسی کی نذر ماننی چاہیے' کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے' البتہ دعا میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں! کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کردوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۸۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ہر حاجت کا اللہ سے سوال کرو حتیٰ کہ جوتی کے تسمہ ٹوٹنے کا۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے' وہ عیش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(جامع ترمذی ص ۴۸۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں' تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو' اللہ تمہاری حفاظت کرے گا' تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو تم اللہ کی تقدیر کو اپنے سامنے پاؤ گے' جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔

(جامع ترمذی ص ۳۶۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب حیا والا کریم ہے' جب اس کا کوئی بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' لاہور)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۲ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاؤ' اور استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو اور گڑگڑا کر سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو' ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (المصنف ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ بلند کرتے اور ہاتھوں کو نیچے نہ گراتے حتیٰ کہ ان کو چہرے پر مل لیتے۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ہمارے زمانہ میں بعض علماء ہر دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کو سنت نہیں قرار دیتے اور بغیر ہاتھ اٹھا کے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں' اس لیے میں نے ایسی احادیث بیان کیں' جن میں دعا کرنے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے: اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

مسلم بن ابی بکرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں کفر' فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں بھی یہ دعا کرنے لگا' میرے والد نے پوچھا: اے بیٹے! یہ دعا کہاں سے حاصل کی؟ میں نے کہا: آپ سے' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۹۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

ابوبکر بن ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے' میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے رزق میں برکت دے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۲۲۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے: ''لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما

منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد''۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد فرماتے تھے: ''اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام''۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

ابوالزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھتے تھے: ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن' لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون'' پھر حضرت ابن الزبیر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع' پاک رزق اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۹۔ ۳۸' مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف' حیدر آباد دکن)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم صغیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

زاذان کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد سو مرتبہ دعا کرتے: اے اللہ! میری مغفرت فرما' میری توبہ قبول فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰۔ ۱۱۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک یہودی عورت آئی اور کہنے لگی: پیشاب کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے' میں نے کہا: تم جھوٹی ہو' اس نے کہا: کیوں نہیں؟ ہم کھال اور کپڑے کو پیشاب کی وجہ سے کاٹ دیتے تھے' ہماری آوازیں بلند ہو رہی تھیں' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے جا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو میں نے سارا واقعہ عرض کیا' آپ نے فرمایا: وہ سچی ہے' اس دن کے بعد آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اے جبرائیل' میکائیل اور اسرافیل کے رب! مجھے آگ کی گرمی اور عذاب قبر سے اپنی پناہ میں رکھ۔

(سنن کبریٰ ج ۱ ص ۴۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا' اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

(سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۱۴ 'مسند الشامیین ج ۲ ص ۹ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

اس حدیث کو امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۳ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند جید ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰۲ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابن السنی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا کر لیتے تو اپنا دایاں ہاتھ پیشانی پر پھیرتے' پھر پڑھتے: ''اشھد ان لا الہ الا الرحمن الرحیم'' اس کے بعد دعا کرتے: اے اللہ! مجھ سے غم اور فکر دور کر دے۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۹ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں اور امام بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور متعدد ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! میرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے' اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا' اے اللہ! مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے' تیرے سوا کوئی نیک اعمال کی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی بُرے اعمال سے بچانے والا نہیں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۱ ـ ۴۰ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۲ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں' تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو: ''اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک''۔

(عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۱ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہم کو فرض نماز پڑھائی اس کے بعد ہماری طرف منہ کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! میں ہر اس عمل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے شرمندہ کرے' میں ہر اس شخص سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے ہلاک کرے' اور ہر اس امید سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے غافل کر دے' میں ہر اس فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تجھے بھلا دے اور ہر اس غنٰی سے تیری پناہ میں آتا ہے جو مجھے سرکش بنا دے۔

(عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۲ ـ ۴۱ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور اس کو امام ابویعلی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ دعا کرتے: اے اللہ! میری آخری زندگی کو خیر کر دے اور میرے سب سے اچھے عمل پر میرا خاتمہ کر اور میرا سب سے اچھا دن وہ بنا دے' جس دن تجھ سے ملاقات ہو۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۲ 'مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد ''معوذات'' (''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'') کو پڑھا کروں۔

(عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۴ 'مطبوعہ حیدر آباد دکن' ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین بار بلند آواز سے یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرے امر کی حفاظت بنایا ہے' اے اللہ! میری دنیا کی حفاظت فرما جس کو تو نے میری معاش بنایا ہے' اور تین بار یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میری آخرت کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرا مرجع بنایا ہے اور تین بار فرماتے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' جو تو عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو روک دے اس کا کوئی دینے والا نہیں' اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کا امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ! میری کل خطاؤں اور ذنوب کو بخش دے' اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا' میرے ٹوٹے ہوئے کام جوڑ دے' اور مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے' تیرے سوا نیک اعمال کی ہدایت دینے والا اور برے اعمال سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم صغیر'' اور ''معجم اوسط'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھائے اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کر دیتا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد صرف ''اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام'' کی مقدار بیٹھتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ بعینہٖ یہی کلمات فرماتے تھے یا بس اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے' اس سے تحدید مراد نہیں ہے اس لیے یہ حدیث ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے طویل ذکر مروی ہے۔ (غنیۃ المستملی (حلبی کبیر) ص ۳۴۲ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرض کے بعد متصلاً سنت پڑھنا اولیٰ ہے یا دعا اور وظائف پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھنا اولیٰ ہے' امام حلوانی نے کہا ہے کہ فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف اور اوراد پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الی قولہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد کم مقدار میں بھی ذکر کیا ہے اور زیادہ مقدار میں بھی' اور اس وقت سنت یہ ہے کہ اتنی مقدار میں تاخیر

کے بعد سنتیں پڑھی جائیں۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۲ ـ ۳۸۳ ‘مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ائمہ اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا کریں کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس وقت دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد‘ اور آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا: بہ خدا! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد یہ دعا ترک نہ کرنا: ”اللھم اعنی علی ذکرك وشكرك وحسن عبادتك“۔ (مراقی الفلاح ص ۱۸۹ ‘مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ ‘مصر‘ ۱۳۵۶ھ)

علامہ طحطاوی حنفی لکھتے ہیں: ہر فرض نماز کے بعد تین بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۸ ‘مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ ‘مصر‘ ۱۳۵۶ھ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار کرے‘ آیۃ الکرسی اور معوذات پڑھے اور سو تسبیحات پڑھے اور دعا کرے اور ”سبحان ربك رب العزة عما يصفون“ پر ختم کرے۔

(درمختار علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۳۲ ‘مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ طحطاوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: کیونکہ فرض نمازوں کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۲ ‘مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت‘ ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد متصلاً سنتیں پڑھنے یا دعا اور ذکر کے بعد سنتیں پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف افضلیت میں ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کے بعد اوراد اور دعا سے منع کرنے والوں کا قول اگر اس پر محمول کیا جائے کہ فرض نمازوں کے بعد وظائف میں زیادہ دیر لگانا مکروہ تنزیہی ہے اور کم مقدار میں دعا اور وظائف پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تو پھر اختلاف نہیں رہے گا۔ (درمختار علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۳۳ ‘مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت‘ ۱۳۹۵ھ)

علامہ حطاب مالکی طرابلسی مغربی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ امام مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شریک کرے‘ روایت ہے کہ جس نے ان کو نہیں شریک کیا اس نے ان سے خیانت کی‘ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا جائز ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے‘ امام حاکم نے امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث روایت کی ہے: جب بھی مسلمان جمع ہوں بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۱ ص ۱۲۷ ـ ۱۲۶ ‘مطبوعہ مکتبہ النجاح ‘لیبیا)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

نماز کے بعد کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سنت ہے‘ اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں‘ اور سلام پھیرنے کے بعد آہستہ دعا کرنا مسنون ہے‘ الا یہ کہ کوئی شخص امام ہو اور وہ حاضرین کو دعا پر مطلع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ بلند آواز سے دعا کرے۔ (روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۷۴ ـ ۳۷۳ ‘مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت‘ ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے‘ حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز

پڑھنے کے بعد پھر جاتے اور تین بار استغفر اللہ کہتے اور" اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام" پڑھتے' حضرت سعد کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (المغنی ج ۱ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

چونکہ بہ کثرت احادیث میں فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہراً ذکر کرنا اور دعا کرنا ثابت اور صریح ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ بیان کیا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہی راجح ہے کہ فرض نماز کے بعد مختصر ذکر کیا جائے اور دعا کی جائے اور جن فقہاء نے اس کو غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کہا ہے ہمارے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے' ہم نے اس مسئلہ میں اس لیے طویل بحث کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض حنبلی المسلک علماء اور بعض صوفیاء فرض نماز کے بعد دعا مانگنے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور ان کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان

ہمارے زمانہ میں بعض جہلا جنت کی بہت تنقیص اور بہت تحقیر کرتے ہیں اور جنت کی دعا کرنے کو بہت گھٹیا درجہ قرار دیتے ہیں' بعض کہتے ہیں: ہمیں جنت نہیں مدینہ چاہیے' حالانکہ مدینہ کی عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی وجہ سے ہے اور آپ کا روضہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اگر سرکار کے مسکن کی وجہ سے مدینہ کو محبوب رکھا جاتا ہے تو دنیا اور آخرت میں آپ کا مسکن جنت ہے اس کی تنقیص کیوں کی جاتی ہے؟ بلکہ اس کو مدینہ سے زیادہ محبوب جاننا چاہیے کہ وہ اب آپ کا مسکن ہے اور آخرت میں بھی آپ کا مسکن ہے! بعض کہتے ہیں کہ جنت کا درجہ کم ہے اور اللہ کی رضا کا درجہ زیادہ ہے اس لیے وہ جنت کو کم قرار دیتے ہیں اور جنت کی دعا نہیں کرتے' لیکن وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت کی بہت تعریف اور توصیف کی ہے اور اس کی طرف بہت رغبت دلائی ہے تو اللہ نے جس چیز کی تعریف و توصیف کی ہو اس کی تنقیص کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا یا ناراض! اور اللہ کی رضا اور اس کا دیدار اہل جنت کو ہوگا تو اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا وسیلہ جنت ہے اس لیے جنت کو محبوب رکھنا چاہیے' جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اس لیے محبوب رکھا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہیں' نیز قرآن اور سنت میں جنت کو طلب کرنے اور اس کے حصول کی دعا کی ہدایت دی گئی ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۳)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پہنائی آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ۝

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بڑھ کر اللہ کی رضا کا کون طالب ہوگا انہوں نے جنت کے حصول کے لیے دعا کی:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے حصول کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۳ ۔ ۳۶۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا' جنت کہتی ہے: اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کر دے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی' جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (جامع ترمذی ص ۳٦۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا سکھائی: اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت کی ہر اس خیر کا سوال کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور مجھے معلوم نہیں' اور میں تجھ سے ہر اس شر سے پناہ طلب کرتی ہوں جو تجھے معلوم ہے اور مجھے معلوم نہیں' اے اللہ! میں تجھ سے اس خیر کا سوال کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور تیرے نبی نے سوال کیا اور ہر اس شر سے تیری پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ طلب کی' اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتی ہوں اور اس قول اور عمل کا سوال کرتی ہوں جو جنت کے قریب کر دے' اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ سے پناہ طلب کرتی ہوں اور اس قول اور عمل سے پناہ طلب کرتی ہوں جو دوزخ کے قریب کر دے' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ تو میرے لیے جو چیز مقدر کرے تو اچھی چیز مقدر کر۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۲٦۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰٦ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۱۳۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا سکھائی:

اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس قول یا عمل کا جو جنت کے قریب کر دے اور تجھ سے جہنم سے پناہ طلب کرتا ہوں اور اس قول یا عمل سے جو جہنم کے قریب کر دے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' ج ۱ ص ۱۸۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے' حدیث نمبر: ۵۰۷۲' ۳۸۴۳' ۳٦۱۰۔

دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب

(۱) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور ہتھیلیوں کا باطنی حصہ اپنے کندھوں کے بالمقابل رکھے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹' جامع ترمذی ص ۴۸۸)

(۲) حافظ الہیثمی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے' حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پہلے اللہ کی ایسی حمد و ثناء کرے جس کا وہ اہل ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے' اس کے بعد سوال کرے تو اس کی قبولیت متوقع ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱٦۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲)

(۳) حافظ الہیثمی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے' یہ حدیث حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

(۴) امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا ذکر کر کے اس کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے۔ (جامع ترمذی ص ۴۴۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

(۵) امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم سے سوال کرے' یوں نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۶) امام ترمذی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرتا ہے تو یا تو اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے یا اس سے اس کی مثل کوئی برائی دور کر دیتا ہے بہ شرطیکہ وہ گناہ کی دعا کرے نہ قطع رحم کی۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں تین چیزوں کا ذکر ہے: دعا جلد قبول کرنا یا آخرت میں اجر عطا کرنا یا مصیبت ٹال دینا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ)

(۷) حافظ الہیثمی نے امام احمد سے روایت کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! جب تم اللہ سے دعا کرو تو قبولیت کے یقین سے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے دعا کرتا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی)

امام غزالی لکھتے ہیں:

(۸) قبولیت کے اوقات میں دعا کرے مثلاً رات کے آخری حصہ میں، فرض نمازوں کے بعد اسی طرح قبولیت کے ایام میں مثلاً یوم عرفہ کو رمضان میں، جمعہ میں۔

(۹) قبولیت کے احوال میں دعا کرے مثلاً بارش کے وقت، حضرت انس سے روایت ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بندہ کا اللہ سے سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے تو سجدہ میں بہ کثرت دعا کیا کرو، نیز امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سجدہ میں دعا کی قبولیت متوقع ہے۔

(۱۰) قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں قبلہ کی طرف منہ کیا اور غروب آفتاب تک دعا کرتے رہے۔

(۱۱) بہت زیادہ گلا پھاڑ کر دعا نہ کی جائے، امام بخاری حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم کسی بہرے اور غائب سے دعا نہیں کر رہے۔

(۱۲) تصنع اور تکلف سے مسجع مقفی عبارات کے ساتھ دعا نہ کرے، امام ابوداؤد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک قوم دعا میں حد سے تجاوز کرے گی۔

(۱۳) شوق اور خوف سے دعا کرے: "یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا" (الانبیاء: ۹۰) وہ ہم سے رغبت اور خوف سے دعا کرتے ہیں"۔

(۱۴) گڑگڑا کر اور خشوع سے دعا کرے: "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ" (الاعراف: ۵۵) اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے"۔

(۱۵) تین بار دعا کرے، امام مسلم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے اور جب سوال کرتے تو تین بار سوال کرتے۔

(۱۶) قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے، امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک جلدی نہیں کی جائے گی تمہاری دعا قبول ہوتی رہے گی، تم میں سے ایک شخص کہتا ہے: میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی، جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو بہ کثرت سوال کرو کیونکہ تم کریم سے دعا

کر رہے ہو۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی جو تقریباً تین ہزار سال بعد قبول ہوئی' حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو سال بعد قبول فرمائی۔ تفسیر خازن ج ۱ص ۴۷)

(۱۷) قبولیت دعا کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرے' لوگوں کے جو حقوق دبار کھے ہیں وہ ان کو واپس کرے' جس پر جو ظلم کیا ہے وہ اس سے معاف کرائے' کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑ گیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے ساتھ مل کر تین بار بارش کی دعا کی لیکن بارش نہیں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی: تمہارے درمیان ایک چغل خور ہے' جب تک وہ درمیان سے نہیں نکلے گا تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی' حضرت موسیٰ نے پوچھا: یارب! وہ کون ہے؟ فرمایا: میں تم کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو میں تم سے اس کی چغلی کیسے کروں گا' پھر موسیٰ علیہ السلام نے سب کو توبہ کرنے کا حکم دیا' جب سب نے توبہ کرلی تو بارش ہوگئی۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ص ۳۰۷۔ ۳۰۳' مطبوعہ دار الخیر' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

(۱۸) قبولیت دعا کی ایک اور شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ. (البقرہ: ۱۸۶) دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں"۔ انسان بندہ اور محتاج ہو کر اللہ کی بات نہ مانے اور اس کے حکم پر عمل نہ کرے اور یہ چاہے کہ وہ معبود بے نیاز ذات اس کا کہا مان لے یہ کیسی بے انصافی ہے!

(۱۹) حافظ الہیثمی نے امام طبرانی سے روایت کیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا قبول ہوتی ہے' والد کی' مسافر کی اور مظلوم کی۔ یہ حدیث صحیح ہے' نیز امام طبرانی' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غائب شخص کے لیے دعا کی جائے تو مسترد نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۵۲۔ ۱۵۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

(۲۰) قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تقدیر کے خلاف نہ ہو۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات

قرآن مجید میں ہے:

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ. (البقرہ: ۱۸۶) میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کئی بار ہم دعا کرتے ہیں اور وہ قبول نہیں ہوتی' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ دعا' قبولیت کی ان شرائط اور آداب کے مطابق نہیں مانگی جاتی جن کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ہم جس چیز کی دعا کرتے ہیں وہ مآل کار ہمارے حق میں مضر ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ دعا قبول نہ کر کے ہم کو اس کے ضرر سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرہ: ۲۱۶) اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۝

تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ہماری دعا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نہیں ہوتی اس لیے وہ اس کو قبول نہیں فرماتا' قرآن مجید میں ہے:

بَلۡ اِیَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَیَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ اِنۡ شَآءَ (الانعام: ۴۱) بلکہ تم اسی سے دعا کرو گے اور اگر وہ چاہے گا تو وہ اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اس سے دعا کرو گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا' اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا' میں نے سوال کیا کہ میری (تمام) امت قحط سے ہلاک نہ ہو' اللہ نے مجھے یہ عطا کر دیا' میں نے سوال کیا کہ ان کا مخالف دشمن ان (سب) پر مسلط نہ ہو' اللہ نے یہ عطا کر دیا' میں نے یہ سوال کیا: میری امت آپس میں جنگ نہ کرے تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور مستجاب ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مسترد نہیں کی بلکہ آپ کو اس دعا کے کرنے سے منع فرما دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس ایک دعا کے سوا آپ کی تمام دعائیں قبول کی گئیں اور چونکہ آپ کی زندگی میں ہر عمل کے لیے حسین نمونہ ہے تو دعا قبول نہ ہونے پر صبر و ضبط کرنے کا نمونہ بھی آپ کی حیات طیبہ میں ہونا چاہیے تھے' سو اس حکمت کی وجہ سے آپ کی ایک دعا قبول نہیں کی گئی۔ اصل سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کی دعا قبول نہیں فرماتا' قرآن مجید میں ہے:

اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ۝ (الاعراف: ۵۵) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۝

اور جو شخص علم سے یا بغیر علم کے گناہ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو وہ حد سے بڑھنے والا ہے' اس کی دعا کیسے قبول ہو گی!

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں' وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! اس کا کھانا پینا حرام ہو' اس کا لباس حرام ہو' اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کہاں قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

ابراہیم بن نصر کرمانی یکے از ابدال ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ دس وجوہات سے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی' (۱) اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی سنت کی اتباع نہیں کرتے (۳) قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے (۴) جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کے راستہ پر نہیں چلتے (۵) جہنم کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے راستہ پر دھکم پیل کرتے ہیں (۶) ابلیس کو اپنا دشمن کہتے ہیں اور اس کی موافقت کرتے ہیں (۷) لوگوں کو دفن کرتے ہیں اور اپنی موت کو یاد نہیں کرتے (۸) اپنے بھائیوں کے عیوب تلاش کرتے ہیں اور اپنے عیوب نہیں دیکھتے (۹) مال جمع کرتے ہیں اور حساب کے دن کو یاد نہیں رکھتے (۱۰) قبریں کھودتے ہیں پھر بھی عالیشان مکان بناتے ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۱۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو بعینہٖ عبادت اور عبادت کا مغز فرمایا ہے' اس لیے ہم نے چاہا کہ دعا کے متعلق تمام اہم مباحث کو یہاں بیان کر دیا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔ (البقرہ: ۱۸۷)

روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عمل زوجیت کی اجازت

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: مسلمان ابتداء میں ہر ماہ میں تین دن روزے رکھتے تھے' پھر رمضان کے روزے فرض ہو گئے' جب کوئی شخص افطار کے وقت کھانا کھائے بغیر سو جاتا تو پھر اگلے روز افطار تک کھانا نہیں کھا سکتا تھا' اور اگر وہ سو جاتا یا اس کی بیوی سو جاتی تو پھر وہ بیوی سے عمل زوجیت نہیں کر سکتا تھا' انصار میں سے صرمہ بن مالک نام کا ایک بوڑھا شخص تھا' اس نے افطار کے وقت اپنی بیوی سے کہا: کھانا لاؤ' بیوی نے کہا: میں گرم کر کے لاتی ہوں' اتنی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا (اور اگلے دن بھوک سے اس کی حالت غیر ہو گئی) دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر نے اپنی بیوی کو عمل زوجیت کے لیے بلایا' انہوں نے کہا: میں سو چکی ہوں' حضرت عمر نے یہ گمان کیا کہ وہ بہانے کر رہی ہیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی اور دونوں نے رات گزار لی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے' سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا' سو اب (چاہو تو) تم ان سے عمل زوجیت کرو' اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو' اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے' پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے مسلمان سونے سے پہلے کھاتے پیتے رہتے تھے اور جماع کرتے تھے' اور سونے کے بعد کھانے پینے اور جماع کو ترک کر دیتے تھے' ابوصرمہ نام کا ایک انصاری شخص زمین میں کھیتی باڑی کرتا تھا' افطار کے وقت وہ سو گیا اور پھر صبح روزہ کے ساتھ کی' وہ بھوک پیاس سے بے حال ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے واقعہ بیان کیا' ادھر دوسرے شخص نے خیانت کی اور بیوی سے اس کے سونے کے بعد جماع کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی' اور ہر نماز کے وقت میں نماز پڑھنا سکھایا' پھر فرمایا: جب رمضان آئے تو کھاتے پیتے رہنا حتیٰ کہ فجر کا سفید دھاگہ رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے' پھر رات تک روزہ پورا کرنا' حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں: میں نہیں سمجھ سکا کہ کالے اور سفید دھاگے سے کیا مراد ہے' میں فجر تک ان دونوں دھاگوں کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ایک جیسے دکھائی دیئے' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہر وہ چیز جس کی آپ نے مجھے وصیت کی تھی مجھے یاد ہے' البتہ سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا مطلب مجھے یاد نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے گویا کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے کیا کیا تھا' میں نے کہا: میں نے ان دونوں دھاگوں کو بٹ لیا اور رات بھر انہیں دیکھتا رہا' مجھے یہ ایک جیسے دکھائی دیئے' رسول اللہ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیں' پھر آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے فجر کا لفظ نہیں کہا تھا' اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

سید مودودی لکھتے ہیں:

سحر میں سیاہی شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح

ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آ جائے تو فوراً چھوڑ نہ دے بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۴۶ 'مطبوعہ ترجمان القرآن' لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے یہ صحیح نہیں لکھا' طلوع فجر کے بعد سحری کھانا جائز نہیں ہے اور جس حدیث سے انہوں نے بلاحوالہ استدلال کیا ہے اس میں طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ اصل حدیث یہ ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۷۔۸۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

رمضان میں حضرت بلال رات کے وقت اذان دیتے تھے تاکہ سحری کرنے والے جاگ اٹھیں اور جس نے تہجد پڑھنی ہو وہ اٹھ کر تہجد پڑھ لے اور حضرت ابن ام مکتوم طلوع فجر کے وقت صبح کی اذان دیتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کی اذان کو سحری کی انتہاء قرار دیا ہے' اس سے طلوع فجر کے بعد کھانے پینے کی اجازت کہاں نکلتی ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے عمل زوجیت نہ کرو۔

(البقرہ: ۱۸۷)

اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اعتکاف کا لغت میں معنی ہے: 'ٹھہرنا' اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: 'مسجد میں رہنا' روزہ سے رہنا' جماع کو بالکل ترک کرنا اور اللہ عزوجل سے تقرب کی نیت کرنا' اور جب تک یہ معانی پائے نہ جائیں شرعاً اعتکاف متحقق نہیں ہوگا' لیکن مسجد میں رہنے کی شرط صرف مردوں کے اعتبار سے ہے' عورتوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے' ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے' البتہ بعض فقہاء نے جامع مسجد کی شرط لگائی ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۲ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب: یہ وہ اعتکاف ہے جس کی نذر مانی جائے' سنت مؤکدہ: رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف اور نفل' جو اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اس کی بھی وہی شرائط ہیں جو اعتکاف واجب کی ہیں۔

اعتکاف کی شرائط

(۱) اعتکاف کی نیت کرنا شرط ہے (۲) جس مسجد میں اذان اور اقامت ہو اور باجماعت نماز ہو' اس میں اعتکاف کیا جائے (۳) اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے' اعتکاف نفل میں روزہ شرط نہیں اور نہ اس میں وقت کی تحدید ہے (۴) اسلام (۵) عقل (۶) جنابت' حیض اور نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے' بالغ ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے اور نہ آزاد ہونا اور مرد ہونا شرط ہے۔ عورتیں گھر میں نماز کی جگہ کو اعتکاف کے لیے مخصوص کرلیں اور اس جگہ بیٹھیں۔

اعتکاف کے آداب

معتکف اچھی بات کے سوا اور کوئی بات نہ کرے' رمضان کے دس دن اعتکاف کرے' سب سے افضل مسجد میں اعتکاف کرے' مثلاً مسجد حرام' مسجد نبوی اور جامع مسجد' قرآن اور حدیث کی تلاوت اور فقہ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول رہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور حکایات صالحین کے پڑھنے میں منہمک رہے' اللہ عزوجل کا ذکر کرے' استغفار

کرے درود شریف پڑھے' زندگی کی قضا نمازیں اور نوافل پڑھے' جن باتوں میں گناہ نہ ہو ان باتوں کے کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اعتکاف کرنے والا خود کو دنیا کے مشاغل سے الگ کر کے بالکلیہ عبادت الٰہی کے سپرد کر دیتا ہے اور اعتکاف کے ایام میں بندہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے' جو اللہ کی بالکل معصیت نہیں کرتے' اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور دن رات اس کی تسبیح کرنے میں مشغول رہتے ہیں' نمازی نماز پڑھ کر مسجد سے چلے جاتے ہیں لیکن معتکف اللہ کے گھر کو نہیں چھوڑتا اور وہیں دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے' سو اس کے لیے اللہ کی عطا اور نوال زیادہ متوقع ہے۔

اعتکاف کے مفسدات

بلا عذر شرعی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے' بول و براز کے لیے جانا اور جمعہ پڑھنے کے لیے جانا عذر شرعی ہیں' وضو کے لیے جانا بھی عذر شرعی ہے' کھانے' پینے اور سونے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے' جان اور مال کو بچانے کے لیے مسجد سے جانا جائز ہے' مریض کی عیادت کے لیے نہ جائے' نماز جنازہ پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا' مسجد سے سر باہر نکالنا تا کہ اس کے گھر والے سر دھو دیں جائز ہے' (ٹھنڈک حاصل کرنے یا صفائی حاصل کرنے کے لیے مسجد سے غسل کرنے کے لیے جانا جائز نہیں ہے' البتہ غسل جنابت کے لیے جانا جائز ہے) جماع کرنا' بوسہ دینا' لمس اور معانقہ کرنا یہ تمام امور ناجائز ہیں اور اعتکاف کے لیے مفسد ہیں' بے ہوش ہونے یا جنون سے بھی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

اعتکاف کے بعض ضرور مسائل

اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہنا منع ہے لیکن زبان کے گناہوں سے بچنے کے لیے خاموش رہنا عظیم عبادت ہے' جو چیز اعتکاف میں اعتکاف کی وجہ سے منع ہے مثلاً جماع اور مسجد سے نکلنا اس میں عمد اور نسیان میں فرق نہیں ہے اور جو چیز اعتکاف میں روزے کی وجہ سے منع ہے' مثلاً کھانا پینا ان میں عمداً ارتکاب کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو گا اور نسیاناً نہیں' اعتکاف میں خوشبو لگا سکتا ہے اور سر میں تیل ڈال سکتا ہے' اگر اعتکاف واجب فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے' جب اعتکاف کی نذر مانے تو اس کو زبان سے کہنا ضروری ہے' اگر مثلاً تین دن یا دو دن اعتکاف کی نذر مانے تو اس میں راتیں شامل ہیں اور اگر مثلاً تین یا دو رات اعتکاف کی نذر مانی تو اس میں دن شامل ہیں اور اگر صرف دن یا صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تو یہ بھی جائز ہے' اور اگر ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تو اس میں رات شامل نہیں ہے' فرض روزہ بلا عذر توڑنے میں قضا اور کفارہ واجب ہے اور نفل روزہ عمداً توڑنے میں صرف قضا واجب ہے۔ رمضان' کفارۂ قتل' کفارۂ ظہار' کفارۂ قسم' کفارۂ افطار رمضان اور نذر کے روزوں کو مسلسل رکھنا واجب ہے۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۲۱۴۔ ۲۱۱' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہر چند کہ نفل ہے لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے' اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر پورے دس دن کی قضا لازم ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس پر صرف اسی دن کی قضا لازم ہے' اس کے برعکس نفل میں اگر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ کر باہر نکل گیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ اس کے باہر نکلنے سے وہ اعتکاف ختم ہو گیا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

چونکہ آخری عشرہ کا اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے' اس لیے ہم نے لکھا ہے کہ اس پر واجب کے احکام لاگو ہوں گے۔

برطانیہ اور ہالینڈ وغیرہ میں لیز پر جگہ حاصل کر کے مساجد بنائی جاتی ہیں' وہ شرعاً مساجد نہیں ہیں کیونکہ ان پر گورنمنٹ کی

ملکیت ہوتی ہے' ان میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ہوگا اور نہ ان میں اعتکاف صحیح ہوگا' شرعاً مسجد اس وقت ہوگی جب کسی زمین کو اپنی صحیح ملکیت میں لے کر مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے' اسی طرح ان ممالک میں بعض مسلمان حکومت سے بیروزگاری الاؤنس لیتے ہیں اور ان کو ایک مقررہ تاریخ پر جا کر سائن کر کے الاؤنس لینا ہوتا ہے' بعض دفعہ اعتکاف کے دوران وہ تاریخ آجاتی ہے اور وہ سائن کرنے چلے جاتے ہیں' اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا' لیکن ان پر صرف اس ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ' اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں کو دو

ع ۲۳ ۷ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ ○

مال حرام کھانے کی حرمت

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ کھائے' جوا' سود' دھوکے سے لیا ہوا مال' غصب شدہ مال' کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری' اجرت یا کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا' یا وہ مال جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے' مثلاً فاحشہ کی اجرت' اور شراب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا ناجائز ہے۔

مال حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

"ظہیریہ" میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ثواب کی نیت سے فقیر کو مال حرام سے کچھ دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو معلوم تھا اور اس نے دینے والے کے لیے دعا کی اور اس نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے' میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ فقیر کو دینے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر اس نے ثواب کی نیت سے مسجد بنائی اور کوئی مالی عبادت کی تو وہ کافر ہو جائے گا' البتہ اس مسئلہ میں یہ قید ہے کہ اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو جیسے چوری اور ڈاکے کا مال' سحر کی کمائی' سود اور جوا' خمر' مردار اور خنزیر کی قیمت' زنا کی اجرت' یا غصب کیا ہوا مال وغیرہ' کیونکہ ان کے صدقہ پر ثواب کی امید رکھنا ان کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے اور حرام قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے' العیاذ باللہ! (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

گانے بجانے کی حرمت ظنی ہے' ڈاڑھی مونڈنے کی اجرت' فوٹوگرافی کی اجرت' سینما کی آمدنی' اداکاروں کی آمدنی' رقص کی اجرت' فلم کی وڈیو کیسٹ کے کاروبار کی آمدنی' جان داروں کی تصویریں بنانے والے پینٹرز کی آمدنی' کاہن اور نجومی کی آمدنی وغیرہ ان سب کی آمدنی حرام ظنی ہے' اگر اس مال سے صدقہ کیا جائے اور ثواب کی امید رکھی جائے تو یہ کفر نہیں ہے لیکن سخت حرام' شدید گناہ کبیرہ اور گمراہی ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس رشوت' چوری' سود' غصب یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا ہوا کسی کا مال ہے اور اب وہ خوف خدا سے اس مال کے وبال سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ مال اس شخص کو واپس کر دے' اگر وہ شخص فوت ہو چکا ہو تو اس

کے وارثوں کو وہ مال واپس کر دے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو یہ بتائے کہ میں نے تم سے یا تمہارے مورث سے یہ مال ناجائز طور پر لیا تھا' اور اگر وہ شخص یا اس کے وارثوں میں سے کسی کا پتا نہ چلے تو اس مال کو اس شخص کی طرف سے صدقہ کر دے اور اپنی اور اس کی مغفرت کی دعا کرے' اور اگر اس نے حکومت کے مال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا تھا تو وہ مال حکومت کے کسی فنڈ میں داخل کر دے یا سرکاری ریل یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر ان کو استعمال نہ کرے اور اگر اس کے پاس کسب حرام کا مال ہے' مثلاً سینما کی آمدنی یا رقص اور موسیقی کی آمدنی تو اس تمام مال کو اپنے ذمہ سے بری اور ساقط کرنے کی نیت سے کسی غریب کو خیرات کر دے' اس میں صدقہ کے ثواب کی نیت نہ کرے' بلکہ یہ نیت کرے کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش اور ذمہ سے عہدہ برآ ہو رہا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی فنی مجبوری سے غیر اسلامی ملک میں سود لیا' مثلاً اس نے غیر اسلامی ملک کے بینک میں پیسہ رکھا اور اب اپنے اکاؤنٹ کو اپنے ملک میں ٹرانسفر کراتا ہے اور اس میں سود کی رقم بھی فنی وجہ سے آ گئی تو اس رقم سے نجات کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی' دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اتنی رقم کسی کار خیر میں صرف کر دے اور پھر اس سود کی رقم سے اس غیر مسلم کا قرض ادا کر دے' لیکن عام حالات میں جان بوجھ کر سود لینا اور پھر کسی غریب کو وہ سود کھلانا جائز نہیں ہے' حدیث میں ہے: سود کھانے والے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

رشوت کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی رشوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کوئی شخص حاکم یا کسی اور کو کچھ چیز دے تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: کچھ پیسے دے کر اپنی حاجت پوری کرانا یہ رشوت ہے۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ رشوت اصل میں رشاء سے ماخوذ ہے اور رشاء اصل میں ڈول کی اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور راشی وہ شخص ہے جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کراتا ہے' اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے اور ائمہ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۵۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تا کہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھاؤ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے) ○

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (المائدہ: ۴۲)

بہت حرام خور (رشوت کھانے والے)۔

احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ''سحت'' کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: رشوت، پھر سوال کیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کفر ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے' اور حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ رشوت نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص بیان کرتے ہیں:

روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطیات دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو' پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے کچھ سامان چھینا گیا۔ انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیئے' پھر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر کو دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے بایں طور کہ تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

رشوت کی اقسام

علامہ قاضی خاں اوزجندی لکھتے ہیں: جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاء کو حاصل کرے تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی' رشوت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا' اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے' یہ رشوت جانبین سے حرام ہے' خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو' کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے' کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔ سعیدی غفرلہ)۔

(۳) اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا' یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے' اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(۴) کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۳۶۳۔ ۳۶۲ 'مطبوعہ مطبع امیریہ بولاق' مصر ۱۳۱۰ھ)

رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خاں کے حوالے سے علامہ ابن ہمام[1] علامہ بدر الدین عینی[2] علامہ زین الدین ابن نجیم[3] اور علامہ ابن عابدین شامی نے بھی بیان کی ہیں۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۲۔ ۲۲۱ 'مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص نے بھی رشوت کی یہ چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں کہ قاضی ہدیہ اور تحفہ کو قبول نہ کرے' ہر چند کہ شریعت میں ہدیہ قبول کرنا مستحب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو' لیکن ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متعین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا' جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ یہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں' خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہدیہ نہ دیتا ہو' کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور سحت کی ایک قسم ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا' جب وہ صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہمیں ہدیہ ملا ہے' یہ لوگ اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے' پھر یہ دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا' ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا: گھوڑوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیئے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے' پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اور وہ مال بیت المال میں داخل کر لیا' اس حدیث اور اثر سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی منصب کی جہت سے کوئی ہدیہ ملے تو وہ رشوت ہے' لہذا جو لوگ قاضی کو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے ان کے سوا اور کسی شخص سے قاضی کو ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۱۶ ص ۸۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں؟

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مؤقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس ساعت کے اعتبار سے میں (بالفرض) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں' سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

[2] علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۳۱۹ 'مطبوعہ ملک سنز' فیصل آباد

[3] علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۱ 'مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: صحابہ کرام، فقہاء تابعین، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام کرتا ہے، لہٰذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مال کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مال کا فیصلہ کر دے تو مدعی کے لیے اس مال کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر مقتول کے ولی کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لیے ملزم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عورت تو حلال ہو جاتی ہے مال حلال نہیں ہوتا، لہٰذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے، اسی طرح ان کا یہ قول خود ان کے اور جمہور کے اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ عورت سے وطی کے معاملہ میں نکاح کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۵۔ ۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان، مال اور عورت اگر حرام ہو تو وہ قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے حکم سے عورت حلال ہو جاتی ہے، پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر لے دے کی گئی کہ انہوں نے مال کی حفاظت کی اور عورت کی حفاظت نہیں کی، حالانکہ عورت کی حفاظت مقدم ہے، ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی نے اس سلسلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جھوٹے گواہوں سے ظاہراً اور باطناً قضاء نافذ ہو جاتی ہے، بشرطیکہ محل اس حکم کا قابل ہو (یعنی محارم میں سے کسی پر دعویٰ نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، یہ قضا عقود (مثلاً بیع اور نکاح) اور فسوخ (مثلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت علی نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہراً قضاء نافذ ہوتی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۴ ص ۳۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام محمد کا قول بھی امام ابوحنیفہ کی طرح ہے، نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ "قہستانی" اور "البحر الرائق" میں حقائق اور ابواللیث سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، لیکن "فتح القدیر" میں ہے کہ امام اعظم کا قول ہی معتبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۳۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتی ہے

علامہ شامی نے جھوٹی گواہی کی بناء پر عقود اور فسوخ میں قاضی کے حکم کی حسب ذیل مثالیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک باندی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس باندی کو اتنے روپوں میں خریدا ہے، اس شخص نے اس دعویٰ کا

انکار کیا' قاضی نے اس کو قسم کھانے کا حکم دیا' اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس انکار کی بناء پر اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اب وہ باندی اس شخص پر دیانۃً اور قضاءً دونوں طرح حلال ہے۔

(۲) ایک شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے' قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳) ایک عورت نے کسی شخص پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا اور عورت کا اس کو وطی کا موقع دینا جائز ہے۔

(۴) ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں' شوہر منکر ہے' عورت نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کے پیش نظر ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا اور عدت گزر جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا تو اس دوسرے شخص کو اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے خواہ اس کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو اور گواہوں میں سے کوئی ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اور وطی بھی کر سکتا ہے' اور پہلا شوہر اب وطی نہیں کر سکتا نہ عورت اس کو وطی کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔

(۵) ایک باندی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور مالک منکر ہو' باندی اس پر دو گواہ پیش کر دے اور قاضی اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ باندی کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا اس باندی سے وطی کرنا اور باندی کا اس کو وطی کا موقع فراہم کرنا جائز ہے خواہ اس شخص کو علم ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔

(۶) ایک شخص نے کسی مکان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس مالک نے اس کو وقف کر دیا تھا' مالک منکر ہے' اس شخص نے اس وقف پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو مدعی کا اس جگہ پر وقف کے احکام لاگو کرنا صحیح ہے۔

(۷) کسی شئے کو کرایہ پر حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مدعی کے لیے اس شے میں تصرف کرنا جائز ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۳۶۳۔ ۳۶۲' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے کی شرائط

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

(۱) قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔

(۲) مدعی نے ملک مطلق کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ملکیت کا سبب بھی بیان کیا ہو' قرض کا بھی یہی حکم ہے' اگر کسی شخص پر مطلقاً قرض کا دعویٰ کیا تو باطناً قضا نافذ نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ بتائے کہ اس پر فلاں سبب سے قرض ہے' کسی شخص پر وراثت کے دعویٰ کرنے کا بھی یہی حکم ہے' اس میں بھی باطناً قضا نافذ نہیں ہوگی۔

(۳) مدعی نے جس چیز پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دعویٰ کا محل بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو' اگر اس میں اس کے دعویٰ کی صلاحیت نہیں ہے تو اس میں باطناً قضا نافذ نہیں ہوگی' مثلاً منکوحہ غیر یا معتدہ غیر کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے تو اس میں ظاہراً قضاء نافذ ہوگی نہ باطناً' مرتدہ اور دیگر محارم کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) مدعی کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جس میں انشاء ممکن ہو' انشاء سے مراد ان کلمات کو بولنا ہے جن سے کسی چیز کو واقع کیا

جائے' مثلاً ''میں نے یہ چیز خریدی'' کہہ کر بیع کو واقع کیا جیسے عقد بیع' فسخ بیع' نکاح اور طلاق اور جس چیز میں انشاء ممکن نہ ہو اس میں باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی جیسے وراثت' کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دے۔

(۵) قاضی یہ فیصلہ منکر کی قسم پر نہ کرے' اگر قاضی نے منکر کی قسم پر فیصلہ کر دیا تو یہ قضا باطناً نافذ نہیں ہوگی' مثلاً ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں' اس کے پاس گواہ نہیں ہیں' قاضی نے شوہر سے قسم طلب کی' شوہر نے جھوٹی قسم کھالی تو اگر عورت کو یہ علم ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس عورت کے لیے اس کو وطی کا موقع دینا جائز نہیں ہے اور مرد کے لیے بھی اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس صورت میں انشاء نکاح نہیں ہے بلکہ جو نکاح پہلے سے قائم تھا قاضی نے اس کے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اس وجہ سے یہاں باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی' خلاصہ یہ ہے کہ باطناً قضاء اس وقت نافذ ہوتی ہے جب وہ قضاء گواہی کی بناء پر ہو یا انکار قسم کی بناء پر ہو اور وہ فیصلہ کسی عقد یا فسخ کے انشاء پر مبنی ہو اور محل انشاء بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۶) جن گواہوں کی بنیاد پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے وہ مسلمان' آزاد اور عادل ہوں اگر وہ گواہ کافر' غلام یا محدود فی القذف ہوئے تو باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۴۶۳۔ ۴۶۲' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ

شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقود و فسوخ' نکاح' طلاق اور عتاق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے' پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ امام ابو یوسف کے دوسرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان صورتوں میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نافذ نہیں ہوتا' حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے' امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا' البتہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے' امام محمد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۸)

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ' اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حکام تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ (ناجائز طریقہ پر) کھاؤ' حالانکہ تم جانتے ہو ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حاکم کے فیصلہ سے مال غیر کے ناجائز طریقہ سے کھانے کو حرام کر دیا ہے' لہٰذا یہ اس پر نص صریح ہے کہ اگر قاضی نے جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو اس چیز کا لینا ناجائز ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے پیش کرے' پس اگر میں (ظاہری حجت کی بناء پر) کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں (درحقیقت) اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں' وہ چاہے

اس کو لے یا چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بناء ایک سبب باطل پر ہے اس لیے یہ فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوگا' جس طرح قاضی' غلام' کافر یا محدود فی القذف کی گواہی پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوتا' اور اس فیصلہ کی بناء جھوٹی گواہی پر ہے اور یہ ایک باطل سبب ہے کیونکہ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اور قضا کی حجت ایک امر شرعی ہے اور گناہ کبیرہ اس کی ضد ہے اور جب جھوٹ کی تہمت کی وجہ سے گواہی مقبول نہیں ہوتی اور وہ گواہی فیصلے کی حجت نہیں بن سکتی تو حقیقتاً جھوٹی گواہی بدرجہ اولیٰ نامعتبر ہوگی' نیز قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے اس کا واقع میں کوئی وجود نہیں ہے' لہٰذا یہ قضا باطل ہوگی جیسا کہ اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی کے لیے منکوحہ غیر کا فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ باطل ہوتا ہے' نیز اس فیصلہ کو انشاء عقد قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے' کیونکہ قاضی انشاء عقد کا قصد نہیں کرتا' بلکہ مدعی نے جس عقد کا دعویٰ کیا تھا قاضی اس کو ثابت کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا' اس عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے' کیونکہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا۔ دیکھئے اس عورت نے زنا سے بچنے کے لیے عقد نکاح کا مطالبہ کیا' لیکن حضرت علی نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا' ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خاوند راضی نہیں تھا لیکن یہ غلط خیال ہے کیونکہ اس کا خاوند نکاح پر راضی تھا' اسی وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا اور عورت بھی راضی تھی' کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے اور حضرت علی کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا کیونکہ خاوند کو اس میں رغبت تھی' اس کے باوجود حضرت علی نے یہ نکاح نہیں کیا' بلکہ یہ بیان فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا' اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا' لہٰذا اس فیصلہ سے نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی کا یہ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے' کیونکہ اس حکم کو عقل اور قیاس سے جاننا ممکن نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیت (ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ) اور حدیث "اگر میں (ظاہری حجت) کی بناء پر کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں' املاک مرسلہ (سبب ملکیت بتائے بغیر کسی چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرنا) کے بارے میں وارد ہے اور امام ابوحنیفہ اس کے قائل ہیں اور اس کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن معاملات میں قاضی کو انشاء کی ولایت دی ہے' قاضی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاملات میں فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ حقیقتاً نافذ ہوگا' کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو فیصلہ کرنے کا حکم دے' پھر اس فیصلہ کے نفاذ کو روک دے۔ قاضی اس بات کا مکلف تھا کہ علی الاعلان اور خفیہ طریقہ سے گواہوں کی عدالت کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جب اس نے تزکیہ شہود کر لیا اور اس کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو گئی تو اس گواہی کے مطابق اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے' حتیٰ کہ اگر اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے گا' اس لیے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ قاضی فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور حقیقت میں کسی گواہ کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جس چیز کی حقیقت کو جاننے کا کوئی شرعی طریقہ نہ ہو قاضی اس کے جاننے کا شرعاً مکلف بھی نہیں ہے' کیونکہ انسان کو اس کی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے مکلف کیا جاتا ہے اور

قاضی کی وسعت میں صرف اتنا ہی تھا کہ وہ گواہوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے اور جب اس نے اچھی طرح تزکیہ شہود کر لیا تو وہ اپنے عہدہ سے بری الذمہ ہوگیا اور اس پر لازم ہو گیا کہ وہ گواہوں کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر دے اور قاضی کے فیصلہ پر ظاہراً اور باطناً عمل کرنا واجب ہے ورنہ قاضی کو قضاء پر مامور کرنا عبث ہوگا' اور اس صورت میں قضاء کے دو طریقے تھے: ایک نکاح کا اظہار کرنا' دوسرا عقدِ نکاح کر دینا' اور جب ان کے درمیان عقد نکاح نہیں تھا تو اس فیصلہ سے نکاح کا اظہار کرنا متعذر ہے' اس لیے اب انشاء نکاح متعین ہو گیا' کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے' لہٰذا دلیل شرعی کی اس نوع سے قاضی کے لیے ولایت انشاء ثابت ہوگی اور جس طرح اور نزاعی معاملات میں قاضی کی ولایت انشاء سے فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے اس صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا بلکہ یہاں زیادہ اولیٰ ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جب شوہر اور بیوی آپس میں لعان کرتے ہیں تو قاضی کو انشاء تفریق کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی اختیار سے زوجین کے درمیان تفریق کر دیتا ہے' اسی طرح قاضی ولایت انشاء تزویج سے نابالغ بچہ اور نابالغ بچی کا نکاح کر دیتا ہے' لہٰذا اس صورت میں بھی اس کو ولایت انعقاد عقد نکاح حاصل ہے تاکہ وہ عورت کو زنا سے محفوظ رکھ سکے اور قاضی کا یہ فیصلہ عورت کو زنا کا موقع دینے سے بچاتا ہے۔ جب دو فریق لعان کرتے ہیں تو ایک فریق یقیناً کاذب ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور باوجود اس حقیقت کے کہ ان میں سے کوئی ایک کاذب ہے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قاضی کو ولایت انشاء تفریق حاصل ہوتی ہے اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے' اسی طرح یہاں بھی گواہوں کے جھوٹے ہونے کے باوجود قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ شرعاً قضاء کرنے پر مامور ہے۔ (المبسوط ج ۱۶ ص ۱۸۳۔ ۱۸۰ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: حضرت علی' حضرت ابن عمر' اور امام شعبی کا بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی طرح موقف ہے' امام ابو یوسف نے عمرو بن مقدام سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا' جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی' اس عورت نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا' اس شخص نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے اور حضرت علی کی عدالت میں اس پر دو گواہ پیش کر دیئے۔ اس عورت نے کہا: میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا' حضرت علی نے فرمایا: ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا' امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شعبہ بن حجاج' زید سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے' قاضی نے ان کے درمیان تفریق کر دی' پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا' شعبی نے کہا: یہ جائز ہے اور حضرت ابن عمر نے ایک غلام کو عیب سے مبرا قرار دے کر فروخت کر دیا' خریدار اس غلام کو حضرت عثمان کی عدالت میں لے گیا' حضرت عثمان نے حضرت ابن عمر سے کہا: کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیماری کو نہیں چھپایا تھا' حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا' حضرت عثمان نے وہ غلام ان کو واپس کر دیا اور بعد میں حضرت ابن عمر نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا' اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطن میں ایسا نہیں ہے اور باطن کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہو کر غلام کو فروخت کیا تھا' اس وجہ سے باطن میں اس غلام کو واپس کرنا صحیح نہیں تھا) اگر حضرت عثمان کو بھی حضرت ابن عمر کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم عقد کو فسخ کر دے تو وہ بائع کی ملک میں آ جاتا ہے' اگرچہ باطن میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

امام ابوحنیفہ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا' پھر فرمایا: اگر اس عورت کے ہاں اس طرح کا بچہ ہوا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر دوسری شکل وصورت کا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا ہوگا جس کے ساتھ ہلال بن امیہ کی بیوی کو متہم کیا گیا تھا' پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صورت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ان کے درمیان لعان نہ ہو چکا ہوتا تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا! ہلال بن امیہ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہو گیا' اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریق کو باطل نہیں کیا جو لعان کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو فسخ کر دے تو وہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے اس قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہری حال صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کرنے میں توقف کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تارک اور گنہ گار ہوگا کیونکہ اس کو ظاہر کا مکلف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطن کا مکلف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا غیب ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ بابرتی حنفی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو چیز پہلے ثابت ہو اس کا اظہار قضاء ہوتا ہے اور جو چیز پہلے نہ ہو اس کا اثبات قضاء نہیں ہوتا اور نکاح پہلے ثابت نہیں تھا تو پھر کس طرح قضاء باطناً نافذ ہو گی' اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح بہ طریقہ اقتضاء مقدم ہے گویا کہ قاضی نے اس عورت سے کہا: میں نے اس شخص سے تیرا نکاح کر دیا اور تم دونوں کے درمیان نکاح کا حکم کر دیا تاکہ ان کے درمیان نزاع نہ رہے اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ وطی کر سکے۔

بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نزاع ختم کرنے کے لیے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ قاضی اس شخص سے کہتا کہ تم اس عورت کو طلاق دے دو' اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق سے کیا مراد ہے' طلاق مشروع یا طلاق غیر مشروع؟ طلاق غیر مشروع کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے اور طلاق مشروع اس کی متقضی ہے کہ اس سے پہلے نکاح ثابت ہونا چاہیے' لہٰذا ہر حال میں نکاح کا قول کرنا پڑے گا۔ (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۴' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ

لوگ آپ سے ہلال (پہلی تاریخ کے چاند) کے متعلق دریافت کرتے ہیں' آپ کہیے: یہ لوگوں کے (دینی اور دنیاوی کاموں) اور حج

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

کے اوقات کی نشانیاں ہیں' اور یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے داخل ہو' لیکن (حقیقت میں) نیکی اس شخص

مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو' اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ۱۸۹ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

کامیابی حاصل کرو O اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے

وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

تجاوز نہ کرو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاO

اسلامی تقویم کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزوں کے مہینہ اور روزوں کے دن اور رات کے احکام بیان فرمائے' اسلام کے بہت سے احکام ہلال کے طلوع پر موقوف ہیں مثلاً قربانی اور حج' عید الفطر اور رمضان' عدت وفات کی گنتی ۴ ماہ ۱۰ دن اور جس کے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ایک سال کا تعین' ایلاء کے لیے ۴ ماہ کا تعین' کفارہ کے روزوں کے لیے ۲ ماہ کا تعین' ان تمام امور میں مدت کا تعین ہلال کے طلوع سے ہوتا ہے' یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام ہیں مثلاً ۴ ماہ بعد کسی نے قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو تو وہ چاند پر موقوف ہے۔ لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے' بڑھنے کی کیفیت اور اس کی ماہیت کے متعلق سوال کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ چاند کبھی ایک باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے' کبھی سوئی لکیر کی طرح' کبھی آدھا اور کبھی پورا چاند نظر آتا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اس میں تمہارے دین اور دنیا کے کاموں اور خصوصاً حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں اور اس جواب سے اس امر پر متنبہ کیا کہ چاند کے گھٹنے' بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہیے' باقی رہا چاند کا کبھی آدھا اور کبھی پورا نظر آنا' تو اس کا تعلق علم ہیئت' علم نجوم اور علم الافلاک سے ہے اور نبی کا منصب احکام شرعیہ بیان کرنا ہے' علم توقیت کے احکام بیان کرنا نبی کا منصب نہیں ہے۔

تاہم اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ قمری تقویم اسلامی ہے اور شمسی تقویم غیر اسلامی ہے۔ چاند اور سورج دونوں اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور دونوں کی گردش بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے' بعض عبادات چاند کی گردش کے حساب سے ہیں' جیسے حج' رمضان اور عیدین اور بعض عبادات سورج کی گردش کے حساب سے مربوط ہیں' جیسے ہر روز کی پانچ نمازیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ (بنواسرائیل: ۱۲)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے' پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹایا اور دن کی نشانی کو دیکھنے کا ذریعہ بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کے فضل کو (روزی کو) حاصل کر سکو اور تم برسوں کی گنتی اور (دوسرے) حساب کو جان سکو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شمسی تقویم کو بھی برسوں کی گنتی اور حساب کا معیار قرار دیا ہے' اس لیے اگر ہفتہ وار اجرت اور ماہانہ تنخواہ کا حساب شمسی تقویم سے کیا جائے تو وہ بھی اسلام کے مطابق ہے' اسی طرح بیع وشراء اور دوسرے کاروباری معاملات کو شمسی تقویم سے حاصل کرنا جائز ہے اور غیر اسلامی نہیں ہے۔

اپنی طرف سے عبادت کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت

جس طرح چاند کے گھٹنے' بڑھنے کی علت کو دریافت کرنا کوئی نیکی نہیں تھی' اسی طرح حج کے موقع پر گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا بھی کوئی نیکی نہیں ہے' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار جب حج کر کے لوٹتے تو گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے

تھے بلکہ پیچھے سے داخل ہوتے تھے ایک انصاری حج کے بعد گھر میں دروازہ سے داخل ہوا تو لوگوں نے اس کو ملامت کی' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ گھروں میں پیچھے سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے' حقیقت میں نیکی خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عقل سے عبادت کے طور طریقے وضع کرنا جائز نہیں ہے' لوگ اپنی عقل سے عبادت کے طریقے وضع کر لیتے ہیں' پھر اس کی تائید میں دلائل شرعیہ تلاش کرتے ہیں اور جو ان کے بنائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت نہ کریں ان کو لعنت ملامت کرتے ہیں' اسی کا نام احداث فی الدین اور بدعت سیئہ ہے' عبادت صرف اسی طریقہ سے کرنی چاہیے جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی ہے اور جس طرح آپ نے ہدایت دی ہے اور جماعت صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں' اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ (البقرہ: ۱۹۰)

اجازت جہاد کی پہلی آیت کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کا ذکر فرمایا تھا' اور اب جہاد کا ذکر فرما رہا ہے' روزہ اور جہاد میں ایک گونہ مناسبت ہے' کیونکہ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے' نیز حدیث میں ہے: میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد ہے' اور اصل اور اہم عبادات میں سے بعض کی ادائیگی کے لیے اوقات مخصوص مقرر ہیں جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اور بعض امہات عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے جیسے جہاد اور ذکر' تو پہلے عبادات موقتہ کا ذکر فرمایا' اب عبادات غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا اور یہ پابندی لگائی کہ جو تم سے جنگ کریں ان سے جنگ کرو اور جو تم سے جنگ نہ کریں ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ' پھر اس کے بعد سورۂ توبہ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جو مدینہ میں قتال کے متعلق نازل ہوئی' جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کے خلاف جہاد کرتے جو آپ پر حملہ آور ہوتے اور جو آپ پر حملہ نہ کرتے آپ بھی ان سے جنگ نہ کرتے' حتیٰ کہ سورۂ توبہ نازل ہو گئی۔

ابن زید نے کہا: سورۂ بقرہ کی اس آیت کو سورۂ توبہ کی حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو' اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔ (التوبہ: ۵)

ان علماء کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: حد سے تجاوز نہ کرو' اس کا معنی یہ ہے کہ جو تم سے نہ لڑیں ان سے نہ لڑو اور سورۂ توبہ کے نازل ہونے کے بعد یہ پابندی منسوخ ہو گئی' اس کے برعکس دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہوئی اور حد سے تجاوز کرنے سے جو منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔

قتال اور جہاد میں بچوں' بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حد سے تجاوز نہ کرو' کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس کو قتل کرو جو ہتھیار ڈال دے' اگر تم نے ان کو قتل کیا تو تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو گے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۱۔ ۱۱۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ خوف خدا کی وصیت کرتے اور فرماتے: بسم اللہ پڑھ کر جہاد کرو' اور جو اللہ کا کفر کرے اس سے قتال کرو اور خیانت نہ کرنا' عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا (کسی کے اعضاء نہ کاٹنا) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ الحدیث

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام مالک' یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کی قیادت میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تو ان کو یہ وصیت کی: عنقریب تم راہبوں سے ملو گے' جنہوں نے اپنے زعم میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے ان کو چھوڑ دینا' اور عنقریب تم مجوسیوں سے ملو گے جو سر کے درمیان سے بال کاٹتے ہیں ان کو قتل کر دینا' اور میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں: کسی عورت کو قتل نہ کرنا' نہ کسی بچے کو' نہ کسی بوڑھے کو اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا اور نہ کسی بکری یا اونٹ کی کونچیں کاٹنا اور نہ کسی کھجور کے درخت کو جلانا' نہ کسی آبادی کو ویران کرنا اور نہ کسی کو غرق کرنا اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرنا اور نہ بزدلی کرنا۔ (موطا امام مالک ص ۴۶۶ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

ہجرت سے پہلے قتال کی ممانعت

اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت سے پہلے کفار سے قتال کرنا ممنوع تھا' اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ○ (المومنون: ۹۶)	برائی کو اچھائی سے دفع کیجئے' آپ کے متعلق جو یہ باتیں بناتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں ○
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ (المائدہ: ۱۳)	آپ ان مشرکین کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔
وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ○ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ○ (المزمل: ۱۱)	اور کافر جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیجئے ○ اور جھٹلانے والے مال داروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے' اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیجئے ○
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (النحل: ۸۲)	سو اگر یہ اعراض کریں' تو آپ کا کام تو صرف صاف صاف احکام پہنچا دینا ہے ○
فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ○ (الغاشیہ: ۲۲۔ ۲۱)	سو آپ نصیحت کیجئے' آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں ○ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں ○
وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ (ق: ۴۵)	اور آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

ان آیات میں کفار کی ایذا رسانیوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ پہلی آیت جس میں ان کے حملوں کے جواب میں حملہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ سورۂ بقرہ کی زیر بحث آیت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: سب سے پہلے جس آیت میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ آیت ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا۔ جن (مسلمانوں) سے ناحق قتال کیا جاتا ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ (الحج: ۳۹)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت حقیقۃً پہلی ہو اور سورۂ حج کی یہ آیت اضافۃً پہلی ہو۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ

اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ' اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں

اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

نکالا ہے' اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے' اور مسجد حرام کے پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ

ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو' جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں' اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو'

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اسی طرح کافروں کی سزا ہے ○ پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ

بڑا مہربان ہے ○ اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے' اور اللہ ہی کا دین

لِلّٰهِ ۗ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

رہ جائے' پھر اگر وہ (شرک سے) باز آ جائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے ○

خلاصہ آیات

اور جب تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان جنگ اپنے پنجے گاڑ دے تو پھر تم ان کو جہاں اور جس جگہ پاؤ قتل کر دو' خواہ سرزمین حرم ہو اور ان کو مکہ سے نکال باہر کرو' جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا تھا' یہ ایمان نہیں لاتے اور الٹا تم کو کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں حالانکہ شرک اور ارتداد کا فساد قتل اور خوں ریزی کے فساد سے زیادہ بڑا ہے' نیز یہ تم کو سرزمین حرم میں قتال کرنے پر ملامت کرتے ہیں' حالانکہ شرک اور کفر کا فساد حرم میں قتال کرنے سے زیادہ بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مسجد حرام کے پاس ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک کہ یہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں۔ (البقرہ: ۱۹۱)

حرم میں ابتداءً قتال کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا اور کفار سے مدافعانہ جنگ کا جائز ہونا

اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشرکین سے حرم میں ابتداءً جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی' بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جب تک مشرکین مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کریں ان سے جنگ نہ کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ . (التوبہ: ۵)

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

مجاہد اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور مکہ مکرمہ میں ابتداءً کسی سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے' ہاں! اگر کافر اور مشرک مسلمانوں پر حرم میں حملہ کریں تو ان کے خلاف مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے۔ (امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ) اور یہی صحیح قول ہے' امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' سو جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ اس کے کسی درخت کو کاٹے' اگر کوئی شخص مکہ میں قتال کے جواز پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتال سے استدلال کرے تو اس سے کہو: اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی' اور میرے لیے دن کی ایک ساعت میں اجازت دی گئی تھی' پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح اس کی کل حرمت تھی اور جو شخص (یہاں) حاضر ہے وہ غائب کو (یہ حدیث) پہنچا دے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیے گئے' جب آپ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ جانے سے منع کر دیا' آپ ایک ماہ تک حدیبیہ میں ٹھہرے اور مشرکین سے اس بات پر صلح ہوئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور اگلے سال تین دن آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے' اور اس بات پر صلح ہوئی کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی' پھر آپ مدینہ لوٹ گئے اور جب آپ اگلے سال ۷ ہجری میں اس عمرہ کو ادا کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں کو کفار کی عہد شکنی کا خطرہ ہوا' اور وہ حرمت والے مہینہ میں حرم میں جنگ کرنے کو برا جانتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کفار تم سے حرم میں جنگ کریں تو تمہارے لیے بھی حرم میں جنگ کرنا جائز ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے' اور اللہ ہی کا دین رہ جائے' پھر اگر وہ (شرک سے) باز آ جائیں تو صرف ظالموں کو ہی سزا دی جائے ○ (البقرہ: ۱۹۳)

اللہ کے دین کا مطلب ہے: اللہ کی اطاعت' یعنی انسان دین اور دنیا کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں' اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق عبادت کریں' اس کے آگے سر جھکائیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کریں اور اپنی انفرادی' عائلی' اجتماعی' نجی' تمدنی اور کاروباری زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے دیئے ہوئے نظام پر عمل کریں' اس کے برعکس اسلام کے علاوہ تمام ادیان اور مذاہب میں لوگ خود ساختہ طریقوں سے عبادت کرتے ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: انسانوں کو انسانوں کی بندگی کرنے سے آزاد کراؤ اور سب انسانوں کو اللہ کی اطاعت میں داخل کر دو اور جو شخص بھی اس مہم میں مزاحمت کرے اس کے خلاف قتال اور جہاد کرو حتیٰ کہ ساری دنیا کے انسان اللہ کے مطیع ہو جائیں۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جہاد کیا جائے جو دعوت اسلام کو مسترد کر دے اور اسلامی نظام کو برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' جب وہ ایسا کریں گے تو حق اسلام کے ماسوا وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

حرمت والے مہینہ کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے' اور تمام محترم چیزوں کا بدلہ ہے' سو جو شخص

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص

تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے'

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ

اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور جان لو کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں O اور اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ

خرچ کرو' اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O

حرمت والے مہینوں کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اللہ نے اس کو زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے کے وقت بنایا تھا' سال کے بارہ مہینے ہیں' تین مہینے پے در پے حرمت والے ہیں' ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب' رجب کا مہینہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۴۵۴' ج ۲ص ۶۳۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ لوگ دور دراز سے حج کے لیے ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم میں آنے جانے کا سفر کرتے تھے اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے' اس لیے ان مہینوں کو حرمت والے مہینے کہا جاتا تھا اور ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے عرب ان مہینوں میں باہمی لڑائیوں کو موقوف کر دیتے تھے' بعض دفعہ جب ان کے نزدیک لڑائی ناگزیر ہوتی تو وہ محرم کو ایک مہینہ مؤخر کر دیتے اور صفر کے مہینہ کو محرم قرار دیتے اور محرم میں لڑائی کر لیتے اور وہ یونہی محرم کو مؤخر کرتے رہے حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تو محرم گھوم کر اپنی اصلی حالت اور اصل مہینہ میں آ چکا تھا' اسلام نے مہینوں کو مؤخر کرنا حرام کر دیا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَةٌ فِی الۡکُفۡرِ. (التوبہ: ۳۷) مہینوں کو مؤخر کرنا صرف کفر میں زیادتی ہے۔

پہلے ان مہینوں میں جہاد کرنا ممنوع تھا لیکن حسب ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی:

فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ. تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

(التوبہ: ۵)

وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّةً. (التوبہ: ۳۶) اور تم تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

بعض علماء کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداءً قتال کرنا منسوخ نہیں ہوا اور بدستور حرام ہے' البتہ مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے' لیکن صحیح رائے جمہور کی ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول بھی وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے پہنچے تو مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار عہد شکنی نہ کریں اور وہ حرم میں اور حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے کو بہت برا جانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مہینہ اور اس جگہ کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے' اگر وہ اس مہینہ اور اس جگہ میں جنگ چھیڑتے ہیں تو تم بھی مدافعانہ جنگ کرو اور انہوں نے تم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے ان سے اتنا ہی بدلہ لو' ان کا زیادتی کرنا ظلم اور مسلمانوں کا بدلہ لینا عدل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو ''اعتداء'' زیادتی فرمایا کیونکہ صورۃً دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (البقرہ: ۱۹۵)

خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر

اس آیت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں' امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی آدمی کا اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہلاکت نہیں ہے' اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی شخص کا گناہ کرنا اور پھر اس کی مغفرت سے مایوس ہو کر توبہ نہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمانوں کا اپنے اہل و عیال اور مال اور متاع کی دیکھ بھال میں مشغول رہنا اور اس شغل میں افراط کی وجہ سے جہاد کو ترک کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۹۔ ۱۱۷ ملتقطاً مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی نے چند مزید اقوال بیان کیے ہیں:

ابو القاسم بلخی نے بیان کیا کہ بلاوجہ کسی سے بغض اور عداوت رکھنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' بعض علماء نے کہا: تبلیغ اسلام کو ترک کر دینا ہلاکت ہے۔

عکرمہ نے کہا: حرام مال سے صدقہ کرنا ہلاکت ہے' ابو علی نے کہا: تمام مال کو صدقہ کرنا ہلاکت ہے' بعض علماء نے کہا: ریاکاری یا احسان جتلا کر اپنی نیکیوں کو ضائع کر دینا ہلاکت ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۲۔ ۲۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

یہ تمام اقوال اپنی جگہ درست ہیں' لیکن ان میں سب سے زیادہ معتمد اور محقق قول یہ ہے کہ جہاد کو ترک کرنا اور تبلیغ اسلام نہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے آج امت مسلمہ جو ہر طرف سے دبی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صدیوں سے جہاد اور تبلیغ اسلام کو ترک کر چکی ہے' مسلمان حکمرانوں نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی لیکن غیر مسلم ریاستوں سے جہاد نہ کیا' نہ ان کو تبلیغ اسلام کی' اگر مسلمان اس فریضہ کو ترک نہ کرتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو' سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی

مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ

سے حاصل ہو وہ بھیج دو' اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو

مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ

نہ منڈاؤ' پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ

فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ

اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے سو جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ

حج کے ساتھ عمرہ ملائے تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے اور جو قربانی نہ

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ

کر سکے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ' یہ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ

کامل دس (روزے) ہیں' یہ (حج تمتع کا) حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ)

الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴ ع ۸

کے رہنے والے نہ ہوں' اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یہ آیت ۶ ہجری میں نازل ہوئی ہے[1] ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ فرضیت حج کی تاریخ میں اختلاف ہے' ۵ ہجری' ۶ ہجری اور ۹ ہجری۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج کرایا' ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق نے اور دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرایا۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۹۳ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

حج کا لغوی اور شرعی معنی' حج کے فرائض' واجبات' سنن اور موانع ہم البقرہ: ۱۵۸ میں بیان کر چکے ہیں' اسی طرح عمرہ کے واجبات اور شرائط بھی ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔ حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) حج افراد: جس میں صرف مناسک حج ادا کیے جائیں اور اس سے پہلے عمرہ نہ کیا جائے' یہ صرف مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کے لیے ہے (۲) حج تمتع: میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ کرنے کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر حلال ہو جائے اور پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد حلال ہو جائے (۳) حج قران: میقات سے احرام باندھ لیا جائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کو برقرار رکھا جائے' پھر اسی احرام کے ساتھ حج کرے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام کھول دے۔ حج قران میں زیادہ مشقت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے' اکثر روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا تھا وہ حج قران تھا' حج قران اور حج تمتع یہ دونوں مکہ مکرمہ سے باہر کے رہنے والوں کے لیے ہیں۔

احرام میں ممنوع کام

مرد کے احرام کے لیے دو پاک صاف' نئی دھلی ہوئی چادریں ہوں' ایک چادر' تہبند کی طرح باندھ لے اور دوسری چادر اوپر اوڑھ لے' سر کھلا رکھے' اور عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے' سر اور پورا جسم ڈھانپ کر رکھے صرف چہرہ کھلا رکھے' احرام میں حسب ذیل پابندیاں ہیں:

(۱) محرم جماع کرنے سے یا اپنی بیوی سے جماع کا ذکر کرنے سے احتراز کرے گا' اپنی بیوی کو شہوت سے نہیں چھوئے گا نہ بوسہ دے گا (۲) کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرے گا (۳) کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرے گا (۴) خشکی کے جانوروں کو شکار نہیں کرے گا' نہ ان کی طرف اشارہ کرے گا' نہ ان کی طرف رہنمائی کرے گا (۵) قصداً یا بلاقصد خوشبو نہیں لگائے گا (خوشبو کا سونگھنا مکروہ ہے' خوشبودار صابن سے نہانا یا شیمپو استعمال کرنا جائز نہیں) اگر خوشبودار چیز پکی ہوئی تھی تو حرج نہیں' اگر کچی ہو اور دوسری چیز سے مخلوط ہو اور خوشبو مغلوب ہو تو جائز ہے اگر غالب ہو تو جائز نہیں' اگر بعینہٖ خوشبودار چیز کھائی تو اس پر دم ہے (۶) ناخن نہ کاٹے (۷) چہرے کو نہیں ڈھانپے گا' چہرہ کا بعض حصہ مثلاً منہ یا ٹھوڑی کو ہتھیلی سے نہیں ڈھانپے گا (۸) سر کو نہیں ڈھانپے

[1] علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۵ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

گا (۹) ڈاڑھی نہیں کاٹے گا' سر میں تیل نہیں ڈالے گا نہ بالوں میں خضاب لگائے گا' نہ ہاتھوں پر مہندی لگائے گا (۱۰) سر کے بال یا بدن کے بال نہیں منڈائے گا (۱۱) سلے ہوئے کپڑے نہیں پہنے گا (۱۲) عمامہ یا ٹوپی نہیں پہنے گا (۱۳) چمڑے کے موزے نہیں پہنے گا البتہ اگر ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا جائے کہ پنڈلیاں اور ٹخنے کھلے رہیں تو جائز ہے (ایسی چپل پہن سکتا ہے جس سے وسط قدم چھپا ہوا ہو اور ٹخنے کھلے ہوئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن سکتا ہے) جرابیں پہننا جائز نہیں کیونکہ ان سے ٹخنے چھپ جاتے ہیں (۱۴) جس کپڑے کو ایسی چیز سے رنگا گیا ہو جس سے رنگنے کے بعد خوشبو آئے مثلاً زعفران اور ورس وغیرہ اس کو نہ پہنے (۱۵) مکہ مکرمہ کے کسی درخت کو نہ کاٹے۔

احرام میں جائز کام

محرم حمام میں داخل ہو سکتا ہے' کسی مکان اور محمل کے سائے کو حاصل کر سکتا ہے (مثلاً چھتری استعمال کر سکتا ہے) لیکن کوئی چیز اس کے چہرہ یا سر کو مس نہ کرے' پیسے وغیرہ رکھنے کے لیے ھمیان کمر میں باندھ سکتا ہے (احرام کی چادر پر چمڑے کی پٹی باندھ لی جاتی ہے جس میں پیسے رکھنے کے لیے بٹوہ ہوتا ہے' وہ بھی اسی حکم میں ہے)' منطقہ (کمر باندھنے کی پیٹی) بھی باندھ سکتا ہے' بغیر خوشبو کا سرمہ لگا سکتا ہے' ختنہ کرا سکتا ہے' فصد لگوا سکتا ہے' ڈاڑھ نکلوا سکتا ہے' ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑوا سکتا ہے' سر یا کمر کو کھجا سکتا ہے لیکن اس احتیاط سے کہ بال نہ اکھڑیں' اگر تین بال اکھڑ جائیں تو ایک مٹھی طعام صدقہ کر دے۔ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا اور بدن پر خوشبو لگانا جائز ہے خواہ بعد میں خوشبو آتی رہے۔

احرام میں مستحب کام

محرم بہ کثرت تلبیہ پڑھے: ''لبیك اللهم لبیك' لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمة لك و الملك لا شریك لك''. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۰) جب نماز پڑھے یا جب کسی بلندی پر چڑھے یا کسی وادی سے اترے' یا سواروں سے ملے' یا سحری کا وقت ہو تو تلبیہ پڑھے۔ جب مکہ میں داخل ہو تو پہلے مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہو اور جب کعبہ کو دیکھے تو تین بار تکبیر اور کلمہ طیبہ پڑھے' کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دعا کرے' اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے اور یہ دعا بھی کرے: اے اللہ! ہمارے دلوں میں کعبہ کی محبت' اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت کو زیادہ کر۔

عمرہ کرنے کا طریقہ

غیر ملکی میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے' پاکستان کے رہنے والے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں اس لیے وہ اپنے گھر میں غسل کر کے احرام باندھ لیں' اور ائر پورٹ کے لاؤنج میں دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کر لیں: اے اللہ! میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں' اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول فرما' پھر راستہ میں بہ کثرت تلبیہ پڑھے: ''لبیك اللهم لبیك' لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمة لك و الملك لا شریك لك'' مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کرے یعنی بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کرے' اس طواف میں اضطباع کرے (احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال دے) پہلے تین چکروں میں رمل کرے (کندھے ہلا ہلا کر دوڑتے ہوئے طواف کرے) جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے' ورنہ اس کی طرف منہ کر کے اس کی طرف دونوں ہتھیلیاں اس طرح کرے جیسے اس پر رکھ رہا ہو' اور ''الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله و الله اکبر الله اکبر و لله الحمد'' پڑھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر اپنی ہتھیلیوں کو بوسہ دے' جب رکن یمانی کے پاس سے گزرے تو اس کو

بھی چھو کر اس کی تعظیم کرے اس کو بوسہ دینے میں فقہاء احناف کے دو قول ہیں ایک قول منع کا ہے اور ایک جواز کا اگر اس کی تعظیم نہ کر سکے تو پھر اس کے قائم مقام ہاتھ سے اشارہ کرنا مشروع نہیں ہے۔ حجر اسود کی تعظیم کے ساتھ طواف کو ختم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت طواف پڑھے۔ اس کے بعد سعی کے سات چکر لگائے' سعی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے' صفا پر چڑھ کر کعبہ کی طرف منہ کر کے ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد'' پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے' پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرے' پھر مروہ کی طرف روانہ ہو' راستہ میں دو سبز نشانوں کے درمیان سے دوڑتا ہوا گزرے' طواف اور سعی کے دوران اس کو جو دعائیں اور اذکار یاد ہوں ان کو خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھنا رہے۔

صفا اور مروہ میں طواف مکمل کرنے کے بعد محرم سر کے بال کٹوائے یا منڈوائے اب اس کا عمرہ مکمل ہو گیا اور وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا لیکن پھر بھی کوئی گناہ نہ کرے' فحش باتیں نہ کرے اور کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے' آٹھ ذوالحجہ تک حسب استطاعت عمرے کرتا رہے اور مسجد حرام میں زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے' عمرہ اور طواف میں طواف کی زیادہ فضیلت ہے' مسجد حرام میں کم از کم ایک بار قرآن مجید ختم کرنا چاہیے۔

حج کرنے کا طریقہ

حج کرنے والا آٹھ ذوالحجہ کو صبح کی نماز مسجد حرام میں ادا کرے' حج کی نیت سے غسل کر کے احرام باندھے' دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما' اور فجر کی نماز کے بعد مکہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے اور ظہر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھے' حج کی سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز ہے' اس لیے آسانی اس میں ہے کہ سات ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لے اور حج کی سعی کر لے اور آٹھ تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد منیٰ روانہ ہو جائے' اور بقیہ نمازیں منیٰ میں ادا کرے اور طلوع فجر کے بعد منیٰ سے عرفات کے لیے روانہ ہو' اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھے' ورنہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھے' اس کے بعد جبل رحمت کے قریب جا کر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور بلند آواز سے گڑگڑا کر دعا مانگے اور زندگی کے تمام گناہوں سے توبہ کرے' تاہم کھڑا ہونا شرط یا واجب نہیں ہے' اگر بیٹھ کر دعا کی پھر بھی جائز ہے۔ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا' یہ جگہ میدان عرفات کے وسط میں ہے' اگر یہاں موقع نہ ملے تو وادی عرنہ کے سوا تمام میدان عرفات موقف ہے' میدان عرفات میں جس جگہ بھی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعا کر لی حج ہو جائے گا' غروب آفتاب تک میدان عرفات میں رہنا واجب ہے' غروب آفتاب کے بعد میدان عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہو' راستہ میں ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد'' پڑھتا رہے۔ پیدل جانا مستحب ہے' مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھے' مغرب میں ادا کی نیت کرے اور اس کی سنتوں کو ترک کر دے' اس رات کو جاگ کر عبادت کرنا لیلۃ القدر میں جاگنے سے افضل ہے' اسی رات میں رمی کے لیے ستر اسی کنکریاں چن لے۔ طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھے' اس کے بعد وقوف کرے (کھڑے ہو کر دعا کرے) وقوف کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے' خواہ اس وقت چل رہا ہو وقوف ہو جائے گا۔ (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد) پڑھے' تلبیہ پڑھے' درود شریف پڑھے اور دعا کرے' اور جب خوب روشنی پھیل جائے تو منیٰ کے لیے روانہ ہو اور جمرہ عقبہ کو رمی کرے' پانچ ہاتھ کے فاصلہ سے سات کنکریاں مارے' ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے' رمی کے بعد قربانی کرے' پھر سر کے بال منڈوائے یا کٹوائے' منڈوانا افضل ہے' اگر بال

کٹوائے تو ایک پور کے برابر کٹوائے' چوتھائی سر کے بال کٹوانا واجب ہے اور پورے سر کے بالوں کو کٹوانا مستحب ہے' سر منڈوانے کے بعد وہ حلال ہو گیا اور بیوی سے جماع کے علاوہ اس پر ہر چیز حلال ہو گئی' پھر ایام نحر کے تین دنوں میں سے کسی ایک دن مکہ جا کر طواف زیارت کرے' اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا' اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو پہلے تین چکروں میں رمل کرے گا اور سات چکر پورے کرے' دو رکعت نماز طواف پڑھے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا' طواف زیارت کے بعد اس پر بیوی بھی حلال ہو جائے گی۔ اگر اس نے طواف زیارت کو قربانی کے تین دنوں کے بعد کیا تو یہ فعل مکروہ تحریمی ہے اور اس پر دم لازم آئے گا (طواف زیارت کا وقت ساری عمر ہے) وقوف عرفات اور طواف زیارت کرنے کے بعد حج کے فرائض ادا ہو گئے' وقوف مزدلفہ' حج کی سعی اور رمی جمرات واجب ہیں' ان میں سے کسی ایک کے بھی ترک سے دم لازم آئے گا' دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد منیٰ لوٹ آئے اور رات وہاں گزارے' اور گیارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات پر رمی کرے اور ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے' پھر بارہ تاریخ کو اسی طرح کنکریاں مارے۔ دس تاریخ کو رمی کا وقت فجر سے غروب تک ہے اور گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے' تیرہ تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ سے مکہ روانہ ہو سکتا ہے اور اگر تیرہ تاریخ کی فجر کو پالیا تو پھر اس دن کی رمی کرنی ہو گی۔ جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرے تو الوداعی طواف کرے' اس کو طواف صدر کہتے ہیں' یہ طواف واجب ہے' افتتاحی طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں' یہ مستحب ہے' طواف زیارت فرض ہے اور طواف صدر یا طواف وداع واجب ہے۔ طواف وداع کرنے کے بعد حج کے تمام ارکان اور واجبات ادا ہو گئے اور حج مکمل ہو گیا' اس کے بعد مدینہ منورہ کا سفر کرے اور وہاں آٹھ یا نو دن کے قیام میں کوشش کرے کہ مسجد نبوی میں متواتر چالیس نمازیں پڑھے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اس کے لیے جہنم سے برأت اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہو جائے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں اور اس حدیث کو امام طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کا ایک ہزار نمازوں کا اجر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا پانچ سو نمازوں کا اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ المنذری لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے

لے تو اس کو ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور اگر محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھے تو پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور اگر جامع مسجد میں نماز پڑھے تو پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے‘ اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے‘ اس حدیث کو ائمہ ستہ میں سے صرف امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۵‘ مطبوعہ دارالحدیث‘ قاہرہ)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ثواب میں اضافہ مسجد حرام کے ساتھ نہیں ہے بلکہ پورے حرم مکہ میں کسی جگہ بھی نماز پڑھی جائے تو اتنا ہی ثواب ہوگا۔

(ردالمختار ج ۲ ص ۱۸۸‘ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۰۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آپ پر درود شریف پڑھے‘ کیونکہ آپ خود بھی درود شریف کو سنتے ہیں اور فرشتے بھی آپ کے پاس درود شریف پہنچاتے ہیں‘ جب زائر مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھے تو درود شریف پڑھ کر یہ کہے:

اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اور تیری وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے‘ تو مجھے یہاں حاضر ہونے کی نعمت عطا فرما اور یہاں کی حاضری کو میرے لیے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنا دے اور مجھے قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ مند فرما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے غسل کرے‘ اچھا لباس زیب تن کرے‘ خوشبو لگائے‘ پھر انتہائی تواضع اور انکسار کے ساتھ آپ کے روضہ کی طرف روانہ ہو اور درود شریف پڑھتا ہوا اور اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتا ہوا چلتا رہے اور یہ پڑھے: ”بسم الله وعلى ملة رسول الله رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك“ پھر مسجد شریف میں داخل ہو اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے‘ آپ کی قبر شریف اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے‘ اس جگہ دو رکعت بہ طور شکر پڑھے‘ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر ادب سے کھڑا ہو‘ آپ کے مواجہ شریف (سر اور چہرہ) کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پیٹھ کرے اور یوں سلام عرض کرے: ”السلام عليك يا سيدی يا رسول الله‘ السلام عليك يا نبی الله‘ السلام عليك يا حبيب الله‘ السلام عليك يا نبی الرحمة‘ السلام عليك يا شفيع الامة‘ السلام عليك يا سيد المرسلين‘ السلام عليك يا خاتم النبيين‘ السلام عليك يا مزمل‘ السلام عليك يا مدثر‘ السلام عليك وعلى اصولك الطيبين‘ واهل بيتك الطاهرين“ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں‘ آپ نے فریضۂ رسالت کو ادا کر دیا اور امانت کو پہنچا دیا اور امت کی خیر خواہی کی اور واضح دلائل بیان کیے‘ اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا‘ اور دین کو قائم کیا حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے‘ جس جگہ آپ اپنے جسد اطہر کے ساتھ تشریف فرما ہیں وہ جگہ تمام جگہوں سے افضل جگہ ہے‘ اللہ تعالیٰ آپ پر اور اس جگہ پر ہمیشہ اتنی بار صلوٰۃ و سلام نازل فرمائے جس کا عدد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے حرم مقدس اور آپ کی عظیم بارگاہ میں حاضر ہیں‘ ہم دور دراز کے علاقوں سے آپ کے حضور میں آپ کی شفاعت کی امید سے آئے ہیں‘ آپ

ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں' گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر ٹوٹ رہی ہے' آپ ہی ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جن سے شفاعتِ کبریٰ' مقام محمود اور وسیلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (النساء: ۶۴)

اور اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر گزریں' تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کریں' تو یہ بے شک اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پائیں گے○

اور بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آئے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں' سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے اور اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ کی سنت پر خاتمہ فرمائے اور آپ کے دین میں ہمیں قیامت کے دن اٹھائے اور ہمیں آپ کے حوضِ کوثر پر وارد کرے اور بغیر کسی شرمندگی اور رسوائی کے ہمیں آب کوثر پلائے' یارسول اللہ! شفاعت فرمائیے' یارسول اللہ! شفاعت فرمائیے' یارسول اللہ! شفاعت فرمائیے (تین بار کہے) اے اللہ! ہماری مغفرت فرما' اور جو ہم سے پہلے فوت ہو گئے ہیں ان کی مغفرت فرما اور مسلمانوں کے خلاف ہمارے دلوں میں کینہ نہ رکھ' اے رب! تو رؤف رحیم ہے' پھر جن لوگوں نے آپ کو سلام پہنچانے کی درخواست کی تھی' ان کا سلام پیش کرے اور کہے: یارسول اللہ! فلاں' فلاں کی طرف سے آپ کو سلام ہو' یارسول اللہ! وہ آپ سے شفاعت کے طلب گار ہیں' ان کی شفاعت فرمائیے' پھر درود شریف پڑھ کر جو چاہے دعا کرے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر کے بالمقابل کھڑا ہو اور کہے:'' السلام علیك یا خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم ' السلام علیك یا صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم انیسه فی الغار ورفیقه فی الاسفار وامینه فی الاسرار'' اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے' آپ نے بہترین نیابت کی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر قائم رہے' اور آپ کے طریقہ کے مطابق کارِ خلافت انجام دیئے' آپ نے مرتدین اور مبتدعین سے قتال کیا اور اسلام کے قلعہ کو مضبوط کیا' آپ بہترین امام تھے' آپ تادم حیات دین کی خدمت کرتے رہے' آپ اللہ سبحانہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ آپ کی محبت رکھے اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی جماعت میں اٹھائے اور ہماری زیارت کو قبول فرمائے' السلام علیک ورحمۃ اللہ۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سر کے بالمقابل کھڑا ہو اور یوں سلام عرض کرے:'' السلام علیك یا امیر المومنین ' السلام علیك یا مظهر الاسلام ' السلام علیك یا مکسر الاصنام'' اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے' آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بڑے بڑے شہروں کو فتح کیا۔ یتیموں کی کفالت کی اور صلہ رحمی کی' اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیرو! رفیقو! مشیرو! اور دین قائم کرنے میں آپ کی معاونت کرنے والو! اور آپ کے بعد مسلمانوں کی بہتری کے لیے کارہائے نمایاں کرنے والو! آپ دونوں پر سلام ہو' اللہ آپ کو ہماری طرف سے تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے' ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ حضور ہماری شفاعت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائیں کہ وہ ہمارے اس حج اور زیارت کو قبول فرمائے' ہمیں آپ کے دین پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور آپ کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے' پھر اپنے لیے دعا کرے' اپنے والدین کے لیے دعا کرے اور جنہوں نے دعا کی

درخواست کی تھی ان کے لیے دعا کرے ' پھر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے ' پھر دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں جا کر کھڑا ہو' اسی طرح سلام پیش کرے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرے اور اسی طرح دعا کرے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے ستون کے پاس نماز پڑھے' اور دیگر متبرک مقامات پر نمازیں پڑھے' بقیع شریف میں جائے' شہداء احد کی قبروں پر جائے' حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر فاتحہ پڑھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضور کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ' ازواج مطہرات اور دیگر شہداء کی قبروں پر حاضر ہو اور تمام مزارات پر آیۃ الکرسی پڑھے' گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے اور اگر یاد ہو تو سورۂ یٰسین پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ان کا ثواب ان تمام ارواح قدسیہ کو پہنچائے' مسجد قبا میں حاضر ہو کر وہاں نماز پڑھے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۸) مسجد قبلتین' مساجد سبع اور تمام مشاہد کی زیارت کرے۔

(مراقی الفلاح ص ۴۵۱۔ ۴۴۸' ملخصا مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۶ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ (البقرہ: ۱۹۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے تمام شرائط' فرائض اور واجبات کو ادا کرو' کہ یہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ: ۱۹۶)

یعنی اپنے احرام پر برقرار رہو اور حلال نہ ہو۔

احصار (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر نہ جانے دے اور راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے' اب محرم حرم میں قربانی بھیج دے اور جب قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا' امام ابوحنیفہ کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ راستہ میں بیمار ہو جانا اور سفر کے قابل نہ رہنا بھی احصار ہے اور لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں' علماء مذاہب کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

اگر دشمن حج یا عمرہ کے لیے جانے نہ دے تو یہ احصار (روک دینا) ہے' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن عربی مالکی لکھتے ہیں:

احصار دشمن کے منع کرنے اور روکنے کے ساتھ خاص ہے' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک کا یہی قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے' لیکن اکثر علماء لغت کی رائے یہ ہے کہ "احصر" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو مرض عارض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے مریض کو محصر نہیں کہتے' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت انس کا یہی قول ہے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے' لیکن ابن قتیبہ نے یہ کہا ہے کہ جب مرض یا دشمن سفر کرنے سے روک دیں تو یہ احصار ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

کسائی، ابوعبیدہ اور اکثر اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ مرض اور زادِ راہ گم ہو جانے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ رہ سکے اس کو احصار کہتے ہیں اور اگر دشمن سفر نہ کرنے دے تو اس کو حصر کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس میں دشمن اور مرض برابر ہیں۔ ایک دم (ھدی کے قربانی کا جانور) بھیج کر محرم حلال ہو جائے گا جب کہ اس جانور کو حرم میں ذبح کر دیا جائے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ثوری کا یہی مذہب، علامہ جصاص کہتے ہیں کہ جب لغت سے ثابت ہو گیا کہ احصار کا معنی مرض کا روکنا ہے تو اس آیت کا حقیقی معنی یہی ہے کہ جب کوئی مرض تم کو حج یا عمرہ سے روک دے، اور دشمن کا روکنا اس میں حکماً داخل ہے۔ (احکام القرآن ج ا ص ۲۶۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

امام ابوحنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ لغت میں سے ابن قتیبہ، ابوعبیدہ اور کسائی نے یہ کہا ہے کہ سفر میں مرض کا لاحق ہونا احصار ہے، اسی سلسلہ میں مشہور امام لغت فراء لکھتے ہیں:

جو شخص سفر میں خوف یا مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کو پورا نہ کر سکے اس کے لیے عرب احصار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (معانی القرآن ج ا ص ۱۱۷، مطبوعہ بیروت)

علامہ حماد جوہری لکھتے ہیں:

ابن السکیت نے کہا: جب کسی شخص کو مرض سفر سے روک دے تو کہتے ہیں: "حصرہ المرض" اخفش نے کہا: جب کسی شخص کو مرض روک دے تو کہتے ہیں: "احصرنی مرضی"۔ (الصحاح ج ۲ ص ۶۳۲، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ)

امام ابوحنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال

احادیث میں تصریح ہے کہ جب کوئی شخص مرض لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اگلے سال اس کی قضاء کرے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت حجاج بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا ٹانگ ٹوٹ گئی تو وہ حلال ہو گیا اور اس پر اگلے سال حج ہے، ایک اور سند سے روایت ہے: یا وہ بیمار ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۵۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی[1]، امام ابن ماجہ[2] اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام بخاری لکھتے ہیں:

عطاء نے کہا: ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۲۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے اور رجوع نہ کرے اور جس وقت وہ محصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی

---

1. امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
2. امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
3. امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱/ ۴ ص ۱۳۹۔ ۱۳۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ

استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہیں ذبح کر دے اور اگر وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲۴۴۔ ۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں عذر کے لفظ سے استدلال ہے جو عام ہے اور دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو شامل ہے۔

امام ابوحنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس شخص نے حج کا احرام باندھا' پھر وہ بیمار ہو گیا یا کوئی اور رکاوٹ پیش آ گئی تو وہ وہاں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں' پھر عمرہ کر کے لوٹ آئے اور اگلے سال حج کرے۔

(المصنف ج ا /۴ ص ۱۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

سلیمان بیان کرتے ہیں کہ معبد بن حرار مخزومی مکہ کے راستہ میں بے ہوش ہو گئے' ان کے بیٹے ان پر پانی ڈالنے لگے' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور مروان بن الحکم سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: وہ علاج کرے' اور جب تندرست ہو جائے تو حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کر لے' اگلے سال حج کرے اور قربانی حرم میں بھیجے۔

(المصنف ج ا /۴ ص ۱۴۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے گئے' جب ہم ذات الشقوق میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کو (سانپ یا) بچھو نے ڈس لیا' ہم راستہ میں بیٹھ گئے تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم کریں' ناگاہ ایک قافلہ میں حضرت ابن مسعود آ پہنچے' ہم نے بتایا کہ ہمارا ساتھی ڈسا گیا ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک قربانی حرم میں بھیجو اور ایک دن مقرر کر لو جب وہ ھدی حرم میں ذبح کر دی جائے تو یہ حلال ہو جائے گا۔

(المصنف ج ا /۴ ص ۱۴۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام ابوحنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں: جس شخص کو حج یا عمرہ کے سفر میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو خواہ مرض ہو یا دشمن وہ احصار ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

عطاء نے کہا: ہر وہ چیز جو سفر سے روک دے وہ احصار ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

قتادہ نے کہا: جب کوئی شخص مرض یا دشمن کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکے تو وہ حرم میں ایک قربانی بھیج دے اور جب وہ قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ابراہیم نخعی نے کہا: مرض ہو یا ہڈی ٹوٹ جائے یا دشمن نہ جانے دے' یہ سب احصار ہیں۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوحنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد' آثار صحابہ اور اقوال تابعین' ائمہ لغت کی تصریحات ان سب سے امام ابوحنیفہ کا مسلک ثابت ہے کہ احصار دشمن کے روکنے اور مرض کے خارج ہونے دونوں کو شامل ہے اور اس میں یسر اور سہولت ہے' اسلام ہر مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے' ائمہ ثلاثہ کے موقف پر یہ اشکال ہوگا کہ جو شخص حج یا عمرہ کے سفر میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے

جس کی وجہ سے وہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اس کے لیے اسلام میں کیا حل ہے؟ ہر چند کہ اب ہوائی جہاز کے ذریعہ بیشتر حجاج کرام حج اور عمرہ کا سفر کرتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے علاقوں سے لوگ سڑک کے ذریعہ سفر کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے تھے' جب آپ مقام حدیبیہ پر پہنچے تو کفار نے آپ کو مکہ جانے سے روک دیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر کے دو بیٹے سالم اور عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حجاج نے حضرت ابن الزبیر پر مکہ میں حملہ کیا ہوا تھا' ان دنوں میں حضرت ابن عمر نے حج کا ارادہ کیا' ان کے بیٹوں نے منع کیا کہ اس سال آپ حج نہ کریں' ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا' حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفار حائل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کی اونٹنی کو نحر کیا اور اپنا سر مونڈ لیا اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ لازم کر لیا ہے' میں ان شاء اللہ روانہ ہوں گا' اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوئی تو میں عمرہ کروں گا اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آ گئی تو میں اس طرح کروں گا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا' پھر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا' پھر کچھ دور چل کر کہا: احصار میں عمرہ اور حج دونوں برابر ہیں' میں عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرتا ہوں' پھر یوم نحر کو قربانی کر کے وہ حلال ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ ھ)

ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو احصار پیش آیا تھا' وہ دشمن کی وجہ سے تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی وجہ سے رکاوٹ کا بھی یہی حل بیان فرمایا ہے اس لیے دلائل شرعیہ کی قوت' یسر' ہمہ گیری اور معقولیت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کے موقف کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک راجح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ (البقرہ: ۱۹۶)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص راستہ میں مرض یا دشمن کی وجہ سے رک جائے وہ کسی اور شخص کے ہاتھ قربانی (اونٹ' گائے یا بکری) یا اس کی قیمت بھی دے اور ایک دن مقرر کر لے کہ فلاں دن اس قربانی کو حرم میں ذبح کیا جائے گا اور اس دن وہ اپنا احرام کھول دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے' اور قربانی کی جگہ حرم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس جگہ کسی شخص کو رک جانا پڑے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں رک جانا پڑا تھا اور آپ نے حدیبیہ میں ہی قربانی کی' اور امام بخاری نے لکھا ہے کہ حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ ھ)

علامہ بدر الدین عینی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا' اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابوعمیس سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حرم میں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۴۹ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ ھ)

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ روک دیا گیا تھا آپ نے وہیں قربانی کی تھی' وہ جگہ حدیبیہ کی ایک طرف تھی جس کا

نام الربی ہے اور یہ اسفل مکہ میں ہے اور وہ حرم ہے زہری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو حرم میں نحر کیا تھا' واقدی نے کہا: حدیبیہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر طرف حرم میں ہے۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۵۷ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ قربانی اپنے محل میں پہنچ جائے۔ (البقرہ: ۱۹۶)

محصر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

محل کے متعلق دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد حرم ہے' حضرت ابن مسعود' حسن بصری' عطاء' طاؤس' مجاہد' ابن سیرین' ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ محرم کو رکاوٹ پیش آئی' وہ اس جگہ قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۵ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی [1] اور علامہ ابن العربی [2] مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔

قوت دلائل کے اعتبار سے ابوحنیفہ کا مسلک راجح ہے اور یسر اور سہولت کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے کیونکہ بیمار یا دشمن میں گھرے ہوئے آدمی کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا جب تک قربانی حرم میں ذبح ہو بہت مشکل اور دشوار ہوگا' اس کے برعکس موضع احصار میں قربانی کر کے احرام کھول دینے میں اس کے لیے بہت آسانی ہے جب کہ اس طریقہ کو محصر کی آسانی ہی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلہ میں روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے۔ (البقرہ: ۱۹۶)

ضرورت کی وجہ سے منیٰ میں پہنچنے سے پہلے سر منڈانے کی رخصت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد کوفہ میں بیٹھا ہوا تھا' میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا درآں حالیکہ میرے منہ پر جوئیں ٹپک رہی تھیں' آپ نے فرمایا: میں تم پر کیسی مصیبت دیکھ رہا ہوں' کیا تمہارے پاس (قربانی کے لیے) ایک بکری نہیں ہے؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ' ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو گرام) طعام (گندم) دو' اور اپنا سر منڈاؤ' یہ آیت خاص میرے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن تمہارے لیے بھی عام ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ملا جیون حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص مریض ہو اور اس کو فوراً سر منڈانے کی حاجت ہو' یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً کوئی زخم ہو یا جوئیں ہوں' تو پھر اس کے لیے منیٰ پہنچنے اور قربانی کرنے تک سر منڈانے کو موقوف کرنا ضروری نہیں

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب شافعی ماوردی بصری متوفی ۴۵۰ھ 'النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

[2] علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ

ہے البتہ سر منڈانے کے بعد اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا' قربانی کرے' تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قربانی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے اور روزہ رکھنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا حرم میں ضروری نہیں ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۸۸' مطبوعہ مطبع کریمی' بمبئی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب تم حالت امن میں ہو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملائے تو وہ ایک قربانی کرے جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے' اور جو قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب تم لوٹ آؤ' یہ کامل دس (روزے) ہیں یہ (حج تمتع کا) حکم اس شخص کے لیے جس کے اہل وعیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں۔

(البقرہ: ۱۹۶)

حج تمتع کا بیان

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہی ہے کہ اس آیت میں زمانہ امن میں حج تمتع کا بیان فرمایا ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم سفر حج میں روک دیئے جاؤ تو تم کو جو قربانی سہولت سے حاصل ہو وہ قربانی کر کے احرام کھول دو' اور جب تم سے دشمن کا خوف جاتا رہے یا مرض دور ہو جائے اور تم حج کے ساتھ عمرہ ملاؤ تو ایک قربانی کرو جس کو آسانی کے ساتھ کر سکو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن (اس کے موافق) نازل ہو چکا تھا' پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس قول میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف تعریض ہے جو تمتع کرنے سے تنزیہا منع کرتے تھے' اکابر علماء صحابہ نے ان کی مخالفت کی اور اس کا انکار کیا اور حق ان ہی کے ساتھ ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے فرمایا: مہاجرین اور انصار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور ہم نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن لوگوں نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیا ہے[1] ان کے سوا باقی لوگ حج کے احرام میں عمرہ کی نیت کر لیں' سو ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا' صفا اور مروہ میں سعی کی' اور (احرام کھول کر) اپنی اپنی ازواج سے مقاربت کی اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیے' اور جن لوگوں نے اپنی قربانی کے جانوروں میں قلادہ (ہار) ڈال دیا تھا وہ (عمرہ کرنے کے بعد بھی) بہ دستور اپنے احرام پر برقرار رہے' کیونکہ جب تک ان کی قربانی اپنی جگہ پر ذبح نہ ہو جاتی وہ احرام نہیں کھول سکتے تھے' پھر آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیں' سو جب ہم عرفات اور مزدلفہ کے وقوف سے فارغ ہو گئے تو ہم نے بیت اللہ میں آ کر طواف (زیارت) کیا' اور صفا اور مروہ میں سعی کی تو ہمارا حج مکمل ہو گیا اور ہم پر ایک قربانی لازم تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" (البقرہ: ۱۹۶) اور ایک بکری کی قربانی کافی ہے' سو ان لوگوں نے ایک سال میں حج اور عمرہ کی دو عبادتیں جمع کر لیں' اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور یہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس تمتع کو مکہ والوں کے سوا باقی تمام مسلمانوں کے لیے مشروع فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي

[1] کیونکہ قربانی کے گلے میں ہار ڈالنے سے حج کی نیت ہو گئی اور جنہوں نے ہار نہیں ڈالا تھا ان کی نیت نہیں ہوئی تھی' ان کو آپ نے عمرہ کرنے کی نیت کا حکم دیا۔

اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''(البقرہ: ۱۹۶) اور حج کے جن مہینوں کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے وہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں' سو جو شخص ان مہینوں میں تمتع کرے اس پر قربانی لازم ہے یا روزے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا وہ حج قران تھا اور یہی سب سے افضل حج ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے معروف ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کر کے) حج کو لازم کر لے تو حج میں نہ

وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ

عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں' نہ گناہ اور نہ جھگڑا' اور تم جو نیکی کرتے ہو اس کا اللہ

اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو علم ہے' اور سفر خرچ تیار کرو' اور بہترین سفر خرچ تقویٰ (سوال سے رکنا) ہے' اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو O

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ

(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے' اور جب تم

اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠

عرفات سے (مزدلفہ میں) واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو'

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو' اور بے شک اس سے پہلے تم ضرور گمراہوں میں سے تھے O

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ

پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو'

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت معین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حج کا وقت معین ہے اور اس کے مہینے معروف اور مشہور ہیں۔

حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، مجاہد، زہری، ربیع اور امام مالک کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ پورے کے پورے حج کے مہینے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم، ابن سیرین، حسن، شعبی، نخعی، قتادہ، مکحول، سدی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص ان مہینوں میں (حج کی نیت کر کے) حج کو لازم کر لے۔ (البقرہ: ۱۹۷)

فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حج کا احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، عطاء، طاؤس اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا: حج کی نیت سے تلبیہ پڑھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر قربانی کے گلے میں قلادہ (ہار) ڈال کر اس کو روانہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر اشعار کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک تلبیہ کے بغیر بھی حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ حج کی نیت سے صرف احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے خواہ تلبیہ نہ پڑھا جائے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ عورتوں سے جماع کی باتیں ہوں، نہ گناہ اور نہ جھگڑا۔ (البقرہ: ۱۹۷)

ایام حج میں فحش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جبیر، قتادہ، حسن، عکرمہ، مجاہد، زہری اور سدی نے بیان کیا کہ رفث سے مراد یہاں جماع ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور طاؤس وغیرہم نے کہا: اس سے مراد عورتوں سے فحش کلام کرنا ہے۔ فسق سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں اور جدال سے مراد بحث مباحثہ میں غضب ناک ہونا ہے، یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء اور مجاہد کی رائے ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد گالی دینا ہے۔ ابن زید اور امام مالک نے کہا: اس سے مراد اس بات میں اختلاف کرنا ہے کہ کون اپنے باپ دادا کے موقف میں کھڑا ہے، کیونکہ عرب کسی اور کے موقف میں وقوف کرتے، پھر اس میں اختلاف اور بحث کرتے، قاسم نے کہا: یا اس میں اختلاف کریں کہ حج آج ہے یا کل۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۸۱۔ ۲۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

فحش باتیں، فسق اور جھگڑا کرنا ہر وقت اور ہر جگہ ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت اس وقت شدید ہے جب انسان بیت اللہ کی زیارت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے چل کر یہاں آئے، ویسے تو تمام سفر حج میں انسان ان برائیوں میں مجتنب رہے لیکن حج کا احرام باندھنے سے لے کر مناسک حج مکمل ہونے تک جو شخص ان برے کاموں سے بچا رہا اس کا حج، حج مبرور ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس بیت اللہ کا حج کیا اور فحش باتیں نہیں کہیں اور فسق نہیں کیا وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو کر نکلے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ایام حج یا غیر ایام حج میں تم جو کام بھی کرتے ہو خواہ نیک ہو یا بد ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سفر خرچ تیار کرو اور بہترین سفر خرچ تقویٰ (سوال سے رکنا) ہے اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو O (البقرہ: ۱۹۷)

حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے کا حکم

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور سفر خرچ تیار نہیں کرتے تھے' اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں' جب وہ مکہ پہنچتے تو مانگنا شروع کر دیتے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر خرچ تیار کرو' کیونکہ بہترین سفر خرچ سوال نہ کرنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۴۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ دنیا سے آخرت کی طرف جو سفر ہے اس کے لیے سفر خرچ تیار کرو اور نیک اعمال کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ تقویٰ اور خوفِ خدا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں معنی مراد ہوں' راستہ میں اور قیام حرمین کے دوران کھانے پینے اور سواری کا انتظام کر کے چلو' اور اعمال صالحہ کا زادِ راہ تیار کرو اور عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۹۸)

حج کے دوران روزی کمانے کا جواز

جب اللہ تعالیٰ نے ایام حج میں جدال (بحث اور تکرار) کرنے سے منع کیا تو یہ وہم پیدا ہوا کہ شاید ایام حج میں تجارت بھی ممنوع ہو کیونکہ اس میں قیمت پر بحث ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے' جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۴۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا' محنت مزدوری اور ہر جائز طریقہ سے کسب معاش کرنا جائز ہے اور اس سے حج کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق' امام سعید بن منصور' امام ابن ابی شیبہ' امام عبد بن حمید' امام ابو داؤد' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں: ابو امامہ تیمی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: ہم لوگ

محنت مزدوری کرتے ہیں کیا ہمارے لیے حج کا اجر وثواب ہوگا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: کیا تم لوگ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ اور کیا تم اپنے سروں کو نہیں مونڈتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں' حضرت ابن عمر نے کہا: ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا ہے' آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۲' مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

اگر حج کے دوران ضمناً تجارت یا محنت مزدوری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص بالقصد ایام حج میں تجارت کے لیے یا مزدوری کے لیے جائے اور ضمناً حج کرلے تو یہ اخلاص کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو۔ (البقرہ: ۱۹۸)

مشعر حرام کا بیان

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عرفات کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک کی تعلیم دی اور بار بار کہتے: ''عرفت عرفت'' (آپ نے جان لیا' آپ نے جان لیا) تو اس جگہ کا نام میدان عرفات پڑ گیا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

مشعر حرام کی تفسیر میں امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو مزدلفہ میں ایک پہاڑ کے پاس جمع ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے کہا: اے لوگو! تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

سدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کو اپنے ساتھ لے جا کر دکھایا کہ عرفات کے بعد جہاں سے مزدلفہ کی ابتداء ہوتی ہے وہاں سے لے کر حرم تک مزدلفہ کی ساری وادی مشعر حرام ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

مشعر حرام کے پاس ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے' اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے اور اپنے گناہوں پر معافی طلب کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر تم وہیں سے واپس آؤ' جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے بخشش طلب کرو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O (البقرہ: ۱۹۹)

نسلی برتری کے تفاخر کا ناجائز ہونا

قریش اور ان کی اولاد حمس[1] کہلاتے تھے اور یہ حج میں عرفات کے بجائے' مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور عام لوگوں

[1] حمس: قریش' کنانہ' خزاعہ' ثقیف' خثعم' بنو عامر اور بنو نصر کا لقب حمس تھا' کیونکہ یہ لوگ اپنے دین میں بہت متشدد اور سخت تھے' حمس کا لغوی معنی بہادر ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

سے اپنے آپ کو منفرد سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی عرفات میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ میں آؤ جہاں سے اور لوگ آتے ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اور ان کے دین پر چلنے والے حمس تھے وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے' وہ کہتے تھے: ہم خدام حرم ہیں' اور باقی لوگ عرفات میں وقوف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۹' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اور زمانہ جاہلیت میں تم نے جو مناسک حج میں ترمیم کر دی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں سب برابر ہیں اور رنگ و نسل اور علاقہ اور زبان کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اور کسی شخص کا رنگ و نسل اور علاقہ اور زبان کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور اعلیٰ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے' امام احمد نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں فرمایا: سنو! تم سب کا رب ایک ہے' کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر' کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ سے[۱] اور جب نسلی برتری کے گھمنڈ پر عبادت میں احساس برتری جائز نہیں ہے تو دنیاوی معاملات میں کب جائز ہوگا' سو بعض سادات کرام کا نسلی برتری کی بنا پر اپنے غیر کفو میں رشتہ دینے کو حرام کہنا جائز نہیں ہے' "شرح صحیح مسلم" جلد سادس میں ہم نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس تفسیر میں بھی ان شاء اللہ النساء: ۳ میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کریں گے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ

پھر جب تم حج کی عبادات مکمل کر چکو تو اس طرح اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس

اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا

سے بھی زیادہ کرو کرو' اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور

لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي

ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ

اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما' اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا O یہ وہ لوگ ہیں

[۱] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸' مطبوعہ مکتبہ اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا

جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے' اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے O اور گنے چنے

اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ

دنوں میں اللہ کو یاد کرو' سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے'

عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے' یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے' اور اللہ سے ڈرتے رہو'

وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور جان لو کہ بے شک تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O

زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے آباء واجداد کی بڑائی بیان کرتے تھے اور ان کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد تم اپنے آباء اجداد کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمتوں کا ذکر کرو اور جتنا اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے تھے اس سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حج میں اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے' بعض کہتے کہ میرا باپ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا' بعض کہتے کہ میرا باپ تلوار کا دھنی تھا' بعض کہتے کہ میرے باپ نے فلاں' فلاں کی گردنیں اڑا دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O (البقرہ: ۲۰۰)

دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا' انبیاء کرام اور صحابہ کا طریقہ ہے

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے: اے مسلمانو! حج کی عبادات سے فارغ ہو کر زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگنے میں رغبت کرو' اور اللہ تعالیٰ سے بہت عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرو' خالص اللہ عزوجل کی رضاجوئی کے لیے عبادت کرو' اور یہ دعا کرو کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر عطا فرما اور آخرت میں خیر عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی کو خرید لیا اور وہ صرف دنیا اور اس کی زینت کے لیے عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی صرف متاع دنیا کا سوال کرتے ہیں' ان کے لیے اجر وثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوبکر بن عیاش بیان کرتے ہیں کہ حج سے فارغ ہو کر لوگ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اونٹ دے' ہمیں بکریاں دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہم پر بارش نازل کر' اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا کر۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں مدد اور رزق مانگتے تھے اور آخرت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۷۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

دنیا کی بھلائی سے مراد ہے: عافیت' نیک بیوی' علم' عبادت' پاکیزہ مال' نیک اولاد' صحت' دشمنوں پر فتح' نیک لوگوں کی رفاقت' اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت' بُرے حساب اور محشر کے خوف سے سلامتی' حور عین اور دیدار الٰہی کی لذت ہے۔

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حج کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے دنیا کی خیر کے لیے اور آخرت کی خیر کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا چاہیے اور دوزخ سے پناہ طلب کرنی چاہیے' ہمارے زمانہ کے جاہل صوفیوں میں یہ مشہور ہے کہ عبادت بے غرض کرنی چاہیے' جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعا نہیں کرنی چاہیے' وہ کہتے ہیں کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لیے جارہی تھیں' کسی نے پوچھا: اے رابعہ! یہ کیا ہے؟ کہا: لوگ جنت کی طلب اور دوزخ کے ڈر سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں' میں چاہتی ہوں کہ جنت کو آگ لگادوں اور دوزخ کی آگ بجھادوں تاکہ جنت کا شوق رہے نہ دوزخ کا خوف اور سب بغیر کسی غرض اور عوض کے اللہ کی عبادت کریں۔

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

بعض جعلی صوفیوں سے منقول ہے کہ ہم اللہ کی عبادت محض اس کی ذات کی وجہ سے کرتے ہیں اور ہم اس سے کسی قسم کی غرض یا کسی عوض کی طلب نہیں رکھتے ان کا یہ قول بہت بڑا جہل ہے اور قریب بہ کفر ہے جیسا کہ امام غزالی نے فرمایا: بغیر غرض کے کوئی کام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا خاصہ ہے' جب کہ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں' تو بندہ کے افعال بغیر کسی حکمت اور غرض کے کیسے ہو سکتے ہیں' ہاں بعض اوقات انسان کی توجہ محض اللہ کی رضا کی طرف ہوتی ہے اور وہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے قطع نظر کر کے محض اس کی رضا کے لیے عبادت کرتا ہے لیکن یہ بہت اونچا مقام ہے اور سوائے اس کے مخلصین کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (التوبہ: ۷۲) اور دائمی رہائش کی جنتیں ہیں اور اللہ کی رضا (ان) سب سے زیادہ بڑی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ۲۰۷) اور بعض (بلند ہمت) لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کا سودا کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخلصین اور بلند ہمت لوگ جنت کی طلب اور دوزخ سے پناہ کی دعا نہیں کرتے۔

انبیاء کرام اور صحابہ عظام سے زیادہ مخلص اور بلند ہمت اور کون ہوگا' انہوں نے جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور دوزخ سے پناہ طلب کی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۙ (الشعراء: ۸۵) اور مجھ کو نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے O

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: میں تشہد پڑھنے کے بعد اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں، بخدا! میں اتنی عمدگی سے آپ جیسی آہستہ دعا کرتے ہیں اور معاذ آہستہ دعا کرتے ہیں اتنی عمدگی سے دعا نہیں کر سکتا، آپ نے فرمایا: ہم بھی (اسی طرح) دعا کرتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ص ۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

قتادہ نے حضرت انس سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا بہت زیادہ مانگتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا بہت زیادہ مانگتے تھے وہ یہ ہے: اے اللہ! ہم کو دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۰۲)

اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر

جو لوگ حج کی عبادات سے فارغ ہو کر یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی خیر عطا فرما اور آخرت کی خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ ہر خیر اللہ کی قدرت اور اس کے قبضہ میں ہے اور ان کا دل آخرت کی نعمتوں کی طرف راغب ہے اور ان کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو چاہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے حج کی عبادات کا ثواب عطا فرمائے گا اور انہوں نے جو دوسرے نیک کام کیے ہیں اور بدنی اور مالی عبادات کی ہیں اللہ تعالیٰ ان کا بھی اجر جزیل عطا فرمائے گا، اس کے برخلاف جن لوگوں نے اخروی رغبت کے بغیر اعمال شاقہ کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کا مطمح نظر دنیا کی حسین چیزیں تھیں ان کو کسی قسم کا کوئی اخروی ثواب نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا علم ان دونوں فریقوں کے اعمال کو محیط ہے اور اللہ عزوجل ان سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے اتنی دیر میں اللہ تعالیٰ مخلوق کا حساب لے لے گا، دوسری روایت یہ ہے کہ ایک لحظہ بھر میں ساری مخلوق کا حساب لے لے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو حساب لینے کے لیے غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے، نہ جانچ کی، کیونکہ اس کے لیے تمام جہان کا حساب لینا ایک شخص سے حساب لینے کے حکم میں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حساب جزاء سے کنایہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بہت جلد جزاء دینے والا ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ اجابت دعا سے کنایہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بہت جلد دعا قبول فرمانے والا ہے۔ بہرحال اس آیت سے مقصود اس چیز سے ڈرانا ہے کہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۳۰۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور گنے چنے دنوں میں اللہ کو یاد کرو، سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے میں) جلدی کی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ: ۲۰۳)

تکبیرات تشریق میں مذاہب ائمہ

حضرت ابن عباس نے وضاحت فرمائی کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں[1] اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں: "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" ایک بار یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ تکبیرات تشریق کتنے دنوں تک پڑھی جائیں اس کے متعلق فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں۔

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

قربانی کے دن ظہر کی نماز سے لے کر آخر ایام تشریق کی صبح کی نماز تک ہر نماز کے بعد تکبیرات پڑھے یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور فقہاء میں سے امام شافعی کا بھی مسلک ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۶۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص [illegible] مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر غیر محرم ہو تو وہ فرض نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھے یوم عرفہ کی فجر سے تکبیرات شروع کرے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تک پڑھے اور اگر وہ محرم ہو تو جن نمازوں کے بعد تکبیرات پڑھے قربانی کے دن کی ظہر کی نماز کے بعد سے شروع کرے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تک تکبیرات پڑھے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر آخر ایام تشریق کی عصر تک تکبیرات پڑھے (فقہاء میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی مسلک ہے) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر قربانی کے پہلے دن کی عصر تک تکبیرات پڑھے (فقہاء میں سے امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے)۔

(المصنف ج ۲ ص [illegible] مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف ہے امام ابو یوسف اور امام محمد نے حضرت علی کے قول کو اختیار کیا کیونکہ یہ قول زیادہ تکبیرات کو شامل ہے اور عبادات میں اسی میں احتیاط ہے اور امام ابوحنیفہ نے حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا کیونکہ بہ آواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ (مشائخ حنفیہ نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

یہ تکبیرات شہر میں مستحب جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کے بعد ہیں (غیر مسافروں) امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت کے بعد نہیں ہیں اور مسافروں کی جماعت کے بعد بھی نہیں ہیں امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ ہر فرض نماز پڑھنے والے پر تکبیر پڑھنا واجب ہے کیونکہ تکبیرات فرض کے تابع ہیں اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا

1. امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲ ص [illegible] مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ

خلاف سنت ہے' اور چونکہ شریعت میں اس کا حکم ہے' اس لیے ان شرائط کے بعد ان کا پڑھنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف نے کہا: اگر امام تکبیر بھول جائے پھر بھی مقتدی پر تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ (ھدایہ اولین ص ۱۷۵' مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

ذکر بالجہر میں امام ابو حنیفہ کا موقف

صحیح بخاری' صحیح مسلم اور بہ کثرت احادیث صحیحہ میں فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر بالجہر کرنے کی تصریح ہے' اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ تکبیرات تشریق کو بدعت یا خلاف سنت قرار دیں گے' اور علامہ مرغینانی صاحب ''ھدایہ'' نے کہا ہے کہ امام اعظم نے تکبیرات تشریق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے قول میں تکبیرات کا عدد کم ہے اور چونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اس لیے انہوں نے حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا' صاحب ''ھدایہ'' کا یہ استدلال ان کے وہم پر مبنی ہے اور صحیح نہیں ہے' صحیح وجہ یہ ہے کہ اختلافات صحابہ میں عام طور پر امام اعظم حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس کی بہ نسبت حضرت ابن مسعود زیادہ فقیہ تھے' اس لیے تکبیرات تشریق میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی روایات کے مقابلہ میں امام اعظم نے حضرت ابن مسعود کی روایت کو اختیار فرمایا۔

علامہ ابن بزاز کردری حنفی لکھتے ہیں:

بہرحال بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ میں ہے اور تکبیرات تشریق میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اصل نماز پر تکبیرات کی زیادتی کتنی نمازوں میں سنت ہے' مثلاً اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی چار سنتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ اور یہ اختلاف اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر ظہر کی سنتوں کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ بدعت یا حرام ہوں گی۔ (فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۷۹' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ' بولاق' مصر)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد میں جو تکبیرات کے عدد کا اختلاف ہے اس میں تمام زمانوں اور تمام شہروں میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر عمل کیا گیا ہے' اسی قول پر اعتماد ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہو تو قوت دلیل کا اعتبار ہوتا ہے اور یہی وجہ صحیح ہے جیسا کہ ''الحاوی القدسی'' میں مذکور ہے' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کا قول بھی درحقیقت امام اعظم کا قول ہوتا ہے' علامہ ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں اس مسئلہ میں امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔ (البحر الرائق)

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

''مجتبیٰ'' میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کہا گیا کہ اہل کوفہ وغیرہا کو چاہیے کہ ان دس دنوں میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیرات پڑھیں' امام ابو حنیفہ نے فرمایا: ہاں' اور فقیہ ابو اللیث نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بن یوسف ان جگہوں میں تکبیرات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور فقیہ ابو جعفر نے کہا: میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ عام لوگوں کو تکبیرات پڑھنے سے منع نہیں کرنا چاہیے

کیونکہ عوام کی خیر میں رغبت کم ہوتی ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ تکبیرات پڑھنا اولیٰ ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ص ۵۶۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

عیدالفطر کی تکبیرات بھی عیدالاضحیٰ کی تکبیرات کی طرح ہیں' یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت یہی ہے بلکہ ''مسند امام اعظم'' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذکر بالجہر کو مطلقاً مستحب قرار دیتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۶ص ۱۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس نے دو دنوں میں (روانہ ہونے کی) جلدی کی' تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر (بھی) کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرہ: ۲۰۳)

قیام منیٰ کی مدت کا بیان

ملا جیون حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص ایام منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں' فقط دو دن ٹھہرا اور اس نے دو دن رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں ہے' اور جس نے تاخیر کی اور تیسرے دن بھی رمی کی اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔صاحب ''ہدایہ'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے چوتھے دن بغیر رمی کے مکہ روانہ ہو جائے اور اگر چوتھے دن کی فجر منیٰ میں طلوع ہو گئی تو وہ رمی کے بغیر مکہ روانہ نہیں ہو سکتا اور افضل یہ ہے کہ وہ چوتھے دن بھی منیٰ میں ٹھہرے اور چوتھے دن کی رمی کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہو' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا' اور اگر اس نے چوتھے دن زوال سے پہلے رمی کر لی تو یہ بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ رمی کو ترک کر سکتا ہے تو اس کو وقت سے پہلے بھی کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کریم میں مسائل حج کا آخری عنوان ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۹۹۔ ۹۸ مطبوعہ مطبع کریمی بمبئی)

البقرہ: ۱۹۶ سے لے کر البقرہ: ۲۰۳ تک اللہ تعالیٰ نے مسائل حج سے متعلق آیات نازل کیں اور ان آیات کی تفسیر لکھنے کا حسین اتفاق ایام حج عشرہ ذوالحجہ میں پیش آیا اور تکبیرات کی تفسیر میں نے ایام تشریق میں لکھی اور بارہ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو ان آیات کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين وعلى اله واصحابه وازواجه اجمعين۔ الہ العلمین! مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرما اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما' اس کو تا قیام قیامت باقی' فیض آفریں اور اشاعت پذیر رکھ' امین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔

حجاج کرام کے اجر وثواب اور ان سے مصافحہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ' شعبی سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مناسک حج اس لیے بنائے ہیں تاکہ بنو آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں۔ امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حج کرنے والا بخش دیا جاتا ہے' انہوں نے کہا: بہ شرطیکہ وہ ان گناہوں کو ترک کر دے جن کو پہلے کرتا تھا۔

امام اصبہانی نے ''ترغیب'' میں روایت کیا ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ حجاج کے گناہوں میں آلودہ ہونے سے پہلے مصافحہ کر لو۔

امام اصبہانی نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ حج مبرور کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے کہا: وہ حج کرنے کے بعد دنیا سے مستغنی ہو اور آخرت میں راغب ہو۔

امام حاکم نے تصحیح حدیث کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم حج پورا کرلو تو جلد گھر کی طرف روانہ ہو اس سے زیادہ اجر ملے گا۔

امام مالک' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ سے لوٹنے کے بعد کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر تین مرتبہ تکبیر پڑھتے' پھر یہ دعا کرتے: "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وھو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ"۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۲۷' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی' ایران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن حبان نے "الضعفاء" میں' امام ابن عدی نے "کامل" میں اور امام دارقطنی نے "العلل" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔

امام سعید بن منصور' امام ابویعلیٰ' امام طبرانی' امام ابن عدی' امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲)

امام حکیم ترمذی' امام بزار' امام ابن خزیمہ' امام بن عدی' امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (کامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۳۵' شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳)

امام طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بغیر کسی اور کام کے صرف میری زیارت کے لیے آیا مجھ پر واجب ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔
(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۲۵)

امام طیالسی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کروں گا یا شہادت دوں گا' اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے اٹھے گا۔ (سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵' شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۶)

امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آکر سلام عرض کرتے اور قبر کو چھوتے نہیں تھے' پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبر پر سلام عرض کرتے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ محمد بن منکدر نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۱ 'سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۶ 'کشف الاستار ج ۲ ص ۵۶ 'کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۶۰)

امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے منیب بن عبد اللہ بن ابی امامہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کر کھڑے ہوئے اور بڑی دیر تک ہاتھ بلند کیے رہے' حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ نماز کی نیت کر رہے ہیں' پھر سلام عرض کیا اور چلے گئے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱)

امام بیہقی' حاتم بن مروان سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کسی قاصد کو مدینہ میں بھیجتے تا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۲ ـ ۴۹۱)

امام بیہقی' ابوحرب ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حج کیا' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے دروازہ پر آیا تو اس نے اپنی اونٹنی کو وہاں باندھ دیا' پھر مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' میں آپ کے پاس اپنے گناہوں اور خطاؤں کے بوجھ تلے دبا ہوا آیا ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الایۃ" (النساء: ۶۴) "اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آ کر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کر دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے" اور میں گناہوں سے بوجھل ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں' آپ اپنے رب کے حضور میری شفاعت کریں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔

(شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۶ ـ ۴۹۵) (الدر المنثور ج ا ص ۲۳۸ ـ ۲۳۷ ملتقطاً مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہے اور

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى

وہ اپنے دل کے خلوص پر اللہ کو گواہ بناتا ہے' حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے ○ اور جب وہ پیٹھ موڑ کر جاتا ہے تو

الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا

اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتوں کو (برباد) اور جانوروں کو ہلاک کرے' اور اللہ

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

فساد کو پسند نہیں فرماتا ○ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ ضد میں آ کر (اور) گناہ کرتا ہے' سو

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اس کے لیے جہنم کافی ہے اور ضرور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ○

دنیا اور آخرت کو برباد کرنے والا

آیات حج میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا بیان فرمایا تھا جو صرف دنیا میں رغبت کرتا ہے اور صرف دنیا کے حصول کی دعائیں کرتا ہے اور اس شخص کا ذکر فرمایا تھا جو دنیا اور آخرت میں رغبت کرتا ہے اور دونوں کے لیے دعا کرتا ہے' عقلی طور پر یہاں دو قسمیں اور بھی ہیں' ایک وہ شخص جس کی رغبت دنیا میں ہو نہ آخرت میں' ان آیات میں اس شخص کا ذکر ہے' اور دوسری قسم وہ ہے جس کی رغبت صرف آخرت میں ہو اور وہ آخرت کی خاطر دنیا کو چھوڑ دے' ان آیات کے بعد آیت: ۲۰۷ میں اسی شخص کا ذکر آ رہا ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے اس منافق کا ذکر فرمایا جو دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کرتا ہے۔

یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: میں اسلام لانے کا ارادہ کرتا ہوں' اور قسم کھائی کہ وہ صرف اسی لیے آیا ہے' پھر جب آپ کے پاس سے اٹھا تو باہر جا کر مسلمانوں کے اموال کو تباہ کر دیا' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ اخنس بن شریق ثقفی بنو زہرہ کا حلیف تھا' وہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اسلام کا اظہار کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی باتیں اچھی لگیں' اس نے کہا: میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے آیا ہوں' اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنی بات میں سچا ہوں' پھر جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے گزرا' اس نے مسلمانوں کے کھیتوں میں آگ لگا دی اور ان کے گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں' تب اس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۲۔۱۸۱' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

"اَلَدُّ الْخِصَامِ" (سخت جھگڑالو) کا بیان

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا: جو شخص کج بحث' ہٹ دھرم اور ظالم ہو وہ "الد الخصام" ہے۔

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص "الد الخصام" (بہت جھگڑا کرنے والا) ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے گنہگار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو۔

امام بیہقی نے عبد الکریم الجذری سے روایت کیا ہے کہ متقی کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے ابن عمرو بن العلاء سے روایت کیا ہے کہ جب دو شخص جھگڑا کرتے ہیں تو جو زیادہ بُرا ہوتا ہے وہ غالب آ جاتا ہے۔

امام احمد' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تمہارے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے رہو اور تمہارے ظلم کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو اور تمہارے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ باتیں کرتے رہو' ماسوا اس گفتگو کے جو اللہ کے متعلق کی جائے' نیز امام احمد' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو بہت باتیں کرتا ہے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے اور جو بہت قسمیں کھاتا ہے وہ بہت گناہ کرتا ہے اور جو بہت جھگڑا کرتا ہے اس کا دین سلامت نہیں رہتا۔[1] اس کے بعد فرمایا:

[1] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران

اور جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو تو وہ ضد اور تکبر میں آ کر اور بڑھ چڑھ کر فساد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے اور اللہ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ

بندوں پر بہت مہربان ہے ○ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ

بڑی حکمت والا ہے ○ وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سائبانوں میں

مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع ۲۵ ع ۱۴ ۹

اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام تمام ہو جائے' اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں ○

رضاء الٰہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا

اس آیت میں باقی ماندہ اقسام میں اس شخص کا بیان ہے جو آخرت کی خاطر دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور وہ صرف آخرت میں رغبت رکھتا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے مکہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے قریش نے کہا: اے صہیب! جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ مال نہ تھا' اور اب تم یہ سارا مال لے کر جا رہے ہو! خدا کی قسم! ہرگز نہیں ہو سکتا' میں نے ان سے کہا: یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا سارا مال تم کو دے دوں تو پھر تم مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ان سے کہا: یہ سارا مال لے لو اور مجھے جانے دو' جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: صہیب تمہاری تجارت نے نفع پایا۔

(الدر المنثور ج ا ص ۲۴۰۔ ۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صہیب ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو قریش نے ان کا پیچھا کیا' حضرت صہیب سواری سے اتر گئے اور اپنی کمان کو سیدھا کر لیا اور کہا: اے قریش کی جماعت! تم کو معلوم ہے میں تم سب سے بڑا تیرانداز ہوں اور خدا کی قسم! جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہوگا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے' پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی میں تم سے مقابلہ کرتا رہوں گا' اب جو چاہو کرو اور اگر تم چاہو تو میں تم کو بتاتا ہوں میرا مال کہاں رکھا ہے بہ شرطیکہ تم میرا راستہ چھوڑ دو' انہوں نے کہا: ہاں! سو انہوں نے ایسا ہی کیا' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا: تمہاری بیع نفع یاب ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی: اور لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ میں اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۲۰۷ ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صہیب بن سنان اور حضرت ابوذر غفاری جندب بن سکن رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت ابوذر کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا تھا' وہ ان کی گرفت سے نکل کر بھاگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ نے پکڑ لیا' وہ فدیہ میں ان کو اپنا مال دے کر ہجرت کے لیے چل پڑے' راستہ میں منقذ بن عمیر بن جدعان نے ان کو پکڑ لیا' وہ اس کو باقی ماندہ مال دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مکہ والوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا' اس نے ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ کیا' راستہ میں مشرکین نے ان کو پکڑ لیا' انہوں نے کہا: میں تم کو اپنا گھر اور اپنا سارا مال و متاع دیتا ہوں' تم مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے دو' پھر وہ اپنا سب کچھ دے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: تمہاری بیع نفع بخش ہے' اس میں کوئی گھاٹا نہیں ہے' انہوں نے پوچھا: کیسی بیع؟ کہا: تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا۔ لشکر والوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا' پھر لشکر میں ایک مسلمان نکلا اور قلعہ والوں سے قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا' لوگ کہنے لگے: اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: نہیں یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان دے کر اللہ کی رضا کو خرید لیا ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کا کافر سے مقابلہ ہوا' مسلمان نے کافر سے کہا: ''لا الہ الا اللہ'' پڑھو' تم یہ کلمہ پڑھ لو گے تو تمہاری جان اور مال پر حملہ نہیں ہوگا' کافر نے انکار کیا' مسلمان نے کہا: میں اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ بیچتا ہوں' یہ کہہ کر اس کافر پر حملہ کیا اور راہ حق میں شہید ہو گیا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۶-۱۸۷ ' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے کواشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے' اہل مکہ نے حضرت خبیب کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو خبیب کو سولی پر سے اتارے گا اس کے لیے جنت ہے' حضرت زبیر نے کہا: میں اور میرا ساتھی مقداد اتاریں گے' اور شیعہ نے کہا: یہ آیت حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ میں اپنے بستر پر سلا کر چلے گئے تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

یہ تمام آثار اس آیت کے نزول کے متعلق اور مطابق ہیں لیکن درحقیقت یہ آیت ان تمام لوگوں کے حق میں عام ہے جو نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں اور جو شخص نیکی کی راہ میں مزاحم ہو تو وہ محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان اور مال سے اس کے خلاف جہاد کرتے ہیں' وہ خود بھی نیک کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں' خود بھی برائی سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی برائی سے روکتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے لیے محض اللہ کی رضا کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔

(البقرہ: ۲۰۸)

دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا موافقت کا ناجائز ہونا

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ثعلبہ' عبداللہ بن سلام' ابن یامین' اسد بن کعب' اسید بن کعب' شعبہ بن عمرو اور قیس بن زید رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے' یہ سب یہود سے اسلام لائے تھے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے' آپ ہمیں اس دن کی تعظیم کرنے دیں کیونکہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹنیوں کے گوشت اور ان کے دودھ کو مکروہ جانتے تھے' مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا: ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے' آپ ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی کہ تم اسلام میں ظاہراً و باطناً داخل ہو جاؤ اور نفاق کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو' تیسرا قول یہ ہے کہ جو اہل کتاب' کتب سابقہ پر ایمان لائے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل مقصود ان کی شریعت پر اسلام لانا ہے' ان سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور دین اسلام میں داخل ہو جاؤ' یہی دین اسلام ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین اور شریعت کی رعایت یا موافقت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

تم اس حکم کی مخالفت کر کے اور متعدد شریعتوں میں متفرق ہو کر شیطان کی پیروی نہ کرو' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی تم پھسلنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے O

(البقرہ: ۲۰۹)

بینات کی تفسیر

اگر پہلی آیت میں کفار سے خطاب ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بینات (روشن دلیلیں) آنے کے بعد تم کفر کرو تو یقین کرو کہ اللہ بہت غالب ہے اور اگر اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر بینات آنے کے بعد تم معصیت کرو' یا خطا کرو یا گمراہی پر رہو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے۔

بینات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل ہیں یا اس سے مراد حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور آپ کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے' ہر چند کہ آپ واحد بالشخص ہیں' لیکن آپ معنیً کثیر ہیں یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ (کا عذاب) بادلوں کے سائبانوں میں اور (عذاب کے) فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام تمام ہو جائے۔ (البقرہ: ۲۱۰)

بادلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ صرف اللہ کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور چونکہ آنا جانا' اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے' اس لیے اس کو مجاز پر محمول کیا گیا ہے' ایک معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے انتقام کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں' دوسرا یہ ہے کہ وہ اللہ کی وعید کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے: اللہ کا عذاب ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بادلوں اور سائبانوں کے ساتھ عذاب کو تشبیہ دی اور اس کی تصویر کشی کی ہے کیونکہ جب گھٹا ٹوپ گہرے بادل مہیب آوازوں کے ساتھ گرج رہے ہوں تو اس سے بہت خوف اور دہشت معلوم ہوتی ہے یا جس طرح بادل قطرہ قطرہ کر کے بے حساب برستے ہیں اسی طرح عذاب بھی بے حساب ہوتا ہے' قرآن مجید میں کئی جگہ عذاب آنے کی مثال بادلوں کے ساتھ دی ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ○ (الفرقان: ۲۵) — اور جس دن آسمان پھٹ کر بادل کی صورت میں ہو گا اور فرشتوں کی جماعتیں اتاری جائیں گی ○

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ. (لقمان: ۳۲) — اور جب سائبانوں کی طرح موج انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔

اور کام تمام ہو جائے' اس سے مراد ہے: ان کے عذاب سے ہلاک ہونے کا کام پورا ہو جائے یا قیامت کا انتظار ختم ہو جائے اور قیامت آ جائے یا ان کا حساب پورا ہو جائے اور ان پر عذاب واجب ہو جائے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ

بنو اسرائیل سے پوچھیے ہم نے ان کو کتنی نشانیاں دی تھیں؟ اور جو اللہ کی نعمت

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

حاصل ہونے کے بعد اس کو بدل دے تو (وہ سن لے کہ) اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے' وہ ایمان والوں کا مذاق

اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ

اڑاتے ہیں' حالانکہ وہ قیامت کے دن (کافروں سے) سربلند ہوں گے' اور اللہ جسے چاہے بے حساب

وقف لازم

يَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

روزی دیتا ہے O

بنو اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ بادلوں کے سائبانوں میں اللہ کا عذاب آ جائے' بہ ظاہر یہ امر بہت حیران کن تھا' لیکن بنو اسرائیل میں بادلوں کی آیات اور نشانیوں کا کئی بار مشاہدہ کر چکے تھے' جب انہیں مصر سے نکالا گیا تھا اور پہاڑ طور پر وہ ان آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے' اس لیے فرمایا: اگر تم کو یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہو تو بنو اسرائیل سے پوچھو ہم ان کو کتنی نشانیاں دے چکے ہیں' وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے اور ان آیات کا نازل ہونے کے بعد ان کا سکوت کرنا ان کے اقرار کی دلیل ہے۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان بنو اسرائیل کی تاریخ پر توجہ کریں' ان کے بادشاہوں' علماء' ان کے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے فرقوں میں تقسیم ہونے پر غور کریں اور وہ جس طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرے ہیں ان سے عبرت حاصل کریں۔ اس آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ بنو اسرائیل سے جا کر پوچھیں کہ تم پر اللہ کی کتنی نشانیاں اتر چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کو انہوں نے تبدیل کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب آتے رہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی' انہوں نے اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' پھر پہاڑ طور کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا: اس کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر آ گرے گا' ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نعمت عطا کی' انہوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اللہ کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا' سو ایک کڑک نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان پر من وسلویٰ نازل کیا گیا' انہوں نے نافرمانی کر کے اس کو بچا کر رکھنا شروع کیا' نتیجۃً وہ سڑنے لگا' ان سے کہا گیا کہ ''حطة'' کہنا' انہوں نے اس کے بجائے ''حنطة في شعيرة'' کہا' ان سے کہا گیا تھا: شرک نہ کرنا' انہوں نے گوسالہ پرستی کی' ان سے کہا گیا تھا کہ ہفتہ کو مچھلیوں کا شکار نہ کرنا' انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں جمع کر لیا جس کی سزا میں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ملنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔

یہ تو بنو اسرائیل کے آباء واجداد کو دی ہوئی نعمتوں' ان کی ناشکری اور اس پر ملنے والی سزاؤں کا بیان تھا اور نزول وحی کے زمانہ میں جو بنو اسرائیل تھے انہوں نے اللہ کی جس نعمت کے ساتھ کفر کیا وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے '' الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا ''۔ (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ کی نعمت کو بدلنے والے کفار قریش ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

تمام نعمتوں کی اصل اور نعمت عظمیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے' بنو اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی لیکن انہوں نے ناشکری کی اور آپ پر ایمان لانے کے بجائے آپ کا کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔ (البقرہ: ۲۱۲)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بنو اسرائیل نے اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی شخص اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو اس کی پسندیدہ' خوش نما اور دیدہ زیب چیزیں ہوتی ہیں وہ صرف انہی کو دیکھتا ہے' اور دنیا کی زندگی کے ظاہری حسن و جمال اور وقتی فوائد کو دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھوں سے ان چیزوں کی باطنی خرابیوں کو نہیں دیکھتا' دنیا کی رنگینیاں اور عیش و آرام انسان کے دل کو لبھاتے ہیں' شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الحجر: ۳۹)

شیطان نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لیے میں ضرور زمین میں ان کے لیے (برے کاموں کو) مزین کر دوں گا اور میں ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا ۝

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ (التوبہ: ۳۷)

جس کو اللہ نے حرام کیا یہ اس کو حلال کرتے ہیں' ان کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے۔

تو اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنے کا سبب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے لیے کفر اور بُرے اعمال کو مزین کر دیا ہے اور ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ وہ قیامت کے دن (کافروں سے) سربلند ہوں گے' اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ۝ (البقرہ: ۲۱۲)

حضرت بلال' حضرت صہیب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایسے فقراء مسلمین کو دیکھ کر کافر ان کا مذاق اڑاتے تھے اور اپنے دنیاوی مال و دولت اور عیش و آرام کی وجہ سے اپنے آپ کو ان سے بلند اور بڑا سمجھتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی' کہ قیامت کے دن یہ نیک مسلمان سربلند ہوں گے اور کفار ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ کفار نے کہا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ہمارے بڑے بڑے ان کی اتباع کرتے' بہ خدا! ان کی اتباع تو عبداللہ بن مسعود ایسے لوگ کر رہے ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۹۴' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ

تمام لوگ ایک امت تھے (جب وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور

مُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کی

فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

اختلاف کردہ باتوں میں فیصلہ کریں' اس میں صرف ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا تھا جنہیں

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

کتاب دی گئی تھی ' انہوں نے روشن دلائل آنے کے باوجود محض باہمی سرکشی کی وجہ سے

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ

یہ اختلاف کیا تھا تو اللہ نے اس اختلاف میں ایمان والوں کو اپنے اذن سے حق بات (دین حق) کی ہدایت دی' اور اللہ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۲۱۳)

جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے O

تاریخ انسانیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت کی وجہ سے کفر پر اصرار کرتے ہیں' اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا یہ سبب نیا نہیں ہے بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا' تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے' پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

تمام لوگ امت واحدہ تھے اس کا معنی ہے: تمام لوگ دین واحد پر تھے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہاں لوگوں سے مراد وہ قرن ہیں جو حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان تھے اور یہ دس قرن ہیں جو دین حق پر رہے' پھر بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا' ابن ابی خیثمہ نے کہا: اس سے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کے قرن مراد ہیں اور یہ پانچ ہزار آٹھ سو سال کے زمانہ پر محیط لوگ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے زیادہ زمانہ کے لوگ ہیں' حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان بارہ سو سال گزرے' حضرت آدم نو سو ساٹھ سال زندہ رہے' ان کے زمانہ میں تمام لوگ ایک دین پر تھے' فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے' پھر حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد ان میں اختلاف ہوا' لیکن اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ادریس' حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے' کلبی اور واقدی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کشتی کے لوگ ہیں' یہ تمام لوگ دین حق پر تھے' حضرت نوح کی وفات کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۔ ۳۰ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت ابن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ تمام لوگ امت واحدہ تھے یعنی تمام لوگ کافر تھے' اور حضرت ابن مسعود کی قراءت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے' بعد میں انہوں نے مختلف دنیاوی اغراض کی بناء پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور بغاوت کی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کل نبیوں کی

تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔ محققین کے نزدیک اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا' اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل

(۱) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک دین پر تھے' پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا۔ اگر وہ تمام لوگ کفر پر تھے تو رسولوں کو پہلے بھیجنا چاہیے تھا۔

(۲) نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا۔ ان کی تمام اولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار تھی' اور اس وقت تک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا حتیٰ کہ قابیل نے حسد سے ہابیل کو قتل کر دیا۔

(۳) جب طوفان سے تمام روئے زمین کے لوگ غرق ہو گئے اور صرف کشتی کے لوگ بچے' یہ باقی ماندہ لوگ سب دین حق پر تھے' پھر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوئے۔

(۴) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی بچہ کو اس کی اصلی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی باطل دین پر نہیں ہو گا' کسی باطل دین کو اختیار کرنے کے سبب اس کے والدین کی کوشش ہوتی ہے یا دنیا کی محبت یا حسد' بغض اور دیگر اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں فرمایا تھا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ (الاعراف: ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں!'' اس دن سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین حق تھا۔

تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نوع انسان کے لیے ایک ہی دین ہے اور وہ دین اسلام ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو اسی دین کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ (آل عمران: ۱۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵)

اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم سے لے کر ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین اسلام ہے' البتہ شریعتیں سب نبیوں کی الگ الگ ہیں' دین سے مراد وہ اصول اور عقائد ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں' جیسے الوہیت' توحید باری' نبوت' تقدیر' وحی' فرشتے' کتب سماویہ' قیامت' حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس زمانہ کے مخصوص حالات' تہذیب اور رسم و رواج کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے وہ اسی نبی کی شریعت ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ (المائدہ: ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور راہ عمل بنائی ہے۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی' پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر اس نور کو ظلمت سے بدل لیا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِينَ

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ

تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں' ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ (اس قدر) جھنجھوڑ دیئے گئے کہ

يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا

(اس وقت کے) رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! بے شک

إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا

اللہ کی مدد عنقریب آئے گی ○ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم

أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَ

ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی

الْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

چیز بھی خرچ کرو گے' تو وہ ان کا حق ہے' اور تم جو نیک کام بھی کرو گے تو بے شک اللہ

بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ

کو اس کا علم ہے ○ تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا

تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو

وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۳۶ ع ۷ ۱

اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے O

راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلنے سے جنت حاصل ہوتی ہے' اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جنت کے حصول کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان نہیں ہے' اس راہ میں بہت مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں' بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا — یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے

چوں میگویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت' ان کے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں' ان کے طعنوں' استہزاء اور ان کی فتنہ سامانیوں سے گھبرا نہ جانا' ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے' انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب کرتے اور ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو گڑھے میں کھڑا کیا جاتا' پھر آرے کو اس کے سر پر رکھ کر اس کا سارا جسم چیر دیا جاتا اور یہ چیز اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتی تھی' اور کسی شخص کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے چھیل دیا جاتا' وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی اور اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں آتی تھی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۱۔ ۱۱۰۔ ۱۰۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق متعدد اقوال ہیں' بعض نے کہا: یہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی' بعض نے کہا: جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی' امام ابن جریر طبری نے قتادہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جنگ خندق کے موقع پر نازل ہوئی[1] جب ۵ ہجری میں کفار کی متعدد جماعتیں مدینہ پر حملہ آور ہوئیں اور مسلمانوں نے شہر کے گرد خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا' ان دنوں میں سخت سردی پڑ رہی تھی اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور خوراک کی بہت کمی تھی اور یہود کے تعاون سے مشرکین کے متعدد قبائل نے مرکز اسلام کا محاصرہ کیا ہوا تھا' اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس وقت مسلمانوں کی حالت کا

[1] امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان ج ۲ ص ۱۹۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ

اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ (الاحزاب: ۱۱۔۱۰)

جب تمہارے اوپر اور نیچے سے کافر تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور دل منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق (امید و بیم میں) طرح طرح کے گمان کرنے لگے ۝ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی آزمائش کی گئی تھی اور وہ نہایت سختی سے جھنجھوڑ دیئے گئے تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم ماں باپ' رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں پر جو اچھی چیز بھی خرچ کرو گے تو وہ ان کا حق ہے۔ (البقرہ: ۲۱۵)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف

اس سورت میں جن چیزوں کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے' جیسا کہ شروع میں فرمایا تھا: '' وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ '' (البقرہ: ۳) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو بار بار دہرایا اور حج سے متعلق جن آیات کا ابھی ذکر ہوا ہے' ان میں بھی صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' نیز اس کے بعد آنے والی آیات میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد کا عظیم ستون بھی اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرنا ہے' اس لیے اس آیت میں صدقہ اور خیرات کا ذکر فرمایا ہے' نیز اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ مصائب پر صبر کرنا دخول جنت کا سبب ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اور اس خرچ کی وجہ سے مالی نقصان پر صبر کرنا بھی دخول جنت کا سبب ہے۔ بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اللہ کی راہ میں کیا چیز خرچ کریں؟ لیکن سوال کے لائق یہ چیز نہیں تھی کہ وہ کیا خرچ کریں بلکہ سوال اس چیز کا کرنا چاہیے تھا کہ وہ مال کو کس طرح خرچ کریں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں صدقہ کے مادہ کی بجائے پہلے صدقہ کے مصرف کا بیان فرمایا کہ تمہارے صدقات کے مستحق تمہارے والدین' رشتہ دار' یتیم' مسکین اور مسافر ہیں' اس آیت میں صدقہ کی مقدار کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ بیان کر دیا گیا کہ کس قدر مال پر کتنا وقت گزرنے کے بعد کتنی مقدار میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور اس کے کیا کیا مصارف ہیں' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں' سدی نے کہا: یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ابن جریج نے کہا: یہ آیت نفلی صدقات سے متعلق ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے' ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی ذکر کرتے ہیں:

امام ابن منذر نے امام ابن حبان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے مال میں سے کیا چیز خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۴۳ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

صدقہ کا مصرف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا مادہ بیان فرمایا: تم جو ''خیر'' بھی خرچ کرو' اور خیر حلال اور طیب چیز ہوتی ہے' حلال سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہٖ حلال ہو جیسے بکری نہ کہ کتا اور خنزیر' اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو یعنی وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری نہ ہو اگر وہ چوری یا ڈاکہ سے حاصل شدہ بکری

ہے تو وہ فی نفسہٖ حلال تو ہے لیکن طیب نہیں ہے' اس لیے اللہ کی راہ میں خیر کو خرچ کرو جو حلال اور طیب ہو' اور تم اللہ کی راہ میں جس خیر کو بھی خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم پر دشوار ہے اور ہوسکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو' اور اللہ ہی کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے O (البقرہ: ۲۱۶)

جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام

اس سے پہلے آیت: ۲۱۴ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی' پھر آیت: ۲۱۵ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ایک مشقت ہے' اور اب اس آیت میں جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے: اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری وسعت اور طاقت کو خرچ کرنا' اور جہاد کا شرعی معنی ہے: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ' اسلام کی تبلیغ کے لیے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو جزیہ ادا کرنے کے لیے کہنا اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کرسکیں تو اس کے قریب کے شہر والوں پر جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا۔ علیٰ ھذا القیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔

علامہ کاسانی حنفی نے لکھا ہے: اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ)

جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں ذلت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ میں توحید کا حکم دیا اور نماز پڑھنے کا' زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا' اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو باقی فرائض نازل ہوئے اور مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر قتال (جہاد) فرض کر دیا گیا ہے' اور قتال سے ممانعت کے بعد تم کو قتال کی اجازت دے دی گئی ہے اور اگر چہ یہ طبعاً تم پر گراں اور بھاری ہے لیکن انجام کار تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ کافروں کو مغلوب کر کے تم ایک اسلامی ریاست قائم کرسکو گے اور آزادی کے ساتھ باعزت طریقہ سے زندگی گزار سکو گے اور اسلام کے تمام احکام پر بے خوف وخطر عمل کرسکو گے' اور جنگ کے ذریعہ تم کو دشمنوں کا جو مال غنیمت حاصل ہوگا اس سے تم پر خوش حالی آئے گی' اور اگر تم راہِ حق میں شہید ہو گئے' تو تمہارے لیے بے پناہ اجر ہے اور اگر تم کافروں سے جہاد نہیں کرو گے تو وقتی طور پر تمہیں آرام ملے گا لیکن مآل کار تمہارے ملک پر کافر قبضہ کر کے تمہیں آزادی سے محروم کر دیں گے۔ تمہیں اپنا غلام بنالیں گے اور پھر تم کو ذلت اور خواری کی زندگی گزارنی ہوگی۔

جہاد کے درجات اور اجر وثواب کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' آپ سے کہا گیا کہ پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا' آپ سے عرض کیا گیا: پھر کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔ امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عمل نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام ترمذی' امام بزار' امام حاکم اور امام بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کا جنگل میں بیٹھے پانی کے ایک چشمہ سے گزر ہوا' اس نے سوچا: کاش میں لوگوں کو چھوڑ کر یہیں رہ جاؤں' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر یہیں آ جاؤں گا' جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' ساٹھ سال اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے تمہارا ایک وقت اللہ کی راہ میں گزارنا افضل ہے' کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے! اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جو شخص اونٹنی کا دودھ دوہے جانے کے وقت کے برابر بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے فضالہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کے تین درجے ہیں: ادنیٰ' اوسط' اور اعلیٰ' ادنیٰ درجہ کا اسلام یہ ہے کہ جس میں عام مسلمان ہیں' تم جس سے بھی سوال کرو گے وہ کہے گا: میں مسلمان ہوں' اور اوسط درجہ میں بعض مسلمانوں کے عمل بعض سے افضل ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام بزار نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کے آٹھ حصے ہیں' اسلام (قبول کرنا) ایک حصہ ہے' نماز ایک حصہ ہے' زکوٰۃ ایک حصہ ہے' روزہ ایک حصہ ہے' حج بیت اللہ کا حصہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا ایک حصہ ہے' برائی سے روکنا ایک حصہ ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایک حصہ ہے' اور وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جہاد کرنے کی تمنا کیے بغیر مر گیا وہ نفاق کے ایک حصہ کے ساتھ مرا ہے۔

امام احمد' امام بخاری' امام ترمذی اور امام نسائی نے عبد الرحمان بن جبران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیر اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہوئے اللہ ان پیروں پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

امام حاکم' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکال دی گئی' دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی رہی۔

امام عبد الرزاق' امام احمد' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن حبان' امام حاکم اور امام بیہقی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اونٹنی کا دودھ دوہنے کے برابر وقت میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جس شخص نے صدق دل سے شہادت کے حصول کی دعا کی وہ مر

جائے یا قتل کر دیا جائے اس کو شہادت کا اجر ملے گا' اور جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو وہ قیامت کے دن اسی طرح زخمی اٹھے گا' اس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

امام مسلم' امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں کے نیچے ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس پر عام عذاب بھیجتا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ دنیاداری' روپے پیسے اور کھیتی باڑی میں منہمک ہو جائیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کو ترک کر دیں اور بیع عینہ کریں' تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہ کریں وہ مصیبتیں ان سے دور نہیں کرتا۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۴۹-۲۴۲' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہیے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے' اور

كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ

اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا' اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے' اور فساد ڈالنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے'

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

اور وہ (کافر) تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں دین سے پھیر دیں'

اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں مر گیا تو ان لوگوں کے

فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ

(نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۱۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ

ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید

اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

رکھتے ہیں' اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں' اس لیے یہاں اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے یا نہیں؟ ادھر دو ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضرمی نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا' مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ لشکر جمادی الاخریٰ میں بھیجا تھا یا رجب میں' بہر حال عمرو بن حضرمی کا قتل رجب میں ہوا (اور وہ حرمت والا مہینہ ہے) اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے دین پر عمل کی دعوت دیتے ہیں' ادھر ان کے پیروکاروں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے ماہِ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا' حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ لوگ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہیے کہ اس ماہ میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے' لیکن لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے' تو جو لوگ ان بڑے گناہوں میں ملوث ہیں وہ کس منہ سے ماہِ حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے لشکر کی تفصیل امام ابن جریر طبری نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرمی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رجب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا' اور واقدی کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بارہ مہاجرین کو روانہ کیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک خط دیا اور فرمایا: دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات پر عمل کرنا اور کسی کو مجبور نہ کرنا' اس خط میں لکھا تھا کہ تم نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام) پہنچ جاؤ' قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گزرے گا' تم اس کی گھات لگا کر بیٹھو اور اس کے احوال کی خبر ہمیں پہنچاؤ' حضرت عبداللہ بن جحش نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنایا' وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان کے اونٹ گم ہو گئے' وہ دونوں اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ نخلہ میں پہنچ گئے' وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں خوراک اور دیگر تجارتی سامان تھا' اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی' عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اس کا بھائی نوفل وغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر انہیں دھمکایا اور اس قافلہ کو روک لیا اور ان کے متعلق غور کیا' اس دن رجب کی آخری تاریخ تھی'

بعض نے کہا: اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ حرم میں پہنچ جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم نے ان سے جنگ کی تو تم ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا ارتکاب کرو گے۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے جنگ کی جائے اور جس کو قتل کر سکیں اس کو قتل کر دیں' باقی کو گرفتار کر لیں اور ان کا مال لوٹ لیں' پھر حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی نے تیر مار کر عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا' اور نوفل بن عبد اللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا' حضرت عبد اللہ بن جحش اس قافلہ کے سامان اور دو قیدیوں کو لے کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے' ان لوگوں نے اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے الگ کر لیا تھا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا تھا' یہ اسلام میں پہلا مالِ غنیمت اور پہلا خمس تھا' جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو ماہِ حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا' ان کا قافلہ اور دو قیدی وہاں ٹھہرے رہے' آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی لینے سے انکار کر دیا' اس وقت ان مسلمانوں کو بہت پشیمانی ہوئی اور دیگر مسلمانوں نے بھی ان کو ملامت کی اور کہا: تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' تم نے ماہِ حرام میں قتال کیا حالانکہ تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا' ادھر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہِ حرام کو حلال کر لیا ہے اور اس ماہ میں خون ریزی کی ہے اور لوٹ مار کی ہے' ادھر یہودیوں نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور کہا: واقد بن عبد اللہ نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے اور حضرمی کے قتل سے جنگ کی نوبت آ گئی ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ تم سے ماہِ حرام میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں' ان سے کہیں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو تم کر رہے ہو' لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہو' اللہ کا کفر کرتے ہو' مسلمانوں کو مسجد حرام جانے نہیں دیتے اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالتے ہو' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کا غم دور ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا' قریش نے ان دو قیدیوں کا فدیہ بھیجا' آپ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا' ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۱۲۹۔ ۱۲۴' مطبوعہ دار القلم' بیروت)

علامہ ابن اثیر جزری نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس دن حضرمی کو قتل کیا گیا وہ جمادی کا آخری دن تھا اور رجب کی پہلی شب تھی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۸۰' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے پہلی اور امام احمد اور امام بیہقی کے حوالے سے دوسری روایت لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون سی روایت صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۲۔ ۲۴۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ)

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مغالطہ ہو گیا تھا' انہوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی' اور انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا' لیکن قرآن مجید کی اس آیت سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال کیا تھا' تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ فعل گناہ ہے لیکن جو تم کر رہے ہو وہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور امام ابن جریر طبری اور علامہ جزری وغیرھم نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے: ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے اور حج سے واپسی کا سفر کرتے ہیں اور رجب میں عمرہ کا سفر کرتے ہیں' ان مہینوں کو اشہر حرام (حرمت والے مہینے)

کہتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا تاکہ لوگ زمانہ امن میں حج اور عمرہ کا سفر کریں' اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یا منسوخ ہو گئی' جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حرمت منسوخ ہوگئی اور ان کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو۔

(التوبہ: ۵)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں ہر جگہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر جگہ ان کو قتل کرنے کا عموم اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کو قتل کیا جائے اور ہر زمانہ میں حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں' لہٰذا ان مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے گا' اس سے ظاہر ہوا کہ ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت اب منسوخ ہوگئی۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت اس سے منسوخ ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف سے ماہِ حرام میں قتال کیا تھا اور آپ نے ماہِ حرام میں قتال کے لیے ابو عامر کو اوطاس روانہ کیا تھا۔

عطاء نے کہا ہے کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں' الا یہ کہ ان کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی کے قتل کی دیت ادا کی اور مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کر دیا' نیز اس کے بعد جو قتال کی آیات نازل ہوئیں وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۳۸۵۔ ۳۸۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے آئمہ احناف کے نزدیک خاص کو عام سے منسوخ کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے اور ماہِ حرام میں قتال کرنا جائز ہے' البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہے' البتہ عطاء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۴۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

زہری نے کہا: حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً. اور تم تمام مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں۔

(التوبہ: ۳۶)

اور عطاء نے کہا: یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں ان مہینوں میں جنگ کی اور آپ نے ابوالعاص (یا ابوعامر) کو اوطاس میں ان مہینوں میں جنگ کے لیے بھیجا اور قریش سے قتال کے لیے بیعت رضوان بھی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۷۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عطاء قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی' اور سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار یہ کہتے تھے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے وہ سورۂ توبہ: ۱۱۹ اور توبہ: ۵ سے استدلال کرتے ہیں' جن میں مشرکین سے بالعموم قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۴۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی ثناء اللہ مظہری کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' ان کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداءً قتال کرنا جائز نہیں ہے' البتہ مدافعانہ جنگ جائز ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ. (التوبہ: ۳۶)

بے شک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے' ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں' یہی صحیح دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

لیکن قاضی مظہری نے اس آیت کے دوسرے حصے پر غور نہیں کیا جس سے جمہور ان مہینوں کی حرمت کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں' وہ یہ ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ (التوبہ: ۳۶)

اور تم تمام مشرکوں سے قتال کرو جس طرح وہ تم سے قتال کرتے ہیں۔

قاضی مظہری نے لکھا ہے کہ خاص کا عام سے منسوخ ہونا قطعی نہیں ہے' شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۶۳۔ ۲۶۱' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

لیکن انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شوافع کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں قتال کیا ہے' اس کے معارض انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ شوال میں کیا تھا' لیکن یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جمہور نے یہ کہا ہے کہ طائف اور حنین کی جنگیں شوال سے لے کر ذوالقعدہ کے بعض ایام تک جاری رہیں اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

ہم نے جو کہا ہے کہ سورۂ توبہ: ۳۶ سے یہ آیت منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث مشہورہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو مشرکین سے جنگ کے لیے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ہوئیں' اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے' اگر ان مہینوں میں قتال اور جہاد حرام اور گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مہینوں میں قتال نہ کرتے کیونکہ آپ سب سے زیادہ حرام اور معصیت سے اجتناب کرنے والے تھے' دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے

خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقد ہوئی تھی' اگر بالفرض حضرت عثمان کو کفار قریش نے قتل کردیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصاص لینے کے لیے ان سے ذوالقعدہ میں جنگ کرتے اور وہ ماہ حرام ہے' اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مہینوں میں قتال کرنا ان مہینوں میں جنگ کو حرام قرار دینے سے پہلے ہے تو وہ جاہل ہوگا کیونکہ زیر بحث آیت جس میں ان مہینوں میں قتال کو بڑا گناہ فرمایا ہے اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک مسلمان نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کردیا تھا' اور یہ واقعہ دو ہجری جمادی الآخرۃ کا ہے اور حنین اور طائف کا واقعہ شوال و ذوالقعدہ آٹھ ہجری کو پیش آیا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۶ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس بحث میں جمہور کا قول صحیح ہے جن کے نزدیک ان مہینوں میں جنگ کی حرمت منسوخ ہے اور علامہ قاضی مظہری کی رائے صحیح نہیں ہے۔

جب کہ کفار کا مسلمانوں سے قتال کرنا صرف اس لیے تھا کہ ان کو دین حق سے پھیر کر دین باطل پر کردیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ کافر تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں' اور جب وہ دین باطل پر ہونے کے باوجود تم کو دین سے پھیرنے کی سعی کرتے ہیں تو تم دین حق پر ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم ہمیشہ دین حق پر قائم رہو' اور ان کو کامیاب نہ ہونے دو' کیونکہ تمہارا اعتماد اللہ پر ہے اور ان کا اعتماد اپنی قوت پر ہے اور جو اپنے آپ پر اعتماد کرے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو شخص کفار کے ڈالے ہوئے شبہات کا شکار ہوگیا اور دین حق سے مرتد ہوگیا اس کا کیا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوگیا اور وہ حالت کفر میں ہی مرگیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور یہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ (البقرہ: ۲۱۷)

مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

جو مسلمان صاحب عقل ہو' مکلف ہو اور بغیر نیند اور نشہ کے دین اسلام سے منحرف ہو کر کوئی اور دین قبول کرلے وہ مرتد ہے' عام ازیں کہ اس کا کفر کو اختیار کرنا قولاً ہو یا فعلاً' اور عام ازیں کہ اس کا قول سنجیدگی سے ہو یا استہزاءً یا عناداً ہو۔

علامہ شمس الدین سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اسلام کے خلاف جو اس کے شبہات ہیں ان کو زائل کیا جائے' اگر وہ مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اس کو اسی جگہ قتل کردیا جائے' البتہ اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت معاذ وغیرہم سے مروی ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔

(المبسوط ج ۱۰ ص ۹۸ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت معاذ' حضرت ابوموسیٰ' حضرت ابن عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہم سے مرتد کو قتل کرنے کا حکم منقول ہے اور اس کا انکار نہیں کیا گیا' لہٰذا قتل مرتد پر اجماع ہوگیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۶ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ (الفتح: ۱۶)

ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے آپ فرما دیجئے: عنقریب تم ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف

بلائے جاؤ گے جو سخت جنگجو ہوگی' تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ
مسلمان ہو جائیں گے۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ مرتدین کے لیے صرف دو راستے ہیں یا ان سے جنگ کی جائے یا وہ مسلمان ہو جائیں' تیسری کوئی صورت نہیں ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ابوداؤد [۱]' امام ترمذی [۲]' امام نسائی [۳]' امام ابن ماجہ [۴] اور امام احمد [۵] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کی گردن اڑا دو۔ (موطا امام مالک ص ۶۴۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۱۶۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

مرتدہ کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد' امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مرتد خواہ مرد ہو یا عورت اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو' اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ میں سے حضرت علی اور تابعین میں سے حسن بصری اور قتادہ کا یہی موقف ہے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کو قتل نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴) اور جب عورت کو کفر اصلی کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تو کفر طاری کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا جائے گا' نیز حضرت ابوبکر نے بنو حنیفہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا تھا اور ان میں سے ایک عورت حضرت علی کو دی تھی' جس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے اور حضرت ابوبکر نے محضر صحابہ میں یہ کام کیا تھا' اس لیے اس پر اجماع ہو گیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۶ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۱۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۲ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۲۳۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۳۔ امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۶۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۱۸۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۲ ـ ۲۸۳ ـ ۲۸۲ ـ ۷ ـ ۲' ج ۵ ص ۲۳۱ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۱۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

اس حدیث کو امام محمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (کتاب الآثار ص ۱۲۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ان کو قید کیا جائے گا اور ان کو اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ امام ابن ابی شیبہ نے عطاء اور حسن سے بھی اس قول کو روایت کیا ہے۔

کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے؟

بعض مخالفین اسلام اور مستشرقین قتل مرتد کے حکم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حکم آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے فکر کو علی الاطلاق اور بے لگام نہیں چھوڑا' مثلاً اگر کسی شخص کا یہ نظریہ ہو کہ زنا کرنا اور چوری کرنا درست ہے تو کیا اس کو مسلمانوں کی لڑکیوں سے بدکاری کرنے اور اموال چرانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر کسی کا یہ نظریہ ہو کہ قتل کرنا درست ہے تو اس کو قتل کرنے کے لیے بے مہار چھوڑ دیا جائے گا؟ اور اگر ان اخلاقی مجرموں کو سزا دی جائے تو کیا یہ آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف ہوگا؟

تمام دنیا کے ملکوں میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرے اور حکومت کو الٹنے اور انقلاب کے پروگرام بنائے تو ایسے شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے' پھر کیا ایسے شخص کو موت کی سزا دینا آزادی فکر اور حریت اعتقاد کے خلاف نہیں ہے؟ جب کہ تمام دنیا میں باغیوں اور ملک کے غداروں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور جب ملک کے غدار کو موت کی سزا دینا حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے تو دین کے غدار کو موت کی سزا دینا کیونکر آزادی رائے کے خلاف ہو سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں انصاف اور امن کے لیے آزادی رائے اور حریت فکر کو بے لگام اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا' ورنہ کسی کی جان' مال' عزت اور آبرو کا کوئی تحفظ نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ فکر اور اعتقاد کے لیے حدود اور قیود مقرر کی جائیں اور ان حدود کا تقرر یا عقل محض سے ہوگا یا وحی الٰہی سے' اگر ان حدود کا تقرر عقل محض سے کیا جائے تو ان حدود میں غلطی' خطاء' ظلم اور جور کا امکان ہے' اس لیے ان حدود اور قیود میں وحی پر اعتماد کرنا ہوگا اور یہ وحی الٰہی ہے جس نے مرتد کی سزا قتل کرنا بیان کی ہے' جیسا کہ ہم قرآن مجید' احادیث صریحہ اور آثار صحابہ و تابعین سے واضح کر چکے ہیں۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل کی سزا دینا خود قرآن مجید کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۶) دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کافر اصلی کے متعلق ہے یعنی جو ابتداءً کافر ہو مرتد کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ (البقرہ: ۲۵۶)

دین (قبول کرنے) میں جبر نہیں ہے' ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے' جو شخص شیطان کے حکم کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو بے شک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

امام شافعی کے نزدیک ارتداد سے نیک عمل اس وقت تک باطل نہیں ہوتے جب تک اس شخص کی موت ارتداد پر نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالت کفر میں مر گیا تو ان لوگوں کے نیک

اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے' لہٰذا ایک شخص نے وضو کیا اور وہ معاذ اللہ مرتد ہو گیا' پھر وضو ٹوٹنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے حج کر لیا اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا تو اب اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہو گا' اسی طرح اگر کوئی صحابی العیاذ باللہ مرتد ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تو وہ بدستور صحابی ہے' اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک صرف ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں' لہٰذا اگر کسی شخص نے وضو کیا اور مرتد ہو گیا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا' اگر اس نے حج کیا تھا تو وہ ضائع ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد صاحب استطاعت ہونے کے بعد اس پر از سر نو حج اسلام فرض ہو گا' اسی طرح جو صحابی العیاذ باللہ مرتد ہو گیا تو اس کا شرف صحابیت باطل ہو گیا' اب اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمان ہوا ہے تو وہ تابعی کہلائے گا صحابی نہیں ہو گا۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں دو جرم اور دو سزائیں بیان کی ہیں' ایک جرم ہے: مرتد ہونا' دوسرا جرم ہے: تاحیات مرتد رہنا اور ارتداد پر ہی مرنا اور رجوع الی الاسلام نہ کرنا' اور ایک سزا ہے: ان کے نیک اعمال کا ضائع ہونا اور دوسری سزا ہے: ہمیشہ جہنم میں رہنا۔ پہلی سزا کا تعلق پہلے جرم کے ساتھ ہے اور دوسری سزا کا تعلق دوسرے جرم کے ساتھ ہے یعنی مرتد ہونے سے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ مرتے دم تک مرتد رہا تو جہنمی ہو گا۔ اب ہم اس چیز کو مفسرین اور فقہاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

نیک اعمال کے ضائع ہونے کے لیے ارتداد کو موت کے ساتھ مقید فرمایا ہے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

(انوار التنزیل ص ۴۷' دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی لکھتے ہیں:

ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس ارتداد سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں یا جب تک ارتداد پر اس کی موت نہ ہو نیک عمل ضائع نہیں ہوتے' امام شافعی کے نزدیک جب تک وہ تادم مرگ مرتد نہ رہے اس کے نیک عمل ضائع نہیں ہوتے اور امام مالک کے نزدیک نفس ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک آدمی نے حج کیا' پھر مرتد ہو گیا' پھر مسلمان ہو گیا تو امام مالک کے نزدیک اس پر دوبارہ حج فرض ہے کیونکہ اس کا حج مرتد ہونے سے باطل ہو گیا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا حج باقی ہے ضائع نہیں ہوا' اس لیے اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ . (الزمر: ۶۵) اگر آپ نے (بہ فرض محال) شرک کیا تو آپ کے (نیک) عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفس ارتداد سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ آپ کا مرتد ہونا شرعاً محال ہے۔ شافعی یہ کہتے ہیں: بلکہ اس آیت سے آپ ہی مراد ہیں اور یہ آیت بہ طور تغلیظ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بلند مرتبہ کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے تو تمہاری کیا حیثیت ہے! (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۰۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

(اللہ جانے اس تقریر سے امام شافعی کا مدعا کیسے پورا ہو گا۔) ہمارے موقف پر یہ آیات بالکل واضح ہیں:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ . (المائدہ: ۵) اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (الانعام: ۸۸)

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے (نیک) اعمال ضائع ہو جاتے○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر آواز بلند نہ کرو اور ان کے سامنے بلند آواز سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو ورنہ تمہارے (نیک) عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں شعور بھی نہیں ہوگا○

یعنی اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (گستاخانہ لہجہ میں) بلند آواز سے بات کی تو وہ مرتد ہو جائے گا' اس کے نیک عمل ضائع ہو جائیں گے۔ ان تمام آیات میں نیک اعمال ضائع ہونے کا سبب نفس ارتداد کو قرار دیا ہے اور اس کو موت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر واضح دلیل ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اگر کوئی مسلمان مرتد ہو گیا تو وہ وضو کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا خواہ اس نے ارتداد سے پہلے وضو کیا ہو۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک' اور امام شافعی نے کہا: ارتداد سے اس کا وضو باطل نہیں ہوگا۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۱۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ کو یہاں بیان مذاہب میں تسامح ہوا ہے' امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بھی اس کا وضو باطل ہو گیا' البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک ارتداد پر موت سے نیک عمل ضائع ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف ارتداد سے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً ظہر کی نماز پڑھی اور مرتد ہو گیا اور ظہر کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعادہ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعادہ ہے کیونکہ ارتداد سے اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے○ (البقرہ: ۲۱۸)

دار الاسلام' دار الکفر' اور دار الحرب کی تعریفات

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کے لیے قطعی طور پر جہنم ہے' اب ان لوگوں کا بیان فرما رہا ہے جو جنت کی امید رکھنے کے حق دار ہیں۔ مسلمانوں پر پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے' [1] البتہ جب کبھی کہیں مکہ جیسے حالات پیدا ہوں جہاں اس کا ایمان' جان' مال اور عزت محفوظ نہ ہو تو اس کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ آج کل جس قدر کافر ملک ہیں کسی میں ایسے حالات نہیں ہیں' ہو سکتا ہے اسرائیل میں یہ کیفیت ہو' اس لیے ان ممالک سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ برطانیہ' مغربی جرمنی' کینیڈا' فرانس اور ہالینڈ میں رہنے والے مسلمان پاکستان سے زیادہ مامون اور

1. امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

محفوظ ہیں' یہ تمام ملک دارالکفر ہیں اور جن ملکوں سے بالفعل حالت جنگ برپا ہو وہ دارالحرب ہیں اور جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور ان میں نظام اسلام جاری کرنے کی اہلیت ہو وہ دارالاسلام ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے' اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

کہ کیا چیز خرچ کریں' آپ کہیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

بیان فرماتا ہے تاکہ تم تدبر کرو O دنیا اور آخرت کے کاموں میں' اور یہ لوگ آپ سے

عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے' اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ مشترک رکھو

فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

(تو کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کرنے والا ہے اور کون بدخواہی کرنے والا' اور اگر اللہ چاہتا

لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

تو تم کو ضرور سختی میں ڈال دیتا' بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ شراب کے نشہ میں انسان کو اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کر سکتا ہے' نیز وہ شراب کے نشہ میں جوا کھیلا کرتے تھے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کرتے تھے اور بہ ظاہر یہ اچھا کام تھا اس لیے صحابہ نے ان دونوں کا حکم معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر چہ اس میں کچھ لوگوں کا فائدہ ہے' لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے کیونکہ شراب کے نشہ سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے اور گالم گلوچ کرتا ہے اور جوئے کے ذریعہ دوسروں کا مال ہتھیا لیتا ہے۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن علی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کے متعلق تین آیتیں نازل کی ہیں' ایک یہ آیت ہے (شراب پینے سے وقتی جوش اور ہیجان پیدا ہوتا ہے اور جوئے کے ذریعہ آسانی سے جیتی ہوئی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور زمانہ جاہلیت میں یہ رقم غرباء پر خیرات کر دی جاتی تھی' ان فوائد کی بناء پر لوگوں نے آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر چہ ان میں کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے) تب لوگوں نے شراب پینے کے معمول کو جاری رکھا حتیٰ کہ دو آدمیوں نے شراب پی کی نماز پڑھی اور نماز میں بدکلامی کی' تب یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. (النساء: ۴۳ _ ۴۲)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

پھر جو لوگ شراب پیتے تھے وہ نماز کے اوقات میں شراب سے اجتناب کرتے تھے' حتیٰ کہ ایک دن ابوالقموص نے نشہ کی حالت میں مقتولین بدر کے نوحہ اور مرثیہ میں چند اشعار پڑھے' جن میں مقتولین بدر کی تعظیم اور تکریم کی' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ غضب میں گھبرائے ہوئے چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے' جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ نے اس کو مارنے کے لیے کوئی چیز اٹھائی' اس نے کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' بہ خدا! میں اب کبھی شراب نہیں پیوں گا' تب یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! خمر (شراب)' جوا' بتوں کے چڑھاووں کی جگہ اور بتوں کے پاس فال نکالنے کے تیر محض ناپاک ہیں' شیطانی کاموں سے ہیں' ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ شیطان کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے سبب سے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے' تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ ○

حضرت عمر نے جب یہ آیت سنی تو کہا: ہم باز آئے' ہم باز آئے!۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۱۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلیلیں ہیں: (۱) شراب کا ذکر جوئے' بتوں کے چڑھاووں کی جگہ اور بتوں کے پاس فال نکالنے کے تیروں کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب حرام ہیں (۲) شراب کو رجس (نجس) فرمایا اور ہر نجس چیز حرام ہے (۳) شراب کو شیطانی کام فرمایا اور شیطانی کام حرام ہیں (۴) شراب پینے سے اجتناب کا حکم دیا' لہٰذا اس سے اجتناب کرنا فرض ہوا اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہے (۵) حصول فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق فرمایا' اس لیے اس سے اجتناب فرض اور اس کا ارتکاب حرام ہوا (۶) شراب کے سبب سے شیطان عداوت پیدا کرتا ہے' اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے' لہٰذا شراب حرام ہوئی (۷) شراب کے سبب سے شیطان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے (۸) شراب کی تاثیر سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے (۹) شراب کی تاثیر سے شیطان نماز سے روکتا ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے (۱۰) اللہ تعالیٰ نے استفہاماً انتہائی بلیغ ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم (شراب نوشی سے) باز آنے والے ہو؟

احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبیدہ' حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب کو ادھ پکی کھجوروں اور چھواروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا: خمر کو حرام کر دیا گیا' تو حضرت ابوطلحہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور اس تمام شراب کو انڈیل دو۔

حضرت ابو مالک یا حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا' ریشم' خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: کل آنا۔ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا' اور دوسرے لوگوں (زنا' شراب اور آلات موسیقی کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت کے دن بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر نے دعا کی کہ اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم بیان فرما تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِؕ'' (البقرہ: ۲۱۹) عمر نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى'' (النساء: ۴۳) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے نداء کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے' عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی: ''فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝'' (المائدہ: ۹۰) حضرت عمر نے کہا: ہم باز آ گئے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شخص نے کسی نشہ آور چیز کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص ہو جائیں گی۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے۔ پوچھا گیا کہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخیوں کی پیپ۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۲ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر' پلانے والے پر' بیچنے والے پر' خریدنے والے پر' خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر' اس کو بنانے والے پر' خمر کو لادنے والے پر اور جس کے پاس لاد کر لائی جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خمر پیے اس کو کوڑے مارو اگر وہ چوتھی بار پیے تو اس کو قتل کردو۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۸ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کی بناء پر اسی کوڑے مارے۔

(المصنف ج ۷ ص ۳۷۹ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خمر پیے اس کو اسی کوڑے مارو۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۹۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کے پینے پر حد واجب ہے خواہ قلیل مقدار میں پیے یا کثیر مقدار میں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۲ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے متعلق شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے خمر کو حرام کیا ہے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر اس کچے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے' اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا" (یوسف: ۳۶) میں نے خواب میں دیکھا کہ خمر کو نچوڑ رہا ہوں' یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے' اس کا پینا' پلانا' بیچنا' خریدنا' رکھنا سب حرام قطعی ہے' خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں: ایک باذق ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے' دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے' تیسرا نقیع الزبیب ہے یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۹۰۔ ۲۸۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست خفیفہ ہے جب کہ نشہ آور مقدار میں پیا جائے اور اس سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی' اور باقی تین شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب نشہ ہو جائے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۹۵ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر تو بعینہٖ حرام ہے اور باقی نشہ آور مشروب اگر مقدار نشہ میں پیے جائیں تو وہ بھی حرام ہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں پیے جائیں تو وہ حرام نہیں ہیں اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مشروب نشہ آور ہو وہ خمر ہو یا کوئی اور مشروب خواہ وہ قلیل مقدار میں پیا جائے یا کثیر مقدار میں وہ بہر حال حرام ہے' امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابوحنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خمر (مطلقاً) حرام کی گئی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ (مسند امام اعظم ص ۲۵۴ 'مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

امام ابو یوسف نے بھی اس حدیث کو امام ابوحنیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ (کتاب الآثار ص ۲۲۸)

امام ابن ابی شیبہ[1] اور امام دار قطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۵۶ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام طبرانی تین مختلف اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شراب کو بعینہٖ حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار کو۔

(معجم کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۹۔ ۳۳۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۵۳ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو چار مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۹۷ 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

ہم نے اس حدیث کے متعدد طرق اور اسانید اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس حدیث پر امام ابوحنیفہ کے مسلک کی بنیاد ہے وہ بہت قوی حدیث ہے اور جس حدیث میں ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار حرام ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے' یہ حدیث ضعیف ہے''شرح صحیح مسلم'' جلد سادس میں ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کی تائید میں بہت سی احادیث اور آثار نقل کیے ہیں۔

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

عربی میں جوئے کے لیے میسر اور قمار دونوں لفظ استعمال کیے جاتے ہیں' میسر کا لفظ یسر سے بنا ہے جس کا معنی آسانی ہے' چونکہ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے رقم حاصل کر لیتا ہے اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں' میر سید شریف قمار کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے گی قمار ہے۔

(التعریفات ص ۷۷ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

قمار قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے' پہلے یہ مباح تھا' بعد میں اس

[1] امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف ج ۵ ص ۸ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی

کی تحریم نازل ہوگئی' جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو' پھر بعد میں اس سے منع فرمایا اور قمار کی حرمت نازل ہوگئی' اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے' البتہ شتر سواری' گھوڑے سواری اور نیزے بازی کی سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے بلکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہ جانے والے کو نہ دیا جائے' اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کردیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا یہ جائز ہے' اس دخیل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم

لاٹری' معمہ بازی' ریس کورس میں گھڑ دوڑ' تاش' شطرنج' کیرم اور دیگر کھیلوں میں ہار جیت پر رقمیں لگانا' کرکٹ' فٹ بال اور سکوائش وغیرہ کے ملکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں سٹہ کھیلنا یہ سب قمار اور میسر (جوا) ہیں' گناہ کبیرہ اور حرام قطعی ہیں' انعامی بانڈز پر جو انعامی رقم ملتی ہے وہ جائز ہے' قمار نہیں کیونکہ اس میں کسی فرد کی رقم ضائع نہیں ہوتی' ہر شخص جب چاہے اپنے بانڈز کو بینک سے کیش کرا سکتا ہے' اس میں خریداری کی ترغیب دینے کے لیے بعض نمبروں پر حکومت انعام کی رقم کا اعلان کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بعض صابن ساز ادارے یا ٹوتھ پیسٹ بنانے والے کوئی اسکیم جاری کرتے ہیں اور خریداروں کو کوئی اضافی چیز انعام میں دیتے ہیں یا بعض ٹھنڈے مشروبات والے (مثلاً کوکا کولا) بوتل کے بعض ڈھکنوں پر انعامی رقم رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے "شرح صحیح مسلم" جلد رابع میں بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں' آپ کہیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔

(البقرہ: ۲۱۹)

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ شراب اور جوئے میں گناہ زیادہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوئے سے روحانی اور بدنی بیماری ہوتی ہے اور ان میں پیسہ خرچ کرنا لائق مذمت ہے۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنا لائق تحسین ہے؟ اور چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دہرایا کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ "عفو" جو ضرورت سے زائد ہو۔

"عفو" (زائد از ضرورت) کے معانی اور محامل

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے "عفو" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو چیز اہل و عیال پر خرچ کرنے سے بچ رہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ "عفو" کے تین معنی ہیں: (۱) گناہ سے درگزر کرنا (۲) میانہ روی سے خرچ کرنا' اور اس آیت میں یہی مراد ہے یعنی اللہ کی راہ میں میانہ روی سے خرچ کرو (۳) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا' یہ معنی اس آیت میں ہے: "اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ" (البقرہ: ۲۳۷) (دخول سے پہلے مطلقہ عورت کو)

شوہر بہ طور احسان نصف مہر سے زیادہ دے دے''۔

امام عبد بن حمید نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ''عفو'' کا معنی ہے: ضرورت سے زائد۔

امام عبد بن حمید نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ''عفو'' کا معنی ہے: جس کا خرچ کرنا آسان ہو' اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے''عفو'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صدقہ کی کوئی معین مقدار نہیں ہے' اس کے بعد فرائض کو معین کر کے نازل کیا گیا ہے' نیز امام ابن جریر نے سدی سے''عفو'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ (الدر المنثور ج ا ص ۲۵۳ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

''عفو'' کے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جمہوری طریقہ سے رائے عامہ کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا اور اسمبلی کی منظوری سے زرعی' صنعتی اور تجارتی اداروں کو ان کے مالکوں سے معاوضہ دے کر یا بلا معاوضہ چھین کر قومیا لینا سوشلزم ہے اور نادار اور محنت کش عوام کو منظم کر کے تاجروں' صنعت کاروں اور زمینداروں کے خلاف جنگ کر کے انقلاب لانا اور تمام پیداواری اداروں کو قومیا لینا کمیونزم ہے۔

۱۹۷۰ء میں جب پاکستان میں سوشلزم کا زور تھا اس وقت بعض سوشلسٹ علماء نے اس آیت سے سوشلزم کے اسلامی ہونے پر استدلال کیا تھا کہ اللہ نے ضرورت سے زائد ہر چیز کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے' لہٰذا تمام بڑے بڑے کاروباری اور صنعتی اداروں کو قومی ملکیت میں لینا جائز ہے کیونکہ وہ تمام ادارے ان کے مالکوں کی ضرورت سے زائد ہیں' اس وقت اس کے جواب میں یہ کہا گیا تھا کہ اس آیت میں راہ خدا میں خرچ کرنے اور دینے کا حکم ہے' لوگوں کے اموال کو بالجبر لینے یا قومیانے کا حکم نہیں ہے' نیز یہ حکم بہ طور استحباب ہے' بہ طور فرض نہیں ہے' فرض صرف زکوٰۃ اور زرعی پیداوار سے عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہے۔

اب ہم اس آیت کو ذرا زیادہ گہرائی سے دیکھتے ہیں' اس آیت میں لفظ''عفو'' سے استدلال کیا گیا ہے' ہم نے ائمہ تفسیر سے اس لفظ کے تین معنی نقل کیے ہیں: زائد از ضرورت' میانہ روی اور آسان۔ جن صحابہ' تابعین اور ائمہ تفسیر نے اس کا معنی زائد از ضرورت بیان کیا ہے انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کا حکم زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی مقدار بیان کرنے سے پہلے تھا' اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا' اور جن ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: راہ خدا میں میانہ روی سے خرچ کرو یا جس کا خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرو' سو اس معنی میں یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر''عفو'' کا معنی زائد از ضرورت ہے تو زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر اس کا معنی ہے: میانہ روی سے خرچ کرنا یا جس کو خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اور امام نسائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی سارا مال صدقہ نہ کرو کہ اس کے بعد بھیک مانگتے پھرو)' خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو' بیوی کہے گی: یا مجھے نفقہ دو یا مجھے طلاق دو' خادم کہے گا: مجھے کھانا دو اور مجھ سے کام لو' بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ! تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کے خرچ کے متعلق بہتر جانتے ہو۔

امام ابن سعد، امام ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونے کا ایک ٹکڑا لے کر آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھے ایک معدن (کان) سے یہ سونا ملا ہے، میں اس کو صدقہ کرتا ہوں، آپ اس کو لے لیجئے، میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے دوبارہ پیچھے سے آکر عرض کیا، آپ نے اس سے وہ سونا لے کر اس کی طرف اتنے زور سے پھینکا کہ اگر اس کو لگ جاتا تو اس کو بہت چوٹ لگتی یا اس کی آنکھ پھوٹ جاتی، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنا (کل) مال لے کر میرے پاس آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے، پھر وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۵۴۔ ۲۵۳، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اپنی ضروریات سے زائد کل مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شرعاً محمود اور مستحسن بھی نہیں ہے۔ اگر ہر شخص پر یہ لازم ہوتا کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز خدا کی راہ میں دے دے تو کوئی شخص صاحب نصاب نہ ہوتا نہ کسی کے نصاب پر سال گزرتا اور پھر زکوۃ کا فرض کرنا بالکل لغو اور بے فائدہ ہوتا' نہ کسی شخص پر قربانی واجب ہوتی نہ کسی پر حج فرض ہوتا' نہ صدقہ فطر ہوتا تو پھر قربانی اور حج کی مشروعیت کے احکام بھی عبث ہوتے' کیونکہ جب مال جمع کرنا شرعاً جائز ہی نہیں ہے تو پھر ان احکام کے کیا معنی؟ اور عشر اور نصف عشر کے احکام صحیح نہ ہوتے' یہ حکم نہ ہوتا کہ اپنی زرعی پیداوار کا دسواں حصہ راہ خدا میں دو بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی سارا غلہ راہ خدا میں دے دو' چور کا ہاتھ کاٹنا بھی غلط ہوتا بلکہ الٹا چور مالک سے باز پرس کرتا کہ تم نے اتنا مال جمع ہی کیوں کیا جس کو چرایا جا سکے' غرضیکہ سوشلسٹ علماء کے مزعوم کے مطابق اگر اس آیت کی (بزعم خود غلط) تفسیر کی گئی تو ساری شریعت اسلامیہ ہی غلط ہو جائے گی۔ العیاذ باللہ!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ مشترک رکھو (تو کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں' اور اللہ جانتا ہے کہ کون خیر خواہی کرنے والا ہے اور کون بدخواہی کرنے والا۔ (البقرہ: ۲۲۰)

زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کا ذکر کیا گیا تھا' اس آیت میں مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہوں ان کو یتیموں پر خرچ کرو۔

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:
امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ (الانعام: ۱۵۲)
اور اچھے طریقہ کے سوا مال یتیم کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○
بے شک جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں' اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے ○ (النساء: ۱۰)

تو ہر وہ شخص جس کی زیر کفالت کوئی یتیم تھا' اس نے اپنا اور یتیم کا کھانا الگ الگ کر لیا' بعض اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا اور بعد میں سڑ کر خراب ہو جاتا' نیز الگ الگ دو سالن پکانے میں مشقت اور دشواری مستزاد تھی' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیم کے مال کے ضیاع اور اپنی دشواری کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر تم خیر خواہی کی نیت سے اپنا اور ان کا کھانا مشترک رکھو تو کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو (یہ آسانی مہیا نہ کر کے) تم کو مشقت میں ڈال دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۵' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اللہ پر دلوں کا حال روشن ہے' وہ خیر خواہ اور بدخواہ کو جانتا ہے' اس کو علم ہے کہ یتیم کے مال کو ضیاع سے بچانے کے لیے کون مشترک کھانا پکایا کرتا ہے اور یتیم کے مال سے (بہ طور خیانت) فائدہ اٹھانے کے لیے کون ایسا کرتا ہے' یتیم کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھانا بہ قدر حساب مشترک رکھو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک نیتی اور خیر خواہی کے ساتھ یتیم کا ولی یتیم کے مال میں تصرف کر سکتا ہے' یتیم کے مال کی خرید و فروخت اور اس میں تجارت اور مضاربت کر سکتا ہے اور اگر یتیم کا فائدہ ہو تو یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت بھی کر سکتا ہے اور مضاربت بھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے ساتھ اختلاط کی اجازت دی ہے تو ان کے مال کے ساتھ بھی اختلاط کر سکتا ہے اور ان کے نسب کے ساتھ بھی' یتیم لڑکے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے اور یتیم لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے' بہ شرطیکہ ان تمام مالی اور جسمانی تصرفات سے یتیم کی خیر خواہی مقصود ہو' اس کے مال اور نفس سے اپنے خود غرضانہ فوائد مطلوب نہ ہوں۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں' اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت

مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ

سے بہتر ہے' خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو' اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو حتیٰ کہ

يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ

وہ ایمان لے آئیں' اور مسلمان غلام (آزاد) مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو'

اُولٰۤىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ

یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں' اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور

الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ع (۲۲۱) ۲۷ ع ۵ ۱۱

مغفرت کی طرف بلاتا ہے' اور لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں O

مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالطت کا جواز بیان فرمایا تھا' جس کا تقاضا یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے' تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے کہ مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں ہے' کیونکہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے' وہ دونوں ایک دوسرے کے عقائد' نظریات' افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو' اس لیے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا' اگرچہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک بیوی یا شوہر متاثر ہو جائے لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے اس لیے اسلام نے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کا معاملہ کلیۃً منقطع کر دیا۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے' اس لیے ملحد' مجوسی' بت پرست اور کسی قسم کے بھی کافر سے نکاح جائز نہیں ہے مسلمان مرد کا نہ مسلمان عورت کا۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابومرثد غنوی کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو نہایت حسین و جمیل عورت تھی اور حضرت ابومرثد مسلمان ہو چکے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ الایۃ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۵۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آزاد مشرک کی بہ نسبت مسلمان غلام بہتر ہے' اور کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کر دینا اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح آزاد مشرک سے کیا جائے حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے' سو غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لیے یہ آیت صریح جزیہ ہے' ہم ان شاء اللہ سورۂ نساء میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کریں گے' "شرح صحیح مسلم" جلد ثالث اور جلد سادس میں ہم نے اس موضوع پر بہت تفصیل اور تحقیق سے بحث کی ہے۔

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے' قرآن مجید نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ (المائدہ: ۵)

اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور (تمہاری) آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں' اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم ان سے نکاح کر کے ان کا مہر ادا کرو' نہ ان سے ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت کیوں دی جب کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی مشرک ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (التوبہ: ۳۰)

اور یہود نے کہا: عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا' قرآن مجید میں ہے:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (البقرہ: ۱۰۵)

کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ.......

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینہ: ۱)

کافر اہل کتاب اور مشرکین بغیر واضح دلیل کے اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے ۝

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا' اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے' حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے " وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ " (البقرہ: ۲۲۱) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور دلیل استثناء یہ آیت ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۔ (المائدہ: ۵)

اور اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں)۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

باقی رہی یہ بحث کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتاب کو نہ رسول کو نہ قیامت اور جزاء اور سزا کو' نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے' اس کے

برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو مانتے ہیں' ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا ہے اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا' اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرۃً منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے' اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی۔ اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے اس لیے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہوگا اور اس اہل کتاب عورت کو اسلام کو قریب سے دیکھنے پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا' اسلامی معاشرہ' اسلام کی تہذیب اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط و ضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بہ دیر مسلمان ہو جائے گی اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہر حال باپ کے دین کے تابع رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مواقع دارالاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں' اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالکفر میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کے پورے ہونے کے مواقع وہاں میسر نہیں ہیں۔ باقی اس مسئلہ میں فقہاء' صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب ہم ان شاء اللہ سورۃ مائدہ میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور یہ آپ سے حیض کا حکم معلوم کرتے ہیں' آپ کہیے کہ وہ گندگی ہے' سو عورتوں سے

النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا

حالت حیض میں الگ رہو' اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں' اور جب وہ

تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

مکمل پاک ہو جائیں تو ان کے پاس (وہاں) آؤ' جہاں سے (آنے کا) اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے' بے شک اللہ توبہ کرنے

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠

والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○ تمہاری عورتیں تمہارے (بیج ڈالنے کے) لیے کھیتیاں ہیں

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تو تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ' اور اپنے لیے نیک عمل بھیجے رہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو'

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۲۳)

اور یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور آپ مؤمنوں کو بشارت دے دیجئے O

حیض کا حکم بیان کرنے کا شانِ نزول

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازم سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے' سو ان آیتوں میں بتایا ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا اور چونکہ جماع کا مقصد حصول اولاد ہے' محض قضاء شہوت نہیں ہے اس لیے فرمایا کہ جس جگہ سے حصول اولاد ہو وہاں تخم ریزی کرو' یعنی عمل معکوس نہ کرو' خواہ اس عمل (تخم ریزی) کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرو۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد' امام دارمی' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام ابویعلیٰ' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام ابن حبان اور امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس کو گھر سے نکال دیتے' اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے نہ اس کے ساتھ گھروں میں رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عورتوں کو گھروں میں رکھو اور عمل زوجیت کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کرو' جب یہود کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے' پھر حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباس بن بشر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! یہود اس اس طرح کہہ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم اپنی عورتوں سے جماع بھی کر لیں' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ میں دودھ آیا تو آپ نے وہ دودھ ان دونوں کے لیے بھیجا' اس سے ان دونوں نے یہ جانا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۵۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اس سے معلوم ہوا کہ استاد یا ماں باپ' شاگرد یا اولاد کو اگر کسی بات پر ڈانٹیں تو بعد میں کسی طرح ان کی دل جوئی کر کے اس کی تلافی بھی کریں۔

حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائضہ عورت سے جماع کے سوا باقی سب کچھ کر سکتے ہو۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی بناء پر ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر ایام حیض میں اپنی بیوی سے جسمانی قرب اور جسمانی لذت حاصل کر سکتا ہے' البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک احتراز کرے' کیونکہ اگر اس میں بھی دست درازی کرے گا تو خطرہ ہے کہ وہ عمل زوجیت میں مبتلا ہو جائے گا۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت سے

جماع کیا یا کسی عورت کی سرین میں دخول کیا یا کسی شخص نے کاہن کے قول کی تصدیق کی تو اس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۴۷ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

جدید میڈیکل سائنس سے بھی واضح ہو گیا کہ حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے مرد کے عضو مخصوص میں سوزاک ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مرد اور عورت دونوں بانجھ ہو جاتے ہیں۔

حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جو خون رحم سے وقت مخصوص میں وصف مخصوص کے ساتھ خارج ہو اس کو حیض کہتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

لغت میں حیض کا معنی ہے: سیلان (بہنا) جب کوئی وادی بہنے لگے تو کہتے ہیں: ''حاض الوادی'' اوقات مخصوص میں خون بہنے کی وجہ سے اس خون کو حیض کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں حیض اس صفت شرعیہ کو کہتے ہیں جو ان کاموں کے کرنے سے مانع ہو جن کے لیے حیض سے پاک ہونا شرط ہے' مثلاً نماز پڑھنا' قرآن مجید کو چھونا' روزہ رکھنا' مسجد میں داخل ہونا اور عمل زوجیت کرنا۔

علامہ حصکفی نے حیض کی یہ تعریف کی ہے: وہ خون جو بالغہ کے رحم سے بغیر وقت ولادت کے خارج ہو۔ رحم کی قید سے استحاضہ خارج ہو گیا' کیونکہ یہ خون ایک رگ سے خارج ہوتا ہے اور یہ افعال مذکورہ سے مانع نہیں ہے' رحم اس ظرف کو کہتے ہیں جس میں بچہ ہوتا ہے یعنی بچہ دانی' اور بغیر وقت ولادت کی قید سے نفاس خارج ہو گیا (نفاس بھی افعال مذکورہ سے مانع ہے۔)' ولادت کے بعد عورت کے رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کا سبب یہ ہے کہ حضرت حواء نے شجر ممنوع کھا لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر دیا' امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر اس کو مقدر کر دیا ہے' حیض کا رکن یہ ہے کہ خون رحم سے نکل کر فرج داخل کے باہر آ جائے' اگر وہ خون فرج داخل ہی میں رہے تو وہ حیض نہیں ہے۔ (المفردات ص ۱۳۶ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

ایام حیض کے تعین میں مذاہب ائمہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے' اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے' اور عموماً حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے' اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر (پاکیزگی کے ایام) کی مدت پندرہ دن ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۹۔ ۱۸۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔

(المغنی ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

حیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔

(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء احناف کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں: امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کنواری اور شادی شدہ عورت کا حیض تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا' دس دن کے بعد نکلنے والا خون استحاضہ ہے۔ حائضہ ایام حیض کے بعد کی نمازوں کی قضا کرے۔ حیض میں سرخی مائل سیاہ گاڑھا خون ہوتا ہے اور استحاضہ میں زرد رنگ کا پتلا خون ہوتا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام دار قطنی نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام دار قطنی نے ان احادیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہو گئیں اور ان سے استدلال صحیح ہے' نیز ان احادیث کی تقویت حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے:

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

معاویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا: حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

وکیع نے کہا: حیض تین سے دس دن تک ہے' اس کے علاوہ استحاضہ ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام دار قطنی نے ایک اور سند سے بھی یہ اثر بیان کیا' اور سفیان کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۱۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ متعدد اسانید کے ساتھ چھ صحابہ سے منقول ہے کہ حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے ''کامل'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین دن سے کم حیض نہیں ہوتا اور دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام ابن جوزی نے ''علل متناھیہ'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (العلل المتناھیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ)

حیض' نفاس اور استحاضہ میں مبتلا خواتین کے مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

(۱) حالت حیض میں طہارت (پاکیزگی) کے حصول کے لیے وضو کرنا منع ہے' صفائی کے لیے غسل کرنا جائز ہے جیسے دوران حج بدن صاف کرنے کے لیے غسل کرتے ہیں' اسی طرح جن وظائف کے پڑھنے کی اس کی عادت ہو' مثلاً تکبیر' تہلیل'

درود شریف ان کے لیے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ فقہاء نے کہا ہے کہ حائضہ کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جائے نماز پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھتی رہے جتنی دیر میں وہ نماز پڑھتی تھی تاکہ اس کی نماز کی عادت قائم رہے' اس عمل سے اس کو بہترین نماز پڑھنے کا اجر ملے گا۔

(۲) حیض کی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے' خواہ کسی قسم کی نماز ہو یا سجدۂ شکر ہو' حالت حیض میں جو نمازیں ہو گئیں ان کی قضا نہیں ہے۔

(۳) حائضہ کا اعتکاف کرنا منع ہے اور اگر دورانِ اعتکاف اس کو حیض آ گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۴) حالت حیض میں طواف صدر (وداع) ممنوع ہے۔

(۵) حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

(۶) حیض آنے سے لڑکی بالغہ ہو جاتی ہے۔

(۷) عدت پوری ہونے کا تعلق بھی حیض سے ہے' آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے اور باندی کی عدت دو حیض ہے۔

(۸) استبراء کا تعلق بھی حیض سے ہے' جب مالِ غنیمت سے کوئی باندی ملے یا کسی باندی کو خریدے تو ایک حیض تک اس سے وطی نہ کرے' ایک حیض گزر جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس کے رحم میں استقرار نطفہ ہے یا نہیں۔

(۹) حیض منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔

(۱۰) رمضان کے روزہ کے کفارہ اور قتل کے کفارے میں مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں' اگر ان روزوں کے درمیان حائضہ کو حیض آ گیا تو اس کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۱) حائضہ عورت پر روزہ رکھنا منع ہے لیکن وہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا کرے گی' اس نے نفل روزہ شروع کیا اور پھر حیض آ گیا تو اس کی قضا کرے گی۔

(۱۲) حائضہ عورت کا مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔

(۱۳) حائضہ کے لیے کعبہ کا طواف کرنا منع ہے۔

(۱۴) حائضہ کی ناف سے گھٹنے تک اس کے شوہر کا قریب ہونا منع ہے۔

(۱۵) تلاوت قرآن کے قصد سے قرآن پڑھنا منع ہے' البتہ دعا کے قصد سے سورۂ فاتحہ یا کسی اور آیت کو پڑھنا یا تبرک کے قصد سے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے۔

(۱۶) قرآن مجید کو چھونا منع ہے خواہ وہ متصل یا منفصل غلاف میں ہو۔

(۱۷) اللہ کا ذکر کرنا' تسبیح کرنا' قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے' اسی طرح عیدگاہ میں جانا جائز ہے۔

(۱۸) ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے بعد کھانا پینا جائز ہے' اور ہاتھ منہ دھوئے بغیر جنبی کے لیے کھانا مکروہ ہے' حائضہ کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

(۱۹) جب اکثر مدت پوری ہونے کے بعد حیض منقطع ہو (یعنی دس دن کے بعد) تو شوہر کا اس کے ساتھ بغیر اس کے غسل کے وطی کرنا جائز ہے اور غسل کے بعد وطی کرنا مستحب ہے۔

(۲۰) اگر کم مدت گزرنے کے بعد اس کا حیض منقطع ہوا تو حائضہ وضو کرے اور آخری وقت میں نماز پڑھ لے۔

(۲۱) اگر حائض کے ایام مقرر ہیں اور اس سے کم وقت میں حیض منقطع ہو گیا تو اس کے شوہر کے لیے اس سے مباشرت جائز

نہیں ہے' البتہ وہ احتیاطاً نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

(۲۲) اگر حیض کم مدت میں منقطع ہو گیا تو شوہر کا اس سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔

(۲۳) اگر حیض منقطع ہونے کے بعد حائضہ نے نماز کا اتنا وقت پالیا جس میں تکبیر تحریمہ پڑھی جا سکتی ہے تو اس پر وہ نماز فرض ہو گئی اور اس کی قضا کرے گی۔

(۲۴) جو شخص حائضہ عورت سے حلال سمجھ کر مباشرت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲۵) مدت حیض سے کم یا مدت حیض کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہے' اس کا حکم اس طرح ہے جس طرح کسی معذور شخص کی ناک سے ہمیشہ خون جاری ہو تو اس سے نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا' اسی طرح مستحاضہ سے بھی نماز روزہ ساقط نہیں ہوتا۔

اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نماز کے ایک وقت میں وضو کرے' یہ وضو اس پورے وقت میں شرعاً قائم رہے گا' بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے وضو نہ ٹوٹے' وہ اس وضو سے پورے وقت میں تمام عبادتیں کر سکتی ہے اور وقت ختم ہونے کے بعد اسے دوسرے وقت کے لیے وضو کرنا ہو گا۔

(۲۶) ولادت کے بعد رحم سے جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہتے ہیں۔ اس کے کم ہونے کی کوئی حد نہیں ہے اور اکثر نفاس کی حد چالیس دن ہے اور چالیس دن کے بعد جو خون آتا رہے وہ استحاضہ ہے' استحاضہ کے دوران وہ نمازیں پڑھے گی اور روزے رکھے گی اور معذور شخص کی طرح وضو کرے گی۔

(۲۷) نفاس کا خون نکلنے سے عدت پوری ہو جاتی ہے خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات ہو۔

(۲۸) حیض اور نفاس میں مبتلا دونوں عورتیں ان ایام میں نماز نہیں پڑھیں گی اور ان پر ان ایام کی قضا نہیں ہے' البتہ ان ایام میں اگر رمضان کے روزے آ گئے تو روزے نہیں رکھیں گی' بعد میں فوت شدہ روزوں کی قضا کریں گی۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۰۰۔ ۱۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

اور تم نیکی' تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

اور اللہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے O اللہ تم سے تمہاری

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ

بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا' لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں'

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ

اور اللہ بہت بخشنے والا بہت بردبار ہے O جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے

اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنۡ

چار مہینے کی مہلت ہے' اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O اور اگر

عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۷﴾

انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ' پھر فرمایا: ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا' یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی' بعض لوگ از خود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے اس خاص قسم کو ایلاء کہتے ہیں' ایلاء کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرمایا۔ بعض لوگ نیکی' پرہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے' پھر اگر کوئی ان کو ٹوکتا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی' ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ایک شخص یہ قسم کھا لیتا کہ وہ اپنے رشتہ دار سے کلام نہیں کرے گا' یا صدقہ نہیں دے گا' یا ان دو آدمیوں میں صلح نہیں کرائے گا جو آپس میں لڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا کہ میں حلف اٹھا چکا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا' تب یہ آیات نازل ہوئیں کہ نیکی اور خدا خوفی کے کاموں سے رکنے کے لیے اللہ کی قسموں کو بہانہ نہ بناؤ اور گویا اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ تم ایسی قسموں کو توڑ کر ان نیکی کے کاموں کو کرو اور اپنی قسموں کا کفارہ دو۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۶۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یمین (قسم) اور ایلاء کا بیان شروع کیا ہے اس لیے ہم یہاں یمین کا لغوی اور شرعی معنی اور یمین اور ایلاء کے شرعی احکام بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق

قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

یمین اصل میں دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے: ''واصحاب الیمین۔'' اس میں قوت اور برکت کے معنی کا اعتبار ہے اور یمین کا استعارہ حلف سے بھی کیا جاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے عہد کرتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر عہد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَمۡ لَكُمۡ اَيۡمَانٌ عَلَيۡنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۙ — یا تمہارے لیے ہم پر کچھ عہد و پیمان (قسمیں) ہیں جو قیامت تک پہنچنے والے ہیں۔ (القلم: ۳۹)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت میں بھی یمین کا لفظ حلف کے معنی میں ہے۔

(المفردات ص ۵۵۳' المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

یمین اس قوی عقد کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اس کی شرائط یہ ہیں: اسلام مکلف ہونا اور قسم پوری ہونے کا ممکن ہونا۔ اس کا حکم یہ ہے: قسم کو پورا کرنا یا قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا۔ اس کا رکن وہ الفاظ ہیں جن کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے' کیا غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں' کیونکہ حدیث میں ہے: جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کے نام سے حلف اٹھائے ورنہ نہ اٹھائے' اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' ہمارے فقہاء نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے' خاص طور پر ہمارے زمانہ میں اور حدیث کی ممانعت کو اس پر محمول کیا ہے' جب بغیر یقین دلانے کے قسم کھائی جائے جیسے تمہارے باپ کی قسم! اور تمہاری زندگی کی قسم! (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھانا یقین دلانے اور وثوق کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر وثوق کے غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا جائز ہے)۔

(درمختار علی ہامش الردج ۳ ص ۴۶ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

غیر اللہ کی قسم' اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کی تحقیق

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی یمین (قسم) بھی مشروع ہے اور یہ جزاء کو شرط پر معلق کرنا ہے اور یہ اصطلاحاً یمین نہیں ہے' اس کو فقہاء کے نزدیک یمین کہا جاتا ہے' کیونکہ اس سے بھی یمین باللہ (اللہ کی قسم) کا معنی حاصل ہوتا ہے' اور وہ ہے کسی کام پر ابھارنا یا کسی کام سے رکنا' اور اللہ کی قسم کھانا مکروہ نہیں ہے اور زیادہ قسمیں کھانے کے بجائے کم قسمیں کھانا زیادہ بہتر ہے' اور بعض فقہاء کے نزدیک غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس سے مخالف کو یقین اور وثوق حاصل ہوتا ہے' خاص طور پر ہمارے زمانہ میں' اور حدیث میں جو غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے (جو شخص حلف اٹھائے تو اللہ کے ساتھ حلف اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۳) یہ اس پر محمول ہے جب بغیر وثوق دلانے کے قسم کھائی جائے' جیسے کوئی کہے: تمہارے باپ کی قسم! میری زندگی کی قسم! ''فتح القدیر'' میں بھی اسی طرح مذکور ہے' خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم سے کبھی یقین دلایا جاتا ہے تا کہ فریق مخالف حلف اٹھانے والے کی بات پر یقین کرلے' مثلاً طلاق اور عتاق پر تعلیق کی جائے (اور یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا یا نہ کیا تو میری بیوی کو تین طلاق یا میرا غلام آزاد) یہ اس قسم کا حلف ہے جس میں حرف قسم نہیں ہوتا' اور کبھی غیر اللہ کی قسم سے وثوق اور یقین دلانا مقصود نہیں ہوتا' اس میں قسم پوری نہ ہونے سے قسم کھانے والا حانث نہیں ہوتا اور کفارہ لازم نہیں آتا' لہٰذا اس قسم سے فریق مخالف کو حلف اٹھانے والے کی بات پر وثوق اور یقین حاصل نہیں ہوتا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے: جو شخص حلف اٹھائے وہ اللہ کا حلف اٹھائے' یہ اکثر فقہاء کے نزدیک غیر تعلیق پر محمول ہے' کیونکہ غیر تعلیق میں جب کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھائے گا تو وہ غیر اللہ کے نام کو تعظیم میں اللہ کے مساوی قرار دے گا۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے جیسے والضحیٰ' واللیل' والنجم وغیرہا' تو فقہاء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' اللہ تعالیٰ مالک ہے' وہ جس کو چاہے معظم قرار دے' اور ہمارے لیے ممانعت کے بعد غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور رہی تعلیق تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم نہیں ہے (کیونکہ اس میں غیر اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے) بلکہ اس میں حصول وثوق کے ساتھ کسی کام پر خود کو ابھارنا ہے یا کسی کام سے خود کو روکنا ہے' لہٰذا یہ بالاتفاق مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ہماری تقریر سے ظاہر ہے' بلکہ ہمارے زمانہ میں اللہ کے نام سے حلف اٹھانے کی بہ نسبت طلاق یا عتاق کی قسم سے مخالف کو زیادہ وثوق اور یقین حاصل ہوتا ہے کیونکہ لوگ حانث ہونے اور لزوم کفارہ کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں' اس لیے حلف اٹھانے والا بیوی کو طلاق پڑنے یا غلام آزاد ہو جانے کے ڈر سے قسم پوری نہ کرنے یا قسم کے خلاف کرنے سے باز رہے گا' اور ''معراج'' میں

مذکور ہے کہ اگر کسی نے یقین دلانے کے بغیر یا ماضی کے کسی واقعہ پر طلاق یا عتاق کے ساتھ حلف اٹھایا تو یہ مکروہ (تحریمی) ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۷۔ ۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ اس سے وثوق اور حث مطلوب نہیں ہوتا' اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس پر اکثر فقہاء کے نزدیک طلاق اور عتاق کی قسم کھانا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اصطلاحاً قسم نہیں ہے نہ اس میں قسم کے الفاظ ہیں' اور اللہ کی قسم کی بہ نسبت اس میں زیادہ وثاقت ہے' اس لیے خصوصاً یہ اصطلاحاً قسم نہیں ہے نہ اس میں قسم کے الفاظ ہیں' اور اللہ کی قسم کی بہ نسبت اس میں زیادہ وثاقت ہے' اس لیے خصوصاً ہمارے زمانہ میں یہ قسم جائز ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا یا نہیں کیا تو میری بیوی کو طلاق یا تین طلاقیں۔ اس کے برعکس ماضی کی کسی بات پر اور دعویٰ میں طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے ''کتاب الدعویٰ'' میں لکھا ہے:

ہر چند کہ مخالف اصرار کرے پھر بھی طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف نہ اٹھائے (تاتارخانیہ) کیونکہ ان کے ساتھ حلف اٹھانا حرام ہے۔ (خانیہ) اور ایک قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے' سو اگر قاضی نے مدعیٰ علیہ کو حلف دیا اور اس نے انکار کیا اور مال کے دعویٰ میں قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اکثر کے قول کے مطابق اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ فیصلہ کا عدم نفوذ اکثر کے قول پر مبنی ہے لیکن جن فقہاء کے نزدیک مدعیٰ علیہ کو طلاق اور عتاق کا حلف دینا جائز ہے' ان کے نزدیک مدعیٰ علیہ کے انکار پر اس کے خلاف قاضی کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا ورنہ اس کو حلف دینے کا کیا فائدہ ہے۔

(درمختار علی ہامش الردج ۴ ص ۲۲۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ جو فقہاء طلاق اور عتاق کے ساتھ قسم دینے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ہر چند کہ طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف دینا مشروع ہے' اس کے باوجود مدعیٰ علیہ پر یہ حلف پیش کیا جائے گا کیونکہ جس میں معمولی بھی دیانت ہوگی وہ طلاق اور عتاق کا جھوٹا حلف نہیں اٹھائے گا' کیونکہ اس سے یا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا اس کی باندی آزاد ہو جائے گی یا لازم آئے گا کہ وہ ان کو بر سبیل حرام اپنے پاس رکھے' اس کے برخلاف جب اس نے اللہ کی قسم کھائی تو اس میں ہر زمانہ میں لوگ بہت تساہل کرتے ہیں۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۲۲۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حاصل کلام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق کی قسم کھانا جائز ہے' مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا یا کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں یا میری باندی آزاد' علامہ زیلعی' علامہ ابن ہمام' علامہ شامی اور اکثر فقہاء کی یہی تحقیق ہے اور جب کسی شخص پر دعویٰ کیا جائے کہ مثلاً اس نے کسی شخص کے ہزار روپے دینے ہیں یا اس نے کسی کی زمین غصب کر لی ہے' مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعیٰ علیہ پر قسم آئے تو اب مدعیٰ علیہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کے ذمہ ہزار روپے نہیں ہیں یا اس نے زمین غصب نہیں کی اور علامہ ابن ہمام' علامہ زیلعی' علامہ حصکفی' علامہ شامی اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس کے لیے طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اگر اس نے زمین غصب کی ہو تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں' اور بعض علماء کے نزدیک اس زمانہ میں یہ حلف دینا جائز ہے کیونکہ لوگ اللہ کی قسم جھوٹی کھا لیتے ہیں' لیکن بیوی پر طلاق پڑنے سے ڈرتے ہیں۔ تنقیح مقام یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق اور عتاق کی قسم کھانا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ماضی کی کسی بات پر طلاق اور عتاق کے ساتھ حلف اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ

تحریمی ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور ان کے نزدیک بھی یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

یمین غموس (جھوٹی قسم)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

قسم کی تین قسمیں ہیں: (۱) یمین غموس (۲) یمین لغو اور (۳) یمین منعقدہ۔

اگر کوئی شخص عمداً جھوٹ پر قسم کھائے تو یہ یمین غموس ہے مثلاً کسی نے کسی شخص کے ایک ہزار روپے دینے ہوں اور وہ قسم کھائے: اللہ کی قسم! میں نے اس کے ایک ہزار روپے نہیں دینے' حالانکہ اس کو علم ہو کہ اس نے ایک ہزار روپے دینے ہیں۔ اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم' قسم کھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے' یہ قسم مطلقاً گناہ کبیرہ ہے خواہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دبائے یا نہ دبائے' کیونکہ ''صحیح بخاری'' میں ہے: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' قتل ناحق کرنا اور یمین غموس۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اس پر یمین کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ یمین ایک عقد مشروع ہے اور یہ محض گناہ کبیرہ ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے۔

یمین لغو (بلاقصد قسم)

یمین لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو' اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا' نہ گناہ نہ کفارہ' اس میں قسم کھانے والے کی بخشش کی امید کی گئی ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یمین لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان پر بلاقصد جاری ہو جیسے ''لا واللّٰہ بلی واللّٰہ'' نہیں خدا کی قسم' ہاں خدا کی قسم۔ (درمختار علی ھامش الرد ج ۳ ص ۴۸ ـ ۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

یمین لغو کی جو تعریف مصنف نے ذکر کی ہے ''ہدایہ'' اس کی شروحات اور دیگر متون میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ زیلعی نے امام ابوحنیفہ سے امام شافعی کی طرح یمین لغو کی تعریف نقل کی ہے' اسی طرح ''بدائع'' میں ہمارے اصحاب کی طرف سے پہلے پہلی تعریف نقل کی ہے' پھر لکھا ہے: امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی زبان پر جو نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم! جاری ہوتا ہے یہ یمین لغو ہے' ہمارے نزدیک یہ قسم ماضی اور حال پر موقوف ہے اور ہمارے نزدیک یہ لغو ہے اور ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلاقصد مستقبل کے متعلق قسم کھائے تو یہ امام شافعی کے نزدیک یمین لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ یمین منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ یمین لغو صرف وہ ہے جو ماضی یا حال کے متعلق بلاقصد کھائی جائے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

یمین لغو وہ ہے جو زبان پر بلاقصد جاری ہو جاتی ہے جیسے نہیں خدا کی قسم! اور ہاں خدا کی قسم!' یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

یمین لغو میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی بات پر حلف اٹھائے' پھر اس پر منکشف ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' عطاء' شعبی' ابن جبیر' مجاہد' قتادہ' امام مالک اور مقاتل کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھانے کے قصد کے بغیر کہے: نہیں خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم!' یہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا' طاؤس' عروہ' نخعی اور امام شافعی کا قول ہے' اس قول پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے: "لیکن اللہ ان قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں"۔ یہ دونوں قول امام احمد سے منقول ہیں' تیسرا قول یہ ہے کہ آدمی غصہ میں جو قسم کھائے وہ یمین لغو ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کسی گناہ پر قسم کھائے' پھر قسم توڑ کر کفارہ دے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' وہ یمین لغو ہے' یہ سعید بن جبیر کا قول ہے' پانچواں قول یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے' پھر اس کو بھول جائے' یہ نخعی کا قول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۵۔ ۲۵۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہو۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

یمین منعقدہ (بالقصد قسم)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

اگر مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی جائے تو وہ یمین منعقدہ ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام فی نفسہ ممکن ہو' اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ خدا کی قسم! میں نہیں مروں گا' یا خدا کی قسم! سورج طلوع نہیں ہوگا تو یہ یمین غموس ہے۔ اگر اس قسم کو پورا نہیں کیا تو اس میں کفارہ ہے (مثلاً اس نے قسم کھائی: خدا کی قسم! میں کل روزہ رکھوں گا' اب اگر اس نے کل روزہ نہیں رکھا تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔) (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کفارہ کی تفصیل اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ (المائدہ: ۸۹)

بلاقصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا' لیکن تمہاری بالقصد کھائی ہوئی قسموں (یمین منعقدہ) پر تم سے مواخذہ فرمائے گا' تو اس قسم کا کفارہ تمہارے درمیانی قسم کے کھانوں میں دس مسکینوں کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا دس مسکینوں کو کپڑے دینا ہے' یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو ان میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر (توڑ دو)' اور اپنی قسموں کی (ٹوٹنے سے) حفاظت کرو۔

احکام شرعیہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام

حالات اور واقعات کے اعتبار سے قسم کھانے کی یہ قسمیں ہیں: فرض' واجب' مستحب' مباح' مکروہ اور حرام۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قسم کھانا فرض ہے۔

(۲) اگر اپنی جان یا کسی مسلمان کی جان کو بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے' مثلاً کوئی شخص قتل کے الزام سے بری ہو اور اس پر قسامت کے ذریعہ قسم لازم آرہی ہو یا کوئی اور مسلم بری ہو اور اس کو علم ہو تو اس پر قسم کھا کر اپنی اور اس مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔

(۳) اگر دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے یا کسی مسلمان کے دل سے بغض زائل کرنے کے لیے یا دفع شر کے لیے قسم کھائی

پڑے تو قسم کھانا مستحب ہے۔

(۴) کسی مباح کام پر قسم کھانا مباح ہے' محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر عصا لیے ہوئے کھڑے تھے'انہوں نے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے قسم کھانے سے گریز نہ کرو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میرے ہاتھ میں عصا ہے۔

(۵) کسی مستحب کام کے ترک پر یا کسی مکروہ کام کے ارتکاب پر قسم کھانا مکروہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ (البقرہ: ۲۲۴)

اور تم نیکی' تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ۔

روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت مسطح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت مسطح کو جو صدقات اور خیرات دیا کرتے تھے اب اس کو بند کردیں گے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ اصحاب فضل اور ارباب وسعت ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے انہیں معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے' کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

(۶) جھوٹی قسم کھانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں منافقوں کے متعلق ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۱۴)

اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ۝

امام بخاری روایت کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷)

ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف

ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا' اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا' اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ اپنی منکوحہ سے چار مہینے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا' یا کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے' اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے' اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۷-۲۲۶)

اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کرلی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہوجائے گا' اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر ازخود طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔

امام شافعی نے کہا کہ قاضی کے تفریق کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ مقطوع الآلہ اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کے حق کو اس سے سلب کر کے اس پر ظلم کیا ہے اس لیے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہو جائے گی۔ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اور ان کی اقتداء کرنی ہمارے لیے کافی ہے اور اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراً طلاق واقع ہو جاتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے وقوع طلاق کے لیے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کر دی۔

اگر اس نے چار ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مقاربت نہیں کروں گا تو چار ماہ بعد اس کی بیوی کو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی' پھر اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اور اس کے بعد مقاربت کر لی تو فبہا اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا' اور اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی' اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری بار نکاح کر لیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے مقاربت کر لی تو فبہا ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اس کے بعد حلالہ شرعیہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کر سکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھر اسی طرح ہوگا۔

اگر اس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے' کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مقاربت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک بھی مقاربت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۰۲۔ ۴۰۱' مطبوعہ شرکۃ علمیہ' ملتان)

علامہ المرغینانی نے امام شافعی کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی' یہ نقل صحیح نہیں ہے' بلکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے چاہے تو رجوع کرے اور چاہے تو طلاق دے دے۔

ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوع طلاق کے متعلق دو قول ہیں' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن زید' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے' اور حضرت عمر اور حضرت علی کا دوسرا قول' اور ایک روایت میں حضرت عثمان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کرے خواہ طلاق دے دے' امام شافعی اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۹۰۔ ۲۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی مؤخر الذکر قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

ابو صالح نے بیان کیا کہ بارہ صحابہ سے یہی (مؤخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک' امام احمد اور امام شافعی کا بھی مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہو جائے گی' اور یہ طلاق بائن ہوگی' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت قبیصہ بن ذویب سے یہی منقول ہے۔

(زاد المسیر ج ا ص ۲۵۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ". (البقرہ: ۲۲۷) پس اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں' اس میں یہ دلیل ہے کہ مدت گزرنے سے از خود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب شوہر طلاق دینے کا قصد کرے گا' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ چار ماہ تک اس کا رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق ہے' ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس کا ماضی ہے اور ماضی پر عزم کرنا محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اگر وہ طلاق کا عزم کریں' اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی۔ (احکام القرآن ج ا ص ۱۷۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: اگر وہ طلاق کا عزم کریں یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے طلاق دیں' جب کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر جب زبان سے طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوگی' اور قرآن مجید میں زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ طلاق کے عزم کا ذکر ہے اور اس کا چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق دینا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر وہ طلاق کا عزم کریں' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مدت کے بعد وہ عزم کریں' بلکہ اس کا معنی ہے: اگر وہ طلاق کے عزم پر مستمر اور برقرار رہیں تو اللہ خوب سننے والا ہے' بہت جاننے والا ہے' یعنی ان کے دل کی بات کو سننے والا ہے اور ان کی نیت کو جاننے والا ہے' سننے کا تعلق صرف کلام لفظی سے نہیں ہوتا بلکہ کلام نفسی سے بھی ہوتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں' اور اگر وہ اللہ

لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ

اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ

ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے' اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں بشرطیکہ

اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪

ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو' اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح

۴۸ ع ۷ ۱۲ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں' اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے' اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شانِ نزول

اس سے پہلے ایلاء کی دو آیتوں کو اللہ تعالیٰ نے طلاق پر ختم کیا تھا اور طلاق کو عدت لازم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عدت کا حکم بیان فرمایا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس آیت کے شانِ نزول میں حسب ذیل احادیث ذکر کی ہیں:

امام ابوداؤد' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دی گئی' اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کو بیان فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ وہ پہلی خاتون ہیں جن کے متعلق عدت طلاق نازل ہوئی۔

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی عدت نہیں ہوتی تھی۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۷۴ ' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان

اس آیت میں مطلقات کی عدت تین قروء (تین حیض) بیان کی گئی ہے اور مطلقہ کے کئی افراد ہیں' غیر مدخولہ کی سرے سے عدت ہی نہیں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۴۹)

اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو' پھر تم ان کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دو تو پھر تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ اور حسن سلوک کے ساتھ انہیں چھوڑ دو ۝

اور جو عورت مطلقہ ہو اور حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۗ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اور جو عورت مطلقہ ہو' غیر حاملہ ہو لیکن صغر سن یا بڑھاپے کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو' اس کی عدت تین ماہ ہے:

وَالّٰٓـىِٕيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـىِٕيْ لَمْ يَحِضْنَ ۗ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں اشتباہ ہو (کہ ان کی عدت کیا ہو گی؟) تو ان کی عدت تین مہینے ہے' اور جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)۔

اور جو مطلقہ عورت مدخولہ ہو' غیر حاملہ ہو' بالغہ اور جوان ہو لیکن باندی ہو اس کی عدت دو حیض ہے' سو اس آیت میں جس مطلقہ عورت کی عدت تین حیض بیان کی گئی ہے وہ ایسی مطلقہ عورت ہے جو مدخولہ ہو' غیر حاملہ ہو' بالغہ اور جوان ہو اور آزاد ہو اور مطلقات کے عموم سے مطلقہ عورتوں کے باقی افراد مستثنیٰ ہیں اس لیے یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے۔

عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ

اے نبی! (مسلمانوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو' تو ان کو عدت کے لیے (اس زمانہ میں جس میں

بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ (الطلاق: ۱)

جماع نہ کیا ہو) طلاق دو' اور عدت کو شمار کرو' اور اپنے رب اللہ سے ڈرتے رہو' تم مطلقہ عورتوں کو دوران عدت ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود (بھی) نہ نکلیں' البتہ اگر وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو پھر نکال دو)' اور یہ اللہ کی حدود ہیں' اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

عدت کا لغوی معنی ہے: گننا اور شمار کرنا' اور اس کا اصطلاح شرع میں یہ معنی ہے کہ زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر کے مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور انتظار کرنا۔ عورت کے حق میں عدت کا رکن یہ ہے کہ دوران عدت اس کا گھر سے باہر نکلنا حرام ہے' اور دوران عدت نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام قبول کرنا حرام ہے' اور مرد پر لازم ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں عورت کو رہائش اور کھانے کا خرچ مہیا کرے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو مطلقہ اس کے گھر میں اجنبی عورت کی طرح رہے گی اور اس سے پردہ کرے گی۔ عدت کے دوران مرد پر مطلقہ کی بہن' اس کی پھوپھی' اس کی خالہ' اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے نکاح کرنا حرام ہے' اسی طرح اگر مطلقہ اس کی چوتھی بیوی تھی اور بقیہ تین اس کے نکاح میں ہیں تو اب وہ دوران عدت مزید کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۹۹۔ ۵۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

عدت مقرر کرنے کی حکمتیں

عدت کی حکمت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا استبراء ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں' کیونکہ اگر اس کو حیض آ گیا تو وہ حاملہ نہیں ہوگی اور اس کی عدت تین حیض ہوگی' ورنہ وضع حمل تک اس کی عدت ہوگی' دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر عورت دوسرا نکاح کرتی ہے تو اس نکاح اور دوسرے نکاح کے درمیان وقفہ واقع ہونا چاہیے تاکہ اس وقفہ میں عورت کے دل و دماغ پر پہلے شوہر کے جو اثرات نقش ہو چکے تھے وہ محو ہو جائیں اور وہ خالی الذہن ہو کر دوسرے شوہر کے نکاح میں جائے' تیسری حکمت یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت طلاق کے عواقب اور نتائج پر غور کرے کہ اس کی کس خطا یا زیادتی کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی تاکہ دوسرے نکاح میں وہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرے اور اگر شوہر کی کسی بدسلوکی یا زیادتی کے نتیجے میں طلاق واقع ہوئی ہے تو اب دوسرے نکاح میں زیادہ غور و فکر اور تامل سے کام لے اور احتیاط سے نکاح کرے تاکہ پھر اسی قماش کے شوہر کے پلے نہ بندھ جائے' چوتھی حکمت یہ ہے کہ اگر ایک طلاق' یا دو طلاقوں کی عدت گزار رہی ہے تو شوہر کے لیے اس طلاق سے رجوع کرنے کا موقع باقی رہے اور جس جھگڑے یا فساد کی بناء پر یہ طلاق واقع ہوئی تھی بعد میں جب فریقین کا جوش غضب ٹھنڈا ہو جائے تو اس جھگڑے کے عوامل پر غور کریں اور شوہر حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے رجوع کر لے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: اور ان کے خاوند اس مدت میں (طلاق رجعی کو) واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں بہ شرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو' اس لیے یہ ضروری ہے کہ صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دی جائیں تاکہ رجوع کا موقع باقی رہے اور تین طلاقیں دے کر بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور بچوں کی زندگی ویران نہ ہو' ہمارے زمانہ میں یہ وبا عام ہے کہ لوگ جب طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقوں سے کم نہیں دیتے یا وثیقہ نویس سے طلاق لکھواتے ہیں اور وہ تین طلاقیں لکھ کر دستخط کرا لیتا ہے اور جب جھگڑے کا جوش ختم ہو جاتا ہے تو میاں بیوی دونوں دربدر مارے مارے پھرتے ہیں' غیر مقلد مولوی سے فتویٰ لیتے ہیں یا حلالہ کی ناگوار صورت اختیار کرتے ہیں۔

قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے لیکن قروء کی تفسیر میں مجتہدین کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک قروء کا معنی حیض ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک قروء کا معنی طہر ہے۔ لغت میں قرء کا معنی حیض اور طہر ہے اور یہ لغت اضداد سے ہے۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض' طہر اور وقت ہے۔ (قاموس ج ۱ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض ہے' اس کی جمع قروء اور اقراء ہے' حدیث میں ہے: اپنے ایام اقراء میں نماز کو ترک کر دو' اس حدیث میں قروء کا اطلاق حیض پر ہے اور قرء کا معنی طہر بھی ہے' یہ لغت اضداد سے ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۶۴' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۳۰' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

قرء حقیقت میں طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے' اور جب کہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں کا جامع ہے تو اس کا ہر ایک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) تین قروء تک روکے رکھیں' یعنی تین حیض تک روکے رکھیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنے سے بیٹھی رہو' یعنی اپنے ایام حیض میں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی ہے: جمع ہونا اور ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔

(المفردات ص ۴۰۲' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا: تم اپنے ان ایام اقراء میں نماز چھوڑ دو جن میں تم کو حیض آتا ہے' پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو' نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی ص ۳۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرء کا اطلاق حیض پر کیا ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے کیونکہ اقراء عربی قواعد کے اعتبار سے جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے اور آپ نے حیض کے لیے اقراء کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد[1]' امام نسائی[2] اور امام دارقطنی[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق (مغلظہ) دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۱۹۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبدالرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[3] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

اس حدیث کو امام ابوداؤد[1]' امام ابن ماجہ[2]' امام مالک[3]' امام داری[4] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے[5]

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آزاد اور باندی کی عدت کے عدد میں فرق ہے جنس میں فرق نہیں ہے اور جب باندی کی عدت دو حیض ہے تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوئی' اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق' امام ابن جریر اور امام بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: الاقراء سے مراد حیض ہے۔

امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ''ثلاثة قروء'' سے مراد تین حیض ہیں۔

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

وکیع نے حسن سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کے ساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض آئے۔

امام عبد الرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں' طہر نہیں ہیں۔

امام عبد الرزاق اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور عدت عورتوں پر موقوف ہے۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۷۵۔ ۲۷۴' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی' ایران)

فقہاء احناف نے ''ثلاثة قروء'' میں لفظ ''ثلثة'' سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کو شمار کیا جائے گا یا نہیں' اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی اڑھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے' سو اگر عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے' اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' (الطلاق: ۱) انہوں نے کہا: اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے: ان کو عدت کے وقت میں طلاق دو' اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے ''ثلثة قروء'' میں قروء بہ معنی طہر ہے' اس کا جواب یہ

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

[3] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک ص ۵۲۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور

[4] امام عبد اللہ بن عبد الرحمان متوفی ۲۵۵ھ' سنن داری ج ۲ ص ۲۹۸' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت

ہے کہ یہاں لام توقیت کے لیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے' اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہیے نہ کہ دوران حیض اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قراءت میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے:'' فی قبل عدتھن. (روح المعانی ج ۱ ص ۱۳۲) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو'' نیز قرء بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے'' ثلثة قروء '' کے بعد فرمایا ہے:'' عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے' اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔

قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

قروء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے' یہ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوموسیٰ' مجاہد' قتادہ' ضحاک' عکرمہ' سدی' امام مالک اور ابوحنیفہ کا قول ہے (علامہ ماوردی کو نقل میں تسامح ہوا ہے' امام مالک کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں' طہر ہے' البتہ امام احمد کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طہر ہے' یہ حضرت عائشہ' حضرت ابن عمر' حضرت زید بن ثابت' زہری' ابان بن عثمان' امام شافعی اور اہل حجاز کا قول ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۹۱۔ ۲۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں' اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے' اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلاً مشروع نہیں ہے' اور جب کہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۵۔ ۱۱۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابوموسیٰ' حضرت عبادہ بن الصامت' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم' عکرمہ' ضحاک' سدی' سفیان ثوری' اوزاعی' حسن بن صالح' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے' امام احمد نے کہا: میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قرء بہ معنی طہر ہے' اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن عمر' حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم' زہری' ابان بن عثمان' امام مالک بن انس اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۶۰۔ ۲۵۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ہر چند کہ قرء کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے' لیکن چند دلائل کی وجہ سے قرء بہ معنی حیض راجح ہے' ایک دلیل یہ ہے کہ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی اصل لغت میں وقت ہے اور اس لحاظ سے اس کا بہ معنی حیض ہونا راجح ہے' کیونکہ وقت کسی چیز کے حادث ہونے کا ہوتا ہے اور حادث حیض ہوتا ہے کیونکہ طہر تو حالت اصلی ہے اور بعض نے کہا: قرء کا معنی اصل لغت میں جمع اور تالیف ہے' اس اعتبار سے بھی حیض اولیٰ ہے کیونکہ ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا رہتا ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ اس

عورت کو ذات الاقراء کہا جاتا ہے جس کو حیض آتا ہو اور جو کم سن ہو یا بڑھیا بانجھ ہو اس کو ذات الاقراء نہیں کہا جاتا' حالانکہ طہر تو ان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے' تیسری دلیل یہ ہے کہ لغت قرآن پر اتھارٹی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرء کو حیض کے معنی میں استعمال فرمایا ہے' طہر کے معنی میں استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ نے فرمایا: مستحاضہ اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنا چھوڑ دے' اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا: جب تمہارا قرء آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کا قرء دو حیض ہیں' اور ایک روایت میں فرمایا: اس کی عدت دو حیض ہیں' اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی باندیوں کے متعلق فرمایا: وضع حمل سے پہلے حاملہ سے وطی نہ کی جائے اور جب تک ایک حیض سے استبراء نہ ہو جائے غیر حاملہ سے وطی نہ کی جائے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷۔ ۳۶۴ ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وطی شدہ باندی کو ہبہ کیا جائے یا اسے فروخت کیا جائے یا وہ آزاد ہو جائے تو ایک حیض کے ساتھ اس کے رحم کا استبراء کیا جائے اور کنواری باندی کا استبراء نہ کیا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸۔ ۲۹۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں' جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۸)

اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں' اس کے بعد مردوں کے حقوق اور ان کی فضیلت بیان کریں گے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (النساء: ۲۰۔ ۱۸)

اے ایمان والو! تمہارے لیے زبردستی عورتوں کا وارث بن جانا جائز نہیں ہے اور ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا بعض حصہ لینے کے لیے ان کو نہ روکو' ماسوا اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں' اور تم ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارو' پس اگر تم ان کو ناپسند کرو گے تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں خیر کثیر رکھ دے ۝ اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی سے نکاح کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی ایک کو بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو' کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر واپس لو گے اور کھلے گناہ کا ارتکاب کرو گے ۝ اور تم اس مال کو کیسے واپس لو گے حالانکہ تم (خلوت میں) ایک دوسرے سے باہم مل چکے ہو؟ اور وہ تم سے (عقد نکاح کے

ساتھ) پختہ عہد لے چکی ہیں O

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کے خاوند کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار اس سے بالجبر نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے شخص سے اس کا بالجبر نکاح کر دیتا اور اس کے کل مہر یا آدھے مہر پر قبضہ کر لیتا' اسلام نے عورتوں پر اس ظلم اور بُری رسم کو مٹایا اور زبردستی عورتوں کا کسی سے بھی نکاح کرنے سے منع فرمایا' دوسری اہم چیز ہے مہر کا تحفظ کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے عورتوں کا مہر دبا لیتے تھے' اسلام نے اس بُری رسم کو مٹایا' واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی عورتوں کے لیے مہر کو لازم نہیں کیا' صرف اسلام نے ہی عورتوں کو یہ حق دیا ہے' مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے یا مر جائے تو عورت کے پاس مہر کی صورت میں ایک معقول آمدنی ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے نئے مستقبل کا آغاز کر سکے۔

ان آیتوں میں عورتوں کا خاوند پر تیسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ مردوں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ رہائش میں' کھانے پینے' بات چیت کرنے میں اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔

چوتھا حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کی صورت یا سیرت تم کو ناپسند ہو پھر بھی اس کے ساتھ ازدواج کے ناطے نہ توڑو اور صبر و شکر کے ساتھ اس کے ہمراہ زندگی گزارو' ہوسکتا ہے کہ اس سے ایسی صالح اولاد پیدا ہو کہ اسے دیکھ کر تم بیوی کی بدصورتی یا اس کی بُری عادتوں کو بھول جاؤ یا کسی اور وجہ سے اللہ تمہارے لیے اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل فرمائے۔

پانچواں حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو تم سونے چاندی کے پل کے برابر ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو خواہ مہر کی صورت میں یا ویسے ہی بہ طور ہبہ' تو اس مال کو اب اس سے واپس نہ لو' تم نے صرف مال دیا ہے عورت تو اپنا جسم اور بدن تمہارے حوالے کر چکی ہے اور جسم و جان کے مقابلہ میں مال کی کیا حقیقت ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۞ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ. (النساء: ۴۔۳)

پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم ان (متعدد ازواج) میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے' تو فقط ایک سے نکاح کرو' یا اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرو' یہ کسی ایک زوجہ کی طرف بہت مائل ہونے سے زیادہ قریب ہے O اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے ادا کرو۔

اسلام نے ضرورت کی بناء پر تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے' لیکن جو ان میں عدل کر سکے' اور جو عدل نہ کر سکے اس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف ایک نکاح پر اکتفاء کرے۔ ان آیتوں میں عورتوں کا مردوں پر ایک حق یہ بیان کیا ہے کہ ان میں عدل و انصاف کیا جائے اور دوسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مہر خوشی سے ادا کیا جائے۔ سورۂ نساء کی ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ادائیگی کے متعلق بہت تاکید کی ہے اور ہمارے دور میں اس معاملہ میں بہت سستی کی جاتی ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (البقرہ: ۲۳۳)

اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق اس شخص کے ذمہ ہے جس کا بچہ ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ عورتوں کا مردوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو کھانا اور کپڑا مہیا کریں' اگر عورتیں امور خانہ داری انجام دیتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں تو یہ ان کی طرف سے احسان ہے اور ازواج مطہرات اور صحابیات کی سنت ہے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ (الطلاق: ۶)

پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو اور آپس میں دستور کے ساتھ مشورہ کرو اور اگر تم باہم دشواری محسوس کرو تو بچہ کو کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی O

اس آیت میں بتایا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے' اور عورت مرد کی غلام نہیں ہے' اور مرد ڈکٹیٹر نہ بنے بلکہ گھریلو معاملات کو باہمی مشاورت سے چلائیں اور اگر عورت بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا یہ حق ہے کہ مرد سے اس کی اجرت لے لے اور یہ کہ عورت کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی مناقشہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ (النساء: ۳۴)

اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا خوف ہو' ان کو (نرمی سے) نصیحت کرو اور انہیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں) تو انہیں (تادیبا خفیف سا) مارو' پھر وہ اگر تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو۔

تعدد ازدواج کی صورت میں عدل وانصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ (النساء: ۱۲۹)

اور خواہ تم عدل کرنے پر حریص ہو پھر بھی تم متعدد ازواج میں عدل نہ کر سکو گے (تو جس کی طرف تم کو رغبت نہ ہو) اس سے مکمل اعراض نہ کرو کہ اسے یوں چھوڑ دو گویا وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہے' اور اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور خدا سے ڈرو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O اور اگر شوہر اور بیوی علیحدگی اختیار کر لیں' تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے مستغنی کر دے گا۔

اگر عورت کو طلاق دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے دوران عدت عورت کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۶)

ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ' اور اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دیتے رہو۔

یہ تو اس مطلقہ عورت کے حقوق تھے جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو اور جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: ۲۳۷)

اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر ادا کرنا واجب ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ . (البقرہ: ۲۳۶)

اگر تم مباشرت سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو تو کوئی حرج نہیں ہے' یا تم نے ان کا کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو' اور ان کو استعمال کی کچھ چیزیں دو' خوشحال اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ . (البقرہ: ۲۳۱)

اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے ان کو (اپنے نکاح میں) نہ روکو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اس آیت سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خاوند عورت کو خرچ دے نہ طلاق دے تو عدالت اس نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اور ضرورت کی بنا پر علماء احناف کو بھی اسی قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔ واضح رہے کہ اگر شوہر نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی عدالت نکاح کو فسخ کر سکتی ہے جب کہ نفقہ پر بقاء حیات کا مدار ہے اور شوہر کے مرد ہونے پر صرف خواہش نفسانی کی تکمیل کا مدار ہے۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس سے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں:

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن الاحوص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہاری ازواج پر تمہارا حق ہے اور تمہاری ازواج کا تم پر حق ہے' تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں' اور نہ تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے دیں' اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کو اچھے کپڑے پہناؤ اور اچھے کھانے کھلاؤ۔

امام احمد' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن جریر' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورت کا اس کے خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: جب وہ کھانا چاہے تو اس کو کھانا کھلائے اور جب پہننا چاہے تو اس کو پہنائے' اس کے چہرے پر نہ مارے' اس کو برا نہ کہے اور (تادیبا) صرف گھر میں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حافظ منذری بیان کرتے ہیں:

میمون اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی عورت سے کوئی مہر مقرر کر کے نکاح کرے خواہ کم ہو یا زیادہ' اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو اور وہ اسے دھوکے میں رکھے اور تادم مرگ اس کا مہر ادا نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سے اس شخص کا ایمان کامل ہوگا اور اس شخص کے اخلاص سب سے اچھے ہوں گے جس کے اخلاق اپنی ازواج کے ساتھ اچھے ہوں گے۔

امام ابن حبان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہوں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو' کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر والی ہوتی ہے' اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی' سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

امام ابن ماجہ اور امام ترمذی حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اللہ کی حمد وثناء اور وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا: سنو! عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو' وہ صرف تمہاری مددگار ہیں' تم ان پر صرف اس صورت میں حق رکھتے ہو جب وہ کھلی بدکاری کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو' اور ان کو معمولی سا مارو' پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو ان کو مزید مارنے کے لیے کوئی بہانہ نہ بناؤ' سنو! تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے' تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں' جن کو تم ناپسند کرتے ہو' اور نہ ان کو گھروں میں آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو' سنو ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کے کھانے اور پینے میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۰۔ ۴۸ ملتقطاً' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ)

اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ . (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں کے (حاکم یا) منتظم ہیں' کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں سو نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں' مردوں کی غیر حاضری میں بھی اللہ کی حفاظت کے ساتھ (شوہر کی عزت اور اس کے مال کی) حفاظت کرتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کرنے کا خدشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور انہیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو' اور انہیں (تادیبا) مارو' اور اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرلیں تو پھر ان کو مارنے کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے' دوسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے' تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے' چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیبا مار سکتا ہے' اور پانچویں فضیلت یہ دی ہے کہ عورت کو اس کا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے' غرضیکہ جسمانی قویٰ' کھانے پینے' رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت' ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ . (البقرہ: ۲۳۷) نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نکاح کی گرہ کو قائم رکھنے یا طلاق کے ذریعہ اس کو توڑنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ

میں رکھا ہے۔ عورت کے ذمہ مرد کے فرائض اور مرد کے ذمہ جو عورتوں کے حقوق ہیں ان کا بیان حسب ذیل احادیث میں ہے:
حافظ منذری بیان کرتے ہیں:
امام ترمذی' امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اس حال میں مری کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہوگئی۔
امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے' اپنی پارسائی کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے وہ جس دروازے سے چاہے گی جنت میں داخل ہو جائے گی۔
امام بزار اور امام حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی' اس نے کہا: میں فلانہ بنت فلاں ہوں' آپ نے فرمایا: میں تمہیں پہچانتا ہوں' بتاؤ کیا کام ہے؟ اس نے کہا: فلاں عبادت گزار میرا عم زاد ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اس کو جانتا ہوں' اس نے کہا: وہ مجھے نکاح کا پیغام دے رہا ہے' مجھے بتائیں کہ مرد کا بیوی پر کیا حق ہے؟ اگر میں اس کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھوں گی تو اس سے نکاح کرلوں گی۔ آپ نے فرمایا: مرد کا حق یہ ہے کہ اگر بالفرض مرد کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ رہا ہو اور تم اس کو چاٹ لو پھر بھی اس کا حق ادا نہیں ہوا۔ اگر کسی بشر کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب خاوند آئے تو عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔
امام حاکم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو' اور نہ اس کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اور نہ اس معاملہ میں کسی اور کی اطاعت کرے اور نہ اس سے الگ بستر پر سوئے' اور نہ اس کو ستائے' اگر اس کا خاوند ظلم کرتا ہو تو وہ اس کے پاس جائے حتیٰ کہ اس کو راضی کرے' اگر وہ اس کی معذرت قبول کرلے تو فبہا اور اللہ بھی اس کے عذر کو قبول کرلے گا' اس کی حجت صحیح ہوگی اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر خاوند پھر بھی اس سے راضی نہیں ہوا تو اللہ کے نزدیک اس کی حجت تمام ہوگئی' امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔
امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ میں بے نکاح عورت ہوں' اگر میں نے ان حقوق کے ادا کرنے کی طاقت پائی تو نکاح کرلوں گی ورنہ بے نکاح رہوں گی' آپ نے فرمایا: بیوی پر شوہر کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اگر وہ اونٹ کے کجاوہ پر بیٹھی ہو اور شوہر اسے مباشرت کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے' اور اس کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے' اگر اس نے اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھا تو وہ محض فاقہ ہے اس کا روزہ قبول نہیں ہوگا' اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے' اور اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو اس کے واپس آنے تک آسمان کے فرشتے' رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے

رہیں گے۔ اس عورت نے کہا: یہ حقوق ضروری ہیں اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گی۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذاء پہنچاتی ہے تو جنت میں اس کی بیوی بڑی آنکھوں والی حور اس سے کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے تو اس کو نہ ستا' یہ تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور عنقریب ہمارے پاس آنے والا ہے۔

امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کو اپنے کسی کام سے بلائے تو عورت فوراً آ جائے خواہ تنور پر بیٹھی ہو۔

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر ناراضگی میں رات گزارے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

امام ترمذی' امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کو (کسی شرعی عیب کی وجہ سے) ناپسند کرتے ہوں' اور جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو' اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔

امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اس کے واپس آنے تک آسمان کے سارے فرشتے اور جن انسانوں اور جنوں کے پاس سے وہ گزرتی ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۹۔ ۵۲ 'ملتقطاً مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟

فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے' بعض علماء مالکیہ نے کہا ہے کہ بیوی پر شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ عقد نکاح کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اس کو مباشرت کا موقع دے نہ کہ خدمت کا' کیونکہ یہ مزدوری کا عقد نہیں ہے اور نہ نکاح کے ذریعے عورت اس کی باندی بن گئی' یہ عقد اجارہ ہے نہ عقد تملیک' یہ صرف عقد مباشرت ہے (نکاح کا معنی مباشرت ہے) لہٰذا عورت سے شوہر مباشرت کے علاوہ اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو تم ان کو مارنے کے لیے بہانے نہ ڈھونڈو۔ (النساء: ۳۴)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت پر خاوند کی خدمت کرنا واجب ہے۔ اگر اس کا تعلق معزز اور خوشحال گھرانے سے ہو تو گھر کی دیکھ بھال اور خانگی امور کی نگرانی اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ متوسط گھرانے کی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ خاوند کا بستر وغیرہ بچھائے اور اگر وہ غریب گھرانے کی ہو تو اس پر گھر کی صفائی کرنا' کپڑے دھونا اور کھانا پکانا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عورتوں کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دستور کے مطابق ان کے فرائض ہیں۔ (البقرہ: ۲۲۸) اور یہ معقول رائے ہے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کے گھرانوں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ازواج محترمات چکی سے آٹا پیستی تھیں' کھانا پکاتی تھیں' بستر بچھاتی تھیں اور اپنے خاوندوں کے لیے کھانا لا کر رکھتی تھیں اور دیگر انواع کی خدمت کرتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرت کی ذمہ داریوں کو مرد اور عورت پر تقسیم کر دیا تھا' حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ خانگی ذمہ داریاں تھیں اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ کسب معاش اور کمانے کی ذمہ داریاں تھیں۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں' ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے' بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سنور کر رہے۔ امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہتا ہوں جیسے وہ میرے لیے بن ٹھن کر رہتی ہے' ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

دوبار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے' یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے'

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ

اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو' مگر جب دونوں

يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ

فریقوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے' سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی

اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے' یہ اللہ کی حدود ہیں

فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو' اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

ظالم ہیں O پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ

زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ

وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے' پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں

ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ

ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے'

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

اور یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

طلاق کا لغوی معنی

امام اللغت سید زبیدی طلاق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عباب'' میں ہے کہ عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں: (ا) نکاح کی گرہ کو کھول دینا (ب) ترک کر دینا' چھوڑ دینا۔ ''لسان العرب'' میں ہے کہ عثمان اور زید کی حدیث ہے: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۴۲۵' مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

طلاق کا اصطلاحی معنی

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا ازروئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا' طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں' اس میں خلع بھی شامل ہے اور نامردی اور لعان کی وجہ سے نکاح کی قید ازروئے مآل اٹھ جاتی ہے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں: احسن' حسن اور بدعی۔

طلاق احسن: جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو' ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے' اس میں دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے' اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق حسن: جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے' اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلظہ ہو جائے گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاق بدعی: اس کی تین صورتیں ہیں: (ا) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں خواہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے' مثلاً کہے: تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے' اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو' ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے' طلاق بدعی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔
(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۴۷۸۔ ۴۷۳' مطبوعہ استنبول' ۱۳۲۷ھ)

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو' کنایہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے' مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی سے کہا تو میری ماں کی مثل ہے' طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جا سکتا ہے' لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی' اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا' طلاق بائن سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائن ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہو سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہوگا۔

طلاق کیوں مشروع کی گئی؟

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ رشتہ نکاح میں منسلک ہو جائیں ان کے نکاح کو قائم اور برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے اور اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف یا نزاع پیدا ہو تو رشتہ دار اور مسلم سوسائٹی کے ارباب حل وعقد اس اختلاف کو دور کر کے ان میں صلح کرائیں اور اگر ان کی پوری کوشش کے باوجود زوجین میں صلح نہ ہو سکے اور یہ خطرہ ہو کہ اگر یہ بدستور رشتہ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جائیں گے تو ان کی عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے' اس صورت میں ان کی' ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو توڑنے کے لیے شوہر کو طلاق دینے سے نہ روکا جائے۔ طلاق کے علاوہ عقد نکاح کو فسخ کرنے کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو کچھ دے دلا کر خلع کرا لے اور تیسری صورت قاضی کی تفریق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جن دو مسلمان حکموں کو نزاعی حالت میں یہ معاملہ سپرد کیا گیا ہو وہ نکاح کو فسخ کرنے کا فیصلہ کر دیں۔

صرف ناگزیر حالت میں طلاق دی جائے

قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ اگر شوہر کو بیوی ناپسند ہو پھر بھی وہ اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء: ۱۹)

اور اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہو' اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے ۝

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت محارب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے' ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

قرآن اور سنت کی ان ہدایات کی روشنی میں شوہر پر یہ لازم ہے کہ اختلاف اور نزاع کی حالت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کرے اور اگر طلاق دینا ناگزیر ہو تو صرف ایک طلاق رجعی دے کیونکہ اس کے بعد عدت کے تین ماہ تک اس معاملہ پر نظر ثانی کا موقع رہے گا ورنہ عدت کے بعد عورت علیحدہ ہو جائے گی' آج کل کے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تین بار کہے بغیر طلاق نہیں ہوتی' اس لیے یا تو وہ خود تین طلاقیں دیتے ہیں' وکیل اور وثیقہ نویس ان کو تین طلاقیں لکھ دیتے ہیں اور جب طلاق نافذ ہو جاتی ہے تو یہ لوگ پشیمان ہوتے ہیں اور مفتیوں کے پاس جاتے ہیں کہ دوبارہ نکاح یا رجوع کا کوئی حیلہ بتلائیں' حتیٰ کہ یہ لوگ حلالہ کی ناگوار صورت کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں' حالانکہ اس قسم کے حلالہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے' لیکن بعد میں بچوں کی دربدری اور دوسرے برے نتائج سے بچنے کے لیے اس وقت فریقین ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ میری تیس سالہ افتاء کی زندگی کا تجربہ ہے۔

صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا؟

طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا گیا ہے حالانکہ عقد نکاح عورت اور مرد دونوں کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا

ہے تو پھر عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں ہے کہ وہ بھی جب چاہے اس عقد کو ختم کر دے؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلد غصہ آ تا ہے' اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہوتا تو وقوع طلاق کی شرح دو چند سے بھی زیادہ بڑھ جاتی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورت کے مطالبہ اور اس کی ضد پر شوہر طلاق دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے' خصوصاً حیض کے ایام میں عورت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوتی ہے اور ان ایام میں اس کا ذہن منتشر اور مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے' اس لیے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے سپرد کیا جاتا تو شرح طلاق زیادہ ہو جاتی اور اکثر بستے بستے گھر ویران ہو جاتے' تیسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں جیسا صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' سنن ابو داؤد' مسند احمد بن حنبل اور متدرک[1] میں اس کی تصریح ہے اور فسخ نکاح کا معاملہ ناقص العقل کے سپرد کرنے کے لائق نہیں ہے

طلاق کا معاملہ مرد کو مفوض کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے اس لیے ان حقوق سے دست کش ہونے کا اختیار بھی اسی کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنا روپیہ خرچ کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اس چیز کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اس وقت اس چیز کو چھوڑتا ہے جب اس کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اس کے برخلاف حقوق زوجیت کو قائم کرنے میں عورت کو کوئی محنت کرنی پڑتی ہے نہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر طلاق کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو عورت کو طلاق واقع کرنے میں اس قدر سوچ و بچار اور تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ اقدام عدل و انصاف کے بھی خلاف ہوتا۔

طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات عورت طلاق لینا نہیں چاہتی اور اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہی رہنا چاہتی ہے لیکن مرد بد مزاج اور ظالم ہوتا ہے اور عورت کی مرضی کے خلاف وہ اس کو طلاق دیتا ہے' ایسی صورت میں بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ جب نکاح کے عقد میں اس کی مرضی کا دخل ہے تو طلاق میں اس کی رضامندی کا دخل کیوں نہیں ہے؟ اور اس کی مرضی کے بغیر طلاق کیوں مؤثر قرار دی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عقد کو بھی قائم کرنے کے لیے فریقین کی رضامندی ضروری ہے (مثلاً وکالت' اجارت' مضاربت وغیرہ) لیکن عقد کو فسخ کرنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی' کوئی ایک فریق بھی دوسرے کی مرضی کے خلاف عقد توڑ سکتا ہے' اس لیے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے پر آمادہ نہ ہو اور اس کے ساتھ عمل زوجیت پر تیار نہ ہو تو اس سے بہ زور یہ عمل نہیں کرایا جا سکتا' نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم خواہی نخواہی اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھو اور اس کو خرچ دیتے رہو اور چونکہ ازدواجی زندگی کی گاڑی میں اہم رول مرد ادا کرتا ہے کیونکہ عمل زوجیت اور نفقہ کی ادائیگی میں مرد فاعل ہوتا ہے اور عورت اس کے فعل کی محل یا منفعل ہوتی ہے اس لیے عقد نکاح کو قائم رکھنے یا اس کو فسخ کرنے کا اختیار بھی صرف مرد کو دیا گیا ہے۔

خلع

طلاق کو مرد کے اختیار میں دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوع طلاع میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے' عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے' اگر عورت کو مرد کی شکل و صورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبت کی وجہ سے وہ مرد کو ناپسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر

[1] بخاری ج ا ص ۱۴۴۔ ج ا ص ۹۷۔ ج ا ص ۱۳۱۔ ج ا ص ۳۱۱۔ ج ا ص ۳۶۳' مسلم ج ا ص ۶۰' ابو داؤد ج ا ص ۲۸۷' ترمذی ص ۳۷۵' ابن ماجہ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸' مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۶۷' متدرک ج ۲ ص ۱۹۰

چھوڑ کر یا کچھ اور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

سید محمد قطب شہید لکھتے ہیں: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس ابن شماس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت کے خلق اور اس کے دین کے بارے میں کوئی حرف گیری نہیں کرتی' لیکن میں اسلام کے بعد کفر (ناشکری یا شوہر کے حقوق کو ادا نہ کرنا) کو ناپسند کرتی ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ واپس کردو گی؟ (ثابت نے ان کو مہر میں باغ دیا تھا) انہوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا: باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔

(فی ظلال القرآن ج ۲ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ)

اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کرسکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے' یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔

قاضی اور حکمین کی تفریق

طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر مرد عورت پر تعدی اور ظلم کرتا ہے اور اس کو طلاق نہیں دیتا تو عورت کو حق ہے کہ وہ عدالت سے نکاح فسخ کرالے اور مذہب مالکیہ کے مطابق یہ تفریق نافذ ہو جائے گی' اسی طرح اگر خاوند تنگ کرنے کے لیے عورت کو نفقہ دے نہ طلاق دے' تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے' اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند پاگل ہو جائے اور ٹھیک نہ ہو سکے یا کسی اور ناقابل علاج بیماری میں مبتلا ہو جائے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرسکے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے' اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند کسی جرم کی وجہ سے لمبی مدت کے لیے سزایاب ہو یا اس کو عمر قید ہو جائے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے' اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند لاپتا ہو جائے اور عورت کے گزر بسر کا ذریعہ نہ ہو تو عدالت تحقیق کے بعد فی الفور تفریق کر دے گی۔ اگر عورت اور مرد میں اختلاف ہو اور وہ حکمین کو مقرر کرلیں اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو تفریق ہو جائے گی۔ یہ تمام صورتیں امام مالک کے نزدیک جائز ہیں اور فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت امام مالک کے مذہب پر عمل درست ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ قاضی اپنے اجتہاد سے مذہب غیر کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے اور اس پر عمل صحیح ہے' ان تمام امور کی باحوالہ' مکمل مفصل' اور مدلل بحث ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث باب ۴۰۴ (ص ۱۱۲۱۔ ۱۰۹۲) میں بیان کر دی ہے۔

تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات' مصالح اور حکمتیں

اسلام نے صرف تین طلاقوں کی گنجائش رکھی ہے' پہلی اور دوسری طلاق دینے کے بعد مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا اختیار ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے' اب اگر وہ مرد اور عورت پھر ملنا چاہیں تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے' عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے' نکاح کرنے کے بعد وہ شخص اس سے عمل زوجیت (صحبت) کرے اور پھر اپنی مرضی سے جب اس کو طلاق دے دے تو پھر وہ عورت اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں جا سکتی ہے' ظاہر ہے کہ یہ ناگوار اور مشکل صورت ہے اس لیے مرد کو تیسری طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ و بچار اور غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی اور پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے اور رو دھو کر مفتیوں سے حیلے نہ پوچھے جائیں اور اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہ پڑے' اسلام نے اسی لیے بیک وقت تین طلاقیں دینے

سے روکا ہے اور اس فعل کو معصیت اور گناہ قرار دیا ہے۔

سنت کے مطابق اور احسن طریقے سے طلاق دینے کے فوائد

جب کوئی شخص سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے ان ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سو دفعہ سے زیادہ غور کرے گا اور گمان غالب ہے کہ اس کی رائے بدل جائے گی (کیونکہ میں تیس سالہ افتاء کی زندگی میں بارہا دیکھ چکا ہوں کہ کل شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اور آج وہ دوڑا چلا آ رہا ہے کہ کوئی حیلہ بتائیں کہ نکاح قائم رہ سکے۔ جب ایک دن میں رائے بدل جاتی ہے' حالات بدل جاتے ہیں تو ایک ماہ میں تو بہت گنجائش ہے)۔ اگر بیوی کے مطالبہ یا اس کے غلط طرز عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرز عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے' اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی' جب کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں بشرط عدم مجامعت صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کے پورے زمانہ میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے اس تین ماہ میں طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عورت بائنہ ہو گئی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔

طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے

تین طلاق کی تحدید سے دراصل عورت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کیونکہ اگر طلاق میں کوئی تحدید نہ ہوتی تو عورت کی گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا' پھر طلاق دے دیتا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تھا۔

امام رازی نے ''الطلاق مرتان'' کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ (البقرہ: ۲۲۹)

دوبارہ طلاق دینے کے بعد دستور کے مطابق عدت میں روکنا ہے یا احسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اسے (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ (وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے' پھر اگر (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ (دوسرے خاوند کی عدت گزارنے کے بعد) وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج

چونکہ تیسری طلاق آخری حد ہے اور اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اس لیے تیسری طلاق دینے سے پہلے بہت سوچ و بچار اور غور و خوض کرنا چاہیے اور اس آخری قدم اٹھانے سے پہلے دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسلام کی ہدایت کے مطابق طلاق وقفہ وقفہ سے دی جائے' اگر ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر بعد میں پریشانی اور پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لیے بکثرت احادیث اور آثار میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گناہ فرمایا ہے' لیکن اگر کسی شخص نے بدقسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کو اب صبر و استقامت اور حوصلہ سے اس اقدام کے نتیجہ اور انجام کا سامنا کرنا چاہیے اور اپنے ہاتھوں کی ہوئی اس علیحدگی کو قبول کر لینا چاہیے۔ حلالہ کا مکروہ حیلہ اختیار کرے نہ غیر مقلد مولویوں کے خلاف شرع فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے دربدر مارا مارا پھرے' کیونکہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا عقل اور درایت کے بھی خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے بھی خلاف ہے۔ عددی معاملات میں یہ کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی شخص تین یا پانچ یا دس عدد کو ایک عدد قرار دے اور اگر کوئی شخص دس روپوں کو ایک روپیہ قرار دے تو یہ منطق اور قانون دونوں کے خلاف ہے' پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے وقت ان لوگوں کی منطق کہاں رخصت ہو جاتی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم ان شاء اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فقہاء بیان کریں گے' پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے' اس کے بعد قرآن مجید' احادیث' آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کا یہ موقف پیش کریں گے کہ اگر کسی شخص نے بدقسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بہرحال نافذ ہو جائیں گی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

بیک وقت تین طلاقیں دے کر عورت کو بدر کر دینا نصوص صریحہ کی بناء پر معصیت ہے۔ علماء امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق مغلظہ کے حکم میں لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

حالانکہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے' وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ نہیں' مباح کہتے ہیں اور امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ نے مذاہب فقہاء کی تحقیق کیے بغیر یہ لکھ دیا ہے۔

(حقوق الزوجین ص ۱۵۰ 'مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' بائیسویں بار' ۱۹۸۶ء)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور کا موقف

جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام شافعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور قدیم و جدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبد اللہ بن عمرو' حضرت ابن مسعود اور

حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے' اور بعد کے تابعین اور ائمہ کا بھی یہی موقف ہے۔[1] قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا یہی موقف ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۹ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں کہ بار بار لفظ طلاق کا تکرار کرنے سے تمام طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر طلاق دینے والا تاکید کی نیت کرے تو اس کا دیانۃً اعتبار ہوگا[2] (یعنی قضاءً اعتبار نہیں ہوگا۔)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا موقف

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے ایک طہر میں ایک لفظ یا متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں' مثلاً کہا کہ تم کو تین طلاقیں یا کہا کہ تم کو طلاق ہے' تم کو طلاق ہے' تم کو طلاق ہے' یا کہا: تم کو تین طلاقیں یا دس طلاقیں یا سو طلاقیں' یا ہزار طلاقیں' اس قسم کی عبارات میں متقدمین اور متاخرین علماء کے تین نظریات ہیں اور ایک چوتھا قول بھی ہے جو محض من گھڑت اور بدعت ہے' پہلا قول یہ ہے کہ یہ طلاق مباح اور لازم ہے' یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام اور لازم ہے' یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے' امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ قول متقدمین میں بکثرت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق لازم آتی ہے' یہ قول صحابہ میں سے حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبد الرحمان بن عوف سے منقول ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباس کے دو قول ہیں' تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے طاؤس' خلاص بن عمرو' محمد بن اسحاق سے منقول ہے' داؤد اور ان کے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے' ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد کا بھی یہی قول ہے' اسی وجہ سے شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ چوتھا قول بعض معتزلہ اور بعض شیعہ کا ہے' وہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی' سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور تیسرا قول ہی وہ ہے جس پر کتاب و سنت سے دلائل موجود ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۹-۷ 'مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل السعود)

شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں' پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں' یہ قول ائمہ اربعہ' جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کا ہے' (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔'' اس مذہب کو ابو محمد بن حزم نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: یہ باطل ہے اور رافضیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے' یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے' جیسا کہ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے' امام احمد نے کہا: یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے' وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی نظریہ ہے' چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے' مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے' یہ قول حضرت ابن عباس کے تلامذہ کا

---

1. علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی ج ۷ ص ۲۸۲ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ
2. علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۲ 'مطبوعہ استنبول' ۱۳۲۷ھ

ہے اور اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۵۴ 'مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں علماء شیعہ کا مؤقف

جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے' بعض شیعہ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (شرائع الاسلام ج ۲ ص ۵۷)

اور جمہور شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ شیخ ابو جعفر کلینی روایت کرتے ہیں:

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں تین طلاقیں دیں درآں حالیکہ وہ عورت حیض سے پاک تھی؟ انہوں نے کہا: یہ ایک طلاق ہوگی۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱۔ ۷۰ 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' ایران)

عمرو بن براء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنی بیوی کو ایک طلاق دے یا سو طلاقیں دے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور ہمیں آپ سے اور آپ کے آباء علیہم السلام سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار طلاق دے یا سو بار طلاق دے تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا: مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچا ہے۔

(الفروع من الکافی ج ۶ ص ۷۱ 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''الطلاق مرتان'' اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق رجعی جس میں طلاق کے بعد رجوع کیا جاتا ہے ایک بار دینے کے بعد دوسری مرتبہ دی جاتی ہے' جیسے کسی شخص نے کہا: جاؤ' دو بار تسبیح کرو یا تین بار تسبیح کرو یا سو بار تسبیح کرو' اس پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بار تسبیح کرے کہ یہ عدد پورا ہو جائے' مثلاً کہے: سبحان اللہ' سبحان اللہ تو یہ دو بار ہوگا اور اگر اس نے کہا: دو بار سبحان اللہ! (سبحان الله مرتان) یا سو بار سبحان اللہ (سبحان الله مأة مرة) کہا تو یہ ایک تسبیح شمار کی جائے گی' علیٰ ہذا القیاس جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں دو طلاقیں یا تمہیں تین طلاقیں یا تمہیں دس طلاقیں یا تمہیں ہزار طلاقیں تو یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ اس کو واضح کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ نے ایک یہ مثال دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ' تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا جائے' اب اگر کوئی شخص کہے: سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر عدد خلقہ (اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر) تو یہ صرف ایک تسبیح شمار کی جائے گی۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دی ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین طلاقیں لازم کر دی ہوں' اس بارے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن مروی نہیں ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں کوئی ایسی حدیث نقل کی گئی ہے' اس سلسلے میں جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سب ائمہ حدیث کی تصریح کے مطابق ضعیف ہیں' بلکہ موضوع ہیں' بلکہ ''صحیح مسلم'' اور دیگر سنن اور مسانید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابو بکر کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے' حضرت عمر نے فرمایا: لوگوں نے اس

کام میں عجلت کرنی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی' اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا' پھر آپ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں' اس سلسلے میں دوسری حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں' پھر سخت غمگین ہوئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا: تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی! آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہوئی ہے' اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حضرت رکانہ نے رجوع کر لیا۔ شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ استفسار فرمایا: ایک مجلس میں؟ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں نہ دی جائیں تو پھر وہ ایک نہیں قرار دی جاتیں اور جب ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک قرار دی جائے گی' حضرت رکانہ کی یہ حدیث شیخ ابن تیمیہ نے ''مسند احمد'' کے حوالے سے بیان کی ہے۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۴۔ ۱۱ مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز)

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے ''الطلاق مرتان'' سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر طلاق الگ الگ دی جائے' تب وہ متعدد طلاقیں متصور ہوں گی اور اگر کسی نے کہا: ''تم کو تین طلاقیں'' تو چونکہ یہ طلاق ایک بار دی گئی ہے' اس لیے یہ ایک طلاق ہی شمار ہوگی' شیخ ابن تیمیہ کا یہ استدلال خود انہیں بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار کہا: میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی' تو یہ تین طلاقیں واقع ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تین بار دی گئی ہیں' حالانکہ شیخ کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔

زنا کی شہادات اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات

شیخ ابن قیم جوزیہ نے زنا کی چار شہادتوں اور قسامت کی پچاس قسموں سے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں چار بار گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے' تو اس کی یہ گواہی مردود ہوگی جب تک چار آدمی الگ الگ گواہی نہ دیں' اسی طرح اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں پچاس قسمیں کھاتا ہوں کہ میں نے قتل کیا نہ قاتل دیکھا ہے تو اس کی یہ قسم معتبر نہیں ہوگی جب تک کہ پچاس آدمی الگ الگ قسمیں نہ کھائیں' اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو یہ تین طلاقیں بھی معتبر نہیں ہوں گی' جب تک کہ وہ الگ الگ تین طلاقیں نہ دے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۵۵' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۶۹ھ)

اس استدلال کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ دلیل خود شیخ ابن قیم کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین بار الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جانی چاہئیں' حالانکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع نہیں ہوتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زنا کی شہادت اور قسامت پر طلاق کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں زنا کی چار گواہیاں دیتا ہوں یا میں قتل نہ کرنے کی پچاس قسمیں کھاتا ہوں اس کی گواہی اور قسم مطلقاً مردود ہے' برخلاف طلاق کے کیونکہ جو شخص کہے: میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں اس کی طلاق ان کے نزدیک بھی مطلقاً مردود نہیں ہے بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت سے مستفاد ہے۔

علامہ آلوسی نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ شہادات لعان اور رمی جمرات پر طلاق کو قیاس کرنا قیاس مع

الفارق ہے' دونوں کے احکام الگ الگ ہیں' اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا' علاوہ ازیں طلاق کا معاملہ حلت اور حرمت سے ہے' اور اس میں احتیاط یہی ہے کہ جو تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہیں وہ واقع مان لی جائیں' [1] اور یہ مسلم اصول ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین ایک طلاق دے کر نکاح کو مباح کہتے ہیں اور جمہور ان تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے نکاح کو حرام کہتے ہیں اور اس اصول کے مطابق جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اباحت اور تحریم کے تعارض میں تحریم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

تسبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر خاتون جنت سے فرمایا تھا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ' ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو' یہ لونڈیوں سے بہتر ہے اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار (ایک دفعہ) کہہ دے تو کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا؟ [2] (پیر صاحب اس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین طلاقیں کہنے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں)۔

یہ دلیل سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے قائم کی تھی' اس کے بعد شیخ ابن تیمیہ کے متبعین مزید مثالوں کے ساتھ اس کو نقل کرتے چلے گئے ہیں' ہم اس دلیل کے چار جواب بیان کر چکے ہیں کہ یہ استدلال ان حضرات کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ ایک مجلس میں کلمات متعددہ سے تین بار تین طلاقیں دی جائیں تو اس دلیل کے اعتبار سے وہ نافذ ہونی چاہئیں حالانکہ یہ لوگ اس کو بھی تین طلاق نہیں مانتے بلکہ ایک طلاق کہتے ہیں' دوسرا یہ کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو ترجیح تحریم کی ہوتی ہے' تیسرا جواب ہم نے علامہ آلوسی سے نقل کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ مثلاً یوں کہہ دے کہ سو بار سبحان اللہ تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا اور یہ تسبیح فاطمہ نہیں ہوگی اور وہ اس کے اجر کا مستحق نہیں ہوگا' اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تم کو تین طلاقیں تو آپ بھی یہ تو مانتے ہیں کہ ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے جو دوسرا جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا حرام کو حلال کرنا ہے اس لیے اس قسم کی تک بندیوں اور ڈھکوسلوں سے اللہ اور رسول کے حرام کردہ کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت عمر پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کی دوسری دلیل ''صحیح مسلم'' کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے اور حضرت عمر نے یہ کہا کہ اگر ان کو تین طلاق ہی قرار دیا جائے تو بہتر ہوگا اور پھر انہوں نے ایسا ہی کر دیا' جس طرح شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی صریح مخالفت کی اور تمام صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو قبول کر لیا' اگر اس بات کو مان لیا جائے تو حضرت ابوبکر اور ان کے دور میں فوت ہونے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اس کے دین پر اعتماد کیا جائے اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے' یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کا ظاہر معنی نہیں لیا' اور اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے

[1] علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] پیر محمد کرم شاہ الازہری' دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۱۲۹' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۸۹ء

ہیں[1] ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے

قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں' جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب واضح ہوگا اور ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی متفق علیہ حدیث ہے جس کو صحاح ستہ کے دیگر مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا' نیز دیگر احادیث صحیحہ اور بکثرت آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں (جس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے) اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت چونکہ قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی صراحت کے خلاف ہے اس لیے یہ روایت شاذ اور معلل ہے اور استدلال سے خارج ہے۔

صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل

اس روایت کے شاذ' معلل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز روایت کریں اور فتویٰ اس کے خلاف دیں' اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

''صحیح مسلم'' کی اس زیر بحث حدیث کو طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی صراحت کے مطابق یہ طاؤس کا وہم ہے' اس کی مزید وضاحت امام بیہقی کے بیان سے ہوتی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے' امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو ترک کر دیا ہے' اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس کی باقی روایات کے مخالف ہے' پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس کی باقی روایات کے مخالف ہے' پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا' ''الطلاق مرتان'' نے اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی' مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو' مجاہد سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی' تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی' تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی مخرج نہیں رکھا' ان کے علاوہ عطاء' عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہ طاؤس کے علاوہ حضرت ابن عباس کے تمام تلامذہ حضرت ابن عباس سے بھی روایت کرتے ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں' اس کے

[1] حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری محقق سنی حنفی عالم ہیں' اس مسئلہ میں ان کی رائے ائمہ اربعہ کے متفق علیہ موقف سے مختلف ہے تاہم ہماری معلومات کے مطابق انہوں نے اس رائے پر فتویٰ نہیں دیا' لیکن چونکہ غیر مقلد حضرات ان کا رسالہ مسلسل چھاپ رہے ہیں اس لیے ہم نے ان کے دلائل کا جواب ضروری سمجھا تا کہ عوام اہل سنت ان کے حوالے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (غلام رسول سعیدی غفرلہ)

برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں اس لیے یہ روایت طاؤس کے وہم پر محمول کی جائے گی اور صحیح نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا؟

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے' خصوصاً حضرت ابن عباس راوی حدیث کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے تو اس روایت پر عمل کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے' الیٰ قولہ۔ اس کے متعلق مختصر یہ گزارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول حجت نہیں' نیز حضرت ابن عباس سے بھی دو روایتیں آئی ہیں' ایک وہ جو اوپر گزری' دوسری وہ جسے مسند میں امام احمد نے نقل کیا ہے: حضرت ابن عباس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر طہر کے وقت طلاق دی جائے۔ دوسرے صحابہ کرام کے اقوال کا ذکر جا بجا گزر چکا ہے' نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا''۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۱۲۹ 'مطبوعہ نعمانی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۷۹ء)

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں ہے لیکن یہ کون سی حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے۔ اگر مسلم کی حدیث مذکور مراد ہے تو اول تو اس میں آپ کے کسی فرمان کا ذکر نہیں ہے۔ ثانیاً اسی حدیث میں تو بحث ہو رہی ہے کہ یہ ثابت اور صحیح نہیں ہے طاؤس کا وہم ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے بھی اعتراف کیا ہے:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے برخلاف روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر' مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے برخلاف روایت کی ہے۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۲ 'مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ' قاہرہ' ۱۳۹۸ھ)

اور چونکہ ''صحیح مسلم'' کی یہ روایت طاؤس کے وہم پر مبنی ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عہد رسالت کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر مداہنت کی تہمت لگانے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک معقول وجہ (طاؤس کے وہم) کی بنیاد پر اس حدیث کو مسترد کر دیا جائے!

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے: نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی رائے کا'' اس کے بارے میں گزارش ہے کہ عام راویوں کے بارے میں بے شک ایسا ہی ہے لیکن جب صحابی رسول کسی حدیث کی روایت کریں اور ان کا عمل یا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہو تو پھر دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ روایت صحیح نہیں یا اس صحابی کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ صحابی رسول سے یہ متصور نہیں کہ وہ ایک حدیث بیان کرے اور عمل اس کے خلاف کرے۔ کتب صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے' اور امام طحاوی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو ترک کر دیا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان کے نزدیک کسی دلیل سے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہو[1] نیز حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ جس برتن میں کتا

---

[1] امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۳ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ

منہ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھونا ضروری ہے اور خود تین مرتبہ دھوتے تھے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر اس پر عمل کرنا ترک کر دیں گے' اور اگر وہ ایسا کریں تو ان کی عدالت (نیکوکاری) ساقط ہو جائے گی اور وہ اس قابل بھی نہیں رہیں گے کہ ان کی کوئی بات قبول کی جائے چہ جائیکہ ان کی روایت قبول کی جائے' اس لیے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابوہریرہ کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہو چکی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

جب صحابی رسول کا عمل یا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی نسبت اس صحابی کی طرف صحیح نہیں ہے' یا پھر اس روایت میں کوئی تاویل ہے۔ علامہ پرہاروی لکھتے ہیں:

راوی کا عمل جب حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہے' یا اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے یا پھر اس حدیث میں تاویل ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔

(النبراس ص ۱۳' مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی' بندیال' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۹۷ھ)

حضرت ابن عباس کی یہ حدیث جس کو طاؤس نے بیان کیا ہے' ایسی ہی ہے' قوی ترین بات یہ ہے کہ چونکہ یہ طاؤس کا وہم ہے اس لیے صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس کو منسوخ قرار دے کر بھی جواب دیا ہے اور اس کا ظاہری معنی چھوڑ کر تاویل بھی کی ہے' عنقریب ہم بعض تاویلات کا ذکر کریں گے۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اس بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں رمل کرتے تھے اور ان کا قول یہ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے''۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمل کے معاملہ میں حضرت ابن عباس کی رائے جمہور کے خلاف ہے اور تین طلاقوں کے مسئلہ میں ان کی روایت دیگر احادیث اور جمہور کے موافق ہے' اور ان کی منفرد رائے کو ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جو روایت جمہور کے موافق ہو اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر راوی کا عمل اور فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو غیر مقلدین اور شوافع کا وہی مسلک ہے جو پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ''فتح الباری'' کے حوالے سے بیان کیا ہے اور ''نیل الاوطار'' میں بھی مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے ایسا ہی لکھا ہے[1] اور حق اور صواب احناف اور مالکیہ کا نظریہ ہے جس کو ہم نے امام طحاوی اور علامہ پرہاروی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

طاؤس کی اس روایت کے وہم اور غلط ہونے پر ایک اور واضح قرینہ یہ ہے کہ خود طاؤس کا فتویٰ بھی اس روایت کے خلاف تھا' طاؤس یہ کہتے تھے کہ اگر غیر مدخولہ کو ایک مجلس میں تین لفظوں کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو یہ ایک طلاق ہو گی (کیونکہ وہ پہلی طلاق کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے اور بعد کی طلاقوں کا محل نہیں رہتی) طاؤس مدخولہ کی تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: لیث بیان کرتے ہیں کہ طاؤس اور عطاء کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مقاربت سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ ایک طلاق ہو گی۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۶' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ طاؤس مطلقاً تین طلاقوں کو ایک نہیں کہتے تھے اس لیے طاؤس کی یہ روایت جس کو امام مسلم

1. قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۴' مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازہریہ' قاہرہ' ۱۳۹۸ھ

نے بیان کیا ہے وہم اور مغالطہ سے خالی نہیں ہے۔

علامہ ماردینی' طاؤس کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبدالبر (صاحب "استذکار") نے کہا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔ علماء میں سے کسی نے اس کو قبول نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس سے طاؤس کی یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ (الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

نیز علامہ ابوجعفر بن نحاس "کتاب الناسخ والمنسوخ" میں لکھتے ہیں کہ طاؤس ہر چند کہ نیک شخص ہیں لیکن وہ حضرت ابن عباس سے بہت سی روایات میں منفرد ہیں' اہل علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے' ان روایات میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت ابن عباس سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے' لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت علی سے صحیح روایت یہی ہے کہ تین طلاقیں' تین ہی ہوتی ہیں۔

طاؤس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور فقہاء اسلام نے اولاً تو اس حدیث کے فنی سقم کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا' ثانیاً بر سبیل تنزل اس میں تاویل کی اور کہا کہ دور رسالت اور دور صحابہ میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے' بعد میں حضرت عمر کے دور میں لوگوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق کہنا شروع کر دیا اس لیے حضرت عمر نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ ان جوابات سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو نہیں بدلا بلکہ اسی چیز کو نافذ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے' امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت رکانہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا تھا؟ میں نے کہا: ایک طلاق! آپ نے فرمایا: قسم بخدا! میں نے کہا: قسم بخدا! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا ہے' یعنی ایک۔[1] اس حدیث کو امام ابوداؤد نے تین اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے'[2] امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3] اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ سے یہ استفسار نہ کرتے کہ تم نے اس لفظ سے کیا مراد لیا ہے اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک عبارت سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ سے طلاق کی تعداد کا دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں مؤثر ہو جاتی ہیں' اور حضرت عمر نے جو فیصلہ نافذ کیا وہ اس حدیث کے مطابق تھا اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے تابع ہے۔

حضرت رکانہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے فنی اسقام

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکانہ سے متعلق ایک دوسری روایت "مسند احمد" کے حوالے سے ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک طلاق قرار دیا اور انہیں رجوع

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۱۸۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' لاہور' ۱۴۰۵ھ

[3] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

کرنے کا حکم دیا۔ شیخ ابن تیمیہ نے ''مسند احمد'' کی اس حدیث کو جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' سنن ابوداؤد کی مذکورہ الصدر روایت پر ترجیح دی ہے' لیکن شیخ ابن تیمیہ کا جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کی روایت پر مسند احمد کو ترجیح دینا عدل و انصاف سے سخت بعید ہے' کیونکہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ''مسند احمد'' میں صرف احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا' اس میں ضعیف' حسن' صحیح ہر قسم کی احادیث ہیں برخلاف جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد کے' کیونکہ یہ ان کتب احادیث میں سے ہیں جن میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے' یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابو داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد کے علم میں بھی مسند احمد کی یہ روایت تھی جس میں طلاق البتہ کی بجائے تین طلاقوں کا ذکر ہے' لیکن انہوں نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی: '' هذا اصح من حديث ابن جريج ان ركانة طلق امراته ثلاثا لانهم اهل بيته وهم اعلم به۔[1] یہ حدیث ابن جریج کی روایت کی بہ نسبت صحیح ہے' جس میں ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ اس حدیث کی روایت حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہے اور وہ اپنے گھر کے واقعات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے تھے''۔ امام ابوداؤد نے اپنی تینوں احادیث یزید بن رکانہ سے روایت کی ہیں' اسی طرح امام ترمذی نے بھی یزید بن رکانہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے' اس کے برخلاف امام احمد نے ''مسند احمد'' میں ابن جریج سے حضرت رکانہ کی روایت بیان کی ہے اور یہ بالکل معقول اور انصاف کی بات ہے کہ حضرت رکانہ کے گھر کا واقعہ وہی درست ہوگا جو ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے کی روایت کے خلاف اگر کسی غیر متعلق شخص نے کوئی واقعہ بیان کیا ہے تو وہ درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

شیخ ابن تیمیہ نے البتہ والی روایت کو مرجوح قرار دینے کے لیے کسی کتاب کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے: امام احمد بن حنبل' امام بخاری' ابوعبید اور ابو محمد بن حزم نے البتہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں' ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۵' مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل السعود)

امام احمد بن حنبل چونکہ اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے والے ہیں اس لیے وہ ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اگر ان کی تضعیف بالفرض ہو بھی تو خارج از بحث ہے اور ابن حزم کا حوالہ دینا' شیخ ابن تیمیہ کی مغالطہ آفرینی ہے۔ شیخ ابن حزم نے ''سنن ابوداؤد'' کی ایک اور روایت کو بعض بنی ابی رافع کی وجہ سے مجہول لکھا ہے جس کا ذکر باحوالہ آگے آرہا ہے۔ رہے امام بخاری تو ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے البتہ والی روایت کی تضعیف کی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے ''مسند احمد'' والی روایت کو مضطرب اور معلل قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے'[2] اور علامہ ابن عبد البر نے اس کو ''تمہید'' میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی ''مسند احمد'' والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اس کی سند کا ایک راوی ابن اسحاق مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی روایات سے اجتناب کرنا واجب ہے اور البتہ والی (صحاح ستہ کی) روایت صحت کے قریب ہے اور ''مسند احمد'' والی روایت میں راویوں کی غلطی ہے۔

(العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ ج ۲ ص ۱۵۱' مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

علامہ ابوبکر رازی جصاص نے ''مسند احمد'' کی اس روایت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

1۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی' لاہور' ۱۴۰۵ھ

2۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۲۵۵' نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۸ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رکانہ کی حدیث منکر ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۱ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکانہ کی البتہ والی روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں اور ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کی یہ بات بھی عدل وانصاف اور حقیقت اور صداقت سے بہت دور ہے یہ حدیث ترمذی' ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے' اور امام ابوداؤد نے اس کو تین مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف امام ترمذی کی سند کے راویوں کی عدالت اور ضبط کا حال بیان کر رہے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو از ھناد از قبیصہ از جریر بن حازم از زبیر بن سعید از عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بیان کیا ہے۔ سند کے پہلے راوی ھناد ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے کہا: تم ھناد کو لازم رکھو' ابوحاتم نے کہا: وہ بہت سچے ہیں' قتیبہ نے کہا: میں نے دیکھا کہ وکیع' ھناد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے' امام نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں' امام ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۷۱ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)

اس سند کے دوسرے راوی قبیصہ ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حافظ ابوزرعہ سے قبیصہ اور ابونعیم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ان دونوں میں قبیصہ افضل ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے قبیصہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ بہت سچے ہیں' اسحاق بن یسار نے کہا: میں نے شیوخ میں سے قبیصہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا' امام نسائی نے کہا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۹ ـ ۳۴۸ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے تیسرے راوی ہیں: جریر بن حازم' ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حماد جتنی تعظیم جریر بن حازم کی کرتے تھے کسی اور کی نہیں کرتے تھے' عثمان دارمی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں' دوری کہتے ہیں: میں نے یحییٰ سے پوچھا کہ جریر بن حازم اور ابوالاشہب میں کس کی روایت بہتر ہے؟ انہوں نے کہا: جریر کی روایت احسن اور اسند ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ بہت سچے اور نیک ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۷۰ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے چوتھے راوی زبیر بن سعید ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: دوری نے ابن معین سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں' دارقطنی نے کہا: یہ معتبر ہیں' اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۱۵ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)

اس حدیث کے پانچویں راوی ہیں: عبداللہ بن یزید بن رکانہ' یہ خود حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہیں' امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے[1] اور حافظ ابن حجر نے اس کو مقرر رکھا ہے[2]

---

1. حافظ محمد بن حبان تمیمی متوفی ۳۵۴ھ' کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۱ھ

2. حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۲۵ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۶ھ

حضرت رکانہ سے متعلق "سنن ابو داؤد" کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے "سنن ابو داؤد" کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں ہے: حضرت عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے تو اسے تین طلاقیں دے دی ہیں' آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں' تم اس سے رجوع کر لو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۹ ـ ۱۹۸ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ ھ)

اس حدیث سے پیر صاحب کا استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کی سند میں بعض بنی ابی رافع موجود ہیں' جو مجہول ہیں۔ غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (شیخ ابن تیمیہ نے "سنن ابو داؤد" کی جس حدیث کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تھا' وہ اصل میں یہ حدیث ہے)

ہمارے علم میں اس حدیث کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دلیل نہیں ہے' اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو رافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام نہیں لیا گیا' اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہو سکتی۔

(المحلی ج ۱۰ ص ۱۶۸ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۵۲ ھ)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "مستدرک" کی بعض روایات میں بعض بنی ابی رافع کی تعیین محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے کر دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع کے بارے میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا: یہ "لیس بشئی" ہے' ابو حاتم نے کہا: یہ ضعیف الحدیث' منکر الحدیث اور ذاہب الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ کوفہ کے شیعہ میں سے ہے اور فضائل میں اس نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے' ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا۔ برقانی نے دار قطنی سے روایت کیا کہ یہ متروک ہے' یاد رہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے: جس شخص کے بارے میں میں یہ کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ملحوظ ذہنی چاہیے کہ امام ابن عدی نے اس کو شیعہ لکھا ہے اور تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا شیعہ حضرات کا مسلک ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۲۱ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۶ ھ)

اس روایت کی سند اس پائے کی نہیں ہے' جس سے حلال اور حرام کے مسئلہ میں استدلال ہو سکے' خصوصاً جب کہ اس روایت سے وہ چیز حلال ہو رہی ہو جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت سے حرام ہو چکی ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمین کا اس کی حرمت پر اتفاق ہو۔

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے حامیوں کے پاس تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے لیے صرف یہ تین روایات تھیں: ایک صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے دوسری "مسند احمد" کی روایت جو مضطرب' منکر' معلل اور ضعیف روایت ہے' تیسری "سنن ابو داؤد" کی یہ روایت جو مجہول' منکر اور متروک کی روایت ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان طلاقوں سے رجوع کر لے اور چاہے تو رجوع نہ کرے لیکن:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ (البقرہ: ۲۳۰)

پس اگر اس نے اس کو ایک اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے

نکاح کرے۔

اس آیت سے پہلے "الطلاق مرتان" کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ دی جا سکتی ہے' اس کے بعد فان طلقھا فرمایا' اس کے شروع میں حرف "فا" ہے جو تعقیب بلامہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد خاوند نے اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے' اس آیت میں اگر حرف "ثم" یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو علی التعیین یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی' لیکن قرآن مجید میں "ثم" کی بجائے "فا" کا ذکر کیا گیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید نے "الطلاق مرتان" فرمایا ہے' یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی' اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا: میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ غیر مقلدوں کے مشہور' مستند اور ان کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ آیت بیک وقت دی گئی تین طلاقوں اور الگ الگ دی گئی طلاقوں دونوں پر صادق آتی ہے اور اس آیت کو بغیر کسی نص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۵۲ھ)

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی جمہور فقہاء اسلام کا استدلال ہے:

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ — جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو' پھر ان کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو' تو ان پر تمہارے لیے کوئی عدت نہیں جس کو تم گنو۔ (الاحزاب: ۴۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے اور طلاق دینے کو اس سے عام رکھا ہے کہ بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں یا الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق اور عام رکھا ہو اس کو اخبار آحاد اور احادیث صحیحہ سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ماوشما کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اس کو مقید کیا جا سکے۔

قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے: دوسری آیت اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے' اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ہے' نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاق دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۴' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور' ۱۹۷۹ء)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بیک وقت اجتماعی طور پر دی گئی تین طلاقیں ایک ہوں گی جس کو اس آیت کے عموم کی تخصیص پر قرینہ بنایا جا سکے' نہ کسی حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے' ہاں! یہ ضروری ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہے اور بدعت اور گناہ ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے' اور سنت طریقہ الگ

الگ طہروں میں تین طلاقیں دینا ہے لیکن اس میں گفتگو نہیں ہے، گفتگو اس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خلاف سنت طریقہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آیا وہ نافذ ہوں گی یا نہیں! البتہ بکثرت احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جائیں گی' جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔ غیر مقلدوں کے امام ثانی ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عموم ہے اور تین' دو اور ایک طلاق دینے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

(المحلی ج ۱۰ص ۱۷۹ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۵۲ھ)

جمہور فقہاء اسلام نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ. (البقرہ: ۲۴۱) مطلقہ عورتوں کو رواج کے مطابق متاع (کپڑوں کا جوڑا) دینا چاہیے۔

شیخ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو عام رکھا ہے خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ ہو یا دو سے یا تین سے اور ان میں سے کسی کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا۔ (المحلی ج ۱۰ص ۱۷۰ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۵۲ھ)

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کو متعہ (کپڑوں کا جوڑا) دینے کی ہدایت کی ہے خواہ وہ عورتیں تین طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا دو طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا ایک سے' اور کسی ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ کی تخصیص نہیں فرمائی' یہی چیز شیخ ابن حزم نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے عموم اور اطلاق کی اور بھی آیات ہیں لیکن ہم بغرض اختصار انہی آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بتلایئے کہ ایک شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن مجید میں لعان کا مسئلہ ذکر فرمایا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا' حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے میرے سامنے مسجد میں لعان کیا' جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے کہا: اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں خود جھوٹا ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہلے لعان سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی' آپ نے فرمایا: سب لعان کرنے والوں کے درمیان یہ تفریق ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں: اس کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ سب لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

(صحیح البخاری ج ۲ص ۸۰۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی کی ''شرح مسلم'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اس نے اس لیے تین طلاقیں دی تھیں کہ اس کا گمان یہ تھا کہ لعان سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی تو اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ص ۴۵۱ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے

سے بیوی حرام ہو جاتی ہے' اسی وجہ سے اس شخص نے اپنی بیوی سے تفریق اور تحریم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو تین طلاقیں دیں' اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل عبث ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے: بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا درآں حالیکہ میں بھی لوگوں کے ساتھ تھا۔ حضرت عویمر نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں' پھر حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۰۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے[1] امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[2] اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محمد بن ابی صفرہ مالکی نے کہا ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی' ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر نفس لعان سے تفریق ہوتی تو حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے' اور شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مباح ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے یہ بات بہر حال واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور متفق علیہ تھی کہ تین طلاقوں سے تفریق اور تحریم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رجوع جائز نہیں ہے ورنہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تفریق کے قصد سے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں نہ دیتے۔

اس واقعہ میں ''سنن ابوداؤد'' کی درج ذیل حدیث نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کسی انصاف پسند شخص کے لیے اس مسئلہ میں تردد کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین.

حضرت عویمر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور فقہاء اسلام کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے لیکن کیا اس حدیث سے

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

[2] امام عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

استدلال درست ہے تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے' خود ابوبکر الجصاص اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (دعوت فکر ونظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲۵' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور' ۱۹۷۹ء)

پیر محمد کرم شاہ صاحب کا یہ استدلال سخت حیرت کا باعث ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تین طلاقیں اگر بیک وقت دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں' علامہ ابوبکر جصاص اور علامہ سرخسی نے اس استدلال کا رد نہیں کیا' بلکہ یہ کہا ہے کہ احناف کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے تین طلاقیں دینے پر انکار فرماتے اور آپ کا انکار نہ فرمانا بیک وقت تین طلاقوں کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ ابوبکر الجصاص اور علامہ سرخسی نے ان کے اس استدلال کا رد فرمایا ہے۔ اب ہم پہلے علامہ ابوبکر الجصاص کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں۔

علامہ ابوبکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا کہ جب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقیں بیک وقت دینے سے منع نہیں فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے' (علامہ جصاص فرماتے ہیں:) اس حدیث سے امام شافعی کا استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لعان سے پہلے خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور عورت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد طلاق لاحق نہیں ہوتی' اور جب طلاق واقع ہوئی نہ اس کا حکم ثابت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیسے انکار فرماتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے یعنی احناف کے مذہب پر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ طلاق دینے کا طریقہ اور وقت مقرر کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو اور ایک طہر میں تین طلاقوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے پہلے انہوں نے تین طلاقیں دی ہوں۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ جصاص کی بحث اس بات میں ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ممنوع ہے یا مباح ہے' اس میں بحث نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین!

اب ہم آپ کے سامنے علامہ سرخسی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں' علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: تین طلاقوں کے جمع کا بدعت ہونا اور ان کو الگ الگ دینے کا سنت ہونا' میں نہیں جانتا' بلکہ سب طرح طلاق دینا مباح ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو جمع کر کے دینا سنت ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم کو سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کر لے تو تینوں اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ الفاظ کے برخلاف نیت کرنا باطل ہے۔ امام شافعی نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے حدیث سے استدلال کیا ہے' جب حضرت عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کر لیا تو کہا: یا رسول اللہ! میں نے اگر اب اس عورت کو رکھ لیا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا' اس کو تین طلاقیں۔

(المبسوط ج ۶ ص ۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد علامہ سرخسی نے امام شافعی کے اور بھی دلائل ذکر کیے ہیں اور آخر میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اور احناف کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا' انہوں نے پوچھا: یہ بتلایئے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں' تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاق دینا گناہ ہے (یہی احناف کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ) ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ نے حضرت عویمر عجلانی کو تین طلاقیں دینے سے اس وجہ سے نہیں روکا تھا کہ وہ اس وقت سخت غصہ میں تھے اور آپ کو علم تھا کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے اور اس وجہ سے کافر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے از روئے شفقت انکار کو کسی اور وقت کے لیے مؤخر کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جاؤ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے تو یہی آپ کا انکار تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو بیک وقت دینا اس وقت مکروہ ہے جب وہ بلاضرورت ہوں اور ان کی تلافی اور تدارک ممکن ہو' اور حضرت عویمر عجلانی کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی' کیونکہ جو میاں بیوی آپس میں لعان کرنے پر مصر ہوں ان کی طلاق کا تدارک نہیں ہو سکتا اور حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ لعان کرنے پر مصر تھے۔ (المبسوط ج ۶ ص ۶۔۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

دیکھیے شمس الائمہ سرخسی کیا فرما رہے ہیں! اور پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری ان کے حوالے سے کیا سمجھا رہے ہیں؟

فیاللاسف

صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب

امام بخاری "باب من اجاز الطلاق الثلاث. جس نے بیک وقت تین طلاقوں کو جائز قرار دیا" کے باب میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی' اس نے بھی طلاق دے دی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' جب تک کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۷۵ھ)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے اس کو تین طلاقیں مجموعی طور پر (ایک مجلس میں) دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی حدیث کی باب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد تحریم ہو جاتی ہے اور رجوع جائز نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاقیں دی جانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس شوہر پر حلال نہیں ہے' اور یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد رجوع کا ناجائز ہونا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے۔ بیک وقت تین طلاقوں کی تحریم میں یہ حدیث بھی بالکل واضح ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث سے جمہور کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں تھیں بلکہ ''طلق ثلاثا'' کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں' اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۱۲۶ 'مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور' ۱۹۷۹ء)

جمہور فقہاء اسلام کا اس حدیث سے استدلال بالکل درست ہے اور طلق ثلاثا کا یہی معنی ہے کہ اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں۔ پیر صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ اس کا مطلب ہے: اس نے تین بار طلاقیں دیں اس کے لیے ''طلق ثلاثا'' کی جگہ ''طلق ثلث مرات'' کا لفظ ہونا چاہیے تھے اور اس سے بھی پیر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دی جائے تو وہ بھی ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے۔ پیر صاحب کا مدعا تب ثابت ہوتا جب حدیث کے الفاظ یوں ہوتے: ''طلق ثلاث تطليقات في ثلاثة اطهار. تین طہروں میں تین طلاقیں دیں'' لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: ''طلق ثلاثا'' یعنی انہوں نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور اس سے جمہور فقہاء اسلام ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے' لہٰذا اس حدیث سے جمہور کا استدلال بالکل درست ہے۔

سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا: آپ کو خلافت مبارک ہو' حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو' جاؤ! تم کو تین طلاقیں دیں' اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی' حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی' حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا' جب اس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے' جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا: اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے' تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۶ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

یہ حدیث انتہائی واضح اور صریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔

امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو سوید بن غفلہ سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۳۱ ۔ ۳۰ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام الہیثمی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے سوید بن غفلہ اور ابو اسحاق سے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

غیر مقلدوں کے عالم شیخ شمس الحق عظیم آبادی' امام دارقطنی کی بیان کردہ اس حدیث کی پہلی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عمرو بن قیس رازی ارزق ہے' یہ راوی بہت سچا ہے لیکن اس کے اوہام ہیں' امام ابوداؤد نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی حدیث میں خطاء ہے اور اس کی سند میں سلمہ بن فضل قاضی رے ہے۔ ابن راہویہ نے اس کو

ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا: اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں ابن معین نے کہا: یہ تشیع کرتا تھا' میں نے اس کی احادیث لکھی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' ابو حاتم نے کہا: اس کی احادیث سے استدلال نہیں ہوتا۔ ابو زرعہ نے کہا کہ رے کے لوگ اس کی غلط رائے اور ظلم کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(التعلیق المغنی علی دارقطنی ج ۴ ص ۳۰ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

شیخ عظیم آبادی نے اس حدیث کے دو راویوں کے بارے میں صرف جرح کے اقوال نقل کر دیئے ہیں' حالانکہ ان دونوں کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: عمرو بن قیس رازی ازرق سے' امام بخاری نے تعالیق میں روایت کی ہے' امام ترمذی' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان کی روایات کو ذکر کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے' رے کے لوگ امام ابو سفیان ثوری کے پاس گئے اور ان سے احادیث سننے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس عمرو بن ابی قیس نہیں ہیں؟ امام ابوداؤد نے ایک جگہ کہا کہ ان کی حدیث میں خطاء ہوتی ہے اور دوسری جگہ فرمایا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبان اور ابن شاہین نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے' ہاں! ان سے حدیث میں کچھ وہم بھی ہے۔ امام بزار نے فرمایا: یہ مستقیم الحدیث ہیں' یعنی ان کی روایت صحیح ہوتی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۹۵۔ ۹۴ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند)

اس حدیث کی سند کے جس دوسرے راوی پر شیخ عظیم آبادی نے جرح کی ہے' وہ ہیں سلمہ بن فضل قاضی رے (طہران)' حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن معین ان کو ایک روایت میں ثقہ اور ایک میں '' لیس بہ بــاس '' کہتے ہیں' ابن سعد ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں' محدث ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیث میں غرائب وافراد تو ہیں' لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث نہیں دیکھی جو حد انکار تک پہنچی ہو' ان کی احادیث متقارب اور قابل برداشت ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں: '' یخطی ویخالف '' امام ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: میں ان کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتا۔

(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳ 'مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کے دو راویوں عمرو بن ابی قیس رازی اور سلمہ بن فضل قاضی رے (طہران) کے بارے میں جو ائمہ حدیث کی آراء پیش کی ہیں ان میں ان کی زیادہ تر تعدیل کی گئی ہے اور ان کے حفظ اور اتقان کی توثیق' اور حافظ الہیثمی اس حدیث کی سند کے راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کے راویوں میں کچھ ضعف ہے لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۴۰۲ ھ)

پھر اس حدیث کو طبرانی کی دوسری سند سے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان دونوں کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۰۔ ۳۲۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی کا علم رجال میں بہت اونچا مقام ہے' اور جب انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو ایک انصاف پسند شخص کو اس کی سند میں تردد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے' دو سندوں سے امام دارقطنی نے روایت کیا ہے' دو سندوں سے امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سوید

بن غفلہ سے اس کو عمرو بن شمر اور ابراہیم بن عبد الاعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے' اس طرح اس حدیث کی سات اسانید کا بیان آ گیا ہے جس سے اس حدیث کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔[1]

سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث بھی بہت واضح اور صریح ہے:

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

محمود بن لبید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں۔ آپ غصہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میرے سامنے کتاب اللہ کو کھیل بنایا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اگر بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے نافذ ہونے کا عہد رسالت میں معمول نہ ہوتا اور تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا معمول ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض کیوں ہوئے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایک طلاق تو سنت ہے اور اگر بیک وقت دی گئی طلاقیں بھی ایک طلاق کے مترادف ہیں تو وہ حکماً سنت قرار پائیں گی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب اور ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور گناہ ہے' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض نہ ہوتے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضور کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تین طلاقیں ایک بار دی تھیں اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکم الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔

(دعوت فکر و نظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۳۱ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور' ۱۹۷۹ء)

یقیناً خلاف ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے' اسی لیے وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ کہتے ہیں لیکن پیر صاحب کا مدعا یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے ایک طلاق ہوتی ہے اور وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برخلاف جمہور فقہاء اسلام کا موقف ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

حافظ الہیثمی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی' پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' اس میں علی بن سعید ایک راوی ہے۔ دار قطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے اس کو عظیم قرار دیا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کی فنی حیثیت بھی متعین کر دی ہے کہ امام دار قطنی نے اس کے ایک راوی علی بن سعید رازی کی ثقاہت سے اختلاف کیا ہے اور اس حدیث کے باقی تمام راویوں کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور صرف امام دار قطنی کے اختلاف سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع

۱۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس حدیث کو بیہقی کی ایک سند کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس سند پر جرح کی ہے جب کہ ہم نے "سنن دار قطنی" کی ایک روایت کی سند کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کی سند کی جرح کا جواب دیا ہے اور "مجمع الزوائد" سے اس کی توثیق کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ہو جاتی ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ فعل گناہ ہے۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں: سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(المصنف ج ۶ ص ۳۹۵ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۹۲ھ)

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس! میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے طلاق دیتا ہے' پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔

(المصنف ج ۶ ص ۳۹۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۹۲ھ)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۱ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

زہری کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۱ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

شعبی سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہے؟ اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں دے دے۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۲ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے اس کی بیوی حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۲ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حبیب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ایک شخص کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہو گئی' باقی طلاقیں اپنی بیویوں میں تقسیم کر دو۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں' حد سے تجاوز ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں نے اس پر اس کی بیوی کو حرام کر دیا اور ستانوے طلاقیں زائد ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۳۔ ۱۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

شعبی کہتے ہیں کہ شریح سے کسی نے پوچھا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہو گئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

(المصنف ج ۵ ص ۱۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حسن بصری سے ایک شخص نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے مقاربت نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم تینوں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ جس شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۳' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۳' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

مذکور الصدر تینوں روایات میں غیر مدخولہ پر جن تین طلاقوں کے واقع کرنے کا حکم کیا گیا ہے اس سے مراد بیک وقت دی گئی لفظ واحد سے تین طلاقیں ہیں کیونکہ اگر الفاظ متعددہ سے تین طلاقیں دی جائیں تو پہلی طلاق سے غیر مدخولہ عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور بقیہ طلاقوں کا محل نہیں رہتی اور وہ طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ حسب ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب کوئی شخص دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے متفرق الفاظ سے یہ طلاقیں دی ہیں تو عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۴۰۶ھ)

ہم نے مذکور الصدر روایات میں حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن عباس' حضرت عمران بن حصین' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت ابوہریرہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ایسے گیارہ جلیل القدر فقہاء صحابہ اور امہات المؤمنین کے فتاویٰ اور تصریحات پیش کی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور فقہاء تابعین میں سے ابن شہاب زہری' شعبی' شریح' حسن بصری' اور ابراہیم نخعی کے فتاویٰ پیش کیے ہیں' قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت کے بعد جمہور فقہاء اسلام کا مؤقف انہی نفوس قدسیہ کی اتباع پر مبنی ہے۔

حرف آخر

تین طلاقوں کے مسئلہ میں' میں نے اس قدر تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ آج کل غیر مقلدین کی عام روش یہ ہے کہ

جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ اس کو ایک طلاق قرار دے کر ثبوت میں طاؤس کی روایت لکھ کر دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے عام مسلمان شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتے ہیں؛ جب میں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے اس کو بکثرت حلال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ملک کے عائلی قانون میں بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دے دیا گیا ہے تو میں نے اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود کے علمی تحفظ اور دفاع کے لیے یہ صفحات لکھ دیئے۔

اے اللہ! اس تحریر کو نفع آور بنا، منکرین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت اور ماننے والوں کے لیے سبب استقامت کر دے اس کے مصنف، معاون اور پڑھنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما اور ان کے لیے دارین کی سعادتوں اور کامرانیوں کو مقدر کر دے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ امہات المؤمنین اجمعین۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو

أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا

یا ان کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر

لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا

زیادتی کرو، اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کی

تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

آیتوں کو مذاق نہ بناؤ، اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے (اس کو) یاد کرو

عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور اللہ نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل کی ہے

يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو

عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾ ع وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا النصف ۲۹ ع ۳ ۱۳

خوب جاننے والا ہے ○ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں

تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

تو انہیں ان کے (انہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں' اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو' یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (عورتوں) کو ضرر پہنچانے کے لیے (اپنے نکاح میں) نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا تو اس نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا۔ (البقرہ: ۲۳۱)

جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلو خلاصی میں آراء ائمہ

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی منکوحہ کو بہ طور ظلم اور زیادتی کے اپنے نکاح میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے' بایں طور کہ اس کو نہ کھانے' پینے' کپڑوں اور رہائش کے اخراجات دے اور نہ اس کو اپنے نکاح کی قید سے آزاد کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی ان کا نکاح فسخ کر دے اور عدت کے بعد وہ عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو تفریق کا حق نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب خاوند نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی قاضی کو تفریق کا حق ہے' جب کہ خاوند کے مرد ہونے سے عورت کی شہوانی تسکین ہوتی ہے اور کھانے پینے کے خرچ نہ ہونے سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی اس لیے اس صورت میں قاضی تفریق کرنے کا زیادہ مستحق ہے' فقہاء احناف نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استدلال اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے' علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو بہ طور ظلم عورت کو نکاح میں روکنے کی ممانعت اور حسن معاشرت کے ساتھ عورت کے ہمراہ رہنے کے حکم پر محمول کیا ہے' لیکن یہ تقریر اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے کیونکہ امام ابن جریر' امام ابن المنذر وغیرہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا اور اس کو پھر طلاق دے دی اور جب دوبارہ اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے پھر رجوع کر لیا اور سہ بارہ اسی طرح کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت نو ماہ ہو گئی' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے (عدت میں) نہ روکے رکھو۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۳۔ ۱۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ انسانی ہمدردی' قوت استدلال اور عدل وانصاف اور ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے' اور علماء احناف کو اس خالص انسانی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیے جب کہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ میں نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث کے اخیر میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔

خرچ سے محروم عورت کی گلوخلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دے دے' اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم سے خارج ہو گیا' اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کر دے گا تاکہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو' کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کر سکتا (اس کے برعکس شہوانی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہو سکتا ہے)۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد' اسحاق' ابوثور' ابوعبید' یحییٰ قطان اور عبدالرحمان بن مہدی کا یہی مذہب ہے' صحابہ میں سے حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی مذہب ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا: یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ' ثوری اور زہری کا یہ قول ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔ (البقرہ: ۲۸۰)

(قرض لے کر بیوی کو کھلانا اس وقت متصور ہوگا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو' اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو' اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ (النور: ۳۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا (کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لیے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا' اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہوگا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے' اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو' عورت کہے گی: یا مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو' غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ

اور مجھ سے کام لو'بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶ 'مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ ـ ۵۲۳ ـ ۲۵۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ نفقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام شافعی کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور امام مالک کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۶ ـ ۱۵۵ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرہ: ۲۳۱)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا: میں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا' پھر کہتا: میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کہتا: میں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کہتا: میں تو مذاق کر رہا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ "اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے وہ نافذ ہو جائیں گی: طلاق' عتاق اور نکاح۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادہ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابو داؤد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح' طلاق اور رجوع کرنا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶ 'مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

احکام شرعیہ کو مذاق بنالینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے' مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح عمل گناہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکام شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو گئی' پھر ان کی بہن کے خاوند نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے' وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خاوند سے کر لیتیں اور ان کے خاوند کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں' اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی' اسی لیے امام شافعی نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے' نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے' یہ تین بار فرمایا' نیز فرمایا: جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کر لے' ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے' وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوحنیفہ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا: اس کی خاموشی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا در آں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷۸۔ ۷۷۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکاح کا پیغام دیا' اور میرے باپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا اور میرا نکاح وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا' اس کے باپ نے کہا: میں نے اس کے نکاح میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہوا' (اور عورت سے فرمایا:) جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۳۔ ۱۳۲ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی حفصہ کا نکاح منذر بن الزبیر سے کر دیا۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن موجود نہیں تھے' جب وہ آئے تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا: اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عائشہ ناراض ہوئیں اور فرمایا: کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟

(المصنف ج ۴/۲ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولی کے بغیر ایک عورت کے نکاح کو جائز قرار دیا اس عورت کی مرضی سے اس کی ماں نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ (المصنف ج ۷ ص ۲۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت

اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ

کو پورا کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور

كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا

پہننا ہے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا نہ ماں کو

تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى

اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

وارث پر بھی اسی طرح لازم ہے پھر اگر ماں اور باپ باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر

مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تم دائیوں سے اپنے بچوں کو

تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ

دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے بہ شرطیکہ تم (ان کو) دستور کے مطابق

اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا

اجرت ادا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

کاموں کو دیکھنے والا ہے O

دودھ پلانے کے شرعی احکام

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان کیے جس سے فرقت واقع ہوئی ہے اور اب ان چیزوں کے احکام بیان کیے جو نکاح کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں' کیونکہ بعض مطلقہ عورتوں کے دودھ پیتے بچے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ماں باپ کے جھگڑوں کی وجہ سے دودھ پیتے بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات باپ سے انتقام لینے کے لیے ان کو مائیں دودھ نہیں پلاتیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور یہ کہ باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور بچوں کے باپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں باپ میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرے' مثلاً ماں بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے باپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے' یا ماں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور باپ زبردستی بچوں کو ماں سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معروف سے کمی کرے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خاوندوں سے اولاد ہو' اور اجنبی دائیوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقاً دودھ پلانے والی مائیں مراد ہیں خواہ وہ مطلقہ عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک ماں پر دودھ پلانا واجب ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدیک ماں پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پیئے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے' کیونکہ اس مدت میں بچہ کو اپنی نشوونما کے لیے دودھ کی حاجت ہوتی ہے' نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے اور ماں باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دایہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی ماں کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے' خواہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں' اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں' اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے' ان کے نزدیک ہر ذورحم محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماموں اور پھوپھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے' بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے' باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے' قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے وہ دو سال دودھ پلائے تاکہ تیس مہینے پورے ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (الاحقاف: ۱۵) اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، شعبی، اوزاعی اور ابوثور کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے، کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعۃً دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے۔ اس لیے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا عادی بنایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف: ۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی بچے، امام دار قطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۴) اس حدیث کو امام عبد الرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں باقی رہتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ ملتان، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳ مطبوعہ ملتان)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی، نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لیے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا عادی بنایا جائے گا اور اڑھائی سال کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورۂ بقرہ میں جو ارشاد ہے: اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے، اس آیت اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۳۵۱۔ ۳۵۰ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

ہر چند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتیٰ بہ ہیں لیکن علامہ حصکفی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(در مختار علی ہامش الرد ج ۲ ص ۴۰۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں' اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں' تو وہ دستور کے موافق جو

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

کام اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے'

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ

اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو)

بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ

اشارۃً کنایہ سے نکاح کا پیغام دو' یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ' اللہ کو علم ہے کہ

اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ

(عدت کے بعد) عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے' لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو'

تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى

البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو' اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح

يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

کا عزم نہ کرو' اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے'

فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰ / ۱۴

سو اس سے ڈرتے رہو' اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ○

عدت وفات کا بیان اور عدت کی تعریف

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب بیوہ کی عدت کا ذکر فرما رہا ہے۔

وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ٹھہری رہے اور بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ اس کے رحم کا استبراء ہو جائے یا شوہر کی موت پر سوگ ہو' مطلقہ کے لیے یہ مدت تین حیض ہے اور بیوہ کے لیے یہ عدت چار ماہ دس دن ہے' اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے' عدت وفات میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کا کوئی فرق نہیں ہے۔ چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور

کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

زینب بنت ابی سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی مرگ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے' سوائے شوہر کے' اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے' پھر جب حضرت زینب بنت جحش کے بھائی فوت ہو گئے تھے تو میں ان کے پاس گئی' انہوں نے خوشبو منگا کر اپنے جسم پر لگائی اور کہا: مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو اس کے لیے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے' البتہ خاوند (کی موت) پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے گی۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

عدت کے مسائل اور شرعی احکام

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاق ثلاثہ مغلظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطاع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لیے زینت کو ترک کردے' زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے' باریک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے' خوشبو اور تیل نہ لگائے' سرمہ اور مہندی نہ لگائے' زعفران اور سرخ یا زرد رنگ میں رنگے کپڑے نہ پہنے' ہاں عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی اختیار کر سکتی ہے' کالے اور نیلے رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے' کافرہ' صغیرہ' مجنونہ' نکاح فاسد' وطی بالشبہ اور طلاق رجعی کی معتدہ پر سوگ نہیں ہے' دیگر رشتہ داروں کی موت پر صرف تین دن تک سوگ کرنا مباح ہے' خاوند کے لیے جائز ہے کہ عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنے پر منع کرے کیونکہ عورت کا مزین ہونا اس کا حق ہے' ہاں اگر خاوند کو اعتراض نہ ہو یا عورت شادی شدہ نہ ہو تو پھر تین دن سے زیادہ بھی سوگ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ علامہ حصکفی کا تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی ''صحیح بخاری'' کے حوالے سے گزرا ہے۔ سعیدی غفرلہ) ہر قسم کی عدت گزارنے والی کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے' البتہ اشارہ کنایہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے مثلاً کہے: مجھے امید ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے' یا آپ بہت خوبصورت ہیں یا نیک ہیں' بہ شرطیکہ وہ عورت عدت وفات گزار رہی ہو اور عدت طلاق میں ایسا کہنا مطلقاً جائز نہیں ہے' کیونکہ اس سے اس کے شوہر کے ساتھ عداوت پیدا ہوگی۔ جو عورت عدت گزار رہی ہو خواہ وہ طلاق رجعی کی عدت ہو یا طلاق بائن کی وہ گھر سے بالکل نہ نکلے' نہ رات کو نہ دن کو' اور اگر حویلی میں دوسرے لوگوں کے گھر ہوں تو اس کے صحن میں بھی نہ جائے خواہ شوہر کی اجازت ہو' کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے' اور جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ دن اور رات میں گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ کے خرچ کا کفیل اس کا خاوند ہے اس لیے اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور جو عدت وفات گزار رہی ہے' اس کے خرچ کا کوئی کفیل نہیں ہے اس لیے اس کو طلب معاش کے لیے دن اور رات کے وقت میں نکلنا ہوگا' ہاں! اگر اس کے خرچ کی کفالت کا انتظام ہو تو پھر اس کو بھی مطلقہ کی طرح گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور وہاں عدت گزارے خواہ عدت طلاق ہو یا عدت وفات' اور اس گھر سے نہ نکلے' ماسوا اس صورت کے کہ اس کو اس گھر سے نکال دیا جائے' یا وہ گھر منہدم ہو جائے یا اس گھر کے انہدام کا خدشہ ہو یا وہاں اس کے مال کے تلف ہونے کا خطرہ ہو' اس کے پاس اس گھر کا

کرایہ نہ ہو اس قسم کی اگر کوئی ناگزیر صورت ہو مثلاً وہ اس گھر میں تنہا ہو اور اس کی جان کو خطرہ ہو ایسی صورت میں وہ اس گھر کے قریب کسی گھر میں منتقل ہو سکتی ہے اور عدت طلاق میں جہاں اس کا شوہر چاہے وہاں منتقل ہو جائے جب عورت عدت طلاق گزار رہی ہو تو اس کے اور شوہر کے درمیان ایک پردہ ضروری ہے اور اگر گھر تنگ ہو یا شوہر فاسق ہو تو پھر اس کا اس گھر سے نکل جانا بہتر ہے۔ (درمختار علی ہامش الرد س ۶۲۱ ـ ۶۱۶ ملخصا مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عدت کے دوران عورتوں کو جن کاموں سے منع کیا ہے مثلاً بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلنا یا بناؤ سنگھار کرنا یا کسی سے عقد ثانی کا عہد و پیمان کرنا اگر عورتیں عدت کے دوران ان میں سے کوئی کام کریں تو اس عورت کے وارثوں اور سرپرستوں پر لازم ہے کہ عورت کو اس سے منع کریں اور اگر وہ منع نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر اس عورت کے اولیاء نہ ہوں تو پھر یہ حکام اور عام مسلمانوں کا فریضہ ہے کیونکہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی حرج (یا گناہ) نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے عدت سے پہلے یہ کام کیے اور تم نے ان کو نہ روکا تو تمہیں گناہ ہوگا۔

اس آیت میں عدت وفات چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے لیکن یہ عدت وفات غیر حاملہ کے ساتھ مخصوص ہے جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ شوہر کی وفات کے ایک منٹ بعد وضع حمل ہو جائے قرآن مجید میں ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔ (الطلاق: ۴)

اس سے پہلے عدت وفات ایک سال تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کر جائیں کہ ان کو گھر سے نکالے بغیر ان کو ایک سال کا خرچ دیا جائے۔ (البقرہ: ۲۴۰)

سورۂ بقرہ کی زیر بحث آیت سے یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اب ایک سال کے بجائے چار ماہ دس دن عدت وفات ہے اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب بیان کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔ (البقرہ: ۲۳۵)

گناہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا ہے اور دوران عدت اس سے نکاح کا عزم (پکا ارادہ) کرنا حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور عزم کرنا دل کا فعل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ حرام کام کا کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا عزم بھی گناہ کبیرہ ہے عام طور پر مشہور ہے کہ برائی کا ارتکاب گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے لیکن اگر برائی کا صرف عزم کیا جائے اور برائی کا ارتکاب نہ کیا جائے تو مواخذہ نہیں ہوتا یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے برائی کا عزم بھی گناہ ہے اور اس پر مواخذہ ہوتا ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ

نے فرمایا: یہ بھی اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی '۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ صرف قتل کا عزم کیا ہو وہ پھر بھی جہنمی ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ فعل حرام کا عزم اور پکا ارادہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے' البتہ ''ھم'' پر مواخذہ نہیں ہوتا ''ھم'' اور ''عزم'' میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص راجح اور غالب طور پر کسی کام کو کرنا چاہے اور مرجوح اور مغلوب طور پر کام نہ کرنا چاہے تو یہ ''ھم'' ہے اور جب سو فیصد کسی کام کا پختہ ارادہ ہو تو یہ عزم ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ دل میں کسی کام کے کرنے کا اچانک خیال آئے تو اس کو ھاجس کہتے ہیں' اور بار بار یہ خیال آئے تو اس کو خاطر کہتے ہیں اور جب ذہن اس کام کو کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں' اور جب راجح اور غالب جانب اس کام کے کرنے کی اور مرجوح اور مغلوب جانب اس کا کو نہ کرنے کی ہو مثلاً ۹۹ فیصد کرنا چاہتا ہو اور ایک فیصد نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کو ''ھم'' کہتے ہیں اور جب یہ ایک فیصد بھی ختم ہو جائے اور سو فیصد کام کرنا چاہتا ہو تو یہ عزم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کا کوئی دشمن ہو اور اس کے دل میں اچانک اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ ھاجس ہے' یہ خیال بار بار آئے تو خاطر ہے' اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ اور پروگرام بنائے مثلاً فلاں جگہ سے پستول حاصل کرے گا اور فلاں وقت اور فلاں جگہ جا کر اس کو قتل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے' اور جب ۹۹ فیصد اس کو قتل کرنا چاہے لیکن ایک فیصد اس کو قتل نہ کرنا چاہے مبادا پکڑا جائے اور اس کو پھانسی ہو جائے تو یہ ''ھم'' ہے اور جب یہ ایک فیصد نفی بھی زائل ہو جائے اور وہ دشمن کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلے خواہ اس کو نتیجہ میں پھانسی ہو جائے تو یہ عزم ہے' اس عزم کے بعد اگر وہ کسی وجہ سے اس کو قتل نہ بھی کرے تب بھی وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار پائے گا اور اس سے مواخذہ ہوگا۔ باعتبار لغت کے ھم اور عزم دونوں کے معنی ارادہ ہیں لیکن اصطلاح شرع میں ''ھم'' وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بھی کسی درجہ میں گنجائش ہو اور عزم وہ ارادہ ہے جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش نہ ہو اور حرام فعل کا ارتکاب اور حرام فعل کا عزم دونوں گناہ کبیرہ ہیں جب کہ حرام فعل کا ''ھم'' گناہ نہیں ہے' پچھلی امتوں سے معصیت کے ''ھم'' پر بھی مواخذہ ہوتا تھا اور ہماری امت سے صرف معصیت کے عزم پر مواخذہ ہوتا ہے اور ھاجس' خاطر اور حدیث نفس کے درجہ میں ان سے مواخذہ ہوتا تھا نہ ہم سے مواخذہ ہوتا ہے' نیز نیکی کا اگر ''ھم'' کرلیا جائے (یعنی ارادہ تو ہو لیکن سو فیصد نہ ہو) اور پھر بعد میں وہ نیکی نہ کی جائے تو اس ھم پر اجر وثواب مل جاتا ہے' لیکن اگر معصیت کا ''ھم'' کیا جائے اور وہ معصیت نہ کی جائے تو گناہ نہیں ہوتا' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور احسان ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: جب میرا بندہ کسی معصیت کا ''ھم'' مثلاً (۹۹ فیصد) ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور جب وہ اس معصیت کا ارتکاب کرے تو اس کی ایک معصیت لکھ دو' اور جب وہ کسی نیکی کا ''ھم'' (مثلاً ۹۹ فیصد ارادہ) کرے اور اس نیکی کو نہ کرے (تو پھر بھی) اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ اس نیکی کو کرلے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو' ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ دس سے سات سو تک نیکیاں لکھ دو۔[1]

اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' کی جلد اوّل میں کی ہے۔

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو

أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ

یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو: خوشحال پر اس کے

قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

والوں پر (ان کا) حق ہے O اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ

درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے البتہ

أَنْ يَّعْفُوْنَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَأَنْ

عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے) اور تمہارا

تَعْفُوْٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ إِنَّ

زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو بے شک

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کے مفصل احکام بیان فرمائے تھے اور اس کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں اور عدت طلاق ہو یا عدت وفات اس کے نتیجے میں عورت کے مہر کی ادائیگی مرد پر واجب ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہر کے بعض احکام بیان فرمائے، جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جس کا نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دوسری وہ ہے جس کا نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو اول الذکر کو شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ استعمال کی چیزیں دے دے اور ثانی الذکر کو نصف

مہر ادا کرنا لازم ہے الا یہ کہ عورت نصف مہر سے کچھ رقم معاف کردے یا شوہر نصف مہر سے زائد ادا کرے اور شوہر کا نصف مہر سے زائد ادا کرنا مکارم اخلاق کے زیادہ قریب ہے۔ غیر مدخولہ کو استعمال کی کچھ چیزیں یا نصف مہر ادا کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مباشرت سے پہلے فوراً اس کو طلاق دینے سے اس کے مستقبل پر برا اثر پڑے گا اور اس قدر جلد طلاق ہونے سے چہ میگوئیاں ہوں گی اور اس کے لیے جو نکاح کے مزید پیغام آنے ہیں ان میں کمی ہوگی تو اس کی اشک شوئی اور تلافی کے لیے اس کے واسطے نصف مہر کو لازم کیا گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نکاح سے پہلے مہر کو مقرر نہ کیا جائے تو نکاح پھر بھی صحیح ہے' تاہم اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا لازم ہوتا ہے یعنی اس جیسی لڑکی یا اس لڑکی کے خاندان میں جتنے مہر کو مقرر کرنے کا رواج ہو اتنا مہر ادا کیا جائے۔

مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مطلقہ کی متاع میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک خادم دیا جائے' اس سے کم درجہ یہ ہے کہ چاندی دی جائے اور اس سے کم یہ ہے کہ کپڑے دیئے جائیں۔

شعبی نے کہا: متوسط مطلقہ کی متاع دوپٹہ' قمیص' چادر اور ملحفہ ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۲۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مطلقہ کی متاع حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ جتنے کپڑوں کے ساتھ عورت نماز ادا کر سکے وہ مطلقہ کی متاع ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مطلقہ کی متاع کی کوئی معین مقدار نہیں ہے' قلیل متاع کی کوئی حد ہے نہ کثیر کی اور ائمہ کا اس کی حد میں اختلاف ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: جس عورت سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیص' دوپٹہ اور ملحفہ ہے (سر سے قدم تک اوڑھے جانے والی چادر' علامہ شامی نے لکھا ہے اس کے ساتھ ازار بھی ضروری ہے۔) یہ متاع نصف مہر مثل سے زائد نہیں ہونی چاہیے' خواہ زوج خوشحال ہو' اور نہ پانچ درہم سے کم ہو' تنگ دستی اور خوشحالی میں عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے گا' اس کے سوا باقی مطلقہ عورتوں کے لیے متاع مستحب ہے' البتہ جس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کے لیے متاع کو دینا مستحب نہیں ہے۔ مطلقات کی چار قسمیں ہیں: مطلقہ کا مہر پہلے مقرر کیا گیا تھا یا نہیں اور ہر تقدیر پر مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی یا مباشرت کے بعد' سو جس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو متاع دینا واجب ہے اور باقی قسموں کی مطلقات کو متاع دینا مستحب ہے' علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو وطی سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا مستحب نہیں ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مبسوط' محیط' کنز اور ملتقی وغیرھا میں لکھا ہے کہ اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے اور یہی صحیح ہے۔

(درمختار علی ہامش الرد ج ۲ ص ۲۳۶ ـ ۲۳۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم میں صحابہ کرام' فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ حضرت علی' حسن بصری' ابو العالیہ اور زہری کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے' حضرت ابن عمر' قاسم بن محمد' شریح اور ابراہیم کا یہ نظریہ ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے سوا ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے' اور اس مطلقہ کے لیے نصف مہر واجب ہے' امام اوزاعی' ثوری' امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کے لیے متاع واجب ہے' اور اگر اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو تو پھر اس کو متاع نہیں دی جائے گی۔ امام مالک' لیث بن سعد' حکم اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک متاع مستحب ہے اور کسی عورت کے لیے واجب نہیں ہے خواہ اس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو یا نہیں۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۰ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

ہمارے علماء کے نزدیک مطلقہ کی متاع واجب نہیں ہے' اولاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے متاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کو دینے والے کے اجتہاد پر مطلق فرمایا' ثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۳۶) یہ محسنین پر واجب ہے'' اگر مطلقہ کی متاع واجب ہوتی تو مطلقاً تمام مسلمانوں پر واجب ہوتی۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۸۰ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے' وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' فمتعوھن. ان کو متاع دو'' ۔ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف استحباب پر کوئی دلیل قائم ہو اور وہ یہاں نہیں ہے' نیز فرمایا: '' وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ. (البقرہ: ۲۴۱) دستور کے مطابق متاع مطلقات کی ملکیت ہے'' کیونکہ لام تملیک کے لیے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت اور اس کا حق ہو اس کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' حقا علی المحسنین'' اور '' حقا علی المتقین'' یہ وجوب کی تاکید ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۲۸ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن عربی مالکی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو ہر مسلمان پر واجب ہوتی صرف متقین اور محسنین پر واجب نہ ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجوب کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متاع محسنین اور متقین پر حق ہے' اور حق سے زیادہ اور کوئی وجوب کے لیے مؤکد نہیں ہے' جس طرح '' ھدی للمتقین '' سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت نہ ہو اسی طرح '' حقاً علی المتقین '' سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقہ کی متاع ہر مسلمان پر

واجب نہ ہو' نیز اس کا معنی ہے: جو تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور ہر مسلمان تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ باقی یہ جو کہا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی مقدار کا بیان فرماتا' اس کا جواب یہ ہے کہ مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں' اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک مقدار معین نہیں کی جا سکتی' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خوشحال پر (یہ متاع) اس کے (حال کے) موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)۔ (البقرہ: ۲۳۷)

نکاح کی گرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا ولی؟

اس میں اختلاف ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے مراد شوہر ہے یا عوت کا ولی' اگر اس سے مراد شوہر ہو تو اس آیت کا وہ معنی ہوگا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اگر اس سے مراد عورت کا ولی ہو تو معنی یہ ہوگا: البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی ولی وہ کچھ معاف کر دے۔ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس سے مراد شوہر ہے اور امام مالک کے نزدیک اس سے مراد عورت کا ولی ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے ولی کے مراد ہونے پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کر دیں' اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر عورت اپنے مہر کو معاف نہیں کر سکتی' کیونکہ صغیرہ اور مجنونہ اپنے حقوق میں خود تصرف نہیں کر سکتی' اس کے حق میں اس کا ولی تصرف کرتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ذکر کے بعد اس کے ولی کا ذکر فرمایا' یعنی جس کو وہ معاف کر سکتی ہیں وہ معاف کر دیں اور جس کو وہ معاف نہیں کر سکتیں اس کو ان کا ولی معاف کر دے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

علامہ قرطبی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ ولی یعنی لڑکی کے باپ کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے' خود کو نہ کسی اور کو' نیز جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ صرف شوہر ہے' اسی کو اختیار ہے کہ وہ نکاح پر برقرار رہ کر نکاح کی گرہ کو قائم رکھے یا طلاق دے کر نکاح کی گرہ کو کھول دے اور لڑکی کے ولی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ مطلق نہیں ہے' حقیقۃً نہ مجازاً' علامہ ابوبکر جصاص حنفی نے اسی طرح لکھا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۰' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس کے مصداق کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت جبیر بن مطعم' ابن المسیب' ابن جبیر' مجاہد' شریح' جابر بن زید' ضحاک' محمد بن کعب القرظی' الربیع بن انس' ابن شبرمہ' امام شافعی' امام احمد' امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس' حسن' علقمہ' طاؤس' شعبی' ابراہیم اور دیگر حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے مراد ولی ہے۔

(۳) عورتوں کا معاف کرنا شادی شدہ عورتوں پر محمول ہے اور اگر لڑکی کنواری ہو تو پھر اس کا ولی معاف کرے گا' یہ بھی حضرت ابن عباس اور ابوالشعثاء سے منقول ہے۔

ان تینوں اقوال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نکاح کے بعد نکاح کی گرہ ولی کے ہاتھ سے نکل کر خاوند کے ہاتھ میں آ گئی' اور معاف کرنے کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جو انسان کی ملکیت میں ہو' اور مہر ولی کی ملکیت میں نہیں ہے تو وہ اس کو

معاف کرنے کا بھی مالک نہیں ہے نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے میں (ہبہ کرنے) کو فراموش نہ کرو اور انسان اپنے مال سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے دوسرے کے مال سے کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتا لہٰذا سیاق و سباق کے اعتبار سے یہاں شوہر کو مراد لینا ہی صحیح ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی نے اس آیت میں شوہر کے مراد ہونے پر متعدد روایات بیان کی ہیں بعض ازاں یہ ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام طبرانی اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام ابن المنذر' امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر' مجاہد' ضحاک' شریح' ابن المسیب' شعبی' نافع اور محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام عبد الرزاق نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ زوج کا عفو یہ ہے کہ وہ پورا مہر دے' اور بیوی کا عفو یہ ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

تمام نمازوں کی پابندی کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی' اور اللہ کے سامنے ادب سے

قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ

قیام کرو ○ پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو)' پھر جب خوف جاتا رہے تو پھر

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اسی طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے ○ اور تم میں سے جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں' وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نکالا نہ جائے' پھر اگر وہ خود نکل جائیں

عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ

تو تم پر (ان کے) اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا

بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ

عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

سے ڈرنے والوں پر واجب ہے O اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے

تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۲﴾ ع

ع ۳۱ ت ۱۵

تاکہ تم سمجھو O

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یا زوجہ نصف مہر سے کچھ مقدار معاف کردے یا شوہر اس کو پورا مہر ادا کردے اور فرمایا تھا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کو فراموش نہ کرو' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نمازوں پر پابندی اور مداومت کرنے کا حکم دیا' کیونکہ نماز انسان کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اس کو نیکی اور اچھائی کے کاموں پر برانگیختہ کرتی ہے اور قدر واجب سے زیادہ دینا بھی اچھائی کا کام ہے' نیز پہلی آیت میں مخلوق پر شفقت کا حکم تھا اور اس آیت میں اللہ کی تعظیم کا حکم ہے' تاکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے' نیز اس آیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اہل وعیال کے احکام بیان کیے اور اس آیت کے بعد پھر عائلی احکام بیان فرمائے اور درمیان میں پابندی اور دوام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر فرمایا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق' محبت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مشغول نہ ہو جانا کہ اپنے مولیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو بھول جاؤ اور امور خانہ داری اور دنیا داری میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورکھ دھندوں میں پڑے رہو اور یادِ خدا کو بالکل فراموش کر بیٹھو' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ O (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں' اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

نماز کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ نماز میں کسی قسم کا سہو اور نقصان واقع نہ ہو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری' امام مسلم اور امام نسائی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے' آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شریک نہ کرو' نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو' جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابویعلیٰ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا وہ نماز ہے' اور جو چیز سب سے آخر میں باقی رہے گی وہ نماز ہے' اور سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو' اگر وہ مکمل ہوں تو مکمل لکھ دی جائیں گی' اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی' پھر فرمائے گا: دیکھو اس کی زکوٰۃ پوری ہے؟ اگر زکوٰۃ پوری ہو تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو اس نے کوئی صدقہ کیا ہے؟ اگر اس نے صدقہ کیا ہوگا تو اس صدقہ سے اس کی زکوٰۃ پوری کر دی جائے گی۔

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے' اگر نماز درست ہو تو باقی عمل بھی درست ہوں گے اور اگر نماز فاسد ہو تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔

امام طبرانی' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں' جس کا وضو نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں اور جس کی نماز نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں' دین میں نماز ایسی ہے جیسے جسم میں سر ہے۔

امام بزار' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

امام طبرانی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جو شخص پانچ نمازیں لے کر آیا جن کے وضو' ان کے اوقات اور ان کے رکوع اور سجود کی اس نے حفاظت کی ہوئی ہو' اس شخص کے ساتھ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو عذاب نہیں دے گا' اور جس نے ان میں سے کسی چیز میں کمی کی اس کے ساتھ اللہ کا کوئی عہد نہیں ہے' اگر اللہ چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

امام طبرانی' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً (اللہ کا) ولی ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً (اللہ کا) دشمن ہے: نماز' روزہ اور جنابت۔

امام طبرانی' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے وقت میں نماز پڑھی اور اس کے لیے مکمل وضو کیا اور نماز کے قیام' خشوع' رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا تو وہ نماز سفید اور روشن ہوگی اور اس شخص سے کہے گی: اللہ تیری بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے' اور جس نے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھی' اس کے لیے مکمل وضو نہیں کیا اور نہ اس کے خشوع' رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا وہ نماز سیاہ اندھیری ہوگی اور کہے گی: اللہ تجھے بھی اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے حتیٰ کہ جب اللہ چاہے گا اس نماز کو پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس شخص کے منہ پر مار دے گا۔

امام احمد' امام طبرانی اور امام ابن مردویہ' حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم ظہر کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے نماز اپنے وقت میں پڑھی' اس کی حفاظت کی اور اس کے حق کو معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کیا اس کے ساتھ میرا یہ عہد ہے کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا' اور جس شخص نے نماز اپنے وقت میں نہیں پڑھی' اس کی حفاظت نہیں کی' اور اس کے حق کو معمولی جان کر ضائع کیا' اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے' اگر میں چاہوں تو اس کو عذاب دوں اور اگر میں چاہوں تو اس کو معاف کر دوں۔

امام دارمی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی چابی نماز ہے۔

امام دیلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سی چیز دین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا' جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کا کوئی دین نہیں' نماز دین کا ستون ہے۔

امام ابن ماجہ' امام ابن حبان' امام حاکم تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور مومن کے سوا اور کوئی شخص ہمیشہ باوضو ہرگز نہ رہ سکے گا۔

امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے' اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان ہو تو وہ ان کی حفاظت کرے۔ امام ابوداؤد کی روایت یہ ہے کہ جب اذان ہو تو پانچوں نمازوں کی حفاظت کرو' کیونکہ جماعت سنن الھدیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن الھدیٰ کو مشروع کیا ہے' اور ہمارے عہد میں منافق کے سوا اور کوئی جماعت کو نہیں چھوڑتا تھا' اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر صف میں جا کر کھڑا ہوتا تھا' اور ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں نماز کی جگہ ہوتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی اور اپنی مسجدوں کو چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کرو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بہ طور استخفاف یا بہ طور اہانت ترک کیا وہ کافر ہو جائے گا' یا کفر بہ معنی کفران نعمت ہے۔

امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام حاکم تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بندہ کے عمل سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے' اگر وہ صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہوگیا اور اگر وہ فاسد ہوئی تو وہ ناکام اور نامراد ہوگیا اور اگر اس کے فریضہ میں کچھ کمی ہوئی تو رب فرمائے گا' دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے جس سے اس کا فرض پورا کیا جائے' پھر باقی اعمال کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کی ایک

جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا' لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا' جب وہ گزر گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: بہ خدا! میں اس شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھتا ہوں' لوگوں نے کہا: تم نے بہت بری بات کی ہے' اے فلاں شخص! جاؤ اس کو بلا کر لاؤ' وہ شخص اس کو بلا کر لے آیا' اور اس کو بتایا کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے' وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا' میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا' جب میں چلا گیا تو ایک شخص نے میرے متعلق کہا: میں اللہ کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! اس شخص کو بلائیے اور اس سے بغض کی وجہ معلوم کیجئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کہا تھا' اس نے کہا: یہ شخص میرا پڑوسی ہے' بہ خدا! میں نے اس کو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس کو ہر نیک اور بد پڑھتا ہے' اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے کبھی میں نے نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھا یا اس کے وضو میں کوئی کمی کی' یا رکوع اور سجود میں کوئی کوتاہی کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا: نہیں' پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس شخص کو رمضان کے سوا اور کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا جس مہینہ میں ہر نیک و بد روزہ رکھتا ہے' اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے میں نے کبھی روزہ کے حق میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں' پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے زکوٰۃ کے سوا اس کو کبھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور زکوٰۃ تو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے' اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے میں نے کبھی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ اس نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اٹھو! یہ تم سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' ان سے پوچھا گیا: اسلام کا کون سا درجہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا کوئی دین نہیں۔

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام مسلم' امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن حبان' اور امام حاکم' حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے' جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت کی' فرمایا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو' خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں' یا تم کو جلا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے' اور نماز کو عمداً ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا وہ ملت اسلام سے نکل گیا' اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو' کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پیو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

امام طبرانی' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

امام بزار اور امام طبرانی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی

تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا علاج کرتے ہیں' آپ چند دن نماز چھوڑ دیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔

امام ابن حبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام اصبہانی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بَری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ سے توبہ کر لے۔

امام ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں اور امام بخاری نے اپنی ''تاریخ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے اور ایک روایت ہے: اس نے کفر کیا۔

امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ کیا۔

امام نسائی اور امام ابن حبان نے حضرت نوفل بن معاویہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی ایک نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۸ ـ ۲۹۴' ملتقطا' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں: صلوٰۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

(۲) اس سے مراد عصر کی نماز ہے' کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حسن اور متعدد صحابہ اور فقہاء کا یہی نظریہ ہے' امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳) اس سے مراد مغرب کی نماز ہے' کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے' حضرت قبیصہ بن ذویب کا یہی نظریہ ہے۔

(۴) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے' کیونکہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں ہے۔

(۵) اس سے مراد فجر کی نماز ہے' کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے' نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذ' حضرت جابر' عطاء' عکرمہ اور مجاہد کا یہی قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وتر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ خوف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں' ہم اختصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

فجر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام مالک نے ''موطا'' میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے' اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بصرہ کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھائی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا: یہ وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

امام سعید بن منصور نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے جس کو اندھیرے میں پڑھا جاتا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حبان ازدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۰۱' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

ظہر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے تو انہوں نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمد' امام بخاری نے اپنی ''تاریخ'' میں' امام ابوداؤد' امام ابن جریر' امام طحاوی' امام ابویعلیٰ' امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب سے زیادہ دشوار تھی' تب یہ آیت نازل ہوئی: ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' (البقرہ: ۲۳۸) نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

امام طیالسی' امام ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں' امام بخاری نے اپنی ''تاریخ'' میں' امام ابن ابی حاتم' امام ابویعلیٰ اور امام بیہقی نے زہرہ بن معبد سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ظہر کی نماز ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔

امام نسائی اور امام طبرانی نے زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا: میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا' وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انہوں نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھاتے تھے' لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں' تو یہ آیت نازل

ہوئی: '' حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ '' (البقرہ: ۲۳۸) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگادوں گا۔

امام ابن جریر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے' پھر وہاں سے حضرت ابن عمر کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمر سے معلوم کیا' انہوں نے کہا: صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔ (جامع البیان ج ۱ص ۳۰۲۔ ۳۰۱ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

عصر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث

امام عبدالرزاق' امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن جریر اور امام بیہقی' زر سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: عبیدہ سے کہو کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وسطیٰ کے متعلق سوال کریں' انہوں نے سوال کیا تو حضرت علی نے جواب دیا: ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ العصر نہیں پڑھ سکے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام عبدالرزاق' امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم' امام نسائی اور امام بیہقی شتیر بن شکل سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ' امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا: انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر پڑھنے سے محروم کر دیا' اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اور ان کے دلوں کو آگ سے بھر دے۔

امام احمد' امام ابن جریر اور امام طبرانی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ '' (البقرہ: ۲۳۸) اور ہمارے لیے صلوٰۃ وسطیٰ کا نام صلوٰۃ عصر رکھا۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

امام ابن ابی شیبہ ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں: ان سے کسی شخص نے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: تمام نمازوں کی حفاظت کرو صلوٰۃ وسطیٰ انہیں میں سے کوئی ایک ہے۔

(الدرالمنثور ج ا ص ۳۰۵۔ ۳۰۲ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے سامنے ادب سے قیام کرو O (البقرہ: ۲۳۸)

باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن خزیمہ' امام طحاوی' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام بیہقی' حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے' ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا تھا' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: '' وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ '' (البقرہ: ۲۳۸) پھر ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

امام عبد الرزاق' امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسلمان نماز میں باتیں کرتے تھے' ایک شخص نماز میں اپنے بھائی کو کسی کام کا حکم دیتا تھا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: '' وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ '' (البقرہ: ۲۳۸) پھر ان کو کلام سے روک دیا گیا' قنوت کا معنی سکوت ہے اور قنوت کا معنی طاعت ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے' ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا' ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے اور جواب دیتے' حتیٰ کہ میں ایک دن نماز میں شامل ہوا اور میں نے سلام کیا تو میرے سلام کا کسی نے جواب نہیں دیا' مجھے اس سے بہت رنج ہوا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی تو آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی سوا اس کے کہ ہمیں نماز میں خاموش کھڑے رہنے اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قنوت سکوت ہے۔

امام سعید بن منصور' امام ابن جریر' امام اصبہانی اور امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رکوع' خشوع اور لمبا رکوع بھی قنوت کا معنی ہے' یعنی طویل قیام کرنا' نظر نیچے رکھنا' بازو جھکائے رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے فقہاء جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ادھر ادھر التفات کرنے' کنکریاں ہٹانے' آنکھیں بند کرنے' کسی چیز کے ساتھ کھیلنے یا دنیاوی کاموں کے متعلق غور و فکر کرنے سے اللہ سے ڈرتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قنوت (قیام) ہو۔

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے' ہم نے آپ کو سلام کیا' آپ نے ہمیں جواب نہ دیا۔ ہم نے (نماز کے بعد) عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نماز میں مشغولیت ہے۔

(الدرالمنثور ج ا ص ۳۰۶ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو)' پھر جب خوف جاتا رہے تو پھر اسی طرح اللہ کا ذکر کرو (نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۹)

چلتی ٹرین اور طیارہ وغیرہ میں نماز پڑھنے کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کی حفاظت کا اور ان کو خاموشی اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا تھا اور انسان کو زندگی میں بعض مرتبہ نماز کے اوقات میں خوف اور خطرہ لاحق ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں نماز کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا کہ اگر تم کو نماز کے وقت میں خوف اور خطرہ لاحق ہو تو پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو' یا سواری پر سوار ہونے کی حالت میں نماز پڑھو' اس خوف سے مراد عام ہے' خواہ دشمن کا خوف ہو یا درندے کا خوف ہو یا سیلاب کا خوف ہو' پس ہر وہ امر جس سے اس کی جان کا خوف ہو اس کی وجہ سے پاپیادہ یا سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے' اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ چلتی ٹرین' بحری جہاز یا ہوائی جہاز میں دوران سفر نماز کا وقت آ جائے اور پورے وقت میں وہ سواری چلتی رہے اور اس چلتی سواری سے چھلانگ لگا کر اترنے میں جان جانے کا خطرہ ہو تو اس چلتی ہوئی سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس نماز کا اعادہ نہیں ہے' اس کے مزید دلائل اور فقہاء کی عبارات ہم نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثانی میں بیان کیے ہیں۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء

امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس آیت کا تعلق جنگ اور قتال سے بھی ہے یعنی اگر دوران قتال شدید خطرہ اور خوف ہو تو پاپیادہ اور سواری پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جہاد اور قتال میں صلوٰۃ خوف پڑھی جائے اور اگر جنگ کی شدت کی وجہ سے صلوٰۃ خوف نہ پڑھی جا سکے تو نماز مؤخر کر دی جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن چار نمازیں مؤخر کر دی تھیں اور قتال کے علاوہ اور کسی صورت میں دشمن کا خوف ہو تو پاپیادہ یا سواری پر نماز پڑھ لی جائے۔

ملا احمد جیون حنفی لکھتے ہیں: حالت خوف میں نماز پڑھتے وقت ضرورت کی بناء پر قبلہ سے توجہ ساقط ہو جاتی ہے' یعنی اگر تم کو دشمن سے خوف ہو یا درندہ کا خوف ہو یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو تم پر قیام فرض نہیں ہے بلکہ تم کو اس کا اختیار ہے کہ تم پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر نماز پڑھو اور جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرف اشاروں سے نماز پڑھو' اسی طرح ''مدارک'' میں ہے' اور صاحب ''ہدایہ'' نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر شدید خوف ہو تو الگ الگ سواری پر نماز پڑھیں اور اشارہ سے رکوع اور سجود کریں' خواہ جس طرف منہ ہو بشرطیکہ وہ قبلہ کی طرف منہ پر قادر نہ ہوں اور جس وقت تلواریں ٹکرا رہی ہوں اور تیر چل رہے ہوں اس حال میں ہمارے نزدیک نماز جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک ''رجالاً'' کا معنی ہے: اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں' اور امام شافعی کے نزدیک اس کا معنی ہے: چلتے ہوئے نماز پڑھیں' اسی لیے قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ تلواروں سے لڑائی کی حالت میں نماز جائز ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز کو مؤخر کر دیں اور بعد میں پڑھیں۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۵۸ مطبوعہ مطبع کریمی' بمبئی)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں سواری ٹھہرانا ممکن نہ ہو تو تلواروں سے لڑتے ہوئے بھی نماز جائز ہے اور ہمارے امام کا یہ مذہب ہے کہ چلنے سے اور لڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز

میں قنوت کا حکم دیا ہے اور چلنا اور لڑنا قنوت کے منافی ہے اور جب ایسی صورت ہو تو نماز کو مؤخر کر دے اور جب امن اور سکون ہو تو نماز پڑھ لے اگر تم انصاف سے کام لو تو تمہیں علم ہوگا کہ یہ آیت امام شافعی کے موقف میں بالکل صریح ہے' کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کے لیے قیام کرو اور دین آسان ہے اور مشکل نہیں ہے اور مقامات مختلف ہوتے ہیں اور مشکل کی وجہ سے آسان حکم کو نہیں چھوڑا جاتا اور جس کام کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کو مکمل طور پر ترک بھی نہیں کیا جاتا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طیالسی' امام عبد الرزاق' امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام نسائی' امام ابو یعلیٰ اور امام بیہقی نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ خندق کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' ہم ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جنگ کی مشغولیت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے' حتیٰ کہ ہم لڑائی سے بچا لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ'' (الاحزاب: ۲۵) (زبردست آندھی بھیج کر) اللہ مسلمانوں کے لیے جنگ سے کافی ہو گیا' یعنی ان کو لڑنے سے بچا لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو (اذان کا) حکم دیا اور ہر نماز کے لیے اقامت کہی' یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا: ''فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا'' (البقرہ: ۲۳۹) اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیادہ اور سواری پر نماز پڑھو''۔

امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایام میں صلوٰۃ خوف پڑھی' ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہی' جو جماعت آپ کے ساتھ تھی آپ نے اس کو ایک رکعت نماز پڑھائی' پھر وہ لوگ چلے گئے اور دوسری جماعت آ گئی' آپ نے اس دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی' پھر دونوں جماعتوں نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت نماز پڑھی' حضرت ابن عمر نے کہا: اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو پھر تم کھڑے ہوئے اور سواری پر اشارہ سے نماز پڑھو۔

امام مالک' امام شافعی' امام عبد الرزاق' امام بخاری' امام ابن جریر اور امام بیہقی نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب صلوٰۃ خوف کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: امام ایک جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائے اور دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان کھڑی رہے اور نماز نہ پڑھے' اور جب وہ جماعت ایک رکعت نماز پڑھ لے تو وہ اس دوسری جماعت کی جگہ چلی جائے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی' اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں' اور جس جماعت نے پہلے نماز نہیں پڑھی تھی وہ امام کے پیچھے آ کر کھڑی ہو اور امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے' پھر امام چلا جائے' اس کی دو رکعتیں ہو گئیں اور امام کے چلے جانے کے بعد ہر جماعت اپنی باقی ماندہ ایک ایک رکعت پڑھے' اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں یا سواری پر نماز پڑھیں' خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف' نافع کہتے ہیں کہ مجھے یہی یقین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲ - ۶۵۱)

امام بزار' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلواروں سے لڑائی کی حالت میں نماز ایک رکعت ہے' انسان جس طریقہ سے بھی یہ رکعت پڑھ لے اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کو نہیں دہرائے گا۔

امام ابن ابی حاتم نے ”فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا“ (البقرہ: ۲۳۹) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل چلنے والا اپنے پیروں پر نماز پڑھے اور جب خوف دور ہو جائے تو سوار اور پیادہ معمول کے مطابق نماز پڑھیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تلواروں سے جنگ ہو رہی ہو تو اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو" فرجالا او رکبانا" کی یہی تفسیر ہے۔

امام ابن المنذر اور امام ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: چلتے ہوئے اور سواری پر' اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے فرمایا کہ جب تم جنگ میں سواریوں پر ہو اور خوف زیادہ ہو تو ہر شخص کسی بھی سمت کھڑا ہو کر یا سواری پر سر کے اشارہ سے یا زبان کے کلام سے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۹۔ ۳۰۸ ملتقطاً 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

یعنی اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو تم اپنے پیروں پر یا اپنی سواریوں پر ٹھہرے ہوئے یا چلتے ہوئے نماز پڑھو خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف' اشارہ سے یا بغیر اشارہ کے جس طرح بھی قدرت ہو' اس حالت میں نماز کی مقدار میں اختلاف ہے' جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ طریقہ کے مطابق دو رکعت نماز پڑھے گا' اور حسن نے کہا: جب اسے خوف ہو تو ایک رکعت نماز پڑھے' اہل حجاز (شافعیہ) نے کہا: اس پر بعد میں اس نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ وہ معذور تھا' اور اہل عراق (احناف) نے کہا: اس پر اعادہ واجب ہے کیونکہ چلنا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا ہے' مرض ہو' حضر ہو' سفر ہو' قدرت ہو' عجز ہو' خوف ہو' امن ہو' نماز مکلف سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو' اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر۔ (صحیح بخاری' سنن ابو داؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' مسند احمد) اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے صلوٰۃ خوف کے ذکر میں فرمایا: اگر زیادہ خوف ہو تو کھڑے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھو' خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۵۶) اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے اور کسی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوگی' حتیٰ کہ اگر صرف آنکھ کے اشارہ سے نماز پڑھی جا سکے تو اسی طرح لازم ہے' اسی وجہ سے نماز باقی عبادات سے ممتاز ہے' کیونکہ نماز کے علاوہ باقی عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں' اور اسی سبب سے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ جنگ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث اور یہ آیت ان کے خلاف قوی دلیل ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۳۔ ۳۰۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: یہ آیت سورۂ نساء کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ (النساء: ۱۰۲)

اور جب آپ ان میں ہوں اور (جنگ کے دوران) انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ کو آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیے رہیں' پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی' اور انہیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور وہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ لیے رہیں۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اس سے زیادہ خوف ہو تو تلواروں سے لڑائی کے درمیان تم کو جس طرح قدرت ہو اس طرح نماز پڑھو' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں شفق کے غائب ہونے کے بعد پڑھیں یعنی عین حالت جنگ میں یہ نمازیں نہیں پڑھیں جیسا کہ اس آیت میں ہے اور ان کو مؤخر کر دیا۔ (ترمذی' ابویعلیٰ' بیہقی) تو اس حدیث اور اس آیت میں کیسے موافقت ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کا یہ واقعہ اس آیت (فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ (البقرۃ: ۲۳۹)) کے نزول سے پہلے کا ہے۔ (سنن نسائی' صحیح ابن حبان)

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت میں خوف کی حالت میں پا پیادہ اور سواری پر نماز پڑھنے کا حکم بیان فرمایا ہے' دوران جنگ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے (بلکہ دوران جنگ نماز پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو سورۂ نساء میں ہے) جب کسی شخص کو دشمن گھیر لے اور اس کو سخت خطرہ ہو تو اس کے لیے اس طرح نماز پڑھنا جائز ہے اور جب خوف کی وجہ سے اس کے لیے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے رکوع اور سجود کو ترک کرنا جائز کر دیا تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے یا نہ کرے' اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں بھی نماز کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے' اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے' اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کو کیوں ترک کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے' دوران قتال اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور جنگ خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے' اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ نہیں پڑھ سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن نمازیں اس لیے نہیں پڑھی تھیں کہ اس وقت تک صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اور واقدی کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ ذات الرقاع' غزوہ خندق سے پہلے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف

پڑھی تھی' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ خندق میں نماز نہ پڑھنا قتال کی وجہ سے تھا اور قتال نماز کی صحت سے مانع اور اس کے منافی ہے۔

بعض فقہاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص خوف زدہ ہو اس کے لیے چلتے ہوئے بھی نماز پڑھنا جائز ہے' خواہ وہ کسی پر حملہ آور ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم حالت خوف میں ہو تو پاپیادہ نماز پڑھو یا سواری پر' یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں چلنے کا ذکر نہیں' علاوہ ازیں حملہ آور خوف زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ حملہ کرنے کی بجائے واپس چلا جائے تو اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا' اللہ سبحانہ' نے اس طرح نماز پڑھنا خوف زدہ کے لیے شروع کیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس پر حملہ کیا جائے' اس وقت حالت خوف میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھے یا چلتے ہوئے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۹۔ ۴۴۸ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا معاملہ کس قدر سنگین ہے' باقی تمام عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں لیکن جب جان کا خوف اور خطرہ ہو نماز اس وقت بھی معاف نہیں ہے اور اس حال میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم چلتے ہوئے یا سواری پر جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نکالا نہ جائے' پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۴۰)

حفاظت نماز اور عدت وفات میں مناسبت کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ نکاح' معاشرت' ان کے حقوق اور فرائض' ان کی طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ ان کے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں حارج ہے اس لیے ان احکام کے درمیان میں نماز کی حفاظت اور اس کی تاکید کو بیان فرمایا حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی اور پاپیادہ یا سواری پر جس حال میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائے گی' اس تنبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے اور چونکہ پہلے ازدواج' طلاق' وفات اور مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور ان کی متاع کا ذکر کیا تھا اس لیے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقات مدخولہ کے مہر اور ان کی عدت کا ذکر فرمایا۔

ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ موت کی آہٹ محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے' جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورۂ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے' جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں' وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴)

امام ابن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو خاوند کے مال سے اس کے لیے ایک سال کی رہائش اور خرچ مہیا کیا جاتا تھا' پھر جب سورۂ نساء میں عورت کی میراث مقرر کر دی گئی کہ اگر اس کے خاوند کی اولاد نہ ہو تو اس کو خاوند کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہو تو پھر اس کو خاوند کے مال کا آٹھواں حصہ

ملے گا' تو پھر رہائش اور نفقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا' البتہ مجاہد کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' ان کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا تو واجب ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳۴ میں مذکور ہے' اس کے بعد سال کے باقی ماندہ سات ماہ بیس دن میں عدت گزارنے کا اسے اختیار ہے چاہے وہ یہ عدت گزارے یا نہ گزارے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۱۲ 'مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن الزبیر نے حضرت عثمان سے کہا: "وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا" (البقرہ: ۲۴۰) "الی قولہ غیر اخراج" "اس آیت کو سورۂ بقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے' تو پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے کہا: اے بھتیجے! ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے' قرآن مجید کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر توقیفی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آیت کی جو جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا)۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی' اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا' جب ایک سال پورا ہو جاتا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور اس کے پاس ایک مینگنی ہوتی' وہ ایک کتے کو مینگنی مارتی اور شوہر کی عدت سے باہر آ جاتی' اور مینگنی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خاوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس مینگنی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا' اسلام نے اپنے ظہور کے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی' پھر اس کے بعد اس حکم کو سورۂ البقرہ: ۲۳۴ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۶ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء

امام مالک کے نزدیک اگر خاوند کا اپنا یا کرایہ کا مکان ہو تو بیوہ کا اس گھر میں عدت گزارنا واجب ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکلنا مطلقاً جائز نہیں ہے' امام شافعی کا ظاہر قول یہ ہے کہ خاوند کے مال سے بیوہ کے لیے عدت تک رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ امام احمد کے نزدیک اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے عدت کی رہائش کا استحقاق نہیں ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر ان کے دو قول ہیں' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنا واجب ہے لیکن وہ دن کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

حدیث سے عدت وفات کا بیان

امام مالک روایت کرتے ہیں:

زینب بنت کعب بن عجرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں وہ روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ بنو خدرہ میں اپنے خاندان میں جا سکتی ہیں' کیونکہ ان کے شوہر اپنے چند بھاگے ہوئے غلاموں کو ڈھونڈنے گئے تھے حتیٰ کہ جب وہ قدوم کے راستہ میں پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو جا لیا' سو ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا' وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آیا میں بنو خدرہ میں اپنے میکہ میں جا سکتی ہوں تاکہ وہاں عدت وفات گزاروں کیونکہ میرے

خاوند نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان چھوڑا ہے نہ نفقہ' وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس ہوئی حتی کہ میں (ابھی) حجرہ میں تھی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی' یا مجھے کسی سے آواز دے کر بلوایا' آپ نے پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے پھر آپ سے اپنے خاوند کی وفات کا پورا قصہ دہرایا' آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو' حتی کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے' وہ کہتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری' جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا' میں نے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ (موطا امام مالک ص ۵۴۱۔ ۵۴۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۵۔ ۳۱۴' جامع ترمذی ص ۱۹۳' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۱۶' سنن ابن ماجہ ص ۱۴۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۹۰)

عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی بیان کرتے ہیں:

اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے سکنیٰ (رہائش) نہیں ہے' یہ قول واحد ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر دو قول ہیں' ایک قول کے مطابق خاوند کے ترکہ سے وہ رہائش کی مستحق ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رہائش کی مستحق نہیں ہے۔

اگر وہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے رہائش نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے ترکہ سے بیوی کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا ہے اور باقی ترکہ دوسرے وارثوں کا ہے اور رہائشی مکان بھی ترکہ میں سے ہے' اس لیے واجب ہے کہ وہ اپنے حصہ سے زیادہ کی مستحق نہ ہو' نیز موت کے بعد وہ اپنے شوہر سے بائن (منقطع) ہو گئی اور اب وہ مطلقہ ثلاثہ کے مشابہ ہے (حنابلہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ رہائش اور نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی) اس لیے وہ رہائش کی مستحق نہیں ہو گی۔

اور اگر وہ حاملہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہو گی کیونکہ وہ اپنے خاوند سے حاملہ ہے تو مطلقہ رجعیہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے رہائش واجب ہو گی اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ رہائش کی مستحق ہے تو وہ اس مکان میں رہائش کی مستحق ہے جس میں وہ دیگر ورثاء کے ساتھ رہتی تھی۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے' اگر کسی وجہ سے اس مسکن میں رہائش نہ ہو سکے تو وارث پر لازم ہے کہ میت کے مال سے اس کے لیے کرائے کا مکان حاصل کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو حاکم اس کو مجبور کرے اور بغیر عذر کے بیوہ کے لیے اس مکان سے دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس مکان میں عدت گزارنا اللہ کے حقوق سے ہے اور یہ سوگ کرنے کا تتمہ ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان عورتوں کو ان گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ (الطلاق: ۱) ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ حاملہ بیوہ کے لیے رہائشی مکان کا استحقاق نہیں ہے' اگر وارث یا سلطان یا کوئی اجنبی خوشی سے اس کو شوہر کے مکان میں رہنے دے تو اس پر وہاں عدت گزارنا لازم ہے' اور اگر وہ منع کریں تو اس کے لیے دوسری جگہ عدت گزارنا جائز ہے اور اس کے وہی دلائل ہیں جو ہم نے غیر حاملہ کے سلسلہ میں بیان کیے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ کے لیے مکان کو لازم کیا تھا' وہ ایک خاص واقعہ تھا' ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو کہ اس کے وارثوں نے اس کو اس مکان میں رہنے کی اجازت دے دی ہے' آپ نے بیوہ کے لیے استحقاق رہائش کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان فرمایا تھا۔ (المغنی ج ۸ ص ۱۲۹۔ ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

عدت وفات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس رملی شافعی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جو عورت عدت وفات گزارے اس کے لیے بھی رہائش مہیا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ سے فرمایا تھا: تم اپنے شوہر کے گھر رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے' سو انہوں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری' امام ترمذی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے جس طرح نفقہ کا استحقاق نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے رہائش کا بھی استحقاق نہیں ہے اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہائش اس کے پانی (منی) کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کی وفات کے بعد بھی موجود ہے' اور نفقہ کا وجوب خاوند کے تبلا کی وجہ سے ہوتا ہے اور موت سے وہ منقطع ہو گیا' نیز نفقہ عورت کا حق ہے اور وہ میراث سے ساقط ہو گیا اور رہائش اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ ساقط نہیں ہوا۔ (نہایۃ المحتاج ج ۷ ص ۱۵۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی حضرت فریعہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حجاز اور عراق کے علماء کے درمیان یہ حدیث معروف ہے اور اس حدیث کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ بیوہ شوہر کے گھر عدت گزارے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔ داؤد ظاہری یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے بیوہ پر عدت گزارنا لازم کیا ہے' یہ لازم نہیں کیا کہ وہ شوہر کے گھر عدت گزارے' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے'' "موطا امام مالک" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو عدت سے پہلے حج پر جانے سے بھی منع کرتے تھے' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا' ان کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر عدت گزارنا لازم تھا' اور قرآن اور سنت کا بھی مقتضیٰ ہے' اس لیے عدت سے پہلے بیوہ کا حج اور عمرہ کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہے' امام مالک نے کہا: جب تک بیوہ نے احرام نہ باندھا ہو اس کو گھر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب خاوند کا گھر اس کی ملکیت میں ہو۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے جیسا کہ حضرت فریعہ کی حدیث میں ہے اور اگر خاوند اس گھر میں رہتا ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو تو عدت کے دوران بیوہ کے لیے اس میں رہنے کا استحقاق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت فریعہ کے خاوند اس گھر کے مالک نہیں تھے' پھر بھی آپ نے حضرت فریعہ سے فرمایا: تم عدت پوری ہونے تک اس گھر میں رہو' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے' یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خاوند اس مکان کا کرایہ دیتا رہا ہو لیکن اگر خاوند نے اس مکان کا کرایہ نہ دیا ہو تو خاوند خواہ امیر ہو اس کے مال سے بیوہ کے لیے رہائش کا کوئی استحقاق نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا رہائش پر استحقاق اس وقت ہو گا جب خاوند کی مکان پر مکمل ملکیت ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۸۔۱۷۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

مطلقہ اور بیوہ اس گھر سے باہر نہ نکلے جس میں وہ رہتی تھی' البتہ بیوہ دن میں باہر جا سکتی ہے لیکن رات اس گھر میں آ کر گزارے' مطلقہ کے باہر نہ نکلنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق: ۱)

ان مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ خود نکلیں' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اور بیوہ کے گھر سے باہر نہ جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ: ۲۴۰)

بیوہ عورتوں کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نکالا نہ جائے۔

پھر چار ماہ دس دن سے زائد مدت کو البقرہ: ۲۳۴ سے منسوخ کر دیا اور چار ماہ دس دن کی مدت تک یہ حکم باقی رہا' اور حضرت فریعہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ کو ان کے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے سے منع فرما دیا تھا' اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں' اوّل یہ کہ بیوہ خاوند کے گھر سے منتقل نہ ہو اور ثانی یہ کہ بیوہ کا گھر سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عمر' حضرت زید بن ثابت' حضرت ام سلمہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے کہ بیوہ عورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات اس گھر میں گزارے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۹۔ ۴۱۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے O (البقرہ: ۲۴۲)

مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے' اور اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو ان کا پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے ان کا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر کی علیحدگی ہو جاتی ہے' اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ مہر کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم النساء: ۴ میں بیان کریں گے۔

اس آیت میں مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو کیونکہ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو ان کا حکم البقرہ: ۲۳۶ میں بیان کیا جا چکا ہے' اور متاع سے مراد مہر ہے' اور طلاق کے بعد مہر کا ادا کرنا واجب ہے' خواہ مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل' بعض علماء نے کہا ہے کہ متاع سے مراد عورت کا لباس وغیرہ ہے یعنی مطلقہ عورتوں کو مہر کے علاوہ لباس وغیرہ بھی دیا جائے' اور جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو لباس دینا واجب ہے اور باقی تین قسم کی مطلقہ عورتوں (جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' اور وہ مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو) کو لباس دینا مستحب ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے

حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ

اپنے گھروں سے نکلے' سو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ' پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا'

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے' لیکن اکثر لوگ

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

شکر ادا نہیں کرتے O اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

سننے والا بہت جاننے والا ہے O وہ کون ہے جو اللہ کو

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ

قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے، اور اللہ ہی تنگی اور

يَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کشادگی فرماتا ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے O

طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا

یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے' اور یہ موت اور حیات مجازاً ہے اور جہاد کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جان دینا بہ ظاہر موت ہے اور حقیقۃً شہادت کی صورت میں حیات ہے' سو اس سے پہلی آیت میں دنیاوی اور معاشرتی زندگی کے اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرما رہا ہے' اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معاملہ میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے' یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے' اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے' پھر ان کو جہاد کا حکم دیا' اس میں بھی موت اور حیات کا ذکر ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی بیان فرماتے ہیں: امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام حاکم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ داوردان نام کے ایک شہر کے رہنے والے تھے' یہ لوگ طاعون کے ڈر سے اس شہر سے بھاگ نکلے۔ امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی کی سند سے حضرت ابو مالک سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ داوردان نام کی ایک بستی جو واسط کے قریب تھی' اس میں طاعون پھیل گیا۔ لوگوں کی ایک جماعت تو اس میں ٹھہری رہی اور ایک جماعت بھاگ نکلی' جو لوگ ٹھہرے رہے تھے ان میں سے کچھ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے' جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے' اس شہر کے زندہ بچنے والے لوگوں نے کہا: ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھ دار نکلے' کاش! ہم سب ان کی طرح نکل جاتے اور سب بچ جاتے' اور اگر ہم اگلے طاعون تک زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اگلے سال پھر طاعون آیا' اس بار سب نکل بھاگے' جو پہلے رہ گئے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی' ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی' وہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں قیام پذیر ہوئے' اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے' ایک فرشتہ وادی کے اوپر تھا اور دوسرا وادی کے نیچے تھا' ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے

کہا: مر جاؤ' تو وہ سب مر گئے' پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ اسی طرح مردہ پڑے رہے' پھر وہاں سے حضرت حزقیل نبی علیہ السلام کا گزر ہوا' انہوں نے اتنی ساری ہڈیوں کو دیکھا تو بہت حیران ہوئے' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ ندا کریں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے' تو وادی کے اوپر اور نیچے سے تمام ہڈیاں مجتمع ہو گئیں اور ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں اور بغیر خون اور گوشت کے ہڈیوں کے اجسام بن گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تمہیں گوشت سے ملبوس ہونے کا حکم دیتا ہے تو تمام ہڈیوں پر گوشت آ گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ان کو ندا کر کے یہ کہیں کہ اللہ تمہیں کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ سب زندہ ہو کر اٹھ گئے اور بے اختیار ان کی زبانوں پر جاری ہوا: ''سبحانک لا الٰہ الا انت''، اور پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس گئے' وہ وہاں رہنے لگے مگر وہ جب بھی کوئی لباس پہنتے تو وہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ کفن کی صورت اختیار کر لیتا جس سے اس زمانہ کے لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ لوگ درحقیقت مر چکے ہیں' وہ لوگ اپنی طبعی حیات پوری ہونے تک وہاں رہے۔

(الدر المنثور ج ا ص ۳۱۰' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران)

وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے اشکال کا جواب

اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (یونس: ۴۹)

ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹیں گے نہ آگے بڑھیں گے ○

پھر طاعون سے بھاگنے والے ان لوگوں کو وقت سے پہلے موت کیسے آ گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موت وہ نہیں تھی جو طبعی حیات مکمل ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے' وہ موت اپنا وقت پورا ہونے کے بعد ان پر طاری ہوئی' یہ موت طاعون سے بھاگنے کی سزا کے طور پر تھی اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی وجاہت کو ظاہر فرمایا کہ ان کی دعا سے مردوں کو زندہ کر دیا' اسی طرح یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ فرمایا۔ (المومن: ۱۱)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں' ایک موت نطفہ کی صورت میں اور اس کے بعد ولادت کی صورت میں حیات' دوسری موت طبعی حیات پوری ہونے کے بعد اور دوسری حیات قیامت کے دن جب مردوں کو اٹھایا جائے گا' اور ان لوگوں کے لیے تین موتیں اور تین حیاتیں ہو گئیں' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے عادۃً اور معمول کے مطابق دو موتیں اور زندگیاں ہیں اور ان پر جو تیسری موت اور تیسری حیات آئی وہ خلاف عادت اور خلاف معمول تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ (البقرہ: ۲۴۳)

''الم تر'' (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق

رویت کے معنی دیکھنا ہے اور یہ لفظ رویت قلبی یعنی علم کے معنی میں بھی آتا ہے' اس لیے کیا آپ نے نہیں دیکھا' اس کا معنی ہے: کیا آپ نے نہیں جانا؟ یہ جملہ ان چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے جو پہلے مذکور ہوں اور جن کا پہلے علم ہو' اور ان کا

استعمال ان چیزوں کو یاد دلائے ان کو مقرر اور ثابت کرنے اور ان پر تعجب میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کے بغیر بھی اس جملہ کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ کسی چیز کی خبر دینے اور اس خبر پر تعجب میں ڈالنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کو مجازاً استعمال کرتے ہیں اور جس نے کسی چیز کو نہیں دیکھا ہوا ہوتا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جس نے اس چیز کو دیکھا ہوا ہوتا ہے تاکہ مخاطب اس پر متنبہ ہو کہ یہ چیز اس پر مخفی نہیں ہونی چاہیے تھی اور اس کو اس پر تعجب ہونا چاہیے تھا یا یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ چیز شہرت کے اس درجہ میں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں ہے حتیٰ کہ مخاطب پر بھی مخفی نہیں ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے بعد جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے' اور اس واقعہ میں لائق غور یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں پر موت طاری کرنے کے بعد ان کو زندہ کر دیا اور جو اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن بھی مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور عبرت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ طاعون سے ڈر کر شہر چھوڑ کر بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے' سو طاعون سے گھبرا کر شہر نہیں چھوڑنا چاہیے' اس میں تقدیر پر ایمان رکھنے کے علاوہ یہ حکمت ہے کہ طاعون زدہ علاقہ کے لوگ جب دوسرے علاقوں میں جائیں گے تو طاعون کے جراثیم اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دوسرے علاقوں میں بھی طاعون پھیل جائے گا' طاعون زدہ علاقہ میں جانا بھی نہیں چاہیے' شام کے علاقہ عمواس میں طاعون پھیلا ہوا تھا' حضرت عمر وہاں نہیں گئے اور فرمایا: ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے متعلق سنو تو وہاں مت داخل ہو اور اگر تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

طاعون کی مفصل بحث ہم البقرہ: ۵۹ میں کر چکے ہیں' اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور موت سے نہیں بھاگنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (البقرہ: ۲۴۴)

جہاد کی تحریک

اس سے پہلی آیت میں طاعون سے بھاگنے والوں کا جو قصہ بیان کیا گیا وہ مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے تھا کیونکہ موت سے کسی کو مفر نہیں تو کیوں نہ موت کو شہادت کی صورت میں گلے لگایا جائے۔ پہلے فرمایا تھا: ان لوگوں کے واقعہ میں غور و فکر کرو اور اب فرمایا ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرو' اس سورت میں دین اسلام کے بنیادی احکام بیان کیے گئے ہیں اور نماز' روزہ' حج اور جہاد کا بار بار عجیب و غریب پیرایوں سے ذکر کیا گیا ہے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی مصروفیات اور کاروبار حیات میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گناہ کر دے۔

(البقرہ: ۲۴۵)

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا بیان

کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اس لیے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کو مجازاً قرض فرمایا ہے یا اللہ کے بندوں کو قرض

دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح مقروض‘ قرض خواہ کو قرض واپس کر دیتا ہے‘ اسی طرح تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاد کے لیے سواریاں‘ آلات حرب اور خوراک اور رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا‘ اس لیے اس آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے‘ اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنا اجر و ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائے گا‘ دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ دگنے چوگنے سود پر قرض دے دیتے ہیں‘ اللہ تمہیں اس مال کا اجر دس گنا‘ ستر گنا‘ سات سو گنا‘ چودہ سو گنا اور اس سے بھی زائد عطا فرمائے گا‘ دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کسی محبت اور تعلق کی وجہ سے قرض دیتا ہے تو اللہ سے زیادہ اور کون محبت کا مستحق ہے‘ سو اگر تم محبت کی بناء پر مال خرچ کرتے ہو تو اللہ سے اور اللہ کے دین کی سربلندی سے زیادہ اور کوئی محبت کا محل نہیں ہے اور اگر فائدہ اور بڑھوتری کے لیے مال خرچ کرتے ہو تو اس سے زیادہ اور کوئی فائدہ کی صورت نہیں ہے‘ اور اس قرض کو قرض حسن فرمایا یعنی یہ قرض اخلاص نیت اور پاکیزہ مال کے ساتھ دیا جائے‘ لوگ جو آپس میں قرض کا لین دین کرتے ہیں وہ برابر برابر ہونا چاہیے‘ اگر قرض دینے والا یہ شرط لگائے کہ وہ اصل رقم سے ایک معین رقم زائد لے گا تو یہ سود ہے اور اگر مقروض بغیر کسی پیشگی شرط کے قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کر دے تو یہ قرض حسن ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً جب کسی سے قرض لیتے تو اس کو اصل سے زائد ادا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: لوگوں میں اچھا شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے‘ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن یعنی اچھا قرض دے‘ اور چونکہ انسان فطرتاً بخیل ہے‘ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قرض کا اجر کئی گنا زائد بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا‘ نیز فرمایا: اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے‘ یہ اس لیے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تم تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے‘ کیونکہ اس سے تنگی نہیں ہوتی‘ تنگی اور کشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔

قبض اور بسط کا معنی

اللہ تعالیٰ اپنی جبروتیت سے موحدین کی ارواح کو نور ازلی میں قبض کر لیتا ہے‘ اور عارفین کے اسرار کو مشاہدہ ذات میں بسط کر دیتا ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ قبض اللہ کا سر ہے اور بسط اس کا کشف ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ مریدین کے لیے قبض ہے اور مرادین کے لیے بسط ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مشتاقین کے لیے قبض ہے اور عارفین کے لیے بسط ہے اور مشہور یہ ہے کہ قبض اور بسط بندہ کی ترقی کی دو حالتیں ہیں‘ جب عارف پر خوف کا غلبہ ہو تو یہ قبض کی حالت ہے اور جب اس پر رجاء کا غلبہ ہو تو یہ بسط کی حالت ہے اور جب اس کے قلب پر واردات غیبیہ ہوں تو آثار جلال کو قبض اور آثار جمال کو بسط کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور‘ امام ابن سعد‘ امام بزار‘ امام ابن جریر‘ امام ابن المنذر‘ امام حکیم ترمذی‘ امام طبرانی اور امام بیہقی‘ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گناہ کر دے‘ تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! کیا واقعی اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ابوالدحداح! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیں‘ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا‘ انہوں نے کہا: میں

نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا اور ان کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے' ام الدحداح اور ان کے بچے اس باغ میں تھے' ابوالدحداح وہاں گئے اور ام الدحداح کو آواز دے کر کہا: اے ام الدحداح! یہاں سے نکلو' میں نے یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔

امام ابوالشیخ اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ایک فرشتہ یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ کون ہے جو آج اللہ کو قرض حسن دے اور کل اس کی جزا لے لے اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس خرچ کا بدل عطا فرما اور بخیل کے مال کو ضائع کر دے' اور ایک دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف بڑھو' وہ قلیل مال جو کافی ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو غافل کرنے والا ہو' اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے بنو آدم! موت کے لیے جھگڑے پالو اور ویران ہونے کے لیے مکان بناؤ۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم! اپنے خزانے کو میرے پاس امانت رکھو' نہ جلے گا' نہ ڈوبے گا' نہ چوری ہوگا اور تمہاری ضرورت کے وقت میں تم کو دے دوں گا۔ (الدرالمنثور ج ۱ص ۳۱۳۔ ۳۱۲ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ 'ایران)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ

کیا آپ نے موسیٰ (کی وفات) کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا!

إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

جب انہوں نے (اپنے) نبی سے کہا: ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے'

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ

(نبی نے) کہا: اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے'

قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا

انہوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں

مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

اور اہل و عیال سے نکال دیا گیا ہے' پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی

إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ

سب نے روگردانی کی' اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O اور ان کے نبی نے ان سے کہا:

وقف لازم

نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا

بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر فرما دیا ہے' انہوں نے کہا:

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

اس کی بادشاہی ہم پر کیسے ہو گی' حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ

اور اس کو مالی وسعت بھی نہیں دی گئی' (ان کے) نبی نے کہا: بے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي

منتخب فرما لیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے' اور اللہ جسے چاہے

مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲۴۷)

اپنا ملک عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے جہاد کی طرف متوجہ کرنے کے اسرار

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے' پھر بھی ان کو موت نے آ لیا تاکہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں ہے تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے اور ان آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے وہ ان پر کوئی پہلا یا نیا حکم نہیں ہے' ان سے پہلے بھی بنو اسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا' اور جب کسی حکم کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بار مشقت کم ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں فضول ضد' بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ضد اور کج بحثی سے ملال ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وتیرہ رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمویل تھے یا شمعون؟

اس آیت میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے' وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ وہ نبی شمویل

تھے۔ سدی نے کہا: اس نبی کا نام شمعون ہے۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون تھے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنو اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو نافذ کیا۔ ان کے بعد حضرت کالب بن یوفنا خلیفہ ہوئے' انہوں نے بھی تورات کے احکام کو نافذ کیا' ان کی وفات کے بعد حضرت حزقیل بن بوزی خلیفہ ہوئے' ان کی وفات کے بعد بنو اسرائیل میں کئی حوادث ہوئے اور انہوں نے تورات کے احکام کو فراموش کر کے بت پرستی شروع کر دی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں الیاس بن نسی فنحاص بن العیزار بن ہارون بن عمران کو مبعوث کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو تورات کے احکام کی تجدید کے لیے فرمایا تھا' حضرت الیاس کے ساتھ بنو اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام احاب تھا' اس وقت تمام بنو اسرائیل بت پرستی کرتے تھے اور حضرت الیاس ان کو اللہ وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے' حضرت الیاس کی دعوت کو بنو اسرائیل مسترد کر دیتے تھے' صرف ایک بادشاہ ان کی دعوت سنتا تھا اور وہ بھی بت پرستی میں مشغول ہو گیا' پھر ان کے بعد حضرت الیسع خلیفہ ہوئے' وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے' پھر یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے' ان کے پاس ایک تابوت تھا جو آباء واجداد سے ان کے پاس چلا آتا تھا' اس میں سکینہ اور آل موسیٰ اور آل ہارون کے بقیہ تبرکات تھے' ان کا جب بھی کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا وہ اس تابوت کو آگے کر دیتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر فتح عطا فرماتا' پھر ان میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام ایلاء تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایلیا کے پہاڑ میں برکت رکھی تھی' اس طرف سے ان پر دشمن حملہ نہیں کرتا تھا اور جب ان کی برائیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ تابوت ان کے ہاتھ سے جاتا رہا' وہ بادشاہ مارا گیا اور انہوں نے اپنے دشمن سے شکست فاش کھائی' اس وقت میں حضرت شمویل نبی تھے اور یہی وہ نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ذکر کیا ہے کہ اے نبی! کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا' جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دے تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (نبی نے) کہا: اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے' انہوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے' پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ امام ابن اسحاق نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل پر مصیبتیں نازل ہوئیں اور انہیں ان کے شہروں سے نکال دیا گیا تو انہوں نے اپنے نبی حضرت شمویل بن بالی سے کہا: ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں' ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے' اور بنو اسرائیل کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ بادشاہ دنیاوی امور کا انتظام کرتا تھا اور نبی اللہ کی طرف سے احکام بیان کرتا تھا اور دین میں رہنمائی کرتا تھا' جب وہ دونوں کی اطاعت کرتے تو ان کے حالات درست رہتے اور جب بادشاہ سے سرکشی کرتے اور انبیاء کی اطاعت نہ کرتے تو ان کے حالات خراب ہو جاتے' ان پر اسی طرح لگاتار مصیبتیں آتی رہیں' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں' ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے' نبی نے ان سے کہا: تم نے کبھی وعدہ پورا نہیں کیا اور نہ جہاد سے تمہیں کوئی رغبت ہے' انہوں نے کہا: ہم کیسے جہاد سے بھاگیں گے حالانکہ ہمیں ہمارے شہروں سے نکال دیا گیا ہے۔

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری روایت یہ بیان کی ہے:

سدی نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل عمالقہ سے جنگ کرتے رہتے تھے اور عمالقہ کا بادشاہ جالوت تھا' عمالقہ نے بنو اسرائیل کو شکست دی اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان کی تورات چھین لی' بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ ان میں کوئی نبی مبعوث فرمائے جس کے ساتھ مل کر وہ عمالقہ سے اپنی شکست کا بدلہ لیں' نبوت کے خاندان کے سب لوگ فوت ہو چکے تھے' ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت باقی بچی تھی' بنو اسرائیل نے اس عورت کو قید کر لیا' اس نے اللہ سے دعا کی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو' سو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے اس کا نام شمعون تھا' جب وہ بڑا ہوا تو اس کو بیت المقدس میں تورات کی تعلیم کے لیے بھیجا' ایک شیخ نے اس کی تربیت کی' جب وہ بالغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مقام نبوت پر فائز کیا۔ حضرت جبریل نے ان سے کہا: آپ اپنی قوم کے پاس جائیں اور ان کو اللہ کا پیغام سنائیں' جب وہ قوم کے پاس پہنچے تو قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا: تم بہت جلدی نبی بن گئے' اور کہا: اگر تم سچے ہو تو ایک بادشاہ مقرر کرو' ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور یہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوگی' حضرت شمعون نے کہا: جب تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہ کرو۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۷۵ ۔ ۳۷۲' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب نے روگردانی کی۔ (البقرہ: ۲۴۶)

یہود کو سرزنش

جب ان پر ان کے دشمنوں سے قتال اور اللہ کی راہ میں جہاد فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب قتال سے پیٹھ موڑ کر بھاگ گئے' اور انہوں نے اپنے نبی سے جہاد کی فرضیت کا جو سوال کیا تھا اس کو ضائع کر دیا اور جن چند لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو آپ کے ساتھ بدر میں تھے ان کی تعداد طالوت کے اصحاب کے برابر تھی' جنہوں نے ان کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا' اور وہ تین سو دس اور کچھ تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O (البقرہ: ۲۴۶)

ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا' اور اس میں ان یہود پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت موجود تھے' کیونکہ وہ اس رسول کی بعثت کے منتظر تھے' انہوں نے تورات کی وساطت سے اس نبی کی اطاعت کا عہد کیا تھا' یہ اس نبی کے توسل سے فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے اور جب یہ نبی مبعوث ہو گئے تو انہوں نے سارے عہد و میثاق پس پشت ڈال دیئے اور صاف اور صریح علامتیں پائی جانے کے باوجود اس نبی کو نہیں مانا اور اس نبی کا کفر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر فرما دیا ہے' انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہم پر کیسے ہوگی؟ حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ (البقرہ: ۲۴۷)

طالوت کا بیان

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب بنی اسرائیل کی جماعت نے حضرت شمویل سے بادشاہ کا مطالبہ کیا تو حضرت شمویل نے اللہ سے دعا کی کہ وہ ایک بادشاہ کو بھیج دے' اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: تمہارے گھر باورچی خانہ میں جو تیل پڑا ہوا ہے اسے دیکھتے رہو' جب کسی شخص کے آنے کی وجہ سے وہ تیل جوش مارنے لگے تو وہی بنو اسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ حضرت شمویل باورچی خانہ میں رکھے ہوئے تیل کو دیکھنے لگے کہ کب کوئی شخص آتا ہے اور اس میں جوش آتا ہے۔ طالوت' بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے' ان کی نسل میں نبوت رہی تھی نہ بادشاہت' وہ چمڑے کا کام کرتے تھے' ایک دن طالوت اپنے غلام کے ساتھ اپنے گم شدہ جانور کو ڈھونڈنے نکلے' جب وہ حضرت شمویل کے گھر کے پاس سے گزرے تو غلام نے کہا: اس نبی کے گھر چلیں شاید یہ ہمارے گم شدہ جانور کے متعلق کچھ بتائیں' جب طالوت حضرت شمویل سے بات کر رہے تھے تو اچانک مطبخ میں رکھا ہوا تیل جوش مارنے لگا' حضرت شمویل نے ان کو قریب بلایا اور ان کے سر پر وہ تیل لگایا اور کہا: تم بنو اسرائیل کے بادشاہ ہو' اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو ان کا بادشاہ بناؤں' طالوت نے کہا: آپ کو علم ہے کہ میں بنو اسرائیل کے نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! کہا: آپ کو علم ہے کہ میرا قبیلہ اور میرا گھر سب سے پست اور نچلے درجہ کا ہے؟ فرمایا: ہاں! پھر بنو اسرائیل کو بتایا کہ طالوت ان کا بادشاہ ہے' انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کے پاس زیادہ مال بھی نہیں ہے' فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے منتخب کرلیا ہے اور اس کو تم سے زیادہ علم اور جسم عطا فرمایا ہے' بنو اسرائیل کی تسلی کے لیے حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عصا دیا اور کہا: تمہارے بادشاہ کا قد اس کے برابر ہوگا اور جب طالوت کو اس عصا کے ساتھ ناپا تو وہ ان کے قد کے برابر تھا۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۷۹۔ ۳۷۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

طالوت کا نام سریانی زبان میں شاول بن قیس بن امال بن ضرار بن نحرب بن افیح بن اس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شارک تھا' ان کو ان کے بہت لمبے قد کی وجہ سے طالوت کہا گیا ہے' یہ وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ذکر فرمایا ہے' جنہوں نے جالوت کو قتل کیا اور ان کی بیٹی سے حضرت داؤد علیہ السلام نے نکاح کیا۔ کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنایا' وہ پہلے گدھوں کو چراتے تھے' وہ فقیر تھے اور بالکل کنگال تھے' ان کے دو گدھے گم ہوگئے' وہ ان کی تلاش میں نکلے' تلاش میں بہت دیر ہوگئی اور ان کو سخت بھوک لگی' حضرت شمویل کے گھر سے مساکین کھانا کھاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل کی طرف وحی کی: میں تمہارے پاس اس شخص کو بھیج رہا ہوں جو گدھا ڈھونڈنے نکلا ہے' وہی بنو اسرائیل کا بادشاہ ہوگا' جب وہ تمہارے پاس آئے تو ایک سرکنڈے سے اس کی پیمائش کرنا' پھر وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دے دینا کہ جس شخص کا قد اس سرکنڈے کے برابر ہوگا وہی تمہارا بادشاہ ہوگا' اس سرکنڈے کی لمبائی آٹھ ذراع (بارہ فٹ) تھی' حضرت شمویل نے وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دیا کہ اس کے برابر قد کے شخص کو تلاش کرو' انہوں نے بہت تلاش کیا مگر ان کو بنو اسرائیل میں اتنا لمبا شخص کوئی نہیں ملا' حضرت شمویل نے ان کو بتایا: وہ شخص طالوت ہے جو گدھے چراتا ہے' انہوں نے اس کی پیمائش کی تو طالوت کا قد اس سرکنڈے کے برابر تھا' انہوں نے پوچھا: تم کس کی سبط (اولاد) ہو؟ طالوت نے کہا: میں سبط بنیامین سے ہوں تو وہ اس سے متنفر ہوئے اور اس کو ناپسند کیا' نیز طالوت کنگال اور مقروض تھا' بنو اسرائیل نے کہا: جو شخص کنگال اور مقروض ہو وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس کے بادشاہ ہونے کی کیا علامت ہے؟ حضرت شمویل نے کہا: اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس تمہارا گم شدہ تابوت آئے گا' بنو اسرائیل نے کہا: اگر یہ ہمارا تابوت واپس کردے تو ہم اس کی بادشاہت پر راضی ہو جائیں گے' وہ تابوت ان کے دشمن جالوت نے چھین لیا تھا' اس نے وہ

تابوت اپنے بت خانہ میں رکھا تو سارے بت اوندھے ہو کر گر پڑے اور سب سے بڑا بت اس تابوت کے سامنے سجدہ میں گر پڑا' عمالقہ یہ منظر دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور اس تابوت کو بول و براز کی جگہ ڈال دیا' اس اہانت کی پاداش میں رات کو جو بے ان کا پیٹ کاٹ کر ان کے مبرز سے نکل جاتے' اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی وجہ سے آئی ہے' پھر انہوں نے دو بیلوں کے جوئے پر یہ تابوت رکھ کر انہیں ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر طالوت کے پاس لے آئے۔

حضرت ابن عباس نے بیان کیا: اس تابوت میں تورات کی الواح کے ٹکڑے تھے' حضرت موسیٰ کا عصا تھا اور حضرت ہارون کا عمامہ تھا اور ان کی قبا (اچکن) تھی' اور سبز زمرد سے بنا ہوا بلی کا سر تھا' سکینہ سے یہی مراد ہے' جب لڑائی ہوتی تو بنو اسرائیل اس تابوت کو آگے رکھتے' بلی کے اس سر سے چیخ نکلتی اور زنانے دار ہوا چلتی اور تابوت فضا میں بلند ہو جاتا اور اس سے دو زبانیں باہر نکلتیں' ایک میں نور ہوتا اور ایک میں ظلمت' مسلمانوں پر نور پھیل جاتا اور کفار پر ظلمت چھا جاتی' پھر بنو اسرائیل کو جنگ میں کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۱ ص ۱۶۶۔ ۱۶۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اس بادشاہ کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ

آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ (سکون آور چیز) ہے اور آل موسیٰ

وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ

اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے' اگر تم مومن ہو تو بے شک

ع ۳۲ ۱۶ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

اس میں ضرور تمہارے لیے ایک عظیم نشانی ہے O

بنو اسرائیل کے تابوت کی تحقیق

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ یہ صندوق شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا' اور اس پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے' یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا' اس تابوت کی عظمت بنو اسرائیل کے نزدیک مشہور و معروف تھی' وہ اس کو گم کر چکے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو مبہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا' اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے' ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مورخین نے بیان کیا ہے' مورخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا گیا تھا' اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں' اور آخری گھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا' حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ تابوت حضرت شیث علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا' پھر حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے پاس رہا' پھران کے بیٹے قیدار کے پاس' پھران سے ان کے عم زاد اولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا' اور یہ کہا: اس نور کے سواتم سے نبوت لے لی گئی ہے' انہوں نے تابوت نہ دیا' اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا' پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا' تم یہ اپنے عم زاد یعقوب کو دے دو' سو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عم زاد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دیا' پھر یہ تابوت بنو اسرائیل میں منتقل ہوتا رہا' یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا' انہوں نے اس میں تورات کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں' پھر یہ بنو اسرائیل کے انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۵۸۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

سکینہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

سکینہ کا معنی ثبات' امن اور سکون ہے' قرآن مجید میں ہے: ''ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ. (التوبہ: ۲۶) پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر سکون اور اطمینان نازل کیا''۔

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے سکینہ کے متعدد معانی منقول ہیں: زنانے دار ہوا' پروں اور دم والی کوئی چیز' سونے کا طشت' زمرد یا یاقوت کی تصویر جس کا سر اور دم بلی کی ہو وہ بشارات جو اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر نازل کیں' طالوت کی فتح کی بشارت' وہ جانی پہچانی آیات جن سے سکون حاصل ہو' رحمت اور وقار وغیرہ۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سکینہ انسان کے چہرہ کی طرح ایک چہرہ ہے یا پھر یہ زنانے دار ہوا ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سکینہ کے دو پر اور ایک دم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سکینہ سونے کا ایک جنتی طشت ہے' جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔

ربیع نے کہا: سکینہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ قتادہ نے کہا: سکینہ وقار ہے' سب سے اولیٰ تفسیر وہ ہے' جس کو عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ سکینہ وہ معروف علامتیں ہیں جن سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۷۔ ۳۸۵ ملخصاً' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کا معنی طمانیت ہے اور جب کہ بنو اسرائیل کو تابوت کے آنے سے طمانیت حاصل ہوئی تو تابوت کو سکینہ کے لیے مجازاً ظرف قرار دیا گیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورۂ کہف پڑھ رہا تھا' اور اس کا گھوڑا دو لمبی رسیوں سے بندھا ہوا تھا' اس شخص کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا' وہ بادل چکر لگاتا ہوا قریب ہو رہا تھا اور اس کا گھوڑا اس سے ڈر کر متوحش ہو رہا تھا' جب صبح ہوئی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ سکینہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ سکینہ کے کئی معنی ہیں اور مختار یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک رات حضرت اسید بن حضیر اپنے اصطبل میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے' ناگاہ ان کا گھوڑا اچھلنے لگا اور حضرت اسید کو یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ ان کے بیٹے یحییٰ کو کچل نہ دے' ہیں (حضرت اسید کہتے ہیں) اس کی

طرف کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر فضا میں چراغوں کی مثل سائبان ہے۔ صبح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو عرض کیا' آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سن رہے تھے' اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح سب لوگ ان کو دیکھ لیتے اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت براء کی حدیث میں سکینہ سے تعبیر کیا اور حضرت اسید کی حدیث میں اس کو فرشتوں سے تعبیر فرمایا' آپ نے فرشتوں کو سکینہ اس لیے فرمایا کہ ان کا ایمان غایت طمانیت میں ہوتا ہے' وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی کبھی معصیت نہیں کرتے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جائے' اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جو جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرتی ہے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے' انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث میں اللہ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والوں اور اس کے درس کی تکرار کرنے والوں پر نزول سکینہ کا بیان ہے کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے معانی میں تدبر اور تفکر کرتا ہے اس کو طمانیت اور انشراح قلب حاصل ہوتا ہے۔

آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان

بنو اسرائیل کے تابوت میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات تھے' ان کی تعیین میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان باقی متروکہ چیزوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور الواح تورات کے ٹکڑے تھے۔ ابوصالح نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا عصا' تورات کی دو تختیاں اور من رکھے ہوئے تھے۔

عطیہ بن سعد نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی لاٹھیاں' ان کے کپڑے اور الواح تورات کے ٹکڑے تھے اور بعض نے کہا: اس میں ان کی لاٹھیاں اور نعلین تھیں۔

ابن زید نے بیان کیا کہ دن کے وقت فرشتے تابوت کو لے کر آئے اور بنو اسرائیل ان کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے سدی نے کہا ہے کہ فرشتوں نے وہ تابوت طالوت کے گھر کے سامنے لاکر رکھ دیا' تب بنو اسرائیل حضرت شمعون (یا حضرت شمویل) کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۹۔ ۳۸۷' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اس تابوت کو حضرت موسیٰ نے حضرت یوشع کے پاس میدان تیہ میں چھوڑا تھا' وہ وہیں پر رکھا رہا اور بنو اسرائیل اس پر مطلع نہ ہوسکے حتیٰ کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا کر طالوت کے گھر میں رکھ دیا' پھر وہ طالوت کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اس تابوت کو بھجوایا تاکہ اس نشانی کی عظمت پر لوگ متنبہ ہوں' کیونکہ فرشتے بڑے بڑے

کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت عظیم قوت عطا کی ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کی کتابوں کو اللہ کے پاس سے لاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے نافرمانوں پر ان کی سرزمین الٹ دی تھی' وہ روحوں کو قبض کرتے ہیں اور عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں' ایسی قوت والے فرشتے جس تابوت کو اٹھا کر لائیں گے وہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی نشانی ہوگی!

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے پوچھا کہ تابوت کس وقت آئے گا؟ انہوں نے فرمایا: صبح کو وہ تمام رات نہ سوئے حتیٰ کہ صبح انہوں نے آسمانوں اور زمین کے درمیان فرشتوں کے چلنے کی آواز سنی۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۵۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا' اس میں ان کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں۔ یہ اولاد آدم علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا' پھر بنو اسرائیل کے پاس رہا' ان کا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تابوت کو حکم بناتے اور جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے' اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے' وہ لشکر سے لڑتے رہتے اور جب اس تابوت سے ایک چیخ کی آواز آتی تو ان کو فتح اور نصرت کا یقین ہو جاتا' جب بنو اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو اللہ نے ان کے دشمن عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا' عمالقہ نے ان کو شکست دے دی' اور ان سے تابوت چھین کر لے گئے' پھر جن کافروں نے ان سے تابوت چھینا تھا انہوں نے اس تابوت کو گندگی اور بول و براز کی جگہ ڈال دیا' اس وقت کے نبی نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تو اللہ نے ان کافروں کو ایک بلاء میں مبتلا کر دیا' جو شخص بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالتا اللہ تعالیٰ اس کو بواسیر میں مبتلا کر دیتا' تب ان کافروں نے یہ جانا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی بے حرمتی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے' انہوں نے دو بیلوں کے جوئے پر اس تابوت کو رکھ کر ہانک دیا' وہ بیل چلتے رہے' اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظ کر دیئے حتیٰ کہ وہ فرشتے اس تابوت کو طالوت کے پاس لے آئے اور تب بنو اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔

قفال رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس تابوت کی اضافت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی آل کی طرف کی گئی ہے' حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے دور کے صدیوں بعد عہد طالوت تک یہ بنو اسرائیل کی تحویل میں رہا ہے اور تورات میں جو چیزیں تھیں ان کے وارث حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے متبع علماء تھے' اس لیے یہاں پر آل متبعین کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ'' (الغافر: ۴۶)۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۹۱۔ ۲۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

دیگر انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے استفادہ اور حصول شفاء

قرآن مجید کی اس آیت اور امام رازی کی بیان کردہ تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی استعمال کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر برکت رکھی ہے' ان تبرکات (عصا' کپڑے اور نعلین) کے وسیلہ سے بنو اسرائیل نے فتح اور نصرت کی دعائیں کیں' وہ فتح یاب ہوئے اور قوم عمالقہ نے ان تبرکات کی بے حرمتی کی تو وہ بواسیر ایسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی تائید سورۂ یوسف میں ہے' جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھی گئی

تو ان کی بینائی لوٹ آئی:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ (یوسف: ۹۳)

میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

احادیث میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تبرکات سے استفادہ اور استفاضہ کا بیان ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر کے غلام عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس بھیجا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے' انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبانوں پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے' حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا' اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے' ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ اسرائیل نے تین انگلیاں سکیڑ کر اشارہ کیا کہ وہ چھوٹا پیالہ تھا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال تھا' اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی مرض لاحق ہو جاتا تو وہ حضرت ام المومنین کے پاس ایک تغار بھیجتا' سو میں نے گھنٹی کی شکل میں ایک نلکی دیکھی جس میں (آپ کے) سرخ رنگ کے موئے مبارک تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ اپنا برتن حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجتا' وہ اس برتن میں ان مبارک بالوں کو رکھ دیتیں اور اس برتن میں ان بالوں کو بار بار دھوتیں' پھر برتن والا حصول شفاء کے لیے اس غسالہ (دھوون) کو پی لیتا یا اپنے بدن پر ملتا تو اس کو اس کی برکت حاصل ہوتی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵۳ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

جعفر بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی' انہوں نے کہا: اس کو تلاش کرو' انہوں نے بار بار ڈھونڈا' وہ ٹوپی نہیں ملی' بالآخر وہ ٹوپی مل گئی' وہ بہت بوسیدہ ٹوپی تھی' حضرت خالد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور سر کے بال منڈوائے تو صحابہ ہر طرف سے آپ کے بال مبارک لینے کے لیے جھپٹ پڑے' میں نے بھی آپ کے چند بال لے لیے اور میں نے ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا' اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی تھی اور مجھے اس جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۹ 'مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۴۹ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

خبیب بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں خبیب بن عدی کا ہونٹ کٹ کر لٹک گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر اس کو جوڑ دیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۹۸ـ۹۷ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں ان کی ایک آنکھ کا ڈھیلا نکل کر رخسار پر لٹک گیا' لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آپ نے فرمایا: نہیں' پھر آپ نے ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پر رکھ کر دبایا' پھر قتادہ بن نعمان کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ کا ڈھیلا نکلا تھا۔

(مسند ابویعلیٰ موصلی ج ۲ ص ۱۲۶ 'مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی [۱]' امام ابن اثیر [۲]' حافظ ابن کثیر [۳] اور حافظ ابونعیم [۴] نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نورالدین الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بغوی اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ ان کی سب سے زیادہ صحیح آنکھ تھی۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ان کی آنکھ زخمی ہوگئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دہن لگایا تو وہ ان کی سب سے بہتر آنکھ تھی۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح فرمائے گا' وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس شخص سے محبت کرتا ہے' اس رات صحابہ یہ غور کرتے رہے کہ کل آپ کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں' صبح کو صحابہ آپ کے پاس گئے اور ہر ایک کو امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا کریں گے' آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں' آپ نے فرمایا: انہیں بلاؤ' وہ بلائے گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہوگئیں کہ گویا کبھی ان میں درد ہی نہیں ہوا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶ـ۶۰۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت علی کو بلانے کے لیے بھیجا' اور فرمایا: آج میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے یا فرمایا: جس سے اللہ اور اس کا

---

۱ امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۰۰ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت

۲ امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت

۳ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۱ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ

۴ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۸۴ـ۴۸۳ 'مطبوعہ دارالنفائس

رسول محبت کرتے ہیں' حضرت علی کی آنکھیں دکھتی تھیں' میں ان کو سہارے سے پکڑ کر لایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور ان کو جھنڈا عطا فرمایا' حضرت علی نے اپنی تلوار سے مرحب کا سر اڑا دیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر خیبر فتح فرمایا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

عقیلی نے حبیب بن فدیک سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے۔

جنگ احد کے دن کلثوم بن حصین کے سینہ میں زخم لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

جنگ خیبر کے دن حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔

کعب بن اشرف کے قتل کے معرکہ میں حضرت زید بن معاذ کی ٹانگ ٹوٹ گئی' آپ نے لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔

جنگ خندق کے دن حضرت علی بن الحکم کی پنڈلی ٹوٹ گئی' آپ نے لعاب دہن ڈالا تو وہ جڑ گئی۔

جنگ بدر کے دن ابوجہل نے حضرت معوذ بن عفراء کا ہاتھ کاٹ دیا' آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ہاتھ جوڑ دیا۔

جنگ بدر کے دن حضرت حبیب بن یساف کے کندھے پر ضرب لگی' کندھا کٹ کر ایک طرف جھک گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھا جوڑ کر لعاب دہن لگایا' وہ جڑ گیا۔

قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ کے پاس اپنے بچہ کو لے کر آئی' وہ کسی بیماری کی وجہ سے بول نہیں سکتا تھا' آپ نے پانی منگایا' کلی کی اور ہاتھ دھوئے' پھر وہ غسالہ اس بچہ کو پلایا تو وہ بچہ صحیح ہوش وحواس سے باتیں کرنے لگا۔

آپ کے سامنے کھانا رکھا تھا' آپ وہ کھانا کھا رہے تھے' ایک لڑکی میں حیا بہت کم تھی' وہ کہنے لگی: آپ اپنے منہ سے نوالہ نکال کر مجھے دے دیں' آپ نے وہ نوالہ اس کو دے دیا' آپ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا تھا تو آپ منع نہیں فرماتے تھے' جب وہ نوالہ اس کے پیٹ میں پہنچا تو پورے مدینہ میں اس سے زیادہ باحیا کوئی لڑکی نہیں تھی۔

(الشفاء ج ۱ ص ۳۲۲ ـ ۳۲۳' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ

پھر جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے (اہل لشکر سے) کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک دریا کے ذریعہ

بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ

آزمائش میں مبتلا کرے گا' سو جس نے اس سے (پانی) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا' اور جس نے اس دریا

فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ

سے صرف ایک آدھ چلو کے علاوہ نہ پیا وہ میرے طریقہ پر ہوگا' تو چند لوگوں کے سوا

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ

سب نے اس سے خوب پانی پیا، پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ ایمان والے اس دریا سے گزر گئے تو (پانی پینے والوں نے)

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ

کہا: آج جالوت اور اس کے لشکریوں سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ ۙ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ

والے ہیں انہوں نے کہا: بہت دفعہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں

فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (۲۴۹) وَلَمَّا بَرَزُوا

پر غالب آ جاتی ہیں، اور اللہ (مدد کرنے کے لیے) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O اور جب وہ جالوت

لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ

اور اس کے لشکریوں کے سامنے صف آرا ہوئے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہم کو ثابت

أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۲۵۰) فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ

قدم رکھ اور کافروں کی قوم کے خلاف ہماری مدد فرما O سو اللہ کے حکم سے انہوں نے ان (کافروں)

اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ

کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جن چیزوں کا چاہا

عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ ۙ

انہیں علم عطا فرمایا، اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین

لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (۲۵۱) تِلْكَ

تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے O یہ اللہ

آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (۲۵۲)

کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں، اور بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O

طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان

طالوت عمالقہ سے قتال کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس سے روانہ ہوئے' اس کی تفسیر میں حافظ جلال الدین سیوطی نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ اسّی ہزار بنو اسرائیل طالوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے' اس زمانہ میں جالوت سب سے زیادہ طاقت ور شخص تھا اور اس کی بہت زیادہ ہیبت تھی' وہ اپنے لشکر میں سب سے آگے رہتا تھا اور ابھی اس کا لشکر اس تک نہیں پہنچ پاتا تھا کہ وہ دشمن کو شکست دے دیتا تھا' جب طالوت کا لشکر روانہ ہوا تو طالوت نے اہل لشکر سے کہا: عنقریب اللہ تمہیں ایک دریا کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کرے گا' سو جس نے اس دریا سے (سیر ہو کر) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا' اور جس نے اس سے صرف ایک آدھ چلو کے علاوہ نہ پیا وہ میرے طریقہ پر ہو گا' چار ہزار کے سوا باقی سب نفوس نے جالوت کی ہیبت سے اس دریا سے پانی پی لیا اور ان چار ہزار افراد نے ہی اس دریا کو عبور کیا اور باقی ماندہ چھہتر ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکے' جن لوگوں نے دریا سے سیر ہو کر پانی پیا تھا وہ سخت پیاس میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے چلو بھر کر پانی پیا تھا ان کو پیاس نہیں لگی' اور جب طالوت نے اور اس کے ساتھ مومنوں نے دریا عبور کر لیا اور انہوں نے جالوت کو دیکھا تو انہوں نے کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان میں سے بھی تین ہزار چھ سو اسی نفوس واپس ہو گئے اور طالوت اہل بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ باقی رہ گئے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس دریا میں ان کو مبتلا کیا گیا تھا وہ فلسطین میں تھا۔ (الدرالمنثور ج ا ص ۳۱۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طالوت کا لشکر ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا' تین سو تیرہ افراد کے سوا باقی سب نے اس دریا سے پانی پی لیا' اور یہ غزوہ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ افراد تھے۔ طالوت نے ان سب کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ افراد رہ گئے' جب طالوت اور ان کے ساتھ مومنوں نے دریا کو عبور کر لیا تو انہوں نے طالوت سے کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے' اور جو لوگ آخرت اور اللہ سے ملاقات پر یقین رکھتے تھے' انہوں نے کہا: کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آ جاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فتح اور نصرت کی دعا کی اور دعا وہ واحد ہتھیار ہے جو صرف مومنوں کے پاس ہے اور کافروں کے پاس نہیں ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت کو ایک زرہ دی اور فرمایا: جس شخص کے جسم پر یہ زرہ پوری آ جائے گی وہ اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کر دے گا' اور طالوت کے منادی نے ندا کی: جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اپنا آدھا ملک اور آدھا مال اس کو دے دوں گا (یہ زرہ حضرت داؤد پر پوری آئی تھی)' حضرت داؤد کا پورا نام ونسب یہ ہے:

داؤد بن ایشا بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت داؤد نے اپنے توبرے میں ہاتھ ڈالا تو تین پتھر مل کر ایک پتھر بن گئے' حضرت داؤد نے اس پتھر کو نکال کر اپنی منجنیق میں ڈال دیا' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے داؤد کی مدد کرو' جب حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا تو جن وانس کو چھوڑ کر تمام فرشتوں اور حاملین عرش نے نعرۂ تکبیر بلند کیا' جب جالوت

نے اللہ اکبر کی گونج دار آوازوں کو سنا تو اس نے یہ سمجھا کہ تمام دنیا نے مل کر اس پر حملہ کر دیا ہے' زور سے آندھی چلی اور ان پر اندھیرا چھا گیا' جالوت خود الٹ کر گر گیا' حضرت داؤد نے منجنیق میں پتھر ڈال کر اسے چھوڑا تو اس سے تین پتھر نکلے' ایک پتھر جالوت کی پیشانی پر لگ کر آر پار ہو گیا اور وہ مقتول ہو کر زمین پر جا گرا' دوسرا پتھر لشکر جالوت کے میمنہ پر جا کر گرا اور ان کو تباہ کر دیا' تیسرا پتھر ان کے میسرہ پر گرا اور ان کو یوں لگا جیسے ان پر پہاڑ آ گرا ہو' وہ سب گھبرا کر پیٹھ موڑ کر بھاگے اور ایک دوسرے کے پاؤں تلے روندے گئے اور کچلے گئے' طالوت بنو اسرائیل میں کامیاب اور کامران ہو کر لوٹے' اللہ نے ان کو ان کے دشمنوں پر فتح اور نصرت عطا فرمائی' طالوت نے حسب وعدہ حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ان کو نصف سلطنت اور نصف مال عطا کر دیا۔ اس کے بعد حافظ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس اور مکحول سے ایک طویل قصہ روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس فتح کے بعد بنو اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کو زیادہ پسند کرنے لگے اور وہ چاہتے تھے کہ پورا ملک ان ہی کو دے دیا جائے' طالوت کو اس سے حسد ہوا اور اس نے حضرت داؤد کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن طالوت کی بیٹی جو حضرت داؤد کی اہلیہ تھیں انہوں نے ان کو بروقت سازش سے آگاہ کر دیا' طالوت اور اس کے گھر والے مارے گئے اور تمام بنو اسرائیل حضرت داؤد کی زیر سلطنت آ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کو زبور عطا کی اور ان کو زرہ بنانے کا عمل سکھایا اور پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے حکم کے تابع کر دیا' جب حضرت داؤد تسبیح کرتے تو وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ طالوت کی حکومت چالیس سال رہی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۱ ص ۱۷۰۔ ۱۶۷ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی۔ (البقرہ: ۲۵۱)

نیکوکاروں کی برکت سے گنہ گاروں سے عذاب کا دور ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جالوت اور اس کے لشکر کے فساد کو طالوت اور اس کے لشکر سے دور فرما دیا اور جالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل کرا دیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ عام قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ مفسدین کے شر کو مصلحین سے دور فرماتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ زمین تباہ ہو جاتی اور قیامت آ جاتی' اس آیت میں مفسدین اور مصلحین کے متعلق کئی تقریریں کی گئی ہیں' بعض ان میں سے یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ظالم اور جابر حکمران کے جبر کو کسی نیک شخص کے سبب سے دور کر دیتا ہے جیسے فرعون کے جبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جالوت کے جبر کو حضرت داؤد علیہ السلام سے دور کر دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر کو انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور تبلیغ سے دور فرما دیتا ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۔ (ابراہیم: ۱)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف نکالیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ علماء اور صالحین کے سبب سے لوگوں کو معاصی اور برائیوں سے دور کر دیتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے' تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ

برائی کو اچھے طریقہ سے دور کرو۔

(المؤمنون:۹۶)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ۔ (القصص:۵۴) اور وہ بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کرتے ہیں۔

اس مفہوم میں وہ حکام بھی داخل ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں:

(۴) اللہ تعالیٰ انبیاء' خلفاء' سلاطین اور حکام کے ذریعہ لوگوں سے قتل و غارت گری' لوٹ مار اور فتنہ و فساد کو دور فرماتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ (الحج: ۴۰) اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں گرادی جاتیں جن میں اللہ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

امام (خلیفہ) یا سلطان یا حاکم کی حجت اور اس کی اطاعت پر حسب ذیل احادیث شاہد ہیں:

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو بکرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سلطان کی عزت کی اللہ قیامت کے دن اس کو عزت عطا کرے گا' اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام احمد کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میرا حق ہے اور تم پر امراء کا بھی حق ہے' جب تک وہ تین چیزوں کو قائم رکھیں' جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں' جب وہ فیصلہ کریں تو عدل کریں اور جب وہ عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور جس نے یہ نہیں کیا اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' ان کا فرض قبول نہ ہوگا نہ نفل' اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بعض راوی غیر معروف ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۴ ـ ۲۱۵ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بغیر امام کے مر گیا وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۸ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

(۵) اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے سبب سے کفار اور فساق پر ہونے والے عذاب کو دور کر دیتا ہے' اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو اس عذاب سے زمین تباہ ہو جاتی' اس کی تصدیق ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (الانفال: ۳۳) اور اللہ (کے شایان شان) نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے درآں حالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (الفتح: ۲۵) اگر وہ ایمان والے وہاں سے نکل جاتے تو ہم ان (مکہ والوں میں سے) کافروں کو دردناک عذاب دیتے ○

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے گاؤں والوں کی ایک گرتی ہوئی دیوار بنادی حالانکہ ان لوگوں نے ان کی میزبانی اور ضیافت سے انکار کر دیا تھا' اور دیوار بنانے کی اجرت بھی نہیں لی' حضرت خضر نے اس کی وجہ بیان کی:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ اور رہی دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک

(الکہف: ۸۲) نیک آدمی تھا۔

اور اس کی تصدیق ان احادیث میں ہے' حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد' اولاد در اولاد' اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے' اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے' زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد' حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں' جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے' ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے' اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے اور امام ابن عساکر کی روایت میں ہے' ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں' انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے' انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ا ص ۳۲۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں' اور بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ (البقرہ: ۲۵۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل اور آپ کو تسلی دینے کا بیان

ان آیات کا اشارہ ان ہزاروں اسرائیلیوں کی طرف ہے جو طاعون کی صورت میں موت کو دیکھ کر شہر چھوڑ کر بھاگے' اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' پھر ایک نبی کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا' اور طالوت کو بادشاہ بنایا اور اس کی بادشاہت کی دلیل پر تابوت کو نازل کیا' اور عمالقہ اور جالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کرایا' اور یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت' اس کی حکمت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان آیات کو آپ پر ہم تلاوت فرماتے ہیں' حالانکہ ان آیات کو آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تلاوت کیا تھا' اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت جبرائیل کا پڑھنا گویا اللہ کا پڑھنا ہے' اس میں حضرت جبرائیل کو اسی طرح مشرف فرمایا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لیے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت (الفتح: ۱۰) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا: ہم ان آیات کو حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' تو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(١) جس طرح سابقہ امتوں نے اللہ کی راہ میں سختیوں اور مصائب کو برداشت کیا اس طرح آپ کی امت کو بھی جہاد فی سبیل اللہ میں سختیوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا چاہیے یعنی یہ واقعات حق ہیں اور ان میں تدبر کر کے ان پر عمل کرنا چاہیے۔

(٢) حق سے مراد یقین ہے یعنی ان واقعات کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے' کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ واقعات اسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

(٣) ہم نے ان واقعات کو ایسی فصیح و بلیغ عبارات میں بیان کیا ہے کہ کوئی شخص ان کی نظیر نہیں لا سکتا' اور یہ آپ کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔

(٤) یہ آیات حق ہیں' یعنی یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں' یہ القاء شیطان سے ہیں نہ کاہنوں اور جادوگروں کی تحریف ہیں نہ شعر و شاعری ہیں' اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں' کیونکہ یہ آیات دو وجہ سے آپ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں:

(١) آپ نے سابقہ امتوں کے یہ واقعات بیان فرمائے جن کی تصدیق اس زمانہ کی آسمانی کتابوں میں موجود تھی حالانکہ سب جانتے تھے کہ آپ نے کسی مکتب میں جا کر پڑھنا نہیں سیکھا' نہ علماء اہل کتاب سے آپ نے یہ واقعات سنے' اس کے باوجود جب آپ نے بغیر پڑھے اور سنے یہ واقعات بالکل درست بیان فرما دیئے تو یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اللہ نے اپنی وحی کے ذریعہ آپ کو ان سے مطلع فرمایا اور اس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آپ کو یہ بتایا کہ ہر زمانہ میں رسولوں کی مخالفت ہوتی رہی ہے اور ان کا انکار کیا جاتا رہا ہے' سو اگر کچھ لوگ آپ کو نہیں مانتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' رسولوں سے ہمیشہ اسی طرح ہوتا آیا ہے' ہر زمانہ میں رسولوں کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچا دیں اور وہ اپنی خوشی اور اختیار سے اس کو قبول کر لیں' کسی رسول کو بھی جبراً مسلمان کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا' سو اگر بعض ضدی اور ہٹ دھرم لوگ آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کا کلی طور پر نہ مانا جانا عین تاریخ رسالت کے مطابق ہے اور اگر یہ آپ کو رسول نہیں مانتے تو کیا ہوا ہم تو کہتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسولوں میں سے ہیں!

الجزء ٣ وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ

ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض سے

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی' اور ہم نے عیسیٰ ابن

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ

مریم کو واضح نشانیاں دیں' اور ہم نے روح القدس (جبرائیل) سے اس کی مدد فرمائی' اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے

الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے' لیکن انہوں نے اختلاف کیا'

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ

سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے'

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۳۳/۵/۱

لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے ○

رسولوں کی باہمی فضیلت

اس سے پہلے اس سورت میں متعدد نبیوں اور رسولوں کا ذکر آچکا ہے' مثلاً حضرت آدم' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت شمویل' حضرت حزقیل' حضرت داؤد' حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم وعلی نبینا سیدنا محمد الصلوٰۃ والسلام اس لیے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ تجسس پیدا ہوگا کہ آیا یہ تمام نبی اور رسول درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں یا ان میں درجات اور مراتب کا فرق ہے؟ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' یعنی بعض رسولوں کو ایسی خصوصیات اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جو دوسرے بعض رسولوں کو عطا نہیں فرمائیں' اور چونکہ اس سورت کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا اور ان میں زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے آخری نبی تھے اس لیے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی فضیلتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ہم نے بعض کو کلام سے سرفراز فرمایا' یعنی ان سے بلاواسطہ کلام فرمایا' ان سے حضرت آدم' حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں' اس کے بعد فرمایا: اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی' اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اللہ تعالیٰ نے یہاں صراحۃً آپ کا نام نہیں لیا کیونکہ غیر متناہی درجات کے ساتھ آپ کا مخصوص ہونا اس قدر مشہور اور معروف ہے کہ آپ کا صراحۃً ذکر نہ کیا جائے پھر بھی ذہن آپ کے سوا اور کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا' اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو درجات کی بلندی عطا کی ہے' یہ نہیں بیان فرمایا کہ کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے کیونکہ عالم اعداد میں کوئی عدد ایسا ہے ہی نہیں جو آپ کے تمام درجات کو بیان کرسکے اور کسی حد اور کسی عدد کا ذکر نہ فرما کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کے درجات کا کوئی شمار نہیں نہ ان کی کوئی حد ہے' کہ آپ رحمت للعالمین اور خاتم النبیین ہیں' لواء حمد کے حامل اور مقام محمود پر فائز ہیں' تمام سابقہ شریعتوں کے ناسخ ہیں' کوثر و سلسبیل کے ساقی ہیں' عالم میثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا' آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے قائد ہیں' شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا' روز حشر تمام اہل محشر کو آپ کی شفاعت کی احتیاج ہوگی' آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے' کائنات اللہ کو راضی کرتی ہے اور اللہ آپ کو راضی فرماتا ہے' اور ایسے بہت سے فضائل اور خصائص ہیں جو صرف آپ ہی کو حاصل ہیں' یہ اجمالی ذکر ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کو تفصیل سے بھی بیان کریں گے' اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ

ان کے معجزات زیادہ تر حسی تھے' مثلاً مردوں کو زندہ کرنا' مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرھا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا۔ (البقرہ: ۲۵۳)

بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کی خبر دی ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود کہا: ہمیں اللہ کو ظاہر باہر دکھاؤ' اور ہمارے لیے ایک معبود بنا دو جیسے ان کا معبود ہے' اسی طرح حضرت عیسیٰ کی قوم نے روشن دلائل اور معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا دیکھا' اس کے باوجود انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کو قتل کرنے کے درپے ہوئے' اب آپ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ بھی سابقہ رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں تو اگر آپ کے دلائل اور معجزات پیش کرنے کے باوجود آپ کی قوم کے بعض لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ○ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ○ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى (الحج: ۴۲۔۴۴)

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی ○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ○ اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی۔

نیز فرمایا:

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ (آل عمران: ۱۸۴)

اگر یہ آپ کی تکذیب کریں (تو غم نہ کریں) آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو واضح دلائل' آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ○

اور اگر اللہ چاہتا تو نہ وہ لوگ اختلاف کرتے اور نہ آپ کی قوم کے بعض لوگ مخالف ہوتے' اور اللہ تعالیٰ ان سب کو جبراً مسلمان کر دیتا اور دنیا میں کبھی کوئی شخص کسی نبی کا مخالف اور کافر نہ ہوتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے خلاف ہے' اس نے انسان کو حریت فکر اور سوچ و بچار کی آزادی عطا کی ہے' اس نے کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی کے راستے پیدا کیے' شیطان کو پیدا کیا جو انسان کو کفر اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے جو اس کو ایمان اور ہدایت کی دعوت دیتے ہیں اور انسان کو عقل سلیم عطا کی' سچ اور جھوٹ اور کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کا شعور دیا' اب وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ انبیاء اور رسل کی دعوت پر کتنے لوگ صراط مستقیم کو اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے بہکانے میں آ کر کتنے لوگ کفر اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں' اس لیے فرمایا: لیکن انہوں نے اختلاف کیا' سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

اب ہم قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے بیان کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

''رحمة للعلمین'' ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

(۱) وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی تو بھیجا ہے ۝

آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور اپنے وجود اور بقاء میں ہر چیز کو رحمت کی ضرورت ہے تو ساری کائنات آپ کی محتاج ہوئی اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے اس لیے آپ ساری کائنات سے افضل قرار پائے' اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہوں' آپ سے پہلے جو نبی آئے ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تو ان قوموں پر عذاب آیا' جب آپ کی قوم کے کافروں نے آپ کی تکذیب کی اور عذاب کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ‌ؕ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو عذاب دے۔

انبیاء سابقین کے آنے کے بعد کافروں سے عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور آپ کے آنے کے بعد عذاب آ نہیں سکتا تھا۔

تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ‌ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰ لِكُمۡ اِصۡرِىۡ‌ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ‌ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝ فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ (آل عمران: ۸۲-۸۱)

اور یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آ جائے جو اس (کتاب اور حکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے' تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا' فرمایا: سو گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۝ پھر اس عہد کے بعد جو اس سے پھرا تو وہی لوگ نافرمان (فاسق) ہیں ۝

اس آیت سے واضح ہوا کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کے زمانہ میں بھی آپ مبعوث ہو جاتے' اس نبی پر لازم ہوتا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور ضرور ان پر ایمان لائے اور ضرور ضرور ان کی نصرت کرے اور اپنی قوم کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۶' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(المصنف ج ۹ ص ۴۷ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۱۱۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۲ھ)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے سوا کسی کی پیروی کرنا جائز نہ ہوتا۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۲۴۷ 'مطبوعہ دار المامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی [1] اور حافظ سیوطی [2] نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل حکماً اور تقدیراً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور نبی امت سے افضل ہوتا ہے' اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

تمام نبیوں اور رسولوں کو عالم میثاق میں کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کا انتظار تھا اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی باطنی اصلاح کرے' بے شک تو ہی بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ (الصف: ۶)

اور یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنو اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس عظیم رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں تھے' اور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا' میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور بے شک ان سے ایک نور نکلا جس سے (ملک) شام کے محلات روشن ہو گئے۔ [3]

---

1. حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ
2. حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور ج ۲ ص ۴۸ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران
3. امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

اس حدیث کو امام طبرانی[۱]، امام بزار[۲]، امام ابن حبان[۳]، امام ابو نعیم[۴]، امام حاکم[۵]، امام بیہقی[۶] اور امام بغوی[۷] نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[۸]

تمام انبیاء کے اوصاف اور کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ (الانعام: ۹۰) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔

اس آیت میں عقائد اور اصول مراد نہیں ہیں کیونکہ عقائد اور اصول میں تقلید جائز نہیں ہے اور نہ فروع اور اعمال مراد ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کے لیے ناسخ ہے سو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ محاسن اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام کی پیروی کیجئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف حمیدہ اور تمام اخلاق حسنہ جو تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے آپ ان تمام اوصاف اور اخلاق کے جامع ہیں گویا آپ کی صفات کو پھیلاؤ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفات ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی صفات کو سمیٹو تو وہ تنہا آپ کی صفات ہیں آپ کی ذات بہ منزلہ متن ہے اور تمام انبیاء بہ منزلہ شرح ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (القلم: ۴) اور بے شک آپ ضرور خلق عظیم پر فائز ہیں ۝

علیٰ کا لفظ استعلاء اور تفوق کے لیے آتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص سواری پر سوار ہے سو آپ بہ منزلہ سوار ہیں اور خلق عظیم بہ منزلہ سواری ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تابع ہوتے ہیں اور یہاں نیکی آپ کے تابع ہے آپ جس کام کو کرلیں وہ اچھا ہے اور جس سے منع فرما دیں وہ برا ہے خلق عظیم کی باگیں آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرف ان کا رخ موڑ دیں عظمتیں وہیں ہیں آپ عظمتوں کے تابع نہیں ہیں عظمتیں اپنے عظیم ہونے میں آپ کے تابع ہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ (الحشر: ۷) اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ (النور: ۳۵) قریب ہے کہ (آپ کی نبوت کا) تیل خود ہی روشن ہو جائے خواہ اسے (وحی کی) آگ نہ چھوئے (نزول وحی کے بعد) وہ نور علیٰ نور ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

---

۱ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ معجم کبیر ج ۱۸ ص ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار المتوفی ۲۹۲ھ کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت

۳ امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ موارد الظمآن ص ۵۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۴ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ

۵ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۶ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ

۸ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

قریب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کا تیل اپنی صفائی اور ذکاوت کی وجہ سے خود ہی روشن ہو جاتا خواہ اس کو نور قرآن نے نہ چھوا ہوتا۔ امام بغوی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ قریب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن لوگوں کے سامنے وحی سے پہلے ظاہر ہو جاتے۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں: قریب ہے کہ اس تیل کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت لوگوں پر آپ کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۱' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی نے لکھا ہے:

اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اس تیل سے تشبیہ دی گئی ہے جو از خود روشن ہو جاتا ہے۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

ملا علی قاری نے لکھا ہے:

کیونکہ آپ کا ظاہر اور باطن صاف تھا' آپ میں نبوت اور رسالت مجتمع تھی' آپ میں انوار الٰہیہ بہت قوی تھے اور آپ انوار صمدیہ کے مظہر تھے اور آپ ایسے کامل تھے کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرتے پھر بھی لوگوں پر آپ کی نبوت ظاہر ہو جاتی۔

(شرح الشفاء علی هامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یا ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بتایئے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری[۱]' امام ابوداؤد[۲]' امام نسائی[۳]' امام ابن ماجہ[۴]' امام احمد[۵]' امام دارمی[۶]' اور امام بیہقی[۷] نے بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل اور شمائل کی جامع عبارت قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے تیس پاروں کو اگر انسانی پیکر میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

امام مالک نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حسن اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ (موطا امام مالک ص ۷۰۵' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام بغوی روایت کرتے ہیں:

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد ص ۸۷۔۸۶' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل

۲۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۸۹' مطبوعہ مکتبہ مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

۳۔ امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۶ ص ۲۱۶۔۱۸۸۔۱۱۱۔۹۱۔۵۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ

۶۔ امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی ج ۱ ص ۳۸۳' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو تمام تک پہنچانے اور محاسن افعال کو کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

(شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۰۔ ۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ آپ سے پہلے کوئی نبی اور رسول مکارم اخلاق اور محاسن افعال کا جامع نہیں تھا' حضرت داؤد اور سلیمان نے شاہی کی زندگی گزاری اس میں فقر کا نمونہ نہیں ہے' حضرت یحییٰ اور عیسیٰ نے تجرد کی زندگی گزاری اس میں ازدواجی زندگی اور عائلی حیات کا نمونہ نہیں ہے' ایسی کامل زندگی جو انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط ہو وہ صرف آپ کی زندگی ہے۔ آپ نے بکریاں چرائیں' گڈریوں اور چرواہوں کو اعزاز بخشا' دودھ دوہا' گوالوں کی عزت افزائی کی' جوتی مرمت کر لی' موچیوں کا مقام اونچا کیا' پھٹے ہوئے کپڑے سی لیے' خندقیں کھودیں' تجارت ہو' صنعت و حرفت ہو' حکومت کا کوئی شعبہ ہو' امامت ہو' خطابت ہو' سپہ سالاری ہو' ہر شعبہ میں آپ کا نمونہ ہے۔ اگر ایک حاکم فخر سے کہے کہ میں حکومت چلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عامل ہوں تو پیوند لگے ہوئے لباس پہن کر زمین کھودنے والا مزدور بھی کہے گا کہ میں بھی رسول اللہ کی سنت کا امین ہوں' سو ایسی کامل زندگی نبیوں اور رسولوں میں سے کسی نے نہیں گزاری' آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے سب سے زیادہ جامع ہیں' اس لیے سب رسولوں میں آپ ہی سب سے افضل ہیں۔

رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸)

اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں' نیز فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (الفرقان: ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں ○

اسی طرح احادیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم اور شمول بیان کیا گیا ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور طہارت (تیمم) کا ذریعہ بنا دی گئی ہے' سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پائے وہ (جہاں بھی ہو) نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا' اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے اور ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام بغوی[1] اور امام دارمی[2] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

---

[1] امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ ج ۷ ص ۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

[2] امام عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۳۹۵' دار المعرفۃ' بیروت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے' میری رعب سے مدد کی گئی' میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا' تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت کا آلہ (تیمم) اور مسجد بنا دیا گیا' مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں' مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور میرے لیے تمام زمین مسجد اور آلہ طہارت (تیمم) بنا دی گئی ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۲۔ ۱۶۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ الہیثمی نے امام بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام جن اور انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی عطا کر دی' پہلے نبی کسی ایک شہر (قوم) کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے' مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کالوں کی طرف اور گوروں کی طرف اور مجھ سے پہلے نبی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ الحدیث

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر ج ۱۱ ص ۶۱۔ ۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱۲ ص ۴۱۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

قرآن مجید اور بہ کثرت احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں' ہم البقرہ: ۴۷ کی تفسیر میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ گوہ اور ہرنی نے آپ کا کلمہ پڑھا' درختوں نے آپ کی اطاعت کی' پتھروں نے آپ کو سلام عرض کیا اور اونٹنی آپ کے فراق میں روئی اور یہ وہ عظیم خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اور کسی نبی کو عطا نہیں کی' اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب: ۴۰) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر النبیین ہیں، ہر نبی کی شریعت بعد میں آنے والے نبی سے منسوخ ہوتی رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور قیامت تک کے نبی ہیں، اس لیے آپ کی شریعت باقی اور غیر منسوخ ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہوں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ اسماء ہیں: میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے، اور میں عاقب (آخری نبی) ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱، ج ۲ ص ۷۴۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں میری ایڑیوں پر لوگ جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی [1] اور امام بغوی [2] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین و جمیل گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو، لوگ اس گھر کے گرد طواف کریں اور تعجب کریں اور کہیں کہ کیوں نہ یہ ایک اینٹ بھی رکھ دی گئی تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں [3]۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم [4] اور امام احمد [5] نے بھی روایت کیا ہے۔

---

1. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۹۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
2. امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
3. امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ
4. امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ
5. امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا' حضرت علی نے کہا: آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے! مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

اس حدیث کو امام مسلم[1]' امام ترمذی[2]' امام ابن ماجہ[3]' امام احمد[4] اور امام ابن حبان[5] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے' سو میرے بعد کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔[6]

اس حدیث کو امام احمد[7]' امام حاکم[8] اور امام ابن ابی شیبہ[9] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ لاحق نہ ہوں' اور جب تک بتوں کی عبادت نہ کی جائے' اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی' اور عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۲۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد[10]' امام احمد[11] اور امام بیہقی[12] نے بھی روایت کیا ہے۔

کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (الحجر: ۹)

بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

---

۱ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

۲ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۵۳۵ - ۵۳۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۳ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۱۲ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۴ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۳ - ۱۸۲ - ۱۷۷' ج ۳ ص ۳۳۸ - ۳۲ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۵ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۴۱ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ

۶ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۳۳۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۷ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۸ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۱ 'مطبوعہ مکتبہ دار الباز' مکہ مکرمہ

۹ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف ج ۱۱ ص ۵۳ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ

۱۰ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

۱۱ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۱۲ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۸۱ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حم السجدہ: ۴۲) اس قرآن مجید میں سامنے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت بلکہ کسی حرف کی کمی نہیں ہو سکتی اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی حرف کا اضافہ نہیں ہو سکتا' غرض قرآن مجید کے یہ دو دعوے ہیں' اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی ہو سکتی ہے' اور تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی سورت بلکہ کسی آیت کی بھی نظیر اور مثیل نہیں لا سکتا:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ (البقرہ: ۲۳) اور ہم نے جو اپنے (مقدس) بندے پر کلام نازل کیا ہے اگر تم اس کے (منزل من اللہ ہونے کے) متعلق شک میں ہو تو اس (کلام) کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ؕ (الطور: ۳۴) اگر وہ سچے ہیں تو اس قرآن جیسی کوئی بات لے آئیں O

قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں اور ہر آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر تین دلیلیں ہیں: (۱) قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہو سکتی (۲) قرآن مجید میں کمی نہیں ہو سکتی (۳) اس کی کوئی مثل نہیں لا سکتا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل ہو گئے۔

علوم وفنون میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین اور آپ کی رسالت کے منکرین کی تعداد بھی دن بہ دن بڑھ رہی ہے' اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ چودہ سو سال سے زیادہ گزر گئے اور اب تک کسی نے اس چیلنج کو نہیں توڑا' نہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی کوئی مثال لا سکا نہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکا' اگر اس چیلنج کو توڑنا کسی کے بس کی بات ہوتی تو اب تک وہ اس چیلنج کو توڑ چکا ہوتا۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات مثلاً لاٹھی اور اونٹنی وغیرہ اعیان و جواہر کے قبیل سے تھے لیکن وہ باقی نہ رہے اور قرآن مجید اعراض اور معانی کے قبیل سے ہے اور ہنوز باقی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا' خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر کثیر اور قوی دلائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قائم کیے گئے وہ کسی اور نبی اور رسول کی نبوت پر قائم نہیں کیے گئے' دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلیل فانی معجزات ہیں' آپ کی نبوت پر دلیل باقی رہنے والا' اللہ کا کلام قرآن مجید ہے۔

آپ کے دین کے ناسخ الادیان ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنی نعمت تامہ قرار دیا اور فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ: ۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

آپ کے دین کو ادیان سابقہ کے لیے ناسخ قرار دیا اور فرمایا:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵) اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء اور رسل پر عظیم فضیلت ہے کہ آفتاب محمدیت کے طلوع کے بعد اب کسی نبی یا رسول کی شریعت کا چراغ نہیں جلے گا' حتیٰ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری حیات سے زندہ ہوتے تو آپ کی پیروی کرتے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی پیروی کریں گے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دین تمام ادیان سے افضل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ آپ تمام انبیاء اور رسل سے افضل ہوں۔

امت کی کثرت اور افضلیت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ . (آل عمران: ۱۱۰) تم ان امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جن کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا' تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

آپ کی امت کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی ایمان لانے والے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی امت کو ''یایھا الذین امنوا۔ اے ایمان والے'' کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا بلکہ' مثلاً یا بنی اسرائیل' کہہ کر پکارا اور یہ اس امت کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کو ''یایھا الذین امنوا'' سے خطاب کیا کیونکہ اس پر ایمان لانے کے تو بہت دعوی دار ہیں لیکن فضیلت ان کی ہے جن کو وہ خود ''یایھا الذین امنوا'' فرمائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انبیاء علیہم السلام کی ان کے امتی تکذیب کریں گے اور کہیں گے: ہمیں کسی نے خدا کے عذاب سے نہیں ڈرایا' اس وقت انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر آپ کی امت گواہی دے گی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ . (البقرہ: ۱۴۳) اور اے مسلمانو! اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) پر گواہ ہو جاؤ۔

اور یہ اس امت کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقدمہ میں گواہ ہوگی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے متعلق فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ . (البقرہ: ۴۷) اے بنو اسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو۔

اور آپ کی امت کے متعلق فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ . (البقرہ: ۱۵۲) تم میری ذات کو یاد کرو۔

بنو اسرائیل کی رسائی صرف اللہ کی صفت انعام تک تھی اور آپ کی امت کی رسائی اللہ کی ذات تک ہے' کیونکہ باقی امتوں کے نبیوں نے اللہ کی صفات کا مشاہدہ کیا اور آپ نے اللہ کی ذات کا مشاہدہ کیا' وہ صرف صفات کے مظہر تھے آپ عین ذات کے مظہر ہیں' اس لیے ان کی امتیں صفات کو یاد کرتی ہیں اور آپ کی امت ذات کو یاد کرتی ہے۔

امت کی وجہ سے آپ کے افضل الرسل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی امت کی تعداد تمام امتوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لے آئے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام عطا فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت قیامت کے دن ان سب سے زیادہ ہوگی۔[1] اس حدیث کو امام مسلم[2] اور امام بغوی[3] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں' میں نے ایک نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک جماعت تھی' ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے' ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا' پھر میرے سامنے ایک عظیم جماعت بلند کی گئی' میں نے گمان کیا یہ میری امت ہوگی! مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے' البتہ آپ آسمان کے کنارے پر دیکھیں' میں نے دیکھا تو ایک بہت بڑی جماعت تھی' پھر مجھ سے کہا گیا: آپ دوسرے کنارے کو دیکھیں تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی' مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا' اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اے اللہ! تو گواہ ہو جا' پھر فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم چوتھائی اہل جنت ہو؟ ہم نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نصف اہل جنت ہو؟ تمہارے مقابلہ میں دوسری امتیں ایسی ہوں گی جیسے سفید بیل میں ایک سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال ہو۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۷ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی امت نصف اہل جنت ہوگی اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی یعنی آپ کی امت کل اہل جنت کی دو تہائی ہوگی اور آپ کی امت کا کل نبیوں کی امتوں سے تعداد میں سب سے زیادہ ہونا اور مرتبہ میں سب سے افضل ہونا اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔

مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر فرمائے گا۝ (الاسراء: ۷۹)

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس مقام پر فائز ہونے والے کی تمام اولین اور آخرین حمد کریں گے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا' اور آپ کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

[3] امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ ج ۷ ص ۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سننے کے بعد یہ کہا: اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد کو وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے' اس شخص کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی ص ۵۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور امام مسلم نے روایت کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم موذن سے اذان سنو تو اذان کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو' وہ جنت میں ایک مقام ہے' جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید (بہ معنی یقین) ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور حوض مورود (جس حوض پر لوگ وارد ہوں گے) کی فضیلت عطا کی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

قرآن مجید اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہو گا' نیز وسیلہ (جنت میں مقام بلند) بھی صرف آپ کو عطا ہو گا اور اس میں آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اللہ کی رضا جوئی کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ . (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے رخ (انور) کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں' سو ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۰)

اور رات کے کچھ اوقات (مغرب اور عشاء) میں اس کی تسبیح کیجئے اور دن کے درمیانی کناروں میں اس کی تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضحیٰ: ۵)

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو ضرور اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں صرف یہی جانتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وہ آیات تلاوت کیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے شفاعت کرنے کا ذکر ہے' پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور روتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! میری امت! میری امت! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ حالانکہ آپ کا رب خوب جانتا تھا (پھر بھی) فرمایا: ان سے پوچھو آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ آپ نے کیا کہا تھا' حالانکہ اللہ خوب جانتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ اور کہو: بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

تمام انبیاء اور رسل اللہ کو راضی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرتا ہے اور یہ آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۴) اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا ۝

دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر سورج غروب ہو رہا ہے اور غروب آفتاب کے وقت مغرب کی اذان ہو رہی ہے' اسی طرح ہر وقت کہیں نہ کہیں فجر ہو رہی ہے اور جہاں طلوع فجر ہے وہاں فجر کی اذان ہو رہی ہے وعلی ہذا القیاس' اور اذان میں جہاں اللہ کا نام بلند کیا جا رہا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی بلند کیا جا رہا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور جس طرح کلمہ شہادت میں' اذان میں' اور تشہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام رکھا ہے' انبیاء سابقین میں سے کسی کا نام اپنے نام کے ساتھ نہیں رکھا' نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا' آپ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا' فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت کو اپنی عزت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا: "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ" (المنافقون: ۸) "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ" (التوبہ: ۶۲)

اور آپ کی اجابت کو اپنی اجابت کے ساتھ مقرون کیا اور فرمایا: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ" (الانفال: ۲۴)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عزت اور سر بلندی کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ (الاحزاب: ۵۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ پڑھتے (رحمت بھیجتے) رہتے ہیں۔

گویا ازل سے لے کے ابد تک کوئی وقت نہیں گزرتا مگر اس وقت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتا رہا ہے' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ پر یوم ولادت' یوم وفات اور یوم بعثت میں صرف تین بار اللہ نے سلام نازل کرنے کا ذکر

فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زمان و مکان کی کسی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ نازل کرنے کا ذکر فرمایا' پھر وہاں سلام کا ذکر تھا یہاں صلوٰۃ کا ذکر ہے' وہاں تین ایام کی قید ہے' یہاں اعداد و شمار کا ذکر نہیں ہے' نہ الوہیت کے عدم کا تصور ہے' نہ آپ کے ذکر کے انقطاع کا تصور ہے۔ ورفعنا لک ذکرک.

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ نے اپنے رب سے کلام کیا' آپ نے عرض کیا: تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا کیا' اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کیا' اور ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا اور سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے پہاڑ' جن اور انسان مسخر کر دیئے اور شیطانوں اور ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا' اور ان کو ایسی سلطنت عطا کی جو ان کے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہوگی' اور عیسیٰ کو تورات اور انجیل کا علم دیا' اور ان کو یہ حکمت دی کہ وہ برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے' اور تو نے ان کو اور ان کی ماں کو شیاطین سے اپنی پناہ میں رکھا' اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمٰن ہیں' اور آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور آپ کے لیے شرح صدر کیا' اور آپ سے مشکل احکام کا بوجھ دور کیا' اور آپ کے ذکر کو بلند کیا' اور جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی امت کو سب سے بہتر امت بنایا' اور امت وسط بنایا اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا' اور آپ کی امتوں کے دل اناجیل کی کیفیت پر بنائے اور آپ کی امت جب بھی خطبہ پڑھتی ہے تو یہ شہادت دیتی ہے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں' اور آپ کو بہ اعتبار خلقت کے اول الانبیاء اور بہ لحاظ بعثت کے آخر الانبیاء بنایا اور آپ کو عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورۂ فاتحہ دی گئی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی' اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۳۔ ۴۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

آپ کے ذکر کی رفعت سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کا واضح بیان ہے۔

دنیا میں اعلان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًاۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًاۙ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا (الفتح: ۳۔۱)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی ○ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے ○ اور اللہ آپ کو غالب نصرت عطا فرمائے ○

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے لوٹتے وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر''[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو

[1] ذنب کا معنی ہے: خطا' جرم اور اثم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجاز آہے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور معصوم کا ذنب نہیں ہوتا اس لیے یہاں ذنب سے مراد ہے: بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام۔ اب سوال یہ ہے کہ جب آپ کے گناہ نہیں ہیں تو مغفرت ذنوب کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب معصوم کے ساتھ مغفرت کا تعلق ہوتا ہے' تو اس سے مراد ہوتا ہے درجات کا بلند کرنا اور اپنی رحمت سے نوازنا۔

مجھے تمام روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے' پھر آپ نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سامنے پڑھا' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کیا جائے گا' لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان جنات میں داخل کرے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں۔ آپ نے یہ آیت ''فوزاً عظیماً'' تک تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۷۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام بخاری[1] اور امام مسلم[2] نے بھی روایت کیا ہے:

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا' لوگ کہیں گے: کاش! ہم اپنے رب کے حضور شفاعت طلب کرتے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم کو راحت عطا فرماتا' پھر وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا' آپ ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے' حضرت آدم فرمائیں گے: میں تمہارا کام نہیں کر سکتا' اور اپنی (اجتہادی) خطاء یاد کریں گے' تم نوح کے پاس جاؤ (اخیر حدیث تک) پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے کہ میں تمہارا کام نہیں کر سکتا' تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' ان کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ذکر کیا ہے کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے:

میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی خلاف اولیٰ کاموں) کو بخش دیا ہے' اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بزار نے سند جید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء (سابقین) پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' مجھ سے پہلے کسی کو وہ فضیلتیں نہیں دی گئیں' میرے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی' میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا' میری امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا' تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کو جائز کر دیا گیا' مجھے کوثر عطا کی گئی اور میری رعب سے مدد کی گئی' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہارے نبی کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور آدم اور ان کے ماسوا سب قیامت کے دن اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

1۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۹۔ ۷۰۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

2۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو "کشف الاستار"[1] میں امام بزار کی سند سے روایت کیا ہے اور "مجمع الزوائد"[2] میں ان کے حوالہ سے درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بزار کی سند جید ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے السدرۃ المنتہٰی کی بلندی پر لے جایا گیا' اس کا ہر پتا اتنا بڑا تھا کہ وہ اس امت کو چھپا لیتا' اس کے نیچے سے ایک چشمہ جاری تھا جس کا نام سلسبیل تھا اور اس سے دو دریا نکلتے تھے' ایک کوثر اور ایک رحمت' میں نے اس میں غسل کیا' پھر میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کچھ چیزیں دی گئی ہیں جن کا میں فخر سے ذکر نہیں کرتا' وہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے اور میری امت کو سب امتوں سے بہتر بنایا گیا ہے' اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلۂ طہارت بنا دیا گیا اور مجھے کوثر دی گئی اور میری رعب سے مدد کی گئی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک تمہارے پیغمبر ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والے ہوں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے غائب ہو گئے اور باہر نہیں آئے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ تشریف نہیں لائیں گے' پھر آپ باہر آئے اور آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کی روح قبض ہو گئی' پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میری امت کے متعلق مشورہ کیا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! جو تو چاہے' وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مشورہ کیا' میں نے پھر یہی کہا' اس نے پھر مشورہ کیا' میں نے پھر اسی طرح کہا' پھر اللہ نے فرمایا: اے محمد! میں نے آپ کی امت میں سزا نہیں رکھی اور مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت سے ستر ہزار کا ایک گروہ پہلے جنت میں داخل ہو گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے' ان سے حساب نہیں ہو گا' پھر اللہ نے میری طرف پیغام بھیجا: آپ دعا کریں قبول ہو گی۔ آپ سوال کریں آپ کو دیا جائے گا۔ میں نے اللہ کے سفیر سے کہا: کیا اللہ میرے سوال کو عطا کرے گا؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کرنے کے لیے ہی تو بھیجا ہے' اور میں بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے یہ چیزیں عطا کی ہیں: میرے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھے یہ نعمت دی کہ میری امت بھوکی نہیں رہے گی اور نہ مغلوب ہو گی' اور مجھے جنت میں ایک نہر کوثر عطا کی جو میرے حوض میں بہ رہی ہے' اور مجھے عزت اور نصرت عطا کی' اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری رہتا ہے اور مجھے یہ نعمت دی کہ میں انبیاء میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا' اور میرے اور میری امت کے لیے غنیمت کو حلال کر دیا' اور ہم سے پہلی امتوں پر جن بہت سی چیزوں میں سختی کی گئی تھی وہ ہم پر حلال کر دیں اور ہم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی اور میں نے (ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے) اس سجدہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں پایا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۲ـ ۱۳۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار ج ۳ ص ۱۴۷' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۴ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ

حافظ ابن کثیر نے سورۂ فتح کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے' آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے اور اطاعت' نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۲۹' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مغفرت کی نسبت کے محامل

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا: ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے کیونکہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا' نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ ''لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا' اس آیت میں مغفرت' عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب ''نہایۃ السول فیما سنح من تفضیل الرسول'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے' پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بظاہر خلافِ اولیٰ کاموں) کو بخش دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی' یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب نفسی نفسی کہیں گے اور ہیبت الٰہی سے شفاعت نہیں کریں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے: یہ میرا کام ہے' اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لیے فتح مبین کو ثابت کیا' پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا' پھر اپنی نعمت پوری کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطاء رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے' فتح مبین عطا فرمائی جو اجابت کی علامت ہے' مغفرت عطا فرمائی جو محبت کی علامت ہے' اتمام نعمت سے سرفراز کیا جو آپ کے اختصاص کی نشانی ہے اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے' پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ کی تنزیہہ ہے اور اتمام نعمت سے مراد آپ کو درجۂ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات وصفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے' جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۷۳۔ ۷۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حضور کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر حضور کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سربلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ مغفور ہیں اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا' بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(شفاء ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:

علامہ تجانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے: اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا' کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور مؤخر دونوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ مؤخر کا وجود ہی نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ مؤخر' سو آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقسوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے' حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیۂ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت عبادت کا جو حال مشہور تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بلندی پر جو دلالت ہے اس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزے رکھے اور نفلی نمازیں پڑھیں حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے اور سالخوردہ مشک کی طرح آپ کا جسم لاغر ہو گیا' آپ سے کہا گیا کہ آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۹۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

بعض علماء نے اس آیت کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی امت کے گناہ معاف کر دیئے' یعنی مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ نہیں ہے' حضرت آدم اور آپ کی امت کے ساتھ ہے۔ ملا علی قاری اس سے اختلاف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:
اس شخص کا قول بہت بعید ہے جس نے یہ کہا کہ آپ کے اگلے ذنب سے مراد حضرت آدم کے ذنب ہیں اور آپ کے پچھلے ذنب سے مراد امت کے ذنب ہیں' اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے آپ کے وہ افعال مراد ہیں جن کو آپ نے سہواً ترک کر دیا یا جن میں آپ نے نسیان سے تاخیر کر دی اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے کوئی بھی مستغنی نہیں ہے' اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے سبب سے نجات نہیں پائے گا' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: میں بھی نہیں' ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عدل کرے تو تمام اولین اور آخرین کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے' ہم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں اور اس کے عدل سے اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۱۸۱ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

باعث تخلیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور دعا کی: میں محمد کے حق سے سوال کرتا ہوں تو میری مغفرت فرما' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کون ہیں؟ حضرت آدم نے کہا: جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تھا' وہاں یہ لکھا ہوا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' سو میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تیرے نزدیک بہت عظیم مرتبہ کا ہوگا' اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! وہ آپ کی اولاد سے آخر النبیین ہیں اور ان کی امت آپ کی اولاد میں سے آخری امت ہے' اور اے آدم! اگر وہ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔
(معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳ 'مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو "معجم صغیر" اور "معجم اوسط" کے حوالے سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)
امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے۔
(الوفاء ج ۱ ص ۳۳ 'مطبوعہ مکتبہ رضویہ' فیصل آباد)

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں:
اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا' حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا؟ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' تو میں نے جان لیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا وہ تجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا' اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! آپ نے سچ کہا' بے شک وہ مجھے اپنی تمام مخلوق میں بہت زیادہ محبوب ہیں اور جب آپ نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا' اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کی سند میں عبد الرحمٰن بن زید ایک ضعیف راوی ہیں۔
(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام حاکم نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ ہیں: اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا' اور امام حاکم

نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد پر ایمان لایئے اور اپنی امت کو حکم دیں جوان کا زمانہ پائے وہ ان پر ایمان لائے' اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا' نہ جنت کو پیدا کرتا' نہ دوزخ کو پیدا کرتا' میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا' میں نے اس پر لکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' تو وہ ساکن ہو گیا' اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵ 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ سے قریش کو فضیلت دی اور قریش سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم سے مجھے فضیلت دی۔[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قریش اپنی مجلسوں میں اپنے حسب ونسب کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی مثال وہ اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی زمین میں کھجور کا درخت ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان کے بہترین فریقین میں رکھا' پھر اللہ نے مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا' پھر سب سے افضل گھر میں رکھا' پس گھرانے اور شخصیت کے اعتبار سے میں سب سے افضل ہوں۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں سے اٹھنے والوں میں' میں سب سے پہلا ہوں' جب لوگوں کے وفد آئیں گے تو میں خطبہ دوں گا' اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں بشارت دوں گا' اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا' اولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک میں سب سے مکرم ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمین شق ہو گی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا' مجھے جنت کے حلوں میں سے حلہ پہنایا جائے گا' پھر میں عرش کی دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور میرے سوا مخلوق میں سے کوئی شخص اس مقام پر کھڑا نہیں ہو گا۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا' اور میں ہی ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا' اس پر فخر نہیں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

---

1. امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ
2. امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص ۵۱۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اولاد آدم کا میں سردار ہوں گا' اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم اور ان کے علاوہ جتنے نبی ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور جب زمین شق ہوگی تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور اس پر فخر نہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قائد المرسلین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کی شفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۶ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر اور ریا نہیں ہے' اور قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشادگی کا انتظار کر رہا ہوگا اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا' جب میں چلوں گا تو لوگ میرے ساتھ چلیں گے حتیٰ کہ میں جنت کے دروازہ پر پہنچ کر اس کو کھلوا دوں گا' کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ میں کہوں گا: محمد' اس وقت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھ کر اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا' مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھایئے' آپ کہیے آپ کی بات مانی جائے گی' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی' پھر اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے ایسے لوگ نکالے جائیں گے جو جل چکے ہوں گے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا' آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا: جب آدم کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی جا رہی تھی[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۱۹ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ (التوبۃ: ۲۴)

آپ فرمایئے کہ تمہارے باپ دادا' اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں خوف ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو پھر انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ماں باپ اور بھائی بہنوں سے طبعی محبت ہوتی ہے' بیوی سے شہوانی محبت ہوتی ہے اور مال و دولت' تجارت اور مکانوں سے عقلی محبت ہوتی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ محبت کی جو قسم بھی ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مغلوب کر دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر محبت پر غالب کر دو۔

[1] حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ۵۷۱ھ' مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۹ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی وہ اپنی جان سے' ماں باپ اور اولاد سے' بیویوں سے اور مال و دولت سے اور ہر چیز سے زیادہ تھی' جنگ بدر میں حضرت ابوبکر اپنے بیٹے کے خلاف صف آرا تھے' جنگ احد میں حضرت ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا' حضرت مصعب بن عمیر نے جنگ احد میں اپنے بھائی کو قتل کر دیا' جنگ بدر میں حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا اور حضرت علی نے اپنے کئی رشتہ داروں کو قتل کر دیا۔

(نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں: ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک عورت کا باپ' بھائی اور شوہر قتل کر دیا گیا' اس نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے کہا: الحمد للہ! وہ تمہاری تمنا کے مطابق خیریت سے ہیں' اس نے کہا: مجھے دکھاؤ' حتیٰ کہ میں آپ کو دیکھ لوں' جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا: آپ (کی خیریت) کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ (شفاء ج ۲ ص ۱۸' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ کفار مکہ حضرت زید بن دثنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے جانے لگے۔ اس وقت ان سے ابوسفیان بن حرب نے کہا: اے زید! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تمہارے بدلے ہم ان کی گردن اتار دیتے؟ حضرت زید نے کہا: خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور آپ کے کانٹا چبھ جائے' ابوسفیان نے کہا: میں نے اصحاب محمد کی طرح کسی شخص کو کسی سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ (شفاء ج ۲ ص ۱۹' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت حنظلہ بن ابی عامر اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مشرک اور منافق باپ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی' حضرت حنظلہ بن ابی عامر جنگ احد میں شہید ہو گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں' جاؤ ان کی بیوی سے جا کر پوچھو' بیوی نے کہا: جس وقت انہوں نے جہاد کی آواز سنی تو یہ غسل کیے بغیر حالت جنابت میں جہاد کے لیے نکل گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی لیے فرشتے ان کو غسل دے رہے تھے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۳۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

یہ اپنی جان' اپنے ماں باپ' اولاد اور رشتہ داروں کی طبعی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی مثالیں ہیں' اور حنظلہ بن ابی عامر کے واقعہ میں شہوانی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے اور جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مکہ میں اپنے مال و دولت' مکانات اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی اس میں ان کی عقلی محبت سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا بیان ہے' ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر محبت پر غالب تھی' صرف انسان ہی نہیں' شجر و حجر اور حیوان بھی آپ سے محبت کرتے تھے' آپ نے فرمایا: احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے' کھجور کا تنا آپ کے فراق میں چیخیں مار کر روتا تھا' اور جب آپ قربانی کرتے تو ہر اونٹنی آگے بڑھ بڑھ کر آپ کی چھری کے قریب ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری و سنن ابوداؤد)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے' آپ (حجرے سے) نکل کر ان کے قریب ہو کر ان کی باتیں سننے لگے' ان میں سے بعض نے تعجب سے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی

مخلوق سے ایک خلیل بنانے لگا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا' ایک اور نے کہا: حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' دوسرے نے کہا: اور حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا' آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہارا کلام اور اس پر تعجب سنا کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں' وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں' وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' وہ ایسے ہی ہیں اور آدم کو اللہ نے صفی بنایا اور وہ ایسے ہی ہیں' سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے' میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے' میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں' اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور اس پر فخر نہیں' میں سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا' پھر اللہ میری خاطر جنت کو کھولے گا اور اس میں مجھ کو داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں' اور امام بخاری روایت کرتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرا یہی گمان ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان

قاضی عیاض مالکی نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابوبکر بن فورک کے حوالے سے لکھا ہے:

خلیل' اللہ تک بالواسطہ پہنچے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام: ۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی دکھائی۔

اور حبیب' اللہ تک بلاواسطہ پہنچے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (النجم: ۹۔۸)

پھر (اللہ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) قریب ہوا' پھر زیادہ قریب ہوا ۝ پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ کے قریب ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے ۝

خلیل کی مغفرت کا بیان مرتبہ طمع میں ہے:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء: ۸۲)

اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرما دے گا ۝

اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین میں ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ . (الفتح: ۲۔۱)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی ۝ تاکہ اللہ آپ کے لیے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے۔

خلیل نے دعا کی کہ اللہ انہیں روز حشر شرمندہ نہ کرے:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الشعراء: ۸۷)

اور مجھے روز حشر شرمندہ نہ فرمانا ۝

اور حبیب کو بن مانگے یہ مقام عطا فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (التحریم: ۸)

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو شرمندہ کرے گا نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

امتحان کے موقع پر خلیل نے کہا:

حَسْبِيَ اللّٰهُ۔

مجھے اللہ کافی ہے۔

اور حبیب کے لیے اللہ نے از خود فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال: ۶۴)

اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور وہ ایمان لانے والے کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے ۝

خلیل نے دعا کی:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء: ۸۴)

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری کر دے ۝

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح: ۴)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ۝

سو قیامت تک کلمہ، اذان، نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی:

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ (ابراہیم: ۳۵)

اور مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے اجتناب پر برقرار رکھ ۝

اور حبیب کے لیے بلا طلب از خود فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۳۳)

اے اہل بیت رسول! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے ۝

قاضی عیاض فرماتے ہیں: ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ کے مقامات کی افضلیت کی ایک جھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔ (شفاء ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۳ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

کلیم اور حبیب میں فرق کا بیان

کلیم اور ان کے بھائی حضرت ہارون نے فرعون کے پاس جاتے وقت اپنا خوف عرض کیا:

رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ (طٰہٰ: ۴۵)

اے ہمارے رب! ہمیں یہ خدشہ ہے کہ وہ (فرعون) ہم پر کوئی زیادتی یا سرکشی کرے گا ۝

اور حبیب کے لیے از خود فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (المائدہ: ۶۷)

اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

کلیم دعا کرتے ہیں:

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ۙ۝ (طٰہٰ: ۲۵)
اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے ۝

حبیب کے لیے از خود فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ۝ (الم نشرح: ۱)
کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا ۝

کلیم دعا کرتے ہیں:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ (الاعراف: ۱۴۳)
اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

حبیب سے فرمایا:

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ ۔ (الفرقان: ۴۵)
کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔

کلیم سے فرمایا:

لَنۡ تَرٰىنِیۡ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)
تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

حبیب سے فرمایا:

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۝ ۔ (النجم: ۱۷)
نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی ۝

کلیم اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں:

وَ عَجِلۡتُ اِلَیۡکَ رَبِّ لِتَرۡضٰی ۝ (طٰہٰ: ۸۴)
۔اے میرے رب! میں نے تیرے پاس حاضر ہونے میں جلدی کی تا کہ تو راضی ہو جائے ۝

اور حبیب کی رضا رب تعالیٰ چاہتا ہے:

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰىہَا ۪ ۔ (البقرہ: ۱۴۴)
ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ راضی ہوں گے۔

وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ۝ (الضحیٰ: ۵)
اور بے شک آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۝

وَ مِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَ اَطۡرَافَ النَّہَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی ۝ (طٰہٰ: ۱۳۰)
اور رات کے کچھ اوقات اور دن کے کناروں میں تسبیح کیجیے تا کہ آپ راضی رہیں ۝

کلیم نے اپنے اور اپنی قوم کے لیے دعا کی:

وَ اکۡتُبۡ لَنَا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۔ (الاعراف: ۱۵۶)
ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں۔

حبیب کی امت کے متعلق فرمایا:

فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ ۔ (الاعراف: ۱۵۷۔۱۵۶)
عنقریب میں اس (بھلائی) کو ان لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ۝ جو اس رسول نبی امی (اللقب) کی پیروی کرتے ہیں جس کا نام ان کے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

دیکھیے مانگا حضرت کلیم نے اور ملا آپ کے غلاموں کو معلوم ہوا کہ زمانہ کسی نبی کا ہو کسی رسول کا ہو سکہ چلتا تھا تو مصطفےٰ کا چلتا تھا اور ڈنکا بجتا تھا تو مصطفےٰ کا بجتا تھا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی افضلیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی لینے کے لیے طور پر جانا پڑا اور آپ کو کلام الٰہی کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا' آپ جہاں ہوتے کلام الٰہی وہیں نازل ہو جاتا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے زمین پر لاٹھی ماری تو پانی نکل آیا' لیکن زمین میں عادۃً پانی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل پڑے اور جہاں عادۃً پانی نہیں ہوتا وہاں سے پانی نکل آیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا اور وہ اس سے زرہ بنا لیتے تھے لیکن لوہے کو بھی عادۃً آگ سے گرم کیا جا سکتا ہے' آپ کے لیے تو پتھر نرم ہو گیا جو کبھی نرم نہیں ہوتا' حافظ ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں گئے اور آپ نے اس میں سر مبارک داخل کیا تو وہ نرم ہوتا چلا گیا' اور ''صحیح بخاری'' میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۵۸۵) دیکھیے پتھر وہ جنس ہے جس میں محبت پیدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ جس شخص کو کسی سے محبت نہ ہو اس کو سنگدل کہتے ہیں' لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے کہ جس چیز کی حقیقت میں محبت نہیں ہے' وہاں بھی اپنی محبت پیدا کر دی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہاڑ نے تسبیح کی اور آپ کے ہاتھ میں سنگ ریزوں نے تسبیح پڑھی' کہاں لوہے کا نرم ہونا اور کہاں پتھروں کا محبت کرنا' سنگ ریزوں کا تسبیح پڑھنا۔

حضرت داؤد سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى . (ص: ۲۶) اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم: ۳) وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے ۝

سبحان اللہ! آپ وہ ہیں جن کی اللہ کی رضا کے مقابلہ میں اپنی کوئی خواہش نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے گفتگو کا ملکہ دیا اور جنات اور ہوا کو مسخر کیا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکری کے گوشت کے ٹکڑے نے کلام کیا' اور آپ سے کہا: مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' ہرن اور اونٹ نے آپ سے شکایت کی اور سنگ ریزوں نے آپ کے ہاتھ پر تسبیح پڑھی' پتھروں نے سلام عرض کیا اور درختوں نے آپ کی اطاعت کی' آپ کے حکم سے درخت ایک جگہ سے دوسری جگہ چل کر آیا اور پھر واپس چلا گیا' یہ امور پرندوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی بہ نسبت زیادہ عجیب و غریب اور باکمال ہیں' ہوا کے مسخر کرنے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں اڑتے تھے اور صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے اور شام کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ . (سبا: ۱۲) اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی۔

ہوا مسخر سہی' لیکن حضرت سلیمان جس جگہ کا قصد کرتے انہیں وہاں جانا پڑتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔ آپ جس جگہ کا جہاں قصد کرتے وہ جگہ وہیں آ جاتی تھی' معراج سے واپسی کے بعد جب کفار قریش نے آپ سے

بیت المقدس کے متعلق سوالات کیے تو بیت المقدس کو آپ کے سامنے دار ارقم میں لا کر رکھ دیا گیا۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۰ 'مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

نیز آپ نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها.

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا اور میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اور رہا حضرت سلیمان کے لیے جنات کا مسخر ہونا تو اس کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے جنات مسلمان ہو گئے اور جنت کا مسخر ہونا اور بات ہے اور ان کا مسلمان ہونا اور چیز ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندھوں اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن نعمان کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لوٹا دی' حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی جوڑ دی' آپ کے بلانے سے درخت چل کر آ گئے' کھجور کا تنا آپ کے فراق میں چیخیں مار کر رویا' اور یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کہیں بڑھ کر کمالات اور معجزات ہیں' کیونکہ مردے میں پہلے جان آ چکی ہوتی ہے' آپ نے ان چیزوں میں حیات جاری کی جہاں عادۃً حیات نہیں ہوتی' آنکھ والے کو دکھانا اور کان والے کو سنانا اور بات ہے اور بغیر آنکھوں کے دکھانا اور بغیر کانوں کے سنانا اور چیز ہے۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات اور کمالات دیئے گئے وہ تمام نبیوں کے معجزات اور کمالات سے فائق اور ان پر غالب تھے' آپ کے معجزات کی تعداد' کیفیات اور حیثیات ہر اعتبار سے سب پر بلند و بالا تھے' دوسرے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کرتے ہی معجزات پیش کیے اور آپ نے اعلانِ نبوت کے بعد کسی معجزہ کو پیش کرنے کی بجائے اپنی زندگی کو پیش کر دیا اور یوں ظاہر ہوا کہ آپ کو اپنی نبوت ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی معجزہ کی احتیاج نہیں تھی' آپ کی زندگی خود سراپا معجزہ تھی' یوں ہی تو نہیں فرمایا تھا: "لَعَمْرُكَ. (الحجر: ۷۲) تمہاری زندگی کی قسم!"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ (المؤمنون: ۲۶) اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ۝

آپ سے بلاطلب فرمایا:

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح: ۳) اور اللہ آپ کی قوی مدد فرمائے گا ۝

حضرت نوح نے اپنی قوم کے کافروں کی ہلاکت کی دعا کی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ۝ (نوح: ۲۶)

اور آپ سے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ (الانفال: ۳۳)

سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب

حدیث میں ہے: سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو' کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے' میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا' میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا' اس وقت حضرت موسیٰ عرش کی ایک جانب پکڑے کھڑے ہوں گے' میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ "صحیح بخاری" کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے: اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ ہو کہ آپ مطلقاً سب سے پہلے قبر سے اٹھائے جائیں گے اور مسلم کی روایت میں جو ارشاد ہے وہ بعد کا واقعہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۵۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ وشتانی ابی مالکی نے بھی اس تعارض کا یہی جواب دیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۹۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

جس حدیث میں آپ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے' اس کے جوابات

امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں (کسی کو) فضیلت نہ دو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

"صحیح بخاری" کی ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا ممنوع ہے حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے' اس تعارض کے جواب میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ "انبیاء میں کسی کو فضیلت نہ دو" اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر علم کے کسی نبی کو کسی پر فضیلت نہ دو' ورنہ انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے: "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ (البقرہ: ۲۵۳) یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فضیلت کا علم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی تنقیص کو مستلزم ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی دل آزاری کا موجب ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نبوت میں فرق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول تواضع پر محمول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۵۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اے ایمان والو! ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ

اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ (کافروں کی) کسی سے دوستی ہو گی اور نہ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

(کفار کے لیے) شفاعت ہو گی' اور کفار ہی ظالم ہیں O

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو بدن کے ساتھ جہاد کرنے پر برانگیختہ کیا تھا اور چونکہ جہاد اور قتال کے لیے مال کو خرچ کرنا بہت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں مال کے خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے اور اس حکم کو قیامت کے دن کی یاد دلا کر مزید مؤکد فرمایا ہے۔ دنیا میں تو انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کے لیے بعض چیزیں خرید لیتا ہے' کبھی کوئی دوست اس سے تکلیف دور کر دیتا ہے' کبھی کسی کی سفارش سے اس سے مصیبت ٹل جاتی ہے' لیکن قیامت کے دن کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سفارش۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کون سا خرچ مراد ہے' بعض علماء نے کہا: اس سے قتال اور جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس سے زکوۃ اور صدقات فرضیہ مراد ہیں اور صدقات نفلیہ مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خرچ نہ کرنے پر وعید فرمائی ہے اور نفل کے ترک کرنے پر وعید نہیں ہوتی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں وعید نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ قیامت کا دن آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جب تک تم دنیا میں ہو آخرت کے لیے منافع حاصل کرو' کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انتفاع کا بیان

ہر چند کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی کسی سے دوستی کام نہیں آئے گی نہ کسی کی کسی کے لیے سفارش کام آئے گی لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات سے یہ متعین ہو گیا ہے کہ یہ محرومی صرف کفار کے لیے ہے اور مسلمانوں کی مسلمانوں سے دوستی بھی کام آئے گی اور سفارش بھی' قرآن مجید میں ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ؕ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ۚ (الزخرف: ۶۹-۶۷)

متقین کے سوا گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے O اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے O جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے احکام کے تابع رہے O

اور مسلمانوں کی شفاعت کے متعلق فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى . (الانبیاء: ۲۸)

اور (فرشتے) صرف اس کی شفاعت کرتے ہیں جس (کی

شفاعت) پر اللہ راضی ہو۔

شفاعت پر سیر حاصل بحث ہم البقرہ: ۴۸ میں بیان کر چکے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ

اللہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ زندہ (جاوید) ہے اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہے اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (سب) اسی کی ملکیت ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ

میں شفاعت کرے وہ جانتا ہے جو ان (لوگوں) کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور اس کے علم میں سے وہ

بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

(لوگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی (حکومت) آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے

وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ

اور ان کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہی بہت بلند بڑی عظمت والا ہے ○ دین میں جبر نہیں ہے

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ

بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے سو جو شخص طاغوت سے کفر کر کے اللہ پر ایمان لے آیا

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

تو اس نے ایسا مضبوط دستہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

بہت جاننے والا ہے ○

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق عقائد اور مختلف احکام شرعیہ کو بار بار ایک دوسرے کے بعد دہراتا رہتا ہے، مسلسل عقائد کا ذکر جاری رہتا ہے نہ متواتر احکام کا، تاکہ قاری کا ذہن اکتاہٹ کا شکار نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ عقائد کے مضمون کے بعد احکام کا مضمون شروع کر دیتا ہے اور عقائد میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے مضمون کا تنوع ہے اور اسی طرح احکام میں بھی مختلف انواع کے حکم کا ایک دوسرے کے بعد ذکر فرماتا ہے تاکہ قاری یکسانیت کا شکار نہ ہو

اور ہر بار اس کو غور و فکر کی نئی راہیں ملیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ نجات کا مدار انسان کے اعمال صالحہ پر ہے اور قیامت کے دن اس کا مال' اس کی دوستی اور کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی اور یہ فرمایا تھا کہ تمام رسل علیہم السلام کے مراتب اور درجات اگرچہ متفاوت اور مختلف ہیں لیکن تمام رسولوں کی دعوت اور ان کا پیغام واحد ہے اور ان کا دین واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کو واحد مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی جامع آیت' آیت الکرسی ہے' ہم پہلے آیت الکرسی کے مفردات کے معانی بیان کریں گے اور پھر اس کے فضائل کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے۔

آیت الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح

اللہ: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ ذات جو واجب الوجود (قدیم بالذات) ہو' تمام صفات کمالیہ کی جامع ہو اور تمام نقائص سے بری ہو اور عبادت کی مستحق ہے۔

الحی: جو ہمیشہ سے از خود زندہ ہو' اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہ ہو' اور ہمیشہ زندہ رہے' اور کبھی اس پر موت نہ آئے۔

القیوم: جو از خود قائم ہو' دوسروں کا قائم کرنے والا ہو' جو تمام کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے اور ان کے نظام کی تدبیر فرماتا ہے۔ "وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ" (الروم: ۲۵) اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں"۔

اونگھ اور نیند سے بری: تھکاوٹ اور سستی سے غفلت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اونگھ ہے اور یہ نیند کا مقدمہ ہے اور نیند کا معنی ہے: دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جانا جس کے بعد علم اور ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور اور ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غفلت محال ہے' وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اس کے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر آن اور ہر لحہ اس کائنات میں تبدیلی اور تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کے علم اور اس کی توجہ سے ہو رہا ہے' وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حال کا عالم ہے' بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے: تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق' سب اس کے بندے اور اس کی ملکیت ہیں' ہر چیز اس کی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم: ۹۳) آسمانوں اور زمینوں میں ہر ایک رحمان کے حضور عبد بن کر حاضر ہوگا۔

اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت نہیں ہو گی: اللہ تعالیٰ کی عظمت' جلالت اور اس کی کبریائی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے حضور شفاعت نہیں کر سکے گا' حشر کے دن تمام انبیاء' رسل' اولیاء' علماء اور شہداء اللہ تعالیٰ کے جلال سے سہمے ہوئے ہوں گے' اس دن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہو گی' پھر اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حد کے مطابق شفاعت فرمائیں گے' یہ حدیث تفصیل کے ساتھ باحوالہ "ورفع بعضھم درجت" کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور لوگوں کو اتنا ہی علم ہے جتنا اس نے دیا: اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات کے ماضی' حال

اور مستقبل کو محیط ہے' وہ دنیا اور آخرت کے تمام امور کو تفصیلاً جانتا ہے' اس کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے' مثلاً ایک ذرہ کو کتنے انسانوں' کتنے جانوروں' کتنے جنات اور کتنے فرشتوں نے دیکھا' اس ایک ذرہ کی دیگر ذرات کے ساتھ کتنی نسبتیں ہیں' اس پر کتنے ہوا کے جھونکے اور کتنے بارش کے قطرے گزرے' اس میں کتنے فائدے' کتنے نقصانات' کتنی حکمتیں ہیں' اس ذرہ کی کتنی عمر ہے' وہ کہاں کہاں رہا اور ایسی بے شمار وجوہ ہیں' تمام کائنات کا علم تو الگ رہا ایک ذرہ کے متعلق اللہ کا علم کتنا وسیع ہے انسان کی عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی' مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔

اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے: کرسی کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں' کرسی سے مراد علم ہے' اسی وجہ سے علماء کو بھی کراسی کہتے ہیں' یا اس لیے کہ انسان کرسی پر ٹیک لگاتا ہے اور اعتماد کرتا ہے اور علماء کا اعتماد بھی علم پر ہوتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد عظمت ہے' ایک قول یہ ہے کہ کرسی سے مراد ملک اور حکومت ہے۔ امام مقدسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی کرسی تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور وہ اس طرح چرچراتی ہے جیسے نیا پالان سواروں کے بوجھ سے چرچراتا ہے۔ (الاحادیث المختارہ ج ۱ ص ۲۲۸' مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

کرسی کے متعلق حافظ سیوطی نے بہت احادیث ذکر کی ہیں' ہم ان میں سے چند احادیث ذکر کر رہے ہیں:

امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو بچھا دیا جائے تب بھی وہ کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے ایک انگشتری کسی وسیع میدان میں پڑی ہو۔

امام ابن جریر' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان اور سات زمینیں کرسی کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا چھلہ پڑا ہو' اور عرش کی فضیلت کرسی پر اس طرح ہے جیسے جنگل کی فضیلت اس انگوٹھی کے چھلے پر ہے۔

امام ابوالشیخ نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

امام رازی کا مختار یہ ہے کہ کرسی ایک عظیم جسم ہے جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے۔ وہ فرماتے ہیں: بغیر کسی دلیل کے ظاہر قرآن اور ظاہر حدیث سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۱۳ ۔ ۳۱۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

کرسی کا معنی ہے: جس پر کوئی شخص بیٹھے اور بیٹھنے کے بعد اس میں جگہ نہ بچے اور یہاں یہ کلام بطور تمثیل ہے' ورنہ کوئی کرسی ہے نہ کوئی بیٹھنے والا' اکثر متاخرین نے یہی کہا ہے تاکہ اللہ کے لیے جسم ہونا لازم نہ آئے' اور احادیث میں بھی استعارہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور حق وہی ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور توہم جسمیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار لازم آئے گا اور متقدمین نے یہ کہا کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور حقیقت میں اس سے کیا مراد ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ کو نہیں تھکاتی: آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ پر بھاری اور دشوار نہیں ہے بلکہ اللہ کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے' وہ ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے' وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا

ہے' اس کا ارادہ اٹل ہے اور جس کا وہ ارادہ کرلے اس کو ضرور کر گزرتا ہے' وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے سے بلند اور برتر ہے اور وہی سب سے عظیم ہے' کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے۔

آیت الکرسی کے فضائل

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام حاکم' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (امتحاناً) سوال کیا کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ انہوں نے کہا: آیۃ الکرسی! آپ نے فرمایا: اے ابوالمنذر! تم کو یہ علم مبارک ہو۔

امام بخاری نے اپنی ''تاریخ'' میں' امام طبرانی اور امام ابونعیم نے مستند راویوں سے روایت کیا ہے: حضرت ابن الاسقع بکری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ '' (البقرہ: ۲۵۵) اور پوری آیت پڑھی۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھا' اللہ تعالیٰ اس کو دوسری نماز تک اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور آیت الکرسی کی حفاظت صرف نبی' صدیق یا شہید ہی کرتا ہے۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی کو پڑھے اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (امام نسائی از حضرت ابوامامہ' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰' عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۹' امام طبرانی از حضرت ابوامامہ' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۱۴' مسند الشامیین ج ۲ ص ۹' کتاب الدعا ص ۲۱۳' امام ابن السنی' عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۳' حافظ الہیثمی' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰۲)

امام بخاری' امام نسائی اور امام ابونعیم نے ''دلائل'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور کیا' ایک شخص آیا اور مٹھی بھر طعام لے جانے لگا' میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا' اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو' میں محتاج اور عیال دار ہوں اور مجھے بڑی سخت ضرورت تھی' میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! گزشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے اپنی سخت حاجت بیان کی' مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا' آپ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے اور وہ پھر آئے گا' مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا تو میں اس کی گھات لگا کر بیٹھا' وہ آیا اور مٹھی بھر طعام لے جانے لگا' میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا' اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو' میں ضرورت مند اور عیال دار ہوں' میں دوبارہ نہیں آؤں گا' مجھے اس پر ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا' صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات کے تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے اپنی اور اپنے عیال کی سخت مجبوری بیان کی' مجھے ترس آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا' آپ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے وہ پھر آئے گا۔ میں تیسری رات پھر اس کی گھات میں بیٹھا' وہ آیا اور پھر مٹھی بھر کر طعام لے جانے لگا' میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: آج آخری بار ہے' میں تجھ کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا' تو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں آؤں گا اور پھر آجاتا ہے' اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں تم کو چند ایسے کلمات بتاتا ہوں جن سے تم کو نفع ہوگا' میں نے پوچھا: وہ کون سے کلمات ہیں؟ اس نے کہا: جب تم

بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھنا تو صبح تک اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہارے پاس صبح تک شیطان نہیں آئے گا' صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہے تو وہ جھوٹا لیکن یہ بات اس نے سچ کہی ہے۔

امام ابن الضریس نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بستر پر لیٹ کر آیۃ الکرسی پڑھتا ہے صبح تک دو فرشتے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ (الدرالمنثور ج ا ص ۳۲۷۔ ۳۲۲ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ 'ایران)

کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق

آیۃ الکرسی کی اس بحث میں ہم کرسی پر بیٹھنے کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں تشدد کیا ہے اور کرسی پر بیٹھنے کو ناجائز اور مکروہ تحریمی لکھا ہے اور بعض علماء نے کرسی پر بیٹھنے کو بدعت کہا ہے۔

علامہ ابوطالب مکی لکھتے ہیں:

پہلے صوفیاء کے بیٹھنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مجتمع ہو کر گھٹنوں کو کھڑا کر لیتے تھے' بعض اپنے قدموں پر بیٹھتے اور اپنی کہنیاں گھٹنوں پر رکھ لیتے' خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے زمانہ سے علماء دین کا یہی طریقہ تھا۔ حسن بصری کے زمانہ سے لے کر ابوالقاسم جنید تک صوفیاء کا یہی طریقہ تھا' اس وقت تک کرسیاں نہیں ہوتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ اکڑوں بیٹھتے تھے اور گھٹنوں کے گرد کلائیوں سے حلقہ بنا لیتے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ قدموں پر بیٹھتے تھے اور کلائیاں گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے۔ صوفیاء میں سے جو شخص سب سے پہلے کرسی پر بیٹھا وہ مصر کے یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تھے اور بغداد میں ان کی موافقت ابوحمزہ نے کی اور مشائخ نے ان کی مذمت کی۔ کرسی پر بیٹھنا ان عارفین کی سیرت سے نہیں ہے جو علم معرفت میں کلام کرتے ہیں' چارزانو (آلتی پالتی مار کر بیٹھنا) نحویوں' لغویوں' دنیادار علماء اور مفتیوں کا طریقہ ہے اور یہ متکبرین کی وضع ہے اور تواضع کا طریقہ سمٹ کر یا جز کر بیٹھنا ہے۔

(قوت القلوب ج ا ص ۱۷۶ 'مطبوعہ مطبعہ میمنیہ 'مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابوطالب مکی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھنا اور چارزانو بیٹھنا جنید بغدادی کے بعد صوفیاء میں شروع ہوا' عہد صحابہ سے لے کر جنید تک یہ طریقہ نہیں تھا' سو یہ بدعت اور سنت کے خلاف ہے اور متکبرین کے بیٹھنے کا طریقہ ہے۔

علامہ ابوطالب مکی کی رائے صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کے خلاف ہے' کرسی پر بیٹھنا انبیاء علیہم السلام' فرشتوں اور صحابہ کا طریقہ ہے اور چارزانو بیٹھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' پہلے ہم کرسی پر بیٹھنے کے متعلق بحث کریں گے اس کے بعد چارزانو بیٹھنے پر گفتگو کریں گے۔

کرسی کا لغوی معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

کرسی لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر بیٹھا جاتا ہے' ثعلب نے کہا: کرسی وہ ہے جو عرب کے نزدیک بادشاہوں کی کرسی کی حیثیت سے معروف ہے (ٹیک لگانے کی قید سے کرسی تخت سے ممتاز ہوگئی)۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۱۹۴ 'مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم 'ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

زمخشری نے کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس پر بیٹھنے کے بعد مقعد سے زائد جگہ نہ بچے (یہ تخت اور کرسی میں فرق ہے' تخت پر بیٹھنے کے بعد جگہ باقی رہتی ہے اور کرسی میں نہیں رہتی)۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۶۶ 'ج ۹ ص ۲۳۷ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ 'مصر' ۱۳۴۸ھ)

قرآن مجید' احادیث اور آثار سے کرسی پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز

قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھتے تھے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا. اور بے شک ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا۔ (ص: ۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں جا رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی' میں نے نظر اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ میں نے حرا میں دیکھا تھا وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کرسی پر بیٹھے ہیں' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابورفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا' اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مسافر آیا ہے' وہ دین کے متعلق سوال کر رہا ہے' وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئے' حتیٰ کہ میرے پاس آئے' ایک کرسی لائی گئی آپ اس پر بیٹھ گئے' میرا گمان ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے مجھے دین کی تعلیم دی' پھر آ کر اپنا خطبہ مکمل کیا۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۲۸۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر اس لیے بیٹھے تھے کہ سب لوگ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی زیارت کریں[1] اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی کرسی تھی' امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات میں نے گھر میں آہٹ سنی تو باہر جبرئیل علیہ السلام تھے' میں نے کہا: آپ گھر کے اندر کیوں نہیں آتے؟ کہا: گھر میں کتا ہے' میں نے گھر جا کر دیکھا تو کرسی کے نیچے حسن کے کتے کا بچہ تھا۔ (مسند احمد ج ا ص ۱۰۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھے تھے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا اور کہا: اس بیٹھنے کی جگہ پر حضرت عمر بھی بیٹھے تھے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۲۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اور متعدد احادیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کرسی پر بیٹھے تھے' امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کے لیے کرسی لائی گئی اور وہ اس پر بیٹھے۔

(سنن نسائی ج ا ص ۲۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

امام نسائی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام احمد نے بھی اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔

(مسند احمد ج ا ص ۱۳۹۔ ۱۲۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم ج ا ص ۲۸۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۵ ص ۸۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں بھیجے ہوئے بارہ صحابہ کے متعلق فرمایا: وہ شہید ہو گئے' ان کے چہرے جنت میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے' ان کے لیے سونے کی کرسیاں لائی گئیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

کرسی پر بیٹھنے کے جواز کو بیان کرنے کے بعد اب ہم چار زانو (آلتی پالتی مار کر) بیٹھنے کا جواز بیان کر رہے ہیں:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اچھی طرح سورج نکلنے تک چار زانو بیٹھے رہتے تھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دین میں جبر نہیں ہے' بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۶)

دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق

اس سے پہلے آیت الکرسی میں اللہ عزوجل کی صفات بیان کی گئی تھیں' اور یہ بتایا گیا تھا کہ تمام آسمانوں میں صرف اسی کی سلطنت ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے اس کو تھکاوٹ نہیں ہوتی اور اس کو ہر چیز کا علم ہے' اور جب انسان نے یہ جان لیا تو پھر اس کے اسلام قبول کرنے اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور انسان اگر اس کائنات میں غور و فکر کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کو باقی رکھنے والا وہی رب عظیم ہے' اب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو جاننے کے بعد انسان کو از خود اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے لیے کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں ہے کہ لوگ جبراً اسلام میں داخل ہوں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ (یونس: ۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ہی ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے ۝

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ (الکہف: ۲۹)

اور آپ کہیے کہ یہ حق (ہے) تمہارے رب کی طرف سے' سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو سالم بن عوف کے حصین نامی ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود مسلمان تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کے بیٹے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کیا وہ ان کو جبراً مسلمان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۰' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

''دین میں جبر نہیں ہے'' (البقرہ: ۲۵۶) اس آیت کے متعلق علماء تفسیر کا اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا: یہ آیت اس دور میں نازل ہوئی' جب کفار سے جہاد اور قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا' جب ان کی زیادتیوں پر معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم تھا' اور یہ حکم تھا کہ ان کی برائی کو اچھائی سے دور کرو اور عمدہ طریقہ سے ان سے بحث کرو' اور جب جاہل مسلمانوں سے بات

کرتے تو وہ سلام کہتے' اور جب جہاد اور قتال کی آیات نازل ہوئیں تو ان آیات کا حکم منسوخ ہو گیا' جہاد اور قتال کی بعض آیات یہ ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ (التوبہ: ۷۳)
اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: ۵)
پس تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کردو۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال: ۳۹)
اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور (پورا) دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیں' جب وہ ایسا کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ آیت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو لوگ کسی دین کو ماننے والے ہیں ان پر دین اسلام کو قبول کرنے کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جائے گا اور رہے کفار اور بت پرست جن کا کسی آسمانی دین سے تعلق نہیں ہے تو ان کے اور ہمارے درمیان صرف تلوار ہے' وہ اسلام قبول کرلیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا' اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ اگر جزیہ ادا کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا' امام ابن جریر کا بھی یہی نظریہ ہے اور اس کی تائید حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ جزیرۂ عرب میں بت پرستوں سے قتال کریں اس لیے آپ نے ان سے ''لا الٰہ الا اللہ'' یا تلوار کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کیا' اور باقی لوگوں سے جزیہ کو قبول کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: دین میں جبر نہیں ہے۔

زید بن اسلم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال رہے اور آپ کسی شخص پر دین میں جبر نہیں کرتے تھے اور مشرکین آپ سے قتال کرنے کے سوا اور کسی بات کو نہیں مانتے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے قتال کرنے کی اجازت دی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۔۱۱ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہل کتاب جب جزیہ ادا کر دیں تو وہ اہل اسلام کے حکم میں داخل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب سے تلوار یا اسلام کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کیا اور جو مشرک بھی یہودی یا نصرانی ہو جائے اس کو قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۵۲ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

مشروعیت جہاد پر نفی جبر کی وجہ سے اعتراض اور معاصر مفسرین کے جوابات

غیر مسلم سکالرز اور مستشرقین اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس سے مرعوب ہو کر ہمارے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ "دین میں جبر نہیں ہے" اور جہاد کا حکم صرف مدافعانہ جنگ کے لیے ہے یعنی جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو وہ اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے جہاد کریں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے' اسلام کے بعض نکتہ چیں جہاد کو اکراہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنان دین و ایمان کے جور و ستم کا تختہ مشق بننے نہیں دے گا۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۷۹ 'مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز' لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اسی طرح ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ مجرد کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لیے کافی وجہ نہیں ہے کہ اسلام کے علمبرداران کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور تلوار کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کر دیں' جہاد اصلاً فتنہ اور فساد فی الارض کے مٹانے کے لیے مشروع ہوا ہے' اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ استطاعت رکھتے ہوں تو وہ اس فتنہ اور فساد کو مٹانے کے لیے جہاد کریں' خاص طور پر اس فتنہ کو مٹانے کے لیے جو اہل کفر کے ہاتھوں اس لیے برپا کیا جائے کہ اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرا جائے یا اسلامی نظام کو برباد کیا جائے' صرف مشرکین بنی اسماعیل کا معاملہ اس کلیہ سے استثناء کی نوعیت رکھتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۵۹۴ 'مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور' پاکستان)

اسی طرح مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی گول مول طریقہ سے لکھا ہے:

اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے بلکہ دفع فساد کے لیے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس کے کافر در پے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۱۶ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی)

جوابات مذکورہ پر بحث و نظر

اسلام میں جہاد صرف مدافعانہ جنگ کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ازہری نے لکھا ہے اور نہ صرف فتنہ اور فساد کو دور کرنے کے لیے ہے جیسا کہ مؤخر الذکر علماء نے لکھا ہے' بلکہ اسلام میں جہاد اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال: ۳۹)	اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

اس آیت میں یہ واضح حکم دیا گیا ہے کہ جب تک کہ پورا دین اللہ کے لیے نہ ہو جائے اس وقت تک کافروں سے جنگ اور جہاد کرتے رہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دیں' اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں' اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیں گے ماسوا اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام نہ قبول کرلیں ان سے جہاد اور قتال کیا جائے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ (التوبہ: ۵)

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کردو' ان کو گرفتار کرو ان کا محاصرہ کرو' اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو' پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا: انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو اور اگر وہ تمہارے ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کو چھوڑ دو:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (التوبہ: ۲۹)

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد' امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۴ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے' پھر فرماتے: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو' جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو' خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو' اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو' جب تم دشمن مشرکوں (اہل کتاب) سے مقابلہ کرو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا' وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کرلینا اور جنگ سے رک جانا' پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو' اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو' اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں (الی قولہ) اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کردیں تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا (الی قولہ) اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو' اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو تم بھی اس کو قبول

کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کردو۔ الحدیث
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

جنگ خیبر کے ایام میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو انہوں نے کہا: جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے ہم ان سے قتال کرتے رہیں گے' آپ نے فرمایا: اسی طرح کرنا' حتیٰ کہ جب تم ان کے علاقہ میں داخل ہو تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دینا' اور ان کو یہ خبر دینا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں' اللہ کی قسم! اگر ایک شخص بھی تمہارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں (دنیا کی خیر) سے بہتر ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کے جوابات

یہودی اور عیسائی مستشرقین معترضین کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ کفار کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے میں اسلام تنہا اور منفرد نہیں ہے' بلکہ موجودہ تورات (کتاب مقدس' بائبل) میں بھی اپنے مخالف کفار کے ساتھ جنگ اور جہاد کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے' اور موجودہ انجیل میں تصریح ہے کہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے' اب آپ تورات کے اس اقتباس کا مطالعہ فرمائیں:

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا O اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں O اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو' تو اس کا محاصرہ کرنا O اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا O لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا O ان سب شہروں کا بھی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں O پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا O بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا O تا کہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو O (استثناء باب: ۲۰' آیت: ۱۸۔ ۱۰) (عہد نامہ قدیم: ۱۸۶)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں O کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے O (متی باب: ۵' آیت ۱۸۔ ۱۷) (نیا عہد نامہ: ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو بہ غور پڑھنا چاہیے۔ اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں:

جہاد کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمان مدافعانہ جنگ کریں' یہ جہاد فرض عین

ہے' اس کی مثال غزوۂ بدر' غزوۂ احد اور غزوۂ خندق ہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ہوش مند اعتراض کر سکتا ہے اور جہاد کی دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا جائے اور بہ شرط استطاعت از خود کافروں کے ملک پر حملہ کیا جائے' یہ جہاد فرض کفایہ ہے' فتح مکہ' فتح طائف اور فتح خیبر میں اس کی مثالیں ہیں اور بعد میں مسلمانوں نے مصر' شام' عراق' ایران اور بہت سے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا اور دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ گئی اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب مشرکین سے جہاد کیا جائے تو یہ تلوار ہے یا اسلام اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں' یا وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کریں۔

اہل کتاب کے ساتھ جزیہ کی رعایت اس لیے رکھی ہے کہ وہ الوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں' آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جزا سزا اور حلال و حرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہو جائیں گے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہوگا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع میسر ہوں گے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد یا بہ دیر اسلام کو قبول کر لیں گے اور ان کا اسلام کو قبول کرنا بہ رضا و رغبت ہوگا' اس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے' جہاد کی اس شکل پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اب صرف ایک شکل رہ جاتی ہے اور وہ ہے تبلیغ اسلام کے لیے مشرکین کے خلاف جہاد' یا وہ اسلام کو قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس پر بادی النظر میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ جبر و اکراہ ہے لیکن درحقیقت یہ بھی جبر نہیں ہے' اگر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ ہو' اس ملک کے بادشاہ کی مہیا کی ہوئی سہولتوں اور فائدوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہو اور اس ملک کی زمین میں گھر بنا کر رہتا ہو اور تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہو لیکن وہ اس ملک کے بادشاہ یا حکمران کی حکومت کو نہ مانے' اس کے قوانین پر عمل نہ کرے اور اس کے برعکس اس حکومت کے مخالف اور دشمن ملک اور حکومت کا علی الاعلان دم بھرتا ہو اور اس کی وفاداری کا اعلان کرتا ہو تو کیا اس کو گردن زدنی نہیں قرار دیا جائے گا اور اس کو غدار قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا' کیا آج دنیا کے تمام مہذب ملکوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور اگر اس شخص سے یہ کہا جائے کہ یا تو تم اس ملک کی وفاداری کا اعلان کرو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا تو یہ کیوں عدل و انصاف کے مطابق نہیں ہے جب کہ آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں ایسے شخص کو یہ موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے' سو اسی طرح جو شخص اللہ کی بنائی ہوئی زمین میں رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اللہ کو مانتا ہے نہ اس کے کسی اصول اور قانون کو' اور دنیا میں آسمانی مذاہب کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے وہ کسی کو بھی نہیں مانتا تو اس سے یہ کہنا بجا اور عدل و انصاف کے مطابق ہے کہ یا تو اللہ کے دین کو قبول کرو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ' نیز جس طرح ہر حکومت میں ریاست کے غدار کی سزا موت ہے اسی طرح اسلام میں بھی مرتد کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے' اس کو تین دن موقع دیا جاتا ہے کہ وہ غور و فکر کرے اور اگر اس کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن اگر وہ اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے جب کہ غدار وطن کے لیے یہ رعایت نہیں ہوتی۔

تمام مہذب دنیا میں جرائم پر سزاؤں کا نظام جاری ہے' اور جب کسی قاتل' چور' ڈاکو یا ریاست کے غدار کو سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ جبر ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف ہے' اسی طرح جب مشرک کو ایمان نہ لانے پر جہاد میں قتل کیا جائے یا مرتد کو توبہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے تو یہ بھی ان کے جرائم کی سزا ہے' جبر نہیں ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے۔

کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا مشروعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب میں کئی دن غور کرتا رہا' میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کے لیے قدیم اور جدید متعدد تفاسیر کو دیکھا' لیکن میں نے دیکھا کہ کسی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعانہ جنگ اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ٹالنے' دفع وقتی اور فرار کی کوشش کی' بہرحال میرے ذہن میں جو جواب آیا وہ میں نے لکھ دیا ہے' اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور آئندہ آنے والے علماء کے لیے دعوت فکر ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے' انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے'

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں' وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی

ع ۳۴ ۲

اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۠ (۲۵۷)

طرف نکالتے ہیں' وہ دوزخی لوگ ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

مومنوں کو ظلمات سے نکالنے کے محامل

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے' اس پر یہ سوال ہوتا تھا کہ جب ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سب لوگ ایمان نہیں لائے؟ لہٰذا اس آیت میں بتایا ہے کہ ایمان کی دولت اللہ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جن لوگوں نے شیاطین سے دوستی رکھی وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہو گئے اور شیطان نے انہیں کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔

ولی کا یہاں معنی ہے: مددگار' محب اور کارساز' یعنی اللہ مومنین کا محب ہے یا مددگار ہے یا کارساز ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ مومنوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے' اس پر سوال ہے کہ مومن تو ایمان کی وجہ سے پہلے ہی نور میں ہیں نہ کہ ظلمات میں پھر ان کو ظلمات سے نکالنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اخراج کے دو معنی ہو سکتے ہیں' حقیقت اور مجاز' اگر حقیقت مراد ہو تو ایمان والوں سے مراد ہے: جنہوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا تو ان کو اللہ کفر کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف نکالتا ہے یا معنی ہے: اللہ مومنوں کو ان کے نفوس کی ظلمانیت سے آداب شریعت کی طرف نکالتا ہے یعنی ان کو رضاء' صدق' توکل' معرفت اور محبت الٰہی کی راہ میں ڈال دیتا ہے' یا معنی ہے: ان کو وحشت اور فرقت کے اندھیروں سے سکون اور وصل کے نور کی طرف نکالتا ہے' یا اخراج سے مجازاً باز رکھنا مراد ہے یعنی اللہ مومنوں کو ظلمات کفر سے دور رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ (البقرہ: ۲۵۷)

کفار کو نور سے نکالنے کے محامل

یہاں پر بھی یہ سوال ہے کہ کفار کے لیے نور کب ثابت ہے جو انہیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لایا گیا' کفر تو بہ ہی ظلمت' اس کے متعدد جوابات ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے' پھر شیطان کے بہکانے میں آ کر وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور آپ کے ساتھ انہوں نے کفر کیا اور یوں وہ نور سے نکل کر ظلمت میں آ گئے۔ بعض نے کہا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں کرتے رہے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے شیطان کے کہنے میں آ کر آپ کے ساتھ کفر کیا اور یوں روشنی سے اندھیرے میں آ گئے' بعض نے کہا: انہوں نے فطرت اسلام کے نور کو ترک کر کے کفر کے اندھیرے کو اختیار کیا' بعض نے کہا: عالم ارواح میں انہوں نے ''بلیٰ'' کہہ کر جو اقرار کیا تھا اس کے نور سے نکل کر وہ کفر کے اندھیروں میں آ گئے۔

طاغوت کا معنی

طاغوت کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے' اور طغیان کا معنی ہے: کسی چیز کی حد سے تجاوز کرنا' یہ لفظ اصل میں ملکوت کی طرح مصدر ہے اور اس میں تاء زائد ہے۔ طاغوت سے مراد بت ہیں یا شیطان' بعض محققین نے کہا: طاغوت چار ہیں: (۱) ابلیس لعنہ اللہ (۲) وہ شخص جو اپنی عبادت کیے جانے پر راضی ہو (۳) وہ شخص جو لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دے (۴) جو شخص وحی الٰہی کے بغیر علم غیب کا مدعی ہو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

(اے محبوب!) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا (کیونکہ) اللہ نے

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي

اس کو سلطنت دی تھی' جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں

وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

اور مارتا ہوں' ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا

تو اس کو مغرب سے لے آ' تو کافر حیران اور لاجواب ہو گیا' اور اللہ ظلم

يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ

کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا ۞ یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا درآں حالیکہ

وقف لازم

هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی' اس نے (تعجب سے) کہا: اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے

مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ

زندہ کرے گا! تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت طاری کر دی' پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا' فرمایا: تم نے کتنی مدت قیام کیا؟

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ

اس نے کہا: تمام دن یا دن کا کچھ حصہ! اللہ نے فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال تک ٹھہرے رہے'

عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

پس تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو جو اب تک سڑی (بدبودار) نہیں' اور اپنے

اِلٰى حِمَارِكَ ۫ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ

گدھے کو دیکھو' اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنائیں اور (ان) ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم کس طرح

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ

ان کو ملا کر جوڑتے ہیں' پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں' پھر جب ان پر (موت کے بعد زندہ ہونا) منکشف ہو گیا تو انہوں نے کہا:

اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے' اور کفار کے دوست شیاطین ہیں' اب اللہ تعالیٰ ایک مثال مومن کی اور ایک مثال کافر کی بیان فرما رہا ہے تاکہ اس قاعدہ کی وضاحت ہو اور اس قاعدہ پر دلیل قائم ہو' مومن کی مثال میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل پیش کرنے کی توفیق عطا کی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کیا اور کافر کی مثال میں نمرود بادشاہ کو بیان کیا جو اپنے شکوک اور شبہات کے اندھیروں میں رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مباحثہ کا پس منظر اور پیش منظر

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم نے اللہ کے رب ہونے پر دلیل پیش کی تھی' اس کا نام نمرود

بن کنعان تھا' یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا' اس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب اور حیران ہوا۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا' لوگ اس کے پاس خوراک طلب کرنے کے لیے جاتے تھے' ایک دن لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس گئے' وہ لوگوں سے پوچھتا: تمہارا رب کون ہے؟ لوگ کہتے کہ آپ ہیں' حتیٰ کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے؟ اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں' حضرت ابراہیم نے کہا: اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال' تو وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا' پھر اس نے حضرت ابراہیم کو خوراک اور طعام دیئے بغیر واپس کر دیا' واپسی میں حضرت ابراہیم کا ایک ریت کے ٹیلہ سے گزر ہوا' انہوں نے سوچا کیوں نہ میں کچھ ریت کپڑے میں باندھ کر لے جاؤں تاکہ گھر والوں کو کوئی بندھی ہوئی چیز دیکھ کر تسکین ہو' گھر جا کر انہوں نے گٹھڑی کو رکھ دیا' اہلیہ نے کھول کر دیکھا تو وہ بہترین طعام تھا' حضرت ابراہیم نے جان لیا کہ یہ طعام انہیں اللہ نے دیا ہے' پھر اللہ نے اس بادشاہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے' اللہ اسے اس کے ملک پر برقرار رکھے گا' نمرود نے کہا: میرے سوا اور کون رب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس تین بار فرشتے کو بھیجا' اس نے ہر بار انکار کیا' پھر فرشتے نے اس سے کہا: تم تین دن کے اندر اپنے سب لوگوں کو جمع کر لو' جب سب لوگ جمع ہو گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر مچھر چھوڑ دیئے' مچھروں نے ان لوگوں کا گوشت کھا لیا اور خون پی لیا اور وہ لوگ صرف ہڈیوں کا پنجر رہ گئے' اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس کے نتھنے کے ذریعہ اس کے دماغ میں بھیج دیا' چار سو سال تک نمرود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوٹا جاتا تھا' چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا' لوگ اس کو دیکھ کر رحم کھاتے تھے' بالآخر وہ مر گیا' یہ وہی شخص ہے جس نے آسمان کی جانب ایک قلعہ بنایا تھا' اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی' سو ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

ربیع بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا' ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا' حضرت ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو پھر وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ سے نکال کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا' اس سے پہلے وہ بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے' بادشاہ نے ان سے بات کی اور پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' نمرود نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں' اس نے چار آدمیوں کو بلایا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا' جب وہ بھوک سے مرنے لگے تو اس نے ان میں سے دو آدمیوں کو کھلایا اور پلایا' وہ زندہ رہے اور باقی دو کو بدستور بھوکا رکھا' وہ مر گئے' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا کہ اس کو اپنی سلطنت میں اقتدار حاصل ہے اور وہ اس طرح کے کام کر سکتا ہے' تب پھر انہوں نے کہا: بے شک میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال' یہ سن کر وہ حیران اور لاجواب ہو گیا' اس نے کہا: یہ شخص مجنون ہے اس کو لے جاؤ' کیا تم نے نہیں دیکھا اس نے تمہارے خداؤں پر جرأت کی اور انہیں توڑ دیا اور آگ اس کو جلا نہیں سکی اور نمرود کو یہ ڈر تھا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جائے گا' پھر اس نے حضرت ابراہیم کو نکالنے کا حکم دیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۸۔ ۱۶ ملتقطاً مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے جو دلیل پیش کی تھی اس کی ایک تقریر تو یہ ہے کہ نمرود حضرت ابراہیم کی پہلی دلیل نہیں سمجھ سکا' وہ اس قدر موٹی عقل کا انسان تھا کہ اس نے زندہ کرنے کا معنی زندہ چھوڑ نا سمجھا' حالانکہ زندہ کرنے کا معنی ہے: بے جان جسم میں جان ڈالنا' اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری واضح دلیل پیش کی' اور دوسری تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل نہیں ہوئے' بلکہ دونوں مرتبہ ایک ہی دلیل پیش کی البتہ اس کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی تقریر یہ ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں حادث ہوتی ہیں جن کے وجود میں کسی شخص کا دخل نہیں ہوتا' مثلاً زندہ کرنا' مارنا' بادلوں کی کڑک اور بجلی کا چمکنا' سورج' چاند اور دیگر کواکب سیارہ کی حرکات' نمرود کا کسی کو زندہ چھوڑ دینا اور کسی کو قتل کر دینا' اس کا زندہ کرنا اور مارنا نہیں ہے' کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگ پیدا ہوتے تھے اور مرتے تھے' وہ خود بھی پیدا ہوا اور اس نے ایک مقررہ دن میں مرنا تھا' جب اس مثال سے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال واضح نہیں ہو سکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری آسان مثال دی۔

مناظرہ اور مباحثہ کے احکام اور آداب

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو ملک (بادشاہ) کہنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ نے اس کو ملک دیا تھا' نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں نعمتیں عطا فرماتا ہے' اور آخرت میں ان کو محروم کر دیتا ہے اور دوزخ کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے' نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دین کو ثابت کرنے کے لیے مخالفین سے مباحثہ اور مناظرہ کرنا جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے مباحثہ کیا اور دلیل قائم کرنے کے بعد مباہلہ کیا یعنی یہ دعا کی: جو ہم میں سے ظالم اور باطل ہو اللہ اس پر لعنت کرے' اسی طرح صحابہ میں سے مہاجرین اور انصار نے سقیفہ بنو ساعدہ میں اس بات پر مباحثہ کیا کہ مہاجرین اور انصار میں خلافت کا مستحق کون ہے' مناظرہ اور مباحثہ کا مقصد صرف حق کو ثابت کرنا اور باطل کا رد ہونا چاہیے' مناظرہ کا معنی ہے: فریقین کے دلائل میں نظر کرنا' انانیت' ہٹ دھرمی' کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مناظرہ کے حسب ذیل آداب بیان فرمائے ہیں:

فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ تم اس چیز میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (آل عمران: ۶۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے مناظرہ نہیں کرنا چاہیے۔ امام اعظم نے اپنے بیٹے حماد کو مناظرہ سے منع کیا' انہوں نے کہا: آپ خود تو مناظرہ کرتے ہیں' امام اعظم نے کہا: تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کب مخالف کوئی کفریہ بات کہے اور ہم اس کی گرفت کریں اور ہم مخالف کو ایسے موقع پر سنبھال لیتے ہیں اور اس کو اس درجہ کی ضد سے بچا لیتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ (النحل: ۱۲۵) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے اور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شے اللہ کے مشابہ نہیں ہے اور حقائق کائنات میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم حاصل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور آثار سے اس کی ذات اور صفات پر

استدلال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا درآں حالیکہ وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی' اس نے (تعجب سے) کہا: اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا! تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت طاری کر دی' پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا۔ (البقرہ: ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم کا جو واقعہ بیان کیا تھا' اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا' اور اس واقعہ میں قیامت کے بعد لوگوں کو زندہ کرنے اور حشر کو ثابت کرنے کا بیان ہے۔

تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے شخص کی تحقیق

جو شخص اس تباہ شدہ بستی کے پاس سے گزرا تھا وہ کون تھا؟ اس کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں' امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

سلیمان بن بریدہ' قتادہ' ربیع' عکرمہ' سدی' ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب بن منبہ' عبید بن عمیر اور ابن وہب نے کہا کہ وہ ارمیاہ بن حلقیا یعنی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی علیہ السلام کے تعجب کا ذکر کیا ہے کہ اللہ مرنے کے بعد لوگوں کو کیسے زندہ فرمائے گا اور اس نبی کے نام کی تعیین نہیں کی' ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت عزیر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت خضر ہوں' اس لیے ہمیں بھی اس کی تعیین کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت علی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عکرمہ' ابوالعالیہ' سعید بن جبیر' قتادہ' ربیع' ضحاک' سدی' مقاتل' سلیمان بن بریدہ' ناجیہ بن کعب اور سالم خواص نے کہا: وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

وہب' مجاہد' ابن عمیر' بکر بن مضر' ابن اسحاق اور نقاش نے کہا: وہ حضرت ارمیاہ یعنی خضر علیہ السلام تھے۔

حسن بصری نے کہا کہ وہ ایک کافر تھا جو گدھے پر سوار تھا' اس کے پاس انجیر کی ایک ٹوکری تھی' مجاہد نے مکی سے نقل کیا ہے کہ وہ بنو اسرائیل کا کوئی شخص تھا' ایک قول یہ ہے کہ وہ لوط علیہ السلام کا غلام تھا' ایک قول یہ ہے کہ وہ شعیا تھے۔ (فقہاء صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے چونکہ یہ کہا ہے کہ وہ حضرت عزیر تھے اس لیے ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حضرت عزیر کا جس تباہ شدہ بستی سے گزر ہوا تھا' اس کے متعلق وہب' قتادہ' ضحاک' عکرمہ اور ربیع نے کہا ہے کہ وہ بیت المقدس کا شہر تھا' یا بیت المقدس سے دو فرسخ (نو انگریزی میل) کے فاصلہ پر انگوروں کے باغ کی ایک بستی تھی' ضحاک نے کہا: وہ ارض مقدسہ تھی' ابن زید نے کہا: یہ وہ بستی تھی جس سے لوگ طاعون سے ڈر کر بھاگے تھے' حضرت ابن عباس نے کہا: وہ دیر ھرقل تھا' کلبی نے کہا: شابور آباد تھا' سدی نے کہا: وہ سلماباذ تھا۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۳۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابن جریر نے عکرمہ سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ جس بستی کے پاس سے حضرت عزیر گزرے تھے وہ بیت المقدس کے قریب ایک بستی تھی جس کو بخت نصر نے تباہ کر دیا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

زمخشری نے کہا ہے کہ وہ شخص کافر تھا تاکہ یہ واقعہ نمرود کے واقعہ کے ساتھ منسلک ہو' ابوعلی نے کہا: وہ کافر ہی تھا کیونکہ نبی کو مرنے کے بعد اٹھنے میں شک نہیں تھا لیکن یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں' وہ حضرت عزیر تھے اور یہ قصہ حضرت ابراہیم کے قصہ

کے ساتھ مسلک ہے اور ان کو شک نہیں تھا بلکہ انہوں نے از راہِ تعجب کہا تھا' نیز اس واقعہ کے آخر میں ہے: اس نے بعث بعد الموت کی تصدیق کی اور کافر تصدیق نہیں کرتا اور اتنی بڑی نشانی دکھانے کا اعزاز نبی کے لیے ہی ہو سکتا ہے کافر کے لیے نہیں' اور نہ کافر کا یہ مقام ہے کہ اللہ اس کے تعجب کو زائل کرنے کے لیے اپنی عظیم الشان قدرت کو ظاہر فرمائے۔

حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

بعض مفسرین کا یہ مختار ہے کہ حضرت عزیر زندہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک سو سال تک ان سے حس اور حرکت کو سلب کر لیا' پھر ان میں دوبارہ حس اور حرکت کو لوٹا دیا گویا کہ وہ سوئے تھے' پھر بیدار ہو گئے اور ان کے حواس معطل ہونے کے ستر سال بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہو گئی تھی اور اس میں بنو اسرائیل لوٹ آئے تھے' اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے واسطے سے ان سے سوال کیا یا ہاتف غیبی نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے؟ یہ سوال اس لیے کیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے کاموں کا احاطہ نہیں کر سکتے' اور اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ ان پر حقیقۃً موت طاری ہو گئی تھی' انہوں نے جو کہا تھا کہ میں نے ایک دن یا دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے یہ انہوں نے اپنے گمان سے کہا تھا کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں ان پر موت طاری ہوئی تھی' دن کے آخری حصہ میں ان کو زندہ کیا گیا' جب انہوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے دن کے کچھ حصہ میں قیام کیا ہے' ہر چند کہ ان کا یہ کلام صورت واقع کے خلاف تھا لیکن یہ کذب نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں ایسا ہی تھا' کذب تب ہوتا جب وہ قصد اور ارادہ سے واقعہ کے خلاف خبر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال ٹھہرے ہو تم ہماری قدرت کے دلائل پر غور کرنے کے لیے دیکھو سو سال میں تمہارا طعام اور مشروب (انجیر یا میوے اور انگور کا شیرہ' البحر المحیط) سڑا نہیں' حالانکہ عام عادت جاریہ یہ ہے کہ اتنا عرصہ میں طعام اور مشروب بدبودار اور خراب ہو جاتا ہے' اور ان کا گدھا مر چکا تھا' اس کا گوشت پوست گل گیا تھا' اس کی ہڈیاں بکھر گئی تھیں' دیکھو کس طرح اس کی بوسیدہ اور بکھری ہوئی ہڈیاں جمع ہوتی ہیں اور جڑتی ہیں اور کس طرح ہم ان ہڈیوں پر گوشت پہناتے ہیں اور اس کی رگوں میں خون رواں دواں کرتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس گدھے کے جسم میں روح پھونک دی اور وہ اللہ عزوجل کے اذن سے زندہ ہو کر رینکنے لگا۔ حضرت عزیر نے مشاہدہ کر لیا جو سو سال بعد مردہ کو زندہ کر دیتا ہے' وہ ہزاروں اور لاکھوں سال بعد بھی مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے' گدھے میں انہوں نے حیات بعد الموت کا مشاہدہ کر لیا اور خود اپنی ذات پر حیات بعد الموت کا تجربہ حاصل ہوا اور انہیں موت کے بعد حیات کا پہلے علم الیقین تھا اور اب عین الیقین اور حق الیقین بھی حاصل ہو گیا۔

اس واقعہ میں جزوی طور پر حیات بعد الموت پر دلیل ہے اور تمام کائنات کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے اور حشر و نشر کے ثبوت پر حسب ذیل آیتیں دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ (الاعراف: ۲۹) جس طرح اللہ نے تمہیں ابتداء پیدا کیا ہے اسی طرح تمہیں لوٹائے گاO

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ (الانبیاء: ۱۰۴) جس طرح ہم نے ابتداء تمہاری آفرینش کی ہے اسی طرح ہم اس کا اعادہ کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ زندگی صرف دو بار ہے' ایک اس وقت جب اللہ تعالیٰ نطفہ میں جان ڈالتا ہے اور دوسری قیامت کے بعد' حضرت عزیر کے لیے تین بار زندگی ہو گی' اس کا جواب ہم نے البقرہ: ۲۴۳ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ أَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ أَوَلَمْ

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا' اللہ نے فرمایا: کیا آپ کو

تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً

یقین نہیں؟ عرض کیا: کیوں نہیں' مگر تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے' فرمایا: چار پرندے لیں

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

اور ان کو خود سے مانوس کر لیں (پھر ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے' پھر انہیں

جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

بلائیے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے' اور یقین رکھیے اللہ بہت غالب'

حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵ ع ۴ ۴

بڑی حکمت والا ہے O

حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا

اس سے پہلی آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے اور ان کے تعجب کو زائل کرنے کا ذکر تھا' اور اس آیت میں حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کے مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ سوال کیا تھا کہ انہیں دکھایا جائے اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس میں شک تھا یا اللہ کی قدرت میں شک تھا بلکہ وہ دوبارہ زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ انسان کی طبیعت میں ان دیکھی چیز کو دیکھنے کا اشتیاق ہوتا ہے' ان کو بعث بعد الموت اور حشر ونشر پر جو ایمان علم الیقین کے درجہ میں تھا اس کو عین الیقین کے درجہ میں ترقی دینا چاہتے تھے' امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام ابن عدی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۰۳' ج ۴ ص ۱۵۸۰' ج ۷ ص ۲۳۹۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(معجم اوسط ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ سے گزر رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ راستہ میں ایک

مردہ گدھا پڑا ہوا ہے جس کا گوشت نوچ نوچ کر درندے اور پرندے کھا رہے ہیں' جب درندے چلے گئے اور پرندے اڑ گئے اور اس مردہ گدھے کی صرف ہڈیاں باقی بچ گئیں تو حضرت ابراہیم کو تعجب ہوا' وہ کہنے لگے: اے میرے رب! مجھے یقین ہے کہ تو اس گدھے کو ان درندوں اور پرندوں کے پیٹوں سے جمع کرے گا' اے میرے رب! تو مجھے دکھا کر تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ کو اس پر ایمان نہیں ہے؟ عرض کیا: کیوں نہیں! لیکن خبر معائنہ کی طرح نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۳ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

قرآن مجید میں جن چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا بیان ہے اس کی تفسیر میں امام ابن جریر نے روایت کیا ہے:

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ یہ چار پرندے مرغ' مور' کوا اور کبوتر تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۵ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں کبوتر کی جگہ گدھ کا ذکر ہے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نفس انسانی کو حیات ابدیہ اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنی شہوات اور حسن و زیبائش کو ذبح کر دے جو مور کی صفت ہے اور دوسروں پر حملہ کرنے کے جذبہ کو فنا کر دے جو مرغ کی صفت ہے اور نفس کی خساست اور گھٹیا پن کو دور کر دے جو کوے کی صفت ہے اور اپنی خواہشات کو جلدی پورا کرنے کی عادت کو دور کر دے جو کبوتر کی صفت ہے' روایت ہے کہ حضرت ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کر دیں' ان کے پر نوچ ڈالیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط ملط کر دیں' پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں' پھر ان کو بلائیں' جب حضرت ابراہیم نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر انسان حیات ابدیہ چاہتا ہے تو وہ اپنے بدن کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے (غالباً اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے) پھر جب وہ اپنے بدن کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے بلائے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے گا اور اس کو دائمی حیات حاصل ہو جائے گی۔ (انوار التنزیل ص ۶۰ 'مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع' مصر)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے

حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہیں'

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر نہ احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہے اور

لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

نہ وہ غمگین ہوں گے ○ (لوگوں سے) اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝۲۶۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جس کے بعد تکلیف پہنچے اور اللہ بے نیاز اور بہت بردبار ہے ○ اے ایمان والو!

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ

احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال ریاکاری

رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ

کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا' اس کی مثال

صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا

اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا' وہ

يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴

اپنی کمائی سے کسی چیز پر قدرت نہیں پائیں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا○

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ

اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں'

تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

ان کی مثال اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے جس پر زوردار بارش

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ

ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے' پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے O کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں' اس کے لیے اس باغ میں

الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ

ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے' اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو (اچانک)

اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اس باغ میں گرم ہوا کا ایک بگولہ آئے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے' اللہ تمہارے لیے اسی طرح

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ ع

آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو O

حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کا قصہ بیان کیا' ان دونوں قصوں میں حیات بعد الموت پر دلائل قائم کیے گئے تھے اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پیش آنے کا ذکر کیا گیا تھا' ان آیتوں میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آ سکتی ہے' اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے' اور وہ صدقہ اور خیرات ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے بھاگے اور ان کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ پھر جالوت اور طالوت کا قصہ بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا: اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے پہلے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو جب خرید و فروخت ہو سکے گی' نہ کسی کی دوستی کام آئے گی نہ کسی کی (بلا اذن) شفاعت کام آ سکے گی' اسی طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد صدقہ اور خیرات پر اپنے بہت زیادہ اجر عطا فرمانے کا ذکر فرمایا۔

انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف

قرآن کریم میں جگہ جگہ صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب بیان کیا ہے اور صدقہ و خیرات کی بہت ترغیب دی ہے' کیونکہ صدقہ و خیرات کرنے سے دولت معاشرہ میں گردش کرتی رہتی ہے' غرباء اور فقراء کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام پاتے ہیں اور ملک و ملت کی بقاء میں صدقہ و خیرات کا بہت بڑا دخل ہے' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی سبیل (راہ) میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کی سبیل کی کئی انواع ہیں: علم دین کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا' دینی مدارس کی مدد کرنا' مساجد بنانا' لائبریری قائم کرنا' سرائے بنانا' محتاج خانے اور اپاہج خانے تعمیر کرنا' مروجہ علوم

کے لیے اسکولوں اور کالجوں کو گرانٹ دینا' تیموں اور بیواؤں کے لیے وظائف جاری کرنا' بیماروں کے علاج معالجہ کے لیے ہسپتال بنانا اور ان کے لیے دوائیں فراہم کرنا' جو لوگ عدالتی اخراجات کی وجہ سے اپنے حقوق حاصل نہ کر سکیں ان کے کام آنا' اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں جو تنگ دست ہوں ان کی مدد کرنا' فقراء اور مساکین کی کفالت کرنا' قرض کی ادائیگی میں مقروض لوگوں کی مدد کرنا' اور سبیل اللہ کی انواع میں سب سے بڑی اور اہم نوع جہاد کے راستہ میں خرچ کرنا ہے تا کہ اللہ کا دین سر بلند ہو۔

دس گنے' سات سو گنے اور بے حساب اجر دینے کی وجوہات

اس رکوع میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے البقرہ: ۲۶۱ سے لے کر ۲۶۶ تک چھ آیتیں بیان کی گئی ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ملے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)

اور یہاں البقرہ کی آیت: ۲۶۱ میں فرمایا ہے: جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دانہ خرچ کرے گا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس اجر کو دگنا کر دے گا۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا ۝ (الزمر: ۱۰)

کسی نیکی کا اجر دس گنا ہے' کسی نیکی کا اجر سات سو گنا ہے اور کسی نیکی کا اجر بے حساب ہے' اب سوال یہ ہے کہ اجر کے یہ مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرتا ہے اس کو اللہ حساب سے اجر دیتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں بے حساب خرچ کرتا ہے اس کو اللہ بے حساب اجر دیتا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کے مدارج کا یہ فرق نیت اور خلوص کے مدارج کے اعتبار سے ہے' جس شخص میں جتنا زیادہ اخلاص ہو گا اس کو اتنا زیادہ اجر ملے گا' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے' مثلاً ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے' ایک متوسط آمدنی والا کسی بھوکے کو دو روٹیاں دے یہ بھی نیکی ہے اور جس کی کل کائنات دو روٹیاں تھیں وہ اگر بھوکے کو دو روٹیاں دے گا تو خود بھوکا رات گزارے گا' اس کا بھوکے کو دو روٹیاں دینا بھی نیکی ہے' لیکن یہ تینوں نیکیاں برابر نہیں ہیں تو ان کا اجر برابر کیسے ہوگا' جس کی کل متاع دو روٹیاں ہیں' اس کا دو روٹیاں دینا ایسے ہے جیسے ایک کروڑ پتی اپنی ساری دولت کسی کو دے دے' اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ کروڑ پتی کو اس نیکی کا اجر دس گنا ملے' متوسط آمدنی والے کو سات سو گنا اجر ملے اور جس کے پاس تھیں ہی دو روٹیاں اس کو بے حساب اجر ملے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے بے حساب اجر کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں از خود خرچ کرنا آسان ہے اور کسی ناگہانی آفت اور نقصان پر شکوہ و شکایت نہ کرنا اور خاموشی سے اس نقصان کو برداشت کرنا مشکل ہے' کیونکہ جب آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے منصوبہ اور پروگرام کے مطابق خرچ ہوتا ہے' اس کو خرچ کرنے سے طمانیت اور تسکین حاصل ہوتی ہے' کسی غریب اور فقیر کی حالت زار کو دیکھ کر جو اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تکلیف سے اس کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ازالہ ہوتا ہے لیکن اچانک اور ناگہانی نقصان ہو جائے جس میں اس کے پروگرام اور منصوبہ کا دخل نہ ہو' جس میں کسی وجہ سے خوشی اور تسکین اور کوئی پہلو نہ ہو ماسوا

اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس غم کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرلے اور کسی کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے' یہ عمل اپنے پروگرام اور منصوبہ کے مطابق خرچ کرنے کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے۔

صدقات وخیرات کے آداب وشرائط

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رکوع کی پہلی آیت میں اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنے کا اجر وثواب بیان فرمایا ہے' دوسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اجر وثواب تب حاصل ہوگا جب صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا جائے نہ طعنہ دے کر اس کو اذیت پہنچائی جائے جس کو صدقہ دیا ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے جب غزوۂ تبوک میں ایک ہزار اونٹ مع کجاووں کے دیئے اور ایک ہزار دینار دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے میرے رب! میں عثمان سے راضی ہوگیا تو بھی عثمان سے راضی ہو جا' اور حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اپنے مال سے چار ہزار دینار صدقہ کیے تو یہ آیت نازل ہوئی: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا اس پر احسان جتاتے ہیں نہ تکلیف پہنچاتے ہیں' ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے' ان پر کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ: ۲۶۲)

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اور تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے: اگر کسی کو صدقہ دینے کے بعد طعنہ دے کر اس کو اذیت پہنچائی تو اس سے بہتر ہے کہ اس کو صدقہ نہ دیا جائے اور اس سے کوئی نیک اور اچھی بات کہہ دی جائے' مثلاً سائل سے یہ کہہ دے کہ اس وقت ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے اور اس سے معذرت کرے' یا اس کی کسی اور دینے والے کی طرف رہنمائی کر دے' یا کسی مسلمان کو کوئی نصیحت کرنا' اس کی خیرخواہی میں کوئی بات کرنا' کسی کو نیک مشورہ دینا ایسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے جس کے بعد اس شخص کی دل آزاری کی جائے جس کو صدقہ دیا ہے اور اس رکوع کی چوتھی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ صدقہ اور خیرات کرنے والے اخلاص کے ساتھ' محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ دیں' لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے صدقہ نہ دیں' وہ ضرورت مندوں سے اپنی سخاوت اور دریا دلی کے قصیدے سننے کی خواہش نہ رکھیں' نہ یہ چاہیں کہ عام لوگوں میں ان کی فیاضی کا ذکر ہو' اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کا یہ تمام عمل ضائع ہو جائے گا اور اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا' اور ان کی مثال ایسے ہے جیسے کسی چکنے پتھر پر مٹی جمع ہوگئی اور بارش نے اس کو بالکل صاف کر دیا' خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ کی مقبولیت اور اس پر اجر ملنے کی تین شرطیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں: (۱) احسان نہ جتایا جائے (۲) جس کو صدقہ دیا ہو اس کو طعنہ دے کر اذیت نہ پہنچائی جائے (۳) اخلاص کے ساتھ صدقہ دیا جائے' لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے نہ دیا جائے۔

صدقات کے مصارف' اجر وثواب اور آداب وشرائط کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کے حسن اور اس کی تندرستی کو دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے' اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے' اگر یہ اپنی ضروریات میں خود کو سوال سے روکنے کے لیے جا رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ لوگوں کو دکھانے اور فخر کے لیے جا رہا ہے تو یہ شیطان کی راہ میں ہے۔

امام احمد اور امام بیہقی نے "سنن کبریٰ" میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے

اللہ کی راہ میں کسی زائد چیز کو خرچ کیا اس کو سات سو گنا اجر ملے گا' اور جس نے اپنی ذات پر اور اپنے اہل پر خرچ کیا اور کسی مریض کی عیادت کی یا راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی تو اس کو دس گنا اجر ملے گا اور جب تک روزہ کو فاسد نہ کرے وہ اس کے لیے ڈھال ہے اور جس شخص کو اللہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا۔

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کی سات قسمیں ہیں' دو عمل واجب کرتے ہیں' دو عملوں کا بدلہ ایک مثل ہے' ایک عمل کا بدلہ دس گنا ہے' ایک عمل کا بدلہ سات سو گنا ہے اور ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' رہے وہ دو عمل جو واجب کرتے ہیں تو جو شخص اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے کہ اس نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کی ہو اور شرک بالکل نہ کیا ہو اس کے لیے جنت واجب ہے اور جس نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی ہو کہ اس نے شرک کیا ہو اس کے لیے دوزخ واجب ہے' (اور جن دو کاموں کا ایک مثل اجر ہے تو) جس نے برا کام کیا اس کو ایک برائی کی سزا ملے گی' اور جس نے نیکی کا صرف ارادہ کیا اس کو ایک نیکی کا اجر ملے گا' (اور جن کاموں کا سات سو گنا اجر ہے تو) جس نے اللہ کی راہ میں ایک درہم خرچ کیا اس کو سات سو درہموں کا اجر ملے گا اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دینار خرچ کیا اس کو سات سو دیناروں کا اجر ملے گا' اور روزہ اللہ کے لیے ہے' اس کے عامل کے ثواب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ کسی آدمی کو اللہ کی راہ میں بھیجتے ہیں یا کسی آدمی پر خرچ کرتے ہیں' پھر اس پر احسان رکھتے ہیں اور اس کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں: میں نے اللہ کی راہ میں اتنا اتنا خرچ کیا' اللہ کے نزدیک اس عمل کا شمار نہیں ہوگا' اور جو لوگ کسی کو دے کر یہ کہتے ہیں کہ کیا میں نے تم کو فلاں فلاں چیز نہیں دی تھی وہ اس کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان جتانے والا' ماں باپ کا نافرمان' عادی شرابی' جادو پر ایمان رکھنے والا اور کاہن جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

امام بزار اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تین شخصوں کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا: ماں باپ کا نافرمان' عادی شرابی اور کچھ دے کر احسان جتانے والا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۹۔ ۳۳۶' مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے جس پر زوردار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے' پھر اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تو اسے شبنم ہی کافی ہے۔ (البقرہ: ۲۶۵)

جہاد اور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ کی راہ (جہاد) میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں' اور اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا: اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اونچی زمین پر ایک باغ کی طرح ہے' دنیا میں زراعت سے غلہ اور پھل حاصل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے اجر و ثواب کی مثال بھی دانوں (غلہ) اور پھلوں سے دی ہے' اور

جس نے اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کیا اس کے اجر کی مثال دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کیا اس کی مثال باغ سے دی ہے اور جو رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال باغ کے ساتھ دینے میں یہ لطافت ہے کہ جس طرح باغ میں درختوں کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے سینہ میں اسلام کی جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اس کے برخلاف غلہ کے دانے کھیتوں سے حاصل ہوتے ہیں اور کھیت کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط نہیں ہوتیں' نیز کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے اور باغ پانی لگانے سے مستغنی ہوتا ہے' سو اسی طرح جہاد کے لیے ہر مرتبہ جہاد کے وقت مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے اس کے لیے کسی وقت اور موقع کی قید نہیں ہے' وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے۔

ریا کار منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق

اس سے پہلی آیت (البقرہ: ۲۶۴) میں اللہ تعالیٰ نے منافق کے خرچ کرنے کی مثال دی تھی کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور ریا کاری سے اپنا مال خرچ کرتا ہے' اس کی مثال اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر (کچھ) مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہوئی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا' احسان جتانے والے' ایذاء پہنچانے والے اور منافق کو چکنے پتھر سے تشبیہ دی ہے اور ان کے خرچ کرنے کے ظاہری عمل کو چکنے پتھر پر پڑی ہوئی تھوڑی سی مٹی سے تشبیہ دی ہے اور قیامت کے دن کو زوردار بارش سے تشبیہ دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نیکی کے راستوں میں بہ ظاہر جو کچھ خرچ کیا ہے قیامت کے دن ان کے نامۂ اعمال سے وہ سب دھل کر صاف ہو جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان: ۲۳)

اور (ان کافروں نے اپنے زعم میں جو بھی نیک) عمل کیے ہیں' ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے' پھر ہم انہیں (فضاء میں) بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے ۝

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص سے خرچ کرنے والے مومن کی مثال دی ہے جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتا ہے' اس کے اجر و ثواب کی مثال بلندی پر لگے ہوئے اس باغ کی طرح ہے جس پر زور کی بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو اس باغ کی ثمر آوری کے لیے معمولی شبنم ہی کافی ہے' سو اسی طرح اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی اور دین پر ثابت قدم رہنے کے لیے زیادہ خرچ کرے یا کم خرچ کرے اللہ کے ہاں اس کے اجر و ثواب کا جو باغ لگا ہوا ہے وہ پھلتا پھولتا رہے گا' اس میں مخلص مسلمانوں کو یہ تسلی دینا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تنگ دست اور کم حیثیت ہے تو وہ یہ غم نہ کرے کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں اپنی تنگ دستی کی وجہ سے کم خرچ کیا تو اللہ کے نزدیک اس کی کم حیثیت ہوگی' بلکہ یہ فرمایا کہ مومن اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے حسب حیثیت کم خرچ کرے یا زیادہ آخرت میں اس کے اجر و ثواب کا باغ پھلتا پھولتا رہے گا۔

اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے خرچ کرنے کی صورتیں

اس آیت (البقرہ: ۲۶۵) میں اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو اسلام پر مضبوط رکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو احکام شرع پر عمل کرنے کا عادی

بنائیں اور اپنے نیک اعمال کو ایسی نیتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھیں جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں' ایسی نیتوں میں ریاکاری اور دکھاوے کی نیت ہے اور ایسے کاموں میں صدقہ لینے والے پر احسان جتانا اور طعنہ دے کر اسے تکلیف پہنچانا ہے۔

(۲) دل کا ثابت قدم رہنا صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے' تو جو شخص اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مطمئن اور مضبوط نہیں ہوتا جب تک اس کا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہ ہو' اسی وجہ سے حضرت علی نے خرچ کرتے وقت فرمایا: ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے کسی صلہ اور ستائش کے طالب نہیں ہیں' اور جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو بھاری قیمت پر خرید کر آزاد کیا اور مشرکوں نے کہا: ضرور بلال نے ابوبکر پر کوئی احسان کیا ہوگا جس کا بدلہ چکانے کے لیے ابوبکر نے بلال کو اتنی گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی مدح میں فرمایا:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (الیل: ۲۱۔۱۹) اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۝ وہ صرف اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے (اپنا مال خرچ کرتا ہے) جو سب سے بلند ہے ۝ اور ضرور وہ عنقریب راضی ہوگا ۝

اسی طرح حضرت صہیب رومی جب اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا سارا مال و متاع مکہ میں چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ. (البقرہ: ۲۰۷) اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے نفس فروخت کر دیتے ہیں' سو جب انسان کی طبیعت میں یہ چیز راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے اور اس خرچ سے کوئی نفسانی منفعت مطلوب نہیں ہوتی تو اس کے دل میں اسلام کی جڑیں پیوست ہو جاتی ہیں اور اسلام پر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت صہیب رومی اور دیگر صحابہ کرام اسی پائے کے مخلصین تھے۔

(۳) جب انسان بار بار اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ کی رضا جوئی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اگر کبھی اس سے کسی نیک کام میں غفلت بھی ہو جائے تو اس کا دل فوراً اللہ کی جناب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی اسلام پر ثابت قدم رہنے کا وہ مرتبہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

(۴) مخلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ ان کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور ان کو جو اللہ سے ثواب کی امید ہے وہ پوری ہوگی کیونکہ ان کو یوم قیامت اور ثواب و عذاب کا یقین ہوتا ہے' اس کے برعکس منافق جب خرچ کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کا یہ عمل ضائع ہو رہا ہے کیونکہ اس کو آخرت پر ایمان نہیں ہوتا' اور مخلصین کا آخرت پر یقین رکھنا ہی اسلام پر ثابت قدمی سے عبارت ہے۔

(۵) مخلصین جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اپنے مال کو صحیح مصارف میں خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے راستہ میں لگاتے ہیں اور خوب چھان بین کر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کا مال کہیں اللہ کی نافرمانی اور کسی گناہ کے کام میں نہ لگ جائے' اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کی نیت سے اللہ کی

راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں' اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں' اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں' تو (اچانک) اس باغ میں گرم ہوا کا ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے۔ (البقرہ: ۲۶۶)

سخت حاجت کے وقت باغ کے جل جانے کی مثال کی دو تقریریں

جو شخص صدقہ و خیرات کرنے کے بعد احسان جتائے اور ایذاء پہنچائے اس کی محرومی کی ایک مثال پہلے البقرہ: ۲۶۴ میں دی تھی اور دوسری مثال اس آیت میں دی ہے۔ پہلی مثال میں یہ ذکر کیا تھا کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی ہو اور اس مٹی کو تیز بارش بہا کر لے جائے' اس مثال میں یہ بتایا ہے کہ کسی شخص کا بہت حسین اور پھل دار باغ ہو' وہ اس وقت بوڑھا ہو اور کمانے سے عاجز ہو اور اس پر چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کا بھی بوجھ ہو تو ظاہر ہے اس وقت اس کو باغ کی بہت سخت ضرورت ہوگی کیونکہ وہ خود بڑھاپے کی وجہ سے کما نہیں سکتا' بچے جوان نہیں جو اس کو کما کر لا دیں بلکہ خود ان بچوں کی پرورش کی اس پر ذمہ داری ہے' اب اچانک اگر وہ باغ کسی آگ والے بگولے سے جل جائے تو اس کے نقصان اور محرومی کا کیا عالم ہوگا' اسی طرح انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے اور فقراء اور مساکین کو صدقہ و خیرات دے اور اس کو یہ امید ہو کہ آخرت میں جب وہ نیک عمل کرنے سے بالکل عاجز ہوگا اور اس کو نیکیوں پر اجر و ثواب کی سخت حاجت ہوگی اور کہیں اور کسی ذریعہ سے کسی نیکی کے ملنے کا امکان نہیں ہوگا اور اس کی واحد امید وہ صدقات و خیرات ہوں جو اس نے دنیا میں کیے تھے' پھر اس کو اچانک معلوم ہو کہ اس نے جو ان صدقات پر احسان جتایا تھا اور فقراء کو طعنے دے کر ایذاء پہنچائی تھی اس سے وہ تمام صدقات ضائع ہو چکے ہیں تو اس شخص کی محرومی کا کیا عالم ہوگا۔

اس مثال کی دوسری تقریر یہ ہے' حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ نے یہ مثال بیان کی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ساری عمر صالح اور نیک عمل کرتا رہے حتیٰ کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے' اس کی موت قریب آ لگے اور اس کی ہڈی کمزور ہو چکی ہو اور اس وقت اس کو اس بات کی سب سے زیادہ احتیاج ہو کہ اس کے اعمال کا خاتمہ نیکیوں پر ہو' اور اس وقت وہ دوزخیوں کے سے بُرے کام کرنا شروع کر دے اور ایسے بُرے کام کرے جن سے اس کے سابقہ سارے نیک کام اور صالح عمل اکارت چلے جائیں اور ضائع ہو جائیں اور اس کی زندگی کے سارے نیک کاموں کا باغ اس آخری برائی سے جل کر راکھ ہو جائے' اس مثال کا حضرت عمر پر بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ حیران ہو گئے۔

اے بار الٰہ! مصنف اور اس کتاب کے قارئین کو ایسی برائی سے اپنی پناہ میں رکھنا جو زندگی کی ساری نیکیوں کو جلا ڈالے اور ہمیں حسن عاقبت سے محروم نہ کرنا اور ایمان اور اعمال صالحہ پر ہمارا خاتمہ کرنا' مصنف اپنی زندگی کے آخری حصہ میں ہے' اس کو اپنی پناہ اور امان میں رکھنا' آمین!

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! جب میرا بڑھاپا ہو اور میری عمر کے انقطاع کا وقت ہو اس وقت مجھے اپنا سب سے وسیع رزق عطا فرمانا۔ (معجم اوسط ج ۱ ص ۳۴۰' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۰۵ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ

نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اور (اللہ کی راہ میں) اُن کی ناکارہ

تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا

اور ناقابلِ استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کیے بغیر لینے والے نہیں ہو، اور یقین رکھو

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

کہ اللہ بے نیاز بہت تعریف کیا ہوا ہے O شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ

اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۙۖ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

بڑی وسعت والا بہت جاننے والا ہے O وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا

حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیرِ کثیر دی گئی، اور صرف عقل والے

الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ

ہی نصیحت قبول کرتے ہیں O اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو

نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

بھی نذر مانتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ

اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے، اور اگر تم ان کو مخفی رکھو اور

تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ

فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور (یہ صدقہ کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا

سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ

اور تمہارے سب کاموں سے اللہ خبر رکھنے والا ہے O (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ

هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا

کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے' لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے اور تم جو

مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط

اچھی چیز خرچ کرتے ہو سو وہ تمہارے نفع کے لیے ہے' اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہی خرچ کرتے ہو

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

اور تم جو اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ان کا تم کو پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

(یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں' جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے)

ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ

زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے' ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوش حال

التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ

سمجھتا ہے' (اے مخاطب!) تم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) ان کو صورت سے پہچان لو گے' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال

۳۷ ع ۷ ۵ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

نہیں کرتے' اور تم جو اچھی چیز بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو' بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے O

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ

جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ

عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ

کرتے ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

وقف منزل

صدقہ میں دیئے جانے والے مال کی صفات کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صدقات اور خیرات کے متعلق چھ آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہیے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہیے اور صدقہ و خیرات کرنے کے بعد فقراء پر احسان جتانا چاہیے اور نہ طعنے دے کر انہیں اذیت پہنچانی چاہیے اور محض صفاء باطن اور تزکیہ نفس کے لیے صدقہ اور خیرات کرنی چاہیے۔ اس کے بعد آنے والی آٹھ آیتوں (البقرہ: ۲۷۴۔ ۲۶۷) میں بتایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مال دیا جائے اس مال کی صفت کیسی ہو وہ ردی' ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو' نیز یہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں اچھا مال دینے کا جو حکم فرمارہا ہے' اس میں اس کی کوئی غرض نہیں ہے' اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور آخرت میں تم کو اس کا پورا پورا اجر دے دیا جائے گا بہ شرطیکہ تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ اور خیرات کرو' نام و نمود کے لیے نہیں' نیز یہ فرمایا ہے کہ تمہارے صدقات کے اصل میں مستحق وہ فقراء ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا ہے' جو باوجود سخت ضرورت اور بھوک و پیاس کے اپنی خودداری کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اور ان کی اس روش کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں' نیز یہ فرمایا ہے کہ اگر نیت درست ہو تو علانیہ اور خفیہ ہر طرح صدقہ و خیرات کرنا درست ہے اور صدقہ و خیرات کرنے والے آخرت میں کسی خوف سے دوچار ہوں گے نہ غم سے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی' ہم لوگوں کے کھجوروں کے درخت تھے' اور جس شخص کے پاس جتنی زیادہ یا کم کھجوریں درختوں سے اترتی تھیں وہ اسی حساب سے کھجوریں لاتا تھا' کوئی شخص کھجوروں کا ایک گچھا لاتا کوئی دو گچھے لاتا اور ان کو مسجد میں لٹکا دیتے' اور اہل الصفہ (وہ صحابہ جنہوں نے قرآن و حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے خود کو وقف کر لیا تھا اور وہ دن رات مسجد نبوی میں رہتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا' اس وجہ سے ان کو اصحاب الصفہ کہا جاتا ہے' صفہ کے معنی چبوترہ ہیں) کے پاس کھانا نہیں ہوتا تھا' ان میں سے جب کسی کو بھوک لگتی تو وہ ان گچھوں پر لاٹھی مارتا تو اس سے ادھ پکی کھجوریں اور چھوارے گر جاتے اور وہ ان کو کھا لیتے' ادھر لوگوں کو صدقہ اور خیرات میں خاص رغبت نہیں تھی' وہ کھجوروں کے ایسے گچھے لے کر آتے جن میں سوکھی ہوئی' ردی اور بے کار کھجوریں ہوتیں' اور وہ ان کو لا کر لٹکا دیتے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی پاکیزہ کمائی سے اچھی اور عمدہ چیزوں کو خرچ کرو' اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں' اور (اللہ کی راہ میں) ایسی ناکارہ اور ناقابل استعمال چیز دینے کا قصد نہ کرو جس کو تم خود بھی آنکھیں بند کیے بغیر لینے والے نہیں ہو۔ (جامع ترمذی ص ۴۲۵۔ ۴۲۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں اس چیز کو صدقہ کرنا چاہیے جو فی نفسہ حلال اور طاہر ہو اور وہ چیز حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو جو چیز فی نفسہ حلال نہ ہو مثلاً مردار یا حرام جانور اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں ہے یا وہ چیز فی نفسہ حلال ہو لیکن ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً سود رشوت یا کسب حرام سے جو پیسہ حاصل ہو اس سے کوئی چیز خرید کر صدقہ کی جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا' اور اللہ صرف پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے' تو اللہ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے' پھر اللہ اس صدقہ کو پالتا (بڑھاتا) رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کو پالتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ کھجور کا صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو۔ (البقرہ: ۲۶۷)

حلال کمائی کی مدح اور بربناء ضرورت اولاد کے مال سے کھانے کا جواز

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب (کمائی) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: جائز تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

امام عبد بن حمید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' حضرت عائشہ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اپنی پاکیزہ کمائی سے کھاؤ' اور تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے' تمہاری اولاد اور ان کے اموال تمہاری ملکیت ہیں۔

امام احمد' امام عبد بن حمید' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جس کو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

امام عبد بن حمید حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرے باپ کے پاس بھی مال ہے اور اس کی اولاد بھی ہے' اور میرا باپ میرے مال سے لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔

امام عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ والد اپنی اولاد کے مال سے جو چاہے لے سکتا ہے' اسی طرح والدہ بھی' اور اولاد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کے مال سے اس کی مرضی کے بغیر کوئی چیز لے۔

امام عبد الرزاق اور امام عبد بن حمید نے زہری سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر ضرورت کے اپنی اولاد کا مال بالکل نہ لے اور ضرورت کے وقت دستور کے مطابق لے' اور ابراہیم سے روایت ہے کہ کھانے' کپڑے اور لباس کے علاوہ اور کچھ نہ لے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کی کمائی حرام ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھ کر ندا کرتا ہے: ''اللھم لبیک'' تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے: ''لبیک و سعدیک'' تمہارا زادِ راہ حلال ہے اور تمہاری سواری حلال ہے' تمہارا حج مبرور ہے' اس میں گناہ نہیں ہے' اور جب کوئی شخص حرام کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھتا ہے اور ''لبیک اللھم لبیک'' کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے: تمہارا ''لبیک'' کہنا مقبول نہیں' تمہارا سفر خرچ حرام ہے' تمہارا حج غیر مبرور ہے اور مقبول نہیں ہے۔

امام اصبہانی نے ''الترغیب'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حرام مال سے حج کیا اور ''لبیک اللھم لبیک'' کہا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارا ''لبیک'' کہنا مردود ہے' تمہارا حج مردود ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی ص ۳۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

اگر کسی شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ہو اور اب اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اصل مالکوں کو واپس کر دے' اگر وہ فوت ہو چکے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے' اور اگر ان کا پتا نہ چلے تو اس مال کو ان مالکوں کی طرف سے صدقہ کر دے اور یہ بہرحال جائز نہیں ہے کہ وہ مال حرام سے زکوٰۃ ادا کرے' صدقات و خیرات اور حج اور عمرہ کرے' علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی فقیر کو مال حرام سے کوئی چیز دی اور اس میں ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا' اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مال حرام سے دیا ہے' اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے لیکن تکفیر اس وقت ہو گی جب اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو مثلاً سود' یا خمر اور زنا کی آمدنی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (البقرہ: ۲۶۷)

عشر کا بیان

اس آیت میں صدقات فرضیہ زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کا حکم دیا ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں' تو حضرت علی نے فرمایا: یعنی دانے (غلہ)' پھل اور ہر وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۵۵۔ ۵۴' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

چونکہ اس آیت میں اصالۃً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم زرعی پیداوار پر عشر میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں۔

عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات

غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر) کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حدیث مذکور کی روشنی میں غلہ اور پھلوں کے لیے پانچ وسق (بتیس من) کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ جس شخص کے کھیتوں اور باغات سے

پانچ وسق یا اس سے زائد پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا اور جس شخص کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ غلہ، پھل اور سبزیوں کی زمین سے جس قدر پیداوار بھی حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔

عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہل علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے، البتہ امام ابوحنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ قلیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے، اور چونکہ زمین کی پیداوار میں سال گزرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ حدیث خاص ہے اور امام ابوحنیفہ کی پیش کردہ حدیث عام ہے جس کی اس حدیث سے تخصیص کرنا واجب ہے۔

(المغنی ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

عشر کے نصاب میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں ہے اور زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۔ (الانعام: ۱۴۱) درخت کا پھل جب پھل دے تو اس سے کھاؤ اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پھلوں کا کوئی نصاب نہیں بیان کیا، اس سے معلوم ہوا کہ درخت کے پھلوں پر مطلقاً عشر واجب ہے، خواہ ان کی مقدار کثیر ہو یا قلیل، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ (البقرۃ: ۲۶۷) اے ایمان والو! اپنی کمائی سے اچھی چیزوں کو خرچ کرو اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو)۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال یوں ہے کہ اس آیت میں "ما" عام ہے جس کا تقاضا ہے: زمین سے ہم نے جو بھی تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو، اور پانچ وسق والی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن مجید کا عموم قطعی ہے اور ظنی دلیل سے قطعی کی تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عام کو خاص نہ کرنا، امام ابوحنیفہ کا مشہور قاعدہ ہے، اور یہ انتہائی دقت نظری اور باریک بینی پر مبنی ہے، اس قاعدہ میں فرق مراتب ملحوظ رکھا گیا ہے اور قرآن مجید سے ثابت شدہ چیز کو حدیث شریف سے ثابت شدہ چیز پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے۔ فقہ حنفی کے متعدد احکام اس قاعدہ پر موقوف ہیں اور یہ صرف فقہ حنفی کی خصوصیت ہے جب کہ دیگر ائمہ ثلاثہ اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھتے اور قرآن مجید کے عموم قطعی کی احادیث غیر متواترہ سے تخصیص کر کے قرآن مجید کو حدیث کے تابع کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آیت کریمہ "اخرجنا لکم من الارض" کی پانچ وسق والی حدیث سے تخصیص کر دیتے ہیں۔

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

ہم آیت کریمہ کے عموم کے مقابلہ میں پانچ وسق والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن کریم کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کرنے میں اختلاف ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۱۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث صحیحہ میں بھی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم عام ہے امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی ۱/۲۰)۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا اور یہ حدیث عموم قرآن کے مطابق ہے نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (۱/۲۰ بیسواں حصہ) ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان دونوں روایات کو ذکر فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کے بعد امام ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث کو بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی ''مصنف'' میں اس مضمون کی انیس احادیث روایت کی ہیں ہم ان میں سے چند کا ذکر کر رہے ہیں۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے (معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی ''سنن'' میں روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنویں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف

عشر ہے۔ (المصنف ج ۴ ص ۱۳۲ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' الطبعۃ الاولیٰ '۱۳۹۰ھ)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۱۳۳ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' الطبعۃ الاولیٰ '۱۳۹۰ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں: زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ '۱۴۰۶ھ)

حماد کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ '۱۴۰۶ھ)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوٰۃ ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ '۱۴۰۶ھ)

ائمہ ثلاثہ جو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کو واجب نہیں قرار دیتے قرآن کریم کی عمومی آیت اور ان تمام احادیث اور آثار کے تارک ہیں اور عمومی دلائل کے پیش نظر ان کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔

پانچ وسق والی احادیث کی احناف یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اموال تجارت پر محمول ہیں کیونکہ اس وقت پانچ وسق (بارہ سو کلو گرام) دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں

جو زمین عشری ہو اس سے عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو اس سے خراج لیا جاتا ہے' عشر کی ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے' اور خراج اصالۃً غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور اس کی مختلف پیداوار کے اعتبار سے ادائیگی کی مختلف شرح ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے' اگر مسلمان کسی خراجی زمین کو خرید لے تب بھی اس سے حسب سابق خراج ہی وصول کیا جائے گا' عشری اور خراجی زمین کے بیان میں علامہ المرغینانی لکھتے ہیں:

ہر وہ زمین جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو' یا جس زمین کو جنگ سے فتح کر کے مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) میں تقسیم کر دیا ہو وہ زمین عشری ہے' اور ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور وہاں کے رہنے والوں کو اسی زمین پر برقرار رکھا گیا ہو وہ زمین خراجی ہے اور اسی طرح اس زمین کا حکم ہے جہاں کے رہنے والوں سے صلح کر کے اس پر قبضہ کیا ہو' اور مکہ مکرمہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ اور غلبہ سے فتح کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا' اور ''جامع صغیر'' میں مذکور ہے کہ ہر وہ زمین جس کو جنگ سے فتح کیا گیا ہو اور اس میں دریاؤں کا پانی پہنچتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اس تک دریاؤں کا پانی نہ پہنچتا ہو اور اس زمین سے چشمہ نکالا جائے تو وہ عشری زمین ہے' کیونکہ عشر کا تعلق اس زمین سے ہوتا ہے جس میں نشوونما ہو' اور نشوونما کا تعلق اس زمین کے پانی سے ہے اس لیے عشر کے پانی یا خراج کے پانی سے سیرابی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اس کے

قرب کا اعتبار کیا جائے گا' اگر وہ خراجی زمین کے قریب ہے تو خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو عشری ہے' اور امام محمد نے کہا: اگر اس نے اس زمین میں کنواں کھود کر اس کے پانی کو سیراب کیا ہے یا اس زمین کے چشمہ سے اس کو سیراب کیا ہے یا ان بڑے بڑے دریاؤں سے اس کو سیراب کیا ہے' جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ زمین عشری ہے' اسی طرح اگر اس زمین کو بارش کے پانی سے سیراب کیا ہے تو بھی وہ زمین عشری ہے اور اگر اس زمین کو عجمیوں کی کھودی ہوئی نہروں سے سیراب کیا ہے تو وہ زمین خراجی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۱ـ ۵۹۰ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

خراج کی مقدار کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد ہر جریب (تیس گز زمین) پر ایک صاع (چار کلوگرام غلہ) اور ایک درہم مقرر کیا تھا' بہ شرطیکہ اس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور جس زمین میں ککڑی' خربوزے اور بینگن وغیرہ سبزیوں کی کاشت ہو اس میں ہر جریب پر پانچ درہم مقرر کیے اور جس زمین میں انگور کی بیلیں لگی ہوں یا کھجور کے درخت ہوں اس میں ہر جریب پر دس درہم مقرر کیے' حضرت عمر نے صحابہ کی جماعت کے سامنے یہ شرح مقرر کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا' اس لیے اس پر اجماع ہو گیا' نیز اس لیے کہ کاشتکاری میں کم و بیش مشقت ہوتی ہے' انگوروں کی بیل لگانے میں سب سے کم مشقت اور غلہ اگانے میں سب سے زیادہ مشقت ہے اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی مشقت ہے اور مشقت کے فرق کی وجہ سے وظیفہ خراج میں بھی تفریق کی گئی اور انگوروں کی بیل میں سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب وظیفہ مقرر کیا گیا اور غلہ کی کھیتی باڑی میں سب سے کم یعنی ایک صاع غلہ اور ایک درہم فی جریب مقرر کیا گیا اور سبزیوں کی کاشت میں درمیانی وظیفہ یعنی پانچ درہم فی جریب مقرر کیا گیا' ان کے علاوہ زراعت کی دیگر اجناس مثلاً زعفران اور باغات (جن کے گرد چار دیواری ہو) میں کاشتکاری کی مشقت کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جائے گا اور یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے' ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ان زمینوں سے پیداوار کے نصف سے زیادہ خراج نہ لیا جائے کیونکہ کاشتکار نصف پیداوار سے زیادہ ادا کرنے کا متحمل نہیں ہو گا' اگر کاشتکار امام کے مقرر کردہ خراج کو ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو پھر امام کو اس کی مقدار میں کمی کر دینی چاہیے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۹۲ـ ۵۹۱ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

ایک درہم ۳،۰۶ گرام چاندی کے برابر ہے اور پانچ درہم ۱۵،۳ گرام چاندی کے برابر ہیں اور دس درہم ۳۰،۶ گرام چاندی کے برابر ہیں۔

اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان

جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں ان پر قطعیت کے ساتھ عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے' کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداءً ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی' بعض صورتیں عشری زمین کی ہیں اور بعض خراجی زمین کی' اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیر تصرف ہوں اور ان کے متعلق عشری یا خراجی ہونا یقینی اور متحقق نہ ہو ان کو عشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں:

ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بہ خوشی مسلمان ہوئے اس کی زمین عشری ہے' کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول) مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تاکہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جائے' لہٰذا ان پر عشر ہو گا۔ (المبسوط ج ۳ ص ۷ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

لہٰذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زمین میں زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداء بھی عشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے' کیونکہ عشر اصالۃً مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصالۃً کافروں پر ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

زمینیں وظیفہ (محصول یا ٹیکس) کی ادائیگی سے خالی نہیں ہیں اور یہ وظیفہ یا عشر ہوگا یا خراج اور مسلمانوں کے زیر تصرف زمین میں عشر سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے کیونکہ عشر میں عبادت کا معنی ہے' خراج میں ذلت کا معنی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷' مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی' ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح حکومت پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الاٹ کر دیں یا ان کو بہ طور عطیہ دیں' یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں وہ بھی عشری ہیں' علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

جس زمین کو مال غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے وہ بھی عشری ہے کیونکہ مسلمان پر ابتداءً خراج مقرر نہیں کیا جاتا۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے' اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے' اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶۸)

بخل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

فحشاء کا معنی بے حیائی ہے اور اس آیت میں بخل پر بے حیائی کا اطلاق کیا گیا ہے' کیونکہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اس کی ضروریات سے زیادہ مال دیا ہے اور جب اس کے سامنے کوئی ضرورت مند سائل سوال کرے تو وہ اس کی ضرورت کو پورا کرے اور اس کو یہ خیال آئے کہ آخر وہ بھی تو اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اللہ جب اس کو ضرورت سے زیادہ عطا کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے سائل کو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیاء کرے' اور جو انسان کسی کو صدقہ اور خیرات دینے کا ارادہ کرتا ہے شیطان اس کو مستقبل کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے اور اس کو پیش آنے والی تنگ دستی یاد دلاتا ہے' اس کو صدقہ دینے سے منع کرتا ہے اور اسے سائل کو بُری طرح جھڑکنے کا حکم دیتا ہے' اور اللہ صدقہ کرنے پر تم سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور جتنا تم دو گے آخرت میں تم کو اس سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○ (سبا: ۳۹)

اور تم جو کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے وہ تمہیں اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ○

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ترمذی تحسین سند کے ساتھ' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام ابن حبان اور امام بیہقی ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ شیطان اس کو شر سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتہ اس سے خیر کا وعدہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۴۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی۔
(البقرہ: ۲۶۹)

حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے اقوال

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' مجاہد' ضحاک اور مقاتل نے کہا: حکمت سے مراد قرآن ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید کے ناسخ اور منسوخ' محکم اور متشابہ' اور مقدم اور مؤخر کی معرفت حکمت ہے۔ سدی نے کہا: حکمت سے مراد نبوت ہے۔ ابراہیم' ابوالعالیہ اور قتادہ نے کہا: حکمت سے مراد فہم قرآن ہے' لیث نے مجاہد سے روایت کیا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے' ابن نجیح نے مجاہد سے روایت کیا: اس سے مراد قول اور فعل کا درست ہونا ہے۔ حسن نے کہا: اس سے اللہ کے دین میں تقویٰ مراد ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد خشیت (خوف خدا) ہے' ابن زید نے کہا: اس سے مراد اللہ کے حکم میں تعقل ہے' شریک نے کہا: فہم ہے' ابن قتیبہ نے کہا: علم اور عمل کا مجموعہ ہے' مجاہد نے کہا: کتابت ہے' ابن المقفع نے کہا: جس چیز کی صحت کی عقل گواہی دے' قشیری نے کہا: اللہ کے احکام میں غور و فکر کرنا اور ان کا اتباع کرنا' نیز انہوں نے کہا: اللہ کی اطاعت' فقہ' دین اور اس پر عمل کرنا' عطاء نے کہا: مغفرت' ابوعثمان نے کہا: وہ نور جس کی وجہ سے وسوسہ اور الہام میں فرق ہو' قاسم بن محمد نے کہا: اپنی خواہشات کی بجائے حق کے مطابق فیصلہ کرنا' بندار بن حسین نے کہا: سرعت کے ساتھ صحیح جواب دینا' مفضل نے کہا: کسی چیز کو صحت کی طرف لوٹانا' کتانی نے کہا: جس چیز سے روحوں کو سکون ملے' اور یہ اقوال ہیں: ہر حال میں حق کی گواہی دینا' دین کی بہتری اور دنیا کی اصلاح کرنا' علم لدنی' اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنا اور الہام کا مورد بننے کے لیے صفاء باطن کرنا' یہ کل پچیس اقوال ہیں۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۸۲۔ ۶۸۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام

حکمت کی دو قسمیں ہیں: حکمت نظری اور حکمت عملی' حکمت نظری کی یہ تعریف ہے کہ بشری طاقت کے مطابق حقائق اشیاء کا اس طرح علم ہو جس طرح وہ اشیاء واقع میں ہیں' اور حکمت عملی یہ ہے کہ انسان برے اخلاق کو ترک کرے اور اچھے اخلاق کو اپنائے' اور ایک تعریف یہ ہے کہ بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر عمل کرنا اور آپ کے تمام افعال کی اتباع کرنا' حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں' اگر اس کا تعلق ایک فرد کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ایک خاندان کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اسے تدبیر منزل کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق ایک شہر یا ملک کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو سیاست مدنیہ کہتے ہیں۔

حکمت کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے کتاب الزہد میں مکحول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چالیس دن اللہ کے ساتھ اخلاص کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے' جہاں سے بھی حکمت ملے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقمان نے اپنے

بیٹے سے کہا: اے بیٹے! علماء کی مجالس کو لازم رکھو اور حکماء کا کلام سنو کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مردہ زمین تیز بارش سے زندہ ہو جاتی ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم علم بہت عبادت سے بہتر ہے اور کسی شخص کے فقیہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور کسی شخص کے جاہل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ (قرآن اور سنت کے خلاف) اپنی رائے کو پسند کرے۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں امام دارقطنی نے اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین میں فقہ حاصل کرنے سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے اور ایک فقیہ شیطان کے نزدیک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر میں ایک ساعت بیٹھ کر دین کا علم حاصل کروں تو یہ میرے نزدیک ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو جمع کرے گا' پھر ان میں سے علماء کو الگ کرے گا' پھر فرمائے گا: اے علماء کے گروہ! میں نے تمہیں عذاب دینے کے لیے تم میں اپنا علم نہیں رکھا تھا' جاؤ! میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۵۱۔ ۳۵۰ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ 'ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

(البقرہ: ۲۷۰)

نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام

علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: نذر کا معنی ہے: تاوان' کسی چیز کو واجب کرنا' اللہ کے لیے منت ماننا۔

(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۹۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ راغب اصفہانی نذر کا شرعی معنی بیان کرتے ہیں:

نذر یہ ہے کہ تم کسی کام کے ہونے کی بناء پر اپنے اوپر ایسی عبادت کو واجب کر لو جس کو تم پر واجب نہیں کیا گیا ہے۔

(المفردات ص ۴۸۷ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ 'ایران' ۱۳۴۲ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ (آل عمران: ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو آزاد کیا ہوا ہے (وہ خالص تیرے لیے ہے) تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۚ (مریم: ۲۶)

(اے مریم!) تم کہنا: میں نے رحمان کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہے سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . (الحج: ۲۹) اور ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے لیے مانی ہوئی نذروں کو پورا کریں۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

نذر کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم حرام ہے اور یہ ہر وہ نذر ہے جو اللہ کی اطاعت میں نہ ہو' اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر نذریں ایسی ہوتی تھیں' اور دوسری قسم ہے مباح' یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور کبھی مطلق ہوتی ہے' مثلاً اگر میں فلاں مرض سے شفا پا جاؤں تو میں ایک دینار صدقہ کروں گا' (یہ نذر مشروط ہے) یا میں اللہ کے لیے ایک غلام آزاد کروں گا' (یہ غیر مشروط ہے) اور کبھی نذر مطلق ہوتی ہے' مثلاً اگر میں صحت مند ہو گیا تو میں صدقہ کروں گا۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

اکثر عوام جو فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر جو روپے' موم بتی اور تیل کی نذر مانتے ہیں' وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے' جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے' لوگ اس آفت میں بہت مبتلا ہیں خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

مثلاً کوئی شخص اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی نذر میں کہتا ہے: اے میرے سردار فلاں بزرگ! اگر میرا گم شدہ شخص واپس آ جائے یا میرا بیمار صحت مند ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے' تو میں آپ کے لیے اتنا سونا یا چاندی' یا کھانا' یا موم بتی یا تیل دوں گا۔ (البحر الرائق) یہ نذر کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے: (۱) یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر باطل اور حرام ہے' کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے (۲) جس کی نذر مانی گئی ہے' وہ فوت شدہ ہے اور فوت شدہ شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا (۳) اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ وہ فوت شدہ شخص اللہ کے اذن کے بغیر تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے' ہاں! اگر اس نے یہ کہا کہ اے اللہ! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا' یا میری حاجت پوری کر دی تو میں سیدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا' یا امام شافعی یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا' یا اس نے ان کی مساجد کے لیے چٹائی اور روشنی کے لیے تیل یا دیگر کاموں کے لیے روپیہ دیا جس میں فقراء کا نفع ہو' یہ نذر خاص اللہ کے لیے ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کو خرچ کرنے کے محل کے لیے ہوتا کہ اس مزار یا مسجد میں بیٹھنے والے فقراء اور مستحقین پر ان چیزوں کو خرچ کر دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے' اور کسی غنی یا سید پر ان چیزوں کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے' اور جو نذر مخلوق کے لیے مانی گئی ہو اس کو پورا کرنا حرام ہے اور مزار کے متولی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے' جب تک نذر ماننے والا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر نہ مانے اور فقراء پر اس کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں' اور شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے' اسی لیے اگر کسی نے گناہ کی نذر

کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو نذر کے لیے صرف کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یارب! میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے کہ فلاں بیمار کو تندرست کر دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔ (ردالمحتار) (خزائن العرفان ص ۲۷ 'مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کے لیے نذر مانے اور اس عبادت کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دے۔

اردو لغات میں نذر کا معنی ہدیہ اور تحفہ بھی ہے اور منت اور چڑھاوا بھی ہے۔ (قائد اللغات ص ۹۵۹) لیکن عربی میں نذر کا وہی معنی ہے جس کو ہم نے ''قاموس'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام مالک' امام بخاری' امام ابوداؤد' امام ترمذی' اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے اس کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اس کی معصیت نہ کرے۔ امام مسلم' امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر نہ مانا کرو' کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی' نذر تو صرف بخیل آدمی مانتا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۵۱ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ 'ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے' اور اگر ان کو مخفی رکھو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور (یہ صدقہ کرنا) تمہارے بچھ گناہوں کو مٹا دے گا۔ (البقرہ: ۲۷۱)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

صدقہ فرضیہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے' امام طبری نے اس پر اجماع نقل کیا ہے' اور قاضی ابو یعلیٰ کا بھی یہی مختار ہے' نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نفلی صدقہ کو مخفی طور پر دینا افضل ہے' اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ نفلی صدقہ کو خفیہ طور پر دینا علانیہ صدقہ سے ستر درجہ افضل ہے' اور صدقہ فرضیہ کو علانیہ دینا خفیہ دینے سے پچیس درجہ افضل ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے' اس لیے یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا' زجاج نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زکوٰۃ کو خفیہ طور پر دینا بھی احسن تھا' لیکن اب لوگ بدگمانی کرتے ہیں اس لیے زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ خفیہ اور علانیہ صدقات کی ایک دوسرے پر افضلیت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(البحرالمحیط ج ۲ ص ۶۸۹۔۶۸۸ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خفیہ عمل علانیہ عمل سے افضل ہے' اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کے لیے علانیہ عمل افضل ہے۔

امام بخاری' امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے' جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایا نہیں ہوگا' امام عادل' وہ نوجوان جس کی اللہ کی عبادت میں نشوونما ہوئی' وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے' وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت کی وجہ سے ملتے ہیں اور

اللہ کی محبت کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں' وہ شخص جس کو کسی خوب صورت اور متقدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں' وہ شخص جس نے خفیہ صدقہ دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا حتیٰ کی اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔

امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی کے کام بری آفتوں سے بچاتے ہیں' اور خفیہ صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے' اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔

امام ابوداؤد نے' امام ترمذی نے تصحیح سند کے ساتھ' امام نسائی نے' امام ابن خزیمہ نے' امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے' جن سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس گیا اور اس نے ان سے محض اللہ کی وجہ سے سوال کیا' اس کی ان سے قرابت داری نہیں تھی' ایک شخص ان کے پیچھے سے اٹھا اور اس کو خفیہ طور پر صدقہ دیا' اللہ کے سوا اس صدقہ کا کسی کو علم نہیں تھا' یا اس سائل کو علم تھا' کچھ لوگوں نے رات کو سفر کیا اور ایک جگہ ٹھہر کر سو گئے' ان میں سے ایک شخص رات کو اٹھا اور اللہ کو یاد کرنے لگا اور اس کی آیات تلاوت کرنے لگا' ایک شخص کسی لشکر میں تھا' ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا' انہوں نے دشمن کو شکست دے دی' اس شخص نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا یا فتح یاب ہو گیا اور جن تین لوگوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی' متکبر فقیر اور ظالم تونگر۔

امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! موت آنے سے پہلے اللہ سے توبہ کرلو اور مشغول ہو جانے سے پہلے نیک عمل کرلو' اور اللہ کو بہت یاد کر کے اس سے وصل کرو' اور خفیہ اور علانیہ صدقہ دو' تمہیں رزق دیا جائے گا' تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارا نقصان پورا کیا جائے گا۔

امام احمد' امام ابن خزیمہ' امام ابن حبان' امام حاکم تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی ''شعب الایمان'' میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اس وقت تک ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں رہے گا۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے والوں کے لیے ان کا کیا ہوا صدقہ قبر کی گرمی کو دور کرے گا اور قیامت کے دن مومن صرف اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔

امام ترمذی نے تحسین سند کے ساتھ اور امام ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنا رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا صدقہ عمر میں اضافہ کرتا ہے' بری موت کو دور کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تکبر اور فخر کو دور کرتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۵ ۔ ۳۵۳ ' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۲)

اہل الذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے (نفلی) صدقات اپنے مشرک رشتہ داروں کو نہیں دیتے تھے اسی طرح انصار بنو قریظہ اور بنو نضیر کو صدقات نہیں دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (اے رسول!) انہیں ہدایت یافتہ کرنا آپ کے ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نفلی صدقات ذمی کافروں کو دیئے جا سکتے ہیں یعنی جو کافر مسلمانوں کے ملک میں حکومت کی امان کے ساتھ رہتے ہیں وہ اہل ذمہ کے حکم میں ہیں ان کو نفلی صدقات دیئے جا سکتے ہیں اور صدقات فرضیہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے اور حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہدایت کو لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا آپ کا فریضہ اور منصب نہیں ہے آپ کا کام صرف ہدایت کو پہنچانا اور بیان کرنا ہے قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (الشوریٰ: ۴۸)

سو اگر یہ (اسلام قبول کرنے سے) منہ موڑیں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا منصب تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے۔ (البقرہ: ۲۷۳)

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: یہ فقراء اہل صفہ تھے جنہوں نے خود کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر لیا تھا ان کے پاس بالکل مال نہیں تھا ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی مجاہد نے کہا: یہ قریش کے فقراء مہاجرین تھے سعید بن جبیر نے کہا: یہ وہ صحابہ تھے جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر اپاہج ہو گئے تھے۔ نسائی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے زندگی کے کام کاج کرنے اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے سدی نے کہا: کفار نے ان کو گھیرے میں لے لیا تھا اور وہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے گھر گئے تھے قتادہ نے کہا: انہوں نے خود کو جہاد کے لیے وقف کر لیا تھا لیکن فقر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے تھے محمد بن فضل نے کہا: یہ وہ فقراء تھے جو اپنی بلند ہمت اور خودداری کی وجہ سے صرف اللہ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے زمخشری نے کہا: یہ وہ فقراء تھے جو جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کے لیے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

ہر چند کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ان فقراء کے متعدد مصداق بیان کیے ہیں لیکن ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان فقراء سے مراد اہل صفہ ہیں جنہوں نے خود کو علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا تھا یہ ستر نادار صحابہ تھے جو مسجد نبوی میں رہتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک چبوترہ بنوایا تھا یہ اپنی بلند ہمت اور خودداری کی وجہ سے کسی کے آگے

دست سوال دراز نہیں کرتے تھے انہوں نے اپنی وضع قطع مسکینوں اور درویشوں کی سی بنائی ہوئی تھی کہ ان کی ظاہری حالت قابل رحم ہو اور دیکھنے والا ان کو ضرورت مند سمجھ کر ان کی مدد کرے یہ صحابہ "خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر" کی عملی تصویر تھے یہ شدید ضروریات میں بھی اپنی سفید پوشی کو قائم رکھتے تھے اور اپنے چہروں سے اپنی بھوک اور پیاس کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور ان سے باتیں کرنے والا اور ان کی ظاہری حالت کو دیکھنے والا ان کو خوش حال اور شکم سیر گمان کرتا تھا' اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ اہل اسلام کے مہمان تھے' ان کا کوئی گھر نہیں تھا نہ مال' اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے! میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین سے لگائے رکھتا تھا' اور بھوک کے غلبہ کے وقت اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا' ایک دن میں ایک راستہ پر بیٹھا تھا جہاں سے لوگ گزر رہے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے تو میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق پوچھا' میں نے ان سے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں اور مہمان بنا کر کھانا کھلائیں' وہ گزر گئے اور مجھے نہیں لے گئے' پھر حضرت عمر گزرے' میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی' ان سے بھی اسی لیے پوچھا تھا' وہ بھی مجھے نہیں لے گئے' پھر سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا' آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ آؤ اور چل پڑے' میں بھی آپ کے ساتھ گیا' آپ گھر چلے گئے' میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے اجازت دے دی' گھر میں دودھ کا ایک پیالہ تھا' آپ نے پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ ہمارے لیے فلاں شخص نے ہدیہ بھیجا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: لبیک' آپ نے فرمایا: جاؤ تم اہل صفہ کو بلا لاؤ' وہ اہل اسلام کے مہمان ہیں' ان کا گھر بار ہے نہ مال ہے' آپ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تھا تو آپ اس کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور خود اس میں سے بالکل نہیں کھاتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تھا' تو آپ ان کے پاس بھی بھیجتے تھے' اور خود بھی اس میں سے تناول فرماتے تھے' مجھے آپ کا یہ فرمانا ناگوار لگا' میں نے سوچا: یہ ایک پیالہ دودھ تمام اصحاب صفہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے' اب میں ان کو بلا کر لاؤں گا' پھر فرمائیں گے: ان کو یہ دودھ پلاؤ' میرے لیے تو اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں بچے گا' اور مجھے یہ امید تھی کہ شاید آپ یہ سارا دودھ مجھے دے دیں گے' لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا' میں گیا اور ان کو بلا کر لایا' وہ سب آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور ان کو پیش کرو' میں نے وہ پیالہ لیا اور ان میں سے ایک شخص کو پلایا' اس نے اس پیالے سے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا' پھر میں نے دوسرے کو پلایا حتیٰ کہ آخر میں میں اس پیالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' اور تمام اصحاب صفہ سیر ہو کر پی چکے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لے کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا' پھر آپ سر اٹھا کر مسکرائے' اور فرمایا: اے ابوہریرہ! پیو' میں نے پیا' آپ نے فرمایا: (اور) پیو' میں نے پیا' میں اسی طرح پیتا رہا اور آپ فرماتے رہے: پیو' حتیٰ کہ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اب بالکل گنجائش نہیں ہے' آپ نے وہ پیالہ لیا' اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر پی لیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۶ - ۳۵۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اصحاب صفہ وہ فقراء صحابہ تھے جن کا گھر بار تھا نہ ان کے پاس مال و منال تھا' انہوں نے علم دین کے حصول کے لیے خود کو وقف کیا ہوا تھا' وہ سخت بھوک و پیاس کے عالم میں بھی کسی کے آگے دست سوال دراز

نہیں کرتے تھے اور ان کی ظاہری حالت سے ان کی اندرونی کیفیات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا' قرآن مجید کے بیان کردہ اوصاف انہی پر پوری طرح صادق آتے تھے' نیز حسب ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس آیت کا مصداق اصحاب صفہ ہی تھے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت سے مراد اصحاب صفہ ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ' اور اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے' ان کا گھر تھا نہ ان کے پاس مال تھا' جب آپ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس سے تناول نہیں فرماتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی تناول فرماتے۔

امام ابونعیم نے ''حلیہ'' میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ بھوک کی شدت سے قیام کے دوران گر پڑتے تھے' یہ اصحاب صفہ تھے' دیہاتی لوگ ان کو مجنون گمان کرتے تھے۔

امام ابن سعد' عبداللہ بن احمد اور امام ابونعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر تھی' ان میں کسی کے پاس چادر نہیں تھی۔

امام محمد بن سعد نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کا مدینہ میں کوئی گھر تھا نہ کوئی قبیلہ' اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۵۸' ملتقطا مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوش حال سمجھتا ہے' اے مخاطب تم (ان میں بھوک کے آثار دیکھ کر) ان کو صورت سے پہچان لو گے' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔ (البقرہ: ۲۷۳)

گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت میں احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک کھجور یا دو کھجور لوٹا دیں' یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں' مسکین تو صرف وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے فاقہ یا اپنے گھر والوں کے فاقہ کے بغیر سوال کیا' قیامت کے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا' اور اللہ تعالیٰ اس پر فاقوں کا دروازہ کھول دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بلاضرورت سوال کیا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوں گی۔

امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مال بڑھانے کے لیے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے' کم سوال کرے یا زیادہ۔

امام احمد' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کثرت مال سے غنی نہیں ہوتا' بلکہ غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حرص کرنے سے بچو' کیونکہ حرص ہی درحقیقت فقر ہے اور اس بات سے بچو کہ تم سے معذرت کی جائے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھ کر اپنی کمر پر لادے اور اس کو فروخت کر کے سوال کرنے سے بچے' وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے' وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

امام احمد' امام ابویعلیٰ' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت خالد بن عدی الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز بغیر کسی طمع اور بغیر کسی سوال کے پہنچی ہو وہ اس کو قبول کر لے' یہ اس کو اللہ نے رزق عطا کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۶۲۔ ۳۵۸ ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

سوال کرنے کی حد جواز

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یا اتنی بدنی طاقت ہو کہ وہ محنت مزدوری کر کے ایک دن کی خوراک حاصل کر سکے' اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دینے والے کو یہ علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو دے تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ وہ حرام کام میں مدد کر رہا ہے' اور اگر وہ شخص طلب علم دین یا جہاد میں مشغول ہو اور وہ کپڑوں کا سوال کرے تو جائز ہے' بہ شرطیکہ اس کو کپڑوں کی ضرورت ہو۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے' اس کے سوال پر اس کو دینا تو حرام ہے' لیکن جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس کو اس کے سوال کے بغیر بہ طور صدقہ اور خیرات کے دینا جائز ہے اور کار ثواب ہے اور جو شخص صاحب نصاب ہو اس کو بہ طور ہدیہ اور ہبہ کے دینا جائز ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۶۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں آ کر سوال کرتے ہیں اور بعض علماء ایسے سوال کرنے والوں کو مطلقاً منع کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے' ہاں! اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر قول مختار کے مطابق وہ مکروہ نہیں ہے' اسی طرح ''اختیار'' اور ''مواہب الرحمان'' میں مذکور ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں قرآن کی آیت نازل کی: جو لوگ رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۸ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

''اختیار'' میں مذکور ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے آگے سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے' کیونکہ یہ لوگوں کو ایذاء دینے پر معاونت ہے' حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتے' علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ یہ کراہت نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے ہے جس کو ایذاء لازم ہے اور جب وہاں گزرنے کے لیے کشادہ جگہ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۸ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن بزار کردری احکام مسجد کے بیان میں لکھتے ہیں:

جو مسکین کھانے میں فضول خرچی کرتے ہوں' اور گڑگڑا کر مانگتے ہوں ان کو دینے سے بھی اجر ملے گا' لیکن اگر کسی معین شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے اور گڑگڑا کر مانگتا ہے تو پھر اس کو دینے سے اجر نہیں ہوگا۔

(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۵۸۔ ۳۵۷ 'مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو سائل مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرے یا نمازیوں کی گردنیں پھلانگے' یا گڑگڑا کر سوال کرے یا اس کے متعلق دینے والے کو معلوم ہو کہ یہ فضول خرچی کرتا ہے یا اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے یا یہ شخص صحت مند ہے اور محنت مزدوری کر کے کما سکتا ہے اس کے سوال پر اس کو دینا جائز نہیں ہے' اور اگر یہ موانع اور عوارض نہ پائے جائیں تو اس سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ رات اور دن میں خفیہ اور علانیہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر ہے' اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O (البقرہ: ۲۷۴)

خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب دی ہے' اب یہ فرما رہا ہے کہ صدقہ کرنے کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے' دن اور رات کے کسی بھی وقت میں خفیہ یا علانیہ صدقہ کیا جا سکتا ہے' اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں' حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں۔

امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام واحدی' حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا اور اس کا یہ عمل دکھانے اور سنانے کے لیے نہیں تھا تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

امام عبدالرزاق' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام طبرانی اور امام ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی' ان کے پاس چار درہم تھے' ایک درہم انہوں نے رات میں خرچ کیا' ایک دن میں' ایک خفیہ اور علانیہ۔

امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اللہ کی

راہ میں صدقات فرضیہ خرچ کرتے ہیں وہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت سورۂ توبہ سے پہلے نازل ہوئی تھی جب سورۂ توبہ میں صدقات فرضیہ اور ان کی تفصیل نازل ہوئی تو تمام صدقات اس تفصیل کے مطابق خرچ کیے جانے لگے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۴ 'مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ 'ایران)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے

الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود

الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا

کو حرام کیا ہے سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی پس وہ (سود سے) باز

سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تو وہی لوگ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷۵ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي

دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو

الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝۲۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ

بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہ گار کو پسند نہیں کرتا O بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ

اگر تم مومن ہو O پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ

اعلان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں نہ تم ظلم کرو

وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ

اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے O اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا

اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O اور اس دن

يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا

سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا

ع ۳۸ ۴/۶

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ ع

بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O

صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں صدقہ دینے کا ذکر کیا تھا اور اب ان آیتوں میں سود کو حرام کرنے کا ذکر فرما رہا ہے' صدقہ میں انسان کسی ظاہری اور دنیاوی معاوضہ کے بغیر ضرورت مند کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے جب کہ سود میں انسان ضرورت مند کو قرض دے کر ایک مدت معینہ کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور اپنے مال کو بڑھاتا ہے' صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے' اور سود کھانے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے' صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے' صدقہ دینے والے کی

نظر صرف آخرت پر ہوتی ہے اور سود لینے والے کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے' صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خوفی اور خود غرضی ہے' صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلا لوگوں کو سہارا دیتا ہے' اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑ لیتا ہے' یوں سود کھانا' صدقہ دینے کی مکمل ضد ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس وجہ سے قرآن مجید ایمان کے بعد کفر کا' نور کے بعد ظلمت کا اور جنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقہ کے بعد سود کا ذکر فرمایا ہے' سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جو چیز لے لی جائے اس کی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا' اس سے کسی چیز کی وصول یابی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے' اسی لیے سود لینے والوں کو سود خور کہا جاتا ہے' سود کو عربی میں ربا کہتے ہیں' ہم اس ربا کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے' پھر ربا کی دو قسمیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل بیان کریں گے' ربا الفضل میں ائمہ اربعہ کی بیان کردہ علت پر سیر حاصل بحث کریں گے' ربا الفضل کی حرمت کی وجہ بیان کریں گے اور بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل بیان کریں گے' ان کے شبہات کے جوابات پیش کریں گے' دارالحرب میں سود کی بحث کا اور دارالکفر میں کافروں کے مال ہڑپ کرنے کا ذکر کریں گے' اس کے بعد اس رکوع کی آیات کی تفسیر بیان کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

ربا کا لغوی معنی

لغت میں ربا کے معنی زیادتی' بڑھوتری اور بلندی ہیں' علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربا کہتے ہیں اور زجاج نے کہا ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں' ایک ربا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے۔ ربا حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۴۳' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ عینی نے "شرح المہذب" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربا کو الف' واؤ' یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی ربا' ربو اور ربی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

ربا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا النسیئہ (اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) اور ربا الفضل (اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں)۔ ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو' مثلاً چار کلو گرام گندم کو نقد آٹھ کلو گرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ ربا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے' جس کو ان شاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ربا النسیئہ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ شریعت میں ربا بغیر عقد بیع کے اصل مال پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربا یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلاعوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلاعوض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۱۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر صادق آتی ہے اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر اس لیے صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں ادھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجانست کی قید نہیں ہے اس لیے ربا الفضل پر بھی

صادق نہیں آتی۔

ربا النسیئۃ کی صحیح اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے' لکھتے ہیں: ربا النسیئۃ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی' مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ' مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا' یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق مذاہب اربعہ

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک مخصوص مال کو اس کی مثل سے نقد زیادتی کے ساتھ یا ادھار فروخت کیا جائے مثلاً پانچ کلوگرام گندم کو دس کلوگرام گندم کے عوض نقد فروخت کیا جائے یا پانچ کلوگرام کو پانچ کلوگرام گندم کے عوض ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا جائے اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں' کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے عوض' چاندی چاندی کے عوض' گندم گندم کے عوض' جو جو کے عوض' کھجور کھجور کے عوض' نمک نمک کے عوض برابر برابر فروخت کرو اور نقد بہ نقد اور جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد بہ نقد ہوں' اور ایک روایت میں ہے: جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سودی کاروبار کیا۔ دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں' اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلہ میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۔ ۲۵۔ ۲۴' مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے' سونا' چاندی' گندم' جو' چھوارے اور نمک' غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی وزیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے' کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے' پھر ان فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے؟ امام شافعی نے کہا: سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی' کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے' امام شافعی نے فرمایا: باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے' سو ہر کھانے کی چیز میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہوگی' امام مالک کا قول سونے اور چاندی میں امام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے' سو انہوں نے منقی میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے' کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جاسکتا ہے' امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے' پس ہر وہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے' اور سعید بن مسیب' امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت طعام کا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے' اس بناء پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے انڈا وغیرہ ان میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے' نیز فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی و بیشی اور ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کی جائے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ

ایک سود والی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں ہے اور سود والی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے' مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں ادھار بیع جائز ہے نہ نقد تفاضل کے ساتھ۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۲۴۔ ۲۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی الطبعۃ الاولی)

امام ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں تفاضل سے بیع جائز نہیں ہے[1] (اور یہی امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چیزوں میں طعم حرمت کی علت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (المغنی ج ۴ ص ۲۷ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو' لہٰذا جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔ (المغنی ج ۴ ص ۲۷ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۷۹ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے سکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے' کیونکہ ان میں ثمنیت موجود ہے۔ علامہ ابوالحسین مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص ۷۷ 'مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جا سکے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا' چاندی' گندم' جو' کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے' ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے' اسی لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان بزرگوں نے نہایت کاوش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے' ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم. (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵ 'مطبوعہ اصح المطابع' کراچی) جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو'' اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا: مثلاً بمثل فروخت کرو اور مثل بمثل میں مساوات کا مطلب ہے: قدر میں مساوات اور قدر وزن' کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں ہیں' اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور انڈے دو درجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزناً کیلاً (ماپ کے ذریعہ) یا عدداً فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں' لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن' ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور یداً بید یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہوگی اور اگر وزن' عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہو

---

[1] علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ بن احمد الخرقی متوفی ۳۳۴ھ' مختصر الخرقی مع المغنی ج ۴ ص ۲۵ 'مطبوعہ دارالفکر' بیروت

گی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت ربا کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً بمثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن انڈے یا اخروٹ دو درجن انڈوں یا اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ (النساء: ۱۱) مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دوگنا) حصہ ہے''۔ فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی' لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے' اس سے معلوم ہوا کہ مثل' ماپ والی' وزنی' عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نہ فروخت کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴' سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بہ ظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا ثمن ہوں اگر ان کی بیع کمی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع ادھار ہو تو وہ ربا ہے اور اگر برابر اور نقد بیع ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ هذا ما عندي و العلم التام عند الله.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے' ان کے نزدیک علت ربا ماپ اور تول اور اشتراک جنس ہے' وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزناً بکتا ہے اس لیے ایک کلوگرام سیب کو دو کلوگرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے' اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے' مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلہ میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے' بعض شہروں میں مالٹے ایک ہی دوکان پر عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوگی کہ ایک ہی دوکان دار سے ایک چیز کو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو' ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آسکی۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے تو اولاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں' جس کا چاہیں استثناء فرما دیں' اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی۔ ثانیاً ہوسکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا' ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل

کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا' اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے' لہٰذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں' مثلاً تانبا' پیتل' چونا' کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبے یا پیتل کے بدلہ میں بیع سود نہ ہو اور تانبا' پیتل' چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے' اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قابل ذخیرہ ہونا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا' پیتل' لوہا' لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں: جیسے پین' پنسل' ہتھیار' میز' کرسی' اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلے میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ اس سے ربا النسیئہ کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے' یہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو' مجھے خوف ہے کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

علامہ علی متقی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۸۷۔ ۱۱۷ مطبوعہ بیروت)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب کہ اتحاد جنس کے باوجود ان کی نوعیتیں مختلف ہوں' مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو یا سونے کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے جو بالآخر سود خوری اور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے' اس لیے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تبادلہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر مبادلہ کر لیا جائے اور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دوسری چیز سے براہ راست تبادلہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار کے بھاؤ پر فروخت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاؤ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیع کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے اور ادھار کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

مثلاً زید آج دس کلوگرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلوگرام گندم لیتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو اور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت گندم کی قیمت آٹھ روپیہ کلو ہو تو زید کو پچاس روپیہ کے بدلہ میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اسی روپے حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے' ہم دوکاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بہ خوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دوکاندار کی محنت' ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جاسکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا جائز نہیں ہے۔

بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں: قرآن مجید میں ربا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی' بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے' اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے' آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے' بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعت کار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے' اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے' اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فی صد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے' اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا' سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں' کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ ربا غرباء پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

بینک کے سود کے جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر (VALUE) دن بدن گرتی جا رہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ اب سے انتیس سال پہلے (۱۹۶۶ء میں) سونا' ایک سو روپیہ تولہ تھا' اصلی دیسی گھی پانچ روپیہ کلو' ڈالڈا دو روپیہ کلو' دیسی انڈا دو آنے کا' تنوری روٹی ایک آنے کی' دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کا لفافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے کا) ملتا تھا اور اب (۱۹۹۵ء میں) سونا تقریباً پانچ ہزار روپیہ تولہ' دیسی گھی ایک سو تیس روپیہ کلو' ڈالڈا گھی چالیس روپیہ کلو' دیسی انڈا تین روپیہ کا' تنوری روٹی ڈیڑھ روپیہ کی' دودھ اٹھارہ روپیہ کلو اور ڈاک کا لفافہ ڈیڑھ روپے کا ہو گیا۔ اس تجزیہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ انتیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر پچاس گنا (پچیس سو فیصد سے لے کر پانچ ہزار فی صد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے انتیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت دو' چار روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب تک سو روپیہ تقریباً دو روپے کا رہ گیا ہے' اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے' خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو' خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ' اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق کیے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ (البقرہ: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (البقرہ: ۲۷۹۔ ۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو ۝ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور'' لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔ (آل عمران: ۱۳۰) دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ'' فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر'' وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا '' (البقرہ: ۲۷۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے' یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے اور انہوں نے ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر میں لوگوں کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔ (درمنثور ج ۱ ص ۳۶۶' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۴ھ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زمانۂ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربٰو کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے' اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بیس بائیس سال بینک میں رکھوایا ہوا ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ جائے گا' اور یہ نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے زکوٰۃ' قربانی اور حج کے لیے زر کثیر خرچ کرنا بھی مال کا ضیاع ہے اور نقصان ہے تو کیا اس مادی نقطۂ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیر باد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کا کم ہو جانا خسارہ نہیں ہے بلکہ اصل خسارہ یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہو جائے!

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا' کرنا یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ امانت رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی' صنعتی' زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آ سکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کر دے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراطِ زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل

ڈالر' ین' پونڈ اور ریال وغیرہ مستحکم کرنسی ہیں اور عرف اور تعامل سے یہ مقرر اور ثابت ہے کہ ان کی قدر برقرار رہتی ہے' پاکستان' بھارت' بنگلہ دیش اور دیگر پس ماندہ ممالک کی طرح افراط زر کے نتیجہ میں وقت گزرنے کے ساتھ ان کی قدر میں کمی نہیں ہوتی' سو جو شخص چار' پانچ سال یا زائد عرصہ کے لیے بینک میں اپنا پیسہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالرز یا کسی اور مستحکم کرنسی میں منتقل کر کے ان بینکوں میں اپنی رقم رکھے جو غیر ملکی کرنسی میں بھی اکاؤنٹ کھولتے ہیں' اسی طرح جو شخص کسی دوسرے شخص کو ملکی کرنسی میں مثلاً ایک ہزار روپے قرض دیتا ہے اور وہ شخص اس کو دس سال بعد ایک ہزار روپے واپس کرتا ہے تو دس سال بعد اس ایک ہزار روپے کی قدر ایک سو روپے رہ جائے گی' اس ضرر سے بچنے کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ہی واپس لے لے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں رقم قرض دی تھی اور مثلاً دس سال بعد اس کی قدر کم ہو گئی تو وہ اب بھی دس سال پہلے کی ملکی کرنسی جتنے ڈالر کے مساوی تھی دس سال بعد اتنی ملکی کرنسی واپس لے سکتا ہے' مثلاً پہلے ایک ہزار روپے جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے' لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بہرحال ایک ہزار روپے دے کر دس ہزار روپے لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن یہ صورۃً اصل رقم سے زائد لینا ہے اور ظاہری اور صوری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' نیز چونکہ یہ پہلے سے طے نہیں کیا گیا اس لیے یہ موجب نزاع بھی ہے' افراطِ زر سے بچنے کے لیے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ سونے چاندی میں ادھار جائز نہیں ہے۔

دارالحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دارالحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دارالاسلام میں حرام ہے (امام احمد) امام مالک' امام اوزاعی' امام ابو یوسف' امام شافعی اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربا جاری نہیں ہوگا اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو شخص دارالحرب میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان ربا نہیں ہوگا' اور ان کے اموال مباح ہیں۔ (امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں احکام شرعیہ نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " حَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ "۔ (البقرہ: ۲۷۵) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ "۔ (البقرہ: ۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو" نیز فرمایا: " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا "۔ (البقرہ: ۲۷۸) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو" اور احادیث میں بالعموم تفاضل کی ممانعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا' باقی احادیث میں بھی اسی طرح تفاضل کی ممانعت ہے اور اس لیے کہ جو کام (مسلمانوں پر) دارالاسلام میں حرام ہیں وہ دارالحرب میں بھی حرام ہیں جس طرح مسلمانوں میں سود کا لین دین حرام ہے' اور امام ابوحنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے' جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں النفی کی بجائے نہی کے لیے ہو' یعنی مسلمان دارالحرب میں حربی سے سود نہ لیں' اور جس چیز کو قرآن مجید نے علی العموم والاطلاق حرام کر دیا ہے اور سنت مشہورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے' اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی خبر مجہول کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے جو کسی کتاب صحیح میں ہے نہ مسند میں نہ کسی معتمد اور مستند کتاب میں ہے' اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ حدیث مرسل ہے' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں النفی کا نہ ہو بلکہ نہی کا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: " فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ "۔ (البقرہ: ۱۹۷) حج میں جماع' فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے"۔ (المغنی ج ۴ ص ۴۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

دارالحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: مسلمان اور حربی کے مابین دارالحرب میں ربا نہیں ہے۔ اس میں امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے' وہ اس پر قیاس کرتے ہیں کہ حربی جب امان لے کر دارالاسلام میں آئے تو اس سے سود لینا جائز نہیں ہے' اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: مسلمان اور حربی کے مابین دارالحرب میں ربا نہیں ہے' اور اس لیے بھی کہ دارالحرب میں ان کا مال مباح ہے خواہ مسلمان جس طریقہ سے ان کا مال حاصل کرے وہ مال مباح ہے بہ شرطیکہ دھوکا نہ دے اور عہد شکنی نہ کرے' اور مستامن پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا تو اس کے مال کا لینا ممنوع ہو گیا۔ (ہدایہ اخیرین ص ۸۶' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

دارالحرب میں جواز ربا والی حدیث کی فنی حیثیت

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: امام بیہقی نے امام شافعی کی "کتاب السیر" کے حوالے سے اس حدیث کو "معرفۃ" میں ذکر کیا

ہے امام شافعی نے کہا: امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: بعض مشائخ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل حرب کے مابین ربا نہیں ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اور اہل اسلام کے مابین امام شافعی نے فرمایا: یہ ثابت ہے نہ اس میں کوئی حجت ہے۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند)

علامہ ابن ہمام نے بھی اس حدیث کی فنی حیثیت کے بارے میں یہی کچھ نقل کیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

دارالحرب میں ربا کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ مکحول کی روایت اول تو ثابت نہیں ہے اور برتقدیر ثبوت اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید نے جو ربا کو مطلقاً حرام کیا ہے وہ مال محظور میں حرام کیا ہے اور حربی کا مال مباح ہے اور اس توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مکحول کی یہ مرسل روایت نہ بھی ہوتی تب بھی دارالحرب میں حربی سے سود لینا مباح ہوتا۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ ''مال محظور'' کی قید لگا کر اپنی رائے سے قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کو مقید کر رہے ہیں اور جب قرآن مجید کے عموم قطعی کو حدیث رسول سے بھی مقید کرنا صحیح نہیں ہے تو علامہ ابن ہمام کی رائے میں اتنی قوت کہاں کہ وہ قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کے مزاحم ہو سکے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ نے علی الاطلاق سود کو حرام کر دیا ہے' خواہ مسلمان سے سود لیا جائے یا کافر سے اور کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اور دارالاسلام میں سود لیا جائے یا دارالحرب میں' قرآن مجید نے ہر قسم کے سود کو حرام کر دیا ہے اور اس عموم کو نہ مکحول کی مرسل اور غیر ثابت روایت سے مقید کیا جا سکتا ہے نہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے۔

مکحول کی روایت کا محمل

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مکحول کی یہ روایت صحیح ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: ''لا ربو بین المسلم والحربی۔ مسلمان اور حربی میں سود نہیں ہے'' تو اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

اوّل: اس حدیث میں ''لا'' نفی کا نہیں ہے بلکہ نہی کا ہے اور اس کا معنی ہے: مسلمان اور حربی کے مابین سود کی ممانعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ'' (البقرہ: ۱۹۷) حج میں جماع' فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے'' یعنی ان افعال کی ممانعت ہے۔

ثانی: اس حدیث میں حربی سے مراد محض غیر ذمی کافر نہیں ہے بلکہ برسرجنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور جس قوم کے ساتھ حالت جنگ قائم ہو اس کو ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے' اس لیے اس قوم کے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کا مال لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ثالث: لاربو کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حربی کافر سے جو سود لیا جائے گا وہ سود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان اگرچہ حربی کافر سے سود لیتا ہے تو اگرچہ یہ فعل گناہ ہے لیکن قانون اور حرمت اور ممانعت سے مستثنیٰ ہے یعنی مسلمان حکومت اس شخص سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ تم نے یہ عقد فاسد کیوں کیا ہے اور سود کیوں لیا ہے اور اس مسلمان کو اس کے اس غلط کام پر سزا نہیں دے سکتی کیونکہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان' مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اور اس پر اسلامی ریاست کے احکام جاری نہیں ہو سکتے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّنْ وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ (الانفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) نہیں آئے ان پر تمہاری کوئی "ولایت" نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کر لیں۔

اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں سے ہوگا جو دارالاسلام کے باشندے ہوں' یہ آیت دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کو (دینی اخوت کے باوجود) دارالاسلام کے مسلمانوں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی رشتے سے خارج کر دیتی ہے' اس عدم ولایت کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں ہو سکتے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالحرب میں بھی سود لینا گناہ ہے اور "لا ربوا بین المسلم والحربی" کا مفاد یہ ہے کہ اس پر سود لینے کی دنیاوی سزا جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس کی تائید علامہ سرخسی کی ذکر کردہ ان احادیث سے ہوتی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا: جس شخص نے سود لیا' ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے' اور مجوس ہجر کی طرف لکھا: یا تو تم سود چھوڑ دو' یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کرلو۔

(المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حربی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت نہیں دی اور جب آپ نے حربی کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خوری کی اجازت کب دے سکتے ہیں!

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مکحول کی روایت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں مسلمان حربی کافر سے سود لے سکتا ہے۔[1] یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود دینے میں تو اضطرار ہو سکتا ہے مثلاً کسی شخص کو اپنی ناگزیر ضرورت میں بغیر سود کے قرض نہ ملے لیکن سود لینے میں اضطرار کا کوئی تعلق نہیں ہے' سود لینے کی وجہ صرف مال کی حرص اور جلب زر کی خواہش ہوتی ہے۔

دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی وضاحت

امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربا نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے مسلمان حکام وہاں کسی مسلمان کے سود لینے پر اس سے مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے' اس کی وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے' احکام کے حق میں نہیں ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال یا اس کی جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا' دراصل احکام میں عصمت صرف دارالاسلام میں رہنے سے ہوتی ہے' نہ کہ دین کی وجہ سے' کیونکہ دین تو حق شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے

[1] ماہنامہ ضیائے حرم ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے مال کی حفاظت اس شخص سے بھی کی جائے گی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد نہیں رکھتا' پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا: ان کا یہ فعل مکروہ ہے اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بناء پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مال لیتا ہے تو محض لینے کی وجہ سے ہی اس مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

(المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں کوئی عقد فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دارالحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان آپس میں سود لیں یا مسلمان حربی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہر حال گنہ گار ہو گا۔

کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں کا پیسہ بٹورنا جائز ہے؟

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دارالحرب ہوتا ہے اور اس وقت دارالحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے میں آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت وآبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ' برطانیہ' کینیڈا اور جرمنی وغیرہ' ایسے ممالک دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارالکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال ان پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال مسلمانوں پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو' ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء: ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال کو ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا' سو مسلمانوں کے لیے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (النور: ۳۳)

اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا عارضی فائدہ طلب کرو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارالکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر کاروبار کرنا شروع کردیں؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الانفال: ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم جانتے ہو ○

کیا اس آیت سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کرلیا کریں؟

وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ ۚ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشاء یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں' غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں' مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو' کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی' پارسائی' امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کفار سے لڑائی تیر وتفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے' اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار کو پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کردیا جن کو پھیلانے کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کرسکے گا؟

جو لوگ دارالکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لیے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے اُمّی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح ملے روا ہے' غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں' خدا نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کردیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران: ۷۵)

اور ان یہودیوں (میں سے) بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے' یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ امیوں (مسلمانوں) کا مال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں○

غور کیجئے جو لوگ دار الکفر میں حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان سے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟

حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی' اس وقت مکہ دار الحرب تھا' حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔ قاضی بیضاوی' بغوی' علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے' پھر جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ تم نے کیا کیا ہے' بضع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو' پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آگئے' حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء سے اونٹ لے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے' آپ نے فرمایا: یہ سحت (مال حرام) ہے' اس کو صدقہ کر دو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا تسامح ہے۔ ''جامع ترمذی'' میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے' حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر روایت کا عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو اغرب قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۴۲۔ ۳۴۱' مطبوعہ دار الاندلس' بیروت)

''جامع ترمذی'' کی روایت کا متن یہ ہے:

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں: جب یہ آیات نازل ہوئیں: '' الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ. (الروم: ۴۔۱) الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ

اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے''۔ جن دنوں یہ آیات نازل ہوئیں ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: '' وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ (الروم: ۵۔۴) جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے' اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے'' اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہو جائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعث پر ایمان رکھتے تھے' جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا: الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے چند سالوں میں غالب آ جائیں گے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا: تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں' حضرت ابوبکر نے کہا: کیوں نہیں' اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا' پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی' مشرکین نے کہا: '' بضع سنین'' تین سالوں سے لے کر نو سال تک ہے' تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کر لو' پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی' پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے' پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انہوں نے '' بضع سنین'' کو چھ سال کیوں قرار دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو '' بضع سنین'' فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۶۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے' اس کی روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں' بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا' بلکہ فرمایا: یہ مال حرام ہے' اس کو صدقہ کر دو (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برأت کی نیت سے اس کو صدقہ کر دے)۔

دارالحرب' دارالکفر اور دارالاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی دارالحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارالحرب کی تین شرطیں ہیں' ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو' دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان' مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو' تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسر جنگ ہوں' اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان' مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا' وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا' وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا۔ ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی اس سے اسی

دارالحرب کے باشندے مراد ہیں۔
کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں' تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں' پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے ہیں' مسلمانوں کی جان' مال اور عزت محفوظ ہیں بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکا' برطانیہ' ہالینڈ' جرمنی اور افریقی ممالک' یہ ملک دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارالکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ملکوں کو دارالاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً دارالاسلام ہیں حقیقتاً دارالکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارالکفر پر مجازاً دارالحرب کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتاً دارالاسلام ہیں نہ دارالحرب بلکہ دارالکفر ہیں' کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دارالحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دارالاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵)

قیامت میں سود خور کے مخبوط الحواس ہو کر اٹھنے سے جن چڑھنے پر استدلال اور اس کا جواب

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہو گی' مال غنیمت میں خیانت کرنے سے' سو جس نے خیانت کی وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا' اور سود کھانے سے' سو جس نے سود کھایا وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس پاگل کی طرح اٹھے گا' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ (معجم کبیر ج ۱۸ ص ۶۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سود خوروں کی یہ علامت بنا دے گا' اور قیامت کے مجمع عظیم میں جو شخص پاگلوں کی طرح مخبوط الحواس کھڑا ہو گا اسے دیکھ کر قیامت کے دن سب پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں سود خور تھا۔
مس کا اصل معنی چھونا ہے' بعض اوقات اس کا استعمال کسی برائی اور مصیبت پہنچنے کے لیے بھی ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا کی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ — شیطان نے مجھے بڑی اذیت اور سخت تکلیف پہنچائی ہے ۝

(ص: ۴۱)

نیک بندوں پر تو شیطان کا اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ وہ ان کو کسی اذیت اور آزمائش میں مبتلا کر دے' لیکن عام لوگ جن کی رگوں میں شیطان سیال خون کی طرح دوڑتا ہے' ان میں سے جو فاسق و فاجر ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کی عقل اور دماغ پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے' اور وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑتے ہیں' اور منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے' پریشان حال' پراگندہ بال جدھر سینگ سمائے خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ ان کو یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ دنیا میں سود خور اپنا مال بڑھانے کی حرص میں اس طرح دیوانہ ہو چکا تھا کہ اس کو نہ خوف خدا تھا نہ کسی ضرورت مند اور مصیبت زدہ پر اس کو ترس آتا تھا اور سود خوری کی محبت میں وہ بالکل مجنون ہو چکا تھا' اس لیے قیامت کے دن اس کو پاگلوں کی طرح مخبوط الحواس اٹھایا جائے گا۔ اہل عرب پاگل شخص کو مجنون کہتے ہیں یعنی یہ آسیب زدہ شخص ہے یا اس پر جن بھوت کا سایہ ہے یا جن کے چھونے کی وجہ سے یہ پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہا ہے اور مخبوط الحواس اٹھے گا' عرب کے اسی اسلوب اور محاورہ کے مطابق قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے

کہ قیامت کے دن سود خور پاگلوں کی طرح مخبوط الحواس اٹھے گا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی آدمی پر جن چڑھ جاتا ہے' پھر اس کے جسم پر جن کا تصرف ہوتا ہے' جن اس کی زبان سے باتیں کرتا ہے اور مافوق الفطرت کام کرتا ہے' قرآن مجید اس مفہوم کی تائید اور تصدیق نہیں کر رہا جیسا کہ علامہ آلوسی نے سمجھا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

کبھی کسی جسم میں ایک متعفن روح داخل ہو جاتی ہے جس کی اس جسم کی روح کے ساتھ مناسبت ہو' پھر اس شخص پر مکمل جنون طاری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ بخار (متعفن روح) انسان کے حواس پر غالب ہو کر اس کو معطل کر دیتا ہے' پھر یہ خبیث روح اس کے جسم پر مستقل تصرف کرتی ہے' اس کی زبان سے کلام کرتی ہے اور اس کے اعضاء میں تصرف کرتی ہے اور جس شخص کے جسم میں یہ روح تصرف کرتی ہے اسے اس کا بالکل شعور نہیں ہوتا' اور یہ چیز محسوس اور مشاہدہ میں ہے' اس کا صرف وہی شخص انکار کرے گا جو مشاہدات کا منکر ہوگا۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی بڑے پائے کے محقق ہیں' ہمارے دل میں ان کا بڑا احترام ہے' اس کے باوجود وہ انسان ہیں اور انسانی فروگزاشت سے خالی نہیں ہیں' یہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے تحقیق کے خلاف لکھا ہے' اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم پر کسی اور روح کو تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیتا' اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکام شرعیہ کا مکلف کیا ہے' یہ چیز اس قاعدہ کے خلاف ہے' نیز اگر ایسا ہو تو ایک آدمی کسی کو قتل کر دے گا اور بعد میں کہہ دے گا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا' مجھے اس کا پتا نہیں' مجھ پر اس وقت کسی جن کا اثر تھا' یہ قتل اسی نے کیا ہے' اسی طرح ہر شخص کوئی بھی قانون شکنی کر کے عدالت سے یہ کہہ کر بری ہو سکتا ہے کہ اس قانون شکنی کے وقت میں کسی خبیث جن کے زیر اثر تھا' اور یوں دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جائے گی اور امن اور سکون غارت ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے' اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۵)

ربا اور بیع کا فرق

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سود خوروں کو قیامت کے دن مجنون اور مخبوط الحواس شخص کی طرح اس سے لیے اٹھایا جائے گا کہ وہ دنیا میں کہا کرتے تھے کہ بیع سود ہی کی مثل ہے' بہ ظاہر ان کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ سود بیع ہی کی مثل ہے' لیکن انہوں نے سود کے جائز اور حلال ہونے میں مبالغہ کیا' اور جواز اور حلت میں سود کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا' ان کا یہ قیاس فاسد تھا' اللہ تعالیٰ نے صریح عبارت سے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

سود خوروں کا یہ کہنا کہ سود بیع کی طرح ہے بداہۃً باطل ہے' سود اور بیع کے فرق کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) بیع میں تاجر دس روپے کی چیز کو مثلاً بارہ روپے کی بیچتا ہے' اور دس روپے کی چیز پر دو روپے زائد لیتا ہے' اور سود میں سود خور ایک ماہ کے لیے مثلاً دس روپے قرض دیتا ہے اور اس کے عوض بارہ روپے وصول کرتا ہے' اور اس سے اصل رقم پر دو روپے زائد وصول کرتا ہے' لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ تاجر دس روپے کی چیز کو منڈی سے تھوک فروشوں سے تھوک کے حساب سے زیادہ مقدار میں خریدتا ہے' وہاں سے کسی گاڑی میں وہ سامان لاد کر لاتا ہے' پھر وہ چیز بارہ روپے میں فروخت کرتا ہے' اس پورے عمل میں اس دو روپے کے نفع پر تاجر کا وقت' اس کی محنت اور اس کی ذہانت صرف ہوتی ہے اس لیے خریدار اس نفع کو تاجر کا جائز حق سمجھتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنا وقت اور کرایہ خرچ کر کے منڈی

جائے تب بھی اس کو تھوک فروشوں سے تھوک کے بھاؤ پر یہ چیز نہیں ملے گی' اس کے برعکس سود خور دس روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زائد لے رہا ہے اس کے لیے اس کے وقت' محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوئی۔

(۲) تاجر جب اپنا روپیہ تجارت میں لگاتا ہے تو اس میں نفع اور نقصان کے دونوں امکان ہیں' اس کے برعکس سود خور جو اپنے روپے پر سود وصول کر رہا ہے اس کو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(۳) تجارت میں مبیع اور قیمت کے تبادلہ کے بعد بیع مکمل ہو جاتی ہے لیکن سود میں اصل رقم واپس کرنے کے بعد اس پر سود در سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے۔

ربا کو بہ تدریج حرام کرنے کا بیان

شراب کی طرح سود کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہ تدریج حرام کیا ہے' سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں سود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ (الروم: ۳۹)

اور جو مال تم سود حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو کہ وہ مال لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا ہی رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا' اور جو تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے زکوۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال (بہ کثرت) بڑھانے والے ہیں ○

اس آیت میں صراحۃً سود کو حرام نہیں فرمایا' صرف اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

سود کے متعلق یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور باقی آیات مدینہ میں نازل ہوئیں' دوسری آیت یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی ایسی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں' اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کثرت روکتے تھے' نیز فرمایا:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ (النساء: ۱۶۱)

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو سود لینے سے منع کیا گیا ہے اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

اس آیت میں بھی مسلمانوں کو سودی کاروبار سے صراحۃً منع نہیں فرمایا صرف یہ اشارہ فرمایا کہ یہود پر عتاب کی وجہ ان کا سودی کاروبار تھا' پھر یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ (آل عمران: ۱۳۰)

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔

اس آیت میں بھی مطلقاً سود سے منع نہیں فرمایا بلکہ سود در سود سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت میں مطلقاً سود کو حرام فرما دیا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ: ۲۷۵)

اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا۔

نیز فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (البقرہ: ۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو؛ اگر تم مومن ہو ○

ربا کو حرام قرار دینے کی حکمتیں

اسلام نے حرکت اور عمل کی تعلیم دی ہے' رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک' ہمسایوں سے ہمدردی' فقراء اور مساکین اور دیگر ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت اور ایثار کی تلقین کی ہے' اسلام کسی ایسے کسب کی اجازت نہیں دیتا جس میں انسان کی کوشش اور جدوجہد کا دخل نہ ہو' وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورت مندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے' اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیتا ہے جو عداوت' بغض' منافقت اور نزاع کا موجب ہے' اور کینہ' حسد' حرص اور طمع کی بیخ کنی کرتا ہے اور مال کو صرف جائز اور مشروع طریقہ سے لینے کی اجازت دیتا ہے جس میں کسی پر ظلم نہ ہو' اور چند ہاتھوں میں دولت کے مرتکز ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے' ان اصولوں کی روشنی میں ربا کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے' اس لیے ربا کے حرام ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) سود خوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمانے کا عادی ہو جاتا ہے کیونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت و حرفت میں کوئی جدوجہد کیے بغیر پیسہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲) سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے' اور شریعت نے بغیر حق شرعی کے مال لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

(۳) سود خوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امراء اور سرمایہ داروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے۔

(۴) سود خوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے' صدقہ و خیرات کرنے اور قرض حسن دینے ایسے مکارم اخلاق مٹ جاتے ہیں' پھر انسان ضرورت مند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی پس وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' اور جس نے دوبارہ اس کا اعادہ کیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○ (البقرہ: ۲۷۵)

سود خور کے لیے دائماً دوزخ کی وعید کی توجیہ

یعنی جس شخص کو سود کا حرام ہونا معلوم ہو گیا' اور وہ سود خوری سے رک گیا' تو سود کی تحریم سے پہلے وہ جو کچھ لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہیں لیا جائے گا' اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' اس کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو اس کو آئندہ سود خوری سے محفوظ رکھے گا' اور اگر چاہے گا تو ایسا نہیں کرے گا' دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص نصیحت پہنچنے کے بعد اخلاص اور صدق نیت سے سود خوری چھوڑ دے گا' اس کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا' یا اللہ جو چاہے گا اس کے متعلق فیصلہ فرمائے گا' کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہی مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جس نے دوبارہ سود لیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے' اس سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھ کر دوبارہ سود لے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سود کے حرام ہونے کے بعد دوبارہ سود لے وہ دوزخ میں دائماً رہنے کا مستحق ہے' یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ سزا نہ دے

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ وعید مشیت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کی جزا اس کو دے گا' جس مومن نے سود لیا' اس کا ایمان بھی تو ایک نیکی ہے' اگر اس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھا گیا تو اس کے ایمان کی اس کو جزا نہیں ملے گی اس لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ دوزخ میں سزا دینے کے بعد اسے جنت میں بھیج دیا جائے تا کہ وہ اپنی برائی اور نیکی دونوں کی جزا پائے' اس لیے یہ آیت مشیت کے ساتھ مقید ہے' یعنی اگر اللہ چاہے تو اس کو دوزخ میں دائماً رکھے گا' لیکن اللہ ایسا نہیں چاہے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے: جس نے نیکی کی اس کو اس کی نیکی کی جزا ملے گی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ سو جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھے گا ۝ (الزلزال: ۷)

چوتھا جواب یہ ہے کہ زیادہ عرصہ دوزخ سے سزا دینے کو اللہ تعالیٰ نے مجازاً دوام کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے' اور اللہ کسی ناشکرے گنہ گار کو پسند نہیں کرتا ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے' ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ (البقرہ: ۲۷۷۔ ۲۷۶)

سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا

سود کے مال میں برکت نہیں رہتی اور جس مال میں سود کا مال شامل ہوتا ہے وہ مال بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام ابن ماجہ' امام ابن جریر' امام حاکم تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی ''شعب الایمان'' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود اگرچہ بہت زیادہ ہو لیکن اس کا انجام مال کی کمی ہے۔

امام ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں ضحاک سے نقل کیا کہ دنیا میں سود کی آمدنی بہت زیادہ ہو جاتی ہے' لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر احد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔

(معجم کبیر ج ۱ ص ۳۶۶۔ ۳۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو ۝ پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو' اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے اصل مال تمہارا حق ہیں' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے ۝ (البقرہ: ۲۷۹۔ ۲۷۸)

سودی کاروبار ترک نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! سود حرام قرار دیئے جانے کے بعد لوگوں کے اوپر جو تمہاری سودی رقوم ہیں ان کو چھوڑ دو' اور ان سے صرف اپنی اصل رقم وصول کرو' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہیں' وہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے' جس وقت وہ مسلمان ہوئے تو لوگوں کے اوپر ان کے سود کی بڑی بھاری رقمیں تھیں' اور اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں جو سود تھا اس کو وصول مت کرو۔

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ثقیف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کا جو سود لوگوں پر ہے اور لوگوں کا جو سود ان پر ہے وہ سب چھوڑ دیا جائے گا' فتح مکہ کے بعد حضرت عتاب بن اسید مکہ مکرمہ کے عامل بنائے گئے' اس وقت بنوعمرو بن عمیر بن عوف' بنومغیرہ سے سود لیتے تھے اور بنومغیرہ ان کو جاہلیت میں سود ادا کرتے تھے' جب وہ مسلمان ہوئے تو ان پر بہت زیادہ سود کی رقمیں واجب الادا تھیں' بنوعمرو نے آ کر ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا' بنومغیرہ نے مسلمان ہونے کے بعد ان کو سود ادا کرنے سے انکار کر دیا' یہ مقدمہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا' حضرت عتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے خط لکھا' تو یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو جواب لکھا کہ اگر بنوعمرو' سود کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو ان سے اعلان جنگ کر دو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷۱' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثقیف سود لینے سے باز آ گئے اور کہا: ہم اللہ اور رسول سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ جو لوگ سود لینے کو ترک نہ کریں ان سے اسی طرح جنگ کی جائے گی جس طرح مرتدین اور باغیوں سے جنگ کی جاتی ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی مختار ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

سود پر وعید کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام مسلم اور امام بیہقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' سود پر گواہی دینے والے اور سود کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ بینک سے سود وصول کر کے غریبوں کو کھلانا جائز نہیں ہے' اور نہ بینک کی ملازمت کرنا جائز ہے۔

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل نہ کرے اور ان کو جنت کی نعمتیں نہ چکھائے' عادی شرابی' سود خور' ناحق مال یتیم کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان سود کا جو ایک درہم وصول کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اسلام میں تینتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے بہتر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔

امام ابویعلیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہو جاتی ہے' اس قوم پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے۔

امام احمد نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں سود کی کثرت ہوتی ہے اس قوم پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے' اور جس قوم میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے' اس پر رعب طاری کر دیا

جاتا ہے۔

امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ اور امام بیہقی اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود کھانے سے نہیں بچے گا' جو شخص سود نہیں کھائے گا اس کو سود کا غبار پہنچے گا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۶۷' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی مجھے ایک ایسی قوم کے پاس سے گزارا گیا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح تھے' ان کے پیٹوں میں باہر سے سانپ دکھائی دے رہے تھے' میں نے پوچھا: اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ کہا: یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر گناہ ہیں اور ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۶۵۔ ۱۶۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح کو اپنا خواب بیان فرمایا کہ مجھے جبرائیل اور میکائیل لے گئے' میں نے دیکھا کہ خون کا ایک دریا ہے' جس کے وسط میں ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور دریا کے کنارے ایک شخص ہاتھ میں پتھر لیے ہوئے کھڑا ہے' جب دریا میں کھڑا ہوا شخص کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے پر کھڑا ہوا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اس کو پھر دریا کے وسط میں دھکیل دیتا ہے اور وہ جب بھی دریا سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اس کے ساتھ یہی ہوتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا' مجھے جبرائیل اور میکائیل نے بتایا کہ خون کے دریا میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ سود خور تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں سود خوروں کے عذاب قبر کا بیان ہے اور چونکہ یہ لوگ دنیا میں غریبوں کی رگوں سے خون نچوڑتے تھے اس لیے ان کو خون کے دریا میں ڈبویا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو' اور (قرض کو معاف کر کے) تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ (البقرہ: ۲۸۰)

مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول کرنے کا طریقہ

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ سود چھوڑ کر قرض خواہ کی اصل رقم واپس کر دی جائے اور ثقیف نے اپنی اصل رقوم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا: اس وقت ہمارے پاس مال نہیں ہے' اور کہا: جس وقت ہمارے پھل اتریں گے ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی: اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے اس کی فراخ دستی تک مہلت دو اور تمہارا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جس شخص پر لوگوں کے بہت زیادہ قرض ہوں' اور قرض خواہ مطالبہ کر رہے ہوں' تو حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ مقروض کی ضروریات کے سوا باقی مال نیلام کر کے قرض خواہوں کے قرض ادا کر دے' اگر مقروض لوگوں کے واجبات ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کو قید کرنا جائز ہے الا یہ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے۔ (تفسیر منیر ج ۳ ص ۱۰۱' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

مقروض کو ادائیگی کی مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور اس معاملہ میں مستحب کا اجر واجب سے زیادہ ہے۔

مقروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے کے اجر وثواب کے متعلق احادیث

مقروض کا قرض معاف کرنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد' امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا اللہ اس کو اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔

امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تم نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ شخص کہے گا: میں نے دنیا میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی نہیں کی' تین بار یہی مکالمہ ہوگا' تیسری بار وہ کہے گا: میں دنیا میں اپنا فاضل مال دے دیا کرتا تھا' میں لوگوں کو چیزیں فروخت کرتا' امیر آدمی پر آسانی کرتا اور غریب کو مہلت دیتا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہم تم سے زیادہ معاف کرنے کے حق دار ہیں' میرے بندے سے درگزر کرو' پھر اس کو بخش دیا جائے گا۔

امام احمد نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا کسی آدمی پر کوئی حق ہو اور وہ اس کو مؤخر کر دے تو اس کو ہر روز صدقہ کا اجر ملے گا۔

امام احمد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور اس کی مصیبت دور کی جائے وہ تنگ دست کے لیے کشادگی کرے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تنگ دست کو کشادگی تک مہلت دی اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے توبہ کرنے کی مہلت دے گا۔

امام احمد' امام ابن ماجہ' امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تنگ دست کو مہلت دی اس کو ہر دن قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا' پھر میں نے آپ سے سنا کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی اس کو ہر دن اس قرض کے دگنے صدقہ کا اجر ملے گا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پہلے تو آپ نے قرض کے برابر صدقہ کے اجر کا فرمایا تھا' اور اب آپ نے دگنے صدقہ کے اجر کا فرمایا ہے' آپ نے فرمایا: جب تک قرض کی میعاد پوری نہیں ہوگی اس کو ہر روز اس قرض کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا اور جب میعاد پوری ہو جائے گی اور وہ اس کو مہلت دے گا تو پھر اس کو ہر روز اس کے دگنے صدقہ کا اجر ملتا رہے گا۔[1]

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰' سنن ابن ماجہ ص ۱۷۴' شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳۸)

امام احمد' امام دارمی اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ

[1] اس حدیث میں قرض سے مراد دین ہے' یعنی کاروباری قرض' مدت معینہ کے ادھار پر کوئی چیز خریدنا' کیونکہ نجی قرضوں میں مدت کا تعین قرض دینے والے کی طرف سے جائز نہیں ہے ورنہ وہ قرض سود ہو جائے گا' مثلاً سو روپے دے کر ایک ماہ کے تعین کے بعد سو روپے لینا ربا النسیئہ ہے اور اگر مدت کا تعین نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ ہاں! اگر قرض لینے والا مدت کا تعین کرے پھر جائز ہے' مثلاً وہ کہے: میں ایک ماہ بعد ادا کروں گا۔ منہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مقروض کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔[1]
(مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹ 'سنن داری ج ۲ ص ۱۷۹ 'شعب الایمان ج ۷ ص ۵۲۵)

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی تپش سے محفوظ رکھے گا۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۶۹۔ ۳۶۸ ملتقطاً 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی 'ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گاO (البقرہ: ۲۸۱)

قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت

اللہ تعالیٰ نے آیات ربا کو اس بلیغ نصیحت پر ختم کیا ہے کہ دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور باقی ہے اور اس کے بعد وہ حساب پیش آنے والا ہے جو یقینی ہے' لہٰذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس دن سے ڈرا رہا ہے' جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے' اس دن تمہارے وہ برے اعمال سامنے آئیں گے جو تم کو ہلاک کر دیں گے' اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا کریں گے' وہ اعمال کی جزا کا دن ہے' اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا نہ کسی برے کام پر توبہ ہو سکے گی' وہ ثواب' عتاب اور محاسبہ کا دن ہے' اس دن ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی' خواہ اس کے عمل نیک ہوں یا بد' خیر ہوں یا شر' اس دن ہر عمل سامنے آ جائے گا اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اس ذات سے ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے' جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا بڑھا کر اجر دیتا ہے' بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا' کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے' اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا' تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اس کے فضل و کرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکوکار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھا لے' وہ تجھ پر فضل کرے گا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قرآن مجید کی آخری آیت ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آخری آیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

یہ آیت ہفتہ کے دن نازل ہوئی تھی' اس کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نو دن حیات (ظاہری کے ساتھ) رہے اور پیر کے دن رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۶ 'مطبوعہ دارالمعرفۃ 'بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابوعبید' امام عبد بن حمید' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی قرآن مجید کی یہ آخری آیت تھی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منیٰ میں نازل ہوئی تھی اور اس کے اکیاسی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۷۰ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی 'ایران)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات میں مختلف اقوال ہیں: نو راتیں' سات دن' تین گھنٹے' اکیس

---

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰ میں اسی طرح روایت ہے اور ''سنن ابن ماجہ'' اور ''شعب الایمان'' میں اسی طرح ہے کہ قرض کی میعاد پوری ہونے تک اس کو صدقہ کا اجر ملے گا اور مہلت دینے کے بعد اس قرض کی مثل صدقہ کا اجر ملے گا' نیز مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۱ میں بھی اسی طرح ہے۔ منہ

دن اور اکیاسی دن۔

امام بخاری' امام ابوعبید' امام ابن جریر اور امام بیہقی نے شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے' یہ اس آیت کے آخری آیت ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بیوع سے متعلق آیات میں آخری آیت' آیت ربا ہے' یا مراد یہ ہے کہ آیت ربا آخر میں نازل ہوئی ہے' اور تمام آیتوں کے لحاظ سے جو آخری آیت ہے وہ یہی آیت ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو'

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ

اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ نے

يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

لکھنا سکھایا ہو اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے' اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ

ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو اس کا رب ہے' اور اس (قرض) سے کچھ کم نہ کرے' اور اگر مقروض کم عقل ہو یا

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

کمزور ہو یا وہ خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی (سرپرست) عدل سے

وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ

لکھوا دے' اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لو' پھر اگر

لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں' (ان کو گواہ بنا لو) جن کو تم گواہوں سے پسند

الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَ

کرتے ہو کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے' اور

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ

جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور (قرض) چھوٹا ہو یا بڑا

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

اس کی میعاد تک اس (کی دستاویز) کو لکھنے میں تساہل نہ کرو' اللہ کے نزدیک یہ بہت عادلانہ

لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

کارروائی ہے اور گواہی دینے کے لیے بہت درست طریقہ ہے اور شکوک وشبہات دور کرنے کے بہت قریب ہے' ہاں! جو تجارتی

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

لین دین تم آپس میں دست بدست کرتے ہو اس کو نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے

وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ

اور جب تم آپس میں خرید وفروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو' اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو'

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ

اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بے شک تمہارا گناہ ہو گا' اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور اللہ تمہیں

اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ

سکھاتا ہے' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر تم سفر میں ہو (اور تم نے دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو)

وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر دین کا معاملہ کر لو)' پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا

اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے' اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے' اور

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

گواہی نہ چھپاؤ' اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ آلود ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

ع ۳۹ / ۲ / ۷

اس کو خوب جاننے والا ہے O

سود کے بعد تجارتی قرضوں کے تحفظات کے ذکر کی مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں صدقہ دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار اور تجارت میں لین دین کے احکام بیان فرمائے ہیں' صدقہ دینا اور سود نہ لینا مال میں کمی کا سبب ہے اور تجارت' مال میں افزائش کا سبب ہے' اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا اور اس رکوع میں کاروبار میں ادھار کے تحفظات کا ذکر ہے' سود قرض کی ناجائز صورت ہے اور کاروبار میں بلاسود قرض' قرض کی جائز صورت ہے۔ صدقہ اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں سنگ دلی اور سرکشی ہے' اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مال میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مال میں اضافہ کرنے کے جائز طریقہ کی طرف رہنمائی کی۔

مال کے مذموم یا محمود ہونے کا مدار

اس آیت کو آیت مداینہ کہتے ہیں' یہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے' اس میں مال کو محفوظ کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب کسی چیز کو مدت معینہ کے ادھار پر فروخت کیا جائے تو بائع اور مشتری کسی تیسرے فریق سے لکھوا لیں کہ کتنی رقم ادا کرنی ہے اور کب ادا کرنی ہے اور اس دستاویز پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے اور اگر فریقین سفر میں ہوں جہاں کاتب اور گواہ میسر نہ ہوں تو مقروض بائع کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر اس کے قبضہ میں دے دے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک مال و دولت کوئی بُری چیز نہیں ہے' بہ شرطیکہ وہ مال فی نفسہٖ حلال ہو' حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور اس مال کو جائز اور نیکی کے راستوں میں خرچ کیا جائے' اس لیے اسلام نے کسب حلال اور تجارت کی حوصلہ افزائی کی ہے جیسا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی ہے کہ کاروبار کرنے والے اپنے مال کو محفوظ کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کریں اور ادھار مال فروخت کرتے وقت خریدار سے کس قسم کے تحفظات حاصل کریں' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (الجمعہ: ۱۰)

پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل فرمایا ہے۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

اور جو شخص مال کو اللہ کی راہ میں نیکی کے راستہ میں خرچ نہ کرے وہ مال مذموم ہے' اس کے متعلق فرمایا:

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ (الہمزہ: ۷۔۲)

جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O اس نے گمان کیا کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (دنیا میں) زندہ رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ ضرور چورا چورا کردینے والی میں پھینک دیا جائے گا O اور آپ کیا سمجھے چورا چورا کردینے والی کیا چیز ہے؟ O اللہ کی آگ ہے بھڑکائی ہوئی O جو دلوں پر چڑھ جائے گی O

اور امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مال کو کثیر بنانے کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲۔ ۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

(البقرہ: ۲۸۲)

بیع مطلق اور بیع سلم کی تعریفات

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ادھار پر کریں تو اس کے تحفظ کے لیے اس کو لکھ لیں اور اس پر گواہ بنالیں۔ اس آیت میں دین کا ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس لیے ہم بیع مطلق' بیع سلم' دین اور قرض کی تعریفات کو ذکر کریں گے۔ جب باہمی رضامندی سے ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کیا جائے تو اس کو بیع کہتے ہیں' اس میں سودے کو مبیع اور اس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ بیع تین قسم کی ہے' کسی چیز کو نقد قیمت دے کر خریدا جائے' کسی حاضر چیز کو مدت معینہ کے ادھار پر خریدا جائے یہ دونوں قسمیں جائز ہیں' تیسری قسم یہ ہے کہ کسی ادھار (غائب) چیز کو ادھار پر خریدا جائے مثلاً زید کے عمرو پر دس سیر گندم واجب ہیں' اور خالد کے بکر پر پندرہ سیر جو واجب ہیں تو زید خالد کو اپنے وہ دس سیر گندم فروخت کردے جو عمرو کے ذمہ ہیں' اور اس کے معاوضہ میں خالد سے وہ پندرہ سیر جو لے لے جو خالد کے بکر کے ذمہ ہیں' اس کو بیع الدین بالدین یا بیع الکالئی بالکالئی کہتے ہیں' یہ بیع جائز نہیں ہے' نقد کو عربی میں عین کہتے ہیں' اور ادھار کو دین کہتے ہیں۔ اس آیت میں بیع کی دوسری قسم کا ذکر ہے جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا مدت معینہ کے ادھار پر ہو' اگر مبیع (سودا) نقد ہو اور ثمن (قیمت) مدت معینہ کے ادھار پر ہو تو یہ بیع مطلق ہے اور اگر ثمن نقد ادا کردی جائے اور بیع کو ایک مدت معینہ کے بعد وصول کیا جائے تو اس کو بیع سلم کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت خاص بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت گندم کی بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے (گندم کی قیمت کی پیشگی ادائیگی کردی جائے اور فصل کٹنے کے بعد گندم کو وصول کیا جائے)' اس میں گندم کی مقدار بھی معلوم ہو اور اس کی مدت بھی معلوم ہونی چاہیے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۶' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (میں نے عرض کیا:) یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص ایک چیز خریدنے کے لیے آتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے' آیا میں اس کے لیے بازار سے چیز خرید لوں؟ آپ نے فرمایا: جو چیز

تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کرو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۹ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کی بناء پر جو چیز موجود نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی بناء پر بیع سلم کی اجازت دی ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو لوگ ایک یا دو سال کی مدت پر پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: جو شخص کھجوروں میں بیع سلم کرے اس کا کیل معلوم ہو اور وزن معلوم ہو (یعنی مقدار معلوم ہو) اور اس کی مدت معلوم ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

بیع سلم کی شرائط

بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں' سلم اور سلف کا معنی ہے: تسلیم اور تقدیم' کسی چیز کو پہلے دینا' اور اس کو سپرد کرنا' شریعت میں بیع سلم اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ثمن پہلے واجب ہو اور مبیع بعد میں میعاد مقرر پر واجب ہو۔

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کی صفت اور مقدار کو منضبط کرنا ممکن ہو اس کی بیع سلم جائز ہے' ورنہ نہیں' بیع سلم کی شرائط یہ ہیں: ان چیزوں کو معین کیا جائے: جنس' نوع' وصف' مدت' مقدار' جس جگہ مبیع کو سپرد کیا جائے' کیل' وزن اور عدد کی تعیین کرنا' اور عقد کے بعد علیحدگی سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے' اس چیز میں بیع سلم صحیح نہیں ہے جو عقد کے وقت سے لے کر تسلیم کرنے کی مدت تک موجود نہ رہے' نہ جواہر میں صحیح ہے' حیوان' اس کے گوشت اور اس کے اعضاء میں بھی صحیح نہیں ہے' خشک سمندری مچھلی میں صحیح ہے' کسی معین شہر کے غلہ میں بیع سلم صحیح نہیں ہے' اگر کپڑے کا طول اور عرض معین کر دیا جائے تو صحیح ہے' جس چیز میں بیع سلم کی گئی ہے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا صحیح ہے۔

(الاختیار ج ۲ ص ۳۸۔ ۳۴ 'مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

دین اور قرض کی تعریفیں اور ان کا فرق

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جو چیز کسی عقد' یا کسی چیز کے ضائع یا ہلاک کرنے سے کسی کے ذمہ واجب ہو گئی ہو' یا کسی چیز کو قرض لینے کی وجہ سے کسی کے ذمہ لازم ہو گئی ہو وہ دین ہے' دین قرض سے عام ہے' دین میں مدت کا مقرر کرنا واجب ہے عام ازیں کہ مدت معلوم ہو یا مجہول ہو' لیکن اگر جہالت معمولی ہو جیسے فصل کی کٹائی یا دانہ کو بھوسے سے الگ کرنے کا وقت تو یہ جائز ہے اور اگر غیر معمولی ہو تو جائز نہیں ہے' جیسے جب آندھی آئے گی' "ہدایہ" وغیرہ میں ہے کہ معمولی جہالت دین میں برداشت کی جاتی ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۱۶۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

اور قرض میں مدت کا تعین کرنا لازم نہیں ہے' یعنی اگر قرض میں مدت کا تعین کر دیا جائے تو وہ غیر لازم ہونے کے باوجود صحیح ہے' اور قرض دینے والا مدت کا تعین کرنے کے بعد اس سے رجوع کر سکتا ہے' لیکن "ہدایہ" میں یہ کہا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرض ابتداءً اعارہ ہے اور انتہاءً معاوضہ ہے اور ابتداء کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعین کرنا لازمی نہیں ہے جیسا کہ عاریۃً چیز دینے میں ہے اور انتہاء کے اعتبار سے اس میں مدت کا تعین کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ قرض انتہاءً معاوضہ ہے' اگر کسی قرض دینے والے نے ایک درہم ایک ماہ کے لیے قرض دیا اور اس کے عوض میں ایک ماہ بعد ایک

درہم واپس لیا تو یہ ایک درہم کی ایک درہم کے عوض ایک ماہ کے ادھار پر بیع ہوگی اور یہ ربا النسیئہ (سود) ہے' اس لیے قرض میں مدت کا تعین کرنا جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۱۷۰ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

لغت میں قرض کا معنی ہے: جس کو تقاضا کرنے کے لیے دیا جائے' اور شرع میں اس کا معنی ہے: جو مثلی چیز تقاضا کرنے کے لیے دی جائے' مثلی سے مراد وہ مکیل' موزون اور معدود چیز ہے یعنی اس چیز کی مثل میں ایسا فرق نہ ہو جس سے قیمت مختلف ہو جائے' جیسے انڈا اور اخروٹ وغیرہ' اس لیے درہم' دینار' اخروٹ' انڈے' گوشت' روٹی' کاغذ اور سکوں وغیرہ میں قرض کا لین دین جائز ہے۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۴ ص ۱۷۲۔ ۱۷۱ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

آیت مداینہ کے حکم کا تمام دیون کو شامل ہونا

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی ہے کہ بیع سلم جس میں مدت مقررہ کے بعد مبیع کی ادائیگی کی جاتی ہے وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے' لہٰذا ہر وہ دین جس میں مدت مقرر ہو وہ اس آیت میں مراد ہے خواہ وہ کسی منافع کا بدل ہو یا کسی معین چیز کا عوض ہو اس لیے جس اجرت اور مہر کی میعاد مقرر ہو' اسی طرح عقد خلع' قتل عمد کی دیت اور بدل کتابت جن کی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو وہ سب اس آیت سے مراد ہیں کیونکہ یہ وہ دیون ہیں جو کسی عقد سے ثابت ہیں اور ان میں ادائیگی کی میعاد مقرر ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جو دین کے لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے وہ ان تمام عقود اور دیون پر لاگو ہے' اسی طرح گواہوں کا عدد اور ان کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ بھی ان تمام عقود میں جاری ہوتے ہیں کیونکہ اس آیت کے الفاظ کسی ایک دین کے ساتھ خاص نہیں ہیں' اسی وجہ سے جب نکاح میں عورت کا مہر دین موجل ہو تو اس پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جاتا ہے' اسی طرح عقد اجارہ' بدل صلح وغیرہ تمام دیون کے عقود میں اسی طرح حکم جاری ہو جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۸۴۔ ۴۸۳ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

دین پر مبنی عقود کی دستاویز لکھوانے' اس پر گواہ بنانے یا رہن رکھنے کا شرعی حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' اس کے متعلق علامہ جصاص لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں دین کے معاملہ کو لکھنے' اس پر گواہ بنانے اور اس کے لیے کسی چیز کو رہن رکھنے کا جو حکم دیا ہے یہ حکم استحباب' ہماری بہتری اور خیر خواہی' ارشاد اور دین اور دنیا میں احتیاط کے لیے ہے اور اس میں کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے' اور ابتداء سے آج تک تمام امت مسلمہ تمام شہروں میں دین پر مبنی عقود بغیر کسی کو گواہ بنائے کرتی رہی ہے' اور ہر دور میں علماء' فقہاء اور اہل فتویٰ حضرات کو اس کا علم ہوتا تھا اور ان میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا' اگر اس قسم کے ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنا یا اس پر گواہ بنانا' یا رہن رکھنا واجب ہوتا تو اس کے ترک پر اعتراض کیا جاتا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ امور مستحب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک یہی منقول ہے اور اگر صحابہ اور تابعین ان عقود پر لازماً گواہ بناتے تو یہ چیز تواتر سے منقول ہوتی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۸۲ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو' پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بنالو) جن کو تم گواہوں سے پسند کرتے ہو' کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) اگر بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے۔

(البقرہ: ۲۸۲)

شہادت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔

(نہایہ ج ۲ ص ۵۱۴ 'مطبوعہ ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

(المفردات ص ۲۶۸ 'مطبوعہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ بوبطی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کبھی کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کی خبر کو شہادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔ (شرح المہذب ج ۲۰ ص ۲۲۵ 'مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے "میں گواہی دیتا ہوں" کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۴۴۶ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ "اشہد" کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کو متضمن ہے گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اسی طرح دیکھا ہے اور اب میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

شہادت کی اقسام

(الف) عینی شہادت: یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے' یہی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص ۱۵۹)

(ب) سمعی شہادت: یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے' جن امور کا تعلق مسموعات سے ہو ان میں سمعی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی ہے جتنی عینی شہادت ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۶۰)

(ج) شہادت علی الشہادت: اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر شاہد بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص ۱۵۸)

قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان

شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں ایک تحمل شہادت ہے اور دوسرا اداء الشہادت۔ تحمل شہادت کا مطلب کسی وقوعہ کا معائنہ کر کے اس کو سمجھ کر منضبط کرنا[1] اور اداء الشہادت کا مطلب ہے: اس شہادت کو قاضی کے سامنے ادا کرنا۔ تحمل شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (البقرہ: ۲۸۲)

اور اپنے مردوں سے دو گواہ بناؤ' پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں' ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

[1] ڈاکٹر وہبہ زحیلی' الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۵۵۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ

وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور جب تم خرید وفروخت کرو تو گواہ بنالو۔

وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ۔ (الطلاق: ۲) اور اپنوں میں دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بنالو۔

اور اداء شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ (الطلاق: ۲) اور اللہ کی خاطر شہادت ادا کرو۔

وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور گواہی کو نہ چھپاؤ' اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بے شک اس کا دل گنہ گار ہے۔

شہادت کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت اور ادا شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ۔ اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں" نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہ گار ہے" نیز اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا ہونا لازم ہے۔
(المغنی ج ۱۰ ص ۲۵۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی (صاحب "ہدایہ") لکھتے ہیں: شہادت کا ادا کرنا واجب ہے' اور جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ۔ (البقرہ: ۲۸۲)" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ۔ (البقرہ: ۲۸۲)" اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے' سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے' اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ خواہ ستر کرے خواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۳۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

علامہ مرغینانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے' اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الہیہ کا احترام مجروح ہوتا ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے' اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اداء شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجازاً کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب شاہد کو مدعی بلائے تو شہادت ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۴۴۷ ۔ ۴۴۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

شہادت کی تعریف‘ رکن اور سبب وغیرہ کا بیان

مجلس قضاء میں کسی شخص کے حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ ’’اشھد‘‘ (میں گواہی دیتا ہوں) کے ساتھ سچی خبر بیان کرنا شہادت ہے۔ (فتح القدیر)

شہادت کا رکن لفظ ’’اشھد‘‘ ہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ (تبیین الحقائق)

شہادت کو ادا کرنے کا سبب یہ ہے کہ مدعی گواہ سے شہادت طلب کرے یا مدعی از خود گواہی دے جب کہ گواہ کو یہ علم ہو کہ مدعی کو اپنے حق پر شہادت کا علم نہیں ہے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔

شہادت کا حکم یہ ہے کہ شہادت کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ کرے۔ (عنایہ)

تحمل شہادت کی شرائط

شہادت کی شرائط دو قسم کی ہیں‘ تحمل شہادت (حصول شہادت) کی شرائط اور ادائیگی شہادت کی شرائط‘ تحمل شہادت کی شرائط یہ ہیں کہ جس وقت گواہ کسی وقوعہ کو دیکھ رہا ہے اور گواہی کو حاصل کر رہا ہے تو وہ شخص مجنون نہ ہو‘ ناسمجھ بچہ نہ ہو اور یہ شخص بصیر ہو‘ لہٰذا اندھے کا تحمل شہادت کرنا جائز نہیں ہے‘ نیز مشہود بہ (جس چیز کی گواہی دینی ہے) کا وہ خود مشاہدہ کرے کسی اور کے مشاہدہ کا تحمل نہ کرے‘ البتہ بعض اشیاء میں لوگوں سے سن کر تحمل شہادت کرنا بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع) تحمل شہادت کے لیے بلوغ‘ حریت‘ اسلام اور عدالت (نیک چلنی) شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر تحمل شہادت کے وقت وہ سمجھ دار بچہ ہو یا غلام ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو‘ پھر بچہ بالغ ہو جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے یا فاسق توبہ کر لے اور پھر وہ قاضی کے پاس شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (البحر الرائق)

بلحاظ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط

شہادت ادا کرنے کے لیے شاہد میں عقل‘ بلوغ‘ بصر اور نطق (گویائی) کی شرط ہے اور یہ کہ اس کو حد قذف نہ لگی ہو (یہ شرط احناف کے نزدیک ہے) اور یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا مقصد نہ کسی نفع کو حاصل کرنا ہو اور نہ کسی ضرر کو دور کرنا ہو اور یہ کہ اس مقدمہ میں وہ شخص خود فریق نہ ہو اور یہ کہ اداء شہادت کے وقت اس کو مشہود بہ کا علم ہو اور وہ اس کو یاد ہو (یہ شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے‘ صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے)۔ (بدائع الصنائع)

عدالت کی تعریف

گواہوں کا عادل (نیک) ہونا قاضی پر وجوب قبول کے لیے شرط ہے‘ نفس شہادت کے جواز کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ (البحر الرائق) امام ابوحنیفہ کے نزدیک عدالت ظاہر یہ شرط ہے اور عدالت حقیقیہ جو تزکیہ شہود اور تعدیل سے ثابت ہوتی ہے وہ امام اعظم کے نزدیک شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عدالت حقیقیہ شرط ہے۔ (البدائع الصنائع) اس زمانہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (کافی) امام ابو یوسف سے جو عدالت کی تفسیر منقول ہے وہ یہ ہے کہ شہادت میں عدل یہ ہے کہ شاہد کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور اس کی درست باتیں اس کی غلط باتوں سے زیادہ ہوں‘ یہ عدالت کی سب سے بہترین تفسیر ہے۔ (نہایہ)

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

(۱) زنا کے اثبات کے لیے چار آزاد مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔[1]
علامہ بن ہمام حنفی[2]' علامہ یحییٰ بن شرف نووی[3] اور علامہ ابن رشد مالکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔[4]

(۲) بقیہ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔[5]

(۳) عطاء اور حماد سے منقول ہے کہ تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا' اسی طرح عطاء اور حماد کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ یہ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اموال پر قیاس کرتے ہیں۔ (المغنی ج ۱۰ص ۱۵۶۔ ۱۵۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

(۴) شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے چنانچہ آٹھ عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔ (المحلی ج ۹ص ۳۹۶۔ ۳۹۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۹ھ)

(۵) تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے' علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (المغنی ج ۱۰ص ۱۵۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح' طلاق' وصیت' عدت' حوالہ' وقف اور صلح وغیرہ میں بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں۔ (فتح القدیر ج ۶ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

(۶) وہ تمام امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے' مثلاً حیض' عدت' رضاعت' ولادت' بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں رکھتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق) علامہ مرغینانی حنفی[6]' شارح المہذب شافعی[7]' علامہ ابن قدامہ حنبلی[8] اور علامہ ابن رشد مالکی[9] وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

---

۱ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ' المغنی ج ۱۰ص ۱۵۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۲ علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر ج ۶ص ۴۵۰' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۳ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ' روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۱ص ۲۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۴ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد ج ۲ص ۳۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

۵ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ' المغنی ج ۱۰ص ۱۵۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۶ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان

۷ شرح المہذب ج ۲۰ص ۲۵۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

۸ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ' المغنی ج ۱۰ص ۱۶۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ

۹ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد ج ۲ص ۳۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کرنے کے بعد ہم دو چیزوں کی وضاحت کریں گے۔ایک یہ کہ قرض کے لین دین اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو کیوں شروع کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کا کیوں اعتبار نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس بات میں دو مرد میسر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' یہ اختیاری شہادت کا بیان ہے' یعنی یہ وہ صورت نہیں ہے کہ جب کسی ہنگامی' ناگہانی یا اضطراری واقعہ میں کسی مالی معاملہ یا کسی انسانی حق میں موقع پر موجود کسی شخص کی گواہی کو اس معاملہ یا حق کے ثبوت میں پیش کرنا ہو'ایسے کسی ہنگامی اور ناگہانی واقعہ میں ایک مسلمان عورت تو الگ رہی' کفار کی شہادت سے بھی وہ معاملہ یا حق ثابت ہو جائے گا' قرآن مجید کی زیر بحث جس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے'اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم اپنے قصد اور اختیار سے اپنے کسی کاروباری معاملہ یا قرض کے لین دین پر گواہ بنانا چاہو تو اپنی پسند اور مرضی سے گواہ بناؤ اور وہ دو مسلمان مرد ہیں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ توسع اور اختیار کی حالت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں کیوں رکھی گئی ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ عدالت میں مدعیٰ علیہ کے خلاف گواہی دینا بہت بڑی جرأت' حوصلہ اور دلیری کی بات ہے' کیونکہ جس فریق کے خلاف گواہی دی جاتی ہے' فطری طور پر وہ فریق اس گواہ کا دشمن ہو جاتا ہے اور فریق مخالف' گواہ کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ عورتیں جب گواہی دینے کے لیے آتی ہیں تو رونے لگتی ہیں یا کوسنا شروع کر دیتی ہیں یا وکیل مخالف کے اعتراضات سے گھبرا کر بے ربط اور اول فول باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عورتیں مردوں سے فطرۃً کمزور ہوتی ہیں اور ان میں مردوں کی بہ نسبت جرأت اور حوصلہ بہت کم ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سپہ سالار' جرنل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا' دنیا میں معدودے چند عورتیں پائلٹ ہیں اور بالعموم ساری دنیا میں عورتوں کو پائلٹ نہیں بنایا جاتا' غرض ہمت' دلیری اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کاموں سے الگ رکھا جاتا ہے۔چونکہ فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا بہت جرأت اور حوصلہ کا کام ہے'اس وجہ سے اسلام نے یہ کام اصالۃً اور بالذات دو مردوں کے سپرد کیا ہے اور اگر کسی عقد اور معاملہ کے وقت دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' کیونکہ عین ممکن ہے کہ عدالت میں فریق مخالف کی جرح یا اس کے خوف سے عورت اپنی طبعی کمزوری سے گھبرا کر اکچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے'اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰىؕ تاکہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

(البقرہ: ۲۸۲)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ضلال کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہادت میں ضلال یہ ہے کہ ایک چیز یاد رہے اور دوسری یاد نہ رہے اور انسان سرگشتہ وحیران ہو۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۷ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران)

وکلاء بیان کرتے ہیں کہ پچانوے فی صد مقدمات میں جب عورتیں گواہی کے لیے پیش ہوتی ہیں تو یا رو پڑتی ہیں یا گھبرا کر اول فول باتیں کرتی ہے یا کوسنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مرد فطرۃً قوی جرأت مند اور دلیر ہوتا ہے اور فریق مخالف کے دباؤ سے مرعوب اور متاثر نہیں ہوتا اس لیے وہ عدالت میں حوصلہ ہارے بغیر ٹھیک ٹھیک گواہی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ چونکہ فطرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے اس نے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے تاکہ گواہی کے موقعہ پر ان دونوں عورتوں کو ایک دوسری سے طمانیت خاطر رہے اور ڈھارس بندھی رہے اور جب کوئی عورت بوکھلا جائے اور گھبراہٹ میں کچھ کا کچھ کہنے لگے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے۔

ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو مقرر کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تجارتی مال کی پیچیدگیوں' لین دین کی باریکیوں اور قرض کی ضروری شرائط اور قیود سے عام طور پر مرد پوری طرح واقف ہوتے ہیں' اس کے برخلاف عورت چونکہ فطری اور شرعی طور پر صرف امور خانہ داری کی ماہر ہوتی ہے اور عام دنیاوی معاملات میں وہ براہِ راست ملوث نہیں ہوتی اور نہ اس کی باریکیوں سے کماحقہٗ واقف ہوتی ہے' اس وجہ سے کسی لین دین اور معاہدہ کے وقت فریق مخالف یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملہ پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اہل شخص گواہی دے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اولین مرحلہ میں دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اور اگر دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا دیا جائے تاکہ اس کے معاہدہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر گواہی پیش کی جاسکے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کے قریب گواہی کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت چونکہ فطرۃً منفعل مزاج ہوتی ہے' اس لیے فریق مخالف کے وکیل کی جرح کے موقع پر اس کا اصل مؤقف سے پھسل جانا اور فریق مخالف کے دلائل سے متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے اس لیے اس کو اصل مؤقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے تاکہ جب وہ منفعل یا متاثر ہو کر اصل مؤقف سے پھسلنے لگے تو دوسری گواہ اس کو سنبھال سکے اور اس کو بروقت اصل مؤقف یاد دلا دے۔

وہ امور جن میں صرف عورت کی گواہی معتبر ہے

مذکور الصدر بحث سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مالیات کے اختیاری معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت آدھی انسان ہے یا وہ حقیر یا کم درجہ کی مخلوق ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فطرۃً منفعل مزاج ہے یا مرد کے مقابلہ میں جرأت اور حوصلہ کم رکھتی ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عادۃً' فطرۃً گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہے اور مالیاتی نظام کی باریکیوں اور کاروباری نزاکتوں سے واقف اور ان امور کی ماہر نہیں ہوتی اس لیے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے ورنہ جن معاملات پر اس کی دسترس ہوتی ہے یعنی عورتوں سے متعلق معاملات' ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی ہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہوتی یا ساقط الاعتبار ہوتی تو عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کو کیوں کافی قرار دیا جاتا؟ اب ہم قارئین کے سامنے ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی' ایک اور عورت نے آ کر کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا' آپ نے فرمایا: تم اس عورت کو اب نکاح میں کس طرح رکھ سکتے ہو جب کہ یہ شہادت ہو چکی ہے۔ اس عورت کو طلاق دے دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' کراچی ' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت نے یہ شہادت دی کہ اس نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو دودھ پلایا ہے اور صرف اسی ایک عورت کی شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامر کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں' ہر چند کہ فقہاء احناف اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حدیث استحباب پر محمول ہے' اور رضاعت میں صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت میں ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیا۔

نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرد جن امور کو دیکھنے کے شرعاً مجاز نہیں ہیں ان امور میں تنہا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا' بلکہ صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: اس بات پر سنت کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے کہ عورتوں کے بچہ جننے' نومولود بچہ کے رونے اور عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اور صرف عورتیں ہی ان معاملات کی نگہبان ہوتی ہیں' ان میں صرف عورتوں کی شہادت جائز ہے' پس جب بچہ جننے والی ایک مسلمان عورت گواہی دے یا ایک عورت سے زیادہ عورتیں نومولود کے رونے کی گواہی دیں تو یہ شہادت جائز ہے۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

نیز امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے نومولود کے رونے میں ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۴ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

قعقاع بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تنہا عورتوں کی شہادت حمل اور حیض وغیرہ صرف ان امور میں جائز ہے' جن پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام شعبی اور حسن بصری نے کہا کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں

مذکور الصدر احادیث' آثار' اقوال تابعین اور ائمہ مذاہب کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں' ان میں صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کرنا جائز ہے اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ مالی معاملات کی اختیاری گواہی میں چونکہ ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے اس لیے اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے یا اس کی گواہی کو کمتر قرار دیا ہے' اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھا انسان ہوتی یا وہ ذلیل اور حقیر ہوتی تو ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کا مدار کیوں رکھا جاتا؟

اگر مرد یہ اعتراض کریں کہ بعض نسوانی معاملات میں ان کی شہادت اصلاً معتبر نہیں ہے' جب کہ ان معاملات میں عورتوں میں سے ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے تو مردوں کو اسلام نے بالکل ساقط الاعتبار کر دیا اور ان کو آدھے انسان کا درجہ بھی نہیں دیا تو کیا مردوں کا یہ اعتراض درست اور معقول ہوگا؟ نہیں! بلکہ یہی کہا جائے گا کہ جن دنیاوی معاملات میں مردوں کو شہادت کی اہلیت ہے وہاں مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن نسوانی معاملات میں عورتیں شہادت کی اہل ہیں وہاں عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے' اسلام نے جس صنف کی شہادت کا جس جگہ اعتبار کیا ہے وہ عین حکمت اور فطرت کے

مطابق ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔
مزید غور فرمایئے کہ اثبات زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی گواہی مقرر کی گئی ہے' اب کیا مرد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ہماری گواہی تو آدھی کر دی گئی ہے کیونکہ باقی حدود اور معاملات میں دو مردوں کی گواہی کافی ہوتی ہے اور اب زنا میں بجائے دو کے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے تو گویا دو مردوں کو ایک کے قائم مقام کیا ہے اور یہ مردوں کو آدھا انسان قرار دینا ہے۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت رکھی گئی ہے جس میں شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے ثبوت کی بھی کڑی شرط رکھی ہے اور ثبوت زنا کو چار مسلمان مردوں کی گواہی پر موقوف کیا گیا ہے۔
پھر یہ چیز بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شہادت دینا کوئی حق یا انعام نہیں ہے' اگر ایسا ہوتا تو عورتیں کہہ سکتی تھیں کہ ہمارا حق کم کر دیا گیا ہے' عدالت میں جا کر فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا اور اس کی دشمنی مول لینا یہ تو ایک ابتلاء اور مصیبت ہے' بعض اوقات شہادت دینے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے اور سفر کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں' اسلام نے صنف نازک پر جیسے اور احسانات کیے ہیں کہ اس پر معاش اور بچوں کی کفالت کا بوجھ نہیں رکھا' ایام حیض میں نمازوں کا مکلف نہیں کیا' حالت حیض' حمل اور رضاعت میں روزے قضاء کرنے کی سہولت دی ہے' اسی طرح اسلام کا عورتوں پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ اس پر شہادت ادا کرنے کا بوجھ کم سے کم رکھا ہے' حدود اور قصاص کے معاملات جن کی گواہی دینے میں زیادہ خطرہ اور مشقت ہے ان میں اس کو شہادت کا بالکل مکلف نہیں کیا اور مالی معاملات میں اس کے بوجھ کو کم کر دیا ہے اور جو بوجھ ایک مرد پر ڈالا جاتا ہے وہ دو عورتوں پر تقسیم کر دیا۔ الحمد للہ علی احسانہ و انعامہ۔
اس مسئلہ کے دیگر پہلوؤں کو جاننے کے لیے ''شرح صحیح مسلم'' جلد خامس کا مطالعہ فرمائیں' ہم نے وہاں اس مسئلہ کے اور پہلوؤں پر بھی بحث کی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ (البقرہ: ۲۸۲)

گواہی کے لیے بلائے جانے پر گواہوں کے جانے کا شرعی حکم

اگر کسی معاملہ پر متعدد گواہ ہیں تو ہر گواہ کا گواہی دینا واجب نہیں ہے' بلکہ یہ وجوب کفائی ہے' ان میں سے کسی بھی دو گواہوں نے گواہی دے دی تو باقی سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے گواہی نہیں دی تو سب گنہ گار ہوں گے' اور اگر کسی معاملہ پر صرف دو گواہ ہوں تو ان کا گواہی دینا متعین ہے اور جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو ان کا جانا واجب ہے اور نہ جانا مکروہ تحریمی ہے۔
علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس' قتادہ اور ربیع وغیرہ نے کہا ہے کہ جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں' عطاء اور حسن بصری نے کہا: یہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے' گواہ کے لیے گواہی دینا اور نہ گواہی دینا دونوں جائز ہیں' شعبی نے کہا: اگر اس کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اس پر گواہی دینا متعین ہے ورنہ اس کو اختیار ہے' مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر وغیرہ نے کہا کہ اگر وہ اس سے پہلے شہادت دے چکے ہیں تو جب ان کو ادا شہادت کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں' نقاش نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس سے عدول نہیں کیا جائے گا اور ادا شہادت سے انکار کی ممانعت تحریمی ہوگی۔
حسن بصری نے کہا: مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا مستحب ہے' اگر گواہ زیادہ ہوں اور مدعی کے حق

میں معطل ہونے کا خدشہ نہ ہو تو جس گواہ کو بلایا گیا ہے اس کا جانا مستحب ہے اور کسی عذر کی وجہ سے ان کا نہ جانا بھی جائز ہے اور اس میں گناہ نہیں ہے اور اگر گواہ کو یہ خدشہ ہو کہ اس کے نہ جانے سے کسی کا حق معطل ہو جائے گا تو پھر اس کا شہادت دینے کے لیے جانا واجب ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۷۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بے شک تمہارا گناہ ہو گا۔ (البقرہ: ۲۸۲)

کاتب اور گواہ کے ضرر کا بیان

اس آیت کی دو قرأتیں ہیں' ایک قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے نہ گواہ کو' اس قرأت کے مطابق صاحب حق کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کاتب اور گواہ کو ان کے کاموں سے روک کر انہیں لکھنے اور گواہی دینے کے لیے مجبور کریں یا ان کو اس سلسلہ میں ہونے والے اخراجات ادا نہ کریں یا لکھنے اور گواہی دینے میں جو ان کا وقت خرچ ہو اس کا معاوضہ ان کو ادا نہ کریں۔

اور دوسری قرأت کے مطابق معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ صاحب حق کو ضرر نہ پہنچائیں' مثلاً کاتب صاحب حق کے املاء کرانے کے خلاف کچھ کا کچھ لکھ دے' یا گواہ اپنی طرف سے گواہی میں کچھ بڑھا دے یا کچھ کم کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم سفر میں ہو (اور تمہیں دین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو) اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بنا پر دین کا معاملہ کرو) پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳)

سفر اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز

اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور تم نے کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدنی ہے اور بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے تمہیں دوران سفر کاتب یا گواہ دستیاب نہ ہوں تو بائع کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اپنی کوئی چیز اس کے پاس رہن رکھ دو اور "مقبوضہ" کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ بائع اس چیز پر صرف قبضہ کرے گا' وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے' بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ اگر کاتب موجود ہو تو پھر کسی چیز کو گروی رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک نے کہا: اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور وہ مدت معینہ کے ادھار پر کسی چیز کی بیع کرے اور اس کو کاتب نہ ملے تو اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز ہے اور اگر کاتب ہو تو پھر اس کے لیے رہن پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اور بعض فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ صرف سفر میں رہن رکھنا جائز ہے اور حضر میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رہن پر قبضہ کرنا صرف سفر میں جائز ہے' حضر میں جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

لیکن یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں اور ان کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے' علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم اس طرح نہیں ہے اور تمام شہروں کے فقہاء اور عامۃ السلف کے نزدیک شہر میں بھی کسی چیز کا گروی رکھنا جائز ہے۔(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۲۳ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جَو کے بدلہ اپنی زرہ رہن رکھی' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جَو کی روٹی اور پرانی چربی لے کر گیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آل محمد کے پاس صبح اور شام کے لیے صرف ایک صاع ہے۔(چار کلوگرام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ گروی رکھ کر ایک یہودی سے طعام خریدا۔(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے ادھار پر طعام خریدا اور اپنی زرہ گروی رکھ دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس سے اپنے اہل کے لیے جَو خرید ے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۷۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

رہن کی تعریف اور رہن سے فائدہ اٹھانے میں مذاہب فقہاء

رہن کا معنی ہے: گروی رکھنا' اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لیے روکنا' کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کلا یا جزءً وصول کرنا ممکن ہو' رہن میں رکھی ہوئی چیز کو مرہون' رہن رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو مرتہن کہتے ہیں' عقد رہن بالاجماع جائز ہے۔(ہدایہ اخیرین ص ۵۱۶ 'مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک رہن شدہ چیز سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے' اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہن شدہ سواری پر اس کے خرچ کے بدلہ میں سواری کی جائے گی' اور اس کے تھنوں سے دودھ نکال کر پیا جائے گا اور جو اس پر سواری کرے گا یا پئے گا خرچ اس کے ذمے ہے۔(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ابراہیم نخعی' امام شافعی اور ظاہریہ (غیر مقلدین) نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رہن رکھوانے والا (مقروض) سواری پر اپنے خرچ کے باعث سواری کرے گا اور اس کا دودھ پئے گا' ابن حزم نے ''محلی'' میں لکھا ہے کہ رہن رکھوانے والا جس طرح رہن رکھوانے سے پہلے اس سے منافع حاصل کرتا تھا اسی طرح رہن رکھوانے کے بعد بھی اس چیز سے منافع حاصل کرتا رہے گا اور اس سے کسی منفعت کو روکا نہیں جائے گا اور رہن شدہ جانور پر سواری کرنے اور اس کا دودھ پینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح پہلے یہ منافع رہن رکھوانے والے کے لیے تھے اب بھی رہیں گے' ہاں! اگر وہ ان جانوروں کو ضائع کرے تو پھر وہ ان پر خرچ نہیں کرے گا' اور رہن رکھنے والا (راہن) ان پر خرچ کرے گا اور وہی اس پر سواری کرنے اور اس سے دودھ پینے کا نفع بھی حاصل کرے گا' اور اس کی رقم کو اس کے قرض میں محسوب نہیں کیا جائے گا' قرض کم ہو یا زیادہ'

اور یہ اس لیے کہ رہن رکھوانے والے کی ملکیت مرہون میں باقی ہے اور وہ مرہون چیز اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی لیکن اس جانور پر سواری کرنا اور اس کا دودھ دوہنا خصوصیت سے اس شخص کا حق ہے جو اس جانور پر خرچ کرے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے۔

امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد' امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد نے یہ کہا ہے کہ رہن رکھوانے والے کا رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رہن رکھنے کے منافی ہے' رہن کا معنی ہے: دائمی طور پر کسی چیز کو محبوس کرنا' لہٰذا وہ اس سے نفع اٹھانے کا مالک نہیں ہے' اور مرہون سے خدمت طلب کرنا' اس پر سواری کرنا' اس کا دودھ دوہنا اور اس میں سکونت رکھنا وغیرہ اس کے لیے جائز نہیں ہے' اور رہن رکھنے والے کے سوا اور اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کے ہاتھ پر مرہون کو فروخت کرنا بھی اس کے لیے جائز نہیں ہے' اور اگر اس نے فروخت کر دیا تو یہ مرتہن (رہن رکھنے والے) کی اجازت پر موقوف ہے' اگر اس نے اجازت دے دی تو یہ فروخت کرنا جائز ہوگا اور اب قیمت اس کے پاس رہن ہوگی' اسی طرح مرتہن کے لیے بھی رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے' حتیٰ کہ اگر غلام رہن ہو تو وہ اس سے خدمت طلب نہیں کرے گا' سواری کا جانور ہو تو اس پر سواری نہیں کرے گا' اگر کپڑا ہو تو اس کو نہیں پہنے گا' مکان ہو تو اس میں سکونت نہیں کرے گا اور مصحف ہو تو اس کی تلاوت نہیں کرے گا' اور راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت کے بغیر مرتہن کے لیے رہن کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے اور اس پر خرچ کرنا مرتہن کی ذمہ داری نہیں ہے اور جس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے وہ مجمل ہے' اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون رہن پر سواری کرے گا اور کون اس کا دودھ پیئے گا' پس مخالف کے لیے یہ کہاں سے جائز ہوگیا کہ اس کو راہن کے ساتھ مخصوص کر دے نہ کہ مرتہن کے لیے اور بغیر دلیل کے اس کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص کر دینا جائز نہیں ہے' اور ہشیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سواری کا جانور رہن ہو تو مرتہن پر اس کو چارہ ڈالنا لازم ہے اور اس کے تھنوں سے دودھ نکالا جائے گا اور اس کا خرچ اس کے ذمہ ہے جو اس کا دودھ پیئے گا' اور اس پر سواری کرے گا' اس حدیث سے یہ متعین ہوگیا کہ "صحیح بخاری" کی حدیث میں سواری کرنے اور دودھ پینے کے منافع مرتہن پر محمول ہیں نہ کہ راہن پر' مرتہن رہن پر سواری کرے گا اور اس کا دودھ نکالے گا اور اس کے معاوضہ میں اس کا خرچ اٹھائے گا' ہمارے نزدیک یہ حکم اس وقت تھا جب سود لینا مباح تھا اور اس قرض سے منع نہیں فرمایا تھا جس میں نفع لیا جائے' اور نہ غیر مساوی چیزوں کی بیع سے منع فرمایا تھا' اس کے بعد آپ نے سود کو حرام کر دیا اور ہر اس قرض سے منع فرما دیا جس سے کوئی منفعت حاصل ہو۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رہن کا خرچ راہن کے ذمہ ہے مرتہن کے ذمہ نہیں ہے اور مرتہن کے لیے رہن کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ رہن کا تقاضا یہ ہے کہ راہن اس کو مرتہن کے قبضہ میں دے دے اور پھر اس سے سروکار نہ رکھے' اسی لیے اس پر اجماع ہے کہ اگر راہن اپنی لونڈی رہن رکھ دے تو وہ اس سے مباشرت نہیں کر سکتا' نیز امام طحاوی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ رہن سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۶۷۔ ۷۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

رہن سے نفع حاصل کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے' اس سے خدمت لے سکتا ہے' نہ اس میں سکونت کر سکتا ہے' نہ اس کو پہن سکتا ہے' نہ اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے نہ کسی کو عاریۃً دے سکتا ہے' نہ راہن نہ مرتہن' ہاں! اگر راہن مرتہن کو یا مرتہن راہن کو اجازت دے دے تو پھر جائز ہے' کہا گیا ہے کہ مرتہن کے لیے اجازت کے باوجود نفع لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود ہے' اور یہ بھی کہا گیا

ہے کہ یہ سود اس وقت ہوگا جب رہن کے عقد میں یہ شرط ہو کہ مرتہن اس سے نفع حاصل کرے گا' ورنہ سود نہیں ہے' ''اشباہ'' اور ''جواہر'' میں مذکور ہے کہ راہن نے مرتہن کے لیے درخت کے پھلوں کا کھانا' یا گھر میں رہنا یا بکری کا دودھ پینا مباح کر دیا اور اس نے یہ منافع حاصل کیے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا' نیز ''اشباہ'' میں لکھا ہے کہ مرتہن کے لیے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔

(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۵ ص ۳۱۱۔ ۳۱۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

رہن کی شرائط اور ضروری مسائل

عقد رہن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے' مثلاً راہن یہ کہے کہ تمہارا دین جو میرے ذمہ ہے اس کے مقابلہ میں' میں نے یہ چیز تمہارے پاس رکھی' رہن کی شرائط حسب ذیل ہیں:

(۱) راہن اور مرتہن عاقل ہوں' ناسمجھ بچے اور مجنون کا رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) رہن کسی شرط پر معلق نہ ہو اور اس کی اضافت وقت کی طرف کی جائے۔

(۳) جو چیز غیر منقسم اور غیر متمیز ہو اس کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنا آدھا مکان رہن رکھتا ہوں اور آدھے کی تحدید اور تعیین نہ کرے۔

(۴) جس چیز کو رہن رکھا ہے وہ قابل فروخت ہو اور وہ چیز اس وقت موجود ہو اور مال متقوم ہو' درخت پر جو پھل نہیں لگے' جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے اور مردار اور خون ایسی حرام چیزوں کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

مرہون چیز کی مالیت مرتہن کی ضمان میں ہوتی ہے اور خود وہ چیز مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے' ان کے فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر مرتہن مرہون کو راہن سے خرید لے' تو اس چیز پر مرتہن کا قبضہ خریداری کے قائم مقام نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں امانت ہے' اور خریداری کے لیے قبضہ ضمان چاہیے' اور مرہون کا خرچ راہن کے ذمہ ہے' مرتہن کے ذمہ نہیں ہے' اگر مرہون غلام تھا اور وہ مر گیا تو اس کی تجہیز و تکفین راہن کے ذمہ ہے' اگر مرہون چیز راہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو دین اور اس چیز کی قیمت میں جو مقدار کم ہوگی اس کو ہلاک قرار دیا جائے گا' مثلاً ہزار روپے دین کے مقابلہ میں دو ہزار روپے کا گھوڑا گروی رکھا تھا تو گھوڑا ہزار روپے کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا اور اب مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت مفروضہ میں گھوڑے کی قیمت پانچ سو روپے تھی تو ہزار روپے رہن میں سے پانچ سو روپے ساقط ہو گئے اور باقی ماندہ پانچ سو روپے راہن کے ذمہ واجب الادا ہیں' اور اگر دین اور مرہون کی مالیت برابر ہو مثلاً اس صورت میں گھوڑا ہزار روپے کا ہو تو کسی کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔

اگر مرتہن نے دین میں کوئی ایسا تصرف کیا جس سے وہ چیز ہلاک ہو گئی یا اس میں نقصان پیدا ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہو گا' یعنی اس کا تاوان ادا کرے گا' مثلاً ایک شیروانی دو ہزار کی تھی' مرتہن نے راہن کی اجازت سے اس کو پہنا اور اس پر داغ دھبے لگ گئے' جس سے وہ ہزار روپے کی رہ گئی تو اس ہزار روپے کی کمی کا تاوان مرتہن راہن کو ادا کرے گا' اور اس نے وہ دھلنے کے لیے دی اور دھوبی نے گم کر دی تو وہ دو ہزار روپے کا ضامن ہوگا' اگر مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر رہن سے فائدہ اٹھایا اور وہ چیز ہلاک ہوئی تو بھی مرتہن کو تاوان ادا کرنا ہوگا' مرہون کی حفاظت کا خرچ مثلاً اس کے لیے مکان کا کرایہ اور چوکیدار کی تنخواہ مرتہن کے ذمہ ہے' اور مرہون کی بقا کا خرچ مثلاً جانوروں کے چارے کا خرچ یا باغ میں پانی لگانے اور پھل توڑنے کے اخراجات وغیرہ یہ راہن کے ذمہ ہیں۔

(عالم گیری ج ۵ ص ۴۳۴۔ ۴۳۲' ردالمحتار ج ۵ ص ۳۱۲۔ ۳۰۷' ہدایہ اخیرین ص ۵۲۰۔ ۵۱۶ ملخصاً)

فقہاء نے یہ نہیں لکھا کہ گروی رکھے ہوئے جانوروں کے دودھ کی آمدنی اور باغ کے پھلوں کی آمدنی کا کون مالک ہوگا' مرتہن تو اس کا مالک نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ سود ہے' اس لیے ظاہر ہے کہ اس آمدنی کا مالک راہن ہی ہوگا' کیونکہ ''درمختار'' میں مذکور ہے کہ مرتہن کی اجازت سے راہن مرہون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳)

اعتماد کی صورت میں وثیقہ لکھوانے' گواہ بنانے اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت

یعنی اگر دائن کو مقروض کی امانت داری پر اعتماد ہو اور وہ دستاویز لکھنے' کسی کو گواہ بنانے اور قرض کے مقابلہ میں کسی چیز کو گروی رکھنے کے بغیر اپنا مال مقروض کے حوالے کر دے یا اپنا مال اس کو فروخت کر دے تو مقروض پر لازم ہے کہ وہ دائن کے اعتماد پر پورا اترے اور اس کی امانت اس کو ادا کر دے' یہ امر وجوب کے لیے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قرضوں کا ادا کرنا واجب ہے' حاکم کو چاہیے کہ وہ مقروض کو قرض ادا کرنے کا حکم دے اور مقروض کو قرض ادا کرنے پر مجبور کرے۔

احادیث کی روشنی میں دین اور قرض کے ضروری مسائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے لوگوں سے اموال لیے اور وہ ان کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان اموال کو اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جس نے لوگوں کے مال لیے درآں حالیکہ وہ ان کو تلف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اللہ تعالیٰ اس شخص کو تلف کر دے گا۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۳۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یعنی جس شخص نے کوئی تقصیر نہیں کی' اس کی نیت قرض ادا کرنے کی تھی' لیکن اس کو اتنے پیسے دستیاب نہیں ہوئے' یا اس کو اچانک موت آ گئی اور اس کو قرض ادا کرنے کی مہلت نہیں ملی حالانکہ اس کی نیت ادا کرنے کی تھی' تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی طرف سے قرض خواہ کو ادائیگی کر دے گا اور اس سے مطالبہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ طریقہ ہے کہ اگر مقروض نے قرض ادا نہ کیا ہو تو اس کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جاتی ہیں یا قرض خواہ کے گناہ مقروض کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جاتے ہیں' اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا' اور جس شخص کی نیت یہ ہو کہ وہ دائن کو اس کا مال نہیں دے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو ضائع کر دے گا یا اس کے مال کو ضائع کر دے گا یا آخرت میں اس کو عذاب دے گا۔

امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر لوگوں سے قرض لیتے تھے' ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے: جب تک مقروض قرض کو ادا نہ کرے اللہ مقروض کے ساتھ ہوتا ہے' اس حدیث کی سند حسن ہے' نیز امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس بندہ کی نیت قرض کو ادا کرنا ہو' اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۴' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس تین دن تک اس میں سے کوئی چیز رہے ماسوا اس کے جس کو میں قرض کی ادائیگی

کے لیے رکھ لوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سختی کے ساتھ قرض کا تقاضا کیا' آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے یا ڈانٹنے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' کیونکہ صاحب حق کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کے لیے اونٹ خرید و اور اس کا قرض ادا کر دو' صحابہ نے کہا: جتنی عمر کا اونٹ اس کو ادا کرنا ہے اس سے زیادہ کا مل رہا ہے' آپ نے فرمایا: وہی خرید لو اور اس کو ادا کر دو' کیونکہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اچھی طرح قرض ادا کرے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے' اور قرض خواہ کا مطالبہ میں سختی کرنا بھی درست ہے اور مقروض کو اس کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دینا چاہیے اور مقروض اصل قرض سے زیادہ ادا کرے تو مستحسن ہے بہ شرطیکہ قرض خواہ کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ ہو ورنہ حرام ہے' اور اچھے جائز کاموں کے لیے قرض لینا درست ہے' اور امام کے لیے بیت المال پر قرض لینا جائز ہے اور جو شخص امام کے ساتھ بدتمیزی کے ساتھ پیش آئے وہ تعزیر کا مستحق ہے الا یہ کہ امام معاف کر دے' اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست حوصلہ' حلم' تواضع اور آپ کے خلق عظیم کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ میں آتا ہوں' کسی شخص نے کہا: آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں' آپ نے فرمایا: جب انسان مقروض ہوتا ہے تو وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی کا (قرض کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳)

گواہی دینے کا وجوب اور دل کی طرف گناہ کی اضافت کی حکمتیں

یہ نہی تحریم ہے اور گواہی کا چھپانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید معلق فرمائی ہے کہ جو شخص گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے' گواہی چھپانے کا معنی یہ ہے کہ انسان گواہی ادا کرنے سے اپنے آپ کو روک لے' اور گواہی چھپانا اس وقت حرام ہے جب اس کے گواہی نہ دینے سے صاحب حق کا حق ضائع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گناہ آلودہ ہے' اور گناہ کی اضافت دل کی طرف کی ہے کیونکہ شہادت چھپانے اور اس کو ادا نہ کرنے کی نیت کا تعلق دل سے ہے' اور جب کسی فعل کی اضافت کسی عضو کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں زیادہ تاکید ہوتی ہے' جیسے کہتے ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا' اور میرے دل میں فلاں کی محبت ہے اور خصوصاً دل کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ دل انسان کے اجزاء میں اشرف اجزاء اور رئیس اعضاء ہے اور اس کا فعل باقی اعضاء کی بہ نسبت زیادہ عظیم ہے' اور ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ گناہ کی اضافت دل کی طرف اس لیے کی ہے کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ شہادت چھپانے کے گناہ کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہے اور یہ معلوم ہو جائے کہ گناہ کا اصل سرچشمہ اور معدن انسان کا دل ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' جب وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے' سنو! وہ قلب ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

یا قلب کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ گناہ کا اثر قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے' اگر وہ توبہ کرے' اس کام سے باز آ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو اس کے دل میں اور سیاہ نکتے پیدا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ رین (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین: ۱۴) — ہرگز نہیں بلکہ ان کے کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

وثیقہ لکھنے' گواہ بنانے اور رہن رکھنے کے اسرار اور حکمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدت معینہ کے ادھار پر کی جانے والی بیع کی دستاویز لکھنے' اس بیع پر گواہ بنانے اور مقروض کی کسی چیز کو گروی رکھنے کا جو حکم دیا ہے وہ دین اور دنیا کی صلاح پر مبنی ہے' دنیا کی صلاح یہ ہے کہ اگر اس بیع کو لکھا نہ جائے تو اس میں اختلاف' تنازع اور فساد ہو سکتا ہے اور انسان کے ہاتھ سے دین اور دنیا جاتی رہے گی' اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: تم ایک دوسرے کے ساتھ نزاع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (الانفال: ۴۶) اور جب خرید و فروخت کے معاملات لکھے ہوئے ہوں گے اور ان پر گواہ موجود ہوں گے تو کوئی فریق دوسرے فریق کے حق کا انکار نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے حق میں کوئی کمی کر سکے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع کرنے سے منع فرمایا جس میں مبیع یا ثمن کی مقدار مجہول ہو یا مبیع یا ثمن کو ادا کرنے کی مدت مجہول ہو' کیونکہ اس جہالت کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور نزاع ہو گا' اور یہ اختلاف آپس میں لڑائی جھگڑے' کینہ' بغض اور عداوت کا موجب ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام کرنے کا بھی یہ سبب بیان کیا ہے کہ ان کی وجہ سے عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے (المائدہ: ۹۰)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دستاویز لکھنے' گواہ بنانے اور رہن رکھنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ بائع کا مال محفوظ رہے اور خریدار کی نادہندگی سے مامون رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ حکم دیا ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے' ارشاد فرمایا:

اور کم عقلوں (ناسمجھ یتیموں) کو ان کے (وہ) مال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن (اموال) کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔ (النساء: ۵)

نیز فرمایا: اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ میانہ روی اور اعتدال سے ہوتا ہے۔ (الفرقان: ۶۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

تمہاری تین عادتوں کو ناپسند کرتا ہے' قیل وقال کرنا' بہ کثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۵)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور سنت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان آپس میں اختلاف اور نزاع نہ کریں اور اس کی وجہ سے باہمی عداوت اور بغض میں مبتلا نہ ہوں اور مسلمان اپنے مالوں کو ضائع ہونے سے بچائیں اور ان کی حفاظت کریں اور بیع کی دستاویز لکھنے' اس پر گواہ بنانے اور قیمت کے مقابلہ میں مقروض کا مال گروی رکھنے سے یہ دونوں امر حاصل ہوتے ہیں اس لیے اس آیت میں وثیقہ لکھنے' گواہ بنانے اور رہن رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تمام اسرار اور حکمتوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ

اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا' سو جس کو چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ

اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ (ہمارے)

الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ

رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے) اللہ پر

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان

مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۣ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ

رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش

اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا

کے طالب ہیں' اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا' جو اس (شخص)

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ

نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے

نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

ہے اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا

جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو

بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

اور ہمیں معاف فرما' اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما' تو ہمارا مالک ہے

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرماO

بیع اور دین کے بعد اعمال صالحہ سے مکلف کرنے کی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اصول اور فروع' اور عقائد اور اعمال میں سے متعدد اہم امور بیان فرمائے ہیں' توحید' رسالت' قیامت اور جزاء اور سزا کے دلائل کا ذکر فرمایا اور نماز' زکوٰۃ' صدقات' روزہ' حج' جہاد' قصاص' حیض' طلاق' عدت' خلع' ایلاء' رضاعت' ربا' بیع' دین اور رہن کے احکام بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان عقائد کو ماننے اور ان احکام پر عمل کرنے کا مکلف فرمایا ہے تو یہاں ہمیں مکلف کرنے کی دلیل ذکر فرمائی کہ تمام آسمانوں میں جو کچھ ہے اور تمام زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ اس کا مالک ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی مملوک ہے اور مالک کو حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید و رسالت' اور قیامت اور جزا اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن عقائد کا مکلف کیا ہے ان کو ماننے کا تعلق ہمارے دلوں سے ہے' اور جن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا مکلف کیا ہے' ان کی جزاء یا سزا کا مدار ہماری نیتوں پر ہے اور ہماری نیتوں کا تعلق بھی ہمارے دلوں کے ساتھ ہے' اس لیے فرمایا: اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا' چونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک ہے اس لیے حساب لینا اس کا حق ہے اور وہ ہر چیز کا عالم ہے خواہ کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی' ظاہر ہو یا مخفی اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز کی گرفت کرنے پر وہ قادر ہے' اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے۔

خواطر قلب کی تکلیف کے منسوخ ہونے کا بیان

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا' سو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے' تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں نماز' روزہ' جہاد اور صدقہ کا مکلف کیا گیا' یہ ایسے اعمال ہیں جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور اب آپ پر جو آیت نازل کی گئی ہے اس پر عمل کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے (کیونکہ اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ تمہارے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا بھی حساب لیا جائے گا اور دل میں غیر اختیاری طور پر بہت سی باتوں کا خیال آتا ہے جو اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی اور دل میں آنے والی باتوں کے دور کرنے پر انسان قادر نہیں ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے کتاب والوں (یہود و نصاریٰ) نے کہا تھا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی' بلکہ تم کہو: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں' اے ہمارے رب اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جب مسلمانوں نے اس طرح پڑھا اور ان کی گردنیں جھک گئیں تو اللہ عزوجل نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: (ہمارے) رسول اس کلام پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن بھی ایمان لائے' اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں' اور ہمیں تیری طرف لوٹنا ہے۔ جب مسلمانوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیا' اور یہ آیت نازل فرمائی: اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا' جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے' اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا' اللہ نے فرمایا: ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے' اللہ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا) اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا' اللہ نے فرمایا: ہاں! (حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے' فرمایا: میں نے کر دیا) اے ہمارے رب! ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جن کی ہمیں طاقت نہ ہو' فرمایا: ہاں! (یا فرمایا: میں نے کر دیا) اور ہمیں معاف فرما' اور ہمیں بخش دے' اور ہم پر رحم فرما' تو ہمارا مالک ہے تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما' فرمایا: ہاں! یا فرمایا: میں نے کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۷۔۸۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے' اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پہلے مسلمان دل میں برے خیالات اور وسوسوں سے بھی اجتناب کے مکلف تھے' پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ وسوسوں سے اجتناب کرنا ان کی وسعت اور طاقت میں نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے' اور بعض متاخرین نے کہا: یہاں نسخ نہیں ہے' کیونکہ نسخ انشاء (اوامر اور نواہی) میں ہوتا ہے' اخبار میں نہیں ہوتا' لیکن ان متاخرین کی یہ رائے صحیح نہیں ہے' کیونکہ ان کو پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وساوس سے اجتناب کرو اور بعد میں اس حکم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس آیت میں اس سابق حکم اور اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے' بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ سے مراد یہاں ازالہ ہے یعنی ان کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہو گئی تھی کہ ان کو ایک سخت' دشوار اور ناقابل عمل فعل کا مکلف کر دیا گیا ہے' تو ان کے دلوں سے اس بات کو زائل کیا گیا کہ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا' یہ قاضی عیاض کی رائے ہے اور واحدی کا مختار یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے' منسوخ نہیں ہے۔

''ھم'' اور ''عزم'' کی تحقیق

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ گناہ کا ''ھم'' (ارادہ) کرے تو اس کا گناہ نہ لکھو اور اگر وہ اس گناہ کو کر لے تو ایک گناہ لکھ دو اور جب وہ نیکی کا ''ھم'' کرے اور اس نے ابھی وہ نیکی نہ کی ہو تو اس کی ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نیکیاں اور برائیاں لکھتا ہے سو جو شخص نیکی کا ''ھم'' کرے اور ابھی اس نیکی کو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کو ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر وہ اس نیکی کو کر لے تو اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک لکھ دیتا ہے اور اگر وہ گناہ کا ''ھم'' کرے اور اس گناہ کو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ گناہ کا ''ھم'' کرے اور وہ گناہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا: قاضی ابوبکر بن الطیب کا مذہب یہ ہے کہ جس نے دل سے معصیت کا عزم کیا وہ اپنے اعتقاد اور عزم میں گنہ گار ہوگا، اور اگر اس نے معصیت کا عزم نہیں کیا، وہ معصیت صرف اس کے ذہن میں آئی، اس کا ذہن میں استقرار نہیں ہوا تو یہ ''ھم'' ہے اور ھم اور عزم میں فرق کیا جاتا ہے (اگر کسی کام میں راجح جانب کرنے کی ہو اور مرجوح سا خیال نہ کرنے کا ہو تو یہ ''ھم'' ہے اور اگر کام نہ کرنے کی مرجوح جانب بھی ختم ہو جائے اور اس کام کو کرنے کا سو فیصد ارادہ ہو جائے خواہ نفع ہو یا نقصان تو اس کو عزم کہتے ہیں) بہت سے فقہاء اور محدثین نے اس قاعدہ کی مخالفت کی ہے اور ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا کہ عامۃ السلف فقہاء اور محدثین کا وہی مذہب ہے جو قاضی ابوبکر کا مذہب ہے کیونکہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دل کے عمل پر بھی مواخذہ ہوتا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی برائی کا عزم کرے تو ایک برائی لکھ دی جاتی ہے اور اگر برائی کا ''ھم'' کرے تو برائی نہیں لکھی جاتی کیونکہ ''ھم'' کے بعد عمل نہیں کیا جاتا اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ عمل نہ کرنے کی وجہ خوف الٰہی ہو لیکن نفس اصرار اور عزم معصیت ہے اس لیے عزم کے بعد ایک معصیت لکھ دی جاتی ہے اور اگر عزم کے بعد اس پر عمل کر لیا تو دوسری معصیت لکھ دی جائے گی اور اگر اس نے عزم معصیت کے بعد خدا کے خوف سے اس معصیت کو ترک کر دیا تو ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔

معصیت کے ''ھم'' کے بعد معصیت نہیں لکھی جاتی کیونکہ ''ھم'' میں نفس اپنے آپ کو اس معصیت پر آمادہ نہیں کرتا نہ اس کا عقد عزم اور نیت کرتا ہے، متکلمین نے اس میں بحث کی ہے کہ جب وہ اس معصیت کو خوف خدا کے علاوہ کسی اور وجہ سے ترک کرے مثلاً لوگوں کے خوف کی وجہ سے ترک کرے تو اس کی نیکی لکھی جائے گی یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا: اب اس کی نیکی نہیں لکھی جائے گی، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۷۸-۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ معصیت کے عزم، عقد اور گناہ کی نیت سے مواخذہ ہوتا ہے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔

دل کے افعال پر مواخذہ کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک

عذاب ہے۔

اس آیت میں صرف دل کے عمل پر عذاب کی وعید ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: ۱۲) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

اس آیت میں بدگمانی کو گناہ قرار دیا ہے اور وہ دل اور ذہن کا فعل ہے۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (البقرہ: ۲۳۵) اور (عدت کے دوران) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔

اس آیت میں عزم سے منع کیا گیا ہے اور عزم دل کا فعل ہے اور عدت میں کسی عورت سے نکاح کا عزم کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ قاتل تو ہوا، مقتول کا کیا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی اپنے مقابل کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوا کہ جس طرح مسلمان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح مسلمان کو قتل کرنے کا عزم کرنا بھی گناہ ہے۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریحات کے علاوہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حسد کرنا، مسلمانوں کو حقیر جاننا اور ان سے کینہ اور بغض رکھنا حرام ہے، اور یہ تمام دل کے افعال ہیں، ان دلائل سے یہ واضح ہوگیا کہ معصیت کا عزم بھی معصیت ہے خواہ اس عزم کے بعد معصیت کا ارتکاب کرے یا نہ کرے، البتہ معصیت کا "ھم" معصیت نہیں ہے۔

"ھم" اور "عزم" کی مزید وضاحت کے لیے یہ جاننا چاہیے کہ ذہن میں وارد ہونے والے امور کی پانچ قسمیں ہیں۔

علامہ احمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

(۱) ہاجس: اچانک کسی چیز کا خیال آئے۔

(۲) خاطر: کسی چیز کا بار بار خیال آئے۔

(۳) حدیث نفس: جس چیز کا خیال آئے ذہن اس کی طرف راغب ہو اور اس کے حصول کے لیے منصوبہ بنائے۔

(۴) ھم: غالب جانب اس چیز کو حاصل کرنے کی ہو اور مغلوب سا خیال ہو کہ اس کو حاصل نہ کیا جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس سے ضرر ہو۔

(۵) عزم: مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہو، وہ اپنے نفس کو اس کے حصول پر آمادہ کرلے اور اس کی نیت کرلے۔

اگر کسی شخص کے ذہن میں خیال آئے تو ہاجس، خاطر، حدیث نفس اور ہم کے مرتبہ میں اس سے مواخذہ نہیں ہوتا، البتہ اگر گناہ کا عزم کرلے تو وہ مستحق مواخذہ ہے، خواہ اس کے بعد گناہ کا فعل نہ کرے۔

(تفسیر الصاوی ج ۱ ص ۹۹، مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ، مصر)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی انسان کا کوئی دشمن ہو اور ایک دن اس کے ذہن میں اچانک اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو

یہ ھاجس ہے' اور اگر بار بار اس کو قتل کرنے کا خیال آئے تو یہ خاطر ہے اور جب اس کا ذہن اس کے قتل کی طرف راغب ہو اور وہ اس کے قتل کا منصوبہ بنائے کہ اس کو مثلاً پستول سے قتل کرے گا اور فلاں جگہ سے پستول کو حاصل کرے گا تو یہ حدیث نفس ہے' اور جب وہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرے اور غالب جانب اس کو قتل کرنے کی ہو لیکن مغلوب سا یہ خیال ہو کہ وہ کہیں پکڑا نہ جائے اس لیے نہ قتل کرے تو بہتر ہے تو یہ ھم ہے اور جب یہ مغلوب جانب بھی زائل ہو جائے اور وہ یہ طے کرلے کہ اس کو قتل کرنا ہے خواہ وہ پکڑا کیوں نہ جائے اور اس کے بدلہ میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے اور اس کو قتل کرنے کی نیت کرے تو یہ عزم ہے' پہلے چار مرتبوں پر اس سے مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جب وہ قتل کرنے کا عزم کرلے گا تو اس عزم پر مواخذہ ہوگا خواہ اس نے قتل نہ کیا ہو' مثلاً وہ شخص اس کو قتل کرنے گیا لیکن جب وہ اس کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی طبعی موت سے ابھی ابھی مرا ہے' اب ہرچند کہ اس نے قتل نہیں کیا لیکن اس نے بہر حال اس کو قتل کرنے کی نیت کرلی تھی اس لیے اس نیت کی وجہ سے اس کی گرفت ہوگی۔

ھاجس' خاطر اور حدیث نفس کے مرتبہ میں معصیت پہلی امتوں پر بھی معاف تھی اور اس امت پر بھی معاف ہے' لیکن پچھلی امتوں کا ''ھم'' پر مواخذہ ہوتا تھا اس امت پر ''ھم'' معاف ہے البتہ اگر معصیت کا عزم کرلیا جائے تو اس امت پر بھی مواخذہ ہوگا۔

معصیت کی حدیث نفس مذموم ہے اور نیکی کی حدیث نفس جائز بلکہ مستحسن ہے خواہ حالت نماز ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر نے کہا: میں نماز کی حالت میں لشکر کی صفیں مرتب کرتا رہتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے متعلق نماز میں سوچ و بچار اور غور و فکر کرنا جائز ہے۔

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اپنے دل میں جن کاموں کے منصوبے بناتی ہے (حدیث نفس) جب تک ان کی بات نہ کرے یا ان پر عمل نہ کرے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے۔

امام فریابی' امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر' محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس نبی اور رسول کو مبعوث کیا اور اس پر کتاب نازل کی۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا' پس جس کو چاہے گا اس کو بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سابقہ امتوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں سے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا اور کہا: ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں تو ہم سے ان پر کیسے گرفت ہوگی' سو وہ کافر اور گمراہ ہو گئے' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بھی یہ آیت اسی طرح دشوار ہوئی جس طرح پچھلی امتوں پر دشوار ہوئی تھی' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے دلوں میں جو باتیں آئیں اور ہم ان پر عمل نہ کریں کیا پھر بھی ہم سے ان باتوں پر مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم سنو اور تم اطاعت کرو' اور جب مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حدیث نفس (دل کی باتوں) پر محاسبہ کو ساقط کر دیا' جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرلیں' اور ان کو انہی کاموں کا مکلف کیا جن کی وہ طاقت رکھتے تھے اور جب انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! نسیان اور خطاء پر ہماری گرفت نہ کرنا تو ان سے نسیان اور خطاء پر مواخذہ کو

ساقط کر دیا اور جب انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم پر ایسے سخت احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جیسے سخت احکام پچھلی امتوں پر تھے' تو ان کو ایسے سخت احکام کا مکلف نہیں کیا گیا' اور ان کو معاف کر دیا' ان کی مغفرت کی اور ان کی مدد فرمائی۔

(الدرالمنثور ج ا ص ۳۷۴۔ ۳۷۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

تکلیف مالا یطاق پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا'' انسان اپنے دل میں جن وسوسوں اور حدیث نفس کو چھپاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ہیں' کیونکہ ان سے قلب کو فارغ کرنا اس کی طاقت اور اختیار میں نہیں ہے' البتہ جس چیز کا وہ اعتقاد کرتا ہے اور اس کا عزم کرتا ہے وہ اس میں داخل ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو تلاوت کیا اور کہا: اگر اللہ نے اس پر ہمارا مواخذہ کیا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے' پھر وہ رونے لگے' جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمان پر رحم کرے' جس طرح ان کو رنج ہوا ہے مسلمانوں کو بھی اس طرح رنج ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا' ان روایات کی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے' لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور انہوں نے جن کاموں کا پختہ عزم کیا ہے خواہ انہوں نے وہ کام نہیں کیے ان کا بھی محاسبہ کرے گا اور مومنین کی مغفرت فرمادے گا اور کفار اور منافقین کا مواخذہ فرمائے گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: دل میں جو خواطر اور وساوس آتے ہیں ان کی سزا میں دنیا میں مصائب اور آلام پہنچتے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے تکلیف مالا یطاق پر استدلال کیا ہے کیونکہ خواطر قلب سے بچنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف کیا ہے' ابن عطیہ نے کہا: یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ خواطر قلب کی یہاں تاویل نیات' عزائم اور اعتقادات سے کی گئی ہے اور وہ انسان کے اختیار میں ہیں۔

(البحر المحیط ج ۲ ص ۷۵۴' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہمارے) رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا' اور مومن (بھی ایمان لائے)۔ (البقرہ: ۲۸۵)

سورۂ بقرہ کے افتتاح اور اختتام کی مناسبت

اس سورت کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات بیان فرمائی تھیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں' اور جو اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا' اور یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں' اور سورت کے اختتام میں بھی مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔ الایۃ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ (البقرہ: ۲۸۵)

اللہ' فرشتوں' کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے ذکر کی ترتیب

اس آیت میں پہلے اللہ پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے' کیونکہ ہر ذی عقل سب سے پہلے وجود صانع پر استدلال کرتا ہے' اس کے بعد فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے' کیونکہ اللہ اور بندوں کے درمیان فرشتے واسطہ ہیں' اس لیے ان کا دوسرے درجہ میں ذکر ہے' پھر کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے' کیونکہ کتابیں وہ وحی ہیں جن کو فرشتہ اللہ سے لے کر نبیوں تک پہنچاتا ہے' اس لیے ان کا تیسرے مرتبہ میں ذکر ہے' اس کے بعد رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے' کیونکہ وہی وحی کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں' اس لیے ان کا چوتھی جگہ ذکر ہے۔

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لانے میں ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے' جیسے یہود اور نصاریٰ نے فرق کیا کہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا' تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ہاتھ' پاؤں اور زبان کے کاموں سے توبہ اور رجوع کرتے ہیں' وسوسوں سے کیسے رجوع کریں تو جبریل اس آیت کو لے کر آئے: اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا' بے شک تم وسوسوں سے باز رہنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سینہ میں جو وسوسے آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمالیتا ہے' جب تک کہ وہ ان پر عمل نہ کریں اور ان کی بات نہ کریں۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۷۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے' اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے۔ (البقرہ: ۲۸۶)

کسب اور اکتساب کا معنی اور شر کو اکتساب کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہ

جس کام کو انسان قصد اور ارادہ سے کرے اس کو کسب اور اکتساب کہتے ہیں' اور خواطر اور وساوس میں انسان کے قصد اور ارادہ کا دخل نہیں ہوتا اس لیے ان پر گرفت نہیں ہوگی' اسی طرح جو کام انسان سے نسیاناً اور خطاءً ہو جائے یا جو کام اضطراری طور پر صادر ہو اس پر بھی گرفت نہیں ہوگی۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف کر دیا جو خطاءً ہوں' نسیاناً ہوں یا جن کاموں پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۴۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اہل لغت کے نزدیک کسب اور اکتساب کا معنی واحد ہے' اور بعض نے کسب اور اکتساب میں فرق بیان کیا ہے' کسب عام ہے خواہ انسان وہ کام صرف اپنے لیے کرے یا دوسرے کے لیے' اور اکتساب اس کام کو کہتے ہیں جو صرف اپنے لیے کیا جائے' زمخشری نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کے لیے کسب اور شر کے لیے اکتساب کو استعمال کیا ہے' کیونکہ باب افتعال کا خاصہ ہے! کسی چیز کو زیادہ محنت اور کوشش سے حاصل کرنا' اور جب انسان کسی برے کام کی خواہش کرتا ہے تو اس کی تحصیل میں زیادہ

عمل کرتا ہے اس کے لیے اکتساب فرمایا' اور بعض نے کہا: نیکی کے کام انسان کی فطرت کے مطابق ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرنے کے لیے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی اور برائی کے کام چونکہ انسان کی فطرت کے خلاف ہوتے ہیں اس لیے ان کو کرتے وقت انسان کا نفس بوجھل ہوتا ہے اور ان کے لیے زیادہ عمل کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کے لیے اکتساب فرمایا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی سرشت میں خیر اور نیکی ہو وہ اگر برا کام کسی وجہ سے کرے گا تو اس کا ضمیر مزاحمت کرے گا اور اسے برائی کے لیے زیادہ دشواری ہوگی' اور جس کی سرشت میں شر اور برائی ہو وہ برے کام کو زیادہ دلچسپی اور زیادہ کوشش سے کرے گا' اس طرح ہر صورت میں برے کام میں زیادہ عمل ہوگا اس لیے برے کام کے لیے اکتساب کا لفظ فرمایا جس میں زیادہ عمل ہے کیونکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

دوسروں کے عمل سے نفع یا ضرر پہنچنے کا بیان

بہ ظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صرف ان ہی کاموں کا نفع یا ضرر ہوگا جو اس نے خود کیے ہوں' لیکن تحقیق یہ ہے کہ جن کاموں کے وجود میں آنے کے لیے کسی طور سے بھی کسی انسان کا دخل ہو تو اگر وہ اچھے کام ہیں تو اس کو ان کا نفع پہنچے گا اور اگر وہ برے کام ہوں تو اس کو ان کا ضرر پہنچے گا' مثلاً ایک آدمی نے مسجد بنوادی یا لائبریری قائم کر دی تو جب تک اس مسجد میں نمازیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اس کا اجر ملتا رہے گا اور جب تک اس لائبریری میں کتابیں پڑھی جاتی رہیں گی اس کو اجر ملتا رہے گا' اس طرح اولاد کے دعا کرنے سے اور کسی استاذ کے پڑھائے ہوئے علم سے اجر ملتا رہے گا' اور جس شخص نے کوئی جوا خانہ' قحبہ خانہ یا شراب خانہ بنایا ہے تو جب تک وہاں برائی کے کام ہوتے رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے' آپ نے ان کی بدحالی اور ضرورت کو دیکھا' پھر آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی' لوگوں نے کچھ توقف کیا جس سے آپ کے چہرۂ انور پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے' پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لے کر آیا' پھر دوسرا آیا' اور پھر صدقہ لانے والوں کا تانتا بندھ گیا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی' اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں ایک حصہ پہلے ابن آدم کا ہوگا (یعنی قابیل کا جس نے ہابیل کو ظلماً قتل کیا تھا) کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

خطاء نسیان اور جو کام جبراً کرائے جائیں ان پر مواخذہ نہ کرنا

امام ابن ماجہ' امام ابن المنذر' امام ابن حبان' امام طبرانی' امام دار قطنی' امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطاء' نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا گیا ہو اس سے درگزر فرمالیا ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ثوبان' حضرت ابن عمر اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن عدی نے ''کامل'' میں' امام ابونعیم نے ''تاریخ'' میں اور امام سعید بن منصور نے اپنی ''سنن'' میں اس کو حسن سے روایت کیا ہے' ہم اس سے پہلے امام مسلم کی روایت سے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی' امام ابن جریر نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

سابقہ امتوں کے سخت احکام

امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ہم کو ایسے احکام کا مکلف نہ کرنا جن کو ہم ادا نہ کر سکیں' جس طرح ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر سخت احکام کا بوجھ ڈالا گیا' وہ ان احکام پر عمل نہ کر سکے' پھر اس کی سزا میں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

امام ابن ابی شیبہ' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے عبدالرحمان بن حسنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنو اسرائیل کے کپڑوں پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اس کو قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کرتا تو اس سے کہا جاتا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو' سو وہ قتل کرتا' اس امت سے ایسے سخت احکام کا بوجھ اٹھالیا گیا۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۷۷' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

سابقہ امتوں پر بہت سخت اور دشوار احکام تھے' ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں' زکوٰۃ میں چوتھائی مال کو ادا کرنا فرض تھا' نجس کپڑا کاٹے بغیر پاک نہیں ہوتا تھا۔ مال غنیمت حلال نہیں تھا' مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے' تیمم کی سہولت نہیں تھی' قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی' اونٹ کا گوشت حرام تھا' چربی حرام تھی' ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہ تھی' کوئی گناہ کرتے تو فوراً دنیا میں اس کی سزا مل جاتی تھی' قصاص میں قتل کرنا لازم تھا' شرک کی توبہ قتل کرنا تھی' جس عضو سے گناہ ہوتا تھا اس کو کاٹ دیا جاتا تھا' دیت کی سہولت نہیں تھی' بعض گناہوں کی سزا میں ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جاتا تھا۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

امام عبد بن حمید نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تو آپ نے کہا: آمین۔

امام احمد' امام دارمی' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا تو وہ اس کے لیے کافی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو' کیونکہ

اللہ نے ان کی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی ہے۔

امام احمد نے اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں' مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی' اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورۂ بقرہ کو ان پر ختم کیا' جس گھر میں تین راتیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائے گا اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔

(الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۷۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ' ایران)

کلمات تشکر

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ/ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۹۴ء کو میں نے "تبیان القرآن" لکھنے کا آغاز کیا تھا' اسی سال اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضہ حج کی ادائیگی سے نوازا اور اپنے کرم سے حج اکبر عطا کیا' حج سے پہلے اور بعد حج کی مصروفیات اور تھکاوٹ کی وجہ سے لکھنے میں تاخیر ہوتی رہی' ۲۸ فروری ۱۹۹۵ء کو مقدمہ تفسیر' سورۂ فاتحہ اور پہلے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی' ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء کو دوسرے پارہ کی تفسیر مکمل ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ/ ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء کو سورۂ بقرہ کی تفسیر مکمل ہوگئی' فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۰ رمضان المبارک کو "تبیان القرآن" کی پہلی جلد کا افتتاح ہوا اور بارہ ربیع الاول جشن آمد رسول کے مبارک دن یہ جلد مکمل ہوگئی' اس جلد کا افتتاح اور اختتام مبارک ایام میں ہوا ہے' سوالٰہ العلمین! اس کتاب کو مبارک بنادے' ہمارے دلوں کو قرآن مجید کی ہدایات سے معمور کردے اور ہماری روحوں کو احادیث مبارکہ کے انوار سے منور کردے اور ہمارے بدن اور ہمارے تمام اعضاء کو قرآن اور سنت کے تابع کردے۔ رب العلمین! جس طرح تو نے "تبیان القرآن" کی اس پہلی جلد کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے' اسی طرح اپنے کرم سے اس کی باقی جلدوں کو بھی مکمل کرنے کی سعادت عطا فرما' اس کتاب کو مقبولیت عامہ عطا فرما اور تاقیامت اس کے فیض کے چشموں کو جاری رکھ اور اس کے مندرجات پر مجھ سمیت سب کو عمل کی توفیق عطا فرما' اس کتاب کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا موجب بنا' اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کردے۔ مجھے' میرے والدین کو' میرے اقرباء کو' میرے اساتذہ اور تلامذہ کو' میرے احباب اور معاونین کو' "تبیان القرآن" کے ناشر' کاتب اور مصحح کو اور جملہ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب' آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور مامون رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر' ہر سعادت اور ہر کامرانی عطا فرما۔ آمین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والمجتہدین الراسخین اجمعین الی یوم الدین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث' دارالعلوم نعیمیہ
۲۳ رجب ۱۴۲۷ھ/ ۱۹ اگست ۲۰۰۶ء
فون: ۰۲۱۔۹۰۲۳۶۵۱۲/۰۳۰۰۔۴۴۷۱۲۰۲/۰۳۲۱

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتب احادیث

۴۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی

۵۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور

۶۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل

۷۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۸۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ

۹۔ امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ

۱۰۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ

۱۱۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۰ھ

۱۲۔ امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت

۱۳۔ امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ

۱۴۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ

۱۵۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

۱۶۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ مطبعہ اثریہ' سانگلہ ہل

۱۸۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ

۱۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۰۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابو داؤد' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ

۲۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابو داؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۲۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل ترمذی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۴۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ' سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان

۲۵۔ امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بمسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت' ۱۴۰۹ھ

۲۶۔ امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی

۲۷- امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۸- امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۹- امام احمد بن علی المثنی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ' صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۵ھ
۳۱- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ
۳۲- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث' القاہرہ' ۱۴۰۸ھ
۳۳- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ
۳۵- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۳۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ
۳۷- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ
۳۸- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت
۳۹- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ
۴۰- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ
۴۱- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن
۴۲- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۴۳- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ
۴۴- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۴۵- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالنفائس' بیروت
۴۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشرالسنۃ' ملتان
۴۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۴۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۴۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ
۵۰- امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۱- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۵۲- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۵۳- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۵۴- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ
۵۵- امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی
۵۶- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورت' ہند' ۱۳۵۷ھ

۵۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ' المتوفی ۸۰۷ھ ' مجمع الزوائد ' مطبوعہ دار الکتاب العربی ' بیروت ' ۱۴۰۲ھ

۵۸- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ' المتوفی ۸۰۷ھ ' کشف الاستار ' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ ' بیروت ' ۱۴۰۴ھ

۵۹- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ' المتوفی ۸۰۷ھ ' موارد الظمآن ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ' بیروت

۶۰- امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ ' حصن حصین ' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ ' مصر ' ۱۳۵۰ھ

۶۱- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ ' الجوہر النقی ' مطبوعہ نشر السنۃ ' ملتان

۶۲- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ ' تلخیص المستدرک ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز ' مکہ مکرمہ

۶۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ' المطالب العالیہ ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز ' مکہ مکرمہ

۶۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ' الجامع الصغیر ' مطبوعہ دار المعرفۃ ' بیروت ' ۱۳۹۱ھ

۶۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ' جامع الاحادیث الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۶۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ' الخصائص الکبریٰ ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ ' سکھر

۶۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ ' کشف الغمہ ' مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ ' مصر ' ۱۳۰۳ھ

۶۸- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ ' کنز العمال ' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ ' بیروت ' ۱۴۰۵ھ

کتب تفسیر

۶۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ' تنویر المقباس ' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ' ایران

۷۰- امام حسن بن عبداللہ البصری ' المتوفی ۱۱۰ھ ' تفسیر الحسن البصری ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ' مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۳ھ

۷۱- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ ' معانی القرآن ' مطبوعہ بیروت

۷۲- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ ' تفسیر قمی ' مطبوعہ دار الکتاب ' ایران ' ۱۴۰۶ھ

۷۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۱ھ ' جامع البیان ' مطبوعہ دار المعرفۃ ' بیروت ' ۱۴۰۹ھ

۷۴- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۱۱ھ ' اعراب القرآن ' مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ' ایران ' ۱۴۰۶ھ

۷۵- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ ' احکام القرآن ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی ' لاہور ' ۱۴۰۰ھ

۷۶- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ ' تفسیر سمرقندی ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز ' مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۳ھ

۷۷- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ ' التبیان فی تفسیر القرآن ' مطبوعہ عالم الکتب ' بیروت

۷۸- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ ' مشکل اعراب القرآن ' مطبوعہ انتشارات نور ' ایران ' ۱۴۱۲ھ

۷۹- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ ' النکت والعیون ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ' بیروت

۸۰- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ ' کشاف ' مطبوعہ مطبعہ بہیہ ' مصر ' ۱۳۴۳ھ

۸۱- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ ' احکام القرآن ' مطبوعہ دار المعرفۃ ' بیروت ' ۱۴۰۸ھ

۸۲- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ ' المحرر الوجیز ' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ ' مکہ مکرمہ

۸۳- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ ' مجمع البیان ' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ' ایران ' ۱۴۰۶ھ

۸۴- علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ ' زاد المسیر ' مطبوعہ مکتب اسلامی ' بیروت ' ۱۴۰۷ھ

۸۵- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس ' کشف الاسرار وعدۃ الابرار ' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر ' تہران ' ۱۳۷۱ھ

۸۶- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۸۷- علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۹۷۸ء
۸۸- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ
۸۹- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر
۹۰- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۹۱- علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۹۲- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۹۳- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۹۴- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۹۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ
۹۶- علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت
۹۷- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی، قاہرہ، ۱۴۱۳ھ
۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ قم، ایران
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۰۰- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی، دیوبند
۱۰۱- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران
۱۰۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابوالسعود، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۰۳- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ
۱۰۴- علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی، بمبئی
۱۰۵- علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
۱۰۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ
۱۰۷- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر
۱۰۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
۱۰۹- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی
۱۱۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت
۱۱۱- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۱۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق، مصر، ۱۳۰۱ھ
۱۱۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۱۴- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت
۱۱۵- علامہ حکیم شیخ طنطاوی بن جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض

١١٦- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ١٣٦٢ھ بیان القرآن مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
١١٧- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ خزائن العرفان مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
١١٨- شیخ محمود الحسن دیو بندی متوفی ١٣٣٩ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ١٣٦٩ھ حاشیۃ القرآن مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
١١٩- سید محمد قطب شہید متوفی ١٣٨٥ھ فی ظلال القرآن مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٣٨٦ھ
١٢٠- مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ١٣٩١ھ نور العرفان مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
١٢١- مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ١٣٩٦ھ معارف القرآن مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ١٣٩٧ھ
١٢٢- سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ تفہیم القرآن مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
١٢٣- علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ١٤٠٦ھ التبیان مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان
١٢٤- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی اضواء البیان مطبوعہ عالم الکتب بیروت
١٢٥- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی تفسیر المراغی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
١٢٦- آیت اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ١٣٦٩ھ
١٢٧- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ ضیاء القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
١٢٨- شیخ امین احسن اصلاحی تدبر قرآن مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
١٢٩- علامہ محمود صافی اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ مطبوعہ انتشارات زرین ایران
١٣٠- استاذ محی الدین درویش اعراب القرآن و بیانہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
١٣١- ڈاکٹر وہبہ زحیلی تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٢ھ

کتب علوم قرآن

١٣٢- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ٧٩٤ھ البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
١٣٣- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
١٣٤- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی مناہل العرفان مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

١٣٥- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ١٤٠٤ھ
١٣٦- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ٤٧٤ھ المنتقیٰ مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ١٣٣٢ھ
١٣٧- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ١٣٧٥ھ
١٣٨- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ اکمال اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
١٣٩- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ١٤٠١ھ
١٤٠- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ عمدۃ القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ١٣٤٨ھ
١٤١- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ٨٩٥ھ مکمل اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
١٤٢- علامہ احمد قسطلانی متوفی ٩١١ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ١٣٠٦ھ
١٤٣- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی متوفی ١٠٠٣ھ فیض القدیر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ١٣٩١ھ

۱۴۴- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی
۱۴۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی
۱۴۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۴۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ
۱۴۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ' مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ
۱۴۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
۱۵۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ
۱۵۱- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان
۱۵۲- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی' مصر' ۱۳۵۷ھ
۱۵۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم' مطبوعہ مکتبۃ الحجاز' کراچی

کتب اسماء رجال

۱۵۴- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ
۱۵۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب' مطبوعہ دائرۃ المعارف' دکن' ۱۳۲۶ھ
۱۵۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی

کتب لغت

۱۵۷- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ الصحاح' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۵۸- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ المفردات' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ
۱۵۹- علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نہایہ' مطبوعہ مؤسسہ' مطبوعات ایران' ۱۳۶۴ھ
۱۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۱۶۱- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ
۱۶۲- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۱۶۳- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر
۱۶۴- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۱۶۵- شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۵ھ لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' لاہور
۱۶۶- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور

کتب تاریخ' سیرت و فضائل

۱۶۷- امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ
۱۶۸- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۱۶۹- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ الاستیعاب' مطبوعہ دار الفکر' بیروت
۱۷۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان

۱۷۱- علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ 'الوفا' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
۱۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'اسد الغابہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۱۷۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دارالکتب العربیہ' بیروت
۱۷۴- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ 'وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران
۱۷۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ 'البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ
۱۷۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ 'الاصابہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۱۷۷- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ھ 'وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۱ھ
۱۷۸- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ 'المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۱۷۹- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۱۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ 'شرح الشفاء' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۱۸۱- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ 'مدارج النبوت' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
۱۸۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ 'نسیم الریاض' مطبوعہ دارالفکر' بیروت
۱۸۳- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ 'شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ
۱۸۴- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی

کتب فقہ حنفی

۱۸۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'المبسوط' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۸۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ' افغانستان' ۱۴۰۵ھ
۱۸۷- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ 'خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی' لاہور' ۱۳۹۷ھ
۱۸۸- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ 'بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ - ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی' ۱۴۰۰ھ
۱۸۹- علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ 'فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ
۱۹۰- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ 'ہدایہ اولین و اخیرین' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان
۱۹۱- علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ 'عنایہ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
۱۹۲- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ 'فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۱ھ
۱۹۳- علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ 'الجوہرۃ النیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان
۱۹۴- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ 'فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ
۱۹۵- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ 'بنایہ' مطبوعہ ملک سنز' فیصل آباد
۱۹۶- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ 'فتح القدیر' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
۱۹۷- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر
۱۹۸- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ 'شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ' مصر' ۱۲۸۷ھ
۱۹۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ 'غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ

۲۰۰- علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ
۲۰۱- علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۲۰۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامدیہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۲۰۳- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ
۲۰۴- علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۲۰۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ
۲۰۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۲۰۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۲۰۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۲۰۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیہ کوئٹہ
۲۱۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۲۱۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ
۲۱۲- امام احمد رضا قادری ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۲۱۳- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۲۱۴- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۱۵- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۱۶- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۳ھ
۲۱۷- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ
۲۱۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۱۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۰- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۲۱- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۲۲- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۲۳- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ المدونۃ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۲۴- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بدایۃ المجتہد مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۲۵- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۶۷ھ مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۲۶- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا
۲۲۷- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرشی علی مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۲۸- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دارالفکر بیروت
۲۲۹- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی متوفی ۱۲۱۹ھ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دارالفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۳۰- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ المغنی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۳۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الکافی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۳۲- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ مجموعۃ الفتاوی مطبوعہ ریاض
۲۳۳- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ الانصاف مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۶ھ

کتب شیعہ

۲۳۴- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۲۳۵- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۲۳۶- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ موسسۃ النصر ایران ۱۳۸۷ھ
۲۳۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حق الیقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۴۷ھ
۲۳۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۲۳۹- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المنقذ من الضلال مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ
۲۴۰- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۴۱- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح المقاصد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۴۰۹ھ
۲۴۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقف مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ۱۳۲۵ھ
۲۴۳- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ مسایرہ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۲۴۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامرہ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۲۴۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۷۵ھ
۲۴۶- علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ تاجدار پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۲۴۷- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۱۱ھ
۲۴۸- علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۲۴۹- علامہ احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ نورالانوار مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
۲۵۰- علامہ عبدالحق خیرآبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۲۵۱- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۵۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ التذکرہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

۲۵۳- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ ھ قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ، مصر ۱۳۷۳ھ
۲۵۴- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی متوفی ۷۶۸ ھ روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر ۱۳۷۴ھ
۲۵۵- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ
۲۵۶- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۰ء
۲۵۷- علامہ سید محمد بن محمد مرتضی حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ اتحاف السادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر ۱۳۱۱ھ
۲۵۸- شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۲۵۹- علامہ مصطفی بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ
۲۶۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور
۲۶۱- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس، دہلی ۱۳۲۵ھ۔
۲۶۲- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۲۶۳- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی
۲۶۴- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، ندا یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸-اردو بازار لاہور

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل کرنے کے لئے

"فقہ حنفی PDF BOOK"

چینل کو جوائن کریں

http://T.me/FiqaHanfiBooks

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوہیب حسن عطاری

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد دوم

آل عمران ۔ النساء

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸-اردو بازار لاہور-۲

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
مطبع : روی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : شوال 1420ھ / فروری 2000ء
الطبع الثامن : محرم 1430ھ / جنوری 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شئ عند العارفین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوٰۃ اللہ عن صلوٰۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القرآن وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والآخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امہات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللھم اجعلنی فی تبیان القرآن علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہٖ اللھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الآخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کردے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کردے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنادے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کردے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

سُورَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ آل عمران

یہ سورت ترتیب مصحف کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے سورہ انفال کے بعد ہے یہ سورت مدنی ہے اور اس میں بالاتفاق دو سو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔

سورہ آل عمران کے اسماء

اس سورت کا نام آل عمران ہے کیونکہ اس سورت میں آل عمران کو فضیلت دینے کا ذکر ہے آل عمران میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں حضرت مریم اور ان کی والدہ حضرت عمران کی زوجہ بھی ان میں شامل ہیں۔ آل عمران کے متعلق سب سے زیادہ آیات اس سورت میں نازل ہوئی ہیں جن کی تعداد اسی سے زیادہ ہے اس سورت کی جس آیت میں آل عمران کا لفظ ہے وہ یہ آیت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (آل عمران : ۳۳)

بیشک اللہ نے آدم' نوح' آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

نبی ﷺ نے سورہ آل عمران کا نام سورہ زہراء بھی رکھا ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین کو پڑھا کرو یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو کیونکہ وہ قیامت کے روز بادلوں کی طرح آئیں گی' یا پرندوں کی جماعتوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کریں گی۔ سورہ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے' جادو کرنے والے اس کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۲۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

زہراء کا معنی ہے صاف اور روشن' چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں جو نور اور ہدایت ہے اس کی وجہ سے آپ نے ان دونوں کو زہراء فرمایا ہے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کو جو شبہات تھے اور ان کے متعلق غلط عقائد تھے اس سورت سے ان کا ازالہ ہو جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا برگزیدہ بندہ اور معزز نبی ہونا واضح ہو جاتا ہے' تو چونکہ یہ سورت آل عمران کے مقام اور ان کی عظمت کو منکشف کرتی ہے اس لئے آپ نے اس کو زہراء فرمایا۔

اس سورت کا نام سورۃ الکنز بھی ہے۔ کنز کا معنی ہے خزانہ۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ آل عمران فقیر کا کیا خوب کنز (خزانہ) ہے۔ وہ اس کو رات

کے آخری حصہ میں پڑھتا ہے (سنن دارمی ج ۲ ص ۴۲۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان) اس سورت کو کنز اس لیے فرمایا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے اور نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا اس سے متعلق اسی سے زیادہ آیات ہیں۔

اس کا نام سورہ طیبہ بھی ہے' حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام سعید بن منصور نے ابوعطاف سے روایت کیا ہے کہ تورات میں آل عمران کا نام طیبہ ہے۔

(در منثور' ج ۲ ص ۲' مطبوعہ ایران)

نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں طیبین کے تمام اوصاف کو جمع کرکے ذکر فرمایا ہے :

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران : ۱۷)

صبر کرنے والے' سچ بولنے والے' اللہ کی اطاعت کرنے والے' (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے' اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سورہ آل عمران کی سورہ بقرہ کے ساتھ وجہ اتصال' ارتباط اور مناسبت

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران دونوں کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے اور دونوں میں ایک نوع کے حرف لائے گئے ہیں۔ یعنی الم (الف لام میم) اور دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی صفت بیان کی گئی ہے سورہ بقرہ میں قرآن مجید کی ہدایت پر ایمان لانے والوں یا ایمان نہ لانے والوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں اور سورہ آل عمران میں ان کج فکر مخالفین کا ذکر کیا ہے جو فتنہ پھیلانے کی غرض سے آیات متشابہات کے خود ساختہ معنی بیان کرتے ہیں اور ان علماء راسخین کا ذکر فرمایا ہے جو آیات محکمہ اور آیات متشابہہ دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور برحق ہیں۔

سورہ بقرہ میں تخلیق آدم کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور سورہ آل عمران میں تخلیق عیسیٰ (علیہما السلام) کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں کے ذکر میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں کی تخلیق عام اور معروف طریقہ کے خلاف ہوئی ہے۔ حضرت آدم کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا گیا اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

ان دونوں سورتوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ مباحثہ کا ذکر ہے ان کے شبہات زائل کئے گئے ہیں اور ان کے خلاف اسلام کے حجت ہونے پر دلائل پیش کئے گئے ہیں لیکن سورہ بقرہ میں یہود کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے کیونکہ وضع اور ترتیب میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران پر مقدم ہے اور تخلیق اور ایجاد میں یہود نصاریٰ پر مقدم ہیں۔

دونوں سورتوں کے آخر میں دعاؤں کا ذکر ہے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم ہے سورہ بقرہ کے آخر میں ایسی دعاؤں کا ذکر ہے جن کا تعلق دین اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے مشکل احکام کا بوجھ نہ ڈالنے' خطاء اور نسیان پر مواخذہ نہ کرنے' آسانی اور سہولت مہیا کرنے' دین پر ثابت قدم رہنے' آخرت میں مغفرت اور اجر و ثواب عطا کرنے اور اعداء اسلام کے خلاف مدد کرنے کی دعائیں ہیں اور سورہ آل عمران کے آخر میں گناہوں کی مغفرت نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ اور رسولوں کی وساطت سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کی دعا ہے۔

سورہ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا تھا : متقی لوگ ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (البقرہ : ۵۔۴) اور سورہ آل عمران کے آخر میں فرمایا ہے : اور اللہ سے ڈرتے رہو (تقویٰ پر قائم رہو) تاکہ تم فلاح پاؤ (آل عمران : ۲۰۰) اس طرح سورہ بقرہ کی ابتداء اور سورہ آل عمران کی انتہاء میں یکسانیت ہے۔

سورہ آل عمران کے مضامین کا خلاصہ

سورہ بقرہ میں جس طرح اصول اور فروع' عقائد اور احکام کو بیان کیا گیا تھا اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی عقائد اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو بیان کیا گیا ہے اور عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے اور تثلیث کے معتقد تھے ان کے شبہات کو زائل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی صداقت کو بیان فرمایا ہے اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں اہل کتاب کے جو شکوک اور شبہات تھے ان کا ازالہ کیا گیا ہے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا گیا ہے۔ تقریباً" نصف سورت عیسائیت کے رد پر مشتمل ہے اور تہائی سورت میں یہود کے قبائح اور جرائم بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مناقشات کا ذکر کیا گیا ہے۔ احکام شرعیہ میں فرضیت حج اور جہاد کو بیان فرمایا ہے۔ سود کی تحریم کو بیان کیا ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے اور منافقین پر زجر و توبیخ کی ہے۔ عقائد اور احکام شرعیہ کی مناسبت سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرنے اور آسمانوں اور زمینوں میں جو اسرار اور عجائبات ہیں ان میں تفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ جہاد پر صبر و استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہنے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی تلقین کی ہے چنانچہ فرمایا ہے : اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (آل عمران : ۲۰۰)

سورہ آل عمران کی ابتدائی دس آیتیں قرآن مجید اور اس کے ماننے والوں کے احکام سے متعلق ہیں آیت : ۱۱ سے لے کر آیت : ۳۲ تک کا تعلق جنگ بدر کے ساتھ ہے اور اس کا زمانہ نزول ۲ھ ہے آیت : ۳۳ سے آیت : ۷۱ تک اڑتیس آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کے پاس آیا ان آیتوں میں عقیدہ تثلیث کو باطل کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام نبوت اور آپ کی وجاہت و کرامت کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے جو اللہ کی توحید کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی وجاہت اور اولیاء عظام کی کرامت میں کمی آتی ہے اور وہ نبیوں اور ولیوں کی شان کم کرنے کو ہی اللہ کی تعظیم اور کبریائی گردانتے ہیں۔ آیت : ۷۲ سے آیت ۱۲۹ تک کا زمانہ نزول بھی ۲ھ ہے' ۷۲ سے ۸۰ تک آٹھ آیتوں میں یہود کا رد کیا گیا ہے آیت : ۸۴ تک حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کے میثاق لینے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۹۲ تک یہ بیان فرمایا ہے اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور اخروی عذاب کو بیان فرمایا ہے۔ آیت ۹۳ سے آیت ۹۹ تک پھر یہود کا رد فرمایا ہے' آیت ۱۰۰ سے آیت ۱۲۰ تک مسلمانوں سے خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اسلام کی ڈوری سے منسلک کردیا اور وہ دوزخ کے آخری کنارے پر پہنچ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نجات دی۔ ان کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور ان

کو خیر امت قرار دیا' اور ان کو بار بار یہ تاکید کی ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور اپنے راز کی باتوں سے انہیں مطلع نہ کریں اور ان ہی آیتوں کے ضمن میں موقع اور محل کی مناسبت سے جگہ جگہ یہود کا رد بھی فرمایا ہے آیت ۱۲۱ سے ۱۲۷ تک جنگ بدر سے متعلق ہیں آیت ۱۲۸ میں نبی ﷺ کو کفار کے خلاف دعاء ضرر کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ آیت ۱۲۹ بھی اسی کا تتمہ ہے آیت ۱۳۰ سے آیت ۱۳۸ تک پھر مسلمانوں سے خطاب ہے ان پر سودی کاروبار کو حرام فرمایا ہے اور صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے اور گناہ کے بعد فوراً" توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ آیت ۱۳۹ سے لے کر آیت ۲۰۰ تک کا تعلق جنگ احد کے ساتھ ہے ان آیات میں مسلمانوں کو اس لغزش پر تنبیہہ کی ہے جس کی وجہ سے ان کو جنگ احد میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور اس ہزیمت کے نتیجہ میں مسلمان جو افسردہ اور بددل ہوگئے تھے ان کی ہمت بندھائی ہے اور ان کو حوصلہ فراہم کیا ہے۔

جنگ بدر کے متعلق زیادہ تفصیل سورہ الانفال میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک کافر عمرو بن الحضرمی قتل ہوگیا تھا نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے نہایت برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرمی کے قتل نے تمام اہل مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کردیا تھا اسی اثناء میں ابوسفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا اور ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ابوسفیان نے وہیں سے مکہ خبر بھیج دی قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مدافعت کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آگیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدسیہ شہید ہوئے ہیں جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور صنادید قریش میں سے جو لوگ بہادری اور مردانگی میں نام آور تھے سب ایک ایک کرکے مارے گئے ان میں شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف وغیرھم تھے۔ ستر کافر قتل کئے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اسیران جنگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت رحم دلانہ سلوک کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کردیا جائے' اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے' نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام امور پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورہ الانفال کی تفسیر میں آئے گی۔

معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے تمام مخالفین اسلام چونک پڑے۔ وہ اسلام کی دعوت اور تحریک کو اتنا قوی اور موثر خیال نہیں کرتے تھے اس لئے وہ سب اسلام کی اس تحریک کو اپنے لئے خطرہ خیال کرنے لگے۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے اطراف مدینہ کے یہودیوں سے جو معاہدے کئے تھے ان لوگوں نے ان کا مطلقاً لحاظ نہیں کیا اور جنگ بدر کے موقع پر ان اہل کتاب کی تمام ہمدردیاں کفار اور مشرکین کے ساتھ تھیں۔ جب ان لوگوں کی عہد شکنیاں حد سے تجاوز کرگئیں تو نبی ﷺ نے بنو قینقاع پر حملہ کیا اور ان کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ یہ یہودیوں کا سب سے زیادہ شریر قبیلہ تھا لیکن اس اقدام سے دوسرے یہودی قبائل کی آتش عناد اور بھڑک اٹھی اور انہوں نے مدینہ کے منافقوں اور حجاز کے

مشرک قبیلوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کردیں ادھر بدر کی شکست کے بعد قریش مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی یہودیوں نے اس پر مزید تیل چھڑکا' اس کے نتیجہ میں معرکہ بدر کے ایک سال بعد مکہ سے تین ہزار مشرکوں کا زبردست لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا اور احد پہاڑ کے دامن میں وہ جنگ برپا ہوئی جو غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے۔ مدینہ کی مدافعت کے لئے نبی ملتی ہیلم کے ساتھ ایک ہزار نفوس نکلے تھے مگر راستہ سے تین سو منافق اچانک پلٹ گئے اور آپ کے ساتھ جو سات سو نفوس رہ گئے تھے ان میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی تعداد شامل تھی جس نے دوران جنگ مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کرنے کی سعی بسیار کی' جنگ احد میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس میں منافقوں کی فتنہ انگیزیوں کے علاوہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ قرآن مجید کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور اصلاح کا طریقہ کار بتلایا ہے۔ نبی ملتی ہیلم نے احد پہاڑ کے ایک درہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس کے قریب تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرمادیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ فتح ہو یا شکست وہ لوگ اس جگہ سے نہ ہٹیں' مسلمانوں کے زبردست حملوں کی وجہ سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بدحواسی میں پیچھے ہٹے اور مطلع جنگ صاف ہوگیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کردی یہ سماں دیکھ کر جو تیرانداز پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی اس درہ کی حفاظت چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت روکا لیکن وہ نہ رکے خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حملہ آوروں میں تھے جب انہوں نے تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھی تو عقب سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوگئے' مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے اچانک مڑ کر دیکھا تو ان پر تلواریں برس رہی تھیں بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی ملتی ہیلم شہید ہوگئے اس خبر سے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے' قریش نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا اور ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ھند نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور نبی ملتی ہیلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا' اس سورت میں جنگ احد کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے'' تاہم لائق غور چیز یہ ہے کہ پچاس کے قریب مسلمانوں نے نبی ملتی ہیلم کی حکم عدولی کی تو اللہ نے مسلمانوں کو یہ سزا دی کہ ان کی جیتی ہوئی جنگ کو ہار میں بدل دیا' اور یہ حکم عدولی صرف ایک بات میں تھی تو سوچئے کہ جب لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان دن رات سینکڑوں باتوں میں نبی ملتی ہیلم کی علی الاعلان حکم عدولی کریں گے تو وہ کس طرح کفار پر غالب آسکتے ہیں۔ آج دنیا کے تمام مسلمان ملکوں میں مسلم اقوام ذلت اور پسپائی کی زندگی گزار رہی ہیں مسلمانوں کے بیشتر علاقے کافروں کے قبضہ میں ہیں بنو اسرائیل جن کو اللہ تعالیٰ نے مغضوب اور لعنتی قرار دیا ہے جن پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگادی ہے آج اس لعنتی مغضوب اور ذلیل قوم کے ہاتھوں مسلمان مسلسل خوار ہورہے ہیں' اسرائیل نے مسلمانوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے اور مسلمان عددی برتری اور دولت کے تفوق کے باوجود اپنے مقبوضہ علاقوں کو اس سے نہیں چھڑا سکے۔ آج امریکہ تمام دنیا کی واحد سپرپاور ہے اور تمام مسلم ممالک اس کے اشارہ ابرو کے مطابق اپنے کار سلطنت چلانے پر مجبور ہیں کافر غالب ہے اور مسلمان مغلوب ہیں' احد کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے نبی ملتی ہیلم کے احکام سے روگردانی کی ان سے غلبہ جاتا رہا اور وہ محرومی' ہزیمت اور شکست سے دوچار ہوگئے اور کفار ان پر غالب آگئے آج اگر ہم کفر کے غلبہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور اپنے

مقبوضہ علاقے کافروں سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور کافروں کی اجارہ داری اور بالا دستی ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اجتماعی طور پر روٹھے ہوئے خدا کو منانا ہوگا اور ہم نے اپنی انفرادی اور اجتماعی اور نجی اور قومی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی جو خلاف ورزیاں اپنا معمول اور دستور بنائی ہوئی ہیں ان کو یکسر ترک کرنا ہوگا اور اپنی معیشت' معاشرت' ثقافت' سیاست اور حکومت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی احکام اور اقدار کو جاری کرنا ہوگا اور ایمان محکم کے تقاضوں سے اپنی نجی اور قومی زندگی کو آراستہ کرنا ہوگا پھر کفر کی محکومی اور غلامی کی زنجیریں خود بخود کٹ جائیں گی مسلمانوں کو ایک بار پھر عروج ہوگا اور تمام دنیا کی امامت اور قیادت مسلمانوں کے ہی ہاتھوں میں ہوگی۔ پھر صرف مسلمان ہی دنیا کی واحد سپر پاور ہوں گے۔ غزوہ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کے بعد شکست خوردہ اور حوصلہ ہارے ہوئے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران : ۱۳۹) سستی نہ کرو اور غمزدہ نہ ہو تم ہی سب سے سربلند اور سب پر غالب رہو گے بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔

سُورَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ آل عمران مدنی ہے، اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ٢٠٠	رُكُوْعَاتُهَا ٢٠
سورۃ آل عمران مدنی ہے	اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے	آیتیں ۲۰۰	رکوع ۲۰

الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ

الف لام میم ○ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے ○

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ

اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات

الْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ

اور انجیل کو نازل کیا ○ اس (کتاب) سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا،

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ

بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

غالب انتقام والا ہے ○ بیشک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ

اور نہ آسمان میں ○ وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا

يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦﴾

ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

سورہ بقرہ کی آخری اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں مناسبت

سورہ بقرہ کی آخری آیت یہ تھی: "تو ہمارا مولیٰ (مالک اور مددگار) ہے سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما"۔ اس

دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران پیش کردی جس میں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل فرمائیں۔ جن کی وجہ سے نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل فرمایا۔ اس طرح اس دعا کی استجابت ظاہر ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ھ میں نجران سے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان کا سردار عاقب عبد المسیح تھا اور ان کا عالم ابو حارثہ بن علقمہ تھا انہوں نے کئی روز مدینہ میں قیام کیا اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مناظرہ کرتے رہے۔ وہ کبھی کہتے کہ حضرت عیسیٰ اللہ ہیں کبھی کہتے وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کبھی کہتے کہ وہ تین میں کے تیسرے ہیں' اور رسول اللہ ﷺ ان کو یہ بتاتے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں اور یہ صفات حضرت عیسیٰ میں نہیں ہیں۔ وہ یہ تسلیم کرتے اور عناداً" انکار کرتے۔ آخر انہوں نے کہا کیا آپ حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور اس کی (پسندیدہ) روح نہیں مانتے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں اسی سے زیادہ آیات ان کے رد میں نازل فرمائیں اور عیسائیوں کی بدعقیدگیوں کا رد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو وہ بیٹے اور بیوی کا اعتقاد رکھتے ہیں اس کا قوی دلائل سے رد فرمایا اور حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیل سے ذکر فرمایا اور جب ان تمام دلائل کے باوجود عیسائی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن وہ آپ سے مباہلہ کرنے کی جرات نہ کرسکے۔

دوسری مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں فرمایا تھا: "رسول پر ان کے رب کی طرف سے جو کلام نازل کیا گیا وہ اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی ایمان لائے" اس لئے آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات' رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کی صفات اور آپ کے علاوہ دیگر رسولوں پر نازل ہونے والی کتابوں کی صفات بیان کی گئیں۔

سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول اور نصاریٰ نجران کے ساتھ آپ کے مناظرہ کا بیان

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نجران کے عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق بحث کرنے لگے اور کہنے لگے بتایئے حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کرنے والا ہے اس کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس کو رزق دینے والا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ان میں کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے علم دیئے بغیر عیسیٰ علیہ السلام کو کسی چیز کا علم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت بنائی کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ ہمارا رب نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے نہ اس کو

حدث (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ میں اس طرح رہے جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے۔ پھر ان کو وضع حمل ہوا جس طرح عورتوں کو وضع حمل ہوتا ہے جب حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ان کو غذا دی گئی جس طرح بچہ کو غذا دی جاتی ہے۔ پھر وہ کھانا کھاتے تھے پانی پیتے تھے اور ان کو حدث (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا تھا' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر جس شخص کی یہ صفات ہوں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ (آپ پہلے فرما چکے تھے کہ ہر بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور آپ نے جو بعد میں تقریر کی اس سے واضح ہو گیا کہ ممکن واجب کے' حادث قدیم کے اور محتاج مستغنی کے مشابہ نہیں ہو سکتا) آپ کی اس تقریر سے وہ جان گئے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے لیکن انہوں نے عناداً" انکار کیا تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں الف لام میم ○ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۰۹۔ ۱۰۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف' لام' میم۔ (آل عمران: ۱)

الف' لام' میم حروف مقطعات ہیں بعض علماء نے کہا سورت کی ابتداء میں ان حروف کو تنبیہ کے لئے لایا گیا ہے جیسے "الا" اور "یا" کو مخاطب کی تنبیہ کے لئے لایا جاتا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے ان حروف کی اور تاویلات کی ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک راز ہیں' اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ان کا علم ہے یا جن عرفاء کاملین کو نبی ﷺ کی بارگاہ سے ان حروف کا علم عطا ہوا۔ اس کی پوری تحقیق اور مفصل بحث ہم سورہ بقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے (آل عمران: ۲)

سورہ بقرہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر بیان کی جاچکی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا معنی ہے مستحق عبادت "حی" کا معنی ہے صاحب حیات' اور حیات کا معنی ہے ایسی صفت جو احساس' حرکت بالارادہ اور علم کے ساتھ اتصاف کو مستلزم ہو اور "قیوم" کا معنی ہے ہر چیز کو قائم کرنے والا' اس کے وجود اور بقاء کی حفاظت کرنے والا اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والا۔

موجودہ انجیل کی شہادت سے حضرت مسیح کا خدا یا خدا کا بیٹا نہ ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا وہ تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے لہٰذا سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ موجودہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بھوک لگتی تھی ان کو سولی دی گئی اور وہ درد سے چلائے۔ اور ظاہر ہے جس کا یہ حال ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

متی کی انجیل میں ہے:

اور صبح کو پھر شہر جا رہا تھا اسے بھوک لگی۔ متی باب: ۲۱ آیت: ۱۸

اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کے اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ متی باب: ۲۷ آیت: ۴۰۔ ۳۹

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا کہ ایلی۔ ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ متی باب : ۲۷ آیت : ۴۶

یسوع نے پھر بڑی آواز کے ساتھ چلا کر جان دے دی۔ متی باب : ۲۷ آیت : ۵۰

ان اقتباسات کو پڑھ کر کوئی صاحب عقل یہ باور نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے تھے البتہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

قرآن مجید کا کتاب حق ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا○ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا' بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب منتقم ہے۔ (آل عمران ۴-۳)

جمہور مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور تنزیل کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج نازل کرنا۔ اور قرآن مجید آپ پر ضرورت' اور مصلحت کے اعتبار سے ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے حق کا معنی ہے صدق' قرآن کریم کی دی ہوئی ماضی کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں سب صادق ہیں اور قرآن مجید کے وعد اور وعید بھی صادق ہیں۔ اس لئے قرآن مجید حق ہے' حق کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز اس وقت اس مقدار اور اس کیفیت میں آئی ہو کہ جس وقت' مقدار اور جس کیفیت میں اس کو ہونا چاہیے' اس لحاظ سے قرآن کریم کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ احکام صحیح وقت میں نازل ہوئے' صحیح مقدار (مثلاً" کتنے فرائض ہوں) اور صحیح کیفیت (مثلاً" کون سی چیز فرض کی جائے اور کون سی حرام) کے ساتھ نازل ہوئے' اس لئے قرآن مجید کی خبریں اور وعدے اور وعیدات بھی حق ہیں کیونکہ وہ صادق ہیں اور قرآن مجید کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ صحیح وقت' صحیح مقدار اور صحیح کیفیت کے ساتھ نازل ہوئے ہیں اس آیت میں تورات اور انجیل کا ذکر ہے پہلے ہم تورات کی تحقیق کریں گے اس کے بعد انجیل کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

تورات کا معنی' مصداق اور لفظی تحقیق

بعض علماء نے کہا ہے کہ تورات کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے' توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ تورات میں زیادہ تر مثالیں ہیں اس لئے اس کو توریہ کہا گیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں تورات کا معنی شریعت ہے۔ یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔

تورات موجودہ بائبل (کتاب مقدس) کا ایک حصہ ہے' کتاب مقدس کے دو اہم حصے ہیں۔ (۱) پرانا عہد نامہ (۲) نیا عہد نامہ۔ پرانا عہد نامہ نئے عہد نامے سے نسبتاً" زیادہ ضخیم ہے' کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے لیکن یہودیوں کی مذہبی کتاب صرف پرانا عہد نامہ ہے۔

پرانے عہد نامہ کے مشمولات

پرانا عہد نامہ یہودیوں کے مختلف مقدس صحیفوں کا مجموعہ ہے علماء یہود نے عہد نامہ قدیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا

ہے۔ (۱) تورات (۲) صحائف انبیاء (۳) صحائف مقدسہ۔ تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس میں بنی نوع بشر کی پیدائش سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ تک اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک بحث کی گئی ہے' بنی اسرائیل کے لئے جو معاشرتی قوانین اور عبادات کے طریقے وضع کئے گئے تھے وہ سب اس میں مندرج ہیں۔ اصل تورات حسب ذیل پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے۔

اصل تورات کے مشمولات

(۱) تکوین : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ آل یعقوب کی اہمیت نمایاں ہو اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام پیدائش ہے۔

(۲) خروج : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت اور کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیئے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

(۳) لاویین : اس میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقہ کا ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام احبار ہے۔

(۴) اعداد : اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے اردن اور ماوراء اردن کا علاقہ فتح کیا نیز اس میں تدریجی احکام اور قوانین کا بھی ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام گنتی ہے۔

(۵) تثنیہ : اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے اور قوانین کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے' یہ صحیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔ یہ پانچ صحائف اصل تورات ہیں اس کے علاوہ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میں آنے والے انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفوں کو بھی شامل کیا گیا ہے مثلاً" یوشع' قضاۃ' صموئیل اور ملوک وغیرہ' زبور بھی ان صحائف میں شامل ہے بعض صحائف بعض صحائف کا جزو ہیں یہ کل ۳۴ صحیفے ہیں عہد نامہ قدیم (اردو) میں تورات کے پانچ صحائف کے بعد یہ ۳۴ صحائف شامل ہیں شروع میں ان ۳۹ صحائف کی فہرست ہے یہ تمام صحائف عبرانی زبان میں تھے البتہ دانیال اور عزرا آرامی زبان میں تھے۔

موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ

پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظاً" لفظاً" وحی منزل من اللہ ہے اور جو کچھ بھی بین الدفتین (اس جلد میں) ہے۔ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اوریجن متوفی ۲۵۴ء پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں ایک اور عیسائی عالم پوفری متوفی ۳۰۴ء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صحیفہ دانیال بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر میں آیا' اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی ۱۱۶۷ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں' ایک فاضل جرمن عالم رائماروس متوفی ۱۷۶۷ء نے ایک ضخیم تصنیف شائع کی جس میں اس نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا' اسی طرح اور بہت سے محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ تورات حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد تالیف کی گئی ہے اور موجودہ تورات مع بقیہ صحائف وحی الٰہی نہیں ہیں۔

حوادث روزگار کے ہاتھوں تورات کا تلف ہو جانا

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی ۷۰۵ قبل مسیح سے ۱۳۵ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ ۷۰۰ ق م میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ ۵۸۶ ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کردیا۔ اس تباہی میں تورات خاکستر ہوگئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کردیا گیا۔ ۵۳۸ ق م سے لے کر ۳۳۲ ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ ۳۳۲ ق م سے لے کر ۳۲۳ ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا اور ۶۳ ق م سے لے کر ۳۹۵ء تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہوگئے۔

تورات کی نشأۃ ثانیہ

اس بات کا کوئی محقق تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے عام خیال یہ ہے کہ عزرا نبی (حضرت عزیر) نے ان کو دوبارہ مرتب کیا ایک مروجہ روایت کے مطابق حضرت عزرا نے ۹۴ صحائف ۴۰ روز میں پانچ کاتبوں کو لکھوائے جن میں سے ۳۴ صحائف اب عہد نامہ قدیم میں شامل ہیں اور باقی ۶۰ صحائف غیر مستند قرار دیئے گئے (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا)۔ عہد قدیم کا قدیم ترین نسخہ ۹۱۶ء کا تحریر شدہ ہے دوسری صدی عیسوی سے پہلے جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں عبارت میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اتنا تو خود علماء یہود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں ۱۸ مقامات ایسے ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً" تبدیلیاں کیں' یہ تمام صحائف ایک مولف کے مرتب کیے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں رفتہ رفتہ اضافے ہوتے رہے اور وہ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔

یہود اصل تورات کو گم کرچکے تھے اور موجودہ تورات بعد میں مرتب کی گئی ہے اس کی شہادت پرانے عہد نامے میں بھی موجود ہے' کیونکہ پرانے عہد نامے میں لکھا ہے کہ جب یوسیاہ بادشاہ کے اٹھارویں برس میں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ مرمت ہوئی تو تورات اچانک مل گئی۔

اور سردار کاہن خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور خلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اس کو پڑھا ○ اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں ○ اور سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ خلقیاہ کاہن نے ایک کتاب میرے حوالہ کی ہے اور سافن نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا ○ جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے ○ اور بادشاہ نے خلقیاہ کاہن اور سافن کے لئے اخی قام اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو جو بادشاہ کا ملازم تھا یہ حکم دیا کہ ○ یہ کتاب جو ملی ہے اس کی باتوں کے بارے میں، تم جاکر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو کیونکہ خداوند کا بڑا غضب اس سبب سے ہم پر بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اس میں ہمارے بارے میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرتے۔

(۲۔ سلاطین۔ باب : ۲۲ آیت : ۱۸-۳) (عہد نامہ قدیم : ص ۳۸۸۔ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات کے موضوع اور محرف ہونے کے ثبوت میں داخلی شہادتیں

موجودہ تورات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق بہت ہی نازیبا اور توہین آمیز عبارات لکھی ہیں جس کتاب کے متعلق الہامی بلکہ کلام اللہ اور رشد وہدایت کا ذریعہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو وہ کتاب یقیناً ایسی نہیں ہوسکتی!

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۔ (پیدائش : باب : ۹ آیت : ۲۱-۲۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۱ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

اور لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے ○ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ○ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جاکر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں ○

(پیدائش باب : ۱۹ آیت : ۳۶-۳۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق ہے:

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوکر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے، جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہوگیا ○ ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے ○ اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ○ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کردیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی ○ اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں ○ پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے ○

(خروج : باب : ۳۲ آیت : ۶-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۸۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی ○ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت

کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بنت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟○ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی ○ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں ○ اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے سو یوآب نے حتی اوریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا ○

(۲ سموئیل باب : ۱۱ آیت : ۷-۲) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

چند آیات کے بعد مذکور ہے :

صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا ○ اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جاں بحق ہو ○ اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں ○ اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا ○

(۲۔ سموئیل 'باب ۱۱' آیت : ۱۸-۱۵) (عہد نامہ قدیم ص ۴-۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی ○ اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا ○

(۲۔ سموئیل 'باب ۱۱' آیت : ۲۷-۲۶) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی' عمونی' ادومی' صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا ○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی ○ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ○ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا ○ کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا ○ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا ○ اور سلیمان نے خدا کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔

(۱۔ سلاطین 'باب : ۱۱ آیت ۷-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۳۴۰ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا۔ جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر ○ اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند

نے دیا تھا○ اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا اس لئے میں سلطنت کو ضرور تجھ سے چھین کر تیرے خادم کو دوں گا○

(۱۔ سلاطین۔ باب : ۱۱ آیت : ۷۔۱)(عہد نامہ قدیم ص ۳۴۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

تورات سے جو اقتباسات ہم نے پیش کئے ہیں ان میں اس بات کی قوی شہادت ہے کہ موجودہ تورات مکمل وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی حد تک تحریف کردی گئی ہے یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ تورات تمام تر انسانی تالیف ہے کیونکہ اس میں اللہ کا کلام بھی موجود ہے اور ان ہی آیات کی قرآن مجید نے تصدیق کی ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔ سردست ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تورات کے متعلق قرآن مجید کے کیا ارشادات ہیں :

اصل تورات کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات چند صحائف کا مجموعہ ہے :

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی۔ (النجم : ۳۶) کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں اصول اور معتقدات بھی بیان کئے گئے تھے اور تمام فروعی مسائل اور احکام شرعیہ کے لئے بھی ہدایت دی گئی تھی اور وہ بنو اسرائیل کے لئے مکمل دستور حیات تھا۔

وَاٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (بنو اسرائیل : ۲) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

وَکَتَبۡنَا لَهٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡعِظَةً وَّتَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (الاعراف : ۱۴۵) اور ہم نے ان کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر شے سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

قرآن مجید نے تورات کو ضیاء، نصیحت، فرقان، ہدایت اور نور فرمایا :

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکۡرًا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (الانبیاء : ۴۸) اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب دی جو متقین کے لئے روشنی اور نصیحت ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ (القصص : ۴۳) اور بیشک ہم نے پہلے زمانہ کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی درآں حالیکہ اس میں لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کے انبیاء بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِیۡهَا هُدًی وَّنُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِهَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق انبیاء فیصلہ کرتے رہے جو ہمارے تابع فرمان تھے، (ان لوگوں کا فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور ای

كِتَابِ اللّٰهِ (المائده : ۴۴) — کے مطابق اللہ والے اور علماء فیصلہ کرتے رہے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

یہ بھی قرآن مجید کا امتیاز ہے ورنہ کسی اور مذہبی کتاب نے کسی دوسری مذہبی کتاب کی اس قدر تعریف اور ستائش نہیں کی۔

موجودہ تورات کے محرف ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ یہودی خود کتاب کو تصنیف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ۔ (البقرہ : ۷۹)

سو ان لوگوں کے لئے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ تھوڑی قیمت حاصل کرلیں، سو ان کے لئے اس سبب سے عذاب ہے کہ انہوں نے کتاب تصنیف کی اور ان کے لئے اس کے معاوضہ میں کمائی حاصل کرنے کے سبب سے عذاب ہے۔

بعض اوقات یہود آیات کو بدل دیتے تھے اور بعض اوقات آیات کو چھپا دیتے تھے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۴۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

بعض اوقات یہود تورات کا مطلب سمجھنے کے باوجود اس کی عبارت تبدیل کرتے تھے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (البقرہ : ۷۵)

بے شک ان (یہود) میں سے ایک گروہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تحریف کردیتے تھے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدہ : ۱۳)

وہ کلام میں اس کی جگہوں سے تحریف کردیتے ہیں اور جس حصہ کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کو بھول گئے، اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (المائدہ : ۴۱)

اللہ کے کلام میں اس کے مواقع سے تحریف کردیتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ (حم السجدۃ : ۴۵)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔

موجودہ تورات کی تصدیق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (البقرہ : ۴۱)

اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے نازل کیا ہے درآں حالیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (البقرہ : ۹۷)

اس (جبریل) نے اللہ کے حکم سے (قرآن کو) آپ کے دل پر نازل کیا درآں حالیکہ وہ اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ۔ (المائدہ : ۴۸)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے درآں حالیکہ یہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے سامنے ہے اور اس کی محافظ اور نگہبان ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ (النمل : ۷۶)

بیشک یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اصل تورات تلف ہوچکی تھی حضرت عزیر نے لوگوں سے سن کر تورات کی آیات کو جمع کیا تھا' بعد میں ان صحائف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کے حالات زندگی اور ان کی سیرت کے واقعات کو بھی لکھا گیا' جن پانچ صحائف کے مجموعہ کو تورات کہا جاتا ہے یعنی پیدائش' خروج' احبار' گنتی اور استثناء۔ ان میں سے پیدائش میں تو انبیاء سابقین کے حالات درج ہیں اور دوسرے چار صحیفوں میں حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم السلام کے حالات درج ہیں اور ان ہی صحائف میں تورات کی آیات بھی ہیں ان میں سے بعض آیات بالکل اصل حالت میں موجود ہیں' قرآن مجید نے جو فرمایا ہے کہ وہ تورات کا مصدق ہے اس کا تعلق ان ہی آیات سے ہے ہم نے تورات کا مطالعہ کرکے بعض ان آیات کو تلاش کیا ہے جو قرآن کے معیار پر پوری اترتی ہیں' اور ہم اب ان آیات کو بیان کررہے ہیں تاکہ واضح ہوجائے کہ قرآن مجید کی تصدیق کا تعلق کن کن آیات سے ہے نیز یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید نے تورات کو محرف اور موضوع بھی فرمایا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی ہے' اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کل موجودہ تورات کو قرآن مجید محرف اور موضوع نہیں فرماتا اور نہ کل کی تصدیق کرتا ہے' ہم نے تورات کی بعض محرف عبارات کی مثالیں پیش کی تھیں اور اب بعض اصل آیات کی مثالیں پیش کررہے ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ محرف آیات اور اصل آیات کی یہ بعض مثالیں ہیں کل نہیں ہیں۔

سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (استثناء باب : ۵' آیت : ۴) (عہد نامہ قدیم : ص ۱۷۲)

اس کی تصدیق اس آیت میں ہے :

وَاِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرہ : ۱۶۳)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔
(استثناء باب ۱۰ آیت ۱۵) (عہد نامہ قدیم ۱۷۶)

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (البقرہ : ۲۸۴)

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔

تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لات اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو اس لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ (احبار' باب : ۲۶' آیت : ۱)(عہد نامہ قدیم : ۱۲۰)

وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ — اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

(الذاریات : ۵۱)

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ وَلَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا يَمۡلِكُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا۔ (الفرقان : ۳) — اور مشرکوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے۔

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے موجودہ تورات میں بھی یہ بشارتیں موجود ہیں :

خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا ○ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں ○ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ○ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا ○

(استثناء' باب : ۱۸' آیت : ۱۸-۱۵)(عہد نامہ قدیم : ۱۸۴)

وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ (استثناء باب : ۳۳ آیت : ۲)(عہد نامہ قدیم : ۲۰۱)

اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ — جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

(الاعراف : ۱۵۷)

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔ (التوبہ : ۱۲۸) — بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آگیا اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے وہ تمہاری بھلائی چاہنے میں بہت حریص ہے اور مومنوں پر نہایت مشفق اور بہت مہربان ہے۔

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰىۙ (النجم : ۴-۳) — وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا وہی کہتا ہے جس کی اس پر وحی کی جاتی ہے۔

خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں سے چن لیا ہے تاکہ اس کی خاص امت ٹھہرے۔

(استثناء' باب : ۷' آیت : ۶)(عہد نامہ قدیم : ۱۷۳)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (البقرہ : ٤٧)

اے بنو اسرائیل میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ہے اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانہ کی) تمام قوموں پر فضیلت دی۔

خداوند تم کو اپنے زوردار ہاتھ سے نکال لایا اور غلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو مخلصی بخشی۔

(استثناء' باب : ٧' آیت : ٨) (عہد نامہ قدیم : ١٧٣)

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (البقرہ : ٤٩)

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

اور اس نے مصر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حال کیا اور کیسے اس نے بحر قلزم کے پانی میں ان کو غرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے ان کو کیسا ہلاک کیا کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں۔

(استثناء' باب : ١١' آیت : ٤) (عہد نامہ قدیم : ١٧٧)

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ : ٥٠)

اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر دیا سو تم کو نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا در آں حالیکہ تم دیکھ رہے تھے۔

اور میں نے تمہارے گناہ کو یعنی اس بچھڑے کو جو تم نے بنایا تھا لے کر آگ میں جلایا پھر اسے کوٹ کوٹ کر ایسا پیسا کہ وہ گرد کی مانند باریک ہو گیا اور اس کی اس راکھ کو اس ندی میں جو پہاڑ سے نکل کر نیچے بہتی تھی ڈال دیا۔

(استثناء' باب : ٩' آیت : ٢١) (عہد نامہ قدیم : ١٧٥)

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طه : ٩٧)

(موسیٰ نے سامری سے کہا) اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جم کر بیٹھا رہا' ہم اس کو ضرور جلا ڈالیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہا دیں گے۔

اور اس نے ان سے کہا خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔

(خروج' باب : ٣٢' آیت : ٢٨-٢٧) (عہد نامہ قدیم : ٨٥)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ (البقرہ : ٥٤)

اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے خالق کی طرف توبہ کرو' تو اپنی جانوں کو قتل کرو' تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔

اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسے خداوند تیرے خدا نے حکم دیا ہے۔

(استثناء' باب : ٢٧' آیت : ١٦) (عہد نامہ قدیم : ١٧١)

لعنت اس پر جو اپنے باپ یا ماں کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین۔ (استثناء' باب : ۲۷' آیت : ۱۵)(عہد نامہ قدیم : ۱۹۲)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنو اسرائیل : ۲۴۔۲۳)

اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (تک) نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا ۝ اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور کہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے ۝ تو اپنے بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے ۝ تیرے باپ کی بیوی کی بیٹی جو تیرے باپ سے پیدا ہوتی ہے' تیری بہن ہے' تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری چچی ہے ۝ تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے ۝ تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں یہ بڑی خباثت ہے ۝ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔

(احبار' باب : ۱۸' آیت : ۱۸۔۷)(عہد نامہ قدیم : ۱۱۲۔۱۱۱)

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرو مگر جو گزر چکا ہے بے شک ایسا کام بے حیائی موجب غضب اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو سو اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے

الاَّ خْتَیْنِ اِلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء : ۲۳-۲۲)

تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے ناپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لئے نہ جانا۔

(احبار' باب : ۱۸' آیت : ۱۹) (عہد نامہ قدیم : ۱۱۲)

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ (البقرہ : ۲۲۲)

عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

جو جانور آپ ہی مرجائے تم اسے مت کھانا۔ (استثناء' باب : ۱۴' آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۰)

فقط اتنی احتیاط ضرور رکھنا کہ تو خون کو نہ کھانا کیونکہ خون ہی تو جان ہے سو تو گوشت کے ساتھ جان کو ہرگز نہ کھانا۔

(استثناء' باب : ۱۲' آیت : ۲۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۹)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (احبار' باب : ۱۱' آیت : ۸-۷) (عہد نامہ قدیم : ۱۰۳)

اور مردار یا درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور کو کھانے سے وہ اپنے آپ کو نجس نہ کرلے۔

(احبار' باب : ۲۲' آیت : ۸) (عہد نامہ قدیم : ۱۱۵)

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ (المائدہ : ۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور (رگوں سے بہایا ہوا) خون' اور خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا' اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا' اور گر کر مرا ہوا اور سینگ مارنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے اللہ کے نام پر ذبح کر لیا ہو۔

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (استثناء' باب : ۱۹' آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۵)

اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنائے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے ○ یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

وَكَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدہ : ۴۵)

اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔

تو کسی گھناؤنی چیز کو مت کھانا ○ جن چوپایوں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری ○ اور ہرن اور

چکارا اور چھوٹا ہرن اور بز کوہی اور سابر اور نیل گائے اور جنگلی بھیڑ۔ (استثناء 'باب : ۱۴' آیت : ۵-۳) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

پاک پرندوں میں سے تم جسے چاہو کھا سکتے ہو○ لیکن ان میں سے تم کسی کو نہ کھانا یعنی عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب○ اور چیل اور باز اور گدھ اور ان کی اقسام○ ہر قسم کا کوا۔

(استثناء 'باب : ۱۴' آیت : ۱۴-۱۱) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷) وہ امی نبی ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں

تو اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا یا کسی ایسی چیز کا سود' جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔

(استثناء 'باب : ۲۳' آیت : ۱۹) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۸)

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ : ۲۷۵) اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

جب تو خداوند اپنے خدا کی خاطر منت مانے تو اس کو پورا کرنے میں دیر نہ کرنا اس لئے کہ خداوند تیرا خدا ضرور اس کو تجھ سے طلب کرے گا تب تو گنہ گار ٹھہرے گا○ لیکن اگر تو منت نہ مانے تو تیرا کوئی گناہ نہیں۔

(استثناء 'باب : ۲۳' آیت : ۲۲) (عہد نامہ قدیم ص : ۱۸۸)

وَلْيُوفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج : ۲۹) اور (اللہ کے لئے مانی ہوئی) اپنی نذریں پوری کریں۔

تو اپنے قبیلہ کی سب بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے قاضی اور حاکم مقرر کرنا جو صداقت سے لوگوں کی عدالت کریں○ تو انصاف کا خون نہ کرنا تو نہ تو کسی کی رورعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادق کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔ (استثناء 'باب : ۱۶' آیت : ۱۹-۱۸) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۲)

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (النساء : ۵۸) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ : ۱۸۸) اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) جان بوجھ کر کھاؤ

اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو○ تو میں تمہارے لئے بروقت مینہ برساؤں گا اور زمین سے اناج پیدا ہوگا اور میدان کے درخت پھلیں گے○ یہاں تک کہ انگور جمع کرنے کے وقت تک تم داوتے رہو گے اور جوتنے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھایا کرو گے اور چین سے اپنے ملک میں بسے رہو گے○ اور میں ملک میں امن بخشوں گا اور تم سوؤ گے اور تم کو کوئی نہیں ڈرائے گا۔

(احبار 'باب : ۲۶' آیت : ۶-۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۲۰)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ : ۶۶) اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور ان (احکام) کو قائم رکھتے جو ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے نازل کئے گئے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا○ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں○ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا○ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا○ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا○ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں○ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا○ بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا○ تاکہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لئے کئے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔

(استثناء' باب : ۲۰' آیت : ۱۸-۱۰)(عہد نامہ قدیم : ۱۸۶-۱۸۵)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں○ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی' باب : ۵' آیت : ۱۸-۱۷)(نیا عہد نامہ : ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو غور سے پڑھنا چاہئے اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ (التوبہ : ۵)

سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڟ ذٰلِكَ (محمد : ۴)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو پھر خواہ ان پر احسان کر کے انہیں (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو حتیٰ کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (حکم) یہی ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام قرار نہیں دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے ان

یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹) سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ مطیع ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اسلام کے نظریہ جہاد کی زیادہ وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے' امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے' اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے' پھر آپ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو' خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو' اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو' جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کرلینا' اور جنگ سے رک جانا' پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو' اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو ان کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں' اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے لیکن ان کو مال غنیمت اور مال فے سے جہاد کے بغیر کوئی حصہ نہیں ملے گا' اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو' اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو تم بھی اس کو قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کردو' اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے اللہ اور اس کے رسول کو (کسی عہد پر) ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ۱۳۷۵ھ)

اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ تورات میں جس طرح کفار سے جزیہ لینے ورنہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہے اسلام میں بھی یہی حکم ہے اور قرآن مجید اسی کا مصدق ہے باقی تفصیلات میں کچھ فرق ہے اسلام نے جہاد کو زیادہ بہتر اور معتدل انداز میں پیش کیا ہے اس ضمنی وضاحت کے بعد ہم پھر اصل موضوع کی طرف آرہے ہیں :

اگر تیری بستیوں میں کہیں آپس کے خون یا آپس کے دعویٰ یا آپس کی مار پیٹ کی بابت کوئی جھگڑے کی بات اٹھے اور اس کا فیصلہ کرنا تیرے لئے نہایت ہی مشکل ہو تو تو اٹھ کر اس جگہ جسے خداوند تیرا خدا چنے گا جانا ○ اور لاوی کاہنوں اور ان دنوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر ان سے دریافت کرنا اور وہ تجھ کو فیصلہ کی بات بتائیں گے۔

(استثناء' باب ۱۷' آیت : ۹-۸) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۳)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

(النحل: ۴۳)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر اس سے صحبت کرے ○ تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کردینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء' باب : ۲۲' آیت : ۲۴-۲۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۷)

اس آیت کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ : ۴۳)

وہ کیسے آپ کو منصف بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔

سو یہ موجودہ تورات کی وہ آیات ہیں جن کا قرآن مجید مصدق ہے قرآن مجید کل موجودہ تورات کا مصدق نہیں ہے اور نہ کل موجودہ تورات کو محرف قرار دیتا ہے اور ہم نے موجودہ تورات سے دونوں قسم کی مثالیں پیش کردی ہیں۔

انجیل کا لفظی معنی ' مصداق اور لفظی تحقیق

انجیل عبرانی زبان کا لفظ ہے عربی کے کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ نجل سے مشتق ہے نجل زمین سے پھوٹنے والے پانی کو کہتے ہیں اور چشمہ کے فراخ کرنے کو بھی کہتے ہیں انجیل بھی احکام الٰہی کا سرچشمہ ہے اور اس میں تورات کے مشکل احکام کو آسان کیا گیا ہے اس لئے اس میں نجل کی مناسبت پائی جاتی ہے ' زمخشری نے کہا ہے کہ تورات اور انجیل دونوں عجمی زبان کے لفظ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری "نسلا" اور "مذہبا" عیسائی تھے اور ان کی مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی ' یونانی زبان میں انجیل کے معنی بشارت ہیں انجیل کو بشارت اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف : ۶)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے بنی اسرائیل بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں در آں حالیکہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

انجیل کی تاریخی حیثیت اور اس کے مشمولات

ہر چند کہ اصل انجیل اب من وعن باقی نہیں ہے اور موجودہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تالیف کی گئی ہیں ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں جو خطبات اور کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے ' آپ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کافی عرصہ کے بعد آپ کے مختلف حواریوں اور شاگردوں نے آپ کی سیرت کو مرتب کیا اور اس سیرت میں اس وحی ربانی کو بھی درج کردیا جو حقیقت میں انجیل ہے ' پھر اس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیرات ہوتے رہے اور کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی ' عبرانی زبان سے اس کو سو سے زیادہ زبانوں میں منتقل کیا گیا ' اس وقت دنیا میں چار انجیلیں موجود ہیں۔ متی کی انجیل ' مرقس کی انجیل ' لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل یہ انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور رسولوں کے اعمال ہیں یعنی حواریوں کے اور پولس ' پطرس ' یوحنا اور یعقوب کے مکاتب ہیں یعنی خطوط ' اور یوحنا کا مکاشفہ ہے ' اور جو مجموعہ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے اس کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں ' اس کو کتاب مقدس اور بائبل بھی کہتے ہیں ' بائبل لاطینی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی مجموعہ کتب ہے ' اور یہ لفظ الہامی نوشتوں کے مجموعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیتھولک بائبل کے نوشتوں کی تعداد پروٹسٹنٹ بائبل کی تعداد سے زیادہ ہے ہم نے جو تفصیل درج کی ہے وہ پروٹسٹنٹ بائبل کے مطابق ہے۔

انجیل کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (المائدہ : ۴۶)

ہم نے ان کے پیچھے ان کے قدموں کے نشان پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا در آں حالیکہ وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے اور (اصل انجیل) ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے لئے۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ : ۴۷)

اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ : ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو (احکام) ان کے لئے ان کے رب کی طرف نازل ہوئے کو قائم رکھتے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ (المائدہ : ۶۸)

آپ کہئے اے اہل کتاب! تمہارا دیندار ہونا اس وقت تک غیر معتبر ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور ان احکام کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔

موجودہ انجیل کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

(متی باب : ۱۵ آیت : ۲۴) (نیا عہد نامہ ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ (آل عمران : ۴۹) (مسیح عیسیٰ بن مریم) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔

اور ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور ان کو اس کے پاس پاؤں میں ڈال دیا اور اس نے انہیں اچھا کر دیا۔

(متی باب : ۱۵ آیت : ۳۰) (نیا عہد نامہ : ۱۹)

اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آکر منت کی اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس سے کہا اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے ○ اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایا اور اسے چھو کر اس سے کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا ○ اور فی الفور اس کا کوڑھ جاتا رہا اور وہ پاک صاف ہو گیا۔ (مرقس باب : ۱ آیت : ۴۰) (نیا عہد نامہ : ۳۵)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ عبادت خانہ کے سردار کے ہاں سے لوگوں نے آکر کہا تیری بیٹی مر گئی ○ (الی قولہ) وہ اس پر ہنسنے لگے لیکن وہ سب کو نکال کر جہاں لڑکی پڑی تھی اندر گیا ○ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا تلیتا قومی۔ جس کا ترجمہ

ہے اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ ○ وہ لڑکی فی الفور اٹھ کر چلنے پھرنے لگی کیونکہ وہ بارہ برس کی تھی اس پر لوگ بہت ہی حیران ہوئے۔ (مرقس' باب : ۵' آیت : ۴۲-۳۵)(نیا عہد نامہ : ۳۹)

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران : ۴۹)

میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو شفایاب کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔ (متی' باب : ۵' آیت : ۱۸-۱۷)(نیا عہد نامہ : ۸)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ (آل عمران : ۵۰)

میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا○ تو وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔ (متی' باب : ۱۳' آیت : ۳۲-۳۱)(نیا عہد نامہ ص ۱۷)

وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ (الفتح : ۲۹)

انجیل میں ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی تو اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی جو کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ کافروں کا دل جلائے۔

مانگو تو تم کو دیا جائے گا' ڈھونڈو تو پاؤ گے' دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔

(متی' باب : ۷' آیت : ۷)(نیا عہد نامہ : ۱۰)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : ۶۰)

اور آپ کے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔

(متی' باب : ۶' آیت : ۱۹)(نیا عہد نامہ : ۹)

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ (الھمزۃ : ۴-۲)

جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال (دنیا میں) اسے ہمیشہ (زندہ) رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔

بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔

(متی' باب : ۶' آیت : ۲۰)(نیا عہد نامہ ص ۹)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ

مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے حضور ثواب کے لئے بہتر ہیں اور امید

خَيْرٌ اَمَلًا (الکھف : ۴۶) کے لئے بہت اچھی۔

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں ○ لیکن مدد گار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا ○ میں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں جس طرح دنیا دیتی ہے میں تمہیں اس طرح نہیں دیتا۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے ○ تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے ○ اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو ○ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب : ۱۴ آیت : ۳۰-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹۹)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

احکام اسلام بہ مقابلہ تعلیمات انجیل

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنانہ کرنا ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا ○ بس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے ○ اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔

(متی باب : ۵ آیت : ۳۰-۲۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کے کسی عضو کو کاٹنے کا مجاز نہیں ہے اگر اس کے کسی عضو سے گناہ ہو جائے تو وہ صدق دل سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے معاف فرمادے گا۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (متی باب : ۵ آیت : ۳۲-۳۱) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر بیوی کو بدچلنی کے علاوہ کسی اور سبب سے طلاق دی تو پھر بھی جائز ہے اور عدت کے بعد کوئی شخص اس سے نکاح کرلے تو یہ جائز ہے جائز نکاح کرنے کے بعد اس کے شوہر کا فعل زنا نہیں ہے۔

تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے ○ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے ○ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادتی کرے تو اس سے اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے لیکن اسے معاف کر دینا زیادہ

بہتر ہے اور برائی کے جواب میں نیکی کرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے' لیکن کسی زیادتی اور برائی کرنے والے کو مزید زیادتی اور برائی کرنے کا موقع دینا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے ساتھ بدخواہی کرنے کے مترادف ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ : ۴۰)
برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کردے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (الشوریٰ : ۴۳)
اور جو صبر کرے اور معاف کردے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ○ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ ○ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ ○ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں۔ (متی' باب : ۶' آیت : ۲۸-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹)

اسلام میں کھانے پینے اور پہننے کی فکر کرنا اور اس کے لئے حلال ذرائع سے کسب معاش کرنا پسندیدہ فعل ہے بہ شرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ عبادت کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی اطاعت کرتا رہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ : ۱۰)
سو جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (کاروبار میں) اللہ کا فضل تلاش کرو۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے کاش کہ اس کی طاقت اللہ کے راستے میں خرچ ہوتی! اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستے میں ہے جو قتل کردیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے گا وہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

جب شام ہوئی تو وہ ان بارہ کے ساتھ آیا ○ اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا ○ وہ دلگیر ہونے لگے اور ایک ایک کر کے اس سے کہنے لگے کیا میں ہوں؟ ○ اس نے ان سے کہا وہ بارہ میں سے ایک ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے ○ کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے! اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا ○ (مرقس' باب : ۱۴' آیت ۲۱-۱۷) (نیا عہد نامہ ۴۸)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو ان بارہ میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی ○ اور اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں

بوسہ لوں وہی ہے اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا ○ وہ آ کر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا اے ربی! اور اس کے بوسے لئے ○ انہوں نے اس پر ہاتھ ڈال کر اسے پکڑ لیا ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر سردار کاہن کے نوکر پر چلائی اور اس کا کان اڑا دیا ○ یسوع نے ان سے کہا کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ ○ میں ہر روز تمہارے پاس ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا لیکن یہ اس لئے ہوا ہے کہ نوشتے پورے ہوں ○ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ○ مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا اسے لوگوں نے پکڑا ○ مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔ (مرقس باب : ۱۴ آیت : ۵۲-۴۳) (نیا عہد نامہ : ۴۹)

انجیل کے اس بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک نے حضرت عیسیٰ کو پکڑوایا اور جب مخالفین پکڑنے آئے تو تمام حواری حضرت عیسیٰ کو چھوڑ کر بھاگ گئے اس کے برعکس جب کفار قریش نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے گھر کا ننگی تلواروں کے ساتھ محاصرہ کیا تو حضرت علی آپ کی جگہ آپ کے بستر پر لیٹ گئے غار ثور میں حضرت ابوبکر نے سانپ کے بل پر اپنی ایڑی رکھ دی سانپ نے متواتر ڈنک مارے مگر حضرت ابوبکر نے اپنی ایڑی نہ ہٹائی مبادا آپ کو کوئی گزند پہنچے، صحیح مسلم میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مقداد نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم تو آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے اور پیچھے سے لڑیں گے' امام بیہقی نے روایت کیا ہے جب اہل مکہ حضرت زید بن دثنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے جانے لگے تو ابوسفیان نے کہا اے ابو زید! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور تمہارے بجائے ان کی گردن ماری جاتی؟ حضرت زید نے کہا خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اپنے اہل میں عافیت سے ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے پیر میں کانٹا چبھ جائے۔

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا ایلی۔ ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی' باب:۲۷' آیت:۴۶) (نیا عہد نامہ: ۳۳)

انجیل کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے چھوڑ دیا اور سیدنا محمد ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى — آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۔ (الضحیٰ : ۳)

انبیاء علیہم السلام کے متعلق کتاب مقدس میں لکھا ہے:

کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ ہاں میں نے اپنے گھر کے اندر ان کی شرارت دیکھی خداوند فرماتا ہے ○ اس لئے ان کی راہ ان کے حق میں ایسی ہوگی جیسے تاریکی میں پھسلنی جگہ وہ اس میں رگیدے جائیں گے اور وہاں گریں گے کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں ان پر بلا لاؤں گا یعنی ان کی سزا کا سال ○ اور میں نے سامریہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے انہوں نے بعل کے نام سے نبوت کی میری قوم اسرائیل کو گمراہ کیا ○ میں نے یروشلم کے نبیوں میں ایک ہولناک بات دیکھی وہ زنا کار جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں یہاں تک کہ کوئی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔

(یرمیاہ' باب : ۲۳' آیت : ۱۴-۱۱)(عہد نامہ قدیم : ۷۴۶)

قرآن مجید حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب' حضرت نوح' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے :

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الانعام : ۸۵) یہ سب ہدایت یافتہ اور صالح ہیں

اور حضرت اسمٰعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الانعام : ۸۶) اور ہم نے ان سب کو ان کے زمانہ میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمانوں میں وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۶-۵)

علم محیط اور قدرت کاملہ پر الوہیت کی بناء کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا نہ ہونا

اللہ تعالیٰ تمام کلیات اور جزئیات اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آسمان اور زمین کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان میں سب سے بڑی چیز آسمان اور زمین ہے سو یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو فرمایا ہے وہ ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے تو یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور کمال علم اور کامل قدرت پر ہی الوہیت کا مدار ہے کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنا اس کو قائم رکھنا ان کی ضروریات اور ان کی بہتری کی چیزوں کو فراہم کرنا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنا اور اس کے مطابق ان کو جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور وہی انجام دے سکتا ہے جس کا علم ہر شے پر محیط ہو اور اس کو ہر چیز پر قدرت ہو۔

اس آیت میں عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے تھے اور ان کا شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے یہ ان کا کمال علم ہے' اور وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے یہ کمال قدرت ہے' اور علم اور قدرت کے کمال پر ہی مدار الوہیت ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کو زائل فرمایا ہے کہ اللہ (خدا) وہ ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو دو چار غیب کی باتیں جان لینے سے کوئی شخص خدا نہیں ہوتا' جب کہ وہ دو چار باتیں بھی خدا کی بتائی ہوئی ہوں۔ اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام چیزوں کو جاننے والے نہیں تھے۔ اسی طرح دو چار چیزیں بنا دینے سے کوئی خدا نہیں ہوتا جب کہ ان کا بنانا بھی خدا کی دی ہوئی قدرت سے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مختلف مراحل طے کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ان کی صورت بنائی اور جس طرح چاہا ان کی صورت بنائی اس عمل میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے علم اور قدرت کے بیان کے بعد فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں پہلے دلیل بیان کی پھر دعویٰ کا ذکر فرمایا پھر فرمایا وہ عزیز اور حکیم ہے حکمت کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا یہ اس کے علم محیط کا تقاضا ہے اور عزیز کا معنی ہے غالب اور یہ اس کی قدرت کا تقاضا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ

وہی (اللہ) ہے، جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے (اس کتاب کی) بعض آیات واضح ہیں جو اس کتاب

اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ

کی اصل بنیاد ہیں، اور اس کی بعض آیات متشابہ ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے

فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ

وہ فتنہ جوئی کے لیے اور متشابہ کا محمل نکالنے کے لیے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں،

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقف لازم وقف منزل

حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر

اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور صرف عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ۝

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا

رَحْمَةً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ

فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے ۝ اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے

لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹ ع ع ۱ ۹ ۹

والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۝

آیات محکمات اور متشابہات کے ذکر کی مناسبت

عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء: ۱۷۱)

اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے، جس کو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کی طرف سے روح ہے۔

عیسائیوں نے یہ کہا کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا کلمہ اور اس کی روح کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ قرآن مجید میں محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ آیات بھی ہیں اور یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور متشابہات کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

محکم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ حکم کے معنی ہیں منع کرنا' حکمت کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ عقل اس کے خلاف کرنے کو منع کرتی ہے' اس لئے محکم کا معنی ہے جس میں اشتباہ اور خفاء ممنوع ہو اور محکم وہ آیات ہیں جن میں تاویل اور نسخ ممنوع ہو۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۲۵۳ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

محکم وہ آیت ہے جس میں لفظ کی جہت سے کوئی شبہ پیدا ہو نہ معنی کی جہت سے۔

(المفردات ص ۱۲۸ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس لفظ کی مراد تبدیل' تغیر' تخصیص اور تاویل سے محفوظ ہو وہ محکم ہے اس کی مثال وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں جیسے "اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے" اس آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۸۹ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے محکمات وہ آیات ہیں جو ناسخ ہیں' اور ان میں حلال' حرام' حدود اور فرائض کا بیان ہے اور یہ کہ کس پر ایمان لایا جائے اور کس پر عمل کیا جائے اور متشابہات وہ آیات ہیں جو منسوخ ہیں وہ مقدم اور موخر ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن کا صرف ایک معنی اور ایک محمل ہے اور اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں کئی تاویلات کی گنجائش ہے۔

ابن زید نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں اور ان کے رسولوں کے واقعات اور قصص بیان فرمائے اور سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت کے لئے ان کی تفصیل کی' اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں ان واقعات کو بار بار ذکر فرمایا ہے اور ان کے الفاظ اور معانی میں اختلاف ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا محکم وہ آیات ہیں جن کے معنی اور ان کی تاویل اور تفسیر علماء کو معلوم ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی ان کا علم نہیں ہے' آیات متشابہات میں حروف مقطعہ ہیں جو اوائل سور میں مذکور ہیں جیسے الم' الر' المص وغیرہ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت' اور سورج کب مغرب سے طلوع ہوگا' اور قیامت کب واقع ہوگی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۱۶' ۱۱۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

متشابہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

جس لفظ کا معنی اس لفظ سے معلوم نہ ہوسکے وہ متشابہ ہے' اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس کو محکم کی طرف لوٹانے سے اس کا معنی معلوم ہوجائے دوسری قسم وہ ہے جس کی حقیقت کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور جو شخص اس کے معنی کے درپے ہو وہ بدعتی اور فتنہ پرور ہے' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر لفظ سے اس کی مراد ظاہر ہو تو اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال نہ رکھے تو وہ محکم ہے اور اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال رکھتا ہو لیکن اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو مفسر ہے اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہو لیکن عبارت اس کی وجہ سے لائی گئی ہو تو نص ہے ورنہ وہ ظاہر ہے' اور اگر کسی عارض کی بناء پر لفظ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ خفی ہے اور اگر اس لفظ کی وجہ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ مشکل ہے اور اگر عقل یا نقل سے اس کا ادراک ہوسکے تو وہ مجمل ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کا ادارک نہ ہوسکے تو وہ متشابہ ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

متشابہ کی تین قسمیں ہیں : (اول) جس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابۃ الارض کے نکلنے کا وقت' وغیرہ (ثانی) جس کی معرفت کا انسان کے لئے کوئی ذریعہ ہو جیسے مشکل اور غیرمانوس الفاظ اور مجمل احکام (ثالث) جو ان دونوں کے درمیان ہو علماء راسخین کے لئے اس کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دعا کی تھی : اے اللہ اس کو دین کی فقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما' اس دعا سے اسی قسم کی متشابہ آیات کا علم مراد ہے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے بھی اسی قسم کی دعا کی ہے۔ (المفردات ص ۲۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

جس کا معنی نفس لفظ کی وجہ سے مخفی ہو اور اسکی معرفت کی بالکل امید نہ ہو جیسے اوائل سور میں حروف مقطعات ہیں۔ (کتاب التعریفات ص ۸۶' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

اصولیین کے نزدیک محکم اور متشابہ کی تعریفیں

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں :

لفظ سے جس معنی کا ارادہ کیا گیا ہے اگر اس میں نسخ اور تبدیل ممتنع ہو تو وہ محکم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محکم اپنے معنی کا فائدہ پہنچانے میں انتہائی واضح ہوتا ہے اور چونکہ وہ معنی منسوخ نہیں ہوسکتا اس لئے اس کو محکم کہتے ہیں ہمارے عام اصولیین کی یہی رائے ہے' اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔ (۱) جس میں صرف ایک محمل کی گنجائش ہو۔ (۲) عقل کے نزدیک وہ واضح ہو۔ (۳) وہ ناسخ ہو۔ (۴) اس کے معنی کا علم اور اس کی مراد معلوم ہو۔ (۵) تمام اہل اسلام کے نزدیک اس کا معنی ظاہر ہو اور کسی کا اس معنی میں اختلاف نہ ہو۔ (۶) جو فرائض اور حدود کے بیان پر مشتمل ہو۔ (۷) جو حلال اور حرام کے بیان پر مشتمل ہو۔ محکم کی یہ متعدد تعریفیں ہیں لیکن صحیح تعریف پہلی ہے۔

(کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ متشابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں :

جب کسی لفظ سے اس کی مراد مشتبہ ہو اور اس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو حتیٰ کہ اس کی مراد کی طلب ساقط ہو جائے اور اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد واجب ہو تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔

(کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۴۹ — ۱۴۸ ' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی کے لئے اور متشابہ کا محمل نکالنے کے لئے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (آل عمران : ۷)

زائغین (جن کے دلوں میں کجی ہے) کا مصداق

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے" اس سے مراد نجران کے عیسائی ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے پر استدلال کیا' یہ ربیع کا قول ہے' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہودی عالم حی بن اخطب اور اس کے اصحاب کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے مختلف سورتوں کے اوائل سے حروف مقطعات پڑھے تو وہ ابجد کے حساب سے ان کے عدد نکال کر اس دین کی مدت کا حساب کرنے لگے' اور جب آپ نے کئی حروف پڑھے تو وہ کہنے لگے ہم پر حساب مشتبہ ہو گیا کہ ہم قلیل عدد کا اعتبار کریں یا کثیر کا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اس کتاب میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد منکرین بعثت ہیں' اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مبتدعین ہیں' قرآن مجید کا ظاہر لفظ عموم کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے عموم میں ہر وہ فرقہ داخل ہے جس کے دل میں کجی ہے۔

لا یعلم تاویلہ الا اللہ میں وقف کی تحقیق

"حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا" اس میں اختلاف ہے کہ آیت کے اس حصہ پر وقف کیا جائے گا یا والراسخون فی العلم کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا اور اس پر وقف کیا جائے گا' دوسری صورت میں یہ معنی ہو گا حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم' حسن' عروہ' عمر بن عبدالعزیز' ابی نہیک اسدی' مالک بن انس' کسائی' فراء' جلبائی' اخفش اور ابو عبید کے نزدیک الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا معنی ہے اللہ کے سوا اور کوئی متشابہ کے علم کو نہیں جانتا' علامہ خطابی اور فخر الدین رازی کا بھی یہی موقف ہے۔ مجاہد' ربیع بن انس' محمد بن جعفر بن زبیر اور اکثر متکلمین کے نزدیک والراسخون فی العلم پر وقف ہے اور معنی ہے "حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا" پہلی تفسیر راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات کے علم کے درپے ہونے والوں کی مذمت کی ہے' نیز وقت وقوع قیامت' حضرت عیسیٰ کے نزول اور دجال کے خروج اور دابۃ الارض کے ظہور کا وقت بھی متشابہات میں ہے اور اس کو ماہر علماء نہیں جانتے نیز اللہ تعالیٰ نے ماہر علماء کی مدح اس بات میں کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے" حضرت ابن عباس نے فرمایا قرآن مجید کی تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وہ تفسیر جس میں جہل نہیں ہے۔ (۲) وہ تفسیر جس کو عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جان لیتے ہیں۔ (۳) وہ تفسیر جس کو صرف علماء ماہرین ہی جانتے ہیں۔ (۴) وہ

تفسیر جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن مجید میں ہے :

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی (طٰہٰ : ۵) رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے امام مالک سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا استوی کا مطلب (قائم' قرار گزیں) معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے' امام مالک کے اس جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس آیت میں وقف الا اللہ پر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۸۔ ۲۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

آیات متشابہات کو نازل کرنے کا فائدہ

علماء متقدمین کا یہی مذہب تھا کہ آیات متشابہات کے معنی کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہے' ان پر یہ اعتراض ہوا کہ پھر آیات متشابہات کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس میں علماء کا امتحان ہے۔ جس طرح جاہل کے لئے تحصیل علم مشکل ہے اسی طرح علماء کے لئے کسی لفظ کے معنی میں تدبر اور تفکر نہ کرنا مشکل ہے' سو آیات متشابہات کو نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے علماء کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ ان آیات میں تدبر اور تفکر کرنے سے باز رہیں' نیز علماء امت کو ان آیات متشابہات کے معنی معلوم نہیں ہیں لیکن نبی ﷺ کو ان آیات کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے۔

ملا احمد جیون جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

آیات متشابہات کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس کی مراد حق ہے اگر چہ قیامت سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں ہوگا' اور قیامت کے بعد ان کا معنی ہر شخص پر منکشف ہوجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ' اور یہ امت کے حق میں ہے لیکن نبی ﷺ کو ان کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے ورنہ آپ سے خطاب کرنا بے سود ہوگا اور یہ مہمل الفاظ کے ساتھ خطاب کرنے کے مترادف ہوگا یا ایسے ہوگا جیسے حبشی کے ساتھ کوئی شخص عربی میں گفتگو کرے

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۹۳' مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

آیات متشابہات میں غور و فکر کرنے والے علماء متاخرین کا نظریہ

علماء متقدمین آیات متشابہات میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کو ان کا معنی بیان کرتے تھے' لیکن متاخرین علماء احناف نے جب یہ دیکھا کہ بدمذہب لوگ ان آیات کے ظاہری معنی بتا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں مثلاً" وجہ اللہ سے اللہ کا چہرہ بیان کرتے ہیں' ید اللہ سے اللہ کا ہاتھ "یوم یکشف عن ساق" سے اللہ کے لئے پنڈلی ثابت کرتے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ کرنے کے لئے ان آیات کی تاویلات کیں' اور یہ تصریح کردی کہ یہ تاویلات ظنی ہیں اور ان آیات متشابہات کے صحیح محمل اور حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابوبکر محمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات میں بحث کر رہے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' نیز حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا عنقریب لوگ قرآن کے متشابہ میں بحث کریں گے تو تم سنت کا علم رکھنے والے لوگوں کو لازم

پکڑ لینا۔ (الشریعہ ص ۷۶۔ ۷۲ ، مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض ۱۴۱۳ھ)

ملا احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

متاخرین علماء نے جب یہ دیکھا کہ ملحدین آیات صفات کے ظاہری معانی سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ' مکان اور اعضاء ثابت کررہے ہیں اور حضرت آدم کو اللہ کی روح کا عین ثابت کررہے ہیں ' اور انہوں نے دیکھا کہ عوام کا شریعت پر اعتقاد ضعف کا شکار ہورہا ہے تو انہوں نے ان آیات کی ایسی تاویل کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا جس سے ان آیات کے ذریعہ فاسد عقائد نہ بیان کئے جائیں ' اور وہ معانی اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق ہوں ' متاخرین کے بیان کردہ معانی کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

ونفخت فیہ من روحی (الحجر : ۲۹) اس کا ظاہری معنی ہے : اور میں اس میں اپنی روح سے پھونک دوں ' متاخرین نے اس میں یہ تاویل کی : اور میں اس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح سے پھونک دوں۔

اللہ نور السموات والارض (النور : ۳۵) اس کا ظاہری معنی ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کی روشنی ہے ' اس کی تاویل ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔

ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح : ۱۰) : ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس کی تاویل ہے : ان کی قدرتوں پر اللہ کی قدرت ہے۔

فثم وجہ اللہ (البقرہ : ۱۱۵) سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے ' اس کی تاویل ہے : سو وہیں اللہ کی ذات ہے۔

وجاء ربک (القمر : ۲۲) : اور آپ کا رب آیا ' اس کی تاویل ہے : اور آپ کے رب کا حکم آیا۔

الرحمٰن علی العرش استوی (طٰہٰ : ۵) : رحمٰن عرش پر قائم ہے۔ اس کی تاویل ہے : عرش پر اللہ کی حکومت اور اس کا تسلط ہے۔

یحسرتٰی علی ما فرطت فی جنب اللہ (الزمر : ۵۶) : ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے پہلو میں کیں۔ یعنی اللہ کے جوار رحمت میں ' اللہ کے حضور کے قرب میں ' یا اللہ کے متعلق۔

متاخرین نے آیات صفات کے علاوہ حروف مقطعات میں بھی تاویلات کی ہیں الم (الف لام میم) کے متعلق کہا الف سے اللہ کی طرف لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے ' یعنی اللہ نے جبریل کو سیدنا محمد ﷺ کی طرف قرآن دے کر بھیجا۔ یا اس کا معنی ہے میں اللہ جاننے والا ہوں۔ "المص" کا مطلب ہے میں اللہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہوں۔ "الر" کا معنی ہے میں اللہ دیکھتا ہوں کھیٰعص میں کاف کریم سے ' ھا ھادی سے یا حکیم سے ' عین علیم سے اور صاد صادق سے کنایہ ہے "طٰہٰ" کا معنی ہے اہل بیت کی طہارت کی قسم ' طسم میں طا ذی الطول سے سین قدوس سے میم رحمٰن سے کنایہ ہے ' اس طرح "حم عسق" میں حاء اور میم رحمٰن سے عین علیم سے سین قدوس سے اور قاف قاہر سے کنایہ ہے باقی حروف مقطعات بھی اسی قیاس پر ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ان آیات کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو ان آیات کی تاویل کے درپے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے ' تو پھر ان متاخرین کو ان آیات کا معنی کیسے معلوم ہوگیا؟ اور کیا وہ اس وعید کے مصداق نہیں بنے ' اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے حقیقی معنی اور ان کے قطعی محمل کو اللہ کے سوا کوئی

نہیں جانتا' اور اللہ تعالیٰ نے اسی علم کی اپنے غیر سے نفی کی ہے اور علماء متاخرین نے جو تاویل کی ہے وہ ظنی ہے اور وہ ان کے محامل میں سے ایک محمل ہے' اور کجی ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو ان آیات کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کے خلاف ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کے منافی ہیں۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۹۷۔ ۱۹۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علماء راسخین کی تعریف

علماء راسخین سے مراد ایسے علماء ہیں جنہوں نے دین کا پختہ علم حاصل کیا اور قرآن اور حدیث میں مہارت حاصل کی اور تمام اصول اور فروع پر حاوی ہوں' ان سے عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کے متعلق جو بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دینے پر قادر ہوں۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

علماء راسخین سے مراد ایسے علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہوں' اور ان کو دلائل یقینیہ سے معلوم ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور جب وہ کسی آیت کو دیکھیں کہ اس کا ظاہری معنی قطعی طور پر مراد نہیں ہے تو وہ قطعیت سے جان لیں کہ یہ آیت متشابہ ہے اور اس کی مراد کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے قرآن مجید میں غور کرتے ہیں اور جس آیت کا معنی ظاہری دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے اس کو محکم قرار دیتے ہیں اور جس کا ظاہر دلائل شرعیہ کے خلاف ہوتا ہے اس کو متشابہ قرار دیتے ہیں' اس آیت سے متکلمین کی قدر و منزلت کا علم ہوتا ہے جو دلائل عقلیہ سے بحث کرتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور افعال کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ' لغت' قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفسیر کرنے کے لئے لغت' قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار میں تجربہ کار ہے اور جو شخص ان علوم میں تبحر حاصل کئے بغیر قرآن مجید کی تفسیر کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوگا' اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ علماء راسخین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہوں اور جس شخص کو اصول اور فروع کے مسائل حفظ ہوں اور وہ عمل سے خالی ہو یا بد عمل ہو وہ علماء راسخین میں سے نہیں ہے قرآن مجید میں ہے :

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعه : ۵)

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔

اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم میں راسخ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنی قسم پوری کرے اور اس کی زبان سچی ہو اور اس کا دل (حق پر) مستقیم ہو اور اس کا پیٹ اور اس کی شرم گاہ حرام سے محفوظ ہو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۲ ص ۷ 'مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔ (آل عمران : ۸)

راسخین فی العلم یہ دعا کرتے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔ یا اس دعا کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جن کے دلوں میں کجی ہے اور وہ فتنہ جوئی کے لئے آیات متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ دعا تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کجی پیدا نہ کردے۔

دلوں کو ٹیڑھا کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں مذاہب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا پیدا کرنے والا ہے شر کا خالق نہیں ہے' اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے' کسی شخص کے دل میں کجی اور گمراہی کو پیدا کرنا شر ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں اہل سنت کی دلیل ہے باقی رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی انسان کے دل کو ٹیڑھا کردیا تو اب اس کے گمراہ ہونے اور بدعقیدہ اور بدعمل ہونے میں اس کا کیا قصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان برائی کا کسب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں برائی پیدا کردیتا ہے' انسان کاسب ہے اور اللہ خالق ہے' جب انسان کج روی کا کسب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ٹیڑھا کردیتا ہے' اس کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے :

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (الصف : ۵)

پھر جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کردیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس دعا کا ایک محمل یہ ہے : ہمیں شیطان اور اپنے نفسوں کے شر سے محفوظ رکھ تاکہ ہمارے دل ٹیڑھے نہ ہوں

ایک اور محمل یہ ہے : ہم کو ایسی آفات اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرما جس کے نتیجے میں ہمارے دل ٹیڑھے ہوجائیں یا ہم پر لطف و کرم کرنے کے بعد ان الطاف اور عنایات کو ہم سے سلب نہ کر جس کے نتیجہ میں ہم فتنہ میں پڑجائیں اور ہمارے دل ٹیڑھے ہوجائیں۔

بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا فرماتے تھے : اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ' اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے : اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔

دل کو دین پر ثابت قدم رکھنے کی دعا کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ترمذی' امام ابن جریر' امام طبرانی' اور امام ابن مردویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے اللہ! دلوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا دل بدل جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس قدر بنو آدم اور بشر ہیں سب کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' اگر اللہ چاہتا ہے تو انہیں مستقیم رکھتا ہے اور اللہ چاہتا ہے تو انہیں ٹیڑھا کردیتا ہے' تو ہم اپنے اللہ سے جو ہمارا رب ہے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد

ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرمائے بے شک وہ بہت عطا کرنے والا ہے‘ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک دعا سکھا دیں جو میں اپنے لئے کیا کروں! آپ نے فرمایا تم یہ دعا کیا کرو : اے اللہ! محمد نبی کے رب! میرے گناہ کو بخش دے میرے دل کے غیظ کو دور کر دے‘ اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۱۰‘ مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۲‘ جامع ترمذی ص ۵۰۷‘ جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۵‘ المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۸‘ ۳۶۶)

امام ابن ابی شیبہ‘ امام احمد اور امام ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ‘ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں! آپ نے فرمایا ہر دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے‘ جب وہ چاہتا ہے تو اس دل کو مستقیم رکھتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے اس کو ٹیڑھا کر دیتا ہے‘ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۱۰‘ مسند احمد ج ص ۲۵۱)

امام ابن شیبہ‘ امام احمد اور امام بخاری نے الادب المفرد میں‘ امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور جو کچھ آپ لے کر آئے اس پر ایمان لا چکے ہیں‘ کیا اب آپ کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ ان دلوں کو بدلتا رہتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۰۹‘ الادب المفرد ص ۱۷۶‘ جامع ترمذی ص ۳۱۲‘ جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۶ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے دل چڑیا کی طرح دن میں سات مرتبہ الٹ پلٹ ہوتے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : یہ دل جنگل میں پڑے ہوئے ایک پر کی طرح ہے جس کو ہوا الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰) (الدر المنثور ج ۲ ص ۹-۸‘ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! بے شک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے۔ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۹)

خُلف وعد کا محال ہونا اور خُلف وعید کا جائز ہونا

علماء راسخین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ہدایت دینے کے بعد ان کے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہدایت یافتہ ہونے اور دلوں میں کجی نہ ہونے کا ثمرہ قیامت کے دن ظاہر ہو گا اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں‘ اور جزاء اور سزا کے جاری ہونے کے لئے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں‘ اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ہی انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔

"بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا" اللہ تعالیٰ نے صالحین کو نیک کاموں پر انعام دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعد کہتے ہیں اور فساق مومنین کو برے اعمال پر سزا دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعید کہتے ہیں' اس پر اتفاق ہے کہ خلف وعد محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں سے جو ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا' کیونکہ کریم جب کسی انعام کا وعدہ کرلے تو اس کے خلاف نہیں کرتا' اور اگر وہ اس وعدہ کے خلاف کرے تو یہ اس کا عیب شمار کیا جاتا ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے' اور اگر کریم کسی مجرم کو سزا کی خبر دے اور پھر اس کو سزا نہ دے اور اپنی وعید کے خلاف کرے تو اس پر اس کی مدح کی جاتی ہے اور اسے اس کے محاسن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے خلف وعید جائز ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ نے سود خوروں' قاتلوں اور جھوٹوں پر عذاب کی وعید سنائی ہے لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وعید کے خلاف کرے اور کسی مسلمان کو ان گناہوں پر عذاب نہ دے۔ اب یہ سوال ہو گا کہ اگر خلف وعید کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کا کذب ہونا لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ جن آیات میں عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے وہ عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں یعنی اللہ تعالیٰ قاتل اور سود خور کو دوزخ کا عذاب دے گا بہ شرطیکہ اس کو معاف نہ کرے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے فساق مومنین کو معاف کر دیا اور عذاب نہیں دیا تو اس کا کلام جھوٹا نہیں ہو گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝۱۰ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ

اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ۝ ان کا طریقہ (بھی) قوم فرعون اور

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ

اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۝ آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور

تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲

جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (آل عمران: ۱۰)

مال اور اولاد کے ذکر میں حسن ترتیب کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے احوال بیان فرمائے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں اور قیامت کے وقوع اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں' اب اس آیت سے کفار کے احوال کا ذکر شروع فرمایا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ مومنوں کے بعد کافروں کا ذکر فرماتا ہے۔

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ جن یہودیوں اور مدینہ کے منافقوں نے نبی ﷺ کی نبوت کے برحق ہونے کی معرفت کے باوجود آپ کا انکار کیا اور اپنے دلوں کی کجی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات متشابہات کی خود ساختہ تاویلات کیں ان لوگوں کو قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچاسکے گا اور ان کے پاس دنیا میں جو مال اور اولاد کی کثرت ہے وہ قیامت کے دن کسی کام نہیں آئے گی۔

علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ ایک نصرانی ابوحارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) لیکن اگر میں نے لوگوں پر ان کی نبوت کے برحق ہونے کو ظاہر کردیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے وہ سب مال واپس لے لیں گے جو انہوں نے مجھے دیئے ہیں' اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے مال اور اولاد پر فخر کیا کرتے تھے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کو شامل ہے اس آیت میں مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ انسان مصائب سے خود کو بچانے' فتنہ پھیلانے اور کسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے اولاد کی نسبت مال سے زیادہ کام لیتا ہے اور مال پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی طرح اور آیتوں میں بھی مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے :

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (سبا : ۳۷)
اور (اے لوگو!) نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب کردیں ہاں! جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال : ۲۸)
اور یقین رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید : ۲۰)
یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا (عارضی) زینت اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعراء : ۸۸)
جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

البتہ انسان طبعی طور پر مال کی بہ نسبت اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے اس لئے جہاں انسان کی محبت کا ذکر فرمایا وہاں مال پر اولاد کے ذکر کو مقدم فرمایا :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
لوگوں کے لئے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور

وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط

سونے اور چاندی کے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے۔

(آل عمران : ۱۴)

سو جس جگہ مصائب سے خود کو بچانے' قرب حاصل کرنے اور فتنہ جوئی کا ذکر تھا وہاں مال کے ذکر کو اولاد کے ذکر پر مقدم فرمایا اور جس جگہ محبت کا بیان تھا وہاں اولاد کے ذکر کو مال کے ذکر پر مقدم فرمایا اور یہ انتہائی نکتہ خیز ترتیب اور اعجاز آفریں بلاغت ہے جو سوا اس قادر قیوم کے اور کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کا طریقہ بھی قوم فرعون اور ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۱)

قوم فرعون کے ذکر کی خصوصیت

اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے اب یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کی تکذیب کی ہے ان کا طریقہ پہلے زمانہ کے کافروں کی مثل ہے سو جس طرح اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور ان کو عذاب دیا تھا سو اسی طرح ان پر بھی گرفت کی جائے گی اور ان کو بھی عذاب ہوگا۔ پچھلی امتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قوم فرعون کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ یہاں بنو اسرائیل کے ساتھ کلام ہے اور ان کو معلوم ہے کہ جب قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق کردیا بنی اسرائیل کو ان پر مسلط کردیا اور قوم فرعون کے ملک کا بنو اسرائیل کو وارث کردیا اور انجام کار فرعون کا ٹھکانہ دوزخ ہے' سو یہی حال سیدنا محمد ﷺ کے مخالفوں اور کافروں کا ہوگا دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار کرے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قریش کو شکست فاش دی تو مدینہ پہنچنے کے بعد آپ بنو قینقاع کے بازار میں گئے اور آپ نے یہود کو جمع کرکے فرمایا : اے جماعت یہود! اسلام قبول کرلو ورنہ تمہارا بھی قریش کی طرح حشر ہوگا' یہود نے جواب دیا : اے محمد! (ﷺ) آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا جب ہم سے معرکہ ہوگا تو پتہ چل جائے گا' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ

بیشک تمہارے لیے ان دو جماعتوں میں ایک نشانی تھی جو (میدان بدر میں) باہم صف آرا ہوئے ایک جماعت اللہ کی راہ میں

اللّٰہِ وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَہُمْ مِّثْلَیْہِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰہُ

جنگ کر رہی تھی اور دوسری جماعت کافر تھی، وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو کھلی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ

یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

اپنی مدد کے ذریعہ جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے، بیشک اس واقعہ میں آنکھوں والوں کے لیے ضرور عبرت ہے ○

فتح کا مدار عددی برتری اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے' کیونکہ یہود نے سیدنا محمد ﷺ کے سامنے بہت لاف گزاف کی تھی اور کہا تھا کہ آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پہلی آیت پر دلیل قائم کی ہے کہ واقعہ بدر اس پر دلیل ہے کہ کفار تعداد میں بہت زیادہ تھے ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو مظفر اور منصور کیا' اور یہ اس پر دلیل ہے کہ غلبہ اور فتح کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت پر ہے' یہود یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس اسلحہ کی فراوانی ہے اور ان کو عددی برتری حاصل ہے اس لئے وہ غالب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذعوم کو باطل کر دیا۔

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ان دو جماعتوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اور مشرکین مکہ کی جماعتیں ہیں اور اس آیت میں جس جنگ کا ذکر ہے وہ معرکہ بدر ہے' روایت ہے کہ جنگ بدر میں مشرکوں کی تعداد نو سو پچاس تھی ان میں ابو سفیان اور ابو جہل ایک سو گھڑ سواروں کی قیادت کر رہے تھے ان کے پاس سات سو اونٹ تھے تمام گھڑ سوار لوہے میں غرق تھے ان کے علاوہ پیادوں میں بھی زرہ پوش تھے' اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ہر چار آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا کل چھ زرہیں تھیں اور دو گھوڑے سوار تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۰) دونوں جماعتوں کی ان صفات کو سامنے رکھ کر جب ہم بدر میں مسلمانوں کی فتح کو دیکھتے ہیں تو یہ کہے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بہت بڑی نشانی رکھی تھی۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو حق اور باطل کا یہ اولین معرکہ برپا ہوا تھا۔

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی پر حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے مقابلہ میں کفار کی تعداد تین گنا زیادہ تھی اور اسلحہ بھی بہت زیادہ تھا اس معرکہ میں ساٹھ سے کچھ اوپر مہاجر اور دو سو چالیس سے کچھ اوپر انصار تھے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴) ان کا جنگ سے پہلا سابقہ تھا خصوصاً" انصار زیادہ تر زراعت پیشہ تھے اور ان کا کوئی جنگی تجربہ نہیں تھا' اس کے برخلاف مشرکین مکہ میں سب جنگ کے ماہر اور تجربہ کار تھے اور ماہر اور جنگ کا تجربہ رکھنے والی زیادہ تعداد اور زیادہ اسلحہ پر مشتمل جماعت پر ایک کم تعداد کم اسلحہ اور ناتجربہ کار جماعت کا غالب آجانا اللہ کی بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے۔

(۲) جس روز جنگ ہونی تھی اس سے پہلی شب کو قریش کے لشکر میں شراب کے جام لنڈھائے جا رہے تھے' ساتھ

آنے والی لونڈیاں ناچ گا رہی تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۳۲) دوسری جانب مسلمانوں کے لشکر میں نمازیں پڑھی جا رہی تھیں صبح روزہ رکھنے کی تیاریاں تھیں اللہ کے حضور فتح اور نصرت کے لئے دعائیں اور التجائیں تھیں' سب سے زیادہ خود نبی ﷺ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن دعا کی : اے اللہ! اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرما' اے اللہ! اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی' حضرت ابوبکر ؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا : آپ کے لئے یہ دعا کافی ہے آپ باہر آئے در آں حالیکہ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے :

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر : ۴۵) عنقریب کافروں کا یہ جتھا شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے اصحاب تین سو انیس نفر تھے۔ پھر نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ پھیلا کر مسلسل اللہ سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے رداء مبارک ڈھلک گئی' آپ دعا فرما رہے تھے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر' اے اللہ! تو نے مجھ سے جس کا وعدہ فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا کر' اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی' حضرت ابوبکر آئے انہوں نے آپ کے شانوں سے ڈھلکی ہوئی چادر کو پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالا پھر آپ سے لپٹ گئے اور کہا اے نبی اللہ! آپ نے اپنے رب سے کافی دعا کر لی ہے وہ عنقریب آپ سے کئے ہوئے اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا سو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ (الانفال : ۱۰-۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں' اور اللہ نے اس (نزول ملائکہ) کو صرف خوش خبری بنایا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۳۹ مطبوعہ کراچی' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲-۳۰' مطبوعہ بیروت)

نبی ﷺ کا دعائیں کرنا اظہار عبودیت کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بہت پہلے کافروں کی شکست سے مطلع کر دیا تھا اور آپ نے صحابہ کرام کو بتا دیا کہ معرکہ بدر میں فلاں کافر اس جگہ گرے گا اور فلاں کافر اس جگہ گرے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے' حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا

(یعنی جس جگہ آپ نے جس کافر کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ ' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶ ' ج ۳ ص ۲۵۸ ' ۲۰۹ ' مطبوعہ بیروت ۱۳۹۸ھ ' سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۳ ' مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ معرکہ بدر میں یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور اس سے دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والوں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے باوجود کثرت اور قوت کے شکست کی ذلت میں مبتلا کیا اور اس میں دوسری نشانی یہ ہے کہ اس میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے پہلے ہی پیش گوئی فرمادی تھی کہ کون کافر کس جگہ گر کر مرے گا اور اس میں اس علم غیب کا بیان ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(۳) معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تیسری نشانی یہ تھی کہ مشرکین مکہ کو مسلمان اپنے سے دگنی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے یعنی ان کو مسلمانوں کی تعداد دو ہزار دکھائی دے رہی تھی جس کی وجہ سے ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی اور وہ خوف زدہ ہو گئے۔

(۴) چوتھی نشانی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لئے جنگ بدر میں فرشتوں کو نازل کیا' لیکن یہ واضح رہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو طمانیت اور ان کو بشارت دینے کے لئے تھا کافروں سے لڑنے کے لئے نہیں تھا ورنہ ایک ہزار فرشتوں کو نازل کرنے کی کیا وجہ تھی صرف ایک فرشتہ ہی کافروں کو تہس نہس کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور اگر فرشتے کافروں سے لڑے ہوں تو پھر کفر اور اسلام کے اس پہلے معرکہ اور بدر کی تاریخ ساز جنگ میں صحابہ کا کیا حصہ رہ جاتا ہے اور ان کا یہ کون سا کارنامہ رہ جاتا ہے! نیز قرآن مجید نے فرشتوں کو نازل کرنے کی وجہ صرف مسلمانوں کے لئے طمانیت اور بشارت بیان کی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کی وجہ کو طمانیت اور بشارت میں منحصر کر کے بیان کیا ہے اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے

الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے۔ یہ (سب) دنیا کی زندگی کا

الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

سامان ہے ، اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے ○ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ان (سب)

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

سے بہتر چیز کی خبر (نہ) دوں ؟ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ

کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ

ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بیشک ہم

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ

ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ○ جو صبر کرنے والے ،

الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ

سچ بولنے والے ، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے ، رات کے پچھلے پہر اٹھ کر مغفرت

بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ

طلب کرنے والے ہیں ○ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے

اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ؕ

(شہادت دی) ، درآں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ بہت غلبہ والا حکمت والا ہے ○

النصف

مشکل الفاظ کے معانی

"حب" کے معنی ہیں : کسی چیز کی طرف دل کا مائل ہونا۔ شہوت : جس چیز کی طرف نفس کی تحریک اور ترغیب ہو۔ قناطیر : قنطار کی جمع ہے' قنطار ایک مخصوص وزن ہے اس کی تعبیر ۵۰ کلوگرام کے ساتھ کی گئی ہے۔ مقنطرہ : قنطرہ کا اسم مفعول ہے قنطرہ کا معنی پل ہے' مال کے بہت بڑے ڈھیر کو بھی قنطرہ کہتے ہیں۔ ذھب : سونا' فضہ : چاندی' خیل : جمع ہے اس کا واحد فرس ہے جو من غیر لفظہ ہے اس کا معنی ہے گھوڑے۔ نعم : اونٹ' اس کی جمع انعام

ہے اور جمع کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری سب پر آتا ہے۔ نعامہ شتر مرغ کو کہتے ہیں، رضوان : رضا، جنت کے خازن کا نام بھی رضوان ہے، اسحار : سحر کی جمع ہے اس کا اطلاق طلوع فجر سے پہلے وقت پر ہوتا ہے۔

سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط اور مناسبت۔

اس سے پہلے ہم نے علامہ ابوالحیان اندلسی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ایک نصرانی ابوحارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے برحق رسول ہیں لیکن اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے اپنا تمام دیا ہوا مال و دولت واپس لے لیں گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مال اور دنیا کی اور چیزوں کی محبت فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر و ثواب ہے تو تم فانی چیزوں کی خاطر دائمی چیزوں کو ترک نہ کرو، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت کے اخیر میں فرمایا تھا کہ معرکہ بدر میں آنکھوں والوں کے لئے ضرور عبرت ہے، اس آیت میں عبرت کی تفصیل کی ہے کہ دنیا کی عارضی لذتوں میں منہمک ہو کر آخرت کی دائمی نعمتوں سے غافل نہ ہو۔

متاع دنیا کی تزئین اور آرائش اللہ کی جانب سے بہ طور ابتلاء اور آزمائش ہے

عورتوں، بیٹوں اور مال و دولت کو انسان کی نظر میں بہت خوش نما اور حسین بنا دیا گیا ہے اور اس کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دی گئی ہے اور یہ محبت اس کے دل میں اس طرح مرکوز ہے کہ یہ اس کی طبعی محبت اور اس کا فطری تقاضا بن گئی ہے، اب اس چیز میں بحث کی گئی ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کو مزین کرنے والا کون ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کو مزین کرنے والا شیطان ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (الانفال : ۴۸) اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔

شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور باطل چیزوں کی شہوات کو انسان کی نگاہ میں حسین اور خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے جیسا کہ خود شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا :

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر : ۴۰-۳۹) شیطان نے کہا : اے میرے رب! کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا (تو) میں ضرور ان کے لئے زمین میں (برے کاموں کو) مزین کردوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے اصحاب اخلاص ہیں۔

اور جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ خیر اور شر ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے شیطان کا مزین کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہے اور انسان کے دل میں ان چیزوں کی شہوت کو مزین کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تزئین ابتلاء اور امتحان کے لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ کون لوگ ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہیں ان چیزوں کی محبت اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت سے نہیں روکتی، اور جن کے دلوں میں ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جو اپنی میٹھی نیند اور اپنی ازواج کے قرب کی لذت کو چھوڑ کر رات کے پچھلے پہر اٹھتے ہیں اور سجدوں اور قیام میں صبح کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کے لئے

أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الکہف : ۷)

زینت بنایا تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں (اور یہ ظاہر کریں) کہ ان میں سے کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام : ۱۰۸)

اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے لئے اس کا عمل مزین کردیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ انہیں ان کاموں کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے۔

دین اور دنیا میں توازن اور اعتدال قائم رکھنا اسلام ہے

زیر بحث آیت میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کی شہوات کی محبت کو مزین کردیا گیا ہے اور یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے' اور ان سے بہتر چیز آخرت کی نعمتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں سے محبت نہیں کرنی چاہئے یا ان سے نفرت کرنی چاہئے یا ان کو چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں زیادہ اشتغال اور انہماک نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ انسان دنیا کی زینت اور خوشنمائی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو فراموش کربیٹھے۔ بلکہ انسان معتدل طریقہ پر گامزن ہو اسلام دین فطرت ہے اس میں دین اور دنیا دونوں کے احکام موجود ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف : ۳۳-۳۱)

اے بنو آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس زیب تن کرلیا کرو' اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور اللہ کے رزق میں سے پاک اور لذیذ چیزیں (کس نے حرام کی ہیں) آپ کہئے یہ چیزیں ایمان والوں کے لئے اس دنیا کی زندگی میں (بھی) ہیں اور آخرت میں تو صرف انہی کے لئے ہیں ہم علم والوں کے لئے اسی طرح آیات کی تفصیل کرتے ہیں ○ آپ کہئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زینت کو اور پاک اور لذیذ چیزوں کو اپنے بندوں پر حرام نہیں فرمایا بلکہ ان چیزوں میں اسراف اور حد سے بڑھنے کو حرام فرمایا ہے اور اسی طرح بے حیائی کے کاموں فسق وفجور اور شرک کو حرام فرمایا ہے۔

احادیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جائز طریقے سے اعتدال کے ساتھ دنیا کی زیب وزینت کو حاصل کرنا

موجب اجر وثواب ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس حسین ہو اور اس کی جوتی حسین ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند فرماتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے اثر دیکھنے کو پسند فرماتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ عمل تزویج کرنا بھی صدقہ ہے' صحابہ نے پوچھا : یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص محض اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے یہ عمل کرے تو بھی اس کو اجر ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرتا تو آیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح اگر وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متاع دنیا سے بہرہ اندوز ہونا ممنوع نہیں ہے بلکہ موجب اجر وثواب ہے' ہاں ممنوع یہ ہے کہ انسان صرف دین کے حقوق ادا کرے اور دنیا کے حقوق فراموش کردے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو آپس میں بھائی بنادیا حضرت سلمان' حضرت ابو درداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام درداء (حضرت ابودرداء کی زوجہ) کو میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھا تو ان سے کہا یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پھر حضرت ابودرداء آئے اور حضرت سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور حضرت سلمان سے کہا آپ کھائیں میں روزہ دار ہوں' حضرت سلمان نے کہا جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا' پھر حضرت ابودرداء نے کھانا کھایا جب رات ہوئی حضرت ابودرداء کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے' حضرت سلمان نے کہا سو جاؤ سو وہ سو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نماز کے لئے اٹھے انہوں نے پھر کہا سو جاؤ۔ جب رات کا آخری حصہ ہوگیا تو حضرت سلمان نے کہا اب نماز کے لئے اٹھو اور دونوں نے (تہجد کی) نماز پڑھی' حضرت سلمان نے ان سے کہا تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ سو ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو' حضرت ابودرداء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا! اے عبداللہ! کیا مجھے

یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم (ہر روز) دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ نہ کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' قیام بھی کرو اور نیند بھی لو' کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم مہینہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرو ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو تمہیں پھر دہر (زمانہ) کے روزوں کا اجر مل جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں تین شخص (حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم : مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۶۷) آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا۔ کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی تو مغفرت کردی گئی ہے' ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا' دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا تھا سنو! بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸-۷۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ عورتوں' بچوں' مال و دولت اور اسباب زینت سے جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متمتع اور مستفید ہونا اسلام میں مطلوب ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع ہے' نہ یہ کرے کہ دن رات عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو کر راہبوں کی طرح تارک الدنیا ہوجائے' نہ دنیا داروں کی طرح ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر دین اور شریعت کے تقاضوں کو فراموش کردے' اسلام نے دین اور دنیا دونوں کے متعلق ہدایات دی ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا' اسلام دہریت اور رہبانیت دونوں کے خلاف ہے اور عبادات' معاملات اور سیاسیات کا جامع ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں چھ چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان کی شہوات کی محبت مزین کی گئی ہے عورتیں' بیٹے' سونے چاندی کے ڈھیر' نشان زدہ گھوڑے' مویشی اور کھیتیاں۔ فرمایا کہ یہ دنیا کی زندگی کا متاع ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ ہم اجمالی طور پر ان چھ چیزوں کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے احکام بیان کریں گے' سب سے پہلے عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو بیان کرتے ہیں :

اعتدال کے ساتھ عورتوں کی طرف رغبت کا استحباب

اپنی منکوحہ عورتوں سے اعتدال کے ساتھ انس اور محبت کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ

اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ (الروم : ۲۱)

اور رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی متعلق فرمایا :

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا کی تین چیزوں کی محبت میرے دل میں رکھی گئی ہے۔ عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۸۱ ۱۳ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

عورتوں پر زیادہ اعتماد اور ان کے ساتھ زیادہ اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں عید گاہ گئے۔ آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا : اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ تم زیادہ تر دوزخی ہو۔ عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ ایسی ناقصات عقل اور ناقصات دین نہیں دیکھیں جو بہت زیادہ ہوشیار مرد کی عقل کو بھی سلب کرلیں انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ ان کی عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ (پھر فرمایا) کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آجائے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اعتدال کے ساتھ بیٹوں کی طرف رغبت کا استحباب

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے وجود کو انسان کے حق میں نعمت قرار دیا ہے کیونکہ بیٹے کے وجود سے انسان کی نسل آگے چلتی ہے اور دنیا میں باپ کا ذکر اور چرچا بیٹوں سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (النحل : ۷۲)

اور اللہ نے تم سے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے بیٹے، پوتے اور نواسے پیدا کیے۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ○ (الشعراء : ۱۳۳)

اس نے چوپایوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائی۔

وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح : ۱۲)

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغ اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بنادے گا۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے صدقہ جاریہ' یا وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اپنے ماں باپ کے لئے دعا کرتا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اولاد کے ساتھ محبت میں افراط اور شدت اشتغال سے روکنے کے لئے فرمایا :

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (المنافقون : ۹) اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔

اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ (التغابن : ۱۵) تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

اعتدال کے ساتھ مال کی طرف رغبت کا استحباب

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ (النحل : ۷۱) اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر رزق میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال میں زیادتی کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے' نیز فرمایا :

وَسۡـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ (النساء : ۳۲) اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فقراء مہاجرین نے آکر عرض کیا : یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں' وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرسکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم سبقت کرنے والوں کا اجر پالو اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر سبقت کرو اور کوئی شخص تم سے افضل نہ ہو مگر وہ جو تمہاری مثل اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمدللہ کہو۔ ابو صالح نے کہا پھر فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہمارے مالدار بھائیوں کو ہماری تسبیحات پڑھنے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ہماری طرح تسبیحات پڑھنا شروع کردیں (یعنی وہ پھر مالی عبادت کرنے کی وجہ سے ہم سے بڑھ گئے) آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب مال و دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت میں خرچ کیا جائے اور اگر مال و دولت کو محض مال و دولت کی خاطر جمع کیا جائے تو اس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ۝ (التکاثر : ۲-۱) تمہیں زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کردیا۔ حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝

جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ چورا چورا کردینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔ (الھمزۃ : ۴-۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی مال میں شدید اشتغال اور استغراق کی مذمت فرمائی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا : اے لوگو! نبی ﷺ فرماتے تھے کہ اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ اسے دوسری وادی بھی مل جائے اور اگر اس کو دوسری وادی بھی دے دی جائے تو وہ چاہے گا اسے تیسری وادی بھی مل جائے ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو اللہ سے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۳۔ ۹۵۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اعتدال کے ساتھ گھوڑوں اور مویشیوں کی طرف رغبت کا استحباب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل : ۸-۵)

اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور (مزید) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ۝ اور ان میں تمہارے لئے زینت ہے جب تم شام کو ان کو چرا کر واپس لاتے ہو اور جب انہیں چرنے چھوڑ جاتے ہو ۝ اور وہ مویشی تمہارا وزنی سامان اٹھا کر ان شہروں میں لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت اٹھائے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک تمہارا رب نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے ۝ اور اس نے تمہاری سواری اور زینت کے لئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ (الانفال : ۶۰)

اور (اے مسلمانو) ان کے خلاف جتنی تم میں استطاعت ہے ہتھیاروں کی فراہمی اور گھوڑے باندھنے کی تیاری کرلو ان سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر دھاک بٹھاؤ اور ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک گھوڑا کسی شخص کے لیے باعث اجر ہے ایک گھوڑا باعث ستر ہے اور ایک گھوڑا باعث عذاب ہے۔ جس گھوڑے کو اس نے اللہ کی راہ میں باندھا وہ اس کے لئے باعث اجر ہے اس کو وہ کسی چراگاہ یا باغ میں چرنے کے لئے چھوڑ دے تو جتنی دور وہ چرنے کے لئے

جائے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ پانی پینے کے لئے یا لید کرنے کے لئے جتنے قدم چلے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی' اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ستر ہے (یعنی گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ) یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے لوگوں سے مستغنی ہونے اور سوال سے بچنے کے لئے باندھا ہو پھر اس گھوڑے پر سواری کرنے اور اس پر بوجھ لادنے میں وہ اللہ کے حق کو فراموش نہ کرتا ہو (یعنی اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو) اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ضرر اور عذاب ہے۔ یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے تکبر' ریاکاری اور مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ سے باندھا ہو۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ گھوڑوں اور مویشیوں میں اللہ تعالیٰ نے زینت رکھی ہے اور انسان کے دل میں ان کی محبت ودیعت فرمائی ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے اور بندوں کے ساتھ صلہ رحم کرنے کے لئے ان کو اعتدال کے ساتھ جمع کرے تو یہ مستحب ہے اور باعث اجروثواب اور سبب مغفرت ہے اور اگر ان کو نمود و نمائش اور فخر اور تکبر کے لئے جمع کرے تو ان کا جمع کرنا باعث ضرر اور گناہ ہے۔

اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استحباب

کھیتی باڑی کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ (الواقعۃ: ۶۴-۶۳)

ذرا بتاؤ تو سہی! جو کچھ تم کاشت کرتے ہو آیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی پودا اگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے یا انسان یا جانور تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے معاملہ طے کیا کہ کھیتوں سے جو فصل کی پیداوار حاصل ہوگی اور باغات سے جو پھل حاصل ہوں گے تو (ان کے کام کرنے کے عوض) نصف وہ لیں گے اور (زمین کی ملکیت کی وجہ سے) نصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اپنی ازواج مطہرات کو اسی وسق (۴۸۰ من) کھجوریں اور بیس وسق (۱۲۰ من) جو عطا فرماتے تھے۔ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا خواہ خود زمین میں کاشت کریں یا غلہ کی مقدار مذکور لیں' بعض نے (حساب سے) غلہ لیا اور بعض نے خود کاشت کا انتظام کیا۔ حضرت عائشہ نے کاشت کاری کو اختیار کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت اور کھیتی باڑی میں زیادہ انہماک اور شدت اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ہل کی پھالی اور کچھ آلات زراعت دیکھے تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم کے گھر میں بھی یہ آلات داخل کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ذلت میں مبتلا کر دے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۴-۳۱۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہوات کی محبت انسان کے لئے مزین

کردی گئی ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان ان چھ چیزوں کو بالکلیہ ترک کردے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ان کی محبت میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کو فراموش نہ کرے اور توازن اور اعتدال کے ساتھ ان چیزوں کی محبت میں مشغول رہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ کیا میں تم کو ان (سب) سے بہتر چیزوں کی خبر (نہ) دوں؟ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ○ (آل عمران۔ ۱۶۔ ۱۵)

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اچھے ٹھکانے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس میں باغات ہیں جن میں مسلمان ہمیشہ رہیں گے اور حیض اور نفاس اور برائیوں سے پاک اور صاف بیویاں ہیں یہ انسان کے جسم کی لذتیں ہیں اور روح کی لذت کے لئے اللہ کی رضا ہے اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل اہل جنت سے فرمائے گا : اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لئے حاضر ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے رب! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے! تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے اے رب! اس سے زیادہ افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا حلال کردیتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا! (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے افضل فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں انسان کو جس وقت دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اس وقت بھی اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ جانے کب یہ نعمتیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں' نیز دنیا میں انسان کو اگر کسی ایک وجہ سے راحت میسر ہوتی ہے تو کسی اور طرف سے مصیبت اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص بھی رنج اور فکر سے خالی نہیں ہے' اس کے برعکس آخرت کی نعمتوں میں کسی اعتبار سے فکر اور رنج کی آمیزش نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت میں باغات ہیں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے' اللہ سے ڈرنے والوں سے مراد متقی لوگ ہیں اور متقی وہ مومن ہے جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے مجتنب ہو اور کامل متقی وہ ہے جو خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی محترز ہو۔

کوئی شخص بھی توبہ اور استغفار سے مستغنی نہیں ہے

دوسری آیت میں ہے وہ متقی یہ کہتے ہیں کہ : اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو

بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا! امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ صرف ایمان کی وجہ سے بندہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوتا ہے' کیونکہ جو شخص تمام عبادات کا حامل ہو اور کامل متقی ہو اس کی مغفرت کا نہ ہونا عبث اور قبیح ہے لہٰذا اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے اور جو صرف ایمان سے متصف ہو اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں وہ گناہوں کی معافی کے لئے دعا کرے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے ایمان کے بعد ان کے استغفار کا ذکر کیا ہے' امام رازی نے اپنے موقف پر اس آیت کو بھی پیش کیا ہے :

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۚ (آل عمران : ۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی سے یہ ندا سنی کہ (اے لوگو) اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لائے سو اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹادے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کر۔

امام رازی کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یہ ذکر ہے کہ ان لوگوں نے صرف اپنے ایمان لانے کا ذکر کر کے گناہوں سے استغفار کیا ہے یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جمیع طاعات کرنے کے بعد استغفار کیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۱۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر انسان صرف ایمان لایا ہو اور اس کو عبادت کا موقع نہ ملا ہو یا موقع ملنے کے باوجود اس نے عبادت نہ کی ہو یا گناہ کئے ہوں تب اس کا استغفار کرنا صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کا وعدہ فرمالیا ہے' لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جو کامل متقی ہو اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوگی گناہوں کی مغفرت کے لئے نہیں ہوگی' کیونکہ انسان زندگی کا ہر سانس اطاعت الٰہی میں گزارنے کے باوجود اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر سے عہد برآ نہیں ہوسکتا اور یہ عدل و انصاف سے ہرگز بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے شکر میں کوتاہی کرنے پر گرفت کرے اور اس کو عذاب دے' اس لئے بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی استغفار کرنے اور تقصیر طاعت پر معافی مانگنے سے مستغنی نہیں ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' البتہ تم ہمیشہ نیک کام کرتے رہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو ضرور عذاب دے گا درآں حالیکہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز اس آیت کے بعد جو قرآن مجید کی آیت ہے اس میں صاف اور صریح طور پر نیک لوگوں کے استغفار کرنے کا ذکر ہے :

اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ (آل عمران : ۱۷)

جو صبر کرنے والے' سچ بولنے والے' اللہ کی اطاعت کرنے والے اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور رات کے

آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سیدنا محمد ﷺ سے بڑھ کر کون اطاعت شعار اور عبادت گزار ہے اور آپ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے' امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ص ۹۳۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نبی ﷺ معصوم ہیں نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ' کبیرہ گناہ سہوا" یا عمدا'' صورۃ" یا حقیقتا" آپ سے کبھی صادر نہیں ہوا' پھر آپ کا استغفار کرنا اور توبہ کرنا اس لئے تھا کہ فی نفسہ توبہ اور استغفار عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر : ۳)

اور آپ کا توبہ اور استغفار کرنا اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (البقرہ : ۲۲۲) بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یا آپ نے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں یا ترک اولیٰ کی وجہ سے استغفار کیا' یا بعض اوقات آپ امت کی تبلیغ' کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات' ازواج مطہرات کے حقوق' جہاد اور اس نوع کے دیگر کاموں میں مشغول ہوتے اور آپ کا جو خاص مقام تھا کہ اللہ کے حضور میں اس طرح متوجہ ہوتے کہ اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے' ان امور میں اشتغال کی وجہ سے اس مقام میں فرق آجاتا آپ اس پر توبہ اور استغفار کرتے' ہرچند کہ ان امور میں مشغول ہونا بھی عظیم عبادات میں سے ہے' یا آپ کا حال دائما" ترقی پذیر تھا اور آپ اگلے حال کو دیکھ کر پچھلے حال پر استغفار کرتے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی کماحقہ عبادت نہیں ہو سکی اگرچہ آپ سب سے بڑے عبادت گزار تھے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ کی تمام نعمتوں پر کماحقہ شکر ادا نہیں ہو سکا یا اس لئے کہ اللہ کی جیسی حمد و ثناء ہونی چاہئے تھی نہیں ہو سکی یا تواضعا" استغفار کرتے یا تعلیم امت کے لئے استغفار کرتے۔ بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ کوئی شخص بھی اللہ سے توبہ اور استغفار کرنے سے مستغنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو صبر کرنے والے' سچ بولنے والے' (اللہ کی) اطاعت کرنے والے' (راہ خدا میں) خرچ کرنے والے' رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرنے والے ہیں۔

رات کے پچھلے پہر استغفار کرنے کی خصوصیت اور استغفار کی فضیلت

صبر کا معنی ہے ہر وہ ناگوار اور ناپسندیدہ چیز جس کو برداشت کرنا' مشکل اور دشوار ہو اس کو برداشت کرنا' اس آیت میں صبر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشقت کو برداشت کرتے ہیں' حرام کاموں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو روکتے ہیں جن کی نیتوں میں صدق اور اخلاص ہے۔ جن کے دل ایمان پر ثابت قدم ہیں جو ہروقت سچ بولتے ہیں' خلوت اور جلوت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رات کے آخری پہر اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور

استغفار کرتے ہیں۔

"قانتین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی عبادت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پناہ مانگتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرض' واجب اور مستحب ہر قسم کے صدقات ظاہر اور خفیہ ہر طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ اس آیت میں "قانتین" یعنی اطاعت گزاروں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں' اس میں یہ نکتہ ہے کہ بندے سے وہ استغفار مطلوب ہے جو ترک معصیت اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقرون ہو اور اگر انسان اپنی معصیت پر برقرار رہے اور خالی زبان سے استغفار کرتا رہے تو اس کا یہ استغفار کافی نہیں ہے' کیونکہ وہ شخص جو گناہوں پر اصرار کرتا رہے اور زبان سے استغفار کرتا رہے تو وہ گویا اپنے رب سے استہزا کر رہا ہے۔

استغفار کے لئے رات کے آخری حصہ کی تخصیص کی گئی ہے کیونکہ اس وقت سکون اور سناٹا ہوتا ہے اور بندہ خدا کے سامنے جو آہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتا ہے اسے دیکھنے والا کوئی تیسرا نہیں ہوتا' نیز یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ سحر کے وقت رات کی ظلمت جارہی ہوتی ہے اور صبح کا نور آرہا ہوتا ہے اور ظلمت کے مقابلہ میں نور اس طرح ہے جس طرح موت کے مقابلہ میں حیات ہوتی ہے اور یہ عالم کبیر کی حیات ہے اور انسان عالم صغیر ہے جب وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے تو نیند کے بعد اس کی بیداری بھی موت کے بعد بہ منزلہ حیات ہے اور یہ وہ وقت ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت انسان کو بہت میٹھی نیند آتی ہے اور اس کا انتہائی میٹھی نیند کو چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لئے کھڑا ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے انتہائی محبت کرنے والا اور اس کا بہت اطاعت گزار ہے اس لئے اس وقت استغفار کرنے والوں پر اللہ بہت مہربان ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب تیسرا حصہ باقی رہتا ہے آسمان دنیا کی طرف نازل (متوجہ) ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں! کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' اور کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کی مغفرت کردوں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جس نے تہجد کی نماز پڑھی اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کیا اس کا نام سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

استغفار بلکہ ہر دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان حضور قلب اور خشوع اور خضوع سے دعا کرے یہ نہ ہو کہ دل اور دماغ کہیں اور ہوں اور اللہ سے دعا کر رہا ہو۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تم کو قبولیت کا یقین ہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لہو میں مشغول اور غافل قلب کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

یوں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کے لئے قرآن اور حدیث میں بہت سی دعائیں ہیں لیکن جس دعا کو نبی ﷺ نے سید الاستغفار فرمایا ہے وہ یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ دعا کرے : اے اللہ تو میرا رب ہے! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں' میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں میں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں سو میری مغفرت فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت کرنے والا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور اس دن شام سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا اور جس نے رات کو یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور وہ اسی رات کو صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کو حل کر دے گا' ہر تنگی میں اس کے لئے فراخی کر دے گا اور جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (گواہی دی) در آں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۸)

مشکل الفاظ کے معانی

شہادت کا معنی ہے کسی یقینی بات کی خبر دینا یا کسی امر واقعی کا اظہار اور بیان کرنا۔ یہ اظہار یا تو مشاہدہ حسیہ پر مبنی ہوتا ہے یا مشاہدہ معنویہ پر مبنی ہوتا ہے۔ مشاہدہ معنویہ سے مراد دلائل اور براہین ہیں۔ اولوالعلم۔ اصحاب علم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دلائل اور براہین سے لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام' فقہاء مجتہدین اور علماء ہیں۔ قائما بالقسط۔ اس سے مراد ہے اپنی تدبیر سے نظام عالم کو کیفیت متوسطہ پر قائم رکھنے والا اور دین اور شریعت میں متوسط عقائد اور احکام کا مکلف کرنے والا۔

آیت مذکور کے شان نزول میں متعدد اقوال

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

شام کے دو عالم مدینہ منورہ آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر اس نبی کے شہر سے بہت مشابہ ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہے' پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی کتاب میں لکھی ہوئی نعت سے پہچان لیا ان دونوں نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا آپ محمد ہیں؟ (ﷺ) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا کیا آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے ایک شہادت کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے

آپ نے فرمایا تم مجھ سے سوال کرو۔ انہوں نے کہا یہ بتلائیے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (الآیہ) تو وہ دونوں مسلمان ہو گئے' ابن جبیر نے کہا بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام بت سجدے میں گر پڑے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے مناظرہ کیا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اپنے دین کو اسلام کی بجائے یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کر دیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علماء دین کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کے شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اور خود انسان کے نفس میں اپنی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کر دیئے ہیں اور فرشتوں اور رسولوں کو اپنی الوہیت اور وحدانیت کی خبر دی ہے اور رسولوں نے علماء اور عوام کو خبر دی ہے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں نے اور علماء نے اللہ کے واحد اور مستحق عبادت ہونے کی خبر دی ہے۔

اس آیت میں علماء دین کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی شہادت کے بعد علماء دین کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی علماء کی فضیلت مذکور ہے ان میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۴) — اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ فرما۔

اگر علم کے علاوہ کسی اور چیز میں فضیلت ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس چیز میں زیادتی کے حصول کی تلقین فرماتا۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر : ۹) — آپ کہئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ برابر ہیں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (الفاطر : ۲۸) — اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت : ۴۳) — اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔

بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں علماء دین کی فضیلت کا بیان ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے' اور اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جو قوم کتاب اللہ کی تلاوت کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے' انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کو فرشتے

گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس فرشتوں میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کردے تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بہ خدا اگر اللہ تمہارے سبب سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کرلیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کو اس کے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنائے گا جو سب جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عابد تھا دوسرا عالم تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جس طرح میری تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی بھی اپنے سوراخ میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ : جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور بے شک طالب علم کی رضا جوئی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کی ستاروں پر اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے علم کو حاصل کرلیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کرلیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

ابو جعفر نے کہا عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ

بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود

اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ

جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا،

وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنۡ

اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ اور (اے محبوب)

حَآجُّوۡکَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡہِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلۡ

اگر پھر بھی یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لیے اسلام قبول کرلیا ہے' اور

لِّلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَالۡاُمِّیّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ

آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیے کیا تم نے اسلام قبول کرلیا؛ پھر اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہے

اہۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

تو وہ ہدایت پا گئے ہیں اور اگر انھوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

ع ۱۱

اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اصطلاح شرع کے اعتبار سے اسلام کا معنی ہے نبی ﷺ اللہ کے پاس سے جو خبریں اور احکام لے کر آئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کو ماننا اور یہی ایمان کا اصطلاحی معنی ہے اور اس اعتبار سے ایمان اور اسلام واحد ہیں البتہ لغت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے' ایمان کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو مامون اور بے خوف کرنا۔ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اپنے آپ کو دوزخ کے دائمی عذاب سے محفوظ کرلیتا ہے' اور اسلام کا لغوی معنی ہے اطاعت کرنا سلامتی میں داخل ہونا اور اخلاص' جب انسان اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے دنیا میں اس کی جان اور مال سلامتی میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ عذاب سے سلامت رہتا ہے' اور جو شخص جتنا پکا مسلمان ہوتا ہے اس کے دین میں اتنا زیادہ اخلاص ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہم نے وضاحت کے ساتھ دین کا معنی بیان کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں جو عقائد اور اصول مشترک رہے ہیں ان کا نام دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔○ (آل عمران : ۱۹)

اہل کتاب کے اختلاف کا بیان

اس آیت میں جن اہل کتاب کے اختلاف کا ذکر ہے اس کے مصداق کی تعیین میں حسب ذیل اقوال ہیں :

(۱) اس سے مراد یہود ہیں اور ان کے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر امین بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا۔ پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد در اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے باوجود باہمی حسد اور عناد کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

(۲) اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور باوجود انجیل کی تعلیمات کے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا اور انہیں عبد اللہ کی بجائے ابن اللہ کہا۔

(۳) اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور ان کا آپس میں اختلاف یہ تھا کہ یہود نے کہا کہ عزیر ابن اللہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن اللہ ہیں' اور ان دونوں نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ قریش مکہ کی بہ نسبت نبوت کے ہم زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ ان پڑھ لوگ ہیں اور ہم اہل کتاب ہیں باوجود اس کے کہ ان کے پاس سیدنا محمد ﷺ کی تصدیق کے متعلق علم آچکا تھا' ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق اوصاف' علامات اور پیش گوئیاں تھیں۔ قرآن مجید میں ایسی آیات نازل ہو رہی تھیں جن کی تائید اور تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور نبی ﷺ سے ایسے معجزات کا ظہور ہو رہا تھا جن سے آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر کا اور ان کی تمام بد اعمالیوں کا علم ہے اس نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے وہ بہت جلد ان کا حساب لے گا اور ان کو ان کے جرائم کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے محبوب!) اگر پھر بھی یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔

یہ آیت سیدنا محمد ﷺ کے دین کے تمام مخالفین کو شامل ہے عام ازیں کہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ مجوس ہوں یا بت پرست ہوں اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے علم آنے کے باوجود سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں اختلاف کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا' اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے جواب میں یہ کہیں کہ میں نے تو اللہ کے حضور میں اپنا سر نیاز خم کر دیا ہے' کیونکہ اس سے پہلے نبی ﷺ اپنی نبوت کے صدق پر معجزات کو ظاہر کر چکے تھے' درخت آپ کے بلانے پر چلے آئے۔ ہرنی نے آپ سے کلام کیا۔ گوہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ پتھر آپ پر سلام عرض کرتے تھے چاند اور سورج آپ کے زیر تصرف تھے نیز اس سے پہلے جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بھی آپ کے دین کے صدق کا بیان تھا۔ جب الحی القیوم فرمایا تو عیسائیوں کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ خدا وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہو' حضرت عیسیٰ پہلے نہ تھے پھر پیدا ہوئے اور مسیحی عقیدہ کے مطابق ان کو سولی دی گئی اور وہ فوت ہو گئے اور بہر حال

قیامت سے پہلے ایک دن انہوں نے فوت ہونا ہے‘ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے اس معجزہ کا ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت قلیل تھی لیکن کافروں کو دوچند نظر آتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی شہادت کا ذکر کیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی بدعقیدگیوں اور ان کے تمام شبہات کا رد فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلائل قائم کیے اگر اس سب کے باوجود یہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو بہرحال اپنا سرنیاز اللہ کے سامنے خم کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے کیا تم نے اسلام قبول کرلیا؟ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ہدایت پاگئے ہیں اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس آیت میں ان پڑھ لوگوں کو بھی مخاطب کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم نے لکھا تھا کہ اس آیت میں تمام کفار سے خطاب ہے‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ آپ ان سے کہئے کہ تم اسلام قبول کرلو۔ امر کے بجائے استفہام سے خطاب فرمایا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا مخاطب بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہے اور وہ انصاف پسند نہیں ہے‘ کیونکہ منصف مزاج شخص کے سامنے جب کوئی چیز دلیل سے ثابت ہوجائے تو پھر وہ حیل و حجت نہیں کرتا اور اس کو فوراً قبول کرلیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے ہیں

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ

اور عدل و انصاف کا حکم دینے والے لوگوں قتل کرتے ہیں آپ ان کو دردناک

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب

نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کا علم دیا گیا، انھیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرے

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

پھران میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے ○ اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب یہ ہے کہ انہوں

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی، اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ

دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر باندھتے تھے ○ اور کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ یوں عرض کیجیے اے اللہ! ملک کے

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ

مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ

تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے، سب بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے بیشک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ

چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ

اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے

مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

بے حساب رزق دیتا ہے ○

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ وہ اعراض کرنے والے کون لوگ ہیں، آل عمران کی اس آیت : ۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے ان

لوگوں کی تین صفات بیان کی ہیں : (۱) یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں (۲) نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں (۳) عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء وناصحین کو قتل کرتے ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! قیامت کے دن کن لوگوں کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس شخص نے نبی کو قتل کیا یا نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی : بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں (الآیہ) پھر آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ! بنو اسرائیل نے صبح کے اول وقت میں تینتالیس نبیوں کو قتل کردیا' تو بنو اسرائیل کے ایک سو بارہ عبادت گزار علماء کھڑے ہوئے انہوں نے ان کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو بنو اسرائیل نے اس دن کے آخری حصہ میں ان سب کو قتل کردیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۵۔ ۱۴۴ مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اللہ تعالیٰ کی تمام آیتوں کا انکار ہے

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں حالانکہ یہود اللہ تعالیٰ کو' فرشتوں کو' آسمانی کتابوں کو' انبیاء سابقین کو' قیامت' حشر ونشر' حساب وکتاب اور عذاب وثواب کو ماننے والے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور تورات اور قرآن مجید میں آپ کی نبوت کے متعلق جو آیات ہیں ان کا انکار کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار اس کی تمام آیتوں کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ جس خدا نے باقی آیات نازل کی ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق آیتیں بھی اسی نے نازل کی ہیں اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرنا تمام آیات الہیہ کا انکار کرنا ہے اس وجہ سے فرمایا یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سری شہادت

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نبیوں کو قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء ناصحین کو قتل کرتے ہیں' حالانکہ یہ قتل تو ان مخاطبین یہود کے آباؤ اجداد نے کیا تھا تو اس فعل پر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباؤ اجداد کی سیرت کو لائق تحسین اور قابل تقلید گردانتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے' اس لئے ان افعال پر ان یہودیوں کی بھی مذمت کی گئی دوسرا جواب یہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی روش پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور مشرکین کے ساتھ ساز باز کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور خیبر میں ایک یہودی عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کا لقمہ کھلایا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس زہر کے اثر کو فی الفور روک لیا لیکن تین سال بعد اسی زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی اور آپ نے بھی سری شہادت پائی۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ نے فرمایا : اے عائشہ! میں ہمیشہ اس طعام کے درد کو محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس زہر کے اثر سے میرے قلب کی رگ کے منقطع ہونے کا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۷ مطبوعہ کراچی)

ظالم حکام کے سامنے حق بیان کرنا افضل جہاد ہے

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے بنو اسرائیل نے ایک سو بارہ علماء کو قتل کر دیا' اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ عزیمت اور شریعت میں اصل یہ ہے کہ مسلمان جان کی پرواہ کیے بغیر حق کا اظہار کرے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے راستہ میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے۔ امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا اس وقت آپ نے رکاب میں پیر رکھا ہوا تھا : کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۶ مطبوعہ کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد (ج ۲ ص ۴۱) امام ترمذی (ص ۳۱۶) ابن ماجہ (ص ۲۸۹) امام حمیدی (ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۱) امام بیہقی (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۳) اور امام احمد (ج ۳ ص ۶۱) نے بھی روایت کیا ہے' اور یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سے شہداء سب سے زیادہ مکرم ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس نے کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور حاکم نے اس شخص کو شہید کر دیا۔ (مسند بزار)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے حق ظاہر ہونے کے بعد اس کو بیان کرنے سے اور کسی بڑی بات کا ذکر کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ لوگوں کا دباؤ موت کو قریب کرتا ہے نہ رزق کو دور کرتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۲) (مسند احمد ج ۳ ص ۹۲-۸۷-۷۰-۴۴۔ مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۴۷)

نیز حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص ہے جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کو (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا تو اس حاکم نے اس کو شہید کر دیا۔ (المعجم الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور برائی سے منع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے برے لوگوں کو تم پر مسلط کر دے گا پھر تمہارے نیک لوگ (بھی) دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہو گی۔ (مجمع ج ۷ ص ۲۶۶)

مصیبت سے بچنے کے لئے کلمہ حق نہ کہنے کا جواز

اصل' عزیمت اور افضل تو یہی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان کا خطرہ ہو پھر بھی وہ اظہار حق سے باز نہ رہے لیکن شریعت میں یہ رخصت بھی دی گئی ہے کہ جب حق بات کہنے سے اس کی اپنی یا کسی اور کی جان کا خطرہ ہو تو وہ اپنے آپ کو

خطرہ میں نہ ڈالے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے خود کو ذلت میں ڈالنا جائز نہیں ہے آپ سے پوچھا گیا کہ ذلت میں ڈالنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا وہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۴۔ ۲۷۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجاج سے خطبہ میں ایسی چیزیں سنیں جن کا میں انکار کرتا تھا میں نے اس کا رد کرنے کا ارادہ کیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آئی کہ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر کی سند جید ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الاوسط میں حضرت علی سے بھی روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۵' ۲۷۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آیا میں اپنے امام کو نیکی کو حکم دوں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ تم کو قتل کردے گا تو پھر نہ دو۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔○ (آل عمران : ۲۲۔۲۱)

یہود کے جرائم پر سزاؤں کا ترتب

ان یہودیوں کے تین جرائم بیان کئے گئے تھے' اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنا' نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور علماء ناصحین کو قتل کرنا' اب اس کے مقابلہ میں ان کے لئے تین سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کے اعمال کا دنیا میں ضائع ہونا۔ آخرت میں ضائع ہونا اور ان کے لئے کسی مددگار کا نہ ہونا۔ دنیا میں ان کے اعمال کے ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے کئے ہوئے اچھے کاموں کی دنیا میں تحسین نہیں ہوگی' جہاد میں ان کو قتل کردیا جائے گا اور میدان جہاد میں ان کا جو مال ہاتھ آئے گا وہ بطور مال غنیمت ضبط کرلیا جائے گا اور جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں گے ان کو غلام بنانا جائز ہوگا' اور آخرت میں اعمال ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت میں ان کی نیکیوں پر ان کو اجر وثواب کے بدلہ عذاب ہوگا' اور تیسری سزا یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی شفاعت سے محروم ہوں گے' انہیں جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جن کاموں پر انہیں عذاب ہوگا یہ ان کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ اچھے کام ہیں تو پھر ان کے لئے یہ خوشخبری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا' انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے' پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے۔

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا : اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لئے اسلام قبول کرلیا ہے' اور یہ بتایا تھا کہ انہوں نے عناداً" اعراض کیا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے عناد کی انتہاء یہ ہے کہ انہیں ان کی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے تو وہ اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے مدرسہ میں گئے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ان یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی ملت پر' انہوں نے کہا ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا تورات لاؤ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے۔ انہوں نے اس سے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے تو پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۵' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر باندھتے تھے۔

(آل عمران : ۲۴)

یہود جو اللہ پر افتراء باندھتے تھے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ ہمیں صرف گنتی کے چند دن آگ جلائے گی وہ کہتے تھے کہ انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی سو ان کو چالیس دن کا عذاب ہوگا نیز وہ کہتے تھے کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اس لئے ان سے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوگا اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور آپ باطل پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(آل عمران : ۲۵)

اس آیت میں یہود کے افعال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کے مخاطبین کو اس پر تعجب کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود کو جمع فرمائے گا جس دن نسب منقطع ہو جائیں گے اور کسی شخص کے کام نہ اس کا مال آئے گا نہ اس کی اولاد کام آئے گی اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (الانبیاء : ۴۷)

قیامت کے دن ہم انصاف کی میزانیں رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔

بلاتوبہ مرتکب کبیرہ مرنے والے مومن کی مغفرت میں مذاہب

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مومن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ توبہ کئے بغیر مرجائے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو اس کے ایمان کی جزا بھی تو دینی ہے اب یا تو وہ ایمان کی جزا پانے کے بعد جنت سے نکال کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا یا گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد اس کو جنت میں داخل کیا جائے' دوسری صورت میں ہمارا مدعا ثابت ہے اور پہلی صورت اجماعا" باطل ہے' نیز قرآن مجید میں ہے کسی شخص کو جنت میں داخل کرنے کے بعد اس کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر : ۴۸)

انہیں جنت میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتکب کبیرہ مومن کو جنت سے نکال کر دوزخ میں ڈال دیا جائے اس لئے یا تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم یا نبی ﷺ کی شفاعت سے اس مومن کو بخش دے گا جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مرگیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اسے جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کی سزا کے لئے دوزخ میں ڈالے گا اور پھر اس شخص کو اس کے ایمان کی جزا دینے کے لئے جنت میں داخل کردے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گناہ کی وجہ سے اس کا ایمان ضائع کر دیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بداہتہ" باطل ہے۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ ایک لحظہ کا ایمان ستر سال کے کفر کو ساقط کر دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ستر سال کا ایمان ایک لحظہ کے گناہ سے ساقط ہو جائے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال : ۷) سو جس نے ذرہ برابر (بھی) نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا۔

اگر کسی مومن کو اس کے ایمان کی جزا نہ دی جائے تو اس آیت کے خلاف ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ یوں عرض کیجئے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ (آل عمران : ۲۶)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور بہ ظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ یہ دعا کریں : اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین

لیتا ہے یعنی ملک اور بادشاہی اللہ کے اختیار میں ہے اس پر بندوں کا اقتدار نہیں ہے۔

روم اور فارس کی فتح کی پیش گوئی

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :
روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا اور آپ نے اپنی امت سے روم اور فارس کی سلطنتوں کا وعدہ کیا تو یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہاں روم اور فارس کے ملک اور کہاں محمد! ﷺ یہ بہت بعید بات ہے' اور ایک روایت یہ ہے کہ جب غزوہ احزاب میں نبی ﷺ نے خندق کے نشان لگائے اور ہر دس آدمیوں کی جماعت کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودتے ہوئے ایک ایسی چٹان آگئی جو کسی کدال اور پھاوڑے سے نہ ٹوٹتی تھی تب صحابہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے پاس بھیجا اور انہوں نے آکر آپ کو بتایا۔ نبی ﷺ نے حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک ضرب لگائی تو آپ کی ضرب سے چنگاریاں اڑیں اور اندھیری رات میں بجلی کی طرح روشنی پیدا ہوئی آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا مسلمانوں نے بھی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس روشنی میں مجھے حیرہ کے محلات نظر آئے' پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے روم کے محلات نظر آئے' پھر تیسری ضرب لگائی تو فرمایا اس روشنی میں مجھے صنعاء کے محلات نظر آئے اور مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر خبر دی کہ میری امت ان تمام ملکوں پر قابض اور غالب ہو گی سو تمہیں خوش خبری ہو۔ یہ سن کر منافقوں نے کہا تم کو اپنے نبی پر تعجب نہیں ہوتا وہ تم سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور وہ تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ یثرب سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات کو دیکھ رہا ہے اور وہ ملک تمہارے لئے فتح ہوں گے حالانکہ تم مارے خوف کے خندقیں کھود رہے ہو' اور تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان خندقوں سے باہر نکل کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکو' تب یہ آیت نازل ہوئی : آپ دعا کیجئے اے اللہ ملک کے مالک! تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک چھین لیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا : اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو فارس اور روم کے ملکوں پر غلبہ عطا فرمائے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے مقامات اسی طرح ہیں انہیں جب کسی دعا کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث میں آپ کے کئی معجزات کا بیان ہے جو چٹان کسی سے نہ ٹوٹتی تھی وہ آپ کی ایک ضرب سے ٹوٹ کر بکھر گئی آپ نے اپنی ضرب سے پیدا ہونے والی چمک میں دور دراز ملکوں کے محلات دیکھے آپ نے اپنی امت کو روم اور فارس پر فتح کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی۔

سیدنا محمد ﷺ کے نبی ہونے پر مخالفین کے اعتراض کا جواب

"مالک الملک" میں ملک سے مراد سلطنت اور غلبہ ہے ایک قول ہے اس سے مراد مال اور غلام ہیں اور مجاہد نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' ملک سے نبوت مراد ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ علماء ربانیین کی مخلوق کے باطن پر حکومت ہوتی ہے اور بادشاہوں کی مخلوق کے ظاہر پر حکومت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حکم مخلوق کے ظاہر اور باطن دونوں پر نافذ ہوتا ہے اور علماء ہوں یا حکام دونوں نبی علیہ السلام کے حکم کے تابع ہوتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا ملک بادشاہوں کے

ملک سے زیادہ عظیم اور وقیع ہے۔ ادھر مشرکین نبی ﷺ کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ تعجب سے کہتے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو رسول بناتا تب بھی اس کو کسی پیکر انسانی میں بھیجتا اور وہ پھر اسی شبہ میں مبتلا ہوتے اور بعض مشرک یہ کہتے تھے کہ اگر کسی بشر نے ہی رسول ہونا تھا تو اللہ تعالیٰ کسی بہت بڑے دولتمند یا کسی بہت بڑے سردار کو رسول بناتا ایک خاک نشیں یتیم کو اللہ نے رسول کیسے بنا دیا؟ یہود کہتے تھے کہ نبوت تو ہمارے آباء اور اسلاف میں تھی قریش ان پڑھ لوگ ہیں ان میں نبی کیسے مبعوث ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان تمام منکروں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سبحانہ مالک الملک ہے' نبوت کا مالک ہے وہ جس کو چاہے نبوت عطا فرمائے' اس تقریر پر یہ اعتراض ہے کہ پھر ملک چھیننے کا معنی ہوگا کہ وہ جس سے چاہے نبوت چھین لیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے نبوت سلب نہیں فرماتا! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کی نسل میں نبوت رکھے اور اس میں نسل در نسل نبی آتے رہیں پھر اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کی نسل میں نبوت رکھ دے تو یہ بات صادق آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی نسل سے نبوت کو سلب کر لیا اور دوسرے شخص کو نبوت عطا کر دی اور یہاں ایسا ہی ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بنو اسرائیل کی نسل میں نبوت رکھی اور پھر یہ نبوت بنو اسماعیل کی نسل میں سے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کر دی۔

اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے لیکن یہاں فرمایا ہے کہ سب خیر تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور شر کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ادب کا تقاضا ہے اللہ کی طرف شر کی نسبت نہ کی جائے بلکہ شر کی نسبت اس کے کاسب کی طرف کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عظیم مظاہر میں سے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے سردیوں میں بتدریج رات لمبی ہوتی رہتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا رہتا ہے اور گرمیوں میں دن بتدریج لمبا ہوتا رہتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی رہتی ہے کبھی دن اور رات میں بہت فرق ہوتا ہے اور کبھی دونوں معتدل ہوتے ہیں اور قطبین میں یہ فرق بہت زیادہ ہو جاتا ہے وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور بلغاریہ میں سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹہ بعد صبح طلوع ہو جاتی ہے اور وہاں کے رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یا تو اس سے مادی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ بیج سے درخت کو نکالتا ہے' نطفہ سے انسان کو اور انڈے سے پرندے کو یا اس سے معنوی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ جاہل سے عالم کو پیدا کرتا ہے اور کافر سے مومن کو پیدا کرتا ہے' اور مردہ کو زندہ سے نکالنا اس کے برعکس ہے جیسے بیج کو درخت سے نطفہ کو انسان اور جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے مال اور رزق سے بے حساب عطا فرماتا ہے۔ یعنی اے اللہ! تو اس پر قادر ہے کہ عجم سے ملک چھین کر عرب کو عطا فرما دے اور بنو اسرائیل سے نبوت لے کر بنو اسماعیل کو عطا فرما دے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہو آل عمران کی اس آیت میں ہے: اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء۔ الآیۃ

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۳۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں جسر بن فرقد ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰، رقم الحدیث: ۱۷۲۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج

ایمان والے، مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں،

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا

اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان

مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

سے بچاؤ کرنا چاہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَيَعْلَمُ

آپ کہیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر

قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ج صلے معانقہ ۲ عند المتاخرین ۱۲

ہے ○ وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی

وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ج تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ط

کی ہوئی برائی کو (بھی) اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع ۱۱/۳

فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے ○

کفار سے دوستی کی ممانعت کا آیات سابقہ سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور حمد و ثناء اور اس سے دعا کس طرح کرنی چاہیے' سو وہ اللہ کے ساتھ معاملہ کا بیان تھا اور اس آیت میں بندوں کے ساتھ معاملہ کا بیان ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت رکھیں اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت نہ رکھیں' نیز اس سے پہلی آیت میں کفار کا بیان تھا اور اس آیت میں کفار کے ساتھ محبت اور ان سے رغبت رکھنے سے منع فرمایا ہے' مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت نہ رکھیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے محبت رکھیں کیونکہ وہی مالک الملک ہے وہ جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کعب بن اشرف' ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید کی بعض انصار صحابہ سے باطنی دوستی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کریں' حضرت رفاعہ بن منذر' حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت سعد بن خیثمہ نے ان انصار سے کہا کہ وہ ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے سے اجتناب کریں لیکن یہ مسلمان نہیں مانے اور ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے پر مصر رہے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں (یا اللہ کی عبادت میں یا اللہ والوں کی جماعت اور اللہ کے مقربین میں) بالکل نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس آیت کو اس حدیث کا عنوان بنایا ہے' وہ حدیث یہ ہے : امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں جاؤ وہاں ایک عورت سفر کر رہی ہوگی اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے لو۔ ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم روضہ میں پہنچ گئے تو وہاں وہ مسافرہ تھی ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا وہ خط نکالو ورنہ تمہارے کپڑے اتار دیئے جائیں گے' تب اس نے اپنے بالوں کے چٹیا سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ اس خط میں حضرت حاطب نے مکہ کے مشرکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقدامات کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قرابت داروں میں سے نہیں ہوں' میں ان سے مل جل کر رہنے والا ہوں' آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ والوں کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ مکہ میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے اموال کی حفاظت کرلیں گے تو میں نے یہ چاہا کہ جب مکہ والوں کے ساتھ میری کوئی رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کردوں اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں میں نے یہ فعل کسی کفر یا ارتداد یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا

یہ شخص بدر میں حاضر ہو چکا ہے تمہیں کیا پتا ہے کہ بے شک اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۲' ج ۲ ص ۵۶۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کفار سے موالات (دوستی) کی ممانعت کا معنی اور محمل

اس آیت میں کفار کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے۔ موالات کا معنی ہے محبت اور قلبی لگاؤ۔ یہ محبت رشتہ داری کی وجہ سے ہوتی ہے یا پرانی دوستی کی وجہ سے ہوتی ہے یا نئی شناسائی کی وجہ سے ہوتی ہے جو غیر اختیاری ہوتی ہے اور جو چیز غیر اختیاری ہو وہ شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے یہاں نفس محبت سے ممانعت مراد نہیں ہے بلکہ انسان محبت کی بناء پر جو معاملہ اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے اور محبت کے جن تقاضوں پر عمل کرتا ہے ان معاملات اور تقاضوں پر عمل کرنے سے ممانعت مراد ہے۔ مثلاً محبوب کی تعظیم اور تکریم کرنا' محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا اور اس کی تعریف وتوصیف کرنا' اس کا بہ کثرت ذکر کرنا اور اس کی رضاجوئی کی کوشش کرنا۔ سو کفار کی تعظیم و تکریم کرنا ان کی تعریف وتوصیف کرنا' ان کا بہ کثرت ذکر کرنا' اور ان کے احکام کو باقی احکام پر ترجیح دینا' ان کی رضاجوئی کی کوشش کرنا اپنے دین اور عبادت کے معاملات میں ان سے مدد حاصل کرنا اور ان کو ہم راز بنانا' ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا یہ تمام امور ان کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔ البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جس طرح مالک نوکروں سے مدد لیتا ہے اور تفوق اور برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا جائز ہے اسی وجہ سے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کے مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بغیر کسی معاشی مجبوری اور اضطرار کے ان کی نوکری اور ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف جارہے تھے جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل دور ایک مقام) پر پہنچے تو ایک شخص ملا جس کی جرات اور طاقت کا بہت چرچا تھا' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس نے کہا میں آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں تاکہ مال غنیمت میں سے مجھے بھی حصہ ملے رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: واپس چلے جاؤ میں کسی مشرک کی مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا وہ دوبارہ پھر آیا اور مدد کی پیش کش کی آپ نے پھر یہی فرمایا میں کسی مشرک سے مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا بالآخر وہ مسلمان ہو گیا اور آپ نے اس کو ساتھ لے لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عزت' وقار اور غلبہ کے ساتھ مشرکین کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے اور ذلت اور خواری کے ساتھ مشرکوں کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس تفصیل کے ساتھ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ موالات جائز نہیں ہے البتہ ان کے ساتھ مواسات (انسانی ہمدردی کا معاملہ کرنا) مدارات (گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کرنا) اور مجرد معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کرنا جائز ہے اور مداہنت (دنیا داری کے لئے حق کو چھپانا) جائز نہیں ہے۔ ہم ان تمام امور پر قرآن مجید اور مستند احادیث سے استدلال کریں گے' پہلے موالات کی ممانعت پر قرآن مجید کی مزید چند آیات پیش کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے موالات کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنه : ١)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (الممتحنه : ١٣)

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے' جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلة : ٢٢)

(اے محبوب!) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں اس حال پر نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قریبی رشتہ دار!

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (آل عمران : ٢٨)

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں' اور جو ایسا کرے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں' البتہ اگر تم ان سے جان بچانا چاہو (تو دوستی کے اظہار میں حرج نہیں) اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود : ١١٣)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (آل عمران : ١١٨)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری تباہی میں کمی نہیں کریں گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام : ٦٨)

اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ نہ بیٹھ۔

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء : ١٤٠)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا استہزاء کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ اس وقت تم (بھی) انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

آخر الذکر دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے پاس اس وقت بیٹھنا منع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں ان کی مجلس میں مطلقاً بیٹھنا منع نہیں ہے۔ البتہ کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے محبت اور دوستی رکھنا

مطلقاً حرام اور ممنوع ہے' جیسا کہ باقی ذکر کردہ آیات سے واضح ہو گیا۔

بد عقیدہ لوگوں سے معاملات کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی تاویل کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے اجتناب کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ اس امت کے مجوس ہیں وہ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر تقدیر ہیں وہ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منکرین تقدیر کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۳۔۲۷۵ ملتقطاً' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ تھا اس سے مراد بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں' ان کی توبہ نہیں ہے میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (معجم صغیر) (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرما لیا اور میرے لئے اصحاب اور سسرال کو منتخب فرمایا' عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سسرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا ان کے ساتھ پینا نہ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا گمراہ فرقوں کے پاس نہ بیٹھو' نہ ان سے بحث کرو' کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے

کہ وہ اپنی گمراہی میں تم کو مبتلا کردیں گے یا تمہارے عقائد کو تم پر مشتبہ کردیں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۹۰ 'مطبوعہ نشر السنہ ملتان 'شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰ 'مطبوعہ بیروت)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

ابو جعفر کہتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں کج بحثی کرتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۰ھ)

وضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں' حضرت یوشع نے عرض کیا : اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ مواسات (انسانی ہمدردی) کے متعلق آیات اور احادیث

کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کرنا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرنا تو مطلقاً حرام اور ممنوع ہے البتہ غیر حربی کافروں اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کے جذبہ سے نیکی اور صلہ رحمی کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنۃ : ۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی' اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں میری والدہ میرے پاس آئیں وہ اس وقت مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا : میری والدہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا : ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قتیلہ بنت عبد العزی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس گوہ' ترس (ایک قسم کی سبزی) اور گھی کا ہدیہ لے کر آئی حضرت اسماء نے اس کا ہدیہ لینے سے انکار کیا اور اس کو اپنے گھر آنے سے بھی منع کردیا۔ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ عدل اور نیکی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کو گھر میں آنے کی اجازت دینے کا حکم دیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت '۱۳۹۸ھ)

امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی متوفی ۳۶۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدیئے بھیجے جن میں ایک سونٹھ کا گھڑا تھا آپ نے اس کو اپنے اصحاب میں تقسیم کردیا' آپ نے ہر انسان کو ایک ٹکڑا دیا اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دومتہ الجندل کے ایک عیسائی سردار نے آپ کو گوند کا ایک گھڑا ہدیہ کیا آپ نے اپنے اصحاب کو اس کا ایک ایک ٹکڑا عطا کیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵' ص ۱۷۸۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشک' عنبر اور کافور سے مرکب خوشبو کی ایک شیشی ہدیہ کی اور مسلمان ہوگیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶' ص ۲۱۱۴' مطبوعہ بیروت)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ' امام بزار کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش کو سخت قحط سالی پہنچی حتیٰ کہ انہوں نے سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی کھالیں اور اس وقت قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس بن عبد المطلب سے زیادہ کوئی خوش حال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس سے کہا اے چچا! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور قریش کو جس قحط سالی کا سامنا ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ آیئے ان کے پاس چلیں اور ان سے ان کے بعض بچوں کو لے لیں پس وہ گئے اور کہا اے ابو طالب! آپ کو اپنی قوم کا حال معلوم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی بھی یہی کیفیت ہے ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ اپنے بعض بچوں کو ہمیں دے دیں' ابو طالب نے کہا میرے لئے عقیل چھوڑ دو اور جو تمہیں پسند ہو وہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیا اور عباس نے جعفر کو لے لیا وہ دونوں جب تک مستغنی نہ ہوئے ان کے پاس رہے' سلیمان بن داؤد نے کہا حضرت جعفر عباس کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۳ دار الکتاب العربی بیروت)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مجرد معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کے متعلق احادیث

ذمی کافروں اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ معاشرتی برتاؤ کرنا' خرید و فروخت' قرض کا لین دین' بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ کرنا جائز ہے البتہ مرتدین سے کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک طویل القامت لمبے اور بکھرے ہوئے بالوں والا مشرک آیا جو بکری لے جارہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ بکری فروخت کرو گے یا بطور تحفہ دو گے؟ اس نے کہا بلکہ میں فروخت کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بکری خریدلی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے ادھار پر طعام خریدا اور لوہے کی ایک زرہ گروی رکھ دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کی روٹی اور چربی لے کر گئے در آں حالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ نے اپنے اہل کے لئے اس سے جو لئے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۵۔ ۲۷۷ ملتقطا' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے عیادۃ المشرک کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے گئے۔ آپ نے اس سے فرمایا اسلام قبول کرلو۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۵۔ ۸۴۴ مطبوعہ کراچی '۱۳۸۱ھ)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا وہ دونوں کھڑے ہوگئے انہیں بتایا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا' انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا آپ سے کہا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے آپ نے فرمایا کیا یہ روح نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۵ 'مطبوعہ کراچی '۱۳۸۱ھ)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مدارات (نرم گفتگو اور ملائمت) کے متعلق احادیث

کافروں' ظالموں اور بد عقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نرم رویہ اور ملائمت کے ساتھ پیش آنا' ان سے میٹھی باتیں کرنا اور ان سے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے ملنا مدارات ہے تاکہ انسان ان کی اذیت رسانی' بد زبانی اور ان کے ہاتھوں بے عزتی سے محفوظ رہے' اور یہ کفار سے دوستی' محبت اور موالات کے حکم میں نہیں ہے جو کہ ممنوع ہے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے ساتھ مدارات کرنا صدقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقل کی اصل مدارات ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے۔

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان لانے کے بعد بڑی عقل مندی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتوں میں سے کوئی خصلت بھی نہ ہو اس کے عمل میں کسی قابل ذکر چیز کا گمان نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جو اس کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روکے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل سے باز رہے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

وہیب مکی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں تین صفات نہ ہوں اس کے عمل کا اعتبار نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جس کی وجہ سے وہ حرام کاموں سے باز رہے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل کو لوٹا دے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے لوگوں کی مدارات کرے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۳۴۴۔ ۳۳۹ ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ

لوگوں کے ساتھ محبت سے رہا جائے' اور کوئی شخص مشورہ سے مستغنی نہیں ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں برے ہیں وہ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۵۰۱۔ ۵۰۰ 'مطبوعہ بیروت)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ بیان کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے' مشورہ کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہو گا' جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں نیک ہوں گے۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۶۱ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۰۱۔ ۳۰۰ 'مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۶۴ 'مطبوعہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت طلب کی اس وقت میں بھی آپ کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اجازت دے دی اور اس سے بہت نرم گفتگو کی جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق جو فرمایا تھا پھر آپ نے اس کے ساتھ ملائمت کے ساتھ بات کی؟ آپ نے فرمایا : اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں سے ہنس کر ملتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی ' ۱۳۸۱ھ)

مدارات کے جواز میں اور بہت احادیث ہیں تاہم اتنی مدارات نہیں کرنی چاہئے جس سے دینی حمیت جاتی رہے اور مدارات کرنے والے کے متعلق مداہنت کا گمان کیا جائے۔

مداہنت کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ انہوں نے یہی چاہا کہ (دین کے معاملہ میں) آپ ان سے بے جا نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔ (القلم : ۹)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

دل میں جو بات چھپائی ہے اس کے خلاف بیان کرنا مداہنت ہے۔ ابو الہیثم نے کہا کہ مداہنت کا معنی ہے قول میں نرمی اور کلام میں کسی کی موافقت کرنا' ہمارے شیخ نے کہا اصل میں مداہنت کا معنی ہے کسی چیز کو تیل لگا کر حسی طور پر نرم کرنا' بعد میں اس کا استعمال معنوی نرمی میں ہوا اس کا مجازاً" استعمال بہ طور تحقیر کیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنے دین یا اپنی رائے میں متصلب نہیں ہوتا وہ اس میں مداہنت کرتا ہے اور اب مداہنت کا لفظ اسی معنی میں حقیقت عرفیہ ہے اور مدارات کا معنی کلام میں مطلقاً" نرمی کرنا ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۰۵ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کسی کی ناحق طرف داری کرنا مداہنت ہے جو شخص نیکی کا حکم دے نہ برائی کو مٹائے حقوق کو ضائع کرے اور دکھاوا کرے وہ مداہن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۹۳ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں :

مداہنت یہ ہے کہ کوئی شخص برائی دیکھے اور اس کو نہ مٹائے اور باوجود قادر ہونے کے شرم کے سبب دینی بے غیرتی اور بے حمیتی سے رشوت لے کر یا کسی کی جانب داری کے سبب اس سے منع نہ کرے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود میں مداہنت کرنے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والوں کی مثال یہ ہے کہ بحری جہاز میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کچھ لوگ بالائی منزل میں بیٹھے ہوں اور کچھ نچلی منزل میں، نچلی منزل والے پانی کے لئے بالائی منزل میں جاتے ہوں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تب نچلی منزل والوں نے ایک کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصے کو توڑنا شروع کیا (تاکہ سمندر سے پانی لے لیں) پھر بالائی منزل والوں نے توڑنے والوں سے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تم کو ہمارے پانی لینے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے' اب اگر انہوں نے توڑنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ ان کو بھی بچالیں گے اور خود کو بھی' اور اگر انہوں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود کو بھی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مداہنت اور مدارات کا اصطلاحی فرق

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں :

مداہنت، ممنوع ہے اور مدارات مطلوب ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ مداہنت کا شرعی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص برائی کو دیکھے اور وہ اس کو روکنے پر قادر بھی ہو لیکن برائی کرنے والے یا کسی اور کی جانب داری کی وجہ سے یا خوف کے سبب یا طمع کی وجہ سے یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے اس برائی کو نہ روکے' اور مدارات یہ ہے کہ اپنی جان یا مال یا عزت کے تحفظ کی خاطر اور متوقع شر اور ضرر سے بچنے کے لئے خاموش رہے' خلاصہ یہ ہے کہ کسی باطل کام میں بے دینوں کی حمایت کرنا مداہنت ہے اور دین داروں کے حق کی حفاظت کی خاطر نرمی کرنا مدارات ہے۔

(مرقات ج ۹ ص ۳۳۱ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

مدارات اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور ظالموں سے بچنے کے لئے جو نرمی کی جائے وہ مدارات ہے اور ذاتی منفعت' طلب دنیا اور لوگوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے دین کے معاملہ میں جو نرمی کی جائے وہ مداہنت ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان سے

بچاؤ کرنا چاہو۔ (آل عمران : ۲۸)

تقیہ کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں تقیہ کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ تقیہ کی تعریف یہ ہے : جان، عزت اور مال کو دشمنوں کے شر سے بچانا، اور دشمن دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی دشمنی دین کے اختلاف کی وجہ سے ہو جیسے کافر اور مسلمان، دوسرے وہ ہیں جن کی دشمنی اغراض دنیوی کی وجہ سے ہو مثلاً" مال، متاع، ملک اور امارت کی وجہ سے عداوت ہو، اس وجہ سے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہو گئیں۔

تقیہ کی پہلی قسم جو دین کے اختلاف کی وجہ سے عداوت پر مبنی ہو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ ہر وہ مومن جو کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں مخالفین کے غلبہ کی وجہ سے اس کے لئے دین کا اظہار کرنا ممکن نہ ہو اس پر اس جگہ سے ایسی جگہ ہجرت کرنا واجب ہے جہاں وہ دین کا اظہار کر سکے، اور اس کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ دینی دشمنوں کی سرزمین میں رہے اور اپنے ضعف کا عذر ظاہر کر کے اپنے دین کو چھپائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، اگر ہجرت نہ کرنے میں ان کا کوئی عذر شرعی ہو مثلاً" وہ لوگ بچے، عورتیں اور نابینا ہوں یا قید میں ہوں یا ان سے مخالفین نے یہ کہا ہو کہ اگر تم نے ہجرت کی تو ہم تم کو قتل کر دیں گے یا تمہاری اولاد یا تمہارے ماں باپ کو قتل کر دیں گے خواہ ان کی گردنیں اڑا دیں یا ان کو قید میں رکھ کر بھوکا مار دیں اور اس بات کا ظن غالب ہو کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائیں گے، اس صورت میں ان کے لئے کافروں کی سرزمین میں رہنا جائز ہے اور بہ قدر ضرورت تقیہ کر کے ان کی موافقت کرنا جائز ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس علاقہ سے نکلنے کا حیلہ تلاش کریں اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے وہاں سے نکل بھاگیں اور اگر مخالفین کسی منفعت کو سلب کرنے کی دھمکی دیں یا ایسی مشقت میں ڈالنے کی دھمکی دیں جس کا برداشت کرنا ممکن ہو مثلاً" قید میں ڈال دیں اور قید میں کھانا دیں یا ان کو ماریں لیکن ایسی ضرب نہ ہو جس سے انسان مر جائے تو پھر تقیہ کرنا اور ان کے دین کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے، اور جس صورت میں تقیہ جائز ہے اس صورت میں بھی ان کی موافقت کی رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ وہ اس صورت میں بھی تقیہ نہ کرے اور اپنے دین کا اظہار کرے اور اگر اس کو دین کے اظہار کے جرم میں مار ڈالا جائے تو وہ شہید ہے۔

جب کوئی مسلمان کفار کے علاقہ میں ہو اور اس کو دین کے اظہار کے سبب اپنی جان، مال اور عزت کا خطرہ ہو تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا واجب ہے اور تقیہ کرنا اور کفار کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ :

قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے (ان سے) کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ مگر وہ لوگ جو (واقعی) بے بس اور مجبور ہیں وہ

سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النسآء : ۹۹-۹۷) مرد' عورتیں اور بچے جو نکلنے کا کوئی حیلہ نہ پائیں اور نہ راستے سے واقف ہوں تو قریب ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا بے حد بخشش والا ہے۔

جبر اور اکراہ کی صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرنا رخصت اور تقیہ کو ترک کرنا عزیمت ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے :

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے دو اصحاب کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک سے پوچھا : کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں' تو اس کو رہا کر دیا' پھر دوسرے کو بلا کر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہاں ہاں' پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں اور تین بار سوال کے جواب میں یہی کہا مسیلمہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا' جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا جو شخص قتل ہوا اور اپنے صدق اور یقین پر گامزن رہا اس نے فضیلت کو حاصل کیا اس کو مبارک ہو' دوسرے نے رخصت پر عمل کیا اس پر اسے کوئی ملامت نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۰ للجصاص)

تقیہ کی دوسری قسم یعنی جب مال و متاع اور امارت کی وجہ سے لوگوں سے عداوت ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس صورت میں آیا ہجرت واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا اس صورت میں بھی ہجرت واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ : ۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مال کو ضائع کرنے کی بھی شریعت میں ممانعت ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہجرت واجب نہیں ہوتی' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اپنی جان یا اپنے رشتہ داروں کی جان کا یا اپنی اور ان کی عزت کا خطرہ ہو تو حق یہ ہے کہ ہجرت واجب ہوتی ہے لیکن یہ عبادت اور قرب الٰہی نہیں ہے جس کی وجہ سے ثواب حاصل ہو' کیونکہ اس ہجرت کا وجوب محض دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہے دین کی حفاظت کی وجہ سے نہیں ہے اور ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا' کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ ہر واجب عبادت نہیں ہوتا بلکہ بہت سے واجبات پر ثواب نہیں ملتا جیسے سخت بھوک کے وقت کچھ کھانا واجب ہے اور اس پر ثواب نہیں ہے' اسی طرح بیماری میں جن چیزوں کے کھانے سے ضرر کا یقین ہو یا اس پر ظن غالب ہو ان سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس صحت کی حالت میں مضر صحت اور زہریلی اشیاء کو کھانے سے احتراز کرنا واجب ہے۔ یہ ہجرت بھی اسی قسم کی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی مثل نہیں ہے' ہرچند کہ یہ اعلیٰ درجہ کی ہجرت نہیں ہے لیکن یہ ہجرت بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح مفید اشیاء کو کھانا اور مضر اشیاء سے اجتناب کرنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا صحیح نہیں ہے۔

تقیہ کے متعلق شیعہ کا نظریہ

شیعہ علماء کی تقیہ میں بہت مختلف اور مضطرب عبارات ہیں بعض علماء نے یہ کہا کہ ضرورت کے وقت تمام اقوال

میں تقیہ کرنا جائز ہے اور بعض اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے تقیہ واجب ہوتا ہے اور ایسے کسی فعل میں تقیہ کرنا جائز نہیں جس سے مومن کا قتل ہو یا اس کے قتل کیے جانے کا ظن غالب ہو۔ مفید نے کہا کبھی تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ نہ کرنا افضل ہوتا ہے۔ ابو جعفر طوسی نے کہا ظاہر الروایات میں یہ ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کرنا واجب ہے اور بعض علماء نے یہ کہا مال کے خطرہ کے وقت بھی تقیہ کرنا واجب ہے' اور عزت کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا مستحسن ہے۔ حتیٰ کہ سنت یہ ہے کہ جب شیعہ اہل سنت کے ساتھ جمع ہوں تو نماز' روزہ اور باقی دینی امور اہل سنت کے مطابق کریں' انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی سنی کی اقتداء میں تقیتہ" نماز پڑھی اس نے گویا نبی (ﷺ) کی اقتداء میں نماز پڑھی' اور بعد میں اس نماز کے اعادہ میں ان کے مختلف اقوال ہیں' کسی ایک سنی سے مذہب شیعہ کو بچانے کے لئے تقیہ کی افضلیت میں ان کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے جائز ہے بعض نے کہا معمولی سے خوف یا معمولی سے لالچ کی بناء پر تقیتہ" کفر کو ظاہر کرنا واجب ہے' علماء شیعہ کے نزدیک تقیہ دین کی عظیم اصل ہے حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی تقیہ منسوب کیا ہے' ان کی تقیہ سے اہم غرض خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کو باطل کرنا ہے۔ اللہ ان سے پناہ میں رکھے۔

تقیہ کے بطلان پر نقلی اور عقلی دلائل

کتب شیعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد امجاد کا تقیہ نہ کرنا ثابت ہے اور اس سے تقیہ کی وہ فضیلت بھی باطل ہوتی ہے جس کا انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ نہج البلاغت جو ان کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب ہے اس میں لکھا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں تم کو صدق سے نقصان اور کذب سے نفع ہو وہاں تم کذب پر صدق کو ترجیح دو۔ (نہج البلاغت ص ۲۹۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

کہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اور کہاں ان کا "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" کی یہ تفسیر کرنا "اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو زیادہ تقیہ کرے" اور اسی نہج البلاغت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر میرا دشمنوں سے مقابلہ ہو در آں حالیکہ میں اکیلا ہوں اور ان کی تعداد سے زمین بھری ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی' نہ گھبراہٹ ہوگی کیونکہ جس گمراہی میں وہ مبتلاء ہیں اور اس کے مقابلہ میں میں جس ہدایت پر ہوں اس پر مجھے بصیرت ہے اور مجھے اپنے رب پر یقین ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور حسن ثواب کی امید ہے۔ حضرت علی کے اس ارشاد میں یہ دلالت ہے کہ حضرت امیر اکیلے ہوں اور دشمن بہت ہوں تب بھی وہ نہیں ڈرتے تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ تقیہ نہ کرنا بے دینی ہو' نیز عیاشی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کر کے مسجد میں داخل ہوا حضرت علی آئے اور اس کی گدی پر ضرب لگا کر فرمایا افسوس! تو بے وضو نماز پڑھ رہا ہے! اس نے کہا مجھے عمر نے کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لے گئے اور بہ آواز بلند فرمایا: دیکھو یہ تمہارے متعلق کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں اس کو میں نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہ آواز بلند گفتگو کی اور تقیہ نہیں کیا۔

تقیہ کے بطلان پر واضح دلیل یہ ہے کہ تقیہ خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو قسم کا ہے ایک جان کی ہلاکت کا اور دوسرا تکلیف' اذیت' مشقت بدنی اور سب و شتم کا۔ اول الذکر یعنی جان کا خوف حضرات ائمہ میں دو وجہوں سے

منتفی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ کی طبعی موت ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے جیسا کہ کلینی نے کافی میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور اس مسئلہ کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے' اور اس پر تمام امامیہ کا اجماع بیان کیا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام ائمہ کو ماکان و مایکون کا علم ہوتا ہے پس ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مدت حیات کتنی ہے اور موت کی کیا کیفیت ہے اور کس وقت میں موت واقع ہوگی وہ تمام تفاصیل اور کیفیات پر مطلع ہوتے ہیں' لہذا موت کے وقت سے پہلے ان کو موت سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ تقیہ کرنا چاہیے۔ ثانی الذکر خوف کی وجہ بدن کی تکلیف اور اذیت اور سب و شتم اور بے عزتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا ہمیشہ سے صالحین کا طریقہ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہمیشہ مشقتوں کو برداشت کرتے رہے ہیں اور بسا اوقات انہوں نے جابر سلطانوں سے مقابلہ کیا اور اپنے جد کریم ﷺ کے دین کی نصرت کے لئے حضرات اہل بیت کا اذیتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا اور تکلیفوں پر صبر کرنا دوسرے صلحاء امت کی بہ نسبت انہیں زیادہ لائق ہے پھر ان تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے تقیہ کرنے اور باطل کی موافقت کرنے کی کیا حاجت ہے!

نیز اگر تقیہ واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء" تقیہ کر لیتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے میں چھ ماہ تک توقف نہ کرتے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ "تقیتہ" یزید کی بیعت کر لیتے اور اپنے رفقاء سمیت کربلا میں شہید نہ ہوتے' کیا حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ علم نہیں تھا کہ جان کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا واجب ہے اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ امام الائمہ تارک واجب تھے۔

علماء شیعہ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف جو تقیہ کی نسبت کی ہے اس کے بطلان کے لئے قرآن مجید کی یہ آیات کافی ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔ (الاحزاب: ۳۹)	جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔
يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ: ٦٧)	اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر اور ضرر) سے بچائے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی قرآن مجید میں آیات ہیں جو تقیہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

تقیہ کے متعلق ائمہ اہل سنت کے مذاہب

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اضطرار کی حالت میں تقیہ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے' اور یہ واجب نہیں ہے بلکہ تقیہ کو ترک کرنا افضل ہے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے کفر نہیں کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا وہ اس شخص سے افضل ہے جس نے تقیہ کیا' مشرکین نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا حتیٰ کہ ان کو شہید کر دیا

مسلمانوں کے نزدیک وہ حضرت عمار بن یاسر سے زیادہ افضل تھے جنہوں نے "تقیہ" کفر کو ظاہر کیا۔
(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ تقیہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اور اس کو ترک کرنا افضل ہے، کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ کفر نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قتل کردیا جائے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جو جان بچانے کے لئے تقیتہ" کفر کو ظاہر کرے، اسی طرح ہر وہ کام جس میں دین کا اعزاز ہو اس کو بہ روئے کار لانا خواہ قتل ہونا پڑے رخصت کی بہ نسبت افضل ہے، امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا اگر آپ کو تلوار پر پیش کیا جائے تو آپ تقیتہ" جواب دیں گے؟ فرمایا نہیں۔ امام احمد نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جاہل جہالت کا اظہار کر رہا ہو تو حق کیسے ظاہر ہو گا، اور جو چیز ہم تک تواتر اور تسلسل سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کو خرچ کردیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کی اور نہ کسی جابر کے ظلم کی۔

امام رازی نے کہا کہ ضرورت کی بناء پر تقیہ کی رخصت کا تعلق صرف اظہار حق اور دین کے ساتھ ہے اور جس چیز میں ضرورت کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو اس میں تقیہ کرنے کی اجازت نہیں ہے مثلاً" جان بچانے کے لئے کسی کو قتل کرنا، زنا کرنا، کسی کا مال چھیننا، جھوٹی گواہی دینا۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا اور مسلمانوں کے رازوں سے کفار کو مطلع کرنا اس قسم کے امور کو تقیتہ" انجام دینا بالکل جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار غالب ہوں تو ان کے ساتھ تقیہ کی رخصت ہے، مگر امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو جان اور مال کی حفاظت کے لئے ان کے درمیان بھی تقیہ کرنا جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان کافروں کے درمیان گھر جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے نرمی سے جواب دے درآں حالیکہ اس کا دل تصدیق سے مطمئن ہو اور جب تک قتل کا، اعضاء کاٹنے کا یا سخت ایذا پہنچانے کا خطرہ نہ ہو تقیہ کرنا جائز نہیں ہے، اور جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ثابت قدمی سے دین پر جما رہے اور کفریہ کلمہ نہ کہے اگرچہ اس کی رخصت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

تقیہ کرنے کی رخصت ہے یہ عزیمت نہیں ہے۔ امام احمد سے پوچھا گیا کہ آپ کے سر پر تلوار رکھ دی جائے تو کیا آپ تقیہ سے جواب دیں گے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جاہل جہالت پھیلا رہا ہو تو حق کیسے ظاہر ہو گا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص کافروں میں رہتا ہو اور اس کو اپنی جان اور مال کا خطرہ ہو تو وہ ان سے نرمی کے ساتھ بات کرے اور دشمنی ظاہر نہ کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ان سے اس طرح باتیں کرے جس سے ان کی محبت اور دوستی ظاہر ہو لیکن دل

سے محبت نہ رکھے بلکہ دشمن جانے' نیز جس صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے وہاں بھی حق کا اور ایمان کا اظہار کرنا افضل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔○ (آل عمران : ۲۹)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ظاہری اور باطنی موافقت اور دوستی رکھنے سے منع فرمایا تھا اور جان' مال اور عزت کے خطرہ کے وقت ان سے "تقیۃ" ظاہری موافقت کی اجازت دی تھی' اب اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید فرمائی ہے کہ تقیہ کے وقت اگر ان سے باطنی موافقت کی تو اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قدرت کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ دلوں کے حال کو جاننے والا بھی ہے اور معصیت پر مواخذہ کرنے پر قادر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی کی ہوئی برائی کو (بھی) حاضر پائے گا اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا' اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ (آل عمران : ۳۰)

وعد اور وعید اور ترغیب اور ترہیب

اس آیت کے پہلے حصہ میں ترہیب ہے اور دوسرے حصہ میں ترغیب ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن اپنی کی ہوئی نیکی اور برائی کو حاضر پائے گا۔ اس پر یہ سوال ہے کہ انسان کے کئے ہوئے اعمال تو اس سے صادر ہونے کے بعد باقی نہیں رہتے پھر قیامت کے دن یہ اعمال کیسے موجود ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن صحائف اعمال موجود ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الجاثیہ:۲۹) — بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ○ (المجادلہ : ۶) — جس دن اللہ سب کو جمع کرے گا پھر ان کے کئے ہوئے کاموں کی ان کو خبر دے گا' اللہ نے ان سب کو محفوظ کر لیا ہے' اور وہ انہیں بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

مومن جن گناہوں سے توبہ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحیفہ اعمال سے مٹا دیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ متوقع ہے کہ جن گناہوں پر بندے نے توبہ کرلی ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے کئے ہوئے عمل کی جزا پائے گا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ○ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال : ۸-۷) — سو جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس (کی سزا) کو دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہیں اپنی ذات کے غضب سے ڈراتا ہے اس میں وعید کا بیان ہے اس کے ساتھ ہی فرمایا اللہ عباد (اپنے بندوں) پر نہایت مہربان ہے' وعید کے بعد وعد کا ذکر فرمایا کیونکہ ایمان خوف اور امید کے مابین ہے اور وعد میں رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کی وعید پر اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور وسعت قدرت کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر ظاہر اور ہر باطن چیز کے مواخذہ پر قادر

ہے سو اس کے غضب سے ڈرنا چاہیے اس کے ساتھ اپنے رؤف ہونے کا ذکر کیا کیونکہ وہ بندہ کے گناہوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ وہ بندوں کو اللہ سے توبہ کرنے اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کی مہلت دیتا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عباد کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ وہ عباد پر رؤف ہے اور قرآن مجید میں عباد کا لفظ زیادہ تر نیکو کاروں پر آیا ہے :

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان : ۶۳) رحمٰن کے بندے (وہ ہیں) جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا :

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر : ۴۰-۳۹) اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے چن لئے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کی وعید کا ذکر کیا پھر مومنین اور صالحین کے لئے وعد کو ذکر کیا اور یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح کفار اور فساق کو سزا دینے والا ہے اسی طرح مطیعین اور محسنین کو جزا دینے والا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

اتباع رسول کے حکم کا شان نزول اور آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی' اور جب کہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی پیروی کرنا ہے جو آپ کا پیروکار ہے وہ اللہ کا محب ہے اور جو آپ کی پیروی سے محروم ہے وہ اللہ کی محبت سے محروم ہے۔

مخلوق کے کمال کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرے اور اللہ کی ان پر عنایت یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کے لئے تمام مخلوق پر یہ واجب کردیا ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی اطاعت کریں' امام احمد حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے کوئی امر جائز نہ ہوتا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مطبوعہ بیروت) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع واجب ہے تو جو لوگ حضرت موسیٰ کی طرف

منسوب اور ان کے امتی ہیں ان پر تو سیدنا محمد ﷺ کی اتباع بطریق اولیٰ واجب ہوگی۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی اتباع کریں گے' امام بخاری نے روایت کیا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۴۹۰' مطبوعہ کراچی' ۱۳۸۱ھ) سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کریں گے تو ان کی ملت کے پیروکاروں پر بہ طریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی پیروی کریں۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیتوں میں بطور تہدید اور وعید لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اب ایک اور طریقہ سے ان کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے' وہ یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ مسجد حرام میں گئے وہاں قریش بتوں کو سجدہ کر رہے تھے' آپ نے فرمایا اے جماعت قریش! بہ خدا تم ملت ابراہیم کی مخالفت کر رہے ہو۔ قریش نے جواب دیا ہم اللہ کی محبت میں ان کی عبادت کر رہے ہیں تاکہ یہ بت ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ عیسائیوں نے کہا ہم اللہ کی محبت میں مسیح کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی' خلاصہ یہ ہے کہ جو فریق بھی اللہ کی محبت کا مدعی ہو اور اس کی رضا اور اس کی اطاعت کا طالب ہو تو آپ اس سے کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویٰ میں صادق ہو تو اللہ کے حکم کو مانو اور اس پر عمل کرو' اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔

محبت کا معنی اور اللہ اور رسول کی محبت کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

انسان جس چیز کو اپنے گمان کے مطابق اچھا گمان کرے اس چیز کے ارادہ کرنے کو محبت کہتے ہیں' اس کی تین صورتیں ہیں۔ انسان لذت کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان عمدہ کھانوں اور حسین عورتوں سے محبت کرتا ہے' اور کبھی انسان نفع کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان اطباء اور حکماء سے محبت کرتا ہے اور کبھی انسان فضل اور کمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان علماء اور اولیاء اللہ سے محبت کرتا ہے' بہادروں اور سخیوں سے محبت کرتا ہے' ملک اور قوم کے لئے نمایاں کام کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ کبھی ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کو بھی محبت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

(ابراھیم: ۳)

اللہ تعالیٰ جو بندہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے وہ ان پر انعام واکرام کرتا ہے اور اس کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازتا ہے۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (آل عمران: ۱۳۴) اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یعنی ان کو ثواب عطا فرماتا ہے۔)

اور جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے بندہ اللہ کے قرب اور اس کی رضا کا طالب ہے۔
(المفردات ص ۱۰۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابن عرفہ نے کہا اہل عرب کے نزدیک کسی شے کے ارادہ اور اس کے قصد کو محبت کہتے ہیں' ازہری نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معنی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کے احکام پر عمل کیا جائے' اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو اپنی مغفرت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بیشک وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کافروں کو نہیں بخشے گا۔ سہل بن عبداللہ نے کہا اللہ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے اور قرآن سے محبت کی علامت نبی ﷺ سے محبت کرنا ہے اور نبی ﷺ سے محبت کی علامت سنت سے محبت کرنا ہے اور ان سب سے محبت کی علامت آخرت سے محبت کرنا ہے' اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ قدر ضرورت کے علاوہ دنیا سے بغض رکھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۶۱-۶۰' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ کی محبت کا حصول جن نفوس قدسیہ کی محبت پر موقوف ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد' اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔ یہ کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں' اور وہ جس شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا آگ میں ڈالے جانے کی طرح مکروہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو طعن اور تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا' اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا' جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ عنقریب اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو جبرائیل اس بندہ سے محبت کرتا ہے' پھر جبرائیل آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۲ مطبوعہ کراچی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا' آپ کے اصحاب اور اہل بیت سے محبت رکھنا اور آپ کی امت کے اولیاء اللہ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور جو شخص ان نفوس قدسیہ کی محبت سے محروم ہو وہ کبھی اللہ کی محبت حاصل نہیں کر سکتا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں کو اللہ اپنا محبوب بنا لیتا ہے سو ہم قرآن اور سنت کی روشنی میں وہ افعال بیان کرنا چاہتے ہیں جن کو کرنے سے اللہ بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے اور وہ افعال جن کو کرنے سے بندہ اللہ کی محبت سے محروم رہتا ہے۔

جن افعال اور عبادات سے اللہ محبت کرتا ہے

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ: ۱۹۵)	اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (البقرہ : ۲۲۲)	بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (آل عمران : ۷۶)	پس بے شک اللہ' اللہ سے ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران : ۱۴۶)	اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران : ۱۵۹)	بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (المائدہ : ۴۲)	بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف : ۴)	بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں' جن چیزوں سے بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے جن کو میں نے اس پر فرض کیا ہے' اور بندہ نوافل کے ساتھ ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال

کرے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں' اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳' مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی انہوں نے کہا۔ السام علیکم (تم پر موت ہو) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے اس کو سمجھ لیا میں نے کہا تم پر موت اور لعنت ہو' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھہرو! اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کرنے سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جب میں وہ عمل کر لوں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سے بے رغبتی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے ہاتھوں میں جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ مومن سے محبت کرتا ہے جو تنگ دست ہو' سوال سے بچتا ہو اور عیال دار ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۰۳-۳۰۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جن افعال سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا

وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرہ: ۱۹۰) — اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ (البقرہ: ۲۷۶) — اور اللہ کسی ناشکرے' گنہ گار سے محبت نہیں کرتا

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (آل عمران: ۵۷) — اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا (النساء: ۱۰۷) — بے شک اللہ کسی خائن اور بڑے گنہ گار سے محبت نہیں کرتا۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء: ۱۴۸) — اللہ اس شخص سے محبت نہیں کرتا جو بری بات کو آشکارا کرے ماسوا اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (المائدہ: ۶۴) — اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (الاعراف: ۳۱) — اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ (النحل: ۲۳) — بے شک وہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (القصص: ۷۶) — بے شک اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان: ۱۸) — بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر سے محبت نہیں کرتا۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ مال ضائع کرنے سے' زیادہ سوال کرنے سے اور بحث کرنے سے محبت نہیں کرتا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جاہل بوڑھے' ظالم امیر اور متکبر فقیر سے محبت نہیں کرتا اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں حارث نام کا راوی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۵ مطبوعہ بیروت)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

بنو ضمرہ کے ایک شخص نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ماں باپ کی نافرمانی سے محبت نہیں کرتا۔ (المصنف ج ۸ ص ۴۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل بد خلق اور بد زبان سے محبت نہیں کرتا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہ آیت اس حکم کی تاکید ہے "میری اتباع کرو" علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی : "آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا"۔ تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے اصحاب سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی مثال قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسی عیسیٰ بن مریم سے محبت کی گئی تھی' تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى

بیشک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر بزرگی

الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

دی ○ ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○

خاص انسانوں کا خاص فرشتوں سے اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے رسولوں کی فضیلت اور ان کے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں مکلفین اور غیر مکلفین اور بلاشبہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں' اور مکلفین کی چار قسمیں ہیں ملائکہ' شیطان' جن اور انسان' شیطان اور اس کی ذریات تو کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِہِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْہُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ○ (الانعام: ۱۲۱)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی پیروی کی تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَہُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا (الکھف: ۵۰)

کیا تم میرے سوا شیطان اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے لئے کیسا برا بدل ہے۔

اور جنات میں سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَہَنَّمَ حَطَبًا○ (الجن: ۱۵-۱۴)

اور ہم میں سے بعض اللہ کے فرمانبردار اور بعض (نافرمان) ظالم ہیں' سو جنہوں نے فرمانبرداری کی انہوں نے بھلائی کا راستہ تلاش کرلیا○ اور رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہوئے۔

بشر' شیاطین اور جنات سے بالاتفاق افضل ہیں اور ملائکہ اور بشر کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔ معتزلہ ملائکہ کو افضل قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ملائکہ کو رسل بشر سے بھی افضل کہتے ہیں' اور اہل سنت کے نزدیک رسل ملائکہ تو عوام بشر سے افضل ہیں لیکن رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں (عوام بشر سے مومنین صالحین مراد ہیں کفار اور فساق سے بالاجماع ملائکہ افضل ہیں) رسل بشر کا عوام ملائکہ سے افضل ہونا تو بالبداہت ہے اور رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہ طور تعظیم اور تکریم سجدہ کریں اور حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی تعظیم کا حکم دیا جائے دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا - الآیہ (البقرہ: ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

اس آیت کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ حضرت آدم کو فرشتوں پر فضیلت دی اور ان کے علم کی زیادتی کو بیان فرمایا اور ان کی تعظیم اور تکریم کے استحقاق کی وجہ بیان فرمائی۔ اور عوام بشر کی عوام ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ انسان فضائل اور علمی اور عملی کمالات حاصل کرتا ہے جب کہ اس کی طبیعت میں اس کے خلاف شہوانی اور غضبانی موانع اور عوائق موجود ہیں اور اس کو اپنی بھوک مٹانے' تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کے لئے کسب معاش کی احتیاج ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موانع اور صوارف کے باوجود عبادت اور ریاضت کرنا اور علمی اور عملی کمال حاصل کرنا زیادہ دشوار ہے اور اس میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ فرشتوں کی عبادات سے زیادہ افضل ہے کیونکہ ان کی عبادت میں کوئی مانع اور شاغل نہیں ہے اور چوتھی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے اپنے اپنے زمانہ میں) تمام جہانوں پر برزگی دی (آل عمران: ۳۴) اور تمام جہانوں میں فرشتے بھی داخل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عوام ملائکہ سے عوام بشر افضل ہیں اور ملائکہ کے اس عموم

سے رسل ملائکہ بالاجماع مستثنیٰ ہیں' اسی طرح آل ابراہیم اور آل عمران کے عموم سے کفار اور فساق عقلاً" مستثنیٰ ہیں اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم' حضرت نوح اور حضرت ابراہیم تو تمام فرشتوں سے افضل ہیں خواہ رسل ملائکہ ہوں یا عوام ملائکہ اور حضرت ابراہیم اور حضرت عمران کی اولاد میں سے مومنین اور صالحین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حضرت آدم' حضرت نوح وغیرہم کے خصوصی ذکر کی توجیہ اور ان کی فضیلتوں کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان فضیلت یافتہ اور بزرگ شخصیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے' سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ آدم اصغر ہیں اور دنیا میں رہنے والے تمام انسان ان ہی کی اصل سے ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کا ذکر فرمایا اور رسول اللہ ﷺ بھی آل ابراہیم میں مندرج ہیں' جن کی اتباع اور اطاعت کا خصوصیت کے ساتھ اس سے پہلی آیت میں حکم دیا گیا ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس میں مندرج ہیں' اور اس کے بعد آل عمران کا ذکر فرمایا اور اس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مندرج ہیں' آل ابراہیم کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ یہودی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے ساتھ مخصوص کرتے تھے اور آل عمران کا خصوصیت کے ساتھ ذکر عیسائیوں کی وجہ سے کیا' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا ان کو بزرگی دی اور فضیلت عطا فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی انہیں بنی نوع انسان کا مبدء بنایا۔ وہ پہلے نبی ہیں۔ ان کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم عطا فرمایا اور فرشتوں کے سامنے ان کی علمی برتری ظاہر فرمائی' انہیں مسجود ملائک بنایا' ان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا' ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا' ان کو جنت میں رکھا' اس کے علاوہ حضرت آدم کی اور بہت فضیلتیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے یہ ہے کہ زمین پر وہ پہلے تشریعی نبی ہیں۔ بیٹوں' بہنوں' پھوپھیوں' خالاؤں اور دیگر تمام ذوی الارحام کے ساتھ نکاح کی تحریم کا حکم سب سے پہلے ان پر نازل ہوا۔ حضرت آدم کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کے وہی والد ہیں۔ آل ابراہیم کی یہ فضیلت ہے کہ ان کو نبوت اور کتاب عطا کی۔ اس آیت میں جو آل عمران کا لفظ آیا ہے اس میں عمران سے مراد کون ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں اور وہی حضرت مریم بتول' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے باپ ہیں۔ یہ حسن اور وہب کا قول ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ عمران ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد ہیں اور وہ عمران بن نصیر ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں جس عمران کا ذکر ہے وہ قطعی طور پر حضرت مریم کے والد ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی اور روحانی خصوصیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ امام رازی نے علامہ حلیمی کی کتاب المنہاج سے یہ نقل کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں عام انسان کی جسمانی قوتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ انہوں نے پہلے حواس خمسہ کا ذکر کیا ہے اس کا بیان حسب ذیل ہے :

(۱) قوت باصرہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی قوت باصرہ منتہاء کمال کو پہنچی ہوئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کو قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری)۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام : ۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی (کل مخلوقات) دکھائی اور اس لئے کہ وہ دیکھ کر یقین کرنے والوں سے (بھی) ہو جائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت اتنی قوی کر دی کہ انہوں نے تحت الثریٰ سے لے کر عرش علی تک تمام مخلوق کو دیکھ لیا۔

(۲) قوت سامعہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ قوی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان چرچراتا ہے اور اسے چرچرانے کا حق ہے۔ آسمان میں ہر قدم پر ایک فرشتہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے۔ (ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی' نیز نبی ﷺ نے پتھروں اور درختوں کا کلام سنا اونٹ' گوہ' اور ہرنی کا کلام سنا' جنات اور فرشتوں کا کلام سنا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ عزوجل کا کلام سنا۔ اسی طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا کلام سنا :

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ۔ (النمل : ۱۹-۱۸)

حتیٰ کہ جب (سلیمان اور ان کے لشکری) چیونٹیوں کے میدان پر آئے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ (کہیں) سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے! در آں حالیکہ انہیں خبر نہ ہو' تو (سلیمان) اس کی بات پر مسکرا کر ہنس پڑے۔

(۳) قوت شامہ : جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی سونگھنے کی قوت تھی کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا :

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ (یوسف : ۹۴-۹۳)

میرے اس کرتے کو لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی' اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے (گھر والوں سے) کہا بے شک میں ضرور یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے ناقص العقل نہ کہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ادھر قافلہ مصر سے روانہ ہوا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے کرتے سے ان کی خوشبو آ گئی۔

(۴) قوت ذائقہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو خیبر میں ایک یہودی عورت نے زہر آلود لقمہ کھلایا تو اس لقمہ نے

آپ سے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور اسی باب سے یہ واقعات ہیں کہ جب آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت ابوبکر کی زہر خوردہ ایڑی میں، حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں، حضرت رافع بن خدیج کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں اور حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں ڈالا تو ان کو شفاء ہو گئی۔ حضرت جابر کی ہنڈیا میں لعاب دہن ڈالا تو کم کھانا بہت زیادہ آدمیوں کو کافی ہو گیا اور اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

(۵) قوت لامسہ : جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ گلزار ہو گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام برص کے مریضوں اور مادر زاد اندھوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفایاب ہو جاتے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے کھجور کے ستون سے ٹیک لگائی تو اس میں حیات آگئی جب آپ اسے چھوڑ کر منبر پر بیٹھے تو وہ آپ کے فراق میں اونٹنی کی طرح چیخنے لگا۔ جب آپ نے احد پہاڑ پر قدم رکھا تو اس میں حیات آگئی' وہ ہلنے لگا آپ نے فرمایا اے احد! پرسکون ہو جا تو وہ ساکن ہو گیا۔

یہ تو حواس خمسہ ظاہرہ کا بیان ہے اور آپ کے حواس باطنہ کی غیر معمولی قوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان حواس باطنہ میں سے ایک قوت حافظہ ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (الاعلیٰ : ۶) اب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہ بھولیں گے۔

اور ان حواس میں سے ایک قوت ذکاوت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ایک ہزار باب سکھائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ایک ہزار باب مستنبط کر لئے ہیں جب ایک ولی کی قوت ذکاوت کا یہ عالم ہے تو نبی ﷺ کی قوت ذکاوت کا کیا عالم ہو گا۔

قوت محرکہ : نبی ﷺ کا معراج پر جانا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھا لیا جانا' حضرت ادریس اور حضرت الیاس کا آسمانوں پر اٹھایا جانا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے' اور قرآن مجید میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت ان کے سامنے حاضر کر دیا :

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل : ۴۰) جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اس (تخت) کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لے آتا ہوں

اور جب نبی کے صحابی اور ان کے ولی کی قوت محرکہ کا یہ حال ہے تو خود نبی ﷺ کی قوت محرکہ کا کیا عالم ہو گا۔

جب انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں اس قدر کامل ہوتی ہیں تو ان کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی منتہاء کمال پر ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نفس قدسیہ تمام انسانوں کی نفوس سے اپنی ماہیت میں مختلف ہوتا ہے اور ان کے نفس کے کمال کے لوازم سے یہ ہے کہ وہ ذکاوت' ذہانت اور قوت عقلیہ میں عام انسانوں سے بہت بلند و برتر ہوں اور جسمانیات اور شہوات سے تنزہ میں بھی عام لوگوں سے بہت فائق ہوں' اور جب ان کی روح انتہائی صاف اور مشرف ہو اور بدن بھی بہت منزہ اور پاکیزہ ہو تو ان کی قوت محرکہ اور قوت عاقلہ انتہائی کامل ہوں گی' کیوں کہ روح فاعل ہے اور بدن قابل ہے اور روح کے انوار بدن تک پہنچتے ہیں اور جب فاعل اور قابل دونوں کامل ہوں تو ان کے آثار بھی بہت قوی اور بہت مشرف ہوں گے' اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم علوی کے ساکنین پر حضرت آدم کو فضیلت دی پھر قوت روحانیہ کے کمال کو ان کی اولاد میں سے حضرت شیث میں رکھا اور ان کی اولاد میں سے حضرت نوح میں پھر ان کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم میں اس کمال کو رکھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو شاخیں ظاہر ہوئیں حضرت اسمٰعیل اور

حضرت اسحاق' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح قدسیہ کے ظہور کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبدء بنایا' اور حضرت اسحاق کو دو شاخوں کا مبدء بنایا حضرت یعقوب اور عیسو' حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں نبوت رکھی اور عیسو کی نسل میں بادشاہت رکھی اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور جب سیدنا محمد ﷺ کا ظہور ہوا تو نبوت کا نور اور بادشاہت کا نور دونوں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور قیامت تک کے لئے دین کی امامت اور ریاست کی فرمانروائی آپ کی امت کو سونپ دی گئی' چنانچہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء ریاست کے سربراہ بھی تھے اور دین کے امام بھی تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳۴ (مع زیادۃ) مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض' بعض کی حقیقی اولاد ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے سوا باقی سب حضرت آدم کی اولاد ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کی معنوی اولاد ہیں اور توحید' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں ایک دوسرے کے متبع ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا ہے اور ان کے کاموں اور ان کے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جس کے اقوال اور افعال کی استقامت کا اس کو علم ہوتا ہے اس کو منتخب فرمالیتا ہے اور اسی کو فضیلت عطا فرماتا ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: ۱۲۴) اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (الانبیاء: ۹۰) بے شک یہ (انبیاء) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے' اور (ہماری رحمت کی) توقع اور (ہمارے جلال کے) خوف سے ہم سے دعا کرتے تھے اور ہمارے لئے عاجزی کرنے والے تھے۔

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم آل ابراہیم اور آل عمران سے ہیں اس لئے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں' حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ اقوال باطل ہیں لیکن ان کے علماء اغراض باطلہ کی بنا پر یہ کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے باطل اقوال کو سننے والا ہے اور ان کی اغراض فاسدہ کو جاننے والا ہے' تو اس آیت کا اول حصہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت میں ہے اور اس کا آخری حصہ ان کے منکرین کی مذمت اور تہدید میں ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ

جب عمران کی بیوی نے عرض کیا اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اس کی میں نے تیرے لیے

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

نذر مانی ہے (خاص تیرے لیے، دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کیا ہوا سو تو میری طرف سے (اس نذر کو) قبول فرما' بیشک تو بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

پھر جب اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے عرض کیا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰىۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ

کہ اس کے ہاں کیا پیدا ہوا ہے اور (میرا مطلوب) لڑکا (اللہ کی دی ہوئی) لڑکی کی مثل نہیں ہو سکتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا

وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًاۙ وَّكَفَّلَهَا

تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور زکریا کو

زَكَرِیَّاؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَۙ وَجَدَ عِنْدَهَا

اس کا کفیل بنایا، جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق

رِزْقًاۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَاؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ

(موجود) پاتے، انھوں نے کہا اے مریم! تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ○

عمران کی بیوی کی نذر ماننے کی تفصیل

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں :

عمران کی بیوی حضرت مریم کی ماں ہیں اور حضرت عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کی نانی ہیں' ان کا نام حنہ بنت فاقوذ بنت قتیل ہے اور ان کے خاوند کا نام عمران بن یاشہم ہے یہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران نے دو بہنوں سے شادی کی' حضرت زکریا کی بیوی سے حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت عمران کی بیوی سے حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ جب حضرت عمران فوت ہوئے تو ان کی بیوی حنہ حضرت مریم سے حاملہ تھیں۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ وہ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ان کے گھر کے پاس ایک درخت تھا ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ سے اپنے بچے کو دانہ کھلا رہا تھا اس وقت ان

کے دل میں بچہ کی تمنا پیدا ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو بچہ عطا فرمائے تو انہیں حضرت مریم کا حمل ہو گیا اور حضرت عمران فوت ہو گئے' جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے تو انہوں نے اس کی اللہ کے لئے نذر مان لی یعنی وہ اس کو عبادت گاہ کے لئے وقف کردیں گی اور وہ بچہ دنیا کی کسی چیز سے نفع نہیں اٹھائے گا' اور جب ان کے ہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے' کیونکہ انہوں نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر مانی تھی اور لڑکی اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے خدمت کے بہت سے کام سرانجام نہیں دے سکتی' اور بعض احوال میں (مثلاً" حیض اور نفاس میں) مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے جس لڑکے کے حصول کی دعا کی تھی وہ اس مرتبہ کا نہیں ہے' جس پائے کی میری دی ہوئی لڑکی ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۹-۱۵۷ ملخصا" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت عیسیٰ کا مس شیطان سے محفوظ رہنا ہمارے نبی کی فضیلت کے منافی نہیں ہے

عمران کی بیوی نے کہا میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے ان کی زبان میں مریم کا معنی عبادت کرنے والی' اللہ کا قرب حاصل کرنے والی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور خشوع اور خضوع کرنے والی ہے' اور انہوں نے کہا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو آدم میں سے جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے تو وہ شیطان کے چھونے سے چیخ مار کر روتا ہے ماسوا مریم اور اس کے بیٹے کے' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ شرف الدین طیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو ولادت کے وقت مس شیطان سے مستثنیٰ کرنے سے ہمارے نبی پر ان کی فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ایسے فضائل اور معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو حاصل تھے نہ کسی اور نبی کو' اور افضل میں مفضول کی خصال کا ہونا لازم نہیں ہے۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۲۰۶)

ملا علی قاری نے طیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اس کی نظیر طبرانی کی یہ حدیث ہے ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ہم (ارادہ) کیا ہے سوا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۳۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ علامہ طیبی کی تحریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

مشہور یہ ہے کہ فضیلت کلی فضیلت جزئی کے منافی نہیں ہے لیکن بندہ ضعیف یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو آدم کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں اور اس حدیث میں آپ نے دوسرے فرزندان آدم کی خبر دی ہے اور طہارت میں آپ کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت شیطان آپ پر کسی قسم کا تصرف کر سکے' بعض شارحین نے کہا ہے کہ جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے تو اس کی ذات عموماً" کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اس کا قرینہ ہوتا ہے۔

شیخ محمد ادریس کاندھلوی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اس تقریر کو لمعات کے حوالے سے لکھا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۸۲ مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ' التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۶۴ مطبوعہ لاہور)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس فضیلت کے حصول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شریک ہیں علامہ قرطبی نے کہا یہ قتادہ کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۷۷ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ کی دعا مستجاب ہوگئی اور شیطان تمام اولاد آدم کی کوکھ میں انگلی چبھوتا ہے حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء کے بھی انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ قتادہ نے کہا شیطان ہر نوزائیدہ بچے کے پہلو میں انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے ان کے درمیان حجاب کردیا گیا تو اس کی انگلی حجاب پر لگی اور حجاب کے پار نافذ نہیں ہوئی' اور بچہ کے انگلی چبھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان اس بچہ کو گمراہ کرنے یا بہکانے پر قادر ہوگیا ہے کیونکہ کتنے انبیاء علیہم السلام کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان نے حملے کیے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر: ۴۲) بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں

علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا کیا جاتا ہے تو مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ اگرچہ شیطان کے انگلی چبھونے سے محفوظ رہے لیکن شیطان کے ہر وقت ساتھ اور لازم رہنے سے محفوظ نہیں رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۶۸' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان کے انگلی نہ چبھونے سے زیادہ فضیلت اس میں ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام اس کے انگلی چبھونے کے باوجود اس کے شر سے محفوظ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ فضیلت اور خصوصیت ہے کہ آپ کے ساتھ جو شیطان اور ہمزاد پیدا کیا گیا تھا آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے اس کی بھی کایا پلٹ گئی وہ شیطان مسلمان ہوگیا اور بجائے ورغلانے اور بہکانے کے آپ کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دینے لگا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان لگا دیا جاتا ہے (سفیان کی روایت میں ہے اور ایک فرشتہ لگا دیا جاتا ہے) صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہوگیا اور وہ مجھے بھلائی کے سوا کوئی اور مشورہ نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کی فیض آفریں نگاہ سے شیطان کا مسلمان ہوجانا بہت عظیم فضیلت ہے اور یہ فضیلت بشمول حضرت عیسیٰ کے کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

بچہ کا نام رکھنا' اس کو گھٹی دینا' اور بچہ کی ولادت کے دیگر مسائل

ان آیات میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے اور یہود کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ انبیاء صرف بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے' اور مشرکین کا رد ہے جن کا زعم تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ

نے نبی ﷺ کو گذشتہ نبیوں اور امتوں کے ان احوال سے مطلع فرمایا جن کی تصدیق ان کی کتابوں میں موجود تھی اور یہ آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلیل ہے۔

نبی کی ولادت اور اعلان نبوت سے پہلے جو امور خلاف عادت ظاہر ہوں ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم ایسی خاتون سے پیدا ہوئیں جو بوڑھی اور بانجھ تھیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہے' اسی طرح حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا یہ بھی ان کے معمول کے خلاف تھا تاکہ ان کی پاکیزہ سیرت ان کے بیٹے کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کا عنوان بن جائے۔

عمران کی بیوی حنہ نے اپنی بیٹی کے ولادت کے دن ان کا نام مریم رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کے دن نام رکھنا جائز ہے ہرچند کہ یہ شریعت سابقہ ہے لیکن ہماری شریعت میں بھی اس کی تائید ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اس کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کو کھجور کی گھٹی کھلائی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ یہ حضرت ابوموسیٰ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ سفر پر چلے گئے۔ اس اثناء میں وہ بیٹا فوت ہوگیا جب واپس آئے تو حضرت ام سلیم سے پوچھا میرا بیٹا کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا پہلے سے زیادہ پرسکون ہے۔ ان کو شام کا کھانا کھلایا اور رات کو حضرت ابو طلحہ نے ان سے عمل زوجیت کیا۔ صبح کو حضرت ام سلیم نے کہا اب بیٹے کو دفن کردو۔ حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ سے ماجرا بیان کیا آپ نے پوچھا تم نے رات اس عمل میں گزاری؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے دعا کی اے اللہ ان دونوں کو برکت عطا فرما تو ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ مجھ سے حضرت ابو طلحہ نے کہا تم اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے جاؤ میں اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا اور میرے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیجیں۔ نبی ﷺ نے بچہ کو لے کر پوچھا کیا اس کے ساتھ کچھ چیز بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے کھجور لی اور اس کو چبا کر اس بچہ کے منہ میں رکھا اور اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کے مسائل میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص تھکا ماندہ سفر سے آئے تو فوراً اس کو غمناک خبر نہیں سنانی چاہئے۔ بچہ کی موت پر ماں باپ کو پرسکون رہنا چاہئے۔ بچہ پیدا ہو تو کسی بزرگ سے اس کے منہ میں گھٹی ڈلوانی چاہئے اس سے برکت کی دعا کرانی چاہئے اور بچہ کا اچھا نام رکھنا چاہئے۔ خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے نام پر اس کا نام رکھنا چاہئے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے نام رکھو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہے اور سب سے سچا نام حارث اور ہمام ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرہ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو تمہارے ناموں اور تمہارے

باپوں کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اپنے اچھے نام رکھو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے آباء سے منسوب کرکے پکارا جائے گا مثلاً" فلاں بن فلاں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کرکے پکارا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے' اس کی تحقیق ان شاء اللہ سورہ احزاب میں آئے گی۔ ولادت کے دن بچہ کے نام رکھنے کے علاوہ اور بھی شرعی احکام ہیں ان احکام میں سے ہم عقیقہ کا بیان کررہے ہیں' پہلے ہم اس کے ثبوت میں احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد مذاہب فقہاء بیان کریں گے۔

عقیقہ کے متعلق احادیث' آثار اور اقوال تابعین

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کرو) اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نر ہو یا مادہ۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی (سنن دارمی ج ۲ ص ۸) اور امام احمد (مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۶-۴۲۲-۳۸۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہے۔ ولادت کے ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور اس کے بال مونڈے جائیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کئے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں جن احادیث کا ذکر ہے وہ سب سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں بھی مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سنن ابوداؤد میں حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کو ذبح کرنے کا تذکرہ ہے اور سنن نسائی میں دو دو مینڈھے ذبح کرنے کا ذکر ہے تو اس کی کیا توجیہہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ولادت کے دن ایک ایک مینڈھا ذبح کیا اور ساتویں دن ایک ایک مینڈھا اور ذبح کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مینڈھا آپ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو دوسرا مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تو

جس نے ایک ایک مینڈھے کے ذبح کی روایت کی اس نے آپ کی طرف ذبح کی حقیقی نسبت کی اور جس نے دو دو کو ذبح کرنے کی روایت کی اس نے آپ کی طرف مجازاً" نسبت کی۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عائشہ اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کئے۔ (المصنف ج ۴ ص ۳۳۰)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو درداء' حضرت جابر اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (المصنف ج ۸ ص ۴۷-۴۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کیے۔

محمد بن علی بن حسین روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی اور امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی کے دو بیٹوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۹۹ مطبوعہ ملتان)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا۔
(المصنف ج ۴ ص ۳۲۹' مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰' مطبوعہ ملتان)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عطا بیان کرتے ہیں کہ ام اسباع نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا میں اپنی اولاد کی طرف سے عقیقہ کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۰ مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کرنے کا حکم دیا نیز حضرت عائشہ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں سنت ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری سنت ہے۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۱' مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے جو بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے۔
(المصنف ج ۸ ص ۳۳۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ ہے اور لڑکی کی طرف

سے ایک بکری کا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۱۸۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک اپنے بیٹوں کی طرف سے اونٹ ذبح کر کے عقیقہ کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ا ص ۲۴۴' مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے جو عقیقہ کیا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ دائی کے پاس بھیجی جائے اور اس کی کسی ہڈی کو نہ توڑا جائے۔

ابن ابی ذئب بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے نہ سر کو اور نہ بچہ کو اس کے خون میں لتھیڑا جائے۔

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین عقیقہ میں ان تمام باتوں کو مکروہ کہتے تھے جو قربانی میں مکروہ ہیں اور ان کے نزدیک عقیقہ بہ منزلہ قربانی ہے اس کے گوشت کو کھایا جائے اور کھلایا جائے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے بچہ کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے ساتویں دن اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا۔ اس کا نام رکھا۔ اس کا سر مونڈا۔ اس کا ختنہ کیا اور اس کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۵-۵۲ ملتقطا" مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عطا کہتے تھے کہ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے اگر اس دن نہ کر سکیں تو اگلے ساتویں دن موخر کردیں اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ساتویں دن ہی عقیقہ کا قصد کرتے ہیں اور عقیقہ کرنے والے خود بھی گوشت کھائیں اور لوگوں کو ہدیہ بھی دیں۔ ابن عیینہ نے کہا میں نے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ کہا نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے ابن عیینہ نے کہا کیا اس کے گوشت کو صدقہ کردیں؟ کہا نہیں اگر چاہیں تو صدقہ کریں اور چاہیں تو خود کھالیں۔

(المصنف ج ۴ ص ۳۳۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عقیقہ ساتویں دن کیا جائے اور چودھویں دن اور اکیسویں دن۔

(سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۳' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

جو دن بھی سات سے تقسیم ہو جائے اس میں عقیقہ کرنا سنت ہے اگر بچہ مثلاً" منگل کو پیدا ہوا ہے تو جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے وہ سات دن سے تقسیم ہو گا۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ عبداللہ بن احمد ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ کرنا سنت ہے۔ عام اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' فقہا تابعین اور تمام ائمہ کا یہی نظریہ ہے ماسوا فقہاء احناف کے انہوں نے کہا یہ سنت نہیں۔ بلکہ امر جاہلیت سے ہے۔ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو ناپسند کرتا ہے گویا آپ نے لفظ عقوق کو ناپسند فرمایا۔ (اس کا معنی قطع کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی ہے) اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہے تو جانور ذبح کرے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۷-۳۶ ۳' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۷' ابوداؤد اور نسائی میں اس کے بعد مذکور ہے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری)۔ امام مالک نے اس حدیث کو اپنی موطا میں روایت کیا ہے۔ حسن بصری اور داؤد (ظاہری) نے کہا عقیقہ کرنا واجب ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ پانچ نمازوں کی طرح عقیقہ کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ امام احمد نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے۔ عقیقہ کے استحباب پر یہ احادیث دلیل ہیں اور حضرت ام کرز سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے اور عقیقہ کے استحباب پر اجماع ہے۔ ابو الزناد نے کہا عقیقہ کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ امام احمد نے کہا عقیقہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا ہے اور آپ کے اصحاب نے عقیقہ کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا لڑکا عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا کہ عقیقہ جاہلیت کے افعال میں سے ہے اور ان کے ساتھ حسن ظن یہ ہے کہ ان کو یہ احادیث نہیں پہنچیں۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

عقیقہ کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ سنت ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مولود کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور یہ واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں عقوق کو پسند نہیں کرتا' اور جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ آپ نے عقیقہ کو محبت پر معلق کیا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے نیز عقیقہ بغیر کسی جنایت (جرم) اور نذر کے خون بہانا ہے لہذا یہ قربانی کی طرح واجب نہیں ہے (شوافع کے نزدیک قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور سنت یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے کیونکہ حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا لڑکے کے لئے دو بکریاں اور لڑکی کے لئے ایک بکری' نیز عقیقہ خوشی کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر لڑکی کی بہ نسبت زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لئے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ (المہذب ج ۱ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عقیقہ کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اہل سے جو شخص بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے اور آپ اپنی اولاد کی طرف سے ایک ایک بکری کا عقیقہ کرتے تھے۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے۔

محمد بن حارث تیمی بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے خواہ چڑیا سے کیا جائے۔ (یہ مبالغہ فرمایا)

امام مالک فرماتے ہیں ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا گیا۔

ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عروہ بن زبیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا ایک ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کرتے تھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عقیقہ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص عقیقہ کرے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرے اور عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے لیکن عقیقہ مستحب ہے' اور ہمارے نزدیک یہ وہ کام ہے جس کو ہمیشہ لوگ کرتے رہے ہیں جو شخص اپنے بیٹے کی طرف سے عقیقہ کرے وہ بہ منزلہ قربانی ہے اس میں کانے' لاغر' سینگ ٹوٹے ہوئے اور بیمار جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس کی کھال اور گوشت کو فروخت نہیں کیا جائے گا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے گا۔ گھر والے اس کے گوشت کو کھائیں گے اور اس میں سے صدقہ کریں گے اور بچہ کو اس کے خون میں نہ لتھیڑا جائے گا۔ (موطا امام مالک ص ۴۹۵۔ ۴۹۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

امام مالک نے عقیقہ میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرنے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر اور عروہ بن زبیر نے جو بیٹوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی ہے وہ کسی عذر پر محمول ہے اسی طرح ہڈیاں توڑنا بھی احادیث کے خلاف ہے اور خون میں لتھیڑنا بھی احادیث کے خلاف ہے۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں :

امام محمد از امام ابو یوسف از امام ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔

(الجامع الصغیر ص ۵۳۴' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ)

نیز امام محمد لکھتے ہیں :

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عقیقہ کیا گیا پھر قربانی نے ہر اس ذبیحہ کو منسوخ کردیا جو اس سے پہلے تھا اور رمضان کے روزوں نے ہر اس روزہ کو منسوخ کردیا جو اس سے پہلے تھا اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کو منسوخ کردیا جو اس سے پہلے تھا اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کردیا جو اس سے پہلے تھا' ہم کو اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ (موطا امام محمد ص ۸۹۔۸۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جاتا ہے ہم نے عقیقہ اور عتیرہ کا منسوخ ہونا اس روایت سے پہچانا : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رمضان کے روزے نے ہر پہلے روزے کو منسوخ کر دیا' اور قربانی نے اس سے پہلے کے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا' اور غسل جنابت نے اس سے پہلے کے ہر غسل کو منسوخ کر دیا' اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو سنا تھا کیونکہ اجتہاد سے کسی چیز کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ (الی قولہ) امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔ اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی اور جب فضیلت منسوخ ہو گئی تو اس کا صرف مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹' مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی' ۱۴۰۰ھ)

اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے :

ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کی طرف سے بکری ذبح کرنا اور لوگوں کی دعوت کرنا اور بچہ کے بال مونڈنا عقیقہ ہے یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔ اسی طرح کردری کی وجیز میں ہے۔ امام محمد نے عقیقہ کے متعلق ذکر کیا ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کا اشارہ اباحت کی طرف ہے اس لئے اس کا سنت ہونا ممنوع ہے اور امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے اسی طرح بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲' مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

عقیقہ کے متعلق احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ نفل ہے اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے' اور عقیقہ کی تعریف یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے سات دن گزرنے کے بعد ایک بکری ذبح کی جائے اور امام شافعی (بلکہ ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک عقیقہ سنت ہے' پھر جب کوئی شخص عقیقہ کرنے کا ارادہ کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے' کیونکہ عقیقہ ولادت کی خوشی کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی ہوتی ہے' اور اگر لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک بکری کو ذبح کیا تھا (سنن ابو داؤد میں اسی طرح ہے اور سنن نسائی' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق اور سنن بیہقی میں ہے آپ نے ان کی طرف سے دو دو بکریاں ذبح کیں اور یہی صحیح ہے) عقیقہ میں بھیڑ اور دنبہ چھ ماہ سے کم کا نہ ہو اور بکری ایک سال سے کم نہ ہو' عقیقہ کا جانور قربانی کے جانور کی طرح عیوب اور نقائص سے بری ہو کیونکہ عقیقہ بھی قربانی کی طرح شرعاً" جانور کا خون بہانا ہے' اگر عقیقہ کو ساتویں دن پر موخر یا مقدم کر دیا جائے تو پھر بھی جائز ہے۔ البتہ ساتواں دن افضل ہے' اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ کر لیں اور نیک شگون کے لئے ہڈیوں کو نہ توڑیں تاکہ اس بچہ کی ہڈیاں سلامت رہیں۔ عقیقہ کے گوشت کو خود کھائیں' کھلائیں اور صدقہ کریں۔ فصل الکراہتہ والاستحسان میں مذکور ہے کہ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عقیقہ حق ہے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ نبی ﷺ نے بعثت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا ہے۔ عقیقہ کی دعا یہ ہے : ذبح کے وقت کہے۔ اے اللہ یہ میرے

فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس جانور کا خون میرے بیٹے کے خون کے عوض ہے اور اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض ہے' اس کی ہڈیاں اس کی ہڈیوں کے عوض ہیں' اس کی کھال اس کی کھال کے عوض ہے' اس کے بال اس کے بال کے عوض ہیں۔ اے اللہ! اس جانور کو میرے بیٹے کی جہنم سے آزادی کا فدیہ بنادے۔

عقیقہ کی ہڈیوں کو توڑا نہ جائے اور اس کی ران دائی کو دی جائے اور گوشت پکالیا جائے اور بچہ کے سر کو اس کے خون میں لتھیڑنا مکروہ ہے۔ (العقود الدریہ ج ۲ ص ۲۳۳۔ ۲۳۲' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیہ کوئٹہ)

عقیقہ کو منسوخ قرار دینے کے دلائل پر بحث و نظر

امام محمد شیبانی نے فرمایا ہے کہ عقیقہ رسم جاہلیت میں سے ہے اور یہ ابتداء اسلام میں بھی مشروع رہا ہے بعد میں قربانی نے اس کو منسوخ کردیا' اس لئے عقیقہ نہ کیا جائے' علامہ کاسانی نے اس پر متفرع کیا ہے کہ عقیقہ کرنا مکروہ ہے اور وجیز میں اس کی اباحت کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کار ثواب نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک عقیقہ کو قربانی سے منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہجرت کے پہلے سال قربانی مشروع ہوگئی تھی۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام کیا اور قربانی کرتے رہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اگر قربانی سے عقیقہ منسوخ ہوگیا تھا تو قربانی مشروع ہونے کے بعد عقیقہ نہیں ہونا چاہیے تھا حالانکہ ہجرت کے پہلے سال سے قربانی مشروع ہوگئی تھی اور تین ہجری کو حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت) اور چار ہجری کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ بیروت) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا عقیقہ کیا۔ اگر قربانی کے بعد عقیقہ منسوخ ہوگیا ہوتا تو آپ ان کا عقیقہ نہ کرتے اور آپ کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ عروہ بن الزبیر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ عقیقہ کے قائل تھے۔ بہ کثرت احادیث صحیحہ میں آپ نے عقیقہ کا حکم دیا اور متعدد صحابہ کرام اور فقہاء تابعین عقیقہ کو سنت قرار دیتے تھے۔ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بھی بالاتفاق عقیقہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں اور جس چیز کا سنت ہونا اتنی کثیر احادیث سے ثابت ہو وہ مکروہ یا مباح کیسے ہوسکتی ہے۔

امام احمد رضا کا احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ بلند پایہ محقق تھے وہ اندھی تقلید سے بہت بلند تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا لیکن امام احمد رضا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے پیش نظر عقیقہ کو سنت لکھا فرماتے ہیں:

عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے اور یہی افضل ہے ورنہ چودھویں' اکیسویں دن' اور خصی جانور عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے اور عقیقہ کا گوشت آباء و اجداد بھی کھاسکتے ہیں۔ مثل قربانی اس میں بھی تین حصہ کرنا مستحب ہے اور اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاولا" نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں۔ پسر کے عقیقہ میں دو جانور درکار ہیں اور یہی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو۔

نیز فرماتے ہیں :

باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے۔ عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے :

اللھم ھذہ عقیقۃ ابنی فلان (فلاں کی جگہ بیٹے کا نام لے) دمھا بدمہ و لحمھا بلحمہ و عظمھا بعظمہ و جلدھا بجلدہ و شعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا فداء لابنی من النار بسم اللہ اللہ اکبر۔

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھنا ہو لے۔ دختر ہو تو دونوں جگہ ابنی کی جگہ بنتی اور پانچوں جگہ ہ کی جگہ ہا کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ فلاں بن فلاں یا فلانہ بنت فلاں کہے' بچہ کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔ ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں اور نہ توڑنا بہتر اور دفن کردینا افضل۔ عقیقہ ساتویں دن افضل ہے نہ ہوسکے تو چودہویں ورنہ اکیسویں۔ ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو۔ وقت دن کا ہو رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ کم سے کم ایک تو ہے ہی اور پسر کے لئے دو افضل ہیں' استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ گوشت بنانے کی اجرت داموں میں مجرا کرسکتا ہے۔ سری پائے خود کھائے خواہ اقرباء یا مساکین جسے چاہے خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے۔ شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق مقرر نہ فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ٨ ص ٥٤٢ - ٥٤١' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نذر کے بعض احکام اور ماں کی اولاد پر ولایت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ٣٧٠ ھ لکھتے ہیں :

عمران کی بیوی حنّہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی جو نذر مانی تھی اس طرح کی نذر ماننا ہماری شریعت میں بھی صحیح ہے' مثلاً" انسان یہ نذر مانے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کی پرورش اور تربیت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں کرائے گا اور اس کے سوا اس کو اور کسی کام میں مشغول نہیں رکھے گا' اور اس کو قرآن مجید' احادیث' فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم دے گا' یہ نذر صحیح ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی عبادت ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر سے کوئی چیز واجب ہوجاتی ہے اور جس عبادت کی نذر مانی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے اور یہ کہ نذر پورا کرنے کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ کہ کسی مجہول چیز کی نذر ماننا جائز ہے کیونکہ حنہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کی نذر مانی تھی اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی اپنی اولاد پر ایک قسم کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کی تادیب' تعلیم اور تربیت کا حق رکھتی ہے اگر وہ اس کی مالک نہ ہوتی تو اپنی اولاد میں اس کی نذر نہ مانتی' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی بچہ کا نام رکھنے کا حق ہے اور اس کا رکھا ہوا نام صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول کرلیا یعنی حنہ نے مریم کو بیت المقدس کی عبادت کے لئے وقف کرنے کی جو اخلاص کے ساتھ نذر مانی تھی اس کو قبول کرلیا۔

(احکام القرآن ج ٢ ص ١١' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ١٤٠٠ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرمالیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا۔ (آل عمران : ٣٧)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عبادت گاہ کی خدمت کے لئے وقف کئے جانے کو قبول فرمالیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حضرت مریم کی عمدہ پرورش کے متعلق امام رازی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں حضرت مریم کی نشوونما اتنی ہوتی تھی جتنی عام بچوں کی ایک سال میں ہوتی ہے اور دین داری میں بھی ان کی تربیت بہت اچھی تھی وہ بہت زیادہ نیک کام کرتی تھیں۔ پاکباز رہتی تھیں اور عبادت کرتی تھیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں :

زکریا بن حنا اور زکریا بن دان بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے زکریا بن اون بن مسلم بن صدوف۔ ان کا نسب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں۔ یہ بنی اسرائیل سے ہیں۔ بثنیہ نام کی دمشق کی ایک بستی میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت ان کے بیٹے یحییٰ کو قتل کیا گیا تو یہ دمشق میں تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا نجار (بڑھئی) تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد زکریا بن دان ان انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں میں سے تھے جو بیت المقدس میں وحی لکھتے تھے' اور عمران بن ماثان حضرت مریم کے والد تھے اور بنو اسرائیل کے بادشاہوں کے بیٹوں میں سے تھے اور حضرت سلیمان کی اولاد تھے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۲۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶ ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء کے بیٹوں سے یا ان کی نسل اور ان کی جنس سے کسی نہ کسی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے دیگر کاموں اور ذمہ داریوں سے الگ کرکے وقف کردیا جاتا تھا اور حضرت زکریا نے حضرت مریم بنت عمران کی بہن سے شادی کی تھی اور وہ حضرت یحییٰ کی ماں تھیں' اور حضرت مریم بنت عمران آل داؤد سے تھیں' جو یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے نواسے تھے۔

مکحول نے کہا حضرت زکریا اور عمران نے دو بہنوں سے شادی کی تھی حضرت یحییٰ کی ماں حضرت زکریا کے نکاح میں تھیں اور حضرت مریم کی ماں عمران کے نکاح میں تھیں۔ وہ جب اولاد سے مایوس ہوگئیں تو ان کے ہاں مریم پیدا ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے حضرت زکریا نے رات کو اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی اور کہا اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہوگئی ہے اور میرا سر سفید ہوگیا ہے' اے میرے رب تو نے اس سے پہلے میری دعا کو کبھی مسترد نہیں کیا اس لئے میری اس دعا کو بھی مسترد نہ کرنا' اور مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے (کہ کہیں وہ میرے بعد دین میں فتنہ نہ پیدا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے' تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ بنا۔ (مریم : ۶-۳)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں : حضرت زکریا اور ان کی بیوی دونوں بوڑھے ہوچکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی سو جس وقت وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے جس جگہ قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایک سفید پوش شخص آئے یہ

حضرت جبرئیل تھے انہوں نے کہا اے زکریا! اللہ آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام یحیٰی ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام نہیں بنایا۔ (مریم : ۷)

پھر وہ (یحیٰی) اللہ کی طرف سے ایک کلمہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (آل عمران : ۳۹) یعنی حضرت یحیٰی حضرت عیسیٰ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہوں گے' پھر فرمایا کہ یحیٰی سید اور حصور ہوں گے یعنی حلیم ہوں گے اور عورتوں سے اجتناب کرنے والے ہوں گے۔

یزید بن ابی منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحیٰی بن زکریا علیہما السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں عبادت گزاروں نے موٹے کپڑے اور اونی ٹوپیاں پہنی ہوئی ہیں' اور مجتہدین نے اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونوں میں زنجیروں سے باندھ رکھا ہے جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے ماں باپ کی طرف لوٹے راستہ میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا اے یحیٰی آؤ ہمارے ساتھ کھیلو حضرت یحیٰی نے کہا میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا کہ ان کے بھی اونی کپڑے بنا دیں انہوں نے بنا دیئے اور وہ بیت المقدس کی طرف چلے گئے وہ دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو عبادت کرتے' حتیٰ کہ پندرہ برس گزر گئے پھر ان پر خوف کا غلبہ ہوا اور وہ جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل گئے۔ حضرت یحیٰی کے ماں باپ ان کی طلب میں نکلے تو ان کو بحیرہ اردن کے پاس غاروں میں دیکھا وہ ایک کھاڑی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پیر پانی میں ڈوبے ہوئے تھے' قریب تھا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جاتے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ! تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ تیرے نزدیک میرا مقام کیا ہے۔ ان کے ماں باپ کے پاس جو کی روٹی اور پانی تھا انہوں نے ان سے کھانے اور پینے کے لئے کہا انہوں نے قسم کا کفارہ دیا اور ماں باپ کا کہا مان لیا اور ماں باپ ان کو بیت المقدس واپس لے آئے۔ حضرت یحیٰی جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ شجر و حجر بھی ان کے ساتھ رونے لگتے' ان کے رونے کی وجہ سے حضرت زکریا بھی روتے حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحیٰی اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ آنسوؤں نے ان کے رخساروں کو جلا دیا اور ان کی داڑھیں نظر آنے لگیں جن پر ان کی والدہ نے روئی کا نمدہ رکھا۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا بھاگے اور ایک کھوکھلے درخت میں داخل ہو گئے اس درخت پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ جب ان کی پشت پر آرا چلنے لگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے زکریا! تم رونا بند کرو ورنہ میں تمام روئے زمین کو اس کے رہنے والوں سمیت پلٹ دوں گا۔ پھر حضرت زکریا خاموش ہو گئے اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شب معراج آسمان پر رسول اللہ ﷺ کی حضرت زکریا سے ملاقات ہوئی' آپ نے ان کو سلام کر کے فرمایا اے ابو یحیٰی مجھے اپنے قتل کئے جانے کی کیفیت کی خبر دیجئے اور آپ کو بنو اسرائیل نے کیوں قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! میں آپ کو بتاتا ہوں' یحیٰی اپنے زمانے کے سب سے نیک آدمی تھے اور سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے سیدا و حصورا! اور ان کو عورتوں کی ضرورت نہیں تھی بنو اسرائیل کے ایک بادشاہ کی عورت ان پر فریفتہ ہو گئی' وہ بدکار تھی' اس نے ان کو بلوایا۔ اللہ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یحیٰی نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی اور بادشاہ کی عادت یہ تھی کہ وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا' بادشاہ عید کے دن باہر نکلا اس کی عورت

نے اس کو رخصت کیا' بادشاہ کو اس پر تعجب ہوا کیوں کہ اس سے پہلے وہ اس کو رخصت نہیں کرتی تھی بادشاہ نے کہا سوال کرو! تم نے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا ہے میں نے تم کو وہ چیز عطا کی ہے اس نے کہا میں یحییٰ بن زکریا کا خون چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کچھ اور مانگ لو۔ اس نے کہا مجھے یہی چاہئے۔ بادشاہ نے کہا وہ تمہیں مل جائے گا۔ اس عورت نے یحییٰ کے پاس ایک سپاہی بھیجا وہ اس وقت محراب میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کی ایک جانب نماز پڑھ رہا تھا۔ ان کو ذبح کر دیا گیا اور ان کا سر اور خون ایک طشت میں رکھ کر اس عورت کو پیش کیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا آپ کے صبر کی کیا کیفیت تھی فرمایا میں نے اپنی نماز نہیں توڑی۔ جب حضرت یحییٰ کا سر اس عورت کے سامنے پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ' اس کے گھر والوں اور تمام درباریوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ جب صبح ہوئی تو بنو اسرائیل نے کہا زکریا کا خدا زکریا کی وجہ سے غضب میں آگیا۔ آؤ ہم اپنے بادشاہ کی وجہ سے غضب میں آئیں اور زکریا کو قتل کر دیں' وہ مجھے قتل کرنے کے لئے ڈھونڈنے نکلے میں ان سے بھاگا۔ ابلیس ان کی قیادت کر رہا تھا اور میری طرف رہنمائی کر رہا تھا۔ جب مجھے یہ خطرہ ہوا کہ میں ان کو باز نہیں رکھ سکوں گا تو میں نے اپنے آپ کو ایک درخت پر پیش کیا درخت نے آواز دی میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ وہ درخت شق ہو گیا' اور میں اس میں داخل ہو گیا' میں جب درخت میں داخل ہوا تو میری چادر کا ایک پلو باہر رہ گیا تھا اور درخت جڑ گیا تھا۔ ابلیس نے اس چادر کے پلو کو پکڑ لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں وہ اس درخت میں داخل ہو گیا ہے اور یہ اس کی چادر کا پلو ہے! وہ اپنے جادو کے زور سے اس درخت میں داخل ہو گیا ہے انہوں نے کہا ہم اس درخت کو جلا دیتے ہیں' اس نے کہا اس کو آری سے کاٹ کر دو ٹکڑے کر دو تو مجھے آری کے ساتھ کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا اے زکریا! کیا آپ نے کوئی درد اور تکلیف محسوس کی۔ حضرت زکریا نے کہا نہیں وہ تکلیف اس درخت نے محسوس کی اللہ تعالیٰ نے میری روح اس درخت میں منتقل کر دی تھی۔

وہب بن منبہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نبی کے لئے درخت شق ہوا تھا اور وہ اس میں داخل ہوئے تھے وہ حضرت عیسیٰ سے پہلے اشعیاء نام کے نبی تھے اور حضرت زکریا نے طبعی موت پائی تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۹ ص ۵۱۔ ۴۵ ملخصاً "مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت زکریا کا حضرت مریم کی کفالت کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور ان کو کاہن بن عمران کے بیٹے کے پاس لے گئیں جو اس زمانہ میں بیت المقدس کے دربان تھے اور ان سے کہا اس نذر میں مانی ہوئی لڑکی کو سنبھالو یہ میری بیٹی ہے میں نے اس کو اپنی ذمہ داری اور اپنی ولایت سے آزاد کر دیا۔ عبادت گاہ میں حائض داخل نہیں ہو سکتی تھی اور میں اس کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گی۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے اور عمران ان کو نمازیں پڑھاتے تھے اور ان کی قربانیوں کے منتظم تھے۔ حضرت زکریا نے کہا یہ لڑکی مجھے دے دو کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ باقی لوگوں نے کہا ہم اس فیصلہ پر خوش نہیں ہیں یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے' پھر انہوں نے حضرت مریم کی پرورش کے لئے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی۔ یہ وہ قلم تھے جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔ حضرت زکریا کے نام کا قرعہ نکل آیا اور انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی۔ سدی کی روایت میں ہے کہ وہ لوگ دریا اردن میں گئے اور جن قلموں سے

تورات لکھتے تھے وہ دریا میں ڈال دیئے کہ جس کا قلم پانی میں سیدھا کھڑا رہے گا وہ حضرت مریم کی پرورش کرے گا۔ باقی تمام لوگوں کے قلم پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا کا قلم پانی میں اس طرح کھڑا رہا جس طرح زمین میں نیزہ گاڑ دیتے ہیں۔ تب انہوں نے حضرت مریم کو لے لیا اور ان کی کفالت کی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے' انہوں نے کہا : اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران : ۳۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سردیوں میں گرمیوں کے' اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھتے تھے مجاہد نے بیان کیا ہے وہ ان کے پاس بے موسمی انگور دیکھتے تھے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی ماں کے فوت ہونے کے بعد حضرت زکریا نے حضرت مریم کو ان کی خالہ حضرت یحییٰ کی ماں کی تحویل میں دے دیا۔ حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گئیں تو ان کی ماں کی نذر کے مطابق ان کو عبادت گاہ میں پہنچا دیا۔ وہ وہاں پلتی بڑھتی رہیں۔ پھر بنو اسرائیل تنگی اور قحط سالی کا شکار ہوگئے اور حضرت زکریا کو ان کی پرورش کرنے میں ضعف لاحق ہوا' انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا تم کو معلوم ہے کہ اب میں اس کی پرورش سے عاجز ہو رہا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ جن مصائب کا شکار ہیں وہ ہمیں بھی درپیش ہیں وہ ایک دوسرے پر یہ ذمہ داری ڈالنے لگے اور ان کے لئے پرورش کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے پھر قرعہ اندازی کی اور اس دفعہ جریج نام کے ایک شخص کا قرعہ نکلا حضرت مریم نے جب جریج کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھے تو فرمایا۔ اے جریج اللہ سے حسن ظن رکھو وہ ہم دونوں کو رزق عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی برکت سے جریج کو غیر معمولی رزق عطا فرمانے لگا۔ حضرت زکریا نے جب رزق کی یہ فراوانی دیکھی تو پوچھا اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا' حضرت مریم نے کہا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے' اور محراب کا معنی ہے مجلس میں سب سے مشرف مقام۔ جائے صدارت اور محفل میں مقدم جگہ۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۶ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ

اس جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ

عطا فرما، بیشک تو ہی دعا سننے والا ہے ○ تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں

قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا

کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انھیں پکار کر کہا کر (اے زکریا) بیشک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے ، جو

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

(عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے ، سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ

انھوں نے کہا اے میرے رب ! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ

ہے - فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ (زکریا نے) کہا اے میرے رب ! میرے

لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ

لیے کوئی علامت مقرر کر دیجیے ، فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

ع ۴ | ۱۲

اور اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور اس کی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو ○

حضرت زکریا علیہ السلام کے اولاد کی دعا کرنے کا سبب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کا حال دیکھا کہ ان کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل آتے ہیں تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جو بے موسم کے پھل دینے پر قادر ہے وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ مجھے بے موسم کی یعنی بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کرنے پر راغب ہوئے' انہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پھر چپکے چپکے اپنے رب سے دعا کی : اے رب میری ہڈی کمزور ہو چکی ہے اور میرا سر سفید ہو گیا ہے اور میں کبھی تجھ سے دعا کر کے نامراد نہیں ہوا اور مجھے اپنے بعد اپنے وارثوں سے (دین میں فتنہ ڈالنے کا) خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا۔

بعض علماء اس آیت میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے پاس جا کر دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کے لئے ولی کی بارگاہ میں جانا پڑتا ہے اور جب نبی

کے لئے بھی ولی کے پاس جائے بغیر چارہ نہیں تو عام آدمیوں کا کیا ذکر ہے' اور اس آیت سے وہ نبی پر ولی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور یہ فکر محض گمراہی ہے' حضرت زکریا کا دعا کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے اور تب ان کا ذہن اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جب بے موسم کے پھل دے سکتا ہے تو بے موسم کی اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا اے زکریا! بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے' سردار' اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور نیک بندوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۳۹)

ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ کی ولادت کی نوید سنائی اور جمہور نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ندا کرنے والے حضرت جبرائیل تھے اور چونکہ حضرت جبرائیل جماعت ملائکہ کے رئیس ہیں اس لئے ان کو ملائکہ سے تعبیر فرمایا۔ یا اس وجہ سے کہ حضرت جبرائیل تمام ملائکہ کی صفات جمیلہ کے جامع ہیں۔

نمازی کو ندا کرنے کی بحث

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اس کو ندا کرنا اور اس سے کلام کرنا جائز ہے' لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے یا حضرت جبریل علیہ السلام نے ندا کی اور ان سے کلام کیا اور اس پر عام آدمیوں کے کلام کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں یہ شریعت سابقہ ہے ہماری شریعت میں نماز میں کلام کرنا ممنوع ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے باتیں کیا کرتے تھے' ایک نمازی اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی : وقوموا للّٰہ قانتین (البقرہ : ۲۳۸) اور اللہ کے سامنے خاموشی اور ادب سے کھڑے رہو۔ پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (جامع ترمذی ص ۸۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا بھی ہو سکتی ہے یعنی حضرت زکریا اس وقت دعا کر رہے تھے۔ واضح رہے کہ فرض نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں ہے' کیونکہ آپ کے بلانے پر جانے اور آپ سے باتیں کرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا' اور نفل نماز میں ماں کے بلانے پر چلا جائے اور اس نفل نماز کو دوبارہ پڑھ لے اور باپ کے بلانے پر نفل نماز میں بھی جانا جائز نہیں ہے اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع میں کی ہے۔

محراب میں نماز پڑھنے کی بحث

اس آیت میں مذکور ہے حضرت زکریا محراب میں نماز پڑھ رہے تھے علامہ ابوالحیان اندلسی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ اس سے منع کرتے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی کا استدلال کئی وجہ سے صحیح نہیں ہے اول اس لئے کہ امام ابو حنیفہ مطلقاً" محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ جماعت سے نماز پڑھاتے وقت امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں

کیونکہ عبادت میں امام کی مخصوص جگہ نصاریٰ کی عبادت کے مشابہ ہے' اور وہ یہاں ثابت نہیں ہے کہ حضرت زکریا اس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جبکہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا کا بھی احتمال ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں محراب کا معنی ہے عبادت کا حجرہ' اور امام ابوحنیفہ نے اس معروف محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہا ہے جو مسجد کے وسط میں ایک مخصوص شکل سے بنائی جاتی ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث میں نبی ﷺ نے عبادات میں یہود و نصاریٰ کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی اور فرشتوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا○ زکریا نے کہا : اے میرے رب میرا لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں○ فرمایا یوں ہی ہوگا' آپ کے رب نے فرمایا وہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے○ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم تندرست ہو گے○ تو وہ اپنے (ماننے والوں) لوگوں کے سامنے عبادت کے حجرہ سے باہر نکلے سو ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو○

(مریم : ۱۱-۷)

پھر حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف یہ وحی کی :

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ○ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ○ (مریم : ۱۵-۱۲)

اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی نبوت دی○ اور اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ نہایت متقی تھے○ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمانی کرنے والے نہ تھے○ اور ان پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے○

ان تین اوقات میں سلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ابن آدم پر یہ تین اوقات بہت سخت ہوتے ہیں ان اوقات میں وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا :

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (مریم : ۳۳)

اور مجھ پر سلام ہو میری ولادت کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا

قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے فرمایا: آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں' حضرت یحییٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اور آپ پر

اللہ نے سلام بھیجا ہے' تو حضرت یحییٰ نے جان لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ہی فضیلت دی ہے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ارادہ کیا ہے ماسوا یحییٰ بن زکریا کے' اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے زیادہ افضل ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن وہب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس آئے تو وہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ذکر کر رہے تھے' کسی نے کہا موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ کسی نے کہا عیسیٰ روح اللہ ہیں' کسی نے کہا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا شہید کہاں ہے؟ شہید کہاں ہے؟ جو اون کے کپڑے پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور گناہوں سے ڈرتے تھے' اور حافظ ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی (نوع کے) گناہ کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سید اور حصور فرمایا ہے پھر انہوں نے زمین سے کوئی چیز اٹھا کر کہا ان کے پاس بس اتنی چیز تھی پھر ان کو ذبح کر دیا گیا۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حارث اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ قریب تھا کہ حضرت یحییٰ اس میں تاخیر کرتے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا آپ کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا یا آپ انہیں تبلیغ کریں یا پھر میں تبلیغ کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے کہا اے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے مجھ سے پہلے ان کلمات کی تبلیغ کر دی تو مجھے عذاب ہو گا یا مجھ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ پھر حضرت یحییٰ نے بیت المقدس میں بنو اسرائیل کو جمع کیا اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو بھی ان پانچ چیزوں کی تعلیم دوں۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خالص مال سے سونے یا چاندی کے بدلہ ایک غلام خریدے اور وہ غلام اپنے مالک کے سوا کسی اور کی خدمت کرے اور مالک کی آمدنی کسی اور شخص تک پہنچائے۔ تم میں سے کون شخص پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تم کو رزق دیا تو تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور کو بالکل شریک نہ کرو۔ جب تک بندہ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ بھی اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اس لئے جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر توجہ نہ کرو' اور اللہ نے تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوگوں کی ایک جماعت میں مشک کی تھیلی ہو جس سے سب لوگوں کو مشک کی خوشبو آ رہی ہو' اور بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے' اور اللہ نے تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا اور اس کی گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے پھر وہ اس کی گردن اڑانے کے لئے آئے تو اس نے کہا تمہاری کیا رائے ہے میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ دے دوں! پھر وہ اپنا تھوڑا اور زیادہ مال انہیں دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے' اور میں تم کو اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے اس کا دشمن دوڑ رہا ہو تو وہ ایک مضبوط قلعے میں آ کر قلعہ بند ہو جائے اور جب کوئی شخص اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے تو وہ ایک مضبوط قلعہ میں شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت حارث اشعری نے کہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور

میں بھی تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے' جماعت کے ساتھ رہنا' حکم سننا اور اطاعت کرنا' اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے نکلا اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ اتار دیا الا یہ کہ وہ واپس آ جائے' اور جس نے زمانہ جاہلیت کی چیخ وپکار کی اس نے جہنم سے مٹی ڈال لی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو۔ آپ نے فرمایا خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو اور مسلمان ہونے کا زعم کیا ہو۔ مسلمانوں کو مسلمان کہہ کر بلاؤ کیونکہ اللہ عزوجل نے اللہ کے بندوں کو مسلمان اور مومن کہا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ' امام ترمذی' امام ابو داؤد طیالسی' امام ابن ماجہ' امام حاکم اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ لوگوں سے الگ رہتے تھے۔ وہ جنگلوں سے مانوس تھے۔ درختوں کے پتے کھاتے۔ دریاؤں کا پانی پیتے۔ کبھی کبھی ٹڈیوں کو کھا لیتے اور کہتے تھے اے یحییٰ! تم سے زیادہ انعام یافتہ کون ہوگا۔ امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ان کے ماں باپ انہیں ڈھونڈنے نکلے تو وہ دریا اردن کے پاس ملے ان کی عبادت اور ان میں اللہ کا خوف دیکھ کر وہ بہت روئے۔ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا ہری ہری گھاس کھاتے تھے اور خوف خدا سے بہت روتے تھے۔ وہیب بن ورد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زکریا سے ان کے بیٹے یحییٰ گم ہوگئے وہ تین دن ان کو ڈھونڈتے پھرے بالآخر وہ کھودی ہوئی قبر میں ملے وہاں بیٹھے ہوئے خوف خدا سے رو رہے تھے' انہوں نے کہا اے بیٹے! میں تم کو تین دن سے ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں قبر میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہو! حضرت یحییٰ نے کہا اے میرے ابو! کیا آپ ہی نے مجھے یہ خبر نہیں دی تھی کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک جنگل ہے جس کو صرف رونے والوں کے آنسوؤں سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ نے کہا اہل جنت جنت کی نعمتوں کی لذت کی وجہ سے نہیں سوتے' سو اسی طرح صدیقین کو چاہیے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی وجہ سے نہ سوئیں پھر فرمایا ان دونوں نعمتوں میں کتنا فرق ہے۔ وہ بہت زیادہ روتے تھے حتیٰ کہ مسلسل آنسو بہنے کی وجہ سے ان کے رخساروں میں نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ کے قتل کے کئی اسباب ذکر کیے گئے ہیں کہ اس زمانہ میں دمشق کا ایک حکمران اپنی کسی محرم سے نکاح کرنا چاہتا تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس بادشاہ کو اس کام سے منع کیا' اس وجہ سے اس عورت کے دل میں حضرت یحییٰ کے خلاف بغض پیدا ہو گیا جب اس عورت اور بادشاہ کے درمیان شناسائی پیدا ہوگئی تو اس عورت نے بادشاہ سے حضرت یحییٰ کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کرکے ان کا سر اس عورت کے سامنے پیش کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عورت بھی اسی ساعت مر گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس بادشاہ کی عورت حضرت یحییٰ پر فریفتہ ہوگئی اس نے حضرت یحییٰ سے اپنی مقصد برآری چاہی' حضرت یحییٰ نے انکار کیا جب وہ حضرت یحییٰ سے مایوس ہوگئی تو اس نے بادشاہ کو حضرت یحییٰ کے قتل پر تیار کیا اور بادشاہ نے کسی کو بھیج کر حضرت یحییٰ کو قتل کرا یا اور ان کا سر مبارک کاٹ کر ایک طشت میں اس عورت کو پیش کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۴۔ ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

حضرت یحییٰ کے قتل کا جو پہلا سبب لکھا ہے موجودہ انجیل میں بھی اس کی تصدیق ہے :

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوا لیا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے نکاح کر لیا تھا○ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا

تجھے روا نہیں ○ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا ○ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا ○ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی ○ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا ○ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا ○ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ○ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے ○ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا ○ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا ○ اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا ○ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی ○

(مرقس: باب: ۶' آیت ۲۹-۱۸' نیا عہد نامہ ص ۴۰-۳۹' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۳۹)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا

یحییٰ کے معنی ہیں زندہ ہوتا ہے یا زندہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام یحییٰ رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا۔ یا وہ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قتل کئے جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔ امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کی بیوی نے حضرت مریم سے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تمہارے پیٹ کے بچہ کے لئے حرکت کرتا ہے' پھر حضرت زکریا کی بیوی کے ہاں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت مریم کے ہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے مصدق تھے اس لئے اس آیت میں فرمایا ہے جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے کہتی تھیں کہ میں محسوس کرتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے وہ اس کو سجدہ کرتا ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ حضرت یحییٰ نے اپنی ماں کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کو سجدہ کر کے ان کی تصدیق کی وہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرنے والے تھے' حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو سید فرمایا ہے اس کا معنی ہے وہ علم اور عبادت میں سردار تھے۔ قتادہ نے کہا وہ علم' حلم اور تقویٰ میں سردار تھے۔ مجاہد نے کہا سید کا معنی ہے جو اللہ کے نزدیک کریم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حصور بھی فرمایا ہے' حصور کا معنی ہے جو عورتوں سے خواہش پوری نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا۔ الحدیث۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۷۴،۱۷۵ مطبوعہ بیروت)

حضرت یحییٰ کا عورتوں کی خواہش پوری نہ کرنا اپنی پاکبازی کی وجہ سے تھا کسی عجز کی وجہ سے نہ تھا' انبیاء کرام ہر قسم کے عیب سے منزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے○

حضرت یحییٰ کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستبعد سمجھنے کی توجیہہ

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت زکریا نے اپنے ہاں بیٹے کو کیوں اس قدر مستبعد سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کے بڑھاپے کو زائل کرکے ان کو جوانی عطا فرمائے گا اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کو دور فرمائے گا پھر بیٹا ہوگا یا ان کی اسی حالت کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا عطا فرمائے گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی نعمت سے مایوس ہو پھر اچانک اس کو اس نعمت کے ملنے کی خوشخبری مل جائے تو وہ خوشی سے از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے یہ کس طرح ہوگا؟ تیسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو جب غیر متوقع طور پر کسی نعمت کے ملنے کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ اس کے متعلق بار بار سوال کرتا ہے تاکہ جواب میں پھر اس نعمت کے دیئے جانے کی خوش خبری دی جائے اور اس خبر کی تاکید اور تقریر ہو اور اسے سن کر اسے مزید اطمینان اور شرح صدر حاصل ہو' چوتھا جواب یہ ہے کہ ان کے دعا کرنے کے ساٹھ سال بعد یہ بشارت دی گئی حتیٰ کہ بشارت کے وقت وہ اپنی دعا کو بھول چکے تھے' پھر جب انہوں نے سخت بڑھاپے کی حالت میں یہ خوش خبری سنی تو فطری طور پر انہوں نے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت مقرر کر دیجئے فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے اور اپنے رب کا ذکر اور اسکی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو۔

تین دن کے لئے حضرت زکریا کی زبان بند کرنے کے فوائد اور حکمتیں

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی ولادت کی خوش خبری اور اپنی دعا کی قبولیت سے غیر معمولی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر انعام اور اکرام فرمایا اس لئے انہوں نے یہ چاہا کہ اس کی کوئی علامت مقرر کر دی جائے جو استقرار حمل پر دلالت کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ علامت مقرر کر دی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔ اس آیت میں تین دنوں کا ذکر ہے اور سورہ مریم میں تین راتوں کا ذکر ہے اور ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت تین دن اور تین راتیں حاصل رہی تھی۔ اس علامت کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے بات کرنے سے روک دیا تھا اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ ان کی زبان کا بند ہو جانا استقرار نطفہ کی علامت بن گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دنیاوی امور میں باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بند کر دیا اور تسبیح' تہلیل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے پر ان کی زبان کو قدرت دے دی۔ اس طرح یہ ایک چیز استقرار حمل کی علامت بھی بن گئی اور اس نعمت پر

شکر ادا کرنے کا ذریعہ بھی بن گئی' تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ لوگوں سے بات تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح' تہلیل اور ذکر کر سکتے تھے' اور چونکہ ان کو پہلے بتا دیا گیا تھا کہ استقرار حمل کے وقت تمہاری زبان بند ہو جائے گی حالانکہ ان کا بدن صحیح و سلامت تھا اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوا تو یہ ایک اور وجہ سے معجزہ ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استقرار حمل کی علامت یہ بیان فرمائی کہ جب استقرار حمل ہو گا تو تمہیں یہ حکم دیا جائے گا کہ تم لوگوں سے تین دن تین راتیں بات نہ کرو اور تسبیح' تہلیل' اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرتے رہو اور لوگوں سے بات کرنے کی اگر ضرورت پیش آئے تو اشاروں سے بات کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کا آنا استقرار حمل کی علامت ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم لوگوں سے صرف رمزی بات کر سکو گے' رمز کا معنی ہے حرکت کرنا اور یہاں رمز سے مراد ہے اشارہ کرنا' خواہ اشارہ ہاتھ سے ہو' سر سے ہو' بھوں سے ہو' آنکھ سے ہو یا ہونٹ سے ہو' نیز اس آیت میں فرمایا ہے اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح کرو' اس پر یہ سوال ہے کہ ذکر کے بعد تسبیح کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ تسبیح کرنا بھی ذکر ہی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ذکر سے مراد ہے زبان کے ساتھ ذکر کرنا اور صبح اور شام کی تسبیح سے مراد ہے قلب کے ساتھ ذکر کرنا' کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں پہلے وہ بہ کثرت زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر جب اللہ کے ذکر کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا ہے تو پھر ان کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح سے مراد ہے شام اور صبح کو نماز پڑھنا کیونکہ نماز تسبیح پر مشتمل ہے اور تسبیح نماز کا جز ہے تو یہاں کل پر جز کا اطلاق ہے' قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی نماز پر تسبیح کا اطلاق ہے:

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ۔ اللہ کے لئے نماز پڑھو جب تم شام کا وقت پاؤ اور جب تم صبح کا وقت پاؤ (الروم : ۱۷)

نیز شام اور صبح کے وقت نماز پڑھنا اس آیت کے موافق ہے :

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ (هود : ۱۱۴) دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم رکھو۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہان

وَاصۡطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ

کی عورتوں پر برگزیدگی دی ○ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو

وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ

اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ○ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لیے اپنے قلموں کو ڈال رہے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے حضرت مریم کی کفالت اور پرورش کی تھی اور اب اس آیت میں خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا ہے جن کی انہوں نے پرورش کی تھی۔ اس آیت میں فرمایا ہے جب فرشتوں نے کہا اے مریم! یہاں فرشتوں سے مراد حضرت جرائیل علیہ السلام ہیں اور ان کو فرشتوں کی جماعت سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ ان میں تمام فرشتوں کے کمالات موجود ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بجائے حضرت جرائیل کا ذکر فرمایا ہے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم: ۱۷) تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتے (جرائیل) کو بھیجا تو وہ مریم کے سامنے مکمل بشر کی صورت میں آیا۔

زیر بحث آیت میں حضرت مریم کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے حضرت جرائیل کو حضرت مریم کی طرف بھیجا اور ان کی طرف وحی نازل کی۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو صرف مردوں کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف: ۱۰۹) اور ہم نے آپ سے پہلے (بھی) مردوں کے سوا اور کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔

اس لئے حضرت مریم کی طرف حضرت جرائیل کا آنا حضرت مریم کی کرامت اور ولایت کی دلیل ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص اور حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں حضرت مریم کی تین فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا اصطفاء کیا (ان کو چن لیا۔ منتخب کرلیا) ان کی تطہیر کی اور ان کا تمام جہانوں کی عورتوں پر اصطفاء کیا (تمام جہانوں کی عورتوں میں سے چن لیا اور ان پر فضیلت دی) سو اس آیت میں دو مرتبہ ان کو چن لینے کا ذکر ہے اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔

پہلے اصطفاء کا معنی یہ ہے کہ عورت ہونے کے باوجود حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کرلیا گیا' ان کے علاوہ اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول نہیں کیا گیا' حضرت مریم کی پرورش کے دوران ان کے لئے جنت سے بے موسم کے پھل آتے تھے اور حضرت مریم نے بالمشافہ حضرت جبریل کا کلام سنا۔

حضرت مریم کی تطہیر کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کفر اور معصیت کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی

طرح ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی ازواج کے متعلق فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۳) اے رسول کے گھر والو! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی ناپاکی سے دور رکھے اور تمہیں پاک رکھے اور خوب پاکیزہ رکھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا' نیز حضرت مریم کو حیض سے پاک رکھا۔ یہ فضیلت حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی حاصل تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حیض سے پاک رکھا۔ علامہ ابن حجر ہیتمی نے لکھا ہے کہ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری بیٹی آدمیوں میں حور ہے اس کو حیض اور نفاس نہیں آتا اس کا نام فاطمہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اس کو نار سے الگ کر دیا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۶۰' مطبوعہ مکتبۃ' القاہرہ مصر ۱۳۸۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بری عادتوں اور برے کاموں سے پاک رکھا اور یہودیوں نے حضرت مریم پر بدکاری کی جو تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت اور بہتان سے حضرت مریم کو پاک اور بری کر دیا۔

دوسرے اصطفاء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اپنی ماں کی برات اور پاک دامنی بیان فرمائی۔

حضرت مریم کی فضیلت میں احادیث

امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں بہت کامل ہیں عورتوں میں صرف عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہوئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سب سے نیک مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے نیک خدیجہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں اور مریم بنت عمران ہیں اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۹۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام احمد' امام ترمذی تصحیح سند کے ساتھ' امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام جہانوں کی عورتوں سے تمہیں یہ کافی ہیں: مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ۔

امام ابن جریر نے حضرت عمار بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی عورتوں پر خدیجہ کو اس طرح فضیلت دی گئی ہے جس طرح مریم کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی

عورتوں کی سردار مریم بنت عمران ہیں' پھر فاطمہ ہیں' پھر خدیجہ ہیں' پھر فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔

امام ابن عساکر نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جہان کی سردار چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران' آسیہ بنت مزاحم' خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور ان میں سب سے افضل فاطمہ ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریم بنت عمران' فرعون کی بیوی آسیہ اور خدیجہ بنت خویلد کے بعد تمام جہانوں کی سردار فاطمہ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ص ۳۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(آل عمران : ۴۳)

زیر بحث آیت میں سجدہ کے ذکر کو رکوع کے ذکر پر مقدم کرنے کی توجیہات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم پر اپنے مخصوص انعامات کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں ان انعامات پر شکر ادا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ نماز میں پہلے رکوع ہے اور پھر سجدہ ہے اس لئے بہ ظاہر پہلے رکوع اور پھر سجدہ کا ذکر کرنا چاہئے تھا جبکہ اس آیت میں اس کے برعکس پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے اس کی کیا توجیہ ہے' علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) نماز سے مقصود اللہ کے سامنے عاجزی پیش کرنا اور ذلت کا اظہار کرنا ہے اور سجدہ میں انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہے کیونکہ سجدہ میں انسان اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور اپنے جسم کے مکرم اور مشرف عضو کو اس جگہ رکھ دیتا ہے جو لوگوں کے پیروں تلے آتی ہے اور چونکہ نماز کا اہم مقصود سجدہ سے ادا ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں پہلے سجدہ کا اور پھر رکوع کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) بندے کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب سجدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

واسجدواقترب (العلق : ۱۹) سجدہ کرو اور (اللہ سے مزید) قریب ہو جاؤ

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ص ۱۹۱' مطبوعہ کراچی)

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ثوبان سے ہوئی' میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتلایئے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ مجھے جنت میں داخل کردے یا میں نے کہا جو عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو وہ مجھے بتلایئے۔ آپ خاموش ہو گئے میں نے پھر سوال کیا آپ پھر خاموش ہو گئے میں نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تم اللہ کے لئے بکثرت سجدے کرو' کیونکہ جب تم اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس سے تمہارے ایک درجہ کو بلند کرتا ہے اور تمہارے ایک گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۱۹۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ وہ عمل ہے جو بندہ کو خدا کے قریب کرتا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے اس لئے اس آیت میں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۳) احادیث میں نماز کو سجدہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن الزبیر سے فرمایا کہ اے میرے بھانجے! نبی ﷺ نے کبھی میرے پاس عصر کے بعد دو سجدوں (دو رکعت نماز) کو ترک نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۸۳ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو سجدے (دو رکعت نماز) کئے اور ظہر کے بعد دو سجدے اور مغرب کے بعد دو سجدے اور عشاء کے بعد دو سجدے اور جمعہ کے بعد دو سجدے۔ رہی مغرب اور عشاء تو وہ آپ نے گھر میں پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۵۷۔۱۵۶ مطبوعہ کراچی) یعنی مغرب اور عشاء کے نفل۔

اور کسی چیز کو اس کے اعلیٰ اور اشرف جز کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور نماز کو سجدہ سے تعبیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ سجدہ نماز کے اجزا اور ارکان میں سے اعلیٰ اور اشرف رکن ہے اس لئے یہاں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۴) علاوہ ازیں واو مطلقاً" جمع کے لئے آتی ہے اس کا تقاضا ترتیب نہیں ہے اس لئے آیت میں سجدہ کا پہلے مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ نماز میں بھی پہلے سجدہ ہو اور پھر رکوع ہو اور یہاں مقدم ذکر کرنے کی وہ وجوہ ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں اور جن آیات میں پہلے رکوع کا اور پھر سجدہ کا ذکر ہے وہ اصل کے مطابق ہے اور توجیہہ اس کی کی جاتی ہے جو خلاف ظاہر ہو۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا کی شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے ہو۔

(۶) اور یہ بھی احتمال ہے کہ سجدہ کرو سے مراد یہ ہو کہ تنہا نماز پڑھو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اس سے مراد یہ ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو' اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہو کہ بیت المقدس کے مجاورین کے ساتھ مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان میں مختلط نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ کے حکم سے مراد نماز پڑھنا ہو اور رکوع کے حکم سے مراد خضوع و خشوع ہو۔

بچہ کی پرورش کرنے کے حقداروں کا بیان

حضرت مریم کی پرورش ان کی خالہ نے کی اس سے معلوم ہوا کہ دور کے رشتہ داروں میں پرورش کرنے کی زیادہ حقدار بچہ کی خالہ ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا خالہ بہ منزلہ ماں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ بھی اے چچا اے چچا کہتی ہوئی آپ کے ساتھ چل پڑی' حضرت علی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اپنی چچازاد بہن کو لے لو۔ انہوں نے اس کو اٹھا لیا پھر اس کی پرورش کے

متعلق حضرت علی' حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر میں نزاع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے حضرت زید نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ کردیا اور فرمایا خالہ (پرورش کرنے میں) بہ منزلہ ماں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں :

جب خاوند اور بیوی میں تفریق ہوجائے تو ماں پرورش کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے اس بیٹے کے لئے میرا بیٹ ظرف تھا اور میری گود خیمہ تھی اور میرا پستان ڈول تھا اور اب اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم کہیں شادی نہ کرو اس کی پرورش کی تم زیادہ حقدار ہو نیز ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پرورش کرنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے اس لئے پرورش کرنے کے لئے وہ زیادہ مناسب ہے اور پرورش کا خرچ باپ پر ہوگا اور ماں کو پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگر بچہ کی ماں نہ ہو تو دادی سے نانی اولیٰ ہے اور اگر نانی نہ ہو تو بہنوں سے دادی اولیٰ ہے' اور اگر دادی نہ ہو تو پھوپھی اور خالہ سے بہنیں اولیٰ ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ خالہ اولیٰ ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ خالہ والدہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ورفع ابویہ علی العرش (یوسف : ۱۰۰) حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو عرش پر بٹھایا۔ اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ ان کی خالہ اور ان کے والد تھے۔ پھر خالہ' پھوپھی سے اولیٰ ہے کیونکہ اس کی ماں کے ساتھ قرابت ہے اور اگر بچہ کی ماں کی طرف سے کوئی رشتہ دار نہ ہو اور مرد پرورش کرنے میں نزاع کریں تو ان میں سے جو باپ کا زیادہ قریب رشتہ دار ہوگا وہ پرورش کرے گا' ماں اور نانی بچہ کی پرورش کی اس وقت تک زیادہ حقدار ہیں جب تک کہ اگر وہ لڑکا ہو تو خود سے کھانے پینے اور کپڑے پہننے لگ جائے اور خود سے استنجاء کرنے لگے اور اگر لڑکی ہو تو اس کے بالغ ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کرنے کا حق ہے' کیونکہ عورتوں کی تربیت وہی کرسکتی ہیں اور اس کے بعد لڑکی کی حفاظت کی ضرورت ہوگی اور اس کی طاقت باپ زیادہ رکھتا ہے' اگر مطلقہ عورت بچہ کو لے کر کسی اور شہر جانا چاہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں باپ کو ضرر ہے ہاں اگر اپنے وطن لے جانا چاہے جس شہر میں اس کی شادی ہوئی تھی تو پھر جائز ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۴۳۶۔ ۴۳۴ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بہت عبادت کرنے والی اور اللہ سے بہت ڈرنے والی اور اس کی فرمانبردار بندی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم کے علاوہ اور کسی عورت کا نام نہیں لیا۔ اس میں ان گمراہ فرقوں کا لطیف رد ہے جو حضرت مریم کو اللہ کی بیوی کہتے تھے' کیونکہ معروف یہ ہے کہ لوگ باقی عورتوں کا نام لیتے ہیں اور اپنی بیوی کا نام نہیں لیتے۔ اس کا کنایتاً" ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کا کنایتاً" نام لیا سوا حضرت مریم کے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لئے اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے○ (آل عمران : ۴۴)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

ان آیات میں حضرت زکریا' حضرت یحییٰ علیہما السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے گذشتہ واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جن پر آپ از خود مطلع تھے نہ آپ کی قوم کا کوئی اور فرد مطلع تھا' نہ آپ نے مکتب میں جا کر کسی سے ان کے متعلق کچھ سنا تھا نہ کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اور نہ ہی آپ ان کے زمانہ میں موجود تھے کہ آپ نے ان واقعات کا مشاہدہ کر لیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کا ذریعہ اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے یا اس چیز کے متعلق پڑھنا ہے یا اس کے متعلق کسی سے کچھ سننا ہے اور یہ تینوں ذرائع منتفی تھے تو ثابت ہو گیا کہ آپ نے ان گذشتہ واقعات کی جو صحیح صحیح خبریں بیان کی ہیں ان کے علم کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعہ وحی نازل کر کے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا اور آپ پر وحی نازل کرنے کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے۔ سو مشرکین اور اہل کتاب دونوں کے نزدیک آپ کی نبوت ثابت ہو گی کیونکہ آپ کے بیان کردہ واقعات ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے واقعات کے مطابق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات اور حالات سے بھی آپ کو وحی سے مطلع فرمایا اور یہ تمام واقعات اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ امی تھے آپ نے کسی انسان سے پڑھے یا سنے بغیر یہ تمام واقعات بیان فرمائے یہ بھی آپ پر وحی نازل ہونے اور آپ کی نبوت کا ثبوت ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو بیان کر کے فرمایا :

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ (ھود : ۴۹)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں نہ آپ (از خود) انہیں جانتے تھے اور نہ اس سے پہلے آپ کی قوم کے لوگ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے آپ کو مطلع فرمایا اور اس کے بعد فرمایا :

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (القصص : ۴۴)

اور آپ طور کی جانب غربی میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت آپ حاضرین میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے احوال سے آپ کو مطلع فرمایا اور یہ اطلاع صرف وحی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور وحی کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے نیز ان آیات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ہم نے "یؤمنون بالغیب" کی تفسیر میں علم غیب پر تفصیل سے بحث کی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیوب میں سے بعض کا علم عطا فرمایا ہے لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً" یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب کا علم ہے' امام احمد رضا قادری نے میر سید شریف سے نقل کیا ہے کہ جب علم غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے متبادر ذاتی ہوتا ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۴۷' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) ہاں یہ کہنا درست ہے کہ آپ کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا آپ غیب پر مطلع کئے گئے ہیں' قرآن مجید کی جن آیات میں آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بتلائے بغیر یا اس کی وحی کے بغیر آپ از خود غیب کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی تعلیم سے ہر چیز آپ پر

منکشف ہوگئی اور آپ نے اس کو جان لیا' امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے میرے کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا میں نے اس کی انگلیوں کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا' امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۶۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

مذکور الصدر حدیث کو طابع نور محمد نے جامع ترمذی کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے اور فاروقی کتب خانہ ملتان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ حدیث اصل کے مطابق کتاب کے متن میں موجود ہے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵' مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

اسی طرح محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کے متن میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۴ ص ۱۷۵' ۱۷۳' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہے

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور اللہ کے مقربین میں سے ہے ○ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی اور

الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي

نیکوں میں سے ہوگا ○ مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے مس تک

بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا

نہیں کیا، فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرمالیتا ہے

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

تو اسے فرماتا ہے "ہوجا" اور وہ فوراً ہو جاتی ہے ○

خلاصہ آیات اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کے احوال بیان فرمائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرابت دار تھے۔ اس تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور واقعات بیان فرمائے ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے ارشاد فرما رہا ہے : اے رسول مکرم! اس وقت کو یاد کیجئے جب جبرائیل نے مریم سے کہا اللہ آپ کو عیسیٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس آیت میں اگرچہ ملا ئکہ کا لفظ ہے مگر اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور ان کو ملا ئکہ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ وہ ملا ئکہ کی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اللہ کے نزدیک معزز اور مقربین میں سے ہیں اور وہ لوگوں سے پالنے میں بھی باتیں کریں گے اور پختہ عمر میں بھی باتیں کریں گے اور وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ حضرت مریم نے متعجب ہو کر کہا ان کے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو گا ان کا تو خاوند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اس کے نزدیک بغیر باپ کے بچہ کو پیدا کرنا کوئی مستبعد اور تعجب خیز بات نہیں ہے اس نے ابتداء" آسمان اور زمین کو پیدا کیا' حوا کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم کو عورت اور مرد دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ نیز اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر فرمایا تھا جن کو بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے پیدا کیا تھا یہ بھی عام معمول اور عادت کے خلاف پیدائش تھی اور اس وقت بھی یہی فرمایا تھا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے' اب اس سے بھی زیادہ معمول اور عادت کے خلاف پیدائش کی اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اس آیت میں بھی فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی توجیہہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ (آل عمران : ۴۵) ایک اور آیت میں فرمایا :

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ . (النساء : ۱۷۱)

مسیح عیسیٰ بن مریم محض اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ اللہ کی (پسندیدہ) روح اور اس کا کلمہ ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کئے گئے ہیں یوں تو اس کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کی گئی ہے لیکن ان چیزوں کے کچھ مادی اور ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً" حضرت آدم علیہ السلام کے لئے مٹی کا پتلا بنایا گیا۔ عام انسانوں کی پیدائش کے لئے مرد و زن کے اختلاط اور نطفہ کو ظاہری سبب بنایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر کسی ظاہری اور مادی سبب کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کیا گیا اس لئے آپ کو کلمتہ اللہ فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح عادل سلطان کو ظل اللہ اور نور اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت اور اس کے نور کے ظہور کا سبب ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ظہور کا سبب ہیں اور کلمہ "کن" کے تصرفات کے مظہر اور دلیل ہیں اس لئے ان کو کلمتہ اللہ فرمایا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے ظہور اور حدوث کا مبدء ہے اس لئے "کلمۃ" اور "کلمۃ منہ" فرمایا اور اپنی طرف اضافت فرمائی ہے اور یہاں "من" کا لفظ تبعیض اور جزعیت کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض عیسائیوں کا گمان ہے، بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بکلمۃ منہ (آل عمران ۴۵) مذکور ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا جز ہیں اور یہ ان کے ابن اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں "من" تبعیض کے لئے نہیں بلکہ ابتداء کے لئے ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی ابتداء بغیر باپ کے واسطے کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوئی ہے جس طرح قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ : ۱۳)

اور اس نے تمہارے نفع کے لئے مسخر کردیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے تمام اس کی طرف سے ہیں۔

ظاہر ہے یہاں بھی لفظ "من" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کا جز ہیں اور اس کے بیٹے ہیں بلکہ یہاں بھی لفظ "من" ابتداء کے لئے ہے یعنی سب چیزوں کے صدور کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہوئی ہے اور اس نے ہر چیز کو کلمہ "کن" سے پیدا کیا لیکن ان سب چیزوں کو کلمۃ اللہ اس لئے نہیں فرمایا کہ ان چیزوں کو بعض ظاہری اور مادی واسطوں سے پیدا فرمایا ہے۔

مسیح کا معنی

مسیح اور عیسیٰ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ عبرانی زبان کے لفظ ہیں، ابوعبیدہ اور لیث نے کہا مسیح عبرانی زبان میں مشیح تھا اور عربی زبان میں یہ مسیح ہو گیا۔ اور عیسیٰ اصل میں یشوع تھا جیسے کہا ہے کہ موسیٰ اصل میں موشی یا میشا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور مشتق ہیں اکثر علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بیماروں کے اوپر ہاتھ پھیرتے (مسح کرتے) تو وہ تندرست ہوجاتے، احمد بن یحیٰ نے کہا آپ کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ آپ بہت جلد قطع مسافت کرلیتے تھے۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ یتیموں کے سر پر شفقت سے بہ کثرت ہاتھ پھیرتے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مسیح کا معنی رگڑنا اور مٹانا بھی ہے، چونکہ آپ کے مفروضہ گناہ رگڑ دیئے گئے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا، پانچویں وجہ یہ ہے کہ جس مبارک تیل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے جسموں پر مالش کی جاتی تھی اسی تیل کے ساتھ آپ کے جسم کی مالش کی گئی، علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیل کو انبیاء علیہم السلام کی علامت بنا دیا ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے ان کے جسم پر تیل کی مالش کی ہوئی تھی، ساتویں وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے حضرت جبریل نے ان پر اپنے پروں کے ساتھ مسح کیا تاکہ وہ مس شیطان سے محفوظ رہیں یہ سات وجوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کا لقب دینے کی ہیں، اور دجال لعین کو جو مسیح کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین ہوگا یعنی اس کی ایک آنکھ رگڑی ہوئی یا مٹی ہوئی ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کا بیان

حضرت عیسیٰ کو عیسیٰ بن مریم فرمایا اور ماں کی طرف ان کی نسبت کی ہے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دنیا اور آخرت میں وجیہہ ہوں گے وجیہہ اس شخص کو کہتے ہیں جس شخص کے لئے عزت، شرف اور

قدر و منزلت ہو' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بنو اسرائیل نے ایک جسمانی عیب کی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کی اور ان کی وجاہت بیان فرمائی :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ؕ

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری فرمادیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں۔ (الاحزاب : ۶۹)

وجہ کا معنی ہے چہرہ۔ وجیہہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی نیکیوں اور مقبولیت کی وجہ سے سرخرو ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کئی وجوہ سے اللہ کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہیں' ایک یہ کہ وہ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں انکی دعا سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مادرزاد اندھے بینا ہو جاتے تھے۔ اور برص والے تندرست ہو جاتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ یہود کی لگائی ہوئی تہمتوں سے دنیا میں بری ہوئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب جزیل کا وعدہ فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ مقربین میں سے ہیں اس میں یہ تنبیہہ ہے کہ جب انہیں پھانسی دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمانوں پر اٹھالے گا' یہود اور نصاریٰ دونوں اس پر متفق تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی اور صلیب پر چڑھا کر سولی دی گئی' اور جس شخص کو سولی دی جائے اس کو عیسائی لعنتی کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی کتاب مقدس میں لکھا ہے :

مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ (گلیتوں باب : ۳' آیت : ۱۳' نیا عہد نامہ ص ۱۸۰' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک وہ دنیا اور آخرت میں معزز' قدر و منزلت والے اور مقربین میں سے ہیں۔ یہود اور عیسائی دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تہمت لگاتے تھے کہ ان کو سولی دی گئی' اسلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برات بیان کی اور یہ اعلان کیا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کسی اور شخص کو سولی دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰ کا پختہ عمر میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگوں سے پنگوڑے میں اور حالت کہل میں باتیں کریں گے اور نیکوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۴۶)

"کہل" کا معنی ہے جب شباب پختہ اور تام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پنگوڑے میں باتیں کرنا تو قابل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ذکر کیا ہے' اس سوال کے متعدد جوابات ہیں : ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بچپن سے کہولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تغیرات آتے رہیں گے' اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تغیر اور تبدل نہ آسکے کیونکہ تغیر حدوث کو مستلزم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھالیا گیا' پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کہولت اور پختہ عمر کے

ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد بھی چالیس سال کے ہوں گے' سو ان کا پنگوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ لیل و نہار کی گردش اور ہزاروں سال کا گذرنا ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے یعنی یہود' نصاریٰ اور مشرکین عرب میں حضرت عیسیٰ کے میلاد کو بیان کیجئے' جب مریم بیت المقدس سے نکل کر اس کی مشرقی جانب چلی گئیں' وہ ایسی جگہ چلی گئیں جہاں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ایک پہاڑ تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے ان کے پاس اپنی روح یعنی حضرت جبرائیل کو بھیجا وہ ان کے سامنے مکمل انسانی صورت میں آئے ان کا رنگ سفید تھا اور بال گھونگھریالے تھے' مریم نے جب ان کو اپنے سامنے دیکھا تو کہا۔ میں تم سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تم اس سے ڈرنے والے ہو تو' کیونکہ حضرت جبریل کی صورت اس شخص کے مشابہ تھی جس نے ان کے ساتھ ہی بیت المقدس میں پرورش پائی تھی وہ قوم بنی اسرائیل سے تھا اور اس کا نام یوسف تھا اور وہ بھی بیت المقدس کے خدام میں سے تھا' مریم کو خدشہ ہوا کہیں وہ شیطان کے ورغلانے سے تو نہیں آیا جبریل نے کہا میں تو محض تمہارے رب کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا مجھے تو کسی خاوند نے نہیں چھوا اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ جبریل نے کہا اسی طرح ہو گا آپ کے رب پر یہ آسان ہے یعنی بغیر مرد کے پیدا کرنا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم اس کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت پر) نشانی بنائیں گے اور وہ ہماری طرف سے اس شخص کے لئے رحمت ہو گا جو اس کی تصدیق کرے گا' اور وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے گا یعنی اپنے ہاتھ سے کتاب لکھے گا اور حکمت کی یعنی سنت کی تعلیم دے گا' اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہو گا اور میں اس کے ہاتھ سے اپنی نشانیاں اور عجیب و غریب امور کو ظاہر کروں گا' پھر مریم حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں' حضرت ابن عباس نے کہا جبریل علیہ السلام قریب آئے اور انہوں نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ پھونک حضرت مریم کے پیٹ میں چلی گئی اور اس سے مریم کو اسی طرح حمل ہو گیا جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح پیدا ہوئے جس طرح عورتوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ (آل عمران : ۴۹-۴۸' مریم : ۲۲' مریم : ۱۷)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی روح ان روحوں میں سے تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں میثاق لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے بشر کی صورت میں حضرت مریم کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا پھر وہ اس روح سے حاملہ ہو گئیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت مریم بیان کرتی ہیں کہ جب میں کسی سے بات کرتی تو حضرت عیسیٰ پیٹ میں تسبیح کرتے رہتے تھے اور جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا تو وہ مجھ سے بات کرتے اور میں ان سے بات کرتی۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بچپن میں بار

بار گویائی عطا فرمائی انہوں نے تین مرتبہ کلام کیا پھر وہ اس طرح بہ تدریج بالغ ہوگئے جس طرح بچے بالغ ہوتے ہیں جب وہ بچپن میں کلام کرتے تھے تو وہ اللہ کی اس طرح حمد کرتے کہ اس سے پہلے کانوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد نہیں سنی تھی۔ وہ کہتے اے اللہ! تو قریب ہونے کے باوجود بہت بلند ہے تو اپنی مخلوق میں سے ہر چیز سے بلند ہے۔ تو اپنی ساری مخلوق کو دیکھتا ہے اور مخلوق تجھے دیکھنے کے لئے حیران ہے' تونے ہی اندھیروں کو اپنے نور سے روشن کیا تو نے عرش کے ارکان کو منور کیا' کوئی شخص اپنی صفت سے تیری صفت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے اللہ تو برکت والا ہے' تو تمام مخلوق کا خالق ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کی تقدیر بنانے والا ہے تو مخلوق کو ابتداء میں پیدا کرنے والا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی گویائی کو روک لیا حتیٰ کہ وہ بالغ ہوگئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کررہا ہوں۔ اس وقت میں نے سیدھے بالوں والے گندمی رنگت کے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ابن مریم ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے شب معراج کا واقعہ بیان کیا اور حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم سب سے زیادہ تمہارے پیغمبر کے مشابہ ہیں یا فرمایا ان کی اولاد میں سب سے زیادہ میں ان سے مشابہ ہوں' رہے موسیٰ تو وہ گندمی رنگ کے لمبے قد کے آدمی ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ سے ہیں اور رہے حضرت عیسیٰ تو وہ سرخ رنگ کے ہیں اور ان کا درمیانی قد ہے ان کے بال سیدھے ہیں اور ان کے چہرے پر تل زیادہ ہیں۔

جب ان کی عمر سات سال ہوئی تو ان کی ماں نے ان کو مکتب میں داخل کردیا جب معلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی چیز بتاتا تو آپ اس کے بتانے سے پہلے اس کو جان لیتے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۳۔ ۸۵' ملتقطا' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے بچپن میں بہت عجیب وغریب امور کا مشاہدہ کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا یہ بات یہود تک بھی پہنچ گئی اور بنو اسرائیل نے ان کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا اور انکی والدہ کو ان کے متعلق خوف دامن گیر ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو لے کر مصر چلی جائیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے :

وَاٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ۔ اور ہم نے ان کو ایک اونچی ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو بسنے کے لائق تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔ (المؤمنون : ۵۰)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرہ سال کے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر سے ایلیا (بیت المقدس کا شہر) جانے کا حکم دیا۔ ان کے ماموں زاد بھائی ان کو دراز گوش پر سوار کرا کر ایلیاء لائے اور انہوں نے وہیں پر اقامت کی' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور ان کو تورات کا علم سکھایا اور انہیں مردے زندہ کرنے' بیماروں کو تندرست کرنے کے معجزات دیئے' اور لوگ جن چیزوں کو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ان کے غیوب کا علم دیا۔ لوگ ان کے آنے پر چہ میگوئیاں کرنے لگے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے عجیب وغریب کاموں کے صدور

کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے حضرت عیسیٰ نے ان کو اللہ کی دعوت دی اور ان کا پیغام لوگوں میں پھیل گیا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لاریب محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور بے شک عیسیٰ' اللہ کے بندے ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں اور بے شک جنت حق ہے اور نار حق ہے تو وہ شخص خواہ کوئی عمل کرے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۵۔ ۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

مائدہ کا نزول اور اس میں شک کرنے والوں پر عذاب آنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے کہا تم تیس دن کے روزے رکھو پھر تم اللہ سے جو دعا بھی کرو گے اللہ اس کو قبول فرمائے گا' انہوں نے تیس دن کے روزے رکھ لئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان نازل فرمائے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بہت خشوع اور خضوع سے دعا کی اے اللہ! ہمارے رب! ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے اور تیری نشانی ہو جائے اور تو ہمیں رزق عطا فرما تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (المائدہ : ۱۱۴) سو دو اوپر تلے بادلوں کے درمیان ایک دسترخوان نازل ہوا لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے' حضرت ابن عباس نے کہا فرشتے اس دسترخوان کو اٹھائے ہوئے تھے اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں تمام لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھالیا۔ حضرت سلمان نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اے عیسیٰ یہ مائدہ ہے اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔ (المائدہ : ۱۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کی تبلیغ کر دی۔ حواریوں کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اس مائدہ کا نزول اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے تو نہیں ہے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھوکوں' لنجوں' اندھوں' کوڑھیوں اور دیوانوں کو بلایا اور فرمایا اپنے رب کے رزق' اپنے نبی کی دعا اور اپنے رب کی نشانی سے کھاؤ اس کی برکت تمہارے لئے ہوگی اور اس کی نحوست دوسروں کے لئے ہوگی' انہوں نے وہ کھانا کھایا اور وہ تیرہ سو مرد اور عورتیں اس کھانے سے سیر ہو گئے' حضرت عیسیٰ نے دسترخوان کی طرف دیکھا تو وہ پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ پھر وہ دسترخوان اوپر اٹھالیا گیا وہ اس کے سائے کو دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا' جس فقیر نے بھی اس دسترخوان سے کھایا وہ تادم حیات کھانے سے مستغنی رہا اور جس بیمار نے بھی اس دسترخوان سے کھایا وہ تادم حیات صحت مند رہا' اس کے بعد حواری اور باقی سب لوگ نادم ہوئے' پھر دوبارہ جب مائدہ نازل ہوا تو امیر اور غریب مرد اور عورت بچے اور بوڑھے بیمار اور تندرست سب لوگ ہر جگہ سے اس مائدہ پر ٹوٹ پڑے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باریاں مقرر کر دیں' پھر ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن غائب رہتا۔ چالیس روز تک یہی معمول رہا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرا یہ رزق صرف یتیموں' لنجوں اور فقراء کو دینا اور اغنیا کو نہ دینا۔ اس بات سے اغنیا ناراض ہو گئے انہوں نے برائیوں کو پھیلایا اور اس میں شک کیا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے کلمۃ اللہ و روح اللہ! کیا واقعی یہ مائدہ ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے تباہی ہو تم ہلاک ہو گئے اور

تم پر عذاب نازل ہو گا الا یہ کہ اللہ تمہیں معاف کردے اور تم پر رحم فرمائے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی :

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ : ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو' تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو عذاب نازل ہونے کی خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تینتیس آدمیوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا ور وہ صبح کو گھاس میں لید اور گندگی تلاش کر کے کھا رہے تھے۔ رات کو وہ اپنے بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ بے خوفی سے سوئے تھے اور صبح اٹھے تو وہ مسخ ہو کر خنزیر بن چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا نام لے لے کر پکارتے تھے اور فرماتے تھے اے فلاں! کیا میں نے تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرایا تھا؟ وہ اثبات میں سر ہلاتے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۱۱۔ ۱۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۰۴ھ)

اس کی تصدیق ان آیات میں ہے :

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (المائدہ : ۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (المائدہ : ۶۰)

جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور ان کے مواعظ

جعفر بن برقان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا کرتے تھے ' اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ میں اپنی ناپسندیدہ چیز کو دور نہیں کر سکتا' اور جس کی مجھے امید ہے اس کے نفع کا مالک نہیں ہوں' صبح کو معاملہ میرے غیر کے ہاتھ میں ہے کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ اے اللہ میرے دشمنوں کو میری وجہ سے خوش نہ کر' اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ نہ کر اور میری مصیبت میرے دین میں نہ ڈال اور مجھ پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

یونس بن عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کہتے تھے اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ اس سے بے پرواہ نہ ہو جائے کہ کون شخص دنیا کھا رہا ہے۔

فضل بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ (المومنون : ۵۱) یہ عیسیٰ بن مریم ہیں جو اپنی ماں کی سوت کاتنے کی کمائی سے کھاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درختوں کے پتے کھاتے اون کا لباس پہنتے جہاں شام ہو جاتی وہیں رات گزار لیتے' ان کی اولاد تھی جس کے مرنے کا ڈر ہو نہ ان کا گھر تھا جس کے اجڑنے کی فکر ہو۔ صبح کا کھانا رات کے لئے بچا کر نہیں رکھتے تھے اور رات کا کھانا صبح کے لئے نہیں رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہر دن اپنے ساتھ رزق لاتا ہے۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔ ان سے حواریوں نے کہا : اے روح اللہ!

آپ پانی پر چلتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہ محض اللہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے کہا ہم بھی اللہ پر یقین رکھنے والوں میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان سے پوچھا اگر تم کو راستہ میں موتی اور پتھر دونوں ملیں تو تم کس کو اٹھاؤ گے؟ انہوں نے کہا موتی کو۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم جب تک تمہاری نظر میں موتی' یاقوت اور پتھر برابر نہ ہو جائیں۔ حسن نے کہا اگر اللہ ہمیں صرف اس وجہ سے عذاب دے کہ ہم دنیا سے محبت رکھتے ہیں تو اس کا عذاب دینا برحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس چیز سے محبت رکھتے ہو جس سے میں بغض رکھتا ہوں! اور قرآن مجید میں ہے:

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ — تم متاع دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔

(الانفال : ٦٧)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جو کی روٹی کھاتے تھے اور پیدل چلتے تھے۔ سواریوں پر سواری نہیں کرتے تھے' نہ گھروں میں رہتے تھے نہ چراغ روشن کرتے تھے' سوتی کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ نہ عورتوں کو چھوتے تھے' نہ خوشبو لگاتے تھے' کوئی چیز ملائے بغیر پانی پیتے تھے نہ اس کو ٹھنڈا کرتے تھے' انہوں نے کبھی سر میں تیل نہیں لگایا نہ کبھی سر اور داڑھی کو کسی چیز سے دھویا۔ زمین پر کوئی چیز بچھائے بغیر لیٹتے بیٹھتے تھے۔ وہ صبح اور شام کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ دنیا کی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے تھے' کمزوروں اپاہجوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے تھے جب ان کے قریب کھانا لایا جاتا تو اس کو زمین پر رکھ دیتے۔ انہوں نے کھانے میں سالن کبھی نہیں کھایا' وہ صرف اتنا کھاتے تھے جس سے رمق حیات برقرار رہے اور فرماتے تھے یہ چیزیں اس کے لئے ہیں جو مرے گا اور اس کو حساب بہت زیادہ دینا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم سے کہا گیا کہ آپ شادی کر لیں فرمایا شادی سے میں کیا کروں گا' کہا آپ کی اولاد ہو گی' آپ نے فرمایا اگر اولاد زندہ رہی تو وہ آزمائش ہے اور اگر مر گئی تو غم اور اندوہ ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت کو چھوڑ دیا ہے تم ان کے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا اے حواریو! اللہ کا ڈر اور جنت کی محبت مشقت پر صبر کو پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی رونق سے دور کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جو کی روٹی کھاؤ اور سادہ پانی پیو اور امن اور عافیت کے ساتھ دنیا سے گزر جاؤ' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے' اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے' اور اللہ کے بندے نازو نعمت سے نہیں رہتے' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں بدترین شخص وہ عالم ہے جو اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہے۔

عتبہ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے ابن آدم تو ضعیف ہے' تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر' اور اپنی حلال کی کمائی سے کھا اور مسجد کو گھر بنا' اور دنیا میں مہمان کی طرح رہ' اور اپنے نفس کو رونے کا عادی بنا اور دل کو غور و فکر کا اور جسم کو صبر کا' اور کل کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ تیرا گناہ لکھا جائے گا۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرماتے تھے: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے' اور دیکھنے سے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور مال میں بڑی بیماری ہے۔ ان کے اصحاب

نے پوچھا مال میں کیا بیماری ہے۔ فرمایا فخر اور تکبر' انہوں نے کہا اگر وہ تکبر نہ کرے تو فرمایا مال کی اصلاح اسے اللہ کی یاد سے غافل رکھے گی۔

نیز سفیان ثوری بیان کرتے ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں جیسے پانی اور آگ ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ابن شوذب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے گناہوں پر رو رہے تھے' آپ نے فرمایا تم گناہوں کو ترک کردو تمہیں بخش دیا جائے گا۔

ابو عبید اللہ صوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جتنا زیادہ پانی پیئے گا اتنی زیادہ پیاس بڑھے گی حتیٰ کہ وہ پانی اس کو ہلاک کردے گا۔

یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں تم جتنی تواضع کرو گے تم کو اتنا بلند کیا جائے گا' اور جتنا تم رحم کرو گے اتنا تم پر رحم کیا جائے گا' اور جس قدر تم لوگوں کی ضرورتیں پوری کرو گے اسی قدر اللہ تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا۔

ابن شابور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص قابل رشک ہے جس نے غائب انعام کی وجہ سے حاضر خواہش کو ترک کردیا۔

سالم بن ابی الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا وہ آنکھ قابل رشک ہے جو سوگئی در آں حالیکہ اس کے دل نے گناہ کا منصوبہ نہیں بنایا اور کوئی گناہ کیے بغیر بیدار ہوئی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے یہ تو اس کی نیکی کا بدلہ ہے' نیکی یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے حواریوں کا ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزر ہوا۔ حواریوں نے کہا اس کی بدبو کتنی سخت ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں وہ ان کو غیبت کرنے سے روکتے تھے۔

عبدالعزیز بن حصین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بد اخلاق ہوتا ہے وہ اپنے نفس کو عذاب دیتا ہے' جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا جمال جاتا رہتا ہے۔ جو شخص لوگوں سے جھگڑا کرتا ہے اس کی عزت جاتی رہتی ہے اور جو شخص بہت فکر کرتا ہے وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ فضیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور گناہوں کو ترک نہیں کرتا اس کو ملکوت میں کذاب لکھا جاتا ہے۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا خالص عمل کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا جس عمل کے متعلق تمہاری یہ خواہش نہ ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ پوچھا نصوح للہ کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا لوگوں کے حقوق سے پہلے اللہ کا حق ادا کرو' اور جب تمہارے سامنے دو کام ہوں ایک دنیا کے لئے اور ایک اللہ کے لئے تو جو کام اللہ کے لئے ہو اس کو پہلے کرو' نیز حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پاسکتا حتیٰ کہ یہ خواہش نہ کرے کہ اللہ کی عبادت

پر اس کی تعریف کی جائے۔

ہلال بن یساف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) روزہ رکھے تو اپنی داڑھی میں تیل لگائے اور ہونٹوں پر ہاتھ پھیرے اور لوگوں کے سامنے اس طرح آئے گویا وہ روزہ سے نہیں ہے اور جب دائیں ہاتھ سے کچھ دے تو بائیں ہاتھ سے مخفی رکھے اور جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) نماز پڑھے تو کمرہ بند کرلے۔

ابن حلبس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا جو نیک کام کرے وہ ثواب کی امید رکھے اور جو برے کام کرے وہ سزا کو بعید نہ جانے' اور جو شخص بغیر استحقاق کے عزت حاصل کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کے مطابق ذلت میں مبتلا کردے گا' اور جو شخص ظلم سے کسی کا مال لے گا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر ظلم کے فقر میں مبتلا کردے گا۔

عمران بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا اگر تم میرے بھائی اور اصحاب ہو تو اپنے آپ کو لوگوں کے بغض اور دشمنی کا سامنا کرنے کے لئے تیار رکھو' کیونکہ جب تک تم اپنی خواہشوں کو ترک نہیں کرو گے اپنے مطلوب کو حاصل نہیں کرسکو گے' اور جب تک تم اپنی ناپسندیدہ چیزوں پر صبر نہیں کرو گے اپنے مقصود کو حاصل نہیں کر سکو گے' وہ شخص لائق رشک ہے جس کی آنکھ اس کے دل میں ہے اور اس کا دل اس کی آنکھ میں نہیں ہے۔

مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے حواریو! اللہ کے نافرمانوں سے بغض رکھ کر اللہ کے محبوب بن جاؤ' اور ان سے دور ہو کر اللہ کا قرب حاصل کرو انہوں نے پوچھا اے روح اللہ! ہم کس کی مجلس میں بیٹھیں؟ فرمایا ان لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھو جن کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے' اور جس کی باتیں سن کر تم نیک عمل زیادہ کرو اور جس کے کام تمہیں آخرت کی طرف راغب کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے بنو اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا اے حواریوں کی جماعت! تم نااہل لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو تم اس حکمت پر ظلم کرو گے' اور اہل کے سامنے حکمت کو نہ چھپاؤ ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے' تین قسم کے امور ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہے ان پر عمل کرو دوسرے وہ ہیں جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہے ان سے اجتناب کرو تیسرے وہ جو مشتبہ ہیں ان کا علم اللہ کے حوالے کردو۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا خنزیر پر موتی مت پھینکو خنزیر موتیوں سے کچھ نہیں کرے گا اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے اس کو حکمت کی بات نہ سناؤ کیونکہ حکمت موتیوں سے بہتر ہے' اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے وہ خنزیر سے بدتر ہے۔

عمران کوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا گیا سب سے بڑا فتنہ کس شخص کا ہے؟ فرمایا عالم کی لغزش کا کیونکہ جب عالم لغزش کرتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم لغزش کرتا ہے۔

سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا : اے علماء سوء تم پر افسوس ہے! تم چھلنی کی طرح نہ بنو اس سے صاف آٹا چھن کر نکل جاتا ہے اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے اور یہی تمہارا حال ہے تمہارے منہ سے حکمت کی باتیں نکل جاتی ہیں اور تمہارے سینوں میں کھوٹ باقی رہ جاتا ہے' تم پر افسوس ہے جو آدمی دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اس کے کپڑے ضرور بھیگتے ہیں خواہ وہ ان کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کرے اسی طرح جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے

وہ گناہوں سے نہیں بچتا۔ اے علماء سوء! (بد عمل علماء) تم نے دنیا اپنے سروں پر رکھی ہے اور آخرت اپنے قدموں کے نیچے۔ اے علماء سوء! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہو تم جنت میں داخل کیوں نہیں ہوتے؟ اللہ کے نزدیک سب سے برا شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم کے بدلے دنیا طلب کرتا ہے۔ تم دنیا کے لئے عمل کرتے ہو اور تمہیں دنیا میں بغیر عمل کے رزق دیا جاتا ہے' اور تم آخرت کے لئے عمل نہیں کرتے اور آخرت میں بغیر عمل کے رزق نہیں ملے گا اے علماء سوء! تم پر افسوس ہے تم اجر لیتے ہو اور عمل ضائع کرتے ہو' قریب ہے کہ مالک اپنا عمل طلب کرے گا اور عنقریب تم اس بھری دنیا سے قبر کے اندھیروں کی طرف چلے جاؤ گے۔ اللہ نے جس طرح تمہیں نماز اور روزے کا حکم دیا ہے اسی طرح گناہوں سے روکا ہے وہ شخص اہل علم میں کس طرح شمار ہوگا جو اپنے رزق سے ناراض ہو اور اپنی منزل کو حقیر جانے' اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہوگا جو اللہ کی تقدیر سے راضی نہ ہو' اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہوگا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اور وہ شخص کیسے اہل علم میں شمار ہوگا جو آخرت کی طرف جاتے ہوئے بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو اور جس کے نزدیک اس کو ضرر دینے والی چیزیں نفع آور چیزوں سے زیادہ مرغوب ہوں' اور وہ شخص اہل علم میں کیسے شمار ہوگا جس کا کلام آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہو نہ کہ عمل کرنے کے لئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ٢ ص ١٣٢۔ ١١٣' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول

امام ابن عساکر لکھتے ہیں:

حضرت یعلیٰ بن شداد رضی اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چھ رمضان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی' اور بارہ رمضان کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی' اور تورات کے نازل ہونے کے چار سو بیاسی سال بعد زبور نازل ہوئی تھی' اور زبور نازل ہونے کے ایک ہزار پچاس سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور چوبیس رمضان کو ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ٢٠ ص ٩٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ٥٧١ھ لکھتے ہیں:

گذشتہ انبیاء میں کسی نبی کے زمانہ میں اتنے عجیب وغریب واقعات نہیں ہوئے جتنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا' اور آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا سبب یہ تھا کہ بنو اسرائیل کا ایک بڑا ظالم بادشاہ تھا اس کا نام داؤد بن بوذا تھا' اس نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کے لئے کسی کو روانہ کیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور جس وقت ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر چونتیس سال تھی اور ان کی نبوت کا زمانہ بیس سال تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی:

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (آل عمران: ٥٥)

بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں (کے بہتان) سے آپ کو پاک کرنے والا ہوں۔

یعنی آپ کو یہود سے نجات دینے والا ہوں وہ آپ کو قتل کرنے کے لئے نہیں پہنچ سکیں گے' حضرت ابن عباس نے

اس کی تفسیر میں کہا' میں آپ کو آسمان پر اٹھالوں گا پھر آخر زمانہ میں آپ پر وفات طاری کروں گا۔
(ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور نبوت دے دی گئی تھی۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہود نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو قتل کرنے پر اتفاق کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندے تک پہنچو' حضرت جبریل علیہ السلام نیچے اترے ان کے پر کے اوپر ایک سطر میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' حضرت جبریل نے کہا : اے عیسیٰ آپ دعا کیجئے : اے اللہ میں تیرے اسم واحد احد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میں تیرے اسم صمد کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے اسم عظیم کے واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ میں صبح اور شام جس مصیبت میں گرفتار ہوں تو اس کو مجھ سے دور کردے۔ حضرت عیسیٰ نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی طرف یہ وحی کی کہ میرے بندے کو اوپر اٹھالو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا : اے بنو ہاشم! اے بنو عبد المطلب! اے بنو عبد مناف! ان کلمات سے دعا کرو قسم اس ذات کی جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے جس قوم نے بھی ان کلمات کے ساتھ دعا کی تو عرش' سات آسمان اور سات زمینیں ہلنے لگیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ اپنے اصحاب کے پاس گئے اور وہ ایک گھر میں بارہ آدمی تھے' حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا۔ پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میرے بدلہ میں قتل کردیا جائے اور وہ میرے درجہ میں پہنچ جائے۔ ایک سب سے کم عمر کا نوجوان اٹھا اور اس نے کہا میں۔ آپ نے دوبارہ پوچھا اس نے دوبارہ پیش کش کی پھر تیسری بار پوچھا اس نے پھر پیش کش کی تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ کو روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو انہوں نے اس شخص کو پکڑ لیا جس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور اس کو قتل کیا اور اس کو سولی دے دی' اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا کفر کیا' پھر ان کے تین فرقے ہوگئے ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے۔ دوسرے فرقہ نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمانوں کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے' اور ایک فرقہ نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے انہوں نے جب تک چاہا ہم میں رہے پھر اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا یہ لوگ مسلمان ہیں پھر دونوں کافر فرقے مسلمانوں پر غالب آگئے۔ پھر اسلام کا نور مدھم رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر بنو اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور ایک جماعت بدستور کفر پر برقرار رہی (الصف : ۱۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وصیت سے فارغ ہوئے اور شمعون کو اپنا خلیفہ بنایا اور یہود نے یوذا کو قتل کردیا اور کہا وہ عیسیٰ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : انہوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ سولی دی لیکن ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ کا) ہم شکل بنادیا گیا اور بے شک جن لوگوں نے ان کے متعلق اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں انہیں یقین بالکل نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً" قتل

نہیں کیا○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا اور اللہ بڑا غالب' بڑی حکمت والا ہے۔○ (النساء : ۱۵۸۔ ۱۵۷) رہے یہود اور نصاریٰ تو وہ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کردیا ہے اور حواریوں کو یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں کیے گئے اور انہوں نے یہود اور نصاریٰ کے قول کا انکار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور اللہ نے آسمان سے ایک بادل نازل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بادل پر چڑھ گئے ان کی ماں ان سے چمٹ گئیں اور رونے لگیں۔ بادل نے کہا اس کو چھوڑ دو اللہ اس کو آسمان کی طرف اٹھائے گا۔ پھر قرب قیامت میں ان کو زمین والوں پر شرف عطا کرے گا اور ان کو زمین پر اتارے گا پھر جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر رہیں گے اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین کو عدل اور امن سے بھردے گا' پھر حضرت مریم نے ان کو چھوڑ دیا ان کی طرف دیکھتی رہیں اور انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتی رہیں پھر حضرت عیسیٰ نے ان پر ایک چادر ڈال دی اور کہا آپ کے اور میرے درمیان قیامت کے دن یہ چادر علامت ہوگی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۳۹۔ ۱۳۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول اور ان کی تدفین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ابن مریم نازل ہوں گے حکم' عادل' امام' انصاف کرنے والے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو موقوف کردیں گے اور مال کو تقسیم کریں گے حتیٰ کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! عیسیٰ بن مریم کے اور میرے درمیان کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔ سنو وہ میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے' سنو وہ دجال کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ ختم ہوجائے گی۔ سنو تم میں سے جو ان کو پالے وہ ان کو میرا سلام کہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل عیسیٰ بن مریم کو ضرور زمین پر اتارے گا وہ فیصلہ کریں گے' عدل کریں گے' امام اور منصف ہوں گے وہ حرمین کے راستہ میں حج اور عمرہ کے لئے سفر کریں گے اور وہ میری قبر پر ضرور کھڑے ہوں گے اور وہ مجھ کو ضرور سلام کریں گے اور میں ان کو ضرور جواب دوں گا اور ایک روایت میں ہے اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں "یا محمد" تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لے آئے گا۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت حضرت عیسیٰ کے خروج کے متعلق ہے۔ مجاہد اور حسن بصری نے کہا اس وقت ہر شخص اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں۔ اور اس کے آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں اور میرے اہل بیت سے مہدی اس کے وسط میں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گمان ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی کیا آپ مجھے یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن کردی جاؤں؟ آپ نے فرمایا تمہارے لئے وہاں کہاں جگہ ہے؟ اس جگہ صرف میری قبر ہوگی اور ابوبکر اور عمر کی قبر ہوگی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبر ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۔ ابو مودود نے کہا حضرت عائشہ کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۵۴۔ ۱۴۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے درمیان مدت کا شمار

شعبی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک پانچ ہزار پانچ سو سال کا زمانہ ہے' اور طوفان نوح سے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک تین ہزار دو سو چوالیس سال ہیں' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی پیدائش تک دو ہزار سات سو تیرہ سال ہیں' اور داؤد علیہ السلام سے لے کر ان کی پیدائش تک ایک ہزار نو سو پچاس سال ہیں' اور حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تک نو سو تینتیس سال ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۸۶)

اور سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہی صحیح ہے۔
(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے مس تک نہیں کیا' فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اسے فرماتا ہے "ہوجا" اور وہ فوراً" ہوجاتی ہے۔○ (آل عمران : ۴۷)

حضرت مریم کے حمل کی کیفیت

جب حضرت جبریل آدمی کی صورت میں حضرت مریم کے پاس آئے اور ان کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی تو حضرت مریم نے اس بچہ کی ولادت کے طریقہ کو جاننا چاہا کہ ان کا کسی سے نکاح ہوا ہے نہ وہ فاحشہ اور بدکار ہیں یعنی بہ ظاہر کوئی حلال سبب میسر ہے نہ حرام تو پھر بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اور فرمایا یہ آپ کے رب کے لئے آسان ہے' ابن جریج نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت جبریل نے حضرت مریم کی آستین اور گریبان میں پھونک ماری اور وہ اسی وقت حاملہ ہوگئیں' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ کا نفخ جبریل سے پیدا ہونا جائز نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بچہ فرشتہ اور انسان کے اجزاء سے مرکب ہو۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کی ذریت سے میثاق لیا تو اولاد کے بعض پانی کو ان کے آباء کی پشتوں میں رکھا اور بعض پانی کو ان کے امہات کے ارحام میں رکھا اور جب یہ دونوں پانی جمع ہوجاتے ہیں تو بچہ پیدا ہوجاتا ہے' اور حضرت عیسیٰ کے دونوں پانی حضرت مریم میں رکھ دیئے۔ بعض پانی ان کے رحم میں رکھا اور بعض پانی ان کی پشت میں رکھا۔ حضرت جبریل نے جب پھونک ماری تو حضرت مریم کی طبیعت میں ہیجان ہوا اور جو پانی ان کی پشت میں تھا وہ ان کی پشت سے منتقل ہوکر ان کے رحم میں آگیا اور جب یہ دونوں پانی مختلط ہوگئے تو حضرت مریم حاملہ ہوگئیں۔

نیز کہا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو فرماتا ہے "ہوجا" اور وہ چیز ہوجاتی ہے' اس پر مفصل بحث تو البقرہ

۔۔۔ ۱۷۷ میں ہم کر چکے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کام کو کرنا کسی عمل اور آلہ پر موقوف نہیں ہے وہ جب چاہتا ہے کسی چیز کو آلہ اور مادہ کے بغیر فی الفور پیدا کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز کو فلاں کیفیت سے ہونا ہے سو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ اسے لکھنے کا اور شریعت کا اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گا ○ اور وہ بنو اسرائیل

اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ

کی طرف رسول ہو گا (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے

طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى

اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھے اور برص زدہ کو شفا دیتا ہوں اور میں

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ

اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

مومن ہو تو بیشک ان سب چیزوں میں تمہارے لیے قوی نشانی ہے ○ اور میرے سامنے جو تورات

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، تاکہ تمہارے لیے کچھ ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم

اس آیت میں کتاب کی مختار تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد لکھنا ہے' امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ کتاب سے مراد ہاتھ سے لکھنا ہے اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے' علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گذشتہ تمام آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمایا اور خصوصاً تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے میرے نزدیک کتاب سے مراد لکھنے کی تعلیم دینا ہے اور حکمت سے مراد علوم اور تہذیب الاخلاق کی تعلیم ہے' کیونکہ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ حقیقت کو جانے نیک اعمال کا علم حاصل کرے اور ان دونوں کے مجموعہ کے علم کو حکمت کہتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کو کتابت اور علوم عقلیہ اور شرعیہ کا علم عطا کردیا تو ان کو تورات کا علم عطا فرمایا اور تورات کے علم کو موخر اس لئے کیا کہ تورات اللہ کی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار عظیمہ ہیں' اور انسان جب تک علوم کثیرہ حاصل نہ کرے اس کے لئے اللہ کی کتاب میں غور وخوض کرنا ممکن نہیں ہے' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل کی ہوئی کتابوں کے اسرار کو جان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا یہ کہتا ہوا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں۔ (آل عمران: ۴۹)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ تمام بنو اسرائیل کی طرف رسول تھے اور اس میں بعض یہودیوں کے اس قول کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک مخصوص قوم کے رسول تھے۔ اس آیت میں ایک نشانی سے مراد جنس نشانی ہے جو ان تمام نشانیوں کو شامل ہے جن کا ذکر اس آیت کے اگلے حصہ میں کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی ایک صورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں مکتب کے لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور فرمایا میں تمہارے لئے اس مٹی سے ایک پرندہ بنا دیتا ہوں۔ لڑکوں نے کہا کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اپنے رب کے حکم سے ایسا کرسکتا ہوں' پھر آپ نے مٹی اٹھا کر ایک پرندہ کی ایک صورت بنائی اور اس میں پھونک ماردی۔ پھر فرمایا "تو اللہ کے اذن سے اڑنے والا ہو جا" وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر اڑنے لگا۔ لڑکوں نے جاکر اپنے معلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' انہوں نے لوگوں میں یہ خبر پھیلادی۔ لوگ اس سے خوف زدہ ہوگئے اور بنو اسرائیل نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب ان کی ماں حضرت مریم کو ان کی جان کا خوف دامن گیر ہوا تو وہ ان کو لے کر اس شہر سے چلی گئیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے پرندہ بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پوچھا کون سے پرندہ کو بنانا مشکل ہے تو بتایا گیا چمگادڑ کو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندہ کی صرف صورت بناتے تھے اور اس کا پتلا بناتے تھے اور اس میں جان اللہ ڈالتا تھا کیونکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (الانعام : ۱۰۲) یہ ہے اللہ تمہارا رب' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ہر چیز کا خالق ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الفاطر : ۳) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟

یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات کو ظاہر کیا تو منکرین نے ہٹ دھرمی کی اور ان سے چمگادڑ پیدا کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی لے کر چمگادڑ کی صورت بنائی اور اس میں پھونک ماری تو وہ فضا میں اڑنے لگی۔ وہب بن منبہ نے کہا جب تک لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے تھے وہ اڑتی رہتی تھی اور جب وہ ان کی نظر سے غائب ہو جاتی تو مر کر زمین پر گر جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۲-۴۵۱ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفاء دیتا ہوں۔

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں :

اکثر اہل لغت کا قول یہ ہے کہ اکمہ وہ شخص ہے جو مادر زاد اندھا ہو' اور اس امت میں قتادہ بن دعامہ السدوسی کے سوا کوئی مادر زاد اندھا نہیں ہوا' یہ صاحب تفسیر تھے' حضرت ابن عباس' حسن بصری اور سدی کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مطلقاً" نابینا شخص ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ دعا کر کے بیماروں کو شفا دیتے تھے یا ان پر ہاتھ پھیر کر۔ روایت ہے کہ بعض اوقات ایک دن میں ان کے پاس پچاس ہزار بیمار جمع ہو گئے' جو ان کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ آگئے اور جو نہیں آسکے ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود چلے گئے' حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس جنس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دے کر بھیجا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کا علاج کیا جن کی بیماریوں کو لاعلاج سمجھا جاتا تھا' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء دے کر بھیجا جس کا معارضہ کرنے سے اس زمانہ کے تمام جادوگر عاجز رہے' اور نبی ﷺ کے زمانہ میں بلاغت کا شہرہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا۔ جس کی نظیر لانے سے تمام عرب عاجز رہے اور آج تک پوری دنیا علوم کی ترقی اور اسلام کی مخالفت کے باوجود عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ (آل عمران : ۴۹)

ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا۔ ایک شخص حضرت عیسیٰ کا دوست تھا جس کا نام عازر تھا آپ نے اس کے مرنے کے تین دن بعد اس کو زندہ کر دیا وہ کافی عرصہ زندہ رہا حتیٰ کہ اس کی اولاد ہوئی۔ دوسرا شخص ایک بڑھیا کا بیٹا تھا وہ اپنے جنازہ سے اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی کافی عرصہ زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ تیسری بنت عاشر تھی وہ زندہ ہونے کے بعد اپنی اولاد سے نفع یاب ہوئی' اور لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ سام بن نوح کو زندہ کریں تاکہ وہ لوگوں کو کشتی کے حال کی خبر دے۔ وہ قبر سے نکلے اور پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی' ان کے آدھے سر پر

بڑھاپے کے آثار تھے ان کی عمر پانچ سو سال تھی انہوں نے کہا مجھے قیامت کے خوف نے بوڑھا کردیا۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ میت یا قبر یا میت کی کھوپڑی پر اپنی لاٹھی مار کر اس کو زندہ کرتے' وہ جس انسان کو زندہ کرتے وہ باتیں کرتا اور کافی عرصہ زندہ رہتا' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جلد مرجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ (آل عمران : ۴۹)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے غیب کی خبریں دیتے تھے۔ سدی نے روایت کی ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور ان کو ان کے ماں باپ کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دیتے' اور بچہ کو بتاتے کہ تمہاری ماں نے فلاں چیز تم سے چھپا کر رکھی ہے۔ پھر بچہ گھر جاکر روتا حتیٰ کہ وہ اس چیز کو حاصل کرلیتا۔ پھر ان کے گھر والوں نے کہا اس جادوگر کے ساتھ مت کھیلا کرو اور سب بچوں کو ایک گھر میں جمع کردیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو گھر والوں نے کہا وہ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پوچھا پھر اس گھر میں کون ہے؟ انہوں نے کہا خنزیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تو پھر خنزیر ہی ہیں۔ سو وہ سب خنزیر بن گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ غیب کی خبریں دینے کا واقعہ اس وقت ظاہر ہوا جب مائدہ نازل ہوا' کیونکہ لوگوں کو منع کیا گیا تھا کہ وہ اس مائدہ سے کوئی چیز بچا کر نہ رکھیں اور اس کو ذخیرہ نہ کریں' اور وہ لوگ آپ کی حکم عدولی کرکے ذخیرہ کرتے تھے تو آپ خبر دیتے تھے کہ فلاں شخص نے مائدہ سے کھانا بچا کر ذخیرہ کیا ہے۔ بعض لوگ مختلف آلات کے ذریعے غیب کی خبریں بتادیتے ہیں یہ معجزہ نہیں ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ بغیر کسی آلہ اور ذریعہ کے محض وحی سے غیب کی خبر دی جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمہارے لئے قوی نشانی ہے۔ (آل عمران: ۴۹)

یعنی یہ مذکور الصدر پانچ چیزیں زبردست اور قوی ترین معجزات ہیں جو میرے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص بھی دلیل سے کسی بات کو مانتا ہو اس پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میرے سامنے جو تورات ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لئے بعض ایسی چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں' اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (آل عمران : ۵۰)

ہر نبی پر واجب ہے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرے کیونکہ تمام نبیوں کی تصدیق کا ذریعہ معجزہ ہے اور جب ہر نبی نے اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزہ پیش کیا ہے تو پھر ہر نبی کی تصدیق کرنا واجب ہے' اور ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے یہ غرض ہو کہ وہ تورات کو مقرر اور ثابت رکھیں۔ منکرین کے شبہات کا ازالہ کریں اور غالی یہودیوں نے دین میں جو تحریف کردی ہے اس تحریف کو زائل کریں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ وہ ہفتہ کے

دن کی تعظیم کرتے تھے اور نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا کہ میں تم کو تورات کی کسی بات کی مخالفت کی دعوت نہیں دیتا' البتہ بعض چیزیں جو تورات میں حرام کردی گئیں' میں ان کو حلال کرتا ہوں اور بعض مشکل احکام کو منسوخ کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان عبداللہ بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے اونٹ کا گوشت اور چربی کو حلال کردیا اور کئی قسم کی مچھلیاں حلال کردیں اور جس پرندے پر نشانات نہ ہوں ان کو حلال کردیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸۔ ۱۶۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مصدق تھے تو انہوں نے تورات کی بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے آسمانی کتاب ہونے کے مصدق تھے اور اس کے کہ تورات کے زمانہ میں تورات کے احکام برحق تھے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے زمانہ میں تورات کی حرام کردہ بعض چیزیں حلال کرنا اور تورات کے بعض احکام کو منسوخ کرنا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جزوی احکام میں ہر رسول کی شریعت دوسرے رسول سے مختلف ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت کو ثابت فرمایا۔ پھر انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا یعنی میں تم کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دوں ان پر عمل کرنے میں اور جن کاموں سے روکوں ان سے اجتناب کرنے میں اللہ کے خوف سے میری اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

(آل عمران : ۵۱)

صراط مستقیم سے مراد ہے اعتقاد حق اور اعمال صالحہ' اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی وہ پیغام ہے جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور اسی کو دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور معاملات کے طریقے الگ الگ ہیں اور اس کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا اللہ کی طرف میرے کون مددگار

اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ

ہیں، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے (راستہ میں) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں ○ اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم نے رسول

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ

کی پیروی کی، تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ○ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی

خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور اللہ سب سے عمدہ خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے ○

ع ۱۳ | ۵ | ۱۳ الثلثۃ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کی مخالفت کا سبب

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا' اور سورہ مریم میں اس کو زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرمایا اور لوگوں کے سامنے اپنی رسالت کے پیش کرنے اور اپنی اطاعت کی دعوت دینے کا ذکر فرمایا' اور ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب نبی لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کو پیش کرتے ہیں تو زیادہ تر لوگ نبی کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کے دین کو قبول کر لیتے ہیں اور نبی کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں' سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ مخالفین آپ کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا اللہ کے دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

مخالفت کی وجوہ میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں ایک واقعہ یہ ہے کہ یہود کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس مسیح کی تورات میں بشارت دی گئی ہے وہ یہی ہیں اور وہ ان کے دین کے بعض احکام کو منسوخ کر دیں گے۔ تو وہ ابتداء امر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا اعلان کیا تو ان کا غضب اور زیادہ ہو گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینی شروع کر دی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

حواریین کا معنی اور مصداق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو حواری کہتے ہیں۔ کلبی اور ابو روق نے بیان کیا ہے کہ یہ بارہ شخص تھے۔ امام ابو جعفر طبری روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حور کے معنی سفید ہیں ان کو حواری اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے کپڑے سفید تھے۔ ابو ارطاۃ نے بیان کیا ہے کہ یہ کپڑے دھو کر سفید اور صاف کرتے تھے اس لئے ان کو حواری کہتے ہیں۔ قتادہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ حواری اس کو کہتے ہیں جو نبی کا خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھے۔ ضحاک نے کہا

حواری انبیاء علیہم السلام کے اصفیاء اور مخلصین کو کہتے ہیں۔ حواری کے ان معانی میں تحقیق کے زیادہ قریب وہ قول ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے ان کو حواری کہا جاتا ہے‘ کیونکہ عرب بہت سفید چیز کو حور کہتے ہیں‘ اور چونکہ حضرت عیسیٰ کے اصحاب کو حواری کہا جاتا تھا تو پھر کسی شخص کے مخلص مصاحب کو حواری کہا جانے لگا۔ اسی لئے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰‘ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت‘ ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔ (آل عمران : ۵۴)

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکر اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو مخفی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسانی کو ملمع کاری سے نفع رسانی بنایا جائے‘ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ڈھیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجاج نے کہا اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے‘ جس طرح قرآن مجید میں ہے اللہ یستھزئ بھم یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے‘ اور یہ اس کا معنی ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲‘ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت‘ ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شبہ کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لئے بھاگ کر ایک گھر میں آئے۔ حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ ان کے بادشاہ نے ایک خبیث شخص یہوذا سے کہا جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا۔ پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا‘ اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے

خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۹۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی اور اس زمانہ کے کافر بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا اور کہا یہ شخص لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کو بادشاہ کی اطاعت کرنے سے منع کرتا ہے اور رعایا کو خراب کرتا ہے اور باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالتا ہے' اور کئی بہتان تراشے اور کہا یہ شخص ولد الزنا ہے' حتیٰ کہ انہوں نے بادشاہ کو غضب ناک کر دیا۔ بادشاہ نے ان کی طلب میں اپنے اہلکاروں کو روانہ کیا تاکہ وہ اس کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیں۔ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے گھر میں پکڑ لیا اور یہ گمان کیا وہ کامیاب ہوگئے ہیں تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے درمیان سے نجات دے دی اور اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان آدمیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی جو اس وقت ان کے گھر میں تھا۔ جب وہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو رات کے اندھیرے میں انہوں نے اس شخص کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اس کی اہانت کی۔ اس کے سر پر کانٹے ڈالے اور اس کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف خفیہ تدبیر تھی' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ان کے درمیان سے نجات دی' اور ان کے سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا اور ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَ

(اے رسول مکرم! یاد کیجیے) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا

مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں، اور آپ کے پیروکاروں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

فوقیت دینے والا ہوں، پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کو

كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۬

میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

مددگار نہیں ہو گا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

عمل کیے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں ○

حضرت عیسٰی کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے فرمایا ہے: اے عیسٰی! میں تم کو وفات دوں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میں تم پر موت طاری کروں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا لیکن یہ معنی حدیث کے خلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا عیسٰی پر موت نہیں آئی وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲) اس لئے یہاں "توفی" کے معنی میں غور کرنا ضروری ہے' وفات کے معنی ہیں پورا کرنا' موت کو بھی وفات اس لئے کہتے ہیں کہ موت کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وافی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ (بنو اسرائیل: ۳۵) اور جب تم ناپو تو پورا ناپو

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (الزمر: ۷۰) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے' اور نیند بھی موت کی بہن ہے کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (المفردات ص ۵۲۹۔ ۵۲۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲) اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے عیسٰی میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں بلکہ اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھا لے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کر لوں گا اور آپ

کو اپنی طرف اٹھالوں گا' اور میں عنقریب آپ کو کانے دجال کے خلاف بھیجوں گا آپ اس کو قتل کریں گے پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے' پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا یہ معنی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے آپ نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا واو مطلق جمع کے لئے آتی ہے ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے اس آیت کا معنی یہ ہے : اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کرلوں گا پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے پھر وفات پائیں گے پھر مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابو جعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام انبیاء علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے' وہ زمین پر نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا۔ ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ وہ بھیگے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ فیاضی سے مال تقسیم کریں گے اسلام کے لئے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کردے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہوگا اونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے' بیل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ۔ اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کردیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہوگا اور وہ مقام روحاء پر حج یا عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۴ — ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چند گھنٹوں کے لئے موت آئی تھی اور پھر ان کو زندہ کردیا گیا لیکن یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ زمین پر نازل ہونے کے بعد طبعی وفات پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران : ۵۶)

دنیا کا عذاب یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کیے جائیں گے' گرفتار ہوں گے اور ان کو جزیہ دینا ہوگا' نیز

ان کے حق میں مصائب اور آلام بھی دنیاوی عذاب ہیں' اس وعید کے بعد مسلمانوں کو بشارت دی : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (آل عمران : ۵۷) پھر یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں (آل عمران : ۵۸) اس آیت میں حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جن کا گذشتہ آیات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اس کو مٹی سے بنایا پھر

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا ○ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کا بیان) ہے۔ سو (اے مخاطب)

الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ

تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ پھر (اے رسول مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ

کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور

نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ

تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں، پھر ہم مباہلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ

اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

کی لعنت بھیجیں ○ بیشک یہی بیان حق ہے اور اللہ

مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ

کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بیشک اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○ پھر (بھی)

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○

حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کا رد

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حسن بیان کرتے ہیں کہ نجران کے دو راہب (سید اور عاقب : الدر المنثور ج ۲ ص ۳۷) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو۔ اسلام قبول کرنے سے تمہیں تین چیزیں مانع ہیں۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ تم خنزیر کھاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ ان دونوں نے کہا پھر عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی : بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت میں قیاس سے استدلال کرنے کا جواز ہے۔ عیسائی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے کہتے تھے کہ وہ عام عادت اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر پیدا ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرت آدم کی پیدائش اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے' اور حضرت آدم باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے' اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ دونوں اللہ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے اور جب حضرت آدم علیہ السلام بھی کلمہ "کن" سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کا روم کے عیسائیوں سے مباحثہ ہوا ان سے پوچھا تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کیونکہ ان کا باپ نہیں تھا۔ علماء نے کہا تو پھر حضرت آدم عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ علماء نے کہا حضرت عیسیٰ نے چار مردے زندہ کئے ہیں اور حضرت حزقیل نے آٹھ ہزار مردے زندہ کئے تھے۔ انہوں نے کہا وہ مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔ علماء نے کہا پھر جرجیس عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ آگ میں جل جانے کے باوجود صحیح و سالم نکل آئے اور ہمارے نبی ﷺ نے حضرت قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لگا دی اور آپ کی دعا سے ایک نابینا' بینا ہو گیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۸۶۔ ۱۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا۔

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی حکمتیں۔

حضرت آدم کو مٹی سے بنانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ان کی اصل فطرت میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ عناصر اربعہ میں سے مٹی سب سے نیچے ہوتی ہے' دوسری حکمت یہ ہے کہ مٹی دوسری چیزوں کو چھپا لیتی ہے اس سے انسان کی اصل فطرت میں ستر (لوگوں کے عیوب پر پردہ رکھنے) کی صفت آئے گی۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اس لئے ان کو مٹی کا بنایا گیا تاکہ ان کی مٹی کے ساتھ قوی مناسبت ہو۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے بنایا تاکہ وہ اس مٹی سے شہوت حرص اور غضب کی آگ کو بجھا سکے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ عناصر اربعہ میں سب سے روشن آگ ہے اللہ تعالیٰ نے آگ سے شیاطین کو پیدا کیا اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیا اور سب سے لطیف ہوا ہے۔ (ایک قول کے مطابق) فرشتوں کو ہوا سے پیدا کیا اور ان کو انتہائی شدت اور قوت عطا فرمائی اور پانی جو بہت رقیق ہے اس سے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو فضاء میں معلق کر دیا اور مٹی جو عناصر اربعہ میں

سب سے کثیف، تاریک اور نچلے درجہ میں تھی اس سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اپنی معرفت، ہدایت، نورانیت اور محبت عطا فرمائی اور اس کو سب پر فائق اور سربلند کردیا اور تمام مخلوقات میں انسان کو سرخرو اور بلند کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنو اسرائیل : ۷۰)

اور بے شک ہم نے بنو آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور ہم نے ان کو اپنی مخلوق میں بہت سی چیزوں پر واضح فضیلت دی۔

حضرت آدم کے پتلے سے "کن فیکون" کے خطاب کی وضاحت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا "کن" (ہو جا) "فیکون" (سو وہ ہو گیا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت آدم کی تخلیق کی گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "کن" فرمایا۔ حالانکہ تخلیق "کن" سے ہی ہوتی ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ "خلقہ من تراب" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی سے تخلیق کا ارادہ کیا۔ پھر فرمایا "کن" تو وہ ہو گئے دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر "کن" فرما کر اس میں جان ڈال دی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا۔ "خلقہ من تراب" آدم کو مٹی سے بنایا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے کیسے بنایا تو فرمایا ہم نے اس سے "کن" کہا تو وہ ہو گئے خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "ثم" تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ "فیکون" مضارع کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے ہوتا ہے یا ہوگا۔ بہ ظاہر فکان فرمانا چاہیے تھا جس کا معنی ہے ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے : اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کا رب جس چیز کے لئے "کن" فرماتا ہے وہ لامحالہ ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے پھر اس سے (آدم سے) فرمایا "کن" تو وہ ہو گئے۔ "کن" فرمانے سے پہلے تو حضرت آدم وجود میں آئے ہی نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے کسے فرمایا کہ اس سے کہا "کن" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو حضرت آدم کا وجود علمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اب علم تفصیلی اور وجود خارجی میں بھی آجاؤ۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم کے درمیان وجوہ مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے۔ یہ مماثلت کئی وجوہ سے ہے۔ (۱) یہ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ (۲) دونوں کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے۔ (۳) دونوں نبی ہیں۔ (۴) دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ (۵) دونوں کی مخالفت کی گئی حضرت آدم کی ابلیس نے مخالفت کی اور حضرت عیسیٰ کی یہود نے مخالفت کی۔ (۶) اس مخالفت کی وجہ سے حضرت آدم آسمانوں سے زمین کی طرف آئے اور حضرت عیسیٰ زمین سے آسمانوں کی طرف گئے۔ (۷) حضرت آدم پھر کامیاب ہو کر جنت میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ پھر کامیاب ہو کر زمین پر آئیں گے۔ (۸) اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم کا اظہار فرمایا حضرت آدم کے علم کے متعلق فرمایا وعلم ادم الاسماء کلھا (البقرہ : ۳۱) اور حضرت عیسیٰ کے علم کے متعلق فرمایا ویعلمہ الکتاب والحکمۃ (آل عمران : ۴۸) (۹) دونوں میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ونفخت فیہ من روحی (الحجر : ۲۹، ص : ۷۲) اور حضرت عیسیٰ کے متعلق

فرمایا : نفخنا فیہ من روحنا (الانبیاء : ۹۱' التحریم : ۱۲) (۱۰) دونوں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں دونوں کھاتے پیتے تھے اور دونوں کے لئے موت مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کا بیان) ہے سو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (آل عمران : ۶۰)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید میں شک کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا' اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن دراصل یہ آپ کی امت کے افراد سے خطاب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ قرآن مجید میں شک نہ کریں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن مجید پر یقین رکھنے اور شک نہ کرنے کی صفت پر دائم اور مستمر رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر (اے رسول مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں پھر ہم مباہلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (آل عمران : ۶۱)

نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ کی تفصیل

نجران کے وفد کے سامنے پہلے نبی ﷺ نے اس پر دلائل پیش کئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں اور اس مسئلہ میں عیسائیوں کے تمام شبہات کو مکمل طور پر زائل کیا' اور جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا کہ وہ ہٹ دھرمی سے کسی دلیل کو نہیں مان رہے تو انہیں عاجز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو مباہلہ کرنے کے لئے بلایا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ کے سردار اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت' میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ان کی دعا قبول کر کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا سو تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا' پھر انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اللہ کا عذاب اہل نجران کے نزدیک آچکا تھا' اور اگر یہ مباہلہ کرتے تو انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جاتا اور ان کی وادی میں آگ بھڑکتی رہتی اور اہل نجران کو ملیا میٹ کر دیا جاتا حتی کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال ختم ہونے سے پہلے تمام عیسائی فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(المستدرک ج ۲ ص ۵۹۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۲۹۸' طبری ج ۶ ص ۴۸۲۔ ۷۸ ۴' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۹۔ ۳۸' کنز العمال ج ۲ ص ۳۸۰)

امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اور امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا : اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۲۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں کا اطلاق کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ باہر تشریف لائے در آں حالیکہ آپ نے کسی کو چادر میں لیا ہوا تھا جس کا مجھے پتہ نہیں چلا جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا آپ نے چادر میں کس کو لیا ہوا ہے؟ آپ نے چادر کھولی تو آپ کے زانو پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں' سو تو بھی ان سے محبت کر اور تو اس سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کرے

(جامع ترمذی ص ۵۳۹۔ مطبوعہ کراچی)

واضح رہے کہ آپ کی دیگر صاحبزادیوں سے اولاد کا سلسلہ قائم اور جاری نہیں رہا۔ آپ کی آل کے سلسلہ کا فروغ صرف نسب فاطمی سے مقدر تھا۔ نیز آپ کی اولاد کی خصوصیت میں یہ دلیل ہے۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۸۱' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۷۱' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۷۱)

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶' ج ۱۱ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۳ھ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۱' مطبوعہ بیروت)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

مناظرہ اور مجادلہ میں مباہلہ کرنا حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہے کیونکہ اس میں جھوٹے فریق پر لعنت ثابت ہو جاتی ہے اور اس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ اگر آپ کو اپنی نبوت پر یقین واثق نہ ہوتا تو آپ ان کو مباہلہ کی دعوت نہ دیتے اور ثانی یہ کہ فریق مخالف کے سردار عاقب نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گیا اور وہ اس شرط پر واپس چلے گئے کہ ہر سال ایک ہزار حلے صفر میں اور ایک ہزار حلے رجب میں بھیجیں گے۔ امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عامر سے روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو اسلام قبول کر لو جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہ تمہارے ہوں گے اور جو چیزیں ان پر فرض ہیں وہ تم پر فرض ہوں گی اور اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے تو پھر ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عرب کے ساتھ جنگ کی طاقت

نہیں رکھتے لیکن ہم جزیہ ادا کریں گے سو رسول اللہ ﷺ نے ان پر دو ہزار حلے مقرر کئے ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۱ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

مباہلہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں : مباہلہ کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ دعا کرنا۔

(المفردات ص ۶۳ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

امام ابن جریر نے لکھا ہے' مباہلہ کا معنی ہے فریق مخالف کے لئے ہلاکت اور لعنت کی دعا کرنا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۹ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

لغت میں ابتہال کے دو معنی ہیں۔ عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرنا' اور لعنت کرنا' اور یہ دونوں قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں' کلبی سے روایت ہے بہت کوشش کے ساتھ دعا کرنا اور عطاء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مباہلہ کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین واثق ہو اور فریق مخالف کے کفر پر ہونے کا یقین ہو کیونکہ مباہلہ میں یہ دعا کی جاتی ہے :

اے اللہ! ہم میں سے جو فریق جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما' اور لعنت صرف کافر پر جائز ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کسی شخص سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس کو مباہلہ کی دعوت دی اور یہ آیت پڑھی اور مسجد حرام میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کے دعا کی' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کا گوجرانوالہ کے مولوی عبدالعزیز سے علم غیب پر مناظرہ ہوا آپ نے مشکوۃ سے یہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی سو میں نے جان لیا جو کچھ تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' مولوی عبدالعزیز نے کہا مشکوۃ بے سند کتاب ہے میں اس کو نہیں مانتا حضرت نے جامع ترمذی سے یہ حدیث نکال کر دکھائی اس نے طیش میں آکر ترمذی شریف کو پھینک دیا' حضرت نے فرمایا تم نے حدیث کی بے ادبی کی ہے اب میں تم سے مناظرہ نہیں کرتا مجھ سے مباہلہ کرلو۔ پھر دونوں نے یہ الفاظ کہے کہ ہم میں سے جو فریق باطل ہو وہ دوسرے فریق کے سامنے ایک سال کے اندر خدا کے قہر و غضب میں مبتلا ہو کر مرجائے' مولوی عبدالعزیز جب گوجرانوالہ پہنچے اور صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کا درس دینے بیٹھے اور بولنا چاہا تو الفاظ منہ سے نہ نکلے زبان باہر نکل آئی کافی دنوں تک علاج کی کوشش کی گئی لیکن ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ کوئی مرض ہو تو علاج کیا جائے یہ تو اللہ کا عذاب ہے بالآخر سال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوگئے۔

الوہیت مسیح کے ابطال پر ایک عیسائی عالم سے امام رازی کا مناظرہ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جن دنوں میں خوارزم میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ ایک عیسائی بہت تحقیق اور تدقیق کا مدعی ہے۔ ہم نے علمی گفتگو شروع کردی اس نے مجھ سے پوچھا کہ (سیدنا حضرت) محمد ﷺ کی نبوت پر کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا جس طرح ہم تک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات کی خبر تواتر سے پہنچی ہے اسی طرح ہم تک تواتر سے سیدنا محمد ﷺ کے معجزات کی خبر پہنچی ہے' سو جس طرح ہم اس خبر متواتر کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں اسی طرح ہم اس خبر متواتر کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں۔ اس عیسائی عالم نے کہا لیکن میں حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں خدا مانتا ہوں میں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا دعویٰ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) خدا اس کو کہتے ہیں جو لذاتہ واجب الوجود ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ جسم ہو نہ کسی حیز میں ہو نہ عرض ہو' اور وہ تغیر اور حدوث کی علامات سے منزہ ہو اور حضرت عیسیٰ جسم اور متحیز تھے وہ پہلے معدوم تھے پھر پیدا ہوئے ان پر بچپن' جوانی اور ادھیڑ عمری کے جسمانی تغیرات آئے' وہ کھاتے پیتے تھے' بول و براز کرتے تھے' سوتے جاگتے تھے اور تمہارے قول کے مطابق ان کو یہودیوں نے قتل کردیا اور صلیب پر چڑھادیا اور بداہت عقل اس پر شاہد ہے کہ جس شخص کے یہ احوال ہوں وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

(۲) تمہارے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرے اور جب ان کو سولی پر چڑھایا گیا تو وہ بہت چیخے اور چلائے۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو چھپنے کی کیا ضرورت تھی اور چیخنے چلانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) اگر حضرت عیسیٰ خدا تھے تو جب یہود نے ان کو قتل کردیا تھا تو بغیر خدا کے یہ کائنات کیسے زندہ رہی۔؟

(۴) یہ تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی بہت عبادت کرتے تھے جو شخص خود خدا ہو وہ عبادت کیوں کرے گا؟

پھر میں نے اس عیسائی عالم سے پوچھا تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا حضرت عیسیٰ سے بہت عجیب و غریب امور کا ظہور ہوا۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا' مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دی' میں نے اس سے کہا لاٹھی کو سانپ بنا دینا عقل کے نزدیک مردہ کو زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے کیونکہ مردہ آدمی کے بدن اور زندہ آدمی کے بدن میں مشاکلت ہوتی ہے جب کہ لاٹھی اور سانپ میں کوئی مشابہت نہیں ہے اور جب لاٹھی کو سانپ بنا دینے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا لازم نہیں آیا تو چار مردے زندہ کرنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۶۴۔ ۴۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک یہی بیان حق ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے○ پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے○ (آل عمران ۶۳۔ ۶۲)

اس میں ان دلائل کی طرف اشارہ ہے جو بیان کئے جاچکے سو وہ دلائل اور مباہلہ اور جو ذکر ان کے بیان پر مشتمل ہے وہ سب حق ہے اور رشد و ہدایت ہے' پھر ان دلائل سے یہی مطلوب ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ اس میں بھی عیسائیوں کا رد ہے کیونکہ چند مردوں کو زندہ کرنے اور چند بیماروں کو شفا دینے کی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ صرف اتنی قدرت سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تم کو خود اعتراف ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرتے تھے اور یہودیوں نے ان کو قتل کردیا تھا اور خدا کسی سے مغلوب نہیں ہوتا خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے' اور اسی کی قاہر قدرت سے تمام نظام عالم جاری وساری ہے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اس لئے خدا کہتے تھے کہ انہوں نے چند غیب کی خبریں دیں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا صرف اتنے علم سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خدا وہ ہے جو تمام معلومات اور تمام عواقب امور کا عالم ہو اور کائنات کے ماضی اور مستقبل کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہ ہو' اور اگر وہ اس سے اعراض کریں کہ خدا کے لئے تمام مقدورات پر قادر اور غالب ہونا اور تمام معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہونا ضروری ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس طرح غالب اور عالم نہ ہونے کے باوجود ان کو خدا مانیں تو پھر آپ ان سے بحث نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ اللہ ان کے فساد اور ان کے اغراض فاسدہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کی خبر لے گا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

(وہ یہ کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا

چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

ہم مسلمان ہیں ○ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵

حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے ○

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ

سنو! تم وہی لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمہیں کچھ (نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز

فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

ہیں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے ○

آیات سابقہ سے مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے بطلان اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے احقاق اور اثبات پر دلائل پیش کیے اور جب عیسائیوں نے ان دلائل کو تسلیم نہیں کیا تو پھر آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی وہ مباہلہ کرنے سے خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے ذلت اور پسپائی کے ساتھ جزیہ دینا قبول کر لیا' اور نبی ﷺ اس پر حریص تھے کہ وہ ایمان لے آئیں اور اسلام قبول کر لیں' تب اللہ تعالیٰ نے مناظرہ اور مباہلہ کے بجائے ایک اور طریقہ سے ان کے سامنے دعوت اسلام کو پیش کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا طریقہ ہے جو ہر عقل سلیم رکھنے والے شخص کے نزدیک قابل قبول ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہیں کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم اور تم ایسی چیز کو مان لیں جو ہم دونوں کے درمیان متفق علیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے' سیاق و سباق کے مطابق یہاں اہل کتاب سے مراد نجران کے عیسائی ہیں' تاہم یہاں دو اور قول ہیں ایک یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جب انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو آپ نے فرمایا : آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو دعوت دی اور فرمایا آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں اہل کتاب سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں کسی ایک کو معین نہیں کیا گیا' اسی طرح امام واحدی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے' اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو رب بنایا اور بنو اسرائیل نے حضرت عزیر کو رب بنایا۔

(الوسیط ج ۱ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عقیدہ تثلیث اور اس کا ابطال

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو اس آیت میں تین چیزوں کی دعوت دی ہے کہ (۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ (۲) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور عیسائی اللہ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھیراتے تھے' وہ کہتے تھے کہ یہاں تین اقانیم ہیں (تین اصلیں یا تین چیزیں) باپ' بیٹا اور روح القدس' اور یہ تینوں ذوات

قدیمہ ہیں اور اقنوم کلمہ ناسوت مسیح میں داخل ہو گیا اور اقنوم روح القدس ناسوت مریم میں داخل ہو گیا' اس طرح انہوں نے ان دونوں اقانیم کو ذوات قدیمہ مان کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرالیا۔ (۳) اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ مانیں سو انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو رب مان لیا یعنی ان کے ساتھ رب کا معاملہ کیا' کیونکہ وہ چیزوں کو حلال اور حرام قرار دینے میں ان کی اطاعت کرتے تھے' نیز وہ اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے تھے' اور وہ یہ کہتے تھے کہ جو راہب زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اس میں لاہوت کا اثر حلول کر جاتا ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

عیسائیوں کے یہ تینوں عقائد باطل ہیں' حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا اس لیے باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور سے پہلے ان کی خدائی کا نام و نشان تک نہ تھا اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہی معبود تھا۔ اس لیے واجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور کے بعد بھی وہی معبود اور وہی خدا ہو' اسی طرح ان کا دو اقانیم کو الوہیت میں شریک کرنا بھی باطل ہے کیونکہ ایک چیز کا دوسری چیز میں حلول کرنا تغیر کو مستلزم ہے اور تغیر حدوث کو مستلزم ہے اور جو حادث ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتا' اس لیے ان کا کلمہ اور روح القدس کی اقانیم کو قدیم کہنا باطل ہے' اور جب ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا' اللہ تعالیٰ ہے تو احکام شرعیہ کے حلال اور حرام کرنے کا بھی اسی کو اختیار ہے اور اس میں اسی کی اطاعت ہو گی اور عیسائیوں کا اشیاء کی حلت اور حرمت میں اپنے علماء اور پیروں کی اطاعت کرنا اور ان کے ساتھ رب کا معاملہ کرنا باطل ہے۔

اہل کتاب کو دعوت اسلام کا طریقہ

نبی ﷺ نے امراء اہل کتاب کو جو اسلام کی دعوت دی یہ آیت اس دعوت کی اصل عظیم ہے' نبی ﷺ نے ہرقل کو جو اسلام کی دعوت دی تو آپ نے اپنے مکتوب میں اس آیت کو لکھا' امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے خبر دی کہ ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب کو منگوایا جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے امیر کی طرف بھیجا گیا تھا' بصری کے امیر نے وہ مکتوب ہرقل کو دیا اس میں لکھا ہوا تھا' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے امیر ہرقل کے نام ہے' اس پر سلام ہو جو ہدایت کا متبع ہے' اللہ کی حمد و ثناء کے بعد واضح ہو کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں' تم اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے اور اگر تم نے روگردانی کی تو تمہارے پیروکاروں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تم پر ہو گا' اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلم) ہے (وہ یہ ہے کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے' پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو ہم مسلمان ہیں ○

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۔ ۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو' حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں کیا تم نہیں سمجھتے (آل عمران : ۶۵)

یہود و نصاریٰ کی حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کا باطل ہونا اور مسلمانوں کی نسبت کا برحق ہونا

یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تم دونوں یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہو حالانکہ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے کافی زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے' نیز حضرت ابراہیم یہود کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ حضرت ابراہیم موحد تھے اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ وہ موحد تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ مسلمان بھی تو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیروکار کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان حضرت ابراہیم کو اپنے دین کا تابع نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیم کے تابع ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید' رسالت اور معاد اور دیگر اصول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں جب کہ یہود اور نصاریٰ توحید کے قائل نہیں اور معاد پر بھی ان کا صحیح ایمان نہیں ہے۔ یہود صرف چند دن عذاب کے قائل ہیں اور نصاریٰ کفارہ مسیح کی وجہ سے مطلقاً عذاب کے قائل نہیں' نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے کو مسلم فرمایا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں :

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ : ۱۲۸)

اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنے لیے مسلمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو مسلمان رکھ

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الحج : ۷۸)

تمہارے باپ ابراہیم کا دین' اس (اللہ) نے تمہارا نام پہلی کتابوں میں اور اس (قرآن) میں مسلمان رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو! تم وہی لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمہیں (کچھ نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز میں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے۔
(آل عمران : ۶۶)

یہود اور نصاریٰ کو اس کا علم تھا کہ تورات اور انجیل کی شریعت قرآن مجید کی شریعت سے مختلف ہے' ان کے اس زعم کی تو ایک وجہ ہے لیکن ان کو اس کا تو بالکل علم نہیں تھا کہ قرآن کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے' لہٰذا ان کے اس قول کی کوئی صحیح توجیہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے اور اللہ ہی کو اس کا علم ہے کہ کون سی شریعت کس شریعت کے موافق ہے اور کس شریعت کے مخالف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم جو کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم کا دین ہمارے موافق ہے تو اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اصول اور عقائد میں موافقت یا احکام شرعیہ میں موافقت' اگر تمہاری مراد اصول اور عقائد میں موافقت ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور سب کے اصول اور عقائد واحد ہیں اس لحاظ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دین بھی حضرت ابراہیم کے موافق ہے اور اگر اس سے مراد احکام شرعیہ میں موافقت ہے تو لازم آئے گا سیدنا محمد ﷺ صاحب شریعت نہ ہوں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہوں' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دونوں صورتیں اختیار کر سکتے ہیں یعنی ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد میں موافق ہے جب کہ موجودہ یہودیت اور نصرانیت ان کے موافق نہیں ہے' کیونکہ یہودی عزیر کو اللہ کو بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد میں اللہ وحدہ لا شریک ہے اور یہ توحید صرف اسلام کے موافق ہے' اسی طرح نبوت

اور آخرت کے متعلق بھی حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد اسلام کے موافق ہیں یہودیت اور نصرانیت کے اصول اور عقائد کے موافق نہیں ہیں اس لیے اصول اور عقائد کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اسلام کے موافق ہے' اور حضرت ابراہیم کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی ان کی موافقت کے دعوی دار تھے' اور فروع اور احکام شرعیہ کے لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے بعض احکام شریعت ابراہیم کے موافق ہیں مثلاً مناسک حج' قربانی' وضو کی سنتیں' ختنہ اور غیر ضروری بالوں کا کاٹنا' ناخنوں کو تراشنا وغیرہ یہ ملت ابراہیم کے احکام ہیں جن کو اسلام نے مقرر اور ثابت رکھا اس لیے فروع کے اعتبار سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے موافق ہے۔

مَا كَانَ إِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان

مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ بیشک تمام لوگوں میں ابراہیم

بِإِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ

سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور

اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ○ اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمھیں

لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور انھیں اس کا شعور نہیں ہے ○

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو ○

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور کیوں حق کو

الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع 15

چھپاتے ہو؛ حالانکہ تم جانتے ہو۔ ○

یہ آیت' آیات سابقہ کا تتمہ ہے' یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے اس بات میں بحث کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے یا نصرانی تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے دعووں کی تکذیب کی اور فرمایا سیدنا محمد ﷺ اور ان کی امت ہی حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی شریعت پر ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دین اور کوئی ملت ان کے طریقہ پر نہیں ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مشرکین ہوں جو بت پرستی کرتے ہیں' حضرت ابراہیم تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلم تھے اور یہی سیدنا محمد ﷺ کی دعوت' آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہے' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عامر بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ نے کہا وہ ہمارے دین پر ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اس کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ○ (آل عمران: ۶۸)

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کے دعویٰ کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین' ان کی شریعت اور ان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ نبی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے متبعین اور آپ پر ایمان لانے والے' اور جو سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کی مدد کرنے والا ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ مددگار ہوتے ہیں اور ان نبیوں میں سے میرے مددگار میرے باپ اور میرے رب کے خلیل ہیں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' جامع ترمذی ص ۴۲۶' مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں۔ (آل عمران: ۶۹)

عوام اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ دلائل سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو دین سے منحرف کرنے کی ناکام کوشش بھی کرتے ہیں' مثلاً وہ کہتے تھے کہ جب (سیدنا) محمد (ﷺ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں؟ اور وہ کہتے تھے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت دائمی ہے اور قیامت تک رہے گی' اور مسلمان جو کہتے تھے کہ اسلام نے سابقہ شریعتوں کو

منسوخ کردیا ہے اس پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ اللہ کسی حکم کو نازل کرنے کے بعد اس کو منسوخ کردے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس حکم میں کیا خرابیاں ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں- اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گمراہ کرنے سے مسلمانوں کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ ان پر اثر ہو گا البتہ اس گمراہ کرنے کا گناہ اور وبال انہیں ہو گا' نیز یہاں فرمایا ہے کہ اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کیونکہ تمام اہل کتاب ایسے نہیں تھے یہود و نصاریٰ میں سے بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تھے اور ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے :

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (آل عمران : ۱۱۳)

اہل کتاب میں سے بعض لوگ حق پر قائم ہیں' وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں در آں حالیکہ وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں-

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (المائدہ : ۶۶)

بعض اہل کتاب معتدل ہیں' اور زیادہ تر لوگ کیا ہی برے کام کرتے ہیں-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہیں اس کا شعور نہیں ہے' یعنی انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال صرف ان ہی کو لاحق ہو گا' یا وہ دین اسلام کے برحق ہونے کا شعور نہیں رکھتے' حالانکہ اسلام کی صداقت پر اس قدر کثیر دلائل اور براہین ہیں کہ ادنیٰ تامل کرنے سے انسان پر اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے' یا انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مکرو فریب کے جو طریقے استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے مطلع فرما دیتا ہے اور یوں ان کی سعی رائیگاں جاتی ہے

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت معاذ' حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے' یہودیوں میں سے بنو نضیر' بنو قریظہ اور بنو قینقاع نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی' ایک قول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں اور بعض یہودیوں نے ان کو اپنے اپنے دین کی دعوت دی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : یہود نے حضرت معاذ اور حضرت عمار سے کہا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دین محمد کی اتباع کرلی تو یہ آیت نازل ہوئی' اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے سامنے احد کا واقعہ ذکر کر کے ان کو عار دلایا-

(البحر المحیط ج ۳ ص ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہو-

(آل عمران : ۷۰)

علماء اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عوام اہل کتاب کا ذکر فرمایا تھا جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل کا علم اور شعور نہیں تھا اور وہ بغیر علم اور شعور کے محض عناد سے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے' اس آیت میں علماء اہل کتاب کا ذکر فرمایا ہے جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کی علامات

کے متعلق آیات کا علم تھا اور وہ ان آیات اور علامات پر شاہد اور گواہ تھے لیکن جب عوام اہل کتاب یا عوام مسلمین ان سے ان آیات کے متعلق سوال کرتے تو وہ صاف انکار کر دیتے حالانکہ ان کو ان آیات کا علم تھا' وہ اصل تورات کا کفر نہیں کرتے تھے بلکہ ان آیات کے سیدنا محمد ﷺ پر اطلاق اور انطباق کا کفر کرتے تھے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے اور نبی ﷺ نے ان کے سامنے بہت سے معجزات کو ظاہر کیا پھر چاہیے تھا کہ جن معجزات کا وہ مشاہدہ کر چکے ہیں ان کی بناء پر سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مان لیتے لیکن انہوں نے عناداً" انکار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار اللہ تعالیٰ کے معجزات اور اس کی آیات کا انکار کرنا ہے۔

اور اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی نظیر کوئی شخص نہیں لا سکتا تھا اس لیے اس کا معجز ہونا ظاہر ہو چکا تھا اور وہ اس کے معجز ہونے کے شاہد اور گواہ تھے اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی آیات سے انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپاتے ہو؟ (آل عمران : ۷۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے اہل کتاب! انبیاء علیہم السلام جس حق کو لے کر آئے ہیں تم اس میں اس باطل کی آمیزش کیوں کرتے ہو جس کو تمہارے احبار اور رہبان نے اپنی فاسد تاویلات سے وضع کیا ہے اور اسلام کے خلاف جو شبہات ڈالے ہیں اور آیات میں جو تبدیلی اور تحریف کی ہے تم (سیدنا) محمد ﷺ کی صفات آپ کی علامات اور شان کے بیان کو چھپاتے ہو' حالانکہ یہ سب کچھ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ بشارت ہے کہ بنو اسماعیل سے ایک نبی مبعوث ہو گا جو لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا' حالانکہ تم کو علم ہے کہ ان آیات کے چھپانے میں اور ان میں تحریف کرنے میں تم خطاء اور باطل پر ہو اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا سبب صرف حسد اور عناد ہے۔

علماء اہل کتاب کی واردات کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کا انکار کرتے تھے حالانکہ وہ اس پر شاہد تھے کہ تورات اور انجیل میں ایسی آیات ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں ان کے اس طریقہ کی مذمت کی ہے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کو چھپاتے تھے اور کبھی ان آیات میں تحریف کر دیتے اور کبھی ان کی باطل تاویل کرتے اور کبھی مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات پیدا کرتے' حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے' اس دوسرے طریقہ کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کی ہے۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید نے کہا حق وہ آیات ہیں جو اللہ نے حضرت موسیٰ پر تورات میں نازل کیں اور باطل وہ ہے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ
نازل ہوا ہے اور شام کو اس کا کفر کرو، شاید کہ وہ (مسلمان، دین سے)

يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ
پھر جائیں ○ اور تم صرف اس شخص کی بات مانو جو تمہارے دین کا پیروکار ہو، آپ کہیے کہ بے شک

الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ
(اصل) ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور انہوں نے کہا تم یہ بھی نہ مانو کہ) جو کچھ تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا

يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ
سکتا ہے، یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رب کے پاس کوئی حجت قائم کر سکتا ہے، آپ کہیے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ
ہے فضل عطا فرماتا ہے، اور اللہ بہت وسعت والا، بہت علم والا ہے ○ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

اس سے [illegible] آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کس طرح یہود مسلمانوں کو ورغلانے اور ان کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں اس آیت میں بھی ان کی اسی نوع کی سازشیں اور تلبیس کا ذکر فرمایا ہے:

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عرینہ (مدینہ کی بستی) کے بارہ علماء یہود نے ایک دوسرے سے کہا دن کے اول وقت میں دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور یہ کہو کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد حق اور صادق ہیں اور جب دن کا آخری حصہ ہو تو ان کا کفر کر دو اور بیان کرو کہ ہم نے اپنے علماء اور احبار کی طرف رجوع کیا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ محمد (ﷺ) جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور تم نے جس دین کو اختیار کیا ہے وہ بالکل غیر معتبر ہے، اور اب ہم نے اپنے سابق دین کی طرف رجوع کر لیا ہے، اور یہ تمہارے دین سے بہتر ہے، شاید اس ترکیب سے مسلمان شک میں پڑ جائیں اور کہیں کہ یہ لوگ صبح ہمارے ساتھ تھے، اب کیا ہوا جو یہ اسلام کو چھوڑ گئے، تب اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی اس سازش سے بروقت خبردار کر دیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش سے نبی ﷺ کو بروقت خبردار کر دیا اس میں حسب ذیل حکمتیں ہیں :
(۱) یہودیوں نے مخفی طور پر یہ حیلہ کیا تھا اور کسی اجنبی کو اس حیلہ سے مطلع نہیں کیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس سازش کی خبر دی' تو یہ غیب کی خبر ہوئی اور اس سے آپ کا مطلع علی الغیب ہونا ثابت ہوا اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔
(۲) جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا تو اب ان کا اس سازش پر عمل کرنا بے سود ہو گیا اور جس کا ایمان ضعیف تھا اس پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔
(۳) جب یہودیوں کی اس سازش کا راز فاش ہو گیا تو آئندہ اس قسم کے مکر و فریب اور سازشیں کرنے کے لیے ان کے حوصلے نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور انہوں نے کہا' تم یہ بھی نہ مانو کہ) جو تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے' یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رب کے پاس کوئی حجت قائم کر سکتا ہے۔ الآیہ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں بھی یہود کے کلام کا تتمہ بیان کیا گیا ہے چونکہ یہود کا یہ زعم تھا کہ نبوت صرف بنو اسرائیل کے ساتھ مختص ہے اس لیے انہوں نے آپس میں کہا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جیسا دین اور جیسی کتاب تمہیں دی گئی ہے وہ کسی اور کو بھی دی جائے' اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تمہارے خلاف تمہارے رب کے سامنے کوئی حجت پیش کر سکے' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اپنے ہم مذہب یہودیوں کے سوا اپنے اسرار اور راز کی باتیں اور کسی پر ظاہر نہ کرو' اور اس آخری نبی کے متعلق جو پیش گوئیاں ہماری کتاب میں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ ان کا اس نبی پر ایمان اور پختہ ہو گا اور قیامت کے دن وہ تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے' اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمہارے پاس جو علم اور حکمت کی باتیں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ وہ تم سے یہ باتیں سیکھ لیں گے' اور تمہارے برابر ہو جائیں گے اور وہ تم سے علم اور حکمت کی باتیں سیکھ کر ان کو تمہارے خلاف قیامت کے دن اللہ کے سامنے بطور حجت پیش کریں گے۔ ان دو جملوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں اللہ تعالیٰ جس کو ان کی طرف ہدایت دینا چاہئے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری سازشیں' مکر و فریب اور دجل و تلبیس کوئی اثر نہیں کر سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے۔ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس زعم فاسد کا رد کیا ہے کہ نبوت صرف بنو اسرائیل میں رہے گی' اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا نبوت ہو یا کوئی اور نعمت ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے' وہ جس کو چاہے ایمان اور علم و حکمت سے نوازتا ہے' اور جس کو چاہے گمراہی میں پڑے رہنے دیتا ہے' اس کی بصر اور بصیرت کو سلب کر لیتا ہے اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے' کل خیر اور فضل مطلق اسی کے ہاتھ میں ہے' اور نبوت بنو اسرائیل میں منحصر نہیں ہے اور نہ کسی کے نسب اور شرف کی نبوت پر اجارہ داری ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت علم والا ہے اس میں یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون اس کا اہل ہے جس کو وہ اپنا فضل عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام : ۱۲۴) اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔
(آل عمران : ۷۴)

نبوت کا وہبی ہونا اور باقی فضائل کا کسبی ہونا

جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ یہ اس کی رحمت کے لائق ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ خصوصاً" وہ رحمت جس سے مراد نبوت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے جو نبوت کے قابل ہو وہ اس شخص کو صفاء باطن اور پاکیزہ فطرت کے ساتھ پیدا کرتا ہے تاکہ اس پر بہ تدریج وحی نازل فرمائے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ اور جب وہ (یوسف) اپنی پوری قوت کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ (یوسف : ۲۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔" (الانعام : ۱۲۴) یہی وجہ ہے کہ نبوت کسب سے حاصل نہیں ہوتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بنانا چاہتا ہے اس کی اہلیت رکھنے والا شخص پیدا فرما دیتا ہے بلکہ عام انسانوں کے اعتبار سے نبی کی حقیقت میں ایک زائد خصوصیت ہوتی ہے اور وہ ہے حصول وحی کی استعداد اور صلاحیت' عام انسان صرف حواس اور عقل سے شہادت اور ظاہر کا ادراک کرتے ہیں اور نبی میں ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے' جنات اور فرشتوں کو دیکھتا ہے اور فرشتوں کا کلام سنتا ہے' سو اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتا ہے اس میں ایسی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے جس کی بناء پر اس پر وحی نازل کی جاسکے اور عام انسانوں میں یہ صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر : ۲۱) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) تو ضرور اسے (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا۔

نبوت کے علاوہ دیگر فضائل مثلاً علم و حکمت' نیکی اور تقویٰ وغیرہ کو کسب سے حاصل کرنا ممکن ہے' اس کے باوجود ان صفات کی بھی پہلے صلاحیت اور استعداد کا حاصل ہونا ضروری ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نظر عنایت ہو تو یہ صفات حاصل ہوتی ہیں' اور جب کہ رحمت نبوت اور دیگر تمام نیک صفات کو شامل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل ذکر نہیں کی' بلکہ اجمالاً" فرمایا اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص فرما لیتا ہے یعنی اس کے علم کے مطابق جو شخص جس رحمت کا اہل ہو اور اس کو اس رحمت سے نوازنا اس کی حکمت کا تقاضا ہو وہ اس کو اس رحمت سے نواز دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ بڑے فضل والا ہے' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ارادہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف متوجہ اور راغب ہوتا ہے تاکہ اللہ اس پر اپنے فضل اور رحمت سے تجلی فرمائے اس کو برائیوں اور گناہوں سے پاک اور صاف کرے اور اس کو نیکیوں اور خوبیوں سے مزین فرمائے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ

اور (اے مخاطب) اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھو تو وہ تم

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

کو ادا کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو ادا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم ان کے

عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ

سر پر کھڑے رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ان ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

پر ان کی کوئی گرفت نہیں ہوگی اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ○

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶

کیوں نہیں! جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا

ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا اور نہ

يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۷

قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اہل کتاب کے امانت داروں اور خائنوں کا بیان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے کہا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ ہمیں دیا گیا ہے اس کی مثل کسی اور کو بھی دی جائے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا تمام مذاہب میں مذموم ہے' اس کے باوجود وہ خیانت کرتے ہیں' اور جو لوگ مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں جھوٹے ہیں وہ خالق کے ساتھ معاملہ میں کب سچے ہو سکتے ہیں! نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ اہل کتاب کی دو قسمیں ہیں' بعض' معاملات میں ایماندار ہیں اور بعض

خائن ہیں تاکہ مسلمان ان سے تعلق قائم کرنے میں ہوشیار رہیں۔کیونکہ اہل کتاب خائن ہیں وہ مسلمانوں کا مال ہڑپ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

امام واحدی ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بارہ سو اوقیہ (ایک اوقیہ چوتھائی چھٹانک کے برابر ہے) سونا رکھا' انہوں نے وہ سونا اس کو ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی' اور ایک شخص نے فنحاس میں عازوراء نام کے ایک یہودی عالم کے پاس ایک دینار امانت رکھا تو اس نے اس میں خیانت کی (الوسیط ج ۱ ص ۴۵۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عملاً" اس کے سر پر کھڑا رہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے مسلسل مطالبہ کرتا رہے خواہ کھڑا ہو یا نہ ہو' سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑے' ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور اس سے مطالبہ کرتا رہے' امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرض خواہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس وقت تک مقروض کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ وہ اس کا قرض ادا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خیانت کی وجہ بیان فرمائی کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ان' ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے پر ان کی کوئی گرفت نہیں ہوگی' یہودی اسلام اور قرآن کے مخالف تھے اس کے باوجود ان میں جو نیک لوگ تھے اور امانت ادا کرتے تھے قرآن مجید نے ان کی نیکی کو ظاہر فرمایا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کی خیانت کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ اور قوموں میں بھی خائن موجود ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کو جائز سمجھتے تھے بلکہ اس کو کار ثواب قرار دیتے تھے۔

کفار کی نیکیوں کے مقبول یا مردود ہونے کی بحث

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے' جس کا فائدہ اس کو دنیا میں نیک نامی ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی۔(معارف القرآن ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ) ہمارے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ آخرت میں کفار کے عذاب میں کمی ہونا صراحۃً" قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ (البقرہ : ۱۶۲)
نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا اور یہ نہ ہو گا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں :

داخل ہونے کے بعد کسی وقت ان پر سے جہنم کا عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ داخل ہونے سے قبل ان کو کسی میعاد کی مہلت دی جائے گی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں

رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا مسکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کو اس کا فائدہ ہو گا آپ نے فرمایا ان نیکیوں سے اس کو نفع نہیں ہو گا اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا۔ اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۵)

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان اعمال سے نفع نہیں ہو گا' ان کو ثواب ہو گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

علامہ عینی نے علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ابولہب اور جن کفار کے متعلق تخفیف عذاب کی تصریح ہے وہ ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۵)

یہودی غیر یہودی کا مال کھانا کیوں جائز سمجھتے تھے؟

(۱) یہودی اپنے دین میں سخت متعصب تھے وہ کہتے تھے جو دین میں ان کا مخالف ہو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور جس طرح بن پڑے اس کا مال لوٹنا بھی جائز ہے۔

(۲) یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ساری مخلوق ہماری غلام ہے اس لیے وہ ہر غیر یہودی کا مال اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔

(۳) یہودی مطلقاً" غیر کے مال کو حلال نہیں سمجھتے تھے بلکہ عرب کے جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کے مال کو کھانا اپنے لیے جائز گردانتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۷۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یہودی جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی تحقیر اور اپنا تفوق بیان کرنا تھا' وہ اس پر تکبر کرتے تھے کہ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان کو مسلمانوں سے پہلے کتاب دی گئی اس لیے وہ خود کو اہل کتاب اور مسلمانوں کو امیین کہتے تھے' اور جو شخص دین میں ان کا مخالف ہو اس کے حقوق کے استحصال کو جائز سمجھتے تھے' اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص جاہل ہو یا امی ہو اس کے حقوق کو ضائع کرنا جائز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے ساتھ معاملات میں تفریق تو کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ غیر اسرائیلی کے مال کو ناجائز طور پر ہڑپ کر لیا جائے لیکن انہوں نے اپنے سوء فہم اور کم عقلی سے یہ سمجھ لیا کہ غیر اسرائیلی کا مال کھانا جائز ہے' تورات کی عبارت یہ ہے :

تو پردیسی (اجنبی' غیر اسرائیلی) کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔

(استثناء باب : ۲۳' آیت : ۲۰' پرانا عہد نامہ ص ۱۸۸)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ غیر اسرائیلی سے اسرائیلی کا سود لینا جائز ہے' یہ نہیں کہا کہ غیر اسرائیلی کا اصل مال ہڑپ کر لینا جائز ہے' اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ موجودہ تورات میں جو یہ آیت لکھی ہوئی ہے اصل تورات میں بھی یہ حکم اسی طرح تھا' جب کہ قرآن مجید میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت محرف ہے' کیونکہ جب غیر اسرائیلی سے سود لینا جائز ہو گا تو غیر اسرائیلی سے اس کی اصل رقم سے زائد رقم وصول کرنا جائز ہو گا۔ اور یہی غیر اسرائیلی کا ناحق مال کھانا ہے جس کو یہودی جائز سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا : وہ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ (آل عمران : ۷۵)

امام ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا عربوں کا مال لوٹنے پر ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔
سدی بیان کرتے ہیں کہ یہود سے کہا گیا کہ تم اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتیں واپس کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ عربوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہو گی' کیونکہ اللہ نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔
ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ قبل از اسلام کچھ لوگوں نے یہودیوں کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا' پھر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے یہودیوں سے اپنے مال کی قیمت کا تقاضا کیا' یہودیوں نے کہا ہمارے پاس تمہاری کوئی امانت نہیں ہے' نہ ہم نے تمہارا کوئی مال ادا کرنا ہے' کیونکہ تم نے اپنا سابق دین ترک کر دیا ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہماری کتاب میں اسی طرح لکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

غیر معروف طریقہ سے مخالفین کا مال کھانے کا عدم جواز

سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے' ماسوا امانت کے کیونکہ وہ ادا کی جائے گی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷ ۲۲۔ ۲۲۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے بھی روایت کیا ہے (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۵۹) اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کا امام عبد بن حمید' امام ابن منذر' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۴۴' مطبوعہ ایران)
امام رازی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۶ ۴' مطبوعہ بیروت)
امام ابن جریر کے علاوہ باقی ائمہ نے اس اضافہ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے : نیک ہو یا بد ہر شخص کی امانت ادا کی جائے گی۔

نیز امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :
صعصہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم اہل کتاب سے جہاد کرتے ہیں تو ان کے باغوں سے پھلوں کو کھا لیتے ہیں انہوں نے کہا تم اسی طرح تاویل کرتے ہو جس طرح اہل کتاب نے کہا تھا کہ امیین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔
صعصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم اہل ذمہ کے اموال میں مرغیاں اور بکریاں دیکھتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ ایسا ہے جس طرح یہودی یہ کہتے تھے کہ امیین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہو گا' تحقیق یہ ہے کہ جب اہل کتاب جزیہ ادا کر دیں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷ ۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض یورپی ممالک میں بعض علماء اسلام یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ یورپ' امریکہ اور افریقہ کے کافر ممالک میں سود کا لین دین جائز ہے اور غیر معروف طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز ہے مثلاً ایک شخص شہر میں خود کو بے روزگار ظاہر کر کے حکومت سے بیروزگاری کا وظیفہ لے اور دوسرے شہر میں کوئی ملازمت کرے اور حکومت کو فریب دے کر وظیفہ لیتا رہے تو

یہ جائز ہے' یا خاوند اور بیوی جھوٹ بول کر طلاق ظاہر کریں اور دونوں الگ الگ رہائش حکومت سے حاصل کرلیں اور ایک رہائش کو خفیہ طور پر کرایہ پر اٹھادیں' یا ایک شخص کسی ادارہ سے تنخواہ زیادہ وصول کرے اور کاغذات میں تنخواہ کم دکھائے تاکہ حکومت سے کم آمدنی کی مراعات حاصل کرے تو یہ تمام امور شرعا" جائز ہیں کیونکہ کافر کا مال کھانا جائز ہے۔

یہ طریقہ بالکل یہودیوں کا طریقہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسلام ایک عالم گیر دین ہے' اسلام نے ایمان داری اور راستبازی کی تعلیم دی ہے' ایسی دیانت اور امانت کی تعلیم دی جس سے متاثر ہو کر دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں' نہ یہ کہ اسلام میں دوسرے مذہب کے لوگوں سے دھوکے اور فریب سے رقم بٹورنے کا جواز بیان کیا جائے جس سے دوسری اقوام متنفر ہوں۔ اسلام کی ہدایت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے' میدان جنگ اور جہاد میں جو قوم مسلمانوں سے بالفعل برسرپیکار ہو ان کی جان اور ان کے اموال محترم نہیں ہیں۔ ان کو دوران جہاد قتل کردیا جائے گا اور جو زندہ بچیں گے ان کو گرفتار کرلیا جائے گا اور میدان جنگ میں کافروں کا جو مال ملے گا وہ مال غنیمت ہے' امام اس مال کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے روانہ کرے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیئے جائیں گے۔

یا کافر اپنی املاک چھوڑ کر چلے جائیں اور مسلمان ان املاک پر بغیر جنگ کے قبضہ کرلیں جیسے فدک تھا اس کو مال فے کہتے ہیں' اس کے علاوہ کافروں کا مال لینے کی کوئی جائز صورت نہیں ہے' جو کافر جزیہ دے رہے ہوں ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے' اور جن کافر ملکوں سے ان کے معاہدے ہوں ان کے مال بھی کسی غیر معروف طریقہ سے لینا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف یہودیوں کا نظریہ تھا کہ جو لوگ دین میں ان کے مخالف ہوں ان کا مال غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے لینا جائز ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

حقوق اور امانات کی ادائیگی میں اللہ کے دین میں مومن اور غیر مومن کی مطلقا" تفریق نہیں ہے' کیونکہ حق مقدس ہے اور کسی شخص کے دین کی وجہ سے اس کا حق بالکل متاثر نہیں ہوتا' اور رہے یہود تو وہ عہد پورا کرنے کو حق واجب نہیں کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کے بعد فرمایا :

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آل عمران : ۷۵)

اس آیت میں ان کافروں کا رد ہے جو از خود چیزوں کو حرام اور حلال قرار دیتے تھے اور ان کو شریعت اور دین بناتے تھے۔

اللہ کے ساتھ عہد پورا کرنا یہ ہے کہ اس کے احکام پر وجوبا" عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے لازما" اجتناب کیا جائے۔ اور لوگوں سے معاملات' عقود اور امانات کی ادائیگی کا جو عہد کیا ہے اس کو پورا کیا جائے۔ اس عہد کو پورا کرنا بھی ایمان سے ہے بلکہ یہ ایمان کی اعلیٰ خصال میں سے ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے اور اس کی محبت اور رضا کا مستحق قرار پاتا ہے' اور جو شخص عہد شکنی کرے وہ بالکل اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ گروہ منافقین میں سے ہے اور باطل اور غیر معروف طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے انسان اللہ کے غضب

اور اس کی ناراضگی کا مستحق ہوتا ہے' امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ناحق کھایا وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس سے ناراض ہو گا' اور امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے' اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص امانت دار نہ ہو وہ مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور عہد توڑنے والے اور امانت میں خیانت کرنے والے کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا' چوری' شراب نوشی' جوئے اور ماں باپ کی نافرمانی اور دیگر تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ ہے' کیونکہ عہد شکنی کا فساد اور اس کا ضرر بہت بڑا اور بہت عام اور بہت شامل ہے۔

(تفسیر منیر ج ۳ ص ۲۷۰۔ ۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

غیر معروف اور غیر قانونی طریقوں سے کافر اقوام کا مال کھانے کے دلائل پر بحث و نظر

جب مسلمان کسی کافر قوم سے بر سر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دار الحرب ہوتا ہے اور اس وقت دار الحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان بر سر جنگ نہیں ہیں۔ ان سے سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان ومال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ' برطانیہ' کینیڈا اور جرمنی وغیرہ ایسے ملک دار الحرب نہیں بلکہ دار الکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال مسلمانوں پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال ان پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۟

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

(النساء: ۲۹)

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا' سو مسلمانوں کے لئے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔ اولاً تو یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ جائز نہیں ہے' ثانیاً یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کے ساتھ خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔

اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا

(النور : ۳۳) عارضی فائدہ طلب کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کریں تو کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارالکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر اس سے کاروبار کرنا شروع کردیں؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال : ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو در آں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کرلیا کریں؟

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ (النحل : ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لئے بہانہ نہ بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النور : ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشا یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں۔ مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی ﷺ کی راستبازی' پارسائی' امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی ﷺ کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کافر سے لڑائی تیروتفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے۔ اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کردیا جس کو پھیلانے کے لئے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کرسکے گا؟

جو لوگ دارالکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لئے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح لے لیا جائے روا ہے' غیر مذاہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً" وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

اور ان (یہودیوں) میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر نہ کھڑے رہو

عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ‏ ۔ وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ امیین (مسلمانوں) کا مال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (آل عمران : ۷۵)

غور کیجئے جو لوگ دار الکفر میں حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان کے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟

حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دار الحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کرلی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔ قاضی بیضاوی' بغوی' علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے پھر جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے۔ بضع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آگئے حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء سے اونٹ لے لئے اور نبی ﷺ کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا یہ سحت (مال حرام) ہے اس کو صدقہ کردو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا تسامح ہے' جامع ترمذی میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر روایت کو عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو بہت غریب (اجنبی) قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۴۲-۳۴۱ مطبوعہ دار الاندلس بیروت)

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے :

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ○ الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے چند سالوں بعد غالب ہوجائیں گے۔ جن دنوں یہ آیت نازل ہوئی ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ

قول ہے: و یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم۔○ جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔ اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہوجائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعثت پر ایمان رکھتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کردیا۔ الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہوجائیں گے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوجائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی مشرکین نے کہا "بضع سنین" تین سالوں سے لے کر نو سالوں تک ہے، تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کرلو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے شرط وصول کرلی اور پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہوگئے تو پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انہوں نے "بضع سنین" کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو "بضع سنین" فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں یعنی بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳) نبی ﷺ نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔ (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برات کی نیت سے اس کو صدقہ کردے)

دار الحرب' دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو' دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان' مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو' تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

(المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سرخسی نے دار الحرب کی تیسری شرط یہ بیان کی ہے کہ اس میں مشرکین شرک کے احکام ظاہر کریں' علامہ شامی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی شرک کے احکام مشہور ہوں اور اس میں اہل اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیا جائے۔ (ھندیہ) اور ظاہر یہ ہے کہ اگر

اس میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے احکام جاری ہوں تو پھر وہ دار الحرب نہیں ہوگا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان ”عملاً“ بر سر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین تھا وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانونا“ جرم تھا ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دار الحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ممالک میں آتے جاتے ہیں مسلمانوں کی جان' مال اور عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ برطانیہ ہالینڈ جرمنی اور افریقی ممالک یہ ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دارا لکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ممالک کو دار الاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً“ دار الاسلام ہیں حقیقتاً“ دارا لکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارا لکفر پر مجازاً“ دار الحرب کا بھی اطلاق کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتاً“ دار الاسلام ہیں نہ دار الحرب بلکہ یہ دارا لکفر ہیں' کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دار الحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دار الاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

معراج الدرایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے جو شہر کفار کے ہاتھوں میں ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام ظاہر نہیں کیے بلکہ قاضی اور حاکم مسلمان ہیں جو ضرورت کی وجہ سے یا بلاضرورت کفار کی اطاعت کرتے ہیں' اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے حاکم مقرر ہو اس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور حد قائم کرنا اور قاضیوں کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ شرعاً“ مسلمان کافروں پر غالب ہیں اور اگر حاکم کفار ہوں پھر بھی مسلمانوں کے لیے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کسی شخص کو قاضی بنا دیا جائے گا اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کو تلاش کریں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۱۔ ۵۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مبسوط کی اس عبارت میں کافروں کے ملک کو جو بلاد اسلام یا دار الاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے ظاہر ہے یہ حقیقی اطلاق نہیں ہے کیونکہ دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہاں اسلامی شعائر اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو لیکن کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً“ دار الاسلام ہے حقیقتاً“ دار الاسلام ہے نہ حقیقتاً“ دار الحرب ہے' قبل از تقسیم ہندوستان کو جو علماء نے دار الاسلام قرار دیا تھا اس کا یہی مطلب تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت تھی نہ احکام اسلامیہ کا غلبہ تھا اس لیے ہندوستان حقیقتاً“ دارا لکفر ہی تھا اور حقیقتاً“ دار الحرب اس لیے نہیں تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ حاصل تھا۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

مسلمان تاجر جب گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ کے ساتھ امان لے کر دارالحرب جائیں در آں حالیکہ وہ اس گھوڑے اور اسلحہ کو کافروں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ تاجر کو اپنے مصالح کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پس جس طرح تاجر کے لئے یہ چیزیں دارالاسلام میں ممنوع نہیں ہیں اسی طرح دارالحرب میں بھی ممنوع نہیں ہیں۔ (شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۱۷۱۵ مطبوعہ المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ)

فقہاء نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان تاجر کے لئے سواری اور اسلحہ کو دارالحرب میں تجارت کے لئے لے جا کر فروخت کرنا جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اشیاء اور جن چیزوں کا تعلق آلات حرب سے نہ ہو ان کو دارالحرب میں لے جا کر فروخت کرنا اور ان کی تجارت کرنا جائز ہے۔

ہم نے یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ فقہاء دارالکفر پر بھی مجازاً" دارالحرب کا اطلاق کر دیتے ہیں کیونکہ دارالحرب کی تو یہ تعریف ہے جہاں مسلمان اور ذمی کو جان' مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو اس لئے ایسی جگہ مسلمان تاجروں کا تجارت کے لئے جانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس لئے یہ دارالحرب نہیں ہے اب تک کی بحث سے جو تعریفات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

دارالاسلام: وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور شعائر اسلامی اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو۔

دارالحرب: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان' مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو' اسی طرح ذمی کو بھی تحفظ حاصل نہ ہو۔

دارالکفر: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو' اس علاقے کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہوں' مسلمان وہاں تجارت کے لئے جاتے ہوں' مسلمانوں کو وہاں جان' مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو اور احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔

ان تعریفات کے اعتبار سے امریکہ' برطانیہ' کینیڈا' ہالینڈ' مغربی جرمنی اور افریقی ممالک جہاں مسلمان امان اور آزادی کے ساتھ رہتے ہیں یہ سب دارالکفر ہیں یہاں جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سود کا لین دین کسی طرح جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقود فاسدہ سے لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر فقہاء احناف نے درجہ کراہت میں کافروں کے مال لینے کو جائز کہا ہے تو دارالحرب میں کہا ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں۔ فقہاء نے ایسے ممالک پر مجازاً" دارالحرب کا اطلاق کیا ہے اور مجازاً" دارالاسلام کا اطلاق بھی کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ممالک دارالکفر ہیں' دارالحرب ہیں نہ دارالاسلام۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اگر دارالحرب میں اہل اسلام کے احکام جاری کر دیئے جائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے مثلاً" جمعہ اور عید پڑھائی جائے۔ خواہ اس میں کافر اصلی باقی رہیں اور خواہ وہ علاقہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔

یہ دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریفیں ہیں اور دارالکفر کی تعریف علامہ شامی کی اس عبارت سے مستفاد ہوتی ہے:

رہے وہ ممالک جن کے والی کفار ہیں تو مسلمانوں کے لئے ان ملکوں میں جمعہ اور عید کی نماز قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے وہاں قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمان والی کو (بہ شرط

استطاعت) طلب کریں اور ہم اس سے پہلے جمعہ کے باب میں اس کو بزازیہ سے نقل کر چکے ہیں۔

(ردالمحتارج ۳ ص ۲۵۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۔ ۱۴۰۷ھ)

دارالکفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانے کا عدم جواز

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا تمام کافر ملکوں کے ساتھ حکومت پاکستان کے سفارتی تعلقات ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ مسلمان ان کافر ملکوں میں جاسکتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ملکوں میں آسکتے ہیں اور جو لوگ ویزہ لے کر کسی ملک میں جائیں ان کو اس ملک میں امان حاصل ہوتی ہے اور ان کی جان اور مال کی حفاظت کرنا اس حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ شخص کسی مال کو غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے حاصل نہیں کر سکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ مال حرام ہوگا اور اس پر اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اس کو شرعی اصطلاح میں مستامن کہتے ہیں :

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں :

مستامن کا معنی ہے جو امان کا طالب ہو اور یہ وہ شخص ہے جو کسی دوسرے ملک میں امان لے کر داخل ہو خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا حربی' مسلمان دارالحرب (یعنی دارالکفر) میں امان لے کر داخل ہوا تو اس پر ان کی جان' مال اور ان کی عورتوں کی عزت کے درپے ہونا حرام ہے' کیونکہ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں (علامہ شامی نے لکھا ہے کیونکہ مسلمان جب امان لے کر ان کے ملک میں داخل ہوا تو وہ اس بات کا ضامن ہوگیا کہ وہ ان کی جان مال اور عزت کے درپے نہیں ہوگا اور عہد شکنی کرنا حرام ہے' ہاں اگر کافروں کا حکمران عہد شکنی کرے اور اس مسلمان کا مال لوٹ لے یا اس کو قید کر لے یا کوئی اور کافر ایسا کام کرے اور حکمران کو اس کا علم ہو اور وہ اس کو منع نہ کرے تو پھر مسلمان پر بھی ان شرائط کی پابندی نہیں ہے کیونکہ انہی کافروں نے عہد شکنی کی ہے۔ (بحر' ردالمحتارج ۳ ص ۲۴۷) اگر کوئی مسلمان وہاں سے (غیر قانونی طور پر) کوئی مال لے کر دارالاسلام میں آیا تو وہ اس کی ملکیت میں حرام چیز ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے' اور اگر وہ ان سے کوئی چیز چھین کر لایا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جس شخص کی چیز ہے وہ اس کو واپس کرے۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتارج ۳ ص ۲۵۳۔ ۲۴۷ 'ملتقطا' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ حاکم نے کافی میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں نے کافروں کے ملک میں ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نقد یا ادھار فروخت کیا یا کوئی چیز ان کے ہاتھ خمر (انگوری شراب) یا خنزیر یا مردار کے عوض فروخت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی رضامندی سے ان سے مال حاصل کر لے' یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتارج ۳ ص ۲۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ہمارے نزدیک امام ابویوسف کا قول ہی صحیح ہے کیونکہ اسلام عالم گیر مذہب ہے اور اس کے احکام قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہیں اسلام نے شراب' خنزیر' مردار اور سود کو مطلقاً حرام کیا ہے' قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان کی حرمت کے لئے کوئی استثناء نہیں ہے دارالاسلام ہو' دارالکفر ہو یا دارالحرب ہو ہر جگہ شراب' خنزیر' مردار اور سود حرام ہیں' اور جو لوگ غیر قانونی طریقہ سے کافروں کے مال لینے کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دارالکفر میں مسلمانوں کے لئے خنزیر اور

شراب کی بیع کو جائز کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔

پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں نے جن کافر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملکوں میں ان کے باشندوں کی آمدورفت رہتی ہے اور ان کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی تعلقات بھی ہیں سو یہ ان کے ساتھ معاہدہ امن و سلامتی اور بقاء باہمی کے وعدہ کے قائم مقام ہے' اس لیے کسی مسلمان کا ایسے کسی کافر ملک میں جا کر دھوکے اور فراڈ کے ذریعہ ان کا پیسہ بٹورنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ٤٨٣ھ لکھتے ہیں :

جو مسلمان کافر ملک میں امان حاصل کر کے (ویزہ لے کر) جائے اس پر ان کے ساتھ عہد شکنی کرنا اور دھوکہ دینا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ غدر (عہد شکنی) حرام ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کی دبر (مقعد) پر ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جس سے اس کی عہد شکنی پہچانی جائے گی' اگر اس مسلمان نے کافروں سے عہد شکنی اور دھوکا دہی سے ان کا مال حاصل کر لیا اور اس مال کو دارالاسلام میں لے آیا تو دوسرے مسلمانوں کو اگر علم ہو تو ان کے لیے اس مال کو خریدنا حرام ہے کیونکہ وہ مال کسب خبیث سے حاصل ہوا ہے اور اس مال کو خریدنے سے اس کسب خبیث کی حوصلہ افزائی ہو گی اور یہ مسلمانوں کے لیے مکروہ ہے' اور اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ جب انہوں نے اپنے کافر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے یہ چاہا کہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے خمس (پانچواں حصہ) لے لیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اسلام تو مقبول ہے لیکن تمہارا مال غدر (عہد شکنی اور دھوکا دہی پر مبنی ہے) سو ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں ہے۔

(المبسوط ج ١٠ ص ٩٧۔ ٩٦' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ١٣٩٨ھ)

نیز علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں :

جب مسلمان مشرکین کی کسی قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ کریں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال لینا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ قائم ہے' اور اس معاہدہ کی وجہ سے ان کی جان اور مال مسلمانوں کی جان اور مال کی طرح محترم ہے' سو جس طرح مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مال لینا جائز نہیں ہے' اسی طرح جن مشرکوں سے معاہدہ ہو ان کی رضامندی کے بغیر ان کا مال لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ بغیر رضامندی کے ان کا مال لینا غدر اور عہد شکنی ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عہد پورا کیا جائے اور اس میں غدر نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاہدہ ہونے کے بعد کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے اصحاب نے ہمارے کھیتوں میں سے سبزیاں اور لہسن لے لیے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اس کا کوئی مال حق کے سوا لینا جائز نہیں ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج ٢ ص ١٣٣' مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ' افغانستان ١٤٠٥ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان دارالحرب (دارالکفر) میں تجارت کے لیے داخل ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی جانوں اور مالوں کے درپے ہو' کیونکہ وہ ان سے امان طلب کرنے کے بعد اس بات کا ضامن ہو گیا ہے کہ وہ ان کی جان اور مال میں

تعرض نہیں کرے گا' اور ضمانت کے بعد تعرض کرنا غدر (عہد شکنی) ہے اور غدر حرام ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۸۴' مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ بدر الدین عینی نے اس کی شرح میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۲)

(البنایہ ج ۶ ص ۶۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

احادیث اور فقہاء کے ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ دار الکفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیوں نہیں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا' اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے۔

(آل عمران : ۷۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کا رد کیا ہے کہ "ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہو گی" اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیوں نہیں ان کی اس پر گرفت ہو گی' عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عہد پورا کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے' کہ جس شخص نے عہد پورا کیا اور عہد شکنی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔

عہد پورا کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ اطاعت دو چیزوں میں منحصر ہے' اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت' اور عہد پورا کرنا ان دونوں چیزوں پر مشتمل ہے' اللہ تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے عہد پورا کرنے سے اس کے حکم پر عمل ہوتا ہے اور یہ اللہ کی تعظیم ہے اور عہد پورا کرنے سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مخلوق پر شفقت بھی ہے' اور جو شخص بندوں سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا وہ اللہ سے بھی کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا' اور بندہ کا اللہ سے عہد یہ ہے کہ وہ اس کے تمام احکام پر عمل کرے اور اس کی عبادت بجالائے اور ان تمام کاموں سے باز رہے' جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ اور بندوں سے کئے ہوئے عہود کو پورا کرے گا تو وہ کامل متقی بن جائے گا اور انہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں' ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا' اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (آل عمران : ۷۷)

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کے متعلق آیت کا نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے حلف اٹھایا تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال کھالے وہ جس وقت اللہ سے ملاقات کرے گا وہ اس پر غضبناک ہو گا' اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی : ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا

الآیہ (آل عمران : ۷۷) پھر حضرت اشعث بن قیس آئے اور پوچھا حضرت ابوعبدالرحمان نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ انہوں نے بتایا اس اس طرح حدیث بیان کی ہے' انہوں نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی' میرے عم زاد کی زمین میں میرا کنواں تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا' آپ نے فرمایا تم اس کے ثبوت میں گواہ لاؤ' ورنہ پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ تو اس پر قسم کھا لے گا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس قسم کے ذریعہ وہ مسلمان کا مال کھا لے وہ جب قیامت کے دن اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضب ناک ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ امرء القیس اور حضر موت کے ایک شخص کے درمیان کوئی تنازعہ تھا' دونوں نے اپنا مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ نے حضرمی سے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا' حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! اگر اس نے قسم کھالی تو پھر یہ میری زمین لے لے گا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضبناک ہو گا' امرء القیس نے کہا : یا رسول اللہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود قسم نہ کھائے اور اپنا حق ترک کر دے اس کی کیا جزاء ہے؟ آپ نے فرمایا جنت! اس نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں قسم کو ترک کرتا ہوں' عدی نے کہا پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کی ہوئی کتاب کے ذریعہ جن لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کریں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام لائے ہیں ان کی تصدیق اور ان کا اقرار کریں گے' ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے' اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں' اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا مال خریدتے ہیں' ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کی جو نعمتیں تیار کی ہیں' ان سے وہ محروم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسی بات نہیں کرے گا جس سے ان کو خوشی ہو اور نہ ان کی طرف رحمت کی نظر فرمائے گا اور نہ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک فرمائے گا اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کی سزا کا بیان

ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول چند خاص لوگوں کے متعلق ہے لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں : جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں" اور اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے' اس لیے ہر عہد شکنی کرنے والے اور مال دنیا کی خاطر جھوٹی قسم کھانے والے کا یہی حکم ہے' اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی پانچ سزائیں بیان فرمائیں ہیں۔ (۱) ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲) آخرت میں اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔ (۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ (۴) ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا۔ (۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ان پانچوں وعیدوں کی تشریح حسب ذیل ہے :

(۱) ان کے لیے آخرت کی خیر اور نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں' معتزلہ اسی آیت سے استدلال کرتے تھے کہ عہد شکنی

کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اور جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور بغیر توبہ کے مرجائے وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم رہے گا بلکہ اس کو دائمی عذاب ہو گا' ہمارے نزدیک یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور عدم عفو کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو دائمی عذاب دے گا یا اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے تو اس کو دائمی عذاب دے گا' یا یہ آیت محض انشاء تخویف کے لیے ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرانے کے لیے فرمایا فی الواقع ایسا نہیں کرے گا اور وعید کے خلاف کرنا عین کرم ہے یا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استحقاق بیان فرمایا ہے یعنی عہد شکنی اور جھوٹی قسم کھانے والے اس سزا کے مستحق ہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کو ضرور یہ سزا دے گا یا یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی یہ آیت کافروں کے ساتھ خاص ہے اور کافروں میں سے جو عہد شکنی کرے گا یا جھوٹی قسم کھائے گا اس کی یہ سزا ہو گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے کلام فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا :

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف : ۶) — پس ضرور ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے' اور ہم ضرور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر : ۹۳-۹۲) — سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے' ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ سوال بغیر کلام کے متصور نہیں ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا یہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ جو شخص کسی سے ناراض ہو وہ اس سے بات نہیں کرتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کاملین اور اولیاء عارفین سے براہ راست اور بالمشافہ بات کرے گا اور کفار اور فساق اور فجار سے بالمشافہ بات نہیں کرے گا بلکہ فرشتوں کے وساطت سے بات کرے گا' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوشی سے بات نہیں کرے گا' اور نہ ان سے ایسی بات کرے گا جس سے وہ خوش ہوں۔

(۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا : اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھے گا نہیں کیونکہ کائنات کی کوئی چیز اللہ سے اوجھل اور مخفی نہیں ہے بلکہ اسکا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف محبت اور رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا : اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک اور صاف نہیں کرے گا بلکہ ان کے گناہوں کی ان کو سزا دے گا اور ان کو معاف نہیں کرے گا' دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے نیک بندوں کی تعریف اور ستائش کرے گا ان کی تعریف نہیں کرے گا' اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف فرشتوں کے واسطہ سے بھی کرے گا اور بلاواسطہ بھی ان کی تعریف فرمائے گا فرشتوں کے واسطہ سے یہ تعریف ہے :

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد : ۲۴-۲۳) — اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازہ سے (یہ کہتے ہوئے) ان پر داخل ہوں گے' تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نیک بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرمائی ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ: ۱۱۲)

جو توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' اللہ کی حمد کرنے والے ہیں' روزہ رکھنے والے ہیں' رکوع کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں' نیکی کا حکم دینے والے ہیں' برائی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مومنوں کو بشارت دیجئے۔

اور اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کی تعریف فرمائے گا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسٓ: ۳۶)

ان پر رب رحیم کا فرمایا ہوا سلام ہو گا۔

(۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے: پہلے چار امور میں اللہ تعالیٰ نے ان سے ثواب کی نفی کی ہے اور اس آخری امر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ کتاب (تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتا ہے تاکہ تم یہ گمان کرو کہ

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ

یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

(منزل) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (منزل) نہیں ہے اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ

بولتے ہیں ○ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت

الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ

جاؤ، لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے

الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا
ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو ○ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں
الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ
اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمہارے مسلمان ہوتے کے بعد تمہیں کفر کا
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع
حکم دے گا ؟ ○

۸ ع ۹ ۱۶

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود عہود اور مواثیق کو توڑتے ہیں یہ بھی ان کی بڑی گمراہی اور معصیت تھی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زیادہ بڑی گمراہی اور بڑی معصیت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ بعض آیات کو چھپا لیتے ہیں اور بعض آیات اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے تھے اور اپنی طرف سے کلام گھڑ کر یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

"لَیّ" کا معنی اور تورات میں لفظی یا معنوی تحریف کی تحقیق

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے "لی" کا معنی ہے کسی چیز کو مروڑنا اور پلٹ دینا، جب کوئی کسی شخص کا ہاتھ مروڑ دے تو کہتے ہیں لوی یدہ اور جب کوئی پہلوان دوسرے پہلوان کی پشت زمین سے نہ لگا سکے تو کہتے ہیں "مالوی ظہرہ"۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ بیروت)

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

"لوی لسانہ" (زبان مروڑنا) کذب اور من گھڑت باتیں کرنے سے کنایہ ہے۔

(المفردات ص ۴۵۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

امام رازی لکھتے ہیں :

قفال نے بیان کیا ہے کہ زبان مروڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی لفظ کو پڑھتے وقت اس کی حرکات اور اعراب میں

تبدیلی کر دیتے تھے جس سے اس کا معنی بدل جاتا تھا' عربی میں بھی اس کی بہت مثالیں ہیں' اسی طرح عبرانی میں بھی اس کی مثالیں ہیں' خاص طور پر تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ اس میں اس قسم کی تحریف کرتے تھے۔

امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے' کیونکہ تورات کا متن مشہور تھا' اگر وہ اس میں لفظی تبدیلی کرتے تو سب لوگوں کو ان کی تحریف کا پتا چل جاتا' اور اس سے ان کی سبکی ہوتی اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ ان پر اعتراضات کرتے تھے اور ان کی باطل تاویل اور تشریح کرتے تھے اور ان آیات کے صحیح معنی پر شبہات واقع کرتے تھے۔

امام رازی کی علمی عظمت اور جلالت قدر کے ہم معترف ہیں اس کے باوجود ہمیں ان کی اس تحقیق سے اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے' بعض اوقات وہ الفاظ بدل دیتے' بعض اوقات وہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر یہ کہتے کہ یہ اللہ نے فرمایا ہے اور بعض اوقات وہ بعض آیات کو چھپا لیتے یا تورات سے حذف کر دیتے' اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تورات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف شراب پینے اور زنا کرنے کی نسبت بیان کی گئی ہے حتی کہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی' اور اس میں کوئی عاقل شک نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے' بلکہ ان کا خود ساختہ کلام ہے' ہم نے آل عمران کی آیت : ۳ کی تشریح میں ان محرف آیات کو باحوالہ بیان کیا ہے۔ نیز تورات میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کا صراحۃً بیان ہے جس کو انہوں نے تورات میں حذف کر دیا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور ان کو برائی سے روکتے ہیں' اور پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان پر (مشکل احکام کے) جو بوجھ اور طوق تھے ان کو اتارتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ (الفتح : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں بڑے نرم دل ہیں (اے مخاطب!) تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں' سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے' ان کی یہ صفات تورات میں ہیں۔

یہود نے تورات میں سے سیدنا محمد ﷺ کا ذکر اور آپ کی ان صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح آپ کے اصحاب کا ذکر اور ان کی صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح اور بہت سے احکام کو چھپا لیا' اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تم سے بہت سی ایسی چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے اور

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدہ : ۱۵) بہت سی باتوں سے درگذر فرماتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے وہ حسب ذیل ہیں :

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النسآء : ۴۶)

بعض یہودی اللہ کے کلموں میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی' (اور آپ سے کہتے ہیں کہ) سنیے درآں حالیکہ آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں موڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں' اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری باتیں سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر اور نہایت درست ہوتا' لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی تو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (المائدہ : ۱۳)

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں اور جس (کلام) کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی وہ اس کے ایک بڑے حصے کو بھول گئے' بجز ان میں سے چند آدمیوں کے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (المائدہ : ۴۱)

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو (ہمارا تحریف کیا ہوا) یہ حکم دیا جائے تو اسے مان لو' اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرو۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (البقرہ : ۷۵)

بے شک ان میں سے ایک فریق اللہ کا کلام سننے اور اس کو سمجھنے کے بعد اس میں دیدہ دانستہ تحریف کر دیتا تھا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ. (البقرہ : ۵۹)

تو ظالموں سے جو قول کہا گیا تھا اس کو انہوں نے دوسرے قول سے تبدیل کر دیا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ : ۷۹)

سو ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات کے علاوہ ہم نے امام ابن جریر طبری کے حوالے سے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں بھی اس پر دلیل ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ۸۸۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں :

بعض اوقات وہ اس طرح تحریف کرتے تھے کہ مثلاً لا تقتلوا النفس الا بالحق کو الا بالحد پڑھتے' اصل آیت کا معنی تھا کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہو گیا کہ کسی شخص کو حد کے سوا قتل نہ کرو' اسی طرح من زنی فارجموہ کو فحمموہ پڑھتے تھے۔ اصل آیت کا معنی ہے جس نے زنا کیا اس کو رجم کرو

اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہو گیا جس نے زنا کیا اس کا منہ کالا کرو۔

(نظم الدرر ج ۴ ص ۴۶۴' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ یہود کی تحریف کئی قسم کی تھی بعض اوقات وہ زبان مروڑ کر لفظ کو کچھ کا کچھ پڑھ دیتے تھے' جس سے معنی بدل جاتا تھا' جیسے راعنا کو راعینا پڑھ دیتے تھے' بعض اوقات آیات کو حذف کر دیتے اور احکام چھپا لیتے تھے' اور بعض اوقات آیات کو تبدیل کر دیتے تھے' بعض اوقات خود ایک مضمون تصنیف کر کے کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کے متعلق انہوں نے توہین آمیز واقعات لکھے ہیں اور بعض اوقات تورات کی آیت میں باطل تاویل کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۴۲) اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔

اس تفصیل اور تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہود تورات کی آیات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے' بلکہ تورات کی آیات کے صحیح معنی اور درست محمل پر اشکالات اور خدشات وارد کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اپنی فصاحت اور بلاغت اور حلاوت اور جلالت کے اعتبار سے انسان کے کلام سے کسی صاحب فہم پر ملتبس اور مشتبہ نہیں ہو سکتا' البتہ عام لوگوں کو مغالطہ ہو سکتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ تم یہ گمان کرو کہ یہ کتاب کا حصہ ہے' حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے' اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے' حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہہ فرمائی کہ یہ تحریف کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ان کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ (آل عمران: ۷۹)

اس آیت کے اہم الفاظ کے معانی حسب ذیل ہیں:

بشر کا معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

بشر انسان کو کہتے ہیں' واحد ہو یا جمع ہو اس کی جمع ابشار ہے' بشر کا معنی انسان کی ظاہری کھال ہے' اور کھال کو کھال سے ملانا مباشرت ہے' اور بشارت اور بشری کا معنی خوشخبری دینا ہے۔

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۶۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بشر' انسان اور آدمی میں فرق ہے' ظاہری کھال اور چہرے' مہرے کے اعتبار سے بشر کہتے ہیں' حقیقت کے اعتبار سے انسان کہتے ہیں اور نسل اور نسب کے اعتبار سے آدمی کہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمہ کہتے ہیں' انسان کو اس کی ظاہری کھال کے اعتبار سے بشر

کہتے ہیں کیونکہ جانوروں کی کھالوں پر بڑے بڑے بال ہوتے ہیں یا اون ہوتا ہے' قرآن مجید میں جب انسان کے جسم اور اس کے ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے تو پھر اس پر بشر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا — اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔

(الفرقان : ۵۴)

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ (ص : ۷۱) — بے شک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار جب انبیاء علیہم السلام کی قدر و منزلت کو گھٹانا چاہتے تھے تو ان کو بشر کہتے تھے' قرآن مجید میں ہے :

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر : ۲۵-۲۴) — اس (کافر) نے کہا یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے ○ یہ صرف ایک بشر کا قول ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود : ۲۷) — سو قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا : (اے نوح!) ہم تمہیں اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ — انہوں (کافروں) نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔

(بنواسرائیل : ۹۴)

قرآن مجید میں ہے آپ کہئے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انسان بشریت میں انبیاء علیہم السلام کے مساوی ہیں اور علوم و معارف اور اعمال حسنہ کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یوحی الی "میری طرف وحی کی جاتی ہے۔" کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس پر تنبیہہ ہو کہ ہرچند کہ انبیاء علیہم السلام بشریت میں عام انسانوں کے مساوی ہیں لیکن وحی کی خصوصیت کی وجہ سے عام انسانوں سے متمیز ہیں۔ (عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں بشریت بہ منزلہ جنس ہے اور استعداد نزول وحی اور ادراک غیب' انبیاء علیہم السلام کے لیے بہ منزلہ فصل ممیز ہے' حواس اور عقل سے ادراک کرنا عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے جس سے وہ عالم شہادت میں ادراک کرتے ہیں اور عالم غیب کا ادراک کرنا' جنات اور فرشتوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا اور حامل وحی ہونا' یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے) :

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکھف : ۱۱۰' حم السجدۃ : ۶) — آپ کہئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح (خدا نہیں ہوں) مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ (میرا اور) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

حضرت جبرائیل جب حضرت مریم کے سامنے بشری صورت میں آئے تو فرمایا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم : ۱۷) یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت جبرائیل بشری صورت میں آئے اور جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو اچانک بے حجاب دیکھا تو بے ساختہ کہا حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف : ۳۱) یہاں مراد یہ ہے کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو بہت عظیم اور بلند جانا اور ان کے جوہر ذات اور حقیقت کو بشر سے بہت بلند سمجھا' بشارت اور مباشرت کے الفاظ بھی اسی لفظ سے بنے ہیں جب انسان کوئی خوشخبری سنے تو اس کے چہرے کی کھال پر خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے' اس لیے اس کو بشارت کہتے ہیں اور مباشرت میں مرد اور عورت اپنے جسموں کی کھال کو ملاتے ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست

کرتے ہیں' قرآن مجید اور احادیث میں ان دونوں لفظوں کا بھی استعمال ہے۔
(المفردات ص ۴۸-۴۷' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

حکم کا معنی

حکم کا معنی ہے شریعت کی فقہ (سمجھ) اور قرآن کی فہم اور اس کا تقاضا شریعت پر عمل کرنا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سدی نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقائق قرآن کی فہم ہے' ابن زید نے کہا اس سے مراد اللہ کی آیات اور اس کی حکمتوں کو جاننا ہے' بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ علوم اور معارف ہیں جن سے اولوالعزم رسل مختص ہیں اور باقی انبیاء ان کے تابع ہیں۔ (المفردات ص ۱۲۸' مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

بعض علماء نے کہا حکم سے مراد یہاں سنت ہے' کیونکہ اس آیت میں کتاب کے بعد حکم کا ذکر فرمایا ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ حکم سے مراد یہاں قضاء ہے یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تدریجا" مراتب کا ذکر فرمایا ہے پہلے کتاب کا ذکر فرمایا جس سے علم حاصل ہوتا ہے' پھر اس سے ترقی کرکے قضا کا ذکر فرمایا کیونکہ جب انسان کو علم میں مہارت تامہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے' پھر اس کے بعد سب سے بلند مرتبہ کا ذکر فرمایا جو نبوت ہے اور تمام خیرات کا مجمع ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان پہلے عالم بنتا ہے پھر قاضی بن جاتا ہے پھر نبی بن جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے نبی بنانا ہوتا ہے اس کو ایسی صفات مخصوصہ کے ساتھ پیدا کرتا ہے جو نبی کے لیے ضروری ہیں' پھر پہلے مرتبہ میں اس کے علم کو ظاہر فرماتا ہے' پھر اس کی قضاء کے مرتبہ کو ظاہر فرماتا ہے پھر اس کو مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور اس کو اعلان نبوت کا حکم دیتا ہے۔

ربانیین کا معنی

ربانیین کا واحد ربانی ہے' یہ رب کی طرف منسوب ہے' اسی طرح مولوی وہ شخص ہے جو مولا کی طرف منسوب ہے' اس کا معنی ہے مولا والا' اسی طرح ربانی کا معنی ہے رب والا' ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو علم کے تقاضوں پر ہمیشہ عمل کرے۔ فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات پر عامل ہو اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو' جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنیفہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "ربانیین بن جاؤ۔" (آل عمران : ۷۹) کی تفسیر میں فرمایا : حکماء' علماء اور فقہاء بن جاؤ' ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو بڑے علوم (حقائق اور دقائق) سے پہلے چھوٹے علوم (مسائل) کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

ربانی' ربان کی طرف منسوب ہے ربان عطشان اور سکران کی طرح صفت مشبہ ہے' بعض نے کہا یہ رب کی طرف

منسوب ہے جو شخص علوم کی تعلیم دے وہ ربانی ہے' بعض نے کہا جو شخص علم سے اپنے نفس کی تربیت اور اصلاح کرے وہ ربانی ہے' بعض نے کہا یہ رب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس میں نون زائد ہے جیسے جسمانی میں نون زائد ہے' سو ربانی مولوی کی طرح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس امت کا ربانی ہوں' اس کی جمع ربانیون ہے۔

(المفردات ص ۱۸۴' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو رب کے دین کا عالم ہو اور اپنے علم کے مطابق عمل کرے' کیونکہ جب وہ علم کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ عالم نہیں ہو گا' ابو رزین نے کہا ربانی عالم حکیم کو کہتے ہیں' حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ربانیین حکماء علماء ہیں' ابن جبیر نے کہا حکما اتقیاء ہیں' ضحاک نے کہا کسی شخص کو بھی قرآن مجید حفظ کرنے میں مشقت کو ترک کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن تم ربانی بن جاؤ' ابن زید نے کہا ربانیین حکام اور احبار اور علماء ہیں' مجاہد نے کہا ربانیین کا مرتبہ احبار سے زیادہ ہے' نحاس نے کہا ربانی وہ عالم ہے جو سیاست پر نظر رکھتا ہو' ابو عبیدہ نے کہا ربانی وہ شخص ہے جو حلال اور حرام اور امر اور نہی کا عالم ہو اور اس امت کی خبروں اور ماکان ومایکون کا عارف ہو' جس دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنیفہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے' حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' اس پر اللہ عزوجل کا یہ حق ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرے اور دین میں تفقہ حاصل کرے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا لیکن ربانیین بن جاؤ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۲۳۔ ۱۲۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی تحریف کو بیان فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اہل کتاب کی عادت اور ان کا طریقہ کتاب میں تحریف اور تبدیل کرنا ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کی من جملہ تحریفات میں سے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے خدا ہونے کے دعویٰ دار تھے اور وہ اپنی امت کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تھے حالانکہ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو رافع قرظی نے کہا جب نجران کے احبار یہود اور علماء نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دینے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی :

کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب کا ایک گروہ اپنی کتاب کی تحریف کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً" ممتنع ہے

ہم نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا عقلاً" ممکن نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مجھے معبود بنالو' اور اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے یعنی حرام ہے تو اس سے عیسائیوں کی تکذیب نہیں ہو گی مثلاً ایک شخص کسی کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے اور آپ یہ کہیں کہ شراب پینا تو حرام ہے اس سے اس کے دعویٰ کی تکذیب نہیں ہو گی' اس کے دعویٰ کی تکذیب اس وقت ہو گی جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ شراب پینا اس کے لیے عقلاً" ممکن ہی نہیں ہے' اس آیت کی نظیر درج ذیل آیات ہیں :

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (مریم : ۳۵) — اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل : ۶۰) — تمہارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم (از خود) باغوں کے درخت اگاتے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران : ۱۴۵) — اللہ کے اذن کے بغیر کسی نفس کے لیے مرنا ممکن نہیں ہے۔

اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے : کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ اس امتناع عقلی پر حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ کرتا ہے' اور اپنے صدق پر معجزہ کو پیش کرتا ہے' اگر وہ خود الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت باطل ہو جائے گی اور لازم آئے گا کہ وہ صادق ہو اور صادق نہ ہو اور یہ محال ہے۔ معجزہ کے اظہار کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صادق ہو اور الوہیت کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ وہ صادق نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۲) اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو اللہ اس کی شہ رگ کو کاٹ دے گا اور ماضی کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ : ۴۷-۴۴) — اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا افتراء باندھتا ۝ تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ۝ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ۝ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کرتا تو وہ مغلوب ہو جاتا' اور اس دوسری آیت میں فرمایا :

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط — اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بہ ضرور

(المجادلہ : ۲۱) غالب ہو کر رہیں گے۔

سو اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ پر افتراء باندھے تو لازم آئے گا کہ وہ مغلوب ہو اور مغلوب نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال عقلی ہے۔

(۳) امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں کہ ان صفات کے ساتھ الوہیت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ان کو کتاب اور وحی عطا فرماتا ہے اور کتاب اور وحی صرف نفوس طاہرہ اور ارواح طیبہ کو ہی دی جاسکتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام : ۱۲۴)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج : ۷۵) اللہ چن لیتا ہے رسولوں کو فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

اور نفس طاہرہ سے اس قسم کا دعویٰ ممتنع ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی دو قوتیں ہیں نظری اور عملی اور جب تک قوت نظریہ علوم اور معارف حقیقیہ کے ساتھ کامل نہ ہو اس وقت تک قوت عملیہ اخلاق ذمیمہ سے طاہر نہیں ہوتی' اور نہ اس میں وحی اور نبوت کے قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال الوہیت کا دعویٰ کرنے سے مانع ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے کسی بندہ کو نبوت اور رسالت سے مشرف فرماتا ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ بندہ اس قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟

کفر ملت واحدہ ہے

بعض مفسرین نے کہا اس کا فاعل سیدنا محمد ﷺ ہیں' یعنی نہ محمد تم کو یہ حکم دیں گے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو' بعض نے کہا اس کا فاعل حضرت عیسیٰ ہیں اور بعض نے کہا اس کا فاعل انبیاء ہیں' اس آیت میں فرشتوں اور نبیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' کیونکہ صابئین فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور بعض اہل کتاب حضرت عزیر کی اور بعض حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

نیز اس میں فرمایا ہے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونا زیادہ قبیح ہے' کیونکہ کفر کا حکم دینا ہر حال میں مذموم ہے' اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے' اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے' کیونکہ جنہوں نے فرشتوں کو رب بنایا وہ صابئین اور بت پرست تھے' اور جنہوں نے نبیوں کو رب بنایا وہ یہود' نصاریٰ اور مجوس تھے اس اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو کافر فرمایا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ
اور (اے رسول) یاد کیجیے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر
حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ
تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور بضرور
بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ
ایمان لانا اور ضرور بضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول
إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ
کر لیا؟ انھوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں
الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
میں سے ہوں ○ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ
الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ
نافرمان ہیں ○ کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں
فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾
اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے ○

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سورت کے شروع سے اب تک جتنی آیات ذکر کی گئی ہیں ان میں اہل کتاب کی تحریفات اور خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کے جو اوصاف ذکر کیے گئے تھے' ان کو چھپایا یا ان کو تبدیل کر دیا' اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو اس تحریف اور خیانت سے منع کیا جائے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے پر برانگیختہ کیا جائے' زیر تفسیر آیت میں بھی اس مقصود کی تاکید کی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں یا بعثت کے بعد بذریعہ وحی یہ میثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے گا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور آپ کی مہمات میں آپ کی نصرت اور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لینے کے بعد اس کی تاکید کے

لیے ان سے صراحتہ" اقرار کرایا پھر اس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا تم سب اس پر گواہ رہنا اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں' پھر اس کے بعد فرمایا "پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا وہی لوگ نافرمان ہیں" اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی طرف متوجہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد اس عہد سے پھرنا انبیاء علیہم السلام سے متصور نہیں ہے' اور چونکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر اس امت کے زمانہ میں وہ نبی امی مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہو گا کہ وہ اس نبی امی پر ایمان لے آئیں جس نبی کی امت نے بھی اس عہد سے روگردانی کی وہ فاسق اور نافرمان ہو گی۔ علامہ سید محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو یعنی بہ فرض محال اگر نبیوں میں سے بھی کوئی اس عہد سے پھرا تو وہ بھی فاسق ہو جائے گا اور اس میں ان کی امتوں سے تعریضاً" خطاب ہے یعنی صراحتہ" انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد اور کنایتہ" ان کی امتوں کی طرف اسناد ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے : (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر : ٦٥) اگر آپ نے (بہ فرض محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور البتہ آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

لیکن راجح یہی ہے کہ یہ کلام امتوں کی طرف متوجہ ہے' امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام امتوں میں سے جو شخص بھی اس عہد کو پکا کرنے کے بعد پورا نہیں کرے گا تو وہ فاسق ہو گا۔

تمام نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کے میثاق کی تحقیق

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اہل کتاب سے لیا تھا' یا نبیوں سے ایک دوسرے کی تصدیق کے متعلق لیا تھا یعنی ہر نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے یا تمام نبیوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا پختہ عہد اور میثاق لیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس میثاق کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے لیا یعنی جب ان کی قوم کے پاس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں تو وہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ کی نبوت کا اقرار کریں۔

قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ بعض نبی بعض دوسرے نبیوں کی تصدیق کریں اور اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کریں' پھر انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کی اور اپنی امتوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں یا بذریعہ وحی یہ عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور اس کی نصرت کرے گا' اور پھر وہ نبی اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیتا تھا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ میثاق لیا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور ان کی نصرت کرے گا بہ شرطیکہ وہ اس وقت زندہ ہو ورنہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لیتا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں وہ مبعوث ہو جائیں تو وہ ان پر ایمان لائیں' ان کی تصدیق کریں اور ان کی نصرت کریں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۹۔۲۳۶' ملتقطا" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اگر یہ شبہ ہو کہ اس آیت میں ان انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کا ذکر ہے جن پر کتاب نازل کی گئی ہے اور وہ صرف تین سو تیرہ رسول ہیں' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام نبیوں سے یہ میثاق لیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے جن نبیوں پر کتاب نازل نہیں کی گئی وہ بھی ان نبیوں کے حکم میں ہیں جن پر کتاب نازل کی گئی ہے کیونکہ ان کو نبوت اور حکمت دی گئی ہے' نیز جن انبیاء علیہم السلام کو کتاب نہیں دی گئی ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ سابق نبی کی کتاب پر عمل کریں' نیز اس آیت میں کتاب اور حکمت سے مراد دین ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور توحید' نبوت' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر و نشر' حساب و کتاب اور جزاء و سزا پر ایمان رکھنے میں تمام نبی ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ البتہ شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں (شرائع) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں نے جس دین کو پیش کیا اور اللہ کی طرف سے جو پیغام سنایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی' اس لیے تمام نبیوں اور ان کی امتوں پر یہ واجب تھا کہ اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عموم اور شمول

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیرا" امت ہیں اور ہم آپ کی تحقیقا" امت ہیں' اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو آپ پر ایمان لانا اور آپ کی نصرت کرنا ان پر ضروری تھا اور ہم آپ پر بالفعل ایمان لائے ہیں' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (سبا: ۲۸)

اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے درآں حالیکہ آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمام نبیوں پر چھ اوصاف کی وجہ سے فضیلت

دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم دیئے گئے' رعب سے میری مدد کی گئی' میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مادہ تیمم اور مسجد بنا دیا گیا' اور مجھے تمام مخلوق کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک (حضرت) موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۴۲۷۔ ۴۲۶' مطبوعہ بیروت) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔
(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۰۰' مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بزار کی سند میں جابر جعفی ہے وہ ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں قاسم بن محمد اسدی ہے اس کا حال مجھے معلوم نہیں' البتہ سند کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۴)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام احمد' امام دیلمی اور امام ابونصر سجزی کے حوالوں سے درج کیا ہے۔
(الدر المنثور ج ۵ ص ۱۴۷' مطبوعہ ایران)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا' سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دائما" قیامت تک کے لیے رسول اور خاتم النبیین ہیں' آپ جس زمانہ میں بھی مبعوث ہوتے تو آپ ہی امام اعظم ہوتے' اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کی اطاعت مقدم اور واجب ہے' یہی وجہ ہے جب سب نبی مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے تو آپ ہی نے سب کی امامت فرمائی اور جب اللہ عزوجل میدان حشر میں اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا تو آپ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کریں گے' اور مقام محمود صرف آپ ہی کے سزاوار ہے۔
(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۶۵' مطبوعہ بیروت)

حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا' حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء اور مرسلین آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے' تمام رسولوں کی آپ قیادت فرمائیں گے' تمام اولین و آخرین میں آپ مکرم ہوں گے' آپ ہی کوثر کے ساقی ہوں گے' سب سے پہلے آپ شفاعت کریں گے آپ کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور دخول جنت کا افتتاح آپ سے ہوگا!

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں عارفین نے کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی مطلق' رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے ماسوا تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے تابع ہیں۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۰' مطبوعہ بیروت)

شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

باقی رہا آپ کا وصف ثبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقق معنی خاتمیت پر موقوف ہے۔ (تحذیر الناس ص ۴۶' مطبوعہ کراچی)

واسطہ فی العروض اس واسطہ کو کہتے ہیں جو وصف کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہو اور موصوف بالذات ہو اور ذوالواسطہ اس وصف کے ساتھ مجازا" متصف ہو مثلاً جب کشتی چل رہی ہو تو کشتی حرکت کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہے' اور کشتی میں بیٹھا ہوا شخص کشتی کے واسطہ سے مجازا" حرکت کے ساتھ متصف ہے' حقیقتہ" حرکت کے ساتھ متصف نہیں ہے اگر سیدنا محمد ﷺ کو وصف نبوت کے لیے واسطہ فی العروض قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ باقی انبیاء علیہم السلام نبوت کے ساتھ مجازا" متصف ہوں اور آپ حقیقتہ" متصف ہوں آپ حقیقی نبی ہوں اور باقی انبیاء مجازا" نبی ہوں اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے :

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ : ۲۸۵) ہم رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

اس لیے تحقیق یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اور باقی انبیاء علیہم السلام سب حقیقی نبی ہیں اور آپ باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے واسطہ فی الثبوت ہیں غیر سفیر محض ہیں' یہ اس واسطہ کو کہتے ہیں جس میں واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں وصف کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہوں' پہلے واسطہ متصف ہو اور پھر ذوالواسطہ متصف ہو جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم حرکت کرے تو قلم کی حرکت ہاتھ کے واسطے سے ہے لیکن دونوں حرکت کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہیں پہلے ہاتھ حرکت کرتا ہے اور پھر اس کے واسطہ سے قلم حرکت کرتا ہے سو اسی طرح پہلے سیدنا محمد ﷺ نبوت کے ساتھ متصف ہوئے پھر آپ کے واسطہ سے باقی انبیاء نبوت کے ساتھ متصف ہوئے اور سیدنا محمد ﷺ اس اتصاف میں واسطہ فی الثبوت غیر سفیر محض ہیں اور آپ اور باقی انبیاء حقیقی نبی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔ (آل عمران : ۸۳)

زمینوں اور آسمانوں اور تمام مخلوق کی اطاعت کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر یہ واجب اور لازم کر دیا ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں' لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ کا دین سیدنا محمد ﷺ کا لایا ہوا دین ہے' اور جو شخص اس دین کو ناپسند کرے گا وہ اللہ کے دین کو ناپسند کرے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے فرمایا : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ اور کسی دین کو تلاش کرتے ہیں' اس کے بعد فرمایا : حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے اس کے لیے اسلام لائی' اسلام کا اصطلاحی معنی ہے : سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو ماننا' قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا' اور اسلام کا لغوی معنی ہے : اطاعت سے سر تسلیم خم کرنا اور یہاں لغوی معنی مراد ہے' آسمانوں اور زمینوں پر مخلوق نے خوشی یا ناخوشی سے اس کی اطاعت کی' اس اطاعت کا معنی امام رازی نے یہ بیان فرمایا ہے :

اللہ سبحانہ کے ماسوا ہر چیز ممکن لذاتہ ہے اور ہر ممکن اپنے وجود اور عدم میں اس کا محتاج ہے اور اپنے وجود اور عدم میں اللہ کا محتاج ہونا یہی اس کے اطاعت گزار ہونے کا معنی ہے کہ اس کے ایجاد کرنے سے ممکن موجود ہو جائے اور اس کے فنا کرنے سے ممکن معدوم ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی ہر مخلوق اپنے وجود اور عدم میں اللہ کی اطاعت گزار ہے اور

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حصر کر دیا ہے کہ سب اسی کے اطاعت گزار ہیں' اس کا معنی ہے کہ اللہ ہی خلاق واحد ہے اس کے سوا اور کوئی نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو فنا کر سکتا ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں کا بھی یہی معنی ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرعد : ۱۵)
اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل : ۴۴)
اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

امام رازی نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کی اطاعت کی تفسیر ان کے امکان اور احتیاج سے کی ہے یہ بہت عمدہ تفسیر ہے تاہم یہ کہنا بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان تمام مخلوق کا جو تکوینی نظام بنایا ہے وہ سب خوشی یا ناخوشی سے اس نظام کے مطابق عمل کر رہے ہیں' کواکب سیارہ کی گردش' مہر و ماہ کا طلوع اور غروب' زمین کی حرکت' بارش کا ہونا' سمندروں اور دریاؤں کی روانی' نباتات کی روئیدگی' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا اور ہر ذی روح کا مقررہ وقت پر پیدا ہونا اور مرجانا' تمام جواہر' موالید اور عناصر اس تکوینی نظام کے تحت اپنا اپنا کام خوشی یا ناخوشی سے انجام دے رہے ہیں۔

انسان کے جسم کی رگوں میں خون گردش کر رہا ہے' انسان غذا کو کھا کر حلق کے نیچے اتار لیتا ہے پھر اس کھائی ہوئی غذا کو خون' گوشت اور ہڈیوں میں منتقل کرنے کے لیے اس کے جسمانی اعضاء اس تکوینی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں۔ دل' پھیپھڑے' جگر اور معدہ ایک مقررہ وقت تک یہ کام انجام دیتے رہتے ہیں' غرض انسان کے باہر جو پھیلی ہوئی کائنات اور عالم کبیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ اور انسان کے اندر جو عالم صغیر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے کوئی چیز اس کی اطاعت سے باہر نہیں ہے' ایک درمیان میں یہ خاک کا پتلا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے کر انسان بنا دیا پھر اس کو یہ موقع دیا کہ وہ عالم کبیر کو اللہ کا اطاعت گزار دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرے یا خود اپنے نفس اور عالم صغیر میں جھانک کر دیکھ لے اور اس سے نصیحت حاصل کرے۔ جب اس کا اپنا نفس اور کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی سے باہر نہیں ہے تو وہ خود اس کے حضور اطاعت سے سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتا!

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰم السجدة : ۵۳)
عنقریب ہم عالم کے اطراف میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یقیناً وہی (قرآن) حق ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذاریات : ۲۱-۲۰)
اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں' کیا تم (ان سے) بصیرت حاصل نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کے خوشی یا ناخوشی سے اطاعت گزار ہونے کے دو معنی ہیں ایک وہ جو امام رازی نے بیان فرمایا کہ ہر مخلوق کا اپنے وجود اور عدم میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا اس کی اطاعت گزاری ہے اور دوسرا

وہ معنی جو ہم نے بیان کیا کہ تمام ممکنات کا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تکوینی نظام کے تحت خوشی یا ناخوشی سے کام کرنا اس کی اطاعت گزاری ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

آپ کہیے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ

اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور

مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم (ایمان لاتے ہیں) ان میں سے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں ○ اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

میں سے ہوگا ○ اللہ اس قوم کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا

حالانکہ وہ لوگ (پہلے) یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

کو ہدایت نہیں دیتا ○ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے

تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۸۹﴾

جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور وہ نیک ہوگئے سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

زیر تفسیر آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ میثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ جب ان کے پاس وہ رسول آجائیں جو ان پر نازل کی ہوئی کتابوں اور ان کے دین کی تصدیق کریں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس رسول پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے: "آپ کہیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا" تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد ﷺ ہی وہ رسول ہیں جن پر ایمان لانے کے متعلق نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا تھا' اور آپ کے زمانہ میں جس قدر اہل کتاب تھے ان سب پر ضروری تھا کہ وہ آپ پر ایمان لاتے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ اس آیت سے متصل پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا: کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟

اور اللہ تعالیٰ نے اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کس دین کو اختیار کیا جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلایا کہ جو کتاب سیدنا محمد ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء پر جو کتابیں اور احکام نازل کیے گئے تھے ان سب پر ایمان لانا ہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔ (آل عمران: ۸۴)

"آپ کہیے" یہ واحد کا صیغہ ہے اور "ہم اللہ پر ایمان لائے" یہ جمع کا صیغہ ہے' بہ ظاہر یوں ہونا چاہیے تھا "آپ کہیے میں اللہ پر ایمان لایا" اس خلاف ظاہر اسلوب کی وجہ یہ ہے کہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کی طرف پیغام لانے والے صرف واحد ہیں اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں' اس لیے پہلے صیغہ واحد سے خطاب کر کے فرمایا آپ کہیے۔ پھر "ہم اللہ پر ایمان لائے۔" صیغہ جمع کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ اس پیغام پر ایمان لانے کے صرف آپ مکلف نہیں ہیں' بلکہ تمام امت اس کی مکلف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واحد کا صیغہ تواضع' انکسار اور عاجزی کے اظہار کے لیے لاتے ہیں اور جمع کا صیغہ تعظیم اور اجلال کے لیے لاتے ہیں اور اللہ کے سامنے آپ متواضع اور منکسر ہیں اس لیے واحد کے صیغہ سے فرمایا آپ کہیے اور امت کے سامنے آپ معظم اور مکرم اور صاحب جلال ہیں' اس لیے فرمایا آپ امت سے کہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' جیسے امراء اور حکام' عوام کے سامنے خود کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور ہم اس پر ایمان لائے) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ (آل عمران : ۸۴)

انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے کا مفہوم

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان پر کس طرح ایمان لایا جائے' بعض علماء نے یہ کہا کہ جب ان کی شریعت منسوخ ہو گئی تو ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی' اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ انبیاء اور رسل تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ اب انبیاء اور رسل ہیں اور بعض علماء نے یہ کہا کہ ان کی شریعت کا منسوخ ہونا ان کی نبوت کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اب بھی انبیاء اور رسل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ میں تحقیق دوسرا قول ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء سابقین اب بھی نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں' ہرچند کہ اب وہ کتابیں بعینہ باقی نہیں ہیں اور اہل کتاب نے ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔ یہ آیت سورہ بقرہ میں بھی ہے وہاں پر ارشاد ہے :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ۔ رسول اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا۔ (البقرۃ : ۲۸۵)

اور یہاں ارشاد ہے :

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ آپ کہئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔ (آل عمران : ۸۴)

سورہ بقرہ میں ''الی'' کا لفظ ہے اور یہاں ''علی'' کا لفظ ہے۔ ''الی'' کا معنی اللہ کی طرف سے اور ''علی'' کا معنی رسول پر ہے' اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ کا کلام اور اس کی کتابیں اللہ کی طرف سے رسول پر نازل ہوتی ہیں سورہ بقرہ میں اللہ کی جانب کا اعتبار کیا اور فرمایا جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور یہاں رسول کا اعتبار کیا اور فرمایا اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا' خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں منزِل اور دوسری آیت میں منزل علیہ کا اعتبار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہم ایمان لانے میں ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اس میں یہود کی طرف تعریض ہے کہ وہ بعض نبیوں پر ایمان لاتے تھے اور بعض پر ایمان نہیں لاتے تھے' اس کے برعکس ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور نفس نبوت میں کسی نبی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران : ۸۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہم مسلمان ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر حج کرنے کا حکم نازل کیا' مسلمانوں نے حج کر لیا اور کفار بیٹھے رہے۔

نیز اس آیت نے درج ذیل آیت کے مفہوم کو منسوخ کر دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۶۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے' اور نصاریٰ اور صابئین جو بھی اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں' عیسائیوں اور صابئین کا دین بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین اللہ کے نزدیک ہرگز قبول نہیں ہو گا' اور سورہ بقرہ کی ظاہر آیت سے جو مفہوم نکل رہا تھا اس کو اس آیت سے منسوخ فرما دیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کا بیان

علامہ ابوالحیان اندلسی اور بعض دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلام سے مراد یہاں اسلام کا لغوی معنی ہے یعنی ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد اسلام کا شرعی اور اصطلاحی معنی ہے یعنی وہ عقائد اور احکام جن کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور جس دین کی آپ نے تبلیغ کی۔

امام رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف ہیں کیونکہ اگر ایمان اسلام کا غیر ہو تو لازم آئے گا کہ پھر ایمان غیر مقبول ہو۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین مقبول نہیں ہے' اس لیے یہ جائز ہے کہ ایمان سے مراد عقائد اور احکام کی تصدیق ہو اور اسلام سے مراد ان عقائد کا اقرار اور ان احکام پر عمل کرنا ہو' تاہم صحیح یہی ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں اور دونوں سے مراد ان عقائد اور احکام کی تصدیق ہے جن کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا' البتہ درج ذیل آیت میں اسلام کا لغوی معنی یعنی اطاعت کرنا مراد ہے: (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴)

دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے' آپ کہیے تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم نے اطاعت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسلام قبول نہ کرنے کے نقصان کا بیان

نقصان کا معنی ہے اصل مال کا ضائع ہو جانا' اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اس فطرت سلیمہ کو ضائع کر دیا جس پر وہ پیدا کیا گیا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے جانور سے مکمل جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو!

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ 'مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۶ '۳۱۵' مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کی صلاحیت رکھتا ہے اور آخرت کی فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس یہی اصل سرمایہ ہے اور جب اس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کر لیا تو اس نے اپنے اصل سرمایہ کو ضائع کر دیا اور اب اس کے پاس اخروی کامیابی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا' اب وہ آخرت میں ثواب سے محروم ہو گا اور عذاب میں مبتلا ہو گا' اسے اسلام قبول نہ کرنے کا افسوس ہو گا اور دوسرے ادیان کے احکام پر عمل کرنے کی مشقت اٹھانے کی وجہ سے پشیمانی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی' حالانکہ وہ لوگ پہلے یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آ چکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
(آل عمران: ۸۶)

زیر تفسیر آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں' امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایک شخص مسلمان ہوا' پھر مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ لاحق ہو گیا' پھر وہ نادم ہوا اور اس نے اپنی قوم کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی۔۔۔۔۔ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے۔ ان کی قوم نے ان کو پیغام بھیجا' پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

مجاہد نے بیان کیا کہ حارث بن سوید آئے اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے' پھر حارث دوبارہ کافر ہو کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے' تب اللہ عزوجل نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں' ان کی قوم کے ایک شخص نے ان کے سامنے ان آیات کو پڑھا' حارث نے کہا بے شک تم نے سچ کہا' اور بے شک رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ صادق ہیں اور بے شک اللہ عزوجل تینوں میں سب سے زیادہ صادق ہے' حارث دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔

حسن بصری نے کہا یہ آیتیں یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' جو اپنی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کی صفات پڑھتے تھے اور ان کا اقرار کرتے تھے اور ان کے حق ہونے کی شہادت دیتے تھے اور جب آپ ان کے علاوہ دوسری قوم سے مبعوث ہو گئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اور آپ کا اقرار کرنے کے بعد آپ کا کفر کیا۔

ایک اور سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنی آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کا ذکر پڑھتے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے اور جب آپ مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

امام ابو جعفر نے کہا ان اقوال میں حق کے زیادہ مشابہ اور آیات قرآن کے زیادہ قریب وہ قول ہے جو حسن بصری سے منقول ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۳ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیرو شر کے راستوں کو پیدا کیا اور انسان کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ خیر اور شر کو متمیز کر سکے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی معرفت اور اپنے پسندیدہ اعمال کی طرف رہنمائی کرنے اور ناپسندیدہ اعمال سے روکنے کے لیے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو نازل کیا اور ان کی توضیح اور تشریح کے لیے ہر دور میں علماء ربانیین اور مجددین کو پیدا فرمایا۔ درج ذیل آیات میں اس امر پر روشنی پڑتی ہے:

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِۙ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِۙ ○ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ (البلد: ۱۰-۸)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور ہم نے اسے (خیر اور شر کے) دو واضح راستے دکھا دیئے۔

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ ○ وَّلَوۡ اَلۡقٰى مَعَاذِيۡرَهٗ (القیامہ: ۱۵-۱۴)

بلکہ انسان خود اپنے اوپر شاہد ہے ○ خواہ وہ اپنے تمام عذر (بھی) پیش کر دے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (بنو اسرائیل: ۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں حتیٰ کہ ہم رسول بھیج دیں۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ نے خیر اور شر کو متمیز کرنے کے لیے انسان کو عقل اور شعور عطا کیا اور اپنی معرفت اور اپنے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے رسول بھیجے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عام ہدایت ہے جو اس نے ہر انسان کو عطا کی ہے اور کوئی شخص اللہ کے خلاف یہ حجت نہیں پیش کر سکتا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت نہیں دی اس لیے وہ معذور ہے۔

مرتدوں کو ہدایت نہ دینے کے اشکال کے جوابات اور بحث و نظر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: "اللہ اس قوم کو کیونکر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی' حالانکہ پہلے یہ لوگ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آ چکی تھیں' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان ظالمین اور مرتدین کو ہدایت نہیں دی تو پھر ان کا دوبارہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا اور توبہ نہ کرنا اور اپنے کفر اور ارتداد پر برقرار رہنا کیوں کر لائق مذمت اور باعث عذاب ہو گا! امام رازی نے معتزلہ کی طرف سے اس اشکال کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ہدایت سے مراد وہ الطاف اور عنایات ہیں جو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ مومنین کو عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت میں مزید ترقی عطا فرماتا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے:

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (العنکبوت: ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھا دیں گے اور بے شک اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًى ؕ

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا

(مریم : ۷۶) ہے۔

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ : ۱۶)

اللہ اس (رسول اور کتاب) کے ذریعہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو سلامتی کی راہوں کی اتباع کرتے ہیں' اور ان کو اپنے اذن سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں کو اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں پر وہ الطاف اور عنایات نہیں فرماتا جو ہدایت یافتہ مومنوں پر فرماتا ہے' لیکن یہ جواب اس آیت کے سیاق اور سباق کے خلاف ہے کیونکہ اس کے متصل بعد دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا صریح مفہوم یہی ہے کہ جن لوگوں پر کھلی ہوئی نشانیاں اور دلائل اور معجزات سے ہدایت بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہو گئی اور اس کو انہوں نے تسلیم بھی کر لیا اور پھر کسی دنیاوی اور باطل غرض کی وجہ سے وہ مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ ازخود اسلام کی اور توبہ کی ہدایت نہیں دیتا الا یہ کہ وہ خود اپنے اس ارتداد پر نادم اور تائب ہوں' تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور معتزلہ کے جواب کا اس اشکال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس اشکال کا دوسرا جواب امام رازی اور علامہ ابوالحیان اندلسی وغیرہما نے متکلمین اہل سنت کی طرف سے یہ نقل کیا ہے کہ بندہ جس فعل کو کرنے کا قصد (کسب) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس فعل کو پیدا فرمادیتا ہے تو جن مرتدوں اور ظالموں نے ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنے اور توبہ کرنے کا قصد ہی نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت کیونکر پیدا فرمائے گا ہاں جو مرتدین بعد میں نادم ہوئے اور انہوں نے اسلام کی طرف رجوع کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت کو پیدا فرمادیا۔ معتزلہ نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر مومنوں میں اللہ تعالیٰ ہدایت پیدا کرتا ہے تو کافروں میں کفر بھی اس کے پیدا کرنے سے ہو گا اور پھر کافر اپنے کفر میں معذور ہو گا' لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کافر جب کفر کا ارادہ کرتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس میں کفر کو پیدا کرتا ہے اور اس کو سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جائے گی' دراصل معتزلہ اور اہل سنت میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے مومن اپنے ایمان کا خالق ہے اور کافر اپنے کفر کا' اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ہر فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' البتہ انسان جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور اس کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی فعل کو پیدا فرمادیتا ہے' انسان کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کو جزاء اور سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

اس اشکال کا دوسرا جواب جس کی طرف میرا ذہن متوجہ ہوا وہ یہ ہے کہ جو لوگ حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اس کو قبول کرنے کے بعد اس سے مرتد ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور سزا ازخود ہدایت نہیں دیتا البتہ اگر وہ اس ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

اور اس اشکال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جان چکے پھر اس کو مان چکے اس کے بعد وہ کسی باطل غرض کی بناء پر مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو جبراً ہدایت نہیں دیتا کہ ان کو بہ زور اسلام میں داخل کردے' ہاں! جو از خود نادم اور تائب ہو اور اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ہدایت کے تین مرحلے ہیں آخری مرحلہ اس کا ہدایت آخرت کا ہے۔ اس مرحلہ میں غایت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے اور بندہ اپنی مساعی کے ثمرہ سے بہرہ مند اور اپنی جدوجہد زندگی کے حاصل سے بامراد ہوتا ہے۔ ہدایت کا لفظ اس معنی میں بھی قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ " یھدی " اس آیت میں اس معنی میں ہے۔

(تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷)

اصلاحی صاحب کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتدوں کو دین اسلام کی طرف ہدایت تو دیتا ہے لیکن ان کو آخرت میں جنت کی ہدایت نہیں دیتا جب کہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو از خود اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا' الا یہ کہ وہ خود اسلام کی طرف پلٹ آئیں' نیز یہاں پر اصل اشکال یہ تھا کہ جب اللہ مرتدوں اور ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر ان کے توبہ نہ کرنے اور اسلام کی طرف نہ لوٹنے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اصلاحی صاحب کی تقریر میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

نیز شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

استاذ مرحوم اس ہدایت کا عام مفہوم ہی مراد لیتے ہیں' ان کے نزدیک یہاں بنی اسرائیل کے لیے جس ہدایت کی نفی کی ہے وہ من حیث القوم ہے' من حیث الافراد نہیں ہے' مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایسے شدید جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے اسلام کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی کے استاذ گرامی فراہی صاحب کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جاننے اور پھر ماننے کے بعد کافر ہو گئے اور ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل من حیث القوم پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ پوری قوم بنو اسرائیل پہلے مسلمان ہوئی اور پھر اس کے بعد کافر ہو گئی اور یہ بالکل بدیہی ہے البتہ بنو اسرائیل کے بعض افراد پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اسلام کی صداقت کو پہچان کر مسلمان ہو گئے اور پھر اغراض باطلہ کی وجہ سے پھر کفر کی طرف لوٹ گئے' ان میں سے بعض نادم مرگ کفر پر برقرار رہے اور بعض نادم اور تائب ہو کر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنے استاذ شیخ اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں :

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصی عنایت فرمائی ہے' اور اس کے جواب میں کہا جاوے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے' یعنی یہ امر خصوصیت ہی نہیں اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت

نہیں ہو سکتا اگر شائستہ بن جاوے۔ (بیان القرآن) (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۰۵' مطبوعہ کراچی)

اس تفسیر کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے' اس آیت سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحتہ "استثناء بیان فرمایا ہے: سو ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اس آیت پر ہونے والے اشکال کو چھیڑا ہی نہیں اور سرسری تفسیر کر کے گزر گئے' حالانکہ تفسیر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن مجید پر وارد ہونے والے اشکالات کو دور کیا جائے اور اس میں پیدا ہونے والی الجھنوں سے ذہنوں کو صاف کیا جائے اور بعض مفسرین نے یہاں قیل و قال کی اور موشگافیاں نکالیں لیکن ان کا ذہن اصل اشکال اور اعتراض کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن

بیشک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ، پھر انھوں نے اور زیادہ کفر کیا ان کی توبہ

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ

ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ○ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم

کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں مر گئے ، ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (روئے) زمین کو بھر کر سونا

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

(بھی) فدیہ میں دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان ہی لوگوں کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾ ع ۹ | ۱۱ | ۱۷

دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا' پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔ (آل عمران: ۹۰)

مرتدین کے کفر میں زیادتی کا بیان

جو لوگ مرتد ہو گئے' اور انہوں نے ارتداد کے بعد اور زیادہ کفر کیا اس کفر میں زیادتی کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) اہل کتاب سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے تھے' پھر جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے

آپ کا کفر کیا' پھر وقتاً" فوقتاً" آپ پر طعن کرکے اور مومنین کے دلوں میں آپ کی نبوت کے خلاف شکوک و شبہات ڈال کر' کتاب میں تحریف کرکے' اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ کر اور کھلے ہوئے معجزات دیکھنے کے باوجود ہٹ دھرمی سے آپ کا مسلسل انکار کرکے زیادہ کفر کرتے رہے۔

(۲) یہود پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کرکے کافر ہو گئے' پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار کرکے انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔

(۳) یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے' پھر ان کا زیادہ کفر یہ تھا کہ وہ مکہ میں آپ کے خلاف گھات لگا کر بیٹھ گئے' تاکہ آپ کو نقصان پہنچائیں۔

(۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد ہو گئے اور کفر میں ان کی زیادتی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے نفاقاً" مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں مرتدین کے کفر میں زیادتی کے متعلق مطلقاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مرتد کا اپنے ارتداد پر اصرار کرنا اور اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا یہ بھی اس کے کفر میں زیادتی ہے۔

مرتدین کی توبہ قبول نہ ہونے کا محمل

اس آیت میں فرمایا ہے : "بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا' پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا' ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔" اس سے معلوم ہوا کہ مرتدین کی توبہ قبول نہیں ہو گی' حالانکہ اس سے پہلی آیت میں مرتدین کے متعلق فرمایا تھا : "سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی' اور یہ ان دو آیتوں میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس آیت میں جو فرمایا ہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں :

(۱) جو لوگ غرغرہ موت اور نزع روح کے وقت توبہ کریں یا اخروی عذاب کو دیکھ کر توبہ کریں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' قرآن مجید میں ہے :

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (النساء : ۱۸)	ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہو گی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہو گی جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں۔ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

(۲) جو لوگ حالت کفر پر مر جاتے ہیں ان کی توبہ مرنے کے بعد قبول نہیں ہو گی جیسا کہ مذکور الصدر آیت کے آخر میں فرمایا ہے۔

(۳) جو لوگ ایک کفر سے تائب ہو کر دوسرے کفر کی طرف لوٹتے ہیں مثلاً یہودیت سے نصرانیت کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

(۴) کفر پر مرنا توبہ قبول نہ ہونے کا سبب ہے' اس آیت میں مسبب کا ذکر ہے اور اس سے سبب کا ارادہ کیا ہے اور توبہ قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ مرتد ہو گئے اور بار بار کفر کرتے رہے (جیسے بعض معاندین یہود اور منافقین تھے)

وہ کفر پر مریں گے۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے حالت کفر اور ارتداد میں اپنے گناہوں سے توبہ کی ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی کیونکہ گناہوں سے توبہ کے لیے ایمان شرط ہے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس نے اپنے کفر اور ارتداد سے توبہ کی اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

(۶) جن لوگوں نے صرف زبان سے توبہ کی' اخلاص اور صدق نیت سے توبہ نہیں کی' ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

(۷) جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر کفر میں زیادتی کی پھر اس کفر میں زیادتی سے توبہ کی اور اصل کفر سے توبہ نہیں کی ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے "وہی لوگ گمراہ ہیں۔" حالانکہ ان کے علاوہ دیگر کفار بھی گمراہ ہیں' پھر یہ حصر کیونکر صحیح ہو گا' اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ بار بار کفر کریں وہ مکمل گمراہ ہیں' اگرچہ دوسرے بھی گمراہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ حالت کفر میں مر گئے ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (روئے) زمین کو بھر کر سونا بھی فدیہ میں دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران : ۹۱)

ایمان کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں

مذکور الصدر آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ان کے ایمان مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے تین قسمیں بیان فرمائی ہیں :

(۱) جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے اور تادم مرگ کفر پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا' اور اس کو جبراً" یا سزاءً" ہدایت نہیں دیتا' اس کے لیے سخت سزا ہے' وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی نہ اس کو مہلت دی جائے گی' البتہ ان میں سے جو شخص نادم اور تائب ہو گیا اور اس نے بداعمالیوں کی تلافی کی اور نیک عمل کر لیے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس کے لیے رحمت اور مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

(۲) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور مسلسل کفر کرتے رہے اور موت کو دیکھ کر توبہ کی یا صرف زبان سے توبہ کی اور دل سے توبہ نہیں کی' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا۔

(۳) جو کافر کفر پر فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا خواہ اس نے عبادت کی نیت سے روئے زمین کے برابر سونا خیرات کیا ہو' اور نہ روئے زمین کے برابر سونا آخرت میں اس کے عذاب کا فدیہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(المائدہ : ۳۶)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی ہی اور چیزیں (بھی) ہوں تاکہ وہ ان کو قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دیں' تو وہ ان سے قبول نہیں کی جائیں گی اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قیامت کے دن ایک کافر کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ بتا کہ اگر تیرے پاس اتنا سونا ہو کہ تمام زمین کو بھر لے' کیا تو اس کو فدیہ میں دے گا؟ وہ کہے گا : ہاں! اس سے کہا جائے گا تجھ سے تو دنیا میں اس سے کہیں آسان چیز (اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے) کا سوال کیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی اس آیت کو تلاوت فرمایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کافر تو کسی کھجور کی کھوکھلی گٹھلی جیسی حقیر چیز کا بھی مالک نہیں ہو گا تو اس کے متعلق تمام زمین بھر سونا فدیہ کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کافر نے اتنا سونا خیرات کیا ہو پھر بھی وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت کے دن کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دینا چاہے تو یہ فدیہ قیامت کے دن اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

نیز اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان بہت نیکیاں کرتا تھا' مہمانوں کو کھلاتا تھا' قیدیوں کو آزاد کراتا تھا' بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا اس کو اس سے نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا نہیں' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا : اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ کفار کا کوئی مددگار نہیں ہو گا' اور اس میں حصر فرمایا ہے یعنی صرف ان ہی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی اس آیت میں مومنین کے لیے شفاعت کے قبول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اگر مومنوں کے لیے بھی شفاعت قبول نہ ہو تو اولاً تو حصر صحیح نہیں رہے گا۔ ثانیاً اگر مسلمانوں اور کافروں دونوں کے حق میں شفاعت کا مقبول نہ ہونا مشترک ہو تو یہ چیز صرف کافروں کے لیے کیوں کر حسرت و حرمان اور وعید کا سبب بن سکتی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو' اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافر اگر قیامت کے دن بالفرض روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو وہ مقبول نہیں ہو گا' تب یہ سوال پیدا ہوا کہ صدقہ کب قبول ہو گا' کس کا قبول ہو گا اور کون سے صدقہ کی قبولیت زیادہ متوقع ہے' تب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صدقہ کرنا بر (نیکی) ہے اور ابرار کا صدقہ قبول ہو گا' اور نیکی تب حاصل ہو گی جب ان چیزوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے جو انسان کو سب سے زیادہ پسند ہوں۔

بِر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

بِر کا معنی ہے صلہ' جب کوئی شخص صلہ رحمی کرے تو کہتے ہیں اس نے بِر کی' قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت اسی معنی میں ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (الممتحنہ : ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ بر کرنے یعنی عدل اور احسان کا سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا' بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران : ۹۲)

تم اس وقت تک ہرگز بر یعنی نیکی نہ پا سکو گے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔

ابو منصور نے کہا بر دنیا اور آخرت کی خیر کو کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو ہدایت' نعمت اور اچھی چیزیں عطا فرمائی ہیں وہ دنیا کی خیر ہے اور جنت میں دائمی نعمتوں کا حصول آخرت کی خیر ہے (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم سے ہم کو دنیا اور آخرت کی خیر عطا فرمائے آمین) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ہمیشہ سچائی پر رہو کیونکہ سچائی بر کی ہدایت دیتی ہے' شمر نے کہا اس حدیث میں بر کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء نے کہا بر سے مراد صلاح (درستگی) ہے اور بعض نے کہا بر سے مراد خیر ہے' اور میرے علم میں اس سے زیادہ جامع بر کی اور کوئی تفسیر نہیں ہے' کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بر ہے' ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ بعض اہل لغت نے کہا کہ بر کا اصل معنی وسعت ہے بحر کے مقابلہ میں بر کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے' پھر یہ لفظ شفقت' احسان اور صلہ میں مشہور ہو گیا' مصنف (صاحب قاموس) نے بصائر میں کہا ہے کہ بر کا معنی ہے فعل خیر میں توسع' کبھی یہ لفظ اللہ عزوجل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور البر الرحیم کہا جاتا ہے اور کبھی بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور بر العبد ربہ کہا جاتا ہے یعنی بندے نے زیادہ عبادت کی' یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو ثواب عطا کرنے اور بندے کی طرف منسوب ہو تو اطاعت کے معنی میں ہے' اطاعت کی ایک قسم اعتقاد ہے اور دوسری اعمال' قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت ان دونوں قسموں کو شامل ہے :

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ

اصل بر (نیکی) یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو' البتہ اصل بر اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ' روز آخرت' فرشتوں' (آسمانی) کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے' اور مال سے محبت کے باوجود (اللہ کے لیے) رشتہ داروں' مسکینوں' مسافروں' سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے مال دے اور نماز قائم کرے' اور زکوۃ ادا کرے' اور عہد کرنے کے بعد عہد پورا کرنے والے اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے۔ یہی

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ لوگ (برمیں) صادق ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔
(البقرة: ۱۷۷)

روایت ہے کہ نبی ﷺ سے بر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی' کیونکہ یہ آیت اعتقاد' اعمال' فرائض' نوافل' بر والدین اور ان کے ساتھ حسن سلوک میں وسعت پر مشتمل ہے۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۳۷-۳۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

نیکی کے حصول کے لیے صحابہ کرام کا اپنی محبوب چیزوں کو صدقہ کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں کھجوروں کے لحاظ سے سب سے زیادہ مالدار تھے' اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحا کا باغ تھا' یہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا' رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا میٹھا پانی پیتے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی : "تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو" تب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک اللہ فرماتا ہے : تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔" اور بے شک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحا ہے' اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور میں اللہ کے نزدیک اس کی نیکی اور آخرت میں اس کے اجر کی توقع رکھتا ہوں' یا رسول اللہ! آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو رکھیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھوڑو' یہ نفع بخش مال ہے' یہ نفع بخش مال ہے' اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا ہے' اور میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں کو دے دو' حضرت ابو طلحہ نے کہا یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا' پھر حضرت ابو طلحہ نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(ا) زمینوں اور باغات کو اپنی ملکیت میں رکھنا جائز ہے' اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو زمینوں کی شخصی ملکیت کو ناجائز کہتے ہیں' اور اس میں اس روایت کا بھی رد ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ زمینوں کو نہ رکھو ورنہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(ب) دوست کے باغ سے پانی پینا اور پھل کھانا جائز ہے اسی طرح اس کے مکان سے کھانا' کھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کا دوست اس سے خوش ہوتا ہو' نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کا باغات میں جانا جائز ہے۔

(ج) علماء اور صالحین سے مشورہ لینا جائز ہے' خواہ مشورہ صدقہ و خیرات سے متعلق ہو یا کسی اور نفلی عبادت سے' یا دنیا کا کوئی معاملہ ہو' اور اپنی محبوب چیز کو خرچ کرنے کے متعلق بھی مشورہ کرنا جائز ہے۔

(د) اگر کسی مال کو مطلق وقف کیا جائے اور اس کے خرچ کرنے کی مد کو متعین نہ کیا جائے پھر بھی وقف کرنا صحیح ہے' اور جب تک قبول نہ کیا جائے وکالت صحیح نہیں ہے۔

(ہ) اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے دیگر غریبوں پر نفلی صدقہ کرنا دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے افضل ہے' اور اس

کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ "تمہارے لیے دو اجر ہیں رشتہ داروں سے حسن سلوک کا اور صدقہ کا۔" نیز صحیح بخاری (کتاب الھبہ) میں ہے کہ جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا تو آپ نے فرمایا اگر تم یہ اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں زیادہ اجر ہوتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ایوب بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ اللہ کی راہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے یہ گھوڑا (ان کے بیٹے) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا' حضرت زید بن حارثہ اس پر رنجیدہ ہوئے' جب نبی ﷺ نے ان کی اس کیفیت کو دیکھا تو آپ نے فرمایا سنو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس صدقہ کو قبول کر لیا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ آیت یاد آئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو میں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں غور کیا کہ کون سی نعمت مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' تو میں نے دیکھا کہ ایک رومی کنیز تھی جو مجھے زیادہ محبوب تھی میں نے کہا یہ اللہ کے لیے آزاد ہے' سو اب اگر میں اس کی طرف لوٹتا تو اس سے نکاح کر لیتا۔
(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۷۱' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ وہ ان کے لیے قیدیوں میں سے ایک کنیز خرید لیں' حضرت عمر نے اس کنیز کو بلایا اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔" پھر آپ نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔

امام عبد بن حمید ثابت بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید نے کہا اے اللہ! تجھے علم ہے کہ مجھے اپنے مال میں سے اس گھوڑے کے سوا اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے' حضرت زید نے وہ گھوڑا مسکینوں پر خرچ کر دیا' پھر حضرت زید نے دیکھا کہ وہ لوگ اس گھوڑے کو فروخت کر رہے تھے' انہوں نے نبی ﷺ سے اس گھوڑے کو خریدنے کے متعلق سوال کیا' آپ نے ان کو خریدنے سے منع فرمایا۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (پکی ہوئی) گوہ لائی گئی آپ نے اس کو خود کھایا نہ اس سے منع فرمایا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آیا ہم یہ مسکینوں کو کھلا دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو تم خود نہیں کھاتے وہ دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ۔ امام ابن المنذر نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر شکر خرید کر اس کو صدقہ کر دیتے' ہم نے مشورہ دیا اگر آپ اس شکر کے بدلہ طعام خرید لیں تو اس سے ان کو بہت فائدہ ہو گا! حضرت ابن عمر نے فرمایا میں جانتا ہوں تم جو کچھ کہہ رہے ہو' لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ "تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔"

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۱ 'مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی' ایران)

پسندیدہ اور محبوب مال کا معیار

مال محبوب میں محبت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی طرف نفس کا میلان ہو اور اس چیز میں اس کا دل اٹکا رہے' اسی وجہ سے اس چیز کو خرچ کرنا نفس پر بہت شاق اور دشوار ہوتا ہے اور اسی بناء پر ان مسلمانوں کی مدح کی گئی ہے جو اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر : ۹۔۸)

اور وہ طعام سے محبت کے باوجود مسکین' یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ سپاس۔

بعض علماء نے کہا مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ انسان کو خود اس مال کی ضرورت ہو' کیونکہ جو لوگ اپنی ضروریات کے باوجود مال کو دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے :

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الحشر : ۹)

اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں (خود) شدید حاجت ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ صحیح اور لائق استعمال ہو' ردی' خبیث اور ناقابل استعمال نہ ہو جیسے گلے سڑے پھل' خراب ہو جانے کے بعد بدبودار کھانا' بہت زیادہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے' ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (البقرہ : ۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی کمائی سے عمدہ چیزوں کو خرچ کرو' اور ان چیزوں میں سے جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور جو ردی اور ناکارہ چیز ہو اس کو دینے کا ارادہ (بھی) نہ کرو کہ (راہ خدا میں) اس میں سے خرچ کرنے لگو' حالانکہ تم خود بھی اس کو لینے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ تم چشم پوشی کرو۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کا بھی یہی محمل ہے کہ انسان اپنے لیے ردی اور ناقابل استعمال چیز پسند نہیں کرتا' سو وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس کو پسند نہ کرے۔

بعض دفعہ ایک چیز کسی کے مزاج کے موافق اور دوسرے شخص کی طبیعت کے مخالف ہوتی ہے مثلاً ذیابیطس کے

مریض کے لیے میٹھی چیز اور بلند فشار دم (ہائی بلڈ پریشر) کے مریض کے لیے نمکین چیز اور کلسٹرول اور یرقان کے مریض کے لیے چکنائی اور گوشت منع ہیں۔ گردہ میں پتھری کے مریض کے لیے چاول اور کیلشیم پر مشتمل دوسری اجناس منع ہیں جب کہ دوسرے تندرست شخص کے لیے ان چیزوں کا کھانا منع نہیں ہے' اس لیے اس آیت اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شوگر کا مریض کسی صحت مند شخص کو میٹھی اور نشاستہ والی چیز نہ دے' بلکہ وہ کسی شوگر کے مریض کو کھانے کے لیے ایسی چیز نہ دے جس کو وہ خود اس بیماری میں نقصان دہ سمجھتا ہے۔ البتہ صحت مند لوگوں کو ان چیزوں کا دینا اس آیت اور اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہے۔

اسی طرح اہل ثروت بعض چیزوں کے استعمال کو اپنے معیار کے اعتبار سے لائق استعمال نہیں سمجھتے جب کہ ان کے نوکروں اور دوسرے غرباء کے لیے وہ چیزیں بہرحال نعمت ہوتی ہیں مثلاً قابل استعمال پرانے کپڑے' پرانے بستر اور دوسری کار آمد چیزیں' ہاں وہ اہل ثروت اپنے ہم مرتبہ دوسرے اہل ثروت کو ایسی چیزیں نہ دیں جن کو وہ اپنے معیار سے کم تر خیال کرتے ہیں۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت اور اس کے رتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

مثلاً اگر کسی شخص کے ہاں امیر تاجر مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کے رتبہ کے لحاظ سے کی جائے گی' اور اگر کوئی غریب یا مزدور مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کی حیثیت کے لحاظ سے کی جائے گی۔ اسی طرح رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی حسب حیثیت سلوک کیا جائے گا۔

علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے مراد آیا صدقہ واجبہ ہے یا صدقہ نفلیہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے صدقہ واجبہ مثلاً زکوۃ مراد ہے اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اس سے مراد عام صدقات ہیں خواہ صدقات واجبہ ہوں یا صدقہ نفلیہ' یعنی مسلمان جس چیز کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ ایسی چیز ہو جس کو وہ خود بھی اپنے لیے پسند کرتا ہو اور وہ چیز ردی' ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو' اور اگر وہ چیز اس کی پسندیدہ اور محبوب ہے تو یہ بڑی فضیلت کی بات ہے' خلاصہ یہ ہے کہ ناقابل استعمال چیز کا تو دینا جائز نہیں ہے اور پسندیدہ نفیس اور محبوب چیز کا دینا فضیلت اور رضائے الٰہی کا موجب ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمہاری پسندیدہ ہیں' اس آیت میں "من" کا لفظ ہے اگر یہ من تبعیضیہ ہو تو معنی ہوگا تم اس وقت تک ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی بعض پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو اور اس صورت میں پسندیدہ چیزوں سے محبوب اور نفیس چیزیں مراد ہوں گی' اور اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں اپنی تمام پسندیدہ چیزوں کو دینا ضروری نہیں ہے' بلکہ اگر کسی شخص نے زندگی میں دو چار بار بھی اپنی پسندیدہ اور محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی ہیں تو اس کا ابرار اور نیکوں میں شمار ہوگا اور اگر یہ "من" بیانیہ ہو تو اس کا معنی ہوگا : تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم ان چیزوں کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں اور اب یہ ضروری ہوگا کہ کسی ناپسندیدہ چیز کو خرچ نہ کیا جائے اور اس صورت میں پسندیدہ کا معنی ہوگا جو چیزیں فی نفسہ صحیح اور لائق استعمال ہوں' اور اللہ کی راہ میں کوئی ردی اور ناکارہ چیز نہ دی

جائے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اس آیت میں "من" تبعیضیہ اور "من" بیانیہ دونوں درست ہیں اور "من" تبعیضیہ ہو تو پسندیدہ سے مراد محبوب چیزیں اور "من" بیانیہ ہو تو اس سے مراد قابل استعمال چیزیں ہیں' بعض علماء اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے یہاں پر من کو مطلقاً" تبعیضیہ پر محمول کیا' اور بعض نے "من" کو مطلقاً" بیانیہ پر محمول کیا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں بر سے کیا مراد ہے' بعض علماء نے کہا اس سے مراد اعمال مقبولہ ہیں' بعض علماء نے کہا اس سے مراد ثواب اور جنت ہے اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور اس کا احسان ہے۔ یعنی جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو نہ خرچ کرو' اس وقت تک تمہارے اعمال مقبول نہیں ہو سکتے یا تم کو جنت نہیں ملے گی یا تم اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اکرام اور احسان کو نہیں پا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزا دے گا' خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اس کو علم ہے کہ تم نے کس وجہ سے خرچ کیا ہے اور اس خرچ کا باعث اور محرک کیا چیز ہے۔ آیا تم محض اخلاص سے اس کی رضا جوئی کے لیے خرچ کر رہے ہو یا نام و نمود کے لیے خرچ کر رہے ہو اور اللہ کی راہ میں عمدہ اور نفیس چیز خرچ کر رہے ہو یا ردی اور ناکارہ چیز خرچ کر رہے ہو' سو اللہ تمہارے خرچ کرنے کے اعتبار سے تم کو جزاء دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ

ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے

عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا

اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ، آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو تورات

بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى

کو لا کر اس کی تلاوت کرو ○ پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ

عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ

آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے

وقف جبریل علیہ السلام

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

مناسبت اور شان نزول

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

ابو روق اور ابن السائب نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے کہا اگر آپ ملت ابراہیم پر ہیں تو آپ اونٹ کا گوشت کیوں کھاتے ہیں؟ اور اونٹنیوں کا دودھ کیوں پیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے باپ ابراہیم پر حلال تھیں، اور ہم بھی اس کو حلال قرار دیتے ہیں' یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت سے حرام چلی آرہی ہیں حتی کہ ہماری شریعت میں بھی حرام ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا' ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (البحر المحیط ج ۳ ص ۲۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

شہر بن حوشب نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! آپ ہمیں چند ایسی باتیں بتائیے ۔ جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہم آپ سے ان کے متعلق سوال کرتے ہیں' انہوں نے جو سوالات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں' جس نے تورات کو موسیٰ پر نازل کیا ہے' کیا تم کو علم ہے یعقوب علیہ السلام بہت سخت بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری بہت طول پکڑ گئی' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بیماری سے شفا دے دی تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب مشروب اور محبوب طعام کو اپنے اوپر حرام کر دیں گے' اور ان کے نزدیک محبوب طعام اونٹ کا گوشت تھا اور محبوب مشروب اونٹنیوں کا دودھ' تو یہودیوں نے کہا' ہاں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ بیروت' جامع البیان ج ۴ ص ۵' مطبوعہ بیروت)

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جب تک انسان اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کرے وہ نیکی نہیں پا سکتا' اور اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب طعام اور مشروب کو چھوڑ دیا۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے اصول اور بنیادی عقائد پر یہود کے شبہات کا جواب دیا تھا اور اس آیت میں دین کی فروع اور فقہی مسائل میں یہود کے اعتراض اور شبہات کا جواب دیا ہے۔

نیز اس سے پہلی آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مقرر فرمایا تھا اور اس آیت میں بھی آپ کی نبوت پر دلیل ہے اول تو اس لیے کہ یہود نسخ کے منکر تھے اور اپنی شریعت کو قیامت تک کے لیے نافذ مانتے تھے' اس آیت میں ان پر یہ ثابت کیا گیا کہ پہلے اونٹ کا گوشت حرام نہیں تھا۔ حضرت یعقوب نے اس کو حرام کیا ہے' اس سے نسخ ثابت ہو گیا اور جب نسخ جائز ہو گیا تو یہودی شریعت کا منسوخ ہونا اور سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا نافذ ہونا جائز ہو گیا' ثانیاً" اس لیے کہ سیدنا محمد ﷺ

امی تھے' آپ نے کسی مکتب میں پڑھا نہیں تھا نہ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے بتا دیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور اونٹنیوں کا دودھ حرام کیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو شرعاً" حرام کیا تھا یا عرفاً"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا' حالانکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے' بندوں کے اختیار میں نہیں ہے' امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں :

(ا) یہ ہو سکتا ہے کہ انسان کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اس کو حرام کر دے مثلاً انسان اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرلے' پھر اللہ تعالیٰ بھی اس عورت کو اس پر حرام کر دے۔

(ب) انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کے ذریعہ کسی چیز کا حلال یا حرام ہونا معلوم کرتے ہیں' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ معلوم کیا تھا کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی نبیذ کو حرام قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں یا جو مچھلی دریا میں مر کر سطح آب پر آجائے' امام ابو حنیفہ اس کو حرام کہتے ہیں اور امام شافعی اس کو حلال کہتے ہیں اور یہ حلت اور حرمت اجتہادی ہے' اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو اپنے اجتہاد سے حرام قرار دیا تھا۔

(ج) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یعقوب کا اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دینا ایسا ہو جیسے ہماری شریعت میں نذر ماننا' اور جس طرح ہماری شریعت میں نذر کو پورا کرنا واجب ہے' اسی طرح ان کی شریعت میں کسی چیز کی تحریم کو پورا کرنا واجب ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے یہ جوابات بھی بہت عمدہ ہیں تاہم میری تحقیق یہ ہے کہ اس اعتراض کی اس وقت گنجائش ہوتی جب حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے کو شرعاً" حرام قرار دے دیتے' جب کہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو اپنے طبعی مرغوبات سے روک لیا تھا' جیسا کہ حضرت عمر کو شہد ملا ہوا پانی پسند تھا مگر وہ خوف خدا اور حساب کی سختی کے ڈر سے اس کو نہیں پیتے تھے اور جس طرح بہت سے زہاد ریاضت اور مجاہدہ کے لیے اپنے آپ کو طبعی مرغوبات سے روک لیتے ہیں اور ان کو شرعاً" حرام نہیں کہتے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بہت پسند تھا لیکن انہوں نے اللہ کی رضاجوئی کے لیے اپنے نفس کے تقاضوں کی مخالفت کی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا' اور یہ شرعی تحریم نہیں تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو شرعاً" حلال یا حرام کرنا' بالاستقلال اللہ کا اختیار ہے اور وہی مستقل شارع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نیابت سے انبیاء علیہم السلام بھی اشیاء کو حلال اور حرام کرتے ہیں' اور ان کے کیے ہوئے حلال اور حرام پر عمل کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح اللہ کے حلال اور حرام کئے ہوئے پر عمل کرنا' قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے :

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷)

وہ پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں جانوروں میں سے خنزیر کو حرام کیا ہے لیکن نبی ﷺ نے کتے کو بھی حرام کر دیا' اور کچلیوں سے پھاڑنے والے تمام درندوں کو اور پنجوں سے پھاڑنے والے تمام پرندوں کو اور حشرات الارض کو حرام کر دیا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے ہر قسم کا طعام حلال تھا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے! حالانکہ کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کل طعام سے مراد وہ طعام ہیں جن کے متعلق یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حضرت نوح اور ابراہیم کی شریعت سے لے کر آج تک حلال چلے آ رہے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ الطعام میں لام استغراق کے لیے نہیں ہے بلکہ عہد کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ طعام کی یہ نوع (اونٹ کا گوشت اور دودھ) پہلے بنی اسرائیل پر حلال تھی اس کے بعد حرام ہوئی۔ اس لیے بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کا قول صحیح ہے' اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچ فرمایا کہ اونٹ کے گوشت کو حرام کرنا' حضرت یعقوب کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا اور سیدنا محمد ﷺ کا ملت ابراہیم کے مطابق اونٹ کا گوشت کھانا صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ (آل عمران : ۹۳)

اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو کہ اونٹ کے گوشت کا حرام ہونا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعت سے چلا آ رہا ہے تو تورات میں یہ نکال کر دکھاؤ' کیونکہ تورات میں ان کے دعویٰ کے مطابق یہ بات نہیں تھی بلکہ تورات میں یہی لکھا تھا کہ یہ چیزیں شروع سے حلال ہیں' اور تحریم بعد میں شروع ہوئی ہے' اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ تورات لانے کی جرأت نہیں کر سکے بلکہ یہ حکم سن کر مبہوت ہو گئے' اور نبی ﷺ نے جو ان سے تورات لانے کا مطالبہ کیا تھا' اس میں نبی ﷺ کے صدق کی واضح دلیل ہے کیونکہ نبی ﷺ امی تھے' آپ نے آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا تھا' اور نہ آپ نے پچھلی امتوں کی تاریخ پڑھی تھی اس کے باوجود آپ کا اس یقین سے یہ مطالبہ کرنا کہ تورات میں یہ بات نہیں ہے آپ کی نبوت پر روشن دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (آل عمران : ۹۴)

اسلام میں احکام آسان ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے جو لوگ ان باتوں کو اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کریں جو اس میں نہیں ہیں' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں اپنی طرف سے اضافہ کریں' اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کر لیا تو ان کے اس حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سخت احکام نازل فرمائے :

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ (النساء : ۱۶۰)

تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی حلال چیزیں حرام کر دیں' جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) بہت زیادہ اللہ کے راستہ سے روکتے تھے۔

جب کہ ہماری شریعت اس کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج : ۷۸) اللہ نے دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ : ۱۸۵) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے کوئی شخص دین میں سختی نہیں کرے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور لوگوں کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۰' ج ۱ص ۳۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ان تعلیمات کے خلاف ہمارے بعض علماء ڈھونڈ ڈھونڈ کر' مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں : مثلاً وہ کہتے ہیں کہ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' سجدہ میں اگر انگلیاں اٹھ گئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی' قمیص کے کالر اور گھڑی کے چین کو ناجائز کہتے ہیں' ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرانا جائز نہیں ہے' انتقال خون جائز نہیں ہے' ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اگر کسی کی ڈاڑھی ایک مشت سے ایک سوت کے برابر بھی کم ہو تو وہ اور ڈاڑھی منڈانے والا برابر ہے' وہ فاسق معلن ہے' جس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے' جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو (لاپتہ ہو) وہ اس شوہر کی ۹۰ نوے برس عمر ہونے تک انتظار کرے' اگر کسی عورت کا شوہر اس عورت کو اپنے گھر رکھے نہ خرچ دے نہ اس کو طلاق دے' تو جب تک اس عورت کو خود اس کا شوہر طلاق نہ دے وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور عدالت کو اس کا نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے' اس قسم کے اور مسائل ہیں جن میں یہ انتہا پسند علماء مشکل احکام بیان کرکے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ (آل عمران : ۹۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج اور چاند کی عبادت کرنے سے منع کر دیا تھا' اسی طرح انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا تھا' جس طرح عرب بت پرستی کرتے تھے یا یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے' اس سے غرض یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین کے اصول اور عقائد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں اور دین کی فروع اور بعض احکام شرعیہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں' اصول میں موافقت اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے' سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں' اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا سو آپ نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے اس لیے یہود کو دعوت دی ہے کہ تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى

بیشک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور تمام

لِّلْعٰلَمِیْنَ ۹۶ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ

جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے○ اس میں واضح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

داخل ہوا وہ بے خوف ہوگیا۔ بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت

اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۹۷

رکھتے ہوں اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بیشک اللہ سارے جہانوں سے بے پروا ہے○

اس آیت کی آیات سابقہ سے مناسبت کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) سابقہ آیات میں بھی یہود کے شبہات کے جوابات دیئے گئے تھے اور اس آیت سے بھی یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا مقصود ہے جس کو وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں پیش کرتے تھے' جب نبی ﷺ نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنالیا تو یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے اور وہ زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جائے کیونکہ بیت المقدس کو کعبہ سے پہلے بنایا گیا ہے' اور اسی جگہ حشر ہوگا' اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کا یہی قبلہ ہے لہذا کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف نمازوں میں منہ کرنا زیادہ لائق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اللہ کی عبادت کے واسطے لوگوں کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ کعبہ ہے' جو مکہ میں ہے سو کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے' لہذا نمازوں میں اس کی طرف منہ کرنا چاہیے۔

(۲) اس سے پہلی آیت میں نسخ کو ثابت کیا گیا تھا کیونکہ اونٹ کا گوشت پہلے حلال تھا اور پھر حرام کر دیا گیا' سو اسی طرح سیدنا محمد ﷺ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۳) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیم پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا اور ملت ابراہیم کا عظیم شعار حج ہے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۴) یہود و نصاریٰ میں سے ہر فرقہ اس کا مدعی تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ ملت ابراہیم میں حج کعبہ ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں حج نہیں کرتے لہذا دونوں میں سے کوئی بھی ملت ابراہیم پر نہیں ہے۔

(۵) مجاہد سے منقول ہے کہ یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس افضل ہے' کیونکہ وہ انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے اور ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ بلکہ کعبہ افضل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ عبادت کا پہلا گھر مکہ میں

کعبہ ہے لہٰذا وہی افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ (آل عمران : ۹۶)

کعبہ کے اول بیت ہونے کے سلسلہ میں روایات اور راجح روایت کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام' میں نے کہا پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ' میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال (صحیح بخاری ج ا ص ۴۷۷)

اس حدیث کو امام مسلم (ج ا ص ۱۹۹) امام نسائی (سنن نسائی ج ا ص ۱۱۲) امام ابن ماجہ' (سنن ابن ماجہ ص ۵۵) امام احمد (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷' ۱۶۶) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۴۲۱' مطبوعہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان دونوں مسجدوں کے ابتداء" بنانے اور ان کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتداء" کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان نے ابتداء" مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا' کیونکہ پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا تھا' پھر ان کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو' اور اس کے بعد حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے' علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان نے ان مسجدوں کو ابتداء" بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی' بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ فرشتوں نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام نے بنایا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا' جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ کو بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں' اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھا لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس کو مہیا کیا' اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا : "اے آدم! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے

گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے' آپ اس بیت کی طرف چلے جائیں۔" حضرت آدم کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تا کہ آپ کی بعض اولاد کے لیے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۹۔۴۰۸' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

ابن عرعرہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا لوگوں کے لیے زمین پر سب سے پہلے جو گھر بنایا گیا وہ مکہ میں تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : نہیں' پھر نوح علیہ السلام کی قوم کہاں رہتی تھی؟ اور ہود علیہ السلام کی قوم کہاں رہتی تھی؟ لیکن جو گھر لوگوں کے لیے برکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا وہ مکہ میں تھا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے عبادت کے لیے نہیں بنایا گیا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی رہائش کے لیے تو پہلے بہت سے مکان بنائے گئے تھے لیکن لوگوں کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ مکہ میں کعبہ تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام ابن جریر نے اس کے بعد ذکر کیا ہے:

مطر سے روایت ہے کہ بیت اللہ سے پہلے بھی گھر تھے لیکن یہ پہلا گھر تھا جس کو عبادت کے لیے بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو بنایا' اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا پھر اس کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں' اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے گرد حضرت آدم نے طواف کیا اور آپ کے بعد مومنین نے طواف کیا۔ پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھا لیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے محفوظ رکھا' پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا' اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷۔۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ زمین پر لوگوں کے رہنے کے لیے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا' امام بخاری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ہشام سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اس کے چالیس سال بعد انہوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا' اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' باقی جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے زمین پر کعبہ بنایا' یا کعبہ کو حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اتارا' یہ روایات ہمارے نزدیک مرجوح ہیں ہم نے ان روایات کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو بنانے کے سلسلہ میں تمام کلیدی روایات کا استیعاب ہو جائے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا' اور انہوں نے امام ابن ہشام کی کتاب التیجان سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت آدم نے پہلے مکہ میں بیت اللہ کو بنایا پھر اس کے بعد بیت المقدس کو بنایا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۶۲' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

تعمیر کعبہ کی تاریخ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی ﷺ اور عباس پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی ﷺ سے کہا اپنی چادر اپنی گردن کے نیچے رکھ لیں (تاکہ آپ کی گردن میں پتھر نہ چبھیں) آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں' آپ نے فرمایا میری چادر مجھے دو' پھر آپ کی چادر آپ پر باندھ دی۔ یہ حدیث درایۃً" صحیح نہیں ہے کیونکہ جس وقت قریش نے کعبہ کی تعمیر کی اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی اور اس وقت حضرت عباس حضور کو چادر اتارنے کے لیے نہیں کہہ سکتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا : اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانہ جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا' اور اس میں اس حصہ (حطیم) کو داخل کر دیتا جو اس سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کو زمین سے ملا دیتا' اور اس میں دو دروازے بناتا ایک شرقی دروازہ' ایک غربی دروازہ' اور اس کو میں اساس ابراہیم کے مطابق کر دیتا' یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو کعبہ کے منہدم کرنے پر برانگیختہ کیا' یزید بن رومان کہتے ہیں میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کو دوبارہ بنایا اور اس میں حطیم کو داخل کر لیا اور میں نے حضرت ابراہیم کی رکھی ہوئی بنیاد کے پتھر دیکھے جو اونٹ کے کوہان کے برابر تھے' جریر کہتے ہیں کہ میں نے اندازہ کیا اس بنیاد سے حطیم تک چھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کعبہ کی تعمیر اور اس کی تجدید اور اصلاح کئی مرتبہ کی گئی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) پہلی بار کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا' علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ میرے لیے ایک بیت بناؤ' جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لیے نشان ڈالے' حضرت آدم زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا مٹی نکالتی تھیں' انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا' پھر یہ ندا کی گئی کہ اے آدم یہ کافی ہے' جب حضرت آدم نے یہ بیت بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے' پھر صدیاں گزرتی گئیں حتی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔

(۲) کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہو گئی اور انہوں نے کعبہ کو منہدم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتی کہ تنور جوش مارنے لگے۔ ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا' زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس

ہاتھ تھا' اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا' اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا اور حطیم کو چھوڑ دیا' اور جب حضرت ابن الزبیر نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کر کے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔

(۳) جرہم کے ایام میں کعبہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ کی ایک دیوار منہدم ہو گئی تھی' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو بنایا نہیں گیا تھا صرف اس کی مرمت کی گئی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہو کر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہو گیا تو اس کو قریش نے بنایا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے' امام حاکم نے اس حدیث کی اصل کو صحیح قرار دیا ہے۔ (حضرت ابراہیم اور قریش کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر سال کا عرصہ ہے)

(۴) امام محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں بیان کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لیے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے' پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پتھر جمع کیے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پتھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آ گئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا' حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوڑھے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا' اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے' لوگوں نے کہا یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ' پھر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھا لیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۷۔ ۲۱۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

(۵) اس کے بعد ۶۴ھ یا ۶۵ھ ہجری میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بناء ابراہیم پر کعبہ کو بنا دیا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا۔

(۶) پھر تہتر (۷۳ھ) میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی بناء کو منہدم کر دیا اور دوبارہ قریش کی بناء پر کعبہ کو بنا دیا اور آج تک کعبہ اسی بناء قریش پر قائم ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر اور قاضی عیاض وغیرہ نے لکھا ہے کہ رشید یا مہدی یا منصور نے دوبارہ کعبہ کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے مطابق بنانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں امام مالک سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہیں کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے' تو پھر اس نے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا' فاکہی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر کعبہ کو بنانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو اس وقت منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بعد کوئی اور امیر آئے گا تو پھر اس میں تغیر کرے گا اس کو اسی طرح رہنے دو۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۸' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ کعبہ کو دس بار بنایا گیا' پہلی بار فرشتوں نے بنایا' دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے' تیسری بار ان کی اولاد نے' چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے' پانچویں بار عمالقہ نے' چھٹی بار جرہم نے' ساتویں بار نبی ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے' آٹھویں بار نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے قریش نے' نویں بار حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اور دسویں بار حجاج بن یوسف نے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول وہی ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے مدلل اور باحوالہ بیان کیا ہے۔

کعبہ کے فضائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا : اس شہر کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے' اس کے کانٹوں کو (بھی) نہیں کاٹا جائے گا' نہ اس کے جانوروں کو بھگایا جائے گا اور نہ اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی شخص اس کی گری ہوئی چیز اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۲۱۶' مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۸۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ہرچند کہ اس حدیث میں مکہ مکرمہ کی فضیلت ہے لیکن مکہ مکرمہ کی یہ فضیلت کعبہ کی وجہ سے ہے اور کعبہ ہی کی وجہ سے مکہ کو حرم بنایا گیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور سوائے نیکی کے اور کوئی بات نہ کی تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگ ایک سال تک اس بیت کی زیارت نہ کریں تو وہ بارش سے محروم ہو جائیں گے۔

سلیمان بن یسار بیان کرتے ہیں کہ کعب سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی فضیلت کے متعلق احادیث بیان کیں' شام کے ایک آدمی نے ان سے کہا : اے ابو عباس! آپ بیت المقدس کا بہت ذکر کرتے ہیں اور بیت اللہ کا اتنا ذکر نہیں کرتے؟ کعب نے ان سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں کعب کی جان ہے! اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر اس بیت سے افضل کوئی بیت پیدا نہیں کیا' اس بیت کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں' اور وہ ان سے کلام کرتا ہے' اور اس کا ایک دل ہے جس سے وہ تعقل کرتا ہے' یہ سن کر ابو حفص نام کے ایک شخص نے کہا کیا پتھر کلام کرتا ہے' کعب نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! کعبہ نے اپنے رب سے یہ شکایت کی کہ میری زیارت کرنے والے اور میری طرف آنے والے کم ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف یہ وحی کی کہ میں تمہاری طرف ایک نئی تورات نازل کروں گا' اور ایسے بندے بھیجوں گا جو رات کو جاگ کر سجدے کریں گے' اور تمہارے فراق میں روئیں گے اور تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے' اور جس نے تمہارے گرد سات طواف کیے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس بیت کے گرد سر منڈائے گا قیامت کے دن اس کو ہر بال کے بدلہ میں ایک نور

حاصل ہو گا۔ (المسند ج ۵ ص ۱۴۔ ۱۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر روز کعبہ کے گرد ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ساٹھ رحمتیں کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ماسوا مسجد حرام (کعبہ) کے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا' پچیس نمازوں کے برابر ہے' اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ج ۱ ص ۴۵۳، مطبوعہ بیروت)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں :

عام محدثین یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی مسجد سے سو گنا افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک لاکھ گنا افضل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنا باقی مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔

(الاستذکار ج ۷ ص ۲۲۶، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے گا' مسجد حرام' مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے طور پر جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی سفر کرنے والے کے لیے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے ماسوا مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے' الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۶۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور حافظ بدر الدین عینی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین مسجدوں کے علاوہ "مطلقاً" سفر کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ کسی اور مسجد کی خصوصیت کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنے کے قصد سے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے روزگار' علم دین کے حصول اور سیدنا محمد ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی ﷺ کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے' نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

طلب علم' تجارت' نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے' نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۱۔ ۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہوا بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہوا بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عزالدین بن جماعہ الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں :

امام ابو سعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کئے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی' اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے' اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے' تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کے سات طواف کئے' اور اس نے ان کلمات کے سوا اور کوئی کلام نہیں کیا: سبحان اللہ' والحمد للہ' ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس نے یہ کلمات پڑھتے ہوئے طواف کیا وہ اللہ کی رحمت میں ڈوبا ہوا طواف کرے گا۔

امام فاکہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ طواف کرنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے شفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا امن والوں میں حشر کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کے گرد پچاس طواف کیے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے مراد پچاس مرتبہ سات طواف کرنا ہے' کیونکہ صرف ایک طواف کے ساتھ عبادت نہیں کی جاتی' امام عبدالرزاق اور امام فاکہی نے یہ روایت کیا ہے کہ جس نے پچاس مرتبہ سات طواف کیے تو وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو' اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ پچاس مرتبہ سات طواف ایک ہی وقت میں کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے صحیفہ اعمال میں پچاس بار سات طواف کرنے کا عمل ہونا چاہیے۔

امام سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور پچاس مرتبہ سات طواف کیے وہ اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

امام سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں آیا اور وہ اسی بیت کا ارادہ کر کے آیا تھا پھر اس نے طواف کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک آسمان پر اس کے سب سے معزز فرشتے وہ ہیں جو اس کے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں اور زمین پر اس کے نزدیک سب سے معزز وہ انسان ہیں جو اس کے بیت کے گرد طواف کرتے ہیں۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

نیز علامہ عزالدین بن جماعۃ الکنانی لکھتے ہیں:

بیت اللہ کی آیات میں سے یہ ہیں کہ دلوں میں اس کی ہیبت واقع ہوتی ہے اس کے پاس دل جھک جاتے ہیں' اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں' پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے اور اس پر بیٹھتے نہیں ہیں' البتہ اگر کوئی پرندہ بیمار ہو تو طلب شفاء کے لیے اس کے اوپر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منیٰ پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ بہت تنگ جگہ ہے لیکن جب وہ یہاں آتے ہیں تو یہ وسیع ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منیٰ رحم کی طرح ہے' جب عورت کو حمل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وسیع کر دیتا ہے۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۹۔ ۳۷' مطبوعہ بیروت)

مکہ مکرمہ کو بکہ اور مکہ کہنے کی مناسبت

اس آیت میں فرمایا ہے "لوگوں کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے" بکہ اور مکہ ایک شہر کے دو نام ہیں' اور چونکہ باء اور میم دونوں قریب المخرج ہیں اس لیے بکہ اور مکہ دونوں کہنا صحیح ہیں' مکہ مکرمہ کو بکہ کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) بک کا معنی ہے ایک دوسرے کو دھکا دینا' اور مکہ میں بہت رش اور ازدحام ہوتا ہے اس لیے لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں۔

(۲) چونکہ مکہ مکرمہ بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ بکاء سے بنا ہو اور چونکہ یہاں آکر لوگ یاد خدا میں اور خوف خدا سے بہت روتے ہیں اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں' اور مکہ کہنے کی یہ وجوہ ہیں :

(۱) تمک الذنوب کا معنی ہے گناہوں کو زائل کرنا' چونکہ اس شہر میں عبادت کرنے اور حج اور عمرہ کرنے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

(۲) تمک العظم کا معنی ہے ہڈی کے اندر جو کچھ ہو اس کو کھینچ لینا' اور یہ شہر دوسرے شہروں کے لوگوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں

(۳) اس شہر میں پانی کم ہے گویا اس کا پانی کھینچ لیا گیا اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ مکہ پورے شہر کا نام ہے اور بکہ خاص مسجد حرام کا نام ہے کیونکہ بک کا معنی ازدحام ہے اور ازدحام اور ایک دوسرے کو دھکا دینا مسجد حرام میں طواف کے وقت ہوتا ہے' اور بعض علماء نے اس کے برعکس کہا کیونکہ قرآن مجید میں ہے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہاں بکہ شہر کو فرمایا ہے۔

بیت اللہ کے اسماء

بیت اللہ کے اسماء حسب ذیل ہیں :

(۱) بیت اللہ کا مشہور نام کعبہ ہے قرآن مجید میں ہے :

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ : ۹۷)　　　اللہ نے معزز بیت کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا۔

کعب کا معنی شرف اور بلندی ہے' اور بیت اللہ بھی مشرف اور بلند ہے اس لیے اس کو کعبہ کہتے ہیں۔

(۲) بیت اللہ کو البیت العتیق بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (الحج : ۲۹)　　　اور وہ البیت العتیق کا طواف کریں۔

اس بیت کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے قدیم بیت ہے' اور عتیق کا معنی قدیم ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک آسمان اور زمین سے پہلے اس بیت کو بنایا گیا' عتیق کا دوسرا معنی ہے آزاد' اور بعض روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو طوفان نوح میں غرق ہونے سے آزاد رکھا' اور طوفان کے وقت اس کو اوپر اٹھا لیا گیا' عتیق کا معنی قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اتنا قوی بنایا ہے کہ جو شخص اس کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو خود تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو

شخص اس بیت کی زیارت کے قصد سے آئے اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

(۳) بیت اللہ کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ (بنی اسرائیل : ۱) سبحان ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔

بیت اللہ کو مسجد حرام اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے اس شہر میں قتال کو حرام کر دیا ہے' اور یہ دائمی حرمت ہے' نیز اس شہر میں شکار کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے درختوں کو اور اس کی گھاس کاٹنے کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے جانوروں کو ستانا اور پریشان کرنا حرام ہے۔ اس میں حدود کو جاری کرنا حرام ہے اور اس شہر کے یہ تمام احکام اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : برکت والا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے (آل عمران : ۹۶)

کعبہ کی برکت اور ہدایت کا معنی

برکت کا ایک معنی ہے کسی چیز کا بڑھنا اور زائد ہونا' اس لحاظ سے کعبہ اس لیے برکت والا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز کا اجر دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے' جیسا کہ پہلے سنن ابن ماجہ اور الاستذکار کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں' اور کعبہ میں حج کرنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے' امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں جماع کیا نہ جماع کے متعلق کوئی بات کی اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) لوٹے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور حج مبرور کی جزاء صرف جنت ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حج مبرور کی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور تعریف یہ ہے کہ اس حج کے دوران کوئی گناہ نہ کیا ہو' ایک قول یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد انسان پہلے سے زیادہ نیک ہو جائے اور دوبارہ گناہوں کو نہ کرے' دوسرا قول یہ ہے کہ جو حج ریاکاری کے لیے نہ کیا جائے' تیسرا قول یہ ہے کہ جس حج کے بعد انسان گناہ نہ کرے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس نے حج کیا اور جماع یا اس سے متعلق باتیں نہیں کیں اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس دن تھا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا' اس سے مراد یہ ہے کہ حج کے احرام سے لے کر حج مکمل ہونے تک۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

برکت کا دوسرا معنی دوام اور بقاء ہے' اور چونکہ روئے زمین پر ہر وقت کسی نہ کسی جگہ نماز کا وقت ہوتا ہے اس لیے ہر وقت کعبہ کی طرف توجہ کر کے عبادت کی جاتی ہے اور خود کعبہ میں بھی ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کر کے اور خود کعبہ میں دائماً" عبادت کی جاتی ہے۔

کعبہ تمام "العلمین" کے لیے ہدایت ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) کعبہ تمام روئے زمین کے نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ہے اور وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لیے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے سمت قبلہ کی ہدایت ہے۔

(۲) کعبہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور کعبہ میں جو عجائب اور غرائب ہیں وہ سیدنا محمد ﷺ کے صدق اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اس اعتبار سے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے۔

(۳) کعبہ تمام جہان والوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے جو خلوص نیت سے کعبہ کی زیارت کرے' کعبہ کا طواف کرے اور اس میں نمازیں پڑھے کعبہ ان کو جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس میں واضح نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے۔

کعبہ اور مقام ابراہیم کی نشانیاں

ان نشانیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) اس بیت کے بیت اللہ ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ بیت غیر آباد بیابان میں بنایا گیا جس کے اطراف میں پھلوں اور کھیتوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رہنے والوں کے لیے رزق پہنچانے کا بہترین انتظام کر دیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر والوں کے لیے پھلوں کے حصول کی دعا کی تھی' سو تمام دنیا کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجابت دعا کا ثمر ہے۔

(۲) اس بیت میں اس بات کی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ یہی وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا تھا' اسی مقام کو حضرت ابراہیم نے ہجرت کے بعد اپنی رہائش کے لیے منتخب فرمایا' اسی کے پاس صفا اور مروہ کی وہ پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ بے قراری سے دوڑ رہی تھیں' یہیں پر زمزم نام کا وہ کنواں ہے جو حضرت جبرائیل کے پر مارنے سے جاری ہوا تھا' حضرت ہاجرہ نے اس بہتے ہوئے چشمہ کو روکنے کے لیے زمزم کہا تھا اسی نام سے یہ کنواں آج تک موسوم ہے۔ اسی کے پاس منیٰ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے' یہیں پر وہ جمرات ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

(۳) اسی بیت کے شہر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے۔

(ابراھیم : ۳۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پونے تین ہزار سال تک جاہلیت کے سبب تمام ملک عرب بدامنی کا شکار رہا اور اس شورش زدہ ملک میں صرف کعبہ کی سرزمین ہی ایسا حصہ تھی جس میں ہمیشہ امن رہا' بلکہ اسی کعبہ کی بدولت باقی ملک عرب میں بھی چار ماہ کے لیے امن ہو جاتا تھا۔

(۴) یہ کعبہ کی ہی فیض آفرینی ہے کہ حدود حرم میں وہ جانور بھی امن سے رہتے ہیں جن کا دوسری جگہوں پر شکار کر لیا جاتا ہے' بلکہ سرزمین کعبہ میں لگنے والے درخت کٹنے سے محفوظ رہتے ہیں اور حدود حرم میں مجرموں پر حد نہیں لگائی جاتی۔

(۵) جب سے بیت اللہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی سرزمین کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ رکھا سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے

پہلے ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ ہاتھیوں کی اس فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔

(۶) مقام ابراہیم ایک پتھر ہے' جس میں ٹخنوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ثبت ہیں اور یہود و نصاریٰ کی عداوت اور بغض کے باوجود اس پتھر کا پونے تین ہزار سال سے محفوظ چلا آنا زبردست نشانی ہے۔

(۷) یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے اپنا سر دھلوایا تھا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔ (آل عمران : ۹۷)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنكبوت : ۶۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور حرم والوں کے آس پاس سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا (القصص : ۵۷)

کیا ہم نے انہیں حرم میں نہیں بسایا؟ جو امن والا ہے' اس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرہ : ۱۲۵)

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کا مرجع اور مقام امن بنا دیا۔

حرم میں داخل ہونے والے مجرم کے مامون ہونے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں :

یہ آیت صورۃ " خبر ہے اور معنی " امر ہے' ہمیں حرم میں قتل کرنے سے روکا گیا ہے' اب یہ حکم دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ہمیں ظلما" قتل کرنے سے روکا گیا ہے یا عدلا" قتل کرنے سے روکا گیا ہے یعنی جو شخص قتل کیے جانے کا مستحق ہو اس کو بھی قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔ اگر اس آیت میں صرف ظلما" قتل کرنے سے روکا گیا ہے تو پھر حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ظلما" قتل کرنا کسی جگہ بھی جائز نہیں ہے' لہذا اس سے متعین ہو گیا کہ جو شخص اپنے جرم کی وجہ سے حرم میں قتل کیے جانے کا مستحق ہو حرم میں اس کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔

جو شخص غیر حرم میں کوئی جرم کرے پھر حرم میں آکر پناہ لے اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص غیر حرم میں قتل کرے پھر حرم میں آکر پناہ لے تو جب تک وہ حرم میں رہے گا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' البتہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز دی جائے گی حتی کہ وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آجائے پھر اس سے قصاص لے لیا جائے گا' اور اگر اس نے حرم میں قتل کیا ہے تو پھر اس سے حرم میں ہی قصاص لے لیا جائے گا' اور اگر اس کے جرم کی سزا قتل سے کم ہے تو پھر بھی اس پر حرم میں سزا نافذ کر دی جائے گی' امام مالک اور امام شافعی (اور اسی طرح امام احمد) یہ کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں حرم میں قصاص لے لیا جائے گا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص ایسا جرم کرے جس پر حد لگتی ہو

مثلاً قتل کرے یا چوری کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس سے بیع کی جائے نہ اس کو پناہ دی جائے حتی کہ وہ زچ ہو جائے' اور پھر حرم سے باہر آ جائے پھر اس پر حد قائم کی جائے کیونکہ حرم شدت کو زیادہ کرتا ہے۔

عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے حرم کے علاوہ کہیں جرم کیا' پھر اس نے حرم میں آ کر پناہ لی' اس کو کوئی چیز پیش کی جائے گی اور نہ اس سے بیع کی جائے گی اور نہ اس سے کلام کیا جائے گا' اور نہ اس کو پناہ دی جائے گی' حتی کہ وہ حرم سے باہر آ جائے اور جب وہ حرم سے باہر آ جائے گا تو اس کو پکڑ لیا جائے گا اور پھر اس پر حد قائم کی جائے گی۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے کوئی جرم کیا پھر بیت اللہ میں آ کر پناہ لی' وہ مامون ہے' اور مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز پر سزا دیں حتی کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے اور جب وہ باہر آئے تو اس پر حد قائم کر دیں۔

عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں حضرت عمر کے قاتل کو حرم میں دیکھوں تو اس کو کچھ نہیں کہوں گا۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص کوئی جرم کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس کو پناہ دی جائے نہ بٹھایا جائے' نہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے نہ کھلایا جائے نہ پلایا جائے حتی کہ وہ حرم سے باہر آ جائے' سعید بن جبیر کی روایت میں ہے جب وہ حرم سے باہر آ جائے تو اس پر حد قائم کر دی جائے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۰-۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہ تمام آثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی واضح دلیل ہیں' اور یہی آیت کریمہ "ومن دخله كان امنا" کا صریح مدلول ہے' ائمہ ثلاثہ اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جو شخص حرم میں داخل ہو گیا وہ آخرت میں عذاب ..... مامون ہو جائے گا' امام رازی نے اس آیت کی ایک یہ تاویل بھی کی ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے لیے جائے گا وہ مامون ہو گا' لیکن یہ تمام تاویلات ضعیف ہیں' علامہ ابوبکر جصاص نے اس آیت کی یہ تقریر کی ہے کہ اگر اس آیت کو خبر پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہو گا جو شخص بھی حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا حالانکہ حس اور مشاہدہ اس کا مکذب ہے کیونکہ کئی لوگ حرم مکہ میں داخل ہوتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں اس لیے یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں داخل ہو اس کو مامون رکھو اور اگر وہ جرم کر کے آیا ہو تو اس پر حد جاری نہ کرو اور اس لحاظ سے اس آیت کا واقع کے خلاف ہونا لازم نہیں آتا' اور اگر امام رازی کی تاویل کے مطابق یہ کہا جائے کہ جو شخص حرم میں داخل ہوا وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہو گیا تو اس کے معارض یہ ہے کہ بعض گنہ گار مسلمان' یا بعض منافقین حرم میں داخل ہونے کے باوجود عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو بدعقیدہ اور گمراہ لوگ حرم میں رہتے ہیں وہ بھی عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو حج کرنے کے بعد العیاذ باللہ مرتد ہو گیا وہ بھی مامون نہیں ہو گا اس لیے اس آیت کی تقریر وہی ہے جو علامہ ابوبکر رازی حنفی نے کی ہے کہ یہ آیت بہ ظاہر خبر ہے اور حقیقت میں امر ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں آ جائے اس کو مامون رکھو اور ہم نے جو آثار ذکر کیے ہیں ان کا ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

حرم میں قتال کے "تکوینا" ممنوع ہونے پر بحث و نظر

حرم مکہ میں "تشریعا" قتال ممنوع ہے' اور وہاں "تکوینا" قتال ممنوع نہیں ہے (حرم میں قتال "تشریعا" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حرم میں قتال نہ کیا جائے اور حرم میں قتال "تکوینا" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حرم میں قتال نہیں ہوگا) ذوالقعدہ ۷۲ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما پر حجاج بن یوسف نے جو حرم میں حملہ کیا اور جمادی الثانیہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ میں شہید کیا وہ ناجائز اور گناہ کبیرہ تھا اور اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حرم شریف "شرعا" مامون ہے "تکوینا" مامون نہیں ہے' بعض علماء نے حرم کو "تکوینا" بھی مامون لکھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

دوسرے حرم میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم و ملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈال دی ہے' اور وہ سب "عموما" ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں' حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے۔

حجاج بن یوسف نے جو حرم میں قتال کیا اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں:

اور تکوینی طور بھی اس کو احترام بیت اللہ کے منافی اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا وہ بھی جانتا تھا کہ میں ایک سنگین جرم کر رہا ہوں لیکن سیاست و حکومت کی مصالح نے اس کو اندھا کیا ہوا تھا۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۲۱' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اس توجیہ کے ظاہر البطلان ہونے کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۳۱۷ھ میں قاہر محمد بن المعتضد باللہ کے دور خلافت میں قرامطہ نے حرم مکہ پر حملہ کیا اور بے شمار حجاج کو تہ تیغ کیا کعبہ کی بے حرمتی کی اور حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور بائیس سال کے بعد اس کو واپس کیا اور انہوں نے حرم میں جو خون ریزی کی تھی وہ جرم سمجھ کر نہیں کی تھی' کہ وہ کوئی جرم کر رہے ہیں اس سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ حرم میں قتال کرنا "تشریعا" ممنوع ہے اور "تکوینا" ممنوع نہیں ہے۔

قرامطہ کا مکہ فتح کر کے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قرامطہ نے ۸ ذوالحج کو مکہ پر حملہ کیا اور حجاج کے اموال لوٹ لیے اور ان کو تہ تیغ کیا' مکہ کے راستوں' گھاٹیوں' مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے اندر بے شمار حجاج کو قتل کیا گیا' اور قرامطہ کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا' اور اس کے گرد حجاج کی لاشیں گر رہی تھیں اور حرمت والے مہینہ میں' مسجد حرام میں ۸ ذوالحج کے معظم دن مسلمانوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور ابو طاہر ملعون کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں' میں ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہوں اور میں ہی مخلوق کو فنا کرتا ہوں' لوگ اس سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے لپٹتے تھے اور انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا' بلکہ وہ اسی حال میں قتل کیے جا رہے تھے اور حالت طواف میں قتل کیے جا رہے تھے بعض محدثین بھی اس دن طواف کر رہے تھے ان کو بھی طواف

کے بعد قتل کر دیا گیا۔

جب قرمطی ملعون حجاج کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ مقتولین کو زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا جائے' اور بہت سے حجاج کو حرم کی جگہوں میں دفن کر دیا گیا' اور بہت سوں کو مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا' ان حجاج کو غسل دیا گیا' نہ کفن دیا گیا' نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی' وہ سب حالت احرام میں شہید ہوئے تھے' اس ملعون نے زمزم کا گنبد گرا دیا' اور کعبہ کے دروازہ کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور اس کے پردے اتارنے کا حکم دیا' اس نے وہ پردے پھاڑ کر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیئے' اس نے کعبہ کے میزاب کو بھی اکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا پھر اس نے ایک بھاری آلہ کے ذریعہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبہ سے الگ کر لیا' اور وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ابابیل نامی پرندے کہاں ہیں؟ اور وہ نشان زدہ کنکریاں کہاں ہیں؟ پھر وہ حجر اسود کو اپنے ساتھ اپنے ملک (الاحساء' خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر' جو مکہ کی راہ پر ہے) میں لے گئے' بائیس سال تک ان کے پاس حجر اسود رہا' اس کے بعد انہوں نے اس کو واپس کیا جیسا کہ ہم ۳۳۹ھ کے حالات میں ذکر کریں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جب قرمطی حجر اسود لے کر اپنے ملک میں پہنچا تو امیر مکہ اپنے اہل بیت اور لشکر کو لے کر اس کے پیچھے گیا اور اس کی خوشامد کی کہ وہ حجر اسود اس کو واپس کر دے تاکہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دے اور اس کے عوض اس کے پاس جس قدر بھی مال تھا وہ اس کو پیش کر دیا' لیکن قرمطی نہیں مانا' پھر امیر مکہ نے اس سے جنگ کی' قرمطی نے اس کو اور اس کے اکثر اہل بیت کو قتل کر دیا' اور حجر اسود اور حجاج کے دیگر اموال قرمطی کے قبضہ میں رہے' اس ملعون نے مسجد حرام میں اس قدر الحاد کیا جو پہلے کبھی ہوا تھا نہ بعد میں ہوا' اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایسی سزا دے گا جیسی اس سے پہلے کسی کو نہ دی ہو گی' قرامطہ نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ وہ کفار اور زندیق تھے اور اس صدی میں افریقہ میں زمین کے مغرب میں جو فاطمین نمودار ہوئے تھے انہوں نے ان کا بھیس بدل لیا تھا' ان کے امیر کا لقب مہدی تھا' اس کا نام ابو محمد عبید اللہ بن میمون القداح تھا' یہ سلمیہ میں رنگریز تھا' یہ اصل میں یہودی تھا' پھر اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا' پھر یہ افریقی ممالک میں داخل ہو گیا' اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ فاطمی سید ہے' بربر کی ایک بڑی جماعت اور دوسرے جاہلوں نے اس کی تصدیق کر دی' اور اس نے حکومت قائم کر لی اور یہ سجلماسہ نامی شہر کا بادشاہ بن گیا' پھر اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام مہدیہ رکھا' اور قرامطہ اس کے ساتھ پیغام رسانی رکھتے تھے۔ یہ سب ان کی سیاست تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ص ۱۶۱۔ ۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کعبہ کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے اصحاب الفیل کی طرح قرامطہ پر عذاب کیوں نہیں آیا؟

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اصحاب الفیل نصاریٰ تھے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں اس طرح کی خونریزی نہیں کی تھی جیسی قرامطہ نے کی اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرامطہ' یہود' نصاریٰ' مجوس بلکہ بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں اور انہوں نے مکہ مکرمہ کی اور مسجد حرام کی ایسی بے حرمتی کی ہے جو کسی نے بھی نہیں کی تو پھر ان پر اس طرح جلد عذاب کیوں نہیں آیا جس طرح اصحاب الفیل پر آیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصحاب الفیل پر فوری گرفت بیت اللہ کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے کی گئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عظمت والے شہر میں نبی ﷺ کو مبعوث کرنا تھا اور جس زمین کے خطہ مبارکہ میں آپ کی تشریف آوری ہونی تھی۔ اصحاب الفیل اس خطہ زمین کی اہانت کرنا چاہتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فوراً ہلاک کر دیا اور اس سے پہلے کی شریعتوں میں مکہ مکرمہ اور کعبہ کی فضیلت نہیں بیان کی گئی تھی' اگر اصحاب

الفیل اس شہر میں داخل ہو کر اس کو تباہ کر دیتے تو پھر لوگوں کے لیے اس کی فضیلت کا اعتراف کرنا بہت مشکل ہوتا' اور رہے یہ قرامطہ تو انہوں نے حرم شریف کی بے حرمتی شرعی احکام اور قواعد کے مقرر ہونے کے بعد کی ہے اور جب سب کو بداہتہ" معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ کے دین میں مکہ اور کعبہ محترم ہیں اور ہر مومن کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے حرم میں بہت بڑا الحاد کیا ہے اور یہ بہت بڑے ملحد اور کافر ہیں۔ اس لیے ان کو فوراً سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کو روز قیامت کے لیے موخر کر دیا' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا' پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ (ابراھیم : ۴۲)

ظالموں کے کاموں سے اللہ کو ہرگز غافل گمان نہ کرو وہ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (آل عمران : ۱۹۷)

(اے مخاطب!) کافروں کا (تکبر کے ساتھ) ملکوں میں پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے' (یہ حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے' پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ان کو تھوڑا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو سخت عذاب کی طرف کھینچ لیں گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۱ص ۱۶۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قرامطہ کی تاریخ

صحیح معنی میں عربوں اور نبطیوں کی باغی جماعتوں کا نام قرامطہ تھا' جو ۲۶۴ھ سے عراق زیریں میں زنج کی جنگ غلامی کے بعد منظم ہوئیں جس کی بنیاد اشتراکی نظام پر رکھی گئی' پر جوش تبلیغ کے باعث اس خفیہ جماعت کا دائرہ عوام' کسانوں اور اہل حرفت تک وسیع ہو گیا' خلیفہ بغداد سے آزاد ہو کر انہوں نے الاحساء (خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ مکرمہ کی راہ پر ہے۔ منہ) میں ایک ریاست کی بنیاد رکھ لی' اور خراسان' شام اور یمن میں ان کے ایسے اڈے قائم ہو گئے جہاں سے ہمیشہ شورشیں ہوتی رہتی تھیں۔

نویں صدی عیسوی کے درمیان انہوں نے ساری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' پھر اسماعیلی خاندان نے اس تحریک پر اپنا قبضہ کر لیا انہوں نے ۲۹۷ھ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے ایک حریف سلطنت قائم کی یہ تحریک ناکام رہی آخر کار دولت فاطمیہ کے ساتھ اس تحریک کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اشتقاقی اعتبار سے اس باغیانہ تحریک کے اولین قائد حمدان قرمط (یہ ایک ملحد شخص تھا) کی طرف یہ نام منسوب ہے' قرامطہ کی تحریک بغاوت کا آغاز حمدان نے واسط کے مضافات سے شروع کیا' ۲۷۷ھ میں اس نے کوفہ کے مشرق میں اپنے رفقاء کے لیے دار الہجرت کی بنیاد ڈالی جن کے متعلق رضاکارانہ چندے (مثلاً صدقہ فطر اور خمس وغیرہ) جماعت کے مشترکہ خزانے میں جمع ہوتے تھے' عراق زیریں میں بزور شمشیر قرامطہ کی تحریک ختم کر دی گئی اور ۲۹۴ھ میں اس کی سیاسی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد اس تحریک نے الاحساء میں پھر سر اٹھایا ۲۸۲ھ میں عبد القیس کے ربیعی قبیلہ کی اعانت سے الجنابی نے

الاحساء کے سارے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں ایک آزاد ریاست قائم کرلی جو قرامطہ کی پشت پناہ اور خلافت بغداد کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گئی' الجنابی کے بیٹے اور جانشین ابوطاہر سلیمان (۳۰۱ھ تا ۳۳۲ھ) نے عراق زیریں کی تاخت و تاراج کے ساتھ ساتھ حجاج (حج کرنے والوں) کے راستے بند کردیئے آخر ۸ ذوالحجہ ۳۱۷ھ کو اس نے مکہ فتح کرلیا اور اس کے چھ روز بعد حجر اسود کو اٹھا کرلے گیا تاکہ اسے الاحساء میں نصب کرسکے' اپنے باپ کی طرح ابوطاہر بھی ایک خفیہ انجمن کا داعی اور الاحساء میں اس کا ناظم امور خارجہ تھا۔

اس نے یہاں بزرگان قبیلہ (السادۃ) کی ایک نمائندہ مجلس قائم کی اور امور داخلہ کا نظم و نسق اس کے سپرد کردیا۔ یہ تنظیم قرامطہ کی عسکری قوت کے زوال کے بعد ۴۷۰ھ تک باقی تھی' تاآنکہ اسماعیلی دعوت کے احیاء نے ایک نئے خاندان مکرمیہ کی شکل اختیار کی جس کا مرکز المومنیہ تھا۔

قرامطہ کے عقائد

قرمطی عقائد میں عام رجحان یہ ہے کہ حضرت علی کے حق خلافت کے نظریہ کو ایک مقصد کے بجائے ایک ذریعہ سمجھا جائے' ان کے نزدیک امامت کوئی موروثی اجارہ نہیں جو ایک ہی خاندان میں منتقل ہوتا رہے' ۲۸۷ھ میں عبیداللہ نے فاطمی خاندانی لقب اختیار کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ نسلی اعتبار سے ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کی اسماعیلی شاخ سے ملتا ہے۔

جب المغرب (تونس) میں خلافت فاطمیہ قائم ہوگئی تو خراسان اور یمن کی طرح الاحساء میں بھی قرامطہ نے عام طور پر ان سے بہت سی توقعات وابستہ کرلیں' ابوسعید ابتداء ہی سے صاحب الناقہ کو خمس ادا کرتا تھا' پھر حیلے بہانے کے بعد ابوطاہر نے یہ رقم القائم کو بھیجنا شروع کردی' لیکن وہ اس کے جائز استحقاق کے متعلق اس قدر بدگمان تھا کہ ۳۱۹ھ میں اس نے ایک دیوانے ابوالفضل الزکری التمامی کا خیرمقدم کرتے ہوئے اسے امام منتظر کی حیثیت سے تخت نشین کردیا' ۳۴۰ھ میں فاطمی خلیفہ المنصور کے حکم سے حجر اسود اہل مکہ کو واپس کردیا گیا۔

قرامطہ کے عقائد میں الوہیت محض ایک تصور واحد ہے جو تمام صفات سے مبرا اور منزہ ہے' حقیقی عبادت کا تعلق اس علم کے حصول پر ہے کہ ذات الہیہ سے باہر کائنات کا تخلیقی ارتقاء کن کن مدارج سے گزرا ہے' ہر مرید کو بتدریج اس علم سے آشنا کیا جاتا ہے حتی کہ اس میں یہ استعداد پیدا ہوجائے کہ وہ معکوس عمل معرفت سے ان مدارج ارتقاء کو فراموش کرکے ذات الہی میں جذب ہوجائے۔

اگر قرامطہ کے اصول و عقائد کا مقابلہ ان کے پیش رو امامیہ عقائد سے کیا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے تجسیمی اور تشخصی تصورات اور حضرت علی اور ان کے اخلاف کی پرستش کی بجائے قرامطہ کے ہاں ان عقائد کو محض عقلیت کے رنگ میں اور مجرد تصورات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ فلسفہ میں الفارابی اور ابن سینا کے مثالی امامت کے سیاسی نظریہ اور عقول عشریہ کا نظریہ صدور' ان کے زیر اثر تسلیم کئے گئے' ایسے ہی اصول و عقائد میں بھی قرمطی اثرات سرایت کرگئے' مثلاً قرامطہ وحدۃ الوجود کو مانتے تھے' ان کا کہنا یہ تھا کہ حروف ابجد محض عقلی علامات ہیں نام کسی شے کا حجاب ہے اس کا شہود نہیں۔ انبیاء' ائمہ اور ان کے مریدان خاص کی عقول اشعۂ نورانیہ کے شرارے ہیں جو ابتدائی انوار و تجلیات کے وقفوں کے مطابق نور ظلامی یعنی غیر حقیقی اور اندھے مادے میں گھری ہوئی ہوتی ہیں اور یک بیک یوں منور ہوجاتی ہیں جیسے آئینہ

میں عکس۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲/۱۶ ص ۳۲-۲۱ ملخصا" مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور '۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے اس کے بعد حج بیت اللہ کی فرضیت بیان فرمائی' نیز اس آیت میں لوگوں پر حج کا فرض ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کو مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی حج اور دیگر اسلامی احکام کے مخاطب ہیں۔

حج کی تعریف' شرائط' فرائض' واجبات' سنن اور آداب' ممنوعات اور مکروہات

حج کا لغوی معنی ہے کسی عظیم شے کا قصد کرنا اور اس کا شرعی معنی حسب ذیل ہے :

نو ذوالحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے دس ذوالحجہ کی فجر تک حج کی نیت سے احرام باندھے ہوئے میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے آخر عمر تک کسی وقت بھی کعبہ کا طواف زیارت کرنا حج ہے' حج کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وقوف عرفات اور کعبہ کے طواف زیارت کا قصد کرنا حج ہے۔

حج کی شرائط یہ ہیں : حج اسلام کرنے والا مسلمان ہو' آزاد ہو' مکلف ہو' صحیح البدن ہو' بصیر ہو' اس کے پاس حج کے لیے جانے' سفر حج تک کے قیام' حج سے واپس آنے اور اس دوران جن کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے ان سب کا خرچ ہو' نیز اس کے پاس سواری ہو یا سواری کا خرچ ہو' اور راستہ مامون ہو' اور اگر عورت حج کرنے والی ہے تو اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا عاقل بالغ محرم ہو۔

حج کے فرائض : حج میں تین امور فرض ہیں۔ احرام' ۹ ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے دسویں کی فجر تک کسی بھی وقت میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے اخیر عمر تک کسی بھی وقت کعبہ کا طواف کرنا' موخر الذکر دونوں رکن ہیں' ان میں ترتیب بھی فرض ہے یعنی پہلے حج کی نیت سے احرام باندھنا' پھر وقوف عرفات کرنا' اور اس کے بعد طواف زیارت کرنا' حج کی سعی کو طواف زیارت سے پہلے کرنا بھی جائز ہے۔

حج کے واجبات : مزدلفہ میں وقوف کرنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا)' جمرات کو رمی کرنا' طواف وداع کرنا' (مکہ میں رہنے والا اور حائضہ عورت طواف وداع سے مستثنیٰ ہے) سر منڈانا یا بال کٹوانا' میقات سے احرام باندھنا' غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کرنا' طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرنا' اپنی دائیں جانب سے طواف کرنا' اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر طواف کرنا' باوضو طواف کرنا (ایک قول یہ ہے کہ وضو سنت ہے)' پاک کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا' شرم گاہ کو ڈھانپ کر رکھنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء صفا سے کرنا' اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر سعی کرنا' قران اور تمتع کرنے والے کے لیے ایک بکری ذبح کرنا' سات چکر پورے ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا' قربانی کے دن رمی جمرات' سر منڈانے اور قربانی کرنے کے افعال کو ترتیب وار کرنا' قربانی کے تین دنوں میں کسی ایک دن میں طواف زیارت کرنا' حطیم کے باہر سے طواف کرنا' طواف کے بعد سعی کرنا' قربانی کے ایام میں اور حرم کے اندر حلق کرانا۔

حج کے سنن اور آداب : خرچ میں وسعت اختیار کرنا' ہمیشہ باوضو رہنا' فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا (گالی وغیرہ سے حفاظت کرنا واجب ہے)' اگر ماں باپ کو اس کی ضرورت ہو تو ان سے اجازت لے کر حج کے لیے جانا' قرض خواہ اور کفیل سے بھی اجازت طلب کرنا' اپنی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا' لوگوں سے کہا سنا معاف کرانا' ان سے دعا کی درخواست کرنا'

نکلتے وقت کچھ صدقہ و خیرات کرنا' اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرے' جن لوگوں کے حقوق چھین لیے تھے وہ واپس کر دے' اپنے دشمنوں سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرے' جو عبادات فوت ہو گئیں (مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں) ان کی قضا کرے' اور اس کوتاہی پر نادم ہو اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے' اپنی نیت کو ریاکاری اور فخر سے مبرا کرے' حلال اور پاکیزہ سفر خرچ کو حاصل کرے کیونکہ حرام مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا' اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے' اگر اس کا مال مشتبہ ہو تو کسی سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کر دے' راستہ میں گناہوں سے بچتا رہے اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' سفر حج میں تجارت کرنے سے اجتناب کرے ہرچند کہ اس سے ثواب کم نہیں ہوتا۔

حج کے ممنوعات : جماع نہ کرے' احرام کی حالت میں سر نہ منڈائے' ناخن نہ کاٹے' خوشبو نہ لگائے' سر اور چہرہ نہ ڈھانپے' سلا ہوا کپڑا نہ پہنے' حرم اور غیر حرم میں شکار کے درپے نہ ہو' حرم کے درخت نہ کاٹے۔

حج کے مکروہات : اگر ماں باپ کو اس کی خدمت کی ضرورت ہے اور وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں تو اس کا حج کے لیے جانا مکروہ ہے' اور اگر ان کو اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے' اگر ماں باپ نہ ہوں اور دادا' دادی ہوں تو وہ ان کے قائم مقام ہیں' اس کے اہل و عیال جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں اور اسے ان کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کو یہ خدشہ ہو کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ ضائع ہو جائیں گے تو پھر اس کا حج پر جانا مکروہ ہے' اگر کسی شخص کا بیٹا بے ریش ہو تو وہ داڑھی آنے تک اس کو حج کرنے سے منع کرے' اگر حج فرض ہو تو وہ ماں باپ کی اطاعت سے اولیٰ ہے اور اگر حج نفل ہو تو ماں باپ کی اطاعت اولیٰ ہے' جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو قرض ادا کرنے سے پہلے اس کا حج یا جہاد کے لیے جانا مکروہ ہے' ہاں اگر قرض خواہ اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

(یہ تمام احکام اور مسائل در مختار' رد المحتار اور عالم گیری سے ماخوذ ہیں)

حج کے فضائل

امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور (اس میں) جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح (پاک) لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔
(صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ایک عمرہ سے لے کر دوسرا عمرہ اس کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے' اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔

(موطا امام مالک' صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ' حلیۃ الاولیاء)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا' تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں' آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا' آپ نے فرمایا اے عمرو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جو چاہو شرط لگاؤ' میں نے عرض کیا میری مغفرت کر دی جائے' آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام اس

سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے' اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری رائے میں جہاد افضل ہے کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا لیکن افضل حج مبرور ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کمزور آدمی کا جہاد حج ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے' پوچھا گیا بر کیا ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا اور اچھی باتیں کرنا' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے' امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے' امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے' امام بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے' اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کرو کیونکہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے' چاندی اور سونے کے زنگ کو مٹاتی ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔
(جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' سنن بیہقی)

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج کرو کیونکہ حج گناہوں کو دھو ڈالتا ہے جس طرح پانی میل کو دھو ڈالتا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج کرنے والا اپنے خاندان کے چار سو آدمیوں کے لیے شفاعت کرتا ہے اور اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آتا ہے جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد حرام کے قصد سے روانہ ہوا' اور اپنے اونٹ پر سوار ہوا اس کے اونٹ کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک نیکی لکھ دے گا اور اس کا ایک گناہ مٹا دے گا' اور اس کا ایک درجہ بلند کر دے گا' حتیٰ کہ جب وہ بیت اللہ پہنچ کر طواف کرے گا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا پھر سر منڈوائے یا بال کٹوائے گا تو وہ گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔
(سنن بیہقی)

حضرت زاذان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سخت بیمار ہو گئے' انہوں نے اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مکہ سے پیدل حج کے لیے روانہ ہوا حتیٰ کہ واپس مکہ پہنچ گیا' اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ سات سو نیکیاں لکھ دے گا' اور ہر نیکی حرم کی نیکیوں کی طرح ہو گی' ان سے پوچھا گیا اور حرم کی نیکیاں کتنی ہیں انہوں نے فرمایا ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے' دونوں نے عیسیٰ بن سوارہ سے روایت کیا ہے' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام ابن خزیمہ نے کہا اگر حدیث صحیح ہو تب بھی عیسیٰ بن سوارہ کے متعلق دل میں تشویش ہے' امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے۔ (حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک سند میں کذاب راوی ہے اور دوسری سند میں اسماعیل بن ابراہیم کی سعید بن

جبیر سے روایت ہے اور اس کو میں نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹) میں کہتا ہوں کہ امام ابو یعلیٰ کی سند میں سعید بن جبیر سے روایت کرنے والا مجہول ہے اور یہ سند منقطع ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے' حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے' اللہ کے وفد ہیں' اللہ نے ان کو بلایا تو انہوں نے لبیک کہا' یہ اللہ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ انہیں عطا فرماتا ہے' اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی سنن اور صحیح میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حج کرنے والے کی مغفرت کی جائے گی اور جس کے لیے حج کرنے والا استغفار کرے گا اس کی مغفرت کی جائے گی۔(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۷۔ ۱۶۳' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں بیٹھا ہوا تھا' کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی آئے' انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے ایک سوال کرنے آئے ہیں' آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں خود تمہارا سوال بیان کروں' اور اگر تم چاہو تو تم سوال کرو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بیان فرمائیں ہمارا ایمان اور زیادہ ہو گا! انصاری نے ثقفی سے کہا تم سوال کرو' اس نے کہا بلکہ تم سوال کرو' انصاری نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتایئے! آپ نے فرمایا تم یہ سوال کرنے آئے ہو کہ جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہو اور بیت اللہ کا طواف کرو تو اس میں تمہارے لیے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا اجر ہے؟ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا کیا اجر ہے' اور وقوف عرفہ کا کیا اجر ہے؟ اور رمی جمار کا کیا اجر ہے اور نحر (قربانی) کا کیا اجر ہے؟ اور سر منڈانے کا کیا اجر ہے؟ اور اس کے بعد طواف (زیارت) کا کیا اجر ہے؟ انصاری نے کہا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم آپ سے یہی سوال کرنے آئے تھے' آپ نے فرمایا : جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہوتے ہو تو تمہاری سواری کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے کے بدلہ میں اللہ تمہاری ایک نیکی لکھتا ہے' ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جب تم طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہو تو تمہیں اولاد اسماعیل سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اور جب تم صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہو تو تمہیں ستر غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اور جب تم زوال آفتاب کے بعد میدان عرفات میں وقوف کرتے ہو تو اللہ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے یہ میرے وہ بندے ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں یہ میری رحمت اور میری مغفرت کی امید رکھتے ہیں سو اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں تو اللہ ان کو معاف کر دے گا' میرے بندو! عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاؤ' تمہاری بھی مغفرت ہو گی اور جن کی تم شفاعت کرو گے اس کی بھی مغفرت ہو گی' اور جب تم رمی جمار (کنکری پھینکتے ہو) کرتے ہو تو ہر کنکری کے بدلہ میں تمہارا ایک کبیرہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے' اور تمہاری قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ کی جائے گی اور جب تم سر منڈاتے ہو تو ہر بال کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے' انصاری نے کہا : یا رسول اللہ! اگر اس کے گناہ کم ہوں؟ آپ نے فرمایا تو پھر اس کی نیکیاں ذخیرہ کی جائیں گی اور جب تم اس کے بعد طواف (زیارت) کرو گے تو تم اس حال میں طواف کرو گے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہو گا' پھر ایک فرشتہ تمہارے

دو کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا جاؤ از سر نو عمل کرو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

(المطالب العالیہ ج ا ص ۳۱۴۔ ۳۱۲ 'توزیع عباس احمد الباز مکہ مکرمہ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں اسماعیل بن رافع نام کا ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کی عبادات انجام دیں اور مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ کے شر سے محفوظ رہے' اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت اسلام کا ستون ہے' جو شخص حج' عمرہ' یا زیارت کے قصد سے اس بیت کے لیے روانہ ہو' تو اللہ اس بات کا ضامن ہے کہ اگر وہ اس دوران فوت ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کر دے اور اگر اس کو لوٹائے تو اجر اور غنیمت کے ساتھ لوٹائے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ا ص ۲۰۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہوا اور راستہ میں مر گیا' اس سے حساب نہیں لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی عائذ بن بشیر ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک حج کا اجر لکھا جاتا رہے گا' اور جو شخص عمرہ کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا اجر لکھا جاتا رہے گا' اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا' اس کے لیے قیامت تک غازی کا اجر لکھا جاتا رہے گا۔ اس حدیث کو بھی امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (المطالب العالیہ ج ا ص ۳۲۶۔ ۳۲۴' توزیع عباس احمد الباز' مکہ مکرمہ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں جمیل بن ابی میمونہ ہے' امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو

حج کی استطاعت کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

استطاعت میں تین قول ہیں: امام شافعی کے نزدیک استطاعت مال سے ہوتی ہے اور یہ سفر خرچ اور سواری ہے' امام مالک کے نزدیک استطاعت بدن کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ شخص صحت مند اور تندرست ہو' امام ابو حنیفہ کے نزدیک استطاعت مال اور بدن دونوں کے ساتھ مشروط ہے۔ (النکت والعیون ج ا ص ۴۱۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی استطاعت کی تفسیر مال اور بدن دونوں کے ساتھ کی ہے۔

(زاد المسیر ج ا ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

فتاویٰ عالم گیری میں استطاعت کی تفصیل میں حسب ذیل امور مذکور ہیں :

(۱) حج کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی رہائش' کپڑوں' نوکروں' گھر کے سامان اور دیگر ضروریات سے اس قدر زائد ہو کہ مکہ مکرمہ تک جانے کے دوران حج تک وہاں رہنے اور پھر واپس آنے کے لیے اور سواری کے خرچ کے لیے کافی ہو اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال ہو جس سے وہ اپنے قرضہ جات ادا کر سکے اور اس عرصہ کے لیے اس کے اہل و عیال کا خرچ پورا ہو سکے اور گھر کی مرمت اور دیگر مصارف ادا ہو سکیں۔

(۲) اس کو یہ علم ہو کہ اس پر حج کرنا فرض ہے' جو شخص دارالاسلام میں رہتا ہے اس کے لیے دارالاسلام میں رہنا اس علم کے قائم مقام ہے' اور جو شخص دارالحرب میں ہو اس کو دو مسلمان خبر دیں یا ایک عادل مسلمان خبر دے کہ اس پر حج فرض ہے تو یہ اس کے علم کے لیے کافی ہے

(۳) وہ شخص سالم الاعضاء اور تندرست ہو' حتیٰ کہ لولے' لنگڑے' مفلوج' ہاتھ پیر بریدہ' بیمار اور بہت بوڑھے شخص پر حج فرض نہیں ہے' اگر وہ سفر خرچ اور سواری کے مالک ہوں تب بھی ان پر حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ بیمار شخص پر حج کی وصیت کرنا فرض ہے۔ (فتح القدیر والبحر الرائق) اسی طرح جو شخص قیدی ہو یا جو شخص سلطان سے خائف ہو جس نے اس کو حج کرنے سے منع کیا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے' (النہر الفائق) اور جو شخص نابینا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ اپنے مال سے حج کرانا فرض ہے' اگر اس کو قائد میسر ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر پھر بھی حج فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اس میں دو روایتیں ہیں۔ (قاضی خاں)

(۴) اگر راستہ میں سلامتی غالب ہو تو اس پر حج فرض ہے اور اگر سلامتی غالب نہ ہو تو پھر حج فرض نہیں ہے۔

(۵) اگر اس کے شہر اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا اس کا محرم ہو اور محرم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مامون' آزاد اور عاقل اور بالغ ہو' محرم کا خرچ حج کرنے والے کے ذمہ ہے۔

(۶) عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس وقت میں عدت وفات یا عدت طلاق نہ گزار رہی ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۱۷' مطبوعہ مطبعہ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

آج کل استطاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حج کرنے والے کو حج پاسپورٹ اور حج ویزا مل جائے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے ان کا قول باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

قدرت کے باوجود حج نہ کرنے والے پر وعید

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو جس کے ذریعہ وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی افسوس نہیں خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ وہ نصرانی ہو کر مرے' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے حارث کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی شدید حاجت مانع نہ ہو' نہ کوئی سخت مرض

مانع ہو' نہ ظالم بادشاہ مانع ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی ہو کر مرے۔ اس حدیث کو بھی امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ان حدیثوں میں حج نہ کرنے والے پر "تغلیظاً" وعید کی گئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اسلام کے آٹھ حصے ہیں' ایک حصہ اسلام ہے' ایک حصہ نماز ہے' ایک حصہ زکوۃ ہے' ایک حصہ حج بیت اللہ ہے' ایک حصہ نیکی کا حکم دینا ہے' ایک حصہ برائی سے روکنا ہے' ایک حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے' وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔ (غالباً" راوی ایک حصہ کا ذکر کرنا بھول گیا۔)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے : جس بندہ کا جسم تندرست ہو اور وہ مالی اعتبار سے خوشحال ہو اور وہ پانچ سال تک میرے پاس نہ آئے وہ ضرور محروم ہے۔

(صحیح ابن حبان و سنن بیہقی) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ- ۱۴۰۷ھ)

حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے حج کرنے کی مذمت

حافظ منذری بیان کرتے ہیں : حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں سات سو گنا زیادہ خرچ کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے' امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے امام احمد کی اسناد حسن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثل ہے ایک درہم سات سو گنا زیادہ ہے' اس حدیث کو بھی امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حج کرنے والا پاکیزہ کمائی لے کر نکلتا ہے اور اپنا پیر رکاب میں ڈالتا ہے اور اللھم لبیک سے ندا کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی کہتا ہے لبیک و سعدیک' تمہارا سفر خرچ حلال ہے' تمہاری سواری حلال ہے' تمہارا حج مبرور (مقبول) ہے' اس میں گناہ نہیں ہے' اور جب وہ حرام مال سے حج کے لیے روانہ ہوتا ہے اور اپنا پاؤں رکاب میں ڈالتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں' تمہارا زاد راہ حرام ہے' تمہارا خرچ حرام ہے تمہارا حج گناہ ہے' مقبول نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور امام اصبہانی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۱-۱۷۹' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ کہیے اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تمہارے تمام

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

اعمال پر گواہ ہے ○ آپ کہیے اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ

کیوں روکتے ہو ؛ تم ایمان والوں کے راستہ کو (بھی) ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس دین کے برحق ہونے

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

پر) گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○ اے ایمان والو ! اگر تم اہل کتاب کے ایک

تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا

اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ

دیں گے ○ اور تم کیوں کر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی "تلاوت

اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ

کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو بیشک

ع ۱۰ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اسے سیدھے راستہ کی ہدایت دی جائے گی ○

کفر پر مذمت میں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے فضائل اور حج کی فرضیت کو بیان فرمایا ہے' اور اہل کتاب کو اس بات کا علم تھا کہ اسلام ہی دین حق ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کو علم ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے تو پھر تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں باقی کفار کے بجائے خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی حقانیت پر دلائل بیان فرمادیئے تھے' آپ کی علامات بھی بیان کردی تھیں' پھر آپ کی نبوت کے متعلق جو ان کو شبہات تھے ان کو قرآن مجید کی آیات سے زائل کر دیا تھا' اور جب ان پر حجت تمام ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا : اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ ثانیاً" دوسرے کفار اور مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی آیات کی زیادہ معرفت رکھتے تھے کیونکہ وہ الوہیت اور توحید کے معترف تھے اور نبوت کا اقرار کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود تھیں۔

اس آیت میں اللہ کی آیتوں سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی علامات ہیں اور ان کے کفر اور انکار سے ان

علامتوں کی دلالت کا کفر اور انکار مراد ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہارے تمام اعمال پر گواہ ہے' یعنی اللہ تم کو تمہارے ان اعمال کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہیے : اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے کیوں روکتے ہو؟ (آل عمران : ۹۹)

اللہ کے راستہ سے روکنے کے کئی محامل ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

اہل کتاب کے گمراہ کن حیلے

(۱) وہ ضعیف مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے مثلاً وہ نسخ پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بداء ہے یعنی اللہ نے ایک حکم دیا بعد میں وہ اس حکم کی قباحت پر مطلع ہوا تو اس نے اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دیا' اسی طرح وہ کہتے کہ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔

(۲) وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ذکر ہے اور جب ان سے آخر زمانے میں آنے والے نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو وہ دجال کی صفات بیان کر دیتے۔

(۳) وہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنے سے روکتے تھے اور بیت المقدس کا حج کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "تم ایمان والوں کے راستہ کو بھی ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو۔" یعنی اپنی تحریفات کے ذریعہ انہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہو' یا اس کا معنی ہے کہ تم صراط مستقیم کے دعویٰ دار ہو جب کہ تم جس راستہ پر چل رہے ہو وہ ٹیڑھا راستہ ہے حالانکہ تم گواہ ہو کہ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ اسلام کے علاوہ اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا' یا تم سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والے معجزات کے ظہور پر گواہ ہو' یا تم اس پر گواہ ہو کہ اللہ کے راستہ سے روکنا جائز نہیں ہے' یا تم اپنے اہل مذہب کے نزدیک لائق اعتبار اور نیک ہو جس کی گواہی کو قبول کرنا واجب ہے اور جو شخص ایسے منصب کا حامل ہو اس کا جھوٹ' باطل اور گمراہی پر اصرار کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے اس میں ان کی تہدید کی ہے اور خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے واقف ہے اور عنقریب ان کو سزا دے گا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو شہداء فرمایا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے' امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی بالاجماع جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (آل عمران ۱۰۰)

شاس بن قیس کا مسلمانوں میں عداوت کی آگ بھڑکانے کی ناکام سعی کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا اور کٹر کافر تھا' مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا' ایک دن اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے الفت اور محبت سے باتیں کر رہے ہیں' وہ ان کی الفت اور محبت کو دیکھ کر غصہ سے جل بھن گیا' اس نے ایک یہودی کو وہاں بٹھا لیا اور اس کے سامنے پرانے قصے

چھیڑ دیئے اور جنگ بعاث کے متعلق اشعار پڑھنے لگا' اس دن اوس اور خزرج میں زبردست جنگ ہوئی تھی' اور اوس فتحیاب ہوئے تھے' اس نے اس راکھ میں سے چنگاریاں نکال کر آگ بھڑکا دی اور اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نکل آئے قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں' دونوں فریق اپنے اپنے حمایتیوں کو بلا چکے تھے' رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی آپ چند مہاجرین صحابہ کے ساتھ آئے آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو! کیا تم زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کر رہے ہو! حالانکہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے اور اللہ تمہیں دولت اسلام سے مشرف کرچکا ہے اور تمہاری گردنوں سے جاہلیت کا جوا اتار پھینکا ہے' اور تم کو کفر سے نجات دے دی ہے اور تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا ہے' کیا تم پچھلی جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟ تب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا' اور ان کے دشمنوں کا مکر تھا' انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے' اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو گلے لگایا' پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت اور موافقت کرتے ہوئے چلے گئے اور اللہ کے دشمن شاس بن قیس نے جو ان کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے بجھا دیا تب اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کی اس ناکام سعی کے متعلق یہ آیت نازل کی' اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

صحابہ کرام اور بعد کے مسلمانوں کے لیے دین پر استقامت کے ذرائع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مسلمانوں کے گمراہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس پر عذاب کی وعید سنائی تھی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اہل کتاب کے بہکانے' ورغلانے اور ان کے گمراہ کرنے سے خبردار رہیں اور ان کے بھڑکانے میں نہ آجائیں ورنہ وہ ان کو کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کا کفر کی طرف لوٹنا دو وجہ سے بہت بعید ہے' ایک تو یہ کہ ان کے سامنے دن رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا جاتا ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے' رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں قرآن کریم کی تبلیغ فرماتے ہیں' اور قرآن مجید کا معجز ہونا ان پر بالکل روشن تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بار بار چیلنج کیا کہ اس قرآن کی چھوٹی سی سورت کی مثال بنا کر لے آؤ لیکن انسانوں اور جنوں میں سے کوئی بھی اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کرسکا' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود تھے اور آپ پر دن رات انواع و اقسام کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے اور ان معجزات کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور صاحب انصاف رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے روگردانی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے بعد فرمایا جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو بے شک اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی جائے گی۔ (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ ان کے لیے دین پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کی دو زبردست چیزیں موجود تھیں' قرآن مجید کا سننا جو ہر قسم کے شک اور شبہ کے ازالہ کے لیے کافی

اور روانی تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے انوار کا مشاہدہ جو ان کے صفاء باطن ' پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا ہادی اور مرشد تھا اور جب انہوں نے قرآن اور سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ صراط مستقیم کے سالک بن گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور اللہ کی رحمت سے واصل ہو گئے اب بعد کے لوگوں کے لیے دین پر استقامت اور صراط مستقیم کے حصول کا کیا ذریعہ ہے تو میں کہوں گا کہ ان کے ایمان پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کے لیے قرآن مجید موجود ہے ' قرآن کریم جس طرح چودہ سو سال پہلے تمام دنیا کے فصحاء اور بلغاء کے لیے چیلنج تھا آج بھی چیلنج ہے ' نہ اس وقت اس کی کسی سورت کی کوئی نظیر لا سکا تھا نہ آج لا سکا ہے اور ان کے صفاء باطن ' پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے لیے قرآن مجید کی تعلیمات موجود ہیں اور ان کی توضیح اور تشریح رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ آپ کی تمام سنتوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور سینوں سے صحیفوں میں منتقل کر دیا اور صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال ' آپ کے افعال اور آپ کے احوال مذکور ہیں اور جس شخص نے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لیا اس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اس کو بے شک صراط مستقیم کی ہدایت دے دی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے

وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

مگر مسلمان ہوتے کی حالت میں ○ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو ،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں

قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ

میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر

مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی ، اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

تا کہ تم ہدایت پاؤ ○

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کے گمراہ کرنے سے خبردار فرمایا تھا اور اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات اور تمام خیرات کا جامع حکم بیان فرمایا: ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو' دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تیسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو' اور ان میں ترتیب یہ ہے کہ انسان اللہ کی اطاعت عذاب کے خوف سے کرتا ہے یا ثواب کے شوق سے کرتا ہے' اور عذاب کا خوف مقدم ہے کیونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہوتا ہے' اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے تاکہ عذاب سے بچنے کے لیے انسان اللہ کی عبادت کرے پھر اس کو موکد کرنے کے لیے فرمایا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اس کے بعد اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ نعمت کے شوق میں عبادت کی طرف راغب ہوں۔ اور جو لوگ تصوف اور حال کے مدعی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ ہمیں ثواب سے غرض ہے اور نہ عذاب کی فکر ہے ہم مولیٰ کی عبادت مولیٰ کے لیے کرتے ہیں وہ اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلاتے ہیں وہ خود فریب خوردہ ہیں اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران: ۱۰۲)

آیا اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم محکم ہے یا منسوخ؟

امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے' اور اس کو یاد رکھا جائے اور اس کو بھولا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۳۸' مطبوعہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۔۱۹)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق' امام طبرانی اور امام حاکم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۹' مطبوعہ ایران)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں ہے' اور اللہ سے اس طرح ڈرنا جس طرح ڈرنے کا حق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد کیا جائے اور اس سلسلہ میں انسان کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے' اور عدل و انصاف قائم کیا جائے' خواہ وہ فیصلہ اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کے خلاف ہو' اور حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کی جائے اور اللہ کے تمام احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کی تمام نافرمانیوں سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "حق تقاۃ" کی جو تفسیر کی ہے اس میں کون سی بات ناقابل عمل ہے؟ بلکہ ان تمام باتوں پر عمل کرنا واجب ہے' اسی لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔

بعض فقہاء تابعین نے کہا یہ آیت منسوخ ہے' امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

قتادہ نے کہا پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف اور آسانی کو نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ضعف کی وجہ سے ان پر رحمت نازل فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی :

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن : ۱۶) سو جہاں تک تم سے ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۲۰' مطبوعہ بیروت)

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرنے کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب کیا جائے' اور اگر اس کو منسوخ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ بعض گناہوں کا کرنا مباح ہو' اور ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ تمام احکام پر عمل کرنا اور تمام گناہوں سے بچنا استطاعت کے مطابق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا' مثلاً کسی شخص کا پیر کٹا ہوا ہو اور وہ وضو میں پیر نہ دھوئے تو وہ گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح بلغاریہ میں رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے تو وہ عشاء کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوں گے' قرب قیامت میں جب کوئی زکوۃ لینے والا نہ ہو گا تو کوئی شخص زکوۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہو گا' اور جو شخص کسی دائمی مرض (مثلاً ذیابیطس یا بلند فشار دم) کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے تو وہ گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح حلال دوائیں نہ ملنے کی وجہ سے جو شخص حرام دواؤں سے علاج کرے وہ بھی گنہ گار نہیں ہو گا' معاشرتی' عمرانی اور دینی ضرورتوں (مثلاً حج اور عمرہ کے سفر) کی وجہ سے جو شخص پاسپورٹ سائز کا فوٹو کھنچوائے تو وہ بھی گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح ضرورت کی بناء پر ضبط ولادت کرنا یا اسقاط حمل کرانا یا نس بندی کرانا ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں اور نہ تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ انسان اللہ سے ڈرنے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حسب استطاعت ہی مکلف ہے۔

تقویٰ کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے یہ نصیحتیں کون حاصل کرے گا تا کہ ان پر عمل کرے یا ان پر عمل کرنے والوں کو ان کی تعلیم دے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ نصیحتیں گنوائیں' آپ نے فرمایا حرام کاموں سے بچو تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے' اللہ کی تقسیم پر راضی رہو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے' اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تم مومن (کامل) ہو جاؤ گے' لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تم (کامل) مسلمان ہو جاؤ گے' زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں شمار نہیں ہو گا جب تک کہ وہ کسی مباح کام کو بھی اس خدشہ سے ترک نہ کر دے کہ شاید اس میں حرج ہو۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے' کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا؟ اس کا لباس کہاں سے آیا؟

(جامع ترمذی ص ۳۵۴-۳۳۵ ملتقطا" مطبوعہ نور محمد کار خانہ تجارت کتب کراچی)

لفظ تقویٰ کا لغوی اور شرعی معنی

وقی اور وقایہ کا معنی ہے کسی چیز کو ایذا اور ضرر سے محفوظ رکھنا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (الدخان : ۵۶) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

تقویٰ کا معنی ہے نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اس کو ضرر کا خوف ہو' اور شریعت میں تقویٰ کا معنی ہے نفس کو گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھنا' تقویٰ ممنوعات کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اور اس کا کمال بعض مباحات کے ترک سے حاصل ہوتا ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے سو جس شخص نے مشتبہات کو ترک کر دیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا' اور جو شخص مشتبہات میں واقع ہو گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے' وہ اس خطرہ میں ہے کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں منہ مار لیں' سنو! زمین پر اللہ کی ممنوعہ چراگاہ وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۳)

قرآن مجید میں ہے :

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف : ۳۵) جن لوگوں نے تقویٰ کیا اور نیکی اختیار کی ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تقویٰ کے کئی مدارج ہیں جن کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہو وہ اللہ سے ڈرے' (یعنی متقی بنے) اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہو وہ اللہ پر توکل کرے' اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو اس کا اعتماد اپنے قبضہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہو' حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔ حسن بصری نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں' ابراہیم بن ادہم نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لیے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم خالق کے لیے اپنے باطن کو مزین کرو' ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم سیرت مصطفےٰ کے راستہ پر چلو' دنیا کو پس پشت ڈال دو' اپنے نفس میں اخلاق اور وفا کو لازم کر لو' حرام اور جفا سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ فرمایا کہ قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے' دوسرے مقام پر یہ فرمایا قرآن مجید متقین کے لیے ہدایت ہے' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان وہی ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں ان میں انسانیت نہیں' یہ تقویٰ کی کیا کم فضیلت ہے! شرعاً" متقی وہ شخص ہے جو اپنی ذات اور عذاب الٰہی کے درمیان اپنی عبادات اور طاعات کو حفاظت کا ذریعہ اور آڑ بنا دیتا ہے' تقویٰ کی اصل خوف ہے' وہ خوف جو اللہ تعالیٰ کے جلال ذات' اس کی عظیم قدرت اور اس کے عذاب کی معرفت سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور معرفت کا محل دل ہے (یعنی دماغ ہے) اس لیے آپ نے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : تقویٰ یہاں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں سائنسی زبان استعمال نہیں کی گئی بلکہ ان میں عرف اور محاورہ کی زبان ہے اور عرف میں

دماغ پر دل کا اطلاق کیا جاتا ہے (اس کی پوری تحقیق شرح صحیح مسلم جلد رابع ص ۴۱۴۔ ۴۱۳ میں ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں (آل عمران : ۱۰۲)

اس آیت کا معنی اس کو مستلزم ہے کہ تمہاری زندگی میں کسی لمحہ بھی کفر نہ آنے پائے اور تم ہمیشہ اسلام پر ثابت قدم رہو' انسان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتا رہے۔

تاحیات اسلام پر قائم رہنے کے حکم کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص طویل زمانہ تک اہل جنت کے عمل کرتا ہے پھر اس کے اعمال کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے اور ایک شخص طویل زمانہ تک دوزخیوں کے عمل کرتا ہے پھر اس کا خاتمہ جنتیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی ایک شخص کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع کیا جاتا ہے پھر وہ جمع ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج کر اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیتا ہے' اس کا رزق' اس کی مدت حیات' اس کا عمل اور یہ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے' سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۴۔ ۳۳۲' ملتقطا" مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اسلام اور اعمال صالحہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے جو کچھ اس کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ وہ سعید (جنتی) یا شقی (دوزخی) ہے اسی کے مطابق اس کا خاتمہ ہو گا' جب کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ "تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں" اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر قائم رہنا اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہنا انسان کے اختیار میں ہے اور اس طرح اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنی عمر کے آخری حصہ میں کیا کرے گا اور وہ آخری عمر میں اہل جنت کے عمل کرے گا' یا اہل دوزخ کے عمل کرے گا' اسی علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کے پیٹ میں لکھوا دیا' لہٰذا انسان اپنی آخری عمر میں جو عمل کرتا ہے وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے جبر سے نہیں کرتا' جبر اس وقت ہوتا جب وہ نیک عمل کرنا چاہتا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی غیر مرئی طاقت اس سے برے عمل کرا لیتی جیسے کوئی انسان اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا چاہتا ہو اور کوئی شخص اس کی کنپٹی پر پستول رکھ کر جبرا" اس سے طلاق کہلوا لیتا' اور ظاہر ہے کہ انسان نہ صرف حیات کے آخری حصہ میں بلکہ پوری زندگی میں پوری آزادی کے ساتھ اپنے اختیار اور

ارادہ سے عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد اور جو کچھ اس نے کرنا ہے وہی لکھا گیا ہے یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس نے کرنا ہے' قرآن مجید میں ہے :

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر : ۵۳-۵۲)

ہر وہ کام جس کو انہوں نے کیا ہے نوشتوں میں ہے ○ ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ بندوں نے کیا ہے وہ لکھا ہوا ہے یہ نہیں فرمایا جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ بندوں نے کرنا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ علم معلوم کے مطابق ہے معلوم علم کے مطابق نہیں ہے- زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں' یعنی تم اپنے اختیار اور ارادہ سے تاحیات اسلام پر قائم رہو' اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انہوں نے تاحیات اسلام پر قائم رہنا ہے یا نہیں' اور اسی علم کے مطابق ان کی پیدائش سے پہلے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں سے لکھوا دیا سو یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے منافی اور معارض اور جبر کی موجب نہیں ہے-

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس بحث کو چھیڑا ہے لیکن ان کے جواب سے اصل اشکال دور نہیں ہوتا وہ لکھتے ہیں :

بعض روایات حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزر گئی آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس نے سارے اعمال حبط و برباد ہو گئے یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آسکتا ہے جن کے عمل میں اول اخلاص اور پختگی نہیں تھی واللہ اعلم- (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو- آل عمران (۱۰۳)

اللہ کی رسی کا بیان

اللہ کی رسی کی متعدد تفسیریں کی گئیں ہیں' امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی رسی سے مراد جماعت ہے-

قتادہ نے کہا اللہ کی مضبوط رسی جس کو ہمیں پکڑنے کا حکم دیا ہے وہ یہ قرآن ہے- نیز قتادہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد اللہ کا عہد اور اس کا حکم ہے-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صراط مستقیم پر شیاطین آکر اپنی طرف بلاتے ہیں سو تم اللہ کی رسی کو پکڑ لو' اللہ کی رسی کتاب اللہ ہے- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ' اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے-

ابو العالیہ نے کہا اللہ کی رسی پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو-

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۹۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے' ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظیم ہے کتاب اللہ'

اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے' اور میری عترت میرے اہل بیت ہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز الگ نہیں ہوں گے حتی کہ میرے حوض پر آئیں گے۔ پس دیکھو تم میرے بعد ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس راستہ پر شیاطین آتے ہیں اور ندا کرتے ہیں اے اللہ کے بندے راستہ یہ ہے' تو تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو' کیونکہ اللہ کی رسی قرآن ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۰' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی رسی کی تفسیر قرآن مجید' اللہ کے عہد' دین' اللہ کی اطاعت' اخلاص کے ساتھ توبہ' جماعت مسلمین' اخلاص کے ساتھ توحید اور اسلام کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ تمام اقوال متقارب ہیں کیونکہ جو شخص کنویں میں اتر رہا ہوتا ہے وہ مضبوطی کے ساتھ رسی کو پکڑتا ہے تاکہ کنویں میں گر نہ جائے۔ اسی طرح جو مسلمان قرآن مجید' اللہ کے عہد' اس کے دین یا اس کی اطاعت یا جماعت مسلمین یا اسلام کو مضبوطی سے پکڑے تو وہ جہنم کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے گا اس لیے ان امور کو اللہ کی رسی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تفرقہ نہ ڈالو۔

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ عقائد میں ایک دوسرے کی مخالفت کرکے مختلف گروہ نہ بناؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور مخاصمت نہ رکھو اور دنیاوی امور اور اغراض باطلہ کی وجہ سے ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو' اور فروعی اور اجتہادی مسائل میں مجتہدین اور ائمہ فتویٰ کا اختلاف اس اختلاف کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

عقائد حقہ میں اختلاف سے ممانعت

عقائد میں اختلاف کی ممانعت اس لیے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد واحد تھے۔ الوہیت' توحید' فرشتے' آسمانی کتابیں' نبوت اور رسالت' تقدیر' اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا واجب ہونا اور اس کی ناشکری کا حرام ہونا' وحی سے حاصل شدہ احکام پر عمل کرنے کا وجوب اور استحباب وغیرہ' مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کو ماننا یہ وہ عقائد ہیں جن کو اصول اور دین کہا جاتا ہے' حضرت آدم سے لے کر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کے دور میں ان میں اختلاف جائز نہیں رہا کیونکہ حق بات صرف ایک ہی ہوتی ہے اس میں اختلاف نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۔ سو حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تم کہاں حق سے پھرے جا رہے ہو۔ (یونس: ۳۲)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے اکہتر یا بہتر فرقے تھے' نصاریٰ کے بھی اسی طرح تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت بنی اسرائیل کے برابر برابر عمل کرے گی حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ اس طرح کریں گے' اور بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کونسا گروہ ہو گا؟ فرمایا جس ملت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۹۔۳۷۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷' مطبوعہ کراچی)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا سنو تم سے پہلے اہل کتاب کے بہتر فرقے تھے' اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہو گا۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے تھے اور عنقریب میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں ہوں گے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہو گا؟ آپ نے مٹھی بند کی اور فرمایا جماعت' تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۲۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان احادیث میں جس امت کے اکہتر یا بہتر فرقے بیان کیے گئے ہیں اس سے مراد امت دعوت بھی ہو سکتی ہے اور امت اجابت بھی' لیکن زیادہ تر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے۔ پھر علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے بہتر فرقے بھی گنوائے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ علامہ قرطبی ساتویں صدی ہجری کے ہیں اور اب مزید سات سو سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کئی نئے فرقے وجود میں آ چکے ہیں' اور قیامت تک نہ جانے اور کتنے فرقے وجود میں آئیں گے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ ان فرقوں کے مصداق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو معلوم ہیں' اور وہ فرقہ نجات یافتہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے سواد اعظم سے تعبیر فرمایا اور بعض احادیث میں فرمایا جو میری سنت اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہے اس کو کامل نجات ہو گی اور باقی فرقوں میں سے جن کی گمراہی کفر کی حد تک پہنچ گئی جیسے مرزائی یا شیعہ کے بعض فرقے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن فرقوں کی گمراہی کفر تک نہیں پہنچی جیسے معتزلہ اور بعض شیعہ وہ اپنی بد عقیدگی اور بد عملی کی سزا پا کر دوزخ کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

باہمی بغض' حسد اور عصبیت کی وجہ سے اختلاف کی ممانعت

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مسلمان دنیاوی امور' اغراض باطلہ' بغض' حسد اور عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف نہ رکھیں اور تفرقہ میں نہ بٹ جائیں' مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان تفرقہ کا شکار ہوئے عنان حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور یا تو وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے یا غیر قوموں کے محکوم اور غلام بن گئے' اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی لیکن آپس کے تفرقہ کی وجہ سے

عیسائیوں نے پورے اسپین کر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے رکھے اندلس سے نکل جاؤ' عیسائی ہو جاؤ' یا پھر مرنے کے لیے تیار رہو حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان نہ رہا' بغداد میں اسی تفرقہ بازی اور شیعہ سنی اختلاف کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو گئے اور ہلاکو کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت کی ایک اور تاریخ لکھی گئی' ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن جب مسلمان طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور شراب اور موسیقی میں ڈوب گئے تو انگریزوں کی غلامی ان کا مقدر بن گئی' مشرقی پاکستان میں جب مسلمان اردو اور بنگلہ کے اختلاف کا شکار ہوئے تو مشرقی پاکستان ختم ہو گیا اور اب کراچی میں مہاجر اور غیر مہاجر کا اختلاف زور پر ہے۔ اللہ جانے یہ قوم اس اختلاف سے نکل آتی ہے یا اپنی تباہ کاریوں کی ایک اور تاریخ رقم کرتی ہے' بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے اختلاف سے روکا اور منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ — اور آپس میں جھگڑا نہ کرو' ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (الانفال : ۴۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ایک دوسرے پر رحم کرنا' ایک دوسرے سے دوستی رکھنا اور ایک دوسرے پر نرمی کرنا تم دیکھو گے کہ اس کی مثال ایک جسم کی طرح ہے' جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد اور تکلیف سے بے قرار رہتا ہے اور جاگتا رہتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن' مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کے بعض اجزاء بعض کو مضبوط کرتے ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ یوم حرام ہے' آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ شہر حرام ہے' کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ ماہ حرام ہے' آپ نے فرمایا اللہ نے تم پر تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اس طرح حرام کر دیں ہیں جس طرح اس دن کی اس مہینہ میں اس شہر میں حرمت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو' اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (گناہ کبیرہ) اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فسق کی تہمت لگائے نہ کفر کی۔ ورنہ اگر وہ شخص اس کا مستحق نہ ہوا تو وہ (فسق یا کفر) کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳۔ ۸۸۹، ملتقطاً" مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بغاوت کرنے والے اور قطع رحم کرنے والے کو اخروی سزا کے باوجود جس قدر جلد دنیا میں سزا دیتا ہے کسی اور کو سزا نہیں دیتا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' اور ان دونوں دنوں میں ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جس نے شرک نہ کیا ہو مگر ان دو شخصوں کی مغفرت نہیں کی جاتی جو آپس میں عداوت رکھتے ہوں' ان کے متعلق کہا جاتا ہے ان کو مہلت دو حتی کہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس عبادت کی خبر نہ دوں جس کا نماز' روزہ اور صدقہ سے زیادہ اجر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا! کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا دو لڑے ہوئے شخصوں میں صلح کرانا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھنا جائز نہیں ہے' اور جس نے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھا اور مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر بہ آواز بلند ندا کی : اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا' مسلمانوں کو ایذاء نہ دو' ان کو عار نہ دلاؤ' ان کے عیوب نہ تلاش کرو' کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا' اللہ اس کے عیوب کو ظاہر کر دے گا' اور جس کے عیوب کو اللہ ظاہر کر دے گا اس کو رسوا کر دے گا' خواہ وہ کجاوے کے اندر چھپا ہو' حضرت ابن عمر نے ایک دن کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کس قدر عظیم ہے اور اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اندھی حمایت کے جھنڈے تلے لڑا وہ کسی عصبیت کی دعوت دیتا تھا یا عصبیت کی آگ بھڑکاتا تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷' مطبوعہ کراچی)

فسیلہ کہتی ہیں کہ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کسی شخص کا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصبیت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! لیکن عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم کے باوجود اپنی قوم کی مدد کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳ 'مطبوعہ کراچی)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا آج وہ لوگ کہاں ہیں جو میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ میں انہیں آج اپنے سائے میں رکھوں گا جس دن میرے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ میری وجہ سے باہم محبت رکھتے ہیں' جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے میری محبت واجب ہو گئی۔ (موطا امام مالک ص ۷۴۳ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

فرعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصول دین اور عقائد میں اختلاف جائز نہیں ہے اور نہ حسد اور بغض کی وجہ سے باہم اختلاف کرنا جائز ہے' البتہ مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: بنو قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھنا' راستہ میں نماز کا وقت آ گیا بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ نہ پہنچ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض صحابہ نے کہا: نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی' ہم نماز پڑھیں گے' بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۹)

بعض مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے اور حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام اس کے جواز کے قائل تھے' احرام باندھنے سے پہلے غسل کر کے خوشبو لگانے کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ناجائز کہتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو جائز کہتی تھیں' حضرت عمر فرماتے تھے کہ میت پر نوحہ کرنے سے اس میت کو عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ فرماتی تھیں یہ نوحہ کرنے والوں کا گناہ ہے اس میں میت کو عذاب کیوں ہو گا؟ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما حج تمتع کو ناجائز کہتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے' ان تمام مذکورہ اختلافات صحابہ کی مثالیں صحیح بخاری اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

نیز حافظ سیوطی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۴۸ 'مطبوعہ بیروت)

اس حدیث کو نصر المقدسی نے الحجۃ میں اور امام بیہقی نے الرسالۃ الاشعریۃ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور حلیمی قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہ نے بھی اس کو وارد کیا ہے اور شاید کہ حفاظ کی بعض کتب میں اس کی تخریج ہے جو ہم کو نہیں ملی۔

بعض چیزیں ایک امام کے نزدیک حرام ہیں اور دوسرے امام کے نزدیک حلال ہیں اس سے امت کے لیے عمل میں

وسعت پیدا ہوگئی مثلاً امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک خنزیر کے سوا تمام سمندری جانور حلال ہیں (امام شافعی کے بعض اقوال کے مطابق سمندری خنزیر بھی حلال ہے' امام مالک نے بعض اقوال میں سمندری خنزیر کے متعلق توقف کیا ہے' اور امام احمد کے نزدیک جو جانور صرف پانی میں زندہ رہتے ہوں وہ سب حلال ہیں' انہوں نے سمندری خنزیر کا استثناء نہیں کیا۔) اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں' اتفاق سے ساحلی علاقوں اور جزائر (مثلاً انڈونیشیا' ملائشیا اور مراکش وغیرہ) میں رہنے والے امام شافعی اور امام مالک کے پیروکار ہیں اور ان کے مذہب کے مطابق ان کے پیروکاروں کے لیے سمندری جانوروں سے غذا حاصل کرنا آسان ہوگیا' اور امام ابوحنیفہ کے اکثر مقلدین خشکی کے علاقوں (مثلاً برصغیر' ترکی' وسط ایشیاء کی نو آزاد ریاستیں) میں رہنے والے ہیں لہٰذا ان کے لیے سمندری جانوروں کے حرام ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرعی مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت اور وسعت کا باعث ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے' بعض میں ہے آپ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھے' بعض احادیث میں ہے آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور بعض میں ہے آپ نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کیا' اسی طرح آپ نے نماز میں آہستہ آمین بھی کہی ہے اور بلند آواز سے بھی' اور ائمہ اربعہ میں سے ہر امام نے آپ کی کسی نہ کسی حدیث پر عمل کیا ہے اگر یہ اختلاف نہ ہوتا اور یہ سب ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھتے تو آپ کے کئے ہوئے باقی اعمال متروک ہو جاتے' اس اختلاف ائمہ کے سبب آپ کا کوئی عمل متروک نہیں ہوا اور آپ کا ہر عمل کسی نہ کسی امام کا مذہب بن کر قیامت تک کے مسلمانوں کی عبادات میں محفوظ ہوگیا تو اس اختلاف کی اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت ہوگی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اوس اور خزرج پر اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی احسانات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے حصہ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی وحدت کے ساتھ متحد رہنے اور مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے اور تفرقہ نہ کرنے کی تلقین کی تھی اور آیت کے اس درمیانی حصہ میں یہ بتایا کہ وہ پہلے افتراق اور انتشار کا شکار تھے اور مختلف ٹکڑوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام عطا فرمائی اور وہ سب رشتہ اسلام میں منسلک ہوگئے اور جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے وہ الفت اور محبت کے ساتھ آپس میں بھائی بھائی ہوگئے سو اب ان کو چاہیے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اس اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یہ لوگ پہلے شرک اور بت پرستی کرتے تھے اور دنیا میں کفر کی وجہ سے قتل کیے جانے کے مستحق تھے اور آخرت میں دائمی عذاب کے سزاوار تھے۔ اب اسلام کی بدولت وہ دنیا میں قتل اور آخرت میں دائمی عذاب سے محفوظ ہوگئے بلکہ باقی دنیا اور آنے والی نسلوں کے لیے ہادی اور رہنما بن گئے۔ عرب کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے شدید عداوت چلی آرہی تھی اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کو قتل کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور جب یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی دشمنیاں ایک دوسرے کے ساتھ محبت' خیر خواہی اور تعاون میں بدل گئیں اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (الانفال : ۶۳)

اور (اللہ نے ہی) مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی' اگر آپ زمین کا سب کچھ بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی' بے شک وہ بہت غلبہ والا ہے' بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اس لیے نازل فرمائی ہیں کہ مسلمان ان سے ہدایت حاصل کریں اور ان کی ہدایت دائمی اور ترقی پذیر رہے حتی کہ وہ پھر جاہلیت اولیٰ کی طرف نہ لوٹ جائیں اور اپنے اتحاد اور جمعیت کو ٹوٹنے سے بچائے رکھیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ کوئی نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے عمل سے خود کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہ کر دیں' اس نعمت کی قدر نہ کریں اور اس نعمت کے تقاضوں پر عمل نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی' اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اس سے پہلے اس آیت کے درمیانی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انتشار اور افتراق سے نکال کر اتحاد اور اتفاق کے راستہ پر ڈال دیا اور دشمنوں کو دوستوں سے بدل دیا اور اب اس آیت کے اس آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا اخروی احسان یاد دلایا ہے کہ مسلمان دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گڑھے سے نکال کر جنت کے راستے پر لا کھڑا کیا۔

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

اور تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے جو اچھائی کی طرف بلائیں اور نیک کاموں کا حکم دیں

وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوۡنُوۡا

اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور وہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں ○ اور تم ان لوگوں

کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ

کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور انھوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود اختلاف کیا اور وہی لوگ

وَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ ۙ یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّتَسۡوَدُّ

ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض

وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ

چہرے سیاہ ہوں گے سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے

اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ○ اور جن لوگوں کے چہرے

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ

نہیں کرتا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع ۸ / ۲

اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی ○

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی دو وجہ سے مذمت فرمائی تھی ایک یہ کہ وہ خود کافر اور گمراہ ہیں اس لیے فرمایا اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو (آل عمران : ۹۸) اور دوسری اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں لہٰذا فرمایا : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے (آل عمران : ۱۰۲) اور چونکہ گمراہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت کی تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا اور تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق قرآن مجید کی مزید آیات

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ۱۱۰)

ان سب امتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم بہترین امت ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (لقمان : ۱۷)

اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات : ۹)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو اس جماعت سے جنگ کرو جو زیادتی کرے حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ : ۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل سے جنہوں نے کفر کیا وہ داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کیے گئے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی' اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے۔ یقیناً وہ بہت ہی برے کام کرتے تھے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے برائی کو دیکھا وہ اپنے ہاتھ سے برائی کو مٹائے' اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے مٹائے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے' اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی متوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سلطان یا ظالم امیر کے سامنے حق بات کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ (سنن ابوداؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں' اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس ظالم حاکم نے اسے قتل کر دیا اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جس نبی کو بھی مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا اس نبی کے اس امت میں حواری ہوتے تھے' اور اس کے اصحاب ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم پر عمل کرتے تھے' پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ آئے جو ایسی باتیں کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' سو جو ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے' اور جو ان کے ساتھ زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے' اس کے علاوہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا تم اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ جانے صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص کیسے اپنے آپ کو حقیر جانے گا؟ آپ نے فرمایا : وہ یہ گمان کرے گا کہ اس کے اوپر کلام کی گنجائش ہے پھر وہ کلام نہیں کرے گا' اللہ عزوجل قیامت کے دن اس سے فرمائے گا تمہیں میرے متعلق کس چیز نے کلام سے روکا تھا؟ وہ کہے گا لوگوں کے خوف نے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تم مجھ سے خوف کھاتے' اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا' وہ باز نہ آئے' وہ علماء ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے' اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے رہے' تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل ان جیسے کر دیئے' اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت کی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے حتی کہ وہ اپنے نفس کو اتباع حق پر لازم کر لیں' اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہ کر رہا ہو اور وہ لوگ اس کو گناہ سے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کرے گا' اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (المائدہ : ۱۰۵)

اے ایمان والو تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : جب لوگ کسی شخص کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میری امت میں ان لوگوں کو دیکھو جو ظالم کو ظالم کہنے سے ڈریں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۳۔ ۲۲۳' ملتقطاً' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

امام بزار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ تم پر تم ہی میں سے برے لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی' امام ترمذی کی روایت میں ہے : ورنہ اللہ

تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا پھر تم اللہ سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے :

اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کرے گا : جب تو نے برائی کو دیکھا تو اس کو روکنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا تھا؟ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو حجت کی تلقین کر دے گا تو وہ کہے گا : مجھے تجھ سے امید تھی اور میں لوگوں سے ڈرتا تھا۔! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۔ ۶ ' ملخصا " مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مقام پر کھڑا ہو کر حق بات کہہ سکتا ہے اس کو حق بات کہہ دینی چاہئے کیونکہ یہ (حق کہنا) اس کی موت کو مقدم کر سکتا ہے نہ اس کو اس کے لکھے ہوئے رزق سے محروم کر سکتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے نیکی کا حکم دیا نہ برائی سے روکا وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ نیکی کا حکم دینے سے تمہارا امام تمہیں قتل کر دے گا تو پھر چھوڑ دو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ فلاں شہر کو شہر والوں سمیت الٹ دو' حضرت جبرائیل نے کہا اے میرے رب ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو الٹ دو وہ بندہ میری وجہ سے ایک ساعت کے لیے بھی ناراض نہیں ہوا۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دنیاداروں سے صلح کر لی ہے ہم میں سے کوئی کسی کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور نہ برائی سے روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس حال پر نہیں چھوڑے گا' کاش مجھے علم ہوتا کہ کون سا عذاب نازل ہو گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۷۔ ۹۲' ملتقطا " مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تفصیل اور تحقیق

برائی سے روکنا اور نیکی کا حکم دینا فرض کفایہ ہے' جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو باقیوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور جب تمام لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیں تو سب گنہ گار ہوں گے' اور جس جگہ کوئی اور شخص برائی سے روکنے والا نہ ہو اور وہاں صرف ایک عالم ہو تو اس پر برائی سے روکنا فرض عین ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو' اپنی اولاد کو یا اپنے نوکر کو کوئی برا کام کرتے ہوئے دیکھے یا کسی نیکی میں تقصیر کرتا ہوا پائے تو اس کے لیے نہی عن المنکر فرض ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص خود کامل ہو تمام احکام شرعیہ پر عامل اور تمام

محرمات شرعیہ سے مجتنب ہو اور نہ ہی یہ حکام کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی علماء کے ساتھ مخصوص ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو احکام ظاہر اور مشہور ہیں مثلاً نماز' روزہ کی فرضیت' جھوٹ' قتل' زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت ان کا علم ہر مسلمان کو ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مثلاً نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے پر ٹوکے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور جو احکام شرعیہ غامض اور دقیق ہیں یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے عام لوگوں کا ان میں دخل نہیں ہے اور نہ وہ اس میں انکار کر سکتے ہیں (مثلاً روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں' ٹیلی فون پر نکاح ہوتا ہے یا نہیں' اعضاء اور قرنیہ کی پیوند کاری' انتقال خون وغیرہ) جو مسئلہ اجتہادی اور مختلف فیہ ہو' مثلاً کسی مجتہد کے نزدیک جائز اور کسی کے نزدیک ناجائز ہو اور عمل کرنے والا کسی مفتی کے فتویٰ کے مطابق عمل کر رہا ہو تو اس کو گناہ نہیں ہو گا خواہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک ناجائز ہی کیوں نہ ہو' ایسی صورت میں بھی عالم کو چاہیے کہ اس کو ٹوکے تاکہ وہ ایسی صورت پر عمل کرے جس میں کسی مجتہد کا اختلاف نہ ہو (مثلاً بیمار روزہ دار' اگر روزہ میں انجکشن لگواتا ہے تو اس روزہ کی قضا کر لے۔)

برائی سے روکنے کے لیے تادیب اور تعزیر کے مراتب

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابوبکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو' ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے' ابو امیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتی کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے' اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے' اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہیں' ان ایام میں صبر کرنا انگارے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں ایک حال وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہے' اس حال میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے' اور اس کی کئی صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلوار سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے' یا اس کا مال لوٹنے کا قصد کرے' یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے' اور اس کو یقین ہو کہ زبانی منع کرنے سے وہ باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ یا مکہ مارا) تب بھی باز نہ آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔'' اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے' اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ اور مکے مارنے سے) تو پھر

اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا یا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔ ایک آدمی کے لیے ملکی قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے' البتہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان یا مال یا عزت پر حملہ آور ہو تو وہ اپنی یا دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے مزاحمت کرے اور اگر اس مزاحمت کے دوران وہ حملہ آور اس کے ہاتھوں مارا جائے تو اس سے شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا سامان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ تم اس کا سامان چھڑا لو' اور اس آدمی کو واپس کر دو' اسی طرح امام ابوحنیفہ نے فرمایا جو چور مکانوں میں نقب لگا رہا ہو' تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں' اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات: ۹) جو جماعت زیادتی کرے اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

اسی طرح حدیث میں ہے: "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔" اس لیے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے' اور اگر وہ زبان سے منع کرنے سے باز آ جائے تو اس کو زبان سے منع کرے' یہ حکم ہر اس برائی کے لیے ہے جو علی الاعلان کی جا رہی ہو اور اس پر اصرار کیا جا رہا ہو' مثلاً کوئی شخص بھتہ اور جبری ٹیکس وصول کرے' اور جب ہاتھ سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے اور اس وقت اس پر لازم ہے کہ اس برائی سے اور ان برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب تک تمہاری بات کو قبول کیا جائے تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' اور جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو' اسی طرح حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے' خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لیے ان کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جب لوگوں کا یہ حال ہو تو پھر آپ نے برائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا۔

بغیر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے

وعظ' تقریر اور تبلیغ دین کے ذریعہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا علماء دین کا منصب ہے اور علم دین کی حسب ذیل شرائط ہیں :

(۱) عربی لغت' صرف اور نحو کا عالم ہو تاکہ عربی عبارت بغیر اعراب کے صحیح پڑھ سکے اور قرآن مجید اور احادیث کا صحیح ترجمہ کر سکے۔

(۲) قرآن مجید' احادیث' آثار صحابہ' نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت اور فقہ کا عالم ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔

(۳) مسلک حق اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے دلائل کا عالم ہو اور باطل فرقوں کے رد کی کامل مہارت رکھتا ہو۔

(۴) پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن' سنت' علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر بغیر کسی کی مدد کے نکال سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۴۳)

یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں' ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ کرنا' ان سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان کی باریکیوں اور اسرار کو سمجھنا نور الصدر علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو عالم فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا :

عرض : کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے؟

ارشاد : غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

عرض : عالم کی کیا تعریف ہے؟

ارشاد : عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۸ مطبوعہ لاہور)

کتاب سے مراد تفسیر' حدیث اور فقہ کی عربی کتابیں ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب فتاوی رضویہ سے بیان کیا جائے گا۔

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں' شیطان اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے' حدیث میں ارشاد ہوا بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔

(الملفوظ ج ۳ ص ۲۹' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بے علم واعظ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ، بر سر بازار و مسجد وغیرہ بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کر کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار، والحدیث رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما واللہ تعالٰی اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ اگر بے علم اپنے آپ کو مولوی کہلوائے (آج کل تو بے علم، ناخواندہ، اور بے سند یافتہ اپنے آپ کو علامہ کہلواتے ہیں!) اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرے اس کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالٰی ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی ○ اللہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اوس نے تمہیں زمین سے اوٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے۔ اور فرماتا ہے الم تر الی الذین یزکون انفسھم بل اللہ یزکی من یشاء کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال انا عالم فھو جاھل جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ بسند حسن، ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا تھا انی حفیظ علیم ○ پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عز و جل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم ○ ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول یفرحون باضلالھم الناس وبنسبۃ الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم خوش ہوتے ہیں، لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہو گی یا نبی ﷺ کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو

ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور فرماتے ہیں ﷺ افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالٰی عنہما دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۹۶۔ ۹۵، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز بے علم کے فتویٰ دینے اور علماء کی توہین کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں :

الجواب : سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہو تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولٰئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم○ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں ثلثۃ لا یستخف بحقھم الا منافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبۃ فی الاسلام وامام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل، تحصیل زر کے لیے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

(فتاویٰ رضویہ ۱۰/۲ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

الجواب : (۱) اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بیعت کی شرائط کے متعلق فرماتے ہیں :

بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہو گی- اول سنی صحیح العقیدہ ہو' کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے- ثالثاً" اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو' رابعاً" فاسق معلن نہ ہو- (الملفوظ ص ۵۲۳' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں :

قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امربالمعروف اور نہی المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کرلیں تو پھر باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے' اور اس فرض کی ادائیگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ایک فرض کو ترک کردے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی- اس طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ رکے تو اس سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی' انہوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کرلیں حتی کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کرلیا ہو اور تمام برائیوں سے بچیں حتی کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لیے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو' خواہ تم نے نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکتے ہو- نبی ﷺ نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کو باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے مساوی قرار دیا ہے' جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں ہوتا' اسی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا-

ہتھیاروں سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا کہ باغی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے انہوں نے کہا جب امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے' حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتی کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے-

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے' البتہ سلطان کا غیر اگر برائی کرے' اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے- یہ لوگ بدترین امت ہیں- امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے- اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا

اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کروا دیا گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۔ ۳۰ ملخصاً" مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے' نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے مداہنت (بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کے لیے نہی عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے' اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔

امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملائمت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ موثر ہو' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی' اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے' اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں۔ مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں' زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الٰہیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور عوام کو چاہیے کہ وہ ہر برائی کو دل سے برا جانیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو' اس کو حسب مقدور مٹانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود اختلاف کیا اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے' سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے○ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا○ (آل عمران : ۱۰۸۔۱۰۵)

بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا جو پہلے ایک متحد جماعت تھے اور بعد میں بہت سے فرقوں میں بٹ گئے' حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے جو ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتے اگر وہ ان کی

اتباع کر لیتے' اور اس تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تھا' اس وجہ سے وہ دنیا اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق ہو گئے' دنیا میں عذاب یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خوف میں مبتلا تھے اور مختلف جنگوں میں ان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا ہوتا تھا' اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے' اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے :

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کی تھی' یقیناً وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

(المائدہ : ۷۹-۷۸)

کفار پر یہ وعید اس لیے کی گئی ہے کہ وہ دین کے اصول اور عقائد میں اختلاف کرتے تھے' اور اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق عقائد کو ڈھال لیتے تھے' لیکن فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف پر یہ وعید نہیں ہے جیسے ائمہ اربعہ کے فروعی مسائل میں مختلف مذاہب ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے متعدد معانی ہوتے ہیں' جیسے قرء کے معنی حیض اور طہر ہے' اور نبی ﷺ سے عبادت کے مختلف طریقے مروی ہوتے ہیں جیسے آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین کیا اور اس کو ترک بھی کیا' اسی طرح قرات خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ' اور احادیث کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوتا ہے' راویوں کے ضعف اور قوت کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے اس لیے ایک حدیث ایک امام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور دوسرے امام کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی' مثلاً ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہاء احناف کے نزدیک اپنے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا ابوعبیدہ کی اپنے والد سے روایت احناف کے نزدیک متصل اور مقبول ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی' سو اس طرح آیات کے معانی' نبی ﷺ کے افعال اور ثبوت روایات میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فروعی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جائز اور رحمت کا سبب ہے' اور اس میں ان کے لیے وسعت اور آسانی ہے اور بنو اسرائیل کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا وہ دین کے اصول اور عقائد میں اپنی نفسانیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے' سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ۝ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(آل عمران : ۱۰۷-۱۰۶)

اس آیت سے پہلی آیت میں کفار اہل کتاب کو عذاب کی وعید سنائی تھی اس آیت میں اس عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے' کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے چہرے سفید' روشن اور مسرور ہوں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے :

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے

ہوئے۔ (القیامہ : ۲۳-۲۲)

کفار پر عذاب کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے انعام و اکرام کا بیان فرمایا کیونکہ کسی شخص کے دشمنوں پر انعام بھی اس شخص کے حق میں عذاب کا موجب ہوتا ہے' پھر ان پر صراحۃً عذاب کا بیان فرمایا۔

قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کی وہ علامات جن سے وہ پہچان لیے جائیں گے

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (القیامہ : ۲۵-۲۴)

اور کتنے ہی چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس : ۴۲-۳۸)

اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش ہوں گے اور کئی چہرے اس دن خاک آلود ہوں گے' ان پر سیاہی چھائی ہو گی' وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

نیز فرمایا :

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یونس : ۲۷-۲۶)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ' اور ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی نہ ذلت' وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کیے تو برائی کی سزا اسی کی مثل ہوگی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی' انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہو گا' گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیں گے وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے میدان حشر میں کفار کی علامتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا :

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝ (الرحمٰن : ۴۱)

اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔــمَةِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔــمَةِ ۝ (الواقعہ : ۹-۸)

تو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے' اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے ۝

حوض پر وارد ہونے والے مرتدین کے متعلق علم رسالت اور بحث و نظر

ان آیات سے معلوم ہوا کہ میدان حشر میں کفار کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوں گے ان کو ذلت اور رسوائی نے گھیرا ہوا ہو گا' اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہو گا' اور اس کے برخلاف مومنوں کے چہرے سفید' روشن' تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہو گا اور ان علامات کی وجہ سے کفار پہچانے جائیں گے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں ہے اور ان علامات سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ کون مومن

ہے اور کون کافر ہے' لیکن حیرت ہے کہ شیخ تھانوی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن بھی نبی ﷺ کو بعض مرتدین کے متعلق یہ علم نہ تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں' شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں :

حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت میں حضور اقدس ﷺ سے کہا جائے گا انک لا تدری ما احدثوا بعدک (آپ ازخود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا تبدیلیاں کیں) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمنہ تک بھی کہ آخر عمر سے بہت متاخر ہے آپ پر بعض کونیات ظاہر نہیں ہوئے نہ بالذات نہ بالعطاء کیونکہ بالعطاء کے بعد آپ ان کو نہ بلاتے صریح اس اطلاع کے بعد "سحقا" سحقا فرمادیا۔

(حفظ الایمان ص ۱۷' مکتبہ تھانوی کراچی)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت حوض پر آئے گی اور میں اس وقت دوسرے لوگوں کو حوض سے روک رہا ہوں گا' جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے پرائے اونٹوں کو دور کرتا ہے' صحابہ نے پوچھا یا نبی اللہ! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں کیونکہ تمہاری ایک ایسی نشانی ہو گی جو کسی امت میں نہیں ہو گی' تم جس وقت میرے پاس حوض پر آؤ گے تو تمہارا چہرہ اور ہاتھ پیر آثار وضوء کی وجہ سے سفید اور چمکدار ہوں گے' اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے' میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے صحابہ ہیں پھر مجھے ایک فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں نئی نئی باتیں نکالی تھیں۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے وصال کے بعد اپنا دین بدل لیا تھا) پھر میں کہوں گا دور ہو جاؤ' دور ہو جاؤ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

بعض لوگ نبی ﷺ کے علم کلی کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی پر استدلال کرتے ہین وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی ہوتا تو آپ حوض پر آنے والے ان مرتدین کو اصیحابی نہ فرماتے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا انہیں اصیحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہو گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصیحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا محذوف ہو' یعنی کیا یہ میرے اصحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ' اعمال نامے بائیں ہاتھ میں' آنکھیں نیلی' چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں۔ یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے اصحاب کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شاداب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے' ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو گا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ علم نہ ہو کہ کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو آپ کو علم تھا کہ کون ایمان پر قائم رہا اور کون مرتد ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرما رہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے آپ نے دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا

اظہار فرمادیا ہے۔
شیخ شبیر احمد عثمانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :
امام بزار نے سند جید کے ساتھ اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔
میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں' سو جو اچھے اعمال ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے اعمال ہوں میں ان پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔
اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ حوض پر آنے والے یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ بعض دیگر علماء کے جوابات نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق لکھتے ہیں :
میں کہتا ہوں کہ مسند بزار کی حدیث کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد سے وہ شخص امت اجابت سے خارج ہو جاتا ہے' پس ہو سکتا ہے کہ اس کے اعمال آپ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں' نیز اس حدیث میں ہے جو اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ اچھے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں یا وہ برے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ استغفار کرتے ہیں اور ارتداد لائق حمد ہے نہ لائق استغفار۔
(فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳۔ ۴۱۲' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)
شیخ عثمانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو ان لوگوں کے مرتد ہونے کا علم نہیں ہوا اس لیے آپ نے ان کو میدان محشر میں نہیں پہچانا' اور ان کو اپنا صحابی گمان فرمایا' ہمارے نزدیک شیخ عثمانی کا کلام صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو اعمال لائق استغفار ہوں میں ان پر استغفار کرتا ہوں اور جو لائق استغفار نہ ہوں آپ ان پر استغفار نہیں کرتے اور ارتداد لائق استغفار نہیں ہے لیکن اس کا لائق استغفار نہ ہونا اس عمل کے پیش کیے جانے کے منافی نہیں ہے۔
باقی رہا شیخ عثمانی کا یہ کہنا کہ آپ پر آپ کی امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ ارتداد کے بعد وہ آپ کی امت سے خارج ہوا ہے' اس لیے ارتداد کے بعد اس کے اعمال پیش نہیں کیے جائیں گے لیکن ارتداد سے پہلے تو وہ آپ کی امت میں تھا اور جب اس نے ارتداد کا برا عمل کیا تو وہ آپ پر پیش کیا گیا کہ آپ کے فلاں امتی نے یہ برا عمل کیا ہے اس کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا۔ نیز کسی چیز کا علم اس کی ضد کے علم کو مستلزم ہوتا ہے' مثلاً دن کا علم رات کے علم کو مستلزم ہے کہ جو وقت دن کی طرح نہیں ہو گا وہ رات ہو گا' اسی طرح اسلام کا علم کفر کے علم کو مستلزم ہے کہ جو عقیدہ اسلام کی طرح نہیں ہو گا وہ کفر ہو گا' تو جب نبی ﷺ کو آپ کی تمام امت دکھا دی گئی تو آپ نے جان لیا کہ جو لوگ آپ کو نہیں دکھائے گئے وہ آپ کی امت نہیں ہیں تو جب شیخ عثمانی کے بہ قول یہ مرتدین آپ پر پیش نہیں کیے گئے اور ان کے اعمال آپ کو نہیں دکھائے گئے تو آپ نے جان لیا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں اور آپ کو ان کا علم ہو گیا' رہا یہ کہ پھر آپ نے ان کو اصیحابی کیوں فرمایا تو اس کا یہی جواب ہے کہ آپ کا یہ فرمانا یا تو بطور استفہام تھا یا ان میں مزید حسرت' افسوس اور عذاب واقع کرنے کے لیے تھا۔ اس حدیث کی بناء پر بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کلی پر جو اعتراض کرتے ہیں اس کے مزید جوابات اور سیر

حاصل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں ذکر کر دی ہے اس لیے اس بحث کو وہاں ضرور دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی۔ (آل عمران : ۱۰۹)

عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا' اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے' وہ اس کا ظلم نہیں ہے' بلکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو اٹھا کر جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہو گا کیونکہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے' لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرمالیا ہے اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور برے لوگوں کو عذاب دینا اس کا عدل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں! ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' لیکن تم درست کام کرتے رہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

یعنی اعمال بحسب الذات نجات اور ثواب کا تقاضا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اعمال صالحہ کو ثواب کی علامت بنا دیا ہے' نیز تمام انسان اور ان کے اعمال اللہ کے پیدا کرنے سے ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے' اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ — اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل : ۳۲)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے سبب سے نجات ہو گی اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی مجمل ہے اور حدیث نے اس کی تفسیر کر دی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے جو تم نے نیک عمل کیے اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ نہ یہ کہ تم محض ان اعمال کی وجہ سے دخول جنت کے مستحق ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول نیک اعمال کی وجہ سے ہے لیکن نیک اعمال کی ہدایت دینا اور ان کا قبول فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے دخول کے دو سبب ہیں ایک صورۃ" اور دوسرا حقیقۃ" صورۃ" سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقۃ" سبب اللہ کا فضل ہے' اس آیت میں سبب صوری بیان فرمایا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی بیان فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم ان سب میں بہترین امت ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تو ان کے حق میں بہتر تھا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں ○

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف

وہ تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○ وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق

مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ

کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے،

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○

ربط آیات، مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ

جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی پر رہنے دے' پھر اس امت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو جبلۃً "وفطرۃً" سب سے بہتر بنایا کیونکہ تم تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت دیتے ہو اور ان کو برائی سے روکتے ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرح سرکش اور نافرمان نہ ہو جانا' پھر ان کو نیکی اور اطاعت شعاری پر برانگیختہ کرنے کے لیے آخرت میں مومنوں کی سرخ روئی اور ان کے درجات کو بیان فرمایا اور کافروں کی روسیاہی اور ان کے عذاب کو بیان فرمایا' اور اب ایک اور طریقہ سے مومنوں کو نیکی اور اطاعت شعاری کی ترغیب دی ہے اس لیے فرمایا تم بہترین امت ہو یعنی تم لوح محفوظ میں سب سے بہتر اور سب سے افضل امت ہو اس لیے مناسب یہ ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو اور اپنی اس سیرت محمودہ کو زائل نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں امت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں اور جو مسلمان ان کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو تم نے ستر امتوں کو پورا کردیا تم ان کے آخر میں ہو اور تم اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہو۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو پورا کردیں گے ہم ستر امتوں میں سب سے آخر میں ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۳۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اس وقت تمام امتوں سے افضل ہے' اور جب تک یہ امت نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور برائی سے روکتی رہے گی اور اللہ پر صحیح' صادق اور کامل ایمان رکھے گی اس وقت تک یہ امت تمام امتوں سے افضل ہی رہے گی' اس آیت میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ایمان پر مقدم کیا ہے' اس لیے کہ ان ہی دو وصفوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دوسروں پر فضیلت ہے' کیونکہ ایمان کا تو دوسری امتیں بھی دعویٰ کرتی ہیں لیکن دوسری امتوں نے ایمان کی حقیقت کو بگاڑ دیا تھا اور ان میں شر اور فساد غالب آچکا تھا' اس لیے ان کا ایمان صحیح نہیں تھا' اور وہ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

صحیح' صادق اور کامل ایمان کا معیار

اللہ تعالیٰ نے جس صحیح' صادق اور کامل ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس کا معیار اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔

(الحجرات : ۱۵)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال : ۲)

ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں' اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کریں۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا تب صحیح ہو گا جب ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً آسمانی کتابوں پر' فرشتوں پر' تمام نبیوں پر' تقدیر پر' مرنے کے بعد اٹھنے پر' حساب و کتاب پر اور جزاء اور سزا پر' اور جو شخص ان میں سے بعض پر ایمان لایا اور بعض پر ایمان نہیں لایا تو اس کا ایمان صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ (النساء : ۱۵۱-۱۵۰)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی کا ارادہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے اور وہ کفر اور ایمان کا درمیانی راستہ بنانے کا ارادہ کرتے ہیں' درحقیقت وہی لوگ کافر ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا' ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے اور قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے اور سیدنا محمد ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کو مان لیا تو ان کی ریاست جاتی رہے گی' اور یہودی عوام جو ان کی اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور دنیاوی مال اور نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے حالانکہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو دنیا میں بھی ان کی عزت و کرامت زیادہ ہوتی اور وہ آخرت میں بھی اجر عظیم کے مستحق ہوتے۔

یہ ایمان صحیح کا معیار ہے اور ایمان صادق کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کو بے دریغ خرچ کریں' تاکہ ان کا دعویٰ ایمان صادق ہو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ وہ اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی!

اور ایمان کامل کا یہ معیار ہے کہ تمام فرائض اور واجبات کو دوام اور التزام کے ساتھ ادا کیا جائے اور کسی فرض اور واجب کو ترک نہ کیا جائے اور حتی الامکان تمام سنن اور مستحبات کو ادا کیا جائے' اور کسی حرام اور مکروہ تحریمی کا کبھی بھی ارتکاب نہ کیا جائے اور ہر قسم کے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کاموں سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے' اور اگر تقاضائے بشریت سے کبھی کوئی فرض یا واجب رہ جائے تو فوراً اس کی قضا کر لی جائے اور اگر غلبہ نفسانیت سے کبھی کسی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لی جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کی طرف لکھا کہ ایمان کے فرائض اور شرائع ہیں اور حدود اور سنن ہیں جس نے ان کو مکمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس کا ایمان کامل نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو گا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی زانی زنا کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا، اور کوئی چور چوری کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا، اور کوئی شرابی شراب پیتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور کوئی لٹیرا لوٹ مار کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱۔ ۵۵ ملتقطاً، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر خطبہ میں یہ فرماتے تھے جو شخص امانت دار نہ ہو وہ (کامل) مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا دین (کامل) نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بہت طعنے دیتا ہو بہت لعنت کرتا ہو، بدزبانی اور بے حیائی کی باتیں کرتا ہو وہ (کامل) مومن نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۷۔ ۹۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص (کامل) مومن نہیں ہے جو رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان یہ ہے کہ ان تمام امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا ضروری ہے، اور صادق ایمان یہ ہے کہ اس کے دل میں اس کے خلاف شک نہ آئے، وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال کو بے دریغ خرچ کرے۔ اور کامل ایمان یہ ہے کہ تمام فرائض اور واجبات پر دائماً عمل کرے اور سنن اور مستحبات پر بھی عامل ہو اور ہر حرام اور مکروہ تحریمی سے دائماً مجتنب ہو اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے بچتا رہے، اور اس درجہ کے ساتھ جو مسلمان

بھی نیکی کا حکم دیتے رہیں گے اور برائی سے روکتے رہیں گے وہ تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے مصداق ہیں۔

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں' مومنوں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایسے لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ فاسق کا معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے مراد مرتکب کبیرہ ہیں' اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود میں ایسے لوگ تھے جو کافر ہونے کے علاوہ دینی اور دنیاوی معاملات میں بدعمل اور بداخلاق بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے' اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۱۱)

مدینہ کے یہودیوں کی ذلت اور خواری کا بیان

''اذی'' کا معنی دکھ اور تکلیف ہیں' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کا ذکر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء" ان کے مختلف قبائل سے جو معاہدے کیے تھے وہ ان کی عہد شکنیوں اور شرارتوں کی وجہ سے ختم کر دیئے گئے اور بعد میں یہ اپنی ریشہ دوانیوں اور جرائم کی سزا میں قتل کر دیئے گئے یا جلاوطن کر دیئے گئے' اور دوسرے قبائل سے جو انہوں نے معاہدے کر رکھے تھے وہ قبائل بھی آہستہ آہستہ اسلام کے زیر اثر آ گئے' سو وہ معاہدے بھی عملاً" بے اثر ہو کر رہ گئے اور جس درخت کی تمام جڑیں کٹ چکی ہوں وہ محض تنے کے سہارے کب تک کھڑا رہ سکتا ہے' اس آیت میں مدینہ کے یہودیوں کی اسی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اب ان کی جڑ کٹ چکی ہے اور ان کے اندر اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تم کو اپنی زبانوں سے کچھ دکھ اور تکلیف پہنچائیں۔ مسلمانوں کو طعن و تشنیع کریں ان کے خلاف افتراء پردازی اور تہمت تراشی کریں یا کلمات کفریہ کہیں مثلاً یہ کہ عزیر ابن اللہ ہیں' یا تورات کی عبارات میں تحریف کریں' یا کمزور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالیں' اس سے زیادہ مسلمانوں کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچانے کی سکت اب ان میں نہیں رہی' اور بالفرض یہ اگر کسی مقابلہ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے تو پیٹھ دکھائیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کسی طرف سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی۔
(آل عمران : ۱۱۲)

مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سہارے کے بغیر یہودی ریاست قائم نہیں کر سکتے

یہودیوں پر اس طرح ذلت لازم کر دی گئی ہے کہ وہ کرہ ارض پر ہر خطہ میں ذلیل و خوار ہیں' اور اپنے زور بازو سے انہیں کہیں پر بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ کہیں مسلمانوں نے ان کو امان دے دی اور کہیں غیر مسلموں نے ان کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا' اس زمانہ میں انگلینڈ' امریکہ اور روس نے باہمی اشتراک سے فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی ہے اور آج کل امریکہ ان کا پشت پناہ ہے' یہ صرف اپنی انفرادی قوت سے کہیں حکومت قائم نہیں کر سکے' ان کا ایٹمی قوت بننا بھی امریکی مدد کی وجہ سے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ ذلت' غضب الٰہی اور مسکینی مسلط کیے جانے کے مستحق اس لیے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے تھے' اور اللہ کی آیتوں کا انکار اور انبیاء علیہم السلام کا قتل یہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے ہیں' اس آیت سے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جن لوگوں پر ہر جگہ خدا کی مار اور لعنت پڑ رہی ہے وہ تمہارا کیا بگاڑ سکیں گے اور جو لوگ غیروں کے سہارے کے بغیر اپنی حکومت قائم نہیں کر سکتے وہ تمہاری حکومت کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ اطمینان اور تسلی اور یہودیوں پر غلبہ کی بشارت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار رہیں اور جب مسلمان اجتماعی طور پر دینی اقدار سے منحرف ہو جائیں' اسلامی اقدار پر عمل کرنا ان کے لیے باعث ننگ اور عار ہو (سو آج کے ماڈرن معاشرہ میں کسی مسلمان نوجوان کا ڈاڑھی رکھ لینا' ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا اور سر پر عمامہ باندھنا اسی طرح اس طبقہ میں باعث ملامت ہے اور عورتوں کا برقعہ پہننا' نامحرموں سے پردہ کرنا اور گھر کی چار دیواری میں رہنا اس ترقی یافتہ مہذب معاشرہ میں گنوار پن کی علامت سمجھا جاتا ہے) اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانا ان کے لیے فخر کا باعث ہو' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور دیگر اسلامی احکام ان کو بوجھ معلوم ہونے لگیں تو پھر ان مسلمانوں کا ان لعنتی اور مغضوب یہودیوں کے ہاتھوں مسلسل شکست کھانا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ

وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ قیام کرتا ہے رات کے اوقات میں اللہ کی

اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور وہ سجدہ کرتے ہیں ○ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں

وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا

اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکوں میں سے ہیں ○ اور وہ جو

يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

بھی نیک کام کرتے ہیں ان کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے ○

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی مذمت فرمائی تھی اب اس کے مقابلہ میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی مدح فرما رہا ہے' امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا' جب عبداللہ بن سلام' ثعلبہ بن سعید' اسید بن سعید' اسد بن عبید اور دیگر یہودی اسلام لے آئے' انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام میں رغبت کی اور قبول اسلام کے بعد اسلام کی راہ میں مال خرچ کیا تو علماء یہود اور ان میں سے دیگر کفار نے کہا جو لوگ (سیدنا) محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہیں اور ان کی پیروی کر رہے ہیں وہ ہم میں بہت برے لوگ تھے' اگر وہ نیک لوگ ہوتے تو اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک نہ کرتے' اس کے علاوہ ان کی مذمت میں اور باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح سرائی میں یہ آیات نازل فرمائیں اور ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی صفات کی تفصیل اور تحقیق

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اوصاف بیان کیے ہیں' آیات سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر فاسقوں کے احوال بیان فرمائے اور ان کا انجام بیان فرمایا' اور ان آیات میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے احوال اور ان کی صفات بیان فرمائیں۔ اگرچہ اسلام میں داخل ہونے والے اہل کتاب بہت کم تعداد میں تھے۔

مومنین اہل کتاب کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ قائم ہیں' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز میں قیام کرتے ہیں اور نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا — اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۴)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ گروہ دین حق پر قائم ہے اور ثابت قدم ہے اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوششیں ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کرتیں۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سجدہ میں بھی خضوع اور خشوع سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' لیکن سجدہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا منع ہے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور' ۱۴۰۵ھ)

یہ ممانعت قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے ہے کیونکہ رکوع اور سجود انتہائی ذلت کی حالت ہے اس لیے اس حال میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

"اور وہ سجدہ کرتے ہیں" یہ ان کی الگ اور مستقل صفت ہے اور پہلی صفت کی قید نہیں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے

کہ وہ نماز میں کبھی قیام کرتے ہیں اور کبھی سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا جاتا ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات کے وقت نماز میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس آیت میں یہودیوں کی تعریف ہے کیونکہ یہودی بھی تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور رات کو اٹھ کر تورات کی تلاوت کرتے تھے' سو اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہاں رسول پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تب صحیح ہو گا جب اس کی تمام آیتوں پر ایمان لایا جائے اور تمام آیتوں میں یہ آیت بھی ہے:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۵)

سب ایمان لائے اللہ پر' اس کے سب فرشتوں پر اس کی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے کہ) ہم ایمان لانے میں اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اور بالخصوص سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کے متعلق فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: ۱۵۷)

جو لوگ اتباع کرتے ہیں اس رسول' نبی' امی کی جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور یہود تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا حضرت عیسیٰ کی رسالت پر ایمان نہ تھا اور بالخصوص وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اس لیے ان کا اللہ کی تمام آیتوں پر ایمان نہ ہوا' اور جب اللہ کی آیتوں پر ایمان نہ ہوا تو اللہ پر ایمان نہ ہوا' لہٰذا اس میں ایمان والوں کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں' اس سے یہودی مراد نہیں ہو سکتے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' انسان کا پہلا کمال یہ ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں اور اس کے اعمال صالح ہوں' اور دوسرا کمال یہ ہے کہ وہ خود کامل ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کامل بنائے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

سو انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کامل ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کامل بنائے اور یہ فریضہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے ادا ہو گا' بعض علماء نے کہا ہے کہ نیکی کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم دیں' اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک بنانے اور آپ کی رسالت کے انکار سے روکیں' لیکن تحقیق یہ ہے کہ امر بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ تمام عقائد صحیحہ کے ماننے کا حکم دیا جائے اور تمام فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات پر حسب مراتب عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور تمام محرمات' مکروہات تحریمہ' تنزیہہ اور خلاف اولیٰ کاموں سے حسب مراتب منع کیا جائے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں' یعنی ہر نیک کام کو اس کے وقت پر کر لیتے ہیں اور فرائض اور واجبات کو فوت ہونے سے پہلے ادا کر لیتے ہیں' اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کاموں کو خوشی اور سعادت سمجھ کر کرتے ہیں' بوجھ اور بیگار سمجھ کر نہیں کرتے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عجلت سے کام کرنا تو ممنوع ہے' امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے' اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ سرعت اور عجلت میں فرق ہے' سرعت کا معنی ہے جس کام کو پہلے کرنا چاہیے اس کو پہلے کیا جائے اور عجلت کا معنی ہے جس کام کو موخر کرنا چاہیے اس کو مقدم کر دیا جائے' نیز یہاں سرعت سے مراد یہ ہے کہ دین کے کاموں کو انتہائی خوش دلی اور رغبت سے کیا جائے۔

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی: کہ وہ لوگ صالحین میں سے ہیں' یہ بہت عظیم صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا صالحیت کے وصف کے ساتھ ذکر کیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ (الانعام: ۸۵) — اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (یہ) سب صالحین میں سے ہیں۔

اور ساتویں صفت یہ بیان فرمائی: اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا سے ہرگز محروم نہیں کیا جائے گا' کفر کا معنی ہے چھپا لینا اور کسی شخص کی نیکی کی جزا نہ دینا اس کو چھپانے کے مترادف ہے' اس لیے یہاں انہیں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی جزاء دینے کو شکر فرماتا ہے۔ فان اللہ شاکر علیم (البقرہ: ۱۵۸) اس اعتبار سے اس آیت میں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ اور اس کی دلیل یہ فرمائی کہ اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اور چونکہ وہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اس لیے ان کے نیک کاموں پر ان کو اچھی جزا سے محروم نہیں فرمائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾

وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ

وہ جس چیز کو دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح

فِيهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

ہے جس میں (جلا ڈالنے والی) سخت سردی ہو، جو ان لوگوں کی کھیتیوں پر پہنچے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پھر

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

وہ ہوا اس کھیت کو جلا ڈالے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ○

آخرت میں کفار کے اعمال کا ضائع ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان فرمائی تھیں۔ اور اب ان آیتوں میں ان کے مقابلہ میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے۔ سو ان آیتوں میں کفار پر وعید بیان کی ہے اور ان کی آرزوؤں کا انقطاع بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے خیال میں دنیا میں جو کچھ بھی نیکی کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں وہ سب رائیگاں جائے گا اور ان سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دور نہیں کر سکے گا۔

یہود' منافقین اور مشرکین نبی ﷺ کی عداوت میں آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے مال خرچ کرتے تھے اور اپنے اس خرچ پر خوش ہوتے تھے اور فخر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے' مال اور اولاد کا بالخصوص ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان اپنی جان بچانے کے لیے کبھی مال کا فدیہ دیتا ہے اور کبھی اولاد کے ذریعہ اپنے آپ کو دکھ اور آزار سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کسی شخص کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے' فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعراء: ۹۱) — جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (آل عمران: ۹۱) — سو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا (بھی) ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ اسے فدیہ میں دے۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى (سبا: ۳۷) — تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تم کو ہم سے قریب کر دیں۔

کفار اپنے اموال کو دنیا کی اغراض باطلہ اور دنیاوی لذتوں کے لیے خرچ کرتے ہیں' اور اگر وہ مال کو غریبوں کی مدد کے لیے اور نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے' سنانے' اس پر تعریف چاہنے' شہرت اور فخر کے لیے خرچ کرتے ہیں' اللہ کے لیے خرچ نہیں کرتے اور اگر اللہ کے لیے خرچ کرتے تو اس کی پہلی شرط اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہے' لیکن وہ زیادہ تر اپنے اموال کو اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے اور سیدنا محمد ﷺ کی اتباع سے منع کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور آپ کی عداوت اور آپ کی مخالفت میں اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ کفار جو اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ظالموں کے کھیت پر سخت سرد جلا دینے والی ہوا پہنچے اور اس کھیت کو جلا ڈالے' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ — اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جو بھی نیک عمل کیے' ہم ان

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان : ۲۳) کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں (فضا میں) بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍۢ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا (النور : ۳۹) کافروں کے اعمال زمین میں چمکتے ہوئے ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے‘ حتی کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کے سبب ان کے کھیتوں کو جلا ڈالتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کے اعمال کو برباد اور رائیگاں کردے گا۔ اور ان کے اعمال کو قبول نہ فرمانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی سزا دی ہے‘ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایمان کے ساتھ ایسے اعمال کرکے نہ لائے جنہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمادیا ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں فرماتا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةًۚ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (النحل : ۹۷) جس مرد یا عورت نے نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے بہترین کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور واضح فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا‘ اور ان کے تمام اعمال آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے‘ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر سلامت رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا

اے ایمان والو ! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں

یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ

چھوڑیں گے انھیں وہی چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف پہنچے ، ان کی باتوں سے دشمنی تو ظاہر ہو چکی ہے

اَفْوَاهِهِمْۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ

اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے اگر تم عقل سے کام لیتے ہو

الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا

تو ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو بیان کر دیا ہے ○ سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت

يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

نہیں کرتے اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو ، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ

کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں ۔ آپ کہیے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ بیشک اللہ دل کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ اگر تمہیں

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا

کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش

بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بیشک

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع — ۱۲ ع ۱۱ ۳

اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ○

کفار کو رازدار بنانے کی ممانعت اور اس کی حکمتیں

"بطانہ" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان نے کپڑوں کے نیچے پہنا ہوتا ہے جو اس کے باطن سے ملا ہوتا ہے جیسے بنیان' اور چونکہ انسان کا گہرا دوست بھی اس کے تمام باطنی اوصاف اور خصائل پر مطلع ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی بطانہ کہتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی فتنہ انگیزیوں' رسول اللہ ﷺ سے ان کی عداوت اور مسلمانوں سے ان کی مخالفت کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا' لیکن اس کے باوجود مسلمان ان سے اپنی رضاعت کے رشتوں یا ان کو اپنا حلیف بنانے کی وجہ سے ان کے ساتھ دوستی رکھتے تھے' اور ان کو اپنے راز کی باتیں بتا دیتے تھے' ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ کفار کو اپنا رازدار نہ بنائیں ورنہ وہ ان کے رازوں پر مطلع ہو کر مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں جن کو رازدار بنانے سے منع فرمایا ہے اس کا مصداق کون ہیں' بعض مفسرین نے کہا اس کے مصداق یہود ہیں' بعض نے کہا اس کا مصداق منافقین ہیں اور بعض نے کہا اس کا مصداق تمام کفار ہیں۔

جن مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ کرتے تھے' اور ان کے رضاعی رشتوں اور حلیف ہونے کی وجہ سے یہ گمان کرتے تھے کہ ہرچند کہ یہودی دین میں ان کے مخالف ہیں لیکن دنیاوی معاملات اور معاشرتی امور میں ان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بعض مسلمان یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے پڑوسی تھے' یا زمانہ جاہلیت میں وہ ان کے حلیف بن چکے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور یہودیوں کو رازدار بنانے سے منع فرمایا اور ان کے فتنوں سے ڈرایا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں منافقین کے ساتھ رازداری کے تعلقات رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ مسلمان منافقوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھا جاتے تھے' مسلمان ان کو ان کے دعویٰ ایمان میں صادق گمان کرتے تھے اور وہ مسلمانوں سے ان کے راز کی باتیں سن کر ان کے دشمنوں تک پہنچا دیتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کے ساتھ اخوت اور محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے' ربیع نے کہا اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے ساتھ ملنے جلنے سے منع فرمایا ہے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقاً" مشرکین کے ساتھ محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ: ۱)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا ہے، جو تمہارے پاس آچکا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو اور نہ اپنی انگشتریوں میں کسی عربی کا نام نقش کراؤ۔ حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی مشرکین سے اپنے امور میں مشورہ نہ لو اور اپنی انگشتریوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نقش نہ کراؤ۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان آیات میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ کفار کو تحفہ اور ہدیہ وغیرہ دیں اور ایک دوسرے کی دعوتیں کریں اور اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں ان سے مشورہ کریں' کیونکہ کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے معاملات بگاڑنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں' اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو مصائب اور آلام پہنچیں اور ان کی دنیا اور آخرت تباہ ہو جائے' وہ جب مسلمانوں سے باتیں کرتے ہیں اس وقت

بھی ان کی باتوں سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے چہرے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں' وہ مسلمانوں کی کتاب اور ان کے نبی کے مکذب ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کینہ اور بغض بھرا ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے' اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران : ۱۱۹)

مسلمانوں کے کافروں سے محبت کرنے اور ان کے محبت نہ کرنے کے محامل

مسلمان ان سے کونسی محبت کرتے تھے اور وہ ان سے کونسی محبت نہیں کرتے تھے اس کے حسب ذیل محامل بیان کیے گئے ہیں :

(۱) مسلمان یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں' کیونکہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی دولت اسلام ہے' اور یہ ان کی محبت تھی' اور یہودی یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلام پر قائم نہ رہیں تاکہ وہ دین اور دنیا میں ہلاک ہو جائیں اور یہ ان کا محبت نہ کرنا تھا۔

(۲) مسلمان اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۳) چونکہ منافقین نے بہ ظاہر اسلام قبول کر لیا تھا' اس لیے مسلمان ان سے محبت کرتے تھے اور چونکہ ان کے دلوں میں کفر تھا اس لیے وہ مسلمانوں سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۴) مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہوں اس کے برخلاف وہ مسلمانوں کی بربادی اور تباہی چاہتے تھے۔

(۵) مسلمان ان کو اپنے راز بتا دیتے تھے جب کہ وہ مسلمانوں کو اپنے راز نہیں بتاتے تھے اس کے برعکس مسلمانوں کے راز افشاء کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں' آپ کہئے کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ' بے شک اللہ دل کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۱۹)

مسلمانوں کے خلاف کافروں کے غیظ و غضب کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف شدید غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں' اور جب انسان بہت زیادہ غصہ میں ہوتا ہے تو دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتا ہے۔ یہاں انگلیاں کاٹنے سے مراد ان کے انتہائی غیظ و غضب کا بیان ہے' خواہ وہ انگلیاں کاٹیں یا نہ کاٹیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے کہ "تم اپنے غصہ میں مر جاؤ" یہ ان کے خلاف بہ ظاہر دعاء ضرر ہے کہ تمہارا غیظ اس قدر زیادہ ہو جائے کہ تم اس کی زیادتی سے ہلاک ہو جاؤ' اور حقیقت میں یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و کرامت میں زیادتی اور ان کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے کیونکہ ان کے غیظ و غضب کی وجہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہے اور جوں جوں یہ ترقی زیادہ ہو گی ان کا غیظ و غضب زیادہ ہو گا' حتیٰ کہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سربلندی اور سرفرازی سے وہ جل بھن کر مر جائیں گے' لہٰذا اب یہ اعتراض نہ ہو گا کہ اسلام کے

خلاف غیظ و غضب تو کفر ہے اور یہ دعا کرنا کہ تم اپنے غیظ میں مر جاؤ ان کو کفر پر برقرار رکھنے کی دعا ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہم نے بتا دیا کہ حقیقت میں یہ اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' یعنی تم اگرچہ بہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم نے اپنے دلوں میں کفر کو چھپایا ہوا ہے اور تم اپنے دلوں میں اسلام کے خلاف جس قدر غیظ و غضب رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور تمہارے دلوں کی تمام باتوں پر مطلع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اگر تمہیں کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں' اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (آل عمران : ۱۲۰)

نیک اور متقی مسلمانوں کا کفار کی سازشوں سے محفوظ رہنے کا محمل

"حسنہ" کا معنی ہے اچھائی' اور یہاں اس سے دنیاوی منفعت مراد ہے مثلاً صحت' خوشحالی' دشمنوں پر غلبہ' اور دوستوں کے درمیان الفت اور محبت کا حصول اور سیئہ کا معنی ہے برائی' اور یہاں اس سے مراد ہے مرض' فقر' جہاد میں شکست' دوستوں میں رنجش اور جدائی' قتل' غارت گری اور لوٹ مار وغیرہ' اور اس آیت کا معنی ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرنے میں تکلیف اور مشقت اور قدرتی آفتوں اور مصائب پر صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو تو کفار اپنے مکر و فریب سے تمہارے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اس سے تم کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا۔ "کید" کا معنی ہے ایک انسان دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے جو خفیہ تدبیر کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہاں کید کا معنی عداوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے سو جس شخص نے اپنے اس مقصد تخلیق کو پورا کیا اور عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے وہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھے گا اور اس کے خلاف اس کے دشمنوں کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہو گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق : ۳)

اور جو اللہ سے ڈرے۔ اللہ اس کی (مشکلات سے) نجات کی راہ پیدا کر دے گا' اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اسے کافی ہے۔

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے نیک اور متقی لوگ اپنے دشمنوں کی تدبیروں اور اس کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا گیا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا گیا' حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا حالانکہ یہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے تھے اور عبادت کی مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور اس کی معصیت کرنے سے ڈرتے تھے' اور اللہ پر توکل کرتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے یہی قاعدہ ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن خاص مسلمانوں کو اور کاملین کو اللہ تعالیٰ آزمائش اور امتحان میں ڈالتا ہے اور اللہ سے اور اللہ کے دین سے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کاملین اللہ کے دین کے لیے اپنی جان دے دیتے

ہیں لیکن دین کے معاملہ میں کسی نرمی اور مداہنت کو اختیار نہیں کرتے اس آزمائش کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط (البقرہ : ۱۵۵)

اور ہم تمہیں کچھ ڈر بھوک اور مال جان اور پھلوں میں کمی سے ضرور آزمائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے یعنی ان کے تمام کام اللہ کے علم میں ہیں لوح محفوظ اور کراما کاتبین کے پاس لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔

غیر مسلموں سے دینی اور دنیاوی کام لینے کی تحقیق

ان آیتوں میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان کفار سے دوستی اور امن کا تعلق نہ رکھیں کیونکہ وہ مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے ہیں اور اپنے کسی معاملہ میں کفار سے مشورہ بھی نہ کریں اور نہ ان سے تعاون چاہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے جب آپ حرۃ الوبرۃ (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی بہادری اور دلیری کا بہت چرچا تھا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ہمراہ لڑوں اور جو مال ملے اس سے حصہ پاؤں رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر واپس جاؤ میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ کے اسلام لانے سے پہلے ان سے مدد لی بعض علماء نے پہلی حدیث پر علی الاطلاق عمل کیا اور مشرک سے مدد لینے کو مطلقاً ناجائز کہا اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کافر کی مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے ہو اور اس سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے گی ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو دو مختلف حالوں پر محمول کیا ہے اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر جہاد میں حاضر ہو تو اس کو عطیہ اور انعام وغیرہ دیا جائے گا اور مال غنیمت میں اس کا حصہ نہیں ہو گا امام مالک امام شافعی امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور زہری اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ ہو گا۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک اور تمام علماء نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور امام مالک نے یہ کہا ہے کہ

غیر مسلموں کو صفائی اور خدمت کے لیے رکھنا جائز ہے' ابن حبیب نے کہا اسی طرح مجانیق سے پتھر پھینکوانے کے لیے انہیں رکھنا بھی جائز ہے' اور ہمارے دوسرے اصحاب نے اس کو مکروہ کہا ہے' ابن حبیب نے یہ بھی کہا ہے کہ مشرک کو لڑائی میں شامل کرنا جائز ہے' اور ان کو لشکر کے اندر نہ رکھا جائے بلکہ لشکر کے باہر رکھا جائے' بعض علماء نے کہا یہ اجازت کسی خاص وقت کے لیے ہے بر سبیل عموم نہیں ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ نکالا جائے گا یا نہیں' تمام ائمہ نے اس سے منع کیا ہے اور امام اوزاعی اور امام زہری نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی طرح ان کا بھی حصہ نکالا جائے گا اور سحنون مالکی نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کے لشکر کو ان سے قوت حاصل ہوئی ہے تو ان کا حصہ نکالا جائے گا ورنہ نہیں' امام شافعی نے ایک بار یہ کہا کہ ان کو فئی سے بالکل نہیں دیا جائے گا اور ان کو خمس سے دیا جائے گا اور قتادہ نے یہ کہا ان سے جس چیز پر صلح ہو جائے ان کو وہ دینا جائز ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۴۸۸' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید میں یہود کو ہم راز بنانے اور ان سے مشورہ لینے سے منع کیا ہے یہ ممانعت ان یہودیوں کے ساتھ مختص ہے جو مسلمانوں کے ساتھ عداوت رکھتے تھے' اوائل اسلام میں یہودی ایسے ہی تھے اس لیے ان سے اپنے دین کے کسی کام میں مدد لینا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں یہودیوں میں تغیر آ گیا اور وہ بعض فتوحات میں مسلمانوں کے مددگار بن گئے۔ جیسے فتح اندلس میں یہودیوں نے مسلمانوں کی مدد کی' اور مصر میں قبطیوں نے رومیوں کے خلاف مدد کی' اس لیے یہودیوں بلکہ مطلقاً" غیر مسلموں سے مسلمانوں کا مدد لینا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے عداوت نہ رکھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الممتحنہ : ۹-۸)

اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ اللہ تمہیں انہی لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس نکتہ کی طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے دفتری کاموں کا معاملہ رومیوں کے سپرد کیا اور بعد کے دو خلفاء اور ملوک بنی امیہ نے بھی ان کی پیروی کی اور مسلمان بادشاہوں میں سے عباسیوں نے بھی اس پر عمل کیا' اور یہود' نصاریٰ اور صابئین میں سے اپنے عمال مقرر کیے اور دولت عثمانیہ کے بھی اکثر سفراء اور وکلاء عیسائی تھے' اس تمام وسعت اور عالی ظرفی کے باوجود یورپ کے مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت تعصب اور تنگ نظری ہے۔ (المنار ج ۴ ص ۸۳-۸۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر مسلموں پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے تو ان سے دینی اور دنیاوی مہمات میں مدد لینا اور ان کو مختلف مناصب تفویض کرنا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اسلام اور

مسلمانوں کے دشمن ہیں تو پھر ان سے کسی معاملہ میں مشورہ کرنا یا خدمت لینا یا ان کو کوئی منصب سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ
اور اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے دراں حالیکہ آپ مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر
لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن
بٹھا رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ
تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾
اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی دراں حالیکہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم
تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ
شکر ادا کرو ○ (اے رسول مکرم) یاد کیجیے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا
رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ ۚ إِن
رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے ○ ہاں کیوں نہیں! اگر
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ
تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کے بجائے)
رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ الربع
پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ اور اللہ نے اس
اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا
(امداد) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O (اور اس مدد کا باعث یہ ہے) تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کو

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

(جڑ سے) کاٹ دے یا انہیں (شکست خوردہ کرکے) رسوا کرے تو وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں O

ان آیات میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم پہلے غزوہ بدر اور غزوہ احد کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان آیات کا پس منظر اور پیش منظر معلوم ہو جائے اور ان کی تفسیر پر قارئین کو بصیرت حاصل ہو۔

غزوہ بدر کا مختصر تذکرہ

امام ابن ہشام بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا کہ ابو سفیان شام سے مال تجارت کا ایک قافلہ لے کر آ رہا ہے' تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ ابو سفیان ہے جو اپنے قافلہ سمیت واپس آ رہا ہے' نکلو! شاید اللہ تعالیٰ ان کے اموال ہمیں عطا فرمادے۔ اس قافلہ میں ابو سفیان کے ساتھ چالیس آدمی تھے اور مکہ کے سرداروں میں سے عمرو بن العاص تھے' ہجرت کے انیس ماہ بعد بارہ رمضان المبارک کو ہفتہ کے دن رسول اللہ ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے' مجاہدین صحابہ کے پاس دو گھوڑے' ساٹھ زرہیں اور اسی اونٹ تھے' باقی صحابہ پیادہ تھے' رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ مقرر کر دیا جس پر وہ باری باری سواری کرتے' آپ نے اپنے آپ کو بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں رکھا' آپ کے ساتھ جو دو صحابہ تھے انہوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہماری باری میں بھی آپ سوار رہیں' ہم پیدل چلیں گے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سنو! تم دونوں نہ مجھ سے زیادہ قوی ہو نہ میں تم سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں!

جب ابو سفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ آنے جانے والوں سے نبی ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرتا تھا' اسے بعض سواروں نے بتایا کہ سیدنا محمد ﷺ تم پر اور تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں' اس نے فوراً ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ وہ قریش کو جا کر کہے کہ وہ اپنے اموال کی حفاظت کا انتظام کریں کیونکہ (سیدنا محمد ﷺ) ہم پر حملہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں' دوسری طرف مکہ میں عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ قریش پر کوئی آفت اور مصیبت آنے والی ہے' اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بیان کیا' ابھی اس خواب کا چرچا ہو رہا تھا اور اس کے متعلق چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ مکہ والوں نے ضمضم بن عمرو الغفاری کی چیخ و پکار سنی اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیئے تھے' کجاوہ کو الٹا کر دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ ڈالی تھی اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اپنے اس قافلہ کو بچاؤ جس پر تمام مکہ والوں کے اموال لدے ہوئے ہیں' (سیدنا) محمد (ﷺ) نے اس پر حملہ کر دیا ہے اور مجھے امید نہیں ہے کہ تم اس کی مدد کے لیے بروقت پہنچ جاؤ گے!

قریش نے اپنا تمام مال و متاع داؤ پر لگا کر جنگ کی تیاری کی جب انہوں نے عزم سفر کیا تو قریش مکہ کی فوج کی تعداد نو

سو پچاس تھی‘ ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے جن پر ایک سو زرہ پوش سوار تھے‘ پیدل سپاہیوں کے لیے بھی زرہیں مہیا تھیں‘ ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جوشیلے گیت گا کر ان کی آتش غضب کو اور بھڑکا رہی تھیں‘ سو قریش کا یہ لشکر جرار مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ روانہ ہوا۔

ضمضم غفاری کو بھیجنے کے بعد ابو سفیان نے مزید احتیاط کی خاطر عام راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو جاتا تھا اور اس نے بڑی سرعت کے ساتھ مسلسل سفر کرنا شروع کیا اور جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے قیس بن امرء القیس کو یہ پیغام دے کر قریش کے لشکر کے پاس بھیجا کہ اب یہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہے اس لیے اب اس کی حفاظت کے لیے لشکر کی ضرورت نہیں ہے اور تم لوگ واپس مکہ چلے جاؤ‘ اس نے یہ پیغام لشکر کے سپہ سالار ابو جہل تک پہنچا دیا‘ لیکن ابو جہل نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا بہ خدا ہم ضرور جائیں گے اور بدر پہنچ کر دم لیں گے اور مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے‘ تاکہ آئندہ وہ ہمیشہ ہم سے دبے رہیں ہر چند کہ بعض متحمل مزاج لوگوں نے ابو جہل کی مخالفت کی اور کچھ لوگ واپس چلے گئے لیکن اکثریت ابو جہل کے ساتھ رہی۔

رسول اللہ ﷺ جب ذفران کے مقام پر پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر بڑی تیاری کے ساتھ اپنے قافلہ کے دفاع کے لیے آ رہا ہے‘ اب صورت حال اچانک بدل چکی تھی پہلے مسلمان ایک قافلہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے تھے جس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے‘ اب معلوم ہوا کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے قریش کا ایک لشکر جرار چلا آ رہا ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے اس نئی صورت حال سے اپنے اصحاب کو آگاہ فرمایا اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا‘ تمام صحابہ نے نہایت گرمجوشی سے آپ کے ساتھ جہاد کرنے کے عزم کو ظاہر کیا‘ حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا ہے وہیں چلیے ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں جو یہ کہہ دیں کہ جائیے آپ اور آپ کا خدا ان سے جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں‘ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر پر لے جائیں اور آپ اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے‘ رسول اللہ ﷺ ان کے یہ ایمان افروز کلمات سن کر خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا روانہ ہو جاؤ‘ اور تمہیں یہ خوشخبری مبارک ہو کہ اللہ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے‘ بخدا میں قوم کے مقتولوں کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔

بدر میں پہنچ کر سارے صحابہ تھکے ہارے سو گئے صرف رسول اللہ ﷺ رات بھر ایک درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے رہے‘ اس رات خوب بارش ہوئی‘ مسلمان ریتلے علاقہ میں خیمہ زن تھے‘ اس بارش سے وہ ریت جم کر پختہ ہو گئی اور مسلمانوں کے لیے چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی‘ اور جہاں کفار قریش خیمہ زن تھے وہاں بارش سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گئی‘ صبح کو نبی ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے غرور و تکبر سے چلا آ رہا ہے‘ اے اللہ! اپنی وہ مدد

تیغ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے اللہ! کل ان کو ہلاک کر دے!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے اور یہ دعا کر رہے تھے : اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں' اے اللہ اگر تو نے (بالفرض) اپنے وعدہ کو پورا نہ فرمایا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دعا بہت کافی ہے' جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے :

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ — عنقریب یہ جماعت پسپا ہو گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ (القمر : ۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے رات ہی کو صف بندی کر دی تھی اور تمام مجاہدین صحابہ اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے تھے' جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل تھیں اس وقت نبی ﷺ نے بہت موثر خطبہ دیا جس میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی' اللہ کی اطاعت پر برانگیختہ کیا اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کافروں کے لشکر سے اسود بن عبد الاسد المخزومی مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے کا بلند بانگ دعویٰ کر کے مسلمانوں کے لشکر کی طرف آیا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تہ تیغ کر دیا' جنگ بدر میں مارا جانے والا یہ پہلا کافر تھا' یہ منظر دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ' اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر جوش غضب میں مسلمانوں کی طرف آیا اور یہ نعرہ لگایا کہ میرا مقابلہ کون کرے گا! تین انصاری نوجوان ان کے مقابلہ میں نکلے مگر اس نے کہا ہمارے مقابلہ کے لیے ہماری قوم قریش کے جوانوں کو بھیجو' تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ' حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا' حضرت علی اور حضرت حمزہ نے اپنے اپنے مدمقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن عتبہ کے ایک وار سے حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ گئی' حضرت حمزہ اور حضرت علی ان کی امداد کو پہنچے تو ان کے حملہ سے عتبہ کی لاش خاک اور خون میں تڑپ رہی تھی۔ حضرت عبیدہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا انہوں نے آخری لمحات میں اپنا رخسار رسول اللہ کے قدموں میں رکھ دیا اور آپ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ اس کے بعد عام حملہ شروع ہو گیا اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے' یہ جنگ اسی طرح جاری رہی اسی دوران ابوجہل دو انصاری نوجوانوں حضرت معاذ اور حضرت معوذ کے ہاتھوں مارا گیا اور حضرت بلال کے ہاتھوں امیہ بن خلف مارا گیا' نبی ﷺ نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں اور فرمایا : اے اللہ ان کے چہروں کو بگاڑ دے' ان کے دلوں کو مرعوب کر دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے' ان کنکریوں کا لگنا تھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مشرکین میدان جنگ سے بھاگنے لگے' مجاہدین اسلام نے جب یہ بھگدڑ دیکھی تو انہوں نے مشرکوں کو اپنا قیدی بنانا شروع کیا اور ان کو رسیوں سے باندھنے لگے۔ معرکہ بدر سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ واقع ہوا' صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور زوال آفتاب تک جاری رہی جب سورج ڈھلنے لگا اس وقت کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ جنگ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے' اور ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر گرفتار کیے گئے۔

جنگ بدر میں جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کے متعلق ہم ان شاء اللہ متعلقہ آیات میں بحث کریں گے۔

(الروض الانف مع السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۸۱۔ ۶۱' ملخصاً' تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۲ ص ۱۷۲۔ ۱۳۱' ملخصاً' الکامل فی التاریخ لابن اثیر ج ۲ ص ۹۳۔ ۸۰' ملخصاً' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۱۔ ۲۵۶ ملخصاً)

غزوہ احد کا مختصر تذکرہ

غزوہ احد تین ہجری کو وقوع پذیر ہوا' قریش مکہ جو ایک سال پہلے بدر میں شکست کھا کر گئے تھے' ایک سال تک بڑے جوش و خروش سے جنگ کی تیاری کرتے رہے' ان کے سینوں میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی' پانچ شوال تین ہجری کو رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب آ پہنچا ہے۔ صبح کو آپ نے مہاجرین' انصار اور عبداللہ بن ابی ابن سلول سے مشورہ کیا' مہاجرین' اکابرین انصار اور عبداللہ بن ابی کی یہی رائے تھی کہ شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے' لیکن انصار کے نوجوانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے' رسول اللہ ﷺ زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے' ان لوگوں کو بعد میں افسوس ہوا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف اصرار کیا' ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔

قریش مکہ نے بدھ کے دن مدینہ کے قریب کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا' رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلے' عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا' اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں ایک سو کے پاس زرہیں تھیں' ان میں بھی کئی کم عمر صحابہ کو واپس کر دیا گیا ان میں حضرت زید بن ثابت' حضرت براء بن عازب' حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل تھے' رسول اللہ ﷺ نے احد کے پہاڑ کی پشت پر صف بندی کی' احد پہاڑ کی پشت کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر دے' اس لیے آپ نے وہاں حضرت عبداللہ بن جبیر کی زیر کمان پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور یہ حکم فرمایا کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہوں سے نہ ہٹیں۔

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا مجھ سے کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی اس کے مقابلہ کے لیے نکلے' اور اس زور سے اس پر تلوار سے حملہ کیا کہ دوسرے لحہ میں اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی' طلحہ کے بعد عثمان نکلا اور وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' حضرت حمزہ' حضرت علی' اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم فوجوں کے اندر گھس گئے اور کفار کی صفیں الٹ دیں' جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا' جبیر نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت سیدنا حمزہ کی تاک میں لگا ہوا تھا ایک بار حضرت حمزہ اس کے نشانہ کی زد پر آئے اس نے تاک کر نیزہ مارا جو آپ کی ناف کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گرے اور روح مبارک پرواز کر گئی۔

کفار اس جنگ میں بہت بے جگری سے جان پر کھیل کر لڑے۔ ایک کے ہاتھ سے علم گرتا تو دوسرا لے لیتا' اس کے ہاتھ سے علم گرتا تو کوئی اور لے لیتا' تاہم جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا' حضرت علی اور حضرت ابودجانہ کے شدید حملوں سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' بالآخر کفار بدحواسی سے پیچھے ہٹے' اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جن مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ کی پشت پر مامور کیا تھا' وہ بھی مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ تیراندازوں کی خالی جگہ دیکھ کر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کیا' حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ چند سرفروش مجاہدین کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب شہید ہو

گئے' اب مشرکین کا راستہ صاف تھا' مسلمان مال لوٹنے میں مشغول تھے' اچانک پلٹ کر دیکھا تو ان کے سروں پر تلواریں پڑ رہی تھیں' بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح مخلوط ہو گئیں کہ خود بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے' حضرت مصعب بن عمیر' ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے' وہ صورۃً رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اس لیے یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے' اس افواہ سے بدحواسی اور مایوسی اور بڑھ گئی اور افراتفری پھیل گئی' مسلمان گھبرا گئے بوکھلاہٹ میں دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی' اس ہنگامہ میں حضرت حذیفہ کے والد یمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے' رسول اللہ ﷺ کے جانثار صحابہ برابر لڑ رہے تھے' لیکن ان کی آنکھیں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر رہی تھیں' سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کو دیکھا آپ کے چہرہ مبارک پر مغفر تھا' لیکن آنکھیں نظر آ رہی تھیں' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ زور سے پکارے اے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں' یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار صحابہ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے' کفار نے بھی اسی طرف دباؤ ڈالا' پانچ صحابہ نے ایک ایک کر کے جان دے دی لیکن کسی کافر کو آپ کی طرف بڑھنے نہیں دیا' عبداللہ بن قمیہ مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری' جس کی چوٹ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں' چاروں طرف سے تلواروں سے حملے ہو رہے تھے اور تیر پھینکے جا رہے تھے' یہ دیکھ کر جانثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا' حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ آپ کی ڈھال بن گئے اور جو تیر آتے تھے وہ ان کی پیٹھ پر لگتے تھے' دوسری طرف حضرت طلحہ آپ کی ڈھال بنے ہوئے تھے اور تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روک رہے تھے اسی کیفیت میں ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا' حضرت ابو طلحہ بھی آپ کی سپر بنے ہوئے تھے' صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آسکیں گے لیکن ابوسفیان نے دیکھ لیا' فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا' لیکن حضرت عمر اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پتھر برسانے کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکے۔

قریش کی عورتوں نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں کو بھی نہیں چھوڑا' ان کو مثلہ کیا یعنی ان کے چہرے سے ناک اور کان کاٹ لیے' ھند نے ان کٹے ہوئے اعضاء کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگلنا پڑا۔ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بائیس کافر مارے گئے۔ (تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۲ ص ۲۱۰۔ ۱۸۷' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۱۱۔ ۱۰۳' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۹۔ ۹' التفسیر المنیر ج ۴ ص ۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے در آں حالیکہ آپ مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۲۱)

سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' اور ان آیتوں میں جنگ بدر اور احد کا تذکرہ کیا گیا ہے' جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جنگ کی تیاری بھی کر کے گئے تھے لیکن چونکہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ شکست کھا گئے' اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ چالیس آدمیوں کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے

کے لیے نکلے تھے کسی بڑے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے کے لیے گھروں سے نہیں نکلے تھے لیکن چونکہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح اور نصرت سے نوازا' اس سے معلوم ہوا کہ فتح کا مدار عددی کثرت اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار صبر اور تقویٰ پر ہے۔

غزوہ احد کے لیے نبی ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور جنگ کی تیاری

پانچ شوال تین ہجری کو بدھ کے دن قریش مکہ' مدینہ کے قریب پہنچے تھے' نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور میں نے دیکھا کہ ایک بیل ذبح کیا جا رہا ہے میں نے زرہ سے مدینہ کو تعبیر کیا اور بیل کی تعبیر بھاگنا ہے' اور اللہ کے کام میں بہت خیر ہے اور اگر ہم مدینہ ہی میں رہیں تو وہ اگر ہم سے قتال کریں گے' تو ہم ان سے قتال کریں گے (نوجوان) صحابہ نے کہا بہ خدا وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی مدینہ میں داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکے تو کیا اب زمانہ اسلام میں ہم ان کو مدینہ میں داخل ہونے دیں گے! آپ نے فرمایا پھر جس طرح تم چاہو' پھر انصار نے ایک دوسرے سے کہا ہم نے نبی ﷺ کی رائے کو نہیں مانا انہوں نے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جس طرح حکم فرمائیں' آپ نے فرمایا اب یہ کہہ رہے ہو! نبی جب ہتھیار پہن لے تو اس کے لیے جنگ کیے بغیر ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۵۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار ہلائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اس کی تعبیر وہ ہے جو جنگ احد کے دن مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا ہوا' میں نے تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بھی اچھی صورت میں بن گئی' اس کی تعبیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مسلمان متحد ہوئے اور میں نے خواب میں ایک بیل دیکھا اور اللہ کے کام میں بہت بہتری ہے اس کی تعبیر وہ ہے جو مسلمانوں کو جنگ احد کے دن پریشانی لاحق ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کو فرمایا میں نے خواب میں بیل کو دیکھا اس کو ذبح کیا جا رہا ہے اور میں نے اپنی تلوار کو دیکھا اس کا شروع کا حصہ ٹوٹ گیا' آپ نے بیل کی یہ تعبیر فرمائی کہ ہم میں سے ایک جماعت بھاگے گی' اور تلوار کا بالائی حصہ ٹوٹنے کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے چہرے پر زخم آیا اور آپ کے سامنے کا دانت شہید ہو گیا' نبی ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر کفار قریش سے جنگ کی جائے عبداللہ بن ابی سے پہلی بار مشورہ لیا گیا تھا اس کی رائے بھی یہی تھی' لیکن انصار کے پر جوش نوجوان مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ ہتھیار زیب تن فرما کر آ گئے' بعد میں ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا نبی جب ہتھیار پہن لے تو جنگ کے بغیر نہیں اتارتا' رسول اللہ ﷺ احد کی طرف روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ایک ہزار مسلمان تھے

لیکن عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر نکل گیا کیونکہ اس کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا تھا' حتی کہ آپ کے ساتھ سات سو نفوس رہ گئے اور مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۰۸-۲۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد احد کی طرف روانہ ہوئے' اور ہفتہ کے دن احد کی گھاٹیوں میں پہنچے' آپ پیدل چل رہے تھے اور جنگ کے لیے اپنے اصحاب کی صفیں باندھ رہے تھے اگر کوئی شخص صف سے باہر نکلا ہوا ہوتا تو آپ اس کو صف کے اندر کردیتے آپ وادی کے نشیب میں اترے تھے اور آپ کی پشت اور لشکر احد کی طرف تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن ہمارا مشرکوں سے مقابلہ ہوا نبی ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک لشکر (احد پہاڑ پر) بٹھادیا اور حضرت عبد اللہ بن جبیر بن مطعم کو ان کا امیر بنادیا اور فرمایا تم اس جگہ سے نہ جانا' اگر تم یہ دیکھو کہ ہم غالب آگئے ہیں پھر بھی تم یہاں سے نہ جانا' اور اگر تم دیکھو کہ مشرکین ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (آل عمران : ۱۲۲)

غزوہ احد کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو مسلمانوں کی دو جماعتوں کے دل بیٹھ گئے اور یہ دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا' اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۰۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

مشرکین نے مسلمانوں پر تین بار حملے کیے اور ہر بار پسپا ہوئے' جن پچاس تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ پر کھڑا کیا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ کفار مغلوب اور پسپا ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائیوں کو فتح عطا کردی ہے' بہ خدا اب ہم یہاں بالکل نہیں بیٹھیں گے اور جس جگہ نبی ﷺ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا تھا وہ وہاں سے ہٹ گئے' اور یہی حکم عدولی ان کی شکست کا سبب بن گئی۔ جب مشرکین کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان متفرق ہو گئے اور بکھر گئے تو انہوں نے احد پہاڑ کی پشت سے ان پر حملہ کردیا' مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے کہ وہ اچانک تیروں اور تلواروں کی زد میں آگئے' اور کسی پکارنے والے نے بلند آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ قتل کردیئے گئے' یہ خبر سن کر مسلمانوں کی رہی سہی کمر ٹوٹ گئی' بہت سے مسلمان شہید کردیئے گئے۔ جب بہت سے صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ثابت قدم رکھا۔ آپ مسلمانوں کو آوازیں دے کر بلاتے رہے آپ اس وقت احد کی گھاٹیوں میں

مہراس نام کی ایک گھاٹی کے قریب تھے۔ کئی صحابہ آپ کے پاس وہاں پہنچ گئے تھے' ادھر دوسری طرف جب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نہیں ملے تو وہ ہمت ہار بیٹھے' بعض نے کہا جب رسول اللہ ﷺ ہی نہیں رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ! بعض نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے دین کی حمایت میں نہیں لڑو گے! تم اپنے دین کی حمایت میں لڑتے رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی حالت میں ملاقات کرو' یہ حضرت انس بن نضر نے کہا تھا' اور بنو قشیر میں سے کسی نے کہا اگر ہمارے دین میں کچھ بھلائی ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے!

نبی ﷺ اپنے اصحاب کو ڈھونڈ رہے تھے اور ان کو بلا رہے تھے' صحابہ کی ایک جماعت ثابت قدمی سے آپ کے ساتھ تھی' ان میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام بھی تھے' ان صحابہ نے تادم مرگ آپ کا ساتھ دینے پر بیعت کی تھی' انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنایا ہوا تھا۔ ان میں سے چھ یا سات صحابہ آپ پر سپر بنے ہوئے شہید ہو گئے وہ آپ کے ساتھ مہراس نامی گھاٹی میں چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا پتہ چلنے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو دیکھا' آپ کا چہرہ مغفر (خود) میں چھپا ہوا تھا صرف آپ کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں سے آپ کو پہچان لیا اور بلند آواز سے چلائے اللہ اکبر! یہ ہیں رسول اللہ ﷺ' اس وقت آپ کا چہرہ زخمی تھا اور ایک دانت (سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کا ایک جز) شہید ہو چکا تھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰' ملخصا" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو احد پر مامور کیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا' جب مسلمانوں کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تو مشرک بھاگ گئے حتی کہ میں نے دیکھا عورتیں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے ہوئے پہاڑ پر بھاگ رہی تھیں ان کی پازیب دکھائی دے رہی تھیں تو یہ لوگ بھی غنیمت' غنیمت پکارتے ہوئے دوڑے' حضرت عبد اللہ بن جبیر نے کہا کہ نبی ﷺ نے تم کو یہ نصیحت کی تھی کہ فتح ہو یا شکست یہاں سے نہ جانا وہ نہیں مانے اور جب وہ نہیں مانے تو شکست ان کا مقدر بن گئی' ستر مسلمان شہید کر دیئے گئے' ابوسفیان نے سر اٹھا کر کہا کیا قوم میں (سیدنا) محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کو جواب مت دو' پھر کہا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) ہیں؟ آپ نے فرمایا مت جواب دینا' پھر کہا کیا قوم میں ابن الخطاب ہیں؟ پھر کہنے لگا یہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے اور کہا : اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ان کو باقی رکھا ہے جو تیری رسوائی کے لیے کافی ہیں' ابوسفیان نے کہا ہبل بلند ہو' نبی ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو' عرض کیا : ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ سب سے بلند اور سب سے بزرگ ہے)' ابوسفیان نے کہا ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں' نبی ﷺ نے فرمایا اس کا جواب دو' عرض کیا' کیا کہیں؟ فرمایا : کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں' ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے اور تم کچھ لاشوں کے اعضاء کٹے ہوئے پاؤ گے میں نے اس کا حکم دیا تھا نہ مجھے اس پر افسوس ہوا۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف روزہ دار تھے (افطار کے وقت) ان کے پاس کھانا لایا گیا' انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (احد میں) شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہت افضل تھے' ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا

اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا' اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے۔ پھر ہمارے لیے دنیا کشادہ کردی گئی اور ہمیں دنیا کی وہ چیزیں دی گئیں جو دی گئیں اور ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ہمیں نیکیوں کا صلہ دنیا میں ہی نہ مل گیا ہو' پھر حضرت عبدالرحمان روتے رہے حتی کہ کھانا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ فرمایئے اگر میں شہید ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا جنت میں' اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اس نے پھینک دیں اور جا کر جہاد کرتا رہا حتی کہ شہید ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوبارہ جہاد کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا دے گا کہ میں کس طرح جہاد کرتا ہوں' وہ جہاد کر رہے تھے کہ مسلمان مشرکوں کے اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگے' انہوں نے کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کی کاروائی سے تیری بارگاہ میں عذر پیش کرتا ہوں اور مشرکوں کے حملہ سے بیزار ہوں' پھر وہ تلوار لے کر آگے بڑھے' تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا اے سعد! تم کہاں جا رہے ہو مجھے تو احد کے پاس جنت کی خوشبو آ رہی ہے وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے' ان کی لاش پر اتنے زخم تھے کہ پہچانی نہیں جاتی تھی حتی کہ ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا' ان کی لاش پر تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مسلمان (گھبرا کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے' اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال لیے ہوئے کھڑے تھے' حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بہت ماہر تیرانداز تھے۔ اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں تھیں' جو مسلمان بھی وہاں سے اپنے ترکش میں تیر لیے ہوئے گزرتا آپ فرماتے یہ تیر ابو طلحہ کو دے دو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم (گھاٹی سے) جھانک کر قوم کی طرف دیکھ رہے تھے حضرت ابو طلحہ کہتے آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں آپ مت جھانکیے' کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے' میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے سپر ہے اور میں نے دیکھا حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنی پیٹھوں پر مشکیں لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں' اس دن دو یا تین بار حضرت ابو طلحہ کے ہاتھوں سے تلوار گری تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین شکست کھانے لگے تو ابلیس لعنہ اللہ چلایا' اے اللہ کے بندو! پچھلے گروہ پر حملہ کرو تو لشکر کا اگلا حصہ اور پچھلا حصہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو گئے' حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد یمان کو قتل کر رہے ہیں' انہوں نے چلا کر کہا اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ ہیں' یہ میرے باپ ہیں' لیکن بہ خدا وہ میرے باپ کو قتل کرنے سے باز نہیں آئے' حتی کہ انہوں نے میرے والد کو قتل کر دیا' حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تمہاری مغفرت فرمائے' (عروہ نے کہا بہ خدا حضرت حذیفہ نے تمام زندگی نیکی کے ساتھ گزاری۔) (حضرت یمان اس وجہ سے قتل کر دیئے گئے کہ مسلمان اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ انہیں اپنے اور پرائے کی تمیز نہیں ہو رہی تھی۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا' آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی "آپ کی چیز

کے مالک نہیں ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم پر بہت شدید غضبناک ہوتا ہے جو اس کے نبی کے ساتھ (یہ) کارروائی کرے آپ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کی طرف اشارہ کیا' اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جو اللہ کے راستہ میں اس کے رسول کو قتل کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کر دیں' اور اللہ تعالیٰ اس قوم پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خون آلود کر دے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے' جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون کا بہنا کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہو رہا ہے تو حضرت فاطمہ نے ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور اس کی راکھ کو زخم کے اوپر رکھا' تو خون رک گیا' اس دن آپ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے ایک دائیں جانب کا نچلا دانت ٹوٹ گیا تھا اور آپ کا سر زخمی ہو گیا تھا' اور خود آپ کے سر پر ٹوٹ گیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴۔۵۷۹ ملتقطا" مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

عتبہ بن ابی وقاص نے تیر مارا تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا دانت شہید ہو گیا اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا' یہ دانت جڑ سے نہیں ٹوٹا تھا بلکہ اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا' اور عبداللہ بن شہاب نے آپ کے خود پر تلوار سے وار کیا تھا جس سے خود ٹوٹ گیا اور آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہونا اور چہرہ اقدس زخمی ہونا اس لیے تھا تاکہ اللہ کی راہ میں خون بہانے اور زخم کھانے کے عمل میں آپ کا اسوہ اور نمونہ ہو' اور اس عمل میں آپ کی اقتداء کا اجر و ثواب ملے' اور آپ کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر کوئی شخص آپ پر الوہیت کا دھوکا نہ کھائے اور آپ کے زخمی ہونے سے آپ کے متعلق الوہیت کے عقیدہ کی نفی ہو اور آپ نے جو زخم دھلوایا اور اس کا علاج کرایا اس سے علاج کرانے کا سنت ہونا ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی' در آں حالیکہ تم کمزور تھے' سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (آل عمران: ۱۲۳)

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کا واقعہ بیان کیا تھا اور اب ان آیتوں میں جنگ بدر کا تذکرہ فرما رہا ہے' کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھے اور کفار بہت تیاری اور اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ آئے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کر دیا' اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہیں کرنا چاہئے' اور نہ اس کے سوا اور کسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس آیت کو موکد کیا جائے کہ اگر تم اللہ کے احکام (کی اطاعت) پر صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو کافروں کا مکر و فریب تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتا' نیز اس بات کو موکد کرنا ہے کہ مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

بدر کا لغوی معنی اور جغرافیائی محل وقوع

مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام بدر ہے' شعبی نے کہا یہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بدر تھا کیونکہ اس کے مالک کا نام بدر تھا' پھر مالک کے نام سے وہ کنواں مشہور ہو گیا۔

علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں :

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا' بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کی مسافت پر واقع ہے' بدر کا لغوی معنی ہے بھرنا' چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھرا ہوا اور مکمل ہوتا ہے' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے جس کو بدر کہتے ہیں۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۳۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۹۹ھ)

بدر میں مسلمانوں کے ضعف کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی در آں حالیکہ تم ذلیل تھے۔

اور ایک اور جگہ فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون : ۸) — اللہ ہی کے لیے عزت (غلبہ) ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ذلت کا لفظ استعمال فرمایا اور سورہ منافقون میں عزت کا لفظ استعمال فرمایا اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذلت سے مراد مادی ضعف ہے اور سورہ منافقون میں اس سے مراد ہے اللہ کی نظر میں معزز ہونا' یا دلائل اور معقولیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے دین کا باقی ادیان پر غالب آنا' یا اللہ اور اس کی اطاعت کی شرط پر دنیا میں بھی مادی غلبہ پانا اور سرفرازی حاصل کرنا۔ جنگ بدر میں مسلمان مادی طور پر ضعیف تھے کیونکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ نفوس قدسیہ تھی اور کفار نو سو پچاس تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور اسی اونٹ تھے' اور کفار کے پاس سو گھوڑے' بہ کثرت اونٹ اور وافر مقدار میں اسلحہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کفار کی نظروں میں مسلمان ضعیف تھے یا مسلمانوں نے مکہ میں کفار کی جو قوت اور شوکت دیکھی تھی اس کے مقابلہ میں وہ خود کو ضعیف اور کمزور خیال کرتے تھے۔

مسلمانوں کی مغلوبیت کے اسباب

آج بھی مسلمان مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہیں اور ان کے مقابلہ میں کفار مادی طور پر قوی اور غالب ہیں' لیکن مسلمانوں کو اس لحاظ سے غلبہ حاصل ہے کہ ان کی کتاب اپنے اصل متن کے ساتھ من و عن محفوظ ہے' جب کہ تورات اور انجیل جس زبان میں نازل ہوئیں تھیں اس زبان میں وہ کتاب آج کہیں بھی موجود نہیں ہے' قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کی تبدیلی یا کمی اور بیشی نہیں ہوئی' جب کہ تورات اور انجیل محرف ہو چکی ہیں' متن قرآن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں حافظ موجود ہیں جب کہ تورات اور انجیل کا کوئی ایک حافظ دنیا میں کبھی بھی نہیں پایا گیا' قرآن کا چیلنج ہے کہ اس کی کسی ایک سورت کی مثل کوئی بنا کر نہیں لا سکتا' اور آج تک کوئی اس چیلنج کو نہیں توڑ سکا' مسلمانوں کے نبی کی پیدائش سے لے کر وفات تک مکمل سیرت مستند مآخذ کے ساتھ مکمل محفوظ ہے' جب کہ اور کسی نبی کی مکمل سیرت پوری سند کے ساتھ موجود نہیں ہے' مسلمانوں کے نبی کے تمام ارشادات (احادیث مبارکہ) اسانید کے ساتھ موجود ہیں اور کتاب کی تعلیم اور دین کی

ہدایت کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ محفوظ کر لیا گیا اور سینوں سے صحیفوں میں منتقل ہو کر دنیا میں آج تک موجود ہے اور وہی دین پر انحصار ہے' جب کہ اور کسی نبی کے ارشادات اس طرح محفوظ نہیں کیے گئے' نہ ان کو دین میں حجت تسلیم کیا گیا' قرآن اور حدیث کی پیش گوئیاں اپنے صدق کو ہر زمانہ میں متواتر رہی ہیں مثلاً روم کا ایرانیوں پر غالب آنا' صدیاں گزر جانے کے بعد بھی فرعون کے جسد کا قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق آج تک سلامت رہنا' قرآن مجید کی کسی سورت کی مثال نہ لا سکنا' اس میں کمی بیشی اور تغیر نہ ہونا' قرآن مجید نے معیشت کا جو نظام پیش کیا ہے اس کے مقابلہ میں تمام معاشی نظاموں کا ناقص ہونا' یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے خواہ مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہوں لیکن ان کا دین تمام ادیان پر غالب ہے :

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ (الفتح : ۲۸)

(اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

باقی مسلمانوں کے ضعف اور مغلوبیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اجتماعی طور پر انحراف کیا الا ماشاء اللہ' رسول اللہ کی سنت پر عمل کرنا وہ باعث عار سمجھنے لگے' اور مغربی تہذیب اپنانے کو باعث فخر سمجھنے لگے' وہ موسیقی اور راگ و رنگ میں ڈوب گئے' اور مسلمان آپس میں افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئے' سائنسی علوم اور عسکری تربیت حاصل کرنے کے بجائے تعیشات اور تن آسانیوں میں مبتلا ہو گئے' مضاربت کے اصول پر تجارت کرنے کے بجائے سودی کاروبار اور جوئے اور سٹے کو اپنایا نتیجے کے طور پر وہ معاشرتی بدحالی کا شکار ہوئے اور اپنے وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کے قابل نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (الانفال : ۴۶)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آل عمران : ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو اور غم نہ کرو' اور تم ہی غالب رہو گے بہ شرطیکہ تم ایمان کامل پر قائم رہو۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کے بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا○ اور اللہ نے اس (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت

والا ہے○ (اور اس مدد کا باعث یہ ہے کہ) تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کو (جڑ سے) کاٹ دے یا انہیں (شکست خوردہ کر کے) رسوا کرے تاکہ وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں۔

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (الانفال : ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری (فریاد) سن لی کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کی بشارت دی' پھر اس کو بڑھا کر تین ہزار تک پہنچا دیا' پھر تین شرطوں سے مشروط فرما کر اس تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچایا' وہ شرطیں یہ ہیں تم صبر کرو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور دشمن تم پر اچانک یک بارگی ہلہ بول دے' چونکہ دشمن نے اچانک یک بارگی حملہ نہیں کیا تھا اس لیے پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا' یا جنگ احد میں یا جنگ احزاب میں جس وقت مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا' جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے' قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا' البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا' ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے' پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا' جو اس سے آگے تھا' اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھ" (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا' اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کے شملوں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا ان کے عماموں کا رنگ سبز' زرد اور سرخ تھا' اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں

پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ابو رہم غفاری اپنے ابن عم سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے' جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گا تو ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے' پھر ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے' اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا چوتھائی ہیں' جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کے بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آ کر ہم کو ڈھانپ لیا' ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں' اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا "حیزوم آگے بڑھو" اور ہم نے سنا وہ کہہ رہے تھے ٹھہرو' پیچھے سے آؤ' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے' پھر ان کی طرح ایک اور جماعت آئی' اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی' پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے دگنے نظر آئے' میرا عم زاد فوت ہو گیا' اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سائب بن ابی حبیش اسدی' حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا' ان سے پوچھا پھر کس نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی' مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا' اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا' حضرت عبدالرحمان بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا' حضرت عبدالرحمٰن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی شخص نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے' حتیٰ کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی حبیش! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا' اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا ناپسند کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے' اے ابن عوف اپنے قیدی کو لے جاؤ! تو حضرت عبدالرحمان مجھے لے گئے' سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو مخفی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو موخر کرتا رہا بالآخر میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے جس سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی تائید کی گئی ہے' اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔

امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے : "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔" اور کہہ رہے تھے : "اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا' اور حضرت ابوبکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخرو کرے گا' پھر اللہ عزوجل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگاتار فرشتے نازل کیے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابوبکر خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں' ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں' جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہو

گئے' پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آ گئی۔
امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں' اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر! اور ان کے قدم اکھاڑ دے' پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کہاں سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔
(کتاب المغازی ج ۱ ص ۸۱۔ ۵۷' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' الطبعۃ الثالثۃ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے' انہوں نے اپنی بینائی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں بینا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔
(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۸۱' جامع البیان ج ۴ ص ۵۰' سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۴)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:
حضرت ابوداؤد مازنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں سو میرے تلوار مارنے سے پہلے ہی اس کا سر کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۵۳۔ ۴۵۲' سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳' جامع البیان ج ۴ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابوسفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے' ابو رافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابوالیسر تھے' حضرت ابوالیسر دبلے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالیسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ایک شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملائکہ نے کسی دن بھی قتال نہیں کیا' باقی ایام میں وہ عددی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتال نہیں کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قریظہ اور نضیر کا محاصرہ کرتے رہے' اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی' پھر ہم واپس آ گئے' سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سر دھو رہے تھے' اچانک آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا' اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے' پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا' پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم قریظہ اور نضیر کے پاس پہنچے' اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی' اور

اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان جز ۴ ص ۵۲ - ۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور غسل فرمایا' آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے' بہ خدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے' آپ ان کی طرف نکلئے' آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو غنم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا' جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱ - ۵۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فرشتوں کے قتال کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ رہا فرشتوں کی مدد کا معاملہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے' لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانے کے لیے' ان کی دلجمعی کے لیے' ان کو مطمئن کرنے کے لیے' جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے' دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا' انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً" حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرانا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے' مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے' جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتال کیا تھا ان میں سے بعض سنداً" ضعیف ہیں اور بعض میں تاویل اور توجیہ ہے' اس سلسلہ میں ہم پہلے اس مسئلہ میں مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے پھر اپنا موقف پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ان آیات کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے' سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمایا' پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا بہ شرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں' اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی' اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی' اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں' اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی' اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے' البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ — جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری

مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ فریاد سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے

(الانفال : ۹) مدد کرنے والا ہوں۔

البتہ جنگ احد میں مسلمانوں کی فرشتوں سے مدد نہیں کی گئی ورنہ وہ شکست نہ کھاتے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۵۳ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتال کیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے لیکن انہوں نے عملی طور پر قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا' اور یہی جمہور کا قول ہے لیکن ابو بکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے' حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے مدائن کی سرزمین کو تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس زمین کو پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(۳) اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آ رہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی' اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہئے تھا' حالانکہ یہ منقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں اس قسم کے شبہات وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں' سو ابو بکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتال کرنے کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تواتر کے قریب ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ چتکبرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا' ابو بکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی کام پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر تلوار مارتے اور ہماری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال : ۱۲)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کروں گا' تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کئے ہوئے کافر الگ پہچانے جاتے تھے۔ ان کی گردنوں کے اوپر تلوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب تھی' اور ہر ضرب کی جگہ ایسی تھی جیسے آگ سے جلی ہوئی ہو' امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی' کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ابوجہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ باوجود میری پوری کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا' اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل پرسکون رہیں' اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنادیا' سو ہر وہ لشکر جو صبر و ضبط سے کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آکر اس کے ساتھ قتال کرتے ہیں' حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے آتے تھے' اور بعض علماء نے کہا کہ بہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں' تسبیح پڑھیں اور لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں' اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتال نہیں کیا وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لیکن پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قتادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی' حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں' شعبی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی تھی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر یہ خبر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے○ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا○ (آل عمران: ۱۲۵-۱۲۴) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ ان کی مدد کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا' اور اللہ تعالیٰ نے بھی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے' اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی گئی تھی' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور بچیں' تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام جنگوں میں مدد فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی کرنے سے ڈرے تو جب انہوں نے قریظہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال ملائکہ) سے مدد فرمائی' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے متعلق ہے کہ اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے' اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کی جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو

سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں بہت شدت سے قتال کرتے ہوئے دیکھا' اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتال سے مدد نہ کی گئی ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں :

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ان کے ارادے پختہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوش خبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۲۶) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے' اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے' کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نقل فرمایا ہے اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا' اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے ان کو جنگ کے متعلق عمدہ تدبیریں القاء کریں گے چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے' اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے مخفی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھیرایا' اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیراندازوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا' اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا' امام ابن حجر نے اس کی نفی کی ہے اور حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا ہے اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا' ابوبکر اصم نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی' نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا' نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

وَيُقَلِّلُكُمْ فِيٓ اَعْيُنِهِمْ (الانفال: ۴۴)   اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر نہیں آرہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سر کٹ کٹ کر گر رہے ہوں' پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تواتر سے نقل ہونا چاہیے تھا۔

امام رازی نے جو ابوبکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوبکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کہیں یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفعل قتال کیا ہے' البتہ سورہ انفال میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا' اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر

کرتے ہیں اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزول ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران : ۱۲۶' الانفال : ۱۰)

باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال ان دنوں میں مختلف تھے' جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کی' اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔ (المدارج ۴ ص ۱۱۵۔ ۱۱۲' ملخصا" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں :

فرشتوں کے قتال کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتال کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(انوار التنزیل ص ۲۳۵' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتال کیا تھا یا قتال نہیں کیا بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا' اس کی تفصیل کشاف میں ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۲۵۶' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امداد کو محض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا' اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے' اور بعض احادیث میں اس کی دلیل ہے حضرت ابو اسید نے نابینا ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور بینا ہوتا تو تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۷۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صراحۃً یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال کیا' البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے :

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ (الانفال : ۱۲)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کروں گا تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں :

اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا' لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن اس آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا یہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (المحرر الوجیز' ج ۸ ص ۷۲' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے' ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنوں سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (البحر المحیط ۵ ص ۲۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر بر حاشیہ قرآن' مطبوعہ سعودی عربیہ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ابوداؤد مازنی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوا اس کا سر میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر بر حاشیہ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں لیا ہوگا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں' بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے' انہوں نے دو ٹوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتال کا قول کیا ہے اور نہ صراحتہً اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتال ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں :

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکۃ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور در اصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا' فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا' اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ

فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفرو کافر کا نام ہی نہ رہتا' حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں' اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے' مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بھی بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا' اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در منثور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۹۷' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

شیعہ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے' جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے' انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور عمامہ کا شملہ کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا' انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا' اور ماضی اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جہاد کا حکم دیا گیا تھا' حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان شخص نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا' اور وہ شخص کسی اور کو نہ دیکھتا' اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا' اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں فرق یہ تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔

(منہج الصادقین ج ۲ ص ۱۶۸' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

آیۃ اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے' بعض اس کے معتقد ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے' اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا' اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے' اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے' ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) آل عمران: ۱۲۶ اور الانفال: ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

امام ابومنصور محمد بن محمد محمود ماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

ملائکہ کے قتال میں اختلاف کیا گیا ہے' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتال کیا تھا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا بلکہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن رکھنے کے لیے آئے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ. (الانفال: ۴۴)

اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد بھی انہیں کم دکھائی۔

یعنی مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی تا کہ اُن کی اصل تعداد جو بہت زیادہ تھی' کو دیکھ کر مسلمان گھبرا نہ جائیں اور اگر یہ کہا جائے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا تو فرشتے تو کفار کی زیادہ تعداد سے گھبرانے والے نہیں ہیں' کیونکہ ان میں سے ایک فرشتہ بھی تمام مشرکین کے لیے کافی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبریل نے کیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا تھا' سو یہ ہمارے قول پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا' غزوۂ احد میں نہیں کیا تھا' سو ہم کو نہیں معلوم کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۰۵' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ لکھتے ہیں:

مشرکین کے ساتھ فرشتوں نے غزوۂ اُحد میں قتال نہیں کیا' انہوں نے مشرکین کے ساتھ صرف یوم بدر میں قتال کیا تھا۔

(تفسیر مجاہد ص ۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی البلخی المتوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور صحابہ کرام کے دائیں جانب پانچ سو فرشتوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ان صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب کہ حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ صحابہ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے' ان صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان فرشتوں نے سفید لباس اور سفید عمامے زیب تن کیے ہوئے تھے اور انہوں نے عمامہ کے شملے کندھوں کے درمیان پیچھے چھوڑے ہوئے تھے۔ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال کیا تھا اور جنگ احزاب و جنگ خیبر میں قتال نہیں کیا تھا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۲ ص ۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ بدر میں رب عزوجل سے بہت زیادہ دعا کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا فرمائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عریش میں بیٹھے معمولی سی نیند آ گئی' پھر آپ بیدار ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ کی مدد آ گئی' یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے قیادت کر رہے ہیں اور ان کے سامنے کے دانتوں پر گرد و غبار ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۸۰۔ ۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا: یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر جنگ کے ہتھیار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے اور جنگ حنین میں سبز عمامے تھے اور فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا کسی دن بھی قتال نہیں کیا اور باقی ایام میں فرشتے عددی برتری اور مدد کے لیے آئے تھے۔

اور ابو اُسید مالک بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں موجود تھے اور انہوں نے اپنی بینائی زائل ہونے کے بعد کہا کہ اگر میں

تمہارے ساتھ آج وادی بدر میں ہوتا اور میری بصارت بھی ہوتی تو میں تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۳) (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری نقشبندی متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

بعض فرشتے بعض مردوں کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ ابوسفیان بن حارث کہتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر میں کچھ سفید انسان دیکھے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمان اور زمین کے درمیان تھے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے سہل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں کچھ سفید رنگ کے انسانوں کو چتکبرے گھوڑوں پر آسمان اور زمین کے درمیان دیکھا' وہ نشان زدہ تھے' وہ کافروں کو گرفتار بھی کر رہے تھے اور قتل بھی کر رہے تھے۔

امام ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں دو آدمیوں کو دیکھا' ایک آپ کے دائیں جانب تھا اور ایک آپ کے بائیں جانب تھا۔ وہ دونوں بہت شدت سے قتال کر رہے تھے' پھر میں نے ایک تیسرے شخص کو دیکھا جو آپ کے پیچھے تھا' پھر ایک چوتھے شخص کو دیکھا جو آپ کے آگے تھا۔

ابراہیم غفاری اپنے عم زاد سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے پانی پر کھڑے ہوئے تھے' جب ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کی قلت کو دیکھا اور قریش کی کثرت کو دیکھا تو ہم نے کہا: یہ لوگ تو قریش کے چوتھائی ہیں' اسی اثناء میں ہم نے دیکھا کہ ایک بادل آیا جس نے ہم کو ڈھانپ لیا' پھر ہم نے آدمیوں کی اور ہتھیاروں کی آوازیں سنیں اور ہم نے سنا' ایک آدمی کہہ رہا تھا: اے حیزوم! آگے بڑھو۔ پھر وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اتر آئے' پھر اسی طرح کی دوسری جماعت آپ کے بائیں جانب اتر آئی۔ (الحدیث)

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ ۱۴۲۵ھ)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کیونکہ بیشک وہ ظلم کرنے والے ہیں ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۳/۹/۴

وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

لیس لک من الامر شئی کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں

اس آیت کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں' زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ احد میں نازل ہوئی ہے اور اس کی بھی کئی تقریریں درج ذیل ہیں:

(۱) عتبہ بن ابی وقاص کی ضرب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کا

نچلا دانت شہید ہو گیا' آپ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام آپ کے چہرے سے خون دھو رہے تھے' اس وقت آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا' اس وقت آپ نے ان کے لیے دعائے ضرر کرنا چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اس حدیث کا بیان صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ میں ہے۔)

(۲) سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کے لیے دعاء ضرر کی اور فرمایا: اے اللہ ابوسفیان پر لعنت فرما' اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت فرما' اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت فرما' تب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' اور ان لوگوں نے مسلمان ہو کر نیک عمل کیے۔

(۳) نبی ﷺ نے سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو دیکھا ان کو مثلہ کر دیا گیا تھا اور ان کی لاش کے اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا میں تیس کافروں کو مثلہ کروں گا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ قفال نے کہا جنگ احد میں یہ تمام واقعات پیش آئے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (امام رازی اور بعض دیگر مفسرین کو یہاں وہم ہوا ہے' رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تیس کافروں کو مثلہ کروں گا' آپ نے فرمایا تھا میں بھی ان کو مثلہ کروں گا' کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۳۲۰' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به النحل: ۱۲۶' اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی۔ امام رازی نے بغیر کسی حوالہ کے اس روایت کو تفسیر کبیر میں درج کیا ہے' جب میں نے اس روایت کو پڑھا تو میرے قلب و ضمیر نے یہ قبول نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی لاش کو مثلہ کئے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا ہو کہ میں اس کے بدلہ میں ان کے تیس کافر مثلہ کروں گا' میں اس روایت کی اصل تلاش کرتا رہا بہر حال مجھے کتاب المغازی للواقدی میں یہ روایت مل گئی جس میں ہے کہ میں ان کو مثلہ کروں گا' اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے مطابق ہے کہ "برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔" (الشوریٰ: ۴۰) اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ توفیق بخشی)۔ اس آیت کے متعلق دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جن بعض لوگوں نے جنگ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی تھی' اور اس وجہ سے شکست ہوئی تھی' نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان تمام اسباب کا تعلق واقعہ احد سے ہے' لیکن مقاتل نے ایک اور سبب بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو بیر معونہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں' عامر بن طفیل ان کو اپنے لشکر کے ساتھ لے گیا اور ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ سے سخت اذیت پہنچی اور آپ نے چالیس روز تک ان کافروں کے خلاف دعائے ضرر کی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا تعلق قصہ احد کے ساتھ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

آپ کو کفار پر لعنت کرنے سے منع کرنا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

اس آیت کے جو شان نزول بیان کیے گئے ہیں ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایسے کام کرتے رہے تھے جن سے آپ کو منع کیا گیا' سو اگر یہ کام حسن تھے تو آپ کو ان سے منع کیوں کیا گیا اور اگر یہ کام قبیح تھے تو یہ آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو کفار پر لعنت کی یا دعاء ضرر کی یہ ترک اولیٰ اور ترک افضل کے باب سے ہے' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (النحل : ۱۲۶)

اور اگر تم ان کو سزادو تو اتنی ہی سزادو جتنی تم کو اذیت پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کسی کی اذیت پہنچانے سے اس کا بدلہ لو' تو بدلہ لینا جائز ہے لیکن اگر تم بدلہ لینے کے بجائے صبر کرو تو وہ افضل اور اولیٰ ہے' اسی طرح نبی ﷺ کا کفار پر لعنت کرنا اور ان کے خلاف دعاء ضرر کرنا جائز تھا لیکن اس کو ترک کرنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے اور ترک افضل اور ترک اولیٰ عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ عصمت کے خلاف گناہ کبیرہ یا گناہ صغیرہ ہے اور آپ نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' نہ "سہوا" نہ "عمدا" نہ "صورۃ" نہ "حقیقتہ"۔ نبی ﷺ کا بعض کفار پر لعنت کرنے اور دعاء ضرر کرنے کا بیان ان حدیثوں میں ہے :

بعض کافروں کے خلاف دعاء ضرر کرنے اور لعنت کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کے بعد یہ دعا کرتے : اے اللہ! فلاں اور فلاں اور فلاں کو لعنت کر' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شیئی' نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھتے رہے۔ آپ رعل اور ذکوان کے خلاف دعاء ضرر کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی نماز میں قرات سے فارغ ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنے کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرتے : اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ضعفاء مومنین کو نجات دے' اے اللہ مضر کو شدت کے ساتھ پامال کر دے' اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط نازل فرما' اے اللہ! لحیان' رعل اور ذکوان پر اور عصیہ پر جس نے اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کی ہے' لعنت فرما' پھر جب نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی : لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون تو آپ نے اس دعاء ضرر کو ترک فرما دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

بعض کافروں پر لعنت کرنا اور دعاء ضرر کرنا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں

رہا یہ اعتراض کہ نبی ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں تو بعض کفار کے لیے آپ کا دعاء ضرر کرنا اور لعنت کرنا کس طرح مناسب ہو گا؟ اس کا جواب بہ طور نقض اجمالی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کفار کو عذاب دینا جب اس کے رحمان و رحیم ہونے کے منافی نہیں ہے تو آپ کا ان کے لیے دعاء ضرر کرنا آپ کے رحمۃ للعلمین

ہونے کے منافی کیونکر ہو گا۔ اور بہ طور نقض تفصیلی اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کی ہدایت اور اسلام لانے کی دعوت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ آپ کسی خاص علاقہ، قوم یا خاص زمانہ کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ کی بعثت قیامت تک تمام جنوں اور انسانوں کے لیے ہے اور آپ کے لائے ہوئے دین پر عمل کرکے تمام مخلوق دنیا میں عدل اور امن کے ساتھ رہے گی اور آخرت میں اس پر جنت کی تمام نعمتوں کا دروازہ کھل جائے گا، اور جس طرح دعوت اسلام کو رد کرنے والے کافروں سے قتال کرنا، مرتدین کو قتل کرنا، زانیوں کو رجم کرنا اور ان کو کوڑے لگانا، چوروں کے ہاتھ کاٹنا اور ڈاکوؤں کو قتل کرنا اور ان کو پھانسی دینا اور دیگر مجرموں کو سزائیں دینا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح بعض کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا بھی آپ کی رحمت کے منافی نہیں ہے۔

جن کافروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور چہرہ کو زخمی کیا آپ نے ان کے متعلق صرف اتنا فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا اور جو کافر تبلیغ کا نام لے کر ستر صحابہ کو لے گئے اور ان کو قتل کر دیا۔ ان کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک دعاء ضرر کرتے رہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ فعل ناجائز یا نامناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی آپ کو اس سے منع فرما دیتا، آپ کا ہر فعل نیک اور حسن ہے اور ہر فعل میں امت کے لیے نمونہ اور ہدایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کافروں کے لیے دعا ضرر کرنا اور ان پر لعنت کرنا، یہ بھی ایمان والوں کے لیے نہایت حسین عمل ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ جو کافر بدعہدی کریں ان کے لیے دعاء ضرر کرنا جائز ہے، اور جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھیں اس میں مسلمانوں کے لیے سلامتی اور کافروں کے لیے ہلاکت کی دعا کریں، بعض علماء اور مفسرین کو اس مقام پر لغزش ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاء ضرر کرنے کو بددعا لکھا ہے، یاد رکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بد نہیں ہے، آپ کا ہر فعل نیک اور حسین ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے، لہٰذا آپ کے کسی فعل کو بد کہنا اور آپ کی دعاء ضرر کو بددعا کہنا اس آیت کے خلاف اور حلاوت ایمان کے منافی ہے، ان علماء نے زیادہ غور نہیں کیا اور اردو محاورے کی روانی میں آپ کی دعاء ضرر کو بددعا لکھ گئے، ہم ذیل میں ان علماء کی عبارات نقل کر رہے ہیں:

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اور بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا فرمائی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۵، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ (حاشیۃ القرآن ص ۸۵)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا بھی فرمائی تھی۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۱۷۵، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ والے کفار کے لیے بددعا کی (نور العرفان ص ۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری نے قنوت نازلہ کی بحث میں بہت محتاط ترجمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

اور نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لیے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۱۳، مطبوعہ سنی دار الاشاعت لائل پور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعاء ضرر سے روکنے کی توجیہ اور بحث و نظر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے، یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ظالم کافروں کے متعلق ہلاکت اور نقصان کی دعا کرتے رہے اور مسلمانوں کے لیے حصول رحمت کی دعا فرماتے رہے تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ ہو کہ ظالم کافروں کے لیے تباہی اور بربادی کی دعا کرنا جائز ہے اور آپ کی سنت ہے، اسی لیے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں تو صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی جائے، امام آہستہ آہستہ مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کی تباہی کے لیے دعا کرے اور اسی طرح مقتدی بھی دعا کریں، اور یہ بھی جائز ہے کہ امام بلند آواز سے یہ دعا کرے اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں، اور جب مسلمانوں سے مصیبت ٹل جائے تو پھر اس دعا کو ترک کر دیں اور عام معمول کے مطابق نمازیں پڑھیں، جس طرح ضرورت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا سے روک دیا تھا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں عین معرکہ کارزار کے وقت عبد اللہ بن ابی ابن سلول اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا، اور بعض مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، کئی مسلمان گھبرا کر بھاگ پڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہوا اور دانت مبارک شہید ہوا، ان حالات کی وجہ سے قدرتی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج و غم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے تو آپ اس پر غم نہ کریں آپ کا کام صرف زبان اور عمل سے ہدایت دینا ہے۔ رہا ان کا کفر سے توبہ کرنا اور ان کے دلوں میں اسلام کا پیدا کرنا یا ان کو ان کے کفر پر قائم رکھ کر عذاب دینا اس کے آپ مالک و مختار نہیں ہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ

قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ ظالموں اور کافروں کی ہلاکت کی دعا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا کہ یہ دعا آپ کی رحمت کے شایان شان نہیں ہے' ان کافروں اور ظالموں میں سے بعض نے اسلام قبول کرلیا اور بعض کی اولاد نے اسلام قبول کرلیا' کیونکہ اگر یہ دعا کرنا آپ کی شان کے لائق نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی اس دعا سے آپ کو روک دیتا' ایک ماہ تک کیوں آپ کو یہ دعا کرنے دی' ہمارے نزدیک نبی ﷺ کا ہر فعل حسن ہے اور واجب الاتباع ہے' آپ کا کوئی فعل غیر مستحسن اور ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اب ہم بعض مفسرین کی تفسیر کو نقل کر رہے ہیں۔ ہرچند کہ یہ مفسرین بہت مشہور اور اپنے حلقوں میں مقبول ہیں لیکن ان کی یہ تفسیر پسندیدہ اور مختار نہیں ہے۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس دعا سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بعض کافر توبہ کرکے اسلام لے آئیں گے اور بعض اگرچہ تائب نہیں ہوں گے لیکن ان کی اولاد نیک اور متقی ہوگی' اور جو لوگ اس قسم کے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق یہ ہے کہ وہ ان کو دنیا میں مہلت دے اور ان سے آفات کو دور کرے حتی کہ وہ توبہ کرلیں یا ان سے وہ اولاد پیدا ہو جائے' اور اگر رسول اللہ ﷺ ان کی ہلاکت کی دعا کرتے رہتے تو اگر آپ کی دعا قبول ہوتی تو یہ مقصود حاصل نہ ہوتا اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہوتی تو اس سے آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ کم ہوتا' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا' نیز اس میں یہ بھی مقصود ہے کہ بندہ کے عجز کو ظاہر کیا جائے اور یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی ملکوت کے اسرار میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے' میرے نزدیک یہ بہت اچھی تفسیر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ لکھتے ہیں)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں :

لیس لک من الامر شیئی میں آنحضرت ﷺ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے' اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ (حاشیۃ القرآن ص ۸۵ مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ' لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اے محبوب تمہیں ان کفار پر بددعا کرنے کا اختیار یا حق نہیں' ورنہ گذشتہ انبیاء کرام کفار پر بددعا کرکے انہیں ہلاک نہ کراتے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بددعا آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ آپ رحمت للعالمین ہیں۔ (نور العرفان ص ۱۰۴' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں :

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی' انہیں

میں حضرت خالد بھی تھے۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳)

یہ تفسیر کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے دعاء ضرر فرمائی ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک مختار تفسیر یہ ہے کہ آپ کا کافروں اور منافقوں کے لیے دعاء ضرر کرنا اس لیے تھا کہ ظالموں اور کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا مشروع اور سنت ہو جائے اور قنوت نازلہ کا جواز ثابت ہو اور جب یہ حکمت پوری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت آپ کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی کہ اگرچہ کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے لیکن آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ ان میں ہدایت اور توبہ کی تحریک پیدا کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ان میں ہدایت پیدا کر کے ان کی توبہ قبول فرمائے اور چاہے تو ان کو ان کے کفر پر برقرار رکھ کر ان کو عذاب دے۔

قنوت نازلہ کا معنی

قنوت کا معنی دعا ہے اور نازلہ سے مراد ہے نازل ہونے والی آفت اور مصیبت' اگر مسلمانوں پر خدانخواستہ کوئی مصیبت نازل ہو مثلاً دشمن کا خوف ہو' قحط ہو' خشک سالی ہو' وباء ہو' طاعون ہو یا کوئی اور ضرر ظاہر ہو تو آخری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد امام آہستہ دعا کرے اور مقتدی بھی آہستہ دعا کریں یا امام جہری نماز میں جہراً دعا کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں اور مسلمان اس وقت تک نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے اس مصیبت کو دور نہ کر دے۔

قنوت نازلہ میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک کا مختار یہ ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت نازلہ پڑھے اور یہی اسحاق کا قول ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے' خلفاء اربعہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو اختیار ہے' اور امام دار قطنی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

قنوت نازلہ میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا جب صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد کھڑا ہو تو سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کھڑا ہو کر یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِىْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِىْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِىْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِىْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِىْ وَلَا

اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے مجھے ان میں ہدایت پر برقرار رکھ اور جن کو تو نے عافیت دی ہے مجھے ان میں عافیت سے رکھ اور جن چیزوں کا تو والی ہو چکا ان میں میرا والی ہو'

يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ اور جو چیزیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان میں برکت دے اور میرے لیے جو شر مقدر کیا ہے اس سے مجھ کو محفوظ رکھ' تو قسمت بناتا ہے اور تجھ پر مقسوم نہیں کیا جاتا اور جس کا تو کارساز ہو وہ رسوا نہیں ہوتا' اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا کرتے: اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بہ ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ کے کمزور مسلمانوں کو نجات دے' اے اللہ مضر پر اپنی گرفت کو مضبوط کر' اور ان پر یوسف علیہ السلام کے قحط کے سالوں کی طرح قحط کے سال مقرر کردے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دعا تو آپ نے صرف ایک ماہ کی تھی جب بیر معونہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحاب کو شہید کردیا گیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی حتی کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی (آل عمران: ۱۲۸) تو پھر آپ نے یہ دعا ترک کردی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کا نام لے کر دعا کرنا ترک کردیا تھا' اور صبح کے علاوہ باقی چار نمازوں میں دعا کرنے کو ترک کر دیا تھا' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے آپ کو فوت کردیا' رہا حضرت ابن عمر کا یہ کہنا کہ قنوت بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر خود اپنے والد کے ساتھ قنوت کرتے تھے لیکن وہ بھول گئے' اور باقی نمازوں کو صبح کی نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صبح کی نماز کئی احکام میں باقی نمازوں سے مختلف ہے۔ اس کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی ہے اور اس میں تثویب کی جاتی ہے' (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۹۹۔ ۱۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

قنوت نازلہ میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

وتر کے سوا اور کسی نماز میں قنوت پڑھنا سنت نہیں ہے' صبح کی نماز میں نہ اور کسی نماز میں' ہماری دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک عرب کے بعض قبیلوں کے لیے دعاء ضرر کرتے رہے پھر آپ نے اس کو ترک کردیا' اور امام ترمذی نے تصحیح سند کے ساتھ ابومالک سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' اور حضرت علی کی اقتداء میں کوفہ میں پانچ سال نمازیں پڑھیں ہیں کیا یہ لوگ قنوت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے' ابراہیم نخعی نے کہا سب سے پہلے جس نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی وہ حضرت علی تھے' کیونکہ وہ جنگ میں مشغول رہے اور اپنے دشمنوں کے خلاف صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے' امام سعید نے اپنی سنن میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی تو لوگوں نے اس پر تعجب کیا' حضرت علی نے فرمایا: ہم اپنے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کر رہے ہیں' اور امام سعید نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اسی وقت قنوت پڑھتے تھے جب آپ کسی قوم کے لیے رحمت کی یا کسی قوم کے لیے ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاحیات صبح کی نماز میں قنوت کرتے رہے اس سے مراد طول قیام ہے۔ کیونکہ طول قیام کو بھی قنوت کہتے ہیں' اور حضرت عمر سے جو قنوت مروی ہے اس سے مراد مصائب کے وقت قنوت پڑھنا ہے' کیونکہ اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عمر قنوت نہیں

پڑھتے تھے۔ اور امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام کے لیے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا جائز ہے۔ (المغنی ج ۱ص ۴۵۰-۴۴۹ ملخصا مطبوعہ دارالفکر بیروت ' ۱۴۰۵ھ)

قنوت نازلہ میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

امام محمد نے فرمایا وتر کے سوا کسی نماز میں ہمارے نزدیک قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔

(المبسوط ج ۱ص ۱۶۵' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی ابن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

قنوت (نازلہ) اجتہادی مسئلہ ہے' امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

(ھدایہ اولین ص ۱۴۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

متاخرین احناف نے مصائب کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز کہا ہے' علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں : قنوت نازلہ پڑھنا دائمی شریعت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو قنوت نازلہ کو ترک کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لیس لک من الامر شئی (آل عمران : ۱۲۸) نازل فرما کر آپ کو روک دیا تھا اور بعد میں مسلمانوں پر کوئی آفت نہیں آئی۔ بعد میں جن صحابہ کرام نے قنوت نازلہ نہیں پڑھی اس کی بھی یہی وجہ تھی اور بعض صحابہ نے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھی ہے اس وجہ سے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ص ۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ فرماتے ہیں :

مصیبت کے وقت قنوت (نازلہ) پڑھنا دائمی شریعت ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

(مراقی الفلاح ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

البحر الرائق اور دیگر کتب فقہ میں ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے' الاشباہ اور شرح المنیۃ میں لکھا ہے کہ مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا دائمی شریعت ہے' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے قنوت پڑھی ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے' امام ابوجعفر طحاوی نے کہا کہ مصیبت کے وقت صرف صبح کی نماز میں قنوت پڑھے اور تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا قول ہے' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی نمازوں میں قنوت پڑھی اور صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی' یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ اس عمل پر اتنی مواظبت نہیں ہے جتنی فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے پر تکرار اور مواظبت ہے' اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ ہمارے نزدیک قنوت صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے' فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ فجر کی نماز میں امام قنوت پڑھے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی قنوت نہ پڑھے' رہا یہ کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یا بعد۔ اس مسئلہ میں میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام کی اتباع کرے (اگر وہ سراً قنوت پڑھے) ہاں اگر امام جہراً قنوت پڑھے تو مقتدی آمین کہے' اور رکوع کے بعد قنوت پڑھے کیونکہ اسی طرح حدیث میں ہے' میں نے علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح

میں دیکھا ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے' اور علامہ حموی نے یہ کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھے اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو ہم نے کہا ہے (یعنی رکوع کے بعد قنوت پڑھے) (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قنوت نازلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ

غیر مقلدین کے مشہور عالم حافظ عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعا قنوت پڑھنا بدعت ہے' البتہ فجر کی نماز میں بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حدیث میں جب ضعف تھوڑا ہو تو فضائل اعمال میں معتبر ہے ہاں ضروری سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ضعف ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۴' مطبوعہ دار احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں' اللہ جانے محدث روپڑی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو ضعیف کیسے کہہ دیا' ان حدیثوں کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کی بحث کی گئی ہے ان کو ضعیف کسی نے نہیں کہا۔

نیز حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:

مقتدیوں کا دعاء قنوت میں آمین کہنا ابوداؤد میں موجود ہے۔ مگر یہ عام دعاء قنوت کے متعلق ہے وتروں کی خصوصیت نہیں آئی۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۵)

اصحاب بیر معونہ کی شہادت کا بیان

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابوبراء عامر بن مالک بن جعفر کلابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور اس پر اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہیں ہوا اور اسلام سے بیزار بھی نہیں ہوا اور کہنے لگا یا محمد! کاش آپ صحابہ کو اہل نجد کے پاس بھیج دیں مجھے امید ہے کہ وہ دعوت اسلام کو قبول کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی' صحابہ کو ہلاک کر دیں گے' عامر نے کہا میں ضامن ہوں انہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ستر قاری بھیج دیئے۔ یہ لوگ رات بھر نفل پڑھتے تھے۔ صبح کو لکڑیاں اور پانی تلاش کر کے لاتے اور سرکار کے حجرہ میں پہنچا دیتے۔ آپ نے ان ستر قاریوں پر منذر بن عمرو کو امیر بنایا اور ان سب کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو انہوں نے حرام بن ملحان کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دے کر دشمن خدا عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے خط دیکھے بغیر ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا' پھر عصیہ' ذکوان اور رعل کے قبائل مل کر ان ستر قاریوں پر حملہ آور ہوئے اور یہ تمام قراء ان سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سوا کعب بن زید کے ان میں کچھ رمق حیات باقی تھی۔ اس لیے نجدیوں نے انہیں چھوڑ دیا وہ بعد میں زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۱' مطبوعہ بیروت' ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۹۔۱۸ مطبوعہ بیروت)

یہ واقعہ غزوہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ ہجری میں پیش آیا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸)

علم رسالت پر اعتراض کا جواب

بعض اہلِ تنقیص کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ عامر کے مطالبہ پر ستر صحابہ کو نجد نہ بھیجتے اور اگر باوجود علم کے آپ نے ان کو بھیجا تو آپ پر العیاذ باللہ الزام آئے گا کہ آپ نے جان بوجھ کر انہیں موت کی طرف دھکیل دیا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اہل نجد کی اسلام دشمنی کا علم تھا تبھی آپ نے فرمایا تھا انی اخشی علیھم اھل نجد (مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی صحابہ کو ہلاک کر دیں گے) اور باوجود اس کے کہ آپ کو ان کی شہادت کا علم تھا۔ آپ نے اہل نجد کے مطالبہ تبلیغ پر انہیں نجد بھیج دیا تاکہ کل قیامت کے دن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو قبول اسلام کے لیے تیرے نبی سے مبلغ مانگے تھے اس نے نہیں بھیجے' نیز آپ نے یہ تعلیم دی کہ جان کے خوف سے تبلیغ سے نہیں رکنا چاہئے' اگر جان کے خوف سے تبلیغ چھوڑنا جائز ہوتا تو جہاد اصلاً مشروع نہیں ہوتا کیونکہ اس بات کا ہر شخص کو یقین ہوتا ہے کہ جہاد میں کچھ نہ کچھ مسلمان یقیناً شہید ہو جائیں گے اور جان کے خوف سے جہاد نہ کرنا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی! نیز جو موت شہادت کی صورت میں حاصل ہو وہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا علم تدریجی ہے اگر اس وقت علم نہیں تھا تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَ

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے

ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ

رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے

لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

تیار کی گئی ہے ○ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا تھا کہ مومن کسی غیر مومن کو اپنا دوست اور ہم راز بنائے' اور اس کے بعد احد کا قصہ بیان فرمایا' اور کفار اپنے کاروبار کے اکثر معاملات سود کے ذریعہ کرتے تھے' اور یہ سودی کاروبار وہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس کاروباری معاملہ کی وجہ سے بھی مسلمان کافروں سے ملتے جلتے تھے' تب مسلمانوں کو سودی لین دین سے بالکل روک دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ تعلقات کی کوئی وجہ نہ رہے' ابتداء میں مسلمان تنگ دست تھے' اور کفار اور یہودی بہت خوش حال تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام مال کھانے کی وجہ سے نیک اعمال اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں' جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں

ہوئی اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے جو شخص مال حرام سے حج کرتا ہے تو جب وہ لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں ہے اور تمہارا حج مردود ہے۔

نیز جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست مال دنیا کی مالی محبت کی وجہ سے ہوئی تھی کیونکہ مال دنیا کی محبت کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظرانداز کر کے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے' سو اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم مال دنیا کی محبت کی وجہ سے دگنا چوگنا سود کھانا نہ شروع کر دینا' اور مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مشرکین مکہ نے سودی کاروبار سے اپنا سرمایہ بڑھا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا اور جنگ احد لڑی تھی ہو سکتا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو بھی سودی کاروبار کے ذریعہ اپنے سرمایہ کو بڑھانے کا خیال آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے ہی منع فرما دیا کہ دگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔

سود مفرد اور سود مرکب کا بیان

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص کو مثلاً ایک سال کی مدت کے لیے دس روپے کی زیادتی پر سو روپے قرض دیتا' اور جب ایک سال کے بعد مقروض رقم ادا نہ کر سکتا تو اب قرض خواہ ایک سو دس روپے پر دس روپے فی صد کے حساب سے سالانہ سود مقرر کر دیتا اس طرح ہر سال کرتا' یا کہتا کہ تمہیں ایک سال کی مزید مہلت دیتا ہوں لیکن تمہیں سو روپے کی بجائے دو سو روپے دینے ہوں گے' اسی طرح عدم ادائیگی کی صورت میں ہر سال سو روپے کا اضافہ کرتا چلا جاتا' یہ سود در سود ہے اس کو سود مرکب بھی کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں سود مفرد یہ ہے کہ اصل رقم سو روپے ہو اور قرض خواہ اس رقم پر مقروض سے دس فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کرے۔

اس آیت میں سود مرکب کو حرام کیا گیا ہے' لیکن اس آیت میں اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ صرف سود مرکب حرام ہے' اور سود مفرد جائز ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً" سود کو حرام کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ — اور اللہ نے بیع کو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا۔

(البقرہ: ۲۷۵)

ربا الفضل کا بیان

سورہ بقرہ میں ہم سود کے متعلق مفصل بحث کر چکے ہیں اس لیے اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔ یہ بحث ربا النسیئہ سے متعلق ہے اور ربا الفضل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی جب بیع کی جائے تو وہ دونوں نقد ہوں اور برابر برابر ہوں اور ان میں زیادتی سود ہے' امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا' سونے کے عوض' چاندی' چاندی کے عوض' گندم' گندم کے عوض' جو' جو کے عوض' کھجور' کھجور کے عوض اور نمک' نمک کے عوض فروخت کرو' برابر' برابر اور نقد بہ نقد' اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۸۷ جامع ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۴۴ سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۳۴۹ سنن نسائی رقم الحدیث ۴۵۷۵)

سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث ۲۲۵۴' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۵۴۱' مسند ابو یعلی رقم الحدیث : ۵۶۹۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث ۱۴۱۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۵۰۱۸' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۰۴۔۱۰۳' سنن کبری للبیہقی ج ۵ ص ۲۸۲۔۲۷۷)

صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۰۲۷' سنن ابن ماجہ (۲۲۵۳) اور طبرانی (المعجم الکبیر : ۱۰۱۷) میں حضرت عمر سے روایت ہے اور اس میں چاندی کے علاوہ باقی پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

ربا الفضل میں علت حرمت کی تحقیق

احادیث میں سونا' چاندی' گندم' جو' کھجور اور نمک ان چھ چیزوں کی بیع ان کی مثل میں زیادتی اور ادھار کے ساتھ منع کی گئی ہے اور جب دو نوع مختلف ہوں تو پھر زیادتی کے ساتھ بیع منع نہیں ہے' ائمہ مجتہدین نے ان چھ چیزوں میں علت مشترکہ نکال کر باقی چیزوں کی مثل میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع کو منع کیا ہے' امام شافعی نے کہا ان چھ چیزوں میں ثمنیت اور طعم مشترک ہے' سو جو چیز ثمن ہو یا کھانے پینے کی چیز ہو اس کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع منع ہے اور باقی چیزوں میں جائز ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں ان کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہو گی مثلاً ایک کپڑے کا تھان اس جیسے دو تھانوں کے ساتھ بیچنا جائز ہو گا' امام مالک کے نزدیک ثمنیت اور خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت علت ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا' پیتل' لوہا' لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں اپنی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے' امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔ ان کا یہ قول فقہاء احناف کی طرح ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ یہ قول فقہاء شافعیہ کی طرح ہے' ان دونوں قولوں پر وہی اعتراض ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب پر ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرمت کی علت وزن اور کیل (ماپنا) ہے' سو دو ایک جنس کی چیزیں جو وزنی ہوں یا کیلی ہوں ان میں زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز ہے اس پر اعتراض ہے کہ جو چیزیں عدداً" فروخت ہوتی ہیں مثلاً انڈے' اخروٹ' صابن' گلاس' پلیٹیں وغیرہ ان سب میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہو گی مثلاً ایک صابن کی ٹکیہ کی بیع دس صابن کی ٹکیوں کے ساتھ جائز ہو گی اور یہ سود نہ ہو گا' نیز جو عام استعمال کی چیزیں ہیں صابن' پلیٹیں' پین' پنسل' میز' کرسی وغیرہ جو عدداً" فروخت کیے جاتے ہیں ان کی مثل میں اگر زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ کسی امام کے نزدیک سود نہ ہو گی۔

جن احادیث میں ان چھ چیزوں کا ذکر ہے' ان میں ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں جو مقدار مشترک ہے وہ وزن اور کیل ہے' کیونکہ سونے اور چاندی کو وزن سے فروخت کیا جاتا ہے اور گندم' جو' کھجور اور نمک کو کیل (پیمانے سے ماپ کر) سے فروخت کیا جاتا ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں وزن اور کیل کو علت قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان دو چیزوں کا وزن اور کیل برابر ہو اور زیادتی سود ہے' لیکن یہ کہنا بھی بعید نہ ہو گا کہ کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس سے متعلق تمام آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنا ضروری ہے اور بعض احادیث میں نبی ﷺ نے ایک درہم کی دو درہموں سے ایک دینار کی دو دیناروں سے بیع کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایک جنس کی دو چیزوں میں بیع کی جائے تو وزن اور کیل کے علاوہ عدد میں بھی مساوات ضروری ہے' اور اگر ان میں

کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو پھر سود ہو گا اور اگر ربا الفضل کی علت میں وزن' کیل اور عدد تینوں کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر حرمت سود کی علت جامع ہو جائے گی اور ہر صورت میں دو ہم جنس چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز اور سود ہو گی۔ وہ حدیث یہ ہے :

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸ موطا امام مالک رقم الحدیث ۱۳۲۷)

ہرچند کہ مقدار کی مساوات میں عدد کا اعتبار کرنا' کسی امام سے ثابت نہیں ہے لیکن اگر ربا الفضل کی علت و حرمت میں اس کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ کتنی ہی ہم جنس چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ پھر بھی سود نہیں ہو گا' میں نے اس پر بہت غور کیا ہے اور میرے نزدیک ربا الفضل میں حرمت کی علت یہی معقول اور جامع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی بیع وزن کیل اور عدد میں مساوی ہو اور زیادتی سود ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۱)

سود میں منہمک رہنے والا کفر کے خطرہ میں ہے

سود سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سود خوری کی وجہ سے مسلمان کافر تو نہیں ہوتا تو پھر اس کو اس آگ سے کیوں ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سود خوری میں گرفتار ہونے کے بعد یہ خطرہ رہتا ہے کہ انسان اس کی تحریم کا انکار کر کے کافر ہو جائے گا' ہمارے ملک میں وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کی قانوناً" ممانعت کر دی لیکن ہماری حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر دی اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے سے روک دیا' اس کے نتیجہ میں سودی کاروبار حکومت کی سرپرستی میں اسی طرح جاری و ساری رہا۔ سو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سود میں شدت اشتغال کی وجہ سے تم سود کی تحریم کا انکار نہ کر دینا ورنہ تم کافر ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ گے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

دوزخ کا کفار کے لیے تیار کیا جانا آیا فساق مومنین کے دخول سے مانع ہے یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور کوئی مومن اس آگ میں داخل نہیں ہو گا' حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل' ڈاکو' چور' زانی اور دیگر جرائم اور معاصی میں مبتلا لوگ بھی اس آگ میں داخل ہوں گے' اس سوال کے متعدد جواب ہیں : اول یہ کہ ہو سکتا ہے کہ جہنم کے کئی طبقات ہوں' ایک طبقہ وہ ہو جو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہو جو فاسقوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ثانی یہ کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' ثالث یہ کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو سامنے رکھ کر کوئی نظریہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات کو سامنے رکھ کر نظریہ قائم کرنا صحیح ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو اور ناسخ قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکور ہو' یا وہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہو اور اس کا مخصص دوسری جگہ مذکور ہو یا ایک جگہ یہ حکم مطلق ہو

اور دوسری جگہ اس کی کوئی قید' صفت یا شرط بیان کی گئی ہو' سو اسی طرح یہاں پر بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری جگہ بعض دوسرے جرائم اور گناہوں پر بھی دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے مثلاً فرمایا :

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ○ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ○ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ○ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ○ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ○ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ○ (الھمزة : ۶-۱)

ہر طعنہ دینے والے اور چغلخوری کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے○ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا○ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا○ ہرگز نہیں وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا○ آپ کیا جانتے ہیں کہ چورا چورا کر دینے والی کیا چیز ہے؟○ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○

لہٰذا اس قسم کی آیات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا تاکہ یہ واضح ہو کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے بھی تیار کی گئی ہے اور دیگر نافرمانوں اور فاسقوں کے لیے بھی' رابع یہ کہ اگر دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہو پھر بھی اس میں دیگر گنہ گار مسلمانوں کے دخول سے کیا چیز مانع ہے۔ کفار اس آگ میں بہ طور اہانت ہمیشہ کے لیے داخل کیے جائیں گے اور جو فاسق مسلمان اس میں داخل کیے جائیں گے وہ عارضی طور پر تطہیر کے لیے داخل کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور منصب رسالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے' اللہ تعالیٰ کے احکام کا ماخذ قرآن مجید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ماخذ احادیث ہیں اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیات کی تعلیم اور تبیین کی ہے' اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کر کے دکھایا ہے' اور قرآن مجید میں جن احکام کا اجمالی ذکر تھا ان کی تفصیل کی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہی عمل کرنا ہے۔

قرآن مجید نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن نماز کے اوقات کی تعیین اور اس کی شرائط کو نہیں بیان فرمایا اور نہ نماز کی رکعات بیان کی ہیں اور نہ یہ بتایا ہے کہ ان رکعات میں کیا پڑھا جائے' اذان اور اقامت کے کلمات کا بیان نہیں کیا' کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کیا چیزیں نماز کے منافی ہیں ان کو قرآن مجید نے بیان نہیں کیا یہ تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

قرآن مجید نے زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ مال کی کن اقسام سے زکوۃ ادا کی جائے گی اور کن سے ادا نہیں کی جائے گی اور مال کی مختلف اقسام میں سے کن اقسام کا کیا کیا نصاب ہے' کتنی مدت کے بعد زکوۃ کا ادا کرنا ضروری ہے' اور کس کا مال ادائیگی زکوۃ سے مستثنیٰ ہے' روزہ کا حکم فرمایا ہے لیکن کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن سے نہیں ٹوٹتا' کس چیز میں قضا ہے اور کس چیز میں کفارہ ہے یہ بیان نہیں فرمایا' حج کے ارکان اور شرائط' اور اس کے مفسدات کا بیان نہیں فرمایا حتیٰ کہ قرآن مجید میں یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن ادا کیا جائے گا' قربانی کا ذکر فرمایا ہے لیکن قربانی کے جانوروں کی اقسام اور ان کی عمروں کو بیان نہیں فرمایا' حج زندگی میں ایک بار فرض ہے یا ہر سال فرض ہے' حج اور عمرہ میں ارکان اور شرائط کے لحاظ سے کیا فرق ہے' چور کے ہاتھ کاٹنے کا کیا نصاب ہے' اس کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا

کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل ہے اور کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل نہیں ہے' حد قذف اور حد زنا میں جو کوڑے لگائے جائیں گے ان کی کیا کیفیت ہونی چاہئے' شراب کی حرمت کا ذکر ہے لیکن کس چیز سے بنے ہوئے مشروب کو خمر کہا جاتا ہے اور خمر کی حد کیا ہے' خمر کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی سزا کیا ہے' غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کا ذکر ہے' اور جزیہ لینے کا بھی ذکر ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ جزیہ کی رقم کتنی ہو گی اور کتنی مدت میں واجب الادا ہو گی' جب کفار کے خلاف جہاد کیا جائے تو کافروں میں سے کس کس کو قتل کرنے سے احتراز کیا جائے گا' یہ اور ایسی بہت سی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کا بیان رسول اللہ ﷺ پر چھوڑ دیا اور فرمایا اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' نبی ﷺ کے اس منصب کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل : ۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتادیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض پاک چیزوں کو حلال کیا اور بعض ناپاک چیزوں کو حرام کیا' قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے' مثلاً رسول اللہ ﷺ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا' دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا ہے' جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے اس کو حرام کیا ہے' بغیر ذبح کے مچھلی اور ٹڈی کو حلال فرمایا' کلیجی اور تلی کے خون کو حلال فرمایا ہے اور اس میں سے کسی کا بھی ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' البتہ قرآن مجید نے منصب رسالت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷)

وہ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے بعض چیزوں کا عمومی حکم بیان فرمایا لیکن نبی ﷺ نے ان میں سے بعض چیزوں کے استثنیٰ کا بیان فرمایا مثلاً قرآن مجید میں حکم ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے :

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء : ۱۰۳)

بے شک مومنوں پر نماز وقت مقرر پر کیا ہوا فریضہ ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے' لیکن نبی ﷺ نے عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا' اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں پڑھا' اس سے معلوم ہوا کہ عرفات اور مزدلفہ میں یہ دو نمازیں اس عام حکم اور قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی اور بھی نظائر ہیں' حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی ایک گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دینا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیات فاطمہ میں دوسرا نکاح کرنے سے منع فرمانا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' ازواج مطہرات اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو وارث نہ بنانا' ان خصوصی احکام کے ذریعہ نبی ﷺ نے ان حضرات کو قرآن مجید کے عام حکم سے مستثنیٰ فرمادیا اور زمانہ امن کے سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنے کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے حالانکہ قرآن مجید نے زمانہ جنگ کے سفر میں نماز کو قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے کسی حکم کی تفصیل اور اس کی ادائیگی کی شکل و صورت بیان فرمائیں یا کسی چیز کے شرعاً" حلال یا حرام ہونے کو بیان فرمائیں یا قرآن مجید کے کسی عام حکم سے کسی فرد یا کسی چیز کا استثنیٰ بیان فرمائیں ان

تمام امور میں نبی ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور یہی آپ کا منصب رسالت ہے' آپ صرف احکام پہنچانے والے نہیں ہیں بلکہ احکام دینے والے بھی ہیں اور احکام پہنچانے والے بھی ہیں۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور

وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ

زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ○ جو لوگ خوشحالی اور تنگ دستی میں خرچ

وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ

کرتے ہیں اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا

نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ○ اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم

اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ

کیا تو انھوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

گناہوں کو بخشتا ہے، اور انھوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا ○

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ ۭ

نیچے دریا بہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے ○

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کھانے سے منع فرمایا تھا' اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا کے مال اور اس کی زینت کی طرف رغبت نہ کی جائے' کیونکہ جب انسان دنیا کی رنگینیوں میں رغبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی

عبادت سے غفلت اور سستی پیدا ہوتی ہے' نیز اس سے پہلے فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو تمہارے پاس فوراً اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی' اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی اور اس کی جنت کی طرف جلدی کرو' اور دنیا کی رنگینیوں اور اس کے مال و متاع میں رغبت نہ کرو' اور اگر اللہ کی راہ میں تم قتل کیے جاؤ یا تمہاری اولاد قتل کی جائے یا تم زخمی ہو تو تم اس پر صبر کرو اور اگر تم کسی کے ساتھ احسان کرو اور نیک سلوک کرو اور وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم اپنا غصہ ضبط کر لو اور اس کو معاف کردو بلکہ اس کے ساتھ احسان کرو' جس طرح کفار نے جنگ احد میں نبی ﷺ کے محبوب چچا کو شہید کیا اور فتح مکہ کے موقع پر جب وہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے جب وہ مغلوب تھے اور نبی ﷺ ان سے بدلہ لینے پر ہر طرح قادر تھے' تو آپ نے غصہ ضبط کیا' ان کو معاف کردیا اور ان سب کو آزاد کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو۔ (آل عمران : ۱۳۳)

مغفرت اور جنت کے حصول کا ذریعہ

اس آیت کا معنی ہے : اس چیز کی طرف جلدی کرو جس سے تمہیں اپنے رب کی مغفرت حاصل ہو اور رب کی مغفرت اس کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہنے سے حاصل ہوتی ہے' امام رازی نے لکھا ہے مفسرین نے اس کی کئی تفسیریں کی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ہے اسلام کی طرف جلدی کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کا ذریعہ ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد اخلاص ہے' ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد ہجرت ہے' ضحاک نے کہا جہاد ہے' سعید بن جبیر نے کہا تکبیرہ اولیٰ ہے' عکرمہ نے کہا تمام عبادات ہیں' اصم نے کہا توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۳)

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کے تمام طبقات کو پھیلا دیا جائے تو وہ جنت کا عرض ہوگا اور جس کے عرض کی اس قدر وسعت ہے اس کے طول کا کیا عالم ہوگا! اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بطائنها من استبرق (الرحمٰن : ۵۴) "جنت کے تکیوں کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔" اور استر بیرونی غلاف سے کم خوب صورت ہوتا ہے تو جن تکیوں کا استر استبرق کا ہے ان تکیوں کے بیرونی غلاف کی خوبصورتی کا کیا عالم ہوگا' سو اسی طرح یہ آیت کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کو پھیلا دیا جائے تو جنت کا عرض ہے' اور جس کا عرض اتنا وسیع ہے اس کے طول کا کیا عالم ہوگا۔" (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۱۔ ۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میری حمص میں ہرقل کے قاصد سے ملاقات ہوئی وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہرقل کا مکتوب لے کر گیا تھا' میں نے کہا آپ اس جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کا عرض سات آسمان اور زمینیں ہیں تو پھر دوزخ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب فلک، گردش کرتا ہے تو دنیا کی ایک جانب دن ہوتا ہے اور دوسری جانب رات ہوتی ہے' اسی طرح جنت سات آسمانوں کے اوپر ایک جانب بلندی میں ہے اور دوزخ سات زمینوں کے نیچے پستی کی جانب ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۳۴)

خوشحالی اور تنگ دستی کے علاوہ سراء اور ضراء کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی آسانی اور مشکل ہے' دوسرا معنی صحت اور مرض ہے' تیسرا معنی زندگی اور موت کے بعد وصیت ہے' چوتھا معنی شادی اور غمی ہے' پانچواں معنی ہے اپنی اولاد اور قرابت داروں پر خرچ کرنا اس سے خوشی ہوتی ہے اور دشمنوں پر خرچ کرنا جو کوئی خوشی کا باعث نہیں ہے' چھٹا معنی ہے مہمانوں پر خرچ کرنا اور مصیبت زدہ لوگوں پر خرچ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران: ۱۳۴)

غصہ ضبط کرنے کا طریقہ اور اس کی فضیلت

غصہ ضبط کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ کسی غصہ دلانے والی بات پر خاموش ہو جائے اور غیظ و غضب کے اظہار اور سزا دینے اور انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صبر و سکون کے ساتھ رہے۔ نبی ﷺ نے غصہ ضبط کرنے اور جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے طریقوں کی ہدایت دی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی نبی ﷺ کے سامنے لڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص بہت شدید غصہ میں تھا اور یوں لگتا تھا کہ غصہ سے اس کی ناک پھٹ جائے گی' نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ وہ کلمہ پڑھ لے گا تو اس کا غضب جاتا رہے گا' حضرت معاذ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہے اللھم انی اعوذ بک من الشیطن الرجیم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غصہ ہو اور وہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے' پھر اگر اس کا غصہ دور ہو جائے تو فبہا ورنہ پھر وہ لیٹ جائے۔

عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غضب شیطان (کے اثر) سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کرلے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۴-۳۰۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

غصہ ضبط کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں' امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غصہ ضبط کرلیا حالانکہ وہ اس کے اظہار پر قادر تھا' اللہ تعالیٰ اس کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۱' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ اس کے

اظہار پر قادر تھا اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اس کو اختیار دے گا وہ جس حور کو چاہے لے لے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک پہلوانی کا کیا معیار ہے؟ صحابہ نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑے اور اس کو کوئی نہ پچھاڑ سکے' آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۳' مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غصہ کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے عذاب کو دور کر دے گا' اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبدالسلام بن ہاشم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اور غصہ نہ کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں' حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اللہ عزوجل کے غضب سے کیا چیز دور کر سکتی ہے؟ فرمایا تم غصہ نہ کرو' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غصہ نہ کرو تو تمہارے لیے جنت ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اور معجم کبیر کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۰-۶۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

معاف کرنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷) اور جب وہ غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے' پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ: ۴۳) اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حیائی کی باتیں طبعاً" کرتے تھے نہ "تکلفاً" اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے' اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگذر فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو زیادتی بھی کی گئی میں نے کبھی آپ کو اس زیادتی کا بدلہ

لیتے ہوئے نہیں دیکھا بہ شرطیکہ اللہ کی حدود نہ پامال کی جائیں اور جب اللہ کی حد پامال کی جاتی تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب فرماتے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے' رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا' ہاں اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ ان کا انتقام لیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا' میں نے ابتدا" آپ کا ہاتھ پکڑ لیا' اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے فضیلت والے اعمال بتایئے' آپ نے فرمایا : اے عقبہ' جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے' اس کو عطا کرو' اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی باندی ایک پیالہ لے کر آئی جس میں گرم گرم سالن تھا' ان کے پاس اس وقت مہمان بیٹھے ہوئے تھے' وہ باندی لڑکھڑائی اور ان پر وہ شوربا گر گیا' میمون نے اس باندی کو مارنے کا ارادہ کیا' تو باندی نے کہا اے میرے آقا' اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل کیجئے' والکاظمین الغیظ' میمون نے کہا میں نے اس پر عمل کر لیا (غصہ ضبط کر لیا) اس نے کہا اس کے بعد کی آیت پر عمل کیجئے والعافین عن الناس میمون نے کہا میں نے تمہیں معاف کر دیا' باندی نے اس پر اس حصہ کی تلاوت کی : "واللہ یحب المحسنین میمون نے کہا میں تمہارے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں اور تم کو آزاد کر دیتا ہوں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

نیز علامہ قرطبی نے امام مبارک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ عزوجل کے سامنے ایک منادی ندا کرے گا جس نے اللہ کے پاس کوئی بھی نیکی بھیجی ہو وہ آگے بڑھے تو صرف وہ شخص آگے بڑھے گا جس نے کسی کی خطا معاف کی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا' یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

گناہوں پر نادم ہونے والے اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کی نوید

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابو مقبل نبہان کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کے پاس ایک حسین عورت آئی انہوں نے اس کو کھجور فروخت کی' وہ اس سے لپٹ گئے اور اس کا بوسہ لے لیا' پھر اس فعل پر نادم ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کے شان نزول میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ثقفی صحابی کسی غزوہ میں گئے اور اپنے ایک انصاری دوست کو گھر کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس ثقفی کی امانت میں خیانت کی وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے' اس کی عورت نے مدافعت کی تو انہوں نے اس کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا' پھر نادم ہوئے اور روتے چیختے ہوئے جنگل میں چلے گئے' جب وہ ثقفی واپس آیا تو اس کی بیوی نے اس کو خبر دی' وہ اس کو ڈھونڈنے نکلا' اور اس کو تلاش کر کے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس لے گیا کہ وہ شاید اس کی نجات کی کوئی صورت نکالیں' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اپنے اس فعل کی خبر دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس آیت سے عموم مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۰۔ ۲۰۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث خود سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مجھے اس حدیث سے نفع پہنچاتا ہے' اور جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص مجھے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس سے اس حدیث پر حلف طلب کرتا ہوں' اور جب وہ حلف اٹھالیتا ہے تو میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں اور مجھ سے حضرت ابوبکر نے یہ حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکر نے سچ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی کوئی گناہ کرے' پھر وہ اچھی طرح وضو کرے' پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی والذین اذا فعلوا فاحشۃ الخ (سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۱۳' مطبوعہ لاہور)

اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام احمد' امام نسائی' امام ابن جریر اور امام واحدی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا : یا رسول اللہ! بنو اسرائیل اللہ کے نزدیک ہم سے بہت زیادہ مکرم تھے' کہ صبح کو ان کے اس گناہ کا کفارہ ان کے دروازہ کی چوکھٹ پر لکھا ہوا ہوتا تھا۔ "تم اپنا کان کاٹ لو' تم اپنی ناک کاٹ لو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تب یہ آیات نازل ہوئیں : اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں' جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے (الی قولہ) اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ پھر آپ نے ان آیات کو پڑھا۔

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رویا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۶۳۔ ۶۲' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عز و جل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا : ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے' اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ پھر دوبارہ وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب میرا گناہ معاف کردے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے : میرے بندہ نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے' اور وہ بندہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرے گناہ کو معاف کردے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے' تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی' راوی نے کہا مجھے یاد نہیں آپ نے تیسری یا چوتھی بار فرمایا تھا جو چاہو کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں تم جو چاہو کرو۔ اس میں صرف یہ لفظ ہیں' میں نے اس کی مغفرت کردی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸-۱۱۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سو بار یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے' اور اگر تمام گناہوں کے بعد توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷' مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

علامہ قرطبی نے مفہم میں لکھا ہے یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدے اور اللہ کے عظیم فضل' اس کی رحمت کی وسعت' اس کے حلم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے لیکن بندہ کا زبان سے استغفار کرنا اس کے دل کے ساتھ مقرون ہونا چاہئے تاکہ اصرار کی گرہ کھل جائے اور اس کے ساتھ بندہ کو اس گناہ پر نادم بھی ہونا چاہئے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد توبہ کرے۔" اس کا معنی یہ ہے کہ جس سے بار بار گناہ ہو وہ بار بار توبہ کرے اور جب بھی اس سے کوئی گناہ ہو جائے وہ توبہ کرلے' اور ایسا نہ ہو کہ وہ زبان سے توبہ کرے اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو' کیونکہ ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً" روایت کیا ہے۔ "گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو' اور جو شخص گناہ سے توبہ کر رہا ہو حالانکہ وہ اس گناہ پر قائم ہو وہ گویا اپنے رب سے مذاق کر رہا ہے" راجح یہ ہے کہ حدیث کا دوسرا حصہ موقوف ہے (یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے) اور حدیث کے پہلے حصہ کو امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ بار بار گناہ کرنا ہرچند کہ برا کام ہے' لیکن جب اس کے ساتھ توبہ مقرون ہو تو یہ نیک کام ہے کیونکہ وہ کریم سے گڑگڑا کر معافی مانگ رہا ہے' چونکہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے' اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے تم جو چاہو کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۷۲-۴۷۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں :

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے "جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بہ طور اعزاز اور اکرام ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ (الحجر : ۴۶) (متقین سے کہا جائے گا) تم جنتوں میں سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کرنے والے شخص کو یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دیا ہے اور وہ مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رہے گا' اور پہلی صورت میں جب یہ حکم بہ طور اعزاز اور اکرام ہو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر کام مباح کر دیا ہے وہ جو چاہے کرے' اور اب اس کا معنی یہ ہو گا کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا' علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ یہ کلام (جو چاہو کرو) کبھی بہ طور اظہار غضب ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے :

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (کفار سے فرمایا) جو چاہو کیے جاؤ بے شک وہ تمہارے سب کام خوب دیکھنے والا ہے۔ (فصلت : ۴۰)

اور کبھی اظہار لطف کے لیے کہا جاتا ہے جیسے نبی ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا تحقیق اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا اے اہل بدر جو چاہو کرو بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے (صحیح بخاری ج ۱ص ۴۲۲) اور دونوں صورتوں میں اس کلام کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم کو ہر قسم کے کام کی رخصت دے دی ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز۔

(مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۷۲-۱۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے' جو جب نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب برے کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : چار شخص جنت کے پاکیزہ باغوں میں ہوں گے' جو شخص لا الہ الا اللہ پر مضبوط اعتقاد رکھے اور اس میں شک نہ کرے' اور جو شخص جب نیک کام کرے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور وہ شخص جو جب برا کام کرے تو غمگین ہو اور اللہ سے استغفار کرے اور وہ شخص جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو کہے : انا للہ وانا الیہ راجعون (شعب الایمان ج ۵ ص ۴۰۳-۴۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب کوئی بندہ گناہ کر کے غمگین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے خواہ وہ استغفار نہ کرے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

توبہ کا معنی ہے گناہ پر نادم ہونا' دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا اور اس گناہ کی تلافی کرنا' اور اس کا سب سے بڑا جز گناہ پر نادم ہونا ہے تو جو شخص گناہ کرنے کے بعد غمگین ہوا وہ گویا تائب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

گناہوں پر اصرار کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

اصرار کا معنی ہے گناہ کو پختہ اور مضبوط کرنا اور گناہ کو ترک نہ کرنا اور اس کے ترک سے باز رہنا' اصل میں یہ لفظ صر سے بنا ہے جس کا معنی ہے باندھنا' صرہ اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں دراہم رکھ کر گرہ لگا دی جاتی ہے۔

(المفردات ص ۲۷۹' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۶۲ھ)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا تم لوگ گناہوں پر اصرار کرنے سے باز رہو' کیونکہ ماضی میں گناہوں پر اصرار کرنے والے ہلاک ہو گئے ان کو خدا کا خوف حرام کے ارتکاب سے نہیں روکتا تھا' اور وہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتے تھے' حتی کہ انہیں اسی گناہ پر موت آ جاتی۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۴۔ ۶۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا' خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ گناہ پر برقرار رہنا اور اس پر توبہ نہ کرنا اس گناہ پر اصرار ہے' اور اگر بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کر لے تو یہ گناہ کا تکرار ہے اصرار نہیں ہے' علماء نے کہا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے' مجھ سے ایک مرتبہ ایک فاضل دوست نے پوچھا گناہ پر اصرار کرنا بھی تو اسی درجہ کی معصیت ہے۔ یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو جاتا ہے' میں نے کہا گناہ صغیرہ پر توبہ نہ کرنا' اس گناہ کو معمولی سمجھنا ہے' اور کسی گناہ کو معمولی سمجھنا ہی کبیرہ گناہ ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ توبہ کرنا فرض ہے اور فرض کا ترک گناہ کبیرہ ہے اس لیے گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کام کے کرنے پر دل سے عزم کرنا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کو ترک کرنا' یہ اصرار ہے' سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا جاہل' مردہ ہے' اور بھولنے والا سویا ہوا ہے' اور گنہ گار نشہ میں مدہوش ہے' اور اصرار کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے' اور اصرار یہ ہے کہ وہ شخص یہ کہے کہ میں کل توبہ کروں گا' اور یہ اس کے نفس کا دعویٰ ہے۔ وہ کل کا کب مالک ہے تو وہ کل کیسے توبہ کرے گا' دوسرے علماء نے کہا اصرار یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے کی نیت کرے اور جب اس نے توبہ کر لی تو وہ اصرار سے نکل گیا اور سہل کا قول عمدہ ہے۔

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے کا باعث اور اصرار کی گرہ کھولنے کا محرک' اللہ کی کتاب میں دائماً غور و فکر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک اور اطاعت شعار لوگوں کے لیے جن انعامات کا ذکر کیا ہے اور برے اور نافرمان لوگوں کے لیے جس عذاب کا ذکر کیا ہے اس میں تدبر کرنا ہے اور جب انسان ہمیشہ اس طرح غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کا شوق بہت قوی ہو جاتا ہے' اور پھر اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے۔

توبہ کی تعریف' ارکان اور شرائط

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ جس کو سعادت دیتا ہے وہ گناہ کی برائی اور اس کے ضرر پر متنبہ ہو جاتا ہے اور یہی تنبیہہ توبہ کا باعث ہے کیونکہ گناہ ایسا زہر ہے جس کے ضرر سے دنیا اور آخرت کی سعادت ضائع ہو جاتی ہے اور وہ دنیا میں اللہ کی معرفت سے محجوب اور آخرت میں اس کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے' گنہ گار اللہ کے حق ضائع کرنے پر تائب ہو گا یا مخلوق کے حق کو ضائع کرنے پر توبہ کرے گا' اللہ کے حق کو ضائع کرنے کی توبہ یہ ہے کہ وہ آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک کر دے اور اس کی جو قضا اور کفارہ مشروع ہے اس کو ادا کرے' اور مخلوق کا حق ضائع کرنے پر توبہ یہ ہے کہ وہ مستحق کو اس کا حق ادا کرے ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے نجات نہیں پائے گا' اگر وہ پوری کوشش کرنے کے بعد بھی اس حق کو ادا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید رکھے' عبداللہ بن المبارک نے یہ کہا کہ توبہ کی شرائط یہ ہیں کیے ہوئے کام پر ندامت ہو' آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو' حق واپس کرے' اور جو فرائض رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حرام مال کھانے سے جو بدن بن گیا ہے اسے غم اور فکر سے گھلا دے حتیٰ کہ دوبارہ اس کے جسم پر پاکیزہ گوشت پیدا ہو جائے اور اپنے نفس کو اطاعت کی مشقت کا اس طرح مزہ چکھائے جس طرح اس نے معصیت کی لذت کا مزہ چکھا تھا' جن علماء نے توبہ کی تفسیر ندامت سے کی ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ندامت توبہ ہے اور درحقیقت ندامت توبہ کا رکن اعظم ہے' بعض علماء نے توبہ کی شرائط میں مزید اضافہ کیا ہے کہ وہ اس جگہ سے چلا جائے جہاں گناہ کیا تھا' اور آخر عمر تک اس جگہ دوبارہ نہ جائے' اور دوبارہ وہ گناہ نہ کرے ورنہ اس کی توبہ باطل ہو جائے گی' پہلی اور دوسری شرط مستحب ہے اور آخری شرط باطل ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ بندہ بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۰۴۔ ۱۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

کیا گناہوں کو معین کر کے توبہ کرنا ضروری ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور انہوں نے ان کاموں پر اصرار نہیں کیا درآں حالیکہ وہ جانتے ہیں' اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں اور ان پر توبہ کرتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں اصرار پر سزا دیتا ہوں' تیسرا قول یہ ہے کہ گنہ گاروں کو یہ علم ہے کہ میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں' چوتھا قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ گناہ پر اصرار کرنا ان کے لیے باعث ضرر ہے اور اصرار کو ترک کرنا نفع کا سبب ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ ان کا رب ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

انسان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے گنہ کو یاد کرے اور بعینہٖ اس گناہ کی معافی مانگے البتہ یہ ضروری ہے کہ جب اسے کوئی گناہ یاد آئے تو فوراً اس گناہ سے توبہ کر لے' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شراب کے ہر ہر گھونٹ پر معافی مانگے' اور بدکاری کی ہر ہر حرکت پر معافی مانگے اور کسی حرام کام کے لیے جتنے قدم چلے ہیں تو ہر ہر قدم پر معافی مانگے اور جتنا وقت کسی حرام کام میں صرف ہوا ہے تو ہر ہر منٹ اور ہر ہر سیکنڈ کی معافی مانگے' بلکہ اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جب کوئی گناہ کرے تو فوراً اس گناہ کی معافی مانگ لے اور اگر اس وقت غافل ہو گیا تو جب اسے وہ گناہ یاد آیا اس وقت اس کی معافی مانگ لے اور مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے' انسان کے لیے معین خطاء پر توبہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ فی الجملہ خطاؤں پر معافی مانگنا کافی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم اور تلقین کے لیے اسی قسم کی دعا کی

ہے' امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! میری خطا اور جہالت کو معاف فرما' اور تمام کاموں میں میرے حد سے تجاوز کرنے کو معاف فرما اور میری جن خطاؤں کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے ان کو معاف فرما' اے اللہ! میں نے جو گناہ غلطی سے کیے ان کو معاف فرما اور جو گناہ عمداً" اور جہلاً" اور مذاقاً" کیے ان کو معاف فرما اور ہر وہ گناہ جو میرے نزدیک ہے' اے اللہ! میرے ان گناہوں کو معاف فرما جو میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپ کر کئے اور جو ظاہراً" کیے' تو مقدم کرنے والا ہے اور تو موخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷-۹۴۶ - ۹۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

گناہ پر توبہ کرنے کی بحث کو ہم اس حدیث پر ختم کر رہے ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم خطاکار ہے اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۴ ص ۶۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' امام دارمی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے۔

(آل عمران : ۱۳۶)

یعنی جن لوگوں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس گناہ پر فوراً توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور عمداً" اس گناہ پر اصرار نہیں کرتے' ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو معافی حاصل ہوتی ہے' اور انہوں نے جو نیک کام کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکیوں پر اپنے فضل سے ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے' وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کے لیے یہ کیا خوب جزاء ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

بیشک تم سے پہلے (قانونِ قدرت کے) طریقے گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو (کہ پیغمبروں کو) جھٹلانے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا ○ یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متقین کے

وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

لیے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن

الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

ہو تو تم ہی غالب رہو گے ○ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ

بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی تنگی اور کشادگی) کو گردش

النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ

دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کرے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبۂ شہادت دے

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور

وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی

يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ

اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا ○ تم تو موت

كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَ

کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ

۱۴ ع ۱۴ ۵ أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ ع

تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ○

ربط آیات

اس سے پہلے مسلمانوں کی وہ لغزشیں بیان فرمائیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی تھی' اور آئندہ کے لیے اس قسم کے کاموں سے منع فرمایا تھا' اور ایسے کاموں کی ترغیب دی تھی جن کے کرنے سے مسلمان اپنی شجاعت کے جوہر دکھائیں اور جہاد میں کافروں کے خلاف فتح حاصل کریں' اب اس سلسلہ میں مزید ہدایت دینے کے لیے فرمایا ہے جو لوگ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک اور شبہات کا شکار ہیں وہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیں کہ جن لوگوں

نے گزشتہ زمانوں میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی وہ کس طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور اب بھی مختلف علاقوں میں ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور معصیت سے توبہ کرنے والوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ پچھلی امتوں میں سے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے احوال اور آثار کا مشاہدہ کرو تاکہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی معصیت سے بچنے کی مزید ترغیب اور تحریک ہو۔

قرآن مجید میں سنت کا مفہوم

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم سے پچھلی امتوں میں اللہ کی اطاعت کرنے سے انحراف کرنے والوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے متعلق اللہ کا طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ کافروں اور مکذبوں پر کس طرح عذاب نازل کرتا رہا ہے اس لیے تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسول کی تکذیب سے باز رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی یہ عذاب آجائے۔
اس آیت کے الفاظ یہ ہیں تم سے پہلے سنتیں گزر چکی ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا' "سنن" سنت کی جمع ہے سنت کا معنی ہے طریقہ اور عادت' اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے' اگر ایک قوم اللہ کو مان لیتی ہے اور اس کے رسول کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو دنیا میں سرخرو اور کامیاب کرتا ہے اور اس کے برعکس جو قوم اللہ کو نہیں مانتی اور اس کے رسول کی تکذیب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب بھیج کر اس کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے' اس سنت کے مظاہر عاد' ثمود' اہل مدین اور قوم لوط وغیرہ کے آثار کی شکل میں موجود تھے' اللہ تعالیٰ نے ان ہی مظاہر کو یہاں "سنن" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے' اس مفہوم میں یہ لفظ قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: ۳۸) — جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے متعلق اللہ کا طریقہ۔

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (فاطر: ۴۳) — سو وہ صرف پہلے لوگوں کے طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں' تو آپ اللہ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے۔

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المؤمن: ۸۵) — یہ وہ طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا' اور وہاں کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔

قرآن مجید میں سنت اللہ کا لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بھی بیان کر دیں۔

سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
سنت کا معنی ہے طریقہ' سنت النبی کا معنی ہے نبی ﷺ کا وہ طریقہ جس کا آپ قصد کرتے تھے اور سنت اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ جیسے فرمایا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ جیسے

فرمایا ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ ہرچند کہ صورۃً مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کی غرض مقصود مختلف نہیں ہے اور وہ تبدیل نہیں ہوتی اور وہ نفس کو پاکیزہ کرنا اور اس کو اللہ کے قرب اور اس کے ثواب کے قابل بنانا ہے۔ (المفردات ص ۲۴۵ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے اور شریعت میں اس سے مراد ہے جس چیز کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا' یا جس قول اور فعل کو مستحب قرار دیا ہو' اور قرآن مجید میں ان امور کا ذکر نہ آیا ہو' اسی لیے دلائل شرع میں قرآن اور سنت کا ذکر کیا جاتا ہے' حدیث میں ہے میں بھول جاتا ہوں تاکہ میں اس کو سنت کر دوں' یعنی مجھ پر اس لیے نسیان طاری کیا جاتا ہے کہ میں لوگوں کو طریق مستقیم کی طرف لاؤں اور ان کو یہ بیان کروں کہ جب ان کو نسیان عارض ہو تو وہ کس طرح عمل کریں۔ (نہایہ ج ۲ ص ۴۱۰۔۴۰۹ 'مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ۔)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے طریقہ خواہ پسندیدہ طریقہ ہو یا غیر پسندیدہ' اور شریعت میں اس کا معنی ہے وہ طریقہ جو دین میں مقرر کیا گیا ہے' جو فرض ہے نہ واجب' لہٰذا سنت وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے دائماً عمل کیا ہو اور کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو' اور اگر یہ دوام بہ طور عبادت ہو تو سنن ھدیٰ کی قسم ہے اور اگر یہ دوام بہ طور عادت ہو تو یہ سنن زوائد کی قسم سے ہے' سنت ھدیٰ وہ سنت ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کے لیے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اساءت ہو' اور سنت زائدہ وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا نیکی ہو اور اس کے ترک سے کراہت یا اساءت کا تعلق نہ ہو' جیسے کھڑے ہونے' بیٹھنے' لباس پہننے اور کھانے میں نبی ﷺ کی سنتیں ہیں۔

نیز علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے عادت اور شریعت میں نبی ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریرات کو سنت کہتے ہیں اور جن کاموں پر نبی ﷺ نے بلاوجوب دوام کیا ہو ان کو بھی سنت کہتے ہیں' اس کی دو قسمیں ہیں' سنن ھدیٰ اور سنن زوائد' سنت ھدیٰ جیسے اذان اور اقامت ان کو سنت موکدہ بھی کہتے ہیں' ان کا حکم واجب کی طرح ہے اور واجب کی طرح اس پر عمل کا مطالبہ کیا جائے گا' مگر واجب کا تارک سزا کا مستحق ہے اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے' اور سنن زوائد جیسے اکیلے آدمی کا اذان دینا اور مسواک کرنا اور وہ افعال جو نماز اور غیر نماز میں معروف ہیں اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے۔

(التعریفات ص ۵۴۔۵۳ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف نے سنت زائدہ کی جو پہلے تعریف لکھی ہے وہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

(آل عمران : ۱۳۸)

اس آیت میں بیان' ہدایت اور نصیحت کا ذکر ہے' جس کلام سے کسی پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ کیا جائے اس کو بیان کہتے ہیں' اور جو کلام امور شرعیہ میں رہنمائی پر مشتمل ہو اس کو ہدایت کہتے ہیں' اور جو کلام کسی برے کام سے ممانعت کی تلقین پر مشتمل ہو اس کو نصیحت کہتے ہیں' اس آیت میں فرمایا ہے یہ کلام متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت

ہے' اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام سے ہدایت اور نصیحت متقین ہی حاصل کرتے ہیں اگرچہ یہ کلام تمام دنیا کے لیے پیش کیا گیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کی پیش کش دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس سے فائدہ متقین نے ہی اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔
(آل عمران : ۱۳۹)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ پچھلی امتوں کے احوال پر غور کرو' سو جب تم گزری ہوئی امتوں کے احوال پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ بعض اوقات باطل قوتوں کو وقتی طور پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن انجام کار وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور حق پرست غالب آ جاتے ہیں۔ اس لیے اگر جنگ احد میں وقتی طور پر کفار مکہ کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو تم اس سے چنداں پریشان نہ ہو اور گھبراؤ مت بالآخر تم ہی کو غلبہ حاصل ہو گا''وہن'' کے معنی کمزوری ہیں اور اس آیت کا معنی ہے اور تم جہاد کرنے سے کمزوری نہ دکھاؤ اور ہمت نہ ہارو۔

مسلمانوں کے اعلیٰ اور غالب ہونے کے معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے' اس آیت میں غلبہ سے مراد مادی غلبہ ہے یا دلیل اور برہان کا غلبہ ہے یا مرتبہ کا غلبہ ہے' یعنی اگر تم ایمان کامل پر قائم رہے اور اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی اطاعت کرتے رہے تو کفار کے خلاف معرکہ آرائیوں میں تم ہی فتح یاب اور کامران ہو گے جیسا کہ جنگ احد کے بعد کی جنگوں میں مسلمان عہد رسالت میں مسلسل کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ پھر عہد صحابہ میں بھی مسلمان کفار کے خلاف جنگوں میں کامیاب ہوتے رہے حتیٰ کہ بنوامیہ کے دور میں تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ چکی تھی۔ لیکن بعد میں جب مسلمان تن آسانی' تعیش' باہمی لڑائیوں اور طوائف الملوکی کا شکار ہوئے اور ایمان کامل پر قائم رہنے کا معیار برقرار نہ رکھ سکے تو ان کو پھر اسی شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا جس کا اس سے پہلے جنگ احد میں سامنا کر چکے تھے' اور اس کا دوسرا معنی ہے دلیل اور برہان کا غلبہ' یعنی اگرچہ مادی اعتبار سے مسلمان کسی زمانہ میں مغلوب ہو جائیں جیسا کہ اب ہیں اور کفار غالب ہوں تب بھی مسلمانوں کا دین کفار کے باطل دینوں کے مقابلے میں دلیل اور برہان کے اعتبار سے غالب ہے اور دین اسلام کا ہر اصول معقولیت کے لحاظ سے کفار کے اصولوں سے برتر ہے۔ آج دنیا کے کافروں میں زیادہ عیسائی ہیں۔ پھر دہریے ہیں اور پھر بت پرست ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا خدائے واحد کا عقیدہ ان تمام عقائد پر دلیل کے اعتبار سے غالب ہے کیونکہ بتوں کا مستحق عبادت نہ ہونا بدیہی ہے' اور مطلقاً'' کسی پیدا کرنے والے کا نہ ہونا بھی بداہتہ'' باطل ہے اور تین خداؤں کا ہونا بھی باطل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور روح القدس دونوں مخلوق ہیں اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتی' یہودیوں اور عیسائیوں کے نبیوں کے معجزات اب دنیا میں موجود نہیں ہیں اور مسلمانوں کے نبی کا معجزہ اب بھی موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کتاب کی اصل زبان تک باقی نہیں رہی اور ان کی کتاب میں رد و بدل ہو گیا جب کہ مسلمانوں کے نبی کی کتاب من و عن اسی طرح موجود ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک موجود رہے گی' اسی طرح عبادات کے طریقوں' سیاست' معاشرت' اور زندگی کے باقی شعبوں میں مسلمانوں کے دین کے اصول باقی تمام ادیان سے افضل اور اعلیٰ ہیں' اور یا مسلمانوں کے اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے' اگر کسی جنگ میں مسلمان

مغلوب ہو جائیں اور کافر غالب ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان اعلیٰ ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم زخمی ہوئے ہو' تو تمہارے مخالف لوگ بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی تنگی اور کشادگی) کو گردش دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کردے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبہ شہادت دے اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (آل عمران : ۱۴۰)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کے زخمی ہونے' اور قتل ہونے سے تم کیونکر کمزوری دکھاؤ گے اور غم کھاؤ گے! اگر تم میں سے بعض زخمی ہوئے ہیں اور بعض قتل ہوئے ہیں تو جنگ بدر میں تمہارے دشمنوں کو اس سے زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ان کے بھی اسی قدر افراد قتل ہوئے تھے اور اس سے زیادہ زخمی ہوئے تھے اور جنگ تو کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے۔ کبھی ایک کے ہاتھ آتی ہے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ۔ ایک دن تمہارا ہے' ایک دن ان کا ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی دن حق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی دن (بظاہر) باطل کا' اور حق اور باطل کے درمیان اسی طرح ایام گردش کرتے رہتے ہیں اور اسی گردش ایام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ظاہر فرماتا ہے اور مسلمانوں کو کافروں سے چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے' اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں شہادت کے لیے تیار کر دیتا ہے جو اللہ کے لیے اپنی جان اور مال کو نچھاور کر دیتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ شہداء کو موت کے بعد حیات عطا فرماتا ہے اور شہداء کو رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ رکھا ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

شہید کی تعریف' اس کا شرعی حکم اور اس کی وجہ تسمیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مرتبہ شہادت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے' اور فرمایا ہے تاکہ تم میں سے بعض مومنوں کو شہداء بنا دے۔ شہداء' شہید کی جمع ہے۔ شہید اس مسلمان کو کہتے ہیں جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے' یا جس مسلمان کو ظلماً" قتل کیا جائے' ان دونوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ اسی حادثہ میں جاں بحق ہو جائیں اور کسی علاج اور دوادارو کی نوبت نہ آئے تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن غسل نہیں دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا ان کو اسی طرح دفن کر دیا جائے گا' اور اگر یہ معرکہ کارزار سے زخمی ہو کر آئیں اور علاج کے بعد جاں بحق ہو جائیں تو پھر ان کو غسل دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا پھر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو دفن کر دیا جائے گا' اور جو مسلمان کسی طرح بھی غیر طبعی طریقہ سے جاں بحق ہو جائے خواہ جل کر' ڈوب کر' کسی بھی حادثہ میں' یا وہ مسلمان کسی نیک کام کرتے ہوئے یا کسی نیکی کے سلسلہ میں طبعی طور پر فوت ہو یا کسی بیماری میں فوت ہو تو وہ بھی احادیث کی روشنی میں شہید ہے۔ اس کو شہادت کا اجر ملے گا لیکن اس کی تجہیز و تکفین عام مسلمانوں کے طریقہ سے ہو گی۔

اللہ کی راہ میں مرنے والے کو حسب ذیل وجوہ سے شہید کہا جاتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جنت کی شہادت دی ہے۔
(۲) قیامت کے دن وہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ گواہی کے لیے طلب کیے جائیں گے۔
(۳) جس طرح کافر مرتے ہی دوزخ میں داخل ہوتا ہے' اسی طرح شہید قتل ہوتے ہی جنت میں شاہد (حاضر) ہو جاتا ہے یا قتل ہوتے ہی اس کے سامنے جنت پیش کر دی جاتی ہے۔
(۴) شہید زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح جنت میں شاہد اور موجود ہوتی ہے' جبکہ دوسرے مسلمانوں کی ارواح قیامت کے

دن جنت میں موجود ہوں گی۔
(۵) اس کی روح جسم سے نکلتے ہی اس اجر و ثواب پر شاہد ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔
(۶) شہادت کے وقت رحمت کے فرشتے اس کے پاس موجود ہوتے ہیں جو اس کی روح کو لے جاتے ہیں۔
(۷) شہید کا شہید ہونا اس کے ایمان کے صحیح ہونے اور اس کے خاتمہ بالخیر پر شہادت دیتا ہے۔
(۸) شہید کے شہید ہونے پر اس کا خون اور اس کے زخم شاہد اور گواہ ہوتے ہیں۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس کے اخیر میں ہم نے حکمی شہادت کی پینتالیس قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں اور شہادت کے دیگر علمی مباحث بھی بیان کیے ہیں' شہادت کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کا بیان وہاں طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس کو ہم انشاء اللہ آل عمران : ۱۶۹ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ (آل عمران : ۱۴۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے "لیمحص" اور کافروں کے لیے "یمحق" کا لفظ استعمال فرمایا ہے' محص کا معنی ہے تنقیہ' کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا' اور محق کا معنی ہے کمی کرنا یا کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا' اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دیتا رہتا ہے سو اگر کافر مسلمانوں پر غالب آجائیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے' اور اس شکست کا رنج و ملال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے' اور اگر مسلمان کافروں پر غالب آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے والے کافروں کی تعداد کو کم کر دیتا ہے یا ان کو جڑ سے مٹا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۴۲)

فتح اور شکست کو گردش دینے کی اصل حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے وہ لوگو! جو جنگ احد میں ہمارے نبی ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے شکست کھا چکے ہو اور کافروں کی یلغار اور ان کے دباؤ کی وجہ سے جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور جان بچانے کے لیے گھبرا کر بھاگے تھے کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح جنت میں داخل ہو جاؤ گے جو اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں یا جو لوگ زخمی ہونے اور کافروں کے دباؤ کے باوجود ثابت قدم رہے اور زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے اور اپنی جانوں پر کھیل کر ہمارے نبی ﷺ کی حفاظت کرتے رہے!

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دینے کے اسباب بیان فرمائے تھے' ایک سبب یہ تھا کہ اللہ مسلمانوں کو کافروں سے چھانٹ کر الگ کر لے کیونکہ جب جنگ احد میں عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنے ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا تو صرف مخلص مسلمان ہی نبی ﷺ کے ساتھ رہ گئے' اور اس شکست کے نتیجہ میں جو مسلمان قتل کیے گئے وہ مقام شہادت سے سرفراز ہوئے' اور جو مسلمان زندہ بچے وہ زخمی تھے اور شکست کے صدمہ سے دوچار تھے اور یہ چیزیں ان کے گناہوں کا کفارہ بن گئی اور جب مسلمان جنگ میں غالب

ہوں گے تو کفار بہ تدریج کم ہوتے چلے جائیں گے اور اس آیت میں فتح اور شکست کو گردش دینے کا اصل سبب بیان فرمایا ہے کہ تم یہ نہ گمان کرنا کہ تم مشقتوں کو جھیلنے، جہاد کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور مصائب پر صبر کیے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے، جنت میں دخول کے لیے ضروری ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے لیے تم جہاد میں ثابت قدم رہو اور اگر تم اپنی کسی کوتاہی کی بناء پر شکست کھا جاؤ تو اس مصیبت پر صبر کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (آل عمران: ۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض صحابہ جنگ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے، اور وہ جنگ احد برپا ہونے سے پہلے یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر جنگ بدر کی طرح کوئی معرکہ ہو تو وہ اس جنگ میں داد شجاعت دیں یا شہید ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں اور جب جنگ احد ہوئی تو ان میں سے بعض کفار کے دباؤ اور ان کے رش کی وجہ سے ثابت قدم نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور بعض صبر و استقامت کے ساتھ لڑتے رہے اور اس سے پہلے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس کو پورا کیا۔ سو جو لوگ کفار کے رش اور اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگ پڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور جنہوں نے اس پر صبر کیا اور استقامت کے ساتھ جہاد کرتے رہے ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکی تھی اور اہل بدر کو جو فضیلت اور کرامت حاصل ہوئی تھی اس سے محروم رہے تھے۔ اس لیے وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر کوئی جہاد کا موقع آئے تو وہ اللہ کی راہ میں قتال کریں پھر جب جنگ احد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، انہوں نے کہا میں پہلے جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا تھا، اگر اب اللہ نے مجھے نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ (لوگوں کو) دکھا دے گا کہ میں کس قدر کوشش کرتا ہوں، جب جنگ احد میں مقابلہ ہوا تو مسلمان شکست کھا گئے حضرت نضر تلوار لے کر آگے بڑھے، تو حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نضر نے کہا اے سعد کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو احد کے پاس سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے! وہ کفار سے قتال کرتے رہے حتیٰ کہ قتل کر دیئے گئے ان کی لاش پر اس قدر زخم تھے کہ ان کی بہن کے سوا ان کو کوئی نہ پہچان سکا، ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کے پوروں اور تل سے پہچانا تھا ان کے جسم پر ستر سے زیادہ نیزوں اور تیروں کے زخم تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام شہادت کی تمنا کرتے تھے، نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲۵۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس آیت اور ان احادیث پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ شہادت کا حاصل یہ ہے کہ کافر مومن پر غالب آکر مسلمان کو قتل کردے' سو شہادت کی تمنا کافر کے ہاتھوں مرنے کی تمنا کرنا ہے' اور مسلمان پر کافر کے غلبہ کی تمنا کرنا ہے اور یہ مذموم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت فی نفسہ قبیح ہے لیکن چونکہ یہ اعلاء کلمۃ اللہ کا سبب ہے اس وجہ سے یہ حسن لغیرہ ہے' اور جب مسلمان شہادت کی تمنا اور دعا کرتا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو سربلند کرے اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرے۔ خواہ اس راہ میں اس کی جان جاتی رہے وہ یہ دعا نہیں کرتا کہ اس کو کوئی کافر آکر مار دے کیونکہ ایسی دعا تو معصیت اور کفر ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں اگر وہ فوت

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى

ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

گا سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا ○

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے،

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا اجر چاہے گا

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے ○

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزرا اس وقت وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا' اس نے کہا اے فلاں شخص کیا تمہیں معلوم ہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے' انصاری نے کہا اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں تو آپ تبلیغ فرما

چکے ہیں' اب تم ان کے دین کی طرف سے قتال کرو۔
ضحاک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو شکست ہو گئی تو ایک منادی نے ندا کی سنو! محمد تو قتل کر دیئے گئے اب تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔
یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی دعوت دیں' اور جب ان کی مدت پوری ہو گئی تو وہ فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا' سو اسی طرح محمد ﷺ بھی اپنی مدت پوری ہونے کے بعد وفات پا جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان بعض لوگوں پر اظہار ناراضگی فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر یہ سوچنے لگے تھے کہ اب کافروں سے صلح کر لینی چاہیے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔
امام رازی لکھتے ہیں :
جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں جھنڈا تھا ان کو ابن قمیہ نے شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ گمان کر لیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا' اور شیطان نے پکار کر کہا سنو محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے' پھر آپ کی شہادت کی خبر لوگوں میں پھیل گئی' اس وقت بعض ضعیف العقیدہ مسلمانوں نے کہا کاش عبداللہ بن ابی ہمیں ابوسفیان سے امان دلوا دے' اور منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے' تم اپنے بھائیوں اور اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ' حضرت انس بن نضر نے کہا اے قوم! اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو محمد ﷺ کا رب تو زندہ ہے جس کو موت نہیں آئے گی اور تم رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے! جس دین کے لیے آپ نے قتال کیا تھا تم بھی اسی دین کی خاطر قتال کرو اور جس پر آپ فدا ہو گئے تم بھی اس پر فدا ہو جاؤ۔ پھر کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کے قول پر تجھ سے معذرت کرتا ہوں! پھر انہوں نے تلوار سونت کر قتال کرنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آپ کی نماز جنازہ کا بیان

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے وفات پانے کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے ان آیتوں کی تفسیر میں مفسرین نے آپ کی نماز جنازہ کا بیان کیا ہے اور ایک یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ آپ کی تدفین میں تاخیر کیوں کی گئی' اس کا ایک سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور مسلمانوں کا ایک امیر مقرر کرنا ضروری تھا' جو مسلمانوں کے تمام معاملات کا والی' اسلامی سرحدوں کا محافظ' نمازوں کا قائم کرنے والا اور حدود کو جاری کرنے والا ہو' اگر بالفرض اس وقت کوئی دشمن ملک حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کا کوئی امیر ہونا چاہیے تھا جو مسلمانوں کی حفاظت کرتا' دوسری وجہ یہ تھی کہ تمام مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کا حق تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھتے' آپ کے حجرہ میں زیادہ لوگوں کی گنجائش نہیں تھی اس لیے باری باری تمام مسلمانوں نے جا کر آپ کی نماز جنازہ پڑھی' اور چونکہ ولی شرعی کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جنازہ کا تکرار جائز نہیں ہے اس لیے پہلے خلیفہ المسلمین اور آپ کے ولی شرعی کو منتخب کیا گیا وہ حضرت ابوبکر تھے' اور سب مسلمانوں کے بعد حضرت ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد آپ کو دفن کر دیا گیا' اس تمام کارروائی میں تین دن لگے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کے بالائی حصہ میں اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس تھے' مسلمان کہنے لگے کہ نبی ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ آپ پر وہ کیفیت طاری ہے جو نزول وحی کے وقت ہوتی ہے' حضرت ابوبکر آئے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا' اور کہا آپ اللہ کے نزدیک اس سے مکرم ہیں کہ آپ پر وہ دو موتیں طاری کرے' بے شک' خدا کی قسم' رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں' ادھر حضرت عمر مسجد کی ایک جانب یہ کہہ رہے تھے' خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے' جب تک آپ تمام منافقوں کے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹ دیں گے اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے' حضرت ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر فرمایا : جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی' اور جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا ہو تو محمد (ﷺ) بے شک فوت ہو گئے ہیں' وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین' حضرت عمر نے کہا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اہل مکہ کی طرح (شق) قبر بناتے تھے' اور ایک آدمی حضرت ابو طلحہ کی طرف بھیجا جو اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی قبر) بناتے تھے' اور یہ دعا کی اے اللہ! اپنے رسول کے لیے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لے' تو مسلمانوں کو حضرت ابو طلحہ مل گئے' ان کو بلایا گیا اور حضرت ابوعبیدہ (وقت پر) نہیں ملے' سو انہوں نے لحد بنائی' منگل کے دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جنازہ تیار کر لیا (غسل دے کر کفن پہنا دیا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ میں آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا' پھر باری باری مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے اور نماز جنازہ پڑھتے' حتی کہ جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتیں آئیں اور کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی امامت نہیں کی۔ مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کس جگہ بنائی جائے' بعض مسلمانوں نے کہا آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ دفن کیا جائے' حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جس جگہ نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے' پھر جس بستر پر رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تھے' انہوں نے اس بستر کو اٹھایا اور وہیں آپ کی قبر کھودی پھر بدھ کی رات جب آدھی ہو گئی تو آپ کو دفن کر دیا گیا' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت فضل بن عباس اور ان کے بھائی حضرت قثم' اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران آپ کی قبر میں اترے' حضرت اوس بن خولی نے حضرت علی سے کہا میں تم کو اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلق کی قسم دیتا ہوں' حضرت علی نے ان سے کہا تم بھی اترو' حضرت شقران نے اس چادر کو لیا جس کو رسول اللہ ﷺ پہنتے تھے' اور اس کو قبر میں رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے بعد اس چادر کو کوئی نہیں پہنے گا۔ (سنن ابن ماجہ' باب : ۶۵' ذکر وفاته ودفنه ﷺ)

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ایک راوی حسین بن عبید اللہ ہاشمی ہے۔ امام احمد' علی بن مدینی اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا' امام بخاری نے کہا اس پر زندقہ کی تہمت ہے' اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مرض میں بے ہوشی طاری ہو گئی' آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں' آپ نے فرمایا بلال سے کہو اذان کہیں اور ابوبکر سے کہو مسلمانوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے کہا میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے' اگر آپ کسی اور کو حکم دے دیں! آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی' جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا بلال سے اذان کے لیے کہو اور ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی مثل ہو' حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' اور حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام محسوس کیا' آپ نے فرمایا دیکھو میں کس کے سہارے چلوں' پھر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور ایک اور شخص آئے' آپ ان کے سہارے سے چلے' جب حضرت ابوبکر نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے' آپ نے اشارہ کیا وہ اسی جگہ کھڑے رہیں حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے نماز پوری کرلی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی' حضرت عمر نے کہا بہ خدا میں نے جس شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی ہے میں اس تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا' اور وہ لوگ ان پڑھ تھے ان میں اس سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا' لوگ رک گئے' لوگوں نے کہا اے سالم جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب کو بلا کر لاؤ' میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں روتا ہوا گیا' جب حضرت ابوبکر نے میری یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی ہے میں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی ہے تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے مار دوں گا' حضرت ابوبکر نے کہا چلو' میں ان کے ساتھ گیا' حضرت ابوبکر آئے اس وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے' حضرت ابوبکر نے کہا میرے لیے جگہ چھوڑو' ان کے لیے کشادگی کی گئی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے' آپ کو چھوا' اور پڑھا انک میت وانھم میتون "بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک انہوں نے بھی مرنا ہے۔" (الزمر: ۳۰) صحابہ نے پوچھا اے رسول اللہ کے صاحب! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! صحابہ نے پوچھا کس طرح؟ حضرت ابوبکر نے کہا ایک قوم جائے تکبیر پڑھے۔ دعا کرے اور درود پڑھے۔ پھر دوسری قوم جائے' تکبیر پڑھے درود پڑھے اور دعا کرے پھر باہر آ جائے' حتیٰ کہ تمام لوگ اسی طرح داخل ہوں' صحابہ نے پوچھا: اے رسول اللہ کے صاحب! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا فرمایا: ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تھی! کیونکہ اللہ نے آپ کی روح صرف پاک جگہ پر ہی قبض کی ہے' تب صحابہ نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ کے عم زاد آپ کو غسل دیں گے اور مہاجرین باہم مشورہ کرنے لگے' صحابہ نے کہا انصار کو بلاؤ تاکہ اس معاملہ (خلافت) میں ہم ان سے مشورہ کریں' انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو جائے' ایک امیر تم سے ہو جائے' حضرت عمر نے کہا اس شخص کی مثل کون ہوگا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا' پھر حضرت ابوبکر نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت کرلی۔ (الشمائل المحمدیہ ص ۳۳۸۔۳۳۷' رقم الحدیث: ۳۹۷' یہ حدیث صحیح ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۴' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو لوگ حجرہ میں داخل ہوئے اور باری باری آپ پر نماز جنازہ پڑھی' جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی' پھر بچوں نے نماز پڑھی' پھر غلاموں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کسی نے امامت نہیں کی۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۵۰' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف صلوۃ و سلام عرض کیا گیا تھا' بعض روایات اس کی موید بھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی جیسا کہ شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ پر نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھی جائیں اور صلوۃ پڑھی جائے اور دعا کی جائے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں :

جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوۃ و سلام عرض کرتے' بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں' اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی' جیسا کہ زرقانی شرح الموطا میں ہے' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تسکین فتن و انتظام امت میں مشغول' جب تک اون کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی' لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے' جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق ہوئے انہوں نے جنازہ اقدس پر نماز پڑھی' پھر کسی نے نہ پڑھی' کہ بعد صلوۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں' مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے اور فتنہ کو سرد کرنے میں مشغول تھے' مسلمان آپ کے آنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حق آپ کا تھا' کیونکہ آپ ہی خلیفہ مقرر ہوئے تھے جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ کے بعد کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(مبسوط ج ۲ ص ۶۷' مطبوعہ بیروت) (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بعض علماء جو اس کے قائل ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی' صرف آپ پر صلوۃ و سلام عرض کیا گیا تھا وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں :

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر مرض کا غلبہ ہوا تو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ حضور روئے' ہم بھی روئے' آپ نے فرمایا' ٹھہرو' اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہارے نبی کی طرف سے تم کو اچھی جزا دے' جب تم مجھے غسل دے چکو' اور مجھ پر خوشبو لگا چکو' اور مجھے کفن پہنا چکو تو مجھے میری قبر کے کنارے رکھ دینا' پھر ایک ساعت کے لیے میرے پاس سے چلے جانا' کیونکہ پہلے مجھ پر میرے دوست اور میرے ہم نشیں جبرائیل اور میکائیل نماز پڑھیں گے' پھر اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھیں گے' پھر تمام فرشتے آکر نماز پڑھیں گے' پھر تم لوگ فوج در فوج آکر داخل ہونا اور مجھ پر صلوۃ و سلام پڑھنا الحدیث' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسانید منقطع ہیں' عبدالرحمن نے مرہ سے سماع نہیں کیا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں کئی ضعیف راوی ہیں ان میں سے ایک اشعث بن طابق ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الملک بن عبد الرحمن مجہول ہے ہم کو اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۰ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی ' امام حاکم پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں ' عبد الملک مجہول نہیں ہے ' بلکہ اس کو فلاس نے کذاب قرار دیا ہے ' اور انہوں نے کہا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں ' تو ہر موضوع حدیث اسی طرح ہوتی ہے ' جس میں ایک کے سوا باقی راوی ثقہ ہوتے ہیں اگر حاکم احتیاط کرتے تو اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰)

رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے اپنے ایک مقالہ میں کی ہے جس میں بہ کثرت حوالہ جات درج کیے ہیں ' یہ مقالہ مقالات سعیدی میں شامل کر دیا گیا ہے ' اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

اذن سے مراد اللہ کا امر یا اس کی قضاء اور قدر ہے ' اس آیت کی پہلی آیت سے مناسبت یہ ہے کہ منافقوں نے مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے یہ خبر اڑا دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے ' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ قتل موت کی مثل ہے اور موت اللہ تعالیٰ کے مقدر کیے ہوئے وقت پر آتی ہے تو جس طرح نبی ﷺ پر اپنے گھر میں موت آتی تو وہ آپ کے دین کے فساد کی موجب نہ ہوتی سو اسی طرح اگر بہ فرض محال آپ کو شہید کر دیا جائے تو وہ آپ کے دین کے فساد کا کس طرح موجب ہو گا!

دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں بھی مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کیا گیا تھا اور اس آیت میں بھی ان کو جہاد پر آمادہ کیا گیا ہے کہ موت کے ڈر سے جہاد کو نہ چھوڑو ' کیونکہ اللہ کے امر اور اس کی قضاء اور قدر کے بغیر موت نہیں آسکتی خواہ تم اپنے گھر میں ہو یا میدان جہاد میں ' اور اس میں منافقین کے ایک طعنہ کا جواب بھی ہے کیونکہ جب مسلمان جنگ احد سے فارغ ہو کر شہر میں پہنچے تو ان سے منافقوں نے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہتے تو تمہارے ساتھی جو جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے قتل نہ کیے جاتے ' اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا ہر شخص کی موت ایک وقت معین میں مقرر ہے ' اس وقت پر جو شخص جہاں ہو گا مر جائے گا خواہ وہ اپنے گھر میں ہو یا میدان جنگ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

درایت اور روایت سے لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے کا بیان

کتاب موجل سے مراد ہے وہ کتاب جس میں سب کی اجل لکھی ہوئی ہے اور وہ لوح محفوظ ہے۔

آیت کے اس حصہ میں بھی ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے سیدنا نبی ﷺ کے شہید ہو جانے کی افواہ اڑائی تھی ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور کوئی شخص اس وقت کے آنے سے پہلے نہیں مر سکتا تو سیدنا نبی ﷺ پر ان کے وقت سے پہلے موت کیسے آسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تمام حوادث اور کوائف کا علم ہے اور تمام مخلوق ' اس کا رزق ' اس کی اجل ' اس کی سعادت یا شقاوت لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا خلاف ہونا محال ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جہل کو مستلزم ہے ' اور کفر ' فسق ' ایمان اور اطاعت ان سب کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے وہ ان میں سے جس چیز کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

ان کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور ان کے اسی اختیار کی بناء پر ان کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے لیکن ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بندوں نے اپنے اختیار سے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور اس نے اس علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسی علم کو قضاء و قدر سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا لوح محفوظ میں وہی لکھا ہے جو بعد میں بندوں نے اپنے اختیار سے کرنا تھا اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ بندے تقدیر کی وجہ سے مجبور ہیں۔

لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں' امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ قلم اور مچھلی ہے' قلم نے پوچھا میں کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھو' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ن والقلم "ن" سے مراد مچھلی ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث میں ایک راوی مومل ثقہ اور کثیر الخطاء ہے' ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے' اور امام بخاری وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے' اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸)

نیز امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا لکھو تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر اس کو لکھنے کا حکم دیا تو اس نے ہر چیز کو لکھ دیا۔

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار کے حوالے سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰)' امام ابن جریر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (جامع البیان ج ۲۹ ص ۱۱) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۷۱) حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۴۹)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے لوح محفوظ کو موتی سے پیدا کیا اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور ہے' اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ بار نظر فرماتا ہے' پیدا کرتا ہے اور رزق دیتا ہے' اور مارتا ہے اور جلاتا ہے' اور عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۵۷ مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں' مجھے اپنے نفس پر بدکاری کا خوف ہے' اور میں عورتوں سے نکاح کرنے کی (مالی) قدرت نہیں رکھتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' میں نے پھر یہی گزارش کی آپ پھر خاموش رہے میں نے سہ بارہ عرض کیا آپ پھر خاموش رہے' میں نے پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ' تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے' اب تم خصی ہو یا نہ ہو۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۰ـ ۷۵۹ 'مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں آپ نے خصی ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ امر بہ طور تہدید ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو جائے گا تم خصی ہو یا نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ تمام امور ازل میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے متعلق ہو چکے ہیں اس لیے خصی ہونا نہ ہونا برابر ہے' کیونکہ جو کچھ مقدر ہو چکا وہ ہو کر رہے گا' اس حدیث میں آپ نے خصی ہونے کی اجازت نہیں دی' بلکہ اشارۃ" اس سے منع فرمایا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے متعلق ہے تو خصی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی تو آپ نے اس سے صراحۃ" منع فرمادیا تھا' اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے لیے ممکن ہو وہ جائز اسباب کو حاصل کرے اس کے بعد اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دے اور جب جائز اسباب کو حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو پھر اللہ پر توکل کرے اور ان اسباب کے پیچھے نہ پڑے جو اس کی قدرت میں نہیں ہیں' اسی لیے جب حضرت ابو ہریرہ نکاح کرنے کے مالی وسائل نہیں رکھتے تھے تو گناہ سے بچنے کے لیے ان کو آپ نے خصی ہونے کا حکم نہیں دیا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جیسا کہ دوسرے صحابہ کو دیا تھا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور بہ کثرت روزے رکھتے تھے لیکن بعض لوگوں کی جوانی کا دف روزوں سے بھی نہیں مرتا۔

اس حدیث سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے' ہاں! واقعی مجبور ہے لیکن تقدیر میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو انسان نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا' اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں علم تھا کہ انسان پیدا ہونے کے بعد کیا کرے گا اور جو کچھ انسان نے اپنے اختیار سے کرنا تھا وہ اس نے لکھ دیا' اسی علم کا نام تقدیر اور لکھے ہوئے کا نام لوح محفوظ ہے۔

وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر : ۵۲ـ ۵۱)

اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب صحیفوں میں لکھا ہوا ہے' ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم بشرح الابی ج ۹ ص ۲۶ 'مطبوعہ بیروت '۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں پچاس ہزار سال کے عدد سے وقت کی اتنی مقدار تقدیرا" مراد ہے' حقیقۃ پچاس ہزار سال کا وقت مراد نہیں ہے کیونکہ وقت تو حرکات فلک اور سورج کی رفتار سے بنتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب سے دن رات بنتے ہیں اور دن رات سے مہینے اور سال بنتے ہیں اور جب افلاک اور سورج نہیں پیدا کیے گئے تھے تو اس متعارف معنی میں

وقت بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزاء دیں گے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

نیت اور اخلاص کا بیان :

جنگ احد میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے ان میں سے نو مسلموں کی نیت غنیمت اور متاع دنیوی تھی اکثر راسخ العقیدہ مسلمان صرف دین کی سربلندی کے لیے اس جنگ میں شریک ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ہر شخص کو اس کی نیت کے اعتبار سے حصہ دیں گے جو دنیا چاہتا ہو اس کو دنیا ملے گی اور جو عقبیٰ چاہتا ہو اس کو عقبیٰ ملے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے' سو جس شخص کی ہجرت دنیا پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی شے کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

شفی الاصبحی بیان کرتے ہیں کہ وہ جب مدینہ میں آئے تو ایک شخص کے گرد لوگ جمع تھے' انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابو ہریرہ ہیں' میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا وہ لوگوں میں حدیث بیان کر رہے تھے' جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے کہا آپ مجھے ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ غور سنا ہو اور اس کو سمجھا ہو' حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں تم کو ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے بہ غور سنا اور سمجھا ہے پھر حضرت ابو ہریرہ بے ہوش ہو گئے' پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آئے اور کہنے لگے میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی۔ اس وقت میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا' پھر حضرت ابو ہریرہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے' اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو اس گھر میں آپ نے مجھے سنائی اور میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا' پھر حضرت ابو ہریرہ تیسری بار بے ہوش ہو گئے پھر تیسری بار چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں تنہائی میں مجھے سنائی تھی پھر چوتھی بار کافی دیر بے ہوش رہے' پھر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے' میں نے ان کو سہارا دیا پھر جب ہوش میں آئے تو بیان کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا' تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا اور سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے' سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن یاد کیا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جو شخص بہت مالدار تھا' اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا علم نہیں دیا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اس علم پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں دن رات قرآن مجید پڑھتا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا! فرشتے بھی کہیں گے تم نے جھوٹ بولا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے! یہ کہا گیا' پھر اس مالدار

شخص کو لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو وسعت نہیں دی تھی حتیٰ کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو میں نے تم کو جو کچھ دیا تھا تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا' تم جھوٹ بولتے ہو' فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جواد ہے' سو یہ کہا گیا' پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تم کو کس چیز میں قتل کیا گیا! وہ کہے گا مجھے تیرے راستہ میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا' سو میں نے قتال کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو' فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے' سو یہ کہا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوہریرہ قیامت کے دن اللہ کی مخلوق میں سے یہ پہلے تین شخص ہوں گے جن سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی' شفی نے یہ حدیث حضرت معاویہ کو سنائی تو حضرت معاویہ نے کہا ان لوگوں کو یہ سزا دی گئی ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہو گا! پھر حضرت معاویہ اتنی دیر تک روتے رہے کہ ہم نے گمان کیا وہ ہلاک ہو جائیں گے' کچھ دیر بعد حضرت معاویہ کی حالت سنبھلی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے پھر یہ آیات پڑھیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (ھود: ۱۶-۱۵)

جو لوگ (صرف) حیات دنیا اور اس کی زینت کے طالب ہیں ہم انہیں دنیا میں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں' اور دنیا میں انہوں نے جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور انہوں نے جو عمل کیے وہ رائیگاں چلے گئے۔

(الجامع الصحیح کتاب الزھد: ۳۷' باب: ۴۸' ماجاء فی الریاء والسمعۃ)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور کتنے نبیوں کے ساتھ اللہ والوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا، تو اللہ کی راہ میں مصائب پہنچنے کی وجہ

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَ

سے نہ وہ سست ہوئے نہ کمزور پڑے اور نہ دبے، اور اللہ

اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اور ان کی دعا صرف یہی تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ
گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں (بھی) اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے
انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
خلاف ہماری مدد فرما ○ تو اللہ نے ان کو دنیا کی نعمت (بھی) دی
وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع
اور آخرت میں بھی نیک اجر عطا فرمایا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ ۱۵ ع ۵ ۶

مصائب میں ثابت قدمی پر سابقہ امتوں کا نمونہ

جو مسلمان جنگ احد میں گھبرا کر بھاگ گئے تھے ان کی تادیب کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ انبیاء سابقین اور ان کے متبعین کے احوال بیان فرما رہا ہے کہ تمہارے لیے انبیاء سابقین کے متبعین میں نمونہ ہے وہ جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور کسی مرحلہ پر دشمن سے گھبرا کر بھاگتے نہیں تھے' سو جنگ احد میں تمہارا دشمنوں کے اچانک حملہ کرنے اور ازدہام سے گھبرا جانا اور افراتفری میں بھاگ جانا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے نبیوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب نے دین کی سربلندی کے لیے قتال کیا' ان میں سے کتنے جنگ میں شہید ہوئے اور کتنے زخمی ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ ست اور کمزور نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد وہ جہاد کرنے سے گھبرائے نہ انہوں نے دشمنوں سے صلح کرنے کے لیے سوچا نہ وہ دنیا کے مال و متاع دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے' نہ انہوں نے پیٹھ پھیری بلکہ اپنے نبی کے شہید ہونے کے بعد بھی وہ اسی پامردی اور ثابت قدمی سے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ یہ ان کے چند قابل تحسین کاموں کی ایک جھلک ہے' اور اس میں ان مسلمانوں پر تعریض ہے جو اپنے نبی ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر سن کر گھبرا گئے تھے اور ان میں سے بعض ابوسفیان سے امان حاصل کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔

انبیاء سابقین کے متبعین کے محاسن افعال میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور اس میں دعا کا یہ ادب بتایا ہے کہ پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی اور مراد طلب کیا کرو' اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی اور ان کو نیکوکار قرار دیا اور ان کو دنیا اور آخرت کا اجر عطا فرمایا۔

آیات مذکورہ سے مستنبط مسائل

۱۴۲ سے ۱۴۸ تک جو آیات ذکر کی گئی ہیں ان سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں :

(۱) جنت میں داخل ہونے کے لیے جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنا چاہیے اور دین کی راہ میں اور شرعی احکام پر عمل کرنے میں جن مصائب کا سامنا ہو ان پر صبر کرنا چاہیے۔

(۲) اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی سعادت محض اس کی آرزو کرنے سے نہیں ملتی' بلکہ جہاد کی تکلیفوں اور صعوبتوں پر صبر کرنے سے ملتی ہے۔

(۳) شہادت کی تمنا میں یہ نیت نہ کرے کہ مجھے کوئی کافر مار دے' بلکہ یہ نیت کرے کہ میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا رہوں گا خواہ مجھے قتل کر دیا جائے۔

(۴) رسول اپنی امتوں میں ہمیشہ نہیں رہتے اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو ان کے مشن کو اسی سابقہ جذبہ سے آگے بڑھاتے رہنا چاہیے نہ یہ کہ آدمی اللہ کے دشمنوں سے مفاہمت کی تدبیریں سوچنے لگے۔

(۵) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی مثل نبی اور رسول ہیں اور ان نبیوں پر موت آچکی ہے' اور ہر نبی کا مشن دین کی تبلیغ ہے اور دین کی مکمل تبلیغ کرنے کے بعد ان کا مشن پورا ہو جاتا ہے اور دنیا سے ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی رسالت اور تشریع باقی رہتی ہے' سو اس سنت کے مطابق آپ بھی اپنے وقت پر وفات پا جائیں گے لیکن آپ کا دین اور آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

(۶) موت کا ایک وقت مقرر ہے اور کوئی شخص اس وقت سے پہلے نہیں مر سکتا۔

(۷) ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے' جو دنیا چاہتا ہے اس کو اپنے مقسوم کے مطابق دنیا مل جاتی ہے اور جو آخرت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔

(۸) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور نیکیوں کے لیے کوشش کرنا صرف اس امت کی خصوصیت نہیں ہے' انبیاء سابقین علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی امتیں بھی انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ جہاد کے لیے بھرپور کوششیں کرتی رہیں۔

(۹) مصیبت' پریشانی اور دشمنوں کی یورش کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

(۱۰) دعا میں اپنے مقصود کو طلب کرنے سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم نے کفار کا کہنا مان لیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے، اور تم

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ

نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ○ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ

هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے ○ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

کیوں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی، ان کا (آخری)

النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ اور بیشک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ

وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ

سچا کر دیا جب تم (ابتداء میں) اس کے اذن سے ان (کافروں) کو قتل کر رہے تھے، حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی دکھائی

فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مال غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

کی) نافرمانی کی تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور بعض آخرت کا ارادہ کر رہے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان سے

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى

پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور بیشک اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

(کرنے) والا ہے ○ جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي

پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مال غنیمت سے) محرومی

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اس (شکست) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

دینی معاملات میں کفار کی اطاعت سے ممانعت

اس سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے متبعین کے آثار صالحہ پر چلنے کی تلقین فرمائی تھی اور اس آیت میں مشرکین عرب اور کفار کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو منافقوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اب جا کر ابوسفیان سے امان حاصل کرنی چاہئے اور بعض نے کہا اب تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے

ایمان والو! اگر تم نے کافروں کا کہا مان لیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے اور تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے' ہر چند کہ یہ آیت خاص موقع اور خاص سبب کے متعلق نازل ہوئی اور ان کا مورد جنگ احد کے خاص واقعات ہیں لیکن اس کا حکم عام ہے' اور مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنے مذہبی معمولات کے خلاف کفار کی کسی بات کو نہیں ماننا چاہئے اور اپنے دین اور مذہب کے خلاف ان کی اطاعت کرنا دین اور دنیا کا فساد مول لینا ہے۔

اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی پر دلیل کا نہ ہونا

جنگ احد میں جب ابوسفیان اور اس کے رفقاء دیگر مشرکین مسلمانوں کو شکست دے کر لوٹ گئے اور مکہ کی جانب جانے لگے تو کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہ نادم ہوئے اور کہنے لگے' یہ ہم نے کیا کیا' ہم نے ان سے جنگ کی اور جب تھوڑے سے مسلمان باقی بچ گئے تو ہم لوٹ آئے' واپس چلو ہمارے لیے یہ نادر موقع ہے کہ ہم مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں' جب انہوں نے واپسی کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنا ارادہ پورا کیے بغیر مکہ واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا ہے جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

سلطان کا معنی حجت' بیان' عذر اور برہان ہے' والی کو سلطان اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ عزوجل کی حجت ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ سلیط سے بنا ہے سلیط تلوں کے تیل کو کہتے ہیں جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے بھی سلطان سے روشنی حاصل کی جاتی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ سلیط کا معنی لوہا ہے اور سلاطۃ حدت کو کہتے ہیں اور سلیط کا معنی قہر ہیں۔ اس میں نون زائد ہے اور سلطان کا معنی قوت ہے کیونکہ وہ اپنی قوت سے حکومت کو قائم کرتا ہے اور اپنے احکام جاری کرتا ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا کسی ملت میں بھی جائز نہیں رہا اور نہ عقل اس کو جائز قرار دیتی ہے' اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے' جو چیز بغیر کسی دلیل کے محض رائے اور نفسانی خواہش پر مبنی ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' مشرکین ایک سے زیادہ عبادت کے مستحق مانتے تھے اور بغیر دلیل کے ان کی عبادت کرتے تھے' بہ فرض محال اگر دو خدا ہوتے تو وہ اپنی خدائی پر کوئی دلیل نازل کرتے اور کوئی حجت اتارتے اور جب اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کسی اور خدا کی خدائی پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی تو معلوم ہوا اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ ضرور کوئی دلیل بھیجتا' اس لیے بغیر کسی دلیل کے اللہ کے سوا کسی اور کو خدا ماننا اور اس کی عبادت کرنا شرک اور باطل ہے اور ان مشرکوں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی پسپائی کا بیان

جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد کے بعد مدینہ لوٹ آئے جب کہ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہو چکے تھے اور بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے تھے' اس وقت بعض مسلمانوں نے کہا ہم کو یہ شکست کیسے ہو گئی۔ ہم سے تو اللہ نے مدد کا وعدہ فرمایا تھا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور بے شک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا جب تم (ابتداء میں) اس کے اذن سے ان کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ کیونکہ جنگ احد کے شروع میں مسلمانوں نے مشرکوں کے علم برداروں کو قتل کر دیا تھا ان کے سات علم بردار مارے گئے تھے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تھی' کافر بھاگ گئے اور مسلمان ان کا مال

غنیمت لوٹنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' جب ان تیر اندازوں نے مسلمانوں کو مال غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا ہم بھی جا کر مال غنیمت لوٹتے ہیں ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر بن مطعم نے ان کو منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں یہیں قائم رہنے کا حکم دیا ہے لیکن دو چار کے سوا کسی نے ان کی بات نہ مانی اور جب یہ مورچہ خالی ہو گیا تو یکایک پیچھے سے آ کر خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکوں نے حملہ کیا' مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے تھے کہ اچانک ان کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں وہ گھبرا کر افراتفری میں بھاگے' اور یوں اللہ کی دی ہوئی فتح کو مسلمانوں نے باہمی اختلاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے شکست میں بدل دیا' ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی واقعات کا نقشہ کھینچا ہے فرماتا ہے: حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا' اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مال غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ کی) نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے دوڑے) اور بعض آخرت کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی پر قائم رہے اور وہیں کفار سے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ (آل عمران: ۱۵۲) اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں:

"اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا" کی تفسیریں

(۱) احد پہاڑ کی پشت پر جو تیر انداز مقرر کیے گئے تھے ان کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ مال غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑا تھا' اور ایک گروہ اپنی جگہ قائم رہا تھا' پھر جو گروہ اپنی جگہ قائم رہا دشمن کی چڑھائی کے بعد اگر وہ اسی طرح قائم رہتا تو دشمن ان کو قتل کر دیتا اور وہ بغیر کسی مقصد اور فائدہ کے قتل ہو جاتے' اس لیے ان کے لیے یہ جائز ہوا کہ وہ اس جگہ سے کسی اور مناسب مورچہ پر چلے جائیں اور وہاں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ احد پہاڑ پر ایک محفوظ جگہ چلے گئے تھے' اسی طرح وہ مسلمان بھی ایک محفوظ جگہ چلے گئے اور وہاں ان کو جہاد کرنے کا اور باقی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کرنے کا حکم دیا اس لیے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تم کو آزمائش میں ڈالے' اور جو صحابہ مال غنیمت لوٹنے چلے گئے تھے ان کے متعلق فرمایا: اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف مال غنیمت لوٹنے کے لیے بھاگا تو اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا مسلمانوں کا رعب کفار کے دلوں سے زائل کر دیا اس لیے فرمایا: پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا' اور اس چیز کو مسلمانوں کے لیے آزمائش بنا دیا تاکہ وہ اللہ سے توبہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے سے استغفار کریں' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا۔ اس کا معنیٰ ہے اللہ نے تم کو فوراً ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ اس تخفیف کے ذریعہ تم کو آزمائش میں ڈالے اور یہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے کتنے لوگ دوبارہ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس بار جو تم سے چوک ہو گئی اس کو اللہ نے معاف کر دیا۔

(۴) "اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا" اس کا معنیٰ یہ ہے تم کفار پر غلبہ پا چکے تھے لیکن جب تم نے نافرمانی کی اور بزدلی دکھائی

تو اللہ نے تم کو شکست میں مبتلا کر کے تم کو ان سے پھیر دیا یعنی تمہارے غلبہ کو ان سے پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا' یعنی اس حکم عدولی کی سزا میں تم کو بالکل نیست و نابود نہیں کیا اور تمہاری اس لغزش کو معاف کر دیا' جہاد میں پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور یہاں اس گناہ کبیرہ پر مسلمانوں کے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بغیر توبہ اور استغفار کے مسلمانوں کے اس گناہ کو معاف کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا ذکر فرمایا کہ اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی گناہ کبیرہ کو معاف کر دیتا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کے نزدیک بغیر توبہ کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مال غنیمت سے) محرومی اور اس (شکست) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو' اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

مسلمانوں کو غم اٹھانے اور مصائب برداشت کرنے کا عادی بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب مسلمان دشمن سے شکست کھا گئے تو وہ وادی میں بگٹٹ بھاگتے ہوئے جا رہے تھے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں جنگ احد کے دن مسلمان وادی میں بھاگے جا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکوں نے مسلمانوں پر شدت سے دباؤ ڈالا اور ان کو شکست دے دی تو بعض مسلمان مدینہ چلے گئے' اور بعض پہاڑ پر چڑھ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پہاڑ پر چڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے ان کو بلانے کا ذکر کیا ہے۔

جس طرح کسی بڑی مصیبت کو دیکھ کر چھوٹی مصیبت کا غم جاتا رہتا ہے' اسی طرح مسلمان مال غنیمت سے محرومی اور شکست پر غم زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے غم میں مبتلا کیا تاکہ اس بڑے غم کے مقابلہ میں یہ چھوٹا غم جاتا رہے اس بڑے غم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں' امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن سب سے بڑا غم یہ تھا کہ یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے' اور دوسرا غم یہ تھا کہ ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ ۶۶ انصار اور ۴ مہاجرین اور بہت سارے صحابہ زخمی ہو گئے تھے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک غم یہ تھا کہ نبی ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی اور دوسرا غم یہ تھا کہ کافروں نے پلٹ کر حملہ کیا اور مسلمان اس اچانک یلغار سے گھبرا کر بھاگ پڑے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۸۹-۸۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کر کے جو آپ کو غم پہنچایا تھا اس کی سزا میں انہیں جنگ احد میں شکست اور اپنے احباب کے قتل اور ان کے زخمی ہونے کا غم اٹھانا پڑا' تاکہ مسلمان غم

اٹھانے اور مصیبت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں اور مستقبل میں پھر کبھی کسی مصیبت اور محرومی سے غم زدہ نہ ہوں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر میں جو مشرکین کو غم اٹھانا پڑا تھا اس کے مقابلہ میں جنگ احد میں مسلمانوں کو غم اٹھانا پڑا تاکہ مسلمانوں کی توجہ دنیا سے منقطع ہو جائے۔ وہ دنیا کے ملنے سے خوش ہوں' نہ دنیا کے جاتے رہنے سے مغموم ہوں' یعنی نہ بدر کی کامیابی پر اترائیں نہ احد کی ناکامی پر حوصلہ ہار بیٹھیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں ان کو بہت سے غموں سے سابقہ پڑا تھا' جانی اور مالی نقصان کا غم تھا' تمام مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس کا غم تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو چہرہ زخمی ہوا اور آپ کا دانت شہید ہوا اس کا غم تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی اس کا غم تھا' مسلمانوں سے جو حکم عدولی سرزد ہو گئی اس کی پشیمانی تھی اور اس پر مواخذہ کا غم تھا' مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے حالانکہ آپ انہیں آوازیں دے رہے تھے۔ اس بزدلی دکھانے کا غم تھا' آپ کے حکم ماننے میں جو اختلاف اور تنازع کیا اس کا غم تھا' مال غنیمت ہاتھ سے نکل جانے کا غم تھا' ابوسفیان نے جو پلٹ کر حملہ کیا اور بھگدڑ میں مسلمان مارے گئے اس کا غم تھا۔ مسلمانوں کے احباب اور رشتہ دار مارے گئے ان کا مثلہ کیا گیا اس کا غم تھا' غرض بہت سارے غموم تھے ان پر یہ غم اس لیے مسلط کیے گئے کہ وہ غم جھیلنے اور مصائب برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں تاکہ پھر کبھی اگر کوئی نعمت جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو گھبرا نہ جائیں اور ثابت قدمی اور اطمینان سے مردانہ وار مصائب کا مقابلہ کریں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

شروع میں مسلمان بھاگے جا رہے تھے لیکن بعد میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور انہوں نے بلند آواز سے ندا کی اے مسلمانو! مبارک ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا پھر سب مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجہ میں) تمہاری ایک جماعت پر اونگھ طاری ہو گئی اور

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

دوسری جماعت (منافقوں کی) اپنی جانوں کے متعلق پریشانیوں میں مبتلا تھی' وہ اللہ کے متعلق زمانہ جاہلیت کی طرح ناحق

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ

بدگمانی کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کہیے

إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ

بیشک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے تھے جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے تھے

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُلْ

وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے ۔ آپ کہیے اگر

لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ

تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں

مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

کی طرف نکل آتے ، اور (یہ اس لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے (ظاہر کرے) اور تمہارے

فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا

دلوں کو (وسوسوں اور اندیشوں سے) صاف کر دے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ بیشک جس دن دو فوجیں ایک

مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا

دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے ، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے

كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

ان کے قدموں کو لغزش دی تھی اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا ، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے ○

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرکے مسلمانوں کا سو جانا اور منافقوں کا پریشانی سے جاگتے رہنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین واپس جانے لگے تو انہوں نے نبی ﷺ سے کہا ہم اگلے سال بدر میں مقابلہ کریں گے ، رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا دیکھو اگر وہ اپنے ساز و سامان پر بیٹھ گئے ہیں اور گھوڑے ایک طرف کر دیئے ہیں تو پھر یہ لوگ واپس جا رہے ہیں اور اگر تم یہ دیکھو کہ یہ اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے ہیں اور ساز و سامان ایک طرف رکھ دیا ہے تو پھر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آ رہے ہیں۔ تب تم اللہ سے ڈرو ، اور صبر کرو اور جنگ کی تیاری کرو ، جب اس قاصد نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ اپنے ساز و سامان پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ان کے جانے کی خبر دی ، جب مسلمانوں کو اس خبر کا علم ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور وہ بے فکر ہو کر

سو گئے اور منافق جاگتے رہے انہیں یہ خطرہ تھا کہ کفار پھر آ کر حملہ کر دیں گے' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ جب وہ اپنے ساز و سامان پر سوار ہوں گے تو واپس چلے جائیں گے اس لیے مسلمان بے فکر ہو کر سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجہ میں) تمہاری ایک جماعت پر اونگھ طاری ہو گئی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر اونگھ طاری ہو گئی تھی میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی تھی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہر شخص اپنی ڈھال کے نیچے نیند سے جھونٹے کھا رہا تھا۔ نیز حضرت ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر اونگھ طاری ہو رہی تھی میرے ایک ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو میں دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیتا' ادھر منافقین کو اپنی جانوں کا خطرہ لگا ہوا تھا وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۹۳-۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بدگمانیوں کا حال بیان فرمایا: وہ کہہ رہے تھے کہ کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کہیے کہ بے شک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے' اور وہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے' وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یعنی وہ تقدیر کا انکار کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں' یعنی اچھی اور بری ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنی

وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے یعنی وہ شرک' کفر اور تکذیب کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے' یعنی وہ کہتے تھے کہ اگر ہماری عقل حاضر ہوتی تو ہم اہل مکہ سے قتال کے لیے نہ نکلتے اور ہمارے بڑے بڑے سردار قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہیے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے' یعنی اللہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے' تاکہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور غیب جانتا تھا ان کا ظہور بہ طور مشاہدہ ہو جائے' یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ کرائے' کیونکہ حقیقتہً "آزمانا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ آزماتا وہ شخص ہے جو نتیجہ اور انجام سے بے خبر ہو اور تمہارے دلوں کو (وسوسوں اور اندیشوں سے) صاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر جنگ اور قتال کو فرض کیا اور جنگ احد میں تمہاری مدد نہیں کی' تاکہ تمہارے صبر کو آزمائے اور جب تم اخلاص سے توبہ کرو تو تمہارے گناہوں کو مٹا دے۔ اس آیت میں بھی آزمانے کا یہی معنی ہے کہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کسی دل میں کیا خیر ہے اور کیا شر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں۔ اس دن جو لوگ تم سے پھر گئے تھے' ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی' بے شک اللہ نے ان کو

معاف کر دیا بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا حلم والا ہے۔ (آل عمران : ۱۵۵)

جنگ احد میں بھاگنے والے مسلمانوں کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب جنگ احد کے دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گئے' اس لغزش کی وجہ شیطان کا بہکانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں' بعض نے کہا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ احد کے دن قتال سے بھاگنے والے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور یہ عمل شیطان کے بہکانے اور اس کے ڈرانے کی وجہ سے ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگذر فرمایا اور ان کو معاف کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے اس آیت سے خاص لوگ مراد ہیں جو جنگ احد میں پیٹھ موڑ کر بھاگ گئے تھے' امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں یہ آیت رافع بن معلی' دیگر انصار' ابوحذیفہ بن عتبہ اور ایک اور شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان' حضرت عقبہ بن عثمان' حضرت سعد بن عثمان اور دو انصاری جنگ احد کے دن بھاگ گئے حتیٰ کہ وہ مدینہ کی ایک جانب جلعب نامی پہاڑ کے پاس پہنچ گئے' پھر تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا تم بہت دور چلے گئے تھے۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا کیونکہ ان کو کوئی سزا نہیں دی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۹۶' مطبوعہ بیروت)

جنگ احد میں بھاگنے کی وجہ سے حضرت عثمان پر طعن کا جواب

امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

غیلان بن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان بحث ہوئی' حضرت عبدالرحمان نے کہا تم مجھے برا کہتے ہو' حالانکہ میں جنگ بدر میں حاضر ہوا اور تم حاضر نہیں ہوئے' اور میں نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی اور تم نے نہیں کی اور تم جنگ احد کے دن لوگوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے' حضرت عثمان نے فرمایا جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کا جواب یہ ہے کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے غائب نہیں رہا' البتہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی بیمار تھیں' اور میں ان کی تیمارداری میں مشغول تھا' اور رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مال غنیمت سے مجھے بھی اتنا ہی حصہ دیا تھا جتنا آپ نے دوسرے مسلمانوں کو حصہ دیا تھا' اور رہا درخت کے نیچے بیعت کرنے کا معاملہ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے مکہ میں مشرکین سے بات کرنے کے لیے بھیجا تھا' اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا تھا یہ عثمان کی بیعت ہے' اور رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ میرے اپنے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے بہتر ہے اور رہا جنگ احد میں بھاگنے کا سوال تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور یہ آیت نازل

فرمائی : بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے۔ ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کو لغزش دی تھی۔ بے شک اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔
(تفسیر سمرقندی ج ۱ص ۳۱۰ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عثمان بن موہب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حج بیت اللہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا' اس نے پوچھا یہ کون لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ قریش ہیں' پوچھا یہ بوڑھا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' اس نے کہا میں آپ سے سوال کرتا ہوں کیا آپ مجھے اس کا جواب دیں گے؟ میں آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان بن عفان جنگ احد کے دن بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ غزوہ بدر میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے نعرہ لگایا اللہ اکبر' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تم نے جن چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا اب میں تم کو ان کی وجوہات بیان کرتا ہوں۔ رہا جنگ احد میں بھاگنے کا معاملہ تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے اس کو معاف کر دیا' اور رہا غزوہ بدر میں غیر حاضر رہنا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے نکاح میں تھیں' (وہ ان کی تیمارداری کر رہے تھے) اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو بدر میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کا اجر اور مال غنیمت ملے گا' اور رہا بیعت رضوان سے غائب ہونے کا معاملہ تو یہ بیعت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمان مکہ جا چکے تھے' نبی ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے' پھر اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا' اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے اس شخص سے فرمایا تم نے یہ جوابات سن لیے اب جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ (صحیح بخاری ج ۲ص ۵۸۲۔ ۵۸۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

جنگ احد میں مسلمانوں کی جس خطاء کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی

اس آیت میں یہ مذکور ہے : ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی۔

ان کے وہ کون سے کام تھے جن کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی تھی؟ اس کی کئی تفسیریں ہیں : ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے مرکز کو ترک کرنے میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی' اور مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے' حسن نے کہا انہوں نے شیطان کے وسوسوں کو قبول کر لیا' دوسرا قول یہ ہے کہ دشمن سے شکست کھا جانا معصیت نہیں تھا' لیکن جب انہوں نے سنا کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے تو وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر میں چلے گئے تاکہ دشمن اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو' ایک قول یہ ہے کہ جب نبی ﷺ ان کو پکار رہے تھے تو انہوں نے خوف اور ہراس کے غلبہ کی وجہ سے آپ کی پکار کو نہیں سنا' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی کیونکہ وہ سات سو تھے اور دشمن تین ہزار تھا اور ان حالات میں شکست کھا جانا بعید نہیں ہے لیکن نبی ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جانا ایسی خطاء ہے جو جائز نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ نبی ﷺ بھی احد پہاڑ کی کسی جانب نکل گئے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے اچانک پلٹ کر آنے اور اس کے زبردست دباؤ کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور

وہ بے سوچے سمجھے بھاگ پڑے۔ بہرحال یہ خطاء کسی وجہ سے بھی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے گناہ سے تائب ہو جائے وہ اس کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان کر دیا تو اب کسی شخص کے لیے ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے' صحابہ کرام میں جو باہمی اختلافات تھے اور اس کی وجہ سے جو ان میں جنگیں ہوئیں۔ وہ سب اجتہادی امور پر مبنی تھیں' حضرت علی اور ان کے رفقاء کا گروہ اپنے اجتہاد میں حق پر تھا ان کو دو اجر ملیں گے اور حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کو اجتہاد میں خطاء لاحق ہوئی' ان کو ایک اجر ملے گا' ان میں سے کسی فریق پر بھی طعن کرنا جائز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے عاقبت حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! کافروں کی مثل نہ ہو جانا! جب ان کے بھائی کسی لڑائی یا سفر میں گئے تو انہوں نے

اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا

ان کے متعلق کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے

وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ

تاکہ (انجام کار) اللہ اس قول کو ان کی حسرت کا سبب بنا دے، اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ

اور موت طاری کرتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے○ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

جاؤ یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

وہ جمع کرتے ہیں ○ اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے○

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم)

فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

کاموں میں ان سے مشورہ لیں اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ

محبوب رکھتا ہے ○ (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا

فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ○

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شیطان کے وسوسوں سے ڈرایا تھا جس کے نتیجہ میں وہ جنگ احد میں شکست سے دوچار ہو گئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقوں کے وسوسوں سے خبردار کیا ہے جو شیطان کے مددگار ہیں، کیونکہ منافقین مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے عار دلاتے تھے اور جو مسلمان ان کے نسبی بھائی تھے یا دینی بھائی تھے (کیونکہ منافق بھی بہ ظاہر مسلمان تھے) جب وہ کسی دور دراز سفر پر جاتے یا کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جاتے اور اس سفر میں وہ فوت ہو جاتے یا قتل کر دیئے جاتے تو وہ ان کے متعلق کہتے اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے۔

یوں کہنا منع ہے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو فلاں مصیبت نہ آتی

منافقین یہ بات اس لیے کہتے تھے کہ ان کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا، جو چیز جس شخص کے لیے مقدر کی جا چکی ہے وہ کسی عمل سے ٹل نہیں سکتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ اگر کوئی نقصان ہو جائے تو یوں نہ کہو کہ اگر یہ شخص فلاں کام کر لیتا تو نقصان نہ ہوتا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر ایک میں خیر ہے، جو چیز تمہیں نفع دے اس پر حرص کرو، اور اللہ سے مدد حاصل کرو اور عاجز نہ ہو، اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو مجھے یہ مصیبت نہ پہنچتی، البتہ یہ کہو کہ یہ چیز اللہ نے مقدر کر دی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور "اگر" (کالفظ) شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے۔

(کتاب القدر، باب: ۸، باب فی الامر بالقوۃ و ترک العجز)

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی امر واقع ہو جائے تو پھر یہ نہ کہا جائے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو یہ مصیبت نہ آتی' اگر وہ یہ بات جزم اور یقین کے ساتھ کہتا ہے یعنی اگر میں یہ کام کر لیتا تو یقیناً یہ مصیبت نہ آتی تو ایسا کہنا حرام ہے' کیونکہ اس سے تقدیر کا انکار ظاہر ہوتا ہے اور اگر وہ اظہار افسوس کے لیے ایسا کہتا ہے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسے کوئی طالب علم کہے اگر میں امتحان کی اچھی طرح تیاری کرتا تو فیل نہ ہوتا' لیکن یہ کہنا بہرحال ناجائز ہے کہ اگر میں اس مریض کا فلاں ڈاکٹر سے علاج کرا لیتا یا فلاں دوائی پلا دیتا تو یہ مریض نہ مرتا کیونکہ موت و حیات کا تعلق قضاء مبرم سے ہے اور امتحان میں فیل یا پاس ہونے کا تعلق قضاء معلق سے ہے۔

مستقبل کے لیے اگر کا لفظ کہنے کا جواز اور ماضی کے لیے اگر کا لفظ کہنے کی ممانعت

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے غار میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا' اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کو دیکھ لیا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کر کے (دوبارہ بنا دیتا اور) جو حصہ (حطیم) اس سے نکال دیا گیا تھا وہ اس میں داخل کر دیتا۔ (صحیح بخاری' کتاب الحج باب : ۴۲) اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا (صحیح بخاری کتاب التمنی باب : ۹) اور آپ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیتا (صحیح بخاری' کتاب الایمان باب : ۲۶) ان تمام حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بھی "اگر" کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو امر ماضی میں واقع ہو چکا ہو اس کے متعلق آپ نے "اگر" کہنے سے منع فرمایا ہے مثلاً اگر ایسا ہو جاتا تو ایسا نہ ہوتا اور اس سوال میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں "اگر" کا لفظ مستقبل کے بارے میں ہے اور یہ منع نہیں ہے اور ماضی میں اظہار تاسف کے لیے "اگر" کا لفظ جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے بیان جواز کے لیے اس طرح فرمایا ہے حجۃ الوداع میں جن صحابہ نے ہدی نہیں بھیجی تھی آپ نے ان کو عمرہ کرنے کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا اور آپ نے چونکہ ہدی بھیج دی تھی اس لیے آپ احرام پر قائم رہے۔ ان صحابہ کو آپ کی اتباع سے محروم ہونے پر افسوس ہوا تو آپ نے فرمایا : اگر میں اس بات پر پہلے مطلع (متوجہ) ہو جاتا جس پر بعد میں مطلع ہوا ہوں تو میں ہدی روانہ نہ کرتا۔ آپ کا یہ فرمانا اظہار افسوس کے لیے تھا۔

اس کی تحقیق کہ جہاد کی نیت نہ کرنا نفاق ہے

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ ہمارے پاس رہتے تو قتل نہ کیے جاتے اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کفار کے خلاف جہاد کرنے سے گھبراتے تھے اور موت سے ڈرتے تھے ان کے دل میں جہاد کرنے کے لیے کوئی جذبہ تھا نہ کوئی امنگ اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا ہے۔ (کتاب الامارۃ' باب : ۴۷' ذم من مات ولم یغز)

جس شخص پر کسی فعل کا کرنا دشوار ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ جب وہ اس فعل پر قادر ہو گا تو وہ اس فعل کو کرے گا' اور اس کی یہ نیت اس فعل کے قائم مقام ہو گی اور اگر اس نے ظاہراً" اس فعل کو کیا نہ اس فعل کی نیت

کی تو یہ اس منافق کا حال ہے جو نیکی کرتا ہے نہ اس کی نیت کرتا ہے' عبداللہ بن المبارک نے کہا میری رائے میں یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا' جب جہاد واجب تھا اس لیے جس نے جہاد کی نیت نہیں کی وہ منافق تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں کو شامل ہو اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے جہاد کی نیت بھی نہیں کی وہ اخلاق منافقین کے مشابہ ہے یہ معنی نہیں ہے کہ وہ حقیقتہً منافق ہے کیونکہ جہاد میں شریک نہ ہونا منافقین کا طریقہ تھا۔ حدیث میں ہے جس نے کسی عبادت کے کرنے کی نیت کی اور اس عبادت کے کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اس ملامت کا مستحق نہیں ہے جو اس شخص پر کی جاتی ہے جس نے اس عبادت کی نیت بھی نہیں کی' اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی عبادت کو شروع کر دیا اور مکمل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کو اس کا اجر مل جاتا ہے :

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (النساء : ۱۰۰)

اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ (انجام کار) اللہ اس قول کو اس کی حسرت کا سبب بنا دے۔ (آل عمران : ۱۵۶)

منافقین کے قول کے حسرت ہونے کی وجوہات

جو مسلمان کسی سفر میں جاتے اور فوت ہو جاتے' یا کسی غزوہ میں جاتے اور وہاں شہید ہو جاتے تو منافقین ان مسلمانوں کے رشتہ داروں سے کہتے اگر وہ مسلمان ہمارے پاس رہتے اور اس سفر میں نہ جاتے تو نہ مرتے یا اس غزوہ میں نہ جاتے تو قتل نہ کیے جاتے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے اس قول کو انجام کار ان کی حسرت کا سبب بنا دے گا۔ یہ قول ان کی حسرت کیسے بنے گا اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں :

(۱) منافقین اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جب یہ شبہ ڈالیں گے اور وہ ان کے کہنے میں آ کر جہاد کرنے نہیں جائیں گے' پھر جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان جہاد کر کے سلامتی سے مال غنیمت لے کر کامیاب و کامران لوٹے تو ان کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان منافقوں کا کہنا نہ مانا ہوتا اور جہاد میں چلے گئے ہوتے۔

(۲) قیامت کے دن جب منافقین دیکھیں گے کہ مجاہدین اور شہداء کو اللہ تعالیٰ کس قدر انعام و اکرام سے نواز رہا ہے اور ان کو بے پناہ اجر و ثواب مل رہا ہے اور ان منافقوں کو اس قول کی بناء پر ذلت اور رسوائی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو وہ حسرت سے کہیں گے کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۳) منافقین ضعفاء مسلمین کو جہاد سے روکنے کے لیے شبہ ڈالیں گے اور جب وہ مسلمان جہاد پر نہیں جائیں گے تو وہ خوش ہوں گے لیکن بعد میں جب ان مسلمانوں پر ان منافقوں کے مکر و فریب کا حال کھل جائے گا اور وہ ان سے بیزار ہو جائیں گے تو پھر وہ منافق حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۴) جب منافق متصلب اور پختہ مسلمانوں کے سامنے یہ شبہات بیان کریں گے تو وہ ان کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور ان کی سعی رائیگاں جائے گی اس وقت ان منافقوں کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان سے یہ نہ کہا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔ (آل عمران : ۱۵۷)

اللہ کی راہ میں مرنے کا بیان

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے' اس قول کا ایک رد تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کسی جگہ پر آنے جانے میں مرنے اور جینے کا دخل نہیں ہے' اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے' اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ انسان کو موت تو لامحالہ آنی ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ انسان قتل کر دیا جائے یا طبعی موت سے مرجائے اور جب یہ موت یا قتل ہونا اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کی طلب میں واقع ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان دنیا اور اس کی لذتوں کے طلب میں مرجائے کیونکہ انسان مرنے کے بعد ان لذتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا' کیونکہ انسان جب جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دل دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا وہ دشمن سے نجات حاصل کر کے دوست کے پاس پہنچ جاتا ہے' اور جب انسان جہاد سے اعراض کر کے دنیا کمانے میں مشغول ہو جائے تو وہ موت سے ڈرتا رہتا ہے اور موت کے بعد وہ اپنی محبوب چیزوں سے بچھڑ جاتا ہے اور حشر تک قبر کے اندھیروں میں پڑا رہتا ہے' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرجانا اور اس کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنا دنیا جمع کرنے سے بہتر ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' اللہ کی راہ میں قتل ہونا یہ میدان جہاد میں شہادت پانا ہے اور اللہ کی راہ میں مرنا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی دین کی تبلیغ میں گزارے' قرآن اور حدیث کو پڑھتا اور پڑھاتا رہے' اور اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچاتا رہے' اب اگر اس دوران اس کی موت آ گئی تو یہ اللہ کی راہ میں مرنا ہے' میرے زمانہ میں بعض غلط باتیں دین کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں اگر میں ان سے اغماض کر لیتا اور ان کے غلط ہونے کو واضح نہ کرتا تو میری بہت واہ واہ ہوتی اور میرے کام کی بہت عزت افزائی کی جاتی لیکن میرے قلب و ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا اور میں غلط باتوں کے ساتھ موافقت نہ کر سکا مجھے پھولوں کے بجائے کانٹے ملے' داد و تحسین کے بجائے طعن و تشنیع اور دشنام کی سوغاتیں ملیں' میں اس راہ میں مسلسل عملی جہاد کر رہا ہوں اور یہی جہاد کرتے ہوئے میں قتل کر دیا گیا یا طبعی موت مر گیا تو انشاء اللہ میری موت بھی اسی آیت کا مصداق ہو گی۔

اللہ کی مغفرت اور رحمت کا دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے افضل اور بہتر ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم جمع کرتے ہو' اس بہتری کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) جو شخص دنیا کا مال جمع کر رہا ہے اور اسی میں مصروف ہے ہو سکتا ہے وہ کل اس سے استفادہ نہ کر سکے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کل کا سورج دیکھنے سے پہلے فوت ہو جائے لیکن جو شخص اللہ کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنے کے لیے علمی اور عملی جہاد کر رہا ہے وہ اگر اس راہ میں مارا بھی گیا تو کل آخرت میں اس کو اللہ کی رحمت اور مغفرت مل جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس نے فرمایا ہے جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کا اجر پائے گا۔

(۲) ہو سکتا ہے کہ دنیا کا مال جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے لیکن یہ ممکن ہے کہ کل اس کے پاس یہ مال نہ رہے' کیونکہ کتنے لوگ صبح امیر ہوتے ہیں اور شام کو غریب ہو جاتے ہیں اور ان کا مال کسی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن آخرت کی خیرات ختم نہیں ہوتیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے پاس اچھی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں وہ ختم ہونے والی ہیں اور جو اللہ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔

(۳) ہو سکتا ہے کہ دنیا کا مال جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے اور اس کا مال بھی اس کے پاس رہے لیکن کل کوئی ایسی آفت ٹوٹ پڑے یا مصیبت آجائے کہ وہ اس مال سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ مثلاً وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے یا کوئی اور اندوہ گیں حادثہ پیش آجائے' اور آخرت کی نعمتوں میں اس طرح ممکن نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی مصیبت نہ بھی آئے تب بھی دنیاوی لذتوں کے ساتھ ہزاروں پریشانیاں لگی رہتی ہیں اور ہر نعمت خطرات کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے' اور آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کوئی غم اور فکر نہیں ہوتا۔

(۵) اگر ان خطرات اور پریشانیوں سے صرف نظر بھی کرلی جائے تب بھی دنیا کی لذتیں اور نعمتیں بہرحال فانی ہیں اور ایک دن ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہمیشہ باقی رہیں گی اور جس نعمت اور لذت کے ساتھ ہر وقت اس کے ختم ہونے یا چھن جانے کا خوف ہو تو انسان عین حصول لذت کے عالم میں بھی ملول اور پریشان رہتا ہے۔

جب ان پانچ وجوہات پر غور کیا جائے گا تو انسان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی لذتوں سے بہت بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ (آل عمران: ۱۵۸)

دوزخ سے نجات' جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کی طلب کے مدارج میں امام رازی کا نظریہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اللہ کی طرف جمع کیے جانے کا ذکر فرمایا' اور یہ دراصل آخرت کے تین مرتبوں اور درجات کی طرف اشارہ ہے' پہلا مرتبہ دوزخ کے عذاب سے نجات ہے اس کی طرف مغفرت سے اشارہ فرمایا دوسرا مرتبہ جنت میں دخول اور اس کا حصول ہے اس کی طرف رحمت سے اشارہ فرمایا اور سب سے بلند مرتبہ اللہ کی رضا اور اس کی ذات سے ملاقات ہے اس کی طرف اس سے اشارہ فرمایا کہ تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے' کچھ لوگ اللہ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں ان کا پہلا مرتبہ ہے' اور کچھ لوگ جنت کی طمع سے عبادت کرتے ہیں یہ دوسرے مرتبہ کے لوگ ہیں اور کچھ لوگ محض اللہ کی رضا اور اس کی ملاقات کے شوق میں عبادت کرتے ہیں یہ سب سے بلند مرتبہ ہے۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے بدن بہت لاغر اور چہرے کمزور ہو گئے تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر کثرت عبادت کے آثار دیکھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم اللہ سے کس چیز کی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو عذاب سے نجات نہ دے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ اور لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان پر بھی اسی طرح عبادت کے آثار دیکھے' ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا ہم اللہ کی جنت اور اس کی رحمت کو طلب کرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو جنت اور اپنی رحمت عطا نہ کرے' پھر تیسری قوم کے پاس سے گزرے ان پر عبادت کے آثار بہت زیادہ تھے' ان سے سوال کیا تم کس لیے عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کے بندے ہیں ہم کسی چیز کی رغبت سے عبادت کرتے ہیں نہ کسی چیز

کے خوف سے عبادت کرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کے مخلص بندے ہو اور تم سچے عبادت گزار ہو۔ تم ان آیات کی ترتیب میں غور کرو پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کا ذکر کیا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں' پھر رحمت کا ذکر فرمایا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ثواب کی طلب میں اس کی عبادت کرتے ہیں' پھر آخر میں فرمایا تم ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس کے بندے ہیں اور اللہ ان کا رب' مالک اور معبود ہے اور یہ عابدوں کا سب سے بلند مقام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (الانبیاء : ۱۹)

اور جو اللہ کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔

اور متقین کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر : ۵۵-۵۴)

بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے' سچی عزت کے بلند مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

چونکہ ان لوگوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی اور اس کی ملاقات کے شوق میں ریاضت کی اس لیے وہ اللہ کے پاس جمع کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دوزخ سے نجات' جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کی طلب کے مدارج میں امام غزالی کا نظریہ

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں :

عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا دنیا اور آخرت میں اس کا کوئی عوض طلب نہ کرے' یہ رویم کا قول ہے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں نفس کا حصہ ایک آفت ہے' اور جو شخص جنت کی نعمتوں اور لذتوں سے حصہ لینے کے لیے عبادت کرتا ہے اس کی عبادت میں اخلاص نہیں ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل سے صرف اللہ عزو جل کی ذات کا ارادہ کیا جائے اور یہ صدیقین کا اخلاص ہے اور یہی اخلاص مطلق ہے' اور جو شخص جنت کی امید اور دوزخ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے پیٹ اور فرج کے حصہ کی طلب میں عبادت کر رہا ہے اور صاحبان عقل کے نزدیک تو صرف اللہ عزو جل کی ذات ہی مطلوب ہے' لیکن انسان کی ہر حرکت کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اور تمام اغراض سے بری ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے' اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ بے غرض عبادت کرتا ہے وہ کافر ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی نے اس شخص کی تکفیر کا فیصلہ کیا جو تمام حظوظ اور اغراض سے بری ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کہا یہ صفات الوہیت سے ہے' قاضی ابوبکر کا فیصلہ برحق ہے لیکن ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ عام لوگ جن حظوظ اور اغراض کی وجہ سے عمل کرتے ہیں وہ ان سے بری ہیں یعنی وہ فقط جنت کی لذتوں کے حصول کے لیے عبادت نہیں کرتے ان لوگوں کا حظ اور ان کی غرض اللہ کی معرفت' اس سے مناجات' اور اس کے دیدار کی لذت حاصل کرنا ہے' عام لوگ اس لذت کا تصور نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس پر حیران ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو عبادت' مناجات اور دیدار کے بدلہ میں جنت کی نعمتیں دی جائیں تو وہ ان کو حقیر جانیں گے اور ان کی طرف التفات نہیں کریں گے' سو ان کا حرکت کرنا اور عبادت کرنا بھی ایک حظ اور غرض کے لیے ہے لیکن ان کا حظ فقط ان کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۲۹۱-۲۹۰)

دوزخ سے نجات' جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کے طلب کے مدارج میں مصنف کا نظریہ

امام غزالی اور امام رازی نے عبادت گزاروں کے جو یہ تین مراتب بیان کیے ہیں یہ برحق ہیں اور جو شخص معرفت الٰہی میں ڈوبا ہوا ہو اور اخلاص کا پیکر ہو اور دنیا کی تمام نعمتوں اور لذتوں سے حظ حاصل نہ کرتا ہو اور ہر کام اور ہر مشغلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو' کھانے پینے اور عمل ازدواج میں اسے کوئی لذت اور سرور حاصل نہ ہو بلکہ ان کاموں میں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو اس کا سرور اور اس کی لذت صرف اطاعت الٰہی کا جذبہ ہو' وہ اپنی طبیعت اور اشتہاء کی وجہ سے عمدہ اور لذیذ کھانوں' خوب صورت ملبوسات اور اپنی بیوی سے عمل ازدواج اور بچوں کے پیار کا شوق نہ رکھے بلکہ ہر تعلق اور ہر نسبت میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی اس کا ذوق و شوق اور اس کی غرض و غایت ہو تو ایسا شخص یہ کہے کہ میرا مقصد صرف اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار' اس سے ملاقات' اس سے مناجات اور اس کی معرفت ہے نہ مجھے دوزخ سے نجات کی طلب ہے نہ جنت کے حصول کی تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے' لیکن جس شخص کو اچھے کھانے کھا کر لطف اور مزہ آتا ہو' جو عمل ازدواج میں لذت پاتا ہو اور جو اچھے کپڑے پہن کر خوش ہوتا ہو اور جس کو اپنے بچوں کو پیار کر کے راحت اور سکون ملے وہ یہ کہے کہ مجھے جنت نہیں چاہئے صرف اللہ کا دیدار چاہئے اور جنت کا حقارت سے ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بناوٹی صوفی ہے۔

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے نجات اور مغفرت کی دعا کی ہے' قرآن مجید میں ہے :

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ (الشعراء : ۸۲)
اور جس سے میری امید وابستہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطائیں معاف فرمائے گا۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ○ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ (الشعراء : ۸۸۔۸۷)
جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنت کے حصول کی دعا کی۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (الشعراء : ۸۵)
اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت عظیم اولوالعزم نبی ہیں' جب وہ قیامت کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کر رہے ہیں تو یہ مدعیان تصوف جو ان کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے وہ کیسے دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب سے مستغنی ہو سکتے ہیں!

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں احادیث

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی : اے اللہ! جبرائیل اور میکائیل کے رب یا فرمایا اسرافیل کے رب میں دوزخ کی گرمی اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کرتے تھے' اے اللہ! میں قبر کے

فتنہ' اور دجال کے فتنہ' اور زندگی اور موت کے فتنہ اور جہنم کی گرمی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو جنت میں داخل کردے اور جس شخص نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ مانگی تو دوزخ دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کون صاحب اخلاص ہو گا بلکہ آپ سید المخلصین ہیں اور جب آپ نے خود دوزخ سے پناہ کی دعا کی ہے اور امت کو اس دعا کی تلقین کی ہے تو دوزخ سے پناہ طلب کرنے کا عمل گھٹیا اور معمولی کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے اللہ! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴' مطبوعہ کراچی' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ص ۳۰۳' بیروت)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی' اے اللہ! ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور پختہ مغفرت کو طلب کرتے ہیں' اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں' یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے (حافظ ذہبی نے اس حدیث کو بلاجرح نقل کیا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے اس سے جنت کے چار دریا بہہ رہے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(کتاب صفۃ الجنۃ' باب : ۴' ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ رقم الحدیث : ۲۵۳۱)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا : اے اللہ میں تجھ سے تمام نعمت کا سوال کرتا ہوں' آپ نے پوچھا تمام نعمت کیا چیز ہے' اس نے کہا میں نے جو دعا کی ہے میں اس سے خیر کی امید رکھتا ہوں' آپ نے فرمایا تمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے اور دوزخ سے کامیابی حاصل کرنا ہے۔

(الجامع الصحیح' کتاب الدعوات' باب : ۹۴' حدیث : ۳۵۲۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵-۲۳۱' الادب المفرد للبخاری ص ۱۸۸' مطبوعہ پاکستان)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن رفاعہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا جس کا نام سلیم تھا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! جب ہم سو جاتے ہیں اس وقت ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل آتے ہیں ' ہم دن بھر کام کاج میں مشغول رہتے ہیں ' یہ اس وقت آ کر نماز کی اذان دیتے ہیں پھر ہم کو لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ بن جبل تم فتنہ ڈالنے والے نہ بنو' یا تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو تخفیف کے ساتھ نماز پڑھاؤ' پھر آپ نے سلیم سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا میں اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں' اس نے کہا بہ خدا آپ کی دعا اور معاذ کی دعا بہت حسین ہے' آپ نے فرمایا میری اور معاذ کی دعا صرف یہ ہے کہ ہم اللہ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی طلب اخلاص کے منافی نہیں ہے

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عذاب سے نجات کی اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور امت کو بھی ان دعاؤں کی تلقین کی ہے' اس لیے کوئی شخص کتنا ہی بڑا صاحب اخلاص اور صوفی کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور یہ سمجھنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہرچند کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی ذات کے دیدار کے لائق نہیں ہے اور یہ اللہ کے اولی العزم بندوں اور مقربین کا حصہ ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے حال پر کرم فرمائے اور اس کو شرف ملاقات عطا کرے اور اپنے دیدار سے نوازے تو یہ اس پر اس کا بہت بڑا کرم ہے' امام اعظم ابوحنیفہ کو دیکھ کر کسی شخص نے کہا یہ تو جنتی شخص ہے' امام اعظم رونے لگے اور فرمایا میں کہاں جنت کے لائق ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دے دی تو یہی اس کا مجھ پر بڑا کرم ہو گا' غور کیجئے ایک امام اعظم ہیں جو اپنے آپ کو جنت کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور ایک اس زمانہ کے صوفیاء ہیں جو جنت کو اپنے لائق نہیں سمجھتے!

البتہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب انسان اللہ کی عبادت کرے تو عبادت میں صرف یہ نیت کرنی چاہئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے' اللہ اس کا معبود ہے اور بندہ پر لازم ہے کہ اپنے معبود کی عبادت کرے اور اس کی اطاعت کرے' کسی غرض اور ثواب کی نیت سے عبادت نہ کرے' اگر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب نہ بھی عطا کرے تب بھی اس کا مملوک اور اس کا بندہ ہونے کی وجہ سے اس پر اللہ کی عبادت اور اطاعت لازم ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع بھی اس نیت سے کرے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور فضل سے جن عبادات پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور اپنے کرم سے عطا فرمائے گا' اور اللہ تعالیٰ سے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول اور اجر و ثواب کی دعا کرتا رہے کہ یہ بھی عبادت ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا اور اس کی اطاعت ہے اور جنت کی نعمتوں کو معاذ اللہ حقیر نہ جانے' اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں جنت کی نعمتوں کو بہت عظمت اور شکوہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کو حقیر جاننا معاذ اللہ' اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے لیکن یہ نعمت بھی جنت ہی میں حاصل ہو گی' بعض مدعیان محبت کہتے ہیں کہ ہم کو مدینہ چاہئے جنت نہیں چاہئے اور مدینہ کے مقابلہ میں جنت کو حقیر جانتے ہیں لیکن وہ یہ غور نہیں کرتے کہ مدینہ کی عظمت اور محبت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے لیکن وہ عارضی مسکن ہے اور جنت آپ کا دائمی مسکن ہے تو اگر حضور کے مسکن ہونے کی وجہ سے مدینہ محبوب ہے تو جنت کو زیادہ محبوب ہونا چاہئے کیونکہ وہ آپ کا دائمی مسکن ہے' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت

مدینہ کے جس حصہ میں آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے کیونکہ آپ نے فرمایا میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶) سو حضور ﷺ اب بھی جنت میں ہیں اور قیامت کے بعد بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب قرار دینا چاہیے' اور مدینہ منورہ کی محبوبیت جنت کے بعد ثانوی درجہ میں ہے۔ البتہ جس جگہ آپ کا جسد انور ہے وہ کعبہ' عرش اور جنت سے بھی افضل ہے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہوگئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کردیں اور ان کے لیے استغفار کریں۔

(آل عمران : ۱۵۹)

بعض مسلمان جنگ احد میں نبی ﷺ کے پاس سے بھاگ گئے تھے' بعد میں وہ آپ کے پاس لوٹ آئے' نبی ﷺ نے ان پر کوئی گرفت نہیں کی نہ سختی کی بلکہ نہایت نرم اور ملائم طریقہ سے ان سے گفتگو فرمائی' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو معاف کردیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مسلمانوں پر اس نرمی کی تعریف فرمائی ہے۔

نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء : ۲۱۵)	جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا دیجئے۔
خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف : ۱۹۹)	معاف کرنا اختیار کیجئے' نیکی کا حکم دیجئے' اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔
لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ : ۱۲۸)	بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت دشوار ہے جو تمہاری (آسانی پر) بہت حریص ہیں اور ایمان والوں پر بہت شفیق اور بہت مہربان ہیں۔
إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم : ۴)	بے شک آپ بہت عظیم خلق پر فائز ہیں۔

نبی ﷺ کے عفو و درگزر اور حسن اخلاق کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے تقاضا کیا اور بہت بدکلامی کی' آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو' کیونکہ صاحب حق کے لیے بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور ایک اونٹ خرید کر اس کا حق ادا کردو' صحابہ نے کہا اس وقت جو اونٹ دستیاب ہیں اس کے اونٹ سے افضل ہیں۔ آپ نے فرمایا وہی خرید کر اس کو ادا کردو' کیونکہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۳' ۳۲۱' ۳۰۹' طبع کراچی)

اگر وہ شخص کوئی مسلمان اعرابی تھا تو بدکلامی کا مطلب ہے اس نے قرض کی واپسی کا سختی سے مطالبہ کیا اور اگر وہ

شخص یہودی یا کافر تھا تو اس بدکلامی سے کفریہ کلام بھی مراد ہو سکتا ہے۔

سراقہ بن مالک کو معاف کر دینا

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم نے آپ کا پیچھا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا ضرر کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا' اس نے کہا آپ میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عبدالرحمن بن مالک المدلجی (سراقہ بن مالک کے بھتیجے) روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے اور انہوں نے کہا قریش نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو قتل کرے گا یا ان کو گرفتار کر کے لائے گا تو ہر ایک کے بدلہ میں اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے' اسی وقت ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ دیکھے ہیں اور میرا گمان ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہیں' میں نے اس کو ٹالنے کے لیے کہا وہ نہیں ہوں گے لیکن تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہو گا' میں تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر میں گھر گیا اور میں نے اپنی کنیز سے کہا کہ میری گھوڑی کو فلاں ٹیلے کے پیچھے لے جاؤ' میں اپنا نیزہ لے کر گھوڑی پر سوار ہوا حتی کہ میں ان کے قریب جا پہنچا پھر میں نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر فال نکالی تو وہ میرے خلاف نکلی' لیکن میں نے فال والے تیر کی مخالفت کی اور آپ کا پیچھا کرتا رہا حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی' آپ ادھر' ادھر نہیں دیکھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے اچانک میری گھوڑی کے دونوں اگلے پیر زمین میں دھنس گئے اور میں زمین پر گر گیا' میں نے اس کو ڈانٹا لیکن اس کے پیر زمین سے نہیں نکل سکے میں نے پھر تیر سے فال نکالی تو میرے خلاف نکلی' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو امان دینے کا اعلان کیا' وہ ٹھہر گئے اور میں پھر اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا اور جس وقت میری گھوڑی زمین میں دھنس گئی تھی اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب ہو جائے گا' میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے اوپر سو اونٹوں کا انعام رکھا تھا اور یہ بتایا کہ قریش آپ کو قتل کرنے یا آپ کو گرفتار کرنے کے درپے ہیں اور میں نے آپ کو زاد راہ اور متاع پیش کیا' آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا صرف اتنا فرمایا کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھنا میں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں' آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان لکھ دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ کی طرف) روانہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۴' طبع کراچی)

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امان لکھ کر دے رہے ہیں جو سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کے لیے نکلا تھا!

عمیر بن وہب کو معاف کر دینا

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کی شکست کے بعد عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے' عمیر بن وہب قریش کے شیطانوں میں سے ایک بڑا شیطان تھا' اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے اصحاب کو بہت ایذاء پہنچایا کرتا تھا' اور مکہ میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں' عمیر کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں تھا' انہوں نے مقتولین بدر کا ذکر کیا' صفوان نے کہا خدا کی قسم ان کے بعد اب زندہ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے' عمیر نے کہا تم نے سچ کہا' خدا کی قسم اگر میں نے قرض نہ دینا ہوتا جس کی میرے پاس گنجائش نہیں ہے اور مجھے اپنے بال بچوں کے ضائع ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ابھی روانہ ہوتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر کے آتا' صفوان نے اس بات کو غنیمت جانا اور کہا تمہارے قرض کا میں ضامن ہوں اور تمہارے بال بچے میرے بال بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کا خرچ میں اٹھاؤں گا' اس معاہدہ کے بعد عمیر نے اپنی تلوار کو زہر میں ڈبویا اور مدینہ پہنچ گیا' حضرت عمر بن الخطاب صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے جنگ بدر کے متعلق باتیں کر رہے تھے' اچانک حضرت عمر نے دیکھا کہ عمیر بن وھب مسجد کے دروازہ پر گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے کھڑا ہوا ہے' حضرت عمر نے کہا اللہ کا یہ دشمن ضرور کسی شر کی نیت سے آیا ہے' جنگ بدر کے دن یہی شخص فتنہ کی آگ بھڑکا رہا تھا' پھر حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وھب ہے یہ تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے' آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ' حضرت عمر اس کو لے کر آئے اس کی گردن سے اس کی تلوار کی پیٹی پکڑلی اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بٹھا دیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے عمر اس کو چھوڑ دو' اور عمیر سے کہا میرے قریب آؤ اس نے کہا صبح بخیر یہ زمانہ جاہلیت کا سلام تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا اسلام تمہارے سلام سے بہتر ہے اور وہی اہل جنت کا سلام ہے' آپ نے اس سے پوچھا اے عمیر! تم کس لیے آئے ہو! اس نے کہا آپ کے پاس جو ہمارے قیدی ہیں ان کے متعلق یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ ان پر احسان کریں' آپ نے فرمایا پھر تمہارے گلے میں یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے کہا ان تلواروں کے لیے خرابی ہو انہوں نے ہم سے کون سی مصیبت دور کر دی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم سچ کہہ رہے ہو تم اسی لیے آئے ہو؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں اسی لیے آیا ہوں' آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تم نے مقتولین بدر کا ذکر کیا پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ابھی روانہ ہو جاتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر کے آتا' پھر صفوان اس شرط پر تمہارے قرض اور تمہارے بچوں کی کفالت کا ضامن ہو گیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور تمہارے اور تمہارے اس ارادہ کے پورا ہونے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا' یہ سن کر عمیر نے بے ساختہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یا رسول اللہ پہلے ہم آسمانی خبروں اور وحی کے متعلق آپ کی تکذیب کرتے تھے' اور یہ ایسی خبر ہے جس کے موقع پر میرے اور صفوان کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا' خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ بات صرف اللہ نے بتائی ہے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی' اس نے کلمہ شہادت پڑھا' نبی ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا دینی بھائی ہے اس کو قرآن کی تعلیم دو' اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو' پھر حضرت عمیر بن وھب مکہ چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور جس طرح پہلے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اب مشرکین کے خلاف تیغ بے نیام رہتے تھے' ان کی تبلیغ سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۷۲' الروض الانف ج ۳ ص ۱۱۴-۱۱۳' بیروت' الاستیعاب رقم: ۲۰۲۰' اسد الغابہ رقم: ۴۰۹۶' الاصابہ رقم: ۶۰۷۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر

آیا وہ آپ کی نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ اسلام کا مبلغ بن گیا!

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس گیا میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ چھوڑ نہ دیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا' اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا۔ "اپنی رائے کو رہنے دو" جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میری قمیص اور اس پر میری نماز جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

سو آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور ہند کو معاف کر دینا

امام ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المتوفی ۶۳۰ھ بیان کرتے ہیں :

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی' ابوسفیان نے کہا اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا اور آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصور وار تھے' انہوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے' آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور

انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ابو سفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ابو سفیان فخر کو پسند کرتا ہے' اس کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے' آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۶۔۱۶۴' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

جب آپ کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ ہند ہے؟ ہند نے کہا میں ہند ہوں' اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے' ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی' چوری نہیں کریں گی' بدکاری نہیں کریں گی' اولاد کو قتل نہیں کریں گی کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی' کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی' پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان سے بیعت لو' اور ان سب کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۱' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

ابو سفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہا تھا' آپ نے ابو سفیان پر قابو پانے کے بعد اس کو معاف کر دیا' ہند نے آپ کے محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کر دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ (یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لئے مکہ سے نکلا تاکہ جدہ سے یمن چلا جائے' حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ کے خوف سے بھاگ رہا ہے تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں گرا دے آپ اس کو امان دے دیجئے' آپ نے فرمایا اس کو امان ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو امان دے دی ہے' نبی ﷺ نے ان کو اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے' حضرت عمیر وہ عمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں جا لیا اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے' انہوں نے کہا اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو' دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ سے لے کر آیا ہوں' صفوان نے کہا تم چلے جاؤ' حضرت عمیر نے کہا اے صفوان' وہ سب سے افضل' سب سے زیادہ نیک' سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور کے پاس لے آئے' صفوان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' اس کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے! آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا' صفوان نے کہا مجھے اسلام لانے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے آپ نے فرمایا میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۹۔۳۳۸' مطبوعہ بیروت' کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۳' الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۶۸' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۸)

فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دینا

امام ابن اثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے' آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا' جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا' لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی' اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں' انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو جالیا' اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے' ام حکیم نے کہا میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں' سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں' اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے' جب عکرمہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے' پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی انہوں نے اس وقت لات اور عزیٰ کو پکارا' کشتی والوں نے کہا اس موقع پر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لاشریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں' عکرمہ نے سوچا اگر سمندر میں صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (ﷺ) کے پاس جا کر رجوع کریں گے۔ سو انہوں نے آپ کے پاس جا کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۱۳۴)

نیز امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ بیان کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: راکب (سوار) مہاجر کو خوش آمدید ہو' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی میں کیا کہوں؟ فرمایا کہو: اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ میں نے عرض کیا: میں پھر کیا کہوں فرمایا: کہو: اے اللہ! میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں مہاجر اور مجاہد ہوں' سو انہوں نے اسی طرح کہا' پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے جس کسی ایسی چیز کا سوال کرو گے جو میں لوگوں کو عطا کر رہا ہوں گا تو میں وہ تم کو ضرور عطا کروں گا' حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سے کسی مال کا سوال نہیں کروں گا' میں قریش میں بہت زیادہ مالدار ہوں' لیکن میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں اور کہا میں نے پہلے جتنا مال لوگوں کو اللہ کی راہ میں روکنے کے لیے خرچ کیا تھا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے لمبی زندگی دی تو میں اس سے دگنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔

ایک اور روایت میں ہے جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ فرط خوشی سے کھڑے ہو گئے' اور فرمایا اس مہاجر کو مرحبا ہو!

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۱۳۳۔ ۱۳۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۱' تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص

۳۳۱ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۹۸ 'سیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۸)

فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کر دینا

وحشی بن حرب' جبیر بن مطعم کے غلام تھے' ایک قول یہ ہے کہ بنت الحارث بن عامر کے غلام تھے' حارث بن عامر کی بیٹی نے ان سے کہا میرا باپ جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا اگر تم نے (سیدنا) محمد (ﷺ) حمزہ یا علی بن ابی طالب ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو' جنگ احد میں وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا' اور اس قتل سے رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچی تھی' جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو یہ جان کے خوف سے طائف بھاگ کر چلے گئے تھے' پھر ایک وفد کے ساتھ آ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور کلمہ پڑھ لیا' حافظ ابن عساکر نے ان کے اسلام قبول کرنے کا بہت تاثر انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی' وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) آپ مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے' قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے اور آپ یہ پڑھتے ہیں :

وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ۝ یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَیَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا ۝ (الفرقان : ۶۹-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (مثلاً قصاص میں) اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کر دی :

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ (الفرقان : ۷۰)

لیکن جو (موت سے پہلے) توبہ کرلے' اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے' ہو سکتا ہے مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ!

تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا' اور اس کے علاوہ جو گناہ ہو اسے جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا اے محمد! (ﷺ) اس آیت میں تو مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے' ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشنا

نہ چاہے پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ! تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر : ۵۳)

آپ کہئے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اب مجھے اطمینان ہوا پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا' صحابہ نے پوچھا یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا سب کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ نے یہی جوابات دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۴۳۔ ۲۴۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

غور فرمایئے رسول اللہ ﷺ اس شخص کی ایک ایک شرط پوری کر کے اور اس کا ایک ایک ناز اٹھا کر اس کو کلمہ پڑھا رہے ہیں اور جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں جو آپ کے انتہائی عزیز چچا کا قاتل تھا' اگر کوئی شخص ہمارے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل کر کے ہم سے دنیا کی کسی جگہ کا راستہ پوچھے تو ہم اس سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تو ان کے ظرف کی عظمت کا کیا کہنا جو ایسے شخص کا ایک ایک نخرہ پورا کر کے اسے جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں!

ہبار بن الاسود کو معاف کر دینا

امام محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

ہبار بن اسود کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا اس وقت وہ حاملہ تھیں وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' جس وقت نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آ گیا وہ بہت فصیح اللسان تھا اس نے کہا : اے محمد! (ﷺ) جس نے آپ کو برا کہا اس کو برا کہا گیا۔ میں آپ کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں' پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا' رسول اللہ ﷺ نے اس کا اسلام قبول کر لیا' اس وقت نبی ﷺ کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا' آپ نے فرمایا اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا' اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو برا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۸۔ ۸۵۷' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت)

منافقوں اور دیہاتیوں سے درگزر کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا خدا کی قسم! محمد (ﷺ) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضاجوئی کا ارادہ نہیں کیا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی' تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی اور انہوں نے اس پر صبر کیا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا نام معتب بن قشیر تھا اور یہ منافق تھا' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خیر خواہی کی نیت سے کسی شخص سے اس کے متعلق کہا ہوا قول بیان کیا جائے کہ فلاں شخص آپ کے

متعلق یہ کہہ رہا تھا' تو یہ چغلی نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے' ورنہ رسول اللہ ﷺ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے تم چغلی کیوں کر رہے ہو؟ چغلی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص فساد ڈالنے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے شخص تک پہنچاتا ہے' اور اس حدیث میں آپ کی نرمی اور ملائمت کا بیان بالکل واضح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی' حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا اے محمد (ﷺ) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۹۰۰' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں نبی ﷺ کی نرمی' حسن اخلاق اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا واضح بیان ہے۔

عفو اور درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف: ۱۹۹)

معاف کرنا اختیار کیجئے' نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: ۲۲)

(اور اہل فضل کو چاہئے) کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوری: ۴۳)

اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً ضرور یہ ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔

عفو اور درگزر کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا' بندے کے معاف کرنے سے اللہ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں جو عزت بڑھانے کا ذکر ہے اس کے دو محمل ہیں' ایک یہ کہ جس کا قصور معاف کیا جائے اس کے دل میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھ جاتی ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی کی وجہ سے اتنی چیزیں عطا فرماتا ہے جو سختی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بڑا پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بڑا پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھ سکے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص لڑے' دو میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے اگر وہ کلمہ یہ شخص کہہ دے تو اس کا غصہ چلا جائے گا' وہ کلمہ یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی تکلیف پہنچائی گئی آپ نے اس کا کبھی بدلہ نہیں لیا حتیٰ کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کی وجہ سے انتقام لیتے تھے۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے' بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا' الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کے مختلف محامل

جب کفار نے آپ کے سر پر پتھر مار کر آپ کا خون بہایا تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے' یا جب کسی نے آپ کو سختی سے آواز دی یا جس نے آپ کی چادر کو اس زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن میں نشان پڑ گیا اور اس نے آپ سے کہا آپ مجھے اپنے مال یا اپنے باپ کے مال سے نہیں دیتے تو آپ ہنسے اور اس کو مال دینے کا حکم دیا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر' حلم' حق کو قائم کرنے اور دین پر تصلب کی دلیل ہے' اور یہی آپ کا خلق حسن ہے کیونکہ اگر آپ اللہ کی حدود کو قائم نہ کرتے تو اس سے دین میں ضعف ہوتا' اور اگر آپ اپنے نفس کا انتقام لیتے تو یہ صبر اور حلم کے خلاف ہوتا آپ نے ان دونوں مذموم طریقوں کو ترک کر کے متوسط طریقہ کو اختیار فرمایا۔

جس منافق شخص نے آپ سے یہ کہا تھا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا' آپ نے اس شخص کی تالیف قلب کے لیے اس کو معاف کر دیا' یا اس کی قوم کی تالیف کے لیے اس کو معاف کر دیا' اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلام کہتا ہے اس کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین سے اس لیے درگزر کرتے تھے کہ لوگ آپ سے دور نہ ہوں اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں کیونکہ منافق بہ ظاہر مسلمان تھے'

کبھی آپ تالیف قلب کے لیے ذمی کافر سے بھی درگزر کر لیتے تھے اور کبھی کافر حربی سے اس لیے درگزر فرما لیتے تھے کہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں (آل عمران : ۱۵۹)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مسلمانوں پر نرمی اور شفقت کرنے کا بہ تدریج حکم دیا ہے' پہلے آپ کو یہ حکم دیا کہ جنگ احد میں جن مسلمانوں سے تقصیر ہو گئی ہے آپ ان کو معاف کر دیں پھر آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں اور شفاعت طلب کریں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے اور یہ اہم قومی معاملات میں مشورہ دینے کے اہل ہو جائیں تو پھر آپ ان سے مشورہ کریں۔

مشورہ کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

مشاورت اور مشورہ کا معنی ہے : بعض کا بعض کی طرف رجوع کرکے ان کی رائے کو حاصل کرنا' جب عرب والے کسی جگہ سے شہد کو نکالتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں "شرت العسل" جس امر میں مشورہ طلب کیا جائے اس کو شوریٰ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے : "وامرهم شورى بينهم" "اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔

(المفردات ص ۲۷۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

مشورہ کے ذریعہ مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں' اور مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور و فکر کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت' حکمت اور موقع اور محل کے مناسب ہے اور جب اللہ اسے کسی رائے کی طرف ہدایت دے دے تو وہ اس رائے پر عمل کرنے کا عزم کرے اور اللہ پر توکل کرکے اس رائے کو نافذ کر دے۔

مشورہ کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۳' مطبوعہ لاہور)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہو گا' اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہو گا' اور جس نے میانہ روی کی وہ کنگال نہیں ہو گا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبد السلام بن عبد القدوس ایک ضعیف راوی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس میں کسی مسلمان شخص سے مشورہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو درست کام کی ہدایت دے دیتا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند میں عمرو بن الحصین العقیلی متروک راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کیوں دیا گیا

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسائل اور معاملات میں امکان وحی کے باوجود اجتہاد کرنا جائز ہے' اور ظن غالب پر عمل کرنا صحیح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کو کن امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' بعض علماء نے کہا اس کا تعلق جنگی چالوں سے ہے کہ جب دشمن کا سامنا ہو تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کس طریقہ پر عمل کیا جائے' اور اس کی حکمت یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تالیف قلب کی جائے' اور جنگ احد میں شکست کی وجہ سے جو صحابہ کرام دل شکستہ ہو گئے تھے ان کی دلجوئی کی جائے' اور ان کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کیا جائے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ان کی رائے سے مستغنی ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کر کے صحیح سمت کی طرف آپ کی رہنمائی پر قادر ہے' قتادہ' ربیع' ابن اسحاق اور امام شافعی وغیرہ کی یہی رائے ہے کیونکہ عرب سرداروں سے جب کسی اہم معاملہ میں مشورہ نہ لیا جائے تو ان پر گراں گزرتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ اہم جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کریں اس سے ان کی قدر افزائی اور دلجوئی ہو گی۔

حسن بصری اور ضحاک نے یہ بیان کیا ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر وحی نازل نہیں کی ان میں آپ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے' اس وجہ سے نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان کے مشورہ کی حاجت ہے بلکہ اس لیے کہ ان کو مشورہ کی تعلیم دی جائے' ان کو مشورہ کی فضیلت کا علم ہو اور آپ کے بعد آپ کی امت مشورہ کرنے میں آپ کی اقتداء اور اتباع کرے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۷) اور علامہ آلوسی نے امام ابن عدی اور امام بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو میری امت کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ (روح المعانی: ج ۴ ص ۱۰۷)

کس قسم کے لوگوں سے مشورہ کیا جائے

مشورہ اس شخص سے طلب کرنا چاہیے جو عالم دین ہو اور صاحب فہم و فراست ہو' اور جب کسی ایسے شخص سے مشورہ لیا جائے اور وہ اس مسئلہ کا صحیح حل معلوم کرنے کی پوری کوشش کرے اس کے باوجود اگر اس کو خطا لاحق ہو جائے تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو بندہ مشورہ لے وہ کبھی بدبخت نہیں ہوتا اور جو بندہ خود رائے ہو اور دوسروں کے مشوروں سے مستغنی ہو وہ کبھی نیک بخت نہیں ہوتا' بعض علماء نے کہا ہے کہ کسی تجربہ کار شخص سے مشورہ لینا چاہیے' کیونکہ وہ تم کو ایسی چیز بتلائے گا جس میں وہ زیادہ تر کامیاب رہا ہو گا' امام اور خلیفہ کو نصب کرنا کس قدر اہم مسئلہ تھا لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ اور اتفاق پر

چھوڑ دیا' امام بخاری نے کہا نبی ﷺ کے بعد ائمہ مباح کاموں میں امین لوگوں اور علماء سے مشورہ کیا کرتے تھے' سفیان ثوری نے کہا متقی اور امانت دار شخص سے مشورہ کرنا چاہیے۔ حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! جو لوگ مشورہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی صحیح حل کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۵۱۔ ۲۵۰' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

کسی کام کو کرنے کے پختہ ارادہ کو عزم کہتے ہیں۔ نیت' عزم اور قصد یہ الفاظ مترادف ہیں' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کرکے کسی کام کا عزم کرلیں تو اس مشورہ پر توکل نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور جب آپ اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے کسی کام کا عزم کرلیں تو پھر اس کام سے رجوع نہ کریں' جس طرح جنگ احد میں جب مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا' تو نبی ﷺ اور پختہ کاروں کی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر کافروں سے مدافعانہ جنگ کی جائے اور بعض نوجوان مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر جنگ کی جائے' نبی ﷺ نے اس رائے کو قبول کرلیا اور جمعہ کی نماز کے بعد گھر گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے' وہ نوجوان صحابہ نادم ہوئے کہ ہم نے حضور ﷺ کی بات نہیں مانی' انہوں نے آپ سے معذرت کی اور اپنی رائے سے رجوع کرلیا' نبی ﷺ نے فرمایا جب نبی ہتھیار پہن لے تو بغیر جنگ کیے اس کے لیے ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے' اور یہی اس آیت پر عمل ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کے بعد اللہ پر توکل کرکے کسی کام کا عزم کرلیا ہے تو پھر اس سے رجوع نہ کریں اور اس کام کو کر ڈالیں۔

توکل کا معنی

علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنی ہے ضامن ہونا' حدیث مرفوع میں ہے: جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل (ضامن) ہوا' میں اس کے لیے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں' یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں' اور توکل کا معنی پناہ میں دینا بھی ہے' حدیث میں ہے مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر' اور توکل کا معنی اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے' اور کسی معاملہ میں اللہ پر توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں اللہ پر اعتماد کیا جائے۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۲۱' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتے ایران' ۱۳۶۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب انسان پر یہ منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں ہے اور خلق ہو یا رزق ہو' دینا ہو یا روکنا ہو' زندہ کرنا ہو' یا مارنا ہو' غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا' اس کے دل میں اسی کا خوف ہوگا اور اسی سے امید ہوگی اسی پر بھروسہ ہوگا اور اسی پر اعتماد ہوگا کیونکہ صرف وہی مستقل فاعل ہے اور باقی چیزیں اس کے مسخر اور تابع ہیں' آسمان اور زمین میں سے کوئی ذرہ خود بہ خود حرکت نہیں کر سکتا' اور جو شخص سبزہ اور فصل کی پیداوار میں بادل' بارش اور ہواؤں پر اعتماد کرتا ہے وہ فاعل حقیقی سے غافل ہے اور ایک قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۱۲۱۔ ۱۲۰' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی مساعی کو مہمل چھوڑ دے' جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیتا' بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہرہ کی رعایت کرے لیکن دل سے ان اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت' اس کی تائید اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے میں' اور اللہ کے ماسوا سے اعراض کرنے میں رغبت دلائی جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

توکل کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (المائدہ: ۲۳) — اور اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳) — اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر: ۳۶) — کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔

توکل کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں' ایک نبی اور دو نبیوں کے ساتھ (دس سے کم لوگوں کی) ایک جماعت تھی' اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا' حتیٰ کہ میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی' میں نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے؟ کیا یہ میری امت ہے؟ کہا گیا بلکہ یہ حضرت موسیٰ ہیں اور ان کی امت ہے' اور کہا گیا کہ آپ افق کی طرف دیکھئے' تو ایک جماعت نے افق کو بھر لیا تھا' پھر مجھ سے کہا گیا' ادھر ادھر آسمان کے کناروں میں دیکھئے تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا' کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے' پھر آپ (حجرہ میں) داخل ہو گئے اور یہ نہیں بیان فرمایا (کہ وہ ستر ہزار کون ہیں) لوگ (اس حدیث میں) بحث و تمحیص کرنے لگے' انہوں نے کہا اس کا مصداق ہم لوگ ہیں ہم لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی اتباع کی' ہم ہیں یا پھر ہماری اولاد ہے' جو اسلام میں پیدا ہوئی' کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے' جب نبی ﷺ تک یہ بحث پہنچی تو آپ تشریف لائے آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو (زمانہ جاہلیت کا) منتر نہیں کرتے تھے' اور نہ پرندوں سے بدشگونی نکالتے تھے اور نہ (حصول شفا میں) داغ لگانے پر اعتماد کرتے تھے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے (اسباب کو مسببات پر مرتب کر کے نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر دیتے تھے اور اسی پر اعتماد کرتے تھے) حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر کماحقہ توکل کرو تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

(الجامع الصحیح 'کتاب الزہد' باب ۳۳ 'التوکل علی اللہ' و مسند احمد ج ۱ ص ۵۲ '۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تنگی اور فقر لاحق ہو اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اس کا فقر و فاقہ ختم نہیں ہوگا' اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور وہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔

(الجامع الصحیح 'کتاب الزہد' باب : ۱۸ 'باب ماجاء فی الہم فی الدنیا' شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۰)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ہر مسئلہ کا ضامن ہوتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۹-۲۸ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۸ 'مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۳)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن الاشعث ہے وہ ضعیف ہے اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

توکل کی صحیح تعریف

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے توکل کی حسب ذیل تعریفات نقل کی ہیں :

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا توکل یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے ایسا ہو جیسے غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے اس کو الٹتا ہے پلٹتا ہے۔

نہرجوری نے کہا حقیقت میں متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق سے تعلق نہ رکھے' وہ اپنے حال کی کسی سے شکایت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی شخص کچھ نہ دے تو اس کی مذمت نہ کرے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ دینا اور نہ دینا اللہ کی جانب سے ہے۔

ابویزید سے پوچھا گیا کہ بندہ متوکل کب ہوتا ہے انہوں نے کہا جب وہ اپنے دل کو ہر موجود اور مفقود سے منقطع کر لیتا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے کہا اللہ کی کتاب میں تین آیات ایسی ہیں جو انسان کو تمام مخلوقات سے کفایت کرتی ہیں اور اس کو ان سے مستغنی کر دیتی ہیں :

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ

(یونس : ۱۰۷)

(اے مخاطب!) اور اللہ اگر تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لیے کسی خیر کا ارادہ کرلے تو اس کے سوا کوئی اور اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ

اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روکنے والا

لَهَاۚ وَمَا يُمْسِكْۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ (فاطر : ۲)

نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَاؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝ (هود : ۶)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے، وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا : اے بھائی تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی، تم کو وہ طلب کرتا ہے جو فوت ہونے والا نہیں ہے اور تم اس چیز کو طلب کرتے ہو جس سے تم مستغنی کر دیئے گئے ہو، اے بھائی! تم دیکھتے ہو کہ کئی حریص لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور کئی بے رغبت لوگ نواز دیئے جاتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۳۔۱۰۹)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

توکل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اسی پر توکل کرے۔

توکل یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے چلنے کے لیے جو راستہ بیان کیا ہے جب اس کے سامنے وہ راستہ ظاہر ہو تو وہ اس راستہ پر چلیں اور اس کی مراد تک پہنچنے کا سبب حاصل کریں اور اللہ پر اعتماد کریں کہ وہ ان کو ان کی کوششوں میں کامیاب فرمائے گا اور انہیں ان کی مراد تک پہنچائے گا، اور جس نے توکل کو اللہ کے بنائے ہوئے اسباب سے خالی کر لیا۔ اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور اللہ کے بنائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا۔

سعید بن جبیر کو ایک رات نماز میں کسی چیز نے ڈنک مارا انہوں نے اس پر دم کیا، ان سے حصین نے پوچھا، آپ کو دم کرنے پر کس نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صرف نظر لگنے یا ڈنک مارنے پر دم کیا جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو پرندوں کی طرح رزق دیا جائے گا جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور رزق کو طلب کرنے کی نفی نہیں ہے کیونکہ پرندے صبح سے شام تک رزق کی طلب میں پھرتے رہتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : رزق کی طلب میں تاخیر نہ کرو کیونکہ اس وقت تک کوئی بندہ مر نہیں سکتا جب تک اسے اس کا آخری رزق نہ پہنچ جائے، اللہ سے ڈرو اور رزق حلال کو اچھی طرح سے طلب کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے تنگی اور فقر کی شکایت کی اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آیا ہوں میرے پاس کوئی چیز نہیں جس کو میں ان کے پاس لے کر جاؤں حتیٰ کہ ان میں سے بعض مر جائیں گے، آپ نے فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ گھر میں کیا چیزیں ہیں؟ وہ ایک چادر اور ایک پیالہ لے آیا، اس نے کہا یا رسول اللہ! اس چادر کے بعض حصہ کو ہم بچھا لیتے ہیں اور بعض کو ہم اوڑھ لیتے ہیں اور اس پیالہ سے پانی پیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو مجھ سے کون ایک درہم میں خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں یا

رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہموں میں خریدوں گا' آپ نے اس شخص سے فرمایا ایک درہم سے کلہاڑی خرید لو' اور دوسرے درہم سے اپنے اہل کے لیے کھانا خریدو' اس نے ایسا ہی کیا' پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹو اور پندرہ دن سے پہلے میرے پاس نہ آنا' وہ پندرہ دن کے بعد آیا تو اس نے کہا میرے پاس دس درہم ہیں' آپ نے فرمایا پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے طعام خریدو اور پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے کپڑے خریدو' اس شخص نے کہا : یا رسول اللہ! آپ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا تھا اس میں اللہ نے مجھے بڑی برکت دی ہے' آپ نے فرمایا یہ (تمہارا کسب اور محنت کرنا) اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن آؤ اور تمہارے چہرے پر سوال کرنے کی وجہ سے خراشیں پڑی ہوں' سوال کرنا صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے' جو سخت بیمار ہو' یا قرض میں ڈوبا ہوا ہو' یا ہلاکت خیز تنگی میں مبتلا ہو۔

(الجامع الصحیح للترمذی' کتاب البیوع' باب : ۱۱' ماجاء فی بیع المدبر' السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۲۵)

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور محنت کرنے کی دلیل ہے اور جو شخص کمانے پر قادر ہو اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا ہے' نیز نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص غنی اور تندرست ہو اس کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳' شعب الایمان ج ۲ ص ۸۷۔ ۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا اسباب کو ترک کرنا اور مال جمع کرنا توکل کے خلاف ہے؟

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

ذوالنون سے پوچھا گیا توکل کیا ہے انہوں نے کہا توکل دنیا والوں سے مستغنی ہونا اور اسباب سے منقطع ہونا ہے' اور نہرجوری نے کہا توکل کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اختیار کو ترک کر دے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۰۵۔ ۱۰۴' مطبوعہ بیروت)

ہمارے نزدیک یہ دونوں تعریفیں صحیح نہیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا' آپ نے پوچھا اے بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے کھجوروں کو ذخیرہ کیا ہے' آپ نے فرمایا : اے بلال کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کھجوروں کے لیے دوزخ کی آگ میں دھواں ہو!۔ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے تنگی کرنے کا خوف نہ کرو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۸' دلائل النبوت للبیہقی ج ۱ ص ۳۴۷)

ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی مال کو جمع کیا جائے اور اس میں سے زکوۃ ادا نہ کی جائے تو وہ دوزخ کی آگ کا دھواں بن جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین پرندے ہدیہ کیے گئے' آپ نے ایک پرندہ کھالیا اور آپ کی خادمہ نے دو پرندے چھپا کر رکھ دیئے' صبح آپ کے سامنے وہ پرندے پیش کیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تم کو کل کے لیے کوئی چیز رکھنے سے منع نہیں کیا تھا' اللہ تعالیٰ ہر روز کا رزق عطا فرماتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۹' طبع بیروت) (مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۹)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں' سوا ہلال بن امیہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۴۲)

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس زمانہ پر محمول ہے جب مسلمانوں پر تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا' جب کبھی دو ایسے متواتر دن نہیں آئے جب دونوں دن رسول اللہ ﷺ کے گھر آگ جلی ہو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی بہ کثرت فتوحات ہوئیں اور مال غنیمت کی ریل پیل ہوئی تو اس وقت مسلمانوں کو مال جمع کرنے کی اجازت دے دی گئی' اگر مسلمانوں کے لیے مال جمع کرنا جائز نہ ہوتا تو مسلمانوں پر حج کیسے فرض کیا جاتا کیونکہ حج اسی پر فرض ہے جس کے پاس زاد اور راحلہ ہو' نہ مسلمانوں پر زکوۃ فرض ہوتی' کیونکہ زکوۃ اس پر فرض ہے جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی' یا اس کے مساوی مال تجارت ہو' یا اس کے پاس پانچ اونٹ' تیس گائے یا چالیس بکریاں ہوں' اور ظاہر ہے کہ وہ یہ مال جمع کرے گا تو اس پر زکوۃ فرض ہو گی۔ اسی طرح زرعی پیداوار پر عشر اور خراج کا معاملہ ہے۔ اسی طرح قربانی بھی صاحب نصاب پر واجب ہے اور مالی صدقات نافلہ بھی مالدار شخص پر واجب ہوں گے' اگر اسلام میں مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہو تو ان عبادات کی کس طرح گنجائش ہو گی!

اسباب حاصل کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى — اور سفر کے لیے زاد راہ لو' سو یقیناً بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

(البقرہ : ۱۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یمن والے بغیر سفر خرچ لیے ہوئے حج کے لیے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب وہ مکہ میں پہنچتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سفر کے لیے زاد راہ لو سو یقیناً بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ کراچی)

جو لوگ کسب معاش کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے :

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل : ۲۰) — اور کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کرنے کا حکم دیا ہے :

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ : ۱۰) — سو جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا' صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال کرنے سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے' البتہ جو شخص (محض) مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ

میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲۔۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا اگر لوگ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں تو اللہ ان کو رزق عطا فرمائے گا' حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ بات دین میں معروف نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو معاش کے ساتھ مبتلا کیا ہے اور فرمایا ہے کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔ (المزمل : ۲۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے اپنے اہل و عیال کے لیے سعی کرنے کی مثل کسی عمل میں فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں بھی نہیں۔

سفیان ثوری نے کہا جب تم عبادت کرنے کا ارادہ کرو تو دیکھو گھر میں گندم ہے یا نہیں اگر گھر میں گندم ہے تو عبادت کرو' ورنہ پہلے تم گندم کو طلب کرو پھر اللہ کی عبادت کرو۔

ابراہیم خواص نے کہا آداب توکل میں تین چیزیں ہیں' قافلہ کے ساتھ جاؤ تو سفر خرچ لے کر جاؤ' کشتی میں سفر کرو تو سفر خرچ سے سفر کرو' اور مجلس میں بیٹھو تو توشہ دان (ناشتہ دان) لے کر بیٹھو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۹۷۔۹۶ ملخصاً طبع بیروت)

بیماری کے علاج کا سبب دوا ہے اور نبی ﷺ نے دوا لینے کی ہدایت دی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اعراب نے پوچھا : یا رسول اللہ! کیا ہم دوا نہیں کیا کریں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! اے اللہ کے بندو! علاج کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا ہر بیماری کی دوا بنائی ہے' یا فرمایا اس کی شفا رکھی ہے' پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی بیماری ہے؟ فرمایا بڑھاپا' امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح للترمذی' کتاب الطب' باب : ۲' ماجاء فی الدواء' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۳۱' کتاب الطب' باب : ۱' شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جس دوا سے علاج کرتے ہیں اور جن اوراد سے دم کرتے ہیں اور جس آڑ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں' کیا ان میں سے کوئی چیز اللہ کی تقدیر کو بدل سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا یہ حدیث اس باب میں اصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو اسباب بیان کیے ہیں اور ان کی اجازت دی ہے ان اسباب کو استعمال کیا جائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ مسبب اللہ تعالیٰ ہے اور ان اسباب کو استعمال کرنے کے بعد جو نفع پہنچتا ہے وہ اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے استعمال کے باوجود ان کی منفعت کو روک لے لہٰذا ان اسباب کے نفع پہنچانے میں اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور تمام نتائج اس کے

سپرد کرنا چاہئیں۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۷۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھول کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۶۸ 'طبع بیروت' المستدرک ج ۳ ص ۶۲۳ 'شعب الایمان ج ۲ ص ۸۰ 'موارد الظمآن ص ۶۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اور آپ جنگ احد میں دو زرہیں پہن کر میدان جنگ میں گئے 'فتح مکہ کے دن آپ نے اپنے سر پر خود پہنا ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرض میں فصد لگوائی۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۸۷ 'الجامع الصحیح للترمذی ج ۴ ص ۳۹۰ 'طبع بیروت)

ان تمام احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اسباب کو مسبّبات پر مرتب کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا بھی مطلوب ہے اور توکل کے خلاف نہیں ہے

کھانے پینے اور دیگر اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ آج کی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہ رکھو یہ اس زمانے پر محمول ہے جب مسلمانوں پر تنگی تھی اور جب فتوحات اور مال غنیمت کی کثرت ہوئی اور مسلمان خوشحال ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کھانے پینے کی اشیاء جمع کرنے کی اجازت دے دی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عابس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے' حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے' آپ نے یہ چاہا کہ غنی فقیر کو کھلائے اور ہم اب پائے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور اس کو پندرہ دن بعد کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قربانی اور ھدی کے گوشت کو بہ طور زاد راہ لے جاتے تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرے تین دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ باقی نہ رہے' اس کے اگلے سال صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس سال بھی ہم پچھلے سال کی طرح کریں؟ آپ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور گوشت کو ذخیرہ کرو' کیونکہ اس سال لوگوں میں بھوک تھی' تو میں نے چاہا کہ اس سال میں تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اس کے باوجود آپ ہر سال ازواج مطہرات کو سو وسق غلہ دیتے تھے' ایک وسق ۲۴۰ کلو گرام کے برابر ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی زمین نصف غلہ یا نصف پھلوں کے

کوض بٹائی پر دیتے تھے' اور اپنی ازواج کو ہر سال میں سو وسق دیتے تھے۔ اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو' جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نبی ﷺ کی ازواج کو اختیار دیا وہ چاہیں تو خود زمین اور پانی لے کر کھیتی باڑی کرائیں' یا وہ ان کو ہر سال اتنے وسق غلہ دیں' بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض ازواج نے اسواق کو اختیار کیا۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین اور پانی کو اختیار کیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۱۳' شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کرنا اور مستقبل کے لیے پس انداز کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے' توکل کے سلسلہ میں میں نے یہاں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے اور بناوٹی صوفیوں اور جعلی درویشوں نے توکل کا جو غلط مفہوم مشہور کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں اس کا بطلان واضح کیا ہے' اور توکل کا صحیح معنی اور مفہوم بیان کیا ہے' اللہ تعالیٰ میری اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے لیے اس کو نفع آور بنائے۔ آمین)

اگر اللہ مدد نہ کرے تو کوئی مددگار نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

(آل عمران: ۱۶۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا' اور دین کی سربلندی میں ان کی آرزوؤں کو پورا کر دے گا' اس کے بعد از سر نو فرمایا اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن تمہاری مدد فرمائی تھی اگر وہ تمہاری اسی طرح مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور جس طرح جنگ احد میں اس نے تمہیں بے سہارا چھوڑ دیا تھا' اگر وہ اس طرح تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی ترغیب دی ہے اور اپنی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج: ۴۰)

اور اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بہت قوت والا بہت غالب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد: ۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے (دین کی) مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم: ۴۷)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے ان کے (زمانے کے مشرک) لوگوں کی طرف وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے' پھر ہم نے تکذیب کرنے والے مجرموں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ

اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز کو

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ

ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ

اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ وہ اللہ کے نزدیک مختلف

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى

درجوں والے ہیں اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ بیشک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا

باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بیشک وہ اس سے

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے ○

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کو کھڑا کیا گیا تھا' وہ مال غنیمت دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ان کو شاید یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے بروقت مال غنیمت سے حصہ نہیں لیا تو شاید ان کو بعد میں حصہ نہیں ملے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے تو جو سید الانبیاء اور امام المرسلین ہیں ان کے متعلق یہ گمان کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق امام ابن جریر نے کئی روایات

بیان کی ہیں :
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : جنگ بدر کے دن سرخ رنگ کی ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہو گی- تب یہ آیت نازل ہوئی کہ خیانت کرنا نبی ﷺ کی شان نہیں ہے- بہ ظاہر اس قول کے قائل منافقین تھے-
ضحاک نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بعض اصحاب میں مال غنیمت تقسیم کرتے تھے اور بعض اصحاب میں نہیں کرتے تھے- اس وقت یہ آیت نازل ہوئی- (جامع البیان ج ۴ ص ۱۰۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
نبی ﷺ کے عادلانہ مزاج کے پیش نظر یہ روایت صحیح نہیں ہے-
امام رازی اور بعض دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ بعض اشراف یہ چاہتے تھے کہ نبی ﷺ مال غنیمت میں سے ان کو زیادہ حصہ عطا کریں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا تعلق اداء وحی کے ساتھ ہے' کیونکہ نبی ﷺ قرآن مجید پڑھتے تھے اور اس میں مشرکین کے دین کی مذمت تھی اور ان کے باطل خداؤں کا بطلان ظاہر کیا تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ آپ ایسی آیات نہ پڑھا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی-
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۸۴ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ صحیح مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بیان فرمائے تھے- اور جہاد کے احکام میں سے ایک حکم مال غنیمت کو تقسیم کرنا ہے سو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت نہ کی جائے-

مال غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن صحابہ کرام آپس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ فلاں شخص شہید ہوا اور فلاں شخص شہید ہوا' دوران گفتگو ایک شخص کا ذکر ہوا صحابہ کرام نے اس شخص کے بارے میں بھی کہا کہ وہ شہید ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں! میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے' کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چرالی تھی' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے' چنانچہ میں نے حسب ارشاد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے-
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر فتح کرنے گئے' اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی' وہاں سے مال غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا' بلکہ مختلف قسم کا سامان' غلہ اور کپڑے وغیرہ ملے' ہم ایک وادی کی طرف چل پڑے' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رفاعہ بن زید نامی بنو ضبیب کا ایک غلام تھا' جو آپ کو قبیلہ جذام کے ایک شخص نے نذر کیا تھا- جب ہم اس وادی میں اترے تو اس غلام نے رسول اللہ ﷺ کا سامان کھولنا شروع کیا' اسی دوران کہیں سے اچانک ایک تیر آکر اسے لگا' جس سے وہ فوت ہو گیا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اسے شہادت مبارک ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہرگز نہیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے' جو چادر اس نے خیبر کے مال غنیمت میں سے لی تھی' وہ اس کے حصہ کی نہ تھی وہی چادر ایک شعلہ کی صورت میں اس کے اوپر جل رہی

ہے' یہ سن کر سب خوف زدہ ہو گئے' ایک شخص چمڑے کے ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! میں نے جنگ خیبر کے دن ان کو پایا تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تسمے بھی آگ کے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مال غنیمت سے متعلق دیگر مسائل

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(۱) مال غنیمت میں سے کچھ چرانا حرام ہے۔ (۲) مال غنیمت کی چوری میں قلیل اور کثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (۳) مال غنیمت میں کچھ چرانے والے کو اگر قتل کر دیا جائے تو اس کو شہید نہیں کہا جائے گا۔ (۴) اس زمین پر رہتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ جہنم کو دیکھ رہے ہیں۔ (۵) جن لوگوں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے رسول اللہ ﷺ ان کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ (۶) نہ صرف یہ کہ آپ عذاب میں مبتلا لوگوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ آپ کو ان کے عذاب کی وجہ کا بھی علم ہے۔ (۷) مطالبہ قسم کے بغیر بھی کلام کو موکد کرنے کے لیے قسم کھانا جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے۔ (۸) مال غنیمت میں سے جو چیز چرائی جائے اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر وہ واپس کرے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ (۹) مال غنیمت سے چوری کرنے والے شخص کے سامان کو جلایا نہیں جائے گا اور جس حدیث میں یہ ہے کہ "جو شخص چوری کرے اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مار دو" اس حدیث کو حافظ عبدالبر وغیرہ نے ضعیف کہا ہے' اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو گئی۔ یہ حکم اس وقت تھا جب عقوبات مالیہ (جرمانے) مشروع تھیں۔

اموال مسلمین میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے خیانت کا ذکر کیا اور اس کا سخت گناہ بیان کیا' اور فرمایا میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار اونٹ بڑبڑا رہا ہو' وہ شخص کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھ کو تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار گھوڑا ہنہنا رہا ہو' وہ کہے گا : یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے۔ میں کہوں گا' میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار بکری ممیا رہی ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار انسان چیخ رہا ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہ ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کی اس کی گردن پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی ہل رہی ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے میں کہوں گا' میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں اور تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو وہ کہے گا

یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۲۔۱۴۶۱ مطبوعہ بیروت' صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۲' مطبوعہ کراچی' مسند احمد مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۴۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء" سختی فرمائیں گے اور شفاعت نہیں کریں گے اور فرمائیں گے میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں لیکن بعد میں جب آپ پر رحمت کا غلبہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا اذن دے دے گا اس وقت شفاعت فرمائیں گے' اس حدیث میں طعام کے علاوہ ہر چیز کی خیانت کا ذکر ہے' دنیا میں خیانت کرنے والے کو حاکم تعزیرا" سزا دے گا' اور اس کے اس سامان کو جلایا نہیں جائے گا جس میں اس نے خیانت کا مال رکھا تھا' حسن' مکحول اور اوزاعی کے نزدیک ان کا پالان جلا دیا جائے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے : امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے سامان میں تم خیانت کا مال پاؤ اس کے سامان کو جلا دو' اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اس کو ضرب لگاؤ (مارو) (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲)

جمہور نے اس حدیث پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ سالم سے اس حدیث کی روایت میں صالح بن محمد منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جن لوگوں نے خیانت کا اقرار کیا آپ نے ان کا سامان نہیں جلایا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا اس کا نام ابن اللتبیہ تھا' جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ تمہارا مال ہے' اور یہ میرا مال ہے مجھے ہدیہ کیا گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی اس کے بعد فرمایا : جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں ان کو کیا ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے' یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا۔ پھر ہم دیکھتے کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' تم میں سے جو شخص بھی صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہو گی' اونٹ بڑبڑا رہا ہو گا' یا گائے ڈکرا رہی ہو گی' یا بکری ممیا رہی ہو گی' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی' پھر دو مرتبہ فرمایا : اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۳' مطبوعہ بیروت)

حکومت کے عمال جو چیزیں ہدیہ کے نام پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اس میں اللہ کی بھی خیانت ہے اور مسلمانوں کی بھی' اللہ کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا عامل بنایا اور اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی کوئی چیز ہم سے چھپالی تو یہ خیانت ہے جس کو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا' انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا' یا رسول اللہ! اپنے دیئے ہوئے منصب کو مجھ سے واپس لے لیجئے' آپ نے پوچھا : کیا ہوا؟ اس نے کہا میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا

میں اب بھی یہی کہتا ہوں ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدہ کا عامل بنایا' اس کو چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے' پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۵' مطبوعہ بیروت)

ہمارے ملک میں جو لوگ دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ دفاتر سے سٹیشنری کا سامان گھر لے آتے ہیں' جو لوگ ریلوے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں' ان کی ذاتی ضروریات کی تمام چیزیں ورکشاپ سے بنتی ہیں' حتی کہ بعض دینی مدارس کے ناظمین' مدرسہ کے تمام اموال کو بے دھڑک اپنے ذاتی تصرف میں لاتے ہیں' یہ تمام امور خیانت ہیں اللہ تعالیٰ ان خیانتوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور ان لوگوں کو توبہ کی توفیق دے' ان کو ہدایت دے اور معاف فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا او اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۲)

نیکو کاروں کا بدکاروں کی مثل نہ ہونا

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) جس نے خیانت کو ترک کرنے میں اللہ کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۲) جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی اطاعت کر کے اس کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو کفر اور معصیت کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۳) جن ایمان والوں نے اخلاص کے ساتھ نیک کام کر کے اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان منافقوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

(۴) جنگ احد میں جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہہ کر میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان مسلمانوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں نہ پہنچ کر اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

یہ تمام وجوہ صحیح ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے' قرآن مجید میں اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں :

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا — تو کیا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ (السجدۃ : ۱۸)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص : ۲۸) — کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل کر دیں گے یا ہم متقین کو بدکاروں کی مثل کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ — کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے ان کا یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی مثل کر دیں گے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیسا برا

(الجاثیہ : ۲۱) فیصلہ کر رہے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ۝ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ۝ (القلم : ۳۶-۳۵) کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اللہ کے نزدیک متعدد درجوں والے ہیں' اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

ثواب اور عذاب کے مختلف درجات

اس آیت کا معنی ہے جن لوگوں نے خیانت کو ترک کیا وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت اور اخلاص کے اعتبار سے ان کے مختلف درجات ہیں یا اس کا معنی ہے ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ کرنے والے سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت' اخلاص اور اعمال کی کمی اور بیشی کے اعتبار سے ان کے مختلف مدارج اور درجات ہیں اور اجر و ثواب کے لحاظ سے جنت کے بہت درجات ہیں' اسی طرح جن لوگوں نے خیانت کی یا جنہوں نے کفر کیا اور معصیت کی ان سب کا دوزخ میں ایک درجہ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کی کیفیت اور گناہوں کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے دوزخ میں بہت درجات ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوں گے' اسی طرح آپ نے ابوطالب کے متعلق فرمایا وہ جہنم کی سختیوں میں تھا میں نے اس کو کھینچ کر تھوڑی سی آگ میں کر دیا' اس کے بعد فرمایا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے' یہ ان کے مختلف درجات کی دلیل ہے کیونکہ وہ ہر شخص کے عمل کو خوب جاننے والا ہے تو اس کو اس کے عمل کے اعتبار سے پوری پوری جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

احسان جتلا کر جزا کا طالب ہونا یہ "منّ" مذموم ہے' اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب جزاء کے مومنوں پر اپنے انعام اور احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

آیات سابقہ سے اس آیت کے ارتباط کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کے دو گروہ بیان فرمائے ایک وہ جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ کی ناراضگی کے کام کرتے ہیں۔ اب اللہ نے ان دونوں فریقوں کی تفصیل شروع کی پہلے مومنین کا ذکر فرمایا جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر ان پر احسان فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کرتا ہے اور ان کے اعضاء اور قلب کو ہر قسم کے گناہوں سے بچا کر صاف رکھتا ہے اور ان کو کتاب اور سنت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۲) بعض منافقین نے جنگ بدر کے دن ایک چادر کے متعلق یہ کہا تھا کہ شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہو گی' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی براءت کرتے ہوئے فرمایا تھا اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۶۱)' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اسی براءت اور نزاہت کو موکد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ عظیم رسول ان کے

شہر میں پیدا ہوئے اور ان کے سامنے نشوونما پائی اور پوری زندگی میں اس نبی سے صدق ' امانت ' اللہ کی طرف بلانے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا ' تو ایسے صادق ' امین اور زاہد کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے!

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کی براءت اور نزاہت پر اکتفا نہیں کی بلکہ فرمایا اس عظیم رسول کا وجود تو تمہارے لیے بہت بڑی نعمت ہے ' کیونکہ وہ تم کو بے دینی اور گمراہی سے پاک کرتے ہیں اور تم کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں ' امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا : اے امیر! ہم لوگ جاہل تھے ' بتوں کی عبادت کرتے تھے ' مردار کھاتے تھے ' بے حیائی کے کام کرتے تھے ' رشتے توڑتے تھے ' ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے ' ہم میں سے قوی شخص ضعیف کا حق کھا جاتا تھا ' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک عظیم رسول بھیجا جن کے نسب کو ' ان کے صدق کو ' ان کی امانت داری کو اور ان کی پاک دامنی کو ہم اچھی طرح جانتے تھے ' انہوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ واحد لاشریک کی عبادت کریں ' اور ہم اور ہمارے آباء و اجداد جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کو ترک کر دیں ' انہوں نے ہم کو تعلیم دی کہ ہم سچ بولیں ' امانت ادا کریں ' رشتے جوڑیں ' ہمسایوں سے اچھا سلوک کریں ' حرام کاموں اور خون ریزی کو چھوڑ دیں ' انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں ' جھوٹ بولنے ' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں ' نماز پڑھیں ' زکوۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔

الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲)

سو جس نبی نے ایسی انقلاب افروز تعلیم دی ہو اس کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

(۴) تم لوگ گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے تمہارے شہر میں یہ عظیم رسول پیدا ہوئے ' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بے نظیر اور لافانی کتاب نازل کی اور ان کو بہ کثرت معجزات عطا کیے ' تمام انبیاء کا ان کو قائد بنایا تو ان کی وجہ سے اور ان کے دین پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہیں تمام دنیا میں شہرت اور عزت ملی تو ان پر کسی قسم کا طعن کرنا کس قدر عدل اور انصاف سے بعید ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کی تلقین کی تھی ' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس عظیم رسول کی بعثت تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے سو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام تر قوتوں سے ان کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا عام انسانوں اور مومنوں کے لیے رحمت ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا ہے ' جس طرح آپ کی بعثت مومنوں پر احسان ہے اسی طرح عموماً " نبیوں اور رسولوں کی بعثت بھی عام انسانوں اور مومنوں پر احسان ہے ' اللہ تعالیٰ نے عموماً " انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے :

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء : ۱۶۵)	(ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے

خلاف کسی عذر کی گنجائش نہ رہے۔

رسولوں کی بعثت سے لوگوں کو متعدد طریقوں سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے :

(۱) انسانوں کی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے ناقص اور نارسا ہے اور شیطان قدم قدم پر لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوک و شبہات ڈالتا ہے' اللہ کا نبی انسانوں کو اللہ کی معرفت کراتا ہے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

(۲) ہرچند کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ از خود یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے' نبی ان کو عبادات اور معاملات کے لیے ایسے طریقے بتاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے منع فرماتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

(۳) انسان اپنی فطرت میں ست اور غافل ہے' اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عملی اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے نبی آ کر انہیں نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی پر اللہ کی گرفت سے ڈراتا ہے۔

(۴) جس طرح آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو دیکھنے کا نور رکھا ہے لیکن جب تک آفتاب یا چراغ کا نور اس نور کے معاون نہ ہو تو اشیاء کو دیکھنے کے لیے یہ نور ناکافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقل میں اپنی معرفت کا نور رکھا ہے لیکن جب تک نور نبوت اس کے معاون نہ ہو یہ نور ناکام اور ناتمام ہے۔

(۵) نبی اللہ کے احکام پر عمل کر کے دکھاتا ہے اور عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

(۶) انسان اس وقت بے جھجک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص' شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جائے' نبی اپنی تعلیم سے دلوں میں ایسا خوف خدا پیدا کرتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں سنبھل جاتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے اور معصیت سے باز آ جاتا ہے۔

(۷) سخت مشکلات' مصائب اور بیماریوں میں نبی پابندی سے اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے تاکہ سخت مشکلات اور مصائب کسی شخص کے لیے عبادت نہ کرنے کا عذر نہ بن سکیں۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل اور مومنین پر وجوہ احسان

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر حسب ذیل دلائل ہیں اور یہی دلائل مومنوں پر وجوہ احسان ہیں۔

(۱) سیدنا محمد ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشو و نما پائی' اور چالیس سال تک اہل مکہ دیکھتے رہے کہ آپ نے ہمیشہ سچ بولا' اور آپ کی پارسائی اور امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آپ حرص و طمع' جھوٹ' بے حیائی اور برائی کے کاموں سے ہمیشہ دور رہے لوگ آپ کو صادق اور امین کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر جب آپ نے چالیس سال بعد اللہ کے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ یقین کیا جا سکتا تھا کہ جس شخص نے آج تک بندوں کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں بولا وہ یکایک خدا پر کیسے جھوٹ باندھے گا!

(۲) اہل مکہ کو علم تھا کہ آپ نے کسی استاذ کے آگے کبھی زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا' کسی کا درس سنا نہ کسی کتاب کو پڑھا' نہ کسی سے علم کا تکرار کیا' پھر چالیس سال اسی طرح گزارنے کے بعد آپ یکایک غار حرا سے نکلے اور ایسا فصیح و بلیغ کلام پڑھا

جس کی نظیر لانے سے آج تک تمام دنیا عاجز ہے' پھر اس کلام میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے واقعات تھے جن کو پہلے آپ نے کسی سے سنا نہ تھا اور جن کی اہل کتاب نے تصدیق کر دی اور اس کلام میں مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں تو عقل سلیم کے لیے اس کو باور کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے' اور اس کلام کو اللہ نے آپ پر نازل کیا اور آپ اس کے برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

(۳) مخالفین نے آپ کو دعوئ نبوت سے دستبردار ہونے کے لیے بڑی بھاری مالی پیش کشیں کیں' عرب کی حسین عورتوں کو نکاح کے لیے پیش کیا' لیکن آپ توحید کا پیغام سنانے سے دستبردار نہیں ہوئے' پھر آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں' آپ کے اصحاب کو تنگ کیا گیا' آپ کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا (۷ نبوت میں) مخالفین نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنوہاشم سے تعلق رکھے گا نہ ان سے خرید و فروخت کرے گا نہ ان کے پاس کوئی کھانے پینے کی چیز جانے دے گا حتی کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں' اس کے نتیجہ میں آپ تین سال تک شعب ابوطالب میں محصور رہے' جب ان مصائب اور مشقتوں کے باوجود آپ اللہ کی توحید بیان کرنے سے دست کش نہیں ہوئے تو سب نے مل کر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا حتی کہ آپ کو ہجرت کر کے اپنا وطن چھوڑنا پڑا' آپ نے سب کچھ چھوڑا' لیکن پیغام حق سنانا نہیں چھوڑا' جو شخص اپنے موقف میں صادق نہ ہو وہ کبھی اپنے موقف کی خاطر اتنے مصائب اور اذیتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ سو جس شخص کے سامنے نبی ﷺ کی یہ سیرت ہو اس کو آپ کی صداقت میں کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔

(۴) سیدنا محمد ﷺ نے جو کتاب پیش کی' اس میں اللہ کے وجود' اس کے خالق کائنات ہونے اور واحد لاشریک ہونے کا بیان ہے اور شرک سے تنزیہ ہے' اس میں نیک عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی تلقین اور ترغیب ہے' اور ان کے منکروں پر عذاب نازل ہونے کا بیان ہے۔ غرض اس کتاب میں نیکی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں تو جس شخص نے یہ کتاب پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعوئ کیا وہ خود نیک اور سچا کیوں نہیں ہو گا!

(۵) نبی ﷺ نے بے شمار معجزات پیش کیے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا' سورج کو پلٹایا' درخت آپ کے اشارہ پر چل کر آتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے' درختوں' پتھروں' اور مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا' کھانے پینے کی چیزوں کی کم مقدار آپ کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی' آپ نے علوم و معارف کے دریا بہائے' غیب کی خبریں بیان کیں' آپ چاہتے تو آپ خدائی کا دعوئ کر دیتے اور یہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو خدا مان چکی ہے' جس نے فرعون کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا جو لوگ بلا وجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کرتے رہے ان سے کچھ بعید نہ تھا بلکہ زیادہ توقع تھی کہ وہ ان کمالات کو دیکھ کر آپ کی خدائی کے دعوئ پر یقیناً ایمان لے آتے' لیکن آپ نے کہا میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں' جس طرح تم خدا نہیں ہو میں بھی خدا نہیں ہوں' مجھ پر صرف اس کی وحی آتی ہے' یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت' غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے۔ یہ میری قابلیت اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے لفظ بہ لفظ اللہ کا کلام ہے' اور یہ جو بہ کثرت معجزات میں نے دکھائے ہیں یہ میری قدرت کا ثمرہ نہیں ہیں یہ اسی خدائے واحد کی قدرت سے ظہور میں آئے ہیں' میں جو اولین اور آخرین کی خبریں' ما کان وما یکون اور غیب کی باتیں بتاتا ہوں یہ میرا ذاتی علم نہیں ہے' یہ سب کچھ میں اللہ کے دیئے ہوئے علم اور اس کی وحی سے بتاتا ہوں' میرا علم اور میری قدرت' میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے' میں خود اور میرے تمام اوصاف

سب اللہ کے عطا کردہ ہیں' آپ سے کہا گیا کہ فلاں علاقہ کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے' آپ نے فرمایا اگر مخلوق کے لیے سجدہ روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے' ہماری تعظیم صرف سلام کرنے میں ہے' آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر سوج جاتے تھے' دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتے تھے آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اتنے عظیم کمالات پیش کیے اور برملا یہ اعلان کیا کہ یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے' جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جن کے اصل ماخذ کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے' اگر بالفرض آپ یہ کہہ دیتے کہ یہ سب میرے ذاتی کمالات ہیں تو کسی انسان کے پاس ان کمالات کے اصل ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا' آپ کی صداقت اور راست بازی پر اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہو گی! صرف یہی نہیں آپ نے ان کمالات میں سے کسی کمال کا اعزاز نہیں لیا' بلکہ آپ نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا کہ ان کمالات کی وجہ سے آپ کی غیر معمولی تعظیم اور تکریم کی جائے' لوگوں نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے اس سے منع فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا اعلان قطعی کر دیا پھر بھی راتوں کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا' اور استفسار پر بھی فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! غرض ان تمام کمالات کے باوجود آپ نے عجز و انکسار اور اظہار عبدیت کو اپنا شعار بنایا' ایک مرتبہ مال غنیمت میں بہت سے غلام' باندیاں اور بہت ساز و سامان ملا' آپ نے اس سے بہت مسلمانوں کو دیا اگر کسی کو نہیں دیا تو اپنی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو' فرمایا تم عشاء کی نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لینا' یہ تمہیں ایک باندی کی ضرورت سے کفایت کرے گا' جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنے کمالات سے اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرتا ہے یا اپنی اولاد کے لیے' آپ نے اپنے کمالات سے اپنے لیے کوئی بڑائی چاہی' نہ نفع اور آرام چاہا' نہ اپنی اولاد کے لیے کوئی منفعت طلب کی بلکہ جو نفع ملا وہ عام مسلمانوں کو پہنچایا اور جو بڑائی اور کبریائی تھی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی' لوگوں کو بھی اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور خود بھی دن رات اس کی عبادت میں لگے رہے تو ہم ان کو سچا کیوں نہ مانیں' ان کی تصدیق کیوں نہ کریں اور ان پر ایمان کیوں نہ لائیں!

(۶) نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا دین بدترین دین تھا' وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان کے اخلاق بھی بہت خراب تھے' وہ قتل و غارت گری' لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' رشتوں کو توڑتے تھے' شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے' لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو ان میں مبعوث کیا' تو وہ ذلت کی پسماندگی سے نکل کر عزت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے' حتیٰ کہ وہ علم و ہنر' زہد و تقویٰ اور فہم و فراست اور شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے دنیا کی سب سے افضل اور برتر قوم شمار کیے جانے لگے اور چونکہ سیدنا محمد ﷺ ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے تو دوسروں کی بہ نسبت ان کو آپ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۷) ہر قوم اپنے بطل جلیل اور رجل عظیم پر فخر کرتی ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ اور عرب سب فخر کرتے تھے' سو ان پر فخر کرنا سب میں مشترک تھا' اور یہود صرف حضرت موسیٰ پر فخر کرتے تھے اور نصاریٰ صرف حضرت عیسیٰ پر فخر کرتے تھے' عرب والوں کے لیے کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جس پر وہ انفرادی طور پر فخر کرتے اللہ تعالیٰ نے ان میں

سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور اب عرب بجا طور پر یہ فخر کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل کے سردار دو عالم کے مختار ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں انہوں نے اعلان نبوت کیا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان اور بشر سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا' اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ نور' نار' ملائکہ یا جنات میں سے آپ کو مبعوث کر دیتا تو انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا' آپ کی سیرت مسلمانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی اس لیے اللہ نے اپنا یہ عظیم رسول فرشتوں میں سے بھیجا نہ جنات میں سے نہ نور میں سے نہ نار میں سے بلکہ یہ عظیم رسول انسانوں میں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں سے اس عظیم رسول کو بھیجا' تاکہ مومن اس سے استفادہ کر سکیں' اس کی بات سن سکیں' اس کے عمل کو دیکھ سکیں اور بے شک یہ اللہ کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے' اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو جو تکریم دی' اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اپنے دست قدرت سے اس کی تخلیق کی اور اسے اپنی صورت پر بنایا' یہ ساری عزتیں اور کرامتیں انسان اور بشر کو اس لیے دی گئی تھیں کہ اس عظیم رسول کو نوع انسان اور بشر سے مبعوث فرمانا تھا۔ اگر ان کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو بشریت کا یہ فروغ ہوتا نہ انسانیت کا یہ عروج ہوتا۔

(۹) اس آیت میں مومنین سے مراد وہ مومن ہیں جو اس وقت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے' اور فرمایا ہے "جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔" اس سے مراد ان امور میں مماثلت ہے جو آپ کے قرب اور آپ سے اکتساب فیض کا سبب ہوں' اور اس سے مراد نسب' لغت اور وطن ہے' جب آپ ان کے نسب اور ان کی قوم سے مبعوث ہوئے تو لوگ آپ سے مانوس ہوئے اور آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کے قرب سے توحش اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوئے' اور جب آپ ان کی لغت اور ان کی زبان میں کلام کرتے تھے تو آپ کا خطاب اور آپ کا کلام سمجھنا ان کے لیے آسان ہوا نیز ہم زبان ہونا بھی قرب کا ذریعہ ہوتا ہے' اور جب آپ ان کے وطن میں رہنے والے تھے اور آپ نے ان کے سامنے نشوونما پائی اور آپ کی تمام زندگی ان کے سامنے تھی' انہوں نے آپ کی سچائی' اپنے موقف پر استقامت اور آپ کے معجزات دیکھے تو ان کے لیے آپ پر ایمان لانا بہت آسان ہو گیا۔

(۱۰) علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ آپ ان کے نسب سے مبعوث کئے گئے یا ان کی جنس سے قوم عرب سے مبعوث کئے گئے یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے فرشتوں اور جنات میں سے مبعوث نہیں کئے گئے' اور یہ مومنوں پر اس وجہ سے احسان ہے کہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث کیے جاتے تو ایک جنس دوسری مختلف جنس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہے اور اس سے مانوس نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مومنوں کی جنس سے مبعوث کیا تو وہ آپ سے مانوس ہوئے اور ان کو آپ سے وحشت نہیں ہوئی اور آپ سے فیض حاصل کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا اور آپ کی زبان وہ سمجھتے تھے' اور آپ کی سیرت پر مطلع تھے اور یہ آپ کی تصدیق کا ذریعہ بنا' اس آیت میں آپ کی بعثت کو مومنین کے لیے احسان فرمایا ہے حالانکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رحمت سے استفادہ صرف مومنین ہی کرتے ہیں' جس طرح قرآن مجید کو فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے جب کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرہ : ۱۸۵) کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف متقین ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی : ج ۴ ص ۱۱۳۔ ۱۱۲)

سیدنا محمد ﷺ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے ان کے نسب سے، حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے نسب سے مراد یہ ہے کہ آپ ولد اسماعیل سے تھے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا یہ آیت خاص عربوں کے لیے ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا اس آیت سے مراد کل مومن ہیں اور "من انفسھم" کا معنی یہ ہے کہ آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، وہ آپ کو بھی پہچانتے تھے اور آپ کے نسب کو بھی پہچانتے تھے، آپ نہ فرشتے تھے اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد تھے، یہ قول زجاج کا مختار ہے، اگر مومنوں پر احسان کی وجہ یہ ہو کہ آپ عرب تھے تو عجمیوں پر آپ کی بعثت کی وجہ سے کوئی احسان نہیں ہوگا، لیکن عجمیوں پر بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ جب ان کو آپ کی بعثت کی خبر دی گئی اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ ان ہی میں سے ایک فرد ہیں اور انہوں نے آپ کے صدق اور آپ کی امانت کو جان لیا تو ان کے لیے آپ کی نبوت کو ماننا آسان ہو گیا۔ (الوسیط ج ۱ ص ۵۱۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے ان کی اصل اور عرب میں ان کے نسب سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی جنس سے یعنی بنو آدم سے، اللہ نے آپ کو فرشتوں میں سے نہیں بنایا، آپ کی تین فضیلتیں تھیں، آپ کا نسب عربوں میں سے قریش میں سے تھا، اور قریش میں سے بنوہاشم میں سے تھا، اور اس پر اتفاق تھا کہ عرب افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں سے بنوہاشم۔ دوسری فضیلت یہ تھی کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ لوگوں میں بہ طور امین معروف تھے، اور تیسری فضیلت یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ آپ امی ہیں اور پھر آپ نے ایک معجز کلام پیش کیا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان کی مثل بشر ہیں، ایک قرات شاذہ فا کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ ان میں سے زیادہ نفیس ہیں، کیونکہ آپ بنوہاشم سے ہیں اور بنوہاشم قریش میں افضل ہیں، اور عرب عجم سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آیت عرب کے لیے ہے اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد کل مومن ہیں اور "من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی سے ان میں ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو قول ہیں حضرت عائشہ اور جمہور سے منقول ہے کہ یہ آیت عربوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کا معنی ہے آپ کا نسب ان میں معروف ہے اور یہی وجہ احسان ہے، اور دوسروں کا قول ہے یہ آیت سب مومنوں کے لیے ہے اور اس آیت کا معنی ہے نہ آپ فرشتے ہیں اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد ہیں اور یہی وجہ احسان ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۴۹۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان کے نسب سے اور ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آپ کا کلام سمجھ لیں' اور صدق اور امانت میں آپ کے حال سے واقف ہوں اور آپ پر فخر کریں ایک قرات فا کی زبر کے ساتھ ہے' یعنی آپ ان میں سے سب سے زیادہ شرف والے ہیں کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے اشرف اور افضل تھا۔

(انوار التنزیل ص ۹۵' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا معنی ہے کہ آپ بنو آدم کی جنس سے ہیں' اور یہ اس وجہ سے احسان ہے کہ لوگ آپ سے مانوس ہو کر اکتساب فیض کرلیں' اور دو مختلف جنسوں میں جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ نہ ہو' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب عرب ہیں اور وجہ احسان یہ ہے کہ آپ ان کی مثل عرب ہیں' ان کی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے آپ سے استفادہ آسان ہے اور آپ کی سیرت طیبہ ان میں معروف ہے اور یہ آپ کی نبوت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۴۱۶-۴۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الحلبی الشافعی المتوفی ۷۵۶ھ لکھتے ہیں :

"من انفسھم" کا معنی ہے کہ آپ ان کی جنس سے ہیں' حضرت عائشہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ضحاک کی یہی قرات ہے' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فاء کی زبر کے ساتھ ہے' یعنی آپ سب سے زیادہ نفیس اور مکرم ہیں' حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : میں نسب' حسب اور صہر (سسرال) کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔ (الدر المصون ج ۲ ص ۲۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ جلال الدین شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

آپ ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کی وجہ سے مشرف ہوں نہ فرشتے ہیں نہ عجمی

(جلالین مع الجمل ج ۱ ص ۳۳۲' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں :

آپ ان کے نسب سے یا ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی سے آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کے صدق اور آپ کی امانت پر مطلع ہوں اور اس پر فخر کریں اور اس میں ان کے لیے عظیم شرف ہے' ایک قرات فا کی زبر کے ساتھ ہے کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ تھا۔

(تفسیر ابوالسعود علی ہامش الکبیر ج ۲ ص ۴۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق بھی فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ (المائدۃ : ۱۵) — بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق بھی جائز ہے' نور کی دو قسمیں ہیں ایک حسی اور مادی نور ہے جیسے سورج' چاند اور چراغ کا نور ہے جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور حسی نور اندھیروں کو دور کرتا ہے' اور ایک معنوی نور ہے جو کفر اور گمراہی سے نکال کر اسلام اور ہدایت کی طرف لاتا ہے' اس کا ادراک عقل سے ہوتا ہے' اور یہی نور افضل ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام

کی صفت ہے، سیدنا محمد ﷺ کی شان کے لائق بھی یہی نور ہے، نیز آپ کی بشریت مادی کثافتوں سے پاک اور منزہ تھی اور غایت لطافت میں تھی حتیٰ کہ آپ کے جسم مبارک کا سایہ بھی نہیں پڑتا تھا اس وجہ سے بھی آپ کو نور فرمایا گیا اور اس لیے بھی کہ آپ کی حقیقت میں عقل کے علاوہ استعداد وحی کا عنصر بھی رکھا گیا جو عام انسانوں کے اعتبار سے بہ منزلہ فصل ہے اور اسی سے آپ امور غیبیہ کا ادراک کرتے ہیں، اس لیے آپ کو نور فرمایا گیا، نیز اس لیے بھی کہ بعض اوقات آپ سے حسی نورانیت کا بھی ظہور ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی، جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شمائل ترمذی مع جامع ترمذی ص ۵۶۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا، آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب رہتا اور آپ جب بھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب رہتا۔ (الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

بعض علماء سیدنا محمد ﷺ کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت آپ کی صفت یا آپ کا لباس ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا، نورانیت بھی آپ کی صفت ہے، اور بشریت بھی آپ کی صفت ہے، لیکن قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے ہیں اور یہی آپ کی حقیقت ہے لیکن استعداد وحی کے لحاظ سے آپ عام انسانوں سے ممتاز ہیں اور آپ پر نور کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور اس کے محامل وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں لیکن یہ ایک فکری مسئلہ ہے اس کا ضروریات دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ ہماری عقائد کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے :

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں :

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

(کتاب العقائد ص ۸، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

عقیدہ : نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو، اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ : انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

تلاوت، تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا بیان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

یعنی ان پر آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' آیت کا معنی دلیل ہے' قرآن مجید کے جملوں کو اس لیے آیات فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید کا ہر جملہ اپنی بلاغت کے اعتبار سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے صدق پر دلیل ہے' اور وہ چونکہ اہل لسان تھے اس لیے ہر جملہ سے ان کے مفہوم کو بغیر کسی ترجمہ کے جان لیتے تھے اور اس کی بلاغت کی وجہ سے اس کے اعجاز کو بھی سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

تزکیہ کا معنی ہے پاک اور صاف کرنا' یعنی آپ انہیں اسلام کی ہدایت دے کر ان کے ظاہر کو صاف اور ان کے باطن کو پاک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

کتاب کی تعلیم سے مراد ہے قرآن مجید کے مقاصد کا بیان کرنا اور قرآن مجید کے حفظ کا حکم دینا' تاکہ انہیں ہر وقت قرآن مجید کے معانی مستحضر رہیں اور حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' یا کتاب سے مراد ظاہر شریعت ہے اور حکمت سے مراد شریعت کے اسرار اور معارف ہیں' یا حکمت سے مراد ہے شریعت کے بیان کیے ہوئے وہ اصول جن پر عمل کرنے سے ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ملک کی اصلاح ہوتی ہے جس کو تہذیب اخلاق' تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ‎ جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (الحشر: ۹)

یا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی چیز کی محبت تمہیں (اس کا عیب دیکھنے سے) اندھا اور (اس کا عیب سننے سے) بہرہ کر دیتی ہے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴' ج ۶ ص ۴۵۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت کی تعلیم دی ہے یہ اس کی دو تین مثالیں ہیں' جو شخص قرآن مجید اور احادیث کا مطالعہ کرے گا وہ ایسی بے شمار مثالوں پر مطلع ہوگا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

یہ کیا ہوا کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی حالانکہ تم اس سے دگنی مصیبت (کفار کو) پہنچا چکے تھے (پھر بھی) تم نے کہا

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ آپ کہیے کہ یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے آئی ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

دو فریقوں کے مقابلہ کے دن تم پر جو مصیبت آئی تھی تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

کو متمیز کر دے ○ اور تاکہ (اللہ) منافقوں کو الگ کر دے ، اور ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ

جنگ کرو ، یا (اپنے شہر کا) دفاع کرو تو انھوں نے کہا اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمھاری پیروی

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم

کرتے ، اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے ، وہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے

مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱۶۷﴾ الَّذِينَ

جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ ان چیزوں کو زیادہ جاننے والا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں ○ یہ وہ لوگ

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا

ہیں جو خود تو بیٹھ رہے اور انھوں نے (شہید ہونے والے) اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اگر یہ ہمارا کہا مان لیتے تو قتل نہ کیے

عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶۸﴾

جاتے ، آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو جب تمھاری موت آئے تو اسے ٹال دینا ○

بعض مسلمانوں اور منافقوں کے شبہات اور ان کے جوابات

جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کر دیا تھا اور ستر مشرک گرفتار کر لیے گئے تھے' اس کے بعد جب جنگ احد میں ستر مسلمان شہید کر دیے گئے تو بعض مسلمان کہنے لگے' ہم پر یہ مصیبت کیسے ٹوٹ پڑی' حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مقابلہ پر مشرک ہیں اور ہم میں اللہ کا نبی بھی موجود ہے جن پر آسمان سے وحی آتی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے نبی! آپ کہیے کہ یہ مصیبت تمہاری خود لائی ہوئی ہے' تم میری حکم عدولی کر کے احد پہاڑ سے ہٹے اور مال غنیمت لینے کے لیے لوٹ پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' وہ چاہے تو تمہاری اس تقصیر پر درگزر کرے اور چاہے تو سزا دے' وہ چاہے تو فضل اور احسان کرے اور چاہے تو انتقام لے۔ جس دن کفر اور اسلام کے دو لشکر معرکہ آراء ہوئے اس دن جو مسلمان شہید ہوئے اور جو مسلمان زخمی ہوئے وہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوا اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا' اور جن منافقوں نے اپنے نفاق پر ظاہری اسلام کا پردہ ڈالا ہوا تھا وہ پردہ اٹھا دیا اور ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو ساتھی جو جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے انحراف کر کے لشکر اسلام سے

نکل گئے تھے' ان کے پیچھے حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام گئے اور ان سے کہا اللہ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو اللہ کی راہ میں قتال کرو یا کم از کم اپنے شہر کا دفاع کرو تو عبداللہ بن ابی نے کہا میرے خیال میں جنگ نہیں ہو گی' اور اگر ہمیں جنگ کا یقین ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ رہتے' جب حضرت عبداللہ ان سے مایوس ہو گئے' تو انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! جاؤ عنقریب اللہ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا' وہ نبی ﷺ کے ساتھ گئے اور شہید ہو گئے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا پردہ چاک کر دیا اور جو لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے ان پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا اور جس دن ان کا حال ظاہر ہو گیا اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے' یہ منافق اپنی زبانوں سے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور اپنے کفر کو چھپاتے تھے۔

یہ منافق یعنی عبداللہ بن ابی کے اصحاب جو جہاد میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شہر میں بیٹھے رہے تھے۔ ان کے نسبی بھائی جن کا تعلق خزرج سے تھا جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے' ان کے متعلق ان منافقوں کو کہا کہ اگر ہمارے یہ (نسبی یا پڑوسی) بھائی مدینہ میں رہتے تو قتل نہ کئے جاتے' اور ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب نے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے کہا یہ لوگ جو قتل کر دیئے گئے اگر یہ ہماری پیروی کر لیتے تو جنگ میں نہ مارے جاتے' اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی: اے نبی! آپ ان سے کہئے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو جب تمہارے اوپر موت آئے تو تم اس کو خود سے ٹال کر دکھانا۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

میں نے بعض مفسرین سے سمرقند میں سنا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی تھی' اسی دن ستر منافقین مر گئے تھے۔

(تفسیر سمرقندی مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

انہیں رزق دیا جا رہا ہے ○ اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس پر

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ

خوش ہیں' اور ان کے بعد والے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منا رہے ہیں

وقف لازم

فَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۱﴾

ہیں، اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○

مناسبت اور شان نزول

جہاد میں جانے والوں کو منافقین یہ کہہ کر جہاد سے روکتے تھے کہ جہاد میں انسان قتل کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا کہ قتل کیا جانا بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے جس طرح طبعی موت مرنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے متعلق ہے' سو جس طرح جس شخص کی موت مقدر کر دی گئی ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتی۔ اسی طرح جس شخص کا قتل کیا جانا مقدر کر دیا گیا ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ایک اور جواب دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا ناپسندیدہ اور بری بات یا کوئی آفت اور مصیبت نہیں ہے' کیونکہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ اس کو قتل کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں اور ثواب سے نوازتا ہے اور اس کو طرح طرح کے رزق اور خوشیاں عطا فرماتا ہے۔

یہ آیت جنگ بدر اور جنگ احد کے شہداء کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ان ہی دو مشہور جنگوں میں مسلمان شہید ہوئے تھے اور منافق مجاہدوں کو جہاد کرنے سے اس لیے روکتے تھے کہ وہ ان دو جنگوں میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی طرح شہید نہ ہو جائیں۔

حیات شہداء کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی جنگ احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا' وہ جنت کے دریاؤں میں جاتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں جو سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں پلٹ آتے ہیں' جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی پاکیزہ چیزیں حاصل کر لیں تو انہوں نے کہا ہمارے بھائیوں تک ہمارا یہ پیغام کون پہنچائے گا کہ ہم کو جنت میں رزق دیا جا رہا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے سستی نہ کریں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تک تمہارا یہ پیغام میں پہنچاؤں گا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں ان کے رب کی طرف سے رزق دیا جا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۱ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی' آپ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! کیا ہوا! میں تم کو غم زدہ دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے' اور انہوں نے بچے اور قرض چھوڑا ہے' آپ نے فرمایا کیا میں تم کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ نے ان سے کس طرح ملاقات کی ہے! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے بلاحجاب بات نہیں کی مگر

تمہارے والد سے بلا حجاب بات کی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے میرے بندے تم تمنا کرو میں تم کو عطا کروں گا' تمہارے والد نے کہا اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر اور میں دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں یہ کہہ چکا ہوں کہ یہ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے آپ نے فرمایا پھر یہ آیت نازل ہوئی : ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا گیا' انہوں نے کہا ہم نے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا' تو آپ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی ہیں' اور عرش کے نیچے جو قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں ان میں بسیرا کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا : تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تمہیں اور زیادہ دوں؟ انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم اور کیا زیادہ چاہیں گے! ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا اور فرمایا : اگر تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تم کو اور زیادہ دوں! جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو انہوں نے کہا ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم دنیا کی طرف لوٹ جائیں اور پھر تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ 'ص ۲۳۱ — ۲۳۰ ' حدیث : ۳۰۱۱ — ۳۰۱۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

شہداء کی حیات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے' اکثر متقدمین نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے اور جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے' ان کا استدلال اس آیت سے ہے عند ربھم یرزقون "انہیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔" نیز صرف روحانی حیات میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ یہ حیات تو عام مسلمانوں بلکہ کفار کو بھی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے پھر ان کا دوسروں سے کیا امتیاز ہو گا؟ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اور ان کو رزق دیا جانا اس کے منافی نہیں ہے' کیونکہ حسن سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحوں کو رزق پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے' جس طرح آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے' سو رزق سے مراد یہ فرحت اور مسرت ہے اور شہداء کا باقی مسلمان روحوں سے صرف حیات میں امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی قرب حاصل ہے اور جو ان کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خصوصی عزت اور وجاہت حاصل ہو گی اس سے ان کا باقی مسلمانوں سے امتیاز ہو گا۔

بلخی نے شہداء کی حیات کا مطلقاً انکار کیا ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو اچھی جزا دی جائے گی اور بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ حیات سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر زندہ رہے گا اور دنیا میں ان کی تعریف ہوتی رہے گی' اور اصم سے منقول ہے کہ حیات سے مراد ہدایت اور موت سے مراد گمراہی ہے یعنی یہ نہ کہو کہ شہداء گمراہ ہیں بلکہ وہ ہدایت پر ہیں لیکن یہ تمام اقوال نہایت ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں اور شہداء کی حیات

جسمانی کا قول ہی صحیح ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' مجاہد' حسن' عمرو بن عبید' واصل بن عطاء' جبائی' رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہی مختار ہے۔

جو علماء شہداء کی جسمانی حیات کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا وہی جسم زندہ ہوتا ہے جس کو قتل کر دیا گیا تھا یا وہ کسی اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں' جو علماء اس کے قائل ہیں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس کو قتل کیا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے ان کو احساس اور ادراک حاصل ہو جائے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اجسام زمین میں مدفون ہیں اور کوئی تصرف نہیں کر رہے اور ان میں زندہ جسموں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ انتہاء بصر تک مومن کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم دلہن کی طرح سو جاؤ' حالانکہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ برزخ کے امور اور واقعات ہمارے ذہنوں اور ادراک و شعور سے بہت دور ہیں۔

جسمانی حیات کے بعض قائلین نے کہا کہ شہداء کی حیات ایک اور جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو پرندوں کی صورت پر ہوتا ہے اور ان کی روح اس جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ان کی دلیل اس حدیث سے ہے' امام عبد الرزاق' عبد اللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی قندیلوں پر معلق رہتی ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو لوٹا دے گا' اگر یہ سوال ہو کہ اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مالک' امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے پھلوں یا درختوں پر معلق رہتی ہیں' اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں چرتی ہیں۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں کیونکہ پرندوں کے پیٹوں میں یا ان کے پوٹوں میں ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو صرف پرندوں کی صورتوں میں دیکھتا ہے۔

بعض امامیہ کا یہ مسلک ہے کہ شہداء اپنے دنیاوی جسم کی صورت پر ایک اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (یعنی جسم مثالی کے ساتھ) حتی کہ اگر ان کو کوئی شخص دیکھ لے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر یونس بن ظبیان سے روایت ہے کہ ایک دن میں ابو عبد اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا مومنین کی ارواح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی' ابو عبد اللہ نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز پرندے کے پوٹے میں رکھے' اللہ تعالیٰ جب مومن کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ اس روح کو ایسے قالب (جسم) میں رکھتا ہے جو اس کے دنیاوی قالب کی شکل ہوتا ہے پھر وہ کھاتے پیتے رہتے ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو وہ اس کو ان کی اسی دنیاوی صورت میں پہچان لیتا ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۴۵' مطبوعہ طہران)

اگر اس حدیث میں مومنوں سے مراد شہداء ہوں پھر تو وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے اور اگر اس سے مراد عام مومن ہو تو پھر شہید کا حال اس سے بطریق اولیٰ معلوم ہو گا۔

(میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی ایسے سنی عالم کا احادیث اہل سنت کے خلاف امامیہ کی روایت سے استدلال کرنا باعث حیرت ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟

علامہ آلوسی لکھتے ہیں میرے نزدیک ہر مرنے والے کے لیے برزخ میں حیات ثابت ہے خواہ وہ شہید ہو یا نہ ہو' اور اس بات سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اس دنیاوی بدن کے علاوہ کسی اور برزخی بدن کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہو اور ارواح شہداء کا بھی برزخی ابدان کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہتے ہیں اور علاوہ ازیں ان کو ایسی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نعمتیں اور ثواب حاصل ہوتا ہے جو ان کے مقام کے لائق ہے اور ان برزخی ابدان لطیفہ کی دنیاوی اجسام کثیفہ کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث میں شہداء کے لیے جو سبز پرندوں کا ذکر ہے وہ بر بناء تشبیہ ہو' یعنی یہ اجسام برزخیہ اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ ان کو سبز پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' اور صورت کا معنی صفت ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے خلق آدم علی صورة الرحمان "آدم صورت رحمان پر پیدا کیا گیا ہے" یعنی رحمان کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے' اور حضرت ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو مومن کی روح کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہنے کو مستبعد قرار دیا وہ اس کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اور ہم نے جو بیان کیا ہے کہ سبز پرندوں سے مراد ان کے تیزی سے اڑنے کی صفت ہے اس بناء پر یہ اشکال لازم نہیں آئے گا کہ ایک جسم کے ساتھ دو روحیں متعلق ہو گئیں۔ ایک پرندے کی روح اور ایک شہید کی روح' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہید کی روح بنفسہ پرندہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے' کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہیں اور ان میں کسی جسم کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نے حضرت دحیہ کلبی کی شکل اختیار کر لی تھی' رہا یہ کہنا کہ دنیاوی جسم جو بوسیدہ ہو جاتا ہے جس کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور جسم کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے' شہید کا یہی جسم زندہ رہتا ہے تو ہر چند کہ اس جسم کا زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں شہید کی کوئی فضیلت اور عظمت ہے بلکہ اسکی وجہ سے ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخم اب بھی تر و تازہ ہیں اور اس کے زخم سے پٹی ہٹائی تو اسی طرح خون بہہ رہا تھا تو یہ محض قصہ کہانیاں اور خرافات ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۲۔ ۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر

علامہ آلوسی کے عظیم علم و فن کے باوجود ہمیں علامہ آلوسی کی اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ یہ امر تسلسل اور تواتر سے منقول ہے کہ کسی وجہ سے بعض شہداء کی قبریں ایک بڑے عرصہ کے بعد کھل گئیں اور ان کے اجسام اسی طرح تر و تازہ پائے گئے اور ان کے زخموں سے اسی طرح خون رس رہا تھا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبدالرحمن بن عبداللہ بن صعصعہ سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما ان دونوں کی قبروں تک سیلاب کا پانی پہنچ گیا تھا' یہ دونوں جنگ

احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک قبر میں مدفون تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے' جب ان کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل متغیر نہیں ہوئے تھے یوں لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں' ان میں سے ایک زخمی تھا اور دفن کے وقت اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اور اس کا ہاتھ اب بھی اسی طرح زخم پر تھا جب اس کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اسی طرح زخم پر آ گیا۔ غزوہ احد اور اس قبر کو کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔

(المرقات ج ۴ ص ۷۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ موطا امام مالک ص ۴۸۳۔ ۴۸۲' طبع لاہور)

امام مالک کی یہ روایت بعد کی روایتوں پر راجح ہے۔

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا' میں اس سے خوش نہیں ہوا' حتی کہ میں نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا' حضرت جابر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکالا تھا اور ان کے کان کے سوا ان کا پورا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا جیسے ابھی دفن کیا ہو۔

(سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸۔ ۵۷' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ایک اور سند سے امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا' اس سے میرے دل میں کچھ بات تھی پھر میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کے جسم کو نکالا تو ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے سوا جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے باقی پورا جسم اسی طرح تازہ تھا۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸ مطبوعہ ملتان)

خیال رہے کہ حضرت جابر کے والد' حضرت عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ان قوی آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بسا اوقات شہداء کے یہی دنیاوی اجسام باقی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرور زمانہ کے باوجود یہ اجسام اسی طرح تر و تازہ رہتے ہیں اور ان کے زخم اسی طرح خون آلود رہتے ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں جو مسلمان قتل کیے جاتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد ان کے اجسام پھول جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بدبو آنے لگتی ہے' ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقتولین بدعقیدہ ہوں یا ان کا عقیدہ تو صحیح ہو لیکن ان کی نیت صحیح نہ ہو اور اگر ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور ان کی نیت بھی شہادت کی ہو تو یہ کہا سکتا ہے کہ ان کی حیات جسمانی اس دنیاوی جسم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی جسم کے بدلہ ان کو کوئی اور جسم دے دیا ہے جو ان کے دنیاوی جسم کی مثل ہے۔

شہداء کی حیات جسمانی کے سلسلہ میں تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے درجات اور مراتب کے اعتبار سے شہداء کی حیات جسمانیہ کے متعدد اعتبار ہوتے ہیں' صحابہ کرام اور دوسرے مقربین اور صالحین اگر شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسی جسم کے ساتھ زندہ رکھتا ہے' اور بعض شہداء کو جسم مثالی عطا فرما دیتا ہے کیونکہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں ایک چیز خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دس مثلیں عطا فرماتا ہے تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب شہداء اللہ کی راہ میں اپنے جسم کو خرچ کریں اور وہ جسم قتل کے بعد بوسیدہ اور مٹی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس جیسے کئی اجسام مثالیہ عطا فرما دے' اور بعض شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں اڑتی پھرتی ہیں' جنت کی

کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں میں لٹکتی رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں۔

شہادت کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کو میرے پیچھے رہنا ناگوار نہ ہوتا کیونکہ میں ان سب کے لیے سواری مہیا نہیں کر سکتا' تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہر لشکر میں شامل ہوتا' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح بخاری ج ۱ص ۳۹۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو یہ پسند نہیں ہو گا کہ مرنے کے بعد اس کے لیے اللہ کے پاس اتنا اجر و ثواب ہو جو دنیا و مافیہا کے برابر ہو اور اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے سوائے شہید کے کیونکہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھے گا تو یہ چاہے گا کہ اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے اور اس کو دوبارہ (راہ خدا میں) قتل کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۳۹۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے کی تمنا کرے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۴ص ۱۸۷' طبع بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا ہر چیز کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۳ص ۱۵۰۲' حدیث: ۱۸۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ (الجامع الصحیح ج ۴ص ۱۹۰' طبع بیروت' سنن نسائی ج ۲ص ۵۹' طبع کراچی' سنن ابن ماجہ ج ۲ص ۲۰۹' طبع بیروت' سنن داری ج ۲ص ۱۲۵' طبع ملتان' مسند احمد ج ۲ص ۲۹۷' طبع بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ص ۳۴۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ' الشریعہ للآجری ص ۳۱۲' مطبوعہ دار السلام ریاض)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک شہید کے چھ خصال (اجور) ہیں' پہلی مرتبہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا' وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا' (حشر کے دن) فزع اکبر (سب سے ہولناک' گھبراہٹ اور پریشانی) سے امن میں رہے گا' اس کو یاقوت کا تاج وقار پہنایا جائے گا جس میں دنیا اور مافیہا کی خیر ہو گی' بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کا نکاح کیا جائے گا وہ اپنے ستر رشتہ داروں

کی شفاعت کرے گا۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۸۸۔ ۱۸۷ حدیث: ۱۶۶۳ مطبوعہ بیروت)

امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کی مغفرت کردی جائے گی اور وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا' باقی درجات کا اسی طرح ذکر ہے اور ان میں ایک اور درجہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو ایمان کا حلہ پہنایا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۶' حدیث : ۲۷۹۹' طبع بیروت' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱' ۲۰۰' طبع بیروت)

امام آجری متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں نو خصال کا ذکر ہے۔

(الشریعہ ص ۳۴۲ مطبوعہ دار السلام ریاض' ۱۴۱۳ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو اثروں (نشانوں) سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے گرا ہو' دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرایا گیا ہو' اور رہے دو اثر تو ایک اثر اللہ کی راہ میں ہے اور ایک اثر اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی میں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۹۰' الحدیث : ۱۶۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین قسم کے لوگ پیش کیے گئے جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے' شہید' پاک دامن اور وہ بندہ جس نے اچھی طرح اللہ کی عبادت کی اور اپنے مالکوں کی بھی خیر خواہی کی۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۷۶' الحدیث : ۱۶۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سہل بن حنیف اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صدق دل سے اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ خواہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۳' الحدیث : ۱۶۵۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۵' طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ شخص جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور اس میں خوشبو مشک کی ہو گی۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۴' الحدیث : ۱۶۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۴' طبع بیروت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۶' الحدیث : ۱۶۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حکمی شہداء کے متعلق احادیث و آثار

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا : تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا : اللہ عزوجل کی راہ میں قتل ہونے کو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قتل فی سبیل اللہ کے سوا شہادت کی سات قسمیں اور ہیں' طاعون میں مرنے والا شہید ہے' نمونیہ میں مرنے والا شہید ہے' پیٹ کی بیماری میں

مرنے والا شہید ہے' جل کر مرنے والا شہید ہے' کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور حاملہ درد زہ میں مبتلا ہو کر مرجائے تو وہ شہید ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۸۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے' جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے' جو دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۲۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر کر مرا وہ شہید ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : اللہ کی راہ میں (طبعی موت) مرنے والا شہید ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹیوں سے گر کر مرجائے اور جس کو درندے کھاجائیں اور جو سمندر میں ڈوب جائے وہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : حالت نفاس میں مرنا شہادت ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا' صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے! کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے' اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے' البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۱-۲۷۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

مسروق بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی مصیبت (حادثہ) میں فوت ہو گیا وہ بھی شہید ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۳۳۳' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صدق دل کے ساتھ اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا' امام مسلم' امام دارمی' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے : خواہ

وہ بستر پر فوت ہو۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷۷ 'مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ 'سنن داری ج ۲ ص ۱۲۵ 'مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

پھیپھڑوں کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اور سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی '۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کی "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی '۱۴۰۲ھ)

امام علی متقی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ نیزہ کی ضرب سے مرنا اور درندوں کے کھانے سے مرنا یہ شہادت ہے۔

(کنزالعمال ج ۴ ص ۴۱۶ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت '۱۴۰۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو حرام کاری سے بچایا وہ شہید ہے۔ (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۱۶ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت '۱۴۰۵ھ)

امام علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بخار (میں مرنا) شہادت ہے۔ (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۱۹ 'مطبوعہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن بسیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گڑھے میں گر کر مرنا شہادت ہے۔ (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۱۹ 'طبع بیروت)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے وہ لڑے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۲۲ طبع بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر مرے وہ شہید ہے 'اور سانپ یا بچھو سے ڈسا جانے والا شہید ہے 'اچھو سے مرنے والا شہید ہے۔ (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۲۲ 'طبع بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اوپر گھر گر جائے وہ شہید ہے 'جو شخص چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے 'جس پر پتھر گرے اور وہ مر جائے وہ شہید ہے 'جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے لیے شہید کا اجر ہے 'جو اپنے بھائی کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے 'جو اپنے پڑوسی کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے 'جو شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہ شہید ہے۔ (کنزالعمال ج ۴ ص ۴۲۵ 'طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سرحد کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے۔

(کنزالعمال ج ۴ ص ۴۱۸ 'طبع بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستہ میں نکلا پھر مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا جس شخص کو گھوڑے یا اونٹ نے گرا دیا یا جس شخص کو حشرات الارض میں سے کسی نے

ڈس لیا یا جو شخص (اللہ کی راہ میں) بستر پر مرگیا یا جس طرح بھی اللہ نے چاہا اس کو موت آگئی وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۸ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا : طاعون ایک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ جس قوم پر چاہتا ہے بھیج دیتا ہے' اور مسلمانوں کے لیے طاعون کو رحمت بنا دیا' سو جو مسلمان کسی ایسے شہر میں ہو جس میں طاعون پھیلا ہوا ہو' وہ اسی شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر و استقامت کی نیت کر کے اس شہر سے نہ نکلے اور اس پر یقین رکھے کہ جو چیز اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے وہ ہو کر رہے گی تو وہ شہید ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیماری میں فوت ہو گیا وہ شہید ہے۔ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح و شام رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۷ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے صبح اٹھ کر تین مرتبہ پڑھا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر وہ اس دن فوت ہو گیا تو وہ شہادت کی موت مرے گا' اور جس نے شام کو یہ کلمات پڑھے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۱۸۲ 'مطبوعہ بیروت' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۹ 'مطبوعہ ملتان' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱ 'مطبوعہ بیروت)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے چاشت کی نماز پڑھی اور ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر اور حضر میں کبھی وتر کو نہیں چھوڑا' اس کے لیے شہید کا اجر لکھا جائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۳۲ 'مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۷ 'مطبوعہ قاہرہ' ۱۴۰۷ھ' مجمع الزوائد طبع بیروت' ۱۴۰۲ھ ج ۲ ص ۲۴۱' کنز العمال ج ۷ ص ۸۱۰-۸۰۹ 'مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' امام آجری متوفی ۳۶۰ھ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے انس! اگر تم سے ہو سکے تو ہمیشہ باوضو رہو کیونکہ جب فرشتہ کسی بندہ کی روح قبض کرے اور وہ باوضو ہو تو اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ص ۱۸۲ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام احمد متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

راشد بن حبیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بیت المقدس کا خادم شہید ہے اور زکام یا کھانسی

میں مرنے والا شہید ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' الترغیب والترہیب مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۷ھ ج ۲ ص ۳۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے میری امت کے فساد (بدعت اور جہالت کے غلبہ) کے وقت میری سنت پر عمل کیا اس کو سو شہیدوں کا اجر ہوگا' امام بیہقی نے اس حدیث کو کتاب الزھد میں روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ ص ۳۰' مطبوعہ دہلی' مصابیح السنہ ج ۱ ص ۱۴۳)

امام ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے متعلق لکھا ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ (کامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۳۹)

حافظ منذری نے اس کو امام بیہقی اور امام طبرانی کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس کی سند پر اعتماد کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۸۰)

امام طبرانی کی روایت میں ایک شہید کا اجر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۶ ص ۱۹۷' مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۹۵ھ)

نیز یہ حدیث امام ابو نعیم نے بھی روایت کی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۰' مطبوعہ بیروت)

علامہ ہیثمی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۲)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر مومن شہید ہے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (الحدید: ۱۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حکمی شہداء کا خلاصہ

مذکور الصدر احادیث میں جو حکمی شہادت کی اقسام بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) طاعون میں مرنے والا۔ (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔ (۳) ڈوبنے والا۔ (۴) دب کر مرنے والا۔ (۵) نمونیہ میں مرنے والا۔ (۶) جل کر مرنے والا۔ (۷) درد زہ میں مبتلا ہو کر مرنے والی حاملہ۔ (۸) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۹) اپنی جان کی حفاظت میں مارا جانے والا۔ (۱۰) اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۱) دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۲) سواری سے گر کر مرنے والا۔ (۱۳) اللہ کے راستہ میں مرنے والا مثلاً علم دین کی طلب میں جانے والا' نماز کو جانے والا' حج کو جانے والا' غرض ہر نیک کام کے لیے جانے والا اس دوران اگر مر جائے۔ (۱۴) پہاڑ سے گر کر مرنے والا۔ (۱۵) جس کو درندے کھا جائیں۔ (۱۶) نفاس میں مرنے والی عورت۔ (۱۷) اپنے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۸) اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۹) کسی مصیبت یا حادثہ میں مرنے والا۔ (۲۰) صدق دل سے شہادت کی دعا کرنے والا۔ (۲۱) پھیپھڑوں کی بیماری مثلاً دمہ' کھانسی یا تپ دق میں مرنے والا۔ (۲۲) سفر میں مرنے والا۔ (۲۳) جو شخص ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کرے اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت (۲۴) نیزہ کی ضرب سے مرنے والا۔

(۲۵) جو عاشق پاک دامن رہا۔ (۲۶) بخار میں مرنے والا۔ (۲۷) سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا۔ (۲۸) گڑھے میں گر کر مرنے والا۔ (۲۹) ظلماً" قتل کیا جانے والا (۳۰) اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۳۱) اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہونے والا۔ (۳۲) جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے۔ (۳۳) جو اچھو سے مرجائے۔ (۳۴) پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۳۵) جو چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مرجائے۔ (۳۶) جو پتھر گرنے سے مرجائے۔ (۳۷) جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہوئی مرجائے۔ (۳۸) نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہوئے مرجائے۔ (۳۹) اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۴۰) جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر جانے سے مرجائے۔ (۴۴) جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے۔ (۴۵) صبح و شام سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے والا شہید ہے۔ (۴۶) چاشت کی نماز پڑھنے والا ہر ماہ تین روزے رکھنے والا اور وتر قضا نہ کرنے والا شہید ہے۔ (۴۷) دائماً باوضو رہنے والا شہید ہے۔ (۴۸) بیت المقدس کا خادم شہید ہے۔ (۴۹) زکام یا کھانسی میں مرنے والا شہید ہے۔ (۵۰) غلبہ بدعت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے۔ (۵۱) ہر مومن کامل شہید ہے۔

غسل شہداء کے متعلق مذاہب فقہاء

جو شخص میدان جنگ میں مارا گیا اور اس کے علاج کا موقع نہیں ملا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ کفن پہنایا جائے گا بلکہ ان ہی خون آلودہ کپڑوں میں اس کو دفن کر دیا جائے گا۔ یہی حکم اس مسلمان کا ہے جس کو ظلماً" قتل کیا گیا' اور باقی تمام شہداء کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا' امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے' اور امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ تمام شہداء کو غسل دیا جائے گا جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان کو ان کے خونوں میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن' اور آپ نے ان کو غسل دینے کا حکم نہیں دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شہداء کی نماز جنازہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اسی طرح شہید کی نماز جنازہ میں بھی اختلاف ہے' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شہداء احد میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے پھر فرماتے ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد ہے' پھر جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اس کو لحد میں پہلے رکھتے اور فرماتے قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا' اور ان کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا' نہ ان کو غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن باہر آئے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۱ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اور امام

ابو حنیفہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے' اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کے ثبوت کی خبر دے اور دوسرا اس کی نفی کی خبر دے تو ثبوت کی خبر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ جو نفی کی خبر دے رہا ہے اس نے اس چیز کے ثبوت کو نہیں دیکھا اور دوسرے نے دیکھا ہے اس لیے اس کی روایت کو ترجیح ہے نیز حضرت عقبہ کی روایت کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے' امام ابوداؤد متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابومالک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش لانے کا حکم دیا پھر ان کو رکھا گیا پھر نو اور شہداء لائے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی' پھر ان کو اٹھا لیا گیا' اور حضرت حمزہ کو رہنے دیا گیا' پھر نو اور شہداء کو لا کر رکھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سات بار نماز پڑھی' حتیٰ کہ آپ نے حضرت حمزہ سمیت ستر شہداء پر نماز پڑھی اور ہر بار ان کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی نماز پڑھی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر ستر بار نماز پڑھی' پہلے آپ حضرت حمزہ پر نماز پڑھتے پھر دوسرے شہداء کو منگواتے پھر ان پر نماز پڑھتے اور ہر ایک کے ساتھ حضرت حمزہ پر بھی نماز پڑھتے۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

(مراسیل ابوداؤد ص ۱۸' مطبوعہ مطبع ولی محمد اینڈ سنز کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس دن والد فوت ہو گئے تھے اور وہ شدت غم سے نڈھال تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کو شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھے جانے کا علم نہ ہو سکا ہو' یا اس وقت وہ کسی اور کام میں مشغول ہوں اور وہاں پر موجود نہ ہوں یا ان کی روایت کا یہ مطلب ہو کہ شہداء احد پر علی الفور نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : انہیں رزق دیا جا رہا ہے۔

شہداء کے رزق کا بیان

اس سے مراد رزق معروف ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی روحیں جنت کی خوشبوؤں کو سونگھتی ہیں اور جو نعمتیں ارواح کے لائق ہیں ان سے متمتع ہوتی ہیں اور جب ان روحوں کو ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو وہ ان تمام نعمتوں سے متمتع ہوں گی جو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کر دیا ہے۔ وہ جنت کے دریاؤں پر جاتی ہیں اور اس کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور عرش کے سائے کے نیچے لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔ (مسند احمد و سنن ابوداؤد) اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی صورتوں میں جنت کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کی طرح ہیں ان کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور ان پرندوں کے پیٹ بہ منزلہ سواری ہوتے ہیں

اور ان روحوں کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے بھی ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین ابن قیم حنبلی متوفی ۷۵۱ ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، بعض میں ہیں ان کے پیٹوں میں ہیں، بعض میں ہے کہ سبز پرندوں کی مثل ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ تمام کلمات تشبیہ کے ہوں اور چونکہ شہداء کی روحیں بہت تیزی کے ساتھ جنت میں پھرتی ہیں۔ اس لیے ان کو سبز یا سفید پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہو۔ اور شہداء کی یہ روحیں جو عرش کے نیچے قندیلوں میں آرام کرتی ہیں ابھی بہ طور دوام کے جنت میں داخل نہیں ہوئیں اور قیامت کے بعد بہ طور دوام کے جنت میں داخل ہوں گی تو اپنی اصل منازل اور محلات میں قیام کریں گی۔ (کتاب الروح ص ۹۳۔ ۹۲، مطبوعہ دار الحدیث)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔ اس کے بعد والے لوگ، جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق یہ اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (آل عمران: ۱۷۰)

فوت شدہ مسلمانوں کا اپنے اقارب کے اعمال پر مطلع ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شہداء اپنے جن لاحقین کے متعلق متفکر رہتے ہیں ان کے احوال ان پر منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور اس آیت میں اصحاب احد کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس دن کے بعد ان کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ عزیزوں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے عمل ہوتے ہیں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ عمل اچھے نہ ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! ان کو ہدایت دینے سے پہلے ان پر موت طاری نہ کرنا جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، کنز العمال، الحدیث: ۴۳۰۲۹، ج ۱۵ ص ۱۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منا رہے ہیں اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ (آل عمران: ۱۷۱)

اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کی کامیابی پر خوش ہونا چاہیے

اس سے پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ شہداء احد کی روحیں اس بات پر خوشی منا رہی ہیں کہ ان کے بعد والے اصحاب احد پر بھی کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے' اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ ان نعمتوں پر خوشی منا رہے ہیں۔ پہلے شہداء احد کی اسی خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنے بھائیوں کی اخروی سعادت سن کر حاصل ہوئی اور پھر اس خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنی سعادت اور سرفرازی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے بھائیوں کی کامیابی پر خوشی ہونی چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا اس میں بتلایا ہے کہ شہادت پر یہ اجر و ثواب صرف شہداء احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ اجر و ثواب تمام مومنین کو حاصل ہو گا اور ایمان پر اجر کا ضائع نہ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ مومن مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا ورنہ اس کے ایمان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔

معانقة عند المتقدمين ۱۲

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا ، ان میں سے نیکی کرنے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ

والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے ○ ان لوگوں سے بعض لوگوں نے

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان

اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

اور پختہ ہوگیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے ○ پس وہ اللہ کی نعمت اور اس کے

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ

فضل سے لوٹ آئے اور انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی ، انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی ،

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ وہ شیطان ہی ہے جو اپنے چیلوں کے ذریعہ ڈراتا ہے

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو بہ شرطیکہ تم مومن ہو ○ اور آپ ان لوگوں سے غمزدہ

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ يُرِيْدُ

نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں ۔ بیشک یہ اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے ، اللہ یہ

اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

آیات مذکورہ کے شان نزول میں دو روایتیں

ان آیات کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں بیان کی گئی ہیں ' ایک روایت یہ ہے : امام ابن جریر اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں : سدی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان احد سے واپس ہوا تو وہ راستہ میں ایک جگہ اپنے واپس ہونے پر پچھتایا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم نے اچھا نہیں کیا تم نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا اور جب ان میں سے تھوڑے رہ گئے تو تم واپس آ گئے' واپس چلو اور ان کی بنیاد ختم کر دو اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکو' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا' آپ نے مسلمانوں سے فرمایا ان کافروں کا تعاقب کرو' مسلمان اگرچہ جنگ احد میں زخمی اور دل شکستہ تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہی اور دشمن کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے' ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان ان کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو کر مکہ روانہ ہو گئے نبی ﷺ نے حمراء الاسد (ایک مقام ہے) تک ان کا پیچھا کیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس کی تائید میں امام بخاری کی یہ روایت ہے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الذین استجابوا للہ والرسول۔ الخ کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر سے فرمایا :

اے میری بہن کے بیٹے' ان مسلمانوں میں تمہارے باپ حضرت زبیر اور حضرت ابوبکر شامل تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد میں زخمی ہو گئے اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ مشرکین لوٹ آئیں گے آپ نے فرمایا ان کا پیچھا کون کرے گا؟ تو ستر مسلمانوں نے لبیک کہا ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر بھی تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

دوسری روایت یہ ہے' امام علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں :

مجاہد' مقاتل' عکرمہ' واقدی اور کلبی نے بیان کیا ہے کہ جنگ احد کے دن جب ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو اس نے اعلان کیا :

اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور تمہارے درمیان آئندہ سال بدر صغریٰ کے موسم میں جنگ ہو گی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ہمارے درمیان ہے ان شاء اللہ! جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اہل مکہ میں نکلا اور مقام مجنہ پر ٹھہرا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب طاری کر دیا اور اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا' پھر اس کی نعیم بن مسعود اشجعی سے ملاقات ہوئی' اس نے نعیم کو مدینہ بھیجا اور کہا وہاں جا کر (سیدنا) محمد (ﷺ) کو روک دینا اور مسلمانوں کو ڈرانا حتیٰ کہ وہ بدر صغریٰ میں ہمارے مقابلے کے لیے نہ آئیں' کیونکہ اگر ان کی جانب سے اس میعاد کی مخالفت ہو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے' نعیم مسلمانوں کے پاس گیا تو وہ اس میعاد پر پہنچنے کے لیے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے' اس نے مسلمانوں سے کہا اہل مکہ تمہارے گھر پر آ کر تم پر حملہ کر چکے ہیں اور اس جنگ میں تم کو نقصان پہنچا چکے ہیں تو جب تم ان کے شہر پر جا کر حملہ کرو گے حالانکہ تم تعداد میں کم ہو گے اور وہ زیادہ ہوں گے تو پھر تم کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا' اسی طرح منافقوں نے بھی مسلمانوں کو ڈرایا کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب ایک بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں سو تم ان سے ڈرو' مسلمانوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے' پھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے اور بدر صغریٰ پر پہنچ گئے' یہ وہ جگہ ہے جہاں پر آٹھ دن بازار لگتا تھا' جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں ان سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی مشرک موجود نہیں تھا' مسلمانوں نے اس بازار میں کافی تجارت اور خرید و فروخت کی اور بہت نفع لے کر کامیابی اور کامرانی کے ساتھ واپس آئے۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۳۔ ۵۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان آیتوں کے شان نزول میں اختلاف ہے' امام واقدی کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی آیت : "جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی' یہ آیت غزوہ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔" اور دوسری آیت : "ان لوگوں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے۔ سو تم ان سے ڈرو۔" یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے کہا یہ دونوں آیتیں بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' لیکن امام واقدی کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی اس بات پر مدح فرمائی ہے کہ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی اور یہ مدح اسی وقت لائق ہے جب وہ غزوہ احد کے فوراً بعد غزوہ حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوں' کیونکہ اس وقت وہ تازہ تازہ زخمی ہوئے تھے اور غزوہ بدر صغریٰ تو ایک سال بعد واقع ہوا تھا اس وقت ان کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ اور دوسری آیت جس میں مسلمانوں کو شیطان کے ڈرانے کا ذکر ہے وہ غزوہ بدر صغریٰ کے مناسب ہے کیونکہ اسی موقع پر نعیم بن مسعود' ابوسفیان کے کہنے سے مسلمانوں کو ڈرانے مدینہ گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔ (آل عمران : ۱۷۳)

ایمان میں زیادتی کا محمل

جب نعیم بن مسعود اور منافقوں نے مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر سے ڈرایا تو انہوں نے ان کے قول کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ اعتماد اور قوی ہو گیا کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ بعض علماء ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل ہیں وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل سے مرکب ہے اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' لیکن تحقیق یہ ہے کہ بعض اوقات ایمان کا اعمال پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ایمان کامل ہوتا ہے اور نفس ایمان جو دل کے ماننے اور تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور وہ دلائل پر مطلع ہوتا ہے تو اس کا ایمان اور قوی اور پختہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں :
(آل عمران : ۱۷۶)

دین اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی

اس آیت کے سبب نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے متعلق ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار قریش آپ سے جنگ کرنے کے لیے جو منصوبے بنا رہے ہیں اور بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر رہے ہیں اس سے آپ متفکر اور پریشان نہ ہوں۔ یہ اللہ کے دین اور اس کی نشرو اشاعت کو مٹا نہیں سکتے اور نہ تمام مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتے ہیں' ان جنگوں کے نتیجہ میں جو مسلمان زخمی یا شہید ہو جاتے ہیں اس سے دین اسلام کو کچھ ضرر نہیں ہوتا' نہ ان مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت میں بہت اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ جنگ احد کے بعد اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر نعوذ باللہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہوتے تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست نہ

ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہیں جس طرح بادشاہ کو کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست سو ان کا بھی یہی حال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتیں سن کر رنجیدہ ہوتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں ان کی یہ مخالفانہ باتیں اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض کافر مسلمان ہوئے اور کفار قریش کے ڈر سے پھر مرتد ہو گئے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا تعلق کفار' منافقین اور مرتدین سب کے ساتھ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تسلی دی ہو کہ اسلام کے جس قدر مخالفین ہیں ان کی اسلام کے خلاف سازشیں اور سرگرمیاں اللہ کے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (الصف: ۸)

(یہ کافر) اپنے منہ سے (پھونک مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (التوبہ: ۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اس وقت تک نہیں مانے گا جب تک کہ اپنے نور کو پورا نہ کردے خواہ کافروں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (التوبہ: ۳۳)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔

اور کفار اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور ایک وقت وہ آیا کہ سرزمین عرب میں اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہیں رہا' اور آج تک وہاں ایسا ہی ہے اور اس کے بعد مسلمان دنیا کے کئی براعظموں میں فتوحات اسلام کے جھنڈے گاڑتے رہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی' اور زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی تسلی دی کہ آپ کفار کی مخالفت سے آزردہ نہ ہوں ان کی مخالفت دین اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیان

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافر کے کفر اور فاسق کے فسق پر رنج اور افسوس کرنا تو اللہ اور اس کے دین سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ عین عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے کفر میں سبقت اور سرعت پر رنج اور افسوس کرنے سے کیوں منع فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو زیادہ رنج اور افسوس کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ نہی تشریعی نہیں ہے بلکہ مشفقانہ ممانعت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے اور ان کے کفر پر ڈٹے رہنے سے آپ کو بہت زیادہ رنج ہوتا تھا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (الکہف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں آپ فرط غم سے ان کے پیچھے جان دے بیٹھیں گے۔

سو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے بہت زیادہ محبت ہے وہ آپ کو آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتا

اس نے فرمایا :

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ — اگر یہ اعراض کریں تو آپ کا کام تو صرف دین کو پہنچانا ہے۔

(آل عمران : ۲۰)

کسی کو مومن بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' اگر کوئی ایمان لائے گا تو اس کا فائدہ ہے اور کفر پر قائم رہے گا تو اس کا نقصان ہے آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

(آل عمران : ۱۷۶)

دنیا میں کافروں کی خوشحالی سے دھوکا نہ کھایا جائے

کافروں کو دنیا میں جو ڈھیل دی جا رہی ہے اور وہ مادی ترقی میں سب سے آگے نکل رہے ہیں۔ صنعت و تجارت' آلات حرب اور مال و دولت کی فراوانی کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ شاید ان کا دین اور ان کا نظریہ ہی برحق ہے اور وہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں' بلکہ یہ صرف اس لیے ہے کہ ان کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے دیا جائے' آخرت میں ان کے لیے اجر و ثواب سے کچھ نہ رہے اور وہ صرف ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا رہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے :

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران : ۱۹۷۔۱۹۶)

(اے مخاطب!) کافروں کا شہروں میں (شان و شوکت کے ساتھ) گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے' یہ (حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے' پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ : ۵۵)

تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس (مال اور اولاد) کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کرے اور کفر کی حالت میں ان کی جان نکلے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (طٰہٰ : ۱۳۱)

اور آپ دنیاوی زندگی کی ان زینتوں کی طرف نہ دیکھیں جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) فائدہ کے لیے دی ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا (اخروی) رزق سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کا دنیا میں شوکت اور قوت کے ساتھ رہنا اور مسلمانوں کا ان سے کم آسودگی سے رہنا ان کے مقبول ہونے اور مسلمانوں کے نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ

بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بدلہ کفر کو خرید لیا وہ اللہ (کے دین) کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے ○ اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے

خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو اور ان

مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ

کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو،

حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي

حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب

الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب)

وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

رسول ہیں، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان (برقرار) رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ○

ایمان کے بدلہ میں کفر کو خریدنے کا محمل

اس سے پہلی آیت کے مصداق منافقین بھی ہو سکتے ہیں، مرتدین بھی اور یہود بھی' اگر اس کا مصداق منافقین ہوں' تو ایمان کے بدلہ کفر کو خریدنے کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ساتھ رہ کر اور نبی ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر ان کے لیے یہ موقع تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتے لیکن انہوں نے یہ موقع ضائع کر دیا اور اپنے باطنی کفر پر قائم اور مصر رہے' اور اگر اس سے مراد مرتدین ہوں تو پھر واضح ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے' اور اگر اس سے مراد یہود ہوں تو معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں کرتے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد تورات میں درج علامتوں کی وجہ سے آپ کو پہچانتے تھے لیکن انہوں نے بغض اور عناد کی وجہ سے آپ کا کفر اور انکار کیا کیونکہ آپ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تھے' سو اس طرح انہوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر کو خرید لیا' خریدنے سے مراد یہاں تبدیل کرنا ہے' اور یہاں تبدیل کرنے کو خریدنے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ آدمی اس چیز کو خریدتا ہے جس کی طرف وہ راغب ہو اور یہ کفر پر راغب تھے اور جس چیز کے بدلہ میں خریدتا ہے وہ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے اور چونکہ آپ پر ایمان لانا ان کے اختیار میں تھا اور اس کے محرکات بھی موجود تھے

تو گویا ایمان ان کے قبضہ میں تھا لیکن انہوں نے اس کو خرچ کر کے کفر خرید لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں ، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۷۸)

زندگی اور موت میں کون بہتر ہے اور موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کے مصداق منافقین اور بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں اور مقاتل نے کہا اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں ، حضرت ابن عباس نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی کر کے ان کو مزید گناہ کرنے کا موقع دیتا ہے تاکہ ان کا کفر اور گناہ زیادہ ہوں ، زجاج نے کہا اس کا مصداق وہ قوم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دے دی تھی کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کی بقا صرف کفر اور گناہوں میں زیادتی کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومن ہو یا کافر ، ہر ایک کے لیے موت اس کی زندگی سے بہتر ہے ، کسی نے کہا کیا یہ بات نہیں ہے کہ مومن زندگی میں نماز پڑھتا رہتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوتی رہتی ہیں ؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما عند اللہ خیر للابرار (آل عمران : ۱۹۸) تو اگر وہ نیک ہے تو اللہ کے پاس جو اس کا اجر ہے وہ زیادہ بہتر ہے ، ان سے کہا گیا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کافر مرے گا تو فوراً دوزخ میں چلا جائے گا حالانکہ دنیا میں وہ کھاتا پیتا ہے اور کپڑے پہنتا ہے ؟ انہوں نے کہا اللہ عزوجل فرماتا ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں ، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۷۸) (الوسیط ج ۱ ص ۵۲۵ ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے موت کو زندگی سے بہتر فرمایا ہے بہ ظاہر ان کا یہ قول حسب ذیل احادیث کے خلاف ہے :

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مصیبت پہنچنے پر موت کی تمنا نہ کرے ، اگر اس نے خواہ مخواہ موت کی تمنا کرنی ہو تو یہ دعا کرے اے اللہ ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ شخص نیک ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر کے اللہ کی رضا طلب کرے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۷ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر اس میں نیکی کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کرتی۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۵ ‘الحدیث : ۲۶۸۲ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام مروزی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے موت کی تمنا کی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا موت کی تمنا نہ کرو اگر تم اہل جنت میں سے ہو تو تمہارا باقی رہنا زیادہ بہتر ہے (کیونکہ تم نیکیاں کرو گے) اور اگر تم اہل دوزخ میں سے ہو تو تمہیں دوزخ میں جانے کی کیا جلدی ہے؟

(شرح الصدور ص ۴ ‘مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا ہے کہ کافر ہو یا مومن اس کے لیے موت زندگی سے بہتر ہے‘ وہ بہ اعتبار نتیجہ اور مآل کے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی دعا اور اس کی تمنا سے منع فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ زندگی موت سے بہتر ہے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مومن کا تحفہ موت ہے۔ (کتاب الزہد ص ۲۱۲ ‘الحدیث : ۵۹۹ ‘مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ المستدرک ج ۴ ص ۳۱۹ ‘حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں‘ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۰ ‘حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۵۸ ‘حافظ منذری نے اس کو امام طبرانی کی معجم کبیر کے حوالہ سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے‘ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۳۵ ‘مطبوعہ مصر)

اس حدیث سے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں‘ پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں‘ پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲)

اور حضرت عمر نے دعا کی : اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت مقدر کر دے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴-۲۵۳) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صدق دل سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵) ان احادیث میں موت کی تمنا کرنے کا جواز ہے اور اس سے پہلے جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے ان میں موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے مصائب اور آلام سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس سے ملاقات اور شوق شہادت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے بلکہ پسندیدہ امر ہے۔

کافروں کو گناہوں کے لیے ڈھیل دینے کی توجیہات

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم کافروں کو صرف ڈھیل دے رہے ہیں یعنی ان کی عمر زیادہ کر رہے ہیں کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں‘ اس آیت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات : ۵۶)

میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

سورہ ذاریات کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور زیر بحث آیت سے معلوم

ہوتا ہے کہ کافروں کی عمر اس لیے زیادہ کی جا رہی ہے تا کہ وہ زیادہ گناہ کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لام' لام عاقبت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے :

فَالْتَقَطَهُ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص : ۸)

سو فرعون کے گھر والوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ (بالآخر) وہ ان کے لیے دشمن ہو جائیں اور غم کا باعث ہوں۔

ظاہر ہے کہ فرعون کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں دریا سے اپنا دشمن بنانے کے قصد سے نہیں اٹھایا تھا بلکہ اپنا دست و بازو بنانے کے لیے اٹھایا تھا لیکن انجام کار وہ ان کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا اور ان کے لیے ایک لمبی عمر مقرر فرمادی تھی' لیکن انجام کار وہ عبادت کرنے کے بجائے گناہ کرنے لگے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی فرمائے گا لیکن یہ اپنے اختیار اور ارادہ سے عبادت کی بجائے گناہ کریں گے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ کافر نبی ﷺ کی مخالفت کر کے اور پھر لمبی عمر پا کر خوش نہ ہوں اور نہ یہ سمجھیں کہ ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی عمر لمبی ہو رہی ہے تو ضرور ان پر یہ قدرت کا انعام ہے بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہو رہی ہے یہ اور گناہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا اخروی عذاب اور زیادہ ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کی عمر زیادہ کر کے ان کو ایمان لانے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرتا ہے لیکن وہ اپنی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے زیادہ کفر اور زیادہ گناہ کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے ان کی عمر لمبی کرنا تاکہ وہ انجام کار زیادہ گناہ کریں قضاء و قدر کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق نہیں ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایسا شدید کفر اور گستاخیاں کی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا کے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور ان کو ڈھیل دی تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوں' یہ بھی ان کی سزا کا ایک حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔

اصحاب رسول کے مومن اور طیب ہونے پر دلیل

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا' ابن جریج نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کو جھوٹوں سے الگ کر دیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہ آیت بھی قصہ احد کے واقعات میں سے ہے جب عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا تو مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔ اسی طرح جنگ احد کے فوراً بعد جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ حمراء الاسد کے مقام پر ابو سفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمان زخمی اور دل شکستہ ہونے کے باوجود آپ کے حکم کی تعمیل میں چل پڑے اور منافقوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا' اس طرح مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کو مومن اور طیب فرمایا ہے اور یہ سات سو صحابہ تھے اور ان میں خلفاء راشدین حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی ہیں اس لیے جو

شخص ان کو برا اور کافر، ظالم یا منافق کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد چھ کے سوا تمام اصحاب مرتد ہو گئے تھے وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔ (آل عمران : ۱۷۹)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۶۱ء) لکھتے ہیں: "اور نہیں ہے اللہ کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۸ھ) لکھتے ہیں: "اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔"

ان تراجم میں "من" کو تبعیضیہ قرار دیا ہے، جس کا حاصل ہے بعض رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے اور ہمارے ترجمہ میں "من" "من یشاء" کا بیان ہے، جس کا حاصل ہے سب رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے، کیونکہ سب رسول اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں......

انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے یا غیب کی خبروں کا علم ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع کر دے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے، البتہ اللہ تعالیٰ مصائب، آلام اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو متمیز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے، ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے چن لیتا ہے اور ان کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔

اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے، سو یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہے، بعض متاخرین علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب نہیں دیا گیا اور علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے البتہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور غیب کی خبروں کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے، ان علماء کی مراد یہ ہے کہ علم الغیب میں اضافت اور "الغیب" میں لام استغراق کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے تمام امور غیبیہ غیر متناہیہ کا علم، اور ظاہر ہے کہ یہ علم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم الغیب کی اپنے غیر سے "مطلقاً" نفی کی ہے :

قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ (النمل : ۶۵)

آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کسی کو علم الغیب نہیں ہے۔

اب اگر انبیاء علیہم السلام کے لیے علم الغیب مانا جائے تو ظاہر ہے قرآن سے تعارض لازم آئے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب مطلقاً علم الغیب کا اطلاق کیا جائے تو اس سے متبادر علم الغیب ذاتی اور مستقل ہوتا ہے جس کا ثبوت بغیر کسی کی عطا کے ہوتا ہے اس لیے جب مطلقاً" یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے تو اس سے یہ وہم ہو گا کہ ان کو ذاتی اور مستقل طور پر علم الغیب ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً" جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمتہ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۷۴ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

دوسری طرف قرآن مجید کی متعدد آیات اور بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عموماً" اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً" غیب کا علم دیا گیا ہے اس لیے ان میں تطبیق کے لیے بعض علماء نے یہ کہا کہ یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کیے گئے ہیں (واضح رہے کہ یہ علوم اللہ کے اعتبار سے بعض ہیں) علامہ آلوسی نے کہا یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم دیا گیا یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے علماء دیو بند نے اس کی یہ تعبیر کی انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں بہرحال اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور ان کو بلاواسطہ اطلاع دی گئی ہے اور امت کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اب ہم اس کے ثبوت میں مستند مفسرین کی عبارات نقل کر رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کے متعلق علماء امت کی تصریحات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کو علم ہے حتیٰ کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے نیز اس سے پہلے امام رازی نے لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۸۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علم الغیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے سو اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بہ خود بغیر واسطہ وحی کے معلوم نہیں ہوتا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۴۴۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا' منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا اور کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور وراثت ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے' اور انبیاء علیہم السلام کو بلاواسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے۔ اس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور' کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً ”علم غیب“ نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۲۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۴ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا' کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ خبر صادق' حواس سلیمہ اور عقل' اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس ترجمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ منتخب رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ صحیح ہے وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) ایسے امور غیبیہ پر تم کو (بلاواسطہ ابتلاء و امتحان کے) مطلع نہیں کرنا چاہتے لیکن ہاں

جس کو (اس طرح مطلع کرنا) خود چاہیں اور (ایسے حضرات) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب اور علم ماکان ومایکون کے متعلق احادیث

نبی ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اس پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا جب آپ سے زیادہ سوالات کیے گئے تو آپ غضبناک ہوئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے' دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے' جب حضرت عمر نے آپ کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۔۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ فرمانا مجھ سے جو چاہو سوال کرو یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر سوال کے جواب کا علم عطا فرمایا ہو خواہ احکام شرعیہ سے متعلق سوال کیا جائے یا ماضی اور مستقبل کی خبروں کے متعلق سوال کیا جائے یا اسرار تکوینیہ کے متعلق سوال کیا جائے اور صحابہ کرام نے اس کو عموم پر ہی محمول کیا تھا اس لیے دو اصحاب نے آپ سے اپنے نسب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان ومایکون کی خبریں دی سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۱۷' رقم الحدیث ۲۸۹۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی ﷺ کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے' نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

طلب علم' تجارت' نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے' نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بہ طریق اولیٰ کفر ہوگا۔

(شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۱-۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہوا بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہوا بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عز الدین بن جماعہ الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں :

امام ابو سعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کیے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی' اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے' اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے' تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے پچھلے عملوں سے فارغ ہو گئے' اب از سر نو عمل شروع کرو' اور اس کو اس کے خاندان کے ستر نفوس کے حق میں شفاعت کرنے والا بنایا جائے گا۔ (اخبار مکہ ج ۲ ص ۵-۴)

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۱۶۔ ۲۲۱۵' رقم الحدیث ۲۸۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۹۵' رقم الحدیث ۴۲۵۲' مطبوعہ بیروت' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۷۔۵۸۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے لیے آنے میں دیر کی حتیٰ کہ عنقریب ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی' پھر آپ نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو' پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم سے یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لیے آنے میں کیوں دیر ہو گئی' میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آ گئی' پھر مجھے گہری نیند آ گئی اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا' رب تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں' فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا' آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ الحدیث الی قولہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۹۔ ۳۶۸' رقم الحدیث ۳۲۳۵' مطبوعہ بیروت' ج ۲ ص ۱۵۵' فاروقی کتب خانہ ملتان' و مطبع مجتبائی پاکستان و کتب خانہ رحیمیہ دیوبند انڈیا' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸' ج ۴ ص ۶۶' العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۲۱۔ ۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا' میرے رب نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے رب میں نہیں جانتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۷' رقم الحدیث ۳۲۳۴' مطبوعہ بیروت' ج ۲ ص ۱۵۶' فاروقی کتب خانہ ملتان' و مطبع مجتبائی پاکستان' و کتب خانہ رحیمیہ دیوبند انڈیا' تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۷۵۔ ۱۷۳' نشر السنۃ ملتان)

یہ حدیث حضرت عبد الرحمن بن عائش سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے سنن دارمی ج ۲ ص ۵۱' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۔۷۸' جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۱۶۲' الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو امام ابن خزیمہ اور امام ابونعیم کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ الاصابہ ج ۲ ص ۳۹۹۔ ۳۹۷' الطبقات الکبری ج ۷ ص ۱۵۰' زاد المسیر ج ۱ ص ۱۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۲۵ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

اس حدیث کے مزید حوالہ جات شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶۔ ۳۱۴ اور ج ۵ ص ۱۱۶۔ ۱۱۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

جو لوگ ان چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ان کے حق میں

خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

بہتر ہے بلکہ وہ ان کے حق میں بہت بُرا ہے عنقریب انکے گلے میں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر ڈالا جائے گا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

تھے۔ آسمانوں اور زمینوں کا اللہ ہی وارث ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بخل کرتے ہیں ان کے لیے شدید وعید بیان فرمائی ہے۔

بخل کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں :

بخل کرم کی ضد ہے۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۴۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

جس مال کو جمع کرنے کا حق نہ ہو اس کو خرچ نہ کرنا بخل ہے' اس کا مقابل جود ہے' بخیل اس شخص کو کہتے ہیں جو بہ کثرت بخل کرے' بخل کی دو قسمیں ہیں' اپنے مال میں بخل کرنا' اور غیر کے مال میں بخل کرنا اور یہ زیادہ مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (النساء : ۳۷)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں' اور اللہ نے اپنے فضل سے جو ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(المفردات ص ۳۸' مطبوعہ کتاب فروشے مرتضوی' ۱۳۶۲ھ)

بخل کا شرعی معنی اور اس کی اقسام

بخل کرم اور جود کی ضد ہے' بغیر عوض کسی کو مال دینے سے منقبض اور تنگ ہونے کو بخل کہتے ہیں یا کوئی شخص اس وقت مال خرچ نہ کرے جب اس مال کو خرچ کرنے کی ضرورت اور اس کا موقع اور محل ہو' عرب کہتے ہیں بخلت العین بالدموع آنکھوں نے آنسوؤں میں بخل کیا اور جب آنسو بہانے کا وقت تھا اس وقت آنسو نہیں بہائے۔

تحقیق یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا واجب ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے' اور جہاں خرچ نہ کرنا واجب ہو وہاں خرچ کرنا اسراف اور تبذیر ہے اور ان کے درمیان جو متوسط کیفیت ہے وہ محمود ہے اس کو جود اور سخا کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا

اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ ملامت زدہ تھکا ہارا بیٹھا رہے۔

(الاسراء : ۲۹)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ (الفرقان : ۶۷)

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

خرچ کرنا شرعاً" واجب ہوتا ہے یا عرف اور عادت کے اعتبار سے' زکوۃ' صدقہ فطر' قربانی' حج' جہاد اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا شرعاً" واجب ہے' جو ان پر خرچ نہ کرے وہ سب سے بڑا بخیل ہے اور دوستوں' رشتہ داروں اور ہمسایوں پر خرچ کرنا عرف اور عادت کے اعتبار سے واجب ہے جو ان پر خرچ نہ کرے وہ اس سے کم درجہ کا بخیل ہے اور بخل کی ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تو خرچ کرتا ہے لیکن نفلی صدقات' عام فقراء اور مساکین اور سائلین اور رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ نہیں کرتا اور باوجود وسعت ہونے کے اپنا ہاتھ روک کر رکھتا ہے اور پیسے گن گن کر رکھتا ہے یہ بخل کی تیسری قسم ہے لیکن یہ پہلے دو درجوں سے کم درجہ کا بخل ہے۔

بخل کی مذمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل : ۱۰-۸)

اور جس نے بخل کیا اور (تقوی سے) بے پرواہ رہا اور اس نے نیکی کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اس کے لیے تنگی کا راستہ مہیا کر دیں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (التوبہ : ۷۶)

تو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی در آں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد : ۳۸)

ہاں تم وہی لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (الحدید : ۲۴)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جس نے اعراض کیا تو اللہ بے نیاز ہے ستائش کیا ہوا۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (النساء : ۳۷)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں' اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا

ہر طعنہ دینے والے اور چغلی کرنے والے کے لیے عذاب

وَعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۡ ۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـــِٕدَةِ ۭ (الهمزة: ۱-۶)

ہے' جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور چورا چورا کرنے والی میں پھینک دیا جائے گا۔ اور آپ کو (ازخود) کیا پتا کہ چورا چورا کرنے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (التوبہ: ۳۵-۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سب کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں' ان کے پہلو' اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا سو اپنے جمع کیے ہوئے کا مزہ چکھو۔

بخل کی مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی' قیامت کے دن وہ مال ایک موٹا اور گنجا سانپ بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے' پھر اس شخص کو وہ سانپ اپنے دو جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں اور تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ولا یحسبن الذین یبخلون۔ الایۃ (آل عمران: ۱۸۰)

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۴۰' رقم الحدیث ۱۴۰۳' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر روز فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۴۳' رقم الحدیث ۱۴۴۲' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت مرتبہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! میں پریشانی' غم' عاجز ہونے' سستی' بخل' بزدلی' قرض کی زیادتی اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۰۵' رقم الحدیث ۲۸۹۳' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بخیل اور صدقہ کرنے والے کی ایک مثال بیان فرمائی' ان کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے لوہے کی دو زرہیں پہنی ہوئی ہیں جو ان کی چھاتیوں سے ہنسلیوں اور ان کے ہاتھوں تک ہیں' جب صدقہ کرنے والا صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ اس سے ڈھیلی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کا نشان مٹ جاتا ہے اور جب بخیل کسی چیز کے صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ تنگ ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۷۴' رقم الحدیث ۵۷۹۷' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

سخی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے پوری زرہ پہنی اور وہ اس کے جسم پر پھیلتی رہی حتی کہ اس نے پورے بدن کو چھپالیا' اور زرہ نے اس کو محفوظ کرلیا اور بخیل کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دونوں ہاتھ طوق بنے ہوئے ہیں جو اس کے سینہ کے سامنے ابھرے ہوئے ہیں۔ جب وہ زرہ پہننے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور اس زرہ کو بدن پر پھیلنے نہیں دیتے اور وہ اس کی گردن میں اکٹھی ہو کر اس کی ہنسلیوں سے چمٹ جاتی ہے اور اس کے لیے وبال جان اور بوجھ بن جاتی ہے' اور اس کے بدن کی حفاظت نہیں کرتی' خلاصہ یہ ہے کہ سخی جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ فراخ ہو جاتے ہیں اور بخیل جب کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ کوتاہ ہو جاتے ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صدقہ کرنے سے مال بڑھنے اور بخل سے مال کم ہونے کی مثال ہو اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سخی پر اللہ دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے جس طرح یہ زرہ اس کے جسم کو چھپالیتی ہے اور بخیل کے عیوب دنیا اور آخرت میں کھل جاتے ہیں جس طرح یہ زرہ اس کے گلے میں سکڑ کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور اس کا باقی جسم برہنہ ہو جاتا ہے۔

امام خرائطی متوفی ۳۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی کی لغزش سے درگزر کرو کیونکہ وہ جب بھی لڑکھڑاتا ہے تو اللہ اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے۔

(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۰' مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر' ۱۴۱۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ اونٹ والا جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن اس کے اونٹ بہت فربہ ہو کر آئیں گے اور ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور اونٹ اس کو اپنی ٹانگوں اور کھروں کے ساتھ روندتے ہوئے گزر جائیں گے' اور جو گائے والا گائے کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن وہ گائیں بہت فربہ ہو کر آئیں گی' ان کے سامنے چٹیل میدان میں ان کے مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور پیروں سے کچلتی ہوئی گزر جائیں گی' اور جو بکریوں والا بکریوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ بکریاں قیامت کے دن بہت فربہ ہو کر آئیں گی ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور کھروں سے روندتی ہوئی گزر جائیں گی' اس دن ان میں نہ کوئی بغیر سینگ کے ہوگی نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوا ہوگا' اور جو خزانہ والا خزانہ میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کا خزانہ گنجے سانپ کی شکل میں منہ کھولے اس کے پیچھے دوڑے گا' خزانہ کا مالک بھاگے گا تو ایک منادی آواز دے کر کہے گا اپنا خزانہ لے لو' ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے' جب خزانہ کے مالک کو کوئی چارہ نظر نہیں آئے گا تو وہ اس سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈال دے گا' اور سانپ اونٹ کی طرح اس کے ہاتھ کو چبائے گا' راوی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹنی کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کے موقع پر اس کا دودھ دوہنا (تاکہ لوگ اس کو پئیں) اور ڈول دینا' اور نر اونٹ کو جفتی کے لیے عاریتہ "دینا' اور اونٹنی کو دودھ پینے کے لیے (ضرورت مندوں کو) دینا اور راہ خدا میں اس پر لوگوں کا مال لادنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸۴' رقم الحدیث: ۹۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تنگ دلی کرنے سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے لوگ تنگ دلی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' اس تنگ دلی نے ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کیا اور اس نے ان کو قطع تعلق کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے قطع تعلق کیا اور اس نے ان کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا تو انہوں نے جھوٹ بولا۔

ہم نے الشح کا ترجمہ تنگ دلی کیا ہے کیونکہ حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ شح منع کرنے میں بخل سے زیادہ بلیغ ہے' شح بہ منزل جنس ہے اور بخل بہ منزلہ نوع ہے شح انسان کی طبیعت اور جبلت کی طرف سے وصف لازم کی طرح ہے اور بعض نے کہا کہ بخل صرف مال میں ہوتا ہے اور شح مال اور نیکی دونوں میں ہوتا ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہی مال ہے جو زبیر نے اپنے گھر میں رکھا ہے کیا میں اس میں سے دیا کروں؟ آپ نے فرمایا دیا کرو اور تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ تم پر بھی بندش کر دی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے مساکین یا صدقہ کو گننے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیا کرو اور گنا نہ کرو ورنہ تم کو بھی گن کر دیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۔۱۳۷' رقم الحدیث ۱۷۰۰' ۱۶۹۹' ۱۶۹۸' مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کا بد ترین خلق گھبراہٹ پیدا کرنے والا بخل ہے (یعنی کسی کو دینے سے دل گھبراتا ہو) اور بے شرمی والی بزدلی ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۲' رقم الحدیث ۲۵۱۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۳ھ)

ابو امیہ شعبانی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ثعلبہ خشنی سے پوچھا کہ تم "علیکم انفسکم" المائدہ: ۱۰۵ "تم (صرف) اپنی جانوں کی فکر کرو" کی کیا تفسیر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا' آپ نے فرمایا: نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو حتی کہ تم جب یہ دیکھو کہ بخل کی موافقت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ذو رائے اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے تو تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہوں گے' ان میں صبر کرنا انگاروں کو پکڑنے کی مثل ہے اور ان ایام میں (نیک) عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے (نیک) عمل کا اجر ملے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۱۲۱' رقم الحدیث ۴۳۴۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بد خلقی' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دھوکا دینے والا' احسان جتلانے والا اور بخیل جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۳۴۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۳۔ ۱۹۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے اچھے لوگ تمہارے حاکم ہوں اور

تمہارے مال دار سخی ہوں' اور تمہارے باہمی امور مشاورت سے ہوں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے زمین کے نیچے دفن ہونے سے بہتر ہے' اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے حاکم ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے نیچے دفن ہونا تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنے سے بہتر ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۲۹' رقم الحدیث ۲۲۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو' عرض کیا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا : اللہ کے ساتھ شرک کرنا' بخل کرنا (ایک روایت میں سحر ہے) ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا' پاک دامن' مومن بھولی بھالی عورتوں کو تہمت لگانا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قرب قیامت میں) احکام میں سختی زیادہ ہو گی' اور دنیا سے صرف بدبختی زیادہ ہو گی' اور لوگوں میں صرف بخل زیادہ ہو گا' اور قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہو گی اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی ہدایت یافتہ نہیں ہو گا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۰' رقم الحدیث ۴۰۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو گا اور کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل جمع نہیں ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھ رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو پکڑنے لگے' پھر آپ پیچھے ہٹے اور لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے' جب آپ نے نماز پڑھ لی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ نے نماز میں ایک کام کیا جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے آپ نے فرمایا مجھ پر جنت پیش کی گئی اس میں چمک اور تروتازگی تھی۔ میں نے تمہارے پاس لانے کے لیے انگوروں کا ایک گچھا پکڑا تو میرے اور اس کے درمیان ایک چیز حائل کر دی گئی' اگر میں اس کو لے آتا تو اس کو آسمان اور زمین کے درمیان کھایا جاتا اور اس میں کچھ کمی نہیں ہوتی' پھر میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی جب میں نے اس کی تپش دیکھی تو میں اس سے پیچھے ہٹا' اور میں نے دوزخ میں ان عورتوں کو دیکھا جن کو کوئی راز بتایا جاتا تو وہ اس کو افشاء کر دیتیں' ان سے سوال کیا جاتا تو وہ بخل کرتیں اور جب وہ خود سوال کرتیں تو گڑگڑا کر کرتیں اگر ان کو کچھ دیا جاتا تو وہ اس کا شکر ادا نہ کرتیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۳۔ ۳۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کسی شخص کے گناہ گار ہونے

کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔ (مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۶ مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر ۱۴۱۱ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن آدم! اگر تو خرچ کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو بخل کرے تو یہ تیرے لیے بدتر ہے اور قدر ضروری پر تجھے ملامت نہیں کی جائے گی' اور اپنے اہل و عیال سے ابتداء کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے' اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۷' سنن کبری للبیہقی ج ۴ ص ۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ شخص مومن (کامل) نہیں ہے جو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو۔ (مستدرک ج ۴ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص کا غلام اس کے پاس جائے اور اس سے کسی فالتو چیز کا سوال کرے اور وہ اس کو نہ دے تو قیامت کے دن وہ فالتو چیز جس سے اس نے منع کیا تھا ایک گنجا سانپ بن کر اس کو اپنے جبڑوں سے چبائے گی۔ (سنن کبری للبیہقی ج ۴ ص ۱۷۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام فرماتے تھے جب تم سیر ہو تو بھوکے کو یاد کرو اور جب تم غنی ہو تو فقراء کو یاد کرو۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۲۴-۲۲۳' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ' رقم الحدیث ۳۳۹۳' ۳۳۹۰' ۳۳۸۹' ۳۳۸۶).

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حجر بن بیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کسی رشتہ دار کے پاس جا کر اس سے کسی فاضل چیز کا سوال کرے جو اس کو اللہ نے دی ہے اور وہ اس کو دینے سے بخل کرے تو وہ چیز قیامت کے دن آگ کا سانپ بن کر اس کے گلے میں طوق بن جائے گی اور اس کو اپنے جبڑوں سے چبائے گی' پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ (آل عمران : ۱۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک سانپ ان (بخلاء) میں سے کسی ایک کے سر کو ٹھو کلا کرے گا اور کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کا مال ایک سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کے سر کو ٹھو کلا کرے گا اور کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا پھر اس کی گردن پر لپٹ جائے گا۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اپنے قرابت داروں کو اس کا حق دینے سے منع کرے جو اللہ نے اس کے مال میں ان کا حق رکھا ہے پھر اس مال کو سانپ بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا وہ شخص کہے گا تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے وہ سانپ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۸-۱۲۷' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۱۲ھ (یہ امام احمد اور امام بخاری کے اصحاب میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں میں اپنے اصحاب کے ساتھ ابوسنان رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے گیا' جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پڑوسی کی

تعزیت کے لیے جائیں اس کا بھائی فوت ہو چکا ہے جب ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ اپنے بھائی پر زار و قطار رو رہا تھا' ہم نے اس کو تسلی دی اور تعزیت کی لیکن اس کو قرار نہیں آیا' ہم نے اس سے کہا تم کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے' اس نے کہا یہ ٹھیک ہے میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بھائی کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے' ہم نے کہا کیا تم کو اللہ نے غیب پر مطلع کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! لیکن جب میں نے اس کو دفن کیا اور اس پر مٹی برابر کی' اور لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک میں نے یہ آواز سنی' آہ انہوں نے مجھے اکیلے بٹھا دیا ہے اور میں عذاب برداشت کر رہا ہوں' حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا' مجھے اس کے کلام نے رلا دیا' میں نے قبر سے مٹی کھود کر ہٹائی تاکہ اس کا حال دیکھوں' اس وقت اس کی قبر آگ سے بھڑک رہی تھی' اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا تھا' بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر میں نے اس کی گردن سے طوق نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میری انگلیاں اور ہاتھ جل گیا' پھر اس نے ہمیں اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا جو جل کر سیاہ ہو چکا تھا' اس نے کہا میں نے قبر پر دوبارہ مٹی ڈال دی اور لوٹ آیا' ہم نے پوچھا تمہارا بھائی دنیا میں کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا' ہم نے کہا یہ اس آیت کی تصدیق ہے ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ھو خیر الھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ (آل عمران : ۱۸۰) تمہارے بھائی کو قیامت کا عذاب قبر میں جلدی دے دیا گیا۔

(الکبائر ص ۴۰-۳۹ مطبوعہ دار الفد العربی قاہرہ' والزواجر ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ وقف لازم

بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنھوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں،

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ

عنقریب ہم ان کا قول لکھ لیں گے اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (بھی لکھ لیں گے) اور ہم کہیں گے

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ

کہ دوزخ کی آگ کا عذاب چکھو ○ یہ تمہارے (ان اعمال کی) سزا ہے جو تم نے پہلے اپنے ہاتھوں سے کیے

اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ

تھے، اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے

عَهِدَ اِلَيْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ

کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے

النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ

آپ کہیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر آئے اور تمہاری کہی ہوئی

قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ

نشانی (بھی) لے کر آئے تھے تو اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے ○ سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں

فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ

تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب

الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ

لے کر آئے تھے ○ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ

کے دن ہی دی جائے گی، سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب

فَازَ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبۡلَوُنَّ فِىۡۤ

ہے، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے ○ بیشک تم اپنی جانوں اور

اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ۖ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ

مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور

مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا

مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرتے رہے اور

وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

اسلام کے نظام زکوٰۃ پر یہودیوں کا اعتراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المدراس گئے آپ نے دیکھا وہاں بہت سے یہودی فنحاس کے گرد جمع تھے۔ یہ شخص یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاس سے کہا اے فنحاس! تم پر افسوس ہے' تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو' تم کو معلوم ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' وہ اللہ کے پاس سے وہ دین برحق لے کر آئے ہیں جس کو تم تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو' فنحاس نے کہا بہ خدا اے ابو بکر ہمیں اللہ کی کوئی حاجت نہیں ہے' بلکہ اللہ ہمارا محتاج (فقیر) ہے' ہمیں اس سے فریاد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ہم سے فریاد کرتا ہے اور ہم اس سے مستغنی (غنی) ہیں' اگر اللہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسا کہ تمہارے پیغمبر کہتے ہیں' وہ ہم کو ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو سود (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر زیادہ اجر) دیتا ہے' اگر اللہ غنی ہوتا تو ہم کو سود نہ دیتا' حضرت ابو بکر یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فنحاس کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ مارا' اور فرمایا بہ خدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا' فنحاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حضرت ابو بکر کی شکایت کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے پوچھا تم نے اس کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟ حضرت ابو بکر نے بتایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اور کہا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اس وجہ سے میں نے غضبناک ہو کر اس کو تھپڑ مارا' فنحاس نے اس کا انکار کیا اور کہا میں نے یہ نہیں کہا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے فنحاس کے رد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی : بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہودیوں کے اعتراض مذکور کا جواب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا' اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف یہودیوں کے شبہات کے جواب دیئے ہیں ان کا ایک شبہ یہ تھا اللہ مسلمانوں سے قرض مانگتا ہے اور اس پر اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور یہ بعینہ سود ہے وہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے' نیز اس کا قرض مانگنا اس کی احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس خدا کی دعوت دے رہے ہیں وہ عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے وہ جو چاہے حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' نیز اللہ تعالیٰ کے قرض مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی سربلندی اور ناداروں اور مسکینوں کی مدد کے لیے اصحاب ثروت خرچ کریں اور وہ جو کچھ دنیا میں خرچ کریں گے اللہ ان کو دس گنا' سات سو گنا' یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا' نیز مال انسان کو طبعاً محبوب ہوتا ہے اور جب وہ اللہ کے حکم پر مال خرچ کریں گے تو ان کے دعویٰ ایمان کا سچا ہونا ثابت ہو گا' نیز مال کو خرچ کرنے سے انسان کے دل سے مال کی محبت کم ہو گی اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو گی' غریبوں اور مسکینوں کی محبت اور ان کی دعائیں حاصل ہوں گی اور یہ بہت عظیم نفع ہے۔

مخالف کے طعن کے جواب میں اس پر طعن کر کے اس کو ساکت کرنا

فنحاس یہودی نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے بر سبیل الزام یہ کہا تھا کہ اسلام کے نظام زکوۃ اور صدقہ و خیرات کے احکام سے اللہ کا فقیر ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے ان پر بر سبیل الزام فرمایا پھر تم نبیوں کو

ناحق کیوں قتل کرتے تھے اور ایک مسلم برائی بیان فرما کر ان پر گرفت فرمائی ہر چند کہ قتل ان کے آباؤ اجداد نے کیا تھا لیکن یہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اس لیے ان کو اس فعل کا مخاطب کیا گیا' اس آیت سے معلوم ہوا کہ معترض کے جواب کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اس کے اعتراض کے جواب میں اس کے مسلم عیب اور نقص کو بیان کر کے اس کو ساکت کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلام کفر ہے

فنحاس یہودی کا یہ عقیدہ اور نظریہ نہیں تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' بلکہ اس نے اسلام کے نظام زکوۃ پر اعتراض کرتے ہوئے بہ طریق الزام یہ کہا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو تھپڑ مارا اور اس کو واجب القتل قرار دیا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی ہتک آمیز جملہ خواہ بہ طریق الزام کہا جائے یا بہ طریق عقیدہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور کفر ہے اور اس کا قائل موجب قتل ہے۔

علامہ اقبال ایشیا کے عظیم شاعر انقلاب ہیں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ ہندوستان کے غلام مسلمانوں میں آزادی کا شعور پیدا کیا فرنگی تہذیب سے نفرت دلائی اور اسلام کی عظمت کو جاگزیں کیا لیکن ان کے بعض اشعار بارگاہ الوہیت میں بہت گستاخانہ ہیں۔

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

(کلیات اقبال ص ۱۳۱' الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

واضح رہے کہ جواب شکوہ' شکوہ کے گستاخانہ اشعار سے رجوع اور توبہ نہیں ہے' رجوع تب ہوتا جب ان اشعار کو کتاب سے نکال دیا جاتا۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(کلیات اقبال ص ۲۴۰' مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

خود ڈاکٹر اقبال کو بھی بارگاہ الوہیت میں اپنی گستاخیوں کا احساس تھا وہ کہتے ہیں۔

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

(کلیات اقبال ص ۲۵۲' مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

اسرار خودی کے مقدمہ میں ڈاکٹر اقبال نے حافظ شیرازی کی بہت ہجو کی تھی لکھا تھا :

الحذر از محفل حافظ الحذر
الحذر از گوسفنداں الحذر

حافظ شیرازی کے چاہنے والوں نے اس کے جواب میں ڈاکٹر اقبال کی بہت مذمت کی اور ان کی ہجو میں بہت اشعار لکھے ایک شعر یہ تھا :

الحذر از بد سگالاں الحذر
الحذر از شغالاں الحذر

چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے اسرار خودی کے مقدمہ سے حافظ شیرازی کی ہجو والے تمام اشعار نکال دیئے' میں سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں حافظ کے چاہنے والے تو تھے خدا کا چاہنے والا کوئی نہ تھا ورنہ ڈاکٹر اقبال' اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ اشعار کو بھی نکال دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' اللہ تعالیٰ کی شان میں فقیر کا لفظ نہ سن سکے اور برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں بخیل کا لفظ خاموشی سے سن لیا حالانکہ بخیل کے لفظ میں فقیر کی بہ نسبت زیادہ توہین ہے۔ شاید اس زمانہ میں صدیق اکبر کی طرح غیرت مند کوئی مسلمان نہیں تھا!

حضرت ابوبکر کی تصدیق معراج کا صلہ

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (الی قولہ) صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا وہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گزشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس آ گئے ہیں' اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں! اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں آپ آسمانوں سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی دن سے حضرت ابوبکر کا نام صدیق پڑ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

جب تمام مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کا انکار کر رہے تھے تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی اور جب فنحاص اللہ تعالیٰ کو فقیر کہہ کر منکر ہو گیا اور سب یہودی حضرت ابوبکر کی تکذیب کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی تصدیق کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حضرت ابوبکر نے تصدیق کی تھی اس کا بدلہ اتار دیا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے۔ (آل عمران : ۱۸۳)

پچھلی امتوں میں قربانی' صدقات اور مال غنیمت کو آسمانی آگ کا کھا جانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ یہودیوں کا دوسرا طعن ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے نبیوں کی شریعت میں قربانی' صدقات اور مال غنیمت کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ ان کو ایک آگ آ کر کھا جاتی تھی اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کی قربانی کو بھی آگ کھا جاتی!

قربان اس نیکی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے' اس کا مصدر قرب ہے' اور قرب سے قربان اسی طرح بنا ہے جس طرح کفر سے کفران' اسی طرح رجحان اور خسران ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

عطا بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل اللہ کے لیے جانور ذبح کرتے اور اس میں سے عمدہ گوشت نکال کر گھر کے وسط میں رکھ دیتے' گھر کی چھت کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر ان کے نبی علیہ السلام کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرتے اور بنو اسرائیل گھر کے

گرد کھڑے ہوتے تھے، پھر آسمان سے بغیر دھوئیں کے صاف آگ اترتی اور اس قربانی کو کھا جاتی تھی۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پچھلی امتوں میں) ایک شخص صدقہ کرتا تھا اگر وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو آسمان سے آگ اتر کر اس کو کھا جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ در المنثور ج ۲ ص ۴۰۶، مطبوعہ ایران)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں کوئی شخص قربانی سے تقرب حاصل کرتا تو لوگ نکل کر دیکھتے کہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے یا نہیں اگر اس کی قربانی قبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آکر اس کو کھالیتی، اگر اس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ آکر نہیں کھاتی تھی۔

حافظ جلال الدین نے ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے کہ پچھلی امتوں میں رسول دلائل لے کر آتے اور ان کی نبوت کی علامت یہ تھی کہ وہ گائے کے گوشت کو اپنے ہاتھ پر رکھتے پھر آسمان سے آگ آکر اس کو کھالیتی۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۴۰۵، مطبوعہ ایران)

پچھلی امتوں پر مال غنیمت کا کھانا بھی حلال نہیں تھا اور آسمانی آگ آکر مال غنیمت کو کھا جاتی تھی البتہ اگر کوئی شخص خیانت کر کے مال غنیمت سے کوئی چیز نکال لیتا تو پھر آسمانی آگ نہیں آتی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی نے جہاد کیا اور اپنی امت سے فرمایا جس شخص نے نکاح کیا ہو اور وہ اپنی بیوی سے عمل ازدواج کرنا چاہتا ہو، جب کہ ابھی تک اس نے یہ عمل نہ کیا ہو اور جس نے گھر بنایا ہو اور ابھی اس کی چھت نہ ڈالی ہو، اور جس شخص نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچوں کی پیدائش کا انتظار کر رہا ہو، یہ سب لوگ ہمارے ساتھ نہ جائیں، اس نبی نے عصر کی نماز یا اس کے قریب وقت تک جہاد کیا، پھر اس نے سورج سے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اے اللہ! اس کو ہم پر روک دے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو فتح عطا فرمائی، پھر تمام مال غنیمت جمع کیا گیا، آگ آئی اور اس نے مال کو نہیں کھایا اس نبی نے فرمایا تم میں کوئی خیانت کرنے والا ہے، ہر قبیلہ کا ایک شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے، ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا، انہوں نے کہا تم میں کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے، تمہارے قبیلے کا ہر شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے، پھر اس قبیلہ کے دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا، انہوں نے فرمایا تم میں خیانت ہے، تب وہ سونے کی بنی ہوئی گائے کا سر لائے، انہوں نے مال غنیمت میں سونے کا وہ سر رکھا تو آگ نے اس کو کھا لیا پھر اللہ نے ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا، اللہ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھ کر اس کو حلال کیا۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۸۲، رقم الحدیث ۳۱۲۴، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں ہوا، آسمان سے ایک آگ آ کر اس کو کھالیتی تھی۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۷۲، رقم الحدیث ۳۰۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن کبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۳۵۲ طبع بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے تورات میں یہ دیکھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو خود کھائے گی اور ان سے پہلے جب کوئی اپنا صدقہ نکالتا تھا تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتا تھا وہ اس کو کھالیتی تھی، اگر وہ صدقہ قبول نہیں ہوتا تھا تو وہ آگ اس کے قریب نہیں جاتی تھی، اے اللہ! اس امت کو میری امت بنا دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الوفا لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۹، طبع فیصل آباد پاکستان، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۶۸، سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۰ ص ۴۲۶)

تورات میں لکھا ہے:

اور خداوند کے حضور سے آگ نکلی اور سوختنی قربانی اور چربی کو مذبح کے اوپر بھسم کر دیا۔

(احبار: باب ۹، آیت: ۲۴، تورات ص ۱۰۲، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب

یہود کا یہ کہنا کہ سچے نبی کی صرف یہ علامت ہے کہ اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو آسمانی آگ کھا جائے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت میں ید بیضا اور اژدھے کا معجزہ پیش کیا تھا، نیز قربانی کو آسمانی آگ کا کھا جانا اس لیے نبوت پر دلیل ہے کہ وہ ایک امر خلاف عادت ہے اور معجزہ ہے سو جو امر خلاف عادت پیش کیا جائے اس کی بناء پر دعویٰ نبوت کی تصدیق واجب ہے اور یہود کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار امور خلاف عادت پیش کیے تو ان پر اس کی تصدیق کرنا واجب ہے، نیز اس سے پہلے بہت سے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ بھی پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آسمانی آگ کھا گئی تھی۔ اس کے باوجود یہود ان پر ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ کہئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر اور تمہاری کہی ہوئی نشانی (بھی) لے کر آئے اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ (آل عمران: ۱۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کا بیان

اس آیت میں آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ آپ کے اس قول کی تکذیب کریں کہ پہلے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آگ نے کھالیا تھا پھر بھی یہودیوں نے ان کو نہیں مانا ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کر دیا، تو آپ غم نہ کریں یا اگر یہ آپ کی نبوت اور رسالت کو نہیں مانتے اور بے شمار معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ افسوس نہ کریں ہمیشہ سے کفار اور منکرین بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں۔

بینات' زبر اور کتاب منیر کا معنی

بینات سے مراد دلائل اور معجزات ہیں' اور زبور سے مراد حکمت والی کتاب ہے' زبر کا معنی زجر و توبیخ بھی ہے' زبور کو اس لیے زبور کہتے ہیں کہ اس میں خلاف حق' باطل امور اور برائیوں پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور نصیحتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کتاب منیر سے مراد روشن کتاب ہے جس میں واضح احکام بیان کیے گئے ہوں' بینات سے مراد معجزات ہیں اور ان پر کتاب منیر کا عطف کیا گیا ہے اور عطف تغایر کا مقتضی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے معجزہ نہیں تھے' یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ وہ معجز ہے' آج تک کوئی اس کی نظیر لا سکا' نہ اس میں کمی یا زیادتی ثابت کر سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت کے دن ہی دی جائے گی۔ (آل عمران: ۱۸۵)

جنگ احد کی ہزیمت پر مسلمانوں کو تسلی دینے کا بیان

جنگ احد کی ہزیمت پر جو مسلمان رنجیدہ اور غمزدہ تھے اس آیت میں بھی گذشتہ آیات کی طرح ان کو تسلی دی گئی ہے اور منافقوں کے طعن کا جواب دیا ہے' منافق یہ کہتے تھے کہ اگر اس جنگ میں ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا اور مسلمان شہر بند ہو کر لڑتے تو اس جنگ میں اس قدر مسلمان مارے نہ جاتے' اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اگر بہ فرض محال وہ مسلمان اس جنگ میں نہ مارے جاتے تب بھی انہوں نے ایک نہ ایک دن مرنا تھا' پہلے کوئی ہمیشہ زندہ رہا نہ اب ہمیشہ زندہ رہے گا' پھر تم ان مسلمانوں کے مرنے پر غم کیوں کرتے ہو! خصوصاً" اس لیے کہ وہ شہادت کی موت مرے ہیں اور شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی ان نعمتوں پر بہت خوش ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا میں ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر عطا فرمایا ہے' تم کو جنگ بدر میں فتح عطا کی' اور جب تک تم مکہ مکرمہ میں رہے تم کو کفار کے قتل کرنے سے بچائے رکھا حتی کہ تم ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے اور جہاد میں اللہ تم کو جو فتح و ظفر' مال غنیمت اور دشمن پر تسلط عطا فرماتا ہے' یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دنیا میں تھوڑا سا اجر ہے اس کا پورا پورا اجر تم کو قیامت کے دن دیا جائے گا' "توفیہ" کا معنی کسی چیز کو پورا پورا کرنا ہے' مومنوں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ تھوڑی ہیں ان کو پوری پوری نعمتیں آخرت میں دی جائیں گی۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(کتاب الزہد ص ۴۳' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ ۱۴۱۴ھ)

اسی طرح کفار کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوتا ہے یا ان کا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے یہ بہت تھوڑا عذاب ہے ان کو پورا پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا جو دائمی عذاب ہو گا۔

موت سے مستثنیٰ رہنے والے نفوس کا بیان

اس آیت پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ذات پر نفس کا اطلاق کیا ہے ارشاد ہے:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ   اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا

ہے۔ (الانعام : ۱۲)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر : ۶۸) اور صور پھونکا جائے گا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو موت نہیں آئے گی اور کچھ مخلوق ایسی ہو گی جو قیامت کے صور سے بھی صرف بے ہوش ہو گی مرے گی نہیں اور زیر بحث آیت کا تقاضا ہے کہ ہر نفس پر موت آئے حتیٰ کہ اللہ پر بھی اور ان پر بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے، اللہ تعالیٰ اور جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے (مثلاً انبیاء و شہداء) وہ اس آیت کے عموم سے مستثنیٰ ہیں، امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نفس سے مراد وہ مکلف ہیں جو دار تکلیف میں حاضر ہیں (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۲) لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ پھر بچوں اور دیوانوں پر موت نہ آئے، اسی طرح جمادات اور نباتات پر موت نہ آئے حالانکہ ان سب پر موت آئے گی، صحیح جواب وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کو طلب کرنے کے متعلق احادیث اور بحث و نظر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہونا چاہیے کہ اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے اور وہ جنت میں پہنچ جائے اور جو شخص دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے اس کے لیے یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اور جس نے اللہ کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے کے لیے دنیا سے تعلق رکھا اس کے لیے دنیا اچھی متاع ہے، اس آیت کے دو جز ہیں، ایک جہنم سے دوری اور جنت کا وصال اس کو کامیابی فرمایا ہے اور دنیا کی بے ثباتی ہے۔ پہلے جز کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے۔

(آل عمران : ۱۸۵)

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۳۳-۲۳۲، رقم الحدیث ۳۰۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ کی راہ میں صبح یا شام کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تم میں سے کسی ایک کے کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(کتاب الزہد ص ۲۹، ۲۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ)

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی دوزخ سے پناہ اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے :

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ جب عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر اس سے پناہ مانگتے اور جب بھی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر اس کی دعا کرتے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۶ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد بجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے اس حدیث کو حضرت عوف بن مالک اشجعی سے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۹ 'رقم الحدیث ۸۷۳ 'مطبوعہ دار الجیل بیروت 'مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۹ 'مطبوعہ بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا ہوتی تھی : اے اللہ! ہم تجھ سے تیری رحمت کے موجبات اور مغفرت کے موکدات کا سوال کرتے ہیں اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کے حصول کا اور جنت کی کامیابی کا' اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات کا' یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (علامہ ذہبی نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وجہ اللہ کے وسیلہ سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۱ 'رقم الحدیث ۱۶۷۱ 'مطبوعہ دار الجیل بیروت '۱۴۱۲ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! میں سستی' بڑھاپے' قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب' دوزخ کے فتنہ' قبر کے فتنہ' قبر کے عذاب' مال کے شر کے فتنہ' فقر کے شر کے فتنہ اور مسیح دجال کے شر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے' اے اللہ! میری (بہ ظاہر) خطاؤں سے میرے دل کو اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا جاتا ہے' اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۳۰۷ '۲۰۷۵ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۷۸ 'رقم الحدیث ۲۷۰۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' الجامع الصحیح ج ۵ ص ۵۲۵ 'رقم الحدیث ۳۴۹۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۵ 'مطبوعہ نور محمد کراچی' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۷ '۵۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اس دعا کی قرآن کی سورت کی طرح تعلیم دیتے تھے : اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۶۲ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد بن ابوبکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم

کی حدیث عائشہ میں ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۲۹۳ 'دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کا سوال کیا جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی جہنم کہتی ہے اے اللہ اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۷۰۰ ' رقم الحدیث ۲۵۷۲ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۵۳ ' رقم الحدیث ۴۳۴۰ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵ ' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۷۵ ' رقم الحدیث ۲۵۳۰ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹ ' ۱۵ ' مطبوعہ نشر السنہ ملتان ' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱ ' مطبوعہ بیروت ' تاریخ کبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۴۶ ' کنز العمال رقم الحدیث ۳۱۸۳)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا آپ نے اس کو عزت بخشی ' وہ آپ کے بلانے پر آیا تھا ' آپ نے اس سے فرمایا تم اپنی حاجت کا سوال کرو ' اس نے کہا ہمیں ایک اونٹنی دیجئے تاکہ ہم اس پر سوار ہوں اور ہمارے گھر والے اس کا دودھ دوہیں ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی مثل ہونے سے بھی عاجز ہو ' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! بنو اسرائیل کی بڑھیا کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اس کا کیا سبب ہے؟ تو علماء بنو اسرائیل نے کہا جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم اس وقت تک مصر سے نہ نکلیں جب تک کہ ان کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں ' حضرت موسیٰ نے پوچھا ان کی قبر کا کس کو علم ہے؟ تو انہوں نے کہا بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا کو اس کا علم ہے ' اس کو بلایا گیا وہ آئی تو حضرت موسیٰ نے کہا ہماری حضرت یوسف کی قبر کی طرف رہنمائی کرو ' اس بڑھیا نے کہا جب تک تم میری ایک بات نہیں مانو گے میں نہیں بتاؤں گی ' پوچھا تمہاری بات کیا ہے؟ اس نے کہا میں جنت میں تمہارے ساتھ رہوں ' حضرت موسیٰ نے اس کو یہ مرتبہ دینا مکروہ جانا ' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کو یہ مرتبہ دے دیں ' تب وہ ان کو ایک ایسی جگہ لے گئی جو سمندر کے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی ' اس بڑھیا نے کہا اس جگہ کو پانی سے خالی کرو ' سو اس جگہ کو خالی کیا گیا ' بڑھیا نے کہا اس جگہ کھدائی کرو ' پھر انہوں نے وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش کو نکالا ' جب انہوں نے ان کی نعش کو اوپر اٹھایا تو ان پر گم شدہ راستہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ (اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ کے رسول جنت عطا کرتے ہیں اور ان سے جنت کا سوال کرنا جائز ہے۔)

(مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۳۹۲ - ۳۹۱ ' رقم الحدیث ۷۲۱۸ ' مطبوعہ مؤسسہ علوم القرآن بیروت ' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام ابو یعلیٰ کی اس حدیث کی سند صحیح ہے ' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱ ' ناصر البانی نے بھی یہی لکھا ہے ' سلسلۃ الصحیحہ رقم : ۳۱۳ ' حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے ' المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲ ' ۵۷۱ ' ۴۰۵ ' ۴۰۴ ' امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۷۱ ' موارد الظمآن ص ۶۰۳ ' حافظ ابن حجر

عسقلانی نے بھی اس کو درج کیا ہے' المطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۷۷ 'امام طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے المعجم الاوسط ج ۸ ص ۳۶۹۔ ۳۶۸ 'مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض)

حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس بندہ نے سات بار جہنم سے پناہ مانگی جہنم دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو مجھ سے پناہ میں رکھ اور جس شخص نے سات بار جنت کا سوال کیا' جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اس کو مجھ میں سکونت عطا فرما' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یونس بن خباب ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱ 'مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع معتبر ہوتی ہے اور اس کی تائید میں ہم احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں نیز قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے پناہ کی دعا کی اور جنت کے حصول کی دعا کی :

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (الشعراء : ۸۷) اور حشر کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (الشعراء : ۸۵) اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جنت کو اس لیے طلب نہیں کرتے کہ اصل مقصود اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا دیدار جنت میں ہو گا سو جنت اللہ کے دیدار کا وسیلہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا وسیلہ ہے' سو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع باوجود وسیلہ ہونے کے مقصود ہے اسی طرح جنت بھی رضاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کے باوجود مقصود ہے' اور اللہ کی رضا جنت کے طلب کرنے میں ہے کیونکہ اس نے جنت کی طلب کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران : ۱۳۳) اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پہنائی آسمان اور زمینیں ہیں جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں مدینہ کے محبوب ہونے سے انکار نہیں لیکن مدینہ اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے' لیکن جس جگہ آپ کا جسد اطہر رکھا ہوا ہے وہ جنت ہے آپ نے فرمایا میرے منبر اور بیت کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱۰ مطبوعہ بیروت' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶ 'کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی مطلوب ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ جس جگہ آپ کا جسد اطہر ہے وہ جگہ کعبہ' جنت حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

ہم نے اس عنوان پر کافی طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بعض جعلی صوفی اور بناوٹی درویش جنت کی بہت تحقیر کرتے ہیں اور جنت طلب کرنے سے اپنا مقام بہت بلند سمجھتے ہیں' الٰہ العلمین! جنت تو بہت اعلیٰ اور ارفع مقام ہے ہم

جنت کے کب لائق ہیں اگر تو نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا تو تیرا یہ بھی ہم پر بہت بڑا کرم ہو گا' اے ارحم الراحمین! ہم تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں جنت کی طلب کرتے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم جنت کے اہل نہیں ہیں :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق آیات

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (الحدید : ۲۰)

یقین کرو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے' اور عارضی زینت اور ایک دوسرے پر فخرو برتری ہے اور مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے' اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس سے پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ (پیداوار) خشک ہو جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی' پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں (نافرمانوں کے لیے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لیے) اللہ کی مغفرت ہے' اور (اس کی) خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (آل عمران : ۱۴)

عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں' نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے لوگوں کی محبت کی خواہشوں کو مزین کر دیا گیا ہے' یہ دنیا کی زندگی کا (عارضی) سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (هود : ۱۶-۱۵)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہیں' ہم ان کو دنیا میں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں' اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا سڑک پار کرنے والے' اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو' اور جب صبح ہو تو تم شام کا انتظار نہ کرو (یعنی مسلسل نیک عمل کرتے رہو) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے لیے عمل کر لو' اور زندگی میں موت کے لیے عمل کر لو۔ (رقم الحدیث ۶۴۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور آخرت سفر کرتی ہوئی آ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں تو تم ابن الآخرت بنو ابن الدنیا نہ بنو' کیونکہ آج عمل کا موقع ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل کا موقع نہیں ہو گا۔ (رقم الحدیث ۶۴۲۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ منبر کی طرف گئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں' اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا' اور خدا کی قسم! بے شک میں اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں' اور بے شک مجھے روئے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں' اور خدا کی قسم! بے شک مجھے تمہارے متعلق ہرگز یہ خدشہ نہیں ہے کہ تم سب میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے' لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا' اور ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی' اور توبہ کرنے والے کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون اپنے اس مال کا وارث ہے جو اس کو اپنے مال میں بہت پسند ہو' صحابہ نے کہا ہم میں سے ہر شخص اپنے مال کو بہت پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور جو اس نے بچا کر رکھا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے (رقم الحدیث : ۶۴۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سامان کی کثرت غنیٰ نہیں ہے غنیٰ نفس کا استغناء ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان پر نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا اور آپ نے پتلی چپاتی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ فوت ہو گئے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے جس دن بھی دو قسم کے طعام کھائے تو ان میں ایک قسم کھجور تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم پر ایسا مہینہ آتا تھا کہ پورے مہینہ آگ نہیں جلتی تھی' ہم صرف کھجور کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے الا یہ کہ کبھی گوشت آ جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! آل محمد کو اتنا رزق دے جس سے رشتہ حیات برقرار رہ سکے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۶۰) (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲-۲۱۸' ملتقطاً "مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے آپ کی آل نے تین دن مسلسل گندم نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (رقم الحدیث : ۲۹۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون کا تیل پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ (رقم الحدیث: ۲۹۷۴)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتواں شخص تھا اور ہمارا طعام درخت کے پتوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بازار سے گزرے تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا' آپ چھوٹے کانوں والے ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے' آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون شخص اس کو ایک درہم کے بدلہ میں خریدنا پسند کرتا ہے' لوگوں نے کہا ہم اس کو کسی چیز کے بدلہ میں خریدنا پسند نہیں کرتے' ہم اس کا کیا کریں گے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟ لوگوں نے کہا بہ خدا اگر یہ زندہ ہوتا پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کے کان چھوٹے ہیں اور اب تو یہ مردہ ہے! آپ نے فرمایا بہ خدا اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی کم تر ہے۔ (رقم الحدیث: ۲۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں' دو لوٹ آتی ہیں اور ایک رہ جاتی ہے' اس کے ساتھ اس کے گھر والے' اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے' اس کا اہل اور اس کا مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل رہ جاتا ہے۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مالی اور جسمانی حالت میں افضل دیکھے تو فوراً اس شخص کو دیکھے جو اس سے کمتر ہو اور جس سے یہ افضل ہو۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۳)

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۸۳ ـ ۲۲۷۳' ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے' اس کے رہنے کے لیے گھر ہو' اس کا ستر ڈھانپنے کے لیے لباس ہو' روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو۔ (رقم الحدیث: ۲۳۴۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کون سا شخص سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں' اس نے کہا کون سا شخص سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔ (رقم الحدیث: ۲۳۳۰)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنا پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا' تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے (بندھے ہوئے) دو پتھر دکھائے۔ (رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جس کو یہ

مال حق کے ساتھ ملے اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے گی' بسا اوقات لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مال سے ناحق لے لیتے ہیں۔ ان کے لیے قیامت کے دن آگ کے سوا کچھ نہیں۔ (رقم الحدیث : ۲۳۷۵)

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۸۲۔ ۵۷۰' ملتقطا" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور دل آزار باتیں سنو گے' اور اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (آل عمران : ۱۸۶)

کافروں اور بے دینوں کی زیادتیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ فرما کر تسلی دی تھی کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ آیت بھی تسلی کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' اور یہ بیان فرمایا کہ جس طرح کفار اور مشرکین نے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچائی تھی' اسی طرح مستقبل میں بھی یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچا کر' ان کے خلاف سازشیں کر کے اور دل آزار باتیں کر کے انہیں ایذاء پہنچائیں گے' اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ان مصائب کے لیے تیار رکھیں اور تکلیفیں برداشت کرنے اور مشقتیں جھیلنے کا خود کو عادی بنائیں' اور جب انسان کو پہلے سے یہ پتہ چل جائے کہ اس پر مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لیے وہ مصیبت آسان ہو جاتی ہے' سو اللہ تعالیٰ کا ان کو پہلے سے آنے والی مصیبتوں پر خبردار کرنا بھی ان پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔

ان آنے والے مصائب کے متعلق بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد مال کی کمی اور جہاد میں قتل ہونا اور زخمی ہونا ہے' اور اس سے کافروں اور مشرکوں کی دل آزار باتیں بھی مراد ہے' اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس جانی اور مالی نقصان اور کفار کے طعن و تشنیع پر صبر کریں اور ان کی ایذاء کا جواب ایذا رسانی سے نہ دیں کیونکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے کافر مسلمان ہو جائیں گے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف : ۳۵)
آپ صبر کیجئے جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰمٓ السجدة : ۳۴)
نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' آپ بدی کو بہترین طریقہ سے دفع کیجئے' تو آپ کے اور جس شخص کے درمیان عداوت ہے تو وہ گویا آپ کا خیر خواہ اور دوست ہو جائے گا۔

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری : ۴۰)
سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (الشوری : ۴۳)
اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو الحارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس سواری پر فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے' یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے' آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا تھا' اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا' اس مجلس میں مسلمان' مشرک' بت پرست اور یہودی سب ہی لوگ تھے' اور مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی تھے' جب اس مجلس پر اس سواری کا غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا اور پھر کہا ہم پر غبار نہ اڑاؤ' رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا' پھر آپ ٹھیر گئے اور سواری سے اترے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی' اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی' عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا جو آپ کہتے ہیں اس سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اگر یہ حق بھی ہے تو آپ ہمیں ہماری مجلس میں ایذاء نہ پہنچائیں' اپنی سواری کی طرف جائیں اور جو شخص آپ کے پاس آئے اس کے سامنے بیان کریں' حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھیریں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں' پھر مسلمان اور مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے' حتی کہ قریب تھا کہ وہ جوش میں آ جاتے' اور نبی ﷺ ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے' حتی کہ ان کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے' اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس گئے' نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب (عبداللہ بن ابی کی کنیت ہے) نے کیا کہا ہے' اس نے اس اس طرح کہا ہے' حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگذر کیجئے' اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اور آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس خطہ زمین کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اس کے سر پر تاج پہنائیں گے' جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین حق دے کر اس کا انکار کر دیا تو یہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے وہ کچھ کیا جو آپ نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا' اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب' اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے' اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۸' رقم الحدیث ۴۵۶۶' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ

(اور یاد کیجیے) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۖ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا

اس کو نہ چھپانا، تو انھوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت پھینک دیا، اور اس کے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

بدلہ میں تھوڑی قیمت لی، سو وہ کیسی بری چیز ہے جس کو یہ خرید رہے ہیں ○ ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

ع ۱۹ ۹ ۱۰ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں یہود کے طعن اور ان کے طعن کا جواب ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ذکر فرمائے ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں دنیا کا قلیل مال لینے کو اختیار کر لیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں یہود کی ایذا رسانیوں پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کی ایذا رسانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل تھے وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا انہوں نے اس کو چھپایا اور آپ کو کسی اور چیز کی خبر دی' پھر انہوں نے نبی ﷺ کو جس چیز کی خبر دی تھی اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جس چیز کو چھپایا تھا اس پر وہ بہت خوش ہوئے پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب۔

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۹' رقم الحدیث ۴۵۶۸' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کو جس چیز کے نہ چھپانے کا حکم دیا تھا اس کے چھپانے پر ان کی مذمت کی ہے' اور اس پر ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے' محمد بن ثور نے روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دین اسلام کو فرض کیا ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے جس چیز کے متعلق سوال کیا تھا' میں نے اس کی تفسیر نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان سے تورات میں اپنی صفت کے متعلق سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا "مجملاً" جواب دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی امی کی اتباع کریں اور اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لائیں اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو میں تم سے کیے ہوئے عہد کو پورا کروں گا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ تورات میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کو اپنے بندوں پر فرض کیا ہے وہ اسلام ہے' اور ان کے پاس تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا تھا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علم چھپانے کی مذمت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۲۰' مطبوعہ دار الجیل بیروت' امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۷ طبع بیروت' امام ابو یعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ' نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے' مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۹۵۔ ۹۴' امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۲۹' طبع بیروت' امام طبرانی کی دونوں سندیں ضعیف ہیں)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرے پھر اس کو بیان نہ کرے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ حاصل کرے پھر اس کو خرچ نہ کرے۔

(المعجم الاوسط ج ۱ ص ۳۹۵' ۳۹۴' رقم الحدیث ۶۹۳' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۰۵ھ)

عبداللہ بن لہیعہ کی روایت کی تحقیق

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ الہیثمی کی عادت ہے جس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہو اس کو وہ ضعیف کہہ دیتے ہیں اور یہ ان کا تسامح ہے کیونکہ عبداللہ بن لہیعہ کی ہر حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ جس حدیث کو ابن وہب یا ابن مبارک نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہو وہ ضعیف نہیں ہوتی بلکہ صحیح ہوتی ہے' اور اس حدیث کو امام طبرانی نے از عبداللہ بن وہب از عبداللہ بن لہیعہ سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ ضعیف نہیں ہے۔

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں :

عبداللہ بن لہیعہ مصری فقیہ اور مصر کے قاضی ہیں' ان کی ولادت ۹۶ یا ۹۷ھ میں ہوئی اور ۱۷۴ھ میں ہارون کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو اپنی صحاح میں درج کیا ہے' امام بخاری نے یحییٰ بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ ۱۷۰ھ میں ان کے گھر میں آگ لگ گئی تھی اور ان کی کتابیں جل گئی

تھیں' عثمان بن صالح نے کہا ان کے گھر میں آگ لگی تھی لیکن کتابیں نہیں جلی تھیں' اور میں نے آگ لگنے کے بعد ان کی اصل کتابوں سے احادیث نقل کی ہیں' امام ابوداؤد نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا مصر میں ابن لہیعہ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں ہیں اور نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کو ضبط کرنے والا ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع ہیں' روح بن صلاح نے کہا ابن لہیعہ نے بہتر (۷۲) تابعین سے ملاقات کی ہے۔

امام بخاری نے حمیدی سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید ابن لہیعہ کا بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے' عبدالرحمان بن مہدی نے کہا میں ابن لہیعہ سے قلیل روایت کرتا ہوں نہ کثیر' محمد بن مثنی نے کہا عبدالرحمان' ابن لہیعہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔

نعیم بن حماد نے کہا اگر عبداللہ بن المبارک اور ان جیسے لوگ ابن لہیعہ سے روایت کریں تو پھر ان کی حدیث قابل اعتبار ہے ورنہ نہیں' امام ابوداؤد یہ کہتے تھے کہ میں نے قتیبہ سے سنا ہے کہ ہم ابن لہیعہ کی احادیث صرف ان کے بھتیجے یا عبداللہ بن وہب کی کتابوں سے لکھتے ہیں' جعفر بن محمد فریابی نے کہا کہ قتیبہ کہتے تھے کہ مجھ سے امام احمد بن حنبل نے کہا کہ تمہاری ابن لہیعہ سے روایات صحیح ہیں' انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے عبداللہ بن وہب کی کتابوں سے حدیث لکھتے ہیں' پھر ان احادیث کا ابن لہیعہ سے سماع کرتے ہیں' ابوالطاہر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن وہب سے ایک حدیث سے متعلق سوال کیا' انہوں نے وہ حدیث بیان کی' اس نے کہا اے ابو محمد تم یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بہ خدا مجھے ایک سچے اور نیک شخص عبداللہ بن لہیعہ نے یہ حدیث بیان کی ہے' امام احمد نے کہا کہ ابن لہیعہ اپنی کتابوں کو ابن وہب سے زیادہ اچھا پڑھتے تھے' احمد بن صالح نے کہا ابن لہیعہ علم کی بہت طلب کرنے والے تھے' اور صحیح لکھتے تھے اور وہ اپنے اصحاب کو اپنی کتاب سے حدیث املاء کراتے تھے' بسااوقات لوگ سمجھ کر لکھتے اور بسااوقات ضبط نہیں کرتے تھے اور کچھ لوگوں نے ان سے احادیث سن کر نہیں لکھیں' ان کی حدیثیں لوگوں تک اس طرح پہنچیں' سو بعض لوگوں نے ان کی کتابوں سے صحیح لکھا اور ان پر اس حدیث کو صحیح طرح پڑھا' اور بعض ان لوگوں نے پڑھا جن کا ضبط اور پڑھنا صحیح نہیں تھا تو اس کی روایت میں فساد آ گیا' اور میرا گمان ہے کہ ابوالاسود نے ان کی صحیح کتاب سے لکھا ہے لہٰذا اہل علم کے نزدیک ابوالاسود کی ابن لہیعہ سے روایت صحیح کے مشابہ ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اہل مصر یہ کہتے تھے کہ ابن لہیعہ کی کوئی کتاب نہیں جلی اور ابن لہیعہ ہمیشہ ان کتابوں سے احادیث لکھتے رہے حتیٰ کہ فوت ہو گئے اور ابوالاسود النضر بن عبدالجبار اس سے حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ شیخ صادق ہیں اور ابن ابی مریم کی رائے ان کے متعلق درست نہیں تھی۔ جب لوگوں نے ابن لہیعہ سے احادیث لکھیں اور اس کے متعلق سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے' یحییٰ بن معین نے مزید کہا کہ قدماء اور متاخرین کا ابن لہیعہ سے سماع کرنا ایک حکم رکھتا ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۰ ص ۴۵۷-۴۵۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن خراش نے کہا اس کی کتابیں جل گئی تھیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کوئی حدیث وضع کر کے اس کے پاس آتا تو وہ اس کو بھی پڑھتا تھا' خطیب نے کہا اس کے تساہل کی وجہ سے اس کی روایت میں مناکیر بہت زیادہ ہیں' احمد بن صالح نے کہا ابن لہیعہ ثقہ ہیں اس کی احادیث میں جو تخلیط ہے اس کو نکال دیا جائے' حاکم نے کہا اس نے قصداً جھوٹ نہیں بولا' اس

کی کتابوں کے جل جانے کے بعد اس کے حافظہ میں خلل ہو گیا اس لیے وہ روایت میں خطا کرتا ہے' ابو جعفر طبری نے تہذیب الآثار میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل مختل ہو گئی تھی (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۹-۳۷۸)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الفتن میں المقری اور ابوالاسود کی روایت درج کی ہے' اسی طرح انہوں نے کتاب الاعتصام' سورہ نساء کی تفسیر کے آخر اور کتاب الطلاق میں کئی جگہ ابوالاسود کی روایات درج کی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایات ابن لہیعہ سے مروی ہیں اگرچہ امام بخاری نے ابن لہیعہ کا نام نہیں لیا' امام نسائی نے ابن وہب کی روایات درج کی ہیں اور وہ ابن لہیعہ سے مروی ہیں' امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو جگہ ابن لہیعہ سے استشہاد کیا ہے' عبدالغنی بن سعید ازدی نے کہا جب عبادلہ (عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن وھب) ابن لہیعہ سے روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہے' انہوں نے عبداللہ بن وہب' عبداللہ بن مبارک اور المقری کا ذکر کیا' ساجی وغیرہ نے بھی اس کی مثل ذکر کیا ہے' حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ جب موطا میں سند اس طرح ہو از مالک از ثقہ نزد مالک از عمرو بن شعیب' تو امام مالک کے نزدیک ثقہ سے مراد ابن لہیعہ ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف دکن' ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ ضعیف راوی ہے لیکن جب عبداللہ بن مبارک' عبداللہ بن وہب' ابوالاسود اور مقری اس سے حدیث روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام طبرانی کی زیر بحث حدیث کو چونکہ عبداللہ بن وہب نے عبداللہ بن لہیعہ سے روایت کی ہے اس لیے وہ حدیث صحیح ہے اور حافظ الہیثمی کا اس حدیث کو ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف کہنا ان کا تساہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اور اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

بعض آیات میں عموم الفاظ کی بجائے خصوصیت مورد کا اعتبار

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کو یہود اور مشرکین کی طرف سے اذیتیں نہیں لاحق ہوں گی' اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایذاؤں میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی ایک ایذاء یہ بھی ہے کہ وہ کمزور مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈالتے ہیں' اور وہ اس پر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ صالح' متقی' متدین اور صادق القول ہیں' اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں نبی ﷺ اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اذیت پہنچتی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کے متعلق تورات کی آیات چھپاتے تھے اور اس کے بدلہ میں اپنے ارادت مندوں سے نذرانے وصول کرتے تھے' اور ان پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ بہت بڑے عالم اور دیندار ہیں اور وہی مقتداء بننے کے لائق ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس فعل کی سزا بیان فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو بعض منافقین پیچھے

رہ جاتے اور آپ کے ساتھ نہ جاتے اور اپنے فعل پر خوش ہوتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے' اور جب رسول اللہ ﷺ واپس آتے تو مختلف حیلے بہانے بناتے اور قسمیں کھاتے اور اس پر قسمیں کھاتے کہ جو کام انہوں نے کیا ہے (جہاد میں آپ کے ساتھ جو نہیں گئے) اس پر ان کی تعریف کی جائے' تب یہ آیت نازل ہوئی: لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا۔ علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے رافع! حضرت ابن عباس کے پاس جاؤ' اور پوچھو کہ ہر شخص اپنے فعل پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو کام اس نے کیا ہے اس پر اس کی تعریف کی جائے تو اگر عذاب دیا جائے گا تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اصل چیز کو چھپالیا اور آپ کو کچھ اور بتادیا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ کو جس چیز کی (جھوٹی) خبر دی ہے اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جو اصل چیز نہیں بتائی اس پر ان کی تعریف کی جائے' اور پھر حضرت ابن عباس نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب اور یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۹' رقم الحدیث ۴۵۶۸' ۴۵۶۷' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۱۴۳' ۲۱۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن کبری للنسائی ج ۶ ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ' الجامع الصحیح للترمذی ج ۵ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہرچند کہ قرآن مجید کی آیات میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات میں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

نیکی کی تعریف چاہنے پر عذاب کی وعید

مسلمانوں کو چاہیے کہ اس آیت کی وعید سے ڈریں اور یہ نہ چاہیں کہ جو کام انہوں نے نہ کیا ہو اس پر ان کی تعریف کی جائے' جیسا کہ بعض لوگ اپنے آپ کو عالم' علامہ' مفتی اور شیخ الحدیث بلکہ حافظ الحدیث کہلاتے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہوتے' اور اگر کوئی مسلمان کسی نیک کام کے کرنے پر خوش ہو یا برا کام نہ کرنے پر خوش ہو تو یہ ایمان کی علامت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور برائی پر افسوس ہو وہ مومن (کامل) ہے' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۶۶' رقم الحدیث ۲۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶' ۱۸' ج ۳ ص ۴۴۶' ج ۵ ص ۲۵۶' ۲۵۲' ۲۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

البتہ کوئی نیک کام کر کے یہ خواہش رکھنا کہ اس پر اس کی دنیا میں تعریف کی جائے اخلاص کے منافی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہو

گا تاکہ ان کا فیصلہ فرمائے' اس وقت ہر امت دوزانو بیٹھی ہوگی' سب سے پہلے قرآن کے حافظ کو بلایا جائے گا اور اس شخص کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور مالدار شخص کو' اللہ تعالیٰ قرآن کے قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اس چیز کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں رات دن قرآن پڑھتا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے سو یہ کہا گیا' پھر مالدار شخص کو بلایا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مالی وسعت نہیں دی تھی حتیٰ کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا! وہ شخص کہے گا اے میرے رب! کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے میرے دیئے ہوئے مال میں کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جواد ہے سو یہ کہا گیا' پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کس وجہ سے قتل کیا گیا تھا؟ وہ شخص کہے گا مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا سو میں نے قتال کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہادر ہے سو یہ کہا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا : اے ابوہریرہ! یہ پہلے وہ تین شخص ہیں جن سے دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۹۳۔ ۵۹۲' رقم الحدیث ۲۳۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۳ رقم الحدیث ۱۹۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن نسائی ج ۲ ص ۵۷' مطبوعہ کراچی' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور اس حدیث میں نیکیوں پر اپنی تعریف کی خواہش رکھنے پر سخت وعید ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف ہیں عقل والوں کے لیے

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ج صلے الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ

ضرور نشانیاں ہیں ○ جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور

قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں

الْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے

النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا

عذاب سے بچا ○ اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا، اور ظالموں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ اے ہمارے رب: بیشک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

سنا کہ (اے لوگو) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر ○ اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا

جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، بیشک تو وعدہ کے

تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ

خلاف نہیں کرتا ○ سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بیشک میں تم میں سے کسی عمل کرنے

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ

والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، سو جن لوگوں نے

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا

ہجرت کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور

وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیئے گئے، میں ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین

حُسنُ الثّوابِ ﴿۱۹۵﴾

ثواب ہے ○

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت پر دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ آیت اس دعویٰ کو متضمن تھی کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اور خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' سو اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی جو اس دعویٰ کی دلیل ہے' آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے' کیونکہ اس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا ہوا ہے اور ان کو ستاروں سے مزین کیا ہے' اور زمین کی پیدائش میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے' کیونکہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں' اور اس میں دریا جاری کر دیئے اور اس میں درختوں اور سبزہ کو اگایا اور سمندروں کو اس میں رواں دواں کر دیا' اور رات اور دن کے اختلاف یعنی رات اور دن کی کمی بیشی میں یا رات کے بعد دن کے آنے میں اس کی وحدانیت پر دلیل ہے کیونکہ یہ تمام نظام نہج واحد پر چل رہا ہے اور تمام دنیا میں اس نظام کی وحدانیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کو بنانے والا واحد ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس جگہ تین دلیلیں ذکر کی گئی ہیں اور سورہ بقرہ کی آیت : ۱۶۴ میں ان تین دلیلوں کے علاوہ پانچ اور دلیلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے' کیونکہ راہ حق کی تلاش میں چلنے والوں کو ابتداء میں زیادہ دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ان پر راستہ روشن ہو جاتا ہے تو پھر زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ نیز اللہ کی معرفت میں ڈوبنے کے لیے کثرت ادلہ بہ منزلہ حجابات ہوتے ہیں اور جیسے جیسے یہ معرفت قوی ہوتی ہے حجاب کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا' رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اپنی اہلیہ کے ساتھ باتیں کیں پھر آپ سو گئے' جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ گیا تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ الخ پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کیا اور مسواک کی اور گیارہ رکعات پڑھیں' پھر حضرت بلال نے اذان دی تو آپ نے دو رکعات (سنت فجر) پڑھیں' پھر آپ باہر آئے اور صبح کی نماز پڑھی۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۱۰' رقم الحدیث : ۴۵۶۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۱۸' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو لوگ کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں :) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران : ۱۹۱)

بہ کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر دلائل ذکر فرمائے' اب اللہ تعالیٰ عبودیت کے احوال بیان فرما رہا ہے' سو بندہ کو چاہئے کہ دل سے اسرار کائنات میں غور و فکر کرے اور حوادث اور صنائع سے اللہ تعالیٰ کی صفات تک پہنچے اور اس کی ذات اور اس کی وحدانیت کی تصدیق کرے اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' اس کا شکر بجالائے اور اس کی حمد و ثناء کرے اور باقی اعضاء سے اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی عبادت کرے' خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ہر حالت میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے' اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ اس کو دوزخ کے عذاب سے بچائے' امام ابوحنیفہ کو دیکھ کر کسی نے کہا یہ جنتی ہے فرمایا میں جنت کے کب لائق ہوں اللہ اگر مجھے دوزخ سے بچالے تو یہ اس کا بڑا کرم ہوگا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارا سب سے بہتر عمل ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے پاکیزہ اور تمہارے سب سے بلند درجہ کا باعث ہو' اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات سے افضل ہو اور جب کل تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم ان کی گردنیں مارو یا وہ تمہاری گردنیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہو! صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے' حضرت معاذ نے کہا اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۴۵۹' رقم الحدیث ۳۳۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۴۵' رقم الحدیث ۳۷۹۰' مسند احمد ج ۱ص ۴۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۷۳)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے مفید نہیں ہے سوائے نیکی کا حکم دینے' برائی سے روکنے اور اللہ کے ذکر کے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۰۸' رقم الحدیث ۲۴۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو دوزخ سے نکال دو جس نے ایک دن (بھی) میرا ذکر کیا ہو یا کسی ایک مقام پر مجھ سے ڈرا ہو۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۷۱۲' رقم الحدیث : ۲۵۹۴)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں مجھ کو ایسی چیز بتایئے جس سے میں چمٹ جاؤں آپ نے فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ص ۴۵۸' رقم الحدیث : ۳۳۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کس کا درجہ سب سے زیادہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو مرد اور عورت بہ کثرت اللہ کا ذکر کرتے ہوں! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! غازی فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ' آپ نے فرمایا : اگر کوئی شخص اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کرے اور وہ زخمی ہو کر خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۵۸ 'رقم الحدیث ۳۳۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کا ذکر نہ کریں اور اپنے نبی پر درود نہ پڑھیں ان کو حسرت اور ندامت ہو گی اگر اللہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور چاہے گا تو ان کو بخش دے گا' امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۶۱ 'رقم الحدیث ۳۳۸۰ 'سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۶۶ 'رقم الحدیث ۴۸۵۶ 'مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۲)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا گناہوں کو ترک کر دو یہ سب سے اچھی ہجرت ہے' فرائض کی حفاظت کرو یہ سب سے افضل جہاد ہے اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو کیونکہ تم جو کام بھی کرو گی اس میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اللہ کا ذکر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۳۶۷ 'رقم الحدیث : ۶۷۳۱ 'مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۲۹ 'رقم الحدیث : ۳۱۴)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم بن نسطاس ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۸ 'مجمع البحرین رقم الحدیث ۴۳۳۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستہ میں جا رہے تھے' آپ جمدان نام کے ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا چلو یہ جمدان ہے مفردون سبقت کر گئے صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مرد اور عورت جو اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۲ 'رقم الحدیث ۲۶۷۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا' ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۹ 'رقم الحدیث ۶۴۰۷ 'مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کے مسلک کی وضاحت

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ حالت قیام میں نماز پڑھتے ہیں اگر اس سے عاجز ہوں تو حالت قعود میں نماز پڑھتے ہیں اور بیٹھنے سے عاجز ہوں تو کروٹ کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی حالت میں نماز ترک نہیں کرتے' اور پہلے معنی پر آیت کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے' کیونکہ ذکر کی فضیلت میں بہت آیات ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص جنت کی کیاریوں میں چرنا چاہتا ہو وہ بہ کثرت ذکر کرے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام شافعی نے یہ کہا جب مریض لیٹ کر نماز پڑھے تو کروٹ کے بل نماز پڑھے اور امام ابو حنیفہ نے کہا بلکہ چت لیٹ کر نماز پڑھے حتیٰ کہ جب تخفیف محسوس کرے تو بیٹھ جائے' امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ظاہر آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

پہلو کے بل لیٹ کر ذکر کرنے کی مدح فرمائی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی نے امام ابوحنیفہ کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا' امام ابوحنیفہ کے نزدیک مریض چت لیٹ کر اور کروٹ کے بل دونوں طرح نماز پڑھ سکتا ہے البتہ چت لیٹ کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

جب مریض قیام سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجود کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے بھی عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔ (اس حدیث کا مکمل متن یہ ہے) : امام بخاری حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر تھی' میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو' اور اگر تم اس سے (بھی) عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۹' رقم الحدیث ۱۱۱۰' ابوداؤد رقم : ۹۵۲' ترمذی : ۳۷۲' ابن ماجہ : ۱۲۲۳' دار قطنی ج ۱ ص ۳۸۰' بیہقی ج ۲ ص ۳۰۴' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۶)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں اور اگر مریض بیٹھنے کی طاقت نہ رکھے تو کمر کے بل چت لیٹ جائے اور اپنے پیر کعبہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجود اشارہ سے کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس سے عاجز ہو تو گدی پر لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہے' اور اگر مریض کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے جب کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو' جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت بیان کی ہے لیکن چت لیٹ کر نماز پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے' اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے' اولویت کی دلیل یہ ہے کہ چت لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ کعبہ کی ہوا (فضا) کی طرف ہو گا اور کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ اپنے قدموں کی جانب ہو گا تاہم نماز ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ المرغینانی نے جو حدیث ذکر کی ہے "اگر مریض اس سے عاجز ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔" ان الفاظ کے ساتھ حدیث ثابت نہیں ہے البتہ سند ضعیف کے ساتھ امام دار قطنی نے یہ حدیث روایت کی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھتا ہو تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے' اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے' اگر سجدہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اشارہ سے پڑھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرے' اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو دائیں کروٹ کے بل قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے' اگر دائیں کروٹ کے بل نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو چت لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے پیر قبلہ کی جانب ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مریض گدی کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے دونوں پیر قبلہ کی جانب ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۔ ۴۲' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر کا یہ اثر صراحتہً فقہاء احناف کا مؤید ہے اور اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی گئی' اور حضرت علی کی حدیث میں بھی ان کی تائید ہے' اور حضرت عمران بن حصین کو جو رسول اللہ ﷺ نے کروٹ کے بل نماز پڑھنے کا فرمایا اس کی یہ

وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان کے مرض بواسیر کی وجہ سے ہو' جب کہ احناف کے نزدیک کروٹ کے بل نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

مخلوق میں غور و فکر کرنے کی ہدایت اور خالق میں غور و فکر کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاحبان عقل کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں مخلوق میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خالق میں غور و فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے:

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر حیان المعروف بابی الشیخ اصبہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز میں غور و فکر کرو' اور اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔

اس حدیث کو امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۴۲۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اللہ میں غور و فکر نہ کرو' ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اللہ میں غور و فکر کر رہی تھی' آپ نے فرمایا مخلوق میں غور و فکر کرو' خالق میں غور و فکر نہ کرو کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(کتاب العظمۃ ص ۱۸-۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور اس کا سبب یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی صفت اللہ کی کسی صفت کی مماثل نہیں ہے' اس لیے ہم مخلوق کے کسی حال کو خالق پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ بسیط ہے' نہ مرکب ہے' کسی مکان میں ہے نہ جہت میں ہے۔ اس لیے عقل اس کی حقیقت کو پانے سے عاجز اور حیران ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی تحقیق

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات کے مخالف ہیں اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے حادث ہونے کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا' اور جس نے اپنے نفس کے امکان کو جان لیا اس نے اپنے رب کے وجوب کو جان لیا اور جس نے اپنے نفس کی احتیاج کو جان لیا اس نے اپنے رب کے استغنا کو جان لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۹-۱۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یہ حدیث نہیں ہے لیکن امام رازی کا بیان کیا ہوا معنی صحیح ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

ابو المظفر بن السمعانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حدوث کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا اور جس نے اپنی فنا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا۔

(المقاصد الحسنہ ص ۴۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی جراحی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے' علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے' ابن السمعانی نے کہا یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے' ابن الفرس نے کہا صوفیہ کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں' مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ اور وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں' ابن عربی کے بعض اصحاب نے کہا ہر چند کہ یہ حدیث روایت کے اصول پر صحیح نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف صحیح ہے' النجم نے کہا ماوردی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں اپنے رب کا سب سے زیادہ عارف کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنے نفس کا سب سے زیادہ عارف ہے۔ (کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۲' مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

یہ حدیث صحیح نہیں ہے' علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔

علامہ عزالدین نے کہا اس حدیث کا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لطیف روح کو اس کثیف جسم میں رکھا اور اس جسم کی کثافت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربانیت پر حسب ذیل وجوہ سے دلالت کرتی ہے :

(۱) اس جسم کو یہ روح حرکت دیتی ہے اور اس کی تدبیر کرتی ہے تو جب یہ جسم ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے تو یہ عالم بھی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہو گا۔

(۲) جب اس جسم کا محرک اور مدبر واحد ہے تو اس عالم کا مدبر اور محرک بھی واحد ہو گا۔

(۳) جب یہ جسم روح کے ارادہ کے بغیر حرکت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ اس عالم کی کوئی چیز بھی خواہ خیر ہو یا شر وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قضاء و قدر کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔

(۴) جسم کی ہر حرکت کا روح کو علم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر حرکت اور ہر چیز کا اللہ کو علم ہے۔

(۵) روح سے زیادہ کوئی چیز جسم کے قریب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کائنات کی ہر چیز کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) روح جسم کے پیدا ہونے سے پہلے موجود تھی اور اس کی فنا کے بعد بھی موجود رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اس کائنات سے پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہے گا۔

(۷) ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے' اسی طرح اللہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔

(۸) ہمیں جسم میں روح کا مکان' اس کی جہت اور کیفیت معلوم نہیں ہے اسی طرح اللہ کا مکان' اس کی جہت اور اس کی کیفیت بھی معلوم نہیں ہے۔ (بلکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ کا کوئی مکان ہے' نہ جہت' سعیدی غفرلہ)

(۹) روح کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا نہ اس کی تصویر بنائی جا سکتی ہے' نہ مثال' اسی طرح دنیا میں اللہ کو بھی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے نہ اس کی صورت اور مثال بنائی جا سکتی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۱۰) روح کو مس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اللہ بھی جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔

یہ اسی قول کا معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو جان لیا سو اس کو مبارک ہو جس نے اپنے رب کو جان لیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو جان لو سو تمہارے رب کی صفات اس کی ضد ہیں' لہٰذا جس نے اپنی فنا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا اور جس نے اپنی جفا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی وفا کو جان لیا اور جس نے اپنی خطا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی عطا کو جان لیا۔

علامہ قونوی نے شرح التعرف میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تعلیق المحال بالمحال ہے کیونکہ انسان اپنے نفس اور روح کی معرفت آج تک نہیں حاصل کرسکا تو وہ اپنے رب کی معرفت کیسے حاصل کر سکے گا' انسان آج تک قطعی طور پر یہ نہیں جان سکا کہ اس کے کلام کی حقیقت کیا ہے' اس کے حواس میں سے دیکھنے' سننے' چکھنے' سونگھنے اور چھونے کی حقیقت کیا ہے کیونکہ ان کی تعریفات میں بہت اختلاف ہے مثلاً دیکھتے وقت کسی چیز کی صورت ہماری آنکھوں میں مرتسم ہو جاتی ہے یا ہماری آنکھوں سے شعاعیں نکل کر اس چیز پر پڑتی ہیں' کلام اور حواس بالکل ظاہر ہیں جب ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکے تو روح جو مخفی ہے اس کی حقیقت کو جاننے میں تو ہم اور بھی عاجز ہیں' پھر اللہ کی حقیقت کو جاننے میں تو ہمارا عجز اور بھی زیادہ واضح ہے۔ سو جو اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا وہ اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے' اس لیے فرمایا اگر انسان اپنے نفس کی حقیقت کو جان لیتا تو اپنے رب کی حقیقت کو جان لیتا' سو اس حدیث میں ایک محال کو دوسرے محال پر معلق کیا گیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۱۔۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں ڈال دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۹۲)

ایمان کے ساتھ گناہوں پر مواخذہ نہ ہونے کے نظریہ کا رد

اس سے پہلی آیت میں عقل والوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور اس میں یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا سے پہلے اس کی حمد و ثناء کرنی چاہیے' فرقہ مرجیہ نے کہا اللہ تعالیٰ مومنوں کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (التحریم : ۸) — جس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا نہ ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کر دیا' اور ان دونوں آیتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ مومن دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے' اس سے معلوم ہوا کہ بعض معصیت سے ضرر نہیں ہوتا' اور مومن خواہ نیک کام کرے یا برا کام کرے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً" دوزخ میں داخل ہونا باعث رسوائی نہیں ہے کیونکہ جہنم کے محافظ اور پہرہ دار بھی جہنم میں ہوں گے اور وہ رسوا نہیں ہوں گے' قرآن مجید میں ہے :

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ لَا تُبْقِىْ وَلَا تَذَرُ ۚ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً — اور آپ نے کیا جانا کہ دوزخ کیا ہے ○ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے ○ آدمی کو جھلسا دینے والی (آگ) ہے ○ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ○ اور ہم نے دوزخ کا نگہبان صرف فرشتوں کو مقرر کیا ہے (المدثر : ۳۱۔۲۷)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص دوزخ میں داخل ہو گا پھر متقی لوگ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور ظالموں کو اس میں رہنے دیا جائے گا۔

وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا۝ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا۝ (مریم : ۷۲-۷۱)

اور تم میں سے ہر شخص دوزخ سے ضرور گزرے گا اور آپ کے رب کے نزدیک یہ بات قطعی فیصلہ کن ہے۝ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے' اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جہنم میں دخول رسوائی کا موجب نہیں ہے' بلکہ جس شخص کو دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا وہ ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا' اور جن مسلمانوں کو تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے یا انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا ان کا دوزخ میں عارضی دخول ذلت اور رسوائی کا سبب نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے اس ظلم سے مراد شرک اور کفر ہے کیونکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرایا جائے' اور اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے' اور مشرکین اور کفار ظالم ہیں ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی' اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کی شفاعت کی جائے گی۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہو گی' یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۲۵' رقم الحدیث ۲۴۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ' سو ہم ایمان لے آئے' اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ (آل عمران : ۱۹۳)

گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے میں تکرار کے جوابات

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جن لوگوں نے کہا ہم ایمان لے آئے وہ تو پہلے ہی مسلمان تھے' پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں منادی سے مراد یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا اس سے مراد قرآن کریم ہے' اس سے پہلی آیتوں میں ذکر کیا تھا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' اس آیت میں بتایا ہے کہ مسلمان اپنی دعا کی قبولیت کے لیے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا رہے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی دعوت پر فوراً ایمان لے آئے' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ پہلے سے مسلمان تھے لیکن انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو خطائیں اور تقصیریں ہو جاتی ہیں ان کی بناء پر انہوں نے اپنے ایمان کو بہ منزلہ عدم ایمان قرار دے کر کہا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے۔

اس آیت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے' بہ ظاہر گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے کا ایک ہی معنی ہے اور ان جملوں کا ذکر کرنا تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا جملہ تاکید کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دعا میں سائل گڑگڑا کر دعا کرتا ہے اور اپنے مطلوب کا بار بار ذکر کرتا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ پچھلے جملہ سے مراد پچھلے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے اور دوسرے جملہ سے اس کے بعد ہونے والے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ توبہ سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور دوسرے جملہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری نیکیوں سے ہماری برائیوں کو مٹا دے' اور چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علم کے باوجود کیے اور دوسرے سے مراد وہ گناہ ہیں جو جہالت سے کیے۔

صالحین کے جوار اور قرب میں مدفون ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد انہوں نے دعا کی : اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہمارا عقیدہ نیک لوگوں کے مطابق ہو اور ہمارے اعمال نیک لوگوں کے اعمال کے مطابق ہوں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمیں اس جگہ دفن کیا جائے جہاں نیک لوگوں کی قبریں ہوں اور نیک لوگوں کی معیت میں ہمیں موت آئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ نے اس کے ایک تھپڑ مارا' اس نے جا کر اپنے رب سے کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ (ہی) نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کی آنکھ لوٹا دی' اور فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت کے اوپر رکھ دیں ان کے ہاتھ کے نیچے اس کے جتنے بال آئیں گے اتنے سال اس کی عمر کر دی جائے گی' انہوں نے کہا : اے رب! پھر کیا ہو گا؟ فرمایا موت' حضرت موسیٰ نے کہا تو پھر ابھی آ جائے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کر دے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہیں راستہ کی ایک جانب کثیب احمر کے پاس ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح البخاری : رقم الحدیث' ۳۲۲۶' ۱۳۳۹' صحیح مسلم : رقم الحدیث : ۲۳۷۲' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۹' ج ۲ ص ۳۱۵' ج ۲ ص ۵۳۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت کو دفن کرنا مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حرمین طیبین' انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تاکہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مطلوب تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں' قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لیے پسند کیا تھا تاکہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں' اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو' اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنا چاہیے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کی مکمل شرح' شرح صحیح مسلم ج ۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے' اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۱۹۴)

دعا قبول ہونے کے علم کے باوجود دعا کرنے کی حکمتیں

مسلمانوں نے اپنی دعا میں یہ کہا تو نے اپنے رسولوں کی زبانوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما' بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کے خلاف کرنا محال ہے' پھر یہ دعا کیوں کی گئی کہ تو اپنے وعدہ کے مطابق عطا فرما۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا سے مقصود اظہار عبودیت ہے کیونکہ بعض چیزوں کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ لامحالہ ایسا ہو گا پھر بھی اس کی دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المؤمنون : ۱۱۸)

آپ دعا کیجئے اے میرے رب مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مغفرت سورہ فتح سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اظہار عبودیت کے لیے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم برقرار رکھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (الانبیاء : ۱۱۲)

(اللہ کے رسول نے) دعا کی اے میرے رب برحق فیصلہ فرما۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہی ہوتا ہے پھر بھی اللہ کے رسول نے اظہار عبودیت کے لیے یہ دعا کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو رسولوں کے ذریعہ مغفرت اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ نام بہ نام معین اشخاص سے وعدہ نہیں فرمایا بلکہ وہ وعدہ بہ طور نیک اوصاف کے ہے یعنی جو لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے لیے جنت اور آخرت کی نعمتیں ہیں' اس لیے ہم کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارا شمار ان اوصاف کے حاملین میں ہے یا نہیں جب کہ ہم سے انواع و اقسام کے گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا لیکن یہ نہیں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کب غلبہ نصیب ہو گا سو مسلمانوں نے اس غلبہ کے حصول کے لیے دعا کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس وعدہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مسلمانوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے یہ کہا کہ اے اللہ اپنے وعدہ کی وجہ سے ہمیں عطا فرما یہ نہیں کہا کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے عطا فرما۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' تم درست کام کرو اور نیکی کے قریب ہو' صبح' شام اور رات کے کچھ حصہ میں درمیانہ روی اور اعتدال سے عمل کرو۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۴۶۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۱۸' ۲۸۱۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۲۰۱' سنن داری رقم الحدیث : ۲۷۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵' ۵۲۲' ۵۱۹' ۵۱۴' ۵۰۹' ج ۳ ص ۳۶۲' ۳۳۷' ۵۲' ج ۶ ص ۱۲۵- الادب المفرد' رقم الحدیث : ۴۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو' سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور ان کو گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیئے گئے' میں ضرور ان سب کے گناہ مٹا دوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ (آل عمران : ۱۹۵)

دعا کے قبول ہونے کا ایک طریقہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پانچ دعائیں ذکر فرمائی تھیں : ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظالمین من انصار' ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار' ربنا واتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیمۃ۔ اس آیت میں ان دعاؤں کی مقبولیت کا بیان ہے' امام جعفر صادق نے فرمایا جو شخص اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں نے اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ عمل' عامل سے صادر ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ضائع نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کسی عمل کا ثواب ضائع نہیں کرتا' یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں خضوع اور خشوع اور حضور قلب سے کی ہوئی کسی دعا کو ضائع نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ دعا کو فوراً قبول فرمالیتا ہے' یا اپنی کسی حکمت کی وجہ سے اس کو موخر کر دیتا ہے' اور دعا کرنے والا تاخیر پر صبر کرے تو اس کو اجر عطا فرماتا ہے یا اس دعا کے عوض اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو' اس آیت کے سبب نزول میں

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ہجرت (کے اجر و ثواب) میں عورتوں کا ذکر بالکل نہیں سنا تو یہ آیت نازل ہوئی: (جامع البیان ج ۴ ص ۱۴۴ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

تمام صحابہ کے مومن ہونے کی دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت کے مہاجرین اور مجاہدین سے بلا استثناء مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابی جنتی اور مغفور ہیں اور شیعہ اور رافضیہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ کے سوا باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے' اس آیت کے صریح خلاف ہے' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عہد رسالت کے تمام جہاد کرنے والے اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ نہ فرماتا اور انہوں نے مغفرت اور دوزخ سے نجات کی جو دعائیں کی تھیں ان کو قبول نہ فرماتا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ

(اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں (خوش حالی سے) گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے ○ یہ (حیات فانی کا) قلیل سامان ہے

ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے

رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا

رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے ، یہ

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّ

اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے ○ اور بیشک

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا درانحالیکہ ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں ، وہ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں

ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

تھوڑی قیمت نہیں لیتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ، بے شک اللہ جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ

والا ہے ○ اے ایمان والو ! فی نفسہٖ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو اور اپنے نفسوں اور اپنی سرحدوں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۲۰ ۱۱

کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو ○

غرور کا معنی اور شان نزول

انسان کسی چیز کو بہ ظاہر اچھا گمان کرے اور تحقیق و تفتیش کے بعد وہ چیز اس کے بالکل برعکس ہو تو اس کو غرور کہتے ہیں اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ کفار کی خوشحالی اور ان کے عیش و طرب سے دھوکا نہ کھائیں لیکن اس سے مراد عام مسلمان یا مخاطب ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ خدا کی قسم اللہ کے نبی نے کفار سے کبھی دھوکا نہیں کھایا حتی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۴۵ مطبوعہ بیروت)

کفار کے لیے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لیے تنگی کے متعلق احادیث

امام بخاری ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' آپ کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی' اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے پتوں کا ڈھیر تھا' اور آپ کے پاس کچی (بغیر رنگی ہوئی) کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں گڑ گئے تھے' میں رونے لگا' آپ نے فرمایا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو!

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۹۱۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۷۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث ۴۱۵۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۱۸۸' المستدرک ج ۴ ص ۱۰۴' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۱۴۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۹)

ایک اور حدیث میں روایت کرتے ہیں :

میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا تو خدا کی قسم مجھے تین کچی کھالوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا' میں نے عرض کیا آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر وسعت کرے' کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو دنیا دی گئی حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے' آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے' آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب کیا تم کو شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

ان کی اچھی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں' میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے۔
(صحیح البخاری ج ۳' رقم الحدیث ۲۴۶۸)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی چارپائی پر سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آئے تو نبی ﷺ اس پر لیٹے ہوئے تھے' جب آپ نے دیکھا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے' انہوں نے دیکھا کہ چارپائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے' حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا رسول اللہ آپ کی چارپائی اور بستر کی سختی سے آپ کو کس قدر تکلیف پہنچتی ہے اور یہ قیصر اور کسریٰ ریشم اور دیباج کے بستروں پر سوتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایسا نہ کہو کسریٰ اور قیصر کے بستر دوزخ میں ہیں اور میرا یہ بستر اور میری چارپائی کا انجام جنت ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث : ۷۰۴)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ عطا فرماتا۔
(الجامع الصحیح' رقم الحدیث : ۲۳۲۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۱۱۰)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر ایک مڑی ہوئی چادر دیکھی۔ اس نے حضرت عائشہ کے پاس ایک گدا بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا' رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا : اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ کا بستر دیکھا تو وہ گئی اور اس نے یہ بستر بھیج دیا' آپ نے فرمایا : اے عائشہ اس کو واپس کر دو' خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو روانہ کر دے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث : ۱۴۶۸' دلائل النبوت ج ۱ ص ۳۴۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' لیکن اس سے بہرحال یہ معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا' اس کی نیکی کا صلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور اس کی پوری جزاء اس کو آخرت میں دی جائے گی اور کافر نے دنیا میں اللہ کے لیے جو نیکیاں کی ہیں اس کی پوری جزا دنیا میں دے دی جاتی ہے حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہیں ہو گی جس کی جزا دی جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۸۰۸)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے' امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔

(الجامع الصحیح' رقم الحدیث : ۲۲۲۴' مسند البزار' رقم الحدیث : ۳۶۴۵' المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۶۱۸۳' ۶۰۸۷' المستدرک ج ۳ ص ۶۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔ (آل عمران : ۱۹۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے قرب کا جنت سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق وعید کا ذکر کیا تھا' اور اب اس آیت میں مسلمانوں کے متعلق وعد اور بشارت کا ذکر فرمایا ہے' یہ بشارت متقین کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والا' اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کے متعلق فرمایا ہے یہ اس کی مہمانی ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین سوال کروں گا جن کے جواب کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا (الی قولہ) اہل جنت' جنت میں سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا اہل جنت جس چیز کو سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۴۸۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن یہ زمین روٹی کی طرح ہو جائے گی' اللہ اہل جنت کی مہمانی کے لیے اپنے ہاتھ سے اس زمین کو الٹ پلٹ دے گا' جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر میں روٹی کو الٹ پلٹ کرتا ہے' پھر ایک یہودی آیا اور کہنے لگا رحمان آپ پر برکتیں نازل فرمائے کیا میں آپ کو یہ بتاؤں کہ قیامت کے دن اہل جنت کی کس چیز سے مہمانی ہو گی؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا زمین تو ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' اس نے کہا کیا میں آپ کو اس کے سالن کی خبر نہ دوں آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا بالام اور نون' صحابہ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا بیل اور مچھلی جن کی کلیجی کے ایک ٹکڑے سے ستر ہزار آدمی کھا سکیں گے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔" اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دنیا میں نیک لوگوں کے پاس جو نعمتیں تھیں یا دنیا میں کافروں کے پاس جو نعمتیں تھیں' اس کے مقابلہ میں اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا

خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ (الم السجدۃ : ۱۷)

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۷۹۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۲۴)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۲۵۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۶۴۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۳۳۰، سنن داری : رقم الحدیث : ۲۸۲۴، مسند احمد ج ۲، ص ۴۸۳، ۴۸۲، ۴۳۸، ۳۱۵، ج ۳ ص ۴۳۴، ۴۳۳، ۱۴۱، ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۳۷، ۳۳۰)

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے جنت اور اس میں ان کی مہمانی تیار کر رکھی ہے اور جو اللہ کے پاس اجر ہے وہ جنت اور اس کی مہمانی سے بہتر ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب اور اس کا دیدار اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جو مسلمان دنیا میں ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کام دوزخ سے پناہ مانگنا اور جنت کو طلب کرنا بھی ہے ان ہی کو اللہ کی رضا اور اس کا دیدار نصیب ہو گا اور جو لوگ جنت کو معمولی اور اپنے مقام سے کمتر خیال کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں کیونکہ وہ اس چیز کو معمولی اور گھٹیا کہہ رہے ہیں جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور اس پر جو ان کی طرف نازل ہوا اور ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۹۹)

شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، اور نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو منافقین نے اس پر طعن کیا تو یہ آیت نازل ہوئی نیز ابن جریج سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ مجاہد کی روایت زیادہ اولیٰ ہے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۴۷۔۱۴۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر دی' آپ عید گاہ کی طرف گئے مسلمانوں نے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۸۸۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۵۱)

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں :

نجاشی کافر قوم کے درمیان تھا وہ مسلمان تھا اور کافروں سے اپنا ایمان چھپاتا تھا' اور جس جگہ وہ تھا وہاں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کا حق ادا کرنے والا کوئی نہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اہتمام کیا اسی طرح جس شخص کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ہے تو اس پر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے' اس حدیث کے فوائد سے یہ ہے کہ غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے' وہ لوگ قبلہ کی طرف منہ کریں اس شخص کے شہر کی طرف منہ نہ کریں اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور بعض ائمہ کا قول یہ ہے کہ غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں ہے یہ اصحاب رائے (ائمہ احناف اور مالکیہ) کا قول ہے ان کا قول یہ ہے کہ یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اقتداء واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی دلیل نہ پائی جائے اور تخصیص کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز پڑھی تھی۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی تھی کہ آپ کے سامنے اس کا تخت لایا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تھا' سو یہ اس میت پر نماز تھی جس کو امام دیکھ رہا تھا' اور اس کا جنازہ امام کے سامنے تھا' اور مقتدیوں کے سامنے نہیں تھا اور یہ اقتداء سے مانع نہیں ہے' ہرچند کہ یہ ایک احتمال ہے لیکن اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا اٹھو اس پر نماز پڑھو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں' آپ نے چار تکبیریں پڑھیں اور وہ یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ اس کا جنازہ آپ کے سامنے تھا' (صحیح ابن حبان' رقم الحدیث ۳۱۰۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ واقع میں ان کے گمان کے خلاف تھا' یا تو حضرت عمران نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا تھا اور یا ان کے لیے جنازہ منکشف کر دیا گیا تھا' یا یہ صرف نجاشی کی خصوصیت تھی اور دوسرا کوئی اس کے ساتھ لاحق نہیں ہے جیسے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے' جیسے حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ' حضرت جبرائیل علیہ السلام تبوک میں نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی مدینہ میں فوت ہو گئے کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے لیے زمین سمیٹ دی جائے اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! انہوں نے اپنے دونوں پر زمین پر مارے تو ان کا تخت اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا' آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں' اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے' پھر وہ تخت

واپس ہو گیا' نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ معاویہ نے یہ فضیلت کس وجہ سے حاصل کی- انہوں نے کہا وہ سورہ قل ھو اللہ احد سے محبت رکھتے تھے اور آتے جاتے' اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اس کو پڑھتے تھے-(اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' مسند الشامیین' رقم الحدیث : ۸۳۱' المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۷۵۳۷' اور امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے عمل الیوم و اللیلۃ رقم الحدیث : ۱۸۰) اور امام ابن سعد نے اس کو طبقات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام واقدی نے مغازی میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے اور شام کے درمیان جو منظر تھا وہ آپ پر منکشف کر دیا گیا' آپ صحابہ کو جہاد کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے' تو آپ ﷺ نے فرمایا زید بن حارثہ نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے پھر آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی' آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو' وہ جنت میں داخل ہو گئے اور وہاں دوڑ رہے ہیں' پھر جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی' آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو' وہ جنت میں داخل ہو گئے اور اپنے دو پروں کے ساتھ جہاں چاہے جنت میں دوڑ رہے ہیں-

(کتاب المغازی ج ۲ ص ۷۶۲-۷۶۱' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے خصوصیت کا دعویٰ اس وقت کیا ہے جب ان کا تخت لایا گیا ہو نہ وہ دکھائی دیئے گئے ہوں' علاوہ ازیں مغازی میں اس کی دونوں سندیں ضعیف ہیں اور یہ حدیث مرسل ہے اور طبقات کی سند میں علاء بن یزید ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں بقیہ بن ولید معنعن ہے' پھر خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں اور نجاشی کے سوا اور کسی کی نمازہ جنازہ نہیں پڑھی' اور ان کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا تھا اور آپ ان کو دیکھ رہے تھے' جب کہ بہت سے صحابہ متعدد سفروں میں غائبانہ فوت ہو جاتے تھے مثلاً حبشہ اور متعدد غزوات میں' اور سب سے زیادہ عزیز آپ کو ستر قاری تھے جن کو تبلیغ کے لیے کافر لے گئے اور ان کو قتل کر دیا لیکن یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھی ہو حالانکہ صحابہ میں سے جو فوت ہو جاتے آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے پر بہت حریص تھے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی مرجائے تم مجھے اس کی خبر دو کیونکہ اس کے اوپر میری نماز (جنازہ) اس کے لیے رحمت ہے-(مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۶-۲۷۵' سنن نسائی ج ۴ ص ۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۵۲۸' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث ۳۰۹۲-۳۰۸۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۵) (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۲' ۱۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! نفسہ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو' اور اپنے نفسوں اور اپنی سرحدوں کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو-(آل عمران: ۲۰۰)

ربط آیات

یہ اس سورت کی آخری آیت ہے' اور سورہ آل عمران میں جو تمام مضامین تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام مضامین اجمالی طور پر اس آیت میں ذکر کر دیئے گئے ہیں' اس آیت میں عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف "اصبروا" میں اشارہ ہے' اور مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے- اس کی طرف "صابروا" میں اشارہ ہے اور کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف "رابطوا" میں اشارہ ہے اور اصول اور فروع یعنی عقائد اور

اعمال سے متعلق احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی طرف "واتقوا اللہ" میں اشارہ ہے۔

صبر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

صبر کے معنی ہیں تنگی میں کسی چیز کو روکنا' صبرت الدابۃ کا معنی ہے میں نے بغیر دانے اور چارہ کے سواری کو روک لیا' اور صبر کا اصطلاحی معنی ہے عقل اور شرع کے تقاضوں کے مطابق نفس کو روکنا اور پابند کرنا' صبر ایک جنس ہے اور اس کی کئی انواع ہیں' مصیبت پہنچنے پر نفس کو جزع و فزع یعنی بے قراری اور چیخ و پکار سے روکنا صبر ہے' اس کے مقابلہ میں جزع اور فزع ہے' اور جنگ کے وقت نفس کو بزدلی سے روکنا صبر ہے اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی ہے' عبادات میں مشقتوں کو برداشت کرنا اور غضب' شہوت اور حرص و طمع کی تحریک کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا بھی صبر ہے اس کو اطاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق و فجور ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۲۷۳' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

صبر کے متعلق احادیث

مصیبت کے وقت نفس کو جزع اور فزع سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی' آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا ایک طرف ہٹو' تم کو میری طرح مصیبت نہیں پہنچی' اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا' اس کو بتایا گیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی وہاں اس نے کوئی دربان نہیں پایا' اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا' آپ نے فرمایا جب پہلی بار صدمہ (یا مصیبت) پہنچے' اسی وقت (نفس کو روکنا) صبر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۲۶)

اور کفار سے جنگ کے وقت اپنے نفس کو بزدلی سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ایک دن انتظار کیا حتی کہ سورج ڈھل گیا' پھر آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا : اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی توقع نہ کرو' اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو' اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو (یعنی بزدلی نہ کرو) اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۹۶۵' ۲۹۶۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۷۲)

عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جس دن سورج گرہن ہوا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے آپ نے اپنی قمیص پہنی' اور چادر اوڑھی' پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں بہت لمبا قیام کیا' پھر آپ نے رکوع کیا' میں نے دیکھا کہ ایک عورت مجھ سے عمر میں بڑی تھی اور وہ کھڑی ہوئی تھی اور ایک عورت میری بہ نسبت بیمار تھی وہ بھی قیام

میں تھی' تو میں نے دل میں کہا میں تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہوں کہ طول قیام کی مشقت پر صبر کروں۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حرص' غضب اور شہوت کے تقاضوں پر صبر کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر ایک رات کو اس سے جماع کر لیا' صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا : آپ نے فرمایا اے سلمہ! تم نے یہ کام کیا؟ میں نے دو مرتبہ عرض کیا : یا رسول اللہ! مجھ سے تقصیر ہو گئی اور میں اللہ کے حکم پر صابر ہوں' آپ کو جو اللہ فرمائے آپ مجھے اس کا حکم دیجئے۔ الحدیث
(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۲۱۳)

صابروا کا لغوی معنی اور صبر اور مصابرہ میں فرق

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اصبروا وصابروا ورابطوا اس آیت میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف انتقال ہے' صبر' مصابرہ سے کم ہے اور مصابرہ' مرابطہ سے کم ہے' ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اپنے نفوس کے ساتھ صبر کرو اور صابروا کا معنی ہے مصیبتوں پر اپنے دلوں میں اللہ پر صبر کرو' اور رابطوا کا معنی ہے اپنے اسرار کا اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو اور ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اللہ میں صبر کرو' اور صابروا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ صبر کرو اور رابطوا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۳۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

قدرتی مصائب مثلاً مرض' فقر' قحط اور خوف پر ضبط نفس کرنا صبر ہے اور کسی دوسرے شخص کی ناپسندیدہ باتوں' زیادتیوں اور ایذاء رسانیوں پر ضبط نفس کرنا اور اس سے انتقام نہ لینا مصابرہ ہے' سو انسان کو اپنے گھر والوں' پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر ضبط نفس کرنا اور ان سے بدلہ نہ لینا مصابرہ ہے' اس لیے اصبروا کا معنی ہے قدرتی مصائب پر صبر کرو' اور صابروا کا معنی ہے دوسروں کی ایذا رسانیوں پر ضبط نفس اور صبر کرو۔
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

مصابرہ کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے دن تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی' اور حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی اونٹ دیئے اور عرب کے بعض شرفاء کو بھی آپ نے کچھ عطا فرمایا اور ان کو بھی ترجیح دی' ایک شخص نے کہا خدا کی قسم اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا' اور نہ اس کے ساتھ اللہ کی رضاجوئی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے کہا بہ خدا میں اس بات کی ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا' پھر میں نے جا کر آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہ کریں تو پھر کون عدل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی انہوں نے اس پر صبر کیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۱۵۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۰۶۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے تھے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث ۶۲۰۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۹۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناگوار چیز دیکھے وہ اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا' اور مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۸۴۹)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے' آپ ہنسے' پھر آپ نے فرمایا کیا تم مجھ سے نہیں دریافت کرتے کہ میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے' اس کا ہر حال خیر ہے اگر اس کو کوئی پسندیدہ چیز ملے اور وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو کوئی ناگوار چیز ملے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے اور مومن کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ہر حال خیر ہو۔

(سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۷۸۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۹۹' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۳' ۳۳۲' ج ۶ ص ۱۶' ۱۵)

مرابطہ کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

مرابطہ کی دو قسمیں ہیں' مسلمانوں کی سرحدوں کی نگہبانی اور حفاظت کرنا' کہیں اس پر دشمن اسلام حملہ آور نہ ہوں اور دوسری قسم ہے نفس کا بدن کی نگہبانی اور حفاظت کرنا کہیں شیطان اس سے گناہ نہ کرائے' نبی ﷺ نے فرمایا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی رباط ہے' یہ دوسری قسم ہے اور پہلی قسم کے متعلق یہ آیت ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال : ۶۰)

ان کے لیے بہ قدر استطاعت ہتھیاروں کی قوت اور گھوڑے باندھنے کو فراہم کرو۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۱۸۶-۱۸۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

آیت مذکورہ میں رابطوا کے محامل

ہر چند کہ انسان ضبط نفس کر کے فی نفسہ صبر کرتا ہے اور لوگوں کی ایذاء رسانی پر بھی صبر کرتا ہے لیکن پھر بھی اس میں شہوت' غضب اور حرص پر مبنی برے اخلاق ہوتے ہیں اور اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور جب کبھی شہوت یا حرص کے غلبہ سے کسی گناہ کی تحریک ہو تو اپنے نفس کو اس گناہ سے آلودہ نہ ہونے دے' اور یہ محاسبہ اور نگہبانی اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ورابطوا واتقوا اللہ یعنی اپنے نفس کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی کی امید ہو۔

چونکہ سورہ آل عمران کی زیادہ تر آیتیں جنگ احد سے متعلق ہیں اور بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی تھی جس کے نتیجہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور اس شکست پر آزردہ خاطر ہوئے' اس لیے اس آیت کا ایک ظاہری محمل یہ ہے کہ کفار سے جنگ کے دوران ثابت قدم رہو اور جنگ میں ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو' اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو' اور اس سلسلہ میں اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور کسی قسم کی حکم عدولی نہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی اور سرفرازی کی امید ہو۔

اس آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ فی نفسہٖ صبر کرو اور مخالفوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرو اور ہر حال میں اللہ سے رابطہ استوار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دن اور ایک رات سرحد کی حفاظت کرنا' ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے افضل ہے' اور اگر وہ مرگیا تو اس کا یہ اجر جاری رہے گا اور وہ فتنہ میں ڈالنے والے سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث ۱۹۱۳' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۶۸' ۳۱۶۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۶۷' مسند احمد' ج ۲ ص ۱۷۷' ج ۵ ص ۴۴۱' ۴۴۰' تحفۃ الاشراف : رقم الحدیث : ۴۴۹۱)

فتنہ میں ڈالنے والے سے مراد یا تو منکر نکیر ہیں اور یا اس سے مراد شیطان ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے ثواب کو جاری رکھے گا اور جس حدیث میں ہے ابن آدم میں سے ہر ایک کا عمل منقطع ہو جاتا ہے ماسوا تین کے اس کا مطلب ہے ان تین کا عمل منقطع نہیں ہوتا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا ثواب جاری رکھے گا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا' اس کے علاوہ ہزار ایام سے افضل ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۷۵' ۶۶' ۶۵' ۶۲' سنن داری' رقم الحدیث : ۲۴۳۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو مٹا دے اور درجات کو بلند کر دے' صحابہ نے عرض کیا : کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا مشقت کے وقت مکمل وضو کرنا' زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا' سو یہی رباط ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۱' جامع ترمذی' رقم الحدیث : ۵۱' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۷' ۳۰۲)

گناہوں کو مٹانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال سے گناہ مٹا دیئے جائیں' یا گناہ کے مقابلہ میں دل کے اندر جو

ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اس کو مٹا دیا جائے' مشقت کے وقت مکمل وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کو پانی ٹھنڈا لگے یا پانی کے استعمال سے جسم میں تکلیف ہو اس وقت مکمل وضو کرے' دور سے چل کر مسجد میں آنا یہ واضح ہے' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس سے یا تو مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرنا مراد ہے تو یہ اعتکاف کے ایام میں پانچوں نمازوں سے حاصل ہوتا ہے اور عام دنوں میں آسانی سے عصر کے بعد مغرب کی نماز اور مغرب کے بعد مسجد میں عشاء کی نماز کے انتظار میں حاصل ہوتا ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک نماز پڑھ کر اپنے گھر یا دوکان یا دفتر میں آجائے لیکن اس کا دل و دماغ دوسری نماز کے انتظار میں لگا ہوا ہو' تو یہ انتظار پانچوں نمازوں میں آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے' اس کو آپ نے رباط فرمایا ہے کیونکہ رباط سے مراد نفس کو پابند کرنا ہے۔ خواہ سرحد کی حفاظت پر خواہ ان عبادات میں' یا اس لیے کہ رباط کا معنی ہے نفس اور جسم کا عبادات کے ساتھ ارتباط رکھنا' یا رباط کا معنی ہے نگہبانی کرنا خواہ سرحد کی دشمنان اسلام سے نگہبانی کی جائے خواہ وضو سے نماز کی حفاظت کی جائے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کر کے اس کی نگہبانی کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے' نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے سو یہی رباط ہے اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ آل عمران میں جو "رابطو" کا لفظ ہے اس سے مراد ان عبادات کی نگہبانی کرنا ہے۔

آج ۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ / جولائی ۱۹۹۶ء بروز پیر سورہ آل عمران کی تفسیر مکمل ہو گئی' الہ العلمین جس طرح آپ نے آل عمران کی تفسیر مجھ سے مکمل کرائی ہے بقیہ قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر میں مجھ کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھیں اور اس تفسیر تبیان القرآن کو تاروز قیامت مقبول اور اثر آفریں رکھیں اور مجھے' میرے والدین' میرے اساتذہ اور میرے قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچائیں اور ان کے لیے دارین کی نعمتوں کا دروازہ کھول دیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ وَاُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ النساء

سورۃ النساء مدنی ہے' اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے' اس میں ۲۴ رکوع ہیں اور ۱۷۶ آیتیں ہیں۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ چوتھی سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے یہ سورہ ممتحنہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کے بعد سب سے بڑی سورت ہے۔

سورۃ النساء کا زمانہ نزول اور وجہ تسمیہ

بعض قرائن کی بناء پر علماء نے یہ کہا ہے کہ سورہ النساء کا زمانہ نزول ۳ھ کے اواخر سے لے کر ۴ھ کے اواخر یا ۵ھ کے اوائل تک ہے' شوال ۳ھ میں جنگ احد ہوئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور اس وقت ان مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اس لیے مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں۔ نماز خوف غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی تھی اور یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا تھا اس لئے نماز خوف سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں اور تیمم کی اجازت غزوہ بنو مصطلق میں دی گئی تھی یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا تھا اور اسی موقع پر تیمم کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا تھا اس لئے اس سے متعلق آیتیں اس موقع پر نازل ہوئیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب نازل ہوئیں تو میں حضور کے پاس تھی۔

اس سورت میں عورتوں کے احکام بہ کثرت بیان کئے گئے ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام سورہ النساء ہے۔

سورۃ النساء کے فضائل

امام احمد' امام حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس نے سات سورتوں کو یاد کرلیا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ (ان میں سورہ النساء بھی ہے)

امام ابو یعلیٰ' امام ابن خزیمہ' امام ابن حبان' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تکلیف محسوس کی صبح کو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر تکلیف کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا الحمدللہ میں نے سات بڑی سورتیں پڑھ لی ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس نے سورہ نساء کو پڑھ لیا وہ جان لے گا

کہ وراثت میں کون کس سے محروم ہوتا ہے اور کون کس سے محروم نہیں ہوتا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران)

قرآن مجید کی پہلی سات بڑی سورتوں کو السبع الطوال کہتے ہیں وہ یہ ہیں : البقرہ' آل عمران' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف' الانفال' اور جن سورتوں میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں ان کو مئین کہتے ہیں اور جن سورتوں میں ایک سو سے کم آیتیں ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور مثانی کے بعد مفصل ہیں۔ سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتوں کو طوال مفصل کہتے ہیں۔ سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک اوساط مفصل ہیں اور سورہ لم یکن سے لے کر آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

سورہ النساء کی سورہ آل عمران کے ساتھ مناسبت اور ارتباط

(۱) سورہ آل عمران تقویٰ اختیار کرنے کے حکم پر ختم ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

(آل عمران : ۲۰۰)

اور سورہ النساء تقویٰ اختیار کرنے کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام

(النساء : ۱)

(۲) ان دونوں سورتوں میں یہود اور نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کی گئی ہے۔

(۳) ان دونوں سورتوں میں منافقین کے متعلق بھی قتال کے ضمن میں آیتیں ہیں۔

(۴) ان دونوں سورتوں میں قتال کے متعلق بھی آیتیں ہیں۔

(۵) آل عمران میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں اور اس سورت میں بھی "فمالکم فی المنافقین فئتین میں غزوہ احد کا ذکر ہے۔

(۶) سورہ آل عمران میں غزوہ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور اس سورت میں بھی ولا تھنوا فی ابتغاء القوم میں اس کا ذکر ہے۔

(۷) انسان کو چار چیزوں سے بنیادی فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں علم' شجاعت' عدل اور عفت۔ سورہ آل عمران میں علم اور شجاعت کو اہمیت سے بیان کیا ہے۔ علم کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ نزل علیک الکتاب بالحق۔ (اٰل عمران : ۳) وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون.... (اٰل عمران : ۷) اور شجاعت کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (اٰل عمران : ۱۳۹) فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ (اٰل عمران : ۱۴۶) علم اور شجاعت کا ذکر سورہ آل عمران کی بہت سی آیتوں میں کیا گیا ہے اور سورہ النساء میں عدل اور عفت کے متعلق بہت آیات ہیں جیسا کہ عنقریب اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ واضح ہوجائے گا۔

(۸) سورہ آل عمران میں جنگ بدر اور جنگ احد کے واقعات کے ضمن میں مخالفین کے ساتھ سلوک کا ذکر تھا سورہ النساء میں اپنوں کے ساتھ سلوک کا ذکر ہے مثلاً یتیموں رشتہ داروں اور بیویوں کے ساتھ۔

(۹) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

یوسف بن ماہک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک عراقی آیا اور اس نے پوچھا کون سا کفن بہتر ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خیر تو ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا اے ام المومنین مجھے اپنا مصحف دکھائیے؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا شاید میں اس کے مطابق قرآن کو جمع کروں کیونکہ اب قرآن مجید کو غیر منظم طور سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے پہلے جو تم نے پڑھا اس سے تمہیں کیا نقصان ہوا؟ آپ نے فرمایا پہلے مفصل کی سورتیں نازل ہوئی تھیں اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی شراب کو نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی زنا نہیں چھوڑیں گے۔ سیدنا محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا اس وقت میں کھیلنے والی بچی تھی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۔ بلکہ ان سے اصل وعدہ قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت کڑوی ہے۔ (القمر : ۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عراقی سے فرمایا اور جب سورہ بقرہ اور سورہ نساء نازل ہوئیں اس وقت میں آپ ہی کے پاس تھی پھر حضرت عائشہ نے اس کے لئے مصحف نکالا اور اس کو سورت کی آیتیں لکھوائیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۹۹۳)

سورہ النساء کے مضامین کا خلاصہ

- رشتہ داروں سے حسن سلوک، یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور تعدد ازدواج کی اجازت۔ (النساء : ۱-۶)
- وراثت کے احکام (النساء : ۷-۱۴)
- معاشرہ سے فحاشی اور بے حیائی ختم کرنے کے ابتدائی احکام (النساء : ۱۵-۱۸)
- اس کا بیان کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور کن سے ناجائز۔ (النساء : ۱۹-۲۵)
- اعمال صالحہ اور توبہ کی تلقین، مسلمان کا مال ناحق کھانے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔ (النساء : ۲۶-۳۱)
- عائلی اور معاشرتی احکام، والدین اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بیان اور بخل کی مذمت۔ (النساء : ۳۲-۴۰)
- ایمان اور اعمال صالحہ کی نصیحت، یہود کی شرارتوں کا رد اور مسلمانوں کو یہود سے خبردار کرنا۔ (النساء : ۴۱-۵۹)
- منافقین کو سرزنش، جہاد کی تلقین، دار الحرب میں گھرے ہوئے مسلمانوں کے احکام، مسلمانوں کو منافقوں سے متنبہ کرنا۔ (النساء : ۶۰-۱۲۶)
- یتیموں سے متعلق احکام کی تفصیل، منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو نصیحت۔ (النساء : ۱۲۷-۱۷۶)

اس سورت میں اور اسی طرح قرآن مجید کی باقی سورتوں میں صرف فقہی اور شرعی احکام نہیں ہیں بلکہ شرعی احکام کے ساتھ دعوت و تذکیر کا سلسلہ بھی ہے۔ ہم نے اپنی اس تفسیر میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ جن آیات کا تعلق دعوت و تذکیر اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ہے وہاں بہ کثرت احادیث بیان کی ہیں اور جن آیات میں شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں ہم نے مذاہب فقہاء بیان کئے ہیں اور باقی مذاہب کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی ترجیح اور برتری بیان کی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے استنباط شدہ مسائل کی تائید میں قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار بیان کئے ہیں۔ اب ہم سورہ النساء کی تفسیر شروع کریں گے فنقول وباللہ التوفیق۔ ۲۴ صفر، ۱۴۱۷ھ ۱۰ جولائی ۱۹۹۶ء بروز بدھ۔

سُوۡرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص (آدم) سے پیدا

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّ

کیا، اور اسی سے اس کی بیوی (حوا) پیدا کی اور ان دونوں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں

نِسَآءً‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کو پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس کے سبب سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتہ داروں سے

كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ۞ (۱)

قطع تعلق کرنے سے ڈرو، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ۞

خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں، بچوں، یتیموں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، ان پر شفقت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کا حکم دیا ہے۔ طہارت حاصل کرنے، نماز پڑھنے اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان تمام احکام پر عمل صرف خوف خدا سے ہو سکتا ہے اس لئے اس سورت کے اول ہی میں فرما دیا: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو، اس کے بعد فرمایا جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا، اور تمہارا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے مملوک ہو اور مملوک پر حق ہے کہ وہ اپنے مالک کی اطاعت کرے اس وجہ سے تم بھی اللہ کے احکام کی اطاعت کرو۔ نیز تمام احکام کا دارومدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت سو پہلے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا پھر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے سے منع فرمایا۔

اسلام میں رنگ و نسل کا امتیاز نہیں ہے

اس آیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے اور قطع تعلق کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی یہ علت بیان

فرمائی کہ تم سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیے گئے ہو کیونکہ انسان سرخ' سفید اور سیاہ رنگ میں مختلف ہیں۔ قد اور قامت میں مختلف ہیں۔ خوب صورت اور بد صورت ہونے اور نسل اور نسب میں مختلف ہیں اس کے باوجود سب انسانوں کی بنیادی شکل وصورت اور وضع قطع ایک ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ سب ایک ہی شخص سے پیدا کیے گئے ہیں اور سب اس کی اولاد ہیں اس لئے رنگ اور نسل میں اختلاف کے باوجود ان سب کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہئے اور ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے :

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے اور کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۴۷۴۹ ج ۵ ص ۳۷۶)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے اور تمہارا باپ آدم ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۲۰۴۴' ج ۲ ص ۴۳۵)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۴)

اس حدیث کو امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے حضرت ابو نضرہ سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۱۳۰' ج ۴ ص ۲۸۶' رقم الحدیث ۵۱۳۷' ج ۴ ص ۲۸۹)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا اور دوسرا نبطی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ایک نے کہا اے حبشی دوسرے نے کہا اے نبطی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو تم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث : ۴۱۳۱' ج ۴ ص ۱۴۴' المعجم الصغیر رقم الحدیث : ۵۷۳' ج ۱ ص ۳۴۵۔ ۳۴۴)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے لیکن اس کی حدیث حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۶)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کا نکاح غیر سادات میں جائز نہیں ہے' ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے تعلق توڑنے پر وعید اور تعلق جوڑنے پر بشارت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (صحیح البخاری۔ رقم الحدیث ۵۹۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۵۶' جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۹۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم، رحمن کے آثار میں سے ایک اثر ہے اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو تجھ سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹۸۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۵۴، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۰۷)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر بڑھائی جائے اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بری موت کو دور کیا جائے وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے تعلق جوڑے)۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث ۱۸۷۹، ج ۲ ص ۳۷۴، المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۵۶۲۲، ج ۶ ص ۲۹۱)

امام بزار کی سند صحیح ہے ماسوا عاصم بن ضمرہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردے گا۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں وہ کون سی تین خصلتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو، جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔ جب تم یہ کرلو گے تو اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث ۱۹۰۶، المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۹۱۳، ج ۱ ص ۴۹۷)

اس کی سند میں سلیمان ابن داؤد یمامی متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۴)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا

اور یتیموں کو ان کے اموال دے دو اور (اپنے) خراب مال کو (ان کے) اچھے مال کے ساتھ تبدیل نہ کرو اور ان

تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ

کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر تمہیں یہ

خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو ،

النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

دو ، دو سے تین تین سے اور چار چار سے ، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کرسکو گے

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

تو (صرف) ایک سے نکاح کرو، یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو، تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دیں تو اس کو مزے

فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ﴿۴﴾

مزے سے کھاؤ ○

یتیم کا مال ادا کرنے کا حکم

اس آیت میں یتیموں کے سرپرستوں کو خطاب ہے کہ جب یتیم بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں، یتیم کا ولی اس کا اچھا مال رکھ لیا کرتا تھا اور اپنا خراب مال اس کو دے دیتا تھا اس آیت میں ان کو اس سے منع کیا گیا۔

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا یہ آیت غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت سارا مال تھا جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنا مال طلب کیا' اس کے چچا نے اس کو منع کیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی ﷺ نے اس شخص کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی' اس شخص نے کہا ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' اس نے اپنے بھتیجے کو مال دے دیا اس جوان نے اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۱' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

یتیم کا مال کھانے اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی مذمت اور حسن سلوک کی تعریف

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا' مسلمان پاک دامن بے قصور عورت پر تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث ۶۸۵۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث ۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۶۷۹' ج ۴ ص ۱۹۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی سلیمان ہے' امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے' (تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۲۹۹۹) امام ابوحاتم نے کہا وہ مضطرب الحدیث ہے (الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۶۳۸) امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (کتاب الثقات ج ۹ ص ۲۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی آپ نے فرمایا : یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۷، ۲۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ (النساء : ۳)

نکاح کی ترغیب اور فضیلت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظر کو زیادہ نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی زیادہ حفاظت کرتا ہے اور تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۹۰۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۰۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۰۸۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۰۴۶، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۰۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۴۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت سے ہے۔ جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا۔ وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے، نکاح کرو کیونکہ تمہاری وجہ سے میری امت دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی، جس کے پاس طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جس کے پاس طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۴۶)

اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن میمون ایک ضعیف راوی ہے مگر اس حدیث کا ایک صحیح شاہد ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں : ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۰۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دنیا عارضی نفع کا سامان ہے اور اس میں بہترین نفع کی چیز نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۴۶۷، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے خوف کے بعد مومن کے فائدہ کی سب سے اچھی چیز اس کی نیک بیوی ہے اگر وہ اس کو حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اگر وہ اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کرے اگر وہ اس پر قسم کھائے تو وہ اس کی قسم کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو اس کی جان اور مال کی خیر خواہی کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۵۷)

اس حدیث کی سند میں علی بن یزید بن جدعان ضعیف ہے لیکن اس حدیث کا ایک شاہد ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج کے حجروں کے پاس تین شخص آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس کو کم گمان کیا انہوں نے کہا کہاں ہم کہاں نبی ﷺ' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور ساری عمر نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا تھا بہ خدا میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث' ۵۰۶۳ صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۰۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۷' شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : کسی عورت سے چار سبب سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے' اس کے حسب (آباء واجداد کا شرف اور فضیلت) کی وجہ سے' اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔ تم اس کو اس کی دینداری کی وجہ سے طلب کرو' تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۰۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۴۶۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث : ۲۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۲۳۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۸۵۸' سنن دارمی رقم الحدیث : ۲۱۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۸۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کئی خصلتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے حسن کی وجہ سے' اس کے مال کی وجہ سے' اس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے' تم دیندار اور اچھے اخلاق والی سے نکاح کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۰' کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث : ۱۴۰۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۱۰۰۸)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا کی (یہ چیزیں) میرے نزدیک محبوب کی گئی ہیں۔ عورتیں' خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۵' ۱۹۹' ۱۲۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۳۴۶۹' ۳۵۱۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابو نجیح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے' وہ میری سنت (میرے طریقہ کاملہ) پر نہیں ہے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۹۹۳' ج ۱ ص ۵۲۸' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۱)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن مثنی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

عبید بن سعد نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں : آپ نے فرمایا جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت سے نکاح ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۲۷۴۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸، الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۴، شعب الایمان ج ۴ ص ۳۸۱)

یہ حدیث مرسل ہے (ابن حجر) اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۲)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث ۱۴۰۱، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۲۸ رقم الحدیث : ۲۷۷۶، المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۶۸۴۶) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۶۳۱ جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۷۶، سنن نسائی رقم الحدیث ۳۶۵۳، الادب المفرد، رقم الحدیث : ۳۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲، مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۱۶۷، رقم الحدیث : ۱۵۲)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھے ایک معزز خاندان کی خوبصورت عورت ملی ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے پھر دوسری اور تیسری بار پوچھا آپ نے فرمایا (خاوند سے) محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فضیلت حاصل کروں گا۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۰۵۰، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۲۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۶۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸، ۲۴۵، ۳۵۴، ج ۴، ۳۴۹، ۳۵۱)

نکاح کی حکمتیں اور فوائد

(۱) نکاح کے ذریعے نسل انسان کا فروغ ہوتا ہے انسان میں شہوت اس لئے رکھی گئی ہے کہ مذکر بیج کا اخراج کرے اور مونث کی کھیتی میں اس کی کاشت کرے، اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے بغیر بھی نسل انسانی کی افزائش کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ اسباب کا مسببات پر ترتب ہو، مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے اولاد کی طلب کی کوشش کرے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے آپ کی امت کو بڑھانے کی کوشش کرے۔

(۲) نکاح کے ذریعہ اولاد کا حصول ہوتا ہے اور انسان کو نیک اولاد کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں جو بعض اوقات اس کی بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

(۳) انسان اولاد کی اچھی تربیت کرکے ملک وملت کی تعمیر اور استحکام کے لئے افراد مہیا کرتا ہے۔

(۴) اولاد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اس حصہ پر عمل کا موقعہ ملتا ہے جس کا تعلق اولاد سے ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے جن احکام کا تعلق اولاد سے ہے ان پر عمل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۶) اولاد کی تربیت اور پرورش کر کے مسلمان اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہو جاتا ہے۔

(۷) جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اولاد اس کا سہارا بن جاتی ہے۔

(۸) بچوں کی وجہ سے انسان کا گھر میں دل بہلتا ہے انسان بیمار ہو تو بچے اس کی تیمار داری کرتے ہیں۔

(۹) بچوں کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے اور کمانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے ملک و ملت کی تعمیر اور ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰) بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

(۱۱) شادی شدہ شخص معاشرہ میں الگ تھلگ نہیں رہتا اور اس کو عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی معاشرتی اور تمدنی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۲) اولاد کی شادی بیاہ کی وجہ سے نئی نئی رشتہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۳) بچے اگر کم عمری میں فوت ہو جائیں تو وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کی مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۱۴) ماں باپ کی تعلیم کی وجہ سے اولاد جو نیکیاں کرتی ہے ان کا اجر ماں باپ کو ملتا رہتا ہے۔

(۱۵) بعض اوقات اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) نکاح کے ذریعہ انسان کی شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور وہ بدکاریوں سے بچا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نکاح کرتا ہے وہ اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے سو باقی نصف دین کو محفوظ کرنے کے لئے خدا سے ڈرنا چاہئے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۷۶۴۳)

(۱۷) انسان کو بیوی کے ذریعہ سکون ملتا ہے :

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

اللہ وہ ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ (الاعراف : ۱۸۹)

(۱۸) نکاح کی وجہ سے انسان پر اس کی بیوی اور بچوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کے حقوق و فرائض اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں اور اس کی قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۹) انسان اپنے اہل اور عیال کی اصلاح میں مصروف ہوتا ہے اور جو شخص صرف اپنی اصلاح میں منہمک ہو اس سے اس کا درجہ بہت زیادہ ہے جو اپنے اہل و عیال کی اصلاح میں بھی مشغول ہو۔

(۲۰) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اس کے بچے زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ شخص مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔

(کنزالعمال' رقم الحدیث : ۴۴۴۷۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی شخص کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بال بچوں

کے غم میں مبتلا کردیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا اپنی دو رشتہ دار لڑکیوں پر خرچ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کردیا یا ان سے کفایت کردی تو وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث : ۳۹۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا تم میں سے جو عورت تین نابالغ بچوں کی موت پر صبر کرے گی وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب بن جائیں گے ایک عورت نے پوچھا اور دو پر؟ فرمایا دو پر۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث ۱۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۶۳۳' جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۰۵۹' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۸۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۶۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵' ۴۲۹' ۴۵۱' ج ۲ ص ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

بعض لوگوں کی سرپرستی اور ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں وہ لڑکی اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اس کا سرپرست اس سے شادی کرنا چاہتا لیکن اس کو پورا مہر نہیں دینا چاہتا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے ایک سرپرست کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی جو اس کے مال میں شریک ہوتی۔ اس شخص کو اس لڑکی کا مال اور اس کا حسن و جمال پسند آتا وہ اس کے مہر میں عدل و انصاف کئے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا اور اس لڑکی کو جتنا مہر دوسرے لوگ دیتے اس سے کم مہر دینا چاہتا تو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ ان کے مہر میں عدل و انصاف کریں اور رواج کے مطابق ان جیسی لڑکیوں کو جتنا مہر ملتا ہے اتنا مہر ان کو دیں۔ (اور اگر وہ ایسا نہ کریں) تو ان یتیم لڑکیوں کے سوا اور لڑکیاں جو ان کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث ۲۴۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۳۰۱۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۰۶۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح جائز ہے کیونکہ یتیم نابالغ کو کہتے ہیں اور لڑکیوں کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لڑکیاں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلو اور لفظ "ما" عام ہے' اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جواز نکاح کے لئے کفو کی شرط لگانا غلط ہے اور سیدہ کا غیر سید سے نکاح کرنا جائز ہے اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

غیر کفو میں نکاح کے جواز پر احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اس کے خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح

کردو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔
(الجامع الصحیح' رقم الحدیث : ۱۰۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۶۷' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴' مراسیل ابو داؤد ص ۱۱' کنز العمال رقم الحدیث : ۴۴۶۹۵' مصابیح السنۃ رقم الحدیث : ۲۲۹۵)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے :

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کردو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۰۳۲۵' ج ۶ ص ۱۵۳-۱۵۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی در آں حالیکہ وہ غائب تھے۔ ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں وکیل نے کہا بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے' حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں' پھر فرمایا ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے' تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو' میں نے ان کو ناپسند کیا آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو' میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۴۸۰' جامع ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۳۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۲۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۲۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۶۹' موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۲۳۴' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ بنت قیس قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے ان کے کفو نہ تھے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ نکاح کر کے یہ واضح کر دیا کہ غیر کفو میں بھی نکاح جائز ہے اور بسا اوقات اس میں بڑی خیر ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کے بیٹے ابو حذیفہ جنگ بدر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے' حضرت ابو حذیفہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا' سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے' حضرت ابو حذیفہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۰۸۸ سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۲۸۰' مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۵' سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے ایک آزاد قرشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

ان احادیث میں تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لئے نسب میں کفو اور مساوات اور مماثلت کی شرط لگانا ازروئے اسلام صحیح نہیں ہے۔

کفو میں نکاح کی شرط کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کردیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔

(تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ کوئٹہ)

افضل اور انسب یہی ہے کہ کفو میں یعنی ایک جیسے خاندانوں میں نکاح کیا جائے تاکہ شوہر اور اس کی زوجہ کے درمیان ذہنی یگانگت رہے اور خاندان کی ناہمواری کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہ ہوں تاہم اگر کسی وقت کسی وجہ سے ماں باپ کسی مصلحت کی بناء پر غیر کفو میں رشتہ کردیں مثلاً" سیدہ کا غیر سید سے نکاح کردیں تو یہ نکاح جائز ہے امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول کے مطابق کفو شرط ہے اور دوسرے کے مطابق کفو شرط نہیں ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۶) امام مالک کے نزدیک جواز نکاح کے لئے کفو شرط نہیں ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۵۔ ۱۴۴) امام شافعی کے نزدیک غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۵' روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۸۴) فقہاء احناف میں سے امام ابوبکر جصاص اور امام کرخی کے نزدیک کفو مطلقاً" شرط نہیں ہے اور جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی کے اولیاء (سرپرست) غیر کفو میں اس کی مرضی سے نکاح کردیں تو نکاح صحیح ہے اور اگر لڑکی خود غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے اور وہ عدالت سے یہ نکاح منسوخ کرا سکتے ہیں۔ (ردالمختار ج ۲ ص ۳۱۸)

اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل جانبین کے دلائل اور بحث و نظر کے لئے شرح صحیح مسلم ج ۳ اور ج ۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ دو دو سے' تین تین سے اور چار چار سے۔

(النساء : ۳)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص مالی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو وہ بہ شرط عدل و انصاف چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور اگر وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کرسکے تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔

تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات

اسلام نے بہ شرط عدل چار عورتوں سے نکاح کی جو اجازت دی ہے اس پر مستشرقین اعتراض کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کچھ آزاد خیال مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول سے زیادہ حقوق انسانیت کا محافظ سمجھتے ہیں ان ہی لوگوں کے اثر سے پاکستان میں عائلی قوانین بنائے گئے اور بیوی کی اجازت کے بغیر مرد کے لئے دوسری شادی کرنا قانوناً" ممنوع قرار دے دیا گیا۔ سالہا سال سے تادم تحریر پاکستان میں یہ قانون نافذ ہے حالانکہ ملک کے تمام اہل فتویٰ علماء اس قانون کو مسترد کرچکے ہیں۔ بعض معاشرتی مشکلات کے لئے تعدد ازدواج کی رخصت ایک معقول حل ہے اور اس کے بغیر اور کوئی

چارہ کار نہیں ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے ہم فرض کرلیتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کی شرح پیدائش میں ایک اور دو کی نسبت ہے اب اگر ہر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو سوال یہ ہے کہ جو عورتیں بچ جائیں گی ان کے لئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے گا اس مسئلہ کے حل کی صرف تین صورتیں ہیں:

(ا) باقی ماندہ عورتیں تمام عمر شادی کے بغیر گزار دیں اور اپنی جنسی خواہش کبھی کسی مرد سے پوری نہ کریں۔

(ب) باقی عورتیں بغیر شادی کے ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(ج) باقی عورتوں سے وہ مرد شادی کرلیں جو مالی اور جسمانی طور سے اس کے اہل ہوں۔

پہلی صورت فطرت کے خلاف ہے اور عام بشری طاقت سے باہر ہے۔ دوسری صورت دین اور قانون دونوں اعتبار سے ناجائز اور گناہ ہے اس لئے قابل عمل' معروف' فطری اور پسندیدہ صورت صرف تیسری صورت ہے جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بالعموم مرد ساٹھ سال کی عمر تک جنسی عمل کا اہل اور تروتازہ رہتا ہے جب کہ عورت بالعموم دس بارہ بچے جن کر چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد جنسی عمل کے لئے پرکشش یا اہل نہیں رہتی اب اگر صرف ایک بیوی سے نکاح کی اجازت ہو تو مرد اپنی زندگی کے بیس سال کیسے گزارے گا۔ اس کی بھی صرف تین صورتیں ہیں۔

(ا) ان بیس سالوں میں مرد اپنی جنسی خواہش کو بالکل پورا نہ کرے۔

(ب) اس عرصہ میں مرد ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے۔

(ج) اس عرصہ کے لئے مرد دوسری عورت سے نکاح کرلے۔

پہلی صورت غیر فطری ہے اور دوسری صورت غیر قانونی اور غیر شرعی ہے اس لئے قابل عمل صرف تیسری صورت ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ مرد اور عورت کی جسمانی اہلیت میں عمر کا یہی معیار ہو' اس میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ مشکل بہرحال پیش آتی ہے اور تعدد ازدواج کے سوا اس کا اور کوئی معقول حل نہیں ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کی بیوی بانجھ ہوتی ہے جس سے اولاد نہیں ہوسکتی اور انسان اپنی نسل بڑھانے اور اپنا سلسلہ نسب آگے منتقل کرنے کے لئے طبعی طور پر اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے اس مشکل کے حل کی بھی صرف دو صورتیں ہیں۔

(ا) پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلے۔

(ب) پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرلے۔

اور عدل وانصاف کے مطابق اور انسانی ہمدردی کے نزدیک تر صرف دوسری صورت ہے جو اسلام کے تعدد ازدواج کے اصول پر مبنی ہے کیونکہ جو عورت بانجھ ہو اس کو خود بھی اولاد کی پیاس ہوتی ہے اور شوہر کی اولاد سے بھی اس کی ایک گونہ تسکین ہوجاتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شخص کی بیوی ایک متعدی مرض میں مبتلا ہو یا اس کو کوئی ایسی بیماری ہو

جس میں شفاء کی امید بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو اور اس کا شوہر جوان اور صحت مند ہو۔ اب اس شخص کے سامنے صرف چار راستے ہیں۔

(ا) اس عورت کو طلاق دے دے۔

(ب) تمام عمر جنسی خواہش پوری نہ کرے۔

(ج) ناجائز طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔

(د) وہ شخص دوسری شادی کرلے۔ عدل وانصاف اور انسانی ہمدردی کے اعتبار سے یہی صورت قابل عمل ہے۔

چار بیویوں پر اقتصار کی توجیہہ

صاحب استطاعت کو چار بیویوں کی اجازت دینے میں یہ حکمت ہے کہ اگر اس کی صرف ایک یا دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں ماہواری کے ایام میں ہوں اور اس کا خاوند صحت مند' قوی اور توانا ہو تو اس کا نفسانی خواہش پر قابو پانا مشکل ہوگا اور جب اس کی چار بیویاں ہوں گی تو ایسا بہت کم اتفاق ہوگا کہ وہ چاروں بہ یک وقت حیض اور نفاس کے مسائل سے دو چار ہوں اور اگر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہوتی تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ ان کے حقوق ادا نہیں کرسکے گا اور بیویوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی کیونکہ تمام بیویوں کے حقوق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ "اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو"۔ بیویوں کی باری مقرر کرنے میں' ان کے ساتھ جماع کرنے اور ان کے کھانے' پینے' کپڑوں اور رہائش میں مساوات کرنا عدل اور انصاف ہے اور اگر اس کو کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت اور دوسری سے کم ہو تو یہ عدل اور انصاف کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے صرف چار بیویوں پر اکتفا کرنا عدل اور متوسط صورت ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد کی کوئی حد معین نہیں تھی۔ تاہم اسلام میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اسی شخص کے لئے ہے جو عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کرسکے اور چار سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ احادیث میں ہے کہ جن مسلمانوں نے پہلے چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی تھیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو منتخب کرکے رکھ لیں اور باقی کو الگ کردیں۔

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے اور ان کی زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو ان کو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو اختیار کرلیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث' : ۱۱۳۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۵۳)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بیان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کرلو۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۵۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۲۴۲)

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق مذاہب ائمہ

حافظ زکی الدین منذری متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کرلو' اس حدیث کی ظاہری عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جن کو چاہے رکھ لے۔ خواہ ان تمام بیویوں سے عقد واحد میں نکاح کیا ہو یا ہر بیوی سے الگ الگ عقد کیا ہو اور اس میں پہلی اور پچھلی کا امتیاز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے بغیر کسی استثناء اس کی طرف اختیار مفوض کردیا ہے۔

امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور اسحٰق بن راہویہ' محمد بن الحسن اور حسن بصری سے بھی یہی منقول ہے۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری نے یہ کہا ہے کہ اگر ان سب سے عقد واحد میں نکاح کیا ہے تو تمام بیویوں کو اس سے الگ کردیا جائے گا اور اگر اس نے متعدد بیویوں سے یکے بعد دیگرے ترتیب سے نکاح کیا ہے تو علی الترتیب پہلی چار سے نکاح صحیح ہوگا اور چار سے زائد بیویوں کو اس سے الگ کردیا جائے گا۔

حافظ منذری فرماتے ہیں مذکور الصدر احادیث سے یہ معنی باطل ہوجاتا ہے کیونکہ ان احادیث کی رو سے یہ جائز ہے کہ جس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہیں وہ ان میں سے کسی بھی چار بیویوں کو اختیار کرلے خواہ وہ پہلی ہوں یا پچھلی' اور جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جن کے ساتھ ماضی میں نکاح صحیح تھا وہ اسلام لانے کے بعد نکاح میں برقرار رہیں گی تو ان پر یہ لازم آئے گا کہ ماضی میں جو نکاح بغیر گواہ اور ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے ہوں وہ بھی اسلام لانے کے بعد صحیح نہ ہوں اور نہ وہ نکاح صحیح ہوں جو پہلے خاوند کی عدت میں کئے گئے اور اگر یہ نکاح اس لئے صحیح قرار دیئے جائیں کہ یہ جاہلیت کے نکاح تھے اور اسلام لانے کے بعد وہ معاف ہوگئے ہیں تو اسی طرح متعدد ازواج کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے اور تقدیم اور تاخیر سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اگر کسی نے جاہلیت میں اپنی ماں یا بہن سے نکاح کرلیا تو وہ بھی اسلام لانے کے بعد صحیح ہونا چاہئے کیونکہ ماں یا بہن ذوات میں سے ہیں وہ ہر حال میں ماں اور بہن ہی رہیں گی اس کے برخلاف کسی بیوی کا مقدم یا موخر ہونا اوصاف میں سے ہے۔

(مختصر سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۱۵۷۔ ۱۵۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

ہاں امام اعظم کے مذہب پر اس حدیث کا جواب مشکل ہے کیونکہ ابن ہبیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں تو امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر ان سب سے بہ یک وقت نکاح کیا ہے تو یہ نکاح باطل ہے اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے تو پہلی چار کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا اور باقی کے ساتھ نکاح باطل ہوگا' اور ائمہ ثلاثہ نے حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو اختیار ہوگا وہ ان میں سے جن چار کو چاہے اپنے نکاح میں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث صحیحہ صریحہ کا اقوال ائمہ پر مقدم ہونا

اس مسئلہ میں بلکہ ہر مسئلہ میں ہمارا یہ موقف ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ ہر امام کے قول پر مقدم ہیں البتہ جس مسئلہ

ہیں دو حدیثیں ہوں کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا تو ہم اسی حدیث پر عمل کریں گے جس پر ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اس کی وجوہ ترجیح بیان کریں گے جیسا کہ عنقریب مہر کی مقدار میں انشاء اللہ واضح ہو جائے گا' اور جس مسئلہ میں بہ ظاہر قرآن اور حدیث کا تعارض ہو اور ہمارے امام نے قرآن پر عمل کیا ہو ہم اس حدیث کو قرآن مجید کے مطابق کر کے اس کی توجیہہ کریں گے اور جس مسئلہ میں ایک طرف حدیث ہو اور دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہو تو اس صورت میں ہمارے نزدیک حدیث مقدم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث کو کسی امام کے قول اور اس کی رائے کی بناء پر ترک کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے' اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور زیر بحث صورت ایسی ہی ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے جس شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ شخص اور اس کی تمام بیویاں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو اس شخص کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے جن چار کو چاہے رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے' میں نے تقریباً" بیس اکیس سال پہلے تذکرۃ المحدثین میں اس کے خلاف لکھا تھا' اس سے میں اب رجوع کرتا ہوں۔

نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کا بیان

تعدد ازدواج کی بحث میں مستشرقین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں اور ان کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا زیادہ نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے' نیز آپ نے تزویج کی زیادہ سے زیادہ حد چار بیویاں مقرر کی ہے پھر آپ کا یہ عمل خود آپ کے قول کے خلاف ہے۔

نبی ﷺ کی ازواج کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی وہ ایک بیوہ خاتون تھیں پچاس سال کی عمر تک آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ پچیس سال بعد حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی اس کے بعد آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ہجرت سے دو سال پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا تھا اور ہجرت کے ایک سال بعد ان کی رخصتی عمل میں آئی پھر واقعہ بدر کے دو سال بعد حضرت ام سلمہ سے نکاح ہوا' ہجرت کے دو سال بعد حضرت حفصہ سے نکاح ہوا پھر ۳ھ میں حضرت زینب بن جحش سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت جویریہ سے نکاح ہوا پھر ۶ھ میں حضرت ام حبیبہ سے نکاح ہوا۔ پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ سے نکاح ہوا پھر میمونہ بنت الحارث پھر فاطمہ بنت سریح پھر زینب بنت خزیمہ پھر ہند بنت یزید پھر اسماء بنت النعمان پھر قتیلہ بنت الاشعث پھر سناء بنت اسماء سے نکاح کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۴۵)

ابو طاہر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے پندرہ خواتین سے نکاح کیا' تیرہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور آپ کے پاس گیارہ ازواج نکاح میں جمع ہو گئیں اور جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔

مشہور یہ ہے کہ گیارہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور دو میں اختلاف ہے ان گیارہ ازواج میں سے چھ قرشیہ تھیں چار غیر قرشیہ اور ایک بنو اسرائیل میں سے تھیں۔

جو چھ ازواج قرشیہ تھیں ان کی تفصیل یہ ہے: حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت ام سلمہ' حضرت سودہ بنت زمعہ' اور جو چار ازواج عربیہ غیر قرشیہ تھیں وہ یہ ہیں: حضرت زینب بنت جحش'

حضرت میمونہ بنت الحارث، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویرہ بنت الحارث، اور ایک بنو اسرائیل میں سے ہیں حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب۔

تعدد ازواج کا آپ کی خصوصیت ہونا

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نبی ﷺ کا متعدد ازواج سے نکاح کرنا کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نفسانی خواہش کا غلبہ زیادہ سے زیادہ بیس سے پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک بال بچوں والی بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے پچاس سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا اگر تعدد ازواج کی وجہ حظ نفسانی ہوتا تو آپ جوانی میں کسی حسین، کم عمر اور کنواری لڑکی سے نکاح کرتے بلکہ ایسی متعدد لڑکیوں سے نکاح کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا اور مکہ کی زندگی میں ترپین سال کی عمر تک آپ کے حرم میں صرف ایک زوجہ تھیں پہلے حضرت خدیجہ اور پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور مدینہ منورہ میں ہی آپ کے حرم میں متعدد ازواج آئیں جن میں سے حضرت عائشہ کے علاوہ باقی تمام ازواج معمر، بیوہ یا مطلقہ خواتین تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج کا تعدد کسی حظ نفسانی پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خانگی اور عائلی زندگی میں اسلام کے احکام کی روایت اور تبلیغ تھی اور زیادہ سے زیادہ خاندانوں کے ساتھ رشتہ قائم کرنا تھا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر ہوں اور کئی مسلم خاندانوں کو رشتہ داری کا شرف عطا کرنا تھا اور کئی عیالدار خواتین سے نکاح کرکے سوتیلے بچوں کی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا تھا نیز یہ بتلانا تھا کہ عام مسلمان تو دو بیویوں کے درمیان بھی عدل اور انصاف قائم نہیں کرپاتے تو سلام ہو ان کی سیرت کی عظمت پر جنہوں نے بہ یک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل وانصاف کو قائم رکھا اور یہ کہ نبی ﷺ کا عمل ہر شعبہ میں آپ کے قول سے بڑھ کر ہوتا ہے آپ نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو بیویوں میں عدل کرکے دکھایا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبی ﷺ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں عام افراد امت کے مساوی نہیں ہیں بلکہ احکام شرعیہ کے ہر شعبہ میں آپ کی انفرادیت اور خصوصیت ہے، آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا آپ کے فضلات طیب وطاہر ہیں۔ نماز میں آپ قبلہ کی طرف منہ کرنے کے محتاج نہیں بلکہ قبلہ اپنے قبلہ ہونے میں آپ کی توجہ کا محتاج ہے، آپ کا نماز پڑھنا اس لئے ہے کہ آپ اپنے رب سے راضی ہوں، زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں، صدقات آپ کے لائق نہیں بلکہ قیامت تک آپ کی آل کے بھی لائق نہیں۔ نکاح میں آپ کے لئے تعدد کی شرط نہیں، مہر مقرر کرنا آپ پر ضروری نہیں، ازواج میں باریوں کی تقسیم بھی آپ پر واجب نہیں، آپ کسی کو اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے کیونکہ آپ زندہ ہیں اسی طرح آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج کا کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں، سو جس طرح دیگر احکام شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا امتیاز قائم رکھا ہے نکاح میں تعدد ازدواج کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعدد ازدواج کی تفصیل وار حکمتیں

(۱) نبی ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ عتیق بن عائذ کے نکاح میں تھیں ان سے ایک بیٹی ہند تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے ابوہالہ مالک بن نباش کے ساتھ نکاح کیا اور ان سے ہند اور ہالہ نام کے دو بیٹے پیدا ہوئے (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۴) زمانہ جاہلیت میں حضرت خدیجہ کا لقب

طاہرہ تھا۔ نبی ﷺ مضاربت پر ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ نبی ﷺ کی امانت اور دیانت سے متاثر ہوئیں۔ نبی ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ ہجرت سے چار یا پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ سے رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ ان سب نے زمانہ اسلام پایا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ایک صاحب زادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ ایک اور صاحبزادہ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے ساتھ چوبیس یا پچیس سال تک زندہ رہیں اور ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ سے آپ کا نکاح عام عادت اور فطرت کے مطابق ہوا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد امجاد حضرت خدیجہ سے ہی مقدر کر دی تھی۔

(۲) حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی دوسری زوجہ ہیں۔ امام طبرانی اور احمد نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے نکاح کر لیں اور چاہیں تو بیوہ سے کر لیں۔ کنواری عائشہ بنت ابی بکر ہیں اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں رضی اللہ عنہما۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرا ذکر کرو۔ الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۱) ہجرت سے دو سال پہلے حضرت عائشہ سے نکاح ہوا اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی اور ہجرت کے ایک سال بعد حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی (صحاح ستہ) نو سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں اور سترہ رمضان منگل کی شب ۵۸ ہجری میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عادت اور فطرت کے مطابق نکاح ہوا اور جب نکاح ہوا تو تعدد ازواج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور ان کے ساتھ نکاح کرنے میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپ کے سب سے زیادہ معتمد صحابی تھے ان کو رشتہ کی فضیلت عطا کرنی تھی کہ وہ آپ کے خسر ہو گئے۔ جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے ساتھ اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کر کے آپ نے ان کو دامادی کی فضیلت عطا فرمائی، اور کمسن اور کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا نمونہ قائم کرنا تھا اور یہ بتلانا تھا کہ دوست اور ایمانی بھائی حقیقی بھائی نہیں ہوتا اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۳) آپ کی تیسری زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ بہت پہلے اسلام لا کر بیعت کر چکی تھیں۔ یہ آپ سے پہلے اپنے عمزاد سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ وہ حضرت سودہ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جب یہ دونوں مکہ میں آئے تو ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا پھر آپ نے نبوت کے آٹھویں یا دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ حضرت عمر کی خلافت کے اخیر میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام واقدی سے منقول ہے کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے دوران چون (۵۴) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

ان سے نکاح کے وقت بھی تعدد ازواج کا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ حضرت خدیجہ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عائشہ کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ان سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ یہ قریش اور اپنے اعزہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں جب یہ حبشہ سے واپس آئیں تو ان کے خاوند فوت ہو گئے اب اگر یہ اپنے عزیزوں میں لوٹ جاتیں تو وہ ان پر اور زیادہ ظلم و ستم کرتے اور ان کے دین کو آزمائش میں ڈال دیتے۔ نبی ﷺ نے ان کے حال پر ترس کھا کر ان سے عقد کر کے ان کو اپنی حفاظت اور اپنی پناہ میں لے لیا اور انہیں ان کے اسلام اور ان کی ہجرت کی جزا دی۔ نیز اس میں آپ کی سیرت کا یہ نمونہ ہے کہ کسی بے سہارا بیوہ عورت سے نکاح کر کے اپنی حفاظت میں لے لینا آپ کی سنت اور آپ کی پاکیزہ سیرت ہے۔ ہجرت کے ایک سال بعد آپ کی دو بیویاں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ آپ کے پاس جمع ہو گئیں اور اسی وقت تعدد ازواج کی ابتداء ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۴ سال تھی۔

(۴) آپ کی چوتھی زوجہ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ نبی ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ یہ پہلے حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے بدر میں حاضر ہوئے اور مدینہ میں فوت ہو گئے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۱۲۲) ہجرت کے تیس ماہ بعد شعبان میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان سے نکاح کا سبب حضرت عمر کی دلداری تھا اور ان کو اپنے رشتہ کی فضیلت عطا کرنا تھا جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔

(۵) آپ کی پانچویں زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں ان کا لقب ام المساکین تھا کیونکہ یہ بہت زیادہ صدقہ اور خیرات کرتی تھیں۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث نے ان سے نکاح کر لیا وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ان سے نکاح کیا تھا۔ یہ نکاح حضرت حفصہ سے نکاح کے بعد ہوا تھا۔ ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے پاس دو یا تین ماہ رہیں۔ اس کے بعد فوت ہو گئیں۔ حضرت زینب چونکہ دوسروں کا سہارا بنی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ان کے بیوہ ہونے کے بعد ان کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ ان سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ یہ بہت صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس نیکی کے صلہ میں ان کو شرف زوجیت بخشا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کی چھٹی زوجہ حضرت ام سلمہ عاتکہ بنت عامر رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد تھے۔ انہوں نے اور ان کے شوہر نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان سے سلمہ' عمر' رقیہ اور زینب چار بچے پیدا ہوئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ۴ھ میں فوت ہو گئے۔ وہ غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے' وہ احد کی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے' ہجرت کے ۳۵ ماہ بعد وہ فوت ہو گئے تھے' عدت پوری ہونے کے بعد شوال چار ہجری میں ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس مسلمان کو وہ

مصیبت پہنچے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی اور وہ یہ دعا کرے ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ مجھ کو اس مصیبت میں اجر دے اور اس کے بعد مجھے اس سے اچھی چیز عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۱۸) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں سوچتی تھی میرے لئے ابو سلمہ سے اچھا کون ہو گا؟ مجھے پہلے حضرت ابوبکر نے نکاح کا پیغام دیا میں نے انکار کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کہا مرحبا! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو میرا شوہر بنا دیا۔ میں نے اپنے بچوں کا عذر پیش کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تم کو ان سے مستغنی کر دے گا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۱۸)

یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں چوراسی سال کی عمر گزار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ امام طبرانی نے سند معتمد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کی وفات ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ کی وفات ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی یہ حکمت تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ! مجھے ابو سلمہ سے بہتر شوہر عطا فرما۔ آپ کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا نیز بچوں والی بیوہ عورت سے نکاح کرنا اور اس کے بچوں کی پرورش کرنا آپ کی سنت اور آپ کا اسوہ قرار پایا۔

(۷) آپ کی ساتویں زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تو آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب آزاد اور بنو اسد کے معزز گھرانے سے تھیں اس وجہ سے ان میں ناچاقی رہتی تھی۔ حضرت زید رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایتیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کو صبر وتحمل کی تلقین کرتے رہتے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نکاح آپ سے کر دے گا لیکن آپ کو یہ پریشانی تھی کہ عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دیتے ہیں اور بیٹے کی بیوی سے نکاح ممنوع ہے تو وہ اس نکاح کی وجہ سے آپ کی نبوت پر طعن کریں گے اور اس سے آپ کی تبلیغ پر اثر پڑے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نکاح ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی بیوی سے انقطاع نکاح کے بعد نکاح کرنا جائز ہے تاکہ مسلمانوں پر اس نکاح میں تنگی نہ ہو۔ بالآخر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تنگ آکر حضرت زینب کو طلاق دے دی اور عدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زوجنکھا نازل فرما کر آپ کا حضرت زینب سے خود نکاح کر دیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بغیر کسی عقد کے حضرت زینب آپ کی زوجہ ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

اور جب آپ اس شخص سے فرماتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو' اور آپ اپنے دل میں اس چیز (حضرت زینب سے نکاح) کو چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ لوگوں (کے اس اعتراض کہ بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا) سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ

مَفْعُوْلًا ۔(الاحزاب : ۳۷)

اس سے ڈریں اور جب زید نے (ان کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کرلی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کردیا تاکہ (اس کے بعد) مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ (طلاق دے کر) ان سے بے غرض ہو جائیں' اور اللہ کا حکم ضرور ہو کر رہتا ہے۔

۳ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح کردیا ایک قول ۴ ہجری کا ہے اور ایک قول ۵ ہجری کا ہے۔ اس وقت حضرت زینب کی عمر پینتیس سال تھی۔ حضرت زینب دیگر ازواج سے فخر سے کہتی تھیں کہ تمہارا رسول اللہ ﷺ سے نکاح تمہارے اہل نے کیا ہے اور میرا آپ سے نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۰ھ میں ہوئی اور حضرت عمر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اس وقت آپ کی عمر ترپن سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت زینب سے نکاح کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ آپ کی سیرت میں یہ نمونہ ہو کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا۔

(۸) رسول اللہ ﷺ کی آٹھویں زوجہ محترمہ حضرت جویریہ بنت الحارث ہیں آپ پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں جو حالت کفر میں قتل کئے گئے تھے۔ ۶ھ غزوہ بنو المصطلق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو حضرت جویریہ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ (یہ غزوہ بنو المصطلق میں گرفتار کرکے باندی بنالی گئی تھیں) انہوں نے نو اواق چاندی (ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے) پر ان کو مکاتب کردیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں۔ حارث اپنی قوم کا سردار تھا آپ کو معلوم ہے مجھے باندی بنالیا گیا ہے۔ آپ میری مکاتبت کی رقم ادا کرکے مجھے آزاد کردیجئے۔ آپ نے فرمایا میں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔ کہا ہاں! فرمایا میں تمہاری رقم ادا کرکے تم سے نکاح کرلوں۔ وہ راضی ہوگئیں۔ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بنو المصطلق تو رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہیں ہم ان کو کیسے غلام بنائے رکھیں تو سب مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے غلام آزاد کردیئے اور بنو المصطلق کے سو (۱۰۰) نفوس آزاد کردیئے گئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کے لئے اتنی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷)

حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا ۷۰ سال کی عمر گزار کر ربیع الاول ۵۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔ مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت جویریہ سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس نکاح کی وجہ سے بنو المصطلق کے سو نفوس آزاد کردیئے گئے اور آپ کی زندگی میں ایک باندی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرنے کا نمونہ حاصل ہوا۔

(۹) رسول اللہ ﷺ کی نویں زوجہ حضرت صفیہ بنت حیی بنت اخطب ہیں یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں

سے ہیں۔ ان کے والد بنو النضیر کے سردار تھے۔ ان کے پہلے خاوند قتل کر دیئے گئے تھے۔ فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی پھر آپ نے سوار ہو کر کہا اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے علاقہ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو جن کو پہلے ڈرایا جا چکا ہے ان کی کیسی بری صبح ہوتی ہے۔ یہودی اپنی گلیوں سے نکلے اور کہنے لگے (سیدنا) محمد (ﷺ) لشکر کے ساتھ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان پر غالب آگئے۔ ان کے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے قیدیوں میں سے ایک لڑکی دیجئے۔ آپ نے فرمایا ایک لڑکی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی کو لے لیا پھر ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! آپ نے دحیہ کو حضرت صفیہ بنت حیی عطا کر دی جو قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں وہ آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا صفیہ کو لاؤ۔ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت دحیہ سے (فتنہ فرو کرنے کے لئے) فرمایا قیدیوں میں سے اس کے سوا کوئی اور باندی لے لو۔ پھر نبی ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ثابت نے حضرت انس سے پوچھا ان کا مہر کتنا تھا؟ حضرت انس نے کہا ان کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا۔ حضرت ام سلیم نے ان کا بناؤ سنگھار کر کے راستہ میں قیام کی ایک جگہ پر رات کو انہیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا نبی ﷺ نے بہ طور عروس کے صبح کی، پھر آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کھانے پینے کی چیز ہو لے آئے۔ پھر چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا کوئی کھجوریں لایا کوئی ستو کوئی گھی پھر اس کا ایک طعام بنایا گیا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ولیمہ تھا۔ (صحیح بخاری : ۹۴۷، ۳۷۱، صحیح مسلم : ۱۳۵۶، سنن ابوداؤد : ۲۰۵۴، سنن ترمذی : ۱۱۱۵ فی نسخۃ ۱۱۱۸، سنن نسائی : ۳۳۴۲، سنن ابن ماجہ : ۱۹۵۷، مسند : ج ۳ ص ۱۰۲، تحفۃ الاشراف : ۲۹۱)

حضرت صفیہ رمضان المبارک ۵۰ یا ۵۲ میں فوت ہوئیں اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر وہ کسی اور کے حصہ میں آتیں تو فتنہ اور نزاع پیدا ہوتا کیونکہ وہ نبی زادی تھیں قریظہ اور نضیر کی سردار تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کے ساتھ نکاح پر صحابہ راضی نہ ہوتے نیز ان کے والد قریظہ کے ساتھ قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کے شوہر جنگ خیبر میں مارے گئے تھے اس لئے ایسی شریف النسب خاتون جو دل شکستہ ہو چکی تھیں ان کی تالیف قلب اور ان کے اسلام کی یہی صورت تھی اور اس سے بنو اسرائیل کی تالیف قلب بھی ہوئی کہ ان کی معزز خاتون کو نبی ﷺ نے شرف زوجیت بخشا۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کی دسویں زوجہ حضرت ام حبیبہ ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت ابو سفیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہ عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ اس سے حبیبہ نام کی لڑکی پیدا ہوئی اسی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ ہے۔ عبیداللہ نے دوسری ہجرت ان کے ساتھ حبشہ کی طرف کی وہ وہاں نصرانی ہو کر مر گیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا اس نے آپ کا حضرت ام حبیبہ سے نکاح کر دیا۔ نجاشی نے رسول اللہ کی طرف سے چار سو دینار مہر رکھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بکر بن حزم سے روایت کیا ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا تھا اور جس دن حضرت ام

حبیبہ مدینہ آئی تھیں اس وقت ان کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پاگئیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۰۰-۹۹)

امام ابن جوزی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ جب ابو سفیان بن حرب مدینہ میں صلح کی مدت دراز کرنے کی درخواست لے کر آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور نہیں کی۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ سے ملنے گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا۔ اس نے متعجب ہو کر پوچھا کیوں؟ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم ناپاک مشرک ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۹۶-۱۹۵)

اس نکاح میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ام حبیبہ ہجرت کر کے حبشہ آئیں ان کا شوہر نصرانی ہو کر مرگیا اور یہ ہجرت اور اسلام پر قائم رہیں۔ ان کا باپ سخت دشمن اسلام تھا۔ اب حکمت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا کیا تھا کہ اسلام کے لئے ایسی قربانی دینے والی خاتون کو شوہر کے مرنے کے بعد بے سہارا چھوڑ دیا جاتا جب کہ اس کا باپ اسلام کا کٹر دشمن تھا یا اسلام کی خاطر قربانی دینے والی اس خاتون کو صلہ دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کر لیتے نیز اس نکاح کی وجہ سے بنو امیہ کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا اور اسلام کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کا ایک قوی ذریعہ پیدا ہو گیا۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں زوجہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام پہلے برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ ان کی بڑی بہن کا نام ام الفضل لبابہ کبریٰ تھا جو حضرت عباس کی بیوی تھیں اور چھوٹی بہن کا نام لبابہ صغریٰ تھا جو ولید بن مغیرہ کی بیوی اور حضرت خالد بن ولید کی ماں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے ابی رھم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں وہ مر گیا تھا اور یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۱۲-۴۱۱)

امام محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے بعد اگلے سال ذوالقعدہ ۷ھ میں (فتح خیبر کے بعد) عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے وہاں جا کر آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت جعفر نے یہ پیغام پہنچایا تو حضرت میمونہ نے یہ معاملہ عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۷-۴۰۶)

حافظ ابن عبد البر' حافظ عسقلانی' امام محمد بن سعد اور علامہ زرقانی سب نے اس نکاح کا سال ۷ھ ہی لکھا ہے لیکن علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ نے ابو عبیدہ معمر بن المثنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ نکاح محرم ۸ھ میں مقام سرف پر ہوا تھا۔ جب آپ عمرہ قضا کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۲۰۸)

امام ابن سعد نے بہ کثرت روایات سے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ نکاح ہوا اس وقت آپ محرم تھے۔

حضرت میمونہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ علامہ زرقانی نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی ہے۔ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں معتمد سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۲۵۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت یہ تھی کہ قبیلہ بنو ہاشم کی مختلف شاخوں کے ساتھ آپ کی قرابت اور رشتہ داری ہو جائے اور اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں آسانی ہو۔

نبی ﷺ کے نکاحوں کی تاریخ اور ترتیب میں بہت اختلاف ہے میں نے سیرت کی مختلف کتابوں کے تتبع اور مطالعہ سے یہ ترتیب قائم کی ہے لیکن یہ حتمی نہیں ہے۔ میں نے ازواج مطہرات کی مختصر سوانح جو بیان کی اس کا ماخذ یہ کتابیں ہیں : الطبقات الکبریٰ' الاستیعاب' الاصابہ' شرح الزرقانی اور سبل الہدیٰ والرشاد۔

نبی ﷺ کا تعدد ازدواج کمال ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہتات؟

نبی ﷺ کے تعدد ازدواج کی بحث میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح احادیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بھی سو بیویاں تھیں اور انبیاء علیہم السلام کو غیر معمولی قوت حاصل ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات اور دن کی ساعت واحدہ میں تمام ازواج کو مشرف فرماتے اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا ہم آپس میں یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت ہے۔ ایک اور سند سے قتادہ سے یہ روایت ہے کہ آپ کی نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۶۸)

صحیح الاسماعیلی میں ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کی طاقت تھی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

امام ابو نعیم نے مجاہد سے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی اور امام ترمذی نے جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں مومن کو اتنی اتنی عورتوں سے جماع کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! کیا مومن کو اتنی قوت ہوگی؟ آپ نے فرمایا مومن کو سو مردوں کی طاقت ہوگی۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے' اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے روایت کیا ہے جب ہم چالیس کو سو سے ضرب دیں تو حاصل ضرب چار ہزار کے برابر ہوگا اور ابن العربی نے لکھا ہے کہ آپ کو چار ہزار مردوں کی طاقت تھی پھر اس کے باوجود آپ کھانے پینے اور جماع کرنے میں کس قدر ضبط سے کام لیتے تھے!

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ)

سوچئے جن کو اللہ تعالیٰ نے چار ہزار مردوں کی قوت جماع عطا فرمائی تھی انہوں نے بہ یک وقت نکاح میں صرف نو ازواج کو جمع کیا وہ بھی مختلف تبلیغی وجوہات سے اور یہ تعدد ازواج بھی چون سال کی عمر سے شروع ہوا اور اکسٹھ باسٹھ سال کی عمر میں جاکر نو ازواج اکٹھی ہوئیں تو اتنی زیادہ جنسی طاقت رکھنے کے باوجود صرف عمر کے آخری حصہ میں نو ازواج کو جمع کرنا اپنے نفس پر کمال ضبط اور غایت اعتماد ہے یا حظ نفسانی کی بہتات!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور عورتوں کو ان کے مہر نحلہ (خوشی سے) ادا کرو۔

نحلہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور عدل و انصاف میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں ان کا مہر ادا کرنا بھی ہے اس لئے اس آیت میں فرمایا : اور عورتوں کو

ان کے مہر نحلہ (خوشی) سے ادا کرو۔ نحلہ کا معنی شریعت اور فریضہ بھی ہیں اور ہبہ اور عطیہ بھی ہیں۔ پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر از روئے شریعت اور بہ طور فرض ادا کرو' یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر کو ادا کرنا تم پر فرض کردیا ہے' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتے تھے' اور دوسری صورت میں اس آیت کا معنی ہے۔ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے۔ نحل کا معنی کسی کام کو خوشی سے کرنا بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں دل تنگ نہ کرو۔

مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نکاح کے ساتھ مہر کو مقرر نہیں کیا گیا۔ مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے تو دوسری جگہ نکاح ہونے تک اس کے پاس کچھ رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے یا گزر اوقات کا کوئی اور معاشی ذریعہ مقرر ہونے تک اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے۔ اسلام نے مردوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا مہر ادا کریں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب آیات اور احادیث سے واضح کریں گے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کا محافظ اور ضامن صرف مذہب اسلام ہے۔

مہر ادا کرنے کی تاکید اور مہر ادا نہ کرنے پر وعید

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا : وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی۔ الآیہ' حضرت عائشہ نے فرمایا ایک یتیم لڑکی اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی تھی۔ وہ اس کے حسن اور اس کے مال کی وجہ سے اس کی طرف راغب ہوتا تھا اور اس جیسی لڑکیوں کے مہر سے کم مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کردیا گیا ماسوا اس کے کہ وہ ان کا پورا پورا مہر مقرر کریں' ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی : ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن۔ حضرت عائشہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا کہ جب یتیم لڑکی مالدار اور حسین ہو' اور اس کے ولی (سرپرست) اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوں اور اس کو پورا پورا مہر نہ دیں' اور جب اس کے مال اور اس کی شکل وصورت میں ان کو رغبت نہ ہو تو (ان دو صورتوں میں) کسی اور عورت سے نکاح کرلیں' اور جب وہ اس کے حسن اور مال میں رغبت کریں تو اس سے نکاح کرنا ان کے لئے صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ اس کو پورا پورا مہر ادا کریں اور اس کا حق نہ ماریں۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۷۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ تھا۔ اس شخص نے اس عورت کو دھوکا دے کر اس کی فرج کو حلال کرلیا' قیامت کے دن وہ اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی شخص سے قرض لیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ اس قرض کو واپس کرنے کا نہ تھا' بہ خدا اس نے اس شخص کو دھوکا دیا اور باطل کے عوض اس

کے مال کو حلال کر لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲' المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۷۳۰۱' اس حدیث کا ایک راوی مجہول ہے باقی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں : کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی خواہ اس کا مہر کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ اس مہر کو ادا کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے اس عورت کو دھوکا دیا اور اگر اس نے اس عورت کا حق ادا نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ صاحب مال کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اس نے اس کو دھوکا دے کر اس کا مال لیا اور اگر وہ اس کا قرض ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (المعجم الصغیر' رقم الحدیث : ۱۱۱' المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۱۸۷۲)

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے مہر کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

ابو سلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کتنا مہر مقرر کرتے تھے' حضرت عائشہ نے فرمایا آپ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا فرمایا تم جانتے ہو نش کیا ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے)۔ تو یہ پانچ سو درہم ہو گئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۲۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۸۸۶' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۱۹۹' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۵' سنن النسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۷' مسند احمد ج ۶ ص ۹۴' جامع الاصول' رقم الحدیث : ۹۸۳۴)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہو گئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کر دیا اور ان کا چار ہزار درہم مہر مقرر کیا اور ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا چار ہزار درہم پر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول فرما لیا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۸)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے گھر کے سامان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۲۰۹۷)

اس حدیث کی سند میں عطیہ عوفی ایک ضعیف راوی ہے لیکن اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۲)

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے گھر کے سامان پر نکاح کیا جس کی مالیت دس درہم تھی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۲۴۷' کشف الاستار عن زوائد البزار ۱۴۲۶' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث : ۳۳۷۲' ابو داؤد طیالسی' رقم الحدیث : ۲۰۲۲' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۱۳۴)

اس حدیث کی سند میں حکم بن عطیہ ایک ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ سچا راوی ہے لیکن اس کے اوہام ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۳۶۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۰۸۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۳۶۵' جامع ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۱۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۰۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۹۵۸' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۳۴۲' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۲۲۴۲' ۲۲۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹' ۱۶۵' ۱۷۰' ۱۸۱' ۲۰۲' ۲۳۹' ۲۴۲' ۲۸۰' ۲۹۱)

نوٹ : دس درہم ۳۰ء۶۱۸ گرام چاندی اور دو سو درہم ۶۱۲ء۳۶ گرام چاندی کے برابر ہے۔

رسول اللہ کی صاحبزادیوں کے مہر کا بیان

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو العجفاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر اس دنیا میں کوئی عزت ہوتی یا اللہ کے نزدیک اس میں تقویٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے کہ آپ مہر میں غلو کرتے اور میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی صاحبزادی کا بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بارہ اوقیہ ۴۸۰ درہم کے برابر ہیں۔ (حضرت عائشہ نے ۵۰۰ درہم کا ذکر کیا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گویا تقریباً" ہے۔ نیز حضرت ام حبیبہ کا مہر جو چار ہزار درہم تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا اس لئے ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۱۷' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۶' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث' ۱۸۸۷' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۲۰۰' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث : ۱۰۳۹۹' موارد الظمآن لزوائد ابن حبان' رقم الحدیث : ۱۲۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۷۶' جامع الاصول' رقم الحدیث : ۹۸۲)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوہے کی ایک زرہ عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اس زرہ کے عوض میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کردیا اور فرمایا یہ زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیج دو سو میں نے بھیج دی بہ خدا اس کی قیمت چار سو اور کچھ درہم تھی۔ (مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۴۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۸۰)

(مجاہد کا حضرت علی سے سماع نہیں ہے۔ امام احمد نے جس شخص سے روایت کیا ہے اس کا حضرت علی سے سماع ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۳)

امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول سے پہلے حضرت علی کو زرہ حطمیہ دینے کا حکم دیا۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۱۲۵' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۳۷۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ مسانید میں اس زرہ کی قیمت کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کی صاحب زادیوں کے مہر کا تفصیلی نقشہ

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:			دیگر ازواج مطہرات کا مہر:		
۴۰۰۰ درہم	۱۲۴۷۲ گرام چاندی	۱۰۵۲ تولہ	۵۰۰ درہم	۱۵۰۹ گرام چاندی	۱۳۱.۵ تولہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:			**سیدہ فاطمہ زہراء کا مہر:**			
۴۰ درہم	۱۲۲.۴۷۲ گرام چاندی	۱۰.۵ تولہ	۴۰۰ درہم	۱۲۲۴.۷۲ گرام چاندی	۱۰۵ تولہ
حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:			**دیگر صاحبزادیوں کا مہر:**		
۱۰ درہم	۳۰.۶۱۸ گرام چاندی	۲.۶۲۵ تولہ	۴۸۰ درہم	۱۴۶۹.۶۴ گرام چاندی	۱۲۶ تولہ

مہر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ (النساء : ۲۴)

تمہارے لئے وہ سب عورتیں حلال کی گئی ہیں جو ان محرمات کے علاوہ ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو در آں حالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو نہ کہ ان سے زنا کرنے والے' پھر جن عورتوں سے (بذریعہ) نکاح تم فائدہ اٹھا چکے ہو تو ان کا مہر ان کو ادا کرو۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ (النساء : ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب : ۵۰)

ہم جانتے ہیں ہم نے جو (مہر) مسلمانوں کی بیویوں کے متعلق ان پر فرض کیا ہے۔

مہر کے ثبوت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا۔ انہوں نے کہا ایک گٹھلی کے برابر سونا آپ نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۵۱۶۷' ۵۱۵۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۲۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۰۹۶' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۹' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۰۷' موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۱۵۷' مسند احمد' رقم الحدیث : ۱۳۳۶۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر اٹھائی پھر نظر نیچے کر لی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو پھر اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا : جاؤ اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے وہ گیا پھر واپس آگیا۔ اس نے کہا بہ خدا مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا دیکھو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو وہ گیا اور واپس آگیا اور اس نے کہا بہ خدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف یہ تہبند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر

تم اس کو پہنو گے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا اور اگر وہ اس کو پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہو گا' وہ شخص بیٹھ گیا جب کافی دیر ہو گئی اور رسول اللہ نے اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے گن کر بتایا کہ اس کو فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۰۸۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۴۲۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۱۱۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۲۶' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۳۲۰۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۸۹' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۱۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶' ۳۳۰' سنن داری' رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے نہ کم از کم نہ زیادہ سے زیادہ' بلکہ ہر وہ چیز جس میں مال بننے کی صلاحیت ہو وہ مہر ہو سکتی ہے۔ امام شافعی اور داؤد (ظاہری) کا بھی یہی مسلک ہے۔ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا اور کہا اگر اس کا مہر ایک رسی بھی ہوتی تو یہ جائز تھا۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' نیز مہر کے عوض عورت کا ایک عضو حلال ہو جاتا ہے تو اس کی وہ مقدار مقرر کی جائے گی جس کے عوض چور کا ایک عضو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے مہر کے متعلق فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو' اور سنن ابو داؤد اور ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا: کیا تو اپنے نفس اور مال کے عوض دو جوتیوں پر راضی ہو گئی ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں!

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۱۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۱۰۴' یہ حدیث عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے)

امام احمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک شخص کسی عورت کا مٹھی بھر طعام مہر رکھے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہو گی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵) نیز اثرم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مٹھی بھر طعام پر نکاح کر لیتے تھے۔ (اس کی سند میں یعقوب بن عطا ایک ضعیف راوی ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ان (محرمات) کے سوا عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو" (النساء: ۲۴) اور مال عام ہے وہ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے' اور چونکہ مہر بدل منفعت ہے اس لئے جس مقدار پر دونوں فریق راضی ہو جائیں وہ جائز ہے جس طرح اجرت ہے' اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "دس درہم سے کم مہر صحیح نہیں ہے" وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو مبشر بن عبید نے حجاج بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے' مبشر ضعیف ہے اور حجاج مدلس ہے' نیز یہ حدیث حضرت جابر سے روایت کی گئی ہے اور ہم حضرت جابر سے اس کے خلاف حدیث بیان کر چکے ہیں' اور بر تقدیر صحت وہ حدیث کسی معین عورت کے معاملہ پر محمول ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے پر ان کا قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ نکاح میں ایک عضو سے نفع حاصل کرنے کی اباحت ہے اور ہاتھ کاٹنے میں ایک عضو کو ضائع کرنا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کی اباحت نہیں ہے نیز یہ سزا اور حد ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ مہر میں زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ   اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح

اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ط کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم بہت مال دے چکے ہو تو اس مال سے کچھ واپس نہ لو۔ (النساء : ۲۰)

(المغنی ج ۷ ص ۱۶۱ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت '۱۴۰۵ھ)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مقرر نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو قیمت اور اجرت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ 'صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے 'حتیٰ کہ حضرت عمر نے تین مٹھی انگوروں کو مہر فرمایا (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۰) اور تابعین میں سے حسن بصری اور سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر رکھا (سنن سعید بن منصور : ۷۲۰) اور فقہاء میں سے ربیعہ 'اوزاعی 'ثوری 'احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک کے نزدیک کم از کم مہر کی مقدار وہ ہے جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے اور وہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں 'امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی کم از کم مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو" (النساء : ۲۴) اور کم تر چیزوں مثلاً" دمڑی اور قیراط پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا 'اور حدیث میں ہے از حجاج بن ارطاۃ از عطا از عمرو بن دینار از جابر بن عبداللہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کفو کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو 'اور سوائے ولی کے اور کوئی نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور یہ نص ہے 'اور یہ ایک مال ہے جس کے عوض ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے 'جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے چوری کا نصاب ہے 'نیز نکاح میں یہ ایک معین چیز کا عوض ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے اور حقوق عقد میں معین چیز مقرر ہوتی ہے جیسے گواہوں کی مقدار مقرر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اور اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی در آں حالیکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا گیا تھا اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے۔ (البقرہ : ۲۳۷)

اس آیت میں لفظ "ما" ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قلیل اور کثیر دونوں مہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث دلیل ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علائق کو ادا کرو 'صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ علائق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ چیز جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹ 'یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے) اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ "ما" (وہ چیز) عام ہے خواہ دونوں فریق قلیل پر راضی ہوں یا کثیر پر۔

امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے دو درہموں سے حلال کیا

اس نے حلال کرلیا۔ (الام ج ۵ ص ۹۵ 'سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸ 'یہ حدیث بھی بلاغات سے ہے اور منقطع ہے)

ابو ہارون العبدی از ابو سعید خدری 'نبی ﷺ نے فرمایا : اس شخص پر کوئی حرج نہیں ہے جس نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر جب کہ گواہ ہوں اور فریقین راضی ہوں۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹ 'اس کی سند میں ہارون العبدی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا)

عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا کیا تم اپنے نفس اور اپنے مال پر ان دو جوتیوں سے راضی ہوگئی ہو 'اس نے کہا : ہاں! (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے 'سنن ترمذی 'رقم الحدیث : ۱۱۱۵ 'سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث : ۱۸۸۸ 'سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹ 'مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۵ 'اس حدیث کی سند میں عاصم بن عبد اللہ ہے وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے)

ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کردیا تھا' تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۰۸۷) اور لوہے کی انگوٹھی قیمتی جواہر میں سے نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم مہر ہوسکتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ انگوٹھی کسی خاص لوہے کی ہو جو دس درہم کی ہو اسی طرح وہ جوتیاں بھی دس درہم کی ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کے اسلوب کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی بے قیمت چیز ہو ورنہ آپ اس کے بجائے دس درہم فرماتے تو وہ زیادہ سہل تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی عورت کو دو مٹھی طعام مہر دے تو وہ عورت اس پر حلال ہوجائے گی۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۱۰ 'سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸ 'اس حدیث کی سند میں ابو الزبیر ہے وہ حضرت جابر کی روایت میں تدلیس کرتا تھا اور صالح بن مسلم ہے اس کو ابن معین نے کہا کہ یہ ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک مٹھی یا دو مٹھی آٹے پر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نکاح کرلیا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۰ 'اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عطاء ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔)

ان احادیث میں دس درہم سے کم مہر ہونے کی تصریح ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (ماسوا امام بخاری کی روایت کے باقی روایات کا ضعف ہم نے بیان کردیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور قیاس سے دلیل یہ ہے کہ یہ ایک منفعت کا عوض ہے اور اس میں کم از کم مقدار معین نہیں ہوتی جس طرح اجارہ (اجرت) میں ہوتا ہے' نیز خلع بھی اسی چیز کا بدل ہے اور اس میں بھی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے' لہٰذا مہر کی کم از کم مقدار کا متعین ہونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ جزیہ میں کم از کم مقدار معین ہے لیکن وہ کسی منفعت کا عوض نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اور دس درہم سے کم کو مال نہیں مانا یہ صحیح نہیں ہے اول تو اس آیت کا ظاہری معنی متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے' ثانیاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کا مال دینا ہے پھر کہے میں نے اس کا ایک درہم دینا ہے یا نصف درہم دینا ہے تو اس کا یہ قول صحیح ہے' اس

سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم پر بھی مال کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
احناف نے حضرت جابر کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں مبشر بن عبید ضعیف ہے اور حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے علاوہ ازیں حضرت جابر کی دیگر روایات اس کے معارض ہیں' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث کسی خاص عورت کے معاملہ میں ہو جس کا مہر مثل دس درہم ہو۔
فقہاء احناف نے چور کا ہاتھ کاٹنے پر مہر کو قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے' کیونکہ چوری میں اس عضو سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا بلکہ اس کو کاٹ دیا جاتا ہے' ثانیاً" اگر مال کے بدلہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تو پھر چور سے مال واپس نہ لیا جاتا حالانکہ اگر اس سے مال برآمد ہو تو اس سے واپس لیا جاتا ہے اور مالک کو دیا جاتا ہے۔ ثالثاً" اس سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اس مال کے عوض نہیں ہے بلکہ اللہ کی حد توڑنے کی سزا ہے۔ رابعاً" مہر کے ذریعہ عورت کا صرف ایک عضو مباح نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے بدن سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہوتا ہے۔ خامساً" یہ کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا ایک سزا ہے اس لئے اس کا نصاب مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ باقی جنایات میں ہے اس کے برخلاف مہر باہمی رضامندی سے ایک عقد کا عوض ہے اس لئے جس طرح باقی عقود میں کوئی مقدار شرعاً" معین نہیں ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان کا شہادت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت عقد کی شرائط میں سے ہے اور مہر عقد کا عوض ہے۔
(الحاوی الکبیر ج ۱۲ ص ۱۶-۱۱ ملخصا)

مہر کی مقدار میں غیر مقلدین اور علمائے شیعہ کا نظریہ

غیر مقلدین کا بھی یہی نظریہ ہے شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں نکاح میں کسی قسم کے مال یا منفعت کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے ان کا استدلال بھی لوہے کی انگوٹھی والی حدیث سے ہے۔ (السیل الجرار ج ۲ ص ۲۷۷) حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں: اور مہر حسب حیثیت باندھنا چاہئے جو ادا ہو سکے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۴۷۱) علماء شیعہ کے نزدیک نکاح دائم میں مہر کا معین کرنا لازم نہیں اور نکاح عارضی میں مہر معین کرنا لازم ہے لیکن مقدار معین نہیں۔
(شرائع الاسلام ج ۲ ص ۲۴۹)

مہر کی مقدار میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:
امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے' انہوں نے چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے' اسی طرح امام مالک نے بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے جو ان کے نزدیک مقرر ہے مدینہ میں امام مالک سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں تھا۔ نیز امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔

اور اس آیت میں طاقت سے مراد مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ' ایک دمڑی یا مٹھی بھر جو ہر شخص کی استطاعت میں ہوتے ہیں تو اگر مہر کی مقدار ایک پیسہ ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی

مالی طاقت ہوتی اور اس آیت کا کوئی معنی نہ ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اس لئے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام ابن عبدالبر نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو پھر مسلمان باندی سے نکاح کرلو اور جب کہ باندی کا بھی مہران کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ مراد لینی ہوگی۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۷۲۔۷۱ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ شمس الدین شیخ محمد عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین درہم ہیں یا جو اس کے مساوی سازوسامان ہے اور زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے' اور قول مشہور کے مقابلہ میں ابن وہب مالکی سے ایک درہم منقول ہے اور ابن وہب سے یہ بھی منقول ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور نکاح قلیل اور کثیر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مہر کی مقدار میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو عورتوں کے نکاح صرف ان کے اولیاء (سرپرست) کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو (خاندان) میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے' اور کتاب میں ہے کہ ہمیں حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' عامر اور ابراہیم رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ حدیث پہنچی ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عقد کا بدل ہے اور یہ عقد عاقدین کی طرف مفوض نہیں ہے اس لئے اس کی مقدار شرعاً مقرر ہے جیسے دیت میں ہے اور عورت کے عضو سے استفادہ شرعاً ممنوع ہے جب تک کہ نکاح صحیح نہ ہو اور اس عضو کا عوض واجب نہ ہو خواہ فوراً یا بعد میں' اور یہ مقصود اصل مالیت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا اور مال کا لفظ حقیر اور خطیر دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ مقصود تب پورا ہوگا جب خطیر رقم کو عوض قرار دیا جائے اور وہ مال مقرر ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيٓ أَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب: ۵۰) ہم جانتے ہیں جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے متعلق مقرر فرمایا ہے۔

اور عورت کا عضو مخصوص بھی اس کے نفس کے حکم میں ہے اور عمل تزویج نفس کی چسپدگی کا سبب ہے' اور مال ہی وہ چیز ہے جو نفس میں شرعاً بہ طور بدل مقرر ہوتا ہے' جیسا کہ دیت ہے' اور ہر وہ مال جس کو شرع نے واجب کیا ہو اس کی مقدار بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے' اور اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی بالاتفاق مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اسی طرح مہر کی مقدار بھی شرعاً مقرر ہونی چاہئے۔ امام شافعی نے جو احادیث اور آثار بیان کئے ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد مہر معجل ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ثابت تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تلاش کرو حالانکہ مہر فوراً دینا

واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں مہر سے مراد مہر معجل ہے اور ہمارے نزدیک مہر معجل کی مقدار شرعاً معین نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۸۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۵ سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور جن احادیث میں دس درہم سے کم مہر کا ذکر ہے وہ تمام احادیث مہر معجل پر محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مہر کا کچھ حصہ دخول سے پہلے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب تک عورت کو کوئی چیز پہلے نہ دے دے اس وقت تک دخول نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم زہری اور قتادہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دخول سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حضرت علی نے ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا حتیٰ کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو' تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ دخول کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۲۶' ۲۱۲۵' اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور اس کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی: ۳۳۷۵' اس کی سند صحیح ہے) اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم چاندی تھا' پسندیدہ امر یہ ہے کہ دخول سے پہلے کچھ دے دیا جائے اور بغیر دیئے بھی دخول جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں ایک عورت کو اس کے خاوند کے کچھ دینے سے پہلے اس کے پاس بھیج دوں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۲۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۳' یہ حدیث قوی مرسل ہے) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو دخول سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے' واجب نہیں ہے تاکہ عورت کا دل دخول کے وقت خوش ہو اور اس کی تالیف قلب ہو اور جب یہ امر معروف ہے تو دس درہم سے کم مہر کی جو احادیث ہیں وہ مہر معجل پر ہی محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لوہے کی ایک انگوٹھی ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا وہ بھی تالیف قلب کے لئے بہ طور مہر معجل تھا اور جب وہ اس سے بھی عاجز رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو یہ تمہاری بیوی ہے (سنن ابوداؤد: ۲۱۱۲) اور یہ حدیث اس کا صحیح محمل ہے جس میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۰' صحیح مسلم: ۱۴۲۵' سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱' سنن ترمذی: ۱۱۱۶' سنن نسائی: ۳۲۰۰' سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹) سو یہ ہماری روایت کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے اور اس طریقہ سے احادیث جمع ہو جاتی ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان احادیث کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر کی دس درہم والی روایت کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ دو ضعیف راوی ہیں' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو تقویت پہنچاتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۷' ۲۴۶' ۲۰۰' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۱' ۲۴۰) یہ اثر

حضرت علی‘ حضرت عبداللہ بن عمر‘ عامر اور ابراہیم سے مروی ہے (ہرچند کہ اس اثر کی اسانید میں محمد بن مروان اصغر‘ جو بیر اور غیاث بن ابراہیم داؤد الاودی ضعیف راوی ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے یہ اثر حسن لغیرہ ہے اور حدیث جابر کا موید ہے) شرح طحاوی میں اسی سند کے ساتھ یہ اثر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور چونکہ اس اثر میں نصاب کا عدد معین بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے یہ حدیث حکماً" مرفوع ہے۔ یہ اثر از اودی از شعبی از حضرت علی مروی ہے‘ اور داؤد کو امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہ اعتبار ظاہر کے بہ کثرت احادیث ہیں جو دس درہم کی تعیین کی نفی کرتی ہیں (یہ تمام وہ احادیث ہیں جن کو ہم نے علامہ ماوردی شافعی کی تحریر میں باحوالہ ذکر کردیا ہے) لیکن سوائے لوہے کی انگوٹھی والی حدیث کے باقی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے دو جوتیوں والی حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا وہ فاحش الخطاء ہے‘ امام دار قطنی اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ وہ پیلو کی شاخ ہو۔ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمان بیلمانی ہے‘ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے‘ ابن القطان نے کہا اس کا ضعف ظاہر ہے۔ امام دار قطنی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ "گواہ ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں خواہ تم نے قلیل مال سے نکاح کیا یا کثیر سے"۔ اس حدیث کی سند میں مرہ ضعیف راوی ہے اور اس کی سند میں حماد بن زید کذاب ہے‘ اس کے علاوہ اور بھی آثار ہیں جن کے ضعف کو ہم نے علامہ ماوردی کی تحریر میں ذکر کردیا ہے۔ سعیدی غفرلہ) جس حدیث میں ہے : "جس نے عورت کے مہر میں دو ستو دیئے" اس کی سند میں اسحاق بن جبرائیل ہے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے یہ غیر معروف ہے اور اودی نے اس کو ضعیف کردیا اور اس کی سند میں مسلم بن رومان بھی مجہول ہے اور دو جوتیوں والی حدیث کو ہرچند کہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے‘ ابن الجوزی نے کہا یہ فاحش الخطا ہے‘ غرض یہ تمام آثار ضعیف ہیں اور صحیح حدیث صرف صحاح ستہ کی ہے جس میں آپ نے فرمایا۔ "ڈھونڈو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو" ہمارے نزدیک یہ مہر معجل پر محمول ہے ہرچند کہ یہ خلاف ظاہر ہے لیکن اس کو مہر معجل پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ بعد میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا اس سے نکاح کردیا‘ اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے یا مہر کی بالکلیہ نفی کردی جائے تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے :

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (النساء : ۲۴) اور محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال کردی گئی ہیں کہ تم ان کو اپنے مال سے طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو مہر بنانے کا حکم دیا ہے اس لئے اس حدیث میں مہر معجل کی تاویل کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس عورت کا مہر بہ طور مال اس شخص کے ذمہ تھا جو اس وقت نہیں دیا گیا تھا اب اگر شوہر کے ذمہ اس کا مہر نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خبر واحد نے قرآن مجید کی اس آیت قطعیہ متواترہ کو منسوخ کردیا‘ اور اس وقت مہر کا ذکر نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا کیونکہ جب نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹۔ ۳۰۵ ملخصا" مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

نوٹ : جو مہر شب زفاف میں دخول (عمل تزویج) سے پہلے یا عند الطلب دیا جائے اس کو مہر معجل کہتے ہیں اور جس مہر کی ادائیگی کا وقت مقررہ کر لیا جائے یا جو انقطاع نکاح (طلاق یا موت کے بعد) کے وقت دیا جائے اس کو مہر موجل کہتے ہیں۔

ٹیلی فون پر نکاح کا شرعی حکم

نکاح کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے البتہ امام مالک کے نزدیک گواہوں کی بجائے اعلان شرط ہے۔ جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے، امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر ولی اور دو صالح گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو عورتیں از خود بغیر گواہوں کے نکاح کر لیں وہ فاحشہ ہیں۔
(سنن ترمذی : ۱۱۰۴)

بعض اوقات لڑکا ایک ملک میں اور لڑکی دوسرے ملک میں ہوتی ہے اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کا نکاح کر کے اس کو لڑکے کے پاس بھیج دیں مثلاً" لڑکی پاکستان میں اور لڑکا انگلینڈ میں ہو۔ ایسے مواقع پر لوگ پوچھتے ہیں کہ آیا ٹیلی فون پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ٹیلی فون پر مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول نہیں ہوتا اس لئے ٹیلی فون پر نکاح جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ چاہئے کہ خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ لڑکا کسی شخص کو اپنا وکیل بنا دے اور وہ وکیل لڑکے کی طرف سے پاکستان میں مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے قبول کر لے، اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا اور لڑکی کو لڑکے کے پاس کسی محرم کے ہمراہ بھیجا جا سکتا ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کسی حاضر شخص کو نکاح کا وکیل بنا دے اور وہ وکیل لڑکی کا نکاح اس غائب شخص سے کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے۔ (الی قولہ) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کی طرف خط لکھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا اور نجاشی نے نبی ﷺ سے حضرت ام حبیبہ کا نکاح کر دیا کیونکہ وہ سلطان ہونے کی وجہ سے حضرت ام حبیبہ کا ولی تھا۔

بیویوں کے درمیان عدل کا حکم اور بعض دوسرے مسائل

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شب زفاف کے بعد نئی بیوی کا پرانی بیوی سے زیادہ حصہ ہے اگر نئی بیوی کنواری ہے تو اس کے ساتھ شوہر پہلے سات دن رہے گا اور اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا، اور اگر نئی بیوی بیوہ ہے تو اس کے ساتھ پہلے تین دن رہے گا۔ اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا۔ امام ابو حنیفہ بیویوں کے دنوں کی تقسیم کے معاملہ میں نئی پرانی کا فرق نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں بیویوں میں تقسیم واجب ہے اگر نئی بیوی کے ساتھ تین دن رہے گا تو باقی بیویوں میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین دن رہے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا فرض ہے۔ نئی' پرانی' کنواری اور بیوہ اس حکم میں سب برابر ہیں۔ لباس' کھانے پینے' رہنے کی جگہ اور بیوی کے ساتھ رات گزارنے میں تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا واجب ہے۔ البتہ انس اور محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ آج کل لوگ دو شادیاں کرلیتے ہیں۔ ایک بیوی کے ساتھ مستقل رہتے ہیں اور دوسری کے ساتھ نہیں رہتے یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیاء' اور اگر اولیاء (سرپرست) نے مہر وصول کرلیا ہو تو ان پر لازم ہے کہ اس مہر کو مستحق عورت تک پہنچادیں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو وہ اپنے شوہروں کو کل مہر یا مہر کا بعض حصہ ہبہ کردیں لیکن ان سے مہر معاف کرانے کے لئے ان کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ خوشی سے تم کو مہر میں سے کچھ دے دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ۔ اس لئے ان کی خوشی کے بغیر ان سے مہر معاف کرالینا جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ○ اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

لیتے رہو' حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں' اور تم ان میں سمجھداری (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَ

حوالے کر دو ۔ اور ان کے مال کو فضول خرچ کرکے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ اور

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

جو (یتیم کا ولی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے' اور جو حاجت مند ہو

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ

وہ دستور کے موافق کھالے' پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو'

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٦﴾

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔

کم عقلوں کو مال نہ دینے اور یتیم کے مال کو ولی کا مال فرمانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو اور عورتوں کا مہران کے حوالے کردو۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب یتیم یا تمہاری منکوحہ عاقل بالغ ہو اور جب وہ عاقل بالغ نہ ہوں تو ان کے اموال کو اپنے پاس حفاظت سے رکھو اور جب وہ بالغ ہو جائیں اور ان کی عقل پختہ ہو جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے اور کم عقلوں کو اپنے مال نہ دو حالانکہ مراد یہ ہے کہ کم عقلوں کو ان کے مال حوالے نہ کرو حتیٰ کہ وہ عاقل بالغ ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یتیم کا مال اس کے ولی اور سرپرست کی تحویل میں رہتا ہے۔ اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یتیم کے مال کی اس کے سرپرست کی طرف نسبت کردی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے مال کو ولی کا مال اس لئے فرمایا ہے تاکہ ولی یتیم کے مال کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اس کو فضول اور بے دریغ خرچ نہ کرے اور اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے اور یتیم کے مال کی اپنے مال کی طرح حفاظت کرے۔

مال کم عقل کی ملک کرنا اس آیت کے منافی نہیں

سفہاء' سفیہ کی جمع ہے۔ سفیہ کم عقل کو کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہاں سفہاء سے کون مراد ہیں :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

سعید بن جبیر نے کہا سفہاء سے مراد یتیم اور عورتیں ہیں۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد نابالغ ہیں۔ امام طبری کا مختار یہ ہے کہ اس سے کم عقل مراد ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہو یا نابالغ۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں نابالغ بچوں کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور کہا میں نے اپنے اس بیٹے کو مال ہبہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی مال ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس سے رجوع کرلو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۵۸۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث ۱۶۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم عمر بچوں کو ہبہ کرنا صحیح ہے البتہ ان میں مساوی ہبہ کرنا چاہئے اور اس آیت میں کم عمر بچوں کو دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ناسمجھ بچوں کو مال ہبہ کرنے اور ان کی ملکیت میں دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ تصرف کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں میں مال دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اس کی

حفاظت کرنے اور اس کو صحیح محل پر خرچ کرنے کے طریقوں پر مطلع نہیں ہوتے۔

حجر (قولی تصرف سے روکنا) کا لغوی اور شرعی معنی

حجر کا لغوی معنی ہے منع کرنا اور روکنا' اور اصطلاحی معنی ہے ولی یا قاضی کا کسی کم عقل بچہ' مجنون یا غلام کو قولی تصرف (مثلاً" خریدنا' بیچنا' ہبہ کرنا) سے روکنا' اس کا سبب صغر' جنون اور غلام ہونا ہے اس لئے بچہ' مجنون اور مغلوب العقل کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی اور ان کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہے' اگر بچہ یا مجنون کو بیع و شراء کی سمجھ ہو اور ان کے ولی نے ان کو اجازت دی ہو اور اس بیع و شراء میں غبن فاحش نہ ہو تو ان کی بیع و شراء صحیح ہے' اور اگر ولی نے اجازت نہ دی ہو یا اس بیع و شراء میں غبن فاحش ہو تو پھر ان کی بیع و شراء صحیح نہیں ہے' اگر یہ کسی کے پاس اجرت پر کام کریں تو ان کی اجرت واجب ہو جائے گی اور جس عقد میں ان کے لئے نفع محض ہو وہ صحیح ہے۔ اس لئے ان کا صدقہ اور ہبہ قبول کرنا صحیح ہے جو شخص آزاد' عاقل اور بالغ ہو لیکن اس کی عقل کم ہو امام اعظم کے نزدیک اس کو قولی تصرف سے روکنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی آزادی اور بلوغ کے منافی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کو روکنا صحیح ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے' ورنہ وہ اس کو بے جا خرچ کر کے ضائع کر دے گا اور فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

(در مختار و رد المختار ج ۵ ص ۹۳' ۸۹ ملخصاً" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حجر کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

نابالغ بچہ اور کم عقل کو مالی تصرف سے روکنے پر قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت دلیل ہے جس میں فرمایا ہے :

اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو' اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو (النساء : ۶۔۵)

اور حجر (قولی تصرف سے روکنے) کے ثبوت میں یہ احادیث بھی ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا تم کو نہیں معلوم کہ تین شخصوں سے قلم (تکلیف) اٹھا لیا گیا مجنون سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے' بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ حضرت علی نے فرمایا : مغلوب العقل کے سوا ہر شخص کی طلاق جائز ہے۔ (صحیح البخاری' کتاب الطلاق باب : ۱۱ رقم الحدیث : ۵۲۶۸)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے' مجنون سے حتیٰ کہ شفایاب ہو جائے اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے۔

(سنن ابو داؤد : ۴۳۹۸' سنن ترمذی : ۱۴۲۸' سنن نسائی : ۳۴۳۲' سنن ابن ماجہ : ۲۰۴۱' سنن کبریٰ للنسائی : ۷۳۴۶' مسند احمد : ج ۱ ص ۱۱۸' ۱۴۰ ج ۶ : ص ۱۰۱' ۱۰۰' سنن دارمی : ۲۲۹۶)

ان حدیثوں میں مجنون اور نابالغ کے قولی تصرفات کو روکنے کی دلیل ہے اور جو آزاد عاقل بالغ ہو لیکن کم عقل ہو اس کو روکنے پر سورہ نساء کی زیر تفسیر آیت میں بھی دلیل ہے اور اس حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی بیع اور شراء میں کچھ کمزوری تھی اور وہ بیع کرتا تھا اس کے گھر والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ اس کو حجر (منع) کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر منع فرمایا اس نے کہا یا رسول اللہ میں بیع کرنے سے صبر نہیں کرسکتا۔ آپ نے فرمایا جو تم بیع کرو تو کہو یہ چیز اتنے اور اتنے کی ہے اور کوئی دھوکا نہ کیا جائے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۲۵۴، صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۴۱۴، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۳۵۰۱، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۴۹۷)

جو کسی منصب (اسامی) کے نااہل ہوں ان کو اس کی ذمہ داری نہ سونپی جائے

حجر یعنی قولی تصرفات سے روکنا اس کا تعلق ولی سے بھی ہے اور قاضی سے بھی، اور حجر کا سبب کم عقلی ہے اور نااہلی بھی اس کے قریب ہے۔ اس لئے جو شخص کسی عہدہ کا اہل نہ ہو اور وہ اس عہدہ پر کام کرے تو قاضی، سلطان یا حکومت وقت پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو اس کے ضرر سے بچانے کیلئے اسے اس عہدہ پر کام کرنے سے روک دے مثلاً" ان پڑھ، عطائی حکیم اور بے سند ڈاکٹر۔ ان کو لوگوں کی جانوں سے کھیلنے کے لئے علاج معالجہ سے روکنا لازم ہے۔ بعض جگہ کمپاؤڈر حضرات محلہ میں ایک چھوٹی سی کلینک کھول کر طب کی مشق کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مساجد میں پانچ وقتی امام جو نماز کے مسائل سے بھی بمشکل واقف ہوتے ہیں وہ لوگوں کو نکاح، طلاق، حلال اور حرام کے مسائل غلط سلط بتاتے رہتے ہیں۔ اس لئے علاج کے معاملہ میں مستند اور تجربہ کار ڈاکٹر سے اور دینی مسائل میں کسی دینی دارالعلوم کے مفتی سے رجوع کرنا چاہئے۔ اسی طرح باقی معاملات میں بھی ہر فن کے ماہر سے رجوع کرنا چاہئے اور کسی اناڑی اور ناتجربہ کار کے ہاتھ میں اپنا کوئی معاملہ نہیں دینا چاہئے۔

ہمارے زمانہ میں حجر کو صحیح طریقہ سے جاری کرنے کی حکومت سے کوئی امید نہیں ہے کیونکہ تمام سرکاری اداروں میں حکومت نے سیاسی وابستگی، رشوت اور سفارش کی بنیاد پر ہر شعبہ میں بہ کثرت نااہل افراد بھرتی کردیئے ہیں۔ اب کسی منصب کے لئے اہلیت اور قابلیت معیار نہیں ہے بلکہ سرکاری افسروں کے ساتھ تعلقات یا پھر زیادہ سے زیادہ روپوں کی پیش کش معیار ہے اس لئے ہر ادارہ میں اکثریت ان ملازموں کی ہوتی ہے جو ان ملازمتوں کے نااہل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے جس طرح حکم دیا ہے کہ کم عقل لوگوں کو ان کا مال نہ دو کیونکہ وہ اس مال کو ضائع کردیں گے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جو شخص کسی منصب کا اہل نہ ہو اس کو اس منصب کی ذمہ داری نہ سونپی جائے لیکن ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں اس کے صریح خلاف عمل ہو رہا ہے۔ کئی انگوٹھا چھاپ پیسے کے زور پر اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں اور وزارت کے اہل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ الخ۔

لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا معیار

لڑکے کے بلوغ کی علامت احتلام اور انزال ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت احتلام، حیض اور حمل ہے۔ اگر ان دونوں میں ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو ان دونوں کو پندرہ سال کی عمر میں بالغ قرار دیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے

(اس سے یہ معلوم ہوا کہ زیر ناف بالوں کے ظہور کا بلوغ میں اعتبار نہیں ہے' پندرہ سال کی عمر' امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام اعظم کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال بلوغت کا معیار ہے' جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی عمر جنگ احد میں چودہ سال تھی وہ جہاد کے لئے آئے تو آپ نے قبول نہیں کیا اور ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں جنگ خندق میں پیش ہوئے تو آپ نے قبول فرمالیا۔ شامی) اور لڑکے کی بلوغ کے لئے کم از کم عمر بارہ سال ہے اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ اگر وہ اس عمر میں بلوغ کا دعوئی کریں اور مشاہدہ ان کے دعوئی کی تکذیب نہ کرے تو ان کے دعوئی کو مان لیا جائے گا۔ (در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (یتیم کا جو ولی ان کے مال سے) مستغنی ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھالے۔ (النساء : ۶)

یتیم کا مال کھانے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بیان کیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک یتیم کے ولی کے لئے یتیم کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ بہ طور قرض نہ بہ طور تبرع۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ یتیم کے ولی کو قاضی اور عامل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وصی اور ولی بغیر کسی شرط کے بہ طریق تبرع اور احسان یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے اس لئے اس کی اجرت واجب نہیں ہے اور اس کو یتیم کے مال سے لینا جائز نہیں ہے بہ طور قرض نہ بہ طور غیر قرض۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۶۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضرورت کے وقت قرض کی صورت میں یا بغیر قرض کے یتیم کا مال کھانا جائز ہے۔ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ ولی کی ضرورت اور اس کی اجرت میں سے جو کم ہو وہ اس کو لے سکتا ہے اور جب وہ خوش حال ہو جائے تو اس کی واپسی کے متعلق دو قول ہیں : امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا میرے پاس مال ہے اور میرے پاس یتیم ہے آپ نے فرمایا : بغیر اسراف اور تبذیر کے اپنے یتیم کے مال سے کھالو اور نہ مال جمع کرنا اور نہ اپنا مال بچانا۔ اور امام ابو داؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال ہے اور میرے پاس مال نہیں ہے آیا میں اس کے مال سے کھالوں؟ آپ نے فرمایا بغیر اسراف کے اس کے مال سے کھا لو' دوسرا قول یہ ہے کہ خوش حال شخص بھی یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے لیکن بعد میں اس کو واپس کردے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کہ میرے نزدیک یتیم کا مال بیت المال کے حکم میں ہے اگر میں اس مال سے مستغنی ہوں تو میں اس سے اجتناب کرتا ہوں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو میں اس مال سے قرض لیتا ہوں اور جب گنجائش ہوتی ہے تو اس کو واپس کردیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۶-۲۰۵' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

فقیہ ابواللیث محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ولی فقیر ہو اور اپنی خدمت اور محنت کے مطابق یتیم کے مال سے کھالے تو مجھے امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ بہت سے علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، شعبی، ابوالعالیہ، مجاہد، ابن جبیر، نخعی، قتادہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک غنی کے لئے یتیم کا مال کھانا بالکل جائز نہیں ہے اور جس فقیر کے پاس قدر کفایت مال نہ ہو اور مال یتیم کی حفاظت اور نگرانی کی وجہ سے وہ اپنے لئے کسب معاش نہ کر سکتا ہو وہ بغیر اسراف کے بہ قدر ضرورت یتیم کے مال سے لے سکتا ہے اور جب وہ غنی ہو جائے تو اس مال کو واپس کرنے کے متعلق دو قول ہیں۔ حسن، شعبی، نخعی، قتادہ اور امام احمد کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور جو کچھ اس نے لیا ہے وہ بہ منزلہ اجرت ہے، اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غنی ہونے کے بعد اس مال کو واپس کرنا اس پر واجب ہے۔

(زادالمسیر ج ۲ ص ۱۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

ہمارے شیخ ابوالعباس یہ کہتے ہیں کہ اگر یتیم کا مال بہت زیادہ ہو اور اس کی حفاظت اور اس کو کاروبار میں لگانے کے لئے ولی کو اپنے ضروری کاموں کو چھوڑنا پڑے تو اس کی محنت کے مطابق اس کا اجر متعین کیا جائے گا، اور اگر وہ مال کم ہو اور اس کی حفاظت کی وجہ سے اپنا کام چھوڑنا پڑے تو اس مال سے بالکل نہ لے البتہ اس کے جانوروں سے اپنے لئے تھوڑا دودھ لے لینا اس کے لئے جائز ہے اور اس کے کھانے میں سے کچھ کھا لینا اس کے لئے جائز ہے۔ زیادہ نہ لے بلکہ رواج کے مطابق لے، اور اجرت لینا اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں لینا دستور کے مطابق ہے اور اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا چاہئے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۴۴ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کی تحقیق

علماء دین اور دینی خدمات بجا لانے والے عاملین کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا اس وقت منع ہے جب ان کے علاوہ ان خدمات کو انجام دینے کے لئے اور کوئی شخص نہ ہو اور ان کے حق میں ان خدمات کا انجام دینا فرض عین ہو جائے، اور جب ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا جائز ہے۔ اس کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں ان میں اکثر غایت درجہ کی ضعیف ہیں۔ ثانیاً ان کا محمل یہ ہے کہ جب اس فرض کی ادائیگی کے لئے اور کوئی نہ ہو، نیز احادیث صحیحہ سے دینی امور پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہے اس امر کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع (۷) کے اخیر میں بیان کی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

مردوں کے لیے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو: اور عورتوں

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ

کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم

كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ

ہو یا زیادہ، یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے ○ اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار، یتیم اور

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾

مسکین (بھی) موجود ہوں، تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو، اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ○

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ

کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا، سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہیے اور درست بات کہنی چاہیے ○ بیشک جو لوگ ناجائز

يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ

طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں

ع ۱۰ ۱۲ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع

اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○

زمانہ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو وارث نہ بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں باپ دادا کے ترکہ سے عورتیں وارث نہیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح چھوٹا بچہ خواہ مذکر ہو وہ اپنے ماں باپ کے ترکہ سے وارث نہیں کیا جاتا تھا۔ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میرا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے مجھ کو اور ایک بیٹی کو چھوڑا ہے اور ہم کو وارث نہیں بنایا جا رہا' اس کی بچی کے چچا نے کہا یا رسول اللہ! یہ عورتیں نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہیں نہ گھاس کا گٹھا اٹھا کر لا سکتی ہیں نہ دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہیں نہ کما کر لا سکتی ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس (مال میں) سے حصہ ہے

جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔
(جامع البیان ج ۴ ص ۱۷۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

تقسیم وراثت میں ورثاء کا اقرب ہونا معیار ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور اس آیت میں یہ واضح کیا ہے کہ یتیموں کے ولی ان کے جس مال کی حفاظت کرتے ہیں اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث بنایا جاتا تھا نہ بچوں کو' وہ کہتے تھے کہ ہم اس کو وارث نہیں بنائیں گے جو نیزوں سے جنگ کرسکے نہ مال غنیمت لوٹ سکے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جب یتیم بچوں کے ماں باپ اور قرابت دار مال چھوڑ جائیں تو وہ ترکہ کے مستحق ہونے میں برابر ہیں اس میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ترکہ کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ ہرچند کہ حصہ کی مقدار میں فرق ہوتا ہے' اسی طرح میت کے ساتھ لاحق ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے اور جو میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہو اس کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہوتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے مثلاً" میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو تو بیٹا میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہے اور یتیم پوتا (فوت شدہ) دوسرے بیٹے کے واسطہ سے لاحق ہے۔ اس لئے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔

علم وراثت کا یہ قاعدہ ہے کہ قریب وارث کے ہوتے ہوئے بعید وارث محروم ہو جاتا ہے اسی بناء پر اگر کسی شخص کا ایک بیٹا زندہ اور دوسرے فوت شدہ بیٹے کا بیٹا یعنی یتیم پوتا بھی زندہ ہو تو اس شخص کی وراثت سے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ یتیم پوتا میت سے ایک واسطہ سے بعید ہے اور بیٹا میت سے بلاواسطہ لاحق ہے اور اقرب ہے۔ اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا فرائض اہل فرائض کو لاحق کردو۔ (قرآن مجید میں ورثاء کے مقرر کردہ حصص کو فرائض کہتے ہیں) اس کے بعد جو ترکہ باقی بچے وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دے دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۶۷۳۲' ۶۷۳۵' ۶۷۳۷' ۶۷۴۶)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ وارث اقرب کے ہوتے ہوئے وارث ابعد محروم ہو جاتا ہے اور اقرب اور ابعد کا یہ اصول ورثاء کے لئے ہے مورث کے لئے نہیں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں جو اقربون کا لفظ ہے وہ مورث کے لئے ہے۔ مردوں کے لیے (اس مال) میں سے حصہ ہے جس کو والدین اور اقربین نے چھوڑا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اس آیت میں اقربین کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ استحقاق وراثت کے لئے ورثاء کا اقرب ہونا ضروری ہے۔ یہ اصول تو صحیح ہے مگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں اقربون کا لفظ مورثین اور مرنے والوں کے لئے ہے ورثاء کے لئے نہیں ہے۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں :

نیز اسی لفظ "اقربون" سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ

قرابت کے معیار سے ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب اور حاجت مند ہو اس کو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہو گا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۱'مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار یتیم اور مسکین (بھی) موجود ہوں۔ تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو○۔ (النساء : ۸)

ورثاء میں ترکہ کی تقسیم کی تفصیل

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اے ایمان والو جب تم اپنے کسی رشتہ دار کا ترکہ تقسیم کرو اور تقسیم کے وقت ایسے رشتہ دار اور یتیم آجائیں جن کو اس ترکہ سے از روئے شریعت کچھ نہ مل رہا ہو یا دوسرے غریب اور مسکین آجائیں تو اس ترکہ سے انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی اور خیر خواہی کی بات کرو مثلاً" یہ کہو کہ تم یہ مال لے لو' تمہیں اللہ برکت دے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوئے اول یہ کہ میانہ روی کے ساتھ اس کی تجہیز اور تکفین کی جائے ثانی یہ کہ اس کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اگر قرض ہو۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی میت پر قرض ہے اور تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ ثالث یہ کہ اس کے ثلث (ایک تہائی) مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے اگر اس نے وصیت کی ہو۔ رابع یہ کہ اس کے باقی ماندہ مال کو اس کی ورثاء میں قرآن' حدیث اور اجماع کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تقسیم میں اصحاب الفرائض سے ابتداء کی جائے۔ اصحاب الفرائض وہ ہیں جن کے حصص قرآن مجید میں مقرر کردیئے گئے ہیں مثلاً" ایک بیٹی کو نصف مال ملے گا دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے۔ اگر اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف (آدھا) اور اگر اولاد ہو تو خاوند کو ربع (چوتھائی) ملے گا۔ یہ کل چھ حصص ہیں: نصف (آدھا) ربع (چوتھائی) ثمن (آٹھواں حصہ) سدس (چھٹا حصہ) ثلث (تہائی) دو ثلث (دو تہائی) اور ان کے لینے والے بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں: باپ' جد صحیح (دادا اور نانا' نانا جد فاسد ہے) اخیافی بھائی (ماں کی طرف سے) اور خاوند' اور آٹھ عورتیں ہیں: بیوی' بیٹی' پوتی' عینی بہن (سگی بہن) اخیافی بہن' علاتی بہن (باپ کی طرف سے) ماں اور جدہ صحیحہ (نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے) ان کے حصوں کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے' یا اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پھر وہ تمام ترکہ عصبات کو دیا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے قرابت داروں کو عصبات کہا جاتا ہے عصبات بنفسہ چار ہیں: بیٹا یا پوتا' باپ یا دادا' بھائی اور چچا' عصبات میں جو قریب ہو اس کو ملے گا اور بعید محروم ہو گا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبات بالغیر ہیں' اور اگر بیٹیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو وہ عصبات مع الغیر ہیں۔ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ترکہ کو ذوی الفروض میں دوبارہ تقسیم کردیا جاتا ہے' اس کو رد کہتے ہیں اور اگر ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو پھر تمام مال ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے' ذوی الارحام وہ ہیں جو ماں کی طرف سے میت کے رشتہ دار ہوں ان کے چار درجات ہیں پہلا درجہ ہے بیٹی کی اولاد اور پوتی کی اولاد۔ دوسرا درجہ ہے: جد فاسد اور جدات فاسدہ یعنی نانا اور نانا کی ماں' اور تیسرا

درجہ ہے بہنوں کی اولاد اور عینی اور علاتی بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائی کی اولاد' اور چوتھا درجہ ہے پھوپھیاں' اخیافی چچا اور ماموں اور خالہ ان میں درجہ بہ درجہ ترتیب ہے اور اقرب کے مقابلہ میں ابعد محروم ہوگا۔

اگر ذوی الارحام نہ ہوں تو پھر میت کا ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں داخل کردیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہم نے ترکہ کی تقسیم میں لونڈی' غلام' مولی الموالات اور مقرلہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اب ان کا رواج نہیں ہے ہم نے اکثر پیش آمدہ صورتیں بیان کی ہیں جو حضرات پوری تفصیل جاننا چاہیں وہ سراجی اور شریفیہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو دینا احسان نہیں ان کا حق پہنچانا ہے

اب اس آیت کی تفسیر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا' دو بیٹیاں اور اس کا ایک چچا اور بھانجا ہو تو اس صورت میں بیٹا عصبہ بنفسہ ہے اور بیٹیاں عصبہ بالغیر ہیں۔ چچا بھی عصبہ ہے مگر بیٹے کی بہ نسبت بعید ہے اور بھانجا ذوی الارحام کے تیسرے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں کل ترکہ کے چار حصے کیے جائیں گے دو حصہ ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ دو بیٹیوں کو ملے گا۔ چچا عصبہ بعید ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا اور بھانجا عصبہ کی موجودگی میں ذو الارحام ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا تاہم چچا اور بھانجہ کو ورثاء انسانی ہمدردی کے تحت اپنی طرف سے تبرعاً" کچھ دے دیں تو یہ اس آیت پر عمل ہوگا اسی طرح اگر کوئی اور مسکین ہو تو اس کو بھی دے دیا جائے اور ان سے نرم اور ملائم گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنواسرائیل : ۲۶)
اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور فضول خرچ نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کو کچھ دے رہا ہے تو ان پر احسان نہیں کررہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات : ۱۹)
اور ان کے اموال میں سوال کرنے والے اور محروم کا حق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکینوں' حاجت مندوں اور سائلوں کو انسان کچھ دیتا ہے تو ان پر کوئی احسان نہیں کررہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے۔ (النساء : ۹)

یتیموں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

(۱) بعض لوگ مریض سے یہ کہتے ہیں کہ تمہاری اولاد تمہارے مرنے کے بعد نیکیاں نہیں کرے گی جن سے تم کو

رت میں ثواب پہنچے تو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے دو یا صدقہ وخیرات کردو' یا کسی نیک کام میں صرف کر دو' یہ لوگ مرنے والے کو وصیت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کی اولاد کو ترکہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بھی صاحب اولاد ہو تم یہ سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہاری اولاد کو تمہارے ترکہ سے محروم کرنے کی کوشش کرتا تو تم پر کیا گزرتی؟

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے ولی سے یہ فرمایا ہے کہ وہ یتیم کی جان اور مال کے ساتھ انصاف اور احسان کریں اور یتیم کے مال کو جلدی جلدی ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ان کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اگر وہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مرجائیں تو ان کے یتیم بچوں کا ولی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اس لئے وہ اپنے انجام سے ڈریں اور اللہ سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ سچی اور صحیح بات کہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۳۔۱۸۱ ملخصا" مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ظلما" مال یتیم کھانے پر انتہائی سخت عذاب کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظلما" مال یتیم کھانے پر سخت وعید فرمائی ہے اور اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ظلما" مال یتیم کھانے پر یکے بعد دیگرے آیات نازل فرمائیں۔ فرمایا ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب (النساء : ۲) اپنے کھوٹے مال کو ان کے کھرے مال سے نہ تبدیل کرو اور فرمایا ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا (النساء : ۲) ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے' اور فرمایا : ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا (النساء : ۶) اور یتیموں کے بڑے ہوجانے کے خوف سے ان کے اموال کو فضول خرچ کرکے اور جلدی جلدی نہ کھاؤ' اور اس سے پہلی آیت میں فرمایا : یتیم کے ولی یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے مرنے کے بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا' سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے (النساء : ۹) اور اس آیت میں فرمایا بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ان تمام وعیدوں کا نازل کرنا' یتیموں پر اللہ کی رحمت ہے کیونکہ یتیم کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ توجہ اور التفات کے مستحق ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم' معاف کرنے اور درگزر کرنے والا ہے اس کے باوجود ظلما" مال یتیم کھانے والوں پر اتنی سخت وعید نازل فرمائی کیونکہ یتیم انتہائی درجہ کے بے بس اور بے سہارا تھے اس لئے ان پر ظلم کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی وعید بھی بہت سخت ہے۔

ظلما" یتیموں کا مال کھانے والوں کے متعلق احادیث

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا : میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہیں اور ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کردیا گیا ہے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑ رہے ہیں پھر ان کے مونہوں میں ایسے آگ کے پتھر ڈال رہے ہیں جو ان کے دھڑ کے نچلے حصہ سے نکل رہے ہیں۔ میں نے کہا : اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے اور وہ در حقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۴ مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلی، امام طبرانی اور امام ابن حبان حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے دن ایسے لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے جن کے مونہوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا : کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے : جو لوگ ظلماً یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے جو شخص یتیم کا مال ظلماً کھاتا ہے جب وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کے منہ، اس کے کانوں، اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اسے دیکھ کر ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل کرے نہ ان کو جنت کی نعمتیں چکھائے۔ عادی شرابی، سود کھانے والا، یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ ایران)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ج

اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ج وَإِنْ

سو اگر صرف بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے، اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ج فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ

ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ

وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ

ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن)

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١١ وَلَكُمْ

(یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بیشک اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ تمہاری بیویوں

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے

يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

چوتھائی حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ

حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی ایسے

رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ

مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ

ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے

دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ؕ

کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت حلم والا ہے ○

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ

جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

بڑی کامیابی ہے ○ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲ / ۱۲

تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کردے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

وراثت کے تفصیلی احکام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر وراثت کے احکام بیان فرمائے تھے : مردوں کے لئے اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ وہ (مال) کم ہو یا زیادہ۔ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے (النساء : ۷) اور اب اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر وراثت کے احکام شروع فرمائے۔ وراثت کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ذکر سے احکام شروع فرمائے کیونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا و سلام اللہ علیہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔ (صحیح البخاری، رقم

(الحدیث : ۳۷۶۷) اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام میں سب سے پہلے اولاد کے حصص بیان فرمائے۔
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بنو سلمہ میں اپنے گھر کے اندر بیمار تھا تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! میں اپنے مال کو اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی : اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ میت کے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث : ۲۱۰۳'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اولاد کے احوال

اولاد کئی صورتوں میں وارث ہوتی ہے' ایک حال یہ ہے کہ میت کی اولاد کے ساتھ میت کے والدین بھی ہوں اور دوسرا حال یہ ہے کہ میت کی وارث صرف اس کی اولاد ہو اور اسکی تین صورتیں ہیں یا تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں وارث ہوں گے یا صرف بیٹیاں یا صرف بیٹے' اگر میت نے بیٹے اور بیٹیاں دونوں چھوڑے ہیں تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا مثلاً'' اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہے تو امور متقدمہ علی الارث کے بعد میت کے ترکہ کے تین حصے کریں گے دو حصص بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اور دوسری صورت یہ کہ اگر میت نے زوجہ' ماں باپ اور بیٹے اور بیٹیوں کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں زوجہ اور ماں باپ اصحاب الفرائض ہیں یعنی ان کے حصص مقرر ہیں زوجہ کا آٹھواں حصہ' ماں کا چھٹا حصہ اور باپ کا بھی چھٹا حصہ' تو اصحاب الفرائض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اولاد میں تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ اولاد عصبات ہیں اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔
امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ کے مطابق مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کرو اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ (میت کے) سب سے اقرب مرد کو دو۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۴۰' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۷۳۲'۶۷۳۵'۶۷۳۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۰۹۸)

سو اس صورت میں کل ترکہ کے ۲۴ حصص کیے جائیں اس میں سے ۳ حصے اس کی بیوی کو' ۴'۴ حصے اس کے باپ اور ماں کو اور باقی ماندہ ۱۳ حصص اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کردیں کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ ملے۔
تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے صرف بیٹیاں چھوڑی ہوں اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی چھوڑی ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے گا تو وہ دیگر اصحاب الفرائض کو ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے عصبات کو مل جائے گا' اور اگر میت نے صرف بیٹے چھوڑے ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اگر بیٹوں کے ساتھ اصحاب الفرائض بھی ہوں تو اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی تمام مال بیٹوں کو دے دیا جائے گا۔

مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات

عورت کو وراثت میں مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت پیسوں کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ مرد آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر گھر سے باہر نکل سکتا ہے اور عورت اپنے شوہر یا والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل نہیں سکتی اور اگر باہر جائے تو اس کی عزت اور عصمت کے لئے متعدد خطرات ہیں نیز چونکہ اس کی عقل کم ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو اس کے لٹ جانے یا دھوکا کھانے کا بہت اندیشہ ہے اور جسمانی طور پر وہ کمزور صنف ہے اس لئے اگر اس کو مرد سے دگنا حصہ نہ دیا جائے تو کم از کم برابر حصہ دینا چاہیے۔

اس سوال کے حسب ذیل متعدد جوابات ہیں :

(۱) مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں کیونکہ مرد پر اپنی' اپنی بیوی اور بچوں کی اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہیے۔

(۲) سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں مثلاً" وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملک اور وطن کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک اور وطن کے دفاع کے لئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود اور قصاص میں وہی گواہ ہو سکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے سو جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس کا وراثت میں حصہ بھی دگنا ہونا چاہیے۔

(۳) عورت چونکہ صنفاً" کمزور ہوتی ہے اور اس کو دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو زیادہ پیسے مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس کے وہ سب پیسے ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ قطعی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جائیں گے وہ ظنی ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ظنی حکم کے مقابلہ میں قطعی کو کیوں ترک کر دیا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے حصہ کیوں نہیں دیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے لئے ظنی ہے حضرت ابو بکر نے چونکہ اس کو زبان رسالت سے سنا تھا اس لئے ان کے لئے یہ حدیث قرآن مجید کی طرح قطعی تھی اس کی مفصل بحث ہم نے شرح مسلم جلد خامس میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ (النساء : ۱۱)

والدین کے احوال

اولاد کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے اس لئے میت کے ماں باپ کے ساتھ اگر اولاد ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے : کہ ماں باپ کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ بیٹے ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں پھر بھی ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا

حصہ ملے گا' تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی صرف ایک بیٹی ہو اور ماں باپ ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا البتہ باقی مال بھی باپ کو بہ طور عصبہ ہونے کے مل جائے گا۔

اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تہائی مل جائے گا اور باقی دو تہائی مال باپ کو بہ طور عصبہ دے دیا جائے گا اور اس صورت میں مرد (باپ) کو عورت (ماں) سے دگنا حصہ مل جائے گا۔

اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ والدین کے احوال میں سے تیسرا حال ہے جس میں میت نے والدین کے ساتھ اپنے بہن بھائیوں کو بھی چھوڑا ہو' اس پر اتفاق ہے کہ ایک بہن یا بھائی ماں کے تہائی حصہ کے لئے حاجب بن کر اس کو چھٹا نہیں کرتے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب بہن یا بھائی کا عدد تین کو پہنچ جائے تو وہ ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور اگر دو بہنیں یا دو بھائی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بھی ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دو بہنیں ماں کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتیں۔ فقہاء احناف کا مذہب اکثر صحابہ کے قول کے مطابق ہے' یہ بھی واضح رہے کہ دو بہنیں کسی قسم کی ہوں سگی یا سوتیلی خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے۔ اسی طرح سے بھائی بھی۔ وہ ماں کے لئے حاجب ہیں اور اس کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور ایک بہن ہو یا ایک بھائی وہ ماں کے لئے حاجب نہیں ہیں خواہ وہ بہن یا بھائی عینی ہوں علاتی ہوں یا اخیافی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد' اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے۔
(النساء : ۱۱)

قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کے دلائل

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ وارثوں میں ترکہ کی تقسیم پر قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔ اگر میت پر لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اس کے تمام ترکہ پر محیط ہے تو وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا اور میت کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر میت کا قرض ادا کرنے کے بعد مال بچ رہتا ہے اور میت نے وصیت بھی کی ہوئی ہے تو ایک تہائی مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد اس کا باقی ماندہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس آیت میں میت کی وصیت پوری کرنے کا قرض کی ادائیگی سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن اس پر امت کا اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا اور بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانات امانتوں والوں کو ادا کرو۔ (النساء : ۵۸)

اور نفلی وصیت پوری کرنے کی بہ نسبت امانت کو ادا کرنا مقدم ہے (قرض بھی ایک طرح سے امانت ہے)۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۷۴۹' کتاب الوصایا' باب : ۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حارث' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کو پورا کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا حالانکہ تم قرآن مجید میں وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔ امام ترمذی نے کہا عام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۱۲۹' ۲۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۱۵)

حارث اعور کے ضعف کا بیان

یہ حدیث حارث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' حارث کے ترجمہ میں حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حارث بن عبداللہ ہمدانی اعور (یک چشم) کبار علماء تابعین میں سے ہے اور اس میں ضعف ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ' ابو اسحاق اور ایک جماعت حدیث روایت کرتی ہے شعبی نے کہا کہ ابو اسحٰق نے اس سے صرف چار احادیث کا سماع کیا ہے نیز شعبی نے کہا مجھے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب تھا' نیز مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں حارث کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ ابن المدینی نے کہا یہ کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں۔ دار قطنی نے کہا ضعیف ہے۔ حصین نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی کی طرف حارث نے جتنی جھوٹی احادیث منسوب کی ہیں اتنی اور کسی نے نہیں کیں۔ ابن سیرین کا یہ گمان تھا کہ اس کی حضرت علی سے عام روایات باطل ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو کذاب کہا۔ ابن حبان نے کہا حارث تشیع میں غالب تھا اور حدیث میں ضعیف تھا۔

ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا حارث بہت بڑا فقیہ تھا اور علم میراث کا ماہر تھا اس نے یہ علم حضرت علی سے سیکھا تھا۔ حارث اعور نے ۶۵ھ میں وفات پائی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۷۲۔ ۱۷۰ ملخصا")

نیز اس کے ترجمہ کے متعلق دیکھیں : تاریخ صغیر للبخاری ج ۱ ص ۱۴۱' الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۶۳' ضعفاء ابن الجوزی ج ۱ ص ۱۸۱' النجوم الزاھرۃ ج ۱ ص ۱۸۵' شذرات الذھب ج ۱ ص ۷۳' طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۸' مراۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۱۔

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

امام مسلم بن الحجاج نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا' ابو معاویہ نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا ابن معین سے ایک روایت ہے کہ حارث ثقہ ہے۔ امام ابو زرعہ نے کہا اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جائے گا' امام نسائی سے ایک روایت ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور ایک روایت ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جابر جعفی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حارث سے حضرت علی کرم اللہ الوجہ الکریم کی روایات کے متعلق سوال کرتے تھے۔ امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کی روایات درج کی ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۴۔ ۳۹ ملخصا" مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی زیادہ تر یہی نقل کیا ہے کہ حارث اعور کذاب اور ضعیف ہے اور بعض ائمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۵۔ ۱۴۳ ملخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی اس کے متعلق رائے یہ ہے:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا شعبی نے اس کو کذاب کہا ہے' اور اس پر رفض کی تہمت ہے اور اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ امام نسائی نے اس کی صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوا تھا۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف کی تقویت

ہرچند کہ حارث کی جس روایت میں قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کا ذکر ہے اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً درج کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے باوجود علماء امت کا اس حدیث پر عمل ہے' جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے' حالانکہ حدیث ضعیف سے استدلال کرنا ان کی عادت نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔

قرض کو وصیت پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن مجید میں وصیت کے ذکر کو قرض پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ قرض کا مطالبہ کرنے والے قرض خواہ ہوتے ہیں اور وصیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا' اس لئے یہ خدشہ ہے کہ ورثاء وصیت کو چھپالیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کا ذکر پہلے فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص موت تک قرض ادا نہ کرے اس لئے یہ نادر الوجود ہے اور وصیت عام طور پر کی جاتی ہے اس لئے وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں ذکر فرمایا لیکن ذکر میں تقدم واقع میں تقدم کو مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ واسجدی وارکعی (آل عمران: ۴۳) میں سجدہ کا پہلے اور رکوع کا بعد میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ہے۔ ان کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد' اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد۔

شوہر اور بیوی کے احوال

اولاد کی ماں باپ کے ساتھ اور ماں باپ کی اولاد کے ساتھ نسبی قرابت ہے' اور یہ بلا واسطہ قرابت ہے اور شوہر کی بیوی کے ساتھ اور بیوی کی شوہر کے ساتھ نکاح کے سبب سے قرابت ہے اور یہ بھی بلا واسطہ قرابت ہے' ان کے علاوہ جو قرابتیں ہیں مثلاً" بھائی بہن وغیرہ وہ بالواسطہ قرابتیں ہیں کیونکہ بھائی' بہن وغیرہ کی قرابت ماں باپ کے واسطہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بلا واسطہ قرابت داروں کے احکام وراثت بیان فرمائے اور پھر بالواسطہ قرابت داروں کے احکام بیان فرمائے' اور بلا واسطہ قرابت میں نسبی قرابت سببی قرابت سے قوی ہے اس لئے پہلے نسبی قرابت داروں میں اولاد اور ماں باپ کے حصص بیان فرمائے اس کے بعد سببی قرابت میں شوہر اور بیوی کے حصص بیان فرمائے اور یہ نہایت عمدہ ترتیب ہے۔

اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصہ نصف (آدھا) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ

چوتھائی ہے اور اگر شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کا حصہ ربع (چوتھائی) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ ثمن (آٹھواں) ہے اس سے واضح ہوا کہ شوہر کا حصہ بیوی کے حصہ سے دگنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوتا ہے۔

اس آیت میں اولاد سے مراد عام ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ' مذکر ہو یا مونث' نیز وہ اولاد بلاواسطہ ہو جیسے بیٹا یا بیٹی یا بالواسطہ ہو جیسے پوتا اور پوتی' اور جب بیوی شوہر کی وارث ہو تو شوہر کی اولاد عام ہے خواہ اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح جب شوہر بیوی کا وارث ہو تب بھی اولاد عام ہے خواہ وہ اسی شوہر کی اولاد ہو یا اس کے پہلے شوہر کی اولاد ہو' اسی طرح بیوی ایک ہو یا کئی بیویاں ہوں سب کا حصہ ثمن (آٹھواں) ہے اور وہ آٹھواں حصہ ان سب بیویوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد اور (اس کا ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد۔ وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے۔

کلالہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

کلالہ کی کئی تفسیریں ہیں : ایک تفسیر یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو میت کے نہ والد ہوں اور نہ اولاد۔ یہ تفسیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ کلالہ اس مورث میت (مرنے والے شخص) کو کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو' یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی تفسیر مختار ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کلالہ میت کے ترکہ کو بھی کہتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلالہ کی تفسیر میں میری ایک رائے ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطاء ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اس سے بری ہے' کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کا نہ والد ہو اور نہ اولاد' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں نے کلالہ کی تفسیر میں حضرت ابوبکر کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے آئے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی آپ نے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں۔ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوئی :

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِي الۡكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ

(النساء : ۱۷۶)

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۲)

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ والد) اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے' اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہو گا اگر اس کا بیٹا نہ ہو' اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو اس شخص کے ترکہ کا دو تہائی ۲/۳ ملے گا اور اگر اس کے وارث بہن بھائی ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔

یہ سورہ النساء کی آخری آیت ہے نبی ﷺ نے کلالہ کی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس خطبہ میں نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا میں اپنے بعد کلالہ سے اہم اور کوئی چیز چھوڑ کر نہیں جا رہا' اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے جتنا کلالہ کے متعلق پوچھا ہے اور کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا اور آپ نے جتنی سختی اس میں کی ہے اور کسی چیز میں نہیں فرمائی حتیٰ کہ آپ نے میرے سینہ میں انگلی چبھوئی اور فرمایا اے عمر کیا تم کو سورہ النساء کی آخری آیت کافی نہیں ہے؟

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۷)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو والد (ماں باپ) اور اولاد (یا بیٹے کی اولاد) کے ماسوا ہوں' اس کے ثبوت میں حضرت براء بن عازب سے حدیث صحیح ہے' ایک قول یہ ہے کہ جو وارث بیٹے کے ماسوا ہوں' ایک قول یہ ہے کہ اخیافی بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں' ایک قول ہے عم زاد بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں ایک قول ہے تمام عصبات کو' ایک قول ہے تمام وارثوں کو' ایک قول ہے میت کو' ایک قول ہے مال موروث کو' جوہری نے کہا کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد (ماں باپ) ہو' زمخشری نے کہا کلالہ کا اطلاق تین پر کیا جاتا ہے اس مرنے والے پر جس کی نہ اولاد ہے نہ والد (ماں باپ) اور اس وارث پر جو نہ والد (ماں باپ) ہے نہ اولاد' اور ان قرابت داروں پر جو والد (ماں باپ) اور اولاد کی جہت سے نہ ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

صحیح یہ ہے جس پر علماء کی ایک جماعت کا اتفاق ہے کہ کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو اور نہ اولاد۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور نہ اس کا والد (ماں باپ) ہو اور نہ اس کی اولاد تو اس کے وارث کلالہ ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور اہل علم کا قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۷۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ وارث ہیں جو والدین اور اولاد کے ماسوا ہوں یہی قول صحیح اور مختار ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

مرنے والا خود کلالہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وان کان رجل یورث کلالۃ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کلالہ میت کا اسم ہے اور کلالہ اس کا حال اور اس کی صفت ہے اسی لئے منصوب ہے، حضرت عمر نے فرمایا تھا کلالہ مرنے والے کا وارث ہے جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ ولد، اور میں حضرت ابوبکر کی مخالفت سے حیا کرتا ہوں اور جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو انہوں نے کہا کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے سو قرآن مجید کی یہ آیت اور صحابہ کرام کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مرنے والا خود کلالہ ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۸۶، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد اور (اس کا ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے۔

آیت مذکورہ میں بھائی بہن سے اخیافی بھائی بہن مراد ہونے پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کریمہ میں بھائی یا بہن سے مراد فقط اخیافی بھائی بہن (ماں کی طرف سے) ہیں، عام مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے حتیٰ کہ بعض نے کہا اس پر اجماع ہے۔ متعدد مفسرین نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے ولہ اخ واخت من ام۔ اور حضرت ابی اس کو پڑھتے تھے ولہ اخ او اخت من الام، ہر چند کہ یہ قرات شاذ ہے تاہم اکثر علماء کا یہ مختار ہے کہ جب قرات شاذہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہو تو وہ خبر واحد کے حکم میں ہے اور اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس میں بعض کا اختلاف بھی ہے۔ اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ عینی اور علاتی بھائی، بہن (سگے اور باپ کی طرف سے) کا ذکر اس سورت کی آخری آیت میں ہے۔ نیز اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک ہو تو اس کا حصہ سدس (چھٹا) ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہو تو ان کا حصہ ثلث (تہائی) ہے اور ماں کا بھی یہی حصہ ہے تو مناسب ہوا کہ ماں کی طرف بھائی یا بہن کا بھی یہی حصہ ہو نیز عینی بھائی اور بہن عصبہ ہوتے ہیں جیسا کہ اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے اور اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ سدس اور ثلث مقرر فرمایا ہے اب اگر اس آیت میں بھائی اور بہن سے علاتی بھائی اور بہن مراد لیا جائے تو ان آیتوں میں تعارض لازم آئے گا۔

احکام وراثت کی اطاعت پر جنت کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے○ (النساء : ۱۳)

یتیموں اور میراث کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی اللہ کے دیئے ہوئے شرعی احکام ہیں اور اس کی اطاعت کی تفصیلات اور شرائط ہیں' ان پر حدود کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا کہ مکلف کے لئے ان احکام سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جو شخص اللہ کے ان احکام پر عمل کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کردے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت والا عذاب ہے۔ (النساء: ۱۴)

احکام وراثت کی نافرمانی کرنے والے پر دائمی عذاب کی وعید اور اس کی توجیہ

جس نے میراث کے ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا اللہ اور اس کے رسول کے فرائض میں سے کسی فرض میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس نے حلال سمجھ کر وراثت کی حدود سے تجاوز کیا اللہ اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل کردے گا۔

اس آیت میں کسی حکم کی نافرمانی کرنے اور حدود سے تجاوز کرنے پر دائمی عذاب کی وعید ہے جب کہ دائمی عذاب صرف کفار کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اہانت اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا حلال سمجھ کر اللہ اور اس کے رسول کی حدود سے تجاوز کیا' یا جمیع حدود سے تجاوز کیا وہ کافر ہو گیا' اور اس آیت میں یہی تاویل ہے۔

جنتیوں کے بیان میں خلود کا ذکر جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور دوزخیوں کے ذکر میں خلود کا ذکر واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے کیونکہ اطاعت گزار اپنے ساتھ ان کو بھی جنت میں لے جائیں گے جن کی وہ شفاعت کریں گے اس لئے جمع کے صیغہ کا ذکر کیا اور کافر دوزخ میں اکیلا جائے گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت میں خلود انس کا سبب ہو گا اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا' اور دوزخ میں خلود وحشت کا سبب ہو گا اور دوزخی اس وحشت میں اکیلا ہو گا اس لئے واحد کا صیغہ ذکر کیا۔

معتزلہ وغیرہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس نے وراثت کے کسی حکم میں نافرمانی کی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق مرتکب کبیرہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عدم عفو کے ساتھ مقید ہے یعنی اگر اللہ اس کو معاف نہ کرے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جبکہ معتزلہ کے نزدیک بھی اس میں یہ قید ہے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو شخص کسی وارث کی میراث سے بھاگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی وراثت کو منقطع کردے گا۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۷۰۳)

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی

أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں

يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ وَاللَّذَانِ

موت آ جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے ○ اور تم میں سے جو

يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ

دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نیک ہو جائیں تو ان سے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ

درگزر کرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ توبہ کی مقبولیت اللہ پر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو

يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ

جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

اللہ (اپنے فضل سے حتماً) قبول فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ○ اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو

قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ

وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں

أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں

يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا

کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور نہ تم ان کو اس لیے روکو کہ تم ان کو دیے ہوئے

بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

(مہر) میں سے کچھ واپس لے لو سوا اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں،

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ

اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے ○ اور اگر تم ایک بیوی

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَ

اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لوگے؟ اور تم

كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ

اس مال کو کیونکر واپس لوگے جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے

مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ

پختہ عہد لے چکی ہیں ○ اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے

ع ۸ ۱۴ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ ع

باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو گزر چکا، بیشک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں۔ (النساء: ۱۵)

عورتوں کی بدکاری پر ابتدائی سزا کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بدکاری پر انہیں سزا دینے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی درحقیقت ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کیونکہ سزا ملنے کے بعد جب وہ بدکاری سے باز آجائیں گی تو آخرت کی سزا سے بچ جائیں گی' دوسری وجہ یہ بتلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن

سلوک کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہیں بے حیائی کے لئے بے لگام چھوڑ دیا جائے' اور تیسری وجہ یہ بتانا ہے کہ احکام شرعی اعتدال پر مبنی ہیں' ان میں افراط اور تفریط نہیں ہے نہ یہ کہ عورت کو بالکل دبا کر رکھا جائے اور اس کے حقوق سلب کر لئے جائیں اور نہ یہ کہ اسے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کی بے راہ روی پر بھی اس سے محاسبہ اور مواخذہ نہ کیا جائے۔

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بدکاری سے مراد زنا ہے کیونکہ جب عورت کی طرف زنا کی نسبت کی جائے تو اس کا ثبوت اسی وقت ہوتا ہے جب اس کے خلاف چار مسلمان مرد گواہی دیں۔ اسلام میں ابتداء" اس کی یہ سزا تھی کہ ایسی عورت کو تاحیات گھر میں قید کر دیا جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ پیدا کر دے' اور وہ راہ یہ ہے کہ کنواری عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے اور اس راہ کا بیان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لو' مجھ سے لو' اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کر دی' اگر کنوارہ مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو ان کو سو کوڑے لگاؤ اور ان کو سنگسار کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۶۹۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۳۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۵۵۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۲۲' صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۴۴۲۵)

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت اس وقت منسوخ ہو گئی جب زنا کی حد کے احکام نازل ہو گئے' اور ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ان کے نزدیک عورتوں کی بدکاری یا بے حیائی کے کام سے مراد زنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عورتوں کا اپنی جنس کے ساتھ لذت حاصل کرنا ہے' لیکن ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی نے یہ تفسیر نہیں کی' اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے کہ اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کر دی۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۶۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان آزاد) گواہ طلب کرو۔

حدود میں عورتوں کی گواہی نامعتبر ہونے کے دلائل

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانہ میں یہ سنت تھی کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورت کی گواہی جائز ہے نہ غلام کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۶۰-۵۹، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۳۰-۳۲۹)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے تاکہ زنا کے ثبوت کے لئے بار ثبوت سخت ہو زنا کے ثبوت کے لئے یہ کڑی شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں اور کوئی شخص دو جھوٹے گواہ پیش کرکے کسی کو بلاوجہ متہم نہ کرسکے' اگر کوئی شخص چار مسلمان گواہ پیش نہ کرسکا تو اس پر حد قذف لگے گی جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور جس نے کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر چار گواہ نہ ہوں تو بندوں کا پردہ رہے گا' یا اس لئے کہ زنا کا ارتکاب مرد اور عورت کرتے ہیں اور ہر دو کو سزا ملتی ہے اس لئے اس میں چار گواہ مقرر کیے گئے تاکہ ہر ایک کے حق میں دو دو گواہ ہوں اور نصاب شہادت مکمل ہوجائے لیکن یہ کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔

حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب

چار مرد گواہوں کی شرط پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مثلاً لڑکیوں کے ہوسٹل میں ایک لڑکی کی جبراً اور ظلماً عصمت دری کی گئی اور موقع پر صرف لڑکیاں ہیں یا کسی صورت میں کوئی بھی نہیں ہے وہ لڑکی کیسے انصاف حاصل کرے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ سزا اس وقت دی جاتی ہے جب قانونی تقاضے پورے ہوں مثلاً اگر جنگل میں جہاں کوئی نہ ہو وہاں کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاتل کو سزا نہیں ملے گی ایسی صورتوں میں مجرم دنیاوی سزا سے تو بچ جائے گا لیکن اخروی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟

ایک وحشت زدہ کنواری لڑکی جس کا لباس تار تار اور خون آلود ہے روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً موقع واردات پر گرفتار کرلیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہوگی یا بغیر چار مرد گواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حد قذف لگائی جائے گی؟ اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے یقیناً یہ قوی قرینہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تعزیراً سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بو کی بناء پر شراب کی حد تو جاری نہیں کرتے لیکن تعزیراً سزا دیتے ہیں' باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چار مرد گواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے اس لئے اس لڑکی پر حد قذف لگنی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو متہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے مسلمانوں میں ایک فحش بات کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے' اس کے علاوہ اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے مثلاً ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لئے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہوجائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا

کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے' اور نہ ان کلمات سے اس شخص پر حد قذف لازم ہوگی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصود اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور متہم کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ' پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔

"دو شخصوں کی بے حیائی" کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد کنوارہ مرد اور کنواری عورت ہے اور اس سے پہلی آیت میں شادی شدہ عورتیں مراد تھیں اس کی دلیل یہ ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی نے کہا اس آیت میں کنواری لڑکیاں اور کنوارے لڑکے مراد ہیں جن کا نکاح نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کو (مار پیٹ سے) ایذا پہنچاؤ۔ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

بعض نے کہا پہلی آیت میں زناکار عورتیں مراد تھیں اور ان کی سزا یہ تھی کہ ان کو ان کے گھروں میں مقید کردو اور اس آیت میں زناکار مرد مراد ہیں اور ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مار پیٹ سے ایذا پہنچاؤ' اس کی دلیل یہ ہے کہ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے اس آیت سے زنا کرنے والے مرد مراد ہیں' اور بعض نے کہا اس آیت میں مرد اور عورت دونوں مراد ہیں خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مار پیٹ کر ایذا پہنچائی جائے یہ عطا اور حسن بصری کا قول ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ایذاء پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس بے حیائی پر ملامت کی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے اور مار پیٹ کی جائے۔ حسن بصری کا قول یہ ہے کہ عورتوں کو پہلے ملامت کی جائے اور مارا جائے اور پھر گھروں میں قید کردیا جائے اور اس آیت کا حکم مقدم ہے اور اس سے پہلے والی آیت کا حکم موخر ہے' بہرحال جمہور مفسرین کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا حکم سورہ نور سے منسوخ ہوگیا جس میں کنواروں کے لئے زنا کی حد سو کوڑے بیان کی گئی ہے اور احادیث متواترہ سے جن میں شادی شدہ زانیوں کی حد رجم (سنگسار کرنا) بیان کی گئی ہے البتہ ابو مسلم کے نزدیک پہلی آیت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی جنس کے ساتھ شہوانی لذت حاصل کرتی ہیں اور دوسری آیت سے مراد وہ مرد ہیں جو ایک دوسرے سے عمل قوم لوط (اغلام) کرکے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ابو مسلم کے نزدیک یہ دونوں آیتیں منسوخ نہیں ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ صحابہ کرام اور فقہاء تابعین نے عمل قوم لوط کی حرمت پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا تاہم چونکہ یہاں اغلام کی بحث آگئی ہے اس لئے ہم اغلام کی حرمت پر قرآن مجید اور احادیث سے دلائل کا ذکر کریں گے۔

اغلام کی حرمت پر قرآن مجید کی آیات

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ (الاعراف : ۸۱۔۸۰)

اور لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کی ○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم (انسانیت کی) حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ (النمل : ۵۵-۵۴)	اور لوط کو (یاد کیجئے) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم (آپس میں) دیکھتے ہوئے بے حیائی کرتے ہو ○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ (النمل : ۵۸)	اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی سو جو لوگ ڈرائے ہوئے تھے ان پر کیسی بری بارش ہوئی۔
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ○ (ھود : ۸۳-۸۲)	اور جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہم نے (قوم لوط کی) بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کردیا اور ہم نے ان پر لگاتار کنکر پتھر برسائے جو آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے' اور پتھر برسانے کی یہ سزا ظالموں کے لئے مستبعد نہیں ہے۔

اغلام کی حرمت پر احادیث اور آثار

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (اغلام' مرد کا اپنی جنس کے ساتھ بد فعلی کرنا) ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن ترمذی' رقم الحدیث ۱۴۵۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۵۶۳' المستدرک صحیح الاسناد : ج ۴ ص ۳۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۴۶۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۵۶' سنن ابن ماجہ : رقم الحدیث' ۲۵۶۱' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۶)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان میں قتل (عام) ہوجاتا ہے اور جن لوگوں میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں موت کو مسلط کردیتا ہے اور جو لوگ زکوۃ نہیں دیتے ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرح کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۲۶' امام ذہبی نے بھی اس حدیث کی موافقت کی ہے)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات آدمیوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت کرتا ہے' اور ان میں سے ایک شخص پر تین بار لعنت کرتا ہے اور ہر ایک پر ایسی لعنت کرتا ہے جو اس کو کافی ہوگی۔ فرمایا : جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے' جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے' جو قوم لوط کا عمل

کرے وہ ملعون ہے' جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے وہ ملعون ہے' جو کسی جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص ایک عورت اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرے وہ ملعون ہے' جو شخص زمین کی حدود میں تبدیلی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص اپنے مولا کے غیر کی طرف منسوب ہو وہ ملعون ہے۔ (محرز بن عارون کے سوا اس حدیث کی سند صحیح ہے جمہور کے نزدیک وہ ضعیف ہے' لیکن امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے' حاکم نے اس حدیث کو کہا یہ صحیح الاسناد ہے) (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۸۴۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار آدمی اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کے غضب میں شام کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا : وہ مرد جو عورت کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اور جو مرد' مرد سے بدفعلی کرے۔

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن سلام خزاعی کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت غیر معروف ہے' امام بخاری نے کہا اس حدیث میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ امام ابن عدی نے کہا محمد بن سلام کی وجہ سے یہ حدیث منکر ہے' ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ترہیب میں معتبر ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۶۸۵۴' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۵' کامل ابن عدی : ج ۶ ص ۲۲۳۳)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ عرب کے بعض قبائل میں ان کو ایک مرد ملا جو مرد کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے' حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا جن میں حضرت علی بھی تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرت علی نے فرمایا یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا تھا اور تمہیں معلوم ہے اللہ نے ان پر کیسا عذاب بھیجا' میری رائے ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب نے اس پر اتفاق کرلیا کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے' پھر حضرت ابوبکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ (یہ حدیث حسن ہے) (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۹)

امام بخاری عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلا دیا' حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب کے ساتھ سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۹۲۲) چونکہ وہاں پر موجود حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا اور دیگر صحابہ نے اس مشورہ کی تائید کی۔

عمل قوم لوط کی حد یا تعزیر میں مذاہب اربعہ

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

درر غرر میں مذکور ہے کہ جو شخص عمل قوم لوط کرے اس کو تعزیر لگائی جائے گی مثلاً" اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا' اور اس پر دیوار گرا دی جائے گی' اور اس کو کسی بلند جگہ سے الٹا کر کے گرا دیا جائے گا اور اس پر پتھر مارے جائیں گے اور الحاوی میں مذکور ہے کہ اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے' فتح القدیر میں مذکور ہے اس پر تعزیر ہے اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ مرجائے یا توبہ کرلے' اور اگر وہ دوبارہ یہ عمل کرے تو اس کو امام سیاستہ" قتل کر دے' امام کی قید

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے (النہر والبحر) اسی طرح استمناء حرام ہے' صحیح مذہب یہ ہے کہ جنت میں عمل قوم لوط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو قبیح اور خبیث فعل قرار دیا ہے اور جنت اس عمل سے پاک ہے (فتح القدیر) الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ اس فعل کی حرمت عقلی ہے اس لئے جنت میں اس کا وجود نہیں ہوگا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرمت شرعی ہے' البحر میں مذکور ہے کہ اس کی حرمت عقلا" شرعا" اور طبعا" زنا سے زیادہ شدید ہے اور زنا کی حرمت طبعا" نہیں ہے کیونکہ جس عورت کی طرف طبیعت راغب ہو اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ کنیز ہو تو اس کو خرید کر اس سے شہوت پوری کی جاسکتی ہے' اس کے برخلاف اگر کسی لڑکے پر طبیعت راغب ہو تو اس سے قضاء شہوت کا کوئی جائز ذریعہ نہیں ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ کم درجہ کا جرم ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حد مجرم کو جرم سے پاک کر دیتی ہے (یہ امام شافعی کا قول ہے) بلکہ حد نہ ہونا اس جرم کی شدت کی وجہ سے ہے اور جو شخص اس عمل کو جائز سمجھے وہ جمہور کے نزدیک کافر ہے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

زیادات میں مذکور ہے اس کے فاعل کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جب کہ فاعل عادی ہو خواہ اس کو قتل کر دے خواہ اس کو مارے اور قید کر دے' الاشباہ میں مذکور ہے جب تک وہ بار بار یہ فعل نہ کرے امام اعظم کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ علامہ بیری نے کہا ہے کہ دو بار اس فعل کے کرنے پر اس کو قتل کر دیا جائے گا' فتح القدیر میں ہے کہ اس کو بلندی سے گرانے کی سزا اس لئے ہے تاکہ قوم لوط کی سزا سے مشابہت ہو کیونکہ ان کی زمین کو الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ ابن الولید معتزلی نے کہا جنت میں اس فعل کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دنیا میں اس فعل سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور یہ فعل محل نجاست میں ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں' اس لئے جنت میں شراب حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی' امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ مردوں کی طرف جنسی میلان کرنا ان کے لئے باعث عار ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ قبیح ہے کیونکہ ان کو اس عمل کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اسی وجہ سے اس فعل کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا گیا' اس کے برعکس شراب بعض شریعتوں میں جائز تھی اور جنت کو باعث عار اور قابل نفرت کاموں سے پاک رکھا گیا ہے' لیکن ابن الولید نہیں مانا اس نے کہا عار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نجاست کے ساتھ تلویث ہے اور جب جنت میں نجاست نہیں ہوگی تو عار بھی نہیں ہوگا' اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں نہ کہ چار اور اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵ مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

عمل قوم لوط سب سے بڑی بے حیائی کا کام ہے اس لئے اس پر سب سے بڑی حد ہے اس میں دو قول ہیں :

(۱) امام شافعی نے کہا ہے کہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ اس کو پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے (کتاب الام ج ۷ ص ۸۳)

حضرت عبداللہ بن عباس' سعید بن مسیب' امام مالک' امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ قتل کرنے کے دو طریقے ہیں یا تو رجم کر دیا جائے یہ فقہائے بغداد کا قول ہے یا تلوار سے قتل کر دیا جائے یہ فقہائے بصرہ کا قول ہے۔

(۲) شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے اور کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا

جائے۔ اس کی حد میں فاعل اور مفعول بہ برابر ہیں البتہ اگر مفعول نابالغ ہو تو اس پر تعزیر ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۷ ص ۹۲ ملخصا" مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

امام احمد بن حنبل کے نزدیک عمل قوم لوط کرنے والے کی حد یہ ہے کہ اس کو رجم کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو خواہ کنوارہ۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ کنوارے کو کوڑے لگائے جائیں گے اور شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا۔

(المغنی ج ۹ ص ۵۸ ملخصا" مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن علی الخرشی المالکی متوفی ۱۱۰۱ھ لکھتے ہیں :

جس شخص نے قوم لوط کا عمل کیا ہو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو رجم کر دیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ' فاعل کی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے خوشی سے یہ فعل کیا تھا یا مجبورا"' اگر مفعول بہ کے ساتھ جبرا" یہ فعل کیا گیا یا بچہ کے ساتھ اس کی خوشی سے کیا گیا ہو تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا' اور صرف فاعل کو رجم کیا جائے گا اس کے ثبوت کے لئے بھی چار گواہ ضروری ہیں جس طرح زنا میں چار مرد گواہوں کی شرط ہے۔

(الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۸ ص ۸۲' مطبوعہ دار صادر بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس عمل پر حد ہے اور بہ ظاہر اس کا ثبوت بھی چار گواہوں سے ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہے کیونکہ اس کی سزا حد زنا کی طرح معین اور قطعی نہیں ہے نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد کا نہ ہونا تخفیف کے لئے نہیں بلکہ تغلیظ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتما") قبول فرماتا ہے۔ (النساء : ۱۷)

جہالت سے گناہ کرنے پر مقبولیت توبہ کی تشریح

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب دو شخص بے حیائی کا کام کریں تو ان کو ایذا پہنچاؤ' اور جب وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے در گزر کرو' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول ہونے کی یہ شرط بیان فرمائی ہے جو جہالت سے کوئی گناہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو گی' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جہالت سے کوئی گناہ کرنا تو مواخذہ اور گرفت کا مستحق ہی نہیں تو اس پر توبہ کرنے یا صرف اسی کی توبہ قبول ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوذر غفاری نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری امت کی خطا' نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا جائے اس سے در گزر فرما لیا۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۰۴۳) نیز قرآن اور حدیث کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمدا" گناہ کرنے پر بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کے نزدیک معصیت کا ارتکاب جہالت ہے خواہ وہ معصیت عمدا" کی جائے' قرآن مجید میں ہے :

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ

(یوسف نے) دعا کی اے میرے رب مجھے قید خانہ اس گناہ کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو

الْجٰهِلِيْنَ○ (یوسف : ۳۳) نے ان کا مکر مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (یوسف : ۸۹) یوسف نے (اپنے بھائیوں سے) کہا کیا تم کو علم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا جب تم جاہل تھے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت آیات ہیں جن میں عمداً" معصیت پر جہالت کا اطلاق کیا گیا ہے امام عبدالرزاق اور امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے کہا صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے خواہ عمداً" ہو یا بغیر عمد کے (در منثور ج ۲ ص ۱۳۰)

(۲) زیر بحث آیت میں جہالت سے مراد اس فعل کی معصیت ہونے کی جہالت نہیں ہے بلکہ اس فعل پر جو عذاب مرتب ہوتا ہے اس کی جہالت مراد ہے۔

(۳) بعض اوقات انسان کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ فعل معصیت ہے اور اس پر عذاب ہوتا ہے لیکن وہ اس عذاب کی کیفیت اور اس کی مدت سے جاہل ہوتا ہے اس وجہ سے وہ معصیت کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

ان جوابات کی روشنی میں اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جو لوگ جہالت کا کام کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں' یا جو لوگ معصیت کے عذاب سے جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں تو صرف ان کے لئے توبہ کی قبولیت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت کے پہلے جز میں بھی یہی فرمایا تھا کہ صرف ان کے لیے توبہ کی قبولیت ہے اور بعد میں بھی یہی فرمایا کہ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور یہ بہ ظاہر تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے پہلے جز میں توبہ کی توفیق مراد ہے اور دوسرے جز میں اللہ کا اپنے کرم سے حتماً" توبہ کا قبول فرمانا مراد ہے اور یہ صرف اللہ کے کرم سے ہے اس میں بندہ کا کوئی استحقاق نہیں ہے' اور اس کا خلاصہ یہ ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً") قبول فرماتا ہے۔

توبہ کی تعریف اس کے ارکان اور شرائط ہم نے آل عمران : ۱۳۳ میں تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ معصیت پر دل سے نادم ہونا اور دوبارہ اس معصیت کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرنا' اللہ تعالیٰ سے گزشتہ معصیت پر بخشش چاہنا' اور معصیت کا تدارک اور تلافی کرنا ہی توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مرتے ہیں (النساء : ۱۸)

غرغرہ موت کے وقت توبہ کا قبول نہ ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ جو لوگ گناہ کرنے کے بعد جلد توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا

ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نزع روح کا وقت آ جاتا ہے اور وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس وقت ان کو اضطراری طور پر اللہ کے حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اس وقت وہ ایمان لے آئیں یا توبہ کر لیں تو وہ ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ اپنے اختیار سے اللہ کو حق ماننے اور توبہ کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تک غرغرہ موت (نزع روح) کا وقت نہ آئے اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۵۴۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۲۵۳' شرح السنۃ' رقم الحدیث : ۱۳۰۶' صحیح ابن حبان : ج ۲ ص ۶۲۸' مسند احمد : ج ۲ ص ۱۳۲' ۱۵۳' ج ۳ ص ۴۲۵)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی وہ اس کی عنقریب توبہ ہے۔ امام ابن جریر اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے روایت کیا ہے کہ موت سے پہلے ہر چیز عنقریب ہے۔ موت کے فرشتہ کو دیکھنے سے پہلے توبہ مقبول ہوتی ہے اور موت کے فرشتہ کو دیکھنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۰' مطبوعہ ایران)

فرعون چونکہ موت کے فرشتے اور عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا :

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ آٰلْــٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۝ (یونس : ۹۱-۹۰)

حتیٰ کہ فرعون کو جب غرق نے گھیر لیا تو اس نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (فرمایا) تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لئے روکو کہ تم ان کو دیئے ہوئے (مہر) میں سے کچھ واپس لے لو۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں' اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے ○ (النساء : ۱۹)

زمانہ جاہلیت کے مظالم سے عورتوں کو نجات دلانا

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مسائل اور احکام بیان فرمائے تھے درمیان میں ایک مناسبت سے توبہ کا ذکر آ گیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس موضوع کو شروع کر دیا' زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور ان کو ایذا پہنچاتے تھے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ایذا رسانی اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے اولیاء

(ورثاء) اس کی بیوی کے حق دار ہوتے تھے' اگر وہ چاہتے تو اس کا کہیں نکاح کر دیتے اور اگر چاہتے تو خود اس سے نکاح کر لیتے اور اگر چاہتے تو اس کا کہیں نکاح نہ کرتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر مجاہد ص ۱۵۰' تفسیر سفیان ثوری ص ۹۲' تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۲۹)

اس آیت میں یہ بتادیا کہ کسی شخص کا زبردستی عورت کا وارث بن جانا ناجائز اور حرام ہے' نیز فرمایا : اور نہ تم ان کو اس لئے روکو' اس سے مراد یہ ہے کہ جب بیوہ عورت کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہے تو تم اس کو اس سے منع نہ کرو زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کے وارث اس کو اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے تاکہ ان کی گرفت سے آزاد ہو کر وہ اپنے مہر کا مطالبہ نہ کرے یا وہ اس عورت کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ وہ اپنے مہر کی رقم ورثاء کو دے کر اپنی خلاصی نہ کرائے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۳۰) یا پھر وہ عورت ورثاء کی قید میں مرجاتی اور وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مہر کی رقم پر قبضہ کر لیتے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : سوا اس صورت کے کہ وہ عورتیں علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں علی الاعلان بے حیائی سے کیا مراد ہے؟ عطا خراسانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد زنا ہے' یعنی اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کا شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے لے پہلے یہی حکم تھا بعد میں جب حدود کے احکام نازل ہوئے کہ کنواری کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ علی الاعلان بے حیائی سے مراد شوہر سے بغض رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنا ہے اگر عورت ایسا کرے تو شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو تم نے ان عورتوں کو اپنے عقد میں اللہ کی امانت سے لیا ہے' اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارے ان پر حقوق ہیں' اور تم پر ان کے حقوق ہیں' تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ آنے دیں' اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں' جب وہ یہ کرلیں تو دستور کے مطابق ان کا طعام اور پوشاک تم پر لازم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۱۲۔۲۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو اللیث سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ نے لکھا ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرے تو وہ اس سے دی ہوئی چیزیں واپس لے سکتا ہے۔ (تفسیر سمرقندی ا ص ۲۲۲۔۲۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یا متصل' اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس میں عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر تفاسیر سے ظاہر ہے اگر یہ استثناء متصل ہو تو پھر اس میں بیوہ عورتوں کے ورثاء سے خطاب ہے کہ تم بیوہ عورتوں کے زبردستی وارث نہ بنو اور نہ تم ان کو اس لئے کسی جگہ نکاح کرنے سے روکو تاکہ تم ان کو دیئے ہوئے مہر سے کچھ واپس لے لو سوا اس صورت کے کہ وہ زنا کریں پھر بہ طور سزا ان کے مہر سے کچھ رقم لے لو' لیکن حدود کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا اور تم ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو' یہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے' یعنی جب عورتیں

بے حیائی کا کام نہ کریں اور جائز اور نیکی کے کاموں میں تمہاری اطاعت اور مدد کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو' ان کو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ پھر فرمایا اگر تم ان کو ناپسند کرو' تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو' اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے' یعنی جس عورت کی شکل و صورت تم کو ناپسند ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے بہت حسین و جمیل اولاد پیدا ہو' اور نیک سیرت بچے ہوں جو بڑھاپے میں تمہارا سہارا بنیں' اور ان کی نیکیاں تمہاری بخشش اور نجات کا ذریعہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو' اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے؟

(النساء : ۲۰)

زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو کوئی عورت ناپسند ہو اور اس کے علاوہ دوسری عورت پسند ہو اور تم یہ ارادہ کرو کہ تم اپنی عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کر لو تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مطلقہ عورت کو جو مہر دیا تھا اس کو واپس لے لو' خواہ وہ ڈھیروں مال کیوں نہ ہو' کیا تم اس عورت پر کوئی تہمت یا بہتان باندھ کر اس مال کو واپس لو گے؟ اور تمہارے لئے اس عورت سے مال لینا کس طرح جائز ہو گا حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ عمل ازدواج کر کے جسمانی قرب حاصل کر چکے ہو' اور تم اس عورت سے مہر بہ عقد نکاح کر چکے ہو جس پر مسلمان گواہ ہو چکے ہیں اور اللہ بھی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۲۸۔۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے۔

قنطار کا معنی

اس آیت میں عورت کو دی ہوئی رقم کے لئے قنطار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی مقدار میں حسب ذیل آثار ہیں:

حضرت ابو ہریرہ نے کہا قنطار بارہ ہزار ہیں' ابو نضرہ العبدی نے کہا بیل کی کھال میں جتنا سونا بھرا جا سکے' حسن بصری نے کہا اس سے مراد بارہ ہزار ہیں' مجاہد نے کہا اس سے مراد ستر ہزار دینار ہیں' حضرت معاذ نے کہا اس سے مراد بارہ سو اوقیہ ہیں (ایک اوقیہ' چالیس درہم کے برابر ہے) مجاہد سے ایک اور روایت ہے کہ اس سے مراد ستر ہزار مثقال ہیں۔

(سنن داری' رقم الحدیث : ۳۲۰۷۔۳۲۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

تاہم اس آیت میں قنطار سے مراد ڈھیروں روپیہ ہے۔ امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اس سے مراد مال کثیر ہے (جامع البیان : ج ۴ ص ۲۱۴) اسی طرح علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی لکھا ہے اس سے مراد مال کثیر ہے۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۴۳)

حضرت عمر کا زیادہ مہر رکھنے سے منع فرمانا

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ انہوں نے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا سنو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ رکھا کرو۔ اگر مجھے کسی کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باندھے

ہوئے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے تو میں آپ کے مقرر کردہ مہر سے زائد رقم کو بیت المال میں داخل کردوں گا۔ اس وقت قریش کی ایک عورت نے کہا اے امیر المومنین آیا اللہ کی کتاب پر عمل کرنا زیادہ حقدار ہے یا آپ کے حکم پر عمل کرنا' حضرت عمر نے کہا بلکہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا' اس عورت نے کہا آپ نے ابھی عورتوں کا زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا ہے حالانکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے : اگر تم نے کسی عورت کو قنطار (ڈھیروں مال) بھی دیا ہو تو اس سے واپس نہ لو' حضرت عمر نے فرمایا ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہہ ہے آپ دو یا تین بار یہ فرما کر منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں نے تم کو زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا سنو اب جو شخص جتنا چاہے مہر رکھ سکتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث : ۵۹۸' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۱۰۴۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے اور جب اس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تو آپ نے فرمایا اے اللہ مجھے معاف فرما ہر شخص کو عمر سے زیادہ قرآن کی سمجھ ہے' اور زبیر بن بکار نے عبداللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے کہ اس عورت کے اعتراض کے بعد حضرت عمر نے فرمایا مرد نے خطا کی اور عورت نے درست کیا۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۳)

دوسری روایت کو حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی عبداللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۱)

حضرت عمر کے علم پر شیعہ کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیعہ اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا تو وہ خلافت کے اہل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے مثلاً کوئی کہے کہ اگر فلاں شخص تمہارے بیٹے کو قتل کردے پھر بھی تم اس کو معاف کردینا اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح یہاں فرمایا کہ اگر تم عورت کو قنطار دو پھر بھی اس سے واپس نہ لینا۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں قنطار دینے کا ذکر ہے نہ یہ کہ قنطار بہ طور مہر دیا جائے اس لئے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور خاوند کا عورت کو ہبہ کرکے واپس لینا صحیح نہیں ہے' امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا سب سے آسان مہر ہو' حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے کہ عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر سہل ہو۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۲۴۵)

ہمارے نزدیک علامہ آلوسی کے یہ دونوں جواب صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور اس عورت کی رائے کو صحیح اور اپنی رائے کو خطا قرار دے کر اس سے رجوع فرمالیا تھا اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی للہیت اور بلند ہمتی کی دلیل ہے کہ بھرے مجمع میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ رہا شیعہ کا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عالم کل ہونا لازم نہیں ہے' امام بخاری نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو جلا دیا۔ حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو اور میں ان زندیقوں کو قتل کردیتا' کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۹۲۲)

امام حسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا : ابن عباس نے سچ کہا۔ اور تمام اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

(شرح السنۃ ج ۵ ص ۲۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ نے اس کا جواب دیا اس شخص نے کہا یہ مسئلہ اس طرح نہیں اس طرح ہے' حضرت علی نے فرمایا تم نے درست کہا اور میں نے خطا کی۔ وفوق کل ذی علم علیم اور ہر علم والے سے زیادہ علم والا ہے۔

(جامع البیان ج ۱۳ ص ۱۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عبد البر نے بھی اس اثر کو محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۱)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی ایک مسئلہ کا علم نہ ہونا خلافت کے منافی نہیں اور یہ حضرت علی کی عظمت ہے کہ انہوں نے حدیث کے سامنے ہونے کے بعد اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس مال کو کیونکر واپس لوگے! جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں (النساء : ۲۱)

خلوت صحیحہ کی وجہ سے کامل مہر کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

اس آیت میں زن و شو کے لئے افضاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے' حضرت ابن عباس' مجاہد' اور سدی سے یہ روایت ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور اگر شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو طلاق کے وقت عورت صرف نصف مہر لینے کی مستحق ہے خواہ ان کے درمیان خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ زجاج کا بھی یہی مختار ہے' اور افضاء کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

فراء نے کہا ہے کہ افضاء کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان خلوت صحیحہ ہو' خواہ جماع ہو یا نہ ہو' اور اس سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے' کلبی نے کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی ایک بستر میں جمع ہوں تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ خاوند اس کے ساتھ جماع کرے یا نہ کرے' زرارہ بن اوفی متوفی ۹۳ھ نے بیان کیا ہے کہ خلفاء راشدین مہدیین نے یہ فیصلہ کیا کہ جس نے دروازہ بند کر کے پردہ ڈال دیا اس پر پورا مہر اور عورت پر عدت واجب ہو گئی (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۲۵) اور مقاتل نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ افضاء کا معنی جماع ہے اور ہمارے علماء رحمہم اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب خلوت صحیحہ ہو گئی تو پورا مہر اور عدت واجب ہو جائے گی خواہ جماع ہو یا نہ ہو۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۴۲-۳۴۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا حالانکہ وہ عورتیں تم سے میثاق غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں۔ اس کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ قول ہے جو نکاح کرانے والے کہتے ہیں کہ ہم نے اس عورت سے تمہارا نکاح اس عہد و پیمان پر کیا

ہے کہ تم اس عورت کو دستور کے مطابق رکھو گے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو گے' اور ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد یہ قول ہے کہ تم نے ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پر عقد میں لیا ہے اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو ہو چکا' بے شک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔ (النساء: ۲۲)

باپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں لوگ محرمات کو حرام قرار دیتے تھے لیکن اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے' اسی طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حرام قرار دے دیا۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کی ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام ہے' خواہ وہ عورت اس کے باپ کی بیوی ہو یا باندی ہو یا اجنبی عورت ہو جس سے اس نے زنا کیا ہو' اور یہ فقہاء احناف کا مذہب ہے' اور اکثر مفسرین کا مختار ہے' اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام نہیں ہے کیونکہ زنا قبیح بنفسہ ہے اس لئے وہ کسی امر مشروع کے لئے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امر مشروع سے مراد تحریم مصاہرت (سسرالی رشتوں کی تحریم) ہے کیونکہ یہ ایک نعمت ہے اور نعمت کسی حرام چیز کو شامل نہیں ہوتی' ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے سبب سے ماں باپ ایک دوسرے کے جز ہو جاتے ہیں اسی لئے بچہ دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے' اور عورت کے اصول و فروع بچہ کیلئے مرد کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں اور مرد کے اصول و فروع بچہ کے لئے عورت کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں' اور باپ نے جس عورت سے مباشرت کی ہو اس سے بیٹے کا نکاح اس لئے حرام ہے کہ یہ مباشرت اولاد کا سبب ہے نہ اس لئے کہ یہ مباشرت بہ صورت زنا ہے۔ اسی طرح جس عورت کو باپ نے شہوت سے مس کر لیا ہو یا اس کی فرج کو شہوت سے دیکھا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے' اور امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے' اور نکاح کا حقیقی معنی وطی اور مباشرت ہے۔ ایجاب اور قبول کا عقد نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: ۶) — اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

اس آیت میں نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے' کیونکہ انسان جب وطی اور مباشرت کی صلاحیت کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تب ہی وہ بالغ ہوتا ہے ورنہ عقد تو بچپن میں بھی ہو سکتا ہے اور جوانی اور بڑھاپے میں بھی۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ: ۲۳۰) — پھر اگر اس کا شوہر اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت اس شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے کیونکہ دوسرے شوہر کے صرف عقد نکاح' اور نکاح کے دو

بول پڑھوانے سے وہ عورت پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے وطی نہ کرے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً (النور : ۳) زانی صرف زانیہ سے ہی نکاح کرتا ہے

اس آیت میں نکاح سے مراد اگر عقد لیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے اس لئے یہاں لامحالہ وطی اور مباشرت ہی مراد ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے ناکح الید ملعون (عنایۃ القاضی ج ۱ ص ۳۴۹) ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے' یہاں نکاح سے مراد عقد نہیں ہو سکتا اس سے مراد بھی وطی اور مباشرت ہے' اور جن آیات میں نکاح عقد کے معنی میں ہے مثلاً "فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء : ۳) یا جس طرح آپ نے فرمایا النکاح سنتی (الجامع الکبیر ج ۸ ص ۸) وہاں نکاح مجازاً" عقد کے معنی میں ہے۔

امام اللغۃ امام اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں :

نکاح کا معنی وطی ہے اور کبھی یہ عقد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۴۱۳' مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۹۶ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :

ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور تزوج کو بھی نکاح کہتے ہیں کیونکہ تزوج وطی مباح کا سبب ہے۔ (لسان العرب : ج ۲ ص ۶۲۶ مطبوعہ قم ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وطی کے لئے عقد کرنے کو بھی نکاح کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وطی مباح کا سبب ہے' قرآن مجید میں نکاح عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ وطی جماع کے لئے صریح ہے' اور عقد جماع سے کنایہ ہے اور بلاغت اور ادب کے بھی موافق ہے' اسی طرح زمخشری اور راغب اصفہانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۴۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

باپ کی منکوحہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے کیونکہ نکاح' جماع اور تزوج (شادی) دونوں کو کہتے ہیں پس اگر باپ نے کسی عورت سے شادی کی ہو یا بغیر نکاح کے کسی عورت سے وطی کی ہو تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیتے تھے۔ عمرو بن امیہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور اس سے مسافر اور ابو معیط دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ابو قیس ایک صالح انصاری تھے وہ فوت ہو گئے تو ان کے بیٹے قیس نے اپنے باپ کی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا اس نے کہا میں تو تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گی۔ اس نے آکر آپ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۰۴۔ ۱۰۳' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الفرج علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے' کیونکہ نکاح کا معنی جمع کرنا ہے اور جمع صرف وطی میں ہے اور عقد اس کا سبب ہے اس لئے عقد کو بھی نکاح کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۴۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باپ کی مدخولہ سے بیٹے کا نکاح کرنا مطلقاً" حرام ہے خواہ دخول نکاح سے ہو خواہ زنا سے' اور امام شافعی کے نزدیک باپ کی منکوحہ سے بیٹے کا نکاح حرام ہے اور باپ کی مزنیہ سے بیٹے کا نکاح حرام نہیں ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی سزا

باپ کی منکوحہ بیٹے کی ماں ہے اور جو شخص اپنی ماں یا کسی اور محرم کے ساتھ نکاح کرے اس کی سزا اسلام میں یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جائیداد ضبط کرلی جائے۔ امام ابو داؤد براء کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے چچا نے مجھے اس شخص کو قتل کرنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لئے بھیجا جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۴۵۷) امام ابو حنیفہ اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں جو شخص اپنی محرم سے نکاح کرے اس کو تعزیراً" قتل کر دیا جائے اور جو شخص اس کے ساتھ زنا کرے اس پر حد جاری کی جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا اور

أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِى فِى

تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے

حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِى دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا

تم صحبت کر چکے ہو، اور اگر تم نے ان بیویوں

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم

مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا،

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ، یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے، اور ان کے علاوہ سب عورتیں

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

تم پر حلال کی گئی ہیں، کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو، درآں حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ

نہ کہ محض عیاشی کرنے والے ہو، پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی ہے، تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کرو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ

دو (یہ اللہ کا کیا ہوا) فرض ہے، اور مہر مقرر کرنے کے بعد جس (کمی بیشی) پر تم باہم راضی ہو گئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ

اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی

يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے)

فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ

اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

سے ہو، تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

دراں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں، بدکار نہ ہوں، نہ غیروں سے آشنائی کرنے

اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ

والی ہوں ، اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری)

مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ

عورت کی آدھی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو

مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اپنے نفس پر بدکاری کا خدشہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

ع ۴۳ - ۱

محرمات نکاح کا بیان

جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام کیا گیا ہے ان کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جن سے نسب اور نسل کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کے ساتھ رضاعت (دودھ شریک ہونے) کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور تیسری قسم وہ ہے جن کے ساتھ نکاح کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا اس کو عربی میں مصاہرت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے نسبی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی پھر رضاعی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی اور پھر نکاح کے رشتوں کی وجہ سے حرمت بیان فرمائی ہم بھی اسی ترتیب کے ساتھ احادیث اور فقہاء کے حوالوں سے ان رشتوں کی تفصیل بیان کریں گے۔

نسبی محرمات کی تفصیل

محرمات نسبیہ میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائماً حرام ہے۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی اور پرنانی اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں اور بیٹیوں میں اس کی اپنی بیٹی، اس کی پوتی، پرپوتی اور اس سے نچلے درجہ کی بیٹیاں سب داخل ہیں، اور بہنوں میں عینی (سگی) علاتی (باپ کی طرف سے سوتیلی) اخیافی (ماں کی طرف سے سوتیلی) بہنیں داخل ہیں، اسی طرح بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجہ کی بھی داخل ہیں، اور پھوپھیوں میں اس کے باپ کی عینی بہن، علاتی بہن اور اخیافی بہن داخل ہیں۔ اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ماں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں اور ان سے اوپر کے درجہ کی بھی، اور عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے اور اخیافی پھوپھی کی پھوپھی حرام نہیں ہے یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی، اور خالاؤں میں ماں کی سگی بہن، ماں کی علاتی بہن اور ماں کی اخیافی بہن سب حرام ہیں اور عینی خالہ کی خالہ اور اخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہیں البتہ علاتی خالہ کی خالہ حرام نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

رضاعی محرمات کی تفصیل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جن رشتوں کو ولادت کی وجہ سے حرام کیا ہے ان کو رضاعت کی وجہ سے بھی حرام کر دیا۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۴۴' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۵۰)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو رشتہ نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۴۹' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۰۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک مرد بیٹھا ہوا تھا' آپ پر وہ شاق گزرا اور میں نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے۔ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے آپ نے فرمایا اپنے رضاعی بھائیوں کے متعلق غور و فکر کیا کرو کیونکہ رضاعت اس مدت میں ثابت ہوتی ہے جب صرف دودھ سے بھوک مٹے (یعنی جس زمانہ میں اس کی غذا صرف دودھ ہو)۔
(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۵۵)

مدت رضاعت میں دودھ کم پیا ہو یا زیادہ اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے (ہدایہ) قلیل کا معیار یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں پہنچ جائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے (فتاویٰ قاضی خان) مدت رضاعت گزرنے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ تحریم (ہدایہ) حرمت رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے (ظہیریہ) دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول اور فروع حرام ہیں خواہ وہ اصول اور فروع نسباً ہوں یا رضاعی' حتیٰ کہ دودھ پلانے والی کا اس شخص (شوہر) سے یا کسی اور سے بچہ پیدا ہو' اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے یا اس شخص (شوہر) کا کسی اور عورت سے بچہ پیدا ہو' اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے تو یہ سب اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہیں اور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے' اور دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا اور دادی کا حکم ہے' اور رضاع میں حرمت مصاہرت بھی ثابت ہوگی حتیٰ کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والے پر حرام ہوگی اور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۳۴۳۔ ۳۴۲' مطبوعہ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

رشتہ نکاح کے سبب محرمات کی تفصیل

نکاح کے سبب محرمات کی چار قسمیں ہیں :

(۱) بیویوں کی مائیں اور ان کی دادیاں خواہ اوپر کے درجہ میں ہوں۔ (۲) بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد۔ (۳) بیٹے کی بیوی' پوتے کی بیوی' نواسے کی بیوی خواہ نیچے کے درجہ میں ہوں۔ (۴) باپ اور دادا کی عورتیں خواہ وہ علاتی ہوں یا اخیافی۔ یہ سب عورتیں دائماً" حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا۔

نبی ﷺ نے اس کے ساتھ اور رشتے بھی لاحق فرمائے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے' اور نہ پھوپھی کا اس کی بھتیجی پر نکاح کیا جائے اور نہ کسی عورت کا اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے اور نہ خالہ کا اس کی بھانجی پر نکاح کیا جائے اور نہ (رشتہ میں) بڑی کا چھوٹی پر اور نہ (رشتہ میں) چھوٹی کا بڑی پر۔ (یہ پہلے جملوں کی تاکید ہے۔)

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

اس نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رحم کے رشتے ہیں اور سوکنوں میں عداوت اور جلاپا ہوتا ہے سو اگر دو بہنوں یا خالہ اور بھانجی دونوں کو ایک نکاح میں جمع کر لیا جائے تو یہ صلہ رحم کے منافی ہے اور قطعیت رحم کو مستلزم ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں نہ جمع کیا جائے خواہ وہ نسبی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں' اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں میں سے جب بھی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے (محیط) اس لئے ایک عورت اور اس کی نسبی یا رضاعی پھوپھی یا خالہ کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

(عالم گیری ج ۱ ص ۲۷۷' مطبوعہ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک ہو جاؤ۔ یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔ (النساء: ۲۴)

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق

میدان جنگ میں جو کافر قید ہو جائیں ان کو غلام بنا لیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور جو کافر عورتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں اور قید ہو جائیں ان کو باندیاں بنا لیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان باندیوں کے ساتھ ان کے مالک بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتے ہیں۔ مخالفین اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں انسانوں کو غلام اور باندیاں بنایا جاتا ہے اور یہ شرف انسان کے خلاف ہے بلکہ تذلیل انسانیت ہے۔ اس اعتراض کی وجہ اس مسئلہ سے ناواقفیت ہے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس' جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کیے جاتے رہے اور ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور ان کو آزاد کرنے پر جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے یا جسمانی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دیا جائے یا ان کو لونڈی اور غلام بنا لیا جائے چونکہ اس زمانہ میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا' اس لئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں تو تم بھی مکافات عمل کے طور پر ان کے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں تو تم بھی ان کے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو' اور اگر وہ تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں تو تم بھی ان کے

جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ چھوڑ دیں تو مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا (محمد: ۴)

جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر یا تو ان پر محض احسان کر کے ان کو آزاد کر دو یا ان سے (مالی یا بدنی) فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔

اور اگر کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنائیں تو مکافات عمل کے طور پر ان کے جنگی قیدیوں کو بھی لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ تو اس کی مثل برائی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنانے کی ہدایت نہیں دی ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیت سے یہ بیان کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ یا مالی یا جانی فدیہ لے کر آزاد کرنا اسلام میں جائز ہے اب ہم اس پر احادیث سے دلائل پیش کر رہے ہیں مکہ جنگ سے فتح ہوا تھا اور تمام اہل مکہ جنگی قیدی تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "امتنانا" ان کو آزاد کر دیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۸۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۴۷۶۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۲، ۵۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۷۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۸، مطولاً و مختصراً)

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللہ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف اسی نے تمام لشکروں کو شکست دی، سنو زمانہ جاہلیت کی ہر زیادتی، ہر خون اور ہر مال آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے یہاں کعبہ کی چوکھٹ اور حجاج کی سبیل پر، اے قریش کی جماعت! اللہ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے، تمام انسان آدم سے پیدا کیے گئے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ اے قریش کی جماعت تمہارا کیا گمان ہے میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (مختصراً)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام علی ہامش الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ فاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص ۲۴۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس خطبہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۱۸، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

مالی فدیہ کے بدلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرمایا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبوداروں (قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو آزاد کر دیتا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۱۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۶۸۹' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۵۵۸' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۷۴۱۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۷۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۶۷' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰' المعجم الکبیر' رقم الحدیث: ۱۵۰۶)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے فدیہ لے کر (قیدیوں کو) آزاد کر دیا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کے لئے چار سو (درہم) فدیہ مقرر فرمایا۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے لئے فدیہ کی رقم بھیجی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے فدیہ کے لئے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی ابو العاص سے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا' جب رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو (بلا معاوضہ) آزاد کر دو اور ان کا ہار ان کو واپس کر دو۔ صحابہ نے کہا ٹھیک ہے' اور نبی ﷺ نے ابو العاص سے وعدہ لے لیا یا اس نے از خود وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا تم بطن یاجج میں ٹھہرنا حتیٰ کہ تمہارے پاس سے (حضرت) زینب گزریں وہ دونوں حضرت زینب کو حضور کے پاس لے کر آئے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۲' المستدرک ج ۳ ص ۲۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۶)

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا چار سو درہم فدیہ مقرر کیا تھا' عباس نے کہا ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو وہ مال کہاں ہے جس کو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آ گیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل' عبد اللہ اور قثم کے لئے ہو گا۔ عباس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

امام بخاری اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض انصار نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے عباس سے فدیہ نہ لیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بہ خدا تم ان سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔ آپ نے بعض سے چار ہزار فدیہ لیا بعض سے دو ہزار' بعض سے ایک ہزار اور بعض پر احسان کر کے ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا۔

اہل مکہ کو لکھنا آتا تھا اور اہل مدینہ کو لکھنا نہیں آتا تھا' جن اہل مکہ کے پاس مال نہیں تھا آپ نے ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں اور جب وہ لڑکے لکھنے میں ماہر ہو گئے تو وہ آزاد کر دیئے گئے' حضرت زید بن ثابت نے بھی ان ہی سے لکھنا سیکھا تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

مسلمان قیدیوں سے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے تبادلہ میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے درآں حالیکہ وہ بندھا ہوا تھا اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حجاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ یعنی عضباء' اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف کے بدلہ میں پکڑا ہے پھر آپ چلے گئے اس نے کہا یا محمد' یا محمد' رسول اللہ ﷺ مہربان اور رقیق القلب تھے' آپ لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں! آپ نے فرمایا اگر تو گرفتار ہونے سے پہلے یہ کہتا تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا آپ چلے گئے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد یا محمد (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا اور پیاسا ہوں مجھے کھانا اور پانی دیجئے آپ نے اس کی حاجت پوری کی' پھر اس کو ان دو مسلمانوں کے بدلہ میں آزاد کر دیا گیا جن کو ثقیف نے پکڑا تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۴۱' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۳۳۱۶' مسند حمیدی' رقم الحدیث : ۸۲۹' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۸۵۹' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث : ۹۳۹۵' مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۰' ۴۳۳' سنن بیہقی ج ۹ ص ۷۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۱۸۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۴۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رات کے آخری حصہ میں اتریں' پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا گیا' اور ہم ان کے پانی پر پہنچے اور جس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا' میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو سب ٹھہر گئے میں ان سب کو گھیر کر لے آیا' ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی' میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا حضرت ابوبکر نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی' ہم مدینہ پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے بھی نہ اتارے تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس بھی نہیں اتارا' اگلے دن میری پھر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے دے دو تمہارا باپ بہت اچھا

تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! یہ آپ کی ہے میں نے اس لڑکی کا لباس تک نہیں اتارا تھا' رسول اللہ نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۵۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۴۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۶' ۵۱' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۲۹)

جنگی قیدیوں کو احساناً" بلامعاوضہ آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے بلا معاوضہ بھی بہت سے جنگی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو طلقاء (آزاد) قرار دینے اور جنگ بدر کے بعض جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ آزاد کرنے کی ہم اس سے پہلے احادیث سے مثالیں ذکر کر چکے ہیں بعض مزید احادیث ملاحظہ فرمائیں :

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجد کی طرف حملہ کرنے کے لئے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت بھیجی' صحابہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' ثمامہ مسجد کے قریب ایک درخت کے پاس گیا اس نے غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا : اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۶۲' ایضاً" : ۴۶۹' ۲۴۲۲' ۲۴۲۳' ۴۳۷۲)

امام مسلم نے اس حدیث کو بہت تفصیل سے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۶۴)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آیا اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں (مال غنیمت میں ان سے لئے ہوئے) اموال اور ان کے جنگی قیدی واپس کر دیں آپ نے فرمایا میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سب سے سچی ہو تم دو میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو جنگی قیدی یا مال' اور میں تم کو غور کے لئے مہلت دیتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے طائف سے واپس آنے کے بعد دس سے زیادہ راتوں تک ان کا انتظار کیا جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو دو میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے جنگی قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں' پھر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ کی شان کے مطابق اس کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تمہارے یہ مسلمان بھائی تمہارے پاس رجوع کرتے ہوئے آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو شخص طیب خاطر سے ایسا کر سکتا ہے وہ کر دے' اور جو یہ چاہتا ہو کہ اس کا حصہ اس کے پاس رہے تو جب اس کے بعد سب سے پہلے مال غنیمت حاصل ہو گا ہم اس کو اس کا حصہ واپس کر دیں گے۔ مسلمانوں نے کہا ہم رسول اللہ کی خاطر خوشی سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں پتا نہیں چلا کہ تم میں سے کس شخص نے خوشی سے اجازت دی اور کسی نے خوشی سے اجازت نہیں دی تم واپس جاؤ اور اپنے اپنے کار مختار سے مشورہ کرو۔ انہوں نے اپنے اپنے کار مختار سے مشورہ کیا اور پھر آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم خوشی سے اجازت دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۱۳۱-۳۱۳۲' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۶۹۳)

جنگی قیدیوں کو مال کے بدلہ آزاد کرنے ' جنگی قیدیوں کے بدلہ آزاد کرنے ' اور بلا معاوضہ آزاد کرنے کے متعلق ہم نے احادیث بیان کی ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی آراء بھی بیان کر دیں :

جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے قدوری اور صاحب ہدایہ کا یہی مختار ہے ' اور امام ابو حنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ امام ابو یوسف ' امام محمد ' امام شافعی ' امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے ' مگر عورتوں کا فدیہ لینے میں ان کا اختلاف ہے اور امام احمد نے بچوں کا بھی فدیہ لینے سے منع کیا ہے اور سیر کبیر میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کا فدیہ لیا ہے ' ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ظاہر روایت یہی ہے ' امام ابو یوسف نے کہا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا فدیہ لیا جائے بعد میں نہیں اور امام محمد نے فرمایا ہر حال میں ان کا فدیہ لے لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر جنگی قیدی کافروں کو لوٹا دیئے گئے تو وہ ان کی قوت اور مسلمانوں کے لئے ضرر کا باعث ہوں گے اور دوسرے قول اور تمام ائمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدی کو قتل کرنے یا اس کو غلام بنانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مسلمان قیدی کو کافروں سے چھڑا لیا جائے کیونکہ مسلمانوں کی حرمت بہت عظیم ہے ' اور جنگی قیدی کو ان کے حوالے کرنے سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کی جو دلیل دی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کے بدلہ میں ہمارا مسلمان قیدی ہمارے پاس آجائے گا تو اس ضرر کا توڑ ہو جائے گا اور یہ معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اس کے علاوہ ایک مسلمان کو کافروں کی قید سے چھڑانے کی فضیلت اور اس کو اللہ کی عبادات کرنے کا موقع فراہم کرنا اس پر مستزاد ہے اور جب کہ یہ نبی ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۱ ' دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

کافر جنگی قیدی کو مسلمان قیدی کے بدلہ میں آزاد کیا جائے یا مال کے بدلہ میں ' قول مشہور کے مطابق پہلی صورت جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ سیر کبیر میں ہے۔ امام محمد نے فرمایا جب ان قیدیوں سے نسل متوقع نہ ہو جیسے شیخ فانی پھر بھی ان کے تبادلہ میں کوئی حرج نہیں ہے (الاختیار) قیدیوں کے تبادلہ میں اختلاف ہے لیکن محیط میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ جائز ہے اس کی پوری بحث قہستانی میں ہے ' اور زیلعی نے سیر کبیر سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ظاہر قول جواز ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ ثلاثہ سے بھی یہی منقول ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے دو مسلمانوں قیدیوں کا دو مشرک قیدیوں سے تبادلہ کیا اور ایک عورت کے بدلہ میں مکہ میں قید بہت سے مسلمانوں کو آزاد کرایا (ہدایہ ' قدوری) اور دیگر متون میں جو مذکور ہے قیدیوں سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جب ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ لینا بھی جائز ہے اور مسلمان قیدیوں سے تبادلہ بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' ۱۴۰۷ھ)

کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قابل اعتراض ہے

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام میں اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی نخواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؟ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کہے میں نے قبول کیا' اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب وقبول کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے' آخر ایجاب وقبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکلیہ مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب وقبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کر دیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب وقبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں' بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً" حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لئے جائز نہیں ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے' اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قابل اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کو مالکوں پر حلال کر دیا ہے بشرطیکہ اس کا باندی ہونا شرعاً" صحیح ہو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ؕ (النساء : ۳)

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو۔

وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ۚ (النساء : ۲۴)

دوسروں کی بیویاں تم پر حرام ہیں البتہ تمہاری باندیاں تم پر حرام نہیں۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ۚ (المؤمنون: ۶-۵' المعارج: ۳۰ - ۲۹)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کرنے میں ان پر ملامت نہیں ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں باندیوں کے ساتھ مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ عقد نکاح میں عورت اپنے اختیار سے یہ عقد کرتی ہے جب کہ جب باندی کو ہبہ کیا جاتا ہے یا اس کو فروخت کیا جاتا ہے تو اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی پاداش میں بہ طور سزا اس کا یہ اختیار سلب کر لیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب سے دنیا میں لونڈی اور غلام

بنانے کا رواج ہو لونڈیوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھا گیا ہے اس لئے اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو ان کے ساتھ بھی عمل مکافات کے طور پر یہی معاملہ روا رکھا گیا' لیکن جو شخص کسی باندی کے ساتھ مباشرت کرتا ہے اور اس سے اولاد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حقیقی اولاد اور اس کی وارث ہوتی ہے اور وہ باندی ام ولد ہو جاتی ہے اور اس شخص کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے' اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بہت اقدامات کئے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہت بشارتیں دی ہیں' ہم ان شاء اللہ النساء : ۳۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کے نتیجہ میں اب دنیا سے غلامی کا چلن ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء : ۲۴)

مہر کے مال ہونے پر دلیل

اس آیت میں امام اعظم ابو حنیفہ کی یہ دلیل ہے کہ مہر مال ہوتا ہے۔ بعض شوافع اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ عرف عام میں مال کو مہر قرار دیا جاتا ہے اس لئے یہاں مال کا ذکر کیا گیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا ایک شخص نے جب دیکھا کہ آپ کو اس حاجت نہیں تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ جب اس شخص کو مہر کے لئے کچھ نہ مل سکا تو آپ نے اس سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے آپ نے فرمایا تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن بھی مہر ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن مہر کا بدل نہیں ہے آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا اور اس شخص پر مہر مثل واجب تھا۔ اس پر تفصیلی بحث ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض تمتع کیا ہے (لذت حاصل کی ہے) تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کر دو۔ (النساء : ۲۴)

جواز متعہ پر علماء شیعہ کے دلائل

مشہور شیعہ مفسر ابو علی فضل بن الحسن الطبرسی من القرن السادس لکھتے ہیں :

اس آیت سے مراد نکاح المتعہ ہے اور یہ وہ نکاح ہے جو مہر معین سے مدت معین کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس' سدی' ابن سعید اور تابعین کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے' اور ہمارے اصحاب امامیہ کا یہی مذہب ہے اور یہی واضح ہے کیونکہ لفظ استمتاع اور تمتع کا لفظی معنی نفع اور لذت حاصل کرنا ہے لیکن عرف شرع میں وہ اس عقد معین کے ساتھ مخصوص ہے۔ خصوصاً" جب اس لفظ کی عورتوں کی طرف اضافت ہو اس بناء پر اس آیت کا یہ معنی ہو گا جب تم ان سے متع کر لو' تو ان کو اس کی اجرت دے دو' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماع کے بعد مہر کو واجب نہیں کیا بلکہ متعہ کے بعد مہر کو واجب کیا ہے اور حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی اس طرح قرأت کی ہے :

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ　جب تم نے مدت معین تک ان سے استمتاع (متعہ) کیا تو ان کو ان کی اجرت (مہر) دے دو۔

اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس آیت میں استمتاع سے مراد عقد متعہ ہے۔

حکم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہیں کرتے تو کسی بدبخت کے سوا کوئی زنا نہیں کرتا' اور عطا نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا ہے۔ نیز اس آیت میں لفظ استمتاع سے مراد متعہ ہے نہ کہ جماع اور انتفاع' اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی جماع کیا ہے تو ان کو ان کا مہر ادا کر دو تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مہر واجب نہ ہو' حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر مدخولہ کا بھی نصف مہر واجب ہوتا ہے۔ اس پر مزید تائید یہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو متعہ (متعہ نکاح اور تمتع بالحج) حلال تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں' اور تمتع بالحج بالاتفاق منسوخ نہیں ہے تو پھر تمتع بالنکاح بھی منسوخ نہیں ہوگا۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۵۳۔ ۵۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ)

علماء شیعہ کے نزدیک متعہ کے فقہی احکام

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن سالم سے متعہ کا طریقہ پوچھا انہوں نے کہا تم یوں کہو اے اللہ کی بندی میں اتنے پیسوں کے عوض اتنے دنوں کے لئے تم سے متعہ کرتا ہوں' جب وہ ایام گزر جائیں گے تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۶' ۴۵۵' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۷ھ)

شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

منصور صیقل بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا مجوسی (آتش پرست) عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۶۵ھ)

زرارہ کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا متعہ صرف چار عورتوں سے کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا متعہ اجرت کے عوض ہوتا ہے خواہ ہزار عورتوں سے کرلو۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۷)

عمر بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ میں فریقین کے درمیان میراث نہیں ہوتی۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۵۳)

شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین قمی متوفی ۳۸۱ھ لکھتے ہیں :

محمد بن نعمان نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کم از کم کتنی چیز کے عوض متعہ ہو سکتا ہے انہوں نے کہا دو مٹھی گندم سے۔ تم اس سے کہو کہ میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق متعہ کرتا ہوں جو نکاح ہے زنا نہیں ہے اس شرط پر کہ نہ میں تمہارا وارث ہوں اور نہ تم میری وارث ہو' نہ میں تم سے اولاد کا مطالبہ کروں گا' یہ نکاح ایک مدت متعین تک ہے پھر اگر میں نے چاہا تو میں اس مدت میں اضافہ کر دوں گا اور تم بھی اضافہ کر دینا۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۲۴۹' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۱ھ)

شیخ روح اللہ خمینی متعہ کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(۲۴۴۱) متعہ والی عورت اگرچہ حاملہ ہو جائے خرچ کا حق نہیں رکھتی۔
(۲۴۴۲) متعہ والی عورت (چار راتوں میں سے ایک رات) ایک بستر پر سونے اور شوہر سے ارث پانے اور شوہر بھی اس کا وارث بننے کا حق نہیں رکھتا۔
(۲۴۴۳) متعہ والی عورت کو اگرچہ علم نہ ہو کہ وہ اخراجات اور اکٹھا سونے کا حق نہیں رکھتی تب بھی اس کا عقد صحیح ہے اور نہ جاننے کی وجہ سے بھی شوہر پر کوئی حق نہیں رکھتی۔ (توضیح المسائل اردو ۳۶۹ '۳۶۸ 'مطبوعہ سازمان تبلیغات)

علماء شیعہ کے جواز متعہ پر دلائل کے جوابات

علماء شیعہ نے الی اجل مسمی کی قرأت سے متعہ کے جواز پر جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قرات شاذہ ہے قرآن مجید کی جو قرأت متواتر ہے حتیٰ کہ شیعہ کے قرآن میں بھی جو قرأت مذکور ہے اس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس لئے قرأت متواترہ کے مقابلہ میں اس قرأت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر جنگ خیبر کے موقعہ پر متعہ کو حرام کر دیا گیا' پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لئے متعہ حلال کیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کو دائما" حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کے جواز کے قائل تھے لیکن اخیر عمر میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور جب حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آپ نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا میرے نزدیک متعہ خون' مردار اور خنزیر کی طرح حرام ہے اور یہ صرف اضطرار کے وقت حلال ہے' یعنی جب نکاح کرنا ممکن نہ ہو اور انسان کو غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو' لیکن اخیر عمر میں حضرت ابن عباس نے اس سے بھی رجوع کر لیا اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر نے اس سے منع کر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں تک متعہ کی حرمت نہیں پہنچی تھی وہ متعہ کرتے تھے حضرت عمر نے ان کو تبلیغ کر دی تو وہ متعہ سے باز آ گئے۔ حضرت عمر نے متعہ کو حرام نہیں کیا نہ یہ ان کا منصب ہے انہوں نے صرف متعہ کی حرمت بیان کی ہے جیسے اور دیگر احکام شرعیہ بیان کئے ہیں اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ کی حرمت کو قرآن اور حدیث سے واضح نہ کرتے اور متعہ کی ممانعت پر سختی سے عمل نہ کراتے تو زنا بالکل ختم ہو جاتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت جابر' حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہم سے اباحت متعہ کے متعلق احادیث ہیں لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وطن میں متعہ کی اجازت دی گئی ہو' ان تمام احادیث میں یہ مذکور ہے کہ سفر میں متعہ کی اجازت دی گئی تھی۔ جہاں ان صحابہ کی بیویاں نہیں تھیں جب کہ وہ گرم علاقے تھے اور عورتوں کے بغیر ان کا رہنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے جہاد کے موقعہ پر ضرورتا" متعہ کی اجازت دی گئی حضرت ابن ابی عمر کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابتداء اسلام میں ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت تھی جیسے ضرورت کے وقت مردار کا کھانا مباح ہوتا ہے فتح مکہ کے موقع پر متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا اور حجتہ الوداع کے موقع پر تاکیدا" اس تحریم کو دہرایا گیا ہم ان تمام امور پر باحوالہ احادیث پیش کریں گے۔

شیخ طبرسی نے لکھا ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی

جماع کیا ہے تو ان کا مہر ادا کردو' تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مہر واجب نہ ہو حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر مدخولہ کا بھی نصف مہر واجب ہوتا ہے' یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں ہے کہ تم صرف اسی عورت کا مہر ادا کرو جس سے تم نے جماع کیا ہو۔

حرمت متعہ پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (النسآء : ۳)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان سے نکاح کرو' دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہیں کرسکو گے تو صرف ایک نکاح کرو یا اپنی کنیزوں پر اکتفاء کرو۔

یہ آیت سورہ نساء سے لی گئی ہے جو مدنی سورت ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قضاء شہوت کی صرف دو جائز صورتیں بیان فرمائی ہیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کرسکتے ہیں' اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی باندیوں سے نفسانی خواہش پوری کرسکتے ہیں اور بس! اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان دو صورتوں کے ساتھ ذکر فرمادیتا اور اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے۔ اوائل اسلام سے لے کر فتح مکہ تک متعہ کی جو شکل معمول اور مباح تھی اس آیت کے ذریعہ اس کو منسوخ کردیا گیا۔

شیعہ حضرات کو اگر شبہ ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے لہٰذا نکاح کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کے لئے کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے اور متعہ میں عقد عارضی ہوتا ہے نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی کوئی حد نہیں۔ نکاح میں نفقہ' سکنیٰ' نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء' ظہار' لعان اور طلاق عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں ان میں سے کوئی امر لازم نہیں ہے نہ عارض۔ لہٰذا نکاح اور متعہ دو متضاد حقیقتیں ہیں اور نکاح سے متعہ کا ارادہ غیر معقول ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ (الی قولہ) ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ (النسآء : ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کرلے۔ اور یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے شخص کے لئے صرف دو طریقے تجویز کئے گئے ہیں ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرد کی زندگی گزارے اگر متعہ جائز ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے

کی صورت میں اس کو متعہ کی ہدایت دی جاتی' لیکن ایسا نہیں کیا گیا پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کر سکتا اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں سے کرے اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا۔ متعہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور : ۳۳) اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرمادیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو اگر متعہ جائز ہوتا تو نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی' جب کہ متعہ کی اجازت کی بجائے ضبط نفس کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کا کوئی تصور نہیں ہے۔

مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (النساء : ۲۴) در آں حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو نہ محض عیاشی کرنے والے۔

اور یہ واضح ہے کہ متعہ میں محض عیاشی ہوتی ہے اس میں متعہ والی عورت کا مرد پر نفقہ ہوتا ہے نہ اس کی طلاق ہے نہ عدت اور نہ وہ مرد کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے یہ محض عیاشی ہے۔ حفاظت صرف نکاح میں ہوتی ہے۔

حرمت متعہ پر احادیث سے دلائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۲۱۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۰۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہم ثنیۃ الوداع پر اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغوں کو دیکھا اور عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ جن عورتوں سے متعہ کیا گیا تھا وہ رو رہی ہیں آپ نے فرمایا نکاح' طلاق' عدت اور میراث نے متعہ کو حرام کر دیا۔

(مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث : ۶۵۹۴' مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت' ۱۴۰۸ھ)

کیونکہ متعہ میں نہ طلاق ہوتی ہے نہ عدت اور نہ میراث' نہ اس کو نکاح کہا جاتا ہے بلکہ اس میں عورت کا نان نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسا کہ کتب شیعہ سے باحوالہ گزر چکا ہے اور نہ متعہ والی عورت پر بیوی کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں بیویوں کی وراثت بیان کی گئی ہے اور متعہ والی عورت وارث نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے امام بخاری نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اس کی سند کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم باہر گئے اور ہمارے ساتھ وہ عورتیں تھیں جن کے

ساتھ ہم نے متعہ کیا تھا جب ہم ثنیتہ الرکاب پر پہنچے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے متعہ کیا تھا آپ نے فرمایا یہ قیامت تک کے لئے حرام کردی گئی ہیں۔ (المعجم الاوسط : ۹۴۲ 'مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض۔ ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی صدقہ بن عبداللہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابو حاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا آپ نے متعہ کے جواز کا کیسا فتویٰ دیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا' انا للہ و انا الیہ راجعون' خدا کی قسم میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا اور نہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا میں نے اسی صورت میں متعہ کو حلال کہا ہے جس صورت میں اللہ نے مردار' خون اور خنزیر کے گوشت کو حلال فرمایا ہے۔

(المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۱۰۶۰۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ثقہ ہے لیکن وہ مدلس ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا : سنو! اے لوگو! میں نے تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی تھی سنو اب اللہ نے متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے' سو جس شخص کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہے اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے وہ اس سے واپس نہ لے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے اگر وہ متعہ کی حرمت نہ بیان کرتے تو علی الاعلان زنا ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا سنو متعہ زنا ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۲۹۳۔ ۲۹۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن ابی عمرۃ انصاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے متعہ کے متعلق فتویٰ کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میں نے امام المتقین کے ساتھ متعہ کیا ہے' ابن ابی عمرہ نے کہا اللہ معاف فرمائے متعہ ضرورت کی بناء پر رخصت تھا جیسے ضرورت کے وقت مردار خون اور خنزیر کے گوشت کی رخصت ہوتی ہے۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۳۳)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو حرام کر دیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۳۴)

معمر اور حسن بیان کرتے ہیں کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر صرف تین دن کے لئے متعہ حلال ہوا تھا اس سے پہلے حلال ہوا تھا نہ اس کے بعد۔ (المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۰ 'سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث : ۸۳۲)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجتہ الوداع کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے جب آپ مقام عسفان پر پہنچے تو آپ نے فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ سراقہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ دائما"

ہے؟ آپ نے فرمایا دائما" ہے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا پھر آپ نے ہم کو عورتوں سے متعہ کرنے کا حکم دیا ہم نے کہا ہم اس کو مدت معین کے لئے کریں گے آپ نے فرمایا کرو' میں اور میرا ایک ساتھی باہر نکلے ہم دونوں کے پاس ایک ایک چادر تھی ہم دونوں ایک عورت کے پاس گئے اور ہم دونوں نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا اس نے میرے ساتھی کی چادر کی طرف دیکھا تو وہ میری چادر سے زیادہ نئی تھی اور میری طرف دیکھا تو میں اس سے زیادہ جوان تھا بالآخر اس نے مجھ کو پسند کر لیا اور میں نے اپنی چادر کے عوض اس سے متعہ کر لیا میں اس کے ساتھ اس رات کو رہا جب صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ مدت معین کے لئے متعہ کیا ہے تو وہ اس کو طے شدہ چیز دے دے اور جو اس کو دے رکھا ہے اس سے واپس نہ لے اور اس سے الگ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے متعہ حرام کر دیا ہے۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۳)

حضرت ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ زنا ہے۔ (المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۲)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ متعہ صرف تین دن ہوا پھر اللہ عزوجل اور اس کے رسول نے اس کو حرام کر دیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : متعہ کو طلاق' عدت اور میراث نے منسوخ کر دیا۔

(المصنف : ۱۴۰۴۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا رمضان نے ہر روزہ کو منسوخ کر دیا' زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کر دیا اور طلاق' عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۶' سنن کبریٰ : ج ۷ ص ۲۰۷' موارد الظمآن : ص ۳۰۹)

احادیث شیعہ سے حرمت متعہ پر دلائل

زید بن علی اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام کر دیا۔

(تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۵۱' الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب خیبر کے دن متعہ حرام کر دیا گیا تھا تو پھر فتح مکہ کے موقع پر متعہ کیوں ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ متعہ خیبر کے دن ہی حرام کر دیا گیا تھا فتح مکہ کے موقع پر ضرورت کی وجہ سے تین دن کے لئے عارضی رخصت دی گئی اور پھر اس کو دائما" حرام کر دیا گیا۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر تاکیدا" اس کی حرمت کو دہرایا گیا جیسے اور کئی حرام کاموں کی حرمت کو اس موقع پر بیان کیا گیا۔

بعض مفسرین کا تسامح

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں : فرمان باری تعالیٰ شانہ والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس سے حرمت متعہ صاف ظاہر ہے اس کے مقابلہ میں بعض شاذ قراتوں کا سہارا لینا قطعا" غلط ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ آلوسی (روح المعانی ج ۵ ص ۷) امام رازی (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵) پیر محمد کرم شاہ الازہری (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۴۵) اور دیگر مفسرین نے بھی سورہ المومنون (۶۰) کی اس آیت کو حرمت متعہ کی قطعی دلیل بنایا ہے لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ المومنون مکی سورت ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ میں متعہ حرام ہو گیا تھا جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ ۷ ہجری تک مدینہ میں متعہ حلال رہا اور جنگ خیبر کے موقع پر متعہ کو حرام کیا گیا جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث میں ہے اور مفتی محمد شفیع نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اسی لئے ہم نے النساء اور النور کی آیتوں سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے اور یہ مدنی سورتیں ہیں اور ان پر شیعہ علماء کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ فافہم وتشکر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) (النساء : ۲۵)

اہل کتاب باندیوں سے نکاح میں فقہاء کے مذاہب

امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت کے باوجود باندی یا کتابیہ باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے کیونکہ باندی کی اولاد بھی اس کے مالک کی غلام ہوتی ہے اور آزاد شخص کے لئے یہ باعث عار ہے کہ اس کی اولاد لونڈی اور غلام بن جائے۔

اس آیت میں باندیوں کے ساتھ مسلمان ہونے کی صفت کو ذکر کیا ہے امام شافعی کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ صفت بمنزلہ شرط ہے اور جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ باندی سے اسی وقت نکاح کر سکتا ہے جب باندی مسلمان ہو' اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک باندی کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے باندی اگر اہل کتاب ہو پھر بھی وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۴۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک کے نزدیک جو شخص آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ بھی باندی سے نکاح کر سکتا ہے' اور امام اعظم کے نزدیک آزاد مسلمان عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح جائز نہیں (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۳۶) اہل کتاب باندیوں سے نکاح کے جواز پر امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے علاوہ ہر عورت سے نکاح کرنے کو حلال قرار دیا ہے ماسوا ان کے جن کی کتاب اللہ میں تخصیص کرلی گئی ہے اور اہل کتاب باندی کی تخصیص نہیں کی گئی' وہ آیتیں یہ ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء : ۳) تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کرلو۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء : ۲۴) ان محرمات کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ اہل کتاب باندی کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

غیر سید کا فاطمی سیدہ سے نکاح

بعض سادات کرام نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نسب کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی ان آیات کے عموم کے لئے مخصص ہیں اور سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام ہے۔ سادات کرام کا احترام اور اکرام مسلم ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہیں اور خبر واحد قرآن مجید کے عموم کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتی' بعض سادات کرام نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کی آواز پر آواز اونچی کرنا جائز نہیں ہے تو آپ کے نسب کے اوپر نسب کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نسب بیوی کے نسب سے اونچا ہو جائے ورنہ کسی سید کا نکاح بھی سیدہ سے جائز نہیں ہو گا۔ نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کا نکاح تو یقیناً" غیر فاطمی شخص سے ہوا ہے کیونکہ ہماری شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بیان میں گزر چکا ہے' اس بحث میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ہم یہ دعوت نہیں دیتے کہ غیر فاطمی سید فاطمی سیدہ سے نکاح کریں نہ یہ ہمارا منصب اور حق ہے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر کہیں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو اس کو حرام کہنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے' اگر ہمارے کسی استدلال سے سادات کرام کی دل آزاری ہوئی ہے تو ہم ان سے معافی چاہتے ہیں اور سادات کرام کی محبت کو حرز ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر اس نکاح کو حرام کہا جائے تو جس سیدہ خاتون نے اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی سے غیر سید سے نکاح کیا اس فاطمی سیدہ خاتون کو مرتکب حرام' زانیہ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا کہنا لازم آئے گا' اور مانعین ایسا کہتے بھی ہیں لیکن ہم شہزادی رسول اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی کے متعلق ایسا فتویٰ لگانا رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو خطرہ ایمان گردانتے ہیں' سو جو لوگ اس نکاح کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں وہ نادانستگی میں شہزادی رسول کو زانیہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کسی بھی نکاح رجسٹرار کے ریکارڈ شدہ رجسٹر کو دیکھ لیں ملک کے طول و عرض میں غیر فاطمی سید کے فاطمی سیدہ سے نکاح کے بہت مندرجات مل جائیں گے' آخر جس فاطمی سیدہ خاتون نے غیر سید سے نکاح کیا ہے وہ بھی تو بنت رسول ہے اس کو زنا کی گالی دینا کسی مسلمان کے لئے کس طرح زیبا ہے کیا اس کا احترام اور اکرام واجب نہیں ہے۔ کیا اس کو گالی دینے سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہیں پہنچے گی؟ خدارا سوچئے کہ ہم اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر رسول اللہ ﷺ کی شہزادیوں کی عزتوں کا تحفظ کر رہے ہیں یا العیاذ باللہ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ مانعین اس نکاح کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو جس سیدہ خاتون یا اس کے سادات والدین نے جائز سمجھ کر نکاح کر دیا تو آپ کے نزدیک وہ العیاذ باللہ کافر ہو گئے اور کافر کا ٹھکانہ دوزخ ہے آخر آپ خون رسول کو دوزخ میں کیوں پہنچانے کے درپے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو در آں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں' بدکار نہ ہوں نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔ (النساء : ۲۵)

باندیوں سے نکاح کے احکام

اس آیت میں باندیوں کے اہل سے مراد ان کے مالک ہیں اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ باندی کے مالک کی

اجازت کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۰۷۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۱۳)

اس آیت کے آخر میں فرمایا یہ حکم تم میں سے ہر اس شخص کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے' اس میں یہ بتایا ہے کہ اگرچہ باندیوں سے نکاح کی تم کو اجازت دی گئی ہے لیکن اگر تم آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہو اور پاک دامنی کے ساتھ رہ سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ باندی پر اس کے مالک کا حق شوہر کے حق سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تمہاری خدمت اور حقوق کے لئے سبیل نہیں پا سکیں گی اور ان کے مالک سفر اور حضر میں ان سے خدمت لینے اور جس کو چاہے فروخت کرنے پر قادر ہوں گے اور اس میں شوہروں کے لئے دشواری ہے کیونکہ باندی کے مہر کا مالک اس کا مولیٰ ہو گا اور اس باندی سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ اس کے مالک کی غلام ہو گی۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر صبر نہ کر سکا تو اللہ اس کو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں پھر بے حیائی کے کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی۔

یعنی اگر باندیاں زنا کریں تو ان کی سزا وہ ہے جو آزاد کنواریوں کو سزا دی جاتی ہے اور آزاد کنواری عورت کو زنا کرنے پر سو کوڑے لگائے جاتے ہیں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ تمہارے لیے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے' اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کے راستوں پر چلانا چاہتا ہے جو تم سے پہلے

وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ

گزر چکے ہیں' اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ۝ اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے

عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوٰتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا

اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا

عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ

چاہتے ہیں ۝ اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا

ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

گیا ہے ○ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ

بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا

کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو

تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ

ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ○ اور جو شخص زیادتی اور

ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ

ظلم کی بناء پر ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دیں گے، اور یہ اللہ پر

عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

آسان ہے ○ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم

عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا

تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کردیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے ○ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو

فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا

جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے

اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن

حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل

فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

کا سوال کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ اور ہم نے ہر شخص کے

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ

ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیے ہیں اولاد اور قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾ ع ۵ ۸ ۲

ہوچکا ہے سو تم انھیں ان کا حصہ دے دو، بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ○

احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہارے لئے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے۔ (النساء : ۲۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام شرعیہ بیان کردیئے اور حلال کو حرام سے متمیز کردیا اور اچھے اور نیک کام کو برے اور قبیح کام سے ممتاز کردیا۔ پھر فرمایا : اور تمہیں ان نیک لوگوں کے راستہ پر چلانا چاہتا ہے جو گزر چکے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تم سے پہلے جو نیک' صالحین اور حق پرست لوگ گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ان کی سیرتیں بیان کردی ہیں تاکہ تم حق کی اتباع کرو اور باطل سے اجتناب کرو' پھر فرمایا اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بیان کیے ہوئے احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں اور اہل حق کی اتباع کرنے میں اگر تم سے کوئی تقصیر یا کوئی زیادتی یا کمی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا چاہتے ہیں (النساء : ۲۷)

خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ زنا حلال ہوجائے یا بعض محرمات حلال ہو جائیں۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ تم زنا کرو۔

بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں وہ علاتی بہنوں سے نکاح جائز قرار دیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔

ابن زید نے کہا اس سے مراد اہل باطل ہیں وہ چاہتے تھے کہ تم اللہ کے دین کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرو۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۱۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو اللیث سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

یہود' نصاریٰ اور مجوس یہ چاہتے تھے کہ تم کوئی بہت بڑا گناہ کر بیٹھو' کیونکہ بعض کافر علاتی بہنوں' بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز کہتے تھے' اور جب اللہ نے مسلمانوں پر یہ رشتے حرام کردیئے تو انہوں نے کہا خالہ اور پھوپھی محرم ہیں جب تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کہتے ہو تو بھائی اور بہن کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کیوں نہیں کہتے؟ اور ایک قول یہ ہے کہ یہود یہ چاہتے تھے کہ تم سے کوئی بڑا بھاری گناہ ہوجائے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۴۹-۳۴۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اس آیت میں ایسے تمام لوگ داخل ہیں جو اپنی عقل سے احکام شرع پر اعتراض کرتے ہیں مثلاً "مردوں کو عورتوں کے مساوی کیوں نہیں رکھا' نابالغ لڑکی کا نکاح کرنا کیوں جائز ہے' یتیم پوتے کو دادا کی میراث سے ترکہ کیوں نہیں ملتا' تجارتی سود تو نفع کا متبادل ہے اس کو کیوں حرام کیا گیا ہے' پردہ کی قیود سے عورتوں کا حق آزادی مجروح ہوتا ہے' موسیقی تو روح کی

غذا ہے اس کو کیوں ناجائز کیا گیا' اور اس قسم کے تمام احکام کو ملا کی رجعت پسندی اور فرسودگی قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں ہے' اور عورت کو بیک وقت چار خاوندوں سے نکاح کی اجازت کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

شریعت کا مزاج آسان احکام بیان کرنا ہے نہ کہ مشکل

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آسانی کر کے ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کرنا ان کے لئے جائز کر دیا' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان احکام مشروع کئے ہیں ایسے سخت اور مشکل احکام کا ہم کو مکلف نہیں کیا جیسے مشکل احکام کا بنو اسرائیل کو مکلف کیا تھا۔ ہمارے لئے تمام روئے زمین پر نماز پڑھنے کو جائز کر دیا اور خصوصاً "مسجد میں نماز پڑھنے کا مکلف نہیں کیا۔ پانی نہ ملنے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے تیمم کو جائز کر دیا' قربانی کو کھانا اور مال غنیمت ہمارے لئے حلال کر دیا' گناہ کے لئے استغفار اور توبہ رکھی بنو اسرائیل کی شریعت کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو تمہاری توبہ ہو گی' سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی نیز سفر میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر دیا غرض پچھلی شریعتوں میں جو مشکل احکام تھے وہ ہمارے لئے آسان کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (الاعراف : ۱۵۷)
(وہ نبی امی) ان سے (مشکل احکام کا) بوجھ اتارتے ہیں اور ان کے (گلے کے) طوق ان سے نکال کر دور کرتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ (البقرہ : ۱۸۵)
اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ (الحج : ۷۸)
اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۲۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (شمائل ترمذی' رقم الحدیث : ۳۴۸)

اسی طرح جب کسی مسئلہ میں علماء اور فقہاء کے مختلف قول ہوں تو مفتیان کرام کو اس قول پر فتویٰ دینا چاہئے جو مسلمانوں کے لئے آسان ہو۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر (آسانی اور تخفیف) پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ

تشدید و تضییق (سختی اور تنگی) لہٰذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علماء کرام انہیں (ان ہی) روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ کتاب النکاح ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

ہمارے دور میں آج کل بعض مفتیوں کی روش اس کے برعکس ہے۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے کو ناجائز کہتے ہیں' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ اور عید کو ناجائز کہتے ہیں' ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج کرنے اور پرفیوم لگانے کو حرام کہتے ہیں' کالر والی قمیص کو بھی حرام کہتے ہیں' جس عورت کا خاوند مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اس کو ستر یا نوے سال سے پہلے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے' جس عورت کا خاوند اس کو نہ طلاق دے اور نہ خرچ دے اور عدالت اس بناء پر اس کا نکاح فسخ کر دے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں دیتے' نماز میں اگر سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہ لگیں تو کہتے ہیں نماز فاسد ہو گئی' اسی طرح اور بہت سے معاملات میں سخت اور مشکل احکام کو بیان کرتے ہیں جب کہ اس کے بالمقابل آسان احکام اور دلائل بھی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ (النساء : ۲۹)

مال حرام کی انواع اور اقسام

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جسموں اور بدنوں میں تصرف کرنے کی ہدایت دی تھی' زنا اور عمل قوم لوط سے منع فرمایا' اسی طرح محرمات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا تھا' اور اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے اموال میں تصرف کے متعلق ہدایت دی ہے بیع و شراء کے ذریعہ دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ہبہ' وراثت اور کسی چیز کو بنا کر اس کا مالک ہونا جائز ہے' اور جوا' سٹہ' سود' غصب' چوری' ڈاکہ' خیانت' جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔

سود کے متعلق ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں باقی چیزوں کا ناجائز اور گناہ ہونا واضح ہے اس لئے ہم یہاں رشوت کے متعلق گفتگو کریں گے۔

رشوت کی تعریف' وعید اور شرعی احکام

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

کوئی شخص حاکم یا کسی اور افسر مجاز کو کوئی چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۵۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت' پھر سوال کیا گیا کہ فیصلہ پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (نازل کردہ) احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (المائدہ : ۴۴)

(سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا کوئی ناجائز کام کرانے کے لئے کچھ دینا رشوت ہے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے یا خود کو ظلم سے بچانے کے لئے کچھ دینا یہ رشوت نہیں ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ روایت کرتے ہیں :

روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطایا دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا نبی ﷺ نے فرمایا (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو' پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے ان کا کچھ سامان چھین لیا گیا انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے کر وہ سامان چھڑا لیا۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گناہ گار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لئے دی جائے' رشوت وہ چیز ہے کہ تم اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے کچھ دو جو تمہارا حق نہیں ہے اس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قاضی خاں اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ نے رشوت کی چار قسمیں لکھی ہیں :

(۱) منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا اس میں رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دے یہ رشوت جانبین سے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو' کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور اس پر فرض ہے۔

(۳) اپنی جان اور اپنے مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لئے رشوت دینا یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے' اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لئے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(۴) کسی شخص کو اس لئے رشوت دی کہ وہ اس کو سلطان یا حاکم تک پہنچا دے تو اس کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۳۶۳' ۳۶۲' مطبوعہ مصر' فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵' طبع سکھر' بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۲۶۹' طبع فیصل آباد' البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۱' طبع مصر)

اپنے آپ کو قتل کرنے کی ممانعت کے تین محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۲۹)

اس آیت کے تین معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۸۶) اس لئے اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اپنے آپ کو قتل کیا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے نتیجہ میں تم ہلاک ہو جاؤ اس کی مثال یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا

تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما۔ "تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" پھر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے (ان کو) ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری : کتاب التیمم باب ۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ۳۳۴)

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خود کشی کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسی آیت کی بناء پر خود کشی کرنا حرام ہے۔

خود کشی کرنے والے کے عذاب کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس ہتھیار سے خود کشی کرے گا تو دوزخ میں وہ ہتھیار اس شخص کے ہاتھ میں ہو گا اور وہ شخص جہنم میں اس ہتھیار سے ہمیشہ خود کو زخمی کرتا رہے گا' اور جو شخص زہر سے خود کشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گر کر خود کشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۰۹)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خود کشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کفر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب سے انسان دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا پھر خود کشی کرنے والا دائمی عذاب میں کیوں مبتلا ہو گا؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں : اول یہ کہ یہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جس کو خود کشی کے حرام ہونے کا علم تھا اس کے باوجود اس نے حلال اور جائز سمجھ کر خود کشی کی' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خلود کا استحقاق بیان کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے کہ مستحق خلود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے یا پھر خلود مکث طویل کے معنی میں ہے۔

خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

جس نے خود کو قتل کر لیا خواہ عمداً" اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کی بہ نسبت یہ زیادہ بڑا گناہ ہے' امام ابن ہمام نے امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے خود کشی کی تھی آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۵۸۴' علی ہامش رد المحتار)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم نے خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور بہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس پر نماز جنازہ زجراً" نہیں پڑھی جس طرح آپ نے مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ میں سے بھی کسی نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی کیونکہ دوسروں کی نماز آپ کی نماز کے برابر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کی صلوٰۃ ان کے لئے سکون ہے۔ شرح المنیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اہل سنت وجماعت کے قواعد پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں ہے' کیونکہ مطلقاً" گنہگار کی توبہ مقبول ہوتی ہے بلکہ کافر کی توبہ بھی کفر سے قطعاً" مقبول ہوتی ہے حالانکہ اس کا گناہ زیادہ ہے' ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ نزع روح کے

وقت توبہ مقبول نہیں ہوتی اور جس نے ایسے فعل سے خودکشی کی جس سے "فوراً" مرجائے (مثلاً" کنپٹی پر پستول رکھ کر فائر کر دینا) تو اس کو توبہ کا وقت ہی نہیں ملا یا نزع روح کے وقت چند لمحے ملے اور اس وقت کی توبہ مقبول نہیں ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی آلہ سے زخمی کر لیا اور اس کے بعد وہ کچھ دن زندہ رہا اور اس نے توبہ کرلی تو اس کی توبہ کی قبولیت کا یقین رکھنا چاہئے یہ ساری بحث اس کے متعلق ہے جس نے عمداً" خود کو قتل کیا اور جس نے خود کو خطاءً" قتل کیا اس کا شمار شہداء میں ہو گا۔ (ردالمحتار ج ا ص ۵۸۵ '۵۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بڑے عالم اور مفتی کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھانا چاہئے اور عام مسلمان کو چاہئے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے' تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔ (النساء : ۳۱)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تحقیق

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ' یہ غور کرو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ کبیرہ ہیں۔ قاضی ابوبکر بن طیب' استاذ ابو اسحق اسفرائنی' ابوالمعالی' ابونصر عبدالرحیم قشیری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ یا کبیرہ کہا جاتا ہے مثلاً" زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس و کنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یہ جو قرآن مجید میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم (النساء : ۳۱) اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں' یعنی اگر تم انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا' نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہرچند کہ (اس شخص کا حق) تھوڑی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا : ہرچند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورہ نساء کی تینتیس (۳۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے "ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ" وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے

قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے)

گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں' میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ورحمتی وسعت کل شیٔ" میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون۔ میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے خوفی سے گناہ کرے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ افامنوا مکر اللہ فلا یا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون (الاعراف: ۹۹) کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے' پھر زنا ہے' پھر شراب نوشی ہے پھر نماز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱۔ ۱۵۹ ملخصاً انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے:

جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خوفی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے علامہ نووی شافعی اور علامہ بھوتی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریفیں صادق آتی ہیں اس لئے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لئے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔ اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ فرض کے ترک کا عذاب واجب کے ترک کے عذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا عذاب مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے عذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولیین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرض اور واجب کے ترک کا عذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف ثبوت کے لحاظ سے فرق ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں۔ استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے' گناہ کبیرہ کی چار تعریفیں ہیں۔

(۱) جس معصیت پر حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) جس معصیت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) امام نے "ارشاد" میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو

اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں۔ بعض علماء نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے: قتل' زنا' لواطت' شراب پینا' چوری' قذف (تہمت لگانا) جھوٹی گواہی دینا' مال غصب کرنا' میدان جہاد سے بھاگنا' سود کھانا' مال یتیم کھانا' والدین کی نافرمانی کرنا' رسول اللہ ﷺ پر عمداً" جھوٹ باندھنا' بلاعذر شہادت کو چھپانا' رمضان میں بلاعذر روزہ نہ رکھنا' جھوٹی قسم کھانا' قطع رحم کرنا' ناپ اور تول میں خیانت کرنا' نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا' بلاعذر نماز قضاء کرنا' مسلمان کو ناحق مارنا' صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا' رشوت لینا' دیوثی (فاحشہ عورتوں کے لیے گاہک لانا) حاکم کے پاس چغلی کھانا' زکوٰۃ نہ دینا' نیکی کا حکم نہ دینا' باوجود قدرت کے برائی سے نہ روکنا' قرآن مجید بھلانا' حیوان کو جلانا' عورت کا بلاسبب خاوند کے پاس نہ جانا' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا' اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا' علماء کی توہین کرنا' ظہار' بلاعذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا' جادو کرنا' حالت حیض میں وطی کرنا اور چغلی کھانا۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے: اجنبی عورت کو دیکھنا' غیبت کرنا' ایسا جھوٹ جس میں حد ہے نہ ضرر' لوگوں کے گھروں میں جھانکنا' تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا' زیادہ لڑنا جھگڑنا اگرچہ حق پر ہو' غیبت پر سکوت کرنا' مردہ پر بین کرنا' مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا' اترا اترا کر چلنا' فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا' اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا' مسجد میں خرید و فروخت کرنا' بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا' جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا' نماز میں عبث کام کرنا' جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا' قبلہ رخ بول و براز کرنا' عام راستہ پر بول و براز کرنا' جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا' صوم وصال رکھنا' استمناء' بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا (یعنی بوس و کنار اور بغل گیر ہونا) بغیر کفارے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا' اجنبی عورت سے خلوت کرنا' عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا۔ (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) بخش' احتکار' مسلمان کی بیع پر بیع کرنا' اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا' شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا' دیہاتی قافلہ سے بیع کے لیے ملاقات کرنا' تصریہ (بیع کے لیے تھنوں میں دودھ روک لینا) بغیر عیب بیان کیے ہوئے عیب دار چیز کو فروخت کرنا' بلاضرورت کتا رکھنا' مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا' بلاضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلاضرورت خلوت میں اپنی شرمگاہ کھولنا۔

عدالت (نیک چلنی) میں صغائر سے بالکل اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلاتوبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۱ ص ۲۲۵۔ ۲۲۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو جس طرح حدیث میں ہے: من غش فلیس منا "جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے" یعنی یہ وہ کام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے' اور فصول' غنیہ اور مستوعب میں ہے کہ غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب

زیادہ ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عقاب کم ہو۔ ابن حامد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔ (کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵۔ ۵۶۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت '۱۳۸۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی متوفی ۱۰۴۶ھ بیان کرتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا' اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو۔

جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور استمرار نہ ہو البتہ جھوٹی گواہی دینا' نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لئے' بیوی کو راضی کرنے کے لئے اور جنگی چال کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے ہر وہ نیک مقصد جو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جا سکتا ہو اس کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ غیبت میں اختلاف ہے علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ صاحب الفصول' صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے' اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے' ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے' فخر اور غرور کے لئے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے' جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے' کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے' غیر اللہ کو سجدہ کرنا' بدعت کی دعوت دینا' خیانت کرنا' بدفالی نکالنا' سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا' وصیت میں زیادتی کرنا' خمر بیچنا' سودی معاملہ لکھنا اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے' دو چہروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور بباطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ خود کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا' جانور سے بدفعلی کرنا' بلاعذر جمعہ ترک کرنا' نشہ آور اشیاء استعمال کرنا' نیکی کر کے احسان جتلانا' لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا' کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا' غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں' اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا' معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(کشاف القناع ج ۶ ص ۴۲۲۔ ۴۱۹' ملخصاً' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لئے یہ اسی درجہ کی معصیت ہونی چاہئے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کر لے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ

اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں احکام شرعیہ کی تخفیف اور بے وقعتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے' جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرض اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے' اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ!

اس کے بعد اس بحث کو لکھتے وقت جب میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ قرآن اور حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (اٰل عمران : ۱۳۵-۱۳۶)

اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کیے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنات ہیں جن کی نیچے دریا جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے :

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (المائدہ : ۹۵)

جو ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے لیے عذاب ہو جو اپنے کیے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے (گناہ پر) استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۱۵۱۴)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا :

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ ایران)

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کر لے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲، مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھنا اور اس سے لاپرواہی برتنا یہی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (النساء : ۳۲)

اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور اس کی عطا کے خلاف تمنا کرنے سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں لوگوں کے اموال کی طمع اور خواہش کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی آیت میں ظاہری اعضاء سے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں دل سے حسد کرنے سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ ظاہر اور باطن میں موافقت ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کو جو مال، عزت اور مرتبہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے اور جو بھی ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس میں رغبت کی جا سکے اس کے حصول کی دوسرے تمنا نہ کریں نہ اس پر حسد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک، مختار اور علیم اور حکیم ہے وہ جس کو جو چاہتا ہے نعمت عطا فرماتا ہے، اس لئے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ کاش میرے پاس فلاں مال ہوتا یا فلاں نعمت ہوتی یا فلاں حسین عورت ہوتی۔ رشک کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ دعا کرے کہ اس شخص کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ مجھے بھی ایسی نعمت عطا کردے سو رشک کرنا جائز ہے، اور حسد کا معنی یہ ہے کہ انسان یہ چاہے کہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے اور حسد جائز نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کوئی مرد یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ عورت ہوتا اور کوئی عورت یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ مرد ہوتی، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کا حصہ عورتوں سے دگنا کیا تو بعض عورتوں نے کہا ہم چونکہ صنف ضعیف ہیں اور ہم کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو ہمارا حصہ دگنا ہونا چاہئے تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ اس آیت کے

شان نزول کے متعلق تین روایات ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتے اور ہمارے لئے آدھی میراث ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے جہاد کا سوال کیا اور انہوں نے کہا ہماری بھی یہ خواہش ہے کہ ہم بھی مردوں کی طرح جہاد کریں اور ہمیں بھی ان کی طرح اجر ملے۔

قتادہ اور سدی نے بیان کیا ہے کہ مردوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو وراثت میں دگنا حصہ دیا جاتا ہے ہماری عبادتوں کا بھی ہم کو عورتوں سے دگنا اجر ملے اور عورتوں نے کہا ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہمارے آدھے گناہ مردوں پر ڈال دیئے جائیں' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۴۹۔ مطبوعہ ایران)

اس کے بعد فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو' یعنی اللہ سے اپنے اعمال کا صلہ نہ مانگو اور نہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عدل کی بناء پر سوال کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۵۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لئے وارث مقرر کردیئے ہیں۔ اولاد' قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو تم انہیں ان کا حصہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (النساء : ۳۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس انسان کا مال اور ترکہ ہے ہم نے اس کے لئے وارث بنا دیئے ہیں پھر ان وارثوں کا بیان فرمایا وہ اس کی اولاد اور اس کے قرابت دار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔

امام ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص دوسرے شخص سے (جس سے اس کی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی) یہ عہد کرتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا نقصان تمہارا نقصان ہے تم میرے وارث ہوگے اور میں تمہارا وارث ہوں گا تم مجھ سے مطالبہ کرنا اور میں تم سے مطالبہ کروں گا پھر زمانہ اسلام میں اس کا چھٹا حصہ مقرر کردیا گیا اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ورثہ میں ترکہ تقسیم کیا جاتا تھا پھر جب سورہ انفال میں یہ آیت نازل ہوئی :

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال : ۷۵) اور قرابت دار ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کی کتاب میں زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد جس شخص سے کسی نے عہد کیا تھا اس کی وراثت منسوخ ہو گئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۳۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے یہ

عہد کیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہو گا تو اس کا دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اس کا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو تو پھر وہ شخص اس کا وارث ہو گا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۲)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں :

(۱) زمانہ جاہلیت میں جو لوگ ایک دوسرے سے ایک دوسرے کا وارث ہونے کا عہد کرتے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں اور سورہ انفال کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۲) اس سے وہ مہاجرین اور انصار مراد ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔

(۳) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنا بیٹا بنا لیا کرتے تھے حالانکہ وہ کسی اور کے بیٹے ہوتے تھے، پہلے قول کے متعلق امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ وہ سورہ انفال کی آخری آیت سے منسوخ ہو گیا۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے البتہ عصبات اور ذوالارحام اس شخص پر مقدم ہیں جس سے عہد کیا گیا وہ نہ ہوں تو اس کو عہد کرنے والے کی وراثت ملے گی۔

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص سے تم نے وراثت کے علاوہ مدد کرنے اور خیر خواہی کا معاہدہ کیا ہے اس معاہدہ کو پورا کرو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا تھا اس کے سوا نہیں ہوتا تھا اور اسلام نے اس کو متغیر نہیں کیا بلکہ اور پختہ کیا ہے۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے اور یہ آیت محکم ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اسلام میں حلف نہیں ہے حلف صرف جاہلیت میں ہوتا تھا اور اسلام نے اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۳۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۹۲۵، مسند احمد ج ۴ ص ۸۳)

اس حدیث میں غیر شرعی باتوں پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کا وارث بنانے پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے جو حلف اٹھایا جائے اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیوں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے

بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے سو نیک عورتیں فرماں بردار ہیں

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

مردوں کے پس پشت اللہ کی توفیق سے حفاظت کرنے والی ہیں۔ اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو ، اور ان کو (تادیبا) مارو ، پس اگر وہ

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

تمہاری فرماں برداری کرلیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو ، بیشک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے ○

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

اور (اے مسلمانو) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

عورت کی طرف سے مقرر کرو ، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن وشو) کے درمیان اتفاق پیدا کرے

كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ

گا ، بیشک اللہ بڑا جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی اور

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ

اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ ۙ الَّذِيْنَ

(نیکی کرو) بیشک اللہ مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا ○ جو لوگ

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ

خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے ان کو جو کچھ اپنے فضل

اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ

سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور (ان کے

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

لیے بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ

اور نہ قیامت کے دن پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو تو وہ کیسا بُرا ساتھی

قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَیْہِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا

ہے ○ آخر ان پر کیا آفت آجاتی اگر وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیے

مِمَّا رَزَقَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِہِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ

ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے ○ بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم

مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْہَا وَ یُؤْتِ مِنْ

نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے

لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیْدٍ

اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے ○ تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے

وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیْدًا ﴿ؕ۴۱﴾ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی اس دن وہ

وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِہِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا یَکْتُمُوْنَ

تمنا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کر کے) ان پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات

اللّٰہَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾ ع

کو چھپا نہ سکیں گے ○

وقف النبی علیہ السلام

ع ۶/۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

قرآن مجید سے عورتوں کی حاکمیت کا عدم جواز

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس کا شان نزول یہ تھا کہ بعض عورتوں نے یہ کہا تھا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور وراثت میں ان کا حصہ دگنا رکھا گیا حالانکہ ہم صنف ضعیف ہیں اس لئے ہمارا زیادہ حصہ ہونا چاہئے تھا' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا جواب دیا ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے۔

قوام کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

قوام' کا معنی ہے کسی چیز کو قائم کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۴۱۶' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :

مرد عورت کا قوام ہے یعنی اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کا خرچ برداشت کرتا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران' ۱۴۰۵ھ تاج العروس ج ۹ ص ۳۵)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نبوت' رسالت' حکومت' امامت' اذان اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں احادیث

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایام جمل میں ہو سکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا' اس موقع پر مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنا لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (اخروی) نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنا لیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۴۲۵' ۷۰۹۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۶۹' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۴۰۳' صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۴۵۱۶' مسند احمد ج ۵ ص ۵۱' ۴۷' ۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۸ - ۱۱۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۶۶' شرح السنۃ' رقم الحدیث : ۲۴۸۶' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۸۷۸' المستدرک ج ۴ ص ۵۲۵ - ۵۲۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں' تمہارے اغنیاء سخی

ہوں' اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو' تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں' اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں' اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۲۷۳)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔) (المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۸۳' مطبوعہ ایران)

امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی' کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

(شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۷۷' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء اسلام نے حضرت ابوبکرہ کی حدیث کی بناء پر عورت کے قاضی بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے' علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن معاملات میں عورت شہادت دے سکتی ہے وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً" جائز کہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو منصب قضاء سونپنا جائز نہیں ہے اور علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ عورت کی قضاء مطلقاً" جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۶' مطبوعہ لاہور)

ہرچند کہ علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ علامہ طبری نے بعض امور میں اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً" جائز قرار دیا ہے لیکن اول تو یہ ثابت نہیں' اور ثانیاً" ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ' احادیث صحیحہ' اسلام کے عمومی احکام اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے سامنے ان اقوال کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ طبری اور بعض مالکیہ نے عورت کی عمومی سربراہی کو جائز نہیں کہا بلکہ بعض امور میں عورت کی صرف قضاء کو جائز کہا ہے۔

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے بغیر کسی ثبوت کے علامہ طبری اور بعض مالکیہ کی طرف عورت کی قضاء کے جواز کی نسبت کر دی، حقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اور مالکی فقہاء دونوں اس تہمت سے بری ہیں، علامہ ابوبکر ابن العربی مالکی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرہ کی روایت کردہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ علامہ محمد بن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت ایسے ہی غلط ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ غلط منسوب کر دیا گیا ہے کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔

نیز قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

عورت سربراہی کی اس لئے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی محاصل حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مرد انجام دے سکتا ہے عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی کیونکہ عورت کے لئے مردوں کی مجالس میں جانا اور ان سے اختلاط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ عورت جوان ہے تو اس کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا مخدوش ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۵۸ ' ملخصا" مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ملکہ بلقیس کی حکومت سے استدلال کا جواب

قرآن کریم میں ملکہ بلقیس کے واقعے کا جس قدر ذکر ہے اس میں اس کی حکومت کے خاتمہ کا ذکر ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اس کی حکومت کے تسلسل کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اس واقعہ میں عورت کی سربراہی کا ادنیٰ جواز بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض بلقیس کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت کا ثبوت ہو بھی تو وہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے۔

جنگ جمل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب

بعض متجدد علماء جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً" باطل ہے اول تو حضرت عائشہ امارت اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں ہاں وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور وہ اس پر تاحیات نادم رہیں، امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وقرن فی بیوتکن "تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو" کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔

(طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱ ' مطبوعہ دار صادر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو اور ان کو (تادیباً) مارو پس اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔ (النساء: ۳۴)

بیویوں کو مارنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا : اے لوگو! عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان میں حاصل کیا ہے اور اللہ کی اجازت سے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اس طرح مارو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۲۱۸)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

سلیمان بن عمرو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجتہ الوداع میں تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا : سنو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو وہ تمہارے پاس تمہاری قید میں ہیں تم اس کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں تو ان کو ان کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو اور ان کو اس طرح مارو کہ چوٹ کا اثر ظاہر نہ ہو اور اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ تلاش نہ کرو سنو تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہاری عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں اور جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو تمہارے گھروں میں آنے نہ دیں، اور سنو تمہاری عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۶۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۱)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن زیاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مارا نہ کرو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ بد خلقی اور بد زبانی کرتی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت دی پھر بہت ساری عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر جا کر اپنے خاوندوں کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا آل محمد (ﷺ) کے پاس آکر بہت سی عورتوں نے اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے اور یہ لوگ تمہارے اچھے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۴۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی شخص سے اس پر باز پرس نہیں ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ہے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۴۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے پھر دن گزرنے کے بعد اس سے جماع کرے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۲۰۴)

بیویوں کو مارنے کے متعلق فقہاء کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (احناف) نے یہ تصریح کی ہے کہ چار صورتوں میں مرد عورت کو مار سکتا ہے۔ (۱) جب خاوند چاہتا ہو کہ بیوی بناؤ سنگھار کرے اور بیوی میک اپ نہ کرے۔ (۲) خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے (۳) جب وہ نماز نہ پڑھے ایک قول یہ ہے کہ جب وہ غسل نہ کرے۔ (۴) جب وہ بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلے' ایک قول ہے کہ جب وہ خاوند کو ناراض کرے' حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت زبیر بن العوام کی چوتھی بیوی تھی جب وہ کسی بیوی سے ناراض ہوتے تو وہ اس کو کھونٹی کی لکڑی سے مارتے حتیٰ کہ وہ لکڑی ٹوٹ جاتی' واضح رہے کہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا اس کو مارنے سے افضل ہے الا یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن وشوہر) کے درمیان اتفاق پیدا کردے گا۔

اختلاف زن و شوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ منصف حاکم ہیں اور ان منصفوں کو از خود یہ اختیار ہے کہ وہ مناسب جانیں تو خاوند اور اس کی بیوی کو نکاح پر برقرار رکھیں یا ان میں سے کسی ایک کے ذمہ کسی چیز کی ادائیگی لازم کردیں یا مناسب جانیں تو ان کا نکاح فسخ کردیں' اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ منصف وکیل ہیں اور ان کو اختیار نہیں ہے الا یہ کہ زوجین ان کو فسخ نکاح کا اختیار بھی تفویض کردیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت اور مرد کی طرف سے جو دو شخص مقرر کیے جائیں وہ ان کے وکیل ہوں گے اور بہ حیثیت وکیل کے ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان کے حکم کے بغیر از خود ان کا نکاح فسخ کردیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

یہ دونوں حاکم زوجین کے وکیل ہیں اور ان کے فیصلہ میں ان دونوں کی رضا کا اعتبار ہوگا یہ امام احمد' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ حاکموں کے فیصلہ کے لئے زوجین کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۸۔۷۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

جن دو شخصوں کو بھیجا جائے گا اس کے متعلق دو قول ہیں وہ وکیل ہیں اور ان کو از خود زوجین میں تفریق کا اختیار نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حاکم ہیں اور ان کو اس کا اختیار ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ وکیل ہیں۔

(روضۃ الطالبین ج ۵ ص ۶۷۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت یہ ہے کہ یہ دونوں شخص حاکم ہیں اور جب یہ دونوں شخص زوجین کے درمیان تفریق کر دیں تو تفریق واقع ہو جائے گی' کیونکہ نکاح سے مقصود الفت اور حسن معاشرت ہے اور وہ ان کے نزدیک نہیں پائی گئی (الی قولہ) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر خاوند کی جانب سے زیادتی پائی گئ' تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اگر عورت کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو ہم عورت کو مرد کا تابع کریں گے اور اگر دونوں کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو بھی ان میں تفریق کر دی جائے گی اور مرد کو بعض مہرادا کرنا ہوگا نہ کہ پورا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۴۱-۵۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جہاں دونوں حاکم زوجین کے درمیان تفریق کر دیں گے تو یہ طلاق بائن کے قائم مقام ہے اور حاکموں کا منصب طلاق واقع کرنا ہے وکالت کرنا نہیں ہے' امام مالک' امام اوزاعی اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے "فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا"۔ "ایک حاکم مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک حاکم عورت کی طرف سے بھیجو" یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ یہ دونوں قاضی اور حاکم ہیں وکیل یا شاہد نہیں ہیں' اور وکیل کی شریعت میں اور تعریف ہے اور حاکم کی شریعت میں اور تعریف ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تعریف الگ الگ بیان کر دی ہے تو کسی شخص یا کسی عالم کے لئے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ وہ ایک لفظ کی تعریف کو دوسرے لفظ پر محمول کر دے (اس کے بعد علامہ قرطبی نے اپنے موقف پر سنن دار قطنی سے حدیث پیش کی) (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۷۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے :

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اور اس کا خاوند آئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی ان لوگوں نے عورت کی طرف سے بھی ایک حاکم پیش کیا اور مرد کی طرف سے بھی ایک حاکم پیش کیا' حضرت علی نے ان دونوں حاکموں سے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ تم دونوں پر کیا فرض ہے؟ اگر تمہاری رائے میں ان دونوں میں تفریق ہونی چاہئے تو تم ان میں تفریق کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کو اکٹھا ہونا چاہئے تو تم ان کو اکٹھا کر دو' خاوند نے کہا رہی فرقت تو میں اس کو اجازت نہیں دیتا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بہ خدا تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤ گے جب تک تم اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی نہ ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف' عورت نے کہا میں اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی ہوں خواہ وہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۱۸۸۳' جامع البیان : ج ۵ ص ۴۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶-۳۰۵)

امام ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں :

۱- حدیث میں حضرت علی نے خبر دی ہے کہ حاکموں کا فیصلہ اس وقت تک معتبر نہیں ہوگا جب تک کہ دونوں فریق

اس فیصلہ پر راضی نہ ہو جائیں اسی لئے ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ حاکموں کا تفریق کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ خاوند اس پر راضی نہ ہو جائے کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر خاوند اس کا اقرار کرلے کہ وہ بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور نہ قاضی جانبین سے حاکم بنانے سے پہلے اس کو طلاق پر مجبور کرے گا' اسی طرح سے اگر عورت خاوند کی نافرمانی کا اقرار کرلے تو قاضی اس کو خلع پر مجبور کرے گا نہ مہر واپس کرنے پر' اور جب جانبین سے حاکم مقرر کرنے سے پہلے یہ حکم ہے تو جانبین سے حاکم مقرر کرنے کے بعد بھی یہی حکم ہوگا اور خاوند کی مرضی کے بغیر ان حاکموں کا اس کی بیوی کو طلاق دینا صحیح نہیں ہوگا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام مالک کی طرف سے یہ جواب دیا جائے گا کہ حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بیوی اور خاوند کے جھگڑے میں حاکم بنانے کا معنی ہی یہ ہے کہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ فریقین کے بیان لینے کے بعد وہ اپنی صوابدید سے فیصلہ کرے خواہ نکاح برقرار رکھے خواہ نکاح کو فسخ کردے' اور حاکم بنائے جانے کے بعد بھی ان کو یہ اختیار نہ ہو اور طلاق دینے کا اختیار خاوند کے پاس ہی رہے تو پھر ان کی حیثیت حاکم کی نہیں وکیل کی ہوگی' حالانکہ قرآن مجید نے ان کو حاکم فرمایا ہے نیز حسب ذیل آثار بھی امام مالک کے موید ہیں :

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابو سلمہ بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم ان میں تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کردیں اور اگر ان کو ملانا چاہیں تو ان کو ملادیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم چاہیں تو ان میں تفریق کردیں اور اگر چاہیں تو ان کو ملادیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو حاکم بنایا گیا' ہم سے کہا گیا کہ اگر تمہاری رائے ان کو جمع کرنا ہو تو ان کو جمع کردو اور اگر تمہاری رائے ان میں تفریق کرنا ہو تو ان میں تفریق کردو' معمر نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان دونوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۵۱۲-۵۱۱' جامع البیان ج ۵ ص ۴۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶)

اگر خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف کو دونوں طرف کے وکیل یا منصف ختم کرا کر صلح نہ کرا سکیں تو جو فریق مظلوم ہو اس کو داد رسی کے لئے عدالت میں جانا چاہیے۔

اگر شوہر' بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے زمانہ میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کا خرچ نہیں دیتا اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کردیتی ہے شوہر عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت گواہوں کی بنیاد پر یک طرفہ فیصلہ کرکے اس نکاح کو فسخ کردیتی ہے اور اس کو موجودہ مجسٹریٹ اپنی اصطلاح میں خلع سے تعبیر کرتے ہیں' اب سوال یہ ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ ازروئے شرع قابل عمل ہے یا نہیں۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ میرے عیال کون ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی جو کہتی ہے مجھ

کو کھلاؤ یا مجھ کو علیحدہ کر دو۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۹۷۔ ۲۹۶ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں :

جو شخص بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اس کے بارے میں امام مالک' امام شافعی اور احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں تفریق نہیں کی جائے گی جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نامرد ہو تو بالاتفاق ان میں تفریق کر دی جاتی ہے اور جب کہ نفقہ نہ دینے کا ضرر مباشرت نہ کرنے کے ضرر سے زیادہ ہے تو اس میں بہ طریق اولیٰ تفریق ہونی چاہئے (کیونکہ شوہر کے جماع نہ کرنے پر تو صبر ہو سکتا ہے لیکن بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا)۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت' المہذب مع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۲۶۷ مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو البرکات سیدی احمد دردیر مالکی لکھتے ہیں :

جب عورت فسخ نکاح کا ارادہ کرے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش کرے تو اگر خاوند کا افلاس ثابت نہ ہو تو حاکم خاوند کو کھانے کا خرچ اور کپڑے دینے کا حکم دے جبکہ عورت نے نفقہ نہ دینے کی شکایت کی ہو یا اس کو طلاق دینے کا حکم دے یا کہے کہ یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے گا۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اب رہا یہ سوال کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق جو اقوال پیش کیے گئے ہیں ان میں خاوند عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور ہمارے زیر بحث جو صورت ہے اس میں خاوند عدالت میں حاضر نہیں ہوتا اور غائب ہوتا ہے تو غائب کے خلاف جو فیصلہ کیا جائے گا وہ کیسے نافذ ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کر دی گئی اور قاضی کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہئے اسی طرح مفتی بھی یہ فتویٰ دے سکتا ہے تاکہ حرج نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں' اور اس میں ضرورت ہے علاوہ ازیں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے' ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا' نور العین میں اس کو برقرار رکھا گیا ہے اور عنقریب مسخر میں اس کا ذکر ہو گا اسی طرح فتح القدیر کے باب المفقود میں ہے کہ جب قاضی غائب کے خلاف یا اس کے حق میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات

کسی مظلوم اور نان و نفقہ سے محروم عورت کے حق میں جب عدالت فسخ نکاح کر دیتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو اس پر بعض علماء کرام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عدالت کے فیصلہ کی بناء پر اس نکاح کے جواز کا دروازہ کھول دیا جائے تو جو عورت بھی اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے گی وہ عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کر

کے اپنے حق میں فیصلہ کرالے گی۔ اس اعتراض کے جواب میں پہلے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی آپ ان کے پاس باہر گئے اور فرمایا میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو (بہ فرض محال) اگر میں کسی شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ صرف آگ کا ٹکڑا ہے وہ اس کو لے یا ترک کر دے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۴۵۸' ۷۱۸۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۱۳)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

یعنی میں (از خود) غیب اور مخفی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے اور آپ صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور مخفی چیزیں اللہ کی ولایت میں تھیں' اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو مخفی امور پر مطلع فرما دیتا حتیٰ کہ آپ (صورت واقعیہ کے مطابق) یقین کے ساتھ فیصلہ فرماتے لیکن اللہ نے آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا اس لئے آپ نے ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کی اتباع کرنے میں آسانی اور اطمینان ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۷۵)

اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت خاوند کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرالیتی ہے تو عدالت تو بہر حال ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرے گی لیکن اس جھوٹ کا وبال اس عورت کے سر پر ہو گا۔ ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے : جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ نے واپس آکر ان سے باز پرس کی تو اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ (منافقین) آئے انہوں نے مختلف بہانے کئے اور قسمیں کھائیں سو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر کردہ بہانوں کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی امور کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۴۱۸)

دوسرا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف حجت ظاہریہ کا اعتبار ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

جھوٹے گواہوں کے ساتھ ظاہراً" وباطناً" عقود اور فسوخ میں قضا نافذ ہو جاتی ہے بہ شرطیکہ قضا کے محل میں اس قضا کی صلاحیت ہو اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۴۳)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

فسوخ سے مراد ایسا فیصلہ ہے جو عقد کے حکم کو فسخ کر دے' لہٰذا یہ طلاق کو بھی شامل ہے اور اس کی فروع میں سے یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند اس کا منکر ہو اور اس عورت نے اپنے دعویٰ پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ان میں علیحدگی کا فیصلہ کر دیا' اس عورت نے عدت کے

بعد کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے خواہ اس کو حقیقت حال کا علم ہو اور ان دو گواہوں میں سے بھی اگر کوئی اس عورت سے نکاح کرے تو عدت کے بعد اس عورت سے نکاح اور مباشرت کرنا جائز ہے اور اس کے پہلے خاوند کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے اور اس عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے کا موقع دے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۴۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس عورت پر اس کا خاوند ظلم کرے اس کو نہ گھر میں رکھے اور نہ کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے اور وہ عورت جوان ہو وہ اپنے معاش کے حصول کے لئے محنت مزدوری یا ملازمت کرے تو اس کو اپنی عزت اور عفت کے لٹ جانے کا بھی خطرہ ہو (اور ایسے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں) تو اس صورت حال کے مطابق اگر عدالت اس کے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو یہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ایک جائز عمل ہے' اب اگر کوئی عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا کر جھوٹے گواہوں کے ذریعہ شوہر کے آباد نہ کرنے کی فرضی داستان سنا کر اپنے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ کرا لے تو اس کا وبال اس عورت کے سر ہو گا اور اس کے اس جھوٹ کی وجہ سے اس جائز طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے:

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ زیارت قبور کو اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ زیارت قبور میں بہت سے منکرات اور مفاسد (ناجائز اور برے کام) مثلاً" مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور دوسرے امور (مثلاً" قبروں پر سجدہ کرنا) داخل ہو گئے ہیں کیونکہ عبادات کو ان کاموں کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ان عبادات کو بجالائے اور ان غلط کاموں کا رد کرے اور حسب استطاعت ان بدعات کو زائل کرے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ثانیاً" یہ کہ جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں عدالت سے فیصلہ کرانا صرف فسخ نکاح کے عقد کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں پیشہ ور جھوٹے گواہ عدالت کے باہر مل جاتے ہیں اور ان کی بناء پر بہت سے مقدمات میں ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو اب اگر کسی مقدمہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر عدالت کے فیصلہ کو اس لئے معتبر نہ مانا جائے کہ یہ شہادت فی الواقع جھوٹی تھی تو پھر عدالت کا کوئی بھی فیصلہ معتبر نہیں رہے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ جھوٹی گواہی کی بناء پر ہو اور اس کا حل یہی ہے کہ عدالت کا کام ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے اگر کسی فریق نے جھوٹے شواہد پیش کئے ہیں تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہو گا اور حقیقت کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

قضاء علی الغائب کے متعلق مذاہب ائمہ

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے انہوں نے کہا جو دور دراز غائب ہو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ غائب کے خلاف مطلقاً" فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

جس طرح حاضر کے خلاف ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح غائب کے خلاف بھی ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۱۵۸ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ایک شخص قاضی کے سامنے پیش ہو اور شہر سے غائب شخص کے خلاف دعویٰ کرے یا شہر میں حاضر ہو لیکن بھاگ جائے یا شہر میں حاضر ہو اور چھپ جائے اور اس کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا کیونکہ اس دعویٰ کا سننا غیر مفید ہے' اور اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ ہوں تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے گواہوں کو بھی سنا جائے گا کیونکہ اگر ہم اس کے دعویٰ کو نہ سنیں تو اس مدعی علیہ کا غائب ہونا یا شہر میں چھپ جانا لوگوں کے حقوق ساقط کرنے کا سبب ہو گا جب کہ ان حقوق کی حفاظت کے لئے حاکم کو نصب کیا جاتا ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۳۰۳ 'مطبوعہ دارالکتب بیروت' شرح المہذب ج ۲۰ ص ۱۹ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

جس غائب شخص کے خلاف کوئی حق ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا (الی قولہ) غائب کے خلاف صرف آدمیوں کے حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود میں اسقاط کی گنجائش ہے اگر کسی غائب شخص کے چوری کرنے پر گواہ قائم ہوں تو اس سے مال واپس لینے کا حکم دیا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا (المغنی ج ۱۰ ص ۱۳۸ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مجلس عدالت سے غائب ہو یا اس شہر سے غائب ہو اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوں تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ اس مقدمہ کا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود سے۔ (محلی ابن حزم ج ۹ ص ۳۶۶)

قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ابو سفیان ایک کم خرچ کرنے والے انسان ہیں اور مجھے ان کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری 'رقم الحدیث : ۷۱۸۰' صحیح مسلم 'رقم الحدیث : ۱۷۱۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس مجلس سے غائب تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا' امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے باب القضاء علی الغائب۔ اس حدیث میں مالی معاملات میں غائب کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر اور عثمان نے فسخ نکاح میں غائب کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے :

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود (لاپتہ) شخص کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن (عدت وفات گزارے) پھر اگر اس کا پہلا خاوند آجائے تو اس کو اپنے دیئے ہوئے مہر اور بیوی کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (المصنف 'رقم الحدیث : ۱۲۳۱۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں :
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر وہ حلال ہو جائے گی۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور وہ غائب ہو گیا اور اس حال میں اس نے اس طلاق سے رجوع کر لیا عورت کو طلاق کی خبر پہنچی اور اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچی اور اس نے دوسری جگہ شادی کر لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا جب اس عورت نے نکاح کر لیا تو اب پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا خواہ دوسرے خاوند نے اس سے دخول کیا ہو یا نہیں۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۲۱۹)
ان دو حدیثوں میں فسخ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔
امام شافعی' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے' امام ابو حنیفہ کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے لیکن فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر کوئی حنفی قاضی یا مفتی ائمہ ثلاثہ کے اس قول پر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے اور جس عورت کو اس کا خاوند تنگ کرنے کے لئے نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دیتا ہو اور اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ ملازمت کر کے اس کے لئے روٹی کمانا مشکل اور دشوار ہو اور اندریں صورت وہ عدالت میں اپنا کیس پیش کرے' خاوند حاضر نہ ہو اور عدالت خاوند کے خلاف یک طرفہ ڈگری دے کر خلع کر دے (یعنی نکاح فسخ کر دے) تو یہ فیصلہ صحیح ہے اور عدت کے بعد اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے۔

دفع حرج، مصلحت اور ضرورت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر فیصلہ اور فتویٰ کا جواز

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :
جو فقہاء احناف قضاء علی الغائب کو جائز کہتے ہیں وہ یہ فرق نہیں کرتے کہ حنفی قاضی یہ فیصلہ کرے یا غیر حنفی فیصلہ کرے' قنیہ میں بھی یہی مذکور ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا حنفی ہونا شرط نہیں ہے' اس تصریح سے علامہ رملی اور علامہ مقدسی کا یہ کہنا غلط ہو جاتا ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا مجوزین میں سے ہونا شرط ہے اور یہی صاحب البحر الرائق کا نظریہ ہے' صاحب البحر نے قضاء علی الغائب کو مفقود کے ساتھ خاص کیا ہے' علامہ رملی نے ان کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں عموم ہے' جامع الفصولین میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء مضطرب ہیں پس میرے نزدیک یہ ظاہر ہے کہ تمام مقدمات میں غور و فکر کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے اور حرج اور ضرورت کا لحاظ رکھا جائے' اور اگر جواز کا تقاضا ہو تو اس کو جائز کہا جائے ورنہ اس کو ناجائز کہا جائے' مثلاً" ایک شخص نے اپنی بیوی کو چند نیک لوگوں کے سامنے طلاق دی پھر وہ شہر سے غائب ہو گیا اور اس کی جگہ کا پتہ نہیں یا پتہ تو ہے لیکن اس کو حاضر کرنا مشکل ہے یا عورت یا اس کے وکیل کا اس کے پاس جانا مشکل ہے کیونکہ وہ جگہ دور ہے یا کوئی اور مانع ہے' اسی طرح اگر مقروض غائب ہو جائے اور اس کا شہر میں مال ہو' اس قسم کی مثالوں میں اگر قاضی کے سامنے غائب کے خلاف گواہ پیش کر دیئے جائیں اور قاضی کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ گواہ سچے ہیں اور ان میں کوئی جھوٹ یا حیلہ نہیں ہے تو قاضی کو چاہئے کہ غائب کے خلاف فیصلہ کر دے' اور مفتی کو بھی چاہئے کہ حرج اور حاجت کو دور کرنے کے لئے اس کے جواز کا فتویٰ دے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہیں جب کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ

ہے' ائمہ ثلاثہ اس کو جائز کہتے ہیں اور ہمارے اصحاب (احناف) کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی جانب سے ایک ایسا وکیل کر لیا جائے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ غائب کی جانب سے مکمل رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا' نور العین میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے اسی طرح مسخر میں ہے اور فتح القدیر کے باب المفقود میں بھی یہی مذکور ہے کہ غائب کے خلاف قضاء جائز نہیں لیکن جب قاضی غائب کے حق میں اس کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے تو فیصلہ کر دے اور یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ خواہ قاضی حنفی ہو۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آزاد کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۖ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ: ۲۳۱) اپنی بیویوں کو حسن سلوک کے ساتھ رکھو ورنہ ان کو معروف طریقہ سے علیحدہ کر دو اور ان پر زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے کی نیت سے ان کو اپنے پاس نہ رکھو۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے پاس جب بیوی کو نفقہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے' اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ بیوی کو معروف طریقہ سے علیحدہ کرنے کی حد سے نکل گیا پھر حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے' کیونکہ جو شخص اس کو خرچ دینے پر قادر نہیں ہے اس کے نکاح میں رہنے سے اس عورت کو ضرر لاحق ہو گا اور بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا' امام مالک' امام شافعی' امام احمد' اسحاق' ابو ثور' ابو عبید' یحییٰ بن القطان اور عبد الرحمٰن بن مہدی کا یہی قول ہے' اور صحابہ میں سے حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی قول ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب نے کہا یہی سنت ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

حاکم پر لازم ہے کہ وہ خاوند سے کہے یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۱۹' مطبوعہ بیروت)

سو اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے خلاف یہ مقدمہ دائر کرے کہ اس کا خاوند اس کو خرچ دیتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے اور اس پر گواہ قائم کر دے اور خاوند بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو عدالت پر لازم ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کر دے' خواہ وہ قاضی حنفی ہو یا شافعی یا مالکی یا حنبلی۔

مفتی محمد عبد السلام چاٹ گامی رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں:

ہاں شوہر کا ظلم و زیادتی اگر عدالت میں شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے اور شوہر شرعی طریقہ سے اسے آباد کرنے پر رضامند نہیں ہوتا نہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلع پر رضامند ہوتا ہے تو ان مجبوریوں کے بعد عدالت گواہوں کی گواہی کی

بنیاد پر یک طرفہ فسخ نکاح کا اختیار رکھتی ہے۔ (جواہر الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۲۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
مفتی رشید احمد کراچی نے بھی اسی صورت میں عدالت کے فیصلہ کو نافذ العمل قرار دیا ہے۔
(احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۱۔ مطبوعہ کراچی)

میں نے اس مسئلہ کو شرح صحیح مسلم میں بھی لکھا تھا اور یہاں مزید تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جب کوئی مظلوم عورت ہمارے زمانہ کے مفتیوں کے پاس جاتی ہے جس کو خاوند نہ خرچ دیتا ہے نہ طلاق' خاوند عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت یک طرفہ ڈگری دے دیتی ہے تو ہمارے مفتی اس فیصلہ کو نہیں مانتے اور اس عورت کو عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور وہ عورت یہ کہتی ہے کہ اس کے مسئلہ کا اسلام میں کوئی حل نہیں ہے' سو میں نے صرف اسلام کے دفاع کے جذبہ سے یہ تحقیق پیش کی ہے اور اللہ ہی نیتوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ (نیکی کرو) اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ نیکی کرو (النساء: ۳۶)

اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں دراز گوش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں' اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرے وہ اس کو عذاب نہ دے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان کو خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی پر توکل کر کے بیٹھ جائیں گے (عمل نہیں کریں گے) (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۸۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث' ۳۰' سنن ترمذی: ۲۶۵۲' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۹۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۲۱۰' مسند ابو عوانہ: ج ۱ ص ۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ پر بندوں کے حق کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے فضل اور کرم سے شرک نہ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے ورنہ عمل کی وجہ سے کسی بندہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ حدیث بیان کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دے دی تو حضرت معاذ نے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان فرمادیا تاکہ علم کو چھپانے پر جو وعید ہے اس میں داخل نہ ہوں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اس نے کہا اے اللہ کے نبی مجھ کو وصیت کیجئے آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو خواہ تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے اور کسی وقت کی نماز ترک نہ کرو اور شراب نہ پیو کیونکہ وہ برائی کی کنجی ہے۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۰۳۴' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۵' مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۱۶)

ماں باپ کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان : ۱۴)

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف لوٹنا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کون لوگ میرے اچھے سلوک کے مستحق ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے فرمایا پھر تمہاری ماں' کہا پھر فرمایا پھر تمہارا باپ۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۴۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۳۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۰۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۴۱' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۵۹۷۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲' شرح السنۃ' رقم الحدیث : ۳۴۱۶)

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے شکر کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ انسان کے حق میں سب سے بڑی نعمت اس کا وجود اور اس کی تربیت اور پرورش ہے اور اس کے وجود کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں' اسی طرح اس کی تربیت اور پرورش میں حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں۔ نیز جس طرح اللہ بندے کو نعمتیں دے کر اس سے اس کا عوض نہیں چاہتا اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بلا عوض نعمتیں دے دیتے ہیں' اور جس طرح اللہ بندہ کو نعمتیں دینے سے تھکتا اور اکتاتا نہیں والدین بھی اولاد کو نعمتیں دینے سے تھکتے اور اکتاتے نہیں' اور جس طرح بندے گنہ گار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا' اسی طرح اگر اولاد نالائق ہو پھر بھی ماں باپ اس کو اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتے' اور جس طرح اللہ اپنے بندوں کو دائمی ضرر اور عذاب سے بچانے کے لئے ہدایت فراہم کرتا ہے ماں باپ بھی اپنی اولاد کو ضرر سے بچانے کے لئے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

ماں باپ کے ساتھ اہم نیکیاں یہ ہیں کہ انسان ان کی خدمت کے لئے کمربستہ رہے' ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے' ان کے ساتھ سختی سے بات نہ کرے' ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے' اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے' ان کے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے' ان کی اطاعت کرے اور ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرے خواہ اس کے خیال میں وہ اس پر ظلم کر رہے ہوں ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے' ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے اگر اس کا باپ یہ کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس کو طلاق دے دے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا پھر حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۳۸' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۹۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳' ۴۲' ۲۰)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے' تم چاہو تو اس کو ضائع کر دو اور تم چاہو تو اس کی حفاظت کرو' سفیان کی ایک روایت میں ماں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں باپ کا ذکر ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۰۶)

حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی لکھتے ہیں۔ :

سب سے پہلے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو طلاق دینے کا حکم دیا تھا اور بیٹے کی باپ کے ساتھ نیکی یہی ہے کہ جس کو باپ ناپسند کرے اس کو بیٹا بھی ناپسند کرے اور جس سے اس کا باپ محبت کرتا ہو اس سے محبت کرے خواہ اس کو وہ ناپسند ہو' یہ اس وقت واجب ہے جب اس کا باپ مسلمان ہو' ورنہ مستحب ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۸ ص ۳۵)

نیز باپ کے ساتھ یہ بھی نیکی ہے کہ باپ کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اور ان کو تحائف بھیجتے تھے' جب بیویوں کی سہیلیوں کا یہ درجہ ہے تو باپ کے دوستوں کا مقام اس سے زیادہ بلند ہے' نیز ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے لیے استغفار کرنا بھی ان کے ساتھ نیکی ہے' ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد میں ان کے ساتھ کس طرح نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو' انہوں نے لوگوں سے جو وعدے کیے تھے ان کو پورا کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو اور جن کے ساتھ وہ صلہ رحم کرتے تھے ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

جو پڑوسی رشتہ دار ہو اس کا ایک حق اسلام ہے اور ایک رشتہ داری کا حق ہے اور ایک پڑوسی کا حق ہے' اور جو پڑوسی اجنبی ہو اس کے ساتھ اسلام اور پڑوسی کا حق ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے دوبار پوچھا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے ہدیہ بھیجا یا نہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو میراوارث کر دے گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۴۹' صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۶۰۱۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۶۲۴' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۵۱۵۱' سنن ابن

ماجہ' رقم الحدیث:۳۶۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے دوستوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے' اور جو شخص اپنے پڑوسیوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث:۱۹۵۱' الادب المفرد' رقم الحدیث:۱۱۵' سنن داری ج ۲ ص ۲۱۵)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں' میں ان میں سے کس کے ساتھ ابتداء کروں' فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازہ کے زیادہ قریب ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۵۰' صحیح بخاری' رقم الحدیث:۶۰۲۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یارسول اللہ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ بیمار ہو تو تم اس کی عیادت کرو' اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو' اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو' اگر وہ بدحال ہو تو اس پر ستر کرو' اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو' اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو' اپنے گھر کی عمارت اس کی عمارت سے بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا رک جائے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۴۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سالن پکائے تو اس میں شوربا زیادہ کرے۔ پھر اپنے پڑوسی کو بھی اس میں سے دے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۶۱۵' کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث:۱۹۰۱' مسند احمد' رقم الحدیث:۱۳۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کو علم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے اس کا مجھ پر ایمان نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر' رقم الحدیث:۷۵۱' کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث:۱۱۹)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ جس شخص کا گھر یا دکان تمہارے گھر یا دکان سے متصل ہو وہ تمہارا پڑوسی ہے' بعض علماء نے چالیس گھروں تک اتصال کا اندازہ کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے غلاموں کے ساتھ نیکی کرو

غلاموں اور خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ) تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کردیا ہے۔ سو جو تم کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ اور ان کے ذمہ ایسا کام نہ لگاؤ جو ان پر بھاری ہو اور اگر تم ان کے ذمہ ایسا کام لگاؤ تو تم ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۴۲۸۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۵۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۵۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۶۹۰)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم نبی التوبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے اپنے غلام کو تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے بری تھا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر حد قائم کرے گا' سوا اس کے کہ وہ بات صحیح ہو' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۵۴' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۸۵۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۶۰' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۶۵)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے سنا کوئی شخص میرے پیچھے کھڑا یہ کہہ رہا تھا ابو مسعود تحمل کرو' ابو مسعود تحمل کرو' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' آپ نے فرمایا جتنا تم اس پر قادر ہو اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے۔ سنن ابو داؤد میں یہ اضافہ ہے میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ اللہ کے لیے آزاد ہے' آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ میں جاتے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۵۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۵۹' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو دن میں کتنی بار معاف کروں' آپ نے فرمایا ہر دن میں ستر بار۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۵۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور اس کو خدا یاد آجائے تو اس کو مارنا چھوڑ دے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو آزاد کر دیا وہ ایک تنکے سے زمین کرید رہے تھے انہوں نے کہا اس عمل میں ایک تنکے کے برابر بھی اجر نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا یا پیٹا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۶۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غلام آزاد کیا اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا حتی کہ اس کی فرج کے بدلہ میں اس کی فرج آزاد کر دے گا۔

اسلام میں غلامی کو ختم کرنے کے لئے بہت سے طریقے مقرر کیے گئے قتل خطا کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے' قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے ظہار کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے' عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے اور جس کے پاس غلام نہ ہوں تو وہ کفارہ قسم میں تین دن روزے رکھے گا' اور باقی صورتوں میں دو ماہ کے روزے رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ خود بخل کرتے ہیں' اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں' اور اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں' اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء : ۳۷)

اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے وعید

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد اللہ کے دشمن اہل کتاب ہیں' اللہ کا جو ان پر حق ہے یہ اس میں بخل

کرتے ہیں' اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے ذکر کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان کا ذکر ان کے پاس تورات میں لکھا ہوا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو انصار مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے ان سے یہودی کہتے تھے کہ تم اپنے اموال خرچ نہ کرو کیونکہ ہم کو تم پر فقر کا اندیشہ ہے تمہارا مال ضائع ہو جائیگا' اور تم کو پتا نہیں ہے کہ آگے چل کر اسلام کا کیا ہوگا' سو یہ لوگ خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے تھے اور نبی ﷺ کی تصدیق کے متعلق تورات میں جو آیات مذکور ہیں ان کو چھپاتے تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (ان لوگوں کے لئے بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو وہ کیسا برا ساتھی ہے۔ (النساء: ۳۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال تقسیم کرو' منافقین اس حکم کی نافرمانی دو طرح سے کرتے تھے۔ یا تو خود مال خرچ نہیں کرتے تھے اور خرچ کرنے والوں کو بھی منع کرتے تھے یا پھر لوگوں کو دکھانے سنانے اور نام آوری کے لیے خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آخر ان پر کیا آفت آجاتی اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (النساء : ۳۹)

جبریہ کا رد اور ایمان میں تقلید کا کافی ہونا

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے میں کیا نقصان ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے' اس سے ان منافقوں کو زجر و توبیخ اور ان کو ملامت کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے۔

اس آیت میں جبریہ کا رد اور ابطال ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' اگر بندے مجبور محض ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نہ لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر ملامت نہ فرماتا' آج کل بھی بہت سے پڑھے لکھے لوگ گناہ کرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے وہی کیا جو ہمارے لیے مقدور ہو چکا تھا اگر اللہ چاہتا تو ہم یہ گناہ نہ کرتے' حالانکہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے کرتا ہے اس کو کسب کہتے ہیں اور جس چیز کا وہ کسب کرتا ہے اللہ اس کو پیدا کر دیتا ہے' اسی لیے کہتے ہیں کہ بندہ کاسب اور اللہ خالق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان لانا بہت آسان اور سہل ہے' اسی وجہ سے مقلد کا ایمان لانا معتبر ہے' کیونکہ اللہ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کرنا اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور امور آخرت پر دلائل قائم کرنا آسان اور سہل نہیں ہے' عام لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور ماں باپ کے اسلام کی وجہ سے ان کی تقلید میں مسلمان ہوتے ہیں اور ہر شخص ان دلائل میں غور و فکر کرنے کا اہل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ صحت ایمان کے لیے تقلید کافی ہے اور استدلال ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ (النساء : ۴۰)

اللہ کے ظلم نہ کرنے کا معنی

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص محمل کے سوا' کمی یا زیادتی کر کے کسی اور جگہ رکھنا' سو اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کسی کی نیکیوں کے ثواب میں کمی کرتا ہے نہ کسی کی برائیوں کے عذاب میں کمی کرتا ہے' اس لیے بندوں کو چاہئے کہ ان کو جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کریں اور جس کام سے منع کیا ہے اس سے رک جائیں۔

ظلم کا یہ معنی بھی ہے : غیر کی ملک میں تصرف کرنا' اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے اور مالک اپنی ملک میں جو تصرف بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا لیکن پھر بھی بہ فرض محال اگر وہ تمام مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور وہ مالک علی الاطلاق ہے' ہم نے بہ فرض محال اس لیے کہا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں اور ایمان والوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرما چکا ہے اور اپنے وعدے کے خلاف کرنا اس کے حق میں محال ہے کیونکہ انعام کا وعدہ کر کے انعام نہ دینا عیب ہے اور عیب اللہ کے لیے محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب بڑھانے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ ایک نیکی پر دس گنے اجر کا مستحق ہے تو اللہ اس کو بیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا تیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائیگا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

زاذان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو جمع فرمائیگا' پھر اللہ کی طرف سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ جس شخص نے اپنا حق لینا ہو آئے اور اپنا حق لے لے' بہ خدا اگر بچے کا اپنے باپ پر یا کسی کا اپنے بیٹے پر یا اپنی بیوی پر جو بھی حق ہو گا وہ لے لے گا' خواہ وہ چھوٹا حق ہو' اور اس کا مصداق کتاب اللہ میں یہ آیت ہے :

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (المؤمنون : ۱۰۱)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن رشتے (باقی) نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

ایک شخص سے کہا جائیگا ان لوگوں کے حقوق ادا کرو وہ شخص کہے گا اے رب! دنیا تو گذر چکی ہے میں ان کے حقوق کہاں سے ادا کروں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا اس شخص کے نیک اعمال کو دیکھو' اور مستحقین کو اس کی نیکیاں دے دو' پھر جب اس کی ایک ذرہ کے برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے کہیں گے' (حالانکہ اللہ کو خوب علم ہے) اے ہمارے رب ہم نے ہر حقدار کو اس کی نیکی دیدی اب اس کی صرف ایک نیکی رہ گئی ہے' اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا میرے اس بندہ کی نیکی کو دگنا چوگنا کر دو' اور اس کو میرے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل کر دو' اور اس کا مصداق یہ آیت ہے' اور اگر وہ بندہ شقی ہو اور اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں تو فرشتے عرض کریں گے کہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور اس کی صرف برائیاں رہ گئی ہیں اور لوگوں کے حقوق باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیگا حقداروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دو اور اس کے لیے جہنم کا پروانہ لکھ دو۔ (نعوذ باللہ منہ)

ابو عثمان النہدی بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ

آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک نیکی کا اجر بڑھا کر ایک کروڑ درجہ کر دیا جاتا ہے' انہوں نے کہا تم کو اس پر کیوں تعجب ہے۔ خدا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو ہزار ضرب ہزار (ایک کروڑ) درجہ تک پہنچاوے گا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۵۸۔۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بندہ کا عمل اتنے بڑے اجر کا مقتضی نہیں ہے یہ اجر اللہ اپنے پاس سے عطا فرماتا ہے' دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر و ثواب بڑھاتا ہے جس سے بندہ کو جنت میں جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے جس سے بندہ کو روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ روحانی لذتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ جنت میں حاصل ہونے والی سب سے عظیم نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس وقت کیسا سماں ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے (رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (النساء : ۴۱)

تمام نبیوں کے صدق پر رسول اللہ ﷺ کی شہادت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا یعنی کافر کو جو عذاب دے گا وہ ظلم نہیں ہو گا' اور مومنوں کو بشارت دی تھی کہ ان کی نیکیوں کے اجر کو بڑھا دے گا' اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ جزا اور سزا نبیوں اور رسولوں کی گواہی پر مترتب ہو گی جس کے خلاف وہ گواہی دیں گے اس کو سزا ملے گی اور جس کے حق میں گواہی دیں گے اس کو اجر و ثواب بیش از بیش ملے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل ہوا ہے' آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں کسی اور سے قرآن سنوں' میں نے سورہ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا (النساء : ۴۱) میں نے سر اٹھا کر دیکھا یا کسی نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیا اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۸۰۰)

رسول اللہ ﷺ کا رونا خوف خدا کے غلبہ سے تھا کیونکہ اس سے پہلی آیت میں ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء صادقین علیہم السلام کے صدق پر گواہی دیں گے' یا انبیاء سابقین کی تقویت کے لیے ان کی امت کے کافروں کے خلاف شہادت دیں گے' اور اس میں ہمارے نبی ﷺ کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ تمام نبیوں اور رسولوں کی شہادت آپ کی شہادت سے مانی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کافر اور رسول کی نافرمانی کرنے والے اس دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کر کے) ان پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔ (النساء : ۴۲)

قیامت کے دن کفار کے مختلف احوال

اس آیت میں رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا کافروں پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے' اس سے یہ

واضح ہوا کہ کفر الگ گناہ ہے اور رسول کی نافرمانی کرنا الگ گناہ ہے اور کافروں کو کفر کی وجہ سے بھی عذاب ہوگا اور رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بھی عذاب ہوگا' اور کافروں کو رسول کی نافرمانی کی وجہ سے اسی وقت عذاب ہوگا جب یہ مانا جائے کہ کافر فروعی احکام کے بھی مخاطب ہیں۔ نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس روز کافر یہ تمنا کریں گے کہ ان پر زمین برابر کر دی جائے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ ان کو زمین میں دفن کر دیا جائے' دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا اور وہ اسی طرح زمین میں مدفون رہتے' تیسرا معنی یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ جانوروں کو مٹی بنا دیا گیا ہے تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو بھی مٹی بنا دیا جائے۔

پھر فرمایا اور وہ اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپا سکیں گے' اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما رہا ہے جنہوں نے شرک نہیں کیا تو وہ کہیں گے واللہ ربنا ماکنا مشرکین (الانعام : ۲۳) "ہمیں اپنے پروردگار کی قسم ہم شرک کرنے والے نہیں تھے" اس وقت ان کے منہ اور ہاتھ اور پیر ان کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ الانعام میں یہ مذکور ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن مختلف احوال ہوں گے' ایک وقت میں وہ کہیں گے کہ ماکنا نعمل من سوء (النحل : ۲۸) "ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے" اور کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور ایک وقت ہو گا کہ شہد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بما کانوا یعملون (حم السجدہ : ۲۰) "ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے" اس وقت وہ کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان پر زمین برابر کر دی جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تم یہ

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو

طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرو ، بےشک اللہ نہایت معاف کرنے والا بہت

غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

بخشنے والا ہے ○ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ

وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ○ اور اللہ تمہارے

اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۤ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

دشمنوں کو خوب جانتا ہے ، اور اللہ تمہارا کافی کارساز اور کافی مددگار ہے ○

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ

ہم نے سنا اور نافرمانی کی ، (اور آپ سے کہتے ہیں) سنیے آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی

طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ

کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں ، اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات

انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

فرمائی ہے سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے ○ اے اہل کتاب ! اس کتاب پر ایمان لاؤ

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

جس کو ہم نے نازل کیا ہے درآں حالیکہ وہ اس (اصل) کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے ، اس سے پہلے

فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ

کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں جس طرح ہم نے

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے ○ بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ

اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً

افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ

اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا ○ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ

اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ دیکھیے یہ لوگ کس طرح

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

اللہ پر عمداً جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (النساء : ۴۳)

حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کا شان نزول

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانے کی دعوت کی' اور ہم کو (تحریم شراب سے پہلے) شراب پلائی ہم نے شراب پی اور نماز کا وقت آگیا' انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے امام بنا دیا میں نے پڑھا قل یا یھا الکافرون ○ لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون (آپ کہیے کہ اے کافرو میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۳۷' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۳۶۷۱)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے از ابو عبد الرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور

حضرت علی نے شراب پی اور نماز حضرت عبد الرحمن بن عوف نے پڑھائی اور ان کو اس آیت کے پڑھنے میں التباس ہو گیا تب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۶۱)

امام ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۱)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث میں یہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو امام بنادیا گیا اور اس نے قرات میں یہ غلطی کی پھر یہ آیت نازل ہوئی' یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام ذہبی نے بھی اس کو صحیح لکھا ہے۔
(المستدرک ج ۲ ص ۳۰۷)

امام ابو الحسن واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔
(الوسیط ج ۲ ص ۵۶' تفسیر سفیان الثوری' ص ۵۶' تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۵۶)

بعض مفسرین نے کہا اس آیت کا معنی ہے جب تم پر نیند کا غلبہ ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کرلو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص سفر میں جنبی ہو جائے اور اس کو غسل کے لیے پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے' زجاج نے کہا اس کی حقیقت یہ ہے کہ حالت جنابت میں تم نماز نہ پڑھو' قتبی نے کہا اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد موضع الصلوۃ ہے یعنی مسجد' اور اس کا معنی ہے کہ حالت جنابت میں تم مساجد کے قریب نہ جاؤ مگر صرف راستہ گذرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم بیمار ہو یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو' پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو' سو تم اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

تیمم کی مشروعیت کا سبب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں گئے' جب مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا' رسول اللہ ﷺ اس ہار کو تلاش کرنے کے لیے رک گئے' اور آپ کے ساتھ تمام قافلہ رک گیا' اس جگہ پانی تھا اور نہ صحابہ کے ساتھ پانی تھا' صحابہ نے حضرت ابوبکر سے شکایت کی اور کہنے لگے کہ تم نہیں دیکھ رہے کہ (حضرت) عائشہ نے کیا کیا ہے؟ تمام لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھہرا لیا' اس مقام پر پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ (یہ شکایت سن کر) حضرت ابوبکر میرے پاس آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے محو نیند تھے' حضرت ابوبکر نے مجھے ڈانٹنا شروع کیا اور کہنے لگے تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کو پریشان کیا ہے اور ایسی جگہ روک لیا ہے جہاں بالکل پانی نہیں ہے' نہ صحابہ کے پاس پانی ہے' پھر حضرت ابوبکر ناراض ہو کر جو کچھ ان کے دل میں آیا کہتے رہے اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں اپنی انگلی چبھوتے رہے' اور میں رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل آنے کے خیال سے اپنی جگہ سے مطلقاً" نہیں ہلی' یہاں تک کہ اسی حال میں یعنی جب کہ لوگوں کے پاس پانی نہ تھا' صبح ہو گئی' اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی' پھر نقباء میں سے حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابوبکر یہ کوئی آپ کی پہلی برکت نہیں ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو کھڑا کیا جس پر میں سوار تھی تو ہار

اس کے نیچے سے نکل آیا۔
(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۶۷' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۳۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۲۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۵۶۸)

حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے علم کی بحث

اس حدیث میں ہے :
حضرت عائشہ نے فرمایا : ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہار نکل آیا۔
علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :
صحیح بخاری میں ہے : رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس کو ہار مل گیا (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۳۴)
ایک روایت میں دو شخصوں کا ذکر ہے' اور یہ ایک ہی واقعہ ہے' علماء نے کہا ہے کہ جس شخص کو بھیجا وہ حضرت اسید بن حضیر اور اس کے متبعین تھے' وہ گئے تو ان کو کچھ نہیں ملا' پھر واپسی میں حضرت اسید کو اس اونٹ کے نیچے سے وہ ہار مل گیا۔ (شرح مسلم للنووی ج ا ص ۱۶۰' مطبوعہ کراچی)
رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء" نہیں بتایا یا اس طرف متوجہ نہیں کیا کہ ہار کہاں ہے کیونکہ اس میں متعدد حکمتیں تھیں اور آپ کی امت کو بہت سے مسائل کی تعلیم دینا تھی بعض ازاں یہ ہیں :

حدیث تیمم سے استنباط شدہ مسائل

علامہ بدرالدین عینی نے بیان کیا کہ اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں :
۱۔ بعض علماء (علامہ ابن حجر عسقلانی) نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس جگہ قیام کرنا جائز ہے' جہاں پانی نہ ہو اور اس راستہ پر سفر کرنا جائز ہے جہاں پانی نہ ہو' کیونکہ نبی ﷺ نے ایسی ہی جگہ سفر اور قیام کیا تھا۔
۲۔ کسی شادی شدہ خاتون کی شکایت اس کے والد سے کرنا' خواہ اس کا خاوند موجود ہو' صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس لیے شکایت کی تھی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے اور صحابہ کرام آپ کو نیند سے بیدار نہیں کرتے تھے۔
۳۔ کسی فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا' کیونکہ پانی نہ ملنے کا سبب حضرت عائشہ کے ہار کا گم ہونا تھا۔
۴۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا خواہ اس وقت اس کا خاوند موجود ہو' جب اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا خاوند اس پر راضی ہو گا۔
۵۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کو سرزنش کرنا خواہ وہ بیٹی شادی شدہ ہو اور صاحب منصب ہو۔
۶۔ اگر کسی شخص کو ایسی تکلیف یا آفت پہنچے جو حرکت اور اضطراب کا موجب ہو تو وہ صبر کرے اور اپنے جسم کو ہلنے سے باز رکھے جب کہ اس کی حرکت سے کسی سونے والے' بیمار یا نمازی یا قاری یا علم میں مشغول شخص کی تشویش اور بے آرامی کا خدشہ ہو۔
۷۔ سفر میں تہجد کی رخصت' یہ اس قول پر ہے کہ آپ پر تہجد کی نماز واجب تھی۔
۸۔ پانی کو تلاش کرنا صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز کا وقت آ جائے' کیونکہ عمرو بن حارث کی روایت میں ہے نماز کا وقت آ گیا تب پانی کو تلاش کیا گیا۔

۹۔ آیت وضو کے نازل ہونے سے پہلے وضو واجب تھا' اسی وجہ سے ان کو بہت تشویش اور صدمہ لاحق ہوا کہ وہ ایسی جگہ ٹھہرے ہیں جہاں پانی نہیں ہے' اور حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ پر ناراضگی کا اظہار کیا' علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تمام اہل سیرت اس پر متفق ہیں کہ جب سے نبی ﷺ پر نماز فرض ہوئی ہے' آپ نے وضو کے ساتھ نماز پڑھی ہے (آیت وضو آیت تیمم کے ساتھ نازل ہوئی ہے یہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۶ ہے) اگر یہ اعتراض ہو کہ وضو پہلے ہی واجب تھا تو آیت وضو کو نازل کرنے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ وضو کی فرضیت کی آیت کی قرآن مجید میں تلاوت ہو۔ نیز پہلے وضو کی فرضیت سنت سے تھی اور اب وضو کی فرضیت قرآن مجید سے ہو گئی' بعض روایت میں ہے کہ حضرت اسلع اعرجی' جو نبی ﷺ کے لیے سواری لاتے تھے ایک دن انہوں نے نبی ﷺ سے کہا میں جنبی ہوں تو تیمم کی آیت نازل ہو گئی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا واقعہ بھی ہار گم ہونے والے دن پیش آیا ہو کیونکہ وہی نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور سواری والا تھا۔

۱۰۔ اس حدیث میں تیمم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔

۱۱۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ تندرست' مریض' بے وضو اور جنبی سب کے لیے تیمم مشروع ہے' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں قرار دیتے تھے' لیکن فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول پر عمل نہیں کیا' کیونکہ احادیث صحیحہ میں جنبی کے لیے تیمم کا جواز ثابت ہے۔

۱۲۔ اس حدیث میں سفر میں تیمم کرنے کے جواز کی دلیل ہے' اس پر سب کا اجماع ہے' اور حضر میں تیمم کرنے میں اختلاف ہے' امام مالک اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ سفر اور حضر میں تیمم کرنا مساوی ہے' جب پانی نہ ملے' یا مرض یا خوف شدید یا وقت نکلنے کے خوف سے پانی کو استعمال کرنا مشکل ہو' علامہ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی نے کہا جو شخص تندرست ہو اور مقیم ہو اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو' علامہ طبری نے کہا امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک مقیم کے لیے مرض اور خروج وقت کے خوف کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے' امام شافعی' لیث اور طبری نے یہ بھی کہا ہے کہ جب خروج وقت کا خوف ہو تو تندرست اور بیمار دونوں تیمم کر سکتے ہیں' وہ نماز پڑھ لیں اور ان پر اعادہ لازم ہے' اور عطاء بن ابی رباح نے یہ کہا ہے کہ جب پانی دستیاب ہو تو مریض اور غیر مریض دونوں تیمم نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن عبدالبر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خروج وقت کے خوف سے تیمم جائز ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقیم کے لیے خروج وقت کے خوف کے سبب سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ امن کے زمانہ میں ازواج کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اگر ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں تو وہ کسی ایک کو ساتھ لے جائے' اور قرعہ اندازی کر کے اس کو لے جانا مستحب ہے جس کے نام کا قرعہ نکلے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی کرنا واجب ہے۔

جنبی کے لیے جواز تیمم میں صحابہ کا اختلاف

جنبی کے لیے تیمم کرنے میں صحابہ کا اختلاف تھا' حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کرنا جائز تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابزی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں مل سکا' حضرت عمر نے فرمایا نماز مت پڑھ۔ حضرت عمار کہنے لگے' اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک سفر میں تھے۔ ہم دونوں جنبی ہو گئے اور ہمیں پانی نہیں ملا۔ آپ نے بہر حال نماز نہیں پڑھی' لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا' اور میں نے نماز پڑھ لی (جب حضور کی خدمت میں میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا : تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم دونوں ہاتھ زمین پر مارتے پھر پھونک مار کر گرد اڑا دیتے' پھر ان کے ساتھ اپنے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کرتے' حضرت عمر نے کہا اے عمار خدا سے ڈرو' حضرت عمار نے کہا اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث کسی اور سے نہ بیان کروں' امام مسلم نے ایک اور سند بیان کر کے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمار کے جواب کے بعد حضرت عمر نے فرمایا ہم تمہاری روایت کا بوجھ تمہیں پر ڈالتے ہیں۔

شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مخاطب ہو کر فرمایا' اگر کسی شخص پر غسل فرض ہو اور اس کو ایک ماہ تک پانی نہ مل سکے تو وہ شخص کس طرح نمازیں پڑھے گا' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا وہ شخص تیمم نہ کرے خواہ اس کو ایک ماہ تک پانی نہ ملے' حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا' پھر آپ سورۂ مائدہ کی اس آیت کا کیا جواب دیں گے۔ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا "جب تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کرو" حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ اگر اس آیت کی بناء پر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو وہ پانی ٹھنڈا لگنے کی بناء پر بھی تیمم کرنا شروع کر دیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کیا آپ نے حضرت عمار کی یہ حدیث نہیں سنی' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا' راستہ میں (جب میں سویا تو) مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ پس میں خاک پر اسی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگا' جس طرح جانور لوٹ پوٹ ہوتے ہیں' پھر جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر ایک مرتبہ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں پر مسح کیا اور دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر اور چہرہ پر مسح کیا' حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کیا تمہیں پتہ نہیں کہ حضرت عمر نے حضرت عمار کی حدیث پر اطمینان نہیں کیا تھا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۶۸' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۳۶۔ ۳۴۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۲۲۔ ۳۲۱)

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک سرد رات کو جنبی ہو گئے' انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما' پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب : ۷)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا بعض مسائل میں اختلاف ہوتا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کو طعن تشنیع نہیں کرتے تھے اور فروعی مسائل میں اختلاف کو وسعت ظرف سے لیتے تھے' اگر اس قسم کا اختلاف آج کے مسلمانوں میں ہو تو ایک دوسرے کے خلاف نہ جانے کتنے رسالے لکھے جائیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کی جائے اور آپس میں جوتم پیزار

شروع ہو جائے۔

تیمم کی تعریف' اس کی شرائط اور مذاہب فقہاء

تیمم' کتاب' سنت اور امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے' تیمم کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت کو سرفراز کیا ہے' امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر' تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے' ہمارا اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں (دوبار پاک مٹی پر ہاتھ مارنا) ضروری ہیں' ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور ایک ضرب سے کہنیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا جائے' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن عمر' حسن بصری' شعبی' سالم بن عبداللہ بن عمر' سفیان ثوری' امام مالک' امام ابوحنیفہ' اصحاب رائے اور دوسرے تمام فقہاء رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے' عطاء' مکحول' اوزاعی' امام احمد' اسحٰق' ابن المنذر' اور عامۃ المحدثین کا مسلک یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ضرب واجب ہے۔ زہری نے یہ کہا ہے کہ ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے' علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ کہنیوں سے ماوراء تیمم نہیں ہے' اور ابن سیرین سے منقول ہے کہ تیمم میں تین ضربات ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب ہتھیلیوں کے لیے اور تیسری ضرب کلائیوں کے لیے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے' تیمم حدث اصغر کے لیے بھی ہے اور حدث اکبر (جنبی' حائض اور نفساء) کے لیے بھی ہے' سلف اور خلف میں سے اس کا کوئی مخالف نہیں ہے' ماسوا حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے' یہ بھی روایت ہے کہ ان دونوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا' جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے ثبوت میں بہ کثرت احادیث مشہورہ مروی ہیں' جب جنبی تیمم سے نماز پڑھ لے تو اس پر غسل کرنا بالاجماع واجب ہے' اس میں صرف ابوسلمہ عبدالرحمٰن تابعی کا قول مخالف ہے لیکن یہ قول بالاجماع متروک ہے' اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں وارد ہے کہ جب پانی مل گیا تو نبی ﷺ نے جنبی کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۴۴) اگر مسافر کے پاس پانی نہ ہو تو وہ پھر بھی اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے' وہ (اگر اتنا پانی ہو تو) اپنی شرمگاہوں کو دھو کر تیمم کریں اور نماز پڑھ لیں اور اگر انہوں نے اپنی شرمگاہیں دھو لیں تو ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے' اور اگر مرد نے اپنے آلہ کو نہیں دھویا اور اس پر رطوبت فرج لگی ہوئی تھی جس قول کے مطابق رطوبت فرج نجس ہے اس کو نماز کا اعادہ کرنا ہو گا ورنہ نہیں' جس شخص نے کسی مرض یا زخم کی وجہ سے تیمم کیا تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اور جس نے پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تو اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں پر غالباً پانی نہیں ہوتا' مثلاً سفر میں ہے تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے' اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں پر کبھی کبھی پانی نہیں ہوتا اور اکثر ہوتا ہے تو اس پر نماز کا اعادہ ہے (جو شخص ڈیڑھ انگریزی میل کی مسافت پر شہر سے دور ہو اور اس کو پانی دستیاب نہ ہو تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک تیمم کر سکتا ہے اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ ہدایہ)

امام شافعی' امام احمد' ابن المنذر' داؤد ظاہری اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمم صرف ایسی پاک مٹی کے ساتھ جائز ہے جس کا غبار عضو کے ساتھ لگ جائے' اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تمام اقسام سے تیمم کرنا جائز ہے' حتیٰ کہ دھلے ہوئے پتھر سے بھی تیمم کرنا جائز ہے' اور بعض اصحاب مالک نے یہ کہا ہے کہ جو چیز زمین کے ساتھ متصل ہو' اس کے ساتھ تیمم کرنا بھی جائز ہے اور برف کے متعلق ان کی دو روایتیں ہیں' اور اوزاعی اور سفیان ثوری نے یہ

کہا کہ برف اور ہر وہ چیز جو زمین پر ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔

تیمم کے بعض مسائل

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل (مدینہ کے قریب ایک جگہ) کی طرف جا رہے تھے ایک مسلمان نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کو سلام کا جواب نہیں دیا حتی کہ آپ ایک دیوار کے پاس گئے اور تیمم کر کے اس کو جواب دیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۶۹)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس وقت پانی نہیں تھا کیونکہ جب پانی موجود ہو اور اس کے استعمال پر قدرت ہو تو تیمم جائز نہیں ہے' خواہ فرض نماز' نماز عید' یا نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو' یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عید اور جنازہ کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تیمم جائز ہے' کیونکہ ان کی قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مٹی کی جنس سے تیمم کرنا ضروری ہے اور اس پر غبار ہونا ضروری نہیں جیسا کہ احناف کا مذہب ہے کیونکہ عام طور پر دیوار پر غبار نہیں ہوتا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ دیوار کے مالک کی اجازت کے بغیر آپ نے کیسے تیمم کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دیوار مباح تھی یا کسی ایسے شخص کی دیوار تھی جس کو آپ جانتے تھے اور آپ کو علم تھا کہ آپ کے تصرف سے اس کو اعتراض نہیں ہو گا' اس حدیث میں نوافل کے لیے تیمم کرنے پر بھی دلیل ہے' پیشاب کرتے وقت جس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کا فوراً جواب نہیں دیا' اس میں یہ دلیل ہے کہ قضاء حاجت کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس حالت میں اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اسی طرح اس حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح جماع کی حالت میں بھی ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس حال میں مطلقاً" کلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے لیکن ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں مثلاً کسی نابینا کو کوئیں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھے تو بتا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (النساء : ۴۴)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں (جامع البیان ج ۵ ص ۴۷) زجاج نے کہا وہ لوگوں سے رشوت لینے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر ترجیح دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے' اور اللہ کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔ (النساء : ۴۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اس کی نصرت تم کو دوسروں سے مستغنی کر دے گی۔ خصوصاً" یہودیوں سے جن کی نصرت کی تم توقع رکھتے ہو' زجاج نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ خبر دی ہے کہ یہود اور دوسرے کافروں کی دشمنی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں' اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی' اور آپ سے کہتے ہیں سنیے آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں' اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی ہے' سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔ (النساء : ۴۶)

یہود کی تحریف کا بیان

کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی صفات' آپ کی بعثت کے زمانے اور آپ کی نبوت کے متعلق یہود کی کتاب میں جو پیش گوئیاں تھیں وہ ان کو بدل دیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سنی اور اس کی نافرمانی کی' اور اپنی زبان مروڑ کر آپ سے راعنا کہتے تھے اور یہ ان کی لغت میں گالی تھی۔ قتبی نے کہا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی حدیث فرماتے یا کوئی حکم دیتے تو وہ کہتے تھے ہم نے سن لیا اور دل میں کہتے تھے کہ ہم نے نافرمانی کر لی' اور جب وہ نبی ﷺ سے کوئی بات کرنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے اے ابوالقاسم سنیے اور اپنے دل میں کہتے تھے کہ آپ نہ سنیں' اور وہ آپ سے راعنا کہتے تھے اور اس لفظ سے یہ معنی ظاہر کرتے تھے کہ آپ ان پر نظر رحمت فرمائیں اور زبان مروڑ کر اس سے اپنے دل میں رعونت کا معنی لیتے تھے اور اگر وہ سمعنا و عصینا کی بجائے سمعنا واطعنا کہتے اور واسمع غیر مسمع اور راعنا کی جگہ انظرنا کہتے ہیں تو یہ بہت بہتر اور بہت درست ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے' یعنی نبی ﷺ کی اس توہین کی سزا میں ان کو دنیا میں رسوا کر دیا اور آخرت میں ان کو اپنی رحمت سے بالکلیہ دور کر دیا' سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے' اور یہ وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی جناب میں ایسا لفظ کہنا جس کا ظاہری معنی توہین کا موہم ہو کفر ہے' اس کی پوری تفسیر ہم نے تبیان القرآن جلد اول البقرہ : ۱۰۴ میں بیان کر دی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے اس لیے ہم یہاں کسی شخص پر لعنت کرنے کی تحقیق کر رہے ہیں۔

لعنت کی اقسام اور کسی شخص پر لعنت کرنے کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

لعنت کا معنی ہے کسی شخص کو رد کرنا اور از روئے غضب کسی شخص کو دھتکارنا' آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا معنی ہے اس کو سزا اور عذاب دینا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا معنی ہے اس پر رحمت نہ فرمانا' اور اس کو نیکی کی توفیق نہ دینا' اور جب انسان کسی پر لعنت کرے تو اس کا معنی ہے اس کو بددعا دینا۔ (المفردات ص ۴۵۱' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

(۱) فسق اور ظلم پر علی الاطلاق لعنت کرنا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : لعنۃ اللہ علی الکاذبین (آل عمران : ۶۱) لعنۃ اللہ علی الظالمین (الاعراف : ۴۴)

(۲) کسی معین شخص پر لعنت کرنا جس کا معنی یہ ہو کہ وہ اللہ کی رحمت سے مطلقاً مردود ہے یہ اس شخص کے سوا اور کسی پر جائز نہیں ہے جس کی کفر پر موت قطعی اور یقینی ہو جیسے ابولہب اور ابوجہل اور دیگر مقتولین بدر واحد' اور جس کی کفر پر

موت قطعی اور یقینی نہ ہو اس پر یہ لعنت نہیں کی جائے گی خواہ وہ مشہور فاسق ہو جیسے یزید۔

(۳) علامہ قہستانی نے لکھا ہے کہ جب کفار پر لعنت کی جائے تو شرعاً اس کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کرنا' اور جب مومنین پر لعنت کی جائے تو اس کا معنی ہے ان کو ابرار اور مقربین کے درجہ سے دور کرنا' البحر الرائق کی بحث لعان میں ہے کیا معین کاذب پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ غایت البیان کے باب العدۃ میں مذکور ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کرلوں اور مباہلہ کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت کرنا' اور جب ان کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو' اور فقہاء نے کہا یہ لعنت ہمارے زمانہ میں بھی مشروع ہے' قرآن مجید میں مومن پر لعن معین کا ثبوت ہے جب لعان میں پانچوں دفعہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والا مرد کہتا ہے:

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ (النور : ۷) اور پانچویں گواہی یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ مومن پر لعنت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو مقربین اور ابرار کے درجہ سے دور کیا جائے نہ کہ اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کیا جائے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۴۱ 'مختصراً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے در آں حالیکہ وہ اس (اصل) کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے' اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں' یا ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی' اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے اے اہل کتاب قرآن مجید کی تصدیق کرو جو توحید' رسالت' مبداء اور معاد اور بعض احکام شرعیہ میں تورات کے موافق ہے' اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں' یعنی آنکھوں اور ناک کی بناوٹ کے ابھار کو دھنسا کر چہرے کو بالکل سپاٹ بنا دیں یا چہرے کو گدی کی جانب لگا دیں' اس میں اختلاف ہے کہ یہ وعید دنیا کے متعلق ہے یا آخرت کے۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے کہا اس آیت کا معنی ہے کہ اے اہل کتاب! قرآن مجید پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ تم کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن صوریا' کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے فرمایا: اے یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ بہ خدا تم کو یقین ہے کہ میں جس دین کی دعوت لے کر آیا ہوں وہ حق ہے' انہوں نے کہا اے محمد (ﷺ) ہم اس دین کو نہیں جانتے انہوں نے انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

عیسیٰ بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم کعب احبار بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے انہوں نے حمص میں ایک شخص سے یہ آیت سنی تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا اے رب میں ایمان لاتا ہوں اور اس سے پہلے کہ مجھے یہ وعید پہنچے میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۷۹)

یا اس سے پہلے ایمان لے آئیں کہ ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ان لوگوں پر لعنت کی تھی جن کو ہفتہ

کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم گناہ ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔ (النساء : ۴۸)

شرک کی تعریف

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

شرک کا لغوی معنی ہے دو یا دو سے زیادہ لوگ کسی ایک معین چیز کے مالک ہوں تو وہ دونوں اس کی ملکیت میں شریک ہیں' اور دین میں شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سب سے بڑا کفر ہے اور شرک صغیر یہ ہے کہ بعض کاموں میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی رعایت کرے جیسے ریاء اور نفاق۔

(المفردات ص ۲۶۰' مکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں :

شرک کرنے کی تعریف یہ ہے : کسی شخص کو الوہیت میں شریک ماننا جیسے مجوس اللہ کے سوا واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

(شرح عقائد نسفی ص ۶۱' مطبوعہ مطبعہ یوسفیہ ہند)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو واجب بالذات یا قدیم بالذات ماننا' یا اللہ کے سوا کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات ماننا (مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کو از خود علم ہے یا از خود قدرت ہے) یا کسی کو اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ماننا' (مثلاً کسی کو سجدہ عبودیت کرنا' یا کسی کو اس اعتقاد سے مصائب میں پکارنا کہ وہ از خود سن لے گا یا از خود مدد کرے گا' یا جو عبادات اللہ کے ساتھ خاص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے بجالانا' مثلاً کسی بزرگ کی نذر ماننا یا کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اپنی قدرت سے رزق اور اولاد دیتا ہے' بارش برساتا ہے' بلاؤں کو ٹالتا ہے نفع پہنچانا اور ضرر دینا اس کی ذاتی قدرت میں ہے یا حانث ہونے کے قصد سے کسی کے نام کی قسم کھانا یہ تمام امور شرک ہیں)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے لکھا ہے کہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی یہ بھی شرک ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰)

یہ تعریف دو وجہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ شرک کا تعلق کسی چیز کو سمجھنے اور جاننے سے نہیں ہے' ماننے اور اعتقاد کرنے سے ہے' ثانیاً" اس وجہ سے کہ کوئی کسی شخص کو دور سے پکارے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو خبر ہو گئی۔ یہ اس وقت شرک ہو گا جب وہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ بے عطائے غیر مستقل سننے والا ہے' شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ کی اس سلسلہ میں بہت محتاط عبارت ہے وہ لکھتے ہیں :

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل

عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں' مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا' یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ' پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہٖ نہ شرک نہ معصیت۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸' مطبوعہ ناشران محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اسی طرح مفتی محمد شفیع نے کسی کو سجدہ کرنا بھی شرک لکھا ہے' جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے' سجدہ عبودیت شرک ہے اور سجدہ تعظیم ہماری شریعت میں حرام ہے سابقہ شریعتوں میں جائز تھا۔

کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا بھی شرک لکھا ہے' جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے اگر عبادت کی نیت سے قبر کا طواف کرے اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے تو یہ شرک ہے اور اگر تعظیم کی وجہ سے طواف کرے جیسا کہ اکثر جاہل مسلمان کرتے ہیں تو یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا' اس کو بھی شرک لکھا ہے' جب کہ عبادت کی نیت سے شرک ہے خواہ حد رکوع تک ہو یا اس سے کم ہو اور تعظیم کی نیت سے حد رکوع تک جھکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے' حالانکہ ان کو صرف موثر حقیقی ماننا شرک ہے' نیز ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا شرک نہیں ہوتا اعتقاد اور ماننا شرک ہوتا ہے' اور اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ستارے نظام عالم میں اللہ کی قدرت کی علامات ہیں اور مثلاً کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو یہ کفر نہیں ہے۔ البتہ مکروہ ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۵۹' مطبوعہ کراچی)

اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰) اس سے قطع نظر کرکے کہ سمجھنے کا شرک سے تعلق نہیں ہے' نحوست کا اعتقاد شرک نہیں ہے بلکہ خلاف واقع اور خلاف شرع ہے رسول اللہ ﷺ نے بدشگونی لینے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کسی نے کسی چیز کو منحوس سمجھا تو وہ گنہ گار ہو گا مشرک نہیں ہو گا۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک کے سوا ہر گناہ بخش دیا جائے گا خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ اس پر توبہ کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو' اور اس آیت میں معتزلہ اور خوارج کا صراحۃً رد ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے رب کے پاس سے آنے والے نے مجھے بشارت دی کہ میری امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو آپ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۱۲۳۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۴' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۴۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے یقیناً بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

(النساء : ۴۸)

اس کا معنی ہے جس شخص نے ایسا گناہ کیا جس کی مغفرت نہیں کی جائے گی اور وہ شرک ہے' اور اس کا دوسرا معنی ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ افتری کا لفظ فری سے ماخوذ ہے فری کا معنی ہے قطع کرنا اور جیسے کسی چیز کو کاٹا جائے

وہ عموماً فاسد ہو جاتی ہے اس لیے افتری کا معنی بہ طور غلبہ کے فساد ہو گیا اور قرآن مجید میں یہ لفظ ظلم' کذب اور شرک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۵۰)

اپنی پاکیزگی اور فضیلت بیان کرنے کی ممانعت

تزکیہ کا معنی ہے صفاء باطن اور اس آیت میں جو اپنے تزکیہ سے منع فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے متعلق یہ نہ کہو کہ ہم گناہوں سے پاک ہیں اور اپنی تعریف اور ستائش نہ کرو۔ امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے' ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ صرف اتنے ہیں جتنے ہمارے نوزائیدہ بچوں کے گناہ ہوتے ہیں جس دن وہ پیدا ہوئے ہوں اگر ان کے گناہ ہیں تو ہمارے بھی گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو یہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جن سے اپنی پاکیزگی اور اپنی تعریف کا اظہار ہوتا ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زینب کا نام برہ (نیکی کرنے والی) تھا ان سے کہا گیا کہ تم اپنی پارسائی بیان کرتی ہو! تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۴۱)

محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا' تو مجھ سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع کیا ہے میرا نام برہ رکھا گیا تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی پارسائی نہ بیان کرو اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے' مسلمانوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۴۲' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۱۹۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چار نام اپنے بیٹوں کے نہ رکھو افلح (بہت فلاح پانے والا) رباح (نفع حاصل کرنے والا) یسار (آسانی کرنے والا) نافع (نفع پہنچانے والا) (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۳۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

مقدام بن شریح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ نے سنا کہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت کے ساتھ پکار رہے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا : اللہ تعالیٰ ہی حکم (فیصلہ کرنے والا) ہے اور اسی کی طرف حکم راجع ہوتا ہے۔ تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے' انہوں نے کہا جب میری قوم کا آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں' اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بہت اچھی بات ہے تمہاری اولاد بھی ہے؟ اس نے کہا میرے تین بیٹے ہیں شریح' مسلم اور عبداللہ' آپ نے فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح' آپ نے فرمایا تو تم ابوالشریح ہو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۹۵۵' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۴۰۲' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۸۱۳' المستدرک ج ۱ ص ۲۴)

جس شخص کا کسی شخص یا کسی چیز کے ساتھ زیادہ اشتغال ہو وہ اس کے ساتھ کنیت رکھ لیتا ہے' مثلاً حضرت ابوہریرہ کا بلی سے زیادہ اشتغال تھا تو ان کی کنیت ابوہریرہ رکھ دی' ابو کا معنی والا یا صاحب ہے اور ابوہریرہ کا معنی بلی والا ہے' ابوالشریح کا معنی شریح والا ہے' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات کے ساتھ کنیت نہیں رکھنی چاہیے اس اعتبار سے ابوالاعلیٰ کنیت بھی صحیح نہیں ہے۔

غرض صحیح کی بناء پر اپنی پاکیزگی اور اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز

قرآن مجید اور ان احادیث میں اپنی پارسائی اور بڑائی بیان کرنے سے منع فرمایا ہے یہ اس وقت ہے جب انسان کسی پر اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اپنی بڑائی بیان کرے' لیکن جب اس سے اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو یا جب کسی جگہ اپنی پاک دامنی کا اظہار کرنا مقصود ہو یا کسی عیب اور الزام سے اپنی براءت بیان کرنا مطلوب ہو یا اپنا حق اور اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے محاد بیان کرنے مقصود ہوں تو پھر اپنے محامد اور اپنے فضائل اور اپنی براءت اور پاکیزگی کو بیان کرنا جائز ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں ہے' اور حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور فخر نہیں ہے' اور تمام بنی آدم ہوں یا ان کے غیر سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۱۴۸' ۳۶۱۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۳۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں ان کے سامنے حاضر تھا' حضرت عثمان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو وہاں چاہ رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا' آپ نے فرمایا چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے کون وقف کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس سے بہتر چیز لے گا! تو اس کنویں کو میں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا تھا اور آج تم نے مجھ پر اس کنویں کا پانی بند کر دیا ہے اور میں سمندر کا کھاری پانی پی رہا ہوں' لوگوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے کہا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ جب مسجد نمازیوں سے تنگ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : فلاں شخص کی زمین کو خرید کر مسجد کے ساتھ کون لاحق کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس کو اس سے بہتر چیز مل جائے گی! تو میں نے اپنے ذاتی مال سے زمین کو خریدا اور آج تم مجھ کو اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی منع کرتے ہو! انہوں نے کہا : اے اللہ ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں نے جیش العسرۃ (غزوہ تبوک کے لشکر) کے لیے مالی مدد فراہم کی تھی' انہوں نے کہا اے اللہ!

ہاں، حضرت عثمان نے کہا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک پہاڑ ثبیر پر تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور میں تھا، پہاڑ ہلنے لگا، حتی کہ اس کے پتھر نشیب میں گرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا: اے ثبیر ساکن ہو جا تجھ پر صرف نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں، انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں! حضرت عثمان نے کہا اللہ اکبر! انہوں نے میرے حق میں گواہی دی ہے اور تین بار کہا رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۰۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۶۰۵، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۸، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۶۲۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی غرض صحیح کی بناء پر اپنے فضائل بیان کرنا جائز ہے، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جو اپنی پاکیزگی اور تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے اس کا محمل یہ ہے کوئی شخص یہ نہ بیان کرے کہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اس کا یہ درجہ ہے اور جنت میں یہ مقام ہے اور وہ اخروی عذاب سے بری ہے، اور یہود یہی کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو گا اور اگر ہوا بھی تو صرف چالیس دن ہو گا، اور اس سے اس لیے منع فرمایا کہ آخرت کا حال غیب ہے اور غیب کا علم نبی ﷺ کے خبر دیئے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا، اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ براہ راست مطلع فرماتا ہے، یا فرشتہ کی وساطت سے آپ کو مطلع فرماتا ہے، اور جو دنیاوی فضائل ہیں یا نبی ﷺ کے بتلانے سے جن درجات کا علم ہوا ان کا ضرورت کے وقت بیان کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دیکھئے یہ لوگ کس طرح اللہ پر عمداً جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے۔ (النساء: ۵۰)

اللہ پر عمداً جھوٹ باندھنے سے مراد ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک گناہوں سے پاک ہیں، حالانکہ وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ اس کے محبوب ہیں نہ گناہوں سے پاک ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ بت اور شیطان پر ایمان

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ

لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ

زیادہ صحیح راستہ پر ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا

کرے تو (اے مخاطب) تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا ○ یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں

لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ

کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے ○ یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے

اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ

ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے، تو بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا

الْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ

کی تھی اور ہم نے ان کو ملکِ عظیم عطا کیا تھا ○ سو ان میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لائے

مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور بعض لوگوں نے اس سے منہ موڑا، اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے ○ بیشک جن لوگوں نے ہماری

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

آیتوں کا انکار کیا ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈال دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا

ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو (ہمیشہ) چکھتے رہیں، بیشک اللہ بہت غالب

حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ

مُّطَهَّرَةٌ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الربع

بیویاں ہیں، اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے ○ بیشک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں

الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا

کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ

بِالْعَدْلِؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا

کرو بیشک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے بیشک اللہ سننے والا، دیکھنے

بَصِیْرًا(۵۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

والا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ

اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول

وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ

کی طرف لوٹا دو بشرطیکہ تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے

خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠(۵۹) ع ۸ ۹ ۵

اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

(النساء : ۵۱)

جبت اور طاغوت کا معنی

ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے وہ جبت ہے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۶۴) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جبت سے مراد بت ہیں اور طاغوت سے مراد بتوں کے ترجمان ہیں جو بتوں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور بتوں کی طرف منسوب کر کے لوگوں سے جھوٹی اور من گھڑت باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں، حضرت عمر نے فرمایا جبت سے مراد ساحر ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مجاہد نے کہا طاغوت سے مراد وہ شیطان ہے جو انسان کی صورت میں آتا ہے اور لوگ اس کے پاس اپنے مقدمات پیش کرتے ہیں، مجاہد نے ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ طاغوت سے مراد کاہن ہے اور جبت سے مراد ساحر ہے، حضرت ابن عباس سے ایک تفسیر یہ ہے کہ جبت سے مراد ایک یہودی عالم حی بن اخطب ہے اور طاغوت سے مراد ایک یہودی سردار اور عالم کعب بن اشرف ہے۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۸۴۔ ۸۳)

امام رازی نے بیان کیا ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن الاشرف چند یہودیوں کے ساتھ مکہ گئے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کفار قریش کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے۔ قریش نے کہا تم اہل کتاب ہو اور ہماری بہ نسبت تم (سیدنا) محمد (ﷺ) کے زیادہ قریب ہو۔ ہم تمہاری بات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہیں کرو گے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں سو انہوں نے بتوں کو سجدہ کرلیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعض اہل کتاب جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں' پھر ابوسفیان نے پوچھا : یہ بتاؤ کہ ہم زیادہ ہدایت کے طریقہ پر ہیں یا (سیدنا) محمد (ﷺ) تو کعب نے پوچھا (سیدنا) محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ قریش نے کہا وہ کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو' بتوں کی عبادت نہ کرو اور انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کردیا ہے اور لوگوں میں جدائی ڈال دی ہے' کعب نے پوچھا اور تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم بیت اللہ کے محافظ ہیں' حجاج کو پانی پلاتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تو کعب بن اشرف نے کہا تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہودی اہل کتاب کافروں کے متعلق کہتے ہیں یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے مخاطب) تو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء : ۵۲)

چونکہ یہودیوں نے بت پرستوں کو موحدین پر فضیلت دی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی' اور اللہ کی لعنت کا معنی ہے ان کو اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کردیا جائے' اور یہ ان پر دنیا میں لعنت ہے یہ جہاں کہیں بھی ہوں لعنتی رہیں گے اور آخرت میں ان پر زیادہ لعنت ہو گی جس دن کوئی شخص کسی کافر کے کام نہیں آسکے گا' اس کے برخلاف مومنوں کو اللہ کا قرب حاصل ہو گا۔

یہود کے بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے' اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے۔ (النساء : ۵۳)

یہاں سے یہود کی برائیوں کا بیان شروع کیا گیا ہے' اس آیت کا معنی ہے ان کا ملک میں کوئی حصہ نہیں ہے' یہود کہتے تھے کہ آخر زمانہ میں ملک ان کی طرف لوٹ آئے گا اس آیت میں ان کے اس دعویٰ کا رد ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملک سے مراد نبوت ہو' یعنی ان کے لیے نبوت سے کوئی حصہ نہیں ہے حتیٰ کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور اتباع لازم ہو' پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا بعد کے جملہ کے ساتھ ربط ہے کیونکہ اگر ان کا ملک ہوتا یا اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے' یعنی ضرورت مندوں کو کچھ نہ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے' تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا۔ (النساء : ۵۴)

یہود کے حسد کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بخل کی مذمت کی تھی اور اس آیت میں ان کے حسد کی مذمت کی

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنے فضل سے جو نعمت عطا فرمائی تھی یہود اس پر حسد کرتے تھے' وہ کس نعمت پر حسد کرتے تھے اس میں اختلاف ہے' قتادہ نے کہا ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل سے آخری نبی مبعوث فرمایا تو وہ اس پر حسد کرنے لگے' اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہود نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) اس قدر تواضع کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نکاح میں اتنی ازواج ہیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۸)

لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس آیت کے دوسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ سے حسد کیوں کرتے ہیں یہ نعمت تو حضرت ابراہیم کی آل کو بھی ملی تھی اور ان کو بھی مل چکی ہے۔

اس آیت میں کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور وہ تورات' انجیل اور زبور اور دیگر صحائف کو شامل ہے اور حکمت سے مراد نبوت ہے یا وہ اسرار ہیں جو اللہ کی کتاب میں ودیعت کیے گئے ہیں' حضرت ابراہیم کی آل میں نبی اور رسول مبعوث کیے گئے جن کو یہ کتابیں اور حکمتیں دی گئیں اور وہ سب ان یہودیوں کے آباء اور اسلاف تھے' اور ان کے آباء اور اسلاف کو ملک عظیم بھی دیا گیا جیسے حضرت یوسف' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو ملک دیئے گئے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے لیے بہت زیادہ بیویاں حلال کی گئی تھیں۔ پھر سیدنا محمد ﷺ پر یہ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام ابوداؤد نے سنن میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے روایت کیا ہے کہ ملک عظیم سے مراد عورتوں سے نکاح ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے کثرت ازدواج کس طرح باعث اعتراض ہو گا!

اور حاکم نے مستدرک میں محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۳' مطبوعہ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان میں سے بعض لوگ ابراہیم پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے ان سے منہ موڑا اور (ان کے لیے) بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے۔ (النساء : ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یا ان کی آل میں سے جو انبیاء اور رسول مبعوث ہوئے ان پر سب لوگ ایمان نہیں لائے' بعض ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے تو جب بعض کا ایمان نہ لانا حضرت ابراہیم کی نبوت اور ان کی نسل میں سے دوسرے انبیاء کی نبوت کے لیے موجب نقصان نہیں ہے تو اگر کچھ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے آپ کی نبوت اور رسالت میں کیا فرق پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو عنقریب آگ میں جھونک دیں گے جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو ہمیشہ چکھتے رہیں۔ (النساء : ۵۶)

دوزخ میں جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدلنے پر تعذیب بلا معصیت کی بحث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ کافروں کی کھال چالیس ہاتھ موٹی ہوگی اور ان کا دانت ستر ہاتھ بڑا ہوگا' اور ان کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں پہاڑ سما جائے۔

حسن بیان کرتے ہیں ایک دن میں ستر ہزار بار ان کی کھال جلے گی اور بدل جائے گی۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۹۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی' اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۵۱)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ ایک تیز رفتار سوار تین دن میں طے کرتا ہے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۵۲)

قرآن مجید کی اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کافر کی کھال جلنے کے بعد اس کو نئی کھال دی جائے گی اور اس کو عذاب دیا جائے گا تو یہ تعذیب بلا معصیت ہے کیونکہ اس نئی کھال نے تو کوئی گناہ نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور جسم اور اس کے اجزاء تو روح تک عذاب پہنچانے کے آلات ہیں' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ مذہب یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

روح اور جسم دونوں پر عذاب کی دلیل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے' آپ ہم سے آملے اس وقت ہم نے نماز میں تاخیر کر دی تھی' ہم نے وضوء کیا اور پیروں پر مسح کر لیا' تو آپ نے دو یا تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا : (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہوگا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روح اور بدن دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

نیز علامہ محمد بن احمد سفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں :

امت کے تمام متقدمین اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

تعذیب بلا معصیت کے اشکال کے صحیح جوابات

اس لیے اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ کھال کے جل کر پکنے کا معنی ہے اس کا سیاہ پڑ جانا' اور اس کو دوسری کھال سے بدلنے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کھال کا رنگ اپنی قدرت کاملہ سے سفید کر دے گا' جیسے دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور صحت مند ہونے کے بعد اسی چہرہ کا رنگ نکھر کر تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح سنار ایک انگوٹھی کو توڑ کر یا اس کو پگھلا کر اسی مادہ سے دوسری نئی صورت کی

انکو بھی بنا دیتا ہے' اسی طرح بلا تشبیہ و تمثیل اللہ تعالیٰ ایک کھال کو جلا کر اس سے نئی کھال پیدا کر دے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں عذاب بدن کے اجزاء اصلیہ اور روح کو ہوتا ہے اور وہ ختم نہیں ہوتے باقی اعضاء کا جل جانا اور دوبارہ بن جانا صرف روح اور اجزاء اصلیہ تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

اور جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے دانت' اس کی کھال اور دیگر اعضاء کی جسامت بڑھ جاتی ہے ان پر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ جس دانت نے گناہ کیا تھا وہ تو احد پہاڑ جتنا نہیں تھا اس دانت کے ساتھ جو اضافہ کیا گیا ہے اس پر عذاب بغیر کسی معصیت کے ہو گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی اجزاء اور اعضاء کو کسی اضافہ کے بغیر اتنا بڑا کر دے گا' یا زائد حصہ کو عذاب نہیں ہو گا اور کافر کی شکل قبیح بنانے کے لیے اس کے اعضاء کو بڑا کر دیا جائے گا اور صحیح جواب یہی ہے کہ اصل عذاب بدن کے اجزاء اصلیہ اور روح کو ہو گا یہ اضافات تو ان اجزاء تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

روح اور جسم دونوں کے مستحق عذاب ہونے کی ایک مثال

عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اس سلسلہ میں علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے علامہ سفیری کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن روح اور بدن میں بحث ہو گی' روح جسم سے کہے گی کہ گناہ تم نے کیے ہیں میں تو ایک ہوا کی مانند تھی اگر تم نہ ہوتے تو میں کوئی عمل نہیں کر سکتی تھی' اور جسم کہے گا تم نے مجھے کام کرنے کا حکم دیا تھا اگر تم نہ ہوتیں تو میں درخت کے تنے کی طرح ہوتا اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کو بھی حرکت نہ دیتا' تب اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا وہ کہے گا تم دونوں کی مثال ایک لنگڑے اور ایک اندھے کی ہے یہ دونوں ایک باغ میں گئے لنگڑے نے اندھے سے کہا میں یہاں پھل دیکھ رہا ہوں لیکن ان کو توڑ نہیں سکتا' تو اندھے نے کہا تم مجھ پر سوار ہو جاؤ پھر جہاں پھل ہوں تم دیکھ کر توڑ لینا' سو دونوں مجرم ہیں اور دونوں سزا کے مستحق ہیں لنگڑا بہ منزلہ روح ہے اور اندھا بہ منزلہ جسم ہے' علامہ آلوسی نے اس مثال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اندھے اور لنگڑے دونوں کو شعور ہے اور یہاں صرف روح کو شعور ہے جسم کو شعور نہیں ہے' پھر اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے جسم کو شعور ہو اور ہم کو اس کا پتا نہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میرے نزدیک اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ مثال صرف مسئلہ کی تفہیم کے لیے ہوتی ہے اس کا ممثل لہ سے بالکلیہ مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ (النساء : ۵۷)

اخروی نعمتوں کے لیے نیک اعمال چاہئیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وعد کے بعد وعید یا وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے' اس لیے پہلے آخرت میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اب آخرت میں مومنوں کے ثواب کا ذکر فرمایا۔

اس آیت میں کئی مسائل ہیں ایک یہ کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں' کیونکہ اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف

مغایرت کو چاہتا ہے' دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اخروی انعامات کو ابتداء" حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں اس کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے۔ قاعدہ یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے جس کو چاہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ کردے۔ جنت میں دوام کا ذکر فرمایا اس میں جہم بن صفوان اور ان جیسے لوگوں کا رد ہو گیا جن کے نزدیک جنت میں ثواب اور دوزخ میں عذاب فانی ہے' پاکیزہ بیویوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی۔ جنت میں دھوپ نہیں ہوگی اس کے باوجود جنت میں سائے کا ذکر فرمایا کیونکہ یہاں سائے سے مراد آرام اور سکون ہے جس شخص کو جلتے ہوئے ریگستان میں سایہ میسر آجائے تو وہ اس کے لیے بہت بڑی راحت ہوتا ہے سو یہاں بھی گھنے سائے سے مراد راحت اور آرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کردو' اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے' بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (النساء : ۵۸)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعد کا ذکر فرمایا' اس کے بعد پھر احکام تکلیفیہ کا ذکر شروع فرمایا' نیز اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ ان کی کتاب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ ان کو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے اور اس میں خیانت کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا۔ امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے خواہ مذاہب میں ہو' عقائد میں ہو معاملات میں ہو یا عبادات میں ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' فتح مکہ کے دن جب نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس سے کعبہ کی چابیاں لے لیں پھر آپ بیت اللہ کے باہر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آئے' پھر آپ نے عثمان کو بلایا اور انہیں چابیاں دے دیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۲)

امانت ادا کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۚ (البقرہ : ۲۸۳)

پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کی امانت ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الانفال : ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم کو علم ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۔ (المؤمنون : ۸)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانت ادا کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو' سائل نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو' اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۳۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۲۶۸' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۵۹۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے ماسوا اس کے کہ کسی کا ناجائز خون بہانا ہو' یا کسی کی آبروریزی کرنی ہو یا کسی کا مال ناحق طریقہ سے حاصل کرنا ہو (یعنی اگر ایسی بات ہو تو اس کی صاحب حق کو اطلاع دے کر خبردار کرنا چاہیے) (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۶۹)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو وضو نہ کرے اس کا ایمان نہیں۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۵۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں' جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو امانت ادا کرو' جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو' جب تم بات کرو سچ بولو' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔
(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی وہ حیا اور امانت ہیں' سو تم اللہ عزوجل سے ان کا سوال کرو۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۷۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی شخص کی نماز اور روزے سے تم دھوکے میں نہ آنا' جو چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے روزے رکھے لیکن جو امانت دار نہیں ہے وہ دین دار نہیں ہے۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۷۹)

اللہ کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یا مخلوق کے ساتھ اور ہر معاملہ کے ساتھ اس پر لازم ہے کہ وہ اس معاملہ کو امانت داری کے ساتھ کرے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام بجالائے اور جن چیزوں سے اللہ نے اس کو منع کیا ہے ان سے رک جائے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہر چیز میں امانت داری لازم ہے۔ وضو میں' جنابت میں' نماز میں' زکوٰۃ میں اور روزے میں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان میں شرم گاہ پیدا کی اور فرمایا میں اس امانت کو تمہارے پاس چھپا کر رکھ رہا ہوں' اس کی حفاظت کرنا' ہاں اگر اس کا حق ادا کرنا ہو' یہ بہت وسیع معاملہ ہے' زبان کی امانت

یہ ہے کہ اس کو جھوٹ' چغلی' غیبت' کفر' بدعت اور بے حیائی کی باتوں میں نہ استعمال کرے' آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس سے حرام چیز کی طرف نہ دیکھے۔ کان کی امانت یہ ہے کہ اس سے موسیقی' فحش باتیں' جھوٹ اور کسی کی بدگوئی نہ سنے' نہ دین اور خدا اور رسول کے خلاف باتیں سنے' ہاتھوں کی امانت یہ ہے کہ ان سے چوری' ڈاکہ' قتل' ظلم اور کوئی ناجائز کام نہ کرے' منہ میں لقمہ حرام نہ ڈالے' اور پیروں کی امانت یہ ہے کہ جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہاں نہ جائے اور تمام اعضاء سے وہی کام لے جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب : ۷۲)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

خلق خدا کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

تمام مخلوق کی امانت کو ادا کرنا' اس میں یہ امور داخل ہیں : اگر کسی شخص نے کوئی امانت رکھوائی ہے تو اس کو واپس کرنا' ناپ تول میں کمی نہ کرنا' لوگوں کے عیوب بیان نہ کرنا' حکام کا عوام کے ساتھ عدل کرنا' علماء کا عوام کے ساتھ عدل کرنا بایں طور کہ ان کی صحیح رہنمائی کرنا' تعصب کے بغیر اعتقادی مسائل کو بیان کرنا' اس میں یہود کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے جو دلائل تورات میں مذکور ہیں ان کو نہ چھپائیں' اور بیوی کے لیے ہدایت ہے کہ شوہر کی غیرموجودگی میں اس کی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور جس شخص کا گھر میں آنا اسے ناپسند ہو اس کو نہ آنے دے' تاجر ذخیرہ اندوزی نہ کریں۔ بلیک مارکیٹ نہ کریں' نقلی دوائیں بنا کر لوگوں کی جان سے نہ کھیلیں' کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ نہ کریں' ٹیکس نہ بچائیں' اسمگلنگ کر کے کسٹم ڈیوٹی نہ بچائیں۔ سودی کاروبار نہ کریں۔ ہیروئن' چرس اور دیگر نشہ آور اور مضر صحت اشیاء کو فروخت نہ کریں' بیوروکریٹس رشوت نہ لیں' سرکاری افسران اپنے محکمہ سے ناجائز مراعات حاصل نہ کریں' ڈیوٹی پر پورا وقت دیں' دفتری اوقات میں غیرسرکاری کام نہ کریں۔ آج کل شناختی کارڈ' پاسپورٹ مختلف اقسام کے لائسنس اور ٹھیکہ داروں کے بل غرض کوئی کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا جب ان کاموں کا کرنا ان کی سرکاری ڈیوٹی ہے تو بغیر رشوت کے یہ کام نہ کرنا سرکاری امانت میں خیانت ہے' اسی طرح ایک پارٹی کے ممبر کو عوام اس پارٹی کی بنیاد پر ووٹ دیتے ہیں ممبر بننے کے بعد وہ رشوت لے کر لوٹاکریسی کی بنیاد پر پارٹی بدل لیتا ہے تو وہ بھی عوام کے انتخاب اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے' حکومت کے ارکان اور وزراء جو قومی خزانے اور عوام کے ٹیکسوں سے بلاوجہ غیر ملکی دوروں پر غیر ضروری افراد کو اپنے ساتھ لے جا کر اللے تللے اور عیاشیاں کرتے ہیں وہ بھی عوام کی امانت میں خیانت کرتے ہیں' اسکول اور کالجز میں اساتذہ اور پروفیسر حضرات پڑھانے کی بجائے گپ شپ کر کے وقت گزار دیتے ہیں۔ یہ بھی امانت میں خیانت ہے' اسی طرح تمام سرکاری اداروں میں کام نہ کرنا اور بے جا مراعات حاصل کرنا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو نوازنا' کسی اسامی پر رشوت یا سفارش کی وجہ سے نااہل کا تقرر کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے' کسی دنیاوی منفعت کی وجہ سے نااہل کو ووٹ دینا یہ بھی خیانت ہے۔ اگر ہم گہری نظر سے جائزہ لیں تو ہمارے پورے معاشرہ میں خیانت کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور ہر شخص اس نیٹ ورک میں جکڑا ہوا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال ہو گا' حاکم نگہبان ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق جواب طلبی ہو گی' اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنے اہل کے متعلق جواب طلبی ہو گی' اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے امور خانہ کے متعلق جواب طلبی ہو گی' نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور تم میں سے ہر شخص (کسی نہ کسی چیز کا) نگہبان ہے اور اس سے اس چیز کے متعلق جواب طلبی ہو گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۸۹۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۲۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۹۲۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۷۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا حالانکہ اس کی جماعت میں اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بندہ تھا تو بنانے والے نے اللہ' اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی' اس حدیث کی سند صحیح ہے' لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۹۳۔ ۹۲)

علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا حالانکہ وہ شخص جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۷۹)

ان دونوں حدیثوں کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا' اور جس شخص نے اپنے بھائی کی رہنمائی کسی چیز کی طرف کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ اہلیت اور صلاحیت اس کے غیر میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۶۵۷)

اپنے نفس کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا اپنے نفس کے ساتھ امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اس چیز کو پسند کرے جو دین اور دنیا میں اس کے لیے زیادہ مفید اور نفع آور ہو' اور غلبہ غضب اور غلبہ شہوت کی وجہ سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے مآل کار دنیا میں اس کی عزت و ناموس جاتی رہے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو' انسان کی زندگی اور صحت اس کے پاس اللہ کی امانت ہے وہ اس کو ضائع کرنے کا مجاز نہیں ہے' اس لیے سگریٹ پینا' چرس' ہیروئن اور کسی اور طرح تمباکو نوشی کرنا' افیون کھانا' یہ تمام کام صحت اور انسانی زندگی کے لیے مضر ہیں' اسی طرح شراب پینا یا کوئی اور نشہ آور مشروب کھانا اور پینا'

نشہ آور دوائیں استعمال کرنا یہ بھی انسان کی صحت کے لیے مضر ہیں اور آخرت میں عذاب کا باعث ہیں' اور یہ تمام کام اپنے نفس کے ساتھ خیانت کے زمرہ میں آتے ہیں' ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنا' لوگوں پر ظلم کرنا یہ بھی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ خیانت کرنا ہے' فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اور حرام کاموں کا ارتکاب کر کے خود کو عذاب کا مستحق بنانا یہ بھی اپنی ذات کے ساتھ خیانت ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور اپنے گھر والوں کو بھی نیک بنائے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم : ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اگر کوئی شخص خود نیک ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ ہے لیکن اس کے گھر والے اور اس کے ماتحت لوگ بدکار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور وہ ان کو برے کام ترک کرنے اور نیک کام کرنے کا حکم نہیں دیتا تب بھی وہ بری الذمہ نہیں ہے اور اخروی عذاب کا مستحق ہے اور اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص ان کے متعلق جواب دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (النساء : ۵۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو حاکم بنایا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے' ہم اس جگہ قضاء کے متعلق احادیث بیان کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں قضاء کے متعلق کیا ہدایات ہیں :

قضاء کے آداب اور قاضی کے ظلم اور عدل کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا' آپ نے پوچھا تم کیسے فیصلہ کرو گے' انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا' آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں (مطلوبہ حکم) نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا' آپ نے پوچھا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں مطلوبہ حکم نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا' آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو توفیق دی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۹۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بجستان میں اپنے بیٹے کی طرف خط لکھا کہ تم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا' کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کوئی شخص غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۷۱۵۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۱۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس دو شخص مقدمہ پیش کریں تو جب تک تم دوسرے شخص کا موقف نہ سن لو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرو۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۶' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۸۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۳۱۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہو گا اور دو دوزخ میں ہوں گے' جنت میں وہ قاضی ہو گا جو حق کو پہچان لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے' اور جو حق کو پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کرے وہ دوزخ میں ہو گا' اور جو شخص جہالت سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے وہ بھی دوزخ میں ہو گا۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۷۳)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور غلط نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۷۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے نزدیک سب سے مقرب شخص امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے دور امام ظالم ہو گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۴)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قاضی ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے۔ (سنن ترمذی : ۱۳۳۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں کرتا جس میں اس کے کمزور کا حق اس کے طاقت ور سے نہ لیا جائے۔ (اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں المثنیٰ بن صباح ہے یہ ضعیف راوی ہے' ایک روایت میں ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور ایک روایت میں کہا ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اس کو ترک نہیں کیا جائے گا' اور دوسروں کے نزدیک یہ متروک ہے۔)

(کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۱۳۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۴۱)

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس دن کسی کا سایہ نہیں ہو گا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے۔ عدل کرنے والا حاکم' وہ شخص جو اللہ کی عبادت میں جوان ہوا' جس کا دل مسجدوں میں معلق رہا' وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملیں اور اللہ کی محبت میں جدا ہوں' وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو بہیں' وہ شخص جس کو خوب صورت اور بااختیار عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں' وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا دیا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۶۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۰۳۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۳۹۱' صحیح ابن خزیمہ' رقم الحدیث : ۳۵۸' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۲۴۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۴۶۹' سنن کبریٰ للبیہقی : ج ۳

ص ۶۵ شعب الایمان رقم الحدیث : ۷۳۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : چار آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے : جو بہت قسمیں کھا کر سودا بیچے۔ متکبر فقیر بوڑھا زانی اور ظالم حاکم۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث : ۵۵۳۲ شعب الایمان رقم الحدیث : ۷۳۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدل کرنے والے حاکم کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین میں حد کو قائم کرنا اس زمین پر چالیس روز کی بارش سے زیادہ نفع آور ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث : ۱۱۹۳۲ سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۲ شعب الایمان رقم الحدیث : ۷۳۷۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو بہ شرطیکہ تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔ (النساء : ۵۹)

کتاب سنت اجماع اور قیاس کی حجیت پر استدلال

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ کتاب سنت اجماع اور قیاس اطیعوا اللہ سے مراد کتاب اللہ کے احکام ہیں۔ اطیعوا الرسول سے مراد سنت ہے اور اولی الامر منکم سے مراد اجماع ہے یعنی ہر زمانہ کے علماء حق کی اکثریت کیونکہ علماء حق کی اکثریت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی اور فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول اس سے مراد قیاس ہے یعنی جس مسئلہ کی کتاب اور سنت میں صاف تصریح نہ ہو اس کی اصل کتاب اور سنت سے نکال کر اس کو کتاب اور سنت کی طرف لوٹا دو اور اس پر وہی حکم جاری کر دو۔

اولی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال اور مصنف کا مختار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اولی الامر منکم" سے مراد امراء اور حکام ہیں ابن وہب نے کہا اس سے مراد سلاطین ہیں مجاہد نے کہا اس سے مراد اصحاب فقہ ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد اہل دین اور اہل فقہ ہیں یعنی دیندار علماء عطاء بن سائب نے کہا اس سے مراد صاحبان علم اور اصحاب فقہ ہیں حسن بصری نے کہا اس سے مراد علماء ہیں مجاہد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اور حکام ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے (ان میں) نیک حاکم بھی ہوں گے اور فاسق بھی تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اگر وہ نیک کام کریں گے تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں گے تو تم کو نفع ہو گا اور ان کو ضرر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان شخص پر حکم کی اطاعت لازم ہے خواہ اس کو وہ حکم پسند ہو یا ناپسند ہاں اگر اس کو اللہ کی معصیت کا حکم دیا جائے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۵ - ۹۳ ملخصا مطبوعہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا "اولی الامر منکم" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں (۱) خلفاء راشدین (۲) عہد رسالت میں لشکروں کے حاکم (۳) وہ علماء حق جو احکام شرعیہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں

یہ قول حضرت ابن عباس ' حسن بصری اور مجاہد سے مروی ہے اور روافض سے مروی ہے کہ اس سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۴۳ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ "اولی الامر منکم" سے مراد علماء حق ہیں جو قرآن اور سنت سے مسائل استنباط کرتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں فتوے دیتے ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے :

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ (النسآء : ۸۳)

اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو اس کا (حل) وہ لوگ ضرور جان لیتے جو ان میں سے کسی مسئلہ کو مستنبط کر سکتے ہیں۔

اور خلفاء راشدین کے دور کے بعد ہر زمانہ میں مسلمان ' امراء اور حکام کے مقابلہ میں ائمہ فتویٰ کی پیروی کرتے ہیں۔ آج بھی اگر عدالت کسی عورت کا یک طرفہ فیصلہ کرکے اس کا نکاح فسخ کر دیتی ہے تو مسلمان اس فیصلہ کو ائمہ فتویٰ کے پاس لے جاتے ہیں اگر وہ اس کی تائید کر دیں تو اس فیصلہ پر عمل کرکے عورت کا نکاح کر دیتے ہیں ورنہ نہیں کرتے ' اور خلفاء راشدین خود اصحاب علم اور ائمہ فتویٰ تھے اس سے معلوم ہوا کہ "اولی الامر منکم" سے مراد ہر دور میں ائمہ فتویٰ اور علماء اور فقہاء ہی ہیں۔

اللہ اور رسول کی اطاعت مستقل ہے اور اولی الامر کی اطاعت بالتبع ہے

اس آیت میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فرمایا ہے اور "اولی الامر منکم" سے پہلے "اطیعوا" کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کا پہلے اطیعوا پر عطف کیا گیا تاکہ ان کی اطاعت بالتبع ہو اس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ کی مستقل اطاعت ہے اور رسول کی بھی مستقل اطاعت ہے اور علماء اور حکام کی مستقل اطاعت نہیں ہے جب ان کے احکام اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں تو ان کی اطاعت ہے ورنہ نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنا دیا اس نے آگ جلائی اور لشکر سے کہا اس میں داخل ہو جاؤ ' بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا دوسروں نے کہا ہم آگ ہی سے بھاگ کر (اسلام میں) آئے ہیں ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو جن لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس آگ ہی میں رہتے اور دوسروں کی آپ نے تعریف کی اور فرمایا اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اطاعت صرف نیکی میں ہے۔ (صحیح مسلم ' رقم الحدیث : ۱۸۴۰)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اقوال صحابہ پر مقدم ہیں

نیز اس آیت میں فرمایا : پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات باقی تمام لوگوں پر مقدم ہیں ' ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لیے تیمم کو مشروع کیا ہے اس لیے جمہور صحابہ ' فقہاء تابعین اور مجتہدین اسلام نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی جلالت شان کے باوجود ان کے قول کو قبول نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو مقدم رکھا۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی' ہائے میرے صاحب' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے صہیب تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۷) جب حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت عمر کا یہ قول بیان کیا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے' خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الزمر : ۷) (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک یہودیہ (کی قبر) سے ہوا جس پر لوگ رو رہے تھے' آپ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام قاعدہ نہیں بیان کیا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے کیونکہ کسی کے گناہ کا دوسرے کو عذاب نہیں ہوتا' بلکہ آپ نے ایک خاص واقعہ میں ایک یہودی عورت کے متعلق یہ فرمایا تھا' مرتبہ صحابیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ ہے لیکن حضرت عائشہ نے اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا۔

اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان حج تمتع سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ حج تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے اس لیے جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین اور علماء اسلام نے آپ کی سنت ثابتہ کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہیں کیا : مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا' حضرت عثمان تمتع اور حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کرتے تھے' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو آپ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور کہا لبیک بعمرۃ و حجۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کسی کے قول کی بناء پر ترک نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۵۶۳)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن نازل ہوتا رہا اور ایک شخص نے اپنی رائے سے جو کہا سو کہا۔ (صحیح البخاری : رقم الحدیث : ۱۵۷۱)

سالم بن عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ اہل شام سے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع' (الگ الگ احرام کے ساتھ حج اور عمرہ جمع کرنے) کے متعلق سوال کیا' حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا وہ جائز ہے' اس نے کہا آپ کے باپ تو اس سے منع کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا یہ بتاؤ کہ میرے باپ حج تمتع سے منع کرتے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر! اس شخص

نے کہا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کیا جائے گا حضرت عبداللہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۸۲۵)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ اکابر کا کوئی قول اگر قرآن مجید اور حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اصاغر کے لیے یہ جائز ہے کہ اس قول سے اختلاف کریں اور اللہ اور رسول کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہ کریں اور اس میں ان کی کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بڑائی کا اظہار ہے اور سورہ نساء کی اس آیت پر عمل ہے : پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

ائمہ اور فقہاء کے اقوال پر احادیث کو مقدم رکھنا ان کی بے ادبی نہیں ہے

اسی طرح اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی امام کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ اس آیت پر عمل ہے، امام ابوحنیفہ نے عیدالفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے، خواہ متصل روزے رکھے جائیں یا منفصل تاکہ فرض پر زیادتی کے ساتھ تشبیہ نہ ہو، لیکن حدیث صحیح میں اس کی فضیلت اور استحباب ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی مثل ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۱۶۴)

لیکن چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول حدیث صحیح کے خلاف ہے اس لیے علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ نے لکھا ہے کہ لیکن عام متاخرین فقہاء کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنے میں مطلقاً" کوئی کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ سب نے اسی طرح لکھا ہے اور ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا (الجامع الصغیر ص ۵۳۴) اور تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا ہے (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹، عالم گیری ج ۵ ص ۳۶۲)

لیکن چونکہ بہ کثرت احادیث سے عقیقہ کا سنت ہونا ثابت ہے اس لیے امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۵۴۲، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

دلائل کی بناء پر اکابر سے اختلاف کرنا ان کی بے ادبی نہیں ہے۔

اسی طرح امام احمد رضا قادری کے بعد کے علماء نے امام احمد رضا قادری سے بھی اختلاف کیا ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ بدھ کے دن ناخن کاٹنے کے متعلق لکھتے ہیں :

نہ چاہئے حدیث میں اوس سے نہی (ممانعت) آئی کہ معاذ اللہ مورث برص ہوتا ہے بعض علماء رحمہم اللہ نے بدھ کو ناخن کتروائے کسی نے بربناء حدیث منع کیا، فرمایا صحیح نہ ہوئی فوراً برص ہو گئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی قادری متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

ایک حدیث میں ہے جو ہفتہ کے دن ناخن ترشوائے اس سے بیماری نکل جائے گی اور شفا داخل ہو گی اور جو اتوار کے دن ترشوائے فاقہ نکلے گا' اور تونگری آئے گی' اور جو پیر کے دن ترشوائے جنون جائے گا اور صحت آئے گی اور جو منگل کے دن ترشوائے مرض جائے گا اور شفا آئے گی اور جو بدھ کے دن ترشوائے وسواس و خوف نکلے گا اور امن و شفا آئے گی الخ۔

(در مختار - ردالمحتار) (بہار شریعت ج ۱۶ ص ۱۲۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً" اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کا کھانا حرام لگانا حرام بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہوئی ہو نماز نہ ہو گی۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی محمد مظہراللہ دہلوی متوفی ۱۹۶۶ء لکھتے ہیں :

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا یہی معلوم ہوا کہ یہ (اسپرٹ) بھی شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً" خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ (اسپرٹ) ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے۔

(فتاوی مظہریہ ص ۲۸۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سید مہدی حسن مارہرہ کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

حضور عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً" ممنوع و سنت نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ لکھتے ہیں :

پھر حدیث صحیح سے بھی یہ مسئلہ تعلیم الکتابۃ للنساء ثابت ہے مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۲' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶' مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۷' سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹' میں حضرت شفا بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے بکلمات متقاربہ ثابت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور میں بھی حاضر تھی تو مجھے فرمایا کیا تو اس کو رقیۃ النملۃ کی تعلیم نہیں دیتی جیسے اس کو کتابت کی تعلیم تم نے دی ہے حاکم نے کہا یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۴۷۴' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

نیز امام احمد رضا قادری نے سماع مع المزامیر کو حرام لکھا ہے اور استاذ العلماء مولانا حافظ عطا محمد چشتی دامت برکاتھم اور حضرت غزالی زماں امام اہل سنت سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کو جائز لکھا ہے۔

علماء اور مجتہدین حضرات معصوم نہیں دلائل کے ساتھ ان سے اختلاف کرنا جائز ہے

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالمعدوم نہیں پھر سلف صالحین و ائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس کو رد بھی کیا جاتا ہے ماسوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے' جس کی جو بات خلاف حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا

جو جماعت کا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز فرماتے ہیں :

ویابی اللہ العصمۃ الا لکلامہ ولکلام رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے رسول ﷺ کے کلام کے سوا کسی کے کلام کو معصوم قرار دینے سے انکار فرماتا ہے (پھر فرمایا) انسان سے غلطی ہوتی ہے مگر رحمت ہے اس پر جس کی خطا کسی امر دینی مہم پر زد نہ ڈالے۔

(الملفوظ ج ۴ ص ۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ نے گھڑی کے چین اور عورتوں کی کتابت اور انگریزی لباس وغیرہ کو ناجائز لکھا ہے اور آپ نے ان کو جائز لکھا ہے کیا وہ فتوئی وقتی اور عارضی تھا اور اب یہ امور جائز ہو گئے ہیں؟ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ نے اس کے جواب میں لکھا :

۱۔ ہاں مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے؟ بلکہ عملاً خود مجدد وقت ہی اس کا سبق بھی دے چکے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ ہو' تعجب ہے کہ خود مستفتی صاحب کو روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے محققانہ اقوال و فتاوائے شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما اجلہ تلامذہ بلکہ متاخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاوئی ہیں' جو ان کے خلاف ہیں جن کی بنا قول صوری و ضروری وغیرہ اصول ستہ پر ہے جس کی تفصیل فتاوئی رضویہ ج ۱ ص ۳۸۵ وغیرہا میں ہے بلکہ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خود ہمارے مجدد برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا تطفلات ہیں جو صرف متاخرین نہیں بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خاں وغیرہ کے اقوال و فتاوئی شرعیہ پر ہیں جن میں اصول ستہ کے علاوہ سبقت قلم وغیرہ کی صریح نسبتیں بھی مذکور ہیں اور یہ بھی نہاں نہیں کہ ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا؟ کیا کسی مجدد کی ہی کوئی ایسی تصریح ہے یا کم از کم اتنی ہی تصریح ہو کہ اصول ستہ کا زمانہ اب گزر گیا لہذا لکیر کا فقیر بننا فرض عین ہو گیا' کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے' اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی ایک جواب سے نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے جواب بھی واضح ہیں البتہ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں مگر شرعاً اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں' غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے' کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سرجوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں' مثلاً یہ کہ وہ لباس جو کفار یا فجار کا شعار ہونے کے باعث ناجائز تھا کیا اب بھی شعار ہے تو ناجائز ہے یا اب شعار نہیں رہا تو جائز ہے' مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۷۰-۳۶۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ

کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس

وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

لے جائیں حالانکہ انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے بہت دور کی گمراہی

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

میں ڈال دے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور

الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ

رسول کی طرف تو آپ دیکھتے ہیں منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں ○ اس وقت کیا

إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ

حال ہوگا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں

بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ

کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ماسوا نیکی اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے

أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ

بہت اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے ○ اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے ○

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (یہ) باہمی جھگڑے میں آپ

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

کو حاکم نہ مان لیں پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں ○

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل

دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا

جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے

يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ لا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ثابت قدمی کے لیے بہت مضبوط ہوتا ○ اور اس وقت

مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ لا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ

ہم انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتے ○ اور ہم ضرور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتے ○ اور جو اللہ

يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَ

ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیا ہی

حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

عمدہ ساتھی ہیں ○ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی

۹ع ۱۱ ۶

بِاللّٰهِ عَلِيمًا ﴿۷۰﴾ ع

ہے جاننے والا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت (سرکش کافر) کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔ (النساء : ۶۰)

حضور کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو حضرت عمر کا قتل کر دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ منافقین رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے اور اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں' امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ اس آیت میں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے' یہ ایک یہودی عالم تھا۔

ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا' یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم ﷺ فیصلہ کریں گے' اور منافق نے کہا میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کریں گے' کیونکہ کعب بن اشرف بہت رشوت خور تھا اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر تھا اور منافق باطل پر تھا' اس وجہ سے یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا' اور منافق کعب بن اشرف کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا' جب یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے' رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ کر دیا' منافق اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا اور کہا میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر فیصلہ کریں گے' دونوں حضرت عمر کے پاس گئے' یہودی نے بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ کر چکے ہیں لیکن یہ مانتا نہیں ہے' حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے' اس نے کہا ہاں! حضرت عمر نے فرمایا ٹھہرو انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں' گھر گئے تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا' پھر اس منافق کے گھر والوں نے نبی ﷺ سے حضرت عمر کی شکایت کی' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے پوری تفصیل معلوم کی' حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے آپ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا تھا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا عمر فاروق ہیں انہوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا' نبی ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا تم فاروق ہو اس قول کی بناء پر طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۴۹-۲۴۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵-۲۶۴' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۹' روح المعانی ج ۵ ص ۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے تو منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ اس وقت کیا حال ہوگا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے' تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ماسوا نیکی اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ (النساء : ۶۲-۶۱)

ابن جریج نے بیان کیا کہ جب مسلمان منافقوں سے کہتے تھے کہ آؤ اپنے مقدمہ کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کراؤ تو وہ منہ موڑ کر کتراتے ہوئے نکل جاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۹)

جس منافق کو حضرت عمر نے قتل کیا تھا اس کا قصاص لینے کے لیے اس کے اہل آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے' کہ ہم نے جو حضرت عمر سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا تھا اس سے ہمارا صرف یہ مقصد تھا کہ اس منافق کے ساتھ نیک سلوک ہو اور اس منافق اور اس کے مخالف یہودی کے درمیان صلح ہو جائے' اس آیت میں اس مصیبت سے مراد اس منافق کا قتل کیا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان منافقوں کے دلوں میں جو شر اور فتنہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے' آپ ان کے بہانوں کو قبول کرنے سے اعراض کیجئے کیونکہ ان کے بہانوں کے قبول کرنے کا مطلب ہے حضرت عمر سے قصاص لینا' اور جو رسول اللہ کا فیصلہ نہ مانے اس کا خون مباح ہے اور اس کا کوئی قصاص نہیں ہے' آپ ان کو زبان سے نصیحت کیجئے اور ان کے نفاق سے درگزر کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان سے ان کے نفسوں میں اثر آفریں بات کیجئے۔ (النساء : ۶۳)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ان کو تنہائی میں نصیحت کیجئے' کیونکہ تنہائی میں نصیحت کے قبول کرنے کی توقع زیادہ ہوتی ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان سے ایسی اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا پاتے (النساء : ۶۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو سرزنش کی ہے جو دعویٰ یہ کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ یہودی عالم کے پاس لے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کے لیے جب انہیں بلایا جاتا تو وہ منہ موڑ کر کترا کر نکل جاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ نعمت مقدر کر دی ہے۔

پھر فرمایا جب ان منافقوں نے کعب بن اشرف کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر ہی لیا تھا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ آپ کے پاس آ کر معذرت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی چاہتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

نبی ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گنہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان

ہیں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی ﷺ کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر کہا السلام علیک یا رسول اللہ' میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک الآیہ اور میں آپ کے پاس آگیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے
میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا' عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آگئی' میں نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جاکر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کردی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹۔ ۳۲۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵' البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے' اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰۔ ۴۵۹' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

معروف دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں:

عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیماً و حدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بہ سند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمھم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل' اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ولو انھم اذظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے' غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں' پس حجت ہو گیا (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں:

"کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں' اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے

ہیں: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔
(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے' بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص ۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔
(تسکین الصدور ص ۳۶۶-۳۶۵' ملخصا" مطبوعہ ادارہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

گنبد خضراء کی زیارت کے لیے سفر کا جواز

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی قبر انور کے لیے سفر کرنا مستحسن اور مستحب ہے' شیخ ابن تیمیہ نے اس سفر کو سفر معصیت اور سفر حرام کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں (سفر نہ کیا جائے) مسجد حرام' مسجد الرسول' اور مسجد اقصیٰ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۹' صحیح مسلم' الحج: ۵۱۱' (۱۳۹۷) ۳۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴' ۲۷۸' ۲۳۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۹۰' جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۸۹۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا ہے: اس حدیث میں ان تین مساجد کے علاوہ مطلقاً سفر سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۶۵' مطبوعہ لاہور)

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کسی سواری کا کجاوہ نہ کسا جائے سوائے مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۴' طبع قدیم دار الفکر' مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۵۵۲' طبع دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

شیخ عبد الرحمان مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شہر بن حوشب سے مروی ہے اور وہ کثیر الاوہام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱' طبع ملتان)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے کہ شہر بن حوشب' بہت صادق ہے اور یہ بہت ارسال کرتا ہے اور اس کے بہت وہم ہیں۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شہر بن حوشب کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

امام احمد نے اس کے متعلق کہا اس کی حدیث کتنی حسین ہے اور اس کی توثیق کی' اور کہا کہ عبد الحمید بن بہرام کی وہ

احادیث صحت کے قریب ہیں جو شہر بن حوشب سے مروی ہیں' دارمی نے کہا امام احمد شہر بن حوشب کی تعریف کرتے تھے امام ترمذی نے کہا امام بخاری نے فرمایا شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا امر قوی ہے' ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے' ان کے علاوہ اور بہت ناقدین فن نے شہر کی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ جمال الدین مزی متوفی ۷۴۲ھ' اور علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی شہر بن حوشب کی تعدیل میں یہ' اور بہت ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۴۰۹' میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۹۰' طبع بیروت)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے خصوصیت سے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' (فتح الباری ج ۳ ص ۶۶) اور شیخ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' کیونکہ امام احمد اور امام ابن معین نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱۰' ص ۲۰۱' طبع قاہرہ)

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مسجد کو نہ مانا جائے' بلکہ عام مانا جائے اور یہ معنی کیا جائے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی جگہ کا بھی سفر کا قصد نہ کیا جائے تو پھر نیک لوگوں کی زیارت' رشتہ داروں سے ملنے' دوستوں سے ملنے' علوم مروجہ کو حاصل کرنے' تلاش معاش' حصول ملازمت' سیر و تفریح' سیاحت اور سفارت کے لیے سفر کرنا بھی ناجائز' حرام اور سفر معصیت ہو گا۔

شیخ مبارک پوری نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے رہا تجارت یا طلب علم یا کسی اور غرض صحیح کے لیے سفر کرنا تو ان کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہے (اس لیے یہ ممانعت عموم پر محمول ہے)۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے جو سفر کی انواع ذکر کی ہیں وہ سب غرض صحیح پر مبنی ہیں اور ان کے جواز پر کون سے دلائل ہیں جو صحاح ستہ کی اس حدیث کی ممانعت کے عموم کے مقابلہ میں راجح ہوں؟ خصوصاً نیک لوگوں' رشتہ داروں' دوستوں کی زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنے' اسی طرح سائنسی علوم کے حصول' تلاش معاش' حصول ملازمت اور سیر و تفریح کے لیے سفر کرنے کے جواز پر کون سے دلائل ہیں؟ جو اس حدیث کی ممانعت پر راجح یا اس کے لیے ناسخ ہوں! نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے جواز پر اور بھی بہت دلائل ہیں اور ممانعت کی اس حدیث کی ہم نے ان مذکور توجیہات کے علاوہ اور بھی کئی توجیہات ذکر کی ہیں اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۶۴۷۔ ۶۴۳ ملاحظہ فرمائیں' شیخ ابن تیمیہ نے جو اس سفر کو حرام کہا ہے' حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ ان کا انتہائی مکروہ قول ہے۔

اور ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے' کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے' اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں افراط کیا ہے اور اس سفر کے منکر کو کافر کہا ہے اور یہ دوسرا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ

پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں۔ (النساء : ۶۵)

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والا مومن نہیں ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے سامنے زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی ایک نالی میں جھگڑا کیا وہ دونوں اس سے اپنے درختوں کو پانی دیتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا : اے زبیر تم اپنی زمین کو پانی دو' پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو' وہ انصاری غضبناک ہوا اور اس نے کہا یہ آپ کے عم زاد ہیں اس لیے! رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا' پھر آپ نے فرمایا : اے زبیر تم پانی دو پھر پانی کو روک لو حتی کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے' حضرت زبیر نے کہا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۳۶۰' ۲۳۵۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۳۵۷' سنن ابوداؤد : ۳۶۳۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۳۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۴۲۱' ۵۴۳۱' سنن کبری للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۴۸۰' سنن کبری للبیہقی ج ۶ ص ۱۵۳)

امام ابن جریر نے اس آیت کے شان نزول میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں مذکور الصدر حضرت عبداللہ بن الزبیر کی روایت بھی ذکر کی ہے اور وہ روایت بھی ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوا' منافق یہ فیصلہ کعب بن اشرف سے کرانا چاہتا تھا بعد ازاں جس کا حضرت عمر نے سر اڑا دیا تھا' امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننے والا مومن نہیں ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک فیصلہ کو بہ ظاہر مان لیتا ہے' لیکن دل سے قبول نہیں کرتا اس لیے فرمایا کہ وہ آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی تنگی نہ پائیں' بعض اوقات ایک عدالت سے فیصلہ کے بعد اس سے اوپر کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ کی جا سکتی ہے لیکن نبی ﷺ کے فیصلہ کرنے کے بعد پھر کسی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ نہیں کی جا سکتی' اس لیے بعد میں فرمایا اس فیصلہ کو خوشی سے مان لو' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جو فیصلہ کریں وہ خطا سے مامون اور محفوظ بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اگر کوئی شخص کتنا ہی عبادت گزار ہو لیکن اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر حضور ایسا نہ کرتے اور ایسا کر لیتے تو وہ مومن نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے' اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔

(النساء : ۶۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان منافقین پر یہ فرض کردیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے وطن سے نکل جاؤ تو ان منافقوں میں سے بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی رحمت سے ہم پر آسان اور سہل احکام فرض کیے تو ان منافقوں کو چاہیے تھا کہ یہ نفاق کو ترک کردیتے' دکھاوے اور سنانے کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوتے اور اگر یہ ایسا کرتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا○

نبی ﷺ کی زیارت کے لیے صحابہ کا اضطراب

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں غمزدہ حالت میں حاضر ہوا' آپ نے پوچھا کیا ہوا میں تم کو غمزدہ کیوں دیکھ رہا ہوں' اس نے کہا : اے اللہ کے نبی میں اس چیز پر غور کر رہا ہوں کہ ہم ہر صبح و شام آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں' کل جب آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنت کے بلند درجہ میں ہوں گے' اور ہم آپ کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں تو ہمارا کیا حال ہوگا' نبی ﷺ نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے : اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ الآیہ

(جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ ھ)

اہل جنت کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ان کے درجوں میں مساوات کو مستلزم نہیں

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین سب جنت کے ایک درجہ میں ہوں گے' کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل اور مفضول کا ایک درجہ ہو جائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جنت میں رہنے والے سب ایک دوسرے کی زیارت کرنے پر قادر ہوں گے اور ان کے درجات کا فاصلہ ایک دوسرے کی زیارت اور مشاہدہ کے لیے حجاب نہیں ہوگا۔

اس آیت میں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کا ذکر کیا گیا ہے ہم سطور ذیل میں ان کی تعریفات ذکر رہے ہیں :

نبی' صدیق' شہید اور صالح کی تعریفات

(۱) نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل ہو اور جس کو اللہ نے مخلوق تک اپنے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا ہو۔

(۲) صدیق وہ شخص ہے جو اپنے قول اور اعتقاد میں صادق ہو۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر فاضل صحابہ' اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے اصحاب کیونکہ وہ صدق اور تصدیق میں دوسروں پر فائق اور غالب ہوتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو

دین کے تمام احکام کی بغیر کسی شک اور شبہ کے تصدیق کرے وہ صدیق ہے۔

(۳) شہید وہ شخص ہے جو دلائل اور براہین کے ساتھ دین کی صداقت پر شہادت دے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہوا مارا جائے جو مسلمان ظلماً" قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔

(۴) صالح نیک مسلمان کو کہتے ہیں' جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں۔

اس آیت میں چونکہ صدیقین کا ذکر آیا ہے اس لیے ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات اور فضائل

(۱) امام بخاری حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا' تم لوگوں نے کہا آپ جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور ابوبکر نے تصدیق کی اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری غم خواری کی۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۶۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے تھے جب اور لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر نے امت میں سب سے پہلے تبلیغ اسلام کی اور ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ایسے اکابر صحابہ اسلام لائے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں اپنی رفاقت کے لیے تمام صحابہ میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حج میں مسلمانوں کا امیر بنایا۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا اور حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

(۷) واقعہ معراج کی جب کافروں نے تکذیب کی تو حضرت ابوبکر نے آپ کی سب سے پہلے تصدیق کی اور یہیں سے آپ کا لقب صدیق ہوا۔

(۸) غزوہ تبوک میں گھر کا سارا سامان اور مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں آپ کو صدیق فرمایا۔

(۱۰) قرآن مجید میں نبوت کے بعد جس مرتبہ کا ذکر ہے وہ صدیقیت ہے اور متعدد آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابوبکر کے صدیق ہونے پر امت کا اجماع ہے اور چونکہ نبی کے بعد صدیق کا ذکر اور مقام ہے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو، پھر دشمن کی طرف الگ الگ دستوں کی شکل میں

جَمِیۡعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِیۡبَةٌ

روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو ○ بے شک تم میں وہ (گروہ بھی) ہے جو ضرور تاخیر کرے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ

قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِیۡدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنۡ

کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا ○ اور اگر تمہیں

اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَیۡنَكُمۡ وَبَیۡنَهٗ

اللہ کا فضل (مال غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی

مَوَدَّةٌ یّٰلَیۡتَنِیۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ﴿۷۳﴾ فَلۡیُقَاتِلۡ

نہ تھی کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ○ پس اللہ کی راہ میں

فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ یَشۡرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَةِ ؕ

ان لوگوں کو لڑنا چاہیے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں ۔

وَمَنۡ یُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَیُقۡتَلۡ اَوۡ یَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ

اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم عنقریب

نُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ

اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے ○ اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے

وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ

حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں

یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَ

اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور

اجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا ۙۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ

ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا

نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

دے ○ جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو (اے مسلمانو!) تم شیطان

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع ۱۰ / ۷

کے مددگاروں سے لڑو، بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو' پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو۔ (النساء: ۷۱)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق وعید نازل فرمائی تھی' اور ان کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا تھا' ان آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور کافروں سے جہاد کے لیے سامان جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ کہیں کفار اچانک حملہ نہ کردیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا حال بیان فرمایا جو جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تھے' اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کے ملک کے داخلی اور اندرون ملک کی اصلاح کے لیے آیات نازل فرمائی تھیں اور اب بیرون ملک اور میدان جنگ کے سلسلہ میں ہدایات نازل کی ہیں۔

جہاد کی تیاری اور اس کی طرف رغبت کا بیان

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار کے دفاع اور اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ اور ہتھیار فراہم کریں' اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کر رہا ہے ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں خالد بن ولید کو لکھا دشمنوں کے مقابلہ میں ان جیسے ہتھیار استعمال کرو۔ تلوار کے مقابلہ میں تلوار اور نیزہ کے مقابلہ میں نیزہ سے لڑو۔ اب دنیا میں اپنی بقاء کے لیے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ہمارے طالب علم جدید ثقافت کے نام پر بین الاقوامی کھیلوں کے میدان میں ہیرو بننا چاہتے ہیں' ڈسکو میوزک' لڑکے لڑکیوں کے مخلوط رقص' اور اچھل کود کے شوز میں ڈوبے ہوئے ہیں اور متوسط گھر ڈش انٹینا اور ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر کے سیلاب میں بہے جا رہے ہیں۔ ایسے میں مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ جہاد کہاں سے پیدا ہو گا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم میں (وہ گروہ) بھی ہے جو ضرور تاخیر کرے گا' پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا○ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل (مال غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا

تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا○ (النساء : ۷۳-۷۲)

ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ تمہارے درمیان منافق بھی ہیں اور بزدل اور کمزور ایمان والے بھی ہیں' منافقوں کو تو جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' کیونکہ ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی محبت نہیں ہے اور جو بزدل اور کمزور ایمان والے ہیں- وہ موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے' یہ لوگ جہاد کے نتیجہ اور انجام کے منتظر رہتے ہیں اگر کسی معرکہ میں مسلمان قتل ہو جائیں یا بہت زخمی ہو جائیں تو یہ جہاد میں اپنے شریک نہ ہونے اور قتل سے بچنے کی وجہ سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس لشکر میں وہ نہیں تھے' اور اگر مسلمان فتح یاب ہو کر لوٹیں اور بہت سا مال غنیمت لائیں تو یوں کہتے ہیں جیسے ان کا تمہارے دین سے کوئی تعلق ہی نہیں' کاش ہم بھی اس معرکہ میں ہوتے اور ہم کو بھی مال غنیمت سے حصہ ملتا-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہئے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم عنقریب اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے- (النساء : ۷۴)

اخروی اجر و ثواب کے لیے جہاد کرنا

اس سے پہلی آیتوں میں جہاد سے منع کرنے والوں کی مذمت کی تھی اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کر رہا ہے' اس آیت میں فرمایا ہے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو اخروی ثواب کے بدلہ میں اپنی دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں' انسان طبعاً" اپنی زندگی خرچ کرنے کو بھاری سمجھتا ہے لیکن جب اس کو یقین ہو گا کہ یہ زندگی خرچ کرنے سے اس کو آخرت کی نعمتیں ملیں گی تو وہ بہت خوشی سے اس راہ میں زندگی خرچ کرے گا' اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے اور اخیر میں فرمایا پس تم نے جو اللہ سے بیع کی ہے' اس بیع پر خوش ہو جاؤ- پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اس جنگ میں شہید ہو گئے تو اللہ کی راہ میں شہادت کا بڑا اجر ہے اور اگر تم غالب آ گئے تو اخروی اجر کے ساتھ دنیاوی منفعت بھی حاصل ہو گی- خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کرنے میں تمہارا سراسر فائدہ ہے خواہ تم غالب ہو یا مغلوب-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے' حالانکہ بعض کمزور مرد' عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے- (النساء : ۷۵)

مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مزید ترغیب دی اور جہاد کے خلاف حیلوں اور بہانوں کو زائل فرمایا ہے' اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے' جہاد کی وجہ سے شرک کے اندھیروں کی جگہ توحید کا نور پھیلتا ہے' شر اور ظلم کے بجائے خیر اور عدل کا دور دورہ ہوتا ہے اور مکہ میں تمہارے جو مسلمان بھائی مرد' عورتیں اور بچے کفار کے ظلم کا شکار ہیں' کفار ان کو ہجرت کرنے نہیں دیتے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہے ہیں' اور تم خود مکہ کی زندگی میں ان کے مظالم کا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہو' بلال' صہیب اور عمار

بن یاسر پر کس کس طرح مشق ستم کی جاتی تھی' سو کفار کے خلاف جہاد کرکے تم اپنے مسلمان بھائیوں کو کفار کی دست برد سے بچا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں' سو (اے مسلمانو) تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو' بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔ (النساء: ۷۶)

مسلمانوں اور کافروں کی باہمی جنگ میں ہر ایک کا ہدف اور نصب العین

اس آیت میں یہ بتایا کہ جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو اس جنگ سے کافروں کی غرض کیا ہوتی ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہیے' کافر مادی مقاصد کے حصول کے لیے جنگ کرتے ہیں اور بت پرستی کا بول بالا کرنے کے لیے اور اپنے وطن اور اپنی قوم کی حمایت میں لڑتے ہیں' ان کے پیش نظر زمین اور مادی دولت ہوتی ہے' نام و نمود اور اپنی بڑائی کے لیے اور دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے لڑتے ہیں اور کمزور ملکوں کی زمین' ان کی معدنی دولت اور ان کے ہتھیاروں کو لوٹنے کے لیے لڑتے ہیں' اس کے برعکس مسلمانوں کے سامنے اخروی مقاصد ہوتے ہیں' وہ اللہ کی بڑائی اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں' وہ بت پرستی' کفر' شر اور ظلم کو مٹانے' نظام اسلام کو قائم کرنے' خیر کو پھیلانے اور عدل و انصاف کو نافذ کرنے کے لیے لڑتے ہیں' ان کا مقصد زمین کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے' وہ اپنے استعمار اور آمریت قائم کرنے کے لیے اور دوسروں کی زمین اور دولت پر قبضہ کرنے اور لوگوں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے نہیں لڑتے بلکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرا کر سب لوگوں کو خدائے واحد کے حضور سربہ سجود کرانے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی ترغیب جہاد کے نکات

اپنے ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کے لیے اسلحہ کو حاصل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے' کیونکہ توکل کا معنی ترک اسباب نہیں ہے بلکہ کسی مقصود کے حصول کے اسباب کو فراہم کرکے اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرکے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔

اسی طرح آلات حرب کو حاصل کرنا بھی تقدیر کے خلاف نہیں ہے بلکہ جہاد کی تیاری کرنا بھی تقدیر سے ہے۔ اس رکوع کی آیات میں بتایا گیا ہے کہ جہاد کے لیے پے در پے مجاہدوں کے دستے بھیجنا بھی جائز ہے اور یک بارگی مل کر حملہ کرنا بھی جائز ہے اور یہ کہ ہر دور میں کچھ لوگ اپنی بدنیتی یا بزدلی کی وجہ سے یا غداری اور منافقت کی وجہ سے جہاد سے منع کرنے والے بھی ہوتے ہیں' لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ اخروی اجر و ثواب کی وجہ سے جہاد کریں' وہ جہاد میں غالب ہوں یا مغلوب ہر صورت میں ان کے لیے اجر ہے' نیز یہ بتایا ہے کہ جہاد کا ایک داعیہ اور سبب یہ ہے کہ جس خطہ زمین میں کافروں نے مسلمانوں کو غلام بنایا ہوا ہے یا ان کے ملک پر قبضہ کرکے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہوا ہے' ان کو کافروں اور ظالموں سے آزاد کرانے کے لیے بھی جہاد کرنا چاہیے اور آخر میں یہ بتایا کہ کافروں کا جنگ میں کیا مطمح نظر ہوتا ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہیے۔

ترغیب جہاد کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :) جو شخص میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلا اور وہ شخص صرف مجھ پر ایمان رکھنے اور میرے رسول کی تصدیق کی وجہ سے نکلا ہو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا جنت میں داخل کر دوں' (آپ نے فرمایا :) اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں کسی لشکر میں شامل ہوئے بغیر نہ رہتا' اور بے شک میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۷۶' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۰۴۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا کس عبادت کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے' انہوں نے دو یا تین مرتبہ یہی سوال کیا آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے' تیسری بار آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے' رات کو قیام کرے اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور وہ روزے اور نماز سے تھکتا نہ ہو۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۷۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۲۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر شخص کا خاتمہ اس کے عمل پر کر دیا جاتا ہے۔ ماسوا اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا رہے گا۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۵۰۰' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۸۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴' مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۰۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ افضل اعمال ہیں' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتلایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ در آں حالیکہ تم صبر کرنے والے ہو' ثواب کی نیت کرنے والے ہو آگے بڑھ کر وار کرنے والے ہو پیچھے ہٹنے والے نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم نے کیا کہا؟ اس شخص نے کہا میں نے کہا یہ بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں بہ شرطیکہ تم صبر پر قائم ہو' اور تمہاری نیت ثواب کی ہو' تم آگے بڑھنے والے ہو' پیچھے ہٹنے والے نہ ہو تو قرض کے سوا تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے' مجھ سے ابھی جبرائیل نے یہ کہا ہے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۸۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۷۱۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۵۶)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شہید کو قتل ہونے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی شخص کو چیونٹی کے کاٹنے سے۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۶۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۶۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۰۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان شخص نے اونٹنی کا دودھ دوہنے کے وقت کے برابر بھی جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی' اور جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا یا اس کا خون بہا وہ جب قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کا بہت زیادہ خون بہہ رہا ہو گا اس خون کا رنگ زعفران کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۶۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۵۴۱' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۴۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو' اور نماز

وَآتُوا الزَّكٰوةَ ج فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ج وَقَالُوا رَبَّنَا

سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور انہوں نے کہا اے ہمارے

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ج لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ ط

رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی '

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ج وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا

آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے ' اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور

تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۷۷﴾ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پا لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں

فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهِ مِنْ

میں ہو ' اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ

عِنْدِ اللّٰهِ ج وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ط

کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول مکرم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ

آپ کہیے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں

یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَ

پاتے ○ (اے مخاطب) تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ

تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے، اور ہم نے آپ کو تمام

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ

لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (بہ طور) گواہ کافی ہے ○ جس نے رسول کی اطاعت کی

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ ؕ

تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا ○

وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ

وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ

مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا اور اللہ اس کو لکھتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں تو آپ ان سے

عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ

اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ (بہ طور) کارساز کافی ہے ○ وہ قرآن میں غور کیوں

الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا

نہیں کرتے ؛ اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف

كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا

پاتے ○ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا

بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا اپنے صاحبانِ علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ

الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ

رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم شیطان کی پیروی کر لیتے ۝ سو آپ اللہ کی راہ میں قتال

اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ

کیجئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا، اور آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، عنقریب اللہ کافروں

اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ

کے زور کو روک دے گا اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب

تَنْكِيْلًا ۝۸۴ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ

بہت شدید ہے ۝ جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے،

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ

اور جو بری سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ

اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝۸۵ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

ہر چیز پر قادر ہے ۝ اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے

بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو، بےشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا

حَسِيْبًا ۝۸۶ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ النصف

ہے ۝ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع ۱۱/۱۱ ۸

میں کوئی شک نہیں ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگا' جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ' اور انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے' اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء: ۷۷).

شان نزول اور ربط آیات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہجرت سے پہلے بعض صحابہ کفار سے جلد جنگ کرنا چاہتے تھے' انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم مشرکین سے مکہ میں قتال کریں نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع کیا اور فرمایا ابھی مجھے کفار سے قتال کرنے کی اجازت نہیں ملی اور جب ہجرت ہو گئی اور مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں نے اس کو مکروہ جانا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۸) امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور بعض دیگر صحابہ نے ایسا کہا تھا۔ (سنن کبری ج ۶ ص ۳۲۵) واللہ اعلم بالصواب۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کی تیاری کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ لوگ موت کے ڈر سے جہاد کرنے سے گھبراتے ہیں' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جہاد سے منع کرنے والے کچھ ضعیف مسلمان اور منافقین تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم پر فتیل کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا' فتیل کا معنی باریک دھاگا بھی ہے' اور کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا چھلکا ہوتا ہے اس کو بھی فتیل کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پا لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول مکرم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے' آپ کہیے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے' تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں پاتے۔

(النساء: ۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت ایک حتمی چیز ہے اور جب انسان کی مدت حیات پوری ہو جائے تو اس کو موت بہرحال آ لیتی ہے خواہ وہ کھلے میدان میں ہو یا کسی مضبوط قلعہ میں ہو یا وہ میدان جنگ میں ہو۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے متعدد معرکوں میں حصہ لیا' اور بہت جنگیں لڑیں لیکن وہ کسی جنگ میں شہید نہیں ہوئے ان کو بستر پر طبعی موت آئی

اس سے واضح ہو گیا کہ جہاد میں شرکت کرنا موت کا سبب نہیں ہے' موت صرف اپنے وقت پر آتی ہے خواہ انسان میدان جنگ میں ہو یا اپنے گھر کے بستر پر!

البتہ مضبوط قلعوں اور مستحکم مکانوں کا بنانا ناجائز نہیں ہے' اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے اسباب مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے' نبی ﷺ نے خندقیں کھدوائیں اور صحابہ کرام زرہ پہن کر لڑتے تھے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز انسان کو موت سے بچا نہیں سکتی۔

اچھائی اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور برائی ہمارے گناہوں کے نتیجہ میں

جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے محترم اصحاب رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ آئے اور اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کو اچھائیاں اور برائیاں' راحتیں اور مصیبتیں پہنچیں تو انہوں نے کہا جب سے یہ مدینہ میں آئے ہیں ہمارے پھلوں اور کھیتوں کی پیداوار کم ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' سختی ہو یا آسانی' کامیابی ہو یا ناکامی فصلوں کی پیداوار زیادہ ہو یا کم' فائدہ ہو یا نقصان' اور بیماری ہو یا صحت' تمام امور کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی قضا اور قدر سے ہوتا ہے' البتہ جب تم پر رزق کی وسعت' خوشحالی اور فراخ دستی ہو تو یہ محض اللہ کا فضل اور انعام ہے۔ سو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرو اور جب تم کو تنگی اور رزق میں کمی پہنچے تو یہ تمہارے گناہوں اور شامت اعمال کا نتیجہ ہے اس کی نسبت اپنی طرف کرو۔

بعض پڑھے لکھے جاہلوں نے "کل من عند اللہ" کا غلط معنی سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ نیک اعمال اور برے اعمال دونوں اللہ کی طرف سے ہیں تو اس میں بندے کا کیا قصور ہے! اور اس کو آخرت میں سزا کیوں ملے گی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اچھائی اور برائی اور ہر چیز کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے امور تشریعیہ سے نہیں ہے' امور تکوینیہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے پیدا ہونا' مرنا' صحت' بیماری' بارش کا ہونا نہ ہونا' طوفانوں اور زلزلوں کا آنا وغیرہ' اور امور تشریعیہ سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے یا ان کو نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا ہے مثلاً نیک کام کرنا اور برے کاموں کو ترک کرنا' نیک اور بد کاموں میں سے جس کا بھی بندہ قصد اور ارادہ کرتا ہے اللہ اس کو پیدا فرما دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق اور ایجاد کہتے ہیں' اور بندہ کو اس کے کسب کی وجہ سے جزاء یا سزا ملتی ہے' جو کسب اور خلق کا فرق نہیں کرتے ان میں سے بعض کہتے ہیں انسان پتھروں کی طرح مجبور ہے اور ہر نیک اور بد کام کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یہ جبریہ ہیں' اور بعض کہتے ہیں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ معتزلہ ہیں' اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے' جبریہ اور معتزلہ مردہ مذاہب ہیں لیکن ان کے نظریات اور آثار اب بھی بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا○ وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا' اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں' تو آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ (بہ طور) کارساز کافی ہے۔

(النساء : ۸۱-۸۰)

منصب رسالت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے' حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول کی اطاعت حجت ہے' امام شافعی نے الرسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کیا ہے مثلاً حج' نماز اور زکوۃ' اگر رسول اللہ ﷺ ان کا بیان نہ فرماتے تو ہم ان کو کیسے ادا کرتے اور کسی بھی عبادت کو انجام دینا ہمارے لیے کس طرح ممکن ہوتا' اور جب احکام شرعیہ کا آپ کے بیان کے بغیر ادا کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر آپ کی اطاعت کرنا حقیقت میں اللہ عزوجل کی اطاعت ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری معصیت کی اس نے اللہ کی معصیت کی' اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی معصیت کی اس نے میری معصیت کی۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۳۵' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۷۱۳۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۵۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱)

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اور معصیت میں اس کی اطاعت حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم دینا اللہ کا حکم دینا ہے' آپ کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے' آپ کا وعدہ اللہ کا وعدہ ہے اور آپ کی وعید اللہ کی وعید ہے' آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے اور آپ کا غضب اللہ کا غضب ہے' اور آپ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور سورہ آل عمران : ۳۱' میں آپ کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے' اگر آپ کے قول یا عمل میں معصیت اور گناہ آ سکے تو پھر معصیت اور گناہ میں بھی آپ کی اتباع واجب ہو گی اور یہ محال ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) اگر کوئی شخص زبان سے اسلام کو قبول کر لیتا ہے اور دل سے ایمان نہیں لاتا تو آپ اس کے نگران نہیں ہیں کیونکہ آپ کے احکام صرف ظاہر پر ہیں۔

(۲) اگر کوئی شخص آپ کی تبلیغ کے باوجود ظاہراً" بھی اسلام نہیں لاتا تو آپ غم نہ کریں' کیونکہ آپ کسی کو جبراً" مسلمان بنانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا : وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو۔ الخ۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین موافقت اور اطاعت کو ظاہر کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو اس کے خلاف کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہتے تھے کہ ہم اللہ

اور اس کے رسول پر ایمان لائے تاکہ اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیں' اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے تو اس کے خلاف کہتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۲۱۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سرزنش فرمائی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ جو کراما" کاتبین مقرر کیے ہیں وہ ان کی باتوں کو لکھ لیتے ہیں' اس کے بعد فرمایا آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے' یعنی آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کا مواخذہ نہ کریں اور نہ (ابھی) ان کے نفاق کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات کو اللہ پر چھوڑ دیں' اللہ تعالیٰ ان کے شر کو آپ سے دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے! اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (النساء : ۸۲)

قرآن مجید میں اختلاف نہ ہونے کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لوگ قرآن مجید کے معانی میں اور اس کے الفاظ بلیغہ میں غور کیوں نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قرآن مجید میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ اضطراب ہے نہ تعارض اور تضاد ہے اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف اور تعارض ہوتا' اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

غیر اللہ کے کلام میں اختلاف تین وجہ سے ہو سکتا ہے' اس کے الفاظ میں اختلاف ہو یا معنی میں یا ترتیب میں' الفاظ میں اختلاف اس طرح ہو سکتا تھا کہ بعض الفاظ تو فصاحت اور بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہوں اور بعض اس حد سے کم ہوں اور جب قرآن مجید کا تمام متن کلام معجز ہے اور اس کی ہر سورت اور ہر آیت حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے تو اس میں الفاظ کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے' اور اس میں معانی کے اعتبار سے اس طرح اختلاف ہو سکتا تھا کہ اس میں غیب کی خبریں جو بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں' اسی طرح مبدء اور معاد کے جو تکوینی احکام بیان کیے گئے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے حالانکہ ہر زمانہ میں قرآن مجید کی صداقت تسلیم کی جاتی رہی ہے' اور قرآن مجید نے ماضی کی جو خبریں اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے جو احوال بیان کیے ہیں وہ حرف بہ حرف صادق ہوئے' اسی طرح قرآن مجید نے جو عقائد اور احکام شرعیہ بیان کیے ان میں بھی کسی قسم کا کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔

قرآن مجید میں روز افزوں واقعات اور نئے نئے احوال کے مطابق آیات نازل ہوتی رہیں اور بہ یک وقت کئی کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت کو اس سے متعلق سورت میں لکھواتے رہے اور کسی جگہ ترتیب میں کوئی خطا یا کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

دنیا کی ہر کتاب میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ سے کوئی خطاء اور کوئی غلطی اور کوئی تعارض اور تضاد واقع ہو جاتا ہے صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کسی وجہ سے کہیں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا صاحبان علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور ان کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے

الخ (النساء : ۸۳)

اس آیت میں استنباط کا لفظ ہے' استنباط کا معنی ہے کسی چیز سے کسی چیز کو نکالنا' اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ عالم اپنی عقل اور علم سے کسی خبر میں غور و فکر کر کے اس سے صحیح نتیجہ نکالے' قرآن اور حدیث میں غور و فکر کر کے ان سے احکام شرعیہ اخذ کرنے کو بھی استنباط کہتے ہیں۔

شان نزول

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوتے اور لشکر کو شکست ہوتی یا اس کو مال غنیمت حاصل ہوتا' تو وہ نبی ﷺ کے خبر دینے سے پہلے اس خبر کو اڑا دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دل کمزور ہوں اور نبی ﷺ کو اذیت پہنچے' اگر وہ یہ خبر نہ پھیلاتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے معظم اصحاب میں سے مثلاً حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وغیرہ اس خبر کی خود تحقیق کرتے تو وہ اس خبر سے صحیح نتیجہ نکال لیتے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۷)

امام ابن جریر نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد منافق ہیں یا ضعفاء مسلمین (جامع البیان ج ۵ ص ۱۱۴)

اس آیت میں اولی الامر سے مراد یا تو ان لشکروں کے امیر ہیں یا اصحاب علم و فضل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۷۲)

قیاس اور تقلید کے حجت ہونے کا بیان

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں قیاس بھی حجت اور دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ خبر کے ظاہر پر عمل نہ کیا جائے بلکہ غور و فکر کر کے اس خبر سے صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے' اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام ظاہر نص سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ ظاہر نص سے جو حکم مستنبط کیا جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نئے مسائل پیش آتے ہیں ان میں عوام پر واجب ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ بھی مسائل شرعیہ میں استنباط کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد پیش آمدہ واقعات اور مسائل حاضرہ میں اصحاب علم کو قرآن اور احادیث سے استنباط اور اجتہاد کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے' آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

(النساء : ۸۴)

شان نزول اور ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بہت زیادہ ترغیب دی تھی' اور ان لوگوں کی مذمت کی تھی جو جہاد سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا آپ ان لوگوں کے منع کرنے کی طرف توجہ اور التفات نہ کیجئے بلکہ آپ خود اللہ کی راہ میں قتال کیجئے۔

نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا ہے خواہ آپ کو تنہا کافروں سے جہاد کے لیے جانا پڑے' ابوسفیان نے بدر الصغریٰ میں آپ سے مقابلہ کا وعدہ کیا تھا' بعض مسلمانوں نے وہاں جانا ناپسند کیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' آپ نے کسی کے منع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی اور ستر مسلمانوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے اگر کوئی نہ جاتا تو آپ تنہا روانہ ہو جاتے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے اور قتال کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے' کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف نبی ﷺ کو قتال کا مکلف کیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے' سو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے بہت ارشادات فرمائے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا' اللہ کے کلام میں جب بھی عسیٰ (عنقریب) کا لفظ آئے تو وہ یقین کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں یہ پیش گوئی ہے کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور مسلمان غالب ہوں گے' سو بعد میں ایسا ہی ہوا اور تمام جزیرہ عرب مسلمانوں کے تسلط میں آگیا اور جب تک مسلمان احکام شرعیہ سے تغافل' عیاشی اور باہمی تفرقہ میں مبتلا نہیں ہوئے اور تبلیغ اسلام کے لیے دنیا میں جہاد کرتے رہے تمام ممالک ان کے زیر تسلط آتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (النساء : ۸۵)

شفاعت کا معنی اور اس کی اقسام

شفاعت کا لفظ شفع سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ایک انسان دوسرے ضرورت مند انسان کے ساتھ مل جائے اور دونوں مل کر اس ضرورت کے متعلق سوال کریں' اور یہاں یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں اور جو مسلمان آپ کی ترغیب سے جہاد کریں گے تو ان کی اس نیکی میں آپ کا بھی حصہ ہو گا' یہ شفاعت حسنہ ہے' اور شفاعت سیئہ یہ ہے کہ منافق اپنے بعض منافقوں کو جہاد میں شریک نہ کرنے کے لیے حضور ﷺ سے شفاعت کرتے تھے کہ ان کو فلاں فلاں عذر ہے اس لیے ان کو جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت دیں چونکہ یہ بدنیتی پر مبنی شفاعت ہوتی تھی اس لیے یہ بری شفاعت ہے اور اس شفاعت سے جہاد میں شریک نہ ہونے کا گناہ دونوں کو ہو گا ان کو بھی جو شریک نہیں ہوئے اور ان کو بھی جنہوں نے ان کے لیے اس کی سفارش کی۔

اسی طرح کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے مثلاً کسی طالب علم کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے سفارش کرنا' کسی ضرورت مند عالم دین کے لیے کسی تونگر سے سفارش کرنا کہ ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو خرید کر دیں' مسجد اور دینی مدرسہ بنوانے کے لیے سفارش کرنا' کسی مجاہد کے لیے اسلحہ کے حصول میں سفارش کرنا' کسی غریب لڑکی کی شادی کے لیے رشتہ یا جہیز کی سفارش کرنا' کسی بے روزگار کے لیے ملازمت کی سفارش کرنا بہ شرطیکہ وہ اس ملازمت کا اہل ہو' اللہ کے حضور کسی مسلمان کے لیے دعا کرنا اس کی مغفرت چاہنا' یہ سب اچھی سفارشیں ہیں' اور بری سفارش یہ ہے کہ شراب خانہ کے پرمٹ کے لیے سفارش کی جائے' سینما بنانے کے لیے کسی سے سفارش کی جائے' آلات موسیقی کی دکان کے لیے کسی سے سفارش کی جائے' بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کے لیے سفارش کی جائے یا کسی نااہل اور غیر مستحق کے لیے سفارش کی جائے۔

نیکی کے کاموں میں شفاعت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی شخص حاجت طلب

کرتا' تو آپ فرماتے تم شفاعت کرو تمہیں اجر دیا جائے گا' اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۴۳۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۶۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۲۵۵۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۸۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۰' ۴۰۳' ۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۷' صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۳۱)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو آپ سے سواری طلب کرتا تھا' آپ کے پاس اس وقت کوئی سواری نہیں تھی۔ آپ نے اس کی کسی اور شخص کی طرف رہنمائی کی اس شخص نے اس کو سواری دے دی' اس سائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس کی خبر دی' آپ نے فرمایا نیکی کی رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۷۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۹۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۲۹' مسند احمد' رقم الحدیث : ۱۷۰۸۳' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۲۴۲)

کسی برے کام کے حصول کے لیے شفاعت کی ممانعت پر اس آیت میں دلیل ہے :

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

(المائدہ : ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو' بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (النساء : ۸۶)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب فریق مخالف صلح کرنے پر تیار ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو' قرآن مجید میں ہے :

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں۔

(الانفال : ۶۱)

اسی طرح جب کوئی شخص سلام کرے تو اس کے سلام کا عمدہ طریقہ سے جواب دینا چاہیے ورنہ کم از کم اسی لفظ سے سلام کا جواب دیا جائے۔ مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔

اسلام میں سلام کے مقرر کردہ طریقہ کی افضلیت

عیسائیوں کے سلام کا طریقہ ہے منہ پر ہاتھ رکھا جائے (آج کل پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں) یہودی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں' مجوسی جھک کر تعظیم کرتے ہیں' عرب کہتے ہیں حیاک اللہ (اللہ تمہیں زندہ رکھے) اور مسلمانوں کا سلام یہ ہے کہ کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام طریقوں سے افضل ہے کیونکہ سلام کرنے والا مخاطب کو یہ دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آفتوں' بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے' نیز جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو ضرر اور خوف سے مامون اور محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے' مکمل سلام یہ ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اور تشہد میں بھی اتنا ہی سلام ہے' جب کوئی شخص فقط السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہنا چاہیے اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اگر کوئی السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے' اور بعض روایات میں و مغفرتہ کا اضافہ بھی ہے۔ (سنن ابوداؤد : ۵۱۹۶) سلام کی ابتداء کرنے والا پہلے لفظ السلام کہتا ہے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہہ کر بعد میں لفظ السلام کہتا ہے' اس میں نکتہ یہ ہے کہ سلام اللہ کا نام ہے اور مجلس کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے ہو اور انتہا بھی اللہ کے نام پر ہو' اور ابتداء بھی سلامتی کی دعا سے ہو اور انتہاء بھی سلامتی کی دعا پر ہو۔

مصافحہ اور معانقہ کی فضیلت اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کا کون سا وصف سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا : تم کھانا کھلاؤ اور ہر (مسلمان) کو سلام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۴)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو گے' اور جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے تمہارا ایمان (کامل) نہیں ہو گا' کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم ایک دوسرے سے محبت کرو؟ ایک دوسرے کو بہ کثرت سلام کیا کرو۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۶۹۲' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۲۶۹' کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۲۰۰۲' شعب الایمان' رقم الحدیث ۸۷۴۵)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۴' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۹۱۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے اگر ہم کسی درخت کی وجہ سے جدا ہو کر پھر مل جاتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۷۹۸۴)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : السلام علیکم آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا' نبی ﷺ نے فرمایا : دس (نیکیاں)' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ نے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا پھر آپ نے فرمایا (تیس) نیکیاں' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے' امام بیہقی نے بھی اس کو حسن کہا ہے' امام ابوداؤد نے سہل سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے : پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا : چالیس (نیکیاں)

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۸' کتاب الآداب للبیھقی رقم الحدیث' : ۲۸۰' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۹۸۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی' رقم الحدیث : ۳۳۹)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب بھی دو مسلمان ملاقات کے بعد مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے الگ ہونے سے پہلے ان کو بخش دیا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۱۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۷۰۳' کشف الاستار' رقم الحدیث : ۲۰۰۴)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔ حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۲۳' المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی در آں حالیکہ میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں میں تھیں۔ (صحیح البخاری کتاب الاستیذان' باب ۲۸' الاخذ بالیدین' رقم الحدیث : ۶۲۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرے' اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سلام کرنے میں ابتداء کرے وہ تکبر سے بری ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۸۷۸۶)

کن لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہیے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار' پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۲۳۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۶۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۱۲' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۹۹۵' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۱۹۴۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۲۴۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۶۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۰۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث :

۷۲۰۵'عمل الیوم واللیلۃ للنسائی' رقم الحدیث : ۳۳۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۷۰۰' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۵۹' حلیۃ الاولیاء : ج ۶ ص ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو سلام کرے' اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور قلیل کثیر پر۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث ۶۲۳۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۱۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۸)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ہم کو سلام کیا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۰۴' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۷۰۱' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷' المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۴۴۸۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے میرے بیٹے جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو اس سے تم پر برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۰۷) حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام سے پہلے سلام کرو' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث منکر ہے (سنن ترمذی : ۲۷۹۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم کہو وعلیکم۔ (صحیح مسلم : ۲۱۶۳' سنن ابوداؤد' ۵۲۰۷)

جن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہیے

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہودی کو سلام کی ابتداء نہ کرو' امام ابوحنیفہ نے کہا ہے اس کو خط میں بھی سلام نہ کہو' امام ابویوسف نے کہا نہ ان کو سلام کرو نہ ان سے مصافحہ کرو' اور جب تم ان پر داخل ہو تو کہو السلام علی من اتبع الھدی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو ابتداء" سلام کرنا جائز ہے (مثلاً کسی کا افسر کافر یا بدمذہب ہو تو اس کو اس کے دائیں بائیں فرشتوں کی نیت کرکے سلام کرے) اور جب وہ سلام کریں تو وعلیک کہنا چاہیے' حسن نے کہا ہے کہ کافر کو وعلیکم السلام کہنا تو جائز ہے لیکن وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ مغفرت کی دعا ہے اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں' شعبی نے ایک نصرانی کے جواب میں کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ' ان پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا کیا یہ اللہ کی رحمت میں جی نہیں رہا!

(۲) جب جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو تو حاضرین کو سلام نہ کرے کیونکہ لوگ امام کا خطبہ سننے میں مشغول ہیں۔

(۳) اگر حمام میں لوگ برہنہ نہا رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرے اور اگر ازار باندھ کر نہا رہے ہوں تو ان کو سلام کر سکتا ہے۔

(۴) جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو' روایت حدیث کر رہا ہو' یا مذاکرہ علم میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۵) جو شخص اذان اور اقامت میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۶) امام ابو یوسف نے کہا جو شخص چوسر یا شطرنج کھیل رہا ہو یا کبوتر اڑا رہا ہو' یا کسی معصیت میں مبتلا ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۷) جو شخص قضاء حاجت میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے۔

(۸) جو شخص گھر میں داخل ہو تو اپنی بیوی کو سلام کرے اگر اس ساتھ کوئی اجنبی عورت ہو تو اس کو سلام نہ کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۰)

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے' اگر جماعت مسلمین کو سلام کیا تو ہر ایک پر جواب دینا فرض کفایہ ہے لیکن جب کسی ایک نے جواب دے دیا تو باقیوں سے جواب دینے کا فرض ساقط ہو جائے گا' فساق اور فجار کو پہلے سلام نہیں کرنا چاہیے اگر کوئی اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اگر بوڑھی ہو تو اس کا جواب دینا چاہیے اور اگر جوان ہو تو اس کے سلام کا جواب نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے' اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو۔ (النساء: ۸۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سلام کا احسن طریقہ سے جواب دینے کا حکم دیا تھا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو اجنبی شخص تم کو سلام کرے تم اس کو مسلمان جانو' اور یہ نہ سمجھو کہ اس نے جان بچانے کے لیے سلام کیا ہے اور اس کے دل میں کفر ہے کیونکہ باطن کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اور جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں وہ کافر تھا اس کا حساب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے گا' اس لیے اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو' لہٰذا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے صدق کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

امتناع کذب کا بیان

اللہ تعالیٰ واجب بالذات ہے اور اس کی تمام صفات قدیم اور واجب بالذات ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا صدق بھی قدیم اور واجب بالذات ہے اور کذب صدق کی نقیض ہے' جب کذب آئے گا تو صدق نہیں رہے گا اور کذب آ نہیں سکتا لہٰذا صدق جا نہیں سکتا' اس لیے اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے۔

امتناع کذب پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور اس کے کلام میں کذب اور خلف محال ہے' ہمارے اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کاذب ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا زوال ممتنع ہو گا' کیونکہ قدیم کا عدم ممتنع ہے' اور جب کذب کا زوال ممتنع ہو گا تو اس کا صدق ممتنع ہو گا' کیونکہ ایک ضد کا وجود دوسری ضد کے وجود سے مانع ہے' اس لیے اگر اللہ کو کاذب مانا جائے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہو گا' لیکن اس کا کذب ممتنع ہے کیونکہ ہم بالبداہت جانتے ہیں کہ جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس علم کے مطابق اس چیز کی خبر دے سکتا ہے اور یہی صدق ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا کاذب ہونا ممتنع ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ کذب کا امکان صدق کے عدم کے امکان کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور قدیم ہے اس کا عدم اور سلب ممکن نہیں ہے لہذا اس کے کلام میں کذب بھی ممکن نہیں ہے۔

امتناع کذب پر علامہ تفتازانی کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر رازی تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا کلام ازل میں ماضی، حال اور استقبال کے ساتھ متصف نہیں تھا ورنہ لازم آئے گا کہ ازل میں اللہ کا کلام مثلاً عصی فرعون ''فرعون نے معصیت کی'' کاذب ہو کیونکہ ازل میں فرعون تھا نہ اس نے معصیت کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے اولاً'' اس لیے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، ثانیاً'' اس لیے کہ معجزہ کی دلالت سے انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا صدق تواتر سے ثابت ہے اور ان کا صدق اللہ کے کلام پر موقوف نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اللہ کے کلام کے صدق پر موقوف ہو، ثالثاً'' اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے کیونکہ نقص عجز، جہل یا عبث کو مستلزم ہے، رابعاً'' اس لیے کہ اگر ازل میں اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو تو ازل میں اس کا صدق ممتنع ہو گا، کیونکہ جس چیز کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے، جب ازل میں اللہ تعالیٰ صادق ہے تو ازل میں کذب محال ہو گا۔

(شرح المقاصد ملخصاً ج ۴ ص ۱۵۹-۱۵۸، مطبوعہ ایران)

امتناع کذب پر میر سید شریف کے دلائل

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کذب کے محال ہونے کی تین دلیلیں ہیں: پہلی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب واقع ہو تو لازم آئے گا کہ بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کامل ہوں یعنی جس وقت ہمارا کلام صادق ہو (اور اس کا کلام کاذب ہو) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محال ہو گا جو کذب کا مقابل ہے ورنہ اس کی صفت کذب کا زوال ممکن ہو گا اور ہم پہلے اس کے زوال کو محال فرض کر چکے ہیں کیونکہ اس کی صفات قدیم ہیں اور جس کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے اور لازم باطل ہے یعنی اللہ پر صدق کا ممتنع ہونا باطل ہے کیونکہ ہم بالبداہت جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس علم کے مطابق خبر دے۔ اور تیسری اور معتمد دلیل جو کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں میں کذب کے محال ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے ہر کلام میں صادق ہیں اور نبی ﷺ کا دین میں صادق ہونا بالبداہت معلوم ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ تواتر سے منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں صادق ہے، جس طرح تواتر سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے، اگر اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے صادق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق کی اور ان کو صادق فرمایا اب اگر اللہ کا صادق ہونا اور اس پر کذب کا ممتنع ہونا انبیاء علیہم السلام کے قول اور ان کی خبر سے ثابت ہو تو

یہ دور ہو جائے گا' انبیاء کا صادق ہونا اللہ کی خبر پر اور اللہ کا صادق ہونا انبیاء کی خبر پر موقوف ہوا اور یہ کسی شے کا اپنے نفس پر موقوف ہونا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صدق اللہ کی تصدیق پر موقوف نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت پر موقوف ہے' انبیاء علیہم السلام اپنے دعویٰ نبوت پر معجزہ خارق عادت پیش کرتے ہیں جس سے ان کا صدق ثابت ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا صادق اور متکلم ہونا انبیاء علیہم السلام کی خبر پر موقوف ہے' وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم اور صادق ہے۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۱۰۳۔۱۰۱' مطبوعہ ایران)

شرح مواقف کے دلائل پر علامہ میر سید شریف کے اعتراضات

صاحب مواقف نے امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ قائم کی کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے' پھر اس پر یہ اعتراض کیا کہ کلام نفسی میں کذب نقص ہے کلام لفظی میں کذب نقص نہیں ہے' کیونکہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم میں کلام کاذب پیدا کر دے' اس کا جواب یہ دیا کہ کلام کاذب کو پیدا کرنا بھی نقص ہے اور وہ اللہ پر محال ہے' ثابت ہوا کہ اللہ کے کلام میں کذب مطلقاً" محال ہے' اس پر علامہ میر شریف نے یہ اعتراض کیا کہ اشاعرہ افعال کا حسن اور قبح شرعی مانتے ہیں اور قبح عقلی کے قائل نہیں ہیں اور قبح عقلی اور نقص میں کوئی فرق نہیں ہے اور جب اللہ پر قبح عقلی جائز ہے تو اس پر نقص بھی جائز ہونا چاہیے اور جب اللہ پر نقص جائز ہو گیا تو اس کے کلام میں کذب کا ممتنع ہونا ثابت نہیں ہوا۔

(شرح المواقف ج ۸ ص ۱۰۳ مطبوعہ ایران)

علامہ میر سید شریف کے اعتراضات کے جوابات

ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فی نفسہ حسن ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے وہ فی نفسہ قبیح ہے مثلاً منعم کا شکر ادا کرنا حسن ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ بھی دیتا تب بھی فی نفسہ حسن ہی رہتا اور قتل ناحق فی نفسہ قبیح ہے اگر اللہ تعالیٰ اس سے منع نہ بھی فرماتا تب بھی یہ قبیح ہی رہتا' کیونکہ اول الذکر کے حسن اور ثانی الذکر کے قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے اور یہ معنی ہے ان کے اس قول کا کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے' اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے یعنی جس کا شارع نے حکم دیا ہے وہ حسن ہے اور جس سے منع کیا ہے وہ قبیح ہے عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں' اگر بالفرض شارع قتل ناحق کا حکم دیتا تو وہ حسن ہوتا اور شکر منعم یا عبادت کرنے سے منع کرتا تو وہ قبیح ہوتی۔ اور اس بحث میں حسن کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مدح کا اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو اور قبح کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو' اس حسن اور قبح کو اشاعرہ کہتے ہیں کہ شرعی ہے عقلی نہیں ہے یعنی عقل اس کے ادراک میں مستقل نہیں ہے مثلاً عقل کیسے جان سکتی ہے کہ تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے یا موزہ کے اوپر کے حصے پر مسح کرنے سے طہارت ہو جاتی ہے یا سونے اور ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے ان کا حسن اور قبح شرعی ہے اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے یعنی عقل' ان کے حسن اور قبح کی ادراک میں مستقل ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا افعال کے حسن اور قبح کے عقلی ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف اسی معنی میں ہے۔

حسن کا دوسرا معنی ہے صفت کمال جیسے علم اور صدق' قبح کا دوسرا معنی ہے صفت نقصان جیسے جہل اور کذب اس میں ماتریدیہ اور اشاعرہ سمیت تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا حسن اور قبح عقلی ہے اور جب یہ واضح ہو گیا تو مواقف

ہیں جو یہ لکھا ہے کہ کذب نقص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کذب کا نقص ہونا تو قبح عقلی ہے اور اس کو اشاعرہ نہیں مانتے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ اشاعرہ حسن اور قبح کے جس معنی کو شرعی کہتے ہیں اور اس کے عقلی ہونے کی نفی کرتے ہیں وہ اور معنی ہے' وہ یہ ہے کہ جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو وہ قبیح ہے اور جس کی وجہ سے دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو وہ حسن ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لیے اس معنی کے لحاظ سے نہ کوئی فعل حسن ہے نہ قبیح' اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے حسن وہ فعل ہے جس میں کمال ہو اور قبیح وہ ہے جس میں نقص ہو اور اس معنی کے لحاظ سے حسن اور قبح کا عقلی ہونا اشاعرہ سمیت سب کے نزدیک مسلم ہے اس لیے کذب صفت نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے اور اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے' مسلم الثبوت اور اس کی شروحات میں بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے قارئین کی سہولت کے لیے اس کو بہت آسان' سہل اور واضح کر کے پیش کیا۔ (شرح مسلم الثبوت للمحب بہاری ص ۸۳-۵۲ ملخصاً' مطبوعہ کوئٹہ' فواتح الرحموت مع المستصفیٰ ج ۱ ص ۴۶-۲۶' ملخصاً مطبوعہ مصر)

صاحب مواقف نے دوسری دلیل یہ قائم کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محال ہو گا' جو کذب کا مقابل ہے اور اگر کذب قدیم نہ ہو تو اس کا زوال ممکن ہو گا اور ہم پہلے فرض کر چکے ہیں کہ کذب اس کی صفت ہے اور قدیم ہے اور جس کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے' پس اگر کذب کو اللہ کی صفت مانا جائے تو اس کا صادق ہونا محال ہو گا اور یہ باطل ہے کیونکہ ہم بداہتہ" جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس کے مطابق خبر دے سکتا ہے۔

علامہ سید شریف نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی میں کذب محال ہو' کیونکہ قدیم کلام نفسی ہے' رہا کلام لفظی تو وہ مخلوق اور حادث ہے اور کلام لفظی جو صادق ہو وہ ممکن اور حادث ہونے کی وجہ سے زائل بھی ہو سکتا ہے اور کلام لفظی میں صدق کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ کا کلام لفظی صادق اور حادث ہے اور حادث کا زوال بھی ممکن ہے لیکن کلام صادق کے زوال سے کلام کاذب کا امکان لازم نہیں آتا' کیونکہ کذب کا معنی ہے ایسی خبر جو واقع کے خلاف ہو اور کلام صادق کے زوال اور عدم کے امکان سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ایسی خبر وجود میں آجائے جو واقع کے خلاف ہو' خلاصہ یہ ہے کہ کلام لفظی صادق کے زوال کا امکان عام ہے اور کلام کاذب کا ثبوت خاص ہے اور عام کا ثبوت خاص کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا' عام کی خاص پر دلالت نہ مطابقی ہوتی ہے نہ تضمنی نہ التزامی' اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کلام صادق لفظی کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے۔

امتناع کذب پر علامہ میر سید شریف کی تصریحات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

(فرق باطلہ میں سے) مزداریہ نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے' علامہ میر سید شریف اس کا رد فرماتے ہیں : اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو وہ جھوٹا خدا ہو گا' اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

(شرح مواقف ج ۸ ص ۳۸۱' مطبوعہ ایران)

امتناع کذب کے متعلق دیگر علماء کی تصریحات اور دلائل

علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جہل اور کذب دونوں محال ہیں۔

(حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی ص ۲۵۷' مع مجموعۃ الحواشی البہیہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' ۱۳۹۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ صادق نہیں ہو سکتا اور کذب اللہ پر محال ہے کیونکہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں : زیادہ صادق ہونے کی نفی کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص صدق میں اللہ کے مساوی بھی نہیں ہو سکتا' اللہ تعالیٰ کے حق میں کذب عقلاً" اور شرعاً" محال ہے کیونکہ جھوٹ یا تو کسی ضرورت کی بناء پر بولا جائے گا یا بلاضرورت' کسی ضرورت کی بناء پر جھوٹ بولنا اللہ پر اس لیے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہے اور بلاضرورت جھوٹ عدم علم کی وجہ سے بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے' کوئی چیز اس سے غائب نہیں' یا بلاضرورت قصداً" جھوٹ بولا جائے گا اور یہ حماقت ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل سے تو کلام نفسی میں جھوٹ محال ہو گا اور کلام لفظی میں تو جھوٹ ممکن رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں ایسی خبر پیدا کر دے جو واقع کے خلاف ہو بایں طور کہ وہ اس مخلوق کا کلام نہ ہو بلکہ اللہ کا کلام ہو اور غیر کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جیسے قرآن کلام لفظی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی نقص ہے کیونکہ اس سے جہل تو لازم نہیں آتا لیکن اس میں تجہیل ہے اور دوسروں کو جاہل بنانا ہے اور یہ بھی اللہ کے لیے نقص ہے اور نقص اللہ پر عقلاً" محال ہے' علاوہ ازیں یہ محال شرعی بھی ہے۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "اور کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے زیادہ سچی ہو۔" اس کا معنی ہے' اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے نہ کوئی صدق میں اس کے برابر ہے اور نہ کوئی صدق میں اس سے زیادہ ہے' مخلوق میں سب سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کا صدق واجب بالغیر ہے اور ان کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے' اگر اللہ کا صدق بھی اسی طرح ہو اس کے کلام میں بھی کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو تو انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ صدق میں مساوی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو' یعنی وہ سب سے زیادہ سچا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کا صدق قدیم اور واجب بالذات ہو اور اس کا کذب ممتنع بالذات ہو۔

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا واجب بالذات ہونا چاہیے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہو گا۔

(نور العرفان ص ۱۴۴' مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

امتناع کذب کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں :

آپ نے مسئلہ امکان کذب کو استفسار فرمایا ہے مگر امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے خلاف پر وہ قادر ہے مگر باختیار خود اس کو وہ نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے اور اس عقیدہ پر قرآن شریف اور احادیث صحاح شاہد ہیں اور علماء امت کا بھی یہی عقیدہ ہے مثلاً فرعون پر ادخال نار کی وعید ہے مگر ادخال جنت فرعون پر بھی قادر ہے اگرچہ ہرگز اس کو نہ دیوے گا' اور یہی مسئلہ مبحوث اس وقت میں ہے بندہ کے جملہ احباب یہی کہتے ہیں اس کو اعداء نے دوسری طرح پر بیان کیا ہوگا اس قدرت اور عدم ایقاع کو امکان ذاتی و امتناع بالغیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۸۵۔ ۸۴' مطبوعہ قران محل کراچی)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع اور محال بالذات ہے اور محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا' مثلاً اللہ تعالیٰ کا عدم محال بالذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جہل اور کذب بھی محال بالذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل عبارت میں ہے۔

خلف وعید کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے کذب کو مستلزم نہیں ہے

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

امام قرافی اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ کافر کی مغفرت کی دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کو طلب کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ (الیٰ قولہ) کیا خلف فی الوعید جائز ہے؟ مواقف اور مقاصد کی ظاہر عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اشاعرہ خلف فی الوعید کے قائل ہیں کیونکہ خلف فی الوعید جود اور کرم ہے نقص نہیں ہے' اور علامہ تفتازانی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خلف فی الوعید جائز نہیں ہے' علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ خلف فی الوعید محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ما یبدل القول لدی اور فرمایا ہے لن یخلف اللہ وعدہ ای وعیدہ اور اشبہ بالحق یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خلف فی الوعید جائز ہے اور کفار کے حق میں جائز نہیں ہے تاکہ دونوں طرف کے دلائل میں تطبیق ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء اس میں یہ تصریح ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہوگی' اور مسلمان نے خواہ کبیرہ گناہ کیا ہو اس کی مغفرت ہو جائے گی' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی : ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب' ان آیتوں کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب کی جو وعید فرمائی ہے اس کا خلاف محال ہے اور گنہ گار مسلمانوں کے لیے جو عذاب کی وعیدیں ہیں ان کے خلاف ہو جائے گا اور وہ اللہ کا کرم ہے' نیز گنہ گار مسلمانوں کے لیے عذاب کی جو وعیدیں ہیں وہ عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شرک کے سوا ہر گناہ کو بخش دے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے لیے جو عذاب کی وعید ہے اس کا خلاف محال ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے جو عذاب کی وعید ہے اس کا خلاف ہو جائے گا کیونکہ مسلمان کے حق میں وعید کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے فلاں گناہ کیا تو میں تم کو عذاب دوں گا بہ شرطیکہ میں نے چاہا یا میں نے تم کو معاف نہ کیا اور اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے آیات وعید عدم عفو یا مشیت کے ساتھ مقید ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۱' ملخصاً و موضحاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شیخ خلیل احمد انبیٹھوی متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں :

امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید جائز ہے یا نہیں؟

(براہین قاطعہ ص ۲' مطبوعہ مطبع بلالی ہند)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اشاعرہ جو خلف وعید کے قائل ہیں وہ گناہ گار مسلمانوں کے حق میں خلف وعید کے قائل ہیں اور عذاب کی آیات کو عدم عفو کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور کفار کے حق میں خلف وعید کے قائل نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کذب کے لزوم سے برات کا اظہار کرتے ہیں :

علامہ کمال الدین بن ابی شریف اشعری المذہب متوفی ۹۰۵ھ لکھتے ہیں :

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ شے جو بندوں کے حق میں نقص ہو وہ اللہ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے سو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ (مسامرہ ج ۱ ص ۱۸۴' مطبوعہ مکران)

اور علامہ بحرالعلوم عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں :

حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنے کا موجب موجود ہے اور وہ گنہ گار مسلمانوں' نہ کہ مشرکوں کے لیے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت آفتاب نیم روز کی طرح قطعی اور یقینی ہے پس کفار کے غیر (گناہ گار مسلمانوں) کی وعیدوں میں ظاہر سے عدول کرنا ضروری ہے پس یا تو آیات وعید کو عدم عفو کے ساتھ مقید کیا جائے گا' (یعنی اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو یہ سزا دے گا) یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ نے گنہ گار مسلمانوں کو عذاب دینے کی خبر نہیں دی بلکہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا ہے) رہا وعد تو اس میں حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ آیات اپنی حقیقت پر ہیں۔ (فواتح الرحموت مع المستصفیٰ ص ۶۲' مطبوعہ مصر' ۱۳۲۴ھ)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئیں حالانکہ اللہ نے ان (منافقوں) کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

اوندھا کر دیا ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ نے گمراہی

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۞۸۸ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

کو پیدا کر دیا، تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پا سکو گے ○ وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم ان کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں اللہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا

دو ، اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مدد گار ○ ماسوا اس

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جس (قوم) کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو یا وہ

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آچکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے

قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

لڑیں ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بیشک وہ تم سے لڑتے ، سو اگر وہ

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا

تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام پہنچائیں تو اللہ نے

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

تمہارے لیے ان کے خلاف (لڑنے کا) کوئی طریقہ نہیں رکھا ○ عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى

جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف

الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود پڑیں ، پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پکڑ لو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع ۱۲

دو ، یہ وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئی ہیں حالانکہ اللہ نے ان (منافقوں) کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں ' پہلے قول کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف نکلے تو آپ کے لشکر میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک فریق نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے اور دوسرے فریق نے کہا ہم ان کو قتل نہیں کریں گے۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : فما لکم فی المنافقین فئتین (النساء : ۸۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ لوگوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جسے بھٹی لوہے سے زنگ نکال دیتی ہے۔

(صحیح البخاری ' رقم الحدیث : ۱۸۸۴ ' مسند احمد ج ۸ ' رقم الحدیث : ۲۱۶۵۵ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آ گئے تھے ' انہوں نے مسلمانوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہیں پھر وہ مکہ واپس چلے گئے اور مکہ والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مشرک ہیں : امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

مجاہد اس آیت کے شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مہاجر ہیں ' پھر اس کے بعد وہ مرتد ہو گئے ' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ سے اپنا مال لا کر تجارت کریں گے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا ' بعض مسلمانوں نے کہا وہ منافق ہیں اور بعض نے کہا وہ مومن ہیں ' اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو بیان کر دیا اور ان سے قتال کا حکم دیا وہ اپنا مال لے کر مدینہ جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو ان سے ہلال بن عویمر اسلمی نے ملاقات کی ' اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس کا مسلمانوں سے لڑتے لڑتے دل تنگ ہو چکا تھا یا وہ اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے عاجز ہو چکا تھا ' اس نے ان لوگوں کی مدافعت کی اور کہا یہ مومن ہیں۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۶۳ ـ ۲۶۲ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ نے گمراہی کو پیدا کر دیا تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پا سکو گے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کی سرکشی اور ان کے کفر کی وجہ سے دین سے گمراہ کر دیا ہے ' مسلمان یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ منافق سچے اور مخلص مسلمان بن جائیں ' اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ کیا تم ان لوگوں کو جنت کا راستہ دکھانا چاہتے ہو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے راستہ سے گمراہ کر دیا ہے ' کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا تم ان کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں ' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو ' اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ○ (النساء : ۸۹)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم ان منافقوں کو ہدایت یافتہ بنانا چاہتے ہو‘ اور اس آیت میں فرمایا : حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ تم کو کافر بنانا چاہتے ہیں اس لیے تم ان کو دوست نہ بناؤ۔ کفار کو دوست بنانے سے قرآن مجید اور احادیث میں منع کیا گیا ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ‘ تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو ان کے پاس آیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری امت کے آخر میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے‘ جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے‘ تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم‘ رقم الحدیث : ۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے‘ جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : منکرین تقدیر کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ان سے پہلے مخاطب ہو۔ (سنن ابوداؤد‘ رقم الحدیث : ۴۷۱۰)

ہجرت کی تعریف اور اس کی اقسام

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان (منافقوں) کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں‘ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ منافق پہلے خلوص قلب سے اسلام لائیں پھر ہجرت کریں کیونکہ ایمان اور اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

ہجرت کا معنی ہے دارالحرب کو ترک کر کے دارالاسلام میں منتقل ہونا‘ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تو مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت واجب ہو گئی اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اب یہ ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ اب مکہ دارالاسلام بن گیا‘ جو مسلمان کسی کافر ملک میں رہتے ہوں اور وہاں ایمان کے اظہار کی وجہ سے ان کی جان‘ مال اور عزت کے ہلاک ہونے کا یقینی خطرہ ہو ان پر واجب ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر دارالاسلام میں منتقل ہو جائیں‘ النساء : ۹۷‘ میں انشاء اللہ ہم اس ہجرت کی فرضیت کو بیان کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کو سخت اور مشکل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے یہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی‘ ہجرت کی ایک اور قسم ہے دارالخوف سے دارالامن میں منتقل ہونا‘ جیسے مسلمان مکہ سے حبشہ میں منتقل ہو گئے تھے یا جیسے مسلمان بھارت سے برطانیہ‘ ہالینڈ‘ جنوبی افریقہ اور جرمنی وغیرہ کافر ملکوں میں منتقل ہو جائیں‘ اور ہجرت کی تیسری قسم ہے گناہوں سے ہجرت کرنا‘ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

قیامت تک ہجرت کا مشروع ہونا

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو' اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۴۷۹' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶۷۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے' لیکن جہاد اور نیت ہے' جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۸۶۴' ۱۸۶۳' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۳۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۴۸۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۵۹۰' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۱۸۰)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ مکہ فتح ہونے کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہوگئی اور مطلقاً دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت قیامت تک مشروع ہے۔

اصل ہجرت گناہوں کو ترک کرنا ہے

ہجرت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو چھوڑ کر توبہ کرنا اور نیک کاموں کی طرف منتقل ہونا' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کی۔ (یعنی ان کو ترک کر دیا) (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۰)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرلی۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۵۲۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۴۹' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق دریافت کیا' آپ نے کچھ دیر توقف کیا پھر فرمایا سائل کہاں ہے' اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہجرت یہ ہے کہ تم تمام بے حیائی کے کاموں کو چھوڑ دو خواہ وہ کام ظاہر کیے جائیں یا چھپ کر اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر تم مہاجر ہو خواہ تم اپنے شہر میں مرجاؤ۔ (مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث: ۷۰۱۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبید بن عمیر لیثی بیان کرتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا : اب ہجرت نہیں رہی' پہلے مسلمانوں میں کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھاگ کر جاتا تھا' اس کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ دین پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے' لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا' اب انسان جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۹۰۰)

ہجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اگر اب کسی جگہ اسلام کی وجہ سے مسلمان کو فتنہ کا خطرہ ہو تو اب بھی اس پر ہجرت فرض ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنا مستحب ہے' علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے ایک مسلمان اپنے اہل' مال اور گھر بار کو چھوڑ کر نبی ﷺ کے پاس چلا جاتا تھا فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی' اور دوسری ہجرت وہ ہے جیسے اعراب ہجرت کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اول الذکر کی طرح ہجرت نہیں کرتے تھے یہ ہجرت قیامت تک باقی ہے' میں کہتا ہوں ہجرت کی ایک اور قسم بھی ہے وہ ہے گناہوں سے ہجرت کرنا' امام احمد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ تم برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرو اور دوسری قسم یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرو اور جب تک توبہ منقطع نہ ہو یہ ہجرت منقطع نہیں ہو گی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ماسوا اس کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو' یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آ چکے ہوں' یا وہ اپنی قوم سے لڑیں اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بے شک وہ تم سے لڑتے۔ (النساء : ۹۰)

جن کافروں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو اس کی پابندی کی جائے گی

اس میں اختلاف ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے وہ کون ہیں' آیا وہ مسلمان ہیں یا کافر' جمہور نے کہا وہ کافر ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کو واجب قرار دیا ہے مگر جب کفار کے ساتھ معاہدہ ہو یا انہوں نے تم سے قتال کرنا ترک کر دیا ہو تو پھر ان کے خلاف قتال واجب نہیں ہے' اس تقدیر پر یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (التوبہ : ۵) (جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو) البتہ جن مشرکوں سے مسلمان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں ان کے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ — مگر جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے

يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ (التوبہ : ۴)

تمہارے ساتھ اس عہد میں کوئی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے ان کا عہد ان کی مدت معینہ تک پورا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ (النحل : ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن کافروں سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تو سورہ النساء : ۹۰ کی اس آیت کے مطابق ان سے جنگ نہیں کی جائے گی اور جن کافروں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا ہے اور وہ جنگ سے تنگ آ چکے ہیں ان سے نہ لڑنے کا حکم التوبہ : ۵ کے حکم سے منسوخ ہے۔

ابو مسلم اصفہانی نے کہا یہ استثناء مسلمانوں کے متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب تمام مسلمانوں پر ہجرت کو فرض کر دیا تو جو لوگ ہجرت کرنے سے معذور تھے ان کو مستثنیٰ کر دیا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کا قصد کریں لیکن ان کے راستہ میں کفار ہوں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو جس کی وجہ سے وہ ہجرت نہ کریں یا جو مسلمان اس لیے کفار سے جہاد نہ کریں اور وہاں سے ہجرت نہ کریں کہ ان کافروں کے درمیان ان کے اہل اور رشتہ دار ہوں اور ان کو یہ خوف ہو کہ اگر انہوں نے وہاں سے ہجرت کی یا ان کافروں کے خلاف جہاد کیا تو وہ ان کے اہل اور رشتہ داروں کو قتل کر دیں گے تو وہ بھی معذور ہیں اور ان مسلمانوں کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود پڑیں۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں منافقین کی ایک اور قسم بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتے تھے تاکہ وہ قتل کیے جانے، گرفتار ہونے اور اموال کے چھن جانے سے محفوظ رہیں اور در حقیقت وہ کافر تھے اور کافروں کے ساتھ تھے اور جب بھی کفار ان کو شرک اور بت پرستی کی طرف بلاتے تو یہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور بہ طور تقیہ اسلام لے آئے تھے، تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کیے جانے سے محفوظ رکھیں اور جب کفار ان کو بت پرستی کی طرف بلاتے تو وہ چلے جاتے تھے، اس تقدیر پر فتنہ سے مراد شرک اور بت پرستی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تہامہ کا ایک قبیلہ تھا، انہوں نے کہا تھا اے اللہ کے نبی ہم آپ سے قتال کریں گے نہ ہماری قوم آپ سے قتال کرے گی اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، اس کے باوجود جب بھی مشرکین فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکاتے تو وہ اس میں کود پڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پکڑ لو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر یہ منافق اپنی روش پر قائم رہیں تو ان سے کھلا جہاد کرو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) اور جس نے کسی مسلمان کو خطا

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ

(بلا قصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

معاف کر دیں، پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ (مقتول) مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد

مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

کرنا لازم ہے، اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ

اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے، سو جو شخص

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ

(غلام یا باندی کو) نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا

اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ۝ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی

فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ

سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت

اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ

کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے ۝ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تو مسلمان نہیں ہے ، تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو ،

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں ، اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کرلیا کرو ، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ

بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ

(کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں ، اپنے جان اور مال سے جہاد کرنے والے

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے ،

دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے ، اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ لا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّ

پر اجرِ عظیم کی فضیلت دی ہے ○ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور

۱۳ ع ۵ ۱۰ رَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع

رحمت ، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) (النساء : ۹۲)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی اور کفار کے خلاف جہاد نہ کرنے والوں کی مذمت کی تھی' اس آیت میں جہاد سے متعلق بعض احکام بیان کیے ہیں کیونکہ جب مسلمان کافروں پر حملہ کریں گے تو بلا قصد و ارادہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے' ایسی صورت کا اللہ تعالیٰ نے حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو یا کسی معاہد ملک کا باشندہ ہو تو اس کے ورثاء کو اس کی دیت ادا کی جائے گی اور اس خطا کے کفارہ میں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر وہ مقتول دارالحرب کا باشندہ ہو تو صرف ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں گے۔

قتل خطاء کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں نے حضرت حذیفہ کے والد یمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تھے اس وقت ابلیس لعنت اللہ علیہ نے چلا کر کہا : اے اللہ کے بندو اپنے پیچھے والوں پر حملہ کرو' پھر اگلی صفوں نے پچھلی صفوں پر حملہ کیا اور وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اچانک حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت یمان پر حملہ کر رہے ہیں' انہوں نے چلا کر کہا یہ میرے باپ ہیں' یہ میرے باپ ہیں' حضرت عائشہ نے بیان کیا بہ خدا وہ اس وقت تک باز نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل نہیں کر دیا' حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۰۶۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ بنو عامر کا ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا' حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کی خبر نہ تھی انہوں نے غلط فہمی سے اس کو قتل کر دیا' اس کی تفصیل یہ ہے :

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ' ابوجہل بن ہشام کے اخیافی (سوتیلے) بھائی تھے' وہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ چلے گئے' ابوجہل' حارث بن ہشام اور ان کے ساتھ بنو عامر کا ایک اور شخص تھا' یہ ان کو لینے مدینہ پہنچ گئے' عیاش سے ان کی ماں بہت محبت کرتی تھی' انہوں نے کہا تمہاری ماں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لے گی سائے میں نہیں بیٹھے گی' وہ دھوپ میں لیٹتی ہے' تم جا کر اپنی ماں کو دیکھ لو' پھر واپس چلے جانا' اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کو واپس مدینہ پہنچا دیں گے' جب وہ مدینہ کی حدود سے باہر آئے تو انہوں نے حضرت عیاش کو باندھ لیا اور بنو عامر کے شخص نے ان کو کوڑے مارے' اس پر انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عامری کو قتل کر دیں گے' پھر وہ کافی عرصہ تک مکہ میں قید رہے اور فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے' ایک دن ان کے سامنے سے عامری آ رہا تھا' وہ مسلمان ہو چکا تھا حضرت عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا' انہوں نے اس کو قتل کر دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۲۷۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے غلط فہمی سے حارث بن زید کو

قتل کیا تھا' اس کے گمان میں وہ کافر تھا' ان کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہیں تھی۔

(الوسیط ج ۲ ص ۹۴۔ ۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الاثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے کہ حارث بن زید مکہ میں مسلمانوں کو ایذاء پہنچایا کرتا تھا وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کے اصحاب کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی حتی کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا تو عیاش بن ربیعہ نے اس کو قتل کر دیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۴)

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی :

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء کسی لشکر کے ساتھ جا رہے تھے وہ قضاء حاجت کے لیے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا' انہوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا اس نے کہا لا الہ الا اللہ حضرت ابوالدرداء نے اس کو قتل کر دیا' اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کے پاس آ گئے پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا! اس نے تم کو اپنی زبان سے اسلام لانے کی خبر دی' اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی' حضرت ابوالدرداء نے کہا یا رسول اللہ! اب میرا کیا ہو گا' آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کا کیا ہو گا' میں بار بار حضور سے یہی عرض کرتا اور آپ یہی فرماتے حتی کہ میں نے تمنا کی کاش یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے کا ہوتا۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۷۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چوتھا قول سعید بن جبیر کا ہے' انہوں نے کہا کہ یہ آیت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو خطاءً قتل کر دیا تھا۔ (روح المعانی' الدر المنثور) اس کی تفصیل یہ ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا' ہم صبح کے وقت جہینہ کے ایک مقام حرقات میں پہنچے' میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اس نے کہا لا الہ الا اللہ میں نے اس کو نیزہ سے مار دیا' پھر مجھے اضطراب ہوا تو میں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا پھر تم نے اس کو قتل کر دیا! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ اس نے حملہ کے خوف سے لا الہ الا اللہ کہا تھا' آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتی کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں! آپ بار بار یہ کلمات فرماتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۶' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۲۰۱' ۶۸۷۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۶۴۳)

قتل خطاء کا معنی اور اس کی دیگر اقسام

قتل خطاء کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ فعل میں خطاء ہو جائے مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی' اور دوسری صورت یہ ہے کہ قصد میں خطا ہو' قتل کرنے والے کا گمان یہ تھا کہ وہ شخص کافر

ہے اور وہ در حقیقت مسلمان تھا' قتل خطا کی دوسری قسم قتل قائم مقام خطاء ہے مثلاً ایک انسان کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر گئی جس سے دوسرا شخص ہلاک ہو گیا' اس کا حکم بھی قتل خطاء کی طرح ہے۔ اس میں مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا' اور ایک قتل بالسبب ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر سوار تھا اور اس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا' اس میں صرف عاقلہ پر دیت ہے۔ (آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار' ٹرک یا بس کے نیچے آ کر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں وہ بھی قتل بالسبب ہیں) (عالم گیری ج ۶ ص ۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

دیت کا معنی

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں' اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا' مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔ علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے کہ دیت کا معنی ہے مقتول کا حق (القاموس ج ۴ ص ۵۷۹) اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً مالی تاوان لازم آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں' اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں۔

قتل خطاء' قتل شبہ عمد اور قتل عمد میں دیت کی مقدار

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت یہ مقرر کی ہے: ایک سال کی بیس اونٹنیاں' ایک سال کے بیس اونٹ' دو سال کی بیس اونٹنیاں' تین سال کی بیس اونٹنیاں' اور چار سال کی بیس اونٹنیاں (اس حدیث کی سند ضعیف ہے خشف بن مالک مجہول الحال ہے اور معروف یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے۔) (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۳۹۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۵۴۵' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۸۱۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۶۳۱' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۹۰۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت اسی طرح ہے جس طرح اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد (کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو قتل کرنا نہ ہو لیکن اس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مر جائے) کی دیت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ پچیس ایک سال کی اونٹنیاں' پچیس دو سال کی اونٹنیاں' پچیس تین سال کی اونٹنیاں اور پچیس چار سال کی اونٹنیاں۔

(فتاوی عالم گیری ج ۶ ص ۲۴' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کو مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں' قتل عمد کی دیت یہ ہے: تیس تین سال کی اونٹنیاں' تیس چار سال کی اونٹنیاں اور چالیس

پانچ سال کی اونٹنیاں اس کے علاوہ جس مقدار پر وہ صلح کر لیں۔
(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۹۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۰۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۲۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیئے جاسکتے ہیں۔
(ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵۔ ۵۸۴' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

ایک ہزار دینار (۴ء۳۷۴) چار اعشاریہ تین سات چار کلوگرام سونے کے برابر ہے اور دس ہزار درہم' (۳۰ء۶۱۸) تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ کلوگرام چاندی کے برابر ہے۔

دیت کی ادائیگی کی مدت اور جن لوگوں کے ذمہ دیت کی ادائیگی ہے

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں :

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دیت تین سال میں لی جائے گی ہر سال میں تہائی (۱/۳) دیت وصول کی جائے گی اور قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے' باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں وہ عاقلہ ہیں' یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے' بعض ائمہ نے کہا دیت صرف ان مردوں پر ہے جو عصبات ہوں عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے' اور ہر شخص پر چوتھائی (۱/۴) دینار دیت لازم کی جائے گی۔ بعض ائمہ نے کہا کہ نصف دینار تک دیت لازم کی جائے گی اگر ان رشتہ داروں سے دیت پوری ہو جائے تو فبہا ورنہ جو قریب ترین قبیلہ کے لوگ ہیں ان پر دیت لازم کی جائے گی۔
(سنن ترمذی ج ۳ ص ۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عمد' شبہ العمد اور خطائیوں کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک دیت العمد معجل ہے اور باقی دیت تین سال میں ادا کی جائے گی۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۷)

علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

عاقلہ عصبات کو کہتے ہیں یعنی باپ کی طرف سے رشتہ دار جو قتل خطاء میں قاتل کی جانب سے مقتول کی دیت ادا کرتے ہیں اور اسی معنی میں حدیث ہے "دیت عاقلہ پر ہے"

علامہ سید عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں :

امام شافعی کے نزدیک باپ' دادا' بیٹا اور پوتا' عاقلہ میں داخل نہیں ہیں' امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے' امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آباء اور ابناء عاقلہ میں داخل ہیں کیونکہ دیت کو برداشت کرنے میں عصبات میراث کی طرح ہیں' جس طرح میراث میں عصبات اقرب فالا قرب اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح دیت کو برداشت کرنے میں بھی ان کا اعتبار ہو گا۔ (التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۹۸۔ ۱۹۵' ملخصاً' مطبوعہ بیروت)

جو لوگ کسی کمپنی کی بس' ٹرک یا ٹریلر کے نیچے آ کر حادثہ میں ہلاک ہو جاتے ہیں اس میں قاتل کی عاقلہ وہ کمپنی یا ادارہ ہے اور اس کی دیت اس کمپنی کو ادا کرنی چاہیے۔

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کی جو مقدار مقرر ہو گی وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے' امام شافعی کے نزدیک امیر آدمی پر نصف دینار اور متوسط شخص پر چوتھائی مثقال ہے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی شخص سے تین یا چار درہم سے زیادہ نہ لیے جائیں (نصف دینار' پانچ درہم یعنی ایک اعشاریہ تین ایک دو تولہ چاندی کے برابر ہے اور

رائج مثقال ایک اعشاریہ ایک ایک پانچ گرام چاندی کے برابر ہے)

اگر کسی شخص کے عصبات نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی' ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے' اور امام ابوحنیفہ' امام محمد اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ قاتل کے مال سے دیت وصول کی جائے گی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے۔ (التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۹۸۔ ۱۹۵' ملخصاً مطبوعہ بیروت)

عورت کی نصف دیت کی تحقیق

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے' یہ حضرت علی سے موقوفا" روایت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے مرفوعا" مروی ہے' کیونکہ عورت کا حال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے' عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۹۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں :

امام ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔ (کتاب الآثار ص ۱۲۶' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۷ھ)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں :

سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے' ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۶۰۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۵)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کا نصف ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۹ ص ۲۵۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱۰ ص ۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں بھی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اس پر تمام ائمہ مذاہب کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کسی مسلمان کو خطاء" (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ (النساء : ۹۲)

قتل خطاء کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی حکمت

اس آیت میں مسلمان کو خطاء" قتل کرنے والے پر دو چیزیں واجب کی ہیں' کفارہ اور دیت' اور کفارہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے کیونکہ قاتل نے مسلمان شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرے' غلام ہونا بہ منزلہ موت ہے' اور آزادی بہ منزلہ حیات ہے' تو ایک مسلمان کو مارنے کی تلافی اس طرح ہو گی کہ ایک مسلمان کو زندہ کیا جائے' ہرچند کہ یہاں غلام کا مطلقا" ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ جب مطلق کو ذکر کیا جائے تو اس سے ذات کے اعتبار سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور صفت اپنے اطلاق پر رہتی ہے' اس لیے اندھا' لنگڑا' مجنون اور لولا غلام آزاد کرنا معتبر نہیں اور نہ ہی مکاتب' مدبر یا ام ولد کا اعتبار ہو گا' اس کے علاوہ غلام کا چھوٹا یا بڑا ہونا' مرد یا عورت ہونا' کالا یا گورا ہونا' یہ از قبیل صفات ہیں اور کسی بھی صفت کا غلام آزاد کیا جا سکے گا' اب چونکہ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت کی وجہ سے غلام بنانے کا دور ختم ہو چکا ہے' اس لیے اب قتل خطاء کے کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں گے۔

ورثاء مقتول میں دیت کو تقسیم کرنے کے احکام

مسلمان مقتول کی دیت کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سو اونٹ ہیں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم' اور یہ دیت تین سال کے اندر مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی اور جس طرح ورثاء میں مرنے والے کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے اسی قاعدہ اور تناسب سے دیت تقسیم کی جائے گی' مقتول کی تجہیز و تکفین کے بعد اس میں سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر تہائی (۱/۳) دیت سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر دیت بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔

یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب مقتول کے ورثاء دیت معاف نہ کریں لیکن اگر انہوں نے معاف کر دی تب بھی کفارہ بہرحال ادا کرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مقتول مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ (النساء : ۹۲)

دار الحرب میں کسی مسلمان کو خطاء" قتل کرنے پر دیت لازم نہ کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے مسلمان کو دار الحرب میں خطاء" قتل کر دیا تو اس کے کفارہ میں صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا اور مقتول کے اولیاء کو دیت ادا نہیں کی جائے گی' کیونکہ دیت بہ طور وراثت دی جاتی ہے اور دار الاسلام اور دار الحرب کے رہنے والوں کے درمیان وراثت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے۔ (النساء : ۹۲)

ذمی کافر کی دیت میں مذاہب ائمہ

جس کافر قوم سے مسلمانوں نے معاہدہ کیا ہو اس کے کسی فرد کو اگر کسی مسلمان نے خطاء" قتل کر دیا یا مسلمان ملک میں کسی ذمی کافر کو مسلمان نے خطاء" قتل کر دیا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ اس کے ورثاء

کو بھی دیت ادا کی جائے گی' اور کفارہ میں ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا' امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمی کافر اور مسلمان کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیت کو کسی خاص مقدار سے معین نہیں فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی' نیز اہل عرب میں دیت کا لفظ سو اونٹوں میں معروف تھا اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مقتول کی دیت سو اونٹ ادا کرنے کا تعامل تھا' اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معاہد اور ذمی کو اگر خطاء" قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت ادا کی جائے گی تو اس کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا معنی ہو گا کہ ذمی مقتول کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی' نیز اس آیت کے نزول سے پہلے مسلم اور کافر کی دیت میں فرق نہیں تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذمی کی دیت کو مسلم کی دیت کے ذکر کے بعد بغیر کسی فرق کے ذکر کیا للہذا اس آیت میں بھی دیت کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور ذمی کافر کی بھی پوری دیت ادا کی جائے گی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک نے کہا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۷' ملخصاً' مطبوعہ ایران)

ذمی کافر کی نصف دیت پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل اور اس کا غیر مستحکم ہونا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی' متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے کیونکہ عمرو بن شعیب از والد از جد مختلف فیہ ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۱۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۴۸۲۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۴۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۸۳)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

یہودی اور نصرانی کی دیت میں اہل علم کا اختلاف ہے' بعض اہل علم کا مذہب اس مسئلہ میں اس حدیث کے مطابق ہے' اور عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے' امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے' اور حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے' اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے' امام مالک بن انس' امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے' اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے' یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ ص ۱۰۷-۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند سے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی محمد بن راشد ہے اس کے متعلق امام عبد اللہ بن المبارک نے کہا یہ صادق تھا لیکن یہ شیعی یا قدری تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۵)

اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی عبد الرحمان بن الحارث بن عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ ہے اس کے متعلق امام احمد نے کہا یہ متروک ہے اور علی بن المدینی نے اس کو ضعیف کہا

ہے تاہم اس کی تعدیل بھی کی گئی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۳)

ان حوالوں سے واضح ہو گیا کہ جس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے وہ اس قدر مستحکم نہیں کہ وہ قرآن مجید کے ذکر کردہ لفظ کے متعارف معنی کے مزاحم ہو سکے۔

ذمی کافر اور مسلم کی دیت کے مساوی ہونے پر امام اعظم کے دلائل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل نفس میں مسلمان اور کافر ذمی یا معاہد کی دیت برابر ہے' قرآن مجید میں لفظ دیت کے متعارف معنی کے علاوہ ان کے موقف پر حسب ذیل احادیث دلیل ہیں' امام ابو حنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔

(مسند ابی حنیفہ مع شرح القاری ص ۲۰۸' مطبوعہ بیروت)

امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں :

ابراہیم نخعی نے کہا ذمی مرد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار' رقم الحدیث : ۹۶۹)

زہری نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل ذمہ کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔

(کتاب الآثار' رقم الحدیث : ۹۷۲)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو الہیثم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ ذمی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار' رقم الحدیث : ۵۸۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے نصرانی کی دیت اور یہودی کی دیت کو آزاد مسلمان کے برابر قرار دیا۔ امام محمد نے کہا ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار' رقم الحدیث : ۵۸۹)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذمی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۷۹۵)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو کرز ضعیف ہے لیکن باقی احادیث اور آثار صحیحہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف پر قوی دلیل ہیں اور ظاہر قرآن بھی آپ کے موقف پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے مسلم اور کافر کی دیت عمد اور دیت خطا میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص (غلام یا باندی) کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۹۲)

قتل خطاء کے کفارہ کا بیان

کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو دار الاسلام میں خطاءً قتل کیا ہو یا کسی مسلمان کو دار الحرب میں خطاء" قتل کیا ہو یا کسی

ذمی کو دارالاسلام میں قتل کیا ہو تینوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے اور وہ ایک مسلمان گردن (باندی یا غلام) کو آزاد کرنا ہے' اب اگر کسی شخص کی قدرت میں غلام آزاد کرنا نہ ہو یا غلام کا رواج ہی ختم ہو گیا ہو جیسا کہ آج کل ہے تو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا' بایں طور کہ یہ روزے رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ میں اس ترتیب سے رکھے جائیں کہ عیدین اور ایام تشریق کے دن ان میں حائل نہ ہوں' اس لیے یہ روزے ایام تشریق کے بعد رکھنے چاہئیں اور جو شخص نادم ہو کر خطاء' قائم مقام خطا' قتل شبہ عمد اور قتل بالسبب میں دیت اور کفارہ ادا کر دے گا تو اللہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً" قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(النساء : ۹۳)

قتل عمد کی تعریف اور اس کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمداً" مسلمان کو قتل کرنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے اس لیے قتل عمد کی تعریف کو جاننا ضروری ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لیے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لیے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط ج ۲۶ ص ۵۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے وہ قتل عمد ہے' مثلاً بانس کی کھپچی یا لاٹھی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کر دے جو ہتھیار کا کام کرتی ہو یا آگ سے جلا دے' امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

احادیث میں تلوار اور پتھر سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار کے علاوہ ہر چیز خطاء ہے اور ہر خطاء کا ایک تاوان ہے۔ (مسند احمد ج ۶' رقم الحدیث ۱۸۴۵۱' ۱۸۴۲۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۴۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لیے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا' اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی' اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم کو کس نے قتل کیا

ہے۔ کیا فلاں شخص نے؟ اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا' اس نے سر کے اشارہ سے کہا نہیں' پھر فرمایا فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں' رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۲۹۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۷۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۲۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۹۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۶۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۸' ۲۶۹' ۲۰۳' ۱۶۳' ۱۸۳' ۲۶۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تلوار ہو' پتھر ہو یا کوئی اور دھار دار چیز ہو یا ہتھیار ہو اس سے قتل کرنا عمد ہے' بندوق' کلاشنکوف' پستول وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔

قتل عمد پر اللہ اور اس کے رسول کے غضب کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے' پھر وہ مجھ سے بچنے کے لیے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا' یا رسول اللہ! کیا میں اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو قتل مت کرو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے' اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے کیا میں اس کو قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہو گا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہو گے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۵' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۰۱۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۶۴۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۰۰' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۰۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۵۲' کنز العمال' رقم الحدیث : ۳۹۹۵۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہو گی؟ انہوں نے کہا اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی (النساء : ۹۳) حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی نازل نہیں ہوئی' اس نے کہا یہ بتایئے اگر وہ توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے' پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی توبہ کیسے ہو گی؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے : اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے

پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوا ہو گا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا اور وہ شخص کہے گا اے میرے رب اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔

(مسند احمد ج ا رقم الحدیث : ۲۱۴۲ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

مسلمان کے قاتل کی مغفرت نہ ہونے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے' اور شرک کے سوا ہر گناہ لائق مغفرت ہے' حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور جہنم میں خلود کفار کے لیے ہوتا ہے اور جو گناہ لائق معافی ہو اس کے لیے جہنم میں خلود نہیں ہوتا' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں :

۱۔ جب مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے کسی مومن کو اس کے مومن ہونے کے سبب سے قتل کیا تو اس کی سزا جہنم میں خلود ہے اور جو شخص کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے گا وہ کافر ہو گا اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۲۔ اس آیت میں "من" کا لفظ ہرچند کہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس سے ہر قاتل خواہ مومن ہو یا کافر' مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کافر قاتل مراد ہے اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۳۔ یہ آیت ایک خاص قاتل کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر اس نے مرتد ہو کر ایک مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ روح المعانی میں اس کے متعلق روایت بیان کی گئی ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۱۱۵)

۴۔ اگر اس آیت میں قاتل سے مراد مسلمان لیا جائے تو آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کی سزا جہنم میں خلود ہے' یعنی وہ اس سزا کا مستحق ہے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

۵۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو خلود سے مجازاً" مکث طویل مراد ہے یعنی وہ لمبے عرصے تک جہنم میں رہے گا۔

۶۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو اس آیت میں شرط محذوف ہے یعنی اگر اس کی مغفرت نہ کی گئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس کو خلف وعید سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ بہ طور کرم خلف وعید جائز ہے لیکن یہ بظاہر خلف وعید ہے' حقیقت میں چونکہ یہاں شرط محذوف ہے اس لیے کوئی خلف نہیں ہے۔

۷۔ یہ آیت انشاء تخویف پر محمول ہے یعنی مسلمانوں کو قتل کرنے سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے' حقیقت میں کسی مسلمان قاتل کو جہنم میں خلود کی سزا دینے کی خبر نہیں دی گئی۔

۸۔ اگر کسی مسلمان نے قتل مسلم کو معمولی سمجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور پھر اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۹۔ اگر کسی مسلمان نے بغض اور عناد کے غلبہ کی وجہ سے قتل مسلم کی حرمت کا انکار کر دیا اور پھر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۱۰۔ اگر معاذ اللہ کسی مسلمان نے مسلمان کے قتل کرنے کو حلال اور جائز قرار دے کر یا اس حکم کی توہین کرنے کے لیے کسی مسلمان کو قتل کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (النساء: ۹۴)

سلام کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور یمامہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا اس جماعت میں ابوقتادہ بن ربعی اور محلم بن جثامہ بھی تھے' ہم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب اضم میں پہنچ گئے' تو ہمارے پاس سے عامر اشجعی کا گزر ہوا جو ایک اونٹ پر اپنا سامان رکھے ہوئے جا رہا تھا' اور اس کے پاس دودھ کا ایک مشکیزہ بھی تھا' جب وہ ہمارے پاس سے گزرا تو اس نے ہم کو سلام کیا' ہم نے اس کو کچھ نہیں کہا اور محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور اس کا سامان چھین لیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ الآیہ (النساء: ۹۴) (مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث ۲۳۹۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پاس سے بکریاں چراتے ہوئے گزرا اس نے سلام کیا' صحابہ نے کہا اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے ہم کو سلام کیا ہے انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا' اور اس کی بکریاں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اس موقع پر یہ آیت (النساء: ۹۴) نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۵۹۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۳۰۲۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۷۴' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۴۱' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۱۷' مسند احمد' رقم الحدیث: ۲۰۲۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۴۷۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۵)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص مرداس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب لیثی کی قیادت میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ کیا ان کو وہاں مرداس' غطفان کے لوگوں کا ساتھ ملا' مرداس کے ساتھی بھاگ گئے' مرداس نے کہا بہ خدا میں مومن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا تھا' پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی مرداس نے ان کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کے شان نزول میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے اور کسی شخص کے باطن کو ٹٹولنے سے ہم کو منع کیا گیا ہے اور دل کے حال کو جاننا انسانوں کا منصب نہیں ہے' یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے جو علام الغیوب ہے اور کسی شخص کے متعلق بدگمانی کر کے

اس کو قتل کرنا ممنوع ہے' اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اسامہ نے ایک شخص کو کلمہ پڑھنے کے بعد اس خیال سے قتل کر دیا تھا کہ شاید اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے' آپ نے حضرت اسامہ سے اس شخص کے قصاص لینے کا حکم نہیں دیا' اور مذکور الصدر احادیث میں جن صحابہ نے ایک شخص کو سلام کرنے کے بعد قتل کر دیا تھا آپ نے ان کو بھی قصاص میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اول تو یہ ابتداء اسلام کے واقعات ہیں ثانیاً" یہ کہ انہوں نے تاویل سے قتل کیا تھا' البتہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور اس کا حکم معلوم ہونے کے بعد جس نے کسی کے متعلق بدگمانی کر کے اس کو قتل کر دیا اس سے قصاص لیا جائے گا' بہرحال اس آیت سے فقہ کا یہ عظیم ضابطہ معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے۔

نیز اس آیت میں یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کا جہاد سے مقصود صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہونا چاہئے اور مال غنیمت حاصل کرنا ان کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **بلاعذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں' اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر ایک درجہ میں فضیلت دی ہے' اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے○ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور رحمت اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔**

بلاعذر جہاد میں شریک نہ ہونے والے' مجاہدین کے برابر نہیں ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں سفر میں سختیاں اور بھوک اور پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ میں زخم کھاتے ہیں ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو بغیر کسی جسمانی عذر کے جہاد کے لیے نہیں جاتے اور اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لا یستوی القاعدون من المؤمنین۔ الایہ تو حضرت عبداللہ بن عمرو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ نابینا تھے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نابینا ہوں۔ آپ مجھے جہاد کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی غیر اولی الضرر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (چوڑی) ہڈی اور دوات لاؤ' یا فرمایا لوح اور دوات لاؤ۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۲' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر سے مراد وہ مسلمان ہیں جو بغیر کسی ضرر یا عذر کے جنگ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے اور جہاد کرنے والوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو جنگ بدر میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ جب غزوہ بدر میں شریک ہونے کا حکم آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ ہم نابینا ہیں کیا ہمارے لیے رخصت ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۳' سنن کبریٰ للنسائی ج ۶' رقم الحدیث : ۱۱۱۱۷)

عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والے' مجاہدین کے برابر ہیں

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو مسلمان جہاد میں شامل ہونے کی نیت رکھتے ہوں لیکن جسمانی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں وہ اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلاعذر جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے وہ مجاہدوں کے برابر نہیں ہیں- اس کا مطلب یہ ہے کہ عذر والے' مجاہدین کے برابر ہیں' اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے-

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں فرمایا : ہم مدینہ میں کچھ مسلمانوں کو چھوڑ آئے ہیں اور ہم نے جب بھی کسی گھاٹی یا وادی کو عبور کیا ہے تو وہ ہمارے ساتھ تھے' وہ عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے-

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۲۸۳۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا تم نے جب بھی کسی رات سفر کیا یا کسی وادی کو عبور کیا تو مدینہ کے کچھ مسلمان تمہارے ساتھ ہوتے تھے' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو مدینہ میں ہیں' آپ نے فرمایا : وہ مدینہ میں ہیں لیکن عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے- (امام مسلم نے یہ حدیث اختصار کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کی ہے-)

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۶۵' ۲۷۶۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۴۹۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲' ۳۰۰)

غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بھی فضیلت بیان کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جو مال دار لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیگر فرائض اور واجبات کو بجا لاتے ہیں اور جن کاموں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں ان کو نفلی عبادت کرنے والوں پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ وہ اپنے مال کو جہاد' اسلام کی ترویج و اشاعت اور دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں-

اس مسئلہ میں بحث کی گئی ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے یا فقیر صابر افضل ہوتا ہے' بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کو فضیلت اور درجہ حاصل ہے' نیز غنی کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور فقیر عاجز ہوتا ہے اور قدرت عجز سے افضل ہے' اور بعض نے کہا فقیر صابر افضل ہوتا ہے' کیونکہ غنی شاکر کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے جو اجر ملتا ہے وہ دس گنا ہے' سات سو گنا ہے یا چودہ سو گنا ہے اور بہرحال حد اور حساب سے ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے :

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر : ۱۰) — صرف صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا-

اس سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر سے فقیر صابر افضل ہے' نیز غنی دنیا کی طلب میں رہتا ہے جب کہ فقیر دنیا کو ترک کرتا ہے اور دنیا کو طلب کرنے سے دنیا کو ترک کرنا افضل ہے' اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل

ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی یہ بحث رہتی تھی کہ فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر افضل ہے اور ہر ایک اجر و ثواب میں دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مالدار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور جنت کی نعمتیں لے گئے' نبی ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرسکتے' وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس سے تم ان سے بڑھ جاؤ گے جو تم پر سبقت کرتے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے بھی بڑھ جاؤ گے؟ اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہوسکے گا مگر وہ جو تمہاری طرح اس کام کو کرے' فقراء مہاجرین نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو' (دوسری روایت میں ہے سبحان اللہ' الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو) فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا : ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی اس کام کو سن لیا اور وہ بھی اس طرح کرنے لگے' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۹۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقیر صابر سے غنی شاکر افضل ہے کیونکہ اس کو ایسی عبادات انجام دینے کا موقع ملتا ہے جو فقراء کی پہنچ میں نہیں ہوتیں' یہ بھی واضح رہے کہ فقیر صابر سے مراد آج کل کے گداگر نہیں ہیں اور نہ غنی شاکر سے مراد آج کل کے سرمایہ دار ہیں بلکہ فقراء سے مراد ایسے فقراء ہیں جیسے فقراء مہاجرین تھے مثلاً حضرت بلال' حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومی وغیرہ' اور اغنیاء سے مراد ایسے اغنیاء ہیں جیسے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف وغیرہ تھے' اور فقیر صابر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ شاکر نہ ہو' اور غنی شاکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ صابر نہ ہو' بلکہ ہردو کو جب کوئی نعمت ملے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کریں لیکن غنی کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو شکر کرنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں اس لیے اس کو غنی شاکر سے تعبیر کرتے ہیں اور فقیر کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو صبر کے مواقع زیادہ ملتے ہیں' اس لیے اس کو فقیر صابر سے تعبیر کرتے ہیں اور صبر کرنا بھی عبادت ہے اور شکر کرنا بھی عبادت ہے تاہم اگر اغنیاء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کو ایسی عبادت کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں جو فقراء کی دسترس میں نہیں ہیں تو فقراء کے لیے یہ فضیلت کچھ کم نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے جو زندگی گزاری ہے وہ عیش' نعمت اور اغنیاء کی زندگی نہیں ہے وہ فقراء کی زندگی ہے اگر اغنیاء کو عبادت میں سبقت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کو رسول اللہ ﷺ کی حیات اپنانے کی فضیلت حاصل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا' اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی! وہ کہے گا اے میرے رب میں تیری کیسے عیادت کرتا تو رب العلمین ہے'

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا' پھر فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا' وہ کہے گا : اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا تو رب العٰلمین ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا' پھر فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا! وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو رب العالمین ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۶۹)

فقراء کے لیے یہ کچھ کم اعزاز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے' اگر اغنیاء کو کثرت عبادت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کے لیے یہ کم فضیلت نہیں ہے کہ اللہ ان کے حال کو اپنا حال فرماتا ہے۔ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ

بیشک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے کہتے ہیں کہ تم

كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ

کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ

تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ

کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے ○ مگر جو (واقعی) کمزور ہوں

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً

مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ

اور نہ راستہ جانتے ہوں ○ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ
فرمائے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے ○ اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا

اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ
وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا، اور جو اپنے گھر سے

مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ
اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اس کو موت پالے

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴
تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ الآیہ (النساء: ۹۸-۹۷)

فرضیت ہجرت کی آیات کا شان نزول

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو فرض فرمایا ہے اور مکہ کے جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی ان پر سخت وعید فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرحمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا گیا۔ میرا نام بھی اس میں لکھا گیا تھا اس وقت حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے اس جنگ میں شامل ہونے سے سختی سے منع کیا اور کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ (مکہ کے) کچھ مسلمان '(جنگ بدر میں) مشرکین (کی تعداد بڑھانے کے لیے ان) کے ساتھ تھے' یہ لشکر رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کے لیے آیا تھا' آپ کے لشکر کی طرف سے کوئی تیر آ کر ان مسلمانوں کے لگتا اور وہ ہلاک ہو جاتا یا لڑائی میں مارا جاتا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۵۹۶' سنن کبریٰ للنسائی: ج ۶' رقم الحدیث ۱۱۱۹)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میری ماں ان کمزور لوگوں میں سے تھی جن کا اللہ نے کفر کی سرزمین سے ہجرت کرنے کے حکم سے استثناء فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۵۹۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مکہ کے ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی جو ان میں سے مکہ میں فوت ہو گئے وہ ہلاک ہو گئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: بے شک فرشتے جن لوگوں کی

روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (فرشتے کہتے ہیں) کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے ـــــ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ مگر جو (واقعی) کم زور ہوں مردوں' عورتوں اور بچوں میں سے ـــ سو یہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا۔ (النساء : ۹۸ـ ۹۷) حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور میری والدہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس بھی ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے' جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے گئے' ان میں سے بعض مسلمان جنگ میں مارے گئے' مسلمانوں نے کہا ہمارے یہ اصحاب مسلمان تھے ان کو زبردستی جنگ میں لایا گیا تھا' انہوں نے ان کے لیے استغفار کیا اس موقع پر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ تب مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیجی گئی اور ان سے یہ کہا گیا کہ اب ان کے لیے ہجرت میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے وہ مکہ سے نکلے تو مشرکین ان کے مقابلہ میں آئے اور وہ فتنہ میں پڑ گئے اس وقت ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ (العنکبوت : ۱۰)

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف دی جائے تو وہ لوگوں کے فتنہ کو اللہ کے عذاب کی طرح کر دیتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۳۱۷ـ ۳۱۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! ولید' سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما' اور ان کمزور مسلمانوں کو جو مشرکین کے زیر تسلط ہیں' جن کو وہاں سے نکلنے کے لیے کسی حیلہ پر قدرت ہے نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۲۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی سمع اللہ لمن حمدہ پڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے اور سجدہ سے پہلے آپ نے یہ دعا مانگی : اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما' اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما' اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما' اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما' اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت سخت فرما' اے اللہ! ان پر ایسے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف کے زمانہ میں (قحط کے) سال مسلط کر دیئے تھے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا' وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے' پھر اس کو موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۹۹)

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لیے مشرکوں کے ملک سے اللہ اور اس کے

رسول کی طرف بھاگے' اور ارض اسلام اور دار ہجرت میں پہنچنے سے پہلے اس کو موت آ لے تو اس کے اس عمل کا اجر اور ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' اور اس نے اسلام کی خاطر اپنے وطن اور رشتہ داروں کو جو چھوڑا ہے اللہ اس کی جزاء اس کو عطا فرمائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کا نام ضمرہ بن العیص یا العیص بن ضمرہ تھا' جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو وہ بیمار تھا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا وہ اس کو چارپائی پر ڈال کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلیں' وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے وہ ابھی مقام تنعیم (مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں) پر پہنچے تھے کہ اس شخص کی وفات ہو گئی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ہجرت کا شرعی حکم

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جس ملک یا شہر میں مسلمانوں کو دین اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور یہ کہ ابتداء میں مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض تھا اور مکہ فتح ہونے کے بعد جب مکہ دار الاسلام بن گیا تو یہ ہجرت منسوخ ہو گئی' اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مرد' عورتیں اور بچے کمزور ہوں یا بیمار ہوں اور ان کو ہجرت کرنے کی کوئی تدبیر معلوم نہ ہو' نہ راستے کا علم ہو ان کے ہجرت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا' اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان نیک نیتی سے کوئی عبادت شروع کرے اور اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس نیک کام کا پورا پورا اجر عطا فرماتا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب

ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے حسب ذیل اسباب تھے :

(۱) مدینہ منورہ میں نبی ﷺ پر وقتاً فوقتاً احکام شرعیہ نازل ہو رہے تھے اور دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان ہر طرف سے اس مرکز علم کی طرف آئیں' اسی طرح اب بھی اگر کوئی مسلمان کسی ایسے علاقہ میں رہتا ہو جہاں علماء دین نہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف ہجرت کرے جہاں علماء دین ہوں' اور وہاں جا کر علماء دین سے علم حاصل کرے نکاح کرنے سے پہلے نکاح اور طلاق کے ضروری مسائل سیکھے حج اور عمرہ سے پہلے حج اور عمرہ کے مسائل معلوم کرے' تجارت کرنے سے پہلے تجارت' بیع شراء اور سود کے مسائل کا علم حاصل کرے' اور بالغ ہونے سے پہلے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کا علم حاصل کرے علیٰ ھذا القیاس۔

(۲) مدینہ میں مسلمان آزادی سے احکام شرعیہ اور شعائر اسلام پر عمل کرتے تھے جب کہ فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شعائر اسلام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا سو اب بھی اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان اسلام کے شعائر پر آزادی اور امن سے عمل نہ کر سکے تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۳) مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ بتلایا جائے کہ اسلام میں وطن کی اہمیت نہیں ہے بلکہ دین کی اہمیت ہے اور دین کی خاطر وطن کو چھوڑ دیا جائے گا' اور یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت اور آپ کی اتباع مسلمانوں پر فرض ہے اور جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تو آپ کی اتباع میں مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض کر دی گئی' اور

اس لیے بھی کہ مدینہ منورہ اسلام کی پہلی ریاست تھی سو اس ریاست کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے وہاں مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانا ضروری تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان مدینہ میں جمع ہو جائیں۔

دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں :

(۱) دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا' ہجرت کی یہ قسم قیامت تک کے لیے فرض ہے' سو جو شخص دار الحرب میں اسلام قبول کرے اس پر دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے' اگر وہ دار الحرب میں ہی مقیم رہا تو گنہ گار ہو گا۔

(۲) جس علاقہ میں اہل بدعت کا غلبہ ہو اور سلف صالحین پر وہاں تبرا کیا جاتا ہو اور صالح مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں اس علاقہ سے ان مسلمانوں کا ہجرت کرنا واجب ہے' اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام : ۶۸)

اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتیٰ کہ وہ کسی اور موضوع پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

(۳) جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اس سرزمین سے نکل جائے کیونکہ حلال کو طلب کرنا اور حرام سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۴) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے جسم کے نقصان کا خطرہ ہو' اس پر واجب ہے کہ وہ کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (العنکبوت : ۲۶)

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (القصص : ۲۱)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے' وہ انتظار کرتے تھے (کہ اب کیا ہو گا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچا لے۔

(۵) جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو' اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ وبا نہ ہو' اس قاعدہ سے صرف طاعون مستثنیٰ ہے۔

(۶) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پر امن علاقہ میں چلا جائے۔

(۷) اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے بھی نکلنا واجب ہے' کیونکہ مسلمان پر اپنی جان' مال اور عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے' امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا : یہ حج اکبر کا دن ہے تمہارا خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن اس شہر کی حرمت ہے۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۵۸' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۷۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۹۴۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں ہے ورنہ ہجرت فرض نہ ہوتی کیونکہ انسان تقیہ کر کے کافروں اور فاسقوں سے ظاہری موافقت کر کے ایسی جگہ رہ سکتا ہے۔

یہ ہجرت کی وہ اقسام ہیں جن میں کسی ضرر سے بچنے کے لیے ہجرت کی جاتی ہے' اور ہجرت کی بعض اقسام وہ ہیں جن میں کسی نفع کے حصول کے لیے ہجرت کی جاتی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

حصول نفع کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) کسی علاقہ کے آثار عذاب سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا' قرآن مجید میں ہے :

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (یوسف : ۱۰۹)

کیا یہ لوگ زمین میں سفر نہیں کرتے تاکہ یہ دیکھیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں' اور کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ زمین کے عجائبات دیکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے زمین میں سفر کیا تھا۔

(۲) حج کرنے کے لیے سفر کرنا' یہ سفر زندگی میں ایک بار بشرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

(۳) جہاد کے لیے سفر کرنا' اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سربراہ ملک جن لوگوں کو جہاد کے لیے بلائے ان کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔

(۴) اگر اپنے شہر میں رزق حلال اور معاش کا حصول متعذر اور مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال کو طلب کرنا فرض ہے' قرآن مجید میں ہے :

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ (المزمل : ۲۰)

اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے' اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے۔

(۵) تجارت کے لیے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لیے جانا' اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دی ہے :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (البقرہ : ۱۹۸)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کے فضل کو تلاش کرو۔

(۶) علم دین اور علم نافع کی طلب کے لیے سفر کرنا' قرآن مجید میں ہے :

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبہ : ۱۲۲)

تو (مسلمانوں کے) ہر گروہ سے کیوں نہ ایک جماعت دین سیکھنے کے لیے روانہ ہوئی تاکہ وہ واپس آکر اپنی قوم کو ڈرائیں۔ شاید وہ گناہ سے بچتے رہیں۔

(۷) متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مسجدوں کے سوا سامان سفر نہ باندھنا میری یہ مسجد' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۱۸۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۳۹۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۰۳۳' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۲۸۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۶' سنن ابن ماجہ' رقم

الحدیث : ۱۴۰۹ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۴ سنن دارمی رقم الحدیث : ۱۴۲۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴)

(۸) اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا اور دشمن سے مقابلوں کے لیے مجاہدوں کا جمع ہونا۔

(۹) ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر کرنا' رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا۔

(۱۰) ملک کے نظم و نسق چلانے اور انتظامی امور کے لیے سفر کرنا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۶۱۲-۶۱۱ مع توضیح و زیادۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم

تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ

نماز میں قصر کر لو، اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں

كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۰۱﴾ وَإِذَا كُنْتَ

گے، بیشک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ○ اور (اے رسول مکرم) جب

فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ

آپ ان (مسلمانوں) کے درمیان ہوں اور آپ (حالت جنگ میں) نماز کے لیے کھڑے ہوں تو مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ

وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠

نماز پڑھے اور یہ لوگ اپنے ہتھیاروں سے مسلح رہیں اور جب وہ سجدہ کر لیں تو پیچھے چلے جائیں،

وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

اور مسلمانوں کی دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آ کر آپ کے ساتھ (دوسری رکعت) نماز پڑھے

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ

اور وہ (بھی) اپنے اسلحہ کے ساتھ مسلح رہیں، کافر یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے

أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ

غافل ہو جاؤ تو وہ یکبارگی لوٹ کر تم پر حملہ کر دیں،

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم بارش یا بیماری کی وجہ سے اپنے ہتھیار

مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اتار کر رکھ دو اور (ضروری) سامان لیے رہو، بیشک اللہ نے کافروں

أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ

کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ پس جب تم نماز ادا کر لو تو حالت قیام

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ

میں، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو، پھر جب تم مامون ہو جاؤ

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا

تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ بیشک ایمان والوں پر نماز وقت مقرر میں فرض کی گئی

مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ

ہے ○ اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو

فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا

بھی تکلیف پہنچی ہے جیسا کہ تم کو تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو، اس کی وہ امید

يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ ع ١٥ ١٢

نہیں رکھتے، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو' اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے۔ (النساء: ١٠١)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم مسافت کے مطابق سفر کرو (یہ اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز ہے) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم چار رکعت کی نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھ لو' قرآن مجید سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر کی رخصت صرف اس صورت میں ہے جب کفار کے حملہ کرنے کا خطرہ ہو لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سفر شرعی میں یہ

رخصت زمانہ جنگ اور امن دونوں کو شامل ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے عنقریب بیان کریں گے' پہلے ہم اس آیت کا شان نزول بیان کریں گے' اور صلوۃ خوف پڑھنے کا طریقہ بیان کریں گے' پھر زمانہ امن میں نماز قصر پڑھنے کے دلائل ذکر کریں گے اور اخیر میں مسافت شرعیہ کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق

نماز خوف کا شان نزول

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابو عیاش الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) میں تھے اور مشرکین کے امیر خالد بن ولید تھے' ہم نے ظہر کی نماز پڑھی' مشرکین نے کہا ہم نے ان کو غافل پایا کاش ہم ان پر اس وقت حملہ کر دیتے جب یہ نماز میں تھے' اس موقع پر ظہر اور عصر کے درمیانی وقت میں قصر کے متعلق (یہ) آیت نازل ہو گئی' جب عصر کی نماز آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی' آپ نے ہمارے دو گروہ کر دیئے' ایک گروہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا رہا اور دوسرا گروہ آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ (الحدیث)

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۵۴۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۲۳۶' المستدرک : ج ۱ ص ۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۶۔ ۲۵۴)

نماز خوف پڑھنے کا طریقہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گیا' ہم دشمن کے سامنے کھڑے ہو گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری صفیں بنائیں' ایک صف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی' پھر یہ لوگ پہلے گروہ کی جگہ چلے گئے (جو دشمن کے سامنے تھا) جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی پھر آپ نے سلام پھیر دیا' پھر ان میں سے ہر گروہ نے (بقیہ) ایک رکوع اور دو سجدے کیے (جس نے آپ کے پیچھے پہلی رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت لاحق کی طرح پڑھی اور جس نے آپ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت مسبوق کی طرح پڑھی)

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۹۴۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۸۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۲۴۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۵۶۴' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۵۳۸' مصنف عبدالرزاق : ۴۲۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۵۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۳)

امام محمد از امام ابوحنیفہ' از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں :

جب امام اپنے اصحاب کو نماز خوف پڑھائے تو ایک جماعت امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے' جو جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہے امام اس کو ایک رکعت نماز پڑھائے' پھر جس جماعت نے امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی وہ کوئی کلام کیے بغیر دوسری جماعت کی جگہ جا کر کھڑی ہو جائے اور وہ دوسری جماعت امام کے پیچھے آ کر نماز پڑھے امام اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے' پھر یہ جماعت کوئی کلام کیے بغیر پہلی جماعت کی جگہ جا کر کھڑی

ہو جائے اور پہلی جماعت آئے اور تنہا تنہا (بقیہ) ایک رکعت پڑھے' پھر وہ جا کر دوسری جماعت کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی تنہا تنہا اپنی (بقیہ) پہلی رکعت پڑھے۔

امام محمد از امام ابوحنیفہ' از حارث بن عبدالرحمان از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی مثل روایت کرتے ہیں' امام محمد نے کہا ہم اس پوری روایت پر عمل کرتے ہیں' لیکن پہلی جماعت اپنی بقیہ دوسری رکعت کو بغیر قرأت کے پڑھے گی کیونکہ اس نے امام کے ساتھ پہلی رکعت پالی ہے' اور دوسری جماعت اپنی بقیہ پہلی رکعت کو قرأت کے ساتھ پڑھے گی کیونکہ اس کی امام کے ساتھ ایک رکعت رہ گئی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

امام محمد از امام ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ جو شخص تنہا نماز خوف پڑھ رہا ہو وہ قبلہ کی طرف منہ کرے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سواری پر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے' اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھے' منہ جس طرف بھی ہو' اشارہ کرتے ہوئے کسی چیز پر سجدہ نہ کرے' اپنے رکوع میں سجدہ سے زیادہ جھکے' اور وضو کو ترک نہ کرے اور نہ دو رکعتوں میں قرأت کو ترک کرے' امام محمد نے کہا ہم اس پوری حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار رقم الحدیث : ۱۹۶۔ ۱۹۵۔ ۱۹۴' ص ۴۰۔ ۳۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ' اور علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے بھی نماز خوف کا یہی طریقہ لکھا ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۷۷' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان' در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۹۔ ۵۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یہ لوگ ہتھیاروں سے مسلح رہیں۔ (النساء : ۱۰۲)

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت سے آیا یہ مراد ہے کہ جو جماعت نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہی ہے وہ مسلح رہے' یا جو جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہے وہ مسلح رہے' ثانی الذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لیے ہتھیار اٹھانا دشوار تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی : اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار دو۔

سفر شرعی میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا وجوب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر سفر میں کفار کے حملہ کا خوف ہو تو نماز کو قصر کر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امن میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کی رخصت نہیں ہے لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ رخصت زمانہ امن میں سفر کو بھی شامل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم سفر میں قصر کر لو (النساء : ۱۰۱) اور اب لوگ سفر میں کفار کے حملہ سے مامون ہیں! حضرت عمر نے کہا جس چیز سے تم کو تعجب ہوا ہے مجھے بھی تعجب ہوا تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (قصر) صدقہ ہے جس کا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے' تم اس کے صدقہ کو قبول کر لو۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶۸۶' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۱۹۹' ۱۲۰۰' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۲۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۰۶۵' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۳۵۴' صحیح ابن خزیمہ' رقم الحدیث :

۹۴۵۔ مسند احمد : ج ۱ رقم الحدیث : ۲۴۷۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے امر فرمایا ہے کہ اللہ کے صدقہ کو قبول کرو اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے' سو اگر کسی نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہو گا۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

امیہ بن خالد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن مجید میں حضر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز خوف کا بھی قرآن میں ذکر ہے اور سفر میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہم نے جو سیدنا محمد ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم وہی کرتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۰۶۶' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۴۳۴)

مسافت شرعی کی مقدار میں مذاہب ائمہ

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر بھی جائے تو قصر کرے گا۔ (السراج الوہاج' ج ۱ ص ۲۷۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المہذب مع شرح المہذب ج ۴ ص ۳۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک بھی مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المغنی ج ۲ ص ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں :

میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تین دن سے کم سفر میں مسافر قصر کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے پوچھا اگر وہ تین دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے؟ فرمایا : اپنے شہر سے نکلنے کے بعد قصر کرنا شروع کر دے' میں نے پوچھا تین دن کے تعین کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کوئی عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے' میں نے اس مسئلہ کو عورت کے سفر پر قیاس کیا ہے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۸۶ھ)

مسافت قصر کا اندازہ بحساب انگریزی میل و کلومیٹر

احناف کے نزدیک قصر کا موجب درحقیقت تین دن کا سفر ہے جس کو پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر انسانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ متاخرین فقہاء کرام نے مسلمانوں کی سہولت کے لیے اندازہ کیا کہ اس اعتبار سے یہ مسافت کتنے فرسخ میں طے کی جائے گی۔ بعض فقہاء نے اس مسافت کو اکیس (۲۱) فرسخ قرار دیا بعض نے پندرہ فرسخ قرار دیا اور مفتی بہ اٹھارہ فرسخ کا قول ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۹' مطبوعہ مصر' غنیۃ المستملی ص ۴۹۸' مطبوعہ مجتبائی دہلی)

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ مسافت کے پیمانے بھی بدلتے گئے اور پھر مسافت کو پہلے انگریزی میلوں اور بعد میں کلومیٹر سے ناپا جانے لگا۔ لہٰذا عہد حاضر کے علماء نے مسافت قصر کا اندازہ انگریزی میلوں سے قائم کیا۔

اس سے پہلے کہ ہم انگریزی میل اور کلومیٹر کے اعتبار سے مسافت قصر کا ذکر کریں وہ قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے فرسخ کی مسافت انگریزی میل اور کلومیٹر میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہے اور ایک شرعی میل' چار ہزار ذراع (انگلیوں سے کہنی تک ہاتھ) کا ہوتا ہے۔ (عالم گیری ج ا ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر) اور ایک متوسط ذراع ڈیڑھ فٹ یعنی نصف گز کا ہوتا ہے لہٰذا ایک شرعی میل دو ہزار گز کا قرار پایا اور اکیس فرسخ تریسٹھ میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ چھبیس ہزار گز یعنی اکہتر انگریزی میل چار فرلانگ ایک سو ساٹھ گز ہیں اور یہ ایک سو پندرہ اعشاریہ ایک آٹھ نو (۱۱۵٫۱۸۹) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا دوسرا قول پندرہ فرسخ ہے اور پندرہ فرسخ پینتالیس میل شرعی ہیں جو نوے ہزار گز یعنی اکیاون انگریزی میل' ایک فرلانگ بیس گز ہیں جو بیاسی اعشاریہ دو چھ آٹھ (۸۲٫۲۶۸) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا تیسرا قول جو مفتی بہ ہے وہ اٹھارہ فرسخ ہے اور اٹھارہ فرسخ چون میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ آٹھ ہزار گز یعنی اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز ہیں اور یہ اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸٫۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔

اس اعتبار سے مفتی بہ قول پر سفر شرعی اور قصر کے احکام اکسٹھ میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸٫۷۳۴) کلومیٹر کی مسافت کے بعد شروع ہوں گے۔ زمانہ قریب کے علماء نے بھی مسافت شرعیہ کو انگریزی میلوں کے حساب سے بیان کیا ہے لیکن کسی کا حساب بھی فقہاء کے مذکورہ قاعدہ کے موافق نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا چون میل) اس میں قصر کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر' ابن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

(تفہیم القرآن ج ا ص ۳۹۰ 'مطبوعہ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس عبارت میں چون میل سے چون میل شرعی مراد ہیں۔ مودودی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی چاہئے تھی اور بتلانا چاہئے تھا کہ چون میل شرعی اکسٹھ انگریزی میل کے برابر ہیں کیونکہ عام اردو پڑھے لکھے لوگ چون میل سے چون انگریزی میل ہی باور کریں گے۔

شیخ عزیز الرحمان لکھتے ہیں:

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین دن کا سفر ہو اور وہ جگہ جس کی طرف سفر کا ارادہ ہے تین منزل ہو لیکن بہت سے مشائخ نے فراسخ کا اعتبار کیا ہے اور اس میں فتوائی ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ' یعنی اڑتالیس میل پر ہے' مکرر آنکہ عبارت مذکور سے واضح ہے کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین منزل کا سفر ہو پس اگر حساب منازل کا سہل ہو تو اس کو دیکھا جائے مگر چونکہ ہر ایک کو اعتبار منازل میں دشواری ہوتی ہے اس وجہ سے مشائخ نے کل منازل کی تحدید میلوں سے کر دی ہے جس میں تین قول ہیں جو اوپر معلوم ہوئے میل کی مقدار شرعی ذراع سے چار ہزار ذراع لکھی ہے اور ذراع شرعی اس زمانہ کے گز کے حساب سے قریب دس گرہ کے ہوتا ہے۔ پس اس کے موافق میلوں کا حساب کر لیا جائے اور اڑتالیس میل کا اندازہ کر لیا جائے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ا ص ۲۸۵ 'مطبوعہ کراچی)

شیخ عزیز الرحمن نے اس عبارت میں کئی غلطیاں کی ہیں اول یہ کہ پندرہ فرسخ' پینتالیس شرعی میل کا ہے کیونکہ تین

میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور انہوں نے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انہوں نے میل کے ساتھ شرعی کی قید نہیں لگائی اس لیے عوام اردو داں لوگ اس کو انگریزی مروجہ میل پر محمول کریں گے۔ سوم یہ کہ انہوں نے ذراع شرعی دس گرہ قرار دیا ہے جو ڈیڑھ فٹ سے زیادہ ہے اس حساب سے شرعی مسافت اکسٹھ انگریزی میل سے متجاوز ہو جائے گی جب کہ وہ اڑتالیس انگریزی میل بیان کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے (الی ان قال) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ میل کے بارے میں قول مختار فقہاء کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا کیونکہ چوبیس انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے جیسا کہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکرورتی گزر گیا ہے۔ (الی ان قال) اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔ بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے۔ عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے۔ (اوزان شرعیہ ص ۳۶۔ ۴۳ ملخصاً مطبوعہ کراچی)

مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ جتنے اصول بیان کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن ان اصولوں کی بنیاد پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے لکھتے ہیں :

محققین علماء ہندوستان نے اڑتالیس (۴۸) میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر با آسانی طے کر سکتا ہے اور فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اسی کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ پینتالیس (۴۵) میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔ (اوزان شرعیہ ص ۳۶)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ ۴۵ میل شرعی اکاون انگریزی میل ایک فرلانگ بیس گز کے برابر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

اگر اپنے مقام اقامت سے ساڑھے ستاون میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے۔

(فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۶۹۰ مطبوعہ فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے ساڑھے ستاون میل کس ضابطہ اور قاعدہ سے مقرر کیے ہیں۔

علماء دیوبند نے مسافت قصر ۴۸ انگریزی میل قرار دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

ہمارے اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل انگریزی اختیار فرمایا ہے کیونکہ روزانہ اگر چھ گھنٹہ سفر کے لیے مقرر کیے جائیں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ میل یعنی

۳۶ کوس کو قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم مدلل ج ۴ ص ۴۹۲-۴۹۱)

۴۸ انگریزی میل کو ثابت کرنے کے لیے یہ انتہائی عجیب طریقہ ہے' کھانے پینے' آرام' نمازوں کے اوقات اور رات کی نیند بھی نکال لی جائے تو ۲۴ گھنٹوں میں سے سفر کے لیے یقیناً چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت بچے گا۔ اور جو شخص سفر کرتا ہے وہ یقیناً دن رات میں سے سفر کے لیے چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت نکالے گا اور متوسط اونٹ کی رفتار سے ایک انسان ایک دن میں یقیناً بیس میل سے زیادہ سفر کر سکتا ہے پھر جمہور فقہاء کے مطابق یہ قول کیوں نہ اختیار کیا جائے کہ مسافت قصر ۴۵ میل شرعی ہے جو اکسٹھ میل انگریزی اور چھ سو چالیس گز کے برابر ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے ۴۸ انگریزی میل کے ثبوت میں لکھا ہے کہ :

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلٰوةَ فِيْ أَدْنٰى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۳۱' اوزان شرعیہ ص ۲۶)

لیکن مفتی صاحب کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے نہ کہ بارہ میل انگریزی کا' سترہ فروری ۱۹۸۸ء کو ایک علمی مجلس میں مذاکرہ کے دوران مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی محمد رفیع عثمانی نے بھی تسلیم کیا کہ یہ تسامح ہے اور ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مسافت قصر ۴۸ میل شرعی قرار پائے گی جو ۵۴ انگریزی میل ۹۶۰ گز کے برابر ہے۔ تاہم یہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے بھی تصریح کی ہے اس لیے مدار سفر تین دن کی مسافت ہے' جس کو جمہور فقہاء نے ۵۴ شرعی میل کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے یہ متوسط قول ہے اور یہ اکسٹھ انگریزی میل اور چھ سو چالیس گز اور اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸٫۷۳۴) کلو میٹر کے برابر ہے۔ علماء دیوبند کے ایک مستند عالم مفتی رشید احمد لکھتے ہیں :

اکثر مشائخ احناف نے ۱۸ فرسخ ۵۴ میل شرعی' سوا اکسٹھ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۹۴' مطبوعہ کراچی)

اس بحث کے اخیر میں مفتی محمد رفیع عثمانی نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم اب مسافت قصر کو تبدیل کریں تو لوگ کہیں گے کہ ہماری پچھلی پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہو گا؟ اس آخری دلیل کی بناء پر انہوں نے ۴۸ انگریزی میل ہی کو قائم رکھا۔

سمندری سفر میں مسافت شرعیہ کا معیار

سمندری سفر میں تین دن کی مسافت معتبر ہے جب کہ ہوا معتدل ہو نہ بہت تیز ہو نہ بالکل ساکن ہو' جیسا کہ پہاڑ میں بھی تین دن کی مسافت معتبر ہوتی ہے۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۱۳۹' مطبوعہ مصر)

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

سمندر کے سفر میں جب ہوا معتدل ہو تو پھر تین دن کی مسافت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ لوگوں کو اپنے عرف میں

معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا جائے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ سمندری سفر میں بادبانی کشتی تین دن میں جتنی مسافت طے کرتی ہے وہ سفر شرعی کا معیار ہے' خواہ دخانی کشتی کے ذریعہ وہ سفر ایک دن یا اس سے کم میں بھی طے کر لیا جائے' اب یہ بادبانی کشتیوں کے ملاحوں سے معلوم کرنا چاہئے کہ معتدل ہوا کے ساتھ وہ تین دن میں کتنا سفر طے کر لیتے ہیں وہی سفر شرعی کا معیار ہو گا۔

کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس جب تم نماز ادا کر لو تو حالت قیام میں' بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو' پھر جب تم مامون ہو جاؤ تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ (النساء : ۱۰۳)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی بعض آیات میں ذکر کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے لیکن یہاں ذکر سے مراد ذکر بالقلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کے جلال اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنا' اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور صنعت میں جو اپنی ذات اور اپنی وحدانیت پر دلائل رکھے ہیں ان میں غور و فکر کر کے اس کی ذات اور اس کی وحدانیت تک پہنچنا' اور یا ذکر سے مراد زبان سے اس کی تسبیح' تقدیس اور تہلیل کرنا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ کے ذکر کرنے میں صرف وہی شخص معذور ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہو یعنی تم کفار سے کھڑے ہوئے لڑ رہے ہو اور اسی حال میں نماز کا وقت آ جائے تو عین لڑائی کے عالم میں کھڑے ہوئے نماز پڑھو' یا تم بیٹھ کر تیر اندازی کر رہے ہو' یا زخموں سے چور ہو کر پہلو کے بل گر گئے ہو تو اسی عالم میں نماز پڑھو' اور یہ معنی امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کفار سے دست بہ دست لڑائی کی حالت میں بھی نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھ لی جائے اور پھر بعد میں اس نماز کی قضاء کر لی جائے' لیکن یہاں پر یہ معنی بعید ہے کیونکہ اس آیت کا معنی ہو گا جب تم نے نماز پڑھ لی ہے تو پھر نماز پڑھو نیز ذکر کا معنی نماز مجازاً" ہے اور بغیر ضرورت شرعیہ کے کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ایمان والوں پر نماز وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ (النساء : ۱۰۳)

حالت جنگ میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نماز کے اوقات مقرر ہیں اور کسی نماز کو اس کے وقت کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا' اس لیے سفر میں نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے گا' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضر میں چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے اور سفر میں دو رکعت نماز فرض کی گئی سو ہر حال میں اس حال کے مطابق نماز ادا کی جائے گی' امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جب کافر اور مسلمان کی تلواریں ٹکرا رہی ہوں تو اس وقت بھی مسلمان اپنے وقت پر نماز پڑھے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز فرض نہیں ہے اور وہ شخص وقت نکلنے کے بعد اس نماز کی قضا کرے گا۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد اور امام زفر یہ کہتے ہیں کہ حالت جنگ میں نماز نہیں پڑھی جائے گی' اگر کسی

شخص نے نماز پڑھتے ہوئے قتال کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی' امام مالک اور ثوری یہ کہتے ہیں کہ جب رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے' حسن بن صالح نے کہا جب لڑائی کے وقت رکوع پر قادر نہ ہو تو ہر رکوع کے بدلہ میں ایک تکبیر کہہ لے' امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نماز کی حالت میں ضرب لگائے یا نیزہ مارے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس نے مسلسل نیزے مارے یا ضرب لگائی یا کوئی اور عمل طویل کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی' امام ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ قتال سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کئی مقامات پر نماز خوف پڑھائی ہے اور جنگ خندق میں آپ نے چار نمازیں نہیں پڑھیں حتی کہ رات داخل ہو گئی پھر آپ نے فرمایا اللہ ان کے گھروں اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے' پھر آپ نے ان چاروں نمازوں کو ترتیب وار قضا کیا' اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ قتال میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں اگر حالت قتال میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو آپ نماز کو ترک نہ فرماتے' جس طرح آپ نے بغیر قتال کے حالت خوف میں نماز کو ترک نہیں کیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۴' مطبوعہ لاہور)

نمازوں کے اوقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر نماز ایک وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ فجر کی نماز کا وقت فجر صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت سورج کے استواء اور نصف النہار سے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے (اور دو مثل سایہ تک رہتا ہے)' اور عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور سرخی کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کے مکمل چھپنے تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت اس سفیدی کے چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور فجر صادق کے طلوع تک رہتا ہے۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۹' ۶' ۳)

ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا کرنے کا عدم جواز

چونکہ یہ اوقات نمازوں کے لیے شرط ہیں اس لیے ہر نماز اپنے وقت میں ہوگی اور دوسری نماز کے وقت میں یا اپنا وقت آنے سے پہلے ادا نہیں ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیا جائے یا عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھ لیا جائے' ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا اس آیت کے خلاف ہے' بعض احادیث صحیحہ میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت ہیں کہ جب نبی ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ ظہر اور عصر' یا مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھ لیتے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۱۱۰۷' ۱۱۰۶)

ہمارے نزدیک یہ جمع صوری پر محمول ہے یعنی آپ ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے یا مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے ہم نے ان حدیثوں کو حقیقتہً "جمع پر اس لیے محمول نہیں کیا تاکہ اخبار آحاد سے قرآن مجید کے عموم کا نسخ لازم نہ آئے اور میدان عرفات میں جو ظہر کے وقت میں عصر کو پڑھا جاتا ہے اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب کو پڑھا جاتا ہے تو یہ خبر واحد نہیں ہے بلکہ تواتر سے ثابت ہے اور یہ خبر متواتر اس آیت کے عموم کے لیے مخصص ہے۔

قطبین میں نمازوں اور روزوں کا مسئلہ

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قطبین میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں روزے اور نمازوں کی کیا صورت ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ :

اگر فی الواقع قطبین کے افق پر چوبیس گھنٹے کے بعد سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور وقت کی باقی علامات بھی افق پر ظاہر ہوتی ہیں جن سے ظہر اور عصر اور مغرب وغیرہا کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ تب تو وہاں چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں' رمضان کے روزے بھی فرض ہیں اور لیلۃ القدر بھی متحقق ہو گی اور اگر وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور سورج اور چاند کا طلوع اور غروب چھ ماہ کے بعد ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والوں پر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں نہ رمضان کے روزے اور نہ وہاں شب قدر کا وجود ہو گا کیونکہ یہ تمام چیزیں چوبیس گھنٹہ کے بعد سورج کے طلوع اور غروب پر موقوف ہیں۔ البتہ نماز اور روزے میں عبادت کی مشابہت اختیار کرنی چاہئے اور قطبین کے قریب جس ملک میں چوبیس گھنٹے کے بعد سورج کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اس کے اوقات کے مطابق نماز کے اوقات مقرر کیے جائیں اور اسی ملک کے حساب سے روزے رکھے جائیں اور شب قدر کی بجائے یعنی جب اس قریب کے ملک میں رمضان ہو اس وقت وہاں رمضان کا اعتبار کر لیا جائے اور اسی ملک کے اوقات کے لحاظ سے سحر و افطار کا تعین کیا جائے لیکن یہ تشبہ بالعبادات ہے اور عبودیت اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بعینہٖ نماز کے اوقات اور رمضان کا مہینہ نہیں پایا لیکن اس کے مشابہ اوقات میں ہم ان عبادات کو کر رہے ہیں' آخر وہاں دنیا کے دوسرے تمام کاموں کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں' کاروبار' سیر و تفریح' کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں' صبح سے لے کر شام تک کام کرنے والے لوگ وہاں چھ ماہ کے دن میں مسلسل کام کرتے ہیں' نہ چھ ماہ سوتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد دوپہر کا کھانا تین ماہ بعد یا شام کا کھانا چھ ماہ بعد تو نہیں کھاتے جس طرح زندگی کے باقی معمولات کو وہاں کے غیر معمولی حالات اور اوقات میں معین کیا جاتا ہے خواہ باقی دنیا کے اعتبار سے وہ غیر معمولی لگتا ہو کہ سورج نکلا ہوا ہے اور وہ شام کا کھانا کھا رہے ہیں' اسی طرح عبادات کے نظام کو بھی قریب ترین ملک کے اوقات کے لحاظ سے ترتیب دینا چاہیے۔ جہاں معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا ہو ہرچند کہ یہ معمول کے مطابق عبادات نہیں ہیں لیکن وہاں کے حالات سے اعتبار سے یہی ترتیب معمول ہو گی اس لیے وہاں چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں اور سال کے بعد روزے فرض عین تو نہیں لیکن فرض کے مشابہ ضرور ہیں اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ عبادات کسی حال میں ترک نہیں کرنی چاہئیں اور جب وہ اپنے قریب ترین ملک کے لحاظ سے شب قدر مقرر کر کے اس میں عبادت کریں گے تو ان شاء اللہ اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو' اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو' اس کی وہ امید نہیں رکھتے' اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

(النساء : ۱۰۴)

مناسبت اور شان نزول

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جہاد کی ترغیب کے لیے آیات نازل کی تھیں انہی کے ضمن میں جہاد کے دوران نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے احکام نازل کیے' اس کے بعد پھر جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا جہاد میں کفار کا پیچھا کرنے سے تم

ہمت نہ ہارو اگر تم زخمی ہو گئے ہو تو کافر بھی تو زخمی ہو گئے ہیں' جب کہ تمہیں اپنے زخموں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر و ثواب کی امید ہے کافروں کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں ہے' اس آیت کے شان نزول میں یہ حدیث ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو ہزیمت پہنچی تو نبی ﷺ پہاڑ پر پہنچ گئے' ابو سفیان نے کہا یا محمد (ﷺ) آپ کو جو زخم پہنچے ہیں وہ ہمارے زخموں کے بدلہ ہیں اور جنگ کنویں کے ڈول کی طرح ہے' ایک دن ہمارا ہوتا ہے اور ایک دن تمہارا ہوتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس کو جواب دو' آپ کے اصحاب نے کہا ہم اور تم برابر نہیں ہیں' ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں ہیں' ابو سفیان نے کہا ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ فرمایا : اس سے کہو اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے' ابو سفیان نے کہا ہبل بلند ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اعلیٰ اور اجل ہے' ابو سفیان نے کہا : ہماری اور تمہاری ملاقات بدر صغریٰ میں ہو گی' اور مسلمانوں کو زخمی ہونے کے باوجود نیند آ گئی' اس موقع پر آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی) ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ (ال عمران : ۱۴۰) اور سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی : ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون (النساء : ۱۰۴)

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۵۸۔ ۳۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ

بیشک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق

أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ

فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں ○ اور آپ اللہ سے مغفرت

ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ

طلب کریں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے

ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ

نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں، بیشک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو

خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

بہت بددیانت گنہگار ہو ○ یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ

سکتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ

اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ○ ہاں تم وہ لوگ ہو جنھوں نے ان (مجرموں) کی

عَنْهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا ، تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے

الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

ساتھ جھگڑا کرے گا یا کون ان کا حمایتی ہو گا ؟ ○ اور جو شخص کوئی برا کام کرے

اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا ○

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا اور اللہ بہت جاننے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ

والا بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی

۱۶ع۸ ۱۴ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

بے گناہ پر لگا دے تو بیشک اس نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں پہلے منافقین کے احوال اور ان کے احکام بیان فرمائے تھے' اس کے بعد کفار سے جہاد کرنے

کی ترغیب میں آیتیں نازل فرمائیں اور اس ضمن میں یہ فرمایا کہ اگر کسی نے کسی مسلمان یا ذمی کو خطاء "قتل کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے اور جس نے کسی مسلمان کو عمداً" قتل کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے' پھر اسی سلسلہ میں نماز خوف اور حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہدایت دی' اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر منافقوں کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا منافق یہ چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو حق کے خلاف اور باطل کے موافق فیصلہ کرنے پر ابھاریں' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا کہ منافقوں کا موقف باطل ہے' اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر ہیں آپ منافقوں کے قول اور قسموں کی طرف توجہ نہ کریں۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' لیکن ان کے خلاف جہاد کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ بے انصافی کی جائے' بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر ان کا موقف صحیح ہو تو ان کے حق میں فیصلہ کیا جائے اور اگر ان کا موقف غلط ہو تو ان کے خلاف فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کے ظاہری اسلام کی وجہ سے کسی کافر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

منافقوں کے چوری کرنے اور بے قصور پر اس کی تہمت لگانے کے متعلق مختلف روایات

اس آیت میں کسی منافق کی چوری یا خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس نے کسی بے قصور مسلمان یا یہودی پر اپنی چوری یا خیانت کی تہمت لگادی تھی پھر اس منافق اور اس کے اقرباء نے یہ چاہا کہ نبی ﷺ اس منافق کی حمایت کریں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیں اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' منافق ابیرق کا بیٹا بشیر تھا اور ایک روایت میں اس کا نام طعمہ ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں سے ایک گھر تھا جس کو بنو ابیرق کہتے تھے' وہ تین شخص تھے بشر' بشیر اور مبشر' بشیر ایک منافق آدمی تھا' وہ نبی ﷺ کے اصحاب کی ہجو میں شعر کہتا تھا پھر بعض عرب کو وہ اشعار ہبہ کر دیتا' پھر کہتا کہ فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے اور فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے' جب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یہ شعر سنتے تو وہ کہتے کہ بہ خدا یہ اشعار اس خبیث شخص کے کہے ہوئے ہیں' اور وہ کہتے تھے کہ یہ اشعار ابن ابیرق کے کہے ہوئے ہیں' اور بنو ابیرق زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بہت تنگ دست اور فاقہ زدہ تھے' اور مدینہ میں لوگ بالعموم کھجوریں اور جو کھاتے تھے' اور جب کوئی شخص خوشحال ہوتا اور شام سے کوئی غلہ کا سامان لاتا تو وہ اس سے آٹا خرید لیتا اور اس آٹے سے صرف وہ روٹی کھاتا تھا اور اس کے گھر والے حسب معمول کھجور اور جو کھاتے تھے ایک دفعہ شام سے غلہ کا قافلہ آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے اس سے آٹے کی ایک بوری خرید لی' اور اس کو اپنے گھر کی کوٹھڑی (اسٹور) میں رکھ دیا اور کوٹھڑی میں ہتھیار' زرہ اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی' پھر گھر کے نیچے سے چوری کی گئی اور کوٹھڑی میں نقب لگائی گئی اور کھانے کی چیزیں اور ہتھیار چوری کر لیے گئے' صبح کو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہا اے میرے بھتیجے! اس رات ہمارے گھر میں چوری کی گئی ہے' اور ہماری کوٹھڑی سے غلہ اور ہتھیار اٹھا لیے گئے ہیں' ہم نے اپنی حویلی میں پوچھ گچھ شروع کی' ہمیں بتایا گیا کہ اس رات بنو ابیرق روشنی کرتے پھر رہے تھے اور ہمارا یہی گمان ہے کہ وہ تمہارا طعام چرا کر لائے ہیں اور جس وقت ہم یہ تفتیش کر رہے تھے تو بنو ابیرق نے کہا بہ خدا ہمارا گمان یہ ہے کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے' یہ شخص ہم میں سے نیک مسلمان تھا' جب لبید نے یہ سنا تو اس نے تلوار سونت لی اور اس نے کہا میں چوری کروں گا! خدا کی قسم میں تم کو اس تلوار سے قتل کر دوں گا ورنہ تم یہ بتاؤ کہ یہ چوری کس نے کی ہے' انہوں نے کہا اے شخص پرے ہٹو'

تمہارا اس چوری سے کوئی تعلق نہیں ہے' پھر ہم نے اس حویلی میں تفتیش کی حتیٰ کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ بنو ابیرق نے ہی چوری کی ہے' پھر مجھ سے میرے چچا نے کہا' اے بھتیجے! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کرو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا' اور میں نے عرض کیا کہ ہمارے گھروں میں بعض خائن لوگ ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کی کوٹھڑی (گودام یا سٹور) میں نقب لگائی اور وہاں سے ہتھیار اور غلہ اٹھا لیا وہ ہمارے ہتھیار ہمیں واپس دے دیں اور غلہ (طعام) کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عنقریب اس کا فیصلہ کروں گا' جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو وہ اپنے ایک آدمی کے پاس گئے' جس کا نام اسیر بن عروہ تھا' اور اس سے اس مسئلہ میں بات کی اور اس معاملہ میں حویلی کے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے ایک گھر کو (پھنسانے کا) قصد کر لیا ہے وہ لوگ مسلمان ہیں اور نیک ہیں انہوں نے بغیر گواہ اور ثبوت کے ان پر چوری کی تہمت لگائی ہے' قتادہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ سے اس مسئلہ میں بات کی تو آپ نے فرمایا : تم نے ایک گھر والوں کے خلاف ارادہ کیا ہے جن کے اسلام اور نیکی کا ذکر کیا جاتا ہے تم نے ان پر بغیر گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے' قتادہ کہتے ہیں کہ میں واپس آ گیا اور میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میرا کچھ مال چلا جاتا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں بات نہ کی ہوتی' پھر میرے چچا رفاعہ آئے اور کہا : اے میرے بھتیجے یہ تم نے کیا کیا' میں نے ان کو بتایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے' میرے چچا نے کہا اللہ مدد کرنے والا ہے' پھر تھوڑی دیر بعد قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں : "بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵) "یعنی بنو ابیرق کی طرف سے نہ جھگڑا کریں اور اللہ سے استغفار کیجئے۔" (النساء : ۱۰۶) اس بات کے متعلق جو آپ نے قتادہ سے کہی تھی" "بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں' بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہ گار ہو یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔" (النساء : ۱۰۸) الی قولہ غفورا رحیما یعنی اگر یہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا (النساء : ۱۱۰) "اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا۔ (النساء : ۱۱۱) منافقوں نے لبید پر اس چوری کی تہمت لگائی تھی اس کے متعلق فرمایا "اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان باندھا اور کھلے گناہ کا ارتکاب کیا (النساء : ۱۱۲) جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ ہتھیار لائے گئے اور آپ نے وہ ہتھیار رفاعہ کو واپس دے دیئے' قتادہ کہتے ہیں جب میں نے اپنے چچا کو وہ ہتھیار دیئے تو انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے "میں یہ ہتھیار اللہ کی راہ میں دیتا ہوں' مجھے پہلے ان کے اسلام کے متعلق شک پڑتا تھا اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ ان کا اسلام صحیح ہے' جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو بشیر جا کر مشرکین سے مل گیا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں ٹھہرا' اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

اور جو گناہ اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا' اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔" (النساء : ۱۱۶-۱۱۵) جب بشیر سلافہ کے ہاں ٹھیرا تو حسان بن ثابت نے اس کی مذمت میں اشعار کہے اور وہ اپنا سامان لے کر اس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۸۷-۳۸۵)

امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے طعمہ بن ابیرق (یہ منافق تھا) کی کوٹھڑی (گودام' حفاظت کے لیے سامان رکھنے کی جگہ) میں کچھ سامان رکھوایا اس سامان میں ایک زرہ بھی تھی' پھر وہ انصاری کہیں چلا گیا' جب وہ انصاری واپس آیا اور اس کوٹھڑی (سٹور) کو کھولا تو اس میں وہ زرہ نہیں تھی اس نے طعمہ بن ابیرق سے اس کے متعلق سوال کیا اس نے زید بن السمین نام کے ایک یہودی پر اس کی تہمت لگا دی' اس انصاری نے طعمہ سے ہی اپنی زرہ کا مطالبہ کیا' جب طعمہ کی قوم نے یہ معاملہ دیکھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور یہ چاہا کہ آپ طعمہ کو اس الزام سے بری کر دیں' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۳۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام بشیر بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت ایک نیک مسلمان لبید بن سہل پر لگائی تھی اور منافقوں نے چاہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر کو بری کر دیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان منافقوں کی مدافعت کرنے سے منع کیا اور ظاہر فرمایا کہ لبید بے قصور ہے اور منافقوں کی مذمت کی اور بالآخر بشیر مشرکوں سے جا ملا' اور امام ابن جریر کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت زید بن السمین یہودی پر لگا دی' اللہ تعالیٰ نے اس منافق کی ملامت کی اور زید بن السمین یہودی کی برات بیان کی' اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ من یشاقق الرسول۔ الایہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی دلیل ظاہر اور کبھی علم غیب کے مطابق فیصلہ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

اس آیت میں دکھانے سے مراد تعلیم اور خبر دینا ہے' اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا تھا کہ دراصل مجرم اور خائن بشیر بن ابیرق یا طعمہ بن ابیرق ہے' اور منافقوں نے لبید بن سہل مسلمان یا زید بن السمین یہودی کے خلاف جو چوری کی گواہی دی ہے وہ جھوٹی ہے' اس لیے آپ منافقوں کی ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کریں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو غیب منکشف کر دیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے دکھانے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ یہ علم اس قدر یقینی تھا کہ یہ علم بہ منزلہ مشاہدہ کے تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اس لیے تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں جو مجھے اللہ نے دکھائی ہے بلکہ یہ کہے کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف وحی الٰہی سے فیصلہ کرتے تھے' اور اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنا آپ کے لیے جائز نہ تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اصل صورت حال منکشف کر دی تاکہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' لیکن کئی مرتبہ آپ نے ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ کیا' امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسی (۸۰) سے

زیادہ منافق نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے' جب آپ واپس آئے تو یہ منافق آپ کے پاس آکر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے عذروں کو قبول کرلیا اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لیے استغفار کیا' آپ نے ظاہر حال کے مطابق عمل کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کردیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۴۱۸)

نبی ﷺ نے غزوہ تبوک میں منافقوں کے جھوٹے اعذار کو قبول فرما کر ان کے لیے استغفار کیا' اور اس میں امت کے لیے یہ نمونہ ہے کہ تم نے ظاہر حال کے مطابق عمل اور فیصلہ کرنا ہے اور باطن اور غیب کو اللہ کے حوالے کردینا ہے اور نبی ﷺ کا اکثر اور غالب عمل ظاہر دلیل کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں : حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا' میں نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کو یہ کہتے ہوئے سنا "جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتی کہ (سب) منتشر ہو جائیں۔" (المنافقون : ۷) اور یہ کہتے ہوئے سنا "اگر (اب) ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔" (المنافقون : ۸) میں نے اس کا اپنے چچا سے ذکر کیا' میرے چچا نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا انہوں نے قسمیں اٹھالیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق کردی اور میری تکذیب کردی' مجھے اس پر اتنا غم ہوا کہ ایسا غم کبھی نہیں ہوا تھا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ یہی لوگ ہیں جو یہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتی کہ یہ (سب) منتشر ہو جائیں الآیہ' پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیات پڑھیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کردی (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۹۰۱) حضرت زید بن ارقم کے پاس اپنے قول کی صداقت پر گواہ نہ تھے اور منافقوں نے ان کے خلاف قسمیں کھائی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ظاہر دلیل کے مطابق منافقوں کے ساتھ سچوں کا معاملہ کیا اور حضرت زید بن ارقم کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر نبی ﷺ پر امر باطن کو منکشف کردیا اور آپ کو غیب پر مطلع فرمادیا اور آپ نے حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کردی اور اس غیب کی خبر دینے سے نبی ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلیل قائم ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اکثر و بیشتر ظاہر دلیل کے مطابق اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے' تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ قائم ہو کہ مقدمات کے فیصلہ میں ظاہر حال اور حجت ظاہرہ کا اعتبار ہوتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی معاملہ میں اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لیے آپ پر حقیقت حال کو منکشف کردیتا اور آپ کو غیب پر مطلع فرماتا اور آپ اس غیب کی خبر کے مطابق فیصلہ کرتے اور اس سے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو جاتی اور طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق منافق کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کا آپ کو منافقوں کی حمایت سے منع فرمانا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

جو لوگ عصمت نبوت پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر نبی ﷺ نے خائنوں کی طرف سے جھگڑنے اور ان کی حمایت کا ارادہ نہیں کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع نہ فرماتا' اور خائنوں کی طرف سے جھگڑنا اور ان کی حمایت کا ارادہ کرنا گناہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ منافق ظاہراً" مسلمان تھے اور ان پر مسلمانوں کے

احکام جاری تھے اور ایک سے زیادہ منافقوں نے طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق کے اس چوری سے بری ہونے کی گواہی دی اور اس ظاہری شہادت کا قبول کرنا واجب ہے اس لیے ان قرائن اور شہادتوں کی بناء پر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ نبی ﷺ ان کی حمایت اور ان کی طرف سے مخاصمت کریں' اگرچہ بالفعل آپ نے ان کی حمایت اور ان کی طرف سے مخاصمت نہیں کی تھی لیکن ان کی شہادتوں کی وجہ سے آپ کا ان کی طرف سے مخاصمت کرنا متوقع تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی سے منع فرما دیا "اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔" اور اس میں کوئی چیز آپ کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء : ۱۰۶)

طعمہ کے معاملہ میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دینے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے طعمہ بن ابیرق کے معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' جو لوگ عصمت انبیاء کے منکر ہیں وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد نہ ہوئی تھی تو اللہ آپ کو استغفار کرنے کا حکم نہ دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد ہوئی تھی' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اس معاملہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر آپ طعمہ یا بشیر کی حمایت کی طرف مائل تھے اور اس میں کوئی معصیت نہیں ہے اس کے باوجود آپ کو استغفار کرنے کا حکم دینا' حسنات الابرار سیئات المقربین کے باب سے ہے۔

(۲) جب منافقوں نے یہودی کے چوری کرنے اور طعمہ کی براءت پر شہادت قائم کر دی اور بہ ظاہر اس شہادت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر غیب منکشف کر دیا اور آپ پر واضح ہو گیا کہ منافق جھوٹے ہیں اور اگر آپ ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کر دیتے تو ہرچند کہ آپ شرعاً معذور تھے لیکن یہ فیصلہ حقیقت میں صحیح نہ ہوتا' اس لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں آپکو ان مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہو جو ظاہری شہادت کی بناء پر طعمہ کے حامی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں۔ بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہگار ہو۔ (النساء : ۱۰۷)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہے' اور آپ ہی کو ان کی حمایت سے منع کیا گیا ہے لیکن کسی شخص کو کسی چیز سے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس چیز کا ارتکاب بھی کیا ہو' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر (بہ فرض محال) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ (الزمر : ۶۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو بہت زیادہ خیانت کرتا ہو۔" یہاں پسند نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے بغض رکھتا ہے' "خوانا" مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے بہت زیادہ خیانت کرنے والا' یعنی جو بار بار قصداً" خیانت کرتا ہو اور بار بار قصداً" گناہ کرتا ہو اور جس شخص سے بلاقصد اور غفلت سے

گناہ ہو جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے' حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں' جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (النساء : ۱۰۸)

یعنی جو لوگ کوئی برا کام کرتے ہیں تو لوگوں سے حیاء کرتے ہیں اور چھپ کر وہ کام کرتے ہیں یا لوگوں کے ضرر کے خوف سے چھپ کر وہ کام کرتے ہیں اور یہ لوگ اللہ سے حیاء نہیں کرتے' یعنی اللہ کے خوف سے اور اس کے عذاب کے ڈر سے اس برائی کو ترک نہیں کرتے' جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اس سے مراد جھوٹ ہے اور بے قصور پر تہمت لگانا اور بہتان باندھنا ہے اور اللہ ہر کام کو محیط ہے' خواہ کوئی کام چھپ کر کیا جائے یا لوگوں کے سامنے وہ ہر ایک کے کام سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ان (مجرموں) کی طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا' تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے ساتھ جھگڑا کرے گا' یا کون ان کا حمایتی ہو گا؟ (النساء : ۱۰۹)

مجادلہ کے معنی ہیں بہت زیادہ جھگڑا کرنا' اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف معاملات سپرد کر دیئے جائیں اور محافظ اور حمایتی کو بھی وکیل کہتے ہیں' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں تو تم ان کی طرف سے جھگڑا کر لو گے لیکن قیامت کے دن اس خائن اور بددیانت کو اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا۔ (النساء : ۱۱۰)

جن لوگوں نے ایک بے قصور شخص پر تہمت لگائی تھی' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گناہ پر توبہ اور استغفار کرنے کی ترغیب دی ہے' برا کام کرنے سے مراد ایسا فعل ہے جیسے طعمہ نے کیا تھا اور اس کی تہمت ایک یہودی پر لگا دی' یعنی ایسی برائی جس کا ضرر دوسروں کو پہنچے' اور اپنی جان پر ظلم کرنے سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا اثر صرف اس گناہ کرنے والے تک محدود رہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے گناہ پر توبہ مقبول ہو جاتی ہے' خواہ کفر ہو' قتل عمد ہو' غصب اور سرقہ یا کسی پر تہمت لگانا ہو' اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو توبہ کی ترغیب دی اگر یہ سچے دل سے نادم ہو کر اخلاص سے توبہ اور استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے تو اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا اور اللہ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۱۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کی سزا اسی شخص کو ملے گی اور کسی دوسرے شخص کو اس کا ضرر نہیں پہنچے گا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الزمر : ۷) — اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا۔ (النساء : ۱۱۲)

اس آیت میں خطا اور گناہ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے' اس کے معنی کی کئی تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد صغیرہ گناہ ہے اور گناہ سے مراد کبیرہ گناہ ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر صرف گناہ کرنے والے کو پہنچے جیسے نماز نہ پڑھنا' روزہ نہ رکھنا' اور گناہ سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچے' جیسے ظلم' قتل' چوری اور خیانت وغیرہ' تیسری تفسیر یہ ہے کہ خطاء سے مراد وہ برا کام ہے جس کو کرنا نہیں چاہئے اور گناہ سے مراد وہ برا کام ہے جس کو عمداً کیا جائے۔ بہتان کا معنی ہے کسی بے قصور پر کسی برے کام کی تہمت لگا دی جائے' اس آیت میں اس کی مذمت کی ہے کہ کوئی شخص خود برا کام یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے قصور پر لگا دے کیونکہ یہ دہری برائی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (اے رسول مکرم) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) کی ایک جماعت ضرور

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ

آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کر لیتی، اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں

مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

پہنچا سکیں گے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ان تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے ○

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔ اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۴﴾

کرے تو عنقریب ہم اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے ○

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہوتے کے بعد رسول کی مخالفت کرے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف

جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

۱۴ ع ۱۷

وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے رسول مکرم!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) کی ایک جماعت ضرور آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کر لیتی اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں' اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ (النساء : ۱۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ پر وحی نازل فرما کر آپ کو اصل واقعہ سے مطلع نہ فرماتا اور آپ پر غیب کو منکشف نہ کرتا اور یہ نہ بتاتا کہ اصل مجرم طعمہ یا بشیر بن ابیرق منافق ہے اور جس یہودی یا مسلمان پر ان منافقوں نے خیانت یا چوری کی تہمت لگائی ہے وہ اس تہمت سے بری ہے' تو یہ منافق ضرور اس بات کا قصد کر لیتے کہ آپ پر اصل مجرم کو ملتبس اور مشتبہ کر دیں گے' اور جو یہودی یا مسلمان بے قصور ہے اس کو آپ کی نظر میں مجرم اور خائن ٹھیرا دیں گے' اور اپنے منافق ساتھیوں کو خیانت سے بری کرا لیں گے لیکن اپنی اس نامشکور سعی میں یہ خود ہی گمراہی میں پڑ گئے' انہوں نے ایک شخص کا مال چرایا یا اس میں خیانت کی پھر اس برائی پر مزید برائی یہ کی کہ اپنی اس خیانت کا بہتان ایک بے قصور شخص پر باندھا' اور انہوں نے اصل صورت حال کو آپ پر مشتبہ بنانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس سے وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اصل صورت واقعہ سے آپ کو مطلع فرما دیا اور غیب آپ پر منکشف کر دیا۔ نیز فرمایا :

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان (تمام) چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ (النساء : ۱۱۳)

ماکان ومایکون کا علم

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے' ہدایت اور نصیحت ہے اور آپ پر حکمت نازل کی ہے'

حکمت سے مراد یہ ہے کہ حلال' حرام' امر' نہی' دیگر احکام' وعد' وعید اور ماضی اور مستقبل کی خبریں' ان چیزوں کا کتاب میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل ہم نے وحی خفی کے ذریعہ آپ پر نازل کی ہے اور یہی حکمت کو نازل کرنے کا معنی ہے اور جن تمام چیزوں کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے ہم نے ان سب کا علم آپ کو عطا فرمادیا' اس کا معنی ہے تمام اولین اور آخرین کی خبریں اور ماکان ومایکون پر آپ کو مطلع فرمادیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے دو محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت کو نازل کیا اور آپ کو کتاب کے اسرار پر مطلع فرمایا اور ان کے حقائق سے واقف کیا جب کہ اس سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا' اسی طرح اللہ آپ کو مستقبل میں بھی علم عطا فرمائے گا اور منافقین میں سے کوئی شخص آپ کو گمراہ کرنے اور بہکانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولین کی خبروں کا علم عطا فرمایا' اسی طرح اللہ آپ کو منافقین کے مکر اور ان کے حیلوں کی خبر دے گا' پھر فرمایا یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے' یہاں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا: وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (الاسراء: ۸۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا: قل متاع الدنیا قلیل (النساء: ۷۷) اور نبی ﷺ کو جو کچھ دیا اس کے متعلق فرمایا: وکان فضل اللہ علیک عظیما' سو جس کے سامنے ساری دنیا کا علم اور خود ساری دنیا قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۲' البحر المحیط ج ۴ ص ۶۲' روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۴)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت کے متعلق تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وحی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ (۲) مقاتل نے کہا اس سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔ (۳) ابوسلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد کتاب کے معانی کا بیان اور دل میں صحیح اور نیک بات کا القا کرنا ہے اور علمک مالم تکن تعلم کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا اس سے مراد شریعت ہے۔ (۲) ابوسلیمان نے کہا اس سے مراد اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔ (۳) اور ماوردی نے کہا اس سے مراد کتاب اور حکمت ہے' اور وکان فضل اللہ علیک عظیما کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں: (۱) ایمان عطا کرنے کا احسان (۲) نبوت عطا کرنے کا احسان' یہ دونوں حضرت ابن عباس کے قول ہیں (۳) ابوسلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد نبی ﷺ کے تمام فضائل اور آپ کے تمام خصائص ہیں۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ماکان ومایکون کے علم کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہو کر

ہمیں خطبہ دیا حتی کہ ظہر کا وقت آ گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتی کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا' آپ پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' آپ نے پھر منبر کو زینت بخشی اور ہمیں خطبہ دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ماکان ومایکون کی خبر دی سو ہم میں جس کا حافظہ زیادہ تھا اس کا علم زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۹۲)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آج رات میرا رب تبارک وتعالیٰ میرے پاس بہت حسین صورت میں آیا' یعنی خواب میں' اس نے کہا یا محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا نہیں' آپ نے کہا پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی' سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں! کفارات میں۔ الحدیث

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۴۴' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث : ۳۴۸۴' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث : ۲۶۰۸' الشریعۃ للآجری' رقم الحدیث : ۴۹۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں : پس میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۴۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آنے میں دیر کر دی حتی کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا' پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو' پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی' آپ نے فرمایا میں رات کو اٹھا اور میں نے وضوء کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی' پھر مجھے نماز میں نیند آ گئی اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب لبیک' فرمایا مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب مجھے (ازخود) علم نہیں' یہ مکالمہ تین بار ہوا' پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی' پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے جان لیا۔ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۴۶' مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث : ۲۲۷۰)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھا لیا میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے' اس کی طرف دیکھ رہا ہوں' جس طرح میں اپنی ان دو ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ضعف کثیر کے باوجود اس کے

راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷ ۲۸ ' حلیۃ الاولیاء : ج ۶ ص ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا ' اور جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے یہ کام کرے تو عنقریب ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۱۴)

دو آدمی آپس میں جو سرگوشی کرتے ہیں اس کو عربی میں نجوی کہتے ہیں ' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا وہ رات کو ایسی بات کرتے ہیں جو اللہ ناپسند کرتا ہے ' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو اللہ کو پسند ہیں ' اور وہ ہیں صدقہ و خیرات کا حکم دینا ' نیکی کا حکم دینا اور لوگوں میں صلح کرانا ' صدقہ اور خیرات کرنا جسمانی نیکی ہے ' نیکی کا حکم دینا روحانی نیکی ہے اور ان دونوں نیکیوں سے جلب منفعت ہوتی ہے اور لوگوں میں صلح کرانے سے ضرر اور نقصان دور ہوتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے ' سوا اس کے کہ اس نے نیکی کا حکم دیا ہو یا برائی سے روکا ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو۔

(سنن ترمذی ' رقم الحدیث : ۲۴۲۰ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث : ۳۹۷۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ' تو ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (النساء : ۱۱۵)

طعمہ بن ابیرق (چوری کرنے والے منافق) کا انجام

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس ' قتادہ اور ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ جب قرآن مجید نے طعمہ بن ابیرق کی تکذیب کر دی اور اس کے ظلم کا بیان کیا ' تو اسے اپنی جان کا خطرہ اور رسوائی کا خوف ہوا پھر وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا ' اور مشرکین سے جا ملا ' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ' مقاتل نے کہا کہ طعمہ مکہ پہنچ کر حجاج بن علاط سلمی کے ہاں ٹھیرا ' اس نے طعمہ کو اچھی طرح ٹھیرایا ' طعمہ کو یہ پتا چلا کہ حجاج کے گھر میں سونا ہے ' اس نے رات کو اٹھ کر گھر کی دیوار میں سوراخ کیا ' گھر والوں کو معلوم ہو گیا انہوں نے اس کو موقع پر پکڑ لیا ' انہوں نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا لیکن حجاج کو حیاء آئی کیونکہ وہ اس کا مہمان تھا ' پھر گھر والوں نے اس کو چھوڑ دیا ' وہ وہاں سے نکل کر بنو سلیم کے علاقہ میں چلا گیا اور وہاں ان کے بت کی پرستش کرنی شروع کر دی ' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ الآیہ "اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا ' اور بعض روایات میں ہے کہ وہ تاجروں کے ساتھ نکل گیا اور وہاں اس نے کوئی چیز چرائی ' انہوں نے اس کو سنگسار کیا حتی کہ قتل کر دیا ' ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوا وہاں اس نے کچھ مال چرایا اور پکڑا گیا پھر اس کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۰۰ ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ' ۱۴۰۷ ھ)

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کا مصداق ہے کیونکہ اس نے چوری کی تھی جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تھا اور جب نبی ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعہ اس کی چوری کی خبر دے دی تو اس کو شرح صدر ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ سچے نبی ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور تمام مسلمان جس دین پر ہیں وہ سچا دین اسلام ہے' اس کے باوجود اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا' اور تمام مسلمانوں کے خلاف طریقہ کو اختیار کیا اور اسلام کو چھوڑ کر شرک اور بت پرستی کو اپنا لیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ جس گمراہی میں پھرا ہے ہم اس کو اسی گمراہی میں پھیر دیں گے' یعنی اس کو اسی شرک اور بت پرستی میں رہنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

من یشاقق الرسول' الآیہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب مشرکین کو قتل کرنے کے متعلق سورہ توبہ میں آیت نازل ہوئی اور خصوصاً" مرتدین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱۳) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کوئی حکم نہیں بیان کیا گیا بلکہ طعمہ بن ابیرق اور اس جیسے لوگوں کو ان کی اختیار کردہ گمراہی میں رکھنے کی خبر دی گئی ہے اور نسخ احکام (مثلاً امر اور نہی) میں جاری ہوتا ہے اخبار میں جاری نہیں ہوتا' آیت سیف سے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کا قول تب صحیح ہوتا جب اس آیت میں ان کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اجماع کا حجت ہونا' نبی ﷺ کا معصوم ہونا اور دیگر مسائل

یہ آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے' امام شافعی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے قرآن مجید کو تین سو بار پڑھا تو میں نے اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱۳) ان کی دلیل کا بیان یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑنا حرام ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرنا واجب ہوا' نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تمام گناہوں سے معصوم ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ' سہواً" ہوں یا عمداً" صورۃً" ہوں یا حقیقۃً" کیونکہ گناہ کے خلاف کرنا واجب ہے اور اس آیت کی رو سے نبی ﷺ کے خلاف کرنا حرام ہے' نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے' نیز اس آیت میں ہدایت کے واضح ہونے کے بعد اس کی مخالفت کو حرام فرمایا ہے اور ہدایت نظر اور استدلال سے واضح ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کی تصحیح کے لیے نظر اور استدلال سے کام لینا واجب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ

بیشک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا اس کو جس کے

لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا

لیے چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو بلاشبہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت

بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ

دور جا پڑا ○ یہ (مشرک) اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ صرف سرکش

يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

وقف لازم

شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں ○ اللہ نے اس پر لعنت کی، اور (شیطان نے) کہا میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ

تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا ○ اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور میں

خَلْقَ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ

کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا ○ وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ

ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکا ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے نکلنے کی جگہ

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

نہیں پائیں گے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ

اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے ○ (اللہ کا وعدہ) نہ

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا

تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار ○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جن لوگوں نے حالتِ ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت

فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ

میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اس سے اچھا

اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

دین کس کا ہوگا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا درآں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملتِ ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا ○ اور اللہ ہی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہوگا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ (النساء: ۱۱۶)

یہ آیت اس سے پہلے النساء: ۴۸ میں بھی گزر چکی ہے، یہاں اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں عمومات وعد اور عمومات وعید کا بار بار ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلی آیات میں زرہ چوری کرنے والے منافق کے متعلق آیات وعید ذکر فرمائی تھیں، اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ شرک نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (مشرک) اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۱۷)

مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو مونث فرمایا ہے کیونکہ یہ خود اپنے بتوں کو مونث کہتے تھے' ابو مالک نے کہا کہ لات' منات اور عزیٰ سب مونث ہیں' ابن زید نے کہا لات' عزیٰ' سیاف اور نائلہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے وہ مونث ہیں' ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے' اور بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنے بتوں کا نام مونث رکھتے' اس لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۳۷۸۔۳۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں' بہ ظاہر یہ حصر پہلے حصر کے مخالف ہے کیونکہ پہلے فرمایا تھا یہ صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ دوسرا حصر اس لیے فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کا حکم ان کو شیطان ہی دیتا تھا' اور یہ اس کی اطاعت میں بتوں کی عبادت کرتے تھے' گویا پہلا حصر حقیقت پر محمول ہے اور دوسرا مجاز پر' دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے حصر میں عبادت بمعنی اطاعت ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے' امام ابن ابی حاتم نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان تھا' اور مقاتل سے مروی ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے' کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں جو شیطان کا قول مذکور ہے وہ ابلیس ہی کا قول ہے اور مرید کا معنی ہے جو بہت زیادہ نافرمانی کرتا ہو اور اطاعت سے مکمل خارج ہو' مارد اور متمرد کا بھی یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے اس پر لعنت کی' اور (شیطان نے) کہا میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء: ۱۱۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان لعنہ اللہ نے کہا میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک مقدار معین کو اپنا لوں گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو شیطان کے وسوسوں کو قبول کریں گے' اور اس کی اتباع کریں گے' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے متبعین کم لوگ ہوں گے کیونکہ "من" تبعیض کے لیے آتا ہے حالانکہ شیطان کے متبعین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بہت کم ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۸۳)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم (سب) شیطان کی پیروی کر لیتے سوا قلیل لوگوں کے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے شیطان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا (بنو اسرائیل: ۶۲)

اور (شیطان نے) کہا بھلا دیکھو تو! جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے' اگر تو مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے تو میں اس (آدم) کی اولاد کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دوں گا سوا قلیل لوگوں کے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قلیل انسانوں کے سوا سب شیطان کے پیروکار ہیں' اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیروکار بعض ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ لاتعداد فرشتے اللہ کے عباد مخلصین ہیں اور ان کے اعتبار سے

شیطان کے متبعین بعض ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (شیطان نے کہا) اور مجھے قسم ہے میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا' اور میں ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا' اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا کہ وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے' اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنالیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ (النساء : ۱۱۹)

شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چار دعاوی ذکر کیے ہیں' پہلا دعویٰ اس نے یہ کیا تھا کہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے ہٹا دے گا' اور دوسروں نے کہا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے گا' اور یہی صحیح ہے۔

جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی

شیطان کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ میں ضرور لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا' اس کی تفسیر میں چار قول ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں کے دلوں میں یہ آرزو ہو گی کہ نہ جنت ہو نہ دوزخ' اور نہ حشر و نشر ہو' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں توبہ اور استغفار میں تاخیر کرنے اور اس کے ٹالنے کو ڈالتا رہے گا' یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں یہ آرزو ڈالے گا کہ آخرت میں ہمیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے' ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیر اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے مجھے مقام وجاہت عطا کیا تو میں فلاں کو بخشوالوں گا' اور جب میں محشر میں اٹھوں گا تو شور مچ جائے گا دیکھو فلاں شخص آ گیا ہے' ہم اس قسم کے اقوال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' ہماری تو آرزو یہ ہے کہ اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے دے اور یہ اس کا ہم پر بہت بڑا کرم ہے' جنت اور اس کی نعمتوں کے ہم کب لائق ہیں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو ان کے لیے مزین کر دے گا۔

مویشیوں کے کان چیرنے کا معنی

شیطان کا تیسرا دعویٰ یہ تھا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے۔

قتادہ' عکرمہ' اور سدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کان چیرنے کا حکم دے گا' بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا' تو وہ اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس سے نفع اٹھانا بند کر دیتے' وہ اونٹنی جس جگہ سے چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا' اور نہ کوئی شخص اس پر سوار ہوتا تھا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۱۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لیے منع کیا جاتا تھا' اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۵۲۱)

تغییر خلق اللہ کا معنی

شیطان کا چوتھا دعویٰ یہ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔
تغییر خلق اللہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کرنے کی بھی پانچ صورتیں ہیں :
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حسن بصری کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے ہاتھ پیروں پر نقش و نگار گودواتی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم پر گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں، ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کیوں لعنت کرتے ہیں؟ کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی :
وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ لے لو، اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت کی جو ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملاتی ہے اور جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی پر اور گودوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹۴۰، ۵۹۳۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۱۶۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۹۱، سنن نسائی : ۵۱۱۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۸۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۷۴۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۲۶، مسند حمیدی، رقم الحدیث : ۶۰۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۴۱۲۹، ۴۳۴۳)

جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں، عورتوں کی طرح چوٹی کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے ہیں یہ سب اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کر رہے ہیں، سفید بالوں کو عنابی، زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت اور مطلوب اور مستحب ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا قول حضرت ابن عباس اور حضرت ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، نخعی، ضحاک، ابن زید اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے، ان کے نزدیک تغییر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے دین کو بدلنا اور اس میں تغیر کرنا، حرام کو حلال، اور حلال کو حرام کہنا۔

تیسرا قول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ کا ہے ان کے نزدیک کسی انسان کا خصی ہونا اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے۔

چوتھا قول ابو شیبہ کا ہے کہ تغییر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے امر میں تغیر کرنا۔

پانچواں قول زجاج کا ہے کہ تغییر خلق اللہ کا معنی ہے سورج، چاند اور پتھروں کی عبادت کرنا، کیونکہ سورج، چاند اور

پتھروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے بنایا تھا اور مشرکوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ ہوں گے؟

ایک سوال یہ ہے کہ شیطان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اکثر انسانوں کو شکر گزار نہیں پائے گا' (الاعراف : ۱۷) اور کہا میں قلیل لوگوں کے سوا آدم کی تمام ذریت کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا (بنواسرائیل : ۶۲) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ابلیس کا گمان تھا جو واقع کے مطابق ثابت ہوا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا : میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا (ص : ۸۵) تو شیطان نے جان لیا کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی' تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش ہو گئی تو اس نے جان لیا کہ ان کی اولاد کو بہکانا تو زیادہ آسان ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ کیا تو اس کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا۔ (البقرہ : ۳۰) تو اس نے جان لیا کہ اکثر انسان اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ شیطان نے جو کہا تھا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو ضرور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا' چھٹا جواب یہ ہے کہ جب اس نے جنت اور دوزخ کو دیکھا تو جان لیا کہ دوزخ میں رہنے کے لیے بھی ایک مخلوق بنائی جائے گی اس لیے اس نے کہا تھا :

میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء : ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا ہے اور شیطان نے جو وعدے کیے ہیں وہ صرف دھوکا ہیں۔ (النساء : ۱۲۰)

شیطان کے کیے ہوئے وعدہ کے غرور ہونے کا بیان

غرور (دھوکا) کا معنی ہے' انسان کسی چیز کو لذیذ اور نافع گمان کرے اور وہ درحقیقت اس کے لیے بہت مضر اور تکلیف دہ ہو' اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو گی' اور دنیا میں اس کا مطلوب اور مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کرے گا' کیونکہ بعض اوقات اس کی عمر لمبی نہیں ہوتی' اور بعض دفعہ اس کی عمر لمبی ہوتی ہے لیکن اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور کبھی اس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن اچانک اس کو کوئی سخت بیماری آلیتی ہے اور وہ اپنے مقصود سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا' اور یا اچانک وہ مر جاتا ہے' اور کبھی شیطان اس کے دل میں یہ آرزوئیں ڈالتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے نہ قیامت آنی ہے نہ حساب ہو گا نہ جنت اور دوزخ ہو گی اس لیے وہ انسان کو دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت میں منہمک کر دیتا ہے اور جب قیامت آتی ہے تو وہ ایمان اور نیک اعمال سے تہی دامن ہوتا ہے اور کبھی شیطان انسان سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے راستوں پر چلتا رہے وہ اس کو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچالے گا اور جب آخرت میں جزاء اور سزاء کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا : ''اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ حق تھا' اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا' اور میرا تم پر اس کے سوا اور کوئی زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو' نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو' تم نے اس سے پہلے جو مجھے (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں نے اس سے انکار کیا۔ بے شک ظالموں ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(ابراہیم : ۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ اس سے نکلنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔ (النساء : ۱۲۱)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا اس آیت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے۔ (النساء : ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے کہ وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے اور کافروں کے بعد مومنوں کا' اور بدکاروں کے بعد نیکوکاروں کا اور شیطان کے جھوٹے وعدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے وعدہ کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر' جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار۔ (النساء : ۱۲۳)

اس آیت کے سبب نزول میں تین قول ہیں :

(۱) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کیا' اہل کتاب نے کہا ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی' لہٰذا ہم کو تم پر فضیلت ہے' مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتابوں کی ناسخ ہے اس لیے ہم افضل ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۴ص ۳۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

(۲) مجاہد نے کہا یہ آیت قریش مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا تھا ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ حساب و کتاب ہو گا' نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا' امام ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ (جامع البیان جز ۵ص ۳۹۲)

(۳) مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ قول ہے : یہود نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا' اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو صرف چند دن ہو گا' اور نصاریٰ نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا اور مشرکین عرب نے کہا : ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ ہمیں عذاب ہو گا تو یہ آیت نازل ہوئی : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر۔ الآیہ (جامع البیان جز ۵ص ۳۹۳)

ہر گناہ پر سزا ہونے کے اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور برا کام عام ہے خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے گناہوں کے متعلق ہے۔ اس تقدیر پر یہ اشکال ہے کہ اگر ہر گناہ کی سزا ملے تو پھر مسلمانوں کی نجات بہت مشکل ہو گی اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں :

پہلا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت من یعمل سوءا یجز بہ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت دشوار ہوئی' اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی' اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا نیک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو' مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جاتی ہے حتی کہ اگر اس کے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی اس کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث : ۷۳۹۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! اس آیت کے بعد کس طرح بہتری ہو گی؟ آپ نے پوچھا : کون سی آیت کے بعد' عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہو گا نہ اہل کتاب کی خواہشوں کے مطابق ہو گا جو بھی برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی؟ فرمایا تمہاری برائیوں کی یہی سزا ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث : ۷۱' ۷۰' ۶۹' ۶۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ (مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث : ۲۴۶۵۹' ۲۴۲۵۵)

دوسرا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی وجہ سے بھی برے کام مٹا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۔ (النساء : ۳۱)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود : ۱۱۴)

بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

وضو کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں ایک نماز جمعہ سے دوسری نماز جمعہ کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک پچھلے اور ایک اگلے سال کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور حج کرنے سے ساری عمر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوریٰ : ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو انبیاء علیہم السلام' ملائکہ' اولیاء کرام' علماء' شہداء اور نیک اولاد کی شفاعت کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو اپنے فضل محض سے بھی معاف فرمائے گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

صفوان بن محرز مازنی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے

جا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے نجویٰ (سرگوشی کرنا) کی کیا تفسیر سنی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اس کے اوپر (اپنی رحمت کا) پردہ رکھ دے گا اور اس کو چھپا لے گا اور فرمائے گا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں! اے میرے رب! حتیٰ کہ اللہ اس شخص سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا' اور وہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اب ہلاک ہو گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا' اور آج میں تجھے بخش دوں گا پھر اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور رہے کافر اور منافق تو اللہ لوگوں کے سامنے فرمائے گا ان لوگوں نے اپنے رب کی تکذیب کی' سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۴۱' ۴۶۸۵' ۶۰۷۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۳' مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث: ۲۲۰۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد مومنوں کے متعلق الگ آیت نازل فرمائی ہے: اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے' نیز جب کفار کو ان کے ہر برے کام کی سزا دی جائے گی تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار فروع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء: ۱۲۴)

گناہ گاروں کے لیے نوید مغفرت

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا ملے گی تو اہل کتاب نے کہا ہم میں اور تم میں کیا فرق رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جن مسلمانوں نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیے ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا' اور یہ اس وقت ہو گا جب ان کے گناہ اور برے کام معاف کر دیئے جائیں' اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا اور نیک کاموں کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے' نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا جس نے ایمان کے ساتھ تمام اعمال نیک کیے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور چند مخصوص بندگان خدا کے سوا اور کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کا کیا ہوا ہر عمل نیک ہو اور اس سے کوئی برا کام نہ ہوا ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے حالت ایمان میں تمام نیک عمل کیے ہوں بلکہ فرمایا جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے ہم عام لوگوں کے لیے یہ نوید اور بشارت ہے جن کے بعض عمل نیک ہیں اور ان سے گناہ اور خطائیں بھی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے کرم اور فضل سے جنت میں داخل کر دے گا' اور یہ آیت معتزلہ اور خوارج کے خلاف بہت قوی دلیل ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' اور توبہ کے بعد یا بلا توبہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے اچھا دین کس کا ہو گا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا در آں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ملت ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے۔ (النساء: ۱۲۵)

دین اسلام کے برحق اور واجب القبول ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے واجب القبول اور برحق ہونے پر دو دلیلیں قائم فرمائی ہیں اول یہ ہے کہ دین اسلام ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہے اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے' سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سے سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے' اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہو گا جب اس کے رسولوں' اس کی کتابوں' اس کے فرشتوں اور اس کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اس کے ارشادات پر سر تسلیم خم کر لیا جائے' اور اللہ کے آگے سر جھکانا اسی وقت صحیح ہو گا جب غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا جائے سو مشرک اور بت پرست جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں' اسی طرح یہودی اور عیسائی' حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی کو اپنا حاجت روا مانتے ہیں۔ اللہ کے آگے سر جھکانے والے نہیں ہیں' لہٰذا اللہ کے آگے اپنا منہ جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں اور یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہے' پھر فرمایا درآں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے' یہ لفظ اپنے اختصار کے ساتھ تمام نیک اعمال کو بجا لانے اور تمام برے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے' تو یہ صرف دین اسلام ہی ہے جو تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے تو اس سے اچھا اور کون سا دین ہو گا سو اسی دین کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت معزز اور مکرم تھے اور ان کی شخصیت سب کے نزدیک مسلم اور واجب القبول تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کی شریعت کے احکام صرف دین اسلام میں ہیں' ختنہ کرنا' ڈاڑھی بڑھانا' مونچھیں کم کرنا' زیر ناف بال مونڈنا' ناک میں پانی ڈالنا' غرارہ کرنا' اور دیگر طہارت کے احکام یہ صرف دین اسلام میں ہیں' دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا' حج میں احرام باندھنا' صفا اور مروہ میں سعی کرنا' منیٰ میں جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنا' کعبہ کا طواف کرنا یہ تمام امور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں اور صرف دین اسلام میں بہ طور عبادت کے داخل ہیں تو پھر اسلام سے اچھا اور کون سا دین ہو گا لہٰذا اسی دین کو قبول کرنا سب پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل (اپنا مخلص دوست) بنا لیا۔ (النساء : ۱۲۵)

خلیل کا معنی اور حضرت ابراہیم کے خلیل اللہ ہونے کی وجوہات

اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا تھا' اور اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی ہے' کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اس لیے ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

خلیل کا لفظ خلل سے بنا ہے' خلل کا معنی ہے کسی چیز کو دو چیزوں میں درمیان رکھنا' خلہ (بالکسر) کے معنی ہیں تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار اس کے درمیان ہوتی ہے۔ خلہ (بالفتح) کا معنی اختلال اور پریشانی ہے اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے اور خُلہ (بالضم) کے معنی ہیں محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ کے محتاج تھے یا اس لیے

خلیل فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ سے بہت محبت کرتا تھا' حضرت ابراہیم کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی ہے اللہ کی رضا کے لیے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حال میں اس سے راضی رہنا' اور اللہ کی آپ سے محبت کا معنی ہے آپ پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا اور آخرت میں آپ کی ثناء جمیل کرنا۔

(المفردات ص ۱۵۶۔ ۱۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

انسان کا خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت انسان کے قلب کے خلال (درمیان) میں سرایت کر جائے' اور یہ انتہائی درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت (نشانیوں) پر مطلع فرمادیا' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں' چاند اور سورج کی الوہیت کو ساقط الاعتبار قرار دیا اور بتوں کی عبادت کرنے کو مسترد کر دیا اور بت پرستوں کے بڑے بت کے سوا تمام بت توڑ ڈالے اور فرمایا اس بڑے بت سے پوچھو کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ اور قوم سے فرمایا کہ افسوس تم ان کی عبادت کرتے ہو جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے' اور قوم نے اس کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا' اور انہوں نے اللہ کے لیے خود کو آگ میں ڈلوانا قبول کیا' اپنے بیٹے کو قربان کیا اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کیا' اس طرح' اللہ کے لیے انہوں نے اپنی جان' اپنے بیٹے اور اپنے مال کی قربانی دی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا' اور ان کی اولاد میں ملک اور نبوت کو رکھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اخلاق اور اوصاف سے کامل درجہ کے متخلق اور متصف تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا' تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گذار اور بہت متواضع تھے' قرآن مجید میں ہے: اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ: ۱۳۱) "جب ابراہیم سے ان کے رب نے کہا اسلام لاؤ' (اطاعت کرو) تو انہوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔" لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فطرت بہت پاکیزہ تھی وہ جسمانی علائق اور ان کے تقاضوں سے مبرا تھے' اور ان پر روحانیت کا غلبہ تھا ان کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا نور جلال اور اس کا خاص فیضان ان کے تمام اعضاء اور قویٰ میں جذب ہو گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اے اللہ میرے دل میں نور کر دے میری آنکھوں میں نور کر دے' اور میرے کانوں میں نور کر دے' اور میرے دائیں نور کر دے' اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے سراپا نور کر دے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۳۱۶) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام اعضاء اور قویٰ میں نور جذب ہو گیا تھا اور ان کی بشریت صیقل اور مجلی اور مصفیٰ ہو گئی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا۔

حضرت ابراہیم کا خلیل اللہ اور آپ کا حبیب اللہ ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور حبیب کا مرتبہ خلیل سے زیادہ ہے' امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے' آپ تشریف لائے' ان کے قریب پہنچے وہ بیٹھے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر رہے تھے' ان میں سے بعض

نے کہا کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اللہ نے اپنا کلیم بنایا' ایک اور نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' اور دوسرے نے کہا آدم کو اللہ نے صفی بنایا' نبی ﷺ ان کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا' بے شک ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور موسیٰ اللہ کے نجی ہیں (جن سے اللہ نے سرگوشی میں بات کی) اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں' اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم اللہ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' اللہ میرے لیے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۳۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور موسیٰ کو نجی بنایا اور مجھے حبیب بنایا پھر اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر فضیلت دوں گا۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۱۴۹۴)

حضرت ابراہیم اور سیدنا محمد علیہما السلام کے مقام خلت کا فرق

ان دونوں حدیثوں کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ترمذی کی سند میں زمعہ بن صالح جندی اور بیہقی کی سند میں مسلمہ بن علی کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو بھی خلیل ہونے کا مقام حاصل ہے۔ آپ کا مرتبہ اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے بہت بلند ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھائیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو آسمان و زمین کے علاوہ خود اپنی ذات کا بے حجاب دیدار کرایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی صفات سے متصف تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مظہر تھے' قرآن مجید آپ کا خلق تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مغفرت کی دعا کی: اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطا معاف فرمائے گا (الشعراء : ۸۲) اور بغیر دعا اور طلب کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی بہ ظاہر خطاؤں کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔ (الفتح : ۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی مجھے حشر کے دن شرمندہ نہ کرنا (الشعراء : ۸۷) اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے بغیر دعا اور طلب کے فرمایا : حشر کے دن اللہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔ (التحریم : ۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھنا (الشعراء : ۸۴) اور نبی ﷺ سے از خود فرمایا اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا (الانشراح : ۴) یہ سب خلیل ہونے کے آثار ہیں اور نبی ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور حبیب ہونے کے آثار کا کون احاطہ کر سکتا ہے' آپ تمام انبیاء اور رسل کے قائد ہیں۔ رحمتہ للعالمین ہیں آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے' آپ کا حکم' اللہ کا حکم ہے'

آپ کی اطاعت' اللہ کی اطاعت ہے۔ حشر کے دن آپ کی عزت دیکھنے والی ہو گی جب تمام نبیوں اور رسولوں کو آپ کی حاجت ہو گی' جب آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے اور آپ اس وقت اللہ سے گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے جب بہ شمول نبیوں اور رسولوں کے کسی کو اللہ سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔ (النساء : ۱۲۶)

اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا ہے' اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اس لیے خلیل نہیں بنایا کہ اس کو کسی خلیل کی حاجت تھی جس طرح دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں' اور اللہ کو کیا ضرورت ہو گی کہ وہ کسی کو دوست بنائے جب کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے' نیز اس پوری سورت میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا علم کامل ہو اور کسی شخص کا کوئی کام اس کے علم سے مخفی نہ ہو سکے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے اور کمال علم کو بیان کرنے کے لیے فرمایا اللہ ہر چیز کو محیط ہے سو جب وہی علم اور قدرت میں کامل ہے تو اس کے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا

اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم

يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ

دیتا ہے اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انھیں نہیں دیتے جو ان کے

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے متعلق

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا

(بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو ، اور تم جو بھی نیک

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ

کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے ○ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی

مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کریں

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ

اور صلح کرنا بہتر ہے ، اور دلوں میں مال کی حرص رکھی گئی ہے ،

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تو بیشک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو سو (جس سے

تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو اور اگر تم

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا

اصلاح کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

ہوجائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو حکم

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے '

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

اور اللہ بے نیاز ہے حمد وثنا کیا ہوا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور

الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا

زمینوں میں ہے، اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا ○ اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر

النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾

دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے، اور اللہ اس پر قادر ہے ○

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا

جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے '

وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹/۸/۱۶

اور اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں' آپ کہئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ (النساء : ۱۲۷)

وراثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے' پھر ان احکام کے عمل پر اجر و ثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے' اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے علم اور قدرت کی ہمہ گیری بیان فرماتا ہے تاکہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اس کے علم سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اس کی قدرت سے خارج نہیں' پھر اس کے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرما دیتا ہے اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مسلسل ایک ہی قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتا جاتا ہے اس لیے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ' غفلت اور بے توجہی سے دور رکھنے اور اس کے ذہن کو بیدار' اس کے ذوق و شوق کو تازہ اور اس کی توجہ کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلام میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا جائے' اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا' پھر اس کے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے وعد اور وعید' ترغیب اور ترہیب

اور اپنی عظمت اور کبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں اس کے بعد اب پھر عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرما رہا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتی ہیں : کسی شخص کی سرپرستی میں یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا وارث ہوتا تھا وہ لڑکی اس کو اپنے مال میں حتیٰ کہ کھجور کے خوشوں میں شریک کر لیتی وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور اس کو ناپسند کرتا کہ اور کوئی شخص اس لڑکی سے نکاح کرے اور اس لڑکی کے اس مال میں شریک ہو جائے جس میں وہ (سرپرست) شریک ہو چکا ہے اس لیے وہ اس کو دوسری جگہ نکاح سے منع کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۶۰۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۰۱۸' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۱۲۴)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں : زمانہ جاہلیت میں صرف بالغ مرد وارث ہوتا تھا' نابالغ بچہ وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ عورت وارث ہوتی تھی' جب سورہ نساء کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کے حقوق کے متعلق آیات نازل فرمائیں' تو یہ مسلمانوں پر شاق گزریں انہوں نے کہا جو یتیم بچہ مال کما سکتا ہے نہ مال کی حفاظت کر سکتا ہے' اور عورت بھی مال کما سکتی ہے نہ اس کی حفاظت کر سکتی ہے' یہ دونوں کیسے مال کے وارث بنائے جائیں گے! ان کو یہ امید تھی کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو جائے گا اور ان کے متعلق کوئی اور حکم نازل ہو جائے گا' پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اور کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا لگتا ہے یہ حکم واجب ہے اور اس پر عمل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں' پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ الآیہ۔

سعید بن جبیر نے کہا اگر عورت خوب صورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کر لیتا اور جب وہ خوب صورت نہ ہوتی تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اس کا نکاح نہ کرتا بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا کہ کہیں کوئی اور شخص اس کے مال کا وارث نہ بن جائے۔ بعض روایات میں ہے وہ اس کو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۴۰۵ ـ ۴۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فتویٰ کا معنی اور اس کے تقاضے اور مسائل

اس آیت میں استفتاء اور افتاء کا لفظ استعمال ہوا ہے' استفتاء کا معنی ہے فتویٰ معلوم کرنا' اور افتاء کا معنی ہے فتویٰ دینا' فتویٰ کا لفظ فتی سے ماخوذ ہے' فتی کا معنی ہے جوان آدمی' اور جوان آدمی قوی ہوتا ہے اس لیے فتویٰ کا معنی ہے قوی حکم۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ معلوم کیا اور فتویٰ اللہ تعالیٰ نے دیا۔ سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو مفتی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے افعال کے اطلاق سے مشتقات کا اطلاق لازم نہیں آتا مثلاً علم کا اطلاق معلم کے اطلاق کو مستلزم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سماع شرع

پر موقوف ہیں جن اسماء صفات کا قرآن مجید اور احادیث میں اطلاق آگیا ہے ان ہی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا جائز ہے۔ از خود اللہ تعالیٰ پر کسی اسم صفت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اسم ذات کا اطلاق کرنا جائز ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو خدا کہہ سکتے ہیں۔

فتویٰ میں جب کسی سوال کا جواب ذکر کیا جائے تو اگر اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت مل جائے تو پہلے اس کو ذکر کیا جائے۔ پھر حدیث شریف کو ذکر کیا جائے اور اس کے بعد آثار صحابہ اور اپنے امام کا قول ذکر کیا جائے' ہمارے زمانہ میں مفتی حضرات بعض اردو یا عربی کی فقہ کی کتابوں کی عبارات کو نقل کر دینا فتویٰ کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ یہ درحقیقت مفتی نہیں ہیں بلکہ ناقل مذہب ہیں' اگر یہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرنے کے بعد امام کا قول ذکر کریں گے تو لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے امام کا قول محض رائے اور قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر مبنی ہے اور تب ہی یہ واضح ہوگا کہ یہ قوی جواب ہے اور صحیح معنی میں فتویٰ کا مصداق ہے۔

پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے رجوع کر کے فتویٰ لینا اور اس مسئلہ کا حل معلوم کرنا قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور صحابہ و تابعین کے تعامل سے ثابت ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ سو اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو۔

(النحل: ۴۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے (حضرت) مقداد سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کریں (آیا اس میں وضوء کافی ہے یا غسل ضروری ہے) انہوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو (کافی) ہے۔ (صحیح البخاری: ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کو حیض آگیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو یہاں ٹھہرانے والی ہیں؟ صحابہ نے کہا وہ طواف زیارت کر چکی ہیں' آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں۔ (صحیح البخاری: ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۵۷)

طواف زیارت حج میں فرض ہے اور مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے لگے اور آپ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ان کو حیض آگیا ہے تو آپ نے خیال فرمایا شاید انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا جو حج میں فرض ہے اس لیے آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو مکہ میں روکنے والی ہیں؟ پھر آپ کو بتایا گیا کہ انہوں نے طواف زیارت کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا پھر روانہ ہونے میں کوئی حرج نہیں' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طواف زیارت کرنے کے بعد کسی عورت کو حیض آ جائے تو اس پر طواف وداع کرنا واجب نہیں ہے اور وہ مکہ سے روانہ ہو سکتی ہے' حضرت ابن عباس اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور حضرت زید بن ثابت کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی وہ یہ کہتے تھے کہ اگر طواف زیارت کے بعد کسی عورت کو حیض آگیا تو وہ مکہ سے روانہ نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طواف وداع نہ کرے لیکن جب ان کو یہ حدیث پہنچ گئی تو انہوں نے رجوع کر لیا' اسی طرح حضرت ابن عمر نے بھی بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک عورت طواف زیارت کرے پھر اس کو حیض آ جائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ روانہ ہو جائے' اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے اور حضرت زید کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو اس حدیث کی تحقیق کر لینا' وہ مدینہ گئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی' انہوں نے حضرت ام سلیم سے سوال کیا' حضرت ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث کو بیان کیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۷۵۸)

امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جس عورت کو حیض آ جائے وہ طواف وداع سے پہلے روانہ ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا : فلاں انصاریہ سے پوچھیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روانہ ہونے کا حکم دیا تھا' حضرت زید بن ثابت نے اس عورت سے پوچھا اور اپنے قول سے رجوع کر لیا' اور ہنستے ہوئے فرمایا جس طرح آپ نے مسئلہ بیان کیا تھا حدیث اسی طرح ہے۔ (سنن کبریٰ للنسائی : ج ۲' رقم الحدیث : ۴۲۰۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ پہلے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سنا تھا کہ وہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ طواف وداع کیے بغیر حائضہ عورت روانہ نہ ہو' پھر بعد میں میں نے یہ سنا کہ وہ فتویٰ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روانہ ہونے کی اجازت دی تھی۔ (صحیح البخاری : ج ۲' رقم الحدیث : ۱۷۶۱)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ تابعین' صحابہ کرام سے فتویٰ لیتے تھے' اور ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے' اور اس کا نام تقلید ہے اور جب کسی صحابی کا قول حدیث کے خلاف ہوتا تو وہ صحابی حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے اور ان کی تقلید کرنے والے تابعین کو جب معلوم ہوتا کہ یہ قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث کی تحقیق کرنے کے بعد حدیث پر عمل کرتے تھے' اور ہونا بھی یہی چاہیے کہ جب کسی مقلد کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے امام کا قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث پر عمل کرے' بہ شرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو اور کسی دلیل سے منسوخ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء : ۱۲۷)

یتیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان

اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے جس حق کا ذکر کیا گیا ہے اس حق کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی میراث ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا مہر ہے' اور اس آیت کے مخاطبین کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کے سرپرست ہیں وہ عورتوں کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے تھے اور ان عورتوں کو ان کا مہر نہیں دیتے تھے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یتیم لڑکی کا ولی ہے' جب وہ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرتا تھا تو اس کے مہر میں انصاف نہیں کرتا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے حسن و جمال اور ان کے مال و دولت کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو' اور حسن نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ تم ان کی بدصورتی کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح میں رغبت نہیں رکھتے اور ان کے مال و دولت میں رغبت کی وجہ سے ان کو اپنے پاس روکے رکھتے ہو اور ان کو کہیں اور نکاح نہیں کرنے دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔ (النساء : ۱۲۷)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پہلے لوگ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو وارث نہیں بناتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ہر حصہ دار کا حصہ مقرر فرما دیا' اور یتیموں کے متعلق انصاف کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا مہر مقرر کرنے میں اور وراثت میں ان کا حصہ ادا کرنے میں انصاف سے کام لیا جائے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق کے متعلق نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں' یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے وہی احکام ہیں جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے تھے اور یہاں مسلمانوں کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی احکام کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ مسلمان ان آیات میں غور و فکر کریں اور ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء : ۱۲۸)

عورت کا اپنے بعض حقوق کو ساقط کرکے مرد سے صلح کر لینا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر عورت کو متعدد قرینوں سے معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر اس کی طرف رغبت نہیں کرتا' مثلاً وہ اس کے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرے' اس کی ضروریات کا خیال نہ رکھے' اس سے بات چیت کم کرے یا بالکل نہ کرے نہ اس کے ساتھ عمل زوجیت کرے خواہ اس کی وجہ اس کی بدصورتی ہو یا وہ زیادہ عمر کی ہو یا اس کے مزاج میں شوہر کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو یا وہ مالی اعتبار سے شوہر کے معیار کی نہ ہو یا جہیز کم لائی ہو' اور اب عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کر دے گا' اور عورت یہ چاہتی ہو کہ نکاح کا بندھن قائم رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ساقط کر دے اور شوہر کو طلاق دینے سے منع کرے' مثلاً وہ اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دے' اور اگر اس کی دوسری بیوی ہو جس سے شوہر کو دلچسپی ہو تو اپنی باری ساقط کر دے' یا اس کا خرچ جو شوہر کے ذمہ ہے اس کو ساقط کر دے' اور اس طرح شوہر کے ساتھ صلح کرلے شوہر اپنی پسند کی بیوی کے ساتھ وقت گزارے گا اور وہ مطلقہ ہونے سے بچ جائے گی۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ نبی ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے' تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں' مجھے نکاح میں برقرار رکھیں

اور میری باری حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دیں' آپ نے ایسا کرلیا' تو یہ آیت نازل ہوئی: تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء: ۱۲۸) حضرت ابن عباس نے فرمایا شوہر اور بیوی جس چیز پر صلح کرلیں وہ جائز ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۵۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں ایک شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہوتی وہ اس عورت سے زیادہ فائدہ حاصل نہ کرتا' اور اس کو طلاق دینا چاہتا تو وہ عورت کہتی میں اپنے معاملہ میں تمہارے لیے فلاں چیز کی اجازت دیتی ہوں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام نسائی نے اس میں یہ زیادہ روایت کیا ہے کہ وہ عورت کہتی تم مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے نکاح میں برقرار رکھو اور میں اپنا خرچ اور اپنی باری تم سے ساقط کرتی ہوں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۰۱' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دلوں میں مال کی حرص رکھی گئی ہے اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔ (النساء: ۱۲۸)

صلح کرنے کے لیے اپنے بعض حقوق کو چھوڑنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت اور طبیعت کا بیان فرمایا ہے کہ وہ فطرتاً" بخل پر حرص کرتا ہے' عورتیں اپنے حقوق پر حریص ہیں وہ چاہتی ہیں کہ ان کو اپنی باریوں سے حصہ ملتا رہے اور ان کو رہائش' کھانے اور کپڑوں کا خرچ ملتا رہے اور شوہر ان کے ساتھ خوشگوار عائلی زندگی گزارے اور ان کا پورا مہر ادا کرے اور طلاق کی صورت میں عدت کا خرچ اٹھائے' اسی طرح مرد مال کو اپنے پاس رکھنے پر حریص ہوتے ہیں' وہ اپنی پسند کی بیوی کے پاس زیادہ وقت گزارنا چاہتے ہیں اور جو بیوی ناپسند ہو اس کو طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مہر معاف کرالینا چاہتے ہیں' سو دونوں میں سے ہر فریق اپنا حق زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کا حق کم سے کم دینا چاہتا ہے لیکن صلح کرنے کے لیے ہر فریق کو اپنے کچھ حقوق چھوڑنے پڑتے ہیں اور دوسرے فریق کو کچھ حقوق دینے پڑتے ہیں ہرچند کہ دلوں میں حرص رکھی گئی ہے لیکن صلح کرنے کے لیے اپنے کچھ حقوق سے دستبردار ہونا ناگزیر ہے۔ جیسا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ آپ کو حضرت عائشہ سے بہت محبت ہے تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کردی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کو طلاق نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا عدل نہیں کرسکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو۔

دلی محبت میں بیویوں کے درمیان عدل کرنا ممکن نہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو! تم دلی محبت میں اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے۔ خواہ تم دلی محبت میں ان کے درمیان مساوات کرنے کا ارادہ بھی کرو کیونکہ محبت میں سب بیویوں کے ساتھ برابری کرنا تمہاری قدرت اور اختیار میں نہیں ہے نہ تم اس کے مالک ہو۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی ازواج کی باریوں میں عدل کرتے تھے اور فرماتے تھے:

اے اللہ یہ میری وہ تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں مالک نہیں ہوں' امام ترمذی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان محبت میں برابری رکھنے کا میں مالک نہیں ہوں۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۴۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۱۳۴' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۷۱)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے' یا اللہ! میرے دل میں جو محبت ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں اور اس کے سوا باقی امور میں مجھے امید ہے کہ میں عدل کروں گا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو محبت اور جماع میں دو بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (جس سے تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو' کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو' اور اگر تم اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (النساء : ۱۲۹)

بیویوں میں عدل نہ کرنے والوں کی سزا

ہشام نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ محبت اور عمل تزویج میں کسی ایک بیوی کی طرف بالکل راغب نہ ہو' حسن نے کہا عمل تزویج اور باریوں میں کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ' مجاہد نے کہا دوسری بیوی کے ساتھ عمداً برا سلوک اور ظلم نہ کرو' سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ دوسری بیویوں کو نہ باری دو اور نہ ان کو خرچ دو۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو' ربیع نے کہا اس کا معنی ہے نہ وہ مطلقہ ہو اور نہ شوہر والی ہو' مجاہد نے کہا نہ وہ بیوہ ہو نہ شوہر والی ہو۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۷۔ ۴۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۴۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۱۳۳' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث ۱۹۶۹' مسند احمد : ج ۳' رقم الحدیث : ۷۹۴۱' ۸۵۷۶' ۱۰۰۹۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا' اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۳۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب خاوند اور بیوی کے مزاج ہم آہنگ نہ ہوں اور ان میں موافقت اور صلح مشکل ہو جائے تو پھر وہ الگ الگ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ مرد کو عورت سے غنی کر دے گا' اس کو پہلی بیوی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے گا اور عورت کو مرد سے غنی کر دے گا اس کو پہلے خاوند سے بہتر خاوند عطا فرمائے گا اور اللہ بہت فضل والا اور بڑے احسان والا ہے اور اس کے تمام تکوینی اور تشریعی کاموں میں بہت حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور بے شک ہم نے ان

لوگوں کو حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو' اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور اللہ بے نیاز ہے اور حمد ثناء کیا ہوا اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا۔ (النساء : ۱۳۲-۱۳۱)

بندوں کی اطاعت اور ان کے شکر سے اللہ کے غنی ہونے کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے نہیں فرمایا تھا کہ اس میں اللہ کا کوئی فائدہ ہے یا اللہ کو اس کی کوئی احتیاج ہے' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ بندوں کو نیکی اور خیر پر برانگیختہ کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور ان میں حاکم ہے' اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق اور اس کی مملوک ہے' اور جس طرح ہم نے تم کو احکام دیے ہیں اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ کو بھی احکام دیئے تھے اور ہم نے ان کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ اللہ سے ڈریں اور صرف تنہا اس کی عبادت کریں اور اس کی دی ہوئی شریعت پر عمل کریں۔ اسی طرح ہم نے تم کو بھی یہ حکم دیا ہے' اور اگر تم اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا کفر (انکار) کرو تو تمہارے کفر اور معصیت سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جس طرح تمہارے ایمان' اطاعت اور شکر سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا' کیونکہ وہ مالک الملک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے' اس نے یہ احکام اپنی رحمت سے صرف تمہارے فائدے کے لیے دیئے ہیں اس کا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہے' اور یہ اس کی وصیت قدیمہ ہے صرف تم اس وصیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہو اور ہم نے پچھلی امتوں سے بھی کہا تھا اور تم سے بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ان احسانات کو نہ مانو اور اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کا شکر نہ بجالاؤ تو تمام آسمان اور زمینیں اللہ کی ملک میں ہیں اور ان میں سارے فرشتے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ اپنی ہر مخلوق اور اس کی عبادت سے غنی ہے وہ اپنی بے پایاں نعمتوں اور احسانات کی وجہ سے بذاتہ حمد و ثناء کا مستحق ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

دوسری آیت میں پھر ذکر فرمایا اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے' یہ تاکید کے لیے ہے کہ زمین و آسمان میں وہ جس طرح چاہے تصرف فرماتا ہے' زندہ کرنا' مارنا' صحت دینا' بیمار کرنا' مالدار اور مفلس کرنا یہ سب اللہ ہی کے تصرف سے ہوتا ہے' وہی اپنی تمام مخلوق کا محافظ اور ان کا کفیل ہے اور یہ اس لیے بھی دوبارہ ذکر کیا کہ بندے اس سے ڈریں اور اس کی اطاعت کریں کیونکہ وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے اس کا مالک ہے اور ان کا حاکم ہے' ان کا محافظ ہے اور ان میں متصرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء : ۱۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتہ" عام تہدید فرمائی ہے کہ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو وہ تم کو فنا کر دے گا اور تمہارے بدلہ میں ایک دوسری قوم پیدا کر دے گا' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور وہ جس چیز کو چاہے پیدا کرنے اور فنا کے گھاٹ اتارنے پر قادر ہے' اس آیت میں اللہ نے ان مشرکین پر غضب کا اظہار فرمایا ہے جو

نبی ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کی دعوت کو مسترد کرتے تھے اور اس میں اپنی قدرت قاہرہ اور سلطنت غالبہ کا اظہار فرمایا ہے' اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد: ۳۸) اور اگر تم نے (حق سے) روگردانی کی' تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (ابراھیم: ۲۰۔۱۹) اور اگر (اللہ) چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق پیدا کردے' اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (النساء: ۱۳۴)

صرف دنیاوی اجر طلب کرنے کی مذمت اور دنیا اور آخرت میں اجر طلب کرنے کی مدح

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعمال اور جہاد سے دنیاوی مال اور عز و جاہ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر و ثواب ہے' مثلاً جو مجاہد اپنے جہاد سے مال غنیمت کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کیا ہوا کہ وہ فقط خسیس اور گھٹیا چیز کا ارادہ کر رہا ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کی خیر اور اجر و ثواب کا ارادہ کرے' اسی طرح جو موذن' امام' خطیب' واعظ' مفتی' محدث اور فقیہ اپنی دینی' تبلیغی اور تدریسی خدمات سے صرف دنیاوی وظائف اور نذرانوں کا ارادہ کرتے ہیں وہ عارضی اور فانی اجر کے طالب ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی خدمات میں اجر اخروی کی نیت رکھیں اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہ قدر حاجت اور فراغت وظائف کو حاصل کریں' اور ہمارے دور میں جو امراء اور حکمرانوں کا طبقہ ہے اور اسکولوں اور کالجوں میں ماسٹروں اور پروفیسروں کا جو شعبہ ہے اور یہ لوگ جو عوام کو انتظامی اور تعلیمی خدمات مہیا کرتے ہیں ان کے ہاں تو ان خدمات کے مقابلہ میں اجر آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پھر حیرت یہ ہے کہ یہ لوگ علماء پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگوں کے چندوں سے اپنا پیٹ پالتے ہیں جب کہ امراء' حکام اور پروفیسروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں وہ عوام سے ٹیکس وصول کر کے دی جاتی ہیں اور ہمارے زمانہ میں (اکتوبر ۱۹۹۶ء) ایک متوسط امام مسجد کی تنخواہ دو ہزار سے تین ہزار تک ہوتی ہے' اور دینی مدرس کی تنخواہ دو ہزار سے چار ہزار تک ہوتی ہے اور اس مہنگائی کے دور میں جب کہ دودھ بیس روپے لیٹر' آٹا آٹھ روپے کلو' اور گوشت ۱۲۵ روپے کلو ہے اس آمدنی سے بہ مشکل ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں' اس کے مقابلہ میں ایک متوسط پروفیسر کی تنخواہ ۱۰ ہزار روپے ہوتی ہے' انتظامی افسروں' حکمرانوں' وزراء اور گورنروں کی تنخواہیں' انکے الاؤنسز اور دیگر مراعات کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے' جب یہ لوگ غیر ملکی دوروں پر جاتے ہیں تو اپنے ساتھ چالیس' پچاس افراد کو لے جاتے ہیں اور ان کی شاہ خرچیاں لاکھوں سے متجاوز ہو کر کروڑوں تک پہنچتی ہیں اور ان کے یہ تمام اخراجات عوام سے وصول کیے ہوئے جبری ٹیکسوں سے پورے ہوتے ہیں' جب کہ علماء کی جو خدمات کی جاتی ہیں وہ ظلم اور جبر سے نہیں بلکہ خوشی اور اختیار کے ساتھ دیئے ہوئے چندوں اور نذرانوں سے ہوتی ہیں' پھر بھی ان لوگوں کی زبانیں علماء کو یہ طعنہ دینے سے نہیں تھکتیں کہ یہ چندوں سے پلنے والے لوگ ہیں' جب کہ علماء اپنی خدمات پر اجر اخروی کے طالب ہوتے ہیں اور دنیا سے صرف بہ قدر ضرورت لیتے ہیں اور یہ امراء' حکام' وزراء اور گورنر ملکی اور ملی خدمات کا جو معاوضہ لیتے ہیں اس میں ان کے ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے ان کے پیش نظر صرف

دنیا اس کی زیب و زینت اور عیاشیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیات میں بھی اس طرز عمل کی مذمت کی ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے طالب ہیں :

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ : ۲۰۰)

پھر لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ : ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی زیادہ کریں گے' اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کو اس میں سے دیں گے' اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (الاسراء : ۲۱۔۱۸)

جو لوگ صرف دنیا کے خواہش مند ہیں ہم ان میں سے جس کو جتنا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں' پھر ہم نے اس کے لیے دوزخ بنا دی ہے وہ اس میں ذلت سے اور دھتکارا ہوا داخل ہو گا ۝ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے عمل کرے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کا عمل مقبول ہو گا ۝ ہم سب کی مدد فرماتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ اور آپ کے رب کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ہے ۝ دیکھیے ہم نے کس طرح ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یقیناً آخرت کا درجہ بہت بڑا ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ

اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے

لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ

والے بن جاؤ، خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے، (فریقِ معاملہ)

يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى

خواہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تم خواہش کی پیروی کر کے عدل

أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا

سے روگردانی نہ کرو، اگر تم نے گواہی میں ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر

تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَ

رکھنے والا ہے ۝ اے ایمان والو! (دائمی) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ

کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی، اور اس کتاب پر

الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ

جو پہلے نازل فرمائی — اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں،

كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾

اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کے ساتھ کفر کرتا ہے تو بیشک وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت دور جا پڑا ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ

كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ

گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہِ راست پر چلائے گا ۝ منافقین کو

الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ

خوش خبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو

الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ

دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے

الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

ہیں بیشک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے ۝ اور بیشک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا

نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ

تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ تم بھی ان

اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

کی مثل قرار دیئے جاؤ گے، بیشک اللہ تمام منافقوں اور سب کافروں کو دوزخ میں جمع کرنے

جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ

والا ہے ○ یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو

اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ

تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو

قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ

کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آ گئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا ؛ تو (اے منافقو)

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع

ع ۱۷ ۲۰

کوئی سبیل نہیں بنائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے (النساء : ۱۳۵)

ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تھا' اور عورتوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ اگر انہیں اپنے شوہروں سے بے رغبتی اور علیحدگی کا خطرہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق ترک کر کے صلح کر لیں' اور

شوہروں کو حکم دیا تھا کہ وہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کریں' غرض یہ کہ اس پورے رکوع میں عائلی اور خانگی معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں عمومی طور پر عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں حقوق العباد کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ کے لیے گواہی دینے کا حکم فرما کر حقوق اللہ کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل پہلی آیت میں محض دنیا کو طلب کرنے کی مذمت کی تھی اور دنیا اور آخرت دونوں کو طلب کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس آیت میں بھی اسی نہج پر فرمایا ہے کہ تم اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے گواہی دو' خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہر عمل اللہ کے لیے ہو حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون' ہر قول اور ہر فعل اللہ کے لیے ہو' اور یہی انسانیت کی معراج ہے' ورنہ محض پیٹ بھرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے کھالینا اور جس سے چاہے قضاء شہوت کر لینا ہی مقصود ہو تو پھر انسان میں اور جانوروں اور درندوں میں کیا فرق رہے گا!

اپنے خلاف گواہی دینے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل اور انصاف کو قائم کرنے میں اور جور و ظلم سے احتراز کرنے میں بہت مضبوطی اور بہت مستعدی سے قائم رہیں' خواہ یہ شہادت خود ان کے اپنے خلاف ہو یا ان کے آباء کے خلاف ہو یا ان کے قرابت داروں کے' اپنے خلاف شہادت دینے کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف کسی کے حق کا اقرار کرلیں' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اگر انہیں کسی طاقت ور ظالم یا کسی مقتدر شخصیت کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں خواہ اس کے نتیجہ میں انہیں اپنے' اپنے والدین یا اپنے اقرباء پر مظالم اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں اور کئی متوقع فوائد کو ہاتھ سے کھو کر نقصان اٹھانا پڑے' واضح رہے کہ والدین کے خلاف شہادت دینا ان کے ساتھ نیکی کرنے کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان کے ساتھ نیکی ہے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ پھر کریں گے۔

عدل کو گواہی پر مقدم کرنے کی وجوہ

اس آیت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے کو ادائے شہادت پر مقدم فرمایا ہے' کیونکہ شہادت کے ذریعہ دوسرے شخص سے فیصلہ کرایا جاتا ہے' اور عدل و انصاف اسے خود کرنے کا حکم دیا ہے' اور جب تک انسان خود عدل و انصاف نہیں کرے گا تو دوسرے شخص کو عدل و انصاف کے لیے اس کا کہنا کب موثر ہوگا' دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام برائیاں اور برے کام چھوڑ دے اور نیکیوں کو اختیار کرے اور جب تک کوئی انسان خود نیک نہیں ہو جاتا' اس کی کسی کے حق میں شہادت قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ فرائض کے تارک اور مرتکب کبیرہ کی شہادت شرعاً مقبول نہیں ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیا پھر شہادت دینے کا حکم دیا' تیسری وجہ یہ ہے کہ عدل و انصاف کر کے انسان اپنے نفس سے ضرر کو دور کرتا ہے اور شہادت کے ذریعہ دوسروں سے ضرر کو دور کرتا ہے اور اپنے نفس سے ضرر کو دور کرنا دوسروں سے ضرر کو دور کرنے پر مقدم ہے اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ عدل کرنا فعل ہے اور شہادت دینا قول ہے اور فعل قول سے قوی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اقوی کو مقدم فرمایا ہے۔

کسی فریق کی رعایت کی وجہ سے گواہی نہ دینے کی ممانعت

پھر فرمایا (فریق معاملہ) خواہ امیر ہو یا غریب' اس کا معنی یہ ہے کہ کسی امیر کی امارت کی وجہ سے رعایت کر کے اس کے خلاف شہادت دینے کو ترک نہ کرو' اور نہ کسی غریب کی غربت کی وجہ سے اس کے خلاف شہادت کو ترک کرو بلکہ ان کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو' تمہاری بہ نسبت اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے اور اس کو علم ہے کہ ان کی اچھائی اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا لہٰذا تم خواہش کی پیروی کر کے حق سے روگردانی نہ کرو' انسان عصبیت کی وجہ سے یا عداوت کی وجہ سے خواہش کی پیروی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل نہ کرنے پر برانگیختہ نہ کرے' تم عدل کرتے رہو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

پھر فرمایا اگر تم نے (گواہی میں) ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تلوا" اس کا مادہ "لی" ہے اس کا معنی ہے کلام میں تحریف کرنا اور عمداً جھوٹ بولنا اور اعراض کا معنی ہے شہادت کو چھپانا اور اس کو ترک کرنا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ: ۲۸۳)

اور شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شہادت کو چھپائے اس کا دل گنہ گار ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں! بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کو طلب کرنے سے پہلے گواہی کو پیش کر دے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک انسان کا کسی شخص پر کوئی حق نکلتا ہو اور اس کو اپنے حق کا علم نہ ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس کے اس حق کا علم ہو تو وہ آ کر اس کے پاس اس کے حق کی شہادت دے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہاں مجازاً "سرعت مراد ہے یعنی جو شخص سوال کرنے کے فوراً بعد بغیر کسی توقف کے شہادت دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! (دائمی) ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو پہلے نازل فرمائی۔ (النساء: ۱۳۶)

ایمان والوں کو ایمان لانے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں اے ایمان والو! فرمایا گیا تو مسلمانوں سے خطاب ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو' اپنے ایمان پر ثابت قدم اور برقرار ہو' جیسے مسلمان ہر نماز میں دعا کرتا ہے اھدنا الصراط المستقیم "اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر ثابت قدم اور برقرار رکھ' اور یا اس آیت میں مومنین اہل کتاب سے خطاب ہے کہ تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے ہو' اور جس شخص نے اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں فرق کیا اور بعض پر ایمان لایا اور بعض کے ساتھ کفر کیا اس کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اللہ کی نازل کی ہوئی کسی ایک کتاب یا کسی ایک رسول کا انکار کرنا سب آسمانی کتابوں اور سب رسولوں کا انکار کرنا

ہے۔

اس آیت کی زیادہ ظاہری تفسیر ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں منافقین سے خطاب ہے یعنی زبان سے ظاہری ایمان لانے والو! اخلاص کے ساتھ دل سے ایمان لے آؤ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی اے وہ لوگ جو لات اور عزیٰ پر ایمان لائے ہو' اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی کتاب کی تصدیق کرو' اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس میں انبیاء سابقین سے خطاب ہے لیکن یہ تمام اقوال خلاف ظاہر ہیں اور صحیح یہی ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے' پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے' پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے' اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہ راست پر چلائے گا۔ (النساء : ۱۳۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ پر رسول پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان برقرار رکھیں اور اس میں ثابت قدم رہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان دو قسموں کا ذکر فرما رہا ہے جو ایمان سے خارج ہیں' ان میں پہلی قسم وہ ہے جو نفاق سے بہ ظاہر ایمان لائے تھے' پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور گمراہی میں مر گئے' انہوں نے توبہ کا موقع ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا' اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے جو ظاہری اسلام پر برقرار رہے اور درپردہ کافروں کے ہم نوا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : منافقین کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النساء : ۱۳۸)

خوش خبری کسی اچھی خبر کی دی جاتی ہے ان کو جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری اس طرح فرمایا ہے جیسے عرب کہتے ہیں تحیتک الضرب تمہاری تعظیم مار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے ہیں' بے شک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے۔ (النساء : ۱۳۹)

اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان سے مراد منافقین ہیں اور کافروں سے مراد یہود ہیں' منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے اور بعض' بعض سے کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کا مشن کامیاب نہیں ہو گا' اور یہود یہ کہتے تھے کہ بالآخر غلبہ اور اقتدار ان ہی کو حاصل ہو گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کر کے فرمایا : بے شک تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ — غلبہ تو صرف اللہ' اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ (المنافقون : ۸)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے بھی غلبہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اصل غلبہ صرف اللہ کے لیے ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے غلبہ عطا فرما دے اس کے لیے بھی غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا

رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ (کسی) دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔ (النساء : ۱۴۰)

کفر اور معصیت پر راضی ہونا بھی کفر اور معصیت ہے

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

منافقین' علماء یہود کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور وہ قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع فرمادیا۔ (الوسیط : ج ۲ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے منافقو! تم بھی کفر میں ان علماء یہود کی مثل ہو' اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص کفر سے راضی ہو وہ بھی کافر ہے اور جو شخص کسی برے کام سے راضی ہو اور برا کام کرنے والوں کے ساتھ مل جل کر رہے تو خواہ اس نے وہ برا کام نہ کیا ہو پھر بھی وہ ان کے ساتھ گناہ میں برابر کا شریک ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "(ورنہ) تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔" یہ اس وقت ہے جب ان کی مجلس میں بیٹھنے والا وہاں بیٹھنے پر راضی ہو' لیکن اگر وہ وہاں بیٹھنے سے بیزار ہو اور ان کی کفریہ باتوں پر غضبناک اور متنفر ہو لیکن کسی مجبوری اور خوف کی وجہ سے وہاں بیٹھا ہو تو پھر وہ ان کی مثل نہیں ہو گا' اسی وجہ سے ہم یہ فرق کرتے ہیں کہ منافق مدینہ میں یہود کے پاس بیٹھتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے خلاف باتیں کرتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے اور منافق خوش ہوتے تھے اس لیے وہ بھی ان کافروں کی مثل قرار پائے' اور مکہ میں جب مسلمان مشرکوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے خلاف باتیں سنتے تھے تو ان کے دل ان باتوں سے بیزار اور متنفر ہوتے تھے اور مسلمان مشرکوں کے غلبہ اور ظلم کی وجہ سے مجبور تھے اس لیے ان مسلمانوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

ہمارے علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شخص کسی کے پاس مسلمان ہونے کے لیے جائے اور وہ اس سے یہ کہے کہ تم کل آنا' یا شام کو آنا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص اتنی دیر کے لیے اس کے کفر پر راضی ہو گیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے پاس بیٹھنا ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا مطلقاً" منع نہیں ہے' ان کے پاس بیٹھنا اس وقت ممنوع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں' ہاں کفار کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا ممنوع ہے اور معاشی' عمرانی' ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ضرورۃ" ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں' اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے؟ اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا؟ (النساء : ۱۴۱)

منافقوں کا مسلمانوں اور کافروں کو فریب دینا

ابو سلیمان نے کہا ہے کہ یہ آیت بالخصوص منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' مقاتل نے کہا منافقین مسلمانوں کے حالات کو دیکھتے رہتے تھے' اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی تو وہ کہتے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ سو تم ہم کو غنیمت میں سے حصہ دو' اور اگر کافروں کو غلبہ ہو جاتا تو کہتے کیا ہم تمہاری رائے پر غالب نہیں آگئے تھے یا ہم تمہاری دوستی میں غالب نہیں تھے یا کیا ہم نے تمہاری مدد نہیں کی تھی' یا کیا ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں' اور کہتے کیا ہم نے تم

کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا یعنی کیا ہم نے تم کو ان کے رسوا کرنے سے نہیں بچایا تھا' یا کیا ہم نے تم کو ان کے منصوبوں سے آگاہ نہیں کیا تھا یا کیا ہم نے تم کو اسلام میں داخل ہونے سے نہیں روکا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس کلام سے کافروں پر احسان جتانا چاہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو (اے منافقو!) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا۔ (النساء : ۱۴۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ منافقوں کی سزا کو موخر کردے گا اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔

مسلمانوں سے وعدہ غلبہ کے باوجود غلبہ کفار کی توجیہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا مجھے یہ بتایئے کہ اللہ نے فرمایا ہے اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا○ حالانکہ وہ ہم سے قتال کرتے ہیں اور (بعض اوقات) ہم پر غالب آجاتے ہیں' حضرت علی نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی مسلمانوں کے خلاف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۰۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا انجام کار مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۴۱)

دلیل اور حجت کے اعتبار سے کبھی بھی کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳)

اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کافر دنیا کی جنگوں میں بھی ہرگز ہرگز مسلمانوں پر غلبہ نہیں پاسکیں گے بہ شرطیکہ مسلمان اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں اور توبہ کو نہ چھوڑیں' اور جب وہ برے کاموں میں ملوث ہوجائیں اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیں اور لڑائی میں کافر ان پر غالب آجائیں تو یہ صرف ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ (الشوریٰ : ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کردیتا ہے۔

کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہ ہونے سے فقہاء احناف اور شوافع کا استنباط مسائل

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

امام شافعی نے اس آیت سے کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر جب مسلمان پر غلبہ پالے اور اس کے مال کو دارالحرب میں محفوظ کرلے تب بھی وہ اس مال کا مالک نہیں ہوگا' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا (۲) کافر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمان غلام کو خریدے۔ (۳) مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا' ان تینوں مسئلوں پر یہ آیت دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر' غلبہ سے مسلمان کے مال کا مالک ہوجاتا ہے۔

علامہ نظام الدین الشاشی حنفی اشارۃ النص کے بیان میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ (الحشر : ۵۹)

(یہ مال) فقراء مہاجرین کے لیے (بھی) ہیں جو اپنے گھروں اور اموال سے نکال دیئے گئے ہیں۔

اس آیت کا سیاق مال غنیمت کے استحقاق کے بیان میں ہے اور یہ اس مسئلہ میں نص (تصریح) ہے اور آیت کے الفاظ سے اشارۃً" یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ وہ مہاجرین جو اپنے گھروں اور اموال سے نکال دیئے گئے تھے وہ اب فقیر ہو چکے ہیں (حالانکہ وہ پہلے صاحب جائیداد تھے) اور اس سے اشارۃً" یہ معلوم ہوا کہ کافر کو جب مسلمان کے مال پر غلبہ ہو جائے (اور وہ مال مسلمان کے ہاتھ سے نکل جائے) تو کافر اس کے مالک ہو جاتے ہیں' کیونکہ اگر وہ مال بدستور مسلمان کی ملکیت میں رہتا تو اس پر قرآن مجید میں فقر کا اطلاق نہ ہوتا۔ (اصول الشاشی ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر' مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے لیکن وہ اس سے خدمت نہیں لے سکتا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کافر کا مسلمان غلام کو خریدنا فاسد ہے کیونکہ اگر اس کا یہ خریدنا صحیح ہو تو کافر کا مسلمان پر مالکانہ تفوق ہو گا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا خریدنا صحیح ہے لیکن کافر کو اس سے منع کیا جائے گا کہ وہ مسلمان سے خدمت لے وہ اس سے صرف اشیاء کی خرید و فروخت کا کام لے سکتا ہے اور اس میں اس کا تفوق ظاہر نہیں ہو گا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے :

علامہ ابوالحسن احمد بن محمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں :

آزاد کو آزاد کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے گا۔

(مختصر القدوری ص ۲۰۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا میں سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والا ہوں۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۰)

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں :

علماء نے اس آیت سے چند مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر مسلمان کا وارث نہیں (۲) کافر مسلمان کے مال پر استیلاء پا کر مالک نہیں ہو سکتا (۳) کافر مسلمان کے خریدنے کا مجاز نہیں (۴) ذمی کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا۔ (جمل)

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اس میں سب کا اتفاق ہے اور موخر الذکر تینوں مسائل فقہاء شافعیہ کے نزدیک ہیں جیسا کہ خود حضرت نے جمل کا حوالہ دے کر اشارہ فرمایا ہے کیونکہ جمل' علامہ سلیمان بن عمر شافعی متوفی ۱۲۰۴ھ کی تالیف ہے۔

اس آیت سے فقہاء احناف نے جو دیگر مسائل مستنبط کیے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی مسلمان پر کوئی سبیل نہیں رکھی اس لیے اگر کسی عورت کا خاوند مرتد ہو جائے اور عدت تک دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو وہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے گی' اور جب تک وہ ارتداد پر رہے گا اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کرے گا وہ اس سے الگ رہے گی۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵)

(۲) کافر مسلمان کے نکاح کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔

(۳) کافر کی مسلمان کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔

(۴) کافر کو مسلمان کا قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔

(۵) کافر کو مسلمان کے لشکر کا امیر بنانا جائز نہیں ہے۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۳۲۳-۳۲۲)

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا

بیشک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں درآں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے اور جب

قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا

وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ ق

ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں ○ وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں ،

لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

نہ اُن (کافروں) کی طرف ہیں نہ اِن (مسلمانوں) کی طرف ہیں ، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ

لیے کوئی راہ نہ پائیں گے ○ اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو

أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا

دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے ایک

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ

واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو ○ بیشک منافق دوزخ کے سب سے نچلے

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا ○ مگر ان (منافقوں)

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ

میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

سو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ

فرمائے گا ○ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور

اٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(خالص) ایمان لے آؤ اور اللہ شکر کی جزا دینے والا، بہت جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں در آں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۲)

منافقوں کے دھوکے کا معنی، ان کے دھوکے کی سزا، اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں اور ان کے خواص بیان فرمائے تھے، اس آیت میں ان کا تتمہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی، ابو عامر بن النعمان اور دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یخادعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم (البقرہ: ۹)

حسن نے بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق دونوں پر ایک نور ڈالا جائے گا جس میں چلتے ہوئے وہ پل صراط تک پہنچیں گے، پل صراط پر پہنچنے کے بعد منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مومن اپنے نور کی وجہ سے پل صراط پر چلتے رہیں گے اس وقت منافقین مومنوں سے کہیں گے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے یہ کہیں گے، ہمیں دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، ان

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۗ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (الحدید : ۱۴-۱۳)

سے کہا جائے گا اپنے پیچھے واپس جاؤ پھر وہاں کوئی نور تلاش کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی' جس کی اندرونی جانب کے دروازہ میں رحمت ہو گی اور بیرونی جانب کے دروازہ میں عذاب ہو گا ○ منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن تم نے خود کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا' اور تم (مسلمانوں کی مصیبتوں کے) منتظر رہے' اور تم (اسلام کے متعلق) شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا' اور (شیطان کے) دھوکے نے تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھا ○

حسن نے کہا اللہ تعالیٰ جو ان کو دھوکے کی سزا دے گا' اس کا بھی یہی معنی ہے' ابن جریج نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۴۹)

خداع کے معنی ہیں کسی شخص کو کسی شے کی حقیقت کے خلاف وہم میں ڈالنا' اللہ کو ان کے دھوکا دینے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں جو کفر چھپایا ہوا تھا اس کے خلاف زبان سے اسلام کو ظاہر کرتے تھے' تاکہ اس نفاق کے ذریعہ وہ دنیا میں اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیں' اور جو فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں مثلاً صدقات اور مال غنیمت اس میں بھی حصہ دار بن جائیں۔

اکثر منافقین اللہ کو مانتے تھے' اب یہ سوال ہو گا کہ وہ اپنے زعم میں اللہ کو کس طرح دھوکا دیتے تھے' کیونکہ ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اور وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے اور اللہ نے یہ فرما کر کہ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینا' اللہ کو دھوکا دینا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا بعینہٖ اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے' اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے نبی ﷺ کو ان کے نفاق پر مطلع فرما دیا اور آپ نے مسلمانوں کو اس کی خبر دے دی ان کا راز فاش ہو گیا اور وہ دنیا میں رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو الگ سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ (النساء : ۱۴۲)

اس آیت میں منافقوں کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں سستی سے نماز پڑھنا' لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنا اور اللہ کا ذکر بہت کم کرنا' سستی اور کم ذکر کرنے پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے :

گراں باری اور سستی سے نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

علاء بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ وہ بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر

فارغ ہو گئے تھے' ان کا گھر مسجد کے ساتھ تھا' جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے ہم نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں' انہوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو' ہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' جب ہم فارغ ہوئے تو حضرت انس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اتنی تاخیر کرنا منافق کی نماز ہے' وہ بیٹھ کر سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جس وقت سورج دو سینگھوں کے درمیان ہوتا ہے' تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶۲۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۱۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۰' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۱۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب سے بھاری ہے' اور فرمایا کاش ان کو معلوم ہوتا کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کتنا اجر ہے!

(صحیح البخاری : کتاب مواقیت الصلوٰۃ' باب : ۲۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶۵۱)

ریاکاری سے عبادت کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک ریا شرک ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۵۴۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت محمود بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ریا' قیامت کے دن جب اللہ عزوجل لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا : جاؤ! انہی لوگوں کے پاس جن کے لیے تم ریاکاری کرتے تھے' دیکھو ان سے تمہیں کوئی جزا ملتی ہے! (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف ہے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی' آپ نے فرمایا ہاں' لیکن وہ سورج' چاند' پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کرے گی' لیکن وہ اپنے اعمال میں ریا کرے گی' اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھے' پھر کسی نفسانی خواہش کی بناء پر وہ روزہ ترک کر دے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محض لوگوں کے دکھانے اور سنانے کے لیے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ریا اور سمعہ (دکھانے اور سنانے) کے مقام پر کھڑا کرے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۰۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ کا ذکر کم کرنے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافق صرف دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور صرف سنانے کے لیے نیک کام کرتے ہیں۔ ان کے پاس جب دوسرے لوگ ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتے ہیں اور جب کوئی نہیں ہوتا تو وہ نماز نہیں پڑھتے اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں جو تکبیرات بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں ان کو

پڑھتے ہیں اور نماز میں اللہ کا جو ذکر پست آواز سے کیا جاتا ہے اس میں وہ خاموش رہتے ہیں۔ مثلاً قرات اور تسبیحات وغیرہ کو نہیں پڑھتے یا معنی یہ ہے کہ نماز کے علاوہ وہ اور کسی وقت میں اللہ کا ذکر نہیں کرتے‘ آج کل ہم اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھتے ہیں وہ اکثر اوقات گپ شپ‘ دوسروں کی غیبت‘ کہانیوں‘ لطیفوں اور کاروباری باتوں میں گزار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تقدیس‘ تسبیح و تہلیل‘ توبہ استغفار اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر ان کی زبانوں پر نہیں آتا‘ یا بہت کم آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں‘ نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں نہ ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں‘ اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ نہ پائیں گے۔(النساء : ۱۴۲)

منافق کا مذبذب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافق کو مذبذب فرمایا ہے‘ مذبذب اس شخص کو کہتے ہیں جو دو چیزوں یا دو کاموں کے درمیان متردد ہو‘ تذبذب کا اصل معنی تحیر اور اضطراب ہے‘ کیونکہ منافق اپنے دین میں متحیر ہوتا ہے‘ اور وہ کسی صحیح اعتقاد کی طرف رجوع نہیں کرتا‘ منافقین نہ مشرکین کی طرح صراحۃً شرک کرتے تھے اور نہ مومنوں کی طرح مخلص تھے‘ وہ اس کے درمیان مذبذب تھے اس کا معنی ہے وہ اسلام اور کفر کے درمیان مذبذب ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان حیران ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہو اور کبھی اس ریوڑ کی طرف۔

(صحیح مسلم‘ رقم الحدیث : ۲۷۸۴‘ سنن نسائی‘ رقم الحدیث : ۵۰۵۲‘ مسند احمد ج ۲‘ رقم الحدیث : ۵۰۷۹‘ ۵۷۹۴)

ہدایت کے دو معنی اور ان کے محمل

”جس کو اللہ گمراہ کردے‘ اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے کفر اور خباثت کی وجہ سے اللہ اس سے ہدایت کی استعداد اور صلاحیت کو سلب کرلے آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناسکتے‘ یہاں آپ سے ہدایت کے جس معنی کی نفی کی ہے اس کا معنی ہے کسی شخص کو ہدایت یافتہ اور مومن بنانا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے‘ اور ہدایت کا دوسرا معنی ہے سیدھا راستہ دکھانا‘ سو اس معنی میں نبی ﷺ ان کو بھی ہدایت دیتے تھے اور دیگر کافروں‘ منافقوں کو بھی بلکہ تمام مخلوق کو ہدایت دیتے تھے اور اس معنی میں ہدایت دینا آپ کا منصب ہے‘ اور قرآن مجید میں جہاں بھی آپ سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں ہدایت کا معنی ہدایت یافتہ اور مومن بنانا ہے یعنی سیدھے راستہ پر چلانا اور جہاں آپ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے وہاں ہدایت سے مراد ہے سیدھا راستہ دکھانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو۔(النساء : ۱۴۴)

کافروں کے نابالغ بچوں پر عذاب نہیں ہوگا

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ ”اے ایمان والو!“ اس سے مراد مخلصین مومنین ہیں‘ اور کافروں سے مراد یہودی یا منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والو! یہودیوں یا منافقوں کو دوست نہ بناؤ‘

جیسا کہ منافق کافروں کو دوست بناتے ہیں ورنہ تم بھی منافقوں کی مثل ہو جاؤ گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو!" سے مراد منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے بہ ظاہر ایمان لانے والو! کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ' بلکہ مخلص مومنین کو اپنا دوست بناؤ' تاکہ تمہیں بھی اخلاص نصیب ہو لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اپنے خلاف واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟ یعنی تم ایسی حجت اور دلیل قائم کرنا چاہتے ہو جس کی بناء پر تم عذاب کے مستحق ہو جاؤ' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے عذاب نہیں دے گا' حالانکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو عذاب دے تو یہ اس کا عین عدل ہو گا کیونکہ وہ سب مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنے ملک میں جو چاہے کر سکتا ہے' لیکن اس نے اپنی حکمت سے اور اپنے فضل سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنے مخلص اور صالح بندوں کو عذاب نہیں دے گا اور خلف وعد محال ہے اس لیے مخلصین اور صالحین کو عذاب ہونا بھی محال ہے' نیز اس آیت سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ بغیر دلیل کے عذاب نہیں دیتا تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرکوں اور کافروں کے نابالغ بچوں کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ نابالغ بچوں کے حق میں بعثت متحقق نہیں ہوئی اور نہ ہی نابالغ بچے مکلف ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء : ۱۴۵)

درک کا معنی اور دوزخ کے طبقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافق آگ کے سب سے نچلے درک میں ہوں گے' ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ درک کا معنی منزل ہے اور جہنم میں کئی منازل ہیں اور منافق سب سے نچلی منزل میں ہوں گے' ابن الانباری نے کہا ہے کہ درک سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں' ضحاک نے کہا جب منازل میں یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض' بعض سے اوپر ہیں تو ان کو درج (درجہ) کہتے ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض بعض سے نیچے ہیں تو ان کو درک کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں' حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا منافق لوہے کے ایک ایسے تابوت میں ہوں گے جس کا کوئی دروازہ نہیں ہو گا۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۴۵۴)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

دوزخ کے سات طبقات ہیں' پہلا طبقہ جہنم ہے دوسرا لظی ہے' تیسرا الحطمہ ہے چوتھا السعیر ہے' پانچواں سقر ہے چھٹا جحیم ہے اور ساتواں ھاویہ ہے' اور کبھی ان تمام طبقات پر جہنم کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے' ان طبقات کو درکات اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تہ در تہ ہیں' اور منافقوں کا آخری طبقہ میں ہونا ان کے شدت عذاب پر دلالت کرتا ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نفاق کی علامتوں پر اشکال کے جوابات

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۶۸۲'۳۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۹' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۶۱' مسند احمد : ج ۳' رقم الحدیث : ۹۱۶۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ص ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہو گا' اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہو گی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے' جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۴۵۹'۳۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۴۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۶۸۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۰۳' مسند احمد : ج ۲ رقم الحدیث : ۶۷۸۲' سنن کبریٰ : ج ۹ص ۲۳۰)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان میں یہ چاروں خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو گا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی خصلت ہو گی' محدثین کرام نے اس حدیث کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) یہ علامتیں نبی ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص تھیں کیونکہ نبی ﷺ تو وحی کے نور سے لوگوں کے دلوں کے حال پر مطلع تھے' اور آپ جانتے تھے کہ کون منافق ہے اور کون منافق نہیں ہے اور چونکہ یہ غیب نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا اس لیے آپ نے اپنے اصحاب کو یہ نشانیاں بتائیں تاکہ وہ ان علامتوں سے منافقوں کو پہچان لیں اور ان سے احتراز کریں اور آپ نے معین کر کے نہیں بتایا کہ فلاں فلاں منافق ہے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو اور یہ لوگ مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص حلال اور جائز سمجھ کر یہ چار کام کرے وہ منافق کے حکم میں ہو گا۔

(۳) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو وہ منافقین کے مشابہ ہو گا' اور نبی ﷺ نے اس پر "تغلیظا" اور "تہدیدا" منافق کا اطلاق فرمایا ہے اور یہ اس شخص کے متعلق فرمایا ہے جو عادۃً یہ چار کام کرتا ہو اور اس کے متعلق نہیں فرمایا جس سے "نادرا" یہ کام سرزد ہوں۔

(۴) عرف میں منافق اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو سو ایسا شخص "عرفا" منافق ہے "شرعا" منافق نہیں ہے لہٰذا ایسے شخص کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا نہ وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہو گا۔

(۵) دینی معاملات میں ایسے شخص کا حکم منافق کا ہو گا اور اس کی خبر معتبر نہیں ہو گی۔

ایک حدیث میں تین کاموں کو منافق کی علامت فرمایا ہے اور دوسری میں چار کاموں کو منافق کی علامت قرار دیا ہے' یہ اختلاف مقتضی حال اور مقام کے اعتبار سے ہے۔ کبھی آپ کے سامنے ایسے منافق تھے جن میں چار خصلتیں تھیں اور کبھی ایسے تھے جن میں تین خصلتیں تھیں اس وجہ سے کبھی آپ نے تین علامتیں بیان فرمائیں اور کبھی چار۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا' اس آیت میں منافقین کی نصرت کی نفی کی تخصیص کی ہے اور یہ تخصیص اس وقت صحیح ہو گی جب مخلص مسلمانوں کی نصرت اور ان کی شفاعت

کی جاسکے' اور تب ہی منافقین کی مدد کانہ کیا جانا ان کے لیے باعث حسرت اور افسوس ہو گا اور اگر مخلص مسلمانوں کی بھی مدد نہ کی جائے تو منافقین کو کیوں ندامت اور حسرت ہو گی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مگر ان (منافقوں) میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا سو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۱۴۶)

نفاق کے عذاب سے نجات کی چار شرطیں

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین سے عذاب کو دور کرنے کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں' پہلی شرط یہ ہے کہ وہ توبہ کریں اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک عمل کریں کیونکہ نفاق سے توبہ کے بعد کیے ہوئے نیک اعمال لائق اعتبار ہوتے ہیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کا دامن پکڑ لیں' کیونکہ توبہ اور نیک اعمال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اخروی فلاح اور سعادت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے' اور چوتھی شرط ہے اخلاص' یعنی ان کا ہر کام کو کرنا اور چھوڑنا محض اللہ کی خاطر ہو' یعنی نیک کاموں کو کرنا اور برائیوں کو چھوڑنا دونوں اللہ کی وجہ سے ہوں' اور ان کے کسی کام سے غیر اللہ کی نیت اس کی خوشنودی اور اس کی داد و تحسین کا دخل نہ ہو۔ اور جب یہ چار شرائط حاصل ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزاء بیان کی ہے کہ وہ آخرت میں مخلص مومنوں کے ساتھ ہوں گے' اور اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور (خالص) ایمان لے آؤ' اور اللہ شکر کی جزاء دینے والا' بہت جاننے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۷)

اس آیت میں بھی منافقین سے خطاب ہے' ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مومنین سے خطاب ہے' اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین کو عذاب دینے یا نہ دینے کا مدار صرف ان کے کفر پر ہے اور کسی اور چیز پر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا' کیا اس سے اس کا غیظ و غضب ٹھنڈا ہو گا' یا اس کو اس سے کوئی نفع حاصل ہو گا یا اس سے کوئی ضرر دور ہو گا؟ جیسے بادشاہوں کو عموماً" کسی مجرم کو سزا دینے سے تسکین ہوتی ہے' ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے' اور ان تمام چیزوں سے بلند اور منزہ ہے' منافقوں کو عذاب دینے کی وجہ صرف ان کا نفاق ہے جب وہ نفاق سے توبہ کر لیں اور ایمان لا کر اللہ کا شکر ادا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں دے گا!

شکر کو ایمان پر مقدم کرنے کے اسرار

اس آیت میں فرمایا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ" اور شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے' بہ ظاہر ایمان کو شکر پر مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ ایمان تمام اعمال پر مقدم ہے' امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ اصل عبارت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی اصل عبارت یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آؤ اور شکر ادا کرو' اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ واو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۴۶) لیکن بلیغ کے کلام میں جب کوئی عبارت ظاہری ترتیب کے خلاف ہو تو وہ کسی رمز اور نکتہ پر مبنی ہوتی ہے' اس لیے اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہاں کس حکمت یا کس رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے شکر کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

شکر کا ایک معنی ہے کسی نعمت کی بنا پر منعم کی تعظیم کرنا' اور یہ تین امور پر موقوف ہے پہلے اس شخص کو نعمت کی معرفت ہو اور جب نعمت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کا ذہن کسی نہ کسی منعم کو تلاش کرے تاکہ وہ اس کی تعظیم کرے اور اس تلاش کے بعد جب وہ منعم حقیقی تک پہنچ جائے تو بے اختیار تعظیم کرتا ہوا اس کے آگے جھک جائے اور یہی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' اور اس طرح شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہوتا ہے اور اسی نکتہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شکر میں منعم کی تعظیم دل سے بھی ہوتی ہے' زبان سے بھی اور باقی ظاہری اعضاء سے بھی تعظیم ہوتی ہے۔ منافق کلمہ پڑھ کر زبان سے منعم کی تعظیم کرتے تھے' اور نماز پڑھ کر باقی اعضاء سے بھی تعظیم کرتے تھے لیکن دل سے اللہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے باطن میں کفر تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا کہ وہ صحیح اور کامل شکر ادا نہیں کرتے اگر وہ صحیح اور کامل شکر ادا کریں اور اخلاص سے ایمان لے آئیں تو اللہ انہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شکر کا دوسرا معنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے خرچ کرنا جس مقصد کے لیے وہ نعمتیں دی گئی ہیں' جس زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا' اس زمانہ میں سب سے بڑی نعمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر فرمایا ہے یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (الاعراف: ۱۵۷) "وہ آپ کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں۔" اور اس نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آپ پر دل و جان سے ایمان لاتے اور تن' من' دھن کی بازی لگا کر آپ کی اطاعت اور اتباع کرتے۔

جس نبی کے وسیلہ سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی' حضرت ابراہیم پر آگ گلزار ہوئی' حضرت اسماعیل کا گلا جس کے نور کی برکت سے کٹنے سے بچا' حضرت ابراہیم نے جس کی بعثت کی دعا کی' حضرت موسیٰ نے جس کے امتی ہونے کی تمنا کی' حضرت عیسیٰ نے جس کے آنے کی بشارت دی' عالم میثاق میں تمام نبیوں نے جس پر ایمان لانے اور جس کی نصرت کرنے کا قول و اقرار اور عہد کیا اور اللہ اس عہد پر خود گواہ ہوا ایسا عظیم الشان نبی اللہ نے ان کے عہد میں پیدا کیا' ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس جلیل القدر اور رفیع المرتبت نعمت پر اللہ کا احسان اور امتنان مانتے اور اس کا بے پایاں شکر ادا کرتے اور اس عظیم الشان نبی پر اخلاص سے ایمان لاتے اور دل و جان سے اس کی تصدیق کرتے' اس لیے فرمایا: اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ' ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں شکر کو ایمان پر مقدم کرنے میں کیا رمز ہے' کیا لطافت ہے اور کیا بلاغت ہے!

شاکر' علیم میں ربط اور مناسبت

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور "اللہ تعالیٰ شاکر علیم ہے۔" اللہ تعالیٰ نے بہ طور استعارہ شکر کی جزاء کو بھی شکر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو شکر ادا کرنے کی جزا دے گا اور ثواب عطا فرمائے گا' اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں ہیں ان کا شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے' بلکہ اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے فرمایا وہ علیم ہے وہ جاننے والا ہے کہ محدود انسان لامحدود نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا وہ اپنے بندہ کے عجز کو جاننے والا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں اپنی بے مائیگی' کم ہمتی اور قصور عبادت کا اعتراف اور اقرار کرتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں اور

اس کے احسانوں کا اعتراف کر کے اس کے سامنے نیاز مندی اور اطاعت سے سر جھکا کر اس کی تعظیم بجا لاتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے سو وہ اس کو اس کے اس عمل کی اور اس کے شکر ادا کرنے کی جزا عطا فرمائے گا' یہاں بھی بہ ظاہر' پہلے علیم اور پھر شاکر کا ذکر ہونا چاہیے تھا' لیکن اس کے عکس ترتیب میں رمز یہ ہے کہ جس صفت کا بندوں پر اثر مرتب ہونا تھا یعنی شکر کی جزا دینا اس کا پہلے ذکر کیا اور جس صفت میں صرف اس کی شان کبریائی تھی جس کا صرف اس کے ساتھ تعلق تھا اس کا بعد میں ذکر فرمایا۔ اس نے بندوں کا حق مقدم رکھا ہم بندے ہیں اور ہم اس کے زیادہ لائق ہیں کہ ہم اپنے مولیٰ کے حق کو پہچانیں اور اس کے ذکر کو اپنے ذکر پر اور اس کے حق کو اپنے حق پر مقدم رکھیں۔

منزل ۱

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ تعالیٰ بہ آوازِ بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے،

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ

اور اللہ بہت سننے والا، نہایت علم والا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو،

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ

یا کسی برائی کو معاف کر دو تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے ○ بیشک جو

الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا

لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان

بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ

فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا

بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾

انکار کرتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنا لیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب

مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ

تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انھوں نے ان رسولوں میں سے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان کو ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

۲۱ ع ۱۱ ۱

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے۔
(النساء: ۱۴۸)

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں محدثین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کو برا کہا اور ان کو اذیت دی، حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو دوسری دفعہ اذیت دی پھر حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو تیسری بار اذیت دی تو حضرت ابوبکر نے اس سے بدلہ لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے جانے لگے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ شخص تم کو برا کہتا تھا تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی تکذیب کرتا تھا، اور جب تم نے اس سے بدلہ لیا تو شیطان آ گیا اور جس جگہ شیطان آ جائے تو میں وہاں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۸۹۶)

حضرت ابوہریرہ نے بھی اس حدیث کو اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۸۹۷)

کسی شخص کو برا کہنا، گالی دینا، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اور کسی شخص کی غیبت کرنا یا کسی شخص کی چغلی کرنا یہ تمام امور اس آیت سے ممنوع اور ناجائز ہیں۔

کسی کی برائی، غیبت اور چغلی کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۸۹۴)

امام ابوداؤد بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو چھوڑ دو' اور اس کو برا نہ کہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۸۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اپنے فوت شدہ لوگوں کی نیکیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۹۰۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے' صحابہ نے عرض کیا : اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے اس وصف کا ذکر کرو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو' آپ سے عرض کیا گیا یہ بتایئے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو تم بیان کرتے ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کرو گے' اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو تو پھر تم اس پر بہتان باندھو گے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۸۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۴)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا لحاف چوری ہو گیا۔ وہ چرانے والے پر بددعا کر رہی تھیں آپ نے فرمایا : اپنی دعا میں اس کی تخفیف نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۴۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ کے لیے صفیہ سے اتنا اتنا (قد) کافی ہے! ان کا ارادہ تھا کہ ان کا قد چھوٹا ہے' آپ نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس سے سارا پانی آلودہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی انسان کی نقل اتاری آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے اس کے بدلہ فلاں فلاں چیز مل جائے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جس کے پیتل کے ناخن تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے' میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہیں' انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی بے عزتی کرتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے)

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی اس جگہ بے عزتی کرتا ہے جہاں اس کی عزت نہ کی جارہی ہو اور اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو تو اللہ اس کو ایسی جگہ بے عزت کرے گا جہاں وہ اپنی نصرت چاہتا ہو' اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسی جگہ نصرت کرے گا جہاں اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو اور اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو تو اللہ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد پسند کرتا ہو۔

(سنن ابوداؤد : ۴۸۸۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چغل خور داخل نہیں ہو گا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۲)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نجات کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان بند رکھو' اور اپنا گھر فراخ رکھو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (مسند احمد : ج ۸ رقم الحدیث : ۲۲۲۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو ہمارے متعلق اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں' اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۴۱۵' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۹)

حضرت نعمان بن بشیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے۔ (صحیح بخاری : ۵۲)

سنن ترمذی کی روایت میں ہے تمام اعضاء کی صحت اور فساد کا مدار زبان پر ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے اس کا مدار دل پر ہے اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے' اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کون ہے جو میرے لیے اس کا ضامن ہو جو دو جبڑوں کے درمیان اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۴۱۶' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۴۷۴' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث : ۲۲۸۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶)

مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کو بیان کرنے کا جواز

پہلے اللہ تعالیٰ نے بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرمایا پھر اس حکم سے مظلوم کا استثناء فرمایا اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ مظلوم کے سوا کسی کے بری بات ظاہر کرنے کو ناپسند کرتا ہے لیکن مظلوم اپنے اوپر کیے ہوئے ظلم کو بیان کر سکتا ہے یہ زجاج کا قول ہے۔

(۲) مظلوم ظالم کے خلاف بددعا کر سکتا ہے' یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے۔

(۳) اصم نے کہا کہ کسی کے پوشیدہ احوال کی لوگوں کو خبر دینا جائز نہیں ہے' تاکہ لوگ کسی کی غیبت نہ کریں' لیکن مظلوم شخص یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ہاں چوری کی یا غصب کیا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی غیبت کر سکتا ہے پس پشت اس کے ظلم کو بیان کر سکتا ہے' اس مناسبت سے ہم یہاں پر وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں غیبت کرنا جائز ہے۔

غیبت کرنے کی مباح صورتیں

جس غرض صحیح اور مقصد شرعی کو بغیر غیبت کے پورا نہ کیا جا سکے اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے سلطان' قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان

کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ برا کام کرتا ہے اس کو اس برائی سے روکو! اور اس سے مقصود صرف برائی کا ازالہ ہو اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے استفسار۔ کوئی شخص مفتی سے پوچھے فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ برائی کی ہے کیا یہ جائز ہے؟ میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟ یا اپنا حق کس طرح حاصل کروں' اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعیین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟ تاہم تعیین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

(ا) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا یہ اجماع مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

(ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے' یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کردے۔

(ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کر رہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں اس کے ضرر کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیر خواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فسق پر اسے متنبہ کرے۔

(د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو' اس کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں تاکہ اہل اور کار آمد شخص کو حاکم بنایا جاسکے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو مثلاً شراب نوشی' جوا کھیلنا' لوگوں کے اموال لوٹنا وغیرہ تو ایسے شخص کے ان عیوب کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو' اس کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور چھٹا سبب یہ ہے تعریف اور تعیین مثلاً کوئی شخص اعرج (لنگڑے) اصم (بہرے) اعمی (اندھے)' احول (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعیین کے لیے اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعیین کسی اور طریقہ سے ہو سکے تو وہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کسی نیکی کو ظاہراً" کرو یا چھپا کر کرو' یا کسی برائی کو معاف کر دو' تو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے۔ (النساء : ۱۴۹)

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت' ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان اللہ شاکرا علیما میں خالق کی عظمت کو بیان فرمایا' اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے' مخلوق سے ضرر کو دور کرنا اور ان کو نفع پہنچانا' مخلوق سے ضرر کو دور کرنے کے متعلق فرمایا لا یحب اللہ الجھر بالسوء۔ الا یہ اور ان کو نفع پہنچانے کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو۔“ نماز‘ روزہ‘ صدقہ اور خیرات تمام اقسام کے نیک کاموں کو شامل ہے۔ فرائض علی الاعلان ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے اور نوافل چھپا کر ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان کے اعمال میں زیادہ سے زیادہ اخلاص آسکے‘ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سات آدمیوں پر اللہ اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا‘ آپ نے ان سات میں سے ایک اس شخص کا ذکر کیا جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (صحیح بخاری‘ رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

اس آیت میں دوسری نیکی یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی برائی کو معاف کردو اور اس پر دلیل یہ قائم فرمائی ہے کہ اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عذاب پر قادر ہونے کے باوجود بندوں کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے سو تم بھی اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ اور اس کی صفات سے متصف ہو جاؤ اور انتقام لینے پر قدرت کے باوجود لوگوں کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کردو اور اگر تم نے لوگوں کی خطاؤں کو معاف نہ کیا تو تم اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی کی کیسے توقع رکھو گے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں‘ اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں‘ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں‘ اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنالیں۔ (النساء: ۱۵۰)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا رد فرمایا تھا‘ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا رد فرما رہا ہے‘ یہود حضرت موسیٰ پر اور تورات پر ایمان لائے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور قرآن مجید کے کلام اللہ اور آسمانی کتاب ہونے کا انکار کرتے تھے‘ اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لائے اور آپ کی نبوت اور قرآن مجید کا انکار کیا‘ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا رد فرمایا کیونکہ کسی بھی نبی کو نبی ماننے کی دلیل معجزہ ہے اور جب معجزہ کی دلالت کی وجہ سے یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو نبی مان لیا‘ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو نبی مان لیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو معجزات پیش کیے اگر معجزہ کی دلالت مقبول نہیں ہے تو پھر ہر نبی کا انکار کرو اور اگر معجزہ کی دلالت مسلم ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانو‘ غرض یہ کہ بعض نبیوں اور ان کی کتابوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا اس کی کوئی معقول وجہ اور صحیح دلیل نہیں ہے‘ یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کا بیان فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء: ۱۵۱)

اس آیت میں فرمایا کہ یہ یہود اور نصاریٰ جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں یہ یقیناً کافر ہیں‘ خواہ یہ اپنے آپ کو مومن کہتے رہیں ان کے خود کو مومن کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے‘ یہ عذاب میں سب سے پہلے داخل ہوں گے‘ اور وہ عذاب ان کو ذلیل کرنے والا ہوگا‘ اس میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن ان میں اور کافروں کے عذاب میں یہ فرق ہوگا کہ اول تو وہ مسلمان کافروں کے بعد عذاب میں داخل ہوں گے۔ ثانیاً یہ کہ وہ عذاب ان بعض مسلمانوں کی تطہیر کے لیے ہوگا اور صورۃ ہوگا۔ اس کے برخلاف کافروں کو جو عذاب

ہو گا وہ حقیقتہً عذاب ہو گا اور ان کو ذلیل کرنے کے لیے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ) عنقریب ان کو اجر عطا فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء : ۱۵۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ مومنوں کے ذکر کے بعد کافروں کا اور کافروں کے ذکر کے بعد مومنوں کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ایک ضد دوسری ضد سے پہچانی جاتی ہے' سو پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو بعض نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور جو رسولوں میں فرق کرتے ہیں اور ان کے متعلق فرمایا یہ یقیناً کافر ہیں اور ان کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا' اس کے بعد مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو رسولوں کے درمیان ایمان لانے کا فرق نہیں کرتے اور سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں پھر آخرت میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر کا وعدہ بھی فرمایا اور مغفرت کا بھی' یعنی ان مسلمانوں میں سے جو کامل اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں ان کو اپنے فضل سے ثواب عطا فرمائے گا' اور جن سے کچھ کوتاہیاں اور گناہ ہو گئے ان کو بخش دے گا' یا ان کی توبہ سے ان کو بخش دے گا' یا نبی ﷺ یا کسی فرشتے یا کسی اور نبی' یا کسی اور مقبول بندہ کی شفاعت سے معاف کر دے گا' یا محض اپنے فضل سے بخش دے گا' یا پھر ان کو کچھ عرصے کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا اور پھر نکال لے گا اور جنت میں داخل کر دے گا!

اے بار اللہ! اس کتاب کے مصنف کو اور اس کے خیر خواہ قاری کو بلا عذاب و حساب و کتاب اپنے محبوب نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دینا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں،

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

سو بے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں، انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

دکھاؤ تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑ لیا پھر انھوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى

بچھڑے کو (معبود) بنا لیا، سو ہم نے اس کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

ہوا غلبہ دیا ○ اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھا لیا، اور ہم

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ

نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ، اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ○ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ

اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے ○ اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انھوں نے مریم پر بہت بڑا

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بہتان باندھا ○ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ

قتل کر دیا حالانکہ انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا)

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ

مشابہ بنا دیا گیا تھا اور بیشک جنھوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں، انھیں اس کا بالکل

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

یقین نہیں ہے ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انھوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی

اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ○ اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ہوں گے ○ تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّ

حرام کردیں جو پہلے ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہت روکتے تھے ○ اور

اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

کھاتے تھے، اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے ○

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں، وہ اس (وحی) پر ایمان لاتے

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

اور زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں

٢٢ ع١٠ ٢ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کردیں ' سو بے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کرچکے ہیں ' انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ ' تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑ لیا ' پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود بچھڑے کو (معبود) بنا لیا سو ہم نے اس کو معاف کردیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ دیا۔ (النساء : ۱۵۳)

نبی ﷺ کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے ' موسیٰ اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے تو جب آپ بھی اللہ کے پاس سے (لکھی ہوئی) الواح لے آئیں گے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے ' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریج نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کریں گے حتی کہ ہماری جانب اللہ کے پاس سے یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور فلاں شخص کے پاس بھی یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۔ ۱۰ ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

جب یہودیوں نے از راہ عناد نبی ﷺ سے یہ سوال کیا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا : کہ یہ یہودی تو اس سے بڑے بڑے سوال حضرت موسیٰ سے کرچکے ہیں ' ہرچند کہ یہ سوال ان کے آباؤ اجداد نے کیے تھے لیکن چونکہ یہ ان سوالات پر راضی تھے اور ان ہی کی طرح سرکشی کر رہے تھے اور کئی معجزات دیکھنے کے باوجود نبوت پر ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان ہی کی طرح معاند تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی نسبت آپ کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف کردی ' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ اب کہہ رہے ہیں کہ تورات کی طرح آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہو تو پھر ایمان لائیں گے ' حالانکہ جب ان کے آباؤ اجداد پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تو وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ اس سے واضح ہوگیا کہ ان کا یہ مطالبہ شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے نہیں تھا بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا لیا ' ان واضح دلائل سے مراد آسمانی بجلی ہے جو اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں پر گری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا ' اس سے اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے تام اور کامل ہونے پر دلالت ہوتی ہے اور اسی پر مدار الوہیت ہے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہے کہ ان کی دعا سے وہ دوبارہ زندہ کردیئے گئے ' بہ ظاہر آسمانی بجلی ایک دلیل ہے لیکن یہ کئی دلائل کو متضمن ہے ' اس کے علاوہ انہوں نے حضرت موسیٰ کا عصا دیکھا ' ید بیضا دیکھا ' سمندر کو چیر کر اس میں بارہ رستوں کو بنانا دیکھا ' ان کے تعاقب میں آنے والے فرعون اور ان کے لشکر کا ان ہی راستوں میں ڈوبنا دیکھا ان تمام معجزات کو دیکھنے کے بعد انہوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنا لیا اور اس کی پرستش کی ' تو اے رسول مکرم! آپ سے ان کا یہ

مطالبہ کرنا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے انشراح صدر کے لیے نہیں ہے یہ ان کی وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے جو ان میں نسل در نسل چلی آرہی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی گوسالہ پرستی کی سزا میں ہم نے ان کو بالکل صفحہ ہستی سے نہیں مٹادیا بلکہ ان کی سرکشی اور عناد کے باوجود ان کو معاف کر دیا اور ہم نے حضرت موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا یعنی ان کی قوم کو ان کے مخالفین پر غلبہ عطا فرمایا اس میں نبی ﷺ کے لیے یہ رمز اور بشارت ہے کہ اگرچہ کفار آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور آپ کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ اور فتح عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھالیا' اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ' اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔ (النساء : ۱۵۴)

شریعت تورات کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اس آیت سے آیت : ۱۶۱ تک اللہ نے یہود کی باقی سرکشیوں اور جہالتوں کو بیان فرمایا ہے' ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی جب ان کے سروں کے اوپر پہاڑ طور اٹھالیا گیا' اور اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین سے نہ پھریں لیکن وہ دین سے پھر گئے پھر ان پر پہاڑ طور اٹھا کر ان سے عہد لیا گیا کہ وہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے یہ عہد کر لیا' دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی شریعت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں کے اوپر طور مسلط کر دیا اور انہوں نے اس پہاڑ کے خوف سے تورات کی شریعت کو قبول کر لیا۔

دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ' اس کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور تیسری سرکشی یہ تھی کہ ان سے اللہ نے فرمایا تھا کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھنا' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا' دوسرا قول یہ ہے کہ تلاش روزگار اور حصول معاش کے لیے ہفتہ کے دن کوئی کام نہ کرنا اس کی تفصیل اور تحقیق بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے' اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔ (النساء : ۱۵۵)

چار وجوہ سے یہود کا کفر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے کفر کی چار وجوہ بیان فرمائی ہیں' ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بار بار عہد شکنی کی' دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا کفر کیا۔ آیتوں سے مراد معجزات ہیں اور معجزہ کا انکار کرنا نبوت کا انکار ہے اور ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے کیونکہ تمام نبیوں کی نبوت معجزہ سے ثابت ہوتی ہے اور ایک نبی کا انکار بھی کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ تمام نبیوں کا انکار کیا جائے' اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل کرتے تھے

یہاں ناحق کے لفظ کو بہ طور تاکید ذکر فرمایا ہے‘ کیونکہ نبی کو قتل کرنا ہوتا ہی ناحق ہے‘ اور چوتھی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں‘ یعنی ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا‘ اس کی نظیر کافروں کا یہ قول ہے :

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ . (حٰمٓ السجدۃ : ۵)

اور انہوں نے کہا جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر ہمارے دلوں میں پردے پڑے ہوئے ہیں‘ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے‘ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور آپ کی بات ہم تک نہیں پہنچتی‘ یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہارے دل اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اپنے معظم رسول کی بات تم تک پہنچنے دیں کیونکہ تم مسلسل کفر اور گستاخیاں کر کے اپنے دلوں کو ارشادات رسول سننے کا نااہل بنا چکے ہو‘ اس لیے یہ نہ کہو کہ تم نہیں سنتے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تم سننے کے اہل نہیں رہے‘ اس کے بعد فرمایا تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے‘ اس آیت کے تین محمل ہیں‘ ایک محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم چیزوں پر ایمان لائیں گے‘ یعنی صرف حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لائیں گے اور باقی نبیوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے لیکن یہ ایمان بھی صرف ان کے زعم میں ہے حقیقت میں ایمان نہیں ہے‘ کیونکہ ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے‘ دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم وقت کے لیے ایمان لائیں گے اور تیسرا محمل یہ ہے کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان لائیں گے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کی امثال۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ (النساء : ۱۵۶)

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان باندھا

اس آیت میں یہود کی دو خرابیاں اور دو بدعقیدگیاں بیان کی ہیں‘ ایک ان کا کفر ہے اور دوسرا حضرت مریم پر بہتان ہے‘ کفر کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ سے پیدا ہونے کا انکار کیا‘ اور یہ انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے‘ اور اللہ کی قدرت کا انکار کفر ہے‘ دوسری وجہ کفر یہ ہے کہ اگر یہ ضروری ہو کہ ہر شخص کسی باپ سے پیدا ہو تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہو گا اور عالم قدیم ہو جائے گا اور عالم کا قدم ماننا کفر ہے اور ان کی دوسری بدعقیدگی اور سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگایا اور انہوں نے ایک پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائی‘ جب کہ ان کی پاک دامنی پر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مہد (پالنے) میں کلام کر کے دلیل قائم کی‘ اسی طرح منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور قرآن مجید نے حضرت عائشہ کی برأت بیان کی اور یہودیوں کی طرح روافض اب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تبرا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا‘ حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا‘ اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں۔ انہیں اس کا بالکل یقین

نہیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً" قتل نہیں کیا۔ (النساء : ۱۵۷)

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا

اس آیت میں یہود کے ایک اور کفریہ قول کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا کفر ہے' کیونکہ اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں بہت کوشش کرتے تھے' ہرچند کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ فخریہ طور پر یہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اس لیے ان کا یہ قول کفریہ قرار پایا۔

یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا نہ انہوں نے ان کو سولی دی لیکن ان کے لیے کسی شخص کو (عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب یہودیوں نے ان کو گھیر لیا تھا' جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی' یہودیوں نے ان سے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے' تم یہ بتلاؤ کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا' اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا' یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھا لیا تھا۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی روایات ذکر کی ہیں لیکن ان کا اعتماد صرف مذکور الصدر روایت پر ہے' ہم اس سلسلہ میں بعض دیگر روایات کا بھی ذکر کر رہے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے تاکہ وہ قتل کر دیا جائے؟ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے نبی میں حاضر ہوں! سو اس شخص کو قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اپنے نبی کو بچا لیا اور ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کے انیس حواریوں کو ایک مکان میں بند کر دیا' حضرت عیسیٰ نے اپنے اصحاب سے کہا کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ تاکہ وہ قتل کر دیا جائے! اور اس کو جنت مل جائے گی! تو ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت لے لی' اور حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ گئے' جب حواریوں کو اس مکان سے نکالا گیا تو وہ کل انیس تھے' اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ کر چلے

گئے ہیں' یہودیوں نے ان کو گنا تو ان میں سے ایک شخص کو کم پایا' اور وہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا ایک آدمی دیکھتے تھے' سو وہ شک میں پڑ گئے' اس کے باوجود انہوں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا جو ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ تھے انہوں نے اس کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

ابو علی جبائی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو ایک اونچی جگہ پر سولی دے دی' اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتیٰ کہ اس کا حلیہ متغیر ہو گیا اور ان یہودیوں نے کہا ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تاکہ ان کے عوام اس وہم میں رہیں' کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا اس نے یہودیوں سے تیس درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا اور اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی' یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان جز ۶ ص ۱۸ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ۲ ص ۴۳۱۔ ۴۳۰ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بہت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔) (روح المعانی جز ۶ ص ۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہود کا کفر حضرت عیسیٰ کے قتل کے متعلق شک میں مبتلا ہونا اور آپس میں اختلاف کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں' انہیں اس کا بالکل یقین نہیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ (النساء : ۱۵۷)

علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

یہودیوں نے جس شخص کو قتل کیا تھا اس کے متعلق یہودیوں کا اختلاف تھا کہ یہ عیسیٰ ہے یا نہیں' کیونکہ حضرت عیسیٰ کے جس مشابہ شخص کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے صرف چہرے پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالی گئی تھی اور اس کے باقی جسم پر حضرت عیسیٰ کی شبہ نہیں ڈالی گئی تھی' اس لیے جب انہوں نے اس کو قتل کر کے دیکھا تو کہا اس کا چہرہ تو عیسیٰ کی طرح ہے اور بدن کسی اور کا ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

جو شخص حضرت عیسیٰ کو ڈھونڈنے گیا تھا اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی یہودی کہتے تھے کہ اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ کہاں گئے؟ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

حسن بصری نے کہا ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ بعض نے کہا عیسیٰ الٰہ ہیں اور بعض نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہیں' ایک

قول یہ ہے کہ ان کے عوام نے کہا ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور جنہوں نے ان کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھا تھا انہوں نے کہا ہم نے ان کو نہیں قتل کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ میں سے نسطوریہ نے کہا عیسیٰ کو بہ حیثیت ناسوت (جسم) کے سولی دی گئی اور بہ حیثیت لاہوت کے سولی نہیں دی گئی' اور فرقہ ملکانیہ نے کہا کہ عیسیٰ کو ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے قتل بھی کیا گیا اور سولی بھی دی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے کہا اگر یہ ہمارا صاحب ہے تو عیسیٰ کہاں ہیں اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے کیونکہ یہودیوں کے سردار یہوذا نے ان کو قتل کرنے کی سعی کی تھی اور عیسائیوں کے ایک گروہ نے کہا بلکہ ہم نے ان کو قتل کیا ہے اور اس میں سے ایک گروہ نے کہا بلکہ ان کو اللہ نے آسمان کی طرف اٹھالیا اور ہم ان کو دیکھ رہے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ٦ ص ٩ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ١٣٨٧ھ)

امام رازی کے اعتراض کا جواب

جس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس پر امام رازی نے دو اعتراض کیے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص پر دوسرے شخص کی شبہ ڈال دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ مثلاً جس شخص کو ہم زید سمجھ رہے ہیں وہ زید نہ ہو بلکہ اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو اس صورت میں اس کا نکاح اور اس کی ملکیت باقی نہیں رہے گی اور اس کی طلاق نافذ نہیں ہو گی' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس سے خبر تواتر میں نقص لازم آئے گا کیونکہ خبر متواتر کی انتہا کسی امر محسوس کے علم پر ہوتی ہے اور امر محسوس اب مشتبہ ہو جائے گا کیونکہ جس شخص کو مثلاً زید سمجھا جا رہا ہے ہو سکتا ہے وہ زید نہ ہو بلکہ ممکن ہے اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو۔

امام رازی نے ان اعتراضوں کا جواب یہ دیا ہے کہ ولکن شبہ لھم کا یہ معنی نہیں ہے کہ کسی انسان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور یہودیوں نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا حتیٰ کہ یہ دو اعتراض لازم آئیں بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا قصد کیا تو اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ اب یہود کے سرداروں نے سوچا کہ اگر یہودی عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا تو وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے تو انہوں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور لوگوں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ وہ مسیح ہیں اور لوگ مسیح کو صرف نام سے جانتے تھے شکل سے نہیں پہچانتے تھے کیونکہ حضرت مسیح لوگوں میں بہت کم مل جل کر رہتے تھے اور اس طریقہ سے یہ دونوں سوال اٹھ جاتے ہیں۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ عیسائی اپنے اسلاف سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہوا مشاہدہ کیا تھا' کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا تواتر چند لوگوں پر منتہی ہوتا ہے جو اس قدر کم ہیں کہ ان کا کذب پر متفق ہونا بعید نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٣ ص ٣٤١۔ ٣٤٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٣٩٨ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر ولکن شبہ لھم کا یہ معنی کیا جائے کہ ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی تب بھی امام رازی کے اعتراض لازم نہیں آتے کیونکہ کسی شخص پر حضرت عیسیٰ کی شکل کا ڈال دینا خرق عادت اور حضرت عیسیٰ کا معجزہ ہے اور یہ عادۃً" محال ہے اور ہر معجزہ عادۃً" محال ہوتا ہے' اس لیے یہ اعتراض لازم نہیں آئے گا کہ پھر مثلاً زید میں یہ احتمال ہو گا کہ وہ زید نہ ہو بلکہ کسی اور شخص پر زید کی شبہ ڈال دی ہو۔ دیکھئے قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم پر آگ

ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی' اب کوئی شخص کسی آگ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ بھی گرم اور جلانے والی نہ ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن گئی تھی' اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی اور یہ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا' اب کوئی شخص کسی لاٹھی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے یہ لاٹھی سانپ بھی ہو' حضرت داؤد کے ہاتھ پر لوہا نرم ہو گیا تھا اس لیے اب کوئی شخص کسی لوہے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بھی نرم ہو۔ اسی طرح مثلاً" زید کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ زید نہ ہو اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو جیسا کہ کسی شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس لیے کہ وہ خرق عادت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا' اور جو کام بہ طور اعجاز کیا جائے اس کا ہر شخص میں جاری ہونے کا احتمال نہیں ہوتا' میں نے اس مقام پر بہت سی تفسیروں کو دیکھا بعض مفسرین نے امام کے اعتراض کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اس گنہ گار کے سینہ پر اس جواب کو القا فرمایا ہے جیسے وہ گندی جگہ پر پاکیزہ سبزہ اگا دیتا ہے' ایسے ہی وہ ایک کم علم بے مایہ عمل' اور پراز معاصی قلب پر لطیف اور پاکیزہ نکات وارد کر دیتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی کیفیت کا علم اس روایت سے ہوتا ہے:

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے' حضرت عیسیٰ جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہو' تو ان میں سے ایک کم عمر نوجوان اٹھا' آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ' پھر دوبارہ سوال دہرایا پھر وہ جوان اٹھا' اور کہا میں حاضر ہوں' آپ نے فرمایا ہاں تم ہی اس کے اہل ہو' پھر اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا' پھر یہود حضرت عیسیٰ کی تلاش میں آئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو پکڑ لیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس کو سولی پر لٹکا دیا' پھر ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا انکار کیا اور ان کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان خود اللہ تھا' جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے' دوسرے فرقے نے کہا وہ ابن اللہ تھا جب تک چاہا ہم میں رہا اور جب چاہا آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے' اور ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ فرقہ مسلمان تھا' پھر دونوں کافر فرقے اس پر غالب آ گئے اور اس کو قتل کر دیا پھر اس وقت سے دین اسلام کا چراغ بجھا رہا حتیٰ کہ اللہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا

اس حدیث کی حضرت ابن عباس تک سند صحیح ہے امام نسائی نے اس حدیث کو از ابو کریب از ابو معاویہ اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کو متعدد اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۰-۴۲۹ مطبوعہ دار الاندلس بیروت)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں یہودیوں کے اس دعویٰ کا انکار ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب بھی دوسرے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج میں ہے' اور وہ وہیں پر مقیم ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے انہیں زمین پر نازل فرمائے گا اور وہ زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دیں گے جس طرح پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی اور زمین پر چالیس سال زندہ رہیں گے جس طرح انسان زندہ رہتے ہیں پھر اس طرح وفات پا جائیں گے جس طرح انسانوں کو موت آتی ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا ان کو نور کا لباس پہنایا اور ان کے پر لگا دیئے اور ان کو کھانے پینے سے منقطع کر دیا اور وہ ملائکہ کے ساتھ عرش کا طواف کرنے لگے اور وہ ایسے انسان بن گئے جو ملکی سماوی اور ارضی تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور حکمت کا معنی کمال علم اور عزت کا معنی کمال غلبہ ہے' اس صفت کے لانے میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے آسمانوں کی طرف اٹھانا اگرچہ بشر پر متعذر اور دشوار ہے لیکن میری حکمت اور میرے غلبہ کے سامنے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے' حکمت اور غلبہ کی یہ تفسیر بھی ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو ناکام کیا اور اپنی قوت اور غلبہ سے حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھالیا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے انہیں آسمان پر لے جائے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ تیس سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی اور تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں آپ کو اوپر اٹھالیا گیا' لہٰذا آپ کی نبوت کی مدت تین سال ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھت کے ایک سوراخ میں داخل کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سوراخ سے آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(البحر المحیط ج ۴ ص ۱۲۹-۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ علامہ ابوالحیان اندلسی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل میں بھی اس عبارت کی تائید ہے' اور بعض حواریوں نے سولی کے واقعہ کے بعد حضرت عیسیٰ کو دیکھا تو وہ ان کی روح کے متشکل ہونے کے باب میں ہے کیونکہ قدسیوں کی روح کو اس عالم میں تشکل اور تطور (یعنی روح کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر آنا) کی قوت حاصل ہوتی ہے خواہ ان کی ارواح کسی بلند مقام پر ہوں' اور اس امت کے بہ کثرت اولیاء مختلف شکلوں میں آتے ہیں اور ان کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ حصر اور بیان سے باہر ہیں۔

(روح المعانی جز ۶ ص ۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

شیخ احمد بن تیمیہ متوفی ٧٢٨ھ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کی آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں سورہ النساء کی زیر تفسیر آیت بل رفعہ اللہ الیہ (١٥٨) سے بھی انہوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔

(شرح العقیدہ الواسطیہ ص ٦٥ مطبوعہ دار السلام ریاض)

نیز لکھا ہے کہ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی' (مرتفع' مستقر یا صاعد) ہونے کا ذکر ہے اور یہ آیات ان کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور ان میں سلطنت کا غلبہ کا معنی کرنا باطل ہے۔

(شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص ٦٣)

علامہ تقی الدین ابوبکر حصنی دمشقی متوفی ٨٢٩ھ لکھتے ہیں :

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا' اس نے کہا اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی جوتیوں سے مرمت شروع کر دی' اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا' انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا' اس نے یہ آیت پیش کی الرحمٰن علی العرش استوی علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قواعد علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے' پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی' اینما تولوا فثم وجہ اللہ (البقرہ : ١١٥) "تم جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو' اللہ اسی طرف متوجہ ہے۔" اس نے اس آیت کی باطل تاویلات کیں۔ اس نے کہا اللہ حقیقتہ" ہمارے ساتھ ہے' اور اللہ عرش پر بھی حقیقتہ" مستوی ہے' اور یہ شخص نبی ﷺ سے بھی عداوت رکھتا تھا' علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا' قاضی مالکی کے حکم سے ان کو اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا گیا' اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے' امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا' اور شیخ شہاب الدین بن جہبل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ' بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا' سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدر الدین بن جماعہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی لہٰذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔ (کتاب دفع شبہ من شبہ و تمرد ص ٤٥-٤١' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتاب العربیہ حلب' ١٣٥٠ھ)

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی المتوفی ٧٧١ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

کذب ابن فاعلہ یقول لجہلہ		اللہ جسم لیس کالجسمان

زانیہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے' حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ٣ ص ٧٩-٣٧٩' دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا' لیکن اس کی عقل میں کمی تھی' دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے اس کو

قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا ان اعتراضات کے جواب دو اس نے کہا لا الہ الا اللہ اور کوئی جواب نہیں دیا' دوبارہ کہا دوبارہ اس نے یہی جواب دیا اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا' میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا' یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا' دوران وعظ اس نے کہا اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا' پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں : اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا' قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا' ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۲-۱۱۱' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

امام ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا' اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں' یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا' اور مصر' قاہرہ' اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۷۲۸ھ ہجری میں فوت ہوا' اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی' پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا جس طرح میں اترا ہوں اللہ اس طرح اترتا ہے' اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے۔

(الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ' پیر' چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا' تو اس نے کہا میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے' اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے' بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی ﷺ سے مدد نہیں مانگنی چاہیے' اس کے قول میں نبی ﷺ کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے' بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا' کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ آپ نے سترہ مقامات میں خطاء کی' اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی' انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے' اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی' نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مال سے محبت کرتے تھے' حضرت ابوبکر کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں' حضرت علی کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۵' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا' اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرہ کیا اور ذلیل کیا' اس کی بڑے بڑے ائمہ نے تصریح کی ہے مثلاً امام مجتہد سبکی' اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عز بن جماعہ اور ان کے معاصرین اور دیگر شافعی' مالکی' اور حنفی علماء' اس شخص نے اکثر اکابر صوفیاء کو بدعتی کہا مثلاً عارف ابوالحسن شاذلی کو اور ابن عربی' ابن الفارض' ابن سبعین' الحلاج حسین بن منصور کو' اس کے معاصر تمام علماء نے اس کو فاسق اور بدعتی کہا بلکہ بہت علماء نے اس کو کافر کہا' اس کے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نے خود اس سے جامع الجبل کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا ہے اس نے حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق کہا انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں' اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ حضرت علی نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور جہت اور منتقل ہونے کا قول کیا' اور اس نے کہا اللہ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا ہے اور اس نے کہا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی اور انبیاء غیر معصوم ہیں' اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی وجاہت نہیں اور نہ آپ کے ساتھ توسل کیا جائے' اور اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عنقریب آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہو گا' اور اس نے کہا کہ تورات اور انجیل کے الفاظ تبدیل نہیں ہوئے صرف معانی تبدیل ہوئے ہیں۔ ملخصاً" (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۰-۹۹' ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ ابن حجر مکی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

تم اپنے آپ کو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ کی کتابوں سے بچائے رکھنا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی' اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا' اور اس کے دل اور اس کے کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۳' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے افراط کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ زیارت (قبر کریم) کا عبادت ہونا ضروریات دینیہ سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے' اور ابن تیمیہ کی تکفیر کا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں : اللہ کی جناب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا مستحسن ہے' اور سلف اور خلف میں سے ابن تیمیہ کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' اس نے یہ بدعت کی اور وہ بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں :

امام ابن تیمیہ کے علمی اختیارات و تفردات ہیں جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں' مثلاً یہ کہ سجدۂ تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ج ۴ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے' اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی' اور یہ کہ ہر

بڑے اور چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے۔ (فتاوی ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور یہ کہ توسل درست نہیں اور استشفاء عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومت وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے مگر اپنے نظریات سے انہوں نے رجوع نہیں کیا اور تادم مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔

(سماع الموتیٰ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا' اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "قبل موتہ" کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہو گا : اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مختار ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا : ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا' ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا جو شخص ڈوب رہا ہو' یا آگ میں جل رہا ہو' یا اس پر اچانک دیوار گر جائے' یا اس کو درندہ کھا جائے وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۸۔ ۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ تفسیر مرجوح ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مر جاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مر جاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا' اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے' امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے' واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو' بہر نوع اس صورت میں معنی یہ ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔

ابومالک نے اس کی تفسیر میں کہا جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہو گا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔

حسن نے اس کی تفسیر میں کہا حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے' بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

ابن زید نے کہا جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان جز ٦ ص ٢٦۔٢٥' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں :

(١) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرمادے گا۔

(٢) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہو گی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تاکہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(٣) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتی کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہو گا سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(٤) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہو گا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے' وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(٥) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی ﷺ کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق احادیث

(١) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہو گا' حتی کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہو گا' اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو : وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" "اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔"

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ٣٤٤٨' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ٢٤٢' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ٢٢٤٠' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ٤٠٧٨' مسند احمد ج ٣' رقم الحدیث : ١٠٩٤٤' صحیح ابن حبان ج ١٥' رقم الحدیث : ٦٨١٨' مصنف عبدالرزاق ج ١١ ص ٣٩٩' رقم الحدیث : ٢٠٨٤٠' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٥ ص ١٤٤' رقم الحدیث : ١٩٣٤١' شرح السنہ ج ٧' رقم الحدیث ٤١٧٠)

(۲) نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہو گی: جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۸۴۱' شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث: ۴۲۷۲)

(۳) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتی کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان (مسلمانوں) کا امیر کہے گا آئیے آپ ہم کو نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے نہیں تمہارے بعض' بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴' ۳۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۴) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' عیسیٰ بن مریم فج روحاء (مدینہ سے چھ میل دور ایک جگہ) میں ضرور بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک' لبیک لا شریک لک لبیک) کہیں گے درآں حالیکہ وہ حج کرنے والے ہوں گے' یا عمرہ کرنے والے ہوں گے یا (دونوں کو ملا کر) حج قران کرنے والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۲۵۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹا دیں گے' اور ان کے لیے نماز جماعت سے پڑھائی جائے گی' وہ مال عطا کریں گے' حتی کہ اس کو' کوئی قبول نہیں کرے گا' وہ خراج کو موقوف کر دیں گے' وہ مقام روحاء پر نازل ہوں گے' وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا قران کریں گے' پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ حنظلہ کا خیال ہے حضرت ابو ہریرہ نے "قبل موت عیسیٰ" پڑھا تھا' پتا نہیں یہ بھی حدیث کا جز ہے یا حضرت ابو ہریرہ نے خود تفسیر کی تھی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۶) امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' انصاف کرنے والے امام عادل ہوں گے' وہ ضرور راستوں پر حج یا عمرہ کرنے جائیں گے وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے اور مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا' حضرت ابو ہریرہ نے (راوی سے) کہا اے میرے بھتیجے اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہنا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا' امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳)

(۷) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور اس کے ذکر میں آپ نے آواز پست بھی کی اور بلند بھی' (یا اس کو بہت معمولی بھی قرار دیا اور بہت ہولناک بھی) حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں (یہیں کہیں) ہے' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے اور پھر حاضر ہوئے' آپ نے ہمارے چہروں کو وحشت زدہ دیکھ کر پوچھا : تمہیں کیا ہو گیا؟ ہم نے کہا : یا رسول اللہ! آپ نے دجال کا ذکر کیا اور اس کی حقارت اور ہولناکی کو بیان کیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے' آپ نے فرمایا دجال سے زیادہ مجھے ایک اور چیز کا تم پر خدشہ ہے اگر (بالفرض) دجال کا ظہور میرے سامنے ہوا تو تمہارے بجائے میں اس کے خلاف حجت پیش کروں گا' اور اگر دجال کا ظہور اس وقت ہوا جب میں تم میں نہیں ہوں گا تو ہر شخص خود اس کے مقابلہ میں حجت پیش کرے گا' اور میری طرف سے ہر مسلمان کا اللہ محافظ ہے' دجال گھنگھریالے بالوں والا جوان ہو گا' اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہو گی (کانا ہو گا) گویا کہ میں اس کو (زمانہ جاہلیت کے ایک شخص) عزی بن قطن کے غلام کے مشابہ پاتا ہوں' تم میں سے جو شخص اس کو دیکھے وہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے' آپ نے فرمایا وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا' اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اس کا زمین میں قیام کتنی مدت کے لیے ہو گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن تک' ایک دن ایک سال کی طرح ہو گا' اور ایک دن ایک مہینہ کی طرح ہو گا' اور ایک دن ایک جمعہ (سات دنوں) کی طرح ہو گا' اور باقی دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتلائیے جو دن ایک سال کی طرح ہو گا اس میں ہمیں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں' لیکن تم اندازہ سے نماز کے اوقات مقرر کر لینا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر تیز رفتاری سے چلے گا؟ آپ نے فرمایا : جس تیز رفتاری سے ہوا بادلوں کو چلاتی ہے' پھر وہ لوگوں کے پاس جا کر ان کو اپنی دعوت دے گا وہ اس کی تکذیب کریں گے' اور اس پر رد کریں گے' جب وہ وہاں سے واپس ہو گا تو ان لوگوں کے اموال اس کے ساتھ چل پڑیں گے اور صبح کو وہ لوگ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' پھر وہ دوسرے لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو دعوت دے گا وہ اس کی دعوت قبول کر لیں گے' اور اس کی تصدیق کریں گے' وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہونے لگے گی' زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو وہ درخت اگائے گی' شام کو ان کے مویشی اپنی چراگاہوں سے اس طرح لوٹیں گے کہ ان کے کوہان لمبے' کوکھے چوڑے اور پھیلے ہوئے اور تھن دودھ سے بھرے ہوں گے' پھر وہ ایک ویران زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکالو' اور جب وہ لوٹے گا تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کے سرداروں کی طرح (بہ کثرت) چل رہے ہوں گے' پھر وہ ایک جوان شخص کو بلائے گا جو بھرپور جوان ہو گا' اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر اس کو بلائے گا تو وہ خوشی سے ہنستا ہوا اس کے پاس آئے گا' وہ اسی حال میں ہو گا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے' جس کافر تک آپ کے سانس کی بو پہنچے گی وہ مر جائے گا اور آپ کے سانس کی بو حد نگاہ تک پہنچے گی' پھر حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کریں گے حتیٰ کہ اس کو لد کے دروازے پر پا کر قتل کر دیں گے' پھر جب تک اللہ چاہے گا وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ آپ کی

طرف وحی کرے گا کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جمع کرو' کیونکہ میں وہاں اپنی ایک ایسی مخلوق اتاروں گا جس سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے' آپ نے فرمایا : اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے' آپ نے فرمایا : یہ لوگ پہلے بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے' پھر یہاں سے ان کے آخری لوگ گزریں گے اور کہیں گے کہ شاید کبھی یہاں پانی تھا' پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس کے پہاڑ تک پہنچیں گے' اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو اب قتل کر لیا چلو اب آسمان والوں کو قتل کریں' وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے' اللہ ان کے خون آلودہ تیر واپس بھیج دے گا' اور حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ (بھوک کی وجہ سے) ان کے نزدیک بیل کا سر تمہارے سو دیناروں سے زیادہ قیمتی ہو گا' پھر حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان (یاجوج ماجوج) کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا حتیٰ کہ وہ سب یک لخت مر جائیں گے' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اتریں گے تو ان کی بدبو' اور ان کی چربی اور ان کے خون سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے' پھر حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے تو اللہ لمبی گردن والے اونٹوں کی مثل پرندے بھیجے گا' جو انہیں اٹھا کر پہاڑ کے غار میں پہنچادیں گے' مسلمان ان کے تیر و ترکش سات سال تک جلائیں گے' پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جو ہر گھر اور ہر خیمہ تک پہنچے گی' اور تمام زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف شفاف کر دے گی' پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں لوٹا' سو اس دن ایک جماعت ایک انار کھائے گی اور اس کے چھلکے کے سائے میں بیٹھے گی' دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ پوری جماعت کے لیے کافی ہو گا' ایک گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ سیر ہو جائے گا اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹے قبیلہ کے لیے کافی ہو گا' وہ اس حال میں ہوں گے کہ اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی پھر (برے) لوگ باقی رہ جائیں گے وہ عورتوں سے اس طرح کھلم کھلا جماع کریں گے جس طرح گدھے کرتے ہیں' ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہو گی' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۴۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۳۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۲۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۵' مسند احمد ۴ رقم الحدیث : ۱۸' المستدرک ج ۴ ص ۹۲)

(۸) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دجال نکلے گا وہ چالیس........ تک ٹھیرے گا' پتا نہیں آپ نے چالیس دن فرمایا تھا' یا چالیس ماہ یا چالیس سال فرمایا تھا' پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا' گویا کہ وہ عروہ بن مسعود کی مثل ہوں گے' وہ دجال کو ڈھونڈ کر اس کو ہلاک کر دیں گے' پھر لوگ سات سال تک ٹھیرے رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا' اور روئے زمین میں جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو گا وہ ہوا اس کی روح کو قبض کرے گی اور زمین میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے نہ وہ کسی نیکی کو پہچانیں گے نہ کسی برائی کا انکار کریں گے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۴۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶' المستدرک ج ۴ ص ۵۴۳)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ رومی اعماق یا دابق (شام کے دو مقامات جو حلب کے قریب ہیں) نہ پہنچ جائیں' پھر ان (سے لڑنے) کے لیے مدینہ سے ایک

لشکر روانہ ہوگا' وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے نیک لوگ ہوں گے' جب دونوں لشکر صف آراء ہوں گے تو رومی (مسلمانوں سے) کہیں گے تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان نہ آؤ جنہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا ہے' مسلمان کہیں گے نہیں بہ خدا ہم تم کو اپنے بھائیوں سے لڑنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے' پھر وہ ان سے لڑیں گے تو ان میں سے ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا' اور ایک تہائی مسلمان قتل کر دیئے جائیں گے' وہ اللہ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے' بقیہ تہائی فتح حاصل کریں گے وہ کبھی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوں گے' وہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے' جس وقت وہ مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکا دیں گے' تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا' تمہارے بال بچوں کے پاس مسیح دجال پہنچ گیا ہے' مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے' حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی' جب یہ ملک شام پہنچیں گے تب دجال نکلے گا' جس وقت وہ لڑائی کے لیے صفیں درست کریں گے' اور نماز قائم کی جائے گی تو حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے' اور جب اللہ کا دشمن (دجال) ان کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ اس کو چھوڑ دیتے تب بھی وہ پگھل کر ہلاک ہو جاتا' لیکن اللہ ان کو حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے قتل کرے گا اور ان کے نیزے پر اس کا خون (لوگوں کو) دکھائے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۹۷)

(۱۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے' آپ نے پوچھا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو' صحابہ نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا : قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس علامتیں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دخان (دھوئیں) دجال' دابۃ الارض' سورج کا مغرب سے طلوع' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول' یاجوج ماجوج' تین بار زمین کا دھنسنا' مشرق میں دھنسنا' مغرب میں دھنسنا' جزیرۃ العرب کا دھنسنا' اس کی آخری علامت آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم : ۲۹۰۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۱۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۱۹۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۴۱' مسند احمد ج ۵' رقم الحدیث : ۱۶۱۴۴' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۱۰۶۷' مسند الحمیدی' رقم الحدیث : ۸۲۷' شرح السنہ' رقم الحدیث : ۴۲۵۰)

(۱۱) امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ آگ سے محفوظ رکھے گا' ایک وہ جماعت جو ہند میں جہاد کرے گی' دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگی۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۷۵' مسند احمد ۵ ص ۲۷۸' المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۶۷۴۷' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲)

(۱۲) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے' اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہوگا' قد متوسط ہوگا دو ہلکے زرد حلے پہنے ہوئے ہوں گے' ان پر تری نہیں ہوگی لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے' وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے جزیہ موقوف کر دیں گے' اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی تمام

مذاہب کو مٹا دے گا' وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے' چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷' جامع البیان جز ۶ ص ۲۱' طبع دار المعرفہ)

(۱۳) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم' دجال کو لد (بیت المقدس کے قریب فلسطین کی ایک بستی ہے) کے دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۵۱' مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث : ۱۵۴۶۶' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث ۱۰۷۷' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۱۲۲۷' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث : ۲۰۸۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۳۹)

(۱۴) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم میں عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اور اس قدر مال عطا کریں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۴۷۶' نحوہ صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۵۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۱)

(۱۵) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا' پس میں شفاعت کروں گا' اور میری امت کے لوگ عنقریب عیسیٰ بن مریم کو پائیں گے اور دجال سے قتال کا مشاہدہ کریں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث : ۴۱۷۲' حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے' المستدرک ج ۴ ص ۵۴۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴۹)

(۱۶) امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو پائے ان کو میری طرف سے سلام کہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۵۴۵)

(۱۷) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تک دس علامتیں (ظاہر) نہ ہوں قیامت قائم نہیں ہوگی' مشرق میں زمین دھنس جائے گی' اور مغرب میں اور جزیرہ عرب میں' اور دجال کا خروج ہوگا اور دھوئیں کا ظہور ہوگا' اور عیسیٰ کا نزول ہوگا' اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض' اور سورج کا مغرب سے طلوع' اور عدن کے وسط سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۸۰-۷۹' المستدرک ج ۴ ص ۴۲۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲۸)

(۱۸) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے امید ہے کہ اگر میری عمر طویل ہوئی تو میں عیسیٰ بن مریم کو پالوں گا' اور اگر مجھے جلدی موت آ گئی تو جو ان کو پائے وہ ان کو میرا سلام کہہ دے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹' ۳۹۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت عبداللہ بن سلام اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفت لکھی ہوئی ہے اور عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن کیے جائیں گے' ابومودود نے کہا آپ کے روضہ میں ایک قبر کی جگہ رکھی ہوئی ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۳۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۶)

(۱۹) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جامع دمشق کے سفید مشرقی کنارہ کے پاس نازل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۱' رقم الحدیث : ۵۹۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۵' الجامع الصغیر ج ۲' رقم الحدیث : ۱۰۰۲۳' الجامع الکبیر ج ۹' رقم الحدیث : ۲۸۹۰۴' تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۰۴)

(۲۰) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری امت میں سے بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے' جو ان سے عداوت رکھے گا ان پر غالب رہیں گے' حتی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آجائے گا' اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۹' یہ حدیث صحیح ہے' اقامۃ البرہان ص ۵۸)

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ میں رو رہی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم کس وجہ سے رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دجال کو یاد کر کے رو رہی ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (بالفرض) وہ میری زندگی میں نکلا تو میں اس کے لیے کافی ہوں' اور اگر میرے بعد دجال نکلا تو تمہارا رب عزوجل کانا نہیں ہے' وہ اصفہان (ایران کا ایک شہر) کے یہودیوں میں سے نکلے گا' حتی کہ مدینہ پہنچے گا اور اس کی ایک جانب میں ٹھہرے گا' اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ میں دو فرشتے ہوں گے' اور سب برے لوگ دجال کے ساتھ آملیں گے' حتی کہ وہ شام میں پہنچے گا' اور فلسطین کی بستی لد کے دروازہ میں آئے گا' پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس کو قتل کر دیں گے' پھر عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے' درآں حالیکہ وہ امام عادل' اور انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۷۵' اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۸)

(۲۲) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے اللہ نے آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ روئے زمین پر نازل نہیں کیا' اور میں تم کو اس کے متعلق ایسی بات بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی' وہ گندمی رنگ کا ہو گا' اس کے بال گھنگریالے ہوں گے اور اس کی بائیں آنکھ رگڑی ہوئی ہو گی۔ اس کی دونوں آنکھوں پر دبیز گوشت چڑھا ہوا ہو گا' وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں' سو جس نے کہہ دیا کہ میرا رب اللہ ہے وہ کسی آزمائش میں نہیں پڑے گا' اور جس نے کہہ دیا تو میرا رب ہے وہ آزمائش میں پڑ جائے گا' جب تک اللہ چاہے گا وہ تم میں سے ٹھہرے گا' پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' درآں حالیکہ وہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہوں گے' اور آپ کی ملت پر ہوں گے' امام' مہدی' حاکم اور عادل ہوں گے سو وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث : ۴۵۷۷' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۶)

(۴۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ہمیں بہت طویل خطبہ دیا' اور ہمیں دجال سے ڈرایا' اور فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو زمین میں پھیلایا ہے دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے' اور اللہ عزوجل نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور میں نبیوں میں سب سے آخر ہوں اور تم امتوں میں سب سے آخر ہو' اور وہ لامحالہ نکلنے والا ہے اگر وہ (بالفرض) تمہارے درمیان میری موجودگی میں نکلا' تو میں ہر مسلمان کی طرف سے اس سے مقابلہ کروں گا' اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان میری طرف سے نگہبان ہے' اور وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا' وہ اپنے دائیں اور بائیں فساد برپا کرے گا' اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا' میں عنقریب تمہارے لیے اس کی صفات بیان کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں وہ ابتداء" یہ کہے گا کہ میں نبی ہوں' حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' پھر دوبارہ یہ کہے گا' میں تمہارا رب ہوں' حالانکہ تم موت سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھو گے' اور وہ کانا ہو گا اور تمہارا رب کانا نہیں ہے اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہو گا' جس کو ہر مومن پڑھے گا خواہ وہ لکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہو گی' حالانکہ اس کی دوزخ جنت ہو گی اور اس کی جنت دوزخ ہو گی' جو شخص اس کی دوزخ میں مبتلا ہو وہ اللہ سے مدد طلب کرے' اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے' تو اس پر وہ دوزخ ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا یہ بتا کہ اگر میں تیرے لیے تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو یہ گواہی دے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ہاں! پھر وہ دو شیطانوں کو اس کے ماں باپ کی صورتوں میں متمثل کر دے گا اور وہ کہیں گے اے میرے بیٹے اس کی اطاعت کرو یہ تمہارا رب ہے' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک شخص پر مسلط ہو کر اس کو قتل کر دے گا اس کے آری سے دو ٹکڑے کر دے گا' پھر کہے گا اب میرے اس بندے کی طرف دیکھو میں اس کو زندہ کرتا ہوں پھر کیا یہ گمان کرے گا کہ میرے سوا اس کا کوئی رب ہے؟ اللہ اس شخص کو زندہ کر دے گا' اور وہ خبیث اس شخص سے کہے گا' تیرا رب کون ہے' وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے! اور تو اللہ کا دشمن ہے اور تو دجال ہے بہ خدا مجھے آج سے پہلے تیرے متعلق اتنی بصیرت نہ تھی!

ابو الحسن طنافسی (امام ابن ماجہ کے شیخ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ شخص میری امت میں سے جنت کے سب سے بلند درجہ میں ہو گا' ابو سعید نے کہا بہ خدا ہمیں یہ یقین تھا کہ وہ شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں' حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے' محاربی نے کہا اب ہم پھر ابو رافع (حضرت ابو امامہ باہلی) کی روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں!

آپ نے فرمایا : اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہو گی' اور زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو زمین درخت اگائے گی' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تکذیب کریں گے سو ان کے تمام مویشی ہلاک ہو جائیں گے' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی

اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی حتی کہ ان کے مویشی چریں گے' اور وہ پہلے سے بہت موٹے اور فربہ ہو جائیں گے ان کی کوکھیں بھری ہوئی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے پر ہوں گے' وہ تمام روئے زمین کا سفر کرکے اس پر غلبہ حاصل کرے گا ماسوا مکہ اور مدینہ کے' ان کے درمیان پہاڑی راستوں پر وہ نہیں جاسکے گا اور ہر راستہ پر فرشتے تلواریں سونتے کھڑے ہوں گے' حتی کہ وہ بنجر زمین میں ایک چھوٹی پہاڑی پر اترے گا' پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے' اور ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت نکل کر اس کی طرف آجائیں گے۔ سو مدینہ اپنے میل کچیل کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے' اور وہ دن یوم نجات کہلائے گا' پھر ام شریک بنت ابی العکر نے کہا یا رسول اللہ! اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا عرب اس دن کم ہوں گے' اور وہ سب بیت المقدس میں ہوں گے' اور ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا' جس وقت ان کا امام ان کو صبح کی نماز پڑھا رہا ہو گا' اس وقت صبح کو عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' وہ امام الٹے پیر پیچھے ہٹ جائے گا' تاکہ حضرت عیسیٰ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ اس کے دو کندھوں پر رکھ کر فرمائیں گے' آگے بڑھو' نماز پڑھاؤ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے' پھر ان کا امام ان کو نماز پڑھائے گا' جب وہ نماز پڑھ لے گا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے (مسجد کا) دروازہ کھول دو' دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ دجال ہو گا' وہ سب موٹی چادریں اوڑھے تلواروں سے مسلح ہوں گے' جب دجال حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگے گا' عیسیٰ فرمائیں گے میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تو زندہ نہ رہ سکے گا پھر اس کو لد (فلسطین کی ایک بستی) کے مشرقی دروازہ کے پاس قتل کر دیں گے' پھر یہودی شکست کھا جائیں گے وہ جس چیز کے پیچھے جاکر چھپیں گے وہ چیز بتا دے گی یہاں یہودی چھپا ہوا ہے خواہ وہ پتھر ہو' درخت ہو' دیوار ہو یا کوئی جانور ہو۔ اس سے آواز آئے گی اے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے؟ اس کو قتل کر دے۔ الحدیث بطولہ۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۷' المستدرک ج ۴ ص ۵۳۶' شرح المواہب اللدنیہ ج ۶ ص ۵۳' ۶۱)

(۲۴) امام جعفر صادق اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اور لوگوں کو خوش خبری دو' میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے پتا نہیں اس کے اول میں خیر ہے یا آخر میں' یا اس باغ کی طرح ہے جس سے ایک سال تک ایک فوج کھاتی رہی' پھر دوسرے سال ایک اور فوج کھاتی رہی اور شاید دوسری فوج زیادہ وسیع' عریض اور حسین تھی اور وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جس کے اول میں میں ہوں وسط میں مہدی ہے اور آخر میں مسیح ہے لیکن ان کے درمیان ایسے ٹیڑھے لوگ بھی ہوں گے جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ (مشکوۃ ص ۵۸۳ مطبوعہ دہلی)

(۲۵) امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے در آں حالیکہ وہ امام اور ہادی ہوں گے اور عدل و انصاف کرنے والے' جب وہ نازل ہوں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے' اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے' اور سب لوگ ایک ہی ملت پر ہوں گے' ان کے احکام زمین پر نافذ ہوں گے حتی کہ شیر گائے کے ساتھ بیل کی طرح چلے گا' اور بھیڑیا بکریوں کے ساتھ کتے کی طرح۔ الحدیث (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱' رقم الحدیث : ۲۰۸۴۳' مطبوعہ بیروت' ۱۳۹۰ھ)

(۲۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں' وہ امام عادل ہوں گے۔۔۔۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ جزیہ کو موقوف کریں گے۔

رب العلمین کے لیے ایک (طرح کا) سجدہ ہو گا' جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی اور زمین اسلام سے اس طرح بھر جائے گی جس طرح کنواں پانی سے بھر جاتا ہے اور زمین کو دسترخوان بنا دیا جائے گا اور عداوت اور بغض کو اٹھا لیا جائے گا بھیڑیا بکریوں میں کتے کی طرح ہو گا' اور شیر اونٹنیوں میں ان کے نر کی طرح ہو گا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۸' رقم الحدیث : ۲۰۸۴۴)

(۲۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں۔ ان کا دین واحد ہے اور ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں۔ ان میں میرے سب سے قریب عیسیٰ بن مریم ہیں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی رسول نہیں ہے' وہ ضرور تم میں نازل ہوں گے ان کو پہچان لینا وہ متوسط القامت اور سرخی مائل سفید ہوں گے' خنزیر کو قتل کر دیں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اسلام کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کریں گے' ان کی دعوت صرف ایک ہو گی رب العلمین کے لیے۔ ان کے زمانہ میں عدل ہو گا' حتی کہ شیر گایوں کے ساتھ اور بھیڑیا بکریوں اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ رقم الحدیث : ۲۰۸۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ رقم الحدیث : ۱۹۳۴۷)

(۲۸) یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں' اور بڑھاپے کی وجہ سے میں جاں بلب ہو رہا ہوں اور بہ خدا مجھے امید ہے کہ میں عیسیٰ کو پالوں گا اور ان کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کروں گا اور وہ میری تصدیق کریں گے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱' رقم الحدیث : ۲۰۸۴۶)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

(۲۹) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جب دجال ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح چربی پگھل جاتی ہے' پھر دجال قتل کر دیا جائے گا اور یہود اس سے منتشر ہو جائیں گے' پس ان کو قتل کیا جائے گا حتی کہ پتھر کہے گا اے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۰)

(۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ فج روحاء میں ضرور حضرت عیسیٰ حج یا عمرہ یا قران کا تلبیہ پڑھیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۲' شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث : ۳۱۷۲)

(۳۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مسیح کے خروج کے لیے مساجد کی تجدید کی جائے گی وہ عنقریب نکلیں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' اور خنزیر کو قتل کریں گے' جو شخص ان کو پائے گا وہ ان پر ایمان لے آئے گا' تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ ان کو میرا اسلام پہنچائے' پھر انہوں نے میری طرف (یعنی ابن المغیرہ کی طرف) توجہ کی اور کہا میرے خیال میں تم سب سے کم عمر ہو پس اگر تم ان کو پاؤ تو میرا اسلام کہنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۳)

(۳۲) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سنو عیسیٰ بن مریم اور میرے درمیان کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول ہے۔ سنو وہ میری امت میں میرے بعد خلیفہ ہوں گے' سنو وہ دجال کو قتل کریں گے' اور صلیب کو توڑ دیں گے' اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی' سنو تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ انہیں میرا

سلام پہنچا دے۔ (المعجم الصغیر' رقم الحدیث : ۷۲۵' المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث : ۴۸۹۵)

(۳۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور لوگوں میں چالیس سال ٹھہریں گے۔ (المعجم الاوسط ج ۶' رقم الحدیث ۵۳۶۰)

(۳۴) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دجال نکلنے والا ہے' وہ کانا ہو گا اس کی بائیں آنکھ پر ناخن کے برابر دبیز گوشت ہو گا' وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرے گا' اور مردوں کو زندہ کرے گا' اور لوگوں سے کہے گا میں تمہارا رب ہوں' پس جس نے کہا تو میرا رب ہے' وہ فتنہ میں پڑ گیا اور جس نے کہا میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ مر گیا' وہ دجال کے فتنہ سے بچ گیا اور اس پر کوئی فتنہ نہیں ہو گا' جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر ٹھہرے گا' پھر مغرب کی طرف سے عیسیٰ بن مریم نکلیں گے' وہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے' اور دجال کو قتل کریں گے' اور یہی قیامت کا قائم ہونا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۷' رقم الحدیث : ۶۹۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳' کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۳۳۹۸)

(۳۵) امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صادق مصدوق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس زمانہ میں لوگوں کا اختلاف اور فرقے ہوں گے اس زمانہ میں کانا دجال مسیح الضلالہ مشرق کی طرف سے نکلے گا' پھر اللہ تعالیٰ اس کو چالیس دن میں جہاں تک چاہے گا زمین پر پہنچائے گا' اس کی مسافت کی مقدار کا اللہ ہی کو علم ہے' اور مسلمان بہت سختی اٹھائیں گے' پھر عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے نازل ہوں گے' پس وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے' جب وہ رکوع سے سر اٹھائیں گے' تو کہیں گے سمع اللہ لمن حمدہ اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو قتل کر دے گا اور مسلمانوں کو غالب کر دے گا' اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۳۳۸۷)

(۳۶) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو گا' کیونکہ خندق اور مدینہ کے ہر راستہ میں فرشتے اس کی حفاظت کر رہے ہیں' سب سے پہلے عورتیں اور باندیاں اس کی اتباع کریں گی' پھر وہ چلا جائے گا پھر لوگ اس کی اتباع کریں گے پھر وہ غصہ میں بھر کر واپس جائے گا حتیٰ کہ خندق میں گر جائے گا اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ (المعجم الاوسط ج ۶' رقم الحدیث : ۵۳۶۱)

(۳۷) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام محمد بن سعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے' اور لوگوں کو ایک دین پر جمع کریں گے' اور جزیہ کو موقوف کریں گے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۹' رقم الحدیث : ۲۸۹۰۵)

(۳۸) امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : روئے زمین کے آٹھ سو بہترین مرد اور چار سو بہترین عورتوں پر عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو گا۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۹' رقم الحدیث : ۲۸۹۰۶)

(۳۹) امام ابو داؤد الطیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دجال پر حضرت عیسیٰ بن مریم کے سوا اور کسی کو

مسلط نہیں کیا جائے گا۔ (الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحدیث : ۷۲۶۳)

(۴۰) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ کی قسم! ابن مریم ضرور نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے' خنزیر کو ضرور قتل کریں گے' اور جزیہ ضرور موقوف کریں گے اور ضرور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور کوئی ان پر ڈاکہ نہیں ڈالے گا' اور کینہ' بغض اور حسد ضرور نکل جائے گا اور وہ مال کی طرف بلائیں گے سو اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔

(شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث : ۴۱۷۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۴٬۴۳۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق یہ چالیس احادیث میں نے کتب صحاح ستہ' مسانید اور معاجم سے منتخب کی ہیں اور ان تمام احادیث کی اسانید صحیح اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہیں' اکثر احادیث صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں اور کوئی سند بھی درجہ اعتبار سے ساقط نہیں ہے' کتب احادیث میں ان احادیث کے علاوہ اور بھی صحیح اور معتبر احادیث ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور بشارت کے حصول کے لیے چالیس احادیث پر اکتفاء کی نیز یہ خیال بھی تھا کہ کہیں قارئین اکتاہٹ اور ملال کا شکار نہ ہو جائیں اور ان احادیث کو جمع کرنے کا محرک اور باعث یہ تھا کہ مرزائی بڑے شد و مد سے نزول مسیح کا انکار کرتے ہیں۔ سو میں نے پہلے قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو واضح کیا۔ بعد ازاں یہ احادیث بیان کی ہیں جو اپنی کثرت کے اعتبار سے معنیً "متواتر" ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں' اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے بہت روکتے تھے۔ (النساء : ۱۶۰)

اس آیت کا معنی ہے چونکہ یہود نے اللہ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ دیا' اور اللہ کی آیات کا انکار کیا' اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا' حضرت مریم پر بہتان باندھا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین اور اس کے راستہ سے روکنے کے لیے' اللہ کی کتاب میں ترمیم اور تحریف کی' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کے واضح ہونے کے باوجود اس کا انکار کیا تو اللہ نے بہ طور سزا کئی پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں ان چیزوں کا بیان انشاء اللہ سورۃ الانعام کی تفسیر میں وضاحت کے ساتھ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے سود لینے کی وجہ سے' حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے' اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ (النساء : ۱۶۱)

سود کی دو قسمیں ہیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل' ربا النسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ مدت میں تاخیر کی بنا پر مقروض سے اصل رقم سے ایک معین رقم معین شرح کے ساتھ زائد وصول کی جائے' اور ربا الفضل کی جامع تعریف یہ ہے کہ جن دو چیزوں کی جنس ایک ہو ان میں سے ایک چیز کو دوسری چیز کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا خواہ یہ زیادتی وزن میں ہو یا پیمانہ سے ماپ میں ہو یا عدد میں ہو' یہود مقروض سے سود بھی لیتے تھے اور لوگوں کا مال ناحق بھی کھاتے تھے' اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے رشوت لے کر کتاب میں تحریف کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں' وہ اس (وحی) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے' اور

اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے ' یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۶۲)

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے جن یہودیوں کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ آسمان سے کتاب نازل کی جائے اور ان کی دیگر مذموم صفات بیان فرمائی تھیں ' ان یہودیوں سے اللہ تعالیٰ نے ان علماء یہود کا استثناء فرمایا جو علم میں راسخ ہیں اور جو آپ پر نازل کی ہوئی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں ' انہوں نے سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ کے متعلق جو بشارات پڑھی ہیں ان کے اطمینان کے لیے وہ کافی ہیں اور وہ آپ کی تصدیق کے لیے آپ سے کوئی اور معجزہ طلب نہیں کرتے ' اور یہ لوگ اسلام کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں۔ نماز اور زکوۃ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جسمانی عبادت میں پانچ وقت کی نماز میں مشقت ہوتی ہے اور مالی عبادت میں زکوۃ کا ادا کرنا دشوار ہوتا ہے اور نماز اور زکوۃ ایسی بدنی اور مالی عبادتیں ہیں کہ ان کے ادا کرنے سے انسان باقی بدنی اور مالی عبادات بھی کرنے لگتا ہے نیز تمام عبادتوں کا خلاصہ خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت ہے اور نماز سے خالق کی تعظیم ہوتی ہے اور زکوۃ ادا کرنے سے مخلوق خدا پر شفقت ہوتی ہے ' اس کے بعد قیامت پر ایمان کا تذکرہ فرمایا کیونکہ تمام نیک اعمال کی تحریک ' اور گناہوں سے اجتناب کی توفیق قیامت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے ' نیز قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ برے لوگوں کے بعد اچھے لوگوں کا اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر شے کی معرفت اس کی ضد سے ہوتی ہے۔ اس لیے پہلی آیتوں میں یہودی کافروں اور ان کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں یہودی مومنوں اور ان کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ

(اے رسول معظم!) بیشک ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل)

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ

فرمائی، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف

ٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ

اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی،

وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن

اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ○ اور ہم نے ایسے رسول (بھیجے) جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے

قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ

آپ کو بیان فرمایا اور ہم نے ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ)

تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

بہ کثرت کلام فرمایا ○ (اور ہم نے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

اللہ پر کوئی حجت نہ رہے ، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی)

يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا

گواہی دیتے ہیں ، اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)

عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ کے راستے سے روکا وہ گمراہ ہوگئے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾

اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی راہ دکھائے گا ○

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى

ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے ، اور یہ کام اللہ پر

اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

آسان ہے ○ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول (معظم) تمہارے رب کے پاس سے

مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

حق لے کر آگیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ ، اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَا أَهْلَ

آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے ، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ○ اے اہل کتاب

الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو،

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ

مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی

اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ قف وَ لَا تَقُوْلُوْا

طرف القا کیا اور اس کی روح ہے، سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ

ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ

تین (معبود) ہیں، (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے، وہ اس سے پاک

یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى وقف لازم

ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی

بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع ۴۳ ۹ ۳

کارساز ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول معظم!) ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ، ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (النساء : ۱۶۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہود کے اعتراض کا جواب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (بنو قینقاع کے یہودیوں میں سے) مسکین اور عدی بن زید نے کہا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اور نبیوں کی طرف وحی نازل فرمائی ہے اسی طرح آپ پر بھی وحی نازل فرمائی ہے۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اس طرح کتاب نازل کی جائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم

نوح‘ ابراہیم‘ اسماعیل‘ اسحاق‘ یعقوب‘ ایوب‘ یونس‘ ہارون اور سلیمان کو نبی مانتے ہو حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی‘ سو تمہارا آسمان سے کتاب نازل کیے جانے کا مطالبہ کٹ حجتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نبوت کا ثبوت صرف اظہار معجزہ پر موقوف ہے آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر پیش کرنا یا جس میں کمی بیشی اور تحریف ثابت کرنا آج بھی پوری دنیا کے لیے چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا جب کہ باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ ان کے جانے کے بعد باقی نہیں رہا تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے کہ جن نبیوں کے معجزات فانی تھے ان کو نبی مانا جائے اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے اس کی نبوت کا انکار کر دیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا‘ یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے یا اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوت اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے اس طرح حضرت نوح کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔

حضرت نوح کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم کا نام لیا‘ یہ ان کے شرف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں‘ حضرت آدم‘ حضرت نوح اور پھر حضرت ابراہیم‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر یہود کا رد کرنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہود ان کی نبوت کے منکر تھے‘ اور حضرت داؤد کو زبور عطا فرمانے کا ذکر فرمایا کیونکہ زبور بھی اسی طرح قسط وار نازل کی گئی تھی جس طرح قرآن مجید قسط وار نازل ہو رہا تھا۔

قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

قرآن مجید کے قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا حالانکہ اس میں ہمارے نبی ﷺ کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ کتاب نازل کرنے کا جو رابطہ حضرت موسیٰ سے زندگی میں صرف ایک بار قائم ہوا وہ رابطہ نبی ﷺ کے ساتھ تاحیات قائم رہا‘ حضرت موسیٰ تورات لینے پہاڑ طور پر گئے تھے‘ نبی ﷺ کو قرآن مجید کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا‘ بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے‘ قرآن مجید وہیں نازل ہو جاتا تھا‘ خواہ آپ بدر کے میدان میں ہوں‘ احد کی گھاٹیوں میں ہوں‘ غار ثور میں ہوں‘ کسی سواری پر ہوں‘ حضرت عائشہ کے بستر پر ہوں‘ جہاں آپ ہوتے تھے قرآن کریم وہیں نازل ہو جاتا تھا‘ لوگ آپ سے سوالات کرتے تھے ان کے جواب میں آیتیں نازل ہوتیں‘ یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابات میں‘ اور مختلف پیش گوئیوں کے سلسلہ میں آیات نازل ہوتی تھیں‘ یہ سہولت یک بارگی نزول میں کہاں ہے پھر اگر یکبارگی کتاب نازل ہوتی تو تمام احکام یک بارگی فرض ہو جاتے اور لوگوں کے لیے ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کا چھوڑنا مشکل ہوتا‘ بہ تدریج کتاب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا‘ قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے میں یہ فضیلت‘ باریکیاں اور فوائد ہیں جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے اور ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا‘ اور

اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا (النساء : ١٦٤)

نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ ھ بیان کرتے ہیں :

امام عبد بن حمید، حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! نبی کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو اور تیرہ جم غفیر ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار سریانی ہیں : آدم، شیث، نوح اور خنوخ اور وہ ادریس ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا، اور چار عرب ہیں : ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنو اسرائیل کے انبیاء میں سب سے پہلے موسیٰ ہیں اور سب سے آخری عیسیٰ ہیں، اور سب سے پہلے نبی آدم ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں، اور یہ دونوں حکم متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ صحیح ہے نہ موضوع ہے جیسا کہ میں (سیوطی) نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔

امام ابن ابی حاتم حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، ان میں سے تین سو پندرہ جم غفیر رسل ہیں۔

امام ابو یعلیٰ نے اور امام ابو نعیم نے حلیہ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے پہلے میرے بھائی انبیاء میں سے آٹھ ہزار نبی ہیں، پھر عیسیٰ بن مریم ہیں پھر ان کے بعد میں ہوں۔

امام حاکم نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا، ان میں سے چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل تھے۔

امام ابن عساکر نے کعب احبار سے روایت کیا ہے اللہ نے حضرت آدم پر انبیاء اور مرسلین کی تعداد کے برابر لاٹھیاں نازل فرمائیں، پھر انہوں نے اپنے بیٹے شیث کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا : اے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو گے، تم اس لاٹھی کو مضبوطی اور تقویٰ کے ساتھ پکڑ لو، اور جب تم اللہ کا نام لو تو اس کے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینا، کیونکہ میں نے ان کا نام عرش کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا جب میں ہنوز روح اور مٹی (کے پتلے) کے درمیان تھا، پھر میں نے آسمان کا طواف کیا تو میں نے آسمانوں میں ہر جگہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا، پھر اللہ نے مجھے جنت میں ٹھیرایا تو میں نے جنت کے ہر محل اور ہر بالاخانہ میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا، اور میں نے بڑی آنکھ والی حوروں پر سرکنڈوں پر شجرہ طوبیٰ کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان بھنوں پر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا۔

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور نوح اور ابراہیم کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور ابراہیم اور موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان چار سو سال ہیں، اور عیسیٰ اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان چھ سو سال ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے اعمش سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔
امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں اور نوح اور ابراہیم کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور ابراہیم اور موسیٰ کے درمیان سات سو سال ہیں' اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور عیسیٰ اور ہمارے نبی علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال ہیں۔
(الدر المنثور ج ٢ ص ٢٤٨-٢٤٧ 'مطبوعہ ایران)

علم نبوت پر ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کلی علم (تمام مخلوق کا علم) نہیں عطا فرمایا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کا قصہ آپ کو بیان فرمایا ہے اور بعض کا قصہ بیان نہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زمانہ ماضی میں بعض انبیاء کا قصہ بیان کرنے کی نفی ہے' اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ کی آخر عمر شریف تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان بعض انبیاء کے احوال کی خبر سے مطلع نہیں فرمایا نیز اس بحث میں اس آیت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود: ١٢٠)
اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم سب باتیں آپ پر بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثابت رکھتے ہیں۔

ہر چند کہ سورہ نساء مدنی ہے اور سورہ ہود مکی ہے' لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ان سورتوں کا مکی یا مدنی ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہوتا ہے' ہر ہر آیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔
علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:
احادیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے بتایا کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں' اور رسول تین سو تیرہ ہیں' اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کا قصہ آپ سے بیان نہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ بیان نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان انبیاء کا عدد بھی نہ بیان فرمایا ہو' اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی خبروں سے مطلع نہ فرمایا ہو لیکن یہ اطلاع دی ہو کہ کل نبی اتنے ہیں' اس تقریر سے بعض معاصرین کا یہ اعتراض دور ہو گیا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے عدم علم کی تصریح ہے اور نبی ﷺ اس سے منزہ ہیں کہ آپ کو انبیاء کی تعداد کا علم نہ ہو۔ (روح المعانی ج ٦ ص ١٨-١٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے میں یہود کا رد

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا۔
جزء بن جابر الخثعمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہودی علماء سے سنا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان کے سوا ہر زبان میں حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ کہنے لگے' اے میرے رب میں اس کلام کو نہیں سمجھ رہا' حتیٰ کہ اللہ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کے مشابہ آواز میں کلام فرمایا' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا اگر میں اپنے کلام کے ساتھ تم سے کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ گے' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! کیا مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا آسمانی بجلی کی گرج دار کڑک میری آواز کے مشابہ ہے۔

(جامع البیان جز ٦ ص ٤١-٤٠- مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر آواز کے ہر جہت اور ہر طرف سے سنا' جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر رنگ کے دکھائی دے گا اسی طرح اس کا کلام بغیر آواز کے سنائی دیتا ہے۔

اس آیت سے بھی یہود کا رد کرنا مقصود ہے انہوں نے کہا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ پر آسمان سے کتاب نازل ہوئی تھی اسی طرح آپ پر بھی آسمان سے کتاب نازل کی جائے تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف کلام سے نوازا اور باقی نبیوں سے ہم کلام نہیں ہوا حالانکہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو جس طرح حضرت موسیٰ کی خصوصیت کلام کی وجہ سے تم باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار نہیں کرتے تو اگر حضرت موسیٰ پر خصوصیت کے ساتھ آسمان سے کتاب نازل کی گئی ہے تو تم اس وجہ سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو!

ہمارے نبی ﷺ کا اللہ سے ہم کلام ہونا اور تمام معجزات کا بہ درجہ اتم جامع ہونا

واضح رہے کہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت ہم کلامی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کے اعتبار سے ہے اور یہ خصوصیت اضافی ہے حقیقی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ شب معراج' ہمارے نبی ﷺ سے بھی ہم کلام ہوا' اور آپ کو زیادہ شرف اور فضیلت سے نوازا' بلکہ ہر وہ معجزہ جو دوسرے نبیوں کو دیا گیا وہ زیادہ کمال اور حسن کے ساتھ نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے' دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی مار کر زمین سے پانی نکالا' لیکن زمین میں پانی ہوتا ہے نبی ﷺ نے انگلیوں سے پانی جاری کر دیا جہاں پانی ہوتا ہی نہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا وہ اس سے زرہ بن لیتے تھے' لیکن لوہے کی طبیعت میں نرمی ہے وہ آگ سے نرم ہو جاتا ہے' نبی ﷺ نے پہاڑ میں سر داخل کر دیا تو وہ موم کی طرح نرم ہوتا چلا گیا جب کہ پتھر کی طبیعت میں نرمی نہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے نرم نہیں ہوتا۔ یہ حسی نرمی تھی اور معنوی نرمی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں' پتھر میں محبت نہیں ہوتی جو محبت نہ کرے اس کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن یہ تو ان کا کمال ہے کہ جس کی طبیعت میں محبت نہیں ہوتی اس میں بھی اپنی محبت پیدا کر دی' حضرت سلیمان کے لیے دور کی مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت لایا گیا' لیکن تخت ایسی چیز ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے' معراج کے بعد آپ مشرکوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کسی نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں ایک لحہ کے لیے آپ کو تردد ہوا تو جبرائیل نے مسجد اقصیٰ آپ کے سامنے لا کر رکھ دی اور آپ مسجد کو دیکھ کر نشانیاں بتاتے رہے' حالانکہ مسجد ایسی چیز ہے جس کو صحیح و سالم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا سو تخت لانے سے یہ زیادہ بعید ہے' حضرت عیسیٰ نے چار مردے زندہ کیے لیکن ان کے بدن موجود تھے جس بدن میں ایک بار حیات آچکی ہو اس میں دوبارہ حیات جاری کرنا' اتنا بعید نہیں ہے' آپ کی توجہ سے پتھروں نے کلام کیا' درخت چل کر آئے' کھجور کا ستون آپ کے فراق میں چلا چلا کر رونے لگا' گوشت کا ایک ٹکڑا آپ کے دہن میں بول اٹھا' پتھروں' درختوں اور ستونوں میں آپ کی توجہ سے حیات آئی جن میں عادۃً حیات نہیں ہوتی! سو واضح ہو گیا کہ ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا اس نوع کا معجزہ آپ کو زیادہ کمال اور زیادہ شرف کے ساتھ دیا گیا' بلکہ اس کائنات میں جس صاحب کمال کو کوئی کمال ملا ہے وہ آپ ہی کا تصدق ہے' جس کو جو روشنی ملتی ہے وہ آپ کے نور نبوت سے ملتی ہے اور حقیقت میں کمال وہی ہے جس کی

اصل آپ میں ہو اور جس چیز کی اصل میں آپ نہ ہوں جس کی آپ سے نسبت نہ ہو وہ کمال نہیں وہ سراسر نقص اور سرتاپا زوال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے' تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۶۵)

یک بارگی کتاب نازل نہ کرنے کے اعتراض کا ایک اور جواب

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر یک بارگی پوری کتاب کیوں نہیں نازل کی گئی' جواب کی تقریر یہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اور عبادت کرنے والوں اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور یہ مقصد صرف نبی پر کتاب نازل کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ کتاب الواح (تختیوں) کی صورت میں یکبارگی نازل کی جائے یا متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے کرکے اللہ تعالیٰ کے احکام نازل کیے جائیں' بلکہ تھوڑے تھوڑے احکام وقتاً" فوقتاً" نازل کرنا مصلحت اور حکمت کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ اگر تمام احکام ایک دم نازل کر دیئے جائیں تو ان سب پر فوراً عمل کرنا دشوار ہو گا' اور بنو اسرائیل کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان پر یکبارگی تمام احکام کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا' اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ پر اور آپ کے وسیلہ سے ہم پر یہ رحمت فرمائی کہ تھوڑے تھوڑے کرکے احکام نازل کیے' شراب کی حرمت تدریجاً" نازل کی' کتوں سے اجتناب کا حکم بھی بہت بعد میں دیا' جوئے کو بھی بعد میں حرام کیا کیونکہ جو لوگ برسوں سے ان کاموں کے عادی تھے ان کے لیے ان کاموں کو یک لخت چھوڑنا آسان نہ تھا' مکہ کی زندگی میں پہلے ان کو نماز کا پابند کیا' پھر مدینہ منورہ میں جہاد' زکوۃ اور روزے کے احکام نازل کیے اس کے بعد حج فرض کیا' پھر بتدریج مسلمانوں کو تمام برے کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ سو واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو تھوڑے تھوڑے کرکے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ مصلحت اور اللہ کی رحمت کے بہت زیادہ قریب ہیں اور اس پر یہود کا اعتراض بالکل بے جا اور ان کی کم عقلی پر مبنی ہے۔

رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذاہب

علامہ عبد الحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں :

بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے' اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے' اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ' یہ بھی حرام ہے' حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کر سکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے' کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے' اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے' نیز

ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے، پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا' خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہو گا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا' اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں: جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ (الاسراء : ۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا' کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے' اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے' کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا۔ خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ بہرحال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔

ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہو اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' اور نہ اس نے ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو' تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا' کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا' صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً" کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہو گا' خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے' اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہو گا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو' اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہو گا' کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی' اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔

(شرح مسلم الثبوت ص ۶۲۔ ۶۰' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) جمہور معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے' اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہو گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہو گا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

(۳) اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجالانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء : ۱۶۵' الاسراء : ۱۵ اور حسب ذیل آیت سے ہے :

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (طٰه : ۱۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے' اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔ (النساء : ۱۶۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب ہے' یہود نے کہا تھا کہ وہ اس قرآن کو منزل من اللہ نہیں مانتے' جو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے' سو آیت کا معنی یہ ہے کہ ہرچند کہ یہود آپ کی کتاب اور آپ کی نبوت کو نہیں مانتے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات عطا فرمائے اور ان معجزات کی وجہ سے آپ کی تصدیق کرنا واجب ہے' اور اگر یہود آپ کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس سے آپ کو کیا کمی ہوتی ہے جب کہ اس کائنات کا رب اور آپ کا معبود آپ کی تصدیق کرتا ہے اور عرش' کرسی اور آسمانوں اور زمینوں کے فرشتے آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور یہود تو لوگوں میں سب سے خسیس درجہ کے ہیں اس لیے یہ اگر آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا' اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی راہ دکھائے گا○ ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔

(النساء : ۱۶۹۔ ۱۶۸)

اس آیت میں یہود پر عذاب کی وعید ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا کفر کیا' اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو اسلام لانے سے روکا مثلاً ان سے کہا اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو آسمان سے یک بارگی کتاب لے کر آتے جیسے حضرت موسیٰ تورات لائے تھے' اور یہ کہا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت قیامت تک تبدیل نہیں ہو گی نہ اس میں کوئی نسخ ہو گا' اور انہوں نے کہا کہ حضرت ہارون اور حضرت داؤد کے سوا اور کسی کی نسل سے نبی مبعوث نہیں ہو سکتا' ان اقوال کی وجہ سے یہ لوگ بہت دور کی

گمراہی میں جا پڑے اور وہ اپنی اس گمراہی کو حق باور کرتے تھے' اور اسی گمراہی کی وجہ سے دنیا کا مال اور دنیاوی مناصب حاصل کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی کہ ان کی ان گمراہیوں کی وجہ سے اور ان پر قائم رہنے اور ان کو حق سمجھنے کی وجہ سے اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول (معظم) تمہارے رب کے پاس سے حق لے کر آ گیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۷۰)

سیدنا محمد ﷺ کی دعوت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دلائل کثیرہ کے ساتھ یہود کے قول باطل کا رد کیا' اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے صادق اور برحق ہونے کو ظاہر کیا' اور اس آیت میں نبی ﷺ کی نبوت کو ماننے کی عام دعوت دی ہے۔ خواہ یہود ہوں یا غیر یہود ہوں سب کو سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو ماننے کی دعوت دی ہے' نیز فرمایا وہ اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں اس سے مراد یا تو قرآن عظیم ہے کیونکہ قرآن عظیم کلام معجز ہے اور یہ معجزہ آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا' سو قرآن عظیم کے اعجاز کو دیکھ کر تم آپ کو نبی مان لو اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آؤ' اور یا حق سے مراد دین اسلام ہے آپ نے یہ دعوت دی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور باطل خداؤں کی پرستش نہ کرو اور یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے' سو تم اس دعوت کو قبول کر لو اور آپ کو نبی مان کر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نہ صرف تمہارے اسلام لانے سے بلکہ سارے جہانوں سے مستغنی ہے تمام آسمان اور زمینیں اس کی ملک میں ہیں اور وہ بہت علم والا اور بڑی حکمت والا ہے' اور اس کے علم اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافر اور مومن اور نیکوکار اور بدکار کو ایک درجہ میں نہیں رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو' اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔ (النساء: ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ کی شان میں افراط اور تفریط سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تفریط (کمی) کرتے تھے' حضرت مریم پر بہت بڑا بہتان باندھتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نزاہت اور وجاہت بیان فرمائی' اور اہل کتاب میں سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت افراط (حد سے بڑھانا) کرتے تھے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا رد کیا ہے' اور فرمایا ہے کہ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو' یعنی یہ نہ کہو کہ اللہ عیسیٰ کے بدن میں حلول کر گیا ہے' یا ان کے بدن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے' یا وہ عیسیٰ کی روح کے ساتھ متحد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح عقیدہ بیان کیا کہ مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔

حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا' کلمہ کا معنی بات اور کلام ہے' اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۔ (آل عمران : ۴۵)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تمہیں ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر کسی واسطہ اور نطفہ کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن اور اس کے امر سے پیدا ہوئے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے :

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (آل عمران : ۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے' اس کو مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا "ہو جا" تو وہ ہو گیا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ محض اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر انسان اللہ کے کن فرمانے سے پیدا ہوتا ہے تو پھر ہر انسان کو کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کا ایک سبب قریب ہے اور ایک سبب بعید ہے۔ سبب قریب نطفہ ہے اور سبب بعید اللہ کا کن فرمانا ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا کوئی سبب قریب نہیں تھا اس لیے ان کی خصوصیت کے ساتھ کلمہ کن کی طرف نسبت کی' ورنہ ہر انسان بلکہ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہی پیدا ہوئی ہے کلمہ اللہ کی وہ بشارت ہے جو حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے روح من اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : عیسیٰ اس کی طرف سے روح ہے' حضرت عیسیٰ کو اللہ کی طرف سے روح کہنے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) جب کوئی چیز بہت زیادہ طاہر اور نظیف ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ روح ہے' حضرت عیسیٰ چونکہ نطفہ کی آمیزش کے بغیر محض نفخ جبرائیل سے پیدا ہوئے تھے' اس لیے وہ عام انسانوں کی بہ نسبت بہت طاہر اور طیب تھے اس لیے ان کو روح فرمایا۔

(۲) حضرت عیسیٰ اپنی نبوت اور تبلیغ کی وجہ سے لوگوں کے دین میں حیات پیدا کرنے کا سبب تھے اور ان میں روحانیت پیدا کرنے کا باعث تھے اس لیے ان کو روح فرمایا جس طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے روح فرمایا۔ وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا (الشوریٰ : ۵۲)

(۳) حضرت عیسیٰ لوگوں سے برائیوں کو دور کرتے ان کو نیکیوں سے آراستہ کرتے اور لوگوں کے حق میں یہی رحمت ہے کہ ان کو شر سے نکال کر خیر کی طرف لایا جائے تو وہ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں اس لیے فرمایا "وروح منہ" جیسا کہ فرمایا وایدھم بروح منه (المجادلہ : ۲۲) "اور ان کی اپنی طرف سے رحمت سے تائید فرمائی۔"

(۴) کلام عرب میں روح پھونک کو کہتے ہیں' حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے

حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اس لیے ان کو روح فرمایا اور چونکہ یہ پھونک اللہ کے اذن اور اس کے امر سے تھی اس لیے فرمایا وروح منه وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں' قرآن مجید کی اس آیت میں بھی پھونک پر روح کا اطلاق ہے : فنفخنا فيه من روحنا (التحریم : ۱۲) "تو ہم نے (مریم کے) چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح (پھونک) پھونک دی۔" یعنی حضرت جبرائیل کی وساطت سے۔

(۵) روح پر تنوین تعظیم کے لیے ہے' اس کا معنی ہے ارواح شریفہ قدسیہ عالیہ میں سے آپ ایک عظیم' مقدس اور عالی قدر روح ہیں اور اس روح کی اللہ کی طرف اضافت تعظیم اور تشریف کے لیے ہے' یعنی آپ اللہ کی طرف سے پسندیدہ' معظم اور عالی قدر روح ہیں' جس طرح بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تثلیث کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں' (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ اللہ' عیسیٰ اور مریم اور ان کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں اور ہر اقنیم کا دوسری اقنیم میں حلول مانتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ (المائدہ : ۱۱۶)

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟

عیسائیوں کا ایک اور فرقہ اللہ' عیسیٰ اور روح القدس کو تین خدا مانتا ہے' عیسائی ان تینوں کو الگ الگ خدا بھی مانتے ہیں اور ان تینوں کو ایک خدا بھی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں' یا تین اقانیم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عین ہے' اور ان میں سے ہر ایک کامل خدا ہے اور ان کا مجموع بھی ایک خدا ہے' کیونکہ اس نظریہ سے اس توحید خالص کا انکار ہوتا ہے جس کی دعوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی' اور تثلیث کو جمع کرنا غیر معقول ہے اور اجتماع الاضداد ہے' اللہ تعالیٰ نے تثلیث کے قائلین کو کافر قرار دیا ہے :

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۗ (المائدہ : ۷۳)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے' جنہوں نے کہا یقیناً اللہ تین میں سے تیسرا ہے' حالانکہ سوا ایک مستحق عبادت کے اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ : ۷۲)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

ابنیت مسیح کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو' اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔ (النساء : ۱۷۱)

اس آیت کا معنی ہے : اللہ واحد ہے مستحق عبادت ہے' وہ تعدد' اجزاء اور اقانیم سے منزہ ہے' اور نہ ہی وہ اجزاء

سے مرکب ہے کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو کسی کی طرف محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' وہ سبحان ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اس کا کوئی شریک ہو' عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے' اگر وہ حقیقی بیٹا کہتے ہیں تو یہ اللہ پر محال ہے کہ اس کی کوئی زوجہ ہو اور وہ کسی کا باپ ہو' کیونکہ باپ اولاد کے حصول میں زوجہ کا محتاج ہے اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' نیز حقیقی باپ ہونا جسمیت کا متقاضی ہے اور جسم مرکب اور محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا' نیز اس میں مسیح کی الوہیت کا بھی بطلان ہے کیونکہ بیٹا باپ کے بعد ہوتا ہے اور جو کسی کے بعد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ مجازاً" مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو اس میں مسیح کی تخصیص نہیں ہے' نیز خدا پر باپ کا اطلاق اس لیے جائز نہیں کہ یہ لفظ مخلوق کی صفت ہے خالق کی صفت نہیں ہے' اللہ کی شان خالق ہے۔ باپ اس کی شان نہیں ہے۔

تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اللہ کی مملوک ہیں اور مسیح بھی اللہ کا مملوک ہے اور بیٹا مملوک نہیں ہوتا اور کائنات کی ہر چیز اس کے احکام کے تحت اور مسخر ہے' سب اس کے مقدور ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم : ۹۳)

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز بندگی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والی ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ (الانعام : ۱۰۱)

آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء" پیدا کرنے والا ہے' اس کا بیٹا کیونکر ہوگا اس کی تو بیوی ہی نہیں۔

جب آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اور سب لوگ اس کے بندے' مملوک اور مخلوق ہیں تو اس کا بیٹا کیسے ہوگا!

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ

مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے ، اور نہ مقرب

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ

فرشتے ، اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرنے میں عار سمجھیں اور تکبر کریں تو اللہ ان سب کو اپنے

اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ

سامنے جمع کرے گا ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا

اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ

اجر عطا فرمائے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا ، اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور

اسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا ، اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی

دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے ○ اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

کی طرف سے قوی دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے ○ سو جو لوگ اللہ پر ایمان

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ

لے آئے اور انہوں نے اس (کے دامنِ رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل

فَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ ط يَسْتَفْتُوْنَكَ ط

کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا ○ آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں،

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ

ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا

اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر

تَرَكَ ط وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے

الْاُنْثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ

برابر ہے۔ اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے' اور نہ مقرب فرشتے۔ (الآیۃ: ۱۷۲)

شان نزول

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران کا وفد آیا اور انہوں نے کہا: اے محمد! (ﷺ) آپ ہمارے صاحب کو برا کیوں کہتے ہیں' آپ نے پوچھا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا عیسیٰ (علیہ السلام) آپ نے فرمایا میں ان کے متعلق کیا کہوں وہ اللہ کے بندے ہیں! انہوں نے کہا نہیں وہ اللہ ہے' آپ نے فرمایا ان کے لیے اللہ کا بندہ ہونا عار نہیں ہے' انہوں نے کہا نہیں بلکہ عار ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھیں گے اور نہ مقرب فرشتے۔ (زادالمسیر ج ۲ ص ۲۶۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ نے فرمایا اور نہ مقرب فرشتے (اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار سمجھیں گے) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ حضرت عیسیٰ غیب کی خبریں دیتے تھے' اور ان سے کئی امور خارقہ للعادت ظاہر ہوئے۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا اور بیماروں کو تندرست کیا' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ صرف اتنی قدر سے کسی کو اللہ کی عبادت سے عار نہیں آتی۔ دیکھو ملائکہ مقربین کو اس سے زیادہ غیب کا علم ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں' اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ ہے' کیونکہ ان میں آٹھ فرشتے اللہ کے عظیم عرش کو اٹھائے رہتے ہیں' پھر جب مقرب فرشتے اس قدر عظیم علم اور قدرت کے حامل ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو حضرت عیسیٰ اس سے کم علم اور کم قدرت کے ساتھ متصف ہونے پر کیسے اللہ کی عبادت کرنے کو باعث عار قرار دیں گے؟

نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کو نبیوں پر فضیلت حاصل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں سے زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو گا' اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اجر و ثواب حضرت عیسیٰ سے زائد ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے معتزلہ کے جواب کی زیادہ عمدہ تقریر کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مقرب فرشتہ نبی سے افضل ہے اور اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مقرب فرشتے مل کر بہ حیثیت مجموع مسیح سے افضل ہیں۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ہر نبی ہر مقرب فرشتہ سے افضل ہو اور مقرب فرشتوں کا مجموعہ کسی ایک نبی سے افضل ہو' دوسرا جواب سب سے عمدہ ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا اس لیے کہتے تھے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہونے سے زیادہ عجیب و غریب وہ فرشتے ہیں جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور ملائکہ مقربین

ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جب وہ اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو مسیح علیہ السلام جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دیں گے!

(روح المعانی جز ٦ ص ٤٠-٣٨ ' ملخصا'' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیکن اس دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ ہر فرشتہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوا ہے پھر فرشتوں کے ساتھ مقربین کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا' اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (النساء : ١٧٣)

اس آیت میں نیکوکار مومنوں کو جو زیادہ اجر کی بشارت دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اس کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ان کا اجر یہ ہے کہ اللہ انہیں جنت میں داخل کردے گا اور اپنے فضل سے جو ان کو زیادہ اجر دے گا' وہ ان لوگوں کے لیے شفاعت کرنا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ دنیا میں کوئی نیکی کی تھی۔ (المعجم الکبیر ج ١٠' رقم الحدیث : ١٠٤٦٢' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ الہیثمی متوفی ٨٠٧ھ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عبداللہ الکندی ہے اس کی امام ذہبی نے تضعیف کی ہے' اور اس حدیث کے بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٣)

واضح رہے کہ فضائل میں اس قسم کا ضعف استدلال میں مضر نہیں ہے' البتہ حلال اور حرام سے متعلق روایات میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

جو مسلمان اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کا اجر و ثواب بیان کیا' پھر ان لوگوں کا اخروی عذاب بیان کیا جو اللہ کی عبادت کرنے کو عار سمجھتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے وہ ترغیب اور ترہیب کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے' کیونکہ ہر چیز اپنی ضد کے ساتھ زیادہ بہتر طور پر پہچانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قوی دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف ہدایت دینے والا نور نازل کیا ہے۔ (النساء : ١٧٤)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برہان اور قرآن مجید کا نور ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق کفار' منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازالہ کیا اور اب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کو عمومی طور پر آپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا' اس آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس برہان یعنی قوی دلیل آگئی اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور یہ جو فرمایا ہے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کو منوانے کے لیے کسی

الگ اور خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کا وجود مسعود اور آپ کی ذات گرامی بجائے خود آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے' یہی وجہ ہے کہ دوسرے نبیوں اور رسولوں نے اپنی نبوت اور رسالت پر خارجی معجزات پیش کیے اور سیدنا محمد ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت پر اپنی زندگی پیش کی- قرآن مجید میں ہے :

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭاَفَلَا تَعْقِلُوْنَ میں تم میں اس (نزول قرآن) سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (یونس : ۱۶)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور یہ سب بغیر کسی معجزہ کے ایمان لائے تھے' ان کے لیے یہی دلیل کافی تھی کہ انہوں نے آپ کی زندگی کو دیکھا تھا اور آپ کی زندگی ہی آپ کے دعویٰ نبوت پر بہت قوی دلیل تھی۔

اس آیت میں قرآن مجید کو نور مبین فرمایا ہے' نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کر دے' قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے اور احکام شرعیہ' ماضی اور مستقبل کی خبروں' اور عقائد صحیحہ اور اسرار کونیہ کو بیان کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ (النساء : ۱۷۵)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد ﷺ کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑ لیں' اور ان سے آخرت میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا' اللہ پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ اللہ کی ذات' صفات' اس کے اسماء' اس کے احکام اور اس کے افعال پر ایمان لایا جائے' اور اللہ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ان کو لغزش دینے سے بچائے رکھے اور وہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ بتائے گا' اس آیت میں ان سے تین وعدے کیے ہیں رحمت' فضل اور ہدایت کے' حضرت ابن عباس نے فرمایا رحمت سے مراد جنت ہے' اور فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' اور صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہے دین مستقیم کی ہدایت' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہو اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار اور عالم قدس کے انوار' یعنی پہلی دو نعمتیں جسمانی لذتوں پر مشتمل ہیں اور آخری نعمت روحانی لذت کے حصول کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں' آپ کہئے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اسے اس کے ترکہ کا نصف ملے گا' اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہو گا' پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ (اس بھائی کے) ترکہ سے دو تہائی ہے' اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے' اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (النساء : ۱۷۶)

آخری سورت اور آخری آیت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ توبہ ہے اور جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ یستفتونک (النساء : ۱۷۶) ہے۔ (صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث : ۴۶۰۵' صحیح مسلم ج ۳' رقم الحدیث : ۱۶۱۸' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث : ۲۸۸۸' سنن ترمذی ج ۴' رقم الحدیث ۳۰۵۲)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ آخری سورت النصر ہے' اس کے نزول کے وقت میں کئی اقوال ہیں حق کے زیادہ قریب حضرت ابن عمر کا قول ہے کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کو سورہ التودیع بھی کہتے ہیں' اس کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ : ۳) نازل ہوئی' اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی (۸۰) دن زندہ رہے' اس کے بعد یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء : ۱۷۶) نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پچاس دن زندہ رہے' پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : لقد جاء کم رسول من انفسکم (التوبہ : ۱۲۸) اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے' پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : واتقوا یوما" ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ : ۱۲۸) اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن زندہ رہے اور مقاتل نے کہا سات دن زندہ رہے' یہ ترتیب ابو الفضل محمد بن یزید نے ذکر کی ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تحقیق کے اعتبار سے سورۃ النساء کی اس آیت کو جو آخری آیت کہا گیا ہے اس سے مراد آخری اضافی ہے۔

کلالہ کا لغوی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) زندہ ہو نہ اولاد ہو' یا کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو' جیسے عم زاد بھائی' یا اخیافی بھائی بہن' ازہری نے کہا کہ سورہ نساء میں دو جگہ کلالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیت : ۱۲' اور آیت : ۱۷۶ میں' آیت : ۱۲ میں فرمایا اگر ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کیا جائے جو کلالہ ہو' اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پس اگر وہ (اخیافی بہن یا بھائی) ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں اور آیت : ۱۷۶ میں فرمایا : آپ کہئے اللہ تمہیں کلالہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو' اور اس کی ایک (حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا' اور وہ اس (بہن) کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ الآیہ

ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ دور کے عم زاد کو کلالہ کہتے ہیں اور اخفش نے فراء سے نقل کیا ہے کہ والد (ماں باپ) اور اولاد کے سوا قرابت داروں کو کلالہ کہتے ہیں' اور ان کو کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ میت کے نسب کے گرد قرابت کی جہت سے گھومتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے والد (ماں باپ) اور ولد ساقط ہو جائیں وہ کلالہ ہے' نیز کل کا معنی تھکنا ہے اور ضعیف کو تھکنا لازم ہے' یہاں لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ جو وارث اصول اور فروع نہ ہوں وہ ضعیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کلالہ کا معنی ہے ضعیف وارث (تاج العروس' ج ۸ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کلالہ کا شرعی معنی

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ کا یہ قول ہے کہ جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو وہ کلالہ ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور صحابہ کی مثل ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو اور یہ ان کا آخری قول ہے۔ امام عبد الرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو موت کے وقت یہ وصیت کی کہ کلالہ تمہارے قول کے مطابق ہے' حضرت ابن عباس نے کہا میرا کیا قول ہے تو انہوں نے کہا جس شخص کی اولاد نہ ہو' حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کلالہ کون ہے؟ انہوں نے کہا والد اور ولد کے ماسوا کلالہ ہے' میں نے کہا اللہ عزوجل تو فرماتا ہے ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد (النساء : ۱۷۶) "اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو۔" (یعنی اس آیت میں کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے) تو حضرت ابن عباس ناراض ہوئے اور مجھے جھڑک دیا' میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں کلالہ کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے' اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ آیت ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت جابر کی اولاد تھی نہ والد زندہ تھے۔ (حضرت جابر کی اس وقت والدہ بھی زندہ نہیں تھیں۔ اس لیے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں نہ اولاد ہو) (معالم السنن علی مختصر سنن ابو داؤد ج ۴ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

کلالہ کے متعلق حضرت جابر کی حدیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا' آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آگیا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ میری میراث کس کے لیے ہوگی؟ میرا وارث تو کلالہ ہوگا! تو فرائض کی آیت نازل ہوگئی۔ صحیح مسلم میں ہے یہ آیت نازل ہوئی : یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء : ۱۷۶) (صحیح البخاری ج ۱' رقم الحدیث : ۱۹۴' صحیح مسلم ج ۳' رقم الحدیث : ۱۶۱۶' سنن ابو داؤد ج ۲' رقم الحدیث : ۲۸۸۶' سنن ترمذی ج ۴' رقم الحدیث : ۲۱۰۴' سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث : ۲۷۲۸' مسند احمد ج ۵' رقم الحدیث : ۱۴۱۹' مسند حمیدی ج ۲' رقم الحدیث : ۱۲۲۹)

اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے آثار کا ظہور ہے' اور یہ کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہیے' اور اہل علم سے مسائل معلوم کرنا چاہیے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد' کیونکہ اس وقت حضرت جابر کی صرف بہنیں تھیں' نہ والدین تھے نہ اولاد۔ کلالہ کی تعریف میں جہاں یہ کہا ہے کہ اس کا والد نہ ہو اس سے ماں اور باپ دونوں مراد ہیں اور جہاں یہ کہا ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔ (التفسیر المنیر جز ۶ ص ۵۷)

مناسبت

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اس کے آخر میں بھی

میراث کے احکام بیان کیے ہیں، تاکہ سورت کے اول اور آخر میں مناسبت ہو، اور اس سورت کے وسط میں یہود، نصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور ان کے شبہات کو زائل فرمایا ہے۔

کلالہ کی وراثت کے چار احوال

جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو، تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائیوں میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

ایک اشکال کا جواب

اس کے بعد ارشاد ہے: اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام) بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ بہ ظاہر اس پر اشکال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کراہیت مضاف محذوف ہے اور معنی یہ ہے اللہ تمہارے لیے (احکام) بیان فرماتا ہے تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے، جیسے قرآن مجید میں ہے وسئل القریۃ (یوسف: ۸۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف نفی محذوف ہے اور معنی ہے اللہ (احکام) بیان فرماتا ہے کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ جیسے ان اللہ یمسک السموت والارض ان تزولا ای لئلا تزولا (فاطر: ۴۱) میں ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تمہارے لیے گمراہی کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ گمراہی ہے اور اس سے اجتناب کرو۔

سورت نساء کے اول اور آخر میں مناسبت

اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت اللہ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر بناء الوہیت ہے، کیونکہ جس کو علم نہ ہو کہ اس کی مخلوق اس کی اطاعت کر رہی ہے یا نہیں وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جس کو علم تو ہو لیکن وہ اطاعت کرنے والوں کو جزا دینے پر اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو وہ بھی خدا نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے خصوصیت کے ساتھ ان کے ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی ہے، حالانکہ ان کا کوئی وصف بھی ذاتی نہیں ہے۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۶ رجب ۱۴۱۷ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۹۶ء بروز پیر کو سحر کے مبارک وقت میں اس سورت کی تفسیر ختم ہو گئی فالحمد

اللہ رب العالمین ۔ الہ العلمین! جس طرح سورۃ النساء تک آپ نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل اور کرم سے پورے قرآن کی تفسیر مکمل کرا دینا' مجھے اس تفسیر میں خطاء اور زلل سے محفوظ رکھنا اور ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول کرنا اور اس کو تاقیام قیامت باقی اور فیض آفریں رکھنا اور اس کو میرے لیے ذریعہ نجات اور صدقہ جاریہ بنا دینا' مجھے' اس تفسیر کے ناشر' اس کے مصحح اور اس کے معاونین' قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی نعمتوں اور سعادتوں سے بہرہ مند کرنا۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِجَاہِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتب احادیث

۴۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ 'مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۵۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ 'موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ

۶۔ امام عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ 'کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

۸۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ 'موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۷ھ

۱۰۔ امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی متوفی ۲۰۴ھ 'مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۹۱ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ 'المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ

۱۲۔ امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ 'کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ

۱۳۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ 'المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۹۰ھ

۱۴۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ 'المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۵۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ 'سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۶۔ امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ 'المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ

۱۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ 'المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۸۔ امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ

۱۹۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۰۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۱۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ 'صحیح مسلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۲۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابو داؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ 'مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۵۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۶۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتب التجاریہ 'مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ

۲۷۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ 'سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۲۸۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ 'البحر الزخار المعروف مسند البزار مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت' ۱۴۰۹ھ

۲۹۔ امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۳۰۔ ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۱۔ امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۲۔ امام احمد بن علی المثنی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ 'مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۳۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ 'صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ

۳۴۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ 'مسند ابو عوانہ' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ

۳۵۔ امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ 'نوادر الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ

۳۶۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۳۷۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ

۳۸۔ امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی متوفی ۳۲۷ھ 'مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۳۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ 'الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۴۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض' ۱۴۱۳ھ

۴۱۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ 'مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ

۴۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۰۵ھ

۴۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۴۴۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'مسند الشامیین مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۴۵۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'کتاب الدعاء مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

۴۶۔ امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی متوفی ۳۶۴ھ 'عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف' حیدر آباد دکن

۴۷۔ امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ 'الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دارالفکر' بیروت

۴۸۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ متوفی ۳۹۶ھ کتاب العظمۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۴۹۔ امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ 'المستدرک' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ

۵۰۔ امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ 'حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۵۱۔ امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ 'دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالنفائس' بیروت

۵۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۵۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۵۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۵۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۵۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ

۵۸۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۵۹۔ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۶۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۶۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۶۲۔ امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۶۳۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ

۶۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ التذکرہ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

۶۵۔ امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی

۶۶۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۶۷۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

۶۸۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ

۶۹۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۰۔ امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ

۷۱۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ زوائد ابن ماجہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۲۔ حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۷۳۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۷۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۷۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ

۷۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۷۸۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ

۷۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

کتب تفسیر

۸۰۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران

۸۱۔ امام حسن بن عبداللہ البصری المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۸۲۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت

۸۳۔ شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی مطبوعہ دارالکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ

۸۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۸۵۔ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ

۸۶۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۸۷۔ علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۸۸۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۸۹۔ علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ

۹۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد، واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۹۲۔ علامہ جاراللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۴۶۷ھ، کشاف، مطبوعہ نشرالبلاغہ قم ایران، ۱۴۱۳ھ

۹۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ

۹۴۔ علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۹۵۔ شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ

۹۶۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زادالمسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ

۹۷۔ خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران، ۱۳۷۱ھ

۹۸۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۹۹۔ علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء

۱۰۰۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ

۱۰۱۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۰۲۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۰۳۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور

۱۰۴۔ علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۰۵۔ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۰۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ

۱۰۷۔ علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ 'البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت '۱۴۱۲ھ

۱۰۸۔ علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی متوفی ۷۵۶ھ 'الدر المصون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۴ھ

۱۰۹۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ 'تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت '۱۳۸۵ھ

۱۱۰۔ علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ 'تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۱۱۔ علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ 'نظم الدرر' مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ '۱۴۱۳ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'جلالین' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۱۴۔ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ 'حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند

۱۱۵۔ شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ منہج الصادقین 'مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۱۶۔ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ 'تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دارالفکر بیروت '۱۳۹۸ھ

۱۱۷۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی 'متوفی ۱۰۶۹ھ 'عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر بیروت '۱۲۸۳ھ

۱۱۸۔ علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ 'التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی

۱۱۹۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ 'روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۱۲۰۔ شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ 'الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ مصر '۱۳۰۳ھ

۱۲۱۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ 'تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر

۱۲۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ 'تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۲۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ 'تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۲۳۔ شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ 'فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت

۱۲۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ 'روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۲۵۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ 'فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر '۱۳۰۱ھ

۱۲۶۔ علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ 'تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت '۱۳۹۸ھ

۱۲۷۔ علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۴ھ 'تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت

۱۲۸۔ علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ 'الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۲۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ 'بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۳۰۔ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ 'خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۳۱۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ 'و شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ 'حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ 'لاہور

۱۳۲۔ علامہ محمد طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ 'التحریر والتنویر مطبوعہ تونس

۱۳۳۔ سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ 'فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۳۸۶ھ

۱۳۴۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ 'نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات

۱۳۵۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ 'معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی '۱۳۹۷ھ
۱۳۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ 'تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۳۷۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ 'التبیان مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان
۱۳۸۔ علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی 'اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۳۹۔ استاذ احمد مصطفیٰ المراغی 'تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۴۰۔ آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران '۱۳۶۹ھ
۱۴۱۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری 'ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز' لاہور
۱۴۲۔ شیخ امین احسن اصلاحی 'تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۴۳۔ علامہ محمود صافی 'اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۴۴۔ استاذ محی الدین درویش 'اعراب القرآن و بیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت
۱۴۵۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی 'تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۲ھ
۱۴۶۔ سعید حوی 'الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۴۷۔ علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ 'البرھان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۴۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۴۹۔ علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی 'مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۵۰۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ 'بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۵۱۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ
۱۵۲۔ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ 'المنتقی' مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ
۱۵۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۵۴۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ
۱۵۶۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ 'شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ
۱۵۷۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ 'اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ

۱۵۹۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۱۶۰۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۶۱۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ
۱۶۲۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ
۱۶۳۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۶۴۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۶۵۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۶۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
۱۶۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۱۶۸۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۱۶۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۱۷۰۔ شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان
۱۷۱۔ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
۱۷۲۔ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی
۱۷۳۔ شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء رجال

۱۷۴۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ
۱۷۵۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۷۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۷۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۷۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۷۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

کتب لغت

۱۸۰۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۸۱۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

۱۸۲۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ 'نہایہ' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران' ۱۳۶۴ھ
۱۸۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ 'لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم ایران' ۱۴۰۵ھ
۱۸۵۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ 'القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۶۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ 'تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۱۸۷۔ لوئیس معلوف الیسوعی 'المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثو لیکیہ بیروت' ۱۹۲۷ء
۱۸۸۔ شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۵ھ 'لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۱۸۹۔ ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ 'سیرت و فضائل

۱۹۰۔ امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ 'السیرۃ النبویہ' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۱۹۱۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ 'الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ
۱۹۲۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ 'تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۱۹۳۔ حافظ ابو عمر و یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ 'الاستیعاب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۴۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ 'الشفاء' مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان
۱۹۵۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ 'الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۱۹۶۔ علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ 'الوفا' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۱۹۷۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
۱۹۹۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ 'وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۰۰۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ 'البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۰۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ 'الاصابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۰۲۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ھ 'وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۰۳۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ 'المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۰۴۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ 'سبل الہدیٰ والرشاد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۰۵۔ علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۰۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ 'شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۰۷۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ 'مدارج النبوت مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۲۰۸۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ 'نسیم الریاض' مطبوعہ دارالفکر بیروت

۲۰۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ 'شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

۲۱۰۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'نشرالطیب مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۱۱۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ 'فتاوی قاضی خاں' مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۱۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'المبسوط' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ

۲۱۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ 'شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ' افغانستان' ۱۴۰۵ھ

۲۱۴۔ علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ 'خلاصۃ الفتاوی' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ

۲۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ 'بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ

۲۱۶۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ' ھدایہ اولین و اخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۱۷۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ 'عنایہ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۱۸۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ 'فتاوی تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ

۲۱۹۔ علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ 'الجوہرۃ النیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۲۰۔ علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی متوفی ۸۲۷ھ 'فتاوی بزازیہ مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۲۱۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ 'بنایہ' مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۲۲۲۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ 'فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۲۳۔ علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۲۴۔ علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ 'شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ

۲۲۵۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ 'غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ

۲۲۶۔ علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ 'جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نوا لکشور' ۱۲۹۱ھ

۲۲۷۔ علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ 'البحر الرائق' مطبوعہ مطبع علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۲۲۸۔ علامہ حامد بن علی قونوی رومی متوفی ۹۸۵ھ 'فتاوی حامدیہ' مطبوعہ مطبع میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۲۹۔ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ 'حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ

۲۳۰۔ علامہ خیرالدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ 'فتاوی خیریہ' مطبوعہ مطبع میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۳۱۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ 'الدرالمختار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۳۲۔ علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ 'غمز عیون البصائر' مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۳۳۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ 'فتاوی عالم گیری' مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۳۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' منحۃ الخالق ' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ' ۱۳۱۱ھ

۲۳۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' تنقیح الفتاوی الحامدیہ ' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ

۲۳۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' رسائل ابن عابدین ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ' ۱۳۹۶ھ

۲۳۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' رد المحتار ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت ' ۱۴۰۷ھ

۲۳۸- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ ' فتاوی رضویہ ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۳۹- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ ' فتاوی افریقہ ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۴۰- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ ' بہار شریعت ' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

۲۴۱- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ ' فتاوی نوریہ ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۴۲- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ ' الحاوی الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۲۴۳- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ ' المہذب ' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ' ۱۳۹۳ھ

۲۴۴- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ' احیاء علوم الدین ' مطبوعہ دار الخیر بیروت ' ۱۴۱۳ھ

۲۴۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ ' شرح المہذب ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۴۶- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ ' روضۃ الطالبین ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ' ۱۴۰۵ھ

۲۴۷- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ' الحاوی للفتاوی ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۲۴۸- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۲۴۹- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ ' حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۵۰- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ ' المدونۃ الکبریٰ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۵۱- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ ' بدایۃ المجتہد ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۵۲- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۶۷ھ ' مختصر خلیل ' مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۵۳- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ ' مواہب الجلیل ' مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا

۲۵۴- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ ' الخرشی علی مختصر خلیل ' مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۵۵- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ ' الشرح الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۵۶- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی متوفی ۱۲۱۹ھ ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۵۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ' المغنی ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ' ۱۴۰۵ھ
۲۵۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ' الکافی ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۴ھ
۲۵۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ ' مجموعۃ الفتاوی ' مطبوعہ ریاض
۲۶۰۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ ' الانصاف ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' ۱۴۰۶ھ

کتب شیعہ

۲۶۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ ' الاصول من الکافی ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۲۶۲۔ شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ ' الفروع من الکافی ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران
۲۶۳۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ ' شرح نہج البلاغہ ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران ' ۱۳۸۷ھ
۲۶۴۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ ' حق الیقین ' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ' ۱۳۴۷ھ
۲۶۵۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ ' حیات القلوب ' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۲۶۶۔ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ' المنقذ من الضلال ' مطبوعہ لاہور ' ۱۴۰۵ھ
۲۶۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ' شرح عقائد نسفی ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۶۸۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ' شرح المقاصد ' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ' ۱۴۰۹ھ
۲۶۹۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ ' شرح المواقف ' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ' ۱۳۲۵ھ
۲۷۰۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ ' مسایرہ ' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ ' مصر
۲۷۱۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ ' مسامرہ ' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۲۷۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ ' شرح فقہ اکبر ' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ' ۱۳۷۵ھ
۲۷۳۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ ' کتاب العقائد ' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۲۷۴۔ علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ ' کشف الاسرار ' مطبوعہ دارالکتاب العربی ' ۱۴۱۱ھ

۲۷۵- علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ 'مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۲۷۶- علامہ احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ 'نور الانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۲۷۷- علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ 'شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۲۷۸- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ 'قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ

۲۷۹- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ 'التذکرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۸۰- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ 'قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ

۲۸۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ 'الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی' قاہرہ' مصر

۲۸۲- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی متوفی ۷۶۸ھ 'روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ 'کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ

۲۸۴- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۲۸۵- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ 'الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸۶- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ 'مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ

۲۸۷- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ 'اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۲۸۸- شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ 'فتاوی رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۲۸۹- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ 'کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران' ۱۳۷۸ھ

۲۹۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ 'الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

۲۹۱- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ 'ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ

۲۹۲- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور

۲۹۳- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۲۹۴- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی 'نداء یا رسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد دوم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ تحریر کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی

ظہور احمد فیضی

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد سوم

المائدہ ○ الانعام

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر
فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
مولانا قاری ظہور احمد فیضی
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : شوال 1420ھ / فروری 2000ء
الطبع السابع : ربیع ثانی 1429ھ / اپریل 2008ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شئ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والآخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القران واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القران ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لایغفر الذنوب الا انت آمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوۃ بھیجنے والے کی صلوۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا' ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں' تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں' یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے' اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے' اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما' اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں' میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما' کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ المَآئِدَة

(٥)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة المائدہ

سورۃ المائدہ قرآن کی مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں' ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں' ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیین کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور بصریین کے نزدیک اس میں ایک سو تیئس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے' ورنہ سب کے نزدیک سورۃ المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔ البتہ بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں' بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیئس آیتیں ہیں اور اس میں بالاتفاق سولہ رکوع ہیں۔

نام:

اس سورت کا نام المائدہ ہے کیونکہ اس کی دو آیتوں میں المائدہ (کھانے کا خوان) کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدہ: ١١٢)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان اتار سکتا ہے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (المائدہ: ١١٤)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل فرما' تاکہ (اس کے نزول کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے' اس سورت کا نام سورۃ العقود اور سورۃ المنقذہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ المائدہ اللہ کی ملکوت میں منقذہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں کے ہاتھوں سے نجات دیتی ہے۔ (التفسیر المنیر' ج ٦' ص ٦٠) ہمیں اس روایت کا ماخذ نہیں مل سکا۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ مائدہ کو پڑھا' اس کو دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے اور یہ درجات ہر متنفس یہودی اور نصرانی کے عدد کے برابر ہوں گے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' یہ موضوع ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو حضرت ابی کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے۔ یہ موضوع ہے۔

(عنایۃ القاضی' ج ۳' ص ۲۰۷' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

زمانہ نزول

سورۃ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتداء میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ٦ھ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے' جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲- اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں' وہ بھی نیام میں ہو اور نیام بھی تھیلے میں ہو۔

۴- مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں' ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵- کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

٦- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں' معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۹۹' ۲۷۰۰' ۲۷۰۱' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۸۴' ۱۷۸۳' سبل الہدیٰ والرشاد' ج ۵' ص ۵۲-۵۱)

سات ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور نو ہجری میں مسلمان فرضیت حج کے بعد پہلی بار حضرت ابوبکر کی قیادت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بہت سے قبائل مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا' کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دینی تھی۔ سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو' تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا' لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی' اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی' اور نہ ان

جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں' اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۲-۱)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی' اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے' آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: ۳) حضرت عمر نے فرمایا ہمیں معلوم ہے' وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔

(صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۵' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۰۲' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵' ص ۱۱۸)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کو پڑھا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا' اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث ابن عباس صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "میرے نزدیک امام بخاری نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفاء کیا ہے' ورنہ امام اسحٰق کی قبیصہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمد للہ! یہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذی کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید ہیں"۔ (فتح الباری' ج ۱' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں "امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے اپنی "سنن" میں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی' وہ سورۃ المائدہ اور سورۃ الفتح ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی "مسند" میں' امام بغوی نے اپنی "معجم" میں' امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ام عمرو بنت عبس سے اور انہوں نے اپنے عم محترم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں جا رہے تھے تو سورۃ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے ثقل سے آپ کی اونٹنی عضباء کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابو عبید نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی' اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے' اس کا شانہ ٹوٹ گیا' اور نبی ﷺ اس سے اتر گئے۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی' وہ المائدہ ہے اور اس میں سترہ فرائض ہیں۔

امام فریابی اور امام ابن المنذر نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں' اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمد' امام نسائی' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا' اے جبیر! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا' ہاں! حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے' تم اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے' تم اس کو حرام سمجھو۔ (الدر المنثور' ج ٢' ص ٢٥٢' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی' ایران)

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یعنی ٧ھ سے لے کر ١١ھ تک سورۃ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

سورۃ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دونوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ' منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کارد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں عقد نکاح' عقد امانت' عقد وصیت' عقد وکالت اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورۃ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے۔

سورۃ النساء میں تحریم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی تھی اور سورۃ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورۃ النساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۃ المائدہ میں پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔

سورۃ المائدہ کھانے پینے' شکار' احرام' چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارۂ قسم کے احکام میں منفرد ہے۔ جیسے سورۃ النساء خواتین کے حقوق' وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

سورۃ المائدہ کے مضامین کا خلاصہ

اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کا حکم' حرمت والے مہینوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم' حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت' جن چیزوں کا کھانا حرام ہے' ان کا بیان' شکاری جانوروں کی تربیت اور آداب کا ضابطہ۔ اہل کتاب کے کھانوں اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام۔ (المائدہ: ٥-١)

وضو کی فرضیت کا بیان' حالت عذر میں تیمم کا حکم' مسلمانوں کو کفار کے شر اور فساد کے باوجود عدل و انصاف پر قائم رہنے کا

حکم' بنو اسرائیل سے اتباع شریعت کے عہد و میثاق لینے کا بیان اور اس عہد کے توڑنے کی وجہ سے ان کا لعنتی ہونا۔

(المائدہ: ١٣-٦)

نصاریٰ سے میثاق لینے کا ذکر اور میثاق پورا نہ کرنے پر ان کے عذاب کا بیان' اہل کتاب کو دعوت اسلام' یہود اور نصاریٰ کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ بنو اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا بیان' فتح و نصرت کی بشارت کے ساتھ ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم اور ان کی نافرمانی اور بزدلی کی سزا میں ان کا چالیس سال تک صحرا میں بھٹکنا۔

(المائدہ: ٢٦-١٤)

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا' ایک انسان کا قاتل تمام انسانوں کا قاتل ہے' ڈاکوؤں کی حد' مسلمانوں کو اتباع شریعت کا حکم' چوری کی حد' نبی ﷺ کی عدالت سے گریز کرنے کے لیے یہود کی سازشوں کا بیان اور ان کا رد۔ (المائدہ: ٤٥-٢٧)

نصاریٰ کو ان کا عہد یاد دلانا' قرآن مجید کا قول فیصل ہونا' اہل کتاب اگر اپنی بدعات سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑنا' مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانے کا حکم' یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی بنا پر منافقوں کو زجر و توبیخ' اللہ کو منافقوں کی کوئی پرواہ نہیں' خواہ وہ مرتد ہو جائیں۔ (المائدہ: ٥٦-٤٦)

یہود کو دوست بنانے پر منافقوں کو سرزنش' یہود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی بے حمیتی پر سرزنش' یہود کے اللہ پر طنز کا جواب' یہود کا جنگ کی آگ بھڑکاتے رہنے کا بیان' اہل کتاب کو دعوت اسلام' یہود کا اللہ سے عہد و میثاق کرنے کے بعد اس کے خلاف کرنا اور نبیوں کو قتل کرنا۔ (المائدہ: ٧١-٥٧)

نصاریٰ کے عقیدہ حلول اور تثلیث کا کفر ہونا' حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا صحیح مرتبہ' بنو اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح کا لعنت کرنا' اسلام دشمنی میں یہود' مشرکین قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق' عیسائیوں میں سے حق پرستوں کی تحسین۔ (المائدہ: ٨٦-٧٢)

از خود کسی حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت' عہد پورا کرنے کی تاکید' قسم کے کفارہ کا بیان' شراب' جوئے' بت اور فال نکالنے کے تیروں کے حرام ہونے کا بیان' حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت' بلا ضرورت سوال کرنے سے منع کرنا' بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ کو کفار کے حرام کہنے کی مذمت کرنا اور کفار جو اپنے آباء کی اندھی تقلید کرتے تھے' اس کا رد کرنا۔

(المائدہ: ١٠٨-٨٧)

سفر میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے کی ہدایت' گواہی کے آداب اور احکام' قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصاً اپنی امت کو تبلیغ کرنے کا بیان' حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا حضرت عیسیٰ سے نزول مائدہ (کھانے کا خوان) کی درخواست کرنا اور ان کے لیے آسمان سے مائدہ کا نازل ہونا۔ عیسائیوں کے الوہیت مسیح کے عقیدے سے حضرت عیسیٰ کا بیزار ہونا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گنہ گاروں کی شفاعت کرنا' اور اللہ کی عظمت اور کبریائی کا بیان۔

(المائدہ: ١٢٠-١٠٩)

سورۃ المائدہ کا اجمالی خاکہ بیان کرنے کے بعد میں اللہ کی توفیق اور اعانت سے سورۃ المائدہ کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ الٰہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور خطاؤں اور لغزشوں سے بچانا۔ اس تفسیر کو اختتام تک پہنچانا' اسے اپنی اور اپنے رسول مکرم ﷺ کی بارگاہ میں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنانا اور اس کو قیامت تک فیض آفریں اور نفع آور رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنانا اور محض اپنے فضل سے مجھے بخش دینا۔ آمین یا رب

العلمين بجاہ حبيبك سيدنا محمد قائد الانبياء والمرسلين خاتم النبيين شفيع المذنبين رحمة للعلمين عليه وعلى اله واصحابه وازواجه افضل الصلوات واكمل التحيات الى يوم الدين۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ المائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ المنزل الثاني ٢

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ

کیے گئے ہیں، ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بے شک

اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ

اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ

نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینہ کی، اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں، اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ وقف لازم

میں آنے سے روک دیا تھا تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے

الَتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کی مدد کرو ، اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو ،

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

الترجمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے عقود (عہدوں) کو پورا کرو

عقود کا لغوی اور عرفی معنی

عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا' یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا' عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا' یعنی اس لزوم کو ماننا' اور عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے' یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے' یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے' یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو" اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے باز رہیں۔ لہٰذا جو شخص ایمان لاتا ہے' اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجا لائے گا' تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کر لیا ہے' اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں' اس کی اطاعت کریں' جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے' ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے' ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلم نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا' عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ

مجاہد نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے کرتے تھے

قتادہ نے کہا "اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے تورات اور انجیل میں لیے تھے کہ وہ نبی ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے"۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٦٦-٦٣' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد

(۲) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد

(۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد یا تو بداہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا' زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وحدہ لاشریک ہے' اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں' بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کرلیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے' اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا۔ اگر وہ کسی عبادت کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے' مثلاً یہ کہ وہ اونٹ کا گوشت یا شہد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عبادت کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے' اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے' جیسے عقد بیع' عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے' مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے' جیسے عام حالات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے' جیسے بیع شراء۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے' جیسے نبیذ کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے' جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کرایہ) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چارپاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں

بہیمۃ الانعام کا معنی

بہیمہ اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور عرف میں یہ سمندر اور خشکی کے چارپاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام اونٹ' گائے اور بکریوں کو کہتے ہیں اور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں' جیسے بھینس' بھیڑ' اور ہرن وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (المؤمن: ۷۹)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے' تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ...O ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ...O وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ...O (الانعام: ۱۴۴-۱۴۲)

اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے' بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ......) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

ان آیتوں میں آٹھ چوپایوں' بھیڑ' بکری' اونٹ اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے' ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب

مجوسی اور ہندوؤں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر زبردستی ذبح کر دینا ظلم ہے اور کسی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مکابرہ ہے اور بداہت کا انکار ہے۔ معتزلہ نے کہا' درد اور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے' انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے' تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا' اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے' اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے' اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' ظلم اس وقت ہوتا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا' اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے' تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔ (المائدہ:۱)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ:۳) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار' رگوں کا بہا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' اور گلا گھٹ جانے والا' اور چوٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا' اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (المائدہ:۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھیمۃ الانعام (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا۔ اب یہ فرمایا ہے کہ جو چوپائے شکار ہوں' وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں' اور جب احرام کھول دیا ہو' تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے' لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے' اور سمندری شکار کرنا جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ:۹۶)

تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں' تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو' تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے' اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی

تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ جو چاہتا ہے' حکم دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی' اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی' اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں۔ (المائدہ: ٢)

شعائر اللہ کا لغوی اور شرعی معنی

شعائر شعیرہ کی جمع ہے' ہر وہ چیز جس کو کسی چیز کی علامت قرار دیا جائے' اس کو شعیرہ' شعار اور مشعرہ کہتے ہیں۔ جس ھدی (قربانی کے جانور) کو مکہ بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں ہار' جوتا' یا درخت کی چھال ڈال دیتے ہیں۔ اس کو بھی شعار کہتے ہیں۔
شعائر کی شرعی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:
عطاء نے کہا کہ شعائر اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے اجتناب کیا جائے' اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعائر اللہ سے مراد ہے اللہ کی حدود کی علامتیں' اس کا امر' اس کی نہی' اس کے مقرر کیے ہوئے فرائض اور محرمات۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد ہیں مناسک حج۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مشرکین کعبہ کا حج کرتے تھے' ھدی بھیجتے تھے' مشاعر کی تعظیم کرتے تھے اور سفر حج میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔
مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: شعائر اللہ سے مراد ہے صفا' مروہ' ھدی اور دوسرے مشاعر۔
(جامع البیان' جز٦' ص ٧٤-٧٧' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حرمت والے مہینوں' ھدی اور قلائد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور نہ حرمت والے مہینہ کی بے حرمتی کرو" حرمت والے مہینوں کا بیان اس حدیث میں ہے۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں۔
"حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آچکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا' سال میں بارہ مہینہ ہیں' ان میں سے چار حرمت والے مہینہ ہیں۔ تین مہینہ متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم' رجب مضر کا مہینہ جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے' الحدیث۔
(صحیح البخاری' ج ٥' رقم الحدیث: ٤٤٠٦)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ ھدی کی (بے حرمتی کرو)
ھدی کا معنی ہے: وہ اونٹ' بکری' یا گائے جس کو بیت اللہ میں ہدیہ کیا جائے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ قلائد کی (بے حرمتی کرو)
قلائد قلادہ کی جمع ہے' ھدی کے گلے میں قربان کیے جانے کی نشانی کے طور پر اون کا ہار' یا جوتی یا درخت کی چھال ڈال دی جاتی ہے۔ اس کو قلادہ کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں قلائد ڈالے جاتے ہیں۔ اور ابن زید نے یہ کہا ہے کہ جو شخص حرم کے درخت کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لیتا تھا' وہ مامون قرار دیا جاتا' اور جہاں چاہتا چلا جاتا' اور قلائد کا یہی معنی ہے (جامع البیان' ج ٦' ص ٧٦) حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کا معنی ہے' ان مہینوں میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی جائے' اور ھدی کی بے حرمتی کا معنی ہے ان جانوروں کو ان کے مالکوں سے چھین لیا جائے یا ان کو کعبہ میں نہ پہنچنے دیا جائے' اور

قلائد کی بے حرمتی کا معنی یہ ہے کہ ھدی کے گلے سے قلادہ اتار لیا جائے' یا اس کو نوچ' کھسوٹ کر خراب کر دیا جائے' یا جس شخص نے اپنے جسم پر حرم کے درخت کی چھال لپیٹ لی ہو' اس کی بے حرمتی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں (المائدہ: ۲)

آیت مذکورہ کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا' اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حطم نبی ﷺ کے پاس آیا' تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے' اس نے آپ سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت پیش کروں گا۔ آپ بتلایئے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو' اور زکوٰۃ ادا کرو' اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو' اور بیت اللہ کا حج کرو۔ حطم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا' اگر انہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا' اور اگر انہوں نے اس سے پیٹھ پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ' جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چہرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوا نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی چراگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا' لیکن وہ نکل گیا اور یمامہ پہنچ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سامان تجارت لے کر آیا' صحابہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھین لیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔

(جامع البیان' جز ٦' ص ۷۹' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۵ھ' بیروت)

آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں اختلاف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کسی شخص کو بیت اللہ کے حج سے منع کریں یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائیں' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (التوبہ: ۲۸)	اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں' وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔
مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ۔ (التوبہ: ۱۷)	مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں' درآنحالیکہ وہ اپنی جانوں کے کفر پر گواہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے منع فرما دیا۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے' زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا اور ھدی کے گلے میں قلادہ ڈالتا تو کوئی شخص اس پر حملہ نہ کرتا' ان دنوں میں مشرک کو بیت اللہ میں جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں اور بیت اللہ کے پاس قتال نہ کریں' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ　　سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ' ان کو قتل کردو۔

(التوبہ: ٥)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مجاہد نے یہ کہا ہے: کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا' زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے لیے جانے والوں کو لوٹ لیتے تھے' اور ان مہینوں میں قتال بھی کرتے تھے' اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کو حرام کر دیا' سو اس آیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے: کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کے خلاف سال کے تمام مہینوں میں قتال کرنا جائز ہے' خواہ وہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک اپنے گلے میں حرم کے تمام درختوں کی چھال بھی ڈال لے' تب بھی اس کا یہ فعل اس کے لیے قتل سے پناہ نہیں ہوگا' جب تک کہ اس سے پہلے اس نے مسلمانوں سے پناہ نہ حاصل کر لی ہو' یا کوئی معاہدہ نہ کر لیا ہو۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٨٣-٧٩' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ)

امام رازی نے لکھا ہے جو علماء اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت میں تخصیص کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء نے یہ کہا کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ جو مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے قصد کے لیے روانہ ہوں ان کی ھدی کو لوٹنا اور ان پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ شعائر اللہ کو حلال نہ کرو۔ اور شعائر اللہ کا اطلاق مسلمانوں کی قربانیوں اور ان کی عبادتوں ہی کے لائق ہے' نہ کہ کفار کی قربانیوں کے اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: جو لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں' اور یہ بھی مسلمانوں کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت ابتداء مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے' کفار کو شامل ہی نہیں ہے' حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ آیت بعد میں منسوخ ہو گئی۔

ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا: کہ اس آیت کے عموم میں وہ کافر داخل تھے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھے اور جب سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد ان سے معاہدہ ختم کر دیا گیا' تو اب وہ کافر اس آیت کے عام حکم میں داخل نہیں رہے۔

(تفسیر کبیر' ج ٣' ص ٣٥٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو (المائدہ: ٢)

صیغہ امر کے مواضع استعمال

اس آیت میں "فاصطادوا" (شکار کرو) امر کا صیغہ ہے' امر کا صیغہ متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں مشہور چھبیس معانی ہیں۔

١- وجوب کے لیے جیسے "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" (البقرۃ: ٤٣) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

٢- استحباب کے لیے جیسے "فکاتبوھم" (النور' ٣٣) تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں مکاتب کردو۔

۳- ارشاد (دنیاوی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنے) کے لیے مثلاً "واشھدوا اذا تبایعتم" (البقرۃ: ۲۸۲) "اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو" استحباب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ استحباب میں اخروی ثواب مطلوب ہوتا ہے' اور ارشاد میں دنیاوی فائدہ اور مصلحت۔

۴- اباحت کے لیے "فکلوا مما امسکن علیکم" (المائدہ: ۴) "سو اس (شکار) سے کھاؤ جسے وہ (شکاری جانور مار کر) تمہارے لیے روک رکھیں" اس کی دوسری مثال زیر بحث آیت ہے "واذا حللتم فاصطادوا" (المائدہ: ۲) اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو"

۵- اکرام (عزت افزائی) کے لیے مثلاً "ادخلوھا بسلام امنین" (الحجر: ۴۶) "تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ"

٦- امتنان (احسان فرمانے) کے لیے مثلاً کلوا مما رزقکم اللہ (الانعام: ۱۴۲) "اللہ نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ"۔

۷- اہانت (رسوا کرنے) کے لیے مثلاً "ذق انک انت العزیز الکریم" (الدخان: ۴۹) "لے چکھ عذاب کا مزہ' بے شک تو ہی بڑا معزز مکرم ہے"

۸- تسویہ (دو چیزوں میں مساوات بیان کرنے کے لیے) مثلاً "اصلوھا فاصبروا او لا تصبروا سواء علیکم" (الطور: ۱٦) "اس آگ میں داخل ہو جاؤ' پھر تم صبر کرو یا صبر نہ کرو' تم پر برابر ہے"

۹- تعجب کے لیے مثلاً "اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا" (مریم: ۳۸) "وہ کیسا سنتے ہوں گے اور کیسا دیکھتے ہوں گے' جس دن وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے"

۱۰- تکوین (کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے) کے لیے مثلاً "کن فیکون" (البقرۃ: ۱۱۷) "ہو' سو وہ ہو جاتا ہے"

۱۱- احتقار کے لیے مثلاً "القوا ما انتم ملقون" (یونس: ۸۰) "ڈالو جو تم ڈالنا چاہتے ہو"

۱۲- اخبار کے لیے مثلاً "فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا" (التوبہ: ۸۲) "سو انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور روئیں زیادہ"

۱۳- تہدید (ڈرانے اور دھمکانے کے لیے) مثلاً "اعملوا ما شئتم" (حم السجدہ: ۴۰) "تم جو چاہو کیے جاؤ" اس کی ایک اور یہ مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: "واستفزز من استطعت منھم بصوتک" (بنی اسرائیل: ٦۴) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز سے ڈگمگا سکتا ہے' ڈگمگا دے"

۱۴- انذار (ڈرانے) کے لیے۔ یہ بھی قسم اول کے قریب ہے۔ مثلاً "قل تمتعوا" (ابراہیم: ۳۰) "آپ کہیے (چند روزہ) فائدہ اٹھالو"

۱۵- تعجیز (عاجز کرنے) کے لیے' مثلاً "فاتوا بسورۃ من مثلہ" (البقرۃ: ۲۳) "سو اس قرآن کی مثل کوئی سورت لے آؤ"

۱٦- تسخیر کے لیے مثلاً "کونوا قردۃ خسئین" (البقرۃ: ٦۵) "دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ"

۱۷- تمنی کے لیے مثلاً امرؤ القیس کے شعر میں ہے "الا ایھا اللیل الطویل انجلی" "سن اے لمبی رات! تو ظاہر ہو جا"

۱۸- تادیب (ادب سکھانے) کے لیے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "کل مما یلیک" (صحیح بخاری ج ۷، رقم الحدیث: ۵۳۷۷) "تم اپنے آگے سے کھاؤ"

۱۹- امتثال (کسی کی اطاعت شعاری بیان کرنے کے لیے) کوئی شخص کسی سے کہے: مجھے پانی پلاؤ۔

۲۰- اجازت دینے کے لیے مثلاً کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹانے والے سے کہے: اندر آجاؤ۔

۲۱- انعام کے لیے مثلاً "کلوا من طیبت ما رزقنکم" (البقرہ: ۵۷) "ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ"

۲۲- تکذیب کے لیے مثلاً "قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صدقین" (آل عمران: ۹۳) "آپ کہیے کہ تورات لے کر آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو"

۲۳- مشورہ کے لیے، مثلاً حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے فرمایا: "فانظر ماذا تری" (الصفت: ۱۰۲) "تو اب تم غور کرو، تمہاری کیا رائے ہے؟"

۲۴- اعتبار (تدبر) کرنے کے لیے مثلاً "انظروا الی ثمرہ اذا اثمر و ینعہ" (الانعام: ۹۹) "دیکھو درخت کے پھل کی طرف، جب اس کو پھل لگے اور اس کے پکنے کی طرف"

۲۵- تفویض کے لیے، مثلاً ایمان لانے والے ساحروں نے فرعون سے کہا: "فاقض ما انت قاض" (طٰہٰ: ۷۲) "تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے سو کر"

۲۶- دعا کے لیے مثلاً "واعف عنا واغفر لنا وارحمنا" (البقرۃ: ۲۸۶) "ہم کو معاف فرما اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما"۔

۲۷- تخییر کے لیے مثلاً "ھذا عطاءنا فامنن او امسک بغیر حساب" (ص: ۳۹) یہ ہماری عطا ہے، تو آپ (جس پر چاہیں) احسان کریں، اور جس سے چاہیں احسان روک رکھیں۔ آپ سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی۔

(کشف الاسرار، ج ۱، ص ۵۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۱ھ۔ توضیح و تلویح، ج ۱، ص ۲۸۳، ۲۸۲)

تقاضائے امر کے واحد ہونے پر دلیل

ابن جریج نے کہا، امر ان مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے اس کا مقتضی توقف ہے۔ حتیٰ کہ کسی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر کون سا معنی مراد ہے؟ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر امر کا مقتضی توقف ہو تو پھر نہی کا مقتضی بھی توقف ہونا چاہیے، کیونکہ نہی کا استعمال بھی متعدد معانی میں ہوتا ہے۔ کبھی نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے مثلاً "لا تاکلوا الربوا" (آل عمران: ۱۳۰) "سود نہ کھاؤ" اور کبھی تنزیہ کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمنن تستکثر" (المدثر: ٦) "اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے" اور کبھی تحقیر کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم" (الحجر: ۸۸) "آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے گروہوں کو کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں" اور کبھی ارشاد کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم" (المائدہ: ۱۰۱) "ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں" اور کبھی شفقت کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یمش احدکم فی نعل واحد" (ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۷۸۱) "تم میں سے کوئی شخص ایک جوتی پہن کر نہ چلے" اور اگر نہی کا مقتضی بھی توقف ہو تو پھر امر اور نہی میں کوئی فرق نہیں رہے گا، حالانکہ فعل کی طلب اور ترک فعل کی طلب میں فرق بداہۃً ثابت ہے۔

امر کا مقتضیٰ وجوب ہونے پر دلائل

عام علماء اور فقہاء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ واحد ہے' کیونکہ امر کا ان معانی میں مشترک ہونا خلاف اصل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واحد مقتضیٰ اباحت ہے' کیونکہ یہ امر کا ادنیٰ درجہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ استحباب ہے' کیونکہ امر میں فعل کی جانب وجود کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک امر کا مقتضیٰ وجوب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور: ٦٣)

جو لوگ رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں' وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچ جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کے مقتضیٰ پر عمل کرنا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب: ٣٦)

اور نہ کسی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کے لیے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں' تو ان کے لیے اس حکم میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے' وہ بے شک کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مقتضیٰ پر عمل کرنا واجب ہے' اور اس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: ١٢)

(اللہ نے) فرمایا: تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا تھا؟ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی اس لیے مذمت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ کا امر کیا تھا اور یہ مذمت اسی وقت ہوگی جب امر وجوب کے لیے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا "افعصیت امری" (طٰہٰ: ٩٣) "کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

وَلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (الکھف: ٦٩)

میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

ان دونوں صورتوں میں امر کی خلاف ورزی اسی وقت لائق مواخذہ ہوگی جب امر کا مقتضیٰ وجوب ہو' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: ٦)

(فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے۔

حکم پر عمل نہ کرنا معصیت اسی وقت ہوگا جب حکم پر عمل کرنا واجب ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ (المرسلات: ۴۸) اور جب ان سے کہا جاتا ہے 'نماز پڑھو' تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔

ان کی مذمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی' اور یہ مذمت اسی وقت درست ہوگی' جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم وجوب کے لیے ہو۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ امر کا مقتضیٰ واحد ہے' اور وہ مقتضیٰ وجوب ہے۔ اسی طرح لوگوں کا عرف ہے کہ جب وہ کسی فعل کو جزماً اور حتماً طلب کرتے ہیں' تو امر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔

ممانعت کے بعد امر کے مقتضیٰ کی تحقیق

جب پہلے کسی فعل سے منع کیا جائے اور پھر بعد میں امر کے صیغہ سے اس فعل کو طلب کیا جائے' تب بھی امر کا مقتضیٰ وجوب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: ممانعت کے بعد اس فعل کا امر استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ میں فرمایا: "جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو بیع (کاروبار) کو چھوڑ دو' اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ" اور:

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ: ۱۰) اللہ کے فضل کو تلاش کرو (یعنی بیع' کاروبار کرو)

اس آیت میں ممانعت کے بعد رزق طلب کرنے اور کاروبار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے' وہ بطور استحباب ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ممانعت کے بعد امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع فرمایا' اس کے بعد فرمایا:

اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: ۲) جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں استحباب اور اباحت قرینہ سے ثابت ہے' کیونکہ رزق طلب کرنے اور شکار کرنے کا حکم بندوں کو ان کی منفعت حاصل کرنے کے لیے دیا گیا ہے' اگر اس حکم کو واجب قرار دے دیا جائے تو یہ نفع ضرر سے منقلب ہو جائے گا' کیونکہ پھر جو بیع نہیں کرے گا' یا شکار نہیں کرے گا' وہ گنہ گار ہو گا اور جو معنی کسی قرینہ کی بناء پر کیا جائے' وہ مجاز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت کے بعد بھی امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

ممانعت کے بعد امر کے وجوب کے لیے ہونے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں مشرکین کے خلاف قتال سے منع فرمایا اور ان مہینوں کے بعد ان سے قتال کرنے کا حکم دیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: ۵) پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو' جہاں انہیں پاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ﷺ کے گھر میں بلا اذن داخل ہونے سے منع فرمایا' پھر فرمایا: جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو اور ممانعت کے بعد یہ داخل ہونے کا حکم بھی وجوب کے لیے ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ اے ایمان والو! جب تک تمہیں کھانے کے لیے بلایا نہ جائے' نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو' پہلے سے آکر کھانا پکنے کا

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا (الاحزاب: ۵۳) انتظار نہ کرو ہاں جب بلایا جائے تو آجاؤ۔

اسی طرح حیض اور نفاس میں مبتلا عورتوں کو نماز اور روزے سے منع کیا گیا اور حیض اور نفاس منقطع ہونے کے بعد نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اور اس عارض کے زوال کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان شخص کو حالت اسلام میں اور کافر کو عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کرنے سے منع کیا گیا' لیکن اس کے مرتد ہونے' یا ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا' یا شادی شدہ کے زنا کی وجہ سے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا' اور یہ حکم بھی وجوب کے لیے ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ہاتھ اور پیر کاٹنا ممنوع ہیں' لیکن چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنا واجب ہیں۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی کام سے منع کرنے کے بعد جب اس کام کا امر کیا جائے تو سابقہ ممانعت اس امر کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور اس امر کے اباحت یا استحباب کے لیے ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض حنابلہ کے نزدیک ممانعت کے بعد امر اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور شوافع میں سے محققین' مثلاً امام رازی اور قاضی بیضاوی او جمہور اصولیین کے نزدیک ممانعت کے بعد بھی امر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور فقہاء احناف میں سے کمال الدین ابن الہمام کے نزدیک ممانعت سے پہلے امر کا جو مقتضیٰ ہو ممانعت کے بعد بھی وہی مقتضیٰ ہوتا ہے۔ اگر وجوب ہو تو وجوب اور استحباب ہو تو استحباب۔

(توضیح و تلویح' ج ۱' ص ۲۸۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع - و کشف الاسرار' ج ۱' ص ۲۸۲-۲۷۹' ملخصا)

نبی ﷺ کے افعال سے وجوب کا ثابت نہ ہونا

صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعود لکھتے ہیں:

امر کا اطلاق جمہور کے نزدیک قول پر حقیقتاً ہے اور فعل پر امر کا اطلاق مجازاً ہے۔ اس میں بھی اتفاق ہے اور بعض کے نزدیک نبی ﷺ کے فعل پر بھی امر کا اطلاق حقیقتاً ہے۔ کیونکہ آپ کا فعل حقیقتاً امر ہے اور ہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور فعل پر امر کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما امر فرعون برشید" (ھود: ۹۷) "اور فرعون کا فعل درست نہ تھا" اور نبی ﷺ نے فرمایا "صلوا کما رایتمونی اصلی" (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۳۱) "اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"

ہم کہتے ہیں کہ امر کا اطلاق فعل پر حقیقتاً نہیں ہے' اور مشترک ہونا خلاف اصل ہے' کیونکہ جب کوئی شخص کوئی کام کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ کام کرو تو اس کے اس فعل سے امر کی نفی کرنا صحیح ہے' اور سورۂ ھود کی آیت میں جو فعل کو امر فرمایا ہے' وہ مجاز ہے اور اگر بالفرض ہم یہ مان لیں کہ فعل پر امر کا اطلاق حقیقت ہے' تب بھی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امر قولی وجوب کے لیے ہوتا ہے نہ کہ فعلی' کیونکہ جو دلائل اس پر پیش کیے گئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے' وہ سب امر قولی سے متعلق ہیں۔ مثلاً یہ آیت:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ (النور: ۶۳) وہ لوگ ڈریں جو رسول کے امر (حکم) کی مخالفت کرتے ہیں۔

اس آیت میں امر سے مراد امر قولی ہے اور اس کو امر فعلی پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور امر قولی مقصود (ایجاب) کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور ترادف خلاف اصل ہے' اور نبی ﷺ نے جو فرمایا: "صلوا کما رایتمونی اصلی" اس حدیث میں ایجاب آپ کے قول صلوا سے مستفاد ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے وصال کے روزے رکھے اور آپ کو دیکھ کر صحابہ نے وصال کے روزے رکھ لیے اور جب آپ نے نماز میں نعلین اتاریں اور آپ کو دیکھ کر آپ کے اصحاب نے بھی اپنی نعلین اتاریں تو آپ نے ان کو منع فرمایا' حالانکہ دونوں صورتوں میں آپ کے اصحاب نے آپ کے فعل کی اتباع کی تھی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ فعل وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

(توضیح مع تنقیح' ج ۱' ص ۲۸۱-۲۷۸' مختصراً' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے کوئی فعل منقول ہو' پس اگر وہ فعل سہو ہو یا طبعی ہو یا آپ کا خاصہ ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت نہیں ہوتا اور اگر وہ فعل قرآن مجید کی کسی مجمل آیت کا بیان ہو تو اس سے اجماعاً وجوب ثابت ہوتا ہے' اور اگر وہ فعل ان کے ماسوا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ نبی ﷺ نے حقیقتاً ہم کو اس فعل کا امر فرمایا ہے اور ہم پر اس فعل کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ سو بعض نے کہا ہاں اور اکثر نے کہا نہیں' اور یہی مختار ہے۔

(تلویح مع توضیح' ج ۱' ص ۲۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے' آپ نے اپنی نعلین اتاریں اور ان کو اپنی بائیں جانب رکھ دیا' جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کرلی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کے جوتیاں اتارنے کا کیا سبب تھا؟ صحابہ نے کہا ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو ہم نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ ان جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر اس کی جوتیوں میں کوئی نجاست یا گھناؤنی چیز ہو تو اس کو کھرچ کر صاف کرلے' پھر ان جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ (سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم وصال کے روزے نہ رکھو' صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ! آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ یا فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں' کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۶۱)

ان حدیثوں میں اس پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا فعل کسی چیز کو واجب نہیں کرتا' کیونکہ اگر آپ کا فعل آپ کے امر کی طرح موجب ہوتا تو پھر آپ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی' جیسے اگر آپ کسی چیز کا امر فرمائیں اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

(کشف الاسرار' ج ۱' ص ۲۵۰-۲۴۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

نبی ﷺ کے افعال کے سنت' مستحب اور واجب ہونے کا ضابطہ

جس فعل کو آپ نے احیاناً (کبھی کبھی) کیا ہو اور غالب اوقات میں ترک کیا ہو' وہ سنت غیر مؤکدہ یا سنت مستحبہ ہے اور جس کو آپ نے غالب اوقات میں کیا ہو اور احیاناً ترک کیا ہو' وہ سنت موکدہ ہے اور جس پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو' اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' وہ فعل واجب ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: "صحیح یہ ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ نبی

ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اس پر مواظبت (دوام) فرمائی ہے اور مواظبت سنت کی دلیل ہے"۔
(ھدایہ اولین ' ص ۲۲۹ ' مطبوعہ شرکت علمیہ ' ملتان)

علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں: "ایک قول یہ ہے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مواظبت سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور یہ وجوب کی قوت میں ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ نے اعتکاف ترک کرنے والے پر انکار نہیں فرمایا' اگر اعتکاف واجب ہوتا تو آپ اس کے ترک پر انکار فرماتے"۔
(البنایہ ' ج ۳ ' ص ۷۴۲ ' مطبوعہ دارالفکر ' بیروت ' ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس فعل کے تارک پر انکار نہ فرمائیں تو وہ سنت موکدہ ہے اور اگر آپ کسی فعل پر مواظبت فرمائیں اور اس کے تارک پر انکار فرمائیں تو وہ فعل واجب ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں "نبی ﷺ نے اعتکاف پر بلا ترک مواظبت فرمائی ہے ' لیکن جن صحابہ نے اعتکاف نہیں کیا ' آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا ' تو یہ اعتکاف کے سنت ہونے کی دلیل ہے اور اگر آپ ترک کرنے والوں پر انکار فرماتے تو یہ وجوب کی دلیل ہوتا"۔
(فتح القدیر ' ج ۲ ' ص ۳۹۴ ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سعدی چلپی متوفی ۹۴۵ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت موکدہ کی تعریف یہ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو' حالانکہ سنت موکدہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ نے کسی فعل پر مواظبت فرمائی ہو اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے اس کے ترک پر انکار نہیں فرمایا' تو یہ احیاناً ترک کرنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ آپ کا احیاناً ترک کرنا جواز ترک کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے اور آپ کا تارک پر انکار نہ فرمانا بھی تعلیم جواز کے لیے تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو احیاناً ترک کرنا ملحوظ ہے' وہ اس سے عام ہے کہ احیاناً ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً ' اور اب سنت مؤکدہ کی تعریف یہ ہو گی کہ جس فعل پر نبی ﷺ مواظبت فرمائیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی فرمادیں ' خواہ ترک کرنا حقیقتاً ہو یا حکماً ' اور جس فعل پر نبی ﷺ بلا ترک مواظبت فرمائیں اور تارک پر انکار فرمائیں ' وہ فعل واجب ہو گا۔ (حاشیہ سعدی چلپی مع فتح القدیر ' ج ۲ ' ص ۳۹۴ ' مطبوعہ بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

"سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ مواظبت ہو اور اس کے ساتھ ترک بھی ہو' خواہ حکماً ہو' لیکن تعریف میں عموماً شروط کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار ' ج ۱ ' ص ۷۱ ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی ' بیروت ' ۱۴۰۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مصری متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ کیا ہو' وہ سنت موکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی اس فعل کو ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر موکدہ ہے اور جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (البحرالرائق ' ج ۱ ' ص ۱۷ ' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ ' کوئٹہ)

علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

"البحرالرائق" میں سنت مؤکدہ کی دو تعریفوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ:

الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر لزوم علی سبیل المواظبۃ۔ وہ طریقہ جس پر دین میں بغیر لزوم کے ہمیشہ عمل کیا گیا ہو۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس فعل پر بلا ترک مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار نہ فرمایا ہو' اور اگر آپ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا ہو' تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔

(حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار' ج ۱' ص ٦٦' مطبوعہ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

نیز علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

سنت اس طریقہ مسلوکہ فی الدین کو کہتے ہیں جو کسی قول یا فعل سے متعلق ہو۔ وہ قول یا فعل لازم نہ ہو' اور نہ اس کے تارک پر انکار ہو اور نہ وہ خصوصیت ہو۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ لازم نہ ہو اس قید سے فرض' سنت کی تعریف سے خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا اس کے تارک پر انکار نہ ہو' اس قید سے واجب خارج ہو گیا اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ خصوصیت نہ ہو' اس قید سے صوم وصال خارج ہو گئے۔ پھر اگر نبی ﷺ نے غالب اوقات میں اس فعل پر مواظبت نہ کی ہو' تو وہ سنت مستحبہ ہے۔ اس کو سنت زائدہ' مستحب' مندوب اور ادب وغیرہ بھی کہتے ہیں اور اگر آپ نے اس فعل کے تارک پر وعید فرمائی ہو' تو پھر یہ واجب ہے۔ (ایضاً' مراقی الفلاح) سنت مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں۔ اذان' اقامت' جماعت' پانچ نمازوں کی سنتیں' کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اس سنت کو سنت الہدیٰ بھی کہتے ہیں' یعنی اس سنت پر عمل کرنا ہدایت اور دین کی تکمیل کے لیے ہے' اور اس کو ترک کرنا کراہت اور اساءت ہے۔

علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ دنیا میں مطالبہ عمل کے لحاظ سے سنت مؤکدہ واجب کی مثل ہے' مگر واجب کے ترک پر آخرت میں عذاب کا مستحق ہو گا' اور سنت مؤکدہ کے ترک پر آخرت میں عتاب کا مستحق ہو گا' اور سنت غیر مؤکدہ کی یہ مثالیں ہیں: تنہا شخص کا اذان دینا' وضو میں گردن پر مسح کرنا اور دائیں جانب سے ابتداء کرنا اور نفلی نماز' نفلی روزہ اور نفلی صدقہ۔

(حاشیہ مراقی الفلاح' ص ۳۹-۳۸' مطبوعہ مصر' ۱۳۵٦ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

"البحر الرائق" میں مذکور ہے' سنت وہ فعل ہے جس پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو' پھر اگر یہ مواظبت بغیر ترک کے ہے تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر آپ نے اس فعل کو کبھی کبھی ترک کیا ہو تو وہ اس فعل کے سنت غیر مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے' اور اگر آپ نے اس فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر انکار فرمایا' تو یہ اس فعل کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور النہر الفائق کے مصنف نے یہ کہا ہے کہ یہاں پر یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ جس فعل پر آپ نے مواظبت کی ہے' اس کا وجوب آپ کے ساتھ مختص نہ ہو۔ مثلاً صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) اس میں آپ کا دوسروں کے ترک پر انکار نہ فرمانا' آپ کے حق میں اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز ترک میں یہ قید بھی لگانی چاہیے کہ وہ ترک بلا عذر ہو' کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض کا ترک بھی جائز ہے۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے' لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کتنی مقدار ڈاڑھی رکھنا سنت ہے؟

اس تمام تفصیل سے واضح ہو گیا کہ وجوب صرف نبی ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے' آپ کے افعال سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں! جس فعل پر نبی ﷺ نے مواظبت کی ہو اور اس کے ترک پر انکار فرمایا ہو' تو یہ بھی اس فعل کے واجب ہونے

کی دلیل ہے۔ ڈاڑھی رکھنے کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے' اس لیے نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ڈاڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور حرام ظنی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عبیداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا' درآنحالیکہ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا' یہ ہمارے دین میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۳۷۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

چونکہ نبی ﷺ نے ڈاڑھی منڈانے پر انکار فرمایا ہے' اس لیے ڈاڑھی منڈانا حرام (ظنی) ہوا اور ڈاڑھی رکھنا واجب ہوا۔
رہا اس کی مقدار کا معاملہ تو نبی ﷺ نے اس کی تحدید نہیں فرمائی۔ البتہ آپ کی ڈاڑھی مبارک بہت دراز اور گھنی تھی جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔ (الشفاء' ج ۱' ص ۳۸' مطبوعہ ملتان) اور اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی رکھنا جو سینہ کو یا کم از کم سینہ کے بالائی حصہ کو بھرے' سنت کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتنی لمبی اور گھنی ڈاڑھی ہی رکھنی چاہیے۔ بالعموم فقہاء کرام نے قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنے کو سنت کہا ہے اور بعض فقہاء (مثلاً ملا علی قاری اور علامہ زبیدی) نے قبضہ کو مستحب لکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک بہرحال قبضہ سے زائد تھی' کیونکہ آپ کوتاہ گردن نہیں تھے۔ آپ کی گردن لمبی تھی اور یہی حسن کا تقاضا ہے۔ پھر سینہ مبارک کے بالائی حصہ کو بھرنے کے لیے بھی دو ڈھائی مشت ڈاڑھی ہونی چاہیے' اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت قبضہ بھر ڈاڑھی نہیں' بلکہ قبضہ سے زائد مقدار رکھنا ہے۔ اور فقہاء نے جو قبضہ کو سنت لکھا ہے' اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سنت سے مراد لغوی معنی ہے' یعنی وہ طریقہ جو ان کے دور کے مسلمانوں میں مروج تھا۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کو سنت غیر موکدہ لکھا ہے' یہ بھی لغوی معنی میں ہے' کیونکہ کسی حدیث میں آپ نے قبضہ کی تاکید نہیں فرمائی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد میں قبضہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ سے قبضہ کے بعد ڈاڑھی کاٹنا ثابت ہے' لیکن صحابی کے فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وجوب رسول اللہ ﷺ کے امر سے ثابت ہوتا ہے' یا رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل پر مواظبت کی ہو اور اس کے تارک پر وعید فرمائی ہو' تو یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن قبضہ کے متعلق ان میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔

ہرچند کہ قبضہ بھر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے' لیکن ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے جس پر عرف میں ڈاڑھی کا اطلاق کیا جاتا ہو اور عرفی مقدار بھی دلیل شرعی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی مقدار کے متعلق دلیل شرعی نہ پائی جائے' اس کی مقدار کو اس میں مبتلا شخص کے ظن غالب کی طرف مفوض کر دینا چاہیے۔ (ردالمحتار' ج ۱' ص ۲۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سو اگر کوئی شخص خشخشی ڈاڑھی یا فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھتا ہے یا ایک یا دو انگل ڈاڑھی رکھتا ہے تو اس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی نہیں کہتے۔ بلکہ فرنچ کٹ ڈاڑھی یا خشخشی ڈاڑھی کہتے ہیں۔ لہٰذا ڈاڑھی کی اتنی مقدار رکھنا ضروری ہے۔ جس کو عرف میں مطلقاً ڈاڑھی کہا جائے۔ خواہ وہ قبضہ سے ایک آدھ انگل کم ہو یا زائد ہو۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی میں قبضہ کو واجب نہیں فرمایا اور آپ نے اس کی تحدید نہیں کی' اس لیے ہم اس کی حد قبضہ مقرر کرنے کا خود کو مجاز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہم مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں' اس بناء پر ہمیں کافی مطعون بھی کیا گیا ہے اور

ہمارے خلاف کتابیں بھی لکھی گئیں۔ بہرحال! ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کو پیش کیا ہے اور حق گو لوگ ہر دور میں شخصیت پرستوں اور غالی اور جامد لوگوں کے لعن طعن کا شکار ہوتے رہے ہیں' ہم ان کے سب و شتم پر صبر کرتے ہیں اور اللہ ہی سے جزاء کے طالب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس کے ساتھ اس پر نہ اکسائے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو (المائدہ: ۲)

شنان کے معنی بغض ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض تمہیں اس کے ساتھ زیادتی پر نہ ابھارے' یعنی جس طرح مشرکین نے تمہیں عمرہ کے لیے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا' اسی طرح تم ان کو مسجد حرام میں جانے سے نہ روکنا۔

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود مشرکوں کو مسجد حرام میں جانے سے منع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ: ۲۸)

اے ایمان والو! تمام مشرک محض ناپاک ہیں' وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

اس خاص صورت کے علاوہ یہ حکم عام ہے اور کسی قوم کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے (المائدہ: ۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر (نیکی) اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد ہر اس کام سے اجتناب ہے جس کو کرنے سے شریعت نے روکا ہے' اور فرمایا ہے: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور ہر وہ کام جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہے' اور ظلم کا معنی ہے دوسروں کے حقوق میں تعدی اور تصرف کرنا اور اثم اور عدوان سے مراد وہ تمام جرائم ہیں جن کی وجہ سے انسان اخروی سزا کا مستحق ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے' ان کو کرو اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے' ان سے باز رہو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی کریں' تو بے شک اللہ ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔

یہ آیت جوامع الکلم میں سے ہے اور یہ ہر خیر اور شر اور ہر معروف اور منکر کے حکم کو شامل ہے۔

آیات مذکورہ سے استنباط شدہ احکام

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں بہت سے فقہی احکام کو شامل ہیں۔

۱- اپنے عہد پورے کرو' یعنی اللہ تعالیٰ سے جن احکام شرعیہ کو بجا لانے کا عہد کیا ہے' ان کو پورا کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ جو عہد کیے ہیں' ان کو پورا کرو۔ خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنا' بیویوں کا مہر ادا کرنا' ان کا خرچ اٹھانا' امانت' عاریت اور رہن رکھی ہوئی چیز کو حفاظت کے ساتھ ادا کرنا اور ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کرنا' ان عقود میں شامل ہے۔ اسی طرح

عبادات مقصودہ مثلاً نماز' روزہ' حج' اعتکاف اور صدقات کی نذر پوری کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کسی غیر مقصودہ عبادت مثلاً وضو' یا کسی مباح کام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ عوام میں جو پیروں' فقیروں کی نذر مشہور ہے' یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

۲- شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حلال جانوروں کا کھانا' کچلیوں سے پھاڑنے والے درندوں اور پالتو گدھے کو اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو نبی ﷺ نے حرام کر دیا ہے اور (المائدہ: ۳) میں بھی ان جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جن کو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو' ان کے علاوہ خنزیر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے۔

۳- حالت احرام میں شکار کرنے کی حرمت بیان کی گئی ہے' اسی طرح حرمین میں شکار کرنا بھی منع ہے۔

۴- جو شخص محرم نہ ہو' اس کے لیے حرمین کے علاوہ دوسری جگہوں پر شکار کا حلال ہونا۔

۵- محرم کے لیے صرف خشکی کا شکار ممنوع ہے۔ سمندری جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔

۶- قربانی کے لیے بھیجے ہوئے جانوروں کو ضرر پہنچانے کی حرمت' جو اونٹ قربانی کے لیے حرم میں بھیجا جاتا ہے' اس کے گلے میں قلادہ ڈال دیتے ہیں' تاکہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کوہان پر معمولی سا شگاف ڈالتے ہیں جس سے اس کے کوہان پر خون بہہ جاتا ہے' اور یہ بھی اس کے ھدی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو اشعار کہتے ہیں' یہ سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ اعجمی لوگ جو اشعار کرنا نہیں جانتے' ان کے حق میں یہ سنت نہیں ہے' کیونکہ وہ زیادہ شگاف ڈال دیتے ہیں جس سے بڑا زخم پڑ جاتا ہے' ایسے لوگوں کو امام ابوحنیفہ اشعار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۷- شعائر اللہ میں ھدی اور قلائد کے علاوہ حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں' تحقیق یہ ہے کہ اب ہر مہینہ میں جہاد کرنا جائز ہے۔

۸- کسی کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے انسان اس کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی نہ کرے۔

۹- نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا' اس میں ملک اور قوم کے اجتماعی مفاد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور سماجی خدمت اور سوشل ورک داخل ہیں۔

۱۰- جرم اور گناہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ بینک اور بیمہ کمپنی' جوئے خانہ اور کسی بھی بدی کے اڈے میں ملازمت کرنا' خواہ وہ ملازمت کلرکی کی ہو یا چوکیداری کی' وہ بہرحال اس برائی کے ساتھ ایک نوع کا تعاون ہے اور ناجائز ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر حرام کیا گیا' مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ

اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا

کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ جانے والا' اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس

أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا

کو درندے نے کھایا ہو ماسوا اس کے جس کو تم نے (زندہ پاکر) ذبح کر لیا' اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا اور

بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ

فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں، آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے ،

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو ، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ

کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بہ طور) دین پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣ يَسْـَٔلُوْنَكَ

چیز کھا لے) درآں حالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے ○ (اے رسول مکرم!) آپ

مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ

سدھا لیے ہیں درآں حالیکہ تم انھیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو، تم انھیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سو اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے روک رکھیں (اور شکار چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٤ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ

تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی) تمہارے لیے حلال

قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ

ہیں) جب تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو، دراں حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ

وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ حَبِطَ

علانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے' اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بیشک اس کا عمل

عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ۝٥ ع ١/٥

ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے ۝

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مرجائے' نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو' اس کو میتہ (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مرجائے' اس کو میتہ کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے' کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں' جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کر لیا جائے تو اس کے جسم سے سارا خون بہہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ زہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طبائع سلیمہ مردار جانور کا گوشت کھانے سے متنفر ہوتی ہیں' سو مردار جانور صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہے اور دین کے اعتبار سے بھی' کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نکلی۔ لہٰذا مردار جانور کو کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ فقہاء احناف کے نزدیک اس کے بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (بدائع الصنائع' ج ١' ص ٦٣' مطبوعہ کراچی) علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ امام احمد' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مردار کی ہڈی نجس ہے۔ (المغنی' ج ١' ص ٥٦) اور امام شافعی کے نزدیک مردار کے پر اور بال بھی نجس ہیں' کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ بڑھتے ہیں' اور باقی اعضاء کی طرح اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مردار کے پر اور بال پاک ہیں۔ کیونکہ امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مردار کی مشک میں کوئی حرج نہیں ہے' جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے اون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے' جب انہیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی' اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے' جیسے انڈا نجس نہیں ہوتا۔ (المغنی' ج ١' ص ٥٠' مختصراً مطبوعہ بیروت)

مردار جانور حرام ہے' لیکن اس کے عموم سے بالاتفاق مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث ٣٢١٨' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی' متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا' یارسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں گے' تو کیا ہم سمندر کے پانی

سے وضو کرلیا کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے' اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۸۳' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۸۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد' ج ۳' ۷۲۳۳' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۰)

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بہنے والا خون ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بہنے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔الایہ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھاتا ہو' صرف مردار' بہنے والے خون اور خنزیر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں' کیونکہ وہ نجس ہے' یا نافرمانی کی وجہ سے جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون عادتاً باقی رہ جاتا ہے' وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جامد ہو جیسے کلیجی اور تلی' وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' رہے مُردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

بہنے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم اور زہریلے اجزاء ہوتے ہیں' اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے' تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مادی طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے سخت مضر ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔ اسی طرح (الانعام: ۱۴۵) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر (شراب) مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام فرمادیا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص نردشیر کے ساتھ کھیلا' اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔

(صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۶۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون' گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں۔ قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے' کیونکہ کسی جانور کا اہم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

خنزیر کے گوشت کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت گندہ اور نجس جانور ہے اور یہ بالعموم گندگی میں رہتا ہے۔ اس کے جسم اور بالوں میں کیڑے ہوتے ہیں۔ اس کا گوشت بہت ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے' اور اس میں چربی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے خون میں کلسٹرول کی بہت زیادتی ہوتی ہے۔ جس جانور کا گوشت کھایا جائے' اس کے اوصاف کا انسان کی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ جانوروں میں خنزیر نہایت بے غیرت جانور ہے۔ اس کی مادہ سے ایک خنزیر جفتی کرتا ہے اور باقی کئی خنزیر اس کے قریب کھڑے اپنی باری کے منتظر رہتے ہیں' جبکہ دوسرے جانور اپنی مادہ کے قریب دوسرے نر کو آنے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اقوام خنزیر کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی بے غیرت ہوتی ہیں' ان میں بہت زیادہ فحاشی اور بدچلنی ہوتی ہے۔ بہرحال ا مسلمان کے لیے صرف یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمادیا' خواہ حرمت کی یہ وجوہ ہوں یا نہ ہوں۔ ہم نے یہ وجوہ صرف اس لیے بیان کی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے جن تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے' اس کی وجوہ نہایت معقول ہیں۔

"مااھل لغیر اللہ بہ" کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں وما اھل لغیر اللہ بہ کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ اھلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا' پھر ہر بلند آواز کو اھلال کہا گیا۔ نوزائیدہ بچے کے رونے کو بھی اھلال کہتے ہیں۔

(المفردات' ص ٥٤٤' مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ' ایران' ١٣٦٢ھ)

ملا احمد جون پوری متوفی ١١٣٠ھ لکھتے ہیں: "وما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی ہے جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' مثلاً لات' عزیٰ اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر۔ (تفسیرات احمدیہ' ص ٤٤' مطبوعہ مکتبہ حقانیہ' پشاور)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور اھلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے' مثلاً لات اور عزیٰ اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا

(روح المعانی' ج ٦' ص ٥٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ١١٧٦ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "و آنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود"۔

عام ازیں کہ ذبح کے وقت صرف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً مسیح کا نام لے کر ذبح کیا جائے' یا اللہ کے ساتھ بطریق عطف غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ اور مسیح کے نام سے ذبح کرتا ہوں' تو یہ ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر وقت ذبح میں غیر اللہ کے ساتھ وہ جانور نامزد ہو' مثلاً قربانی کے جانوروں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ محمود کا بکرا ہے' یہ اسلم کا بکرا ہے' یہ فہیم کی گائے ہے' یا کسی نے اپنے والد عبدالرحیم کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے کوئی بکرا موسوم کیا ہو' اور کسی نے حضرت غوث اعظم کو ایصال ثواب کرنے کے لیے بکرا نامزد کیا ہو' یا کسی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ ثواب کرنے کے لیے کوئی بکرا نامزد کیا ہو' پھر ان جانوروں کو اپنے اپنے وقت میں صرف اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو یہ ذبح جائز ہے' اور ان کا گوشت حلال ہے اور ان کا ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو' صرف اس کا خون بہانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ "مااھل بہ لغیر اللہ" ہے۔ خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے' کیونکہ یہ حضرت خلیل

علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تکریم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا' تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا' اور منفعت مہمان کے لیے' یا دعوت کے لیے' یا نفع کے لیے ہوگی اور اگر اس نے کھانے کے لیے نہیں ذبح کیا' بلکہ اس لیے کہ کسی غیر کے آنے پر محض اس کو ذبح کرے (یعنی صرف خون بہائے) تو اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہوگی' سو یہ حرام ہوگا۔ کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ (بزازیہ و شرح وھبانیہ) میں کہتا ہوں کہ منیہ کی کتاب الصید میں ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے' اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب (بہ طور عبادت کیونکہ یہی کفر ہے۔ شامی) حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ شرح الوھبانیہ میں ذخیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔

(در مختار مع رد المحتار' ج ٥' ص ١٩٧-١٩٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ اس کی شرح میں وجہ فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ما اھل بہ لغیر اللہ" میں تعظیم اور غیر تعظیم کے لیے ذبح کا فرق یہ ہے کہ اگر دیوار چنتے وقت یا کسی مرض سے شفاء کے حصول کے وقت جانور ذبح کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ اس ذبح کا مقصد صدقہ کرنا ہے (حموی) اسی طرح کسی نے سفر سے سلامتی کے ساتھ آنے پر قربانی کی نذر مانی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (البحر الرائق) اب اس پر لازم ہے کہ اس گوشت کو فقط فقراء پر صدقہ کرے۔ (فتاویٰ الشلبی) اور جو شخص کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرے اور پھر اس کو یونہی چھوڑ دے' یا اس میں سے کل یا بعض لے لے اور فرق کا مدار ابتداء ذبح کے وقت ہے۔ اگر اس نے مہمان کے اکرام اور اس کو گوشت کھلانے کے سبب سے جانور کو ذبح کیا ہے' تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر اس نے کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے محض خون بہانے کے قصد سے جانور کو ذبح کیا ہے تو یہ حرام ہے' اور یہ فرق اس طرح مزید ظاہر ہوگا کہ اگر اس نے حاکم کی ضیافت کی اور اس کے آنے پر جانور کو ذبح کیا۔ اگر اس ذبح سے اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے' اور اگر اس ذبح سے اس کی مہمانی اور اس کے اکرام کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال ہے۔ خواہ یہ ذبیحہ مہمان کے علاوہ کسی اور کو کھلا دے۔ جو شخص کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر اس کی تعظیم کے لیے جانور کو ذبح کرتا ہے تو یہ ذبیحہ حرام ہے' لیکن یہ کفر نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان کے ساتھ یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح کے ساتھ کسی آدمی کا تقرب علی وجہ العبادت حاصل کرے گا اور تکفیر کا اسی پر مدار ہے' اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ فعل دنیاداری کے لیے ہے' یا اس کے سامنے اظہار محبت کر کے اس کا مقبول بننا چاہتا ہے' لیکن جبکہ اس حاکم کی تعظیم کی وجہ سے ذبح کرنا تھا تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا محکماً خالص اللہ کے لیے نہ تھا' اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص ذبح کے وقت کہے' اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے' اس لیے یہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ لیکن حرمت اور کفر میں تلازم نہیں ہے۔

(رد المحتار' ج ٥' ص ١٩٧-١٩٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

المنخنقۃ کا معنیٰ اور اس کا شرعی حکم

منخنقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹنے سے مر جائے' عام ازیں کہ کسی نے قصداً اس کا گلا گھونٹ دیا یا کسی حادثہ سے اچانک اس کا گلا گھٹ گیا ہو' یہ مردار ہے اور شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ اس کو مردار میں شامل نہیں کیا' بلکہ الگ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مردار وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت سے مر جائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرتا ہے' لیکن یہ مذبوح نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے جس سے اس کی

چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہہ جائے۔

الموقوذۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے' خواہ دور سے پتھر مارا جائے' یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے۔ اس چوٹ کے نتیجہ میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے' اور زمانہ جاہلیت میں اس کو کھایا جاتا تھا۔

اسلام میں ثقیل شے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے' اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے' تاکہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا "منخنقہ" وہ ہے جس کا گلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ "موقوذہ" وہ ہے جس کو لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے۔ "متردیہ" وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور "نطیحہ" وہ ہے جس کو دوسری بکری نے سینگ مارا ہو' اگر اس کی دم یا آنکھ ہل رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ (صحیح البخاری' ج ۶' کتاب الصید والذبائح' ۷۲' باب ۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو' اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے' تاکہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۵۵)

جب چھری تیز ہوگی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر ذبح تک نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز میں روح ہو' اس کو (مشق کے لیے) نشانہ نہ بناؤ۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۵۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض (بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھالو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تیر لگے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھاؤ' کیونکہ وہ وقیذ (چوٹ سے مرا ہوا) ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۷۶)

موقوذہ کی بحث میں بندوق سے کیے ہوئے شکار کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم جلد سادس میں لکھ دی ہے اور (المائدہ: ۴) میں بھی انشاء اللہ اس پر گفتگو کریں گے۔

المتردیۃ کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے مثلاً چھت سے گر جائے' یا کنوئیں میں گرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے' اس کو متردیہ کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس میں کچھ رمق حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

النطیحۃ کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے سینگ مارا ہو' اور وہ اس کے سینگ مارنے سے مرگیا' خواہ اس کے سینگ مارنے سے وہ زخمی ہوا ہو' اور اس کا خون بھی بہا ہو' اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے' اور اس کا کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو' اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلاً شیر' چیتے یا بھیڑیے نے کسی حلال جانور کو چیر پھاڑ کر زخمی کردیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو' تو اس کا کھانا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے ذبح کی جگہ سے خون بہہ رہا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانوروں میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے' لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

"الا ماذکیتم" کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار' خون' خنزیر اور "ما اھل لغیر اللہ بہ" کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کرلیا جائے' ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمالیا۔ اس مستثنیٰ منہ میں المنخنقہ' الموقوذہ' المتردیہ' النطیحہ اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو' داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے "ما اھل لغیر اللہ بہ" کو بھی اس میں داخل کرلیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے' بایں طور کہ اس کی دم ہل رہی ہو' یا وہ آنکھ سے دیکھ رہا ہو' اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کردو' وہ حلال ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ لحم الخنزیر کے سوا باقی تمام کو "الا ماذکیتم" کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ جانور پلک جھپکا رہا ہے' دم ہلا رہا ہے' یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے' تو تم اس کو ذبح کردو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کردیا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جب تم موقوذہ' متردیہ اور نطیحہ کو ہاتھ' پیر ہلاتے دیکھو تو اس کو (ذبح کرکے) کھالو۔

ان اقوال کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ موقوذہ' متردیہ' نطیحہ اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو' وہ تم پر حرام کردیئے گئے ہیں' لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں' تم ان کو ذبح کرکے کھالو۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان محرمات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے' بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے' یعنی مردار' خون' خنزیر' "وما اھل لغیر اللہ بہ" اور باقی مذکورہ جانور تم پر حرام کردیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کرلو' وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کرلیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے' امام مالک نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ' جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کے ہاتھ' پیر توڑے ہیں' تو پھر اس کو ذبح کرکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان سے پوچھا گیا اگر وہ اس پر حملہ کرکے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالک نے کہا: اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا بہتر نہیں ہے' ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑیا بکری کا پیٹ پھاڑ دے' لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں' امام مالک نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ میری رائے میں "وما اهل لغیر الله به" سے لے کر آخر آیت تک یہ استثناء لاحق ہے' کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں' اس لیے وہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مرجاتا ہے' وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے' یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہو گا۔ لہٰذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے' وہ حلال ہو گا۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۹۹-۹٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا۔

نُصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے' یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا' وہ بھی حرام ہے۔ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کیے گئے تھے' اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پتھروں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا' اس کو ان پتھروں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عبادت قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان پتھروں پر رکھ دیتے تھے' اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب' نصیب کی جمع ہے۔ نصیب اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کسی شئے پر نصب کیا جاتا ہے۔ (المفردات' ص ۴۹۴) نصب بتوں کو نہیں کہتے' نصب غیر منقوش پتھر ہوتے ہیں اور بت منقوش پتھر ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرمادیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں' ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے' تاکہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔ (المائدہ: ۳)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے' جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے' زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے' جن میں سے کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سادہ ہوتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا' یا شادی کا ارادہ کرتا' یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فال نکالتا۔ اگر اس کا تقاضا ہوتا کہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا' اور اگر اس کا تقاضا ہوتا وہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فال نکالتے۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۱۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نجومیوں' کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

جس طرح فال کے تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا' یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ دار ہیں' ان سے مستقبل کا حال معلوم کرنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کالم چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور انگل پچو سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں' نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا' اپنی چونچ سے لفافہ نکالتا

ہے 'بعض صوفی یا صوفی نما قسم کے لوگ قرآن سے فال نکالتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل' ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا' یا جن امور پر وحی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے' اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا' اولیاء اللہ کو جو الہام ہوتا ہے وہ ایک ظنی امر ہے' قطعی چیز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کافر اور مشرک کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور انہیں مستقبل میں جس کام کے متعلق تردد ہوتا' وہ ان سے معلوم کرتے اور وہ فال کے تیروں سے فال نکال کر اٹکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کر دی' اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعویٰ داروں' نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں' ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت' طوائف (رنڈی) کے معاوضہ اور کاہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۷۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۵۹' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۰۷۹' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۶۸' شرح السنۃ' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۳۰' المعجم الکبیر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۷۳۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۳۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۶' ص ۲۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۶' ص ۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی' یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' تو وہ اس (دین) سے بری ہو گیا' جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۰۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' یا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا' اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۱۶۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اثرم کا حضرت ابوہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر' ج ۱' ص ۱۸) امام ابن عدی نے اس کو ضعفاء میں بیان کیا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء' ج ۲' ص ۷۳۴) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے' وہ کافر ہو گیا اور اگر وہ ناجائز اور گناہ سمجھ کر یہ کام کرے' تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

عرب میں کاہن تھے اور وہ متعدد امور کی معرفت کا دعویٰ کرتے تھے' ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ جن آکر ان کو خبریں دیتے ہیں' اور بعض یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مستقبل کے امور کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں' اور بعض عراف کہلاتے تھے جو قرائن اور اسباب سے مختلف چیزوں کا پتا چلا لیتے تھے۔ مثلاً بتاتے تھے فلاں شخص نے چوری کی ہے اور فلاں شخص نے فلاں عورت

سے بدکاری کی ہے' اور بعض نجومی اور ستارہ شناس کو کاہن کہتے تھے۔ حدیث میں ان تمام لوگوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے' اور ان کے اقوال اور ان کی خبروں کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(معالم السنن' ج ۵' ص ۱۷۱' ۷۰-۳' ۳' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

کسی درپیش مہم کے متعلق استخارہ کرنے کی ہدایت

بہرحال! جو شخص بھی غیب کی خبروں کے جاننے کا دعویٰ کرے' وہ کافر ہے۔ خواہ وہ کاہن ہو' نجومی ہو' یا دست شناس ہو' اور جو شخص اس کی خبر کی تصدیق کرے' وہ بھی کافر ہے۔ اور جن لوگوں کو مستقبل میں کسی کام کے متعلق تردد ہو' مثلاً کسی جگہ رشتہ کرنا ہے' کسی شخص کے ساتھ شراکت میں کوئی کاروبار کرنا ہے' کسی جگہ سفر پر جانا ہے اور اب وہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ کام اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں' تو اس کے لیے کسی نجومی وغیرہ کے پاس نہ جائے' بلکہ شریعت نے اس کے لیے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے' سو وہ اس کے لیے استخارہ کرے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے' پھر یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں' میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کردے' اور میرے لیے آسان کردے' پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو' تو اس کام کو مجھ سے دور کردے' اور مجھے اس کام سے دور کردے' اور میرے لیے خیر کو مقدر کردے' جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعا میں اپنے اس کام کا نام بھی لے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۶۲' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۷۹' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۳' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۷۱۳)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر ایک بار دعاء استخارہ کرنے کے بعد آدمی کا دل کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف نہ جھکے تو آیا دوبارہ یہ عمل کرنا مشروع ہے یا نہیں' حتیٰ کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق شرح صدر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ صلاۃ استخارہ اور دعا کو بار بار کرنا مستحب ہے۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو' پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس جانب مائل ہوتا ہے' بس خیر اسی میں ہے۔ امام عقیلی اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے' اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ساقط ہے' اور اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ صلاۃ استخارہ کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل یاایھا

الکافرون" پڑھے' اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل ھواللہ احد" پڑھے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اسی طرح لکھا ہے' اور ہمارے شیخ زین الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے' صلاۃ استخارہ میں کسی سورت کی قرأت کرنا معین نہیں ہے' اور کسی حدیث میں اس تعین کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ۷' ص ۲۲۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی ﷺ پر صلوۃ پڑھے اور پہلی رکعت میں قرأت کے بعد یہ زیادہ پڑھے (وربک یخلق ما یشاء ویختار) اور اس کو یعلنون تک پڑھے اور دوسری رکعت میں (وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ الآیہ) پوری آیت پڑھے اور استخارہ کا عمل سات مرتبہ کرے' جیسا کہ امام ابن السنی نے (عمل الیوم واللیلہ میں) روایت کیا ہے' اور شرح الشرعہ میں مذکور ہے کہ مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ نماز استخارہ پڑھ کر اور دعاء مذکور کرنے کے بعد باوضو قبلہ کی طرف منہ کرکے سو جائے' اگر اسے خواب میں کوئی سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو یہ کام اس کے لیے شر ہے اور اس کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(ردالمحتار' ج ۱' ص ۴۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قرائن کی بناء پر مستقبل کے ظنی ادراک حاصل کرنے کا حکم

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں جب تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا فسق ہے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ نبی ﷺ فال (نیک شگون) کو پسند کرتے تھے اور تیروں سے اپنے سفر یا مستقبل کے کسی کام کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی ایک قسم کی فال ہے تو پھر تیروں کے ذریعہ فال نکالنے کو کیوں فسق فرمایا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ واحدی نے کہا ہے کہ تیروں سے فال نکالنا یا قسمت کا حال معلوم کرنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں غیب کی معرفت کی طلب ہے اور یہ حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان: ۳۴)	اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔
قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: ۶۵)	آپ کہئے کہ اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے' وہ (بذاتہ) غیب کو نہیں جانتا۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا یا جس شخص نے تیروں کے ذریعہ قسمت کو معلوم کیا' یا کسی چیز سے جو فال نکال کر سفر سے واپس ہوا' وہ قیامت کے دن جنت کے بلند درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۵۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اور کوئی معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر علامات متعارفہ کے ذریعہ ظنی علم حاصل کرنا (مثلاً موسمی علامات کے ذریعہ درجہ حرارت' یا بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا علم حاصل کرنا' یا جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سورج اور چاند کے گہن لگنے کا علم حاصل کرنا) معرفت غیب کی طلب ہو' تو پھر خواب کی تعبیر معلوم کرنے کا علم بھی کفر ہونا چاہیے' کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے' اور کسی چیز سے نیک فال نکالنا بھی کفر ہونا چاہیے' کیونکہ یہ بھی غیب کی طلب ہے' اور جو اصحاب کرامات اور اولیاء اللہ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں' وہ بھی کافر ہونے چاہئیں' اور یہ بداہۃً معلوم ہے کہ ان امور کا کفر ہونا باطل ہے' کیونکہ یہ تمام امور شریعت

سے ثابت ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز میں بدشگونی نہیں ہے' اور سب سے عمدہ چیز فال ہے۔ انہوں نے پوچھا' یارسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ (صحیح البخاری' ٥٧٥٥' صحیح مسلم' ٢٢٢٣) کسی ناپسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بدشگونی ہے۔ عرب جب کہیں جانا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھگاتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا' تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر پر نہ جاتے' یا جو کام کرنا ہوتا نہ کرتے' اور فال کا معنی نیک اور اچھی بات ہے جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے جاتے' تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے یا راشد (اے ہدایت یافتہ) یا نجیح (اے کامیاب)۔ (سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٦٢٢)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے' جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے' اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا' تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی' اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا' تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٩٢٠' مسند احمد' ج ١' ص ١٨٠' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' طبع قدیم)

سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں غیب کے جس علم کی طلب سے منع فرمایا ہے' اس سے مراد غیب کا یقینی اور قطعی علم ہے اور علامات' آلات اور علم تعبیر اور فال سے جو غیب کا ادراک حاصل ہوتا ہے' وہ محض ظن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ ظن قوی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ ظن ضعیف ہوتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ جو ان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں' وہ بتوں کے تصرف سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کا یہ عقیدہ فسق تھا' اس لیے فرمایا: کہ یہ فسق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "آج کفار تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہوگئے' سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو"۔ (المائدہ: ٣)

شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی کی تکفیر مسلمین پر بحث و نظر

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند محرمات کے کھانے سے منع فرمایا' جن کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے اور تیروں سے قسمت کا حال دریافت کرنے سے منع فرمایا۔ اور آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں احکام شرعیہ کے عمل پر برانگیختہ فرمایا' اور ان کو غلبہ کی بشارت دی' تاکہ شریعت پر عمل کرنے کا عزم اور قوی ہو اور ان کی شجاعت اور زیادہ ہو۔ یہ آیت دس ہجری حجۃ الوداع کے سال عرفہ کے دن نازل ہوئی' وہ دن جمعہ کا تھا' اور اس میں فرمایا کفار تمہارے دین کو باطل کرنے اور تم پر غلبہ پانے سے اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف تمہارے لوٹ جانے سے مایوس ہو چکے ہیں' اور شیطان بھی مایوس ہوگیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں یہ یوم عرفہ تھا اور اس دن جمعہ تھا جب نبی

ﷺ نے میدان عرفات پر نظر ڈالی تو آپ کو موحدین کے سوا کوئی نظر نہیں آیا' اور آپ نے کسی مشرک کو نہیں دیکھا' تب آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان' جز٦' ص ١٠٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گیا ہے' لیکن وہ ان (مسلمانوں) کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔

(صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٨١٢' مسند احمد' ج ٣' ص ٣٨٤-٣٥٤' ج ٤' ص ١٢٦)

اس آیت اور ان احادیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزیرۂ عرب اور خصوصاً حرمین طیبین میں شیطان کی عبادت نہیں ہو سکتی' نہ بت پرستی ہوگی اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ترکوں کے دور میں حرمین شریفین میں جو اہل سنت کے معمولات تھے۔ مسلمان روضہ انور کی جالیوں کو چومتے تھے اور نبی ﷺ سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے' اسی طرح افاضل صحابہ اور اہل بیت کرام کی قبور سے استمداد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں تھی' اور نہ شیطان کی عبادت تھی' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

بارھویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی کا ظہور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا' اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے' وہ کافر ہے' اور اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوھاب متوفی ١٢٠٦ھ نے لکھا ہے:

تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوتے' اور فرشتوں اور نبیوں کی شفاعت کا ارادہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے وسیلہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا مباح ہو گیا ہے۔ (کشف الشبہات' ص ٩' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ)

شیخ مذکور کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوھاب نے شیخ مذکور کے رد میں سطور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس قدر چاہا' اپنے غیب سے مطلع فرمایا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' اس کی خبر دے دی' اور رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے' اور شداد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ جزیرۂ عرب میں بت پرستی نہیں ہوگی اور تمہارا مذہب ان حدیثوں کے برعکس ہے' کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گردو نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں' اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے' اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں۔ حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برأت کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے' اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے' وہ بھی کافر ہے۔ سو یہ تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔ نیز امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان ہمیشہ کے لیے اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ البتہ! تمہاری آپس کی لڑائیوں میں اس کی پیروی ہوتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کبھی خلاف واقع خبر نہیں دیتے اور جن چیزوں (توسل اور طلب شفاعت) کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو' ان کے مرتکبین کو بت پرست کہتے ہو' ان

تمام امور پر تمام اہل مکہ 'ان کے عوام 'امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے عمل پیرا ہیں 'اور تمہارا گمان ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور یہ احادیث تمہارے زعم فاسد کا رد کرتی ہیں۔ (الصواعق الالہیہ 'ص ۴۷-۴۶ 'مطبوعہ مکتبہ المشیق 'استنبول)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں ہمارے زمانہ میں محمد بن عبد الوہاب کے متبعین نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ یہ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں 'لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے مخالف ہوں وہ مشرک ہیں۔ انہوں نے اہل سنت کے قتل اور ان کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔

(رد المحتار 'ج ۳ 'ص ۳۰۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

شیخ محمد انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں رہا محمد بن عبد الوہاب نجدی تو وہ پلید شخص تھا 'کم علم تھا 'اور وہ بہت جلد کفر کا حکم لگاتا تھا۔ حالانکہ تکفیر اس شخص کو کرنی چاہیے جس کا علم بہت پختہ ہو 'اور وہ حاضر دماغ ہو 'اور کفر کی وجوہ اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔ (فیض الباری 'ج ۱ 'ص ۱۷۱ 'مطبوعہ مطبعہ الحجازی 'القاہرہ '۱۳۵۷ھ)

سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں اور شیخ نجدی بہ صراحت کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے 'اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے۔ خواہ وہ انتہائی پرہیزگار شخص ہی کیوں نہ ہو 'وہ ایسے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کرا دیتا 'اور ان کے مال و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا 'اس کو مومن قرار دیتا۔ خواہ وہ شخص بد ترین فاسق ہو۔ (خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام 'ص ۲۳۳ 'مطبوعہ مکتبہ المشیق 'استنبول)

سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتداء تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ (یہ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں مر گیا۔ سعیدی غفرلہ) اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا 'اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا 'ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا 'ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا 'اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکالیف شاقہ پہنچائیں 'سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے 'بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا 'اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی و خونخوار شخص تھا۔ (شہاب ثاقب 'ص ۴۲ 'مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ 'دیوبند 'ضلع سہارن پور)

نیز حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

۱- محمد بن عبد الوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں 'اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے 'چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے۔

۲- نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے 'جب تک وہ دنیا میں تھے 'بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (شہاب ثاقب 'ص ۴۳)

۳- زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت 'حرام وغیرہ لکھتا ہے 'اس طرف اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔ بعض ان میں کے سفر زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں 'اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کو نہیں پڑھتے 'اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (شہاب ثاقب 'ص ۴۵)

٤۔ شان نبوت و حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں' اور اپنی شقاوت قلبی و ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں' اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان کی ذات پاک سے بعد وفات ہے' اور اسی وجہ سے توسل دعا میں آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے: نقل کفر' کفر نہ باشد' کہ ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے' ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں' اور ذات فخر عالم ﷺ تو یہ بھی نہیں کر سکتے (شہاب ثاقب' ص ٤٧)

٥۔ وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو و بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں' اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں' اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستقبح' بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٥٩)

٦۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالت جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے' چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں' لیکن عمل در آمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے' بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں' اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٣-٦٢)

٧۔ مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواء ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ مسئلہ نداء رسول ﷺ میں وہابیہ مطلقاً منع کرتے ہیں۔ (الی قولہ) چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کو سخت منع کرتے ہیں' اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں' اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغہ نداء و خطاب کیوں نہ ہو' مستحب و مستحسن جانتے ہیں' اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (الی قولہ) وہابیہ نجدیہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یارسول اللہ میں استعانت بغیر اللہ ہے اور وہ شرک ہے' اور یہ بھی ان کے نزدیک سبب مخالفت کی ہے' حالانکہ یہ اکابر مقدسان دین متین اس کو ان اقسام استعانت میں سے شمار نہیں کرتے جو کہ مستوجب شرک یا باعث ممانعت ہو۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٥-٦٣' ملخصاً)

٨۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلوۃ و سلام و درود بر خیر الانام علیہ السلام اور قرات دلائل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و ورد بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں' اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً

یا اشرف الخلق ما لی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

"اے افضل مخلوقات میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں' بجز تیرے' بروقت نزول حوادث"۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٦)

٩۔ وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کو پہنچا دیتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٧)

١٠۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کو خالی

جانتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٧)

١١- وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کو قبیح بدعت کہتے ہیں' اور علی ھذا القیاس اذکار اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٧)

وہابیہ نے علماء حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے جبکہ وہ غلبہ کرکے حرمین شریفین پر حاکم ہو گئے تھے' ہزاروں کو تہ تیغ کرکے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں' بار بار ان سے مباحثے ہوئے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابران کے سخت مخالف ہیں۔ (شہاب ثاقب' ص ٦٨-٦٧' مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ' دیوبند' ضلع سہارنپور)

شیخ خلیل انبیٹھوی نے ایک کتاب لکھی ہے "التصدیقات لدفع التلبیسات" اس میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک محمد بن عبدالوہاب کا وہی حکم ہے جو صاحب الدر المختار نے خوارج کا لکھا ہے۔ اور جو علامہ شامی نے محمد بن عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی' شیخ شبیر احمد عثمانی' شیخ حبیب الرحمن اور دیگر اکابر دیوبند نے اس کی تصدیق کی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی' متوفی ١٣٠٧ھ لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں' کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے' وہ اپنے دل میں محمد بن عبدالوہاب کے خلاف سخت غم و غصہ لے کر آتا ہے۔ (سوانح العوائد من عیون الاخبار و الفوائد' ص ٣٨)

حضرت علی کی خلافت کا غیر منصوص ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار آج تمہارے دین (کی ناکامی) سے مایوس ہو گئے۔ پھر اس کو موکد فرمایا' تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص اور واجب الاطاعت نہیں تھی' ورنہ جو شخص اس نص کو چھپانے کا ارادہ کرتا یا اس میں تغیر اور تحریف کا ارادہ کرتا' وہ اس دین کی ناکامی سے مایوس ہو جاتا' جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور صحابہ میں سے کوئی شخص بھی اس نص کو چھپانے پر قادر نہ ہوتا۔ اور جب اس نص کا کہیں کوئی ذکر نہیں آیا' کسی حدیث اور کسی اثر میں اس کا بیان نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ شیعہ اور رافضیوں کا یہ پروپیگنڈا باطل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص صریح تھی' اور صحابہ نے اس کو چھپالیا۔ کیونکہ اگر اس نص کا تعلق دین کی کامیابی اور اس کے غلبہ سے ہوتا' جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے' تو پھر اس کے چھپانے سے دین کے مخالف مایوس ہو چکے تھے اور شیعہ صحابہ کو دین کا مخالف اور کافر ہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا' اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کر لیا (المائدہ: ٣)

تدریجاً احکام کا نزول دین کے کامل ہونے کے منافی نہیں

یہ آیت حجۃ الوداع کے سال دس ہجری کو عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے' اور اس دن دین کامل ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سے پہلے دس سال تک دین ناقص رہا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں فرائض اور واجبات اور محرمات اور مکروہات پر مشتمل احکام کا نزول تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا نزول بھی تدریجاً ہوا ہے اور اس آیت میں دین کے کامل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اصول اور فروع' عقائد اور احکام شرعیہ کے متعلق جتنی آیات نازل ہونی تھیں' وہ تمام آیات اللہ تعالیٰ نے نازل کر دی ہیں۔ عقائد کے باب میں تمام آیات نازل کر دی گئیں۔ اسی طرح قیامت تک پیش آنے والے مسائل اور

حوادث کے متعلق تمام احکام کے متعلق آیات نازل کر دی گئیں' اور ان کی تشریح زبان رسالت سے کر دی گئی ہے۔ دین اسلام تو ہمیشہ سے کامل ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لیے اس کا بیان تدریجاً فرمایا' کیونکہ جو لوگ کفر اور برائی میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے' اگر ان کو یک لخت ان تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی طبیعت پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی سہولت کی خاطر اس کا بیان رفتہ رفتہ اور تدریجاً فرمایا' اور آج یہ بیان اپنے تمام و کمال کو پہنچ گیا۔

اسلام کا کامل دین ہونا ادیان سابقہ کے کامل ہونے کے منافی نہیں

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اسلام کو کامل دین فرمایا ہے' تو کیا حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ' اور دیگر انبیاء سابقین کا دین کامل نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ادیان سابقہ اپنے اپنے زمانوں کے لحاظ سے کامل تھے۔ ان کے زمانوں میں تہذیب و تمدن کے جو تقاضے تھے اور ان کی رعایت سے جس طرح کے شرعی احکام ہونے چاہئیں تھے' اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی احکام نازل فرمائے' پھر حالات کے بدلنے اور تہذیب و ثقافت کی ترقی سے تقاضے بدلنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر بعد کی شریعت میں پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے اور نسخ احکام کا یہ سلسلہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک جاری رہا' بلکہ آپ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کیے گئے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی حکم منسوخ نہیں ہو گا اور اب جس قدر احکام ہیں' وہ سب محکم ہیں اور ناقابل تنسیخ ہیں' اور قیامت تک یہ تمام احکام نافذ العمل رہیں گے' الا یہ کہ جس حکم کی مدت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دی ہے۔ مثلاً جزیہ کی مدت نزول عیسیٰ علیہ السلام تک ہے' اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس وقت سب مسلمان ہو جائیں گے۔ لہٰذا کسی سے جزیہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادیان سابقہ میں سے ہر دین کامل تھا' لیکن اس کا کمال اضافی تھا' وہ دین جس زمانہ اور جس قوم اور جس علاقہ کے لیے تھا' اس کے لحاظ سے وہ دین کامل تھا اور اسلام بھی دین کامل ہے اور اس کا کمال حقیقی ہے' یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے کامل ہے' تمام لوگوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے اب یہی دین ہے اور یہی کمال حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ٢٨)	اور ہم نے آپ کو قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا در آنحالیکہ آپ خوشخبری دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔
تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: ١)	وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر کتاب فیصل نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ٨٥)	جس شخص نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا' تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (ایسا کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غنیمتیں میرے لیے حلال کر دی گئیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (آلہ تیمم) اور مسجد بنا دیا گیا' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا' اور حضرت جابر کی روایت میں ہے ہر نبی کو بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث

کیا جاتا تھا' اور مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳-۵۲۱' سنن ترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۵۹)

قرآن مجید کی آیات اور اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو قیامت تک تمام لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا ہے' اور اسکا معنی یہ ہے کہ آپکی شریعت قیامت تک کیلئے ہے' اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ سو واضح ہو گیا کہ باقی ادیان اپنے اپنے زمانوں کے اعتبار سے کامل تھے' اور اسلام قیامت تک کیلئے کامل دین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اسلام کے متعلق فرمایا: کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔

یوم میلاد النبی ﷺ کا عید ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ بیان کرتے ہیں: یہ آیت حجۃ الوداع کے سال یوم عرفہ کو بروز جمعہ نازل ہوئی' اس کے بعد فرائض سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی' نہ حلال اور حرام سے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف اکیس روز زندہ رہے۔ ابن جریج سے اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

(جامع البیان 'جز ٦' ص ۱۰٦' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی "الیوم اکملت لکم دینکم" الایۃ تو اس یہودی نے کہا اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے' یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کو۔ (سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی مسلمانوں کی عید ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی صرف دو عیدیں ہیں' انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشہور عیدیں صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں جن کے مخصوص احکام شرعیہ ہیں۔ عید الفطر میں صبح افطار کیا جاتا ہے' اس کے بعد دو رکعت نماز عید گاہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور عید الاضحیٰ میں پہلے نماز اور خطبہ ہے اور اس کے بعد صاحب نصاب پر قربانی کرنا واجب ہے۔ جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے اور اس میں ظہر کے بدلہ میں نماز اور خطبہ فرض کیا گیا ہے' اور عرفہ کے دن غیر حجاج کے لیے روزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس سے دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر (قربانی کا دن) کے ساتھ مخصوص ہے' اور جبکہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خوشی حاصل ہو اور اس پر قرآن مجید کی اس آیت میں دلیل ہے:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا' اے اللہ! ہمارے رب! آسمان سے ہم پر کھانے کا خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی۔

(المفردات 'ص ۳۵۲' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ 'ایران' ۱۳٦۲ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عید ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی' وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفاً عید ہے' شرعاً عید نہیں ہے' اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی ﷺ کی ولادت کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بارہ ربیع الاول نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے اور بعض اقوال کے مطابق آپ کا یوم وفات بھی یہی ہے۔ تم اس دن نبی ﷺ کی ولادت پر خوشی مناتے ہو۔ اس دن آپ کی وفات پر سوگ کیوں نہیں مناتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں نعمت پر خوشی منانے' اس کا اظہار اور بیان کرنے کا تو حکم دیا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے پر سوگ منانے سے منع کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم غم اور سوگ کیوں کریں؟ نبی ﷺ جس طرح پہلے زندہ تھے' اب بھی زندہ ہیں۔ پہلے دار التکلیف میں زندہ تھے' اب دار الجزاء اور جنت میں زندہ ہیں' آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' نیک اعمال پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال پر آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ آپ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں' طالبین شفاعت کے لیے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مطالعہ اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں اور آپ کے مراتب اور درجات میں ہر آن اور ہر لحظہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس میں غم کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جبکہ آپ نے خود یہ فرمایا ہے میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ' ص ٨١٠)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی' ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول کریم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بنا دی' اس روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہ و تابعین اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔ (معارف القرآن' ج ٣' ص ٣٥' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ١٣٩٧ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٦ھ نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں۔ اس تہوار کو' جس کو ھادی اسلام ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی تہوار ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا' حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس! اس تہوار کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے' لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔

(ہفت روزہ قندیل' لاہور' ٣ جولائی ١٩٦٦ء)

عام طور پر شیخ محمد بن عبد الوہاب کے متبعین اور علماء دیوبند یہ تاثر دیتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' بلکہ ہمیشہ سے اہل اسلام ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں' اور ان ایام کو عید مناتے رہے ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

ہمیشہ سے اہل اسلام رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے رہے ہیں اور دعوتیں کرتے رہے ہیں' اور اس مہینہ کی راتوں میں مختلف قسم کے صدقات کرتے ہیں' خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اور نیک اعمال زیادہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی برکت سے ان پر فضل عام ظاہر ہوتا ہے۔ میلاد شریف منعقد کرنے سے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنا نیک مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جس

نے مولود مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنادیا۔(المواہب اللدنیہ 'ج ا'ص ۸۷ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ 'بیروت ۱۴۱۶ھ)
علامہ قسطلانی نے علامہ محمد بن محمد ابن الجزری متوفی ۸۳۳ھ کی اس عبارت کو ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس محفل کے انعقاد کا اہتمام نہیں ہوتا تھا' لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ اس عمل میں بعض دنیادار لوگوں نے جو منکرات شامل کر لیے ہیں' علامہ ابن الحاج مالکی نے مدخل میں ان کا رد کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس مہینہ میں نیکی کے کام زیادہ کرنے چاہئیں اور صدقات' خیرات اور دیگر عبادات کو بہ کثرت کرنا چاہیے' اور یہی مولود منانے کا مستحسن عمل ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابوسعید متوفی ۶۳۰ھ نے سب سے پہلے میلاد النبی کی محفل منعقد کی۔ یہ بہت بہادر عالم' عاقل' نیک اور صالح بادشاہ تھا' یہ تین سو دینار خرچ کر کے بہت عظیم دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ (شرح المواہب اللدنیہ 'ج ا'ص ۱۳۹ 'مطبوعہ دارالمعرفہ 'بیروت' ۱۳۹۳ھ)
شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ہم نے بہت تفصیل سے میلاد النبی منانے پر بحث کی ہے اور علامہ سیوطی' ملا علی قاری اور دیگر علماء نے کتاب و سنت سے جو میلاد النبی کی اصل نکالی ہے اور معترضین کے جوابات دیئے ہیں اور اس پر دلائل فراہم کیے ہیں' ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ بعض شہروں میں میلاد النبی کے جلوس میں بعض لوگ باجے گاجے اور غیر شرعی کام کرتے ہیں اور ہمارے علماء ہمیشہ اس سے منع کرتے ہیں۔ تاہم اکثر شہروں میں بالکل پاکیزگی کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے۔ میں دو مرتبہ برطانیہ گیا اور میں نے وہاں اس مہینہ میں متعدد جلوسوں میں شرکت کی۔ ان جلوسوں میں نعت خوانی اور ذکر اذکار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا' کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوتا اور تمام شرکاء جلوس باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور بعد ازاں جلسہ ہوتا ہے' جس میں نبی ﷺ کے فضائل اور محامد بیان کیے جاتے ہیں۔
پہلے دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء عید میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے پر انکار کرتے تھے' لیکن اب تقریباً پندرہ بیس سال کے عرصہ سے دیوبند اور جماعت اسلامی کے مقتدر علماء میلاد النبی ﷺ کا جلوس نکالنے اور اس میں شرکت کرنے لگے ہیں اور سپاہ صحابہ کے اکابر علماء حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ایام بھی منانے لگے ہیں۔ ان دنوں میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے ان ایام میں سرکاری تعطیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔
مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ عید میلاد النبی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے' اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جس کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے' اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنادیا۔
(معارف القرآن' ج ۳'ص ۳۴ 'مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۳۹۷ھ)
لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء دیوبند کی طرف سے نہ صرف ایام صحابہ منائے جاتے ہیں' بلکہ وہ اپنے اکابرین مثلاً شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کے ایام بھی مناتے ہیں اور دیوبند کا صد سالہ جشن بھی منایا گیا۔ ہم پہلے میلاد النبی کے جلسوں اور جلوسوں میں مقتدر علماء دیوبند کی شرکت کو باحوالہ بیان کریں گے۔ پھر ایام صحابہ اور ایام اکابرین دیوبند کو ان حضرات کا منانا بیان کریں گے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے:
پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد

حاصل کر لیا ہے جس کے لیے اس نے ان تھک اور مسلسل تحریک چلائی تھی۔ وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں' امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل' وفاقی وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الٰہی اور مسلم لیگ چٹھہ گروپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔ تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی' جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پہنچ کر ختم ہوا' جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی قیادت میں نماز مغرب ادا کی۔ (روزنامہ جسارت' ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمایئے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا' تقریبات کا آغاز ۲۱ توپوں کی سلامی سے ہو گا' گورنر کی صدارت میں جلسہ ہو گا' شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے' نشتر پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ' کراچی' ۹ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ حریت کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہو گا۔ مفتی محمود نے کہا' معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا' عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت' ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

لاہور ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس کی قیادت کریں گے' یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہو گا۔

(روزنامہ مشرق' کراچی' ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء)

جمعیت علماء اسلام کے مولانا محمد اجمل خاں نے مطالبہ کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منائے جائیں۔

(روزنامہ جنگ' لاہور' ۲۰ جون ۱۹۹۲ء)

سپاہ صحابہ کے سربراہ ضیاء الرحمٰن فاروقی نے اعلان کیا ہے کہ یکم محرم کو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت منایا جائے گا' اور جلوس بھی نکالے جائیں گے۔ (نوائے وقت لاہور' ۲۳ جون ۱۹۹۳ء)

سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی نے یکم محرم الحرام کو یوم فاروق اعظم کی سرکاری تعطیل پر کہا ہے کہ آج کا دن عید کا دن ہے۔ (نوائے وقت' ۱۷ جون ۱۹۹۴ء)

سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام گزشتہ روز ۲۲ فروری کو پورے ملک میں مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا یوم شہادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ سپاہ صحابہ جھنگ کے زیر اہتمام احرار پارک محلہ حق نواز شہید میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق ایم۔ این۔ اے نے کہا کہ ۲۲ فروری کی نسبت سے حضرت جھنگوی شہید کی شہادت کا دن ہے۔ اور ۲۱ رمضان المبارک کی نسبت کی وجہ سے یہی دن حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شہادت کا دن ہے۔ (نوائے وقت' لاہور' ۲۳ فروری ۱۹۹۵ء)

سپاہ صحابہ کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی کی دوسری برسی کے موقع پر ۲۲ فروری کو پاکستان سمیت دیگر ممالک میں مولانا جھنگوی کی یاد میں سپاہ صحابہ جلسے' سیمینار اور دیگر تقریبات منعقد کرے گی۔ سپاہ صحابہ کے تمام مراکز و دفاتر میں ایصال ثواب کے لیے صبح نو بجے قرآن خوانی ہوگی۔ مرکزی تقریب جھنگ میں مولانا جھنگوی کی مسجد میں قرآن خوانی سے شروع ہوگی اور بعد میں عظیم الشان جلسہ ہوگا' جس میں قائدین خطاب کریں گے۔ (نوائے وقت لاہور' ۲۱ فروری ۱۹۹۲ء)

یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ

خلفائے راشدین کے یوم سرکاری سطح پر نہ منانا ناقابل فہم ہے' محمد احمد مدنی کا مظاہرین سے خطاب۔

کراچی (پ ر) سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام یوم شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عقیدت و احترام سے منایا گیا' اس سلسلے میں جامعہ صدیق اکبر ناگن چورنگی میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ڈویژنل رہنما علامہ محمد اویس نے حضرت عمر فاروق کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں یوم شہادت حضرت عمر فاروق پر عام تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کے تحت احتجاجی مظاہرہ کیا گیا' مظاہرین پلے کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے' جن پر یوم خلفائے راشدین کو سرکاری سطح پر منانے' اس روز عام تعطیل کرنے' اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لٹریچر کی ضبطی اور اسیر رہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی پر مشتمل مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا محمد احمد مدنی نے کہا کہ ملک میں ملکی اور علاقائی سطح کے رہنماؤں کے یوم منائے جاتے ہیں' لیکن اسلامی ملک میں خلفائے راشدین کے یوم پر تعطیل نہ کرنا ناقابل فہم ہے۔ اس موقع پر ایک قرارداد کے ذریعے مولانا علی شیر حیدری' مولانا اعظم طارق' حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ' مولانا غفور ندیم اور دیگر کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ دریں اثناء سپاہ صحابہ اسٹوڈنٹس کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری حافظ سفیان عباسی' شفیق الرحمن' ابو عمار' جی۔اے قادری اور ایم۔اے کشمیری نے مظاہرہ میں شرکت پر طلبہ کا شکریہ ادا کیا۔

(روزنامہ جنگ' کراچی' ۱۰ مئی ۱۹۹۷ء)

عشرۂ حکیم الامت منایا جائے گا' مفتی نعیم

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے کہا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تعلیمی' تصنیفی اور اصلاحی خدمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں' جسے کوئی بھی عاشق رسول اور محب پاکستانی فراموش نہیں کر سکتا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا' کہ ہمارا بزرگوں کے ساتھ لگاؤ اور تعلق اظہر من الشمس ہے۔ اجلاس میں سنی مجلس عمل پاکستان کے زیر اہتمام عشرۂ حکیم الامت منانے کا اعلان کرتے ہوئے مفتی محمد نعیم نے کہا کہ کراچی کے تمام اضلاع میں مولانا اشرف علی تھانوی کی یاد میں مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔ (روزنامہ جنگ' کراچی' ۳۰ جون ۱۹۹۷ء)

کراچی (پ ر) سنی مجلس عمل پاکستان کے قائد مولانا مفتی محمد نعیم نے جامع مسجد صدیق اورنگی ٹاؤن میں عشرہ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مذہب کسی پر بلا تحقیق بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جھوٹ' فریب اور غیبت سے پرہیز کیا جائے۔ اجتماع سے مولانا غلام رسول' مولانا انصر محمود اور مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا۔ (روزنامہ جنگ' کراچی ۴ جولائی ۱۹۹۷ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر (کوئی حرام چیز کھالے) درآنحالیکہ وہ اس کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو' تو بے شک اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے (المائدہ: ۳)

ضرورت کی بنا پر حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا کھانا مسلمانوں پر عام حالات میں حرام کر دیا ہے' اس سے ضرورت کے احوال مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بھوک کی شدت سے کسی شخص کی جان نکل رہی ہو اور اس کے پاس کوئی حلال چیز کھانے کے لیے نہ ہو تو وہ رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے حرام چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے اس حرام چیز کھانے کا شوق اور میلان نہ ہو اور وہ طبعاً اس کی طرف راغب نہ ہو اور جس چیز کو کسی ضرورت کی بناء پر لیا جائے اس کو بہ قدر ضرورت لیا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اتنی مقدار میں حرام چیز کھائی جائے جتنی مقدار میں کھانے سے اس کی جان بچ جائے اور لذت اندوزی کے لیے اس حد سے تجاوز نہ کرے' ان چیزوں کا کھانا ہرچند کہ بندوں پر حرام ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم و کریم ہے اور وہ ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار کھانے کو معاف کر دے گا۔ اسی اصول پر ہمارے فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جان بچانے کے لیے حرام دوا کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی مسلمان معالج یہ بتائے کہ اس کے علم اور اس کی دسترس میں اس کے سوا اور کوئی حلال چیز ذریعہ علاج نہیں ہے۔ لہٰذا جان بچانے کے لیے کسی انسان کو خون دیا جا سکتا ہے' اور جن دواؤں میں الکحل ہوتی ہے ان کو بھی علاج کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ قلیل الکحل حرام اور نجس نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ نمکیات سے مخلوط ہو۔ اس کی مکمل اور باحوالہ بحث (البقرہ' ١٧٣) میں گزر چکی ہے اور شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بھی ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں' درآنحالیکہ تم انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو' تم انہیں اس طرح سکھاتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ سو اس (شکار) سے کھاؤ' جس کو وہ (شکاری جانور) تمہارے لئے روک رکھیں اور (شکار چھوڑتے وقت اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (المائدہ: ٤)

زیر بحث آیت کا معنی اور شان نزول

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول معظم! آپ سے آپ کے اصحاب یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے کھانے کے لیے کون سے جانور حلال ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ جن جانوروں کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے' ان کو ذبح کرنے کے بعد تم کھا سکتے ہو اور تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے جن جانوروں کو زخمی کر کے شکار کر لیا ہے' ان کو بھی تم کھا سکتے ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے' تمہارے لیے طیبات کو حلال کر دیا ہے' طیبات کا معنی ہے وہ چیزیں جن سے طبائع سلیمہ گھن نہ کھاتی ہوں اور متنفر اور متوحش نہ ہوں۔ یہ بلخی کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ طیبات وہ چیزیں ہیں جن کی تحریم میں نص وارد نہ ہو' نہ ان کی حرمت پر اجماع ہو اور نہ قیاس سے ان کی حرمت ثابت ہو۔ پہلے قول کی بناء پر اس سے مراد لذیذ اشیاء ہیں' اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حلال اشیاء ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حلال اور لذیذ چیزیں ہیں۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا' یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اجازت دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے کہا' لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے ہر کتے کو قتل

کردوں! سو میں نے کتوں کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک عورت کے پاس پہنچا جس کے پاس کتا بھونک رہا تھا' میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا' پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا' پھر میں نے اس کو بھی قتل کر دیا' پھر مسلمانوں نے آکر آپ سے پوچھا' یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں ان کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کی کوئی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی! آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ آپ کہئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے شکاری جانور سدھا لیے ہیں' درآنحالیکہ تم انہیں شکار کے طریقہ سکھانے والے ہو۔ الآیہ۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ١١٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ٢٣٥' المستدرک' ج ٢' ص ٣١١)

شکار کی اقسام اور ان کے شرعی احکام

علامہ نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

شکار کرنا مباح ہے' اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کتاب' سنت اور اجماع سے اس پر بکثرت دلائل ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص کسب معاش کے لیے شکار کرے' یا ضرورت کی بناء پر شکار کرے' یا شکار یا اس کی قیمت سے نفع حاصل کرنے کے لیے شکار کرے تو ان تمام صورتوں میں شکار کرنا جائز ہے۔ البتہ! جو شخص بطور لہو و لعب کے شکار کھیلے' لیکن اس کا قصد اس شکار کو ذبح کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو' اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے' اور لیث اور ابن عبدالحکم نے اس کو جائز کہا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کی نیت کے بغیر شکار کھیلے تو یہ حرام ہے' کیونکہ یہ زمین میں فساد کرنا ہے' اور ایک جاندار کو بے مقصد ضائع کرنا ہے۔

(شرح مسلم' ج ٢' ص ١٤٥' مطبوعہ کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ لکھتے ہیں:

علامہ لخمی نے شکار کے حکم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ (١) زندگی برقرار رکھنے کے لیے' یعنی کھانے پینے کے لیے شکار کرنا مباح ہے (٢) اہل و عیال کی تنگی کے وقت یا سوال سے بچنے کے لیے شکار کرنا مستحب ہے (٣) اپنے آپ کو بھوک کی ہلاکت سے بچانے کے لیے شکار کرنا واجب ہے (٤) لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے' جبکہ شکار کے بعد جانور کو ذبح کر کے کھا لیا جائے۔ (٥) ذبح کرنے اور کھانے کی نیت کے بغیر شکار کرنا حرام ہے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں' بلا ضرورت محض لہو و لعب کے لیے شکار کرنے میں بہت مفاسد ہیں۔ اس میں گھوڑے کو کتے کے پیچھے بھگا کر تھکانا ہے اور اگر باز سے شکار کیا جائے تو نظر کو اس کے پیچھے لگا کر تھکانا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کو کسی کھائی یا کنوئیں میں گرا دے۔ (اکمال اکمال المعلم' ج ٥' ص ٢٦٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

شکار کی شرائط کا بیان

شمس الائمہ علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ٤٨٣ھ لکھتے ہیں:

١۔ جس جانور کے ساتھ شکار کھیلا جائے' وہ سدھایا ہوا ہو۔

٢۔ جس جانور کے ساتھ شکار کیا جائے وہ زخمی کرنے والا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله" اور جن شکاری جانوروں (زخمی کرنے والے) کو تم نے سدھا لیا ہے' جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق تم شکار کی تعلیم دیتے ہو' جوارح (زخمی کرنے والے) کے متعلق دو قول

ہیں۔ (ا) وہ جانور اپنے دانتوں اور پنجوں سے حقیقتاً زخم ڈالے (۲) وہ شکار کو پکڑ کر لانے والے جانور ہوں' کیونکہ جرح کا معنی کسب بھی ہے۔

۳- شکاری جانور کو بھیجا جائے' کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بھیجا اور اس پر بسم اللہ پڑھ لی تو اس کو کھالو اور اگر تمہارے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا شریک ہو گیا تو پھر اس (شکار) کو مت کھاؤ اور جب دو کتوں میں سے ایک کتا بھیجا ہوا نہ ہو تو کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتے کو بھیجنا شرط ہے۔ نیز ذکاۃ حلت کا سبب اس وقت ہوتی ہے جب اس کا حصول کسی آدمی سے ہوا ہو' اس لیے شکار کے آلہ کو آدمی کا قائم مقام بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کا فعل داخل ہو اور یہ صرف شکاری جانور کو بھیجنے سے ہو سکتا ہے' اور کتے کے لیے سدھائے ہونے کی شرط بھی اس میں بھیجنے کے تحقق کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴- بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو بھیجے۔

۵- اس کے بھیجے ہوئے جانور کے ساتھ دوسرا جانور شریک نہ ہو۔

۶- جس جانور کا شکار کیا جائے' وہ فی نفسہ حلال ہو۔

شکار کرنے والے جانوروں کا بیان

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

سدھائے ہوئے کتے' چیتے' تمام زخمی کرنے والے اور سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام سدھائے ہوئے اور پھاڑنے والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں سے شکار کرنا جائز ہے۔ اور سدھائے ہوئے جانور کے سوا کسی اور جانور سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما علمتم من الجوارح مکلبین" "تم نے جو (شکار کا) کسب معاش کرنے والے جانور سدھائے ہیں' در آنحالیکہ وہ شکار پر مسلط ہونے والے ہیں" یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام شکار کرنے والے جانوروں کو شامل ہے۔ اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ہرچند کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں کلب کا ذکر ہے۔ لیکن لغت کے اعتبار سے ہر درندے پر کلب کا اطلاق ہوتا ہے' حتیٰ کہ شیر پر بھی کلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ان جانوروں سے شیر اور ریچھ کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور دوسروں کے لیے کام نہیں کرتے۔ شیر اپنی بلند ہمت کی وجہ سے اور ریچھ اپنی خساست کی وجہ سے۔ بعض علماء نے چیل کا بھی اس کی خساست کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ خنزیر بھی ان جانوروں سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے' اس لیے اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر ان شکاری جانوروں کو تعلیم دینا اور سدھانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح (وما علمتم) میں تعلیم کی شرط کا ذکر ہے اور حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں بھی تعلیم کی شرط کا ذکر ہے۔ اور جانور کو چھوڑنا بھی ضروری ہے' کیونکہ یہی تعلیم کا معیار ہے کہ جب جانور کو چھوڑا جائے تو وہ چلا جائے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو پکڑ کر رکھے۔

(ہدایہ اخیرین' ص ۵۰۲' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

شکاری کتے کے معلّم (سدھائے ہوئے) ہونے کا معیار اور شرائط

شمس الائمہ سرخسی نے کلب معلم (سدھائے ہوئے کتے) کی حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱- اپنے مالک کے پیچھے حملہ کرنے کے لیے نہ دوڑے۔

۲- مارے سے نہ سکھائے بلکہ شکاری دوسرے کتے کو شکار کھانے پر مارے' تاکہ اس سے وہ کتا سیکھ لے کہ شکار کو نہیں کھانا چاہیے۔

جس شکار یا ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

علامہ ابوبکر جصاص الحنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) امام مالک اور حسن بن صالح نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمان (شکار یا ذبیحہ پر) عمداً بسم اللہ ترک کردے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر نسیاناً بسم اللہ کو ترک کردیا' تو پھر اس کو کھالیا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں ذبیحہ کو کھالیا جائے گا۔ امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' مجاہد' عطاء بن ابی رباح' سعید بن مسیب' ابن شہاب اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ کو نسیاناً ترک کردیا جائے' اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا مسلمان کے دل میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ جس طرح مشرک کا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا سودمند نہیں ہے' اسی طرح مسلمان کا بھولے سے نام نہ لینا مضر نہیں ہے۔ ابن سیرین نے کہا اگر مسلمان نسیاناً بھی بسم اللہ کو ترک کردے تو وہ ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا ایسے ذبیحہ کو نہ کھانا مستحب ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (انعام: ۱۲۱) جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' اس کو مت کھاؤ' بلاشبہ اس کو کھانا گناہ ہے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس (شکار یا ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' اس کا کھانا حرام ہے۔ خواہ اللہ کا نام عمداً ترک کیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہے کہ یہاں نسیان مراد نہیں ہے۔ البتہ اس شخص کا قول اس آیت کے خلاف ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ کو ترک کردیا گیا اس کا کھانا بھی جائز ہے اور اس شخص کا یہ قول بکثرت آثار اور احادیث کے بھی خلاف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں مشرکین کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا گیا ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا' جس جانور کو تمہارے رب نے قتل کیا اور وہ مرگیا تو تم اس کو نہیں کھاتے اور جس جانور کو تم نے قتل کیا' یعنی ذبح کیا اس کو تم کھالیتے ہو۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ'' حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی مردار پر' اور جب اس آیت میں مردار اور مشرکین کا ذبیحہ مراد ہے تو اس میں مسلمانوں کا ذبیحہ داخل نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جب کسی آیت کا مورد نزول خاص ہو اور اس کے الفاظ عام ہوں' تو پھر خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا' بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے اور خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہے' اور اگر یہاں مشرکین کے ذبیحے مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتا' اور صرف بسم اللہ کے ترک کرنے پر اقتصار نہ فرماتا' اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مشرکین اگر اپنے ذبیحوں پر بسم اللہ پڑھ بھی لیں' تب بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مشرکین کے ذبیحے مراد نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ مشرکوں کا ذبیحہ کسی صورت میں حلال نہیں ہے۔ خواہ وہ

بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں' اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں مشرکوں کے ذبیحوں کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ ہے "وما ذبح علی النصب" "اور جس جانور کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو" اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکوں کا ذبیحہ مراد نہیں ہے' بلکہ یہ مراد ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو' اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم (الانعام: ١٢١) بلاشبہ شیطان تم سے جھگڑا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے' اس کو مت کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے' اس کو کھا لو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ" (الانعام' ١٢١) "جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ" اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ بتایا ہے کہ مشرکوں کا جھگڑا بسم اللہ کے ترک کرنے میں تھا' اور یہ آیت بسم اللہ کو واجب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکوں کے ذبیحوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' نہ کہ مردار کے بارے میں۔ نیز بسم اللہ کو عمداً ترک کرنے سے ذبیحہ یا شکار کے حرام ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدہ: ٤)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کون سی چیزیں حلال کی گئی ہیں' آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں' اور تم نے جو شکاری جانور سدھا لیے ہیں درآنحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق انہیں شکار کا طریقہ سکھانے والے ہو' سو وہ (شکاری جانور) جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ اور (شکار پر چھوڑتے وقت) اس (شکاری جانور) پر بسم اللہ پڑھو۔

اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا امر کیا گیا ہے' اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور یہ بداہتہً معلوم ہے کہ کھانا کھانے والے پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کی تائید حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھ لو تو اس کو کھا لیا کرو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کا کھانا ممنوع ہو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور اس آیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بسم اللہ کو ترک کرنا ممنوع ہو اور اس ممانعت کی یہ تاکید آیت کے اس جزو سے ہوتی ہے وانہ لفسق جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا گناہ ہے یا بسم اللہ کو ترک کرنا گناہ ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بسم اللہ کو عمداً ترک کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ بھول کر کوئی کام کرنا یا نہ کرنا گناہ نہیں ہوتا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ دیہاتی لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں..... اور وہ نئے نئے کفر سے نکلتے ہیں۔ ہم کو پتا نہیں کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھا لو' اگر بسم اللہ کو پڑھنا ذبح کی شرط نہ ہوتا تو آپ یہ فرماتے کہ اگر انہوں نے بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو پھر کیا ہوا' لیکن آپ نے فرمایا تم اس کو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ' کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے افعال کو جواز اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل کے مسلمانوں کے امور اور افعال کو فساد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہ مراد ہو کہ بسم اللہ کو نہ پڑھنا گناہ ہے تو جو شخص ذبیحہ پر بسم اللہ نہ پڑھے' وہ گنہگار ہوگا'

حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس لیے اس آیت میں مشرکین کے ذبیحے یا مردار مراد ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ اجماع تسلیم نہیں ہے اور جو شخص ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ کو ترک کرے گا وہ بہرحال گنہ گار ہو گا۔

باقی رہا یہ کہ جو مسلمان بھول کر بسم اللہ ترک کر دے' اس کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ اور اس کو گناہ فرمایا ہے۔ اور یہ گناہ اسی وقت ہو تا جب وہ عمداً اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت اور استطاعت میں نہیں ہے کہ وہ بھول کر بھی کوئی غلط کام نہ کرے اور انسان اپنی قدرت کے مطابق ہی مکلف ہوتا ہے۔ اور امام اوزاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا' نسیان اور جبر سے درگزر فرمالیا ہے اور جب وہ نسیان کی حالت میں بسم اللہ پڑھنے کا مکلف نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا ذبیحہ حرام نہیں ہو گا۔ حالت نسیان میں بسم اللہ ترک کرنے کو حالت نسیان میں شرائط نماز (مثلاً تکبیر اور وضو وغیرہ) ترک کرنے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب انسان کو یاد آ جائے کہ اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہے تو اس پر اس کا تدارک فرض ہے۔ بایں طور کہ وہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے' اور جب اس نے بھول کر بسم اللہ پڑھے بغیر جانور کو ذبح کر دیا تو اب اس کا تدارک نہیں ہو سکتا' اس لیے اس کا ذبیحہ درست قرار پائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھولے سے روزہ میں کچھ کھا' پی لیا تو اس کا روزہ صحیح اور برقرار رہے گا۔ کیونکہ وہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنے قصد اور ارادے سے روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کرے اور حالت نسیان میں بھی کھانے پینے سے اجتناب کرنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے' اسی طرح حالت نسیان میں ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا اس کی استطاعت میں نہیں ہے۔

(احکام القرآن' ج ۳' ص ۸-۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

غلیل' کمان اور دیگر آلات سے شکار کرنے کا حکم

جن آلات سے شکار کیا جاتا ہے' ان تمام آلات کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر گیا یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہو گیا اور اگر جانور اس آلہ سے کٹ کر یا چھد کر مرا' اس کے زخم آیا اور خون بہا تو پھر وہ جانور حلال ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا آلہ پھینکنا جس سے جانور کا جسم کٹے اور خون بہے' ذکاۃ اضطراری ہے۔ اختیاری ذکاۃ یہ ہے کہ جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے گلے پر اس طرح چھری پھیریں کہ اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جب جانور دور بیٹھا ہو یا بھاگ رہا ہو یا اڑ رہا ہو اور اس کو پکڑ کر معروف طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیر یا کوئی اور آلہ جارحہ پھینک دیا جائے جس سے زخمی ہو کر وہ جانور مر جائے تو وہ حلال ہو گا اور یہ ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور اگر اس جانور پر لاٹھی' پتھر یا کسی اور وزنی چیز کی ضرب لگائی جائے' جس سے وہ دب کر مر جائے یا اس کے گلے میں کوئی پھندا ڈالا جائے جس سے وہ گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر یہ جانور حرام ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: ۳)	تم پر یہ حرام کیے گئے ہیں۔ مردار' خون' خنزیر کا گوشت' جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو' جس کا گلا گھونٹا گیا ہو' جو کسی ضرب سے دب کر مرا ہوا' اوپر سے گرا ہو' سینگ مارا ہوا ہو اور جس کو درندہ نے کھایا ہو' البتہ ان میں سے جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا وہ حلال ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ موقوذۃ (جو کسی چیز کی ضرب سے دب کر اور چوٹ کھا کر مرا ہو) اور منخنقہ

(جو گلا گھٹ کر مرا ہو) حرام ہے' اس لیے اگر کسی ایسے آلہ سے شکار کیا جائے جس سے دب کر جانور مرجائے یا گلا گھٹنے سے مر جائے تو پھر وہ جانور حرام ہو گا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موقوذۃ وہ جانور جو بغیر ذکاۃ کے لاٹھی یا پتھر مارنے سے مرجائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح جانور کو مار کر کھالیتے تھے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جب تم "معراض" کو پھینکو اور وہ جانور کے آرپار ہو جائے تو اس کو کھالو' اور اگر جانور اس کے عرض سے مرے' تو پھر اس کو مت کھاؤ' اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ وقیذ (موقوذہ) ہے۔ علامہ ابو عمرو نے کہا کہ متقدمین اور متاخرین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ بندقہ (یعنی مٹی کی خشک کی ہوئی گولی جس کو غلیل یا کمان سے پھینکا جاتا ہے' (عمدۃ القاری' ج ٢١' ص ٩٦' ردالمحتار' ج ٥' ص ٢١٧' تفسیر المنار' ج ٦' ص ١٣٨' نیل الاوطار ج ١٠' ص ٨٤) سے شکار کیا ہوا آیا حلال ہے یا نہیں؟

مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

"جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اس کو بھی فقہاء نے موقوذہ میں داخل کیا ہے اور اس دلیل میں علامہ جصاص کی یہ عبارت نقل کی ہے المقتولة بالبندقة تلك الموقوذة" امام اعظم' امام شافعی' امام مالک وغیرہ سب اسی پر متفق ہیں (معارف القرآن' ج ٣' ص ٢٩) عربی میں بندوقہ کا معنی ہے مٹی کی خشک کی ہوئی گولی۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ بیان کیا ہے اور بندوق کی گولی کو عربی میں بندوقة الرصاص کہتے ہیں۔ نیز بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور امام ابو حنیفہ ١٥٠ھ' امام مالک ١٧٩ھ' امام شافعی ٢٠٤ھ' علامہ جصاص ٣٧٠ھ اور علامہ قرطبی ٦٦٨ھ میں فوت ہوئے۔ سو یہ ائمہ اور علماء بندوق کی گولی کے شکار کے متعلق کیسے رائے دے سکتے ہیں جو ان کے بہت بعد کی ایجاد ہے۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بندقہ کا معنی بندوق کی گولی کرنے میں بہت سخت مغالطہ کھایا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم (ج ٢' ص ٩٥٥) میں بھی انہوں نے یہی مغالطہ کھایا ہے۔ ١٢ منہ

اور آج کل کی متعارف بندوق کی گولی جو سیسہ کی ہوتی ہے اور اس میں بارود بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو عربی میں بندوقة الرصاص کہتے ہیں---- سعیدی غفرلہ) پتھر اور معراض سے جس جانور کو مار دیا جائے' آیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ موقوذہ ہے' اگر یہ مرگیا تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر' امام مالک' امام ابو حنیفہ' امام شافعی اور ثوری کا یہی نظریہ ہے۔ فقہاء شام اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ معراض سے مارا ہوا جانور حلال ہے۔ خواہ وہ جانور کے آرپار گزرے یا نہیں۔ حضرت ابوالدرداء' حضرت فضالہ بن عبید اور مکحول اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے' لیکن اس مسئلہ میں قول فیصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ اگر جانور معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ' کیونکہ وہ وقیذ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ٦' ص ٤٨)

علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

جس جانور کو معراض کے عرض سے مار اگیا ہو' اس کو کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر معراض نے اس جانور کو زخمی کر دیا تو پھر اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جانور معراض کی دھار سے مرا اس کو کھالو اور جو جانور معراض کے عرض سے مرا اس کو مت کھاؤ۔ نیز شکار کے حلال ہونے کے لیے اس کا زخمی ہونا ضروری ہے' تاکہ اس میں ذکاۃ کا معنی متحقق ہو سکے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ المرغینانی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق شکار میں

زخم کرنا ضروری ہے' تاکہ ذکاۃ اضطراری متحقق ہو اور ذکاۃ اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ شکاری کے آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے شکار کے بدن کے کسی حصہ میں بھی زخم آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما علمتم من الجوارح" اور تم نے زخمی کرنے والے شکاری جانور سدھائے ہیں۔ اس آیت میں شکار کو زخمی کرنے کی شرط کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ جوارح جرح سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے "زخمی کرنے والے" (ہدایہ اخیرین' ص ۵۰۳) اور جو جانور غلیل یا کمان کی گولی سے مرا ہو اس کو بھی کھانا جائز نہیں' کیونکہ یہ گولی شکار کے جسم کو کوٹتی ہے اور توڑتی ہے اور اس کو زخمی نہیں کرتی۔ سو یہ معراض کی طرح ہے جو شکار کے آرپار نہ ہو۔ اسی طرح اگر پتھر سے شکار کو مار ڈالا تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر پتھر بھلدی اور دھار والا ہو تو اس سے مرنے والے جانور کو کھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ جانور کو زخمی کردے' کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ جانور اس پتھر کے ثقل کی وجہ سے مرا ہو' اور اگر وہ پتھر خفیف ہو اور اس میں دھار ہو اور جانور زخمی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب یہ متعین ہو گیا کہ جانور کی موت زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور اگر پتھر خفیف ہو اور وہ اس کو تیر کی طرح لمبا کرے اور اس میں دھار ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے' کیونکہ اس پتھر سے جانور زخمی ہو کر مرے گا۔ اگر شکاری نے دھار والی سنگ مرمر کو پھینکا اور اس نے جانور کو کاٹا نہیں تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اب جانور اس کے کوٹنے سے مرا ہے۔ اسی طرح اگر اس پتھر کے پھینکنے سے اس کا سر الگ ہو گیا یا اس کی گردن کی رگیں الگ ہو گئیں' تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح پتھر کی دھار سے رگیں کٹتی ہیں' اسی طرح پتھر کے ثقل سے بھی رگیں کٹ جاتی ہیں۔ اس لیے اب شک واقع ہو گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رگوں کے کٹنے سے پہلے وہ جانور مر گیا ہو' اور اگر جانور کو لاٹھی یا لکڑی سے مار ڈالا تو وہ حلال نہیں ہے' کیونکہ وہ لاٹھی یا لکڑی کے ثقل سے مرا ہے۔ ہاں! اگر اس لکڑی یا لاٹھی کی دھار ہو اور اس سے جانور کٹ جائے تو اب اس جانور کو کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ لاٹھی تلوار اور نیزے کے حکم میں ہے اور ان تمام مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو جائے کہ شکار کی موت زخم کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حلال ہے اور جب یہ یقین ہو کہ موت ثقل کی وجہ سے ہوئی ہے تو شکار حرام ہے اور جب یہ شک ہو اور یہ پتا نہ چلے کہ موت زخم سے ہوئی ہے یا ثقل سے تو پھر شکار کا حرام ہونا احتیاطاً ہے۔

(ہدایہ اخیرین' ۵۱۱-۵۱۲' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

بندوق سے مارے ہوئے شکار کی تحقیق

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے دنیا بارودی بندوق سے متعارف نہیں ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے دستی بندوق کا استعمال یورپ میں ۱۳۶۵ء میں شروع ہوا تھا' اور مسلمان ممالک میں اس کی ابتداء سلطان قانتبائی کے عہد میں ۸۹۵ھ / ۱۳۹۰ء میں ہوئی۔ (اردو' دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۳' ص ۸۸۷' مطبوعہ لاہور)

بہر حال! دسویں صدی تک بندوق کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارھویں صدی سے پہلے علماء نے بندوق سے کیے ہوئے شکار کے حکم پر بحث نہیں کی۔ بارھویں صدی میں علماء نے اس مسئلہ پر بحث کی اور یہ بحث ہنوز جاری ہے۔ بعض علماء بندوق سے کیے ہوئے شکار کو اس بناء پر ناجائز کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار ٹوٹتا ہے' کٹتا نہیں اور جانور اس کے ثقل سے مرتا ہے۔ اس لیے یہ موقوذہ ہے اور حرام ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے شکار زخمی ہوتا ہے' اس کا خون بہتا ہے اور بعض اوقات گولی شکار کے آرپار ہو جاتی ہے اور ذکاۃ اضطراری کا مدار زخم لگنے اور خون بہنے پر ہے اور وہ بندوق کے شکار سے حاصل ہو جاتا ہے' اس لیے بندوق سے کیا ہوا شکار جائز ہے۔ ہم پہلے مانعین کے دلائل پیش کریں گے۔ اس کے بعد مجوزین کے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اپنی رائے کا

ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

بندوق کے شکار کو حرام کہنے والے علماء کے دلائل

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی پریشر سے نکلنے کی بناء پر جلاتی ہے اور اس کے بوجھ کی وجہ سے زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی اس بناء پر بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(ردالمحتار 'ج ۵ 'ص ۲۱۷ 'مطبوعہ مطبعۃ عثمانیہ 'استنبول '۱۳۲۷ھ)

مولانا امجد علی لکھتے ہیں بندوق کا شکار مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آلہ جارحہ نہیں 'بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔ (بہار شریعت 'ج ۱۷ 'ص ۲۳ 'مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز 'کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ کھانا اس کا حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند 'ج ۲ 'ص ۹۵۵ 'مطبوعہ دارالاشاعت 'کراچی)

بندوق کے شکار کو حلال قرار دینے والے علماء کے دلائل

علامہ ابوالبرکات احمد بن دردیر مالکی لکھتے ہیں:

بندوق کی گولی سے کیے ہوئے شکار کو کھایا جائے گا 'کیونکہ وہ ہتھیاروں سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ بعض فضلاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ (شرح الصغیر علی اقرب المسالک 'مطبوعہ دارالمعارف 'مصر '۱۹۷۴ء)

علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے شکار کے متعلق متقدمین کی تصانیف میں کوئی تصریح نہیں ہے 'کیونکہ بارودی بندوق کی ایجاد آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے غلیل کی (مٹی کی خشک) گولی پر قیاس کرکے اس کو ناجائز کہا ہے اور بعض علماء نے جائز کہا۔ چنانچہ ابو عبداللہ القروی 'ابن غازی اور سید عبدالرحمن فاسی نے اس کو جائز کہا ہے 'کیونکہ بندوق کے ذریعے خون بہایا جاتا ہے اور بہت سرعت کے ساتھ شکار کا کام تمام کر دیا جاتا ہے 'جس کے سبب سے ذکاۃ مشروع کیا گیا ہے۔ (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر 'مطبوعہ مصر)

بندوق کے شکار کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

قرآن مجید 'احادیث صحیحہ اور فقہاء احناف کے قواعد کی روشنی میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ قرآن مجید نے شکار کی حلت کا مدار شکار کو زخمی کرنا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ (المائدہ: ۴)

آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور سدھا لیے ہیں۔

الجوارح جارحہ کی جمع ہے اور جارحہ زخمی کرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور شکاری جانور کا کیا ہوا شکار اسی وقت حلال ہوتا ہے جب وہ شکار کو زخمی کرے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جوارح کے کیے ہوئے شکار کو کھانے کا حکم دیا ہے اور جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے 'اس لیے شکار کے حلال ہونے کی علت اس کو زخمی کرنا ہے اور بندوق کی گولی یا اس کے چھروں سے بھی چونکہ شکار زخمی ہوتا ہے 'اس لیے آیت کی تصریح کے مطابق بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور یہ موقوذ نہیں ہے 'کیونکہ موقوذ وہ ہوتا ہے جو چوٹ سے مرے 'اس کو زخم آئے اور نہ اس سے خون بہے۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ امام مسلم' حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا رمیت بالمعراض فخزق فکلہ و اذا اصابہ بعرضہ فلا تاکلہ

جب تم شکار پر معراض پھینکو اور معراض شکار میں نفوذ کر جائے' تو اس کو کھالو اور اگر شکار معراض کے عرض سے مرے تو اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم' ج ۲' ص ۱۴۵' مطبوعہ کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اور بندوق کی گولی اور چھرے بھی شکار میں نفوذ کر جاتے ہیں اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لفظ فخرق ("ر" کے ساتھ) ہے تو اس کا معنی ہے جانور میں سوراخ کرنا۔

(فتح الباری' ج ۹' ص ۶۰۰' طبع لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظ "ز" کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے نفوذ کرنا اور بندوق کی گولی شکار میں نفوذ کر جاتی ہے اور اگر یہ لفظ (ر) کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے سوراخ کرنا اور پھاڑنا اور بندوق کی گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اور اس میں سوراخ کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق ہر تقدیر پر بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جس آلہ سے بھی جانور کا خون بہہ جائے' وہ جائز ہے اور ذبیحہ اور شکار حلال ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا جلدی کرنا۔ یا فرمایا اس کو جلدی ذبح کرنا (تاکہ وہ طبعی موت نہ مر جائے)۔ جس چیز کا خون بہایا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھالو' مگر دانت اور ہڈی نہ ہوں۔ دانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔ (اس غزوہ میں) ہم کو مال غنیمت میں بکریاں اور اونٹ ملے۔ ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا' ایک شخص نے اس کو تیر مارا' سو (اللہ نے) اس اونٹ کو روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں میں سے بعض اونٹ وحشی جانوروں کی طرح ہیں' جب ان میں سے کوئی تم پر غالب آجائے تو اسی طرح کیا کرو"۔

(صحیح بخاری' ج ۲' ص ۸۲۸' مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانت اور ناخن کے سوا جو چیز بھی خون بہا دے' اس (کے مارے ہوئے) کو کھالو۔ (صحیح بخاری' ج ۲' ص ۸۲۸' مطبوعہ کراچی)

بندوق کی گولی ناخن اور ہڈی نہیں ہے اور جانور کا خون بہا دیتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ بندوق سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ہے: جب جانور "معراض" کی دھار سے مرے تو اس کو کھالو' اور جب وہ معراض کے عرض سے مرے تو وہ وقیذ ہے' اس کو مت کھاؤ۔

(صحیح مسلم' ج ۲' ص ۱۴۵' مطبوعہ کراچی)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بندوق کی گولی اور چھروں میں چونکہ دھار نہیں ہوتی' اس لیے بندوق سے مارا ہوا جانور وقیذ ہے

اور حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوذہ کی یہ تفسیر نقل کی ہے موقوذہ وہ جانور ہے جس کو لکڑیوں کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے۔ (صحیح بخاری' ج ۲' ص ۸۲۳' مطبوعہ کراچی)

اور جو جانور معراض کے عرض سے مارا جائے' وہ وقیذ ہے۔ اس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کیونکہ اس صورت میں وہ معراض بھاری لکڑی' پتھر اور بھاری چیز کے حکم میں ہے۔

(فتح الباری' ج ۹' ص ۶۰۰' مطبوعہ لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ موقوذہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھاری اور وزنی چیز کی ضرب سے مار کر ہلاک کیا جائے اور بندوق کی گولی یا چھرے بھاری اور وزنی نہیں ہوتے' اس لیے ان سے مارا ہوا جانور موقوذہ نہیں۔ بندوق کی گولی نوکدار ہوتی ہے' اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ بندوق کے چھروں میں نوک نہیں ہوتی لیکن چونکہ وہ گوشت کو پھاڑتے ہیں اور خون بہاتے ہیں' اس لیے وہ دھار والی چیز کے حکم میں ہیں۔ اس لیے بندوق کی گولی یا چھروں سے مارا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال کہتے ہیں۔ جبکہ غلیل کی گولی سے جانور کے زخم آتا ہے نہ خون بہتا ہے اور ہمارے نزدیک اس کے وقیذ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب غلیل کی گولی سے مارے ہوئے شکار کی حرمت متفق علیہ نہیں ہے تو بندوق کی گولی یا چھروں سے مارے ہوئے شکار کو حرام کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن مسیب کہتے ہیں کہ جس وحشی جانور کو تم نے پتھر' غلیل کی گولی یا پتھر سے مارا' اس کو کھالو۔

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے کہا' جب تم پتھر یا غلیل کی گولی مارو اور بسم اللہ پڑھ لو تو پھر کھالو۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ کے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے غلیل کے ساتھ ایک پرندہ یا شکار مارا' پھر میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس کے متعلق سوال کیا' انہوں نے مجھے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معراض کے شکار کے متعلق یہ کہا:

جب معراض شکار میں نفوذ کر جائے تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اگر تم نے ایسا تیر مارا جس میں لوہا (یا دھار) نہیں تھا اور شکار گر گیا تو اس کو کھالو۔ (مصنف عبدالرزاق' ج ۴' ص ۴۷۷' ۴۷۶' مطبوعہ بیروت)

ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض صحابہ اور فقہاء تابعین غلیل کی گولی اور بغیر لوہے کے تیر سے مارے ہوئے شکار کو حلال اور جائز کہتے تھے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ غلیل کی گولی اور بغیر دھار کے تیر سے مارے ہوئے شکار کی حرمت بھی قطعی' یقینی اور اتفاقی نہیں ہے۔ اور بندوق کی گولی سے مارے ہوئے شکار کو بھی اگرچہ بعض متاخرین فقہاء نے موقوذہ قرار دے کر حرام کہا ہے' لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں حلال اور طیب ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے بندوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم واضح کرنے کے بعد اب ہم فقہاء احناف کے اصول اور قواعد کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ذکاۃ (ذبح) کا معنی ہے فاسد اور نجس خون کو بہانا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ قدرت اور اختیار کے وقت حیوان کے گلے پر چھری پھیرنا اور جب گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہ ہو تو جانور کے جسم کے کسی حصہ پر بھی زخم ڈال دینا ذبح اضطراری ہے' کیونکہ انسان اپنی قدرت کے اعتبار سے مکلف ہوتا ہے۔ سو جس صورت میں وہ حیوان کے گلے پر چھری پھیر سکتا ہو' تو اس کے گلے پر چھری پھیرے بغیر ذکاۃ حاصل نہیں ہوگی اور جہاں اس پر قدرت نہ ہو' وہاں جانور کے جسم میں کہیں پر بھی زخم ڈالنا' اس ذکاۃ کے قائم مقام ہے۔ (المبسوط' ج ١١' ص ٢١' مطبوعہ بیروت)

لاٹھی اور پتھر سے مارے ہوئے شکار کو اسی لیے ناجائز کہا گیا ہے کہ عادتاً لاٹھی اور پتھر سے اس وقت مارا جاتا ہے جب جانور قریب ہو۔ اور جب جانور قریب ہو تو اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہاں ذبح اختیاری ہے' اضطراری نہیں ہے اور جب جانور دور ہو اور اس کو پکڑ کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا قدرت میں نہ ہو مثلاً کسی درخت پر بیٹھا ہو یا اڑ رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اور بندوق سے فائر کر کے ان جانوروں کو شکار کر لیا جائے اور گولی یا چھرے لگنے سے وہ جانور زخمی ہو جائیں اور ان کے جسم سے خون بہہ جائے تو ان کا زخمی ہونا اور خون بہنا ذکاۃ اضطراری ہے۔ اور فقہاء کے اس بیان کردہ قاعدہ کے مطابق حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

نیز علامہ سرخسی حنفی متوفی ٤٨٣ھ لکھتے ہیں:

ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب معراض شکار کو پھاڑ دے تو کھالو اور جب نہ پھاڑے تو نہ کھاؤ۔ معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کا پیکان نہ ہو الا یہ کہ اس کا سر دھار والا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بغیر پر کا تیر ہے۔ بسا اوقات تیر عرض کی جانب سے لگتا ہے اور شکار کو پھاڑتا نہیں' توڑ دیتا ہے۔ اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: کہ اگر شکار تیر کی دھار سے مرے اور زخمی ہو تو کھالو اور اگر تیر کے عرض سے مرے تو مت کھاؤ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حلت کا مدار نجس خون کے بہنے پر ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب معراض شکار کو پھاڑ دے اور اگر شکار کو پھاڑے بغیر توڑ دے تو خون نہ بہے گا۔ (مثلاً اس ضرب سے ہڈی یا ٹانگ ٹوٹ جائے) اور یہ حکماً موقوذہ ہے اور یہ نص قطعی سے حرام ہے۔ (المبسوط' ج ١١' ص ٢٤٤' مطبوعہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوذہ وہ جانور ہے جو کسی بھاری اور وزنی چیز سے ٹوٹ جائے (یعنی اس کی ہڈی ٹوٹ جائے) اس کے جسم میں زخم آئے اور نہ خون بہے اور اگر کوئی آلہ جانور کے جسم کو پھاڑ دے اور اس کا خون بہائے تو یہ حلال ہے اور بندوق سے مارا ہوا شکار ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں زخم آئے نہ خون بہے۔ اس لیے وہ موقوذہ نہیں ہے' بلکہ بندوق کی گولی اس کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات گولی آر پار ہو جاتی ہے' اس کے جسم میں زخم آتا ہے اور خون بہتا ہے۔ (یاد رہے کہ ذکوۃ اضطراری میں پورے جسم سے خون بہنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتے کے مارے ہوئے شکار کے جسم میں بسا اوقات سارا خون نہیں بہتا) اس لیے بندوق سے مارا ہوا شکار حلال اور طیب ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

الحمد للہ علی احسانہ! قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ اس زمانہ میں بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارا ہوا شکار موقوذہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان علماء نے نیک نیتی سے یہ فتویٰ دیا ہے' لیکن یہ علماء اس مسئلہ میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں نہیں گئے' اور ان کو اس مسئلہ میں اجتہادی خطاء لاحق ہوئی۔ آج کل بندوق سے شکار عام ہو گیا ہے اور بکثرت لوگ اس میں مبتلا ہیں' اور اگر گولی یا چھرہ لگنے سے جانور مر جائے تو اس کو اسی فتویٰ کی بناء پر مردار اور حرام قرار دیا جاتا

ہے۔ جبکہ قرآن مجید' احادیث اور فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق یہ حلال اور طیب ہے' اور اجتہادی مسائل میں میرا ذہن یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لیے آسان اور سہل احکام بیان کیے جائیں اور قرآن مجید' احادیث اور فقہاء اسلام کے اصول اور قواعد سے امت مسلمہ کے لیے زیادہ سے زیادہ یسر اور آسانی کو حاصل کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے آسانی کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو" شرح صحیح مسلم میں میرا یہی اسلوب رہا ہے کہ اجتہادی مسائل میں' قرآن' سنت اور فقہاء اسلام کے قواعد میں مسلمانوں کے عمل کے لیے مجھے جہاں بھی کوئی یسر اور آسانی کی دلیل اور سبیل ملی' میں نے اسی کو اختیار کر لیا اور امت کی دشواری اور عسر کی راہ کو ترک کر دیا' اور میں نے جب بھی کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے قلم اٹھایا تو قرآن مجید' سنت اور فقہاء اسلام کی تصریحات کو مقدم رکھا ہے اور مشکل پسند اور فقہاء عسر کے اقوال کو ترک کر دیا۔

بہر حال! میں نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی نیک نیتی اور للّٰہیت سے لکھا ہے۔ اگر یہ حق اور صواب ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میرے مطالعہ کا نقص اور میری فہم کی کمی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد سید المرسلین خاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں) جب تم ان کے مہران کو ادا کر دو' درآنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو' نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے کے بعد) کفر کیا' تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ٥)

جن جانوروں کو قرآن اور حدیث میں حرام کیا گیا ہے' ہم ان کا یہاں تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جانور حلال ہیں۔

قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمایا ہے اور چونکہ بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا' اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بندر بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (المائدہ: ٦٠)

وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ بیان فرمادیا ہے کہ جو درندے کچلیوں (نوک دار دانتوں) سے پھاڑ کر کھاتے ہیں' جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ اور جو پرندے اپنے ناخنوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں' جیسے باز اور شکرہ وغیرہ' یہ سب حرام ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں (سے شکار کرنے) والے پرندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٩٣٤' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٥٣٠' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٨٣' سنن ابوداؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٠٣' سنن نسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٣٣٣' موطا امام مالک' ١٠٧٥' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٩' ص ٣١٥' مصنف

عبدالرزاق '۸۷۰۴' المعجم الکبیر' ج ۲۲' رقم الحدیث: ۵۲۶-۵۲۹' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۷۵۰) شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۴۱' ص ۳۵۸' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

پھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگلی جانور مراد ہیں' لہٰذا اس حدیث سے ہاتھی' لومڑی اور بجو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچلیاں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے' جس میں کتا منہ ڈال دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا لعاب نجس ہے۔ اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہوا اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۲' صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۷۹' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۱' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۱' سنن کبری للبیہقی' ج ۱' ص ۲۴۰' قدیم' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۱۴۳)

احمد محمد شاکر نے لکھا ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ مطبوعہ دار الحدیث' القاھرہ ۱۴۱۶ھ)

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی بیع کو حرام فرمایا ہے' اس سے بھی واضح ہوا کہ کتا حلال نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۸' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۲۸' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۳۶' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۳۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۵۹)

نیز امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتے کی قیمت' کاہن کی شیرینی اور فاحشہ کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۳۰۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۸۴)

رسول اللہ ﷺ نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے' کھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی' اگر کتے کو کھانا حلال ہوتا تو مطلقاً کتے کو رکھنے کی اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کردو' اور جن لوگوں نے کھیت' شکار اور مویشیوں کے بغیر کتا رکھا' ان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

(سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۲۹۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۹۱-۱۴۹۲' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۷۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۴۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۰۵' موطا امام مالک' ۱۸۰۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۴۷۹' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۸۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہوتا تو فرشتے

اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ نے کہا' آج صبح سے میں آپ کو بہت مغموم دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا' وہ نہیں آئے۔ بہ خدا انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی یہی کیفیت رہی' پھر رسول اللہ ﷺ کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو ہمارے پردے کے پیچھے تھا' آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو اس کو نکال دیا گیا' پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا جہاں کتا تھا' جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا' تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا' ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' حتیٰ کہ چھوٹے باغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ٢١٠٥' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤١٥٧' سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٨١٥' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ١٠١٩٧' سنن کبری للبیہقی' ج ٧' ص ٢٧٠' قدیم)

عبارت النص کے ساتھ آپ نے کتا کھانے کو حرام نہیں فرمایا' لیکن ان احادیث سے دلالت النص کے ساتھ کتا کھانے کی حرمت ثابت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کتا کھانے کی حرمت حدیث سے ثابت نہیں ہے' اس لیے ہم نے اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کی ہے۔ نبی ﷺ نے پالتو گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے کو اور پالتو گدھوں کے کھانے کو حرام فرمادیا' (یہ حدیث حضرت جابر اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے)

(صحیح البخاری ج ٥' رقم الحدیث: ٤٢١٦' صحیح مسلم' ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٠٧' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٨٠٨' سنن دار قطنی' ج ٤' رقم الحدیث: ٤٧٢٣' سنن کبریٰ' للبیہقی' الجدیدہ' ج ٤' رقم الحدیث: ١٩٩٩٥)

نبی ﷺ نے چوہے' بچھو' چیل' کوے اور باؤلے کتے کے متعلق فرمایا: ان کو حرم میں بھی قتل کردیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں' جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چوہا' بچھو' چیل' کوا اور باؤلا کتا۔ (بعض روایات میں بچھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے)

(صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٣١٤' صحیح مسلم' ج ٢' رقم الحدیث: ١١٩٨' سنن نسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٨٢٩' سنن ابوداؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ١٨٤٨' سنن ترمذی' ج ٢' رقم الحدیث: ٨٣٨' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٠٨٧' مسند احمد' ج ٩' رقم الحدیث: ٢٤٧١٥)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کوا کون شخص کھائے گا' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو فاسق فرمایا

ہے۔ یہ خدا وہ پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۴۸)
نبی ﷺ نے چھپکلی کو بھی فاسق فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھپکلی کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکلی کو فویسق فرمایا۔ ام شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے چھپکلیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۰۶' ۳۳۰۷' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالاحوص جشمی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعود خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر رہا تھا' حضرت ابن مسعود نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لاٹھی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی سانپ کو قتل کیا' اس نے گویا اس مشرک کو قتل کیا' جس کا خون مباح تھا۔ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد بشرح احمد شاکر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۹۵' مطبوعہ قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوہا' سانپ' چھپکلی اور بچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کر کے باقی حشرات الارض کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) اور وہ ان کے لیے پاک اور مرغوب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

اور طبیعت سلیمہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

ہم نے نبی ﷺ سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور بچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے حکم میں ہیں' جن کو عرب خبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بلا اضطرار نہیں کھاتے۔

(السنن الکبریٰ' ج ۱۴' ص ۳۱۱' الجدیدہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نیز نبی ﷺ نے گوہ کو حرام فرمایا ہے اور گوہ حشرات الارض میں سے ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

بجو' بچھو اور بھڑ بھی حشرات الارض میں سے ہیں' اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعی بجو اور گوہ کو حلال کہتے ہیں' نبی ﷺ نے خچر کو حرام فرمایا ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں' خچروں اور پالتو گدھوں کے گوشت کو کھانے

سے منع فرمایا ہے اور حیوۃ نے یہ اضافہ کیا ہر کچلیوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔
(سنن ابو داؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٧٩٠' مطبوعہ بیروت)

نبی ﷺ نے لومڑی' بھیڑیے اور بجو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! میں آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں' آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لومڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا یارسول اللہ! آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی' وہ بھیڑیے کو کھائے گا؟
(سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٢٣٥٠٣٢٣٥' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٧٩٩' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ١٤' رقم الحدیث: ١٩٩٣١' مختصرا الجدیدہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بجو کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بجو کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟ (سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٧٩٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٢٣٧)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم پر بعض محدثین نے جرح کی ہے' لیکن کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال کرنا بھی اس کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کچلیوں اور ناخنوں سے پھاڑنے' چیرنے والے درندے اور پرندے' خچر اور پالتو گدھے' کتا اور خنزیر' سانپ' بچھو' بجو' گوہ اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک تمام مردار سمندری جانور حلال ہیں' خواہ طبعاً مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمد کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں' وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کچھوا اور جن سمندری جانوروں میں بہنے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بہنے والا خون ہو' ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ٩٦) — تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد مچھلی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا' یارسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (فقہاء احناف اس مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں)

(سنن ترمذی ج ۱ رقم الحدیث: ۶۹ سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۸۳ سنن نسائی ج ۱ رقم الحدیث: ۵۰ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۳۸٦ الموطاء رقم الحدیث: ۴۳ مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۳۳ المستدرک ج ۱ ص ۱۴۰)

فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قرینہ یہ حدیث ہے:

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۱۸ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ ٱلۡخَبَٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کا پانی ہٹ جائے اس کو کھالو اور جو پانی میں مر کر اوپر آجائے سو تم اس کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۸۱۵ سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۴۷)

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحیٰ بن سلیم الطائفی ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس کو دیگر متعدد اسانید کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۵۵-۲۵۶ الجدیدہ) علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

خشکی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ۳) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ پھل اور میوہ جات وغیرہ مراد نہیں ہیں کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں۔ اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عنقریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبائح ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جن کے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۰)
اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن شہاب سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے کہا' ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا' کیونکہ وہ دین میں اہل کتاب ہیں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: "وہ حلال نہیں ہے"۔

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھاؤ' کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا نصرانیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۴۷' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصری' عکرمہ' قتادہ' سعید بن المسیب' شعبی اور ابن شہاب وغیرہ نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ۱۳۹' طبع بیروت)

ابن زید سے سوال کیا گیا کہ عیسائیوں نے بسم اللہ پڑھ کر جانور کو گرجا کے لیے ذبح کیا۔ آیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا' اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کے طعام کو حلال کیا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ۱۴۰' طبع بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ جو شخص آسمانی دین کا معتقد ہو اور اس کے پاس کتاب ہو' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زبور ہو' وہ اہل کتاب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستصفیٰ میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی کے موافق شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے' خواہ وہ تین میں کے تیسرے کا قول کریں یا نہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقاً اجازت دی ہے۔ علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہی دلیل کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب پر مشرکین کا اطلاق نہیں کیا جاتا' اور مشرک اس کو کہتے ہیں' جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی نبی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔

(رد المحتار' ج ۲' ص ۲۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے' نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرے۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۱۸۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے ذبح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے' تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور اس سے ارادہ مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھا لیا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ صراحتاً کہے اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے' تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ

جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھا لیا جائے گا۔ (عنایہ) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔

(ردالمحتار' ج ۵' ص ۱۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو' مجوسی ہو' مرتد ہو' جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی' مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہوگا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔

(در مختار مع ردالمحتار' ج ۵' ص ۱۸۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے حلت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے' کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طعام کا حلال ہونا کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر' بیوی پر حاکم ہوتا ہے تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۴۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں' یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ' فرشتے' انبیاء علیہم السلام' آسمانی کتابیں' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' جزا' سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی حلت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مردار جانور' جس کا گلا گھونٹا گیا ہو' جس کو درندے نے پھاڑا ہو' جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور خنزیر حرام ہیں اور موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو' ان کی چربی اور کام میں لاؤ' پر اسے تم کسی حال میں نہ کھانا۔

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۷' آیت ۲۴' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں' پر وہ جگالی نہیں کرتا' وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے' تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۱۱' آیت ۷-۹' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے' ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(نیا عہد نامہ' رسولوں کے اعمال' باب: ۲۱' آیت ۲۵' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ

اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو' فرشتوں کو'

آسمانی کتابوں کو' انبیاء علیہم السلام کو' مرنے کے بعد اٹھنے کو' جزاو سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے' اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے:

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے' بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے' تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا O تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے O تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو' خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے O تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے O تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔ وہ تیری چچی ہے O تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے' سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا O تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا' کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے O تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے O اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے ناپاک ہے' اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا O

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب: ۱۸' آیت ۱۹-۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حربی ہوں' حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مہر ادا کر دو" مہر کا ذکر اس لیے کیا ہے' تاکہ اس کا وجوب اور موکد ہونا ظاہر ہو۔ یہ نکاح کے حلال ہونے کی شرط نہیں ہے اور آزاد عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے' کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولیٰ اور راجح ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے در آنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو' نہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا' تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ: ۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ' نہ ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانیہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شرعیہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو گا' اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے یہی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ارتداد سے تمام اعمال ضائع ہو

جاتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت

اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

دھو لو، اور اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کرکے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، سو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں

وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ

پر اس پاک مٹی سے مسح کرو، اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن

وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہ تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرے تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ⑥

شکر ادا کرو ٥

آیت وضوء کی سابقہ آیات سے مناسبت

انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازدواج۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اس کے لیے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام ہیں اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کے لیے کون سی عورتیں اس کے لیے حلال ہیں اور کون سی عورتیں حرام ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادات فرض ہیں اور ان عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور

طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے اور اگر پانی نہ مل سکے تو طہارت تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں وضو غسل اور تیمم کا بیان فرمایا ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال (مال حرام) سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ یہ حدیث اصح الاسانید ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲ مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۴۷۰۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۹۱)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد بتحقیق احمد شاکر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۴۵۹۷ مطبوعہ القاہرہ)

آیت وضو کا شان نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مقام بیداء میں میرا ہار گر گیا اس وقت ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے اونٹنی کو بٹھایا اور اونٹنی سے اتر گئے آپ نے میری گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت ابوبکر آئے اور انہوں نے زور سے مجھے گھونسے مارے اور کہا تم نے تمام لوگوں کو ہار کی وجہ سے ٹھہرا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑنے سے مجھے موت کی طرح لگ رہا تھا حالانکہ حضرت ابوبکر نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی تھی پھر نبی ﷺ بیدار ہوئے اس وقت صبح ہو چکی تھی پانی کو تلاش کیا گیا تو پانی نہیں ملا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ" الآیہ (المائدہ: ٦) حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابوبکر اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے تمہارا وجود ان کے لیے محض برکت ہے۔

(صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث: ۴۶۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس آیت میں وضو اور تیمم دونوں کا ذکر ہے۔ تیمم کا ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے اور اس آیت میں بھی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ النساء کی آیت نازل ہوئی تھی یا سورۃ المائدہ کی زیر تفسیر آیت۔ محققین کے نزدیک ہار گم ہونے کے موقع پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری کی اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حدیث ۳۳۴ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی اور اس آیت کی تعیین نہیں کی اور مذکور الصدر روایت میں تصریح کر دی کہ یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۳۲ مطبوعہ لاہور عمدۃ القاری ج ۴ ص ۵ مطبوعہ مصر)

حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر غزوہ مریسیع

میں ہوا تھا' جو بنو مصطلق بن خزاعہ کے خلاف تھا' یہ واقعہ چھ ہجری کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے۔
(الاستذکار' ج ۳' ص ۱۴۱' مطبوعہ موسستہ الرسالہ' بیروت ۱۴۱۳ھ)

آیت وضو کے نزول سے پہلے فرضیت وضو کا بیان

اس جگہ ایک بحث یہ ہے کہ آیت وضو تو پانچ یا چھ ہجری میں نازل ہوئی اور نماز ابتداء وحی کے ساتھ مکہ میں فرض ہو گئی تھی' تو ابتداء میں نماز وضو کے ساتھ پڑھی جاتی تھی یا بلا وضو؟

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے: "پھر اللہ نے تیمم کی آیت نازل کر دی" اس سے مراد وہ آیت وضو ہے جو سورۃ المائدہ میں ہے۔ یا وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے۔ ان دو آیتوں کے سوا اور کسی آیت میں تیمم کا ذکر نہیں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ غسل جنابت وضو سے پہلے فرض نہیں ہوا تھا۔ پس جس طرح مصنفین سیرت کے نزدیک یہ امر محقق ہے کہ نبی ﷺ پر مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور غسل جنابت بھی مکہ میں فرض ہوا ہے' اور یہ کہ آپ نے مکہ میں کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور آپ اسی طرح وضو کرتے تھے جس طرح مدینہ میں آپ نے وضو کیا' یا جس طرح اب ہم وضو کرتے ہیں اور یہ وہ امر ہے کہ اس سے کوئی عالم بھی ناواقف نہیں ہے اور سوائے ہٹ دھرم کے اس کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ (الاستذکار' ج ۳' ص ۱۵۵' مطبوعہ موسستہ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سفاقسی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرنا ان پر لازم تھا اور تیمم کی آیت سورۃ المائدہ میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں اور اس سے پہلے کوئی نماز بغیر وضو کے مشروع نہیں تھی۔ اس لیے جب تیمم کی آیت نازل ہوئی تو وضو کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ تیمم کا حکم وضو کے حکم کی فرع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے اس آیت کا وہ حصہ نازل ہوا جس میں وضو کا ذکر ہے' اور پھر اس آیت کا دوسرا حصہ نازل ہوا جس میں تیمم کا ذکر ہے۔ پھر یہ آیت پوری ہو گئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے مشروع ہوا نہ کہ قرآن سے' پھر بعد میں ان دونوں کا حکم اکٹھے نازل ہوا' اور حضرت عائشہ نے اس کو تیمم سے اس لیے تعبیر کیا کہ اس موقع پر یہی مقصود تھا (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ امام حمیدی کی اس روایت پر مطلع ہو جاتے جس میں حضرت عائشہ نے فرمایا ہے: پھر یہ آیت نازل ہوئی "یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم۔ الایہ (المائدہ: ٦) تو ان تاویلات میں نہ پڑتے۔ (عمدۃ القاری' ج ۴' ص ۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا حکم پہلے سنت سے ثابت تھا اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

آیت وضو اجماعاً مدنی ہے اور تمام اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہو گئے تھے اور نبی ﷺ نے کبھی بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھی' بلکہ ہم سے پہلی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اور اصول فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول بغیر انکار کے کوئی قصہ بیان کریں اور اس کا نسخ ظاہر نہ ہو' تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اور اس آیت کے نزول کا یہ فائدہ ہے کہ جو حکم پہلے ثابت ہو چکا تھا' اس کو مقرر اور ثابت کیا جائے۔ (الدر المختار مع رد المحتار' ج ۱' ص ۶۲-۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ٣٨٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا، پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوایا اور دو دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا، پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا' اس کے لیے دگنا اجر ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوایا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔

(سنن دار قطنی' ج١' رقم الحدیث: ٢٥٧' ٢٥٦' ٢٥٥' ٢٥٤' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٢٠' المعجم الاوسط' رقم الحدیث: ٣٦٧٤' سنن کبریٰ للبیہقی' ج١' ص ٨٠)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے' ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے صرف تین (ظاہری اور صوری) جھوٹ بولے' جب انہیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے کہا انی سقیم میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا "فعلہ کبیرھم ھذا ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے" اور انہوں نے (حضرت) سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے' حضرت ابراہیم ایک بستی میں گئے جس میں ایک جابر بادشاہ تھا' اس کو بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں' اس بادشاہ نے ان کے پاس اپنا ہرکارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا' یہ میری بہن ہے۔ اس نے کہا اس کو بھیج دو۔ آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا: میری بات کو جھٹلانا نہیں' میں نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ تم میری بہن ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف اٹھا۔ حضرت سارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی' اور اللہ سے دعا کی' اے اللہ! بے شک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔ حضرت سارہ نے کہا' یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے مار دیا۔ پھر اس کو زمین نے چھوڑ دیا' وہ پھر حضرت سارہ کی طرف بڑھا' حضرت سارہ نے وضو کیا' نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں' اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے' سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ پس اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی' اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی' پھر حضرت سارہ نے کہا' یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا' پھر اس کو چھوڑ دیا گیا' پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس بادشاہ نے کہا' تم نے میرے پاس کس جنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو واپس کر دو اور اس عورت کو ہاجرہ دے دو' وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے مکر کو باطل کر دیا اور خدمت کے لیے ایک باندی دے دی۔

(مسند احمد' ج٢' ص ٤٠٤-٤٠٣' طبع قدیم' بیروت' احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم'

سنن ابوداؤد' سنن ترمذی' اور مسند ابو یعلیٰ میں بھی یہ حدیث اختصار سے مروی ہے)۔ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ٩' رقم الحدیث: ٩٢١٣' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ١٤١٦ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ حضرت سارہ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جریج کہا جاتا تھا' وہ نماز پڑھ رہا تھا' اس کی ماں نے آکر اس کو بلایا' وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا' اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا' جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے گرجا میں عبادت کرتا تھا' ایک عورت نے کہا' میں جریج کو فتنہ میں ڈالوں گی' اس عورت نے اس کو گناہ کی دعوت دی' جریج نے انکار کیا۔ اس نے ایک چرواہے سے اپنی خواہش پوری کرلی' اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا' اس نے لوگوں سے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انہوں نے اس کا گرجا توڑ دیا اور اس کو گرجا سے نکال دیا اور اس کو برا کہا' جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس نوزائیدہ بچہ سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا' چرواہا۔ لوگوں نے کہا' ہم تمہارا گرجا سونے کا بنا دیں' اس نے کہا' نہیں صرف مٹی کا ہی بنا دو۔

(صحیح بخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٤٨٢' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا' مجھے بعض اہل علم نے یہ حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی تو آپ کے پاس جبرائیل آئے وہ اس وقت مکہ کی بلند وادی پر تھے۔ انہوں نے وادی پر اپنی ایڑی ماری تو اس سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا' پھر جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے رہے' کہ وہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا تھا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نماز پڑھی' پھر جبرائیل علیہ السلام لوٹ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس آئے' پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو کر کے دکھایا کہ نماز کے لیے کس طرح وضو کرتے ہیں' جس طرح آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھایا تھا' پھر حضرت خدیجہ نے وضو کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل نے نماز پڑھائی تھی۔ (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف' ج ١' ص ١٦٣-١٦٢' مطبوعہ ملتان)

علامہ سہیلی متوفی ٥٨١ھ نے اس حدیث کی سند کو مقطوع لکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسی حدیث احکام شرعیہ کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' لیکن ان کے استاذ قاضی ابوبکر محمد بن العربی متوفی ٥٤٣ھ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ہرچند کہ اس کو اہل صحیح نے روایت نہیں کیا' لیکن انہوں نے اس حدیث کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور صحابہ اور علماء اس حدیث سے تغافل کرتے تھے' جس کی ان کو ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

(احکام القرآن' ج ٢' ص ٣٨-٤٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

تاہم علامہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ نے اپنے استاذ حافظ ابن العربی کی سند سے روایت کیا ہے۔
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے' اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا' اس حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا' اور اس کی تلاوت مدینہ میں ہوئی۔
(الروض الانف' ج۱' ص ۱۶۳- ۱۶۲' مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ' ملتان)

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن غر محجل (جس کا منہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا' اس کا سبب وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعضاء وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر) اپنی سفیدی کو زیادہ کرلے۔
(صحیح بخاری' ج۱' رقم الحدیث: ۱۳۶' صحیح مسلم' ج۱' رقم الحدیث: ۲۴۶' سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۳۲۳' سنن نسائی' ج۱' رقم الحدیث: ۱۵۰' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۲۸۴)
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا' اور جب وہ ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتیٰ کہ وہ گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے۔
(سنن ترمذی' ج۱' رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم ج۱' رقم الحدیث: ۲۴۴' الموطأ' رقم الحدیث: ۳۳' سنن دارمی' ج۱' رقم الحدیث: ۷۱۸' مسند احمد' ج۳' رقم الحدیث: ۸۰۲۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج۱' ص ۸۱' صحیح ابن خزیمہ' ج۱' رقم الحدیث: ۴)
امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جائے' اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کے لیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۲۸۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا' پھر کہا: "اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله' اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين" اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ جس دروازے سے چاہے' جنت میں داخل ہو جائے۔
(سنن ترمذی' ج۱' رقم الحدیث: ۵۵' صحیح مسلم' ج۱' رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۱۶۹' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم

الحدیث: ٤٠٧' مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٧٣١٦)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں سلمان کے ساتھ تھا' انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (المصنف' ج ١' ص ٨-٧' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤٠٦ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں:

سالم بن عبداللہ بن عمر' کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ لوگوں کو حساب کے لیے جمع کیا گیا' پھر انبیاء علیہم السلام کو بلایا گیا۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی امت تھی اور اس نے دیکھا کہ ہر نبی کے ساتھ دو نور ہیں جو ان کے درمیان چل رہے ہیں' اور ان کی امت میں سے جو ان کے متبعین تھے' ان کے لیے ایک نور تھا' حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ کو بلایا گیا۔ آپ کے سر کے بالوں اور آپ کے پورے چہرے پر نور تھا' جو ہر دیکھنے والے کو نظر آ رہا تھا' اور آپ کی امت میں سے آپ کے متبعین کے لیے دو نور تھے' جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نور تھے۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ خواب نہیں تھا' انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اور تم کو اس کا علم کس طرح ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر کعب نے اسے اللہ کی قسم دے کر کہا' کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا تھا؟ اس نے کہا ہاں! میں نے یہی خواب دیکھا تھا۔ کعب نے کہا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! یا کہا' اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا یہ سیدنا احمد ﷺ اور آپ کی امت کی صفت ہے' اور اللہ کی کتاب تورات میں انبیاء کی صفت ہے' جس طرح میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں نے تمہید (ج ٢' ص ٢٥٩) میں بیان کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام امتیں وضو کرتی تھیں اور یہ چیز میرے نزدیک کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (الاستذکار' ج ٢' ص ١٨٠' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٣ھ)

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے' اور جب کوئی شخص باوضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے' وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا' ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا' جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٢١٤' سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ١٧١' سنن ترمذی' ج ١' رقم الحدیث: ٥٨)

سوید بن نعمان بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہباء پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوایا تو صرف ستو لائے گئے' ہم نے ان کو کھلایا اور پیا' پھر نبی ﷺ مغرب کے لیے اٹھے' آپ نے کلی کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٢١٥)

غزوۂ خیبر' غزوۂ فتح مکہ سے پہلے سات ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو

سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر نے کہا' آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے' آپ نے فرمایا: میں نے عمداً کیا ہے۔ (صحیح مسلم' ج ا' رقم الحدیث: ۲۷۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے' جس سال فتح مکہ ہوا' آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمر نے کہا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں نے عمداً کیا ہے"۔ (سنن ترمذی' ج ا' رقم الحدیث: ۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس سے پہلے صحیح البخاری (رقم الحدیث: ۲۱۵) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری نہیں ہے' بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے' اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متفق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بال جہاں سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو' اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھنی داڑھی ہو' وہ صرف بالوں میں خلال کرے' داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے' اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے' انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے' مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی نے کہا مسح کی اتنی مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آسکے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا ان سے زائد پر مسح کیا جائے' یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ "وامسحوا برءوسکم" میں با کا معنی تبعیض ہے' اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پیشانی پر' یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: المسلسل ۲۷۴۔ رقم الحدیث: الکتاب ۸۲-۸۱) اور ابو معقل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا' آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ا' ص ۶۱) البتہ امام شافعی کے

نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔

(الحاوی الکبیر' ج ۱' ص ۱۳۸-۱۳۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام شافعی کی اس دلیل پر دو وجہ سے نقض ہے۔ ایک تو یہ کہ باء کا متفق علیہ معنی الصاق ہے۔ تبعیض نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہوتا' تو نبی ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی تو صرف تین بالوں پر مسح کرتے یا پھر اس مقدار کا صراحتاً بیان فرماتے۔

امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔
چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بال ہیں' سو جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ پر مسح کرے اور بعض کو ترک کردے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالک نے جواب دیا' اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کردے تو آیا یہ جائز ہوگا؟ (احکام القرآن' ج ۲' ص ۶۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن العربی نے امام مالک کے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے سر کے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابوداؤد' ۱۱۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۳۴' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۹-۳۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۵۹' کتاب المعرفہ ج ۱' ص ۲۱۳)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں' پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے' پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۲۳-۱۲۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۵۹)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمد کے تین قول ہیں۔ (۱) پورے سر کا مسح فرض ہے (۲) پیشانی کے برابر یعنی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے (۳) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔

(المغنی' ج ۱' ص ۸۷-۸۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۰۵ھ)

پورے سر کا مسح کرنے یا اکثر حصہ کا مسح کرنے کا قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے سر پر پیشانی کی مقدار کے برابر بھی مسح کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور بعض مشائخ احناف کے نزدیک تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

پیشانی کی مقدار چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے' کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے' پھر پیشاب کیا اور پیشانی کی مقدار (پر) مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا' اور قرآن مجید میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف دلیل ہے' جو تین بالوں کی مقدار کا قول کرتے ہیں اور امام مالک پر بھی حجت ہے جو پورے سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنے کو فرض کہا ہے' کیونکہ مسح کرنے کا آلہ ہاتھ ہے اور اس کی اکثر مقدار تین انگلیاں ہیں۔

(ھدایہ اولین' ص ١٧' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

سر پر مسح کرنا فرض قطعی ہے اور اس کی مقدار فرض ظنی ہے' فرض قطعی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرض ظنی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کر سکتا ہے' اسی طرح ربوٰ الفضل کی حرمت بھی ظنی ہے اور اس کی حرمت کی علت میں بھی مجتہدین کا اختلاف ہے۔

پیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید' احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے' ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے وارجلکم اور لام پر نصب ہے اور اس کا عطف "وجوھکم وایدیکم" پر ہے' یعنی اپنے چہروں' ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی قراءت ہے اور قراء میں سے ابن عامر' نافع' اور کسائی کی یہی قراءت ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (الحاوی الکبیر' ج ا' ص ۴۹) اور اس قراءت کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آملے' درآنحالیکہ ہم نے عصر کی نماز میں دیر کردی تھی' سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے' تو آپ نے باآواز بلند دو یا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو' ان کو آگ کا عذاب ہو۔

(صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ١٦٥-١٦٣-٩٦' صحیح مسلم' ج ا' رقم الحدیث: ٢٤٢-٢٤١-٢٤٠' سنن ترمذی' ج ا رقم الحدیث: ٤١' سنن ابوداؤد' ج ا' رقم الحدیث: ٩٧' سنن نسائی' ج ا' رقم الحدیث: ١١١' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ٤٥٠' مسند احمد' رقم الحدیث: ٤٤٥٧٠)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنین بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا' آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ١٧٢' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قراتیں ہیں۔ نصب کی قرات (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرات (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف برؤسکم پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے' اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (ھود: ٢٦) بے شک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں۔

اس آیت میں الیم عذاب کی صفت ہے' اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہیے تھی' لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوھکم اور ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی' لیکن اس کے جوار میں برءوسکم چونکہ مجرور ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہٰذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف برءوسکم پر ہے' اور اس سے پہلے وامسحوا مقدر ہے' لیکن وامسحوا برءوسکم میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دھونا۔ اہل عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا (نساء: ۴۳)

اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب جاؤ' حتیٰ کہ تم غسل کر لو' الا یہ کہ تم نے (مسجد میں صرف) رستہ عبور کرنا ہو۔

اس آیت میں ولا جنبا کا عطف لا تقربوا الصلوۃ پر ہے اور اس سے پہلے بھی لا تقربوا الصلوۃ مقدر ہے' لیکن معطوف علیہ میں الصلوۃ کا معنی حقیقتاً مراد ہے یعنی نماز' اور معطوف میں الصلوۃ کا معنی مجازاً مراد ہے' یعنی مسجد اور محل صلوۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں وامسحوا برءوسکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور ارجلکم دو متواتر قراتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے' اسی طرح قرآن مجید کی قرات میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے ارجلکم کی قرات اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلکم کی قرات اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں' تو پیروں پر مسح کر لو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھو لو۔ اس طرح ان دونوں قراتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کر دیا جاتا ہے' ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا' اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں' یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ' ہاتھ اور پیر ہیں' تو ان کو دھویا جائے' اور جس عضو پر مسح کا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا' بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے' کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے' اسی طرح غسل کی فرع ہے' اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے' تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھولیا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا' تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث:۱) نیز تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں ہے' اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نیت طہارت کی شرط ہے۔

(مغنی' ابن قدامہ' ج ۱' ص ۷۸' الحاوی الکبیر' ج ۱' ص ۱۰۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اعمال کا دار و مدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع' شراء' نکاح' طلاق' رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہالیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہوگا اور اس سے نماز صحیح ہوگی' اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضوء' غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے' کیونکہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے' اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے' اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث:۱۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث:۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث:۳۹۷) علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے) پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے' اور اس حدیث میں وضو کی نفی کمال پر محمول ہے' جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عمداً بسم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہوگا اور

اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ (المغنی ج ۱ ص ۷۴-۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر ہاتھ پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم" (الایہ) اور "فا" تعقیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمد کا بھی یہی موقف ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۱ ص ۶۸)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۸۷) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹) امام بیہقی نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۸۷) نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے نہر یا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بالاتفاق اس کا وضو ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرے عضو کو دھونا بشرطیکہ اس کو یاد رہے۔ علامہ احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک موالات فرض ہے بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالک کا استدلال اس آیت میں لفظ "فا" سے ہے۔ کیونکہ "فا" ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۲) اور جمہور کا استدلال لفظ "واؤ" سے ہے کیونکہ "واؤ" مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان "واؤ" کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا آپ نے استنجاء کیا اور جو ناگوار چیز لگی تھی اس کو صاف کیا پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ (صحیح البخاری ج ۱ رقم الحدیث: ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے موخر کر دیا اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھولے کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ١٤٣، صحیح مسلم ٢٧٨، سنن ابوداؤد ١٠٣، سنن ترمذی ٢٤، سنن ابن ماجہ ٣٩٣، سنن دار قطنی ١٢٧، مسند احمد ج ٢ ص ٢٧٠-٥٠٧، ٤٥٥، ٢٨٣، ٢١٥، طبع قدیم)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ امام ابوداؤد بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا وضو نہ ہو، اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے، اس کا وضو نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ١٠١، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٣٩٩، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ٢٢٠، المستدرک، ج ١، ص ١٤٦)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو بسم اللہ والحمد للہ، پھر تمہارے کراماً کاتبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ١٩٦) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن محمد متفرد ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ (میزان الاعتدال، ج ١، ص ١٨١) امام ابن عدی نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں (کتاب الضعفاء، ج ١، ص ٢٦٠) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ١، ص ٢٢٠)

مسواک کرنی چاہیے، لکڑی کی معروف مسواک نہ ہو تو انگلی سے یا برش سے دانت صاف کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھتے تو مسواک کرتے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٢٤٥، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٥٥، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٥٥، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٨٦، سنن داری، رقم الحدیث: ٦٨٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٨٨٧، مسلم، رقم الحدیث: ٢٥٢، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ٤٦، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ٢٢، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ٢٨٧، سنن داری، رقم الحدیث: ٦٨٧، مسند احمد، ج ٢، ص ٥٣١، طبع قدیم)

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے، امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری، باب السواک الرطب والیابس للصائم، سنن کبریٰ، للبیہقی، ج ١، ص ٣٥، مسند احمد، ج ٢، ص ٤٦٠-٥٧١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ہمیں مسواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں مسواک ہیں جن کو تم دانتوں پر پھیرتے ہو، بغیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ امام بیہقی نے کہا، اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ (سنن کبریٰ، ج ١، ص ٤١، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ١٣٧٧ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ١٨' رقم الحدیث: ٢٦٢١٨' صحیح ابن خزیمہ' ج ١' ص ٧١' رقم ١٣٧' حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک' ج ١' ص ١٤٦)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو' اس کو نبی ﷺ اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ٨' رقم الحدیث: ٤٧٣٨' مطبوعہ دار المامون' بیروت' مسند البزار' ج ١' ص ٢٤٤' رقم ٥٠١' سنن کبریٰ ج ١' ص ٣٨)

کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

عمرو بن ابی حسن نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور انہیں نبی ﷺ کی طرح وضو کر کے دکھایا۔ انہوں نے اس برتن سے پانی انڈیل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' پھر ہاتھ سے پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھویا' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصہ سے اگلے حصہ تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٨٦' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٣٥' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ١١٨-١١٩' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٢-٢٨' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٠٥' سنن دارمی' رقم الحدیث: ٦٩٨)

کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ٢٧٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کیا' کانوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کانوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کانوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٣٩' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٤٠' سنن نسائی' رقم الحدیث: ١٠١)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی میں خلال کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣١' المستدرک' ج ١' ص ١٥٠-١٤٩)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٣٩' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٤٧)

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یارسول اللہ! وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا' پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا' پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا' پھر اپنے دونوں پیروں کو تین تین بار دھویا' پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے' جس نے اس پر زیادتی کی' یا کمی کی' اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ١٣٥)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے ناکافی جان کر زیادتی کی' اس نے ظلم کیا۔ ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی' اس نے ظلم کیا' ورنہ ایک یا دو بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔

وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا' علامہ ابوالحسن احمد قدوری متوفی ٤٢٨ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ المرغینانی المتوفی ٥٩٣ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: ٥)

اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں درآنحالیکہ وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے' ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو' جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٠٧' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٢٢٠١' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٦٤٧' سنن نسائی رقم الحدیث: ٧٥' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٢٢٧' مسند احمد' رقم الحدیث: ج ١' ص ٢٣-٢٥' طبع قدیم)

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضاء کو دھونے کا حکم ہے' یہ بھی مستحب ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا مذکور ہونا ہے' اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے' اور علامہ المرغینانی کے نزدیک سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں طرف سے ابتدا کرنا پسند تھا' حتیٰ کہ جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٦٨' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ٢٦٨' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤١٤٠' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٦٠٨'

سنن نسائی، رقم الحدیث: ١١٣، مسند احمد، ج ١٠، رقم الحدیث: ٢٥٨٢١، مطبوعہ دار الفکر ١٤١٤ھ)

وضو کے آداب

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سکندری حنفی متوفی ٨٦١ھ لکھتے ہیں، وضو کے حسب ذیل آداب ہیں:

(١) اسراف کو ترک کرنا (٢) بہت کم پانی لینے کو ترک کرنا (٣) اس کپڑے سے اعضاء وضو کو نہ پونچھنا جس سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو (٤) لوگوں سے باتیں نہ کرنا (٥) بلا ضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا۔ وبری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو وضو کراتے تھے۔ (٦) وضو کے لیے خود پانی لانا (٧) استنجاء کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو۔ (٨) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا (٩) ہر عضو دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا (١٠) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا (١١) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا (١٢) چہرے پر پانی سے چھپکے نہ مارنا۔ (١٣) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے (١٤) اطمینان سے وضو کرنا (١٥) مل مل کر دھونا خصوصاً سردیوں میں (١٦) چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا، تاکہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضا سفید ہوں (١٧) وضو کے بعد یہ پڑھنا سبحانک اللھم اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اللھم اجعلنی من التوابین" (الخ) (١٨) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی پینا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر (اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" (الحج: ٣٢) "اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالایا تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے" علامہ شامی نے لکھا ہے یہ مستحب نہیں، مباح ہے۔ افضل ان پانیوں کو بیٹھ کر پینا ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ سعیدی، غفرلہ) (١٩) وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھنا (٢٠) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے بچانا (٢١) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ (٢٢) وضو کے پانی میں نہ تھوکنا (٢٣) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا (٢٤) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔

(فتح القدیر، ج ١، ص ٣٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٥ھ)

وضو توڑنے والے امور

سبیلین یعنی اگلے مخرج اور پچھلے مخرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول اور براز اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں وضو ٹوٹنے کے اسباب میں بیان فرمایا ہے:

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (المائدہ: ٦) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے۔

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کر قے آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں! نہیں! یہ صرف رگ (سے خون نکلتا ہے، رحم سے نہیں نکلتا) ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھو لو اور نماز پڑھو۔ پھر ہر نماز کے لیے ایک بار وضو کر لو، حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۲۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۳۳۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۹۸-۲۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۶۲۴' الموطاء' رقم الحدیث: ۱۳۷' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۵۶۷۹' طبع دارالفکر' ۱۴۱۴ھ ج ۶' ص ۲۰۴-۲۶۴-۴۲' طبع قدیم)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جہاں بھی یہ علت پائی جائیگی' وضو ٹوٹ جائیگا۔

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بہنے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

اس حدیث کی سند منقطع ہے' کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا تمیم داری سے سماع نہیں ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد ضعیف ہیں۔ (سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خون کے ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ہے' سوا اسکے کہ بہنے والا خون نکلے۔ (سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۵۷۲-۵۷۳)

امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو بھی ضعیف کہا ہے' لیکن تعدد اسانید سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ لائق استدلال ہوتی ہے۔ ابن جریج اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے منہ بھر کر قے کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی' وہ واپس لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۵۵۸' سنن ابن ماجہ' ۱۲۲۱' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ۱' ص ۱۵۳' کامل ابن عدی' ج ۱' ص ۲۹۳)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۹' ۵۶۰' ۵۶۱) نیز امام دار قطنی نے اس حدیث کو ابن جریج کے والد سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۶۳) دو سندوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۵۶-۵۶۵) نیز اور کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۵۷۰' ۵۶۹' ۵۶۸' ۵۶۷)

ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے' اور لائق استدلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قے کرنے سے اور غیر مخرجین سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (الحاوی الکبیر' ج ۱' ص ۲۴۴)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو صرف پاد نکلنے سے یا ہوا خارج ہونے سے لازم آتا ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۵۱۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۳۲۳' دارالفکر' سنن کبریٰ' للبیہقی' ج ۱' ص ۱۱۷)

اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ بول و براز نکلنے سے نیند سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے اس حدیث میں غیر مخرجین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہوتا رہتا تھا' اس لیے انہوں نے کہا جب تک آواز نہ نکلے' یا بدبو نہ آئے' وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام ابوداؤد متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں گئے‘ ایک شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا‘ اس مشرک نے قسم کھائی میں اس وقت تک ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک کہ اصحاب محمد (ﷺ) میں سے کسی کا خون نہ بہا دوں۔ وہ نبی ﷺ کا پیچھا کرتا رہا‘ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں گھاٹی کے منہ پر کھڑے رہنا‘ جب وہ دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اس مشرک نے اس انصاری کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی حفاظت کر رہا ہے‘ اس نے اپنا تیر نکال کر کمان میں رکھا اور لگاتار تین تیر مارے۔ وہ انصاری‘ اسی طرح نماز میں رکوع اور سجود کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مہاجر بیدار ہو گیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ چوکنے ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا‘ جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ انصاری نے کہا‘ میں قرآن مجید کی جس سورت کو پڑھ رہا تھا میں نے اس کو منقطع کرنا پسند نہیں کیا۔

(سنن ابوداؤد‘ رقم الحدیث: ١٩٨‘ مسند احمد‘ ج ٣‘ ص ٣٤٤-٣٤٣‘ طبع قدیم‘ سنن کبریٰ للبیہقی‘ ج ١‘ ص ١٤٠‘ صحیح ابن خزیمہ‘ رقم الحدیث: ٣٦‘ سنن دار قطنی‘ رقم الحدیث: ٨٥٨‘ المستدرک‘ ج ١‘ ص ١٥٦)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اس حدیث سے استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب نبی ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جاتا اور آپ اس نماز کو دہرانے کا حکم نہ دیتے۔ ثانیاً: حافظ منذری نے لکھا ہے کہ جب کہ تیر لگ کر بہنے والا خون اس انصاری کے بدن‘ اس کی کھال اور اس کے کپڑوں پر بھی یقیناً لگا ہو گا اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی خواہ خون تھوڑا ہی ہو‘ اور اگر یہ کہا جائے کہ خون کی دھار اس طرح بہی تھی کہ اس کے کپڑوں اور بدن پر خون نہیں لگا تو یہ بہت تعجب خیز بات اور بہت بعید احتمال ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد‘ ج ١‘ ص ١٤٣)

علامہ ماوردی شافعی نے بعض آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔

اگر کسی شخص کو لیٹے ہوئے نیند آ جائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگائے ہوئے نیند آ جائے کہ اگر اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے‘ تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سجدہ میں سوئے ہوئے تھے‘ حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے‘ پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پوری کی۔ میں نے عرض کیا‘ یا رسول اللہ! آپ تو سو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے‘ جو لیٹ کر سوئے۔ کیونکہ جب انسان لیٹ جاتا ہے تو اس کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

(سنن ترمذی‘ رقم الحدیث: ٧٧‘ سنن ابوداؤد‘ رقم الحدیث: ٢٠٢‘ سنن کبریٰ‘ ج ١‘ ص ١٢١‘ مسند احمد‘ ج ١‘ ص ٢٥٦‘ طبع قدیم)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے سند صحیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سوتے تھے‘ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے ہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا‘ میں نے دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا‘ یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ آپ نے

فرمایا نہیں، جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۲۰، کامل ابن عدی ج ۲ ص ۵۵)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکھ سرین کی رسی ہے جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے سو جو شخص سو جائے وہ وضو کرے۔

(سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۵۸۷، المعجم الکبیر، ج ۱۹، رقم الحدیث: ۸۷۵، مسند احمد، ج ۴، ص ۹۶-۹۷، مسند ابو یعلیٰ، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۷۳۷۲، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۷۷، سنن کبریٰ، ج ۱، ص ۱۱۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۰۳، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۴۷، الجامع الصغیر، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۷۳۹، الجامع الکبیر، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۴۵۶۳)

اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ضعیف راوی ہے اور بقیہ بن الولید مدلس ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم یہ حدیث دیگر احادیث صحیحہ اور حسنہ کی موید ہے۔

نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلی، لیکن حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قیاس پر حدیث کو مقدم رکھتے ہیں۔ ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

ملیح بن اسامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک نابینا شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا، ہم اس سے ہنس پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پورا وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا اور نماز کو شروع سے دہرانے کا حکم دیا۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۵۹۱)

اس حدیث کی سند میں حسن بن دینار متروک ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۴)

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زیر تفسیر آیت میں "اولمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" (المائدہ: ۶) وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، یعنی یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے، یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے، صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں لمس، مس کے الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۶۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سو رہی تھی اور میرے دونوں پیر آپ کے سامنے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے، میں اپنے پیر کھینچ لیتی، جب

آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پیر پھیلا دیتی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں تھے۔

(صحیح البخاری ' ج ا ' رقم الحدیث: ۳۸۲ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث المسلسل ' ۵۱۲ ' رقم الحدیث الکتاب ۲۷۲ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۷۱۲ ' سنن نسائی ' رقم الحدیث: ۱۶۷ ' الموطا ' رقم الحدیث: ۲۵۸ ' مسند احمد ' ج ٦ ' ص ۵۵ ' ۲۲۵ ' ۲۵۵ ' ۱۴۸ ' ۵۵ ' ۴۴ ' طبع قدیم)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عورت کے بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' کیونکہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو ہاتھ لگاتے اور نماز میں بدستور مشغول رہتے۔

امام ابو عبدالرحمن بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی کسی زوجہ کو بوسہ دیتے' پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے حسن حدیث ہے۔ اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے)

(سنن نسائی ' ج ا ' رقم الحدیث: ۱۷۰ ' سنن ابو داؤد ' ج ا ' رقم الحدیث: ۱۸۰-۱۷۹-۱۷۸ ' سنن ترمذی ' رقم الحدیث: ۸۶ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۵۰۲ ' مسند احمد ' ج ۱۰ ' رقم الحدیث: ۲۵۸۲۴ ' مطبوعہ دار الفکر)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام' فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مس ذکر (شرم گاہ کو چھونا) سے وضو نہیں ٹوٹتا' امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں (المغنی' لابن قدامہ ' ج ا ' ص ۱۱۹) امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

طلق بن علی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "وہ تمہارے جسم کا ایک عضو ہی تو ہے"۔

(سنن ترمذی ' ج ا ' رقم الحدیث: ۸۵ ' سنن ابو داؤد ' ج ا ' رقم الحدیث: ۱۸۲ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۴۸۳ ' مسند احمد ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۱۶۳۹۵ ' مصنف ابن ابی شیبہ ' ج ا ' ص ۱۶۵ ' مصنف عبدالرزاق ' رقم الحدیث: ۴۲۶)

اس حدیث کی سند قوی ہے۔ امام شافعی کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

بسرہ بنت صفوان بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے ذکر (شرم گاہ) کو چھوا' وہ وضو کیے بغیر نماز نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی ' ج ا ' رقم الحدیث: ۸۲ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۱۸۱ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۴۷۹ ' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اس کے خلاف بکثرت آثار روایت کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا کان کو چھوؤں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔

حضرت عمار بن یاسر نے فرمایا یہ میری یا تمہاری ناک کی طرح عضو ہے اور تمہارے چھونے کے لیے اور اعضا بھی ہیں۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔

(شرح معانی الآثار ' ج ا ' ص ۷۴ ' مطبوعہ مجتبائی ' پاکستان)

اس مسئلہ میں دونوں جانب احادیث اور آثار ہیں اور قیاس صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

کیونکہ اولاً تو یہ دیگر اعضاء کی طرح ایک عضو ہے جس طرح دیگر اعضاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا' اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ ثانیاً: اس لیے کہ خون' پیپ اور بول' براز کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی نفسہ طاہر ہے' اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

تیمم کی شرط' طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے' یا وہ شخص شہر سے باہر ہو اور شہر اس سے ایک میل (انگریزی ڈیڑھ میل) یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" (المائدہ: ٦) پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس سال تک پانی نہ ملے' سو جب اس کو پانی مل جائے تو وہ اس سے اپنی کھال تر کرے' یعنی وضو کرے' یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۲۱' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۱' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۱۳۴۳' المستدرک' ج ۱' ص ۱۷۷' سنن کبریٰ' ج ۱' ص ۲۲۰۔ ۲۱۲)

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شہر میں جانے سے ضرر ہوگا' اعتبار مسافت کا ہے' تنگی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے' کیونکہ یہ تقصیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا' تو وہ تیمم کرے۔ اگر جنبی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مرجائے گا یا بیمار ہو جائے گا' تو وہ تیمم کرے' خواہ وہ شہر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردی کی رات میں جنبی ہو گئے۔ انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما (النساء: ۲۹) تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر مہربان ہے" پھر انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا' تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری' کتاب التیمم' باب: ۷)

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں پر ملے' ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے' تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی' ریت' پتھر' چونا اور ہڑتال (ایک قسم کی زرد اور زہریلی دھات) وغیرہ سے۔ تیمم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے' جس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ تیمم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے' اگر نماز جنازہ یا عید کی نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شہر میں بلا عذر بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

(ہدایہ اولین' ص ۵۶۔ ۴۹' ملخصاً مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

تیمم سے متعلق دیگر مباحث ہم نے (النساء: ۴۳) میں بیان کر دیئے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ

اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ

بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

تم سے لیا ہے، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

کو جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم

لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي

رہنے والے ہو جاؤ دراں حالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو، کسی قوم کی عداوت

اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے، تم عدل کرتے رہو وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بیشک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان سے

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو:

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ

ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور ایمان والوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ ع ٢ع٢

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ٧)

اللہ کی نعمت اور اس کے عہد و میثاق کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ تمہیں خوشی ہو یا رنج، سہولت ہو یا تنگی، ہر حال میں تم اللہ کے احکام سن کر قبول کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے اور تم نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمیں جس چیز کا حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے اور جس کام سے منع کریں گے، اس سے باز رہیں گے اور تم پر یہ بھی اللہ کا انعام تھا کہ تم نے یہ عہد کیا، سو اے مسلمانو تم اپنے اس عہد کو پورا کرو، تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دائمی نعمتیں عطا فرمائے۔

تم اس عہد کو توڑنے یا پورا نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، ایسا نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو اور دل میں اس کے خلاف ہو، اور اپنے ظاہر اور باطن میں اس عہد کی خلاف ورزی کرنے سے اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی معین نعمت کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جنس نعمت کا ذکر فرمایا ہے، اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں پر غور کرو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جو نعمتیں دی ہیں، ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ اس نے حیات عطا فرمائی، صحت دی، عقل اور ہدایت دی۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بہت اچھائیاں عطا فرمائیں، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کی ان نعمتوں پر غور کریں، اس کا شکر بجالائیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم ان نعمتوں کو یاد کرو اور یاد کرنا بھولنے کی فرع ہے، یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے، اور جب کوئی نعمت چلی جاتی ہے، تو پھر اس نعمت کو یاد کرتا ہے، حالانکہ اسے چاہیے کہ وہ نعمت کی حالت میں اپنے منعم کو یاد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف متوجہ کرنے کا ایک سبب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس کی طرف متنبہ کرنے کا دوسرا سبب اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و میثاق ہے۔ اس میثاق کی ایک تفسیر وہ ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے وقت آپ کی اطاعت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لیا کہ وہ تورات پر ایمان لائیں اور تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارت ہے، تو انہوں نے تورات کے ضمن میں آپ کی نبوت پر ایمان لانے کا بھی اقرار کیا تھا، سو اس سے یہ میثاق مراد ہے، اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا تو ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا، اور چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور شریعت پر جو عقلی دلائل اور شرعی براہین قائم کی ہیں، عہد اور میثاق سے وہ دلائل اور براہین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو اللہ کے لیے (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ، در آنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ (المائدہ: ٨)

صحیح اور سچی شہادت کی اہمیت

یہ آیت بھی سابقہ آیت سے متصل ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اس آیت میں دو حکم ہیں (حق پر) مضبوطی سے قائم رہنا اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا' اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خلاصہ بھی دو چیزیں ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور بندوں پر شفقت کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا' اس کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینا اس کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے قرابت داروں اور دوستوں کی محبت کی وجہ سے شہادت دینے میں کوتاہی یا کمی نہ کرو' اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بغض کی وجہ سے شہادت میں کوئی رد و بدل نہ کرو' صرف انصاف کی رو سے شہادت دو' خواہ اس سے تمہارے دوستوں کو نقصان پہنچے یا تمہارے دشمنوں کو فائدہ پہنچے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر عام ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر نہ ابھارے' بایں طور کہ تم حد سے تجاوز کرو' بلکہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو' خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ' خواہ انہوں نے تمہارے ساتھ بدی اور برائی کی ہو' اور مخلوق میں سے ہر ایک کے ساتھ عدل اور انصاف کرو' اور کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرو' اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا' اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا۔ سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کو کفار پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے' حالانکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پائیں' قتل کر دیں اور میدان جنگ میں آنے والے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو پھر اور ظلم اور زیادتی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم یہ ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے' ان کے بچوں کو قتل کیا جائے' بڑوں کا مثلہ کیا جائے' اور ان سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا: تم عدل کرتے رہو' وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ تقویٰ کے معنی ہیں خوف خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا' اور جو شخص عدل کرتا ہے' وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص عدل کرتا ہے' وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تمہارے کاموں کی بہت خبر رکھنے والا ہے (المائدہ: ٨)

یعنی اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور وہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے' سو اگر تم نے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دی یا کسی کے حق میں جھوٹی گواہی دی اور بے انصافی کی' تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ پھر صحیح اور سچی گواہی پر اجر و ثواب کی بشارت دی اور جھوٹی گواہی پر عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے' ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدہ: ٩) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا' وہ لوگ دوزخی ہیں۔

(المائدہ: ١٠)

نا اہل کو سند یا لائسنس دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں' یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۷۱-۷۰' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی)

ہمارے نزدیک اگر کوئی ڈاکٹر کسی صحت مند شخص کو کسی تعلق کی بنا پر یا رشوت لے کر بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے تو اس کے سر پر ایک گناہ تو رشوت لینے کا ہے اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا گناہ ہے۔ اور دوسرا گناہ اس کا جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے:

اَنَّ لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ (النور: ۷) اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اور جھوٹ پر عذاب کی وعید سنائی ہے:

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ (البقرہ: ۱۰) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اگر کوئی ممتحن کسی طالب علم کے پرچہ میں رشوت لے کر یا سفارش یا تعلق کی بنا پر زیادہ نمبر لگاتا ہے یا دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس کے نمبر کم لگاتا ہے تو یہ ظلم ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا' اور اس کا شرعی معنی ہے حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنا اور اس کو جور کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف کرنا ظلم ہے اور حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔

(کتاب التعریفات' ص ۶۲' مطبوعہ ایران' النہایہ' ج ۳' ص ۶۱' المفردات' ص ۳۱۶-۳۱۵)

اور ظلم بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت فرمائی ہے:

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (ھود: ۱۸) سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس لیے کسی ڈاکٹر کا صحت مند کو بیماری کا سرٹیفکیٹ دینا یا کسی افسر کا اناڑی کو ڈرائیونگ لائسنس دینا یا کسی ٹیکسی ڈرائیور کے غلط میٹر کی صحیح میٹر کا سند دینا یا رشوت لے کر کسی غیر ملکی کو قومی شناختی کارڈ بنا دینا یا کسی یونیورسٹی یا ادارہ کی جعلی سند جاری کر دینا اور اس نوع کی تمام جھوٹی اور جعلی دستاویزات' جھوٹ اور ظلم پر مبنی ہیں' اور گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹی شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے' خصوصاً ممتحن کے نمبر لگانے کا معاملہ کسی طور پر شہادت نہیں ہے۔ اس کے لگائے ہوئے نمبر شہادت

نہیں' بلکہ ایک قسم کا فیصلہ ہیں' اگر وہ غلط نمبر لگائے گا تو یہ اس کی عدالت کے خلاف ہو گا اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ٨)　　کسی قوم کی عداوت تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔ تم عدل کرتے رہو' وہ خوف خدا کے زیادہ قریب ہے۔

طالب علم کا پرچہ چیک کر کے جو نمبر لگاتا ہے وہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے۔ اسی طرح جو افسر گاڑی کی فٹ نس کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے' یا میٹر کو صحیح قرار دیتا ہے' یہ اس کی قضا اور فیصلہ ہے اور ڈاکٹر جو سرٹیفکیٹ دیتا ہے یہ اس کی ماہرانہ رائے ہے۔ یہ تمام امور مشابہ بالقضاء ہیں' شہادت نہیں۔ پس شہادت دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کہے میں شہادت دیتا ہوں جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ اس لیے اگر یہ لوگ غلط فیصلہ کریں گے اور خلاف واقع تحریر کریں گے' تو عدل کے خلاف ہو گا' اور ظلم اور جھوٹ ہو گا' اور یہ کام موجب لعنت ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں' لیکن یہ شہادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اب ہم آپ کے سامنے شہادت کی تعریف اور ارکان بیان کر رہے ہیں۔

شہادت کی تعریف

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں قاضی کے سامنے ایک شخص کے دوسرے شخص پر حق کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینا (مثلاً کہے میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں آدمی کا فلاں شخص پر فلاں حق ہے) شریعت میں شہادت ہے۔

(کتاب التعریفات' ص ۵٧' مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵٠٢ھ لکھتے ہیں:

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم علم اور یقین کے قائم مقام ہے' اس میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو قسم کے قائم مقام ہے' اس میں مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ زید چلنے والا ہے۔ (المفردات' ص ٢٦٨)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ٧٨٦ھ لکھتے ہیں:

جب گواہ مسموعات کی جنس سے کوئی بات سنے مثلاً بیع' اقرار یا حاکم کے حکم کو سنے' یا مبصرات میں سے کسی چیز کو دیکھے مثلاً کسی کو قتل کرتے ہوئے دیکھے' یا کسی کو غصب کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ میں گواہی دیتا ہوں فلاں شخص نے بیع کی' یا حاکم نے فیصلہ کیا خواہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

(عنایہ مع فتح القدیر' ج ٧' ص ٣۵٧' طبع بیروت' ١٤١۵ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ٨٦١ھ نے لکھا ہے کہ شہادت میں لفظ شہادت (مثلاً میں شہادت دیتا ہوں) کہنا ضروری ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اسی لفظ کے ساتھ شہادت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ٢)　　اور تم میں سے دو نیک شخص شہادت دیں۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ٢٨٢)　　جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو شاہد (گواہ) بنالو۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ: ٢٨٢)　　اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہد طلب کرو۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق: ٢)　　اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔

امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے شہادت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کی مثل ہو تو شہادت دو' ورنہ چھوڑ دو

(المستدرک' ج ٤' ص ١٩٨' سنن کبریٰ' ج ١٠' ص ١٥٦)

ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی سنی ہوئی بات یا کسی وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جو کسی مریض کے متعلق اپنی رائے لکھتا ہے' یا ممتحن کسی پرچہ پر نمبر لگاتا ہے' اس میں کسی واقعہ یا حادثہ کی خبر نہیں دی جاتی' بلکہ اپنی طرف سے ایک رائے دی جاتی ہے یا ایک حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لیے ان امور کو شہادت کے ذیل میں لانا صحیح نہیں ہے۔ البتہ! اگر بدنیتی کی وجہ سے صحیح رائے نہ لکھی جائے یا صحیح حکم نہ لگایا جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے اور ظلم ہے' اور اگر اس نے دانستہ اپنی فی الواقع رائے کے خلاف لکھا تو یہ جھوٹ ہے اور بہر حال گناہ کبیرہ ہے۔

نا اہل شخص کو ووٹ دینے کا عدم جواز اور بحث و نظر

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں:

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کاذبہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اب غور کیجئے کہ ہمارے نمائندوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے حق میں یہ گواہی سچی اور صحیح ثابت ہو سکے' مگر ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے' کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے' کبھی ناپائدار دوستوں اور ذلیل وعدوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اور تو اور' لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے' کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے' ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا۔

یعنی جو شخص اچھی اور سچی سفارش کرے گا' تو جس کے حق میں سفارش کی ہے اس کے نیک عمل کا حصہ اس کو بھی ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے' یعنی کسی نا اہل اور برے شخص کو کامیاب بنانے کی سعی کرتا ہے' اس کو اس کے برے اعمال کا حصہ ملے گا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ امیدوار اپنی کارکردگی کے پنج سالہ دور میں غلط اور ناجائز کام کرے گا' ان سب کا وبال ووٹ دینے

والے کو بھی پہنچے گا۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کیلئے وکیل بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اسکا نفع نقصان صرف اسکی ذات کو پہنچتا تو اسکا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لیے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک شہادت' دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت۔ تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں' اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے' وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں' اور دیانت دار ہے یا نہیں' محض غفلت و بے پرواہی سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ بنے۔ (معارف القرآن' ج ۳' ص ۷۲-۷۱' مطبوعہ ادارہ المعارف' کراچی)

جو شخص علم اور عمل کے اعتبار سے نا اہل ہو' اس کو ووٹ دینا ہمارے نزدیک بھی ناجائز اور گناہ ہے' لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ووٹ کسی کے حق میں شہادت ہے' یا وکالت ہے' یا شفاعت ہے' اس کا شہادت نہ ہونا تو ہماری پہلی تقریر سے واضح ہو گیا۔ شہادت میں کسی دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے واقعہ کی لفظ شہادت کے ساتھ خبر دی جاتی ہے' اور ووٹ دینے کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ شفاعت اس لیے نہیں ہے کہ شفاعت میں کسی تیسرے شخص کے پاس کسی منصب کے لیے سفارش کی جاتی ہے' اور اس تیسرے شخص کے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا ہے کہ خواہ اس شفاعت کو قبول کرے خواہ رد کر دے' جبکہ ووٹ کی حیثیت اس طرح نہیں ہے۔ جس نمائندہ کے ووٹ ڈالے گئے ہیں' اگر اس کے ووٹ اپنے مقابل سے زیادہ ہوں تو وہ اسمبلی کا ممبر بن جائے گا۔ اس میں کسی کے قبول کرنے نہ کرنے کا کوئی معاملہ نہیں ہے' اس طرح ووٹ وکالت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وکالت میں موکل کسی شخص کو وکیل بنانے کے بعد اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ (ھدایہ اخیرین' ص ۱۹۹) اور ووٹر کسی امیدوار کو ووٹ ڈالنے کے بعد اپنے ووٹ کو کینسل نہیں کر سکتا' اور نہ ہی منتخب ہونے کے بعد اس امیدوار کو معزول کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی تعلق یا لالچ یا دباؤ کی وجہ سے کسی نا اہل شخص کو ووٹ ڈال رہا ہے' تو اس عمل کے ناجائز ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک منصب کے لیے نا اہل شخص کو مقرر کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اور اسلام میں کسی نا اہل کو منصب دینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اپنی بات مکمل کر کے فرمایا: جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہو گی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی نا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۷۱۴' الجامع الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۸۷' الجامع الکبیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۹۵)

جو کسی ایسے شخص کو قومی یا صوبائی اسمبلی کے لیے ووٹ ڈالتا ہے' جو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند نہ ہو اور اس کا بدچلن اور بدکردار ہونا بالکل واضح ہو تو وہ اس نمائندگی کے لیے نا اہل شخص کو منتخب کر رہا ہے اور نا اہل کو منصب کے لیے منتخب کرنا اس حدیث کے مطابق قیامت آجانے کے مترادف ہے۔ نیز اس سلسلہ میں مزید احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا' حالانکہ اس جماعت میں اس سے زیادہ اللہ کا فرماں بردار بندہ تھا' تو بنانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک' ج ۴' ص ۹۳۔ ۹۲' مطبوعہ دار الباز' مکہ المکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (کنز العمال' ج ۶' ص ۷۹' مطبوعہ موسسہ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جب کوئی اہل شخص دین کا والی ہو تو دین پر نہ رونا اور جب نا اہل والی ہو تو پھر دین پر رونا۔ (علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۳۴۷۶' امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک' ج ۴' ص ۵۱۵' نیز امام طبرانی' متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۶' المعجم الکبیر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۹۹)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو شخص پیسوں کے لالچ' برادری کے تعلق یا کسی باثر آدمی کے دباؤ کی وجہ سے نا اہل کو ووٹ ڈالتا ہے' وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔ نیز اہل شخص کے ہوتے ہوئے نا اہل شخص کو ووٹ ڈالنا' ظلم ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہی یہ ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور ظالموں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے' اور ظلم گناہ کبیرہ ہے۔

نیز جب کوئی بدکردار اور فاسق و فاجر یا بدمذہب شخص اسمبلی میں پہنچے گا اور اس کو قانون سازی کا اختیار ملے گا' تو یہ ممکن ہے کہ وہ خلاف شرع قانون بنائے' یا اس کے حق میں ووٹ دے۔ جیسے ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بن گئے جو سراسر غیر اسلامی ہیں اور ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶ء کی وفاقی کابینہ نے یہ مسودہ قانون منظور کیا کہ عورت خواہ قاتل ہو' اس کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی اور یہ صریح قرآن کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے ایسے بے دین لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچایا' یا جنہوں نے خلاف شرع قانون سازی کی' وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اس لیے جو لوگ غیر متدین اور غیر صالح لوگوں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچائیں گے' وہ بھی برابر کے مجرم ہوں گے۔ اس لیے نا اہل شخص کو ووٹ دینا بالکل جائز نہیں ہے' یہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے' ظلم ہے' اور خلاف شرع قانون بنانے کا ذریعہ ہے۔

طلب منصب کی تحقیق

ہمارے ملک میں طریق انتخاب کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے ہر امیدوار از خود کھڑا ہوتا ہے' حالانکہ اسلام میں از خود عہدہ کی طلب کرنا ممنوع ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک

شخص نے کہا یارسول اللہ! اللہ نے جن چیزوں پر آپ کو ولایت دی ہے' ان میں سے بعض پر ہمیں امیر بنادیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا: آپ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو کسی منصب پر امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا' اور نہ اس کو جو اس کی حرص کرے گا۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے' کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۔ (یوسف: ۵۵)

حضرت یوسف نے (عزیز مصر سے) کہا' ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے' میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں' وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے۔ ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے' نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے' اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں' جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا' جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو' اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناپر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے' لیکن جو چیز ضرورت کی بناپر جائز کی گئی ہو' اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے۔ اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے' مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بناپر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے' لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے' تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کرکے اپنے لیے کنوسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں غیبت' افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے' اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے' بداہۃً باطل ہے۔ کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا' اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہوگئے ہیں۔

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے۔ جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' ان ہی میں سے منتخب افراد آگے چل کر وزیر اعظم' صدر مملکت اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہی لوگ

اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ملک کے سربر آوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے' لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیکی اور تقویٰ کی مبہم شرائط رکھی گئی ہیں اور ان کا دیانت داری سے متعلقہ امیدواروں پر اطلاق بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں صدر مملکت چیف الیکشن کمشنر اور بالواسطہ طور پر عدلیہ یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کا اطلاق کون کرے گا؟ اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ ایسے کڑے معیار پر کون اترے گا؟ گویا وہ بالواسطہ طور پر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ ناقابل اطلاق اور ناقابل عمل ہیں۔ نیز سیاسی تجربہ اور تدبر کی حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے۔ بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر فاسق و فاجر' جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت' انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت' وزیر اعظم' وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے۔ اور وہ دینی علم' تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے' اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے' اس کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (المائدہ: ۱۱)

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے حسب ذیل دو شان نزول بیان کیے ہیں۔

یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کے پاس ایک دیت کے معاملہ میں گئے (دو عامری مسلمانوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کر دیا تھا۔ آپ یہودیوں سے ان کی دیت وصول کرنے تشریف لے گئے تھے) آپ نے ان یہودیوں سے فرمایا: اس دیت (کی وصول یابی میں) میری مدد کرو۔ انہوں نے کہا ہاں! اے ابا القاسم! اب آپ کو ہم سے کام درپیش ہوا ہے۔ آپ بیٹھئے ہم آپ کو کچھ کھلاتے ہیں اور آپ کا مطلوب مہیا کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ سے یہ گفتگو حیی بن اخطب نے کی تھی' وہ یہودیوں کا سردار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا' جس قدر اب یہ تمہارے قریب ہیں' اس سے زیادہ قریب تم ان کو کبھی نہ پاؤ گے۔ ان کو پتھروں سے مار کر قتل کر دو' پھر اس کے بعد تم کو کبھی مصیبت کا سامنا نہیں ہوگا۔ وہ چکی کا ایک بہت بڑا پاٹ لے کر آئے' تاکہ اس کو آپ پر گرا دیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے آپ کو بچا لیا اور جبرائیل آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا..... (جامع البیان' ج ۶' ص ۱۹۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک منزل پر ٹھہرے اور مسلمان مختلف درختوں کے نیچے ان کے سایوں میں لیٹ گئے' نبی ﷺ نے بھی اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے' ایک اعرابی آیا اس نے آپ کی تلوار درخت سے اتار لی اور وہ آپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا' اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ! اس اعرابی نے تلوار میان میں ڈال لی۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو اعرابی کے واقعہ کی خبر دی' در آنحالیکہ وہ آپ کے

پہلو میں بیٹھا ہوا تھا' آپ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ قتادہ نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض دشمن آپ کی غفلت میں آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس اعرابی کو بھیجا تھا۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ۳۰۱-۳۰۰' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۹۱۳-۲۹۱۰' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۳۳۱)

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے پہلی روایت میں بیان کیا ہوا شان نزول راجح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے کافروں کے ہاتھ کو روک لیا اور پہلی روایت میں نبی ﷺ اور مسلمان دونوں سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں صرف نبی ﷺ سے ہاتھ روکنے کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور بیشک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ نگران

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ

مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز قائم

الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ

رکھی اور زکوٰۃ ادا کی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کے ساتھ مدد کی

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا،

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ

اور میں تم کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں سو تم میں سے جس

بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲ فَبِمَا نَقْضِهِمْ

نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ بیشک سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا ○ تو ان کے عہد توڑنے

مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا؛ وہ (اللہ کے) کلام کو اس کے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا اور آپ ان کی خیانت

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ

پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے، آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر کیجیے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا ہم

اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ

نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان

الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَسَوۡفَ يُنَبِّئُهُمُ

کے درمیان عداوت اور بغض کو روزِ قیامت تک لازم کر دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کاموں

اللّٰهُ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾

کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے بے شک بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ سردار مقرر کیے۔ (المائدہ: ١٢)

سابقہ آیات سے ارتباط

یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجہوں سے مرتبط ہے:

١۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ٧) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا' لیکن انہوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا' تو اے مسلمانو! تم اس برائی میں یہود کی مثل نہ ہو جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب' اس کی لعنت کا مصداق بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکینی ڈال دی جائے۔

٢۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ١١) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے متعلق ہے' جب انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے بعض اصحاب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انہوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی' بلکہ انہوں نے خود اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

٣۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے' بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی

یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔

حل لغات

دیوار یا لکڑی میں سوراخ کو نقب کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں جو سرنگ بنائی جائے اس کو منقبت کہتے ہیں' کسی نیک انسان کے افعال کو بھی منقبت کہتے ہیں' کیونکہ جس طرح لکڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے' اسی طرح نیک آدمی کے افعال بھی دوسرے لوگوں میں تاثیر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تفتیش کرتا ہے' اور ان میں موثر ہوتا ہے' اس کو نقیب کہتے ہیں۔ اس کی جمع نقباء ہے۔ اس آیت میں فرمایا: ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ نقباء مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ (المفردات' ص ۵۰۳' مطبوعہ ایران)

اس آیت میں فرمایا ہے "وعزرتموھم" تم نے رسولوں کی تعزیر کی۔ تعزیر کا معنی ہے تعظیم کے ساتھ مدد کرنا' تعزیر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں' اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے' کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو' جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے' تعزیر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تادیب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کا معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔

(المفردات' ص ۳۳۳' مطبوعہ ایران)

قاسیۃ کا معنی ہے سخت جامد جو کسی قسم کی خیر کو قبول نہ کرے' تحریف کا معنی ہے کسی شئے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا۔

بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو منتخب کر کے جبابرہ کی سرزمین شام میں بھیجیں' تاکہ وہ اس قوم کے احوال کی تفتیش کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سرزمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی' اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ نقیبوں کو بھیجا' یہ بارہ نقیب جبابرہ کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے' ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام عاج تھا۔ (عوج بن عنق) وہ اس قدر لمبا اور جسیم تھا کہ اس نے ان بارہ نقیبوں کو پکڑ کر اپنے نیفہ میں اڑس لیا' اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا' وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا: دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے نیفہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں تلے روند کر پیس ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا' نہیں' بلکہ ان کو چھوڑ دو' تاکہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا: اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اس پر عہد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عہد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے' اور باقی دس نے اس عہد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے عاج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جبابرہ کی قوت اور طاقت کا علم ہوا' تو انہوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں ' سو وہ جنگ کریں ' ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ٢٤)

(جامع البیان ' ج ٦ ' ص ٢٠٦۔ ٢٠٣ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ١٤١٥ھ ' الوسیط ' ج ٢ ' ص ١٦٦ ' طبع بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبابرہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر آئے تھے ' اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں ' لیکن انہوں نے ان کو یہ خبر دے دی ' اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔

(تفسیر کبیر ' ج ٣ ' ص ٣٨٢ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

ابو العالیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور مقاتل نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔

(زاد المسیر ' ج ٢ ' ص ٣١٠ ' مطبوعہ مکتب اسلامی ' بیروت ' ١٤٠٧ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ' البتہ اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کی ' اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور تم نے ان کی تعظیم کی ساتھ مدد کی اور اللہ کو اچھا قرض دیا تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹادوں گا۔ الایہ۔ (المائدہ: ١٢)

بعض رسولوں کے انکار کی وجہ سے نجات نہیں ہوگی ' خواہ نیک عمل کیے ہوں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہارے ساتھ ہوں" اس کا معنی ہے میں علم اور قدرت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بارہ نقیبوں سے خطاب ہو ' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بنو اسرائیل کے ہر فرد سے خطاب ہو ' یعنی میں تمہارا کلام سن رہا ہوں اور تمہارے افعال دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں تم کو اس کی جزا دینے پر قادر ہوں اور اگر تم اس عہد کو پورا نہیں کرو گے تو اس کی سزا دینے پر قادر ہوں۔ پھر جزا کا ذکر فرمایا ' میں تم سے تمہارے گناہوں کو مٹادوں گا اور تم کو جنتوں میں داخل کروں گا ' پھر سزا کا ذکر فرمایا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا۔

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو پہلے ذکر کیا اور رسولوں پر ایمان لانے کو بعد میں ذکر کیا ' جبکہ بہ ظاہر رسولوں پر ایمان لانے کا پہلے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا بعد میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اس کا اقرار کرتے تھے کہ نجات کے لیے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے ' اس کے باوجود وہ بعض رسولوں کے انکار پر اصرار کرتے تھے۔ اس لیے ان سے فرمایا: کہ تم میرے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ ' ورنہ اس کے بغیر محض نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے تمہاری نجات نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کو اچھا قرض دینے کا ذکر فرمایا ہے ' کیونکہ زکوٰۃ سے مراد صدقات واجبہ ہیں اور اللہ کو اچھا قرض دینے سے مراد نفلی صدقات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو بہت سخت کر دیا۔ (المائدہ: ١٣)

اس آیت میں یہود کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے' ان کے عہد توڑنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بعض نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کو قتل کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ وہ' تورات میں مذکور نبی ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ دوسری یہ کہ ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا' اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ نیز فرمایا: ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں (المائدہ: ١٣)

تورات کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے تورات میں جو تحریف کی ہے' اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

١- یہود تورات کی آیتوں میں ردوبدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ: ٧٩) ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جو اللہ کی کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں' پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

٢- تحریف کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ تورات کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تاویل کرتے تھے۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو' اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر کبیر' ج ٣' ص ٣٨٣)

٣- تیسرا قول یہ ہے کہ تورات کی جن آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی صفات ہیں' وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢١٢' مطبوعہ بیروت)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کا انہوں نے حکم دیا تھا' اس کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بابل نے ان کے ہیکل کو جلا دیا' تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سورتیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں' جن میں حضرت موسیٰ کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوگا' وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ گزر جانے کے بعد' بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو عزرا کاہن نے لکھا تھا' جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔

(التفسیر المنیر' ج ٦' ص ١٣٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١١ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ تورات اور انجیل کلیۃً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ تورات اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد لکھی گئی ہوں' لیکن ان میں بہرحال اصل تورات اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بنائی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور

ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتاب فرمایا ہے اور ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکال کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں' اور اصل آیات کی باطل تاویلات بھی کی گئی ہیں' اور جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں' ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب منشاء تغیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے' تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے بھلا دیا۔

(المائدہ: ١٣)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے' اس عہد کو انہوں نے پورا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' جب آپ عامریوں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے ساتھ واپس آگئے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢١٤' مطبوعہ بیروت)

اس آیت میں فرمایا ہے' ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب' آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنو قینقاع' بنو النضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ نبی ﷺ نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی ﷺ کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے' یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی ﷺ کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو صرف حجاز سے جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ — تو تم مشرکین کو قتل کرو انہیں جہاں پاؤ۔

(التوبہ: ٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں تو اس کے بڑے حصے کو انہوں نے بھلا دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو روز قیامت تک لازم کر دیا۔ (الآیہ) (المائدہ: ١٤)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نصاریٰ سے بھی اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور

آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے' لیکن انہوں نے بھی یہود کی طرح اس عہد کو توڑ دیا اور انہوں نے اپنے دین کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا یہ دی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عداوت اور بغض کو ڈال دیا' اور وہ قیامت تک اسی مخالفت میں برقرار رہیں گے۔ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں' اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں' اور عنقریب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو ان کے کاموں کی خبر دے گا' جو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر افتراء باندھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا اور اس کا شریک بنایا اور آخرت میں ان کو ان کے اس شرک کی سزا دے گا۔

استخراج مسائل

۱- یہود نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے کی سزا لعنت ہے۔

۲- احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔

۳- بارہ نقیبوں کو جبابرہ کے احوال کی تفتیش کے لیے شام بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے علاقہ میں جاسوس بھیجنا جائز ہے۔

۴- اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانا' نماز پڑھنا' زکوٰۃ ادا کرنا اور نفلی صدقات دینا گناہوں کی مغفرت اور دخول جنت کا سبب ہے۔

۵- یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا

اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ

جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک آگیا تمہارے

مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب ○ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ○ بیشک ان لوگوں نے کفر کیا

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، آپ کہیے کہ اگر اللہ مسیح ابن

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

مریم، اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو

اُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؛ اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور

وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے (المائدہ: ۱۵)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے' اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی امی ہیں' انہوں نے کسی درس میں تعلیم حاصل نہیں کی' اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔

یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا' اس کی پاداش میں ان کو بندر بنا دیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے' اور سیدنا محمد ﷺ نے ان امور کو بیان فرما دیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے' ان کو نبی ﷺ نے نہیں بیان فرمایا' کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ: ۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے متعلق علماء کے نظریات

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آگئی۔ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا' اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرما دیتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرما دیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ کی توحید' حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا'

جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ (جامع البیان 'ج ٦ 'ص ۲۲۰ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت 'یعنی اسلام۔ قتادہ نے کہا اس سے نبی ﷺ مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے 'جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ (الوسیط 'ج ۲ 'ص ۱۶۹-۱۶۸ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

حسب ذیل تفاسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی ﷺ ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'ج ۳ 'ص ۸۷ 'مطبوعہ بیروت 'فتح القدیر 'ج ۲ 'ص ۲۳ 'الدر المنثور 'ج ۲ 'ص ۲۶۸ 'نظم الدرر 'ج ٦ 'ص ٦۳ ' زاد المسیر 'ج ۲ 'ص ۳۱٦)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں اور قرآن اور نور وہ ہے جس سے اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور آنکھیں اس کی حقیقت کو دیکھتی ہیں۔ قرآن کو نور فرمایا ہے 'کیونکہ وہ دلوں میں نور کی طرح واقع ہوتا ہے 'کیونکہ جب قرآن دل میں جاگزین ہوتا ہے تو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سمرقندی 'ج ۱ 'ص ۴۲۴ 'مطبوعہ دار الباز 'مکہ مکرمہ '۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦۰٦ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱- نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۲- نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

۳- نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے 'کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت 'حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر 'ج ۳ 'ص ۳۸۳ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۳۹۸ھ)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦۸٦ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیروں کو دور کرتا ہے 'اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا اعجاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر زمخشری سے مستفاد ہے 'کشاف 'ج ۱ 'ص ٦۱۷)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰٦۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے۔ دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی ﷺ کو نور فرمایا ہے 'اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ (اور نور وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کردے)

(عنایۃ القاضی 'ج ۳ 'ص ۲۲٦ 'مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔ قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی زجاج کا مختار ہے۔ ابو علی جبائی (معتزلی) نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اقتصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہو گا کہ عطف تغایر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تغایر کس طرح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عنوان کا تغایر کافی ہے۔ معطوف علیہ میں قرآن کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغایر کو تغایر بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی ﷺ ہوں' اور یہاں بھی صحت عطف کے لیے عنوان کا تغایر کافی ہو گا اور نبی ﷺ پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی' جز٦' ص ٩٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا' کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تغایر کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی ﷺ کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں' کیونکہ انوار میں آپ کا کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین ہیں' کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام' احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (شرح الشفاء' علی ھامش نسیم الریاض' ج١' ص ١١٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا' کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(خزائن العرفان' ص ١٧٦' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

اکثر مفسرین کا مختار یہی ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد نور ہدایت اور نور معنوی ہے یا اس سے مراد نور حسی ہے۔ جیسے چاند اور سورج کا نور ہے۔ امام ابن جریر' علامہ سمرقندی حنفی' قاضی بیضاوی شافعی' علامہ احمد خفاجی حنفی' ملا علی قاری حنفی' اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور حسی ہیں۔

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے پر دلائل

علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ٧٣٧ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبدالرحمن الصقلی رحمہ اللہ نے کتاب الدلالات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے' پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد ﷺ کا نور پیدا کیا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا' پھر سیدنا محمد ﷺ کے نور سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔ (یہاں علامہ صقلی کی عبارت ختم ہوئی) اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں' تنبیہ خطیب ابو الربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا'

تو اللہ سبحانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے' اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا' حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی۔ اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش' کرسی' آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی فضیلت کو پہچان لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ ﷺ کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے' وہ خاتم الانبیاء ہیں' اللہ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا' تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔ حضرت آدم نے کہا میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ کا نور حضرت آدم کی پشت میں چمکتا تھا' اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور ﷺ کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

علامہ ابن الحاج اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا' دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔ پھر قلم سے فرمایا: چل لکھ! اس نے کہا اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں' پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا کیا' دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا اور تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا' حتیٰ کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں رکھا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد ﷺ کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور ﷺ کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے اور سورج' چاند اور آنکھوں کا نور آپ ﷺ کے نور سے ہے۔ (اس روایت کی عبارت ختم ہوئی)

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں:

اس معنی میں بکثرت روایات ہیں۔ جو ان پر مطلع ہونا چاہے' وہ ابو الربیع کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کہا: اے وہ جو معنی میرے باپ ہیں اور صورۃً میرے بیٹے ہیں' اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ فرمایا: ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (المدخل' ج ٢' ص ٣٣-٣٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ٨١٢ھ لکھتے ہیں:

حکماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جیسا کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا' اور اللہ نے سب

سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا' اور مطابقت اس طرح ہے کہ معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبداء تعقل کیا جائے تو وہ عقل ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے' اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے افاضہ میں واسطہ ہے وہ سید الانبیاء (علیہ الصلوۃ والسلام) کا نور ہے۔

(شرح مواقف' ج ۷' ص ۲۵۴' مطبوعہ ایران' ۱۳۲۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا' پھر اس سے فرمایا: لکھ' تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' اس کو لکھ دیا۔ حسن' عطاء اور مجاہد کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا' پھر ان کو ممتاز کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔ تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۱۰۹' مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے اللہ کے فیضان کا واسطہ ہیں' اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول المخلوقات ہے' کیونکہ حدیث میں ہے' اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ (روح المعانی' ج ۱۵' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ملکی ہے' جس سے آپ فیض لیتے ہیں اور ایک حیثیت بشری ہے' جس سے آپ فیض دیتے ہیں اور قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر نازل کیا جاتا ہے' کیونکہ آپ کی روح صفات ملکیہ کے ساتھ متصف ہے جن کی وجہ سے آپ روح امین سے فیض لیتے ہیں۔

(روح المعانی' ج ۱۹' ص ۱۲۱' مطبوعہ دار احیاء' التراث العربی' بیروت)

نواب وحید الزمان (غیر مقلدین کے مشہور عالم) متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی' پھر عرش کو پیدا کیا' پھر پانی کو' پھر ہوا کو' پھر دوات' قلم اور لوح کو پیدا کیا' پھر عقل کو پیدا کیا۔ پس آسمانوں' زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا' اور سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا' اس سے مراد اولیت اضافیہ ہے۔ (ھدیۃ المھدی' ص ۵٦' مطبوعہ سیالکوٹ)

جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا' بعض علماء نے کہا اس حدیث میں نور سے مراد روح ہے۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے سب سے پہلے میری روح کو

پیدا کیا' ان دونوں روایتوں سے مراد واحد ہے' کیونکہ ارواح روحانی ہوتی ہیں۔
(مرقاۃ المفاتیح' ج ا' ص ۱۶۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نبی ﷺ کے نور ہدایت ہونے پر دلائل

نبی ﷺ کے نور حسی ہونے کے متعلق علماء کے یہ نظریات ہیں' جن کو ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ البتہ! ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ انسان اور بشر ہیں' لیکن آپ انسان کامل اور افضل البشر ہیں۔ اور ہر نبی انسان اور بشر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہماری جنس سے مبعوث کیا ہے اور اسی کو ہمارے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ۱۶۴)
اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمائے کہ ہمارا تم پر یہ احسان ہے کہ ہم نے رسول کو تم میں سے بھیجا اور ہم یہ کہیں کہ نہیں رسول ہماری جنس سے نہیں ہیں' ان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ہم میں سے ہونا ہمارے لیے اس وجہ سے احسان ہے' تاکہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہمارے لیے نمونہ اور حجت ہوں' ورنہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث ہوتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ آپ کے افعال اور آپ کی عبادات ہم پر حجت نہیں ہیں' کیونکہ آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری حقیقت اور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ افعال اور عبادات کر سکتے ہوں اور ہم نہ کر سکیں!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۸)
بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (الانبیاء: ۷)
ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

کفار یہ کہتے تھے کہ کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (الانعام: ۹)
اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو ہم اسے مرد (ہی کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

ان تمام آیات میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ بشر' انسان اور مرد ہیں لیکن آپ افضل البشر' انسان کامل اور سب سے اعلیٰ مرد ہیں' اور اگر نور سے مراد نور ہدایت لیا جائے تو ان آیتوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے اور اکثر مفسرین نے نور ہدایت ہی مراد لیا ہے۔ اور اگر آپ کو چاند اور سورج کی طرح نور حسی مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے' تو قرآن مجید کی ان صریح آیات کو ان اقوال کے تابع کرنا لازم آئے گا اور کیا قرآن مجید کی ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں ان اقوال کو عقیدہ کی اساس بنانا صحیح ہوگا؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بشریت اور نورانیت میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیونکہ حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے' لیکن اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا فرشتے اور حضرت جبرائیل چاند اور سورج کی طرح نور حسی ہیں؟ کیا رات کے وقت ہمارے ساتھ منکر نکیر نہیں ہوتے؟ پھر کیا ان کے ساتھ ہونے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے؟ کیا جب رات کو نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل آتے تھے تو روشنی ہو جاتی تھی' فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں' اللہ ہی جانتا ہے وہ

کس قسم کے نور سے بنائے گئے؟ لیکن یہ بہرحال مشاہدہ سے ثابت ہے کہ وہ چاند اور سورج کی طرح نور حسی نہیں ہیں' کیونکہ دنیا میں ہر جگہ' ہر وقت فرشتے موجود ہوتے ہیں' اس کے باوجود دنیا میں رات کو اندھیرا بھی ہوتا ہے۔

البتہ! معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور حسی سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا۔ جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمال کو بیان کرتا' اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا' اور کہتا کہ آپ ہماری نظر میں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ کا رنگ چمکدار اور چہرہ منور تھا اور چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(دلائل النبوۃ' ج ا' ص ٣٠٠' مطبوعہ بیروت' خصائص کبریٰ' ج ا' ص ٦٧' مطبوعہ لائل پور)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شمائل محمدیہ' رقم الحدیث: ١٥' المعجم الکبیر' ج ١١' رقم الحدیث: ١٢١٨١' المعجم الاوسط' ج ا' رقم الحدیث: ٧٧١' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ا' ص ٢١٥' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٢٧٩' سنن دارمی' ج ا' رقم الحدیث: ٥٨)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ٢٥٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا' نہ بہادر' نہ روشن چہرے والا۔ (سنن دارمی' ج ا' رقم الحدیث: ٥٩' حجۃ اللہ علی العالمین' ص ٦٨٩)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چاندنی رات میں دیکھا۔ میں کبھی آپ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ بخدا! آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(شمائل محمدیہ' رقم الحدیث: ١٠' سنن دارمی' ج ا' رقم الحدیث: ٥٧' المعجم الکبیر' ج ٢' رقم الحدیث: ١٨٤٢' المستدرک' ج ٤' ص ١٨٦' حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ٢٥٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا: ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! اگر تم آپ ﷺ کو دیکھتے تو تم طلوع ہونے والے آفتاب کو دیکھتے۔

(سنن دارمی' ج ا' رقم الحدیث: ٦٠' المعجم الکبیر' ج ٢٤' رقم الحدیث: ٦٩٦' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٢٨٠)

نبی ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کی حسی نورانیت سے متعلق ہم نے یہ احادیث تلاش کر کے نقل کی ہیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چاند اور سورج سے زیادہ حسین تھے۔ آپ کا چہرہ بہت منور اور روشن تھا اور آپ کے دانتوں کی جھری میں سے نور کی مانند کوئی چیز نکلتی تھی' لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا خمیر مٹی سے بنایا گیا تھا اور آپ انسان اور بشر تھے' لیکن آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں۔

امام احمد رضا قادری متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا' یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے اور میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے' اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ' ص ١٠٠۔٩٩' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

نیز امام احمد رضا قادری متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں:

اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے' وہ کافر ہے۔ قال تعالیٰ: قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا○ (فتاویٰ رضویہ' ج ٦' ص ٦٧' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ نے آپ کے نور ہدایت ہونے کی تصریح کی ہے۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا' کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں' کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو حظ وافر ملا ہے۔ جو آپ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں' وہ بد عقیدگی کا شکار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے' سو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے' جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں' اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے' اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (المائدہ: ١٦)

قرآن مجید کے فوائد اور مقاصد

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستہ پر چلاتا ہے جن کا مقصد محض دین کی پیروی کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین پر عمل کرنا ہو اور جو بغیر غور و فکر کے صرف اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہوں' وہ اللہ کی رضا کے طالب نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کی رضا کا معنی کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ کی رضا کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی عمل کو قبول کرلے اور اس کی مدح و ثناء فرمائے۔ بعض علماء نے کہا اللہ جس کے ایمان کو قبول کرے اور اس کے باطن کو پاکیزہ کرے' وہ اس سے راضی ہے اور بعض نے کہا اللہ جس پر ناراض نہ ہو' وہ اس سے راضی ہے۔

سلامتی کے راستوں سے مراد وہ راستے ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں اور جن پر چلنے کی بندوں کو دعوت دی ہے اور جن راستوں کی اس کے رسولوں نے پیروی کی ہے اور اس کا مصداق دین اسلام ہے۔ اللہ اسلام کے سوا اور کسی طریقہ کو قبول نہیں کرے گا۔ نہ یہودیت کو نہ عیسائیت کو اور نہ مجوسیت کو۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ سلامتی کے رستوں سے

مراد سلامتی کے رستوں کا گھر ہے اور وہ جنت ہے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہو گا کہ اللہ اس کتاب کے ذریعہ جنت کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لاتا ہے۔ کفر کے اندھیرے اس لیے فرمایا کہ جس طرح انسان اندھیرے میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے' اسی طرح کافر بھی اپنے کفر میں حیران ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' وہ اپنے اذن سے اندھیروں سے نکالتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی توفیق سے انہیں کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پھر فرمایا: انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد دین حق ہے' کیونکہ دین حق واحد راستہ ہے اور اس کی تمام جہات متفق ہیں۔ اس کے برخلاف دین باطل میں متعدد جہات ہوتی ہیں اور اس کے راستہ میں کجی ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے' اس کو قرآن مجید اخروی عذاب سے سلامتی اور نجات کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مومنوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لاتا ہے اور تیسرا یہ کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے کے لیے صحیح اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ آپ کہئے کہ اگر اللہ' مسیح ابن مریم' اس کی ماں اور تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ (المائدہ: ۱۷)

حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کا رد

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ چھپی ہوئی انجیل کے ٹائیٹل پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم فاسد کا رد کیا اور فرمایا: اے نبی! آپ ان عیسائیوں سے یہ کہئے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلہ کو رد کر سکتا ہے' نہ اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد فرمایا:

اللہ ہی مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کا' اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۱۷)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ حقیقت میں وہ ہے جو مالک علی الاطلاق ہو اور اسکا تصرف آسمانوں اور زمینوں میں نافذ ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو انسان' جن' فرشتے اور جس قدر بھی مخلوقات ہیں' ان سب پر اسکی سلطنت اور حکومت ہو اور اللہ ہی اپنی حکمت اور ارادہ سے مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ اس نے انسان کی پیدائش کیلئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ظاہری سبب بنایا' لیکن اس نے چاہا تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو عورت کے

بغیر حضرت حوا کو پیدا کر دیا اور اس نے چاہا تو مرد کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ

اور یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ، آپ کہیے

فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ

پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا بلکہ تم ان میں سے بشر ہو جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ جس کو

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ، اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں تمام آسمان اور

الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○ اے اہل کتاب !

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ

بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان

تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ

کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، پس بیشک تمہارے پاس

٣٨٧ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ کہیے: پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا۔ (المائدہ: ١٨)

یہود کے اس دعویٰ کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا اے محمد آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اے جھوٹو اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی

شخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی' اتنے دن ان کو عذاب ہو گا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٢٢٥-٢٢٤' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گمان کیا ہے اس طرح نہیں ہے' بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے' تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو' اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا' جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے' تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ١٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وهب رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم کو یقیناً معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وهب بن یہوذا اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا' تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر' ج ٢' ص ٣١٩' الدر المنثور' ج ٢' ص ٢٦٩)

فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب فترت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا' جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پہلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فترت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو نبیوں کے درمیان اس زمانہ کو فترت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا' اس لیے یہ زمانہ فترت تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فترت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے

(صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٤٤٢' صحیح مسلم' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٣٦٥' طبع بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں' ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا۔ نیز حضرت سماک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان کا بیٹا نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبا۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے' لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک' ج ٢' ص ٦٠٠-٥٩٩)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدر) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف ہمارے نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اور پر یہ اعتراض ہے کہ سورۂ یٰسین میں جب تین رسولوں کا ذکر ہے جن کو بستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے تھے اور جرجیس اور خالد بن سنان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مقابلہ میں بلا تردد ضعیف ہے' یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

(فتح الباری' ج ٦' ص ٤٨٩' مطبوعہ لاہور' ١٤٠١ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے' جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان رسل اور انبیاء ہیں اور حواریین بھی نبی تھے جو حضرت عیسیٰ کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ (اکمال اکمال المعلم' ج ٨' ص ١٦' مطبوعہ بیروت ١٤١٥ھ)

حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک کا زمانہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٢٨' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ٥٧١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: بیس صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں! اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ٤' ص ٢٢٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر' ج ٦' ص ١٤٠' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١١ھ)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور (یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے اس کو یاد کرو

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ

جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں

أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

کسی کو نہیں دیا تھا ○ اے میری قوم اس ارضِ مقدسہ میں داخل ہو جاؤ

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے

خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا

والے ہو جاؤ گے ○ انھوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں، اور ہم اس زمین

لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں، پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور

دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اس میں داخل ہوں گے ○ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا"

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ

تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بیشک تم ہی غالب رہو گے

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو ○ انھوں نے کہا اے موسیٰ!

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

بیشک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب جائیں

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا

اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بیشک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے ○ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بیشک میں صرف اپنے آپ کا

نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے ○

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۚ يَتِيهُونَ فِي

(اللہ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی، یہ زمین میں بھٹکتے

الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ ع

پھریں گے، سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں ○

ع ۷/۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم پر جو اللہ نے انعام کیا ہے' اس کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ: ۲۰)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیات سے مناسبت اس طرح ہے کہ اس سے پہلے (المائدہ: ۱۲ میں) فرمایا تھا اور بے شک اللہ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے۔ اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اس کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں جو یہود کے عناد پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔ ان آیتوں سے نبی ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے' کہ اگر یہود عناد کے سبب آپ کی رسالت کو نہیں مانتے' تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ عناد تو ان کی سرشت ہے' یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر چکے ہیں۔

بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں' وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی' ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا' جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو غیب کی خبریں دیتے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ غیب کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے' جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا۔

علامہ محمود آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میقات کے لیے چنا تھا' ابن السائب اور مقاتل نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ ماوردی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تحقق وقوع کے لیے ان کی بعثت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بنایا: اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا موخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے

گئے' جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ (روح المعانی' ج ٦' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنا دیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا' جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے مملوک اور غلام تھے' اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے' کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل' اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا' وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے' تو وہ ملک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کیا ہم فقراء اور مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں! پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا: تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من و سلویٰ نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' اور ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۸۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

یہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔ ان کو جو کچھ دیا' اس سے مراد من و سلویٰ' پتھر سے پانی نکالنا اور بادل کا ان پر سایہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے ان میں بہ کثرت انبیاء کا مبعوث ہونا مراد ہے اور اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس نشانیاں آئیں۔ مثلاً سمندر کو چیر دینا اور ان کے دشمن کو غرق کر دینا وغیرہ' جو نشانیاں ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا' کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ کی امت سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کو سب سے زیادہ نعمتیں دی گئیں تھیں' جو اس زمانہ میں اور کسی کو نہیں دی گئیں تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے' اور پشت نہ دکھانا' ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (المائدہ: ۲۱)

ارض مقدسہ کا مصداق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ارض مقدسہ کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کی زمین ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد شام ہے۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد اریحا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دمشق' فلسطین اور اردن کا بعض علاقہ ہے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ ارض مقدسہ کو عموم اور اطلاق پر رکھنا چاہیے اور اس کو کسی علاقہ کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ بغیر کسی حدیث کے ارض مقدسہ کی تعیین جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے کہا ہے' کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے فرمایا ہے کہ یہ جگہ شرک سے پاک ہے' کیونکہ یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن ہے' یا اس لیے کہ اس جگہ عبادت کرنے سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ زمین لکھ دی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سورت کی آیت ٢٦ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین ان کے لیے لکھ دی تھی تو وہ چالیس سال تک ان پر حرام کیسے ہوگئی؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

١- اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انجام کار یہ سرزمین بنو اسرائیل کے لیے لکھ دی گئی ہے۔

٢- اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جن یہودیوں کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا' ان کے لیے یہ سرزمین لکھ دی گئی ہے اور چالیس سال تک ان ہی لوگوں پر اس میں داخل ہونا حرام فرمایا۔

٣- اس آیت میں اگرچہ عمومی طور پر بنو اسرائیل کا ذکر ہے' مگر اس سے مراد خاص شخص ہیں۔ یوشع اور کالب جو ارض مقدسہ میں داخل ہوگئے تھے اور باقی بنو اسرائیل جو بزدلی کی وجہ سے اس سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام قرار دے دیا۔

٤- بنو اسرائیل کے لیے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر اس میں داخل ہونے کو فرض کر دیا تھا' اور جب وہ داخل نہیں ہوئے تو بطور سزا' ان پر چالیس سال تک اس میں دخول کو حرام فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں' پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ (المائدہ: ٢٢)

جبارین کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رہتے ہیں' جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا: کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے' خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ روانہ ہوئے' حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے' اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا' جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے غیر معمولی جسامت والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا: کہ باغ والا اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے' اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین میں ڈال لیا' پھر ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا اور آستین سے نکال کر ان کو زمین پر ڈال دیا' بادشاہ نے ان سے کہا: تم نے ہماری جسامت اور طاقت کا حال دیکھ لیا ہے' جاؤ جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٣٨-٢٣٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر

غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ ان جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں' ہم تو ان کی نظروں میں ٹڈوں کی طرح ہیں' یہ سن کر بنو اسرائیل آہ و بکا کرنے لگے۔ افسوس! ہم یہاں کیوں آگئے۔ کاش! ہم مصر ہی میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

(جامع البیان' ج ۶' ص ۲۳۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ' جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے۔ (المائدہ: ۲۳)

مجاہد نے بیان کیا ہے یہ دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ جاسوسوں سے عہد لیا تھا کہ جبارین کا حال صرف مجھے بتانا' قوم کو نہ بتانا' تو اس عہد کو ان دو نے پورا کیا تھا۔ باقی نے نہیں کیا' اور قوم کے سامنے جبارین کی غیر معمولی جسامت کو بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے قوم نے بزدلی دکھائی اور یہی دو شخص اللہ سے ڈرنے والے تھے' اور حضرت موسیٰ پر کامل ایمان لانے والے تھے۔ انہوں نے قوم کو حضرت موسیٰ کی اطاعت کرنے اور جبارین کے خلاف جہاد کرنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ تم اللہ پر توکل کر کے ان پر حملہ کر دو' اور دروازہ سے داخل ہو جاؤ' تم ہی کامیاب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے' جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

(المائدہ: ۲۴)

فاذهب انت وربك میں بنو اسرائیل کے کفر اور فسق کی وجوہات

بنو اسرائیل کا یہ کہنا کہ جب تک کہ جبارین اس زمین میں ہیں' ہم اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے۔ جہاد کے حکم سے عناداً انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مایوس ہونا ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جا کر لڑو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے صریح جہالت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے اور منتقل ہونے سے منزہ ہے' اور ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشبہہ کی طرح اللہ کی جسمیت کے قائل تھے۔ حسن بصری نے کہا اس وجہ سے ان کا یہ قول کفر ہے اور اگر ان کے قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر آپ رسول برحق ہیں' تو ہماری بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لیے اللہ کی نصرت پر توکل کر کے آپ ہی جا کر ان سے لڑیں' تب بھی یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے قول میں رب سے مراد حضرت ہارون ہیں۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے' اور حضرت موسیٰ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ تب بھی ان کے اس قول کے فسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان کو فاسق ہی فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں کا اپنے نبی کے ساتھ سلوک تھا' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ معاملہ دیکھئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت مقداد نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں' بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے لیکن آپ چلیے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے تو گویا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے پریشانی کا بادل

چھٹ گیا۔ (ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد سے سن کر دوسرے صحابہ بھی اسی طرح کہنے لگے)
(صحیح البخاری ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٤٦٠٩ ' مسند احمد ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٦٩٨ ' جامع البیان ' ج ٦ ' ص ٢٢٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (المائدہ: ٢٥)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کی دعا کی تھی' اس کے دو محمل ہیں:

١- چونکہ وہ حق سے دور چلے گئے تھے اور نافرمانی کر کے راہ راست سے ہٹ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کو میدان تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی' کہ ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔

٢- ان کو ہم سے الگ اور ممتیز کر دیا جائے اور ان کو دی جانے والی سزا کے ساتھ ہمیں لاحق نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) فرمایا: یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی' یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے' سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ٢٦)

میدان تیہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یہودیوں کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی۔ تیہ کا لغوی معنی ہے حیرت' وہ میدان چھ فرسخ کا تھا' یعنی اٹھارہ شرعی میل اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے رہتے تھے' لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے' وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے' شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے' صبح پھر وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام انکے ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ انکے ساتھ نہیں تھے' کیونکہ میدان تیہ میں ہونا ان کیلئے سزا تھا۔ انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی' تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال انکی سزا مقرر کی گئی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اسکا بھی تقاضا ہے کہ وہ انکے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ انکے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کالب داخل ہوئے' کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا' اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشع ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیس سال سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیہ میں داخل ہوا' وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی تیہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارون فوت ہوئے' حضرت یوشع ان یہودیوں کی اولاد کے ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے' جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شہر کو فتح کر لیا۔

(جامع البیان ' جز ٣ ' ص ٢٣٩ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ١٤١٥ھ)

حضرت یوشع کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا' حتیٰ کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو' وہ میرے ساتھ نہ جائے' اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو' اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت' یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا: تم بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہو' اور میں بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے' پھر سورج روک دیا گیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انہوں نے مال غنیمت جمع کیا' پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی' لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے' سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے' پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہٰذا اب تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے' انہوں نے بیعت کی' آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بالآخر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آکر اس مال کو کھا لیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی' حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! بے شک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے' تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۳۹۰' ص ۱۵۲-۱۵۰' مشکل الآثار' للطحاوی' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۰' ص ۲۶۸' مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۷' ص ۳۰۸' سبل الھدیٰ والرشاد' ج ۹' ص ۴۳۹-۴۳۵' التذکرہ' ص ۱۷' شرح مشکل الآثار للطحاوی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۶۸-۱۰۶۷)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند

رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔
(شرح مشکل الآثار' ج ۳' ص ۹۸-۹۷' مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

حدیث رد شمس کی سند کی تحقیق

ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن تیمیہ' ابن القیم' ذہبی' ابن کثیر اور ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے۔ امام ابو الحسن فضلی متوفی ۴۷۰ھ نے اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کیا ہے اور ایک رسالہ لکھا ہے "تصحیح حدیث رد الشمس" اور امام سیوطی نے ایک رسالہ لکھا ہے "کشف اللبس عن حدیث الشمس" اور امام محمد بن یوسف دمشقی نے ایک رسالہ لکھا ہے "مزیل اللبس عن حدیث رد الشمس"۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس کو اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے' اور امام ابن مردویہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے اس دن سورج کو لوٹایا' جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا' اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا' تو نبی ﷺ کیلئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا (الخ)
(المقاصد الحسنہ' ص ۲۳٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی ﷺ نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے انکا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے' لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا' اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کیلئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی ﷺ کیلئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی' امام طبرانی' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی ﷺ سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی' تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی' اور اسکے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ! قاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی ﷺ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔
(فتح الباری' ج ٦' ص ۲۲۲-۲۲۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے۔
(عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۴۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے' کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے' جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض' ج ٣' ص ١١' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ١٠٦٩ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے' حتیٰ کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں' جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں' اور ان سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی' امام ابن شاہین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام طبرانی نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(نسیم الریاض' ج ٣' ص ١١' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام طبرانی نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ہیثمی متوفی ٨٠٧ھ نے لکھا ہے امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا' تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ (المعجم الاوسط' ج ٥' رقم الحدیث: ٤٠٥١) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ہم نے اس روایت کو درج کیا ہے)

(المعجم الکبیر' ج ٢٤' رقم الحدیث: ٣٩٠' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٢٩٧-٢٩٦' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ١٤٠٢ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی متوفی ١١٦٢ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ موضوع ہے' لیکن ان کی خطا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام حاکم نے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس کی اس حدیث کو نہیں چھوڑنا چاہیے' کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے' اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس' ج ١' ص ٢٢٠' مطبوعہ مکتبہ الغزالی' دمشق)

اس حدیث پر مزید بحث و تمحیص ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کر دی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور آپ ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ تلاوت کیجیے' جب (ان) دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی (قربانی)

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ

قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی ، اس (دوسرے) نے کہا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس

النصف

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ

نے کہا اللہ صرف متقین لوگوں سے قبول فرماتا ہے ○ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری

لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں ، میں اللہ سے ڈرتا

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ

تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے ○ تو اس نے اپنے

لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ○

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

کی لاش چھپائے ، اس نے کہا ہائے افسوس ! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی

معه

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۛ

لاش چھپا دیتا ، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ○

ربط آیات اور مناسبت

یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جو ظالمانہ کارروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپ کو آزار پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے' اور تورات کے ضمن میں انہوں نے آپ پر ایمان لانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا' اس کو توڑ

چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لیے اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا' اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر کے اس کو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا' اور آپ کی مخالفت کی' اس طرح آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے حسد کی وجہ سے ان کے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کر دیتے' حتیٰ کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے' قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی' وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی' قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا' لیکن قابیل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے' قابیل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے' قابیل نے حضرت آدم کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدم نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو' تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو گئی' وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہو گا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا اور قابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا: میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا' ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان' ج ۶' ص ۲۵۷-۲۵۶)

متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے' اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے' ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل' قابیل سے زیادہ طاقتور تھے' لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تا کہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا' جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لیے مدافعت کرنا جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہابیل نے کہا) میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ لگے (المائدہ: ۲۹)

ہابیل کے اس قول کی توجیہہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے روانہ ہوا' میری حضرت ابوبکرہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ' کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱)

گویا کہ ہابیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا' میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو' کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو' کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو' اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا' اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث المسلسل ۲۵۸۱' رقم الحدیث الکتاب ۵۹)

اس حدیث کے اعتبار سے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کرو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی' اور پھر بھی حق پورا نہ ہوا تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے' سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: ۱۳)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا' تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۹۹۶' سنن ابن ماجہ' ۲۶۱۶' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۳۶۳' سنن کبریٰ' ج ۸' ص ۱۵)

ابوالحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گنہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہابیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قابیل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہابیل نے یہ کیسے کہا: میرے گناہ اور تمہارے گناہ' جبکہ انہیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی' تم

ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ٩٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا' سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا (المائدہ: ٣٠)

قابیل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہابیل بکریاں چرا رہے تھے تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ قابیل' ہابیل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہابیل کی گردن موڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا' تب شیطان آیا' اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا' اس کا سر ایک پتھر پر رکھا' پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا' قابیل دیکھ رہا تھا' اس نے بھی اسی طرح ہابیل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر نہیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کیفیت کا بیان فرمایا' سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ٣١-٣٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ہر نیک اور بد کام کے ایجاد کرنے والوں کو بعد والوں کے عمل سے حصہ ملتا رہتا ہے

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا' تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہو گا' اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم پر حسد کیا اور اللہ کے سامنے تکبر کیا' تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کا بھی حصہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت سیئہ کو نکالے' جیسے رافضیوں نے صحابہ کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاد کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کار ثواب قرار دیا' ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی' تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہو گا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں محراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ مروجہ محفل میلاد کی ابتداء اربل کے بادشاہ ابو سعید مظفر متوفی ٦٣٠ھ نے کی' اور اذانوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء ٧٨١ھ میں سلطان صلاح الدین ابو المظفر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بادشاہ کے بھانجے پر سلام پڑھا جاتا تھا' السلام علی الامام الظاھر۔ سلطان ابو المظفر نے یہ سلسلہ موقوف کرایا' اور نبی ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کرایا۔ علامہ سخاوی' علامہ ابن حجر مکی' علامہ علاء الدین حصکفی' علامہ طحطاوی اور شامی نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاد کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاد کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے اپنا حصہ ملتا رہے گا' حدیث میں ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا' اور ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی' اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۰۱۷' ۲۶۷۳' ۲۶۷۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۷' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۰۵۷' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۰۵۰۳' تحقیق احمد شاکر' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۱۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے' وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں۔

(مسند احمد' ص ۴۴۱' طبع قدیم' بیروت' علامہ احمد شاکر نے کہا' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہوگا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے' اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی' کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ "فنسی ولم نجد لہ عزما" (طٰہٰ: ۱۱۵) "سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا' اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کرلی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کیا اور اپنے سگے بھائی کو قتل کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا' تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا۔** (المائدہ: ۳۱)

قابیل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا' اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا' پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کردیا۔ تب اس نے کہا

ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔
(جامع البیان' ج ٦' ص ۲۶۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

قابیل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا' اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا' حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی' وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا' ماں باپ' بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا' یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم اور حواء ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے' پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا' وہاں ایک بیل نے اس کو سینگ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی' تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا' وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھا لیتا' چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قابیل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا' وہ ہابیل تھا۔ اسی وجہ سے قابیل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۹۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حسد سب سے بڑی خرابی اور بہت بڑا جرم ہے۔ قابیل نے اس حسد کی آگ کی وجہ سے اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ (آیت ۲۹) میں ہے' ہابیل نے قابیل سے کہا اور تو جہنمیوں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قابیل معذب ہو گا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ظالم تھا' کافر نہیں تھا۔ آیت ۲۸-۲۷ میں' ہابیل نے قابیل کو قتل کرنے سے باز رہنے کے تین محرکات بیان کیے۔ اول: یہ کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں' ثانی: یہ کہ قتل کرنے سے پہلے اور قتل کے گناہ قابیل کے ذمہ لگیں اور وہ دوزخ کا سزاوار ہو' اور ثالث: یہ کہ وہ ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ سو جو شخص بھی کسی گناہ سے باز رہنا چاہے' اس کو گناہ سے باز رکھنے کے یہی تین محرکات ہوں گے۔ خوف خدا' دوزخ کی سزا اور ارتکاب ظلم سے بچنا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ

اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا

قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا

زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں

قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ

کو قتل کیا، اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

بچا لیا ، اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات لے کر آئے ؛ پھر اس کے باوجود ان میں سے

بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ

بہت سے زمین میں یقیناً حد سے بڑھنے والے تھے ○ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول

يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا

سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ

قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے

خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے ، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ

آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جنھوں نے تمہارے

٥ ع ٩ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ ع

ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی وجہ سے ہم نے بنو اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا' تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا' اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا' تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ (المائدہ: ٣٢)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ میں اور بنو اسرائیل پر قصاص کے وجوب میں کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قابیل اور ہابیل کے قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اس کی ناراضگی ہے۔ نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا دوزخی ہے۔ نقصان اٹھانے والا ہے اور پچھتانے والا ہے' تو چونکہ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص (بدلہ لینے) کو واجب کر دیا' تاکہ لوگ قتل کرنے سے باز رہیں۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل سے پہلی امتوں پر بھی قتل کرنا حرام تھا اور ان پر قصاص واجب تھا۔ پھر اس آیت میں بنو اسرائیل کا خصوصیت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء علیہم السلام زبانی وجوب قصاص کا ذکر فرماتے تھے اور بنو اسرائیل میں سب سے پہلے اس حکم کو کتاب میں نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے قتل کیا تھا اور بنو اسرائیل میں بھی حسد بہت زیادہ تھا' اور انہوں نے بیشتر قتل حسد کی بناء پر کیے تھے۔ انہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا' اور دو مرتبہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک مرتبہ مدینہ میں جب آپ بنو قینقاع کے پاس ایک مسلمان کی دیت وصول کرنے کے سلسلہ میں گئے تھے' اور دوسری مرتبہ خیبر میں جب ایک یہودی بڑھیا نے آپ کو زہر آلود گوشت کھانے کے لیے دیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عموماً قتل کا سبب قساوت قلبی' یعنی سنگ دلی اور عدوان اور سرکشی ہوتا ہے اور بنو اسرائیل میں یہ سبب بہ درجہ اتم موجود تھا' حتیٰ کہ انہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کے قتل کے برابر کس طرح ہو گا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ ایک وجہ قصاص ہے' دوسری وجہ کسی کافر کا مسلمان سے جنگ کرنا ہے' تیسری وجہ ارتداد ہے' چوتھی وجہ شادی شدہ کا زنا کرنا ہے' اور پانچویں وجہ زمین میں ڈاکہ ڈالنا ہے۔ پہلی وجہ کا اس آیت میں صراحتاً ذکر ہے اور پانچویں وجہ یعنی ڈاکہ کا اس آیت کے بعد والے حصہ میں تفصیلی بیان آ رہا ہے۔ باقی ماندہ تین وجوہات زمین میں فساد پھیلانے کے ضمن میں آ گئیں۔ اس لیے فرمایا: جس نے بغیر قصاص یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

اس آیت پر یہ سوال ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنے کے کیسے مساوی ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ اس آیت میں ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے' جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا اور لعنت کی اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کیا اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا' تب بھی اس کی یہی سزا ہوتی۔ نیز اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص کسی بے قصور انسان کو عمداً قتل کرتا ہے' اس کی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے' اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے' وہ اس کے بعد دوسرے شخص کو' پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ امریکہ کے ایک صدر کے فیصلہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے' جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے۔ اس طرح اب بھی اگر جوش غضب سے مغلوب ہونے والا کوئی امریکی صدر ہو تو اس کے پاس اب ایسے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں جن سے پوری دنیا کو ہلاک اور تباہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک انسان کا تمام انسانوں کو ہلاک کرنا ممکن ہے۔ سو جو شخص جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک بے قصور انسان کو ہلاک کر سکتا ہے' اگر اس کے بس میں ہو تو وہ تمام انسانوں کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کو مرنے سے بچالیا' اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔ مثلاً کوئی شخص آگ میں جل رہا

تھا' یا دریا میں ڈوب رہا تھا' یا بھوک سے مر رہا تھا' یا شدید سردی میں ٹھٹھر کر مرنے والا تھا اور کسی انسان نے اس کو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچالی' تو اللہ کے نزدیک اس کی یہ نیکی اتنی عظیم ہے جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرالیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں' ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے"

شان نزول

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے' انہیں وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو صدقہ کی اونٹنیوں کی چراگاہ میں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو' انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہوگئے۔ پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے کر بھاگ گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا' ان کو پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کٹوا دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں اور ان کو تپتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا' حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۷۱' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۵۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۷۲' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۳۶۷' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۰۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۷۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۳-۱۰۷)

امام رازی شافعی نے اسی آیت کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت عرینین کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابو برزہ اسلمی کی قوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا' لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بنو اسرائیل کے قاتلوں اور مفسدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اور اکثر فقہائے اسلام کا یہی نظریہ ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل ہیں:

(الف) مرتد کو قتل کرنا' زمین میں فساد کرنے اور اللہ اور رسول سے جنگ کرنے پر موقوف نہیں ہے' جبکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فساد کرے' اس کو قتل کیا جائے گا۔

(ب) مرتد کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اس کو شہر بدر کرنے پر اقتصار کرنا کافی نہیں ہے' جبکہ اس آیت کی رو سے یہ جائز ہے۔

(ج) مرتد کو سولی پر چڑھانا مشروع نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مرتد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(د) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہوں اور زمین میں فساد کرتے ہوں' ان کو یہ سزائیں دی جائیں۔ خواہ وہ لوگ کافر ہوں یا مسلمان' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے' خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۹۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حرابہ (ڈاکہ) کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں' حرب کا معنی ہے جنگ۔ صلح کی ضد' اور حرب کا معنی ہے کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔

(تاج العروس' ج ٣' ص ٣٩٦)

ڈاکہ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں' باغیوں اور محاربین (ڈاکوؤں) میں فرق یہ ہے کہ باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے حرابہ (ڈاکہ) کی تعریف کو سرقہ (چوری) کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے' مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے' کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے۔ چور' محافظ' امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے' اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو (قاطع الطریق یا محارب) ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں' جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ٦' ص ١٢٩-١٢٨)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لیے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے۔ خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت' جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو' خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ یا پتھر ہوں' کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے' خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے لیے مشکل ہو' اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع' ج ٧' ص ٩٠)

ڈاکہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے ڈاکہ کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

١- ڈاکہ ڈالنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر وہ بچہ یا مجنون ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

٢- ڈاکو مرد ہو' اگر عورت نے ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن امام طحاوی کے نزدیک اس میں عورت اور مرد برابر ہیں' اور دونوں پر حد ہوگی۔ روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ سے مال لوٹنا عادتاً عورتوں سے متصور نہیں ہے' اور امام طحاوی کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باقی حدود میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے' عورتوں پر بھی حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈاکہ میں بھی مردوں کی تخصیص نہیں ہوگی۔

٣- جن پر ڈاکہ ڈالا ہے' وہ مسلمان یا ذمی ہوں' اگر ان غیر مسلموں پر ڈاکہ ڈالا ہے جو پاسپورٹ کے ذریعہ دارالاسلام میں

آئے ہوں' تو ڈاکوؤں پر حد نہیں ہے (بلکہ تعزیر ہے)
۴۔ جن پر ڈاکہ ڈالا ہے وہ ڈاکوؤں کے محرم نہ ہوں۔
۵۔ جس چیز پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ قیمت والا مال ہو اور محفوظ ہو' اس میں کسی اور کا حق نہ ہو' نہ اس میں لینے کی کوئی تاویل ہو اور نہ تاویل کا کوئی شبہ ہو' نہ اس میں ڈاکو کی ملکیت ہو نہ ملکیت کی تاویل یا شبہ ہو اور وہ مال دس درہم کی مالیت سے کم نہ ہو (یعنی ۲.۲۵ تولہ چاندی ہو جو ۶۱۸.۳ گرام چاندی کے برابر ہے) اگر متعدد ڈاکو ہوں تو ہر ڈاکو کے حصہ دس درہم کی مالیت کا مال ہو اور ہر ڈاکو کے حصہ میں اتنا مال نہ آئے تو حد واجب نہیں ہوگی۔
۶۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ جگہ دارالاسلام ہو' اگر دارالحرب میں ڈاکہ ڈالا ہے تو حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حد کو حاکم اسلام جاری کرتا ہے اور دارالحرب حاکم اسلام کی ولایت اور تصرف میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ دارالحرب میں حد جاری کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (علامہ کاسانی نے جو وجہ بیان کی ہے' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دارالحرب میں جا کر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کریں اور یہ کہ ناجائز طریق سے کفار کا مال لینا بہرحال گناہ ہے خواہ ان کا مال سود کے ذریعہ لیں یا قمار کے یا رشوت کے۔ (سعیدی غفرلہ)
۷۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا گیا ہے' وہ جگہ شہر نہ ہو۔ اگر کسی نے شہر میں ڈاکہ ڈالا ہے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ خواہ دن میں ڈاکہ ڈالا ہو یا رات میں اور خواہ ہتھیاروں کے ذریعہ ڈاکہ ڈالا ہو یا بغیر ہتھیاروں کے' یہ استحسان ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی اور یہ امام ابویوسف کا قول ہے۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ حد واجب ہونے کا سبب ڈاکہ ہے اور جب ڈاکہ ثابت ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ خواہ شہر میں ڈاکہ ڈالا ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قطع الطریق (ڈاکہ) سفر میں ہی متحقق ہو سکتا ہے۔ شہر میں راستے منقطع نہیں ہوتے کیونکہ اگر شہر میں ڈاکہ پڑے تو اس سے راستے منقطع نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے غیر شہر کی قید اپنے زمانہ کے اعتبار سے لگائی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہر والے ہتھیاروں سے مسلح رہتے تھے' اس لیے ڈاکوؤں کو شہر میں ڈاکہ ڈالنے کی قدرت نہیں تھی اور اب شہر کے لوگوں نے ہتھیار رکھنے کی عادت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے اب شہر میں ڈاکہ ڈالنے سے بھی حد واجب ہوگی۔
۸۔ جس جگہ ڈاکہ ڈالا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان مسافت سفر ہو (یعنی اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز) یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول پر شرط ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ڈاکہ کے جرم کی تفصیل

ڈاکو کی سزاؤں میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ آیا یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں یا یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں' ڈاکو کے جرم کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:
۱۔ صرف لوگوں یا مسافروں کو ڈرانا اور دھمکانا' کسی کو قتل کرنا' نہ مال لوٹنا۔
۲۔ صرف مال لوٹنا۔ ۳۔ صرف قتل کرنا۔ ۴۔ مال لوٹنا اور قتل کرنا۔

ان میں سے ہر جرم کی ائمہ کے نزدیک ایک الگ سزا ہے۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا ہے تو قاضی قتل اور پھانسی کی سزا میں سے کوئی بھی سزا اپنے اجتہاد سے دے سکتا ہے۔ اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور قتل اور پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سزاؤں میں قاضی کو اختیار ہے اور باقی سزاؤں میں اس کو اختیار نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کا یہ نظریہ ہے کہ ڈاکو کا جو بھی جرم ہو' قرآن مجید کی بیان کردہ سزاؤں میں سے قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف ڈرانے کی سزا

جب ڈاکو صرف ڈرائے اور دھمکائے' نہ مال لوٹے اور نہ قتل کرے تو امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس کی سزا شہر بدر کرنا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے او ینفوا من الارض "یا ان کو شہر بدر کر دیا جائے"

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں جب ڈاکو راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں' نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے او ینفوا من الارض (مائدہ: ٣٦) اس حالت میں جلاوطن کرنا حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور یہی نخعی' قتادہ اور عطاء خراسانی کا قول ہے اور زمین سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام شہروں اور قصبوں سے نکال دیا جائے اور ان کے لیے کسی شہر میں رہنے کا ٹھکانا نہ ہو۔ اس طرح کی تفسیر حسن اور زہری سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے' جس طرح زانی کو شہر بدر کیا جاتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شہر میں اس کو بھیجا جائے' اس میں اس کو قید کر دیا جائے' جس طرح زانی کے متعلق ان کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس کو زمین سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے' حتیٰ کہ وہ توبہ کرے۔ امام شافعی کا بھی اسی قسم کا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں امام اس کو تعزیر لگائے اور اگر اس کی رائے ڈاکو کو قید کرنا ہو تو اس کو قید کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نفی کا معنی یہ ہے کہ امام ڈاکوؤں پر حدود جاری کرنے کے لیے ان کو طلب کرے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے۔ ابن شریح نے کہا ڈاکوؤں کو ان کے شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں قید کر دے۔ یہ قول امام مالک کے قول کی مثل ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے' کیونکہ اگر ان کو کسی اور شہر میں بھیجیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکہ ڈالیں گے اور لوگوں کو ایذاء پہنچائیں گے۔ اس لیے ان کو قید کرنا بہتر ہے۔

نیز علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں "ہماری دلیل ظاہر آیت ہے کیونکہ نفی کا معنی نکالنا' دور کرنا اور بھگانا ہے اور قید کا معنی روکنا ہے۔ اگر ان کو کسی غیر معین جگہ کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی دلیل "او ینفوا من الارض" (المائدہ: ٣٦) ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے' باقی ہمارے اصحاب نے یہ نہیں لکھا کہ اسے کتنی مدت کے لیے شہر بدر کیا جائے؟ تاہم اس کو اتنی مدت کے لیے شہر بدر کرنا چاہیے جس میں اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور اس کا چال چلن ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے۔

(المغنی مع الشرح الکبیر' ج ١٠' ص ٣٠٨-٣٠٧)

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں' زمین سے نکالنے کی تین صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ڈاکو' کو تمام زمینوں سے نکال دیا جائے۔

دوسری یہ کہ جس شہر میں اس نے ڈاکہ ڈالا ہو وہاں سے نکال دیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے۔

پہلی صورت مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے' کہ تمام زمینوں سے نکال دینا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے کا ذکر اس آیت میں پہلے آ چکا ہے۔ دوسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر ڈاکو کو دوسرے شہر کی طرف نکالیں گے تو وہ وہاں جا کر ڈاکے ڈالے گا' اور لوگوں کو ضرر پہنچائے گا' اور تیسری صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں بھیجنا صحیح نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں نفی من الارض کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام زمینوں سے نکال کر اس زمین میں رکھا جائے جس میں اس کو قید کیا جائے جہاں پر اس کا فساد کرنا متصور نہ ہو۔ (احکام القرآن' ج ٢' ص ٤١٣)

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں' نہ قتل کریں اور نہ مال لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں' اور اللہ کے قول "او ینفوا من الارض" سے بھی یہی مراد ہے۔ یعنی ان کو قید کرلیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ (علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا' نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا یا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا' ہاتھ پیر کاٹنا' انتہائی سزائیں ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔ (المبسوط للسرخسی' ج ۹' ص ۱۹۵) اور یہ امام شافعی کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھگا دیا جائے' کیونکہ قید کرکے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو' اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (المبسوط' ج ۹' ص ۱۹۹)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے صرف مال لوٹنے کی سزا

اگر ڈاکو نے صرف مال لوٹا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ڈاکو کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر' اس سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اگر اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر پہلے کٹا ہوا تھا تو اب اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا' بلکہ اس کو تعزیراً قید کیا جائے گا اور اگر اس کا پہلے ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا تو اب صرف پیر کاٹا جائے گا اور اگر پہلے ایک پیر کٹا ہوا تھا تو اب صرف ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ وہ ڈاکو کو قتل کردے یا سولی دے۔ یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔ البتہ اس صورت میں اس کو شہر بدر کرنے یا قید کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی دوبارہ ڈاکہ ڈالنے پر اس کے بقیہ ہاتھ اور پیر کو کاٹ دیا جائے گا۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جب ڈاکو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو امام کو اسے قید یا شہر بدر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کرے یا سولی دے یا مخالف جانب سے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ دے۔

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں کہ امام ابن قاسم نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا: کہ جس ڈاکو کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹا جاچکا ہے' اور وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کا دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۲' ص ۳۴۱)

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں "جس ڈاکو نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو' اس کا ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹ دیا جائے گا"۔ (بدائع الصنائع' ج ۷' ص ۹۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں "اگر ڈاکو نے چوری کے نصاب کے مطابق مال لیا ہو تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ دوبارہ ڈاکہ ڈالے تو اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر نصاب سے کم مال لیا تو اس کے ہاتھ اور پیر کو نہیں کاٹا جائے گا"۔ (روضۃ الطالبین' ج ۱۰' ص ۱۵۶)

مذاہب اربعہ کی روشنی میں ڈاکو کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا' اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے' پھر اس کو قتل کردے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور

پیر کاٹ دے ' پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے ' حتیٰ کہ وہ مرجائے۔ (بدائع الصنائع ' ج ٧ ' ص ٩٣)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ امام محمد نے یہ کہا ہے کہ ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا' کیونکہ یہ ایک جرم ہے ' اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی۔ نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے ' جیسا کہ حد سرقہ ' حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کسی نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو تو اس کو صرف رجم کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا..... سعیدی غفرلہ) امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے ' اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے ' اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے ' کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے ' وہ امن میں خلل ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں ' اور امام محمد نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثال دی ہے ' وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے ' اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔ امام ابویوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سولی میں اختیار نہیں ہے ' اس کو ترک نہ کیا جائے ' کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے ' تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں اور امام ابوحنیفہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے ' لہٰذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔ (ہدایہ اولین ' ص ٥٣٦)

علامہ سحنون مالکی لکھتے ہیں ' میں نے امام ابن قاسم مالکی سے پوچھا اگر ڈاکو قتل کرے اور مال لے ' تو کیا اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا ' اور اس کو قتل کیا جائے گا ' یا اس کو صرف قتل کیا جائے گا ' اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا؟ اس میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اس کو ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ (خواہ قاضی کی رائے میں اس کا ہاتھ اور پیر کاٹنا ضروری ہو یا نہ ہو)۔ (المدونۃ الکبریٰ ' ج ٤ ' ص ٤٢٩)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اگر ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کو سولی دی جائے گی ' اور یہ اس وقت ہے جب مال نصاب کے برابر ہو اور مذہب یہی ہے۔ ابن سلمہ کا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا ' اور قتل کیا جائے اور اس کو سولی دی جائے گی اور صاحب تقریب نے کہا کہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں دی جائے گی۔ (روضۃ الطالبین ' ج ١٠ ' ص ١٥٧-١٥٦)

علامہ ابوالقاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں "جس ڈاکو نے قتل کیا اور مال لیا ' اس کو قتل کیا جائے گا۔ خواہ صاحب مال معاف کر دے اور اس کو سولی دی جائے گی ' حتیٰ کہ اس کی شہرت ہو جائے اور اس کی لاش ڈاکوؤں کے حوالے کر دی جائے گی۔

(المقنع مع المغنی والشرح ' ج ١٠ ' ص ٢٩٩)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے ' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی ' سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے"

(المائدہ: ٣٤-٣٣)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا نظریہ

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا میں سزا پانے کے بعد بھی مجرموں کو آخرت میں عذاب عظیم ہوگا ' البتہ! جو لوگ توبہ کر لیں گے ' ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔ فقہاء احناف نے اسی آیت کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ حدود بغیر توبہ کے کفارہ نہیں ہوتیں اور حدیث میں جو ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں ' وہ توبہ کے ساتھ مقید ہے ' تاکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موافقت

رہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ٣٧٠ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں' ہاں! اگر مسلمان مجرم اجراء حد سے پہلے توبہ کرلے تو پھر حد اس کے لیے اخروی عذاب سے کفارہ ہو جاتی ہے اور اگر اس نے اجراء حد سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ عذاب اخروی کا مستحق ہوگا۔ (احکام القرآن' ج ٢' ص ٤١٢' مطبوعہ لاہور)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ١٠٩' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ اور احناف کا جواب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا' پھر اس پر حد لگادی گئی تو وہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

(شرح مسلم' ج ٢' ص ٧٣' مطبوعہ کراچی)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور وہ شب عقبہ کے نقباء میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے (ان امور پر) بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے' اور نہ تم چوری کرو گے' اور نہ تم زنا کرو گے' اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے' اور نہ تم کسی بے قصور پر بہتان باندھو گے' اور نہ کسی نیکی میں نافرمانی کرو گے۔ سو تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا' اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کرلیا' اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے' اور جس نے ان میں سے کوئی (ممنوع) کام کرلیا' پھر اللہ نے اس کا پردہ رکھا تو وہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو معاف کر دے' اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔ سو ہم نے (ان امور پر) آپ سے بیعت کرلی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ١٨' ٦٧٨٤' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ١٧٠٩' ٤٣٨١' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٤٤٤' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٤١٧٢' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٢٦٠٣' مسند احمد' ج ٨' رقم الحدیث: ٢٢٧٩٥' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ٣٨٧' سنن داری' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٣١)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا مجرم کے گناہ کا کفارہ ہے۔ خواہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔

(فتح الباری' ج ١' ص ٦٨' مطبوعہ لاہور)

علامہ عماد الدین منصور بن الحسن القرشی الکازرونی الشافعی المتوفی ٨٦٠ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام نووی نے اپنے فتاویٰ اور شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قصاص میں قتل کردیا جائے تو اس سے اخروی عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کس طرح ہوگا؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ ڈاکو جب قصاص میں قتل کردیا جائے تو اس سے قتل کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو ڈرانے' دھمکانے کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچتا ہے' سو اس کو ڈرانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا' اور یہ سزا ہر ڈاکو کے لیے عام ہے۔ لیکن یہ امر حدیث صحیح کے خلاف ہے' جس

میں نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کو اس جرم کی سزا دے دی گئی' تو اس کے لیے آخرت میں یہ سزا کفارہ ہو جائے گی' کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو نے فقط ڈرایا' دھمکایا اور اس کو سزا کے طور پر جلاوطن کر دیا گیا' تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا' لیکن آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا' اور اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سزا ملنے سے وہ عذاب ساقط ہو جائے گا جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے' اور بندہ کا حق باقی رہے گا اور اس کی آخرت میں سزا ہوگی' کیونکہ جس ڈاکو نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا' اس نے اللہ کی حکم عدولی بھی کی اور بندوں کو بھی نقصان پہنچایا' اور حد جاری کرنے سے اللہ کے حق ضائع کرنے کی تلافی ہوگی' بندوں کے حق کی تلافی نہیں ہوگی۔ سو اس بنا پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ (حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' ج ۲' ص ۳۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ کازرونی نے نہایت عمدہ توجیہ کی ہے' لیکن فقہاء شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد مطلقاً عذاب نہیں ہوگا' جیسا کہ ہم علامہ نووی اور علامہ عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ امام شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد توبہ کے بغیر آیا کوئی شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے پاک کرنا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک شخص پر حد قائم کی گئی اور اس نے توبہ نہیں کی' تو ہمارے نزدیک اس سے وہ گناہ ساقط نہیں ہوگا۔ ہمارے علماء نے قرآن مجید میں قطاع الطریق کی آیت پر عمل کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلک لھم خزی فی الدنیا و لھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا یہ ان (ڈاکوؤں) کے لیے دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کو توبہ سے ساقط کیا ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے دنیا کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ استثناء عذاب آخرت ہی کی طرف راجع ہے' اور وہ جو بخاری کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی' تو وہ اس کا کفارہ ہے'' تو اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرنا واجب ہے' جب اس نے سزا کے وقت توبہ کر لی ہو' کیونکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے اور جب ظنی اور قطعی میں تعارض ہو تو ظنی کو قطعی کے موافق کرنا واجب ہے' اور اس کے برعکس کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۵' ص ۳-۲' مطبوعہ مطبع علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

حدود کے کفارہ ہونے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی القرشی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمان ڈاکوؤں کی سزا میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ کی حدود ساقط ہو جاتی ہیں مثلاً قتل کرنا' سولی دینا' ہاتھ پیر کاٹنا اور شہر بدر کرنا۔ توبہ کے بعد یہ حدود نافذ نہیں ہوں گی' لیکن انسان کے حقوق توبہ سے ساقط نہیں ہوں گے مثلاً مال لوٹا ہے تو واپس لیا جائے گا اور کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲' ص ۳۴۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے بھی امام شافعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۲' ص ۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر ڈاکوؤں نے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلی تو ان سے اللہ کی حدود ساقط ہو جائیں گی لیکن اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا مال لوٹا ہے تو ان سے بدلہ لیا جائے گا' ماسوا اس کے کہ صاحب حق اس کو معاف کر دے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام مالک' امام شافعی' اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے' اس وجہ سے ڈاکوؤں سے حتمی قتل' سولی' ہاتھ پیر کاٹنے اور شہر بدر کرنے کی حد ساقط ہو جائے گی' اور ان پر قتل کرنے' زخمی کرنے اور مال لوٹنے کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر انہوں نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کی ہے تو ان سے کوئی حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان کو پکڑنے سے پہلے توبہ کرلی۔ (المائدہ: ۳۴) سو پکڑے جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے حد واجب کر دی۔

(المغنی ج ۹ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حدود کے کفارہ ہونے کے متعلق دو حدیثوں میں تطبیق

ہم اس سے پہلے کتب صحاح کے حوالے سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ جب مجرم پر حد لگا دی جائے' تو وہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جاتی ہے' لیکن ایک روایت اس کے خلاف ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (از خود) نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں' اور میں از خود نہیں جانتا کہ حدود ان کے اصحاب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور مجھے اس کی کسی علت (ضعف) کا پتا نہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۱ ص ۳۶' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۲۹' ملتان)

اس تعارض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث' حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے' اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے' مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔ یہ پہلے کا واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت اسلام لائے تھے' اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث جس میں مذکور ہے حدود کفارہ ہوتی ہیں' یہ بعد کا واقعہ ہے' کیونکہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد لی گئی تھی۔ کیونکہ امام مسلم نے اس کے بعد دوسری حدیث (رقم الحدیث: ۴۳۸۲) جو ذکر کی ہے' اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر عورتوں کی آیت تلاوت کی "ان لا یشرکن باللہ شیئا" (الممتحنہ: ۱۲) اور معجم طبرانی میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس طرح بیعت لی جس طرح فتح مکہ کے موقع پر بیعت لی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث مقدم ہے اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث موخر ہے۔ نیز! تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ سے جب عقبہ اولیٰ کے موقع پر آپ نے بیعت لی تھی' اس وقت تو حدود نازل ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا جس پر حد جاری ہو گئی وہ اس کا کفارہ ہے' اس موقع کا نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ! یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے' جب آپ نے دوسری مرتبہ بیعت لی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت جس میں مذکور ہے مجھے پتا نہیں حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ پہلے کا واقعہ ہے اور بعد میں آپ کو اللہ نے علم عطا فرما دیا اور آپ نے فرمایا حدود کفارہ ہیں' (یعنی بشرط توبہ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو، اور

جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ

اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں، تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے

اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ

نہایت دردناک عذاب ہے ○ وہ (دوزخ کی) آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے

مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا

اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے ○ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ

اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾

کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ○

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا،

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (اے مخاطب) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک

وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾

پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں (نجات کا) وسیلہ تلاش کرو"۔ (الخ) (المائدہ: ۳۵)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر ان کی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا' اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے ان کے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ اس کے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادات کا بجالانا ہے' یہود نے اس وسیلہ کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہیے' تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کرکے اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہیں اپنے اکابر اور اسلاف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرنی چاہیے' اور عبادات کے ذریعہ اس کے قرب اور نجات کے وسیلہ کو تلاش کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ قبولیت توبہ کے لیے اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ بہ معنی ذریعہ تقرب

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی طرف رغبت سے پہنچنا وسیلہ ہے اور اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور عبادت کے ساتھ اسکے راستہ کی رعایت کرنا' اور شریعت پر عمل کرنا اور اللہ کا وسیلہ اللہ کا قرب ہے۔ (المفردات' ص ۵۲۳-۵۲۴' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے' وہ وسیلہ ہے۔

(نہایہ' ج ۵' ص ۱۸۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے' وہ وسیلہ ہے۔

(صحاح جوہری' ج ۵' ص ۱۸۴۱' لسان العرب' ج ۱۱' ص ۷۲۵-۷۲۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کا جواز

امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ آداب دعا میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حصن حصین مع تحفۃ الذاکرین' ص ۳۴' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

شیخ ابوالعباس تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرھم کے حق میں سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو اور یہ دعا صحیح ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے "کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ' ج ا' ص ۲۱۱' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو 'جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے 'مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ (تحفۃ الذاکرین' ص ۶۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

امام ابوحاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ (قسم کے) آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے 'اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جائے گی۔ (الحدیث)

(صحیح ابن حبان' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۵۷۴۹' حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور میرے علم میں اس کی کوئی علت نہیں ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا' المستدرک' ج ا' ص ۳۶' ج ۲' ص ۵۲۵' ج ۴' ص ۹۰' الجامع الکبیر' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۸۸۵' ۱۲۹۲۱' المعجم الاوسط' للطبرانی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۸۸۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۰۵' المعجم الکبیر' ج ۱۷' ص ۴۳' موارد الظمآن' رقم الحدیث: ۵۲)

اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کی وجاہت' ان کی حرمت اور ان کے حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی بارگاہ میں یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ وہ ان کے سوال اور ان کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا' ہرچند کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان کی دعا کو مسترد فرمادے' لیکن ایسا کرنا ان کو دی ہوئی عزت اور وجاہت کے خلاف ہے۔ ان کا اللہ پر حق ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جیسے اجیر کا آجر پر حق ہوتا ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی دعا کو قبول کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے' اس وعدہ کی جہت سے ان کا حق ہے' فی ذاتہ کوئی استحقاق نہیں ہے' یا حق بمعنی وجاہت اور حرمت ہے' استحقاق کے معنی میں نہیں ہے۔

اس پر ایک دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بندہ فرائض ادا کر کے نوافل کو ہمیشہ پڑھتا ہے تو اللہ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے' اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور فرماتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اس کو اپنی پناہ میں لوں گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ ' مختصر تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۱۰۴' مسند احمد' تحقیق

احمد شاکر' رقم الحدیث: ۱۷۲۶۰' مسند ابو یعلیٰ' ۷۰۸۷' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۷۳۴۳' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۲۶۹' المطالب العالیہ' ج ۱' ص ۱۳۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ولی اور نبی سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا' اور ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا اور ان کا اللہ پر یہی حق ہے' اور یہی ان کی اللہ کی بارگاہ میں وجاہت اور حرمت ہے۔ اس لیے انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنا' یا ان سے دعا کرنے کی درخواست کرنا صحیح ہے' اور اب ہم اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن **الخطاب** رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ عرض کرتے "اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے' "تو" تو ہم پر بارش برساتا تھا (اب) ہم اپنے نبی کے عم (محترم) کو تیری طرف وسیلہ پیش کرتے ہیں' "تو" تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس نے کہا پھر لوگوں پر بارش ہوتی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۱۰' مطبوعہ دار الکتب' العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ' المعجم الکبیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۴' کتاب الدعاء للطبرانی' رقم الحدیث: ۹۶۵' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو مؤخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے' آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح سے وضو کرے' پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ! میں تیرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' تاکہ میری حاجت پوری ہو' اے اللہ! میرے متعلق آپ کی شفاعت قبول فرما۔ (امام ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا' یہ حدیث صحیح ہے)

علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۷۱۷۵' ۱۷۱۷۴' طبع قاہرہ' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۸۹' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۵' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۱۰۴۹٦' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی' رقم الحدیث: ٦٦۴' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی' رقم الحدیث: ٦۳۳' المستدرک ج ۱' ص ۵۱۹' دلائل النبوۃ' ج ٦' ص ۱٦۷' امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے لکھا ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۸' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۳۱۱' حافظ منذری نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ الترغیب والترہیب' ج ۱' ص ۴۷٦-۴۷۴' حافظ الہیثمی نے بھی لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۲' ص ۲۷۹' مختصر تاریخ دمشق' ج ۳' ص ۳۰۴)

شیخ ابن تیمیہ' قاضی شوکانی' علامہ نووی اور امام محمد جزری وغیرہم نے امام ترمذی کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یامحمد کے الفاظ ہیں' لیکن ہمیں جو ترمذی کے پاکستانی اور بیروت کے نسخے دستیاب ہیں' ان میں یامحمد کے الفاظ نہیں

ہیں۔ سنن ترمذی کے علاوہ ہم نے باقی جن کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں' ان سب میں یا محمد کے الفاظ ہیں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس نے یہ دعا کی' اے اللہ! تجھ پر سائلین کا جو حق ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اور میرے اس (نماز کے لیے) جانے کا جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' کیونکہ میں بغیر اکڑنے اور اترانے اور بغیر دکھانے اور سنانے کے (محض) تیری ناراضگی کے ڈر اور تیری رضا کی طلب میں نکلا ہوں' سو میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو جہنم سے مجھے اپنی پناہ میں رکھنا اور میرے گناہوں کو بخش دینا اور بلاشبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ (سو جو شخص یہ دعا کرے گا) اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۸' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۸۵' الترغیب والترہیب' ج ۲' ص ۴۵۲' صحیح ابن خزیمہ' ج ۲' ص ۴۵۸' علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۱۰۹۹)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن یزید روایت کرتے ہیں کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو خوب علم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ قریب اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ تھے۔

(مسند احمد' ج ۵' ص ۳۹۵' دار الفکر بیروت' طبع قدیم' علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۳۲۰۱' طبع قاہرہ)

وسیلہ بہ معنی درجہ جنت

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

وسیلہ کا ایک معنی جنت کے درجات میں سے ایک (مخصوص) درجہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (نہایہ' ج ۵' ص ۱۸۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم موذن (کی اذان) کو سنو تو اس کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو' کیونکہ جس شخص نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا' اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو' کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو حاصل ہو گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سو جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا' اس کے حق میں میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: (۳۸۴) ۸۲۶' سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۶۱۴' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۱۴' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۶۷۷' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۴۵' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۹۴' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۵۶۸' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۹۶۴' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۱۷۹۹' ۱۱۷۸۴' ۱۱۴۴۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۱۰' ۴۰۹' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۱۶۸۸' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' فیصل آباد)

دعاء اذان میں حدیث شفاعت کی تحقیق

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو دعا کرتے "اے اللہ! اس دعوت کاملہ اور (اس کے نتیجہ میں) کھڑی ہونے والی نماز کے رب' اپنے بندے اور اپنے رسول محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کردے"۔ (المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مکتبۃ المعارف الریاض' ۱۴۰۵ھ)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں صدقہ بن عبداللہ السمین ہے۔ امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دحیم اور ابو حاتم اور احمد بن صالح مصری نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۳۳۳' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت)

حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

صدقہ بن عبداللہ السمین کی روایات سے امام ترمذی' امام نسائی' اور امام ابن ماجہ نے استدلال کیا ہے۔ ہر چند کہ امام احمد اور شیخین نے اس کو ضعیف کہا ہے' لیکن سعید بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی نے اس کو ثقہ کہا۔ عبدالرحمن بن ابراہیم نے کہا: صدقہ ہمارے شیوخ میں سے ہیں اور ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا اس کی روایت صحیح اور مقبول ہے۔ دحیم نے کہا اگرچہ یہ قدریہ کی طرف مائل تھا' لیکن روایت میں صادق تھا۔ ولید بن مسلم نے کہا یہ ۱۶۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب الکمال' ج ۹' ص ۸۱-۷۸' ملخصا' میزان الاعتدال' ج ' ص ۳۲۶-۳۲۵' تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۳۸۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اے اللہ! آپ پر صلوۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں داخل کردے' سو جو شخص یہ دعا کرے گا' اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۵۴' الجامع الکبیر ج ۷' رقم الحدیث: ۲۲۱۱۸' عمدۃ القاری' ج ۵' ص ۱۲۴)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں اسحق بن عبداللہ بن کیسان ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱' ص ۳۳۳' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں سے اسحق بن عبداللہ کا ضعف نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اسحاق بن عبداللہ کی صرف ایک حدیث متابعۃ درج کی ہے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کی روایات کو درج کیا ہے۔ اسحق بن عبداللہ بن کیسان ۱۴۴ھ میں فوت ہوا تھا۔

(تہذیب الکمال' ج ۱' ص ۶۲-۵۷' میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۳۴۶' کتاب الجرح والتعدیل' ج ۲' ص ۲۲۸)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف ہے' لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

دعائے اذان کے بعض دیگر کلمات کی تحقیق

اس بحث کے اخیر میں ہم ایک اور حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں "انک لا تخلف المیعاد" کا ذکر ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اے اللہ! میں تجھ سے اس دعوت کاملہ اور اس کے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ سیدنا محمد

ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ کے لیے مخصوص ہے' اور آپ کو فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے' بے شک تو وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا" اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے صحیح میں علی بن عیاش سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ۱' ص ۴۱۰' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

اس دعا میں الوسیلة اور الفضیلة کے بعد والدرجة الرفیعة کا بھی ذکر کیا جاتا ہے' اس کی اصل یہ حدیث ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب اور جابر جعفی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کہا: "اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں وہ مقام عطا فرما' جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے درجات بلند فرما" تو اس کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المصنف' ج ۱' ص ۴۹۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ)

وسیلہ بہ معنی مرشد کامل

ایمان' اعمال صالحہ' فرائض کی ادائیگی' اتباع سنت' اور محرمات اور مکروہات سے بچنا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور جس مرد صالح اور مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک مسلمان گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے' جو اس کو مسلسل نیکی کی تلقین کرتا ہے' اور اس کی روحانی تربیت کرتا ہے' اس شیخ کے وسیلہ اور قرب الٰہی کے ذریعہ میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی قول جمیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ اور شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

اہل سلوک اس آیت کو راہ حقیقت کے سلوک کی طرف اشارہ گردانتے ہیں اور مرشد کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر حقیقی کامیابی اور مجاہدہ سے پہلے مرشد کو تلاش کرنا ضروری ہے' اور اللہ تعالیٰ نے سالکان حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر کیا ہے' اس لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کا ملنا شاذ و نادر ہے۔ (صراط مستقیم' (فارسی)' ص ۵۰' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' لاہور)

اسلام میں بیعت کا تصور' شیخ طریقت کی شرائط' بیعت برکت' بیعت ارادت' تبدیلی بیعت' اور تجدید بیعت کا حکم' کیا ہر شخص پر بیعت ہونا فرض ہے' ان تمام عنوانات پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کے اخیر میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو حضرات ان مباحث سے دلچسپی رکھتے ہوں' وہ اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا' اگر ان کے قبضہ میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی اور بھی ہوں تاکہ قیامت کے دن عذاب سے نجات کے لیے وہ ان چیزوں کو فدیہ میں دے دیں' تو وہ (فدیہ) ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۳۶)

آیا اللہ نے کافر کے کفر کا ارادہ کیا تھا یا اس کے ایمان کا؟

اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے کہ جن یہودیوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور بچھڑے کی عبادت کی' اور جن مشرکوں نے بتوں' انسانوں یا عناصر کی عبادت کی اور وہ توبہ کرنے سے پہلے مر گئے' تو وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر تمام روئے زمین کے برابر فدیہ بھی دے دیں' تب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو دائماً' درد دینے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں ان یہودیوں کا رد فرمایا ہے' جنہوں نے کہا تھا' ہم کو صرف چند دن عذاب ہو گا اور اسی طرح بت پرست

کافروں کو عذاب کی وعید سنائی ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اپنے آباء و اجداد کے وسیلہ سے دوزخ کے دائمی درد دینے والے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا' یہ بتا اگر تیرے پاس روئے زمین جتنا سونا ہو تو کیا تو اس کو فدیہ میں دے دے گا؟ وہ کہے گا' ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا (دنیا میں) تجھ سے اس کی بہ نسبت بہت آسان سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۵۳۸' صحیح مسلم' منافقین' ۵۴' (۲۸۰۵) ۶۹۵۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابی عمران کی روایت میں ہے' اللہ فرمائے گا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا' میں نے تجھ سے اس کی بہ نسبت آسان چیز کا سوال کیا تھا' یہ کہ تو میرے ساتھ شرک نہ کرنا' مگر تو شرک کے بغیر نہیں مانا' اور ثابت کی روایت میں ہے' ہم نے تجھ سے اس کی بہ نسبت کم چیز کا سوال کیا تھا۔ پس تو نے نہیں کیا' پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ قاضی عیاض نے کہا اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ۔ (الاعراف: ۱۷۲)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے اوپر انہیں گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا' کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی' تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد سے لیا تھا۔ جس نے بعد میں آکر دنیا میں اس عہد کو پورا کیا' وہ مومن ہے اور جس نے اس عہد کو پورا نہیں کیا' وہ کافر ہے۔ سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم سے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں جب تم کو دنیا میں نکالوں گا تو تم اس عہد کو پورا کرنا' لیکن تم نے اس کا انکار کر کے شرک کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد طلب ہو۔ یعنی میں نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور تم ایمان نہیں لائے' کیونکہ اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ معتزلہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کافر کے کفر کا' اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ کرتا تو وہ ایمان لے آتا' یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کو مقدر کرتا تو وہ ایمان لے آتا' اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مومن نے اس پر لبیک کہا' اور کافر نے انکار کیا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کفر شر اور برائی ہے اور کفر کا ارادہ بھی شر اور برائی ہے اور اللہ تعالیٰ شر اور برائی سے منزہ ہے۔ اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی کے کفر کا ارادہ کرے۔ اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر ہے۔ خالق کے حق میں شر کا ارادہ کرنا شر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے' اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے' مخلوق کے لیے شر کا ارادہ کرنا اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے جو اس کو امر کرے۔ اس لیے مخلوق کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز! مخلوق جب کسی

چیز کا ارادہ کرے اور وہ نہ ہو تو یہ مخلوق کے ضعف اور اس کے عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضعف اور عجز سے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کافر کے ایمان کا ارادہ کرے اور وہ ایمان نہ لائے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر: ۷) اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔

تو جب اللہ کفر سے راضی نہیں ہے تو وہ کافر کے کفر کا ارادہ کیسے کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ رضا کا معنی ہے ثواب دینا' یعنی وہ کفر پر ثواب نہیں دیتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ارادہ عام ہے اور رضا خاص ہے' رضا کا معنی ہے خیر کا ارادہ کرنا' جس طرح ناراضگی اور غضب کا معنی ہے شر کا ارادہ کرنا۔

(فتح الباری' ج ۱۱' ص ۳۰۴-۳۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اہل سنت و جماعت کا جو مذہب نقل کیا ہے' اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن قتادہ السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت سے ایک مخلوق کو نکالا۔ پھر فرمایا: یہ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا تقدیر پر۔

(صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۸' المستدرک' ج ۱' ص ۳۱' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۸۶' طبع قدیم' علامہ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۱۸۶)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا (الاعراف: ۱۷۲) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا' پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا' اور اس سے اولاد کو نکالا۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے عمل کریں گے' پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اولاد کو نکالا' پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل جنت کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے' اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے' حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال کرتا ہوا مرتا ہے۔ پس اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۸۶' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۷۰۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۹۰' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۶۶۱' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۱۶۶' المستدرک' ج ۱' ص ۲۷' ج ۲' ص ۳۲۴' ج ۲' ص ۵۴۴' امام ذہبی نے تینوں حدیثوں میں حاکم کی موافقت کی ہے)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

ابن دیلمی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں اس سے میرا

دین فاسد نہ ہو جائے اور ایمان نہ جاتا رہے۔ پس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' اور میں نے عرض کیا اے ابوالمنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں ایک شک پیدا ہوا ہے' اور مجھے خدشہ ہوا ہے کہ اس سے میرا دین اور ایمان فاسد نہ ہو جائے۔ آپ میری تسلی کے لیے کوئی حدیث بیان کیجئے۔ شاید اللہ اس سے مجھے نفع پہنچائے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہو گا۔ (کیونکہ وہ ان سب کا مالک ہے' اور سب اس کی مملوک ہیں) اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو وہ تم سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ پس تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو مصیبت پہنچی ہے' وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے' وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی' اور اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' اور تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو' میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی حضرت ابی بن کعب کی طرح جواب دیا اور فرمایا: تم پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم جا کر حضرت حذیفہ سے سوال کرو۔ میں نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا؟ تو انہوں نے بھی ان دونوں کی طرح جواب دیا اور کہا: اب تم جا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کرو میں نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا؟ تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا' اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہو گا اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے' اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کردو' تو وہ اس وقت تک تم سے قبول نہیں کیا جائے گا' جب تک کہ تم ہر تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے' وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی ہے' وہ تم کو پہنچنے والی نہیں تھی اور اگر تم اس کے سوا کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۷۷' سنن ابوداؤد' ج۴' رقم الحدیث: ۴۶۹۹' مسند احمد' ج۸' رقم الحدیث: ۲۱۶۱۷' طبع دار الفکر' بیروت' علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج۱۶' رقم الحدیث: ۲۱۴۸۱' ۲۱۵۰۴' ۲۱۵۳۶' طبع دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کافر کا کفر اور مومن کا ایمان اللہ کے ارادہ سے ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں۔ اس نے جس کو جنت کے لیے پیدا کیا' اس کے لیے جنت کے اعمال آسان کر دیئے اور جس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا' اس کے لیے دوزخ کے اعمال آسان کر دیئے۔ اللہ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے ہم کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازا۔ اے اللہ! ہمارا خاتمہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر کرنا اور اسی عقیدہ پر ہمارا حشر کرنا' ہم دوزخ سے اور دوزخیوں کے اعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

متکلمین نے اس کی توجیہ میں یوں کہا ہے کہ چونکہ کافر کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفر کو پیدا کر دیا اور مومن نے ایمان کا ارادہ کیا' تو اللہ نے اس میں ایمان کو پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خیر اور شر کا اختیار دیا جو خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس میں خیر پیدا کر دیتا ہے اور جو شر کا ارادہ کرتا ہے' اس میں شر کو پیدا کر دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں۔ کسب کا تعلق بندہ سے ہے اور خلق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور انسان کو جزا اور سزا اس کے کسب اور ارادہ کی وجہ سے ملتی ہے' اور اگر بندہ کے افعال میں اس کے کسب اور ارادہ کا دخل نہ مانا جائے' تو پھر دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل کو بھیجنا اور

آسمانی کتابوں کو نازل کرنا اور آخرت میں جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنا' سب بے معنی اور خلاف حکمت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو' یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب اور نہایت حکمت والا ہے (المائدہ: ۳۹)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتلایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اس آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ دوسری چوری پر اس کا پیر کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا جب کسی شخص نے چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔

(کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ کے نزدیک گویا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا: کہ اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور یہاں فرمایا کہ اگر انسان چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

سرقہ کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب چور اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور مال غیر لے کر چلا جائے۔ اگر وہ چھپ کر لینے کے بجائے کھلم کھلا لے تو وہ اچکا اور لٹیرا (مختلس اور منتہب) ہے اور اگر زبردستی چھینے تو غاصب ہے۔

(لسان العرب' ج ۱۰' ص ۱۵۶' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

سرقہ کا اصطلاحی معنی

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

عاقل بالغ کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم (یا اس سے زیادہ) یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر بغیر کسی شبہ اور تاویل کے اٹھالے' جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو' درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو تو وہ سرقہ (چوری) ہے۔

(فتح القدیر' ج ۵' ص ۳۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شان نزول

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کے متعلق نازل ہوئی ہے' جس نے زرہ کی چوری کی تھی۔ اس کی تفصیل ہم النساء: ۱۰۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ (اسباب النزول' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

جاہلیت اور اسلام میں جن کے ہاتھ کاٹے گئے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا' زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا' وہ ولید بن مغیرہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا' وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھے' اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے' وہ مرہ بنت

سفیان بن عبد الاسد تھیں۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوبکر نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر نے عبد الرحمن بن سمرہ کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا' ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۱۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چور کا ہاتھ کاٹنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کرے' تو اس پر حد مقرر نہیں (ہرچند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے' اس لیے اس کی سزا سخت رکھی' تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔

بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو فوراً جوڑ دیا جائے' تو یہ جائز ہے لیکن یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کو فرمایا ہے' یہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے' اگر چور کا ہاتھ جوڑ دیا گیا' تو پھر یہ عبرت نہیں رہے گا اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے' اس کی مکمل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں کی ہے۔

ایک بحث یہ ہے کہ چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے' تو زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا آلہ تناسل کیوں نہیں کاٹا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور کا جب ایک ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' تو اس کا دوسرا ہاتھ موجود ہوتا ہے جس سے وہ کام کاج کر سکتا ہے' جبکہ زانی کے پاس دوسرا آلہ نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ لوگ دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ کٹا ہوا ہاتھ تو دکھائی دیتا ہے' اور آلہ مستور ہوتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے فروغ نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا' اور ہاتھ کاٹنے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ زنا کی سزا میں جرم تو صرف ایک جز نے کیا ہے' اور کوڑوں یا رجم کی شکل میں سزا پورے جسم کو ملتی ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کرنے سے پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے' اس لیے پورے جسم کو سزا دی جاتی ہے۔

حجیت حدیث پر دلیل

اس آیت میں کئی وجوہ سے اجمال ہے۔ اولاً یہ کہ مطلقاً چوری کرنے پر حد واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک پیسہ یا روپیہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' بلکہ ایک معین مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس آیت میں اس مقدار کا بیان نہیں ہے۔ ثانیاً: اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ کا اطلاق انگلیوں پر' ہتھیلی پر' پہنچے تک' کلائی کے وسط تک' کہنی تک اور بازو تک' پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ثالثاً: اس آیت میں یہ بیان نہیں ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم امت کے عام افراد کو دیا گیا ہے' یا یہ حکم صرف مسلمان حاکم کے لیے ہے۔ ان تمام امور کا بیان نبی ﷺ کی سنت اور احادیث میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ احادیث کے بغیر قرآن مجید کے معنی کو سمجھنا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

حد سرقہ کے نصاب میں امام شافعی کا نظریہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا' جس دن اس نے چوری کی تھی۔ اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الام' ج ٦' ص ١٤٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٣ھ)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ٧' رقم الحدیث: ٦٧٨٩' صحیح مسلم' حدود ١' (١٦٨٤) ٤٣١٩' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٤٣٨٣' سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٤٩' مسند احمد' ج ٩' رقم الحدیث: ٢٤٣٤٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢٥٤' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ١٥٧٥' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٩' ص ٤٧٠' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٦٣' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ٢٧٩' مسند الشافعی' ج ٢' رقم الحدیث: ٨٣' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٩٥)

واضح رہے کہ چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو' اور ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا' اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چوتھائی درہم سے کم ہوتی' تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ١٧' رقم الحدیث: ٢٤٣٩٦-٢٤٩٦٠' طبع قاہرہ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام مالک کا نظریہ

امام سحنون بن سعید التنوخی مالکی متوفی ٢٥٦ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک سے پوچھا یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوتھائی دینار کے برابر آج نہ ہوں' کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو کیا آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔

(المدونۃ الکبریٰ' ج ٦' ص ٢٦٥' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ' مصر' ١٣٢٣ھ)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ١٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک' رقم الحدیث: ١٥٧٢' مسند الشافعی' ج ٢' رقم الحدیث: ٨٣' صحیح البخاری' ج ٧' رقم الحدیث: ٦٧٩٥' صحیح مسلم' حدود ٦' (١٦٨٦) ٤٣٢٧' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٤٣٨٥' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ١٤٥١' سنن نسائی' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٢١' مسند احمد' ج ٢' رقم الحدیث: ٥٣١٠' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٦٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٣' ص ١٩٠' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٣٨٥' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢٥٦' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٩٦)

حد سرقہ کے نصاب میں امام احمد بن حنبل کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:
تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ احسن بصری ' داؤد ظاہری ' امام شافعی کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی ' چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (المائدہ: ۳۸) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے ' وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے (صحیح بخاری ' و صحیح مسلم) نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے ' تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے ' جس کی مالیت ربع دینار ہو (جیسے جہازوں کی رسی ' سعیدی) اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو ' بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی "خود" مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔ ابو اسحاق جوزجانی سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے ' یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے ' اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا ' لیث اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا حضرت عمر ' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے۔ عمر بن عبدالعزیز ' اوزاعی ' امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے اور عثمان بتی نے کہا کہ ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا ' اور حضرت عمر سے ایک روایت ہے کہ صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ سلیمان بن یسار ' ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ عطاء ' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ' کیونکہ حجاج بن ارطاۃ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ' نبی ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں قطع ید نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا ' اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی اور نخعی سے روایت ہے کہ چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) علامہ ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ' کیونکہ جو تین

درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں' وہ دس درہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔
(المغنی 'ج ۹ 'ص ۹۵-۹۴ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیرت ۱۴۰۵ھ)

حد سرقہ کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ اور ائمہ ثلاثہ کے جوابات

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ڈھال کی قیمت کے ماسوا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے' اور ان دنوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام شافعی نے کہا چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک نے کہا تین درہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری نے کہا چالیس درہم ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا' اور ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا' اور کم سے کم قیمت جو منقول ہے' وہ تین درہم ہے۔ اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی' تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے' اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور ایمن بن ابی ایمن' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا' وہ دس درہم کی تھی' اور ان صحابہ کرام کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ وہ مجاہدین میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے' اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ڈھال کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو' کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے' تاکہ حد کو ساقط کیا جا سکے' اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متحقق ہو گا جب ڈھال کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا' جس نے کپڑا چرایا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے' پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کر دی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کے درمیان معروف اور مشہور تھا۔ نیز انصاب حد کو نصاب مہر پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے' اور نکاح اور ہاتھ کاٹنے دونوں میں ایک عضو پر تصرف کیا جاتا ہے' جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے۔ اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چوتھائی دینار کی جو حدیث مروی ہے' اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور قول یہ ہے کہ کسی معمولی چیز کے عوض ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا' بلکہ ڈھال کی قیمت کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چوتھائی دینار کی صریح حدیث ہوتی تو وہ یہ مبہم جواب نہ دیتیں۔ پھر یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداء میں چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہو' بعد میں دس درہم کو نصاب سرقہ مقرر کر کے چوتھائی دینار کے حکم کو منسوخ کر دیا' تاکہ ناسخ حکم' منسوخ حکم سے خفیف اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں' یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ (المبسوط' ج ۹' ص ۱۳۸-۱۳۶' ملخصاً' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

مذہب احناف کے ثبوت میں احادیث

علامہ سرخسی کی اس مفصل عبارت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب آگیا ہے' تاہم علامہ سرخسی نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے' ہم ان کی تخریج اور مذہب احناف کی تائید میں مزید احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

ایمن بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا ہے اور اس دن ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو چھ مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔ ہارون بن عبد اللہ کی روایت میں ہے' اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

(سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۶۳' ۴۹۶۲' ۴۹۶۱' ۴۹۶۰' ۴۹۵۹' ۴۹۵۸)

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ڈھال کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔

(سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۶۶' ۴۹۶۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۳۸۷' یہ حدیث عطا سے مرسلاً بھی روایت کی ہے۔ رقم الحدیث: ۴۹۶۸' ۴۹۶۷' المستدرک' ج ۴' ص ۳۷۹' حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ امام بیہقی نے متعدد اسانید کے ساتھ ایمن سے روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ' ج ۸' ص ۲۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۴۷۳' مصنف عبد الرزاق' ج ۱۰' ص ۲۳۳' سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۹۲' ۳۳۹۱' ۳۳۹۰' ۳۳۸۹)

امام نسائی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں' ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس درہم تھی۔ (سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۷۱' سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۸۸-۳۳۸۷)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۹۰۰' سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۹۳' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷۳)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت لگاؤ۔ حضرت عثمان نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی' تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف' ج ۱۰' ص ۲۳۵-۲۳۳' ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۴۷۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۲۶۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق 'ج ۱۰ 'ص ۲۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مصنف عبدالرزاق 'ج ۱۰ 'ص ۲۳۳ 'مصنف ابن ابی شیبہ 'ج ۹ 'ص ۴۷۵ 'سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸ 'ص ۲۶۰ 'کتاب الآثار لامام محمد ' ص ۱۳۷ 'سنن دار قطنی 'ج ۳ 'رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۷)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ڈھال سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار 'ص ۱۳۷ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی '۱۴۰۷ھ)

ابن مسیب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

(مصنف عبدالرزاق 'ج ۱۰ 'ص ۲۳۳ 'مطبوعہ کتب اسلامی 'بیروت '۱۳۹۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ دس درہم دو اعشاریہ چھ دو پانچ (۲٫۶۲۵) تولہ اور تیس اعشاریہ چھ 'ایک آٹھ (۳۰٫۶۱۸) گرام چاندی کے برابر ہے۔ اور تین درہم صفر اعشاریہ سات آٹھ سات پانچ (۰٫۷۸۷۵) تولہ اور نو اعشاریہ ایک آٹھ پانچ چار (۹٫۱۸۵۴) گرام چاندی کے برابر ہے۔

کون سا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے؟

چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا 'کیونکہ امام بیہقی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ ہماری قرائت میں ہے "فاقطعوا ایمانہما" چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی 'ج ۸ 'ص ۲۷۰ 'مطبوعہ نشر السنہ 'ملتان)

دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود 'حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے 'ان کے سرہانے ان کے کپڑے تھے 'ایک چور آکر وہ کپڑے لے گیا 'وہ اس چور کو پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے آئے 'اس نے چوری کا اقرار کرلیا۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ! کیا عرب کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے 'تم شفاعت کرسکتے ہو۔ اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا 'پھر اس کو معاف کیا تو اللہ اس کو معاف نہ کرے 'پھر آپ نے حکم دیا کہ پہنچے (ہتھیلی اور کلائی کا جوڑ) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی 'ج ۳ 'رقم الحدیث: ۳۴۳۰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۷ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔ عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ ج ٨ ص ٢٧١ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا

فتاویٰ عالمگیری میں ہاتھ کاٹنے کی حسب ذیل شرائط بیان کی گئی ہیں:

١- جو چیز دارالاسلام میں مباح یا خسیس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے افتادہ لکڑی گھاس پھوس سرکنڈا مچھلی ہڑتال اور چونا وغیرہ۔ (ہدایہ کافی اور اختیار)

٢- سونا چاندی اگر مٹی یا پتھر میں مخلوط ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔ (ظاہر الروایہ)

٣- جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے جیسے دودھ گوشت اور تازہ پھل ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (ہدایہ)

٤- جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

٥- قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ ہو اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو لیکن غیر محفوظ ہو پھر بھی حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)

٦- مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (تبیین)

٧- درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

٨- ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔ (ایضاح)

٩- شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔ (فتح القدیر)

١٠- جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان کے چرانے پر حد نہیں ہے خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی بری ہوں یا بحری۔ (تتار خانیہ)

١١- مہندی سبزیوں تازہ پھلوں گھاس پانی گٹھلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں۔ الا یہ کہ کھال سے مصلی یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔ (عتابیہ)

١٢- خمر خنزیر باقی پرندوں وحشی جانوروں کتے چیتے مرغی بطخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (تمرتاشی)

١٣- طنبور دف مزمار اور باقی گانے بجانے کے آلات کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

١٤- طبل اور بربط اگر لہو و لعب کے لیے ہوں تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے اور اگر جہاد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ (محیط)

١٥- پنیر اور روٹی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

١٦- شطرنج اور چوسر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (محیط)

١٧- مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

١٨- فقہ نحو لغت اور شعر و ادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)

۱۹- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ذخیرہ)
۲۰- سونے یا چاندی کی صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں' ان پر حد ہے۔ (عتابیہ)
۲۱- بڑی عمر یا سمجھ دار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔ (ہزفائق)
۲۲- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر موجل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض موجل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
۲۳- اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔ (محیط)
۲۴- اگر چاندی کے برتن میں نبیذ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی' اس کو چرالیا تو حد نہیں ہے۔
۲۵- جس برتن میں خمر (شراب) تھی' اس کو چرالیا تو اس میں حد نہیں ہے۔ (محیط)
۲۶- اگر قبر سے درہم' دینار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے۔ (السراج الوہاج)
۲۷- کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔ (کافی)
۲۸- مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (نہایہ)
۲۹- جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو' اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔ (شرح الطحاوی' ظہیریہ)
۳۰- حربی مستامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔ (مبسوط)
علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:
۳۱- مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قندیل چرانے پر حد نہیں ہے۔
۳۲- کعبہ کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔
۳۳- جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا یا چھپا ہوا ہو' ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔
۳۴- اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔
۳۵- لٹیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔
۳۶- اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔
۳۷- ماں' باپ' اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔
۳۸- اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
۳۹- اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
۴۰- غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالک کے خاوند کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
۴۱- اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
۴۲- حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو' اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔
(فتاویٰ عالمگیری' ج ۲' ص ۱۷۹-۱۷۵' ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ' کبریٰ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کا ہے' وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المائدہ: ۴۰)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر چور نے توبہ نہ کی اور وہ پکڑا گیا تو اس پر حد بھی جاری ہوگی اور آخرت میں عذاب بھی ہوگا اور اگر اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو اللہ آخرت کی سزا معاف فرمادے گا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا یا معاف فرمادینا' اس وجہ سے ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ جس کو چاہے' معاف کردے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اس کا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اس کا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اہل سنت کا مذہب ہے عذاب دینا اس کا عدل ہے اور معاف فرمانا اور ثواب عطا فرمانا اس کا کرم ہے' اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' ہم اس کے عذاب سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اس کے عفو و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ

اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں، ان میں سے

مع ۳ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ

بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا ہم ایمان لے آئے، حالانکہ ان کے دل مومن نہیں ہیں اور بعض

الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ

یہودی ہیں جو جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور ان لوگوں کی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں جو آپ کے

لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ

پاس نہیں آئے، (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ

اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ

(حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو، اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو، اور (اے مخاطب) جسے

اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰۤٮِٕكَ الَّذِيْنَ

اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو، تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے

لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۙۚ وَّلَهُمْ

دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں

فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ

ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ (یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سننے میں اور حرام بہت زیادہ

لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ

کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کریں خواہ ان سے اعراض فرمائیں

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْــــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ

اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے ، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲ وَكَيْفَ

ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں ، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○ اور وہ آپ

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ

کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے ، پھر اس کے باوجود وہ

بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳ ع ۶ ع ۱۰

روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! آپ کو وہ لوگ غم زدہ نہ کریں جو کفر میں تیزی کے ساتھ سرگرم ہیں (المائدہ: ۴۱)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری سے متعلق احکام شرعیہ ارشاد فرمائے' اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پرواہ نہ کریں' ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں' آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہے' اور ان کے مکر و فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ اسی طرح آپ یہود کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں' یہ دونوں فریق یہود کے احبار اور رہبان سے دین اسلام کے متعلق جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں۔ آپ کی نبوت میں شبہات اور تورات میں تحریف پر مشتمل باتیں خوب سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے یہ ان کے جاسوس ہیں' آپ پر جھوٹ باندھنے کے لیے یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں' تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں اس میں تغیر اور تبدل کرکے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر یہودیوں کو پہنچائیں۔

قرآن مجید میں دو جگہ آپ کو یایہا الرسول کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ایک یہ جگہ ہے (المائدہ: ۴۱) اور دوسری آیت یہ ہے یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ: ۶۷) ان کے علاوہ باقی ہر جگہ آپ کو یایہا النبی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت مہتم بالشان آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (المائدہ: ۴۱)

یہود کا تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا

یہود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے' یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے' یا اس لفظ کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنی بدل جاتا تھا' اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل تاویل کرتے' اگر ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو دجال کی صفات پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے بیان کیا ہے کہ یہود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے۔ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے' صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا' تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عمداً قتل کر دیا۔ اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی ﷺ) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا' ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٣٢٣)

امام ابن جریر نے یہود کی تحریف کی یہ مثال دی ہے کہ تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں' اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٣٢١)

نبی ﷺ کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس تشریف لے گئے' آپ نے فرمایا' جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں' پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ' وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے' جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی' پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم' حدود ٢٦' (١٦٩٩) ٤٣٥٧)

امام مسلم نے اس حدیث کو اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم' حدود ٢٧' ٤٣٥٨' صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٦٨٤١-٥٤٣٣' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٤٤٦' سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٤١' صحیح ابن حبان' ج ١٠' رقم الحدیث: ٤٤٣٥' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ١٣٣٢١-١٣٣٣٢' سنن داری' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٢١' شرح السنہ للبغوی' رقم الحدیث: ٢٥٨٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٢١٣)

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا' جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں' پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں' جس نے حضرت موسیٰ پر تورات کو

نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا' ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں' لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے' اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں' تو پھر ہم نے رجم (سنگسار کرنے) کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا' پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اللہ کے) کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے' تو اس سے اجتناب کرو۔ (المائدہ: ۴۱) (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ' اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ۴۴)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ۴۵)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۷)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔

(صحیح مسلم' حدود ۲۸' (۱۷۰۰) ۴۳۶۰' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۴۴۸۔ ۴۴۴۷' سنن ابن ماجہ' ۲۵۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے' تو تو ہرگز اس کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ (المائدہ: ۴۱)

یہودیوں کے ایمان نہ لانے پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے' اس کا معنی ہے جس کو اللہ دنیا میں گمراہ اور رسوا کرنا چاہے اور آخرت میں عذاب دینا چاہے' تو اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کو اس شخص سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ نے بندہ کو گمراہ کر دیا' تو پھر اس کو دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخرت میں اس کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ جب کوئی ایسا بڑا جرم کر لیتا ہے جس کی اللہ کے نزدیک معافی نہیں ہے' تو وہ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔ اب کوئی خواہ کتنی کوشش کیوں نہ کرے' وہ اس کو راہ پر نہیں لا سکتا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ سے کسی معجزہ کو طلب کرے اور معجزہ دیکھنے کے بعد پھر ایمان نہ لائے' یا نبی ﷺ کی اہانت اور گستاخی کرے' تو پھر دنیا میں گمراہی اور رسوائی اور آخرت کا عذاب اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے' یعنی ان پر جزیہ مسلط کیا جائے گا اور وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے۔ نیز فرمایا: اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے' یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہودیوں اور منافقوں کے ایمان نہ لانے اور اخلاص سے اطاعت نہ کرنے پر آپ مغموم نہ ہوں اور آپ یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی تبلیغ اور پیغام رسانی میں کوئی کمی ہے جو یہ ایمان نہیں لا رہے اور اخلاص سے اطاعت نہیں کر رہے' آپ کی تبلیغ کامل ہے اور آپ کی پیغام رسانی مکمل ہے۔ دراصل ان کی پیہم اہانتوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اور اللہ نے ان کو اس قابل نہیں جانا کہ ان کو آپ کے مخلصین اور اطاعت گزاروں میں شامل کرے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ پر ایمان نہیں لا رہے' اور آپ کو منصب

نبوت کا اہل نہیں سمجھتے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو آپ کی غلامی اور آپ پر ایمان لانے کے لائق نہیں جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (المائدہ: ۴۲)

سحت کا معنی اور اس کا حکم

یہ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وہ سحت بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ لغت میں سحت کا معنی ھلاک کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ (طٰہٰ: ۶۱)

موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو' کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔

اور سحت کا معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر مونڈنے والے کے متعلق کہتے ہیں اسحت اس نے بال جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ مال حرام کو بھی سحت کہتے ہیں' کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سحت رشوت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا حاکم کو رشوت دینا سحت ہے۔

امام احمد بن علی بن مثنی تمیمی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص نے ان سے پوچھا سحت کیسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا فیصلہ کرنے میں رشوت لینا' فرمایا: یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (المائدہ: ۴۴) اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔

(مسند ابو یعلی' ج ۹' رقم الحدیث: ۵۲۶۶' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۹۱۰۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۰۰' المطالب العالیہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۳۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۳۹)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا ایک شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے وہ اس کی حاجت پوری کرے' پھر وہ اس کو ہدیہ دے جس کو وہ قبول کرلے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زانیہ کی اجرت سحت ہے' نر کی جفتی کی اجرت سحت ہے' فصد لگوانے (رگ کاٹنے) والے کی اجرت سحت ہے' اور کتے کی قیمت سحت ہے۔

فصد لگوانے (رگ کاٹنے) کی اجرت جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فصد لگوا کر اجرت دی ہے' اس لیے حدیث کا یہ جز منسوخ ہے۔ امام مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی ﷺ کو فصد لگائی اور نبی ﷺ نے اس غلام کو اجرت دی' اور اس کے مالک سے اس کے خراج میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ اگر یہ اجرت سحت (حرام) ہوتی' تو آپ عطا نہ کرتے۔

(صحیح مسلم' (۱۲۰۲) ۳۹۶۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۴۲۳' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۸۱-۲۹۰۶-۳۰۷۸' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' نیز امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فصد لگوائی۔ حجام کو اجرت دی اور ناک میں دوا ڈالی۔ صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۲۲۷۸-۵۶۹۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۶۲' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۷۵۸۰' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

مسلم بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے کسی شخص کی کسی کام میں شفاعت کی' اس شخص نے ہدیہ میں انہیں باندی پیش کی' تو مسروق بہت سخت غضبناک ہوئے اور کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام میں سفارش نہ کرتا' اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے کے لیے سفارش کرے' یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے' پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا: اے ابو عبدالرحمن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے' آپ نے فرمایا: فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رگ کاٹنے والے کی اجرت' زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت' جلد فیصلہ کرانے کی اجرت' نجومی کی مٹھائی' نر کی جفتی کی اجرت' حکم میں رشوت' شراب کی قیمت اور مردار کی قیمت سحت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو' اس کے ساتھ دوزخ کی آگ زیادہ لائق ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا حکم میں رشوت دینا۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۳۲۸-۳۲۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رشوت کی اقسام اور اس کا شرعی حکم

علامہ حسن بن منصور اوزجندی (المعروف بہ قاضی خاں) متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں:

۱- منصب قضا کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا' اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

۲- کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے' یہ رشوت جانبین سے حرام ہے' خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو' کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے اور اس پر فرض ہے۔ (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا' یہ بھی جانبین سے حرام ہے' کیونکہ وہ کام اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳- اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا' یہ رشوت صرف لینے والے پر حرام ہے' دینے والے پر حرام نہیں ہے' اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۴- کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے' اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ' ج ۲' ص ۳۶۳-۳۶۴' بنایہ علی الھدایہ' ج ۸' ص ۷' فتح القدیر' ج ۷' ص ۲۳۶' البحر الرائق' ج ٦' ص ۲۶۲' ۲۶۱' رد المحتار' ج ۴' ص ۳۰۳' احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۳۳)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۳۹' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۰۲۳)

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے' یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۰' ص ۱۳۹' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں' خواہ ان

سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ: ٤٢)

اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے' یہ مدینہ کے وہ یہود تھے جن سے نبی ﷺ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد معاہدہ کیا تھا' یہ اہل ذمہ نہیں تھے اور جب کفار اہل ذمہ نہ ہوں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔

اہل ذمہ جب ہمارے پاس اپنا مقدمہ پیش کریں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں اور اگر مسلمان اور ذمی کے درمیان نزاع ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ مہدوی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ البتہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس میں حاکم کو اختیار ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ البتہ امام مالک اہل ذمہ پر حد قائم کرنے کے قائل نہیں ہیں' اگر مسلمان کتابیہ کے ساتھ زنا کرے تو مسلمان پر حد لگائی جائے گی اور کتابیہ پر حد نہیں لگے گی۔ اگر زنا کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو کسی پر حد نہیں لگے گی۔ امام ابوحنیفہ' امام محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف وغیرہما نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ ہمارے فیصلہ پر راضی ہوں تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

ابن خویز منداد نے کہا ہے کہ جب ذمی ایک دوسرے پر زیادتی کریں تو امام ان کو طلب نہیں کرے گا' ہاں! اگر وہ ایسی کارروائی کریں جس سے ملک میں فساد اور افراتفری ہو' مثلاً وہ لوگوں کو قتل کریں اور لوٹ مار کریں' تو پھر امام اس کا سدباب کرے گا۔ لیکن ان کے تجارتی قرضوں' طلاق اور دیگر نجی معاملات میں امام ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر وہ علی الاعلان شراب فروخت کریں یا زنا کریں یا اور کوئی برا کام کریں' تو ان کو اس سے روکا جائے گا' تاکہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔

عمر بن عبدالعزیز اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ زیر بحث آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ — اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ٤٩)

امام زہری نے کہا ہے' اس پر عمل ہوتا رہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملات میں ان کے دینی احکام کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ اللہ کے حکم سے اعراض کریں تو انہیں اللہ کے حکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ علامہ سمرقندی نے کہا یہ قول امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے' کہ جب تک وہ ہمارے فیصلہ پر راضی نہ ہوں' ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور امام نحاس نے الناسخ والمنسوخ میں زیر تفسیر آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ (المائدہ: ٤٩) سے منسوخ ہے' کیونکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ ابتداءً مدینہ میں آئے تھے۔ اس وقت مدینہ میں یہودی بہت زیادہ تھے اور اس وقت کے حالات کے یہی مناسب تھا کہ انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹا دیا جائے' اور جب اسلام قوی ہو گیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' زہری'

عمر بن عبد العزیز اور سدی کا یہی قول ہے' اور یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (المائدۃ: ٢٩) حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں' درآنحالیکہ وہ ذلیل ہوں۔

ان کے ذلیل ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اور ان کو ان کے احکام کی طرف نہ لوٹایا جائے' اور جب یہ واجب ہے تو زیر تفسیر آیت کا منسوخ ہونا واجب ہوا۔ امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب اہل کتاب امام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں' تو امام کے لیے اس کا فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خاوند آئے تو امام ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر صرف عورت آئے اور اس کا خاوند راضی نہ ہو تو فیصلہ نہ کرے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ٣' ص ١٣٣-١٣١' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ٦٨٥ھ لکھتے ہیں:

جب قاضی کے پاس اہل کتاب (ذمی) مقدمہ دائر کریں تو اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے یا اس کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے' کیونکہ ہم نے جزیہ لے کر ان سے ظلم کو دور کرنے کا التزام کیا ہے' اور یہ آیت اہل ذمہ کے متعلق نہیں ہے۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ الکازرونی' ج ٢' ص ٣٢٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٦ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ آیت سورۃ المائدہ: ٤٩ سے منسوخ ہے اور اب حاکم پر لازم ہے کہ جب اس کے پاس اہل ذمہ مقدمہ لائیں' تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ حضرت ابن عباس' عطاء' مجاہد' عکرمہ اور سدی کا یہی قول ہے۔

(زاد المسیر' ج ٢' ص ٣٦١' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ٣٧٠ھ لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت فان جاء وک فاحکم بینھم او اعرض عنھم (المائدہ: ٤٢) سے ظاہر ہے کہ اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے لیکن یہ اختیار اس کے بعد نازل ہونے والی آیت وان احکم بینھم بما انزل اللہ (المائدہ: ٤٩) سے منسوخ ہو گیا۔ نیز اختیار کے منسوخ ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ: ٤٤) جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں۔

سو جس نے اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ نہیں کیا' وہ اس وعید کا مصداق ہو گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی فان جاء وک فاحکم بینھم او اعرض عنھم (المائدہ: ٤٢) اس وقت یہودیوں کو ذمی نہیں قرار دیا تھا' اور نہ ان پر جزیہ فرض کیا گیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا اور ان پر اسلام کے احکام جاری کیے' تو پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔

(احکام القرآن' ج ٢' ص ٤٣٥' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ١٤٠٠ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک زیر بحث آیت (المائدہ ٤٢) المائدہ: ٤٩ سے منسوخ ہو گئی ہے' اور ابتداء اسلام میں

حاکم کو یہ اختیار تھا کہ جب اہل کتاب اپنا مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے یا نہ کرے' لیکن اب یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور اب حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ لیکن ان کے عائلی' کاروباری اور نجی معاملات میں مسلمان حاکم مداخلت نہیں کرے گا' اور وہ ان معاملات میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے علماء سے فیصلہ کرائیں گے۔ البتہ! اگر وہ کھلے عام ایسے کام کریں جس سے ملک کے امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو' یا بے حیائی اور بدچلنی کو فروغ ہو' تو پھر مسلمان حاکم ان کو اس سے روک دے گا' اور جب وہ از خود اپنا کوئی مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں' تو اس پر ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (المائدہ: ۴۳)

موجودہ تورات میں آیت رجم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ زنا کرنے والوں کے لیے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم تورات میں موجود ہے اور اس سے پہلے ہم صحیح مسلم حدیث نمبر (۱۶۹۹) ۵۷ ۴۳ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب نبی ﷺ کے پاس یہودی دو زانیوں (مرد اور عورت) کا مقدمہ لے کر آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا تورات کو پڑھو' جب یہودی عالم نے تورات کو پڑھنا شروع کیا' تو اس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا' اس سے فرمائیں یہ اپنا ہاتھ ہٹائے' ہاتھ ہٹایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی' اور اب ۱۴۱۷ سال گزر گئے' اس عرصہ میں تورات میں بہت تحریفات کی گئیں' لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں' اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے' کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا' اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے' تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں' یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا' اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں' لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا' یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) استثناء' باب ۲۲- آیت ۲۴-۲۱' آیت ۱۸۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ

بیشک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے

ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا

اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا

کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی، اور وہ اس پر گواہ تھے، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو

النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ

مجھ سے ڈرو، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، اور جو اللہ کے نازل

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ

کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر تورات

فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ، اور ناک کا بدلہ ناک

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ

اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ

قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

ہے، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے، اور جو اللہ کے نازل کیے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدہ: ۴۴)

شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا

اس آیت میں ہدایت سے مراد احکام شرعیہ ہیں اور نور سے مراد اصول اور عقائد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد دین حق کی طرف رہنمائی ہے اور نور سے مراد ان احکام کو کھول کر بیان کرنا ہے جو ان پر مخفی تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہدایت سے مراد وہ مسائل ہیں جن کو وہ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے اور نور سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہم پر لازم ہے' تاوقتیکہ اس کا منسوخ ہونا ہم کو معلوم ہو جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' تورات میں ہدایت اور نور ہے' اگر تورات کے احکام حجت نہ ہوں تو وہ ہدایت اور نور نہیں رہے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ زانیوں کا جو مقدمہ لے کر یہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں' انبیاء سابقین جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار تھے' وہ ایسے مقدمات کا تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں' اور اولیاء اور علماء بھی اس کے

مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں' اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ان زانیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ کیا ہے' وہ بھی تورات کے مطابق ہے" اور ان علماء سے تورات کی حفاظت کرائی گئی ہے اور یہ علماء اس کی شہادت دیتے تھے کہ نبیوں نے جو یہودیوں کے مقدمات میں تورات کے مطابق فیصلہ کیا ہے' وہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ والے اور علماء نبی ﷺ کے متعلق شہادت دیتے تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں' آپ پر اللہ کی طرف سے کلام نازل ہوا ہے' اور یہودیوں کے اس مقدمہ میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' وہ صحیح ہے اور تورات کے مطابق ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور راہبوں سے فرمایا: سو تم لوگوں سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو' یعنی امیر لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے کے سلسلہ میں تم یہ خوف نہ کرو کہ پھر تمہارے نذرانے اور وظیفے جو امیروں سے ملتے تھے' وہ بند ہو جائیں گے' بلکہ اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ کی حدود کو نافذ نہ کیا اور امیروں کے نذرانوں کے لالچ میں تورات کی آیتوں کا غلط مطلب بیان کیا تو پھر آخرت میں تم کو بہت ہولناک اور دائمی عذاب ہوگا۔ اس آیت کے اس حصہ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تورات کے جو احکام قرآن اور حدیث میں بغیر انکار کے بیان کیے گئے ہیں' وہ بھی ہم پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدہ: ٤٤)

قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا کفر ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق حکم نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے' کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کفر قرار دیا ہے' اور اس سے بہ ظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر ہے اور اس آیت سے یہی مراد ہے' اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے' اس کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر ہے۔ یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے' وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق و سباق یہود کے متعلق ہے' سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ: ٤٥)

اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ٤٧)

اور ان آیتوں کا مفہوم عام ہے' کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے' خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین باتیں فرض کی ہیں:

١- فیصلہ کرنے میں اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع نہ کریں' بلکہ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔

٢- فیصلہ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں' اللہ سے ڈریں۔

٣- اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ رشوت یا نذرانہ لے کر عدل کو ترک کر کے بے انصافی سے فیصلہ نہ کریں' اس سلسلہ میں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے:

امام احمد بن علی التمیمی متوفی ٣٠٧ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق گوئی یا عظیم نصیحت کرنے سے باز نہ رکھے۔ جب اسے اس کا علم ہو کیونکہ یہ خوف نہ موت کو نزدیک کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔
(مسند ابو یعلی 'ج ٢' رقم الحدیث: ١٤١١' المعجم الاوسط 'ج ٣' رقم الحدیث: ٢٨٢٥' المطالب العالیہ '٤٥٤٦' حافظ الہیثمی نے کہا ہے 'کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد 'ج ٧' ص ٢٧٢-٢٧٢)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے" (المائدہ: ٤٥)

قصاص کے حکم کا شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:
ابن جریج بیان کرتے ہیں جب بنو قریظہ نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی کتاب میں رجم کو چھپاتے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان رجم کا فیصلہ کر دیا تو بنو قریظہ نے کہا اے محمد! ﷺ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائی بنو نضیر کے درمیان فیصلہ کر دیجئے' نبی ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ سے افضل' برتر اور عزت دار سمجھتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا' تو وہ اسے آدھی دیت دیتے تھے اور اگر ان کے کسی فرد کو بنو قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا' تو اس سے پوری دیت لیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا قریظی کا خون نضیری کے برابر ہے۔ یہ سن کر بنو نضیر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم رجم کے معاملہ میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم اپنی ہی حدود کو جاری کریں گے' جن پر پہلے عمل کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کیا تم جاہلیت کے حکم کو طلب کر رہے ہو؟ (المائدہ: ٥٠) اور یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ (الآیہ)

ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا' تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے اور امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:
ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا' ہمارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے' ماسوا اس فہم کے جو قرآن کو سمجھنے کے لیے دی گئی ہے' اور ماسوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔
(صحیح البخاری 'ج ١' رقم الحدیث: ١١١' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٠٤٧' ج ٨' رقم الحدیث: ٦٩٠٣' سنن ترمذی 'ج ٣' رقم الحدیث: ١٤١٧' سنن نسائی 'رقم الحدیث: ٤٧٥٨' سنن ابن ماجہ 'ج ٢' رقم الحدیث: ٢٦٥٨' مسند احمد 'ج ١' رقم الحدیث: ٩٩٣-٩٩١)
امام اعظم اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے' یعنی کافر حربی کے بدلہ میں

مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا' تاکہ قرآن مجید اور حدیث میں تعارض نہ ہو اور قرآن کے عموم کو مقید کرنے کے بجائے حدیث کو مقید کر کے قرآن مجید کے تابع کرنا اصول کے مطابق ہے۔ امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (جس کافر سے معاہدہ ہوا ہو) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰)

عبدالرحمن بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔ راوی نے کہا مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمن بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۴)

ہرچند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں' لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں' جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے' اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

تورات میں قرآن مجید کی صداقت

قرآن مجید نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ (الخ) یہ آیات اب بھی تورات میں موجود ہیں:

اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے' اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنا دے تو جیسا اس نے کیا' ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلہ میں عضو توڑا ہو اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت' جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے' ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

(پرانا عہد نامہ' احبار' باب ۲۴' آیت ۲۱-۲۰-۱۸' کتاب مقدس' ص ۱۱۸' مطبوعہ لاہور)

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (پرانا عہد نامہ' استثناء' باب ۱۹' آیت ۲۱' کتاب مقدس' ص ۱۸۵' مطبوعہ لاہور)

سینکڑوں سال گزر گئے' تورات میں بہت زیادہ تحریفات کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے تورات کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے' وہ آج بھی تورات میں اسی طرح موجود ہے' اور یہ قرآن مجید کے صادق اور برحق ہونے کی بہت قوی دلیل ہے' حالانکہ یہودی اس آیت کو تورات سے نکال سکتے تھے اور پھر مسلمانوں سے کہتے کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ تورات میں یہ حکم ہے' حالانکہ تورات میں یہ حکم نہیں ہے' لیکن وہ ایسا نہ کر سکے' اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں سے اس آیت کی حفاظت کرائی جو قرآن مجید کی مصدق ہے۔

اعضاء کے قصاص کی کیفیت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے' ہمارے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور شیشہ گرم کر کے دوسری آنکھ

پر رکھ دیا جائے، حتیٰ کہ اس کی روشنی چلی جائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی کی آنکھ نکالی ہے، اس کی آنکھ اور جس کی آنکھ نکالی گئی ہے، اس کی آنکھ دونوں بالکل مساوی نہیں ہیں، اس لیے اگر مجنی علیہ کی آنکھ کے بدلہ میں جانی کی آنکھ نکال دی جائے، تو پورا بدلہ نہیں ہوگا، اور قیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا معنی ہے کسی شئے کی مثل لینا۔ اسی طرح پوری ناک میں بھی قصاص متصور نہیں ہے، کیونکہ ہڈی میں قصاص نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ناک کا صرف نرم حصہ کاٹا ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا ہے کہ اگر ناک جڑ سے کاٹ دی گئی ہے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح آلہ تناسل اور زبان میں بھی قصاص لیا جائے گا، اور امام محمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی ناک، زبان یا آلہ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے تو اس میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (کیونکہ یہ اعضاء دوسرے اعضاء کی مثل اور مساوی نہیں ہوتے) اگر کان کاٹ دیا جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح دانت میں بھی قصاص لیا جائے گا اور دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(احکام القرآن، ج ۲، ص ۴۲۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت کو نکال دیا جائے گا۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی، ج ۲، ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ان اعضاء میں قصاص لیا جائے گا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، ج ۳، ص ۲۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ان اعضاء کے قصاص میں ظاہر قرآن پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز خامس، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بدلہ نہ لینے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے۔ (المائدہ: ۴۵)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر جنایت (جرم) کرنے والے نے تائب ہو کر خود کو خوشی کے ساتھ حد کے لیے پیش کر دیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ امام مسلم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں اور کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔ جس نے یہ عہد پورا کیا، اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس پر حد جاری ہوئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم، حدود ۴۱، صحیح بخاری، ۶۷۸۴) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر بدلہ لینے والے نے جنایت (جرم) کرنے والے کو معاف کر دیا اور اس سے بدلہ نہ لیا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں اس کی تائید میں یہ آیت ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ　　سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے۔

(الشوریٰ: ۴۰)

اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالسفر بیان کرتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص نے انصار کے ایک شخص کا دانت توڑ دیا، انصاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت معاویہ نے اس سے کہا: ہم تمہیں راضی کریں گے۔ اس قریشی نے حضرت معاویہ سے بہت منت سماجت کی کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے، حضرت معاویہ نے اس انصاری کو بہت سمجھایا، لیکن اس کو بدلہ نہ لینے پر راضی نہ کر سکے۔ پھر حضرت معاویہ نے اس سے کہا تم اس سے بدلہ لے لو۔ اس مجلس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، جس کو میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ آپ نے فرمایا: جس شخص کو جسم میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ انصاری نے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا میں نے اپنے کانوں سے خود سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ تب انصاری نے کہا: میں اس کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت معاویہ نے کہا ہم تمہیں کبھی محروم نہیں کریں گے، پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲٦۹۳، مسند احمد، ج ۱۰، رقم الحدیث: ۲۷٦۰۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۵۵، جامع البیان، جز ٦، ص ۳۵۳)

نیز امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے برابر اس کے گناہ مٹا دے گا۔

(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد، بتحقیق احمد شاکر، ج ۱٦، رقم الحدیث: ۲۲٦۹۱-۲۲٦۰۰، مطبوعہ دارالحدیث، قاہرہ)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّ

جو ان کے سامنے تھی، اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا، اور وہ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً

اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے سامنے تھی، اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ؕ۴٦ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ

نصیحت تھی ○ اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے، اور

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷ وَ

جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں ○ اور

أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

(اے رسول مکرم) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس

الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے، تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجیے

أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس سے اعراض کر کے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے

فِي مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

(الگ الگ) احکام دیے، سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ

خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ

موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا

أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيبَهُمْ

نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں ○

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور

لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿٥٠﴾ ع

کس کا حکم ہو سکتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اس تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا' اور وہ اس تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اس کے سامنے تھی اور وہ (انجیل) متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ (المائدہ: ٤٦)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے۔ ایک یہ کہ انہوں نے زنا کی حد میں تحریف کردی' پھر وہ حرج میں مبتلا ہوئے اور اس معاملہ میں نبی ﷺ کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کردی اور بنو نضیر کے خون کی پوری دیت اور بنو قریظہ کے خون کی آدھی دیت مقرر کی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں' ربانیین اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ' حضرت زکریا کے بعد مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے' کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا۔ یہ حقیقی تصدیق ہے اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں' ماسوا ان احکام کے جن کو انجیل نے منسوخ کردیا۔ نیز فرمایا: انجیل متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے' یعنی وہ ناپسندیدہ اعمال سے منع کرتی ہے اور پسندیدہ اعمال کی طرف ہدایت دیتی ہے۔ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے' اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں' سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ٤٧)

نزول قرآن کے بعد انجیل پر عمل کے حکم کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم نے عیسائیوں کو انجیل عطا کی اس وقت ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام پر عمل کریں جو انجیل میں مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد انجیل پر عمل کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس کے چند جوابات ہیں۔ اول: یہ کہ انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل موجود ہیں' اہل انجیل کو چاہیے کہ ان دلائل کے مطابق آپ پر ایمان لے آئیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل انجیل ان احکام پر عمل کریں جن کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ انجیل کے احکام پر عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں تحریف نہ کریں' جس طرح یہود نے تورات میں تحریف کردی ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے انجیل کو نازل کیا تھا اور نزول قرآن کے بعد قرآن مجید کے علاوہ کسی آسمانی کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' اور اسلام کے علاوہ اور کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے اور اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے' یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے' اس سے اعراض کرکے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ (المائدہ: ٤٨)

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ ہونا

اس آیت میں قرآن مجید کو سابقہ کتب سماویہ کا محافظ اور نگہبان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات' زبور اور انجیل میں کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ اس لیے ان کتابوں کا آسمانی اور الہامی کتاب ہونا مشکوک ہو گیا۔ اس لیے کسی ایسی مستحکم دلیل کی ضرورت تھی' جس سے ان کا آسمانی کتاب ہونا ثابت ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نیز قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا:

لَا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ (حٰم السجدہ: ۴۲)

اس میں باطل نہیں آسکتا' نہ اس کے سامنے سے نہ ان کے پیچھے سے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی یا اس کی کسی ایک سورت کی مثل نہیں لا سکتا:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (البقرہ: ۲۳)

اگر تم اس (کلام) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے (مقدس) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمائتیوں کو بھی بلاؤ' اگر تم سچے ہو۔

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور دن بہ دن علم و فن میں ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالف بھی بہت زیادہ ہیں' لیکن آج تک کوئی شخص قرآن مجید میں کسی کلمہ کی زیادتی بتا سکا' نہ کمی اور نہ اس کی کسی سورت کی کوئی مثل لا سکا۔ اس لیے ہر دور میں قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت اور مسلم رہا' اور چونکہ قرآن مجید نے تورات' انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے' اس لیے ان کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ اس طرح ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے' کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو محض ان کتابوں سے تو ان کا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا ہے' حتیٰ کہ اب وہ عبرانی نسخے بھی موجود نہیں ہیں' جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

اس سے پہلے فرمایا تھا اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض کریں۔ (المائدہ: ۴۲) اور اس آیت میں فرمایا ہے تو آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔ (المائدہ: ۴۷) اس آیت سے پہلی آیت منسوخ ہو گئی ہے یا پہلی آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور دوسری آیت جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ یا پہلی آیت ان اہل کتاب کے متعلق ہے جن سے ابتداء ہجرت میں سابقہ پڑا تھا اور دوسری آیت اہل ذمہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا' لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لیے (الگ الگ) احکام دیئے۔ سو تم ایک دوسرے سے بڑھ کر نیکیاں کرو' تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں ان چیزوں کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (المائدہ: ۴۸)

شرائع سابقہ کے حجت ہونے کی وضاحت

اس آیت میں منہاج سے مراد دین ہے اور دین سے مراد وہ عقائد اور اصول ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک

رہے۔ مثلاً توحید‘ اللہ تعالیٰ کی صفات‘ نبوت‘ آسمانی کتابوں‘ فرشتوں‘ مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لانا‘ اور جو احکام سب میں مشترک رہے‘ مثلاً قتل‘ جھوٹ اور زنا کا حرام ہونا اور شریعت سے مراد ہر نبی کے بیان کیے ہوئے عبادات اور معاملات کے مخصوص طریقے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے‘ شرائع سابقہ ہم پر حجت نہیں ہیں اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر نبی کی الگ الگ شریعت ہوتی ہے۔ اگر سابقہ شریعت ہم پر حجت ہو تو پھر ہمارے نبی کی الگ شریعت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سابقہ شرائع کے جو احکام بغیر انکار کے ہم سے بیان فرمائے‘ وہ دراصل ہماری ہی شریعت ہیں‘ کیونکہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم ان احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ وہ پچھلی شریعتوں کے احکام ہیں‘ بلکہ ہم ان پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حج کے اکثر و بیشتر اعمال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار ہیں‘ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے‘ اسی طرح وضو میں کلی کرنا‘ ناک میں پانی ڈالنا اور طہارت کی دیگر دس سنتیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں‘ رجم اور قصاص کے احکام تورات میں بھی تھے اور شروع میں نبی ﷺ نے زناکار یہودیوں کو تورات کے فیصلہ کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا اور ہم ان تمام احکام پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں‘ اور ان سے ہوشیار رہیں‘ کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے‘ اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۴۹)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اسد‘ ابن صلوبا‘ عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا: چلو (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ شاید ہم ان کو ان کے دین سے ورغلانے میں کامیاب ہوں۔ کیونکہ وہ بشر ہیں‘ وہ گئے اور آپ سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے معزز علماء اور سردار ہیں اور اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو تمام یہود آپ کی پیروی کریں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے‘ ہمارا اپنی قوم کے بعض لوگوں سے جھگڑا ہے‘ ہم آپ کو اس مقدمہ میں حاکم بنائیں گے۔ آپ ہمارے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ کردیں‘ تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے‘ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کردیا۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(المائدہ: ۵۰-۴۹)

(السیرۃ النبویہ‘ ج ۲‘ ص ۱۸۰-۱۷۹‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ جامع البیان‘ جز ۶‘ ص ۱۵۴‘ دار الفکر‘ بیروت‘ اسباب النزول للواحدی‘ ص ۲۰۰‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں جزیہ‘ جلاوطن کرنے اور قتل کرنے کی سزا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ جاہلیت کا حکم طلب کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر اور کس کا حکم

ہو سکتا ہے؟ (المائدہ: ٥٠)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمہ میں آپ کو حاکم بنایا اور آپ نے ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا، پھر یہ آپ کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوئے، تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے تھے، یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے تھے۔ حالانکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ نے ان کے درمیان کیا تھا، اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں سے فرمایا: جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو، اس کے نزدیک اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔمـ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ

کے دوست ہیں، تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے (شمار) ہو گا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ

بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ

میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش

تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ

نہ آ جائے پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی

عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ ؕ وَ

علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں ○ اور

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور

اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾

تمہارے ساتھ ہیں، ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی

اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی، وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ

پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے

لَآىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے ○

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں ○ اور جو اللہ اور اس کے رسول

ع ۸ ۱۲ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت تو انہوں نے جو کچھ اپنے دلوں میں چھپایا ہے' وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں۔ اور ایمان والے یہ کہیں کہ جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں' ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳-۵۱)

شان نزول

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن عبادہ بن الصامت نے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبد اللہ بن ابی ابن سلول

نے بنو قینقاع کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں کھڑا ہوا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی بنو عوف کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عبداللہ بن ابی کی طرح ان کی حمایت کرنے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے اس حلف کو توڑ دیا اور اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر ان کے حلف سے بری ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ' اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہوں اور ان کافروں کے حلف اور ان کی دوستی سے بری ہوتا ہوں۔ سو حضرت عبادہ بن الصامت اور عبداللہ بن ابی کے متعلق سورۃ المائدہ: ۵۳-۵۱ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(السیرۃ النبویہ' ج ۳'ص ۵۵'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' جامع البیان' جز ٦'ص ۳۷۳'مطبوعہ دارالفکر' اسباب نزول القرآن للواحدی'ص ۲۰۱-۲۰۰'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمادیا ہے اور حسب ذیل آیتوں میں بھی اس پر دلیل ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود: ۱۱۳)
ظالم لوگوں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۲۸)
ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران: ۱۱۸)
اپنے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنة: ۱)
اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو' حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلة: ۲۲)
جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' آپ انہیں اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھنے والوں کے ساتھ محبت کرنے والا نہ پائیں گے' خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے' یا ان کے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت میں احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود اور نصاریٰ کو ابتداء" سلام نہ کرو' جب تم ان میں سے کسی سے راستہ میں ملو تو اسے تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کرو۔

(صحیح مسلم' السلام' ۱۳' (۲۱٦۷) ۵۵۵۷' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۰۸' صحیح ابن حبان ۵۰۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۶۱۷' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث ۱۹۴۵۷' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۱۱۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ۲۰۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور متقی کے علاوہ

اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۰۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۸۳۲' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۳۳۶' شعب الایمان' رقم الحدیث: ۹۳۸۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشرکین کے ساتھ ٹھہرا' اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی انگوٹھیوں میں عربی کو نقش نہ کرو' اور مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت انس نے اس کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اپنی انگوٹھیوں میں محمد نہ لکھواؤ اور اپنے معاملات میں مشرکین سے مشورہ نہ کرو۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۷۵)

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس ایک نصرانی کاتب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی کتابت سے بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے تو حضرت ابوموسیٰ نے کہا حضرت عمر نے مجھے ڈانٹا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا: اس کو نکال دو اور یہ آیت پڑھی اے ایمان والو اپنے اور میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ: ۱) اور یہ آیت پڑھی:

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے شمار ہو گا' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۵۱)

حضرت ابوموسیٰ نے کہا بہ خدا میں اس سے دوستی نہیں رکھتا' یہ صرف کتابت کرتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تمہیں مسلمانوں میں کوئی کاتب نہیں ملا تھا؟ جب اللہ نے ان کو دور کر دیا ہے تو تم ان کو قریب نہ کرو' اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ بناؤ؟ اور جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو تم ان کو عزت مت دو۔ سنن کبریٰ کی آداب القضاء میں ہم نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم ۹۳۸۴)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے دشمنوں یہود اور نصاریٰ سے ان کی عید اور ان کے اجتماع کے دنوں میں ان سے اجتناب کرو' کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے' مجھے خدشہ ہے کہ تم پر بھی وہ غضب نہ آجائے' اور ان کو اپنے راز نہ بتاؤ۔ ورنہ تم بھی ان کے اخلاق اختیار کر لو گے۔ (شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے عجمیوں کے ملک میں نشوونما پائی' اور ان کے نوروز اور مہرجان کو منایا اور ان کی مشابہت اختیار کی اور اسی طریقہ پر مرگیا تو وہ قیامت کے دن اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۳۸۷)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خثعم کی طرف ایک لشکر بھیجا' وہاں کے لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لینی شروع کر دی۔ لشکر نے ان کو جلدی جلدی قتل کرنا شروع کر دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم فرمایا اور فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس لیے؟ آپ نے فرمایا ان دونوں کے (چولہوں کی) آگ اکٹھی نہ دکھائی دے۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے ساتھ سکونت نہ کرو' نہ ان کے ساتھ جمع ہو' جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان کے ساتھ جمع ہوا' وہ ان کی مثل ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٦١١' ١٦١٠' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ٢٦٤٥' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٤٧٩٤)

علامہ تفتازانی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک قوم اسلام لانے کے بعد مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرک کے ساتھ رہتا ہو۔ پوچھا گیا' کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک ساتھ دکھائی نہ دے' یعنی یہ واجب ہے کہ جب ایک آگ جلائے تو دوسرا نظر نہ آئے' وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی دور رہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ مسلمان کا گھر مشرک کے گھر سے دور ہو' اور جب اس کے گھر آگ جلے تو اس سے مشرک کا گھر نظر نہ آئے' مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

کفار سے دوستی کے حق میں منافقوں کے بہانوں کا بطلان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا' وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ (المائدہ: ٥١)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے دور اور الگ رہنے پر تشدید کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود جو شخص کافروں سے دوستی رکھے گا' وہ کافروں کی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا۔ لہٰذا کافروں کی طرح اس سے عداوت رکھنا بھی واجب ہے اور وہ بھی دوزخ کا مستحق ہوگا جیسے کافر دوزخ کے مستحق ہیں اور وہ کافروں کے اصحاب سے شمار کیا جائے گا اور یا اس لیے کہ کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے والے منافق تھے اور ان کا شمار بھی کافروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے' وہ ان کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑیں گے ہمیں یہ خدشہ ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ (المائدہ: ٥٢)

منافق یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کی وجہ سے کہیں ان پر قحط نہ طاری ہو جائے۔ اور کہیں حالات بدل گئے اور یہود غالب آگئے اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت نہ رہی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' میں نے بہ کثرت یہودیوں سے دوستی اور حمایت کا عہد کیا ہوا تھا' لیکن میں اللہ اور رسول کی خاطر اس عہد کو توڑتا ہوں' عبداللہ بن ابی نے کہا میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے کیے ہوئے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنی طرف سے (فتح کی) کوئی علامت' تو جو کچھ انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے' وہ اس پر پچھتانے والے ہو جائیں۔ (المائدہ: ٥٢)

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائے اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی سازشوں سے مطلع فرمادے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فتح یہ تھی کہ بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے شہروں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور فتح کی علامت سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے مطلع کیا گیا' ان کے نام بتائے گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی اور مال غنیمت کی کثرت سے وہ خوش حال ہو گئے اور جب منافقوں نے مسلمانوں کا غلبہ' خوش حالی اور ان پر اللہ کی نصرت دیکھی' تب وہ کفار سے دوستی رکھنے پر نادم ہوئے اور اس وقت نادم ہوئے جب انہیں موت کے وقت عذاب دکھایا

گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والے یہ کہیں کہ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یہ کہا تھا کہ بے شک ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں' ان کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ (المائدہ: ۵۳)

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں پر غلبہ عطا فرمایا اور یہودیوں کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے کا حکم دیا گیا تو مسلمانوں نے یہودیوں کو جھڑکتے ہوئے منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری مدد کریں گے' یا مسلمانوں نے ایک دوسرے سے کہا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے' کیونکہ انہیں ثواب کے بدلہ عذاب ہو گا۔ اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلاوطن ہونے کے بعد ان کا کوئی سہارا نہ رہا' اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا' تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا' جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی' وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے' وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے' یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

عہد رسالت اور بعد کے مرتدین کا بیان

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کافروں کے ساتھ دوستی رکھے گا' اس کا ان ہی میں شمار ہو گا اور اس آیت میں صراحتاً فرمادیا' جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے گا' اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ آپ کے بعد مرتد ہوئے۔ علامہ زمخشری نے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

مرتدین کے گیارہ فرقے تھے' تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

ایک فرقہ بنو مدلج تھا' ان کا رئیس ذوالحمار تھا اور یہی اسود عنسی تھا۔ یہ شخص کاہن تھا' اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ان شہروں پر غلبہ پالیا' اس نے رسول اللہ ﷺ کے بعض عاملوں کو نکال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے سرداروں کے نام خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فیروز دیلمی کے ہاتھوں اس کو ہلاک کرا دیا' انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جس رات وہ قتل ہوا' اسی رات رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر مسلمانوں کو دے دی تھی' جس سے مسلمان خوش ہوئے' پھر اس کے دوسرے روز رسول اللہ ﷺ رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے' اور وہاں سے اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی تھی۔

دوسرا فرقہ بنو حنیفہ ہے۔ یہ مسیلمہ کی قوم تھی' اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مکتوب لکھا "از مسیلمہ رسول اللہ برائے محمد رسول اللہ' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ یہ زمین آدھی آپ کی ہے اور آدھی میری ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا "از محمد رسول اللہ برائے مسیلمہ کذاب' بعد ازیں یہ کہنا ہے کہ تمام زمین اللہ کی ملکیت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے' اور نیک انجام متقین کے لیے ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے جنگ کی اور یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت وحشی کہتے تھے میں نے

اپنی جاہلیت کے زمانہ میں سب سے نیک شخص کو قتل کیا اور اپنے اسلام کے زمانہ میں سب سے بد تر شخص کو قتل کیا۔
تیسرا فرقہ بنو اسد تھا' یہ طلیحہ بن خویلد کی قوم تھی' اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا' رسول اللہ ﷺ نے اس سے جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا' یہ شکست کھانے کے بعد شام بھاگ گیا' پھر مسلمان ہو گیا اور اس نے نیک عمل کیے۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدین کے سات فرقے تھے۔ (۱) عیینہ بن حصن کی قوم فزارہ (۲) قرہ بن قشیری کی قوم غطفان (۳) فجاءۃ بن عبد یالیل کی قوم بنو سلیم (۴) مالک بن نویرہ کی قوم بنو یربوع (۵) سجاح بنت المنذر۔ یہ وہ عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مسیلمہ کذاب سے نکاح کیا اور اس کی قوم تمیم کے بعض لوگ۔ (۶) اشعث بن قیس کی قوم کندہ (۷) حطیم بن زید کی قوم بنو بکر بن وائل' یہ بحرین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ان ساتوں مرتد فرقوں کا مکمل استیصال کرا دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک شخص مرتد ہوا تھا' یہ غسان کی قوم کا جبلہ بن ایہم تھا' اس کو ایک تھپڑ نے نصرانی بنا دیا اور یہ اسلام سے مرتد ہو کر روم کے شہروں کی طرف نکل گیا' جبلہ کی چادر پر ایک شخص کا پیر پڑ گیا' اس نے اس کے تھپڑ مارا' اس شخص نے حضرت عمر سے شکایت کی' حضرت عمر نے فرمایا اب یہ تمہارے تھپڑ مارے گا' اس نے تھپڑ کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی پیشکش کی' مگر وہ شخص نہ مانا۔ جبلہ نے مہلت طلب کی اور روم جا کر مرتد ہو گیا۔

(الکشاف' ج ۱' ص ۶۴۶-۶۴۴' مطبوعہ نشر البلاغہ' ایران' ۱۴۱۳ھ)

اللہ کی محبوب قوم کے مصداق میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی (المائدہ: ۵۴)

اس آیت کے مصداق کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکر اور ان کے اصحاب ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کے وصال کے بعد' اہل مدینہ' اہل مکہ اور اہل بحرین کے سوا عام عرب اسلام سے مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا خدا کی قسم! جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرض کیا ہے' اگر اس میں سے یہ ایک رسی بھی نہ دیں تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ پھر حضرت ابو بکر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے قتال کیا' حتیٰ کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کر لیا۔

(جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۴-۳۸۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جماعت ہے۔

عیاض اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ قوم یہ ہیں۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۴' المستدرک' ج ۲' ص ۳۱۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مصداق اہل یمن ہیں۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے ان کے پاس ایک پیغام بھیجا' وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے' ان سے اس آیت کا مصداق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اہل یمن ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کاش! میں اس قوم سے ہوتا۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۳۸۴' مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ اور امام رازی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت پر دلائل

روافض اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت اور امامت کا اقرار کیا' وہ سب کافر اور مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نص صریح کا انکار کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہو تو لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک محبوب قوم کو لاتا جو ان سب سے جہاد کرتی اور ان کو حضرت علی کی امامت اور خلافت ماننے پر مجبور کر دیتی' جیسا کہ اس آیت کا تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روافض اور شیعہ کا مزعوم فاسد ہے۔

ثانیاً: ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ یہ آیت ان کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ کی اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے جنگ کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اولاً: اس لیے کہ آپ کے عہد میں مرتدین کے ساتھ جنگ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ ثانیاً: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قوم اس وقت موجود نہیں تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوبکر تو اس وقت موجود تھے تو پھر وہ بھی مراد نہیں ہونے چاہئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اس وقت موجود تھے' لیکن بہ حیثیت سربراہ موجود نہیں تھے اور ان کی حیثیت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو کسی پر حملہ کرنے کا حکم دیتے' اور اس آیت کے مصداق حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کو مرتدین کے ساتھ قتال کرنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے ان کی امامت کا انکار کیا' وہ مرتد ہو گیا اور امامت کے منکرین کے خلاف انہوں نے جنگ کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا معنی یہ ہے جو شریعت اسلامیہ سے مرتد ہو جائے اور اگر مرتد کا یہی معنی کیا جائے جو حضرت علی کی امامت سے مرتد ہو؟ تو پھر خلفاء ثلاثہ اور ان کے ماننے والے تمام مسلمان مرتد تھے' کیونکہ انہوں نے اس وقت میں حضرت علی کی امامت کو نہیں مانا تو چاہیے تھا کہ حضرت علی ان سے جنگ کرتے اور جب حضرت علی نے ان سے جنگ نہیں' بلکہ اس کے برعکس ان کی بیعت کی اور ان سے تعاون کیا۔ اور اہل یمن بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتے' کیونکہ انہوں نے مرتدین کے ساتھ جنگ نہیں کی اور حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی اس قوم میں سے ہیں' کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں' اور اسی طرح دیگر اہل یمن بھی' اور اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہے۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بھی مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی' تب بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کی تھی' وہ بہت اعلیٰ اور افضل تھی اور اسلام میں بہت دور رس نتائج کی حامل تھی' کیونکہ حضرت ابوبکر کی جنگ اسلام کے لیے تھی اور حضرت علی کی جنگ اپنی خلافت کی بقا کے لیے تھی۔ کیونکہ یہ امر تواتر سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد اعراب مرتد ہو گئے' تو نبوت کے مدعیوں اور زکوٰۃ کے منکروں کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی اور مرتدین کے ساتوں فرقوں کا مکمل استیصال کیا' اور حضرت ابوبکر کی جدوجہد کے نتیجہ میں اسلام کو استقامت ملی' اور شرق و غرب میں اسلام پھیلنے لگا اور تمام متمول دنیا کے حکمران مغلوب ہونے لگے' اور اسلام کے علاوہ باقی ادیان اور ملل کے چراغ بجھنے

لگے اور آفتاب اسلام پوری آب و تاب سے جگمگانے لگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت تک اسلام پوری دنیا میں ایک غالب دین کی حیثیت سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرتدین کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں' وہ صرف اسلام کی نصرت اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہوئیں۔ اس کے برعکس حضرت علی کی جو جنگیں ہوئیں' ان کی خلافت کے منکرین کے ساتھ تھیں۔ اگر بقول شیعہ ان کو بالفرض مرتد مان بھی لیا جائے' تب بھی حضرت ابوبکر کی جنگیں ان سے بہر حال افضل اور اعلیٰ تھیں۔

اس آیت میں حضرت ابوبکر کی امامت پر یہ دلیل بھی ہے کہ مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے والی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے محب اور اللہ کے محبوب ہیں اور جو اللہ کا محب اور محبوب ہو' وہی خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔

نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت یہ ذکر کی کہ وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے اور پوری امت میں سب سے زیادہ مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت ابوبکر ہیں الحدیث یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٨١٦' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ١٥٤' صحیح ابن حبان' ج ١٦' رقم الحدیث: ٧١٣١-٧١٣٨' المستدرک' ج ٣' ص ٤٢٢۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ٢٠٩٦' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ١٣٩٠٣' فضائل الصحابہ للنسائی' رقم ١٨٢' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٦' ص ٢١٠' حلیۃ الاولیاء' ج ٣' ص ١٢٢)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مومنوں پر بہت نرم تھے۔ نبوت کی ابتداء میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے۔ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے اور آپ کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے کافر سرداروں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ امام بخاری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے سب سے سخت تکلیف جو پہنچی' وہ یہ تھی کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے' اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈالا اور آپ کا گلا بہت سختی سے گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر آئے اور اس کو کندھے سے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پرے دھکیلا اور کہا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے۔ (غافر: ٢٨) (صحیح البخاری' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٥٦) اور مسلمانوں کے ساتھ رحمت کی واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے سات ایسے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی پاداش میں مکہ میں سخت عذاب دیا جاتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت بلال' حضرت عامر بن فہیرہ' حضرت زنیرہ' حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی' بنو موئل کی باندی اور ام عبیس۔ (الاصابہ' ج ٢' ص ٣٤٣) اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بہت جرات اور دلیری کے ساتھ تمام مرتدین سے جنگ کی اور صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود شام کی طرف لشکر روانہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی صفت میں فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ہر چند کہ دوسرے خلفاء اور ائمہ نے بھی جہاد کیا ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جس نے سب سے

پہلے جہاد کیا' وہ حضرت ابوبکر تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جہاد کیا' جب ملک کے اندر مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کے فتنے کھڑے ہو چکے تھے' اور اس وقت ملک سے باہر فوج بھیجنے کی سب نے مخالفت کی تھی' لیکن حضرت ابوبکر نے کہا شام کے خلاف فوج کشی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا' اور میں کسی حالت میں بھی اس حکم کو موخر نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل

یہ آیت بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال کے مناسب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صاحب فضل فرمایا ہے۔ کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے' یہ نادار مہاجر تھے اور بدری صحابی تھے اور حضرت ابوبکر ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے' لیکن انہوں نے بھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی موافقت کی' جس سے حضرت ابوبکر کو بہت رنج ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین کی براءت بیان کر دی' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی مالی امداد نہیں کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے صاحب فضل اور صاحب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک میری آرزو ہے کہ اللہ مجھے بخش دے اور میں مسطح کے ساتھ جو حسن سلوک کرتا تھا' اس کو کبھی موقوف نہیں کروں گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ' امیہ بن خلف کے غلام تھے' وہ حضرت بلال کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا' ان کو گرم زمین پر ڈال کر ان کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ حضرت ابوبکر نے امیہ بن خلف کو اس ظلم و ستم سے منع کیا' اس نے کہا اگر تم کو اس کی تکلیف ناگوار لگتی ہے تو اس کو خرید لو۔ حضرت ابوبکر نے امیہ بن خلف سے ایک گراں قیمت پر حضرت بلال کو خریدا اور آزاد کر دیا' اتنی بڑی قیمت پر حضرت بلال کو خریدنے سے مشرکین کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا ضرور بلال کا ابوبکر پر کوئی احسان ہو گا۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابوبکر نے اتنی بھاری قیمت پر بلال کو خریدا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں حضرت ابوبکر کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ○ (اللیل: ۲۱-۱۷)

اور جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اس (آگ) سے دور رکھا جائے گا' جو پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ وہ صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے) اور وہ ضرور عنقریب راضی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اے مشرکو! بلال کے احسان کی بات کرتے ہو' ابوبکر پر اس کائنات میں کسی کا کوئی

دنیاوی احسان نہیں ہے‘ جس کا بدلہ دیا جائے‘ اس نے صرف اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنے کے لیے بلال کو خرید کر آزاد کیا ہے‘ اور اللہ عنقریب اس کو راضی کر دے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام اپنے فضل سے عطا کیا ہے‘ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انعامات سے نوازا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ منبر پر تشریف فرماتھے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا کی تروتازگی میں جو وہ چاہے‘ اسے دینے کا اور آخرت میں اس کے پاس جو اجر ہے‘ اسے دینے کا اختیار دیا‘ اس بندہ نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے اور کہنے لگے‘ ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ ہمیں ان پر تعجب ہوا‘ اور لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو‘ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے بندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی تروتازگی لے یا اللہ کے پاس آ جائے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے باپ اور ہماری مائیں فدا ہو جائیں‘ اور دراصل یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا‘ اور اس بات کو ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت ابوبکر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے ابوبکر ہیں اور میں اپنی امت میں سے اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا‘ لیکن ان کے ساتھ اسلام کی خلت (دوستی) ہے‘ مسجد (نبوی) میں ابوبکر کی کھڑکی کے سوا اور کوئی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے۔

(صحیح البخاری‘ ج ٤‘ رقم الحدیث: ٣٩٠٤‘ صحیح مسلم‘ رقم الحدیث: ٢٣٨٢‘ سنن ترمذی‘ ج ٥‘ رقم الحدیث: ٣٦٧٩‘ صحیح ابن حبان‘ ج ١٥‘ رقم الحدیث: ٦٨٦١)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی ہم نے اس کا بدلہ دے دیا‘ ماسوا ابوبکر کے‘ کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک ایسی نیکی کی ہے‘ جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا اور کسی شخص کے مال نے مجھے ہرگز وہ نفع نہیں پہنچایا‘ جو ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا اور سنو! تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔ اس سند کے ساتھ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی‘ ج ٥‘ رقم الحدیث: ٣٦٨١‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ١‘ رقم الحدیث: ٩٤)

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ٣٥٤ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک نوع کی دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے‘ اس کو جنت میں بلایا جائے گا۔ اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے سو جو نمازی ہو گا‘ اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو مجاہد ہو گا‘ اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ دینے والا ہو گا‘ اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہو گا‘ اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں‘ کیا کوئی ایسا شخص ہو گا جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو۔

(صحیح ابن حبان‘ ج ١٥‘ رقم الحدیث: ٦٨٦٦‘ صحیح مسلم‘ زکوٰۃ ٨٥ (١٠٢٧) سنن نسائی‘ ج ٤‘ رقم الحدیث: ٢٢٣٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہو گا جس

کے متعلق جنت کے ہر گھر والے اور ہر بالا خانہ والے' یہ کہیں گے! مرحبا' مرحبا' ہمارے پاس آئیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کو اس دن کوئی نقصان نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اے ابوبکر وہ شخص تم ہو گے۔

(صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۶۷' المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۴۲۱' المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۸۵' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں' سوا احمد بن ابی بکر سالمی کے' اور وہ بھی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۹' ص ۴۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہم نے شرح مسلم' جلد سادس (۶) میں بہت تفصیل سے دلائل بیان کیے ہیں' اہل علم اور ارباب ذوق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر کے فضائل میں موضوع احادیث

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بعض علماء نے موضوع اور بے اصل احادیث کو بھی درج کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا ہے' وہ سب میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جو جاہل خود کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں' انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ حدیثیں وضع کر لی ہیں' اللہ قیامت کے دن لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اور حدیث جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا ہے' وہ سب میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا اور حدیث "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کا شوق ہوتا تو وہ ابوبکر کے سفید بالوں کو بوسہ دیتے" اور حدیث "میں اور ابوبکر گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح ہیں" (یہ ضرب المثل ہے' اس کا معنی ہے دونوں مساوی ہیں) اور حدیث "جب اللہ نے روحوں کو پسند کیا تو ابوبکر کی روح کو پسند کیا"

(موضوعات کبیر' ص ۱۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ وہ احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ مجدالدین شیرازی نے سفر السعادۃ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان احادیث کا باطل ہونا بداہت عقل سے معلوم ہے۔ (شیخ عبدالحق فرماتے ہیں) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احادیث سے حضرت ابوبکر کی تمام مخلوق پر فضیلت لازم آتی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور حضرت ابوبکر کی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات لازم آتی ہے۔ اگرچہ ان حدیثوں کی تاویل ممتنع نہیں ہے اور حدیث اللہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص تجلی فرمائے گا اس کو "تنزیہ الشریعہ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کو خطیب اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے' ذہبی نے اس کو موضوع کہا ہے اور بعض نے اس کو حسن کہا ہے' حاکم نے اس کو مستدرک میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۴' ص ۶۳۴' مطبوعہ تیج کمار' لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا دوست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۵۵)

آیت مذکورہ کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بنو عوف سے تھے اور انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی طرح قینقاع کا ساتھ دینے کا حلف اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت عبادہ نے یہ حلف توڑ دیا اور بنو قینقاع سے بری ہو گئے اور کہا میں اللہ 'اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بناتا ہوں' تو ان کے متعلق سورۂ مائدہ کی آیت ۵۱ اور آیت ۵۵ نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے 'اسکا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ الایہ

(السیرۃ النبویہ 'ج ۳' ص ۵٦-۵۵' جامع البیان 'جز٦' ص ۳۸۹-۳۸۸)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴٦۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! قریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے الگ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کریں گے اور ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ مجلس کی استطاعت نہیں رکھتے' کیونکہ ان کے گھر ہم سے دور ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارا دوست صرف اللہ ہے 'اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر یہ آیت تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم اللہ 'اس کے رسول اور مسلمانوں کو دوست بنانے پر راضی ہو گئے۔

(اسباب نزول القرآن 'ص ۲۰۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ 'بیروت)

نیز امام واحدی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ آئے جو اسی دوران ایمان لائی تھی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے گھر دور ہیں اور ہماری کوئی مجلس اور بات کرنے کی جگہ نہیں ہے اور ہماری قوم جب یہ دیکھے گی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کی تصدیق کر چکے ہیں' تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور ہمارے ساتھ نشست' برخواست' شادی بیاہ اور کھانے پینے کو ترک کرنے کی قسم کھالیں گے اور یہ ہم پر بہت دشوار ہوگا' تو نبی ﷺ نے ان پر یہ آیت پڑھی تمہارا دوست صرف اللہ ہے' اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں پھر نبی ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسلمان قیام اور رکوع میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھ کر پوچھا کیا کسی نے تم کو کچھ دیا ہے' اس نے کہا ہاں! سونے کی ایک انگوٹھی۔ آپ نے پوچھا تم کو وہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اس نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے کہا' یہ جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا انہوں نے تم کو یہ کس حال میں دی ہے؟ اس نے کہا انہوں نے حالت رکوع میں مجھ کو یہ انگوٹھی دی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

(المائدہ ٦۵' اسباب نزول القرآن 'ص ۲۰۲' جامع البیان 'جز٦' ص ۳۹)

امام طبرانی نے سائل کو حضرت علی کی انگوٹھی دینے کا واقعہ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط 'ج ۷' رقم الحدیث: ٦۲۲۸)

حضرت علی کے مستحق خلافت ہونے پر علماء شیعہ کی دلیل

شیخ طوسی متوفی ۴٦۰ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اور

امامت کے مستحق تھے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں اور مومنین سے مراد اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' کیونکہ یہاں مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں اور مذکور الصدر شان نزول کے مطابق حضرت علی ہی اس آیت کے مصداق ہیں' کیونکہ آپ ہی نے حالت رکوع میں سائل کو سونے کی انگوٹھی دی تھی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی ہوئے اور ولی کا معنی اولیٰ اور احق ہے۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں پر متصرف اور ان کے حاکم ہوئے اور یہی خلافت اور امامت کا معنی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ولی یعنی ان کے امام اور خلیفہ ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن' ج ۳' ص ۵۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علماء شیعہ کی دلیل کا جواب

شیخ طوسی کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱- ولی کا معنی اولیٰ اور احق نہیں ہے' بلکہ ولی کا معنی محب اور ناصر ہے۔

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

ولی جب اسم ہو تو اس کا معنی محب' صدیق (دوست) اور نصیر ہے اور مصدر ہو تو اس کا معنی امارۃ اور سلطان ہے۔

(القاموس المحیط' ج ۴' ص ۵۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

۲- اس آیت میں ولی محب' دوست اور مددگار ہی کے معنی میں ہے' کیونکہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو اولیاء نہ بناؤ یعنی ان کو دوست نہ بناؤ۔ سو اس آیت میں فرمایا تمہارا ولی یعنی دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے اور مومنین ہیں۔

۳- اگر اس آیت میں ولی کا معنی اولیٰ بالامامت ہو اور مومنین سے مراد حضرت علی ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں کی امامت کے زیادہ لائق حضرت علی ہوں' حالانکہ اس وقت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں موجود اور تشریف فرما تھے اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا امامت اور حکومت کے زیادہ لائق اور حقدار ہونا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۴- اگر یہ آیت حضرت علی کی امامت کے حقدار ہونے پر دلالت کرتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرور کسی نہ کسی محفل میں اس آیت سے استدلال کرتے' حالانکہ آپ نے کبھی بھی اس آیت سے اپنی امامت پر استدلال نہیں کیا۔ آپ نے شوریٰ کے دن حدیث غدیر اور آیت مباہلہ سے اپنے فضائل پر استدلال کیا' لیکن اس آیت کو آپ نے کبھی پیش نہیں کیا۔

۵- شیخ طوسی اور دیگر علماء شیعہ کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد حضرت علی ہوں۔ ہرچند کہ تعظیماً جمع کا واحد پر اطلاق جائز ہے' لیکن یہ مجاز ہے' اور بلا ضرورت شرعی کسی آیت کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

۶- نیز یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں سائل کی طرف متوجہ ہوں اور حالت رکوع میں سونے کی انگوٹھی سائل کو دینے کی نیت سے گرائیں اور نماز میں نماز کے علاوہ کوئی اور عمل کریں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح انہماک اور استغراق اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے' یہ کہانی اس کے سراسر خلاف ہے۔

۷- عہد رسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست تھے' بعض اوقات آپ اپنے حصہ کی روٹی سائل کو دے کر خود بھوکے رات گزارتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ فرض کرنا کہ وہ صاحب زکوۃ تھے اور ان کے پاس سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ

بہت بعید معلوم ہوتا ہے ' بلکہ اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

٨- نبی ﷺ نے مردوں پر سونا حرام کر دیا تھا اور سورۂ مائدہ احکام سے متعلق آخری سورت ہے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سونے کی انگوٹھی پہننا بھی اس روایت کے غیر معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت میں راکعون اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے ' اس کا معنی ہے جھکنے والے ' یعنی ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے (عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔ (المائدہ: ٥٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام بندوں کو خبر دی ہے جو اللہ ' اس کے رسول اور مسلمانوں کی رضا جوئی کے لیے یہود کی دوستی اور ان کے حلف سے بیزار ہو گئے تھے اور ان کو بھی خبر دی ہے جنہوں نے یہود کی دوستی اور ان کے حلف کو برقرار رکھا اور گردش ایام کے خوف سے ان کی دوستی کی طرف دوڑے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ ' اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے تو ان ہی کو غلبہ ہو گا ' کیونکہ یہ اللہ کی جماعت ہے اور مآل کار اللہ کی جماعت ہی کو غلبہ ہو گا ' نہ کہ شیطان کی جماعت کو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ، دوست نہ بناؤ ، اور

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اللہ سے ڈرتے رہو ، اگر تم مومن ہو ○ اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کو صرف یہ ناگوار لگتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾

اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ

آپ کہیے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے، جن پر اللہ

لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ

نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ

اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی، ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے

السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ

ہیں ○ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾

ہوئے تھے اور کفر (ہی) کے ساتھ خارج ہوئے، اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ: ٥٧)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اسی سیاق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے، اور اس میں مزید یہ فرمایا ہے کہ کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ۔

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ٢١٨ھ لکھتے ہیں:

رفاعہ بن زید بن التابوت اور سوید بن الحارث دونوں نے اسلام ظاہر کیا اور دراصل یہ دونوں منافق تھے، اور بہت سے مسلمان ان سے محبت رکھتے تھے، تو اللہ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ الآیہ

(السیرۃ النبویہ' ج ٢' ص ١٨١' جامع البیان' جز ٦' ص ٣٩١' اسباب نزول القرآن' ص ٢٠٢)

یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے متعلق قرآن مجید کی اصطلاح

اس آیت میں کفار سے مراد مشرکین ہیں، ہرچند کہ یہود و نصاریٰ اور بت پرست سب کافر ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا اطلاق کرتا ہے اور بت پرستوں پر کفار اور مشرکین کا اطلاق کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان سجدہ کرتے تو یہود اور مشرکین ان کا مذاق اڑاتے تھے اور جب مسلمان اذان دیتے تو وہ کہتے' یہ اس طرح چلا رہے ہیں جیسے قافلے والے چلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کو دوست بنانے

سے مسلمانوں کو منع فرمادیا۔

ملکی اور جنگی معاملات میں کفار سے خدمت لینے میں مذاہب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے' جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا' جس کی جرأت اور بہادری کا بہت چرچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی اتباع کروں اور مال غنیمت حاصل کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ' میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا' وہ چلا گیا' حتیٰ کہ جب ہم ایک درخت کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اپنی پیشکش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا' وہ چلا گیا' پھر مقام بیداء پر ملا' اور اس نے پھر پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اس نے کہا ہاں! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چلو۔

(صحیح مسلم' الجہاد' ۱۵۰' (۱۸۱۷) ۴۶۱۹' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۷۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۸۳۲' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۹۶' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۵۲۱۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۳۶۷' طبع دارالحدیث' قاہرہ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے' اگر مسلمانوں کے متعلق کافر کی رائے اچھی ہو اور اس کی مدد کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے' ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے اور یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے' اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر سے خدمت لی جائے تو اسے کچھ معاوضہ دے دیا جائے اور اس کا خمس نہ نکالا جائے۔ امام مالک' امام شافعی' امام ابو حنیفہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم نماز کے لیے ندا کرتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۵۸)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس آیت میں دین اسلام کے ایک خاص شعار اذان کے متعلق ان کا استہزاء بیان فرمایا ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

کفار نے جب اذان کو سنا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے حسد کیا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے دین میں ایک نئی چیز نکالی ہے' جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلی امتوں میں نہیں سنا۔ اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ نے اس اذان کو ایجاد کر کے انبیاء سابقین کے طریقہ کی مخالفت کی ہے' اور اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو آپ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کا طریقہ ہی بہتر تھا' جس طرح قافلے والے چلاتے ہیں آپ نے اس طرح چلانے کو اپنا شعار بنالیا ہے' یہ کس قدر بری آواز ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور درج ذیل آیت نازل کی:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ (حم السجدہ: ۳۳)

اور اس سے اچھی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے' کہ بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

(اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ابتداء اذان کی کیفیت

اس آیت میں اذان کا ذکر فرمایا ہے' اس لیے ہم اذان کی ابتداء' اذان کے کلمات' اذان اور اقامت کے کلمات' اذان کا جواب اور اذان کے بعد دعا اور اذان کی فضیلت کے متعلق اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

مکہ میں اذان مشروع نہیں ہوئی تھی' اس وقت نماز کے لیے یوں نداء کرتے تھے "الصلوۃ جامعۃ"۔ جب نبی ﷺ نے ہجرت کی اور کعبہ کو قبلہ بنادیا گیا' تو آپ کو پانچ فرض نمازوں کے لیے اذان کا حکم دیا گیا' اور نماز جنازہ' نماز عید اور نماز کسوف وغیرہ کے لیے "الصلوۃ جامعۃ" سے ندا کا طریقہ برقرار رہا۔ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے سے اذان کے کلمات سنے اور اس سے پہلے نبی ﷺ نے شب معراج کے موقع پر فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا' اور امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے کہ دس سے زیادہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا اور علامہ جیلی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے' کہ چودہ صحابہ نے اذان کا خواب دیکھا تھا' لیکن حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ثابت صرف حضرت عبداللہ بن زید کے لیے ہے اور بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ (فتح الباری' ج ۲' ص ۷۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ کی طرف اذان کی وحی کی گئی اور جب آپ واپس آئے تو جبرائیل نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔

(المعجم الاوسط' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۹۲۴۳' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی طلحہ بن زید وضع کی طرف منسوب ہے)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا' تو حضرت جبرائیل آپ کے پاس ایک جانور لے کر آئے جس کو براق کہتے تھے' جب آپ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ کچھ دشوار ہوا۔ جبرائیل نے کہا پر سکون رہو' بخدا (سیدنا) محمد ﷺ سے زیادہ معزز شخص کبھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ آپ اس پر سوار ہوئے' حتیٰ کہ آپ رحمان تبارک و تعالیٰ کے حجاب تک پہنچے' اسی دوران حجاب سے ایک فرشتہ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میں مخلوق میں سب سے مقرب ہوں' لیکن میں جب سے پیدا ہوا ہوں' میں نے اس فرشتے کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ پھر فرشتہ نے کہا "اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا میں اکبر ہوں' میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا لا الہ الا

اللہ تو حجاب کی اوٹ سے آواز آئی' میرے بندہ نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ (الحدیث)

(کشف الاستار عن زوائد البزار' ج ١' ص ١٧٨' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی زیاد بن المنذر ہے' اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے' مجمع الزوائد' ج ١' ص ٣٢٩)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عمیر بن انس اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ مشورہ کیا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ آپ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے' جب لوگ اس جھنڈے کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کی اطلاع دیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی' پھر آپ کو بوق (بگل' نرسنگا) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ پھر آپ کو ناقوس (لوہے کا ٹکڑا جو لکڑی سے بجایا جاتا ہے' گھڑیال) کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا: یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر گئے' وہ اسی فکر میں تھے۔ پھر انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی' وہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس خواب کی خبر دی۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا' میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان دکھائی۔ اس سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا' لیکن انہوں نے بیس دن تک اس خواب کو مخفی رکھا' پھر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا تم کو مجھے خبر دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن زید مجھ پر سبقت لے گئے اور مجھے حیاء آئی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال! تم کھڑے ہو اور عبداللہ بن زید تم کو جو کلمات بتائیں' وہ پڑھو' پھر حضرت بلال نے اذان دی' ابو عمیر یہ کہتے تھے کہ اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید بیمار نہ ہوتے تو وہ اذان کہتے۔

(سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٤٩٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو وہ نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے اور ان کو ندا نہیں کی جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا' بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بناؤ۔ بعض نے کہا یہود کے بگل کی طرح بگل بناؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی ندا کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے بلال! تم کھڑے ہو کر نماز کی ندا کرو۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٦٠٣' صحیح مسلم' اذان ١' (٣٧٧) ٨٤٣' سنن ترمذی' ج ١' رقم الحدیث: ١٩٠' سنن نسائی' ج ٢' رقم الحدیث: ٦٢٥' مسند احمد' ج ٢' رقم الحدیث: ٦٣٦٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

کلمات اذان میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور ان میں ترجیع نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے' یعنی دو مرتبہ شہادتین کو پست آواز سے کہا جائے اور دو مرتبہ شہادتین کو بلند آواز سے کہا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

(المغنی' ج ١' ص ٢٤٣' مطبوعہ دار الفکر' بدایۃ المجتہد' ج ١' ص ٧٦' مطبوعہ دار الفکر)

امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں فرشتے سے اذان کے جو کلمات سنے تھے' ان میں ترجیع نہیں تھی۔ انہوں نے یہی کلمات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بتائے اور انہوں نے ان ہی

کلمات کے ساتھ اذان دی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بجانے کا حکم دیا' تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے' میں اسی سوچ بچار میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے ہوئے جا رہا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! کیا تم ناقوس فروخت کرو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

اس نے کہا تم کہا کرو "الله اکبر الله اکبر الله اکبر الله اکبر' اشهد ان لا اله الا الله' اشهد ان لا اله الا الله' اشهد ان محمدا رسول الله' اشهد ان محمدا رسول الله' حی علی الصلوة' حی علی الصلوة' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' الله اکبر الله اکبر' لا اله الا الله۔ اس کے بعد فرشتے نے اقامت کے کلمات بتلائے۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ان شاء اللہ برحق خواب ہے' تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو اور خواب میں جو کلمات سنے ہیں' وہ ان کو بتاؤ' تاکہ وہ اذان دیں' کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں ان کو اذان کے کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں اذان سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد۔

(سنن ابوداؤد' ج ١' رقم الحدیث: ٤٩٩' سنن دارمی' ج ١' رقم الحدیث: ١١٨٧' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٧٠٦' مصنف عبدالرزاق' ج ١' رقم الحدیث: ١٧٧٤' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ١' ص ٢٣١' مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ١٣' رقم الحدیث: ١٦٤٢٩' طبع دارالحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ٤' ص ٤٣' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ' ج ١' رقم الحدیث: ٣٧١' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١' ص ٣٩١-٣٩٠' السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج ٢' ص ١٢٣-١٢٢' طبع دار احیاء التراث العربی' سنن دار قطنی' ج ١' رقم الحدیث: ٩٢٣' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' صحیح ابن حبان' ج ٤' رقم الحدیث: ١٦٧٩' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ١٤١٤ھ)

حضرت ابو محذورہ کی روایت کا محمل

حضرت ابو محذورہ کی روایت میں جو ترجیع کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ اسلام لانے سے پہلے اپنے لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے واپسی پر انہیں دیکھ لیا۔ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا اذان پڑھو۔ انہوں نے اذان پڑھی اور اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله کو آہستہ آہستہ پڑھا۔ آپ نے ان شہادتین کو دوبارہ زور سے پڑھنے کا حکم دیا' تو انہوں نے دوبارہ زور سے پڑھا اور آپ کے اذان دلوانے کی برکت سے یہ مسلمان ہو گئے' تو شہادتین کو پہلے دوبار آہستہ اور پھر دوبار زور سے پڑھنے کا یہ خاص واقعہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اذان دینے کی عام ہدایت نہیں دی۔ اس کا بیان اس حدیث میں ہے:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ٣٥٤ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض ساتھیوں کے ساتھ حنین کے راستہ میں تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز کے لیے اذان دی' ہم نے اذان

کی آواز سنی' ہم راستہ سے ایک طرف ہٹ گئے اور ہم نے اذان کا مذاق اڑانے کے لیے بلند آواز سے اذان کی نقل اتارنی شروع کردی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی آواز میں سن رہا ہوں' تم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا ہے؟ پھر ہم کو بلایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آواز تم میں سے کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ آپ نے باقی لڑکوں کو بھیج دیا اور مجھے روک لیا۔ اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں تھی۔ آپ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا اور خود مجھے اذان کے کلمات بتائے۔ اور فرمایا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو اور اپنی آواز بلند کرو۔ آپ نے فرمایا اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوة' حی علی الصلوة' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' اللہ اکبر اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ۔ جب آپ مجھ سے اذان پڑھوانے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی' اور آپ نے دعا کی' اے اللہ! اس میں برکت دے اور اس پر برکت دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اذان دینے کا حکم دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں حکم دیدیا۔ میرے دل میں جتنی آپکی ناپسندیدگی تھی' وہ سب آپکی محبت سے بدل گئی۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے پاس گیا۔ اور میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مکہ میں اذان دینے لگا۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۰' سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۳' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۳۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۰۸' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۷۹' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۰۹' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۳' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۹۰' مسند الشافعی' ص ۳۱-۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۰ھ)

کلمات اقامت میں مذاہب ائمہ

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اقامت میں اللہ اکبر اللہ اکبر دو دفعہ اور باقی کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھے جاتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک اللہ اکبر اللہ اکبر' چار چار دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ (المغنی' ج ۱' ص ۲۴۹' بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۸۰)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ پڑھیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ پڑھیں۔

(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۰۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: (۳۷۸) ۸۱۵' سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۸' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۹)

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اذان اور اقامت میں دو دو کلمے تھے۔

(سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۲۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۲۰۔ اس حدیث کے

راوی ثقہ ہیں)

نیز! حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان کے انیس کلمات اور اقامت کے سترہ کلمات کی تعلیم دی' انہوں نے اقامت کے کلمات اس طرح بیان کیے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان لا الہ الا اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' اشہد ان محمدا رسول اللہ' حی علی الصلوۃ' حی علی الصلوۃ' حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' قد قامت الصلوۃ' قد قامت الصلوۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۱' سنن ابوداود' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۲' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۲' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۰۹' ج ۶' ص ۴۰۱' طبع قدیم' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۹' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۷۷' سنن داری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۹۷-۱۱۹۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۳)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے موقف کی واضح دلیل ہے۔

اذان کا جواب

امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب موذن کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" اور تم میں سے کوئی کہے "اللہ اکبر" پھر وہ کہے "اشہد ان لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "اشہد ان لا الہ الا اللہ" پھر وہ کہے "اشہد ان محمدا رسول اللہ" تو یہ کہے "اشہد ان محمدا رسول اللہ" پھر وہ کہے "حی علی الصلوہ" تو یہ کہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "حی علی الفلاح" تو یہ کہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پھر وہ کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" تو یہ کہے "اللہ اکبر' اللہ اکبر" پھر وہ کہے "لا الہ الا اللہ" تو یہ کہے "لا الہ الا اللہ" تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۵' صحیح مسلم' اذان' ۱۲' (۳۸۵) ۸۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۵۲۷' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۳' عمل الیوم و اللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۶۷۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۴۳۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۰۹-۴۰۸)

دعا بعد الاذان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ۔	اے اللہ! اس کامل نداء اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! سیدنا محمد ﷺ کو جنت میں بلند مقام اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

تو اس شخص پر میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۱۴' صحیح مسلم' اذان' ۱۱' (۳۸۴) ۸۲۶' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۱' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم

الحدیث: ۵۲۹' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۲' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۸۲۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۵۴' طبع قدیم' عمل الیوم واللیلہ للنسائی' رقم الحدیث: ۳۶' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۹۴' طبع کراچی' المعجم الصغیر للطبرانی' ج ۱' ص ۲۴۰' طبع المدینۃ المنورہ' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۱۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۱۰' صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۸۹' شرح السنہ للبغوی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اذان سنتے تو دعا کرتے اے اللہ! اس نداء کامل اور اس کے بعد قائم ہونے والی نماز کے رب' اپنے بندہ اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا فرمانا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اے اللہ! آپ پر صلوۃ نازل فرما اور آپ کو اس مقام پر پہنچا جو تیرے نزدیک جنت میں آپ کے لیے مخصوص ہے' اور قیامت کے دن ہم کو آپ کی شفاعت میں (داخل) کر دے سو جو شخص یہ دعا کرے گا' اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۱' ص ۳۳۳' الجامع الکبیر ج ۷' رقم الحدیث: ۲۲۶۸' عمدۃ القاری ج ۵' ص ۱۲۴)

اذان کی فضیلت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی صعصعہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو' پس جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے اذان دیا کرو' اور بہ آواز بلند اذان کہنا' کیونکہ موذن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان سنتا ہے' اور جو چیز بھی سنتی ہے' وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی۔ حضرت ابو سعید نے کہا میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۲۳' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۵۴' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۵-۴۳' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۳۲' مصنف عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۶۵' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۹' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۳۹۷-۴۲۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو روحاء (ایک مقام) پر بھاگ جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ روحاء کتنی دور ہے؟ تو حضرت جابر نے کہا وہ مدینہ سے چھتیس میل ہے۔

(صحیح مسلم' صلاۃ' ۱۵' (۳۸۸) ۸۳۱' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۱۶' شرح السنہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۵' صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۶۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان جب نماز کی ندا سنتا ہے تو زور سے پاد لگاتا ہے' تاکہ

اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب موذن خاموش ہو جاتا ہے 'تو پھر واپس آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔

(صحیح مسلم' صلوۃ '۱۹' (۳۸۹) ۸۳۲' صحیح ابن حبان' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۶۳' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۱۳' طبع قدیم' صحیح ابن خزیمہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱' ص ۴۳۲' شرح السنہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو پہلے نازل ہوا اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ: ۵۹)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے دین اسلام کو ہنسی مذاق بنالیا ہے اور اب اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو عزت اور احترام سے جو قبول نہیں کیا' اس کی کیا وجہ ہے؟

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کی ایک جماعت آئی' جس میں ابو یاسر بن اخطب' نافع بن ابی نافع' عازر بن ابی عازر وغیرہم تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ رسولوں میں سے کس کس پر ایمان لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا' ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں' جب آپ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہا ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس شخص پر جو ان پر ایمان لایا ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

آپ کہئے اے اہل کتاب! تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۱۸۰' جامع البیان' ج ۶' ص ۳۹۴' اسباب نزول القرآن' ص ۲۰۳)

یہود کا بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا قطعاً باطل ہے' کیونکہ معجزہ کی دلالت کی وجہ سے نبی پر ایمان لایا جاتا ہے اور جب یہود معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو پھر معجزہ کی دلالت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان نہیں لائے؟ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ جبکہ آپ نے بکثرت حسی اور معنوی معجزات پیش کیے۔

آیت مذکورہ کی ترکیب پر شبہات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود تو تمام کفار اور فساق ہیں' یہاں اکثر کو فاسق کیوں فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود دنیا کی عزت اور روپے پیسے کے لالچ میں حق کو چھپاتے تھے۔ اس لیے فرمایا تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں لہٰذا تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی نیک نہیں ہو' فاسق اور بدکار ہو۔ کیونکہ کافر اور بدعتی بھی بعض اوقات اپنے دین کے اعتبار سے سچا اور دیانت دار ہوتا ہے' جبکہ تم اپنے دین کے اعتبار سے بھی جھوٹے اور خائن ہو اور ظاہر ہے کہ سب یہودی اس طرح نہیں تھے۔ اس لیے فرمایا: تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض یہودی ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ کل یہودی فاسق ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق بھی فسق کا وہم کرتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اور بے شک تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں اس کا عطف اس جملہ پر ہے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اب اس کا معنی اس طرح ہوگا تم کو صرف یہ ناگوار لگا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک ان کا فسق ناگوار نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ یہ ان سے تعریضاً خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان فاسق نہیں ہیں' بلکہ نیک اور صالح ہیں اور مسلمانوں کا نیک اور صالح ہونا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اعتقاد کا لفظ محذوف ہے' یعنی تم کو اپنے فسق کا اعتقاد ناگوار گزرتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب کا لفظ محذوف ہے یعنی تم کو ہمارا اللہ پر ایمان لانا اس لیے ناگوار گزرتا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک کن لوگوں کی سزا اس سے بھی بدتر ہے' جن پر اللہ نے لعنت کی' اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی عبادت کی' ان کا ٹھکانا بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (المائدہ: ۶۰)

یہود کو علم تھا کہ ان کے اسلاف میں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان پر اللہ نے لعنت کی۔ یہود میں سے جنہوں نے ممانعت کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی' ان کو بندر بنا دیا گیا اور جن عیسائیوں نے مائدہ (دسترخوان) کے معاملہ میں نافرمانی کی تھی' ان کو خنزیر بنا دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن جن یہودیوں نے نافرمانی کی تھی' ان میں سے جوانوں کو بندر بنا دیا گیا اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔ موجودہ بندر اور خنزیر ان کی نسل سے نہیں ہیں۔
صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بندروں اور خنزیروں کے متعلق سوال کیا گیا' کیا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا مسخ کر کے پھر اس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم' قدر' ۳۲-۳۳' (۲۶۶۳) ۶۶۳۱' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۰۰' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۹۰' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ آپ کے پاس کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر (ہی) کے ساتھ خارج ہوئے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے تھے۔ (المائدہ: ۶۱)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے دین اسلام کو ہنسی اور کھیل بنا لیا تھا اور وہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو مسلمانوں کا ایمان اور تقویٰ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ان کے کرتوتوں کی جو سزا آخرت میں ملے گی' وہ ان کو اس سے زیادہ ناگوار ہوگی اور اب اس آیت میں دین اسلام کے صدق اور برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی کہ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے' اس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بیان کیا ہے کہ بعض یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ بیان کرتے کہ وہ مومن ہیں' اور اسلام کے تمام احکام پر راضی ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے کفر اور گمراہی پر ڈٹے رہتے تھے۔ اور اسی کافرانہ عقیدہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور اسی کفریہ عقیدہ پر رخصت ہوتے۔ (جامع البیان' جز ۶' ص ۴۰۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا' وہ کفر کے جس حال میں آپ کے پاس آئے تھے' اسی حال میں لوٹ گئے۔ کیونکہ ان کے دل سخت تھے اور ان کا یہ قول کہ ہم ایمان لائے' بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور اس جھوٹ سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب کرنے کی بہت کوشش اور جدوجہد کریں' کیونکہ وہ مسلمانوں سے بہت بغض اور عداوت رکھتے تھے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ ، سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے

السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ

ہیں ، یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں ○ ان کے راہب اور پادری انہیں

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے ، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بہت

يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ

بُرے کام ہیں ○ اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ، خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وقف لازم

اور ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں ، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ،

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور

وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ

سرکشی کو زیادہ کرے گا ، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے ،

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے ، وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو

فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ

کرتے ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ

اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل

الۡنَّعِیۡمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ

کرتے ○ اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف

اِلَیۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَكَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ ؕ

ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق

مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿٦٦﴾ ع ٩ ١٠ ١٣

اُبلتا ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں اور ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ' سرکشی اور حرام خوری میں تیزی سے بڑھتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ٦٢)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہودی ہر قسم کے گناہ بے دھڑک کرتے ہیں اور وہ کسی قسم کے گناہ میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔ خواہ وہ گناہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں اثم سے مراد کفر ہے' اور عدوان کے معنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھنا ہے۔

قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہودی حکام مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے اور حلال و حرام میں اس کی حدود سے تجاوز کرنے اور رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرنے میں بہت تیزی سے رواں دواں ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں' وہ سراسر باطل کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے راہب اور پادری انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے! یہ جو کچھ کر رہے ہیں' یہ بہت برے کام ہیں۔ (المائدہ: ٦٣)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے کی مذمت

گناہ کی بات کہنے سے مراد جھوٹ بولنا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے ہم ایمان لائے ہیں اور یہ جھوٹ ہے اور تورات میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ رشوت لے کر جھوٹے فیصلے کرتے تھے' اور اس سے بھی تورات میں منع کیا گیا ہے اور ان کے علماء اس سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور گناہ کرنے کی بہ نسبت گناہ سے منع نہ کرنا زیادہ مذموم ہے' کیونکہ گناہ کرنے والا گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے' اس لیے گناہ کرتا ہے اور گناہ سے منع نہ کرنا محض گناہ بے لذت ہے' اس لیے اس کی زیادہ مذمت ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کے ان علماء کی مذمت کی ہے جو ان کو گناہوں سے نہیں روکتے تھے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ ربانیون سے مراد عیسائیوں کے علماء ہیں' اور احبار سے مراد یہود کے علماء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد یہودی ہیں' کیونکہ یہ آیات یہودیوں کے متعلق ہیں۔ ایک لفظ سے مراد یہود کے درویش ہیں اور دوسرے لفظ سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علماء کی تنبیہ کے باب میں یہ سب سے سخت آیت ہے۔ ضحاک نے کہا کہ قرآن مجید کی جس آیت سے سب سے زیادہ خوف پیدا ہوتا

ہے' وہ یہی آیت ہے۔ کیونکہ جو شخص نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں سستی اور کوتاہی کرے' اس کو اور برے کام کرنے والے شخص' دونوں کی مذمت کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا ہے۔ (زاد المسیر' ج ٢' ص ٣٩٩)

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے پر وعید کی احادیث

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو۔ اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک پل بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو' کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی تضعیف کی گئی ہے۔ لیکن ابن المبارک اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد' ج ٧' ص ٢٧٠' المعجم الاوسط' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٦٥٧' مطبوعہ مکتبہ المعارف' ریاض' ١٤١٥ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو' اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو گے تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی (المائدہ: ١٠٥) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٧٥' سنن ابو داؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٨' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٥' مسند احمد' ج ١' رقم الحدیث: ٣٠' ٢٩' ١' طبع دار الفکر بیروت و دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ١' ص ٧' ٥' ٢' طبع قدیم' صحیح ابن حبان' ج ١' رقم الحدیث: ٣٠٥' ٣٠٤' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ص ٩١)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا' ورنہ عنقریب اللہ تم پر عذاب بھیج دے گا' پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی' یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٧٦' سنن ابو داؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٨' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٥)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے' اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے بدلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے' وہ اس کو دل سے بدلے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ٧٨' (٤٩) ١٧٥' سنن ابو داؤد' ج ١' رقم الحدیث: ١١٤٠' سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٧٩' سنن نسائی' رقم الحدیث: ٥٠٢٣' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ١٢٧٥' ٤٠١٣' مسند احمد' ج ٣' ص ٥٢-١٠' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ص ٩٠)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اور اللہ کی حدود میں مداہنت' یعنی سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی' بعض لوگوں کے نام اوپر کی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام نچلی منزل کا' نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے۔ پھر انہوں نے کہا اگر ہم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہو گی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے

چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نچلی منزل والے بھی۔

(صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٤٩٣' ٢٦٨٦' سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٨٠' صحیح ابن حبان' ج ١' رقم الحدیث: ٢٩٧' مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٨٣٨٩' طبع دار الفکر' ج ٤' ص ٢٧٣' ٢٧٠' ٢٦٨' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ص ٢٨٨' ٩١)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں' اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان' ج ١' رقم الحدیث: ٣٠٠' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٩' مسند احمد' ج ٤' ص ٣٦٦-٣٦٤' قدیم' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٨٣' ٢٣٨٢)

ایک روایت میں ہے جس قوم میں گناہ کیے جائیں وہ قوم زیادہ اور غالب ہو پھر بھی مداہنت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے' تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا۔

(المعجم الکبیر' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣٨٥-٢٣٨١-٢٣٨٠' مسند احمد' ج ٤' ص ٣٦٣-٣٦١' طبع قدیم' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١٠' ج ٩١)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢١٨١' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٤٤' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠١١' مسند البزار' رقم الحدیث: ٣٣١٣' مجمع الزوائد' ج ٧' ص ٢٧٢)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا' اے شخص! اللہ سے ڈر' اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے' کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا' تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے' وہ بہت برا کام تھا (المائدہ: ٧٩-٧٨) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں! بخدا! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا' ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا' پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٣٦-٤٣٣٧' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٥٩' ٣٠٥٨' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٠٠٦' مسند احمد' ج ١' ص ٣٩١' طبع قدیم' امام احمد کی سند میں انقطاع ہے' اس لیے یہ سند ضعیف ہے' مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٧١٣' طبع دار الحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط' ج ١' رقم الحدیث: ٥٢٣' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد' ج ٧' ص ٢٦٩)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے' خرچ کرتا ہے۔ (الآیہ)

(المائدہ: ٦٤)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی برائیاں اور ان کے گناہ ذکر فرمائے تھے کہ وہ گناہ اور سرکشی میں تیزی سے دوڑتے ہیں' حرام کھاتے ہیں اور حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال حاصل کر کے جمع کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا کفر بیان کیا' کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف بخل کو منسوب کیا' اور یہ ایسی جرات ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل نہیں کر سکتا' ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ایسی نسبت سے پاک' بلند اور برتر ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی' متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نباش بن قیس تھا۔ اس نے کہا آپ کا رب بخیل ہے' خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

(المعجم الکبیر' ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٣٩٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہرچند کہ کسی ایک یہودی نے یہ خبیث قول کہا تھا' لیکن چونکہ باقی یہود میں سے کسی نے اس قول سے برائت کا اظہار نہیں کیا اور اس کا رد نہیں کیا' اس لیے پوری قوم یہود کی طرف اس قول کی نسبت فرمائی۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا ہے کہ یہ آیت فنحاص یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان' ج ٦' ص ٢٠٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیاوی مال نہیں ہے اور اکثر مسلمان فقر اور فاقہ میں مبتلا ہیں' اور انہوں نے یہ آیت سنی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا — کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(الحدید: ١١)

تو انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد ﷺ کا خدا فقیر ہے اور بسا اوقات کہا بخیل ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا یہی معنی ہے' کیونکہ جو شخص خرچ نہ کرے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ — اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا۔

(الاسراء: ٢٩)

ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے ذرائع بند کر دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افتراء کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس آیت میں ہماری زبانوں سے ان کے خلاف دعا ضرر فرمائی ہے' یعنی ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں۔ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا' وہ اس بخل کی وجہ سے ہر خیر سے محروم ہیں۔ ان سے کسی کو خیر حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ غل کا معنی طوق بھی ہے' سو اس کا یہ

معنی ہے کہ دنیا میں ان پر قید و بند کا طوق ڈال دیا گیا اور آخرت میں ان پر جہنم میں طوق ڈال دیا جائے گا۔

ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا معنی

انگلیوں سے لے کر پہنچے تک کے عضو کو ید کہتے ہیں' بلکہ کندھے تک کے عضو کو بھی ید (ہاتھ) کہا جاتا ہے اور مجازاً ید کا اطلاق نعمت پر بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کا مجھ پر ہاتھ ہے' یعنی اس کا احسان اور نعمت ہے اور عطا کرنے اور خرچ کرنے پر بھی ید کا اطلاق ہوتا ہے' جیسے کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ بہت کشادہ ہے اور ید کا اطلاق قدرت پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اولی الایدی والابصار (ص: ۴۵) وہ قدرت والے اور بصیرت والے ہیں۔ انہوں نے جو کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ نے ان پر عطا کرنے اور خرچ کرنے کے دروازے بند کیے ہوئے ہیں اور ان کو رزق نہیں دیا۔ ان کا یہ قول بخل سے کنایہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' یعنی وہ نیکی اور کار خیر سے رکے ہوئے ہیں' اور وہ کائنات میں سب سے زیادہ بخیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ بہت عطا فرماتا ہے' وہ بہت جواد اور فیاض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کا ذکر فرمایا' کیونکہ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا بہت زیادہ سخاوت پر دلالت کرتا ہے' تمام چیزوں کے خزانے اور ہر قسم کی نعمتیں اس کے پاس ہیں' اور وہ اپنی تمام مخلوق کو عطا فرما رہا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراھیم: ۳۴)	اور اس نے تم کو تمہاری ہر سوال کی ہوئی چیز عطا فرمائی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے' بے شک انسان بڑا ظالم ناشکرا ہے۔
وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ (لقمان: ۲۰)	اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے خرچ کرو' میں تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں' رات اور دن میں ہمیشہ خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں ہوتی اور فرمایا یہ بتاؤ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے' وہ خرچ کر رہا ہے اور اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے' جس کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۸۴' صحیح مسلم' زکوۃ ۳۷' (۹۹۳) ۲۲۷۱' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۷' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۷۲۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۰۰' ص ۳۱۳-۲۴۲' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۵۰۵' طبع دار الفکر' الاسماء والصفات للبیہقی' ص ۳۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اور اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جو رزق کم عطا کیا ہے یا ان پر تنگی کی ہے تو وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے' اور وہ سب کا مالک علی الاطلاق ہے جس کو جتنا چاہتا ہے' عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ	اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے' لیکن وہ اندازے کے مطابق

خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (الشوریٰ: ۲۷) جتنا چاہتا ہے' رزق اتارتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب واقف ہے اور انہیں بہت دیکھنے والا ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: ۲۶) اللہ جس کے لیے چاہتا ہے' رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ' چہرے اور پنڈلی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے' فرقہ مجسمہ ان آیات سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت ثابت کرتا تھا۔ اس فرقہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے' کیونکہ جسم اپنے ترکب میں اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم متناہی ہوتا ہے اور ہر متناہی حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ نیز ہر جسم یا متحرک ہوگا یا ساکن ہوگا اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جسم ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے جو ید وغیرہ کا اطلاق کیا گیا ہے' اس میں اہل اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں جن امور کا ذکر ہے' مثلاً استواء' ید' وجہ (چہرہ) عین (آنکھ) وغیرہ ان میں حق یہ ہے کہ یہ مجازات اور تمثیلات ہیں۔ یعنی جن امور کا ظاہر شرع میں ذکر ہے اور ان کو حقیقی معانی پر محمول کرنا محال ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۵) رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص: ۷۵) تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمٰن: ۲۷) اور باقی ہے آپ کے رب کا چہرہ۔

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ: ۳۹) تاکہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی صفت زائدہ ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ تمام اطلاق مجازی ہیں۔ استواء سے مراد غلبہ ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تمثیل اور تصویر ہے اور ید سے مراد قدرت ہے اور وجہ (چہرہ) سے مراد ذات اور وجود ہے اور عین (آنکھ) سے مراد بصر ہے اور شیخ اشعری کا ایک قول بھی جمہور کے موافق ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بنی ہیں' پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خصوصیت سے کیوں فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے خصوصیت سے فرمایا: کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' جس طرح بیت اللہ میں بیت کی اضافت بھی تشریف اور تکریم کے لیے ہے یا وہاں پر کمال قدرت کا اظہار مراد ہے۔ نیز علماء بیان نے یہ بھی کہا ہے کہ استواء سے مجازاً غلبہ اور ید اور یمین سے مجازاً قدرت اور عین سے مجازاً بصر مراد لینا اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم اور تشبیہ کے وہم کی نفی کرنے کے لیے ہے' ورنہ ان الفاظ سے وہ معانی عقلیہ مراد ہیں جو ان کے مقابلہ میں صور حسیہ میں ہوتے ہیں۔

(شرح المقاصد' ج ۵' ص ۱۷۵-۱۷۴' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابوالحسن اشعری کا ایک قول یہ ہے کہ ان امور کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے' کیونکہ وہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس لیے ان سے مراد اللہ کی صفات زائدہ ہیں اور ہمیں ان کی کنہ معلوم نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اطلاقات مجازی ہیں۔
(شرح المواقف' ج ۸' ص ۱۱۱-۱۱۰' ملخصا' مطبوعہ منشورات الرضی' ایران)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں جو ید کا لفظ آیا ہے' اس کے متعلق جمہور مسلمین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے ید کا لفظ آیا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے' اور چونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے لیے جسم اور جسمانی اعضاء محال ہیں' سو ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ ہم کو معلوم نہیں ہے' سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا۔ دوسرا قول متکلمین کا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ید کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی یہ عضو مخصوص ہے' یہ اللہ کے حق میں محال ہے۔ اس کا دوسرا معنی ہے نعمت۔ تیسرا معنی ہے قوت' چوتھا معنی ہے ملک' جیسے قرآن مجید میں ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح جس کی ملک میں نکاح کی گرہ ہے۔ پانچواں معنی ہے خصوصی توجہ اور خصوصیت جیسے' لما خلقت بیدی (ص ۷۵) موخر الذکر چاروں معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اس بحث میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے کہا کہ ید' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ ایک صفت ہے جو قدرت کے علاوہ ہے۔ اس کی شان سے کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیدا کرتا ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے ید کا لفظ استعمال ہو تو اس سے قدرت اور نعمت مراد ہوتی ہے۔
(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۲۲۸' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے کفر اور سرکشی کو زیادہ کر دے گا' اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے' وہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں' اللہ اسے بجھا دیتا ہے۔ وہ زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو کر رہے ہیں' اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۶۴)

اس آیت کا تعلق علماء یہود سے ہے' کیونکہ ان کا موقف غلط اور باطل تھا۔ اس لیے اس کے رد میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں' اور ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد علماء یہود اس کا انکار کر دیتے' تو یوں قرآن مجید کے نازل ہونے سے ان کے کفر اور سرکشی میں زیادتی ہوتی رہی۔

علماء یہود حسد اور بغض کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور چونکہ یہ دنیاوی مال و دولت اور منصب اور عہدوں کے درپے تھے' اس لیے یہود اور نصاریٰ میں سے ہر فرقہ شد و مد کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرتا تھا اور دوسرے فرقہ کا رد کرتا تھا' تاکہ دنیاوی کامیابی صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس لیے یہود اور نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھتے تھے یا پھر ان کے اپنے اندر بہت فرقے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے بغض رکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض کو ڈال دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہود جب بھی جنگ کی آگ کو بھڑکاتے ہیں' اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ جب انہوں نے فساد پھیلایا اور تورات کی مخالفت کی' تو اللہ نے ان کے اوپر بخت نصر کو بھیج دیا' انہوں نے پھر فساد کیا' تو ان پر پطرس رومی کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوس کو بھیج دیا۔ انہوں نے پھر فساد پھیلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلمانوں کو بھیج دیا۔

قتادہ نے کہا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ مجوس کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔
اس کے بعد فرمایا: یہ زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ زمین میں سب سے بڑا فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے گناہوں کو ضرور مٹا دیتے اور ہم ان کو نعمتوں کی جنتوں میں ضرور داخل کرتے۔ (المائدہ: ٦۵)

اس آیت کا معنی ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول' یعنی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لے آتے اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے اور گناہ کرنے اور سرکشی کرنے سے اللہ سے ڈرتے' یعنی اللہ کی کتاب میں لفظی اور معنوی تحریف نہ کرتے' رشوت لے کر حرام مال نہ کھاتے تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے' بلکہ ان کو جنت کی نعمتوں میں داخل کر دیتے۔
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی خرابی اور ان کے مرض کا ذکر کیا تھا' اور اس آیت میں اس کے تدارک اور علاج کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' تو ان کے اوپر سے بھی ان پر رزق برستا اور زمین سے بھی ان کے لیے رزق ابلتا۔ ان میں سے کچھ لوگ میانہ روی پر ہیں' اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں (المائدہ: ٦٦)

گناہوں کو ترک کرنے اور نیکیاں کرنے سے رزق میں وسعت اور فراخی

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر اہل کتاب اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور کفر اور سرکشی میں اللہ سے ڈرتے رہیں' تو وہ اخروی عذاب سے محفوظ رہیں گے' اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کو حاصل کریں گے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر یہ تورات اور انجیل کو قائم رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کو بھی جنت بنا دے گا۔
تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

۱- وہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور ان میں یہ عہد بھی ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل ہیں اور آپ کی جو علامات مذکور ہیں' ان کو ظاہر کریں گے۔
۲- تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کریں گے' اور اس میں مذکور حدود کو نافذ کریں گے۔
۳- اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ ظہور اسلام سے پہلے تورات اور انجیل کی شریعت کو قائم رکھتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہتے' لیکن انہوں نے تورات کے احکام پر عمل نہیں کیا اور انجیل کا انکار کیا اس لیے ان پر معاشی تنگی اور رزق میں کمی اور دنیا میں رسوائی اور خواری مسلط کر دی گئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور اس کو (قائم رکھتے) جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد باقی انبیاء پر نازل کیے ہوئے صحیفے ہیں' مثلاً حضرت سعیاہ' حضرت حبقوق' اور حضرت دانیال کے صحائف۔

نیز فرمایا تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب پر اصرار کیا تو ان پر قحط اور تنگی مسلط کر دی گئی' حتیٰ کہ انہوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ کفر کو چھوڑ دیں تو ان کے حالات بدل جائیں گے اور ان کی تنگی خوش حالی سے اور قحط غلہ کی فراوانی سے بدل

جائے گی۔ اور یہ جو فرمایا: تو یہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے' اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱۔ اس سے مراد غذائی اجناس کی پیداوار میں مبالغہ اور وسعت ہے

۲۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے بارشوں کا ہونا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے زمین کا غلہ اگانا

۳۔ اوپر سے کھانے سے مراد ہے درختوں کا پھلوں سے لد جانا اور پیروں کے نیچے سے کھانے سے مراد ہے کھیتوں کا لہلہانا

۴۔ اوپر سے مراد درختوں سے پھل اتارنا اور نیچے سے مراد ہے زمین پر پڑے ہوئے پھلوں کو چننا

خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا سے گناہوں کو ترک کرنے اور عبادات اور نیکیوں کے کرنے سے آسمان سے بھی رزق برستا ہے اور زمین بھی سونا اگلتی ہے۔ اس کی تائید اور نظیر میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (الجن: ۱۶)

اگر وہ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں ضرور کثیر پانی سے سیراب فرماتے۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳)

جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اسکو وہاں سے روزی دے گا جہاں اسکا گمان بھی نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۷)

اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا۔

اس کے بعد فرمایا: ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو میانہ روی پر ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے سلیم الفطرت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا' جیسے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے نجاشی اور یا کفار میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معتدل تھے اور انہوں نے جلد یا بدیر اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی مذمت اس سے پہلی آیتوں میں کی گئی ہے' جو تورات اور انجیل میں تحریف کرتے تھے۔ حق کو چھپاتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ

اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر (بالفرض)

تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

بیشک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا ○ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب!

لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

تم (دینِ برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

کردے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ

نہ کریں ○ بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو نہ ان پر خوف ہوگا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ بیشک ہم نے بنو اسرائیل

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ ق

آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا ○

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی، سو وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ نے ان کی

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

توبہ قبول فرمائی، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ○

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ وَقَالَ

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے : حالانکہ مسیح نے

الۡمَسِيۡحُ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ مَنۡ

کہا تھا اے بنی اسرائیل ! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے ، بیشک جس نے

يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الۡجَـنَّةَ وَمَاۡوٰٮهُ النَّارُ‌ؕ

اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ،

وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۷۲﴾

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا' بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ٦٧)

ایک آیت کی تبلیغ نہ کرنے سے مطلقاً تبلیغ رسالت کی نفی کس طرح درست ہے؟

اس سے پہلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے خبیث عقائد اور ان کے باطل اقوال' دین میں ان کی تحریفات اور ان کی بداعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اب آپ سے فرمایا ہے کہ آپ کے اوپر جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہ سب کو پہنچا دیجئے اور اس تبلیغ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں اور کافروں کی مخالفت کی مطلقاً پروا نہ کیجئے۔ اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا' اور اگر بہ فرض محال آپ نے ایسا نہ کیا اور کسی آیت کو بھی نہ پہنچایا تو آپ نے کار رسالت انجام نہیں دیا اور آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس آیت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر اس آیت کا معنی یہ ہو اگر آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا تو یہ کلام غیر مفید ہے۔ کیونکہ شرط اور جزاء میں تغائر ہوتا ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہے اگر آپ نے ایک آیت بھی نہیں پہنچائی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا تو یہ کلام مفید ہے۔ لیکن واقع کے خلاف ہے' کیونکہ ایک آیت کے نہ پہنچانے سے اس ایک آیت کے پہنچانے کی نفی ہونی چاہیے' باقی تمام آیات جو پہنچائی جا چکی ہیں' ان کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی یہی ہے کہ اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی نہیں پہنچایا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام بالکل نہیں پہنچایا۔ کیونکہ ایک آیت کو بھی نہ پہنچانے سے باقی تمام آیات کا پہنچانا ضائع اور غیر معتبر ہو جائے گا' یا جیسے کوئی شخص قرآن مجید کی ایک آیت پر ایمان نہ لائے تو اس کا باقی تمام قرآن پر ایمان لانا ضائع ہو گیا' یا جیسے کوئی شخص نماز کا ایک رکن ادا نہ کرے اور باقی تمام ارکان ادا کرے تو اس کی نماز ضائع ہوگی' کیونکہ جب کسی ایک آیت کو چھپایا جائے

گا تو دعوتِ اسلام سے جو غرض اور مقصود ہے' وہ فوت ہو جائے گا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا

جس نے بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے کسی کو (ناحق) قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔

(المائدہ: ٣٢)

کیونکہ جس طرح ایک شخص کو ناحق قتل کرنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے' اسی طرح سب لوگوں کو ناحق قتل کرنا بھی اللہ کی نافرمانی ہے' اور جو ایک شخص کے قتل ناحق پر جرأت کر سکتا ہے' اگر اس کے بس میں ہو تو وہ سب لوگوں کے قتل ناحق پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو بالفرض ایک آیت کے چھپانے پر جرأت کر سکتا ہے' وہ سب آیتوں کے چھپانے پر بھی جرأت کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اگر آپ نے بالفرض ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے کارِ رسالت بالکل انجام نہیں دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' اس آیت کا معنی ہے آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل ہوا ہے' اگر (بالفرض) آپ نے اس میں سے ایک آیت بھی چھپالی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا

(جامع البیان' ج ٦' ص ٤١٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

تبلیغ رسالت اور لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: جس نے یہ کہا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا' میں سہارے سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عز و جل نے یہ نہیں فرمایا؟ اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا (التکویر: ٢٣) اور فرمایا اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا (النجم: ١٣) حضرت عائشہ نے فرمایا اس امت میں' میں سب سے پہلی ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرائیل ہیں' جس صورت پر جبرائیل کو پیدا کیا ہے' آپ نے اس صورت پر جبرائیل کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ آپ نے جبرائیل کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت (بناوٹ اور جسامت) نے تمام آسمان اور زمین کو بھر لیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا آنکھیں اللہ کا ادراک (احاطہ کرتے ہوئے) نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہی باریکیوں کو جاننے والا اور ظاہر و باطن سے خبردار ہے (الانعام: ١٠٣) اور کیا تم نے اللہ عز و جل کا یہ قول نہیں سنا اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے اس کو وہ پہنچا دے جو اللہ چاہے (الشوریٰ: ٥١) اور جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب سے کچھ چھپالیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا (المائدہ: ٦٧) اور جس نے یہ کہا کہ آپ کل کی بات کی (از خود) خبر دیتے ہیں' تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ فرماتا ہے آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی (از خود) غیب کو نہیں جانتا سوا اللہ کے۔ (النمل: ٦٥)

(صحیح مسلم' الایمان' ۲۸۷' (۱۷۷) ۴۳۲' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۹' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۴۷' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۶' ص ۲۴۱' طبع قدیم' جامع البیان' جز ۶' ص ۴۲۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ۶۷) تب رسول اللہ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ' بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۷' المستدرک' ج ۲' ص ۳۱۳)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا تو رسول اللہ ﷺ نے حفاظت کے انتظام کو ترک کر دیا۔

(المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۱۸' المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۳۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ العوفی ایک ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خاردار درخت بہت زیادہ تھے' اس میں انہوں نے دوپہر کے وقت قیام کیا' مسلمان درختوں کے سائے میں بکھر کر آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکا دی۔ حضرت جابر نے کہا ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا' ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا' اس شخص نے میری تلوار نکال لی' میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ! او وہ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۱۳۵' السیرۃ النبویہ لابن ہشام' ج ۳' ص ۲۲۷' الطبقات الکبریٰ' لابن سعد' ج ۲' ص ۶۱' سبل الہدیٰ والرشاد' ج ۵' ص ۱۷۶)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام غورث بن الحارث تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا میں تمہارے لیے (سیدنا) محمد ﷺ کو قتل نہ کروں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! تم ان کو کیسے قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں ان کی غفلت میں ان کے پاس جاؤں گا' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ اس وقت تلوار آپ کی گود میں تھی' اس نے کہا اے محمد! ﷺ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیں۔ پھر تلوار آپ کی گود سے لے کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا اے محمد! ﷺ آپ مجھ سے ڈرتے نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ اللہ مجھے تم سے بچائے گا' پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو تلوار دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تلوار لے کر فرمایا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ بہتر بدلہ لینے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے لڑوں گا' نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو جانے دیا' وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں' پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

(انسان العیون' ج ۲' ص ۵۷۴' حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے' فتح الباری' ج ۷' ص ۴۲۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا' اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ کہا گیا' یا رسول اللہ! میں سعد ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ پھر نبی ﷺ سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۸۵' ج ۵' رقم الحدیث: ۷۲۳۱' صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' ۳۹' (۲۴۱۰) ۶۱۳۳' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۷۷۷' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۹۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۲' ص ۸۹-۸۸' مسند احمد' ج ۶' ص ۱۴۱' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۵۱۴۷' طبع دار الفکر' مسند احمد (احمد شاکر) ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۹۷۳' فضائل الصحابہ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۳' المستدرک' ج ۳' ص ۵۰۱' تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر' ج ۴' ص ۲۰۰' کنز العمال' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۳۶۶۴۷)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

غیر صحیح میں یہ روایت ہے کہ ہم اسی حال میں تھے کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم سعد اور حذیفہ ہیں۔ آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں' پھر آپ سو گئے' حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی اور یہ آیت نازل ہوئی' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا: اے لوگو واپس جاؤ' بے شک اللہ نے میری حفاظت کر لی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۱۸۰' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے جس طرح ان دونوں روایتوں کو ملا دیا ہے' مجھے اس طرح حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا' جبکہ میں نے اس حدیث کا بہت تتبع کیا ہے' جیسا کہ مذکور الصدر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر علماء شیعہ کا استدلال اور اس کا جواب

مشہور شیعہ عالم شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں' تو نبی ﷺ کو یہ خوف تھا کہ یہ معاملہ آپ کے اصحاب کی جماعت پر دشوار ہو گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی ہمت بڑھانے کے لیے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ اللہ کے حکم پر عمل کریں۔

(التبیان' ج ۳' ص ۵۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بروز جمعرات' ۱۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر نبی ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لائق اور مستحق کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں مسلمانوں کا مولیٰ ہوں اور میں جس کا مولیٰ ہوں' علی اس کے مولیٰ ہیں۔ آپ نے اس جملہ کو تین چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے' اور اس سے

عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علی سے بغض رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا تمام حاضرین یہ پیغام غائبین کو پہنچا دیں۔

(تفسیر نمونہ ج ۵ ص ۱۱-۱۲ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران)

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہے کیونکہ ان کی شرط کے موافق اس کی روایت نہیں ہے۔ دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ہے۔ بعض میں صرف اس قدر ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں اور بعض میں یہ الفاظ بھی ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے اور اس کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(سنن ترمذی ج ۵ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۱۲۱ سنن کبریٰ للنسائی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۱۴۵ مسند احمد ج ۱ ص ۸۴-۸۸-۱۱۸-۱۱۹-۱۵۲-۳۳۱ ج ۴ ص ۳۷۲-۳۷۰ ج ۵ ص ۴۱۹-۳۶۶-۳۷۰ طبع قدیم مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۲۵۳۷-۲۵۳۹-۲۵۴۳-۲۵۴۲-۲۵۴۲-۲۵۴۱-۲۵۳۸-۲۵۴۹-۲۵۴۶-۲۵۳۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۷-۶۴۲۳ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۲۵۰۵-۳۰۳۵ ج ۴ رقم الحدیث: ۴۰۵۲-۴۰۵۳-۳۵۱۴-۳۵۱۵ ج ۵ رقم الحدیث: ۵۰۹۲-۴۹۶۸-۵۱۲۸-۴۹۹۶-۴۹۸۵-۵۰۶۷-۳۵۱۴ ج ۱۹ رقم الحدیث: ۲۹۱ ج ۲۲ رقم الحدیث: ۳۵ المعجم الاوسط ج ۲ رقم الحدیث: ۱۱۵ ۱۹۸۷ ۳۷ ۱۴ ج ۳ رقم الحدیث: ۲۲۷۵-۲۱۳۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۰۴-۱۰۹ طبع قدیم)

علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ جس شخص پر اولیٰ بالتصرف ہیں اس پر حضرت علی اولیٰ بالتصرف ہیں اور جو شخص اولیٰ بالتصرف ہو وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے اور جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو امام قرار دے دیا تو ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی امامت صحیح نہیں۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- لفظ مولیٰ ولی سے ماخوذ ہے اور اہل تشیع کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں ولی بمعنی اولیٰ ہے۔ اس لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے لغت میں کیا معنی ہیں۔ علامہ زبیدی نے قاموس کے حوالے سے ولی کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) محب (۲) صدیق (دوست) (۳) نصیر (۴) سلطان (۵) مالک (۶) عبد (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کیا ہوا (۹) قریب (۱۰) مہمان (۱۱) شریک (۱۲) عصبہ (۱۳) رب (۱۴) منعم (۱۵) تابع (۱۶) سسرالی رشتہ دار (۱۷) بھانجہ۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۸-۳۹۹)

ولی کے یہ تمام حقیقی معانی ہیں اور ولی کا معنی اولیٰ بالتصرف نہیں ہے اس لیے یہاں مولیٰ کے لفظ کو اولیٰ بالتصرف پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مولیٰ ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص فلاں سے مولیٰ ہے یعنی اولیٰ ہے۔

۲- بفرض محال! اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں ہو بلکہ یہ اولیٰ بالاتباع اور اولیٰ بالقرب کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ (آل عمران: ۶۸) ابراہیم سے اولیٰ بالقرب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے۔

۳- اگر یہ لفظ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت علی اولیٰ بالامامۃ تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی مآل کے اعتبار سے اولیٰ بالامامۃ ہیں یعنی جس وقت

حضرت علی کی خلافت کا موقع ہو گا اس وقت وہی اولیٰ بالامۃ ہوں گے' اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ اور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۴- اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے' لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۵- مسند بزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

٦- اس حدیث میں مولیٰ دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے' جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے' یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں' علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں' لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انہی جوابات پر اکتفاء کی ہے۔

آیا رسول اللہ ﷺ صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ پر مامور تھے' یا اپنے تمام علوم کی تبلیغ پر؟

علماء کرام نے اس مسئلہ پر بھی بحث و تمحیص کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی وحی کی تھی' خواہ وہ وحی جلی ہو یا وحی خفی' رسول اللہ ﷺ نے وہ سب امت تک پہنچا دی یا کچھ علوم ایسے تھے جو نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو احکام بندوں کی مصلحت سے متعلق ہیں' ان کی تبلیغ آپ پر ضروری ہے اور جن آیات سے مقصود بندوں کو اطلاع پہنچانا ضروری ہے' ان کو بندوں تک پہنچانا ضروری ہے اور جو غیب آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور امت کی مصلحت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے' اس کا امت تک پہنچانا ضروری نہیں ہے' بلکہ اس کا ان سے چھپانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی (النجم: ۱۰) سو وحی فرمائی اپنے عبد مقدس کو جو وحی فرمائی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر بلاواسطہ ایک راز کی وحی فرمائی اور اس راز کو آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کا آخرت میں پتا چلے گا۔ جب آپ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور علامہ واسطی نے کہا اللہ نے اپنے عبد مکرم کی طرف القاء کیا جو القاء کیا اور اس کو بالکل ظاہر نہیں کیا' کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور جس چیز کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے' وہ مستور ہے اور جس چیز کے ساتھ آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے' وہ ظاہر ہے اور صوفیاء اس کو اسرار الٰہیہ اور حقیقت کا علم کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صوفیاء نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے' لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس احکام شرعیہ اور اسرار الٰہیہ کا جو بھی علم تھا' وہ سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (النحل: ۸۹) ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ٣٨) ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا ان سے نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے متعلق احکام ہیں اور امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور ہمارے متعلق ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کو قرآن کریم سے حاصل کرنے سے ہمارا علم قاصر ہے' اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا نبی ﷺ نے جس قدر احکام دیئے ہیں' آپ نے ان سب کو قرآن سے مستنبط کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں' جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ (المعجم الاوسط' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٧٤٣' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٧' ص ٧٥)

علامہ مرسی نے کہا کہ قرآن مجید میں تمام اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور اس کا حقیقی احاطہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے' ماسوا ان علوم کے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ پھر معظم سادات صحابہ کرام ان علوم کے وارث ہوئے' مثلاً خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام ان علوم کے وارث ہوئے' پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی ہمتیں اور ان کے درجات کم ہوتے گئے اور افاضل صحابہ اور اخیار تابعین جن علوم کے حامل تھے' بعد کے مسلمان وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام علوم اور معارف قرآن مجید میں موجود ہیں' تو قرآن مجید کی تبلیغ ان تمام علوم و معارف کی تبلیغ ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ہر نکتہ' ہر ہر راز اور ہر ہر حکم تفصیل کے ساتھ ہر ہر شخص کے لیے قرآن مجید کی صریح عبارت سے ظاہر نہیں ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ کچھ ایسے اسرار ہیں جو قرآن مجید سے خارج ہیں اور ان کو صوفیہ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے' تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ عالم دین کا اپنی فہم سے قرآن مجید سے اسرار اور حکمتوں اور احکام کا استخراج کرنا جائز ہے' بشرطیکہ وہ اصول شریعت کے موافق ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء کا کلام بھی اسی اعتبار سے ہے۔ البتہ ان کی بعض عبارات ظاہر شریعت کے مخالف ہوتی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لوگوں سے ان کے عرف کے مطابق بات کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ١٢٧) ہمارے موقف کے قریب یہ حدیث ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ عنترہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ہم سے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی خاص علم ہے' جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے۔ بخدا! ہم کو رسول اللہ ﷺ نے (قرآن مجید کے سوا) کسی تحریر کا وارث نہیں کیا' اور امام بخاری نے ابو جحیفہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں! صرف کتاب اللہ ہے' یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان شخص کو دی گئی ہے' یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے اور یہ کہ مسلمانوں کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ١١١)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کی جو عبارات قرآن و سنت کے موافق ہیں' وہ مقبول ہیں اور جو عبارات کتاب و سنت کے خلاف ہیں' وہ مردود ہیں' اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کتاب و سنت سے ایسے اسرار اور احکام مستنبط کرنے کی فہم عطا فرمائے جو ان سے پہلے مفسرین' فقہاء اور مجتہدین نے مستنبط نہ کیے ہوں' اور جب آیات اور احادیث سے ائمہ اربعہ کے اجتہاد اور استنباط کو مان لیا گیا ہے' حالانکہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو بعد کے علماء کے لیے یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کہ وہ کتاب اور سنت سے ایسے مسائل اور حکمتیں مستنبط کریں' جو ائمہ اربعہ نے نہ مستنبط کیے ہوں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ استخراج اجماع امت کے خلاف نہ ہو۔ (روح المعانی' ج ۶' ص ۱۹۲-۱۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں

علامہ سید محمود آلوسی کے اس کلام کی متانت اور ثقاہت میں ہمیں کلام نہیں ہے' لیکن دلائل صحیحہ کی روشنی میں بعض محققین کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ پر صرف احکام شرعیہ کی تبلیغ واجب تھی اور تمام علوم کی تبلیغ آپ پر واجب نہیں تھی۔ بعض علوم ایسے تھے جو آپ نے سب کو نہیں بتلائے' بلکہ جو ان کے اہل تھے' ان کو بتلا دیئے اور بعض علوم ایسے تھے' جو آپ نے کسی کو نہیں بتلائے' وہ صرف آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ مختص تھے' گویا آپ کے علوم کی تین قسمیں ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے پروردگار نے کوئی چیز پوچھی جس کا جواب میں نہیں دے سکا' تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی' پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کا علم عطا فرما دیا اور مجھے کئی اقسام کا علم عطا فرمایا۔ ایک علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھ سے عہد لیا کہ میں کسی کو اس پر مطلع نہیں کروں گا اور میرے علاوہ اور کوئی شخص اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسری علم کی وہ قسم تھی جس کو ظاہر کرنے یا پوشیدہ رکھنے کا مجھے اختیار عطا فرمایا اور تیسری علم کی وہ قسم تھی جس کے متعلق مجھے حکم دیا کہ میں امت کے ہر خاص و عام کو اس کی تبلیغ کروں۔ (مدارج النبوت' ج ۱' ص ۲۶۸' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' ۱۳۹۷ھ)

وہ علم جس کو تمام امت تک پہنچانا آپ پر فرض ہے

جن علوم کی امت کے ہر خاص و عام کو تبلیغ واجب ہے' ان کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے' اور زیر بحث آیت میں آپ کو ان ہی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی تمام آیات کو پہنچایا اور احادیث میں ان کی وضاحت فرمائی۔ زیر بحث آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے' کہ اس آیت میں آپ کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہر جو چیز نازل ہوئی اس کی تبلیغ واجب ہے' اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ بندوں کی مصلحتیں متعلق ہوں' اس کی تبلیغ واجب ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود ان کو مطلع کرنا ہو' کیونکہ بعض اسرار الٰہیہ کا افشاء کرنا حرام ہے۔ (انوار التنزیل' الکازرونی' ج ۲' ص ۳۴۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کے حکم کا تعلق دین اور بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ ہے' اور آپ کو انہیں مطلع کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اور جو اسرار نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں' ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم محفوظ کیے۔ ایک علم کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا

دیا' اور اگر دوسرے علم کو میں پھیلاؤں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۱۲۰) اور یہ علم الحقیقت اور حکمت ہے جس سے سکوت کیا گیا ہے۔ مصنف (علامہ بیضاوی) نے بھی اپنے قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(عنایۃ القاضی' ج ۳' ص ۳۶۳۔ ۳۶۴' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ پر جس قدر بھی احکام نازل کیے گئے ہیں' ان کو پہنچا دیجئے' کیونکہ جن امور کا تعلق احکام سے بالکل نہیں ہے جیسے اسرار خفیہ ان کی لوگوں کو تبلیغ کرنا مقصود نہیں ہے۔

(تفسیر ابی السعود علی ھامش الکبیر' ج ۴' ص ۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ سلیمان بن عمر الجمل متوفی ۱۲۰۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو امور احکام سے متعلق ہیں' ان کو پہنچا دیجئے۔ کیونکہ جو اسرار آپ کے ساتھ خاص کر دیئے گئے ہیں' ان کی تبلیغ کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ (حاشیۃ الجمل علی الجلالین' ج ا' ص ۵۱۰' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

وہ علم جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار ہے

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کبھی بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بعض ایسے علوم سے مطلع فرماتے جن کا تعلق احکام شرعیہ کے ساتھ نہیں ہوتا تھا' اور بعض اصحاب کو کسی راز سے مطلع فرماتے تھے' جیسے آپ نے صرف حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتلایا کہ نبی ﷺ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ آپ کے ساتھ آپ کے وصال کے بعد لاحق ہوں گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۶۲۳) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۹۰۵) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس راز سے مطلع کیا کہ خارجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے' جیسا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عمر کو بتایا تھا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۲۵) اور جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علوم حاصل کیے ہیں۔ ایک علم تو انہوں نے پھیلا دیا اور دوسرا علم اگر وہ پھیلا دیں تو ان کی رگ جاں کاٹ دی جائے گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۲۰) اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں کچھ لکھوانا چاہا اور پھر لکھوانے سے اعراض کر لیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۱۴) تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق احکام شرعیہ سے نہیں تھا' کیونکہ اگر اس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہوتا تو آپ اس کو لکھوانے سے کبھی اعراض نہ فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اس کو پہنچا دیجئے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔ (المائدہ: ۶۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو شخص تم سے یہ کہے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے کسی ایسی چیز کو چھپا لیا جو آپ پر نازل کی گئی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' التحریر والتنویر' جز سادس' ص ۲۶۰)

جن علوم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں مطلع فرمائیں اور جس کو چاہیں نہ مطلع فرمائیں' ان میں سے بعض کا ذکر احادیث کے حوالہ سے علامہ ابن عاشور کی تحریر میں آ گیا ہے' اور اسی سلسلہ میں ایک حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سواری پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے

تھے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں (یہ مکالمہ تین بار ہوا) آپ نے فرمایا جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے' اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خبر نہ سناؤں کہ وہ خوش ہو جائیں! آپ نے فرمایا پھر لوگ اسی پر تکیہ کرلیں گے۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے (تاکہ علم کا چھپانا لازم نہ آئے) یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جس شخص نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت معاذ نے پوچھا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنادوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ اسی پر تکیہ کرلیں گے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۹)

قرآن مجید میں بھی اس سلسلہ کی ایک نظیر ہے:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝ (التحریم: ۳)

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب انہوں نے اس راز کا (کسی سے) ذکر کر دیا اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا' تو نبی نے انہیں کچھ جتا دیا اور کچھ جتانے سے اعراض فرمایا۔ پھر جب نبی نے انہیں اس کی خبر دی' تو وہ کہنے لگیں آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا مجھے بہت علم والے نہایت خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ راز بیان کیا کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ کو حرام کرلیا ہے۔ (بعض روایات میں شہد کے حرام کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد شرعی حرام نہیں ہے' بلکہ قسم کھانا مراد ہے) اور یہ فرمایا کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ حضرت حفصہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتا دیا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تم نے ماریہ کے حرام کرنے کو افشاء کر دیا ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے راز کو افشاء کرنے سے آپ نے اعراض فرمایا' تاکہ وہ مزید شرمندہ نہ ہوں اور امام ابو نعیم اور امام ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے والد اور عائشہ کے والد میرے بعد خلیفہ ہوں گے' سو تم یہ راز کسی کو بتانے سے اجتناب کرنا۔

(روح المعانی' ج ۲۸' ص ۱۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہم نے باحوالہ دلائل سے یہ بیان کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی ایک وہ قسم تھی' جس کی ہر خاص و عام پر تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا' یہ قرآن مجید کی تمام آیات ہیں اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے اور آپ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس میں آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں' بیان فرمائیں۔ اس پر بھی ہم نے باحوالہ دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب رہی تیسری قسم' یعنی وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے' اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے متشابہات کا علم عطا فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ علم عطا نہیں فرمایا۔ فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی مذہب تھا کہ آیات متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔

ملا جیون متشابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

متشابہ اس چیز کا اسم ہے جس کی معرفت کی امید منقطع ہو اور اس کے ظاہر ہونے کی اصلاً امید نہ ہو۔ وہ غایت خفا میں ہوتا ہے' اور محکم کی ضد ہے جو غایت ظہور میں ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس لفظ سے جو مراد ہے' وہ حق ہے۔ اگرچہ ہم کو قیامت سے پہلے یہ پتا نہیں چلے گا کہ اس لفظ متشابہ سے کیا مراد ہے اور قیامت کے بعد اس کی مراد ان شاء اللہ ہر شخص پر منکشف ہو جائے گی اور یہ حکم امت کے حق میں ہے اور نبی ﷺ کے حق میں یہ اعتقاد ہے کہ آپ کو لفظ متشابہ کی مراد قطعاً معلوم ہو' ورنہ آپ سے اس کے ساتھ خطاب کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ ایسا ہو گا جیسے لفظ مہمل کے ساتھ خطاب کیا جائے' یا کسی عربی کے ساتھ حبشی میں گفتگو کی جائے۔ (نور الانوار' ص ٩٣' مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی' کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت کی کامل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ سے نہیں کہ آپ اللہ کے علم کی حکایت کریں۔ ہاں اگر اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہے اور یہ علم آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے' لیکن میرے نزدیک اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی' ج ٢١' ص ١١٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا' بلکہ یہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور آپ کو لوگوں کو اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' اور علم قیامت کے متعلق بھی انہوں نے اسی طرح کہا ہے۔

(فتح الباری' ج ٨' ص ٤٠٣' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ١٤٠١ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو امور خمسہ (قیامت' بارش ہونے' ماں کے پیٹ' کل کیا ہو گا' اور کون کہاں مرے گا) کا علم دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے' لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(خصائص کبریٰ' ج ٢' ص ١٩٠' طبع مصر' شرح الصدور' ص ٣١٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا' بلکہ جائز ہے کہ آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا ہو اور دوسروں کو بتلانے کا حکم نہ دیا ہو اور علماء نے قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ (المواہب اللدنیہ مع الزرقانی' ج ١' ص ٢٩٥)

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک خواب بیان کیا۔ حضرت ابوبکر

نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ مجھے اس خواب کی تعبیر کی اجازت دیں' پھر حضرت ابوبکر نے اس خواب کی تعبیر بیان کی' بعد ازاں عرض کیا' آپ فرمائیں کہ میری تعبیر صحیح ہے یا غلط' آپ نے فرمایا بعض صحیح ہے' بعض غلط' حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ ضرور بتلائیں میں نے کیا خطا کی ہے' آپ نے فرمایا قسم نہ دو۔

(صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٠٤٦' مختصراً)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کی تعبیر غیب کا علم ہے' اس لیے جائز تھا کہ آپ اس غیب کو اپنے ساتھ خاص رکھتے اور دوسروں سے مخفی رکھتے۔

(فتح الباری' ج ١٢' ص ٤٣٦' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ١٤٠١ھ)

ہم نے تفصیل سے دلائل کے ساتھ باحوالہ بیان کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے علم کی تین قسمیں تھیں۔ ایک وہ علم جس کی تمام امت کو تبلیغ کرنا آپ پر فرض تھا۔ یہ تمام قرآن کریم ہے اور وہ احادیث ہیں جن کا تعلق قرآن مجید کی تفصیل اور بیان سے ہے' اور دوسرا وہ علم ہے جس کی تبلیغ میں آپ کو اختیار تھا اور اس کا تعلق عموماً غیب کی خبروں سے ہے' اور تیسرا وہ علم جس کا اخفاء آپ پر واجب ہے۔ جیسے آیات متشابہات' تقدیر' وقت وقوع قیامت اور روح کا علم اور یہ وہ اسرار ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے صرف اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ان پر مطلع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے کفر اور سرکشی کو وہ ضرور زیادہ کر دے گا جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' سو آپ کافروں کی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (المائدہ: ٦٨)

شان نزول

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ٢١٣ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارثہ' سلام بن مشکم' مالک بن الصیف اور رافع بن حریمہ آئے اور کہنے لگے یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ آپ حضرت ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر ہیں اور آپ اس تورات پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن تم نے دین میں کچھ نئی بدعات نکال لی ہیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیے تھے' تم نے ان کا انکار کر دیا' اور اللہ نے تم کو جن چیزوں کے بیان کرنے کا حکم دیا تھا' تم نے ان کو چھپا لیا' سو میں تمہاری بدعات سے بری ہوں۔ انہوں نے کہا ہم ان چیزوں پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے' نہ آپ کی اتباع کریں گے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اہل کتاب! تم (دین برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو۔ (الآیہ)

(السیرۃ النبویہ' ج ٢' ص ١٨١-١٨٠' جامع البیان' جز ٦' ص ٤١٨-٤١٧)

یہود و نصاریٰ کے کسی عمل کا لائق شمار نہ ہونا

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں' یہود اس لیے ہیں کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کریں جن کو منسوخ نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک انجیل پر ایمان لائیں اور آپ کی بعثت کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائیں جو تورات اور انجیل دونوں کا محافظ ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا' اور نصاریٰ اس

لیے مراد ہیں کہ انہوں نے انجیل کی ان بشارتوں سے اعراض کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق دی تھیں۔

تم کسی چیز پر نہیں ہو اس کا معنی یہ ہے کہ تم دین برحق کی کسی چیز کے حامل نہیں ہو۔ تم میں تقویٰ ہے' نہ دیانت ہے' نہ ہدایت ہے اور تم پر جو کتاب نازل کی گئی تھی' تم اس کی کسی چیز پر قائم نہیں ہو' جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے اصل احکام پر عمل نہ کرو اور قرآن مجید پر ایمان لاکر اس کے احکام پر عمل نہ کرو۔ اس وقت تک تم میں دین داری اور ہدایت کا ایک شمہ بھی نہیں ہو گا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عمل قابل ذکر اور لائق شمار نہیں ہے' اور دین داری اور صاحب کتاب ہونے کے تمہارے تمام دعاوی جھوٹے اور باطل ہیں' خواہ تم دنیا میں اہل کتاب کہلاتے رہو' لیکن آخرت میں تمہارا کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

نزول قرآن سے ان کے کفر اور سرکشی کا اور زیادہ ہونا

نیز یہ فرمایا کہ قرآن مجید کا نزول ان کے کفر اور سرکشی کو اور زیادہ کرے گا' کیونکہ قرآن مجید نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے' اور ان کی بدعقیدگیوں کو باطل کیا ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ قرآن مجید سے حسد اور بغض رکھتے ہیں اور جوں جوں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی ہیں' ان کے حسد اور بغض میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیادہ شد و مد سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ نیز یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ہر آیت آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اسلام کے دین مستقیم ہونے پر برھان ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی ہے' یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا کفر اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ نیز کتنے ہی تاریخی حقائق انہوں نے غلط بیان کیے تھے' جن کی قرآن مجید نے تکذیب کردی' اس لیے یہ قرآن مجید کے خلاف اور زیادہ سرکشی کرتے ہیں۔

نبی ﷺ پر چونکہ رحمت غالب تھی' اس لیے ان کے کفر اور سرکشی سے آپ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کافروں کی (اس) قوم پر افسوس نہ کریں' کیونکہ سرکشی ان کی سرشت بن چکی ہے' یہ لوگ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں' لہٰذا آپ ان کے انجام بد پر افسوس نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان کے مدعی اور یہودی' صابئین اور نصاریٰ جو بھی اللہ اور قیامت پر (صحیح) ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے' تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (المائدہ: ۶۹)

الصابئون کے رفعی حالت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں الصابئون حالت رفع میں ہے اور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے اس کو حالت نصب میں الصابئین ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الصابئون مبتداء ہے اور اس کی خبر مقدر ہے۔ کذالک جس پر ان کی خبر دلالت کرتی ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاری من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون والصابئون کذالک۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ان" فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے' اس لیے عامل ضعیف ہے۔ اگر معطوف علیہ میں اس کا عمل ظاہر ہو (یعنی ظاہراً اسم پر نصب ہو) تو معطوف میں بھی اس کے عمل کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور اگر معطوف علیہ میں اس کے اسم پر ظاہراً نصب نہ ہو' جیسا کہ اس آیت میں ہے تو پھر معطوف میں بھی نصب کا عمل ضروری نہیں ہے' اور اس کے اسم پر ابتداء کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

کیا صرف نیک عمل کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی!

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تغایر ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسا نہیں ہے' کیونکہ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے..... جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق ہے جو صرف زبان سے ایمان لائے تھے۔ جیسے منافق' ان کے متعلق فرمایا: جو بھی محض زبان سے ایمان لایا ہے' اگر وہ دل سے ایمان لایا تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو اب ایمان لایا ہے اگر وہ ایمان پر دائم اور برقرار رہا' مرتد نہ ہوا اور اس کا ایمان پر ہی خاتمہ ہوا' تو اس کو خوف اور غم نہیں ہو گا۔

اس آیت پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کے اعتبار سے نجات کے لیے اسلام لانا ضروری نہیں ہے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہودی' نصرانی اور ستارہ پرست جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ صحیح ایمان لائیں اور یہودی جو عزیر کو خدا مانتے ہیں اور عیسائی' جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں' اور صابئین جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں ان کا ایمان صحیح نہیں ہے' ان کا ایمان اس وقت صحیح ہو گا جب وہ اپنی بدعقیدگیوں سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ یہ دونوں اعتراض ترجمہ سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تاہم دوسرے اعتراض کے جواب کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ' ۶۲' کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف تھا' تو انہوں نے (رسولوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ (المائدہ: ۷۰)

اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ بنو اسرائیل اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو پورا نہیں کرتے' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کے تمام احکام کو سن کر قبول کریں گے' اور ان تمام احکام پر عمل کریں گے' لیکن انہوں نے ان پختہ عہود کو توڑ دیا اور اپنی آراء اور خواہشوں کو احکام شرعیہ پر مقدم کیا۔ شریعت کا جو حکم ان کی رائے اور خواہش کے موافق ہوتا' اس پر عمل کرتے اور جو اس کے خلاف ہوتا' اس کو رد کر دیتے۔ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا' اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو (اس کی) کوئی سزا نہیں ملے گی' سو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۱)

فتنہ کے معنی

فتنہ کے کئی معانی ہیں۔ نقصانات اور مصائب کو بھی فتنہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بداعمالیوں کی جو سزا دیتا ہے اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں' اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہے اور اللہ کے نیک بندوں کو جس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے' اس کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہاروت اور ماروت کو بھی فتنہ فرمایا ہے' کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے' اور نبی ﷺ نے دجال کو فتنہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بنو اسرائیل کا گمان یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے' اس کی دنیا میں ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی اور اس وجہ سے ان پر مصائب طاری نہیں ہوں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی' کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور اگر ان کو عذاب ہوا تو صرف چند دن عذاب ہو گا' جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

بنو اسرائیل کا ہدایت سے دوبار اندھا اور بہرا ہونا

اس آیت میں بنو اسرائیل کے متعلق دو مرتبہ فرمایا ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ کر ہدایت حاصل کی اور نہ سن کر ہدایت حاصل کی' ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر قحط مسلط ہو گیا اور ان پر وبائیں طاری کی گئیں' لیکن انہوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد اور بغض پیدا کر دیا گیا' وہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے' لیکن انہوں نے اس سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

بنو اسرائیل ہدایت کو حاصل کرنے سے دو مرتبہ اندھے اور بہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' اور ان میں سے بعض کو ایمان لانے کی توفیق دی۔ ان میں سے پھر بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور کم لوگ ایمان لائے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ پہلی بار یہ اندھے اور بہرے اس وقت ہوئے جب انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی' پھر انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' پھر دوبارہ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ جب انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی اور یہ کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ جب ان کے پاس حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھیجے گئے تو یہ ہدایت حاصل کرنے سے اندھے اور بہرے ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور اس کے بعد پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو تاریخی عظیم حادثوں کی طرف اشارہ ہے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کو پیش آئے۔ پہلا حادثہ وہ تھا جب اشور کا بادشاہ کئی مرتبہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوا' یہ ۶۰۶' ۵۹۸' ۵۸۸ سال قبل مسیح کے واقعات ہیں' وہ تیسری مرتبہ یروشلم میں داخل ہوا۔ اس نے مسجد کو جلا دیا اور تمام بنو اسرائیل کو ہانک کر بابل لے گیا' اور وہاں ان کو قید کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور فارس کا بادشاہ کورش' اشوریین پر غالب آیا اور اس نے ۵۳۰ سال قبل مسیح بابل پر قبضہ کر لیا' اور یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں اور ان کو آباد کریں۔ سو وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنی مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا' اس کے بعد انہوں نے پھر نافرمانی اور سرکشی کی اور یہ پھر ہدایت اور راہ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے' اور تب دوسرا حادثہ پیش آیا۔ جب قیطس بن انبراطور رومانی نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا' حتیٰ کہ یہود بھوک سے مجبور ہو کر چمڑا کھانے لگے اور بعض اوقات بھوک سے بلبلا کر ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ اس نے دس لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا' اور ستانوے ہزار یہودیوں کو قید کر لیا' یہ ۶۹ء کا واقعہ ہے۔ پھر ابن انبراطور رومانی ۱۱۷ء سے ۱۳۸ء تک اس کے بعد حکمران رہا' اس نے ان کے شہر کو منہدم کر کے سپاٹ زمین بنا دیا اور اس وقت دنیا میں یہودیوں کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ان کا وطن ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ (التحریر والتنویر' ج ٦' ص ۲۷۸-۲۷۷)

یہ دونوں تاریخی حادثے جو بنو اسرائیل کی بداعمالیوں کی پاداش میں رونما ہوئے تھے' ان کی طرف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ (بنو اسرائیل: ۸-۴)

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب میں قطعی طور پر یہ بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ○ تو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آپہنچا' تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کر دیئے سو وہ تمہاری تلاش کے لیے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو ضرور پورا ہونا تھا ○ پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دوبارہ لوٹا دیا' اور مال اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی اور تمہاری تعداد بڑھا دی ○ اگر تم نے نیک کام کیے تو تم نے اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کی' اور اگر تم نے برے کام کیے تو اپنے ساتھ برائی کی' پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے دوسرے ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا' تاکہ وہ تمہارے چہروں کو مضمحل کر دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسا کہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں' اسے تباہ و برباد کر دیں ○ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر سرکشی کی تو ہم پھر عذاب دیں گے' اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ بنو اسرائیل دو بار شرارت کریں گے۔ اس کی سزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہو جائیں گے۔ پہلے وعدہ سے مراد بخت نصر کا حملہ ہے جو ولادت مسیح سے ۵۸۸ سال قبل ہوا' اور دوسرے وعدہ سے قیطس (طیطوس) رومی کا حملہ ہے' جو ۶۹ء میں ہوا۔ ان دونوں حملوں میں یہودیوں پر مکمل تباہی آئی اور مقدس ہیکل کو برباد کر دیا گیا۔

چونکہ یہودیوں نے یہ گمان کیا تھا کہ انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے' اور ان کو قتل کیا ہے' ان کو اس کی کوئی سزا نہیں ملے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کرنے کے لیے فرمایا: کہ انہوں نے دو بار سرکشی کی اور ہر بار اللہ نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی' جس سے تمام یہودی ویران اور برباد ہو گئے اور ہر سزا کے بعد انہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد وہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے۔ سو اب اگر انہوں نے ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سعی کی' تو یہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا' انہوں نے آپ کی تکذیب بھی کی اور دو بار آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ آپ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کو قتل کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا اور دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا' یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا

تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے' اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (المائدہ: ٧٢)

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد

یہ آیت ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کہتے تھے' اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا قرار دیتے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بداعمالیوں کا بیان فرمایا اور ان کے شبہات کا ابطال کیا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رد شروع کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو ان کا الوہیت کا عقیدہ تھا' اس کو باطل کیا ہے' اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے ان کا رد کیا ہے' اور یہ ان کے خلاف حجت قاطعہ ہے۔

نصاریٰ میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تین اقانیم (اصلوں) سے مرکب ہے۔ باپ' بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے اور بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا' اور وہ روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے اور انکے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے' حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا' وہ یہ تھا "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝

(مسیح نے کہا) بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا O اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں' مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ (مریم: ٣١-٣٠)

اور اس آیت میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل فرمایا اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے' بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا' تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ (وقف لازم)

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے ، حالانکہ سوا ایک معبود کے

اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ

کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝٧٣ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

ان کو نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا O وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝٧٤ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

طلب کرتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے O مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں ، ان سے پہلے بہت

خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ ؕ كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ

رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ،

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرۡ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ۝٧٥ قُلۡ

دیکھیے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں ○ آپ کہیے کیا

اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَـفۡعًا ؕ وَاللّٰهُ

تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور اللہ ہی سب

هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝٧٦ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ غَيۡرَ

کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ○ آپ کہیے : اے اہل کتاب : تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور

الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا

ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور انھوں نے بہت زیادہ لوگوں

ع ۱۰ ۱۲ وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۝٧٧

کو گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے' حالانکہ سوائے ایک معبود کے کوئی مستحق عبادت نہیں اور اگر وہ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے' ان کو نہایت دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (المائدہ: ۷۳)

متقدمین اور متاخرین عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور اس کا رد

قدیم عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ' مریم اور عیسیٰ تین خدا ہیں اور قرآن مجید نے انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ (المائدہ: ۱۱۶)

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم ! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو' وہ عرض کریں گے تو پاک ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔

اور متاخرین عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جوہر واحد تین اقانیم (اصلیں) ہیں۔ باپ' بیٹا اور روح القدس' اور یہ تینوں ایک خدا ہیں جیسے سورج تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرص' شعاع اور حرارت۔ اور باپ سے ان کی مراد ہے ذات' اور بیٹے سے مراد ہے کلمہ' اور روح سے مراد ہے حیات۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسیٰ کے جسم میں مختلط ہو گیا' جیسے پانی شراب میں

مخلوط ہو جاتا ہے' یا پانی دودھ میں مخلوط ہو جاتا ہے' اور ان کا زعم ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح خدا ہے۔

عیسائیوں کا یہ قول بدیہی البطلان ہے' کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتا' اور عیسائیوں کے اس قول سے زیادہ فاسد اور باطل قول دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے' حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے (المائدہ: ٧٤)

یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم ہے اور اس کا بے حد لطف اور احسان ہے کہ عیسائیوں کے اس کذب اور افتراء اور ان کے شرک کے باوجود ان کو توبہ اور استغفار کی دعوت دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں بہت سچی ہیں' وہ دونوں کھانا کھاتے تھے' دیکھئے ہم کس طرح وضاحت سے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں' پھر دیکھئے وہ کیسی اوندھی باتیں کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ٧٥)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر دلائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان رسولوں کی جنس میں سے ایک رسول ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں' جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزات پیش کیے۔ اس طرح ان رسولوں نے بھی معجزات پیش کیے تھے' اگر حضرت عیسیٰ نے مادر زاد اندھے بینا کیے' کوڑھیوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو زندہ کیا اور اس کو دوڑتا ہوا اژدھا بنا دیا' اور سمندر کو چیر کر اس میں بارہ راستے بنا دیئے اور لاٹھی کو زمین پر مارا تو اس سے چشمے ابلنے لگے اور اگر حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا ہوئے' جب دوسرے انبیاء معجزہ دکھانے سے خدا نہیں ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھانے سے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے' اس سے مقصود حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق عیسائیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ وہ دونوں خدا ہیں' اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

١- ہر وہ شخص جس کی ماں ہو' وہ حادث ہوتا ہے' یعنی وہ پہلے موجود نہیں تھا' اس کے بعد موجود ہوا اور جس شخص کی یہ صفت ہو' وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔

٢- حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے اور جو شخص اپنی نشوونما اور بقا میں کھانے کا محتاج ہو' وہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے۔

٣- اگر حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں خدا ہوتے تو وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے اور جب وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہوتے تو کھانے کے بغیر بھوک کی تکلیف کو مٹانے پر قادر ہوتے اور جب وہ ایسا نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا شجرہ نسب لکھا ہوا ہے۔

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ: ابراہام سے اضحاق پیدا ہوا اور اضحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ (الی قولہ) اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا' یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوئے' جو مسیح کہلاتا ہے۔

پس سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں

اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لیکر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔ (متی کی انجیل' باب ا' آیت ١٧-١' ملخصاً' ص ٥' مطبوعہ لاہور)

اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی' تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی' پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا' اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا' اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے' وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا' کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔

(متی کی انجیل' باب ا' آیت ٢٢-١٨' ص ٥' مطبوعہ لاہور)

غور کیجئے! جس شخص کا پورا شجرہ نسب موجود ہے' جو اپنی ماں مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا' پیدا ہونے سے پہلے موجود نہیں تھا' وہ اپنی پیدائش سے پہلے موجود سارے جہان کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کو خدائی اور استحقاق عبادت کب زیبا ہے؟

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھانے پینے کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ خدا ہوتے تو کھانے پینے کے محتاج نہ ہوتے۔ ان کے کھانے پینے کا ذکر موجودہ بائبل میں بھی ہے۔

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ آکھڑا ہوا اور ان سے کہا: تمہاری سلامتی ہو○ مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں' اس نے ان سے کہا: تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں' مجھے چھو کر دیکھو' کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی' جیسا مجھ میں دیکھتے ہو○ اور یہ کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے○ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے○ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا○ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔ (لوقا کی انجیل' باب ٢٤۔ آیت ٤٣-٣٦' ص ٨١' مطبوعہ لاہور)

انجیل کے اس اقتباس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسان ہیں' روح نہیں ہیں اور وہ کھاتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا ہے کہ وہ مادی انسان ہیں' روح نہیں اور مادہ سے مجرد نہیں ہیں' تو پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتے ہیں؟ نیز انجیل میں ہے اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا' اسے بھوک لگی

(متی کی انجیل' باب ٢١' آیت ١٣' ص ٢٥' مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگتی تھی اور وہ کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کسی چیز کا بھی محتاج ہو' وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح انسان تھے' ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے' ان کا جسم انسانوں کی طرح گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنا ہوا تھا۔ ان میں تمام انسانی صفات تھیں' انہیں بھوک لگتی تھی' وہ کھاتے پیتے بھی تھے' سوتے جاگتے بھی تھے' انہیں درد سے تکلیف بھی ہوتی تھی' کیونکہ انجیل میں مذکور ہے اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا (متی' باب ٢٧' آیت ٤٧' ص ٣٣) اب ایسے شخص کے متعلق کوئی صاحب عقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص خدا ہے' تمام جہان کا پیدا کرنے والا ہے' بائبل کے متعلق حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے پھانسی پر لٹکا دیا اور تین دن تک وہ مردہ رہے' اسکے بعد جی اٹھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسیح خدا تھے تو جب وہ تین دن مردہ رہے' تو انکے بغیر یہ کائنات کیسے چلتی رہی؟ انجیل میں ہے:

یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے۔ (لوقا کی انجیل' باب ۲۴' آیت ۸-۷' ص ۸۰' مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ابن آدم فرمایا تھا' نہ کہ ابن اللہ اسو ان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھنا اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنا ان پر افتراء اور بہتان ہے اور اس مضمون کی آیات خود ساختہ اور من گھڑت ہیں' جو بعد کے عیسائی مصنفین نے وضع کر کے اللہ کے اصل کلام میں ملا دی ہیں' یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ موجودہ انجیل میں کچھ عبارات تو وہ ہیں جو در اصل اللہ کا کلام ہیں۔ ہم نے سورۂ آل عمران کی ابتداء میں ان کی مثالیں دی ہیں اور قرآن مجید ان ہی کا مصدق ہے اور دوسری عبارات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین نے بہ طور خود لکھی ہیں۔

حضرت مریم کے نبیہ نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے اور ان کی ماں بہت سچی ہیں' ان کو صدیقہ اس لیے فرمایا کہ وہ گناہوں سے بہت پاک تھیں' اور اللہ کی عبادت کرنے کی بہت جدوجہد کرتی تھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کی تصدیق کی۔

شیخ ابن حزم عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ حضرت سارہ' حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں سیدہ مریم کو نبیہ مانتے ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ان کی طرف وحی کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ وحی بہ معنی الہام ہے' اور نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى (یوسف: ۱۰۹)	ہم نے آپ سے پہلے سوائے مردوں کے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا' جن کی طرف ہم بستیوں کے رہنے والوں سے وحی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے' کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں' اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۷۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گزاری سے ان کے خدا نہ ہونے پر استدلال

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا نہ ہونے پر ایک اور دلیل قائم کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے جو پرندے بنا کر اڑائے' جن مردوں کو زندہ کیا' جن کوڑھیوں کو شفا دی اور جن مادر زاد اندھوں کو بینا کیا' یہ سب کام انہوں نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے کیے۔ وہ اپنی ذاتی طاقت اور قدرت سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تھے۔ موجودہ بائبل میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے دعا کرتے تھے' اگر وہ خود خدا تھے اور نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک تھے تو ان کو خدا سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر ان باتوں کے کوئی آٹھ روز بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ہمراہ لے کر پہاڑ پر دعا کرنے گیا' جب وہ دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔

(لوقا کی انجیل' باب ۹' آیت ۲۹-۲۸' ص ۶۳' مطبوعہ لاہور)

اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گزار دی۔

(لوقا کی انجیل' باب ۶' آیت ۱۲' ص ۵۸' مطبوعہ لاہور)

پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا' جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا: اے خداوند! جیسا یوحنا

نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا' تو بھی ہمیں سکھا۔ اس نے ان سے کہا: جب تم دعا کرو تو کہو: اے باپ! تیرا نام پاک مانا جائے' تیری بادشاہی آئے' ہماری روز کی روٹی ہمیں ہر روز دیا کرO اور ہمارے گناہ معاف کر' کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ (لوقا کی انجیل' باب ١١' آیت ٤-١' ص ٦٥' مطبوعہ لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساری ساری رات دعا کرنا' بہ کثرت دعا کرنا اور اپنے پیروؤں کو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تعلیم دینا' اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نفع اور نقصان کے مالک نہیں تھے' اور نہ ان کے پیروکار ان کو ایسا جانتے تھے' اور نہ ان کو خدا سمجھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی عبادت کرتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں' پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی' اور اس سے کہا: اگر تو مجھے جھک کر سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا: اے شیطان! دور ہو' کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی کی انجیل' باب ٤' آیت ١١-٨' ص ٧' مطبوعہ لاہور)

پولس رسول یسوع مسیح کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں' جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا' اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی' اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری کی۔

(عبرانیوں کے نام پولس رسول کا خط' باب ٥' آیت ٨-٧' ص ٢١٤' مطبوعہ لاہور)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت عبادت گزار' فرمانبردار اور رو رو کر اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے' اور جو تمام جہان کا خدا ہو' اور اپنی قدرت سے نفع اور نقصان کا مالک ہو' وہ کسی کی عبادت اور فرمانبرداری کرنے اور کسی سے رو رو کر دعائیں کرنے سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

نیز پولس رسول لکھتے ہیں:

ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو' جو رحمتوں کا باپ اور ہر طرح کی تسلی کا خدا ہے۔

(کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا دوسرا خط' باب ١' آیت ٣' ص ١٦٨' مطبوعہ لاہور)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ پولس رسول کے نزدیک یسوع مسیح خدا نہ تھے' بلکہ یسوع مسیح خود خدا کو ماننے والے تھے۔ اسی کی وہ عبادت کرتے تھے' اسی کی فرمانبرداری کرتے تھے اور اسی سے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کا' پولس رسول کا اور ہم سب کا خدا ہے۔ اس کو باپ کہنا اور حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا اور خداوند کہنا' یہ سب عیسائی علماء کی بعد کی تحریفات ہیں۔ باپ ہونا اور بیٹا رکھنا مخلوق کی صفات ہیں' اللہ عزوجل اس سے بلند و برتر ہے' اس کی صفات وہی ہیں جو صرف اس کے شایان شان ہیں اور مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہیں' جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے' اس کا کوئی شریک اور مثیل نہیں' وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے۔ اس کی ہر صفت مستقل اور غیر سے مستغنی ہے' اور وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے! اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں' اور انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا' اور وہ خود راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ (المائدہ: ٧٧)

غلو حق اور غلو باطل کی تعریفیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد کیا' پھر نصاریٰ کے باطل عقائد بیان کیے اور ان کا رد فرمایا۔

اب دونوں فریقوں کو خطاب کر کے فرما رہا ہے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو غلو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک حق اور ایک باطل۔ غلو حق یہ ہے کہ کسی صحیح اور حق چیز کے بیان میں مبالغہ کیا جائے، جس سے اس کو موکد کرنا مقصود ہو۔ اور غلو باطل یہ ہے کہ کسی چیز کی تحقیر میں زیادتی کی جائے، یا کسی چیز کی تعظیم میں زیادتی کی جائے۔ یہود نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی کی، حتیٰ کہ ان کی طرف زنا کو منسوب کیا، ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور عیسائیوں نے انبیاء کی تعظیم میں غلو کیا، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس آیت میں اس زمانہ کے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: کہ تم اپنے احبار اور رہبان کی پیروی نہ کرو، وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور تم کو بھی گمراہ کر دیں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود سے یہ فرمایا ہو کہ تم عزیر کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا بنا ڈالو، اور عیسائیوں سے فرمایا: تم عیسیٰ کی تعظیم میں غلو نہ کرو کہ ان کو خدا بنا ڈالو۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ
بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾
گئی، کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾
وہ ایک دوسرے کو ان برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انھوں نے کیا تھا، وہ کیا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے ○

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں، وہ کیسی بری چیز ہے جو انھوں نے اپنی

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾
آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے ○

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ
اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست

اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ
نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ○ آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے

عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں ، اور آپ جن لوگوں کو

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ

مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں ، کیوں کہ ان

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے (المائدہ: ۷۸)

تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے بنو اسرائیل پر لعنت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بنو اسرائیل پر ہر زبان میں لعنت کی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ان پر تورات میں لعنت کی گئی' حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان پر زبور میں لعنت کی گئی اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد میں ان پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۴۲٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب اپنے کسی بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو سختی سے منع کرتا' اور دوسرے دن جب اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع نہ کرتا اور اس کے ساتھ مل جل کر رہتا اور کھاتا پیتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل ایک دوسرے کی طرح کر دیئے اور ان کے نبی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانوں سے ان پر لعنت کی۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور ضرور برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دینا' ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی طرح کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی ہے۔

(جامع البیان' جز ٦' ص ۴۲۸-۴۲۷' مسند ابو یعلی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۳۵' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۹۱' طبع قدیم)

المائدہ: ۶۳ کی تفسیر میں ہم نے اس حدیث کی زیادہ تخریج کی ہے اور اس کو سنن ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ اور المعجم الاوسط کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر انجیل اور زبور میں لعنت کی گئی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی چکی گھوم رہی ہے۔ جس طرف قرآن پھرے' تم اس طرف پھر جاؤ۔ جن چیزوں کو فرض کرنا تھا' اللہ تعالیٰ ان سے فارغ ہو چکا ہے۔ بے شک بنو اسرائیل میں سے ایک گروہ نیک لوگوں کا تھا' وہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے' ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر آروں سے چیر دیا اور ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ باقی بچے جن کو بادشاہوں کے پاس جانے

اور ان کی مجالس میں بیٹھے بغیر قرار نہیں آیا' پھر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے بغیر ان کو چین نہیں آیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا' ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ (جامع البیان' جز ٦' ص ۴۲۹)

حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلی موصلی نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ولیمہ میں بلایا۔ جب وہ گئے تو وہاں لھو (گانے بجانے) کو سنا تو حضرت ابن مسعود واپس آگئے۔ اس نے پوچھا آپ کیوں واپس آئے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جس شخص نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا' وہ ان ہی میں سے ہو گا' اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل کے مرتکبین میں شریک ہو گا۔ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزھد والرقائق میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا۔ انہوں نے وہاں (گانے بجانے کی) آواز سنی تو واپس آگئے' ان سے پوچھا گیا' آپ کیوں نہیں گئے؟ تو فرمایا: میں نے آواز سنی اور جس شخص نے کسی جماعت میں اضافہ کیا' اس کا شمار ان ہی میں ہو گا اور جو کسی عمل سے راضی ہوا' وہ اس عمل میں شریک ہو گا۔

(نصب الرایہ' ج ۴' ص ۲۲۷-۲۲۶' اتحاف السادۃ المتقین' ج ٦' ص ۱۲۸' مسند الفردوس للدیلمی' رقم الحدیث: ۵۶۲۱' المطالب العالیہ للعسقلانی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۰۵)

حافظ زیلعی' حافظ عسقلانی اور علامہ زبیدی نے یہ حدیث مسند ابو یعلی کے حوالے سے بیان کی ہے' لیکن مجھے یہ حدیث مسند ابو یعلی کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملی اور نہ ہی مجھے حضرت ابوذر کی روایت امام ابن المبارک کی کتاب الزھد میں ملی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا' وہ کیسا برا کام تھا جو وہ کرتے تھے (المائدہ: ۷۹)

بنو اسرائیل حرام کام اور گناہ کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ان کا گناہوں سے نہ روکنا حرام کاموں کو کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت برا کام تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے نہ روکنے کی تبلیغ میں وہ سب شریک تھے۔ نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے ساتھ ملنا جلنا اور سوشل اور سماجی روابط رکھنا بھی ناجائز اور حرام ہے' اور ان سے ترک تعلق کرنا واجب ہے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں اور اس سے پہلے المائدہ: ۴۳ کی تفسیر میں جن احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے' ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں' وہ کیسی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنی آخرت کے لیے بھیجی ہے کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہوں گے (المائدہ: ۸۰)

اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے یا یہ خطاب عام ہے اور ہر مخاطب مراد ہے' اور ان میں سے اس سے مراد اہل کتاب ہیں یا بنو اسرائیل اور فرمایا ہے آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو دیکھیں گے اس سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں' بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت مکہ گئی تھی' تاکہ ان مشرکین مکہ کے ساتھ اشتراک کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں' لیکن بات نہیں بنی۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں' یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کا موجب ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد منافقین ہیں اور اللہ کی ناراضگی کے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! تم زنا سے بچے رہنا کیونکہ زنا پر چھ چیزیں مترتب ہوتی ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں' دنیا میں اس فعل سے رونق چلی جاتی ہے۔ تنگ دستی اور مفلسی آتی ہے اور عمر کم ہوتی ہے اور آخرت میں اس فعل کی وجہ سے رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' اور حساب سخت ہوتا ہے اور دوزخ میں دائمی عذاب ہوتا ہے (دوام سے مراد لمبا عرصہ ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ امام ابن مردویہ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' لیکن اس کی ہر سند ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۱۲۲)

میں کہتا ہوں کہ تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس نبی پر اور اس پر جو اس نبی کی طرف نازل کیا گیا تو کافروں کو دوست نہ بناتے' لیکن ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (المائدہ: ۸۱)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

۱۔ اگر یہ یہودی اللہ پر صحیح ایمان لاتے اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

۲۔ اگر یہ یہودی اللہ پر کامل ایمان لاتے اور سیدنا محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر تو کافروں کو دوست نہ بناتے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ جن لوگوں کو سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود اور مشرکین ہیں' اور آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کا سب سے قریب دوست پائیں گے' یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں' کیونکہ ان میں بعض عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (المائدہ: ۸۲)

نجاشی کا اسلام لانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا' نبی ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا' وہ مسلمان ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' پھر وہ وفد نجاشی کے پاس گیا اور اس کو خبر دی تو نجاشی بھی مسلمان ہو گیا' اور وہ تا دم مرگ مسلمان رہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو' پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس پر نماز پڑھی اور نجاشی (کا جنازہ) اس وقت حبشہ میں تھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور کفار مکہ کا ان کو واپس بلانے کی سعی کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ ﷺ کی زوجہ) بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں پہنچے تو ہمیں نجاشی نے وہاں پناہ دی' ہم نے اپنے دین کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ہم کو نہ کوئی ایذا دی جاتی تھی' نہ ہم کوئی ناگوار بات سنتے تھے۔ جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے متعلق نجاشی کے پاس دو قوی آدمی بھیجے جائیں اور مکہ کی عمدہ چیزوں میں سے نجاشی کے لیے ہدیئے بھیجے جائیں۔ ان لوگوں کو چمڑا پسند تھا' تو انہوں نے بہت سے چمڑے جمع کر لیے' ان کے سرداروں میں سے ہر شخص کو انہوں نے چمڑے اور تحفے دینے کا فیصلہ کیا' پھر انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو یہ ہدیئے

دے کر روانہ کیا اور ان سے کہا مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دے دیئے جائیں۔ وہ حبشہ پہنچ گئے اور نجاشی کے ساتھ ملاقات سے پہلے تمام سرداروں کو ہدیئے دیئے اور ہر سردار سے یہ کہا: تمہارے بادشاہ کے ملک میں ہمارے چند نادان لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے' وہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور تمہارے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں' جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ تم جانتے ہو' اور ہماری قوم نے اپنے معزز لوگوں کو بھیجا ہے' تاکہ وہ ان کو واپس لے جائیں۔ سو جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں بات کریں تو تم بادشاہ کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو ہمارے حوالے کردیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کرے۔

کیونکہ ہماری قوم ان کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ سرداروں نے کہا اچھا! پھر انہوں نے نجاشی کو ہدیئے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کرلیا۔ پھر انہوں نے کہا اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نادان لوگ آگئے ہیں جو اپنی قوم کے دین کو چھوڑ چکے ہیں' اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ ایک نیا دین لیکر آئے ہیں جس کو ہم پہچانتے ہیں نہ آپ' اور ہم کو آپ کی طرف ان کی قوم کے معزز لوگوں نے بھیجا ہے' جو ان کے آباء واجداد اور رشتہ دار ہیں' تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناپسند نہیں تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سنے' اس کے سرداروں نے کہا ان دو آدمیوں نے سچ کہا ہے۔ ان لوگوں کے کرتوتوں کو ان کی قوم ہی بہتر طور سے جانتی ہے' سو آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کردیجئے' تاکہ یہ ان کو ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا یہ سن کر نجاشی غضبناک ہوا' اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے میری پناہ لی ہے اور میرے ملک میں آئے ہیں اور جنہوں نے دوسروں کی بجائے مجھے اختیار کیا ہے' جب تک میں ان سے سوالات کر کے تحقیق نہ کرلوں' ان کو تم لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا تم نے کہا ہے' تو میں ان کو تمہارے حوالے کردوں گا' اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ان کی حفاظت کروں گا' اور جب تک یہ میری پناہ میں رہیں گے' ان سے حسن سلوک کروں گا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو بلایا۔ جب مسلمان آگئے' تو نجاشی نے اپنے علماء کو بھی بلایا اور وہ اس کے گرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔

حضرت جعفر کا نجاشی کے دربار میں اسلام کا تعارف کرانا

پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوال کیا' وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور تم اس کی وجہ سے نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ادیان میں سے اور کسی دین میں داخل ہوئے؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا جس شخص نے ان کو جواب دیا' وہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ تھے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! ہم جاہلوں کی قوم تھے' بتوں کی عبادت کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' بے حیائی کے کام کرتے تھے' رشتوں کو توڑتے تھے' پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے' ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا' ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا۔ جن کے نسب' ان کے صدق' ان کی امانت داری اور ان کی پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔

انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی' تاکہ ہم اس کو واحد مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس کو چھوڑ دیں' اور انہوں نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتوں کو ملانے' پڑوسیوں سے نیک سلوک کرنے' حرام کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا' اور ہم کو حکم دیا کہ ہم فقط اللہ کی عبادت

کریں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم کو نماز پڑھنے' زکوٰۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا انہوں نے اسلام کے تمام احکام گنوائے۔ سو ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور ہم اس پر ایمان لے آئے' اور وہ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے' ہم نے ان پر عمل کیا اور فقط اللہ وحدہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا اور جن چیزوں کو انہوں نے ہم پر حرام کیا تھا' ان کو ہم نے حرام قرار دیا' اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال کیا تھا' ان کو ہم نے حلال رکھا۔ اس بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔

انہوں نے ہم کو عذاب میں مبتلا کیا اور ہم کو ہمارے دین سے چھڑانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا کیا' تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے چھڑا کر بتوں کی عبادت کی طرف لے آئیں' اور پھر ان ہی بدکاریوں کو حلال کرنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھ کر کرتے تھے۔ سو جب انہوں نے ہم پر قہر اور ظلم کیا اور ہم پر ہماری معیشت کو تنگ کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے' تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم نے دوسروں کی بجائے آپ کو پسند کر لیا اور آپ کی پناہ میں رغبت کی' اور ہم نے یہ امید رکھی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر نجاشی نے کہا کیا تم کو اللہ کے کلام کی کچھ آیتیں یاد ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا مجھے سناؤ۔ تو حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا خدا کی قسم! وہ آیتیں سن کر نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے علماء بھی رونے لگے اور ان کے مصاحف ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر ان سے نجاشی نے کہا بے شک یہ دین اور جس دین کو عیسیٰ لے کر آئے تھے' یہ دونوں دین ایک ہی طاق سے نکلے ہیں' پھر ان دونوں مشرکوں سے کہا: جاؤ! تم واپس جاؤ! بخدا! میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔

کفار قریش کا مسلمانوں کو نکلوانے کی مہم میں ناکام ہونا

حضرت ام سلمہ نے فرمایا جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے نکل گئے تو عمرو بن العاص نے کہا بخدا! میں کل پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو' اگرچہ یہ ہمارے مخالف ہیں' لیکن ہماری ان کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں' اس نے کہا میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں' پھر اگلے دن وہ گیا اور نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر ان سے پوچھئے کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا پھر بادشاہ نے ہم کو بلوایا اور اس جیسی آزمائش ہم پر پہلے نہیں آئی تھی' جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادشاہ نے پوچھا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ جب ان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری پاک دامن مریم کی طرف القاء کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھایا۔ پھر کہا: بخدا! تم نے جو کچھ بیان کیا ہے' عیسیٰ بن مریم اس سے ایک تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہیں۔ جب نجاشی نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق یہ کہا: تو اس کے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں نے غصہ سے پھنکارنا شروع کر دیا۔ نجاشی نے کہا: ہرچند کہ تم غصہ سے پھنکار رہے ہو (اور مسلمانوں سے کہا) تم میری سرزمین میں مامون ہو' جو شخص تم کو گالی دے گا' اس پر جرمانہ ہو گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور میں اس کے بدلہ میں تم میں سے کسی شخص کو ایذا پہنچاؤں۔ ان لوگوں کے ہدیئے اور تحفے ان کو واپس کر دو۔ ہم کو ان کی ضرورت

نہیں ہے' بخدا جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کیا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں ان سے کیسے رشوت لوں گا؟

حضرت ام سلمہ نے فرمایا تو وہ دونوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) نجاشی کے پاس سے ناکام اور نامراد ہو کر لوٹے' اور ہم نجاشی کے ملک میں اچھے گھر اور اچھے پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔ اسی اثناء میں نجاشی کے ملک پر کسی نے حملہ کیا' ہم نے اس کے غلبہ کے لیے اللہ سے دعا کی' حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہم اس کے ملک میں اچھی طرح رہے۔ حتیٰ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ واپس آ گئے۔ (علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۴۰' طبع دار الفکر بیروت' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۰۳-۲۰۱' طبع قدیم' السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۳۷۵-۳۷۲' الروض الانف' ج ۱' ص ۲۱۴-۲۱۰' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷-۲۴' البدایہ والنہایہ' ج ۳' ص ۷۵-۷۲)

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے آپ ان کی

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں ، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق

مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ○ اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾

ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر لے ○

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

ہمیشہ رہیں گے ، اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

۱۱ ع ۹ ۱ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ ع

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے

آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ (المائدہ: ۸۳)

شان نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۹' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب نبی ﷺ کے اصحاب نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے قرآن کریم پڑھا اور ان کے علماء اور راہبوں نے قرآن مجید سنا تو حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور سعید بن جبیر نے کہا کہ نجاشی نے اپنے تیس بہترین اصحاب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے۔ آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا' ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگے' انہوں نے کہا بہ خدا ہم اس کو پہچانتے ہیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو جا کر خبر دی تو وہ بھی مسلمان ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے"۔ اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

۱- علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت ہے۔
۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔
۳- حسن بصری نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔
۴- زجاج نے کہا اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ (زادالمسیر ج ۲ ص ۴۰۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم کیوں نہ یہ خواہش کریں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ (المائدہ: ۸۴)

نیک لوگوں کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ (۲) ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ (۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ (زادالمسیر' ج ۲' ص ۴۱۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ: ۸۶-۸۵)

جن عیسائیوں نے دین حق کو پہچان لیا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے صلہ میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں اور یہود اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے انبیاء کے صدق کا انکار کیا' اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اور عذاب اللہ کا عدل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور

تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اللہ کے دیے ہوئے حلال پاکیزہ رزق

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا

سے کھاؤ ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو ○ اللہ

يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت

عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ

فرمائے گا ، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے

اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ

جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو ، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے ،

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے ، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور

حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو ، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو' جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

حلال چیزوں سے اجتناب کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! جن حلال چیزوں کی طرف تمہارا دل مائل ہوتا ہے ان کی لذت حاصل کرنے سے اپنے آپ کو منع نہ کرو' جس طرح عیسائیوں کے علماء اور راہبوں نے کھانے پینے کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو اور عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور بعض نے اپنے آپ کو گرجوں میں مقید کر لیا اور بعض سیاحت کرنے لگے۔ سوا اے مسلمانو! تم ان کی طرح حد

سے نہ بڑھنا۔

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ: ١٧٢)

اے ایمان والو! ان حلال چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: ٣٢)

آپ کہیے! کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور حلال چیزوں کو (کس نے حرام کیا ہے؟)

عبادات اور معاملات میں میانہ روی کے متعلق آیات اور احادیث

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ (الفرقان: ٦٧)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ (بنو اسرائیل: ٢٦)

اور (اے مخاطب!) رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ (بنو اسرائیل: ٢٩)

اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ' اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت زدہ' تھکا ہارا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں تین شخص آئے۔ (ان میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے۔ (مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ١٠٣٧٤) اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں آپ کی عبادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا' تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ کے تو اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی ہے) تو ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے۔ سنو! بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٠٦٣' مصنف عبدالرزاق' ج ٦' رقم الحدیث: ١٠٣٧٤)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان' حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پھٹے پرانے

کپڑے پہنے دیکھا' انہوں نے کہا یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے ان کے لیے کھانا تیار کیا' حضرت سلمان نے کہا آپ بھی کھائیے۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے' میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھایا' جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جائیں' وہ سو گئے' پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پھر کہا: سو جائیں' جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب کھڑے ہوں۔ پھر دونوں نے نماز (تہجد) پڑھی' پھر حضرت سلمان نے کہا آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا آپ پر حق ہے اور آپ کے اہل (بیوی) کا آپ پر حق ہے' ہر حقدار کو اس کا حق ادا کریں۔ حضرت ابوالدرداء نبی ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۴' ص ۲۷۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے چند نفوس نے نبی ﷺ کی ازواج سے خلوت میں آپ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ پھر بعض اصحاب نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور بعض نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا فلاں فلاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو اس طرح کہتے ہیں' لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے (بطور ناپسندیدگی) اعراض کیا' وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم' نکاح ۵' (۱۴۰۱) ۳۳۴۳' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو نکاح نہ کرنے کی اجازت نہیں دی' اگر آپ ان کو اجازت دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۷۳' صحیح مسلم' نکاح ۶' (۱۴۰۲) ۳۳۴۴' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۴۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۱۷۵' طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خولہ بنت حکیم جو حضرت عثمان بن مظعون کے نکاح میں تھیں' وہ میرے پاس آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت ابتر حال میں دیکھا' آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! خولہ کس قدر ابتر حال میں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! جس عورت کا خاوند دن کو روزہ رکھتا ہو اور ساری رات نماز پڑھتا ہو' وہ اس عورت کی طرح ہے جس کا کوئی خاوند نہ ہو۔ سو اس نے اپنے آپ کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان بن مظعون آئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تم میری سنت سے اعراض کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں! بہ خدا یا رسول اللہ! لیکن میں آپ کی سنت کو طلب کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں

سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور کھاتا پیتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اے عثمان! اللہ سے ڈرو' کیونکہ تمہارے اہل (بیوی) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ سو تم روزہ رکھو اور کھاؤ پیو بھی' اور نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔

(علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج۱۸ رقم الحدیث: ۲۶۲۸۶' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۳۶۸' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج۶' ص۲۶۸' طبع قدیم' سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۱۳۶۹' سنن دارمی' ج۲' رقم الحدیث: ۲۱۶۹' مصنف عبدالرزاق' ج۶' رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵' صحیح ابن حبان' ج۱' رقم الحدیث: ۹' موارد الظمآن' ج۱' رقم الحدیث: ۱۲۸۸' مسند البزار' ج۲' رقم الحدیث: ۱۴۵۸-۱۴۵۷' اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد' ج۴' ص۳۰۱' طبع قدیم' المعجم الکبیر' ج۹' رقم الحدیث: ۸۳۱۹' مسند ابو یعلی' ج۱۳' رقم الحدیث: ۷۲۴۲)

مسند ابو یعلی میں یہ روایت اس طرح ہے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے فرمایا اے عثمان! کیا تمہارے لیے میری سیرت میں نمونہ نہیں ہے! انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اس ارشاد کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو' حالانکہ تمہارے اہل (زوجہ) کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تم نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی اور روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ان کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس اس طرح خوشبو میں بسی ہوئی آئیں کہ وہ دلہن ہوں' ازواج نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا وہی ہوا جس طرح وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی طرف ان کے خاوند رغبت کرتے ہیں۔

اور مصنف عبدالرزاق' سنن دارمی' صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر میں یہ روایت اس طرح ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون سے ملے اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی' کیا تمہارے لیے میری سیرت میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے یہ ارادہ کیا کہ دنیا کو ترک کر دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور راہب ہو جائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف (دین میں) سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سختی کی' ان کے بچے کھچے لوگ مندروں اور گرجوں میں ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' حج کرو اور عمرہ کرو' تم سیدھے رہو تو تمہارے لیے استقامت ہوگی' اور ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں' عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں' ان میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔

(جامع البیان' ج۷' جز ۷' ص۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

مجیبہ باہلیہ اپنے والد یا چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے' پھر واپس چلے آئے۔ پھر ایک سال کے بعد دوبارہ آپ سے ملنے گئے' اس وقت ان کا جسم کمزوری کی وجہ سے بہت متغیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا فلاں باہلی ہوں جو ایک سال پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے اس قدر بدل گئے تم تو بہت خوبصورت تھے؟ انہوں نے کہا میں جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں' میں نے کبھی دن کو کھانا نہیں کھایا' صرف رات کو کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے نفس کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ پھر آپ نے فرمایا رمضان کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا زیادہ کریں مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہر ماہ دو روزے رکھ لو' انہوں نے پھر کہا زیادہ کریں' آپ نے فرمایا ہر ماہ تین روزے رکھ لو۔ انہوں نے پھر کہا' زیادہ کریں۔ فرمایا حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو۔ پھر چھوڑ دو' حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو' حرم کے مہینہ میں روزہ رکھو پھر چھوڑ دو۔ آپ نے تین انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا' پھر چھوڑ دیا۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے مہینہ میں تین مسلسل روزے رکھو' پھر تین دن چھوڑ دو' اور اس طرح تین بار کرو' یعنی صرف حرم کے مہینہ میں نو نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی۔ (حرم کے مہینہ سے مراد ایام حج کے مہینے ہیں۔)

(سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ فلاں عورت ہے' اس کی نمازوں کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا چھوڑو' اتنا عمل کرو جو ہمیشہ کر سکو' بخدا! اللہ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ' اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر بندہ ہمیشگی کرے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۳' صحیح مسلم' مسافرین' ۲۲۱' (۷۸۵) ۱۸۰۳' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۱' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۳۸' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۲۹۹' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۶' ص ۵۱' طبع قدیم' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ رسی کیسی ہے؟ تو بتایا یہ زینب کی رسی ہے جب وہ (نماز میں) تھک جاتی ہیں تو اس رسی کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں! اس کو کھول دو' تم میں سے کوئی شخص جب تک خوشی سے نماز پڑھ سکتا ہے' پڑھے اور جب تھک جائے' تو بیٹھ جائے۔ (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۵۰' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے' اچانک ایک شخص کو (دھوپ میں) کھڑے ہوئے دیکھا' آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ نے کہا یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا' بیٹھے گا نہیں' نہ سایہ میں آئے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس سے کہو کہ بات کرے' سایہ میں آئے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۷۰۴' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۰۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱ رقم الحدیث: ۲۱۳۶' موطا امام

مالک ' رقم الحدیث:۱۰۳۹ ' مسند احمد ' ج ۴ ' ص ۱۶۸ ' طبع قدیم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق فتویٰ معلوم کروں' میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ حج کو جائے اور سوار ہو۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس کے پیدل چلنے سے مستغنی ہے' اس سے کہو سوار ہو۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث:۱۸۶۶' صحیح مسلم' نذر' ۱۱' (۱۶۴۴) ۴۱۷۲' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث:۱۵۴۱' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث:۳۲۹۹' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث:۳۸۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا' ایک بوڑھا شخص جو چل نہیں سکتا تھا' اسے اس کے دو بیٹے پکڑ کر چلا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صحابہ نے کہا اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے کہ یہ اپنے نفس کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث:۱۸۶۵' صحیح مسلم' نذر' ۹' (۱۶۴۲) ۴۱۶۹' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث:۳۳۰۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث:۱۵۴۲' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث:۳۸۶۴' ۳۸۶۴' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث:۱۲۲۸' مسند ابو یعلی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۵۳۲ صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث:۴۳۸۳' ابن الجارود' رقم الحدیث:۹۳۹' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۷۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں گئے' ایک شخص ایک غار میں گیا جس میں پینے کے لیے پانی بھی تھا' اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ اس غار میں رہے تو اس میں پانی بھی ہے اور اس کے اردگرد سبزیاں بھی ہیں' وہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر اس غار میں رہ کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں۔ اگر آپ نے اجازت دے دی' تو میں اس غار میں رہوں گا' ورنہ نہیں رہوں گا۔ اس نے آپ سے عرض کیا یانبی اللہ! میں ایک غار کے پاس سے گزرا' اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے پانی بھی ہے اور سبزیاں بھی ہیں' میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس غار میں رہوں اور دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو جاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں مبعوث کیا گیا' میں ملت حنیفیہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں' جو بہت آسان ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح کرنا یا ایک شام گزارنا' دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' اور تم میں سے کسی ایک شخص کا جہاد کے لیے صف میں کھڑے ہونا اس کی (تنہا) ساٹھ سال کی نمازوں سے بہتر ہے۔

(علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج ۱۶' رقم الحدیث:۲۲۱۹۲' طبع دارالحدیث' قاہرہ۔ مسند احمد' ج ۵' ص ۲۶۶' طبع قدیم' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۸' رقم الحدیث:۷۸۶۸' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۲۷۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ دین آسان ہے جو شخص اس دین کو مشکل بنانے کی کوشش کرے گا' دین اس پر غالب آجائے گا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث:۳۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے

کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۲۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے' تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اسلام معتدل' سہل اور دین فطرت ہے

ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے' وہ توسط اور اعتدال کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع اور مذموم ہے' اسی طرح اسلام میں سخت اور مشکل عبادات مطلوب نہیں ہیں' بلکہ اسلامی احکام میں نرمی' ملائمت' سہولت اور آسانی مرغوب ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہم میں رہبانیت نہیں ہے۔ (العلل المتناہیہ' ج ۲' ص ۱۵۲)

اور آپ نے فرمایا اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی۔ (مصنف عبدالرزاق' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۶۹) اسلام میں ترک لذائذ' سخت ریاضات اور عبادات شاقہ ممنوع ہیں' مصنوعی زاہدوں اور جعلی صوفیوں نے جو خود ساختہ شریعت وضع کرلی ہے اس کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیکی اور فضیلت حاصل کرنے کا اصل اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا اور جو راستہ ہمارے لیے مقرر کیا اور جس طریقہ پر صحابہ کرام گامزن رہے اور اخیار تابعین نے جس کو اپنایا۔

حضرت عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بہت بلیغ نصیحت کی' جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ہمارے دل خوف زدہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر کا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کی' خواہ وہ حبشی غلام ہو' کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا' اور تم بدعات (سیئہ) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں' تم میں سے جو شخص اس اختلاف کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے' اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۴۲' سنن دارمی' ج ا' رقم الحدیث: ۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۴۵)

سنن ترمذی کے علاوہ باقی کتب حدیث میں اس طرح مذکور ہے' کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا' سو تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو' اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرو اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لو۔

آیا حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے ایمان والو! تم ان چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کردیا ہے' اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدہ: ۸۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام کرنے کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ یہ قسم ہے اور نہ اس پر کفارہ لازم کیا ہے۔ اس وجہ سے امام مالک اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے' اور نہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اس کے

برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔

امام مالک کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اپنے نفس پر طعام کو یا مشروب کو یا اپنی باندی کو حرام کرلے' یا کسی بھی حلال چیز کو حرام کرلے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی' اور نہ امام مالک کے نزدیک اس پر ان میں سے کسی چیز کے حرام کرنے کی وجہ سے کفارہ ہے۔ ہاں! اگر وہ باندی کو حرام کر کے اس کو آزاد کرنے کی نیت کرے' تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے' خواہ صراحتاً' خواہ کنایتاً اور حرام کرنا کنایات طلاق میں سے ہے' اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حرام کرے گا' وہ چیز اس پر حرام ہو جائے گی اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور یہ آیت ان پر رد کرتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۱۹۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' یہ آیت امام ابوحنیفہ کے اس وقت خلاف ہوتی جب اس میں یہ مذکور ہوتا کہ حلال کو حرام کرنا قسم نہیں ہے' یا اس میں کفارہ نہیں ہے' کفارہ کا ذکر نہ کرنا عدم کفارہ کے ذکر کو کب مستلزم ہے؟

امام شافعی کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں!

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے' امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ اس قول سے طلاق کی نیت کرے تو یہ طلاق ہے' اور اگر اس سے ظہار کی نیت کرے تو یہ ظہار ہے' اور اگر طلاق اور ظہار کے بغیر یہ نیت کرے کہ وہ بعینہ اس پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے لیکن اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے' اور اگر اس نے بغیر نیت کے یہ الفاظ کہے تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں کفارہ قسم لازم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام لغو ہے اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا' یہ ہمارا مذہب ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۶' ص ۴۰۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام مالک' امام شافعی اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے' یا یہ پانی' یا یہ کپڑا' یا گھر میں داخل ہونا' یا زید سے بات کرنا' اور بیوی اور باندی کے علاوہ باقی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے متعلق یہ کہے یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ کلام لغو ہوگا' اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوگا' اور نہ وہ چیز اس پر حرام ہوگی' اور جب وہ اس چیز کو تناول کرے گا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۶' ص ۴۰۰۸۔ ۴۰۰۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام احمد کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا اگر میں نے فلاں کام کیا تو اللہ نے جو مجھ پر حلال کیا ہے وہ حرام ہے۔ پھر اس نے اس کام کو کرلیا تو اس کو اختیار ہے یا تو جن چیزوں کو اس نے اپنے نفس پر حرام کیا ہے ان کو ترک کردے یا چاہے تو کفارہ دے۔ حضرت ابن مسعود' حسن بصری' جابر بن زید' قتادہ' اسحاق اور اہل عراق کا یہی مسلک ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا جس شخص نے کہا حلال مجھ پر

حرام ہے' یہ قسم ہے۔ اور وہ اس کا کفارہ دے گا۔ اور حسن نے کہا یہ قسم ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ کرے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اس کی مثل مروی ہے' اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو درست ہے' ورنہ یہ قول لغو ہے۔ ضحاک سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود سے یہ روایت ہے کہ حرام قسم ہے اور طاؤس نے کہا یہ اس کی نیت پر موقوف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا حرام قسم نہیں ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے' کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنے کا قصد کرنا ہے' اس لیے اس کا قصد لغو ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (الخ) (التحریم: ۲-۱) اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم سے نکلنے کے لیے کفارہ کو مشروع فرمایا ہے۔ جیساکہ شہد یا حضرت ماریہ کی تحریم کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی حلال کو حرام کرنے پر قسم کا اطلاق فرمایا ہے۔ (المغنی' ج ۹' ص ۴۰۲-۴۰۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ (التحریم: ۲-۱)	اے نبی! آپ (اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضاجوئی کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (اے ایمان والو!) بے شک اللہ نے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے۔ (یعنی کفارہ)

اس آیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے' وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر میں نے اور حضرت حفصہ نے اتفاق کیا کہ جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں وہ یہ کہے کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے' کیا آپ نے مغافیر (ایک قسم کا گوند) کھایا ہے؟ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک (حضرت حفصہ) کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یہی کہا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے' اور میں اس کو دوبارہ ہرگز نہیں پیوں گا' تب یہ آیت نازل ہوئی: لم تحرم ما احل اللہ لک (الخ) (التحریم: ۲-۱)

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۲۶۷' صحیح مسلم' طلاق ۲۰' (۱۴۷۴) ۳۶۱۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۷۹۵' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۴۲۱)

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیت سے یہ واضح ہوگیا کہ حلال کو حرام کرنے پر اللہ تعالیٰ نے قسم کا اطلاق فرمایا ہے اور اس قسم کی بندش کو کھولنے کے لیے کفارہ مقرر فرمایا ہے' بعض روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے نفس پر حرام فرمایا تھا۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ام المومنین ایک دن اپنے والد کی زیارت کے لیے گئیں اور اس دن حضور کی ان

کے گھر میں باری تھی، جب رسول اللہ ﷺ گھر آئے تو آپ نے ان کو گھر میں نہیں دیکھا، تب آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو بلالیا اور حضرت حفصہ کے حجرہ میں ان سے اپنی خواہش پوری کی اور اسی حالت میں حضرت حفصہ آپہنچیں اور کہنے لگیں، یارسول اللہ! آپ میرے گھر میں اور میری باری میں یہ عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے اور تم یہ کسی کو نہ بتانا، حضرت حفصہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور ان کو یہ واقعہ بتایا۔ تب سورۂ تحریم کی ایک تا چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی باندی سے رجوع کریں۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۷، جامع البیان، جز ۲۸، ص ۲۰۱-۲۰۰، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حرام کرنا قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں اچھا نمونہ ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۴۹۱۱-۵۲۶۶، صحیح مسلم، طلاق ۱۸، (۱۴۷۳) ۳۶۱۲، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری سے سوال کیا گیا ایک شخص نے کہا حلال مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے کہا جب تک وہ اس سے اپنی بیوی کی نیت نہ کرے اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن کبریٰ ج ۷، ص ۳۵۱)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر حلال حرام ہے تو یہ قسم ہے، وہ اس کا کفارہ ادا کرے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۸۸)

سعید بن جبیر نے کہا جب کوئی شخص یہ کہے کہ حلال اس پر حرام ہے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ دے۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا حرام کرنے قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا حرام قسم ہے۔

(سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث: ۱۶۹۵)

ابراہیم نخعی نے کہا جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے، اگر اس نے اس قول سے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے۔ جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا حرام قسم ہے۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۴)

ابراہیم نخعی اور عبیدہ نے کہا جس شخص نے اپنی باندی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۵)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کیلئے قسم کھائی کہ آپ اپنی باندی سے مقاربت نہیں کریں گے اور فرمایا یہ مجھ پر حرام ہے، تب آپکی قسم کیلئے کفارہ نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو یہ حکم دیا کہ آپ کیلئے جو چیز اللہ نے حلال کی ہے آپ اسکو حرام نہ کریں۔ (سنن سعید بن منصور، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۳۵۳)

(مذکور الصدر احادیث اور آثار مصنف عبد الرزاق ج ٦' ص ۴۰۲-۳۹۹' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۵' ص ۷۵-۷۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۵۳-۳۵۰' اور جامع البیان' جز ۲۸' ص ۲۰۱-۱۹۸' میں بھی مذکور ہیں اور ان احادیث اور آثار میں اس پر صریح دلیل ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنے نفس پر کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کا وہ مالک نہیں ہے' مثلاً کہا: مجھ پر یہ کپڑا' یا یہ کھانا حرام ہے تو اس پر وہ چیز حرام نہیں ہوگی اور اس کے لیے اس کو تناول کرنا جائز ہے' اور اگر اس نے وہ کپڑا پہن لیا' یا وہ کھانا کھا لیا تو اس پر کفارہ قسم ہے۔ امام شافعی نے کہا اس پر کفارہ نہیں ہے' کیونکہ بیوی اور باندی کے ماسوا میں یہ قسم نہیں ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے (یہ علامہ عینی کا تسامح ہے' امام احمد کا قول امام اعظم کے موافق ہے' جیسا کہ ہم علامہ ابن قدامہ حنبلی سے نقل کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور امام مالک نے کہا جس شخص نے بیوی کے سوا اپنے نفس پر کسی چیز کو حرام کیا تو یہ قسم نہیں ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آتا' کیونکہ حلال کو حرام کرنا شریعت کو بدلنا ہے۔ لہٰذا اس سے ایک شرعی عقد (قسم) منعقد نہیں ہوگا' ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ حرمت ثابت کرنے کی خبر دیتا ہے' ہرچند کہ اس سے بعینہٖ حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ وہ تو نص قرآن سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے حرمت لغیرہٖ ثابت ہو سکتی ہے جو کہ قسم کا تقاضا ہے تو جب ایک عاقل بالغ کے کلام کو صحت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کلام کو صحت پر محمول کیا جائے گا' اور اس سے قسم مراد لی جائے گی اور اس کلام کو لغو نہیں قرار دیا جائے گا اور قسم توڑنے سے اس پر کفارہ لازم ہوگا' اور قرآن مجید کی سورۂ تحریم کی آیت ۲-۱ سے صراحتاً ثابت ہے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور صریح آیت کے مقابلہ میں آراء کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(البنایہ شرح الہدایہ' ج ٦' ص ۴۰-۳۹' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ' فتح القدیر' ج ۵' ص ۸۵-۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بیوی سے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" اس میں مفتی بہ قول

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس کے متعلق امام اعظم کا مذہب بیان کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی' اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو طلاقوں کی نیت کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے' یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۹' ص ۲۳۸' صحیح مسلم مع شرح النووی' ج ٦' ص ۴۰۰۷)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے تحریم کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی' تو یہ ایلاء ہے (ایلاء یہ ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے قسم پوری کی تو چار ماہ بعد اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ قسم دینا ہوگا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے' اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی ہے تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ حکم دیانۃً ہے اور قضاءً یہ ایلاء ہے۔ (یعنی اس کے جھوٹ کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' اس لیے یہ ایلاء پر محمول کیا جائے گا)

(در مختار علی رد المحتار' ج ۲' ص ۵۵۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ ہدایہ میں مذکور ہے کہ عرف کی وجہ سے یہ قول کھانے پینے پر محمول ہے، اگر اس نے کھایا یا پیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور بغیر نیت کے اس کا یہ قول اس کی بیوی کو شامل نہیں ہوگا اور اگر وہ نیت کرلے تو پھر یہ ایلاء ہے۔ یہ جواب ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ پھر مشائخ متاخرین کا مختار یہ ہے کہ بغیر نیت کے اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ متن میں جو مذکور ہے کہ اس نے عورت کے حرام ہونے کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے، اور اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے، اور اگر اس نے جھوٹ کی نیت کی تو یہ کلام لغو ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے بالخصوص بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس کے برخلاف جب اس نے عام لفظ بولا مثلاً اللہ کا ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو یہ قول عرف کی بنا پر کھانے پینے کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کلام بیوی کو اس وقت شامل ہوگا جب وہ اس کلام سے بیوی کی نیت کرے، اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے کہ وہ عام لفظ بولے (مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے) یا خاص لفظ بولے (مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر حرام ہے) ہر صورت میں اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ (کیونکہ یہ نیا عرف ہے، لوگ طلاق دینے کے لیے یہ کہتے ہیں) اس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اس قول (تو مجھ پر حرام ہے) میں دو عرف ہیں، ایک عرف اصلی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قول ایلاء کے معنی میں قسم ہے اور دوسرا عرف نیا ہے اور وہ اس قول سے طلاق کا ارادہ ہے اور فتویٰ نئے عرف پر ہے، کیونکہ ہر عقد کرنے والے اور قسم کھانے والے کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جاتا ہے، خواہ وہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ظاہر الروایہ پر فیصلہ کرے یا فتویٰ دے، اور عرف کو ترک کردے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس قول کو طلاق پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ یہی عرف حادث اور مفتی بہ ہے۔ لہٰذا اس قول سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ کلام عام ہو، مثلاً ہر حلال مجھ پر حرام ہے، یا کلام خاص ہو مثلاً بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اور یہ قسم نہیں ہے، نہ اس پر کفارہ ہے۔ (رد المحتار، ج ۲، ص ۵۵۳، ملخصاً و موضحاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عالمگیری میں مذکور ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اس کلام سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اب اس کلام کا غلبہ استعمال ارادہ طلاق میں ہے۔ (عالمگیری، ج ۲، ص ۵۶، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

امام احمد رضا قادری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۵۶۷، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، پاکستان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ (المائدہ: ۸۸)

افضل یہ ہے کہ کبھی نفس کے جائز تقاضوں کو پورا کرے اور کبھی نہ کرے

ہرچند کہ اس آیت میں اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے کھانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔ اس میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان، سواری اور ازدواج کی نعمتیں شامل ہیں اور بالخصوص کھانے پینے کی نعمتوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کھانے اور لباس میں لذائذ اور مرغوبات کے متعلق بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ان کو ترک کرنا اور ان سے اعراض کرنا افضل ہے، تاکہ انسان نفسانی خواہشوں

کا غلام نہ بن جائے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو وسعت دی ہو تو اس کو توسع اختیار کرنا چاہیے۔ لذیذ کھانے' عمدہ لباس' خوبصورت مکان اور اعلیٰ درجہ کی سواریوں سے متمتع ہونا چاہیے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اور حق داروں کے حقوق کو ادا کرتا رہے' تاہم توسط اور اعتدال زیادہ پسندیدہ ہے۔ کبھی مرغوبات نفسی سے حظ حاصل کرے اور کبھی نفس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے' تاکہ فقر اور غنا کے دونوں مرتبوں کا جامع ہو جائے۔

نبی ﷺ کو گھر میں جو مل جاتا تھا وہ آپ کھا لیتے تھے۔ کبھی گوشت اور میٹھی چیزوں کی طرح عمدہ اور لذیذ طعام تناول فرماتے اور کبھی بہت سادہ کھانا کھاتے۔ آپ نمک' زیتون کے تیل یا سرکہ کے ساتھ جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ کبھی آپ بھوکے رہتے اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتے اور کبھی سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔ غرض! آپ کی سیرت طیبہ میں تنگ دست اور خوش حال اور غنی اور فقیر سب کے لیے نمونہ ہے۔ آپ طعام سے زیادہ مشروبات کا اہتمام کرتے تھے اور آپ کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند تھا' اور آپ ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ خرچ کم کرتے تھے اور نہ فضول خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا (الطلاق: ۷)

صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ ہر شخص کو اس کے مطابق مکلف کرتا ہے جتنا اس کو دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا' سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے' جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ: ۸۹)

مناسبت اور شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے (المائدہ: ۸۷) تو جن مسلمانوں نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اب ہماری ان قسموں کا کیا ہو گا جو ہم کھا چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ (الآیہ)

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۹-۱۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے عورتیں' گوشت اور رات کی نیند ترک کرنے کی قسمیں کھائی تھیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان پر کفارہ لازم کر دیا' یعنی وہ قسم توڑیں اور کفارہ ادا کریں۔

یمین کا لغوی اور اصطلاحی معنی

یمین کے از روئے لغت تین معنی ہیں۔ (۱) قوت (۲) داہنا ہاتھ (۳) قسم

یمین بہ معنی قوت اس آیت میں ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ (الحاقہ: ۴۵-۴۴)

اور اگر وہ (رسول) کوئی بھی بات ہم پر بنا کر اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔

یمین کا معنی داہنا ہاتھ بھی اس وجہ سے ہے کہ اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ یمین بہ معنی دایاں ہاتھ اس آیت میں ہے:

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ (الواقعہ: ۹۱-۹۰)

اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں سے ہو (تو اس سے کہا جائے گا) تجھ پر سلام ہو (تو) دائیں طرف والوں سے ہے۔

یمین کا تیسرا معنی قسم ہے جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اور قسم پر یمین کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے لیے حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ نیز قسم کے ذریعہ سے قسم کھانے والا اپنے کلام کو قوی اور موکد کرتا ہے۔

قسم کھانے کا جواز اور مشروعیت

قسم کھانا مشروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قسم کھائی ہے اور نبی ﷺ کو بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کی یہ چند مثالیں ہیں:

وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم: ۱) — روشن ستارے کی قسم! جب وہ غروب ہوا۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد: ۱) — میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا (الشمس: ۱) — سورج اور اس کی چمک کی قسم۔

وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ: ۲-۱) — چاشت کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ (تاریکی کا) پردہ ڈالے۔

اور نبی ﷺ کو ان آیات میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے:

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (یونس: ۵۳)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی وہ (دائمی عذاب) برحق ہے؟ آپ کہئے ہاں! میرے رب کی قسم! وہ برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ (سبا: ۳)

اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہئے میرے رب عالم الغیب کی قسم! وہ ضرور تم پر آئے گی۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ (التغابن: ۷)

کافروں نے اپنے فاسد گمان سے کہا: وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے، آپ کہئے کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

احادیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواری نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف چتکبرے کوہان والے تین اونٹ بھیجے۔ ہم نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری طلب کرنے گئے تھے تو

آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہم کو سواری نہیں دیں گے' ہم نے آپ کے پاس جا کر آپ کو اس قسم کی خبر دی' آپ نے فرمایا میں جب بھی کسی چیز کی قسم کھاتا ہوں پھر اس کے غیر کو بہتر سمجھتا ہوں تو میں وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم' الایمان' ۱۰ (۱۶۴۹) ۴۱۹۰' صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۸۵' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۵۵۵' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۸۰۷' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۱۹۵۳۶)

جھوٹ کا خدشہ نہ ہو تو زیادہ قسمیں کھانے کا جواز

فقہاء کے نزدیک ہر چند کہ قسم کھانا مباح ہے لیکن بہ کثرت قسم کھانا مکروہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے کی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (القلم: ۱۰) اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے۔

لیکن اگر بہ افراط قسمیں نہ کھائی جائیں تو پھر قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قسم کھانا مطلقاً مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اور اللہ (کے نام) کو تم اپنی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۴)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بہت قسم کھاتے تھے' بعض اوقات ایک حدیث میں کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

آپ نے خطبہ کسوف میں فرمایا اے محمد کی امت اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ اس پر کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے' اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ چیزیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

آپ نے ترک دنیا کرنے کا ارادہ کرنے والے صحابہ سے فرمایا سنو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

آپ نے ابو طالب سے اس کے مرتے وقت فرمایا سنو! اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمہاری استغفار سے منع نہ کیا جائے (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا' اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا' اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ۔

(سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

اس ایک حدیث میں نبی ﷺ نے تین بار قسم کھائی ہے۔

اور بہ افراط قسمیں کھانا اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ انسان کسی جھوٹ پر اللہ کی قسم کھا لے اور مانعین نے جو آیت پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کی دلیل نہیں ہے' کیونکہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (البقرہ: ۲۲۴) اللہ کے نام کو اپنی ایسی قسموں کے لیے بہانہ نہ بناؤ جن سے مقصد نیکی' خدا خوفی اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے باز

رہتا ہو۔

یعنی کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ نیکی نہیں کرے گا' خدا خوفی نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا' پھر اور نیک کاموں سے یہ کہہ کر باز رہے کہ میں تو یہ کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں' سو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ نیکی کر کے قسم توڑے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی' پھر وہ اس چیز کے خلاف کرنے کو بہتر جانے تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۱۱' (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

فی نفسہ قسموں کی اقسام

فی نفسہ قسموں کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب' مستحب' مباح' مکروہ اور حرام

واجب: اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔

حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے نکلے' ہمارے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی تھے' ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھائی کہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے' میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی' اور میں نے قسم کھائی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۱۹' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۷۲۶' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ۷۹' طبع قدیم)

مستحب: جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرانا قسم کھانے پر موقوف ہو' یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ کو زائل کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو' یا کسی شر کو رفع کرنا قسم کھانے پر موقوف ہو' تو ان صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے۔ اسی طرح کسی عبادت کے کرنے یا کسی گناہ کے ترک کرنے پر قسم کھانا مستحب ہے۔

مباح: کسی مباح کام کے کرنے یا اس کو ترک کرنے پر قسم کھانا مباح ہے' جس خبر کے صادق ہونے کا یقین ہو' یا اس کے صدق کا غلبہ ظن ہو' اس پر قسم کھانا بھی مباح ہے۔

مکروہ: کسی مکروہ کام کے کرنے پر' یا کسی مستحب کام کے ترک پر قسم کھائی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے' حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح کو خرچ دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے براءت بیان کر دی' تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ پہلے جو حضرت مسطح کو خرچ دے کر ان کی مدد کرتے تھے وہ اب بند کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب وسعت اور خوش حال ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (کچھ) نہیں دیں گے' ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کار خیر کو ترک کرنے کی قسم کھانا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

حرام: جھوٹی قسم کھانا اور خلاف واقع قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (المجادلہ: ۱۴-۱۵)

اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' بے شک وہ (دنیا میں) بہت برا کام کرتے تھے۔

اسی طرح معصیت پر اور ترک واجب پر قسم کھانا حرام ہے۔ مثلاً کوئی شخص ناجائز کام کرنے کے لیے قسم کھائے تو یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا' اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' اور نہ ان کو پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اپنا حق ثابت کرنے کے لیے قسم کھانے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جب حاکم کے سامنے اپنے حقوق پر قسم کھانی ہو تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنا حق ترک کر دیا جائے اور قسم نہ کھائی جائے اور یہ اولیٰ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے حق پر قسم کھانا جائز ہے۔ پہلی رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت مقداد میں اس رقم کے متعلق اختلاف تھا' جو حضرت عثمان سے قرض لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمان کے پاس گواہ نہیں تھے' اس لیے حضرت عمر نے حضرت مقداد پر قسم لازم کی۔ حضرت مقداد نے حضرت عثمان پر قسم لوٹا دی۔ حضرت عثمان نے قسم کھانے کی بجائے ان کے قول کے مطابق رقم لے لی اور خود قسم نہیں کھائی۔ اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ مقداد پر کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے کہ یہ مصیبت عثمان کی قسم کی وجہ سے آئی ہے۔ سو دونوں صحابہ نے قسم پر اپنا حق چھوڑنے کو ترجیح دی' اور دوسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک میرے ہاتھ میں عصا ہے' اور عمر بن شبہ نے کتاب قضاۃ البصرۃ میں اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابی رضی اللہ عنہما نے ایک کھجور کے درخت کے متعلق حضرت زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت ابی بن کعب کا اس درخت پر دعویٰ تھا' تو حضرت عمر پر قسم آئی۔ حضرت زید نے کہا تم امیر المومنین سے قسم کو معاف کر دو' حضرت عمر نے فرمایا امیر المومنین کو کیوں معاف کیا جائے؟ اگر مجھے معلوم ہو کہ کسی چیز پر میرا حق ہے اور قسم کھانے سے مجھے وہ حق مل جائے گا تو میں ضرور قسم کھاؤں گا' ورنہ میں قسم کو ترک کر دوں گا' اور اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہ کھجور کا درخت میرا درخت ہے اور اس پر ابی کا کوئی حق نہیں ہے۔ جب وہ دونوں عدالت سے نکلے تو حضرت عمر نے وہ درخت ابی کو بخش دیا۔ ان سے کہا گیا اے امیر المومنین! آپ نے قسم کھانے سے پہلے ابی کو درخت کیوں نہیں دے دیا' حضرت عمر نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے قسم نہیں کھائی تو لوگ میرے بعد اپنے حقوق پر قسم نہیں کھائیں گے اور یہی طریقہ مقرر ہو جائے گا' اور یہ حق پر سچی قسم ہے تو جس طرح یہ قسم حاکم کے علاوہ

دوسروں کے سامنے کھانا جائز ہے' وہ حاکم کے سامنے بھی جائز ہے۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۸۹-۳۸۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت ۱۴۰۵ھ)

قسم کھانے کا طریقہ

قسم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اس طرح قسم کھائے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' یا اس ذات کی قسم جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نبی ﷺ اس طرح قسم کھاتے تھے' اس ذات کی قسم محمد کی جان جس کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً یہ ہیں اللہ' رحمن' رحیم' خالق' باری' رزاق' رب وغیرہ۔ ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے اور اللہ کی صفات یہ ہیں' اللہ کی عظمت' اللہ کا جلال' اللہ کی قدرت' اللہ کا علم' اللہ کا کلام وغیرہ۔ نبی ﷺ یوں قسم کھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" دلوں کے پلٹنے والے کی قسم۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۶۱۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۰۹۲) اگر کسی شخص نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں' اس میں اگر وہ قسم کی نیت کرے گا تو قسم ہے' ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سواروں کی ایک جماعت میں اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ندا کر کے فرمایا: سنو! اللہ تمہیں تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ سو جس شخص نے قسم کھائی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے' ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۰۸' صحیح مسلم' الایمان' ۳' (۱۶۴۶) ۴۱۷۸)

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور حقیقی تعظیم اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہے' اس لیے غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ نہیں کیا جائے گا۔ نیز! جس کی قسم کھائی جائے اس کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وقت ہر چیز پر گواہ ہو۔ اس لیے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کو توڑ دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایک بار غیر اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کروں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے' مثلاً فرمایا: والطور (الطور: ۱) پہاڑ طور کی قسم اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کا پابند نہیں ہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے' اس پر کوئی سوال یا اعتراض نہیں ہے اور پہاڑ طور' درخت انجیر وغیرہ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی ذات پر گواہ ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے' اور عام فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے' اور ہمارے زمانہ میں فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور حدیث میں ممانعت اس پر محمول ہے جب اس قصد سے غیر اللہ کی قسم کھائے کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ حانث ہو گا اور اس کا کفارہ ادا کرے گا' اور جب یہ قصد نہ ہو تو پھر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے' جیسے کوئی کہے کہ تمہارے باپ کی قسم! یا تمہاری زندگی کی قسم!

(در مختار علی ہامش رد المحتار' ج ۳' ص ۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں چونکہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر اس کو پورا کرنے میں تساہل برتتے ہیں' اس لیے لوگ تاکید اور توثیق کے لیے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم طلاق کی قسم کھاؤ' مثلاً اگر میں نے فلاں تاریخ کو فلاں کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق' توثیق کے حصول کے لیے طلاق کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس میں حرف قسم نہیں ہوتا' اور کبھی حرف قسم کے ساتھ باپ یا زندگی کی قسم کھائی جاتی ہے اس لیے توثیق مطلوب نہیں ہوتی' اور نہ اس میں قسم پوری نہ کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے صرف اس کے ساتھ تعلق اور محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے' اور اگر طلب توثیق کے لیے حرف قسم کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے' کیونکہ اس میں غیر اللہ کو تعظیم میں اللہ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے۔

(ردالمحتار' ج ۳' ص ۴۷-۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

یمین لغو کی تعریف

ازہری نے کہا ہے: کہ لغو کے کلام عرب میں دو معنی ہیں۔ ایک معنی بے فائدہ اور باطل کلام جس سے کوئی عقد نہ کیا جائے۔ دوسرا معنی ہے فحش اور بے ہودہ کلام' جو گناہ کا موجب ہو۔ قرآن مجید میں ہے (لا یسمعون فیھا لغوا الا سلما) (مریم: ۶۲) وہ جنت میں کوئی فضول اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے' بجز سلام کے۔

علامہ ابو اسحق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا ارادہ قسم کھانے کا نہ ہو اور بلا قصد اس کی زبان پر قسم کے الفاظ آجائیں' یا وہ شخص کسی چیز پر قسم کھانے کا ارادہ کرے اور اس کی زبان سے کوئی اور چیز نکل جائے تو یہ یمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا اور حضرت ابن عمر' ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کہے' نہیں' خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم! اور جو چیز زبان پر بلا قصد آجائے اس میں مواخذہ نہیں ہوتا' جیسے سبقت لسان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ (المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کو گمان ہو کہ یقینی طور پر فلاں واقعہ ہوا اور وہ اس پر قسم کھالے اور در حقیقت واقعہ اس کے خلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور وہ اس کے گمان کے مطابق نہ ہو تو یہ یمین لغو ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو مالک' حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔ حسن بصری' نخعی' امام مالک' امام ابو حنیفہ' امام اوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے۔ امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

(المغنی' ج ۹' ص ۳۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھائے اور اس کے گمان میں وہ واقعہ اسی طرح ہو اور در حقیقت واقعہ اس کے برخلاف ہو تو یہ یمین لغو ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور ایک شخص کے متعلق

قسم کھائے کہ یہ زید ہے اور اس کا یہی گمان ہو اور وہ در حقیقت عمرو ہو تو یہ بھی یمین لغو ہے۔
(ھدایہ اولین 'ص ۴۹۷-۴۷۸ 'مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ 'ملتان)

یمین منعقدہ کی تعریف

مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو یہ یمین منعقدہ ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا لازم ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ: ۸۹) اور جب اس قسم کو توڑے تو اس کا کفارہ دینا لازم ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے۔ الآیہ (المائدہ: ۸۹) اس قسم میں کفارہ بالاتفاق مقرر ہے 'خواہ کسی طاعت پر قسم کھائی ہو یا کسی معصیت پر 'لیکن اگر اس نے کسی معصیت پر قسم کھائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ معصیت نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے 'جیسا کہ ہم اس سے پہلے (صحیح مسلم 'ایمان '۱۱ (۱۶۵۰) ۴۱۹۲) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہے 'خواہ اس نے عمداً قسم توڑی ہو 'یا بھول کر 'یا خطاء سے 'یا جبر سے 'کیونکہ قرآن مجید نے قسم توڑنے پر مطلقاً کفارہ لازم کیا ہے 'اور اس میں عمد اور نسیان کا فرق نہیں کیا۔

(بدایۃ المجتہد 'ج ۱ 'ص ۳۰۴ 'بدائع الصنائع 'ج ۳ 'ص ۱۷)

امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نسیان 'خطایا جبر سے قسم توڑ دی 'تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔
(المہذب 'ج ۲ 'ص ۱۲۸ 'المغنی 'ج ۹ 'ص ۳۹۱)

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے خطا 'نسیان 'اور جبر سے مواخذہ اٹھالیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط 'ج ۹ 'رقم الحدیث: ۸۲۷۹ 'مطبوعہ مکتبۃ المعارف 'ریاض '۱۴۱۵ھ)

یمین غموس کی تعریف

ماضی یا حال کے کسی واقعہ پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے تو یہ یمین غموس ہے اور اس کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھانے والا عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس میں کفارہ نہیں ہے اس پر توبہ لازم ہے 'کیونکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔ فقہاء احناف 'فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ کا یہی مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع 'ج ۳ 'ص ۱۵ '۳ 'الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی 'ج ۲ 'ص ۱۲۸ 'المغنی ج ۹ 'ص ۳۹۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قسم کھائی اور وہ اس میں جھوٹا تھا تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو حاصل کرے تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔

(صحیح مسلم 'ایمان '۲۱۸ (۱۳۷) ۳۴۶ 'سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث: ۲۳۲۴ 'سنن الدارمی 'رقم الحدیث: ۲۵۰۵ 'صحیح ابن حبان 'رقم الحدیث: ۵۰۸۷ 'مسند احمد 'ج ۵ 'ص ۲۶۰ 'سنن کبریٰ 'ج ۱۰ 'ص ۱۷۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کوئی فیصلہ کروایا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد 'رقم الحدیث: ۳۲۴۲ 'مسند احمد 'ج ۴ 'ص ۴۳۱-۴۳۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا 'ماں باپ کی

نافرمانی کرنا یا فرمایا: یمین غموس (جھوٹی قسم) اور شعبہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یمین غموس' ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: کسی کو قتل کرنا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۶۸۷۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۴۰۲۲' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۵۶۲' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۰۱)

امام شافعی کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور یمین غموس میں جھوٹ کا گناہ کفارہ سے ساقط ہو جاتا ہے' جیسے یمین منعقدہ میں قسم توڑنے کا گناہ کفارہ سے ساقط ہوتا ہے۔ (المہذب' ج ۲' ص ۱۲۸)

کفارہ قسم کی مشروعیت

کفارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے' کفر کا معنی ہے ستر اور ڈھانپنا۔ سو قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ کفارہ کی مشروعیت سورۂ مائدہ کی زیر تفسیر آیت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (المائدہ: ۸۹) اور حسب ذیل حدیث سے بھی کفارہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی' پھر وہ اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانے' تو وہ اس قسم کے خلاف کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۱۱' (۱۶۵۰) ۴۱۹۲)

کفارۂ قسم کے احکام میں مذاہب ائمہ

قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یا ان کو کپڑے پہنانا ہے اور یا غلام آزاد کرنا ہے' اور جو شخص ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

فقہاء احناف کے نزدیک کھانا کھلانے سے مراد یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا پیش کر دیا جائے اور ان کو کھانے کی اجازت دی جائے' اس کو اصطلاح میں اباحت کہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کو اس کھانے کا مالک بنانا نہیں ہے' اور باقی فقہاء کے نزدیک اس طعام کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کھانے کی مقدار میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہر مسکین کو ایک کلو گرام گندم دی جائے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجور یا جو دیئے جائیں یا ان کی قیمت دی جائے۔

اگر ایک مسکین کو دس روز صبح و شام کھانا کھلایا جائے یا دس دن تک ہر روز اس کو دو کلو گندم یا اس کی قیمت دی جائے تو یہ جائز ہے' لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بہ یک وقت دس آدمیوں کا کھانا دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دس مسکینوں کی بھوک مٹانے کا حکم دیا ہے' خواہ بہ یک وقت یا دس دنوں میں اور یہ مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہو گا۔

جن مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے وہ مسلمان ہوں۔ فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کو بھی کھانا کھلایا جا سکتا ہے' اور باقی فقہاء کے نزدیک کافر کو قسم کا کفارہ کھلانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ میں کپڑے دیئے جائیں تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی ان کا مالک بنانا ضروری ہے' بخلاف کھانا کھلانے کے'

کیونکہ اس سے مقصود بھوک کو مٹانا ہے اور وہ فقط کھانے کی اجازت سے بھی مٹ جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اتنا کپڑا ہونا چاہیے جس سے عام بدن چھپ جائے اور امام احمد کے نزدیک جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے اور امام مالک کے نزدیک جتنے کپڑے سے تمام بدن چھپ جائے اور امام شافعی کے نزدیک کپڑے کا اطلاق دو چادروں پر ہوتا ہے' یہ مقدار ضروری ہے' ورنہ مردوں کو قمیص' شلوار اور ٹوپی دی جائے اور عورتوں کو قمیص' شلوار اور دوپٹہ۔

اس دور میں غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے' اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ضابطہ یہ ہے کہ ایسا غلام آزاد کیا جائے جو کامل الاعضاء ہو اور عیب دار نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ غلام عام ہے' مومن ہو یا کافر' کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے او تحریر رقبۃ (المائدہ: ۸۹) اور اس کو کسی قید سے مقید نہیں کیا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے' کیونکہ کفارہ قتل خطا میں فرمایا ہے۔ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ (النساء: ۹۲) ائمہ ثلاثہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہاں اس کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا' اور جہاں اس کو مقید ذکر کیا ہے وہاں اس کی تقیید پر عمل ہو گا۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قسم توڑنے والا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان کو کپڑے پہنانے یا غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو' تو وہ تین دن کے روزے رکھے گا۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہے' لیکن اگر اس نے لگاتار تین دن کے روزے رکھے تو یہ مستحب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے فصیام ثلاثۃ ایام (المائدہ: ۸۹) اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک لگاتار تین روزے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود کی قرات میں ہے فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات ہرچند کہ یہ قرائت متواتر نہیں ہے' لیکن یہ آیت خبرواحد اور آپ سے روایت کے درجہ میں ہے اور خبرواحد حجت ہوتی ہے اور اس سے قرآن کے کسی حکم میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ جس طرح عمداً روزہ توڑنے کے کفارہ میں جو ساٹھ روزے لگاتار رکھے جاتے ہیں' ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور ان کا لگاتار رکھنا صرف حدیث سے ثابت ہے۔ سو اسی طرح اس کا حکم ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد' ج ۴' ص ۱۹۵۔۱۹۳' المہذب' ج ۲' ص ۱۴۳۔۱۴۲' بدایۃ المجتہد' ج ۲' ص ۱۰۵۔۱۰۷' ردالمحتار' ج ۳' ص ۶۲۔۶۰' فتح القدیر' ج ۵' ص ۹۱۔۷۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا

محض ناپاک ہیں' شیطانی کاموں سے ہیں سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۝ شیطان

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ

اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے

مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ

والے ہو ○ اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو، پھر اگر تم نے

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے ○ ایمان والے اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا

نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ

وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا

سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ (المائدہ: ۹۱-۹۰)

مشکل الفاظ کے معانی

خمر: انگور کا کچا شیرہ، جو پڑے پڑے سڑ کر بدبودار ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، اس کو خمر کہتے ہیں۔ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے، اس کو میسر کہتے ہیں۔ میسر یسر سے بنا ہے، اور جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیروں کی ہیئت کی پتلی پتلی لکڑیاں، ان سے زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون معلوم کرتے تھے اور فال نکالتے تھے۔

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (المفردات، ج ۲، ص ۶۳۸)

رجس: جو چیز حسایا معناً گندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو۔

شراب کی تحریم کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (وقتی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹) تو لوگوں نے کہا اس میں ہمارے لیے رخصت ہے، ہم شراب پئیں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے، حتیٰ کہ ایک شخص نے سورۂ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی "قل یایہا الکفرون اعبد ما تعبدون۔ آپ کہیے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ درآنحالیکہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: ۴۳) پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں..... کیا تم باز آنے والے ہو، تو مسلمانوں نے کہا اے رب! ہم باز آگئے۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۴۵، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں، ایک (لقمان: ۱۵) ہے۔ دوسری (انفال: ۱) ہے۔ (حضرت سعد نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ سعیدی غفرلہ) (اور ایک یہ آیت ہے اس کی تفصیل یہ ہے) میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا، انہوں نے کہا چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ باغ میں گیا۔ وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھایا اور شراب پی، پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں، ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہوگئی، میں نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ عزوجل نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ الآیہ۔

(صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، ۴۳، (۱۷۴۸) ۶۱۲۱، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۶۷۔ ۱۶۱۴، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۸، ص ۲۸۵)

امام محمد بن جعفر بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے، اس وقت شراب حلال تھی۔ اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ

آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (المائدہ: ۹۰) اور اس کے آخر میں تھا' کیا تم باز آنے والے ہو؟ میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی' انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہادی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۴۴' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۳' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۲۸۶-۲۸۵)

خمر کی حقیقت میں مذاہب فقہاء

قرآن مجید' احادیث متواترہ اور اجماع فقہاء سے خمر حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقت میں خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں' جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں لغت میں خمر کا یہی معنی ہے اور یہی حقیقت ہے۔ البتہ! مجازاً ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا جاتا ہے۔ احادیث اور آثار میں جہاں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کے برعکس ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر نشہ آور مشروب حقیقتاً خمر ہے۔ اب ہم لغت کے حوالوں سے خمر کا معنی بیان کرتے ہیں۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

خمر انگور کے اس کچے شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو' کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے کہا کہ دانوں سے جو شراب بنائی جاتی ہے' اس کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں یہ علامہ دینوری کا تسامح ہے کیونکہ خمر کی حقیقت انگور ہیں' نہ کہ دوسری اشیاء اور عرب انگوروں کو خمر کہتے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا میرے گمان میں انگوروں کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر انگوروں سے بنائی جاتی ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس قول کی حکایت کی ہے اور کہا: کہ یہ یمن کی لغت ہے۔ نیز! انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے انی ارانی اعصر خمرا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں' یہاں خمر سے مراد انگور ہیں۔ ابن عرفہ نے کہا کہ خمر نچوڑنے کا معنی ہے انگور نچوڑ کر خمر حاصل کرنا اور جب انگور نچوڑ لیے جائیں تو اس سے خمر حاصل ہوتی ہے' اس لیے اس نے کہا میں خمر نچوڑ رہا ہوں۔ ابو حنیفہ نے بعض راویوں سے نقل کیا کہ انہوں نے یمن کے ایک شخص کو دیکھا جو انگور اٹھائے جا رہا تھا' انہوں نے اس سے پوچھا تم نے کیا اٹھایا ہوا ہے؟ اس نے کہا خمر سو اس نے انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا۔

(لسان العرب' ج ۴' ص ۲۵۵' مطبوعہ ایران' تاج العروس' ج ۳' ص ۱۸۷-۱۸۶' مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' اقرب الموارد' ج ۱' ص ۳۰۱' مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک خمر کی تعریف یہ ہے' انگور کا کچا پانی جب نشہ آور ہو جائے۔ اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک بھی خمر کا یہی معنی معروف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(صحیح مسلم الاشربہ' ۶۷' (۲۰۰۱) ۵۱۱۳' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۶۸۲' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۹۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے خمر ان دو درختوں سے (بنائی جاتی) ہے یہ فرما کر آپ نے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم' الاشربہ' ۱۳' (۱۹۸۵) ۵۰۵۰' ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۶۷۸' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۵۷۴-۵۵۷۳-۵۵۷۲)

نیز خمر کا لفظ مخامرۃ العقل سے بنا ہے اور یہ وجہ اشتقاق ہر نشہ آور چیز میں پائی جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ انگور کے نشہ آور شیرہ کو خمر کہتے ہیں۔ اسی بناء پر خمر کا استعمال صرف اسی معنی میں مشہور ہے۔ نیز خمر کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ اور ان کی حرمت کے دلائل بھی ظنی ہیں اور باقی نشہ آور مشروبات کو جو خمر کہا جاتا ہے' وہ مخامرۃ العقل کی وجہ سے نہیں کہا جاتا' بلکہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا ذائقہ بھی خمر کی طرح کڑوا ہوتا ہے (یعنی یہ اطلاق بطور مجاز و استعارہ ہے) نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خمر کا لفظ مخامرۃ العقل سے مشتق ہے' تب بھی یہ وجہ اشتقاق اس بات کے منافی نہیں ہے کہ خمر انگور کے ساتھ مخصوص ہو' کیونکہ نجم کا لفظ نجوم سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ظہور ہے' اس کے باوجود نجم کا لفظ ثریا کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہا جاتا۔ ائمہ ثلاثہ نے جو پہلی حدیث پیش کی ہے (ہر نشہ آور چیز خمر ہے) اس کو یحییٰ بن معین نے مطعون قرار دیا ہے۔ (یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین امام' حافظ اور ثقہ ہیں' حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانتے ہوں' وہ حدیث نہیں ہے۔ عنایہ) اور دوسری حدیث: (خمر ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے) اس سے رسول اللہ ﷺ کا منشاء کھجور کی شراب کا حکم بیان کرنا تھا اور یہی بیان منصب رسالت کے لائق ہے۔ (یعنی جب کھجور کی شراب کی مقدار کثیر نشہ آور ہو' تو وہ بھی خمر کی طرح ہے اور حرام ہے' اور اس سے حد لازم آتی ہے۔ عنایہ) (ہدایہ اخیرین' ص ۴۹۲' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے' خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں' اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس' اور ان کا پینا حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال ان احادیث سے ہے:

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۹۹-۵۷۰۰-۵۷۰۱-۵۷۰۲' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۲۹۷' کتاب الآثار لابی یوسف' ص ۲۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۵' ص ۸' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۱۹' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۸۳۰-۱۰۸۴۰-۱۰۸۳۰-۱۰۸۳۹-۱۰۸۳۷' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۳۳۳-۱۲۳۸۹' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۵۳)

جس مشروب کی تیزی سے نشہ کا خدشہ ہو' اس میں پانی ملا کر پینے کا جواز

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو' اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کرکے اور اس کی حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے' اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا۔ جب وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا تو آپ نے فرمایا اس کو باندھ دو' جب اس کو ہوش آ جائے تو اس کو کوڑے لگا دینا' پھر حضرت عمر نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا' پھر آپ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور

سخت تلخ نبیذ تھا' آپ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا' پھر آپ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا' پھر آپ نے فرمایا جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آ جائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ امام محمد فرماتے ہیں' ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الآثار' لامام محمد' ص ۱۸۴-۱۸۳' کتاب الآثار لامام ابی یوسف' ص ۲۲۶' مصنف عبد الرزاق' ج ۹' ص ۲۲۴)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ صنعانی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سبیل پر آئے اور فرمایا مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم آپ کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں' حضرت عباس نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے' آپ نے اس کو چکھا' پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ' پھر آپ نے اس میں پانی ملایا' پھر دوبارہ تین بار فرمایا اور زیادہ ملاؤ' اور فرمایا جب تم کو (نبیذ) تیز لگے' تو اسی طرح کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰-۱۳۹' مصنف عبد الرزاق' ج ۹' ص ۲۲۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰۰-۳۰۵-۳۰۴)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے' آپ کو پیاس لگی اور آپ نے پانی مانگا' آپ کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا' آپ نے اس کو سونگھا اور پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا: میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ' پھر آپ نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا' ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۱۴۰' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۳۰۴' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۷۱۹)

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار کے حلال ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو' اور خمر بعینہ حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر' اور مثلث اور کشمش اور چھواروں کے پکے ہوئے پانی (یعنی نبیذ) میں قلیل اور کثیر کا فرق ہے۔ اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور جس گھونٹ کے بعد نشہ پیدا ہو وہ حرام ہے' اور وہ کثیر مقدار کا آخری گھونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو پیالہ نشہ آور ہو' صرف وہ حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اس کی مثال کپڑے میں خون کی طرح ہے۔ اگر کپڑے میں قلیل خون ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے' اور اس کی مثال نفقہ کی طرح ہے اگر انسان اپنی کمائی سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو جائز ہے اور اگر خرچ میں اسراف کرے (یعنی ناجائز محل پر خرچ کرے) تو یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح نبیذ ہے' اگر اس کو کھانے کے بعد پیا تو کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر اس کو بہ قدر نشہ پیا تو ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے' اس لیے جب نبیذ پیتے ہوئے نشہ ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دے۔ دیکھیے! مثلاً دودھ حلال ہے' لیکن اگر کسی شخص کو زیادہ دودھ پینے سے نشہ ہونے لگے تو وہ زیادتی ناجائز ہوگی' اور اس تمام تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت کا مدار نشہ لانے والے جز پر ہے۔ البتہ! خمر مطلقاً حرام ہے' نیز خمر کو تھوڑی مقدار میں پینا زیادہ پینے کا محرک ہوتا ہے' اس لیے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے' اس کے برخلاف مثلث (انگور کا شیرہ' جب جوش دے کر پکایا جائے' اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو اگر وہ شیریں ہو تو سب کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور جب وہ جوش دینے سے گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو' تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو

یوسف کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں' اس کو مثلث کہتے ہیں۔ (رد المحتار' ج ۵' ص ۲۹۰)
اس کی قلیل مقدار کثیر کی محرک نہیں ہوتی' بلکہ اس کی قلیل مقدار کھانے کو ہضم کرتی ہے اور عبادت کرنے کی قوت دیتی ہے اور اس کی کثیر مقدار سر میں درد پیدا کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ جو لوگ نشہ آور مشروبات کو پیتے ہیں' وہ مثلث میں بالکل رغبت نہیں کرتے۔ (المبسوط' ج ۲۴' ص ۹-۸' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے' اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہیے' لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا' کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ کے ذکر سے روکتی ہے' نہ نماز سے اور نہ بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (البنایہ' ج ۱۱' ص ۴۴۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں' تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے' یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا اعداء اسلام سے قتال کی قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے' یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے' تو یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں۔ خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر' اور چونکہ اب فساد عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو و لعب کے لیے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں' اس لیے متاخرین نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۲۹۳-۲۹۲' ملخصاً موضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

انگریزی دواؤں اور پرفیوم کا شرعی حکم

مصنف کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کل کی غیر خمر مروجہ شرابیں پیتا ہے تو یہ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے قول کے مطابق حرام ہے' خواہ قلیل مقدار میں پیے یا کثیر مقدار میں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے' لیکن اگر اسپرٹ یا الکوحل کی نہایت قلیل مقدار مائع دواؤں میں شامل ہو' یا پرفیوم میں شامل ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے فتویٰ کے مطابق ان کو جواز پر محمول کرنا چاہیے' کیونکہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ قول صادق نہیں آئے گا کہ وہ شخص نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار کو پی رہا ہے' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ شخص ایک چمچہ دوا پی رہا ہے جس میں ایک یا دو قطرے الکوحل کے شامل ہیں اور جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: کہ خمر بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور جس طرح احادیث سے ثابت ہے کہ تیز اور تلخ مشروب میں پانی ملا دیا جائے تو وہ حلال ہے' سو اگر الکوحل بالفرض تیز اور تلخ بھی ہو تو دوسری دوائیں اور کیمیکلز ملنے کے بعد اس کی تیزی اور تلخی جاتی رہتی ہے' اور جس طرح علامہ عینی نے کہا ہے' کہ خمر کے حرام ہونے کی علت اس کا نماز اور اللہ کے ذکر سے روکنا ہے' اور مسلمانوں میں بغض اور عداوت کا پیدا کرنا ہے اور دوا کی ایک خوراک جو ایک یا دو چمچے ہوتی ہے' اور اس میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے' وہ الکوحل نہ تو خمر ہے نہ نماز' اور نہ

اللہ کے ذکر سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ سو ان دلائل کے اعتبار سے دواؤں میں جو نہایت قلیل مقدار میں الکوحل ہوتی ہے' وہ حرام نہیں ہے اور یہ مائع دوائیں حلال ہیں اور کسی بیماری کے علاج کے لیے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے ان دواؤں کو پینا جائز اور حلال ہے۔ اسی طرح پرفیوم میں جو سپرٹ اور الکوحل شامل ہوتی ہے' وہ بھی ان دلائل کے اعتبار سے جائز اور پاک ہے۔

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۳۸۶ھ انگریزی دواؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے' جیساکہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے' اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں' مگر بوقت اضطرار کہ وہ بنص "الا ما اضطررتم الیہ" اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پس اس کی بیع و شراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بھبکے کے مقطر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے: "والتاسع ان الطبخ لا یوثر فیھا لانہ للمنع من ثبوت الحرمۃ لا لرفعھا بعد ثبوتھا۔ انتھی" لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا' یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے' بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے' یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ باذق یا منصف یا نقیع زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو' اس لیے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں۔ کما صرحت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے' یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے' لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون سی شراب سے بنی ہے' تب بھی یہی حکم ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہو اور وہ اپنی دبر میں حرکت محسوس کرے اور اس کو یہ اشکال ہو کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں ٹوٹا' تو وہ اس وقت تک نماز نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بدبو نہ محسوس کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور اصل اشیاء میں حلت اور طہارت ہے۔

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے' ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط۔

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی' جیساکہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز' لیکن مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ غیر خمر کی بیع ہرچند کہ صحیح ہے' لیکن مکروہ ہے' جیساکہ غایہ میں مذکور ہے۔
پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط۔

(۴) جب ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے۔ پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے' تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب' اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے' تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لیے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے' ورنہ اختلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

حرام دوا کے ساتھ علاج میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں یہ ممنوع ہے' جیساکہ البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں مذکور ہے۔ لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں الحاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جب حرام دوا سے شفاء کا یقین ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو' تو اس کے ساتھ علاج کی رخصت دی جائے گی' جیساکہ پیاسے کو خمر (شراب) پینے کی رخصت دی جاتی ہے۔

پس اس صورت میں اگر اس کا بطور دوا استعمال کیا جائے' تو گنجائش ہے' لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جائے' اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اشربہ سے ہے' تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو' لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے۔ للاختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شامی نے احکام افیون کے بارے میں فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز نشہ آور ہو اس کی کثیر مقدار کو استعمال کرنا تو مطلقاً حرام ہے' اور قلیل مقدار اگر بہ طور لہو و لعب ہو' تب بھی حرام ہے اور اگر علاج کے لیے ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے' ورنہ قدر مسکر بجز اضطرار کے بطور دوا بھی جائز نہیں۔ کما قالہ العلماء والشامی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ امام مسجد فتح پوری' دہلی)

نوٹ: مفتی مظہر اللہ دہلوی نے حدیث اور فقہ کی صرف عربی عبارات ذکر کی تھیں' ہم نے ان عبارات کا اردو ترجمہ ذکر کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ (فتاویٰ مظہری' ص ۲۹۰-۲۸۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

شراب نوشی پر وعید کی احادیث

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شراب پینے والا خمر (شراب) پیتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت لٹیرا لوگوں کے سامنے لوٹ مار کرتا ہے' وہ مومن نہیں ہوتا۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۵' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۵۷۸' صحیح مسلم الایمان' رقم الحدیث: ۱۰۴-۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نشہ کرے تو اس کو کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' پھر اگر نشہ کرے تو پھر کوڑے مارو' اور چوتھی بار فرمایا اس کی گردن اڑا دو۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۷۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۴۴۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

عروہ بن رویم بیان کرتے ہیں کہ ابن الدیلمی سوار ہو کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی تلاش میں گئے' جب ان کے پاس پہنچے تو کہا: اے عبداللہ بن عمرو! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے خمر (انگور کی شراب) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص میری امت میں سے خمر پئے گا' اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا خمر سے اجتناب کرو' یہ تمام گناہوں کی اصل ہے' تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت گزار تھا اس پر ایک بدکار عورت فریفتہ ہو گئی' اس نے اپنی باندی بھیج کر اس کو گواہی کے بہانے سے بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو دروازہ بند کر دیا' اس نے دیکھا وہاں ایک حسین عورت ہے' ایک غلام ہے اور ایک شراب کا برتن ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا' لیکن میں نے تم کو اس لیے بلایا ہے کہ تم میری خواہش نفس پوری کرو۔ یا

اس شراب سے ایک پیالہ پیو یا اس غلام کو قتل کر دو۔ اس عابد نے کہا مجھے اس شراب سے ایک پیالہ پلادو' اس نے اس کو ایک پیالہ شراب پلائی' اس نے کہا اور پلاؤ' پھر اس نے اس عورت سے بدکاری کی اور اس غلام کو قتل بھی کر دیا۔ سو تم خمر سے اجتناب کرو' کیونکہ خدا کی قسم! دائماً شراب نوشی کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' کہ جس شخص نے خمر کو پیا' چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی' پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے' پھر اگر دوبارہ شراب پیے تو اللہ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں کرتا' پھر اگر توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے' پھر اگر وہ شراب پیے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں شراب پی' پھر اس سے توبہ نہیں کی' تو وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم رہے گا۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵' صحیح مسلم' الاشربہ' رقم الحدیث: ۷۶۰۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا' نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔ (سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

خمر کی حد کا بیان

خمر پینے والے پر حد لگائی جائے گی' خواہ وہ ایک قطرہ خمر پیے اور خواہ اس کو نشہ نہ ہو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص خمر پیے' اس کو کوڑے مارو' اگر دوبارہ پیے تو پھر کوڑے مارو' اگر سہ بارہ پیے تو پھر کوڑے مارو' اور اگر چوتھی بار خمر پیے تو اس کو قتل کر دو۔ (ترمذی و ابوداؤد) البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور کوڑے مارنے کا حکم باقی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے' یا جو شخص مرتد ہو کر دین بدل لے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (مسلم) اور جو شخص خمر کے علاوہ اور کوئی نشہ آور مشروب پیے تو اس پر اس وقت حد واجب ہے جب اس کو نشہ ہو جائے' اور خمر کی حد اجماع صحابہ سے اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ نیز شراب کے نشہ میں انسان پاک دامن مسلمان کو تہمت لگا دیتا ہے اور تہمت لگانے کی سزا قرآن مجید نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔

بھنگ اور افیون کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق کی کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لہو و لعب کے قصد سے بھنگ پیے یا افیون کھائے اور اس کی عقل ماؤف ہو جائے' تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ یہ معصیت ہے' اور اگر اس نے علاج کی غرض سے بھنگ پی تھی یا افیون کھائی تھی تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی' کیونکہ اب اس کا کھانا اور پینا معصیت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ بغیر غرض علاج کے بھنگ پینا یا افیون کھانا حرام ہے۔ اور بزازیہ میں لکھا ہے کہ اس علت سے معلوم ہوا کہ علاج کی غرض سے بھنگ اور افیون کا استعمال جائز ہے۔ النہر الفائق میں بھی اس تفصیل کو لکھنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (رد المحتار' ج ۵' ص ۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سکون آور دواؤں کا شرعی حکم

سکون آور ادویہ مثلاً اے۔ ٹی ون' ڈائزوپام' والیم' لبریم اور تفرانیل وغیرہ کو بھی انسومینیا' دل گرفتگی (ڈپریشن) اور مالیخولیا ایسے امراض میں ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے' لیکن ان دواؤں کو بطور عادت یا نشہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے' یہ تمام دوائیں وقتی طور پر اعصابی تشنج (ٹینشن) کو دور کرتی ہیں' لیکن ان کے مابعد اثرات زندگی اور صحت کے لیے بہت مضر ہیں' ان دواؤں کو بہ کثرت استعمال کرنے سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اخیر عمر میں رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔

تمباکو نوشی کا شرعی حکم

اگر انسان کبھی کبھی تمباکو پی لے تو یہ مباح ہے' لیکن تمباکو نوشی کو عادت بنا لینا اور مستقل تمباکو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اب جدید میڈیکل سائنس کی اس تحقیق کو تمام دنیا میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تمباکو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے' تمباکو پینے سے بالعموم لوگوں کو کھانسی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا' تمباکو سے پھیپھڑوں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں' خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں' بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے' کینسر ہو جاتا ہے اور بہت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' ہمیں اس جسم کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ چیز جس سے اس جسم کو نقصان پہنچے' اس سے احتراز لازم ہے اور اس کا ارتکاب کرنا ممنوع ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جو چیزیں نقصان دہ ہوں' ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً زہر' شیشہ' مٹی اور پتھر اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اپنے آپ کو قتل نہ کرو" اور یہ ارشاد ہے "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" اور ان چیزوں کا کھانا ہلاکت ہے' اس لیے ان کا حلال نہ ہونا واجب ہے۔ (شرح المہذب' ج ۹' ص ۳۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں جوا کھیلنے کو بھی حرام قرار دیا ہے' لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب' مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا' خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

(المنجد' ص ۶۵۳' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء)

میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی' قمار ہے۔

(التعریفات' ص ۷۷' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قمار' قمر سے ماخوذ ہے۔ جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ' اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(رد المحتار' ج ۵' ص ۲۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

عنہا نے فرمایا آپس میں شرط لگانا جوا ہے' زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا' بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی' جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو' پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور جوئے کی حرمت نازل ہو گئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری' گھوڑے سواری اور نیزہ بازی میں سابقت کی شرط لگانے کی رخصت ہے' یعنی سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو انعام نہ دیا جائے۔ (یہ انعام کوئی تیسرا شخص یا مقابلہ کرانے والا دے گا) اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا' وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا' وہ دے گا تو یہ شرط ناجائز ہے' اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں' تو یہ جائز ہے اور اس کو نبی ﷺ نے محلل فرمایا ہے۔ (احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۲۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

معمہ' لاٹری اور سٹہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ میں معمہ اور لاٹری کا رواج ہے۔ معمہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معمے کو حل کر کے صاحب معمہ کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں' اور لاکھوں شرکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں' اس میں سے تین چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں۔ علمی حیثیت سے تو اس معمے کے بہت سے حل صحیح ہو سکتے ہیں' لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں' بلکہ محض اتفاق سے کھانلو کے حل کے مطابق ہو۔ چونکہ معمے میں بھی تملیک کا مدار خطرہ (Risk) پر ہے' اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے' اور شرعاً ناجائز ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جوا ہے۔ لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی ہیں' اس میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور فاطمید فاؤنڈیشن کے رسمل ٹکٹ کا کاروبار عام ہے' یہ کاروبار خالص جوا ہے' اگر کوئی شخص تپ دق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون مہیا کرتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے آکر ان اداروں میں عطیات جمع کرائے' لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور نادار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم مہیا نہ کرے' اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہار جیت پر جانبین سے شرط لگانا' اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے پر' یا کسی بھی اتفاقی امر پر جانبین سے شرط لگانا صراحتاً سٹہ اور جوا ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں' ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو' تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔ مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں' بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آکر نکل جاتا ہے' اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے' کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے' لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا' بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت' پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے۔ یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں۔ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں' ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا' اس

کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے' اور یہ لوگ ذیابطیس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں' معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں' ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے' نبی ﷺ نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا' اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی' اس سلسلہ میں ہم نے تمام احادیث شرح صحیح مسلم' جلد سادس میں بیان کردی ہیں۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں' ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقتور جسم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکتا ہے' اور حقوق العباد کی ادائیگی اور مخلوق خدا کی خدمت' تندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلے کی قید ہے۔ خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو' کشتیوں کا ہو یا پرندوں' خچروں' گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو۔ اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے' اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے' کیونکہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا' نبی ﷺ نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے' جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی' آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔ (المغنی' ج ۹' ص ۳۶۸' مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے' اور ان کھیلوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرانا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا ناجائز ہے۔

چوسر اور شطرنج کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو' وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو' ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو نردشیر ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ مکروہ ہے' حرام نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نردشیر (چوسر) کھیلا' اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نردشیر کو کھیلا' اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے اور سعید بن جبیر جب نردشیر (چوسر) کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار نردشیر (چوسر) کھیلے' اس کی گواہی مقبول نہیں' عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے' شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے۔

البتہ چوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے' کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے اور شطرنج کو چوسر پر قیاس کرکے حرام کیا گیا ہے۔ قاضی ابوالحسین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیب' قاسم' سالم' عروہ' محمد بن علی بن حسین' وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ شطرنج مباح ہے۔ حضرت ابوہریرہ' سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہی مذہب ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور نردشیر میں کوئی علت مشترکہ ہے۔ لہٰذا یہ اپنی اصل پر مباح ہے' نیز شطرنج سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے' لہٰذا یہ نیزہ بازی' تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور حضرت علی نے شطرنج کو بھی میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے' ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے۔ نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے' اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والے کی شہادت بھی مردود ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ جو شخص شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی' الا یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا بازار میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے' سو شطرنج کا بھی وہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المغنی' ج ۱۰' ص ۱۷۱-۱۷۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں:

نرد (چوسر) اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے' امام شافعی نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہی ہے' یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت بنائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے' ورنہ شطرنج کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار' ج ۵' ص ۲۵۳-۲۵۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کرکٹ میچ کے متعلق امام احمد رضا کی ہدایت

مولانا اقبال احمد نوری لکھتے ہیں:

عرصہ ۲۰ سال کا ہوا' حاجی احمد حسین صاحب نے نجیب آباد میں اتفاقیہ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ جب میں بریلی ہائی سکول میں پڑھ رہا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور ہفتہ میں دو تین بار اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ کی ایک ٹیم ہر جگہ سے جیت کر فائنل میچ کھیلنے بریلی آئی' ہیڈ ماسٹر انگریز بھی ساتھ تھا۔ پہلے روز بریلی کی ٹیم کھیلی اور بیس رن بنا کر پوری ٹیم آؤٹ ہو گئی' جس کے سبب بڑی سراسیمگی پیدا ہو گئی اور جیتنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ اسی روز بعد مغرب میں اور غلام جیلانی (کہ ہم دونوں ہم سبق اور پیر بھائی تھے) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میرٹھ اور بریلی ہر دو جگہ کے کھیلنے والے یہی امید لیے ہوئے ہیں کہ ہماری جیت ہو۔ پھر بریلی کے طلباء کی اگر امداد کی جائے جب کہ ہر دو فریق میں مسلم اور غیر مسلم طلباء موجود ہوں گے۔

عرض کیا ہاں! حضور' بات تو یہی ہے 'مگر ماسٹر قرب محمد صاحب جو سید ہیں' حضور انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں! عرض کیا' وہ لڑکوں کو گیند بلا بھی کھلاتے ہیں اور ڈرل ماسٹر بھی ہیں' ان کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ ترقی اس شرط پر قرار پائی ہے کہ بریلی والے جیت جائیں' فرمایا یہ بات قابل غور ہے۔

ارشاد فرمایا اگر میرٹھ والوں کے سولہ نمبر(رن) بنیں تو بریلی والوں کی جیت ہے۔ عرض کی جی حضور! اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کل صبح جب بریلی کے لڑکے کھیلنے کے لیے چلیں تو انہیں جو مسلمان ہوں' انہیں سکھا دیا جائے کہ بسم اللہ پڑھ کر قدم جمائیں اور سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر' چھنگلیاں سے شروع کریں اور کھیعص یہ پانچ حروف ہیں ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں' پھر الٹے ہاتھ پر حمعسق یہ بھی پانچ حروف ہیں' ہر ہر حرف پڑھتے جائیں اور ایک ایک انگلی بند کرتے جائیں' جب دونوں مٹھیاں بند ہو جائیں تب سورۂ "الم تر کیف" پڑھیں۔ جب ترمیھم پر پہنچیں تو اس کو دس بار پڑھیں اور ہر بار سیدھے ہاتھ کی ایک ایک انگلی کھولتے' پھر الٹے ہاتھ کی یہاں تک دس بار ترمیھم پڑھنے میں دس انگلیاں کھل جائیں گی' پھر بقیہ سورہ بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول پڑھ کر اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جائیں اور جو لڑکا گیند پھینکے' اسے سکھا دیں کہ ہر ہر مرتبہ حم ینصرون پڑھ کر گیند پھینکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹ رن بنا کر میرٹھ کے وہ سب لڑکے آؤٹ ہو گئے جو نہ معلوم کہاں کہاں سے جیت کر آئے تھے۔

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فن ریاضی' کمال کہئے یا کرامت کہ...... آپ نے ہمیشہ ایک ایسا عمل عطا فرما دیا کہ اس عمل کے ذریعہ ہر قسم کے مقابلوں میں فتح حاصل کی جا سکتی ہے' بعض عاملین نے اس پر یہ کہا کہ کسی بھی قیمت پر میرٹھ والوں کے سولہ رن سے زیادہ بن ہی نہیں سکتے تھے' کیونکہ ان عمل میں بھی ایک عجیب فلسفہ اور حکمت ہے۔ کھیعص میں پانچ حروف ہیں حمعسق میں پانچ حروف ہیں اور ترمیھم میں چھ حروف ہیں۔ اس طرح کل ملا کر سولہ حرف ہوئے' پس اعلیٰ حضرت نے اس عمل کے ذریعہ بندش کر دی تھی۔ لہٰذا سولہ رن سے آگے بڑھنا اور اس سے کم ہونا ناممکن تھا۔

(شمع شبستان رضا' حصہ سوم' ص ۵۰-۴۸' مطبوعہ رومی پبلیکیشنز' لاہور)

شراب پر زیادہ تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد سادس اور خامس میں ہے اور جوئے پر زیادہ تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم' جلد رابع اور خامس میں ہے۔

شراب اور جوئے کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

اس آیت میں دس وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت بیان کی گئی ہے:

۱- شراب اور جوئے کو بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور بت اور فال کے تیر حرام ہیں' سو شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

۲- شراب اور جوئے کو رجس یعنی ناپاک فرمایا ہے اور ناپاک چیز حرام ہے' اس لیے شراب اور جوا بھی حرام ہیں۔

۳- ان کو شیطان کا عمل فرمایا اور شیطان کا عمل حرام ہے۔

۴- ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور جس سے اجتناب کرنا واجب ہو اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

۵- ان سے اجتناب کرنے پر اخروی فوز و فلاح موقوف ہے اور ان کا ارتکاب فوز و فلاح کے منافی ہے اور جو چیز اخروی فوز و فلاح کے منافی ہو' وہ حرام ہے۔

۶- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان بغض پیدا کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔

۷- ان کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور یہ دونوں اجتماعی ضرر ہیں۔
۸- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں اللہ کی یاد سے روکتا ہے اور جو چیز اللہ کی یاد سے روکے' وہ حرام ہے۔
۹- ان کے ذریعہ شیطان تمہیں نماز سے روکتا ہے اور جو چیز نماز سے روکے' وہ حرام ہے۔
۱۰- پھر فرمایا کیا تم باز آنے والے ہو؟ سو شراب اور جوئے سے باز آنا فرض ہے' اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فرمایا خمر (شراب) ام الخبائث ہے۔ (النسائی' ج ۸' ص ۵۶۸۲) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دائمی شرابی' ماں باپ کا نافرمان اور احسان جتانے والا فردوس کی جنتوں میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ دائمی شرابی تھا' وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا جیسے بتوں کو پوجنے والا ہو۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۴) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خمر پر' خمر کے پینے والے پر' خمر پلانے والے پر' انگور نچوڑنے والے پر' شراب بنانے والے پر' خمر اٹھانے والے پر' اس پر جس کے لیے خمر لائی جائے' خمر بیچنے والے پر' خمر خریدنے والے پر اور خمر کی قیمت کھانے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ (مسند البزار' ج ۳' ص ۲۹۳۷)

خمر انسان کی عقل زائل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے کام کرتا ہے جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت اور آبرو گر جاتی ہے اور اس کا وقار نہیں رہتا' نیک کاموں کی قدرت جاتی رہتی ہے اور برائی سے دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ شراب نوشی سے اس کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں' اس کا اثر اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کئی بیماریوں کی استعداد ہوتی ہے اور نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے اور اس سے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے اور بچے ویران ہو جاتے ہیں۔

جوئے سے ایک فریق کو بغیر کسی محنت اور عمل کے بہت فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا فریق ناگہانی طور پر بہت بڑے نقصان سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں' اور بسا اوقات یہ دشمنی قتل اور خون ریزی کی طرف پہنچاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے میں شخصی اور اجتماعی اور دینی اور دنیاوی خرابیاں ہیں۔

انصاب اور ازلام کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انصاب اور نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ (صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ابو عبیدہ نے کہا نصب واحد ہے اور انصاب جمع ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا یہ وہ پتھر ہیں جن کو گاڑ دیا جاتا تھا اور ان کے پاس جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا اور ان پر جانوروں کا خون ڈال دیا جاتا تھا اور انصاب نصب کی بھی جمع ہے' اور اس کا معنی بت ہیں۔
(فتح الباری' ج ۸' ص ۲۷۸-۲۷۷' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ازلام کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں جن سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی قسمت معلوم کرتے تھے۔ دوسروں نے کہا زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ ہو' یہ واحد ہے اور اس کی جمع ازلام ہے۔ اور استقسام (قسمت طلب کرنا) یہ ہے کہ تیر کو گھمایا جائے۔ اگر وہ کسی کام سے منع کرے تو رک جائے' اور اگر کسی کام کا حکم دے تو اس کو کرے' انہوں نے تیروں پر مختلف قسم کی علامتیں بنائی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ وہ قسمت معلوم کرتے تھے۔
(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۱۵' مطبوعہ بیروت)

صحیح البخاری کی حدیث الہجرت میں مذکور ہے کہ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر کا پیچھا کیا تو میں نے تیر سے قسمت معلوم کی' آیا مجھے نفع ہو گا یا نقصان' تو وہی نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ (ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۰۶) امام ابن جریر نے کہا زمانہ جاہلیت میں وہ تین قسم کے تیروں پر اعتماد کرتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا "کام کرو" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "نہ کرو" اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ فرا نے کہا ایک پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے حکم دیا ہے" دوسرے پر لکھا ہوتا تھا "میرے رب نے منع کیا ہے" اور تیسرا سادہ ہوتا تھا۔ جب ان میں سے کوئی شخص کام کرنا چاہتا تو وہ تیر سے فال نکالتا' اگر لکھا ہوتا "کرو" تو وہ کام کرتا اور اگر لکھا ہوتا "نہ کرو" تو وہ کام نہ کرتا اور اگر تیر سادہ نکلتا تو وہ دوبارہ فال نکالتا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کا سب سے بڑا بت ہبل تھا' یہ کعبہ کے درمیان میں نصب تھا' اس کے پاس تیر رکھے ہوتے تھے۔ جب انہیں کوئی مہم درپیش ہوتی تو وہ ان تیروں سے فال نکالتے اور جس قسم کا تیر نکلتا' اس پر عمل کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انفرادی طور پر تیروں کا نہ استعمال کرتے ہوں' جس طرح سراقہ نے کیا تھا' امام ابن جریر طبری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ازلام سفید کنکریاں تھیں اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ پتھر تھے' جن پر کچھ لکھا ہوا تھا' اور وہ اپنے ہر سفر میں خواہ وہ سفر جنگ کا ہو یا تجارت کا' ان پتھروں کے ساتھ سفر کرتے تھے' یہ تفسیر اس پر محمول ہے کہ وہ کعبہ والے ازلام کے علاوہ تھے۔ محدثین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ازلام (فال نکالنے کے تیر) تین قسم کے تھے۔ (۱) یہ تین قسم کے تیر تھے اور یہ ہر ایک کے پاس تھے (۲) یہ احکام کے تیر تھے اور یہی کعبہ میں تھے اور یہ عرب کے ہر حاکم اور کاہن کی دسترس میں ہوتے تھے' یہ تیر سات قسم کے تھے اور ان پر قصاص اور دیت وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے اور ایسے امور جو بہ کثرت پیش آتے تھے۔ (۳) یہ جوئے کے تیر تھے' یہ دس قسم کے تھے' سات دھاری دار تھے اور تین سادہ تھے اور وہ ان تیروں کے ساتھ جوا کھیلتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کہا قسمت معلوم کرنے یا فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تیر کو گھماتے تا کہ ان کی قسمت معلوم ہو۔ آیا وہ سفر کریں یا نہ کریں' جنگ میں جائیں یا نہ جائیں اور جو کچھ لکھا ہوا نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

(فتح الباری' ج ۸' ص ۲۷۸-۲۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ازلام کی تفسیر میں مزید مباحث اور مسائل اسی سورت کی آیت نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور محتاط رہو' پھر اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف احکام کو صاف طور سے پہنچا دینا ہے (المائدہ: ۹۲)

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے خمر' جوئے اور دیگر محرمات سے اجتناب کا جو حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرو اور اس بات سے ڈرو کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت آ جائے گی یا تم آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○	جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی آفت پہنچے یا دردناک عذاب۔

(النور: ۶۳)

اور اگر تم نے اعراض کیا اور ہمارے رسول کے حکم پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ تو تمہیں تبلیغ فرما چکے ہیں' اللہ کی حجت تم پر پوری ہو چکی ہے اور اب تمہارے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں' اور ایمان پر برقرار رہیں' اور نیک عمل کرتے رہیں' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں۔ پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
(المائدہ: ۹۳)

شان نزول کا بیان

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہوگئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں' اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ الآیہ

(مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۶۹۱- ۵۲-۲۰۸۸-۲۲ دار الفکر' مسند احمد' ج ۱' ص ۲۳۴ طبع قدیم' جامع البیان' جز ۷' ص ۵۰' امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی' المستدرک ج ۴' ص ۱۴۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے فوت ہوگئے' جب شراب حرام کر دی گئی تو صحابہ نے کہا ہمارے ان اصحاب کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے رہے اور فوت ہوگئے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۲-۳۰۶۱' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۳۵۰' مسند ابو یعلی' ۱۷۲۰' جامع البیان' ج ۷' ص ۵۰)

تحریم خمر کی تاریخ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں یہ لکھا تھا کہ شراب فتح مکہ کے سال (۸ھ) میں فتح مکہ سے پہلے حرام کی گئی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ شراب کو حدیبیہ کے سال حرام کیا گیا اور حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری میں ہوا تھا' اور امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنو نضیر کے واقعہ میں نازل ہوا تھا اور یہ جنگ احد کے بعد کا واقعہ ہے اور راجح قول کے مطابق یہ چار ہجری کا واقعہ ہے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو میں (انس) لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور میں اس وقت قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ (صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۸۳) تو اگر چار ہجری میں شراب کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت انس اس وقت چودہ سال کے ہوں گے' تو پھر وہ ان میں سب سے چھوٹے کیسے ہوئے۔ (فتح الباری' ج ۱۰' ص ۳۱' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

شراب کو حرام کرکے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' کیونکہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے سو جو چیز عقل کو زائل کر دے' اس کو حرام کر دینا ہم پر بہت بڑا انعام ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے تو پھر گزشتہ امتوں میں خمر کو کیوں حلال رکھا گیا' جبکہ عقل کی ان کو بھی ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نشہ کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے' ان پر خمر کی قلیل مقدار حلال تھی' ہم پر خمر کی قلیل مقدار بھی حرام کر دی گئی' تاکہ قلیل مقدار میں خمر کا پینا کثیر مقدار میں خمر پینے کا ذریعہ نہ بن جائے اور یہ اللہ

تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم ہے کیونکہ اس نے ہم کو خیر امم قرار دیا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس حکمت کی وجہ سے ابتداء" اسلام میں خمر کو حرام کیوں نہیں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اسلام میں خمر کو مباح رکھا تاکہ مسلمان خمر کے فساد کا خود مشاہدہ کریں ' حتیٰ کہ جب ان پر خمر حرام کردی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم برحق ہے۔

اللہ کے خوف کو تین بار ذکر کرنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور ایمان پر برقرار رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں ' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور بدستور ایمان پر قائم رہیں ' پھر اللہ سے ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔

اس آیت میں دو مرتبہ ایمان لانے اور تین مرتبہ اللہ سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے ' اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

۱- پہلے ایمان اور تقویٰ سے مراد اصل ایمان اور اصل تقویٰ ہے ' یعنی انہوں نے شرک اور کفر کو ترک کیا اور اللہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ایمان اور تقویٰ پر برقرار رہے اور تیسری مرتبہ اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے اس کے بندوں پر ظلم کرنے سے باز رہے ' اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔

۲- پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اس کے نازل کیے ہوئے سابقہ احکام مثلاً نماز ' روزہ اور جہاد وغیرہ پر ایمان لائے اور دوسری مرتبہ اللہ کے خوف اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے بعد میں نازل ہونے والے احکام پر ایمان لائے ' مثلاً بعد میں شراب ' جوئے ' انصاب اور ازلام کو حرام کیا گیا ' تو وہ ان کی حرمت پر ایمان لے آئے۔ پھر تیسری بار اللہ کے ڈر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے اجتناب کرنے پر برقرار رہے اور نیک سلوک کرتے رہے۔

۳- پہلی بار اللہ کے ڈر اور اس پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے محرمات سے بچتے تھے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رہتے تھے ' اور دوسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ خوف خدا سے بعد میں حرام کی جانے والی چیزوں ' مثلاً شراب سے مجتنب ہوئے اور اس کی تحریم پر ایمان لائے اور تیسری بار ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے ڈر سے اس اجتناب اور اعمال صالحہ پر برقرار رہے۔

۴- تین بار ذکر سے تین اوقات مراد ہیں ' یعنی وہ ماضی میں اللہ سے ڈرتے تھے ' حال میں بھی اللہ سے ڈرے اور مستقبل میں بھی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۵- تین بار ذکر سے تین احوال مراد ہیں ' یعنی وہ خوف خدا سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہ ہو ' اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو آداب رسالت کے منافی ہو ' اور نہ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے اپنے نفس اور عام مسلمانوں کے لیے باعث ضرر ہو ' بلکہ اس کے برعکس وہ اللہ تعالیٰ ' اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوشاں رہتے ہیں۔

۶- وہ خوف خدا سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں ' خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچتے ہیں اور بعض ایسے مباح کاموں سے بچتے ہیں جو دناءت اور خست نفس کا سبب ہوں۔

۷- اس سے مراد سلوک کی ابتداء ' سلوک کا وسط اور سلوک کی انتہاء ہے جس میں انسان محبوب حقیقی سے واصل ہو جاتا ہے۔

٨۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عمر کے تین ادوار مراد ہوں‘ یعنی وہ عمر کی ابتداء میں بھی اللہ سے ڈرتے تھے‘ وسط میں بھی اور آخر میں بھی۔

٩۔ وہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی اس سے اجتناب کرتے تھے‘ اس کی تحریم نازل ہونے کے بعد بھی اس سے اجتناب کرتے رہے اور باقی اعمال میں خوفِ خدا سے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے اور نیک عمل کرتے رہے۔

١٠۔ اس تکرار سے ایمان اور خوفِ خدا کی تاکید اور اس میں مبالغہ مقصود ہے‘ تاکہ مسلمان اس پر نہایت اہمیت کے ساتھ برقرار رہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ

اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے

اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

نیزے پہنچ سکیں تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ)

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اے ایمان والو! حالتِ احرام میں شکار نہ

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ

مارو، اور تم میں سے جس نے عمداً شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے

مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ

اس شخص کو مویشیوں میں سے اسی کی مثل قربانی کرنی ہوگی، تم میں سے دو منصف اس (کی

الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

حیثیت) کا فیصلہ کریں گے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو، یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

روزے رکھنا ہے تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے، جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ

اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ

اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے ○ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام

طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے ۔ اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

کر دیا گیا ہے ، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے سو جس نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المائدہ: ۹۴)

شان نزول اور مناسبت

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے سال میں نازل ہوئی' بعض مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور بعض نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا' اور جب ان کے سامنے شکار آتا تو ان کے احوال اور افعال مختلف ہوتے اور ان پر احکام مشتبہ ہو جاتے۔ تب اللہ نے ان کے احوال اور افعال کے احکام بیان کرنے اور حج اور عمرہ میں ممنوعہ کام بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں نازل ہوئی' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحشی جانوروں کے شکار کی آزمائش میں مبتلا کیا اور وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے' وحشی جانور بکثرت ان کی سواریوں کے گرد پھر رہے تھے' اور وہ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں تھے۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پرندوں کے چوزے اور وحشی جانوروں کے بچے اور انڈے ان کے ہاتھوں کی زد میں تھے اور بڑے جنگلی جانور' مثلاً جنگلی گدھا' گائے اور اونٹ وغیرہ ان کے نیزوں کی زد میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شکار قریب تھے' وہ ان کے ہاتھوں کی دسترس میں تھے اور جو شکار دور تھے' وہ ان کے نیزوں کے نشانوں پر تھے۔ نیزہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ شکار کرنے کا بڑا ہتھیار ہے' تیر اور دیگر ہتھیار بھی اس میں شامل ہیں۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے' ان کو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستثنیٰ فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو محرم پر حرام قرار دیا' اور شکار کرنے پر اس کی تلافی اور تدارک کے لیے تاوان بیان فرمایا۔

"تا کہ اللہ یہ جان لے" کی توجیہات

اس آیت کے دوسرے جز کا لفظی معنی یہ ہے' "تا کہ اللہ یہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے اور کسی شخص کے کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر اس کا علم موقوف نہیں ہے' اس لیے ہم نے اس کا معنی یہ کیا ہے' "تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور ہے۔ اس کو حکماء کی اصطلاح میں علم تفصیلی سے تعبیر کرتے ہیں' جو معلومات کا عین ہے' اس کے برخلاف علم اجمالی عالم کا عین ہوتا ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور اس سے مراد معلوم کو واقع کرنا اور اس کو ظاہر کرنا ہے۔ نیز علامہ بیضاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے' اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم بالفعل متعلق ہو جائے اور بعض مفسرین نے کہا یہاں پر مضاف محذوف ہے' یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء جان لیں کہ کون اللہ سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے' تاکہ اللہ پہچان کرادے اس کی جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہے۔

حالت احرام میں شکار کرنے کی سزا

اس کے بعد فرمایا سو جس نے اس تنبیہ کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ تنبیہ کے بعد محرم کا شکار کے درپے ہونا' اللہ تعالیٰ کے حکم سے محض لاپرواہی برتنا ہے اور بے باکی ہے اور اس کے ڈر اور خوف سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو لگام ڈالنے پر قادر نہ ہو اور اس قسم کے آسان احکام میں آزمائش پر پورا نہ اتر سکے' اس سے کب توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بڑے بڑے اور سخت احکام میں آزمائش پر پورا اتر سکے گا۔ متبادر یہ ہے کہ یہ عذاب آخرت میں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی پشت برہنہ کرکے اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور شیخ الاسلام نے کہا اس کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو حالت احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے عمداً شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے' اس شخص کو مویشیوں میں اس کی مثل قربانی کرنی ہوگی' تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہیں' تاکہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے۔ جو گزر گیا' اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

خشکی کے جانوروں کے قتل کی ممانعت سے پانچ فاسق جانوروں کا استثناء

خشکی کے شکار کو مارنا محرم پر حرام ہے اور سمندری شکار کو مارنا اس کے لیے حلال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ: ۹۶)

تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔

خشکی کا شکار وہ ہے جو خشکی میں پیدا ہوا ہو اور خشکی ہی میں رہتا ہو اور سمندری شکار وہ ہے جو پانی میں (خواہ دریا ہو یا سمندر) پیدا ہوا ہو' اور پانی میں رہتا ہو اور شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس ہو اور ان سے متنفر اور متوحش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے عمومی حکم سے پانچ خبیث جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کاٹنے والا کتا' بھیڑیا' چیل' کوا' سانپ اور بچھو۔ کیونکہ یہ جانور ابتداء حملہ کرتے ہیں اور ایذا پہنچاتے ہیں' اور کوے سے مراد وہ ہے جو مردار کھاتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں جن کو حرم یا غیر حرم میں قتل کر دیا جائے گا۔ سانپ' کوا' (جس کی پشت اور پیٹ پر سفیدی ہو) چوہا اور کاٹنے والا کتا اور چیل۔

(صحیح مسلم' حج ۶۶' (۱۱۹۸) ۲۸۱۵' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں' ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کوا' چیل' کاٹنے والا کتا' بچھو اور چوہا۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۹' صحیح مسلم' ج ۱۷' (۱۱۹۸) ۲۸۲۰' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم اور غیر محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حرم اور غیر حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہی معروف کتا مراد ہے۔ امام اوزاعی' امام ابو حنیفہ' اور حسن بن صالح کا یہی قول ہے اور انہوں نے بھیڑیے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا ہے' اور امام زفر کے نزدیک کتے سے مراد صرف بھیڑیا ہے' اور جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے سے مراد بالخصوص یہ معروف کتا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ درندہ ہے جو عادۃً حملہ کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ امام شافعی' امام احمد' سفیان ثوری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ قاضی عیاض نے اس قول کو جمہور علماء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح للنووی' ج ۵' ص ۳۲۳۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کھیتوں کے کوے کے علاوہ ہر کوے کو قتل کرنے کا حکم

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوے کو قتل کرنے کے حکم سے وہ چھوٹا کوا مستثنیٰ ہے جو دانہ کھاتا ہے۔ اس کو غراب زرع اور زاغ کہا جاتا ہے۔ اس کے کھانے پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے' اس کے علاوہ کوے کی جتنی قسمیں ہیں' ان سب کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ فتح الباری کے مطابق کوے کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک عقعق ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ یہ سفید اور سیاہ رنگ کا پرندہ ہے' اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے اور دوسرا ابقع ہے' جس کی پیٹھ اور پیٹ پر سفیدی ہے۔ تیسرا غداف ہے۔ اہل لغت اس کو ابقع کہتے ہیں اور اس کو غراب البین بھی کہا جاتا ہے' کیونکہ جب نوح علیہ السلام نے اس کو زمین کی خبر لانے کے لیے بھیجا' تو یہ ان سے علیحدہ ہو کر مردار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ چوتھی قسم اعصم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی ٹانگ یا پیر یا پیٹ میں سفیدی یا سرخی ہو اور پانچویں قسم زاغ ہے' اس کو غراب زرع بھی کہتے ہیں' یہ چھوٹا کوا ہے جو دانہ کھاتا ہے۔

(فتح الملہم' ج ۳' ص ۲۳۱' مطبوعہ مکتبہ الحجاز' کراچی)

شیخ عثمانی نے زاغ یا غراب زرع کے سوا کوے کی باقی اقسام کو حرام قرار دیا ہے اور فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عقعق کے سوا کوے کی باقی اقسام حرام ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ زاغ (غراب زرع) اور عقعق دونوں اس عام کوے سے چھوٹے ہوتے ہیں' ان تصریحات سے واضح ہوا کہ یہ عام معروف کوا جو ہمارے درختوں پر پایا جاتا ہے' حرام ہے۔

تین صورتوں میں محرم کے لیے شکاری جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم شکار کو قتل کر دے تو اس پر اس کی جزا (تاوان) واجب ہوتی ہے' جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت ۹۵ میں صراحۃً مذکور ہے۔ شکار کے قتل کی بھی قسمیں ہیں' ایک قسم مباح ہے اور ایک قسم حرام ہے۔ حرام وہ قسم ہے جس میں محرم شکار کو بغیر کسی سبب موجب یا سبب مبیح کے قتل کر دے۔ سبب موجب یہ ہے کہ کوئی جانور محرم پر حملہ کر دے' اور اس کو قتل کیے بغیر اس جانور سے جان بچانے کی اور کوئی صورت نہ ہو' اس صورت میں اس جانور کو قتل کرنا واجب

ہے' کیونکہ جان بچانا فرض ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے قاعدہ کے مطابق ہے' اور سبب مبیح یہ ہے کہ انسان کے پاس حلال ذرائع سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور جان بچانے کی صرف یہ صورت ہو کہ انسان کسی جانور کو شکار کر کے کھالے' تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے اس جانور کو شکار کر کے کھانا مباح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ — اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

(البقرہ: ۱۹۵)

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی جانور کو کسی درندہ یا کسی کے پھندہ سے بچانے کی کوشش کرے اور وہ جانور ہلاک ہو جائے' تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

محرم عمداً قتل کرے یا خطاءً' ہر صورت میں اس پر ضمان کا وجوب

ائمہ مذاہب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ محرم شکار کو عمداً قتل کرے یا خطاً قتل کرے' ہر صورت میں اس پر ضمان واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس بجو کو محرم شکار کرے' اس کا تاوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا قرار دیا اور اس کو شکار میں شمار فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم شترمرغ کا انڈا شکار سے حاصل کرے تو اس کا تاوان اس کی قیمت ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۶' مطبوعہ بیروت)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمان کو عمد کے ساتھ مقید نہیں فرمایا' بلکہ شکار کرنے پر مطلقاً تاوان کو واجب فرمایا ہے۔

شکار کی تعریف

شکار کو قتل کرنا محرم پر حرام ہے' خواہ اس نے حج کا احرام باندھا ہو یا عمرہ کا اور شکار وہ ہے جس میں تین اوصاف ہوں۔ اس کا کھانا حلال ہو' اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو' وہ فی نفسہٖ پالتو جانور نہ ہو' اور انسانوں سے غیر مانوس ہو' ان کو دیکھ کر بھاگنے والا' متنفر اور وحشی ہو۔ سو اگر کوئی شخص کسی درندے کو یا پھاڑنے چیرنے والے پرندے کو یا حشرات الارض میں سے کسی جانور مثلاً چھپکلی یا گرگٹ وغیرہ اور دیگر کیڑے مکوڑے کو قتل کردے تو اس پر ضمان نہیں ہے' اسی طرح محرم اگر کسی پالتو جانور کو ذبح کردے مثلاً گائے' بکری اور مرغی وغیرہ کو تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے' اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سمندری اور دریائی جانور کو شکار کرنا جائز ہے' صرف خشکی کے جانور کو شکار کرنا محرم کے لیے جائز نہیں ہے۔

شکار پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمان کے لزوم میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جس طرح شکار کو قتل کرنے سے محرم پر جزا لازم آتی ہے۔ اسی طرح اگر محرم کسی اور کو شکار کی طرف رہنمائی کرے یا اس پر دلالت کرے تو اس پر بھی ضمان لازم آتی ہے اور امام شافعی اور امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا تعلق قتل سے ہے' اور شکار پر دلالت کرنا' اس کو قتل کرنا نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے غیر محرم' غیر محرم کو کسی شکار پر دلالت کرے' فقہاء احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے' حتیٰ کہ ہم "قاحہ" میں پہنچے' ہم میں سے بعض محرم اور بعض غیر محرم تھے' اچانک میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں' میں نے دیکھا کہ وہ ایک جنگلی گدھا تھا' میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی' اپنا نیزہ سنبھالا اور سوار ہو گیا۔ اتفاقاً میرا چابک گر گیا' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے چابک اٹھا دو' ساتھی محرم تھے' انہوں نے کہا خدا کی قسم! ہم تمہاری اس معاملہ میں بالکل مدد نہیں کریں گے' میں نے اتر کر چابک اٹھایا اور سوار ہو گیا۔ میں نے اس جنگلی گدھے کو پیچھے سے جا کر پکڑ لیا در آنحالیکہ وہ ٹیلہ کے پیچھے تھا' میں نے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ بعض ساتھیوں نے کہا کھا لو' اور بعض نے کہا نہ کھاؤ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آگے تھے۔ میں گھوڑا بڑھا کر آپ تک پہنچا' آپ نے فرمایا وہ حلال ہے اس کو کھا لو۔

(صحیح مسلم' الحج' ۵۶' (۱۱۹۶) ۲۸۰۴' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۷' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۱۶)

درج ذیل حدیث میں زیادہ وضاحت ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے بعض صحابہ کو ایک طرف روانہ کیا جس میں ابو قتادہ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلو۔ پھر مجھ سے آ ملنا' پھر وہ سب سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے لگے تو حضرت ابو قتادہ کے سوا سب نے احرام باندھ لیا' انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا' چلتے چلتے انہوں نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ایک گدھی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر سب نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے سوچا کہ ہم نے (شکار کا) گوشت کھا لیا ہے' حالانکہ ہم محرم ہیں۔ حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس جنگلی گدھی کا باقی ماندہ گوشت اپنے ساتھ رکھ لیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا' یا رسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا' ہم نے جنگلی گدھے دیکھے' ابو قتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پھر ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا۔ پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے' اور ہم نے شکار کا گوشت کھا لیا' پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

شیبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی شخص نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ اور شعبہ کی روایت میں ہے کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا امداد کی تھی؟ یا شکار کیا تھا؟

(صحیح مسلم' الحج' ۶۰' (۱۱۹۶) ۲۸۱۰' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۲۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۴۸' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۸۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۶' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۸۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۲۲' سنن دار قطنی' ج ۲' ص ۲۹۱' ملتان' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۰۶' ۳۰۵' ۳۰۱' طبع قدیم)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے حلال ہونے کو اس کی طرف اشارہ نہ کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔ سو اگر کوئی شخص زبان سے شکار کی رہنمائی کرے گا تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے تو صرف اس شکار کا حرام ہونا لازم آئے گا' ضمان لازم نہیں آئے گی' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ محرم کے لیے شکار کی

طرف اشارہ کرنا' یا اس کی طرف رہنمائی کرنا حرام ہے' اور اس کے اس اشارہ کرنے کی وجہ سے اس شکار کا امن زائل ہو گیا اور اس کی جان تلف ہو گئی او اس کے اشارہ اور اعانت کی وجہ سے وہ شکار قتل کر دیا گیا' سو شکار کی طرف اشارہ کرنے والے محرم پر بھی وہی ضمان ہو گی جو شکار کو قتل کرنے والے محرم پر ہوتی ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر دلالت کرنے والے پر بھی ضمان ہے' اور اس زمانہ کے لوگ صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور امام طحاوی نے اس کو متعدد صحابہ سے نقل کیا ہے' اور کسی صحابی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے تو اس پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت ابن عمر سے جو یہ منقول ہے کہ دلالت کرنے والے پر ضمان نہیں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب دلالت کرنے سے شکار کو قتل نہ کیا جائے۔

(فتح القدیر' ج ۳' ص ۶۴۔ ۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

شکار پر دلالت کرنے سے بھی ضامن بنایا جائے گا' پس جب کسی محرم نے کسی غیر محرم کو شکار پر دلالت کی اور اس نے اس شکار کو تلف کر دیا' تو اس کی پوری جزا محرم پر ہو گی۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مجاہد' بکر مزنی' اسحاق اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ دلالت کرنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہے' کیونکہ ضمانت جنایت سے لازم آتی ہے' دلالت سے لازم نہیں آتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے فرمایا تھا' کیا تم میں سے کسی نے اس کو حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ نیز شکار پر دلالت کرنا اس کو تلف کرنے کا ذریعہ ہے' لہٰذا اس کی وجہ سے ضمان لازم آئے گی اور یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔

(المغنی' ج ۳' ص ۱۴۳' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۰۵ھ)

شکار کی جزا میں اس کی مثل صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے کی جزا یہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا یا جو جگہ اس کے قریب ترین ہو' وہاں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں' پھر فدیہ دینے میں محرم کو اختیار ہے' اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خریدا جا سکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے' ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجوریں یا جو صدقہ کرے اور اگر چاہے تو جتنے مساکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے' مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گندم آتی ہے' جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی تو اس کو اختیار ہے کہ وہ پانچ مسکینوں پر دس کلو گندم صدقہ کرے' اور چاہے تو اس کے بجائے پانچ دنوں کے روزے رکھ لے۔

امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شکار کی نظیر ہو سکتی ہو' اس میں اس کی نظیر کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ ہرن کی نظیر بکری ہے' اور بجو کی نظیر بھی بکری ہے اور خرگوش کی نظیر بکری کا بچہ ہے' اور جنگلی چوہے کی نظیر چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کی نظیر اونٹ ہے اور جنگلی گدھے کی نظیر گائے ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ تو اس کا تاوان اس جانور کی مثل ہے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورۃً اس کی مثل ہو اور قیمت اس جانور کی مثل نہیں ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلقت اور ظاہری صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ' ہرن' جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے ان ہی جانوروں کو مثل قرار دیا ہے' جو ہم نے بیان کی ہیں۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا بجو شکار ہے؟ فرمایا ہاں! جب محرم اس کا شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۸۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۵۱' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۸۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۲۳۶' سنن دارمی' ۱۸۷۷' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۹۶۵' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۹۷' سنن دار قطنی' ج ۲' ص ۲۴۵' المستدرک' ج ۱' ص ۴۵۲)

جس جانور کی نظیر نہ ہو' اس میں امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قیمت واجب ہے' مثلاً چڑیا اور کبوتر اور ان کی مثل دوسرے پرندے' اور جب قیمت واجب ہو تو امام محمد کا قول امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے مطابق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کبوتر میں بکری کو واجب کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مثل کو مطلقاً ذکر کیا ہے' اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مثل کامل وہ ہے جو صورۃً اور معنیً دونوں اعتبار سے مثل ہو' اور جب کامل مثل متحقق نہیں ہو سکتی' تو اس کو معنی مثل پر محمول کیا جائے گا' کیونکہ مثل معنوی شریعت میں متعارف ہے' جیسا کہ حقوق العباد میں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ: ۱۹۴)

سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا بدلہ لو' اس زیادتی کی مثل جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

نیز جن جانوروں کی مثل نہیں ہے ان میں امام شافعی کے نزدیک بھی مثل معنوی مراد ہوتی ہے' پس مثل معنوی بالاجماع مراد ہے۔ لہٰذا سب جگہ مثل معنوی ہی مراد لینی چاہیے' ورنہ قرآن مجید کے ایک لفظ سے دو معنی مراد لینے لازم آئیں گے' کہیں مثل صوری اور کہیں مثل معنوی۔ نیز مثل معنوی میں عموم ہے اور مثل صوری میں خصوص ہے اور عموم خصوص پر راجح ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ محرم نے جس شکار کو قتل کیا ہے' اس پر اس کے تاوان میں اس کی قیمت واجب ہے۔ نیز قرآن مجید میں قتل کیے ہوئے شکار کے لیے نعم کا لفظ ہے اور یہ لفظ جنگلی اور پالتو دونوں قسم کے جانوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔

جزاء میں اختیار منصفوں کی طرف راجع ہے یا محرم کی طرف؟

امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جزاء میں اختیار محرم کی طرف راجع ہے' یعنی محرم کو اختیار ہے' خواہ وہ اس جانور کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر اس کی قربانی کردے' یا اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کردے' یا ان مسکینوں کی تعداد کے برابر روزے رکھ لے' اور امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک یہ اختیار فیصلہ کرنے والے دو نیک حاکموں کی طرف راجع ہے۔ اگر وہ قربانی کا حکم دیں تو اس جانور کی نظیر خرید کر اس کی قربانی کرے' اور اگر وہ طعام صدقہ کرنے کا حکم دیں یا روزے رکھنے کا حکم دیں تو اس کی قیمت کا طعام خرید کر مساکین پر صدقہ کرے یا مساکین کی تعداد کے برابر روزے رکھے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختیار محرم کی آسانی کے لیے دیا گیا ہے اور محرم کے لیے آسانی اسی وقت ہوگی جب یہ اختیار اس کی طرف راجع ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے در آنحالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو' یا اس پر چند مسکینوں کا کھانا ہے' یا ان کی تعداد کے برابر روزے رکھنا ہیں

اور ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختیار ان منصفوں کی طرف راجع ہے۔

طعام کا صدقہ مکہ میں کرنا ضروری ہے یا دوسرے شہر میں بھی جائز ہے؟

قربانی کا جانور صرف مکہ میں ذبح کیا جائے گا اور مسکینوں کو طعام کا صدقہ کسی اور شہر میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی صدقہ طعام کو قربانی پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ یہ طعام بھی مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کیا جائے اور ان دونوں میں مشترک چیز یہ ہے کہ حرم کے رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ شکار کی جزاء میں کسی جانور کو ذبح کرنا غیر معقول فعل ہے' لٰہذا وہ زمان اور مکان کے اعتبار سے اپنے امور میں بند رہے گا اور صدقہ کرنا ایک معقول فعل ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ ہو سکتا ہے اور روزہ میں اتفاق ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں رکھے جا سکتے ہیں۔

(ہدایہ اولین' ص ۲۸۰۔۲۷۷' مختصراً وموضحاً مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

دوسری بار شکار کو مارنے سے جزاء لازم ہو گی یا نہیں؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے۔ (المائدہ: ۹۵)

اس آیت کا معنی ہے محرم نے پہلی بار شکار کو قتل کیا اور اس کی ضمان یا جزاء ادا کر دی' تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور جس محرم نے دوسری بار شکار کو قتل کیا' وہ اخروی عذاب کا مستحق ہو گا۔

دوسری بار شکار کو قتل کرنے والا ضمان ادا کرے گا یا نہیں' اس میں دو قول ہیں۔ عطاء' ابراہیم' ابن جبیر' حسن اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تکرار قتل سے تکرار جزاء واجب ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح کا قول یہ ہے کہ اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا تو اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب ان سے کوئی محرم سوال کرتا کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے' اب وہ کیا کرے تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ اس نے پہلی بار شکار کو قتل کیا ہے یا دوسری بار۔ اگر اس نے پہلی بار قتل کیا ہوتا تو اس کو کفارہ کا حکم دیتے اور اگر دوسری بار قتل کیا ہوتا' تو اس کو کفارہ کا حکم نہ دیتے' اور وہ چونکہ عذاب اخروی کا مستحق ہے' اس لیے اب اس پر صرف توبہ کرنا لازم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اس کی توبہ قبول فرمائے یا اس کو عذاب دے' جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کا حکم ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے دوبارہ حالت احرام میں شکار کو قتل کیا اور کفارہ نہیں دیا' تو اللہ اس سے انتقام لے گا' لیکن یہ توجیہ ظاہر آیت سے بعید ہے۔ اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کے لیے بہت سخت وعید ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے۔ مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہو جائے' میں جب بھی اس آیت کو پڑھتا ہوں' تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اضطرار کی صورت میں شکار اور مردار میں سے کس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے

اگر محرم کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے جاں بلب ہو اور اس کو مردار اور شکار دونوں میسر ہوں تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ مردار کھا کر جان بچائے یا شکار کو مار کر کھائے۔ امام زفر نے کہا وہ مردار کھا لے' کیونکہ مردار ایک وجہ سے حرام ہے اور شکار کو قتل کرکے کھانا کئی وجہ سے حرام ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ شکار کو قتل کرکے کھا لے اور اس کی جزاء ادا کرے' کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ غلیظ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت عارضی ہے' احرام سے

نکلنے کے بعد یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے' اس کے برخلاف مردار کی حرمت دائمی ہے اور جب اسے دو حرمتوں میں سے کسی ایک حرمت کا ارتکاب کرنا پڑے تو زیادہ غلیظ حرمت کے مقابلہ میں ضعیف حرمت کو اختیار کرے جیسا کہ دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار کیا جاتا ہے' جس کو فقہاء اھون البلیتین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مبسوط میں اسی طرح مذکور ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق مردار کھانا شکار کو قتل کر کے کھانے سے اولیٰ ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے کہا کہ شکار کو ذبح کرلے اور اگر شکار حلال ہو اور مذبوح ہو تو سب کے نزدیک شکار کو کھانا مردار سے اولیٰ ہے اور اگر ایک طرف شکار ہو اور دوسری طرف خنزیر کا گوشت ہو تو جان بچانے کے لیے محرم کے واسطے اولیٰ یہ ہے کہ وہ شکار کھالے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

مبسوط اور فتاویٰ قاضی خاں کی نقل میں تعارض ہے' ہمارے نزدیک مبسوط کی نقل معتمد ہے اور قوت دلیل کے اعتبار سے وہی راجح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے' اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم سب پیش کیے جاؤ گے۔ (المائدہ: ۹۶)

سمندری شکار کی تعریف اور اس میں مذاہب ائمہ

سمندری شکار سے مراد ہے جس جانور کو پانی میں شکار کیا جائے' خواہ وہ پانی سمندر میں ہو' دریا میں ہو' نہر میں ہو یا تالاب میں ہو اور اس سے مقصود وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوا ہو' اور اس کی نشوونما اور بقا بھی پانی میں ہو اور اس کے طعام سے مراد' پانی میں کیا ہوا شکار ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد صرف مچھلی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں' مچھلی اور ٹڈی۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

اس حدیث کی سند کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن یزید ضعیف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد پانی کے تمام جانور ہیں' ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور حضرت عمر' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سمندری طعام سے مراد وہ تمام جانور ہیں جن کو سمندر ساحل پر پھینک دے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر سے نکالی جائے اس کو کھالو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور سمندر کی ہر چیز کھائی جائے گی' خواہ وہ مردار ہو' سمندر میں ہو یا سمندر کے ساحل پر ہو۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۸۸-۸۶)

خشکی کے شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوئے ہوں اور ان کی نشوونما اور بقا بھی خشکی میں ہو اور شکار سے مراد وہ جانور ہیں جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے انسانوں سے غیر مانوس اور متوحش اور متنفر ہوں' جیسے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اور بکری' گائے اور اونٹ وغیرہ شکار نہیں ہیں' کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ فاسق جانوروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: بچھو' چوہا' کاٹنے والا کتا' کوا' اور چیل ان کی تفصیل اور تحقیق ہم اس سے متصل پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

شکار کا گوشت محرم کے لیے ناجائز ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب تک تم احرام میں ہو' تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کردیا ہے۔ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر غیر محرم' محرم کے لیے کسی جانور کو شکار کرے تو محرم کے لیے اس کو کھانا جائز نہیں ہے' اور حسب ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جنگلی گدھا (شکار کرکے) پیش کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ان کو واپس کردیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر افسوس کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے تم کو یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

(صحیح مسلم' ج' ۵۰' (۱۱۹۳) ۲۷۹۹' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۲۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۸۵۰' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۸۱۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حارث کو طائف کا گورنر مقرر کیا تھا' اس نے کچھ پرندوں اور جنگلی جانوروں کا شکار کیا اور یہ طعام حضرت عثمان کی طرف بھیجا' حضرت عثمان نے یہ طعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا' جس وقت ان کا قاصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا' تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے درختوں سے پتے جھاڑ رہے تھے' لوگوں نے آپ سے کہا یہ طعام کھائیں۔آپ نے فرمایا تم لوگ کھالو' کیونکہ میں محرم ہوں۔پھر فرمایا قبیلہ اشجع کے جو لوگ یہاں موجود ہیں' میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا در آنحالیکہ آپ محرم تھے؟ آپ نے اس گوشت کو کھانے سے انکار کیا؟ انہوں نے کہا ہاں!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شکار کی دستی پیش کی گئی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا میں محرم ہوں۔انہوں نے کہا ہاں!

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۰-۱۸۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے' جب تک کہ تم اس کو خود شکار نہ کرو' یا اس کو تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔

امام ابوداؤد نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں متعارض ہوں تو اس حدیث پر عمل کیا جائے جس پر آپ کے اصحاب نے عمل کیا ہے۔(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۴۷' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۲۷)

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ایک ساتھ حج کیا۔ایک غیر محرم نے شکار کرکے حضرت عثمان کے پاس اس کا گوشت بھیجا' حضرت عثمان نے اس میں سے کھایا اور حضرت علی نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمان نے فرمایا بہ خدا ہم نے شکار کیا ہے' نہ اس کا حکم دیا ہے' نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔حضرت علی نے یہ آیت پڑھی جب تک تم احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کردیا گیا ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب محرم ہوتے تو شکار کو نہیں کھاتے تھے' خواہ اس کو غیر محرم

نے شکار کیا ہو۔ (جامع البیان، جز ۷، ص ۹۷۔ ۹۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جب محرم خود شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم پر اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تک تم احرام میں ہو، تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور اگر محرم اس شکار میں اعانت کرے یا اس پر دلالت کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے، تب بھی وہ محرم کے لیے جائز نہیں ہے اور اگر غیر محرم، محرم کی خاطر شکار کرے تو یہ محل اختلاف ہے۔ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی اس شکار کو کھانا محرم پر حرام ہے اور یہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس صورت میں محرم کے لیے شکار کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں اس کا جواز ہے۔

صحابہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، یارسول اللہ! ہم نے احرام باندھ لیا تھا اور ابوقتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا، ہم نے جنگلی گدھے دیکھے۔ حضرت ابوقتادہ نے ان پر حملہ کیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں، ہم نے اتر کر اس کا گوشت کھایا، پھر ہمیں خیال آیا کہ ہم محرم تھے اور ہم نے شکار کا گوشت کھا لیا، پھر ہم نے باقی گوشت رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے شکار کا امر کیا تھا یا اس کی طرف کسی قسم کا اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو۔

(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۲۴، صحیح مسلم، ج ۲، ۶۰ (۱۱۹۶) ۲۸۱۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۴۸، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۸۲۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۰۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۹۶۶، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۸۳۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵، ص ۳۲۲، سنن دار قطنی، ج ۲، ص ۲۹۱، ملتان، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۱، طبع قدیم)

اور حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۲۰۵، ۴۰۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین نظریات ہیں:

۱۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا موقف یہ ہے کہ شکار کا گوشت محرم پر ہر حال میں حرام ہے۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہے تو محرم پر اس شکار کا گوشت حرام ہے، ورنہ نہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر محرم نے شکار میں غیر محرم کی اعانت نہیں کی، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ دلالت کی، تو پھر محرم کے لیے اس شکار کو کھانا جائز ہے، خواہ غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو۔

محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

قوت دلائل کے اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ راجح ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے، اور صحاح کی احادیث سنن کی احادیث پر مقدم ہیں۔ اور

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں لام تملیک کے لیے ہے، یعنی شکار کا گوشت تمہاری ملک کر دیا جائے تو پھر تمہارے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، جبکہ تم محرم ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب تمہاری اعانت سے تمہارے لیے شکار کیا جائے اور اس صورت میں اس کا کھانا بالاتفاق حرام ہے۔

حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث میں ہے انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا تو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ میں محرم ہوں۔ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی خلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کے بھی، ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے رسول اللہ ﷺ کی خاطر شکار کیا تھا، اس لیے آپ نے اس شکار کو واپس کر دیا اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ صحیح مسلم، ج ۵۰ میں ہے کہ حضرت صعب نے آپ کی خدمت میں جنگلی گدھا پیش کیا اور ج ۵۲ میں ہے، جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا اور ج ۵۴ میں ہے جنگلی گدھے کی ایک ٹانگ پیش کی اور حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کے موقف کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو بخاری، مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے اور غیر مضطرب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں ہے جب تک احرام میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے، یہ آیت بھی بظاہر امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ دونوں کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پر محمول ہے کہ خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے جبکہ تم نے حالت احرام میں خود شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے غیر محرم کی اعانت کی ہو، امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید میں مزید احادیث حسب ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرین کے پاس سے گزرا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو آیا اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن میرے دل میں کچھ اضطراب تھا، میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو تاحیات تم فتویٰ نہ دے سکتے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۵۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی)

امام ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، اگر تم اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو میں تمہیں درے مارتا۔

(جامع البیان، جز ۷، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دھوپ میں سکھایا ہوا شکار کا گوشت لے کر جاتے اور اس کو سفر میں کھاتے تھے، حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں ہوتے تھے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۰، مطبوعہ کراچی)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس میں بحث کر رہے تھے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب غیر محرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کو محرم کی خاطر ذبح کیا گیا ہو، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۳۶۱، مطبوعہ کراچی)

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو، یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جاننے والا ہے ○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے

الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ○ آپ کہیے کہ پاک اور ناپاک

الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

برابر نہیں ہوسکتا، خواہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو، سو اے عقل والو! تم

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۳

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے 'لوگوں کے قیام کا سبب بنا دیا اور حرمت والے مہینہ کو اور کعبہ کی قربانی کو اور جانوروں کے گلوں میں پڑے ہوئے پٹوں کو 'یہ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے 'بیشک اللہ ہر چیز کو بہت جاننے والا ہے○ جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ بہت بخشنے والا 'بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۹۸-۹۷)

مشکل الفاظ کے معنی

کعبہ: یہ چوکور اور بلند بیت ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا' کعب کے معنی بلند ہونا ہے اور یہ چونکہ بلند بیت ہے' اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا۔

قیاما للناس: جس چیز کے سبب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں' کعبہ کی زیارت کرکے اور اس کا طواف کرکے لوگ حج اور عمرہ کی عبادات کو انجام دیتے ہیں' جس سے ان کی آخرت درست ہوتی ہے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سامان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین میں چلا آتا ہے' اس سے ان کی دنیا درست ہوتی ہے۔

الشھر الحرام: چار حرمت والے مہینے ہیں۔ ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب۔ ان مہینوں کے سبب سے بھی ان کے معاملات قائم اور درست رہتے ہیں' کیونکہ ان مہینوں میں جنگ اور قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

الھدی: جن جانوروں کو قربان کرنے کے لیے حرم میں بھیجا جائے' ان کو الھدی کہتے ہیں' غرباء اور فقراء ان کا گوشت کھاتے ہیں' جس سے ان کی مدد ہوتی ہے۔

القلائد: قلادہ پٹے کو کہتے ہیں' اس سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جس کے گلے میں ہار یا پٹا ہو۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جس جانور کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف بھیجتے' اس کے گلہ میں پٹا ڈال دیتے' اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔

مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا' اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کے لیے باعث امن ہے' اسی طرح وہ انسانوں کے لیے بھی امن کا باعث ہے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔

کعبہ اور دیگر شعائر حرم کا لوگوں کے لیے مصلح اور مقوم ہونا

عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف اور مظلوم کا حق قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کسی بدکار کو سزا اور نیکوکار کو جزا دے سکے' تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو البیت الحرام ہے' لوگوں کے معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنادیا' جیسے کسی ملک کا بادشاہ اپنی رعیت کے معاملات کو درست اور قائم رکھتا ہے اور ان میں عدل و انصاف برقرار رکھتا ہے' اسی طرح سے کعبہ اور حرمت والے مہینے زمانہ جاہلیت میں ان کی اصلاح اور درستگی کا سبب تھے' کیونکہ وہ البیت الحرام کی تعظیم کرتے تھے' اور اس شہر میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے اور سال کے چار حرمت والے مہینوں میں بھی لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرتے تھے' کیونکہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور محرم میں سفر حج سے واپس جاتے تھے' اور رجب میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے اور وہ زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مامون اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے جن کو الھدی اور القلائد کہا جاتا تھا' ان کی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے' بیت اللہ کی تعظیم ان کے دل و دماغ میں مستحکم ہو چکی تھی اور ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

اور زمانہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعظیم کو اسلامی عبادات کا اہم حصہ بنادیا' سو فرمایا:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (البقرہ: ۱۲۵)	اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور مقام امن بنادیا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو' اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے بیت کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

مناسک حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب و گیاہ' ویران اور بنجر زمین میں تمام دنیا سے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں' اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سامان' پھل اور غلہ پہنچتا ہے' اور یوں اس بیت کی وجہ سے ساکنان حرم کے لیے اسباب زیست فراہم ہوتے

ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (القصص:۵۷)

کیا ہم نے انہیں حرم میں آباد نہیں کیا جو امن والا ہے' جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہماری طرف سے عطا کردہ ہیں' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہیں' احرام کی ممنوعات سے باز رہتے ہیں' قرآن مجید کی حرم میں تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں' حج کے اجتماع کو دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں' ان کے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں' حرم میں کی ہوئی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ ایک لاکھ گنا اجر عطا فرماتا ہے' زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر یہیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول پر صرف حکم پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (المائدہ:۹۹)

کسی کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا فرائض رسالت میں سے نہیں ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا' اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عذاب کا ذکر کیا تاکہ لوگ اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں' پھر اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا کہ اگر انسان سے شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے' تو پھر اللہ کی رحمت پر نظر رکھے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر لوگوں کو عمل کی ترغیب دی اور فرمایا رسول کا کام صرف تبلیغ کرنا اور ہدایت دینا ہے' نیک کاموں کی ترغیب دینا اور برے کاموں سے روکنا اور ان کو عذاب سے ڈرانا ہے' تم کو نہ تو جبراً صالح اور نیکوکار بنانا رسول کا منصب ہے اور نہ تم میں ایمان اور تقویٰ پیدا کرنا رسول کی ذمہ داری ہے اور نہ نیکیوں پر ثواب عطا کرنا اور برائیوں پر عذاب دینا رسول کا کام ہے' جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو نیکی اور برائی کے راستے دکھا اور بتا دیئے تو ان کا کام ختم ہو گیا' اب ان پر عمل کرنا' نہ کرنا تمہارا معاملہ ہے اور اس پر ثواب عطا کرنا یا عذاب دینا یہ اللہ کا کام ہے۔

البتہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ گنہگاروں کی مغفرت کے لیے اور نیکوکاروں کے درجات میں ترقی کے لیے شفاعت فرمائیں گے' جس کی تفصیل اپنے مقام پر آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتا' خواہ (اے مخاطب!) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو' سو اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ تم فلاح پاؤ (المائدہ:۱۰۰)

اللہ کے نزدیک نیکوکاروں اور بدکاروں کا برابر نہ ہونا

پاک اور ناپاک کو برابر کرنا اور صالح اور فاسق و فاجر کو برابر رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص:۲۸)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے ' کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے گی' وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں!۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (القلم: ۳۶-۳۵)

کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے رسول! آپ انہیں بتا دیجئے کہ کھرا اور کھوٹا' نفع بخش اور ضرر رساں' نیک اور بد' حلال اور حرام' عادل اور ظالم کبھی برابر نہیں ہو سکتے' خواہ دیکھنے والوں کو دنیا میں بدکردار اور بے ایمان لوگ زیادہ عیش و عشرت اور زیادہ عزت و جاہ میں کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں' جیسے مسلمانوں کی بہ نسبت کفار زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ قوی اور مستحکم ہیں' حتیٰ کہ امریکہ جس ملک پر چاہے فضائی پابندی لگوا دیتا ہے' جیسے کئی سالوں سے لیبیا پر پابندی لگوائی ہوئی تھی' اور جس ملک پر چاہے تجارتی اور اسلحہ سازی کی پابندی لگوا دے' جیسے کئی سالوں سے عراق پر یہ پابندی لگوائی ہوئی ہے' اسی طرح مسلمانوں میں بھی زیادہ عزت دار' زیادہ خوشحال اور زیادہ طاقتور وہ لوگ ہیں جو بدعنوان سیاست دان اور بددیانت سرمایہ دار ہیں' جو اسمگلنگ اور چور بازاری کرتے ہیں' سودی کاروبار کرتے ہیں' ٹیکس ادا نہیں کرتے' قومی کاروباری معاہدوں میں رشوت اور ناجائز کمیشن لیتے ہیں اور بینکوں سے قرضے لے کر کھا جاتے ہیں یا معاف کرا لیتے ہیں۔ معاشرہ میں یہی لوگ عزت دار سمجھے جاتے ہیں اور سڑک کے کنارے بیٹھا ہوا موچی جو اپنی محنت سے رزق حلال کماتا ہے' اخبار فروش' ملوں میں کام کرنے والے محنت کش اور راج اور مستری کا کام کرنے والے مزدور جو اپنے خون اور پسینہ سے حلال کمائی کھاتے ہیں' ان کو معاشرہ میں ذلیل اور پسماندہ خیال کیا جاتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال کھانے والے اور حرام کھانے والے' پاک اور ناپاک' طیب اور خبیث ہرگز برابر نہیں ہیں۔

سو! اے صاحبان عقل! ان خبیث لوگوں کی ظاہری آن بان کو نہ دیکھو' شیطان کے دام میں نہ آؤ' اور مال حرام کی زیب و زینت سے مسحور مت ہو' کیونکہ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور فانی کو باقی پر' عارضی کو دائمی پر' باطل کو حق پر' فساد کو صلاح پر اور حرام کو حلال پر ترجیح نہ دے اور دنیا کے بدلہ میں آخرت کا سودا نہ کرے کہ یہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار

تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ

ہوں' اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی' اللہ نے

عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ

ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ۝ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے' پھر وہ

أَصْبَحُوا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

لوگ ان ہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے ○ اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى

اور نہ وصیلہ اور نہ حامی مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں ، اور

اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین

اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

باپ اور دادا کو پایا خواہ ان کے باپ دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں' اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی' اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے۔ (المائدہ: ۱۰۱)

نبی ﷺ سے سوالات کرنے کے متعلق احادیث

لوگ نبی ﷺ سے بکثرت سوال کرتے تھے' ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی۔ مسلمان تو امر واقع کو دریافت کرنے کے لیے سوال کرتے تھے' اور منافق امتحاناً' استہزاء' اور عناداً سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: کہ اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ﷺ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ فلاں ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی' ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۱' صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۴' (۲۳۵۹) ۶۰۰۳' سنن ترمذی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۰۶۷' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء' سوال کرتے تھے' کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون

ہے؟ کوئی کہتا میری اونٹنی گم ہو گئی، وہ اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۶۲۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے، حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیے تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا، میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا، اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے ہوئے رو رہا تھا، ایک شخص کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے، پھر حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر، ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آج کی طرح خیر و شر کو نہیں دیکھا! میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا، حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔ قتادہ اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے: "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو......"

(صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۰۸۹، صحیح مسلم، فضائل ۱۳۷، (۲۳۵۹) ۶۰۰۸، مسند احمد، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۲۷۵۶، طبع دار الحدیث، قاہرہ، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۳۶۶۷-۱۳۸۲۰، طبع دار الفکر، بیروت، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۷۷، طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستے کی استطاعت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷) تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہر سال میں؟ آپ نے فرمایا نہیں! اور اگر میں ہر سال میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۱)

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۶۶، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۴، صحیح مسلم، الحج، ۴۱۲، (۱۳۳۷) ۳۱۹۹، سنن نسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، درآنحالیکہ آپ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، آپ منبر پر بیٹھ گئے، ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، دوسرے نے سوال کیا، میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ؟ حضرت عمر بن الخطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں، اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر، یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت اور شرک سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ جانتا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو......

(جامع البیان، جزء ۷، ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض مخفی ہوتی تھیں، جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہو سکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا: کہ میرے باپ کون ہیں؟

فرض کیجئے کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے' کوئی اور ہوتے' تو لوگوں میں رسوا ہو جاتے اور ان کی ماں کی ناموس پر دھبہ لگ جاتا' اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال میں حج کرنا فرض ہے' اگر آپ ہاں فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور مسلمان محض اس وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گھی' پنیر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے' جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا' وہ معاف ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں' ان کو ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے' ان میں ملوث نہ ہو اور کچھ اشیاء سے سکوت فرمایا' ان میں تمہارے لیے رخصت ہے' اللہ انہیں بھولا نہیں ہے' تم ان سے بحث نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۲' المستدرک' ج ۲' ص ۱۲۲)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۸۹' صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۲' (۲۳۵۸) ۶۰۰۱' سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرو اور جن کا حکم دیا ہے' ان کو بجالاؤ جتنی تمہاری استطاعت ہے' کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۰' (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

آپ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اجازت کے محامل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زیر تفسیر آیت اور احادیث مذکورۃ الصدر میں سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے' حالانکہ قرآن مجید کی ایک اور آیت اور ایک حدیث میں سوال کرنے کا حکم فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے سوال کرو۔

(الانبیاء: ۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے' ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا' جس سے اس کا سر پھٹ گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں۔ سو اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا' جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا' اللہ ان کو ہلاک کر دے' جب ان کو مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ جہالت کی شفا سوال کرنا ہے' اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا' یا وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم پر پانی بہاتا۔

(سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۷۲' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۳۰' طبع قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا امتحان لینے کے لیے یا آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے ان کو منع کیا گیا تھا' یا جس عبادت کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم نہیں دیا تھا' نہ اس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا' اس کے متعلق سوال کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا' یا جس چیز سے کسی کی پردہ دری ہوتی ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا تھا' لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اس کا وجوب ثابت ہو چکا ہو' اس کی وضاحت کے متعلق سوال کرنا جائز ہے' جیسا کہ اس آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو گا تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ (المائدہ: ۱۰۱)

اثناء وحی میں جو حکم مجمل ہو اس کی وضاحت کے لیے سوال کرنا' جو چیز سمجھ میں نہ آئے' اس کو پوچھنا' کسی پیش آمدہ حاجت کے متعلق سوال کرنا' یہ تمام سوالات جائز ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں ان کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت بیان فرمائی' اور جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت بیان فرمائی اور حاملہ کی عدت بیان فرمائی اور اس عورت کی عدت بیان نہیں فرمائی جس کو حیض آتا ہو' نہ حمل ٹھہرتا ہو' یعنی وہ بہت بوڑھی ہو' تو صحابہ نے اس کے متعلق سوال کیا' تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو مایوس ہو چکی ہوں اور تمہیں (ان کی عدت کے متعلق) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

اسی طرح حسب ذیل آیات میں صحابہ کرام کے ان سوالات کا ذکر فرمایا ہے جو وہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی وضاحت کے سلسلہ میں کرتے تھے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (البقرہ: ۲۱۵)

وہ آپ سے خرچ کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ تم جو (مال) بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ' قریبی رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ (البقرہ: ۲۱۷)

وہ آپ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہیے اس میں قتل کرنا بڑا گناہ ہے' اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں' اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ (البقرہ: ۲۲۰)

وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ...... (البقرہ: ۲۲۲)

وہ آپ سے حیض کے حکم کا سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ وہ گندگی ہے' پس عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو۔

قرآن مجید میں اس طرح کے سوالات کی پندرہ آیتیں ہیں' جن میں سے بارہ آیتوں میں صحابہ کرام کے سوالات ہیں' ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں' کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے' کسی شرعی حکم کی وضاحت کے لیے' اور کسی اشتباہ کو دور کرنے کے لیے سوال جائز ہے' احادیث میں بھی اس کی بہت نظائر ہیں۔

آپ سے کیے ہوئے سوالات کے متعلق احادیث

نبی ﷺ سے صحابہ کرام امور مستقبلہ کے متعلق بھی سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک مجلس میں نبی ﷺ صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے' کہ ایک اعرابی نے آپ کی حدیث کے دوران سوال کیا قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اپنی حدیث جاری رکھی' پھر سائل کو متوجہ کر کے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا' اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

صحابہ کرام کسی پیش آمدہ مسئلہ اور حادثہ میں آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے' لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے' ایک شخص نے کہا مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے ذبح سے پہلے سر منڈا لیا' آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں (اب) ذبح کر لو ایک اور شخص نے کہا کہ مجھے پتا نہیں چلا میں نے رمی سے پہلے نحر کر لیا۔ آپ نے فرمایا اب رمی کر لو' کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا موخر کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کر لو کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح بخاری' ج ۱' رقم الحدیث' ۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تقدیم تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے دم لازم آتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے اسی طرح مروی ہے' اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس سے آخرت میں حرج یعنی گناہ نہیں ہوگا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو اہاب کی بیٹی سے شادی کی' ایک عورت نے ان سے کہا: میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے' حضرت عقبہ نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے پہلے مجھے بتایا تھا' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے الگ کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ یہ کہا گیا ہے' تو عقبہ اس عورت سے الگ ہو گئے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۸' بیروت)

آپ کا یہ ارشاد بطور استحباب ہے' ورنہ ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی' ثبوت رضاعت کے لیے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے حضرت مقداد سے کہا: کہ وہ اس کے متعلق سوال کریں' انہوں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۲' بیروت)

خواتین آپ سے عورتوں کے خصوصی مسائل دریافت کرتی تھیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا' کیا عورتوں پر بھی احتلام کی وجہ سے غسل فرض ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! جب وہ پانی دیکھ لے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے میں اپنے منہ کو چھپا کر کہا: یا رسول اللہ! عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! پھر بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۰' بیروت)

قرآن مجید کی کسی اصطلاح کے متعلق بھی صحابہ آپ سے سوال کرتے تھے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی کیا تعریف ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتال کرتا ہے' کوئی گروہی تعصب کی وجہ سے قتال کرتا ہے' آپ ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھایا' اس وقت وہ شخص کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کیا' وہی اللہ عزوجل کی راہ میں قتال کرتا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۳' مطبوعہ بیروت)

بعض اوقات صحابہ آپ کی حدیث کے معارضہ میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے' پھر آپ اس کا جواب دیتے تھے:

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی آپ سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ اس کے مطلب کو نہ پہنچتیں تو آپ سے رجوع کرتی تھیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔ (الانشقاق' ۸) آپ نے فرمایا اس آیت میں حساب کا پیش کرنا مراد ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا' وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۳' مطبوعہ بیروت)

مشکل سوالات اور بجھارت ڈالنے کی ممانعت

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پہیلیوں اور بجھارتوں کے ڈالنے سے منع فرمایا' کسی کو ساکت اور عاجز کرنے کے قصد سے اس پر بجھارت ڈالنا منع ہے' اور شاگردوں کا امتحان لینے کے لیے بجھارت ڈالنا جائز ہے' خود نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے' بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۲)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے سوالات کیے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مشکل سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب سے افضل کوئی قوم نہیں دیکھی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ سوالات کیے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ وہ تیرہ سوالات یہ ہیں:

(۱) واذا سالک عبادی عنی۔ (۲) یسئلونک عن الاھلۃ (۳) یسئلونک ماذا ینفقون (۴) یسئلونک عن الشھر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر و المیسر (۶) ویسئلونک عن الیتامی (۷) ویسئلونک ماذا ینفقون (۸) ویسئلونک عن

المحیض۔ یہ آٹھ سوالات سورۃ البقرۃ میں ہیں۔ (۹) یسئلونک ماذا احل لھم۔ (المائدہ) (۱۰) یسئلونک عن الساعۃ۔ (الاعراف) (۱۱) یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال) (۱۲) یسئلونک عن الجبال۔

تحقیق یہ ہے کہ صرف بارہ سوالات صحابہ نے کیے تھے' قرآن مجید میں یسئلونک کے صیغہ سے باقی جو سوال ہیں' وہ یہود اور مشرکین کے ہیں۔ طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس چیز کے متعلق سوال کرے جو نہیں ہے' کیونکہ جو چیز بھی ہونے والی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ' ج ۲' ص ۱۴۲' بلخصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

سوالات کرنے کے جائز اور ناجائز مواقع

بہر حال اب حصول علم کے لیے شرعی سوالات کا کرنا جائز ہے' کیونکہ اب یہ خوف نہیں کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائے گی' حلال و حرام احکام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے' اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں یا کسی نئے حادثہ میں یا کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے' اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو۔ (الانبیاء: ۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا جہالت کی شفا سوال کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۶) اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کے لیے سوال کرے' تاکہ اس کو جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے یا جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کے لیے سوال کرے یا جو شخص عناداً سوال کرے' سو ایسے سوال ناجائز ہیں' خواہ کم ہوں یا زیادہ' البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کے لیے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں' وہ جائز ہے۔ اسی طرح کسی کی دلیل پر نقض وارد کرنا اور مسلمات بین الفریقین سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے' تاہم مناظرہ میں فریق مخالف کو حکمت کے ساتھ کسی کفریہ کلمہ سے بچانا چاہیے' اور اگر یہ چاہے کہ وہ کوئی کفریہ کلمہ کہے اور میں اس کی تکفیر کروں تو یہ خود کفر ہے اور اگر یہ چاہے کہ وہ دین میں کوئی ناروا بات کہے اور میں اس کی مذمت کروں تو یہ حرام ہے' بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں دلائل پیش کر کے حکمت کے ساتھ فریق مخالف کو حق کا قائل کر لوں' نہ یہ کہ اس کو مناظرہ میں شکست دوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے' پھر وہ لوگ انہی سوالات کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔ (المائدہ: ۱۰۲)

کثرت سوالات اور مطالبات کی وجہ سے پچھلی امتوں کا ہلاک ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تم سے پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرما دیئے تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے' جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا' اور جب وہ اونٹنی آ گئی تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے اور جب ان پر دسترخوان نازل کر دیا گیا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے نبی ﷺ کی وساطت سے اور ان کی زبان سے تنبیہ کی ہے کہ وہ سوالات کرنے کے معاملہ میں اپنے سے پہلی امتوں کے راستہ پر نہ چل پڑیں' اس لیے فرمایا کہ تم فرمائشی

معجزات کا سوال نہ کرو' نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو' اور جو چیز تم پر فرض یا حرام نہیں کی گئی اس کا سوال نہ کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بیان کیا جائے تو تم کو ناگوار ہو یا تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو جن چیزوں سے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرو' اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے' ان کو بجالاؤ' جتنی تمہاری استطاعت ہے' کیونکہ تم سے پہلے لوگ محض زیادہ سوالات کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم' فضائل' ۱۳۰' (۱۳۳۷) ۵۹۹۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے لیے جو چیزیں چھوڑی ہیں' تم بھی ان کو چھوڑ دو' تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں کی وجہ سے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' پس جب میں تم کو کسی چیز سے منع کردوں تو اس سے اجتناب کرو' اور جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ' اپنی استطاعت کے مطابق۔

(صحیح بخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۸۸' صحیح مسلم' الحج' ۴۱۲' (۱۳۳۷) ۳۱۹۹' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۸' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۱۹' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱-۲۰-۱۹-۱۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۳۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی' مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (المائدہ: ۱۰۳)

اس سے پہلی آیتوں میں کثرت سوال سے منع فرمایا تھا' مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کردی جائے' اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں نے ازخود بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا' اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا' وہ بدستور حلال ہیں' سو جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کیا ہو' اس کو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔

البحیرہ کا معنی

بحر کے معنی وسعت ہے' جب کسی اونٹنی کے کان کو بہت لمبا چیر دیا جائے تو اسے بحیرہ کہتے ہیں' جب کوئی اونٹنی دس بچے جنتی تو وہ اس کے کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے' اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سامان لادا جاتا۔

(المفردات' ص ۳۷' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

مسروق نے بیان کیا کہ جب اونٹنی کے پانچ یا سات بچے ہو جاتے تو وہ اس کا کان چیر دیتے اور کہتے یہ بحیرہ ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو وہ پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کو ذبح کر دیتے اور اس کو صرف مرد کھاتے' اور اگر وہ بچہ مردہ ہوتا تو اس اونٹنی میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے اور اگر پانچویں بار اونٹنی مونث کو جنم دیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا' اس کا دودھ دوہا جاتا نہ اس پر سواری کی جاتی' نہ اس کے بالوں کو حاصل کیا جاتا اور نہ اس کو ذبح کیا جاتا۔ (جامع البیان جز ۷' ص ۱۲۲' ۱۲۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

السائبہ کا معنی

جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لے تو اس کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا تھا' اور اس کو پانی اور چارے سے منع نہیں کیا جاتا تھا' اس کو سائبہ کہتے تھے۔ (المفردات' ص ۲۴۶' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

شعبی نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی اونٹنیوں اور بکریوں کو اپنے بتوں کے پاس ذبح کے لیے چھوڑ دیتے تھے' وہ لوگوں کی بکریوں کے ساتھ خلط ملط ہو جاتیں' ان کا دودھ صرف مرد دوہتے تھے' اور جب ان میں سے کوئی مرجاتی تو مرد اور عورت دونوں اس کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ سائبہ کی تفسیر ہے۔

سدی نے سائبہ کی تفسیر میں بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کا مال بہت زیادہ ہو جاتا' یا وہ کسی بیماری سے شفایاب ہو جاتا یا کسی سفر سے کامیاب لوٹتا تو وہ اپنی کسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیتا' کوئی شخص اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔
ابن المسیب نے کہا جس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے وہ سائبہ کہلاتی۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳-۱۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کی بتوں کے لیے نذر مانی جاتی اور اس کو بتوں کے خدام اور محافظوں کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ جہاں چاہتی' چرتی اس پر سامان لادا جاتا نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اور نہ اس کا دودھ دوہا جاتا' البتہ مہمان مستثنیٰ تھا۔

(التفسیر المنیر' جز ۷' ص ۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

الوصیلہ کا معنی

جب کسی شخص کی بکری نر اور مادہ دو بچے جنتی' تو کہتے کہ یہ بکری اپنے بھائی سے واصل ہو گئی ہے' پھر اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو بھی ذبح نہیں کرتے تھے' اس بکری کو مشرکین زمانہ جاہلیت میں "الوصیلہ" کہتے تھے۔

(المفردات' ص ۵۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علقمہ نے الوصیلہ کی تعریف میں کہا جب اونٹنی صرف نر بچے کو جنم دیتی تو اس اونٹنی کو مرد کھاتے تھے' اور جب ایک ساتھ نر اور مادہ کو جنتی تو کہتے یہ اونٹنی اپنے بھائی کے ساتھ واصل ہو گئی ہے' پھر ان دونوں کو نہیں کھاتے تھے' اور جب نر مرجاتا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے' گویا نر کے ساتھ پیدا ہونے والی اونٹنی وصیلہ تھی۔

ابن المسیب نے بیان کیا کہ وصیلہ وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ کو جنم دے' دوسری بار پھر مادہ کو جنم دے' وہ کہتے تھے کہ یہ وصیلہ ہے' دو مادہ اونٹنیوں کے درمیان نر نہیں ہے' اس اونٹنی کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳-۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الحامی کا معنی

وہ نر جو دس مرتبہ مادہ کو گیابھن کر دے' اس کو حامی کہتے تھے' اس پر سامان لادا جاتا تھا' نہ اس پر سواری کی جاتی تھی۔

(المفردات' ص ۱۳۳-۱۳۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

قتادہ نے کہا جو اونٹ اور اس کا بیٹا دس مرتبہ گیابھن کر دے' وہ حامی ہے۔

امام ابن جریر نے کہا کہ جس اونٹ کی ضرب سے مسلسل دس اونٹنیاں پیدا ہوں' درمیان میں نر نہ ہو' اس کو حامی کہتے تھے' اس پر سواری کی جاتی' نہ اس پر سامان لادا جاتا' نہ اس کا اون کاٹا جاتا' اس کو پانی اور چراگاہ سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۲۳' ۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بحیرہ اور سائبہ وغیرہما کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا' اور کوئی شخص اس کا

دودھ نہیں دوہتا تھا، اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا، اور حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا، اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا تھا، اور وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹنی جنتی ہے، وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نر نہ ہو، اور حامی نر اونٹ ہے، جو چند معین مرتبہ گیابھن کرے، جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے، اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے، اور اس کو الحامی کہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ دوزخ کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی، اور میں نے دیکھا کہ عمرو اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا۔

(صحیح البخاری، ج ۵، رقم الحدیث: ۴۶۲۴-۴۶۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری اونٹنیاں پیدا ہوتی ہیں تو ان کے کان سالم ہوتے ہیں، پھر تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ ڈالتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہے، اور ان کے کان چیر دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ حرام ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی کلائی بہت سخت ہے اور اس کا استرا بہت تیز ہے اور تمہارا ہر مال جو تمہارے لیے حلال ہے، اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں کی گئی۔

(مسند احمد، ج ۵، رقم الحدیث: ۱۵۸۸۸، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱۰، ص ۱۰، جامع البیان، جز ۷، ص ۱۱۹-۱۱۸)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو ضرور پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا اور بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے پتھر نصب کیے، اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بنو کعب کا بھائی عمرو بن لحی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو اذیت پہنچ رہی تھی، اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے بحیرہ کے کان چیرے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بنو مدلج کا ایک شخص ہے، جس کی دو اونٹنیاں تھیں، اس نے ان کے کان چیرے اور ان کا دودھ دوہنا اور ان پر سامان لادنا حرام کر دیا، پھر اس کو ضرورت ہوئی تو اس نے ان کا دودھ پیا اور ان کی پشت پر سوار ہوا، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا وہ اونٹنیاں اس کو اپنے مونہوں سے بھنبھوڑ رہی تھیں اور اپنے کھروں سے روند رہی تھیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

(در منثور، ج ۲، ص ۳۳۸، جامع البیان جز ۷، ص ۱۱۸، روح المعانی، جز ۷، ص ۴۴)

ایصالِ ثواب کے لیے نامزد جانوروں کا حلال اور طیب ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام نہیں کیا لیکن زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی ٹھہرائے، ان کو اپنے بتوں کے لیے نامزد کیا، اور ان سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا، اور یہ محض اللہ پر افتراء ہے، سو ان جانوروں کو جب مسلمان، اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو ان کا کھانا حلال اور طیب ہو گا، اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور لوگوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، یہ عبداللہ کی گائے ہے، یہ عبدالرحمٰن کا بکرا ہے، اور اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے جو جانور ان کی طرف

منسوب کیے جاتے ہیں' کہ مثلاً اس بکرے کو ذبح کر کے اس کے طعام کے صدقہ کے ثواب کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ یا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کی روح کو پہنچایا جائے گا اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ یہ غوث پاک کا بکرا ہے یا یہ داتا صاحب کا بکرا ہے' تو جب اس کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے گا تو اس کا گوشت بھی حلال اور طیب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس دین کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول (کی شریعت) کی طرف' تو کہتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا' خواہ ان کے باپ اور دادا کسی چیز کا علم نہ رکھتے ہوں' نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (المائدہ: ۱۰۴)

بحیرہ وغیرہ کی تحریم کا خلاف عقل ہونا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے کفار کی تشریع کو رد کر دیا ہے' اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام نہیں کیا ہے' اور نہ یہ اس کی سنت ہے اور نہ شریعت میں اس کو عبادت قرار دیا ہے' اور اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو اول تو کفر اور شرک نہ کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرتے اور ان جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کر کے اور ان سے حصول نفع کو حرام کر کے مزید گمراہ نہ ہوتے' جو پتھر کسی قسم کے نفع اور نقصان پر اصلاً قادر نہیں ہیں' نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں' نہ اس کا جواب دے سکتے ہیں' ان کی پرستش کرنے سے کیا حاصل؟ اور ان جانوروں کو ان کی خاطر حرام کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

تقلید مذموم اور تقلید محمود

عقل سے کام لیتے تو بت پرستی نہ کرتے اور نہ بتوں کی خاطر ان جانوروں کو حرام کرتے لیکن وہ بغیر غور و فکر کے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں گرفتار ہیں' حالانکہ ان کے آباؤ اجداد جاہل اور گمراہ تھے اور جاہلوں کی تقلید ضرر محض ہے۔ عقل' علم اور دین کے منافی ہے اور مصلحت کے خلاف ہے' اس آیت میں مطلقاً تقلید کی مذمت نہیں کی' بلکہ ان لوگوں کی تقلید کی مذمت کی ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں' اور اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو لوگ عالم اور ہدایت یافتہ ہوں' ان کی تقلید جائز اور صحیح ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ ہدایت یافتہ عالم کی تقلید اس وقت صحیح ہے' جب مقلد کو معلوم ہو کہ اس عالم کا قول دلیل اور حجت پر مبنی ہے' اور بوقت ضرورت وہ اس عالم سے دلیل معلوم کر کے بیان کر سکے' اس صورت میں یہ محض اندھی تقلید نہیں ہو گی اور وہ شخص دراصل اسی دلیل کے مطابق عمل کر رہا ہے' اور یہ چیز عقل اور علم کے خلاف نہیں ہے۔

ہر دور میں ان پڑھ عوام اپنے پیش آمدہ مسائل میں علماء اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں' اور عالم اور مفتی اس مسئلہ کا جو حل بیان کرتا ہے' اس پر عمل کرتے ہیں' کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے اور بوقت ضرورت وہ دلیل بیان بھی کر دی جاتی ہے' سو درحقیقت وہ شخص قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے مقلد محض نہیں ہے' اور ہدایت یافتہ عالم کا مقلد ہے' جاہل اور گمراہ کا مقلد نہیں ہے' اسی طرح ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں وہ اپنے امام کے قول پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ ان کے امام کا قول ہے' بلکہ اس قول پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ ان کا قول قرآن اور حدیث کی کسی دلیل پر مبنی ہے تو درحقیقت وہ قول امام پر عمل نہیں کر رہا' بلکہ قرآن اور حدیث پر عمل کر رہا ہے اور چونکہ عام آدمی کا علم قرآن اور حدیث کو محیط نہیں ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط پر قادر نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے حاصل شدہ احکام کو اپنے پیش آمدہ مسئلہ پر منطبق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا' اس لیے اسے کسی قرآن اور حدیث کے متبحر اور ماہر عالم کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے وہ کسی ہدایت یافتہ متبحر اور ماہر عالم دین کی تقلید کرتا ہے اور ائمہ اربعہ ہدایت یافتہ اور قرآن و حدیث کے علوم کے ماہر اور امام تھے۔ سو ان کی تقلید کرنا بالکل جائز' صحیح اور عقل سلیم کے مطابق ہے' ان کے اقوال قرآن و حدیث پر

مبنی ہیں' یہ دلائل انہوں نے خود بھی بیان کیے اور ان کے متبع علماء نے بھی بیان کیے' اس کے باوجود ان کی نیک نفسی اور علم و دیانت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کہا اگر ہمارا کوئی قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو مسترد کر دو' اور حدیث پر عمل کرو وہی ہمارا مذہب ہے' سو ان ائمہ کی تقلید کرنا دراصل قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ یہ محض ان کی تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اندھی تقلید ہے' کیونکہ ان کے اقوال قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور نہ یہ کسی جاہل اور گمراہ کی تقلید ہے' بلکہ یہ ان کی تقلید ہے جو اپنے اپنے دور میں علم اور ہدایت کے آفتاب و ماہتاب تھے' سو اس آیت سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر طعن کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی

ٱهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

ضرر نہیں ہو گا، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ

رہے تھے ○ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آ جائے اور وہ

أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ

وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ

سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں)، اگر

ٱلْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنۢ بَعْدِ ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ

تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ

لَا نَشْتَرِى بِهِۦ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ

سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے

إِذًا لَّمِنَ ٱلْءَاثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ

ورنہ ہم سخت گنہگاروں میں شمار ہوں گے ○ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

ان گواہوں نے ضائع کیا ہے ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

کہیں کہ ہماری شہادت ان (وصیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا، ورنہ ہمارا شمار ظالموں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ

میں ہو گا ○ یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا

يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ

حق ہے یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام)

ع ۱۴/۴

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

سنو: اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا' اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ (المائدہ: ۱۰۵)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب مشرکین کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ اور دادا کو پایا غرض ان جاہلوں اور گمراہوں کو اسلام کی طرف بلانے کی مسلمانوں نے پوری کوشش کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اخروی انعامات کی ترغیب دی۔ اس کے باوجود جب ان جاہلوں نے اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مسلمانو تم ان کی جہالت اور گمراہی کی پرواہ نہ کرو اور ان کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ تم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے اجتناب کرتے رہو۔ اس لیے اس آیت میں فرمایا اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل کتاب سے جزیہ قبول کر لیتے تھے اور عرب کے مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے صرف دو راستے تھے' یا اسلام قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تب منافقوں نے مسلمانوں کو ملامت کی کہ تم بعض کفار سے جزیہ قبول کرتے ہو اور بعض سے قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی ملامت کی پرواہ نہ کرو' مسلمانوں کو اس سے بہت سخت تکلیف ہوتی تھی کہ نبی ﷺ کی بسیار تبلیغ' اس قدر معجزات کے مشاہدہ اور آپ کی اتنی کوششوں کے باوجود یہ کفار کفر کو نہیں چھوڑتے اور اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی' جس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو

مسلمان کرنے کے مکلف نہیں ہو' تم صرف اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو ان کی جہالت اور گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نجات کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ضروری ہونا

"تم اپنی فکر کرو" کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھو اور اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کی فکر کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگ برے کام کر رہے ہیں تو کرنے دو تم صرف اپنی فکر کرو' جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا واجب نہیں ہے' صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن مجید اور احادیث کی دوسری نصوص کے خلاف ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا' کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے' اس لیے تم اپنی فکر کرو کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو' اس کے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں تو تم فکر نہ کرو' جب تم ہدایت پر ہو' نیکی کر رہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو' تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنو اسرائیل میں گناہ بہت بڑھ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا' وہ باز نہیں آئے۔ وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو اللہ نے ان کے دل بھی ان کی طرح کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی' کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے' پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت میں ہے) تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم ظالموں کے ہاتھوں کو پکڑ لینا اور اس کو حق کے مطابق عمل پر مجبور کرنا۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۸' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۳۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت تلاوت کرتے ہو اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا (المائدہ: ۱۰۵) اور تم اس آیت سے غلط مطلب نکالتے ہو اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جب لوگ ظالم کو دیکھیں' اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا اور ھیثم کی روایت میں ہے جس کسی قوم میں گناہوں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ ان گناہوں کو مٹانے پر قادر ہوں پھر نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۳۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۸' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۵)

المائدہ ۷۹-۷۸ کی تفسیر میں ہم نے اس سلسلہ میں بہت احادیث پیش کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو

تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آپہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے' اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے' ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے' پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے' ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان (وصیوں) کی شہادت سے زیادہ برحق ہے' اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا' ورنہ ہمارا شمار ظالموں میں ہو گا' یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (وصی) اس طرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے' یا وہ اس بات سے ڈریں کہ (ورثاء کی) قسموں کے بعد ان کی قسمیں مسترد کر دی جائیں گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنانے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو سہم (عاص بن وائل سہمی کے قبیلہ) میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ (سفر میں) گیا۔ سہمی ایسی جگہ میں فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا' جب وہ دونوں سہمی کا ترکہ لے کر آئے تو اس کے ورثاء نے اس میں چاندی کا پیالہ گم پایا جس میں سونے کے پترچڑھے ہوئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا' پھر وہ پیالہ مکہ میں پایا گیا اور ان لوگوں نے کہا ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے' پھر سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور یہ پیالہ ان کے ساتھی کا ہے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے۔ (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۸۰' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۱۰۶) کے متعلق تمیم داری سے روایت کرتے ہیں' تمیم داری نے کہا وہ اور عدی بن بداء دونوں نصرانی تھے' اور اسلام لانے سے پہلے شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار وہ دونوں تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے' تو ان کے پاس بنو سہم کے آزاد شدہ غلام بھی تجارت کے مقصد سے آئے' ان کا نام بدیل بن ابی مریم تھا' ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا' وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا چاہتے تھے' وہ راستہ میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ہم دونوں کو وصیت کی اور یہ کہا ان کا ترکہ ان کے اہل کو پہنچا دیں۔ تمیم نے کہا جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے اس پیالہ پر قبضہ کر لیا' اس کو ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں نے اور عدی بن بداء نے اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیا' جب ہم بدیل سہمی کے گھر پہنچے تو اس کا باقی ترکہ جو ہمارے پاس تھا' وہ ہم نے اس کے گھر والوں کو دے دیا' انہوں نے اس ترکہ میں پیالہ کو گم پایا' تو ہم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ ہم نے کہا اس نے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا' اور نہ اس کے سوا اور کوئی چیز ہمیں دی تھی۔

تمیم نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسلمان ہو گیا' تو میں نے اس فعل میں گناہ جانا' میں ان کے گھر گیا اور ان کو اصل واقعہ کی خبر دی' اور ان کو پانچ سو درہم واپس کر دیئے' اور ان کو بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے درہم ہیں۔ وہ اس (عدی بن بداء) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے' آپ نے سہمی کے ورثاء سے گواہ طلب کیے' ان کے

پاس گواہ نہیں تھے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی بن بداء سے قسم طلب کریں جو ان کے دین میں سب سے بڑی قسم ہو' اس نے قسم کھالی' تب یہ آیت نازل ہوئی (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) پھر عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے (ورثاء سہمی کے موقف پر اور عدی کے خلاف) قسم کھائی تو عدی بن بداء سے پانچ سو درہم وصول کیے گئے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

سفر میں وصیت کرنے اور غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے جواز پر امام احمد کے دلائل

ان آیتوں میں سفر اور حضر میں وصیت کرنے پر ترغیب دی گئی ہے' وصیت کے ثبوت اور اس کو نافذ کرنے کے لیے گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اصل میں مسلمان گواہوں کو مقرر کرنا چاہیے' اور یہ کہ ضرورت یا حاجت کے پیش نظر غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے دو شخص گواہ ہوں اس کا معنی ہے تمہارے دین اور تمہاری ملت سے دو گواہ ہوں یہ حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' سعید بن مسیب' سعید بن جبیر' شریح' ابن سیرین اور شعبی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مختار ہے۔ پھر فرمایا ہے اور سفر میں غیروں میں سے ہی دو گواہ بنا لیے جائیں حضرت ابن مسعود' حضرت عباس اور دیگر مذکور الصدر فقہاء تابعین کے نزدیک اس سے مراد ہے جو لوگ تمہارے دین اور تمہاری ملت کے غیر ہوں' یعنی اہل کتاب میں سے ہوں' اور حسن اور عکرمہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اقرباء اور رشتہ داروں کے غیر ہوں۔

جب یہ مراد لی جائے کہ غیروں سے مراد غیر مسلم اور اہل کتاب ہیں اور یہ کہ سفر میں وصیت پر اہل کتاب کو گواہ بنا لیا جائے' تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے یا یہ کہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس' ابن المسیب' ابن جبیر' ابن سیرین' قتادہ' شعبی' ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور اب بھی اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوئی:

وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ (الطلاق: ۲) اور اپنوں (یعنی مسلمانوں) میں سے دو نیک شخصوں کو گواہ بناؤ۔

زید بن اسلم' امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی اسی طرف میلان ہے' انہوں نے کہا کہ اہل کفر عادل (نیک) نہیں ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے' کیونکہ یہ حاجت اور ضرورت کا مقام ہے اور ایسے مواقع پر صرف عورتوں کی گواہی بھی صحیح ہوتی ہے۔ جیسے حیض' نفاس اور بچے کی پیدائش میں عورتوں کی گواہی صحیح ہوتی ہے۔

(زاد المسیر' ج ۲' ص ۴۳۷-۴۳۶' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سفر میں وصیت پر غیر مسلموں کو گواہ بنانے کے عدم جواز پر جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کے معاملات میں کفار کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے' اور اس آیت میں جو غیروں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے' اس آیت میں غیروں سے مراد غیر مسلم ہو تو پھر یہ آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے منسوخ ہے اور یا اس آیت سے منسوخ ہے:

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (البقرہ: ۲۸۲)

اور اپنے (مسلمان) مردوں میں سے دو گواہ بنا لو' اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ذمی یا اہل کتاب شرعاً غیر پسندیدہ ہیں' سو یہ آیت سورۂ مائدہ کی زیر تفسیر آیت کے لیے ناسخ ہے۔ اور ماضی میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کو سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی' کیونکہ اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور آج کے دور میں تو ہر جگہ مسلمان موجود ہیں' اس لیے کفار کی شہادت ساقط ہو جائے گی' اس لیے اب مسلمانوں کا کافروں کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شریح سے روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو صرف سفر میں وصیت پر گواہ بنانا جائز ہے' اور کسی موقع پر جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان' جزء ۷' ص ۱۴۲) امام احمد بن حنبل سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور وہ اس میں منفرد ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ان سے اختلاف کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اہل ذمہ کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان' جزء ۷' ص ۱۴۴) اور امام طحاوی نے ابوداؤد سے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص دقوقا میں فوت ہو گیا اور اس کو مسلمانوں میں سے کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ اپنی وصیت پر گواہ بناتا' تو اس نے دو اہل کتاب عیسائیوں کو گواہ بنالیا' وہ دونوں کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ کے پاس آئے' حضرت ابو موسیٰ نے کہا نبی ﷺ کے عہد کے بعد ایسی طرح نہیں ہوا تھا' پھر عصر کے بعد ان دونوں سے حلف لیا کہ انہوں نے خیانت کی ہے' نہ جھوٹ بولا ہے' نہ وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے' پھر ان کی شہادت کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۰۵' جامع البیان' جزء ۷' ص ۱۴۳) امام طحاوی نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) تھی اور میرے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے' اور اکثر فقہاء تابعین کا بھی یہی نظریہ ہے' اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور کسی حال میں کافر کی شہادت جائز نہیں ہے' جس طرح فاسق کی شہادت جائز نہیں ہے۔ وہ زید بن اسلم' امام شافعی اور نعمان (امام ابو حنیفہ) ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز کہا ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۴' ص ۴۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

اہل ذمہ کی آپس میں گواہی کے جواز پر امام ابو حنیفہ کے دلائل

امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے' اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہے' کیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں' اور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ — اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

(الانفال: ۷۳)

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلیٰ درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔ امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک مرد اور عورت کو لے کر آئے' جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایسے دو مردوں کو لے کر آؤ جو تمہارے سب سے بڑے عالم ہوں' وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لے کر آئے۔ آپ نے ان کو قسم دی کہ یہ بتاؤ کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں یہ مذکور ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مرد کے آلہ کو عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں

ہوتی ہے تو ان دونوں کو رجم کر دیا جائے گا' آپ نے فرمایا پھر تم کو انہیں رجم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے کہا ہماری سلطنت (اقتدار) چلی گئی' تو پھر ہم نے قتل کرنے کو ناپسند جانا' پھر رسول اللہ ﷺ نے گواہوں کو بلایا' سو چار گواہ آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آلہ کو اس عورت کے اندام نہانی میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے' تب نبی ﷺ نے ان کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۵۲' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۰۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب کی اہل کتاب کے خلاف شہادت جائز ہے' ایک اور حدیث سے بھی یہ بات مفہوماً نکلتی ہے۔

امام علی بن عمر دار قطنی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ملت والے دوسری ملت والوں کے وارث نہیں ہوتے اور ایک ملت والوں کی دوسری ملت والوں کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔ ماسوا میری امت کے' کیونکہ ان کی شہادت دوسروں کے خلاف جائز ہے۔

(سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۶۸' المعجم الاوسط للطبرانی' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۳۰' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۰۱)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ملت کے افراد کی اپنی ملت والوں کے خلاف شہادت جائز ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی' خواہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (مثلاً یہود کی گواہی نصاریٰ کے خلاف مقبول ہوگی) امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ یہ فاسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والکافرون ھم الفاسقون (قرآن مجید میں یہ آیت نہیں ہے' یہ صاحب ہدایہ کا تسامح ہے۔ البتہ اس معنی میں یہ آیت ہے ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (النور: ۵۵)

اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے' اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور وہ بہ منزلہ مرتد ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نصاریٰ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز ان کو اپنے اوپر اور اپنے چھوٹے بچوں کے اوپر ولایت حاصل ہے۔ لہٰذا ان کو اس کی جنس پر شہادت کا حق بھی حاصل ہوگا' اور فسق اعتقادی شہادت کو قبول کرنے سے مانع نہیں ہے' کیونکہ وہ اپنے دین میں جس چیز کو حرام اعتقاد کرتے ہیں' اس سے اجتناب کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام ہے۔ اس لیے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اور ان کو مرتد پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی' اور ذمیوں کی گواہی مسلمانوں کے خلاف اس لیے مقبول نہیں ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۴۱) اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

اور چونکہ کافر مسلمان سے دشمنی رکھتا ہے اور دار اسلام میں اس سے مغلوب ہے' اس لیے وہ اس پر غلبہ پانے کے لیے جھوٹ بولے گا اور کفر کی ملتیں ہرچند کہ مختلف ہیں' لیکن دار اسلام میں وہ ایک دوسرے سے مغلوب نہیں ہیں' اس لیے ان میں باہم دشمنی نہیں ہوگی' جو ان کو جھوٹی گواہی پر اکسائے اور حربی مستامن (جو کافر پاسپورٹ لے کر ہمارے ملک میں آئے) کی گواہی

ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور جو کافر الگ الگ ملکوں میں رہتے ہیں' ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ (ہدایہ اخیرین' ص ۱۶۳' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

اور اس سے پہلے جو ہم نے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ملت والوں کی گواہی دوسری ملت والوں کے خلاف قبول نہیں ہوگی اس سے مراد دو مختلف ملکوں میں رہنے والے کافر ہیں' اور جو مختلف ملتوں والے ایک ملک کے کافر ہمارے ملک میں پاسپورٹ لے کر آئیں' ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی' کیونکہ یہاں وہ ایک دوسرے پر غالب نہیں ہیں اور ان میں باہم دشمنی نہیں ہے' جو ان کو ایک دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی پر ابھارے۔ البتہ مستامن کی شہادت ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ مختلف ملکوں میں رہنے والے کافروں کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی۔

(ہدایہ اخیرین' ص ۱۶۳)

امام ابو حنیفہ کے استدلال پر علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

فقہاء مالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے' مسلمان کے خلاف' نہ اہل کتاب کے خلاف۔ اس لیے علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فقہاء احناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے اس آیت (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت جائز ہے' کیونکہ او اخران من غیرکم کا معنی ہے "یا ان کو گواہ بناؤ جو دین میں تمہارے غیر ہیں" اور جب اہل ذمہ کو مسلمان گواہ بنا سکتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بطریق اولیٰ گواہ بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک تو مسلمانوں کا اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور تمہارے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' اس لیے تمہارا یہ استدلال جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عبارت النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل ذمہ کو مسلمانوں کے خلاف گواہ بنانا جائز ہے اور بہ طریق تنبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کی آپس میں گواہی بھی جائز ہے' کیونکہ جب ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف جائز ہے تو اپنی ملت والوں کے خلاف بہ طریق اولیٰ جائز ہوگی۔ پھر جب دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی شہادت باطل ہے' تو آپس میں ان کی شہادت کا جواز اپنے حال پر باقی رہا' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے' کیونکہ اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جائز ہونا اس مسئلہ کی فرع ہے کہ اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت جائز ہو اور جب اہل ذمہ کی مسلمانوں کے خلاف شہادت باطل ہوگی جو اصل تھی' تو جو اس کی فرع ہے یعنی اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کا جواز وہ بہ طریق اولیٰ باطل ہو جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۷۰-۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی اس عالمانہ بحث کی متانت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا' بلکہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض (الانفال: ۷۳) یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے' ہم اس سے متصل پہلے عنوان میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں' اجرت اور قرض کا لین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے' مثلاً قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں' اگر ان کے معاملات' جرائم اور تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا

اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہو گا' اور یہ اسلام کے منشاء کے خلاف ہے' اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دارالاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید' احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔

ناگزیر صورت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا جواز

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو' تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اس کو گواہ بنا لیا جائے' تو اس کی گنجائش ہے' کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس' ابن المسیب' ابن جبیر' ابن سیرین' قتادہ' شعبی' ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر گواہ بنا لیا جائے' تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔

شک اور شبہ کی بناء پر ملزم یا متہم کو قید میں رکھنے کا جواز

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص پر کسی قسم کا شبہ ہو اس کو روکنا اور قید کرنا جائز ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو تہمت کی بنا پر قید کر لیا۔ امام ترمذی کی روایت میں ہے' بعد میں اس کو رہا کر دیا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۲۲' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۹۱)

علامہ احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

قید کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ بطور سزا کے قید کرنا اور بطور تفتیش کے قید کرنا اور بطور سزا کے اس وقت قید کیا جائے گا جب اس پر کوئی حق واجب ہو گا یا جرم ثابت ہو گا' اور جس شخص کو تہمت کی بنا پر قید کیا جائے گا تو اس کی تفتیش کی جائے گی اور حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے ایک شخص کو دن کے تھوڑے وقت کے لیے قید کیا' پھر اس کو رہا کر دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد' ج ۵' ص ۲۴۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عبداللہ حزاری بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ **کلاعین** کے لوگوں کی چوری ہو گئی' انہوں نے حاکہ کے کچھ لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی' وہ لوگ نبی ﷺ کے صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' حضرت نعمان نے حاکہ کے لوگوں کو چند روز قید رکھا' پھر ان کو رہا کر دیا۔ **کلاعین** حضرت نعمان کے پاس گئے اور کہا' آپ نے ان لوگوں کو بغیر مارے پیٹے اور بغیر امتحان لیے رہا کر دیا۔ حضرت نعمان نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ان کو مار لگاؤں' پھر اگر تمہارا سامان نکل آیا تو فبہا' ورنہ میں تمہاری پشت پر اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ان کو لگائے ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہ آپ کا فیصلہ ہے؟ حضرت نعمان نے کہا یہ اللہ کا حکم ہے

اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

امام ابوداؤد نے کہا اعتراف سے پہلے کسی کو مارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۸۲' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

ہمارے ملک میں محض شبہ کی بناء پر کسی شخص کو حوالات میں اتنی مار لگائی جاتی ہے کہ وہ مار سے بچنے کے لیے اپنے ناکردہ جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے' یہ اسلام کے خلاف ہے۔ علامہ سندی نے لکھا ہے کہ تہمت اور شبہ کی بناء پر کسی کو قید کرنا جائز ہے۔

مجرموں کو قید میں رکھنے کا جواز

مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی' وہ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن آثال تھا' صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے محمد! میرا نیک خیال ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں مجھ سے سوال کریں' اس کو اسی طرح رکھا گیا۔ آپ نے دوسرے دن پھر اس سے فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں نے آپ سے کہا تھا' اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے' اس کو پھر اسی طرح رکھا گیا۔ تیسرے دن آپ نے پھر اس سے سوال کیا: اے ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' پھر ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا' اس نے غسل کیا' پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ اے محمد ﷺ بخدا! (پہلے) تمام روئے زمین پر مجھے آپ کا چہرہ سب سے زیادہ برا لگتا تھا' اور اب آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے' اور بخدا! میں پہلے سب سے زیادہ آپ کے دین سے بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' اور پہلے میں آپ کے شہر سے سب سے زیادہ بغض رکھتا تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا' اور اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں' آپ کی کیا رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا' جب وہ مکہ میں پہنچا تو اس سے کسی شخص نے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! بخدا! میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں' بخدا! تمہارے پاس اب یمامہ سے اس وقت تک گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا' جب تک کہ نبی ﷺ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۷۹' صحیح مسلم' جہاد' ۵۹' (۱۷۶۴) ۴۵۰۸' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۹' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۵۲' ج ۳' ص ۸۲' طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے تین دن ثمامہ بن آثال کو قید رکھا اور یہ حدیث مجرموں کو قید میں رکھنے کی اصل ہے۔

نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ہرماس بن حبیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس اپنے مقروض کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا اس کو قید کر لو، پھر مجھ سے فرمایا: اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث میں نادہندہ مقروض کو قید میں رکھنے کی دلیل ہے۔

عمرو بن الشرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا متمول آدمی کی (قرض واپس کرنے میں) سستی اور تاخیر اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتی ہے۔

امام ابن المبارک نے کہا کہ عزت کو حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے سختی اور درشت کلام کے ساتھ تقاضا کیا جائے اور سزا حلال کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ (علامہ نووی اور علامہ سندی نے بھی یہی تشریح کی ہے)

(سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۶۲۸، سنن النسائی، ج ۷، رقم الحدیث: ۴۷۰۴-۴۷۰۳، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۴۲۷، مسند احمد، ج ۶، رقم الحدیث: ۱۷۹۶۸، طبع جدید، دار الفکر، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۸۹-۳۸۸-۲۲۲، طبع قدیم، امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ کتاب الاستقراض، باب ۱۳)

نیز امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ قاضی شریح مقروض کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب الصلوۃ، باب ۷۶)

نادہندہ مقروض کو قید کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست اور غریب مقروض کو عدم ادائیگی پر قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سزا کو جائز کہا ہے جو ادائیگی پر قادر ہو اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی شریح کا نظریہ یہ تھا کہ متمول اور تنگ دست دونوں کو قید کر دیا جائے، اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (فقہاء احناف کا یہ نظریہ نہیں ہے سعیدی غفرلہ) امام مالک نے کہا تنگ دست کو قید نہیں کیا جائے گا، اس کو ادائیگی کے لیے مہلت دی جائے گی، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بہ ظاہر تنگ دست ہو، اس کو قید نہیں کیا جائے گا اور جو شخص بظاہر متمول ہو اور وہ اپنے حق کو ادا نہ کرتا ہو، تو اس کو قید کیا جائے گا اور بعض اصحاب شافعیہ نے اس میں مزید قیود کا اضافہ کیا ہے۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد، ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری، ج ۵، ص ۶۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو (اور قرض ادا نہ کرے) تو اس پر سختی کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے، کیونکہ اس وقت وہ ظالم ہے اور ظلم حرام ہے، خواہ وہ قلیل ہو اور اگر مقروض کا تنگ دست ہونا ثابت ہو تو اس کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کو قید کرنا حرام ہے، اور جس شخص کا تنگ دست ہونا ثابت ہو گیا ہو اور اس کو قید سے نکال دیا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے، کہ آیا قرض خواہ مقروض کے ساتھ لازم رہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب تک اس کے پاس کسی اور مال کا ثبوت نہ ہو، وہ اس کے ساتھ لازم نہ رہیں اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے

ہیں کہ حاکم قرض خواہوں کو اس کے ساتھ لزوم سے منع نہ کرے۔

(عمدۃ القاری 'ج ۱۲'ص ۲۳۶ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ '۱۳۴۸ھ)

جس طرح مالی حقوق میں اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر کسی کا مالی حق ہو 'اسی طرح بدنی حقوق میں استغاثہ کو حق دلانے کے لیے اس شخص کو قید کرنا جائز ہے جس پر قصاص لازم ہو 'اسی طرح جس شخص نے حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو 'اس پر حد نافذ کرنے کے لیے اس کو قید کرنا جائز ہے۔

گواہ بنانے کے لیے بعد از نماز وقت کی خصوصیت

اس آیت میں فرمایا ہے:

اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں......

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں "بعد از نماز" سے مراد بعد از نماز عصر ہے' کیونکہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے سے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اس کے اعمال لکھنے کے لیے آ رہے ہوتے ہیں اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے' اس کو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں' اسی وقت بندوں کے اعمال قبول کیے جانے کے لیے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں' اس لیے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے' خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا' اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافروں کو پانی (لینے) سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی شخص سے محض دنیا کے لیے بیعت کرے' اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق دے تو اس سے بیعت کو پورا کرے' ورنہ بیعت پوری نہ کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی آدمی کو کسی چیز کی قیمت بتائے' اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اسے وہ چیز اتنے اتنے میں ملی ہے اور وہ آدمی اس کو لے لے' حالانکہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ (صحیح البخاری 'ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۷۲ 'ج ۸' رقم الحدیث: ۷۲۱۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے گا' اللہ عزوجل اس سے کلام نہیں کرے گا' نہ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا' نہ اس کو پاک کرے گا اور اس کو دردناک عذاب ہو گا۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عصر کے وقت کو زیادہ گناہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ حالانکہ جھوٹی قسم ہر وقت کھانا حرام ہے' کیونکہ یہ عظیم الشان وقت ہے' اس وقت میں ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور یہ اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے اور امور کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے اس وقت میں گناہ کے ارتکاب پر سخت سزا رکھی ہے' تاکہ لوگ اس وقت میں گناہوں پر جرأت نہ کریں اور متقدمین عصر کے بعد حلف لیتے تھے اور اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے۔

(فتح الباری 'ج ۱۳'ص ۲۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور '۱۴۰۱ھ)

قسم دلانے اور گواہ بنانے میں مقام کی خصوصیت میں مذاہب

جس طرح قسم کو پختہ کرنے کے لیے زمان کے اعتبار سے عصر کے بعد کے وقت کی خصوصیت ہے' اسی طرح مکان اور مقام کے اعتبار سے کسی جگہ کی بھی اہمیت ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مدعیٰ علیہ جہاں چاہے قسم کھائے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا اور اس کے تحت یہ اثر ذکر کیا ہے کہ مروان نے حضرت زید بن ثابت کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ منبر پر قسم کھائیں' حضرت زید نے کہا میں اپنی جگہ قسم کھاؤں گا' پھر زید قسم کھانے لگے اور انہوں نے منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا' مروان کو اس سے تعجب ہوا' حضرت زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا یا تم دو گواہ پیش کرو یا وہ قسم اٹھائے گا اور آپ نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم دلانے کے لیے کسی خاص مقام کی ضرورت نہیں ہے' اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا قسم میں امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب چوتھائی دینار یا اس سے زائد کے معاملہ پر قسم کھائی ہو تو جامع مسجد میں یا جامع مسجد کے منبر پر قسم دلائی جائے گی' اور جب اس سے کم کا معاملہ ہو تو حاکم کی مجلس میں' بازار میں یا کسی بھی جگہ قسم کھائی جا سکتی ہے' اور اس پر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے' اور امام مالک منبر مدینہ کے سوا اور کسی منبر کو نہیں پہچانتے تھے' اور جو شخص منبر مدینہ کے پاس قسم کھانے سے انکار کرے' وہ ان کے نزدیک قسم کھانے سے منکر ہے اور قسامت کی قسموں میں امام مالک کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ رکن اور مقام کے درمیان قسم کھائے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: کہ امام شافعی کا مذہب بھی امام مالک کی طرح ہے' لیکن ان کے نزدیک منبر مدینہ یا مکہ میں رکن اور مقام کے نزدیک قسم کھانا اس وقت ضروری ہے جب بیس دینار یا اس سے زائد کا معاملہ ہو اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کسی شخص سے کسی بھی معاملہ میں خواہ قلیل مال کا معاملہ ہو' یا کثیر مال کا نبی ﷺ کے منبر پر قسم لینا ضروری نہیں ہے' اور نہ قصاص اور دیت میں اور نہ کسی اور چیز میں' اور جس شخص پر قسم واجب ہو تو حکام اپنی مجلس میں اس سے قسم لے لیں۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن ثابت کے اثر سے استدلال کیا ہے' کیونکہ انہوں نے منبر پر قسم نہیں کھائی اور جو اس کو ضروری قرار دیتے ہیں' وہ مروان کے قول سے بلا دلیل استدلال کرتے ہیں۔ صاحب التوضیح نے امام شافعی کی طرف سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت زید بن ثابت کو یہ یقین ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت نہیں ہے تو وہ مروان پر رد کرتے اور کہتے کہ نہیں' خدا کی قسم! میں منبر پر قسم نہیں کھاؤں گا' میں صرف تمہاری مجلس میں قسم کھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عجیب استدلال ہے' اگر حضرت زید کو علم ہوتا کہ منبر پر قسم کھانا سنت ہے' تو وہ مروان کی مجلس میں قسم نہ کھاتے اور منبر پر ہی قسم کھاتے' لیکن انہوں نے مروان کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسی مجلس میں قسم کھائی اور یہ مروان کا رد نہیں تو اور کیا ہے!

(عمدۃ القاری' ج ۱۳' ص ۲۵۳-۲۵۲' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ اثر ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کتاب القضاء میں سند صحیح کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے وصی تھے' ان کے پاس ایک شخص ایک دستاویز لے کر آیا' جس میں گواہوں کے نام مٹ چکے تھے۔ حضرت ابن عمر نے نافع سے کہا: اس کو منبر پر لے جا کر اس سے حلف لو۔ اس شخص نے کہا جب یہ منبر پر مجھ سے حلف لے گا تو آپ تو نہیں سن رہے ہوں گے! حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے سچ کہا: اور اس شخص

سے اسی مجلس میں حلف لیا۔
مروان کی تائید میں بھی اثر ہے۔ امام کرابیسی نے آداب القضاء میں سند قوی کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شخص کا اونٹ غصب کر لیا ہے' اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا' حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ منبر پر قسم کھائے' اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور کہا: منبر کے علاوہ اور آپ جہاں چاہیں میں قسم کھاؤں گا' حضرت عثمان نے فرمایا نہیں تم کو منبر پر قسم کھانی ہوگی' ورنہ اونٹ تاوان میں دینا پڑے گا' اس شخص نے اونٹ تاوان میں دے دیا اور منبر پر قسم نہیں کھائی۔
جس طرح زمان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں عصر کے بعد کے وقت کی تخصیص ہے۔ اسی طرح مکان کے اعتبار سے قسم کی تغلیظ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص ہے' اور اس سلسلہ میں دو مرفوع حدیثیں ہیں:
۱- امام مالک' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام ابن خزیمہ نے تصحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائے گا' خواہ وہ ایک سبز مسواک پر قسم کھائے' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔
۲- امام نسائی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے حضرت ابوامامہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی' جس سے وہ کسی مسلمان شخص کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہو' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' اللہ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا' نہ نفل۔
(فتح الباری' ج ۵' ص ۲۸۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)
اس میں کوئی شک نہیں کہ منبر رسول پر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے' اور جس قسم میں تغلیظ مقصود ہو' تو وہ منبر رسول پر قسم دینی چاہیے' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ واجب ہے؟ اور کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟ عصر کے بعد کا وقت تو دنیا میں ہر جگہ حاصل ہو سکتا ہے' اس لیے سخت اور قوی قسم دینے کے لیے عصر کے وقت کی خصوصیت درست ہے۔ لیکن رکن اور مقام پر قسم دینا یا منبر رسول پر قسم دینا' یہ عملاً صرف حرمین طیبین میں ہی ممکن ہے اور اب اسلام تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ خصوصاً پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی کے اس دور میں معقول مذہب صرف امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا ہے' اور وہی قابل عمل ہے۔

صرف اللہ کی ذات کی قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
جس ذات کی قسم کھائی جائے اس کی صفات کے ذکر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے۔ "بالله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة الرحمن الرحیم" امام شافعی نے کہا اس میں یہ اضافہ بھی کرے "الذی یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور والذی یعلم من السر ما یعلم من العلانیة" علامہ سحنون مالکی نے کہا اللہ اور مصحف کی قسم کھائے اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک صرف اللہ کے نام کی قسم کھانا کافی ہے' طلاق کی قسم نہ کھائے (یعنی اگر میں نے یہ کام کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق) ہاں! اگر فریق مخالف اللہ کی قسم کو اہمیت نہ دیتا ہو اور طلاق کی قسم کا مطالبہ کرے تو پھر طلاق کی قسم کھالے' لیکن اگر اس نے طلاق کی قسم کھانے سے انکار کیا تو اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس نے اس چیز سے انکار کیا ہے' جو شرعاً ممنوع ہے' اور اگر اس کے خلاف فیصلہ کر

بھی دیا گیا' تو وہ نافذ نہیں ہو گا۔ قسم کو زیادہ پختہ اور موکد کرنے کے لیے اللہ کی صفات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو شخص عرف میں نیک ہو' اس سے پختہ قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے اور دوسروں سے مطالبہ کیا جائے' اور ایک قول یہ ہے کہ زیادہ مال کے معاملہ میں پختہ قسم کا مطالبہ کیا جائے' اور کم مال کے معاملہ میں نہ کیا جائے اور زمان اور مکان کے اعتبار سے قسم کو پختہ نہ کیا جائے (یعنی عصر کے بعد قسم کا مطالبہ کرے' یا مسجد کے منبر پر قسم کھانے کا مطالبہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب اس وقت میں اور منبر پر قسم کھانے کا رواج عام ہو جائے گا تو لوگوں کے نزدیک ان کی وقعت کم ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی بہت اہم اور خاص معاملہ میں زمان و مکان کے ساتھ تغلیظ کرنی چاہیے' اور اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دینی چاہیے' کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو قسم دی اور فرمایا یہ قسم کھاؤ "باللہ الذی لا الہ الا ھو" میرے پاس مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۰) اس طرح قرآن' حدیث اور آثار صحابہ سب پر عمل ہو گا' کیونکہ قرآن مجید میں (عصر کی) نماز کے بعد قسم دلانے کا حکم ہے اور حدیث میں اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ قسم دینے کا حکم ہے' اور آثار صحابہ میں مسجد کے منبر پر قسم دینے کا ذکر ہے۔ اس لیے قسم کی تغلیظ' تاکید اور اس کو پختہ کرنے کے لیے ان امور کے ساتھ قسم دی جائے' لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں اس تغلیظ کو واجب اور ضروری نہیں قرار دیا' اس لیے ان امور کے ساتھ تغلیظ کو عام معمول نہ بنایا جائے' تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی وقعت اور اہمیت کم نہ ہو' اور کسی بہت اہم اور غیر معمولی معاملہ میں جہاں بہت تاکید اور تغلیظ مقصود ہو' وہاں عصر کے بعد مسجد کے منبر پر اللہ کی ذات اور صفات کی قسم دی جائے۔ (سعیدی غفرلہ) توضیح میں یہ مذکور ہے کہ کیا قسم دیتے وقت مصحف (قرآن مجید) کو بھی حاضر کیا جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کا انکار کیا اور بعض مالکی علماء نے کہا بیس دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت میں مصحف کو حاضر کرنا لازم ہے' اور ابن المنذر نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے مطرف کو دیکھا' وہ مصحف کے سامنے حلف اٹھاتے تھے۔

(عمدۃ القاری' ج ۱۳' ص ۲۵۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں' تو جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے' ان کی طرف سے دو گواہ ان کی جگہ کھڑے کیے جائیں اور وہ گواہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اس واقعہ میں پہلے میت کے وصیوں نے قسم کھائی کہ ہم کو اس میت نے صرف اتنا ہی مال دیا تھا (جس میں چاندی کا پیالہ نہیں تھا) اور ورثاء نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا مال نہیں پہنچایا' اور انہوں نے جھوٹی قسم کھائی اور امانت میں خیانت کی ہے' پھر وصیوں کی قسم کے مقابلہ میں ورثاء کے دو آدمی پیش ہوئے' اور انہوں نے ان وصیوں کے خلاف قسم کھائی اور کہا ہماری قسم ان کی قسم کے مقابلہ میں برحق ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ورثاء مدعی تھے اور مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں' اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہوتی ہے اور یہاں مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا' کیونکہ جب ورثاء کے گواہوں نے قسم کھائی کہ یہ وصی جھوٹے ہیں' اس سامان میں پیالہ بھی تھا' تو ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ پیالہ مکہ میں مل گیا اور وصیوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا' تو انہوں نے کہا کہ ہم نے میت سے یہ پیالہ خرید لیا تھا تو اب معاملہ برعکس ہو گیا' اب وہ مدعی ہو گئے اور میت کے ورثاء اس خریداری کے منکر تھے' وہ مدعیٰ علیہ ہو گئے اور چونکہ وصیوں کے پاس پیالہ خریدنے کے گواہ نہ تھے' اس لیے ورثاء پر قسم لازم آئی' انہوں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹے ہیں اور ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ورثاء کو مدعی ہی قرار دیا جائے' تب بھی اصول یہ ہے کہ اگر کسی خارجی قرینہ سے مدعی علیہ کی خیانت اس کا جھوٹ اور گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم غیر معتبر ہو جاتی ہے' اور پھر مدعی سے قسم لے کر اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے' اور اس آیت سے یہی اصول ثابت ہوتا ہے اور جو قاعدہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے' وہ اس وقت جب مدعی علیہ کی قسم کے جھوٹ ہونے پر کوئی خارجی دلیل اور قرینہ نہ ہو۔ اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جس میں گواہ کا مسلمان ہونا ضروری فرمایا ہے' اور اس آیت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے' اس پر مفصل بحث ہم اس آیت کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اللہ (تمام) رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے ہمیں بالکل علم نہیں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بیشک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے ○ جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر

وقف لازم

اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف

اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی، اور جب میں نے تم کو کتاب، حکمت، تورات اور

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

انجیل کا علم دیا، اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ

تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی' اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں

الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے' اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے، اور میں نے (ہی) تم کو

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

بنو اسرائیل سے بچایا، جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى

کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے ○ اور جب میں نے حواریوں پر الہام

الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ!) تو

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

گواہ ہو جا کہ بیشک ہم مسلمان ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا' پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ عرض کریں گے' ہمیں بالکل علم نہیں ہے' بے شک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے (المائدہ: ۱۰۹)

آیات سابقہ سے مناسبت

قرآن مجید میں اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ جب اللہ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے یا انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور یا احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر سفر میں وصیت کرنے اور اس پر گواہ بنانے کے احکام بیان فرمائے' تو اب اس کے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے' اور اپنے کسی فائدہ کی بناء پر گواہی میں ردوبدل نہ کرے' اور نہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے۔ اس لیے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے' تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے' اور اس میں خیانت نہ کرے۔

قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے اس قول کی توجیہات کہ "ہمیں کچھ علم نہیں"

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: ۶)

سو بے شک ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر: ۹۲-۹۳)

سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کی امتوں نے ان کو کیا جواب دیا؟ حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے' مثلاً یہ آیت ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء: ۴۱) اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقیناً اپنی امتوں کے احوال اور ان کے دیئے ہوئے جوابات کا علم ہے اور جب ہی وہ ان کے متعلق گواہی دیں گے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے جو یہ عرض کریں گے "ہمیں اصلاً علم نہیں ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر متناہی علم کے مقابلہ میں ان کو اصلاً علم نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس سوال کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں، ہم ان میں سے بعض کو نقل کر رہے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی امتوں کے دیئے ہوئے جوابات کے باطن کا علم نہیں، یعنی ان کے دلوں کے حال کا علم نہیں اور جزاء کا ترتب اسی پر ہوتا تھا اور یہ نبی ﷺ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے ماسوا اس کے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے ہمیں اس کے سوا اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ تو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور خوف اور دہشت سے ان کو اپنے علم سے ذہول ہو جائے گا، اور وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ نحاس نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ رسل صلوٰت اللہ علیہم پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر اوقات میں انبیاء علیہم السلام کو کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا، لیکن بعض اوقات میں ان پر خوف طاری ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ زور سے چیخ مارے گی اس وقت ہر نبی اور ہر صدیق گھٹنوں کے بل گر جائے گا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل نے قیامت کے دن کا اتنا خوف دلایا کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا اے جبرائیل! کیا میرے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) ذنب کی مغفرت نہیں کر دی گئی، تو انہوں نے مجھ سے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قیامت کی ایسی ہولناکیوں کو ضرور دیکھیں گے جو آپ کو آپ کی مغفرت بھلا دیں گی۔ نحاس نے کہا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تم کو ظاہر اور باطن میں اور جلوت اور خلوت میں کیا جواب دیا گیا؟

وہ کہیں گے ہمیں اصلاً علم نہیں ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور ابن جریج نے کہا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا عمل کیے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے، تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔ ابو عبید نے کہا اس کے مشابہ یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے، میں کہوں گا کہ (کیا یہ) میری امت ہیں؟ تو کہا جائے گا، بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں؟

علامہ ماوردی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے ہی ان کے حال اور ان کے جواب کو جاننے والا ہے، پھر ان سے کیوں سوال فرمائے گا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تاکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بتلائے کہ ان کے وصال کے بعد ان کی امتوں نے ان پر کیا کیا افتراء باندھے اور کیا کیا کفر کیے؟ اور دوسرا جواب یہ ہے تاکہ ان کی امتوں کے کافروں کو تمام مخلوق کے سامنے ذلیل اور رسوا کرے، اور یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۱۱۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح جواب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مختار ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سے عرض کیا ہمیں کچھ علم نہیں' کیونکہ جو عمل انہوں نے ظاہر کیے' جو پوشیدہ کیے' ان کو صرف تو ہی جانتا ہے' ہم تو صرف ان اعمال کو جانتے ہیں جو انہوں نے ظاہر کیے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے سامنے اپنے علم کی نفی کی گویا اللہ کے علم کے سامنے ان کا علم' عدم علم کے حکم میں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنی زندگی میں ان کے اعمال کا علم تھا اور ہماری وفات کے بعد ان کے اعمال کا ہمیں علم نہیں اور جزاء اور ثواب کا مدار خاتمہ پر ہے ہمیں علم نہیں کہ ان کا خاتمہ کن اعمال پر ہوا۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں کچھ علم نہیں' اور بعد میں جو فرمایا: بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے' وہ ان دونوں جوابوں کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس تفسیر کو لکھتے وقت جو جواب میرے دل میں آیا' وہ یہ ہے کہ علم اور چیز ہے (اور وہ یقین ہے) اور ظن اور چیز ہے' اور ہر شخص کو دوسرے کے متعلق ظن ہوتا ہے' علم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو' ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ طلاقت لسانی (چرب زبانی) کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کرے۔ پس اگر (بالفرض) میں ناحق فیصلہ کر دوں' تو گویا میں اس کو آگ کا ایک حصہ دے رہا ہوں' سو انبیاء علیہم السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے احوال کا علم (یعنی یقین) نہیں' ہمیں ان کے احوال کا صرف ظن حاصل ہے' اور ظن صرف دنیا میں معتبر ہوتا ہے' کیونکہ دنیا کے احکام صرف ظن پر مبنی ہیں اور آخرت میں ظن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی' کیونکہ آخرت کے احکام حقائق اشیاء اور بواطن امور پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے کہا: ہمیں علم نہیں ہے سوا اس علم کے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا' اور آخرت میں اپنے ظن کا ذکر نہیں کیا' کیونکہ آخرت میں ظن کا اعتبار نہیں ہوتا اور آخری جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم حکیم اور عادل ہے اس کا کوئی کام حکمت اور عدل کے خلاف نہیں ہے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا نہ کوئی نقصان دور ہو گا' اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سکوت کیا جائے' اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے' جو حی و قیوم اور لایموت ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۶۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے بھی اس آخری جواب کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

انبیاء کا یہ جواب ان کے کمال ادب کی شان ظاہر کرتا ہے کہ وہ علم الٰہی کے حضور اپنے علم کو اصلاً نظر میں نہ لائیں گے' اور قابل ذکر قرار نہ دیں گے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم و عدل پر تفویض فرما دیں گے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

لیکن ابن عباس کے نزدیک "لا علم لنا" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا تیرے علم کامل و محیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں گویا یہ الفاظ تادب مع اللہ کے طور پر کہے۔

(حاشیۃ القرآن بر ترجمہ قرآن از شیخ محمود الحسن)

بعض علماء دیوبند اس آیت کو انبیاء علیہم سے علم غیب کی نفی میں پیش کرتے ہیں' انہیں شیخ عثمانی کی اس تفسیر میں غور کرنا چاہیے۔ باقی ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو اتنا ہی علم غیب حاصل ہے' جتنا ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ہم انبیاء علیہم السلام کے لیے غیب مطلق کے قائل نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے' امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اسماء کے اطلاق کا ضابطہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق کرنا جائز ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر خلاق کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر علامہ کا اطلاق کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "تا" تانیث کے لیے بھی آتی ہے۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۶۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس لفظ میں کسی نقص کا وہم ہو اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' ہمارے عام بول چال میں اللہ میاں اور اللہ سائیں کہا جاتا ہے۔ میاں کا لفظ بیوی کے مقابل کے لیے بولا جاتا ہے' کسی بوڑھے آدمی اور گاؤں کے مولوی کو بھی میاں جی کہتے ہیں' طوائف کے سرپرست کو بھی میاں جی کہتے ہیں' اور سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے۔ سو یہ دونوں لفظ نقص کے معنی کو متضمن ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کرنا جائز ہے' جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں ہو۔ البتہ اس کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے' جیسے فارسی میں خدا اور ترکی میں تنکری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۸۰)

اور اللہ ہی کے لیے اچھے نام ہیں' سو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام میں کج روی اختیار کرتے ہیں' ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء صفات کا اطلاق کیا جائے' جن میں حسن ہو اور جن اسماء میں کسی وجہ سے نقص یا عیب ہو' ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ کیا جائے' بلکہ اس سلسلہ میں قرآن اور حدیث کے اطلاقات سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر میرے احسان کو یاد کرو' جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی' تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت' تورات اور انجیل کا علم دیا اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے' اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے اور میں نے (ہی) تم کو بنی اسرائیل سے بچایا جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے' تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے (المائدہ: ۱۱۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کرے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اس آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے گا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا' اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور ان کی فرمائشیں پوری کیں' پھر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا' اور اس کا شریک بنالیا۔ دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا' اور ان کی شان میں نازیبا باتیں کی تھیں' یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے' انہوں نے اللہ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی۔ "تعالی اللہ عن ذالک" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی

تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے' اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے' اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام سیدنا محمد ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے فرمایا: جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔

روح القدس کا معنی

روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اس میں روح کی اضافت قدس کی طرف ہے' قدس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح' ارواح کی ماہیت مختلف ہوتی ہے' بعض طاہرہ نورانیہ ہوتی ہیں' بعض خبیثہ ظلمانیہ ہوتی ہیں۔ حضرت جبرائیل وہ روح ہیں جو طاہر اور نورانی ہے' اور حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کی مدد طاہر اور نورانی روح سے کی گئی ہے۔

حیات مسیح اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل

تم گہوارے میں بھی لوگوں سے کلام کرتے تھے اور پختہ عمر میں بھی یعنی بچپن میں اور پختہ عمر میں' ہر دور میں ان کا کلام عقل اور حکمت کے مطابق تھا اور انبیاء اور حکماء کے کلام کے موافق تھا' کیونکہ پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے' اور میں جہاں بھی ہوں' مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ (مریم: ۳۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گہوارے میں وحی فرمائی' اب یہاں ایک یہ سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ میں کلام کرنا تو معجزہ ہے' پختہ عمر میں ان کا کلام کرنا کس طرح معجزہ ہوگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کہولت تیس سال کے بعد کی عمر کو کہتے ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال سے پہلے آسمانوں کی طرف اٹھالیے گئے اور کئی ہزار سال بعد زمین پر ان کا نزول ہوگا' اور اس وقت وہ پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ بھی ان کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار سال گزرنے کے بعد بھی وہ صرف کہول ہوں گے' حتیٰ کہ بوڑھے بھی نہیں ہوں گے اور پختہ عمر کی حالت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر نزول کی بھی دلیل ہے' کیونکہ وہ پختہ عمر اور کہولت کے زمانہ کو پانے سے پہلے آسمانوں پر اٹھالیے گئے تھے اور قرآن مجید کے مطابق ان کا کہولت کی عمر میں کلام کرنا بھی ضروری ہے' اس سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بھی ہیں اور ان کا زمین پر نزول بھی ہوگا' ورنہ اس آیت کا صدق کیسے ہوگا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے کہولت کا زمانہ پالیا تھا اور وہ کہولت کے زمانہ میں باتیں کرتے تھے تو یہ معجزہ کیسے ہوا؟ کہولت کے زمانہ میں تو سب باتیں کرتے ہیں' یہ معجزہ اسی وقت ہوگا جب انہیں کہولت کے زمانہ سے پہلے اٹھالیا گیا ہو' اور وہ کئی ہزار برس بعد زمین پر نازل ہوں اور کہولت کا زمانہ پاکر لوگوں سے باتیں کریں' سو اس طرح اس آیت میں ان کے معجزہ کا ذکر بھی ہوگا اور یہ آیت ان کی حیات اور ان کے زمین پر نازل ہونے کی دلیل بھی ہوگی۔

کتاب' حکمت اور تورات اور انجیل کا معنی

اور جب میں نے تم کو کتاب' حکمت' تورات اور انجیل کا علم دیا کتاب سے مراد یا تو اس کا مصدری معنی ہے' یعنی لکھنا' اور یا کتاب بمعنی مکتوب ہے' اور اس سے مراد جنس کتاب ہے۔ کیونکہ انسان پہلے آسان کتابیں پڑھتا ہے اور پھر مشکل اور ادق کتابیں پڑھتا ہے' اور حکمت سے مراد علوم نظریہ اور علوم عملیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نازل شدہ کتابوں کا علم اور

ان کے اسرار کی فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد نفس کا کمال علمی اور علم کے تقاضوں پر عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حکمت سے مراد صحیح قول ہے' تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں شرائع اور احکام ہیں اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی' اس میں مواعظ اور اخلاق ہیں' پہلے کتاب کا ذکر فرمایا' پھر تورات اور انجیل کا ذکر فرمایا حالانکہ وہ بھی کتابیں ہیں' یہ شرف اور فضیلت کی وجہ سے عام کے بعد خاص کا ذکر ہے' جیساکہ اس آیت میں ملائکہ کے بعد جرائیل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے' حالانکہ وہ بھی ملائکہ میں سے ہیں:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ

جو شخص اللہ اور فرشتوں اور رسولوں اور جرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے' تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

(البقرہ: ۹۸)

تورات اور انجیل کے معنی کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۳ میں کردی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا' بیماروں کو شفا دینا اور دیگر معجزات

جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی' اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے بطور عناد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا' اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے لیے چمگادڑ بنائیں اور اس میں روح ڈال دیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور اس سے چمگادڑ کی صورت بنائی۔ پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی' چمگادڑ کو بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسب تھا' اور اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے چمگادڑ بنانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ یہ گوشت اور خون سے بنا ہوا عجیب ترین جانور ہے اور یہ پروں کے ساتھ اڑتا ہے اور حیوان کی طرح بچے دیتا ہے' اور باقی پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا' اس کے تھن ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے' انسان کی طرح ہنستا ہے اور اس کو عورت کی طرح حیض آتا ہے' یہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ رات کے اندھیرے میں' یہ رات کے ابتدائی حصہ تک دکھائی دیتا ہے۔ ۱

(حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی' ج ۲' ص ۱۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیر پیدا ہو اور بعد میں اندھا ہو جائے اور اکمہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھا پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے بینا کرتے تھے' برص ایک جلدی بیماری ہے جس کی وجہ سے جلد سفید ہو جاتی ہے اور ایک تکلیف دہ خارش ہوتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے برص کے مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور تم میرے حکم سے مردوں کو نکالتے تھے۔ یعنی تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے۔ جب تم اللہ سے دعا کر کے مردے سے یہ کہتے تھے' اللہ کے اذن سے اپنی قبر سے باہر آ' ان تینوں افعال میں اللہ کے اذن کا ذکر کیا ہے' تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان افعال کا فاعل حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

اور میں نے (ہی) تم کو بنو اسرائیل سے بچایا' جب تم ان کے پاس روشن معجزات لے کر گئے تو ان میں سے کافروں نے کہا یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے یعنی جب تم بنو اسرائیل کے پاس اپنی نبوت اور رسالت پر دلائل اور معجزات لے کر گئے' تو انہوں نے تمہاری تکذیب کی اور تم پر تہمت لگائی کہ تم جادوگر ہو' اور انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا اور میں نے تم کو اپنی طرف اوپر اٹھا لیا اور تم کو ان کے شر سے بچایا۔ النساء: ۱۵۸ میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان

پر اٹھائے جانے کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ' تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ) تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ (المائدہ: ١١١)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حکمتیں

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انصار اور ان کے مخلص اصحاب تھے' حور کا معنی ہے کسی چیز کو صاف کرنا اور ان لوگوں نے اپنے نفوس کا تزکیہ کر کے پاک اور صاف کر لیا تھا' اس آیت میں مذکور ہے میں نے حواریین کی طرف وحی کی' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ جس کلام کو اپنے نبی کی طرف نازل فرماتا ہے' خواہ فرشتے کے واسطے سے ہو یا بلاواسطہ اس کو وحی کہتے ہیں' اس لیے اس آیت کا معنی ہے ہم نے حواریین کی طرف الہام کیا۔ قرآن مجید کی اور بھی کئی آیتوں میں وحی بمعنی الہام ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (القصص: ٧) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ (النحل: ٦٨) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا' اور درختوں میں اور ان چھپروں میں جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں' سو وہ ایمان لے آئے' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر کی ہوئی نعمتوں کو شمار کرا رہا ہے' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حواریوں کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا حضرت عیسیٰ کے حق میں نعمت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی انسان کا اس درجہ میں ہونا کہ لوگ اس کے قول کو قبول کریں' اس کو محبوب بنائیں اور اس کی اطاعت کریں' اس کے ماننے پر ان کی نجات موقوف ہو' یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا؟ پھر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے نہ کہ ان کی والدہ سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے کو جو شرف اور مقام ملتا ہے' وہ اس کی ماں کے لیے عزت اور سرخ روئی کا باعث ہوتا ہے' سو یہ نعمتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ہیں اور ضمناً اور بالواسطہ ان کی ماں پر بھی ہیں۔

جس زمانہ میں جس قسم کے کمال کا چرچا اور شہرت ہوتی ہے' نبی کو اس زمانہ میں اسی نوع کا ایسا کمال دے کر بھیجا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمال کے ماہرین اس کی نظیر لانے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں اور یہی ان کا معجزہ ہوتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل قرار پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری اور شعبدہ بازی کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء دے کر بھیجا جو ان کی جادوگری پر غالب آ گیا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا چرچا تھا تو آپ کو حکمت کا ایسا کمال دے کر بھیجا کہ اس زمانہ کے اطباء اور حکماء اس کی نظیر لانے سے عاجز ہو گئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا' تو آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال اس زمانہ میں کوئی لا سکا' نہ آج تک کوئی لا سکا ہے۔ علم اور ادب میں دن بہ دن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں' اگر اس کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کا لانا ممکن ہوتا تو مخالفین اب تک لا چکے ہوتے۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم: کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل

أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ

کر سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے

مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ

ہو ○ انھوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور

نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾

ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ○

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب: ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل

مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ ۚ

فرما تا کہ (وہ دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)

وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا

اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا بیشک میں اس خوان کو تم پر

عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّيٓ أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُ

نازل فرمانے والا ہوں، پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام

۱۵ ع ۷ ۵ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾ ع

جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو○ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے

ہو جائیں ○ (المائدہ: ۱۱۵-۱۱۲)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آٹھ نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا' اس آیت اور اس کے بعد والی آیتوں میں نویں نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حواریوں کی فرمائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے خوان نعمت کا نازل ہونا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا ہے اور ان کے دعا کرنے میں ان کے بندہ ہونے کا اثبات ہے' اور ان کی الوہیت کی نفی ہے اور اس وجہ سے لوگوں کا ان کی نبوت کی تصدیق کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ اور رسول حضرت عیسیٰ پر بہت بڑا احسان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم اللہ کے لیے تیس روزے رکھو' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا' کیونکہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے وہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ بنو اسرائیل نے تیس روزے رکھے' پھر حضرت عیسیٰ سے کہا اے خیر کی تعلیم دینے والے! آپ نے کہا تھا کہ جو شخص کسی کے لیے عمل کرے اس کا اجر اس کے ذمہ ہوتا ہے' اور آپ نے ہمیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا سو ہم نے رکھ لیے اور ہم جس کے لیے بھی تیس دن کام کرتے' وہ ہمیں سیر کر کے کھانا کھلاتا' تب انہوں نے کہا کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل کر سکتا ہے؟

(جامع البیان ج ۷' ص ۱۷۵-۱۷۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کے فرمائشی معجزہ کی توجیہات

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حواریوں کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں' اور اب ان کا یہ قول نقل فرمایا: کیا آپ کا رب آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ اور یہ قول اللہ کی قدرت پر شک کو واجب کرتا ہے۔ پھر وہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کا حکم نہیں لگایا تھا' بلکہ یہ صرف ان کا دعویٰ تھا کہ وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ کا یہ فرمانا کہ تم اللہ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کامل نہیں تھا۔

(۲) وہ اپنے دعویٰ کے مطابق مومن تھے اور ان کا یہ کہنا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ کی قدرت پر شک کی وجہ سے نہیں تھا' بلکہ محض طمانیت قلب کے حصول کے لیے تھا' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول طمانیت کے لیے فرمایا تھا اے میرے رب! تو مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا سوال کرنا آیا حکمت کے منافی تو نہیں ہے۔

(۴) مستطیع میں سین زائد ہے اور اس آیت کا معنی ہے کیا آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمالے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے فرمائشی معجزہ نہ طلب کرو' کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور اپنے مطالبات پر صبر کرو' کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ - (الطلاق: ۳-۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا' تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

حواریوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اس آیت میں حواریوں نے جو اپنا عذر پیش کیا ہے اس کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) ہم اس خوان کو کسی معجزہ کے طور پر طلب نہیں کر رہے' بلکہ ہم پر بھوک غالب ہے اور ہمیں کہیں اور سے کھانا نہیں ملا' اس لیے آپ سے دعا کی درخواست کی ہے۔

(۲) ہرچند کہ ہمیں دلائل سے اللہ کی قدرت پر یقین ہے لیکن جب ہم نزول مائدہ کا مشاہدہ کریں گے تو ہمارا یقین اور پختہ ہو جائے گا۔

(۳) ہرچند کہ ہم نے آپ کے تمام معجزات کی تصدیق کی ہے' لیکن اس معجزہ کو دیکھ کر ہمارا عرفان اور یقین اور پختہ ہو جائے گا۔

(۴) اس سے پہلے جو آپ کے معجزات تھے ان سب کا تعلق زمین سے تھا' اور اس معجزہ کا تعلق آسمان سے ہو گا' اس کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں مزید تقویت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما' تا کہ وہ (دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشانی (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۴)

عام آدمی کی نظر اور نبی کی نظر

حواریوں نے جب خوان کی درخواست کی تھی تو کہا تھا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے سچ کہا تھا' انہوں نے اس خوان سے دنیاوی غرض' یعنی کھانے کو پہلے ذکر کیا اور اخروی غرض' یعنی ایمان کی پختگی کو بعد میں ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعا کی تو اخروی غرض کو پہلے ذکر کیا اور وہ ہے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہونا اور اللہ کی طرف سے نشانی ہونا اور دنیاوی غرض کا بعد میں ذکر کیا اور وہ ہے ہمیں رزق عطا فرما اور اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی کہ تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے' یہ فرق ہے نبی کی نظر میں اور عام آدمی کی نظر میں!

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کی جاتی ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اللہ کی عبادت کی طرف تھی' پھر فرمایا کہ وہ تیری طرف سے نشانی ہو جائے' یعنی لوگ نزول مائدہ میں غور و فکر کر کے اس کے نازل کرنے والے کی طرف رسائی حاصل کریں اور نظر اور استدلال سے خدا کو پہچانیں' یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر ایک بلند مقام سے' اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچی۔ پھر جب فرمایا ہمیں رزق عطا فرما' تو نفس کے حصہ کی طرف نظر کی اور خالق سے مخلوق کی طرف نزول کیا اور جب کہا تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے تو نزول کے بعد پھر خالق کی طرف رجوع کیا' اور یوں اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے دو مرتبہ خلق سے خالق اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس دعا کے اول میں بھی ان کی نظر اللہ کی

طرف تھی اور آخر میں بھی ان کی نظر اللہ کی طرف تھی' اور اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی اس بلند مقام سے حظ وافر عطا فرما! (آمین)

اول اور آخر کے لیے عید ہونے کا معنی

تاکہ وہ دن ہمارے اول اور آخر کے لیے عید ہو جائے۔ ابن جریج نے کہا اول سے مراد اس وقت کے زندہ لوگ ہیں اور آخر سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

سفیان نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہم دو مرتبہ نماز پڑھیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے خوان رکھا جائے تو اول سے لے کر آخر تک سب لوگ کھالیں۔

سدی نے کہا جس دن مائدہ نازل ہو اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے ہم بھی اس دن عید منائیں اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی۔

امام ابن جریر نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ اس دعا کا معنی یہ ہے کہ یہ دن ہمارے لیے عید ہو جائے اور جس دن یہ خوان نازل ہو' اس دن ہم نماز پڑھیں' جیسے لوگ عید کے دن نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۱۷۸-۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بنو اسرائیل پر نازل ہونے والے طعام کا خوان

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے جو خوان نازل کیا گیا تھا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا' ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لیے بچا کر بھی رکھا' سو ان کو مسخ کرکے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۲)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

بنو عجل کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بنو اسرائیل کے خوان کا کیا معاملہ ہوا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے سوال کیا کہ ان کے اوپر کھانے کا ایسا خوان نازل کیا جائے جس سے وہ کھانا کھاتے رہیں اور وہ کبھی ختم نہ ہو' ان سے کہا گیا کہ وہ خوان تمہارے پاس رہے گا' بشرطیکہ تم اس میں سے کچھ چھپا کر نہ رکھو اور خیانت نہ کرو اور اس میں سے کوئی چیز نہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔ پھر ایک دن بھی نہیں گذرا تھی کہ انہوں نے اس میں سے چھپایا اور اٹھالیا اور خیانت کی' سو ان کو ایسا عذاب دیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا تھا اور اے عرب والو! تم لوگ اونٹوں اور بکریوں کو چراتے تھے' پھر اللہ نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا' جس کے حسب اور نسب کو تم جانتے اور پہچانتے تھے' اور تمہارے نبی کی زبان سے تم کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب تم پورے عرب پر غلبہ پاؤ گے' اور تم کو سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے منع کیا اور بخدا! تم اب دن رات سونا اور چاندی جمع کر رہے ہو' اور دردناک عذاب کے مستحق ہو رہے ہو۔

حضرت عمار بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل پر مائدہ نازل کیا گیا' اس میں جنت کے پھول تھے' ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس

میں سے نہ چھپائیں' نہ خیانت کریں' نہ ذخیرہ کریں۔ ان لوگوں نے خیانت کی' چھپایا اور ذخیرہ کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۱۸۰۔۱۷۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

میلاد رسول ﷺ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم اس (خوان طعام) کے نزول کے دن کو عید بنائیں' اس کی تعظیم کریں' خوشیاں منائیں' تیری عبادت کریں' شکر بجا لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو' اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا' عبادتیں کرنا' شکر الٰہی بجالانا' طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان' ص ۲۰۳' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور)

علامہ شریف سید احمد بن عبدالغنی بن عمر عابدین دمشقی متوفی ۱۳۲۰ھ (سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ کے عم زاد) نے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ کی کتاب النعمۃ الکبریٰ کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے النعمۃ الکبریٰ' نبی ﷺ کے میلاد کے ثبوت اور بیان میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں' لیکن سب سے مبسوط شرح علامہ احمد عابدین دمشقی کی ہے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے اس شرح کو جواہر البحار میں مکمل نقل کیا ہے۔ ہم اس شرح کے چند اقتباسات جو میلاد النبی ﷺ کے ثبوت سے متعلق ہیں' یہاں پر نقل کر رہے ہیں۔

محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا

جس ماہ میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی' اس میں میلاد شریف کو منانا بدعات مستحبہ میں سے ہے' اس کو ایجاد کرنے والا اربل کا بادشاہ مظفر تھا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ وہ ربیع الاول میں میلاد شریف منعقد کرتا تھا' اور بہت عظیم الشان محفل کا اہتمام کرتا تھا' اس کی بادشاہی کافی عرصہ قائم رہی اور وہ ۶۳۰ھ میں فوت ہوا۔ وہ بہت بہادر' نیک' عادل اور ذہین بادشاہ تھا' وہ اس محفل میں بہت علماء اور صوفیاء کو مدعو کرتا تھا اور اس عظیم الشان دعوت میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ علامہ نووی کے استاذ شیخ ابو شامہ نے میلاد شریف کی رات بکثرت صدقہ و خیرات کرنے پر ملک مظفر کی بہت تعریف کی ہے' اور علامہ ابو شامہ کی یہ تعریف شب ولادت میں میلاد شریف منانے کے بدعت حسنہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔

علامہ ابو شامہ کی عبارت یہ ہے:

ہمارے زمانہ میں نبی ﷺ کی ولادت کے دن جو میلاد شریف منایا جاتا ہے اور صدقات اور خیرات کیے جاتے ہیں اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے' یہ سب سے اچھی اور نیک بدعت ہے' نیز اس عمل کے ذریعہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے ناداروں اور مفلسوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے' جس شخص نے اس بدعت کو ایجاد کیا' اللہ تعالیٰ اس کو نیک جزا دے۔ نیز! اس عمل کی وجہ سے کفار اور منافقین کے دل غیظ سے جلتے ہیں۔

(الباعث علی انکار البدع والحوادث' ملخصا' ص ۹۵' مطبوعہ دار الرایہ الریاض' طبع اولیٰ' ص ۱۴۱۰ھ)

علامہ زرقانی مالکی نے لکھا ہے کہ حافظ ابوالخیر شمس الدین بن الجزری نے کہا وہ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا' اس نے نبی ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو انگلی کے اشارہ سے آزاد کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس فعل کی یہ جزا دی کہ ہر پیر کو جب وہ اس انگلی کا سرا چوستا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے' تو نبی ﷺ کا امتی مسلمان اور موحد

جب ایمان کے رشتہ سے آپ کی ولادت پر خوشی منائے گا اور اپنی استطاعت کے مطابق مال خرچ کر کے صدقہ اور خیرات کرے گا تو اس کی جزاء کیا ہوگی! اور مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل عمیم سے جنات النعیم میں داخل کر دے گا۔ امام محقق ابو زرعہ عراقی سے سوال کیا گیا کہ میلاد شریف منانا آیا مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اور کیا اس میں کوئی چیز وارد ہوئی ہے اور کیا یہ فعل صحابہ کرام سے منقول ہے تو علامہ عراقی نے جواب دیا کہ دعوت کرنا اور کھانا کھلانا ہر وقت میں مستحب ہے اور جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور مسرت شامل ہو تو یہ فعل کیونکر مستحب نہیں ہوگا اور ہم سلف صالحین کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتے اور کسی چیز کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدعت مکروہہ ہو' کیونکہ کتنی بدعات مستحب ہیں' بلکہ واجب ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی نے کہا اگر محفل میلاد میں برائیوں کو شامل کر لیا جائے' مثلاً عورتیں شریک ہوں اور بلند آواز سے گائیں' یا مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع ہوں (یا جلوس کے دوران نمازیں نہ پڑھی جائیں) تو اس قسم کے افعال بالاجماع حرام ہیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ برائیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کسی نیکی کو ترک نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس وجہ سے عبادات کو ترک نہیں کیا جاتا' بلکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ عبادات اور نیکیوں کو بجالائے اور بدعات کا انکار کرے اور حتی الامکان ان کا ازالہ کرے۔ (رد المحتار' ج ا' ص ۶۰۴) علامہ زرقانی نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہ میلاد شریف بدعت ہے' اس میں محاسن بھی ہیں اور قبائح بھی' سو اگر محاسن کو اختیار کیا گیا اور قبائح سے اجتناب کیا گیا تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ پر میلاد شریف منانے کی اصل ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے' آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی تھی' تو ہم اس دن بطور شکر کے روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معین دن میں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے' اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے' اور نبی ﷺ کی ولادت اور آپ کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی۔ سو جس دن آپ کی ولادت ہوئی' اس دن مختلف عبادات کرنا' مثلاً نوافل پڑھنا' روزہ رکھنا' صدقہ و خیرات کرنا' اور تلاوت کرنا اور ان عبادات سے اللہ کا شکر بجالانا اس حدیث کے مطابق ہے اور حافظ ابن حجر سے پہلے علامہ ابن رجب حنبلی نے اس اصل کو تلاش کیا تھا۔ حافظ ابن حجر مکی نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اس دن روزہ رکھا اور یہود سے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہمارا تم سے زیادہ حق ہے۔

علامہ احمد عابدین نے کہا نبی ﷺ کی محفل میلاد میں شریک ہونا اور آپ کی ولادت مبارکہ کا واقعہ اور آپ کے فضائل اور محامد کو بیان کرنا اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنا' آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کے قرب کا موجب ہے۔ سو ہر وہ شخص جو آپ کی محبت میں صادق ہو' اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی ولادت کے مہینہ کی آمد پر خوش ہو اور اس مہینہ میں اس محفل کو منعقد کرے اور اس میں آپ کی ولادت کے متعلق احادیث صحیحہ اور آثار قویہ بیان کرے اور امید ہے کہ ایسے شخص کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی' کیونکہ شفاعت آپ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ سو جو شخص محافل میلاد منعقد کر کے آپ کا بکثرت ذکر کرے گا اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرتا ہے اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ آپ کی محبت سے محفل میلاد میں آپ کا ذکر کرنے والے

اور آپ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے' جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائے' جنھوں نے میلاد النبی ﷺ کے ماہ مبارک کی راتوں کو عیدیں بنا دیا۔

(جواہر البحار' ج ۳' ص ۳۶۲-۳۵۹' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عید میلاد النبی ﷺ کی مشروعیت پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں نیز حاصل بحث کی ہے اور اس سورت کی آیت ۳' میں بھی ماخذین کے بکثرت حوالہ جات سے میلاد شریف کی مشروعیت اور استحباب کو بیان کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک محفل میلاد منعقد کرنا مستحسن اور مستحب ہے' واجب یا فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں' پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہیں دوں گا۔ (المائدہ: ۱۱۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر اس مائدہ کو نازل کرنے اور تم کو اس کا طعام کھلانے کے بعد جس نے میرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور میرے احکام کی اطاعت کرنے سے روگردانی کی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو اس سے پہلے کسی کو نہیں دیا ہو گا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ان کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا سب سے زیادہ عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہو گا: منافقین کو' اصحاب مائدہ میں سے کافروں کو اور آل فرعون کو۔

(جامع البیان جز ۷' ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نزول مائدہ کی کیفیت کی تحقیق

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے' اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو' کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا' وہ اس نشانی میں مبتلا کیے گئے' پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے نماز پڑھی اور بہت گریہ و زاری سے دعا کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما' تو اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دسترخوان نازل کیا' بنو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے' اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ دعا کر رہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسیٰ کے پاس آکر ٹھہر گیا' حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی' حضرت عیسیٰ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے' یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے' وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہو گا' وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں' حضرت عیسیٰ نے دوبارہ وضو کیا' نماز پڑھی اور اللہ سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لیے برکت کی دعا کی' پھر اس کو کھولا' تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے گھی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون' ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔ شمعون نے کہا یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا یہ نہ دنیا کا طعام

ہے نہ آخرت کا' اس کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو' وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔ انہوں نے کہا یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اور نشانی کا سوال کرتے ہو۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ نے اس مچھلی سے کہا اے مچھلی! تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جا' وہ مچھلی اللہ کی قدرت سے زندہ ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی' حواری خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا' اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہو جا' پھر انہوں نے کہا اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں' یا ان پر کوئی آفت نہ آ جائے۔ تب حضرت عیسیٰ نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ' اللہ کے نام سے شروع کرو اور اللہ کے شکر پر ختم کرو' تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا' اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا' حضرت عیسیٰ اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور وہ لوگ تادم حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تادم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا۔ پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب' صحت مند اور بیمار' چھوٹے اور بڑے' بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا' چالیس دن تک یہی معمول رہا' جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا' وہ اس کو دیکھتے رہتے' حتیٰ کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں' فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں' کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں) حضرت عیسیٰ نے فرمایا بخدا! اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا' اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا' صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر باقی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے' حضرت عیسیٰ ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے' ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔ آپ فرماتے' میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تھا گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا' وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے' لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے' پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے' سو چونتیس روزہ مر گئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا' اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے۔ البتہ یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

(کتاب العظمہ' ص ۳۶۷-۳۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے اور بعض نے تفصیل سے بعض نے اپنی سند سے اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(زاد المسیر' ج ۲' ص ۴۶۱-۴۵۹' تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۷۲' الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۲۸۴' تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۶۸۵-۶۸۲' البیضاوی مع الکازرونی' ج ۲' ص ۳۸۲-۳۸۱' الدر المنثور' ج ۲' ص ۳۴۷-۳۴۶' تفسیر ابوالسعود علی ہامش التفسیر الکبیر' ج ۴' ص ۹۷-۹۵' تفسیر الجمل' ج ۱' ص ۵۴۶-۵۴۵' روح المعانی' ج ۷' ص ۶۴-۶۳' قصص الانبیاء للثعلبی' ص ۴۰۲-۴۰۱' تفسیر السمرقندی' ج ۱' ص ۴۶۸)

علامہ سیوطی نے اس حدیث کو حکیم ترمذی کی نوادر الاصول کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ میں نے اس کی چاروں جلدیں دیکھیں' ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام رازی' علامہ سمرقندی اور علامہ قرطبی نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' باقی سب نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ ان مفسرین نے بغیر کسی جرح کے اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ میں اس روایت کے ذکر سے اعراض کرتا ہوں' کیونکہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس پر قرآن مجید کی آیت دلالت کرتی ہو اور سب سے اچھی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا' اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے بچا کر نہ رکھیں اور خیانت نہ کریں' انہوں نے اس حکم کی معصیت کی تو یہ مائدہ اٹھا لیا گیا اور ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ (البحر المحیط' ج ۴' ص ۴۱۵-۴۱۴)

امام ترمذی کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے کفران نعمت کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور سلمان الخیر کی مفصل روایت کا مفاد یہ ہے کہ انہوں نے اس مائدہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شک کیا اور یہ کفر ہے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ لیکن ترمذی کی حدیث صحاح میں سے ہے اور وہ حدیث مرفوع ہے اور اس حدیث کی سند میں وہب بن منبہ ہیں یہ اسرائیلی عالم تھے' بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سو یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے' اس لیے ہمارے نزدیک بھی اس کے مقابلہ میں امام ترمذی کی روایت ہی کو ترجیح ہے' ہم نے صرف تحقیق مقام کے لیے اس روایت کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے ماخذ کے ساتھ درج کیا ہے' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں نزول مائدہ کا ذکر نہیں ہے' نہ وہ اس دن کو عید مناتے ہیں' لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مائدہ کو نازل فرماؤں گا اس لیے ہمارے نزدیک حجت قرآن اور حدیث ہے' عیسائیوں کا نقل نہ کرنا ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس (سلمان الخیر) کی حدیث میں بحث کی گنجائش ہے اور یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو عبدالرحمان سلمی نے کہا مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر اور قتادہ نے کہا مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے' اور وہب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل کی تھیں اور یہ تین اقوال امام

ترمذی کی حدیث کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان سے مائدہ نازل ہوا' اس میں روٹیاں اور گوشت تھا اور ترمذی کی حدیث ان اقوال سے اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز۶' ص ۲۸۷-۲۸۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

دسترخوان اور میز پر کھانا کھانے کا شرعی حکم

سلمان الخیر کی حدیث میں مائدہ کا بیان ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ وہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان) تھا' وہ کوئی خوان (میز) نہیں تھی جس کے پائے ہوں اور نبی ﷺ اور عربوں کا مائدہ سفرہ (چمڑے کا دسترخوان تھا) حکیم ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خوان کے اوپر کھانا کھایا نہ پیالی میں اور نہ کبھی آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا پھر وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا: سفرہ پر۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی نے کہا خوان ایک نئی چیز ہے جس کو عجمیوں نے ایجاد کیا ہے' عرب سفرہ پر کھانا کھاتے تھے' سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے جس کو کھولا بھی جاتا ہے اور لپیٹا بھی جاتا ہے' کپڑے کے دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں اور خوان چوکی یا میز کو کہتے ہیں جس کے پائے ہوں اور سفرہ چمڑے کا دسترخوان ہے۔ حسن نے کہا میز پر کھانا کھانا بادشاہوں کا فعل ہے اور کپڑے کے دسترخوان پر کھانا عجمیوں کا فعل ہے اور سفرہ پر کھانا عربوں کا طریقہ ہے اور یہی سنت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز۶' ص ۲۸۸-۲۸۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر گوہ حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے مائدہ پر نہ کھائی جاتی۔ (صحیح مسلم' الصید' ۴۶' (۱۹۴۷) ۴۹۵۰' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۵۷۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۷۹۳' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۴۳۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے دسترخوان اور چمڑے کے دسترخوان دونوں پر کھانا سنت ہے' اور میز ایک نئی چیز ہے' نبی ﷺ نے اس پر کھانے سے منع نہیں فرمایا' اس لیے اس پر کھانا مباح ہے اور اگر میز پر کپڑے یا چمڑے کا دسترخوان بچھالیا جائے اور اس پر کھانا کھایا جائے تو سنت پر بھی عمل ہوگا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ

اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے

وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

سوا دو خدا بنا لو؛ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ

کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے، اگر میں نے (بالفرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا، تو ان باتوں کو

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں، بیشک تو ہی سب غیبوں کا

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الْغُيُوبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

جاننے والا ہے ○ میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو

رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا

میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا ، پھر جب تو نے

تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا ، اور تو ہر چیز پر گواہ

شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ

ہے ○ اگر تو ان کو عذاب دے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

پہنچائے گا ، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾

رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ○

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

آسمانوں ، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز

ع ۱۶ ۵ ۶ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو' وہ عرض کریں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں' جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے (بالفرض) یہ کہا ہوتا تو تو اسے ضرور جانتا' تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں' اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا

جو تیرے علم میں ہیں، بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۶)

اس اشکال کا جواب کہ عیسائی تو حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے اور اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمایا کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو' اس سوال کی کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا بنالیا تھا' اس آیت سے ان کو زجر و توبیخ کرنا' ان کا رد کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے' کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے انکار کریں گے تو ان لوگوں کی واضح تکذیب ہوگی۔ نیز اس سوال و جواب سے یہ بتانا تھا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے دین کو بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے وہ خود قائل نہ تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نصاریٰ نے حضرت مریم کو خدا نہیں کہا' اور نہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو پھر یہ آیت کس طرح صادق ہوگی' کیا تم نے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ انہوں نے صراحتہً حضرت مریم کو خدا نہیں کہا؟ لیکن ان کے اقوال سے یہ بات لازم آتی ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے کسی انسان کو جنم نہیں دیا' انہوں نے خدا کو جنم دیا ہے اور بیٹا ماں کا جز اور ماں کی جنس سے ہوتا ہے' تو جب بیٹا خدا ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کی ماں بھی خدا ہو۔ گویا وہ صراحتاً حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور التزاماً ان کی ماں کو بھی خدا کہتے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (التوبہ: ۳۱) انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ! عیسائی اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو ان کے علماء اور درویش حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہو اس کو ان کے علماء اور درویش حلال کہیں تو یہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور ان کو خدا ماننا ہے۔ ثعلبی) سو جس طرح عیسائی صراحتاً اپنے علماء اور درویشوں کو خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے' اسی طرح وہ مریم کو صراحتاً خدا نہیں کہتے لیکن یہ ان پر لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو حالانکہ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور خدائی کی کبھی نفی نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں عیسائیوں کے متعلق مذکور ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ: ۷۳) بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے ہاتھوں سے جو معجزات ظاہر ہوئے ان کے خالق حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں۔ اس لحاظ سے ان سے یہ نقل اور حکایت کرنا صحیح ہے کہ "کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ اللہ کے خدا اور معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے' لیکن وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ

حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کی جائے گی تو گویا کہ اللہ کی عبادت نہیں کی گئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ تنہا مستحق عبادت ہے اور وہی عبادت اللہ کی عبادت کہلائے گی جو صرف اسی کی' کی جائے اور جب اس کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کی جائے تو پھر وہ اس کی عبادت نہیں ہوگی تو حقیقت میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو معبود بنایا اور اللہ تعالیٰ کو معبود نہیں بنایا' اس لیے فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنالو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال ادب سے اپنی براءت کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا تو سبحان (پاک) ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی' بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: کہ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ بات حق نہیں ہے' اس لیے میں نے نہیں کہی اور کمال ادب سے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیا کہ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا' تو تجھے علم ہوتا' کیونکہ تجھے میرے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے متعلق علم نہیں ہے' یا اس کا معنی ہے تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا' یا تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے' یا تجھے میرے اقوال اور افعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال اور افعال کا علم نہیں ہے' پھر اس کی تاکید کے طور پر فرمایا: بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام کی ابتداء لفظ سبحان سے کی' ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریک کی نسبت کی گئی ہے اس کی تنزیہ کریں اور دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اور سطوت کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے ان سے وہی کہا جسے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ (المائدہ: ۱۱۷)

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ کیونکہ توفی کا معنی وفات ہے اور اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی' تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق جو احادیث ہیں' وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور النساء: ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہت زیادہ احادیث پیش کی ہیں۔

توفی کا مادہ وفا ہے۔ وفاء کا معنی ہے کسی چیز کو پورا کرنا یا کسی چیز کا تمام و کمال کو پہنچنا' موت کو وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدت حیات پوری ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے واوفوا الکیل (الانعام: ۱۵۲) پورا پورا ماپ کر دو واوفوا بعھدی (البقرہ: ۴۰) مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ ووفیت کل نفس ما کسبت (آل عمران: ۲۵) ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں توفی کا لفظ موت کے لیے بھی آیا ہے اور نیند کے لیے بھی:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

اللہ موت کے وقت روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُم بِالَّيْلِ (الانعام: ۶۰) وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

اور اس آیت میں توفی کا معنی پورا پورا اٹھالینا ہے' جیسا کہ بکثرت احادیث میں بیان کیا گیا ہے' اس آیت میں توفی کا معنی موت مراد لینے پر مرزائی حسب ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر نصیحت کرتے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے در آنحالیکہ تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے اللہ نے فرمایا ہے: جس طرح ہم نے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا' ہم اسی حالت میں اس کو لوٹائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم بے شک اس کو کرنے والے ہیں (الانبیاء: ۱۰۴) اور سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سنو! میری امت میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ ان کو بائیں جانب سے پکڑا ہوا ہو گا' میں کہوں گا' اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں' سو کہا جائے گا آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی ہیں' تو میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے عبد صالح نے کہا تھا: میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا' پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی' تو تو ہی ان پر گواہ تھا۔ الایہ (المائدہ: ۱۱۷-۱۱۸) سو مجھ سے کہا جائے گا' آپ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے تھے۔ (مرتد ہو گئے تھے)

(صحیح مسلم' الجنت' ۵۸' (۲۸۶۰) ۷۰۶۷' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۶۲۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۲۳-۳۱۶۷' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۰۸۷)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت کو نقل فرمایا ہے اور اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ مرزائی کہتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں توفی وفات کے معنی میں ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کو پڑھیں گے تو آپ کے حق میں اس کا معنی وفات ہی ہو گا' کیونکہ آپ کے حق میں اس معنی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب توفیتنی فرمائیں گے تو ان کے حق میں اس کا معنی وفات نہیں ہو گا' کیونکہ اس معنی کے خلاف بہ کثرت احادیث ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے' سو اس کا معنی ہو گا جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا۔ بعض اوقات فاعل کے اختلاف سے فعل کا معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ صلی اللہ کا معنی ہے اللہ نے رحمت نازل کی' صلی الملائکہ کا معنی ہے فرشتوں نے استغفار کیا' صلی المسلمون کا معنی ہے مسلمانوں نے رحمت طلب کی۔ اس لیے مستبعد نہیں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توفیتنی فرمائیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے وفات دی اور جب حضرت عیسیٰ توفیتنی کہیں تو اس کا معنی ہو تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ توفی کا معنی لازماً موت اور وفات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب' بڑی حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۸)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرکین کی شفاعت کی

سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے آپ کے

آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کو اور آپ کی ماں کو معبود بنا لیا تھا' کیونکہ سلسلہ کلام ان ہی کے ساتھ مربوط ہے اور وہ لوگ مشرک تھے اور مشرکوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی شفاعت کیسے کی؟ کیونکہ مشرکوں کے لیے شفاعت جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اس میں ضمیر ان کی طرف راجع ہے جنہوں نے موت سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کرلی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قیامت کے دن کے بارے میں نہیں ہے' بلکہ آسمان پر اٹھانے جانے کے بعد ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تو ان کو کفر پر باقی رکھے' حتیٰ کہ یہ مرجائیں اور تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنی توحید اور اطاعت کی ھدایت دے' پھر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب ہے تیرے ارادہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور تو اپنے افعال میں حکیم ہے جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اور "اگر تو ان کو بخش دے" کے ساتھ 'تو غالب اور حکمت والا' ہی مناسب ہے اور غفور رحیم مناسب نہیں ہے۔

العزیز الحکیم اور الغفور الرحیم کا فرق

امام رازی کے والد ضیاء الدین عمر رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کے آخر میں العزیز الحکیم 'الغفور الرحیم سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ غفور رحیم ایسی صفت ہے جو ہر محتاج کے لیے مغفرت کو واجب کرتی ہے اور عزیز رحیم ایسی صفت ہے جو ہر ایک کے لیے مغفرت کو واجب نہیں کرتی' کیونکہ عزیز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غالب ہے جو چاہے کرے' کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے اور جب وہ عزیز ہو اور ہر اعتبار سے غالب ہو' پھر اس کا بخش دینا اس کا بہت بڑا کرم ہے اور بعض علماء نے یہ کہا: کہ اگر وہ غفور رحیم کہتے تو یہ متبادر ہوتا کہ وہ شفاعت کر رہے ہیں' اور جب انہوں نے العزیز الحکیم کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ معاملہ بالکلیہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

فساق مومنین کے لیے نبی ﷺ کی شفاعت

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے شفاعت فرمائیں گے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں یہ نیکو کاروں کے حق میں نہیں فرمایا تھا' کیونکہ وہ عذاب کے سزاوار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ دعا کفار کے حق میں ہے' کیونکہ ان کا یہ قول "اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے" کفار کے لائق نہیں ہے' کیونکہ کافروں کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مرتکبین کبائر کی شفاعت ثابت ہے تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے مرتکبین کبائر کی شفاعت بہ طریق اولیٰ ثابت ہوگی' اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے اس آیت کو پڑھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (ابراہیم: ۳۶) اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب' بہت حکمت والا ہے (المائدہ: ۱۱۸) نبی ﷺ نے اپنے

ہاتھ بلند کیے اور کہا اے اللہ! میری امت! میری امت! اور آپ رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے کہا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جاننے والا ہے' ان سے پوچھو ان کو کیا چیز رلاتی ہے؟ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو خبر دی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔

(صحیح مسلم' الایمان' ۳۴۶' (۲۰۲) ۴۸۹' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور امت کی بھلائی اور بہتری میں کوشاں رہتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں اس امت کے لیے بہت عظیم بشارت ہے اور اس میں امت کی مغفرت کی بہت بڑی امید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کی بہت عزت اور وجاہت ہے اور حضرت جبرائیل کو نبی ﷺ کے پاس بھیجنے سے آپ کے شرف اور مرتبہ کا اظہار مقصود ہے۔ یہ حدیث اس آیت کے موافق ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ (الضحیٰ: ۵) اللہ اکبر! سارا جہان اللہ کو راضی کرتا ہے اور اللہ آپ کو راضی کرتا ہے۔ آپ کو راضی کرنے کی بشارت دینے کے بعد یہ فرمایا: اللہ آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دے گا' کیونکہ بعض امتیوں کو بخش دینے سے بھی راضی کرنا متحقق ہو سکتا ہے' لیکن اگر آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ گیا تو آپ رنجیدہ ہوں گے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے اور آپ کے تمام امتیوں کو دوزخ سے نجات دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع پہنچائے گا' ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں' زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(المائدہ: ۱۲۰-۱۱۹)

سچ بولنے کا فائدہ صرف آخرت میں کیوں ہو گا؟

اس پر اجماع ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے' اور یہ کہ جن لوگوں نے دنیا میں سچ بولا تھا' ان کا سچ اس دن کام آئے گا اور ان کو نفع دے گا' اور اس دن کسی کا سچ بولنا اس کے لیے نفع آور نہیں ہو گا' کیونکہ دار التکلیف اور دار العمل دنیا ہے اور قیامت کا دن یوم الجزاء ہے۔ اس دن تو شیطان بھی سچ بولے گا اور کہے گا:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (ابراهيم: ۲۲)

اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا۔

شیطان کا یہ قول سچ ہے لیکن اس دن کسی کا سچ اس کے کام نہیں آئے گا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان یوم آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے تبلیغ کرنے کی جو سچی گواہی دیں گے اور اپنے اعمال کی سچی گواہی دیں گے تو مسلمانوں کی یہ سچی گواہی ان کو نفع دے گی' اور نفع یہ ہے کہ ان سے شہادت کے چھپانے کا مواخذہ نہیں ہو گا اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سچ بولنے کا نفع ویسے تو انسان کو ہر روز حاصل ہوتا ہے' لیکن آخرت میں دائمی اجر و ثواب صرف اس دن حاصل ہو گا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آخرت میں سچ بولنے کا کیا نفع ملے گا' وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں۔ انسان کو کوئی نعمت مل جائے تو پھر بھی اس کو یہ فکر ستاتی رہتی ہے کہ کہیں یہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور اگر نعمت زائل نہ ہو تو اس نے ایک دن مرجانا ہے' تب بھی وہ اس خیال سے ملول رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی نہ ان کو موت آئے گی' بلکہ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت انسان کے جسم کی نعمت ہے اور اس کی روح کی نعمت یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے تو جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ پھر فرمایا: یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سب سے بڑی کامیابی اللہ کا راضی ہونا ہے' جنت میں مرغوبات نفس ہیں اور اللہ کی رضا اس سے بہت بڑا اور اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے' ہم جنت کے لائق تو نہیں ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور سب سے بڑا مطلوب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللہ کی عظمت و جبروت کے ذکر پر سورت کا اختتام

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اس آیت میں لفظ ما استعمال فرمایا ہے۔ جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ من کا لفظ استعمال نہیں فرمایا' جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے' اس میں ہو سکتا ہے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہو کہ آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے خواہ وہ ذوی العقول اور ذوی العلوم ہوں' غیر ذوی العقول اور غیر ذوی العلوم سب اس کے قبضہ و قدرت میں مسخر ہیں اور سب اس کی قضاء و قدرت کے تابع ہیں۔ اور ذوی العقول اس کے سامنے غیر ذوی العقول اور جمادات کے درجہ میں ہیں' اس کی قدرت کے سامنے کسی کی قدرت نہیں اور اس کے علم کے سامنے کسی کا علم نہیں' اس لیے اس آیت میں غیر ذوی العقول کو ذوی العقول پر غلبہ دے کر لفظ ما استعمال فرمایا۔

شریعت اور حقیقت کی طرف اشارہ

جب آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم بھی اللہ کی ملک میں ہیں۔ اس کے مملوک اور عبد ہیں اور جو مملوک اور عبد ہوں' وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم خدا ہیں' اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو اور احکام شرعیہ کے ذکر سے اس سورت کی ابتداء کی تھی اور اس سورت کا اختتام اللہ عزوجل کی کبریائی' اس کی عزت و جلال اور اس کی سلطنت اور قدرت پر کیا ہے۔ گویا یہ سورت شریعت کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور حقیقت کے ذکر پر ختم ہوتی ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ شریعت ابتداء ہے اور حقیقت انتہاء ہے' اور یہ کہ شریعت پر عمل کر کے ہی انسان حقیقت تک پہنچے گا۔

تمام مضامین سورت کی دلیل

اس سورت میں احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں اور یہود کا رد کیا گیا ہے' جو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا انکار کرتے تھے اور عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے معتقد تھے' اور اس سورت کو اس آیت پر ختم کیا ہے جس کا معنی ہے ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات' ارواح اور اجسام کا موجد اور خالق ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے تو اسے اپنی مخلوق کو امر اور نہی' حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہے اور یہی شریعت ہے' سو یہی آیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے اور جب اللہ خالق اور مالک ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ جس حکم کو چاہے معطل کر دے اور جس شریعت کو چاہے منسوخ کر دے۔ سو اس نے یہود کی شریعت کو منسوخ کر کے سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کو نافذ کر دیا' سو اس آیت سے یہود کا رد بھی ہو گیا اور اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کا رد بھی ہو گیا' کیونکہ جب ہر چیز

اس کی مملوک ہے تو حضرت عیسیٰ بھی اس کے مملوک ہیں' اور جو مملوک ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' سو یہ آخری آیت اس پوری سورت کے مضامین کی دلیل ہے۔

اختتامی کلمات

آج بہ روز چہار شنبہ مورخہ ۱۹ صفر ۱۴۱۸ھ / ۲۵ جون ۱۹۹۷ سحری کے مبارک وقت میں سورۂ مائدہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔ اس سورت کے تمام حقائق و معارف اور تمام اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اسلاف کی کتابوں سے استفادہ کر کے اور زیادہ سے زیادہ احادیث پیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اس تفسیر کی سعی کی ہے۔

الہ العالمین! اس سعی کو قبول فرما' اس میں جو کوتاہی ہو گئی اس سے درگزر فرما اور جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے سورۂ مائدہ کی تفسیر کی توفیق دی ہے' بقایا سور قرآن کی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما اور محض اپنے فضل و کرم سے میری' میرے والدین اور اساتذہ کی' میرے تلامذہ کی اس تفسیر کے کمپوزر' کاتب اور مصحح کی' اس کے ناشر' اس کے تمام معاونین' محبین اور قارئین کی مغفرت فرما۔ ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر مشکل' مصیبت اور پریشانی اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور نعمت عطا فرما۔ شرح صحیح مسلم' اس تفسیر اور میری ہر تصنیف کو میرے لیے صدقہ جاریہ کر دے' ان کتابوں کے فیضان کو تاقیام قیامت باقی اور عام رکھ' ان کتابوں کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد المرسلین' شفیع المذنبین' وعلی آلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

سُورَةُ الأَنْعَامِ

(٦)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانعام

اس سورت مبارکہ کا نام الانعام ہے ' اس میں بیس (۲۰) رکوع اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیات ہیں ' یہ سورت مکی ہے البتہ اس کی چند آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ ان کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب باحوالہ آ رہی ہے ' انعام کا معنی ہے مویشی۔ اس سورت کا نام الانعام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ان مشرکین کا رد کیا گیا ہے ' جنہوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کر لیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کر لیا تھا ' وہ آیتیں یہ ہیں:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الانعام: ۱۳۹-۱۳۸)

اور مشرکوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں ' انہیں وہ کھائے گا جسے ہم چاہیں گے ان کے زعم فاسد کے مطابق ' اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشتوں (پر سواری اور بار برداری) کو حرام کیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے تھے ' اللہ پر بہتان باندھنے کے لیے ' اللہ ان کو ان کے بہتان کی عنقریب سزا دے گا ۝ اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو بچہ (زندہ) ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور وہ ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ عنقریب اللہ ان کو ان احکام کو وضع کرنے کی سزا دے گا ' بے شک وہ بڑی حکمت والا ' بہت علم والا ہے۔

جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے یہ پوری سورت ایک رات میں یک بارگی نازل ہوئی تھی ' اور جس رات یہ نازل ہوئی آپ نے اسی رات اس کو لکھوا دیا تھا۔ اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے الفاتحہ ' البقرہ ' آل عمران ' النساء اور المائدہ

مدنی سورتیں تھیں۔ ان سورتوں میں اصالتہ" خطاب مومنین سے تھا۔ اور ان میں مسلمانوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے تھے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' جہاد' صلہ رحم' عورتوں کے حقوق' نکاح' طلاق وعدت' وراثت' امربالمعروف ونہی عن المنکر اور دیگر احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے' اور مدینہ منورہ میں جو غیر مسلم تھے' یہود اور عیسائی' ان کی بدعقیدگیاں بیان کرکے ان کا رد فرمایا تھا اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک وشبہات کے جوابات دیئے تھے اور منافقین کی ریشہ دوانیاں بیان فرمائی تھیں' اور ان کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مسلمانوں کو خبردار فرمایا تھا اور ضمناً بعض آیتوں میں مشرکین کا بھی رد فرمایا تھا۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ پہلی مکی سورت ہے' چونکہ مکہ میں مسلمانوں نے اپنی کوئی ریاست قائم نہیں کی تھی اور نہ ان کو اس کے مواقع میسر تھے' اس لیے وہاں مسلمانوں کے پاس اپنا نظام معیشت اور نظام حکومت قائم کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان نہیں فرمایا' وہاں پر مسلمانوں کا مشرکین سے تصادم تھا اور توحید کا پیغام پہنچانے میں مشرکین زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس لیے مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان کرنے اور ان کو دلائل سے ثابت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

الانعام میں توحید و رسالت کے بنیادی مسائل اور دلائل بیان فرمائے ہیں اور حیات بعد الموت اور حشر و نشر کو بیان فرمایا ہے' اور اصل دین ابراہیم کی وضاحت کی ہے اور انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں اور عقل و فطرت کے تقاضوں سے استدلال کیا ہے' مشرکین کے فرمائشی معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتائی ہیں۔ تقدیر کا بیان کیا ہے اور بعض مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے' مشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ عذاب آگیا تو تمہارے پاس اس کے بچاؤ کا کیا سامان ہے؟

سورۃ الانعام کے نزول کے متعلق احادیث

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ الانعام مکمل ایک رات میں مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۹۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر سورۃ الانعام یکبارگی مکمل نازل ہوئی۔ اس وقت میں نبی ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھی' اور اس سورت کے بوجھ سے لگتا تھا کہ اس اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

(المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۴۴۹-۴۴۸' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام نازل ہوئی درآنحالیکہ اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جس نے مشرق اور مغرب کو بھر لیا تھا' وہ بلند آواز سے تسبیح اور تقدیس کر رہی تھی اور زمین لرز رہی تھی' اور رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے سبحان اللہ العظیم' سبحان اللہ العظیم۔ اس حدیث کی روایت میں احمد بن محمد سالمی متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۴۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف الریاض' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الانعام سے مدنی آیات کے استثناء کے متعلق احادیث

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام النحاس نے اپنی کتاب ناسخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں مکمل یکبارگی نازل ہوئی' سو یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا تین آیتوں کے وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔ الایہ: ۱۵۳-۱۵۱)

امام ابن المنذر نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے' یہ مکی سورت ہے۔ ماسوا اس آیت کے ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ (الانعام: ۱۱۱)

امام فریابی' امام اسحاق بن راھویہ اور امام عبد بن حمید نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانعام مکمل یکبارگی نازل ہوئی۔ اس کے ساتھ فرشتے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے' یہ مکی سورت ہے ماسوا ان دو آیتوں کے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم (الایہ) اور اس کے بعد والی آیت۔ (الانعام: ۱۵۲-۱۵۱) (الدر المنثور' ج ۳' ص ۲۴۴' مطبوعہ بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے سورۃ الانعام چھ آیتوں کے سوا مکہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے کاتبوں کو بلا کر اسی رات اس سورت کو لکھوا لیا تھا۔ (قرطبی' ج ۶' ص ۳۱۵)

سورۃ الانعام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ الانعام پڑھنے والے کو ایک منادی ندا کرتا ہے: اس سورت سے محبت رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آؤ جنت کی طرف۔

امام ابوالشیخ نے ابو محمد عابد سے روایت کیا ہے۔ جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں: تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں' قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' اس کو کوثر سے غسل دے گا اور سلسبیل سے اس کو پانی پلائے گا اور فرمائے گا "میں تیرا برحق رب ہوں اور تو میرا برحق بندہ ہے"۔

امام ابن الضریس' ابو محمد فارسی سے روایت کرتے ہیں جس شخص نے سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور کوثر سے پانی پلائے گا اور سلسبیل سے غسل دے گا اور اللہ فرمائے گا' میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور اپنے مصلی پر بیٹھ گیا اور سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ ستر فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور قیامت تک اس شخص کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الدر المنثور' ج ۳' ص ۲' مطبوعہ ایران)

ان احادیث کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۲۹۶-۲۹۵)

حافظ سیوطی نے سورۃ الانعام کی فضیلت میں جو احادیث نقل کی ہیں' ان میں صرف ایک حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے اور باقی روایات کی اسانید سے سکوت کیا ہے۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کم عمل پر بہت زیادہ ثواب بیان کیا جائے' وہ موضوع ہوتی ہے اور فضائل قرآن کے سلسلہ میں لوگوں نے بہت احادیث وضع کی ہیں۔ اگر یہ احادیث موضوع نہ ہوں' تب بھی ضعف سے بہرحال خالی نہیں ہیں اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں' اور تعدد اسانید سے حدیث ضعیف کو تقویت ملتی ہے۔ ہم نے اس نیت سے یہ احادیث لکھی ہیں کہ ان میں بیان کردہ ثواب کی امید پر سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں' لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ صرف ان تین آیتوں کو پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ نہ فرائض' واجبات اور سنن و مستحبات پر عمل کی ضرورت ہے' نہ محرمات اور مکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے' تاہم اللہ بہت کریم اور نکتہ نواز ہے۔ وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے پانی پلایا' حتیٰ کہ اس کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو مشکور کیا اور اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح البخاری' ج۱' رقم الحدیث: ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

سو اگر اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے اور جنت عطا فرمائے تو یہ اس کے کرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے!

سورۃ الانعام کا موضوع

جس طرح باقی مکی سورتوں میں اصالۃً عقائد کو بیان کیا گیا ہے' اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی اصول اور عقائد ہی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور الوہیت' وحی' رسالت' بعث بعد الموت اور جزاء و سزا کا اثبات اور اس پر دلائل فراہم کرنا اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس سورت میں مشرکین اور دیگر ان مبتدعین کے خلاف دلائل ہیں جو حشر اور نشر کا انکار کرتے تھے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پوری سورت کو یکبارگی نازل کیا جائے۔ کیونکہ پوری سورت بہ منزلہ دلیل واحد ہے۔ اگرچہ اس کی فروع بہت ہیں اور متکلمین نے اسی سورت پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھی ہے' کیونکہ اس میں ایسی آیات ہیں جو قدریہ کا رد کرتی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج۶' ص۳۹۶' مطبوعہ بیروت)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی دلائل کو پیش کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی دلائل کی تلقین کی ہے۔ خود دلائل پیش کرنے کی چند مثالیں یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ (الانعام:۱)	سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور روشنی کو پیدا فرمایا پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (الانعام: ۲)	وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور (قیامت کا) معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے' پھر تم شک کرتے ہو۔
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ (الانعام:۶۱)	اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر (نگہبان) فرشتے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے تو ہمارے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت دلائل تلقین فرمائے ہیں۔ ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام:۱۲)	آپ پوچھئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے' اس نے (اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔

قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (الانعام: ١٤)

آپ کہئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

قُلۡ اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَہَادَۃً ؕ قُلِ اللّٰہُ ۟ۙ شَہِیۡدٌۢ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ (الانعام: ١٩)

آپ پوچھئے سب سے بڑی کس کی گواہی ہے؟ آپ فرمائیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَہٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً ۚ لَئِنۡ اَنۡجٰىنَا مِنۡ ہٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ○ قُلِ اللّٰہُ یُنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡہَا وَمِنۡ کُلِّ کَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ○ (الانعام: ٦٣-٦٤)

آپ پوچھئے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت سے) سے بچا لے تو ہم ضرور اس کے شکر گزار بن جائیں گے ○ آپ کہئے اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۔

سورۃ الانعام کے مضامین

سورۃ الانعام کے مضامین کو حسب ذیل عنوانوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

١- اللہ تعالیٰ کے وجود‘ اس کی وحدانیت اور اس کی صفات پر انسان کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں سے استدلال

٢- نبوت‘ رسالت اور وحی پر عقلی اور مشاہداتی دلائل اور مشرکین کے شبہات کے جوابات

٣- بعث بعد الموت‘ حساب و کتاب‘ حشر و نشر اور قیامت کے دن اعمال کی جزاء اور سزا کا اثبات۔

٤- تمدنی اور معاشرتی زندگی کے مسلمہ اخلاق اور آداب کا بیان۔

٥- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور اصول اور عقائد میں لوگوں کے اختلاف کا اہواء شخصیہ اور آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہونا۔

٦- آخرت میں ثواب اور عذاب کا لوگوں کے شخصی اعمال پر مبنی ہونا۔

٧- انسانوں کے افعال کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کا کسب انسان کرتا ہے۔ کسب سے مراد انسان کا اختیار اور ارادہ ہے۔ انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے اور اس کو جزاء و سزا اپنے کسب اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اس لیے جبر بھی نہیں ہے کیونکہ انسان مختار ہے‘ اور قدر بھی نہیں ہے کیونکہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے موافق اسباب کا مسببات کے ساتھ مربوط ہونا۔

٨- کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور مومنوں اور نیکوکاروں کو ثواب دینا‘ اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہے۔

٩- حلال اور حرام کرنے کی تشریع اور شریعت سازی اللہ عزوجل کا حق ہے اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ بھی شریعت ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔

١٠- لوگوں پر لازم ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے احوال میں غور و فکر کریں کہ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی‘ ان کا کیا

حال ہوااور زمین میں گھوم پھر کر ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان بکثرت نشانیوں میں غور و فکر کریں جو اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی عظمت' اس کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۱- اللہ تعالیٰ انسان کو مصائب سے اور دنیاوی زیب و زینت سے امتحان اور آزمائش میں ڈالتا ہے' تاکہ نیک اور بد ممتاز ہوں۔

۱۲- اللہ تعالیٰ فاسقوں اور کافروں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' اس لیے کسی کافر یا فاسق کی دنیاوی عیش و عشرت' آسودہ حالی اور اقتدار سے کسی مسلمان کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۱۳- بیوی اور اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کا بیان' استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا ہے کہ سورۃ الانعام میں توحید کے تمام قواعد ہیں۔

۱۴- جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے ہیں ان کو نصیحت کرنا اور جو دین حق کی تکذیب کرتے ہیں ان کو پہلی امتوں کے مکذبین کی وعید سنانا اور یہ بتانا کہ ان کے انکار سے صرف ان کو نقصان ہو گا۔

۱۵- جو مشرکین مکہ نبی ﷺ سے علاوہ معجزات طلب کرتے تھے' ان کی جہالت کا بیان کرنا۔

۱۶- نبی ﷺ کو یہ تسلی دینا کہ آپ کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۱۷- رسولوں کو بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے ثواب کی بشارت دیں' لوگوں کی فرمائش سے ان کو مغیبات پر مطلع کرنا یہ رسول کا منصب نہیں ہے۔

۱۸- فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کے دین کو ماننا اور تقویٰ ہے۔

۱۹- نفس کو طیبات یعنی پاکیزہ اور حلال چیزوں سے محروم کرنا یہ تقویٰ نہیں ہے' بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ نفس کے ناجائز تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کو شہوات باطلہ کی تکمیل سے محروم کر دیا جائے۔

۲۰- امت محمدیہ پر یہ احسان کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا جس طرح حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سابقہ امتوں کا خاتم بنایا۔

۲۱- قرآن اور دین اسلام کی فضیلت اور یہ کہ اس امت کی نیکیوں کا ثواب اللہ نے کئی گنا بڑھایا۔

۲۲- یہ سورت مشرکین جاہلیت کے تمام احوال کی جامع ہے اور اس میں ان کی جہالت پر سب سے زیادہ رد کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّونَ آيَةً وَّعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ الانعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا

النُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

فرمایا ؛ پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں ○ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

پیدا فرمایا ، پھر مدت (حیات) مقرر فرما دی . اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ

تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ○ اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے ، وہ تمہارے ظاہر اور باطن

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

کے حال کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے ○ اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ

کوئی نشانی آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ سو بے شک جب ان کے پاس حق آگیا تو انہوں نے اس کو

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

جھٹلا دیا سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں

لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ

دیا ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں کے) نیچے دریا بہائے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری

اٰخَرِيْنَ ⑥

قوم پیدا کر دی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ پھر (بھی) کفار اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱)

حمد' مدح اور شکر کا فرق

حمد' مدح اور شکر میں فرق ہے مدح' حمد سے عام ہے۔ حمد' کسی شخص کی اختیاری خوبی اور کمال پر تعریف اور توصیف کو کہتے ہیں خواہ وہ نعمت ملنے کی وجہ سے کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اور مدح کسی چیز کے حسن اور خوبی پر کی جانے والی تعریف کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ اس کی اختیاری خوبی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر آپ کسی عالم کے علم و فضل کی تعریف کریں گے تو یہ حمد بھی ہے اور مدح بھی ہے اور اگر آپ کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کریں گے تو یہ مدح ہے' حمد نہیں ہے۔ حمد اور شکر میں بھی فرق ہے۔ حمد عام ہے خواہ نعمت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا بغیر نعمت کے۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے علم کی تعریف کریں جو آپ کو جانتا نہیں ہے اور آپ کا اس سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے تو یہ حمد ہے' شکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے آپ کو کچھ مال دیا ہو اور آپ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تو یہ شکر بھی ہے اور حمد بھی ہے۔

تمام تعریفوں کا اللہ کے ساتھ مختص ہونا

ہم نے الحمد للہ کا ترجمہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کیونکہ الحمد میں الف لام جنس کا ہے اور للہ میں لام اختصاص کا ہے یا استحقاق کا ہے اور اس کا معنی ہے حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ منعم کا شکر واجب ہے مثلاً تعلیم کی وجہ سے استاذ کا شکر واجب ہے۔ عدل کی وجہ سے منصف کا شکر واجب ہے' احسان کی وجہ سے محسن کا شکر واجب ہے اور پالنے پوسنے کی وجہ سے ماں باپ کا شکر واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ (لقمان: ۱۴) میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ نیکی کا صلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے؟

(الرحمٰن: ۶۰)

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۸۱۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۱' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۵۸' ج ۳' ص ۳۲' ج ۴' ص ۲۷۸' طبع قدیم)

یہ برحق ہے کہ جب کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ کوئی نیکی کرے یا اس کو کوئی نعمت پہنچائے تو اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے' لیکن درحقیقت تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور تمام احسانات اسی کے ہیں۔ اسی لیے حقیقت میں صرف وہی مشکور ہے اور باقی سب مجازاً مشکور ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر اس وقت احسان کرتا ہے جب اس کے دل میں اس احسان کا محرک اور داعیہ پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعیہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اصل احسان اسی کا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر بلا غرض احسان کرتا ہے اور بندہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور یہ غرض یا حصول نفع ہوتی ہے یا دفع ضرر۔ کسی ضرورت مند پر احسان کرکے محسن کا دل خوش اور مطمئن ہوتا ہے یا وہ اس پر احسان کرکے اس کے کسی سابقہ

احسان کا بدلہ چکاتا ہے یا اخروی ثواب کے لیے احسان کرتا ہے اور یہ حصول نفع ہے یا اس ضرورت مند کی ضرورت کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس رقت کے ازالہ کے لیے اس پر احسان کرتا ہے اور یہ دفع ضرر ہے تو انسان انسان پر کسی نہ کسی غرض سے احسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا غرض احسان کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بلاواسطہ احسان کرتا اور انسان بالواسطہ احسان کرتا ہے۔

مثلاً ایک انسان کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلا کر احسان کرتا ہے۔ اگر اس انسان کے پاس طعام خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے یا پیسے تو ہوتے لیکن بازار میں طعام دستیاب نہ ہوتا تو وہ اس کو طعام کیسے کھلاتا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ طعام کس کا پیدا کیا ہوا ہے! پھر اگر وہ انسان طعام فراہم کر لیتا لیکن وہ بھوکا شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا جس کی وجہ سے وہ کھانا نہ کھا سکتا تو وہ اس کو کیسے کھانا کھلاتا؟ غرض انسان جب کسی انسان پر احسان کرتا ہے اور اس کو فیض پہنچاتا ہے تو اس تک اس احسان اور فیض پہنچنے میں بیسیوں واسطے ہوتے ہیں اور ہر واسطہ اللہ کے فیض اور اس کے احسان پر ختم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ جو شخص کسی پر انعام اور احسان کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اور اسی کا احسان ہے۔ لہٰذا تمام احسانات پر شکر اور تمام کمالات اور محاسن پر ستائش اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے اور مخلوق میں جس کی خوبی پر حمد کی جائے اور جس کے احسان کا شکر ادا کیا جائے' وہ سب مجاز ہے۔ حقیقت میں وہی مشکور ہے اور وہی محمود ہے۔

عالم کبیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اور بغیر کسی کجی کے آسمان کو بنایا اور آسمانوں میں سورج اور چاند کو رکھا اور اس کو ستاروں سے مزین کیا اور ہوا کے دوش پر بادلوں کو رکھا' زمین کا فرش بچھایا' اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں کشادہ راستے رکھے اور اس میں سمندروں اور دریاؤں کو رواں دواں کیا اور پتھروں سے چشمے نکالے۔ ان تمام چیزوں میں اس کی وحدانیت اور اس کی عظیم قدرت پر دلالت ہے' کیونکہ اس کائنات کا پورا نظام طرز واحد پر چل رہا ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہی اللہ واحد قہار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' اس نے تاریکیوں اور نور کو پیدا کیا۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد تاریکی اور نور کے پیدا کرنے کا ذکر کیا' کیونکہ آسمان اور زمین جواہر اور اعیان ہیں اور تاریکی اور نور معانی اور اعراض ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی (زمین) کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن مکروہ چیزوں کو پیدا کیا (مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں النقن کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں معدنیات) اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں مویشیوں اور جانوروں کو پھیلا دیا اور مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

(صحیح مسلم' المنافقین' ۲۷' (۲۷۸۹) ۶۹۲۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۳۴۹' طبع دارالفکر' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۲۷' طبع قدیم)

کفار کی احسان فراموشی

یہ آیت کفار کی شقاوت اور قباحت پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے پیدا کرنے کے دلائل اور نشانیاں سب پر ظاہر اور واضح ہیں اور اس کی عطاؤں اور انعامات سے کائنات کا ہر فرد فیض پا رہا ہے اور فائدہ اٹھا رہا ہے اور کوئی شخص بھی اس کے کرم سے محروم نہیں ہے۔ پھر ان تمام احسانات کے باوجود یہ کفار بے جان بتوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ملامت کرتے ہوئے کہے میں نے تم کو اتنا مال دیا' اتنی عزت دی' تم پر اتنے احسان کیے' پھر بھی تم مجھے گالیاں دیتے ہو اور برا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے سے اس کو ایسی ہی اذیت ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے جو میری تکذیب کی وہ اس کا یہ فاسد گمان ہے کہ میں اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس نے جو مجھے گالی دی' وہ اس کا یہ قول ہے کہ میرا بیٹا ہے' سو میں اس سے پاک ہوں کہ میں کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۸۲' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۷۷' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۵۱' طبع قدیم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر مدت (حیات) مقرر فرمادی اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے اور تم لوگ شک کرتے ہو۔ (الانعام: ۲)

عالم صغیر کی تخلیق سے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین یعنی عالم کبیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال کیا تھا اور اس آیت میں انسان یعنی عالم صغیر کو پیدا کرنے سے اپنی خالقیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم آدم کی اولاد ہو' لہٰذا تم کو بھی مٹی سے پیدا کیا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ مومن' متقی' کریم اور فاجر' بدبخت' خوار و ذلیل۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۴' ص ۲۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم کو بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے' وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے' اے رب! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی؟ اگر اللہ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی تو پھر کہتا ہے' اے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کا نشان کیسا ہے؟ اور اس کی موت کب ہو گی؟ اللہ فرماتا ہے تم لوح محفوظ میں دیکھو۔ وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق' اس کا نشان' اس کی موت اور اس کا عمل لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا' وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (طٰهٰ: ۵۵) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جز۶' ص ۳۰۰ 'مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر رنے عطا خراسانی سے روایت کیا ہے جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا' وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے منہا خلقنا کم۔

(الدر المنثور 'ج ۳' ص ۳۰۲ 'مطبوعہ ایران)

حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء 'ج ۲' ص ۲۸۰ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

علامہ علی متقی برھان پوری متوفی ۹۷۵ھ خطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ (کنز العمال 'ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۶۷۳)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ احادیث کے علاوہ اس موقف پر عقل سے بھی استدلال کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں خون سے بنتی ہیں اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا گوشت اور زمینی پیداوار (سبزیوں اور پھلوں) پر مشتمل ہوتی ہے اور حیوان کا گوشت بھی زمینی پیداوار سے بنتا ہے تو مآل زمینی پیداوار ہے اور زمینی پیداوار مٹی سے حاصل ہوتی ہے۔ سو خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' پھر اس طریقہ سے مٹی سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے متعدد اعضاء بنتے ہیں جو رنگ روپ اور صورت شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب' دماغ' پھیپھڑے' جگر اور دیگر بڑی بڑی ہڈیاں' باریک شریانیں اور پٹھے وغیرہ اور ایک مادہ یعنی مٹی سے مختلف صورت و شکل اور مختلف طبائع اور حقائق کے اعضاء پیدا کرنا اور ایک مٹی سے دنیا کے متعدد اور مختلف رنگ و نسل کے انسان پیدا کرنا' صرف اسی کی تخلیق سے عمل میں آ سکتا ہے جو حکیم اور مدبر اور قادر اور قیوم ہو۔ پھر ان مختلف انسانوں کی پیدائش ہزار ہا سال سے ایک ہی نظم اور ایک ہی طرز پر ہو رہی ہے اور انسان کی تخلیق کے اس سلسلہ کا نظم واحد پر ہونا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور وہ اللہ الواحد القہار ہے۔

دو اجلوں کی تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اس نے اجل (موت) مقرر فرما دی اور اجل مسمّی (مدت مقررہ) اس کے پاس ہے۔ اجل کے معنی موت ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان موتوں کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد موت ہے اور دوسری اجل سے مراد قیامت ہے' کیونکہ آخرت میں ان کی حیات کی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہو گی اور اس کی مدت اور اس کی کیفیت کا حال اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کی مدت ہے۔ اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر اس کے دوبارہ پیدا ہو کر اٹھنے تک کی مدت ہے اور اس مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد نیند ہے اور

دوسری اجل سے مراد موت ہے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد طبعی موت ہے اور دوسری اجل سے مراد حادثاتی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' وہ اس کے پاس مقرر ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اس کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں مذکور ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے اس قدر واضح دلائل ہونے کے باوجود تم اس کی وحدانیت میں شک کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں میں عبادت کا مستحق ہے۔ وہ تمہارے ظاہر اور باطن کے حال کو جانتا ہے' اور تمہارے کاموں سے واقف ہے۔ (الانعام: ۳)

اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل

اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا' دوسری آیت میں فرمایا جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہاری خلوت اور جلوت کو جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے واقف ہے اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلیل ہے اور کمال علم اور کمال قدرت یہ ایسی دو صفتیں ہیں جن پر الوہیت کا مدار ہے اور ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل مکمل ہو گئی۔

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ وہی اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس سے یہ لازم آیا کہ آسمان اور زمین اللہ کے لیے ظرف ہیں اور اللہ تعالیٰ مظروف ہے اور مظروف محدود ہوتا ہے اور محدود ہونا الوہیت کے منافی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں میں معظم ہے' یا معبود ہے' یا مستحق عبادت ہے' یا اس کا معنی ہے اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر میں منفرد ہے' یا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری خلوت اور جلوت کو آسمانوں اور زمینوں میں جانتا ہے' اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو' کسب کا معنی ہے حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے کوئی کام کرنا' اسی لیے اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسب نہیں کہا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے' وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں' سو بے شک جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ سو عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۵-۴)

کفر باللہ پر ملامت کے بعد کفر بالرسول کی مذمت

اس سے پہلی تین آیات کا تعلق توحید کے ساتھ تھا اور ان آیتوں کا تعلق رسالت کے ساتھ ہے۔ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے اس کفر کو بیان فرمایا تھا جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیتوں میں ان کے اس کفر کو بیان فرمایا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اور ان آیات میں وجہ ارتباط یہ ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی اس لیے کرتے تھے' کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنی رسالت کے صدق پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرتے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے تھے۔ سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ آپ نے قرآن مجید پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ کوئی انسان اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی بھی نظیر نہیں لا سکتا' سو کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکا۔ پھر آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کئی معجزات

پیش کیے، لیکن انہوں نے ان معجزات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کا مذاق اڑایا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا اور منہ موڑا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اور تیسرا حال یہ ہے کہ انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی انتہاء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ اس وعید میں دو احتمال ہیں' اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے' جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور ان کو اپنی عددی برتری اور طاقت کا جو گھمنڈ تھا' وہ خاک میں مل گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں تباہ و برباد کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جیسا تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیتوں اور باغوں) کے نیچے دریا بہائے' پھر ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کر دی۔ (الانعام: ۶)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے' ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے اس انکار اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سنانا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا ان مکذبین کو لوگوں سے خبریں سن کر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی سابقہ امتوں کو مثلاً قوم عاد و ثمود' قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اس گھمنڈ سے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی کہ وہ بہت مالدار اور طاقتور ہیں۔ وہ قریش مکہ سے اس بات میں ممتاز تھے کہ ان پر بکثرت موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی تھیں' جس سے ان کی زرعی زمینیں بہت زرخیز ہوتی تھیں اور ان کے مکانوں کے کنارے پر دریا بہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم پیدا کی جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی تھی اور یہ بھی اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے' اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (القصص: ۵۹-۵۸)	ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا (جن کے رہنے والے) اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تھے۔ سو یہ ہیں ان کے مکان' جن میں ان کے بعد بہت کم رہائش کی گئی ہے اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں ○ اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے' جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے اور ہم اس وقت ہی بستیوں کو ہلاک کرتے ہیں جب اس کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار مکہ کو نصیحت کی جائے اور انہیں اس بات سے ڈرایا جائے کہ کہیں ان پر بھی وہ عذاب

نہ آجائے جو پچھلی امتوں کے ان جیسے کافروں پر آیا تھا' جب کہ وہ لوگ دنیاوی شان و شوکت اور قوت و طاقت اور عددی حیثیت سے اہل مکہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ اور برتر تھے۔

قرن کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے قرن تباہ کر دیئے اس آیت میں قرن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے قرن کا یہ معنی لکھا ہے قرن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں مقترن ہوں اس کی جمع قرون ہے (المفردات' ص ۴۰۱) علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے' ہر زمانہ کے لوگوں کو قرن کہتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں متوسط عمروں کی مقدار پر مشتمل لوگ ہیں۔ یہ لفظ اقتران سے ماخوذ ہے' یعنی جتنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور اپنے احوال سے مقترن ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ چالیس سال کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا زمانہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مطلق زمانہ ہے۔ (النہایہ' ج ۴' ص ۵۱) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ واحدی نے کہا ہے کہ زمانہ کی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو وہ قرن ہے' یعنی جس مدت میں ایک قوم مقترن ہو' پھر موت سے وہ دوسری قوم سے متفرق ہو جائے' تو وہ قوم ایک قرن ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ ایک دوسری قوم ہوں گے اور وہ آپس میں مقترن ہوں گے' تو یہ دوسری قرن ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام قرنوں میں بہترین میرا قرن ہے۔ اور جبکہ عموماً لوگوں کی عمریں ساٹھ' ستر' اور اسی سال کے لگ بھگ ہوتی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں نے کہا قرن ساٹھ سال کا زمانہ ہے۔ بعض نے کہا ستر سال کا اور بعض نے کہا اسی سال کا زمانہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی کوئی ایسی معین مقدار نہیں ہے جس پر زیادتی یا اس سے کمی نہ ہو سکے' بلکہ اس سے مراد ہے ہر زمانہ کے لوگ اور جب اس زمانہ کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو کہا جائے گا کہ وہ قرن ختم ہو گئی۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۱۱' طبع قدیم)

امام رازی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سب میں بہترین میرا قرن ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں' پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (الحدیث)

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۵۱' صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۲۱۲' (۲۵۳۵) ۶۳۵۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۵۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۲۹' سنن نسائی' ۳۸۱۸' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۲۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۲' ص ۱۷۶' المعجم الکبیر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۵۸۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۱۰۸' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۹۳' طبع قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۷۹' طبع قدیم)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرن سو سال کا زمانہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن تک زندہ رہو گے تو وہ سو سال زندہ رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۶' ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض سوالوں کے جوابات

اس آیت پر ایک یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مکذبین کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ اس میں زجر و توبیخ کی

کون سی بات ہے؟ کیونکہ موت تو ہر شخص کو آتی ہے' خواہ مومن ہو یا کافر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زجر و توبیخ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب شدید سے موت آئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے گزشتہ امتوں کی ہلاکت کو نہیں دیکھا؟ حالانکہ کفار مکہ نے گزشتہ امتوں کے احوال کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خبر دینے کے وہ مصدق نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کیا ان کو ان امتوں کے احوال نہیں معلوم اور ان امتوں کی ہلاکت کے احوال تواتر سے نقل ہو رہے تھے اور لوگوں کے درمیان مشہور تھے۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ اس بات کے ذکر کی کیا ضرورت ہے کہ اللہ ان کی جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ پر دشوار نہیں ہے' وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو ہلاک کرکے ان کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ

اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تب بھی کفار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ○ اور انھوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ

عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انھیں مہلت نہ دی جاتی ○

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورۃً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع (ع ۱ ۷)

لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ محض کھلا ہوا جادو ہے۔ (الانعام: ۷)

ربط آیات اور شان نزول

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید اور پیغام اسلام کو مسترد کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اپنے عیش و آرام میں مست تھے اور ان کو اپنی قوت و حشمت پر گھمنڈ تھا۔ ان کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے

جو نبی ﷺ کے پیش کیے ہوئے معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیتے تھے۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔
امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا اے محمد ﷺ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔
(زاد المسیر' ج ۳' ص ۷' مطبوعہ المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کفار کے انکار کا حقیقی سبب

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کس سبب سے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کا انکار چند ضعیف شبہات پر مبنی تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل ہو اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہو جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے' لیکن حقیقت میں ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ سو اگر اللہ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور وہ اس کو چھو کر دیکھ لیتے' پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے' کیونکہ مشاہدہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نظر نے دھوکا کھایا ہو یا نظر بندی کی گئی ہو۔ لیکن ہاتھ سے چھونے کے بعد یہ احتمالات ختم ہو جاتے ہیں' لیکن یہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ (الحجر: ۱۵-۱۴)

اور اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں (دن بھر) چڑھتے رہیں (تو پھر بھی) یہ لوگ یقیناً یہی کہیں گے کہ محض ہماری نظر بندی کی گئی ہے' بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا' پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے' تب بھی اس کو (صورۃً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا' تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الانعام: ۱۰-۸)

کفار کے مطالبہ کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ فرشتے کو نہ بھیجنے کی حکمت

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو مسلمان کرنے کی انتہائی کوشش کی تو زمعہ بن الاسود' نضر بن حارث' عبدہ بن عبد یغوث' ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا کہ آپ پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا۔ (الدر المنثور' ج ۳' ص ۵' مطبوعہ ایران)
کفار مکہ کا منشا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا' تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ کیونکہ فرشتوں کے علوم انسانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قدرت۔ اور ان کی ہیبت بھی انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ مکمل طور

پر دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ سو ان کی نبوت اور رسالت میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہو گا' تو اس وجہ سے اگر اللہ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جو جواب دیا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ فرشتے کو اسی وقت دیکھ سکتے تھے جب وہ کسی جسم کثیف میں متمثل ہوتا' اور ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے اور دوسری جنس سے غیر مانوس ہوتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجتا تو اگر وہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے' نہ اس کا کلام سن سکتے اور نہ اس کی عبادات اور معمولات ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے۔ کیونکہ دونوں کی جنس الگ الگ ہوتی اور اگر وہ ان کے سامنے انسانی پیکر میں متمثل ہو کر آتا' تو وہ اس سے کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو' تم تو ہماری طرح انسان ہو اور پھر ان کا وہی پہلا شبہ لوٹ آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی فرشتے بعض اوقات انسانی پیکر میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس فرشتے انسانی صورتوں میں آئے اور نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل اعرابی اور دحیہ کلبی کی شکل میں آئے اور نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ نے لکھا ہے کہ اگر کفار فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تو اسی وقت مرجاتے' کیونکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ قیامت آجاتی۔ حسن اور قتادہ نے کہا ان پر عذاب آکر ان کو ملیامیٹ اور تہس نہس کر دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کے مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جاتی ہے اور پھر وہ ایمان نہیں لاتی تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانی عذاب نہیں آنا تھا' اس لیے ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۰۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی ﷺ پر طعن اور استہزاء کرنے والوں کی سزا

بعض کفار مکہ نبی ﷺ سے استہزاء" یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ آنا چاہیے جو آپ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ نے آپ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ آیت نازل کی اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا' تو ان مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس سے پہلے دیگر کافر قوموں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الحجر: ۱۱-۱۰)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (الحجر: ۹۵-۹۴)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو علانیہ ذکر فرمائیں اور مشرکین سے اعراض کریں اور بے شک ان مذاق اڑانے والوں کو سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

اور مکہ کے جو صنادید رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا بدلہ لے لیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سردار نبی ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان لوگوں میں اسد بن عبدالعزیٰ سے اسود بن المطلب تھا' رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتا ہے' آپ نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کو اندھا کر دے اور اس کے بچوں کو گم کر دے اور بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث تھا اور بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ تھا۔ اور بنو سہم میں سے عاص بن وائل تھا اور خزاعہ میں سے حارث بن طلاطلہ تھا۔ جب ان کی سرکشی بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑانے لگے' تو سورۂ حجر کی یہ آیات (۹۵-۹۴) نازل ہوئیں اور جس وقت یہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے' اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اسود بن المطلب حضرت جبرائیل کے پاس سے گزرا' حضرت جبرائیل نے اس کے منہ پر سبز پتا مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور اسود بن عبد یغوث گزرا' جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کو استسقاء (پیاس) کی بیماری لگ گئی' پانی پی پی کر اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ اسی حال میں مرگیا۔ اور ولید بن مغیرہ گزرا' دو سال پہلے اس کے پیر کی ایڑی کے نیچے ایک زخم آیا تھا' کیونکہ وہ بنو خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا' تو اس کا تیر اس کے تہبند میں گھس گیا جس سے اس کا پیر زخمی ہو گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زخم کی طرف اشارہ کیا وہ تازہ ہو گیا اور وہ اس کی تکلیف میں مرگیا۔ اور عاص بن وائل سہمی گزرا حضرت جبرائیل نے اس کے پیر کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اپنے گدھے سے گرا اور اس کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اور اس سے زخم ہو گیا اور اسی تکلیف میں وہ مرگیا۔ اور حارث بن طلاطلہ گزرا' حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو اس کے سر سے پیپ نکلنے لگی اور وہ اسی بیماری میں مرگیا۔

(جامع البیان' جز ۱۴' ص ۹۵-۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو نامی گرامی کافر نبی ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے' وہ سب عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ تم زمین میں گھومو، پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا

الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلْ لِلّٰهِ ۚ

ہوا ○ آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے کہ

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے، وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس

رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا

میں کوئی شک نہیں ہے، (مگر) جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ رات اور دن میں

سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ

جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ آپ کہیے کیا میں اللہ

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں

يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ

جاتا، آپ کہیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

والوں میں سے نہ ہونا ○ آپ کہیے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ

ڈرتا ہوں ○ جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بیشک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی

الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا

بہت واضح کامیابی ہے ○ اور (اے مخاطب) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا

هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ

نہیں ہے، اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور وہی اپنے

الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ (الانعام: ۱۱)

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اے محمد ﷺ ان مذاق اڑانے والوں اور جھٹلانے والوں سے کہیے کہ تم زمین میں سفر کرو اور تفتیش کرو اور تم سے پہلے کافروں پر تکذیب کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس کے آثار اور نشانات دیکھو اور اس کے متعلق لوگوں سے خبریں معلوم کرو۔ اس آیت میں تکذیب کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے

کہ وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔ وہ تم کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے' مگر جن لوگوں نے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۲)

الوہیت' رسالت اور قیامت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مستحق عبادت ہے اور سیدنا محمد ﷺ اس کے رسول برحق ہیں اور قیامت کے دن مخلوق سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور دلیل کی تقریر یہ ہے کہ کفار اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تمام آسمان اور زمینیں اور ان میں تمام رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ساری مخلوق اللہ کی مملوک ہے اور مملوک پر اپنے مالک کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ سو تمام انسانوں پر لازم ہے کہ صرف اس ایک رب کی عبادت کریں' اور اسی کو عبادت کا مستحق مانیں اور عبادت کا طریقہ بتلانے اور اللہ کے احکام پہنچانے کے لیے ایک رسول کا ہونا ضروری ہے' جو دلیل اور معجزہ سے اپنی رسالت کو ثابت کرے اور سیدنا محمد ﷺ نے بکثرت دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ کی اطاعت کریں' ان کو اجر دینے کے لیے اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دینے کے لیے ایک دن ہونا چاہیے اور وہ روز قیامت اور روز جزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ '۱۴ (۲۷۵۱) ۶۸۳۶' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۱۹۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۵۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۰-۲۵۸-۲۴۲' طبع قدیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرلیا تو اپنی اس کتاب میں لکھا جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۱۶' (۲۷۵۱) ۶۸۳۸' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۵۰۳' طبع دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کرنے والے مسلمان کو ثواب عطا فرمانے اور اپنے بندہ کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے اور اللہ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرنا اس کی صفت قدیمہ ہے' جس سے وہ تمام مرادات کا ارادہ فرماتا ہے اور رحمت کی سبقت اور اس کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ رحمت بہت زیادہ اور بہت کثیر افراد کو شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں۔ جنات' انسانوں' جانوروں اور حشرات الارض میں اس نے (صرف) ایک رحمت رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں۔ اس رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں موخر کر رکھی ہیں۔ ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۱۹' (۲۷۵۲) ۶۸۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۳)

یہ دنیا دار ابتلاء اور دار التکلیف ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی ایک رحمت سے مسلمانوں کو 'اسلام' قرآن اور نماز کی رحمت حاصل ہوئی' بلکہ تمام شریعت اللہ کی رحمت ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت رکھی جس سے وہ نیکی' صلہ رحمی اور غریب پروری کرتے ہیں تو ان ننانوے رحمتوں کی وسعت اور گیرائی کے متعلق کوئی شخص کیا تصور کر سکتا ہے جو دار آخرت میں حاصل ہوں گی' جو دار القرار اور دار الجزاء ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے' قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اس نے قیدیوں میں اپنے بچہ کو دیکھا' اس نے بچے کو اپنے پیٹ سے چمٹالیا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں' خدا کی قسم! اگر آگ میں ڈالنا اس کے لیے مقدور ہوا تو یہ اپنے بچہ کو کبھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اپنے بچہ پر جس قدر رحم کرنے والی ہے' اللہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ ۲۲' (۲۷۵۴) ۶۸۴۵' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۹۹۹)

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ماں اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارہ نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈالنا کیسے گوارا کرے گا' جبکہ اللہ ماں سے کہیں زیادہ رحیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور جن کو آگ میں ڈالے گا' وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ نہیں کہتے۔ کوئی خود کو بتوں کا بندہ کہتا ہے' کوئی اپنے آپ کو سورج' آگ' پیپل اور کوئی گائے کا بندہ کہتا ہے اور کوئی خود کو عیسیٰ اور عزیر کا بندہ کہتا ہے اور کوئی اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتا ہے مگر بندگی اپنی خواہشات کی کرتا ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (الفرقان: ۴۳)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کی وکالت کریں گے!

ہاں! جو لوگ خود کو اللہ کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں' وہ ان کو آگ میں نہیں ڈالے گا اور ایسے لوگوں سے اگر کبھی انسانی تقاضے سے کوئی لغزش یا اطاعت میں کمی ہو گئی اور انہوں نے پھر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لیا تو اللہ انہیں معاف فرما دے گا اور ان میں سے اگر کوئی بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کے لیے بھی اللہ کی رحمت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے عفو و درگزر کی گنجائش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا' پھر میرے جسم کو پیسنا اور میری راکھ کو سمندر میں ہوا کے اندر اڑا دینا۔ پس بہ خدا اگر میرا رب مجھ پر قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا؟ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا تمہارے اس فعل کا محرک کیا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تیرا خوف۔ سو اللہ نے اس وجہ سے اس کو بخش دیا۔ (صحیح مسلم' التوبہ' ۲۵' (۲۷۵۶) ۶۸۴۸' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۵' سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۷۹)

اس حدیث میں ہے کہ اگر بہ خدا میرا رب قادر ہوا تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ (الحدیث) اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس شخص کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک کرنا کفر ہے۔ اس اعتراض کے متعدد جواب ہیں۔

۱- اس شخص کے قول میں "قدر" قدرت سے ماخوذ نہیں ہے' بلکہ قضاء قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے میرے لیے عذاب مقرر کر دیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہو گا۔

۲- "قدر" اس قول میں تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر میرے رب نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ (الفجر: ۱۶) سو اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا۔

فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ (الانبیاء: ۸۷) یونس نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

۳- "قدر" قدرت ہی کے معنی میں ہے۔ لیکن اس شخص نے سوچ سمجھ کر یہ لفظ نہیں کہا اور اس نے جو یہ کہا اگر اللہ عذاب دینے پر قادر ہوا تو اس کو ایسا عذاب دے گا اس کلام سے اس کا یہ قصد اور ارادہ نہیں تھا کہ اس کو اللہ کی قدرت پر شک ہے۔ بلکہ اس نے خوف' دہشت اور سخت گھبراہٹ کی کیفیت میں بغیر تدبر اور تفکر کے یہ الفاظ کہے۔ جیسے کوئی شخص غفلت اور نسیان سے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جاتی' جیسے ایک شخص کو اپنی گم شدہ اونٹنی مل گئی تو اس نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے شدت فرح اور خوشی کے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا تھا تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں اسی طرح اس نے غلبہ خوف اور دہشت کی وجہ سے سہواً یہ الفاظ کہے اور اس سے اس کی تکفیر نہیں ہوتی۔

۴- عربوں کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ یقینی امر کو شک کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ (سبا: ۲۴) آپ کہئے تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہئے اللہ! اور بے شک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

اسی طرح اس شخص کو اللہ کی قدرت پر یقین تھا لیکن اس امر کو شک کی صورت میں بیان کیا۔

۵- وہ شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا اور جو شخص اللہ کی کسی صفت سے جاہل ہو اس کی تکفیر متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری اس کی تکفیر کرتے ہیں' دیگر ائمہ نے کہا کہ اللہ کی صفت سے جہل کفر نہیں ہے' اس کی صفت کا انکار کفر ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے۔

۶- وہ شخص زمانہ فترت میں تھا اور اس کے لیے صرف توحید کو ماننا کافی تھا' اور صحیح مذہب یہ ہے کہ شریعت نازل ہونے سے پہلے کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا (الاسراء: ۱۵) ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

۷- اس شخص نے خود کو حقیر اور مستحق عذاب قرار دینے کے لیے اور اللہ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے یہ کہا تھا' اس کو اللہ کی قدرت پر شک نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے پوچھا تم نے کوئی نیکی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرشتوں نے کہا یاد کرو۔ اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ جو تنگ دست ہو اس کو مہلت دینا اور خوش حال پر سختی نہ کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔ حضرت حذیفہ کی ایک اور روایت میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس چیز کا میں تم سے زیادہ حقدار

ہوں' میرے بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح مسلم' المساقاة' ۲۶'(۱۵۶۰)۳۹۱۷' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث:۲۰۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث:۲۴۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا۔ اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک ٹہنی دیکھی' اس نے اس کو راستہ سے ایک طرف کر دیا' اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے اس شخص نے کہا بہ خدا میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا' تاکہ ان کو ایذاء نہ پہنچے۔ تو وہ شخص جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم' البر والصلة' ۱۲۸' ۱۲۷' (۱۹۱۴) ۶۵۴۷' ۶۵۳۶' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث:۲۴۷۲' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۸۴' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث:۵۳۶' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۱۱۳۴' الموطاء' رقم الحدیث:۲۹۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۲۱' طبع قدیم)

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ایمان کی گھاٹیوں میں سے ہے' خواہ وہ کانٹوں کی ٹہنی ہو' شیشہ کا ٹکڑا ہو' کیلے یا آم کا چھلکا ہو' کوئی گندی چیز ہو یا مردار ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں جا رہا تھا اس کو بہت سخت پیاس لگی' اس نے ایک کنواں دیکھا' اس میں اتر کر پانی پیا۔ پھر وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جتنی مجھے لگی تھی' وہ کنوئیں میں اترا اور اس نے اپنے موزہ میں پانی بھرا' پھر موزہ کے منہ کو بند کر کے کنوئیں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس فعل کو مشکور کیا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے سے بھی ہمیں اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر میں اجر ہے۔

(صحیح مسلم' سلام' ۱۵۳' (۲۲۴۴)۵۷۵۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث:۲۳۶۳' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث:۲۵۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زانیہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو کنوئیں کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا جس نے پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالی ہوئی تھی' اس عورت نے اپنے موزہ میں اس کے لیے پانی بھرا' تو اس عورت کو بخش دیا گیا۔ (صحیح مسلم' سلام' ۱۵۴' (۲۲۴۵) ۵۷۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں داخل ہو گئی' اس نے اس بلی کو باندھ کر رکھا' اس کو خود کھلایا نہ اس کو آزاد کیا' تاکہ وہ زمین سے کچھ اٹھا کر کھا لیتی۔ حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۲۶' (۲۷۵۶) ۶۸۵۰' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث:۲۳۶۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث:۱۴۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث:۴۲۵۶' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۸۱۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۱۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۱' ۱۸۱' ۱۵۹' طبع قدیم)

آثار رحمت کی احادیث ذکر کرنے کے بعد ہم نے آخر میں آثار غضب کی بھی ایک حدیث درج کر دی ہے' تاکہ کوئی شخص صرف رحمت پر نظر کرتے ہوئے گناہوں پر بے باک نہ ہو جائے' کیونکہ اگر وہ ایک کتے کو پانی پلانے پر عمر بھر کے گناہ معاف کر کے جنت عطا فرماتا ہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار دینے پر غضب میں آ کر دوزخ میں بھی ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اس کی دونوں صفتوں پر نظر رہے اور ایمان' عذاب کے خوف اور ثواب کی امید کی درمیانی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے' وہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ آپ کہئے 'کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ آپ کہئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں اور یہ کہ تم ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ آپ کہئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں' جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا اور یہی بہت واضح کامیابی ہے۔

(الانعام: ۱۶-۱۳)

مغفرت' نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ اعمال

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے یہ نبوت کا دعویٰ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہم تمہارے لیے اس قدر مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے غنی ہو جاؤ گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رات اور دن میں جو چیز بھی متحرک ہے یا ساکن' یا جو چیز بھی سکونت پذیر ہے' وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا آپ کہئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب' ناصر اور معبود بنالوں؟ کیا میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دوں؟ جو اپنی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے اور وہ اپنی حیات اور بقا میں کسی غذا کا محتاج نہیں ہے۔

اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سب سے سابق ہیں' اس لیے آپ کو سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا اور شرک کرنے سے منع کیا۔ پھر فرمایا کہ آپ کہئے اگر میں بھی بالفرض اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس میں امت کے لیے تعریض ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم ہیں جن کی وجہ سے ان گنت گنہگار بخشے جائیں گے' جب وہ بھی اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیے۔ پھر فرمایا جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا' بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا۔

معتزلہ یہ کہتے تھے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر و ثواب دینا اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں اور فاسقوں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس شخص سے اس دن عذاب دور کر دیا گیا تو بے شک اس پر اللہ نے بہت رحم فرمایا' اور یہ کہنا اسی وقت مستحسن ہو گا جب نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا اللہ کا فضل اور احسان ہو۔ اگر ان کو عذاب سے بچانا اللہ پر واجب ہوتا' تو پھر ان کو عذاب سے بچانا اللہ تعالیٰ کا رحم نہ ہوتا' بلکہ یہ ان کا حق ہوتا۔ اور اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نیک مسلمانوں کو عذاب سے بچانا محض اس کا رحم و کرم اور فضل و احسان ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم' منافقین ۷۵' (۲۸۱۶) ۶۹۸۴' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۶۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۱' سنن

دارمی‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۷۷۳‘ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۷۲۰۲‘ طبع قاہرہ‘ مسند احمد‘ ج ۲‘ ص ۲۵۶‘ ۲۳۵‘ طبع قدیم)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا‘ ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں گے‘ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا‘ ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔ (صحیح البخاری‘ ج ۸‘ رقم الحدیث: ۷۴۵۵‘ مسند احمد‘ ج ۳‘ ص ۲۰۸‘ طبع قدیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں‘ وہ اس مسلمان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۱۲۴۸‘ سنن نسائی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۱۸۷۲‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۶۰۵‘ مسند احمد‘ ج ۲‘ ص ۵۱۰‘ طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو‘ کیونکہ اللہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرے‘ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا کرے‘ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم‘ مسافرین‘ ۶۸‘ (۷۱۳) ۱۶۳۲‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۴۶۵‘ سنن نسائی‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۷۲۹‘ سنن کبریٰ للنسائی‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۱۰۰۰۵‘ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی‘ رقم الحدیث: ۹۱‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۷۷۲‘ سنن دارمی‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۱۳۹۴‘ ج ۲‘ ۲۶۹۱‘ مسند احمد‘ ج ۵‘ ص ۴۲۵‘ طبع قدیم)

نبی ﷺ نے استخارہ کی جو دعا تعلیم فرمائی ہے‘ اس میں ایک جملہ یہ ہے:

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۱۱۶۲‘ سنن نسائی‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۳۲۵۳‘ مسند احمد‘ ج ۳‘ ص ۳۴۴‘ طبع قدیم)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا‘ آپ نے فرمایا اے قبیصہ تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے‘ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا اے قبیصہ! تم کسی پتھر‘ درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزرو گے‘ مگر وہ تمہارے لیے استغفار کرے گا۔ اے قبیصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ" تم نابینا ہونے‘ جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے۔ اے

قبضہ! تم یہ دعا کرو اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں' تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت بکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ (مسند احمد' ج ۵' ص ۶۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرائت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرتے تھے۔ (مسند احمد' ج ۲' ص ۴۴۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع قدیم)

اللہ کے فضل اور رحمت سے دخول جنت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب اور عذاب ثابت نہیں ہوتا اور نہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور شرع سے ثابت ہوتے ہیں۔ نیز اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' تمام جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی سلطنت ہے۔ وہ جو چاہے' کرے۔ اگر وہ تمام اطاعت کرنے والوں اور صالحین کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہو گا اور جب وہ ان پر اکرام اور احسان کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کردے گا تو یہ اس کا فضل ہو گا اور اگر وہ کافروں پر اکرام کرے اور ان کو جنت میں داخل کردے تو وہ اس کا بھی مالک ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کی خبر کا کذب ہونا محال ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مومنوں کی مغفرت کردے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا' اور یہ اس کا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کو عذاب دے گا اور ان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا۔ اس کے برخلاف معتزلہ کہتے ہیں کہ احکام تکلیفیہ عقل سے ثابت ہیں اور نیک اعمال کا اجر و ثواب دینا واجب ہے۔

ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی اطاعت کی وجہ سے جنت کا مستحق نہیں ہے' بلکہ جنت کا مدار عمل پر نہیں محض اللہ کے فضل پر ہے۔ البتہ بعض آیتیں بظاہر معتزلہ کی موید ہیں۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النحل: ۳۲)	ان اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم کرتے تھے۔
وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف: ۷۲)	اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے ہو' ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے

یہ آیتیں اور اس نوع کی دوسری آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت میں دخول کا سبب نیک اعمال ہیں' لیکن نیک اعمال کی توفیق اور اعمال میں اخلاص کی ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے تو حاصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت محض عمل سے نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے' اس کی توفیق اور ہدایت نہ ہو تو کوئی نیک عمل کیسے کر سکتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک جنت میں دخول کا صوری اور ظاہری سبب ہے اور ایک حقیقی سبب ہے۔ ظاہری اور صوری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ ان آیتوں میں ظاہری سبب یعنی اعمال کی طرف دخول جنت کی نسبت فرمائی ہے اور جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں' ان میں دخول جنت کی نسبت حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف فرمائی ہے اور عمل کی جو نفی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ دخول جنت کا حقیقی سبب اعمال نہیں ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بعض علماء نے کہا جنت میں دخول ایمان کی وجہ سے ہو گا۔ درجات اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت میں

دوام مومن کی نیت کی وجہ سے ہو گا' کیونکہ مومن کی نیت ہمیشہ ایمان پر قائم رہنے کی ہوتی ہے' اس لیے اس کو اجر و ثواب بھی ہمیشہ ہمیشہ ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے' اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہ بہت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۸-۱۷)

حقیقی حاجت روا' کارساز اور مستعان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا آپ کہیے' کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کھلایا نہیں جاتا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاجت روا نہیں ہے اور اسی مطلوب پر یہ آیت دلیل ہے کہ اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر: ۲)

اللہ رحمت سے لوگوں کے لیے جو چیز کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ معنی حدیث صحیح میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نماز کے بعد جو ذکر کرتے تھے' اس میں یہ جملہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز کے بعد ذکر کرتے تھے..... اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور کوئی طاقتور اپنی طاقت سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتا۔ (صحیح مسلم' المساجد' ۱۳۷' (۵۹۳) ۱۳۴۳' صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۶۱۵' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵۰۵' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۴۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو' تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۰۴' ۲۷۶۳' ۲۶۶۹' طبع قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۸۰۴' ۲۷۶۳' ۲۶۶۹' طبع جدید' دارالفکر' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۰۷' ۳۰۳' ۲۹۳' طبع قدیم' دارالفکر' مسند ابو یعلیٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۵۶' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۵۶۰' ۱۱۲۱۶' ۱۱۲۴۳' کتاب الدعا للطبرانی' رقم الحدیث: ۴۱' مسند الشہاب' ۷۴۵' المستدرک' ج ۳' ص ۵۴۱' مصابیح السنہ' ج ۳' ص ۴۴' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ۴۲۷' مطبوعہ کراچی' مشکوۃ المصابیح'

ص ۴۵۳، طبع کراچی)

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو فقر، مرض، غم اور ذلت کی وجہ سے جو مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان مصائب اور شدائد کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور رنج والم کو اس کے سوا کوئی زائل کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح صحت، دولت، عزت اور اولاد کا بھی صرف وہی دینے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں اس کی سلطنت اور فرمانروائی ہے، اسی کا غلبہ اور اسی کی کبریائی ہے، بڑے بڑے بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کی گردنیں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ تمام انبیاء، رسل اور فرشتے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، سب اسی سے سوال اور دعا کرتے ہیں۔ وہی سب کا داتا ہے اور سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے، وہی کارساز مطلق ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔ اس لیے اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اپنے رب سے اس کا سوال کرے۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے (ہر) ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی حاجت میں اپنے رب سے سوال کرے، حتیٰ کہ نمک کا بھی اس سے سوال کرے اور جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اس سے سوال کرے۔ (سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۲۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اگر کسی شخص کی دعا فوراً قبول نہ ہو تو اس کو مایوس ہو کر دعا ترک نہیں کرنی چاہیے، بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اس قدر ہاتھ بلند کر کے اللہ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہو جائیں اللہ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہے کہ میں نے سوال کیا اور میں نے سوال کیا اور مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ وہ کہتا ہے میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۱۹، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۲۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یا تو اس کا مطلوب اسے فوراً دنیا میں دے دیا جاتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں اس کا اجر ذخیرہ کیا جاتا ہے یا اس دعا کے بہ مقدار اس کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ کی یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور عجلت نہ کرے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! عجلت کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ کہے میں نے اپنے رب سے دعا کی، اس نے میری دعا قبول نہیں کی۔

(سنن ترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۶۷۸، صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۶۳۴۰، صحیح مسلم (۲۷۳۵) سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۴۸۴، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۴۹۵، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۰۷، طبع جدید، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ سوال یہ ہے کہ اس سے

عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مصائب نازل ہو چکے ہیں اور جو نازل نہیں ہوئے ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! دعا کیا کرو۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۵۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے' اس کو چاہیے کہ راحت کے وقت بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۹۳' المستدرک' رقم الحدیث: ۱۹۹۷)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حیادار' کریم ہے۔ وہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ اٹھائے اور وہ ان ہاتھوں کو نامراد اور خالی لوٹادے۔

(سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۵۶۷' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۶۵)

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا' حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے' کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں' انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر دوا کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے' قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے' بلکہ آپ نے دو گنہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔ (صحیح بخاری' ۲۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں' حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔ (شفاء' ج ۱' ص ۲۱۳) امام بخاری نے بھی حضرت علی کی آنکھوں کی شفا کی حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۷۰۱) نیز امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کی حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ج ۵' رقم الحدیث: ۴۲۰۶) اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عتیک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۰۳۹)

ایسے بہ کثرت واقعات ہیں' اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے مخالف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے' اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں' وہ اللہ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ محض سبب ہیں شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ: ۷۴) اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا" سو معلوم ہوا ایسا کہنا جائز ہے۔ البتہ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے غنی کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۳۷) اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ منعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے انعام فرمایا' مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ (مریم: ۱۹) (جبرائیل نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں' تا کہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی ہے' کیونکہ اللہ نے حضرت جبرائیل کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

(مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۸' ۱۲۷' المعجم الکبیر' ج ۱۸' ص ۲۵۲' مسند البزار' ج ۳' ص ۱۱۳' موارد الظمآن' ص ۵۱۵' المستدرک' ج ۲' ص ۶۰۰' حلیہ الاولیاء' ج ۶' ص ۸۹' دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۱۳۰' شرح السنہ' رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مصابیح السنہ' ج ۴' ص ۳۸)

اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کی دعا منظور فرمائے تو ان کی دعا سے بھی اولاد ہو سکتی ہے' لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے دعا کی درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارا فلاں مطلوب پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کرام کی ایسی عزت' وجاہت اور مقبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے اور رد نہیں فرماتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرب بندہ کو جب اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۲' مخلصا)

حدیث میں بھی غنی کرنے کا اسناد اللہ اور رسول دونوں کی طرف کیا گیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا' آپ کو بتایا گیا کہ ابن جمیل' حضرت خالد بن ولید اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے صدقہ دینے سے منع کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابن جمیل کو تو صرف یہ بات ناگوار ہوئی ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا اور رہا خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو' اس نے اپنی زرہ محفوظ رکھی ہے اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے' اور رہے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عم (محترم) ہیں۔ جتنا صدقہ ان پر واجب ہے ان سے اتنا اور وصول کیا جائے (یعنی ان کے بلند رتبہ کی وجہ سے ان سے دگنی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ سعیدی غفرلہ)

ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ حقیقتاً بلاواسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے' تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے مقربان حضرت رب العزت' خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں غنی اور شاد کام کرتے ہیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے ؛ آپ کہیے اللہ ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس (تک) یہ پہنچے - کیا تم ضرور

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں ؛ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا - آپ کہیے کہ وہ صرف

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ

ایک مستحق عبادت ہے اور بیشک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ○ جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا

دی ہے وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○

وقف غفران — وقف لازم — ع ۸ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہیے اللہ' میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے' کیا تم ضرور یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں؟ آپ کہیے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہیے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔ (الانعام: ۱۹)

ان لوگوں کی تفصیل جن کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کو آپ کے سوا رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا؟ ہمیں کوئی شخص نہیں ملا جو آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرے۔ ہم نے یہود اور نصاریٰ سے آپ کے رسول ہونے کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی نبوت کی گواہی کون دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ کہیے: کہ کس کی گواہی سب سے بڑی

ہے؟ آپ کہئے' اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے' کیونکہ سب سے بڑی گواہی اللہ سبحانہ کی ہے اور جب وہ اس کو مان لیں تو آپ بتائیں کہ میری نبوت پر اللہ گواہ ہے۔ کیونکہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے اور یہ قرآن معجزہ ہے' کیونکہ تم فصحاء اور بلغاء ہو اور تم اس قرآن کا معارضہ کرنے اور اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے ہو اور جب یہ قرآن معجزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا اس قرآن کو مجھ پر نازل کرنا میرے دعویٰ نبوت کے موافق ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے نبی ہونے کی شہادت ہے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے' اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں (اور ان کو) جن تک یہ پہنچے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف سے تبلیغ کرو' خواہ ایک آیت ہو۔ اور بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو' کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۶۱' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۷۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۹۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۲۵۶)

جن لوگوں کو قرآن اور حدیث کی تبلیغ کی گئی' نبی ﷺ نے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت اور علم کو دے کر مجھے بھیجا ہے' اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر برسی' ان میں سے بعض زمینیں زرخیز تھیں۔ انہوں نے پانی کو قبول کر لیا اور تر اور خشک گھاس کو اگایا اور بعض غیر زرعی زمینیں تھیں' ان میں پانی جمع ہو گیا' اللہ نے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے پانی پیا' اپنے مویشیوں کو پلایا اور کھیتوں کو پانی دیا اور ایک اور زمین کی قسم پر بارش ہوئی جو بنجر تھی' اس نے پانی جمع کیا' نہ کچھ اگایا۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جو دین دے کر مجھے بھیجا ہے' اس سے نفع پایا۔ اس نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

پہلی مثال کے مصداق ائمہ مجتہدین ہیں' دوسری مثال کے مصداق محدثین ہیں اور تیسری مثال کے مصداق کفار اور منافقین ہیں۔

بعض روایات میں مذکور ہے۔ جس شخص کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت پہنچ گئی اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ گیا' خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ مقاتل نے کہا جن اور انس میں سے جس کے پاس قرآن پہنچ گیا' وہ اس کو ڈرانے والا ہے۔ اور قرطبی نے کہا جس کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا کہ اس نے سیدنا محمد ﷺ کو دیکھا اور آپ سے سنا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابونعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس قرآن پہنچ گیا گویا اس نے مجھ سے بالمشافہ سنا۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے آپ کہئے کہ مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے' تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ قرآن پہنچے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں

تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے' ان سے احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو شیخ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ نے پوچھا تم نے ان کو اسلام کی دعوت دی ہے؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے نیز یہ آیت بھی اس مطلوب پر دلیل ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء: ۱۵)
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں' جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کہئے کہ وہ صرف ایک مستحق عبادت ہے اور بے شک میں ان (سب) سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے صرف کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے' بلکہ یہ ضروری ہے کہ اپنے پچھلے دین کے باطل ہونے کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس سے برائت اور بیزاری کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس (نبی) کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

اہل کتاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا

اس سے پہلی آیت کے شان نزول میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ کفار نے یہ کہا تھا کہ ہم نے آپکی نبوت کے متعلق یہود و نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں ان کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسکا ایک جواب اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں دیا کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور آپکی نبوت پر اللہ گواہ ہے اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا کہ اہل کتاب کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ آپکی نبوت کو نہیں پہچانتے' بلکہ وہ اپنے بیٹوں کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا آپکو پہچانتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان ہو چکے تھے' انہوں نے کہا بخدا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے' کیونکہ ہماری کتاب میں آپ کی صفت اور شناخت مذکور ہے اور رہے ہمارے بیٹے تو ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیویوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۱۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے ہیں' تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے متعلق سوال کروں گا جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت پہلے کون سا طعام کھائیں گے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی ان چیزوں کی جبرائیل نے خبر دی ہے۔ عبداللہ نے کہا فرشتوں میں وہ یہودیوں کا دشمن ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی علامت ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی' اور اہل جنت جو طعام سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور بچے کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد عورت سے عمل تزویج کرتا ہے تو اگر مرد کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر

عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر کہا یا رسول اللہ! یہود کو اگر میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو گیا تو وہ مبہوت ہو جائیں گے۔ سو یہود آئے اور عبداللہ گھر میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبداللہ اسلام لے آئیں تو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے پناہ میں رکھے۔ تب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ" تو انہوں نے کہا یہ ہم میں سب سے بدتر شخص ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے۔

(صحیح البخاری 'ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۲۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۲ھ)

ابو حمزہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل کی ہے کہ اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ بتاؤ! یہ معرفت کیسی تھی؟ حضرت ابن سلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی صفت اور نعت بیان کی ہے' ہم آپ کو اس صفت اور نعت سے پہچانتے تھے۔ جب ہم نے آپ کو تمہارے درمیان دیکھا تو ہم نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو دوسرے لڑکوں کے درمیان پہچان لیتا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے سیدنا محمد ﷺ کی معرفت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی' کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کی ماں کیا کرتی رہی تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

(روح المعانی 'جزء ۷ 'ص ۱۲۰ 'مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معرفت دلائل سے حاصل ہوئی تھی' کیونکہ نبی ﷺ مسلسل غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور غیب پر مطلع ہونا بدوں وحی کے متصور نہیں تھا۔ نیز آپ سے متواتر معجزات کا ظہور ہو رہا تھا اور سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم تھا۔ اس لیے جو شخص بھی ان دلائل میں غور کرتا اسے آپ کی نبوت کا عرفان ہو جاتا' اولاد کے نسب کے متعلق کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں تھی اور آپ کی نبوت کے بارے میں بہت دلائل تھے' اور یہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی علامات سے آپ کو پہچان لیا تھا۔ کیونکہ اول تو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی اور ثانیاً وہ علامات شرق و غرب میں پھیلے ہوئے سب یہودیوں کو کب معلوم تھیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی ان علامات کو آپ پر منطبق کر لیتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۲۰)

کفار کے اخروی نقصان کا معنی

یعنی جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو پہچانتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے عناداً آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس انکار سے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا' کیونکہ ان کو اب دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ خسارہ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک جنت بنائی ہے' تاکہ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کو اس جنت میں داخل کر دیا جائے' اور اس کے لیے ایک دوزخ بنائی ہے' تاکہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے' اور قیامت کے دن کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی اور مسلمانوں کی دوزخیں کافروں کو دے دی جائیں گی اور یہ کافروں کا نقصان ہے کہ اپنی جنتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور اس کے بدلہ میں دوزخیں ملیں گی اور مسلمانوں کو اپنی جنتیں بھی ملیں گی اور وہ کافروں کی جنتوں کے بھی وارث ہوں گے' اس لیے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے:

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہی وارث ہیں' جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(المؤمنون: ۱۱-۱۰)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے ، بیشک ظالم

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۱) وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

فلاح نہیں پائیں گے ○ اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے ، پھر مشرکین سے کہیں گے

اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۲۲) ثُمَّ لَمْ تَكُنْ

تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے ○ پھر وہ صرف یہی فتنہ

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (۲۳) اُنْظُرْ

اٹھائیں گے کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○ دیکھیے انہوں نے

كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۲۴)

اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے ○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ

آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے ، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے

حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۵) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ

قصہ کہانی ہے ○ اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ

إِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے' بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ٢١)

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لگائے ہوئے بہتانوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے دو ظلم بیان فرمائے ہیں۔ ایک ظلم ہے اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا اور دوسرا ظلم ہے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔ اللہ پر جھوٹا بہتان لگانے کی تفصیل یہ ہے کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے شریک ہیں اور اللہ سبحانہ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے' نیز کفار مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے بحیرہ' سائبہ' حامی اور وصیلہ سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیا تھا' اور وہ اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی شریعتیں غیر منسوخ ہیں اور ان کے نبیوں کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خصوصاً یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور دوزخ کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی اور ان میں سے بعض جہلاء یہ کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اور خصوصاً نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں' اور یہود و نصاریٰ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ ان کے سوا اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

ان کا دوسرا ظلم اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے' یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے ان کو جھٹلا دیا اور قرآن مجید جو نبی ﷺ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے' باوجود اس کے کہ وہ اس کی نظیر لانے کے چیلنج کو پورا نہیں کر سکے' انہوں نے اس کو کھلا جادو کہا' کبھی شعر و شاعری کہا اور کبھی گزرے ہوئے لوگوں کی داستان کہا اور کبھی کہا یہ محض ان کے تخیلات ہیں۔ انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے' پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے؟ پھر وہ صرف یہی فتنہ اٹھا سکیں گے کہ کہیں: اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

(الانعام: ٢٤-٢٢)

روز قیامت مشرکین کی ناکامی اور نامرادی

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کرنے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے ان سے سوال فرمائے گا تمہارے وہ شرکاء اور جھوٹے معبود اور پتھر کی مورتیاں کہاں ہیں جن کے متعلق تم دنیا میں یہ زعم کرتے تھے کہ یہ تمہارے کارساز ہیں اور مددگار ہیں اور وہ تمہیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری شفاعت کر کے تمہیں عذاب سے چھڑا لیں گے' اب وہ کہاں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَ يَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (القصص: ۶۲)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کر کے فرمائے گا' میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔

وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَآؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام: ۹۴)

ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں' بے شک تمہارا (خود ساختہ) ربط ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ ٹوٹ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی زعم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے جھوٹا قول۔
جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ سوال فرمائے گا تو وہ اس کے جواب میں حیران اور پریشان ہوں گے اور کوئی صحیح اور معقول جواب ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور اس کے سوا انہیں کوئی بات نہیں سوجھے گی کہ وہ دنیا میں اپنے کیے ہوئے شرک کا انکار کر دیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی مغفرت اور بخشش ہو رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم بھی مشرک نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے نزدیک ان کا کوئی گناہ بھاری نہیں ہوگا۔ جب مشرکین یہ ماجرا دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش رہا ہے اور شرک کو نہیں بخش رہا' آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گنہ گار ہیں' مشرک نہیں ہیں۔ جب وہ اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے مونہوں پر مہر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے' اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ○ (النساء: ۴۲)

جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی' اس دن وہ تمنا کریں گے' کاش! ان پر زمین ہموار کر دی جائے اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا یہ آیت منافقین کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا چودھویں رات کو جب بادل نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی تکلیف تم کو سورج یا چاند کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا' اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی؟ کیا میں نے تجھے زوجہ نہیں دی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا! وہ بندہ کہے گا' کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے' جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا' کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں

دی؟ کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی؟ کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے؟ اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور آرام کی حالت میں نہیں چھوڑا؟ وہ شخص کہے گا' کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اس سے اسی طرح فرمائے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ پر' تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا' میں نے نماز پڑھی' روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابھی پتا چل جائے گا' پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں' وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا' میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران' اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا' تم بولو! پھر اس کی ران' اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال بیان کریں گی اور یہ اس لیے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات میں اس کے خلاف حجت قائم ہو۔ یہ وہ منافق ہو گا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔

(صحیح مسلم' الزہد' ۱۶' (۲۹۶۸) ۷۳۰۴' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۳۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا مشرکین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ بتوں کی عبادت ہمیں اللہ کے قریب کر دیتی ہے اور منافقین کا جھوٹ یہ تھا کہ انہوں نے جھوٹے عذر پیش کیے اور اپنے نفاق کا انکار کیا۔

پھر فرمایا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے' یعنی دنیا میں ان کا جو یہ گمان تھا کہ ان کے بت ان کی شفاعت کریں گے وہ باطل ہو گیا۔ یا اللہ کو چھوڑ کر وہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے' وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے اور ان سے کسی عذاب کو دور نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں' تاکہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے۔ (الانعام: ۲۵)

شان نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب' ولید بن مغیرہ' نضر بن الحارث' عتبہ' شیبہ بن ربیعہ کے دونوں بیٹے' امیہ اور ابی بن خلف۔ رسول اللہ ﷺ کی باتیں کان لگا کر سن رہے تھے تو انہوں نے نضر سے کہا اے ابو قتیلہ (سیدنا) محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے میرے اور ان کے کلام سننے کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی ہے' میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ میں صرف ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں' وہ پچھلے لوگوں کی داستانیں ہیں جیسا کہ میں تمہیں گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں سناتا ہوں۔ اور نضر پچھلے لوگوں کے قصے بہت زیادہ بیان کرتا تھا۔ وہ قریش کو واقعات بیان کرتا تھا اور وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول' ص ۲۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

کفار کے کانوں پر ڈاٹ لگانے پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے کانوں میں ڈاٹ (گرانی) تھی اور ان کے دلوں پر پردے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کوئی بات نہ سنتے اور کسی بات کو نہ سمجھتے۔ حالانکہ وہ لوگوں کی باتیں سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور نہ سمجھتے تھے تو اس کے معارض اس آیت کا آخری حصہ ہے جس میں فرمایا ہے جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے کہ یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے کلام کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے' البتہ مانتے نہیں تھے۔

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ سننے سے مقصود یہ تھا کہ وہ سن کر اس سے نفع حاصل کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور سمجھنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ نکالتے اور یہ اعتراف کر لیتے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے اور کوئی انسان اس کی نظیر نہیں لا سکتا اور نبی ﷺ کی نبوت کو مان لیتے اور جب انہوں نے سننے اور سمجھنے کے مقصود کو پورا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں' تاکہ وہ آپ کی بات سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے' پھر اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور جب ان کے کانوں میں اللہ نے گرانی رکھی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ نے پردے ڈال دیئے ہیں تو وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے' پھر ان کی مذمت کی کیا وجہ ہے؟ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ان کے کانوں میں اللہ نے ڈاٹ لگا دی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کا ایمان لانا ممکن نہیں رہا' پھر ان کو ایمان لانے کا مکلف کرنا کس طرح درست ہو گا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا (البقرہ: ۲۸۶) — اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے عناد اور بغض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایسی شدید گستاخی کی' جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حق کو سننے کے لیے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور حق کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے' جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْہَا بِکُفْرِہِمْ (النساء: ۱۵۵) — بلکہ انکے کفر کی وجہ سے انکے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَہُمْ لَا یَفْقَہُوْنَ (المنافقون: ۳) — یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی تھی اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تھے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا جاننے کے خوگر اور عادی ہو گئے تھے' کیونکہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے اور دلائل میں صحیح طریقہ سے غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان میں گمراہی اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انکار کی ایسی حالت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں حق نافذ نہیں ہو سکتا تھا اور ان کے کانوں میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ حق بات کو سننا انہیں بہت ناگوار ہوتا تھا اور ان کے دلوں اور کانوں میں اس کیفیت کا پیدا کرنا ان کو کفر اور گمراہی پر مجبور کرنا نہیں تھا' بلکہ انہوں نے اپنے اختیار سے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کو جو اختیار کیا تھا' یہ اس کی سزا اور تعزیر تھی' تو چونکہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتا ہے اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے پیدا کیا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی رکھی ہے اور چونکہ اس کو پیدا کرنے کا سبب ان کافروں کا اپنا ارادہ' اختیار اور کسب تھا' اس وجہ سے ان کی مذمت فرمائی اور آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے' اس لیے ان کو ایمان کا مکلف کرنا بھی صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار از راہ تکبر خود کہتے تھے ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ آپ کی باتیں سننے کے لیے ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور آپ کے اور ہمارے درمیان مضبوط پردہ حائل ہے۔

بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ (حم السجدہ: ۴-۵)

بشارت دیتا ہوا اور ڈراتا ہوا' سو اکثر کافروں نے منہ پھیر لیا پس وہ نہیں سنتے ○ اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو' ہمارے دلوں میں اس کے لیے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضبوط حجاب ہے تو آپ اپنا کام کریں' بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

کفار یہ ظاہر کرتے تھے کہ رسول کا کلام ان کے سننے کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا نہیں بلکہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم کو ہمارے رسول کا کلام سنایا جائے' تو جس طور سے انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے دلوں پر پردے ہیں' اسی طور سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے کانوں میں ڈاٹ ہم نے لگائی ہے اور تمہارے دلوں پر پردے ہم نے ڈالے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کافروں نے حق کو سننے اور اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے مسلسل اعراض کیا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر اصرار کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انکار اور اعراض کی حالت کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی جس کے دل پر پردے ہوں اور اس کے کانوں میں گرانی ہو' سو اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً ان کے دلوں پر اللہ نے پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق سے ان کی مسلسل روگردانی ایسی ہے جیسے ان کے دلوں پر پردے ہوں اور ان کے کانوں میں گرانی ہو' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (القمان: ۷)

اور جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس نے تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیرلی' گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں گرانی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ختم اللہ علی قلوبھم کی تفسیر میں' میں نے اس پر مفصل لکھا ہے۔ وہاں پر میں نے صرف پہلے جواب کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے لکھا ہے اور یہاں پر دو مزید جواب ذکر کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ۲۶)

ایمان ابو طالب کی تحقیق

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے سے

روکتے ہیں اور آپ سے دور بھاگتے ہیں یا وہ لوگوں کو قرآن مجید کے سننے اور اس کو ماننے سے روکتے ہیں اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ اس طرز عمل سے صرف اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے۔

اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب' نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور خود آپ کی نبوت پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے سے دور رہتے تھے' یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے اور ان کے علاوہ قاسم بن مخیمرہ اور عطا بن دینار سے بھی ماثور ہے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۲۹-۲۲۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتے تھے اور خود نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتے تھے۔ یہ عطا بن دینار اور قاسم بن مخیمرہ کا قول ہے اور مقاتل نے کہا کہ ابوطالب کے پاس نبی ﷺ تشریف فرما تھے' آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو قریش ابوطالب کے پاس جمع ہو گئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے چند اشعار پڑھے' جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگوں سے آپ کا دفاع کرتے ہیں اور خود آپ کی تصدیق سے دور رہتے ہیں۔

(اسباب النزول' ص ۲۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ان روایات کے مطابق ابوطالب کا ایمان اور اسلام ثابت نہیں ہے اور حسب ذیل احادیث اس کی موید ہیں۔

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آپہنچا' تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے چچا! ایک بار "لا الہ الا اللہ" کہو تو میں تمہارے حق میں اسلام کی گواہی دوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے' اے ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ رہے ہو' رسول اللہ ﷺ مسلسل ابوطالب کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ بہر حال! ابوطالب نے جو آخری الفاظ کہے' وہ یہ تھے میں اپنے باپ عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہ خدا میں اس وقت تک تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے روک نہ دے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) نبی اور مسلمانوں کے لیے مشرکین کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو (التوبہ: ۱۱۳) اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی (ترجمہ) ہر وہ شخص جس کو آپ چاہیں آپ اس میں ہدایت جاری نہیں کر سکتے۔ البتہ! اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے بخوبی واقف ہے۔ (القصص: ۵۶)

(صحیح مسلم' الایمان' ۳۹' (۲۴) ۱۳۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۷۵' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۳۵' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۳۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ یہ

بے صبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے' لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (القصص: ٥٦)

(صحیح مسلم الایمان' ٤٢' (٢٥) ١٣٤' صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٧٧٢' سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣١٩٩' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ٩٦٦١' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ٦٢٧٠' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ٢' ص ٣٤٥-٣٤٤)

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے' آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ (صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٨٨٣' صحیح مسلم' الایمان' ٣٥٧' (٢٠٩) ٥٠٠)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا' نبی ﷺ کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا' اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی' جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔ (صحیح البخاری' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٨٨٥' صحیح مسلم' الایمان' ٣٦٠' (٢١٠) ٥٠٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابو طالب کو ہو گا' اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔

(صحیح مسلم' الایمان' ٣٦٢' (٢١٣) ٥٠٣' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٦٥٦١' سنن ترمذی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٦١٣' مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٨٣١٨' صحیح ابن حبان' ج ١٦' رقم الحدیث: ٧٤٧٢)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہو گا جس کے پیروں کے تلووں میں دو انگارے ہوں گے' جس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہو گا جس طرح پیتل کی دیگچی میں پانی کھولتا ہے۔ (صحیح مسلم' الایمان' ٣٦٣' (٢١٣) ٥٠٥' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٦٥٦١)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا' آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا' اس کو زمین میں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ' اپنے باپ کو زمین میں دفن کر دو۔ (سنن النسائی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٠٠٥)

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابو طالب فوت ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کر دو۔ جب میں دفن کر کے نبی ﷺ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کر لو۔

(مسند احمد' ج ١' ص ١٣١' ١٣٠' ١٠٣' ٩٧' طبع قدیم' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ٢' ص ٣٤٨)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا' وہ فوت ہو گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٣' ص ٣٤٨' مطبوعہ کراچی' ١٤٠٦)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت اور وہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) منع کرتے ہیں اور خود

ان سے دور رہتے ہیں (الانعام: ۲۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتا تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین سے دور رہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۳۴۱' مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق مفسرین کے مذاہب کی تصریحات

التوبہ: ۱۱۳ کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ امام احمد' امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام مسلم' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن منذر اور امام بیہقی نے مسیب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے' اس وقت اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا اے چچا! لا الہ الا اللہ کہو' میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر "لا الہ الا اللہ" پیش کرتے رہے اور ابوجہل اور عبداللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے' آخر میں ابوطالب نے کہا وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور "لا الہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا' جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے' اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دینا مستبعد ہے۔ علامہ واحدی نے کہا یہ استبعاد خود مستبعد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابوطالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی' کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر حدیث کا معنی یہ ہوگا' اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی' یہ معنی نہیں ہوگا اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور فا نزل میں فاسببیت کے لیے ہوگی' نہ کہ تعقیب کے لیے۔ اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوطالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے' حتیٰ کہ جبرائیل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ کہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو باعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو۔ بہرحال! یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا! آپ "لا الہ الا اللہ" کہیں تا کہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو' اور نبی ﷺ نے بہ اصرار ترغیب دی۔ ابوطالب نے کہا بہ خدا! اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر ملامت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب پر موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ ہل رہے تھے' انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے! تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کے لیے کہا تھا' اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔ (البدایہ والنہایہ'

ج ۳ ص ۱۲۳) اس روایت سے ابوطالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں' ان سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابوطالب مومن تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے' علاوہ ازیں ان اشعار میں ابوطالب کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے۔ رہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے' علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے نہیں سنا"۔

امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے' اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں' اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوۃ' ج ۲' ص ۳۴۶)

باقی ابوطالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی' بلکہ نسب اور قرابت کی وجہ سے کی' اور اعتبار دینی محبت کا ہے' نسبی محبت کا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابوطالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی تو پہنچائی ہے' تاہم ابوطالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابوجہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (روح المعانی' جز ۱۱' ص ۳۳-۳۲' مطبوعہ بیروت)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے' کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۵۱' طبع قدیم' دارالفکر' بیروت)

حافظ ابن کثیر شافعی نے اس آیت کی تفسیر میں احادیث کے حوالے سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۴۶۰' مطبوعہ ادارہ اندلس' بیروت)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۱۶-۳۱۵)

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۵۰۷' ۲۱-۲۰ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید' امام مسلم' امام ترمذی' امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی تو اسکے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا اے چچا! "لا الٰہ الا اللہ" کہیے' میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپکے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

امام بخاری' امام مسلم' امام احمد' امام نسائی اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا۔ امام ابن مردویہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر

اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۱)

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کہنا کہ تمام مسلمانوں کا یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابوطالب اسلام لے آئے تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس پر شاہد ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ علماء شیعہ کے اختلاف اور ان کی روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ تاہم ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے حق میں یاوہ گوئی کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو ایذاء پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی ﷺ کو بھی ایذا پہنچے۔ (روح المعانی ج ۲۰ ص ۹۷-۹۶ مطبوعہ بیروت)

ابوطالب کے ایمان کے متعلق مصنف کا نظریہ

مذاہب اربعہ کے معروف علماء فقہاء مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔ ہم نے عمداً ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئے۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا، یہ بہت نازک مقام ہے، جو لوگ اس مسئلہ میں شدت کرتے ہیں اور ابوطالب کی ابولہب اور ابوجہل کی طرح مذمت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کے خطرہ میں ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ چیز ہم پر بھی اتنی ہی گراں اور باعث رنج ہے جتنی اہل بیت کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس بحث میں نہ کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیوں میں الجھنا چاہتے ہیں۔ بعض علماء اہل سنت نے ابوطالب کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ ہرچند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے، لیکن ان کی نیت محبت اہل بیت ہے، اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ

اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹا

بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا

دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں ○ بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں

یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ

جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ

وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے

يَبْعُوثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ

جائیں گے ○ اور (اے مخاطب) کاش تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا: اللہ فرمائے گا

هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب! اللہ فرمائے گا پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

عذاب (کا مزہ) چکھو ○

ع ۱۰ / ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) کاش! تو دیکھتا جب ان کافروں کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا' اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۲۷)

قیامت کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت

قرآن مجید میں وقوف کا لفظ ہے' یعنی ان کافروں کو جب دوزخ پر واقف کیا جائے گا۔ اس کا معنی قیام بھی ہے اور جاننا بھی' اس صورت میں اس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ دوزخ کے پاس کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں (۲) دوزخ کے اوپر جو پل صراط ہے' وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے دوزخ کو دیکھ رہے ہوں (۳) وہ دوزخ کے عذاب پر واقف اور مطلع ہوں (۴) ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو اور وہ اس حال میں دوزخ میں کھڑے ہوئے ہوں کہ وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں۔

اس آیت میں جزا محذوف ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! جب تو یہ دیکھے گا کہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو تو ان کو اس قدر خوف اور دہشت میں دیکھے گا جس کو منضبط کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت یہ کافر نادم ہوں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور پھر ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور قیامت پر' فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ ان پر اب وہ حقائق منکشف ہو گئے ہیں جن کو وہ پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

یعنی ان کی حالت نہیں بدلے گی اور وہ اسی طرح کفر اور معصیت پر برقرار رہیں گے۔ اب وہ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر اور معصیت چھپائی تھی وہ سب قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الزمر: ۴۸) اور ان کی' کی ہوئی تمام برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ندامت یا تمنا کا صراحتاً رد فرمایا' یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے تو ان کو جس کفر' عناد' معصیت اور نفاق سے منع کیا گیا تھا' وہ پھر اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ کیونکہ کفر اور عناد ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت کا انکار کر دیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کی پھر تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی صرف اسی دنیا میں ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے (الانعام: ۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا صراحتاً رد فرمایا ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تو وہ پھر دنیا کی لذتوں میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کفر کریں گے' وہ صرف دنیا کی زندگی کا اقرار کریں گے اور آخرت کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور ہم صرف طبعی حیات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے۔ یہ لوگ مادہ پرست اور ملحد ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لاتے' ان کا نفس امارہ ان کو کفر' گمراہی اور برے کاموں پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) کاش! تو وہ منظر دیکھتا جب ان کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا' اللہ فرمائے گا' کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے' کیوں نہیں؟ اے ہمارے رب! اللہ فرمائے گا' پس اب تم اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ (الانعام: ۳۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حشر کے دن کافروں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گا جس طرح مجرموں کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے بازپرس فرمائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۲۴) ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (البقرہ: ۱۷۴) اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔

اور اس آیت میں ان سے کلام فرمانے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بلاواسطہ کلام نہیں فرمائے گا اور اس آیت میں جس کلام فرمانے کا ذکر ہے وہ فرشتوں کے واسطے سے ہے' یا اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مر کر دوبارہ اٹھنا حق نہیں ہے' جس کا تم انکار کرتے تھے۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا' حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آ پہنچے گی تو

بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ

کہیں گے ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں

أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَوٰةُ

کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ، سنو وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ اور دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۗ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ

صرف کھیل تماشا ہے اور بیشک آخرت کا گھر متقین کے لیے بہت اچھا ہے ، پھر

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ

کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے ہ○ (اے رسول مکرم) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں ،

لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّٰلِمِينَ بِآيَٰتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ

دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ آپ سے پہلے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ

بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کیا حتی کہ

أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن

ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے ، اور بیشک آپ کے پاس رسولوں کی

نَّبَإِي الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ

خبریں آچکی ہیں ○ اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو آپ اگر زمین میں کوئی

اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ

سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں

فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ

(تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا ، (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں

مِنَ الْجَٰهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ النصف وقف غفران

میں سے نہ ہو جانا ○ (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ

سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہیے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کرے، لیکن ان کے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا' حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچے گی تو کہیں گے' ہائے افسوس ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے' سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ٣١)

منکرین قیامت کے خسارہ کا بیان

اس آیت میں بھی ان کافروں کے احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا' ان کا ایک حال یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے نقصان اٹھایا اور دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا' تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے' اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر فانی اجر و ثواب کے حصول کا' اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر اللہ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوا' اور کفر اور معصیت کی وجہ سے ثواب کے بجائے عذاب کے مستحق ہوئے۔ ان کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنی پیٹھوں پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی سعادت کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی دلفریبیوں اور عیاشیوں سے خود کو بے تعلق رکھے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے اور جو شخص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہوگا' وہ اخروی زندگی کے لیے کسی زاد راہ کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچے گی تو وہ کہے گا' ہائے افسوس! میری اس تقصیر پر جو قیامت کے متعلق مجھ سے ہوئی' درآنحالیکہ وہ اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا اور وہ کیسا برا بوجھ ہے۔

روز قیامت کو ساعت اور اللہ سے ملاقات کا دن فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں قیامت کو ساعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قیامت ایک ساعت میں واقع ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حساب و کتاب بھی ایک ساعت میں ہوگا گویا قیامت ایک ساعت حساب ہے۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو اللہ سے ملاقات کا دن فرمایا ہے' کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے غضب کے آثار کا ظہور ہو گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے اور ان کے گناہوں اور سرکشی پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ (یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں کو سزا دینے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ بھلائی کی طلب میں کرتے ہیں' تو ان کی مدت عمل ختم کی جا چکی ہوتی (مگر یہ اللہ کا طریقہ نہیں ہے) للذا جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے' وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا میں مہلت اور ڈھیل دی' تاکہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے کو یاد کریں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے اور اس کے سامنے پیش ہوں گے تو وہ اپنے گناہوں اور سرکشی کے متعلق کیا عذر پیش کریں گے۔ اس لیے انہیں زندگی میں مہلت دی گئی کہ کسی بھی لمحہ وہ اس ملاقات کے دن کو یاد کر کے اپنی معصیت اور سرکشی سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ (البقرہ: ۲۲۳)

اور اللہ سے ڈرو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ (الجاثیہ: ۳۴)

اور ان سے کہہ دیا جائے گا آج کے دن ہم تم پر رحم نہیں کریں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن کو یاد رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں نیک عمل کرے' تاکہ اس دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور محبت کے ساتھ اس سے کلام کرے اور اس کو اپنے دیدار سے نوازے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے' اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے' اللہ (بھی) اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ البتہ جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل کے راضی ہونے اور اس کے کرم کرنے کی بشارت دی جاتی ہے۔ تو اس وقت اس کو آخرت کے سفر میں آگے جانے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے' اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ للذا اس کو آخرت کے اگلے سفر سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی' سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۰۷' صحیح مسلم' الدعا الذکر' ۱۷(۲۶۸۵) ۶۷۰۰' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۶۸' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۸۳۴' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۶)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارا خیال ہے وہ بات نہیں ہے لیکن جب پتلیاں اوپر کی طرف چڑھ جائیں اور جب سانس سینہ میں اکھڑنے لگے اور جسم پر لرزہ طاری ہو اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے' اس وقت جو اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور ناخوشی نزع روح کے وقت معتبر ہوتی ہے۔ اس وقت ہر انسان کو یہ خبر دے دی جاتی ہے کہ اس کا کیا انجام ہے؟ اور آخرت میں اس کے لیے کیا تیار کیا گیا ہے؟ اور اس کا اخروی ٹھکانہ اس کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے۔ نیک لوگ موت کو اور اللہ سے ملنے کو پسند کرتے ہیں' تاکہ ان انعامات کی طرف منتقل ہو جائیں جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اللہ بھی ان کو پسند کرتا ہے تاکہ ان پر اپنا انعام اور اکرام فرمائے اور بدکار لوگ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتا چل جاتا ہے کہ ان کو عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا اور اللہ بھی ان سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور ان کو اپنی رحمت اور اپنے عفو و کرم سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں عمرو بن قیس سے روایت کیا ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اس کا استقبال کرے گا اور اس سے کہے گا' کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں' البتہ! تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین ہے۔ وہ کہے گا' تم بھی دنیا میں اسی طرح تھے' میں تمہارا نیک عمل ہوں' میں دنیا میں بہت عرصہ تم پر سوار رہا' آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو اور یہ آیت پڑھے گا جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف بطور وفد جمع کریں گے (مریم: ۸۵) اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا' اور اس سے کہے گا تو دنیا میں اسی طرح تھا' میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا' آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ سنو وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الانعام: ۳۱) (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۳۶' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے' اور بے شک آخرت کا گھر متقین کے لیے بہت اچھا ہے' پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے۔ (الانعام ۳۲)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے' ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رنگینیاں' دلفریبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیا کا خسیس اور گھٹیا ہونا اور اس کا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ یہ دنیا آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں کا وسیلہ اور زینہ ہے' اس لیے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً دنیا کی زندگی مذموم نہیں ہے' بلکہ کافر کی زندگی مذموم ہے اور مومن چونکہ نیک اعمال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے' اس لیے اس کی زندگی لہو و لعب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور دنیا کی زندگی مطلقاً لہو و لعب ہے اور دنیا سے مراد دنیا کی لذتیں اور راحتیں ہیں اور جس طرح انسان کھیل تماشے میں مشغولیت سے جب فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر اس وقت کو کسی نیکی کے کام میں گزارا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا' اسی طرح دنیا کی لذتوں سے جب انسان فارغ ہوتا ہے تو وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ اگر یہ وقت کسی عبادت میں صرف کیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی وجوہات

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب قرار دینے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

۱۔ لہو ولعب کی مدت کم ہوتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی کم ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔
۲۔ لہو ولعب عموماً کسی فریب پر مبنی ہوتا ہے' اسی طرح انسان دنیا کی زندگی کو بھی کسی فریب کے سہارے گزارتا ہے۔
۳۔ عموماً بچے اور نادان اور غافل لوگ لہو ولعب میں اشتغال کرتے ہیں اور سنجیدہ اور فہمیدہ لوگ لہو ولعب میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور دلفریبیوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو عقل مند اور زیرک لوگ ہوتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی لذتیں فانی ہیں۔ لہٰذا وہ فانی کی بہ نسبت باقی رہنے والی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔

دنیا کے بے وقعت ہونے کے متعلق احادیث

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت میں جا رہا تھا' اچانک آپ ایک جگہ سے گزرے جہاں بکری کا (مردہ) بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اس کے مالکوں نے اس کو پھینکا ہو گا تو یہ ان کے نزدیک بے وقعت ہو گا۔ صحابہ نے کہا اس کے بے وقعت ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو پھینک دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ جس قدر یہ بکری کا مردہ بچہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہے' اللہ عزوجل کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا' ج ۲' ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۲' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۸' سنن داری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۳۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۱' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۸۰۳۵' دارالفکر' طبع جدید' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۸۸' ج ۴' ص ۲۲۹' ۲۳۰' ۲۳۶' دارالفکر' طبع قدیم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۴' صحیح مسلم' الزھد ۱ (۲۹۵۶) ۷۲۸۳' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۳۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۸۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۳' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۹۷' ۳۲۳' ۳۸۹' ۴۸۵' طبع قدیم' کتاب الزھد لاحمد' ص ۳۷)

محمد بن منکدر اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ملعونہ ہے' اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے ماسوا اس کے جو اللہ کے لیے ہو۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے' ماسوا اللہ کے ذکر کے اور ذکر کرنے والوں کے اور ماسوا عالم یا متعلم کے۔

(ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۲' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۱۵۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا' وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو فانی ہونے والی چیز پر ترجیح دو۔ (ذم الدنیا' رقم الحدیث: ۸' مسند احمد' ج ۴' ص ۴۱۲' طبع قدیم' المستدرک' ج ۴' ص ۳۰۸)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔ (ذم الدنیا' ۹' کتاب الزھد لاحمد)

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن! ہمارے لیے دنیا کی حقیقت بیان کریں۔ آپ نے فرمایا دنیا کی جو چیزیں حلال ہوں گی ان کا حساب لیا جائے گا اور جو چیزیں حرام ہوں گی ان پر دوزخ کا

عذاب ہوگا۔ (ذم الدنیا' ۱۷' مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہ خدا مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی' سو تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے رغبت کی اور تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۵۸' صحیح مسلم' الزھد' ۶ (۲۹۶۱) ۷۲۹۱' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۷۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۹۷' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' جس کے نشان آپ کی جلد پر نقش ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' اگر آپ ہم کو اجازت دیں تو ہم چٹائی کے اوپر کوئی چیز بچھا دیں جس سے آپ کی جلد محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے؟ میری اور دنیا کی مثال یہ ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں بیٹھے' پھر سائے کو ترک کر کے سفر شروع کر دے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۸۴' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا یارسول اللہ! الحمد للہ ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے لیکن اللہ سے حیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے' وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے اس طرح حیاء کی جو حیاء کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۶۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۵۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا مقصود دنیا ہو' اللہ اس کے حالات دگرگوں کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر کر دیتا ہے اور دنیا سے اس کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کے حالات مجتمع کر دیتا ہے اور اس کا دل مستغنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۵' اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تمام تفکرات کو صرف آخرت کا حصہ بنا دیا' اللہ اس کو دنیا کے افکار سے کافی ہوگا اور جس شخص کے تمام افکار دنیا کے حالات کے متعلق ہوں' اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ پار کرنے والے ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۴۰' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۱۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۴' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۳' ص ۳۶۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۱۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۳۰۴' ج ۸' ص ۲۹۰)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کو میں کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دنیا میں بے رغبتی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں' ان سے بے رغبتی کرو' تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۰۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا جانے والی ہے اور آخرت آنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔ سو تم آخرت کے فرزند بنو' دنیا کے فرزند نہ بنو۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب فی الامل وطولہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا' مگر اس کی ہم کو خبر دی' اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اس کو بھلا دیا جس نے بھلا دیا اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے' پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو' سنو! تم دنیا سے پرہیز کرو اور عورتوں سے پرہیز کرو (مسلم کی روایت میں ہے) کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں برپا ہوا تھا' اور آپ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ جس شخص کو حق کا علم ہو جائے تو لوگوں کا دباؤ اس کو حق بیان کرنے سے باز نہ رکھے۔ حضرت ابوسعید رونے لگے اور کہا ہم نے کئی چیزوں کو دیکھا اور ہم دباؤ میں آگئے۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' صحیح مسلم' الذکر والدعاء ۹۹' (۲۷۴۲) ۶۸۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۰' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۴۹)

حضرت قتادہ بن النعمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۴۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

دنیا کے مال کو انسان اگر عیش و عشرت اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کرے تو پھر دنیا اور دنیا کا مال مذموم ہے اور ان احادیث کا یہی محمل ہے اور اگر دنیا کے مال و دولت کو دین کی سربلندی' تبلیغ دین' اسلام کی نشرو اشاعت اور ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کرے اور حج اور عمرہ کرے' قربانی' زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرے اور نیکی اور خیر کے راستوں میں مال کو خرچ کرے' تو پھر دنیا کا مال و دولت بہت مبارک اور مستحسن ہے۔

نیکی کی راہ میں صرف کرنے کی نیت سے مال دنیا کا استحسان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات قرآن کے ساتھ قیام کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ دن رات اس مال کو (نیکی میں) خرچ کرتا ہو۔

(صحیح مسلم' مسافرین' ۲۶۶' (۸۱۵) ۱۸۶۳' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۲۹' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۴۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۷۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۱۲' دار الفکر' طبع

جدید' مسند احمد' ج۱' ص۳۸۵' دار الفکر' طبع قدیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف دو شخصوں پر حسد (رشک) کرنا مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو حق کے راستوں پر خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت (علم دین) عطا کی ہو' اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور تعلیم دیتا ہو۔

(صحیح مسلم' مسافرین' ۲۶۸' (۸۱۷) ۱۸۶۶' صحیح البخاری' ج۱' رقم الحدیث: ۷۳' سنن کبریٰ للنسائی' ج۳' رقم الحدیث: ۵۸۴۰' سنن ابن ماجہ' ج۲' رقم الحدیث: ۴۲۰۸' مسند احمد' ج۱' ص ۴۳۲' ج۲' ص ۱۳۳' ۸۸' ۳۶' ۹' ج۴' ص۱۰۵' طبع قدیم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اصحاب ثروت اور دولت مند لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے کہا وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں' اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں' اور وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجات کو پالو' جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر بھی سبقت کرو گے اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو گا' ماسوا اس کے جو تمہاری طرح اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا' ہمارے مال دار بھائیوں کو بھی ان تسبیحات کا پتا چل گیا؟ اور وہ بھی ہماری طرح یہ تسبیحات پڑھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم' مسافرین' ۱۴۲' (۵۹۵) ۱۳۲۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کی تائید اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعۃ: ۱۰)	پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال مسجد کے بالمقابل بیرحا تھا (یہ مسجد کے سامنے بنو جدیلہ کا محلہ تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں خوش ذائقہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے' جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو۔ (آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ نہ کرو اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحا ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں اللہ کے پاس اس کی نیکی اور ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ نے فرمایا چھوڑو یہ مال نفع آور ہے' یہ مال نفع آور ہے۔ تم نے اس کے متعلق جو کہا وہ میں نے سن لیا' اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ پھر حضرت ابو طلحہ نے بیرحا کو اپنے رشتہ داروں اور عم زاد میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۴۲' (۹۹۸) ۲۲۷۸' صحیح البخاری' ج۲' رقم الحدیث: ۱۴۶۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج۶' رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا' یارسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے۔ آپ اس کے حق میں اللہ سے دعا کیجئے' آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اور اس کو جو کچھ عطا فرمائے' اس میں برکت دے۔

(صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۱۴۱' (۲۴۸۰) ۶۲۵۵' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۳۳۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرما رہے تھے' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کو دیجئے' حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال عطا فرمایا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے لو' جب تمہارے پاس مال آئے درآنحالیکہ تم اس پر حریص ہو' نہ اس کا سوال کر رہے ہو تو اس مال کو لے لو اور جو مال اس طرح نہ ہو اس کے درپے نہ ہو۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۱۱۰' (۱۰۴۵) ۲۳۶۷' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۷۳' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۰۸)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا' آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا' میں نے پھر سوال کیا آپ نے مجھے پھر عطا فرمایا پھر آپ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اس مال کو استغناء نفس سے لے گا' اس کو اس مال میں برکت دی جائے گی اور جو شخص حریص ہو کر اس مال کو لے گا' اس کو برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم' الزکوٰۃ ۹۶' (۱۰۳۵) ۲۳۴۹' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۷۲' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۷۱' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۵۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۲۳۱۰' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۵۳۲۷' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۰' المعجم الکبیر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۰۸۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۴' ص ۱۹۶)

دنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً مال دنیا مذموم نہیں ہے۔ البتہ اگر مال دنیا کو ناجائز خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے تو یہ لائق ملامت اور مستوجب عذاب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا اور ان سے دل لگانا بھی مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۹۴۹' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۸۵' ۱۹۹' ۱۲۸' طبع قدیم)

بلکہ ممنوع اور مذموم یہ ہے کہ انسان دنیا کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ لے' جبکہ مقصود آخرت ہے اور دنیا اس کے حصول کا وسیلہ اور اس تک پہنچنے کا زینہ ہے یا بندہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ انسان اپنے لیے' اپنے ماں باپ اور اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی جستجو کرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے ساتھ جو الفت اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ملک و قوم کی فلاح کے لیے اور انسانیت کی خدمت کے لیے جو دنیا میں تگ و دو کرتا ہے' اور کارنامے انجام دیتا ہے ان تمام کاموں میں حسن نیت کی بناء پر اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کے مطابق اجر و ثواب ملے گا اور یہ تمام کام اطاعات اور عبادات میں شامل ہیں اور جس وجہ سے دنیا

کی مذمت کی گئی ہے' یہ کام اس میں داخل نہیں ہیں۔

لہو و لعب کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف لہو و لعب ہے۔ اس لیے ہم لہو و لعب کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لہو کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس چیز میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جائے' اس کو لہو کہتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت مثلاً عورتوں اور بچوں کو بھی لہو و لعب کہا جاتا ہے' کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے انسان اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر: ۲-۱)

مال جمع کرنے کی حرص نے تمہیں اس قدر غافل کر دیا کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد کی مشغولیت تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (النور: ۳۷)

وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت کی مشغولیت' اللہ کی یاد' نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی' وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے۔

ان آیات میں اولاد' مال و دولت اور تجارت میں مشغول ہونے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا' بلکہ اس حد تک اشتغال سے منع فرمایا ہے' کہ انسان نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں تجارت اور مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (الحج: ۲۸)

(وہ حج کے لیے آئیں گے) تاکہ اپنے فائدے کے مقامات پر حاضر ہوں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)

(حج کے دوران) اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(المفردات' ص ۴۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

لعب کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لعب اصل میں لعاب ہے' یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب منہ سے لعاب بہنے لگے اور جب کسی شخص کا فعل بغیر قصد کے واقع ہو تو اس کو لعب کہتے ہیں۔ (المفردات' ص ۴۵۰' مطبوعہ ایران)

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لعب کا معنی ہے مذاق میں کوئی کام کرنا۔ حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان بطور مذاق سنجیدگی سے نہ لے' یعنی وہ اس کا سامان اس کو تنگ کرنے کے لیے لیتا ہے اور چوری کا ارادہ نہیں کرتا' لیکن اس کو اذیت پہنچانے کا سنجیدگی سے ارادہ کرتا ہے۔ سو ایسا نہ کرے اور جو شخص لغو اور بے فائدہ کام کرے' اس کو بھی لعب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہم سمندر میں

سفر کر رہے تھے' جب موجیں جوش سے اٹھ رہی تھیں اور ایک ملاح تک موجیں ہمارے ساتھ لعب کرتی رہیں' یعنی موجوں نے ان کو اس طرف نہیں جانے دیا جس طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ (النہایہ' ج ۴' ص ۲۵۳-۲۵۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

اردو میں لہو و لعب کا ترجمہ کھیل تماشے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہم نے لہو کا جو معنی بیان کیا ہے' اس کا خلاصہ ہے غافل کرنا اور لعب کا خلاصہ ہے بے مقصد اور بے فائدہ کام' اور کھیل اور تماشہ عموماً لغو اور بے فائدہ ہوتا ہے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے انسان عبادات اور کئی اہم کاموں سے غافل ہو جاتا ہے' اس لیے کھیل اور تماشے کو لہو و لعب کہتے ہیں۔

کھیل اور ورزش کے متعلق اسلام کے احکام

ہر کھیل تماشا مطلقاً ممنوع اور حرام نہیں ہے' بلکہ جو کھیل تماشا کسی غیر شرعی امر پر مشتمل ہو' مثلاً غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا اجنبی مرد عورتوں کے سامنے یا اجنبی عورتیں مردوں کے سامنے مثلاً کرکٹ کھیلیں یا ٹینس کھیلیں یا رقص کریں یا کسی کھیل میں کھیلنے والوں کا ستر کھلا رہے تو ایسے کھیل ممنوع ہیں یا جس کھیل میں جانبین سے شرط لگائی جائے کہ جو فریق بھی کھیل میں ہار گیا' وہ جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا' یا فلاں چیز دے گا یا فلاں چیز کھلائے گا۔

یا کسی کھیل میں اس قدر اشتغال کیا جائے جس سے فرائض اور واجبات ترک ہو جائیں تو وہ کھیل جائز نہیں ہیں۔

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لہو صرف تین چیزوں میں ہے۔ کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا' کسی شخص کا اپنی بیوی سے دل لگی کرنا اور کسی شخص کا تیر اندازی کرنا۔

(سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۵۸۰' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۱۳' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۴۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حبشی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں کھیل رہے تھے' حضرت عمر داخل ہوئے اور انہوں نے ایک کنکری اٹھا کر انہیں ماری۔ آپ نے فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۰۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے' لیکن میں ان کے کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے' حتیٰ کہ میں خود واپس مڑی۔ سو تم اندازہ کرو کہ ایک کم عمر کھیل کی شوقین لڑکی نے کتنی دیر کھیل دیکھا ہو گا۔

(صحیح مسلم' عیدین' ۱۸' ۱۷' (۸۹۲) ۲۰۲۹' ۲۰۳۰' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵۰' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۷۹۶)

حدیث میں ہے کہ عید کے دن حبشی مسجد میں آکر رقص کر رہے تھے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اچھل کود رہے تھے' اور اپنے جنگی آلات کے ساتھ کھیل رہے تھے' اور ان کا یہ کھیل رقص کے مشابہ تھا' کیونکہ اکثر روایات میں ہتھیاروں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حدیث کی ایسی تاویل کی جائے گی جو باقی احادیث کے موافق ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں' حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا تم میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو تو وہ ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو تو وہ حضرت زید کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں حضرت جعفر کے پیچھے ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگا۔

(مسند احمد' ج ۱' ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۵۷' طبع دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ۱' ص ۵۳۷' طبع قاہرہ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے مسند احمد میں ہے۔ اسی طرح الباقر کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چکر لگانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے حبشیوں کو دیکھا ہے' وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نجاشی جب اپنے اصحاب میں سے کسی سے خوش ہوتا تو اس کے گرد کھڑے ہو کر ایک ٹانگ پر رقص کرنے لگتا۔ حدیث میں حجل کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ہیئت مخصوصہ کے ساتھ رقص کرنا اور حضرت علی کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے اس طرح رقص کیا۔

(فتح الباری' ج ۷' ص ۵۰۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو ایک انصار کے مرد سے زفاف (شادی) کے لیے تیار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو (کھیل) ہے؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۱۶۲' مطبوعہ بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

عامر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت قرظہ بن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک شادی میں گیا۔ وہاں بچیاں گا رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدری صحابی ہیں اور آپ کے سامنے یہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر گانا سنو اور چاہو تو چلے جاؤ' ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔ (سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۳۸۳' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابولہب کی بیٹی کے خاوند بیان کرتے ہیں کہ جب ابولہب کی بیٹی کی شادی ہوئی تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا کوئی لہو (کھیل) ہے؟

(مسند احمد' ج ۳' ص ۶۷' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۵۷۹۰' طبع قاہرہ' المعجم الکبیر' ج ۲۲' رقم الحدیث: ۶۵۹' ص ۲۵۸' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۸۹)

علامہ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ابن حجر نے التعجیل میں اس کی تصویب کی ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۳' ص ۹۶' مطبوعہ قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ

لیا' اسی طرح آپ نے رکانہ سے کشتی بھی کی۔ ان تمام حدیثوں کو ہم نے صحاح اور سنن کے حوالہ سے (شرح صحیح مسلم' ج ۶' ص ۱۳۱-۹۳۹ میں) بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لہو و لعب مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور جب کوئی کھیل کسی غیر شرعی امر پر مبنی نہ ہو' نہ اس میں شرط لگائی جائے' نہ اس سے کوئی عبادت ضائع ہو تو غرض صحیح سے مناسب حد تک اس کا کھیلنا جائز ہے اور جب کسی کھیل میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے انسان عبادات سے غافل ہو جائے' تو وہ ممنوع اور مذموم ہے۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے مناسب حد تک کھیل اور ورزش مستحسن ہیں۔ بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں' ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا' جس سے ان کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کلسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس' ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا' معدہ کا ضعف' گیس اور السر وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے جائز کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے' ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مسلمانوں کی کرکٹ ٹیم کی کامیابی کے لیے وظیفہ بتایا تھا۔ دیکھئے شمع شبستان رضا' حصہ سوم' ص ۵۰-۴۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں' دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

شان نزول اور مناسبت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی' اخنس ابوجہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابوجہل سے کہا اے ابوالحکم! مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں یا کاذب؟ کیونکہ یہاں پر میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابوجہل نے کہا تم پر افسوس ہے' بہ خدا (سیدنا) محمد ﷺ البتہ ضرور صادق ہیں اور (سیدنا) محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' لیکن جھنڈا' کعبہ کی دربانی اور زمزم کی سبیل پہلے ہی بنو قصی کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو قریش کے پاس کیا باقی بچے گا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ دراصل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے' یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

ناجیہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے' لیکن آپ جو چیز لے کر آئے ہیں' ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(جامع البیان' ج ۷' ص ۲۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ' اسباب النزول' ص ۲۱۹' ۲۱۸)

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت حارث بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی تکذیب کرتا تھا اور جب گھر والوں کے ساتھ تنہا ہوتا تو کہتا (سیدنا) محمد ﷺ جھوٹوں میں سے نہیں ہیں اور میرے نزدیک وہ صرف سچے شخص ہیں۔ (اسباب النزول' ص ۲۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا رد کیا جا رہا تھا اور اس آیت میں بھی ان کا رد ہے۔ پہلے ان کفار قریش کا رد کیا جو توحید' نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ پھر ان کافروں کا رد کیا جو سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ بشر تھے

اور فرشتہ نہ تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے' تب بھی ہم اس کو انسان کی صورت میں ہی بھیجتے اور تم پر پھر اشتباہ ہو جاتا اور اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جو نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے ایذاء پہنچاتے تھے۔ بعض آپ کو جھوٹا کہتے تھے۔ بعض آپ کو جادوگر کہتے تھے اور بعض شاعر یا کاہن یا مجنون کہتے تھے۔

نبی ﷺ کی تسلی کی آیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کفار کی تکذیب اور ان کی دوسری دل آزار باتوں کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں' ان سے آپ غمگین ہوتے ہیں۔ درامل یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے' یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور کئی آیتوں میں بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تسلی دی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے تو کہیں فرط غم سے آپ ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: ۸)

ان پر حسرتوں کی وجہ سے آپ کی جان نہ چلی جائے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (المزمل: ۱۱-۱۰)

کافروں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیجئے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی' سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا رسانی پر صبر کیا' حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔ (الانعام: ۳۴)

اس آیت میں نبی ﷺ کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مخالفوں اور کافروں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا انبیاء سابقین علیہم السلام کا طریقہ ہے اور نبی کو چاہیے کہ ان کی بے ہودہ باتوں سے اعراض کرے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۳۵)

سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔

اس قسم کی آیات سے نبی ﷺ کو بار بار تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کی حکمت یہ ہے کہ صبر کرنے سے مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور صبر کے اندر رحمت کے نزول اور کشادگی کے حصول کی بشارت ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح: ۶-۵)

کیونکہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں' یعنی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین کو لوگوں نے جھٹلایا اور انہوں نے ان کے جھٹلانے پر صبر کیا اور بالآخر رسولوں کے پاس اللہ کی مدد آ پہنچی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: ۵۱)

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں ضرور مدد فرمائیں گے اور (آخرت میں) جس دن

گواہ کھڑے ہوں گے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصفت: ۱۷۱-۱۷۳)

ہم اپنے ان (مقرب) بندوں سے جو رسول ہیں یہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ یقیناً وہی مدد کیے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

اور جو بات اللہ پہلے فرما چکا ہے اس کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ان لوگوں کی بے اعتنائی آپ پر دشوار ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر سکتے ہیں' تاکہ ان کے پاس (ان کا مطلوبہ) معجزہ لے آئیں (تو لے آئیں!) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا (تو اے مخاطب!) تو ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۳۵)

شان نزول

بعض آثار میں ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کوئی نشانی لایئے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نشانیاں لاتے تھے۔ پھر ہم آپ کی تصدیق کریں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کی مطلوبہ نشانیاں عطا فرمانے سے انکار فرمایا۔ تو انہوں نے نبی ﷺ سے منہ پھیر لیا' نبی ﷺ پر ان کا اعراض کرنا بہت دشوار ہوا' کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے' اور وہ جب بھی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تو ان کے ایمان لانے کی طمع میں آپ کی یہ شدید خواہش ہوتی کہ وہ نشانی (معجزہ) نازل کر دی جائے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی' جز ۷' ص ۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

زمین میں سرنگ بنانے اور آسمان پر سیڑھی لگانے کے معانی اور توجیہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو ان لوگوں کا کفر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ان کی تکذیب بہت گراں محسوس ہوتی ہے اور اس سے آپ کو بہت رنج پہنچا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر اس میں داخل ہونے پر قادر ہوں یا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھنے پر قادر ہوں' تو آپ ایسا کر لیں اور اگر آپ اس پر قادر نہیں ہیں تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے خلاف غم و غصہ کو برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور آپ کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت پر جو دلائل قائم کیے ہیں' صرف ان سے استدلال کریں اور جن لوگوں میں غور و فکر کرنے کی اہلیت ہے ان کو اس کی طرف متوجہ کریں اور جو اپنی عقل سے کام لینے کے بجائے ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں' ان کی پروانہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کے خیال میں ان کے ایمان لانے کے لیے آپ کا زمین میں سرنگ بنا کر چلے جانا یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چلے جانا کافی ہے تو آپ ایسا کر لیں' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر آپ زمین میں سرنگ بنا کر چلے جائیں یا آسمان پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ کر ان کا مطلوبہ معجزہ لا سکیں تو آپ ایسا کر لیں' اور اس کی تائید ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

اور کافروں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو' پھر آپ اس میں بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں' یا جیسا کہ آپ نے کہا

اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ قَبِيۡلًا ۙ اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّـقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝ (بنواسرائیل: ۹۳-۹۰)

آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں' یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں' آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔ آپ کہئے: میرا رب پاک ہے' میں صرف ایک بشر ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر بطور برھان اور معجزہ قرآن مجید نازل فرمایا اور یہ چیلنج کیا کہ اس میں نہ ردوبدل ہو سکتا ہے' نہ اس کی کوئی نظیر لا سکتا ہے اور جب تمام دنیا اس چیلنج سے عاجز ہو گئی اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور کفار کے لیے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی' تو وہ لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف بشر اور رسول ہوں۔ یعنی میرا کام اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ میں نے پہنچا دیا اور میری نبوت پر کسی شخص کے اطمینان اور یقین کے لیے جس قدر معجزات اور نشانیاں ضروری ہو سکتی تھیں' وہ سب میرے رب نے ظاہر فرما دی ہیں۔ اب یہ کافر حیل و حجت اور ہٹ دھرمی کے لیے عجیب و غریب معجزات طلب کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ معجزات اس لیے عطا نہیں فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی نہیں نازل فرماتا جس کے بعد عقل کی آزمائش کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کافروں کی پوری قوم کسی معجزہ کی طلب پر اصرار کرے اور اس معجزہ کے ظہور کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے اور نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ اب ان پر عذاب نازل نہیں ہو گا' چنانچہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔

معجزہ نبی کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں کسی نشان اور معجزہ کو ظاہر کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ کسی نشانی اور معجزہ کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو نبی ﷺ اپنی کوشش سے کسی معجزہ کو ظاہر نہیں کر سکتے اور یہ بالکل برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو قدرت دی ہے اور اختیار عطا فرمایا ہے' لیکن اس قدرت اور اختیار کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں قادر و مختار ہیں' حتیٰ کہ جس کام کو اللہ نہ کرنا چاہے آپ اس کو کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ یہ کہنا مطلقاً درست ہے کہ کوئی معجزہ نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ تمام معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہیں۔ قرآن مجید نبی ﷺ کا معجزہ ہے' لیکن اس کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے قرآن مجید کی آیات نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح غیب کی خبریں دینا آپ کا معجزہ ہے' لیکن یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تو آپ غیب کی خبریں دیتے ہیں اور بعض معجزات آپ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ بعض خصائص کی وجہ سے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور ان خصائص میں سے یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں کے اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں' اسی طرح نبی کے اختیار میں افعال غیر

عادیہ (معجزات) ہوتے ہیں۔(فتح الباری' ج ۱۲'ص ۷۷'طبع لاہور' احیاء العلوم ج ۵'ص ۵۳'طبع بیروت)

نبی ﷺ نے اپنے لعاب دہن سے کئی بیماروں کو شفا عطا فرمائی۔(الشفاء' ج ۱'ص ۲۱۴-۲۱۲) آپ نے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہوگیا۔(صحیح البخاری' ج ۱'رقم الحدیث: ۱۶۹) معرکہ بدر میں جب جنگ کی شدت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی اور تین مرتبہ شاھت الوجوہ فرمایا۔ اللہ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔(روح المعانی' ج ۹' ص ۱۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکل گئی (صحیح البخاری' ج ۲' رقم ۱۳۳۹)

نبی ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا ابو خیثمہ ہو جاوہ شخص جو کوئی بھی تھا' وہ ابو خیثمہ ہوگیا۔(صحیح مسلم' التوبہ' ۵۳' (۲۷۶۹) ۶۸۸۳) اس قسم کے معجزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نبی ﷺ کی قدرت اور اختیار میں دے دیا تھا۔

جبراً ہدایت نہ دینے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو جبراً مومن بنانا چاہتا تو ان سب کو مومن بنادیتا' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں خیر اور شر دونوں چیزوں کو پیدا کر دیا ہے اور شر کی ترغیب کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تحریص کے لیے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی خیر اور شر کے دو محرک پیدا کیے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی' اب وہ خارجی اور داخلی تحریکات میں سے جس سے بھی متاثر ہو کر جو راستہ بھی اختیار کرتا ہے' خیر اور شر میں سے جس راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ از خود اس پر کوئی راستہ مسلط نہیں کرتا اور چونکہ خیر یا شر بندہ میں اسی کے اختیار میں پیدا کی جاتی ہے' اس لیے اس اختیار کی وجہ سے اس کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ بتایا گیا ہے کہ کفار مکہ کو ہدایت پر لانے کے لیے تمام دلائل کھول کھول کر بیان کیے جاچکے ہیں اور بہت سے معجزات اور نشانیاں دی جاچکی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کو ہدایت پر لانے کی صرف یہی صورت رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ہدایت پیدا کردے' لیکن یہ اللہ عزوجل کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ از خود تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنادیتا۔ پھر کسی نبی اور رسول کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی نہ کتاب اور صحائف نازل کرنے کی اور نہ معجزات اور نشانیاں پیش کرنے کی حاجت ہوتی اور رشد و ہدایت کا یہ حکمت پر مبنی نظام اور مربوط سلسلہ عبث اور بے کار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (دعوت اسلام کو) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا' پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(الانعام: ۳۶)

کفار کو مردہ فرمانے کی توجیہ

جو لوگ آپ کی دعوت اور تبلیغ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے' ان کے ایمان نہ لانے اور اعراض کرنے سے آپ دل برداشتہ اور مغموم نہ ہوں' کیونکہ آپ کے پیغام کو وہی لوگ توجہ سے سنیں گے جن کے کانوں کو اللہ عزوجل نے غور سے سننے کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے لیے آپ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور وہ لوگ

آپ کے پیغام کو توجہ سے نہیں سنیں گے' جن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ سو جب آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلائیں گے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا' جس طرح مویشی اپنے چرواہوں کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتے' سو یہی ان کا حال ہے جیساکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرہ: ۱۷۱)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایسے کو پکارے جو چیخ و پکار کے سوا کچھ نہ سنے' بہرے گونگے' اندھے ہیں' سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتیٰ (مردہ) فرمایا ہے' کیونکہ جس طرح مردے کوئی آواز سنتے ہیں نہ کسی پکار کا معنی سمجھتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی نشانیوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ان کو مردہ فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (النمل: ۸۰-۸۱)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو سناتے ہیں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جارہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ راست پر لانے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں' سو وہی مسلمان ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (فاطر: ۲۲)

بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور آپ قبر والوں کو سنانے والے نہیں ہیں۔

ان کافروں کی آنکھیں تھیں لیکن ان کو اندھا فرمایا' ان کے کان تھے پھر بھی ان کو بہرہ فرمایا اور ان کی زبان تھی' اس کے باوجود ان کو گونگا فرمایا اور یہ زندہ تھے' پھر بھی ان کو مردہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کا جلوہ دیکھے' کان اس کے ہیں جو عقیدت سے آپ کی باتیں سنے' زبان اس کی ہے جو آپ کا کلمہ پڑھے اور زندہ وہ ہے جو آپ کی غلامی میں زندہ رہے۔ جو آپ کی محبت سے جہاد میں مارا جائے' جو آپ کی خاطر سر کٹائے تو اللہ کے نزدیک وہ مردہ نہیں ہے' جو آپ کی غلامی میں رہے وہ زمین کے اوپر ہو' پھر بھی زندہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی زندہ ہے اور جو آپ سے منحرف ہو اور آپ کا منکر ہو وہ زمین کے اوپر ہو' پھر بھی مردہ ہے اور زمین کے نیچے ہو پھر بھی مردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (مطلوبہ) معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' آپ کہئے کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ (ان کا مطلوبہ) معجزہ نازل کر دے' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (الانعام: ۳۷)

کفار کی مطلوبہ نشانیاں نازل نہ کرنے کا سبب

یہ آیت صنادید قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جو عناد اور سرکشی کی بنا پر نبی ﷺ سے کسی معجزہ اور نشانی کا سوال کرتے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے جاچکے تھے جو کسی منصف مزاج شخص کے ایمان لانے کے لیے کافی تھے اور جن نشانیوں کا یہ سوال کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے نازل کرنے پر بھی قادر تھا' جیساکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ متعدد نشانیاں

نازل فرما چکا تھا' مثلاً ان کے مطالبہ پر چاند کو شق کیا گیا' لیکن یہ اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ لہٰذا ان کے مطالبہ کے موافق نشانیاں نازل کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا' کیونکہ ہر نشانی نازل ہونے کے بعد یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ سو واضح ہوا کہ یہ محض عناد اور ہٹ دھرمی سے نشانیوں کو طلب کرتے ہیں اور ان کے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اگر ان کے اجتماعی مطالبہ کے موافق کوئی نشانی نازل کر دی جائے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر ایسا عذاب آئے گا جس سے یہ سب ملیامیٹ ہو جائیں گے' تو ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ فرمانا اس حکمت پر مبنی ہے' ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق

أَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ

ہے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع

يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ

کیے جائیں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی (وہ) بہرے اور گونگے ہیں، اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے)

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے ○

قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تم پر قیامت آ جائے۔ کیا (اس وقت) اللہ

اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے ؟ (بتاؤ !) اگر تم سچے ہو ○ بلکہ تم اسی کو پکارو گے ، پس اگر وہ

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۱۰/۱۱

چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انھیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور (فضا میں) اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل مخلوق ہے۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا' پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے ○

(الانعام: ۳۸)

آیات سابقہ سے مناسبت اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اگر کفار کے فرمائشی اور مطلوبہ معجزات کے نازل کرنے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان معجزات کو نازل فرما دیتا اور اس کی تاکید اس آیت میں فرمائی کہ زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و کرم فرمایا ہے اور ان پر احسانات کیے ہیں' اسی طرح تم پر بھی فضل و کرم فرمایا ہے اور تم پر بھی احسانات کیے ہیں اور تمہارے مطلوبہ معجزات کو تم پر نازل نہ کرنا بھی ہمارا تم پر احسان ہے' کیونکہ اگر تمہاری فرمائش کے مطابق نشانیاں نازل کر دی جاتیں اور پھر تم ایمان نہ لاتے تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا جس سے تم نیست و نابود ہو جاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافروں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اس کے حضور جمع کیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حیوانات اور پرندے بھی تمہاری مثل ہیں' یعنی ان کو بھی اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔

جانوروں کے حساب اور قصاص کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن ہر چیز مقدمہ پیش کرے گی' حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے تھے۔

(مسند احمد' ج ۲' ص ۳۹۰' طبع قدیم' اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۴۹)

امام ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۰۰' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور دو بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری بکری کو سینگ مار کر اس کا حمل ساقط کر دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ آپ سے عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اس بکری پر تعجب ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس بکری سے قیامت کے دن قصاص لیا جائے گا۔ (مسند احمد' ج ۵' ص ۱۷۳' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۵۰)

امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سینگ والی بکری سے بغیر سینگ کی بکری کا قصاص لیا جائے گا۔ (مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۴۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بعض مخلوق کا بعض سے حساب لیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے اور حتیٰ کہ چیونٹی کا چیونٹی سے۔

(مسند احمد' ج ۲' ص ۳۶۳' امام احمد کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۵۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جبار تبارک و تعالیٰ متوجہ ہوگا اور پل صراط پر اپنا پیر رکھ دے گا' پھر فرمائے گا' مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! کوئی ظالم ظلم کر کے مجھ سے بھاگ نہیں سکتا۔ پھر وہ بعض مخلوق کا بعض سے انصاف لے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ کی بکری کا سینگ والی بکری سے اس کو سینگ مارنے کا انصاف لے گا۔

(المعجم الکبیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۲۱' اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ربیعہ ضعیف ہے اور باقی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۳)

حیوانوں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت کی وجوہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر حیوان اور ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ کس چیز میں ہے؟ اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱- حیوانوں اور پرندوں کو بھی اللہ کی معرفت ہے' وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنواسرائیل: ۴۴)

سات آسمان' اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے' وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (النور: ۴۱)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور صف بستہ پرندے' ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا۔

حضرت شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے بلافائدہ کسی چڑیا کو قتل کیا' وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی اے میرے رب! فلاں شخص نے مجھ کو بے فائدہ قتل کیا اور کسی نفع کے لیے مجھے قتل نہیں کیا۔

(سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۴۵۸' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۸۹' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۵۸۷' المعجم الکبیر' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۲۴۵' المستدرک' ج ۴' ص ۲۳۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ۸۶' الکامل لابن عدی' ج ۵' ص ۱۸۴۳' کنز العمال' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۳۹۹۷۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کو واقعات اور حوادث کا ادراک اور ان کی معرفت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہدہد کے مکالمہ کا جو ذکر کیا گیا ہے' اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کے جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی حیوانوں کے ادراک اور معرفت پر دلیل ہے۔

۲- جس طرح انسانوں میں توالد اور تناسل ہے اور وہ ایک دوسرے سے انس رکھتے ہیں' اسی طرح حیوانوں اور پرندوں میں بھی یہ امور ہیں۔

۳- اللہ عزوجل نے جس طرح انسانوں کو ایک خاص تدبیر سے پیدا کیا ہے' اور وہ ان کے رزق کا کفیل ہے' اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کا معاملہ ہے۔

۴- جس طرح قیامت کے دن انسانوں سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا' سو حیوانوں اور پرندوں سے بھی یہ معاملہ ہو گا۔

۵- ہر انسان میں کسی نہ کسی حیوان یا پرندے کی خصلت اور خصوصیت ہے۔ بعض انسان شیر کی طرح دلیر اور بہادر ہیں' بعض انسان بھیڑیے کی طرح حملہ کرتے ہیں' بعض انسان کتوں کی طرح بھونکتے ہیں' بعض انسان مور کی طرح مزین ہوتے ہیں' بعض انسان خنزیر کی طرح پاک چیز کو چھوڑ کر ناپاک کی طرف لپکتے ہیں' بعض انسان بلی کی طرح خوشامدی ہوتے ہیں' بعض کوے کی طرح حریص اور بعض لومڑی کی طرح چالاک ہوتے ہیں۔

٦- جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی موت‘ حیات‘ ان کا عمل‘ ان کا رزق اور ان کا اخروی انجام مقدر کر دیا ہے‘ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے بھی یہ امور مقرر کر دیئے ہیں۔

٧- جس طرح انسان اپنی روزی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے‘ اور اسے کسی مکان کی حاجت ہوتی ہے‘ جس میں وہ سردی گرمی اور بارش سے پناہ حاصل کر سکے۔ اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی ان امور کی حاجت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہم مثل ہونے کا محمل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف: ١١٠)

آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں‘ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت کی بنا پر بعض لوگ نبی ﷺ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے کہا نبی ﷺ کے مماثل کوئی بشر نہیں ہے۔ اس نے کہا کیا آپ کے دو ہاتھ نہیں تھے؟ کیا آپ کی دو آنکھیں اور دو کان نہیں تھے؟ میں نے کہا تم دو ہاتھ تو دکھا دو گے مگر ان ہاتھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان ہاتھوں سے اشارہ کریں تو سورج مغرب سے طلوع ہو جائے‘ ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو چاند شق ہو جائے‘ وضو کے برتن میں ہاتھ رکھ دیں تو انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو جائے اور تم دو آنکھیں تو دکھا دو گے لیکن ان آنکھوں میں یہ کمال کہاں سے لاؤ گے؟ کہ ان آنکھوں سے جنات اور فرشتوں کو دیکھو حتیٰ کہ رب کائنات کو بے حجاب دیکھو اور تم دو کان تو دکھا دو گے مگر ان کانوں میں یہ قوت کہاں سے لاؤ گے؟ کہ فرشتوں اور جنات کا کلام سن سکو‘ زمین پر ہوتے ہوئے آسمانوں کی آوازوں کو سن سکو‘ حتیٰ کہ رب کائنات کا کلام سن سکو۔ وہ کہنے لگا کمالات کی بات کو چھوڑو‘ صرف اس بات میں تو آپ ہماری مثل ہیں کہ آپ کے بھی دو کان تھے اور دو آنکھیں تھیں‘ یعنی ان اعضاء کے عدد اور گنتی میں تو آپ ہماری مثل ہیں۔ میں نے کہا اس طرح تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو‘ کیونکہ تمہارے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ اور ان کے بھی دو کان اور دو آنکھیں ہیں اور جس طرح تم رسول اللہ ﷺ کے مماثل ہونے کے ثبوت میں سورۂ کہف کی یہ آیت پڑھتے ہو‘ وہ تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل ثابت کرنے کے لیے یہ آیت پڑھ سکتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام: ٣٨)

اور زمین میں چلنے والا ہر حیوان اور فضا میں اپنے بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل مخلوق ہے۔

اگر تمہیں کتے اور خنزیر کی مثل کہا جائے تو یہ تمہاری توہین ہے۔ حالانکہ تمہیں کتے اور خنزیر پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کو ہم پر فضیلت ہے‘ تو سوچو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مثل کہنے سے آپ کی کس قدر توہین ہو گی!

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ کہئے کہ میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں‘ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف عدم الوہیت میں ہماری مثل ہیں۔ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا مماثل نہیں ہے نہ بشریت میں‘ نہ عبدیت میں‘ نہ نبوت اور رسالت میں اور اس کائنات میں جو بھی آپ کی مثل ہے‘ وہ عدمی وصف میں آپ کی مثل ہے یعنی نہ وہ خدا ہے نہ آپ خدا ہیں۔ نہ وہ واجب‘ قدیم اور مستحق عبادت ہے‘ نہ آپ واجب‘ قدیم اور مستحق عبادت ہیں۔

لوح محفوظ تمام مخلوقات کے تمام احوال کی جامع ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے' لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوقات کے تمام احوال تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر: ۵۳-۵۲)

انہوں نے جو کچھ کیا' وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا' پھر ان پر اپنے نور سے تجلی فرمائی' سو جس نے اس نور کو پالیا' اس نے ہدایت کو پالیا اور جس نے اس نور سے خطا کی' وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۵۱' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۵۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۹۶' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۰' مسند ابو عوانہ' ج ۱' رقم ۱۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۰۶۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقین رکھو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے' اور اگر تمام امت تم کو نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف وہی نقصان پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ دیا ہے' قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۰۷' ۳۰۳' ۲۹۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خوف ہے اور عورتوں سے نکاح کرنے کی میرے پاس وسعت نہیں ہے آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر عرض کیا' آپ نے پھر مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چوتھی بار اسی طرح عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ! جو کام تمہیں درپیش ہیں' ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے' خواہ تم خصی ہو یا ایسے رہو۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۷۶' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں تمام مخلوقات کے تمام احوال لکھ دیئے گئے ہیں اور قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

قرآن مجید تمام عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کا جامع ہے

اس آیت میں کتاب کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے اور اب معنی یہ ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں حساب' الجبرا' ریاضی اور سائنسی علوم اور ان کے قواعد کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح جدید اور قدیم میڈیکل سائنس کے علوم کا ذکر نہیں ہے' تو پھر یہ معنی کس طرح درست ہو گا کہ ہم نے قرآن مجید میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہے دین کی معرفت' عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۲)

یہ عظیم الشان کتاب! اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے' یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ (النساء: ۱۰۵)

بے شک ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (النحل: ۶۴)

ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے کہ جس چیز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے' آپ اس کو صاف صاف بیان کر دیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں تمام علوم و فنون کا روشن بیان ہے اور ماضی' حال اور مستقبل کے تمام واقعات کا تفصیلی ذکر ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں ہر پیش آمدہ مسئلہ کے لیے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے' اس میں منطق' فلسفہ' ریاضی اور سائنس وغیرہ کی تعلیم نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ احکام شرعیہ سارے کے سارے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض قرآن مجید سے ثابت ہیں' بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے' بعض آثار صحابہ سے' بعض اجماع سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو احکام سنت سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو مسائل آثار صحابہ سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن کریم میں ہے اور اجماع اور قیاس کا حجت ہونا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو مسائل اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں' ان کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے۔

سنت کی حجیت پر دلائل

جو احکام رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں' ان کی اصل یہ آیات ہیں:

وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ (الحشر: ۵۹)

اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں' ان سے باز رہو۔

مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران: ۳۱)

آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

آثار صحابہ کی حجیت پر دلائل

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اتباع کی اصل یہ احادیث ہیں:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے' احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ تم پر حبشی غلام مسلط کر دیا جائے' جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ تم دین میں نئی نئی باتیں نکالنے سے اپنے آپ کو بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے' تم میں سے جو شخص اس چیز کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ میری سنت پر عمل کرے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرے اور اس کو ڈاڑھوں سے پکڑ لے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث ۲۶۸۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۴۵' طبع جدید' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۷-۱۲۶' طبع قدیم' المستدرک' ج ۱' ص ۹۷-۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ضرور وہ کام کرے گی جو بنو اسرائیل نے کیے تھے' بالکل برابر برابر' حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ ایسا کریں گے اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی' اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس ملت پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۵۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد میرے اصحاب میں جو اختلاف ہوگا' اس کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں۔ بعض اصحاب بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کا نور ہے' جب ان کے مواقف میں اختلاف ہو تو جو شخص ان میں سے جس کے موقف پر بھی عمل کرے گا' وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی' تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کو امام رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح' ص ۵۵۴' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

اس حدیث کے آخری حصہ کو علامہ زبیدی نے امام دارمی اور امام ابن عدی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین' ج ۲' ص ۲۲۳' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

اجماع کی حجیت پر دلائل

اجماع کی اصل درج ذیل آیت اور احادیث ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلا تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں تمام مسلمانوں کے موقف اور مسلک کی مخالفت پر عذاب کی وعید ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مسلمانوں کا اجماعی موقف حجت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کبھی

بھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی' سو تم جماعت کو لازم رکھو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۶۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک سند کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۲۱۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے' اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

قیاس کی حجیت پر دلائل

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر: ۲)

وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی بار جلا وطن کرنے کے وقت نکالا' تمہیں ان کے نکل جانے کا گمان (بھی) نہ تھا۔ وہ اس گھمنڈ میں تھے کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے' سو ان کے پاس اللہ کا حکم آگیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا' وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی' سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا' یعنی جو حکم اصل شئے کے لیے ثابت ہوگا' وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے' تم وہ کام نہ کرنا ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو اللہ کا حق ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم' صیام' ۱۵۴' (۱۱۴۸) ۲۶۵۱' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۷۱۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۵۹' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۱۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۹۹' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۱۵' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا' تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے' جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۳۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۹۲' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۳۶' ۲۳۰)

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے' وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو' تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو' اس کے مطابق فیصلہ کرے' اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو' تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں' کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو' اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبدالرحمن نسائی نے کہا یہ حدیث بہت جید (عمدہ) ہے۔

(سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۴۱۲' ۵۴۱۳' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب' سنت' اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے ذکر ہونے پر دلائل

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید میں صرف ان علوم کو بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ہدایت اور اخروی فوز و فلاح میں احتیاج ہوتی ہے یا قرآن مجید میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا ذکر موجود ہے۔ علامہ آلوسی کا مختار ثانی الذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ بلخی اور ایک جماعت کا مختار ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی دین اور دنیا میں ضرورت پڑتی ہے' بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے' اور یہ ذکر یا مفصل ہے یا مجمل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ دین کا جو مسئلہ بھی پیش آئے گا' اللہ کی کتاب میں اس کے متعلق ہدایت موجود ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت کرتا ہے' اور بال نوچنے والی پر اور جو خوبصورتی کے لیے دانتوں میں جھری کرواتی ہیں' اور اللہ کی بناوٹ کو تبدیل کرتی ہیں۔ ام یعقوب نے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی

ہے اور اس پر کتاب اللہ میں لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا: بہ خدا میں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: بہ خدا اگر تم نے قرآن مجید کو پڑھا ہوتا تو تم اس لعنت کو پالیتیں' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔ (الحشر: ۵۹)' (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۹۳۹) صحیح بخاری میں اسی قدر ہے' لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا' کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی' اس نے کہا پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ امام شافعی نے مکہ میں فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتاب سے اس کا جواب دوں گا ان سے سوال کیا گیا جو محرم بھڑ (ततیہ) کو مار ڈالے آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ اس کو مار سکتا ہے اور اس پر حضرت ابن مسعود کی طرح استدلال کیا۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا اس قرآن میں ہر علم کو نازل کیا گیا ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان کیا گیا ہے' لیکن ہمارا علم ان چیزوں کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جن کا قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی چیز سے غافل ہوتا تو چیونٹی' رائی کے دانہ اور مچھر سے غافل ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو گئی تو میں اسے اللہ کی کتاب میں تلاش کر لوں گا (یہ اثر کسی صحیح یا معتبر سند سے منقول نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور علامہ مرسی نے کہا قرآن مجید میں اولین اور آخرین کے علوم جمع ہیں اور ان علوم کا حقیقتاً احاطہ صرف اللہ تعالیٰ نے کیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' ماسوا ان چیزوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے' اور میں نے بعض علماء سے سنا اور اس کی صحت کا ذمہ ان ہی پر ہے کہ ایک دن محی الدین ابن العربی قدس سرہ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے' اچانک شیخ گدھے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ شیخ اکبر کو سوار کرانے کے لیے آگے بڑھے' انہوں نے کہا مجھے کچھ مہلت دو۔ انہوں نے کچھ مہلت دی۔ پھر شیخ نے ان کو سوار کرانے کی اجازت دی' لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا میں نے اللہ کی کتاب میں اس حادثہ پر غور کیا' تو مجھے سورۃ الفاتحہ میں اس کا ذکر مل گیا' اور یہ امر ہماری عقلوں سے ماوراء ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے سورۃ الفاتحہ سے بادشاہوں کے نام نکالے ہیں اور ان کے احوال اور ان کی سلطنت کی مدت وغیرہ مستنبط کی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں اس تخصیص کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ان ہی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے جن کی مکلفین کو ضرورت ہے' مثلاً دلائل توحید وغیرہ۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۴۵-۱۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

قرآن مجید میں صرف ہدایت کے مذکور ہونے پر دلائل

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع صرف ہدایت دینا ہے۔ اس لیے اس نے عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کی ہدایت دی ہے' اور اس سلسلہ میں موعظت اور نصیحت کے لیے انبیاء اور صالحین اور کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور جنت اور دوزخ کا بیان کیا ہے اور اخروی فوز و فلاح کی ہدایت کے لیے جو امور ضروری ہیں ان سب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض علماء اور صوفیاء کا یہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ماکان و مایکون کا بیان ہے' یعنی ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک ہر ہر جزی اور مشخص واقعہ اور حادثہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہرچند کہ ان کا

صراحتاً اور تفصیلاً بیان نہیں ہے، لیکن ان امور کا اجمالاً ذکر ہے اور کچھ رموز، اشارات اور کنایات ہیں جن سے ان تمام امور کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اگر ہر چیز سے ما کان و ما یکون مراد لیا جائے تو ان کے اپنے قول کے مطابق اس کا بیان رموز اور اشارات سے ہے اور اس کو تبیان اور روشن یا واضح بیان نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! اگر اس سے مراد عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ ہوں تو ان کی ہر چیز کا قرآن مجید میں روشن بیان ہے۔ نیز وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۱۱)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، لیکن یہ ان کتابوں کی مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بھی ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اس میں دنیا اور آخرت کے ہر واقعہ اور ہر حادثہ اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کی تفصیل ہے تو فی الواقع قرآن کریم میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں ہے اور ان علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ ان تمام امور کا قرآن مجید میں اجمالاً ذکر ہے، نہ کہ تفصیلاً۔ اس لیے یہ آیت بھی ان کے مدعا پر دلیل نہیں ہے اور اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ اس میں عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سے ہر چیز کی تفصیل ہے تو یہ معنی برحق ہے، لیکن یہ معنی ہماری تائید کرتا ہے نہ کہ ان کی۔

قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان کے متعلق مستند مفسرین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

عطا نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کو جس چیز کی حاجت تھی، ہم نے اس کا بیان کر دیا ہے یا صریح عبارت میں یا دلالت النص سے یا اجمال سے یا تفصیل سے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

یعنی قرآن مجید ہر اس چیز کا روشن بیان ہے جس کی دین میں احتیاج ہے، اور سورۃ الانعام کی زیر بحث آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ما کان و ما یکون پر مشتمل ہے، یعنی ہم نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک کی تمام چیزوں کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے۔

(الوسیط ج ۲، ص ۲۶۹، ۲۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

علامہ واحدی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اس سے فرمایا لکھ تو اس نے ابد تک ہونے والی سب چیزوں کو لکھ دیا۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۳۳۰' سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۰۰' مسند ابو یعلی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۲۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ۳' الاسماء والصفات للبیہقی' ص ۳۷۸' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۱۹۰' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

علامہ ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے' یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے یا صراحتاً یا اجمالاً یا دلالتہ۔ جیسا کہ سورۂ النحل' آیت ۸۹ میں ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یعنی ہر اس چیز کو بیان کر دیا جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۳۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی تمام یا اکثر آیتیں مطابقتاً' تضمناً' اور التزاماً اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین' اللہ کی معرفت اور اللہ کے احکام کی معرفت کو بیان کیا جائے۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے' کیونکہ اس میں تمام حوادث ثابت کیے گئے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' یعنی ہم نے دین کی کسی چیز کو قرآن مجید میں نہیں چھوڑا' اور دین کی ہر چیز کی اس میں دلالت ہے۔ یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے' کیونکہ اس میں دنیا کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں کسی جاندار یا بے جان کی کسی چیز کو ترک نہیں کیا گیا اور یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کی تدوین کی گئی ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ مفصلاً بھی اور مجملاً بھی۔ (البیضاوی مع الکازرونی' ج ۲' ص ۴۰۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جو اللہ کی معرفت کی دعوت دیتی ہو' اور اس کے احکام کی طرف بلاتی ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب تمام احکام شرعیہ پر مشتمل ہے۔

(البحر المحیط' ج ۴' ص ۵۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیہ حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس کے ذکر کی احتیاج ہے۔

(بدائع التفسیر' ص ۱۳۸-۱۴۷' مطبوعہ دار ابن الجوزی' ریاض' ۱۴۱۴ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد حسین قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہیں چھوڑا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں طب' حساب' دیگر علوم اور لوگوں کے مذاہب کی تفصیلات تو نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفریط نہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کی احتیاج ہو اس کو نہ چھوڑا جائے اور احتیاج اصول اور قوانین کی ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں اور علم الفروع کی تفاصیل کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ وہ سنت' اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش جامع البیان' جزء ۷' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے کہ یہ کتاب اپنی عبارت' دلالت' اشارت اور اقتضاء کے اعتبار سے ان تمام امور پر مشتمل ہے جن کی طرف ہم اپنی عبادت میں محتاج ہیں۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن' ج ۲' ص ۱۵' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' پشاور)

علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہم اشیاء کے بیان میں سے قرآن کریم میں کسی شے کو ترک نہیں کیا اور ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کی مصلحتوں کی رعایت فرماتا ہے۔

(تفسیر ابو سعود علی ہامش التفسیر الکبیر' ج ۳' ص ۱۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یا کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' کیونکہ اس میں ان تمام چیزوں کو مفصلاً یا مجملاً مدون کیا گیا ہے جن کی دین میں احتیاج ہوتی ہے۔ (التفسیر المظہری' ج ۳' ص ۲۳۴' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' ۱۴۰۴ھ)

سید محمد رشید رضا اپنے استاذ الشیخ محمد عبدہ کی تقریر لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے تو اس آیت کے عموم سے مراد دین کے موضوع کا عموم ہوگا' جس دین کو دے کر رسولوں کو بھیجا جاتا ہے' اور جس کی وجہ سے کتابوں کو نازل کیا جاتا ہے اور وہ ہدایت ہے کیونکہ ہر چیز کا عموم اس کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کسی قسم کو ترک نہیں کیا جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا جاتا ہے' اور ہم نے ان کو اس کتاب میں بیان کر دیا ہے اور وہ دین کے اصول' قواعد اور احکام ہیں اور ان میں انسان کی قوت بدنی اور قوت عقلی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے' وہ ان سے کس طرح استفادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی رعایت کر کے کس طرح سے انفرادی اور اجتماعی کمال حاصل کرے اور قرآن مجید نے صریح عبارات اور اشارات سے اس کے حصول کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں تمام کائنات کے علوم ہیں اور تمام ما کان و ما یکون کا ذکر ہے اور یہ کہ ایک دن شیخ محی الدین ابن العربی اپنے دراز گوش سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو انہوں نے لوگوں کو اس وقت تک یہ

اجازت نہیں دی کہ ان کو اٹھائیں جب تک کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ سے اپنے گدھے سے گرنے اور ٹانگ ٹوٹنے کے حادثہ کا استخراج نہیں کر لیا۔ یہ دعویٰ ایسا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا اور نہ فقہاء تابعین اور علماء سلف صالحین میں سے کسی کا یہ قول ہے اور نہ ہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس قول کو قبول کرے گا' سوا ان لوگوں کے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے وہ سب حق ہے۔ خواہ اس کو عقل قبول کرے' نہ اس کی نقل تائید کرے اور نہ اس پر لغت دلالت کرے۔ اس کے برعکس ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ عبادات ضروریہ کے تمام احکام فرعیہ پر قرآن مجید مشتمل نہیں ہے نہ صریح عبارت سے' نہ دلالت النص سے' نہ اشارۃ النص سے' بلکہ قرآن نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو سنت سے ثابت ہے' اس پر بھی قرآن دلالت کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید نے قیاس صحیح کے قواعد کو ثابت کیا ہے اور دیگر قواعد کو بھی ثابت کیا ہے۔ لہٰذا قیاس کی فروع اور جزئیات پر بھی قرآن مشتمل ہے اور دین کی کوئی چیز ان سے خارج نہیں ہے۔ (المنار' جز ۷' ص ۳۹۵' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید شریعت کا کلیہ ہے اور اس میں امور کلیات جمع کیے گئے ہیں' کیونکہ ان کے نزول کے مکمل ہونے سے شریعت تام ہوگئی' لہٰذا جب ہم شریعت کے کلیات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید ان تمام کو شامل ہے۔ (تفسیر القاسمی' ج ۶' ص ۵۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہدایت کی ان اقسام میں سے کوئی قسم نہیں چھوڑی جن کی وجہ سے رسولوں کو بھیجا گیا ہے اور اس میں دین کے اصول' احکام اور حکمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان اپنی بدنی اور عقلی قوتوں کو کس طرح استعمال کرے۔

(تفسیر المراغی' جز ۷' ص ۱۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل شریعت پر دلالت کرتا ہے اور اسلام کے مبادی اور تمام احکام کے اصول اور دین کے اخلاق و ضوابط پر محیط ہے۔

(التفسیر المنیر' جز ۷' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۸۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم میں علم طب اور علم حساب کی تفاصیل کا ذکر تو نہیں ہے' نہ دیگر علوم اور ان کے مباحث کا ذکر ہے اور نہ ائمہ کے مذاہب کا ذکر ہے اور نہ ان کے ان دلائل کا ذکر ہے جو علم الاصول اور علم الفروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں چھوڑا' اس سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کو اپنے دین کی فہم میں جن امور کی ضرورت ہوتی ہے' ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ اور جن امور کی حاجت نہیں ہے' ان کی تفصیل نہیں کی اور علم الاصول بتمامہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں دلائل اصلیہ پوری تفصیل سے موجود ہیں اور ائمہ مذاہب کی تفاصیل اور ان کے اقوال کے ذکر کی اس میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ باقی رہی علم الفروع کی تفاصیل تو علماء نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع' خبر واحد اور قیاس شریعت

میں حجت ہیں اور جو مسئلہ بھی ان تین ذرائع میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا' وہ درحقیقت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں' ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو روکیں ان سے باز رہو (الحشر: ۵۹) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے' یعنی گودنے والی پر اور گدوانے والی پر اور بال جوڑنے والی پر اور بال جڑوانے والی پر۔

روایت ہے کہ ایک عورت نے پورے قرآن کو پڑھا' پھر وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں نے گزشتہ رات پورے قرآن کو پڑھا اور مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی کہ گودنے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم واقعی تلاوت کرتیں تو تم کو وہ آیت مل جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کریں ان سے باز رہو' اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں' ان میں یہ حکم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرماتا ہے' اور روایت ہے کہ ایک دن امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص نے آکر پوچھا اگر محرم بھڑ (تتیہ) کو مار دے تو کیا اس پر تاوان ہے؟ امام شافعی نے فرمایا اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ قبول کرو پھر سند کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر لازماً عمل کرنا۔ پھر سند کے ساتھ ذکر کیا کہ جس محرم نے بھڑ کو قتل کیا تھا' اس کے متعلق حضرت عمر نے یہی فرمایا تھا' تو امام شافعی نے تین درجات کے ساتھ اس حکم کو قرآن مجید سے مستنبط کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ اجماع حجت ہے اور خبرواحد حجت ہے اور قیاس حجت ہے' لہٰذا ہر وہ حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہو گا' وہ درحقیقت قرآن مجید سے ثابت ہو گا اور اس تقریر کے مطابق اس آیت کا یہ معنی صحیح ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کو نہیں چھوڑا' کیونکہ اس کتاب کا موضوع عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کا بیان ہے اور وہ تمام عقائد اور احکام قرآن مجید میں یا صریح عبارت کے ساتھ موجود ہیں یا دلالت کے ساتھ موجود ہیں اور وہ دلالت اجماع' خبرواحد یا قیاس میں سے کسی ایک سے حاصل ہو گی۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی' ج ۲' ص ۱۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ہم نے یہ واضح کرنے کے لیے بہ کثرت دلائل اور حوالہ جات پیش کیے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن مجید میں ابتداء آفرینش عالم سے لے کر دخول جنت اور دخول نار تک تمام کوائن اور حوادث اور تمام مخلوقات کے تمام احوال بیان کیے گئے ہیں اور جیسا کہ قارئین پر واضح ہو چکا ہے' یہ بالکل بے اصل بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ اندھیروں میں (بھٹکے ہوئے) ہیں' اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر گامزن کر دے۔ (الانعام: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے گمراہی اور ہدایت پیدا کرنے کی توجیہ

جن کافروں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا' ان کی جہالت اور ان کی کج فہمی کی وجہ سے ان کی مثال بہرے شخص کی طرح ہے جو سنتا نہ ہو اور گونگے شخص کی طرح ہے جو

بولتا نہ ہو۔ وہ حق کی طرف دعوت و ارشاد کو قبول کرنے کے لیے سننے اور حق کو پہچاننے کے باوجود اس کا اقرار نہیں کرتے اور وہ شرک' بت پرستی اور رسوم جاہلیت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت' آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی کے اندھیروں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ سو جو شخص بہرہ اور گونگا ہو اور اندھیروں میں بھٹک رہا ہو' وہ کیسے صحیح راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے یا ان تاریکیوں کے جال سے کس طرح نکل سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے' تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے' ہدایت پیدا فرما دیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے' گمراہی پیدا فرما دیتا ہے۔ جو شخص اللہ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں' ان میں غور و فکر کرنے سے تکبر کرتا ہے اس شخص میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو انسان اپنی سماعت' بصارت اور عقل سے صحیح کام لے کر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اس کی قدرت اور اس کی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جس چیز کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے' اس لیے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے تو گمراہ کی مذمت کس لیے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ پیدا کرتا ہے تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے! یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے' یا تم پر قیامت آ جائے' کیا (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو (مدد کے لیے) پکارو گے؟ (بتاؤ!) اگر تم سچے ہو؟ (الانعام: ۴۰)

مصیبتوں میں صرف اللہ کو پکارنا انسان کا فطری تقاضا ہے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے' چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے:

اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین سے کہیے کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے' ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا' یا ان پر سخت آندھیاں آتیں یا بجلی کی کڑک آلیتی یا طوفان آتا' اگر تم پر ایسا ہی عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو کیا تم اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے' جو تم سے ان مصائب کو دور کرے گا یا تم اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکارو گے جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دیں گے۔ بتاؤ! اگر تم ان بتوں کی عبادت میں سچے ہو؟ تو پھر اللہ تعالیٰ از خود اس سوال کا جواب دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ تم اسی کو پکارو گے' پس اگر وہ چاہے گا تو وہ اس تنگی کو کھول دے گا جس کے لیے تم اس کو پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔ (الانعام: ۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سختی' مصیبت اور تنگی میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو' تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ کہئے کہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ جسے تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے' آپ کہئے اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے' پھر تم شرک کرتے ہو۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ وہ اخلاص سے اس کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں اور جب وہ ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے' تو یکایک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کرے اور اسی کو پکارے۔ اس لیے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی امید کی نظریں اس کے سوا اور کسی کی طرف نہیں اٹھتیں:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰)

اللہ کی بنائی ہوئی سرشت کو اپنے اوپر لازم کرلو' جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

کر دیا تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ○ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

گڑگڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا ○

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ ۚ حَتّٰۤى

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے' حتیٰ کہ

اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے ○

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٥﴾

پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ○

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے، دیکھیے ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں

هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً

پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں ○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا، اللہ کا عذاب آجائے

أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ

تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے ○ ہم صرف خوش خبری سنانے والے

إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں، پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ

وہ نافرمانی کرتے تھے ○ آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا

اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا

يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ ع ۵ ۶ ۹ ۱۱

ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر ہم نے ان کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا' تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں○ تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گڑگڑا کر دعا کی' لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔ (الانعام: ۴۳-۴۲)

مصیبتیں اور تکلیفیں بندوں کو اللہ کی طرف راجع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہیں

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اس آیت میں ان سے زیادہ سخت دل کافروں کا حال بیان فرما رہا ہے جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ الباساء کا معنی ہے شدت' عذاب' قوت اور شدت فقر اور اس کا اطلاق جنگ اور مشقت پر بھی کیا جاتا ہے اور الباساء جنگ کی شدت کو بھی کہتے ہیں اور الضراء' ضرر سے بنا ہے' ضرر نفع کی ضد ہے' یعنی نقصان اور مرض کو بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں الباساء سے مراد ہے فقر کی تنگی اور الضراء سے مراد ہے بیماری کی سختی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی عبرت کے لیے سابقہ امتوں کی مثال دی اور یہ بتلایا کہ اپنے بندوں کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے' تاکہ وہ گمراہی اور کفر سے ہدایت اور ایمان کی طرف رجوع کریں۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ہم نے ان کو فقر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا' تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں' کیونکہ سختیاں جھیلنے سے انسان کندن بن جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لیے بتایا ہے کہ وہ بھی پچھلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الٰہی کے منتظر تھے اور نبی ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو موکد فرمایا کہ جب ان کافروں پر فقر اور مرض کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کیوں نہیں کی' ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی' نہ خوف پیدا ہوا اور انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔ سو ان کے دل پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور یہ لوگ جو نبیوں سے عناد رکھتے تھے' شرک کرتے تھے اور فسق و فجور میں ڈوبے رہتے تھے' شیطان نے ان کے ان کاموں کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ڈٹے رہو' کیونکہ یہی حق و صواب ہے۔ پھر جب انہوں نے اس تنبیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس سے وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ چنانچہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے' حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے○ پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الانعام: ۴۵-۴۴)

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا ملنا اللہ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے

اس آیت میں ان کے نصیحت کے بھولنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا' حالانکہ بھولنے سے احتراز تو ان کے اختیار میں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بھولنے سے مراد ترک کرنا ہے' یعنی جب انہوں نے اس نصیحت کے تقاضوں پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ ابن جریج نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: جس دین کی طرف ان کو اللہ اور اس کے رسولوں نے دعوت دی تھی' اس کو انہوں نے ترک کر دیا' بلکہ اس کا انکار کیا اور اس کو رد کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی معاش کی تنگی کو رزق کی وسعت سے بدل دیا اور بیماریوں کو صحت اور سلامتی کے ساتھ بدل دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ان پر رحمت اور توبہ کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ ان کے علاوہ نیکی اور صلاح اور فلاح کے دروازے بھی بہت زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے رزق کی وسعت' خوشحالی اور جسمانی صحت و سلامتی کے جو دروازے ان پر بند کردیئے تھے' بطور استدراج اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہم نے وہ بند دروازے ان پر کھول دیئے۔ اس کی نظیر اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۵-۹۴)

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو (نبی کی تکذیب کی وجہ سے) ہم نے تنگی اور تکلیف میں گرفتار کرلیا' تاکہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں' پھر ہم نے بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا' حتیٰ کہ وہ (مال اور اولاد میں) بہت زیادہ ہوگئے اور کہنے لگے' ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف اور راحت پہنچتی رہی ہے پھر ہم نے اچانک ان کو اپنی گرفت میں لے لیا درآنحالیکہ ان کو شعور نہ تھا۔

وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (الاعراف: ۱۸۳)

اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

محمد بن نضر حارثی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کو بیس سال مہلت دی تھی۔ ابن جریج نے کہا کہ وہ خوشحالی میں مغرور تھے کہ اچانک ان پر عذاب آگیا۔ ابن زید نے کہا مبلس وہ شخص ہے جس پر ایسی مصیبت آجائے جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ یا اس پر ایسا عذاب آئے جس سے بچاؤ نہ کیا جاسکے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۲۵۶-۲۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کے باوجود ان کے سوالوں کے مطابق عطا فرمارہا ہے' تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استدراج اور ڈھیل ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (الآیہ) (مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۳۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' طبع جدید' ۱۴۱۴ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں' حسن نے کہا جس شخص پر بھی اللہ نے دنیا وسیع کردی ہے' اور اس کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کو ڈھیل دی گئی ہے تو اس شخص کا عمل ناقص ہوگا اور اس کی فکر ردی ہوگی اور جس شخص سے اللہ نے دنیا کی وسعت روک لی ہو اور اس نے اس تنگی میں خیر کا گمان نہ کیا ہو' تو اس شخص کا عمل بھی ناقص ہوگا اور اس کی فکر ردی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جب تم فقر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو نیک لوگوں کی طرح مرحبا کہو' اور جب تم غنا کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو یہ آزمائش ہے جس میں مجھے مبتلا کیا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۶' ص ۳۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں نے اپنے رب کے خلاف سرکشی کی تھی' اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے احکام کی مخالفت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک بالکلیہ ہلاک کردیا اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر نیست و نابود کردیا۔ اس لیے فرمایا پس ظالموں کی جڑ

کاٹ دی گئی اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' یعنی کامل ثناء اور مکمل شکر اللہ رب العالمین کے لیے ہے' جس نے اپنے رسولوں پر اور اپنی اطاعت کرنے والوں پر انعام فرمایا اور ان کو اپنے مخالف کافروں کے خلاف دلائل اور براہین سے غلبہ عطا فرمایا اور کافروں کو ان کے کفر اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جس عذاب کی وعید سنائی تھی' وہ عذاب ان پر نازل کر دیا اور اپنی وعید کو سچا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے جائے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے آئے' دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں' پھر (بھی) وہ روگردانی کرتے ہیں۔ (الانعام: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ خالقیت پر استدلال کرنا مقصود ہے' کیونکہ انسان کے اشرف الاعضاء کان آنکھیں اور دل ہیں۔ کان قوت سامعہ کا محل ہیں' آنکھیں قوت باصرہ کا محل ہیں اور دل حیات' عقل اور علم کا محل ہے۔ اگر ان اعضاء سے یہ صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام فاسد ہو جائے گا اور وہ دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے' وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عظیم الشان اور عالی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے تو پھر یہ کہنا واجب ہے کہ تعظیم' ثناء اور عبادت کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل اور فاسد طریقہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر وہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دے جس سے وہ ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو بالکل زائل کر دے اور وہ پاگلوں اور مجنونوں کی طرح ہو جائیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو مردہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلائل بیان کرتے ہیں' یعنی کبھی ہم انہیں اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں اور کبھی انہیں پچھلی امتوں کا عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں اور کبھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں' تاکہ تم ایمان لے آؤ اور کبھی اپنی الوہیت' قدرت اور توحید پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے یہ بتاؤ! اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آ جائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کیے جائیں گے۔ (الانعام: ۴۷)

کافروں کے عمومی عذاب میں' آیا مومن بھی مبتلا ہوں گے یا نہیں؟

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب خواہ کسی قسم کا ہو' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر ہو' اللہ عزوجل کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اس آیت میں عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا' کیونکہ یا تو عذاب کی پہلے علامتیں نمودار ہوں گی یا پیشگی علامتوں کے بغیر عذاب آئے گا۔ ثانی الذکر اچانک عذاب ہے اور اول الذکر کھلم کھلا عذاب ہے۔ ثانی الذکر کا اچانک ہونا ظاہر ہے اور اول الذکر کو کھلم

کھلا اس لیے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں' حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر یہ عذاب آ جائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ھلاک کیا جائے گا! اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب عمومی عذاب آئے گا تو پھر نیک اور بد کی تمیز نہیں رہے گی اور کافروں کے ساتھ مومن بھی ہلاک ہو جائیں گے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ بظاہر مومن اور کافر دونوں ہلاک ہوں گے لیکن حقیقت میں ہلاکت صرف کفار کے لیے ہو گی اور مومنوں کے لیے یہ ضرر عظیم ثواب اور بلند درجات کا سبب ہو گا' اس لیے ان کے حق میں یہ ہلاکت نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ' یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقہ کے کافروں پر عمومی عذاب نازل فرماتا ہے تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال دیتا ہے' جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں پر جب عذاب نازل فرمایا تو ایمان والوں کو وہاں سے نکال لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس وجہ سے عذاب ہو گا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الانعام: ۴۹۔۴۸)

انبیاء علیہم السلام کا مقرر شدہ کام

اس آیت کا معنی ہے کہ ہم رسولوں کو صرف ترغیب اور ترہیب کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ دنیا میں رزق کی وسعت اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکور ذیل آیتوں میں ترغیب اور ترہیب دونوں کی مثالیں ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ (الاعراف: ۹۷۔۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے' لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا O کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آ جائے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں۔ اس لیے نہیں بھیجا کہ کفار ان سے من مانے اور فرضی معجزات طلب کریں۔ انبیاء علیہم السلام صرف ان ہی معجزات کو پیش کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کسی انسان کی تسلی اور اطمینان کے لیے جس قدر معجزات کی ضرورت ہوتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرما دیتا ہے اور جو شخص ان معجزات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے وہ آخرت میں عذاب سے بے خوف ہو گا اور جن لوگوں نے ان معجزات کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کو آخرت میں عذاب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

نبی ﷺ سے قدرت، علم غیب اور فرشتہ ہونے کی نفی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کے منکروں سے کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کی ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے خزانے ہیں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں از خود ایسے غیب کو جانتا ہوں جن غیوبات کو اللہ تعالیٰ کے سوا از خود کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ تم میرے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرو، کیونکہ خدا وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت میں کائنات کی ہر چیز ہو اور جس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہ ہو، یعنی جس کا علم اور اس کی قدرت کامل ہو خدا وہی ہو سکتا ہے اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، کیونکہ میں تم کو دکھائی دیتا ہوں اور فرشتہ عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام سنایا ہے یہ وہی ہے جس کی میری طرف وحی کی گئی تھی۔ میں صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں، میں نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے، اس پر میں نے اللہ کی طرف سے قوی اور مستحکم دلیلیں پیش کی ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اور نہ عقل کے خلاف ہے۔ اے محمد! ﷺ آپ کہیے "کیا وہ لوگ جو حق کو اور دلائل کو دیکھنے سے اندھے ہیں" وہ اور وہ لوگ جو دلائل کو دیکھ کر حق کا اعتراف کر لیتے ہیں، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم لوگ میرے دعویٰ کی سچائی اور اپنی تکذیب کے فساد پر غور نہیں کرتے؟

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں:

۱- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں اور یہ کہ اللہ ہمارے لیے سعادتوں کے دروازے کھول دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ملک عطا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (خزانہ کا معنی ہے ایسی حفاظت کی جگہ جہاں لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں)

۲- مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ درحقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا، تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟

۳- مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور شادی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی ﷺ سے قدرت اور علم غیب کی نفی کا محمل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ان تین امور کی نفی کرائی۔ اس نفی کرانے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے اللہ کے سامنے تواضع اور خضوع کا اظہار کریں، تاکہ لوگ آپ کے متعلق وہ اعتقاد نہ کرلیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا گیا تھا۔

(ب) کفار مکہ آپ سے بہت زبردست معجزوں کے اظہار کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ اس

کے درمیان سے کوئی دریا جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا آپ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جسے ہم پڑھیں۔ آپ کہئے میرا رب سبحان ہے۔ میں تو صرف بشر رسول ہوں (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰) یعنی صرف رسالت اور نبوت کا دعویٰ دار ہوں اور جن امور کو تم طلب کر رہے ہو' ان کو اللہ کی قدرت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جن معجزات کا تم مطالبہ کر رہے ہو ان کو حاصل کرنے کے لیے میرے پاس مستقل قدرت نہیں ہے۔

(ج) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس ایسی قدرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ کے علم سے متصف ہوں اور ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا مدعی نہیں ہوں۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۸-۴۷-۴ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ 'طبع قدیم)

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے مقدورات اور اس کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ جس غیب کی میری طرف وحی نہ کی جائے' یا جس غیب پر دلیل (عقلی یا سمعی) قائم نہ ہو' اس کو میں نہیں جانتا' یا میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتوں کی جنس سے ہوں یا جن کاموں پر فرشتے قادر ہیں ان پر میں قادر ہوں۔ نبی ﷺ نے خدا ہونے اور فرشتہ ہونے کے دعویٰ سے براءت کا اظہار کیا اور نبوت کا دعویٰ کیا جو بشر کے کمالات سے ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی' ج ۲' ص ۴۱۱-۴۱۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مولانا شیخ الاسلام کا مختار یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ عزوجل کے افعال سے متعلق علم غیب کو جانتا ہوں' حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ سوال کرو کہ قیامت کس وقت واقع ہوگی یا عذاب کس وقت نازل ہوگا؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ غیب کفار کے انجام کے ساتھ مخصوص ہے' یعنی میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم مجھے خلاف عادت افعال کا مکلف کرو' مثلاً آسمان پر چڑھنے کا' اس سے یہ وہم نہ ہو کہ فرشتہ نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ شیر' بھیڑیا' سانپ اور پرندے ایسے کام کر لیتے ہیں جو انسان نہیں کر سکتا' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان سے افضل ہوں۔ (روح المعانی' ج ۷' ص ۱۵۶-۱۵۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علماء دیوبند کے نزدیک علم غیب کی نفی کا محمل

اس آیت کو علماء دیوبند نے بھی اس پر محمول کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں کی گئی' بلکہ مستقل اور بالذات علم کی نفی کی گئی ہے یا آپ سے تمام معلومات الہیہ کی نفی کی گئی ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الہیہ ہیں) جانتا ہوں (جیسا کہ کبھی کبھی بطور عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آئے گی؟) (بیان القرآن' ج ۱' ص ۲۷۸' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے' وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو' اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو وہ فوراً بتلا دیا کرے۔

(تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود الحسن' ص ۱۷۷)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کے تحت خلاصہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں (جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۲۴' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی ۱۴)

نبی ﷺ کے لیے علم غیب کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت میں علم غیب کی نفی کو مطلقاً علم غیب کی نفی پر محمول نہیں کیا' بلکہ اس علم غیب کی نفی پر محمول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عموماً علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیات حسب ذیل ہیں:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ — یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ (آل عمران: ۴۴)

انبیاء علیہم السلام کے علم کا ایک ذریعہ وحی ہے' سو جب نبی ﷺ کی طرف غیب کی وحی کی گئی تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا۔ چونکہ شرح عقائد میں لکھا ہوا ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ حواس سلیمہ' خبر صادق اور عقل (شرح عقائد' ص ۱۰) اور جب نبی ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئیں تو آپ کو غیب کا علم حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ — یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن خبروں کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ (ھود: ۴۹)

عمومی طور پر انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ — اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے ہاں (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) وہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔ (آل عمران: ۱۷۹)

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ — (اللہ) غیب کا جاننے والا ہے' وہ اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں فرماتا' سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا' جو اس کے رسول ہیں۔ (الجن: ۲۶-۲۵)

بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف صراحتاً علم غیب کی نسبت نہیں کی' بلکہ اظہار غیب اور اطلاع علی الغیب کی نسبت کی ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام پر غیب ظاہر کیا گیا' یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر سے علم غیب کی بلا استثناء نفی فرمائی ہے' اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب ہے' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو علم غیب دیا گیا' یعنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ اس علم سے

مراد عطائی ہے' ذاتی نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ' ج ۳' ص ۴۷' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

امام احمد رضا قادری کی اس عبارت سے مذکور الصدر تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا' بلکہ تمام فرشتوں اور اولین و آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے' ان سب سے زیادہ حضور ﷺ کو علم عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں! اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم محیط صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا' اسی طرح اس کے علم محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۲۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

نبی ﷺ پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدم جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے' کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے' حالانکہ آپ عزیز و جلیل ہیں۔ اسی طرح محمد تبارک و تعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے' حالانکہ آپ بابرکت اور بلند ہیں' کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور تبارک و تعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والعلیٰ' ص ۲۰۳' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

مولانا سردار احمد متوفی ۱۳۸۲ھ لکھتے ہیں:

لفظ عالم الغیب کا اطلاق ہم بھی عرفاً غیر خدا عزوجل پر نہیں کرتے۔ (مناظرہ بریلی' ص ۱۰۶' مطبوعہ المکتبۃ الحامدیہ' لاہور)

ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں علماء اہل سنت اور خصوصاً علماء دیوبند کی بکثرت عبارات پیش کی ہیں۔ جن میں مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی ہے۔

نبی ﷺ کے علم غیب کے متعلق اہل سنت کا مسلک

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں' اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ مساوی تو درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ

مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرہ سی بوند کے کروڑویں حصہ کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ' دونوں متناہی ہیں' اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش' و شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں۔ آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں' شرق و غرب دو حدیں ہیں' روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے' سب متناہی ہے' بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا' تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہوتی ہی محال قطعی ہے' نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۳۔ یونہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے' جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء' تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے' مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔

(خالص الاعتقاد' ص ۳۹-۳۸' مطبوعہ مطبع اہل سنت' بریلی' ۱۳۲۸ھ)

کیا نبی ﷺ کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے؟

اس آیت کے آخر میں ہے (آپ کہئے کہ) میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے' آپ کہئے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الانعام: ۵۰)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے اور آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے' بلکہ آپ کے تمام احکام وحی سے صادر ہوتے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۴-۳)	اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور جب نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تو امت کے لیے بھی اجتہاد جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے' بلکہ ان پر لازم ہے کہ صرف وحی الٰہی کی اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی' کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں؟ کیونکہ بغیر وحی کے عمل کرنا اندھے کے عمل کے قائم مقام ہے اور وحی کے مطابق عمل کرنا دیکھنے والے کے عمل کے قائم مقام ہے۔ پھر فرمایا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اس سے صاحب عقل کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان دونوں امور کا فرق سمجھے اور غافل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد پر دلائل

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور نصوص پر قیاس کرنا بھی جائز ہے۔ سورۂ انبیاء ۷۹-۷۸ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اجتہاد کا ذکر ہے اور امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہو گئی' اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے

فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو، وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔
(صحیح البخاری، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۲، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۶۹۹، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۱۵، سنن النسائی، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۶۳۱)
اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد اور قیاس کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:
فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر: ۲) اے صاحبان بصیرت! اعتبار کرو۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہی معنی قیاس میں بھی متحقق ہوتا ہے، کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔
قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:
اس آیت سے قیاس کی حجت پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں میں مشارکت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (انوار التنزیل علی ھامش عنایۃ القاضی، ج ۸، ص ۱۷۶-۱۷۷، مطبوعہ دار صادر، بیروت)
علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، بایں طور کہ اس شے پر اس کی نظیر کا حکم عائد کیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے، قیاس شرعی اور قیاس لغوی کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارۃً اور قیاس پر اشارۃً دلالت کرتی ہے۔ (عنایۃ القاضی، ج ۸، ص ۱۷۶، مطبوعہ دار صادر، بیروت)

صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل

بکثرت احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک سرد رات میں جنبی ہوگئے۔ انہوں نے اجتہاد کرکے غسل کی بجائے تیمم کرلیا، نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔
(صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب ۷)

اور امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔
(سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۰)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے حکم کرے اور صحیح حکم دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ حکم میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔
(سنن ترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۳۱، صحیح البخاری، ج ۸، رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم اقضیہ ۱۵ (۱۷۱۶) ۴۴۰۷، سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ، ج ۲، رقم الحدیث: ۲۳۱۴، سنن کبریٰ للنسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۹۱۸)

آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت میں ہے "میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے" اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا' میں اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام دیئے ان کی تائید اللہ کی وحی سے ہو گئی' کیونکہ جب آپ احکام دے رہے تھے اس وقت نزول وحی کا زمانہ تھا۔ اگر آپ کے احکام میں خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کی اصلاح فرما دیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام کو برقرار رکھا' تو معلوم ہوا کہ آپ کے احکام صحیح تھے اور چونکہ آپ کے احکام کو وحی کی تائید حاصل تھی' تو گویا آپ مآل کے اعتبار سے اتباع وحی کر رہے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منصوص احکام میں آپ صراحۃً اتباع وحی کرتے ہیں اور غیر منصوص احکام اور اجتہادی مسائل میں آپ مآل کے اعتبار سے اتباع وحی کرتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ کفار آپ سے مال طلب کرتے تھے۔ غیب کی باتیں پوچھتے تھے اور غیر معمولی کام کرنے کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں' میں وہی چیزیں دوں گا اور وہی چیزیں بتاؤں گا اور وہی کام کروں گا جس کی اللہ مجھے اجازت دے گا۔ اس لیے یہ آیت نبی ﷺ کے اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ یہاں چونکہ اجتہاد کی بحث آ گئی ہے' اس لیے ہم اجتہاد کی تعریف اور نبی ﷺ کے اجتہاد میں مذاہب علماء بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

اجتہاد کی تعریف

امام غزالی نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لیے مجتہد کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔
(المستصفی' ج ۲' ص ۳۵۰)

علامہ آمدی نے کہا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم شرعی کا ظن غالب حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش سے نفس عاجز ہو۔ (الاحکام' ج ۴' ص ۱۴۹)

قاضی بیضاوی نے کہا احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا۔
(نہایۃ السول' ج ۴' ص ۵۲۴' الابہاج' ج ۳' ص ۲۴۶' الابہاج' ص ۲۶۷)

علامہ ابن ہمام نے کہا حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت کو خرچ کرنا۔ (تیسیر التحریر' ج ۴' ص ۱۷۹)

ان تعریفات میں طاقت خرچ کرنے' جدوجہد کرنے اور کوشش کرنے سے مراد یہ ہے کہ مجتہد علمی اور ذہنی کوشش کرے اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنا ہے' قرآن مجید' احادیث اور آثار صحابہ میں اس کی نظائر تلاش کرے اور اصل اور فرع میں علت مشترکہ نکالے اور اس میں غور کرے کہ جس مسئلہ کو وہ قیاس سے معلوم کر رہا ہے' کہیں وہ صراحتاً کتاب و سنت میں منصوص تو نہیں ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کے مذاہب

علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی مصلحتوں اور جنگ کی تدبیروں اور ان جیسے امور میں نبی ﷺ کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور آپ نے ان امور میں اجتہاد کیا بھی ہے۔ ابن حزم نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے تہائی پھل دے کر

غطفان سے صلح کا ارادہ کیا اور یہ مباح ہے' کیونکہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنے مال سے جس کو چاہیں' ہبہ کر دیں۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے کھجوروں میں پیداوار کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے کھجوروں میں پیوند لگانے کا حکم دیا' کیونکہ ہر شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کھجور میں پیوند لگائے یا نہ لگائے' اور احکام شرعیہ میں آپ کے اجتہاد کے متعلق اختلاف ہے کہ جن چیزوں میں نصوص وارد نہیں ہیں' ان میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے' بعض کے نزدیک آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین

استاذ ابو منصور کا مذہب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ آپ کو نص کے حصول پر قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان ھو الا وحی یوحی (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے' ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھ پر ان کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۶۰' صحیح مسلم' زکوٰۃ ۲۴' (۹۸۷) ۲۲۵۳' سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۶۳)

نبی ﷺ سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا عقلاً ممتنع ہے۔ یہ امام الحرمین کا قول ہے جس کو انہوں نے تلخیص میں لکھا ہے اور ابو علی اور ابو ہاشم کا مذہب یہ ہے کہ آپ اجتہاد سے عبادت نہیں کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے جواز کے قائلین

امام شافعی' امام احمد' اکثر مالکیہ' قاضی ابو یوسف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی نے "الرسالہ" میں اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کو تدبر اور اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں' اسی طرح نبی ﷺ کو بھی تدبر اور تفکر کرنے کا حکم دیا ہے' بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور و فکر کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ اعتبار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے "ان ھو الا وحی یوحی" (النجم: ۴) ان کا کلام کرنا صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اجتہاد شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگی واقعات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مثلاً نضر کو قتل کرنا اور بہت سے امور ہیں۔ آپ نے غور و فکر کر کے دو جائز کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے اور احکام شرعیہ میں آپ کے لیے اجتہاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب امت کے لیے احکام شرعیہ میں اجتہاد کرنا جائز ہے' تو آپ کے لیے بہ طریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ خطاء سے معصوم ہیں' اور امت خطاء سے معصوم نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اجتہاد سے کسی حکم کو معلوم کرنے میں منصوص حکم کو معلوم کرنے کی بہ نسبت زیادہ دشواری ہے اور جس عمل میں زیادہ مشقت ہو' اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق توقف کے قائلین

علامہ الصیرفی نے "شرح الرسالہ" میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے' کیونکہ امام شافعی نے اس مسئلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں اور کسی قول کو مختار قرار نہیں دیا اور یہ کہا کہ جس چیز میں نص کتاب نہ ہو اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی طریقہ کو بیان نہیں کیا' اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نبی ﷺ کو اس کا علم عطا فرمایا ہے

اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ نے اسی کام کے طریقہ کو بیان کیا ہے جس کی اصل کتاب میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا نبی ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام آتا تو نبی ﷺ اس پیغام سے اللہ تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کا طریقہ (سنت) بیان فرماتے۔ بعض نے کہا نبی ﷺ نے سنت سے جتنے احکام بیان کیے ہیں' وہ سب آپ کے دل میں القا کیے گئے تھے۔ پھر امام شافعی نے الناسخ والمنسوخ کے باب میں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ (یونس: ۱۵) مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس قرآن کو اپنی طرف سے تبدیل کردوں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حق دیا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب کا حکم نازل نہیں ہوا ہے' اس میں اللہ کی توفیق سے اپنی طرف سے بیان فرمائیں۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الرعد: ۳۹) اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہے۔

اللہ جس فرض کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس فرض کو چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے۔

آپ کے اجتہاد کرنے کے متعلق امام شافعی نے یہ متعارض دلائل نقل کیے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان توقف کی طرف ہے۔

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء

نبی ﷺ سے اجتہاد کے وقوع کے متعلق چار مذاہب ہیں۔ بعض علماء نے وقوع کا مطلقاً انکار کیا' بعض علماء نے اصول اور قواعد میں آپ کے اجتہاد کرنے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ آپ فروع اور مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض نے اس میں توقف کیا۔ جنہوں نے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا' انہوں نے کہا تمام سنت وحی ہے' لیکن یہ وحی غیر متلو ہے اور قرآن مجید وحی متلو ہے اور سنن کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے جبہ پر خوشبو کے لیپ کے آثار تھے' اس نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے عمرہ میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی' آپ کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت یعلی کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت دیکھیں۔ حضرت عمر نے کپڑے کی چادر ایک طرف ہٹائی تو حضرت یعلی نے دیکھا کہ ان کو اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آرہی تھی' جب آپ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا اس خوشبو کے اثر کو دھو ڈالو اور جبہ اتار دو اور جو کچھ حج میں کرتے ہو' وہی عمرہ میں بھی کرو۔

(صحیح مسلم' ج ۲' (۱۱۸۰) ۲۷۵۲' صحیح بخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۷)

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جس طرح آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا' اسی طرح سنت بھی نازل ہوتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر منصوص احکام میں نبی ﷺ اجتہاد نہیں کرتے تھے' بلکہ وحی سے احکام حاصل کرکے بیان کرتے تھے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے کہا کہ نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا جائز ہے یا نہیں۔ محققین کا مذہب یہ ہے کہ آپ کے اجتہاد میں خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء جواز کے قائل ہیں' لیکن آپ کو خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی' ج ۱' ص ۵۸۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث

جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اجتہاد کے وقوع کا انکار کیا ہے' انہوں نے حضرت یعلی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس وقت تک جواب نہیں دیا جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی' لیکن بکثرت ایسی احادیث ہیں کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کے بغیر فی الفور سائل کے جواب دیئے اور یہ جوابات آپ کے اجتہاد پر قوی دلیل ہیں اور حضرت یعلی کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ وحی سے احکام حاصل کرتے تھے' لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ہر حکم وحی سے حاصل کرتے تھے اور اجتہاد بالکل نہیں کرتے تھے' جبکہ آپ نے بکثرت سوالات کے جوابات میں فی الفور احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ خبر دی گئی کہ خزاعہ نے بنولیث کے ایک شخص کو اپنے مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا ہے' جس کو بنولیث نے قتل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا بے شک اللہ نے مکہ میں قتل کو بند کر دیا ہے اور ان پر رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کو مسلط کر دیا ہے۔ سنو! مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ سنو! وہ میرے لیے دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے اور سنو! یہ وہی ساعت ہے' نہ اس کے کانٹوں کو اکھاڑا جائے گا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی' ماسوا اعلان کرنے والے کے' اور جن لوگوں کا کوئی شخص قتل کیا گیا ہو' اس کو دو اختیار ہیں' یا تو وہ دیت لے لے یا قصاص لے لے۔ یمن کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ لکھ کر دیں۔ آپ نے فرمایا ابو فلاں کے لیے یہ لکھ دو۔ قریش کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا استثناء فرمائیے' کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں رکھتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ماسوا اذخر کے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱۲' صحیح مسلم' ج ۲' ۴۴۵' (۱۳۵۳) ۳۲۴۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۱۸' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۷۵' ۲۸۷۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ سے اذخر کے استثناء کا سوال کیا گیا اور آپ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے اس کا استثناء کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ محرم کیا پہنے؟ آپ نے فرمایا محرم قمیص پہنے' نہ عمامہ' نہ شلوار' نہ ٹوپی' نہ زعفران یا سرخ رنگ سے رنگا ہوا کپڑا۔ اگر اس کو نعلین نہ ملیں تو وہ موزے پہن لے اور ان کو (اوپر سے) کاٹ لے حتیٰ کہ وہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۴' صحیح مسلم' ج ۳' (۱۱۷۷) ۲۷۴۴' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۶۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۳۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے سائل کے جواب میں وحی کی طرف مراجعت کیے بغیر فی الفور اپنے اجتہاد سے محرم کے لباس کے متعلق حکم شرعی بیان فرمایا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں اور وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ

بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں۔ (الممتحنہ: ۱۲) اور نیکی کے کاموں میں سے نوحہ کی ممانعت بھی تھی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آل فلاں کا استثناء کر دیجئے‘ کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی‘ تو میرے لیے بھی ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماسوا آل فلاں کے۔

(صحیح مسلم‘ جنائز‘ ۳۳‘ (۹۳۷) ۲۱۳۰‘ السنن الکبریٰ للنسائی‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے (یعنی قربانی نہیں ہے‘ کیونکہ وہ نماز عید کے بعد ہے) انہوں نے کہا یارسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا بکرا ہے‘ آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر لو تمہارے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم‘ الاضاحی‘ ۴‘ (۱۹۶۱) ۴۹۷۹‘ صحیح البخاری‘ ج ۱‘ رقم الحدیث: ۹۶۵‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۸۰۱‘ ۲۸۰۰‘ سنن ترمذی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۱۵۱۳‘ سنن النسائی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۱۵۶۳‘ سنن کبریٰ للنسائی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۴۴۸۷‘ سنن کبریٰ للبیہقی‘ ج ۹‘ ص ۲۶۳‘ مسند احمد‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۱۸۵۰۷‘ طبع جدید)

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے وحی کی طرف مراجعت کے بغیر استثناء بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن **الخطاب** رضی اللہ عنہ نے کہا میں خوشی سے سرشار تھا تو میں نے روزے کے باوجود بوسہ لے لیا‘ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آج میں نے بہت سنگین کام کیا ہے۔ میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا‘ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کر لو تو! (داری میں ہے) میں نے کہا تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا تو اس سے کیسے ہوگا۔

(سنن ابوداؤد‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۳۸۵‘ سنن داری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۱۷۲۴‘ مسند احمد‘ ج ۱‘ ص ۲۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے صراحتاً قیاس سے حکم شرعی بیان فرمایا ہے اور روزے میں بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس فرمایا ہے اور یہ آپ کے اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب نے نبی ﷺ سے عرض کیا‘ یارسول اللہ! مالدار لوگ تو اجر و ثواب لے گئے‘ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ نے تمہارے لیے صدقہ کا سبب مہیا نہیں کیا؟ ہر بار "سبحان اللہ" کہنا صدقہ ہے‘ ہر بار "الحمد للہ" کہنا صدقہ ہے اور ہر بار "لا الہ الا اللہ" کہنا صدقہ ہے‘ اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے ہر شخص کا جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص محض شہوت سے جماع کرے‘ پھر بھی اس کا یہ عمل صدقہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تم میں سے کوئی شخص حرام محل میں شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح جب وہ حلال محل میں شہوت پوری کرے گا‘ تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم‘ زکوٰۃ‘ ۵۳‘ (۱۰۰۶) ۲۲۹۲‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۲۹۴۷‘ مسند احمد‘ ج ۵‘ ص ۱۶۸-۱۶۷)

اس حدیث میں بھی نبی ﷺ کے قیاس اور اجتہاد پر واضح دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی‘ پھر وہ فوت ہو گئی۔ اس کا بھائی نبی ﷺ کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ! اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا

ہاں! آپ نے فرمایا پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حقدار ہے۔
(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۳۱)
اس حدیث میں نبی ﷺ نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور یہ نبی ﷺ کے اجتہاد کی قوی دلیل ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ
اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں درآں حالیکہ اللہ
مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ
کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا۔ (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں ○ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ
نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں، ان کا حساب بالکل
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے، پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو
فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ
دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ○ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض
بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ
کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا، تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے
اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا
احسان کیا ہے؛ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ ○ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ
ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے، کہ تم میں سے جس کسی نے
عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ
ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بیشک اللہ بہت

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ

بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح

الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾ ع

ہو جائے ○

ع ۲۵ | ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں' درآنحالیکہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا نہ شفاعت کرنے والا (ان کو ڈرائیے) تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔

(الانعام: ۵۱)

کافروں اور مسلمانوں کو ڈرانے کے الگ الگ محمل

اس سے پہلے کی آیتوں میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں فرمایا اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض نے کہا اس سے مراد کافر ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کافروں کو عذاب آخرت سے ڈراتے تھے' اور بعض کافروں پر اس ڈرانے کا اثر ہوتا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: ۱۸) اور اس میں مشرکین کا بھی رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد مسلمان ہیں اور معنی یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو ڈرائیے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں' کیونکہ مسلمانوں کو ہرچند کہ اپنے رب کے سامنے جمع کیے جانے کا یقین تھا' لیکن ان کو اپنے اوپر عذاب کا یقین نہیں تھا' کیونکہ ان کو یہ گمان تھا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور نیک اعمال پر ہو گا۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان کو عذاب ہو' اس لیے فرمایا کہ آپ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں' تاکہ وہ گناہوں سے باز رہیں اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد فرمایا اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مدد کر سکے گا' نہ شفاعت کر سکے گا اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے جو شفاعت کی جائے گی' وہ اللہ کی اجازت سے ہو گی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ — کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ — اور اس کی بارگاہ میں صرف اسی کی شفاعت سے نفع ہو گا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔ (سبا: ۲۳)

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (الانبیاء: ۲۸) — اور وہ (فرشتے) اسی کی شفاعت کریں گے جس کے لیے وہ (رب) راضی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ اسی کی رضاجوئی کرتے ہیں' ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں

ہے' پس اگر (بالفرض) آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔(الانعام: ۵۲)

مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اٹھانے کی ممانعت

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس حضرت خباب' حضرت صہیب' حضرت بلال اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے سے ڈرتے ہیں۔(الانعام: ۵۱)

(مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۸۵' طبع دار الحدیث قاہرہ' علامہ احمد محمد شاکر' متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' ج ۱' ص ۴۲۰' طبع قدیم' بیروت)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔(الانعام: ۵۲) کی تفسیر میں بیان کیا' اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکین مسلمانوں میں سے حضرت صہیب' حضرت بلال' حضرت عمار اور حضرت خباب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں' جب مشرکین نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان مسکین مسلمانوں کو حقیر جانا' پس وہ آپ کے پاس آکر خلوت میں بیٹھے اور کہنے لگے' ہم آپ کے ساتھ مجلس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عربوں میں ہماری کیا فضیلت ہے؟ عرب کے وفود آپ کے پاس آتے رہتے ہیں اور ہم کو حیا آتی ہے کہ عرب لوگ ہم کو ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ تو جب ہم آپ کے پاس آیا کریں آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم آپ کی مجلس سے فارغ ہو جائیں' تو پھر آپ چاہیں تو ان کو اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ آپ نے فرمایا اچھا' انہوں نے کہا آپ ہمیں یہ لکھ کر دے دیں۔ آپ نے صحیفہ منگوایا اور حضرت علی کو لکھنے کے لیے بلایا اور ہم اس وقت ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور ان (مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی کرتے ہیں' ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرمو ان کے ذمہ نہیں ہے' پس اگر بالفرض آپ نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔(الانعام: ۵۲)

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا ذکر کیا اور فرمایا اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا' تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔(الانعام: ۵۳) پھر فرمایا اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔(الانعام: ۵۴) حضرت خباب نے کہا پھر ہم آپ کے قریب بیٹھتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم اپنے گھٹنوں کو آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا کر بیٹھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے اور جب آپ اٹھ کر جانا چاہتے تو ہمیں مجلس میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہئے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس

شخص کا کہنا مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکہف: ۲۸)

حضرت خباب نے کہا پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتے تھے' حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا وقت آتا تو ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ پھر آپ تشریف لے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۲۷' جامع البیان' ج ۷' ص ۲۶۳' شعب الایمان' ج ۷' رقم الحدیث: ۱۰۴۹۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۵۶۳' حلیۃ الاولیاء' ج ۱' ص ۱۴۶' الدر المنثور' ج ۳' ص ۱۳' اسباب النزول' ص ۲۲۱-۲۲۰)

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو مسند ابو یعلی اور دلائل النبوۃ کے حوالوں سے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کا تسامح ہے۔ مسند ابو یعلی اور دلائل النبوۃ میں یہ حدیث نہیں ہے۔ امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام ابن الجوزی' امام رازی' علامہ قرطبی' علامہ ابو الحیان اندلسی' حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (الانعام: ۵۲) ہم چھ نفوس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ میرے متعلق' حضرت ابن مسعود کے متعلق' حضرت صہیب' حضرت عمار' حضرت مقداد اور حضرت بلال کے متعلق۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم ان لوگوں کے پیروکار بننے سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا۔ آپ نے منصوبہ بنایا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں' درآنحالیکہ وہ اسی کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الانعام: ۵۲)

(صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' ۴۶-۴۵' (۲۴۱۳) ۶۱۲۲' ۶۱۲۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۲۸' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۸۲۲۴)

صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت

اس آیت میں ان مسکین مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے' وہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پابندی اور دوام کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت پڑھتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس' مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صبح اور شام اللہ سے دعا کرنا ہو' تاکہ دن کی ابتداء اور اس کا افتتاح اللہ کی دعا سے ہو اور دن کا اختتام بھی اللہ سے دعا پر ہو۔ نیز فرمایا درآنحالیکہ وہ اس کی رضا جوئی کرتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی عبادات اور اعمال میں اللہ کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتے' اس آیت میں اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو "وجہ (چہرہ) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ انسان کے جسم کی شناخت اس کے چہرہ سے ہوتی ہے اور اس کے تمام اعضاء میں سب سے زیادہ تکریم اس کے چہرے کی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چہرے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اور چہرہ ہے' صبح اور شام کے وقت عبادت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان اوقات میں لوگ آرام اور کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں تو جو لوگ ان اوقات میں بھی عبادت میں مشغول ہوں' وہ باقی اوقات میں بہ طریق اولیٰ عبادت میں مشغول ہوں گے۔

مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت

جب سورۂ کہف کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہیے جو صبح اور شام اپنے رب کی

عبادت کرتے ہیں تو نبی ﷺ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھتے تھے' جب تک کہ یہ مسکین مسلمان خود اس مجلس سے نہیں اٹھتے تھے' جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کے حوالوں سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دینا یا ان کو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں' بلکہ ان کو جزا دینا اور ان کو رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزا بھی اللہ کے ذمہ ہے' کسی اور کے ذمہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ مسکین مسلمان فقر میں مبتلا ہیں تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا' حتیٰ کہ آپ مشرکین کی فرمائش پر ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کریں۔ آپ پر ان کے رزق اور ان کے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔ آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں اور ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں' ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھیں' اور ان کو اپنے پاس سے دور نہ کریں۔

نبی ﷺ کو منع کرنا دراصل امت کے لیے تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا اگر آپ نے (بالفرض) ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد بھی ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور تعریض دوسرے مسلمانوں کو سنانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جب نبی ﷺ بھی امیر کافروں کی رعایت کر کے غریب مسلمانوں کو بالفرض اپنی مجلس سے اٹھا دیں' تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے' تو کوئی اور مسلمان ایسا کرے گا' تو وہ کیونکر ظالموں میں سے نہیں ہو گا۔ اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ — اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ (الزمر: ۶۵)

زیر بحث آیت اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر یا فاسق کی اس کی دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے عزت کرنا اور کسی نیک مسلمان کی غربت اور افلاس کی وجہ سے بے توقیری اور تحقیر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

نبی ﷺ کی عصمت پر اعتراض کا جواب

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان مسکین مسلمانوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کو مجلس سے اٹھانا گناہ ہوا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ نے ان کو مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور آپ نے ان کو مجلس سے اٹھا دیا تو آپ کا (معاذ اللہ) ظالم ہونا ثابت ہوا۔ سورۂ کہف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اور وہاں ارشاد ہے اور آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھے) رہیے جو صبح اور شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں' اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوں اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو گیا۔ (الکہف: ۲۸) اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں اور ایک اور آیت میں آپ کو دنیا کی زینت کا ارادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے اور آپ دنیا کی زندگی کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں' جو ہم نے ان کے

مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں' تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا ہے اور سورۂ کہف کی آیت میں فرمایا ہے کہ آپ زینت دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل گناہ ہوا؟ (العیاذ باللہ)

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ظلم فرمایا ہے' تو آپ اگر ان کو مجلس سے اٹھاتے' تب گناہ اور ظلم لازم آتا۔ لیکن آپ نے ان کو مجلس سے نہیں اٹھایا' اس لیے گناہ اور ظلم لازم نہیں آیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گناہ کا عزم بھی گناہ ہوتا ہے اور آپ نے ان کو اٹھانے کا عزم کرلیا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو لکھوانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلالیا تھا' تو بہرحال گناہ لازم آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت کے بعد کام کیا جائے یا اس کا عزم کیا جائے' تب گناہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی' لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا' اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا تھا۔ لہٰذا نافرمانی یا اس کا عزم کیسے لازم آیا؟ منع تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم کے بعد فرمایا ہے اور ممانعت سے پہلے آپ کا یہ فعل جائز اور مباح تھا اور اس کا عزم بھی جائز اور مباح تھا۔ نیز! آپ کا منصب' تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے بڑے سردار اسلام قبول کرلیں تو ان کو دیکھ کر ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں گے' اس لیے آپ نے سوچا کہ اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھادیا جائے' تو ہرچند کہ اس سے ان کی دل شکنی ہوگی' لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہوگئے تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے اور زیادہ نفع کے لیے کم نقصان کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سوچ برحق تھی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور ہم امام رازی کے اس جواب سے متفق نہیں ہیں کہ آپ کی یہ اجتہادی خطا تھی۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۵۰)

لیکن اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ یہ کفار اس موقع پر ایمان لانے والے نہیں تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور فرمایا آپ ان کافروں کے اسلام لانے کے طمع میں ان مسکین مسلمانوں کو مجلس سے نہ اٹھایئے' کیونکہ یہ کافر تو بہرحال اسلام نہیں لائیں گے تو آپ اپنے وفادار غلاموں کی دل آزاری کا نقصان کیوں اٹھائیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ خلاف اولیٰ بھی تب ہوتا جب آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد اشاعت اسلام کے لیے ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کرتے' اور جس وقت آپ نے ان کو مجلس سے اٹھانے کا ارادہ کیا تھا' اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں فرمایا تھا' تو اللہ تعالیٰ کے کس حکم کی مخالفت ہوئی؟ جس وجہ سے آپ کا یہ ارادہ خلاف اولیٰ کا ارادہ ہوتا یا اجتہادی خطا قرار دیا جاتا؟

منکرین عصمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زینت دنیا کی طرف التفات کرنے سے منع فرمایا اور آپ نے کافر سرداروں کی دولت اور ثروت دیکھ کر زینت دنیا کا ارادہ فرمالیا تھا اور یہ ممنوع کام کا ارادہ ہے اور گناہ کا ارادہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زینت دنیا کا زینت دنیا کی وجہ سے ارادہ ممنوع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کافر سرداروں کے مال و دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے' بلکہ اشاعت اسلام کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے' تاکہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور ان کی وجہ سے ان کے متبعین بھی مسلمان ہو جائیں اور آپ کا یہ ارادہ کسی معصیت کا یا خلاف اولیٰ کام کا ارادہ نہیں ہے' بلکہ فرائض رسالت میں سے ایک فرض کی ادائیگی کا ارادہ ہے اور اس پر آپ کو فرض ادا کرنے کا اجر و ثواب ملے گا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ یہ لوگ اس موقع پر اسلام لانے والے نہیں ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی خوشنودی کی خاطر اپنے وفاشعار اور اطاعت گزار غلاموں کو مجلس سے نہ اٹھائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اعتراض

کی اس وقت گنجائش ہوتی جب اس ممانعت کے بعد نبی ﷺ نے کسی مسکین مسلمان کو کافر سرداروں کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھایا ہو تا یا اس کا ارادہ کیا ہو تا۔

یاد رکھئے تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ یا کبیرہ' سہواً یا عمداً' صورۃً یا حقیقتاً ان سے کبھی بھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا' ہاں! انبیاء سابقین علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوع سے کھانا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مارنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصی اجازت کے بغیر بستی سے چلے جانا وغیرہ' اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجتہادی خطا سے بھی مامون اور محفوظ ہیں اور محققین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے علامہ نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو' بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا' تاکہ انجام کار وہ (مال دار کافر) یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے (اے کافرو!) کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے۔ (الانعام: ۵۳)

بعض لوگوں کی بعض پر فضیلت کا آزمائش ہونا

اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے سبب آزمائش میں مبتلا کرنا یہ ہے کہ لوگ رزق اور اخلاق میں ایک دوسرے سے متفاوت رہیں۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے غنی بنایا اور بعض لوگوں کو فقیر بنایا' بعض لوگوں کو قوی بنایا' بعض لوگوں کو ضعیف بنایا اور بعض لوگوں کو بعض لوگوں کا محتاج کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مال دار بنایا اور بعض لوگوں کو فقراء بنایا اور مالداروں نے فقراء کے متعلق کہا' کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے' یعنی ان کو ہدایت دی ہے۔ انہوں نے یہ بطور استہزاء اور مذاق اڑانے کی خاطر کہا تھا۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۷۰' طبع دار الفکر' بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالمقابل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے' مال دار کافر' فقراء صحابہ سے ان کی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہو گئے تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہوں گے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی اور فقراء صحابہ ان مال دار کافروں کو عیش' راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے' اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مال و دولت کی ایسی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ ہم مال اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں' تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا اور دوسرا فریق اس کو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو' بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس بناء پر کافر یہ کہتے تھے' کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اور اہل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور صائب ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے اور اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ (الانعام: ۵۵-۵۴)

شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق پانچ اقوال ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ حسن بصری اور عکرمہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو مجلس سے اٹھانے سے منع فرمایا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو دیکھتے تو ابتداء اسلام کرتے اور فرماتے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو رکھا' جن کے متعلق مجھے ابتداء اسلام کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت حمزہ' حضرت جعفر' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوعبیدہ' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت سالم' حضرت ابوسلمہ' حضرت ارقم بن ابی الارقم' حضرت عمار اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

۴۔ ابن السائب نے کہا حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارۃً یہ کہا تھا کہ مالدار کافروں کی دلجوئی کے لیے مسکین کافروں کو مؤخر کر دیجئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اور (ان مسکین مسلمانوں کو) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو حضرت عمر اپنے اس مشورہ پر معذرت کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے آئے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

۵۔ ابو سلیمان دمشقی نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام کی بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر آئے اور اسلام قبول کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ آیت تلاوت کی۔

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ کہئے تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کے لیے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ انہیں سلام کریں اور ابن زید نے کہا آپ کو اللہ کی طرف سے انہیں سلام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ زجاج نے کہا سلام کا معنی انسان کے لیے آفات سے سلامتی کی دعا ہے۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۴۹-۴۸' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اولیاء اللہ کی تعظیم کی تاکید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان' حضرت صہیب اور حضرت بلال کے پاس چند لوگوں میں حضرت ابوسفیان آئے تو انہوں نے کہا اللہ کی تلواریں' اللہ کے دشمنوں کی گردنوں میں اپنی جگہ پر نہیں پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ قریش کے شیخ اور سردار کے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہو! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! تم نے ان (فقراء صحابہ) کو ناراض کر دیا' اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ تب حضرت ابوبکر ان کے پاس گئے اور کہا اے میرے بھائیو! میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں' اے بھائی! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

(صحیح مسلم' فضائل صحابہ' ۱۷۰' (۲۵۰۴) ۶۳۴۳' المعجم الکبیر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۲۸' مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۰۵۱۸' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۲۰۶۶۵' طبع جدید دار الفکر' مسند احمد' ج ۵' ص ۶۵' طبع قدیم دار الفکر' سنن کبریٰ' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۲۷۷)

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیک مسلمانوں کا احترام کرنا چاہیے اور جس بات سے انہیں غصہ آئے یا ان کو ایذاء پہنچے' اس سے اجتناب کرنا چاہیے' کیونکہ جو شخص اللہ کے اولیاء میں سے کسی کو ناراض کرتا ہے' وہ اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے گناہوں کی معافی کی وضاحت

اس آیت میں فرمایا ہے تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کرلیا' پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

مجاہد نے کہا جس شخص نے اللہ کی معصیت میں کوئی کام کیا' تو یہ اس کی جہالت ہے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرلے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۲۷۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا جہالت کا معنی خطا اور غلطی ہے اور اس پر توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے غلبہ شہوت سے معصیت کی اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان علم کے باوجود کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس پر توبہ کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا جس نے کوئی معصیت کا کام کیا' وہ جاہل ہے۔ پھر معصیت کو جہالت سے تعبیر کرنے کی وجہ سے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ اس سے جاہل ہے کہ اس کام کی وجہ سے اس سے کتنا ثواب جاتا رہا اور وہ کتنے عذاب کا مستحق ہوگیا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہرچند کہ اس کو علم ہے کہ اس فعل کا نتیجہ مذموم ہے' لیکن اس نے فوری اور دنیاوی لذت کو دیر سے اور آخرت میں ملنے والی خیر کثیر پر ترجیح دی اور جو شخص قلیل کو کثیر پر ترجیح دے' اس کو عرف میں جاہل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے عمداً کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہرچند کہ وہ جاہل نہیں ہے' لیکن اس نے کام جاہلوں والا کیا ہے' اس لیے اس کے کام پر جہالت کے کلام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۵۳' مطبوعہ دارالفکر' طبع قدیم' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے' خواہ وہ معصیت عمداً کی جائے یا جہلاً۔ کلبی نے کہا جہالت سے گناہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے اس کام کے معصیت اور گناہ ہونے کا تو علم ہو' لیکن اسے اس گناہ کی سزا کی کنہ اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ عکرمہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا دنیا کے تمام کام جہالت ہیں۔ زجاج نے کہا اس کی جہالت یہ ہے کہ فانی لذت کو باقی لذت پر ترجیح دے رہا ہے اور دنیاوی منفعت کو اخروی منفعت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد ہے معصیت پر اصرار کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ شہوت کی وجہ سے ارتکاب معصیت کرے اور اس کا مقصد گناہ کو معمولی سمجھنا نہ ہو۔ یا کوئی شخص اس خیال سے گناہ کرے کہ وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرکے نیک بن جائے گا اور اس سے جاہل ہو کہ وہ ایسا کرسکے گا یا نہیں' یا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کے حصول کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کرے' اور وہ اس کے مآل اور انجام سے جاہل ہو۔

(البحرالمحیط' ج ۴' ص ۵۶۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے' غلبہ شہوت یا حماقت کی بنا پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کرلیا' پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی' اس گناہ سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا'

اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گناہ کے بعد کوئی نیکی کی' تاکہ اس گناہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے گا' کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔

مجرموں کے طریقہ کو بیان کرنے کی حکمت

اس کے بعد فرمایا اور ہم یونہی تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے' یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کیے ہیں' قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کیے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جس کا اہل باطل انکار کرتے ہیں' تاکہ مومنین کے لیے مجرمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائے گا تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائے گا' کیونکہ باطل کی ضد حق ہے' کیونکہ ایک ضد کی خصوصیت اس کے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

آپ کہیے بیشک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، آپ

قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

کہیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا ○

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا

آپ کہیے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا ہے، جس چیز کو تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ

عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم صرف اللہ کا ہے، وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین

الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ

فیصلہ فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو تو میرے اور

الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ

تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ اور اسی کے پاس غیب کی

الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، وہ ہر اس پتے

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز

وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ

لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ○ اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ

اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو،

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷/۵/۱۴

پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو' آپ کہئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا۔ (الانعام: ۵۶)

بتوں کی عبادت کا خلاف عقل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں' تاکہ حق ظاہر ہو اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشرکین صرف اپنی خواہش اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں' کیونکہ یہ بت محض جمادات اور پتھر ہیں جو انسان سے بہت کم درجہ کے ہیں' جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اشرف کا ارذل کی عبادت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ نیز ان بتوں کو خود ان لوگوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور عامل اور صانع کا اپنے معمول اور مصنوع کی عبادت کرنا بھی عقل اور درایت کے منافی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان مشرکین کا بتوں کی عبادت کرنا ہدایت کے خلاف ہے اور ان کی خواہش پر مبنی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ کہئے کہ مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے' جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو' آپ کہئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا (اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

غیر اللہ کو پکارنے میں مشرکوں اور مسلمانوں کا فرق

اس آیت میں "تدعون من دون اللہ" فرمایا ہے اور دعا کا معنی ہے طلب نفع یا دفع ضرر کے لیے ندا کرنا' لیکن مشرکین اپنی مہمات اور مشکلات میں بطور عبادت ان بتوں کو ندا کرتے تھے۔ اس لیے یہاں دعاء کا معنی عبادت ہے' کیونکہ وہ ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہیں۔ سو ان کا بتوں کو پکارنا دراصل ان کی عبادت کرنا تھا اس لیے ہم نے یہاں دعا کا معنی پرستش اور عبادت کیا ہے اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت فرمایا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا کرنا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تمہارا

رب فرماتا ہے! مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المومن: ٦٠) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ٣٣٨٣' ٣٣٨٣' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ١٤٧٩' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٢٨' صحیح ابن حبان' ج ٣' رقم الحدیث: ٨٩٠' مسند احمد' ج ۴' ص ٢٦٧' المستدرک' ج ۱' ص ۴٩١-۴٩٠' الادب المفرد' رقم الحدیث: ٧١٣' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ١٠' ص ٢٠٠' حلیۃ الاولیاء' ج ٨' ص ١٢٠' شرح السنہ' ج ٣' رقم الحدیث: ١٣٨٧)

بعض مسلمان اپنی مشکلات اور مہمات میں یاعلی مدد اور یاغوث الاعظم المدد کہتے ہیں' افضل اور اولیٰ تو یہی ہے کہ یااللہ کہا جائے۔ اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے' لیکن ان مسلمانوں کی اس ندا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ اولیاء کرام' اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہوتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی یہ ندا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح بعض شعراء کی نعتوں اور منقبتوں میں بھی یارسول اللہ اور یاغوث اعظم کے الفاظ ہوتے ہیں' یہ کلمات ذوق و شوق اور محبت سے کہے جاتے ہیں' یہ بھی شرک نہیں ہے۔ شرک اس وقت ہوگا جب پکارنے والا اس اعتقاد سے پکارے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے' وہ مستقل ہے اور از خود سنتا ہے اور اپنی ذاتی طاقت سے از خود مدد کرتا ہے' یا وہ اس کو مستحق عبادت سمجھتا ہو اور اس کو بطور عبادت ندا کرے۔ جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو ندا کرتے تھے۔ مشرکین کے بتوں کو پکارنے اور بعض مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنے میں یہ بنیادی فرق ہے۔ اس وجہ سے مشرکین کا بتوں کو پکارنا شرک ہے اور مسلمانوں کا اولیاء اللہ کو پکارنا شرک نہیں ہے۔

مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس کے برخلاف مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور "لا الہ الا اللہ" پڑھتے ہیں اور ان کا یہ ظاہر حال اس پر قرینہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات میں جس کو پکار رہے ہیں' اس کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا کا مقرب بندہ اور ماذون فی التصرف سمجھتے ہیں۔ تاہم اپنی تمام حاجات اور تمام مشکلات میں صرف اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا صرف اس سے سوال کرنا چاہیے اور صرف اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد چاہو۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ٢٥٢٤' مسند احمد' ج ۱' ص ٣٠٧' ٣٠٣' ٢٩٣' طبع قدیم' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٦٦٩' دارالحدیث قاہرہ' علامہ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ مسند ابویعلیٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ٢٥٥٦' المعجم الکبیر' ج ١١' رقم الحدیث: ١١٥٦٠' ١١٢٤٣' ١٢٩٨٩' مسند الشہاب' رقم الحدیث: ٧٣٥' کتاب الدعا للطبرانی' رقم الحدیث: ٤١' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی' رقم الحدیث: ٤٢٧' المستدرک' ج ٣' ص ٥٤٢' مشکوٰۃ' ص ۴٥٣)

انبیاء علیہم السلام اور صالحین کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی مہمات' مشکلات اور تمام حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور اسی سے استمداد اور استغاثہ کرتے تھے۔ سو ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی ہر حاجت کا صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے' اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہاں! انبیاء علیہم السلام اور صالحین عظام کا وسیلہ پیش کرنا' ایک جدا امر ہے۔ اس کے جواز اور استحسان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے' اور جب مقربین بارگاہ صمدیت کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی' تو اس کا مقبول ہونا زیادہ متوقع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے بے شک میں اپنے رب کی طرف سے اس روشن دلیل پر ہوں جس کو تم نے جھٹلایا

ہے' جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو' وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے O آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو' تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے O (الانعام: ۵۸-۵۷)

کفار کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم تھے اور کفار قریش اس دلیل کی تکذیب کرتے تھے۔ اس دلیل سے مراد وہ دلیل ہے جو قرآن مجید میں اللہ کی توحید پر قائم کی گئی ہے' جب کفار اس دلیل کو سنتے تو اس کو جھٹلاتے تھے' وہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے تھے:

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (الانبیاء: ۳)

یہ صرف تم جیسے بشر ہیں' کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔

نبی ﷺ ان مشرکین کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے' تو وہ ڈرنے کے بجائے آپ سے اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ O (الانفال: ۳۳-۳۲)

اور جب انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو تو اپنی طرف سے ہم پر آسمان سے پتھر برسا' یا (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ' اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے' درآنحالیکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور باقی قریش نے نبی ﷺ سے استہزاء کہا اے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پاس وہ عذاب لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں' اور نضر نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے اللہ! جو یہ کہتے ہیں اگر وہ حق ہے تو' تو ہمارے اوپر عذاب بھیج دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' جس چیز کو تم عجلت سے طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔ نیز فرمایا آپ کہئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم بہ عجلت طلب کر رہے ہو' تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۵۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' اسباب النزول' ۲۲۲)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب کو نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بنا پر عذاب کو نہ نازل کرنا چاہے تو نہیں نازل فرمائے گا' مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے' اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب کو لا چکا ہوتا۔

زیر بحث آیت کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو اور

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کفار پر عذاب نازل ہو' جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا' یارسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے زیادہ تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم عقبہ کو پہنچی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبدیالیل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا۔ پس میں غم زدہ ہو کر واپس چلا آیا' اور قرن ثعالب پر پہنچ کر مجھے افاقہ ہوا' اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے' انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا' وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا' وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو چاہیں' حکم دیں۔ حضور نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے' تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم' جہاد' ۱۱۱' (۱۷۹۵) ۴۵۷۲' صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۰۶)

اس آیت میں اور اس حدیث میں اس طرح موافقت ہے کہ آیت میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں کفار کی طرف سے عذاب کے مطالبہ کا ذکر نہیں ہے' بلکہ پہاڑوں کے فرشتے کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ کفار پر عذاب نازل کیا جائے جس کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا' وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے۔ وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے' اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (الانعام: ۵۹)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں بعض علماء کی لغزش

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مفاتح الغیب کا ذکر ہے۔ مفاتح' مفتح کی جمع ہے۔ مفتح کا معنی چابی ہے اور یہ کلام بہ طور استعارہ ہے کیونکہ چابی سے خزانہ تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جس کے پاس چابی ہو اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو' وہ خزانہ کو پالیتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ فقط وہی غیب تک واصل ہونے والا ہے۔ جس طرح جس شخص کے پاس خزانے کے تقلوں کی چابیاں ہوں اور اس کو کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی خزانہ تک واصل ہو سکتا ہے۔

(الکشاف' ج ۲' ص ۳۱' نشر البلاغہ' قم' ایران' ۱۴۱۳ھ)

علامہ زمخشری کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چابی کے ذریعہ غیب تک واصل ہونے والا ہے' کیونکہ اس سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل علم حاصل نہیں ہے' بلکہ تدریجاً علم حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں غائب حاضر کی مانند ہے' ماضی اور مستقبل کا علم اس کے سامنے یکساں ہے' ہر چیز کا علم اس کے سامنے ہر وقت حاضر ہے۔

اسی طرح شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے' قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے' جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ جب چاہیں کریں' جب چاہیں نہ کریں۔ سو اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو' جب چاہے کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویت الایمان' ص ۴۳' (کلاں) مطبوعہ مطبع علیمی' لاہور)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بالفعل غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ جب چاہے' غیب کو دریافت کر سکتا ہے اور یہ بداہتاً باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت تمام مغیبات اور شہادات کا علم حاضر ہے' اور اسے کبھی دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

مفاتح الغیب کی تفسیر میں احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا' اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا' اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بارش کب آئے گی؟

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۳۹' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۷۶۶' مطبوعہ بیروت' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۶۶' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۳۳۴۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو ہر چیز کی مفاتح دی گئی ہیں۔ سوا پانچ چیزوں کے۔ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے' وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا' بہت خبر رکھنے والا ہے۔

(لقمان: ۳۴) (مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۶۵۹' علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۶ھ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے' مسند ابو یعلی' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۱۵۳' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۴' جامع البیان' جز ۷' ص ۲۸۷' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۶۳)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے حضرت جبرائیل نے نبی ﷺ سے سوال کیا' قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے' وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں عنقریب تمہیں اس کی علامتیں بیان کروں گا' جب تم دیکھو کہ عورت سے اس کا مالک پیدا ہوا' تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے' اور جب تم ننگے پیر' ننگے بدن' بہرے' گونگے لوگوں کو زمین کا مالک دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور جب تم مویشیوں کے چرانے والوں کو بڑے بڑے مکان بناتے دیکھو تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی بارش نازل فرماتا ہے' وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ (لقمان: ۳۴)

(صحیح مسلم' ایمان' ۷' (۱۰) ۹۹)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں علماء کے نظریات

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مفاتح الغیب کی تفسیر میں جن پانچ چیزوں کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد اہم چیزیں ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جو باقی مغیبات ہیں' ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

یہ پانچ چیزیں ہوں یا باقی غیوب از خود ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے' اور اس نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے توسل کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے' وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ (مرقات المفاتیح' ج ۱' ص ۶۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۱' ص ۲۹۰' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ' فتح الباری' ج ۱' ص ۱۲۴' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے' اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور' ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں' وہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے' کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے' یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرے۔ کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو' تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہیے' حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے۔

(تفسیر شیخ عثمانی' ص ۱۷۹' مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مفاتح الغیب سے مراد آسمانوں اور زمینوں میں غیب کے خزانے ہیں۔ مثلاً رزق اور قدرت کے۔ عطاء نے کہا اس سے مراد ثواب' عذاب اور مستقبل کی عائب کی چیزیں ہیں۔ زجاج نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو علم غیب کے حصول کا وسیلہ ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمروں کے انجام اور خواتیم اعمال ہیں۔

(البحر المحیط' ج ۴' ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس آیت میں مفاتح کا لفظ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے یہ مفتح (میم کی زیر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفتح (میم کی زبر کے ساتھ) کی جمع بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مفتح (میم کی زیر) کی جمع ہو تو اس کا معنی چابیاں ہیں اور اگر مفتح (میم کی زبر) کی جمع ہو تو اس کا معنی خزانہ ہے۔

آیا نبی ﷺ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں یا غیب کا علم بھی دیا گیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی بھی کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کا اثبات بھی کیا گیا ہے' علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بلا واسطہ' بلا تعلیم اور ذاتی علم غیب کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے۔ اور بالواسطہ' بذریعہ وحی و الہام اور عطائی علم غیب کا غیر اللہ کے لیے ثبوت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور اطلاع علی الغیب اور اظہار غیب کا ثبوت ہے' یہ دونوں توجیہات صحیح ہیں۔ بعض متاخرین علماء دیوبند نے یہ کہا ہے کہ علم غیب کی نفی ہے اور غیب کی خبروں کا ثبوت ہے۔ اس توجیہ میں ہمیں کلام ہے' کیونکہ خبر بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اور کسی چیز کی خبر کا ثبوت اس کے علم کے ثبوت کو مستلزم ہے' نیز متقدمین علماء دیوبند نے نبی ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' پہلے ہم بعض متاخرین علماء دیوبند کی عبارت نقل کریں گے' پھر اس پر جرح کریں گے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا' اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے' جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے۔ "تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک" اس لیے آیت مذکورہ میں "لا یعلمھا الا ھو" یعنی غیب کے خزانوں کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' اس میں کسی شبہ یا استثناء کی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۴۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' ۱۴۱۳ھ)

نیز مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتلاتے ہیں' وہ حقیقتاً علم غیب نہیں ہے' بلکہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ "من انباء الغیب نوحیھا الیک" (معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۴۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' ۱۴۱۳ھ)

لیکن متقدمین علماء دیوبند نے نبی ﷺ اور دیگر مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔ (حفظ الایمان' ص ۱۱' مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' دیوبند یوپی)

اس عبارت میں شیخ تھانوی نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' بلکہ ہر آدمی' بچوں' پاگلوں' حیوانات اور بہائم کے علم پر بھی علم غیب کا اطلاق کیا ہے۔ شیخ تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاندپوری متوفی ۱۳۷۱ھ اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم غیب باعطاء الٰہی حاصل ہے۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۵' مطبوعہ لاہور)

نیز لکھتے ہیں:

سرور عالم ﷺ کو جو بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں' اس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۱۰' مطبوعہ لاہور)

نیز شیخ چاند پوری لکھتے ہیں:
صاحب حفظ الایمان کا مدعی تو یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔
(توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۱۳' مطبوعہ لاہور)
واضح رہے کہ ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے' جیسے باوجود عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کے لیے عالم الغیب کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔
نیز شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:
اول: میں نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلاواسطہ ہو وہ تو خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور جو بواسطہ ہو' وہ مخلوق کے لیے ہو سکتا ہے' مگر اس سے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔ (حفظ الایمان' ص ۱۴' مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' دیوبند)
اس قسم کی عبارات بہت ہیں۔ ہم نے بہ غرض اختصار چند عبارات نقل کی ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب مقام ولایت و نبوت میں ہے۔ بہرحال ان عبارات سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کو عطاء الٰہی سے علم غیب حاصل ہے' جیسا کہ شیخ چاند پوری نے اس کی تصریح کی ہے' اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت درست ہے' اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کو صرف غیب کی خبریں دی گئی ہیں' غیب کا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں فرق

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:
خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیت میں سے ہیں جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔ ایک علم غیب' دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔
(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۴۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی)
نیز مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:
بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو غیب کی ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور سب فرشتوں اور انبیاء سے زیادہ عطا فرمایا ہے' لیکن یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کا علم نہیں' نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر یہ رسول کی تعظیم کا وہ غلو ہوگا جو عیسائیوں نے اختیار کیا کہ رسول کو خدا کے برابر ٹھہرا دیا۔ اسی کا نام شرک ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ (معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۵۰' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)
ہمارے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں مساوات کا قول کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے' اور نبی ﷺ کا علم حادث اور متناہی ہے' اللہ تعالیٰ کا علم از خود اور بے تعلیم ہے' نبی ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی تعلیم سے ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک قطرہ کو جو نسبت سمندر سے ہے' نبی ﷺ کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے' کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کے علم اور اللہ کے علم میں متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے' بلکہ ایک ذرہ کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کا علم' اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے' کیونکہ آپ کو ایک ذرہ کا علم متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اول: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ و تدبیر فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو

پنجم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ' آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان پانچ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی' یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان پانچ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو' حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے' یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام' ص ۷-۶' مطبوعہ الایمان پریس لاہور' ۱۳۱۲ھ)

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے' کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ' ج ۱' ص ۴۶' مطبوعہ نوری کتب خانہ' لاہور)

لوح محفوظ کا بیان

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی تھی کہ اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اور اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا' اور آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر اپنے علم کی وسعت بیان فرمائی۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے' وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو درخت سے گرتا ہے' اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور خشک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مغیبات کو جانتا ہے' اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام موجودات کو محیط ہے' زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جاننے والا ہے' درخت کے پتوں میں سے کب اور کس جگہ کوئی پتہ گرتا ہے؟ نباتات' جمادات اور حیوانات کی تمام حرکات اور ان کے تمام احوال اس کے علم میں ہیں' اور مکلفین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں بوئے ہوئے بیج اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال' کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو تر اور خشک' زندہ یا مردہ' پھل یا کوئی دانہ زمین پر گرتا ہے' وہ سب سے واقف ہے اور ان میں سے ہر چیز کو اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور اس کی موت اور حیات' موت اور مابعد الموت کے تمام کوائف اس میں لکھے ہوئے ہیں اور ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے بھی پہلے اس نے تمام مخلوق کے احوال اس میں لکھ دیئے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ	زمین میں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور نہ تمہاری جانوں میں لیکن مصیبت ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۳-۲۲)

ہوئی ہے۔ یہ بے شک اللہ پر بہت آسان ہے' تاکہ اگر کوئی چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے تو تم اس پر رنج نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے' تم اس پر اترایا نہ کرو' اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' کہ اللہ تعالٰی نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی تھیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم' قدر' ۱۶' (۲۶۵۳) ۲۶۳۴' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۶۳' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۱۳۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۵۹۰' سنن کبریٰ للبیہقی' ص ۳۷۳)

کائنات کے وجود سے پہلے ازل میں اللہ تعالٰی کو جو اس کائنات کا علم تھا' اس کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالٰی کے علم اور ارادہ کے مطابق اس کائنات میں جو کچھ ہونا تھا' اس کو اللہ تعالٰی نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ افلاک کی حرکت اور سورج کی گردش سے دن رات' اور ماہ و سال کا تعین ہوتا ہے' اس لیے افلاک کے پیدا کرنے سے پہلے زمانہ اور سالوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے اتنی مدت پہلے لوح محفوظ میں لکھا کہ اگر آسمان وغیرہ ہوتے تو اتنی مدت میں پچاس ہزار سال گزر جاتے اور یا پچاس ہزار سال مدت کے طویل ہونے سے کنایہ ہے۔

اس کتاب کو لوح محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب تحریف اور شیطان کی رسائی سے محفوظ ہے' یا یہ محو اور اثبات سے محفوظ ہے' کیونکہ محو اور اثبات فقط فرشتوں کے صحیفوں میں ہوتا ہے' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ بھلائی نہیں گئی۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد اللہ تعالٰی کا علم ازلی ہے۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کرلیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا' پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے' تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔ (الانعام: ۶۰)

نیند کا وفات صغریٰ ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالٰی نے اپنا کمال علم بیان فرمایا تھا کہ غیب اور شہادت کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت کا کمال بیان فرمایا ہے کہ وہ رات میں تمہاری روح قبض کرلیتا ہے اور دن میں پھر تمہاری روح لوٹا دیتا ہے اور تمہارے اس سونے اور جاگنے میں حشر و نشر کی دلیل ہے' اور بالآخر تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بلاشبہ سونے والا زندہ ہوتا ہے۔ وہ سانس لیتا ہے اور کروٹیں بدلتا ہے' تو پھر اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا کس طرح درست ہوگا اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کرلیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح دو قسم کی ہیں۔ ایک روح کا تعلق احساس کے ساتھ ہے اور دوسری روح کا تعلق حیات اور حرکت بالارادہ کے ساتھ ہے۔ جب انسان سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کی ارواح حساسہ ظاہر سے باطن میں چلی جاتی ہیں' اس لیے اس کے حواس ظاہرہ عمل کرنے سے معطل ہو جاتے

ہیں اور نیند کے وقت اس کے جسم کا ظاہر بعض اعمال سے معطل ہو جاتا ہے اور موت کے وقت اس کا پورا بدن ہر قسم کے عمل سے معطل ہو جاتا ہے' اسی طرح نیند اور موت کی حالت میں ایک قسم کی مشابہت ہے اور اس اعتبار سے نیند پر بھی موت اور وفات کا اطلاق صحیح ہے۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تمہیں دن میں اٹھا دیتا ہے' یعنی تمہاری ارواح حساسہ پھر باطن سے ظاہر میں لوٹا دی جاتی ہیں اور تمہارے قویٰ ظاہرہ پھر کام کرنے لگتے ہیں' تاکہ تم وہ کرسکو جو تمہارے لیے مقدر کیے گئے ہیں اور جو عمر طبعی تمہارے لیے مقدر کر دی گئی ہے' اس کو تم پورا کر سکو' اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سونے اور جاگنے کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے' تاآنکہ تم اپنی طبعی حیات کو پورا کرلو' پھر تم نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ تم کو خبر دے گا کہ تم اپنی راتوں اور دنوں میں کیا کام کرتے تھے۔

نیند وفات صغریٰ ہے اور موت وفات کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وفاتوں کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی فرمایا ہے:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (الزمر: ۴۲)

جن کی موت کا وقت ہو اللہ ان کی جانوں کو قبض کرلیتا ہے اور جن کی موت کا وقت نہ ہو ان کی جانوں کو (بھی) نیند میں قبض کرلیتا ہے' پھر جن کی موت کا حکم فرمادیا ان کی جانوں کو روک لیتا ہے اور دوسری (جانوں) کو ایک وقت مقررہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا' یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند موت کا بھائی ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔

(المعجم الاوسط' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۲۳' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۱۷' حلیۃ الاولیاء' ج ۷' ص ۹۰' علل متناہیہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۵۳' ۱۵۵۴' کامل ابن عدی' ج ۴' ص ۱۴۳۳' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۴۱۵)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند البزار کی سند صحیح ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے

جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ

کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○ پھر وہ

رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے، سنو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے ○

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

آپ کہیے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر

لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ

وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچائے تو ہم ضرور شکرگزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس

مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى

(مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو ○ آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ

اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ

تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ

تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے دیکھیے ہم کس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں ○ اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ یہی

الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۭ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّ

حق ہے آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور عنقریب تم جان لو گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ (الآیہ) (الانعام: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے قہر کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلائل تھے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں پر قاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی عدم پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے اور کبھی وجود پر قہر فرماتا ہے تو ممکن کو وجود سے عدم کی طرف لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اس کی ضد سے قہر فرماتا

ہے۔ مثلاً نور پر ظلمت کے ساتھ قہر فرماتا ہے اور ظلمت پر نور کے ساتھ ' دن پر رات کے ساتھ اور رات پر دن کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ حیات پر موت کے ساتھ ' موت پر حیات کے ساتھ قہر فرماتا ہے' اور یہ قہر کا ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر اس کی ضد کے ساتھ قہر فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ' ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ' ملک چھین لیتا ہے ' وہ جس کو چاہتا ہے ' عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ' ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس: ۱۰۷)

اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لیے بنایا ہے اور رات نیند کے لیے بنائی ہے۔ اگر انسان دن میں نیند کا معمول بنانا چاہیں اور رات کو کام کاج کا معمول بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ وہ قہراً رات کو سونے اور دن کو کام کاج پر مجبور ہیں۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان جاگنا چاہتا ہے اور نیند اس پر غالب آجاتی ہے اور کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے اور اس کو نیند نہیں آتی ' صحت اور بیماری اور حیات اور موت میں انسان کا مغلوب ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر غالب ہونا اور بھی واضح ہے۔

کراماً کاتبین کی تعریف اور ان کے فرائض

اس کے بعد فرمایا اور وہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ حفظۃ ' حافظ کی جمع ہے۔ جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بندوں کی آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ قتادہ سے منقول ہے کہ وہ عمل ' رزق اور میعاد حیات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے رات کے اعمال کو لکھنے کے لیے ہیں اور دو دن کے اعمال کے لکھنے کے لیے ہیں۔ ایک فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ برائیوں کو لکھتا ہے ' اور مباح کاموں کے لکھنے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کل پانچ فرشتے حفظہ ہیں۔ دو دن کے ' دو رات کے اور ایک فرشتہ وہ ہے جو دن رات میں سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتا۔

کراماً کاتبین کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار: ۱۲-۱۰)

اور بے شک تم پر ضرور حفاظت کرنے والے (فرشتے مقرر) ہیں ' معزز لکھنے والے ' وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق: ۱۸-۱۷)

جب (اس کے ہر قول اور فعل کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (فرشتے) ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوتا ہے ' وہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے ' اس کو لکھنے کے لیے ایک نگہبان (فرشتہ) تیار ہوتا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (الکہف: ۴۹)

اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا ' پس آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں (مذکور) ہے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسا نوشتہ اعمال ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے نہ بڑا گناہ ' مگر اس کا احاطہ کر لیا ہے ' اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا ' وہ سب اپنے سامنے موجود

پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

کراماً کاتبین کے فرائض اور وظائف کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری ہے' وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے' حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے' تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں ہم نے جس وقت ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم' المساجد ۲۱۰' (۶۳۲) ۱۴۰۵' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۸۷' ۴۸۶' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم برہنگی سے احتراز کرو' کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تم سے بیت الخلاء اور عمل تزویج کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے' تم ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۸۰۹' شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۷۳۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ دائیں طرف کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔

ابراہیم تیمی بیان کرتے ہیں کہ دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتہ کا امیر ہوتا ہے' جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے' رک جاؤ' شاید یہ توبہ کرلے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ جو دائیں جانب ہے' وہ نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے' وہ برائیاں لکھتا ہے۔ (جامع البیان' جز ۲۶' ص ۲۰۵' ۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیا نے الندیہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا دائیں جانب ہے اور برائیاں لکھنے والا بائیں جانب ہے' جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے' اور جب وہ کوئی برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا بائیں جانب والے سے کہتا ہے' اس کو چھوڑ دو' حتیٰ کہ یہ تسبیح کرے یا استغفار کرے۔ پھر جب جمعرات کا دن آتا ہے تو اس وقت تک جو نیکیاں اور برائیاں ہوں' وہ لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جاتا ہے' پھر یہ نوشتہ لوح محفوظ پر پیش کیا جاتا ہے' تو اس میں یہ تمام چیزیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابن ابی الدنیا اخنف بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتہ پر امیر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے رک جاؤ' پھر اگر بندہ استغفار کرے تو وہ اس کو وہ گناہ لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ استغفار کی بجائے گناہ پر اصرار کرتا ہے' تو وہ اس گناہ کو لکھ لیتا ہے۔

(الدر المنثور' ج ۷' ص ۵۹۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ بائیں جانب ہے، جو برائیاں لکھتا ہے۔ جو دائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر لکھتا ہے اور جو بائیں جانب ہے وہ اپنے صاحب کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر بندہ بیٹھ جائے تو ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں جانب اور اگر بندہ چلنے لگے تو ایک فرشتہ بندہ کے آگے ہوتا ہے اور ایک پیچھے، اور اگر وہ سو جائے تو ایک فرشتہ اس کے سر کی جانب ہوتا ہے اور ایک پیروں کی جانب، اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا انسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں، دو فرشتے رات کے، دو دن کے، یہ آتے جاتے رہتے ہیں اور پانچواں فرشتہ دن رات کے کسی وقت میں اس سے الگ نہیں ہوتا۔

(کتاب العظمہ، رقم الحدیث: ۵۲۱، ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی مسلمان کے جسم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو فرشتہ سے فرماتا ہے: اس کے اس عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا، پھر اگر اس کو شفا دیتا ہے تو اس کو غسل سے پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم اپنے جسم کی کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مرض میں اس کی صحت کے ہر نیک عمل کو لکھتا رہتا ہے۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۴، مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندہ مومن کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو جو فرشتے اس کے عمل لکھتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ تو اب ہمیں اجازت دے تو ہم آسمان پر چڑھ جائیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرا آسمان ان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ عرض کریں گے تو کیا ہم زمین میں قیام کریں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کر رہی ہے، وہ کہیں گے پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا تم میرے اس بندہ کی قبر پر قیام کرو اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو اور قیامت تک اس کو میرے اس بندہ کے لیے لکھتے رہو۔

(شعب الایمان، ج ۷، رقم الحدیث: ۹۹۳۱، مطبوعہ بیروت)

آیا دل کی باتوں کو کراماً کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں؟

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھ لو۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے اور ایک روایت اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! تیرا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے، حالانکہ اسے گناہ پر خوب بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا انتظار کرو، اگر یہ اس گناہ کو کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو اور اگر اس کو ترک

کردے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو' کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۲۰۵' ۲۰۳' (۱۲۸) ۳۲۷' صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۰۱' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۸۴' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۸۱' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۰' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۷۳۰۰)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں اور ارادوں پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کے احوال اور نیات پر مطلع نہیں ہوتے۔

امام عبداللہ بن محمد ابوالشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضمرہ بن حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں' اس عمل کو وہ بہت زیادہ اور بہت بابرکت گمان کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی سلطنت میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے' اس عمل کو لے کر پہنچتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرماتا ہے' تم میرے بندے کے عمل کی حفاظت کرنے والے ہو' اور میں اس کے دل کی نگہبانی کرنے والا ہوں۔ میرے اس بندہ نے یہ عمل میرے لیے اخلاص سے نہیں کیا' اس کو سجین (جہنم کی ایک وادی) میں ڈال دو اور وہ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھیں گے' اور اس عمل کو بہت کم گمان کریں گے۔ پھر وہ اللہ کی سلطنت میں سے جہاں تک اللہ چاہے گا' اس عمل کو لے کر پہنچیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ان کی طرف وحی فرمائے گا تم حفاظت کرنے والے ہو اور جو کچھ اس کے دل میں ہے' میں اس پر نگہبان ہوں۔ اس کے اس عمل کو دگنا چوگنا کر دو اور اس کو علیین میں ڈال دو۔

(کتاب العظمہ' رقم الحدیث: ۵۲۲' ص ۱۸۵' مطبوعہ بیروت' کتاب الزھد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۴۵۲' مطبوعہ بیروت)

امام ابن المبارک کی روایت میں ہے میرے اس بندے نے اخلاص سے عمل کیا ہے' اس کو علیین میں لکھ دو۔

بہ ظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے' لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے' کیونکہ جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ وہ صحیح بخاری' صحیح مسلم' صحیح ابن حبان اور سنن ترمذی اور سنن نسائی کی روایت ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے' وہ کتاب العظمہ اور کتاب الزھد کی روایت ہے اور ثانی الذکر کتابیں اول الذکر کتابوں کے پائے کی نہیں ہیں۔ نیز اول الذکر حدیث متصل ہے اور ثانی الذکر مرسل روایت ہے اور اول الذکر سنداً صحیح ہے اور ثانی الذکر سنداً ضعیف ہے۔ اس لیے ترجیح پہلی حدیث کو ہے اور راجح یہی ہے کہ فرشتے دل کی باتوں پر بھی مطلع ہوتے ہیں اور موخر روایت کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریا اور اخلاص کو مستثنیٰ فرمایا ہے' اخلاص کو مخفی رکھا' تاکہ قیامت کے دن اس بندے کی عزت افزائی کی جائے اور ریا کو مخفی رکھا' تاکہ ریاکار کے عمل کی قیامت کے دن زیادہ رسوائی ہو' جیساکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت کے قریب ہوں گے اور جنت کی خوشبو سونگھیں گے' اور جنت کے محلوں کی طرف دیکھیں گے اور ان چیزوں کی طرف دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے تیار کی ہیں تو ان کو ندا کی جائے گی کہ جنت سے واپس آ جائیں' ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ حسرت کے ساتھ جنت سے واپس آئیں گے اور کہیں گے' اے ہمارے رب! کاش! تو ہمیں اپنا ثواب دکھانے سے پہلے اور اپنے اولیاء کے لیے جو تو نے نعمتیں تیار کی ہیں ان کو دکھانے سے پہلے ہمیں دوزخ

میں داخل کر دیتا' تو یہ ہم پر آسان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا کہ جب تم خلوت میں ہوتے تو میرے ساتھ بہت بڑا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے تم میرے لیے عاجزی کرتے تھے۔ تم لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے تھے اور تم اپنے دلوں سے مجھے اس کے خلاف دیتے تھے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے' اور تم لوگوں کو بزرگ جانتے تھے اور مجھے بڑا نہیں جانتے تھے۔ سو آج میں تم کو دردناک عذاب چکھاؤں گا اور تم کو ثواب سے محروم کروں گا۔

(المعجم الاوسط' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٤٧٤' المعجم الکبیر' ج ١٧' رقم الحدیث: ١٩٩' ص ٨٦' حلیۃ الاولیاء' ج ٤' ص ١٢٥۔ ١٢٤' شعب الایمان' ج ٥' رقم الحدیث: ٦٨٠٩' مجمع الزوائد' ج ١٠' ص ٢٢٠)

اعمال کو لکھوانے کی حکمتیں

اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے والے فرشتے ہر روز بدلتے ہیں یا اخیر عمر تک وہی فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بہرحال ثابت ہے کہ دن اور رات کے فرشتے بدلتے رہتے ہیں' اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ بندہ کی موت کے بعد فرشتے کیا کرتے ہیں؟ بعض نے کہا وہ آسمان پر جا کر عبادت کرتے ہیں' لیکن ہم شعب الایمان کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ وہ قیامت تک اس بندے کی قبر پر بیٹھ کر اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

کراماً کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک حکمت تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے سامنے اس کے خلاف ایک مادی حجت قائم کر دی جائے' تاکہ وہ اپنے کسی قول یا عمل سے انکار نہ کر سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کے اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور بر سر محشر لوگوں کے سامنے یہ اعمال پیش کیے جائیں گے' تو لوگوں کے سامنے اپنی برائیاں اور بے حیائیاں کھلنے کے خوف سے وہ برے اور فحش کاموں کے ارتکاب سے باز رہے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں نے ابن آدم کی پیدائش پر یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فتنہ و فساد کرے گا اور جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی نیکیاں لکھیں گے تو ان پر ابن آدم کی پیدائش کی حکمت کامل طریقہ سے واضح ہوگی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کے اعمال میزان میں وزن کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال از قبیل اعراض ہیں' لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اعمال کے وزن کرنے سے مراد صحائف اعمال کا وزن کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ (الانعام: ٦١)

اللہ تعالیٰ' ملک الموت اور فرشتوں کی طرف قبض روح کی نسبت کی وضاحت

قرآن مجید میں بندہ کی روح قبض کرنے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے' ملک الموت کی طرف بھی ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ٤٢) — موت کے وقت اللہ جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (السجدۃ: ١١) — آپ کہئے کہ موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس (کی روح) کو قبض کرتے ہیں۔ (الانعام: ٦١)

ان آیات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے کا فاعل حقیقی ہے اور ملک الموت کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ ظاہری فاعل ہے اور روح قبض کرنے

والے فرشتوں کا رئیس ہے' اور دوسرے فرشتوں کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ روح قبض کرنے میں ملک الموت کے اعوان اور انصار ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ انسان کے درجہ اور مقام کے اعتبار سے احوال مختلف ہوتے ہیں' اس لیے بعض انسانوں کی روح اللہ تعالیٰ بلاواسطہ قبض کرتا ہے' بعض کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور بعض کی دیگر فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

موت کے وقت مسلمانوں اور کافروں کی روحوں کے نکلنے کی کیفیت

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ پس جب وہ کوئی نیک شخص ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں' اے پاکیزہ روح نکلو تم پاکیزہ جسم میں تھیں' تم تعریف کی ہوئی باہر آؤ' تمہیں خوشی اور مسرت کی نوید ہو اور رب کے راضی ہونے کی بشارت ہو۔ اس کو یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ روح باہر آجائے گی۔ پھر وہ روح آسمان کی طرف چڑھے گی۔ اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا' یہ کون ہے؟ پھر اسے بتایا جائے گا یہ فلاں ہے! آسمان والے کہیں گے' پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو' یہ پاکیزہ جسم میں تھی' تم تعریف کی ہوئی داخل ہو۔ تمہیں خوشی اور مسرت کی بشارت ہو' اور رب کے راضی ہونے کی نوید ہو۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ اس آسمان (عرش الٰہی) میں پہنچے گی' جس پر اللہ عزوجل جلوہ فرما ہے۔ اور جب مرنے والا کوئی برا شخص ہوتا ہے' تو فرشتے کہتے ہیں نکل اے خبیث (ناپاک) روح! تو خبیث جسم میں تھی' نکل تو مذمت کی ہوئی ہے۔ تجھے کھولتے ہوئے بدبودار پانی کی بشارت ہو' اور اسی قسم کے اور پانی کی۔ اسے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ روح جسم سے نکلے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جائے گا' اور اس کے لیے آسمان کو کھلوایا جائے گا۔ پوچھا جائے گا یہ کون ہے؟ پھر بتایا جائے گا' یہ فلاں ہے! پھر کہا جائے گا اس ناپاک روح کا آنا نامبارک ہو' یہ ناپاک جسم میں تھی' تو مذمت کی ہوئی واپس ہو جا' تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے' پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا' پھر قبر تک پہنچے گی۔

علامہ محمد احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۷۵۴' مطبوعہ دارالحدیث' القاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۶۵۔۳۶۴' طبع قدیم' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۶۲)

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید ریشم کو لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے روح!) نکلو درآنحالیکہ تم اللہ سے راضی ہو اور اللہ تم سے راضی ہو' تم اللہ کی راحت اور خوشی کی طرف نکلو' اور رب کی رضا کی طرف نکلو۔ پھر روح مشک کی پاکیزہ خوشبو کی طرف نکلتی ہے' حتیٰ کہ بعض فرشتے اس روح کو لیتے ہیں اور اس کو آسمان کے دروازے کی طرف لاتے ہیں اور آسمان والے کہتے ہیں' یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے؟ پھر وہ اس روح کو مومنین کی ارواح سے ملاتے ہیں اور وہ روحیں اس روح سے مل کر اسی طرح خوش ہوتی ہیں' جیسے کوئی شخص اپنے بچھڑے ہوئے دوست سے مل کر خوش ہوتا ہے۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کیسا ہے؟ فلاں شخص کیسا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑو' وہ دنیا کے غم میں ہے اور جب وہ کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا' اور جب کافر کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کو لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں' نکل درآنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے

اور اللہ تجھ سے ناراض ہے۔ تو اللہ کے عذاب کی طرف نکل' تو وہ انتہائی ناگوار بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کو زمین کے دروازہ کی طرف لاتے ہیں اور زمین والے کہتے ہیں' یہ کیسی ناگوار بدبو ہے؟ پھر وہ اس کو کفار کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

(سنن نسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۸۳۲' صحیح ابن حبان' ج ۷' رقم الحدیث: ۳۰۱۴' المستدرک' ج ۱' ص ۳۵۳)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشم میں مشک اور گل ریحان کے گچھے لے کر آتے ہیں۔ پھر اس کے جسم سے روح اس طرح نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے' اے پاکیزہ روح! اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف راضیہ اور مرضیہ ہو کر چلو' اور اس کو ریشم میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں اور کافر پر جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ میں انگارے لے کر آتے ہیں اور بڑی سختی سے اس کی روح کو کھینچتے ہیں اور کہا جاتا ہے' اے ناپاک روح! نکل در آنحالیکہ تو اللہ سے ناراض ہے اور اللہ تجھ سے ناراض ہے' نکل اللہ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف۔ اور جب روح نکل جاتی ہے تو اس کو اس انگارے پر رکھ کر ٹاٹ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو سجین کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

(شرح الصدور' ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا برحق مالک ہے۔ سنو! اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۲)

اللہ تعالیٰ کے مولیٰ اور حق ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے' پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا ایسا مولیٰ ہے جو حق ہے۔ مولیٰ کا ایک معنی ہے آزاد کرنے والا' اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عذاب سے آزاد فرما دے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ (مسند الحمیدی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۲۶) نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی اضافت اپنے بندوں کی طرف فرمائی ہے' یعنی ان کا مولیٰ اور یہ اضافت انتہائی رحمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا ان کا مولیٰ جو حق ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان باطل آقاؤں کے ماتحت تھا اور وہ نفس' شہوت اور غضب کے احکام کی اطاعت کرتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان: ۴۳) کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔

اور جب انسان مرجاتا ہے تو باطل آقاؤں کے احکام کی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور صرف اپنے حقیقی مولیٰ کے زیر تصرف آجاتا ہے۔

روح کے انسان کی حقیقت ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ انسان کی حقیقت یہ جسم نہیں ہے' بلکہ یہ روح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ انسان مرجائے گا اور مرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا' اور اس مردہ جسم کا اللہ کی طرف لوٹانا تو ممکن نہیں ہے' تو ثابت ہوا کہ اس کی روح کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے روح موجود تھی' کیونکہ اس عالم سے اللہ کی بارگاہ کی طرف روح کا لوٹانا اسی وقت ہو سکتا ہے جب روح پہلے سے موجود

ہو اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ (الفجر: ۲۸) اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۶۰-۵۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے دلائل پر بحث و نظر

امام رازی کی اس تقریر سے معاد جسمانی کا انکار لازم آتا ہے' جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انسان کا حشر روح مع الجسم ہو گا اور اس مردہ جسم کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زندہ کر دے گا' اور جسم میں روح ڈال کر اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس جسم کے زندہ کیے جانے اور اللہ کے سامنے اس کے پیش کیے جانے پر دلائل مذکور ہیں:

وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ۝ (بنو اسرائیل: ۹۹-۹۸)

اور انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے' کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان کی مثل بنانے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے' پس ظالموں نے کفر کرنے کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰس: ۷۹-۷۸)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہئے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف روح نہیں لوٹائی جائے گی' بلکہ روح اور جسم دونوں لوٹائے جائیں گے اور انسان صرف روح کا نام نہیں ہے' بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ پیدا ہونے کے بعد جسم کی ساخت اور اس کے تشخص میں عمر کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے اور مرنے کے بعد جسم بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور انسان واحد کی حقیقت اور اس کا تشخص تو معین اور غیر متبدل ہونا چاہیے اور وہ تعین تو صرف روح میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں اجزاء اصلیہ ہوتے ہیں جو اس کے جسم کے تمام مختلف ادوار میں مشترک رہتے ہیں' اور جب جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے' تب بھی وہ اجزاء باقی رہتے ہیں اور ان ہی اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور انسان کی حقیقت اور اس کے تشخص کا مدار روح اور ان اجزاء اصلیہ پر ہے۔

جسم سے پہلے روح کے پیدا ہونے پر دلائل اور بحث و نظر

البتہ! امام رازی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ روح کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا روحیں مجتمع لشکر ہیں' جو ان میں سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں' اور جو ایک دوسرے سے ناآشنا ہوتی ہیں' وہ آپس میں اختلاف کرتی ہیں۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۳۶' صحیح مسلم' بر ۱۵۹' (۲۶۳۸) ۶۵۸۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۸۳۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۲۷' ۵۳۷' ۲۹۵' طبع قدیم)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے ابتداء خلقت کی خبر دینا مقصود ہو' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور جب روحوں کا جسموں میں حلول ہو تو ان کی آپس میں شناسائی یا عدم شناسائی عالم ارواح کے اعتبار سے ہوئی' تو روحیں جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملیں تو ان کا ایک دوسرے سے متفق یا مختلف ہونا بھی اسی سابق شناسائی یا عدم شناسائی کے اعتبار سے تھا۔ (فتح الباری' ج ۶' ص ۳۶۹' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۱۰۰' مطبوعہ المکتبہ النوریہ الرضویہ' لائلپور' پاکستان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جسموں کے فنا ہونے کے بعد بھی روحیں باقی رہتی ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث میں ہے شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۲۱۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ عسقلانی اور حافظ سیوطی نے یہ تو لکھا ہے کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں' لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث کس امام نے کس صحابی سے روایت کی ہے؟ البتہ علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو عبداللہ بن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عنبسہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندوں کی روحیں بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کی گئی ہیں۔ سو جو روحیں ایک دوسرے سے متعارف تھیں' وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جو روحیں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھیں' وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ (الروح' ص ۱۵۴-۱۵۳' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۰ھ)

پھر علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی عتبہ بن سکن ہے۔ امام دار قطنی نے اس کے متعلق یہ کہا کہ یہ متروک ہے اور ایک راوی ارطاۃ بن منذر ہے۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی بعض احادیث غلط ہیں۔ (الروح' ص ۱۶۵' مطبوعہ قاہرہ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے جس کو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے۔ اس میں اگرچہ دو ہزار سال پہلے کے الفاظ نہیں ہیں' لیکن وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ روحیں ایک مجتمع لشکر کی صورت میں پہلے پیدا ہو چکی تھیں' نیز اس کی مزید تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی جس کو وہ ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک بنائی۔ پھر ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک انہیں بہت اچھی لگی۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے۔ اس کو داؤد کہا جاتا ہے' حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا' اے میرے رب! میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر زیادہ کر دے' جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیا ابھی میری عمر سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو یہ عمر نہیں دی؟ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار

کیا اور حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ متعدد سندوں کے ساتھ از ابو ھریرہ از نبی ﷺ مروی ہے۔

(سنن ترمذی 'ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۸۷ 'مطبوعہ دارالفکر 'بیروت ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکالا گیا' جس سے یہ واضح ہو گیا کہ روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

نیز امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے' پہلے ان کو ارواح بنایا' پھر ان کو صورتیں دیں اور گویائی عطا کی' وہ بولنے لگے۔ پھر ان سے عہد اور میثاق لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا' کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہم نے گواہی دی! (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے' اور ہم نے تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ کیا ہے کہ تم یہ کہو کہ ہم کو پتا نہ تھا' یا یہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ سو تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا' کیونکہ میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔ پس انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی ہمارا رب ہے' نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تو ان میں غنی اور فقیر اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا' تو حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! اگر تو اپنے تمام بندوں کو برابر کر دیتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے چراغوں کی طرح روشن انبیاء علیہم السلام کو دیکھا' ان سے نبوت اور رسالت کا عہد و میثاق لیا گیا اور اس میں ان آیتوں کی تصدیق ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (الاحزاب: ۷)

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے نبیوں سے میثاق لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ میثاق لیا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰)

سو آپ اللہ کی اطاعت کے لیے اپنی ذات کو ثابت قدم رکھیں ادیان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے' اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی سرشت پر لازم کر لو' جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی (النجم: ۵۶)

یہ ایک ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ○ (الاعراف: ۱۰۲)

اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں سے عہد کی وفا نہیں پائی اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ (یونس: ۷۴)

پھر نوح کے بعد ہم نے ان لوگوں کی طرف رسول بھیجے جو ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے' کیونکہ وہ اس سے پہلے ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

پس حضرت عیسیٰ کی روح ان ارواح میں سے تھی جن سے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ روح حضرت مریم کی طرف بھیجی' جو اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مقام میں آگئی تھی۔ پھر لوگوں کی طرف سے انہوں نے ایک پردہ بنالیا' تو ہم نے ان کی طرف اپنے ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے سامنے ایک تندرست آدمی کی صورت اختیار کی۔۔۔۔۔ پھر مریم نے اس کو اپنے پیٹ میں لے لیا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک' ج ۲' ص ۳۲۴-۳۲۳' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کی روحوں کو نکالا اور ان دونوں حدیثوں کی تصدیق اس آیت میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ○ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب نے کہا کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) کہیں تم قیامت کے دن کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

علامہ ابن قیم نے ان دلائل کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ فرشتہ ماں کے پیٹ میں روح پھونکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم کے ساتھ یا اس کے بعد حادث ہوتی ہے' وہ حدیث یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے (یعنی نطفہ) پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' اور اس سے کہا جاتا ہے اس کا عمل لکھو اور اس کا رزق' اور شقی یا سعید ہونا' پھر وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ بے شک تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے' پھر وہ دوزخیوں کا عمل کرتا ہے اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے' پھر وہ جنتیوں کا عمل کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۲۰۸' ۳۳۳۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۹۴' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۴۵۴' صحیح مسلم' قدر' ۱' (۲۶۴۳) ۶۵۹۹' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۴۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۱۷۴' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند حمیدی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۶' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۶)

ہرچند کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت فرشتہ پھونک مارتا ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں روح پیدا کرتا ہے' لیکن دوسرے دلائل سے مطابقت کے لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ کے پھونک مارتے وقت اللہ تعالیٰ اس میں وہ روح بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے پیدا کی جاچکی ہے۔

قیامت کے دن جلد حساب لینے کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! اسی کا حکم ہے یعنی صورۃً اور معناً ہر طرح اسی کا حکم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی اطاعت ثواب کو واجب نہیں کرتی اور کسی شخص کی معصیت عذاب کو واجب نہیں کرتی' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اطاعت کرنے والے کا یہ حق ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثواب عطا کرنے کا حکم دے' حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا' بلکہ ہر چیز پر اسی کا حکم نافذ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے حسب ذیل آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جلد حساب لینے کے متعلق فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد: ۴۱)

اللہ حکم فرماتا ہے اور اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب بہت جلد لے لے گا۔ اور ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص سے حساب لینا اور اس وقت میں کسی دوسرے سے حساب لینا اس کے لیے مانع اور رکاوٹ نہیں ہو گا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے' اور بعض حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف یوم کی مقدار میں حساب لے لے گا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حساب نہیں لے گا' بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرشتوں کو حساب لینے کا حکم دے گا۔ سو ہر فرشتہ ہر بندے سے حساب لے گا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ خود حساب لے گا اور کافروں سے فرشتے حساب لیں گے' کیونکہ اگر اللہ کافروں سے خود حساب لیتا تو ان سے کلام بھی فرماتا' حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا' لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا' بلکہ غضب کے ساتھ ان سے کلام فرمائے گا اور قرآن مجید کی ظاہر آیتیں اس قسم کے کلام پر دلالت کرتی ہیں:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام: ۲۲)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے' پھر شرک کرنے والے لوگوں سے کہیں گے تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ: ۱۴)

پس اب تم (اس کا مزہ) چکھو کہ تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا۔ بے شک ہم نے تمہیں فراموش کر دیا اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو' ان (برے) کاموں کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

باقی حساب لینے کی کیا کیفیت ہو گی؟ اس کا عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی' ہم اللہ کے حساب لینے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو عالم الغیب والشہادۃ کے سپرد کرتے ہیں۔ (روح المعانی' ج ۷' ص ۱۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حساب کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ (الرحمن: ۳۹)　　اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا لیکن اس کے معارض دوسری آیت ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الحجر: ۹۳-۹۲)　　سو آپ کے رب کی قسم ! ہم ان سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

ان آیتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کیونکہ ان کے اعمال فرشتے نے لکھے ہوئے ہیں' بلکہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔ کسی سے کسی وقت کوئی سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی دوسرے وقت سوال کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی وقت کسی کو اپنا عذر بیان کرنے کی جرأت نہیں ہو گی اور کسی وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی حجتیں پیش کریں گے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ○ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: ۳۶-۳۵)　　اس دن وہ نہ کوئی بات کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر: ۳۱)　　پھر یقیناً تم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ اس دن کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا وہ جھگڑا کریں گے' اس کا یہی محمل ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے۔

حساب کی کیفیت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حدیث سنتی تھیں اور اس کو نہ سمجھ پاتیں تو وہ نبی ﷺ سے پوچھتی تھیں' حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا؟

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○ (الانشقاق: ۸-۷)　　پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا اس سے مراد صرف اعمال کو پیش کرنا ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا (کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۶۳' صحیح مسلم' دیات' ۲۸' (۱۶۷۸) ۴۳۰۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۲' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۱۵)

یہ حدیث حقوق العباد پر محمول ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا' اگر نمازیں درست ہوئیں تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر نمازیں فاسد ہوئیں تو وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہو گیا۔ اگر اس کے فرض میں کمی ہو تو رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا' دیکھو میرے اس بندہ کے نفل ہیں؟ پھر فرائض کے نقصان کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

(سنن الترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۶۴' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۶' ۴۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۲۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۲۵' ۲۹۰' ج ۴' ص ۱۰۳' ۶۵' ج ۵' ص ۷۷' ۷۲)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے' وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خشوع میں جو کمی رہ گئی ہو' وہ نوافل سے پوری ہو جائے اور میرے نزدیک پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے' کیونکہ آپ نے باقی اعمال کا بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے اور زکوٰۃ میں صرف فرض ہے یا نفل ہے' پس جس طرح زکوٰۃ کا فرض فاضل صدقات سے پورا ہو جاتا ہے' اسی طرح نماز کا فرض بھی نفل سے پورا ہو جائے گا اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے اور اس کا وعدہ بہت نافذ ہونے والا ہے اور اس کا عزم اتم اور اعم ہے۔ (عارضۃ الاحوذی' ج ۲' ص ۲۰۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں' امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز کی سنتوں میں جو کمی رہ جاتی ہے' وہ نوافل سے پوری کی جائے گی۔ کیونکہ کوئی سنت واجب کا بدل نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث قدسی ہے جتنا مجھ سے فرائض کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے' اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور شیخ عزالدین نے کہا ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کے ایک درہم کا آٹھواں حصہ نفلی ہزار درہم سے زائد ہے اور کوئی آدمی ساری عمر نفلی قیام کرے' بلکہ تمام زمانہ قیام کرے تو وہ صبح کی دو رکعت فرض کے برابر نہیں ہے۔ (سنن النسائی' ج ۱' شرح الحدیث ۴۶۵' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اللہ کا رات میں ایک حق ہے جس کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا' اور اللہ کا دن میں ایک حق ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا' اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے اللہ نفل کو قبول نہیں کرتا۔ (الحدیث)

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۶۲۸۰' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۸۹۰۲' کتاب الزھد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۹۱۴' حلیۃ الاولیاء' ج ۱' ص ۳۶' جامع الاحادیث الکبیر' ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۸۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کا قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹے گا' حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی؟ اس نے اپنی جوانی کس کام میں مبتلا کی؟ اس نے مال کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں اس کو خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا

یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم ہو نہ کوئی متاع ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہو گا جو قیامت کے دن نماز' روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی کو تہمت لگائی ہو گی' کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا' وہ شخص بیٹھ جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے اس کو بدلہ دیا جائے گا اور اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اگر اس پر جو حقوق ہیں' ان کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۲۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: (۲۵۸۱) صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۱۱' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۰۳۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۶' ص ۹۳)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کو پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا' کیا میں نے تیرے لیے کان اور آنکھیں نہیں بنائی تھیں؟ اور کیا مال اور اولاد نہیں دیئے تھے؟ کیا تیرے لیے مویشیوں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا؟ کیا تجھے سرداری اور خوش حالی نہیں دی تھی؟ پھر کیا تو مجھ سے اس دن ملاقات کا یقین رکھتا تھا' وہ کہے گا نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' آج میں تجھے اس طرح فراموش کردوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۶)

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا' حتیٰ کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے گھیر لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا (فرمائے گا) تم فلاں گناہ پہچانتے ہو؟ وہ دو بار کہے گا اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارا پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا' باقی رہے کفار تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے پکار کر بلایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم' توبہ' ۵۲' (۲۷۶۸) ۶۸۸۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۵۸۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ضرور اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پس کہا جائے گا اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے دور رکھو۔ پھر اس سے کہا جائے گا' کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا' وہ کہے گا' ہاں! اور اس کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے ڈر رہا ہو گا کہ کہیں اس کے بڑے بڑے گناہ نہ پیش کر دیئے جائیں' پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ تب وہ شخص کہے گا' اے میرے رب میں نے تو اور بھی بہت سے کام کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا' پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم' ایمان ۳۱۴' (۱۹۰) ۴۵۹' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۰۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار (مزید) ہوں گے اور میرے رب نے دونوں ہاتھوں سے تین بار لپ (بک) بھرنے کا وعدہ کیا ہے۔

(سنن الترمذی ج ۴ رقم الحدیث: ۲۴۴۵، سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۴۲۸۶، صحیح ابن حبان ج ۱۶ رقم الحدیث: ۷۲۴۶، مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۴۸۱، المعجم الکبیر ج ۷ رقم الحدیث: ۷۶۷۲)

حساب کی کیفیت کے متعلق صحابہ' تابعین اور علماء کے نظریات

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

حساب کی کیفیات اور اس کے احوال مختلف اور متفاوت ہیں۔ بعض کا حساب آسان ہو گا اور بعض کا حساب مشکل ہو گا' بعض کے ساتھ عدل ہو گا' بعض پر فضل ہو گا' بعض کی تکریم ہو گی' بعض کی زجر و توبیخ ہو گی' بعض سے درگزر ہو گا اور بعض کی گرفت ہو گی۔ اور یہ سب اس اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

سب سے پہلے علماء' مجاہدوں' مال داروں اور خوش حالوں سے حساب لیا جائے گا' حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہو گا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "لا الہ الا اللہ" کے متعلق سوال ہو گا اور ضحاک نے کہا لوگوں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور علامہ قرطبی نے کہا تمام اقوال اور افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا (بنواسرائیل: ۳۶)

بے شک کان' آنکھ اور دل' ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ○ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ (النحل: ۹۳-۹۲)

سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے' ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

امام رازی کا بھی یہی رجحان ہے کہ ہر کام کے متعلق سوال ہو گا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم ان سب سے سوال کریں گے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعلق اس آیت میں تصریح ہے:

فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (الاعراف: ۶)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے' اور بے شک ہم رسولوں سے (بھی) ضرور سوال کریں گے۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بہ شمول انبیاء علیہم السلام ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ البتہ ان سے بہ طور مناقشہ سوال نہیں ہو گا' بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ سوال کیا جائے گا اور احادیث میں جن کے متعلق یہ بشارت ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے' وہ ان آیات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ رسالت کے متعلق سوال ہو گا اور کفار سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ علامہ بلبلانی نے لکھا ہے کہ کفار نے جو نیک کام کیے ہیں' ان سے ان کے عذاب میں تخفیف متوقع ہے (یہ صحیح نہیں ہے' قرآن مجید میں تصریح ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف

نہیں کی جائے گی۔ لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (البقرۃ: ۱۶۲)
شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے تنہائی میں حساب لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا' جیسا کہ کتاب اور سنت میں ہے' اور جن لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جاتا ہے کفار سے اس قسم کا حساب نہیں لیا جائے گا' کیونکہ ان کی کوئی نیکیاں نہیں ہیں' لیکن ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا' ان سے ان کا اقرار کرایا جائے گا۔

نعمتوں کی کتنی مقدار پر حساب لیا جائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ایک قدم بھی چلتا ہے' اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا۔ امام ترمذی' امام ابن حبان' امام حاکم اور امام بغوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا' کیا میں نے تمہارے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم سے سایہ' ٹھنڈے پانی اور کھجور کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امام احمد' امام بیہقی' اور امام ابونعیم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق بندہ سے سوال نہیں کیا جائے گا' دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ' روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکے اور کپڑے کا اتنا ٹکڑا جس سے وہ اپنی شرم گاہ ڈھانپ سکے۔

امام احمد نے سند جید کے ساتھ حضرت ابی عسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اس کو کھایا' پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منگا کر پیا۔ پس فرمایا قیامت کے دن تم سے اس کا سوال کیا جائے گا۔ عرض کیا گیا' یارسول اللہ! ان چیزوں کے متعلق بھی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! سوا ان تین چیزوں کے' وہ کپڑا جس کے ساتھ شرم گاہ کو لپیٹا جا سکے' روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے بھوک مٹائی جا سکے اور اتنا حجرہ جو دھوپ اور بارش سے بچانے کے لیے کافی ہو۔

حساب کو آسان کرنے کا طریقہ

امام طبرانی' امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین خصلتیں جس میں ہوں' اللہ اس سے آسان حساب لے گا' اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا۔ صحابہ نے پوچھا وہ کیا خصلتیں ہیں؟ فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو۔ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔ جو تم پر زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔

امام اصبہانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ جب تم صبح اٹھو یا جب شام ہو تو تمہارے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کرلو' کیونکہ اس سے تمہارا حساب زیادہ آسان ہو گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا یارسول اللہ! قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ! اس نے کہا رب کعبہ کی قسم ہماری نجات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی وہ کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ کریم جب قادر ہوتا ہے تو بخش دیتا ہے اور جب تم سے کوئی لغزش ہو تو وہ پردہ رکھتا ہے اور جلدی

غصہ کرنا اور انتقام لینا' یہ کریم کی عادت نہیں ہے۔

مذکور الصدر احادیث میں ہے کہ تم کسی کی زیادتی معاف کردو' اس سے تمہارا حساب آسان ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم بندوں کی خطاؤں کو معاف کردو' اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کردے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ حساب کے وقت ان سے بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا اور کفار کی اہانت کے لیے ان سے خود کلام نہیں فرمائے گا' بلکہ فرشتے ان سے حساب لیں گے۔

(لوامع الانوار البہیہ' ج ۲' ص ۱۷۷-۱۷۳' ملخصا' مطبوعہ المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے' جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے○ آپ کہئے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے' پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو! (الانعام: ۶۴-۶۳)

مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ کو بھول جانے پر ملامت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور ان کے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی رحمت' اس کے فضل اور اس کے احسان پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی' رات کا اندھیرا گھرے بادلوں کا اندھیرا' بارش اور آندھیوں کا اندھیرا ہے' اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا' بادلوں کا اندھیرا اور موجوں کے تلاطم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی' ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید' نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے' تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' اور اس وقت وہ زبان اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل و کرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ملاذ و ملجا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریاد رس اور دستگیر ہے تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے' لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے' جب وہ مشکلات کے بھنور سے نکل جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کو مادی اسباب کی وجہ سے یہ نجات ملی ہے' اور پھر وہ اخلاص اور رجوع الی اللہ کو ترک کر دیتا' اور اپنی خواہشات کے تراشیدہ بتوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے دعا کرتا ہے اور عاجزی سے گڑگڑاتا ہے اور اس کی طرف اخلاص سے متوجہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا مطیع' فرمانبردار اور شکر گزار بن کر رہے گا' لیکن جیسے ہی وہ امن اور سلامتی کو پالیتا ہے۔ وہ پھر اپنی سابقہ روش پر لوٹ جاتا ہے۔

بہ ظاہر اس آیت میں مشرکین کو زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان کے طریقہ کار کی مذمت کی گئی ہے' لیکن یہ صورت حال ان

مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل رہتے ہیں' لیکن جب ان پر اچانک کوئی آفت آ ٹوٹتی ہے اور انہیں اس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا' تو بے اختیار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے' تو پھر وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور اپنے عیش و طرب اور لہو و لعب میں مست اور بے خود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض آیتیں یہ ہیں:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ٦٧)

اور جب تمہیں سمندر میں کوئی آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں' پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الزمر: ٨)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے' اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے' پھر جب اللہ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرما دے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کے لیے اس سے پہلے وہ اللہ کو پکارتا تھا' اور اللہ کے لیے شریک قرار دیتا ہے' تاکہ اوروں کو بھی اس کی راہ سے بہکا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھئے! ہم کس طرح بار بار دلیلوں کو بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ سمجھ سکیں۔ (الانعام: ٦٥)

اللہ کی طرف سے دیئے جانے والے عذاب کی اقسام

اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین وغیرہ جب مصائب میں اخلاص کے ساتھ اس کو پکارتے ہیں تو وہ ان کو ان مصائب اور آفات سے نجات دے دیتا ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے تم پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے' تاکہ مشرکین عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک نوع کی دلیل ہے' تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور ظالم حکام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہولناک آواز ہے یا آندھی ہے یا پتھروں کا برسنا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد سخت طوفانی بارشیں ہیں' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے برے اور بدکار نوکر اور خدام۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ' اور زمین میں دھنسنے کا عذاب۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ مجاہد نے کہا اس امت کے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا عذاب ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے اور جنہوں نے تکذیب کی ان کا عذاب

کڑک اور زلزلہ ہے۔

اوپر سے عذاب نازل ہونے کی مثال یہ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفانی بارشیں ہوئیں' جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسے یا جیسے ابرہہ کے ہاتھیوں پر ابابیلوں نے کنکریاں برسائیں اور جو عذاب پاؤں کے نیچے سے ظاہر ہوا اس کی مثال زلزلے ہیں' اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ یا بارش اور فصلوں کی پیداوار روک کر قحط کا عذاب نازل کیا گیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی "او من تحت ارجلكم" تو آپ نے فرمایا میں تیرے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور جب یہ آیت نازل ہوئی او يلبسكم شيعا ويذيق بعضكم باس بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ زیادہ سہل اور زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۶۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۱۶۵)

امت کے اختلاف اور لڑائیوں سے نجات کی دعا سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو منع فرمانا

اس آیت میں فرمایا ہے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رنگ و نسل اور زبان اور فقہی و اعتقادی نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی۔ نیز فرمایا اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے یہ امت باہم جدال اور قتال کرے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ آپ کی امت کو اللہ ان تمام قسم کے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر اور نیچے سے دیئے جانے والے عذابوں سے حفاظت کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی اور امت کے آپس کے تفرقہ اور لڑائیوں سے حفاظت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا' جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا' سو میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا' اور یقیناً جتنی زمین میرے لیے لپیٹی گئی ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا' اور مجھے سرخ اور سفید (سونے اور چاندی کے) دو خزانے دیئے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو عام قحط سے نہ ہلاک کرے' اور یہ کہ ان کے اوپر ان کا ایسا مخالف دشمن مسلط نہ کرے جو ان کو بالکل ختم کر دے۔ تب میرے رب نے فرمایا اے محمد! جب میں کوئی تقدیر بنا دیتا ہوں تو وہ مسترد نہیں ہوتی اور میں نے آپ کی امت کے لیے یہ کر دیا ہے کہ میں ان کو قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا' اور یہ کہ میں ان پر ان کا مخالف ایسا دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کو بالکل ختم کر دے' خواہ وہ تمام روئے زمین سے ان کے اوپر چڑھائی کرے' حتیٰ کہ آپ کی امت کے بعض افراد بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو قید کریں گے۔

(صحیح مسلم' فتن' ۱۹' (۲۸۸۹) ۷۱۳۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۷۲۴۳' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۲۳۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۵۲' المعجم الکبیر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۲۲' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۲۲۴۰۹' جامع البیان' جز ۷' ص ۲۹۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی' صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی' میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا' اس نے مجھے دو چیزیں عطا کردیں اور ایک سے منع کردیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ نے مجھے یہ عطا کردیا' اور میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو یہ مجھے عطا کردیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض' بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرمادیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے تین چیزیں دی گئیں اور ایک چیز سے منع کردیا گیا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت پر ان کا مخالف دشمن نہ مسلط کیا جائے جو ان کو بالکل ختم کردے اور ان پر قحط نہ مسلط کیا جائے اور وہ گمراہی پر متفق نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کردیا اور میں نے یہ سوال کیا کہ وہ متفرق نہ ہوں اور بعض' بعض سے لڑائی نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ویذیق بعضکم باس بعض" (الخ) (الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرکے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ آپ کی امت پر اوپر سے عذاب نہ بھیجے اور نہ نیچے سے عذاب بھیجے اور نہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرے اور نہ بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو چکھایا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی طرف نازل ہوئے اور کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادی ہیں اور دو چیزوں کے سوال سے منع فرمادیا ہے۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئے گا اور نہ ان کے پیروں کے نیچے سے ایسا عذاب آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے' کیونکہ عذاب کی یہ دونوں قسمیں ہر اس امت کے لیے تھیں جس نے اپنے نبی کی تکذیب کی ہو اور اپنے رب کی کتاب کو مسترد کردیا ہو' لیکن وہ ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرمائے گا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کا مزہ چکھائے گا اور ان دو قسموں کے عذاب ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کتاب کا اقرار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں آپ کی امت کو اس قسم کے فتنوں کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

(جامع البیان' ج ۷' ص ۲۹۳-۲۹۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

ان تمام احادیث اور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا' یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دعا قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے' لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے احباء کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا سوال رد نہیں فرماتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر محبوب ہیں اور سب سے زیادہ مستجاب ہیں۔ اسی لیے جو چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی دعا مانگنے سے منع فرمادیا' تاکہ آپ کی دعا کا مسترد کرنا لازم نہ آئے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شام کے وقت اور صبح کو ان کلمات سے دعا مانگنے کو ترک نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور اپنی دنیا میں اور اپنے اہل اور اپنے مال میں' عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے' ان سے مامون رکھ۔ اے اللہ! مجھے آگے اور پیچھے سے' دائیں اور بائیں سے' اوپر سے اور نیچے سے حفاظت میں رکھ اور میں نیچے کی مصیبت (دھنسا دینے) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۷۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ ہر قسم کے عذاب سے پناہ کے لیے بہت جامع دعا ہے اور نبی ﷺ اظہار عبودیت' امتثال امر اور ہماری تعلیم کے لیے صبح و شام یہ دعا مانگتے تھے کہ جب آپ اتنے عظیم الشان رسول اور اللہ کے محبوب ہو کر اس قدر یہ دعا کرتے ہیں تو ہم جو دعاؤں کے ویسے ہی زیادہ محتاج ہیں' ہمیں کس قدر یہ دعا کرنی چاہیے۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھئے ہم کس طرح بار بار دلیلوں کو بیان کرتے ہیں' تاکہ یہ تفقہ کریں (سمجھ سکیں)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حاضر علم سے غائب علم تک رسائی حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں احکام شرعیہ کے علم کو فقہ کہتے ہیں۔

(المفردات' ص ۳۸۴' مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

علماء شافعیہ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے احکام شرعیہ عملیہ کا علم جو دلائل **تفصیلیہ** سے حاصل ہو' اور حکم شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو' اور احکام شرعیہ یہ ہیں۔ فرض' واجب' سنت موکدہ' سنت غیر موکدہ' مستحب' مباح' حرام' مکروہ تحریمی' اساءت' مکروہ تنزیہی' خلاف اولیٰ' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔

نفس کا یہ پہچاننا کہ کیا چیز اس کے لیے ضرر کا باعث ہے اور کیا چیز اس کے لیے نفع کا باعث ہے

دلائل اجمالیہ یہ ہیں۔ مثلاً امر وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے' اور دلائل **تفصیلیہ** یہ ہیں مثلاً "اقیموا الصلوٰۃ" اور "لا تقربوا الزنا" اور دلائل **تفصیلیہ** سے احکام شرعیہ کے حصول کی مثال یہ ہے۔ نماز کا امر کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" اور جس چیز کا امر کیا گیا ہے وہ واجب ہے' کیونکہ امر وجوب کے لیے ہے' لہٰذا نماز واجب ہے۔ دوسری مثال یہ ہے زنا سے نہی کی گئی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تقربوا الزنا" اور جس چیز سے نہی کی جائے وہ حرام ہے' کیونکہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ لہٰذا زنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا' حالانکہ یہی حق ہے۔ آپ کہئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ہر خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تم جان لو گے۔ (الانعام: ۶۷-۶۶)

اس آیت میں فرمایا ہے حالانکہ یہی حق ہے۔ اس میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- کفار نے اس عذاب کا انکار کیا' حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔

۲- کفار نے اس قرآن کا انکار کیا' حالانکہ یہ قرآن حق ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور توحید پر استدلال کے لیے جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا' حالانکہ یہ دلائل

حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ کہیے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں' یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں' یعنی نہ میں تم پر جبر کرکے تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعراض کرنے کی تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تم کو صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس نہج پر قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق: ۴۵)

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان سے جبرا منوانے والے نہیں ہیں تو آپ قرآن سے اس کو نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۲-۲۱)

پس آپ نصیحت کرتے رہیں آپ تو نصیحت ہی کرنے والے ہیں ۝ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور اس وقت میں یقیناً اس خبر کا ظہور ہوگا اور اس میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں ہوگی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے' وہ عذاب یقیناً نازل ہوگا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے' تو بغیر شک و شبہ کے اس خبر کا ظہور ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کے لیے وعید ہے' کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔ اور دنیا میں بھی ان کے لیے وعید ہے جیسا کہ بدر وغیرہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے' کیونکہ اگر انہوں نے قرآن مجید کے احکام پر عمل نہیں کیا' بلکہ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کی' تو یہ قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے' تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی عذاب الٰہی سے دوچار ہو جائیں۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور (اے مخاطب!) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن، تشنیع کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو،

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ

حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦٨ وَمَا عَلَى

یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو ۝ اور پرہیزگاروں سے

الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى

ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی، البتہ ان کو نصیحت کرتے رہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا

تاکہ وہ (ظلم اللہ سے) ڈریں ○ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا

اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو، کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جائیں، اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا، اور اگر وہ ہر قسم

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا

کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

ہلاکت میں مبتلا کیے گئے، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیوں کہ وہ

يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع ۸ / ۱۴

کفر کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو (طعن و تشنیع کا) مشغلہ بناتے ہیں تو ان سے اعراض کرو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو○ (الانعام: ۶۸)

دین میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو آپس میں اختلاف کرنے اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے کی قومیں اپنے دین میں اختلاف کرنے اور مناظرے کرنے کی وجہ سے ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئیں۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ خوض کا معنی ہے تکذیب کرنا اور یہ آیت مشرکین اور اہل اہواء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے تو نبی ﷺ اور قرآن مجید کے متعلق بدگوئی کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تک وہ کسی اور موضوع پر بات نہ کریں ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ۱۳۱۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الریاض، ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ نبی ﷺ منکروں اور مکذبوں کے اعمال کے ذمہ دار' محافظ اور نگہبان نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور وقت آنے پر انہیں اپنی تکذیب کا انجام خود معلوم ہو جائے گا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب یہ لوگ دین اسلام' رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر نکتہ چینی کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب بدعتی اور گمراہ فرقے اپنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کر رہے ہوں اور اہل سنت و جماعت کا رد کر رہے ہوں' تو ان کی مجلس سے بھی احتراز کرنا لازم ہے اور گمراہ لوگوں کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ ملنا جلنا' ربط ضبط بڑھانا بھی جائز نہیں ہے' اور عام مسلمانوں کے لیے ان گمراہ فرقوں کا لٹریچر پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ کتابیں پڑھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں گے۔ البتہ اہل علم کو ان کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور ان کے شکوک و شبہات کا رد کرنا چاہیے۔

شیطان کے لیے نبی ﷺ کو نسیان میں مبتلا کرنا ممکن نہیں

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور نبی ﷺ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں اور اس پر قوی قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور یہ بات شرعاً محال ہے کہ شیطان کا نبی ﷺ پر تسلط ہو اور وہ آپ کو کوئی بات بھلا دے' اللہ تعالیٰ شیطان سے فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (الحجر: ۴۲)

بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہو گا۔ البتہ جو تیری پیروی کرے' گمراہوں میں سے۔

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا:

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (ص: ۸۳-۸۲)

شیطان نے کہا پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور بھکاؤں گا' ماسوا ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون اللہ کا خاص بندہ ہے' پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر شیطان کا کوئی زور اور غلبہ یا تصرف اور تسلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ شیطان نبی ﷺ کو بھلا دے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں خطاب سے مراد عام مسلمان ہو' لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کے برعکس ترجمہ کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

اور اے محمد! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں' اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (تفہیم القرآن' ج ۱' ص ۵۴۹' طبع مارچ ۱۹۸۳ء)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جایا کرے تو ان کی تعلیمات پر کیسے اعتماد و اطمینان رہ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول تو ہو سکتی ہے' مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو تنبیہ بذریعہ وحی ہو جاتی ہے' جس سے وہ بھول پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے بالآخر ان کی تعلیمات بھول اور نسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

(معارف القرآن' ج ۳' ص ۳۷۲-۳۷۱' طبع جدید' ۱۴۱۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہاں خطاب اگرچہ واحد کے صیغہ سے ہے' جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ خطاب آنحضرت سے ہو لیکن یہ خطاب آنحضرت کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے ہے۔ (تدبر قرآن' ج ۳'ص ۷۷'مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۰۹ھ)

ہمارے نزدیک اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب نہیں ہے' بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے اور اس کا غالب قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں ہے اگر شیطان تمہیں بھلا دے۔ الایہ۔ اور یہ محال ہے کہ شیطان نبی ﷺ کے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور کوئی حکم شرعی آپ کو بھلا دے۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت میں آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:٦٥) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے۔

قرآن اور سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا نسیان

انبیاء علیہم السلام کے نسیان میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ شیخ ابو جعفر محمد حسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز ہے۔ اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن امور کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرتے ہیں ان میں سہو اور نسیان جائز نہیں ہے' اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا نہیں کرتے' ان میں سہو اور نسیان جائز ہے۔ اور ان پر سہو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہو گا؟ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور نیند بھی سہو ہے اور وہ اپنے بہت سے تصرفات میں بھول جاتے ہیں۔

(التبیان' ج ۴'ص ۱۶۶-۱۶۵'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

جس طرح بشری تقاضے سے اور کئی جسمانی عوارض انبیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں' ان پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ:١١٥) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ (الکہف:٧٣) میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ نہ کریں۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف:٢٤) اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا ذکر کیجئے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم بھول گئے' سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۸۷'مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی' اس میں آپ نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب

آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا' نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ صحابہ نے کہا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے' آپ نے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا دو سجدے کیے' پھر سلام پھیر دیا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا' لیکن میں محض تمہاری طرح بشر ہوں' میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے' نماز پوری کرے' پھر (سہو کے) دو سجدے کر لے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۰۱' صحیح مسلم' مساجد' ۸۹' (۵۷۲) ۱۲۵۱' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۲۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا' تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۰۳۸' صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' ۲۲۴' ۷۸۸' ۱۸۰۶' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۳۱' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۰۶' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۳۸۹' مسند احمد' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۴۲۱۶' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو اور نسیان کے متعلق فقہاء اور محدثین کا موقف

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ائمہ نے کہا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا' بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرما دیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔ قاضی ابوبکر اور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابو المعالی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سہو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اتفاقاً ممنوع ہے اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ نبی علیہ السلام پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عمداً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں' تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں' ایک بہت بڑے امام ابوالمظفر الاسفرائنی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے' لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وسوسے ڈال کر سہو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے' بلاشبہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔ خواہ سہواً یا عمداً' تندرستی میں یا بیماری میں' خوشی میں یا غضب میں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت' آپ کے اقوال اور آپ کے افعال' جن کے مجموعہ سے ہر موافق و مخالف و مومن اور منکر واقف ہے' ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی' نہ آپ کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ کا سہو واقع ہونا منقول ہے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں بعض مرتبہ آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے کھجوروں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو اور نسیان کی بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ (کسی کام کو) سنت کروں۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۲۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں امت کے لیے طریقہ معین کروں کہ وہ سہو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے فعل کی اقتداء کریں۔ (الاستذکار' ج ۴' ص ۴۰۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شہاب' از سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب خیبر سے واپس ہوئے' جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال سے کہا تم صبح تک ہمارا پہرہ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب تک حضرت بلال کی تقدیر میں تھا' وہ پہرہ دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگا لی' وہ اس وقت فجر کے مقابل تھے۔ پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آ گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے' نہ حضرت بلال نہ قافلہ کا اور کوئی فرد حتیٰ کہ ان پر دھوپ آ گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے۔ پس بلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے نفس کو بھی اسی ذات نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں سے کوچ کرو' تو انہوں نے اپنی سواریاں اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا' پھر آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی' پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۵)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا' تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ کی امت کے لیے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ کے بعد باقی رہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ میں کسی کام کو سنت کروں اور علاء بن خباب کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کر دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تمہارے بعد والوں کے لیے یہ سنت ہو جائے اور آپ کے سونے کا جو طبعی' فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ سے پہلے نبیوں کا بھی' وہ یہ ہے کہ جس کو آپ نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا' آپ نے اپنے اس معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔ اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام نبیوں کا یہی معمول ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا صف میں مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں' سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت' فطرت اور آپ کی عادت ہے۔ باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا' تاکہ آپ کی امت کے لیے قضاء نماز کی سنت کا عمل قائم ہو اور آپ امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا' حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا' اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے گا اور اس وقت میں آپ کی نیند کو اللہ تعالیٰ

نے آپ کی امت کے لیے تعلیم کا سبب بنا دیا۔

(التمہید' ج ۶' ص ۳۹۳-۳۸۵' ملتقطاً' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی ﷺ کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوتے رہنا' یہ وہ امر ہے جو آپ کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے' اور انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ کی نیند اس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو شخص نماز کے وقت سو تا رہے' یا نماز پڑھنا بھول جائے' حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ نے فرمایا بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ کوئی کام سنت ہو جائے۔ اور نبی ﷺ کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ نیند آپ کے دل کو نہیں ڈھانپتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا' اور یہ حکم عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے' ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتے۔ (یہ حدیث صحیح ہے' الجامع الصغیر' ج ا' رقم الحدیث: ۲۵۲۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ نبی ﷺ کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے' ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرما لیا اور سورج طلوع ہونے کے بعد ان سب کی روحوں کو لوٹا دیا' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التمہید' ج ۵' ص ۲۰۹' ۲۰۵' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب' از عبدالرحمٰن اعرج' از عبداللہ بن بحینہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی' پھر آپ بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے' لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے' آپ نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے' پھر سلام پھیر دیا۔

(موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۲۱۸' مطبوعہ دارالفکر)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ پر جو نسیان طاری ہوتا ہے' وہ امت کے نسیان کی طرح نہیں ہوتا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التمہید' ج ۱۰' ص ۱۸۴-۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

فاسق اور بدعقیدہ سے اجتناب کے متعلق قرآن' سنت اور آثار سے تصریحات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ھود: ۱۱۳)

اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو' ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی

پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' ان سے پرہیز کرو۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۵۴۷' سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۵۹۸' کتاب السنہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵)

امام ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ اپنے دین سے الگ ہو گئے' وہ شیعہ (ایک فرقہ) تھے۔ یہ لوگ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار تھے اور اس امت کے گمراہ لوگ تھے۔ اے عائشہ! بدعتی اور خواہش کے پیروکار کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے' ان کی کوئی توبہ نہیں ہے' میں ان سے بیزار ہوں اور یہ مجھ سے بری ہیں۔

(کتاب السنہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴' المعجم الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۶۰' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بدعتی کی تعظیم کرنے کے لیے گیا' اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی۔

(المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۸۸' ص ۹۶' حلیۃ الاولیاء' ج ۶' ص ۹۶' اس کی سند میں بقیہ ضعیف ہے)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر خوف ہے' وہ تمہارے پیٹوں اور شرم گاہوں کی گمراہ کن خواہشیں ہیں اور فتنوں سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں۔

(مسند احمد' ج ۴' ص ۴۲۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۲' ص ۳۲' کتاب السنہ' رقم الحدیث: ۱۴)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے۔ وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہنا' وہ تم سے دور رہیں' کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں' کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم' باب ۴' حدیث ۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۲۵۰' ۸۵۸۰' طبع دارالحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۴۹' طبع قدیم)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی' اس میں یہ الفاظ تھے جو تیری نافرمانی کرے' ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو ترک کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۲' ص ۲۱۱' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابو داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۹۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

رمیس بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی' میں تمہاری قوم میں سے ایک

لاکھ چالیس ہزار نیکوکاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں! حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا؟ نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے' ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان 'ج ۷' رقم الحدیث: ۹۴۲۸ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۰ھ)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابوقلابہ نے کہا کہ اہل اھواء (بدعتی) کے ساتھ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو' کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈبو دیں گے' یا جس دین کو تم پہچانتے ہو اس میں شبہات ڈال دیں گے۔

(سنن الدارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس نے دین میں نئی باتیں نکالی ہیں (بدعتی ہو گیا ہے) اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ (سنن الدارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۴ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

اسماء بن عبید بیان کرتے ہیں کہ بدعتیوں میں سے دو شخص ابن سیرین کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکر! ہم آپ کو ایک حدیث سنائیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم آپ کے سامنے کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ' ورنہ میں اٹھ جاؤں گا' سو وہ دونوں چلے گئے۔ کسی نے کہا اے ابوبکر! اگر وہ آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت سنا دیتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خوف تھا کہ وہ میرے سامنے ایک آیت پڑھیں گے' پھر اس میں معنوی تحریف کریں گے' کہیں ان کی بیان کردہ باطل تاویل میرے دل میں بیٹھ نہ جائے۔

(سنن الدارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۷ 'مطبوعہ بیروت)

سلام بن ابی مطیع بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعتی نے ایوب سے کہا میں آپ سے ایک بات کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر چل دیئے اور کہا میں آدھی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ (سنن الدارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۹۸)

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین نے کہا بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھو' نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

(سنن الدارمی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۴۰۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

اہل بدعت کے مصداق

اصحاب الاہواء اور اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اور عقائد میں ایسی نئی نئی باتیں داخل کر دیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور وہ دین کے عقائد اور احکام کی مغیر ہیں۔ مثلاً رافضیہ جنہوں نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کو غاصب اور کافر قرار دیا' اور ناصبیہ جنہوں نے اہل بیت رسول کو برا کہا اور ان سے بغض رکھا' اور خارجی ہیں جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کی اور ان کو کافر کہا اور معتزلہ ہیں جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا اور ہمارے دور میں منکرین حدیث ہیں جن میں سے بعض مطلقاً حدیث کا انکار کرتے ہیں اور بعض ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کی عقل کے خلاف ہوں' بعض بدعتی ائمہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہتے ہیں' بعض بدعتی دعا میں فوت شدہ بزرگوں کے وسیلہ کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض لوگ تعین عرفی پر تعین شرعی کے احکام جاری کرتے ہیں اور کوئی شخص ایصال ثواب کے لیے بغیر وجوب کے بطور استحسان عرفاً کسی دن کی تعین کرے تو اس کو ناجائز اور حرام

کہتے ہیں اور جو مسلمان یارسول اللہ! کہے' اس کو مشرک کہتے ہیں اور بعض غالی لوگ مزاروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فاسق اور بد عقیدہ سے اجتناب کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا جو شخص قرآن مجید کی آیات پر طعن کرے' اس کی مجلس ترک کر دی جائے' خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ اسی طرح ہمارے علماء نے دشمن کے علاقہ اور اس کی عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے منع کیا ہے اور کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھی جائے' نہ ان کی باتیں سنی جائیں اور نہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ فضیل بن عیاض نے کہا جس شخص نے بد عقیدہ سے دوستی رکھی' اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دے گا' اور اس کے دل سے اسلام کے نور کو نکال دے گا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بد عقیدہ سے کی' اس نے اس سے رحم منقطع کر دیا اور جو شخص کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھا' اللہ تعالیٰ اس کو حکمت نہیں دے گا اور جب اللہ تعالیٰ یہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص کسی بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۴-۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے درمیان جو تین دن سے زیادہ قطع کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی معاملات اور معاشرتی وجوہ میں سے کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور دین کی وجہ سے جو ناراضگی ہو' وہ دائمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ اس لیے بد عقیدہ اور بدعتی شخص سے جب تک وہ توبہ نہ کرے' دوستی اور محبت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

(معالم السنن' ج ۷' ص ۵' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کو ولیمہ میں بلایا گیا اور اس گھر میں لہو و لعب اور گانا بجانا تھا تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھالے اور اگر جس جگہ دستر خوان بچھا تھا' وہاں یہ برے کام تھے تو اس کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیے' بلکہ اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' پس یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (الانعام: ۶۸) اگر وہ ان لوگوں کو منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے' ورنہ صبر کرے۔ اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے' کیونکہ اس کے بیٹھے رہنے سے دین کی بدنامی ہوگی۔ (الدر المختار' ج ۵' ص ۲۲۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر دستر خوان پر لوگ ایک دوسرے کی غیبتیں کر رہے ہوں تب بھی اٹھ کر چلا جائے' کیونکہ غیبت لہو و لعب سے بڑا گناہ ہے۔

نیز علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو بوڑھا شخص مذاق کرتا ہو' جھوٹ بولتا ہو' اور بے ہودہ باتیں کرتا ہو' اس کو سلام نہ کرے' اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دیتا ہو اور اجنبی خواتین کے چہروں کو دیکھتا ہو' اس کو بھی سلام نہ کرے اور نہ فاسق ملعون کو سلام کرے اور نہ گانے بجانے والے کو سلام کرے اور جو لوگ کسی گناہ میں مشغول ہوں' ان کو بھی سلام نہ کرے۔ (رد المحتار' ج ۵' ص ۲۶۷' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پرہیزگاروں سے ان (ظالموں) کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی' البتہ ان کو نصیحت کرنی

چاہیے تا کہ وہ ظالم اللہ سے ڈریں۔ (الانعام: ۶۹)

احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کی اصل

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

۱۔ مسلمانوں نے کہا اگر ایسا ہو کہ جب بھی مشرکین قرآن مجید کا مذاق اڑائیں اور اس پر اعتراضات کریں تو ہم ان کو منع کریں، پھر ہمارے لیے مسجد حرام میں بیٹھنا اور کعبہ کا طواف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور پرہیزگاروں سے ان کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں نے کہا اگر ہم ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے منع نہ کریں تو ہم کو یہ خوف ہے کہ ہم گنہگار ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور مذکور ذیل تیسری روایت مقاتل سے مروی ہے:

۳۔ اگر ان کے اعتراضات کے وقت ہم ان کے پاس سے اٹھ جائیں تو ہمیں یہ خوف ہے کہ جب ہم ان کے اعتراضات کے وقت ان کے پاس بیٹھیں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۴۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے قرآن مجید' نبی ﷺ اور دین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کیا' تو ان کے اعتراضات اور نکتہ چینیوں پر مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہوگی اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں' ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جب یہ لوگ اسلام اور نبی ﷺ کے خلاف طعن و تشنیع کی باتیں کریں اور اس وقت مسلمان ان کی مجلس سے اٹھ جائیں تو ان کا مجلس سے اٹھنا اس پر دلالت کرے گا کہ مسلمانوں کو مشرکین کی یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں کے اس واک آؤٹ سے ان مشرکوں کو حیا آئے اور ان کا ضمیر انہیں ان باتوں پر ملامت کرے اور آئندہ کے لیے وہ مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے احتراز کریں۔

ثانی الذکر تفسیر واک آؤٹ کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے' اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں نہ مبتلا ہو جائیں' اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا' اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا کیے گئے' ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ (الانعام: ۷۰)

بسل کا معنی

اس آیت میں بسل کا لفظ ہے' بسل کا معنی ہے بہادر ہونا' کسی کو اس کی حاجت سے روکنا' منع کرنا۔ ابسلہ کا معنی ہے کسی کو ہلاکت کے سپرد کر دینا' رہن رکھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بسل کا معنی ہے کسی شئے کا ضم ہونا اور روکنا' جس شخص کے چہرے پر ناگواری ہو اس کو باسل کہتے ہیں اور کیونکہ اس

میں منع کا معنی ہے' اس لیے حرام چیز اور رہن رکھی ہوئی چیز کو بھی بسل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَذَكِّرْ بِهِۦٓ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ (الانعام: ٧٠)

اور ان کو اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کرتے رہو' کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اس آیت میں بسل منع اور محروم کے معنی میں ہے۔

بسل کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے اور ثواب سے محروم ہونا بھی ہلاک کو متضمن ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے۔

بت پرستی کا لہو و لعب ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول! آپ اور مسلمانوں میں سے جو آپ کے پیروکار ہیں' وہ ان مشرکین سے اعراض کریں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی عبادت کرکے اپنے دین کو لہو و لعب بنالیا ہے' انہوں نے اپنی عمر اس غیر مفید عبادت میں ضائع کرکے اس کو لہو و لعب بنالیا ہے۔ انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بغیر کسی شرعی دلیل کے کچھ جانوروں سے نفع اندوزی اور ان کے کھانے کو حرام قرار دے لیا اور یہ بھی لہو و لعب ہے اور انہوں نے اس بے کار اور بے مقصد عبادت میں اشتغال کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی دعوت سے باوجود دلائل اور معجزات دیکھنے کے اعراض کیا' اور ان کا یہ عمل بھی لہو و لعب ہے وہ اس حقیر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے فانی دنیا کی لذتوں کو آخرت کی دائمی اور سرمدی لذتوں پر ترجیح دی اور وہ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑانے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ سو آپ ان لوگوں سے اعراض کیجئے' یعنی ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلنا چھوڑ دیجئے' یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو دین کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا نہ کریں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا۟ وَيَتَمَتَّعُوا۟ وَيُلْهِهِمُ ٱلْأَمَلُ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الحجر: ٣)

انہیں چھوڑ دیجئے' وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور ان کی جھوٹی امیدیں ان کو غافل رکھیں' پس وہ عنقریب جان لیں گے۔

اور لوگوں کو قرآن مجید سے ہدایت دیجئے اور نصیحت کیجئے' تاکہ وہ خیر سے محروم نہ رہیں اور وہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم میں گر کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہر شخص نے اپنے آپ کو اپنے دنیاوی اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے:

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّآ أَصْحَٰبَ ٱلْيَمِينِ ۝ (المدثر: ٣٩-٣٨)

ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے ۝ سوائے دائیں طرف والوں کے۔

اس کے بعد فرمایا اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا' نہ شفاعت کرنے والا اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دیں تو ان سے نہیں لیا جائے گا

اس آیت میں کافروں کے لیے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس قسم کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں:

مَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (المومن: ١٨)

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا' نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

اور یہ بھی فرمادیا کہ ان سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا' یعنی جس طرح دنیا میں جسمانی یا مالی فدیہ دے کر قید سے آزاد ہو جاتے ہیں' آخرت میں نجات کا اس طرح کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوگا اور نہ وہاں کسی کے زور یا سفارش سے کوئی فائدہ

پہنچے گا' اور ان کو یہ سزا جو دی جائے گی یہ دنیا میں ان کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہیں' ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا' جو ان کے پیٹوں کو جلا ڈالے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: ١٥) اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ

آپ کہیے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ؛ اور ہم اللہ

عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

کے ہدایت دینے کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیے جائیں ؛ اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ

اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو ، اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے ہمارے پاس

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

آ جاؤ، آپ کہیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سر اطاعت خم کر دیں ○

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾

اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا ، اور جس دن وہ (ہر فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا ،

كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ

ہو جا تو وہ ہو جائے گی اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن صور میں پھونکا جائے گا ،

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں' نہ نقصان پہنچا

سکتے ہیں اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس حال میں حیران و پریشان پھر رہا ہو' اس کے احباب اس کو پکار رہے ہوں کہ یہ سیدھا راستہ ہے' ہمارے پاس آؤ' آپ کہئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے رب کے لیے سر اطاعت خم کر دیں○ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○ (الانعام: ۷۲-۷۱)

گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال

خلاصہ یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہئے کہ اللہ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے' کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان بتوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم الٹے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں' جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔ پھر ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کو کسی جنگل یا صحراء میں جنات نے راستہ سے بھٹکا دیا ہو اور اس کی عقل کام نہ کر رہی ہو کہ وہ کدھر جائے' وہ حیران اور پریشان پھر رہا ہو اور اس کے دوست اور ساتھی اس کو بلا رہے ہوں کہ ہماری طرف آؤ' ادھر سیدھا راستہ ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے' جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ' تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا۔ اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پا جائے گا اور یہ صحرا' یا جنگل میں بلانے والے جنات ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ جنات ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔ اے فلاں بن فلاں بن فلاں! ادھر آؤ۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۰۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جو انسان حق سے باطل کی طرف لوٹ آئے یا حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف آئے' اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ابتداء میں جاہل تھا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے علم اور ہدایت کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل: ۷۸)

اللہ نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تم کو پیدا کیا' تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنائے' تاکہ تم شکر ادا کرو۔

سو جو شخص علم سے جہل کی طرف لوٹ جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیروں پر لوٹ گیا۔

آپ ان سے کہئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العٰلمین کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کر دیں' یعنی صرف اسی کی اخلاص سے عبادت کریں اور ہم کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے اس طرح مناجات کی جائے گویا کہ بندہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا اس کو دیکھ رہا ہے' جس کے آثار سے ایک اثر یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے

کاموں سے رک جائے اور اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے اور نیز ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے' یعنی خوف خدا سے ہر قسم کے برے کاموں اور گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور فرائض و واجبات پر پابندی سے عمل کیا جائے اور سنن اور مستحبات کا نفس کو عادی بنایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے' دوام کے ساتھ کامل طریقہ سے نماز پڑھی جائے اور ظاہر و باطن ہر حال میں تقویٰ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے' وہ تمہارے اعمال کا حساب لے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ پس عقل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ ہر (فنا شدہ چیز سے) فرمائے گا "ہو جا" تو وہ ہو جائے گی۔ اس کا فرمانا حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا' وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○ (الانعام: ۷۳)

آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش برحق اور صحیح ہے' یعنی باطل اور خطا نہیں ہے' جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص: ۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' بے فائدہ نہیں بنایا۔

آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے' وہ علیم اور حکیم ہے' اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے برحق کلام کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حٰم السجدہ: ۱۱)

پس آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہو گئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اپنے کلام سے پیدا فرمایا ہے اور جب یہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی' تو پھر ان کو دوبارہ اپنے کلام سے پیدا فرمائے گا' وہ ان سے فرمائے گا "ہو جاؤ" پس وہ ہو جائیں گی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں صور پھونکنے کا بیان

اس کے بعد فرمایا اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ مذکور ذیل آیت میں بھی صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہے' وہ سب فنا ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے' پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا' تو وہ اچانک دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۸' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۷۴۲' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۳۱۲' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۵۱۷' سنن الدارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کس طرح نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں' حالانکہ سینگ والے نے اپنے منہ میں سینگ ڈال رکھا ہے اور وہ غور سے سن رہا ہے کہ کب اسے اس میں پھونک مارنے کا حکم دیا جائے' تو وہ اس میں پھونک مارے۔ یہ حدیث نبی ﷺ کے اصحاب پر دشوار گزری' آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اور ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۳۹' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۶۹۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے قیامت کے فتنوں کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر صور پھونک دیا جائے گا' جو شخص بھی اس کو سنے گا' وہ ایک طرف گردن جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز سنے گا' وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہو گا' وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح ایک بارش نازل فرمائے گا' جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا' پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا' اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ اور (فرشتوں سے کہا جائے گا) ان کو کھڑا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا' پھر کہا جائے گا' دوزخ کے لیے ایک گروہ نکالو' کہا جائے گا' کتنے لوگوں کا' کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن ساق (پنڈلی) کھولی جائے گی۔

(صحیح مسلم' فتن ۱۱۶' (۲۹۴۰) ۷۲۴۷' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۶۲۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہو گا۔ لوگوں نے کہا اے ابوہریرہ! چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا۔ جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے' اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۴۹۵۵' صحیح مسلم' فتن ۱۴۱' (۲۹۵۵) ۷۲۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ مدت چالیس سال ہے۔ امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دو مرتبہ صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے' اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ دو بار صور پھونکنے کی مدت چالیس سال ہے۔ امام حاکم اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا' یا رسول اللہ! دم کی ہڈی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے دانے کی طرح ہے۔ وہ پشت کی جڑ میں

ایک باریک ہڈی ہے اور وہ دم کی ہڈی ہے' جو چوپائے میں دم کے سر کی جگہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی۔ اس قاعدہ سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اور اسی طرح شہداء بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں' کیونکہ قرآن مجید نے شہداء کی حیات کی تصریح کی ہے۔

(فتح الباری' ج ۸' ص ۵۵۳-۵۵۲' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں یہ دلیل ہے کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اس میں حقیقتاً پھونک ماری جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ صور پھونکنے والا کہے گا' اے بوسیدہ اجسام اور منتشر ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے جمع ہو جاؤ۔

(اکمال اکمال المعلم' ج ۹' ص ۲۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں تشریف فرما تھے' آپ نے فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے صور کو پیدا کیا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا کیا' انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب حکم دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ ایک اور راوی نے کہا زمین میں تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے' دوسری بار پھونکنے سے سب مر جائیں گے اور تیسری بار پھونکنے سے سب رب العلمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ عزوجل پہلی مرتبہ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا تو حضرت اسرافیل سے فرمائے گا' دہشت ڈالنے کے لیے صور میں پھونکو' تو آسمان اور زمین میں سب دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ سوا ان کے جنہیں اللہ چاہے' اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ وہ مسلسل رکے بغیر صور میں پھونکتے رہیں' اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (ص: ۱۵)

اور وہ صرف ایک زبردست چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا تو وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' پھر وہ خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے' اور زمین اپنے ساکنوں کے ساتھ لرز رہی ہوگی۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (النزعت: ۸-۶)

جس دن لرزنے والی لرز جائے گی' پھر پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی' بہت سے دل اس دن لرز رہے ہوں گے۔

اور زمین اس طرح ہلنے اور جھولنے لگے گی جس طرح بلند جہاز کو سمندر میں موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں یا جس طرح چھت میں لٹکی ہوئی قندیل کو ہوا جھونٹے دیتی رہتی ہے' پھر لوگ زمین پر گرنے لگیں گے۔ دودھ پلانے والیاں بچوں کو بھول جائیں گی' حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے' اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے' شیاطین جان بچانے کے لیے زمین کے آخری کناروں تک بھاگیں گے' فرشتے ان سے مقابلہ کر کے ان کے چہروں پر ماریں گے' اور لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے۔

زمین ہر طرف سے پھٹنے لگے گی اور ایسا عظیم واقعہ ظاہر ہو گا جو اس سے پہلے دیکھا نہ گیا تھا اور ایسی گھبراہٹ اور دہشت طاری ہو گی جس کو اللہ ہی جانتا ہے ' پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پرزے پرزے ہو کر اڑ رہا ہو گا ' سورج اور چاند دھندلا جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے ' آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی بالکل خبر نہیں ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کس کا استثناء فرمایا ہے؟

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ (النمل: ۸۷)	اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ' وہ سب گھبرا جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے گا۔

آپ نے فرمایا وہ شہداء ہیں وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے ' اور گھبراہٹ کا اثر (ظاہرا) زندہ لوگوں پر ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے برے لوگوں پر بھیجے گا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○ (الحج: ۲-۱)	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو ' بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (بھاری) چیز ہے ' جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) سے غافل ہو جائے گی جس کو اس نے دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور (اے مخاطب) تو لوگوں کو مخمور دیکھے گا ' حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے ' لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

پھر جب تک اللہ چاہے گا لوگ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہے گی ' پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا کہ وہ موت کا صور پھونکیں ' سو وہ موت کا صور پھونکیں گے۔ جس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے ' ماسوا ان کے جنہیں اللہ چاہے گا اور جب وہ سب ہلاک ہو جائیں گے تو ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے ' اے میرے رب! تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہلاک ہو گئے ' ماسوا ان کے جنہیں تو نے چاہا ' اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے ' تو کون کون باقی رہ گیا؟ وہ کہیں گے ' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور تو نہیں مرے گا ' اور تیرے عرش کو اٹھانے والے باقی ہیں اور جبرائیل اور میکائیل باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔

اللہ عزوجل فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فوت ہونا چاہیے ' پس عرش کہے گا ' اے میرے رب! تو جبرائیل اور میکائیل کو بھی مار ڈالے گا اللہ عزوجل فرمائے گا خاموش رہو! میں نے اپنے عرش کے نیچے ہر ایک کے لیے موت مقرر کر دی ہے ' وہ دونوں مر جائیں گے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے ' جبرائیل اور میکائیل فوت ہو گئے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا ' حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے ' تو اب کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے ' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور تیرے عرش کے حاملین باقی ہیں اور میں باقی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا ' میرے عرش کے حاملین کو بھی موت آ جائے ' پس وہ مر جائیں گے۔ پھر ملک الموت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے ' عرض کریں گے اے میرے رب! تیرے عرش کے حاملین بھی فوت ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے

تو اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے' اے میرے رب! تو باقی ہے جو زندہ ہے اور جس کو موت نہیں آئے گی اور میں باقی ہوں۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا' اب تو بھی مرجا سو وہ مر جائے گا' اور اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ الواحد الاحد الصمد جو نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا' وہی آخر ہوگا جیسا کہ وہ اول تھا۔ آپ نے فرمایا اہل جنت پر موت ہوگی نہ اہل نار پر موت ہوگی۔ پھر آسمان اور زمین کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اوراق کو لپیٹ دیا جاتا ہے' ان کو پھر کھولا جائے گا اور پھر لپیٹا جائے گا۔ پھر فرمائے گا میں جبار ہوں' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بلند آواز سے فرمائے گا "لمن الملک الیوم؟" آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر فرمائے گا "للہ الواحد القہار" (غافر: ۱۶) اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ پھر فرمائے گا' سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ سنو! جس نے میرے لیے شریک بنایا ہو' وہ لے آئے۔ پھر اس آسمان اور زمین کے علاوہ دوسرے آسمان اور زمین پیدا کرے گا اور ان کو پھیلا کر دراز کر دے گا' جس میں تم کو کوئی کجی اور نقص نہیں دکھائی دے گا' پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو زبردست آواز کے ساتھ جھڑکے گا' پھر لوگ اس نو پیدا شدہ زمین میں پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر عرش کے نیچے سے پانی نازل فرمائے گا' پھر تم پر چالیس دن تک آسمان سے بارش ہوتی رہے گی' حتیٰ کہ تم پر بارہ ہاتھ پانی بلند ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جسموں کو اگنے کا حکم دے گا تو وہ سبزیوں کی طرح اگنے لگیں گے' جب اجسام پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' حاملین عرش زندہ ہو جائیں' پھر اللہ عزوجل حضرت اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' جبرائیل اور میکائیل زندہ ہوں' سو وہ زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ عزوجل ارواح کو بلائے گا' وہ لائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی روحیں نور کی طرح چمک رہی ہوں گی اور دوسری روحیں تاریک ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو صور میں ڈال دے گا' پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل سے فرمائے گا ان کو زندہ کرنے کے لیے صور میں پھونکو' تو وہ زندہ کرنے کے لیے صور پھونکے گا' پھر تمام روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین اور آسمان بھر جائیں گے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا' تمام روحیں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں' تو سب روحیں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی اور نتھنوں کے راستہ داخل ہوں گی۔ جس طرح زہر کسی مار گزیدہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا' لوگ سرعت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلیں گے' تم سب تیس سال کی عمر میں اٹھو گے اور اس دن سب کی زبان سریانی ہوگی:

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۙ‏ مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ‏ (القمر: ۸-۷)

وہ نیچی آنکھیں کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے' گویا وہ زمین پر پھیلے ہوئے ٹڈی دل ہیں' بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے' کافر کہیں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے' اس دن ہم تم کو جمع کریں گے اور تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے' پھر وہ ایک جگہ میں ستر سال تک کھڑے رہیں گے۔ اللہ تمہاری طرف نہ دیکھے گا اور نہ کسی کا کوئی فیصلہ کرے گا' خلقت روئے گی اور جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں سے خون بہنے لگے گا' لوگ اپنے پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے' ان کی ٹھوڑیوں اور منہ تک پسینہ پہنچا ہوا ہوگا' لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا' تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ لوگ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور ان سے بالمشافہ کلام کیا ہے۔ پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر اپنا مقصد بیان کریں گے' حضرت آدم

اس سے انکار کر دیں گے۔ پھر وہ ہر نبی کے پاس باری باری جائیں گے اور وہ اس کام سے انکار کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر وہ میرے پاس آئیں گے' حتیٰ کہ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا' حتیٰ کہ اللہ عزوجل میرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھائے گا' پھر اللہ عزوجل پوچھے گا' حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا بات ہے؟ میں کہوں گا' اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا' پس اپنی مخلوق کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور ان کا فیصلہ فرما' اللہ عزوجل فرمائے گا' میں نے تمہاری شفاعت قبول کی' میں تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں واپس آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا' سو جس وقت ہم کھڑے ہوئے ہوں گے تو آسمان سے ایک زبردست آواز آئے گی جس سے ہم گھبرا جائیں گے' اور زمین کے جن وانس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے' حتیٰ کہ وہ زمین کے قریب آجائیں گے اور زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی' وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے' کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے' نہیں وہ آنے والا ہے۔

پھر تیسرے آسمان سے اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے اور وہ زمین کے جن وانس سے بھی دگنے ہوں گے' حتیٰ کہ جب وہ زمین کے قریب ہوں گے تو زمین ان کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی صفیں بنائیں گے۔ ہم ان سے کہیں گے' کیا تم میں ہمارا رب ہے؟ وہ کہیں گے نہیں' وہ آنے والا ہے۔ پھر اس سے دگنے فرشتے نازل ہوں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بادلوں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہو گا۔ آٹھ فرشتے اس کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے' حالانکہ اس وقت تو اس کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں' ان کے اقدام سب سے نچلی زمین کی تہہ میں ہیں۔ تمام زمینیں اور آسمان ان کی آدھے دھڑ تک پہنچتے ہیں' عرش ان کے کندھوں پر ہے اور وہ بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے ہیں

سبحان ذی الملک والملکوت' سبحان ذی العزة والجبروت' سبحان الحی الذی لایموت' سبحان الذی یمیت الخلائق ولایموت' سبوح قدوس رب الملائکة والروح قدوسا قدوسا' سبحان ربنا الاعلیٰ' سبحان ذی الملکوت والجبروت والکبریاء والسلطان والعظمه سبحانه ابدالاباد۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین پر جہاں چاہے گا' اپنا عرش رکھے گا۔ پھر فرمائے گا' مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کوئی شخص بھی ظلم کر کے میرے قریب نہیں ہو گا' پھر ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی۔ اے جن اور انس کی جماعت! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے' آج تک خاموش تھا' تمہاری باتیں سنتا رہا' تمہارے اعمال دیکھتا رہا' اب تم خاموش رہو تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے' جو شخص نیکیاں پائے' وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کے صحیفے اس کے خلاف ہوں' وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے' پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سیاہ چمکتی ہوئی گردن نمودار ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (یٰس: ۶۰-۵۹)

اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ' اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ جب کسی کا کسی پر حق نہیں رہے گا' تو فرمائے گا' تم سب مٹی ہو

جاؤ' اس وقت کافر کہے گا:

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (النبا: ٤٠) اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

پھر اللہ عزوجل جن اور انس کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پس سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ فرمائے گا' اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور اس کے قاتل کو لایا جائے گا' مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا' وہ کہیں گے' اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اللہ عزوجل پوچھے گا حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے' تم نے ان سے قتال کیوں کیا تھا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب؟ میں نے تیری عزت کی خاطر ان سے قتال کیا تھا' اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سورج کی طرح منور کر دے گا' پھر فرشتے اس کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اطاعت کے' محض دنیاوی غلبہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا' اور اس کا قاتل بھی آئے گا۔ مقتول اپنے خون میں لتھڑے ہوئے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آنتیں خون میں لتھڑی ہوئی ہوں گی' وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شخص نے قتل کیا ہے' اللہ عزوجل پوچھے گا' حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ جاننے والا ہے' تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا' اے میرے رب! میں نے غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کیا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم ہلاک ہو گئے' پھر اس کا چہرہ سیاہ اور اس کی آنکھیں نیلی کر دی جائیں گی' پھر ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ باقی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ پھر دودھ میں پانی ملانے والے کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ اس دودھ سے پانی کو الگ کر کے فروخت کرے' حتیٰ کہ جب کسی شخص کا کسی شخص پر کوئی حق باقی نہیں رہے گا تو ایک منادی ندا کر کے تمام مخلوق کو سنائے گا اور کہے گا' سنو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جائیں اور ان کے ساتھ جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے' اور جس شخص نے بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود کی پرستش کی تھی' اس کے سامنے وہ معبود متشکل کر دیا جائے گا اور اس دن ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بنا دیا جائے گا۔ نصاریٰ اس کے پیچھے چلے جائیں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر کی شکل میں بنا دیا جائے گا' یہودی اس کے پیچھے چلے جائیں گے' پھر ان کے معبود ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے' اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبیاء: ٩٩) اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور (یہ) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حتیٰ کہ جب صرف مومن رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس طرح چاہے گا' اپنی ہیبت میں آئے گا۔ پس فرمائے گا' اے لوگو! اپنے خداؤں کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور ان کے ساتھ جن کی تم عبادت کرتے تھے' وہ کہیں گے بہ خدا' اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا' پھر اللہ ان کو برقرار رکھے گا اور جتنی دیر اللہ ٹھہرنا چاہے گا' ٹھہرے گا۔ پھر جس طرح چاہے گا' ان کے پاس اپنی ہیبت میں آئے گا اور فرمائے گا' اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جا ملے ہیں۔ تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو' وہ کہیں گے بہ خدا' اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں' وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' پھر اللہ فرمائے گا' کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اس کو پہچان لو؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر اللہ ان کے لیے اپنی پنڈلی کھولے گا اور ان کے لیے اللہ کی عظمت سے تجلی فرمائے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے۔ پھر وہ سجدہ میں گر جائیں گے' پھر جب تک اللہ چاہے گا' وہ

اس کو سجدہ کریں گے' اور اللہ عزوجل منافقوں کی پشتوں کو گائے کی پشتوں کی طرح سیدھا (بغیر لچک کے) کردے گا' وہ اپنی پیٹھوں کے بل گر پڑیں گے۔

پھر اللہ عزوجل ان کو اٹھنے کا حکم دے گا' پھر ان کے لیے جہنم کی پشت کے اوپر صراط (پل) بنا دیا جائے گا۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو گا' اس میں جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے' اور اس میں پھسلنے کی جگہیں ہوں گی۔ بعض مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جائیں گے' بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور بعض تیز چلنے والے کی طرح گزریں گے' بعض صحیح سالم گزر جائیں گے' بعض زخمی ہو کر گزریں گے' بعض منہ کے بل جہنم میں گر جائیں گے۔ اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے ایک گروہ جہنم میں جاگرے گا' ان کے اعمال ان کو ہلاک کریں گے۔ بعض کے صرف پیروں تک آگ پہنچے گی' اس سے آگے تجاوز نہیں کرے گی' بعض کی نصف پنڈلیوں تک آگ پہنچے گی' بعض کے معقد ازار تک آگ پہنچے گی' بعض کے چہروں کے سوا پورے جسم تک آگ پہنچے گی' اور ان کے چہروں پر اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہو گا اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو لوگ کہیں گے کہ ہمارے رب کے پاس ہماری کون شفاعت کرے گا؟ تاکہ ہم بھی جنت میں چلے جائیں۔ پس وہ کہیں گے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اس کا اور کون حقدار ہو گا۔ اللہ عزوجل نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور ان سے بالمشافہ کلام کیا' پھر لوگ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے۔

حضرت آدم کو اپنا (صورۃً) گناہ یاد آئے گا' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ' وہ اللہ کے پہلے رسول علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف بھیجا۔ پھر وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے' میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی میں کلام کیا ہے اور ان پر تورات نازل کی ہے۔

پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن تم روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے شفاعت طلب کریں گے' وہ کہیں گے میں اس کے لائق نہیں ہوں' لیکن عنقریب میں صاحب شفاعت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور میرے رب کے پاس میری تین شفاعتیں ہیں جن کا اس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے' پھر میں جنت کی طرف روانہ ہوں گا اور جنت کے دروازہ کو کھلواؤں گا' پھر میرے لیے جنت کے دروازہ کو کھول دیا جائے گا اور مجھے تعظیم کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں جنت میں داخل ہو کر عرش کے اوپر اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا' میں اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا' میں سجدہ میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد اور تمجید کرنے کی اجازت دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تھی۔ پھر اللہ عزوجل مجھ سے ارشاد فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے! آپ کو دیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا' حالانکہ وہ سب

کچھ جاننے والا ہے۔ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا۔ تو اہل جنت کے متعلق میری شفاعت قبول فرما' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہاری شفاعت قبول کرلی اور میں نے ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی' سو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے' تم دنیا میں اپنے گھروں اور بیویوں کو اس قدر نہیں پہچانتے جس قدر تم جنت میں اپنے گھروں اور بیویوں کو پہچانو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شفاعت کروں گا اور یہ کہوں گا' اے میرے رب! میری امت میں سے جو لوگ دوزخ میں گر گئے ہیں' اللہ عزوجل فرمائے گا' جاؤ جن کی صورت تم پہچانتے ہو' ان کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ دوزخ میں میرا ایک امتی بھی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ اور ہر نبی' ہر شہید اور لعنت کرنے والے کے سوا ہر مومن شفاعت کرے گا' کیونکہ لعنت کرنے والے کو نہ شہید لکھا جائے گا اور نہ اس کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر فرمائے گا جس کے دل میں دو تہائی (٣/٢) دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک تہائی (٣/١) دینار کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا' جس کے دل میں ایک قیراط (چھ جو) کے برابر بھی ایمان ہو' پھر فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو اور بے شک ابلیس لعنہ اللہ اس دن یہ امید کرے گا کہ اس کی بھی کوئی شفاعت کرے گا۔

اور جب ہر شخص شفاعت کر چکے گا اور دوزخ میں کوئی ایسا شخص نہیں باقی بچے گا جس نے اللہ کے لیے کوئی نیکی کی ہو' تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اب میں باقی رہ گیا ہوں' اور میں سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا ہاتھ داخل کرے گا۔ اور بے شمار لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جن کی تعداد کو وہی جانتا ہے' وہ لوگ جلی ہوئی لکڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نہر الحیوان میں ڈال دے گا' وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے دریا کے کنارے کی مٹی میں دبا ہوا دانہ اگنے لگتا ہے' جو سورج کی دھوپ میں سرسبز اور سائے میں زرد ہو جاتا ہے۔ عربوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو وہ کہنے لگے' یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ آپ جنگل میں رہے ہیں۔ وہ شاداب سبزیوں کی طرح اگیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے دوزخی اس تحریر سے اہل جنت ان کو پہچانیں گے' جب تک اللہ چاہے گا' وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے' اے اللہ! یہ تحریر ہم سے مٹا دے' سو اللہ تعالیٰ ان سے یہ تحریر مٹا دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے اور بہت طویل اور بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے متفرق ٹکڑے ہیں۔ اس میں درج بعض امور لائق انکار ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روایت میں منفرد ہیں' اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے' بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے' بعض نے انکار کیا ہے' بعض نے متروک کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث کئی احادیث کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور اس کو ایک ہی سند سے بیان کر دیا گیا ہے' اس لیے یہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاذ حافظ المزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے' گویا یہ بعض الگ الگ حدیثوں کے شواہد ہیں۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ٣٨٨' ص ١٤٣' ١٣٧' جامع البیان' ج ٢٣' ص ٣٩-٣٨' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ١٠' ص ٣٣٦٣-٣٢٥٦' تفسیر ابن کثیر' ج ٣' ص ٥٢' ٤٦' تفسیر در منثور' ج ٧' ص ٢٦٣-٢٥٦)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

اور (یاد کیجیے) جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے

اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ

ہو؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا

مُّبِیْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھتا ہوں ○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے

وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ

کہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○ پھر جب ان پر رات کی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا

انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؛ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ پھر جب انہوں نے

رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ

جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؛ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرا رب

یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ

مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ○ پھر جب انہوں نے

الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ

روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؛ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ

کہا اے میری قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ○ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿٧٩﴾ ۚ

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے جب کہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ

اوران کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ

ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوا اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم

كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ ○ میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

شریک قرار دیا ہے، جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل

وقف لازم

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ ۘ

نہیں کی، پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حق دار ہے؛ اگر تم علم رکھتے ہو ○

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے

ع ۹ ۱۲ ۱۵

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں جتلا دیکھتا ہوں ○ (الانعام: ۷۴)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلے آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں' نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا۔ ان کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا کفار مکہ کو بت پرستی سے منع کرنا' ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے تھے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اپنے نیک آباء و اجداد کی پیروی کرنی چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا' اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا' تاکہ اس سے مشرکین عرب

کے خلاف استدلال کیا جائے' کیونکہ تمام مذاہب اور ادیان کے ماننے والے ان کی فضیلت اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے' اور سب ان کی ملت کی طرف انتساب کے دعوی دار تھے۔ یہود و نصاریٰ ان کی ملت کی اتباع کے مدعی تھے' اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام' نسب اور تاریخ پیدائش

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے:

ابراہیم بن آزر اور وہ تارخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس ہیں' بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں' اور آپ کی کنیت ابوالضیفان ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں پیدا ہوئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں تھے' صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے وہ ابراہیم بن آزر ہیں اور تورات میں ہے وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۳۴۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر تھے یا تارخ؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کے والد تارخ تھے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

محمد بن عمر واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت آدم کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ پس حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن حضرت آدم کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے' ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ بیان کرتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس آباء تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات آباء ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۳۴۹-۳۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس (۳۳۳۷) سال بعد پیدا ہوئے' اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ (۱۲۶۳) سال گزر چکے تھے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے۔ کلبی نے کہا ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال کی عمر تھی اور مقاتل نے کہا ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی عمر تھی۔ آپ حبرون میں مقام غارہ پر مدفون ہیں۔ وہ جگہ اب مدینۃ الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔

(عمدۃ القاری' ج ۱۵' ص ۲۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے متعدد بار توحید کو ثابت کیا اور مشرکین کے قول کو دلائل سے باطل کیا۔ انہوں نے اپنے عرفی باپ سے مناظرہ کیا' اپنی قوم سے' بادشاہ وقت سے اور کافروں سے مناظرہ کیا اور راہ حق میں سرخرو ہوئے۔ عرفی باپ

سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ○ (مریم: ۴۲)

جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے باپ! تم کیوں ایسے کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتا ہے' نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارے کسی کام آسکتا ہے۔

اور اپنی قوم سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الانعام: ۷۸)

پھر جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا' یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے' پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اور بادشاہ وقت سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ: ۲۵۸)

جب ابراہیم نے کہا میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس (بادشاہ) نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں' ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو اس پر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔

اور کافروں سے مناظرہ کی یہ مثال ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۵۸)

پس (ابراہیم نے) بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

اور جب کافران کو دلائل سے جواب دینے سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا ان کو جلا ڈالو اور اپنے بتوں کی مدد کرو' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اللہ نے اس آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ انہوں نے اپنا دل عرفان الٰہی کے لیے' زبان توحید پر برحان کے لیے اور اپنے بدن کو اللہ کی راہ میں آگ میں جھونکنے کے لیے اور اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے اور اپنے مال کو مہمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آزر کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے آزر کے متعلق چار قول لکھے ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' سدی اور ابن اسحاق نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

۲- مجاہد نے کہا آزر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ ہے۔

۳- زجاج نے کہا کہ آزر نام نہیں ہے' بلکہ مذمت کا کلمہ ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے خطاکار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

۴- مقاتل بن حیان نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ کا نام نہیں ہے' یہ ان کا لقب ہے۔

(زاد المسیر' ج ۳' ص ۷۶-۷۵' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے یا تارخ ہے۔ دراصل یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے یا نہیں۔ امام ابن جریر' امام رازی' علامہ قرطبی' اور علامہ ابوالحیان وغیرہم کی رائے ہے کہ ان کے والدین کا کافر ہونا جائز ہے' اور متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری' علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کی تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے آباء کرام مومن تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء اور امہات مومن تھے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کریں گے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا' اور عرب محاورات میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارخ تھا نہ کہ آزر!

امام ابواسحاق زجاج متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا' اور قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آزر تھا۔ (معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۶۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مجاہد نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے' وہ بت کا نام ہے۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر نہیں تھا' ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایسا نہ کرو اور حضرت ابن عباس فرماتے تھے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر نہیں تھا' ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آزر بت ہے اور حضرت ابراہیم کے باپ کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مثلی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی باندی حضرت اسماعیل کی ماں ہیں۔ ان کا نام ہاجرہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ' امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے' لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(در منثور' ج ۳' ص ۳۰۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے' وہ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروغ بن عابر بن فالغ ہیں۔

قرآن مجید میں آزر کے اوپر حضرت ابراہیم کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ عرب میں

"اب" کااطلاق عم پر بہ کثرت کیا جاتا ہے' اگرچہ یہ مجاز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرہ: ۱۳۳)	کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے' حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں' بلکہ چچا ہیں اور امام ابوالعالیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی تلاوت کی۔

(الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۱۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' لائل پور' پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے مومن ہونے پر دلیل

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد سے روایت کیا ہے کہ جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے' حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے کہا "حسبی اللہ ونعم الوکیل" اور جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یٰنار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم" (الانبیاء: ۶۹) اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا میری وجہ سے ان سے عذاب دور کیا گیا ہے' تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلا دیا۔

اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا' اور احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب' قتادہ' مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی' جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے' پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سارہ کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ آپ کی باندی بنا دی گئیں' اس کے بعد آپ پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں منتقل کر دیں اور وہاں آپ نے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ وَ مَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ○ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ○ (ابراھیم: ۴۱-۳۷)

اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے' اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں' سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں' اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ہے سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحق عطا فرمائے' بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے والا ہے' اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد (سے) بھی' اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما' اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے' نہ کہ ان کے حقیقی والد۔

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سینتیس (۳۷) سال تھی' پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا' پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا' پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان قیام کیا۔ پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے اور امام ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ نے دعا کی تھی' انکے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۱۵-۲۱۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ آزر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے اور جب کہ آزر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لیے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آزر اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آزر کو اب (عرفی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' تاکہ تغییر عنوان تغییر معنون پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے' علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۱۹۵' طبع بیروت)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

اس سلسلہ میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (عرفی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گرد و غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرنا؟ ان کے (عرفی) باپ کہیں گے 'آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم فرمائیں گے 'اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ رحمت سے دور ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے' پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو ہوگا۔ اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۵۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ۱۱۳۷۵' المستدرک' ج ۲' ص ۳۳۸' کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۲۹۴' مشکوٰۃ المصابیح' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۵۳۸)

حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب' بہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب تارح کہتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ' ج ۱' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۳ء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں' ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی' تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو' اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا' تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۴' ص ۳٦۸' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' اس کو مجاز متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے' ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی' تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا' اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

(التعلیق الصبیح' ج ٦' ص ۳۰۱' مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ' لاہور)

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی میں آزر کے دشمن خدا ہونے کی وجہ سے اس سے بیزار ہو گئے تھے' تو پھر قیامت کے دن اس کی سفارش کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور قیامت کے دن انہوں نے اس کی نجات کے لیے سفارش نہیں کی' بلکہ اس کے عذاب میں تخفیف کے لیے سفارش کی تھی اور بعض خصوصیات کی بناء پر کفار کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

نبی ﷺ کے تمام آباء کرام کے مومن ہونے پر دلیل

ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے خیر (بہتر) اور سب سے افضل تھے' اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ أَعْجَبَكُمْ (البقرہ: ۲۲۱) اور بے شک مومن غلام 'مشرک (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی ﷺ کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔ نیز احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک' بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان ہی کی وجہ سے زمین محفوظ رہی' ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے' اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے خالی نہیں رہی اور نبی ﷺ کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ کے تمام آباء کرام مومن تھے' پہلے ہم اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ زمین کبھی مومنین اور موحدین سے خالی نہیں رہی اور پھر اس امر پر دلائل پیش کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک نبی ﷺ کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

موحدین اور عابدین سے زمین کبھی خالی نہیں رہی

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر' از ابن جریج' از ابن المسیب روایت کیا ہے' روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے' لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی' پس یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا' ماسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے' کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

امام ابن المنذر نے قتادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں' جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے' کبھی زمین ابلیس کے لیے خالی نہیں رہی' اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے

ہیں، جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر، از قاسم، از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے، تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزھد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکماً مرفوع ہے۔

امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے، اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

امام بزار نے اپنی مسند میں اور امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ اس آیت "کان الناس امۃ واحدۃ" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر رہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۲۳-۲۴، مطبوعہ فیصل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انس سے دوسری روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۳۴، (۱۴۸) ۳۶۹، ۳۶۸، سنن الترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۲۱۴، صحیح ابن حبان، ج ۱۵، رقم الحدیث: ۶۸۴۹، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۳۸۳۴، طبع جدید، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۶۸، ۲۰۱، ۱۰۷، طبع قدیم، مسند ابو یعلیٰ، ج ۶، رقم الحدیث: ۳۵۲۶، مصنف عبد الرزاق، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۸۴۷، مسند ابو عوانہ، ج ۱، ص ۱۰۱، المستدرک، ج ۴، ص ۴۹۴، شرح السنۃ، ج ۷، ص ۴۱۷۸، کنز العمال، ج ۱۴، رقم الحدیث: ۳۸۴۸۵، مسند البزار، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۴۱۸، مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۳۳۱، ج ۸، ص ۱۲، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، رقم الحدیث: ۵۵۱۶)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خالی نہیں رہی، ورنہ قیامت آ چکی ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام کا اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر ہونا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر

قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا' حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۵۵۷' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۹۳۶۰' ۸۸۴۳' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۱۷' طبع قدیم' مشکوۃ المصابیح' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۷۳۹' کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۰۰۵' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۷۵)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا' میں (جائز) ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں' مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں' بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا' حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے' میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بہ طور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔ (دلائل النبوۃ' ج ۱' ص ۱۷۵' ۱۷۴)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ اللہ عزوجل ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا' جو صاف اور مہذب تھیں۔ جب بھی دو شاخیں پھوٹیں' میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب و نسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی مثال اس طرح دی جیسے زمین کے گھورے (گندگی ڈالنے کی جگہ) میں کھجور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا' پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا' پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بہ طور گھر سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۷' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۶۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۶)

مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں کون ہوں؟ صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ ہیں۔ علیک السلام! آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں' بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کے دو گروہ کیے' تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا' پھر اللہ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۸' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۱' ص ۱۷۰' المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۶۷۵-۶۷۶' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۶۶-۱۶۵)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "وتقلبک فی الساجدین" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں' نبی ﷺ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے' حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔ (دلائل النبوۃ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پسند کیا اور ان میں سکونت رکھی' اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا' سکونت دی۔ پھر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند کیا اور بنو آدم میں سے عربوں کو پسند کیا اور عربوں میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر میں سے قریش کو پسند کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کیا' سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں۔ لہٰذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸' المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۶۵۰' المستدرک' ج ۴' ص ۸۶-۸۷' کامل ابن عدی' ج ۲' ص ۷۴۰۱' علل ابن ابی حاتم' ج ۲' ص ۳۶۸-۳۶۷' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۱۵)

اس حدیث کی سند میں حماد بن واقد کے سوا سب کی توثیق کی گئی ہے اور وہ بھی معتبر راوی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کر لیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(صحیح مسلم' فضائل ۱' (۲۲۷۶) ۵۸۲۸' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۳۵' صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۲۴۲' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۶۹۸۴' المعجم الکبیر' ج ۲۲' رقم الحدیث: ۱۶۱)

امام ابو القاسم سلیمان بن طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو (سیدنا) محمد ﷺ سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو پایا۔

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۲۸۱' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۰۰' طبع جدید دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ان تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک نبی علیہ السلام کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے' اور قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء کرام مومن تھے۔

ان احادیث میں سے ہمارا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے نسب کے لیے خیر اور افضل کا لفظ ہے اور جن احادیث میں ہے کہ میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کیا گیا ہوں' ان سے ہمارا استدلال نہیں ہے۔ ان احادیث کو ہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے شرافت نسب کے لیے بیان کیا ہے۔

ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں تفسیر کبیر پر بحث و نظر

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی ﷺ کی تکذیب پر بہت حریص تھے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ ہوتا اور قرآن کہتا کہ ان کے باپ آزر نے یوں کہا تو عادۃً یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا' اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آزر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۰' دار الفکر' ۱۳۹۸ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح ہے۔ بائبل میں لکھا ہے نحور انتیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا' اور تارح کی پیدائش کے بعد نحور ایک سو انیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے۔

(پرانا عہد نامہ' پیدائش' باب ۱۱' آیت ۲۶-۲۴' کتاب مقدس' ص ۱۳' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

باقی رہا یہ کہ پھر اہل کتاب نے نبی ﷺ پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آزر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب محاورات عرب سے واقف تھے کہ محاورات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے' حالانکہ وہ ان کے بالاتفاق چچا تھے' اور اس پر بھی اہل کتاب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہیے تھی۔

نیز امام رازی نے لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں تھا اور اس پر ان کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین" (الشعراء: ۲۱۹) جو آپ کو حالت قیام میں دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے پھر امام رازی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس آیت کے دیگر محامل بیان کیے ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱) لیکن ہمارا بنیادی استدلال اس دلیل سے نہیں ہے' یہ دلیل تائید کے درجہ میں ہے۔ ہمارا بنیادی استدلال اس سے ہے کہ آزر کے مرنے کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی۔ (ابراہیم: ۴۱) جب کہ اس کی موت علی الشرک کی وجہ سے وہ اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ لہٰذا اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کرنا ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ امام رازی نے اس دلیل سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شیعہ کی طرف سے دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا اور مشرک نجس ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے آباء مومن تھے۔ اس پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے آباء مشرک نہ ہوں' کیونکہ پاکیزہ پشتوں کا معنی ہے آپ نکاح سے پیدا ہوئے ہیں' زنا سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا' ہمارا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے۔ مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سے سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا' حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ کے تمام آباء خیر تھے اور مومن مشرک سے خیر اور بہتر ہے۔ لہٰذا آپ کے تمام آباء کا مومن ہونا ثابت ہوا' اس دلیل سے بھی امام رازی نے تعرض نہیں کیا۔ امام رازی نے شیعہ کی طرف سے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم

نے بہت شدت اور سختی کے ساتھ آزر کا رد کیا ہے' اگر وہ ان کے باپ ہوتے تو ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کے چچا تھے' پھر اس دلیل کا رد کیا ہے کہ ان کی یہ سختی اس کے شرک پر اصرار کی وجہ سے تھی۔ (تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱' ملحضا) ہر چند کہ ہم نے اس دلیل سے استدلال نہیں کیا' لیکن اس پر امام رازی کا اعتراض قوی نہیں ہے' کیونکہ کفر اور شرک کے باوجود ماں باپ کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے! فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا' اس نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نرم گفتاری کا حکم دیا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ: ۴۴) (اے موسیٰ اور ہارون!) آپ دونوں فرعون کے پاس جایئے بے شک اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے' آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں' تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔

اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو آپ اس سے اس قدر سختی اور شدت کے ساتھ بات نہ کرتے' لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ آپ کا باپ نہیں' چچا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴) اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو وہ اس سے اس قدر اہانت آمیز کلام نہ فرماتے۔

اس بحث کے بعد امام رازی نے لکھا ہے کہ رہے ہمارے اصحاب تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد کافر تھے' اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ آزر کافر تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا۔

(تفسیر کبیر' ج ۴' ص ۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' طبع قدیم)

ہم اس قول کی شناعت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ امام رازی صحیح العقیدہ تھے' دین اسلام کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قول سے رجوع کی توفیق دی۔ جن دلائل کو انہوں نے تفسیر کبیر میں رد کر دیا ہے' اسرار التنزیل میں ان ہی دلائل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین اور آپ کے تمام آباء کرام کا ایمان ثابت کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے' ہم اس کا اقتباس یہاں پیش کر رہے ہیں۔

ابوین کریمین کے ایمان کے متعلق امام رازی کا صحیح موقف

مسلک ثانی: نبی ﷺ کے والدین سے شرک ثابت نہیں ہے' بلکہ وہ اپنے جد اکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے' جیسا کہ عرب کی ایک جماعت اس دین پر تھی۔ مثلاً زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرھما' اور یہ علماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔ ان ہی میں سے امام فخر الدین رازی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے ایک قول یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر کئی دلائل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء مسلمان تھے اور اب قطعی طور پر یہ کہنا واجب ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کافروں میں سے نہیں تھے اور آزر آپ کا چچا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ "وتقلبک فی الساجدین" کے اور بھی کئی محامل ہیں اور جب کہ ہر محمل کے متعلق ایک روایت وارد ہے اور ان میں باہم کوئی منافات بھی نہیں ہے تو اس آیت کو ان تمام محامل پر محمول کرنا واجب ہے' اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔ پھر امام رازی نے فرمایا سیدنا محمد ﷺ کے تمام آباء کے مشرک نہ ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما المشرکون نجس" مشرک محض نلپاک ہیں پس واجب ہوا کہ آپ کے اجداد کرام سے کوئی شخص مشرک نہ ہو۔ امام رازی کا کلام ختم ہوا۔

تم امام رازی کی امامت اور جلالت پر غور کرو' وہ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے امام ہیں اور بدعتی فرقوں کا رد کرنے والے ہیں' اور وہ اپنے زمانہ میں مذہب اشاعرہ کے ناصر اور موید ہیں اور وہی چھٹی صدی ہجری میں ایسے عالم ہیں جو اس امت کے لیے بہ طور مجدد بھیجے گئے ہیں اور میرے نزدیک امام فخر الدین رازی کے مذہب کی تائید میں اور بھی دلائل ہیں۔

(الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۱۰' مطبوعہ فیصل آباد)

امام رازی نے یہ بحث اسرار التنزیل وانوار التاویل ص ۲۷۳-۲۷۴' مطبوعہ بغداد' ۱۹۹۰ء میں کی ہے۔ یہ کتاب مجھے بعد میں ملی ان شاء اللہ الشعراء: ۲۱۹ میں' میں اس کتاب سے امام رازی کی اصل عبارات پیش کروں گا۔

ابوین کریمین کے ایمان کی بحث میں حرف آخر

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ متقدمین علماء پر مخفی رہا۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

لیکن متاخرین علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین' بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و امہات کا ایمان ثابت کیا ہے' اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی' بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے' ان کو حضور ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے' لیکن متعدد طرق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا' مخالفین کے شبہات کے جوابات دیئے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۱' ص ۷۱۸' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

میں نے ابوین کریمین کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جو گفتگو کی ہے' اس سے بہت سے صحیح العقیدہ علماء بھی متشوش تھے' اس لیے میں نے چاہا کہ امام رازی کی تفسیر کبیر کی بحث کا جواب لکھوں اور یہ واضح کروں کہ امام رازی نے اس نظریہ سے رجوع فرما لیا ہے اور یہی سلف صالحین اور علماء ربانیین کی نشانی ہے۔

آخر میں' میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی خوشنودی عطا فرمائے' اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ: ۱۱۹ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بتوں کی پرستش کا کھلی ہوئی گمراہی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ (الانعام: ۷۴)

یعنی تمہاری عبادت کا طریقہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے اور اس سے زیادہ واضح جہالت اور گمراہی کیا ہوگی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفٰت: ۹۶-۹۵)

ابراہیم نے کہا کیا تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اور یہ بت بالکل بہرے ہیں' تمہاری فریاد کو نہیں سنتے' نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں!

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء: ۶۷-۶۶)

ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان' تف ہے تم پر (اور تمہارے بتوں پر) جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش کا بطلان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (الحج: ۷۳)

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو' وہ سب مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو نہیں بنا سکتے' اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

پھر ایسے کمزور' لاچار' بے حس اور بے جان تراشیدہ پتھروں کو اپنا خدا ماننا اور ان کی پرستش کرنا کھلی ہوئی گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لیے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے ملکوت کا مصداق

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سات آسمان کھل گئے' حتیٰ کہ عرش بھی' پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لیے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے اوپر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا' انہوں نے اس کے خلاف دعا کی' وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا' انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا' انہوں نے اس کے خلاف دعا کی' وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا' انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے

دیکھا' انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی اے ابراہیم! تھمو' تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین معاملات ہیں' یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول فرماؤں گا' یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا' یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا اور پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چوستے' تو ان کو رزق مل جاتا' جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی' ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ' سمندر' دریا' درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں' مثلاً سورج' چاند' ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔ اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۲۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی' آپ سے کسی نے کہا میں نے آج سے پہلے آپ کو زیادہ خوش نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میرے پاس میرا رب (خواب میں) نہایت حسین صورت میں آیا۔ اس نے کہا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا تو ہی خوب جانتا ہے! پھر اللہ نے اپنا دست قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وکذلک نری ابراهیم ملکوت السموت و الارض ولیکون من الموقنین"

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۲۲' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۱۷' طبع جدید دارالفکر' شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۰۰۸' طبع دارالحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۴۳' طبع قدیم' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۲۴۶' ۳۲۴۵' ۳۲۴۴' شرح السنۃ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۶۵' الشریعۃ للآجری ص ۴۳۳۔۴۳۲' مسند ابویعلیٰ' رقم الحدیث: ۲۶۰۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام حکومت اور مخلوق دکھائی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر برقرار رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ہدایت دی ہے' اس کی حقیقت کو جان لیں' اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اپنی قوم کی گمراہی اور جہالت پر بصیرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا○ پھر جب انہوں نے جگمگاتا ہوا چاند دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) ڈوب گیا' تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا○ پھر

جب انہوں نے روشن آفتاب دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے' پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو' میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے' جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام: ۷۹-۷۶)

ستارے' چاند اور سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنا

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بہت چمک دار ستارہ دیکھا' انہوں نے اپنی قوم سے اثناء استدلال میں فرمایا یہ میرا رب ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول قوم کے سامنے ستارے کی ربوبیت کے انکار کی تمہید تھی اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کا مقدمہ تھا' تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے موافق ہیں۔ پھر مشاہدہ اور عقل سے اس قول کا رد فرمایا' چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا یہ کیا بات ہوئی؟ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا' کیونکہ خدا وہ ہے' جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے' وہ تمام دنیا کو ہر وقت دیکھنے والا ہے' ان کی باتوں کو سننے والا ہے' وہ کبھی کسی چیز سے غافل ہوتا ہے' نہ غائب ہوتا ہے۔

ستارہ کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چاند کی الوہیت کو باطل کرنے کے درپے ہوئے' جو ستارہ سے زیادہ روشن تھا' اور اسی طرح انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے اور جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اپنی قوم کو سنانے کے لیے فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت پر برقرار نہ رکھتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ان کی قوم پر تعریض ہے کہ وہ گمراہی کا شکار ہے' اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس نے چاند کو خدا مانا وہ بھی گمراہ ہے اور اس میں یہ رہنمائی ہے کہ الوہیت کے متعلق صحیح عقیدہ کی معرفت وحی الٰہی پر موقوف ہے۔

چاند کی خدائی کے عقیدہ کو باطل کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج کی الوہیت کے عقیدہ کو باطل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے' تمام سیاروں میں سب سے عظیم سیارہ سورج ہے۔ اس کی حرارت' اس کی روشنی اور اس کا نفع سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے انکار کی تمہید کے طور پر فرمایا یہ میرا رب ہے' یہ تمام ستاروں اور سیاروں میں سب سے بڑا ہے۔ سو یہی سب کی بہ نسبت الوہیت کے زیادہ لائق ہے اور جب دیگر ستاروں کی طرح سورج بھی ان کے افق سے غروب ہو گیا' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عقیدہ کی تصریح کی اور اپنی قوم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اے میری قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم اپنا رب قرار دیتے ہو' میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنا رخ کر چکا ہوں' میں ہر گمراہی کے عقیدہ سے منہ موڑ کر دین حنیف' دین حق اور دین توحید پر ثابت قدم اور برقرار ہوں۔ میں ان مشرکوں کے گروہ سے نہیں ہوں' جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمام کائنات کا خالق' اس کا مدبر اور اس کا مربی ہے' جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو "ھذا ربی" کہنا شک کی بنا پر نہیں تھا

ان استدلال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا یہ میرا رب ہے' یہ آپ نے بطور تنزل فرمایا تھا' کہ اگر بر سبیل فرض یہ ستارہ میرا رب ہو تو اس کا غروب ہو جانا اس کے رب ہونے کی تکذیب کرتا ہے اور یا یہاں استفہام محذوف ہے' جس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا کہ کہیں قوم بات اور استدلال مکمل ہونے سے پہلے ہی بدک نہ جائے۔ اس لیے آپ نے سوال کو دل میں رکھ کر فرمایا یہ میرا رب ہے' اور آپ کا منشا تھا' کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ توجیہات اس لیے ضروری ہیں کہ نبی ایک آن کے لیے بھی حقیقتاً ستارہ کو اپنا رب نہیں کہہ سکتا اور نہ کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی توحید میں تردد ہو سکتا ہے' ہر نبی پیدائشی مومن اور نبی

ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پہلے بھی مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء: ۵۲-۵۱)

اور بے شک ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو ہدایت عطا فرما دی تھی اور ہم انہیں خوب جانتے تھے اور جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسے بت ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل: ۱۲۱-۱۲۰)

بے شک ابراہیم اپنی ذات میں ایک فرمانبردار امت تھے باطل سے الگ حق پر قائم رہنے والے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۝ اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے، اللہ نے ان کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

استدلال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا

ان آیات میں الوہیت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات کے لیے مناظرہ کا ثبوت ہے اور یہ کہ دین حق کے اثبات اور اس کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو غروب یا غائب ہو جائے، وہ خدا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا جسم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو وہ کسی ایک افق کے سامنے ہوتا تو دوسرے افق سے غائب ہوتا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا صفات حادثہ کا محل نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو محل حوادث ہو وہ متغیر ہوگا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں بھی تغیر کا معنی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے، بلکہ عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استدلال کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخلوق کے احوال سے استدلال کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ڈوبنے والا اور متغیر خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا، انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (الانعام: ۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا اور کہا اگر تم ہمارے خداؤں کی مخالفت کرتے رہے تو تم برص میں مبتلا ہو جاؤ گے یا تمہارے اعضاء خراب ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا تم مجھ سے اللہ کے متعلق جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ (جامع البیان ج ۷، ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا ہے، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان

کو شریک بنانے سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو۔ (الانعام: ۸۱)

یہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب ہے' جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو اپنے بتوں سے ڈرایا تھا کہ اگر تم نے ان کی مذمت کرنا نہ چھوڑی تو تمہیں کوئی آفت یا مصیبت پہنچے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں ان بتوں سے کیسے ڈروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' جو کسی کو نفع پہنچانے یا اس کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی چیز پر کچھ قادر ہوتے تو جس وقت میں نے ان کو کلہاڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا' اسی وقت میرا کچھ بگاڑ لیتے' اور میں ان بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جو کسی نفع اور نقصان پر قادر نہیں ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون مامون اور محفوظ ہے؟ جو اس کی عبادت کرتا ہے جس کی قدرت میں نفع اور ضرر پہنچانا ہے یا وہ جو اس کی عبادت کرتا ہے جو کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا' ان ہی کے لیے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام: ۸۲)

اس مباحثہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان جو مباحثہ ہوا تھا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ سنایا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہی محفوظ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی آمیزش نہ کی ہو' اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب ہے جب انہوں نے فرمایا پس ہر دو فریق میں سے بے خوف ہونے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا' تو وہی دنیا اور آخرت میں محفوظ اور مامون ہونے کے زیادہ حقدار ہیں' لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے' کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا اور جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے' وہ عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" (الانعام: ۸۲) تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر بہت دشوار ہوئی۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اپنی جان پر کچھ نہ کچھ ظلم کرتا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم کا یہ معنی مراد نہیں ہے۔ کیا تم نے لقمان کا اپنے بیٹے کے متعلق یہ قول نہیں سنا کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۲' صحیح مسلم' ۱۹۷' (۳۲۴) ۳۲۰' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۱' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۳۱' السنن الکبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۸۵' جامع البیان' جز ۷' ص ۳۳۲-۳۳۱)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ

یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی'

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا

ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں ، بیشک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ○ اور ہم نے ابراہیم کو

لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا کیے، اور ہم نے سب کو ہدایت دی ، اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمٰن اور ایوب اور یوسف اور موسٰی اور

وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى

ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ○ اور زکریا اور یحیٰی

وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

اور عیسٰی اور الیاس ، یہ سب صالحین میں سے ہیں ○ اور اسمٰعیل اور الیسع

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ

اور یونس اور لوط ، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی ○ اور ان کے باپ دادا

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراطِ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

مستقیم کی ہدایت دی ○ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک عمل ضائع ہو جاتے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ

ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی ، پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی

وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرما دیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے ○ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے

اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا

ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا یہ تو صرف

ع ۱۰ ۸ ۱۶ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ تھی ہماری وہ قوی دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کو چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۸۳)

مسلمانوں پر مصائب نازل ہونے کی وجوہات

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیئے ہوئے ان تمام دلائل کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔ ان کی قوم کے کافروں نے کہا تھا کہ تم ہمارے بتوں کی مخالفت کرتے ہو، اس لیے تمہیں ان کی مخالفت کی وجہ سے کوئی آفت یا مصیبت پہنچ جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی، وہی لوگ ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی آفات اور مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آفات اور مصائب انسان کی اپنی بعض بداعمالیوں کے سبب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ: ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے سبب تمہیں پہنچی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور اس آزمائش میں ان کی استقامت اور ان کا ضبط اور صبر ان کے تقرب اور ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو جو بلند درجات عطا فرمائے گا، تو اس کی دلیل اور حجت کے طور پر آفات، مصائب اور مشکلات میں ان کی استقامت اور ان کے صبر و ضبط کو ظاہر فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ (محض) ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ

اور ہم تم کو کچھ خوف، اور بھوک اور مال اور جان اور

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷-۱۵۵)

پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنایئے جب ان لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں' بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

انبیاء علیہم السلام' علماء اور مومنین کے درجات کی بلندی

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ یہ درجات ایمان' علم و حکمت اور نبوت کے درجات ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ: ۲۵۳)

یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کسی کو (سب پر) درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے۔

رسولوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور علماء کے درجات کی بلندی کا بھی ذکر فرمایا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: ۱۱)

تم میں سے جو لوگ کامل ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا' اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب کے اعتبار سے ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دلیل کی قوت اور غلبہ کے اعتبار سے دنیا میں بلند درجہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے' اور ہم نے سب کو ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (الانعام: ۸۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تسلسل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ نعمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے مقابلہ میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے غالب اور سرخرو کیا اور دوسری نعمت یہ تھی کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا' جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے ان کے پاس فرشتے آئے اور ان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ اس بشارت سے حضرت سارہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

سارہ نے کہا ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں گی' حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں' بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم سے

عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ ○ (ھود: ٧٣-٧٢)

تعجب کرتی ہو! اے ابراہیم کے اہل بیت' تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں' بے شک وہی ہے تعریف کیا ہوا بڑی بزرگی والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کے نبی ہونے کی بشارت دی:

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ (الصّٰفّٰت: ١١٢)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کے بعد حضرت سارہ کو (ان کے پوتے) حضرت یعقوب کی بشارت دی:

فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ○ (ھود: ٧١)

اور ہم نے سارہ کو اسحٰق کی بشارت دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔

حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کو ذکر نہ کرنے کی وجہ

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے حضرت اسحٰق کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے بوڑھے ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کا ظہور اول حضرت اسحٰق کی پیدائش سے ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر کرنا مقصود ہے اور بنو اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں' ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت اور حکمت سے نوازا تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی نعمت ہے' ان کے جد اکرم نبی تھے۔ وہ خود بھی نبی تھے اور ان کی اولاد میں بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام یہ سب ان کی ذریت طیبہ ہے:

ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ (آل عمران: ٣٤)

ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر حضرت ابراہیم کی طرف راجع ہے یا حضرت نوح کی طرف۔ اگر یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار پائیں گے۔ اس اعتبار سے تو یہ مناسب ہے' کیونکہ اس کلام کا سیاق و سباق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا بیان ہے اور یہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ سارے انبیاء علیہم السلام ان کی اولاد ہیں' لیکن اس پر اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلبی بیٹے نہیں ہیں' بلکہ وہ ان کی بیٹی حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور دور کی پشتوں میں جاکر آپ کے نواسے ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی اولاد کا اطلاق کس طرح درست ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ ہم آیت ٨٥ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ (الانعام: ٨٥)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں یا حضرت ابراہیم۔

ابوزکریا یحیٰی بن زیاد الفراء المتوفی ۲۰۷ھ نے لکھا ہے یہ ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے۔ (معانی القرآن' ج ۱ ص ۳۴۲)

نواسوں کا اولاد میں داخل ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے یحیٰی بن یعمر کو بلا کر کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ حضرت حسن اور حضرت حسین نبی ﷺ کی اولاد ہیں۔ کیا قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل ہے؟ میں نے اول سے آخر تک قرآن مجید پڑھا' مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی! یحیٰی بن یعمر نے کہا تم نے سورۃ الانعام کی یہ آیت نہیں پڑھی ومن ذریتہ الی قولہ ویحیی وعیسی اس نے کہا کیوں نہیں! انہوں نے کہا کیا حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں' حالانکہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ حجاج نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۵' مطبوعہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

ابو اسحٰق ابراہیم الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ نے لکھا ہے' جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔

(معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۶۹' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ من ذریتہ کی ضمیر کا ابراہیم کی طرف لوٹنا بھی جائز ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ان انبیاء میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں' بلکہ وہ ان کے بھتیجے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے بھانجے ہیں اور جو شخص ماموں پر باپ کا اطلاق کرتا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور یہ بہت مناسب ہے۔

(المحرر الوجیز' ج ۶' ص ۹۷' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی ان کے ماموں کی طرف نسبت کی ہے اور فرمایا "ومن ذریتہ (الی قولہ) و زکریا ویحیی وعیسی والیاس کل من الصلحین.

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

نواسوں کو اولاد میں شمار کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مذکور انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس آیت میں حضرت یونس اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر بھی کیا گیا اور وہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں' حضرت لوط ان کے بھتیجے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے بھانجے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف منسوب ہیں' اگرچہ ان میں بعض انبیاء ایسے ہیں جو ماں اور باپ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے نہیں ہیں' کیونکہ حضرت لوط' حضرت ابراہیم کے بھائی کے بیٹے ہیں اور عرب چچا کو باپ کہتے ہیں' جیسا کہ قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے نقل فرمایا ہے' انہوں نے کہا

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ — ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ

اِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ (البقرہ: ١٣٣) دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

حالانکہ حضرت اسماعیل' حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے شمار فرمایا ہے' حالانکہ وہ ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں' اسی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نبی ﷺ کی ذریت ہے اور جو فقہاء بیٹیوں کی اولاد کو بھی اولاد میں داخل کرتے ہیں' وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر آئے اور ان کو منبر پر چڑھایا' پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اسی کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ٣٦٢٩' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ٣٧٩٨' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ۴٦٦٢' سنن النسائی' ج ٢' رقم الحدیث: ١۴٠٩' صحیح ابن حبان' ج ١۵' رقم الحدیث: ٦٩٦٣' مسند احمد' ج ٧' رقم الحدیث: ٢٠۴٠٧' طبع جدید' مسند احمد' ج ۵' ص ۵١' ۴۴' طبع قدیم' المعجم الکبیر' ج ٣' رقم الحدیث: ٢۵٩١' مجمع الزوائد' ج ٩' ص ١٧۵)

ہمیں کسی کے متعلق یہ علم نہیں ہے کہ اس نے بیٹیوں کی اولاد پر ان کے نانا کی اولاد کے اطلاق کو ناجائز کہا ہو اور لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ ولد (بیٹا) کا لفظ تولد سے مشتق ہے اور وہ لامحالہ اپنی ماں کے باپ سے متولد ہیں۔ سو قرآن مجید کی آیت "ومن ذریتہ" (الانعام: ٨۴) اس حدیث اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد پر بھی اس شخص کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے' اس سے حسب ذیل مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے کسی جائیداد کو وقف کیا تو اس میں اس کی بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی' اسی طرح جب کسی شخص نے اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کی تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم کو قرابت شامل ہے' اور ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا' پھوپھی' ماموں اور خالہ کے بیٹے ساقط ہو جائیں گے' کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم اور اس کے غیر کو قرابت شامل ہے' سو ان کے نزدیک اس وصیت سے چچا کا بیٹا اور اس کا غیر ساقط نہیں ہوگا' اور امام مالک کے نزدیک اس وصیت میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی اور اس کا اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وصیت کرنے کی مثل ہے اور اس وصیت میں بیٹے کی اولاد داخل ہوگی اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ (النساء: ١١) اللہ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے متعلق حکم دیتا ہے۔

تمام مسلمان اس آیت کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد سے مراد صلبی اولاد ہے اور خصوصاً بیٹا مراد ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى (الانفال: ۴١) رسول کے لیے اور اس کے قرابت داروں کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ حصص قرابت داروں میں سے چچا کو دیئے' ماموں کو نہیں دیئے' اسی طرح عرف میں بیٹیوں کی اولاد ان کے نانا کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور شجرہ نسب میں وہ نانا کے ساتھ نہیں ملتی۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۳۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بیٹی کی اولاد پر اولاد کے اطلاق اور اولاد میں اس کے داخل ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (آل عمران: ۶۱)

پھر (اے رسول مکرم!) آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی جو لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بحث کریں تو آپ (ان سے) کہیں' آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو' پھر ہم عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے بیٹوں کے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا' اس سے واضح ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی اولاد میں داخل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ' امام سعید بن منصور' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر اور امام ابو نعیم شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل نجران عیسائیوں کی ایک بڑی قوم تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک سنگین بات کہی اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ صبح کو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت حسن' حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں' تو انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر صلح کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے سب نے بشارت دی تھی حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں نے بھی کہ اگر یہ مباہلہ کرتے تو تمام اہل نجران ہلاک ہو جاتے۔

امام مسلم' امام ترمذی' امام ابن المنذر' امام حاکم اور امام بیہقی نے (اپنی سنن میں) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم" تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔

(در منثور' ج ۲' ص ۲۳۳-۲۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو بیٹا کہنا' یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) کے اس مسئلہ میں مختلف فتوے ہیں اور میرا رجحان یہ ہے کہ بیٹی کی اولاد' اولاد میں داخل ہے۔

(روح المعانی' جز ۷' ص ۲۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت الیاس کا نسب اور ان کا مصداق

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب اور ان کے مصداق میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادریس الیاس ہیں اور اسرائیل یعقوب ہیں۔

اور اہل انساب نے یہ کہا ہے کہ ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ وھب بن منبہ سے اسی طرح مروی ہے' کیونکہ اس آیت میں حضرت الیاس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت قرار دیا ہے تو پھر وہ حضرت ادریس کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں' اس لیے اہل انساب کا قول صحیح ہے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت ادریس ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۴' ص ۱۳۳۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ وہم کیا ہے کہ الیسع ہی الیاس ہیں' حالانکہ اس طرح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ وھب بن منبہ نے کہا کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت ادریس ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت ادریس حضرت نوح کے دادا ہیں اور حضرت الیاس ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس ہی حضرت خضر ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں' بلکہ حضرت الیسع حضرت خضر ہیں۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت الیاس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے' الیاس بن لیس بن فنحاص بن العیزار بن ہارون۔ یہ وہ ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کے بھائی ہیں۔ قتیبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت الیاس حضرت یوشع کے نواسے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کے نواسے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ ادریس ہیں' اور امام ابن اسحاق نے حضرت ادریس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے' ادریس بن یرد بن مہلائیل' بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ (روح المعانی' جز ۷' ص ۲۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان سب کو صراط مستقیم کی ہدایت دی ○ (الانعام: ۸۷-۸۶)

علامہ قرطبی نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے صاحب تھے اور یہ دونوں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے گزرے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں ایک نوع کی مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ پھر ان کی اولاد میں سے چودہ نبیوں کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہیں۔ حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ' حضرت الیاس' حضرت اسماعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام اور یہ کل اٹھارہ نبیوں کا ذکر ہے۔

جب متعدد شخصیات کا ذکر ہو تو ان کے درمیان ترتیب یا تو سنین وفات کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یا فضل اور شرف کے اعتبار سے ترتیب ہوتی ہے۔ امام رازی نے یہاں ترتیب کی ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصول ہے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک' سلطنت اور قدرت کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا' انہیں مصائب میں صبرو ضبط اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اور ان کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا' وہ ان دونوں نعمتوں کے جامع ہیں۔ پہلے انہوں نے سخت مصائب برداشت کیے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک اور سلطنت سے نوازا۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام پر نعمتوں کا دوسرا سلسلہ ہے۔ وہ ان کے معجزات کی قوت اور ان کے دلائل اور براہین کی کثرت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ نعمت پوری طرح حاصل تھی۔ لہٰذا ان کا ذکر فرمایا' اس کے علاوہ نعمت کی ایک قسم ہے دنیا سے ترک تعلق کر کے زاہدانہ زندگی گزارنا' اور حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس اس نعمت کے حامل ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صالحین کے وصف کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ایک وہ نوع ہے جن کے دنیا میں پیروکار باقی نہیں رہے' اور وہ یہ ہیں۔ حضرت اسماعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں یہ ایک عمدہ مناسبت ہے جس کو امام رازی نے مستنبط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے ان کو ہدایت دی' اس کا معنی ہے ہم نے ان کو جنت کے راستوں کی طرف ہدایت دی' یا اس کا معنی ہے ہم نے ان کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے اور محاسن اخلاق کو حاصل کرنے کی ہدایت دی۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے ان (سب) انبیاء کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں' کیونکہ عالم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو شامل ہے اور ملائکہ بھی عالمین میں داخل ہیں۔ سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے سجدہ کا حکم دیا جائے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے متعلق سوال فرمایا اور جب وہ ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا آپ انہیں ان چیزوں کے نام بتائیں اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سورۃ بقرہ ۳۴-۳۰ میں یہ واقعہ مذکور ہے اور اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی فرشتوں سے افضل ہوتا ہے' اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت اور غضب کو رکھا ہے جو علمی اور عملی کمالات کے حصول سے مانع ہیں' پھر اس میں نجی' خانگی اور تمدنی ضروریات اور حاجات رکھی ہیں اور کمزوریاں اور بیماریاں رکھی ہیں جو فضائل اور محاسن کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہر وقت تسبیح' تہلیل اور عبادت کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی چیز مانع اور حائل نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مشاغل' صوارف اور موانع کے باوجود معرفت الٰہی اور عبادات میں کمال حاصل کرنا زیادہ اخلاص اور فضیلت کا موجب ہے۔ اس لیے عام اور خاص ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام افضل ہیں اور عام ملائکہ سے کامل مسلمان اور عبادت گزار مومنین افضل ہیں' لیکن وہ خاص ملائکہ یعنی رسل ملائکہ سے افضل نہیں ہیں' بلکہ رسل ملائکہ ان سے افضل ہیں اور فساق' فجار اور کفار سے عام ملائکہ بھی افضل ہیں۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اولیاء سے افضل ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں اولیاء کرام بھی داخل ہیں۔

بہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے بھی افضل ہوں' کیونکہ اس میں فرمایا ہے ہم نے ان (سب) کو العلمین پر فضیلت دی ہے اور العلمین میں ہمارے نبی بھی داخل ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس آیت میں یہ قید لگائی ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے زمانوں میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے' ان کے علاوہ قرآن مجید میں سات انبیاء علیہم السلام کا اور ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں: حضرت آدم' حضرت ادریس' حضرت ھود' حضرت ذوالکفل' حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ان آیتوں میں اس پر دلیل ہے کہ جس رسول نے سب سے پہلے حلال اور حرام اور دیگر شرعی احکام بیان کیے' وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے کیے ہوئے نیک اعمال ضائع ہو جاتے O یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پس اگر یہ لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں (تو کوئی حرج نہیں) ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمادیا ہے جو ان چیزوں کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ (الانعام: ۸۹۔۸۸)

اللہ کی ہدایت

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو ہدایت دی ہے اور ان کو دین حق کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق دی ہے' جس کے سبب سے انہوں نے دنیا اور آخرت کی عزت اور کرامت کو حاصل کیا اور اللہ کی ہدایت کا معنی ہے اللہ کی توحید کا اقرار کرنا' ہر قسم کے شرک سے دائماً مجتنب رہنا اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ پھر فرمایا (بہ فرض محال) اگر ان نبیوں اور رسولوں نے بھی شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کی آمیزش کے ساتھ کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے تعریض ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر انہوں نے بالفرض شرک کیا تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے تو ان کی امتیں کس گنتی شمار میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' یہ وہ انبیاء ہیں جن کو ہم نے کتابیں دی ہیں ان کتابوں سے مراد حضرت ابراہیم کے صحیفے ہیں اور حضرت موسیٰ کی تورات ہے' حضرت داؤد کی زبور ہے اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کی انجیل ہے اور حکم سے مراد ہے کتاب اللہ میں مذکور احکام کی فہم اور معرفت' اور نبوت کا معنی ہے اللہ کی طرف سے غیب کی خبریں اور احکام شرعیہ حاصل کر کے بندوں تک پہنچانا۔

پھر فرمایا اگر اہل مکہ نے میری کتاب کی ان آیات کا کفر اور انکار کیا تو میں نے ان آیات پر ایمان لانے کے لیے ایسی قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔ ابن جریج نے کہا اس قوم سے مراد اہل مدینہ اور انصار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اہل مدینہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے اہل ایمان کے لیے مدینہ میں جگہ بنا چکے تھے۔

قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے: کہ اگر قریش نے ہماری آیات کی تکذیب کی (تو کیا نقصان ہے!) ہم نے اس سے پہلے

اٹھارہ نبیوں کا ذکر کیا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔ امام ابن جریر نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۵۔۳۴۲' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ آپ کہئے میں اس (تبلیغ اسلام) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا' یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الانعام: ۹۰)

نبی ﷺ کا تمام صفات انبیاء کا جامع ہونا

اس آیت کا معنی ہے اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں' اس منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے' آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کر لیں۔ اس آیت میں نبی ﷺ کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے' وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا' رقم الحدیث: ۱۶۷۷' مشکوٰۃ' رقم الحدیث: ۵۰۹۷' ۵۰۹۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(المستدرک' ج ۲' ص ۶۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۹۲' الاستذکار' ج ۲۶' رقم الحدیث: ۳۸۹۴۲' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۹۳۲' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۸۱' طبع قدیم' کنز العمال ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۱۹۶۹)

امام احمد بن عمرو عتکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البزار' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۷۰' المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۹۱' علامہ الہیثمی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۹' ص ۱۵' طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے' الدر المنثورہ' رقم الحدیث: ۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور خصال شرف ان میں متفرق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نعمت پر بہت شکر کرنے والے تھے' اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راسخ قدم رکھتے تھے۔ حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس اللہ

کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے' ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں' آپ تنہا ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کرلیں' اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں۔ پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے' وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے۔ لہٰذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' ج ۱۳' ص ۷۱' مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور فرمایا میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے' یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے' وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں' نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں

شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

کیا، آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے، وہ لوگوں کے لیے نور اور

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَ

ہدایت تھی، تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے، تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو، اور

عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

تمہیں وہ علم دیا گیا جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان

فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ

کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں ○ یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے یہ برکت والی ہے، یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ○

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے

وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ

حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل

اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

کی ہے، اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے

بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے:) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے

اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

تکبر کرتے تھے ○ اور بیشک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ

(تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان

شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ

سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھمنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے

ع ۱۱ ۱۲

بَيۡنَكُمۡ وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ ع

شریک ہیں' بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ آپ کہئے: پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے؟ وہ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی' تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے' تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو' اور تمہیں وہ علم دیا گیا ہے جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا' آپ کہئے: اللہ (ہی نے اس کتاب کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۹۱)

مناسبت اور شان نزول

قرآن مجید کا موضوع توحید' رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا پھر ان کو مزید مستحکم فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے اثبات کے لیے دلائل کو ذکر فرمایا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے' اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو بتاؤ: موسیٰ پر تورات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی حجت ہو سکتا ہے' مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ بعض مشرکین اہل کتاب سے سن کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کے معتقد تھے' وہ صرف سیدنا محمد ﷺ کی رسالت ماننے سے انکار کرتے تھے اور مشرکین کے متعلق اس آیت کے نزول پر یہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی ہے اور یہود سے نبی ﷺ کے مناظرے مدینہ منورہ میں ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ آیت مشرکین ہی سے متعلق ہے' لیکن اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ایک آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور نبی ﷺ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھوا دیا اور روایات دونوں کے متعلق ہیں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صیف نام کا ایک یہودی نبی ﷺ کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور وہ موٹا عالم تھا' وہ غضب ناک ہو گیا' اس نے کہا بہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی' تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۴۹' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ کاغذ بنا لیے' تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر

حصہ کو چھپالیتے ہو یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے' کیونکہ تورات میں تحریف کرنا بہرحال یہودیوں کا کام تھا۔ مشرکین کا کام نہیں تھا' اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تورات میں تحریف کے متعلق امام رازی کا موقف اور بحث و نظر

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہاں نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کا فی نفسہ ظاہر ہونا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لیے مظہر ہونا ہے۔

اس کے بعد فرمایا تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنالیے' تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپالیتے ہو اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر کتاب کو کاغذوں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کاغذوں میں محفوظ کرلیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جارہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مذمت کاغذوں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کردیئے تھے۔ ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کو حفظ کرلیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے کچھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قادر نہیں ہوسکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی من گھڑت اور باطل تفسیر کی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں' اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح محمل چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپالیتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے۔ مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' وج ۱۳' ص ۷۹' مطبوعہ مصر)

یہ امام رازی کی تقریر ہے لیکن اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اور رجم کے متعلق مل کر بھی آیات بہت قلیل ہیں' جبکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تم اس کا اکثر حصہ چھپالیتے ہو۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور امام رازی کا اس کو قرآن مجید پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ کسی دور میں بھی تورات کی اشاعت قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی اور نہ اس کے قرآن مجید کی طرح حافظ ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید سے کسی آیت کا چھپالینا ممکن نہیں ہے اور تورات سے کچھ چھپالینا کچھ دشوار نہ تھا' خصوصاً جس زمانہ میں قرآن کریم نازل ہوا اس سے پہلے کیونکہ اس وقت نشر و اشاعت کے اتنے ذرائع اور وسائل نہ تھے اور یہودیوں کی تعداد اس وقت بھی دنیا میں بہت کم تھی اور وہ شرق و غرب میں پھیلے ہوئے نہ تھے' اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو بلاوجہ ان کے ظاہری اور حقیقی معنی سے ہٹانا اور آیات کے چھپانے کو باطل تاویل پر محمول کرنا ہماری رائے میں درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آیت مذکورہ کا منسوخ نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا آپ کہیے "اللہ" اس کا معنی یہ ہے کہ عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ جو کتاب ہدایت اور نور ہے' اور

جس کی تائید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے قوی معجزات لے کر آئے ہوں' اس کو نازل کرنے والا اللہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص وجود باری پر استدلال کرتے ہوئے کہے وہ کون ہے جو مردہ میں جان ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو لاعلمی کے بعد علم پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آنکھ کے ڈھیلے میں بینائی رکھی؟ وہ کون ہے جس نے کان کے سوراخ میں سماعت رکھی؟ پھر وہ کہنے والا خود کہے: اللہ' اور اس سے متصور یہ ہے کہ جب کلام یہاں تک پہنچے گا تو ہر صاحب عقل اعتراف کرے گا کہ اس فعل کا فاعل اللہ ہی ہے' اور اخیر میں فرمایا پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھیلنے کے لیے چھوڑ دیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ نے ان کے خلاف حجت پوری کر دی اور ان کے تمام شکوک و شبہات کو زائل کر دیا اور ان کو عذاب خداوندی سے ڈرا چکے تو آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ: ۴۸)

پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا' آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔ یہ قول بعید ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کو ان کی کج بحثی کے لیے چھوڑ دیں یہ ارشاد بطور تہدید ہے اور یہ حصول قتال کے منافی نہیں ہے' لہٰذا اس آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی قدر ناشناسی

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا' جب انہوں نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ امام رازی نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ یہود نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا' اس نے رسولوں کے بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر طعن کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے جہالت ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنے کا۔

اخفش نے کہا اس آیت کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی کماحقہ معرفت حاصل نہیں کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ تعظیم نہیں کی۔ ہمارا یہ دور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناقدری اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا دور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض واعظین اولیاء اللہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھا دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ خضر ولی تھے اور حضرت موسیٰ نبی تھے۔ اور حصول علم کے لیے نبی کو بھی ولی کے پاس جانا پڑتا ہے' حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے' جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کیا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کو جب بیٹے کی طلب ہوئی تو وہ ایک ولیہ حضرت مریم کے پاس گئے' اور وہاں دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا جب اس طرف متوجہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسمی پھل دے رہا ہے تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا جو بے موسمی پھل دے سکتا ہے' وہ مجھے بڑھاپے میں اولاد بھی دینے پر قادر ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی' اس طرح اولیاء اللہ کی شان میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ میری ذات سے محبت رکھتے ہیں' ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۹۷' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۱۳۱' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر' ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۴۴' حلیۃ الاولیاء' ج ۲' ص ۱۳۱)

حالانکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے' یہ اس بات کی چند مثالیں ہیں کہ آج کل کے **واعظین** اولیاء اللہ کو نبی اور رسول سے بڑھا دیتے ہیں اور اب چند مثالیں اس امر کی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام دار قطنی اور امام ابن شاہین نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر گر گئی' نبی ﷺ نے اس آنکھ کو لوٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ تندرست اور صحیح آنکھ تھی۔

(الاصابہ' ج ۳' ص ۲۲۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس دور کے **واعظین** اس حدیث میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں وہ روشنی نہیں تھی جو مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں تھی۔ (العیاذ باللہ!) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے کے لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ آنکھیں تو دونوں ہی خدا کی دی ہوئی تھیں' لیکن پہلی آنکھ ماں باپ کے واسطے سے ملی تھی اور دوسری آنکھ سرور دو عالم ﷺ کے ہاتھوں سے ملی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ کلمہ طیبہ میں اللہ کا نام پہلے اور رسول اللہ ﷺ کا نام بعد میں لینے کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ کا نام لینے سے زبان پاک ہو جائے گی' پھر اس زبان سے نام محمد لیا جائے۔ حالانکہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید کو کسی ناپاک مرد یا عورت (خواہ جنبی ہو' محتلم ہو یا حائض و نفساء ہو) کا زبان سے پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح جنبی اور بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا بھی حرام ہے اور ادب و احترام کی وجہ سے احادیث کو ان حالتوں میں نہ پڑھنا اور نہ چھونا ایک الگ بات ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ ادب اور احترام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ہے' اور کلمہ طیبہ میں اللہ کے نام کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تقدم کی جتنی بھی وجوہ یہاں ہو سکتی ہیں' تقدم بالذات ہو' تقدم بالشرف ہو یا تقدم بالذکر ہو' ہر وجہ سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر مقدم ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اول تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں اختیارات کا تقابل کرنا ہی غلط اور باطل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی طاقت اور اقتدار اور آپ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اقتدار سے زیادہ ہے۔ (معاذ اللہ) خالص کفر اور زندیقی ہے۔ "وما قدروا اللہ حق قدرہ" ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا کر نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے' نہ رسول اللہ ﷺ کو خوش اور راضی کیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی یہ مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوطالب' ابولہب اور دیگر کفار اور مشرکین کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور ان کو دائمی عذاب سے نہیں چھڑائیں گے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس نازل فرمائی اور آپ کو ان کی طرف توجہ نہ کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (عبس: ۱۰-۸)

اور جو دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا' اور وہ اپنے رب سے ڈر رہا ہے' تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں!

یاد رکھئے رسول اللہ ﷺ ایسی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس ناراض اور رنجیدہ ہوں گے، جس تعریف میں آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کا وہم ڈالا جائے یا اس کا تصور دیا جائے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

جبیر بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ مشقت میں پڑ گئے اور بچے ضائع ہو گئے اور مال لوٹ لیے گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور شفیع لاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ہے! تم کو پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا تم پر افسوس ہے اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس شفیع اور سفارشی نہیں بنایا جاتا، اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ تم پر افسوس ہے! کیا تم کو پتا ہے اللہ کی کیا شان ہے؟ اس کا عرش تمام آسمانوں پر اس طرح محیط ہے، آپ نے اپنی انگلیوں سے گنبد بنا کر دکھایا اور وہ اس طرح چرچرا رہا ہے جس طرح سواری کے بوجھ سے پالان چرچراتا ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۷۲۶، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ زکی الدین ابو محمد المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت بیان کرنے کے لیے یہ مثال ذکر فرمائی ہے، تاکہ سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی بلند شان، جلالت قدر اور عظیم ذکر کا اندازہ ہو اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہ بنائے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے، اور نہ وہ کسی صورت سے مکیف ہے۔ (مختصر سنن ابوداؤد، ج ۷، ص ۹۶، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت)

ایک اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کے پاس سفارشی بنایا تو نبی ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے، بار بار افسوس کیا: اور سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھا۔ آپ سوچئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھانے کی نکتہ آفرینی کی گئی تو اس سے رسول اللہ ﷺ کو کتنا افسوس ہوگا؟

اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ آج کل کے واعظین یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی دجلہ پر آئے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی طرح چلنے لگے، بعد میں ایک شخص آیا۔ اس کو بھی دریا کے پار جانا تھا اور کشتی کوئی نہ تھی، اس نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں کس طرح آؤں؟ آپ نے فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا تو شیطان نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں؟ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا، پکارا حضرت میں چلا، فرمایا وہی کہہ کہ یا جنید یا جنید! جب کہا، دریا سے پار ہوا۔ بعد میں حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ارے نادان! ابھی تو جنید تک پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔

اس حکایت کو پڑھ کر بے اختیار زبان پر یہ آیت آتی ہے "وما قدروا اللہ حق قدرہ" انہوں نے اللہ کی کماحقہ قدر اور تعظیم نہیں کی اس حکایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا جنید کہنے سے بندہ پار لگتا ہے اور یا اللہ کہنے سے ڈوب جاتا ہے اور اس میں مخلوق کے ذکر کو اللہ کے ذکر سے بڑا درجہ دیتا ہے اور اس حکایت میں اللہ کے ذکر کے ارادہ کو شیطان کا وسوسہ قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس میں حضرت جنید پر بہتان ہے، اللہ کے نیک اور صالح بندے اپنے متوسلین کو اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں، نہ کہ اپنے ذکر کی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے اس حکایت کے متعلق سوال کیا گیا' تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔

مسئلہ: از شفاخانہ فرید پور ڈاک خانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر' ۷ رمضان ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے' انہوں نے سفر کیا' راستے میں ایک دریا پڑا' اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے۔ تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلے آؤ اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا' تب وہ ڈوبنے لگا' اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہو' یا جنید یا جنید کہو' تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا' یہ درست ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لیے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا' اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا' خصوصاً حیات دنیاوی میں' خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں' اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا کمال بے ادبی و گستاخی و دریدہ دہنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ' ج ۹' ص ۱۹۷' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت نے اس حکایت کا جو رد کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ (الملفوظ ج ۱' ص ۱۱۷' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' اور ج ۱' ص ۷۳' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) میں اس حکایت کی نسبت جو اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ حضرت کا ملفوظ قرار دیا گیا ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلالت ہے' اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ ایسی حکایت بیان کریں' اس سلسلہ میں یقیناً الملفوظ کے مرتب کو سہو ہوا ہے۔ اس پر دلیل فتاویٰ رضویہ کی مذکور الصدر عبارت ہے:

وماقدروا الله حق قدره○ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے اپنے دور کے واعظین کی چند مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور معرفت سے بے بہرہ ہیں اور وہ نبی ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں غلو کرنے کے لیے ان کی قدر و منزلت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیتے ہیں اور ان کو بڑھانے کے لیے اللہ کی شان کو ان سے کم دکھاتے ہیں معاذ اللہ۔ اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اصلاح ہے' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو نفع آور بنائے اور اس عاجز کو سلامتی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل سے مغفرت فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے' یہ برکت والی ہے' یہ ان (اصل) آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو (عذاب سے) ڈرائیں اور ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر (بھی) ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الانعام: ۹۲)

قرآن مجید کی خیر اور برکت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کو باطل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی اور جب

یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کی ہیں' تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے' ہم نے اس کتاب کو بہت خیر اور برکت والی بنایا ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تائید' تصدیق اور حفاظت کرتی ہے۔

اس کتاب کی خیر و برکت یہ ہے کہ انسان کو علم اور عمل کی فضیلت سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سب سے افضل اور اشرف علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور نبی کی ضرورت اور اس کے مقام و منصب اور احکام شریعت کا علم ہے اور اس علم کا متکفل قرآن مجید ہے اور سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرنا ہے' اور اس علم کا منبع بھی قرآن کریم ہے۔ سو جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا' اسے دین اور دنیا کی خیر اور برکت حاصل ہو جائے گی' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امراء' حکام اور سرمایہ داروں کو وہ عزت حاصل نہیں ہے' جو علماء کرام کو حاصل ہوتی ہے۔

زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہم نے دیکھا ہے کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے رہتے ہیں' وہاں لوگ پکنک منانے اور سیر و تفریح کے لیے تو جاتے ہیں' تلاوت قرآن اور ایصال ثواب کے لیے کوئی نہیں جاتا۔ اس کے برعکس علماء اور اہل اللہ کے مزارات مرجع خلائق ہوتے ہیں اور وہاں دن رات مسلمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور یہ صرف قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی خیر و برکت ہے۔

قرآن مجید کا سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تصدیق کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اصول اور فروع' اصول سے مراد ہیں عقائد' مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' توحید' رسالت' ملائکہ' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' جزاء و سزا' جنت اور دوزخ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی اور انبیاء کے فرق سے ان عقائد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ تورات' زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے' وہی عقائد قرآن مجید میں ہیں' اس لحاظ سے قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کا مصدق ہے اور فروع سے مراد ہیں احکام شریعت اور ہر زمانہ کے مخصوص حالات' رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اس زمانہ کے نبی کی شریعت دوسرے انبیاء سے مختلف ہوتی ہے اور یوں تمام انبیاء کے احکام شریعت ایک دوسرے سے مختلف ہیں' لیکن نفس عبادت اور اطاعت رسول اور اتباع شریعت میں تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں اور اس چیز میں قرآن ان کا مصدق ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا' جو سابقہ شریعت کو منسوخ کر دیں گے اور سب لوگوں کو صرف ان کی شریعت کی اتباع کرنی ہو گی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے اور قرآن مجید کے ذریعہ آپ کی شریعت نافذ ہو گئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہو گئی' اس لحاظ سے قرآن مجید تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق ہے۔

مکہ مکرمہ کا ام القریٰ ہونا

اس آیت میں مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ فرمایا ہے' ام القریٰ کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لیے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں اور ابو بکر اصم نے کہا ہے کہ مکہ تمام دنیا والوں سے پہلے آباد ہوا ہے' تو گویا یہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبات اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت حج ہے اور حج مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق مکہ مکرمہ میں

جمع ہوتی ہے' جیسے بچے ماں کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا' نیز حج کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں انواع و اقسام کی تجارت ہوتی ہے اور اس شہر میں کسب معاش اور روزی حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ ہیں' اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی عبادت کا پہلا گھر مکہ مکرمہ میں بنایا گیا' اس لیے اس کو ام القریٰ فرمایا۔

نبی ﷺ کی عمومی بعثت پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرائیں۔

یہود کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نبی ﷺ صرف جزیرۂ عرب کے رسول ہیں اور وہ اس آیت سے مسلمانوں پر الزام قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے' تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مکہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے اور باقی علاقہ کے لوگوں کو ڈرانے کی نفی نہیں ہے' جبکہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان:۱)	وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔
قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۸)	آپ کہئے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔
وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران:۲۰)	اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے: کیا تم اسلام لے آئے؟ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو آپ کا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کے لیے رسول ہیں اور اس سے پہلی آیات میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' پہلے نبی بالخصوص ایک قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے بالعموم تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں اور وہ مجھ سے پہلے حرام تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی اور ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر میرا رعب طاری کر دیا جاتا ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۹' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم' المساجد' ۳ (۵۲۱) ۱۱۴۳' سنن الترمذی' ۲' رقم الحدیث: ۱۵۵۹' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۳۲۔۷۳۶)

آخرت پر ایمان نبی ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے

اس آیت میں فرمایا ہے جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں' اور اس آیت کا بہ ظاہر یہ معنی ہے کہ آخرت پر ایمان لانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک وجہ

یہ ہے کہ جو شخص آخرت پر ایمان لائے گا وہ وعد و وعید اور ثواب و عذاب پر بھی ایمان لائے گا اور ایسا شخص ثواب کے حصول کی کوشش کرے گا اور عذاب کے موجبات سے بچے گا' اور وہ توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کرے گا' اور یہ اس کے اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے دین میں مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے کے عقیدہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اتنا زور کسی اور نبی کے دین میں نہیں دیا گیا' اس وجہ سے آخرت پر ایمان لانا سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔

تمام عبادات میں نماز کی اہمیت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے والے تمام نیک اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام برے کاموں سے بچتے ہیں تو اس آیت میں نماز کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل اور اشرف عبادت نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرہ: ۱۴۳) اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہارا ایمان (نماز) ضائع کر دے۔

نیز احادیث میں عمداً نماز ترک کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ اس کی روایت میں محمد بن ابی داؤد منفرد ہے' باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۴۷' مطبوعہ ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے اور ان کا حال پوچھا' گھر والوں نے کہا جیسا تم دیکھ رہے ہو' میں نے کہا ان کو نماز کے لیے بیدار کرو۔ وہ نماز سے زیادہ اور کسی چیز کے لیے فکر مند نہیں ہوتے۔ گھر والوں نے کہا یا امیر المومنین! نماز' حضرت عمر نے کہا اللہ! یہ نماز کا وقت ہے اور فرمایا اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ (ایک روایت میں ہے حق) نہیں جو نماز کو ترک کرے' پھر انہوں نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

(المعجم الاوسط' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۱۷۸' علل دار قطنی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۲۷۔ حافظ ہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۲۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور کفر و شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان ۱۳۴' (۸۲) ۲۴۱' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۷۸' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۲۸' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۴' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۷۸' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۸۹' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۹۸۴)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے درمیان اور ان کے درمیان عہد' نماز ہے۔ سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔ اور یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۳۰' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۰۷۹)

تارک نماز کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کے اور کفر کے درمیان کوئی مانع اور حجاب نہیں ہے وہ کافر ہو گیا اور یہ حدیث اسی ظاہری معنی پر محمول ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ نماز ترک کر دے تو جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے آخر وقت تک نماز نہیں پڑھی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی' امام احمد' امام ابن المبارک' اسحاق اور علامہ ابن حبیب مالکی کے نزدیک اس کو کفر کی بناء پر قتل کیا جائے گا اور امام مالک' امام شافعی اور دیگر علماء کے نزدیک اس کو حداً قتل کیا جائے گا۔ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس وقت تک سزا دی جائے گی اور قید میں رکھا جائے گا' جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے۔

صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں' کیونکہ کفر انکار کو کہتے ہیں اور یہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جس شخص نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو اپنے اوقات میں پڑھا اور ان کا پورا پورا رکوع اور خشوع کیا تو اللہ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کرنے کا ذمہ لیا ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اللہ پر اس کا کوئی ذمہ نہیں ہے' اگر وہ چاہے تو اس کو بخش دے اور وہ چاہے تو اس کو عذاب دے۔

(سنن ابو داؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲۵' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۰' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۰۱' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۲۷۵۶' ۲۲۷۶۷' ۲۲۷۸۳' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۲۲' ۳۱۷' طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر نہیں ہے اور یہ شرک سے کم درجہ کی معصیت ہے اور شرک سے کم درجہ کی معصیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کرنے کا اعلان فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا' بخش دے گا۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ سستی اور کاہلی سے نماز کو ترک کرنا کفر اور شرک نہیں ہے۔

(المفہم' ج ۱' ص ۲۷۲-۲۷۱' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تارک نماز کو قتل کرنے کے عدم جواز پر یہ دلیل ہے کہ اسلام میں صرف تین جرموں کی سزا قتل ہے' کسی مسلمان کو ناجائز قتل کیا ہو' شادی شدہ شخص نے زنا کیا ہو یا کسی شخص نے اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہو۔ ان تین جرموں کے سوا اور کسی جرم میں کسی مسلمان کو (بطور حد) قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان مرد کو جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' تین جرموں میں سے کسی ایک کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (وہ یہ ہیں) جان کا بدلہ جان' شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا اور جماعت کو چھوڑنے والا۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۸۷۸' صحیح مسلم' قسامہ' ۲۵ (۱۶۷۶) ۴۲۹۶' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۲' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۴' سنن کبریٰ' ج ۸' ص ۲۸۴' ۲۸۳' ۲۱۳' سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۳۰' ۴۰۲۹' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۰۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۲۸' ۳۲۲' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۲۱)

یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی' کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید اور نبی ﷺ کی صفات بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ آیت کا پہلا حصہ یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے' حالانکہ اس کی طرف بالکل وحی نہیں کی گئی' مسیلمہ کے متعلق نازل ہوا ہے' جو بنو عدی بن حنیفہ کے قبیلہ سے تھا۔ اور آیت کا دوسرا حصہ یعنی "اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے" یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوا ہے' یہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھا' یہ نبی ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا۔ اس نے ایک دن عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم لکھ دیا اور کہنے لگا یہ دونوں برابر ہیں پھر یہ اسلام سے مرتد ہو کر قریش کے ساتھ جا ملا' پھر فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۳۵۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مسیلمہ اور اسود العنسی کے احوال

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں

امام ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کثیر تھا' یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دس ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا' یہ کلمہ پڑھتا تھا "لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اس کا زعم تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک ہے' بنو حنیفہ بہت جلد اس کے تابع ہو گئے۔ اس نے اپنی قوم کے دو آدمیوں کو اپنا خط دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا' اس میں لکھا تھا' یہ مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ سلام علیک! میں اس معاملہ میں تمہارا شریک ہوں' سو نصف زمین میری ہے اور نصف تمہاری ہے' لیکن قریش بے انصاف قوم ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پڑھا تو آپ نے اس کے قاصدوں سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہی جو ہمارے صاحب نے کہا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی

طرف' اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف:۱۲۸)

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنا تا ہے اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

جب مسیلمہ نے یہ جواب پڑھا تو وہ مایوس ہو گیا اور بنو حنیفہ نے کہا ہمارا خیال ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ ہمارے صاحب کو اپنا شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسیلمہ اور صنعاء کے صاحب اسود بن عزہ العنسی اور طلیحہ اور سجاح تمیمیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا' سجاح مسیلمہ کے پاس گئی اور کہنے لگی' تم پر کیا وحی آئی ہے' اس نے کہا مجھ پر یہ وحی آئی ہے:

الم تر الی ربک کیف خلق الحبلی' اخرج منها نسمة تسعی بین صفاق وحشا

کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا' اس نے کس طرح حاملہ کو پیدا کیا' اس سے ایک روح نکالی جو باریک کھال اور پیٹ کے اندر دوڑتی ہے۔

اس نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ تم نبی ہو۔ مسیلمہ نے کہا تم مجھ سے شادی کر لو' ہم دونوں مل کر عرب کو کھا لیں گے۔ اس نے شادی کر لی اور اس کے منادی نے ندا کی' سنو! ہم بنو حنیفہ کے دین میں داخل ہو گئے ہیں اور بنو حنیفہ کے منادی نے ندا کی' سنو! ہمارے نبی نے تمہاری نبیہ سے شادی کر لی ہے اور سجاح نے مسیلمہ سے کہا' اپنی قوم سے یہ دو لمبی نمازیں عشاء اور فجر منسوخ کر دو' تو مسیلمہ کے منادی نے ان دو نمازوں کے منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا' اس سے بنو حنیفہ بہت خوش ہوئے۔

پھر مسیلمہ اسی حال میں یمامہ چلا گیا' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا' اور تمام اہل یمامہ اسلام سے مرتد ہو کر مسیلمہ کے تابع ہو گئے اور دیگر مرتدین بھی آ کر ان سے مل گئے اور ان کی شوکت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف بہت خطوط لکھے' اس کو بہت نصیحتیں کیں اور بہت ڈرایا' بالآخر آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر بھیجا' جس نے مسیلمہ سے قتال کیا اور انجام کار مسیلمہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

(المفہم علی المسلم' ج ۶' ص ۴۱-۳۹' ملخصاً' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں ان سے گھبرا گیا اور ان کو ناپسند کیا' پھر مجھے ان کو پھونک مارنے کی اجازت دی گئی تو وہ اڑ گئے' میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ عبیداللہ نے کہا ان میں سے ایک العنسی ہے جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۳۷۳' صحیح مسلم' رویا' ۲۲ (۲۲۷۴) ۵۸۲۶' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۹۹' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۶۵۴' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۵' ص ۳۳۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۲۵۶' طبع دار الفکر)

اس حدیث میں ہے کہ دو کذاب نکلیں گے۔ اس کا معنی ہے میری وفات کے بعد ان کا ظہور اور غلبہ ہو گا' ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں موجود تھے اور ان کے متبعین بھی تھے۔ صنعاء اور یمامہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلام کے معاون اور مددگار تھے' لیکن وہ لوگ مسیلمہ اور العنسی کی سنہری باتوں میں آ گئے۔ یہ دونوں شہر نبی ﷺ کے دو ہاتھوں کی طرح

تھے' کیونکہ آپ ان سے قوت حاصل کرتے تھے اور سونے کے دو کنگن صاحب یمامہ اور صاحب صنعاء تھے' اور ان کی چکنی چپڑی باتوں کو سونے کی ملمع کاری سے تشبیہ دی ہے اور آپ نے جو ان کو پھونک مار کر اڑایا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ آپ کی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ صاحب صنعاء اسود بن کعب ہے' اس کا لقب ذو حمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن یہ جا رہا تھا اور سامنے سے ایک گدھا آ رہا تھا' وہ لڑکھڑایا اور منہ کے بل گر گیا تو اس نے کہا اس گدھے نے مجھے سجدہ کیا ہے۔ پھر یہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا' جاہل لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور یہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے عامل مہاجر بن اسد مخزومی کو صنعاء سے نکال دیا۔ فیروز دیلمی اور قیس بن کشوح نے اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا سر لے کر آئے اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ میرے بعد نکلیں گے۔ یعنی ان کا ظہور اور غلبہ میرے بعد ہو گا۔ (المفہم' ج ٦' ص ۴۵-۴۴' ملخصاً' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ١۴١٧ھ)

معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا رد اور ابطال

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کی سلک میں وہ لوگ منسلک ہیں جو فقہ' حدیث اور علوم دینیہ کے حصول سے اعراض کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات واقع ہوئی ہے یا میرے دل نے یہ کہا ہے اور ان کا یہ زعم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا دل گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک اور صاف ہے اور وہ غیر اللہ کے اختلاط سے مامون ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دل پر علوم اور معرفت کی تجلیات نازل فرماتا ہے اور وہ حقائق ربانیہ اور اسرار کائنات کے واقف ہیں' اس وجہ سے وہ قواعد شرع سے مستغنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں اور خواص اور اولیاء اللہ ان سے مستغنی ہیں اور وہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت وابصہ بن معبد الاسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وابصہ سے فرمایا تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا جی! آپ نے ان کی انگلیوں کو اکٹھا کر کے ان کے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا اے وابصہ! اپنے نفس سے فتویٰ لو' اپنے دل سے فتویٰ لو' نیکی وہ ہے جس پر تمہارا نفس مطمئن ہو' جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس سے تمہارے ضمیر میں خلش ہو اور تمہارے سینہ میں کھٹک ہو' خواہ لوگ تمہیں فتوے دیتے رہیں۔

(سنن دارمی' ج ٢' رقم الحدیث: ٢۵٣٣' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ١۴٠٧ھ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے' کیا چیز میرے لیے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ انہوں نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور نظر جھکائی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس پر ضمیر پر سکون ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر ضمیر میں خلش ہو اور دل مطمئن نہ ہو خواہ تمہیں مفتی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٧٧۵٧' طبع دار الفکر' مسند احمد' ج ۴' ص ١٩۴' طبع قدیم)

ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ جس پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح ہدایت نہ ہو اور نہ اس کے متعلق اجماعی حکم موجود ہو اور اس میں حلال اور حرام مشتبہ ہو' اس میں انسان اپنے ضمیر کے فیصلہ پر عمل کرے۔ مثلاً روزے میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہمارے دور کے اکثر مفتی کہتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا' لیکن ایک سلیم الفطرت انسان کا

ضمیر یہ کہتا ہے کہ جب منہ سے دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور منہ سے کھائی ہوئی دوا نظام ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد خون میں مل جاتی ہے اور اسی وقت وہ دوا موثر ہوتی ہے' تو اگر وہ دوا انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچادی جائے تو بہ طریق اولیٰ روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید' احادیث اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر انسان اپنے بے لگام دل کے فیصلوں پر عمل کرے' جیسا کہ ان بناوٹی پیروں اور معرفت کے جھوٹے دعویٰ داروں نے سمجھ رکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے' اسلامی حکومت ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان سے توبہ طلب کی جائے نہ ان سے بحث کی جائے' کیونکہ ان کے اقوال سے احکام شرعیہ کا منہدم ہونا اور ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا اثبات لازم آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ٧' ص ٣٦٣-٣٦٢' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' مختصراً و موضحاً)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے احوال

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتا تھا' یہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين .... ثم انشانه خلقا اخر" (المومنون: ١٢-١٤) تو عبداللہ بن سعد کو انسان کی خلقت پر بہت تعجب ہوا اور اس نے بے ساختہ کہا "تبارك الله احسن الخالقين" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن سعد کو اپنے ایمان میں شک پڑ گیا اور اس نے کہا اگر (سیدنا) محمد ﷺ صادق ہیں تو مجھ پر بھی ایسی ہی وحی کی گئی ہے' جیسی ان پر وحی کی گئی ہے۔ پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کی مذمت میں نازل کی اور جو یہ کہے کہ میں عنقریب ایسی چیز نازل کروں گا جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے۔ ان کو شیطان نے لغزش دی' وہ کفار کے ساتھ جا ملے' رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے پناہ طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پناہ دے دی۔

(سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٥٨' سنن النسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٠٨٠)

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے' پھر حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے سر اقدس اوپر اٹھایا اور تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کر دیا' پھر تین بار انکار کے بعد بیعت کر لیا' پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے انکار کر رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں جان سکے کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٤٣٥٩' سنن النسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٠٧٨)

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ نے اس کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا سب کو امان دے دی۔ وہ

چار مرد یہ تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل' عبداللہ بن خطل' مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دینا۔ عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت سعد بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعد نے حضرت عمار پر سبقت کی۔ وہ دو مردوں سے زیادہ جوان تھے' انہوں نے اس کو قتل کر دیا' اور مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور عکرمہ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہو گئے' اس کشتی کو تیز ہواؤں نے آلیا۔ کشتی والوں نے کہا خلوص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ تمہارے معبود یہاں پر کسی کام نہیں آسکتے۔ عکرمہ نے دل میں کہا بہ خدا اگر اس سمندر میں میری نجات صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے تو خشکی میں بھی صرف اللہ کے ساتھ اخلاص ہی کام آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس گرداب سے بچا لیا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور جا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دوں گا اور میں ان کو ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا' پھر وہ آپ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور رہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے' جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لے جا کر نبی ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے۔ آپ نے تین بار اس کی طرف دیکھا اور ہر بار انکار کیا' پھر تین بار انکار کے بعد آپ نے بیعت کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم میں اتنا سمجھ دار شخص کوئی نہیں تھا کہ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو وہ اس کو قتل کر دیتا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ نے ہماری طرف آنکھوں سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ آپ نے فرمایا نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے والی ہو۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۷۸' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۹)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فتح مکہ کے ایام میں دوبارہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام پر بہت اچھی طرح عمل کیا اور اس کے بعد ان سے کوئی ناپسندیدہ بات صادر نہیں ہوئی' وہ قریش کے معزز دانش مند سرداروں میں سے ایک تھے' پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۲۵ھ میں انہیں مصر کا گورنر بنا دیا' ۲۷ھ میں انہوں نے افریقیہ کو فتح کیا۔ مصر کی فتح کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص صاحب میمنہ تھے' مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص ہی والی تھے' جب حضرت عثمان نے ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن سعد کو ان کی جگہ مقرر کیا تو حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور ان کی خلافت پر تنقید کرنے لگے' حضرت عبداللہ بن سعد حضرت عثمان کی شہادت تک فلسطین میں رہے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی' حضرت معاویہ کی خلافت منعقد ہونے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ افریقیہ میں فوت ہوئے اور صحیح یہ ہے کہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں عسقلان میں فوت ہوئے۔

(الاستیعاب' ج ۲' ص ۳۷۸-۳۷۶' علی حامش الاصابہ' مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۲' ص ۲۳۱-۲۲۷' ملخصا)

کافر کے جسم سے روح نکالنے کی کیفیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (اے مخاطب!) کاش تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے' نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی' کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے۔ (الانعام: ۹۳)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافروں میں بلکہ کسی بھی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن سے اپنی جان نکال سکے، پھران کو یہ حکم دینے کا کیا فائدہ ہے کہ "نکالو اپنی جانوں کو" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کو عاجز کرنے اور ان کو رسوا کرنے کے لیے ہے، موت کے وقت کفار بہت سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور جس طرح کوئی کانٹے دار شاخ کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی ہو تو اس کو کھینچ کر بڑی سختی سے نکالا جاتا ہے، اسی طرح ان کی روح ان کے بدن سے عذاب اور سختی کے ساتھ نکالی جائے گی، اس وقت ان سے فرشتے کہیں گے کہ اگر تم آسانی کے ساتھ روح کو اپنے بدن سے نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ کافر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اللہ سے ملاقات کے منکر تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ذلت والے عذاب میں مبتلا کر کے ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکلواتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات سے محبت رکھے، اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۷، صحیح مسلم، الدعوات، ۱۴، (۲۶۸۳) ۶۷۹۳، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶۸، سنن النسائی، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۸۳۷)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کو عذاب اور سزا اور گلے میں ڈالے جانے والے طوقوں اور زنجیروں، دوزخ، گرم پانی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی بشارت دیتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے اور جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ تب فرشتے اس کے چہرے اور دبر پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کافر بندے پر موت وارد کرتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا بھیجتا ہے۔ جو ہر بدبودار چیز سے زیادہ بدبودار اور ہر سخت چیز سے زیادہ سخت ہوتا ہے، فرشتے اس سے کہتے ہیں، اے خبیث روح! جہنم کی طرف نکل اور دردناک عذاب کی طرف، اور تیرا رب تجھ پر ناراض ہے، باہر نکل تو نے بہت برے اعمال بھیجے ہیں، وہ روح ایسے بدبودار مردہ کی طرح نکلے گی کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دیکھ لے تو اپنی ناک بند کر لے اور آسمان کے ارد گرد والے فرشتے کہیں گے، سبحان اللہ! زمین سے ایک مردہ اور خبیث روح آئی ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اس کے جسم کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کی قبر میں تنگی کی جائے گی اور اس کو اونٹ کی گردن جتنے موٹے سانپوں سے بھر دیا جائے گا، وہ اس کا گوشت کھالیں گے اور اس کی ہڈیوں میں سے بھی کچھ نہیں چھوڑیں گے، پھر اس کے پاس بہرے اور اندھے فرشتے بھیجیں جائیں گے، ان کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، وہ کچھ دیکھیں گے نہیں، تاکہ انہیں رحم آئے اور کوئی آواز نہیں سنیں گے، تاکہ انہیں اس پر ترس آئے۔ وہ اس کو بری طرح ماریں گے، اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے وہ صبح و شام کو دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا، اور وہ اللہ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ اس کو اسی جگہ رکھے اور دوزخ میں نہ بھیجے۔

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا کہ یہ حدیث المعجم الکبیر میں ہے اور اسکے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تنہا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا، وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی

نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ گھمنڈ کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں ہمارے شریک ہیں' بے شک تمہارا باہمی تعلق ٹوٹ گیا اور جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے وہ تم سے جاتے رہے۔ (الانعام: ۹۴)

مال و دولت اور شرک کے پرستاروں کی آخرت میں محرومی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار دنیا میں مال جمع کرتے تھے اور اس کی طاقت پر بھروسہ کرتے تھے اور بتوں کی شفاعت اور مدد پر اعتماد کرتے تھے' لیکن قیامت کے دن وہ تنہا آئیں گے' ان کے پاس مال ہو گا نہ ان کے ساتھ ان کے خود ساختہ اور باطل معبود ہوں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں' ننگے بدن اور غیر مختون حالت میں جمع کیا جائے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد جمع ہوں گے' کیا وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس دن معاملہ اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۲۷' صحیح مسلم' جنت' ۵۶' (۲۸۵۹) ۷۰۶۵' سنن النسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۸۴' سنن ابن ماجہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۲۷۶' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۱۸)

اس آیت سے حسب ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

انسان کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور اگر اس نے اپنی زندگی شیطان اور نفس کی پیروی میں گزار دی تو آخرت میں وہ بالکل یکہ و تنہا ناکام اور خائب و خاسر ہو گا' جو انسان ساری عمر مال و دولت کے حصول میں سرگرداں رہا اور دنیا کی دلفریبیوں میں منہمک اور مشغول رہا اور اس نے نجات اخروی کی کوئی تیاری نہیں کی' وہ شخص قیامت کے دن کف افسوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ جو شخص دنیا میں جھوٹی امیدوں سے وابستہ رہا اور باطل مذاہب کے ساتھ پیوستہ رہا' قیامت کے دن جب اس پر ان جھوٹے خداؤں کا جھوٹ ظاہر ہو گا' اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے سے فریب کا پردہ اتر جائے گا' وہ سلامتی اور سچائی کی راہ پر واپس آنا چاہے گا' لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے ، وہی زندہ کو مردہ سے

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى

نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے ، یہی تو اللہ ہے ؛ تم کہاں

تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ

بھٹک رہے ہو ○ وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے ، اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج

وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور چاند کو حساب کے لیے ، یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ○ وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ

تمہارے لیے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو ، بیشک

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ○ وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا

وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾

کیا، پھر ہر ایک کے ٹھیرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے ، بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دیں

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی ، پھر

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے ، پھر ان سے تہ بہ تہ لگے ہوئے دانے اور کھجور کے

طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَ

شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار

الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں ، جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے

وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾

پکنے کی طرف دیکھو، بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ

اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے

١٢ ع ١٨

بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

اور بیٹیاں گھڑ لیں، اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے' وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے' یہی تو اللہ ہے' تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ (الانعام: ۹۵)

زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری پر دلائل دیئے ہیں۔ ایک باریک سے دانہ کو چیر کر اللہ تعالیٰ اس میں ایک کونپل پیدا کرتا ہے' وہ کونپل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل دیں تو ہمارے ہاتھ میں صرف پانی کی نمی رہ جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کونپل میں اتنی قوت پیدا فرماتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کو چیر کر زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے' اس کا ایک حصہ زمین کے نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ زمین کے اوپر نکل آتا ہے' پھر نچلے حصہ سے جڑیں بنتی ہیں جو دور تک زمین کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور اوپر کے حصہ سے ایک تناور درخت بن جاتا ہے جس میں شاخیں ہوتی ہیں' ان میں سرسبز پتے ہوتے ہیں' شگوفے کھلتے ہیں اور پھل اور پھول لگتے ہیں' اسی ایک دانہ سے جس کی طبیعت واحد ہوتی ہے' مختلف رنگ کے پھل' پھول اور پتے پیدا ہوتے ہیں' مختلف ذائقے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان میں مختلف خواص اور الگ الگ تاثیریں ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ خود بہ خود ہو رہا ہے؟ کیا یہ صرف دانہ یا بیج کا کارنامہ ہے؟ کیا یہ کسی بے جان بت یا دیوی یا دیوتا کا کیا دھرا ہے؟ یہ دیوی اور دیوتا تو خود اپنے مرنے اور جینے میں کسی اور کی مشیت کے پابند ہیں' سورج' چاند اور ستارے ایک مقرر شدہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اس نظام کی تخلیق کا موجب ہے۔ بتاؤ! اللہ کے سوا کون ہے جو اس تخلیق کا دعویٰ رکھتا ہے؟ کیا کبھی کسی نے یہ نعرہ لگایا کہ میں اللہ کا شریک ہوں؟ کیا کبھی کسی نے کسی نبی' کسی رسول کو بھیجا' کوئی کتاب نازل کی کہ اللہ کے سوا فلاں فلاں اور بھی اس کار تخلیق میں اس کے معاون اور شریک ہیں؟ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ بلاوجہ' بلا دلیل اور بلا دعویٰ کے کسی کو اللہ کا شریک مان لیں؟

اسی ایک درخت پر غور کر لو' اس کی جڑیں بھی لکڑی کی ہیں' اس کا تنا بھی لکڑی کا اور جڑیں زمین کے نیچے جا رہی ہیں اور تنا زمین کے اوپر جا رہا ہے' اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جا رہا ہے؟ اور اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا زمین کے اوپر جانا ہے تو جڑیں زمین کے نیچے کیوں جا رہی ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی طبیعت کا تقاضا کچھ بھی نہیں' یہ سب کچھ ایک قادر قیوم کے حکم سے ہو رہا ہے' وہ جس حصہ کو چاہتا ہے' اس کو نیچے کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے' اوپر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ نطفہ سے زندہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے نطفہ نکالتا ہے' اسی طرح بے جان انڈے سے مرغی کا چوزہ نکالتا ہے اور زندہ مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے' اور ایک ضد سے دوسری ضد کا نکالنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض طبعی تقاضوں سے نہیں ہو رہا' بلکہ ایک زبردست مدبر اور علیم کی قدرت سے ہو رہا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کونپل نکل آتی ہے' اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں' اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا

ہوتا ہے' اور عالم کے ہاں جاہل اور جاہل کے ہاں عالم پیدا ہوتا ہے۔

اور جب تم اللہ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کے ان دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہو تو پھر ان بتوں کی پرستش کیوں کر رہے ہو؟ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو کیوں پکارتے ہو؟ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور ان سے منتیں اور مرادیں کیوں مانگتے ہو؟ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جب تم یہ مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو تم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جب وہ ایک بے جان قطرہ سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دیتا ہے تو وہ تمہارے مرنے اور پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد تم کو ان ہی منتشر ذرات سے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ تم سوچتے کیوں نہیں اور ادھر ادھر کیوں مارے مارے پھر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے' یہ بہت غالب اور بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ (الانعام: ۹۶)

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری اور توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور زمین کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں سورج اور چاند اور آسمان کی نشانیوں سے اپنے وجود اور توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا' اللہ تعالیٰ نے ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا ہے' اب فرمایا ہے کہ وہ رات کی ظلمت اور تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی کو پیدا فرماتا ہے جو آسمان کے کناروں پر پھیل جاتی ہے اور اس سے رات کی سیاہی مضمحل ہوتی ہوئی کافور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنی قدرت سے متضاد چیزیں پیدا فرماتا ہے اور اس سے اس کی غالب قدرت اور عظیم سلطنت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا' یعنی رات کو جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو لوگ دن کے کام کاج سے رک جاتے ہیں اور تھکے ہارے لوگ رات کی گود میں سو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ (النباء: ۱۱-۹)

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم نے رات کو پردہ پوش کر دیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

پھر فرمایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا' یعنی سورج کے یومیہ دورہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں جن کو تم چوبیس ساعتوں میں تقسیم کرتے ہو اور چاند کے حساب سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور بارہ مہینوں کی گنتی سے تم سال کا حساب کرتے ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (الرحمٰن: ۷)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ (گردش میں) ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (یونس: ۵)

وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کیں' تاکہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔

یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لیے ایک سال کا نصاب اور نظام مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصاب اور نظام کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور طلوع کے بعد بتدریج نصف النہار تک پہنچنے میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں تمہاری نمازوں کے اوقات اور ماہ رمضان میں سحری اور

افطاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو اور ماہ رمضان' عید الفطر' عید الاضحیٰ اور حج کی عبادات انجام دیتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں' رات کو چیر کر صبح کو پیدا کرنا' رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے ساتھ ثناء کر کے دعا کی ہے۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

امام مالک کو یحییٰ بن سعید سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! (رات کی تاریکی سے) صبح کو چیر کر نکالنے والے اور رات کو آرام کے لیے بنانے والے' سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنانے والے' میری طرف سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے اور میری سماعت اور بصارت اور میری طاقت سے مجھے اپنے راستہ میں نفع عطا فرما۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو بنایا' تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کرو' بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کرنے کا فائدہ بیان کیا کہ تم اپنے سفروں میں سورج اور چاند کے علاوہ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہو۔ ان کی مدد سے انسان راستوں کو تلاش کرتا ہے اور راستہ بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے' جب انسان آسمان کی ان نشانیوں اور ان کی باریکیوں اور ان کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حکمت منکشف ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا بے شک ہم نے علم والے لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں' یعنی ہم نے قرآن مجید کی آیات کو اور کائنات میں وجود باری تعالیٰ پر بکھری ہوئی نشانیوں کو اہل علم اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اسرار کو پا سکیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا' پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے' بے شک ہم نے سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (الانعام: ۹۸)

انسان کے نفس سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دلائل

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اس کی توحید پر نشانیوں کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی نسل سے ازدواج اور تناسل کے ذریعہ تمام انسان پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ (النساء: ۱)	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔

تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدت' اس کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتا ہے' کہ انسان غور کرے جس طرح تمام انسانوں کا سلسلہ ایک نفس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے' اسی طرح اس کائنات اور حوادث کا سلسلہ بھی ایک اصل اور ایک فاعل مختار پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ ہے اور وجود واحد ہے اور

واجب اور قدیم ہے' ورنہ اسے بھی کسی موجد کی ضرورت ہوتی اور اس تمام کائنات کو اس نمط واحد پر اس نے علم اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے' اور ظاہر ہے اس کے علم اور قدرت کے بغیر انسانوں کا یہ سلسلہ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔

تمام انسان نسلاً برابر ہیں

تمام انسانوں کا ایک نفس سے پیدا ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت کا ذریعہ ہے' اسی طرح اس میں یہ رہنمائی بھی ہے کہ تمام انسان ایک اصل اور ایک نوع سے ہیں' ان کا ایک خمیر ہے۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں' یہ سب آپس میں بھائی ہیں' انہیں باہم بھائیوں کی طرح شیر و شکر رہنا چاہیے اور اختلاف اور انتشار نہیں کرنا چاہیے' ان میں رنگ' نسل اور علاقہ اور زبان کا جو اختلاف ہے' وہ محض شناخت اور تعارف کے لیے ہے' ورنہ اصل ان سب کی ایک ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات: ١٣)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا' اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبائل بنایا' تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو' بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا' اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے' سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے' کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ (الحدیث)

(مسند احمد' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۲۳۳۸۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۵' ص ۴۱۱' طبع قدیم' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۲۶۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے' سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے' نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے' مگر صرف تقویٰ سے' بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو' سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تو حاضر غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔

(شعب الایمان' ج ۴' ص ۲۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

مستقر اور مستودع کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا استقرار کی جگہ رحم ہے اور سپردگی کی جگہ وہ زمین ہے جہاں وہ دفن ہوگا۔ اور حسن بصری نے کہا استقرار کی جگہ قبر میں ہے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ استقرار کی جگہ قبر ہے اور سپردگی کی جگہ صلب (پشت) میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ استقرار کی جگہ زمین میں ہے اور سپردگی کی جگہ پشت میں ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا اللہ عزوجل تمہاری پشت سے ان

کو نکالے گا جن کو اس نے تمہاری پشت کے سپرد کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستقر وہ ہیں جو پیدا ہو چکے اور مستودع وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت یہ ہے کہ مستودع وہ ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۴۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ — اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ ہے۔ (البقرہ: ٣٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس سے ہر قسم کی نباتات اگائی' پھر اس سے سرسبز کھیت اور درخت پیدا کیے' پھر ان سے تہ بہ تہ لگے ہوئے دانے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے جو جھکے پڑتے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغ اگائے جو ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں' جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو' بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (الانعام: ٩٩)

سابقہ آیات سے ارتباط

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا' دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا' پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا' چوتھی بار نفس انسان سے استدلال کیا اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آیت میں وجود باری اور اس کی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اولاً آسمان سے پانی بادلوں کی طرف آتا ہے اور پھر بادلوں سے زمین پر پانی برستا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دریاؤں اور سمندروں سے بخارات اوپر اٹھ جاتے ہیں اور بادل بن جاتے ہیں اور برسنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس کا معنی ہے آسمان کی جانب سے پانی برسایا۔

کھجور کے فضائل اور اس کا مومن کی صفت پر مشتمل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار قسم کے درخت بیان فرمائے ہیں۔ کھجور' انگور' زیتون اور انار اور درخت کے پھلوں سے پہلے کھیتوں کا ذکر فرمایا' کیونکہ کھیتوں سے غذا حاصل ہوتی ہے اور درختوں کے پھلوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اور غذا لذت سے اہم اور اس پر مقدم ہے' اور کھجور کو باقی پھلوں پر مقدم کیا' کیونکہ کھجور غذا کے قائم مقام ہے خصوصاً عربوں میں اور حکماء نے بیان کیا ہے کہ کھجور کی حیوان کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے' اس کے متعلق حدیث میں ہے:

امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی المتوفی ٣٠٧ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کے درخت کی توقیر اور تعظیم کرو' وہ تمہاری پھوپھی ہے' کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس سے حضرت آدم پیدا کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی درخت کو گابھن نہیں کیا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ جننے والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھلاؤ اور تازہ کھجوریں میسر نہ ہوں تو چھوارے کھلاؤ' اور اللہ کے نزدیک اس درخت سے زیادہ اور کوئی عزت والا درخت نہیں ہے' جس کے نیچے مریم بنت عمران اتری تھیں۔ (مسند ابویعلی' موصلی' ج ١' رقم الحدیث: ٤٥٥' حلیۃ الاولیاء' ج ٦' ص ١٢٣' کامل ابن عدی' ج ٦' ص ٢٢٢٤' مجمع الزوائد' ج ٥' ص ٨٩)

اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ عروہ بن رویم کی حضرت علی سے ملاقات نہیں ہے' اس کے علاوہ اس کا ایک راوی مسرور بن سعید ضعیف ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے' جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے۔ مجھے بتاؤ' وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا' حضرت عبداللہ نے کہا میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا' لیکن مجھے (بڑے لوگوں کے سامنے بولنے سے) شرم آئی۔ پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! بتایئے! وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے' میں نے حضرت عمر سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم اس وقت یہ بتا دیتے کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے یہ فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۲-۶۱' صحیح مسلم' منافقین' ۶۳' (۲۸۱۱) ۶۹۶۵' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۶۱' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۲۳' ۶۱' طبع قدیم)

رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درخت کو مومن اور مسلم کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اس درخت میں خیر بہت زیادہ ہے' اس کا سایہ دائمی ہے' اس کا پھل میٹھا ہے اور یہ ہمیشہ کھایا جاتا ہے۔ تازہ بھی اور خشک بھی' اس کے منافع بہت ہیں' اس کے تنے کے شہتیر بناتے ہیں جو تعمیر کے کام آتے ہیں۔ اس کے پتوں سے رسی' چٹائی' ٹوپی اور پنکھے بنائے جاتے ہیں' اس کی گٹھلی سے تسبیح بنتی ہے اور کئی قسم کے کام آتی ہے' پھر یہ بہت حسین و جمیل درخت ہے۔ اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔ اس کا عبادت کرنا' اچھے اخلاق سے پیش آنا' عبادت میں توانائی حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا' آرام کرنا اور سونا۔ غرضیکہ حسن نیت سے اس کا ہر نیک کام عبادت ہے' اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور درختوں میں کھجور کے درخت کی یہ صفت ہے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے' حتیٰ کہ کھجور کا ایک شہتیر جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے' وہ آپ کے فراق سے چلا چلا کر رونے لگا' مومن کی محبت کے متعلق یہ حدیث ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل' اس کے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد' اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۵' صحیح مسلم' ایمان ۶۹ (۴۴) ۱۶۷-۱۶۶' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۰۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۶۷)

اور آپ سے محبت کی بناء پر آپ کے فراق میں کھجور کے درخت کے رونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ انصار کی ایک خاتون نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دوں! آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو' انہوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا' پھر جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو گئے' تو وہ کھجور کا تنا بچہ کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا' آپ

نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ بچہ کی طرح سسکیاں اور ہچکیاں بھرنے لگا۔ حضرت جابر نے کہا وہ آپ کے ذکر کے فراق سے رو رہا تھا۔ دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں سے بنی ہوئی تھی اور نبی ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے، تو ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچوں کے فراق میں روتی ہے، حتی کہ نبی ﷺ نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو پھر اس کو قرار آگیا۔

(صحیح البخاری، ج ۴، رقم الحدیث: ۳۵۸۵، ۳۵۸۴، سنن الترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۰۵، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن النسائی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۵، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۳۹، طبع قدیم، مسند ابو یعلی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۰۶۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰-۳۰۲، المعجم الاوسط، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۲۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۷۹۶-۱۱۷۹۷، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۸۱-۱۸۰)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ خطبہ دیتے وقت طویل قیام کرتے ہوئے تھک جاتے تو ایک کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو جاتے۔ صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ پسند کریں تو میں آپ کے لیے منبر بنا دوں جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیں۔ آپ نے فرمایا بنا دو، تو انہوں نے تین یا چار سیڑھیوں کا منبر بنا دیا، نبی ﷺ کو اس میں آرام ملا، جب نبی ﷺ اس تنے سے الگ ہوئے اور منبر پر بیٹھے تو نبی ﷺ کی جدائی کی وجہ سے وہ تنا اونٹنی کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا۔ جب آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو، اگر تم چاہو تو میں تم کو اسی جگہ رہنے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں، تم جنت کی نہروں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو، تمہارے پتے اور پھل خوبصورت ہوں اور اولیاء اللہ تمہارے پھلوں سے کھائیں۔ اس تنے نے نبی ﷺ سے کچھ کہا جس کو آپ نے سنا اور فرمایا اس نے یہ اختیار کر لیا ہے کہ میں اس کو جنت میں اگا دوں۔

(سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲، المعجم الاوسط، ج ۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۰)

امام طبرانی اور امام ابو نعیم کی روایت میں ہے، تمہارے پھلوں سے متقی اولیاء اللہ اور انبیاء و مرسلین کھائیں۔

کھجور، انگور، زیتون اور انار کے خواص

کھجور کا مزاج گرم خشک ہے، اس کی اصلاح انار اور سکنجبین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں وٹامنز (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں، اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات میں اضافہ ہوتا ہے، یہ کولیسٹرول کو متوازن رکھتی ہے، مدینہ منورہ کی کھجور عجوہ خاص طور پر دل کے لیے مفید ہے، یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے، سو گرام کھجور میں ۲۱۴ حرارے، ۲ گرام پروٹین، ۷۳ گرام نشاستہ، ایک گرام چکنائی، ۶۵ ملی گرام کیلشیم، ۶۹ گرام سوڈیم، ۷۶۰ ملی گرام پوٹاشیم، ۲۷ ملی گرام فاسفورس، ۳۶۵ ملی گرام فولاد اور ۷ ملی گرام پھوک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا، کیونکہ انگور تمام پھلوں میں افضل ہے، کیونکہ یہ پھل بھی اول سے لے کر آخر تک نفع بخش ہے۔ اس سے سرکہ اور نبیذ بھی بنایا جاتا ہے۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک چھوٹا انگور ہوتا ہے، یہ جب خشک ہو جائے تو اس کو کشمش کہتے ہیں، اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو اس کو منقیٰ کہتے ہیں۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے، یہ زود ہضم اور کثیر الغذا ہے۔ خون صالح بہ کثرت پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے، سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے، ایک گرام پروٹین، ۱۶

گرام نشاستہ' ایک گرام چکنائی' ۱۷ملی گرام کیلشیم' ۲۱ملی گرام فاسفورس' ۰٫۶ ملی گرام فولاد' ۱۰۰ملی گرام وٹامن اے' ۰٫۰۷ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

انگور کے بعد زیتون کا ذکر فرمایا ہے' اس کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ فلسطین' عرب' ایران اور جنوبی یورپ میں پیدا ہوتا ہے' زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔ سردی کے دردوں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے' یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے۔ اعصاب کو تقویت دیتا ہے' بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے' جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغن زیتون کولیسٹرول کو حل کرلیتا ہے۔

انار دو قسم کا ہوتا ہے۔ سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا ذائقہ کھٹا میٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہے' خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں' ۱۰۰ گرام انار میں ۴۳ ملی گرام کیلشیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس' ۲٫۳ ملی گرام فولاد' ۲۰ ملی گرام وٹامن اے' ۰٫۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔

پھلوں کی ابتدائی حالت اور ان کے پکنے سے وجود باری پر استدلال

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے "جب یہ درخت پھل لائیں تو ان کے پھل اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو' بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں"۔

اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے' اور یہی اس آیت سے مقصود ہے' کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور اس کی ابتداء کی حالتیں' شکل و صورت' رنگ' ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے اور ابتداء میں ان کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشوونما میں جو یہ تغیر ہوتا ہے اس کا موجد اور خالق کون ہے؟ پھلوں کی طبیعت' موسم' ستارے اور افلاک تو ان کے موجد نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کی نسبت سب چیزوں کی طرف مساوی ہے اور جس کی نسبت سب کی طرف مساوی ہو' اس سے بعض میں مثلاً سرد اور بعض میں گرم' تاثیرات صادر نہیں ہو سکتیں۔ نیز موسم' ستارے اور افلاک تو خود ایک لگے بندھے نظام کے تابع ہیں' ان سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وہی قادر و قیوم اور مدبر عالم ہے جو اپنی رحمت' مصلحت' حکمت' علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔

توڑے بغیر پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کا عدم جواز

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا' بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بالیوں کی بیع سے منع فرمایا' تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۱۹۴' صحیح مسلم' بیوع ۴۹' (۱۵۳۴) ۳۷۸۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۳۶۸-۳۳۶۷' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۲۳۰' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۵۵۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا یہ معنی ہے کہ پھل اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو

جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آجانا ہے۔ (المبسوط ' ج ۱۲ ' ص ۱۹۶)

باغوں میں پھلوں کی مروجہ بیع کے جواز کی صورتیں

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع ہوتی ہے۔ پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے اور بالعموم اس وقت بیع کی جاتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے' اور کبھی بور کے بھی ظہور سے پہلے بیع ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے پیش نظر بیع کی یہ مروجہ صورتیں باطل ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کے حل کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

۱- علامہ سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ نے بیان کیا کہ خریدار ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معینہ تک زمین کو کرائے پر لے لے' پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی حاصل ہو گی' وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ (المبسوط ' ج ۱۲ ' ص ۱۹۶ ' مطبوعہ دار المعرفہ ' بیروت ' ۱۳۹۸ھ)

۲- اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے' ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک' امام محمد بن حسن شیبانی' امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے' اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ (المبسوط ' ج ۱۲ ' ص ۱۹۷ ' مطبوعہ دار المعرفہ ' بیروت ' ۱۳۹۸ھ)

۳- درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے' اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔

(المبسوط ' ج ۱۲ ' ص ۱۹۷ ' فتح القدیر ' ج ۵ ' ص ۴۹۲ ' مطبوعہ سکھر ' البحر الرائق ' ج ۵ ' ص ۳۰۱ ' مطبوعہ مصر)

یہ تین حل صرف اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو' لیکن ہمارے ہاں اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم قرار دیا جائے' اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا متحقق ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے' اس لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا عادۃً محال ہے۔ ہرچند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے عمل کرانا ممکن ہے' لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا محال ہے اور لوگوں سے ان کی عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے' ان کے لیے ان پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا اور نبی ﷺ نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہی دی ہے' حالانکہ وہ بھی بیع المعدوم ہے۔ پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے' اس لیے اس بیع کو بیع سلم کے ساتھ بطریق دلالت لاحق کرنا ممکن ہے۔ سو اب یہ بیع اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے"۔ اس وجہ سے فقہاء نے اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیا ہے' جبکہ ظاہر قیاس کے مطابق اس بیع کو ناجائز ہونا چاہیے۔

(رد المحتار ' ج ۴ ' ص ۵۳ ' مطبوعہ استنبول ' ج ۴ ' ص ۳۹-۳۸ ' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے لیے جنوں کو شریک قرار دیا' حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے' انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۰۰)

مشرکین کے اپنے شرکاء کے متعلق نظریات اور ان کے فرقے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے' اور ان کے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے۔

حسن بصری وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ جنوں کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی اطاعت ہوتی ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کلبی نے کہا یہ آیت زندیقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں اور مویشیوں کا خالق ہے اور ابلیس جنات' درندوں اور بچھوؤں کا خالق ہے اور اس قول کے قریب مجوس کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو بنانے والے ہیں۔ ایک خدا قدیم ہے اور دوسرا شیطان حادث ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنے والا حادث ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۴۹-۴۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دینے والوں کے حسب ذیل فرقے ہیں:

۱- بت پرست لوگ ہیں۔ یہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے' لیکن یہ بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۲- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے مدبر کواکب ہیں' اور ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ کواکب واجبۃ الوجود لذواتہا ہیں اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ یہ ممکنۃ الوجود لذواتہا ہیں اور حادثہ ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' مگر اللہ سبحانہ نے اس عالم اسفل کی تدبیر ان کی طرف سونپ دی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی سے مناظرہ کیا تھا' جب کہا تھا "لا احب الافلین"۔

۳- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو خدا ہیں۔ ایک برائی کا خالق ہے' وہ اہرمن ہے اور ایک بھلائی کا خالق ہے' وہ یزدان ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دو بھائی ہیں۔ اللہ انسانوں' مویشیوں اور نیکیوں کا خالق ہے اور ابلیس درندوں' سانپوں' بچھوؤں اور برائیوں کا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو مذہب بیان کیا ہے' وہ مجوسیوں کا مذہب ہے جو یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔

۴- کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن سے مراد فرشتے ہیں' کیونکہ جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور فرشتے بھی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۵- یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۹۰-۸۸ مختصراً و موضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے مولود نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے بلا علم اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے اولاد کی نفی پر علماء اسلام نے حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

١۔ خدا اور معبود کا واجب لذاتہ ہونا ضروری ہے' اگر خدا کے لیے بیٹے کو فرض کیا جائے تو وہ واجب لذاتہ ہو گا یا ممکن لذاتہ ہو گا' اگر وہ واجب لذاتہ ہو تو اس کا مولود ہونا باطل ہے' کیونکہ مولود والد سے متاخر اور اس کی طرف محتاج ہوتا ہے' اور واجب لذاتہ کسی سے متاخر اور کسی کا محتاج نہیں ہوتا' بلکہ مستغنی اور قدیم ہوتا ہے اور اگر وہ ممکن لذاتہ ہو تو پھر وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق ہو گا اور مولود والد کا بندہ اور اس کی مخلوق نہیں ہوتا' نیز مولود والد کی جنس سے ہوتا ہے اور ممکن' محتاج اور حادث' واجب' مستغنی اور قدیم کی جنس سے نہیں ہے۔

٢۔ مولود کی احتیاج اس لیے ہوتی ہے کہ والد کی موت کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اس کے مشن کو آگے بڑھائے اور اللہ عزوجل پر موت کا آنا محال ہے' اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

٣۔ مولود والد کا جز ہوتا ہے اور جس کا کوئی جز ہو وہ مرکب ہوتا ہے اور مرکب حادث ہوتا ہے' اس لیے اللہ کا مولود ہونا اس کے مرکب اور حادث ہونے کو مستلزم ہے اور اس کا مرکب اور حادث ہونا محال ہے' اس لیے اس کا مولود بھی محال ہے۔

٤۔ مولود والد کے مشابہ ہوتا ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے' اس لیے اللہ کا مولود ہونا محال ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو باپ اور عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مجازاً کہتے ہیں' باپ سے مراد رحیم اور شفیق ہے۔ جسمانی لحاظ سے باپ مراد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کو خصوصیت سے بیٹا کیوں کہتے ہو؟ اور اس پر اصرار کیوں کرتے ہو؟ ساری کائنات کو اللہ کا بیٹا کہو' وہ سب پر شفیق اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو شفیق اور رحیم اور حضرت عیسیٰ کو عزیز اور رحیم کیوں نہیں کہتے۔ جب کہ باپ اور بیٹا کے الفاظ جسمانی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے صراحتاً نقص ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصور نہیں کہ وہ خدا کو باپ کہیں جو اس کے لیے نقص کا موجب ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، اس کی اولاد کیونکر ہو گی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے،

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اس کے سوا

اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نگہبان

وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ

ہے ○ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ نہایت باریک بین

اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ

بہت باخبر ہے ○ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن نشانیاں آگئیں، سو جس نے آنکھیں

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ

کھول کر دیکھ لیا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے ، میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ○ ہم

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ

بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے ، اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

کے لیے بیان کر دیں ○ آپ اس چیز کی پیروی کیجیے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا

کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجیے ○ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے ، اور ہم نے

جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا

آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا ، اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں ○ اور

تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ

(اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ یہ بے علمی اور جہالت سے اللہ کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ

برا کہیں گے ، ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے ، پھر انہوں نے اپنے رب کی

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

طرف لوٹنا ہے ، پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ○ اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا

اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے ، آپ کہیے کہ نشانیاں تو

الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ○

وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے

وَّنَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ؑ﴿۱۱۰﴾

اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں ○

ع ۱۲ ۱۰ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے' اس کی اولاد کیونکر ہوگی حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے' اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۰۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا دلائل سے رد

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اس آیت میں ان کے باطل ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں' ان دلائل کی تقریر امام رازی نے اس طرح فرمائی ہے:

۱- بدیع کا معنی ہے کسی چیز کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا ہے' اور یہی عیسائیوں کے عقیدہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے' جس کی پہلے کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ نہیں ہے' تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہو سکتا ہے؟

۲- عیسائی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا باپ ہے۔ اگر اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے' اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تو بیوی ہی نہیں ہے تو اس کا بیٹا کیسے ہوگا؟ نیز معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں وہ شخص محتاج ہوگا جو علی الفور کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ نو ماہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کرے گا' لیکن جس کی شان یہ ہو کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو وہ ایک لفظ کن فرماتا ہے اور وہ چیز اسی وقت موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اس معروف دنیاوی طریقہ سے اولاد کو کیوں حاصل کرے گا؟ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۳- اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا فرض کیا جائے تو وہ قدیم ہوگا یا حادث؟ اس کا قدیم ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹا' باپ سے متاخر ہوتا ہے اور قدیم کسی چیز سے متاخر نہیں ہوتا' اور اس کا حادث ہونا اس لیے باطل ہے کہ بیٹے کے ہونے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی صفت کمال حاصل ہوگی یا صفت نقص۔ نقص کا فرض باطل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ محل نقص نہیں اور صفت کمال حاصل ہونا اس لیے باطل ہے کہ وہ قدیماً اور ازلاً تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ پھر بیٹے کو قدیم ہونا چاہیے' حالانکہ اس کو حادث فرض کیا تھا اور اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' کیونکہ اگر اس کے علم میں یہ ہوتا کہ بیٹے کا ہونا اس کے لیے باعث کمال ہے تو بیٹا ازلی اور قدیم ہوتا' حالانکہ بیٹا باپ سے متاخر ہوتا ہے اور

متاخر ہونا قدیم کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (الانعام: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

۱- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لیے ایک صانع' عالم' قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ صانع کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں' کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی عدد کی تخصیص کرو' مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے' کیونکہ تمام اعداد مساوی ہیں اور اگر تم کسی عدد میں صانع کا حصر نہ کرو تو غیر متناہی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ براہین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

۲- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کو پیدا کرنے کے لیے ایک صانع کافی ہے' جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دوسرا صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ہر ایک اس جہان کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل فاعل ہوگا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہوگا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے ان دونوں میں سے صرف ایک کافی ہوگا اور دوسرا عاجز اور معطل ہوگا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لیے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے' کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی' پھر ان دونوں میں امتیاز کے لیے ایک امر ممیز ماننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تعدد اور اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر ممیز صفت کمال ہے یا صفت نقص۔ اگر وہ صفت کمال ہے' تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے' کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ انہی صفات کمال میں سے ہے' تو یہ مابہ الاشتراک ہے مابہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ ممیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہوگا اور کیونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے' اس لیے ان میں ایک اور ممیز ہوگا اور ہر خدا دو چیزوں سے مرکب ہوگا امر مشترک اور امر ممیز اور جو مرکب ہو' وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۵- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے' کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہوگا اور وہی غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب ہوگا' اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے' تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں' اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہوگی۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا' وہ تابع ہوگا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ (المومنون: ۹۱)

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک معبود دوسرے پر غلبہ پاتا' اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَـفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ ہو گا۔ پہلی صورت اس لیے باطل ہے کہ اثنینیت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۷۔ اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی مصنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہو گا' یا کوئی قادر نہیں ہو گا' یا صرف ایک قادر ہو گا؟ موخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا عجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی مصنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو' نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت ہل رہا ہے اب اس کا ہلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہلانے والا ہے' لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

۸۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا عجز لازم آئے گا اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جہل لازم آئے گا اور نہ عاجز خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ جاہل۔

۹۔ اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہو گا' اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کا معطل ہونا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا عبث ہو گا۔

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کا نظام ایک نمط اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج' چاند اور ستارے ہمیشہ ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب سے ہوتی ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے' کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے' بندر یا لنگور پیدا نہیں ہوتا' اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے کبھی لومڑی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور گندم کی بالیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے' اور اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زبان حال سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور ان میں یکسانیت اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ (البقرہ: ۲۵۸)

ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال۔

۱۱- ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلباء کسی ایک استاد کے تابع ہوتے ہیں' اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے اوپر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے' نہ دو صدر ہوتے ہیں' نہ دو وزیر اعظم ہوتے ہیں' نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں' نہ کسی ادارہ میں دو منیجنگ ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ میں مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے۔ سو اسی طرح اس کائنات کا کارساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا۔ اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے' اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر جو میں نے دلائل پیش کیے ہیں' ان میں سے کچھ دلائل علماء متقدمین سے مستفاد ہیں جن کی میں نے اپنے انداز سے تقریر کی ہے' اور ان میں سے کچھ دلائل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذالک حمدا کثیرا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے' وہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

رویت باری کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

تقریباً ہر دور کے علماء اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت (اس کا دکھائی دینا) دنیا اور آخرت میں ممکن ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے اس کا انکار کیا اور جمہور علماء اسلام کا موقف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور دنیا میں یہ رویت صرف سیدنا محمد ﷺ کے لیے معراج کی شب واقع ہوئی اور آخرت میں تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے لیے یہ رویت واقع ہوگی' میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی۔

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ اور دیگر منکرین رویت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو چیز دکھائی دے' وہ دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس کے لیے ایک جانب اور جہت کا ہونا لازم آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو' کیونکہ دیکھنے والا بھی دکھائی دینے والی چیز کی جانب مخالف میں ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کا یہ قاعدہ ممکنات اور مخلوقات کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے جانب اور مقابلہ کی شرط ہے' نہ دکھائی دینے کے لیے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے جس کا معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سلب عموم اور نفی شمول ہے۔ عموم السلب اور شمول النفی نہیں ہے۔ یعنی ہر ہر آنکھ کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے' نہ ہر ہر زمانہ میں دیکھنے کی نفی ہے' نہ ہر ہر مواقع پر دیکھنے کی نفی ہے' بلکہ بعض زمانہ میں بعض مواقع پر بعض لوگوں کے دیکھنے کی نفی ہے' سو دنیا میں دیکھنے کی نفی ہے اور آخرت کے بعض مواقع میں جب اللہ تعالیٰ غضب اور جلال میں ہوگا' اس وقت اس کو دیکھنے کی نفی ہے اور کفار اور منافقین کے دیکھنے کی نفی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور محشر میں اور جنت میں دیگر انبیاء علیہم السلام

اور جملہ مومنین کے دیکھنے کی نفی نہیں ہے۔

منکرین رویت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو بہ طور مذمت نقل کیا ہے اور اس مطالبہ پر عذاب نازل کیا:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ:۵۵)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو تم کو (بجلی کی) کڑک نے پکڑ لیا اور تم (اس منظر کو) دیکھ رہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے کو از راہ عناد اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر معلق کر دیا تھا' اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

منکرین رویت کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اے ابو عائشہ! جس شخص نے تین باتوں میں سے ایک بات بھی کہی' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا جس شخص نے یہ زعم کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا میں ٹیک لگائے ہوئے تھا' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے مہلت دیں اور جلدی نہ کریں' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ (التکویر:۲۳) اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ (النجم:۱۳) اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس امت میں وہ سب سے پہلی شخص ہوں جس نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جس صورت پر پیدا کیا گیا' میں نے اس صورت پر ان کو صرف دو بار دیکھا ہے۔ میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا' ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے زمین تک کی جگہ کو بھر لیا تھا۔ حضرت عائشہ نے (مسروق سے) فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیتیں نہیں سنیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (الشوریٰ:۵۱)

اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے جو کچھ اللہ چاہے' پہنچا دے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۲۸۷' (۱۷۷) ۴۳۲' صحیح البخاری ج ۵' رقم الحدیث: ۴۸۵۵' ۴۶۱۲' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۶۸' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۰۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۴۳۷)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا' جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل نہیں تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا

ہے' لیکن وہ آخرت میں رویت باری کا انکار نہیں کرتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے اور جمہور علماء اسلام ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ الانعام کی جس زیر بحث آیت سے استدلال کیا ہے' اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں' نہ یہ کہ آنکھیں اس کا مطلقاً ادراک نہیں کر سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامہ: ۲۳-۲۲) کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس آیت میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی تصریح ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (التطفیف: ۱۵) بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے اور یہ چیز ان کے لیے اسی وقت باعث حرمان و یاس ہوگی جب مسلمان اس دن اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں' کیونکہ اگر ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو اور نہ کافروں کو' تو پھر یہ چیز ان کے لیے باعث افسوس نہیں ہوگی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں ہے' اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مدح میں اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو' کیونکہ اسی چیز کی نفی وجہ کمال ہوتی ہے جس کا ثبوت ممکن ہو۔ مثلاً ہوا' خوشبو اور آواز کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کی مدح اور تعریف میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہوا' خوشبو اور آواز کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' تو اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں' یہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف اسی وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہو۔ سو یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (الاعراف: ۱۴۳) موسیٰ نے عرض کیا' اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تجھے دیکھوں۔

اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کرتے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حم السجدہ: ۳۱) اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

نیک اور صاف دل لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار طلب کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ان کی ہر خواہش پوری فرمائے گا' سو یہ آیت جنت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی دلیل ہے۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی

طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔

(صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۵۵۴' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۴۳۶' ۷۴۳۵' ۷۴۳۴' صحیح مسلم' المساجد' ۲۱۱ (۶۳۳) ۱۴۰۷' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ا' رقم الحدیث: ۴۶۰' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۱۷۷' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۱۹۲۱۱' طبع جدید' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۶۸' طبع قدیم)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

آپ نے فرمایا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے' وہ کہیں گے: کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے' کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر حجاب کھول دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۶۱' صحیح مسلم' ایمان' ۲۹۷ (۱۸۱) ۴۴۲' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۳۴' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۳۲-۳۳۳' طبع قدیم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں' اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہوگا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ○ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ○ (القیامہ: ۲۳-۲۲) کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے' اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن' صحیح' غریب ہے۔ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے' اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' سونے کا ہے' اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان' ۲۹۶ (۱۸۰) ۴۴۱' صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۸۷۸' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۳۶' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۷۶۵' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۱۸۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۳۶۱۱' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۴۲۷' طبع جدید' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۴۹' ۳۳۵' طبع قدیم' المستدرک' ج ا' ص ۸۰)

شب معراج اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق علماء امت کے نظریات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ' صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف رہا ہے۔ اکثر مبتدعین دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں اور اہل السنہ اور اہل السلف دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے جواز اور وقوع کے قائل ہیں۔ پھر اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابو ہریرہ' مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود' سلف صالحین اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے' اور سلف صالحین کی ایک عظیم جماعت نے یہ کہا ہے' کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک ہے۔ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کلام کے ساتھ خاص کیے گئے۔ حضرت ابراہیم خلت کے ساتھ اور سیدنا محمد ﷺ رویت کے ساتھ خاص کیے گئے' حضرت ابوذر' کعب' حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے' مشائخ کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی نفی اور اثبات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے' لیکن یہ عقلاً جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً اور نقلاً" جائز ہے' عقلی دلائل علم کلام میں ہیں اور نقلی دلائل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت کا سوال کرنا ہے' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے۔ نیز احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ (المفہم' ج ۱' ص ۴۰۲-۴۰۱' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن الحارث نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو۔ پھر حضرت ابی بن کعب نے بہت بلند آواز سے کہا اللہ اکبر حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے رویت اور کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابو عمر الطلمنکی نے اس قول کو عکرمہ سے روایت کیا ہے اور بعض متکلمین نے اس قول کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور نقاش نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

وہ بار بار کہتے رہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس منقطع ہو گیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کا بھی یہی نظریہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت انس' حضرت ابن عباس' عکرمہ' ربیع اور حسن بصری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوالعالیہ' قرظی اور ربیع بن انس کا یہ قول ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے امام احمد سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نہیں دکھائی دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی کو نہیں دیکھا جا سکتا' اور جب مسلمان آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو باقی رہنے والی آنکھیں دی

جائیں گی تو پھرباقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھ لیں گے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ عمدہ کلام ہے۔ اس دلیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی اس دنیا میں قدرت ضعیف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے' اتنی قدرت عطا فرمادے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بوجھ اٹھا سکے تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممتنع نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۵۲-۵۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت کے جوابات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب تحریر کا مختار یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں' لیکن ہمارا استدلال اس قوی حدیث سے ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد ﷺ کے لیے ہو عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا' کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں! ایک معتمد سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ صحابہ کرام مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا ہے اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' انہوں نے کہا ہاں دیکھا ہے' اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں کیا کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا' بلکہ انہوں نے خود قرآن مجید کی دو آیتوں سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے' اور جب صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے خلاف ہو تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ رویت ثابت ہے تو اس روایت کو قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا اور اس میں ظنی دلائل کافی ہیں' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے ظن اور اجتہاد سے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' اور معمر بن راشد نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زائد نہیں ہیں اور حضرت ابن عباس نے ایک چیز کو ثابت کیا ہے جس کی دوسروں نے نفی کی ہے۔ اور مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ (صاحب تحریر کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور یہ انہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کا استدلال صرف آیتوں سے ہے' پس سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ادراک بہ طور احاطہ کی نفی ہے' اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۵۱ سے جو انہوں نے استدلال کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بلا حجاب رویت کی نفی نہیں ہے' بلکہ بلا حجاب کلام کی نفی ہے اور رویت کلام کو مستلزم نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اور دیدار کے وقت کلام نہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں عام قاعدہ بیان کیا ہے اور عام مخصوص البعض ہے اور دوسرے دلائل سے ہمارے نبی ﷺ اس عام قاعدہ سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی' ج ۱' ص ۹۸۳-۹۷۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں آ گئیں' سو جس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اسی کا نقصان ہے' میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (الانعام: ۱۰۴)

کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز آپ کے ذمہ نہیں ہے!

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیان کیا تھا اور اس آیت میں رسالت کا بیان فرمایا ہے کہ کیا چیز رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ہے اور کیا چیز رسول کے ذمہ نہیں ہے۔ دین حق کی دعوت دینا دلائل اور معجزات سے رسالت کو ثابت کرنا اور شبہات کو زائل کرنا اور احکام شرعیہ کو بیان کرنا' یہ رسولوں کے ذمہ ہے' اور کسی شخص کا ایمان لانا اور کفر کو ترک کر دینا' یہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ نہیں۔ یہ انسان کے اپنے ذمہ ہے' وہ ایمان اور کفر میں سے جس کو بھی اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے۔ سو نبی ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لانے میں بندوں کا اپنا نفع ہے اور کفر پر برقرار رہنے میں ان کا اپنا نقصان ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے دین حق کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور دین حق کو قبول کر لیں' یہ ان کے اختیار میں ہے۔ ان کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے دین حق پر بصیرت افروز دلائل بیان کر دیئے ہیں' ان سے ہمیں فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ان دلائل میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اسے نقصان ہوگا' اللہ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ کہ دین حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور اس میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں ایمان لانے یا نہ لانے کا جو اختیار دیا ہے وہ قتال اور جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے' جہاں تک ممکن ہو آیات کو عدم نسخ پر محمول کرنا چاہیے اور جہاد اور قتال کے بعد بھی ایمان کا لانا یا نہ لانا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم بار بار مختلف انداز سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں' تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس قرآن کو علم والوں کے لیے بیان کر دیں O (الانعام: ۱۰۵)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کا شبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ منکرین رسالت کا ایک شبہ بیان فرما رہا ہے۔ اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل فرماتا ہے اور ایک معنی کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے' تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد منکشف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں وہ معنی مستقر ہو جائے' لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی ﷺ علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں۔ پھر اس بحث و تمحیص سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے' اس کو مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھالتے ہیں۔ پھر اس کو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے' حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے۔ ورنہ اگر یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ یک بارگی پوری کتاب نازل ہوتی' کفار کے اس شبہ کا بیان اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی آیات میں کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ٍۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا O وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفرقان: ۵-۴)	اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) صرف بہتان ہے' جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس کام پر دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے (جھوٹے) قصے ہیں جو اس (رسول) نے

لکھوا لیے ہیں۔ سو وہ صبح شام ان پر پڑھے جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (النحل: ۱۰۳)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے' حالانکہ جس کی طرف یہ (سکھانے کی) جھوٹی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن نہایت روشن عربی ہے۔

ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے' کہ اگر تمہارے زعم میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا بنایا ہوا یا سکھایا ہوا کلام ہے' تو تم اس کی کسی چھوٹی سورت کی ہی مثال بنا کر لے آؤ' لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس چیز کی پیروی کیجئے جس کی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ (الانعام: ۱۰۶)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی ﷺ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار آپ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ آپ نے کچھ علماء سے کچھ مضامین سیکھ لیے ہیں اور ان کو آپ الفاظ میں ڈھال کر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کیجئے' تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت اور تبلیغ متاثر نہ ہو۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کے اس شک و شبہ اور طعن و تشنیع سے جو آپ کو حزن و ملال ہوا ہے' وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس پر متنبہ کیا کہ آپ صرف اس کی اطاعت کیجئے اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور فرمایا مشرکین سے اعراض کیجئے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت' آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان سے مقابلہ نہ کریں' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں' تاکہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کا مشن متاثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ (الانعام: ۱۰۷)

اس آیت کا تعلق بھی اسی سابق طعن سے ہے' مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ نے علماء سے مذاکرات کر کے یہ قرآن بنالیا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی ان جاہلانہ اور معاندانہ باتوں کی طرف توجہ نہ کریں اور ان کا کفر آپ پر بوجھ نہ بنے' کیونکہ اگر میں ان سے کفر زائل کرنے کا ارادہ کرتا تو میں اس پر قادر تھا' لیکن میں نے باوجود قدرت کے' ان کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا تو آپ بھی ان کی طعن آمیز باتوں سے اپنے دل پر اثر نہ لیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو مؤکد کرنے کے لیے فرمایا کہ آپ ان کے کفر کی وجہ سے کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو ان کا نگہبان اور ذمہ دار نہیں بنایا' آپ کے ذمہ صرف عقائد کی تعلیم دینا ہے اور احکام شرعیہ کا پہنچا دینا ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا تو اس کا نفع ان کو ہو گا اور اگر آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو اس کا ضرر بھی صرف ان کو ہو گا اور آپ کے منصب رسالت پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' ورنہ یہ بے

علمی اور جہالت سے اللہ کو برا کہیں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے' پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ ان کو خبر دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔ (الانعام: ۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے

اس آیت کا بھی اس سابق آیت کے ساتھ ربط ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اہل علم کی باتیں سن سن کر فقرے بنالیے ہیں اور یہ قرآن جمع کر لیا ہے اور اس وقت یہ بعید نہیں تھا کہ مسلمان اس بات کو سن کر مشتعل ہوتے اور بطور معارضہ کے' کفار کے بتوں کو برا کہتے۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا' تاکہ کفار اس کے جواب میں اپنی جہالت سے مسلمانوں کے خدا کو برا نہ کہنے لگیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جاہل سے سابقہ ہو تو انسان اس کو کوئی سخت بات نہ کہے' ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بات کہے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے' تو کفار اس کا معارضہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو' ورنہ وہ اپنی جہالت سے تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔

(جامع البیان' جز ۷' ص ۴۰۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار مکہ اور قریش اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی اس لیے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں' تو ان سے یہ کس طرح متصور ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان بتوں کو برا کہتے تھے تو دراصل کفار اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا' اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ (الفتح: ۱۰) — بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اسی طرح جب ستر انصار نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جب ہم اپنی جانوں اور مالوں کو آپ کی اطاعت میں خرچ کریں تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (التوبہ: ۱۱۱) — بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا (الاحزاب: ۵۷) — بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا متصور نہیں ہے' دراصل رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دینا ہی اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا ہے۔

یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (البقرہ: ۹) — وہ اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے' ان کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ

تھا' وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔ (النساء: ٨٠)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے' آپ کو ایذاء دینا اللہ کو ایذا دینا ہے' آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور جب آپ کے ساتھ کوئی معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے' تو آپ کو برا کہنا اللہ کو برا کہنا ہے۔ اس لیے بتوں کو برا کہنے کے جواب میں کفار رسول اللہ ﷺ کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تم ان کے بتوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ کو برا کہیں گے۔

امام ابن جریر متوفی ٣١٠ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو قریش نے کہا ان کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں' کیونکہ ہم کو اس سے حیا آتی ہے کہ ان کی موت کے بعد ہم ان کے بھتیجے کو قتل کریں۔ لوگ کہیں گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا دفاع کرتے تھے اور ان کے مرنے کے بعد انہوں نے ان کے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ تب ابوسفیان' ابوجہل' نضر بن الحارث' امیہ بن خلف' عقبہ بن ابی معیط' عمرو بن العاص اور الاسود بن البختری نے ایک آدمی بھیج کر ابوطالب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو انہوں نے کہا اے ابوطالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو اور (سیدنا) محمد ﷺ ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اذیت پہنچاتے ہیں' ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر ان سے کہو کہ وہ ہمارے خداؤں کا ذکر نہ کیا کریں' ابوطالب نے آپ سے کہا آپ کی قوم نے انصاف کی بات کی ہے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا بتاؤ! اگر میں ایسا کر لوں تو کیا تم مجھے ایک ایسا کلمہ دو گے کہ اگر تم وہ کلمہ پڑھ لو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے باجگزار ہو جائیں گے۔ ابوجہل نے کہا ہاں! تمہارے باپ کی قسم ہم تم کو ضرور وہ کلمہ دیں گے' بلکہ اس کا دس گنا دیں گے۔ بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم کہو لا الہ الا اللہ انہوں نے اس کو پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! کوئی اور بات کہو' تمہاری قوم اس کلمہ سے بدکتی ہے' آپ نے فرمایا اے میرے چچا! میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہوں گا۔ حتیٰ کہ یہ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور اگر انہوں نے سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا' تب بھی میں اس کلمہ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔ تب وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے آپ ہمارے بتوں کو برا کہنے سے باز آجائیں' ورنہ ہم آپ کو بھی برا کہیں گے اور جو آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بھی برا کہیں گے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان' جز ٧' ص ٤٠٤' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ٤' ص ١٣٦٧' تفسیر ابن کثیر' ج ٣' ص ٧٩-٧٨)

سد ذرائع کی بناء پر بتوں کو برا کہنے کی ممانعت

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کفار کے خداؤں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے' لہٰذا جب تک کافر اپنی حفاظت میں ہو اور یہ خدشہ ہو کہ وہ اسلام کو یا نبی ﷺ کو یا اللہ عزوجل کو برا کہے گا' تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیب کو یا ان کے دین کو یا ان کی عبادت گاہوں کو برا کہے' اور نہ کسی ایسے کام کے درپے ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برا کہیں' کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے قائم مقام ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جو کام کسی برائی کا ذریعہ بنے' اس کو روکنا اور اس کا نہ کرنا واجب ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اوقات کسی حقدار کو اس کا حق وصول کرنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دین میں کسی ضرر کے پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اگر حق واجب ہو تو اس کو ہر حال میں وصول کرے اور اگر جائز ہو تو پھر اس میں یہ قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اطاعت گزاروں کے لیے اطاعت کو مزین کر دیا ہے اور کافروں کے لیے کفر کو مزین کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے' آپ کہئے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الانعام: ۱۰۹)

فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا نبی ﷺ کی نبوت میں ایک شبہ بیان کیا' پھر اس کے جوابات دیئے اور اس میں آپ کی نبوت میں ان کا دوسرا شبہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد! آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' اور آپ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں' تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے صفا پہاڑ سونے کا بنادیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! بہ خدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اتباع کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ چاہیں تو صبح کو یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا اور اگر یہ معجزہ پیش کر دیا گیا اور یہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں' حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرلی جائے گی۔ آپ نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرلی جائے۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان' جز ۷' ص ۴۰۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں' جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۰)

جب اللہ نے کفار کے دلوں کو پھیر دیا تو ان کا کفر میں کیا قصور ہے؟

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفر اور ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کے طلب کردہ معجزات پیش کر دیئے گئے اور کفار کو پتا چل گیا کہ یہ معجزات سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو اس صحیح دلالت سے پھیر دیا' تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے اور ان معجزات کی دلالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں اور آنکھوں کو سچائی' ہدایت اور اسلام کی راہ سے پھیر دیا' تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلی بار جب ان کا فرمائشی معجزہ دکھایا گیا اور چاند کو شق کر دیا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جب معجزہ نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا' تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور آنکھوں کو دوزخ کے شعلوں اور انگاروں کی طرف پھیر دے گا' تاکہ ان کو عذاب ہو' جس طرح دنیا میں یہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مُردے ان سے

الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا

باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی وہ

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾

ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے

يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا رب

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ

چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے، سو آپ انہیں اور ان کی افترا پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں ○ اور تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ

وہ ان (خوشنما باتوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا

مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ

وہ ارتکاب کرنے والے ہیں ○ تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری

الجزءالثامن

الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ

طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ

حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ اور آپ کے رب کی

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہوگی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا،

الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ

خوب جاننے والا ہے ○ اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

کر دیں گے، وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں ○

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہوگا، اور وہ ہدایت پانے والوں

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

کو (بھی) خوب جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے' تب بھی وہ ایمان نہ لاتے' سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الانعام: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کا مطلوب بندوں کا اختیاری ایمان ہے

اس سے پہلے آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آ جائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (الانعام: ۱۰۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کر دے' بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کر دے' کہ فرشتے نازل کر دے اور مردے ان سے کلام کریں' بلکہ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کر دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان صرف وہی لوگ لا سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان لانا مقدر کر دیا تھا اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لانے

والے نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان مقدر نہیں کیا' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں' یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ایمان پیدا کردے' یہ تبھی ایمان لائیں گے' لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے اختیار سے ایمان لائیں اور وہ کسی میں جبراً ایمان پیدا نہیں کرنا چاہتا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندے اپنے ایمان کے خالق ہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں ایمان پیدا کر دیتا ہے' بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا' جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین (سرکشوں) کا ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا' اسی طرح آپ کے لیے بھی سرکش اور شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا ہے۔

اس آیت میں شیاطین الانس والجن فرمایا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ شیطان سے مراد سرکش ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے بعض سرکش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مومنوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمام شیطان ابلیس کی اولاد ہیں' اور اس نے ان کے دو گروہ کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ انسانوں کو بہکاتا ہے اور دوسرا گروہ جنوں کو بہکاتا ہے اور ان دونوں گروہوں کو شیاطین الانس والجن کہا جاتا ہے' لیکن پہلی تفسیر راجح ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' اور صحابہ کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے' اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آ کر آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے' انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو' انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لیے بھی شیطان ہوتے ہیں' آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے ہیں۔ الحدیث بطولہ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۱۸۹' ۲۱۴۳۸' طبع دار الحدیث' قاہرہ' مسند احمد' ج ۵' ص ۲۶۶' ۲۶۵' طبع قدیم' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۵۲۲' المعجم الکبیر' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۸۷۱' مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۱۵)

وحی' زخرف القول اور غرور کے معنی

اس آیت میں فرمایا ہے ان میں سے بعض' بعض کی طرف غرور (دھوکے) میں مبتلا کرنے کے لیے زخرف القول کی وحی کرتے ہیں۔

وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا' لکھنا اور کلام خفی۔ جب وحی کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر بلاواسطہ یا فرشتے کی وساطت سے نیند یا بیداری میں نازل فرماتا ہے' اور جب اس کی نسبت عام مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے مراد الہام ہوتا ہے۔ یعنی کسی خیر اور نیک بات کا دل میں ڈالنا اور جب اس کی نسبت شیطان کی طرف ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے تو اس کا معنی ہے وسوسہ' یعنی کسی بری بات یا برے کام کی طرف انسانوں کے دل کو مائل اور راغب کرنا۔ زخرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا باطن باطل' برائی اور گناہ ہو اور اس کا ظاہر مزین' خوش نما اور خوب صورت ہو۔ جیسے چاندی پر سونے کا ملمع کر کے اسے سونا بنا کر پیش کیا جائے۔

غرور کے معنی ہیں دھوکا' مغرور وہ شخص ہے جو کسی چیز کو مصلحت کے مطابق عمدہ اور نفع آور گمان کرے اور در حقیقت وہ اس طرح نہ ہو۔

شیطان کے وسوسہ اندازی کی تحقیق

شیطان کے وسوسہ سے دھوکا کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے' وہ اس چیز میں رغبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے القاء کرنے کی وجہ سے ہے' تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن فاسد اور باطل ہے' تو یہ کلام مزخرف ہے۔ اب یا تو اس نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور پیتل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے' اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہے۔

در حقیقت روحیں دو قسم کی ہوتی ہیں' ایک طیب اور طاہر ہوتی ہیں یہ فرشتے ہیں' اور دوسری ناپاک اور شریر ہوتی ہیں' یہ شیاطین ہیں۔ ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں' اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں' اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں' اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں۔ پھر انسانوں میں جن کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پر پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے' ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیث ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے' ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں' وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ شیطان جن اور شیطان انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے برائیوں کو خوش نما بنا کر بیان کرتے ہیں' اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

اس بحث میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں ایک القاء کرنے والا شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کی طرف سے القا کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے' اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطن

الرحیم پڑھے' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ:۲۶۸) شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث:۲۹۹۹' صحیح ابن حبان' ج ۳' رقم الحدیث:۹۹۷' السنن الکبریٰ' ج ۶' رقم الحدیث:۱۱۰۵۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی پیدا کیا گیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اعانت فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم' منافقین '۶۹' (۲۸۱۴) ۶۹۷۵' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث:۳۶۴۸)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کا جسم' آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان کے آثار سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کا قرین جن (ہم زاد) نبی ﷺ کی برکت اور آپ کی مبارک صحبت سے مسلمان ہو گیا اور برائی کا حکم دینے والا نیکی کا حکم دینے والا بن گیا' اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو شیطان کے اغواء اور اس کے وسوسوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

شیطان کی طرف سے القاء وسوسہ ہوتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء الہام ہوتا ہے۔ شیطان کفر' فسق اور ظلم کے وسوسے ڈالتا ہے اور توحید' رسالت' مرنے کے بعد اٹھنے' قیامت اور جنت اور دوزخ کے انکار کی تلقین کرتا ہے اور فرشتہ' اللہ' اور رسول اور قرآن مجید کی تصدیق کی تلقین کرتا ہے اور نماز' روزہ اور دیگر نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں اس قسم کی باتیں آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جب اس کے خلاف باتیں آئیں' تو شیطان کے شر سے پناہ مانگے۔ ہرچند کہ احکام شرعیہ میں الہام معتبر نہیں ہے' لیکن وساوس شیطان سے اجتناب میں وہ معتبر ہے' عارفین نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہو' وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے' سو آپ انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ (الانعام: ۱۱۲)

شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسانوں اور جنوں میں سرکش اور شیاطین سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کو اپنے وسوسوں اور سازشوں سے نقصان نہ پہنچاتے اور اسی طرح وہ آپ کو اور آپ کی امت کو بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتے' لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ بعض نیک لوگ ان شیاطین کی سازشوں اور وسوسوں کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہوں' پھر اللہ تعالیٰ ان شیاطین کو آخرت میں سزا دے اور نیک لوگوں کو ان کے امتحان میں کامیاب ہونے اور مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جزا دے' تو آپ ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو اور ان کی مزخرف باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یہ آیت کفر پر عذاب کی وعید اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کی بشارت کو متضمن ہے۔ اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے اور آپ کے قلب مبارک سے غم کو زائل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے' وہ ان (خوش نما باتوں) کی طرف مائل ہوں اور ان کو پسند کریں اور ان برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ ارتکاب کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)

لتصغٰی کا معنی

اس آیت میں لتصغٰی کا لفظ ہے' اس کا مادہ صغی ہے۔ علامہ جار اللہ محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۸۳ھ نے اس کا معنی لکھا ہے' صغی کا معنی ہے کسی چیز کی طرف میلان کرنا اور جھکنا۔

(الفائق ج ۲' ص ۲۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ ابن اثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بلی کی حدیث میں "کان یصغی الیہ الاناء" وہ اس کے لیے برتن جھکاتے تھے' تاکہ وہ سہولت سے پانی پی لے' اور حدیث میں اس کا معنی کان لگا کر سننا بھی ہے۔ (النہایہ' ج ۳' ص ۳۳' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

اس آیت کا معنی ہے یہ شیاطین ایک دوسرے کی طرف مزخرف اور مزین اقوال پہنچاتے ہیں' تاکہ نیک مسلمانوں کو بہکائیں اور ان کی طرف ان کفار اور فساق کے دل مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے' کیونکہ ان کے وسوسے ان کی خواہشوں کے موافق ہیں اور تاکہ وہ ان سے خوش ہوں' لیکن جو مسلمان انجام پر نظر رکھتے ہیں' وہ ان کی خوش نما باتوں میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ کہئے) تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور انصاف کرنے والا تلاش کروں' حالانکہ یہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے' اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے' سو (اے مخاطب!) تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (الانعام: ۱۱۴)

نبوت کی دو دلیلیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے پکی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ ان معجزات کے دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو چکی ہے' اور وہ قرآن مجید ہے۔ وہ کتاب مفصل ہے جس میں علوم کثیرہ ہیں اور وہ انتہائی فصیح اور بلیغ کلام پر مشتمل ہے جس کے معارضہ سے تمام مخلوق عاجز ہو چکی ہے' اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل نازل کی جن میں آپ کی نبوت پر دلائل اور پیشین گوئیاں ہیں اور تورات اور انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ سچے اور برحق نبی ہیں' سو ان دو دلیلوں کے بعد اب اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے) کیا میں اللہ کے سوا اور کوئی حکم تلاش کروں؟ یعنی آپ کہئے کہ تم مجھ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہو' کیا اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہے۔ جس نے میری نبوت کی تصدیق کے لیے قرآن مجید کو نازل کیا' جو کتاب معجز ہے اور جو اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل کو نازل کر چکا ہے' جس میں میرے نبی ہونے کی پیش گوئی ہے' اور میری علامتیں اور نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں اور جن لوگوں نے تورات اور انجیل کو پڑھا ہے جیسے حضرت سلمان فارسی' حضرت صہیب رومی' حضرت عدی بن حاتم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم وغیرہم وہ آپ کے نبی ہونے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

پھر فرمایا نبوت کی ان دو دلیلوں کے آنے کے بعد تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ اس میں بہ ظاہر آپ کو خطاب

ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت ہے' یا اس میں ہر پڑھنے والے کو خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی' اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۱۵)

کلمات رب کے صادق اور عادل ہونے کے معانی

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید معجز ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا کلمہ صدق اور عدل کے اعتبار سے پورا ہو گیا۔ یعنی قرآن مجید جو معجز کلام ہے' وہ پورا ہو گیا' جو نبی ﷺ کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مکلفین کو قیامت تک علم اور عمل کے اعتبار سے جن چیزوں کی ضرورت ہے' وہ سب قرآن مجید میں تمامہ موجود ہیں اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے وہ سب تمام اور مکمل ہیں' ان میں نہ کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم جن چیزوں سے ملاقات کرنے والے ہو' ان کے متعلق قلم (لکھ کر) خشک ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری' کتاب القدر' باب ۲)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ' اس نے کہا اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۱۷' المعجم الکبیر' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۲۲۷' ۱۱۲۴۳' السنن الکبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۲۰۴' مختصر اتحاف السادۃ المہرۃ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۳۲)

علامہ ابوبکر بن اسماعیل بوصیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد بن منیع نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام ابوداؤد بجستانی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے' اور اس کی سند میں احمد بن سلیم ضعیف ہے۔ (اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ' ج ۱' ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں اللہ کے کلمہ کو جو صدق اور عدل فرمایا ہے' اس کا چوتھا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم میں خبریں ہیں اور دوسری قسم میں عقائد اور احکام شرعیہ ہیں۔ صدق کا تعلق قرآن مجید کی دی ہوئی خبروں کے ساتھ ہے اور عدل کا تعلق عقائد اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے' یعنی اس کی دی ہوئی تمام خبریں صادق ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد اور احکام شرعیہ سب عادل ہیں' یعنی متوسط ہیں اور صحیح ہیں۔ کیونکہ عدل کا معنی متوسط ہے جو افراط اور تفریط کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا کلمہ صادق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید دونوں میں خلف محال ہے۔ (تفسیر کبیر 'ج ۵' ص ۱۴۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اشاعرہ تو خلف وعید کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بہ ظاہر خلف وعید کو جائز کہتے ہیں لیکن حقیقتاً جائز نہیں کہتے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی کوئی سزا بیان کی ہے وہاں پر یہ شرط یا یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں معاف نہ کروں یا اگر میں چاہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تو عذاب نہیں دے گا۔ لہٰذا اب وعید کے خلاف نہیں ہو گا' ہاں! شرک پر جو عذاب کی وعید سنائی ہے' وہاں یہ قید ملحوظ نہیں ہے اور اس وعید کا خلاف ہونا اور کافر اور مشرک کا بخشا جانا محال ہے اور امام رازی نے جو کہا ہے کہ خلف وعید محال ہے' اس سے مراد شرک کی وعید ہے۔ دیگر گناہوں پر جو وعید ہے اس کا خلف مراد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کے علاوہ ہر گناہ کو بہرحال بخش دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خلف وعید کذب کو مستلزم ہے' اور خلف وعید کا امکان کذب کا امکان ہے' ان کا یہ قول باطل ہے' کیونکہ خلف وعید تو بالفعل واقع ہو گا' لہٰذا ان کے قاعدہ پر اللہ کے کلام کا بالفعل کذب ہونا لازم آئے گا۔ معاذ اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر تو زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے' تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے' وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۶)

عقیدہ اور عمل کی گمراہیوں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر کفار کے شبہات بیان کیے اور ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد فرمایا جب حق واضح ہو گیا' پھر بھی اگر کوئی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرے اور آپ کے پیغام کو نہ مانے' تو وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرنے والا ہو گا اور گمراہ ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کے اکثر لوگ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور گمراہ کرنا گمراہ ہونے کی فرع ہے' اور گمراہی تین چیزوں میں متصور ہو سکتی ہے۔ الوہیت کے اعتقاد میں' نبوت کے اعتقاد میں اور احکام شرعیہ کے اعتقاد میں۔

الوہیت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے وجود کو نہ مانے۔ جیسے دہریے ہیں' یا متعدد خدا مانے۔ جیسے مشرکین اور بت پرست ہیں' یا وہ لوگ جو خدا کے بیٹے مانتے ہیں۔ جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اور یہودی حضرت عزیر کو۔

نبوت کے اعتقاد میں گمراہی یہ ہے کہ مطلقاً نبی کو نہ مانے۔ جیسے ہندو' سکھ اور بدھ مذہب والے یا سیدنا محمد ﷺ کے آنے اور ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کی بعثت کا اعتقاد رکھے۔ جیسے مرزائی' بہائی اور دیندار جو صدیق چن بشو شور کو مانتے ہیں' یا سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو لعنت اور تبرا کرنے والے جیسے رافضی ہیں' یا آپ کی آل اطہار کو برا کہنے والے جیسے ناصبی ہیں' یا دونوں کو برا کہنے والے جیسے خارجی ہیں' یا رسول اللہ ﷺ کی تنقیص اور بے ادبی کرے' آپ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہے اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو آپ پر منطبق کرے' آپ کے فضائل اور کمالات کو کم کرنے اور چھپانے میں کوشاں رہے' یا بجو دوسری جانب غلو کرے' آپ کے بشر ہونے کا انکار کرے' یا آپ کے لیے ذاتی علم غیب اور ذاتی قدرت مانے یا آپ کے کمالات اللہ تعالیٰ کے مساوی یا زائد قرار دے۔

احکام شرعیہ میں گمراہی یہ ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہو' اس کو مستحب جاننا۔ جیسے شیعہ ماتم کرنے کو مستحب جانتے ہیں۔ یا جس کام کو نبی ﷺ نے حرام نہ کہا ہو' اس کو حرام کہنا' جیسے کوئی شخص عرفاً تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب

کرے جیسے سوئم، چہلم، عرس اور گیارہویں شریف میں ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اس کو حرام کہا جائے، یا میلاد شریف کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کے فضائل، آپ کی سیرت اور آپ کا ذکرِ خیر کیا جائے تو اس کو حرام کہا جائے، تو یہ احکام شرعیہ میں گمراہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص سوئم، چہلم، عرس، گیارہویں شریف اور میلاد شریف کو فرض یا واجب کہے یا ان کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کرے بایں طور کہ نہ کرنے والے کو ملامت کرے اور گمراہ جانے یا اذان سے پہلے یا بعد صلاۃ و سلام پڑھنے کو واجب کہے، یا اللہ کے بجائے اولیاء اللہ کی نذر اور منت مانے یا ان کی قبروں کا طواف کرے، یا سجدۂ تعظیمی کرے، یا اولیاء اللہ کو مستقل فی التصرف جانے، اور یہ جان کر ان کو پکارے اور ان سے مدد چاہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امور احکام شرعیہ میں گمراہی ہیں۔

اتباع ظن کی مذمت کی وضاحت

اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اخبار آحاد اور قیاس پر جو عمل کیا جاتا ہے، وہ بھی تو ظن کے درجہ میں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو ظن کی اتباع کرتے تھے تو اس کا استناد کسی قطعی دلیل پر نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اخبار آحاد اور قیاس کا استناد، دلیل قطعی پر ہے جو قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہو گا اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۷)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں، بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے جزا دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کافر اگرچہ بہت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال پر مطلع ہے، اس کو معلوم ہے کہ یہ گمراہی کے راستہ میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ

اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا

بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

نام لیا گیا ہو ○ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ سے نہیں کھاتے جس پر

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ حالتِ اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی

إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ

ہے، اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں، اور بے شک آپ کا رب

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ

حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ○ اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو ، بیشک جو

الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾

لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ○

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ

اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بیشک اس کو کھانا گناہ ہے ، بیشک شیطان

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ

اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت

اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع

کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (الانعام: ١١٨)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ اور مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو' اور مشرکین کی طرف توجہ نہ کرو جو مردار تو کھالیتے ہیں اور مسلمان جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اس کا کھانا برا جانتے ہیں۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو کھالیں جس کو ہم نے قتل کیا ہے اور اس کو نہ کھائیں جس کو اللہ نے قتل کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اس ذبیحہ سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(سنن ترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣٠٨٠' سنن ابوداؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٨١٩' سنن النسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٤٤٩' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١١١٧١)

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور اس پر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے' اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر وہ عمداً بسم اللہ پڑھنے کو ترک کر دے' تو پھر اس ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورۃ الانعام: ١٢١' میں انشاء اللہ آئے گی۔

مشرکین یہ کہتے تھے کہ مسلمان خدا کے مارے ہوئے جانور کو حرام کہتے ہیں اور اپنے مارے ہوئے جانور کو حلال کہتے ہیں'

ان کا یہ قول حماقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ دونوں جانوروں کو مارنے والا اللہ ہے۔ البتہ جو طبعی موت مرا ہے اس کی جان خدا کے نام پر نہیں نکلی اور جس جانور کو مسلمانوں نے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہے' اس کی جان خدا کے نام پر نکلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اس ذبیحہ کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے' حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں' ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتادی ہے' اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں اور بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (الانعام: ۱۱۹)

مکی سورت میں مدنی سورت کے حوالہ کا اشکال اور اس کا جواب

حالانکہ حالت اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں' ان کی تفصیل تمہیں بتادی ہے۔ اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس تفصیل سے مراد وہ تفصیل ہے جو سورۂ مائدہ: ۳' میں بیان فرمائی ہے:

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ (الایۃ)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ المائدہ مدنی ہے اور سورۃ الانعام مکی ہے' لہٰذا یہ تفصیل اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ تو اس سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں اس کے بعد نازل ہونے والی سورت کا حوالہ کس طرح دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سورۃ الانعام میں بھی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِيۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہیے کہ جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں' میں کسی کھانے والے کے لیے ان کے سوا کوئی کھانے کی چیز حرام نہیں پاتا کہ وہ مردار ہو یا بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو' سو وہ بے شک نجس ہے' یا نافرمانی کے لیے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت ۱۱۹ میں آیت ۱۴۵ کا حوالہ دینا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ترتیب وضع کے اعتبار سے ہے' ہوسکتا ہے اس کا نزول پہلے ہوگیا ہو۔

لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں ہے کہ سورۃ الانعام پوری کی پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے اور اس میں کوئی آیت دوسری آیت پر نزول کے اعتبار سے مقدم یا موخر نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حرام چیزوں کی یہ تفصیل نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتادی تھی اور مکہ مکرمہ کی زندگی میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں' اگرچہ ان کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مکہ میں وضوء کرنا مشروع تھا اور مسلمان وضو کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ آیت وضوء مدینہ میں سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی ہے۔

تقلید صحیح اور تقلید باطل کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشوں سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد عمرو بن لحی اور اس کے بعد کے مشرکین ہیں' کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تغیر کیا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دیا اور مردار کھانے کو جائز کہا اور عمرو بن لحی نے محض اپنی جہالت سے یہ مذہب نکالا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن السری الزجاج المتوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں:
اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مردار کو حلال کہتے ہیں اور تم سے اس کے حلال ہونے کے متعلق مناظرے کرتے ہیں اور اس طرح وہ تمام لوگ جو اس گمراہی میں مبتلا ہیں' وہ محض اپنی ہوا و ہوس کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی بصیرت ہے' نہ کوئی علم ہے۔ (معانی القرآن واعرابہ للزجاج' ج ۲' ص ۲۸۷' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض ہواء نفسانی کی بناء پر تقلید کرنا مذموم اور حرام ہے اور ہم جو ائمہ دین کی تقلید کرتے ہیں' وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ کے اقوال قرآن اور حدیث کی نصوص پر مبنی ہیں اور ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ہمارا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث صحیح پر عمل کرو اور تقلید صحیح اور تقلید باطل میں یہی فرق ہے کہ تقلید صحیح کا مبنی قرآن اور حدیث ہے اور تقلید باطل کا مبنی ہوائے نفس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو' بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے گناہوں کی سزا دی جائے گی۔ (الانعام: ۱۲۰)

ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کی ممانعت

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہر اور خفی گناہوں سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام: ۱۵۱) — اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ' جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے' اس کو وہ حلال کہتے تھے اور عدی نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا ظاہری گناہ ماؤں' بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ زنا کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔
(جامع البیان' جز ۸' ص ۲۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اثم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ اثم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ نیز انہوں نے لکھا ہے اثم عدوان سے عام ہے۔ (المفردات' ص ۱۰' مطبوعہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے اثم کا معنی ہے ذنب (گناہ) خمر اور قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم کہتے ہیں' اور اثیم کا معنی ہے کذاب۔ (القاموس المحیط' ج ۴' ص ۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اثم کی تعریف اور مصادیق کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بر (نیکی) اور اثم (گناہ) کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا بر اچھے اخلاق ہیں اور اثم وہ کام ہیں جو تمہارے دل میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔

(صحیح مسلم البر' ۱۴' (۲۵۵۳) ۶۳۹۱' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۹۶' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۷' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۳۰۲' ۲۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۶۵۵' طبع دار الفکر)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! کون سا اثم سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو' حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۱۱' طبع دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۶۲' طبع قدیم' بیروت)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے' مگر اس میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے۔

(دیکھئے صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۴۷۶' ۴۷۶۱' ۶۰۰۱' ۶۸۱۱' ۶۸۶۱' ۷۵۲۰' ۷۵۳۲' نیز دیکھئے صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۴۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۱۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۸۰' طبع قدیم' ان تمام احادیث میں اثم کی جگہ ذنب کا لفظ ہے)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اتنے میں ان کا قہرمان (کار مختار' آمدنی اور مصارف کا ذمہ دار) آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس سے پوچھا کیا تم نے غلاموں کو کھانا کھلا دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا جاؤ ان کو کھانا کھلاؤ۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کا کھانا روک لے جن کو کھلانے کا وہ ذمہ دار ہے۔

(صحیح مسلم' زکوٰۃ' ۴۰' (۹۹۶) ۲۲۷۵' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۹۹۲' صحیح مسلم' مقدمہ رقم الحدیث: ۵' صحیح ابن حبان' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اثم (گناہ) کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۱' المعجم الکبیر' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۰۳۲)

دل کے افعال پر مواخذہ کے دلائل

ظاہر گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علانیہ اور کھلم کھلا کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو چھپ کر کیے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو دل سے کیے جائیں۔ مثلاً تکبر' حسد' خود پسندی' مسلمانوں کا برا چاہنا' حرام کاموں کا ارادہ کرنا' بدگمانی کرنا' بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صرف اعضاء کی معصیت پر مواخذہ ہوتا ہے اور دل کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہوتا' یہ قول صحیح نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو پسند کرتے ہیں' ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے جانے لگا' تو میری ملاقات حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا' انہوں نے کہا لوٹ جاؤ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۷۵' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۸۳' صحیح مسلم' فتن' ۱۴' (۲۸۸۸) ۷۱۱۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۲۶۸' ۴۲۶۹' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۱۳۰' ۴۱۲۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۶۵' سنن کبریٰ ج ۸' ص ۱۹۰' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۳۰۳' ج ۹' ص ۲۴۳' الکامل لابن عدی' ج ۷' ص ۲۶۵۰' مشکوٰۃ' رقم الحدیث: ۳۵۳۸)

اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرص پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرص دل کا فعل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو' وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان ۱۴۷' (۹۱) ۲۵۹' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۶' ۲۰۰۵' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۵۷' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۹' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۷۳' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۶۸۰' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۹۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو' دشمنی نہ رکھو' بغض نہ رکھو' حسد نہ کرو' اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوعیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۴۲' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۰۷۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۵۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۹۱۰' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۶۶۰' مصنف عبدالرزاق' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۲۰۲۲۲' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۲۰۷۴' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۶۸۳' مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ۲۰۹۱' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۰۳)

اس حدیث میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے' بغض رکھنے اور حسد کرنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ سب دل کے افعال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس ذبیحہ کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا' بے شک اس کو کھانا گناہ ہے۔ بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۲۱)

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اس کے متعلق مذاہب فقہاء

جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اس کے متعلق فقہاء مذاہب کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ خواہ اس نے عمداً بسم اللہ نہ پڑھی ہو یا نسیاناً۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام احمد کے نزدیک اگر بھولے سے بسم اللہ نہیں پڑھی تو ذبیحہ حلال ہے' اور اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا ہے تو اس میں ان کے دو قول ہیں۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۱۱۵' طبع بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو وہ ذبیحہ حرام ہے اور نسیاناً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو پھر وہ ذبیحہ حلال ہے۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱' ص ۳۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ خواہ عمداً نام نہ لیا ہو یا نسیاناً۔ لیکن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیاناً بسم اللہ کو ترک کرنا موجب حرمت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے کہا یہاں نسیان مراد نہیں ہے' اب اگر بسم اللہ کو عمداً ترک کرنا بھی جائز ہو تو اس آیت پر بالکل عمل نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ (المائدہ: ۴) شکار پر (سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لو۔

اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے' اس لیے شکار پر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور سنت سے بھی اس پر دلیل ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکاری کتے کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑو اور اس پر بسم اللہ پڑھو تو اس کو کھالو' بشرطیکہ اس نے تمہارے لیے شکار کو (کھانے سے) روک رکھا ہو' اور جب تم اس کے سوا دوسرا کتا دیکھو جس نے ہلاک کیا ہو تو اس کو نہ کھاؤ' کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے اور دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھی۔ اس آیت اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اس کو عمداً ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن' ج ۳' ص ۷-۶' ملخصاً' مطبوعہ لاہور)

اور اگر بھولے سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو ذبیحہ کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں' ہمیں پتا نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں! آپ نے فرمایا تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھالو' حضرت عائشہ نے کہا اس وقت لوگ نئے نئے کفر سے نکلے تھے۔

(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۰۷' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۴۴۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۷۴' مصنف عبدالرزاق' ج ۴' رقم الحدیث: ۸۷۹۵' کنز العمال' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۵۵۹۸' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے لیے اللہ کا نام کافی ہے۔ اگر وہ ذبح کے

وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن دار قطنی ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۴۷۶۲ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ۹ ' ص ۲۴۰)

حلال کو حرام کرنے یا حرام کو حلال کرنے کا شرعی حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں ' تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔

اس وسوسہ کا بیان اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ جس پر اللہ کا نام لیا جائے ' اس کو نہ کھاؤ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے ' اس کو کھالو۔

(سنن ابن ماجہ ' ج ۲ ' رقم الحدیث: ۳۱۷۳ ' سنن ابو داؤد ' ج ۳ ' رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

اور وہ بحث یہ کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے جس کو اللہ نے مارا ہے اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے اس کو کھالیتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حلال کیے ہوئے کو حرام کیا یا اس کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا ' تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال اعتقاد کرے۔ تب وہ کافر اور مشرک ہو گا اور اگر وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کو اپنی نفسانی خواہش سے کرتا ہو ' لیکن وہ ان کاموں کو حرام ہی جانتا ہو تو وہ فاسق اور مرتکب معصیت کبیرہ ہو گا ' کافر اور مشرک نہیں ہو گا۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے

يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔ وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل

مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذَٰلِكَ

نہ سکتا ہو ' اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں ○ اور اسی طرح

جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۖ وَمَا

ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ حقیقت میں) وہ صرف

يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ ءَايَةٌ

اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ○ اور جب ان کے پاس کوئی نشانی

وقف لازم
وقف منزل

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے،

اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا، عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب

عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ یُّرِدِ

پہنچے گا کیوں کہ وہ فریب کاری کرتے تھے ○ سو اللہ جس کو ہدایت

اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ

دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے

اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ

اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ

فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾

رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

اور یہ آپ کے رب کا (پسندیدہ) سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں

یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا

کو بیان کر دیا ہے ○ ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں اور وہی ان کا کارساز ہے کیونکہ وہ

كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

(نیک) کام کرتے تھے ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت

قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ

تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے،

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ

اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے

لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

ہمارے لیے مقرر کی تھی، اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو مگر جسے اللہ چاہے، بیشک آپ کا

حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا

رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ○ اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ (معصیت کے)

كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۲

کام کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں۔ (الانعام: ۱۲۲)

کافر کے مردہ اور مومن کے زندہ ہونے کی مثالیں

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! ابو جہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنا دے۔ یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو اسلام سے زندہ کیا اور ان کو عزت اور توقیر دی اور ابو جہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔ زید بن اسلم نے کہا ہے، یہ آیت ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۴، ص ۱۳۸۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں، اس آیت میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو جہل مراد ہیں، کیونکہ ایک دن ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ پر لید پھینک دی، اس وقت تک حضرت حمزہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابو جہل کی اس حرکت کی حضرت حمزہ کو خبر دی گئی، وہ اس وقت ہاتھ میں کمان لیے ہوئے شکار سے واپس آ رہے تھے، یہ سن کر غضبناک ہوئے اور جا کر ابو جہل کو کمان سے مارا، ابو جہل فریاد کر رہا تھا کہ تم کو پتا نہیں وہ کم عقل کیا کہتا ہے؟ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کی مخالفت کرتا ہے۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑا بے وقوف اور کون ہے؟ تم اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی عبادت کرتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(اسباب النزول، رقم الحدیث: ۴۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان حدیثوں کے مطابق حضرت عمر یا حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما پہلے کفر میں مردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

اسلام سے زندہ کیا اور ان کو اسلام کی نمایاں خدمات کرنے کی توفیق دی' جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ میں وہ دونوں آج تک روشن ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے منارۂ نور ہیں' ایسے لوگ ابوجہل جیسے لوگوں کی مثل کب ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں رہے اور ان اندھیروں سے کبھی نکل نہ سکے' ہرچند کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں' لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیتوں میں مطلقاً مومن اور کافر مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

علم اور جہل کے مراتب

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ نے کہا ہے کہ ارواح بشریہ کی معرفت میں چار مراتب ہیں۔ پہلے مرتبہ میں اس کو بالفعل کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن وہ علوم اور معارف کی استعداد رکھتا ہے' بسا اوقات یہ استعداد کامل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ استعداد کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کو اس آیت میں موت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو علوم کلیہ اولیہ حاصل ہوتے ہیں' اس کو عقل کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف اس آیت میں فاحییناہ (ہم نے اس کو زندہ کیا) سے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسرے مرتبہ میں انسان معلومات بدیہیہ سے مجہولات نظریہ کو حاصل کرتا ہے' اس کی طرف اس آیت میں وجعلنا له نورا (اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا) سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تمام معارف قدسیہ اس کے سامنے حاضر بالفعل ہوں' اور وہ روح ان معارف کے ساتھ منور اور کامل ہو جائے۔ اس کی طرف اس آیت میں یمشی به فی الناس (جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے) سے اشارہ فرمایا ہے' اور اس مرتبہ کے حصول کے بعد نفس انسان کی سعادت کے درجات مکمل ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیکھنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ آنکھ سلامت ہو اور کوئی خارجی روشنی بھی ہو' اسی طرح بصیرت کے لیے بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ عقل سلیم ہو اور نور وحی اور نور کتاب دستیاب ہو۔ اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد دین ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد حکمت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بصر اور بصیرت کے لیے آنکھ اور عقل کا سالم ہونا اور خارجی روشنی اور نور قرآن کا میسر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے مومن کو عطا کی ہیں اور رہا کافر تو وہ ہمیشہ جہل' برے اخلاق اور بداعمالیوں کی تاریکیوں اور کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے' اور خوف' دہشت اور عجز کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ٥' ص ١٣٤-١٣٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا' تاکہ وہ وہاں فریب کاری کریں (حالانکہ وہ حقیقت میں) صرف اپنے ساتھ فریب کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (الانعام: ١٢٣)

کفار اور فساق کو مقتدر بنانے کی حکمت

مجرموں کو ان بستیوں کا سردار اس لیے بنایا کہ عہد شکنی' مکر و فریب اور جھوٹی اور باطل باتوں کو لوگوں میں رائج کرنا ان ہی لوگوں کی زیادہ قدرت اور اختیار میں تھا۔ نیز مال کی کثرت اور منصب کی قوت انسان کو ان کی حفاظت میں زیادہ کوشش کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے لیے انسان ہر قسم کے جائز اور ناجائز حیلے اختیار کرتا ہے اور جھوٹ' مکر اور فریب' عہد شکنی اور دغابازی سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اہل مکہ کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیئے گئے ہیں' اسی طرح انسانی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ' یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فساق اور فجار کو مقتدر اور سردار بنا دیتا ہے' اور اس وجہ سے حق اور باطل'

ایمان اور کفر کے درمیان شورش بپا رہتی ہے۔ ان بستیوں کے سردار انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو تنگ کرتے ہیں۔ اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں' لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفار اور فساق کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں' ان کو آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل دیا جائے' جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا' عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا' کیونکہ وہ فریب کاری کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۴)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا' کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور ابوجہل نے کہا بخدا ہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (المدثر: ۵۲) بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کو دے دیئے جائیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں' حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا' یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں' بعض روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں' تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الٰہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روحیں خسیس اور ملدر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں' پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں' بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں۔ اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۷' ۱۳۶۰۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں' ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنالیتا ہے' بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ لہٰذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے' اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: ۱۲۴) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ

قادر مختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں:

۱۔ اس کو ماضی' حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔

۲۔ اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو' اور اس کے کانوں میں کلام منظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے۔

۳۔ اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش' نجات' آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے' لیکن سورۃ الانعام: ۱۲۴ کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے' اور تمام اوصاف بعض انبیاء میں نہیں پائے جاتے' مثلاً ہر نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔
(شرح مقاصد' ج ۵' ص ۲-۱۹' ملخصاً' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۹ھ' شرح مواقف' ج ۸' ص ۲۲۲-۲۱۸' ملخصاً' مطبوعہ ایران)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء

علامہ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجنا' کتابوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا' اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے' یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے' یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے۔ تاکہ وہ اللہ سبحانہ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد میں کن احکام کے محتاج ہیں۔ بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی صفات' تقدیر' ملائکہ اور اللہ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔

۲۔ احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے؟

۳۔ قیامت' جنت' دوزخ' حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کی صفات لازمہ

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو' وہ اس میں سب سے اشرف اور اکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ (یوسف: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم' آسیہ' سارہ' ھاجرہ اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو' فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں' تاکہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء علیہم السلام بخل' بزدلی' لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل' ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی' نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں' مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں' مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔

بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے' نبوت عطا فرماتا ہے۔ لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن اور حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی' وہ مذکور الصدر صفات کا حامل تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو' اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا' اولوالعزم پانچ ہیں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ۔ کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البہیہ' ج ۲' ص ۲۶۹-۲۵۶' ملخصا' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے' اسی طرح ان لوگوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام: ۱۲۵)

اسلام کے لیے شرح صدر کی علامت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کے راستہ کی طرف ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے گا' اس کا سینہ دنیا میں اسلام کے لیے کھول دے گا' حتیٰ کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور اسلام کو ترک نہیں کرے گا' یہ حالت ایمان لانے کے بعد ہوگی' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن: ۱۱)
اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا' اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹)
اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا' ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔

اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۱' ۳۱۱۶' ۷۳۱۲' ۳۶۴۱' ۷۴۶۰' صحیح مسلم' الامارہ ۱۰۳۷' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۶۴۷)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فمن یرد اللّٰہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام تو صحابہ نے پوچھا اس کا شرح صدر کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب اس کے دل میں نور نازل ہوگا تو

اس کا سینہ کھل جائے گا' صحابہ نے پوچھا کیا اس کو پہچاننے کی کوئی علامت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس کا دل آخرت کی طرف راغب ہو گا اور دنیا سے وہ پہلو بچائے گا اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے تیار رہے گا۔

(جامع البیان 'ج ۸' ص ۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین جو دعوت اسلام کو مسترد کر رہے ہیں' آپ ان سے رنجیدہ نہ ہوں' جو شخص اللہ کے ارادہ اور اس کی تقدیر میں ایمان لانے کا اہل ہو گا' اللہ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر: ۲۲)

تو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے (عظیم) نور پر ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ (الحجرات: ۷)

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت سے تمہیں متنفر کر دیا' یہی لوگ کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

اور جس شخص نے شرک سے اپنی فطرت کو فاسد کر دیا اور فسق اور معصیت سے اپنے دل کو میلا کر دیا' وہ اسلام کو قبول کرنے سے اپنے دل میں شدید تنگی اور گھٹن محسوس کرتا ہے اور کسی بھی نیکی کے لیے اس کے دل کے دروازے نہیں کھلتے۔ جیسے کوئی شخص اپنے میلان طبعی کے خلاف آسمان کی جانب چڑھ رہا ہو تو اس کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اوپر اللہ شیطان کو مسلط کر دے گا اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں' پھر شیطان اس کو گمراہ کر دے گا اور سیدھے راستہ سے بھٹکا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ کے رب کا پسندیدہ سیدھا راستہ ہے' ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے۔ (الانعام: ۱۲۶)

اس آیت کا معنی ہے' یہ اسلام جس کے لیے اللہ تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے' یہی آپ کے رب کا وہ طریقہ ہے جس کو اس نے لوگوں کے لیے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط مستقیم ہے۔ (سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۹۱۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے تفصیل سے آیتوں کو بیان کر دیا ہے اور' جو لوگ اسلام پر صحیح عمل کرتے ہیں' ان کے لیے جنت ہے جو سلامتی کا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس سلامتی کے گھر ہیں' اور وہی ان کا کارساز ہے' کیونکہ وہ (نیک) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۷)

جنت کو دار السلام فرمانے کی وجوہات

اس آیت میں جار مجرور کی تقدیم مفید حصر ہے۔ یعنی دار السلام ان ہی کے لیے ہے' ان کے غیر کے لیے نہیں ہے۔

دار السلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ پس دار السلام کا معنی ہے وہ گھر جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے' اور یہ اضافت تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ سلام دار کی صفت ہے' یعنی یہ سلامتی کا گھر ہے اور جنت کو دار السلام اس لیے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر قسم کے عیوب' تکلیفوں اور مشقتوں سے سلامتی ہے۔

جنت کو دار السلام کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت میں دخول کے وقت سلام کیا جائے گا' اللہ کی طرف سے' فرشتوں کی طرف سے اور اہل اعراف کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور جنتی بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

و نادوا اصحاب الجنۃ ان سلام علیکم (الاعراف:۴۶) و تحیتھم فیھا سلام (یونس:۱۰) سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (الرعد:۲۴) ادخلوھا بسلام امنین (الحجر:۴۶) یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل:۳۲) سلام قولا من رب رحیم (یس:۵۸) وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (الزمر:۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض لوگوں نے بعض سے (ناجائز) فائدے اٹھائے اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا (دوزخ کی) آگ تمہارا ٹھکانا ہے' تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' مگر جسے اللہ چاہے' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(الانعام:۱۲۸)

جہنم کے خلود سے استثناء کی توجیہات

یعنی جب ہم قیامت کے دن تمام انسانوں اور جنات کو جمع کریں گے اور کہیں گے اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا' اور جن انسانوں نے جنات کے وسوسے غور سے سنے تھے' اور ان سے محبت رکھی تھی' اور ان کی اطاعت کی تھی' وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب میں کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے نفع اٹھایا' انسانوں نے شیطانوں سے نفع اٹھایا کیونکہ شیطانوں نے ان کو ان کی شہوت پوری کرنے کے ناجائز ذرائع بتائے اور جب انسانوں نے ناجائز ذرائع اور گناہ کے راستوں پر چل کر اپنی شہوت کو پورا کر لیا' تو شیاطین جو ان کو گمراہ کرنا چاہتے تھے' ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک فریق نے دوسرے فریق سے فائدہ اٹھا لیا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے وہ میعاد پوری کر لی جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی' یعنی ہم نے طبعی زندگی پوری کر لی اور ہم پر موت آ گئی اور یا ہم اس میعاد کو پورا کر کے میدان حشر میں پہنچ گئے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ حشر کا دن بہت ہولناک دن ہو گا' اور اس دن سب اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور اپنی تقصیرات پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے' اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے تو مالک اور احکم الحاکمین ہے' ہمارے متعلق جو چاہے فیصلہ فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا' تم دونوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے جس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اس کے بعد فرمایا مگر جسے اللہ چاہے' اس استثناء کی دو توجیہیں ہیں۔ (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں۔ ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدان حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اور وہ اس میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے' تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکال کر زمہریر (سخت ٹھنڈا اور برفانی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے' تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ الغرض وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا' یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۴۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اسی طرح بعض ظالموں پر بعض کو مسلط کر دیتے ہیں' کیونکہ وہ (معصیت کے) کام کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۲۹)

ظالم حکومت کا سبب عوام کا ظلم ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ بعض جن اور انسان ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کا یہ باہمی استفادہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم اور قضاء و قدر کے موافق تھا' اور وہ جس چیز کا ارادہ کرتے تھے' اللہ تعالیٰ ان میں وہی چیز پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کا ولی' کارساز اور مددگار بنا دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (التوبہ: ۷۱) — مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (الانفال: ۷۳) — بعض کافر بعض کے مددگار ہیں۔

اور جس طرح بعض انسان اور جن ایک دوسرے کے کام آتے تھے' اسی طرح کافر کفر اور معصیت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں۔ وہ شخص جو معصیت کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور جو حاکم اور افسر اپنے ماتحت لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور جو تاجر جعلی اشیاء اور ملاوٹ والی چیزیں فروخت کر کے صارفین پر ظلم کرتا ہے' اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں پر ظلم کرتے ہیں اور سیاسی عہدہ دار اور وزراء عوام کے ٹیکسوں سے اللے تللے کرتے ہیں اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کی رگوں سے خون نچوڑتے رہتے ہیں' ان سب ظالموں پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ اس کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے اور اس کے ناراض ہونے کی علامت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! انہیں یہ بتاؤ کہ جب میں ان کے اچھے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے راضی ہوں اور جب میں ان کے برے لوگوں کو ان پر حاکم بناؤں تو میں ان سے ناراض ہوں۔

(شعب الایمان' ج ۶' رقم الحدیث: ۷۳۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے مطابق بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی

بہتری کا ارادہ کرے تو نیک بادشاہ مقرر کرتا ہے اور جب ان کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو عیش پرست بادشاہ مقرر کرتا ہے۔
(شعب الایمان' ج ٦' رقم الحدیث: ٧٣٨٩)

ابراھیم بن عمش بیان کرتے ہیں کہ میرے والد یہ کہتے تھے 'اے اللہ تو نے ہمارے اعمال کے مطابق ہم پر حکام مسلط کر دیئے' جو ہم کو پہچانتے ہیں نہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔ (شعب الایمان' ج ٦' رقم الحدیث: ٧٣٩٠)

یونس بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے تم ہو گے ویسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (شعب الایمان' ج ٦' رقم الحدیث: ٧٣٩١)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ظلم پر مدد کی وہ تادم مرگ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا۔
(سنن ابو داؤد' ج ٣' رقم الحدیث: ٣٥٩٨' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٢٣٢٠)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ٣٠)

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کیے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیات بیان

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم خود اپنے خلاف گواہی

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انھوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝١٣٠ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ

کہ وہ کافر تھے ○ یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلماً ہلاک کرنے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝١٣١ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ

والا نہیں ہے درآں حالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں ○ اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝١٣٢ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ

اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ○ اور آپ کا رب ہی مستغنی رحمت والا ہے

إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ

اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے، جس طرح تم کو ایک

أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ

اور قوم سے پیدا کیا ہے ○ بیشک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ

وَّمَآ أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ آپ کہیے اے میری قوم: تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو

إِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، سو تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

الدَّارِ ۗ إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے جنات اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے، جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں! ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور (اب) انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰)

جنات کے لیے رسولوں کے ذکر کی توجیہات

اس آیت میں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات سے بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں، حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول صرف انسانوں سے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ جنات کے رسول سے رسول کا اصطلاحی اور معروف معنی مراد نہیں ہے، یعنی وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر وحی اور کتاب کا نزول ہو، بلکہ یہاں رسول سے لغوی معنی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جنات کے رسول وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وحی سن کر اپنی قوم کو پہنچائی یعنی مبلغ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ (الاحقاف: ۲۹)

اور یاد کیجئے جب ہم آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو لائے، سو جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا خاموش رہو، پھر جب (قرآن کی تلاوت) ہو چکی تو وہ اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے لوٹے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

آپ کہئے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن: ٢-١)

جماعت نے میری تلاوت کو غور سے سنا' تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

٢- مجاہد نے کہا انسانوں کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا گیا ہے اور جنات کی طرف منذرین کو اور اس آیت میں جنات کے رسول سے مراد منذرین ہیں' یعنی ڈرانے والے۔

٣- کلبی نے کہا کہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانوں اور جنات دونوں کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے ہر رسول صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور آپ کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا' تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی۔ پس میرا امتی جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے' وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور مجھے شفاعت دی گئی اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٣٣٥' ٤٣٨' ٣١٢٢' صحیح مسلم المساجد' ٣' (٥٢١) ١١٣٣' سنن النسائی' ج ١' رقم الحدیث: ٤٣٢' ج ٢' رقم الحدیث: ٧٣٦)

٤- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پہلے صرف انسانوں کی طرف رسول مبعوث ہوتے تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ انسانوں کے بھی رسول ہیں اور جنات کے بھی رسول ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (سابق) انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم (جس کلام میں الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ) عطا کیے گئے ہیں۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا اور انبیاء کی بعثت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(صحیح مسلم' المساجد' ٥' (٥٢٣) ١١٣٧' سنن الترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٥٥٨' سنن ابن ماجہ' ج ١' رقم الحدیث: ٥٦٧' مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ٩٣٣٨' طبع جدید دار الفکر)

٥- اس آیت میں تغلیباً جنات کے مبلغین پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے' جیسے مذکر کو مونث پر غلبہ دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں صرف مذکر کو خطاب کیا جاتا ہے اور مونث پر بھی مذکر کے صیغہ کا اطلاق کیا جاتا ہے' حالانکہ وہ مذکر نہیں ہوتیں۔ اسی طرح جنات کے مبلغین پر بھی رسول کا اطلاق کر دیا گیا ہے' حالانکہ جنات میں معروف اور مصطلح معنی میں رسول نہیں ہوتے۔ جنات کے مبلغین پر تغلیباً رسول کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ میدان قیامت میں صرف انسانوں اور جنات سے حساب لیا جائے گا اور باقی مخلوق سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جب ان دونوں گروہوں سے ثواب اور عذاب کے ترتب کے لیے ایک طرح کا

حساب لیا جائے گا' تو گویا یہ دونوں ایک جماعت ہیں اور ان سے ایک خطاب کیا گیا۔

جنات کو شعلوں والی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' دونوں کی خلقت الگ الگ ہے۔ ان میں بھی مومن اور کافر ہوتے ہیں اور ابلیس دونوں کا دشمن ہے' وہ ان کے کافروں سے دوستی رکھتا ہے اور ان کے مومنوں سے عداوت رکھتا ہے۔ ان میں بھی شیعہ' قدریہ اور مرجئہ وغیرہا فرقے ہیں۔ وہ ہماری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جنات کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (الجن: ١١)
اور ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف' ہم کئی مسلکوں میں متفرق ہیں۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ۔ (الجن: ١٤)
اور ہم میں کچھ اللہ کے فرمانبردار ہیں اور ہم میں کچھ نافرمان ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا: ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا ہوا ہے' اور قیامت کے دن جب ان کے اعضاء خود ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے شرک کا اعتراف کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (گواہی اس وجہ سے لی گئی) کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلماً ہلاک کرنے والا نہیں ہے درآنحالیکہ ان میں رہنے والے (شریعت سے) بے خبر ہوں۔ (الانعام: ١٣١)

جن علاقوں میں اسلام کا پیغام نہیں پہنچا' وہاں کے باشندوں کا حکم

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسولوں کو بھیجا ہے' اور انہوں نے لوگوں کو کفر اور شرک پر عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس اللہ کی طرف سے ایمان لانے کی دعوت نہ پہنچے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیامیٹ کرنے کے لیے عذاب نہیں بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ٢٤)
اور ہر قوم میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ٣٦)
اور بے شک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا' کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنو اسرائیل: ١٥)
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

ان آیتوں سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ جن علاقوں میں بالفرض اسلام کا پیغام نہیں پہنچا' ان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے کو مان لینا کافی ہے' ان کی نجات ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کے مطابق درجات ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (الانعام: ١٣٢)

آیا مومن جن جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن اور انس میں سے ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن جن بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ حسب ذیل آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ‏ ۞ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا‌ ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۞ (الاحقاف: ۱۹-۱۸)

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی' یہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے مطابق درجات ہیں' تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسانوں کی طرح جنات میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکوکار ہو گا' وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہو گا' وہ دوزخ میں جائے گا۔ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے' اس کے برخلاف بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جنات جنت میں نہیں جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۸۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جنات کے دخول جنت کے متعلق علماء کی آراء

علامہ احمد شہاب الدین بن الحجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنات میں سے کافروں کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ' ابو الزناد' لیث بن ابی سلیم سے یہ روایت ہے کہ جنات میں سے مومنین کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہو گا' سوا اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جائے گی۔ پھر حیوانوں کی طرح ان سے بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ اور صحیح قول وہ ہے جس کو ابی ابن لیلیٰ' اوزاعی' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کو ان کی عبادات پر ثواب دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ جنات میں سے مومنین جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ قول ابن حزم نے جمہور سے نقل کیا ہے اور اس پر سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ولکل درجات مما عملوا (۱۳۲) کیونکہ اس آیت کو جن اور انس کے ذکر کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کل ملائکہ جنت میں ہوں گے اور کل شیاطین دوزخ میں ہوں گے اور جنت اور دوزخ دونوں میں انسان اور جن ہوں گے۔

(فتاویٰ حدیثیہ' ص ۶۱' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ بمصر' ۱۳۵۶ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے دلائل

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مومن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے' کیونکہ وہ ابلیس کی اولاد ہیں اور ابلیس کی اولاد جنت میں داخل نہیں ہو گی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۱۰' ص ۳۲۹۷)

امام ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصبہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

سلمہ نے کہا کہ جن جنت میں داخل ہوں گے نہ نار میں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو جنت سے نکال دیا۔ اب وہ ان کے باپ کو جنت میں لوٹائے گا نہ ان کو۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

مسلمان جنوں کے جنت میں داخل ہونے کے دلائل

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

یعقوب بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ جنوں کو ثواب ملے گا اور اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا (الاحقاف: ۱۹) اور (جن وانس میں سے) ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے

مطابق درجات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم 'ج ۴ 'ص ۱۳۸۹ھ)

امام ابوالشیخ عبداللہ بن محمد اصفہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مخلوق کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکمل جنت میں جائے گی' وہ فرشتے ہیں اور دوسری قسم کل دوزخ میں جائے گی' وہ شیاطین ہیں' اور مخلوق کی دو قسمیں جنت اور دوزخ میں جائیں گی۔ وہ جن اور انسان ہیں' ان کو ثواب بھی ہو گا اور عذاب بھی ہو گا۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۰'مطبوعہ بیروت)

ضحاک نے کہا جن جنت میں داخل ہوں گے اور کھائیں اور پئیں گے۔ (کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۱'مطبوعہ بیروت)

ارطاۃ بن المنذر نے ضمرۃ بن حبیب سے پوچھا کیا جن جنت میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (الرحمٰن: ۵۶) ان حوروں کو اس سے پہلے نہ انسان نے چھوا ہے نہ جنوں نے۔

انہوں نے کہا جنوں کے لیے جنت میں جنیات ہیں اور انسانوں کے لیے انسیات ہیں۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۲'مطبوعہ بیروت)

حرملہ بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے سوال کیا گیا کہ آیا جنوں کے لیے ثواب اور عذاب ہو گا؟ ابن وہب نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ○ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ (الاحقاف: ۱۹-۱۸)

یہ گزری ہوئی قوموں میں سے جن اور انس کے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات پوری ہو کر رہی۔ یہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں کے مطابق درجات ہیں' تاکہ اللہ انہیں ان کے کاموں کا پورا پورا اجر دے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(کتاب العظمۃ' رقم الحدیث: ۱۱۶۳'مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کے ان واضح دلائل کے اعتبار سے انہی علماء کا نظریہ درست ہے' جو کہتے ہیں کہ مسلمان جن جنت میں جائیں گے اور کافر جن دوزخ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب ہی مستغنی' رحمت والا ہے' اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ جن لوگوں کو چاہے لے آئے' جس طرح تم کو ایک اور قوم سے پیدا کیا ہے۔ (الانعام: ۱۳۳)

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے رب نے اپنے بندوں کو بعض کام کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض کاموں سے منع کیا ہے' اس کا یہ حکم دینا اپنے کسی فائدہ' کسی غرض یا کسی عوض کے لیے نہیں ہے' بلکہ ان کو اپنی عبادت کرنے اور احکام بجالانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت' ان کا رزق اور ان کی روزی اور ان کا نفع اور ان کا نقصان اس کے ہاتھ میں ہے' وہ اس کے مکمل طور پر محتاج ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت کر کے اپنی احتیاج اس کے

سامنے ظاہر کریں' تاکہ وہ ان پر اپنا لطف و کرم اور اپنا فضل و احسان کرے۔ نیز گناہوں کی آلودگی اور معصیت کے زنگ سے ان کی روحیں مکدر اور ظلمانی ہوں گی۔ اس لیے ارواح بشریہ اور نفوس انسانیہ کو متقین اور ابرار کے درجہ میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اطاعات و عبادات کی ترغیب دی جائے اور ممنوعات اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ سو اس لیے فرمایا کہ آپ کا رب مستغنی ہے' یعنی اس کو بندوں کی اطاعت اور عبادت کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ رحمت والا ہے' اس لیے یہ احکام اس کی رحمت کا تقاضا ہیں' تاکہ اس کے بندے دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکیں۔

استغناء اور رحمت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر وہ مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے کمال کے حصول میں غیر کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' اور یہ کلام مفید حصر ہے' یعنی اس کے سوا اور کوئی مستغنی نہیں ہے' کیونکہ واجب لذاتہ واحد ہی ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح رحم فرمانے والا بھی وہی ہے' اس کے سوا اور کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں' بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں' پیاسے کو پانی پلاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزیں پیدا نہ کرتا' تو وہ کیسے کھلاتے اور پلاتے اور اگر یہ چیزیں پیدا کر دی تھیں پھر بھی اگر رحم کرنے والے میں اتنی قدرت نہ ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا تو وہ کیسے ان کو کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر قدرت بھی ہوتی' لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رحم کا جذبہ پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے کھلاتا اور پلاتا؟ اور اگر یہ سب کچھ ہوتا لیکن جس کو کھلانا پلانا ہے' اس میں کھانے پینے کی قدرت نہ ہوتی' مثلاً اس کے منہ میں ناسور ہوتا یا اس کا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ جاتا اور اس کا منہ بند ہو جاتا' تو وہ کیسے کھاتا پیتا؟ اور یہ کیسے اس کو کھلاتا اور پلاتا؟ پس غور کیجئے کھانے پینے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں' ان کے حصول کی قدرت بھی اس نے دی' دل میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا' بھوکے اور پیاسے میں کھانے اور پینے کی صلاحیت اور قدرت بھی اس نے دی تو وہی رحم کرنے والا ہے۔ بندے نے کیا کیا ہے! پھر بندہ کا رحم کرنا کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتا ہے' کبھی سابق احسان کو اتارنے کے لیے رحم کرتا ہے' کبھی دنیا میں تعریف' کبھی آخرت میں اجر کے لیے رحم کرتا ہے' کبھی اس لیے رحم کرتا ہے کہ وقت پڑنے پر اس پر بھی رحم کیا جائے اور کبھی اس لیے کہ کسی ضرورت مند کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت پیدا ہوتی ہے' اس کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے۔ سو بندہ جو رحم کرتا ہے' اس میں کسی غرض یا کسی عوض کی احتیاج ہوتی ہے اور ان اسباب کی احتیاج ہوتی ہے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور جو ہر سبب' ہر عوض اور ہر غرض سے مستغنی ہو کر رحم کرتا ہے' وہ صرف اللہ عزوجل ہے۔ اسی لیے فرمایا آپ کا رب ہی مستغنی ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں چونکہ رحمت کا ذکر فرمایا ہے' اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی جہان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس جہان کے لوگوں نے اس کی اطاعت نہیں کی تو وہ اس جہان کے لوگوں کو فنا کر کے ایک اور قوم کو پیدا کر دے گا' جیسا کہ وہ ان لوگوں کو ایک اور نسل سے پیدا کر چکا ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس کے رحیم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کی رحمت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے' بلکہ وہ ہر قوم سے مستغنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس (روز قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' وہ ضرور آنے والا ہے' اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ (الانعام: ١٣٤)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے‘ اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان سے قیامت کا وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے اور تم اللہ کو اس کے لانے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اس میں اور بھی کئی احتمال ہیں کہ مسلمانوں سے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کفار اور منافقین کو جو عذاب کی وعید سنائی ہے‘ وہ بھی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں‘ سو تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے‘ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (الانعام: ۱۳۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے طریق کار پر قائم رہو میں اپنے طریق کار پر قائم ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار کو کفر کے طریقہ پر قائم رہنے کا حکم کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم مکلف کرنے کے لیے نہیں ہے‘ بلکہ تہدید اور سرزنش کے طور پر ہے‘ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اور اس تہدید پر اس آیت کا یہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ

اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ

نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ

کے لیے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے، سو جو حصہ ان کے

لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ

شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ

پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○ اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ

شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور

وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو آپ ان کو اور

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ

ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجیے ○ اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں، ان کو وہی کھائے گا جس کو

اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ

ہم چاہیں گے، (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے، اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں

لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے، وہ عنقریب ان کو ان کی افترا پردازیوں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ

کی سزا دے گا ○ اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں

لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہیں، اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد

فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٣٩﴾

اور عورتیں سب شریک ہیں، وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا، بیشک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے ○

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا

بیشک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے حماقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾ ع

اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا، بیشک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے' وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے' وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے' یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

(الانعام: ١٣٦)

اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کے محامل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس لیے مذمت کی تھی کہ وہ قیامت کا اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا انکار کرتے

ہیں اور ان کے دیگر جاہلانہ اقوال کی مذمت کی تھی اور ان کی عقل اور سوچ کا ضعف اور فساد بیان فرمایا تھا۔ ان کی ان ہی جہالات میں سے ایک یہ جہالت تھی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لیے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لیے تھا کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے دو حصے کیے۔ ایک اللہ کا اور ایک بتوں کا' حالانکہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب اسی کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا' اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن پھلوں کو انہوں نے اللہ کا حصہ قرار دیا تھا' اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی میں سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

۲۔ حسن نے کہا اگر بتوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ کے حصہ میں سے اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ کے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

۳۔ قتادہ نے کہا اگر قحط آ جاتا تو اللہ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے' لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۵۶۔ ۵۳' ملخصاً' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تقسیم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟ اس فیصلہ کے برے ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ پھلوں اور غلہ کی حفاظت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حصہ پر بتوں اور شیطان کے حصہ کو ترجیح دی۔

۲۔ انہوں نے از خود کچھ حصہ بتوں کے لیے مخصوص کیا' اور کچھ اللہ کے لیے' حالانکہ سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا تھا' یہ ان کی جہالت ہے۔

۳۔ حصوں کی یہ تقسیم انہوں نے بغیر کسی عقلی اور شرعی دلیل کے کی اور یہ ان کی جہالت ہے۔

۴۔ پھلوں اور مویشیوں کی پیدائش میں بتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ وہ ان پھلوں اور مویشیوں سے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں' تو پھر بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں میں سے حصہ رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا محض ان کی جہالت ہے۔

ان وجوہ سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین کا یہ بہت برا فیصلہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا' تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں' اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے' سو آپ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دیجئے۔ (الانعام: ۱۳۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا' اپنے خالق اور منعم کی

معرفت سے نہایت جہالت تھی' اسی طرح شیطان کے ورغلانے سے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی ان کی نہایت جہالت اور گمراہی ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے احکام اور افعال لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔
مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ان کے شیاطین نے ان کو یہ حکم دیا کہ یہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں' تاکہ رزق میں کمی کی وجہ سے ان کو اولاد کی پرورش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور بعض نے یہ کہا کہ شیطان نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیں' تاکہ بیٹی کے باپ کو جس عار اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے' اس سے یہ بچ جائیں۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خاندانی منصوبہ بندی کی ترغیب اور تشہیر کا شرعی حکم

شیطان نے جو ان کے لیے قتل اولاد کو مزین کیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے ان کے دلوں میں یہ خوف ڈالا کہ اگر بچے زیادہ ہو گئے تو ان کی پرورش مشکل ہوگی' سو وہ تنگی رزق کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیتے تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (الاسراء: ۳۱)
اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

آج کل حکومتی ذرائع نشر و اشاعت سے ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کا بہت زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کم بچے اور خوش حال گھرانا اور یہ کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک (۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۷ء) پچاس سال میں ملک کی آبادی تقریباً چار گنی ہو چکی ہے' اور ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے۔ ملک کے وسائل آبادی کے اس سیلاب کے متحمل نہیں ہیں' اس لیے بچے دو ہی اچھے۔ لیکن خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کی بنیاد تنگی رزق کا خوف ہے اور یہی زمانہ جہالت میں کافروں اور مشرکوں کا نظریہ تھا۔ جس کا قرآن مجید نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے' اور نبی ﷺ نے اس پر زور دیا ہے کہ بچے زیادہ پیدا کیے جائیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' مجھے ایک عورت ملی ہے جو بہت خوبصورت اور عمدہ خاندان کی ہے' لیکن اس سے بچے نہیں ہوتے (وہ بانجھ) ہے' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! وہ دوبارہ آیا اور پھر اجازت طلب کی' آپ نے پھر منع فرمایا۔ اس نے تیسری مرتبہ آکر اجازت طلب کی' تب آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو' کیونکہ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۲۲۷' صحیح ابن حبان' ج ۹' رقم الحدیث: ۴۰۵۷' ۴۰۵۶' ۴۰۲۸' سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث: ۴۹۰' مسند احمد' ج ۳' ص ۲۴۵' ۱۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۸۲-۸۱' مجمع الزوائد' ج ۴' ص ۲۵۸-۲۵۲' المعجم الاوسط' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۷۴۲)

قرآن مجید کی اس صریح آیت اور اس حدیث صحیح کا صاف اور صریح منشاء اولاد کی کثرت ہے' نہ کہ اولاد کی قلت! اس لیے خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کا وسائل پیداوار میں کمی کی بنیاد پر پروپیگنڈہ کرنا اسلام کے خلاف ہے' اور اس کو کسی جبری قانون کے ذریعہ عوام پر لاگو کرنا شرعاً جائز نہیں ہے' البتہ اگر کسی صحیح شرعی عذر کی بناء پر جدید طبی طریقہ سے ضبط ولادت کو روکا

جائے تو وہ جائز ہے۔

ضبط تولید کے بارے میں مصنف کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے' کیونکہ اول تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں' وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

(الف) کوئی شخص تنگی رزق (خشیة املاق) کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے' یہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس کا حرمت کی علت ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق (اسراء: ۳۰)

(ب) کوئی شخص لڑکیوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے' کیونکہ ان کی تزویج میں مشقت اور عار کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اور یہ نیت زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کی ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔

جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے' وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) لونڈیوں سے ضبط تولید کرنا' تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے' ہرچند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے' لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہو گا۔

(ب) اگر سلسلہ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید جائز ہے۔

(ج) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبط تولید جائز ہے' کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس ماہ بعد دوسرا بچہ آ جائے' تو اس کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

(د) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں انسان اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا' اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(ہ) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے' بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کیلئے یہ عمل جائز ہے۔

(و) جب پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو ایسا طریقہ اختیار کرنا واجب ہے' جس سے سلسلہ تولید بالکلیہ بند ہو جائے۔

(ز) اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی' تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

عزل کے علاوہ ضبط تولید کے حسب ذیل مروج طریقے بھی شرعاً جائز ہیں:

(الف) کھانے والی گولیاں اور انجکشن (ب) کیمیاوی اشیاء (Chemical Methods) مثلاً فوم جیلی اور کریم وغیرہ کا بیرونی استعمال (ج) ساتھی (Condom) (د) ڈایافرام۔ (ہ) چھلہ (Loop) (و) نل بندی (Tubal Ligation)

آخر الذکر عمل' یعنی نل بندی میں عورت کے بیضہ دان کی نالی کو (Fallopion Tube) کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے' اس

عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی' یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ایک اس صورت میں جب عورت کا آپریشن سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے' اور دوسری اس صورت میں جب کوئی ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے سے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ان صورتوں میں نل بندی صرف جائز ہی نہیں' بلکہ واجب ہے۔

ضبط تولید کا ایک طریقہ شرعاً ممنوع ہے' اور وہ ہے نس بندی (Vasec Tomy) اس عمل میں مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (Sperm) گزرتے ہیں' ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے' کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے' انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خودکشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے' نہ اپنا کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دے سکتا ہے' اسی لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے۔بنابریں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بعض صحابہ نے عسرت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی اور شہوت کم کرنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم دیا۔(صحیح مسلم' ج ۱' ص ۴۴۹' مطبوعہ کراچی)

استقرار حمل کو روکنے کے لیے گولیاں کھائی جائیں' کیمیائی اشیاء لگائی جائیں یا خارجی حائل (ساتھی اور چھلہ وغیرہ) کا استعمال کیا جائے۔ان میں سے کوئی چیز بھی حمل سے رکاوٹ کا یقینی سبب نہیں ہے۔بسا اوقات دوائیں اور کیمیاوی اشیاء اثر نہیں کرتیں' بعض مرتبہ ڈایا فرام کے استعمال کے باوجود قطرات رحم میں چلے جاتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات چھلہ کے استعمال کے باوجود حمل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کنڈوم (ساتھی) پھٹ جاتا ہے اور قطرے رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے: جس پانی سے بچہ نے پیدا ہونا ہے اگر تم اس کو پتھر پر بھی ڈال دو تو اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا کر دے گا اور یہ بارہا مشاہدہ ہوا کہ ضبط تولید کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات جڑواں بچے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تمام چیزوں کے مضر اثرات بہت زیادہ ہیں۔چھلہ اور ڈایا فرام کے استعمال سے الرجی اور انفیکشن کی شکایات عام ہیں' اور کھانے والی دواؤں سے سنا گیا ہے کہ چھاتی کا کینسر ہو جاتا ہے۔انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری اور طبعی نظام سے ہٹ کر کوئی کام کرے گا' مشکلات میں گرفتار ہو گا۔اس لیے ناگزیر حالات کے علاوہ ضبط تولید سے احتراز کرنا چاہیے۔

امام غزالی نے اپنے زمانے' حالات' ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عزل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ایک صورت حرام' ایک بدعت' اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔اب چونکہ ترقی یافتہ دور ہے' بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آچکے ہیں' اور ضروریات اور تقاضے بھی بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔اس اعتبار سے ہم نے ضبط تولید کی نو صورتیں بیان کی ہیں' جن میں پانچ مباح (جائز ہیں) دو ناجائز ہیں۔اور دو صورتوں میں سلسلہ تولید ختم کرنا واجب ہے۔ان میں عورت کی نسوانی انڈوں والی نس (Fallopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے' تاکہ یہ نسوانی انڈے رحم میں نہ داخل ہو سکیں' اس عمل کو نل بندی (Tubal Ligation) کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (ھود: ٦)

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف ہے؟ ایسے لوگوں سے میں یہ کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے' تو وہ حصول رزق کے لیے نوکریاں اور کاروبار کیوں کرتے ہیں؟ مستقبل کے لیے رقم پس انداز کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہیں؟ پس جس طرح حصول رزق کے ذرائع اور اسباب کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح بار معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت' ایمان اور توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض لوگوں کو یہ الجھن ہوتی ہے کہ ضبط تولید کرنا تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپ مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کرتے ہیں؟ جب تقدیر کا ہونا اٹل ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی تو آپ دعا کریں یا نہ کریں جو ہونا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔ اسی طرح آپ بیمار پڑ جانے پر علاج کیوں کراتے ہیں؟ اگر تقدیر میں بیمار رہنا ہے تو آپ لاکھ علاج کریں' صحت مند نہیں ہو سکتے! لیکن اس موقع پر آپ یہی کہتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی جائز ہے' اسباب کو اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر مبرم کو بدل دیں گے' تو یہ یقیناً ناجائز اور کھلا ہوا کفر ہے۔ لیکن اگر اسباب کو اس نیت سے بروئے کار لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نتائج کے حصول کے لیے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اسباب کے حصول کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے' وہی دراصل تقدیر ہوتی ہے۔ ہم دعا اور علاج تقدیر بدلنے اور نظام قدرت میں مداخلت کے لیے نہیں کرتے' بلکہ اس لیے دعا اور علاج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو راحت اور شفاء ہمارے لیے مقدر کی ہے اس کو وجود میں لاسکیں۔ اسی طرح ضبط تولید کا عمل تقدیر کو بدلنے یا اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے نہیں ہے (اور اگر کوئی اس نیت سے کرے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں) بلکہ ضبط تولید کا یہ عمل اس رکاوٹ اور پیدائش میں اس وقفہ کو وجود میں لانے کے لیے ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کیا ہے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور بچہ کی پیدائش سے احترازی کے لیے کرتے تھے۔ کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر توکل نہیں تھا' اس لیے عزل کرتے تھے' یا صحابہ کرام کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا' اس لیے عزل کرتے تھے' یا صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نظام خلق میں مداخلت کے لیے عزل کرتے تھے۔ پس جان لیجئے کہ جس طرح صحابہ کرام کا عزل کرنا ان خرابیوں کی نیت سے نہیں تھا' بلکہ نیت صحیحہ کی بناء پر تھا' اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے اس عمل کو بھی نیت صحیحہ پر محمول کرنا چاہیے۔

یاد رکھیے! اسباب و علل کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سیرت ہے۔ آپ کئی کئی دنوں کے لیے کھانا لے کر غار حرا میں جاتے تھے' ازواج کو ایک سال کے لیے خرچ دیتے تھے؟ زرہ میں ملبوس ہو کر میدان جنگ میں جاتے رہے ہیں' بیماری میں مختلف انواع سے آپ نے علاج کیا ہے اور صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو علاج کرانے کی ہدایت دی ہے' اس لیے کسی ضرورت کے وقت ضبط تولید کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف نہیں' بلکہ عین مطابق ہے۔

ہم نے ضبط تولید کے مسئلہ پر جو بحث کی ہے اور اس کی اباحت کی جو صورتیں بیان کی ہیں' یہ خالص علمی اور فقہی نوعیت کی بحث ہے۔ اور اس کو اسی تناظر میں پڑھنا اور سمجھنا چاہیے اور یہ بحث اسلام کے اس عمومی فلسفے پر مبنی ہے کہ اسلام دین یسر ہے' اور اس کے مبادیات اور اصولوں میں اتنی جامعیت اور ہمہ گیری ہے جو ہر دور کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدگیوں کا مثبت حل پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے خالص مادہ پرستانہ اور سیکولر فلسفے پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی اس بین الاقوامی تحریک کی تائید و حمایت یا حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں ہے' جو موجودہ دور میں پراپیگنڈے کے سحر اور ترغیب و تحریص کے مختلف طریقوں کو

بروئے کار لا کر چلائی جا رہی ہے' بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کسی اضطراری صورت حال' کسی فرد کی ایسی خالص شخصی وجوہ جو معقولیت پر مبنی ہوں یا واقعی ضرورت کے پیش نظر اسلام کی دی ہوئی رخصتوں کو بیان کر دیا جائے۔

جہاں تک دور جدید کے مادہ پرستانہ نظریہ خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو یہ خالص الحاد پر مبنی ہے اور اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریہ کا مرکزی نقطہ اور محور یہ ہے کہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محدود کر دیا جائے' تاکہ وسائل معاش اور اسباب معیشت کی تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے' یہ خالص خود غرضی پر مبنی فلسفہ ہے۔ جس کی اساس یہ ہے کہ ہم اپنی آسائش کے لیے دوسرے انسانوں کا وجود برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تاریخ انسانیت کا مطالعہ اور دور حاضر کے انسانوں کا مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے' کہ ہر نئے دور میں نسل انسانی کی افزائش کے باوجود بحیثیت مجموعی' انسان نے اپنے گزشتہ ادوار کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور پر آسائش زندگی بسر کی ہے اور وہ وسائل رزق کے اعتبار سے بھی مرفہ الحال رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون قدرت ہے اور وسائل واسباب سے برتر اور بالاتر رزق مخلوق کی حقیقی منصوبہ بندی قادر مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب اور جہاں ظاہری طور پر جغرافیائی' موسمی یا سائنسی اور علمی وفنی وجوہ کی بنا پر وسائل رزق انسانوں کے کسی گروہ یا کسی ملک یا قوم کے پاس ان کی ضرورت سے زیادہ مجتمع ہوئے تو بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے اس سے مخلوق خدا کو فیض یاب کرنے کی بجائے لاکھوں ٹن غلہ سمندر میں بہا دینا' یا اسے ضائع کر دینا (Damping) زیادہ مناسب سمجھا' درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو فلاح انسان اور انسان دوستی کے پرکشش نام پر زر کثیر صرف کر کے خاندانہ منصوبہ بندی کی مہم کو پس ماندہ اقوام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلا رہی ہیں' حالانکہ آج بھی ایک سادہ لوح دیہاتی سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ انسان کھانے کے لیے ایک منہ اور کمانے کے لیے دو ہاتھ لے کر پیدا ہوا ہے۔ گویا قدرت الٰہی اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اگر تم محنت اور مشقت کرو گے تو روزی کے دروازے کبھی تم پر تنگ نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب (طلاق: ۲) جس شخص کے دل میں خوف خدا ہو' تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (عالم غیب سے) راہیں کھول دے گا اور وہاں سے رزق عطا فرمائے گا' جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں' ان کو وہی کھائے گا جس کو ہم چاہیں گے (یہ پابندی) ان کے زعم باطل میں ہے اور بعض مویشیوں پر سواری حرام کی گئی اور بعض مویشیوں پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے' اللہ پر افتراء کرتے ہوئے' وہ عنقریب ان کو ان کی افتراء پردازیوں کی سزا دے گا۔ (الانعام: ۱۳۸)

مشرکین کے خود ساختہ احکام کا رد اور ابطال

کفار اور مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنے مویشیوں اور اپنے کھیتوں کی تین قسمیں کر دی تھیں:

۱- وہ مویشی اور کھیت جن کے متعلق وہ کہتے تھے' ان سے نفع اٹھانا کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے' یہ ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ کہتے تھے ان کو وہی شخص کھا سکتا ہے جس کو ہم کھلانا چاہیں اور ان کو صرف بتوں کے مرد خادم کھا سکتے ہیں' عورتیں نہیں کھا سکتیں اور ان کے اس خود ساختہ قول پر کوئی دلیل نہیں تھی' عقلی نہ نقلی۔

۲- وہ مویشی جن کی پشت حرام کر دی گئی تھی' ان پر کوئی سواری کر سکتا تھا اور نہ ان پر سامان لاد سکتا تھا' ان جانوروں کو وہ البحائر' السوائب اور الحوامی کہتے تھے۔ ان کی تفصیل المائدہ: ۱۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۳- وہ جانور جن پر ذبح کے وقت وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے' وہ ان پر ذبح کے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سے

کوئی نفع نہیں اٹھاتے تھے' حتیٰ کہ حج میں بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

انہوں نے جو یہ تقسیم کی تھی یہ محض اللہ تعالیٰ پر افترا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو مشروع نہیں کیا تھا اور ان کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ از خود اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام کریں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: ۵۹)

آپ کہئے: کہ بھلا! بتاؤ تو سہی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا' تم نے اس میں سے بعض کو حرام کر لیا اور بعض کو حلال کر لیا۔ آپ پوچھئے: کیا تمہیں اللہ نے (اس کی) اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ عنقریب اللہ ان کو ان کی افتراء پردازیوں کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہیں' وہ ان کی من گھڑت باتوں کی عنقریب سزا دے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے۔ (الانعام: ۱۳۹)

جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد دودھ ہے۔ عامر نے کہا بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے تھے اور اگر بحیرہ مر جائے تو اس کا گوشت مرد اور عورتیں دونوں کھاتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے' اس سے مراد دودھ ہے۔ وہ اس دودھ کو عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اس دودھ کو صرف مرد پیتے تھے اور بکری جب نر کو جنتی تو اس کو صرف مرد کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتی تھیں اور اگر وہ مادہ کو جنتی تو اس کو ذبح نہیں کرتے تھے اور اگر وہ مردہ جنتی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ (جامع البیان' ج ۸' ص ۶۳۔۶۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو ان کے اس جھوٹ کی سزا دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۞ (النحل: ۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں' ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے' تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو' بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں' وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

خود ساختہ شریعت سازی کا رد اور ابطال

ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دینا' یا بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو ناجائز اور حرام کہنا' اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے کے مترادف ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ امام جعفر صادق کی نیاز کی کھیر پوریوں کو اسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے اور اس کو وہاں سے منتقل کرنا جائز نہیں ہے' یا جیسے لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے قبضہ بھر داڑھی کو واجب کہتے ہیں' یا جیسے بعض لوگ میلاد شریف' گیارہویں شریف' سوئم اور چہلم وغیرہ کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ یا رسول اللہ! کہنے کو حرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور حرام بلکہ شرک کہتے ہیں' اور بعض لوگ یا رسول اللہ! کہنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں اس پر وعید ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کا مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ہے' ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھے گا حتیٰ کہ جب تم اس پر

قرآن کا نور دیکھو گے اور وہ اسلام کی پشت پناہ ہو گا تو قرآن اس سے جاتا رہے گا اور وہ اس کو پس پشت پھینک دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کرے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ! ان میں سے کون شرک کا مصداق ہو گا' جس پر شرک کی تہمت لگائی گئی ہے' یا شرک کی تہمت لگانے والا۔ آپ نے فرمایا بلکہ شرک کی تہمت لگانے والا۔ اس حدیث کو امام ابویعلی موصلی نے روایت کیا ہے۔

(مختصر اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد العشرہ' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۶۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے دیا تھا' اللہ پر افترا پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا' بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں۔ (الانعام: ۱۴۰)

بیٹیوں کو قتل کرنے کی شقاوت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا اور ان کو زندہ درگور کر دیا' ان لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ یہ تنگ دستی اور قلت رزق سے ڈرتے تھے اور یہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پاکیزہ رزق دیا تھا' اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ کر حرام کر دیا اور یہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے' کیونکہ انہوں نے دین اور دنیا کی سعادت کو کھو دیا اور یہ ہدایت کو حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص ہمیشہ مغموم رہتا تھا' آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تم کیوں مغموم رہتے ہو؟ اس نے کہا یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا اور میں ڈرتا ہوں کہ اللہ میرے اس گناہ کو نہیں بخشے گا' خواہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ! تمہارا گناہ کیا تھا؟ اس نے کہا یارسول اللہ! میں ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ میرے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی' اس کی ماں نے مجھ سے سفارش کی کہ میں اس کو چھوڑ دوں حتیٰ کہ وہ بڑی ہو گئی' حتیٰ کہ وہ عورتوں میں حسین ترین لڑکی تھی۔ لوگوں نے اس سے نکاح کرنے کا پیغام دیا' مجھے اس پر عار آیا اور میرے دل نے یہ برداشت نہیں کیا کہ میں اس کا نکاح کر دوں' یا اس کو بغیر نکاح کے رہنے دوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں اس کو فلاں فلاں قبیلہ میں اپنے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جا رہا ہوں' وہ یہ سن کر خوش ہوئی۔ اس نے اس کو اچھے کپڑے اور زیور پہنائے' میں اس کو لے گیا حتیٰ کہ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور میں نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا' وہ لڑکی سمجھ گئی کہ میں اس کو کنوئیں میں ڈالنا چاہتا ہوں' وہ مجھے چمٹ گئی اور رونے لگی اور کہنے لگی' اے میرے باپ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ مجھے اس پر رحم آیا' پھر میں نے کنوئیں کی طرف دیکھا اور مجھ پر پھر عار غالب آ گیا۔ وہ لڑکی پھر مجھ سے چمٹ گئی اور کہنے لگی' اے میرے باپ! میری ماں کی امانت کو ضائع نہ کر۔ میں نے پھر دوسری مرتبہ کنوئیں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس پر رحم آیا لیکن مجھ پر شیطان غالب آ گیا' میں نے اس کو پکڑا اور اس کو اوندھے منہ کنوئیں میں ڈال دیا اور وہ کنوئیں میں چلا رہی تھی' اے میرے باپ! تو نے مجھے مار ڈالا؟ میں اس کنوئیں پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آواز آنی بند ہو گئی' پھر میں واپس آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سن کر رونے لگے۔ اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی شخص کو زمانہ جاہلیت کے فعل پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جزء ۷' ص ۸۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَ

اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے جن کے کھانے

الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ

جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

بے جا خرچ نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اس نے بعض (قدآور) مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کیے، اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ

مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے، دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے،

اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

آپ کہیے کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے

عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں، مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو ○

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ

اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو (جوڑے) پیدا کیے آپ کہیے کیا اس نے دو نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ

حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں، یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں، یا تم اس

كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا، سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

پر افترا پردازی کرے تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے ۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾ ع

نہیں دیتا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کیے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت اگائے، جن کے کھانے مختلف ہیں اور زیتون اور انار اگائے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جب وہ درخت پھل دار ہوں تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ١٤١)

مشکل الفاظ کے معانی

معروشات: یہ لفظ عرش سے بنا ہے' عرش کا معنی ہے چھت۔ جس چیز پر بادشاہ بیٹھتا ہے' اس کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش (تخت) کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں عرشت الکرم میں نے انگور کی چھت بنا دی' یعنی انگور کی بیلیں اس طرح پھیلا دیں کہ ان سے چھت بن گئی۔ اس آیت میں جنات معروشات سے مراد وہ باغ ہیں جن میں پھلوں کی بیلیں ہوں' مثلاً انگور کی یا خربوزہ اور تربوز کی۔

غیر معروشات: جن پھلوں کے درختوں کو زمین پر چھوڑ دیا گیا ہو' جو اپنے تنے اور شاخوں کی وجہ سے کسی چھت پر ڈالے جانے سے مستغنی ہوں۔

حصاد: یہ لفظ حصد سے بنا ہے' اس کا معنی ہے فصل کاٹنا۔ درختوں سے پھلوں کے توڑنے کو بھی حصاد کہتے ہیں۔

وجود باری اور توحید پر دلیل

قرآن مجید کا موضوع توحید' رسالت' احکام شرعیہ' معاد اور جزاء و سزا کو بیان کرنا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو سرزنش کی تھی جو شرک کرتے تھے اور از خود احکام بنا لیتے تھے' اس کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیلوں اور درختوں والے باغات پیدا کیے اور کھجور کے درخت اور کھیت پیدا کیے۔ ان پھلوں کی شکل و صورت' ان کا رنگ' ان کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح کھیتوں سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے' ان کی ہیئت ان کا ذائقہ اور ان کے فوائد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ چیزیں از خود تو پیدا نہیں ہوئیں' اور نہ یہ چیزیں سورج' چاند اور ستاروں نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جب وہ غروب ہو جاتے ہیں تب بھی یہ چیزیں اسی طرح برقرار رہتی ہیں۔ پھر دنیا بھر کے لوگ جو اللہ کے سوا اور چیزوں کی خدائی کے قائل ہیں' ان چیزوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ

نہیں کیا کہ وہ ان باغوں اور کھیتوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ دار نہیں ہے تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ اللہ ہی دنیا بھر کے باغوں' کھیتوں اور ہرے بھرے جنگلوں کا خالق ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نباتات کا خالق ہے تو جمادات' حیوانات' انسانوں' جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کا بھی وہی خالق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے یا عام صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس' جابر بن زید' محمد بن حنفیہ' حسن بصری' سعید بن مسیب' طاؤس' زید بن اسلم' قتادہ اور ضحاک کا یہ قول ہے کہ اس حق سے مراد عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور نصف العشر (پیداوار کا بیسواں حصہ) ہے اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس حق کو اس حدیث نے منسوخ کر دیا جس میں عشر اور نصف عشر کو فرض کیا گیا' اور یہ قول اس اصول پر مبنی ہے کہ قرآن کے حکم کو سنت سے منسوخ کرنا جائز ہے' حسن بصری سے روایت ہے کہ اس حکم کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا' ضحاک نے کہا ہے کہ قرآن میں مذکور ہر صدقہ کو زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا' اور حضرت ابن عمر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے اور فصل کی کٹائی کے وقت اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت کھجور توڑنے اور فصل کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ ممانعت اس لیے ہے تاکہ دن میں کٹائی کے وقت مساکین آ سکیں۔ مجاہد نے کہا جب فصل کاٹی جائے تو اس میں سے کچھ حصہ مساکین کو دیا جائے' اس طرح جب درخت سے کھجوریں توڑی جائیں تو کچھ کھجوریں ان کو دی جائیں۔ اسی طرح جب ان کو صاع کے حساب سے ماپا جائے تو ان کو کچھ کھجوریں دی جائیں۔ (احکام القرآن' ج ۳' ص ۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس حق سے مراد عام صدقہ ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس لیے راجح ہے کہ احادیث میں بھی ارضی پیداوار کی زکوٰۃ' عشر یا نصف عشر بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو باغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے سیراب کیا گیا ہو' اس میں عشر ہے اور جن کو کنوئیں سے پانی حاصل کر کے سیراب کیا گیا ہو' اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن الترمذی ج ۲' رقم الحدیث: ۶۴۰' صحیح مسلم' زکوٰۃ ۷' (۹۸۱) ۲۲۳۶' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۹۷' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۴۸۹)

عشر کے نصاب میں مذاہب فقہاء

امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر' اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ وسق (تقریباً تیس من) سے کم کی مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اواق دو سو درہم' ۶۱۲.۳۶ گرام' ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم میں صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۴۷' صحیح مسلم' زکوۃ ۱' (۹۷۹) ۲۲۲۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۵۸' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۲۶' سنن النسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۴۴۵' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل

امام ابوحنیفہ کی دلیل قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت ہے۔ امام فخرالدین رازی نے اس کی یہ تقریر کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا قلیل اور کثیر میں عشر واجب ہے اور جمہور نے کہا جب زمین کی پیداوار پانچ وسق کو پہنچ جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: ۱۴۱) اور فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ آیت قلیل اور کثیر میں حق کے ثبوت پر دلیل ہے اور جب یہ حق زکوۃ (عشر) ہے تو قلیل اور کثیر میں وجوب زکوۃ کا قول کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نیز امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش' چشمے یا بارش کا جمع شدہ پانی سیراب کرے' اس میں عشر ہے اور جو زمین کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جائے' اس میں نصف عشر ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۵۹۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۶۴۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۸۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۱۷' سنن دار قطنی' رقم الحدیث: ۲۰۱۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۳۲۸۵' ۳۲۸۶' ۳۲۸۷)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے زمین کی پیداوار پر بر سبیل عموم عشر یا نصف عشر واجب کیا ہے اور اس کو پانچ وسق کے ساتھ خاص نہیں کیا اور عام' خاص پر مقدم ہوتا ہے' لہٰذا جس حدیث میں آپ نے پانچ وسق پر وجوب زکوۃ کا حکم فرمایا ہے' وہ مال تجارت پر محمول ہے' یعنی جس شخص کے پاس پانچ وسق سے کم مال تجارت ہو' اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی اور اس وقت پانچ وسق دو سو درہم کے برابر ہوتے تھے۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت سے بھی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پسندیدہ چیزوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ زمین سے ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے' اس میں سے خرچ کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی مقدار اور نصاب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس میں امام ابوحنیفہ کے موقف کی تائید ہے کہ زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

نفلی صدقہ کرنے میں کیا چیز اسراف ہے اور کیا نہیں؟

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اہل لغت کے اسراف میں دو قول ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور شمر نے کہا مال کو لغو اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ (لسان العرب' ج ۹' ص ۱۴۸' مطبوعہ ایران)

انسان جب اپنا تمام مال صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا○ (الاسراء:٢٩) اور نہ اپنا ہاتھ پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہارا۔

ابن جریج نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے درخت سے کھجوریں توڑیں اور کہا آج جو شخص بھی آئے گا میں اس کو کھلاؤں گا' پھر وہ لوگوں کو کھجوریں کھلاتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی اور ان کے پاس ایک کھجور بھی باقی نہیں بچی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ بے جا خرچ نہ کرو' بے شک اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (جامع البیان' جز ٨' ص ٨١' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو خوشحالی کی حالت میں دیا جائے' اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

(صحیح مسلم' الزکوٰۃ' ٩٥' (١٠٣٤) ٢٣٣٨' سنن النسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٥٤٣' صحیح البخاری' ج ٦' رقم الحدیث: ٥٣٥٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جو خوشحال چھوڑے' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو' بیوی کہے گی مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو' نوکر کہے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو' بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ' مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

(صحیح البخاری ج ٦' رقم الحدیث: ٥٣٥٥' مسند احمد ج ٢' ص ٢٤٥' المنتقی' رقم الحدیث: ٧٥١' مسند القضاعی' رقم الحدیث: ١٢٣٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا صدقہ کرو' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ نے فرمایا تم کو زیادہ معلوم ہے' یعنی تم کو زیادہ معلوم ہے تمہارے رشتہ داروں میں کون زیادہ ضرورت مند ہے؟ اس کو دو۔

(سنن ابو داؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ١٦٩١' سنن النسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٥٣٤' مسند الشافعی' ج ٢' ص ٦٣-٦٤' مسند احمد' ج ٢' ص ٢٥١' ٤٧١' صحیح ابن حبان' ج ٨' رقم الحدیث: ٣٣٣٨' المستدرک' ج ١' ص ٤١٥' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٧' ص ٤٦٦)

حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور صدقہ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ اپنی ماں' اپنے باپ' اپنی بہن اور اپنے بھائی کو دو۔ پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہوں اور جو ان سے قریب ہوں۔

(سنن النسائی' ج ٥' رقم الحدیث: ٢٥٣١' صحیح ابن حبان' ج ٨' رقم الحدیث: ٣٣٤١' سنن دار قطنی' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٩٥٧' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٣' ص ٢١٢' المعجم الکبیر' ج ٨' رقم الحدیث: ٨١٧٥' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٨' ص ٣٤٥' مسند احمد' ج ٣' ص ٦٤)

ان احادیث میں ماں باپ اور بیوی بچوں پر جو صدقہ کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اس سے مراد صدقہ نفلیہ ہے' کیونکہ صدقہ واجبہ کو ان پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس شخص کا دل مضبوط ہو اور اس کا نفس مستغنی ہو' اور وہ اللہ تعالیٰ پر متوکل ہو اور وہ اکیلا ہو' اس پر ماں باپ' بیوی' بچوں اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری اور ان کی پرورش کا بار نہ ہو اور وہ مالی حقوق سے متعلق اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض ادا کر چکا ہو تو وہ اگر اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دے تو یہ جائز ہے اور اسراف نہیں ہے۔

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا اگر تم ابو قیس (ایک پہاڑ) کے برابر سونا بھی اللہ کی اطاعت میں خیرات کردو تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر تم ایک صاع (چار کلو) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرو تو یہ اسراف ہے۔ (رقم الحدیث: ۷۹۶۴)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۳۹۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوالشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ابوبشر نے بیان کیا کہ لوگوں نے ایاس بن معاویہ سے پوچھا اسراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب تم اللہ کے حکم سے تجاوز کرو تو یہ اسراف ہے۔ سفیان بن حسین نے کہا جب تم اللہ کے حکم میں کمی کرو تو یہ اسراف ہے۔ (در منثور' ج ۳' ص ۳۶۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے بعض قد آور مویشی پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کیے' اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الانعام: ۱۴۲)

مویشیوں کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید رحمتوں اور برکتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے سواری اور بوجھ لادنے کے لیے بڑے بڑے اور قد آور جانور پیدا کیے جیسے گھوڑے' اونٹ' بیل اور بھینسے وغیرہ اور چھوٹے جانور پیدا کیے جن کو زمین پر بچھا کر ذبح کیا جا سکتا ہے' جیسے بھیڑ' بکری اور دنبے وغیرہ۔ ان جانوروں سے دودھ حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری غذائی ضرورت پورا کرتے ہیں اور ان سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے جو ہماری لباس کی ضرورت پورا کرتے ہیں' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ○ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ (یٰس: ۷۳-۷۱)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے جن کے وہ مالک ہیں' اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا' سو وہ بعض پر سواری کرتے ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں' اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل: ۶۶)

اور بے شک مویشیوں میں تمہارے لیے مقام غور ہے' ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے' گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوش گوار دودھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح غلہ جات اور پھلوں سے کھانے کا حکم دیا تھا' اسی طرح اب ان مویشیوں سے کھانے اور ان کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ درخت اور کھیت ہوں یا مویشی' سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کے لیے پیدا فرمایا ہے' سو اس کو چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلے' کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے' جیسا کہ ان آیتوں میں ارشاد ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ (فاطر: ۶)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم بھی اس کو دشمن ہی بنائے رکھو' وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ١٦٩)　شیطان تم کو صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی بات کہنے کا جس کو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے' دو بھیڑ کی قسم سے' اور دو بکری کی قسم سے' آپ کہیے: کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو○ اور اللہ نے اونٹ کی قسم سے دو اور گائے کی قسم سے دو پیدا کیے۔ آپ کہیے کہ کیا اس نے دو نر حرام کیے' یا دو مادہ حرام کیں' یا وہ جسے وہ دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہیں' یا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا' سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا؟ جو اللہ پر افترا پردازی کرے' تاکہ وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الانعام: ١٤٤-١٤٣)

مناظرہ اور قیاس کی اصل

وہ مویشی جو دراز قد اور کوتاہ قد ہیں ان کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے' دوسرا بیل اور گائے کا جوڑا ہے' تیسرا مینڈھا اور بھیڑ کا جوڑا ہے اور چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا ہے اور یہ کل آٹھ عدد ہیں۔

مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام بنا رکھے تھے اور عام لوگوں کے لیے ان پر سواری کرنا' بوجھ لادنا ان کو کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم ﷺ آپ ان سے پوچھیے' کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو نر حرام کیے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ نے نر کی صنف حرام کر دی ہے تو تم نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے مادہ کی صنف حرام کر دی ہے تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟

اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کے لیے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی یا کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہے تو پیش کرو' ان آیتوں میں علمی مباحثہ اور مناظرہ کے جواز پر دلیل ہے اور اس میں قیاس کی بھی اصل ہے' کہ اگر اللہ نے مذکر کو حرام کیا ہے تو ہر مذکر حرام ہے اور اگر مونث کو حرام کیا ہے تو ہر مونث حرام ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے

طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ

والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا

خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

گوشت ہو کیوں کہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، سو جو شخص مجبور

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ

ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور یہودیوں پر

هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا ، اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ

تھی ، مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو یا ان کی آنتوں پر ہو یا جو چربی ان کی ہڈی

بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾ فَاِنْ

پر ہو ، یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں ○ پس اگر وہ آپ

كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ

کی تکذیب کریں تو آپ کہیے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب جرم کرنے

الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ

والوں سے ٹالا نہیں جا سکتا ○ اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے

اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے ، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا ، آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے ؟ (اگر ہے تو)

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾

اس کو ہمارے سامنے پیش کرو ، تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض اٹکل پچو سے بات کرتے ہو ○

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

آپ کہیے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے ، پس اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا ○

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۲ ۵

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے' میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا وہ مردار ہو' یا بہا ہوا خون ہو' یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ نجس ہے یا بہ طور نافرمانی کے اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبور ہو اور نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا ہو' تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۵)

قرآن اور حدیث میں حرام کیے ہوئے طعام کی تفصیل

زمانہ جاہلیت میں کفار اور مشرکین بعض اشیاء کو از خود حلال کہتے اور بعض اشیاء کو از خود حرام کہتے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا صرف وحی سے معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں' وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ مردار' بہا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان کی تفسیر ہم البقرہ: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳ میں تفصیل سے کر چکے ہیں' ان کا وہاں مطالعہ فرمائیں۔ یہ سورت مکی ہے' اس لیے اس میں صرف ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں اور بھی کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے' بعض دیگر جانوروں اور شراب کی حرمت کا بیان المائدہ میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ: ۳)

(یہ چیزیں) تم پر حرام کر دی گئی ہیں مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور جس کا گلا گھٹ گیا ہو' اور جو ضرب سے مارا گیا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو اور سینگ مارا ہوا اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو سوا اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بتوں کے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا ہے۔ یہ سب کام گناہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر (سب) ناپاک ہیں۔ شیطانی کاموں سے ہیں' سو تم ان

فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ: ۹۰) — سے بچو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

اور نبی ﷺ نے بھی کئی جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۵۷۸۰‘ ۵۷۸۱‘ صحیح مسلم‘ الصید والذبائح‘ ۱۲‘ (۱۹۳۲) ۴۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخن والے پرندے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم‘ الصید والذبائح‘ ۱۶ (۱۹۳۴) ۴۹۰۸‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۸۰۳‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۳۳‘ موطا امام مالک‘ رقم الحدیث: ۱۰۷۵)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمادیا۔

(صحیح البخاری‘ ج ۶‘ رقم الحدیث: ۵۵۲۷‘ صحیح مسلم‘ الصید والذبائح‘ ۲۳‘ (۱۹۳۶) ۴۹۲۰‘ سنن النسائی‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۴۹۳۴)

حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۷۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۳۱۴‘ مسند احمد‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن جانوروں کو سمندر پھینک دے‘ یا جن سے پیچھے ہٹ جائے ان کو کھالو اور جو جانور سمندر میں مر جائیں اور مر کر اوپر آجائیں ان کو نہ کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۸۱۵‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۴۷)

کاٹنے والے کتے‘ سانپ‘ بچھو‘ چیل اور کوے کو نبی ﷺ نے حرم اور غیر حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۱۸۲۹) اس لیے ان کو کھانا بھی حرام ہے۔

حشرات الارض اور بول و براز اور دیگر ہر قسم کی نجاست کے حرام ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

مچھلی کو کھانا بالاتفاق حلال ہے اور مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ حرام ہیں‘ کیونکہ وہ سب خبیث ہیں‘ یعنی طبع سلیم ان سے متنفر ہوتی ہے اور خبیث چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

(ھدایہ اخیرین‘ ص ۴۴۲)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷) — وہ نبی امی ان کے لیے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں‘ ماسوا ان کے جن کی مثل خشکی میں حرام ہے۔ مثلاً خنزیر (حاشیہ الدسوقی‘ ج ۲‘ ص ۱۱۵) امام احمد کے نزدیک بھی مچھلی سمیت تمام جانور حلال ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک مینڈک کو کھانا جائز نہیں ہے‘ کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن النسائی) اور یہ اس کی تحریم کی دلیل ہے اور مگرمچھ اور کوسج (ایک قسم کی مچھلی جس کی سونڈ پر آرا ہوتا ہے) کو کھانا بھی جائز نہیں ہے‘ کیونکہ یہ دونوں آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ (مغنی ابن قدامہ‘

ج ۹ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر 'بیروت) امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا تمام سمندری جانوروں کو کھانا جائز ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے مینڈک کے کھانے کو بھی جائز کہا ہے۔ (المہذب 'ج ۲' ص ۲۵۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (المائدہ:۹۶) تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے 'تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے۔

اور اس حدیث سے بھی ان کا استدلال ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی کم ہوتا ہے۔ اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے 'کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیں؟ آپ نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد 'ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳' سنن النسائی 'ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰' سنن ابن ماجہ 'ج ۱' رقم الحدیث: ۳۸۶' موطا امام مالک 'رقم الحدیث: ۴۳' المستدرک 'ج ۱' ص ۱۴۰' صحیح ابن حبان 'رقم الحدیث: ۱۲۴۳' المنتقی 'رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد 'ج ۳' رقم الحدیث: ۷۲۳۷' طبع جدید' مسند احمد 'ج ۲' ص ۲۳۷' طبع قدیم)

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ عطاء اور عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے۔ (المغنی 'ج ۹' ص ۳۳۸' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی مگر جو چربی ان کی پیٹھوں پر ہو' یا ان کی آنتوں پر ہو' یا جو چربی ان کی ہڈی پر ہو' یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ (الانعام: ۱۴۶)

بعض الفاظ کے معنی

ذی ظفر: ناخن والے 'اس سے مراد ایسے جانور ہیں 'جن کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور دیگر مویشی 'اس کے برخلاف پھاڑنے والے درندوں کے ناخن ان کی انگلیوں سے الگ ہو جاتے ہیں 'جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔

شحم کا معنی ہے چربی اور الحوایا 'الحاویہ کی جمع ہے 'اس کا معنی ہے آنت 'انتڑی۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناخن والے جانوروں سے مراد اونٹ 'شترمرغ اور اس قسم کے دیگر چوپائے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد اونٹ 'شترمرغ اور پرندے ہیں۔

(جامع البیان 'جز ۸' ص ۹۷۔۹۶' مطبوعہ دار الفکر 'بیروت)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر (شراب) فروخت کی ہے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو قتل کرے 'وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی 'انہوں نے اس کو پگھلایا اور پھر

فروخت کر دیا۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح مسلم 'المساقاۃ' ۷۲' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۰)

اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو بنو اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا۔ کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور سود کھاتے تھے اور دیگر ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے' اور یہ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے یہود کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لیے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ تمہارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب جرم کرنے والے لوگوں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔ (الانعام: ۱۴۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اگر یہود اس خبر میں آپ کی تکذیب کریں جو ہم نے آپ کو ابھی بیان کی ہے کہ ان کی سرکشی کی بنا پر ہم نے ان پر کیا کیا حرام کر دیا تھا' تو آپ کہئے ہمارا رب سب پر رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ خواہ وہ اس پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ نیک ہوں یا بدکار۔ وہ نہ کافروں کو جلد پکڑتا ہے نہ گنہ گاروں سے جلد انتقام لیتا ہے' اور وہ ایمان لانے والوں اور اطاعت گزاروں کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا اور ان کو ان کے اعمال کے ثواب سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن جب مجرموں کی بداعمالیوں کی سزا دینے کا وقت آئے گا تو پھر اس کے عذاب کو کوئی ان سے ٹال نہیں سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے' نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ آپ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہے تو) اس کو ہمارے سامنے پیش کرو تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم محض انکل پچو سے بات کرتے ہو۔ (الانعام: ۱۴۸)

مشرکین کے شبہات کا جواب

مجاہد نے کہا کہ کفار قریش نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ وہ بحیرہ' سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو حرام قرار دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمارے آباء و اجداد کی طرف رسول بھیجتا' جو ان کو شرک سے منع کرتا اور ان جانوروں کو حرام قرار دینے سے منع کرتا اور وہ ان کاموں سے رک جاتے' پھر ہم بھی ان کی اتباع کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو ماضی میں ایسا ہی ہوا تھا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی' حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ یعنی جس طرح کفار مکہ نے نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دیئے ہوئے دلائل کی تکذیب کی ہے' اسی طرح پہلے بھی مشرکین نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی بنیاد بھی کوئی علم اور عقل کی دلیل نہیں تھی۔ وہ بھی محض ظن اور انکل پچو سے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب کیوں نازل فرماتا اور ان کو صفحہ ہستی سے کیوں مٹا دیتا' یعنی جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے

ان کی طرف رسول بھیجے تھے جنہوں نے ان کو شرک اور خود ساختہ تحریم سے منع فرمایا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ قوی دلیل تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے' پس اگر وہ چاہتا تو وہ ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام: ۱۴۹)

جبریہ کا رد اور ابطال

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل جو تمام شکوک و شبہات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے' صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ واحد ہے' اس نے رسولوں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا اور ہر مکلف پر اپنے احکام کو لازم کیا ہے اور ان کو مکلف کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں' ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے' نہ ہمارے باپ دادا' نہ وہ بحائر وغیرہ کو حرام قرار دیتے' کیونکہ اس قسم کا ایمان اللہ تعالیٰ کا مطلوب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں' حق اور باطل کو جانچیں' کھرے اور کھوٹے کو پرکھیں۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطان کے وسوسوں میں فرق محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔ وہ جس چیز کو اختیار کریں گے' اللہ اسی چیز کو پیدا کر دے گا۔ ان آیتوں میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا' مختار بنایا ہے اور ان میں جبریہ کے مذہب کا رد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے' پس اگر وہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بحیرہ' سائبہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے' وہ اس پر کوئی گواہ لائیں اور کوئی شہادت پیش کریں' کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نبی پر اس حکم کو نازل کیا تھا یا فلاں کتاب میں یہ حکم نازل ہوا ہے اور اگر بالفرض وہ کوئی جھوٹی شہادت پیش کر دیں تو اے مسلمانو! تم ان کی تصدیق نہ کرنا اور جو لوگ فوائد اور منافع کے حصول اور مصائب اور نقصانات سے بچنے کے معاملہ میں اپنے بتوں اور جھوٹے معبودوں کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں' ان کی موافقت نہ کرنا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّ

آپ کہیے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں' یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ

دو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی

نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی ، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ

بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ

پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ، یہی وہ کام ہیں

وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو ○ اور اچھے طریقہ کے بغیر یتیم کے مال کے

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ

قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول

بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا

کرو ، ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

کہو، خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو ، یہی وہ امور ہیں جن کا تمہیں اللہ نے مؤکد حکم دیا ہے

تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستہ پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے ، اسی بات کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے تاکہ

تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ

تم (گمراہی سے) بچو ○ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ، اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک

وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

کام کیے درآں حالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر

١٩
ع
٦

یُؤۡمِنُوۡنَ ع (١٥٤)

ایمان لے آئیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ آؤ میں تم پر تلاوت کروں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں؟ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو' اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اور اپنی اولاد کو رزق میں کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ' خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو' یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو○ اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ' حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور انصاف کے ساتھ پوری ناپ تول کرو' ہم ہر شخص کو صرف اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ کہو' خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں اور اللہ کے عہد کو پورا کرو' یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے' تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(الانعام: ۱۵۲-۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ مشرکین نے بعض کاموں اور بعض چیزوں کو از خود حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں فرمایا اور اب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام فرمائی ہیں؟ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نو چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے اور ان کی ضد کو فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں:

(۱) اللہ کا شریک قرار دینا۔ (۲) ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنا۔ (۳) اولاد کو قتل کرنا۔ (۴) بے حیائی کے کام کرنا۔ (۵) ناحق قتل کرنا۔ (۶) یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا۔ (۷) ناپ تول میں کمی کرنا۔ (۸) ناحق بات کہنا۔ (۹) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرنا۔

ان نو کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور ان کی ضد اور ان کے خلاف کرنے کو فرض اور واجب فرمایا ہے۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

شرک کا حرام ہونا

بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً (الانعام: ۷۴) — اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا' کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے۔

اور بعض مشرکین ستاروں کی پرستش کرتے تھے' اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ (الانعام: ۷۶) — پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بعض مشرکین جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الۡجِنَّ (الانعام: ۱۰۰) — اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا۔

بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام: ١٠٠)

اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کا شریک ماننا حرام ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے جس کی آخرت میں معافی نہیں ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو' حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے کہا بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا پھر یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے پوچھا' پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری' ج ٥' رقم الحدیث: ٤٤٧٧' صحیح مسلم' ایمان' ١٤١' (٨٦) ٢٥١' سنن ابوداؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٣١٠' سنن الترمذی' ج ٥' رقم الحدیث: ٣١٤٣' سنن نسائی' ج ٧' رقم الحدیث: ٤٠٢٠' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ١٠٩٨٧)

والدین کے ساتھ بدسلوکی کا حرام ہونا

اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے' کیونکہ انسان پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کے اوپر ماں باپ کا احسان ہے' کیونکہ انہوں نے اس کی پرورش کی اور جب وہ بہت چھوٹا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا' اس وقت اس کو ضائع ہونے سے بچایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے' اور اپنا شکر ادا کرنے کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ٢٤-٢٣)

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک رکھو' اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان: ١٤)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (نیکی کا) حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (وہ حکم یہ ہے کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو (تم نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا' میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان سے نیک سلوک کرو۔ (صحیح مسلم' البر والصلۃ' ٦' (٢٥٤٩) ٦٣٨٧)

والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے' ان کا ادب اور احترام کیا جائے۔ ان کی ضروریات پوری کی جائیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا جائے۔ اگر وہ ظلم کریں' پھر بھی ان کی اطاعت کی جائے۔ البتہ اغیر شرعی احکام میں ان کی اطاعت نہ کی جائے' پھر بھی ان کے ساتھ نرمی رکھی جائے اور اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کی قبر کی زیارت کی جائے' اور ان کے لیے استغفار کیا جائے۔

قتل اولاد کا حرام ہونا

زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا' اور بعض لوگ عمل تزویج کے وقت عزل کرتے تھے۔ (یعنی انزال کے وقت اندام نہانی سے آلہ باہر نکال لینا)

بعض مسلمان بھی عزل کرتے تھے' نبی ﷺ نے عزل کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنو مصطلق میں گئے۔ ہم نے عرب کی خوبصورت عورتوں کو قید کر لیا' ہمیں اپنی بیویوں سے الگ ہوئے کافی دن گزر چکے تھے' ہم نے چاہا کہ مشرکین سے فدیہ لے کر ان عورتوں کو چھوڑ دیں اور ہم نے یہ بھی چاہا کہ ان عورتوں سے جسمانی فائدہ بھی حاصل کریں اور عزل کرلیں (یعنی انزال کے وقت آلہ باہر نکال لیں' تاکہ حمل قائم نہ ہو) پھر ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو کیوں نہ ہم آپ سے اس کا حکم معلوم کرلیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ایسا نہ کرو' کیونکہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے جس روح کے پیدا ہونے کے متعلق لکھ دیا ہے' وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۲۱۰' صحیح مسلم' نکاح ۱۳۵' (۱۴۳۸) ۳۴۸۰' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۷۲' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۰۴۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے' وہ ہماری خادمہ ہے اور ہمارے لیے پانی لاتی ہے۔ میں اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کرلو' بے شک جو کچھ مقدر کیا گیا ہے وہ عنقریب ہو جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور اس نے کہا وہ باندی حاملہ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو کچھ مقدر ہو گیا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔ (صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۴' (۱۴۳۹) ۳۴۹۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۷۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ سفیان نے کہا اگر یہ کوئی ممنوع چیز ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۲۰۸' صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۶' (۱۴۴۰) ۳۴۹۵' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۹۰۹۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے' نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم' نکاح' ۱۳۸' (۱۴۴۰) ۳۴۹۵)

عزل کیا جائے یا کسی اور جدید طبی طریقہ سے ضبط تولید کا عمل کیا جائے تو بلا ضرورت شرعی وہ مکروہ ہے' اور اگر تنگی رزق کے خوف کی وجہ سے یا لڑکیوں سے عار کی بنا پر عزل کیا جائے' تو حرام ہے اور اگر کوئی نیک مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر ضبط تولید پر

عمل نہ کیا گیا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے' تو پھر یہ عمل واجب ہے اور اگر اس کے بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو پھر عزل کرنا جائز ہے۔
اس کی پوری تفصیل ہم (الانعام: ۱۳۶) کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

بے حیائی کے کاموں کا حرام ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور جس وقت کوئی شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔
(صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۵۷۸' صحیح مسلم' ایمان' ۱۰۰' (۵۷) ۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے اور تین بار فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے' جو قوم لوط کا عمل کرے۔
(شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو اور اس کو جو کسی جانور کے ساتھ بدکاری کرے۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا' اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ بوڑھا زانی اور جھوٹا حکمران اور متکبر فقیر۔
(صحیح مسلم' ایمان' ۱۷۲' السنن الکبریٰ' ج ۴' رقم الحدیث: ۷۱۳۸' شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۰۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سرسبز میٹھی ہے اور بے شک اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنانے والا پھر دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیسا عمل کرتے ہو؟ سنو دنیا کے فتنہ سے بچو اور عورتوں کے فتنہ سے بچو۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۰' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا' آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس تمنا کرتا اور اشتہاء کرتا ہے اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔
(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۲۴۳' صحیح مسلم' قدر' ۲۰' (۲۶۵۷) ۶۶۲۹' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۱۵۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن کو دیکھے اور پھر اپنی نظر پھیرے تو اللہ اس کے دل میں عبادت کی حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۴۳۱)

حسن بن ذکوان کہتے تھے کہ خوبصورت بے ریش لڑکے حسین دوشیزاؤں سے زیادہ فتنہ انگیز ہیں۔
(شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۳۹۷)

قتل ناحق کا حرام ہونا اور قتل برحق کی اقسام

قتل ناحق کو سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ قتل برحق کون کون سے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھنے یا زکوٰۃ دینے سے انکار کرے' اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے یہ کرلیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیا' ماسوا ان کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری' ج ا' رقم الحدیث: ۲۵' صحیح مسلم' ایمان' ۳۶' (۲۲) ۱۲۸)

اور مرتد' شادی شدہ زانی اور مسلمان کے قاتل کو بھی قتل کرنا برحق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان شخص کو جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور میں اللہ کا رسول ہوں (اس کو) قتل کرنا صرف تین میں سے ایک وجہ سے جائز ہے۔ شادی شدہ زانی ہو' کسی مسلمان کا قاتل ہو اور دین اسلام کو ترک کرکے مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والا ہو۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۷۸' صحیح مسلم' حدود' ۲۵' (۱۶۷۶) ۴۲۹۶' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۵۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۷' سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۰۱۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۴)

ایک خلیفہ کے انعقاد کے بعد اگر دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے تو اس کو قتل کردیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کردو۔ (صحیح مسلم' الامارۃ' ۶۱' (۱۸۵۳) ۴۷۱۷)

جو شخص قوم لوط کا عمل کرے اس کو بھی قتل کردیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کردو۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۶۲' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۶۱)

جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے' اس کو بھی قتل کردیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے' اس شخص کو قتل کردو اور اس جانور کو بھی قتل کردو۔ (سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۴۶۴' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۰)

اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ڈاکو کو قتل کردیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدہ: ۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں' ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے' یا ان کو سولی دی جائے' یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو شہر بدر کردیا جائے۔

اگر ڈاکوؤں نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کو قتل کردیا جائے اور اگر انہوں نے صرف مال لوٹا ہو تو ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانبوں سے (یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر) کاٹ دیئے جائیں اور اگر انہوں نے صرف دھمکایا ہو تو ان کو شہر بدر کردیا جائے۔ جو لوگ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کریں' ان کو بھی قتل کردیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا

اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے

الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات: ۹)
تو باغی جماعت سے قتال کرو' حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

جو شخص چوتھی بار شراب پیئے اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خمر (شراب) پیئے اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر وہ چوتھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۴۹' مصنف عبدالرزاق' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۷۰۸۷' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۶۸۵۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۸۲' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۴۴۶' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۵۲۹۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۷۳)

ذمی کو قتل کرنا ناجائز ہے اور ذمی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے گا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان (وجوب قصاص میں) ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ اپنے حق کی سعی کرے گا (یعنی کسی کو پناہ دے گا) اور ان میں سے بعید بھی کسی کو پناہ دے سکے گا' اور وہ ایک دوسرے کی معاونت کریں گے۔ ان کے قوی کو ان کے ضعیف کے پاس لوٹایا جائے گا' اور لشکری کو بیٹھنے والے پر لوٹایا جائے گا اور کسی مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' اور نہ ذمی کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں' میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۳۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۳۰)

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہم نے قتل برحق کی یہ صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا (۳) مرتد کو قتل کرنا۔ (۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قتل کرنا۔ (۶) ایک خلیفہ منعقد ہونے کے بعد دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۹) ڈاکو کو قتل کرنا (۱۰) چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کرنا (۱۱) ذمی کے قاتل کو قتل کرنا۔

مسلمان اور ذمی کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور باقی (۹) کو تعزیراً قتل کیا جائے گا' اور ان کو قتل کرنا حکومت کا منصب ہے۔ عوام میں سے کسی شخص کو انہیں قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے' مسلمان کے قاتل پر قرآن مجید اور احادیث میں سخت وعیدیں ہیں' ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

قتل مومن پر وعید

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء: ۹۳)

جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کرلائے گا' درآنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا' وہ کہے گا کہ اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا' حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوئی ہے' نہ تبدیل ہوئی ہے' اس کی توبہ کہاں سے ہو گی!

امام احمد' امام نسائی اور امام ابن المنذر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ معاف فرمادے گا' سوا اس شخص کے جو کفر پر مرے اور سوا اس شخص کے جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔

امام ابن المنذر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا' قیامت کے دن جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

امام سعید بن منصور' امام ابن جریر' امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ابو مجلز نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے' اگر اللہ چاہے گا تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(درمنثور' ج ۲' ص ۶۲۸' ۶۲۴' ملحصا' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

یتیم کے مال میں بے جا تصرف کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے اور اچھے طریقہ کے بغیر مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور سورۂ نساء میں فرمایا ہے اور یتیموں کو جانچتے رہو' حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو' اور ان کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ' اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ (النساء: ۶)

سورۂ نساء کی اس آیت میں ان کی بدنی قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اور ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت کا بھی اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ان میں عقل مندی کے آثار دیکھو' کیونکہ اگر جوان ہونے کے بعد یتیم کا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ ذہین اور عقل مند نہ ہو تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں اور شوق کو پورا کرنے میں سارا مال ضائع کردے گا اور اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا' اس لیے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے' مال اس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس عمر کے تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا وہ بالغ ہو جائے۔ اہل مدینہ نے کہا' وہ بالغ بھی ہو اور اس میں سمجھ داری کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عمر پچیس سال ہے۔

یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کے متعلق بہت سخت وعید ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۚ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء: ۱۰)	بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام ابو یعلی' امام طبرانی' امام ابن حبان اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے درآنحالیکہ ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو

لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا' پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھاتے تھے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار ایسے شخص ہیں کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ان کو کوئی نعمت چکھائے۔ دائم الخمر' سود خور' یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (در منثور' ج ۳' ص ۳۸۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ناپ تول میں کمی کا حرام ہونا

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ (ھود: ۸۴)
اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (ھود: ۸۵)
اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے انہیں نقصان نہ پہنچاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو گی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا' اور جس قوم میں بہ کثرت زنا ہو گا ان میں بہ کثرت موت ہو گی' اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا' اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں بہت خون ریزی ہو گی' اور جو قوم عہد شکنی کرے گی اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۹۹۸)

ناحق بات کا حرام ہونا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا (النساء: ۱۳۵)
اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ' درآنحالیکہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو' خواہ (وہ گواہی) خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں کے (جن کے متعلق گواہی دی ہے) خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر' اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے' لہٰذا تم اپنی خواہش کی پیروی کر کے عدل سے گریز نہ کرو۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۴۴)
پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک شخص نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن النسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۲۲۰' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے کلمہ

حق کہنا افضل جہاد ہے۔

(سنن ابو داؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۴۴' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۱' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۱۱' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۹' ج ۴' ص ۳۱۵' ۳۱۴' ج ۵' ص ۲۵۱' طبع قدیم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں جو باتیں فرمائیں' ان میں یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے اس کو بیان کرنے سے باز نہ رہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۷' صحیح ابن حبان' ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱' مسند احمد' ج ۳' ص ۹۲' ۸۷' ۸۴' ۷۱' ۶۱' ۵۳' ۵۰' ۴۷' ۴۴' ۱۹' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۱۱۶۹' طبع جدید' دار الفکر' المعجم الاوسط' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۲۵)

اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کرنے کا حرام ہونا

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (التوبہ: ۷۷)

سو اللہ سے ملاقات کے دن تک ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا' کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۷۷' صحیح مسلم' جہاد' ۹' (۱۷۳۵) ۴۴۴۸' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۸۷' سنن ابو داؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۵۶' صحیح ابن حبان' ج ۱۶' رقم الحدیث: ۷۳۴۳' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۴۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۱۱' ۴۱۷' ۴۴۱' ج ۲' ص ۵۶' ۴۹' ۴۸' ۲۹' ۱۶' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۴۸' طبع جدید' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۸' ص ۱۶۰-۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا سنو! جو امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔ (شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو' وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے الگ کر دیں گے۔ اسی بات کا اللہ نے تمہیں موکد حکم دیا ہے تاکہ تم (گمراہی سے) بچو۔

(الانعام: ۱۵۳)

بدعات سے اجتناب کا حکم

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے احکام بیان فرمائے تھے کہ شرک نہ کرو' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو وغیرہ۔ یہ نو تفصیلی اور جزئی احکام تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلی اور کلی حکم بیان فرمایا ہے جس میں یہ نو احکام اور باقی تمام شرعی احکام داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ میری صراط مستقیم ہے اور یہی دین اسلام اور منہج قدیم ہے' تم اجمالاً اور تفصیلاً اسی راستہ کو اختیار کرو اور اگر اس راستہ سے ادھر ادھر ہوئے تو گمراہی میں پڑ جاؤ گے' اس سے معلوم ہوا کہ حق کا راستہ صرف ایک ہے اور باطل کے بہت راستے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے' پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے کی طرف شیطان دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی' بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' سو تم اسی راستے کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ (الایہ) (الانعام: ۱۵۳)

(سنن داری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۲' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۴۲' ۴۴۳۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۱)

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس آیت میں دوسرے راستوں سے مراد بدعات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا علم کے اٹھنے سے پہلے علم کو حاصل کر لو اور علم کا اٹھنا یہ ہے کہ اصحاب علم اٹھ جائیں گے۔ علم کو حاصل کرو' کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کب علم کی ضرورت پیش آئے گی۔ تم عنقریب کچھ لوگوں کو دیکھو گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ تمہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلا رہے ہیں' حالانکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہٰذا تم علم حاصل کرو اور بدعات سے بچو اور تم مبالغہ آرائی سے اور گہرائی میں جانے سے بچو' اور قدیم نظریات کے ساتھ وابستہ رہو۔ (سنن داری' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۴۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نصیحت کی اور وہ بہت موثر نصیحت تھی جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو الوداع ہونے والے شخص کی نصیحت ہے۔ آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں' خواہ وہ حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص بعد میں زندہ رہے گا' وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم نئی نئی باتوں میں پڑنے سے بچنا' کیونکہ نئی نئی باتیں گمراہی ہیں۔ تم میں سے جو شخص دین میں نئی نئی باتیں دیکھے' وہ میری سنت کو لازم کرلے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کرے اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑ لو' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۵' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۲' سنن داری' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۵' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۴۵' المستدرک' ج ۱' ص ۹۷-۹۶)

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ مجد الدین ابن الاثیر محمد جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ نے قیام رمضان کے متعلق فرمایا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے! (صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۰۱۰)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت ھدی اور بدعت ضلال' جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ مذموم ہے اور لائق انکار ہے' اور جو نئے کام اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے عموم استحباب میں داخل ہوں اور جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برانگیختہ کیا ہو' وہ کام لائق مدح ہیں اور جن کاموں کی پہلے مثال موجود نہ ہو جیسے جود و سخا کی اقسام اور دیگر نیک کام تو وہ افعال محمودہ سے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کام احکام شرع کے خلاف ہوں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں کے لیے ثواب کی خبر دی ہے' سو آپ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس کا اجر ملے گا اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا' اس کا اجر بھی اس کو ملے گا (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۰۱۷) اور اس کی ضد کے متعلق فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اسے اس کا گناہ ہو گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور یہ اس وقت

ہوگا جب وہ نیا کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے' یہ پہلی قسم سے ہے اور جب کہ نیک کام لائق مدح ہیں تو حضرت عمر نے اس تراویح کو بدعت فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ تراویح کو حضرت عمر نے بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تراویح کو مسلمانوں کے لیے سنت نہیں کیا' آپ نے چند راتیں تراویح پڑھیں' پھر اس کو ترک فرمادیا اور اس کی حفاظت کی' نہ اس کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا' اور نہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جماعت کرانے کا اہتمام کیا اور اس کی دعوت دی' اس وجہ سے حضرت عمر نے اس کو بدعت فرمایا اور یہ درحقیقت سنت ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۰۷) اور فرمایا میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرو اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے ہر نیا کام بدعت ہے اس سے مراد دین میں وہ نئے کام ہیں جو شریعت کے قواعد کے خلاف ہوں اور سنت کے موافق نہ ہوں اور بدعت کا زیادہ تر استعمال مذمت میں ہوتا ہے۔ (نہایہ' ج ۱' ص ۱۰۷-۱۰۶' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ بعض بدعات واجب ہوتی ہیں' جیسے متکلمین کا اسلام کی حقانیت اور گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں جیسے علمی کتابوں کی تصنیف کرنا' دینی مدارس کو بنانا اور تراویح اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں' جیسے انواع و اقسام کے نئے نئے کھانے۔ (مجمع بحار الانوار' ج ۱' ص ۱۴۱-۱۴۰' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض بدعات واجب ہوتی ہیں جیسے گمراہ فرقوں کے رد پر دلائل قائم کرنا اور کتاب و سنت کو سمجھنے کے لیے علم نحو کو پڑھنا اور بعض بدعات مستحب ہوتی ہیں' جیسے سرائے اور مدرسہ بنانا اور ہر وہ نیک کام جو اسلام کے ابتدائی عہد میں نہیں تھا' اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مساجد کو مزین کرنا اور بعض بدعات مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزیں اور عمدہ کپڑے۔ علامہ طحاوی نے شرح جامع صغیر میں' علامہ نووی نے تہذیب میں اور علامہ برکلی نے الطریقۃ المحمدیہ میں اسی طرح لکھا ہے اور علامہ شمنی نے بدعت محرمہ کی یہ تعریف کی ہے ہر وہ نیا عقیدہ یا نیا کام یا نیا حال جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امور کے خلاف ہو' اس کو کسی قسم کے شبہ یا تاویل کی بنا پر دین قدیم اور صراط مستقیم بنالیا جائے' جیسے شیعہ پیروں کو دھونے کی بجائے ان کا مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں۔

(رد المحتار' ج ۱' ص ۳۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے درآنحالیکہ وہ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (الانعام: ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے نو احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اس میں یہ رمز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا' بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لے کر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے اس شخص پر نعمت پوری کرنے کے لیے جس نے نیک کام کیے' حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: بنی اسرائیل میں محسن (نیک) بھی تھے اور غیر محسن (غیر نیک) بھی تھے تو اللہ تعالیٰ نے محسنین پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے یہ کتاب نازل کی۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نیک کام کرتے

تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمت پوری کرنے کے لیے ان کو کتاب (تورات) دی۔
پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں دین کے تمام احکام' عقائد اور مسائل کی تفصیل ہے۔ لہٰذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپ کی نبوت کے تمام دلائل ہیں اور یہ ہدایت اور رحمت ہے' تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لے آئیں' اللہ سے ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عذاب کا جو وعدہ کیا ہے' اس سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ

(یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک

كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی

الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، تو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

اور ہدایت اور رحمت، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے، اور

صَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ

ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

تھے کیوں کہ وہ اعراض کرتے تھے ○ وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ

پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے،

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا

اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے

لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا

بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے' لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الانعام: ١٥٥)

مشرکین پر اتمام حجت کے لیے قرآن مجید کو نازل فرمانا

اس آیت کا معنی ہے یہ قرآن جس کو ہم نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا ہے' یہ برکت والی کتاب ہے۔ تم اس کی پیروی کرو' یعنی اس کتاب کو اپنا امام بنا لو اور جو عقائد اس میں مذکور ہیں ان کو مانو' اور جو احکام اس میں مذکور ہیں ان پر عمل کرو' اور ڈرتے رہو' یعنی اپنے دلوں میں اللہ سے ڈرو اور اس کے خلاف عمل نہ کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہ کرو۔ وکیع بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے احکام بیان کیے اور کئی احکام سنت کے لیے چھوڑ دیئے اور نبی ﷺ نے سنتیں قائم کیں اور کئی امور رائے اور قیاس کے لیے چھوڑ دیئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ١٣٢٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ) کہیں تم یہ (نہ) کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ (الانعام: ١٥٦)

ان تقولوا' لئلا تقولوا کے معنی میں ہے جیسے یبین اللہ لکم ان تضلوا' لئلا ان تضلوا کے معنی میں ہے یا کراھیۃ ان تقولوا کے معنی میں ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ١٨٧' جامع البیان' جز ٨' ص ١٢٢' بیضاوی علی حاشیۃ الکازرونی' ج ٢' ص ٣٦٨' کشاف' ج ٢' ص ٨١)

اس آیت میں اہل مکہ سے خطاب ہے کہ کہیں قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر تورات اور انجیل نازل کی گئی تھی اور ہم چونکہ ان پڑھ تھے' اس لیے ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے قاصر تھے اور ہم پر کوئی کتاب نازل

نہیں کی گئی تھی جس کی ہم پیروی کرتے، ہمیں کوئی حکم دیا گیا تھا نہ کسی چیز سے روکا گیا تھا۔ ہم سے کوئی وعدہ کیا گیا نہ ہم پر کوئی وعید نازل ہوئی اور اللہ کی حجت تو صرف ان دو گروہوں پر قائم ہوئی جو ہم سے پہلے تھے جن پر تورات اور انجیل نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر (بھی) کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، لو! اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ وہ اعراض کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۷)

اس آیت کا معنی ہے یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے، تاکہ مشرکین مکہ اور قریش قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، اور وہ یہ نہ کہیں کہ جس طرح ان پر کتاب نازل کی گئی تھی، اگر اس طرح ہم پر کتاب نازل کی جاتی اور ہم کو حکم دیا جاتا اور منع کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط ہے، تو ہم ان سے کہیں زیادہ صحیح راستہ پر قائم رہتے اور احکام پر عمل کرتے اور ممنوع کاموں سے باز رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو! اب تمہارے پاس تمہاری ہی عربی زبان میں کتاب آگئی ہے، اور اس میں معجز کلام ہے جس کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں لا سکتا، اور یہ ہدایت ہے اس میں طریق مستقیم کا بیان ہے اور جو اس پر عمل کریں اور اس کی اتباع کریں، ان کے لیے یہ رحمت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم، خطاکار اور حد سے بڑھنے والا اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ان واضح دلائل اور حجتوں کا انکار کرے، ان کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان مکذبین کو دوزخ کے سخت عذاب کی سزا دے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے منہ پھیرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ صرف یہ انتظار کر رہے ہیں، کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۱۵۸)

قیامت سے پہلے دس نشانیوں کا ظہور

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین جو بتوں کو اپنے رب کے مساوی قرار دیتے ہیں اور باوجود آپ کی بسیار کوشش اور تبلیغ کے ایمان نہیں لاتے، وہ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی روحوں کو قبض کرلیں، یا حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں جن کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کا اور یاجوج اور ماجوج کا اور تین بار زمین کے دھنسنے کا۔ ایک بار مشرق کا دھنسنا ایک بار مغرب کا دھنسنا اور ایک بار جزیرہ عرب کا دھنسنا اور سب سے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو دھکیل کر مشرق کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الفتن '۳۹' (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابو داؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۳۸۰' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۴۱' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۱۴۴' صحیح ابن حبان' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۷۹۱' المعجم الکبیر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۰۲۸' مسند احمد' رقم الحدیث: ۸۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۵' ص ۱۶۳)

اس حدیث میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب کفار قریش پر قحط مسلط کیا گیا تو انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل کی کوئی چیز دکھائی دی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے قریب ایک دھواں ظاہر ہو گا' جس سے کفار کا دم گھٹنے لگے گا اور مومنوں کو صرف زکام ہو گا' یہ دھواں ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ہے' اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (الدخان: ۱۰)

سو آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ○ (النمل: ۸۲)

اور جب ان پر (عذاب کا) قول واقع ہو جائے گا' تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دابۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' یہ اس لیے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو صفا پہاڑ کو پھاڑ کر نکلے گی' کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکے گا' مومن پر ایک نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ چمکنے لگے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان مومن لکھ دے گی' کافر پر نشانی لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دے گی۔ اس کی شکل و صورت میں اختلاف ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس جگہ سے نکلے گی۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق حدیث مرفوع نہیں ہے' بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ یہ دابہ انسان کی شکل میں ہو گا اور اہل بدعت اور کفار سے مناظرہ کرے گا اور ان کو دلائل سے ساکت کردے گا۔

(المفہم' ج ۷' ص ۲۴۰-۲۳۹' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے' آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں' ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

فرقہ بندی کی مذمت

اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں:

قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یہ اس امت کے اہل بدعت اور اہل الشبہات ہیں اور اہل الضلالہ ہیں۔ (مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۳-۲۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اے عائشہ! یہ لوگ اصحاب الاھواء اور اصحاب بدعت ہیں اور اہل بدعت کے سوا ہر گنہ گار کی توبہ ہے' ان کی توبہ مقبول نہیں ہے' وہ مجھ سے بری ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۴۳۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے فرقے ہیں' بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے' بعض مشرکین بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے' اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض آیتوں کو مانتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں۔

خلاصہ: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک نظریہ پر متفق ہونا چاہیے اور دین میں تفرقہ نہیں کرنا چاہیے اور بدعات کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی

فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ

لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ کہیے بیشک میرے رب نے

رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے، مستحکم دین، ملتِ ابراہیم ہر باطل سے ممتاز، اور

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ

وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ○ آپ کہیے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ

میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور

بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ○ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے

اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے؛ اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی

عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

ذمہ دار ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ○ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں

خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی تاکہ اس نے جو کچھ

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ

تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بیشک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے

رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

والا بے حد مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہو گا اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا' اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانعام: ۱۶۰)

دس گنا اجر' سات سو گنا اور بے حساب اجر کے محامل

سعید بن جبیر' عطاء اور ابراہیم وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں الحسنہ سے لا الہ الا اللہ کہنا مراد ہے اور السیئہ سے مراد شرک ہے۔

قتادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں۔ دو عمل (جزاء اور سزا کو) واجب کرتے ہیں اور دو عمل اجر کو بڑھاتے ہیں اور دو عمل برابر برابر کرتے ہیں۔ جو دو عمل واجب کرتے ہیں' وہ یہ ہیں: جو شخص اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو' وہ جنت میں داخل ہو گا' اور جو شخص اللہ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک کیا ہو' وہ دوزخ میں داخل ہو گا اور جو دو عمل اجر بڑھاتے ہیں' وہ یہ ہیں جو مسلمان اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو سات سو گنا اجر ملے گا' اور جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اس کو دس گنا اجر ملے گا' اور جو عمل برابر برابر ہیں' وہ یہ ہیں ایک بندہ نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے' تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور اس برائی کو کرلے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا دس گنا اجر اعراب (دیہاتی' بادیہ نشین) کے لیے ہے اور مہاجرین کے لیے سات سو گنا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا یہ آیت اعراب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا اور مہاجرین کے لیے کتنا اجر

ہے؟ انہوں نے کہا وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء: ۴۰)

بے شک اللہ کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کو بڑھاتا رہے گا' اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور جب اللہ کسی شے کو عظیم فرمائے تو وہ بہت بڑی ہوگی۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۱۴۵-۱۴۲' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہی ہوگا۔

نیک عمل کرنے والوں کو دس گنا اجر بھی ملتا ہے' سات سو گنا اجر بھی ملتا ہے اور اللہ اس سات سو گنا کو دگنا بھی فرما دیتا ہے:

مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اگائیں' ہر بالی میں سو دانے ہیں اور جس کے لیے چاہے اللہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا' بہت علم والا ہے۔

اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے تو اگر انسان ایک دن نماز پڑھ لے اور دس دن نماز نہ پڑھے یا رمضان کے تین دن روزے رکھ لے اور باقی ستائیس دن روزے نہ رکھے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس نماز کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اس روزے کا مکلف ہے جس کا دس گنا اجر ہے اور اجر کی یہ کثرت اس عمل کو ساقط نہیں کرتی جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے' اور اجر کی دس مثلوں میں جو ایک مثل ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ مکلف نہیں ہے' بلکہ اس نیکی کو کرنے کا مکلف ہے جس کا اجر دس نیکیوں کی مثل ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کافر کا کفر تو محدود زمانہ میں ہوتا ہے اور اس کو سزا لامحدود زمانہ کی ہوتی ہے' تو یہ اس جرم کے برابر سزا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سزا میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمانہ جرم کے برابر ہو' مثلاً اس زمانہ میں ایک شخص کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے اور اس کو سزا عمر قید کی دی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سزا اس کی نیت کے اعتبار سے ہے' کیونکہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دائماً کفر کرے گا اس لیے اس کو دوام کی سزا دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کی مثل دس یا اس سے زائد نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا' اس کو صرف اسی کی مثل برائی کی سزا ملے گی' یا میں اس کو بخش دوں گا۔ اور جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے' میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میرے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے' میں اس کے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں' اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے' میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں اور جو شخص روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو' میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔

(صحیح مسلم' الذکر والدعا' ۲۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۲۱' مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۸۰' طبع قاہرہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کرو' وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو افضل نیکی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۳۷۶' جامع البیان' ج ۸ ص ۱۴۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ۸۱۶۴' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۸۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیک عمل کرو' وہ اس گناہ کو مٹا دے گا' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد' ج ۱۵' رقم الحدیث: ۲۱۴۵۱' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۹۴' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۱' المستدرک' ج ۱' ص ۵۴' امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے)

اجر میں جو زیادتی کے یہ مختلف مراتب ہیں ان کی توجیہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کرنے والے کے احوال اور اس کے اخلاص کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بھوکے کو کھانا کھلانا نیکی ہے' لیکن اگر ایک کروڑ پتی کسی بھوکے کو کھانا کھلائے تو جیسے اس نے سمندر سے ایک قطرہ خرچ کیا اگر ایک لکھ پتی کھلائے تو وہ اس کے اعتبار سے زیادہ خرچ ہو گا اور اگر ایسا شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلائے جس کے پاس صرف وہی کھانا ہو اور اس شخص کو کھانا کھلا کر وہ خود بھوکا رات گزارے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کروڑ پتی اپنی ساری دولت راہ خدا میں خرچ کر دے' کیونکہ اس کی کل دولت تو وہی کھانا تھا۔ اس لیے ان کے اجر کے مراتب بھی مختلف ہوں گے اور کروڑ پتی کو دس گنا اجر ملے گا' لکھ پتی کو سات سو گنا اور اس تیسرے شخص کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحکم دین' ملت ابراہیم ہر باطل سے ممتاز' اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (الانعام: ۱۶۱)

اس سورت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر مشرکین اور منکرین تقدیر کا رد فرمایا' اب اس کلام کو اس پر ختم فرمایا کہ مستحکم دین اور صراط مستقیم تو ملت ابراہیم ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر مبنی ہے اور ہدایت صرف اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے' اور ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ ان بت پرستوں اور مشرکوں سے کہئے کہ مجھے میرے رب نے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے اور یہی ملت حنیفہ مستقیمہ ہے۔ اللہ نے مجھے دین مستقیم کی ہدایت دی ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۲)

نسک کا معنی

صلوٰۃ سے مراد یا تو تہجد کی نماز ہے یا نماز عید ہے اور نسک' نسیکہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ذبیحہ اور اس کا معنی ہے حج اور عمرہ میں مینڈھا ذبح کرنا اور نماز اور ذبیحہ کو اس آیت میں اس طرح جمع کیا ہے جیسے فصل لربک وانحر (الکوثر: ۲) میں جمع کیا ہے۔ حسن بصری نے کہا نسکی سے مراد ہے میرا دین۔ زجاج نے کہا اس سے مراد ہے میری عبادت۔ ایک قوم نے کہا

اس آیت میں نسک سے مراد تمام نیک کام اور عبادات ہیں۔
محیای: اس سے مراد ہے میں زندگی میں جو عمل کروں گا اور مماتی: اس سے مراد ہے میں وفات کے بعد جن چیزوں کی وصیت کروں گا۔

نماز کا افتتاح انی وجھت سے واجب ہے یا تکبیر سے

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کو اس ذکر سے شروع کرنا چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کی تائید حدیث میں بھی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین O ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین O لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین (الحدیث)

(صحیح مسلم 'صلوٰۃ المسافرین' ۲۰۱ '(۷۷۱) ۱۷۸۱ 'سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۷۴ 'سنن نسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۹۶)

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس ذکر کے ساتھ نماز کو شروع کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ واجب ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو پڑھنا فرض ہے اور اس کے درمیان اس ذکر کو بھی پڑھنا مستحب ہے اور دیگر اذکار کو بھی۔ مثلاً سبحانک اللھم وبحمدک کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم 'صلوٰۃ' ۵۰ '۳۹۹ '۸۶۵) اور نبی ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو' پھر قرآن پڑھو۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۹۳) آپ نے انی وجھت کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ اس سے افتتاح واجب نہیں ہے' بلکہ تکبیر سے افتتاح واجب اور اس سے افتتاح کرنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

(الانعام: ۱۶۳)

نبی ﷺ کا اول المسلمین ہونا

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا آپ سے پہلے حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام مسلمان نہیں تھے؟ تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ معنیً اول الخلق ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم آخر ہیں اور ہم قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح مسلم '۹' ۸۵۵ 'صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۷۶)

۲- نبی ﷺ سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا اس وقت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۲۹ 'دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے آخر ہوں۔ (کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۲۱۲۶ 'کامل ابن عدی' ج ۳' ص ۱۲۰۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔
(کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶' کامل ابن عدی' ج ۳' ص ۹۱۹' طبقات ابن سعد' ج ۱' ص ۱۴۹)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۹' المستدرک' ج ۲' ص ۶۰۰' مسند احمد' ج ۴' ص ۱۲۸-۱۲۷' طبقات ابن سعد' ج ۱' ص ۱۴۹' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۲۳)

۳- نبی ﷺ اپنی امت میں اول المسلمین ہیں- یہ قتادہ کا قول ہے- (تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۱۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے' تو وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق خبر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے- (الانعام: ۱۶۴)

فتنہ کے زمانہ میں نیک علماء کا گوشہ نشین ہونا

روایت ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے کہا اے محمد! ﷺ ہمارے دین کی طرف آئیں اور ہمارے خداؤں کی عبادت کریں' اور اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ہم دنیا اور آخرت میں آپ کی ہر ضرورت کے کفیل ہوں گے- اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی- آپ کہئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے! (الجامع لاحکام القرآن' جز ۸' ص ۱۴۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کا وہی ذمہ دار ہے-

ربیع بیان کرتے ہیں کہ عبادت گزار علماء کے لیے اس زمانہ میں صرف دو صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے افضل ہے- وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور حق کی دعوت دیں' یا فتنہ انگیز لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور بدکردار اور بدعنوان لوگوں کے اعمال میں شریک نہ ہوں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہیں اور فرائض بجالائیں اور اللہ کے لیے محبت رکھیں اور اسی کے لیے بغض رکھیں- (جامع البیان' جز ۸' ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فضول کے عقد اور وکیل کے تصرفات میں مذاہب فقہاء

فضول کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرید لے- اس بیع کا جواز اس مالک کی مرضی پر موقوف ہے- اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو یہ بیع جائز ہے' ورنہ نہیں- اسی طرح فضول کا کیا ہوا عقد نکاح بھی' لڑکے یا لڑکی کی بعد میں رضامندی سے جائز ہوتا ہے' ہمارے دور میں اکثر نکاح ایسے ہی ہوتے ہیں- لڑکی سے نکاح کی اجازت وکیل لیتا ہے' لیکن لڑکے سے ایجاب و قبول وکیل کی بجائے نکاح خواں کرتا ہے- یہ بھی فضولی کا عقد ہے' لیکن جب لڑکی رخصت ہو جاتی ہے تو گویا وہ اس فضولی کے عقد پر راضی ہو جاتی ہے اور یہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے- امام شافعی کے نزدیک فضولی کا عقد جائز نہیں ہے- وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کا وہی ذمہ دار ہے (الانعام: ۱۶۴) یعنی دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہے' اور اس آیت کے پیش نظر وہ فضول کے عقد کو ناجائز کہتے ہیں- امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک فضولی کی بیع جائز ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو ایک دینار عطا کیا' تاکہ وہ آپ کے لیے ایک بکری خریدیں- انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں' پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور نبی ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار

لے کر آ گئے‘ آپ نے ان کے لیے بیع میں برکت کی دعا کی‘ پھر یہ ہوا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو نفع ہوتا۔

(صحیح البخاری‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۳۶۴۲‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۳۸۴‘ سنن الترمذی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۱۲۶۲‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۴۰۲‘ مسند احمد‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۱۹۳۸۱‘ ۱۹۳۸۰‘ طبع جدید‘ مسند احمد‘ ج ۴‘ ص ۳۷۶‘ طبع قدیم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فضولی کا عقد صحیح ہے اور اصل شخص کی رضامندی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ وکیل کا تصرف صحیح ہے اور اس کے تصرف سے جو منفعت اسے حاصل ہوگی‘ وہ اصیل کے لیے ہوگی۔ امام مالک‘ امام ابویوسف‘ اور امام محمد بن حسن کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ سو روپے کا ایک کلو بکری کا گوشت خرید کر لاؤ اور وہ سو روپے کا دو کلو بکری کا گوشت لے آئے تو وہ زائد ایک کلو گوشت وکیل کا ہوگا۔ ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو‘ کیونکہ اس زمانے میں احادیث کی نشر و اشاعت کے اس قدر وسائل نہیں تھے‘ جتنے اب میسر ہیں اور احادیث کی اشاعت میں تدریجاً وسعت ہوئی ہے۔

برائی کے موجد کو اس برائی کے مرتکبین کی سزا میں سے حصہ ملے گا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے؟ کہ بعض لوگوں کے گناہوں کا عذاب بعض دوسروں کو ہوگا‘ اور یہ اس آیت کے خلاف ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: ۱۳)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے۔

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ (النحل: ۲۵)

تاکہ وہ (متکبر کافر) قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے اٹھائیں جنہیں وہ اپنی جہالت سے گمراہ کرتے تھے‘ سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے خون کی سزا سے ایک حصہ پہلے ابن آدم (قابیل) کو بھی ملے گا‘ کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی رسم اور گناہ کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۳۳۳۵‘ ج ۸‘ رقم الحدیث: ۷۳۲۱‘ ج ۷‘ رقم الحدیث: ۶۸۶۷‘ صحیح مسلم‘ رقم الحدیث: ۱۶۷۷‘ سنن ترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۶۸۱‘ سنن نسائی‘ رقم الحدیث: ۳۹۹۶‘ مسند احمد‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۶۳۰‘ مصنف عبدالرزاق‘ رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸‘ مصنف ابن ابی شیبہ‘ ج ۹‘ ص ۳۶۳‘ صحیح ابن حبان‘ ج ۱۳‘ رقم الحدیث: ۵۹۸۳‘ سنن کبریٰ للبیہقی‘ ج ۸‘ ص ۱۵)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی برائی اور گناہ کو ایجاد کیا تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی پر عمل کریں گے‘ تو ان کے گناہوں کی سزا میں اس برائی کے ایجاد کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا‘ کیونکہ وہ ان سب لوگوں کے لیے اس برائی کے ارتکاب کا سبب بنا تھا‘ اور بعد کے لوگوں کی سزا میں کوئی کمی نہیں ہوگی‘ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کو ہدایت پر

تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور ان متبعین کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی' تو اس کو اس گمراہی پر تمام عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور ان متبعین کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۶۷۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۶۰۹' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۱۷۱)

کوئی شخص دوسرے کے جرم کی سزا نہیں پائے گا' اس قاعدہ کے بعض مستثنیات

کسی شخص کو دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں ملے گی' یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص دوسروں کو اس گناہ سے منع کرتا رہے' لیکن اگر کوئی شخص خود نیک ہو اور اس کے سامنے دوسرے گناہ کرتے رہیں اور وہ ان کو منع نہ کرے تو اس نیک شخص کو اس لیے عذاب ہوگا کہ اس نے ان دوسروں کو برائی سے نہیں روکا۔ قرآن مجید میں ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المائدہ: ۷۹)

وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے' البتہ وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نیند سے یہ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے لا الہ الا اللہ عرب کے لیے تباہی ہو اس شر سے جو قریب آپہنچا' یاجوج ماجوج کی رکاوٹ کے ٹوٹنے سے' آج روم فتح ہوگیا۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بنایا' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے' حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں جب برائیاں زیادہ ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم' فتن ۱' (۲۸۸۰) ۷۱۰۲' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۹۴' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۷۴۹' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۳۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ' رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۹۳)

اسی طرح اس قاعدہ سے بعض احکام بھی مستثنیٰ ہیں' مثلاً اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو خطاً قتل کردے یا اس کا قتل شبہ عمد ہو (قتل شبہ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سزا دینے کے قصد سے لاٹھی' کوڑے یا ہاتھ سے ضرب لگائے اور اس کا قصد قتل کرنا نہ ہو) تو اس کی دیت عاقلہ پر لازم آتی ہے' تاکہ اس کا خون رائیگاں نہ ہو' اب یہاں جرم تو ایک شخص نے کیا ہے اور اس کا تاوان اس کے عاقلہ ادا کریں گے۔ عاقلہ سے مراد مجرم کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ کی ایک چوب سے مارا درآنحالیکہ وہ مضروبہ حاملہ تھی اور (اس ضرب سے) اس کو ہلاک کردیا۔ ان میں سے ایک عورت بنو لحیان کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے قاتلہ کے عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ دار) پر مقتولہ کی دیت لازم کی' اور اس کے پیٹ کے بچہ کے تاوان میں ایک باندی یا ایک غلام کا دینا لازم کیا۔

(صحیح مسلم' القسامہ' ۳۷' ۱۶۸۲' ۴۳۱۴' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۵۶۸' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۱۵' سنن النسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۸۲۲' ۴۸۳۶' ۴۸۳۷' ۴۸۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

اسی طرح اگر مسلمانوں کے محلہ میں کوئی مسلمان مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے؟ تو اس محلہ کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے' نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور ان کے قسم کھانے کے بعد

اہل محلہ پر دیت لازم آئے گی' تاکہ مسلمان کا قتل رائیگاں نہ جائے' اس کو قسامت کہتے ہیں' یہاں بھی قتل کسی اور نے کیا ہے اور اس کا تاوان یہ محلہ والے ادا کریں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص یہود کی رہٹ والی زمین میں مقتول پایا گیا۔ انہوں نے اس کا نبی ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے یہود کے پچاس چنے ہوئے لوگوں کو بلایا اور ہر ایک سے یہ قسم لی کہ اللہ کی قسم انہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے پھر ان پر دیت لازم کردی۔ یہود نے کہا بہ خدا یہ وہی فیصلہ ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت میں تھا۔ (سنن دار قطنی' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی' تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ (الانعام: ۱۶۵)

مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کے محامل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے' اس خلافت کے حسب ذیل محامل ہیں:

۱- سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں' اس لیے آپ کی امت خاتم الامم ہے اور چونکہ یہ امت پچھلی تمام امتوں کے بعد ہے' اس لیے یہ تمام امتوں کی خلیفہ ہے۔

۲- اس امت کا ہر قرن دوسرے قرن کے بعد ہے' اس لیے ہر قرن دوسرے قرن کا خلیفہ ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے' تاکہ وہ زمین میں اللہ کے احکام جاری کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بہ ضرور خلیفہ بنائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج: ۴۱)

جن لوگوں کو ہم زمین میں سلطنت عطا فرمائیں' تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسلمانوں کی آزمائش

اس کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کو بعض پر کئی درجات بلندی عطا فرمائی' تاکہ اس نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے' اس

میں تمہاری آزمائش کرے' یعنی عزت اور شرف' عقل اور مال' رزق اور شجاعت اور سخاوت میں اور تم میں یہ فرق مراتب اور تفاوت درجات اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برابر کا درجہ دینے سے عاجز تھا' بلکہ اس نے تمہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے تم کو ان مختلف درجات میں رکھا' تاکہ دنیا والوں پر اور قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ مال اور رزق کی فراوانی سے کون دولت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلا بیٹھا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں فواحش و منکرات میں مبتلا ہو گیا اور کون ایسا ہے جو روپے پیسے کی ریل پیل کے باوجود خدا سے ڈرتا رہا' اور اپنے مال کو اللہ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا رہا' اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہا۔ اسی طرح کس نے اپنی صحت کو عبادت میں خرچ کیا اور کس نے عیاشی میں ضائع کیا اور کون غربت اور افلاس میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرتا رہا؟ اور کون اللہ سے شکوہ اور شکایت کرتا رہا؟ اور عبادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری میں عبادت کرتا رہا؟ اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا؟ اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہا۔

مسلمانوں کے گناہوں پر مواخذہ اور مغفرت کا بیان

پھر فرمایا "بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ فساق و فجار کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں؟ اور عذاب بھی آخرت میں ہوگا پھر کس طرح فرمایا کہ وہ بہت جلد سزا دینے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے' وہ اس کے اعتبار سے بہت قریب ہے اور بہت جلد ہونے والا ہے' جیسا کہ قیامت کے متعلق فرمایا

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: ۷۷)	اور قیامت محض پلک جھپکنے میں واقع ہو جائے گی' بلکہ وہ اس سے بھی قریب تر ہے۔
اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ (المعارج: ۶-۷)	بے شک وہ یوم حشر کو بہت دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

نیز بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض مسلمانوں کی خطاؤں پر جلد ہی دنیا میں ہی گرفت فرمالیتا ہے اور ان کو کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ: ۳۰)	اور تم کو جو مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے کرتوتوں کے سبب تھی اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' خواہ کانٹا چبھے یا اس سے بھی کم ہو' اللہ اس تکلیف کے سبب اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے' یا اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم' البر و الصلہ' ۴۷' (۲۵۷۲) ۶۴۴۰' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۶۷)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ دائمی ہو' خواہ تھکاوٹ ہو' خواہ کوئی اور بیماری ہو' خواہ غم ہو' خواہ پریشانی ہو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۶۶' صحیح مسلم' البر و الصلہ ۵۲' (۲۵۷۳) ۶۴۴۶' سنن الترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۶۸)

نیز فرمایا "وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے" وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھتا ہے اور آخرت میں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اس کے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے بازو میں چھپا لے گا۔ پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا' کیا تم اس (گناہ) کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا صحیفہ دے دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو تمام مخلوقات کے سامنے بلایا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۴۴۱' صحیح مسلم' التوبہ' ۵۲' (۲۷۶۸) ۶۸۸۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

حرف آخر

آج ۱۵ رجب ۱۴۱۸ھ / ۱۶ نومبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار بعد از نماز ظہر سورۃ الانعام کی تفسیر کو میں اس حدیث پر ختم کر رہا ہوں اور اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں پر پردہ رکھے گا اور آخرت میں میرے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اللہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھے سورۃ الانعام تک تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی ہے' اپنے فضل و کرم سے مجھے باقی قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی عزت عطا فرما' مجھ پر قرآن مجید کے اسرار و معارف کھول دے اور احادیث میں مجھے وسیع نظر عطا فرما' مجھے اس تفسیر میں خطا اور لغزشوں سے بچا اور باقی ماندہ زندگی میں نیکی عطا فرما اور گناہوں سے محفوظ رکھ' اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے دنیا اور آخرت میں ہر پریشانی' مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی خوشیاں عطا فرما۔ اس تفسیر کو موثر اور مفید بنا اور اس کو تا قیام قیامت فیض آفریں اور باقی رکھ' اس کے مصنف' مصحح' کمپوزر' ناشر' قارئین' محبین اور معاونین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے بچا اور دارین کی کامیابیاں اور کامرانیاں ان کا مقدر کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین وعلی آلہ الطاھرین واصحابہ الکاملین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المحدثین والمفسرین والفقھاء والمجتھدین والمسلمین اجمعین۔

ماخذو مراجع

کتب الہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح، متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۴ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر واقد، متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ

۱۸- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ المکرمہ، ۱۴۱۴ھ

۲۰- امام ابو عبداللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۱- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۲۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ

۲۳- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۲۴- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۵- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۶- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۷- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبہ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۲۹- امام ابو بکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی متوفی ۲۸۷ھ، کتاب السنہ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۳۰- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۱- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مطبوعہ مؤسستہ القرآن، بیروت، ۱۴۰۹ھ

۳۲- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۳- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسستہ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۵- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دار المامون تراث، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۳۶- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، کتاب المنتقی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون رویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الرویانی، مطبوعہ دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ

۳۹- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز، مطبوعہ موسسہ علوم القرآن، دمشق

۴۰- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

۴۱- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ

۴۲- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۴۳- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

۴۵- امام محمد بن جعفر بن حسین آجری، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی، مصر، ۱۴۱۱ھ

۴۶- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، صحیح ابن حبان ترتیب ابن بلبان، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۴۷- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتب دار السلام، ریاض، ۱۴۱۳ھ

۴۸- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۹- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ 'معجم اوسط' مطبوعہ مکتبہ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ
۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ 'معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ 'مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ 'کتاب الدعا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۳- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ 'عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۵۴- امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ 'الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر' بیروت
۵۵- امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ 'کتاب العظمہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۵۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ 'المستدرک' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ
۵۷- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ 'حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۵۸- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ 'دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۵۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان۔
۶۰- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت
۶۱- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبہ المنارۃ' ۱۴۱۰ھ
۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ 'شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ
۶۶- امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ 'جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۷- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ 'شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۶۸- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ 'مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۶۹- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ 'تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۷۰- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ 'الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۱- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ 'الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ
۷۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ 'التذکرۃ فی امور الآخرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ
۷۳- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ 'مشکوۃ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ
۷۴- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ 'نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند' ۱۳۵۷ھ
۷۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ 'مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ
۷۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ 'کشف الاستار' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۷۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ 'موارد الظمآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۷۸- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ 'حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۷۹- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۸۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۷۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان
۸۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
۸۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
۸۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ،
۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۱ھ
۸۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ
۸۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۸۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۸۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۸۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ
۹۰- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

کتب تفاسیر

۹۱- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۹۲- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۹۳- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ
۹۴- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۹۵- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی، ایران، ۱۴۰۶ھ
۹۶- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ
۹۷- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۹۸- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
۹۹- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۴۱۲ھ
۱۰۰- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۰۱- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۵۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۲- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، کشاف، مطبوعہ نشر البلاغہ، قم ایران، ۱۴۱۳ھ
۱۰۳- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۰۴- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ
۱۰۵- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۰۶- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۱۰۷- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱ھ

۱۰۸- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۹- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۹۷۸ء
۱۱۰- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۱- قاضی ابو الخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۱۲- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۱۳- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۱۴- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۱۵- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۱۶- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۴ھ
۱۱۷- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۱۸- علامہ ابو العباس بن یوسف اسمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۱۹- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ
۱۲۰- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت
۱۲۱- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی، قاہرہ، ۱۴۱۳ھ
۱۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۲۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۲۴- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی، دیو بند
۱۲۵- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران
۱۲۶- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۲۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ
۱۲۸- علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی، بمبئی
۱۲۹- علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
۱۳۰- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ
۱۳۱- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر
۱۳۲- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
۱۳۳- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی
۱۳۴- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت
۱۳۵- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۳۶- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ
۱۳۷- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۳۸- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت
۱۳۹- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض
۱۴۰- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
۱۴۱- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۲- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۳- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس
۱۴۴- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۸۶ھ
۱۴۵- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۴۶- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۳۹۷ھ
۱۴۷- سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۴۸- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان
۱۴۹- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت
۱۵۰- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۵۱- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، ایران، ۱۳۶۹ھ
۱۵۲- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور
۱۵۴- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین، ایران
۱۵۵- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت
۱۵۶- ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۵۷- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۵۸- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۱۵۹- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور
۱۶۰- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

کتب شروح حدیث

۱۶۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۶۲- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۴ھ
۱۶۳- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۶۴- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۶۵- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۶۶- حافظ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی' المتوفی ۶۵۶ھ' المفہم شرح مسلم' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' ۱۴۱۷ھ
۱۶۸- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ
۱۶۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۷۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ
۱۷۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ
۱۷۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۷۳- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ
۱۷۴- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۱ھ
۱۷۵- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی
۱۷۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی
۱۷۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ' مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ
۱۷۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
۱۸۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ
۱۸۱- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ' تحفۃ الاحوذی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۱۸۲- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر' ۱۳۵۷ھ
۱۸۳- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز' کراچی
۱۸۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ' لاہور

کتب اسماء الرجال

۱۸۵- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ
۱۸۶- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' میزان الاعتدال' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۸۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۹۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی' دہلی

کتب لغت

۱۹۱- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۹۲- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ
۱۹۳- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۹۴- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران، ۱۳۶۴ھ
۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۹۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم ایران، ۱۴۰۵ھ
۱۹۷- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۹۸- علامہ محمد طاہر صدیقی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ، ۱۴۱۵ھ
۱۹۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۰۰- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۳۶۷ھ
۲۰۱- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور
۲۰۲- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۰۳- امام عبد الملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۰۴- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ
۲۰۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم، بیروت
۲۰۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۰۷- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۰۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ، ملتان
۲۰۹- علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۲۱۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۱۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت
۲۱۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۱۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۱۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۱۵- حافظ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۱۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۱۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۸- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۲۰- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۲۲۱- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۲۲- علامہ محمد عبد الباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۲۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۲۴- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۲۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ، افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۲۲۶- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۷ھ
۲۲۷- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ
۲۲۸- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۲۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ھدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ، ملتان
۲۳۰- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۱- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتار خانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۱ھ
۲۳۲- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان
۲۳۳- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردری، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۳۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۳۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
۲۳۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ
۲۳۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۱۲ھ
۲۳۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، صغیری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی۔
۲۴۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ
۲۴۱- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۴۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ
۲۴۳- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۴۴- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۴۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۴۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۴۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۴۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۴۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ
۲۵۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ
۲۵۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۵۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی
۲۵۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۲۵۴- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۲۵۵- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۵۶- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۵۷- علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۵۸- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۶۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۶۱- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۶۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی، متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۶۳- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۶۴- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۶۵- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۶۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
۲۶۷- علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ النجاح، لیبیا
۲۶۸- علامہ علی بن عبداللہ علی الخرشی، المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر، بیروت
۲۶۹- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۷۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۷۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۷۳- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض
۲۷۴- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ

کتب شیعہ

۲۷۵- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۲۷۶- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۲۷۷- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ موسسۃ النصر، ایران، ۱۳۸۷ھ

۲۷۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران، ۱۳۴۷ھ
۲۷۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ، تہران

کتب عقائد و کلام

۲۸۰- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۲۸۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی
۲۸۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۴۰۹ھ
۲۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی، ایران، ۱۳۲۵ھ
۲۸۴- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۲۸۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۲۸۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۵ھ
۲۸۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی، کراچی

کتب اصول فقہ

۲۸۸- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ
۲۸۹- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
۲۹۰- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، کراچی
۲۹۱- علامہ عبد الحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب متفرقہ

۲۹۲- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
۲۹۳- امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۹۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
۲۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر
۲۹۷- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۴ھ
۲۹۸- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ
۲۹۹- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۰۰- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۱- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۳۷۰ھ
۳۰۲- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف السادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۰۳- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۳۰۴- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ، طہران، ۱۳۷۸ھ

٣٠٥- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ الملفوظ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
٣٠٦- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ ہدیۃ المہدی مطبوعہ میور پریس دہلی ۱۳۲۵ھ
٣٠٧- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
٣٠٨- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظ الایمان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
٣٠٩- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی نداء یارسول اللہ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد سوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی
ظہور احمد فیضی

ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد چہارم

الاعراف ۰ الانفال

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸-اردو بازار، لاہور-۲

ISBN 969-563-013-8

تصحیح : حافظ محمد ابراہیم فیضی، قاری ظہور احمد فیضی
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : شوال 1420ھ / فروری 2000ء
الطبع السابع : جمادی الاولیٰ 1430ھ / مئی 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: *info@faridbookstall.com*
ویب سائٹ: *www.faridbookstall.com*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سورۃ الانفال

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين الذی استغنی فی حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شیء عند العارفين والصلوة والسلام علی سيدنا محمد الذی استغنی بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذی بلغ الينا ما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما انزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمٰن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فی كتاب مبين وعلی اله الطيبين الطاهرين وعلی اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلی سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی ومن سيات اعمالی من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له اللهم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعه اللهم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابه اللهم اجعلنی فی تبيان القرآن علی صراط مستقيم وثبتنی فيه علی منهج قويم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحريره واحفظنی من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فی تقريره اللهم القِ فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفيوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبيان القرآن۔ رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فی اطراف العالمين الی يوم الدين واجعله لی ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الی يوم القيامة وارزقنی زيارة النبی صلی الله عليه وسلم فی الدنيا وشفاعته فی الاخرة واحينی علی الاسلام بالسلامة وامتنی علی الايمان بالكرامة اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علی وابوء لك بذنبی فاغفر لی فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يارب العالمين۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا' ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں' تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں' یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے' اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے' اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما' اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں' میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما' کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَۃُ الۡاَعۡرَافِ

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الاعراف

سورت کا نام

زیادہ مشہور اور محقق یہ ہے کہ اس سورت کا نام "الاعراف" ہے۔ علامہ سید محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ عرف سے بنا ہے اس کا معنی بلندی ہے اور اس کا معنی جاننا اور پہچاننا بھی ہے۔ الاعراف جنت اور دوزخ کی درمیانی سرحد کا نام ہے۔ اصحاب الاعراف کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں' وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے دوزخ کے مستوجب نہ ہوں اور برائیوں کی وجہ سے جنت کے مستحق نہ ہوں' پس وہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب میں ہوں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچاننے والے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف انبیاء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الاعراف ملائکہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ (الاعراف: ۴۸) اصحاب الاعراف نے ندا کی۔

(تاج العروس' ج ۶' ص ۱۹۴' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

اس سورت کا نام الاعراف اس لیے ہے کہ اس سورت میں الاعراف کا ذکر ہے:

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ‌ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰٮهُمۡ‌ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ‌ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ ۝ (الاعراف: ۴۶)

اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک حجاب ہے اور الاعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور وہ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو' وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں داخل نہیں ہوں گے اور وہ اس کے امیدوار ہوں گے۔

حدیث میں بھی اس سورت کو سورت الاعراف سے تعبیر فرمایا ہے۔

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم مغرب کی نماز میں قصار مفصل (سورہ البینہ: ۹۸ سے لے کر آخر قرآن تک چھوٹی چھوٹی سورتیں) پڑھتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی

نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مروان نے کہا: میں نے پوچھا بڑی بڑی سورتیں کون سی ہیں؟ حضرت زید نے کہا: الاعراف اور دوسری الانعام ہے۔ حدیث کے راوی ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں میں نے ان سے خود پوچھا تو انہوں نے فرمایا: المائدہ اور الاعراف۔

(سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۱۲' صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۶۴' سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۸۹)

سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی سات سورتیں جن میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہیں' ان کو السبع الطوال کہا جاتا ہے' وہ یہ ہیں: البقرہ' آل عمران' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف اور الانفال' اور جن سورتوں میں ایک سو آیتیں ہوں' ان کو ذوات المئین کہتے ہیں اور جن میں اس سے کم آیات ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور ان کے بعد مفصل ہیں۔ سورۂ الحجرات سے البروج تک طوال مفصل ہیں اور البروج سے البینہ تک اوساط مفصل ہیں اور البینہ سے آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

(در مختار ورد المحتار' ج ۱' ص ۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سورت کا نام المص ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مروان سے فرمایا: اے عبدالملک کیا تم (ہمیشہ) مغرب میں قل ھو اللہ احد اور انا اعطینک الکوثر پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے قسم کھا کر فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ المص۔

(سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۸۸' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

لیکن مشہور اور محقق قول یہی ہے کہ اس سورت کا نام الاعراف ہی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الاعراف کو پڑھا اور اس کو دو رکعتوں میں تقسیم کیا۔ (سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۹۰' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الاعراف کا معنی اور مصداق

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف العرف کی جمع ہے اور اس کا معنی بلند جگہ ہے۔ البتہ یحییٰ بن آدم نے کہا: کہ میں نے کسائی سے اس کے واحد کے متعلق پوچھا تو وہ خاموش رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۸' ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بھی ہوں اور گناہ بھی ہوں۔ ان کے گناہ ان کو جنت سے روک دیں اور ان کی نیکیاں ان کو دوزخ سے روک لیں۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے حتیٰ کہ اللہ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ پھر ان کے درمیان اپنا حکم جاری فرمائے گا۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب الاعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔ اللہ فرمائے گا: میرے فضل اور میری بخشش سے جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر آج نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم مغموم ہوگے۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کا ایک گناہ بھی نیکیوں سے زیادہ ہوا وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا اور جس شخص کی ایک نیکی بھی اس کے گناہوں سے زیادہ ہوئی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ (الاعراف:٨-٧)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ایک رائی کے دانہ کے برابر وزن سے بھی میزان کا پلڑا جھک جاتا ہے اور فرمایا: جس شخص کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں وہ اصحاب الاعراف میں سے ہوگا' ان کو پل صراط پر ٹھہرا دیا جائے گا' پھر وہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو پہچان لیں گے۔ جب وہ اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے سلام علیکم اور جب ان کی نظر بائیں جانب کی طرف پھیری جائے گی تو وہ اہل دوزخ کو دیکھیں گے اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا اور دوزخیوں کے ٹھکانوں سے اللہ کی پناہ چاہیں گے اور جو نیکیوں والے ہوں گے ان کو ان کی نیکیوں کا نور دیا جائے گا وہ اس نور کی روشنی میں اپنے سامنے اور اپنے آگے چلیں گے' اس دن ہر بندے اور ہر بندی کو نور دیا جائے گا اور جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو اللہ ہر منافق اور ہر منافقہ کا نور سلب فرما لے گا اور جب اہل جنت منافقوں کا حال دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور مکمل کر دے۔ اور رہے اصحاب الاعراف تو ان کا نور بھی ان کے سامنے ہوگا اور ان سے چھینا نہیں جائے گا' اور اس موقع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے: وہ (اصحاب الاعراف) جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ اس کے امیدوار ہیں۔ (الاعراف:۴۶) حضرت ابن سعد نے فرمایا: جب بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب وہ ایک برائی کرتا ہے تو اس کی صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے پھر فرمایا: جس کی دس نیکیوں پر ایک گناہ غالب آ گیا وہ ہلاک ہو گیا (یعنی جس کی نیکیوں کو دس سے ضرب دینے کے باوجود اس کے گناہ زیادہ ہوئے) عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے اور اصحاب الاعراف اس جگہ ہوں گے حتیٰ کہ جب اللہ ان کو عافیت میں لینا چاہے گا تو ان کو ایک دریا کی طرف لے جائے گا جس کو حیات کہا جاتا ہے' اس کے دونوں کنارے سونے کے سرکنڈے ہیں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان کی مٹی مشک ہے ان کو اس دریا میں ڈالا جائے گا' حتیٰ کہ ان کا رنگ سفید چمک دار ہو جائے گا' پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمائے گا: تم جو چاہو تمنا کرو' پھر وہ تمنا کریں گے اور جب ان کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ ان سے فرمائے گا: تم نے جو تمنائیں کی ہیں' تم کو وہ بھی ملیں گی اور ان کا ستر گنا اضافہ بھی ملے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے درآنحالیکہ ان کے سینوں پر سفید تل ہوں گے جن سے وہ پہچانے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا یہ جنت کے مساکین ہیں۔

(جامع البیان' ج ۸' ص ۲۵۱-۲۴۹' ملتقطاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے: الاعراف پل صراط پر ایک بلند جگہ ہے۔ اس پر حضرت عباس' حضرت حمزہ' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت جعفر ذوالجناحین رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ وہ اپنے محبت کرنے والوں کو پہچان لیں گے جن کے چہرے سفید ہوں گے اور ان سے بغض رکھنے والوں کو بھی پہچان لیں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' اور زہراوی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہر امت کے نیک لوگ ہوں گے جو لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ نحاس نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار پر ہوں گے' زجاج نے کہا یہ انبیاء ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے صغیرہ گناہوں کا دنیا میں تکلیفوں اور مصیبتوں سے کفارہ ادا نہیں ہوا اور ان کے کبیرہ گناہ نہیں ہوں گے۔ ان کو جنت

میں جانے سے روک لیا جائے گا تاکہ ان کو غم ہو جو ان کے صغائر کے مقابلہ میں ہو۔ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہما نے یہ تمنا کی تھی کہ وہ اصحاب الاعراف میں سے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں جو لوگوں کو جنت اور دوزخ میں داخل کرنے سے پہلے مومنوں اور کافروں کو ممتاز کریں گے یہ ابو مجلز کا قول ہے۔ ان پر اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاعراف کو رجال کہا ہے اور فرشتوں کو رجال نہیں کہا جاتا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ فرشتے مذکر ہیں مونث نہیں ہیں اس لیے ان پر رجال کا اطلاق بعید نہیں ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے اور بھی کئی اقوال لکھے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ' جز ۷ ' ص ۱۹۱-۱۹۰ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الاعراف کی آیتوں کی تعداد اور ان کی صفات

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کی دو سو چھ آیتیں ہیں۔ امام رازی ' علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی آٹھ آیتیں مدنی ہیں۔ آیت ۱۶۳ سے لے کر آیت ۱۷۰ تک جو وسئلهم عن القرية سے شروع ہوتی ہیں ' نیز امام رازی نے لکھا ہے یہ سورت ' سورت ص کے بعد نازل ہوئی ہے۔

حضرت جابر بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے انتالیسویں سورت ہے۔ اور سورہ ص کے بعد اور سورہ جن سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ متعدد رجال نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس سے کوئی آیت مستثنیٰ نہیں ہے۔ (روح المعانی ' جز ۸ ' ص ۸۲)

اس سورت کی تمام آیات محکم ہیں۔ البتہ ابن زید کے نزدیک اس سورت کی حسب ذیل دو آیتیں منسوخ ہیں:

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (الاعراف: ۱۸۳) اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں ' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے۔

اس آیت کو منسوخ قرار دینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں خبر ہے اور نسخ انشاء (احکام) میں ہوتا ہے۔ خبر کو منسوخ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے غلط خبر دی تھی اور اب صحیح خبر دی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور احکام میں نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک آیت میں ایک حکم مطلق بیان فرمایا تھا اور اب دوسری آیت میں اس حکم کی مدت یا استثناء کو بیان فرما دیا اور نسخ کا معنی اس حکم کی مدت یا استثناء کا بیان ہے۔ اس لیے احکام میں نسخ جائز ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ (الاعراف: ۱۹۹) معاف کرنا اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے منہ پھیر لیجئے۔

اس آیت کے متعلق سدی اور ابن زید نے یہ کہا ہے: کہ یہ آیت ' آیت جہاد سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کفار سے قتال کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں نبی ﷺ کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ نبی ﷺ کفار اور مشرکین اور دیگر فساق اور فجار کی باطل باتوں اور قبیح حرکتوں سے ملول خاطر نہ ہوں۔ آپ ان کی سختیوں کے باوجود ان کے ساتھ نرم سلوک کرتے تھے۔ ان کی بدی کا جواب نیکی سے اور ان کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دیتے تھے اور اسی پاکیزہ سیرت پر برقرار رہنے کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ سورۃ الاعراف کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

الاعراف' الانعام سے زیادہ طویل ہے کیونکہ الانعام ایک پارہ کی ہے اس میں ۲۰ رکوع اور ۱۶۵ آیتیں ہیں۔ اور الاعراف سوا پارہ کی ہے اس میں چوبیس رکوع اور ۲۰۶ آیتیں ہیں۔

سورة الاعراف کا زمانہ نزول

علامہ ابن عاشور نے لکھا ہے کہ میں اس پر مطلع نہیں ہو سکا کہ سورۃ الاعراف کے نزول کی صحیح تاریخ کیا ہے۔ جابر بن زید سے مروی ہے کہ یہ سورت سورۂ جن سے پہلے اور سورۂ ص کے بعد نازل ہوئی ہے اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورۂ جن ابتداء اسلام میں نازل ہوئی ہے' جب سیدنا محمد ﷺ کی دعوت کا ظہور ہوا تھا اور یہ ایام حج کا موقع تھا اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے اور یہ غالباً بعثت کا دوسرا سال تھا۔ اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ سورہ اعراف اس مدت میں نازل ہوئی تھی کیونکہ سات طویل سورتیں بعثت کے ابتدائی دور میں نازل نہیں ہوئیں۔ (التحریر والتنویر' جز۸' ص ۷-۶)

اس سورت کے مضامین پر غور کرنے سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہے جس زمانہ میں سورۃ الانعام نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ہم اب سورت کے مضامین اور مقاصد کو بیان کر رہے ہیں جن پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

سورة الاعراف کے مضامین اور مقاصد

مکی سورتوں میں سورۃ الاعراف سب سے لمبی سورت ہے۔ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں اور اس میں تنبیہ اور تہدید کا رنگ نمایاں ہے۔ اس کے مضامین اور مقاصد کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اس سورت کو اس عنوان سے شروع کیا گیا ہے کتب انزل الیک (الآیہ) یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کے دل میں اس سے تکلیف نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (الاعراف: ۲) یہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی معجزہ ہے اور قیامت تک کے لیے آپ کی نبوت پر دلیل ہے۔ کیونکہ چیلنج کے باوجود کوئی شخص اس کی کسی سورت یا آیت کی نظیر نہیں لا سکا۔ سو پہلے آپ کی رسالت پر دلیل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد پیغام رسالت کا ذکر فرمایا اور توحید اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔

۲- اس سورت کی آیت ۱۱ سے آیت ۲۷ تک حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر ہے اور فرشتوں کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور شیطان کے تکبر کرنے اور حضرت آدم کے ساتھ اس کی دشمنی اور اس کے راندۂ درگاہ ہونے کا بیان ہے۔ حضرت آدم کی جنت سے ہجرت اور ان کا زمین پر نزول ذکر فرمایا ہے۔

۳- اس سورت کی آیت ۳۵ میں وحی رسالت کا بیان ہے۔ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور تم سے میری آیتوں کا بیان کریں تو جس نے تقویٰ اور نیکی کو اختیار کیا تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۴- اس سورت کی آیت ۳۶ سے آیت ۴۱ تک مشرکین اور مکذبین کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا۔ کفار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان نہ لانے کے جو باطل عذر بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا جو جواب دیا جائے گا' اس کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے عذاب کا بیان فرمایا ہے۔

۵- اس سورت کی آیت ۴۲ سے آیت ۴۵ تک آخرت میں خصوصاً حشر کے دن مومنین کے حالات اور ان کا اہل دوزخ سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۴۶ سے آیت ۴۹ تک اہل اعراف کا ان سے مکالمہ بیان فرمایا ہے اور آیت ۵۰ سے آیت ۵۲ تک

اہل دوزخ کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔

۶- اس سورت کی آیت ۵۴ سے آیت ۵۸ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی وحدانیت پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور اس ضمن میں اپنی عطا کردہ نعمتوں سے استدلال فرمایا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمانا' اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج' چاند اور ستاروں کا مسخر ہونا اور زمین سے پھلوں کو پیدا فرمانا اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور انسانوں کو اس کائنات سے فوائد حاصل کرنے کا جو اختیار عطا فرمایا ہے اور اس کو دیگر مخلوقات پر جو فضیلت عطا فرمائی ہے' یہ تمام نعمتیں انسانوں کو یاد دلائی ہیں۔

۷- اس سورت کی آیت ۵۹ سے آیت ۱۷۱ تک انبیاء سابقین علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آیت ۵۹ سے آیت ۶۴ تک حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا' ان کی قوم نے اس کا کیا جواب دیا اور پھر ان پر جو غرقابی کا عذاب آیا' آیت ۶۵ سے آیت ۷۲ تک حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان کے پیغام کو مسترد کرنے پر ان کی قوم کے اوپر عذاب بھیجنے کا ذکر ہے۔ آیت ۷۳ سے آیت ۷۹ تک حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کیا اور ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر ان پر عذاب آیا۔ آیت ۸۰ سے آیت ۸۴ تک حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے منع فرمانے کے باوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ آیت ۸۵ سے آیت ۱۰۲ تک حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی قوم ناپ تول میں کمی کرنے میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود باز نہ آئی اور عذاب کا شکار ہوئی۔ اس قصہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اطوار سے مشرکوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آیت ۱۰۳ سے آیت ۱۷۱ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طویل قصہ بیان فرمایا ہے۔ ان کے معجزات' فرعون کے دربار میں ان کا جانا' فرعون کے ساحروں پر غالب آنا' بنو اسرائیل کی فرعون سے نجات اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے مقابلہ میں ان کی سرکشی' ان تمام امور کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ان آیتوں کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے بھی خطاب ہے اور سابقہ قوموں کی سرکشی کی وجہ سے ان پر جو عذاب آیا اس سے اہل مکہ کو ڈرایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت دی ہے اور آپ کے دین اور آپ کی امت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۸- آیت ۱۷۲ سے آیت ۲۰۶ تک اہم امور یہ ہیں: آیت ۱۷۲ سے آیت ۱۷۴ تک اولاد آدم سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔ آیت ۱۷۵-۱۷۴ میں بلعم باعور کا ذکر ہے۔ آیت ۱۸۶-۱۷۶ تک گزشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے' کفار کی شقاوت اور محرومی اور کفار کو ڈھیل دینے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۱۸۸-۱۸۶ تک وقوع قیامت کا علم اور علم غیب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۱۹۰-۱۸۹ سے دوبارہ انسان کی پیدائش اور حضرت آدم اور حضرت حواء کا ذکر ہے۔ آیت ۱۹۸-۱۹۱ تک شرک کا تفصیل سے رد فرمایا ہے۔ آیت ۲۰۶-۱۹۹ تک مکارم اخلاق' شیطان کے اغواء سے بچنے' اتباع وحی اور رجوع الی اللہ کا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی باہمی مناسبت

۱- ہم نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ جو امور سورۃ الانعام میں اجمالاً بیان کیے گئے' ان کو اس سورت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً انبیاء سابقین علیہم السلام کا الانعام میں اجمالاً ذکر تھا اس سورت میں ان کا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے گویا کہ سورۃ الانعام بہ منزلہ متن ہے اور سورۃ الاعراف بہ منزلہ شرح ہے۔

۲- سورۃ الانعام میں اجمالاً فرمایا تھا ھو الذی خلقکم من طین (الانعام: ۲) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور اس سورت میں بہت تفصیل سے بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس طرح پیدا ہوئے اور اولاد آدم سے میثاق لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

۳- سورۃ الانعام میں فرمایا تھا کتب علی نفسہ الرحمۃ (الانعام: ۱۲) اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کرلی ہے اور اس سورت میں اس رحمت کو تفصیل سے بیان فرمایا:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (الاعراف: ۱۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے سو میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۴- الانعام کے آخر میں فرمایا تھا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (الانعام: ۱۵۳)

اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے لہٰذا اس پر چلو۔

اور اس سورت کے اول میں اس سیدھے راستہ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ○ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ (الاعراف: ۳-۲)

یہ عظیم کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تنگی نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے ○ (اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (اپنے) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔

۵- الانعام میں فرمایا تھا:

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (الانعام: ۱۶۴)

پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں اس چیز کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اور اس سورت کے شروع میں اس دن کے احوال کی تفصیل بیان فرمائی:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ○ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِیْنَ ○ (الاعراف: ۷-۶)

تو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور بے شک ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے اور ہم ان پر ان کے احوال اپنے علم سے ضرور بیان کریں گے اور ہم (ان سے) غائب نہ تھے۔

۶- سورۃ الانعام میں فرمایا تھا:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○ (الانعام: ۱۶۰)

جو شخص ایک نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں ہیں اور جو شخص برائی لے کر آئے تو اسے صرف اسی ایک برائی کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور نیک اعمال پر جزاء اور برے اعمال پر سزا میزان پر نیکیوں اور برائیوں کے وزن کرنے کے بعد مترتب اور متحقق ہوگی اور وزن کرنے کا بیان سورۃ الاعراف میں ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ○ (الاعراف: ٩-٨)

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے، پھر جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ○

یہ چند وجوہ سورۃ الانعام اور الاعراف میں باہم ربط اور مناسبت کی ہیں جو خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی نکات آفرینی سے ماخوذ ہیں۔ سورۃ الاعراف کے تعارف میں یہ چند ضروری امور بیان کرنے کے بعد ہم اب اس سورت کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ الٰہ العالمین! اس سورت اور باقی تمام سورتوں کی تفسیر میں میری غیب سے مدد فرما، مجھے غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ اور مامون رکھ اور مجھے صراط مستقیم پر قائم اور برقرار رکھ اور مجھے وہ مضامین القا فرما جو حق اور صواب ہوں اور تیری رضا اور تیرے رسول ﷺ کی خوشنودی کا موجب ہوں!

سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورہ الاعراف مکی ہے اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓمّٓصٓ ۚ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ
ال م ص ○ یہ عظیم کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تنگی نہ ہو
مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے ○ (اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب
رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③
کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ○
وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④
اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا، پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے ○

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بیشک ہم ہی ظالم

ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ

تھے ○ پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم

الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝٧

رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے ○ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے، ہم غائب تو نہیں تھے ○

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے، پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی

الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

کامیاب ہیں ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝٩ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ

والے ہیں کیونکہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے ○ اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کردیا

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝١٠ ع-١ ٨

اور تمہارے لیے اس (زمین) میں اسباب زیست فراہم کیے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ○

الٓمّٓصٓ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم صاد ○ (الاعراف: ۱)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بھی ان حروف مقطعات سے شروع فرمایا تاکہ ایک بار پھر یہ تنبیہ ہو کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور اس چیلنج کی طرف پھر اشارہ ہو کہ کوئی جن اور انسان قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لا سکتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیونکہ یہ قرآن عربوں کی لغت اور ان کے حروف تہجی مثلاً الف' لام' میم' صاد وغیرہ سے مرکب ہے۔ اگر منکرین کے زعم کے مطابق یہ کسی انسان کا کلام ہے تو ان ہی حروف سے مرکب کر کے وہ بھی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل کلام بنا کر لے آئیں کیونکہ یہ کلام ان حروف تہجی سے مرکب ہے جن سے تمام اہل عرب اپنے کلام کو مرکب کرتے ہیں اور جب باوجود شدید مخالفت اور علوم و معارف کی روز افزوں ترقی کے چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی منکر اس کلام کی نظیر نہ لا سکا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ المص کا معنی ہے انا اللہ افصل (میں اللہ' تفصیل کرتا ہوں) امام رازی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور 'کہا ہے کہ ان حروف کی رعایت سے اس کا معنی انا اللہ اصلح (میں اللہ اصلاح کرتا ہوں) بھی ہو سکتا ہے اور اول الذکر کی ثانی الذکر پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے اور میم کی رعایت سے انا اللہ الملک (میں اللہ بادشاہ ہوں) بھی ہو سکتا ہے اس لیے ان حروف کو اول الذکر معنی پر محمول کرنا ترجیح بلا مرجح اور بلا دلیل ہے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ المص اللہ تعالیٰ کا اسم ہے' لیکن یہ بھی بلا دلیل ہے کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ المص کسی نبی کا نام ہو یا کسی فرشتے کا نام ہو بلکہ تحقیق یہ ہے کہ المص اس سورت کا اسم لقب ہے اور یہ اس سورت کا اسم بھی ہو سکتا ہے۔
(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۱۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
زیادہ صحیح یہ ہے کہ حروف مقطعات اوائل سور کے اسرار ہیں اللہ تعالیٰ نے اس راز سے صرف نبی ﷺ کو مطلع فرمایا ہے اور نبی ﷺ کے وسیلہ اور فیض سے اللہ تعالیٰ نے اولیاء عارفین اور علماء کاملین میں سے جن کو چاہا' ان اسرار سے مطلع فرمایا ان حروف کی زیادہ تحقیق اور وضاحت ہم نے البقرہ: ا' میں کر دی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ عظیم کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے' سو آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تنگی نہ ہو تاکہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے ○ (الاعراف: ۲)

قرآن مجید کی تبلیغ میں نبی ﷺ کے حرج یا شک کی تحقیق

حرج کا معنی ہے تنگی (المفردات' ص ۱۱۲) حدیث میں ہے: بنو اسرائیل سے احادیث بیان کرو' اس میں حرج نہیں ہے' یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں ہے یا اس پر پابندی نہیں ہے۔ (النہایہ' ج ۱' ص ۳۶۱' الفائق' ج ۱' ص ۲۳۸' مجمع بحار الانوار' ج ۱' ص ۴۶۷)
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی تبلیغ میں اس خوف سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کفار آپ کی تکذیب کریں گے' اس آیت میں آپ کو قرآن مجید سے ڈرانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے پہلے یہ فرمایا کہ آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہ ہو کیونکہ قرآن مجید کی تبلیغ کرنا اور اس سے ڈرانا اسی وقت کامل ہو گا جب آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہ ہو۔ اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے' اس لیے آپ کو یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ کے ساتھ ہے لہٰذا آپ کے دل میں اس کی تبلیغ سے تنگی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ جس کا اللہ حافظ اور ناصر ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا سو آپ قرآن مجید کی تبلیغ کرنے' اس سے ڈرانے اور اس کے ساتھ نصیحت کرنے میں مشغول رہیں اور کفار اور مشرکین کی مخالفت کی مطلقاً پروا نہ کریں۔
امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دوں جو تم کو معلوم نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مجھے آج تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو جو کچھ مال عطا کیا ہے وہ حلال ہے (جب تک اللہ تعالیٰ اس کو حرام نہ فرمائے۔ اس کا مقصد ان مشرکوں کا رد کرنا ہے جنہوں نے از خود بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو حرام کر لیا تھا) میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ (فطرتاً) باطل سے دور رہنے والے تھے اور بے شک ان کے پاس شیطان آئے اور انہوں نے ان کو دین (برحق) سے پھیر دیا اور جو چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں' وہ انہوں نے ان پر حرام کر دیں' اور ان کو میرے ساتھ

شرک کرنے کا حکم دیا جس (شرک) پر میں نے کوئی دلیل نہیں قائم کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور اہل کتاب کے چند باقی لوگوں کے سوا تمام عرب اور عجم کے لوگوں سے ناراض ہوا اور اللہ نے فرمایا میں نے تم کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور تمہارے سبب سے (دوسروں کی) آزمائش کے لیے' میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا۔ تم اس کو نیند اور بیداری میں پڑھو گے' اور بے شک اللہ نے مجھے قریش کو جلانے کا حکم دیا ہے' میں نے کہا اے میرے رب! وہ تو میرا سر پھاڑ دیں گے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دیں گے' اللہ نے فرمایا ان کو اس طرح نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا ہے' تم ان سے جہاد کرو' ہم تمہاری مدد کریں گے' تم خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے' تم ایک لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے۔ اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں کے خلاف جنگ کرو۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم' صفۃ الجنۃ: ۶۳' (۲۸۶۵) ۷۰۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۷۰)

یہ حدیث اس آیت کی بہ منزلہ تفسیر ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ نبی ﷺ کو کفار اور مشرکین کی مخالفت اور ان کی ضرر رسانی کا خدشہ تھا اور آپ کو اس سے پریشانی تھی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اور قرآن کریم کی تبلیغ اور اشاعت سے آپ کا دل تنگ نہ ہو' اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ کے ساتھ ہے لہٰذا آپ ان کی مخالفت کی بالکل پروانہ کریں۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ باوجود بسیار کوشش اور پر زور تبلیغ کے مشرکین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے اور کفر' عناد اور سرکشی پر اصرار کرتے تھے۔ اس سے نبی ﷺ کو بے حد قلق اور رنج ہوتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کے دل میں رنج اور تنگی نہ ہو تاکہ آپ کشادہ دلی اور پوری لگن کے ساتھ ان کو اس قرآن کے ذریعہ اخروی عذاب سے ڈراتے رہیں' اس معنی کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں فرط غم سے آپ جان دے دیں گے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۳)

(لگتا ہے) اگر وہ ایمان نہ لائے تو شاید آپ (فرط غم سے) جان دے دیں گے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور سدی سے اپنی اسانید کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں حرج شک کے معنی میں ہے یعنی آپ کے دل میں قرآن مجید کے متعلق شک نہ ہو۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۵۴-۱۵۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی حرج کی تفسیر میں اس معنی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ شک کو حرج اس لیے کہتے ہیں کہ شک کرنے والے کے دل میں تنگی ہوتی ہے اس کے برخلاف یقین کرنے والے کو شرح صدر ہوتا ہے پھر اس کی تائید میں یہ آیت پیش کی ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس: ۹۴)

اگر آپ (بہ فرض محال) اس چیز کے متعلق شک میں ہوں جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی طرف قرآن مجید میں شک کرنے کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔ شک ایمان کے منافی ہے' اس لیے یہ محال ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک کریں۔ علاوہ ازیں لغت کی کسی کتاب میں حرج کا معنی شک نہیں ہے اور مجاز پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس کے خلاف پر قرائن ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے استشہاد کرنا باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس میں لفظ "اگر" کے ساتھ کلام ہے' جس سے شک کا وقوع ثابت نہیں اور ثانیاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں نبی ﷺ مخاطب نہ ہوں بلکہ عام سننے والا مخاطب ہو۔ ہمارے استاذ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے اس آیت کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام بطور تعریض ہو یعنی ظاہر شک کا اسناد آپ کی طرف ہو اور مراد آپ کی امت ہو۔

قرآن مجید سے ڈرانے اور نصیحت کرنے کے الگ الگ محمل

اس آیت میں فرمایا ہے تاکہ آپ اس (قرآن) کے ساتھ ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

ہر چند کہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف مومنین حاصل کرتے ہیں اور وہی اس کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ مومنین کے لیے نصیحت ہے۔ اس آیت میں قرآن مجید سے ڈرانے کا بھی ذکر ہے اور قرآن مجید سے نصیحت کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ضدی اور سرکش ہوتے ہیں اور لذات جسمانیہ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو انبیاء علیہم السلام اخروی عذاب سے ڈراتے ہیں اور بعض انسان نیک اور شریف ہوتے ہیں اور حق بات کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی صرف تنبیہ اور نصیحت ہی کافی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے لوگو!) اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے دوستوں کی پیروی نہ کرو' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو O (الاعراف: ۳)

احادیث کے حجت ہونے کے دلائل اور ان کی حجیت کی وضاحت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ذکر فرمایا تھا اور اس بات کا ذکر فرمایا تھا کہ امت کو ڈرانے اور نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور اب اس آیت میں امت کو یہ حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ اس کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں' اور اس آیت میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے' کیونکہ جس طرح نبی ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ پر احادیث مبارکہ بھی نازل کی گئی ہیں' فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں نازل ہوئے ہیں' اور احادیث کے نبی ﷺ پر صرف معانی نازل ہوئے اور ان معانی کو نبی ﷺ نے اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے' اس آیت کے علاوہ اور بھی متعدد آیات میں احادیث مبارکہ کے حجت ہونے پر دلیل ہے' ان میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: ۷)

رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو۔

اگر رسول اللہ ﷺ صرف قرآن مجید کے احکام پر عمل کرانے اور فقط قرآن مجید کی آیات پہنچانے پر مامور ہوتے اور قرآن مجید کے علاوہ احکام دینے کے مجاز نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل نہ فرماتا۔ نیز فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: ۳۱)

آپ کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم کو محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور مغفرت کے حصول کو آپ کی اتباع پر موقوف کر دیا ہے' کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو قرآن مجید پر عمل کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں سے بیان فرمائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی تعلیم اور تبیین کے بغیر قرآن مجید کے معانی معلوم نہیں ہو سکتے' اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہ راست احکام حاصل کیے اور آپ کو دیکھ کر آپ کی سنت کی پیروی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو آپ کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے افعال کو ہمارے اعمال کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ لہذا جب تک آپ کے افعال ہمارے افعال کے سامنے نہ ہوں ہم اپنے اعمال رسول اللہ ﷺ کے افعال کے مطابق کیسے کر سکیں گے اور آپ کے احکام کی اطاعت کیسے کر سکیں گے اور جب کہ آپ کے احکام اور آپ کے افعال کی اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ اللہ کی حجت تھی اسی طرح ہمارے حق میں آپ کی احادیث مبارکہ اللہ کی حجت ہیں۔ اور اگر ان احادیث کو معتبر ماخذ نہ مانا جائے تو بندوں پر اللہ کی حجت ناتمام رہے گی۔

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نہ بتلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ صلوٰۃ سے مراد یہ معروف نماز ہے۔ اذان کے ان مخصوص الفاظ کا کیسے پتہ چلتا' تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کے تمام ارکان' واجبات' سنن اور آداب کا ہمیں کیسے علم ہوتا۔ زکوٰۃ کے نصاب اور ادائیگی کی مقدار کا اور اس کی تمام شرائط اور موانع کا ہمیں کیسے علم ہوتا' اسی طرح روزہ کی تمام تر تفصیلات' اس کی قضا اور کفارہ کا بیان ہمیں کیسے معلوم ہوتا۔ حج اور عمرہ کے ارکان' واجبات' مستحبات اور مفسدات کیسے معلوم ہوتے۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی قرآن مجید میں بیان نہیں ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام کو یہ تمام تفصیلات براہ راست آپ سے سن کر اور آپ کو دیکھ کر حاصل ہوئیں اور بعد کے مسلمانوں کو ان احادیث سے معلوم ہوئیں جو متعدد اسانید سے صحابہ کرام سے مروی ہیں اور بعد میں ان احادیث کی باقاعدہ تدوین کی گئی اور آج ان سے استفادہ کے لیے صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن مجید کے معانی کے مبین اور معلم ہیں' اسی طرح آپ بعض احکام کے شارع بھی ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: ۱۵۷)

(وہ رسول) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں' امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی' سنو! عنقریب ایک شکم سیر شخص اپنے تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا تم (صرف) اس قرآن کو لازم پکڑ لو اس میں جو چیزیں تم حلال پاؤ ان کو حلال قرار دو' اور اس میں جن چیزوں کو تم حرام پاؤ ان کو حرام قرار دو' سنو تمہارے لیے پالتو گدھے

کا گوشت حلال نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے ہر کچلیوں والا درندہ حلال ہے اور نہ ذمی کی راستہ میں پڑی ہوئی چیز' سوا اس صورت کے کہ اس چیز کا مالک اس سے مستغنی ہو اور جو شخص کسی قوم کے پاس جائے اس قوم پر اس کی میزبانی کرنا لازم ہے۔ اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اس مہمان کے لیے ان لوگوں سے بہ قدر ضیافت مال چھین لینا جائز ہے۔

حدیث کا یہ آخری جملہ اس صورت پر محمول ہے جب مہمان حالت اضطرار میں ہو اور اس کے پاس اپنا پیٹ بھرنے کے لیے میزبان کا مال لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ قرآن مجید اور دیگر احادیث میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۶۰۴' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۷۳-۲۶۷۲-۲۶۷۲' سنن ابن ماجہ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳-۱۲' مسند احمد ج ۴' ص ۱۳۱-۱۳۰' طبع قدیم 'المستدرک ج ۱' ص ۱۰۹' سنن دارمی ج ۱' رقم الحدیث: ۵۸۶)

نیز امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حسان بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نبی ﷺ پر اسی طرح سنت نازل کرتے تھے جس طرح قرآن مجید نازل کرتے تھے۔ (سنن دارمی' رقم الحدیث: ۵۸۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

مکحول بیان کرتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے اور اس کو (بہ طور انکار یا اہانت) ترک کرنا کفر ہے۔ اور دوسری قسم وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا باعث فضیلت ہے اور جس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن دارمی' رقم الحدیث: ۵۸۹)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کتاب اللہ میں اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا میں تم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھوں کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں اور تم اس حدیث کا کتاب اللہ سے معارضہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے۔

(سنن دارمی' رقم الحدیث: ۵۹۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو حدیث بہ ظاہر قرآن مجید کے خلاف ہو لیکن کسی باریک اور خفی وجہ سے اس کی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت ہو سکتی ہو تو اس کو قرآن مجید کے معارض اور خلاف قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز میں مطلقاً قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے اور کسی خاص سورت کو پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) تمہیں جتنا قرآن پڑھنا آسان لگے اتنا پڑھ لیا کرو۔

اس کے برخلاف حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے' اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۷۵۶' صحیح مسلم' کتاب الصلوۃ: ۳۴' (۳۹۴) ۸۵۰' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن الترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن النسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۱۱' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳۷' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۸۰۰۹)

لیکن اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوگی۔ مطلقاً قرآن مجید نماز میں پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور اگر کسی نے نماز میں سورہ فاتحہ کو نسیاناً ترک کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور اگر اس کو عمداً ترک

کردیا تو نماز اس وقت میں واجب الاعادہ ہوگی۔ اس لیے یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔

البتہ جو حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو اور اس کی کوئی صحیح توجیہ ممکن نہ ہو تو اس کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے گا اور اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے اور کسی زندیق نے اس حدیث کو گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیا اور اصطلاحاً وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ضحاک بن زمل الجہنی سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کی بعد صحابہ سے فرمایا آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت ضحاک نے ایک طویل خواب بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی۔ اس تعبیر میں آپ کا یہ ارشاد بھی ہے دنیا (کی عمر) سات ہزار سال ہے اور میں اس کے آخری ہزار میں ہوں۔ (الحدیث)

(المعجم الکبیر' ج ۸' رقم الحدیث: ۸۱۴۶' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۷' ص ۳۸-۳۶' کنز العمال' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۳۸۳۳۲' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۱۸۴)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی سلیمان بن عطا القرشی ہے جو مسلمہ بن عبداللہ الجہنی سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔

حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا اس کی احادیث میں مناکیر ہیں۔ امام ابو زرعہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے:

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال' ج ۸' ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں اس کے متعلق لکھا ہے یہ ایک بوڑھا شخص تھا جو مسلمہ بن عبداللہ الجہنی سے ایسی چیزیں روایت کرتا تھا جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور ثقہ راویوں کی احادیث کے مشابہ نہیں ہیں اور امام ابو حاتم نے اس کو منکر الحدیث کہا۔ (تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۱۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم رازی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے جس میں سے چھ ہزار سال گزر چکے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۸' ص ۲۴۹۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی جس سے اس کا حال معلوم ہوتا۔ البتہ یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہے اور اس حدیث کا موضوع اور جھوٹ ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی اور سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد قیامت نے آنا ہوتا تو ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ اب قیامت کے آنے میں کتنا وقت باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تم پر اچانک ہی آئے گی۔

علاوہ ازیں اب نبی ﷺ کی بعثت کے بعد ایک ہزار اور چار سو سال سے زیادہ سال گزر چکے ہیں جبکہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی عمر ایک ہزار سال ہے گویا چار سو سال پہلے قیامت آجانا چاہیے تھی' لہٰذا اس حدیث کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے۔ کسی زندیق نے ایک جعلی سند بنا کر ایک جھوٹ کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کردیا۔ معاذ اللہ! امام عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر وضع کی گئی ہے اور اس کو وضع کرنے والا العلاء بن زیدل ہے۔ ابن المدینی

نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابو حاتم رازی اور امام ابوداؤد نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے اور امام ابن حبان نے کہا کہ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک من گھڑت مجموعہ روایت کیا ہے جس کا ذکر جائز نہیں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(موضوعات کبیر، ص ۹۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی)

امام علی بن عمر الدار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس عنقریب میری مختلف احادیث آئیں گی پس تمہارے پاس میری جو حدیث کتاب اللہ اور میری سنت (معروفہ) کے موافق پہنچے، وہ میری حدیث ہے اور تمہارے پاس میری جو حدیث کتاب اللہ اور میری سنت (معروفہ) کے مخالف پہنچے، وہ میری حدیث نہیں ہے۔

امام دار قطنی نے اس حدیث کو چار مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۴، رقم الحدیث: ۴۴۳۰-۴۴۲۹-۴۴۲۸-۴۴۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا، پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ ہم ظالم تھے○ (الاعراف: ۵-۴)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

"باس" علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے کہ باس کا معنی ہے خوف شدید اور جنگ میں شدت۔ (مجمع بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۳۵-۱۳۴، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ، ۱۴۱۵ھ) اور سب سے زیادہ خوف نزول عذاب کے وقت ہو گا۔ اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ باس کا معنی عذاب بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا اور اللہ کی گرفت بہت مضبوط ہے اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ (النساء: ۸۴)

(المفردات، ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ، ۱۳۶۲ھ)

بیاتا او ہم قائلون بیت کے معنی ہیں رات کا وقت اور قیلولہ کا معنی ہے دوپہر کا وقت۔ حدیث میں ہے انہ کان لا یبیت مالا و لا یقیلہ یعنی جب آپ کے پاس مال آتا تو آپ اس کو رات تک روکتے نہ دوپہر تک۔ اگر صبح مال آتا تو دوپہر سے پہلے اس کو تقسیم کر دیتے اور اگر دوپہر کے بعد مال آتا تو اس کو رات آنے سے پہلے تقسیم کر دیتے۔

(الفائق، ج ۱، ص ۱۴۷، طبع بیروت، النہایہ، ج ۱، ص ۱۷۰، طبع ایران، مجمع بحار الانوار، طبع مدینہ منورہ)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنے اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا تھا اور لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو قبول کرنے اور آپ کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کو وعید سنائی ہے کہ پچھلی امتوں میں سے جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے پیغام کو قبول نہیں کیا ان پر اچانک اللہ کا عذاب آگیا بعض پر رات کے وقت اور بعض پر دوپہر کو آرام کے وقت میں۔

ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا اور پھر

ان پر عذاب آیا۔ حالانکہ ان پر عذاب نازل کرنا ہی ان کی ہلاکت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عبارت میں ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا یا ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ الأية (المائدہ:٦) اے ایمان والو جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔

حالانکہ چہروں اور ہاتھوں کو نماز کے لیے قیام کے وقت نہیں اس سے پہلے دھویا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی ایک لفظ محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھولو۔

نزول عذاب کے وقت معذبین کا اعتراف جرم

آیت ۵ میں فرمایا ہے' جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ ہم ظالم تھے اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کفار پر عذاب نازل ہوتا ہے تو اس وقت وہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ درحقیقت وہی ظالم اور مجرم تھے اور اس عذاب کے مستحق تھے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی قوم اس وقت تک عذاب سے ہلاک نہیں ہوئی جب تک کہ انہوں نے خود اس عذاب کا عذر بیان نہیں کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک سے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ (الاعراف: ۵)

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۵۸' دار الفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۴۳۹' ۸۲۳۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور آپ کی مخالفت کرنا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے۔ جب ایسے لوگ غفلت اور لہو و لعب میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر اچانک عذاب آجاتا ہے۔ ہر سرکش مجرم پر جب دنیا میں عذاب آتا ہے تو وہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے اور اس پر نادم ہوتا ہے۔ گزشتہ امتوں کی نافرمانی اور ان پر اچانک عذاب کے نزول کے واقعات کو بیان کر کے اس امت کو تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ تاکہ وہ اپنے گناہوں سے باز آجائیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کا عین عدل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے ○ پھر ہم خود کامل علم کے ساتھ ان کے تمام احوال بیان کریں گے' ہم غائب تو نہیں تھے ○ (الاعراف: ۷-۶)

قیامت کے دن رسولوں اور ان کی امتوں سے سوالات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ رسولوں کی مخالفت کرنے کی وجہ سے دنیا میں اچانک عذاب آجاتا ہے۔ اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان سے ان کی بداعمالیوں پر مواخذہ ہوگا۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر شخص سے سوال کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اللہ تعالیٰ امتوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے'

انہوں نے ان کو تبلیغ فرمائی تھی یا نہیں اور انہوں نے رسولوں کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا۔ اور رسولوں سے بھی ان کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور یہ کہ ان کی امتوں نے ان کی تبلیغ کا کیا جواب دیا تھا انجام کار ان کی امت ایمان لائی یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص: ۶۵)

اور جس دن اللہ ان کو ندا فرما کر ارشاد فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل: ۹۳-۹۲)

سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ○ ان تمام کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے ○

ان آیتوں میں امتوں سے سوال کے متعلق ارشاد ہے۔ اور رسولوں سے سوال کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (المائدہ: ۱۰۹)

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا' پھر فرمائے گا تم کو کیا جواب دیا گیا؟ وہ کہیں گے ہم کو کچھ علم نہیں' بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

اور اس حدیث میں بھی رسولوں سے سوال کے متعلق اشارہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص محافظ اور مصلح ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔ امام محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کی رعایا (عوام) کے متعلق سوال ہو گا۔ ایک شخص اپنے اہل کا محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس کے اہل کے متعلق سوال ہو گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ اور مصلحہ ہے اور اس سے اس گھر کی حفاظت اور اصلاح کے متعلق سوال ہو گا۔ خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہو گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہو گا۔ اور تم میں سے ہر شخص محافظ اور مصلح ہے اور اس سے اپنے زیر انتظام اور زیر حفاظت چیزوں اور لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۹۳' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۵۱-۲۵۵۸-۲۵۵۴' ج ۵' رقم الحدیث: ۵۲۰۰-۵۱۸۸' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۱۳۸' صحیح مسلم الامارۃ: ۲۰' (۱۸۲۹) ۴۶۴۳' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۱۱' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۹۲۸' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۱۱' طبع قدیم)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (الاعراف: ۶) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا کہ انہوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا اور رسولوں سے ان کی کی ہوئی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۵۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ابن آدم اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے قدم نہیں ہٹا سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرے۔ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں

فنا کی‘ اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری‘ اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کن کاموں میں خرچ کیا اور اس نے جو علم حاصل کیا تھا‘ اس کے مطابق کیا عمل کیا؟ (سنن الترمذی‘ ج ۴‘ رقم الحدیث: ۲۴۲۴‘ مطبوعہ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

قیامت کے دن مجرموں سے سوال کرنے اور سوال نہ کرنے کے محامل

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفار سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا لیکن قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے سوال نہیں کیا جائے گا:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ (الرحمن: ۳۹) سو اس دن کسی گنہ گار کے گناہوں کے متعلق کسی انسان اور جن سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (القصص: ۷۸) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

امام رازی نے اس سوال کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا‘ کیونکہ کراماً کاتبین نے ان کے تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے صحائف اعمال میں محفوظ ہیں لیکن ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان کے ان اعمال کا داعیہ‘ باعث اور محرک کیا تھا‘ جس کی وجہ سے انہوں نے اعمال کیے۔

۲۔ کبھی سوال لاعلمی کی بنا پر علم کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال ہے اور کبھی سوال زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کہے میں نے تم پر اتنے احسانات کیے تھے پھر تم نے میرے ساتھ یہ دغابازی اور فراڈ کیوں کیا؟ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد: ۱۱-۸) کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ ۝ اور ہم نے اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے ۝ تو وہ (نیک عمل کی) دشوار گھاٹی میں سے کیوں نہیں گزرا۔

اور ان آیتوں میں سوال کرنے کا یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اور اس میں بندوں کے مختلف احوال اور معاملات ہوں گے۔ کسی وقت میں اللہ تعالیٰ سوال نہیں فرمائے گا اور کسی دوسرے وقت میں سوال فرمائے گا جیسے کسی وقت میں شفاعت نہیں ہوگی اور کسی وقت میں شفاعت ہوگی۔ اور کسی وقت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا اور کسی وقت میں اس کا دیدار ہوگا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ہم غائب تو نہ تھے۔ یعنی ہم ان کے کاموں کو دیکھ رہے ہیں‘ ان کی باتوں کو سن رہے ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کیا چھپاتے ہیں اور کیا ظاہر کرتے ہیں اور ہم قیامت کے دن ان کے تمام کاموں کی خبریں دیں گے‘ خواہ وہ کام کم ہوں یا زیادہ۔ وہ معمولی ہوں یا غیر معمولی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الانعام: ۵۹) اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہوتا ہے اور نہ کوئی خشک و تر مگر وہ روشن کتاب میں مرقوم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے۔ پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں O اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں' کیونکہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے O (الاعراف: ۹-۸)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیت سابقہ سے مناسبت

"وزن" علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ وزن کا معنی ہے کسی چیز کی مقدار کی معرفت حاصل کرنا۔ اور عرف عام میں ترازو سے کسی چیز کے تولنے کو وزن کرنا کہتے ہیں۔ (المفردات' ص ۵۲۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۸۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ اس درخت سے کھجوروں کو کھایا جائے اور ان کا وزن کیا جائے۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے پوچھا وزن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کی مقدار کا اندازہ کیا جائے۔

(الفائق' ج ۳' ص ۳۵۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۷ھ' النہایہ' ج ۵' ص ۱۸۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۶۷ھ' تاج العروس' ج ۱۰' ص ۳۶۰' مطبوعہ مصر)

"میزان" علامہ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: جس آلہ کے ساتھ چیزوں کا وزن کیا جائے اس کو میزان کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ جو میزان قیامت میں ہوگی اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ تفسیر میں ہے کہ وہ ایک ترازو ہے جس کے دو پلڑے ہیں۔ دنیا میں میزان اتاری گئی تاکہ لوگ عدل کے ساتھ باہم معاملہ کریں اور اس کے ساتھ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

(تاج العروس' ج ۹' ص ۳۶۱' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

"موازین" یہ میزان کی جمع ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میزان تو صرف ایک ہوگی۔ پھر یہاں جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ موزون کی جمع ہے اور موزون متعدد ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل عرب واحد پر بھی تعظیماً جمع کا اطلاق کر دیتے ہیں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جو اعمال وزن اور حساب کے لائق ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ افعال قلوب' افعال جوارح (ظاہری اعضاء کے افعال) اور اقوال اور ہو سکتا ہے کہ ان تینوں کے لیے الگ الگ میزان ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ وزن کرنے والوں کی اکثریت کے اعتبار سے میزان کو جمع کر کے لایا گیا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں سے سوال کرنے کا ذکر تھا اور یہ قیامت کے دن کا ایک حال ہے اور دوسرا حال میزان پر اقوال اور اعمال کا وزن کرنا ہوگا۔ سو اس آیت میں قیامت کے دن کا یہ دوسرا حال بیان فرمایا ہے۔

اعمال کے وزن کے متعلق مذاہب علماء

مجاہد' ضحاک' اعمش اور بہ کثرت متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو وزن کرنے سے مراد عدل اور قضاء ہے۔ کیونکہ دنیا میں لین دین میں عدل کا ذریعہ ترازو میں وزن کرنا ہے اور وزن کرنے کو عدل اور قضاء لازم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے گا تو وہ اللہ کے عادل اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا یا نہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عادل اور حکیم ہونے کا اقرار کرے گا تو اس کے لیے میزان کی کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور گناہوں کے متعلق جو بھی فیصلہ فرمائے گا' وہ اس کو تسلیم ہوگا اور اگر وہ شخص اللہ تعالیٰ کو عادل اور صادق نہیں مانتا تو پھر وہ نیکیوں اور

گناہوں کے کیے ہوئے وزن کو بھی نہیں مانے گا تو پھر میزان میں اس کے کیے ہوئے وزن کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی نیک مسلمان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اس کی نیکیوں کا پلڑہ گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہو گا تو اس مسلمان شخص اور اس کے دوستوں کو فرحت اور مسرت حاصل ہو گی اور تمام اہل محشر کے سامنے اس کے جنتی ہونے پر حجت قائم ہو گی۔ جو لوگ دنیا میں اس کو حقیر سمجھتے تھے' ان کے سامنے اس کی عزت و توقیر اور وجاہت ظاہر ہو گی اور وہ اپنے محسن کے سامنے سرخرو ہو گا اور یہ میزان کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' جمہور صحابہ' تابعین اور علماء راسخین کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا حقیقتاً وزن کیا جائے گا۔ مانعین کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ اعمال از قبیل اعراض ہیں اور وزن اجسام کا کیا جاتا ہے' اعراض کا نہیں کیا جاتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعراض کے مقابلہ میں اجسام پیدا فرما دے اور ان اجسام کا وزن کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال حسین اجسام میں متمثل کر دیے جائیں گے اور بد اعمال قبیح اجسام میں متشکل کر دیے جائیں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ صحائف اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ موخر الذکر دونوں جوابوں کے متعلق احادیث ہیں' جن کا ہم عنقریب ذکر کر رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۰۳-۲۰۴' مع التلخیص والتوضیح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید سے میزان کے ثبوت پر دلائل

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۴۷)

اور قیامت کے دن ہم انصاف کی میزان رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر (بھی کسی کا عمل) ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ (المومنون: ۱۰۲-۱۰۳)

سو جن کی میزان کے (نیکی کے) پلڑے بھاری ہوئے وہی فلاح پانے والے ہوں گے ○ اور جن کی میزان کے (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوئے تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا' اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ (القارعہ: ۶-۹)

سو جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے ○ تو وہ پسندیدہ عیش میں ہو گا ○ اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (دہکتی آگ کا گہرا گڑھا) ہو گا۔

احادیث اور آثار سے میزان کے ثبوت پر دلائل

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میزان کو رکھا جائے گا' اگر اس میں آسمانوں اور زمینوں کو رکھا جائے تو وہ اس کی بھی گنجائش رکھتی ہے۔ پس فرشتے کہیں گے: اے رب اس میں کس کو وزن کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہوں گا' فرشتے کہیں گے تو پاک ہے ہم تیری اس طرح عبادت نہیں کر سکے جو تیری عبادت کا حق ہے۔ (الحدیث) امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک' ج ۴' ص ۵۸۶' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ (تلخیص المستدرک ' ج ۴ ' ص ۵۸۶ ' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ) امام عبداللہ بن المبارک متوفی ۱۸۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الزہد ' رقم الحدیث: ۱۳۵۷ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ' بیروت) امام ابوبکر محمد بن الحسین آجری متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(الشریعہ ' ص ۳۳۹ ' مطبوعہ دار السلام ' ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کا میزان میں وزن کیا جائے گا۔ اس میزان کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ہیں۔ رہا مومن تو اس کا عمل حسین صورت میں آئے گا اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس کی نیکیوں کا پلڑا' برائیوں کے پلڑے کے مقابلہ میں بھاری ہو گا۔

(شعب الایمان ' ج ۱ ' ص ۲۶۴ ' رقم الحدیث: ۲۸۳ ' الجامع لاحکام القرآن ' جز ۷ ' ص ۱۵۱ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

عبید اللہ بن عمیر نے کہا قیامت کے دن اقدام اس طرح ہوں گے جیسے ترکش میں تیر۔ خوش قسمت وہ شخص ہے جسے اپنے قدموں کے لیے جگہ مل جائے اور میزان کے پاس ایک فرشتہ ندا کرے گا' سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہے' اس نے ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ پھر کبھی ناکام نہیں ہو گا۔ سنو فلاں بن فلاں (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہے یہ ناکام ہو گیا ہے اس کے بعد کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ' ج ۵ ' ص ۱۴۴۱ ' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ راجح ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہو گا اور جس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ راجح ہو قیامت کے دن میزان میں اس (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہو گا۔ (الدر المنثور ' ج ۳ ' ص ۷۰ ' مطبوعہ ایران ' البدور السافرۃ ' رقم الحدیث: ۹۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو لفظ زبان پر آسان ہیں۔ اور میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کو محبوب ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری ' ج ۷ ' رقم الحدیث: ۶۴۰۶ ' ج ۸ ' رقم الحدیث: ۷۵۶۳ ' صحیح مسلم ' الذکر: ۳۱ ' (۲۶۹۴) ' سنن الترمذی ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۳۴۶۷ ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۳۸۰۶)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو نصف ایمان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر لیتا ہے۔ (صحیح مسلم ' الطہارۃ ' (۲۲۳) سنن الترمذی ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۳۵۱۷ ' سنن الدارمی ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۶۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تمام آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے' اور ان کے درمیان ہے' اور ان کے نیچے ہے' اگر تم ان کو لے کر آؤ اور اس کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دو اور کلمہ شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو وہ پہلے پلڑے سے بھاری ہو گا۔ (المعجم الکبیر ' ج ۱۲ ' ص ۲۵۴ ' رقم الحدیث: ۱۳۰۲۴ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا۔ اس کے (گناہوں کے) ننانوے (۹۹) رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ان میں سے ہر رجسٹر حد نظر تک ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو' وہ کہے گا نہیں! اے میرے رب! پھر فرمائے گا کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں میرے پاس تمہاری ایک نیکی ہے اور آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پھر اس کے لیے ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہو گا

اشہد ان لاالہ الااللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ وہ کہے گا اے میرے رب! یہ ایک پرچی اتنے بڑے رجسٹروں کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک پلڑے میں یہ پرچی ہوگی اور دوسرے پلڑے میں وہ رجسٹر ہوں گے۔ پھر ان رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہو گا اور اس پرچی کا پلڑا بھاری ہو گا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی!

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۴۸' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۳۰۰' المستدرک' ج ۱' ص ۵۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میزان کو قائم کیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کے گناہوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ وہ پلڑہ جھک جائے گا اور اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ جب وہ پیٹھ موڑ کر جائے گا تو رحمن کے پاس سے اس کو ایک بلانے والا بلائے گا۔ جلدی نہ کرو' جلدی نہ کرو اس کی ایک نیکی باقی ہے۔ پھر کلمہ شہادت کی ایک پرچی لائی جائے گی اور اس آدمی کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی اور اس سے میزان جھک جائے گی۔ (مسند احمد' رقم الحدیث: ۲۰۷۶' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۸۴)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھے اخلاق سے بڑھ کر میزان میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۹۹' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۰۹' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۵۸۷' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۸' ص ۵۱۶' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۲۷۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۱۵۷' شرح السنہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵۸۷' حلیۃ الاولیاء' ج ۵' ص ۲۴۳' الشریعہ' رقم الحدیث: ۸۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کی تصدیق کی وجہ سے اللہ کی راہ میں گھوڑے کو باندھا' اس گھوڑے کا چارہ' اس کا پانی اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۸۵۳' المستدرک' ج ۲' ص ۹۲' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۷' شرح السنہ' رقم الحدیث: ۲۶۴۸)

امام ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ نے حماد بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا۔ وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم جان رہا ہو گا۔ وہ اسی کیفیت میں ہو گا کہ بادل کی طرح ایک چیز آئے گی اور اس کی نیکیوں کے پلڑے میں جا گرے گی۔ اس سے کہا جائے گا یہ وہ چیز ہے جو تم لوگوں کو نیکیوں کی تعلیم دیتے تھے۔ تمہارے بعد تمہاری تعلیم سے نیکیاں ظہور میں آئیں اور تم کو ان کا اجر دیا گیا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۱۳۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان شخص بھی ان کی حفاظت کرے گا' وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ دونوں آسان کام ہیں اور کم لوگ ان کو کرتے ہیں۔ (پہلی خصلت یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ کہے' دس مرتبہ الحمدللہ کہے' اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ یہ زبان سے ڈیڑھ سو بار پڑھنا ہے اور میزان میں یہ ڈیڑھ ہزار نیکیاں ہیں (اور دوسری خصلت یہ ہے کہ) اور جب بستر پر جائے تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے' اور تینتیس مرتبہ الحمدللہ کہے اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہے۔ یہ زبان سے ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے اور میزان میں ایک ہزار نیکیاں ہیں تو بتاؤ تم میں سے کون شخص ایک دن رات میں ڈھائی ہزار نیکیاں کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۰۶۵' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۴۲۱' سنن ابن ماجہ' ج ا' رقم الحدیث: ۹۲۶' سنن النسائی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۴۷' مصنف عبدالرزاق' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۱۸۹)

آیا میزان میں صرف مسلمانوں کا وزن ہو گا یا کافروں کا بھی وزن ہو گا؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا یا کافروں کے اعمال کا بھی وزن کیا جائے گا۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف مسلمانوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جن کافروں کو اللہ تعالیٰ جلد دوزخ میں ڈالنا چاہے گا ان کو بغیر وزن اعمال کے دوزخ میں ڈال دے گا اور بقیہ کافروں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (المؤمنون: ۱۰۳)

اور جن کی میزان کے پلڑے ہلکے ہوئے تو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اسی طرح بعض مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بغیر وزن اعمال اور بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کراتے ہوں گے' نہ بد شگونی نکالتے ہوں گے اور نہ جسم کو لوہے کے داغ سے جلاتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان: ۳۶۷' (۲۱۶) ۵۰۹' صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۴۷۲' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۵۴' مسند احمد' ج ا' ص ۴۵۴' ۴۴۳' ۴۰۳' ۴۰۱' ۲۷۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور اس کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر صدقہ دینے والے کو لایا جائے گا اور اس کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر مصیبت میں مبتلا شخص کو لایا جائے گا اس کے لیے میزان قائم کی جائے گی نہ اس کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا اور اس پر اتنا اجر و ثواب انڈیل دیا جائے گا کہ عیش و آرام میں رہنے والے محشر میں یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسموں کو قینچی سے کاٹ ڈالا جاتا اور ان کو بھی ایسا اجر و ثواب مل جاتا۔ (المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۸۲۹' حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۹۱)

ان مسلمانوں کی مغفرت کی صورتیں جن کی نیکیاں گناہوں کے برابر یا گناہوں سے کم ہوں گی

آیت ۸ میں فرمایا ہے: پس جن کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں۔ اس آیت سے مراد مومن ہیں

اور آیت ۹ میں فرمایا ہے: اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں کیونکہ وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس آیت سے کافر مراد ہیں۔ کیونکہ وہی اللہ کی آیتوں کا انکار کر کے ان پر ظلم کرتے تھے۔

ان آیتوں میں صالح اور نیک مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور نہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جن کی نیکیاں' برائیوں سے کم ہوں' رہے وہ مسلمان جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں تو وہ اعراف میں ہوں گے اور بعد میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا اور رہے وہ مسلمان جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے جنت میں داخل فرمادے گا یا کچھ عذاب دے کر یا بغیر عذاب دیئے ان کو محض اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات دے گا اور جنت میں داخل فرمادے گا۔

نبی ﷺ کی شفاعت سے نجات کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور ہر نبی نے اپنی اس مقبول دعا کو دنیا میں ہی جلد خرچ کر لیا اور میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۳۰۴' صحیح مسلم' الایمان: ۳۳۸' (۱۹۹) ۴۸۳' سنن الترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۶۱۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۳۰۷' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۹۲' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۳۱۵' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۴۶۱' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۸۶۴)

محض اپنے فضل سے عذاب دینے کے بعد دوزخ سے نجات دینے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا' جنت میں داخل فرمائے گا اور اہل جہنم میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کردے گا۔ پھر فرمائے گا دیکھو جس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان ہو' اس کو جہنم سے نکال لو' پس وہ لوگ جہنم میں سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ ان کا جسم جل کر کوئلہ ہو چکا ہوگا۔ پھر ان کو آب حیات کی نہر میں ڈالا جائے گا اور وہ اس نہر میں سے اس طرح تر و تازہ ہو کر نکلنا شروع ہوں گے جیسے دانہ پانی کے بہاؤ والی مٹی میں سے زردی مائل ہو کر اگ پڑتا ہے۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۶۰' صحیح مسلم' ایمان' ۳۰۴' (۱۸۴) ۴۳۹)

اور محض اپنی رحمت سے بغیر عذاب دیئے ہوئے جنت میں داخل کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کو اپنے رب عزوجل کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا تم (اس گناہ کو) پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: ہاں میرے رب میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر ستر کیا تھا (تمہارا پردہ رکھا تھا) اور آج میں تمہیں بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور رہے کافر اور منافق تو ان کو تمام لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۴۴۱' صحیح مسلم' التوبہ: ۵۲' (۲۷۶۸) (۶۸۸۴) السنن الکبریٰ' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو زمین پر قابض کر دیا اور تمہارے لیے اس (زمین) میں اسباب زیست فراہم کیے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (الاعراف: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

ولقد مکنکم: یعنی اے بنو آدم ہم نے تمہارے لیے زمین کو مستقر بنایا اور زمین میں تمہیں جگہ دی' یا ہم نے تم کو زمین پر قبضہ دیا اور زمین میں تصرف کرنے کی قدرت دی۔

معایش: یہ معیشت کی جمع ہے۔ جن چیزوں سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزیں۔ ان کو معیشت کہتے ہیں۔ علامہ طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے کہ جو چیزیں حیات کا آلہ ہیں' مثلاً زرعی پیداوار اور دودھ دینے والے جانوروں کے تھن ان کو معیشت کہتے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار' ج ۳' ص ۱۷۹' مطبوعہ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرنے اور ان کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی پیروی نہ کرنے پر ان کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا۔ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت آیا یا جس وقت وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ (الاعراف: ۴) پھر ان کو آخرت کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرایا پس ہم ان لوگوں سے ضرور بازپرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔ (الاعراف: ۶) پھر فرمایا: پس جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہیں○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے تو وہی اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۹-۸) اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرکے اس کا احسان مانیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت اور ان کے پیغام کو قبول کریں اور ان کی اطاعت اور اتباع کریں کیونکہ نعمتوں کی کثرت زیادہ اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

معایش کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو معائش (اسباب زیست) بنائے ہیں' ان کی تفصیل یہ ہے کہ بعض معائش کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ مثلاً دریاؤں میں پانی پیدا کیا' آسمان سے بارش نازل فرمائی' پھلوں اور غلوں کو اگایا' حلال جانور پیدا کیے اور بعض اسباب زیست وہ ہیں جن کو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اپنے اکتساب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان تجارت اور محنت مزدوری کرکے رزق حاصل کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان زمین میں بستے ہیں اور اس میں تصرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و دانش اور قوت و توانائی سے ہر دور میں انسان کی فوز و فلاح' اس کی بہتری' سہولت اور مصلحت کے لیے نت نئے ذرائع اور وسائل تلاش کر رہے ہیں۔ پہلے انسان پتوں سے بدن ڈھانپتا تھا' پھر سوت اور ریشم کے لباس کا دور آیا اور اب انسان پٹرولیم سے بھی لباس بنانے لگا ہے۔ پہلے لکڑی اور کوئلہ سے آگ حاصل کرتا تھا' پھر قدرتی گیس کا دور آیا۔ برقی توانائی کے بعد ایٹمی توانائی کا دور آیا۔ پہلے بری سفر خچروں اور گھوڑوں سے اور بحری سفر بادبانی کشتیوں سے کیا جاتا تھا۔ پھر موٹر کاروں' ریل گاڑیوں اور دخانی جہازوں کا دور آیا اور اب ہوائی جہازوں' ہیلی کاپٹروں اور راکٹوں کا دور ہے۔ بہت سی بیماریوں کا پہلے پتا نہ تھا لوگ ان میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ اب ان بیماریوں اور ان کے علاج کا پتا چلا لیا گیا ہے۔ مثلاً ذیابیطس ہے' ہائی بلڈ پریشر ہے' دل اور دماغ کے پیچیدہ امراض ہیں۔ فالج ہے' دماغ کی رگ کا پھٹ جانا ہے۔ سرجری کا طریقہ ایجاد ہوا اور طب کی دنیا میں بہت سے لاینحل مسئلے حل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اسباب زیست اور ان سے فائدہ اٹھانے والی قوتوں کو انسان کی بہتری اور اس کی مصلحت کے لیے بنایا ہے

اور یہ مادی فوائد اس لیے عطا کیے ہیں کہ ان کی مدد سے انسان روحانی حیات میں تزکیہ اور جلاء کو حاصل کرے اور اپنے باطن کو پاک اور صاف کر کے اپنے آپ کو اخروی نعمتوں کا اہل بنائے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے۔

شکر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۹۷ھ نے قاموس میں لکھا ہے کہ شکر کا معنی ہے احسان کو پہچاننا اور اس کو بیان کرنا۔ اور علامہ فیروز آبادی نے بصائر میں لکھا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں۔ شکر بالقلب: یہ نعمت کا تصور کرنا ہے۔ شکر باللسان: یہ نعمت دینے والے کی حمد و ثناء کرنا اور زبان سے تعظیم کرنا ہے اور شکر بالجوارح: یہ بہ قدر استحقاق 'نعمت کے بدلہ میں کوئی نعمت دینا ہے۔ (بعض علماء نے اس کی تعریف میں کہا یہ تعظیماً کھڑے ہونا' یا ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینا ہے اور سجدہ کرنا ہے) نیز علامہ فیروز آبادی نے کہا کہ شکر پانچ بنیادوں پر مبنی ہے:

۱- منعم کے سامنے شکر کرنے والے کا عجز و انکسار سے پیش آنا۔

۲- منعم سے محبت کرنا۔

۳- اس کی نعمت کا اعتراف کرنا۔

۴- اس نعمت پر منعم کی تعریف کرنا۔

۵- منعم کی نعمت کو اس کی ناپسندیدہ جگہ استعمال نہ کرنا۔

یہ پانچ امور شکر کی اساس اور بناء ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی نہ ہو تو شکر ادا نہیں ہوگا۔ یہ پانچ امور شکر کا مرجع اور مدار ہیں۔

جنید بغدادی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ گمان کرو کہ تم اس نعمت کے اہل نہ تھے۔ ابو عثمان نے کہا شکر یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ تم منعم کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو۔ رویم نے کہا شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو منعم کی خدمت کے لیے فارغ کر لو۔ شبلی نے کہا شکر یہ ہے کہ تم نعمت کو نہ دیکھو' نعمت دینے والے کو دیکھو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نعمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے تم منعم سے غافل نہ ہو جاؤ۔ اور کمال شکر یہ ہے کہ بندہ نعمت اور منعم دونوں کا مشاہدہ کرے۔ کیونکہ بندہ جس قدر زیادہ نعمت کا مشاہدہ کرے گا' اس قدر زیادہ شکر ادا کرے گا' اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی نعمت کو دیکھے اور اس کا اعتراف کرے اور اس پر اس کی ثناء اور تعریف کرے' اور اس نعمت کی وجہ سے اللہ سے محبت رکھے۔ سوا اس کے کہ وہ نعمت فنا ہو جائے یا گم ہو جائے۔

علامہ فیروز آبادی نے کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شکر اور حمد میں سے کون افضل ہے۔ حدیث میں ہے حمد شکر کی سردار ہے۔ جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی' اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقسام اور اسباب کے اعتبار سے شکر حمد سے عام ہے۔ (کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اور شکر' زبان' دل اور اعضاء اور جوارح سے بھی ہوتا ہے) اور متعلق کے اعتبار سے شکر حمد سے خاص ہے۔ کیونکہ شکر صرف نعمت پر ادا کیا جاتا ہے جبکہ حمد میں یہ قید نہیں ہے۔ (وہ مطلقاً زبان سے کسی کی ثناء کرنے کو کہتے ہیں) مثلاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حیات' اس کی سمع اور بصر اور اس کے علم پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ہم ان اوصاف پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی نعمتوں پر ہم دل

میں جو اس کی تعظیم کرتے ہیں یا سجدہ شکر بجالاتے ہیں' تو اس کو حمد نہیں کہا جائے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور ہم زبان سے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی ثناء اور تعریف کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہے اور اس کا شکر بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

شکور کا معنی ہے بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ہے انہ کان عبدا شکورا (بنو اسرائیل: ۳) یعنی وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی بہت کوشش سے عبادت کرتے تھے' اور شکور اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے۔ واللہ شکور حلیم (التغابن: ۱۷) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے کم اعمال پر دگنا چوگنا بلکہ بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر کرتا ہے یعنی ان کو بخش دیتا ہے۔ اللہ کی طرف جب شکر کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور ثواب عطا فرمانا۔ (تاج العروس' ج ۳' ص ۳۱۴' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

شکر کا لغوی معنی یہ ہے کسی نعمت پر زبان' دل یا دیگر اعضاء سے منعم کی تعظیم و تکریم کرنا۔

اور شکر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو سمع' بصر اور دیگر نعمتیں جو عطا کی ہیں ان کو اپنے مقاصد تخلیق کے مطابق خرچ کرنا۔ (کتاب التعریفات' ص ۶۵' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

دل کا شکر یہ ہے کہ نعمت کے ساتھ خیر اور نیکی کا قصد کیا جائے اور زبان کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور باقی اعضاء کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کیا جائے' اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف ہونے سے بچایا جائے۔ حتیٰ کہ آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھے اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو دیکھنے سے باز رہے۔ یعنی جن چیزوں کے دیکھنے میں اجر و ثواب ہے ان کو دیکھے اور جن چیزوں کا دیکھنا گناہ ہے اُن کو نہ دیکھے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ تمام اعضاء کا حکم ہے۔ (احیاء العلوم' ج ۳' ص ۲۳۸' مطبوعہ دار الخیر' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرہ: ۱۵۲)
اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا○ (النساء: ۱۴۷)
اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ شکر کی جزا دینے والا اور جاننے والا ہے۔

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ○ (آل عمران: ۱۴۵)
اور ہم عنقریب شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دیں گے۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا: ۱۳)
اے آل داؤد! شکر بجالانے کے لیے نیک کام کرو' میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراھیم: ۷)
اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو یقیناً اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے۔

شکر ادا کرنے کے طریقوں کے متعلق احادیث

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اس نعمت کا شکر ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث

ہے۔امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت پر الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ 'ج ۲' رقم الحدیث:۳۸۰۵ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب تم نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ تمہاری نعمت میں زیادتی کرے گا۔

(جامع البیان 'ج ا'ص ۹۰ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ثناء اور تعریف میں الحمدللہ سے زیادہ کوئی کلمہ پسند نہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود الحمدللہ سے اپنی ثنا کی ہے۔

(مسند احمد 'ج ۵' رقم الحدیث:۱۵۵۸۶ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۴ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:نعمت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے اور مصیبت خواہ کتنی پرانی ہو جائے جب بھی بندہ اس پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیا ثواب اور اجر عطا فرماتا ہے۔نعمت پر شکر ادا کرنے سے اس نعمت کی مسئولیت کم ہو جاتی ہے اور مصیبت پر صبر کرنے سے اس کے ثمرات کی حفاظت ہوتی ہے۔

(نوادر الاصول 'ج ۲'ص ۲۰۳ 'مطبوعہ دار الجیل 'بیروت '۱۴۱۲ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کی جائے اور اس کی کسی نعمت کی بے قدری نہ کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا۔آپ اس کے پاس چل کر گئے۔آپ نے اس کو اٹھایا' اس پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:اے عائشہ!اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔جس نعمت کی لوگ ناقدری کرتے ہیں' ان کے پاس وہ نعمت بہت کم دوبارہ آتی ہے۔

(نوادر الاصول 'ج ۴'ص ۱۷۴ 'مطبوعہ دار الجیل 'بیروت '۱۴۱۲ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کم چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ کی نعمت کا اظہار کیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:جس نے قلیل چیز کا شکر ادا نہیں کیا اس نے کثیر چیز کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کو ترک کرنا کفر ہے۔(علامہ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)(مسند احمد 'ج ۱۴' رقم الحدیث:۱۸۳۷۱ 'مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ '۱۴۱۶ھ)

شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بندوں کا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد 'ج ۴' رقم الحدیث:۴۸۱۱ 'سنن الترمذی 'ج ۳' رقم الحدیث:۱۹۶۱ 'مسند احمد 'ج ۷' رقم الحدیث:۷۹۵۰ 'مطبوعہ قاہرہ' صحیح ابن حبان ' رقم الحدیث:۳۰۷۰ 'الادب المفرد ' رقم الحدیث:۲۱۸ 'مسند ابو یعلیٰ ' رقم الحدیث:۱۲۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز دی گئی تو وہ اس کے بدلہ میں کوئی چیز دے۔ اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس کی تعریف کرے۔ جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا شکر کیا اور جس نے اس کو چھپایا' اس نے کفر کیا۔ (سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۸۱۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی اور اس نے اس نیکی کرنے والے سے کہا جزاک اللہ خیرا اس نے اس شخص کی پوری تعریف کردی۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۰۴۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

راحت کے ایام میں مصیبت کے ایام کو یاد کرنا بھی شکر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو پھر اس کو یاد کرے تو اس نے شکر ادا کیا اور اگر اس نے اس مصیبت کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۸۱۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

شکر کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے۔ اس کے ہر حال میں بھلائی ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کی فلاح ہے اور اگر اس کو ضرر پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کی فلاح ہے۔ (صحیح مسلم' زہد: ۶۴' (۲۹۹۹) ۷۳۶۵' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۳۳-۳۳۲' ج ۶' ۱۵' طبع قدیم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ میرے رب نے مکہ کی وادی کو پیش کیا تاکہ اس کو میرے لیے سونا بنادے۔ میں نے کہا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا' جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھے یاد کروں گا تجھ سے فریاد کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۵۴' مسند احمد' ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۲۵۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

حضرت فضیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص سے ملاقات کی۔ آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میں ٹھیک ہوں' آپ نے پھر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں ٹھیک ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں' آپ نے فرمایا میں تم سے یہی سننا چاہتا تھا۔ (کتاب الدعاء للطبرانی' رقم الحدیث: ۱۹۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں' نصف میں صبر ہے اور نصف میں شکر ہے۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث: ۹۷۱۵' الجامع الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ

لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ○

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

فرمایا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں

خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے ○ فرمایا تو یہاں سے اتر

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴿١٣﴾

تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بیشک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ○

قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾

اس نے کہا مجھے اس دن تک کی مہلت دے جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے ○ فرمایا بیشک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ

اس نے کہا قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراطِ مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا رہوں گا ○ پھر

لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ

میں لوگوں (کو بہکانے کے لیے ضرور ان) کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور

وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾ قَالَ اخْرُجْ

بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا ○ فرمایا یہاں سے

مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ

ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا، البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے

مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾

دوزخ کو بھر دوں گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

(الاعراف: ۱۱)

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا تھا کہ اس نے انسانوں کو زمین میں بسایا اور ان کو اسباب زیست فراہم کیے اور اس آیت میں ان پر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں انسان کی تخلیق کی ابتداء کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور انہیں مسجود ملائکہ بنایا اور باپ پر جو انعام کیا جاتا ہے وہ بیٹے پر انعام کے قائم مقام ہوتا ہے' کیونکہ باپ کا شرف اور اس کا بلند مقام بیٹے کے لیے باعث فخر ہوتا ہے۔ اور اس سے منشایہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس قدر انعامات سے نوازا ہے تو پھر ان کا ایمان نہ لانا اور کفر پر ڈٹے رہنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور اس کی احسان فراموشی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ تم اللہ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تم میں جان ڈالی' پھر وہ تمہاری جان نکالتا ہے پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ (البقرہ: ۲۸)

ایک اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو پیدا کیا' پھر حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حالانکہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اس کے بعد ان کی نسل سے ہم کو پیدا فرمایا۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱- اس آیت میں "ہم نے تم کو پیدا کیا" اس سے مراد ہے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا اور ہم نے تمہارے باپ آدم کی صورت بنائی جیسا کہ ایک اور آیت میں بھی انسان سے مراد آدم ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (المؤمنون: ۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)

(اللہ) وہی ہے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی ذات سے اس کی بیوی کو بنایا تاکہ وہ اس کی طرف سکون حاصل کرے۔

۲- مجاہد نے یہ بیان کیا ہے کہ "تم کو پیدا کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ آدم کو پیدا کیا اور "پھر تمہاری صورت بنائی" اس سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی اولاد کی صورت بنائی۔

۳- اس آیت میں ایک لفظ مقدر ہے۔ "پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں" اور پوری آیت کا معنی اس طرح ہوگا اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو......

حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح کے بعض اہم واقعات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کا قصہ سات سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ (البقرہ' الاعراف' الحجر' بنو اسرائیل' الکھف' طٰہٰ' ص)

ہم اس قصہ کے مباحث کی تفسیر اور تفصیل سورہ البقرہ میں بیان کرچکے ہیں یہاں پر ہم بعض ان امور کو بیان کریں گے جن کا وہاں ہم نے ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں پر ہم احادیث اور آثار کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی سوانح بیان کر رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا اور فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (البقرہ: ۳۰) پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لیے زمین پر بھیجا۔ زمین نے کہا: میں اس بات سے تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔ حضرت جبرئیل لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: یا رب! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی' پھر حضرت میکائیل کو بھیجا' اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے' پھر حضرت عزرائیل کو بھیجا اس نے ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کی۔ انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں' انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔ وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا' پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: ۲۶) — اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تاکہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے برابر عرصہ تک بشری صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرحمٰن: ۱۴) — اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

ابلیس کہتا تھا اس کو کس لیے بنایا گیا ہے' اس نے فرشتوں سے کہا اس سے مت ڈرو' یہ اندر سے کھوکھلا ہے۔ اگر مجھ کو اس پر مسلط کیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر: ۲۹) — سو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر جانا۔

جب اس پتلے میں روح پھونکی اور وہ ان کے سر میں داخل ہوئی تو ان کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہو الحمد للہ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اور جب روح ان کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں پہنچی تو ان کو طعام کی خواہش ہوئی اور انہوں نے پیروں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھلوں کی طرف چھلانگ لگانی چاہی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: ۳۷) — انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

پھر ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا' جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (ص ۷۷-۷۳)

پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا○ سوا ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا○ فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تو نے اب گھمنڈ کیا یا تو پہلے ہی سے گھمنڈ کرنے والوں میں سے تھا○ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا○ فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا○

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۴، ص ۲۱۷-۲۱۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کا مشاہدہ کرانا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔ پوچھا اے میرے رب! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے میرے رب تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔ کہا کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیا یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیے تھے؟ حضرت آدم نے انکار کر دیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ (سنن الترمذی، ج ۵، رقم الحدیث: ۳۰۸۷)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝

(الاعراف: ۱۷۲)

اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنا دیا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا،

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں ہے' حضرت آدم نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا' حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب اگر تو اپنے تمام بندوں کو ایک جیسا کر دیتا! فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (الاحزاب:٧)

اور جب ہم نے (تبلیغ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے' اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۲۲۰-۲۱۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مارا اور سفید رنگ کی ان کی اولاد نکالی۔ وہ چیونٹی کی مثل تھے۔ اور بائیں کندھے پر مارا اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکالی' وہ کوئلوں کی طرح تھے۔ پھر دائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور بائیں جانب والوں کے لیے فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ابراہیم مزنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کعبہ کی طرح کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کرنے کا حکم دیا۔ جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتادہ نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو مبتلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے' جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔ ان سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ انہوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔ (حٰم السجدۃ: ١١) سو حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھا۔ فرمایا کہ جہاں سے چاہو' فراغت سے کھاؤ اور ایک درخت سے کھانے سے منع فرما دیا۔ یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس ممنوع کا ارتکاب کر لیا۔ اس وقت ان کی شرم گاہ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! اگر میں توبہ کر لوں اور اصلاح کر لوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ٢٣)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی' اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اللہ کے دشمن ابلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی' لیکن اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کر لی۔ حضرت آدم کو معاف کر دیا اور شیطان کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

(تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۲۲۱-۲۲۰' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم کا سیدنا محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور اس حدیث کی تحقیق

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا میں تجھ سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی محمد کیا ہے؟ اور محمد کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا تیرا نام برکت والا ہے' تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا' تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا کون شخص ہو گا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے آدم وہ تمہاری اولاد میں آخر النبیین ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں سے آخری امت ہے اور اے آدم! اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر' ج ۲' ص ۸۳' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' المعجم الصغیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۹۹۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۴۹۸' مطبوعہ مکتبہ المعارف' ریاض' الشریعہ للآجری' ص ۴۲۷۔۴۲۳' ریاض' المستدرک ج ۲' ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز مکہ المکرمہ' دلائل النبوۃ' للبیہقی' ج ۵' ص ۴۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' وفاء الوفاء لابن الجوزی' ص ۳۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۵۳' مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت' مجمع البحرین' ج ۶' ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض' الخصائص الکبریٰ' ج ۱' ص ۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' لائل پور' (کتب تاریخ و سیرت) البدایہ و النہایہ' للحافظ ابن الکثیر' ج ۱' ص ۸۱' ج ۲' ص ۳۲۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' المواہب اللدنیہ' ج ۱' ص ۳۵' ج ۳' ص ۴۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' شرح المواہب للزرقانی' ج ۱' ص ۴۴' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' سبل الہدیٰ و الرشاد' ج ۱' ص ۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سیرت حلبیہ' ج ۱' ص ۳۵۴' مطبوعہ شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ بمصر' قصص الانبیاء للحافظ ابن کثیر' ج ۱' ص ۳۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ۔ (کتب تفسیر) در منثور' ج ۱' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' تفسیر ثعالبی' ج ۱' ص ۵۳' مطبوعہ مؤسسہ الاعلمی بیروت' روح البیان' ج ۱' ص ۱۱۴' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' روح المعانی' ج ۱' ص ۲۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت۔ (دیگر کتب) فتاویٰ ابن تیمیہ' ج ۲' ص ۱۵۱' مطبوعہ السعودیہ العربیہ' شفاء السقام للسبکی' ص ۱۲۰' مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے در منثور' ج ۱' ص ۱۴۲' اور الخصائص ج ۱' ص ۶ میں اور علامہ علی متقی ہندی نے کنز العمال ج ۱۱' ص ۴۵۵ میں اس حدیث کو امام ابو نعیم کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے بھی درج کیا ہے۔ میں نے امام ابو نعیم کی دلائل النبوۃ کو حرفاً حرفاً دیکھا ہے۔ اس میں یہ حدیث نہیں ہے اس سلسلہ میں ان بزرگ محدثین کو تسامح ہوا ہے)

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے لیکن یہ ان کا تساہل ہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے بلکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (تلخیص المستدرک' ج ۲' ص ۶۱۵) علامہ ذہبی کا اس حدیث کو موضوع لکھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں کوئی وضاع راوی نہیں ہے اور ذہبی نے اس کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ و النہایہ اور قصص الانبیاء میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کو ضعیف ہی لکھا ہے۔ وضاع نہیں قرار دیا اور فضائل میں ضعیف احادیث کا اعتبار کیا جاتا ہے اور قوی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ' ج ۲' ص ۱۵۱' مطبوعہ السعودیہ العربیہ)

ہر چند کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض ائمہ حدیث نے اس کی تعدیل اور تحسین بھی کی ہے۔ حافظ جمال الدین یوسف مزی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔

امام ابوحاتم کا دوسرا قول یہ ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم ابن ابی الرجال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور ابو احمد بن عدی نے کہا اس کی احادیث حسن ہیں لوگوں نے ان کو حاصل کیا ہے۔ اور بعض نے اس کو صادق قرار دیا ہے اور یہ ان راویوں میں سے ہے جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(تہذیب الکمال، ج ۱۱، ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۱۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن جوزی نے الوفاء میں اس حدیث کو جس سند سے ذکر کیا ہے اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم نہیں ہے، شیخ ابن تیمیہ نے بھی اسی سند کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا ہے، لہٰذا عبدالرحمن بن زید کی وجہ سے جو اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے وہ اعتراض اصلاً ساقط ہو گیا۔

حضرت آدم کے سکون کے لیے حضرت حوا کو پیدا کرنا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک عورت ہوں۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس نے کہا: تاکہ آپ مجھ سے سکون حاصل کریں۔ فرشتوں نے پوچھا: اے آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا نام حواء ہے۔ فرشتوں نے پوچھا: آپ نے اس کا نام حوا کیوں رکھا۔ انہوں نے کہا کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور ہم نے فرمایا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (البقرہ: ۳۵) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے لیے ان کی ان شرم گاہوں کو ظاہر کرا دے جو ان سے چھپائی ہوئی تھیں اور کہا (اے آدم و حواء) تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم فرشتہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ○ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○ پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکا لیا تو جب انہوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے بدن پر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے انہیں ندا فرمائی کیا اس درخت سے میں نے تم دونوں کو نہیں روکا تھا؟ اور تم سے (یہ) نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۲۲-۲۱) اس درخت سے کھانے میں حوا نے سبقت کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تم بھی کھا لو، کیونکہ میں نے کھایا تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ (حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً ممانعت کی ہے، تحریماً منع نہیں فرمایا۔ اس لیے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریماً تھی۔ یا انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس معین درخت سے منع فرمایا ہے۔ اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لوں تو پھر حرج نہیں ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اس درخت کی نوع سے منع کرنا تھا۔ پھر جب

انہوں نے اس درخت سے کھالیا اور وہ بے لباس ہوگئے اور پتوں سے جسم چھپانے لگے تو انہوں نے کہا: اس نے تیری قسم کھائی تھی اور میرا یہ گمان نہیں تھا کہ تیری مخلوق میں سے کوئی شخص تیری قسم جھوٹی بھی کھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○ فرمایا اترو تمہارے بعض 'بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہے○ (الاعراف: ۲۴-۲۳)

(مختصر تاریخ دمشق 'ج ۴ 'ص ۲۲۲ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا

عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں فرشتوں کی تسبیح اور ان کی آواز سنتے تھے۔ زمین پر آنے کے بعد یہ نعمت ان سے جاتی رہی۔ انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی شکایت کی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ بھی آپ کی اس (ظاہری) خطا کا ثمرہ ہے 'البتہ میں آپ کے لیے ایک بیت اتاروں گا۔ آپ اس کے گرد طواف کریں جس طرح فرشتے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام بستیوں اور جنگلوں کی مسافت طے کرکے اس بیت کے پاس آئے اس کے گرد طواف کیا اور اس کے پاس نماز پڑھی۔ اسی طرح اس بیت کا طواف کرتے رہے 'حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اٹھالیا اور قوم نوح کو غرق کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی بنیادوں پر حضرت نوح علیہ السلام سے وہ بیت بنوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ھند سے پیدل چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

(مختصر تاریخ دمشق 'ج ۴ 'ص ۲۲۳ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: اے بیٹو! میں جنت کے پھلوں کی خواہش کر رہا ہوں 'وہ جنت کے پھل ڈھونڈنے چلے گئے۔ ان کے سامنے سے فرشتے آئے 'ان کے پاس کفن اور خوشبو تھی 'اور کدالیں اور پھاوڑے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم کے بیٹوں سے کہا: تم کیا تلاش کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارا باپ بیمار ہے ہم اس کے لیے جنت کے پھل ڈھونڈ رہے ہیں۔ فرشتوں نے کہا: واپس جاؤ 'تمہارے باپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ فرشتے آئے تو حضرت حواء نے ان کو پہچان لیا۔ وہ حضرت آدم کے پاس گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے دور رہو۔ تمہاری وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہوا تھا۔ مجھے اور میرے رب عزوجل کے فرشتوں کو تنہا چھوڑ دو۔ پھر فرشتوں نے حضرت آدم کی روح قبض کرلی۔ ان کو غسل دیا 'ان کو کفن پہنایا اور ان کے جسم پر خوشبو لگائی اور ان کے لیے قبر کھود کر لحد بنائی ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کی قبر میں اترے اور ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر پر کچی اینٹیں رکھیں۔ پھر ان کی قبر سے نکلے اور ان کی قبر کو مٹی سے پر کر دیا۔ پھر کہا: اے آدم کے بیٹو! یہ تمہارے لیے کفن دفن کا طریقہ ہے۔

عطاء خراسانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن تک مخلوق روتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق 'ج ۴ 'ص ۲۲۶ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۰۴ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مباحثہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں! آپ نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکال دیا۔ ان سے حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز کیا' اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لیے تورات لکھی۔ کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر دیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔

(صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۱۴' صحیح مسلم' قدر: ۱۳ (۲۶۵۲) ۶۶۱۸' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۰۱' السنن الکبریٰ' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۳۲۹)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں یہ مباحثہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے پاس ہوا ہو یا ہو سکتا ہے کہ دونوں کے وصال کے بعد عالم برزخ میں یہ مباحثہ ہوا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوع کھانے پر تقدیر کا عذر اپنی زندگی میں پیش نہیں کیا بلکہ زندگی میں اپنے اس فعل پر اظہار ندامت اور توبہ اور استغفار ہی کرتے رہے' جبکہ ان کا یہ فعل بھولنے سے ہوا تھا اور یہ گناہ نہیں تھا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اس مثال کو سامنے رکھ کر کوئی شخص اپنے دانستہ گناہوں پر یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ اس کی تقدیر میں یونہی لکھا تھا۔ جب تک انسان دارالتکلیف میں ہے' اس پر مکلفین کے احکام جاری ہوں گے۔ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر حسب عمل جاری ہوگی اور اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو عذاب کا مستحق ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا فعل اول تو حقیقتاً معصیت نہیں تھا۔ ثانیاً انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ دارالتکلیف سے جانے کے بعد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا' اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے○ (الاعراف: ۱۲)

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

سجدہ کا لغت میں معنی ہے: سر نیچے کرنا' جھکنا' عاجزی اور خاکساری کرنا اور اس کا فقہی معنی ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور اس سے بڑھ کر عاجزی اور تذلل متصور نہیں ہے۔

(النہایہ' ج ۲' ص ۳۰۹' ۳۰۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۸ ۱۴ھ' مجمع بحار الانوار' ج ۳' ص ۴۷' مطبوعہ مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں سجدہ کے اطلاقات

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

سجدہ کا شرعی معنی ہے: اللہ کے لیے تذلل اور عاجزی کرنا اور اس کی عبادت کرنا اور یہ انسان' حیوانات اور جمادات سب کو شامل ہے اور اس سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ سجدہ بالاختیار اور سجدہ بالتسخیر۔ سجدہ بالاختیار پر انسان ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا○ (النجم: ۶۲) سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

اور سجدہ بالتسخیر اور سجدہ بالاختیار دونوں کی مثال یہ آیت ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (النحل: ۴۹)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں وہ سب اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں' (ہر قسم کے) جاندار اور سب فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

اور صرف سجدہ بالتسخیر کی مثال یہ آیتیں ہیں:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ○ (الرحمٰن: ۶)

اور زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے تنے پر کھڑے درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○ (الرعد: ۱۵)

آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہیں' وہ (سب) خوشی یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے (بھی) صبح اور شام کو۔

قرآن مجید میں سجدہ کا اطلاق سجدہ عبودیت کی بجائے سجدہ تعظیم پر بھی کیا گیا ہے:

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرہ: ۳۴)

آدم کو سجدہ کرو۔

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (یوسف: ۱۰۰)

اور (ماں' باپ اور بھائی سب) یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے۔

سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا گیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (ق: ۴۰)

رات کے کچھ وقت میں اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی)۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ ان کی دلیل سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ (البقرہ: ۳۴) ابلیس کو سجدہ کا حکم اس وقت ہو گا جب وہ فرشتہ ہو' کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا' وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابلیس جنی تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا۔ اس لیے بہ طور تغلیب وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جنات کو سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جب اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاغر کو اس کی تعظیم کا بہ طریق اولیٰ حکم ہے۔ ابلیس کے جن ہونے کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف: ۵۰)

وہ (ابلیس) جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اس بحث کی مکمل تفصیل جاننے کے لیے (البقرہ: ۳۴) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

امر کا وجوب کے لیے ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا علماء اصول نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ امر کا تقاضا وجوب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اس پر مذمت کی ہے کہ ابلیس نے اللہ کے حکم

کے بعد اس پر عمل نہیں کیا اور بعض علماء نے اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر فوراً عمل کیا جائے' کیونکہ ابلیس نے جب اس پر علی الفور عمل نہیں کیا تو اس پر گرفت کی گئی۔

حضرت آدم سے افضل ہونے پر ابلیس کا یہ استدلال کہ آگ مٹی سے افضل ہے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی: اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تونے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ابلیس کے جواب کی وضاحت یہ ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ کیونکہ آگ گرم خشک ہے اور مٹی سرد خشک ہے۔ اور حرارت برودت سے افضل ہے۔ کیونکہ گرمی حیات کے اور جوانی کے مناسب ہے اور ٹھنڈک موت اور بڑھاپے کے مناسب ہے اور حیات اور جوانی' موت اور بڑھاپے سے افضل ہے۔ نیز آگ تاثیر اور فعل کرتی ہے اور مٹی اثر قبول کرتی ہے اور انفعال کرتی ہے اور فعل' انفعال سے افضل ہے اور آگ کا خاصہ بلندی کی طرف جانا اور مٹی کا خاصہ پستی کی طرف آنا ہے اور بلندی پستی سے افضل ہے۔ سو ان تین وجوہ سے آگ مٹی سے افضل ہے اور ابلیس آگ سے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے لہٰذا ابلیس حضرت آدم سے افضل ہوا اور افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا حکمت کے خلاف ہے۔

آگ سے مٹی کے افضل ہونے کی دس وجوہات

ابلیس کی یہ دلیل متعدد وجوہ سے باطل ہے' کسی مرکب کی چار علتیں ہوتی ہیں۔ علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی۔ ابلیس نے اپنے اور حضرت آدم کے درمیان صرف علت مادی سے تقابل کیا اور باقی تین علتوں سے صرف نظر کرلی۔ ثانیاً علت مادی کے اعتبار سے بھی حضرت آدم' ابلیس سے افضل ہیں کیونکہ مٹی آگ سے حسب ذیل وجوہ سے افضل ہے:

۱- آگ کی طبیعت کا تقاضا چیزوں کو علی الفور جلانا اور ان کو تلف کرنا ہے جبکہ مٹی کسی چیز کو تلف یا ضائع نہیں کرتی۔

۲- مٹی میں انسانوں اور حیوانوں کا رزق پیدا ہوتا ہے اور کپاس پیدا ہوتی ہے جس سے انسانوں کا لباس حاصل ہوتا ہے جبکہ آگ میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

۳- مٹی میں اگر ایک دانہ ڈالا جائے تو اس کی برکت سے وہ کم و بیش سات سو گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے جبکہ آگ کسی چیز کو بڑھانا تو کجا اصلاً نیست و نابود کردیتی ہے۔

۴- آگ کو اپنے وجود میں مٹی کی احتیاج ہے۔ کیونکہ آگ زمین کے بغیر نہیں متحقق ہوگی۔ جبکہ زمین کو اپنے وجود میں آگ کی احتیاج نہیں ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ نے زمین کے بہ کثرت منافع اور فوائد کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (النباء: ۶)	کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ○ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ○ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ (المرسلات: ۲۷-۲۵)	کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہ بنایا ○ زندوں اور مردوں کے لیے ○ اور ہم نے اس میں بلند مضبوط پہاڑ پیدا کردیے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: ۲۹)	وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔

اس کے برخلاف قرآن مجید کی اکثر اور بیشتر آیتوں میں آگ کو عذاب قرار دیا گیا ہے اور اس سے ڈرایا گیا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو برکت قرار دیا ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ (حم السجدہ: ۱۰-۹)

آپ کہیے تم بے شک اس کے ساتھ ضرور کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک بناتے ہو' یہ پروردگار ہے سارے جہانوں کا○ اور جس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں برکت دی' اور اس میں اس کے باشندوں کے لیے چار دنوں میں غذائیں رکھ دیں' جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۷۱)

اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الانبیاء: ۸۱)

اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی۔

اس کے برخلاف آگ کی یہی صفت ہے کہ وہ چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

۷۔ مٹی کے شرف کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا گھر (البیت الحرام) بنایا ہے جس میں ہر وقت طواف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سجدے کیے جاتے ہیں' اس کی عبادت کی جاتی ہے اور تسبیح' تہلیل اور تمجید کی جاتی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ مسجد نبوی ہے' مسجد اقصیٰ ہے اور بے شمار مساجد ہیں جن میں دن رات اس کی حمد اور عبادت کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف آگ میں ایسی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۸۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے نفع کے لیے' معدنیات' دریا' سمندر' چشمے' پھلوں کے باغات' غلہ سے لدے ہوئے کھیت' سواریوں کے لیے اصناف و اقسام کے جانور اور طرح طرح کے لباس پیدا کیے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آگ کے اندر ایسا کوئی نفع نہیں ہے۔

۹۔ آگ کی زیادہ سے زیادہ فضیلت یہ ہے کہ اس کی حیثیت زمین کے خادم کی ہے۔ اول تو آگ کا وجود زمین کے وسیلہ سے ہے۔ آگ یا لکڑیوں کو جلا کر حاصل ہوتی ہے یا گوبر کو جلا کر۔ یا قدرتی گیس سے اور تیل سے حاصل ہوتی ہے اور ان تمام چیزوں کا حصول زمین سے ہوتا ہے۔ ثانیاً آگ سے کھانا پکایا جاتا ہے یا حرارت حاصل کی جاتی ہے اور کھانے کے اجزاء ترکیبی بھی زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مٹی اصل اور مخدوم ہے اور آگ فرع اور خادم ہے اور اس کو مٹی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

۱۰۔ ابلیس لعین کا مادہ خلقت (مارج من نار) بھڑکنے والی آگ ہے اور بھڑکنے والی آگ اور شعلے فی نفسہ ضعیف ہیں۔ ہوا ان کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور ان کا بھڑکنا ہوا کے تابع ہے۔ اور مٹی فی نفسہ قوی ہے۔ ہوا اس کو اپنے زور سے ادھر ادھر نہیں لے جا سکتی بلکہ مٹی کی دیواریں اور پہاڑ ہوا کے لیے سد راہ بن جاتے ہیں اور قوی' ضعیف سے افضل ہوتا ہے اس لیے مٹی آگ سے افضل ہے۔ ثانیاً ابلیس لعین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی اور پانی کو گوندھ کر دونوں سے بنایا گیا تھا اور پانی بھی آگ سے افضل ہے کیونکہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ نیز پانی کے افضل ہونے کے لیے یہ آیت کافی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء: ۳۰) — اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام کا مادہ خلقت مٹی اور پانی ہے اور یہ دونوں آگ سے افضل ہیں۔ اس لیے ابلیس لعین کا یہ کہنا غلط تھا کہ "میں آدم سے بہتر ہوں"۔

حضرت آدم کا چاروں علتوں کی وجہ سے ابلیس سے افضل ہونا

علت مادی کے بعد دوسری فضیلت کی وجہ علت صوری ہے اور علت صوری کے اعتبار سے بھی حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○ (التین: ۴) — بے شک ہم نے انسان کو سب سے حسین تقویم (ساخت) میں بنایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری، ج ۷، رقم الحدیث: ۶۲۲۷، صحیح مسلم بر ۱۱۵، (۲۶۱۲) ۶۵۳۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۱۵، ۲۵۱، ۲۴۴، طبع قدیم)

علت صوری کے بعد تیسری فضیلت کی وجہ علت فاعلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو حرف کن سے پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص: ۷۵) — فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کے لیے سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ○ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ○ (ص: ۷۲-۷۱) — جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں ○ تو جب میں اسے درست کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

فضیلت کی چوتھی وجہ علت غائی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی غایت تخلیق اللہ تعالیٰ کی نیابت اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے۔ فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ: ۳۰) — اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو۔ اور اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام علت مادی، صوری، فاعلی اور غائی ہر اعتبار سے ابلیس لعین سے افضل ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو ابلیس پر لازم اور واجب تھا کہ وہ آپ کو سجدہ کرے لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے مقابلہ میں فاسد قیاس کیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ حضرت آدم سے افضل ہے اور افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء ظاہر نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقاً قیاس اور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہاں پر قیاس اور اجتہاد کی تحقیق کر رہے ہیں۔

ابلیس کے باطل قیاس کی بناء پر منکرین قیاس کے دلائل اور ان کا تجزیہ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن سیرین نے کہا: سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا اور سورج اور چاند کی پرستش صرف قیاس کی وجہ سے کی گئی ہے۔

حسن بصری نے کہا: سب سے پہلے جس نے قیاس کیا تھا' وہ ابلیس ہے۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ 'سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۱' طبع بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن جمیع بیان کرتے ہیں کہ میں' ابن ابی لیلیٰ اور (امام) ابو حنیفہ' حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن شبرمہ نے کہا میں اور (امام) ابو حنیفہ' حضرت جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر بن محمد نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس کو امور دین میں بہت مہارت اور بصیرت حاصل ہے۔ حضرت جعفر نے کہا: شاید یہ دین کے معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت جعفر نے (امام) ابو حنیفہ سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نعمان! (الی قولہ) حضرت جعفر نے امام ابو حنیفہ سے کہا: اے نعمان! مجھے میرے والد نے میرے دادا سے یہ حدیث روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے سب سے پہلے دین کے معاملہ میں اپنی رائے سے قیاس کیا' وہ ابلیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: (حضرت) آدم کو سجدہ کرو' اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے' سو جس نے دین میں اپنی رائے سے قیاس کیا' اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ابلیس کے ساتھ اکٹھا کرے گا' ابن شبرمہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے' پھر حضرت جعفر نے ان سے پوچھا: قتل نفس اور زنا میں کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا: قتل نفس۔ حضرت جعفر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قتل نفس کے ثبوت کے لیے صرف دو گواہ کافی قرار دیے۔ پھر زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی کیوں ضروری ہے؟ پھر پوچھا: نماز اور روزے میں کون سا فرض زیادہ اہم ہے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا نماز! حضرت جعفر نے کہا: پھر کیا وجہ ہے کہ حائض عورت صرف روزے کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہے؟ پھر کہا: تمہارے قیاس کرنے پر افسوس ہے! اللہ سے ڈرو اور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کرو۔

(حلیۃ الاولیاء' ج ۳' ص ۱۹۷-۱۹۶' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' ایضاً' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۹۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت جعفر بن محمد نے نبی ﷺ سے جو حدیث روایت کی ہے' اس کے متعلق قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں غور کرنا چاہیے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور یہ حدیث کلام نبوت کے مشابہ نہیں ہے۔

(فتح القدیر' ج ۲' ص ۱۹۳' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' فتح البیان' ج ۳' ص ۲۶۲' مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ بولاق' مصر' ۱۳۰۱ھ)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے۔ سعید بن عنبسہ۔ اس کے متعلق حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

یحییٰ نے کہا: یہ کذاب ہے اور ابو حاتم نے کہا: یہ صادق نہیں۔ اس نام کا ایک دوسرا شخص ہے وہ مجہول ہے۔ اس نام کا ایک

تیسرا شخص ہے۔ امام ابن جوزی نے اس پر کوئی طعن نہیں کیا لیکن یہ متعین نہیں ہے کہ اس سند میں کون سا شخص مراد ہے۔
(میزان الاعتدال' ج ٣' ص ٤٢٣' مکتبہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ج ٣' ص ١٤١٦ھ)

اس حدیث کا ایک اور راوی ہے عمرو بن جمیع۔ اس کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں:
ابن معین نے اس کو کذاب قرار دیا۔ امام دار قطنی اور ایک جماعت نے کہا: یہ متروک ہے۔ ابن عدی نے کہا: اس پر حدیث گھڑنے کی تہمت ہے۔ امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔
(میزان الاعتدال' ج ٥' ص ٣٠٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٦ھ)

نظام معتزلی اور بعض اہل الظاہر قیاس کے منکر ہیں اور صحابہ کرام' تابعین عظام اور ان کے بعد کے جمہور علماء قیاس کے قائل ہیں اور قیاس سے جو احکام مستنبط ہوں' ان پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے اور عقلاً واقع ہے۔ بعض شوافع اور ابوالحسین بصری کے نزدیک اس پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ٧' ص ١٥٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

مجوزین قیاس کا احادیث سے استدلال

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ نے اپنی صحیح میں یہ عنوان قائم کیا ہے: جس شخص نے کسی پیش آمدہ مسئلہ کو ایسی متعارف اصل پر قیاس کیا ہو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہو تاکہ سوال کرنے والا اس مسئلہ کو سمجھ سکے' اور اس عنوان پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور سوال کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے حج کر لو۔ یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا قرض ادا کرو۔ وہ ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔
(صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٣١٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٢ھ)

نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق قاضیوں کا اجتہاد کرنا اور یہ کہا کہ نبی ﷺ نے صاحب حکمت کی تعریف کی ہے جبکہ وہ حکمت سے فیصلے کرے اور حکمت کی تعلیم دے اور از خود کوئی حکم نہ دے اور خلفاء سے مشورے کرے اور اہل علم سے تبادلہ خیال کرے' اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو (قسم کے) آدمیوں پر حسد (رشک) کرنا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس مال کو راہ حق میں خرچ کرنے پر اس کو مسلط کر دیا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہو۔
(صحیح البخاری' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٣١٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٢ھ)

نیز امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا: جن احکام کی معرفت دلائل سے ہو پھر دلائل کی یہ تفسیر کی کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں کے احکام بیان فرمائے اور جب آپ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کا حکم اس آیت سے مستنبط کیا فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور نبی ﷺ سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام کرتا ہوں اور نبی ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ حرام نہیں ہے اور اس عنوان کے تحت یہ حدیث سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے تین قسم کے ہیں۔ گھوڑا کسی کے لیے باعث اجر ہوتا ہے اور کسی کی پردہ پوشی کا سبب ہوتا ہے اور کسی کے حق میں گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کے لیے اس کا گھوڑا باعث اجر ہے' یہ وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو اللہ کے راستہ میں باندھ دیا۔ وہ چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی دراز کردیتا ہے۔ وہ اس چراگاہ یا باغ سے جو کچھ کھاتا ہے' وہ اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ اس کی رسی کاٹ دے اور وہ کسی ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر جائے تو اس کے چلنے اور اس کی لید کے بدلہ میں اس کی نیکیاں ہیں اور اگر وہ کسی دریا سے پانی پیئے خواہ اس کا قصد پانی پلانے کا نہ ہو' پھر بھی اس میں اس کی نیکیاں ہیں اور اس گھوڑے میں اس شخص کے لیے اجر ہے۔ اور ایک شخص نے گھوڑے کو اس لیے رکھا کہ وہ اپنی ضروریات میں دوسروں سے مستغنی رہے اور ان سے سوال کرنے سے بچا رہے اور اس پر کسی کو سوار کرنے میں یا اس پر کس کا بوجھ لادنے میں اللہ کے حق کو فراموش نہ کرے تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے گھوڑے کو فخر کرنے اور ریاکاری کے لیے رکھا تو یہ اس کے اوپر گناہ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر ان کے متعلق کوئی خصوصی حکم نازل نہیں ہوا مگر یہ آیت جو تمام احکام کو جامع ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸-۷)

جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۴۹۶۲' ۷۳۵۶' صحیح مسلم' الزکوۃ: ۲۴' (۹۸۷) ۲۲۵۴' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۵۶۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص اور جزی حکم پر ایک عام اور کلی حکم سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث میں پیش آمدہ مسائل اور جزئیات پر شرعی کلیات سے استدلال کرنے کی دلیل ہے۔

مجوزین قیاس کا آثار صحابہ اور اقوال علماء سے استدلال

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مسائل کا استنباط کرنا اور اجتہاد کرنا' اور امت کا اجماع برحق اور واجب ہے' اور اہل علم کے لیے لازماً فرض ہے۔ اس کے ثبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ اور تابعین کی روایات موجود ہیں۔ ابو تمام مالکی نے کہا: کہ قیاس کے جواز پر امت کا اجماع ہے' یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے ربا الفضل میں چھ چیزوں (سونا' چاندی' گندم' جو' نمک اور کھجور) پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا ہے اور ان میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع کو حرام قرار دیا ہے اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت لینے سے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں آپ پر راضی ہو گئے تو ہم اپنی دنیا میں آپ پر کیوں راضی نہیں ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کو نماز پر قیاس کیا' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کو نماز پر قیاس کیا اور کہا: بہ خدا اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوۃ کو جمع کیا ہے میں ان میں تفریق نہیں کروں گا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے سامنے شراب کی حد کو حد قذف پر قیاس کیا اور فرمایا: انسان شراب کے نشہ میں ہذیان بکتا ہے اور ہذیان میں لوگوں پر تہمت لگاتا ہے لہٰذا اس کی حد بھی اسی کوڑے ہوگی' اور پھر اس حد پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا: کہ جن نئے مسائل میں تم کو تشویش ہو اور کتاب اور سنت میں ان کی تصریح نہ ہو تو ان کے متعلق تم قیاس سے کام لو اور جو چیز حق کے مشابہ ہو اس پر عمل کرو۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۴۵۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ میں گئے۔ حتیٰ کہ جب وہ مقام سرغ میں پہنچے تو ان سے لشکر کے امراء نے ملاقات کی' جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے اصحاب بھی تھے۔ انہوں نے یہ خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے۔ اب ان کا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ شام میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ بعض صحابہ نے کہا: ہم ایک کام کے لیے آئے ہیں اور اس کام کو کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے اور بعض نے یہ کہا: کہ آپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ ان کو وبا میں جھونک دیں۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو مجلس سے اٹھا دیا اور انصار کو بلایا انہوں نے بھی مہاجرین کی طرح مشورہ دیا اور ان میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا۔ پھر آپ نے ان کو بھی اٹھا دیا اور قریش کے عمر رسیدہ لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے بالاتفاق یہ کہا کہ لوگوں کو اس بلا میں نہ ڈالیں اور واپس چلیں۔ پھر حضرت عمر نے اعلان کر دیا کہ ہم صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں! حضرت عمر نے فرمایا: اے ابو عبیدہ! کاش تمہارے علاوہ کوئی اور شخص یہ بات کہتا! ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ایک وادی میں جاؤ جس کے دو کنارے ہوں' ایک سرسبز ہو اور ایک بنجر ہو۔ اگر تم سرسبز کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے اور اگر بنجر کنارے کی طرف جاؤ پھر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جاؤ گے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے جو کسی کام سے گئے ہوئے تھے انہوں نے کہا: اس کے متعلق میرے پاس ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں کسی علاقہ میں بلا کا علم ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں وبا آ جائے تو وہاں سے نہ نکلو۔ پھر حضرت عمر نے اللہ کی حمد کی اور وہاں سے واپس لوٹ گئے۔ (صحیح البخاری' ج ۷' رقم الحدیث: ۵۷۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس مضمون کی احادیث' آثار اور اقوال ائمہ بہ کثرت ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ قیاس دین کی ایک اصل اصیل ہے۔ مجتہدین اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور علماء اس سے استدلال کرتے ہیں اور احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ اس پر ہر دور کے علماء کا اجماع رہا ہے اور چند شاذ لوگوں کی مخالفت سے اس اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جو قیاس ممنوع اور مذموم ہے یہ وہ قیاس ہے جس کی اصل کتاب اور سنت میں موجود نہ ہو اور جو نصوص صریحہ سے متصادم ہو جیسے ابلیس کا قیاس تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے مقابلہ میں قیاس کیا۔ حالانکہ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی مسئلہ میں صریح حکم نہ ہو۔ قرآن میں نہ حدیث میں۔ مخالفین قیاس نے اپنے موقف کی تائید میں جو روایات ضعیفہ اور اقوال رکیکہ پیش کیے ہیں بر تقدیر ثبوت ان کا محمل اس قسم کا قیاس ممنوع اور مذموم ہے جس کی اصل کتاب' سنت اور اجماع امت میں موجود نہ ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۵۶-۱۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قیاس کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر: ۲) اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے اور قیاس کی شرائط پر سب سے زیادہ مطلع تھے اور اس آیت میں آپ کو بھی قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ بھی قیاس کرتے تھے۔ (المحصول' ج ۴' ص ۱۳۵۶-۱۳۶۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

اور ہم اس سے پہلے اس بحث میں صحیح بخاری کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیاس کرنے کے ثبوت میں حدیث پیش

کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تو یہاں سے اتر، تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے O (الاعراف: ۱۵)

شیطان کے ساتھ طویل مکالمہ اس کی فضیلت کا موجب نہیں

یہ اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ ہے۔ سورہ ص میں یہ مکالمہ بہت تفصیل کے ساتھ آیت ۷۵ سے آیت ۸۴ تک ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: اے ابلیس تجھ کو اسے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (ابتداء) تکبر کرنے والوں میں سے تھا O اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا O فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا، کیونکہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے O اس نے کہا اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دے جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے O فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کی میعاد ہمیں معلوم ہے O اس نے کہا پس تیری عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا O ماسوا ان کے جو تیرے پر خلوص بندے ہیں O فرمایا یہ حق ہے اور میں حق ہی فرماتا ہوں O میں تجھ سے اور تیرے سب پیروکاروں سے جہنم بھردوں گا۔

قرآن مجید میں اتنا طویل کلام کسی نبی کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ ہم کلام ہونے سے کوئی شرف اور مقام حاصل ہوتا ہے تو از روئے قرآن زیادہ شرف اور مقام تو ابلیس لعین کو حاصل ہو گیا! اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا تھا، وہ براہ راست کلام فرمایا تھا اور ابلیس لعین سے فرشتوں کی وساطت سے کلام فرمایا تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہ طور انعام اور اکرام کلام فرمایا تھا اور ابلیس لعین سے بہ طور اہانت کلام فرمایا۔

ابلیس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا یا آسمان سے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہاں سے اتر"۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جنت سے اتر جا۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔ (جامع البیان، جز ۸، ص ۱۷۴، مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابلیس جنت عدن میں رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنا دی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہو گئی۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ زمین سے سمندروں کے جزیروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح داخل ہو سکے گا جس طرح چور داخل ہوتے ہیں۔ تاہم پہلی تفسیر راجح ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۷، ص ۱۵۶، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ

تھانوی نے لکھا ہے تو آسمان سے نیچے اتر' تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے (خاص کر) آسمان میں رہ کر۔

(بیان القرآن' ج ۱' ص ۳۱۵' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور' معارف القرآن' ج ۳' ص ۵۲۶' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۹۹۳ء)

علامہ قرطبی' شیخ تھانوی اور مفتی محمد شفیع نے جس تفسیر پر اعتماد کیا ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اترنے کا حکم دیا تھا یہ معتزلہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ معتزلہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جنت بنی ہوئی ہے اور حضرت آدم کا پتلا جنت میں تیار کیا گیا اور ابلیس جنت میں رہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت کا ابھی بنانا عبث ہے۔ جنت کو قیامت کے بعد بنایا جائے گا۔ اس لیے امام رازی نے لکھا ہے کہ بعض معتزلہ نے کہا کہ ابلیس کو آسمان سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے بعض معتزلہ فرمایا ہے' کیونکہ اکثر معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں کہ جنت بنائی جاچکی ہے اور ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تھا۔ مشہور معتزلی مفسر جار اللہ زمخشری متوفی ۵۲۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو آسمان سے اترنے کا حکم دیا (کشاف' ج ۲' ص ۹۰) اور ایک دوسرے معتزلی مفسر قاضی ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۳۶ھ نے لکھا ہے اس کو جنت سے اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (المحرر الوجیز' ج ۷' ص ۱۹' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

تواضع کرنے والے کے لیے سربلندی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی

اس آیت میں مذکور ہے کہ ابلیس نے تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم سے بڑا اور اچھا سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت سے نکال دیا اور فرمایا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے اور اس کے بعد کی آیت میں مذکور ہے کہ حضرت آدم نے (باوجود بھولے سے شجر ممنوع سے کھانے کے فعل پر) توبہ اور استغفار سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین کی خلافت انہیں سونپ دی اور ان کو اپنا نائب بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرے' اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اور بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور ذلیل کرتا ہے۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو۔ حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔ اور کوئی شخص کسی کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

(صحیح مسلم' صفۃ الجنۃ: ۶۴' (۲۸۶۵) ۷۰۷۴' سنن ابو داؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۸۹۵' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۱۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سبحانہ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے' اللہ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے' اور جو شخص اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ اس کو ایک درجہ پست کر دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے نچلے طبقہ میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۷۶' تہذیب تاریخ دمشق' ج ۴' ص ۲۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: اے لوگو! تواضع کرو' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے' اللہ اس کو سربلند کرتا ہے' اور فرماتا ہے سربلند ہو اللہ تجھے سربلند کرے۔ وہ خود اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے' اور لوگوں کے نزدیک بہت عظیم ہوتا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے' اللہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور فرماتا ہے: دفع ہو' وہ خود اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

(المعجم الاوسط' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۳۰۳' مطبوعہ مکتبہ المعارف' الریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے لیے تواضع کی'

اللہ اس کو سربلند کرتا ہے اور جس نے اس پر بڑائی ظاہر کی' اللہ اس کو پست کر دیتا ہے۔
(المعجم الاوسط' ج ٨' رقم الحدیث: ٧٠٧٧' الترغیب والترہیب' ج ٣' ص ٥٣٥' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٨٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) جس نے میرے لیے اس طرح تواضع کی یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا' میں اس کو اس طرح بلند کرتا ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی ہتھیلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔
(المعجم الصغیر' رقم الحدیث: ٦٤٥' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ٨٢' طبع قدیم' مجمع الزوائد' ج ٨' ص ١٥٧-١٥٦' طبع جدید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے ○ فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○ (الاعراف: ١٥-١٤)

اس بات کی تحقیق کہ ابلیس لعین کو کتنی زندگی کی مہلت دی ہے

جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے وہ حشر کا دن ہے اور اس دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئے گی۔ ابلیس لعین نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ وہ اس عمومی قاعدہ سے بچ جائے کہ "ہر شخص کو موت آنی ہے" اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: "تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○" اور سورۃ الحجر میں فرمایا ہے: "تجھے وقت معین تک مہلت دی گئی ہے"۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر: ٣٨-٣٧، ص ٨١-٨٠)

فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے ○ اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔

امام رازی' علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے ایک روایت کی بناء پر یہ کہا ہے کہ الوقت المعلوم سے مراد نفخہ اولیٰ ہے۔ یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور سب لوگوں کو موت آئے گی تو اس کو بھی موت آجائے گی اور ابلیس لعین کو بھی معلوم تھا کہ اس کو نفخہ اولیٰ تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

امام ابن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو یوم حشر تک مہلت نہیں دی لیکن اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے اور یہ وہ دن ہے جس دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور آسمان و زمین کی ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ سو وہ بھی مر جائے گا۔ (جامع البیان' جز ٨' ص ١٧٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اگر وقت معلوم سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابلیس لعین کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس دن مرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی سنت کے خلاف ہے۔ وہ کسی مخلوق کو اس بات پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس نے کس دن مرنا ہے ورنہ انسان تمام عمر گناہ کرتا رہے اور مرنے سے صرف ایک دن پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لے تو اس طرح اگر ابلیس لعین کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اس دن مرے گا جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا تو وہ ساری عمر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا اور مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کر لیتا۔ امام رازی متوفی ٦٠٦ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دن بھی توبہ نہیں کرے گا۔ لہٰذا صرف موت کے دن کے علم سے اس کا گمراہ کرنے پر دلیر ہونا لازم نہیں آتا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے معصوم ہونے کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ کسی گناہ پر دلیر ہونا تو کجا اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔
(تفسیر کبیر' ج ٥' ص ٢١١' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا زیادہ واضح جواب یہ ہے کہ اگر ابلیس لعین کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کو پہلے صور پھونکنے کے دن تک مہلت دی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اپنے مرنے کا دن معلوم ہو جائے کیونکہ یہ کسی کو

معلوم نہیں کہ صور کب پھونکا جائے گا اور قیامت کب آئے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وقت معلوم سے مراد نفخہ اولی ہے۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ابلیس لعین کو بھی یہ معلوم ہو کہ وقت معلوم سے مراد نفخہ اولی ہے حتیٰ کہ اس کو اپنے مرنے کے دن کا علم ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ صرف سدی کا قول ہے کہ وقت معلوم سے مراد نفخہ اولی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہے اور نہ کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور سدی غیر معتبر شخص ہے۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس نے ابلیس لعین کو کب تک زندہ رہنے کی مہلت دی ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کو یوم حشر تک کی مہلت نہیں دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا رہوں گا۔ (الاعراف: ۱۶)

اغوا کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کا یہ قول نقل فرمایا کہ اے رب تو نے مجھے اغواء کیا یعنی گمراہ کیا۔ اس لیے ہم اغواء کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: (اغواء غوی سے بنا ہے اور) جہالت کی وجہ سے کبھی تو انسان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں ہوتا' صحیح نہ فاسد اور کبھی جہالت کی وجہ سے انسان کا فاسد عقیدہ ہوتا ہے اس کو غی اور غوایت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى (النجم: ۲)
تمہارے پیغمبر نہ گمراہ ہوئے اور نہ ان کا فاسد عقیدہ تھا۔

اس کا معنی عذاب بھی ہے کیونکہ عذاب غوایت کے سبب سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم: ۵۹)
وہ عنقریب عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔

اس کا معنی ناکامی' نامرادی اور محرومی بھی آتا ہے۔

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰہٰ: ۱۲۱)
آدم نے اپنے رب کی (بہ ظاہر) نافرمانی کی تو وہ (جنت سے) محروم ہو گئے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف اغوا کی نسبت ہو تو اس کا معنی گمراہی کی سزا دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (ھود: ۳۴)
اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ نے تمہیں تمہاری گمراہی پر عذاب پہنچانے کا ارادہ فرمالیا ہو حالانکہ وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۴۷۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید اور احادیث میں اغواء کا لفظ زیادہ تر گمراہ کرنے کے معنی میں وارد ہے۔ احادیث میں یہ مثالیں ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يعصهما فَقَدْ غَوٰى۔
جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم' الجمعہ' رقم الحدیث: ۴۸' مسند احمد' ج ۴' ص ۲۵۶' دار الفکر' طبع قدیم)

حدیث معراج میں ہے حضرت جبرئیل نے آپ سے کہا:

لواخذت الخمر غوت امتک۔ اگر آپ خمر (انگور کی شراب) لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۹۴' صحیح مسلم 'الایمان' ۲۷۲' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۸۲)

ابلیس لعین کا جبر اور قدر میں حیران ہونا اور جبر و قدر میں صحیح مذہب

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس قول کا ذکر سورۃ الحجر اور سورہ ص میں بھی فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر: ۴۰-۳۹)

اس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا تو میں ضرور ان کے لیے زمین میں (برے کاموں کو) خوش نما بنا دوں گا' اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا○ ماسوا تیرے ان بندوں کے جو صاحب اخلاص ہیں○

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص: ۸۳-۸۲)

اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا○ ماسوا تیرے ان بندوں کے جو صاحب اخلاص ہیں۔

ابلیس لعین نے اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے اور اپنی طرف بھی گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبر کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یعنی ہر کام اللہ کرتا ہے اور مخلوق مجبور محض ہے' اور اپنی طرف گمراہ کرنے کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدر کا عقیدہ رکھتا تھا یعنی انسان اور جن ہر فعل کے خالق ہیں اور ان کے افعال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے' سو وہ جبر اور قدر میں متردد تھا اور اس وادی میں حیران اور سرگشتہ تھا۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی فعل کا کسب اور ارادہ انسان کرتا ہے اور اس ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا فرماتا ہے۔ سو اللہ عزوجل خالق ہے اور انسان کاسب اور صاحب اختیار ہے اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نیک اور اچھے افعال کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کرے اور برے افعال کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا عطا فرماتا ہے۔

ابلیس لعین نے عمداً نافرمانی کی اور تکبر کیا اور پھر کہا بما اغویتنی تو نے مجھے گمراہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھولے سے خطا ہو گئی پھر بھی عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ابلیس لعین کی اکڑ اور بے ادبی کی وجہ سے اس کو راندہ درگاہ کیا اور قیامت تک کے لیے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈالا اور حضرت آدم علیہ السلام کے ادب اور ان کی تواضع کی وجہ سے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین پر ان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے کہا) پھر میں لوگوں (کو بھٹکانے کے لیے ضرور ان) کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (الاعراف: ۱۷)

ابلیس لعین کا صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی کرنا

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شیطان کو علم تھا کہ صراط مستقیم کیا ہے اور وہ لوگوں کو اس صحیح رستہ اور منہج قویم سے

بھٹکانے کے لیے دن رات ہمہ وقت کوشش کرتا رہتا ہے اور اس سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔

امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان ابن آدم کے تمام راستوں میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کو اسلام کے راستہ سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے تم اسلام قبول کرو گے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے؟ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر اس کو ہجرت کرنے کے راستہ سے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے تم ہجرت کرو گے اور اپنے وطن کی زمین اور آسمان کو چھوڑ دو گے! اور مہاجر کی مثال تو کھونٹے سے بندھے ہوئے اس گھوڑے کی طرح ہے جو ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہو اور اس کھونٹے کی حدود سے نکل نہ سکتا ہو۔ وہ شخص اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کر لیتا ہے۔ پھر شیطان اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے وہ اس شخص سے کہتا ہے کہ تم جہاد کرو گے اور اپنی جان اور مال کو آزمائش میں ڈالو گے' اگر تم جہاد کے دوران مارے گئے تو تمہاری بیوی کسی اور شخص سے نکاح کر لے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور جہاد کرنے چلا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سو جس شخص نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جو مسلمان قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جو مسلمان غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جس مسلمان کو اس کی سواری نے ہلاک کر دیا اللہ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے۔

(سنن نسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۱۳۴' صحیح ابن حبان' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۴۵۹۳' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۸۳' دارالفکر' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۵۹۵۸' دارالفکر' طبع جدید' مسند احمد' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۵۹۰۰' دارالحدیث القاہرہ' شیخ احمد شاکر نے اس کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ المعجم الکبیر' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۵۸' موارد الظمآن' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۶۰۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ الاصابہ' ج ۲' ص ۱۵' دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

ابلیس لعین کا چار جہات سے حملہ آور ہونا اور اس سے تدارک کی دعا

ابلیس لعین نے کہا تھا کہ میں (لوگوں کو بہکانے کے لیے) ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: سامنے سے مراد یہ ہے کہ میں ان کی دنیا کے متعلق وسوسے ڈالوں گا۔ اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ ان کی آخرت کے متعلق وسوسے ڈالوں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کے دین میں شبہات ڈالوں گا اور بائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کو گناہوں کی طرف راغب کروں گا۔

قتادہ نے کہا کہ سامنے سے آنے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو یہ خبر دوں گا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے' نہ جنت ہے' نہ دوزخ ہے اور پیچھے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لیے دنیا کو مزین کروں گا اور انہیں اس کی دعوت دوں گا۔ دائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کی نیکیوں کو ضائع کرنے کی کوشش کروں گا اور بائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لیے برائیوں کو مزین کروں گا اور انہیں ان کی دعوت دوں گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ابن آدم کے اوپر سے آنے کی کوئی راہ نہیں دی کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۹۱-۱۷۹' ملخصاً' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چونکہ ابلیس لعین انسان پر سامنے 'پیچھے' دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کے تدارک کے لیے اپنے عمل سے ہمیں اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح اور شام کے وقت ان دعاؤں کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے:

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میں اپنے دین اور اپنی دنیا اور اپنے اہل اور اپنے مال میں تجھ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ' اے اللہ! مجھے میرے سامنے سے' اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے محفوظ رکھ اور میں اس سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد زمین میں دھنسنا ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۰۷۴' سنن نسائی' ج ۸' رقم الحدیث: ۵۵۴۴' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۷۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۹۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۰' ص ۲۴۰' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۵' المعجم الکبیر' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۲۹۶' المستدرک' ج ۱' ص ۵۱۸-۵۱۷' موارد الظمآن' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۳۵۶)

ابلیس لعین کے اس دعویٰ کا سبب کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوں گے

اس کے بعد ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے کہا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

ابلیس نے انسانوں کے متعلق جو گمان کیا تھا کہ ان میں سے اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہوں گے' سو انسانوں نے بعد میں اس کے گمان کو سچ کر دکھایا اور فی الواقع اکثر انسان ناشکرے اور کافر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (سبا: ۲۰)

اور بے شک ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا سو مومنوں کے ایک گروہ کے سوا سب انسانوں نے اس کی پیروی کی۔

اب یہاں پر ایک یہ بحث ہے کہ ابلیس نے یہ قول یقین اور جزم سے کیا تھا یا یہ اس کا محض گمان تھا۔ اگر یہ اس نے یقین سے کہا تھا تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے کسی طرح یہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ یا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سن لیا تھا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا: ۱۳)

میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔

یا جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ خبر دی کہ میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں تو اس نے سن لیا تھا۔ یا اس نے فرشتوں سے یہ بات سن لی تھی یا جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کیا تو اس کو زمین میں بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا تو اس سے اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اکثر انسان شکر گزار نہیں ہوں گے۔

اور یا یہ قول محض ابلیس کا گمان تھا اور گمان کا منشاء یہ تھا کہ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہکا سکتا ہے تو ان کی اولاد کو بہکانا تو اس کے لیے آسان تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی انیس قوتیں ہیں جن کا تعلق لذات جسمانیہ سے ہے اور ایک قوت عقل ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ وہ انیس قوتیں یہ ہیں: پانچ حواس ظاہرہ' پانچ حواس باطنہ' اور شہوت اور غضب اور سات دیگر قوتیں ہیں جاذبہ' ممسکہ' ہاضمہ' دافعہ' غاذیہ' نامیہ اور مولدہ۔ اور ابلیس لعین کے نزدیک یہ آسان تھا کہ وہ انیس

قوتوں کے تقاضوں کو بھڑکائے اور ایک قوت کے تقاضوں کو کم کرے۔ اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا یہاں سے ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا' البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ (الاعراف: ۱۸)

کیا تمام اہل بدعت اور گمراہ فرقے دوزخی ہیں؟

جب ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ چیلنج دیا کہ وہ اصحاب اخلاص کے سوا سب لوگوں کو گمراہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہاں سے مذءوم اور مدحور ہو کر نکل جا۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ مذءوم کا معنی ہے مذموم' جس کی مذمت کی گئی ہو اور مدحور کا معنی ہے دور کیا ہوا۔ (المفردات' ج ا' ص ۲۲۳' ۲۲۱' طبع بیروت) وہ کس چیز سے دور کیا ہوا ہے' مفسرین نے اس کی متقارب تفسیریں کی ہیں' یعنی اللہ کی رحمت سے دور کیا ہوا' یا جنت سے دور کیا ہوا یا توفیق سے دور کیا ہوا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اصحاب بدعات اور اصحاب ضلالات جہنم میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ سب ابلیس کے تابع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: البتہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ (الاعراف: ۱۸)

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ابلیس کے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہر ہر پیروکار کو جہنم میں ڈال دے گا۔ اس لیے جو اہل بدعت اور اصحاب ضلالت اپنی بدعت اور ضلالت سے کفر تک پہنچ گئے ہوں گے وہ دوام اور خلود کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے اور جن کی بدعت اور ضلالت کفر سے کم درجہ کی ہوگی' وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں' وہ چاہے تو انہیں کچھ سزا دینے کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرما دے گا اور اگر وہ چاہے تو انہیں ابتداء جنت میں داخل کر دے گا۔ جس طرح فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکبین بھی ابلیس کے پیروکار ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ تمام فساق کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ بعض فساق کو کچھ عرصہ کے عذاب کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا اور بعض فساق کو اپنے فضل سے معاف فرما دے گا اور بعض کو نبی ﷺ کی شفاعت سے معاف فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور ابتداء جنت میں داخل فرما دے گا۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اور اے آدم: تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں رہو، سو جہاں سے چاہو تم دونوں کھاؤ،

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور (قصداً) اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ○

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ (انجام کار) ان دونوں کی جو شرم گاہیں ان سے چھپائی ہوئی تھیں

سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ

ان کو ظاہر کر دے اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ

اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ

کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ○ اور اس نے ان سے

اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

قسم کھا کر کہا بیشک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○ پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکا لیا پس جب انہوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

اس درخت سے چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے،

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ

اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے

تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

منع نہیں کیا تھا، اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بیشک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟ ○

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ فرمایا اترو، تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں، اور تمہارے لیے

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ

زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے ○ فرمایا تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے،

ع ٢ ١٥ ٩ — وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور اسی زمین میں مرو گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ (دونوں) جنت میں رہو' سو جہاں سے چاہو تم دونوں کھاؤ اور (قصداً) اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ (الاعراف: ١٩)

ابلیس لعین کو جنت سے نکالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو جنت میں سکونت عطا فرمائی اور ایک معین درخت سے ان کو کھانے سے منع فرمایا اور اس ممانعت کا معنی یہ تھا کہ وہ قصد اور ارادہ سے اس درخت سے نہ کھائیں' اگر وہ بالفرض قصد اور ارادہ سے اس درخت سے کھاتے تو وہ معاذ اللہ ظالموں میں سے ہو جاتے لیکن انہوں نے نسیان اور اجتہادی خطا سے اس درخت سے کھایا اس لیے ظالموں سے نہیں تھے اور نہ ان کا یہ فعل گناہ تھا اور ان کا اس پر توبہ اور استغفار کرنا محض ان کی تواضع اور انکسار تھا۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام بلند تھا اور ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ تھا کہ بھولے سے ممنوع کام کیا پھر بھی توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق کے لیے البقرہ: ٣٥ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ (انجام کار) ان دونوں کی جو شرم گاہیں ان سے چھپائی ہوئی تھیں' ان کو ظاہر کر دے' اور اس نے کہا تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ' یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ○ اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں○ پھر فریب سے انہیں (اپنی طرف) جھکا لیا' پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں' اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟○ دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○ فرمایا اترو' تم میں سے بعض' بعض کے دشمن ہیں' اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے○ فرمایا تم اسی زمین میں زندگی گزارو گے' اور اسی زمین میں مرو گے اور اسی زمین سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے○ (الاعراف: ٢٥-٢٠)

ابلیس کی وسوسہ اندازی' حضرت آدم کا زمین پر آنا اور توبہ کرنا

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ابلیس لعین کو جنت سے نکال دیا گیا تھا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے دلوں میں وسوسہ کس طرح ڈالا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے کے لیے دونوں کا ایک جگہ پر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابلیس زمین پر رہتے ہوئے آسمان اور جنت میں رہنے والوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جنت کے دروازے کے قریب کھڑے تھے اور ابلیس لعین جنت کے دروازہ پر کھڑا تھا اور اس نے وہاں سے وسوسہ ڈالا اور تیسرا جواب ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے۔ یہ وہب بن منبہ کی روایت ہے۔ جس کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر' علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر نے اس کو اپنی اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ٢١١ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا' اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لیے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ سانپ جنت میں

داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اور اس کو حضرت حوا کے پاس لے کر آیا اور ان سے کہا دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے۔ اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے۔ اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حواء نے اس درخت سے کھا لیا۔ پھر اس کو حضرت آدم کے پاس لے کر گئیں اور کہا دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے' کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم نے بھی اس سے کھا لیا۔ پھر ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر حضرت آدم (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے تو ان کو ان کے رب نے ندا فرمائی اے آدم! تم کہاں ہو؟ انہوں نے کہا: اے رب! میں یہاں ہوں۔ فرمایا تم اس سے باہر نہیں آتے؟ عرض کیا: اے رب مجھے تجھ سے حیا آتی ہے! پھر حوا سے فرمایا: تم نے میرے بندہ کو دھوکا دیا! تم کو جب بھی حمل ہو گا تو تم کو تکلیف ہو گی' اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آ جائے گا! اور سانپ سے فرمایا تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا' اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہو گا' تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہب سے کسی نے پوچھا کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق' ج ١' ص ٣١٦' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ١٤١١ھ' جامع البیان' ج ۱' ص ٣٣٧-٣٣٦' دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ' الجامع لاحکام القرآن' ج ١' ص ٢٩٥-٢٩٣' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو منع فرمایا تھا' گندم کا تھا۔ جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ وہ ان کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے تھے۔ حضرت آدم پیٹھ موڑ کر جنت کی طرف چل دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ندا فرمائی: اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو' انہوں نے کہا: نہیں! اے رب! لیکن اے رب تیری عزت کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ کوئی شخص تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے' فرمایا میں تم کو ضرور زمین کی طرف اتاروں گا اور تم کو روزی مشقت سے حاصل ہو گی۔ پھر حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین کی طرف اتار اگیا اور انہیں لوہے کی صنعت کی تعلیم دی اور انہیں کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ انہوں نے فصل اگائی اور اس میں پانی دیا۔ پھر فصل پکنے کے بعد دانہ کو کوٹا اور اس کو بھوسے سے الگ کیا' پھر اس کو پیسا' پھر آٹا گوندھا' پھر روٹی پکائی۔ (جامع البیان' جز ٨' ص ١٨٨-١٨٧' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم نے اس درخت سے کھا لیا تو ان سے کہا گیا آپ نے اس درخت سے کیوں کھایا؟ جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا: مجھ سے حوا نے کہا تھا۔ فرمایا: میں نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس کو حمل بھی مشقت سے ہو گا اور وضع حمل بھی مشقت سے ہو گا۔ اس وقت حوا رونے لگیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم اور تمہاری اولاد روتی رہے گی۔ (جامع البیان' جز ٨' ص ١٨٩' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں؟ فرمایا پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرما دی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی' وہ یہی تھے ربنا ظلمنا

انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین O

(جامع البیان' جز ۸' ص ۱۹۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت آدم کے فرشتہ اور دائمی بننے کی طمع پر اعتراضات اور ان کے جوابات

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں فرشتہ بننے کی خواہش کس طرح پیدا کی۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام دیکھ چکے تھے کہ فرشتوں نے تو حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اعتراف کیا تھا اور ان کو سجدہ کیا تھا۔ نیز کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے نبی سے افضل ہوتے ہیں ورنہ حضرت آدم فرشتے بننے کی طمع میں اس ممنوع درخت سے نہ کھاتے!

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات مفضول میں وہ وصف ہوتا ہے جو افضل میں نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم فرشتہ اس لیے بننا چاہتے ہوں کہ ان کو بھی فرشتوں کی طرح قدرت اور قوت حاصل ہو جائے یا وہ بھی فرشتوں کی طرح اپنی خلقت میں جوہر نورانی ہو جائیں یا وہ بھی فرشتوں کی طرح عرش اور کرسی کے ساکنین میں سے ہو جائیں!

دوسرا سوال یہ ہے کہ ابلیس لعین نے یہ کہا تھا کہ آپ اس درخت سے کھا کر ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور حضرت آدم نے اس کی طمع میں اس درخت سے کھایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور اس سے موت اور قیامت کا انکار لازم آتا ہے اور یہ کہ دوام اور خلود تو حشر کے بعد ہوگا۔ حشر سے پہلے خلود کا عقیدہ رکھنا کفر ہے سو موت سے اور قیامت سے پہلے خلود کی طمع کرنا کفر ہے اور اس سے العیاذ باللہ حضرت آدم علیہ السلام کا کفر لازم آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چند لوگوں کے خلود سے قیامت کا انکار لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر: ۶۸)

اور صور پھونکا جائے گا تو سب آسمانوں والے اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے گا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خلود کا معنی طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی معنی مراد لیا ہو۔ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے یہ یقین نہیں کیا تھا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور نہ یہ ان کا گمان تھا انہوں نے محض وفور شوق سے اس شجر ممنوع سے کھا لیا۔

آیا شجر ممنوع سے کھانا گناہ تھا؟ اگر گناہ نہیں تھا تو سزا کیوں ملی؟ اور آدم و ابلیس کے معرکہ میں کون کامیاب رہا؟

ایک سوال یہ ہے کہ اس درخت سے کھانے کی ممانعت تنزیہاً نہیں تھی' تحریماً تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم دونوں نے (قصداً) اس درخت سے کھایا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور جس کام کا ارتکاب ظلم ہو وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ اور گناہ کبیرہ عصمت نبوت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابلیس لعین سے حضرت آدم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا اور ان کے دل میں اس کو کھانے کا شوق پیدا ہوا تو وفور شوق میں وہ یہ بھول گئے کہ اس سے کھانے کی ممانعت تحریماً تھی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ یہ ممانعت تنزیہاً تھی۔ اس لیے آپ کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور نسیان پر مبنی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے (اس درخت

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کے قریب نہ جانے کا) عہد لیا تھا' سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کا) قصد نہ پایا۔

اور اجتہادی خطا اور نسیان گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آیا' اور ان کا توبہ اور استغفار کرنا ان کی تواضع اور انکسار ہے' اور ان کی ندامت اور شرمندگی اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس ممانعت کو کیوں بھول گئے' اس کو یاد کیوں نہیں رکھا۔ ہرچند کہ بھول چوک سے بچے رہنا انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے لیکن ان کے بلند مقام کے اعتبار سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک آن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہ رکھنا یا کسی چیز کے شوق سے اس قدر مغلوب ہونا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یاد نہ رہے۔ یہ بھی تقصیر ہے اور وہ اسی بنا پر ندامت اور شرمندگی سے روتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ تاہم آپ کا یہ فعل گناہ نہیں تھا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ پھر آپ کو سزا کیوں ملی اور کپڑے کیوں اتر گئے اور جنت سے کیوں اتارے گئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس درخت سے کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے تو ہرچند کہ اس کا یہ فعل گناہ نہیں ہے لیکن زہر کھانے کے بعد لازماً اس کی موت واقع ہو جائے گی کیونکہ زہر کھانے کا لازمی اثر اور نتیجہ موت ہے۔ سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شجر کو بے لباس ہونے کا سبب بنایا تھا تو خواہ آپ نے بھولے سے اس شجر کو کھایا' لیکن بے لباس ہونے کا لازمی اثر اور نتیجہ اس پر مرتب ہو گیا۔ یہ کوئی سزا نہیں تھی۔ اور رہا جنت سے اتر کر زمین پر آنا تو وہ آپ نے بہرحال زمین پر آنا تھا۔ کیونکہ آپ کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ آپ زمین پر اللہ کے خلیفہ اور نائب بنیں' اور یہ نہ کہا جائے کہ اس معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور آپ ناکام ہو گئے۔ کیونکہ ابلیس تو جنت میں صرف آپ کا عارضی قیام برداشت نہیں کر رہا تھا اور آپ زمین پر اس لیے آئے کہ زمین پر اپنی اولاد میں سے اپنے پیروکاروں کو قیامت کے دن دائمی طور پر اپنے ساتھ لے کر جنت میں جائیں۔ سو آپ اپنی بے شمار اولاد کے ساتھ دوام اور ہمیشگی کے لیے جنت میں جائیں گے اور ابلیس اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ سو اس معرکہ کے نتیجہ میں کامیاب حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ناکام ابلیس لعین ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ

اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ

اور تقویٰ کا لباس، وہی سب سے بہتر لباس ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ

حاصل کریں ○ اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کردے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ

جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا (اور) ان کے لباس اترنے کا سبب بنا تھا تاکہ انجام کار وہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک وہ

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ

(شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے ، بے شک ہم نے شیطانوں کو ان

اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا

لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے ○ اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ

ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے ، آپ کہیے بے شک اللہ

بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

بے حیائی کا حکم نہیں دیتا ، کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے ○ آپ کہیے کہ میرے رب نے

بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

انصاف کا حکم دیا ہے ، اے لوگو! ہر نماز کے وقت اپنا رُخ ٹھیک رکھو اور اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا

اسی کی عبادت کرو ، جس طرح اس نے تم کو ابتداءً پیدا کیا ہے ، اسی طرح تم لوٹو گے ○ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ

گمراہی پر ڈٹا رہا ، انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا

لیا ، اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں ○ اے اولادِ آدم ! ہر عبادت

زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ

کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو ، اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو ، بے شک اللہ

۳ع ۱۰

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع

فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے اور تقویٰ کا لباس وہی سب سے بہتر لباس ہے' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○ (الاعراف: ۲۶)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

لباس: یہ لبس سے بنا ہے۔ لبس کا اصل معنی ہے کسی شئے کو چھپا لینا۔ ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیز کو چھپا لے' اس کو لباس کہتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کو قبیح چیزوں سے چھپا لیتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی عفت کی حفاظت کرتے ہیں اور خلاف عفت چیزوں سے ایک دوسرے کے لیے مانع ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

(البقرہ: ۱۸۷)

لباس سے انسان کی زینت ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے فرمایا ہے لباس التقویٰ۔ تقویٰ کا معنی ہے برے عقائد اور برے اعمال کو ترک کرنا اور پاکیزہ سیرت کو اپنانا۔ جس طرح کپڑوں کا لباس انسان کو سردی' گرمی اور برسات کے موسموں کی شدت سے محفوظ رکھتا ہے' اسی طرح تقویٰ کا لباس انسان کو اخروی عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۵۷٦' مع توضیح' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ریش: ریش پرندہ کے پر کو کہتے ہیں اور چونکہ پر' پرندے کے لیے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیے لباس' اس لیے انسان کے لباس کو بھی ریش کہتے ہیں اور ریش سے زینت اور خوبصورتی کا معنی بھی مراد ہوتا ہے۔

(المفردات' ج ۱' ص ۲۷۱' مطبوعہ مکہ مکرمہ)

لایفتننکم: کہیں تم کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔ فتنہ کا معنی ہے ابتلا اور امتحان۔ جس طرح ابلیس نے حضرت آدم اور حوا کو شجر ممنوع کی طرف مائل کر کے اس کو کھانے یا نہ کھانے کی آزمائش میں ڈال دیا تھا' اسی طرح وہ تم کو بھی ممنوع کاموں کی طرف راغب کر کے آزمائش میں نہ ڈال دے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ جب ان کی شرم گاہ کھل گئی تو وہ اس کو درخت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس سے لوگ اپنی شرم گاہوں کو چھپائیں اور اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے لباس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی ستر پوشی پر قادر فرمایا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس کو نازل فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ لباس کے مادی اجزاء مثلاً کپاس وغیرہ کو پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں حضرت آدم اور حضرت حوا کو زمین پر اترنے کا حکم دیا اور زمین کو ان کے لیے جائے قرار بنایا۔ اب یہ بتایا ہے کہ زمین پر رہنے کے لیے انسان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے' وہ سب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے دین اور دنیا کی ضروریات پوری کرنے کے لیے لباس ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔

لباس کی نعمت پر شکر ادا کرنا

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: قریش بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور کوئی شخص طواف کے وقت کپڑے نہیں پہنتا تھا۔(جامع البیان' جز ٨' ص ١٩٣' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہلاء عرب کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ شرم گاہ کھلی رکھنا بہت بے شرمی کی بات ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جب شرم گاہ کھل گئی تو وہ اپنی شرم گاہ کو پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ لباس نازل فرمایا سو اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم کا ایک کپڑا خریدا۔ آپ نے اس کو پہننے کے بعد کہا: اللہ کے لیے حمد ہے جس نے مجھے ایسا لباس عطا کیا جس سے میں لوگوں میں جمال حاصل کروں اور اس سے اپنی شرم گاہ کو چھپاتا ہوں' پھر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔

(مسند احمد' ص ١٥٧' تفسیر ابن ابی حاتم' ج ٥' ص ٧٥' ١٤٠٥' مکتبہ نزار مصطفیٰ' در منثور' ج ٣' ص ٤٣٥)

مرد اور عورت کی شرم گاہوں کے مصادیق میں مذہب فقہاء

انسان کی شرم گاہ' جس کا چھپانا فرض ہے' اس کے مصداق میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ ابن ابی ذئب' داؤد ظاہری' (غیر مقلدین کے امام) ابن ابی عبلہ اور ابن جریر طبری کا موقف یہ ہے کہ مرد اور عورت کے صرف بول و براز (پیشاب' پاخانہ) کی جگہ شرم گاہ ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے لباسا یواری سواتکم (الاعراف: ٢٦)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر میں گئے۔ ہم نے وہاں منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میں بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں گھوڑے کو دوڑایا۔ اس وقت میرا گھٹنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے مس کر رہا تھا' پھر آپ نے اپنی ران سے چادر ہٹائی حتیٰ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی کی طرف دیکھتا رہا۔ (الحدیث)

(صحیح بخاری' ج ١' رقم الحدیث: ٣٧١' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٢ھ)

اس حدیث سے ان علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ ران شرم گاہ نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ ناف شرم گاہ نہیں ہے اور کوئی شخص اپنی بیوی کے سامنے اپنی ران کو عریاں کرے تو میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ امام شافعی نے کہا صحیح یہ ہے کہ ناف اور گھٹنے شرم گاہ نہیں ہیں۔

ناف کے شرم گاہ نہ ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

عمیر بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ ہماری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ نے حضرت حسن سے کہا: مجھے اپنی قمیص اٹھا کر دکھاؤ' میں تمہیں اس جگہ بوسہ دوں گا جہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ناف پر بوسہ دیا۔

(مسند احمد' ج ٣' ص ٢٥٥' ٢٩٣' دار الفکر' طبع قدیم' شیخ احمد شاکر' متوفی ١٣٧٦ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد'

ج ۷، رقم الحدیث: ۷۴۵۵، دار الحدیث قاہرہ، امام طبرانی کی روایت میں ہے حضرت حسن نے پیٹ کھولا اور ناف پر ہاتھ رکھا۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۷، المستدرک، ج ۳، ص ۱۶۸)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر ناف شرم گاہ ہوتی اور اس کا چھپانا واجب ہوتا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ کو اپنی ناف دکھاتے نہ حضرت ابو ہریرہ ان کی ناف کو بوسہ دیتے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کی ناف سے لے کر گھٹنے تک پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے۔ ناف شرم گاہ نہیں ہے اور گھٹنا شرم گاہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھٹنوں کے اوپر کا حصہ شرم گاہ ہے اور ناف کا نچلا حصہ شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۲۹۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھٹنا شرم گاہ ہے۔

(سنن دار قطنی، ج ۱، رقم الحدیث: ۸۷۸، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ غزوہ خیبر میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ران پر سے کپڑا ہٹایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ غیر ارادی طور پر آپ کا ہاتھ لگ گیا ہو اور حضرت انس نے اس سے یہ سمجھا کہ آپ نے دانستہ ران سے کپڑا ہٹایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس، جرہد اور محمد بن جحش رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ران شرم گاہ ہے اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا۔ حضرت انس کی حدیث سند کے لحاظ سے راجح ہے اور حضرت جرہد کی حدیث احتیاط کے لحاظ سے راجح ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، باب ۱۲، ما یذکر فی الفخذ)

اور عورت کا پورا جسم شرم گاہ ہے اور واجب الستر ہے ماسوا اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت (مکمل) واجب الستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانک کر دیکھتا ہے۔

(سنن ترمذی، ج ۲، رقم الحدیث: ۱۱۷۶، مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

زید بن قنفذ کی والدہ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا: دوپٹہ میں اور اتنی لمبی قمیص میں جو اس کے پیروں کی پشت کو چھپالے۔

(سنن ابو داؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۶۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو داؤد نے قتادہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو اس کے چہرے اور پہنچوں تک ہاتھوں کے سوا کسی عضو کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(نصب الرایہ، ج ۱، ص ۲۹۹، حیدر آباد دکن، فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۶۶، دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں نہ مبتلا کر دے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا اور ان کے لباس اترنے کا سبب بنا تھا تاکہ انجام کار وہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے، بے شک وہ

(شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے' بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (الاعراف: ۲۷)

حضرت آدم کے جنت سے باہر آنے کا سبب ان کا خلیفہ بننا تھا یا شجر ممنوع سے کھانا

انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بعد کے لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں پر عمل پیرا ہوں اور راہ حق میں ان کی دی ہوئی قربانیوں کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ یہاں پر یہ بتلانا ہے کہ ابلیس لعین کی وسوسہ اندازیوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو خبردار رہنا چاہیے۔ وہ جنت سے ان کے ماں باپ کے اخراج کا سبب بن چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی اولاد بھی اس کی فریب کاریوں اور کفر و شرک اور گناہوں کو زینت دینے اور ان کی طرف مائل کرنے کی وجہ سے کفر و شرک یا حرام کاموں میں مبتلا ہو جائیں اور اس کے نتیجہ میں جنت سے عارضی یا دائمی طور پر محروم ہو جائیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے بہکانے پر شجر ممنوع سے کھانے کی وجہ سے حضرت آدم کو جنت سے زمین کی طرف بھیجا گیا اور سورہ بقرہ: ۳۰ میں فرمایا ہے: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت کی وجہ سے زمین پر بھیجے گئے اور بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا سبب حقیقی کار خلافت انجام دینا ہے اور سبب ظاہری شجر ممنوع سے کھانا ہے۔

جنات کے انسانوں کو دیکھنے اور انسانوں کے جنات کو نہ دیکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ انسانوں کو دیکھتا ہے اور انسان اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین میں ایسی قوت ادراک پیدا کی ہے جس کی وجہ سے وہ انسانوں کو دیکھ لیتے ہیں اور عام انسان میں ایسی قوت ادراک پیدا نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنات اور شیاطین کو دیکھ سکیں۔ کیونکہ جنات اور شیاطین کے جسم لطیف ہیں۔ اس لیے ان کی شعاع بصر بہت قوی ہے وہ اجسام لطیفہ اور اجسام کثیفہ دونوں کو دیکھ لیتی ہے اور عام انسانوں کے اجسام کثیف ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی شعاع بصر لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام بہ طور معجزہ اور اولیاء کرام بہ طور کرامت جنات اور شیاطین کو دیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے ہم نے کہا ہے کہ عام انسان جنوں کو نہیں دیکھ سکتے یعنی خاص انسان ان کو دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کو مسخر کر دیا تھا اور وہ ان سے سخت مشقت والے اور کٹھن کام لیتے تھے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سبا: ۱۳-۱۲)

اور بعض جنات میں سے سلیمان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے سامنے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے اور (انہیں بتا دیا کہ) ان میں سے جو ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ سلیمان جو کچھ چاہتے تھے' وہ ان کے لیے بناتے تھے' اونچے قلعے' اور مجسمے' حوض کی مثل بڑے بڑے ٹب اور (چولہوں پر) گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی شیطان کو دیکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز فاسد کردے میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں۔ حتیٰ کہ صبح کو تم سب اس کو دیکھ لیتے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: بے شک اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ میرے منہ پر مارنے کے لیے آیا' میں نے تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت تامہ کرتا ہوں' وہ پیچھے نہیں ہٹا تو میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے) پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو۔ (ص: ۳۵) پھر آپ نے اس کو ناکام واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۴۶۱' ۱۲۱۰' ۳۲۸۴' صحیح مسلم' المساجد: ۳۹' (۵۴۱) ۱۱۸۹' ۴۰' (۵۴۲) ۱۱۹۰' سنن النسائی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۴۹)

حضرت ابو ہریرہ نے بھی شیطان کو دیکھا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مجھے مامور فرمایا' پھر ایک شخص میرے پاس آیا اور وہ مٹھی بھر کر اناج لے جانے لگا' میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا بخدا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا میں محتاج ہوں' میرے اہل و عیال ہیں اور مجھے سخت ضرورت ہے۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے نبی ﷺ نے پوچھا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا' میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے مجھ سے سخت ضرورت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ پھر آئے گا۔ سو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا وہ پھر آئے گا۔ سو میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور وہ دوسری رات مٹھی بھر اناج اٹھا کر لے جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھ کو ضرور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو' میں محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کی ذمہ داری ہے۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت حاجت اور عیال کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں تیسری رات پھر اس کی گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آکر اناج اٹھایا اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا تین بار ہو چکی ہے' میں تجھ کو پکڑ کر ضرور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ تو کہتا ہے میں نہیں آؤں گا اور تو پھر آجاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں چند ایسے کلمات بتاؤں گا' جن سے اللہ تعالیٰ تم کو نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو پوری آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے گزشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا اس نے کہا تھا میں تمہیں چند ایسے کلمات سکھاؤں گا جن کی وجہ سے اللہ تمہیں نفع دے گا۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا اس نے مجھ سے کہا: جب تم بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو اول سے آخر تک آیۃ الکرسی پڑھو اور اس نے مجھ سے کہا پھر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان

تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ اور صحابہ نیکی پر بہت حریص تھے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا ہرچند کہ وہ جھوٹا ہے، لیکن یہ بات اس نے سچ کہی ہے۔ اے ابوہریرہ! کیا تم جانتے ہو کہ تین راتوں تک تم سے کون باتیں کرتا رہا؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۳۱۱، سنن الترمذی، ج ۴، رقم الحدیث: ۲۸۸۹)

پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر اور دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شیطان کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ نے شیطان کو اس کی اصل صورت میں دیکھا یہ آپ کا معجزہ ہے اور عام انسان اس پر قادر نہیں ہیں اور حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو انسان کی صورت میں دیکھا، اور سورۂ اعراف میں جو فرمایا ہے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے، اس کا معنی یہ ہے کہ عام انسان جنات اور شیاطین کو ان کی اصل شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔

جنات کے انسانوں پر تصرف کرنے کا بطلان

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ جنات انسانوں پر مسلط ہو کر ان کے اعضاء میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے بولتے ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پیروں سے افعال صادر کرتے ہیں۔ پھر کوئی عامل آکر جن اتارتا ہے اور آئے دن اخبارات میں اس کے متعلق اخلاق سوز خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ ہم نے شرح صحیح مسلم، جلد سابع (۷) میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے اوپر بہت دلائل قائم کیے ہیں۔ ان پر قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص کے اعضاء پر کسی جن کا تصرف ہو تو ایک شخص کسی کو قتل کردے اور کہے کہ یہ قتل میں نے نہیں کیا، جن نے کیا ہے، میرے اعضاء پر اس وقت جن کا تصرف تھا تو کیا شریعت اور قانون میں اس کو اس قتل سے بری قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض شریعت کی رو سے وہ بے قصور ہو تو کیا قرآن اور حدیث میں ایسی ہدایت ہے کہ جو شخص جن کے زیر اثر ہو کر کسی شخص کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نیز اگر جنات اور شیاطین لوگوں کو مخبوط کرنے اور ان کی عقل کو ضائع کرنے پر قادر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں تو وہ اکثر انسانوں کی عقلوں کو ضائع کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً علماء، فضلاء اور عبادت گزار زاہدوں کی (بلکہ ان علماء کے ساتھ ایسا زیادہ کرنا چاہیے جو جنات پر انسانوں کے تصرف کا انکار کرتے ہیں اور یہ ناکارہ بھی ان میں شامل ہے) کیونکہ جنات کی علماء اور زاہدوں کے ساتھ عداوت بہت زیادہ ہے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ جنات اور شیاطین کو انسانوں پر کسی وجہ سے قدرت حاصل نہیں ہے اور اس نظریہ کے بطلان پر قرآن مجید کی یہ آیت واضح دلیل ہے۔

شیطان قیامت کے دن دوزخیوں سے کہے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ (ابراھیم: ۲۲)

اور مجھے تم پر کوئی غلبہ نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

(تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۲۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے ان ہی کاموں پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہمیں اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ آپ کہئے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (الاعراف: ۲۸)

فاحشہ کا معنی اور مراد، اور کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے فاحشہ کا حکم دیا ہے

فاحشہ: علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ جو بات یا جو کام بہت زیادہ برا ہو، اس کو فحش، فحشاء اور فاحشہ

کہتے ہیں۔ (المفردات' ج ۲' ص ۴۸۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ ہر وہ گناہ اور معصیت جس کی برائی زیادہ ہو' اس کو فحش' فحشاء اور فاحشہ کہتے ہیں اور فاحشہ زنا کے معنی میں بہ کثرت مستعمل ہے اور ہر برے قول اور فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے۔ کسی کی بات کے تلخی اور جارحیت سے جواب دینے کو بھی فحش کہتے ہیں۔ (النہایہ' ج ۳' ص ۳۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

مجاہد نے کہا اس آیت میں فاحشہ سے مراد' زمانہ جاہلیت میں مشرک مردوں اور عورتوں کا برہنہ طواف کرنا ہے۔

(جامع البیان' جز ۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مشرکین برہنہ طواف کرنے کے جواز میں دو دلیلیں پیش کرتے تھے۔ ایک دلیل یہ تھی کہ ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اس دلیل کا اللہ تعالیٰ کئی بار رد فرما چکا ہے کہ جاہلوں اور کافروں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ اس طرح بے حیائی سے طواف کرنے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ دوسرا رد یہ فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے برہنہ طواف کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم کسی کتاب کے معتقد ہو نہ کسی نبی کے' اور اللہ کا حکم یا نبی سے معلوم ہوتا ہے اور یا اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اے لوگو! ہر نماز کے وقت اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو جس طرح اس نے تم کو ابتداء" پیدا کیا ہے' اسی طرح تم لوٹو گے۔ (الاعراف: ۲۹)

قَسَطَ اور عدل کے معانی

قسط کا معنی ہے کسی چیز کے دو برابر حصے کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمٰن: ۹) اور انصاف کے ساتھ وزن کو درست رکھو۔

قَسَطَ کا معنی ہے ظلم کرنا اور اَقْسَطَ کا معنی ہے عدل کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن: ۱۵) اور رہے ظالم لوگ تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات: ۹) اور انصاف کرو' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۵۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عدل' عدالت اور معادلہ۔ ان کا معنی ہے مساوات۔ عدل اور عدل دونوں کا معنی مساوات ہے۔ لیکن عدل امور معنویہ میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل امور محسوسہ میں مساوات کو کہتے ہیں۔ مثلاً وزن۔ پیمائش اور عدد میں مساوات کو کہتے ہیں اور عدل کی محسوسات میں مساوات اس آیت میں ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (النساء: ۱۲۹) اور تم بیویوں کے درمیان ہرگز عدل نہ کر سکو گے۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں کسی ایک طرف میلان کرتا ہے۔ اس لیے انسان اپنی بیویوں کے درمیان محبت میں مساوات کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

عدل کا معنی ہے مکافات اور بدلہ میں مساوات۔ خیر کا بدلہ خیر اور شر کا بدلہ اس کے مساوی شر۔ مثلاً:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۔ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اس جیسی اتنی ہی برائی ہے۔

اور احسان کا معنی ہے نیکی کے بدلہ میں اس سے زیادہ نیکی کی جائے اور برائی کے بدلہ میں اس سے کم برائی کی جائے۔ جتنی رقم کسی سے قرض لی تھی' اتنی ہی واپس کر دینا عدل ہے۔ اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسان ہے اور کسی نے دس گھونسے مارے ہوں تو بدلہ میں اس کو دس گھونسے مارنا عدل ہے اور صرف ایک گھونسا مارنا احسان ہے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۴۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اخلاص کا معنی

اخلاص' خالص سے بنا ہے۔ جس چیز میں کسی چیز کی آمیزش کا شبہ ہو' جب وہ اس سے صاف ہو جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں۔ یعنی جو چیز ملاوٹ سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس کی رضاجوئی یا اس کے حکم کی فرمانبرداری کی نیت سے کی جائے۔ اس میں کسی کو دکھانے یا سنانے کی نیت نہ ہو اور نہ اس کام پر اپنی تعریف سننے کی خواہش ہو۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی پرستش اور اس کی رضاجوئی کے سوا ہر ایک کی پرستش اور اس کی رضاجوئی سے بری ہو جائے۔ (المفردات' ج ۱' ص ۲۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فحشاء (بے حیائی کرنے) کا حکم نہیں دیا۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسط (عدل) کا حکم دیا ہے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔

قسط سے مراد ہے لا الٰہ الا اللہ کا اعتقاد رکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے درآنحالیکہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہیں یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ بہت عزت والا بڑی حکمت والا۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرو اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اس کی عبادت کرو۔

عمل میں اخلاص کے فوائد اور ثواب کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان میں یہ تین اوصاف ہوں اس کے دل میں کبھی کھوٹ (کینہ اور فساد) نہیں ہوگا۔ اس کے عمل میں اللہ کے لیے اخلاص ہو' وہ ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔ (الحدیث) (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۶۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ روایت کرتے ہیں:

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس امت کے ضعیف لوگوں کی دعاؤں' ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد فرماتا ہے۔

(سنن نسائی' ج ٦' رقم الحدیث: ٣١٧٨' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ١٤١٢ھ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے دین میں اخلاص رکھو تمہارا قلیل عمل (بھی) کافی ہو گا۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک' ج ٤' ص ٣٠٦' حلیۃ الاولیاء' ج ١' ص ٢٤٤' الجامع الصغیر' ج ١' رقم الحدیث: ٢٩٨' الجامع الکبیر' ج ١' رقم الحدیث: ٣١٧)

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے تمام اعمال اخلاص کے ساتھ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ حافظ سیوطی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

(سنن دار قطنی' ج ١' رقم الحدیث: ١٣٠' الجامع الصغیر' ج ١' رقم الحدیث: ٢٩٩' الجامع الکبیر' ج ١' رقم الحدیث: ٣٢٧)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ پانچ (فرض) نمازیں پڑھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ خوشی سے ادا کرو۔ اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو' اپنے بیت (کعبہ) کا حج کرو (اور) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء' ج ٥' ص ٢٤٦' مجمع الزوائد' ج ١' ص ٤٥' الجامع الصغیر' ج ١' رقم الحدیث: ٣٠٠' الجامع الکبیر' ج ١' رقم الحدیث: ٣٣٧)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ ہر شخص کے عمل کا وہی ثمر ہے جس کی اس نے نیت کی ہے' تو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے' تو اللہ کے نزدیک اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔

(صحیح البخاری' ج ١' رقم الحدیث: ١' صحیح مسلم' الامارۃ: ١٥٥' (١٩٠٧) سنن ابو داؤد' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٢٠١' سنن الترمذی' ج ٣' رقم الحدیث: ١٦٥٣' سنن النسائی' ج ١' رقم الحدیث: ٧٥' سنن ابن ماجہ' ج ٢' رقم الحدیث: ٤٢٢٧' مسند احمد' ج ١' ص ٢٥' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ٢٨' صحیح ابن خزیمہ' رقم الحدیث: ١٤٢' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ١' ص ٢٩٨' المنتقیٰ' رقم الحدیث: ٦٤' صحیح ابن حبان' ج ٢' رقم الحدیث: ٣٨٨' حلیۃ الاولیاء' ج ٨' ص ٤٢' سنن دار قطنی' ج ١' رقم الحدیث: ١٢٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی ہو گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دکھاوے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی۔ اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی۔ تو جس نے دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو گی' اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تو نے میری عبادت سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا؟ وہ کہے گا دنیا کا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یقیناً جس چیز کو تو نے جمع کیا تھا' اس نے تجھ کو نفع نہیں دیا اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے ریاکاری کے لیے عبادت کی تھی' اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیری عبادت صرف ریاکاری کے لیے تھی' اس میں سے میری طرف کوئی چیز نہیں پہنچی اور وہ ریا تجھے آج نفع نہیں دے گا' اس کو دوزخ میں لے جاؤ اور جس نے خالص اللہ عزوجل کے لیے عبادت کی تھی' اس سے فرمائے گا: تو نے میری عبادت کرنے سے کس چیز کا ارادہ کیا تھا۔ وہ شخص کہے گا تیری عزت اور جلال

کی قسم! تو ضرور مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ میں تیری رضاجوئی اور جنت کے لیے تیری عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندہ نے سچ کہا اس کو جنت کی طرف لے جاؤ۔ (حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن اسحاق کو جمہور نے ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم رازی اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی سند کے باقی راوی ثقہ ہیں)

(شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۸۰۸' المعجم الاوسط' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۱۰۱' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵۰)

عمل میں اخلاص نہ ہونے سے نقصان اور عذاب کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن مہرزدہ نامہ اعمال لائیں گے' اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا' اس صحیفہ کو قبول کر لو اور اس صحیفہ کو چھوڑ دو۔ فرشتے کہیں گے تیری عزت کی قسم! ہم نے وہی لکھا ہے جو اس نے عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے سچ کہا (لیکن) اس کا عمل میری ذات کے لیے نہیں تھا۔ آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری ذات کے لیے کیا گیا ہو گا۔ حافظ الہیثمی نے کہا: یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے اور اس کی ایک سند صحیح ہے۔

(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۲۹' سنن دار قطنی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۲۹' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۵)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نیک عمل کو باقی رکھنا نیک عمل کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔ ایک شخص تنہائی میں کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا اجر ستر گنا لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر شیطان اس کو بہکاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس عمل کا لوگوں سے ذکر کرتا ہے اور اس کا اعلان کر دیتا ہے۔ پھر اس کی وہ نیکی (مخفی نیکیوں کے بجائے) ظاہر نیکیوں میں لکھ دی جاتی ہے اور تنہائی میں عمل کرنے کی وجہ سے جو اس کا زیادہ اجر تھا' وہ کم کر دیا جاتا ہے اور شیطان اس کو مسلسل ورغلاتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی اس نیکی کا ذکر کیا جائے اور اس نیکی پر اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اس کے عمل کو ظاہری نیکیوں سے بھی کاٹ دیا جاتا ہے اور یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نے یہ عمل ریاکاری کے طور پر کیا تھا۔ سو جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' وہ اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور بے شک ریاکاری شرک ہے۔

(شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۸۱۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

(ہر چند کہ اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں لیکن اس کا معنی صحیح ہے اور درج ذیل حدیث میں اس کی تائید ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہو گا۔ اس کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا۔ جن کا وہ اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں قتال کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو تم نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ تم بہت بہادر ہو۔ سو وہ کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا اور پڑھایا اور قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا جس کا وہ اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور پڑھایا اور میں نے تیرا قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا تم نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تم کو عالم کہا جائے اور تم نے قرآن پڑھا تاکہ یہ کہا جائے کہ وہ قاری ہے سو کہا گیا۔ پھر اللہ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا' اور اس شخص کو پیش کیا جائے گا جس کو اللہ نے وسعت دی تھی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی دی ہوئی نعمتیں بتلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے اپنے مال کو نیکی کے ہر اس راستہ میں تیری خاطر خرچ کیا جو تجھ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

تم نے جھوٹ بولا تم نے تو یہ اس لیے کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بہت سخی ہے۔ سو وہ کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم' الامارۃ: ۱۵۲' (۱۹۰۵) ۴۸۴۰' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۸۹' سنن النسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۳۱۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۹' ص ۱۹۸)

اخلاص ہونے پر فائدہ اور اخلاص نہ ہونے کے نقصان کے متعلق ایک اسرائیلی روایت

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اسرائیلیات میں مذکور ہے کہ ایک عابد بہت بڑے عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا۔ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایک درخت کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ عابد غضبناک ہوا اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر اس درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑا۔ راستے میں ابلیس اس کو ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں ملا اور پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: میں اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا: تمہارا اس درخت سے کیا تعلق ہے؟ تم بلاوجہ اپنی عبادت کو چھوڑ کر ایک غیر اہم کام کے درپے ہو رہے ہو۔ عابد نے کہا: یہ کام بھی میری عبادت ہے۔ ابلیس نے کہا: میں تم کو وہ درخت کاٹنے نہیں دوں گا۔ پھر ان دونوں میں کشتی ہوئی۔ عابد نے اس کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا: مجھے چھوڑ دو۔ میں تم کو ایک مشورہ دیتا ہوں۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا: اے شخص! اللہ نے تم سے یہ کام ساقط کر دیا ہے۔ اور تم پر اس کو فرض نہیں کیا۔ اور تم اس درخت کی عبادت نہیں کرتے اور اگر کوئی اور عبادت کرتا ہے تو اس کا تم سے مواخذہ نہیں ہو گا اور اس زمین میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء بہت ہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو اس درخت کی پرستش کرنے والوں کی طرف اپنا کوئی نبی بھیج دے گا۔ اور اس نبی کو اس درخت کے کاٹنے کا حکم دے گا۔ عابد نے کہا: میں اس درخت کو ضرور کاٹوں گا اور ابلیس کو کشتی کے لیے للکارا اور عابد ابلیس کو پچھاڑ کر اس کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ آخر ابلیس عاجز آ گیا اور اس سے کہنے لگا تمہارا کیا مشورہ ہے؟ میں تم کو درمیانی راہ بتاتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ فائدے مند ہو گی۔

عابد نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: مجھے چھوڑ دو تاکہ میں تم کو تفصیل سے بتاؤں! عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا: تم فقیر آدمی ہو۔ تمہارے پاس مال نہیں ہے۔ لوگ تمہاری کفالت کرتے ہیں اور تم ان پر بوجھ ہو۔ اور شاید کہ تمہارے دل میں خواہش ہو کہ تم اپنے بھائیوں کی مالی امداد کرو اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ غم خواری کرو اور تم سیر ہو کر کھاؤ اور لوگوں سے مستغنی رہو؟ عابد نے کہا: ہاں! ابلیس نے کہا: پھر درخت کاٹنے سے باز آ جاؤ اور تمہیں ہر رات اپنے سرہانے دو دینار مل جائیں گے۔ صبح کو تم وہ دو دینار لے لینا اور ان کو اپنے اوپر اور اپنے عیال کے اوپر خرچ کرنا اور اپنے بھائیوں کے اوپر صدقہ کرنا تو یہ تمہارے اور دیگر مسلمانوں کے لیے اس درخت کے کاٹنے سے زیادہ سود مند ہو گا۔ اور اس درخت کے بعد وہاں اور درخت اگ سکتا ہے اور اس کے کاٹنے سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور تمہارے مسلمان ضرورت مند بھائیوں کو اس درخت کے کاٹنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عابد ابلیس کی اس پیشکش پر غور کرنے لگا اور بے ساختہ کہنے لگا بات تو اس بوڑھے کی سچی ہے۔ میں نبی تو ہوں نہیں جو مجھ پر اس درخت کا کاٹنا لازم ہو اور نہ اللہ نے مجھے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس درخت کے نہ کاٹنے کی وجہ سے گنہ گار ہو جاؤں اور جو صورت اس نے بتائی ہے اس میں زیادہ نفع ہے۔ سو دونوں نے قسم کھا کر اس بات پر معاہدہ کر لیا۔

عابد لوٹ آیا۔ اس نے اپنے معبد میں رات گزاری۔ صبح کو اسے اپنے سرہانے دو دینار مل گئے۔ اس نے وہ دینار لے

لیے۔ اسی طرح اگلے دن بھی ہوا۔ تیسری صبح کو عابد کو اپنے سرہانے کوئی چیز نہیں ملی۔ وہ غضب ناک ہوا اور کلہاڑی کندھے پر ڈال کر چل پڑا۔ اس کے سامنے سے ابلیس ایک بوڑھے کی صورت میں آتا ہوا ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ عابد نے کہا: میں اس درخت کو کاٹوں گا۔ ابلیس نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ خدا کی قسم! تم اس درخت کو کاٹنے پر قادر نہیں ہو۔ اور تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ عابد پہلی بار کی طرح اس سے کشتی کے لیے آگے بڑھا۔ ابلیس نے کہا: اب یہ نہیں ہو سکتا۔ اور ایک ہی ہلے میں اس کو پچھاڑ دیا اور عابد چڑیا کی طرح اس کے پیروں میں گر پڑا اور ابلیس اس کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ ابلیس نے کہا: باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو ذبح کر دوں گا۔ عابد نے غور کیا تو اس کو ابلیس کے مقابلہ میں بالکل طاقت محسوس نہیں ہوئی۔ عابد نے کہا تم مجھ پر غالب آ گئے۔ اب مجھ کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ میں پہلی بار تم پر کس طرح غالب آیا تھا اور اس بار کیوں نہ غالب آ سکا!

ابلیس نے کہا: اس لیے کہ پہلی بار تم اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے تھے اور تمہاری نیت آخرت تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اس بار تم اپنے نفس اور دنیا کے لیے غضب ناک ہوئے تو میں نے تم کو پچھاڑ دیا۔

(احیاء العلوم 'ج ۴ 'ص ۲۸۵۔ ۲۸۴ 'مطبوعہ دارالخیر 'بیروت '۱۴۱۳ھ)

اخلاص سے کیا ہوا کم عمل بغیر اخلاص کے زیادہ اعمال سے افضل ہے

علامہ عبدالرؤف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الکمال نے کہا ہے کہ لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادت میں ریا کو ترک کرنا۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے جس چیز کی آمیزش کا شائبہ بھی ہو اس سے دل کو خالص کر لینا۔ پس جس شخص کی کسی فعل سے غرض صرف ایک ہو اور وہ غرض اللہ کا تقرب اور اس کی رضاجوئی ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت بالکل نہ ہو حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی طبعی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے حکم کی اطاعت کے لیے تقویت حاصل کرنے اور اس کے رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے لیے ہو تو اس نیت سے اس کا ہر عمل اخلاص سے ہو گا' اور جس شخص کی اپنے فعل سے غرض واحد ہو اور وہ غرض ریا اور دکھلاوا ہو' ایسا شخص اپنے نفس اور دنیا سے محبت کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں ہر وقت اپنے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دھن سمائی رہتی ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت کے لیے بالکل جگہ نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کی عبادات ریا سے بالکل محفوظ نہیں رہتیں' اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر کبھی روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ان کے افعال میں اخلاص ہوتا ہے اور کبھی ان کے افعال میں ریا ہوتا ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے عبادت کم ہو' لیکن اس میں ریا اور تکبر نہ ہو اور اس عبادت کا باعث اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عبادت کی غیر متناہی قیمت ہے اور عبادت بہت زیادہ ہو لیکن اخلاص سے خالی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کے تدارک کی کوئی سبیل پیدا فرمادے۔ اس لیے اہل بصیرت زیادہ عمل میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اخلاص کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قدر و قیمت صاف شفاف اور صیقل چیز کی ہوتی ہے' کثرت کی نہیں ہوتی۔ ایک سچا موتی ہزار ٹھیکریوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ جو لوگ بہت زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں' اور بہ کثرت روزے رکھتے ہیں اور نمازوں میں اخلاص اور خضوع اور خشوع کے درپے نہیں ہوتے اور نہ روزوں میں للہیت کے جذبہ کی کوشش کرتے ہیں' اپنی نمازوں اور روزوں کی بڑی تعداد سے دھوکا کھاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بے مغز اخروٹوں کے ڈھیر کی کیا قدر و قیمت ہے۔

(فیض القدیر 'ج ۱ 'ص ۲۱۵۔ ۲۱۴ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ '۱۴۱۸ھ)

انسانوں کے حشر کی کیفیت

اس کے بعد فرمایا: جس طرح اس نے تم کو ابتداء میں پیدا کیا ہے' اسی طرح تم لوٹو گے۔

محمد بن کعب نے اس کی تفسیر میں کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اہل شقاوت میں سے پیدا کیا ہے وہ قیامت کے دن اہل شقاوت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے نیک کام کرتا ہو' اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اہل سعادت سے پیدا کیا' وہ قیامت کے دن اہل سعادت سے اٹھے گا خواہ وہ پہلے برے کام کرتا رہا ہو۔ جیسے ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے اہل شقاوت سے پیدا کیا تھا وہ پہلے نیک کام کرتا تھا لیکن وہ انجام کار کفر کی طرف لوٹ گیا اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر' وہ پہلے فرعون کے تابع تھے لیکن بعد میں فرعون کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ سو ابلیس اپنی ابتداء خلقت کے اعتبار سے شقاوت کی طرف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر اپنی ابتداء خلقت کے اعتبار سے سعادت کی طرف لوٹ گئے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

(جامع البیان' ج ٨' ص ٢٠٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: جس طرح انسان ماں کے پیٹ سے ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون پیدا ہوا تھا' وہ حشر میں بھی اسی طرح ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون اٹھے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم محشر میں ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء: ١٠٤)

جس طرح ہم نے پہلے پیدائش کی ابتداء کی تھی' اسی طرح ہم پھر اس کو دہرائیں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے' ہم اس کو ضرور (پورا) کرنے والے ہیں۔

اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا' وہ حضرت ابراہیم ہیں۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے: حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہ دن اس سے بہت ہولناک ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں)

(صحیح البخاری' ج ٤' رقم الحدیث: ٣٣٤٧' صحیح مسلم' الحشر: ٥٨ (٢٨٥٩) ٧٠٦٨' سنن الترمذی ج ٤' رقم الحدیث: ٢٤٣١' سنن النسائی' ج ٤' رقم الحدیث: ٢٠٨٧' صحیح ابن حبان' ج ١٦' رقم الحدیث: ٧٣٤٧' مسند احمد' ج ١' رقم الحدیث: ٢٠٩٦' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٢' ص ٣٨' المعجم الکبیر' ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٣٣٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ گمراہی پر ڈٹا رہا' انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا لیا اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (الاعراف: ٣٠)

ابتداء فطرت میں ہر انسان کا ہدایت یافتہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایسی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا' جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی وحدانیت کی معرفت حاصل کر سکے اور اس کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیے۔ پھر بعض انسانوں نے اس فطری صلاحیت کو ضائع کر دیا اور شیطان نے ان کو دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں کے دام میں پھانس لیا' ان کو

ان کے ضمیر نے سرزنش کی نبیوں اور رسولوں اور ہر دور کے علماء حق نے ان کو اللہ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی لیکن وہ شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر ڈٹے رہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: ۱۰-۸)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ ○ اور زبان اور دو ہونٹ؟ ○ اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر آپ فرماتے پڑھو' اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی بنائی ہوئی سرشت (فطرت اسلام) کو لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ کی بنائی ہوئی سرشت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی دین راست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الروم: ۳۰) دوسری روایت میں ہے: جو شخص بھی پیدا ہوا وہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں۔ جیسے اونٹ سالم اور کامل الاعضاء پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ حتیٰ کہ تم اس کے اعضاء کاٹتے ہو۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیے! جو شخص بچپن میں فوت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی جاننے والا ہے وہ کیا کرنے والا تھا؟

(صحیح مسلم' قدر: ۲۳' ۲۲' (۲۶۵۸) ۶۶۳۳' ۲۶۳۲' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۳۵۹' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۱۴' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۴۵' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۷۹' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۵۷۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر بچہ اسلام کی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا ہوتا ہے پھر اگر اس کے ماں باپ یا اس میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو وہ اسلام پر برقرار رہتا ہے اور اگر اس کے ماں باپ کافر ہوں تو دنیا میں اس پر کفر کا حکم جاری ہوتا ہے اور اگر بالغ ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اختیار سے اسی کفر پر برقرار رہے تو وہ آخرت کے حکم کے اعتبار سے بھی کافر ہو گا۔ اور اگر اس پر سعادت غالب آجائے اور وہ اسلام قبول کر لے تو پھر وہ مسلمان ہو گا اور اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے مر گیا تو اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا اور صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے کہ مشرکین کی اولاد بھی جنت میں ہو گی۔

(صحیح البخاری' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۰۴۷)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو فطرت اسلام پر پیدا کیا اسی وجہ سے سب نے عالم میثاق میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون اس فطرت کے مطابق ہدایت پر رہے گا اور کون کفر میں مبتلا ہو گا اور اس پر ڈٹ جائے گا اور شیطان کو اپنا کارساز بنائے گا۔ اس لیے فرمایا: ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی اور ایک گروہ گمراہی پر ڈٹا رہا' انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا کارساز بنا لیا اور ان کا یہ زعم ہے کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! ہر عبادت کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو' اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو' بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (الاعراف: ۳۱)

برہنہ طواف کی ممانعت کا شان نزول اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہونے کی ممانعت

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: کہ پہلے عورت برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور یہ کہتی تھی:

کوئی مجھے ایک کپڑا دے دیتا جس کو میں اپنی شرم گاہ پر ڈال دیتی' آج بعض یا کل کھل جائے گا' اور جو کھل جائے گا میں اس کو کبھی حلال نہیں کروں گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ (الاعراف: ۳۱)

(صحیح مسلم' تفسیر ۲۵' (۳۰۲۸) ۷۴۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زینت کا حکم دیا۔ زینت سے مراد وہ لباس ہے جو شرم گاہ چھپائے۔ اس کے علاوہ عمدہ کپڑے اور اچھی چیزیں بھی زینت ہیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت اپنی زینت کو پہنیں۔

(جامع البیان' جز ۸' ص ۲۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ عرب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے' ماسوا قریش اور ان کے حلیفوں کے۔ ان کے علاوہ جو لوگ طواف کرنے کے لیے آتے' وہ اپنے کپڑے اتار دیتے اور قریش کے دیے ہوئے کپڑے پہن لیتے اور اگر ان کو قریش میں سے کوئی عاریتاً کپڑے دینے والا نہ ملتا تو وہ اپنے کپڑے پھینک کر برہنہ طواف کرتا اور اگر وہ ان ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو وہ طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دیتا اور ان کپڑوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۲۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر بنایا تھا جو کہ حجۃ الوداع سے پہلے تھا' اس میں حضرت ابو بکر نے مجھے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ قربانی کے دن یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔

(صحیح مسلم' ج: ۴۳۵' (۱۳۴۷) ۳۲۲۹' صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۶۲۲' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۴۶' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۹۵۷)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بھاری پتھر اٹھا کر لا رہا تھا اور میں نے چھوٹا سا تہبند باندھا ہوا تھا۔ اچانک میرا تہبند کھل گیا' اس وقت میرے کندھے پر وزنی پتھر تھا' اس وجہ سے میں تہبند کو اٹھا نہیں سکا' حتیٰ کہ میں نے پتھر کو اس کی جگہ پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا کر اپنا تہبند اٹھاؤ اور اس کو باندھ لو اور ننگے بدن نہ پھرا کرو۔

(صحیح مسلم' حیض ۷۸' (۳۴۱) ۷۵۷' سنن ابوداؤد' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۰۱۶)

تعمیر کعبہ کے وقت تہبند اتار کر کندھے پر رکھنے کی روایت پر بحث و نظر

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا پتھروں کی وجہ سے اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لیں' آپ نے ایسا کیا پھر آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی دونوں آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں' پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میری چادر' میری چادر' پھر آپ پر چادر باندھ دی گئی۔

(صحیح البخاری' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۵۸۲' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۲۹' صحیح مسلم' الحیض: ۷۶' (۳۴۰) ۷۵۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۹۵' ج ۳' ص ۳۸۰' ۳۱۰)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے اپنا تہبند اتار دیا تھا اور آپ معاذ اللہ برہنہ ہو گئے' اور اسی کی دہشت سے آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ حدیث آپ کے بلند منصب' آپ کی عظمت اور شان اور آپ کے مقام نبوت کے خلاف ہے۔ علامہ نووی' علامہ عینی اور علامہ عسقلانی میں سے کسی نے بھی اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ علامہ قرطبی نے اس حدیث کو المفہم میں شامل نہیں کیا۔ صرف علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے اپنی شرح میں اس اشکال کو دور کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ کا ستر کھل گیا تھا' کیونکہ آپ اول امر میں تہبند کھلتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور غالباً اس وقت آپ پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے یہ عزت اور کرامت دی ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور میری شرم گاہ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

(المعجم الصغیر' رقم الحدیث: ۹۳۶' المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۴۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۱' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۲۴' کنز العمال' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۳۱۹۲۳' ۳۲۱۴۴۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان بن محمد فزاری متفرد ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس پر جرح کی ہے۔ العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۶۵' حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے' البدایہ والنہایہ' ج ۲' ص ۲۶۵)

اور بعض روایات میں ہے کہ فرشتہ نازل ہوا اور اس نے میرا تہبند باندھ دیا۔

(اکمال اکمال المعلم' ج ۲' ص ۱۹۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہرچند کہ یہ حدیث جس میں آپ کے تہبند کھولنے کا ذکر ہے' سند صحیح کے ساتھ مروی ہے لیکن اول تو یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے جن کا مقبول ہونا بہرحال مختلف فیہ ہے۔ ثانیاً یہ حدیث درایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے کعبہ بنایا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے مرد کے لیے اس کے چچا کا از راہ شفقت یہ کہنا کہ "تم اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لو تاکہ تم کو پتھر نہ چبھیں" درایتاً صحیح نہیں ہے۔ یہ بات کسی کم سن بچہ کے حق میں تو کہی جاسکتی ہے' پینتیس سال کے مرد کے لیے صحیح نہیں ہے اور علامہ بدرالدین عینی' علامہ ابن حجر وغیرہما نے امام ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے کہ قریش کے کعبہ بنانے کا واقعہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اور اسی سند کے ساتھ امام حاکم اور امام طبرانی نے نقل کیا ہے کہ قریش نے وادی کے پتھروں سے کعبہ کو بنایا اور اس کو آسمان کی جانب بیس (۲۰) ہاتھ بلند کیا اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجیاد سے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اس وقت آپ نے ایک دھاری دار چادر کا تہبند باندھا ہوا تھا۔ آپ نے اس چادر کا پلو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اس چادر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے آپ کی شرم گاہ ظاہر ہو گئی۔ اس وقت ایک آواز آئی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی شرم گاہ ڈھانپ لیں' اس کے بعد آپ کو عریاں نہیں دیکھا گیا' اس وقت آپ کی بعثت میں پانچ سال تھے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے امام عبدالرزاق کی سند سے لکھا کہ مجاہد نے کہا کہ یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی) امام عبدالبر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن مشہور پہلا قول ہے (یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے کا)(فتح الباری' ج ۳' ص ۴۴۲-۴۴۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

طبقات ابن سعد میں محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت ہے، جس وقت رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کے لیے پتھر لا رہے تھے' اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ لوگوں نے اپنے اپنے تہبند اپنے کندھوں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کیا پھر آپ گر پڑے اور آپ کو ندا کی گئی "اپنی شرم گاہ کو ڈھکیے" اور یہ آپ کو پہلی ندا کی گئی تھی۔ ابو طالب نے کہا اے بھتیجے! اپنا تہبند اپنے سر کے نیچے رکھ لو۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو مصیبت آئی ہے' وہ صرف برہنہ ہونے کی وجہ سے آئی ہے۔ (عمدۃ القاری' ج ۹' ص ۲۱۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کے بنانے پر اتفاق کیا۔
(السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۲۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی بار شیث بن آدم نے بنایا۔ دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر بنایا اور تیسری بار اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا۔ چوتھی بار حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بنایا اور پانچویں بار عبد الملک بن مروان نے بنایا۔ (الروض الانف' ج ۱' ص ۲۲۷' مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ' ملتان)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی علامہ سہیلی کے حوالے سے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔
(اکمال اکمال المعلم' ج ۲' ص ۱۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مجاہد سے منقول ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے اور امام ابن اسحاق نے جس پر جزم کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور یہی صحیح ہے۔
(سبل الہدیٰ والرشاد' ج ۲' ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہم نے متعدد مستند کتب کے حوالہ جات سے یہ بیان کیا ہے کہ قریش نے جس وقت کعبہ کی تعمیر کی تھی' اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال تھی اور پینتیس سال کے کسی عام مہذب انسان کے حال سے بھی یہ بہت بعید ہے کہ وہ اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لے۔ چہ جائیکہ وہ شخص ہو جس کی حیا اور وقار تمام دنیا میں سب سے عظیم اور مثالی ہو۔ اس لیے یہ احادیث ہر چند کہ سنداً صحیح ہیں لیکن درایۃً صحیح نہیں ہیں' جبکہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر دو سال تھی۔ کیونکہ یہ ۹۴ سال کی عمر گزار کر ۷۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ' ج ۱' ص ۲۲۲) اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔ اور بعثت کے وقت ان کی عمر سات سال تھی اور یہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے تو اس وقت ان کی عمر دو سال تھی اور اس وقت یہ مدینہ میں تھے حالانکہ یہ مکہ کا واقعہ ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ واقعہ کسی سے سنا ہو گا جس کے نام کی انہوں نے تصریح نہیں کی' اور رسول اللہ ﷺ کی حیا اور وقار پر کوئی حرف آنے کی بہ نسبت ہمیں یہ زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ روایت حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کی جو عظمت اور مقام ہے' اس کی بہ نسبت کہیں زیادہ بلکہ سب سے زیادہ عظمت اور شان رسول اللہ ﷺ کی حیاء اور وقار کی ہے۔

کھانے پینے میں وسعت کی گنجائش اور اعتدال کا حکم اور بسیار خوری کا اسراف ہونا

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے اور پینے کو حلال فرما دیا ہے: جب تک کہ فضول خرچ نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔ جتنی مقدار کھانے اور پینے سے رمق حیات باقی رہ سکتی ہے' اتنی مقدار کھانا اور پینا فرض ہے۔ رزق حلال کمانے اور بدنی عبادات انجام دینے کے لیے جتنی صحت اور توانائی کی ضرورت ہے' اس کے لیے جس قدر کھانے کی ضرورت ہے' اتنا کھانا بھی فرض ہے۔ اپنی صحت کے تحفظ اور اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پرہیزی کھانا کھانا اور نقصان دہ چیزوں کو ترک کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو وصال کے (پے در پے) روزے رکھنے سے اسی لیے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدن لاغر اور کمزور ہوتا ہے اور انسان کی توانائی کم ہوتی ہے۔ جتنی مقدار کھانا جان کی بقا اور توانائی کی حفاظت کے لیے ضروری ہے' اس سے کم کھانا کوئی نیکی ہے نہ اس میں کوئی زہد و تقویٰ ہے۔ اور بسیار خوری ناجائز اور گناہ ہے اور یہ فضول خرچ کی ممانعت میں داخل ہے۔ یہ جان ہماری ملکیت نہیں ہے یہ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے اس کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ مرغن اور چٹ پٹی اشیاء کے کھانے سے انجام کار انسان ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس سے تبخیر اور تیزابیت بڑھ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں السر ہو جاتا ہے۔ زیادہ چکنائی والی اشیاء کھانے سے خون میں کلیسٹرول بڑھ جاتا ہے جسم بھاری بھر کم ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ پھر بھی احتیاط نہ کی جائے تو انجائنا ہو جاتا ہے اور دل کے دورے پڑتے ہیں اور جسم کے کسی عضو پر فالج گرنے کا خدشہ رہتا ہے۔ بعض اوقات برین ہیمبرج ہو جاتا ہے اور دماغ کی کوئی رگ پھٹ جاتی ہے۔ مسلسل سگریٹ نوشی سے خون کی شریانیں سکڑ جاتی ہیں اور فالج کا خطرہ رہتا ہے۔ کھانسی' دمہ اور گلے کی خرابی اس کے عام اثرات ہیں' بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور جگر سکڑ جاتا ہے' الغرض تمباکو کھانے اور پینے کے بہت نقصانات ہیں۔ اسی طرح بسیار خوری کے بھی بہت زیادہ نقصانات ہیں جن کا ہم نے اجمالاً ذکر کیا ہے۔ جدید اور قدیم حکماء نے صحت کی حفاظت کے لیے ہمیشہ کم کھانے کی تلقین کی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی کم کھانے کی تاکید کی ہے اور بسیار خوری کی مذمت فرمائی ہے۔

بسیار خوری کی مذمت میں احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو بھرنا برا نہیں ہے۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے اور اگر اس نے لامحالہ زیادہ کھانا ہو تو (پیٹ کا) تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے۔

(سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۳۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۶۷۶۹' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۱۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص مہمان ہوا وہ کافر تھا (ثمامہ بن اثال) رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا۔ اس نے ایک بکری کا دوہا ہوا دودھ پی لیا۔ پھر دوسری بکری کا' پھر تیسری بکری کا حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دوہا ہوا دودھ پی گیا۔ صبح اٹھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس کے لیے ایک بکری کا دودھ لانے کا حکم دیا' پھر دوسری بکری کا دودھ لایا گیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔ (امام مسلم کی دیگر روایات میں اس طرح ہے' مومن ایک آنت

میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے)
(صحیح مسلم' اشربہ: ۱۸۶' (۲۰۶۳) ۵۲۸۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۴' رقم الحدیث: ۶۸۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے ڈکار لی تو آپ نے فرمایا ہمارے سامنے اپنی ڈکار روک کر رکھو کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے ہوں گے۔ (سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۴۸۶' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ تم اپنی ہر خواہش کے مطابق چیز کھالو۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۵۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نبی ﷺ کے ساتھ اسلام لایا ہوں میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا میں صرف اتنا کھاتا پیتا ہوں جس سے میری حیات باقی رہ سکے۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۹' رقم الحدیث: ۴۸۷' ص ۲۱۸' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۳۱)

پرہیز کی اہمیت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المنذر بنت قیس الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (بیماری سے اٹھ کر) کمزور تھے اور ہمارے پاس کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا' رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی بھی کھانے کے لیے کھڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ حضرت علی سے فرمانے لگے' چھوڑو' تم کمزور ہو۔ حتیٰ کہ حضرت علی رک گئے اور میں نے جو اور چقندر کا کھانا بنایا تھا۔ میں وہ لے کر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی اس سے کھاؤ' یہ تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔

(سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۴۳' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۴۲' مسند احمد' ج ۶' ص ۳۶۴' مشکوٰۃ' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۲۱۶)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کا پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۴۴' صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۶۹' المستدرک' ج ۴' ص ۳۰۹' ۲۰۷)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

ایک ماہر سوادی حکیم نے کہا وہ دوا جس کے ساتھ کوئی بیماری نہ ہو' وہ یہ ہے کہ جب تک بھوک نہ ہو' مت کھاؤ اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بسیار خوری بیماری کی جڑ ہے اور پرہیز کرنا دوا کی جڑ ہے اور بدن کو اس کی عادت کے مطابق عادی بناؤ۔ (احیاء العلوم' ج ۳' ص ۲۲۱' مطبوعہ دار الخیر' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

"پرہیز کرنا دوا کا سردار ہے" یہ عرب کے حکیم حارث بن کلدہ کا کلام ہے اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب الصحت میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ طب کا رئیس پرہیز ہے اور حکمت کا رئیس خاموشی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین' ج ۷' ص ۴۰۰' مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۱ھ)

کھانے پینے کے آداب کے متعلق احادیث

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور میں نے بتایا کہ میں نے تورات میں کیا پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا کھانے میں برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۵۳' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۶۱' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۲۳۷۹۳' مسند ابوداؤد' الطیالسی' رقم الحدیث: ۶۷۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں خیر کی کثرت کرے' وہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۶۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک طعام (کی دعوت) میں تھے۔ ایک شخص نے گھر والوں کے خادم سے تولیہ طلب کیا' اس نے کپڑا لا کر دیا اس نے اس سے ہاتھ پونچھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کپڑے کو تم نے پہنا نہ ہو اس کا تولیہ نہ بناؤ۔ (غالباً آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس کام کے لیے پرانے کپڑے استعمال کرو)

(المعجم الکبیر' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۹۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابن بزاز کردری حنفی متوفی ۸۲۷ھ نے لکھا ہے کہ کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے اور ہاتھ نہ پونچھے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولے اور ہاتھ پونچھ لے۔

(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ' ج ۶' ص ۳۵۲' مطبعہ امیریہ بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس طعام رکھا تھا' آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے قریب آؤ' بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۶۴' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۳۷۶' صحیح مسلم' اشربہ: ۱۰۸' (۲۰۲۲) ۵۱۷۱' سنن ابی داؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۷۷' سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۶۵' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۳۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے اگر وہ اس کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو کہے بسم اللہ فی اولہ واخرہ۔

(سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۶۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۶۷' صحیح ابن حبان' ج ۱۲' رقم الحدیث: ۵۲۱۴' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۶۱۳۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۷' ص ۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعام اور مشروب میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ برتن میں سانس لیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۸۸' سنن ابوداود' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۷۲۸' سنن الترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۹۶' ۱۸۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص دسترخوان اٹھانے سے پہلے کھڑا نہ ہو خواہ اس کا پیٹ بھر گیا ہو وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچے حتیٰ کہ قوم فارغ ہو جائے اور اپنا عذر بیان کرے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیتا ہے تو وہ اپنے ہم نشین کو شرمندہ کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کو کھانے

کی حاجت ہو۔ (سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۹۵‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جب وہ کوئی چیز کھا کر یا پی کر اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

(صحیح مسلم‘ الذکر والدعا: ۸۹‘ (۲۷۳۴) ۶۸۰۲‘ سنن الترمذی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۱۸۲۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔

(سنن الترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۴۶۸‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۸۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کھانے کے بعد یہ دعا کی: الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوہ تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی‘ ج ۵‘ رقم الحدیث: ۳۴۶۹‘ سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۴۰۲۳‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۲۸۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالہیثم بن التیہان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو بھی دعوت دی‘ جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کو جزا دو۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی جزا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کے گھر جائے اور اس کا کھانا کھائے اور اس کے مشروبات پئے اور وہ اس کے لیے دعا کردے تو یہ اس کی جزا ہے۔

(سنن ابوداؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۸۵۳‘ مطبوعہ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر پانی پئے قتادہ نے کہا ہم نے پوچھا اور کھانا‘ حضرت انس نے فرمایا یہ تو زیادہ برا ہے یا فرمایا: یہ زیادہ خبیث کام ہے۔

(صحیح مسلم‘ اشربہ: ۱۱۳‘ (۲۰۲۴) ۵۱۷۷‘ سنن الترمذی‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۱۸۸۶‘ سنن ابی داؤد‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۷۱۷‘ سنن ابن ماجہ‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۳۴۲۴‘ سنن داری‘ ج ۲‘ رقم الحدیث: ۲۱۲۷‘ صحیح ابن حبان‘ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۵۳۲۱‘ مسند الطیالسی‘ رقم الحدیث: ۲۰۰۰‘ مصنف ابن ابی شیبہ‘ ج ۸‘ ص ۲۰۶‘ سنن کبریٰ‘ ج ۷‘ ص ۲۸۱-۲۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے سو جو شخص بھول جائے اس کو چاہیے وہ قے کردے۔ (صحیح مسلم‘ اشربہ: ۱۱۶‘ (۲۰۲۶) ۵۱۸۸)

اس حدیث کو ائمہ ستہ میں سے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نزال بن سبرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی‘ پھر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوفہ کی کھلی جگہ میں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا‘ پھر پانی لایا گیا اور انہوں نے وضو کیا‘ پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا‘

پھر فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور بے شک نبی ﷺ نے اس طرح کیا ہے جس طرح میں نے کیا ہے۔
(صحیح البخاری ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٥٦١٦ ' ٥٦١٥ ' سنن ابوداؤد ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٣٧١٨ ' سنن النسائی ' ج ١ ' رقم الحدیث: ١٣٠ ' شرح معانی الآثار ' ج ٢ ' ص ٣٥٧ ' مسند احمد ' ج ١ ' رقم الحدیث ' ٧٩٥ ' مسند ابو یعلیٰ ' ج ١ ' رقم الحدیث: ٣٠٩ ' ٣٦٨ ' شمائل ترمذی ' رقم الحدیث: ٢١٠ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ١ ' ص ٧٥)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔
(صحیح البخاری ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٥٦١٧ ' صحیح مسلم ' اشربہ: ١٢٠ ' ١١٩ ' ١١٨ ' ١١٧ ' (٢٠٢٧) ٥١٨٥ ' ٥١٨٤ ' ٥١٨٣ ' ٥١٨٢ ' سنن الترمذی ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٨٨٩ ' سنن النسائی ' رقم الحدیث: ٢٩٦٤ ' سنن ابن ماجہ ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٤٢٢ ' صحیح ابن حبان ' ج ١٢ ' رقم الحدیث: ٥٣١٩ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ٥ ' ص ٨٦ ' مسند احمد ' ج ١ ' ص ٢٤٣ ' ٢٤٣ ' ٢٢٣ ' ٢٤٩ ' شرح معانی الآثار ' ج ٢ ' ص ٣٥٨ ' المعجم الصغیر ' ج ١ ' رقم الحدیث: ٣٥٧ ' مسند ابو یعلیٰ ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٢٣٠٦ ' مسند حمیدی ' رقم الحدیث: ٤٨١ ' شرح السنہ ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٢٩٢١-٢٩٢٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن الترمذی ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٨٨٧ ' سنن ابن ماجہ ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٣٣٠١ ' صحیح ابن حبان ' ج ١٢ ' رقم الحدیث: ٥٣٢٥ ' ٥٣٢٤ ' ٥٣٢٣ ' مصنف ابن ابی شیبہ ' ج ٨ ' ص ٢٠٥ ' سنن داری ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٢١٢٥ ' مسند احمد ' ج ٢ ' ص ١٠٨ ' طبع قدیم ' مسند احمد ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ٥٨٧٩ ' طبع جدید دار الفکر ' مسند الطیالسی ' رقم الحدیث: ١٩٠٤ ' المنتقیٰ ' رقم الحدیث: ٨٦٧ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ٧ ' ص ٢٨٣ ' مختصر اتحاف السادة المہرة ' ج ٥ ' رقم الحدیث: ٤٢٢٥)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر (مشروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن الترمذی ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ١٨٩٠ ' مسند احمد ' ج ٢ ' ص ٢١٥ ' ٢٠٦ ' ١٩٠ ' ١٧٩ ' ١٧٤ ' شرح السنہ ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٢٩٢٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے (مشروب) پیتے ہوئے دیکھا ہے۔
(المعجم الاوسط ' ج ٢ ' رقم الحدیث: ١٢٣٥ ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ' ج ٥ ' ص ٨٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے (کوئی مشروب) پیتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ امام بزار کی روایت میں ہے آپ نے کھڑے ہو کر دودھ پیا۔
(مسند ابو یعلیٰ ' ج ٦ ' رقم الحدیث: ٣٥٦٠ ' مسند البزار ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٢٨٩٩)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام ابو یعلیٰ اور امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ' ج ٥ ' ص ٧٩)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ' ان کے گھر میں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی ' آپ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔
(مسند احمد ' ج ٣ ' ص ١١٩ ' ج ٦ ' ص ٤٣١ ' ٣٧٦ ' ١ ' المعجم الکبیر ' ج ٢٥ ' ص ١٢٧-١٢٦ ' ١ ' المعجم الاوسط ' ج ١ ' رقم الحدیث: ١٥٨ ' شرح معانی الآثار ' ج ٢ ' ص ٣٥٨)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں البراء بن زید ہے۔ اس کو کسی نے ضعیف نہیں کہا۔ (حافظ ابن حجر نے کہا

یہ مقبول ہے۔ تقریب التہذیب' ج ۱' ص ۴۳) اور اس حدیث کے باقی تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۹۷)

کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اور جواز کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور ممانعت کی دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور نبی ﷺ کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز پر محمول ہے۔ اور نبی ﷺ کا فعل مکروہ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ آپ پر شریعت کا بیان کرنا واجب ہے' آپ کو اس عمل میں واجب کا ثواب ملے گا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی' ج ۹' ص ۵۵۳۵ "ملخصا" مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ علماء میں سے کسی نے بھی اس ممانعت کو تحریم پر محمول نہیں کیا یہ صرف غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ہے۔ جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے اور سلف میں سے حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور جمہور فقہاء اور امام مالک اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور ان کے نزدیک نبی ﷺ کا یہ فعل ممانعت کی احادیث کے بعد ہے' کیونکہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے تو یہ اس ممانعت کا ناسخ ہے' اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے بھی اس ممانعت کے خلاف عمل کیا اور یہ بات بہت بعید ہے کہ ممانعت کی احادیث ان سے مخفی رہیں' جبکہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ لازماً رہتے تھے اور دین پر عمل کرنے میں بہت سخت تھے۔ اور اگر نسخ کا قول نہ کیا جائے اور ان احادیث میں تطبیق دی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ممانعت کی احادیث خلاف اولیٰ پر محمول ہیں۔

حضرت انس نے قتادہ کے سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ کھانے کا معاملہ تو اور زیادہ برا ہے۔ اس کا اہل علم میں سے کوئی قائل نہیں ہے اور یہ محض ان کی رائے ہے' روایت نہیں ہے اور اصل اباحت ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر کوئی شخص جلدی سے ڈگڈگا کر پانی پیے گا تو اس کو درد جگر ہو جائے گا یا اس کا گلا گھٹ جائے گا یا اس کے حلق یا معدہ میں درد ہو جائے گا۔ اس لیے اس کو کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیے اور نبی ﷺ نے اس وقت کھڑے ہو کر پانی پیا جب آپ کو یہ خطرہ نہیں تھا۔ یا کسی ضرورت یا حاجت کی بنا پر پیا' خصوصاً اس لیے کہ آپ زمزم پر تھے اور وہ لوگوں کے رش کی جگہ ہے یا آپ نے اس لیے کھڑے ہو کر پانی پیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ یا اس لیے کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پیے۔ سو جس شخص نے بھول کر پیا' وہ قے کر دے۔

اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جو شخص بھول کر کھڑے ہو کر پانی پیے' اس پر قے کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض مشائخ نے کہا زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور کھڑے ہو کر کھانے کے جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہرچند کہ قتادہ کی رائے اس میں مختلف ہے۔ (المفہم' ج ۵ ص ۲۸۶-۲۸۵' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور اکثر فقہاء نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے۔ اور ایک قوم نے ممانعت کی احادیث کی بنا پر کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس شخص کی طرف راجع ہیں جو اپنے اصحاب کے لیے پانی لے کر آیا اور ان کو پانی پلانے سے پہلے خود کھڑے ہو کر پانی پی لیا جبکہ احسن طریقہ یہ ہے کہ قوم کے ساقی کو سب سے آخر میں پانی پینا چاہیے اور ان میں ظاہر تطبیق اس طرح ہے کہ ممانعت کی احادیث تنزیہ پر محمول ہوں اور کھڑے ہو کر پینے کی احادیث جواز پر محمول ہوں یا یہ کہا جائے کہ ممانعت کی احادیث اس پر محمول ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے صحت بدن کو ضرر کا خطرہ ہے۔ اس لیے آپ نے احتیاطاً کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا اور نخعی نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پینے سے پیٹ کی بیماری ہوتی ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام بخاری نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ممانعت کی یہ احادیث صحیح نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف جواز کی احادیث روایت کی ہیں۔ امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی تین حدیثیں روایت کی ہیں اور تینوں معلول ہیں۔ پہلی حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۴) قتادہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ اور یہ معنعن ہے اور شعبہ، قتادہ کی احادیث سے اجتناب کرتے تھے، جب تک کہ وہ حدثنا نہ کہیں۔ دوسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۵) قتادہ کی ابو عیسیٰ الاسواری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا یہ عیسیٰ غیر مشہور ہے اور اس سند میں قتادہ کا اضطراب اس کے معلول ہونے کے لیے کافی ہے۔ علاوہ ازیں یہ احادیث اباحت کے خلاف ہیں جس پر سلف اور خلف کا اجماع ہے۔ تیسری حدیث (صحیح مسلم: ۲۰۲۶) عمرو بن حمزہ کی ابو غطفان سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جو بھولے سے پی لے تو وہ قے کر دے۔ عمرو بن حمزہ نے کہا: یہ حدیث دیگر احادیث (اباحت) سے مخالفت کی گنجائش نہیں رکھتی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ (موخر الذکر جملہ) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۷، ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ نے علامہ نووی کی طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو تنزیہ پر اور اباحت کی احادیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے اور اخیر میں لکھا ہے کہ یہ ممانعت تادیب، ارشاد اور اولیٰ اور افضل کام کرنے کی ہدایت پر محمول ہے۔ (شرح الطیبی، ج ۸، ص ۱۸۷-۱۸۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی علامہ طیبی کی طرح لکھا ہے۔

(مرقات، ج ۸، ص ۲۱۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث روایت کی ہیں اور بعض احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی ہیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری، ج ۶، رقم الحدیث: ۵۶۱۶، ۵۶۱۵، سنن ابوداؤد، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۷۱۸، سنن النسائی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۰، شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۳۵۷) اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیدل چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (سنن الترمذی، ج ۳، رقم الحدیث: ۱۸۸۷) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور امام طحاوی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر (مشروب) پیتے تھے۔ (شرح معانی الآثار، ج ۲،

ص ٣٥٨ ' مسند البزار ' ج ٣ ' رقم الحدیث: ٢٨٩٨) اور امام طحاوی نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشک کے منہ سے پانی پیا۔ (شرح معانی الآثار ' ج ٢ ' ص ٣٥٨) اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ' ج ٣ ' ص ١١٩ ' ج ٦ ' ص ٤٣١ ' ٣٧٦ ' معجم کبیر ' ج ٢٥ ' ص ١٢٢-١٢٦ ' معجم اوسط ' ج ١ ' رقم الحدیث: ٦٥٨) اس کے بعد علامہ عینی نے علامہ نووی اور علامہ طحاوی کی عبارات کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ علامہ نووی کی عبارات ہم نقل کر چکے ہیں اور علامہ ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ٣٢١ھ کی عبارت یہ ہے:

نبی ﷺ نے بر طریقہ تحریم کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ مشک سے منہ لگا کر کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے تاکہ پانی بدبودار نہ ہو جائے' لہٰذا یہ منع کرنا امت پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تھا' یا امت سے کوئی اور ضرر دور کرنے کے لیے منع فرمایا۔ مبادا انہیں کھڑے ہو کر پانی پینے سے کوئی ضرر لاحق ہو جائے اور جب وہ ضرر دور ہو گیا تو وہ ممانعت بھی اٹھ گئی اور جب متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اور صحابہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت اب اٹھ چکی ہے۔ ہمارے نزدیک ان احادیث کی یہی توجیہ ہے۔

(شرح معانی الآثار ' ج ٢ ' ص ٣٥٩ ' ملخصاً ' مطبوعہ کراچی ' عمدۃ القاری ' ج ٩ ' ص ٢٧٩ ' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ' مصر ' ١٣٤٨ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ نووی شافعی اور علامہ طیبی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا خلاف اولیٰ ہے۔ علامہ قرطبی مالکی اور علامہ ابی مالکی کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں یا پھر آپ نے ضرر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی حنفی کا بھی یہی موقف ہے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی کا بھی یہی رجحان ہے اور ملا علی قاری حنفی کی رائے یہ ہے کہ آپ نے بہ طور تادیب اور شفقت کے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے اور جمہور فقہاء احناف کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے۔

وضو کے بچے ہوئے پانی اور زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا استحباب

در مختار شرح تنویر الابصار میں مذکور ہے "وضو کا بچا ہوا پانی اور اسی طرح آب زمزم قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پیئے اور ان دو پانیوں کے سوا کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہی ہے" اس عبارت سے علامہ شامی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آب زمزم اور وضو کا بقیہ پانی بھی کھڑے ہو کر پینا صرف جائز اور مباح ہے۔ مستحب نہیں ہے۔ مستحب ان کو بھی بیٹھ کر پینا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں مواضع پر کھڑے ہو کر پینے کا مکروہ نہ ہونا بھی محل کلام ہے چہ جائیکہ ان میں مستحب کا قول کیا جائے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان مواضع پر کھڑے ہو کر پینا مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ مستحب بھی نہیں ہے کیونکہ زمزم کے پانی میں شفاء ہے۔ اسی طرح وضو کے بقیہ میں بھی شفاء ہے۔

(رد المحتار ' ج ١ ' ص ٨٨ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت ' ١٤٠٧ھ)

ہمیں اس مسئلہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ کی رائے سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک آب زمزم کی تعظیم کے قصد سے اس کو قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر پینا مستحب اور باعث ثواب ہے کیونکہ آب زمزم شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: ٣٢)

اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

علامہ شامی سے مقدم اجلہ فقہاء نے بھی زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

وضوء کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضوء کا بچا ہوا پانی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پیئے اور امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پیئے اور اسی طرح زمزم کے پاس بھی کھڑے ہو کر پیئے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ 'ج ۱'ص ۲۵ 'مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ 'کوئٹہ)

علامہ حسن بن منصور اوز جندی (قاضی خان) متوفی ۲۹۵ھ نے وضو کی سنتوں میں لکھا ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیئے۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ 'ج ۱'ص ۳۵)

علامہ عالم بن العلاء الانصاری الاندر یتی الدہلوی المتوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

امام خواہر زادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیئے اور دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے۔ ایک اس مقام پر اور ایک زمزم پر۔ (فتاویٰ تاتار خانیہ 'ج ۱'ص ۱۲-۱۳ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن 'کراچی '۱۴۱۱ھ)

علامہ شیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

وضو کا بچا ہوا پانی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کا بچا ہوا پانی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا ہے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جو بھول جائے وہ قے کرے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے جو کہ طبی بنا پر ہے نہ کہ دینی بنا پر۔

(مراقی الفلاح علی ہامش الطحاوی 'ص ۷ ۴-۴۶ 'مطبوعہ مصر)

عالم گیری میں بھی وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب لکھا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ 'ج ۱'ص ۸ 'طبع مصر)

نیز علامہ شامی کی اپنی عبارت میں بھی ان کی تحقیق کے ضعیف ہونے کی تصریح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اور سراج میں مذکور ہے کہ ان دو جگہوں کے سوا کھڑے ہو کر پانی پینا مستحب نہیں ہے۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ شارح (علامہ حصکفی صاحب در مختار) کا مختار ضعیف ہے جیسا کہ اس پر حموی وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔ (کیونکہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی اور زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔)

(رد المحتار 'ج ۱'ص ۸۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 'بیروت '۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ کا ارشاد ہے:

زمزم اور وضو کا پانی شرع میں کھڑے ہو کر پینے کا حکم ہے اور لوگوں نے دو اور اپنی طرف سے لگا لیے ہیں۔ ایک سبیل کا اور دوسرا جھوٹا پانی اور دونوں جھوٹے۔ (الملفوظ 'ج ۴'ص ۶ 'مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی 'کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

اور بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر تھوڑا پی لے کہ شفاء امراض ہے۔

(بہار شریعت 'ج ۲'ص ۱۲ 'مطبوعہ ضیاء القرآن 'پبلیکیشنز 'لاہور)

نیز مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

اسی طرح آب زمزم کو بھی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔ یہ دونوں پانی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(بہار شریعت 'ج ۱۶'ص ۲۹ 'مطبوعہ ضیاء القرآن 'پبلیکیشنز 'لاہور)

بار چہارم

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ
(اے نبی) آپ کہیے، اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی
مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ
خصوصاً ان ہی کے لیے ہیں، ہم جاننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں ○ آپ کہیے
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَ
کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ، اور گناہ کو اور
الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا
ناحق زیادتی کو، اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی
وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ
اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے ○ اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے
فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾
جب وہ میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے ہو سکیں گے ○
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ
اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں،
فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ
سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا، تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے تکبر کیا، تو وہی لوگ دوزخ والے

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں گھڑ

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ

کر اللہ پر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے ، ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا ،

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے ، تو وہ پوچھیں گے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

بتاؤ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے ، وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہوگئے اور وہ خود اپنے خلاف

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ○ اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے

قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ

پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں ، جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی

لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ

تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی ، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے

لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ

متعلق کہیں گے اے ہمارے رب : ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا ، سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے ،

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ

اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے ○ اور پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے

لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سو عذاب کو چکھو اس

۴ع ۸ ۱۱

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ع ﴿۳۹﴾

سبب سے جو تم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو' آپ کہیے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے ہیں ہم جاننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں ○ (الاعراف: ۳۲)

لباس پہنتے وقت دعا کرنے اور شکر ادا کرنے کے متعلق احادیث

اس آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو بغیر فضول خرچی اور تکبر کے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم جو چاہو کھاؤ' اور جو چاہو پہنو' جب تک فضول خرچ یا تکبر نہ ہو۔

(صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب:۱' ج ۷' ص ۴۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور پاک اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان لوگوں سے فرمایئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے زینت پیدا کی ہے تم خوبصورت لباس پہنو اور اللہ کے رزق میں سے حلال چیزیں کھاؤ۔ (جامع البیان ج ۸' ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ خواہ قمیص ہو یا عمامہ ہو' پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے کہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا' میں تجھ سے اس کپڑے کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کپڑے کے شر سے اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۲۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے ان میں ایک چھوٹی اونی چادر تھی۔ آپ نے پوچھا تمہاری رائے میں اس کا کون زیادہ مستحق ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس ام خالد کو لاؤ۔ ان کو بلایا گیا تو آپ نے وہ چادر ان کو پہنادی آپ نے دوبار فرمایا: تم اس کو پرانا کرو اور دوسروں کے لیے چھوڑو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۲۴' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۸۴۵)

لباس کی انواع اور اقسام کے متعلق احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو تمام کپڑوں میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۲۵' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شیروانیاں تقسیم کیں اور مخرمہ کو کچھ نہیں دیا۔ مخرمہ نے کہا اے بیٹے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو میں ان کو لے گیا۔ پھر کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرے لیے بلاؤ۔ میں

نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے درآنحالیکہ آپ کے پاس ان شیروانیوں میں سے ایک شیروانی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے اس کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۲۸' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۸۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو تہبند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس شخص کو جوتے میسر نہ ہوں' وہ موزے پہنے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۸۰۴)

حضرت معتمر کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کی اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۸۰۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۷۹' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۱۲۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قضاء حاجت کے لیے گئے' پھر آپ آئے' میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا۔ آپ نے وضو کیا۔ اس وقت آپ نے شامی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ دھویا۔ پھر آپ اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکالنے لگے۔ وہ آستینیں تنگ تھیں پھر آپ نے کوٹ کے نیچے سے ہاتھوں کو نکال لیا اور کلائیوں کو دھویا اور سر پر اور موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۷۹۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۶۱۶' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۱۲۳)

جعفر بن عمرو بن حریث کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ کی ایک طرف (شملہ) کو دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۷۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۳۵۹' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۳۴۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۸۷' ۲۸۲۱)

لباس کے رنگوں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سفید لباس پہنو وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو اور بہترین سرمہ اثمد ہے یہ نظر تیز کرتا ہے اور بال اگاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۶۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۶۶)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ متوسط قامت کے تھے۔ میں نے آپ کو سرخ حلہ (ایک قسم کی دو چادریں' ایک بہ طور تہبند باندھی جائے اور ایک بالائی بدن پر لپیٹ لی جائے) میں دیکھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۸۴۲)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرخ حلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی ذی لمہ (جس کے بال کانوں کی لو سے متجاوز ہوں) نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۳۳۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۱۸۳' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۷۳۰' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۵۲۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ' رقم الحدیث: ۴۷۶۷)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دو سرخ قمیصیں پہنے ہوئے آئے وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ الحدیث۔ (جن احادیث میں سرخ لباس کی ممانعت ہے وہ مرجوح اور ضعیف ہیں یا مؤول ہیں)

(مصنف ابن ابی شیبہ ' رقم الحدیث: ۴۷۸۱ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۳۶۰۰ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۹ ' سنن النسائی ' رقم الحدیث: ۱۴۱۳)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ سے بھر جاتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ اور کوئی رنگ پسند نہیں تھا اور آپ اپنے تمام کپڑوں کو رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ کو بھی۔ (جن احادیث میں زرد لباس کی ممانعت ہے ' وہ بھی ضعیف یا مؤول ہیں)

(سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۶۴ ' سنن النسائی ' رقم الحدیث: ۵۰۸۸ ' صحیح البخاری ' رقم الحدیث: ۵۸۵۱ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث: ۱۱۸۷)

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا آپ پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں۔

(سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۶۵ ' سنن النسائی ' رقم الحدیث: ۵۳۲۱ ' سنن الترمذی ' رقم الحدیث: ۲۸۲۱ ' صحیح ابن حبان ' رقم الحدیث: ۵۹۹۵ ' مسند احمد ' رقم الحدیث: ۱۳۱ ' المعجم الکبیر ' ج ۲۲ ' رقم الحدیث: ۷۱۷ ' سنن کبریٰ للبیہقی ' ج ۸ ' ص ۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک صبح کو باہر گئے اور آپ کے اوپر سیاہ رنگ کی اونی چادر تھی۔

(سنن الترمذی ' رقم الحدیث: ۲۸۲۲ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث: ۲۰۸۱ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۳۲)

اجلے ' صاف اور عمدہ لباس پہننے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو ' وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ جمیل (حسین) ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم ' رقم الحدیث: ۹۱ ' سنن الترمذی ' رقم الحدیث: ۲۰۰۶ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۹۱ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث: ۵۹ ' شعب الایمان ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۶۱۹۲)

امام احمد کی روایت میں ہے اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو۔ اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتیٰ کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ جمال ہے اور بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(مسند احمد ' ج ۲ ' رقم الحدیث: ۳۷۸۹ ' طبع جدید ' دار الفکر ' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ' ج ۴ ' رقم الحدیث: ۳۷۸۹ ' طبع دار الحدیث ' قاہرہ ' ۱۴۱۶ھ)

ابو الاحوص کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔ (دوسری روایت میں ہے: میرے پاس اونٹ ' بکریاں ' گھوڑے ' غلام ہر قسم کا مال ہے) آپ نے فرمایا جب اللہ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن النسائی ' رقم الحدیث: ۵۲۳۹ ' ۵۲۳۸ ' ۵۳۰۹ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث: ۴۰۶۳ ' شعب الایمان ' ج ۵ ' رقم الحدیث: ۶۱۹۷)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ٢٨٢٨' مسند احمد' ج ٧' رقم الحدیث: ١٩٩٥٤' دار الفکر' طبع جدید)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال غبار آلود اور بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے ساتھ یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے؟ ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو پانی میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٠٦٢' شعب الایمان' ج ٥' رقم الحدیث: ٦٢٢٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام صاف ستھرا ہے سو تم صاف ستھرے رہو' کیونکہ جنت میں صرف صاف ستھرے لوگ داخل ہوں گے۔

(المعجم الاوسط' ج ٥' رقم الحدیث: ٤٨٩٠) (اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے۔ جس وقت ہم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سائے کی طرف آ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس وقت مجھے دسترخوان میں ایک چھوٹی سی ککڑی ملی۔ آپ نے پوچھا یہ تم کو کہاں سے ملی؟ پھر آپ نے کوئی بات ذکر کی۔ پھر ایک شخص چلا گیا جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کیا اس کے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس کے دو کپڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں جو میں نے اس کو پہنائے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ وہ دو کپڑے پہن لے۔ اس نے جا کر وہ کپڑے پہن لیے۔ (الحدیث) امام بزار نے اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک کی سند صحیح ہے۔ (مسند البزار' رقم الحدیث: ٢٩٦٤' ٢٩٦٣' ٢٩٦٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟ پھر ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو حضرت عمر نے کہا: جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔ (الحدیث) (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٣٦٥)

محمد بن سیرین نے کہا: تمیم نے ایک ہزار درہم کی چادر خریدی جس کو پہن کر وہ نماز پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٦٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سے ایک شخص کو سات سو درہم کا لباس خرید کر پہنایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٨' رقم الحدیث: ٤٩٦٦)

قیمتی اور معمولی لباس پہننے کی احادیث میں تطبیق

بعض احادیث میں خوب صورت لباس نہ پہننے اور معمولی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہم پہلے وہ احادیث بیان کریں گے اور پھر ان کی توجیہات ذکر کریں گے۔

سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے تواضع کرتے ہوئے (نہایت قیمتی) لباس کو ترک کر دیا' حالانکہ وہ اس پر قادر تھا' اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لوگوں کے سامنے بلائے گا حتیٰ کہ اس کو اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلہ کو چاہے پہن لے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۸۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۰۲۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۶۲' مسند احمد' ج ۷' رقم الحدیث: ۱۹۷۷۹' المستدرک' ج ۱' ص ۶۱' ج ۴' ص ۱۸۴' شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۱۴۸)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قدرت کے باوجود خوبصورت لباس کو تواضعاً ترک کر دیا اللہ اس کو عزت کے حلے پہنائے گا۔ (یہ حدیث ضعیف ہے)

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس شخص سے محبت کرتا ہے جو روزمرہ استعمال کے عام کپڑے پہنتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابولہیعہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث: ۶۱۷۶)

ان روایات کا ایک جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں عمدہ اور قیمتی کپڑے پہننے کی ترغیب دی گئی ہے' وہ صحیح السند ہیں اور یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں۔ اس لیے یہ روایات ان احادیث سے متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام کا منشاء اعتدال اور میانہ روی کی ہدایت دینا ہے۔ انسان نہ تو ایسا کرے کہ اچھے اور صاف ستھرے لباس پر قدرت کے باوجود پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے اور نہ ایسا کرے کہ نہایت فاخرانہ اور طمطراق والی پوشاک پہنے۔ نہ اس قدر گھٹیا اور معمولی کپڑے پہنے جس سے اس کی خساست اور دناءت ظاہر ہو اور نہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر قیمتی لباس پہنے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان کی قلبی واردات اور دلی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی اس پر صبر اور زہد کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ روزمرہ کے معمولی کپڑے پہنتا ہے اور کبھی اس پر اللہ کی نعمتوں کے اظہار اور شکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ عمدہ اور قیمتی لباس پہنتا ہے۔ ہم جس آیت کی تفسیر کر رہے ہیں' اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت کے اظہار کا حکم ہے' اس لیے عمدہ اور قیمتی لباس کے سلسلے میں مزید چند احادیث بیان کر رہے ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن الحنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو سو تم اپنی جوتیوں کو ٹھیک کرو اور حسین لباس پہنو۔ (الحدیث) (شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۲۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے وہب بن کیسان نے بتایا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اصحاب کو دیکھا جو خز (ریشم اور اون کا مخلوط) لباس پہنتے تھے۔ (شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۲۱۲)

مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے تمام فقہاء کو حسین لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

(شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۲۲۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی میلے کپڑوں میں نہیں دیکھا۔ آپ کبھی کبھی تیل لگانا پسند کرتے تھے اور سر میں کنگھی کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میلے کپڑوں اور پراگندہ بالوں کو ناپسند کرتا ہے۔ (شعب الایمان' ج ۵' رقم الحدیث: ۶۲۲۶)

لباس پہننے کے شرعی اور فقہی احکام

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

لباس پہننا بعض صورتوں میں فرض ہے' بعض میں واجب' بعض میں مستحب' بعض میں مباح' بعض میں مکروہ اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فرض: لباس کی جتنی مقدار شرم گاہ چھپانے کے لیے ضروری ہو اتنی مقدار کا لباس پہننا فرض ہے۔ (مرد کی شرم گاہ ناف سے گھٹنے تک ہے اور عورت کا تمام بدن شرم گاہ ہے سوائے چہرہ' ہاتھ اور پیروں کے' محارم کے سامنے چہرے' ہاتھ اور پیروں کو ظاہر کرنا جائز ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے بلا ضرورت شرعی ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے)

واجب: سردی اور گرمی کے اثرات سے جسم کو محفوظ کرنے کیلئے جس قدر لباس پہننا ضروری ہو' اس کا پہننا واجب ہے۔

مستحب: اظہار زینت کے لیے قدر زائد اور خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کے اوپر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔ اسی طرح سفید' سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔

مباح: جمعہ اور عید کے مواقع پر اور تقریبات اور محافل میں قیمتی اور نفیس لباس پہننا مباح ہے۔ اسی طرح رنگنے کے بعد حیوانوں اور درندوں کی کھالوں کا لباس پہننا بھی مباح ہے۔

مکروہ: ہر وقت قیمتی اور نفیس پوشاک پہننا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے اور اس میں اسراف ہے اور تکبر کا خطرہ ہے۔ تکبر یہ ہے کہ وہ قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر معمولی کپڑے پہننے والوں کو کمتر اور حقیر جانے۔

حرام: ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں تو پھر جائز ہے۔ اسی طرح اگر چار انگل کی مقدار سونے کا کام کیا ہوا ہو تو پھر بھی جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: نبی اللہ ﷺ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار کے۔

(صحیح مسلم' لباس: ۱۵' (۲۰۶۹) ۵۳۱۸' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۷۲۷' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۹۶۳۰' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۵۴۴۱' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۶۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے۔ ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۰۵۴' صحیح مسلم' لباس: ۱۰' (۲۰۶۹) ۵۳۱۰' سنن کبریٰ للنسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۹۵۸۸' رد المحتار ج ۵' ص ۲۲۴-۲۲۳' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)۔

زینت اور تجمل کے متعلق مفسرین مذاہب اربعہ کی تحقیق

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیات عمدہ اور نفیس کپڑوں کے پہننے پر دلالت کرتی ہیں۔ عید' جمعہ' لوگوں سے ملاقات اور رشتہ داروں کی ملاقات کے وقت قیمتی اور خوبصورت لباس پہننا چاہیے۔ امام ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ مسلمان جب ایک دوسرے کی زیارت کرتے تھے تو خوبصورت لباس پہنتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی حلہ فروخت ہوتے ہوئے دیکھا' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ جمعہ اور وفود سے ملاقات کے وقت پہننے کے لیے یہ حلہ خرید لیتے تو اچھا ہوتا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کپڑے کو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ نے اس لباس کے خوبصورت ہونے کی بناء پر اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کے ریشمی ہونے کی وجہ سے منع فرمایا تھا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم کا ایک حلہ خریدا' جس کو پہن کر وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک بن دینار عدن کی ایک نہایت قیمتی پوشاک منگا کر پہنتے تھے۔ امام احمد بن حنبل ایک دینار کا لباس خرید کر پہنتے تھے۔ یہ حضرات کب قیمتی کپڑوں سے اعراض کر کے موٹے جھوٹے کپڑوں کو ترجیح دینے والے تھے؟ اور "لباس التقوی ذالک خیر" کا معنی معمولی اور گھٹیا کپڑے پہننا نہیں ہے' ورنہ یہ نفوس قدسیہ لباس التقویٰ کو ترک کرنے والے نہیں تھے' بلکہ یہی لوگ اصحاب علم' ارباب معرفت اور اہل تقویٰ تھے اور ٹاٹ اور گاڑھا پہننے والے دوسرے لوگ تو فقط اہل دعویٰ ہیں اور ان کے دل تقویٰ سے خالی ہیں۔ خالد بن شوذب بیان کرتے ہیں کہ میں حسن بصری کے پاس گیا' ان سے فرقد ملنے کے لیے آئے۔ حسن بصری نے ان کی چادر دیکھ کر کہا اے ام فرقد کے بیٹے! نیکی اس چادر میں نہیں ہے' نیکی سینے میں ہوتی ہے اور اس کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے' اسی طرح معروف کرخی کے بھتیجے ابو محمد' ابوالحسن کے پاس اونی جبہ پہن کر گئے' ابوالحسن نے ان سے کہا: اے ابو محمد آیا تم نے اپنے دل کو صوفی بنایا ہے یا اپنے جسم کو؟ اپنے دل کو صاف رکھو خواہ لباس کسی قسم کا پہنو' علامہ ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا: میں معمولی اور پیوند لگا ہوا لباس چار وجہ سے ناپسند کرتا ہوں:

۱- یہ سلف صالحین کا لباس نہیں ہے اور سلف صالحین بلا ضرورت لباس میں پیوند نہیں لگاتے تھے۔

۲- اس قسم کے لباس سے غربت کا اظہار ہوتا ہے' حالانکہ انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے آثار کو ظاہر کرے۔

۳- اس قسم کا لباس پہننے سے زہد کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ ہمیں زہد کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۴- اس قسم کا لباس عموماً ان لوگوں کا شعار ہے جو ظاہر شریعت سے خارج ہیں اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے' اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ جس شخص نے بالوں اور اون کے لباس کو سوتی لباس کے حصول کے باوجود ترجیح دی' اس نے خطاء کی' اسی طرح اس شخص نے بھی خطا کی جس نے گوشت ترک کر کے دال اور سبزی کھانا شروع کر دی۔ (یہاں اون کے کپڑوں سے یہ مراد ہے کہ بعض لوگ صوفیت کا اظہار کرنے کے لیے اون والی کھال کا لباس بنا لیتے تھے' جس کی ہیئت کذائی آج کل کے گاڑھے اور ٹاٹ سے بھی زیادہ بدنما ہوتی تھی۔ آج کل کپڑے کی صنعت بہت ترقی کر چکی ہے اور اون کو متعدد کیمیائی مراحل سے گزار کر اس کا نہایت صاف شفاف اور قیمتی لباس تیار کیا جاتا ہے۔ ایسا لباس اس حکم میں داخل نہیں ہے' سعیدی غفرلہ) بشر بن حارث سے اون پہننے کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کو برا لگا اور ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کہا شہروں میں اونی کپڑے پہننے سے میرے نزدیک زرد رنگ کا اور ریشم اور اون کا مخلوط کپڑا پہننا بہتر ہے۔

علامہ ابوالفرج نے کہا سلف صالحین متوسط کپڑوں کا لباس پہنتے تھے' بہت قیمتی لباس پہنتے تھے نہ بہت گھٹیا کپڑے پہنتے تھے

اور جمعہ' عید اور رشتہ داروں سے ملاقات کے وقت بہت عمدہ لباس پہنتے تھے اور بہت معمولی اور حقیر کپڑے پہننا فقر اور زہد کے اظہار کو متضمن ہے اور یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنا ہے اور اس قسم کے لباس سے لباس پہننے والے کی تحقیر ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں مکروہ اور ممنوع ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عمدہ لباس پہننا خواہش نفس کی پیروی ہے' اور ہمیں نفسانی خواہشوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' نیز اس میں مخلوق کو اپنی زیبائش دکھانا ہے' حالانکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمارے تمام افعال اللہ کے لیے ہوں مخلوق کے لیے نہ ہوں' اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کی ہر خواہش مذموم نہیں ہے اور نہ مخلوق کے لیے ہر زینت مکروہ ہے۔ اس چیز سے اس وقت ممانعت کی جائے گی جب شریعت نے اس سے منع کیا ہو یا اس کی بنیاد دین اور عبادات میں ریاکاری ہو۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے اور اس چیز میں شریعت نے اس پر ملامت نہیں کی۔ اسی وجہ سے بالوں میں کنگھی کی جاتی ہے اور آئینہ دیکھا جاتا ہے اور عمامہ درست کیا جاتا ہے اور اندر معمولی کپڑے اور اوپر قیمتی پوشاک پہنی جاتی ہے اور ان میں سے کوئی چیز مکروہ اور مذموم نہیں ہے اور مکحول نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ کچھ صحابہ دروازہ کے باہر حضور کے منتظر تھے' آپ ان سے ملنے کے لیے جانا چاہتے تھے' گھر میں ایک چھاگل میں پانی تھا آپ پانی میں دیکھ کر اپنی داڑھی اور بالوں کو درست کرنے لگے۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں جب کوئی شخص اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اپنے آپ کو تیار کر کے جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل (خوب رو) ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو' وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر' حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ اس معنی میں بکثرت احادیث ہیں جو صفائی اور حسن و جمال کے حصول پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی' آئینہ' تیل' مسواک اور سرمہ کو ساتھ لے کر سفر میں جاتے تھے۔ امام ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر میں بہت تیل لگاتے تھے اور پانی سے داڑھی کو درست کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اور آپ سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین بار سرمہ لگاتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۷۸-۱۷۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں زینت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ زینت سے مراد لباس ہے' جس سے انسان اپنی شرم گاہ کو چھپا سکے۔

۲۔ زینت سے مراد عام ہے اور اس میں زینت کی تمام اقسام شامل ہیں۔ اس میں بدن کو صاف کرنا' سواریاں رکھنا اور انواع و اقسام کے زیورات شامل ہیں اور اگر مردوں پر سونے' چاندی اور ریشم کی حرمت کے متعلق نص نہ آئی ہوتی تو وہ بھی اس عموم میں شامل ہوتے اور پاکیزہ رزق سے مراد بھی عام ہے اس میں تمام پسندیدہ اور لذیذ کھانے پینے کی چیزیں داخل ہیں اور اس میں ازواج سے لذت اندوزی اور خوشبو لگانا بھی داخل ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں! آپ نے فرمایا: نرم روی اختیار کرو' کیونکہ مجھے جب گوشت مل جاتا ہے تو میں گوشت کھاتا ہوں اور اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ مجھے ہر روز گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرے گا۔ حضرت عثمان بن مظعون نے کہا میرے دل میں آتا ہے کہ میں خوشبو نہ لگاؤں! آپ نے فرمایا: سختی نہ کرو۔ کیونکہ جبرئیل نے مجھے کبھی کبھی خوشبو لگانے کا حکم پہنچایا ہے اور یہ کہا ہے کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانے کو ترک نہ کریں پھر آپ نے فرمایا: اے عثمان! میری سنت سے اعراض نہ کرو' کیونکہ جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا اور توبہ سے پہلے مر گیا تو فرشتے اس کا چہرہ میرے حوض سے پھیر دیں گے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زینت کی تمام اقسام جائز ہیں اور ان سے متصف ہونے کی اجازت ہے۔ ماسوا ان چیزوں کے جن کی کسی دلیل سے ممانعت ہو' اسی لیے ہم نے کہا کہ قل من حرم زینة اللہ میں زینت کی تمام اقسام داخل ہیں۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۳۱-۲۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زینت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

۱- زینت سے مراد کپڑے ہیں اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(الف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور علماء کی ایک جماعت نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ کپڑے پہن کر طواف کیا کرو۔

(ب) مجاہد اور زجاج وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں شرمگاہ کو ڈھانپا جائے۔

(ج) علامہ ماوردی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ اور عید وغیرہ میں خوبصورت اور دیدہ زیب لباس پہنا جائے۔

۲- ابو رزین نے کہا زینت سے کنگھی وغیرہ کرنا مراد ہے۔ (زاد المسیر' ج ۳' ص ۱۸۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں جانے کے لیے زینت والا لباس پہننا مستحب ہے اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جمعہ اور عید میں اس کو میرے لیے مستحب کیا گیا ہے۔ (احکام القرآن' ج ۳' ص ۳۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد بعض مفسرین نے یہاں زینت سے خوبصورت لباس مراد لیا ہے۔ کیونکہ اس لفظ سے یہی معنی متبادر ہے۔ امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی یہی تفسیر منسوب ہے۔ روایت ہے کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے جاتے تو نہایت عمدہ لباس پہنتے۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس قدر عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تو میں اپنے رب کے لیے جمال اختیار کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ زینت سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (روح المعانی' ج ۸' ص ۱۰۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

قل من حرم زینة اللہ (الآیہ) کی تفسیر میں علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہوں نے خز (ریشم اور اون کا مخلوط کپڑا) کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف بھیجا تو انہوں نے سب سے افضل کپڑے

پہنے، سب سے اچھی خوشبو لگائی اور سب سے اچھی سواری پر سوار ہوئے اور جب خوارج نے ان کو دیکھ کر یہ کہا کہ آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور آپ متکبرین کا لباس پہن کر اور ان کی سواری پر بیٹھ کر آئے ہیں تو حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ اور حق بات یہ ہے کہ جس زینت کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے اور اس کے استعمال میں کوئی توقف نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس میں تکبر کا دخل ہو۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک ہزار درہم کی چادر اوڑھ کر تشریف لے گئے' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چار سو دینار کی چادر اوڑھتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اور امام محمد بھی بہت قیمتی لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے میں اس لیے زیب و زینت کے ساتھ رہتا ہوں کہ میری بیویاں کسی اور کی زیب و زینت کی طرف نہ دیکھیں۔ اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس بندے پر اس نعمت کے آثار نظر آئیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیوند لگی ہوئی قمیص نہیں پہنتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمال ان کی اتباع کرتے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اگر آپ نے قیمتی لباس پہنا تو آپ کے عمال بھی قیمتی لباس پہنیں گے اور اگر ان کے پاس پیسے نہ ہوئے تو پھر وہ لوگوں سے یا اموال مسلمین سے ناجائز طور پر پیسے حاصل کریں گے۔ (روح المعانی' ج ۸' ص ۱۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے لیے زینت اور نفع کے حصول کا باعث ہو' وہ حلال ہے۔ ماسوا اس کے کہ اس کی حرمت یا کراہت پر قرآن اور سنت میں کوئی نص موجود ہو' اور اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کے حصول میں مسلمانوں کے لیے ضرر ہو' اس کا ترک کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک کرنے میں ہی مسلمانوں کا نفع ہے اور موجب ضرر اشیاء کی حرمت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

اس آیت سے یہ قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی تمام کاموں کا کرنا اصل میں جائز اور مباح تھا پھر جن کاموں کی قرآن اور حدیث میں ممانعت آگئی' وہ ممنوع ہو گئے اور باقی تمام کام اپنی اصل پر جائز رہے۔ مثلاً پہلے شراب پینا اور جوا کھیلنا مباح تھا۔ اسی طرح پہلے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا مباح اور جائز تھا اور جب ان کاموں کی ممانعت شریعت میں آگئی تو یہ کام ممنوع ہو گئے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تحریر (از علامہ ابن ہمام) میں یہ تصریح ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا مختار مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (التحریر مع شرحہ التیسیر' ج ۱' ص ۱۷۲' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض) اور علامہ ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم نے بھی ان کی اتباع کی ہے اور ہدایہ کی فصل حداد میں بھی مذکور ہے۔ اباحت اصل ہے۔ (ہدایہ اولین' ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ' ملتان) اور قاضی خان نے الحظر والاباحۃ کے اوائل میں لکھا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ' ج ۳' ص ۴۰۰' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ) اور تحریر کی شرح میں مذکور ہے کہ یہ بصرہ کے معتزلہ' بہ کثرت شافعیہ اور اکثر حنفیہ خصوصاً عراقیوں کا قول ہے اور امام محمد نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ایک شخص کو کسی نے کہا مردار کھاؤ یا

شراب پیو' ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا اور اس نے اس شخص کا کہنا نہ مانا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا تو مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ گنہ گار ہوگا' کیونکہ مردار کھانا اور شراب پینا صرف اللہ کے منع کرنے سے حرام ہوا ہے۔ اس عبارت میں امام محمد نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو ممانعت کے عارض ہونے کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ (تیسیر التحریر' ج ۲' ص ۱۶۱' مطبوعہ ریاض) اور شیخ اکمل الدین نے اصول بزدوی کی شرح میں لکھا ہے کہ استیلاء کفار کے باب میں شارح نے جو یہ لکھا ہے کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے (در مختار علی هامش رد المحتار' ج ۳' ص ۲۴۴) اس پر اعتراض ہے۔

(رد المحتار' ج ۱' ص ۷۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

شارح (صاحب در مختار) کا یہ کہنا کہ اباحت معتزلہ کی رائے ہے کتب اصول کے مخالف ہے' کیونکہ علامہ ابن ہمام نے تحریر میں یہ لکھا ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اصول بزدوی کی شرح میں علامہ اکمل الدین نے فرمایا ہے ہمارے اکثر اصحاب اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جن کاموں کے متعلق یہ جائز ہے کہ شریعت ان کے مباح ہونے کا حکم دے یا ان کے حرام ہونے کا حکم دے وہ تمام کام احکام شرع وارد ہونے سے پہلے اپنی اصل پر مباح ہیں۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شریعت نہ پہنچی ہو اس کے لیے مباح اور جائز ہے کہ وہ جو چاہے کھائے۔ امام محمد نے کتاب الاکراہ میں اسی طرح اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا مردار کھانا اور شراب پینا صرف شرعی ممانعت کی وجہ سے حرام ہے۔ پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے اور حرمت کو عارضہ ممانعت کی وجہ سے مشروع قرار دیا ہے۔ جبائی (معتزلی) ابو ہاشم اور غیر مقلدین کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے بعض اصحاب اور بعض اصحاب شافعی اور معتزلہ بغداد کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل ممانعت ہے اور اشاعرہ اور عام محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے۔ حتیٰ کہ جس شخص تک شرعی احکام نہ پہنچے ہوں وہ کسی چیز کو نہ کھائے اگر اس نے کھایا تو اس کے فعل کو نہ حلال کہا جائے گا نہ حرام۔

(رد المحتار' ج ۳' ص ۲۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں اور انواع تجملات میں اصل اباحت ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی' ج ۳' ص ۱۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت کے علاوہ حسب ذیل حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی' پنیر اور پوستین کے متعلق سوال کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا وہ حرام ہے۔ اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۷۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۶۷' المستدرک ج ۴' ص ۱۱۵)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (مرقات' ج ۸' ص ۱۴۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت سلمان کا قول ہے لیکن اس کا معنی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ نے تمہیں چند چیزوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرو اور چند چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرو۔ اور اس نے اپنی رحمت سے چند چیزوں سے سکوت فرمایا ان کے متعلق سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱۰' ص ۱۳' سنن دار قطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۳۵۰)

• اور جب نبی ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو اس کی تعمیل کرنے پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ امر واجب ہے یا مستحب۔ اور جب کسی چیز سے منع فرمائیں تو اس سے اجتناب پر بھی اتفاق ہے اگرچہ اس کی صفت میں اختلاف ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی اور جس چیز سے رسول اللہ ﷺ سکوت فرمائیں اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں مباح ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اصل میں موقوف ہے۔

(عارضۃ الاحوذی' ج ۷' ص ۲۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معمولات اہل سنت کا جواز اور استحسان

جب یہ واضح ہو گیا کہ تمام کاموں میں اباحت اصل ہے اور جس چیز کے عدم جواز یا کراہت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اس کام کو کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اس اصول پر اہل سنت کے تمام معمولات جائز ہیں مثلاً بغیر تعیین شرعی کی نیت کے سال کے مختلف ایام میں میلاد شریف منعقد کرنا۔ نبی ﷺ کے فضائل اور آپ کی سیرت کا بیان کرنا' خلفاء راشدین اور اہل بیت اطہار کے ایام شہادت اور وفات میں ان کا تذکرہ کرنا اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اور اہل بیت کو قرآن خوانی اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ اسی طرح اولیاء کرام کے ایام وصال میں ان کا تذکرہ کرنا اور ان کو عبادات اور طعام کے صدقہ کا ثواب پہنچانا۔ ہر چند کہ خصوصیت کے ساتھ یہ کام عہد رسالت میں نہیں کیے گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع نہیں فرمایا اور یہ کام اسلام کے کسی حکم سے متصادم نہیں ہیں اس لیے یہ اپنی اصل پر مباح ہیں اور حسن نیت سے موجب ثواب اور باعث خیر و برکت ہیں۔ عہد صحابہ اور تابعین میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر اور دیگر اکابر صحابہ کا قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کو جماعت سے پڑھوانے کا اہتمام کرنا اور اس کو بدعت حسنہ قرار دینا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کی قرات کو باقی لغات سے ختم کر کے صرف لغت قریش پر باقی رکھنا' عبدالملک بن مروان کے حکم سے قرآن مجید کے حروف پر نقطے اور حرکات اور اعراب کا لگایا جانا' عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں مساجد کی عمارتوں میں محراب کا بنایا جانا اور قرآن مجید کے نسخوں میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں اور رکوعوں کی تعداد کو لکھنا یہ سب بدعات حسنہ ہیں جس کو تمام امت مسلمہ نے قبول کر لیا ہے۔ سو اہل سنت کے معمولات کو بھی ان ہی نظائر کی روشنی میں جائز سمجھنا چاہیے اور بلاوجہ ان پر یہ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے کہ انہوں نے ان معمولات کو فرض اور واجب سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح سوئم' چہلم اور عرس کی عرفی تعیینات کو تعیینات شرعی نہیں قرار دینا چاہیے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جیسے مساجد میں گھڑیوں کے حساب سے نمازوں کے اوقات متعین کر لیے جاتے ہیں اور کسی شخص کو بھی یہ بدگمانی نہیں ہوتی کہ یہ تعیین شرعی ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت اپنے عموم پر ہے ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے کہ جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہوئی ہو تو جو لوگ توشہ گیارہویں' میلاد شریف' بزرگوں کی فاتحہ' عرس' مجالس شہادت وغیرہ کی شیرینی' سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں' وہ اس آیت کے خلاف کر کے گنہ گار ہوتے ہیں اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت و ضلالت ہے۔

(حاشیہ خزائن العرفان' ص ۲۴۸' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے' خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ' اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو' اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی' اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۳۳)

ان گناہوں کا بیان جو تمام گناہوں کی اصل ہیں

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں کفار نے جن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام نہیں فرمایا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ سو فرمایا اللہ تعالیٰ نے فواحش کو اثم (گناہ) کو' ناحق زیادتی کو' شرک کو اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنے کو حرام فرمایا ہے۔

فواحش سے مراد ہے کبیرہ گناہ۔ اور اثم سے مراد مطلق گناہ ہے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اس کے بعد جن تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' یعنی ناحق زیادتی' شرک اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا۔ ہرچند کہ یہ بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ یہ زیادہ سنگین جرم ہیں اس لیے ان کا خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ فواحش سے مراد ہے زنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً — اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۳۲)

خواہ ظاہر ہو خواہ پوشیدہ۔ ظاہر سے مراد علی الاعلان بدکاری ہے۔ جس طرح لوگ اجرت دے کر پیشہ ور عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں یا جس طرح آج کل کال گرلز اور سوسائٹی گرلز کو کلبوں اور ہوٹلوں سے بک کیا جاتا ہے اور پوشیدہ سے مراد ہے کسی لڑکی یا عورت سے عشق و محبت کے نتیجہ میں خفیہ طریقہ سے یہ کام کیا جائے۔

اور اثم سے مراد ہے شراب نوشی اور جوا کھیلنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (البقرہ: ۲۱۹) — لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہئے ان میں بڑا گناہ ہے۔

بعض اوقات شراب کے نشہ میں انسان دوسروں کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ان کو گالیاں دیتا ہے اور ان پر تہمت لگاتا ہے۔ اور جوئے کے نتیجہ میں مال حرام کھایا جاتا ہے اور بعض اوقات لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ بھی ہوتی ہے۔ سو یہ تمام گناہ اس میں داخل ہیں۔

اور ناحق زیادتی سے مراد ہے کسی کا ناحق مال چھین لینا یا کسی کو ناحق قتل کر دینا' اور شرک سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی یا اس کے خلاف کوئی بات کرنا۔ اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کرنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر علم اور تحقیق کے کوئی عقیدہ بنا لینا۔ اور یہ پانچ گناہ تمام گناہوں کی اصل ہیں اور باقی تمام بدعقیدگیاں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ان پانچ گناہوں میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے جب وہ میعاد پوری ہو جائے گی تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے ہو سکیں گے ۝ (الاعراف: ۳۴)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کام حرام کیے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اس کی زندگی کا ایک وقت معین ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو اس پر لامحالہ موت آ جائے گی اور اس کو چونکہ موت کا وقت بتایا

نہیں گیا اس لیے وہ ہر وقت موت کا منتظر رہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے' ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حرام کام میں مشغول ہو اور اس کی موت کا وہی وقت مقرر ہو۔

حضرت ابن عباس' حسن اور مقاتل نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو ایک معین وقت تک کے لیے عذاب سے مہلت دی ہے سو جو قومیں اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی رہیں ان کو ایک مدت تک مہلت دی گئی اور جب وہ مدت پوری ہو گئی تو ان پر عذاب آ گیا اور اس کے وقت میں کوئی کمی یا بیشی نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں' سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان (کو ماننے) سے تکبر کیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

(الاعراف: ۳۶-۳۵)

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں انسانوں کی زندگی کے بعد ان کی موت کا ذکر فرمایا تھا۔ اب بتایا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تھی تو مرنے کے بعد انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا اور اگر انہوں نے اپنی یہ زندگی سرکشی اور انحراف میں گزاری تھی تو پھر مرنے کے بعد انہیں دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

رسول کا ان لوگوں کی جنس سے ہونا جن کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا

اس آیت میں اولاد آدم سے مراد اہل مکہ ہیں اور رسل سے مراد سید الرسل' خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آپ کے متعلق جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ میں اپنے رسول کو اسی سنت کے مطابق بھیجا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی امتوں میں اپنے رسول بھیجتا رہا تھا۔ رسولوں کو اس صفت کے ساتھ مقید فرمایا ہے کہ وہ خود تم میں سے ہیں۔ اس قید کے متعلق امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں۔ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(الف) جب رسول لوگوں کی جنس سے ہو گا تو لوگوں پر اللہ کی حجت بہ طریق اولیٰ پوری ہو گی۔

(ب) لوگوں کو اس رسول کے حالات اور اس کا پاک دامن ہونا پہلے سے معلوم ہو گا۔

(ج) لوگوں کو اس کی قوت اور طاقت کا حال پہلے سے معلوم ہو گا اور جب اس سے معجزات کا ظہور ہو گا تو وہ جان جائیں گے کہ یہ افعال اس کی قوت اور طاقت سے باہر ہیں تو یہ معجزات لامحالہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوئے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ضرور اس کو مرد ہی بناتے۔ (الانعام: ۹)

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جن یا فرشتہ کو اس کی اصل حقیقت کے اعتبار سے رسول بناتا تو یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ یہ معجزات اس کی اپنی غیر معمولی قوت سے ظہور میں آئے ہیں اور جب انسان کو رسول بنایا گیا اور اس نے چاند کو دو ٹکڑے کیا اور ڈوبا ہوا سورج لوٹایا اور درختوں سے کلمہ پڑھوایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ افعال انسان کی قوت میں نہیں ہیں تو ضرور اللہ کا فعل ہیں اور یہ شخص ضرور اللہ کا نمائندہ اور اس کا رسول ہے جس کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ غیر معمولی افعال پیدا کیے ہیں اور اس کی تائید کے لیے معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔

(د) اگر وہ رسول کسی اور جنس سے ہوتا تو لوگ اس کے ساتھ مانوس نہ ہوتے اور اس کے ساتھ الفت اور محبت نہ ہوتی۔
(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ رسول لوگوں کی جنس سے ہوں گے تاکہ رسولوں کی دعوت کا قبول کرنا زیادہ قریب ہو۔
(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رسول تم میں سے ہوں گے یعنی بنو آدم سے ہوں گے۔ اس میں بنو آدم کو یہ تنبیہ ہے کہ وہ یہ توقع نہ کریں کہ ان کے پاس فرشتوں میں سے کوئی رسول آئے گا' کیونکہ رسول مرسل الیہم کی جنس سے ہوتا ہے اور اس آیت میں پچھلی امتوں کے ان جاہلوں پر تعریض ہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا اس لیے انکار کیا تھا کہ وہ ان کی جنس سے تھے۔ مثلاً قوم نوح نے کہا:
مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود: ۲۷) (اے نوح!) ہم تمہیں صرف اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔
اور مکہ کے مشرکین نے بھی سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۵-۹۴)	اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا جب ان کے پاس ہدایت آچکی تھی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا؟ ○ آپ کہئے کہ اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو (اس میں) اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر اتارتے ○

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول مرسل الیہم کی جنس سے ہوتا ہے۔
(التحریر والتنویر' ج ۸' ص ۱۰۸' مطبوعہ تیونس)
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے ساتھ ملا کر سورہ بنو اسرائیل کی آیت ۹۵-۹۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا (رسولوں کو بشر ہی جانتے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کمالات کے مقر اور معترف نہ ہوئے۔ یہی ان کے کفر کی اصل تھی۔ اور اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ان سے) تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے (کیونکہ وہ ان کی جنس سے ہوتا لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جا ہے)
نوٹ: ترجمہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے اور قوسین میں صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔
مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ بنو اسرائیل آیت ۹۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
یعنی اگر زمین میں بجائے انسانوں کے فرشتے بستے ہوتے تو نبی بھی فرشتہ ہی آتا کیونکہ نبی تبلیغ کے لیے تشریف لاتے ہیں

اور قوم کو تبلیغ وہی کر سکتا ہے جو قوم کی زبان اور اس کے طور طریقوں سے واقف ہو۔ ان کے دکھ دردوں سے خبردار ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ نبی قوم کی جنس سے ہو۔ تعجب ہے کہ کفار فرشتوں کو انسان سے افضل سمجھتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ فرشتہ نبی کیوں نہ ہوا۔ حالانکہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے فرشتوں کو۔

(نور العرفان 'ص ۲۶۴ 'مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ 'گجرات)

رسول کا لوگوں کی جنس سے ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر وہ لوگوں کی جنس سے نہ ہو تو اس کے افعال امت کے لیے نمونہ اور واجب الاتباع نہیں ہو سکیں گے کیونکہ لوگ کہہ سکیں گے کہ وہ اور جنس سے ہے اور ہم اور جنس سے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ افعال اس کی جنس سے ممکن اور سہل ہوں اور ہماری جنس سے ممکن اور سہل نہ ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری نہیں ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسول نوع انسان اور ہماری جنس سے بشر بنائے اور نبی ﷺ سے فرمایا آپ کہئے میں بشر اور رسول ہوں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۳)

آپ کہئے میرا رب پاک ہے میں صرف بشر اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف: ۱۱۰)

آپ کہئے میں صرف بشر ہوں تمہاری مثل (خدا نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے بے شک تمہارا اور میرا معبود ایک ہی ہے۔

کفار آپ کو محض بشر کہتے تھے رسول نہیں مانتے تھے اور بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے اور یہی ان کا کفر تھا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ عام انسان اور عام بشر نہیں ہیں بلکہ انسان کامل اور افضل البشر اور سید البشر ہیں اور کوئی شخص کسی وجودی وصف میں آپ کا مماثل نہیں ہے بلکہ سب عدم الوہیت میں آپ کے مماثل ہیں یعنی جس طرح ہم خدا نہیں ہیں اسی طرح آپ بھی خدا نہیں۔ بعض لوگ غلو کر کے کہتے ہیں کہ آپ نہ خدا ہیں نہ خدا سے جدا ہیں۔ نہ اللہ کے عین ہیں نہ غیر ہیں۔ یہ باطل نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب ہے آپ ممکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہے آپ حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ معبود ہے' آپ عابد ہیں۔ اور ممکن واجب کا اور حادث قدیم کا اور عابد معبود کا غیر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپؐ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ آپ کی بیع اور شراء اللہ کی بیع اور شراء ہے۔ آپ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے' اور آپ اللہ کے نائب مطلق ہیں اور اللہ کے اذن اور اس کے حکم سے مختار کل ہیں' جس کو چاہیں نواز دیں اور جنت عطا فرما دیں۔ لیکن آپ کا چاہا کبھی اللہ کے چاہے کے مخالف نہیں ہوتا۔ آپ اللہ کے تابع اور اللہ کے موافق ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اللہ کے مخالف اور باغی نہیں ہیں۔

مختار کل کی وضاحت

ہم نے جو نبی ﷺ کے متعلق مختار کل لکھا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو کل اختیار دے کر خود معطل ہو گیا ہے' معاذ اللہ یہ صریح کفر ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ نبی ﷺ جو کچھ کرنا چاہیں اس پر آپ قادر اور مختار ہیں کیونکہ یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے کہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ نبی ﷺ تو چاہتے تھے کہ تمام کافر اسلام لے آئیں خصوصاً ابوطالب کے لیے آپ کی بڑی خواہش اور بہت کوشش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے مختار کل کا ہمارے نزدیک صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کل مخلوق سے زیادہ اختیار عطا فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور

اس کی مرضی کے تابع ہو کر جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے بھی دعا فرماتے ہیں اور اپنی وجاہت کی بناء پر بھی دعا فرماتے ہیں اور بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے براہ راست تصرف بھی فرماتے ہیں۔ ان تمام امور کے ثبوت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

نیک مسلمان حشر کے دن آیا گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے یا نہیں!

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے' اور غم کا تعلق ماضی سے ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو قیامت کے دن نہ مستقبل میں عذاب کا خوف ہو گا اور نہ ماضی میں انہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا کوئی غم ہو گا۔ کیونکہ دنیا میں انہوں نے سب نیک کام کیے اور اگر اغواء شیطان یا شامت نفس سے کوئی غلط کام ہو گیا تو انہوں نے مرنے سے پہلے اس پر توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نیک مسلمانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے کوئی خوف اور غم ہو گا یا نہیں۔ بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ ان کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس دن کی سختیوں سے کوئی غم اور خوف نہیں ہو گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء: ۱۰۳) — سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی۔

اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ نیک مسلمانوں کو بھی اس دن گھبراہٹ ہو گی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس: ۳۴-۳۷)

جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ۝ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ۝ ان میں سے ہر شخص کو اس دن اپنی فکر ہو گی جو اسے (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی۔

اول الذکر علماء اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ وقتی طور پر نیک مسلمانوں کو بھی فکر اور پریشانی ہو گی لیکن مآل کار انہیں امن اور عافیت اور فرحت اور سرور حاصل ہو گا جیسا کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس: ۳۸-۴۲)

اس دن بعض چہرے روشن ہوں گے ۝ مسکراتے ہوئے شاداب ۝ اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چھائی ہو گی ۝ وہی لوگ کافر بدکار ہوں گے ۝

گنہ گار مسلمانوں کے لیے دائمی عذاب کا نہ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے رسولوں کی پیش کی ہوئی اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے تکبر کیا سو وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہمارے علماء نے اس آیت سے معتزلہ اور خوارج کے خلاف استدلال کیا ہے کہ گنہ گار مسلمانوں کو اگر دوزخ میں ڈالا گیا تو ان کو عذاب کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا کیونکہ دوزخ کے عذاب کا دوام اور خلود صرف کافروں کے لیے ہے جیسا کہ اس آیت میں کافروں کے متعلق بہ طریقہ حصر فرمایا ہے کہ وہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں

گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ پر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے! ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے تو وہ پوچھیں گے بتاؤ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (الاعراف: ۷ ۳)

اللہ پر بہتان باندھنے اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے کی تفصیل

اس سے پہلی آیت میں کافروں کے متعلق فرمایا تھا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا۔ اب اسی سیاق میں فرمایا: پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں گھڑ کر بہتان باندھے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے!

اللہ پر بہتان باندھنے والے وہ کافر ہیں جنہوں نے بتوں کو یا ستاروں کو اللہ کا شریک بنایا یا وہ کافر جنہوں نے دو خدا قرار دیے ایک یزداں اور ایک اہرمن۔ یا وہ جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے۔ اسی طرح وہ کافر جنہوں نے بحیرہ' سائبہ' حامی اور وصیلہ کو از خود حرام قرار دیا اور پھر اس حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو از خود کوئی مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی مستحب کام کو فرض یا واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن اور حدیث کی صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنے پیروں اور مولویوں کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان کافروں کا ذکر کیا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کے دلائل کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں' خصوصاً قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں خصوصاً سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

کتاب یا لوح محفوظ میں اللہ پر بہتان باندھنے والوں کی سزا

اس کے بعد فرمایا ان لوگوں کو کتاب کے مطابق ان کا حصہ ملتا رہے گا۔ کتاب کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد نوشتہ تقدیر ہے۔

اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہو تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ان کافروں کے لیے جتنا عذاب لکھ دیا تھا' ان کو وہ عذاب مل کر رہے گا۔ یہ تفسیر ابو صالح اور حسن سے مروی ہے۔

(جامع البیان' ج ۸' ص ۲۲۲' دار الفکر)

پھر بعض علماء نے حسب ذیل آیات سے اس عذاب کی تفصیل بیان کی ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ (الزمر: ۶۰)
جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا' آپ قیامت کے دن ان کے منہ کالے دیکھیں گے۔

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا (طٰہٰ: ۱۰۲)
اور ہم مجرموں کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (الرحمٰن:٤١) اس دن مجرم اپنی صورتوں سے پہچانے جائیں گے ان کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ (المؤمن:٧١) جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ان کو اس حال میں گھسیٹا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کے چہرے سیاہ' آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی' وہ اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور ان کو پیشانی اور پیروں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں ان کے عذاب کی اور بھی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

کتاب کی تفسیر میں دیگر اقوال

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

کتاب کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے اعمال سے جو کچھ ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گا۔ حسن نے کہا ان کے لیے گمراہی یا ہدایت جو بھی مقدر کر دی گئی ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گی۔

حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ ان کے لیے خیر اور شر جو کچھ مقدر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ضرور حاصل ہو گا۔

ربیع نے کہا ان کے لیے جس قدر رزق' عمر اور عمل مقدر کر دیا گیا ہے وہ ضرور ان کو حاصل ہو گا۔

عکرمہ اور ابو صالح نے کہا ان کے لیے جو عذاب مقرر کر دیا گیا ہے وہ ان کو ملے گا۔

زجاج نے کہا ان کے لیے کتاب میں جو جزا بیان کی گئی ہے وہ ان کو ضرور ملے گی۔ اور کتاب کی پانچ تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) لوح محفوظ (۲) اللہ کی تمام کتابیں (۳) قرآن کریم (۴) ان کے اعمال نامے (۵) قضاو قدر

(زادالمسیر' ج ۳' ص ۱۹۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

تقدیر کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم' ج(۷) میں تفصیل سے لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کرے گا اور کیا نہیں کرے گا اور وہ اپنے اعمال کے نتیجہ میں جنت کا مستحق ہو گا یا جہنم کا۔ اس کے اسی علم سابق کا نام تقدیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ہمارے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے' اس سے مراد ملک الموت اور اس کے معاون فرشتے ہیں۔ اس آیت سے مراد کفار کو سرزنش کرنا ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو ترک کر کے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک لہ مان لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں' جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی' حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا' سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے' اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے○ اور پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے' سو عذاب کو چکھو اس سبب سے جو تم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۳۹-۳۸)

دوزخ میں کفار کے احوال

ان دو آیتوں میں کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کی کیفیت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کفار ایک ہی مرتبہ میں دوزخ میں نہیں داخل ہوں گے۔ بلکہ پہلے ایک جماعت داخل ہوگی اس کے بعد دوسری جماعت داخل ہوگی اور ان میں سابق اور مسبوق ہوں گے اور بعد میں آنے والے پہلوں کے حال کا مشاہدہ کریں گے۔

پھر فرمایا: جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین مشرکین پر لعنت کریں گے۔ اسی طرح یہود یہود پر لعنت کریں گے اور نصاریٰ نصاریٰ پر۔

پھر فرمایا تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ امت کے آخر امت کے اول سے کہیں گے' آخری زمانہ کے لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے اس بدعقیدگی کو شروع کیا تھا' اور تیسرا قول یہ ہے کہ دوزخ میں آخر میں داخل ہونے والے' پہلے داخل ہونے والوں سے کہیں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا۔

پھر فرمایا: وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے۔

ضِعف کا معنی

ضعف کا معنی ہم نے دگنا کیا ہے۔ کیونکہ ضعف کا اکثر استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے ضعف کا معنی شے اور اس کی مثل ہے۔ دس کا ضعف بیس اور سو کا ضعف دو سو ہے۔ (المفردات' ج ۲' ص ۳۸۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض)

علامہ مجد الدین ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: ضعف کا معنی دگنا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر تم مجھے ایک درہم دو گے تو میں تمہیں اس کا ضعف دوں گا یعنی دو درہم دوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی شے کا ضعف اس کی ایک مثل ہے اور دو ضعف دو مثلیں ہیں۔ ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں ضعف کا معنی ایک مثل سے لے کر زیادہ امثال تک ہے' اور یہ دو مثلوں میں منحصر نہیں ہے۔ پس کم از کم ضعف ایک مثل میں منحصر ہے اور اکثر ضعف کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے یہ حدیث ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز' تنہا نماز پر پچیس درجہ ضعف ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث المساجد: ۲۴۷)' (النہایہ' ج ۳' ص ۸۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۸ھ)

دوگنے عذاب پر ایک سوال کا جواب

پھر فرمایا: اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ اس کا بہ ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ جس قدر عذاب کے مستحق ہوں گے ان کو اس کا دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ عدل کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو ان کے جرائم کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ لیکن ان کو یہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا۔ مثلاً ان کو درد کی ایک کیفیت لاحق ہوگی اس کے بعد پھر اس کی مثل لاحق ہوگی۔ اور پھر ایک مثل لاحق ہوگی اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔ اس لیے فرمایا ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے اور ہم ضعف کا معنی بیان کر چکے ہیں کہ کسی شے کی ایک مثل سے لے کر غیر متناہی امثال تک ضعف ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں

السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ط

کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے (سوراخ) میں داخل ہو جائے،

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ○ ان کے لیے دوزخ (کی آگ) کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر

غَوَاشٍ ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اسی کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج

عمل کیے، اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے، وہی لوگ جنتی ہیں، وہ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکال دیا ہے،

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا

ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچایا، اور اگر اللہ

كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا

ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے، بیشک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق

بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

لے کر آئے، اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو ○

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اور اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بیشک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو

رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ط قَالُوْا نَعَمْ ج فَاَذَّنَ

سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے

وقف لازم

مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ

درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○ جو (لوگوں کو) اللہ کے راستہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۵ وَ

سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے ○ اور

بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ

ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے، اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی یا دوزخی) کو

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ

اس کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے تم پر سلام ہو، وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

يَطْمَعُوْنَ ۝۴۶ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا

اور وہ اس کی امید رکھیں گے ○ اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی، تو وہ کہیں گے

۱۲ ع ۵

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷ ع

اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے تکبر کیا' ان کے لیے اس وقت تک آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے (سوراخ) میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں ○ ان کے لیے دوزخ (کی آگ) کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہو گا اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں ○

(الاعراف: ۴۱-۴۰)

کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولنے کے متعدد محامل

اس سے پہلی آیتوں میں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا یہ آیت بھی اسی سلسلہ سے متعلق ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

۱۔ علی بن طلحہ' اور مجاہد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار کے اعمال اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر: ۱۰) اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور اللہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ○ (المطففین: ۱۸)

حق یہ ہے کہ بے شک نیکی کرنے والوں کا نامہ اعمال ضرور (ساتویں آسمان کے اوپر) علیین میں ہے۔

۲- امام رازی نے اس آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ کافروں پر آسمان سے کوئی خیر اور برکت نازل نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (اللہ سے) ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کو کھول دیتے لیکن انہوں نے (اللہ کی آیتوں کو) جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے ان کاموں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا جو وہ کرتے تھے۔

۳- ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کافروں کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے' اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اور جو محال پر موقوف ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جانے اور جنت میں ان کے داخل نہ ہو سکنے پر حسب ذیل حدیث میں دلیل ہے:

کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق حدیث

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ جب ہم قبر پر پہنچ کر خاموشی سے بیٹھ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ پھر آپ نے فرمایا جب مسلمان بندہ دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف روانہ ہونے لگتا ہے تو ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی خاطر نکل۔ پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح پانی کے قطرے مشک سے نکلتے ہیں۔ جب فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ وہ اس کا وہ نام بتاتے ہیں جو دنیا میں اس کا اچھا نام تھا' جب وہ آسمان دنیا کے سامنے پہنچ کر اس کا دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ کھول دیا جاتا ہے اور اسی طرح وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کے نامہ اعمال کو علیین میں لکھ دو۔ اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! وہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے! وہ پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب میں پڑھا' میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔ پھر ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو۔ (الیٰ قولہ) اور جب کافر کی دنیا سے روانگی کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث روح! اللہ کے غصہ اور غضب کی طرف نکل! اس کی روح جسم کے اجزاء میں پھیل جاتی ہے اور اس کو اس طرح کھینچ کر نکالا جاتا ہے جس طرح گیلے اون

سے لوہے کی سیخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ روح کے نکلتے ہی وہ اس کو ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ روح سخت بدبودار ہوتی ہے۔ وہ اس کو لے کر جہاں سے گزرتے ہیں فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ پھر وہ اس کا وہ نام بتاتے ہیں جو دنیا میں اس کا بہت قبیح نام تھا۔ جب وہ اس روح کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو ان کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: لا تفتح لهم ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط (الاعراف: ۴۰) اللہ فرماتا ہے اس کا اعمال نامہ زمین کے سب سے نچلے طبقہ سجین میں پھینک دو۔ پھر اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: ۳۱)

اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے (مردار خور) پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے آندھی کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر فرشتے اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا! پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا! پھر پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر ایک منادی آسمان سے ندا کرے گا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھاؤ اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی۔ پھر ایک بدشکل اور بدبودار شخص آئے گا اور کہے گا میں تیرا خبیث عمل ہوں اور وہ کافر کہے گا اے میرے رب قیامت قائم نہ کرنا۔

(مسند احمد' ج ۴' ص ۲۸۹-۲۸۸' دار الفکر' طبع قدیم' مسند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۸۵۵۹' طبع جدید دار الفکر' اس کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۸۴۴۳' دار الحدیث قاہرہ' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۶۲' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۵۰-۴۹)

نوٹ: مسند احمد کی روایت میں بہت زیادہ تفصیل ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایات میں اتنی تفصیل نہیں ہے لیکن نفس مضمون واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے' وہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۴۲)

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وعد اور وعید دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں کفار کے لیے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ثواب کے وعدہ کا بیان فرمایا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی' اور جو کچھ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی آئی تھی اس کا اقرار کیا اور جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا' ان پر عمل کیا اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا ان سے مجتنب رہے اور پھر درمیان میں یہ واضح فرمایا کہ ہم نے جن کاموں کا حکم دیا ہے یا جن کاموں سے روکا ہے وہ سب کام انسان کی طاقت اور اس کی وسعت میں ہیں اور ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے تو وہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور اس میں کافروں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حصول بہت آسان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکال دیا ہے' ان کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں' وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچایا اور اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو○ (الاعراف: ۴۳)

اہل جنت کے دلوں سے دنیا کی رنجشوں اور شکایتوں کا محو ہو جانا

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے سینوں سے ان رنجشوں کو نکال دے گا جو دنیا میں وہ ایک دوسرے کے خلاف رکھتے تھے۔ کیونکہ کینہ کا سبب شیطان کے وسوسے ہیں اور شیطان اس وقت دوزخ میں جل رہا ہوگا۔ اس لیے اہل جنت کے سینے اور ان کے دل ہر قسم کے بغض' کینہ اور کدورت سے صاف ہوں گے۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں' عثمان' طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ہم نے ان کے سینوں سے (ایک دوسرے کے خلاف) رنجش کو نکال دیا ہے۔

(جامع البیان' ج ۸' ص ۲۴۰' دارالفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۴۷۸' نزار مصطفیٰ مکہ المکرمہ)

ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ اہل جنت کو جنت کے پاس روک لیا جائے گا اور بعض کا بعض سے حق دلایا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو کسی کا کسی کے خلاف ایک ناخن کے برابر بھی حق یا مطالبہ نہیں رہے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ کے پاس روک لیا جائے گا اور ہر ایک کا حق دلا دیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو کسی کو کسی کے خلاف ایک ناخن کے برابر بھی ظلم کی شکایت نہیں ہوگی۔ (جامع البیان' ج ۸' ص ۲۴۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمانوں کی دوزخ سے نجات ہو جائے گی تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا۔ پھر ان میں سے جس نے جس کے ساتھ دنیا میں زیادتی کی ہوگی اس کا قصاص لیا جائے گا۔ پس جب ان کو پاک اور صاف کر دیا جائے گا (اور کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی) تب ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد کی جان ہے' ان میں سے ہر ایک شخص کو جنت میں اپنے ٹھکانے کا دنیا کے ٹھکانے سے زیادہ علم ہوگا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۵۳۵' ۲۴۴۰' مسند احمد' ج ۳' ص ۷۴' ۶۳' ۳۱)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنت کے درجات مختلف ہوں گے اور نچلے درجے والے اوپر کے درجہ والوں سے حسد نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حسد اور بغض سے پاک کر دیا ہے اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ حسد اور بغض شیطان کے وسوسوں سے ہوتا ہے اور وہ اس وقت دوزخ میں ہوگا۔

کفار کی جنتوں کا مسلمانوں کو وراثت میں ملنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کو یہ ندا کی جائے گی کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو۔

(الاعراف: ۴۳)

ہر کافر اور مومن کے لیے جنت میں ایک ٹھکانا بنایا گیا ہے' لہٰذا جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل

دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اہل دوزخ کو جنت دکھائی جائے گی تاکہ وہ اس میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیں اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے ٹھکانے ہیں اگر تم ایمان لے آتے اور اللہ کی اطاعت کرتے تو تم کو جنت میں یہ ٹھکانے دے دیئے جاتے۔ پھر اہل جنت سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت' تم ان ٹھکانوں کو بہ طور وراثت لے لو کیونکہ تم نیک عمل کرتے تھے' پھر جنت میں کافروں کے ٹھکانے اہل ایمان میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح ہر کافر اور مومن کے لیے دوزخ میں بھی ایک ٹھکانا بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ان کو دوزخ میں ان کے ٹھکانے دکھائے جائیں گے کہ اگر وہ ایمان نہ لاتے تو ان کو دوزخ کے ان ٹھکانوں میں رکھا جاتا۔ پھر ان کے حصہ کی دوزخیں کافروں کو دی جائیں گی اور یہ اس لیے ہے کہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکے کہ اگر میں ایمان لاتا تو تو نے میرے لیے جنت میں کوئی ٹھکانا تو بنایا ہی نہیں تھا تو مجھے جنت میں کس جگہ رکھتا؟

اس مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا پھر یہ کہے گا: کاش اللہ مجھے ہدایت دے دیتا! اور یہ دیکھنا اس کے لیے حسرت کا باعث ہوگا! اور ہر جنتی دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھے گا پھر کہے گا: اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یہاں ہوتا اور یہ دیکھنا اس کے لیے شکر کا موجب ہوگا۔

(مسند احمد' ج ۱' ص ۵۱۲' طبع قدیم دار الفکر' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۰۶۰۰' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۳۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر دوزخ میں داخل ہونے والے کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا بشرطیکہ وہ ایمان لے آتا' تاکہ اسے حسرت ہو۔ اور ہر جنت میں داخل ہونے والے کو دوزخ میں اس کا ٹھکانا دکھا دیا جائے گا اگر وہ برے کام کرتا تاکہ وہ زیادہ شکر کرے۔

(مسند احمد' ج ۲' ص ۵۴۱' اس کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۹' رقم الحدیث: ۱۰۹۲۲' مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۳۹۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمائے گا یہ تمہارا دوزخ کی آگ سے فدیہ ہے۔

(صحیح مسلم' التوبہ' ۴۹' (۲۷۶۷) ۶۸۷۸)

علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے جب کوئی مسلمان شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک یہودی یا عیسائی کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے اور ایک روایت میں ہے قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا اور ان گناہوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے اوپر ڈال دے گا۔ اس حدیث کا وہی معنی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (جس کو ابھی ہم نے بیان کیا ہے)

جنت میں دخول کا حقیقی سبب اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے نہ کہ نیک اعمال

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہو حالانکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے نہ کہ بندہ کے عمل سے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء: ۷۰-۶۹)

جو لوگ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور وہ کافی جاننے والا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ (النساء: ۱۷۵)

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے تھام لیا تو عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (الشوریٰ: ۲۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہو گی جس کو وہ چاہیں گے یہی ہے بہت بڑا فضل۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الدخان: ۵۷-۵۱)

بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے ○ جنتوں میں اور چشموں میں ○ وہ باریک اور موٹے ریشم کا لباس پہنے آمنے سامنے ہوں گے ○ ایسا ہی ہو گا ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی زوجیت میں دیں گے ○ وہ وہاں پر ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے ○ وہ پہلی موت کے سوا جنت میں کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اللہ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچایا ○ (انہیں یہ سب نعمتیں ملیں) آپ کے رب کے فضل سے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ (الروم: ۴۵)

تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر: ۳۵-۳۳)

وہ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان جنتوں میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا ○ اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا، بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور جزا دینے والا ہے، جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی مقام میں اتارا۔

اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عمل سے نہیں، اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز جنت میں

داخل نہیں کرے گا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بھی نہیں سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۶۷۳' صحیح مسلم' المنافقین ۷۵' (۲۸۱۶) ۶۹۸۳' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۸۲' ۴۸۸' ۵۰۳' ۵۱۴' طبع قدیم' دار الفکر' المعجم الکبیر' ج ۷' رقم الحدیث: ۷۲۱۸' المعجم الاوسط' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۳۱۵' مسند البزار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۴۸' ۳۴۴۷)

دخول جنت کے لیے اعمال کو سبب قرار دینے کے محامل

اب جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان اپنے عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے جنت میں جائیں گے تو سورۃ الاعراف کی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اور جنتیوں کو یہ ندا کی جائے گی کہ تمہارا جنت میں داخلہ تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوا ہے اور تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم کو کفار کی چھوڑی ہوئی جنتیں بہ طور وراثت مل جائیں گی' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ایک سبب حقیقی ہے اور ایک سبب ظاہری ہے۔ سبب حقیقی تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث میں بیان فرمایا ہے اور اس کا سبب ظاہری مسلمانوں کے نیک اعمال ہیں جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال فی نفسہ جنت میں دخول کا سبب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نیک اعمال کو دخول جنت کا سبب بنایا ہے تو اصل چیز تو اللہ کا کرم اور اس کا فضل ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان بالغ ہونے کے بعد عبادات اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور عبادات اور نیک اعمال شروع کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کو غیر متناہی نعمتیں عطا کر چکا ہے۔ اب اس کے یہ نیک اعمال تو پچھلی نعمتوں کا ہی شکر ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں چہ جائیکہ وہ ان نیک اعمال کی وجہ سے کسی نئے اجر کا مستحق ہو ان نعمتوں کے مقابلہ میں جو عبادات اور شکر کی کمی ہے اگر اللہ اس کو ہی معاف کر دے تو یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے' کسی اور اجر و ثواب کے مطالبہ کا کیا جواز ہے! ایک شخص کسی کو دس کروڑ روپے پہلے ہی دے دے پھر وہ شخص اس کے ہاں پچاس ساٹھ سال کام کرے جس کی اجرت پچاس لاکھ روپے بنتی ہو' اب وہ کام کرنے والا اس سے اپنی اجرت کا مطالبہ کرے تو وہ شخص یہ نہیں کہے گا کہ میرے تو پہلے ہی ۹ کروڑ پچاس لاکھ روپے تمہاری طرف نکلتے ہیں' اگر میں پچھلا قرض ہی معاف کر دوں تو بڑی بات ہے۔ آئندہ اجرت کے مطالبہ کا کیا جواز ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا' ہم نے اس کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو○ جو لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے○ (الاعراف: ۴۵-۴۴)

حشر کے دن کفار کی توبہ کارگر نہیں ہوگی

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حشر کے دن جب کفار یہ اعتراف کریں گے کہ ان کے رب نے ان سے سچا وعدہ کیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کریں گے اور شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور شیطان اور دوسرے گمراہ کرنے والوں کی مذمت کریں گے اور اپنے کیے پر نادم ہوں گے تو کیا ان کا برائی پر نادم ہونا اور حق کا اعتراف کر لینا ان کی توبہ کے قائم مقام نہیں ہے اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوری:۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کا دن دار الجزاء ہے اور دار العمل دنیا ہے۔ ان کی توبہ اور ایمان کی جگہ دنیا تھی۔ حشر کے دن توبہ کرنا مفید ہے نہ ایمان لانا۔ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ غرغرہ موت کے وقت بھی توبہ قبول نہیں فرماتا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ (النساء: ۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر پر مرتے ہیں۔

اور جب غرغرہ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی تو موت کے بعد توبہ کیسے قبول ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غرغرہ موت کے وقت اور موت کے بعد انسان غیب کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور غیب کے مشاہدہ کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہے' معتبر غیب پر ایمان لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان دونوں (جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک حجاب ہے' اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اور وہ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے تم پر سلام ہو' وہ ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور وہ اس کی امید رکھیں گے ○ اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا ○ (الاعراف: ۴۶-۴۷)

الاعراف کا معنی اور مصداق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ الاعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۴۳۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاعراف بلند چیز ہے اور لغت میں الاعراف کا معنی ہے بلند جگہ۔ یہ عرف کی جمع ہے۔

علماء نے اصحاب الاعراف کے متعلق دس اقوال ذکر کیے ہیں:

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابن عباس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔

۲- مجاہد نے کہا: یہ صالح فقہاء اور علماء ہیں۔

۳- مھدوی نے کہا: یہ شہداء ہیں۔

۴- قشیری نے کہا: یہ وہ فاضل مومن اور شہید ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر لوگوں کے احوال کا مطالعہ کرنے کے لیے فارغ ہو گئے۔ یہ لوگ جب اہل دوزخ کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب یہ ان اہل جنت کو دیکھتے ہیں جو ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے تو ان کے دخول کی امید رکھتے ہیں۔

۵- ثعلبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الاعراف پل صراط پر ایک بلند جگہ ہے جس پر حضرت عباس' حضرت حمزہ' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ اپنے محبین کو سفید چہرے سے پہچانتے ہیں۔ اور اپنے مبغضین کو سیاہ چہرے سے پہچانتے ہیں۔

۶- زہراوی نے کہا: یہ وہ نیک لوگ ہیں جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے اور یہ ہر امت میں ہیں۔

۷- زجاج نے کہا: یہ انبیاء ہیں۔

۸- ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبیرہ گناہ کیے ان کے صغیرہ گناہ بھی تھے جو مصائب اور آلام کی وجہ سے معاف نہیں ہو سکے۔ یعنی یہ گناہ گار لوگ ہیں۔

۹- قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ زنا سے پیدا شدہ لوگ ہیں۔

۱۰- ابو مجلز نے ذکر کیا کہ یہ ملائکہ ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۸' ص ۱۸۹-۱۹۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل الاعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے ہوں گے۔ پھر اگر ان کے متعلق ہم یہ کہیں کہ وہ اشراف اہل جنت ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الاعراف پر بٹھایا اور جنت میں ان کا داخلہ موخر کر دیا تاکہ وہ اہل جنت اور اہل نار کے احوال کو دیکھ سکیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجات کی طرف منتقل فرمائے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نچلے درجات والے بلند درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان کے کناروں پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو اور ابوبکر اور عمر ان لوگوں میں سے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الاعراف اشراف اہل قیامت ہیں اور جب محشر میں سب لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اصحاب الاعراف کو الاعراف میں بٹھا دے گا جو کہ بہت معزز اور بلند جگہ ہوگی اور جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بلند درجوں میں منتقل فرما دے گا سو وہ لوگ ہمیشہ بلند درجات میں رہیں گے۔

اور اگر اصحاب الاعراف کی یہ تفسیر کی جائے کہ وہ اہل جنت سے کم درجہ کے ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو الاعراف میں بٹھائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے یہ امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے جنت کی طرف منتقل کر دے گا۔ اور جب اصحاب الاعراف اہل دوزخ کو دیکھیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اہل دوزخ میں سے نہ کرے' اور ان آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں غور و فکر کرے اور ان پر ایمان لا کر ان کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے اور دنیا اور آخرت کی سرخروئی حاصل کرے۔

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ قَالُوۡا

اور اصحاب الاعراف جن (دوزخیوں) کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جماعت نے

مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ

تم کو عذاب سے نہ چھڑایا اور نہ اس (مال و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ○ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی (نہیں)

أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا: (انہی سے کہا گیا ہے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ

نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے ○ اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر

أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ

تھوڑا پانی انڈیل دو، یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے تو (اہل جنت) کہیں گے بیشک اللہ نے یہ

حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا

پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ

جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی

هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾ وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ

ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○ بیشک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو

عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ کیا وہ (اس کتاب

تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ

پر ایمان لانے کے لیے) اس کی وعید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں! جس دن وہ وعید واقع ہوگی تو جو لوگ اس کو پہلے فراموش کر

قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا

چکے تھے وہ کہیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے تو کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟

لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے بیشک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے

ع ۱۳

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۳﴾ ع

میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اصحاب الاعراف جن دوزخیوں کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے ان سے پکار کر کہیں گے تمہاری جماعت نے تم کو عذاب سے نہ چھڑایا اور نہ اس (مال و دولت) نے جس کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے ○ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا! (انہی سے کہا گیا ہے کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے ○ (الاعراف: ۴۹-۴۸)

اصحاب الاعراف کو دخول جنت کا اذن

جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اصحاب الاعراف دوزخیوں کو ان کی دوزخی علامات سے پہچان کر کہیں گے تم دنیا میں جو مال اور اسباب جمع کرتے تھے اور جن چیزوں پر تم تکبر کیا کرتے تھے وہ تم سے اللہ کے عذاب کو دور نہ کر سکے۔ ابو مجلز نے کہا: اس آیت میں اصحاب الاعراف سے مراد ملائکہ ہیں اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب الاعراف گنہ گار مسلمان ہیں وہ الاعراف پر کھڑے ہوں گے۔ وہ اہل جنت کی طرف دیکھ کر جنت میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے اور اہل دوزخ کو دیکھ کر دوزخ سے پناہ طلب کریں گے۔ پھر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا یہ (اصحاب الاعراف) وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم یہ کہتے تھے کہ ان کو اللہ اپنی رحمت بالکل نہیں دے گا؟ پھر اصحاب الاعراف سے فرمائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرنے سے اپنے مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرتے تھے' ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے متکبرو! کیا یہی وہ کمزور اور پس ماندہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت سے کچھ نہیں ملے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ان کو بخش دیا ہے۔ اے اصحاب الاعراف! جنت میں داخل ہو جاؤ' تم نے دنیا میں جو گناہ اور جرم کیے تھے' تمہیں اب ان کے مواخذہ اور ان پر سزا کا کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ تمہیں اس کا کوئی رنج ہو گا کہ تم سے دنیا میں نیکیاں رہ گئیں۔ (جامع البیان' جز ۸' ص ۲۶۱-۲۵۹' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے ہم پر تھوڑا سا پانی انڈیل دو' یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو وہ (اہل جنت) کہیں گے بے شک اللہ نے یہ پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے ○ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا تھا تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○ (الاعراف: ۵۱-۵۰)

کافروں کو دوزخ میں کھانے پینے سے محروم رکھنے کی سزا دینا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل دوزخ چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو غریبوں اور مسکینوں کے حقوق فرض کیے تھے ان کو ادا نہیں کرتے تھے' وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے نہ پیاسوں کو پانی پلاتے تھے' سو اللہ تعالیٰ دوزخ میں آگ کے عذاب کے علاوہ ان پر بھوک اور پیاس کا عذاب بھی نازل کرے گا پھر وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلا کر اہل جنت سے فریاد کریں گے کہ تم ہم پر کچھ پانی ڈال دو یا تم کو جو طعام دیا ہے' اس طعام سے کچھ دے

دو تو اہل جنت ان کو جواب دیں گے کہ اللہ نے پانی اور طعام کو ان لوگوں پر حرام کر دیا ہے جنہوں نے دنیا میں اس کی توحید کو ماننے سے انکار کیا تھا' اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔

پھر فرمایا: ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ جب بھی ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی جاتی تو یہ دعوت دینے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

پھر فرمایا: تو آج کے دن ہم انہیں بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا۔ یعنی ہم ان کو اسی طرح دوزخ میں بھوکا پیاسا چھوڑے رکھیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات سے بے پرواہ ہو کر ایمان لانے کو اور نیک اعمال کو چھوڑ رکھا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا: کیا میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا؟ میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ اور کیا تو سرداری اور افسری نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! پھر فرمائے گا: تو مجھ سے ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا نہیں! پھر اللہ فرمائے گا ہم آج تجھے بھلا دیتے ہیں جس طرح تو نے ہمیں بھلا دیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۱۷۶)

اللہ کی راہ میں پانی خرچ کرنے کی اہمیت اور اجر و ثواب

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت پانی ہے کیونکہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار کافر سب سے پہلے پانی کا سوال کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ ثواب پانی خرچ کرنے کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ پانی کا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ جب اہل دوزخ' اہل جنت سے فریاد کریں گے تو یہ کہیں گے کہ ہم پر پانی انڈیل دو' یا کچھ اس رزق سے دے دو جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ' ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۷۳' المعجم الاوسط' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۰۱۵' شعب الایمان' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۸۰' تفسیر ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۴۹۰' تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۱۷۶' مطبوعہ دار الاندلس' بیروت' تفسیر در منثور' ج ۳' ص ۴۶۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ' نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: کس چیز کا صدقہ کرنا آپ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۱۶۷۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۶۸۴)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ' بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ سعد کی والدہ فوت ہو گئی ہیں کس چیز کا صدقہ کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا تو حضرت سعد نے کنواں کھدوا دیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۱۶۸۱' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۶۶۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۶۸۴)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کو پانی پلانے سے بھی عمر بھر کے گناہوں کو بخش دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جا رہا تھا اس کو بہت شدید پیاس لگی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پیا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا اس کتے کو بھی ایسے ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر اپنے موزہ میں پانی بھرا پھر باہر آ کر اس موزہ سے کتے کو پانی پلایا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا بھی اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیکی میں اجر ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۳۶۳' صحیح مسلم' سلام: ۱۵۳' (۲۲۴۴) ۵۷۵۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۵۵۰' شعب الایمان' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کتا کنوئیں کی منڈیر کے گرد گھوم رہا تھا۔ جس کو پیاس نے ہلاک کر دیا تھا اچانک بنو اسرائیل کی فاحشہ عورتوں میں سے ایک عورت نے اس کو دیکھ لیا اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر کر اس کو پلایا۔ اس سبب سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۳۴۶۷' صحیح مسلم' سلام: ۱۵۵' (۲۲۴۵) ۵۷۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس جگہ پانی دستیاب ہو وہاں کسی شخص نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پلایا تو گویا اس نے ایک غلام کو آزاد کر دیا اور جس جگہ پانی دستیاب نہ ہو وہاں کسی شخص نے کسی مسلمان کو پانی پلایا تو گویا اس نے اس مسلمان کو زندہ کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۴۷۴' علامہ ابن الجوزی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے' الموضوعات' ج ۲' ص ۱۷۰)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اس حدیث کی آفت احمد ہے۔ اس میں حسن بن ابی جعفر کو وہم ہوا ہے اور یہ متروک ہے۔ اس نے اس حدیث کو علی بن زید سے روایت کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس کو علی بن زید نے از سعید بن المسیب از ام المومنین عائشہ روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الکامل ابن عدی' ج ۲' ص ۲۰۷' اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ' ج ۲' ص ۴۲)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں (ایک دوسری سند سے) روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۵۸۸) اس کی سند میں زہیر بن مرزوق ہے۔ امام بخاری نے کہا: وہ مجہول اور منکر الحدیث ہے۔ (گویا یہ حدیث ضعیف ہے)

(مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۳۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

مرثد بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! مجھے وہ عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے کئی بار یہ سوال کیا' پھر فرمایا: تم پانی پلاؤ' اس نے کہا: میں کیسے پانی پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: جب لوگوں کے پاس پانی ہو تو ان کو پانی کا آلہ مہیا کر دو اور جب ان کے پاس پانی نہ ہو تو ان کو پانی لا کر دو۔

(مسند احمد' ج ۵' ص ۳۶۸' المعجم الکبیر' ج ۱۷' ص ۳۷۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۳' ص ۱۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو شخص جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک عابد تھا اور دوسرا گنہ گار تھا۔ عابد کو سخت پیاس لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے ساتھی کے پاس ایک ڈول میں پانی تھا وہ دل میں کہنے لگا یہ خدا! اگر یہ نیک بندہ پیاسا مر گیا جبکہ میرے پاس پانی تھا تو میں کبھی کوئی خیر حاصل نہیں کر سکوں گا اور اگر میں نے اس کو اپنا پانی پلا دیا تو میں یقیناً مر جاؤں گا۔ پھر اس نے اللہ پر توکل کیا اور اس کو پانی پلانے کا عزم کر لیا۔ اس نے اس بے ہوش عابد پر پانی چھڑکا

اور اس کو اپنے حصہ کا پانی پلا دیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ دونوں نے جنگل کی مسافت کو طے کر لیا۔ وہ گناہ گار آدمی جب قیامت کے دن حساب کے لیے کھڑا کیا گیا تو اس کو دوزخ میں بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے اس کو لے جا رہے تھے کہ اس شخص نے اس عابد کو دیکھ لیا' اس نے عابد سے کہا: اے فلاں شخص! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ عابد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں وہ شخص ہوں جس نے جنگل کے دن تم کو اپنے اوپر ترجیح دی تھی۔ عابد کہے گا ہاں! میں نے تم کو پہچان لیا! پھر وہ فرشتوں سے کہے گا ٹھہرو' ٹھہرو' پھر وہ کھڑا ہو کر اپنے رب سے دعا کرے گا اور کہے گا اے میرے رب! تو جانتا ہے اس شخص نے جو مجھ پر احسان کیا تھا! اور کس طرح اس نے مجھے اپنے اوپر ترجیح دی تھی! اے میرے رب! اس کو میری خاطر بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ تمہاری خاطر ہے' پھر وہ عابد آئے گا اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث: ۷۰۲۹' اس حدیث کی روایت میں ابو ظلال متفرد ہے امام بخاری اور امام حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں کلام ہے' مجمع الزوائد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۳۲-۱۳۳' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے اپنے عظیم علم کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ (الاعراف: ۵۲)

قرآن مجید کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت' اہل دوزخ اور اہل اعراف کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کریں گے تاکہ لوگ ان کے کلام میں غور و فکر کریں اور ان کاموں اور ان چیزوں سے بچیں جو اللہ کے عذاب کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر کے لیے تیار ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب کی خصوصیات بیان فرمائیں کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی جس میں جدا جدا احکام بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو جاتی ہے اور انسان الجھن اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان میں اجمال اور اغلاق نہیں ہے اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے صرف مومن اور مسلمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا (وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے) اس کی وعید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں؟ جس دن وہ وعید واقع ہوگی تو جو لوگ پہلے اس کو فراموش کر چکے تھے وہ کہیں گے بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے آئے تھے تو کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں؟ یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے' بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان سے وہ بہتان گم ہو گئے جن کا وہ افتراء کرتے تھے۔ (الاعراف: ۵۳)

کفار کے اخروی خسارہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت کے لیے جو رسول بھیجے تھے اور جو کتابیں نازل فرمائی تھیں' ان رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم کو سخت عذاب ہوگا۔ اسی طرح آسمانی کتابوں میں بھی یہ وعید بیان کی گئی تھی' یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں نے یہ فرمایا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا اور پھر ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ایمان نہ لانے والوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ان وعیدوں کے باوجود کفار ایمان نہ لائے تو ان کے ظاہر حال کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ ایمان لانے کے لیے اس انتظار میں ہیں کہ وہ وعید واقع ہو جائے یعنی

ان پر سخت عذاب آجائے جو ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دے یا قیامت آجائے اور ان کا مواخذہ کر کے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے اور جب وہ وعید واقع ہو جائے گی یعنی قیامت آجائے گی تو اس وقت وہ اعتراف کریں گے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول' اللہ کا سچا پیغام لے کر آئے تھے اور اس وقت وہ صرف دو چیزوں میں سے کسی ایک کی خواہش کر سکیں گے ایک یہ کہ کوئی ان کی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کر کے ان کی مغفرت کرائے یا ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ دوبارہ دنیا میں جا کر کفر اور شرک اور برے کاموں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں کی رسالت کا اقرار کریں لیکن ان میں سے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں ہوگی اور سوائے نقصان کے ان کے پلے میں کچھ نہیں رہے گا اور جن جھوٹے خداؤں کی وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے' وہ ان کے کسی کام نہ آسکیں گے اور جن باطل مذاہب کو ثابت کرنے کے لیے وہ دنیا میں سر دھڑ کی بازی لگاتے تھے' ان کا جھوٹ اور باطل ہونا اس دن واضح ہو جائے گا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ،

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا لا وَّ

پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا ، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهٖ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط

اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں ، سنو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے

تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط إِنَّهٗ

اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب ○ تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو ، بے شک وہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾ ج وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو ،

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾

اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو ، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے ○

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ط حَتّٰى إِذَا

اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے خوشخبری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے ، حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری

أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا

بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو کسی بنجر زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس پانی سے

بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷

ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِإِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا

جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے اپنی پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی

يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ ع ۱۴

پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے، ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' وہ رات کو دن سے ڈھانپ لیتا ہے اور دن اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے' اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں' سنو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے' اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب ○ (الاعراف: ۵۴)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

رب: یہ اصل میں مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کسی شئے کو تدریجاً اپنے کمال تک پہنچانا۔ یہ بہ طور اسم فاعل کے مستعمل ہوتا ہے اس کا معنی ہے تمام موجودات کی تربیت اور ان کی مصلحتوں کا متکفل۔ اس لفظ کا بغیر اضافت کے مطلقاً اللہ عزوجل کے غیر کے لیے بولنا جائز نہیں ہے اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں کے لیے بولنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی مثال ہے: ربکم ورب ابائکم الاولین (الصّٰفّٰت: ۱۲۶)

اور غیر اللہ کے لیے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (یوسف: ۴۲) — اپنے رب (مالک' بادشاہ) کے سامنے میرا ذکر کرنا' پس شیطان نے اس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے رب کے سامنے ذکر کرتا۔

اللہ: یہ اس کا اسم ذات (علم) ہے جو واجب الوجود ہے' تمام عبادتوں کا مستحق ہے' اور اس کی ہر صفت قدیم بالذات ہے' وحدہ لاشریک ہے' وہ تمام مخلوق کا خالق ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے اور ہر قسم کا عیب اور نقص اس کے حق میں محال ہے' یہ نام اس کے ساتھ مخصوص ہے' اس کے علاوہ کسی اور کا یہ نام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم: ۶۵) — کیا تم اس نام کا کوئی اور شخص جانتے ہو؟

فی ستۃ ایام: ایام یوم کی جمع ہے۔ اس سے مراد طلوع شمس سے غروب شمس تک کا وقت ہے۔ اور کبھی اس سے مطلقاً زمانہ کی مدت مراد ہوتی ہے' خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو۔ (المفردات: ج ۲' ۷۰۴)

علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ یوم کا مشہور معنی ہے طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کی مقدار' اور منجمین کے نزدیک ایک طلوع شمس سے لے کر دوسرے طلوع شمس تک کی مقدار یوم ہے یا ایک غروب سے لے کر دوسرے غروب تک کی مقدار' اور مطلقاً زمانہ کے معنی میں بھی یوم کا استعمال ہوتا ہے۔ (تاج العروس' ج ۹' ص ۱۱۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۰۶ھ) ایام (چھ دن) اس سے مراد ہے ایام دنیا میں سے چھ دنوں کی مقدار۔ کیونکہ وہاں سورج کا طلوع اور غروب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک لحہ میں سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور تدریج کی تعلیم کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

استوی: لغت میں استواء کا معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے بلند ہونا۔ کسی چیز کا کسی چیز پر بیٹھنا۔ نیز اس کا معنی ہے کسی چیز کا قصد کرنا۔ کسی شئے کا معتدل ہونا' اللہ تعالیٰ کے استواء کا معنی ہے اس کی ذات اور صفات کا ہر چیز سے بلند ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما ہونا۔

عرش: بادشاہ کا تخت۔ گھر کی چھت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ چھپر کو بھی عرش کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی شخص نہیں جانتا ہم صرف اس کا نام جانتے ہیں۔ ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ فلک اعلیٰ عرش ہے اور کرسی فلک الکوکب ہے۔ اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم آیت کون سی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: آیۃ الکرسی! پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک انگوٹھی کی طرح ہیں جو کسی جنگل کی زمین میں پڑی ہو۔ اور عرش کی کرسی پر فضیلت اس طرح ہے جیسے جنگل کی زمین کی فضیلت اس انگوٹھی پر ہے۔

(الاسماء و الصفات' ج ۲' ص ۴۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) (المفردات' ج ۲' ص ۴۲۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قدیم فلاسفہ کا یہ قول تھا کہ آسمان نو ہیں اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو اس طرح محیط ہے جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں۔ نواں آسمان فلک الافلاک ہے۔ تمام ثوابت (غیر متحرک ستارے) اس میں مرکوز ہیں۔ اور آٹھواں آسمان فلک اطلس ہے۔ پھر ہر آسمان میں سات سیاروں میں سے ایک سیارہ مرکوز ہے اور ان سیاروں کی یہ ترتیب ہے: زحل' مشتری' مریخ' شمس' زہرہ' عطارد اور قمر' اور شریعت میں صرف سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ جن علماء نے اطلاقات شرعیہ کو فلاسفہ کے اقوال کے مطابق کرنے کا قصد کیا انہوں نے کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو نواں آسمان قرار دیا۔ لیکن یہ عبث کوشش ہے کیونکہ فلاسفہ کے اقوال کسی یقینی دلیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ وہ صرف ظن' تخمین' وہم اور قیاس پر مبنی ہیں۔ جبکہ وحی دلیل قطعی ہے۔ اس لیے وحی الٰہی کو یونانی فلسفیوں کے اقوال کے تابع کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ واضح رہے کہ قدیم فلسفہ یونان اور چیز ہے اور سائنس اور چیز ہے۔ فلاسفہ کے نظریات ان کے عقلی اور وہمی دلائل پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ سائنس کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے۔ جس قدر ایجادات ہوئی ہیں' برقی آلات' برقی سواریاں' برقی ساز و سامان' ریڈیو' ٹی۔ وی' ٹیلی فون اور مختلف امراض کی ایلو پیتھک دوائیں' اور طبی آلات اور شوگر' بلڈ پریشر اور کلسٹرول ناپنے کے پیمانے۔ یہ سب سائنس کی بدولت حاصل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی چیز فلسفیوں کے اقوال سے حاصل نہیں ہوئی۔ سائنس دان اپنے حساب کتاب کے ذریعہ کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت پر سورج یا چاند گرہن لگے گا اور اتنی دیر تک رہے گا اور فلاں فلاں ملک میں فلاں فلاں وقت پر نظر آئے گا اور فلاں فلاں ملک میں نظر نہیں آئے گا اور آج تک اس کے سر مو خلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح جب وہ

چاند کی طرف راکٹ چھوڑتے ہیں تو بتا دیتے ہیں کہ اس کا آخری کیپسول جس میں خلانورد ہوتے ہیں' وہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سمندر کے فلاں علاقہ میں گرے گا۔ اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔

یہ سب کچھ ایک کمپیوٹرائزڈ نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ اور یہ سب صحیح حساب و کتاب اور سائنس کا کرشمہ ہے۔ بعض لوگ جو فلسفہ اور سائنس کا فرق بھی نہیں جانتے' وہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ پہلے سائنس دان کہتے تھے کہ سورج اور چاند ساکن ہیں اور اب کہتے ہیں کہ متحرک ہیں۔ اس لیے سائنس کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کل کچھ کہتی ہے' آج کچھ کہتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ فلسفہ ایک نظریہ ہے اور سائنس تجربہ اور مشاہدہ ہے اور آج دنیا کے ہر شعبہ میں ترقی سائنس کی بنیاد پر ہے۔ اور قرآن مجید کی کوئی تصریح سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد جو صحیح سند سے ثابت ہو' سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ضعیف روایت سائنس کے خلاف ہو تو اس کا سبب اس متن کا ضعف نہیں ہے۔ بلکہ اس سند کا ضعف ہے۔ نیز ہم سائنس کے تابع ہو کر قرآن مجید کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ سائنس کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کا اظہار کرتے ہیں کہ جو بات اب سائنس سے ثابت ہوئی ہے' وہ بہت پہلے قرآن مجید نے بتا دی تھی۔ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ جو لوگ سائنس کے مخالف ہیں' وہ اپنی عام زندگی میں بلکہ عبادات میں بھی سائنسی ایجادات سے استفادہ کرتے ہیں۔ پٹرول کاروں' بسوں' ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف سے فائدہ اٹھاتے ہیں' مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور گھڑیوں کے حساب سے نماز پڑھاتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات سے یا گھڑیوں کے حساب سے سحر اور افطار کرتے ہیں۔ رمضان' عید الفطر' عید الاضحیٰ اور حج کے مہینوں کا علم بھی ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات کے ذریعہ ہوتا ہے اور ان سب کا ثبوت سائنسی تحقیقات کا مرہون منت ہے۔ یا تو یہ لوگ اب سے ایک ہزار سال پہلے کے طور طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں یا پھر سائنس کے اصولوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں۔

یغشی اللیل النھار: وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے۔

حثیثا: حث کا معنی کسی کو برانگیختہ کرنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ دن رات کو جلد طلب کرتا ہے۔

الخلق: کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اس کا خاصہ ہے۔

الامر: حکم دینا' تدبیر اور تصرف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل بیان فرمائے ہیں تاکہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا جائے اور توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے ہی انسان کی آخرت بہتر ہوتی ہے۔

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کسی فاعل مختار اور قادر پر موقوف ہے' کیونکہ ان کا اجسام مخصوصہ' صور مخصوصہ اور اوضاع مخصوصہ پر ہونا کسی مرجح اور مخصص کا تقاضا کرتا ہے' اور اس مرجح کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن اپنے وجود میں پھر کسی مخصص اور مرجح کا محتاج ہوگا اور قطع تسلسل کے لیے ہمیں ایک واجب الوجود فاعل کو ماننا پڑے گا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ تعدد وجباء محال ہے اور یہ اس لیے محال ہے کہ اگر دو واجب الوجود فرض کیے جائیں تو نفس وجوب ان دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور چونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے اس لیے ان میں ایک مابہ الامتیاز بھی ہوگا پس ان میں

سے ہر ایک مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے مرکب ہو گا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ ان کو واجب فرض کیا تھا اور لازم آیا کہ یہ ممکن ہیں اور یہ خرابی تعدد وجباء ماننے سے لازم آئی۔ اس لیے واجب الوجود صرف ایک ہو گا دو نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہی خالق ہے اور وہ واحد ہے۔

زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں بنایا ہے حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ایک لحہ میں بھی بنا سکتا تھا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حد اور مدت مقرر فرمائی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے موسم بنائے لیکن یہ موسم بھی تدریجاً ظہور میں آتے ہیں۔ سخت سردی اچانک سخت گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ تدریجاً سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کی طرف موسم کا انتقال ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کا عمل بھی اچانک وجود میں نہیں آتا بلکہ نطفہ نو ماہ میں تدریجاً انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات کی روئیدگی ہے۔ کفار پر جو دنیا میں عذاب آئے' وہ بھی اچانک نہیں آئے۔ ان کو بار بار تنبیہ کی گئی ڈرایا گیا اور ہر طرح حجت پوری کرنے کے بعد ان پر عذاب بھیجا گیا جبکہ وہ فوری عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حد اور مدت مقرر کی ہے اور اسی سنت کے مطابق زمینوں اور آسمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں بنایا ہے۔ نیز جو چیز دفعتاً وجود میں آئے' اس کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید یہ اتفاقی حادثہ ہے اور جس چیز کو ایک معین مدت میں تدریجاً بنایا جائے' اس کو اتفاقی حادثہ قرار دینا صحیح نہیں ہو گا بلکہ ہر ذی شعور یہ کہے گا کہ اس کو قادر اور حکیم نے ایک خاص منصوبہ اور خاص مصلحت سے بنایا ہے۔ سو زمینوں اور آسمانوں کا چھ دنوں میں بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس غالب اور قوی' زبردست علیم و حکیم اور قادر و قیوم کی حکمت اور قدرت کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور اس میں مخلوق کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر کام اطمینان اور صحیح منصوبہ بندی سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو ایک لحہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا اس کے باوجود اس نے چھ دنوں میں زمینوں اور آسمانوں کو بنایا۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ چھ دن اتوار' پیر' منگل' بدھ' جمعرات اور جمعہ ہیں۔ تمام خلق ان ہی ایام میں مجتمع ہوئی اور ان ہی ایام میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے ہر دن ایام دنیا کی مقدار کے برابر تھا یا ہر دن ایک ہزار سال کا تھا۔ جیسا کہ مجاہد اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت ہے۔ بہرحال یوم السبت (ہفتہ کا دن) میں کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی کیونکہ یہ ساتواں دن ہے اور اس کا نام سبت رکھا گیا ہے جس کا معنی ہے قطع کرنا۔ پیدائش کا سلسلہ اس دن منقطع ہو گیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۱۷۸' مطبوعہ دار الاندلس' بیروت)

چھ دنوں کی تفصیل میں احادیث کا اضطراب اور معتبر حدیث کی تعیین

امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ المتوفی ۳۹۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود نے نبی ﷺ کے پاس آکر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو بنایا اور منگل کے دن پہاڑوں کو بنایا اور ان میں نفع بخش چیزوں کو بنایا اور بدھ کے دن درخت' پانی' شہر' آباد اور بنجر زمین کو بنایا۔ یہ چار دن ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ	آپ کہئے بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو
فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ	دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو

الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ (حم السجدہ: ۹-۱۰)

یہ ہے رب العالمین ۝ اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کردیا اور اس میں برکت فرمائی' اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذائیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

اور دوسری روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے سب سے پہلے اتوار اور پیر دو دنوں میں زمین کو بنایا اور اس کے باشندوں کی روزی چار دنوں میں مقدر فرمائی۔ پہاڑ نصب کیے' دریا جاری کیے' درخت اگائے اور سمندر رواں کیے اور یہ منافع منگل اور بدھ دو دنوں میں بنائے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (حم السجدہ: ۱۱-۱۲)

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا در آنحالیکہ وہ دھواں تھا تو اسے اور زمین کو فرمایا تم دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ خوشی سے خواہ ناخوشی سے' ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے ۝ تو ان کو دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہیں۔

(کتاب العظمۃ' ص ۲۹۲-۲۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل اور بدھ کو اس میں پہاڑ نصب کیے' دریا جاری کیے اور درخت اگائے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان بنائے اور ہفتہ کا دن فراغت کا تھا۔ یہود اس دن چھٹی مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا تھا۔ نبی ﷺ ان کے اس قول پر ناراض ہوئے اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ (ق: ۳۹-۳۸)

اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی ۝ تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔

(کتاب العظمۃ' ص ۲۹۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور اس میں منگل اور بدھ کو دو دنوں میں اس کے باشندوں کی روزی مقدر کی اور جمعرات اور جمعہ کو دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں (عصر اور مغرب کے درمیان) حضرت آدم کو عجلت سے پیدا کیا اور یہی وہ ساعت ہے جس میں قیامت واقع ہوگی۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی' ص ۳۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کے دن پہاڑ بنائے اور دریا اور درخت بدھ کو بنائے اور پرندے' وحشی جانور' درندے' حشرات الارض اور آفت (مصیبت) جمعرات کو بنائی اور انسان کو جمعہ کے دن بنایا اور ہفتہ کے دن پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا۔ (کتاب العظمۃ' ص ۲۹۳' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے ہفتہ کے دن مٹی (زمین) پیدا کی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ نصب کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور منگل کے دن ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں اور بدھ کے دن نور پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں جانور پیدا کیے' اور جمعہ کی آخری ساعت میں عصر اور مغرب کے درمیان آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔
(صحیح مسلم 'المنافقین: ۲۷ '۲ (۲۷۸۹) ۶۹۲۰ 'مسند احمد' ج ۲ 'رقم الحدیث: ۸۳۴۹ 'سنن کبریٰ للنسائی 'رقم الحدیث: ۱۳۵۵۷)
علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:
نور سے مراد اجسام نیرہ ہیں مثلاً سورج' چاند اور ستارے اور یہ حدیث اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدھ کے دن تمام آسمانوں کو پیدا کیا کیونکہ یہ تمام سیارے آسمانوں میں ہیں اور ان کا نور اور روشنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔
تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمانوں کی پیدائش کی تصریح نہیں ہے اور اس میں ہفتہ کے پورے سات دن ذکر کیے گئے ہیں اور اگر ان سات دنوں کے بعد کسی ایک دن میں آسمانوں کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش آٹھ دنوں میں قرار پائے گی اور یہ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے سلسلہ میں متعدد قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:
ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین (الآیات)(حم السجدۃ: ۱۲-۹)
(المفہم' ج ۷' ص ۳۴۳' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)
خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مسلم کی اس حدیث میں صرف زمین کی پیدائش سات دنوں میں ذکر کی گئی ہے جبکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ تصریح ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش چھ دنوں میں کی گئی ہے اس لیے یہ حدیث صریح قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے اس حدیث پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس کو کعب احبار سے سنا ہے یعنی یہ اسرائیلیات سے ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے۔
(تفسیر ابن کثیر' ج ۳' ص ۱۷۸) زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش کے سلسلہ میں مضطرب اور متعارض احادیث وارد ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو ذکر کیا ہے۔ ان احادیث میں وہی حدیث معتبر ہے جو قرآن مجید کے مطابق ہے اور سورہ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ چار دنوں میں سے اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمینوں کو بنایا اور باقی دو دنوں میں پہاڑوں اور زمین کے باشندوں کی غذاؤں کے لیے دوسری چیزوں کو بنایا اور اس کے بعد دو دنوں میں آسمانوں کو بنایا اور اس کے موافق وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔
(کتاب الاسماء والصفات' ص ۳۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)
اور امام محمد بن جعفر بن جریر متوفی ۳۱۰ھ کی یہ روایت بھی قرآن مجید کے موافق ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کو زمین بنائی اور منگل کو اس میں پہاڑ اور دیگر نفع آور چیزیں بنائیں اور بدھ کو درخت' دریا' شہر اور آباد اور ویران زمینیں بنائیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: بے شک تم ضرور اس کا کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو بنایا اور تم اس کے لیے شریک قرار دیتے ہو یہ ہے رب العالمین O اور زمین میں اس کے اوپر سے بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت فرمائی اور اس زمین میں (اس کے باشندوں کی) غذائیں چار دنوں

میں مقدر فرمائیں جو مانگنے والوں کے لیے برابر ہیں O (حم السجدہ: ۱۰۔۹) اور جمعرات کے دن اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو، سورج کو، چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن آخری تین ساعات میں سے پہلی ساعت میں ہر مرنے والے شخص کی موت پیدا کی، اور دوسری ساعت میں انسان کو نفع دینے والی چیزوں کی آفت پیدا کی اور تیسری اور آخری ساعت میں آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ساعت کے آخر میں ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔ یہود نے پوچھا: اے سیدنا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ انہوں نے کہا: آپ نے ٹھیک بتایا ہے کاش! آپ اس بات کو مکمل کر دیتے! انہوں نے کہا: پھر (ہفتہ کے دن) اللہ نے آرام کیا۔ نبی ﷺ سخت غضب ناک ہوئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں بنایا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O تو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ (ق: ۳۹۔۳۹)

(جامع البیان، جز ۲۴، ص ۱۱۹۔۱۱۸، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، المستدرک، ج ۲، ص ۴۵۱۔۴۵۰، امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے، تلخیص المستدرک، ج ۲، ص ۴۵۱۔۴۵۰، الدر المنثور، ج ۷، ص ۱۴، طبع بیروت)

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا موقف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔

شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اپنی جو صفات بیان کی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے جو آپ کی صفات بیان کی ہیں ان پر بغیر تحریف اور بغیر تکییف اور تمثیل کے ایمان لایا جائے (یعنی ان صفات کی کوئی تاویل نہ کی جائے نہ ان کی مخلوق کے ساتھ مثال دی جائے) بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے اس کی نفی نہ کی جائے اور اللہ کے کلمات کو بدلا نہ جائے اور اس کے اسماء اور اس کی آیات کو بدلا نہ جائے۔ نہ ان کا کوئی معنی متعین کیا جائے اور نہ مخلوق کی صفات سے ان کی مثال دی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کا کوئی ہم نام ہے نہ اس کا کوئی کفو ہے، نہ کوئی اس کی مثیل اور نظیر ہے نہ اس کا مخلوق پر قیاس کیا جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے۔ پھر اس کے تمام رسول سچے ہیں، بہ خلاف ان لوگوں کے جو بغیر علم کے اللہ کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ O وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ O وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ O (الصافات: ۱۸۲۔۱۸۰)

آپ کا رب عزت والا ہے آپ کا رب ہر اس عیب سے پاک ہے جو (کفار) بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر، اور تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

رسولوں کے مخالفین اللہ کی جو صفات بیان کرتے تھے اللہ نے ان سے اپنی برأت فرمائی ہے اور رسولوں نے جو اللہ کی نقص اور عیب سے برأت بیان کی تھی ان پر سلام بھیجا ہے۔ (الی قولہ) اللہ سبحانہ کے لیے سمع اور بصر ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے ھو السمیع البصیر، (الی قولہ) اللہ کے لیے چہرہ ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام اور کل شیء ھالک الا وجھہ اور اللہ کے لیے دو ہاتھ ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی اور اللہ کے لیے دو آنکھیں ثابت ہیں کیونکہ اس نے فرمایا ہے واصبر

لحکم ربک فانک باعیننا اور اللہ کے لیے عرش پر استوا ثابت ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی اور اس طرح کی سات آیتیں ہیں۔

(العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ' ص ۶۳-۱۵ ' ملخصاً ' مطبوعہ دار السلام ' ریاض ' ۱۴۱۴ھ)

اس کے بعد احادیث سے استدلال کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اللہ آسمان دنیا کی طرف اپنی شان کے لائق نازل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو گم شدہ اونٹنی کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اللہ کی ٹانگ اور قدم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ کہے گی کیا اور زیادہ بھی ہیں حتیٰ کہ رب العزت اس میں اپنی ٹانگ رکھ دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا۔ (بخاری و مسلم)

(العقیدۃ الواسطیہ ' ص ۸۳-۸۰ ' ملخصاً ' مع شرحہ مطبوعہ دار السلام ' ریاض ' ۱۴۱۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی ان عبارات کا بظاہر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ' آنکھیں ' دو ہاتھ ' ٹانگ اور قدم ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے۔ شرح العقیدۃ الواسطیہ میں لکھا ہے اس کا معنی ہے وہ عرش پر بلند ہے یا چڑھنے والا یا اس پر مستقر ہے۔ اللہ کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں اور ان کی کوئی مثال نہیں ہے۔ ان صفات کی کوئی تاویل اور توجیہ کرنا جائز نہیں ہے چونکہ ان صفات کا قرآن اور سنت میں ذکر ہے اس لیے ان کو اسی طرح ماننا لازم ہے۔ یہ ظاہر یہ عقیدہ ' اشاعرہ اور دیگر متقدمین کے عقیدہ کی مثل ہے لیکن شیخ ابن تیمیہ کے معاصر اور بعد کے ثقہ علماء نے یہ کہا ہے کہ شیخ ابن تیمیہ کے ان اقوال سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسمیت کا ماننا لازم آتا ہے اس بناء پر بعض علماء راسخین نے شیخ ابن تیمیہ کو گمراہ کہا اور بعض نے ان کی تکفیر کر دی۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے مخالفین

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ ' پیر ' چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا تو اس نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے اسی وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے۔ (الدرر الکامنہ ' ج ۱ ' ص ۱۵۴ ' مطبوعہ دار الجیل ' بیروت)

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمیت ' جہت ' اور انتقال سے موصوف ہے اور وہ عرش کے برابر ہے نہ چھوٹا نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ اس قبیح افتراء سے پاک ہے جو کہ صریح کفر ہے۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ ' ص ۱۰۰ ' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ' بہ مصر ' ۱۳۵۶ھ)

تبیان القرآن ' جلد ثانی میں النساء ۱۵۸ کی تفسیر میں ہم نے بہ کثرت علماء کی عبارات نقل کی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ میں شیخ

ابن تیمیہ کی تکفیر کی ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں شیخ ابن تیمیہ کے موافقین

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

شیخ عبداللہ انصاری حنبلی قدس سرہ نے شرح منازل السائرین میں شیخ ابن تیمیہ سے اس تہمت کو دور کیا ہے کہ وہ اللہ کے لیے جہت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے تھے اور انہوں نے شیخ مذکور سے تکفیر اور تضلیل کی نفی کی ہے ان کی عبارت یہ ہے:

شیخ ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کر کے اور ان کے معانی متبادرہ کے اعتقاد کی تلقین کر کے ان اسماء اور صفات کی حرمت کو محفوظ کیا ہے۔ کیونکہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ الرحمن علی العرش استوی میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء کا کیا معنی ہے؟ تو امام مالک نے پہلے سر جھکا کر غور کیا پھر کہا استواء معلوم ہے (کسی چیز پر مستقر ہونا یا کسی چیز پر بلند ہونا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آ سکتی (کہ اللہ کس طرح عرش پر مستوی ہے!) اور اس (استواء) پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔ امام مالک نے اس کے معنی کے معلوم ہونے اور اس کی کیفیت کے انسانی عقل میں نہ آنے کے درمیان فرق کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق تمام مسائل میں کافی شافی ہے۔ سمع' بصر' علم' حیات' قدرت' ارادہ' اللہ کا نزول' غضب' رحمت اور اس کا ہنسنا۔ ان تمام الفاظ کے معانی معلوم ہیں اللہ کے ساتھ ان کے اتصاف کی کیفیت انسان کی عقل میں نہیں آ سکتی' کیونکہ کسی چیز کی کیفیت تب عقل میں آتی ہے جب اس کی ذات اور کنہ کا علم حاصل ہو چکا ہو۔ اور جب اس کی ذات غیر معلوم ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کیسے عقل میں آ سکتی ہے اور اس باب میں صحیح موقف یہ ہے کہ اللہ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور اس کے رسول نے جس صفت کے ساتھ اس کو موصوف کیا ہے اور ان صفات میں نہ کوئی تحریف کی جائے (بایں طور کہ از خود ان صفات کا کوئی معنی یا محمل بیان کیا جائے) نہ ان صفات کو معطل کیا جائے (یعنی ان کی نفی کی جائے) نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے (ان کی کوئی تاویل کی جائے) اور نہ ان کی کوئی مثال بیان کی جائے' بلکہ اللہ کے اسماء اور اس کی صفات کو ثابت کیا جائے اور ان سے مخلوقات کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ پس تمہارا صفات کو ثابت کرنا تشبیہ سے منزہ ہو اور تمہارا نفی کرنا تعطیل سے منزہ ہو۔ سو جس نے استواء کی حقیقت کی نفی کی' وہ معطل ہے اور جس نے مخلوقات پر استواء کے ساتھ تشبیہ دی' وہ مشبہ ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کے استواء کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ موحد ہے اور منزہ ہے۔ یہاں تک علامہ عبداللہ انصاری حنبلی کا کلام ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا اعتقاد اسلاف صالحین اور جمہور متاخرین کے اعتقاد کے موافق ہے اور ان کی عبارت پر یہ طعن اور تشنیع صحیح نہیں ہے۔ ان کا یہ کلام بعینہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہے جو انہوں نے الفقہ الاکبر میں تحریر فرمایا ہے۔ (ہم عنقریب اس عبارت کو نقل کریں گے) اس سے معلوم ہو گیا کہ شیخ ابن تیمیہ پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (مرقات' ج ۸' ص ۲۵۲-۲۵۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نوٹ: شیخ ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے اس بنا پر شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کو ملا علی قاری رحمہ الباری نے شرح الشفاء علی نسیم الریاض' ج ۳' ص ۵۱۴ میں صحیح قرار دیا ہے اور ان کی یہ کتاب مرقات کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس لیے مرقات میں جو انہوں نے شیخ ابن تیمیہ کو اس امت کا ولی کہا ہے' اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

علامہ محمد امین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی لکھتے ہیں:

عرش پر استواء اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے معاملہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے ایک یہ کہ اللہ جل وعلا حوادث کی مشابہت سے منزہ ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ کی صفات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے لیے جس وصف کو ثابت کیا یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے کسی وصف کو ثابت کیا' پھر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس وصف کی یہ زعم کرتے ہوئے نفی کی کہ وہ وصف اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عالم قرار دیا۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔ اور جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا وصف مخلوق کے اوصاف کے مشابہ ہے تو وہ مشبہ' ملحد اور گمراہ ہے اور جس نے اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ کے ثابت کیے ہوئے اوصاف کو اللہ کے لیے مانا جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف' مخلوقات کی صفات کی مشابہت سے منزہ ہیں تو وہ مومن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور جلال کو اور مشابہت خلق سے تنزیہ کو ماننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کو واضح فرمادیا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ: ١١) — اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے صفات کمال اور جلال کو ثابت فرمایا ہے اور مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی فرمائی ہے۔ (اضواء البیان' ج ٢' ص ٢٧٣-٢٧٢' مکتبہ ابن تیمیہ' قاہرہ' ١٤٠٨ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین احناف کا موقف

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ١٥٠ھ فرماتے ہیں:

اللہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے' نہ اس کی کوئی حد ہے' نہ اس کا کوئی منازع ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی مثال ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ' ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے' وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کی جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔

(الفقہ الاکبر مع شرحہ' ص ٣٧-٣٦' مطبوعہ شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفی البابی' مصر' ١٣٧٥ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ٨٦١ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور یہ ایسا استواء نہیں ہے جیسا ایک جسم کا دوسرے جسم پر استواء ہوتا ہے کہ وہ اس سے مماس ہوتا ہے۔ یا اس کی محاذات (سمت) میں ہوتا ہے بلکہ جو استواء اس کی شان کے لائق ہو جس کو اللہ سبحانہ ہی زیادہ جاننے والا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کی مشابہت کی نفی کی جائے۔ رہا یہ کہ استواء علی العرش سے مراد عرش پر غلبہ ہو تو یہ ارادہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس ارادہ کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور واجب وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ عام لوگ استواء سے وہی معنی سمجھیں گے کہ جو جسم

کے لوازم سے ہے کہ اللہ عرش سے متصل ہے یا عرش کے مماس ہے یا عرش کی محاذات میں ہے تو استواء کو غلبہ سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کتاب اور سنت میں جو ایسے الفاظ ہیں جن سے جسمیت ظاہر ہوتی ہے مثلاً انگلی' قدم اور ہاتھ ان پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ انگلی اور ہاتھ وغیرہ اللہ کی صفت ہیں۔ ان سے مراد یہ مخصوص اعضاء نہیں ہیں بلکہ وہ معنی مراد ہے جو معنی اللہ کی شان کے لائق ہے اور اللہ سبحانہ ہی اس معنی کو زیادہ جاننے والا ہے اور کبھی ہاتھ اور انگلی کی تاویل قدرت اور قہر سے کی جاتی ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے اس کی تاویل کی جاتی ہے تاکہ عام لوگوں کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی جسمیت کی طرف نہ منتقل ہوں۔ اس تاویل سے یہ ارادہ بھی ممکن ہے لیکن اس پر جزم اور یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے اصحاب (ماتریدیہ) کے قول کے مطابق یہ الفاظ متشابہات سے ہیں اور متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کی مراد متوقع نہیں ہے۔

(مسایرہ مع شرح المسامرہ' ج ا' ص ۳۶-۳۱' دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران)

واضح رہے کہ استواء اور ہاتھ وغیرہ کی علامہ ابن ہمام نے جو تاویل بیان کی ہے امام ابو حنیفہ اور دیگر اسلاف نے اس تاویل سے منع کیا ہے۔

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین شافعیہ کا موقف

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے صرف ان صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اللہ دلالت کرتی ہو یا رسول اللہ ﷺ کی سنت دلالت کرتی ہو' یا اس پر اس امت کے متقدمین کا اجماع ہو یا جس پر عقل دلالت کرتی ہو۔ مثلاً حیات' قدرت' علم' ارادہ' سمع' بصر' کلام اور اس کی مثل صفات ذاتیہ' اور مثلاً خلق کرنا' رزق دینا' زندہ کرنا' مارنا' معاف کرنا' سزا دینا اور ان کی مثل صفات فعلیہ' اور جن صفات کا اثبات' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر سے ہوا' جیسے چہرہ' دو ہاتھ' آنکھ' یہ اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے عرش پر مستوی ہونا اور آنا اور نازل ہونا اور اس طرح دوسری اس کے فعل کی صفات۔ یہ صفات اس لیے ثابت ہیں کہ قرآن اور حدیث میں ان کا ذکر ہے' ان صفات کو اس طرح ماننا جائے کہ ان صفات کی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(کتاب الاسماء والصفات' ص ۱۱۱-۱۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

سفیان ثوری نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن اوصاف کو اپنے لیے ثابت کیا ہے' ان کی فارسی یا عربی میں تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات' ص ۳۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا استویٰ کا معنی ہے استقر (قرار پکڑا) ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے صعد (چڑھا) معتزلہ نے کہا اس کا معنی ہے استولی (اللہ عرش پر غالب ہے) اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ کی صفت بلا کیف ہے۔ انسان کے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا علم وہ اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ (اس کے بعد انہوں نے امام مالک سے سوال اور ان کا جواب لکھا ہے) سفیان ثوری' اوزاعی' لیث بن سعد' سفیان بن عیینہ' عبداللہ بن المبارک اور دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ آیت اور دیگر صفات کے متعلق آیات' آیات متشابہات میں سے ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف (یعنی استواء کی کیفیت جانے بغیر) ماننا چاہیے۔ (معالم التنزیل' ج ۲' ص ۱۳۸-۱۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ ھ)

استواء اور صفات کے مسئلہ میں متقدمین مالکیہ کا موقف

امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

الرحمن علی العرش استوی (طٰہٰ:۵) کی تفسیر میں امام مالک سے سوال کیا گیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: استوی کا معنی معلوم ہے (بلند ہے یا بیٹھا ہے) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور تمہارا اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرا گمان ہے کہ تم بدعقیدہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔ ابن المبارک نے کہا رب تبارک و تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث:۱۱۴۵' الموطا' رقم الحدیث:۲۱۴' مسند احمد' ج ۲' ص ۴۸۷)

اس قسم کے جو اطلاقات قرآن اور سنت میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔ عباد بن عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ان ہی اسانید سے پہنچی ہیں جن اسانید سے نماز' زکوٰۃ' روزے اور حج کے احکام کے متعلق احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عزوجل کو ان احادیث سے ہی پہچانا ہے امام شافعی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف اتباع ہے' اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی ہے یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد۔ (مسند احمد' ج ۵' ص ۱۷۹)

اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے والمستغفرین بالاسحار (آل عمران:۱۷) رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرنے والے۔

(الاستذکار ج ۸' ص ۱۵۳-۱۵۱' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نیز امام ابن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ایوب بن صلاح مخزومی نے ہم سے فلسطین میں بیان کیا کہ ہم امام مالک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک عراقی نے آپ کے پاس آ کر سوال کیا کہ اللہ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ امام مالک نے غور کرنے کے بعد فرمایا: تم نے اس چیز کے متعلق سوال کیا ہے جو مجہول نہیں ہے اور تم نے اس کیفیت کے متعلق سوال کیا ہے جو عقل میں نہیں آ سکتی اور تم بدعقیدہ شخص ہو۔ پھر اس شخص کو آپ کی مجلس سے نکال دیا گیا۔ یحییٰ بن ابراہیم بن مزین نے کہا: امام مالک نے اس قسم کی باتوں میں بحث کرنے سے اس لیے منع فرمایا کیونکہ ان میں حد' صفت اور تشبیہ ہے اور اس میں نجات تب ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے ان اقوال پر توقف کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی صفت' چہرے اور ہاتھوں سے بیان کی ہے اور کشادہ کرنے اور استواء سے اپنی صفت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ:۱۱۵) - سو تم جس طرف بھی پھرو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ:۶۴) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ (کھلے ہوئے) ہیں۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ (الزمر: ۶۷)
قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۵)
رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

اس لیے مسلمان کو وہی کہنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے اور اسی پر توقف کرنا چاہیے اور اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور اس کی تفسیر نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ کس طرح ہے۔ کیونکہ اس میں ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ان کو اس کی ان آیتوں کی تاویل میں غور کرنے کا مکلف نہیں کیا جن آیتوں کا اس نے علم عطا نہیں کیا۔ (التمہید، ج ۷، ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۴ھ)

امام مالک نے عمر بن الحکم سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری ایک باندی بکریوں کو چراتی تھی ایک دن ایک بکری گم ہو گئی میں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا، اور مجھ پر (پہلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا، رقم الحدیث: ۱۵۱۱، صحیح مسلم، صلوٰۃ، ۳۳ (۵۳۷) ۱۱۷۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۳۰)

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

نبی ﷺ نے اس باندی سے جو سوال کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا: آسمان میں۔ تمام اہل سنت (اور وہ محدثین ہیں) اس پر متفق ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ (طٰہٰ: ۵) اور اللہ عزوجل آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اور یہ قرآن مجید کی ان آیات سے بالکل ظاہر ہے:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ (الملک: ۱۶)
کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے تو وہ اس سے لرزنے لگے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر: ۱۰)
پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو اللہ بلند فرماتا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج: ۴)
فرشتے اور جبرئیل اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور ہم نے اپنی کتاب تمہید میں اس سے زیادہ بیان کیا ہے۔

(الاستذکار، ج ۲۳، ص ۱۶۸-۱۶۷، طبع بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جہت نہیں ہے لیکن چونکہ علو اور بلندی کو باقی جہات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا، اس کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بندوں کو اس کی ضرورت تھی تاکہ وہ دعا کے وقت حیران نہ ہوں کہ وہ کس کی طرف منہ کریں جیسے اس نے کعبہ کو پیدا کیا تاکہ لوگ عبادت کے وقت اس کی طرف منہ کریں۔ حالانکہ اللہ کا حقیقت میں گھر ہے نہ اس کو اس کی

ضرورت ہے۔ اسی طرح اس نے آسمان کو پیدا کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ وہ اپنی دعاؤں میں کس طرف متوجہ ہوں۔

امام ابن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ استواء کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ ہے استولی یعنی اللہ عرش پر غالب ہے۔ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پھر عرش کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو ہر چیز پر غالب ہے اور کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ کے کلام کو اشہر اور اظہر وجوہ پر محمول کرنا لازم ہے جب تک کہ حقیقت پر محمول کرنے سے کوئی ایسا مانع نہ ہو جس کا مانع ہونا سب کے لیے واجب التسلیم ہو۔ اور اگر ہر مجاز کے مدعی کا ادعامان لیا جائے تو پھر کوئی عبارت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے کلام میں جن الفاظ سے خطاب کیا ہے ان سے ان ہی معانی کا ارادہ کیا ہے جن معانی کا اہل عرب اپنے محاورات اور خطابات میں ان الفاظ سے ارادہ کرتے تھے' اور استواء کا معنی اور مفہوم لغت میں معلوم ہے اور وہ ہے کسی چیز پر ارتفاع اور بلند ہونا اور کسی چیز پر قرار اور جگہ پکڑنا۔ ابو عبیدہ نے استواء کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: "بلند ہوا" عرب کہتے ہیں استویت فوق الدابہ میں سواری کے اوپر بلند ہوا یا بیٹھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا استواء کا معنی بلندی پر جگہ پکڑنا ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل آیات میں ہے:

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (الزخرف: ١٣)	تاکہ تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھو اور جب تم ان کی پشت کے اوپر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو۔
وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ (ھود: ٤٤)	اور کشتی جودی پہاڑ کے اوپر ٹھہر گئی۔
فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المؤمنون: ٢٨)	اور جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے اوپر بیٹھ جائیں۔

ہم عرش پر اللہ تعالیٰ کے استواء کی کیفیت کو نہیں جانتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو جیسے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمارے بدنوں میں ہماری روحیں ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے بدن میں ہماری روح کس کیفیت سے ہے اور اس کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہماری روحیں نہ ہوں' اس طرح عرش پر اللہ کے استواء کی کیفیت کے علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش پر مستوی نہ ہو۔

(التمہید' ج ٧' ص ١٣١-١٣٧' ملخصاً' و موضحاً' مطبوعہ المکتبہ القدوسیہ' لاہور' ١٤٠٤ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متقدمین حنابلہ کا موقف

امام جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے کہا کہ استوی بمعنی استولی ہے۔ ائمہ لغت کے نزدیک یہ معنی مردود ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا عرب استوی کو استولی کے معنی میں نہیں پہچانتے' جس شخص نے یہ کہا اس نے بہت غلط کیا۔ استوی فلان علی کذا (فلاں شخص نے فلاں پر غلبہ پایا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شخص اس سے بعید ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہو۔ پھر بعد میں اس پر قدرت اور غلبہ حاصل کرے' اور اللہ عزوجل ہمیشہ سے تمام چیزوں پر غالب ہے۔ ہم ملحدہ کے صفات کو معطل کرنے سے اور مجسمہ کی تشبیہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ (زاد المسیر' ج ٣' ص ٢١٣' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ١١٨٨ھ لکھتے ہیں:

حنبلیوں کا مذہب سلف صالحین کا مذہب ہے۔ وہ اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جن کے ساتھ خود اللہ

نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ اور جن اوصاف کے ساتھ اس کے رسول نے اس کو موصوف کیا ہے' بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور تکییف اور تمثیل کے' اللہ کی ذات ذوات میں سے کسی ذات کے مشابہ نہیں اور اس کی صفت کمالیہ میں سے کوئی صفت ممکنات کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہیں' ان کو اسی طرح قبول کرنا اور تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس کے وصف کی حقیقت سے عدول نہیں کرتے اور نہ اس کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور نہ اس کے اسماء اور صفات میں' اور جو کچھ اس باب میں وارد ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں کرتے اور جو شخص اس صراط مستقیم سے انحراف کرے تم اس کو چھوڑ دو۔ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (لوامع الانوار البہیہ' ج ۱' ص ۱۰۷' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

نیز علامہ سفارینی حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اسی وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے گا جس وصف کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جس وصف کے ساتھ اس کے رسول ﷺ نے اس کو موصوف کیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نقص اور حدوث کو واجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ اس سے حقیقتاً منزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے کمال کا مستحق ہے۔ سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں غور نہیں کرنا چاہیے اور ان میں سکوت کرنا چاہیے اور ان کا علم اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ پوشیدہ چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جائے گی اور انسان پر واجب ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دے۔ ائمہ سلف مثلاً زہری' امام مالک' امام اوزاعی' سفیان ثوری' لیث بن اسد' عبداللہ بن المبارک' امام احمد اور اسحاق سب یہی کہتے تھے کہ یہ متشابہات ہیں۔ اللہ اور اسکے رسول کے سوا کسی کے لیے ان کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (لوامع الانوار البہیہ' ج ۱' ص ۹۹-۹۶' ملخصاً' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

استواء اور دیگر صفات کے مسئلہ میں متاخرین کی آراء

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستقر ہونا ممکن نہیں ہے اور اس پر متعدد عقلی دلائل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہو تو اس کی جو جانب عرش کے قریب ہوگی وہ جانب لازماً متناہی ہوگی اور جو چیز متناہی ہو وہ زیادتی اور کمی کو قبول کر سکتی ہے اور جو چیز زیادتی اور کمی کو قبول کر سکے وہ حادث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اور اگر وہ جانب غیر متناہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ عرش بہر حال متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک جانب عرش سے مماس ہوگی اور ایک جانب فارغ ہوگی اور اس سے انقسام لازم آئے گا اور یہ بیان سابق سے محال ہے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر ہونے کو باطل قرار دینے کے لیے بارہ دلیلیں قائم کی ہیں۔ جو اکثر مشکل اور دقیق ہیں اور عام فہم نہیں ہیں۔ بہر حال ان کی ایک اور قدرے آسان دلیل یہ ہے:

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستقر ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہوگی یا مساوی ہوگی یا اصغر ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اعظم ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات میں انقسام لازم آئے گا کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی ذات کا بعض عرش پر مستقر ہوگا اور بعض اس سے زائد ہوگا اور اس سے اس کا منقسم ہونا لازم آئے گا اور اگر اللہ تعالیٰ عرش کے مساوی ہو تو اس کا متناہی ہونا لازم آئے گا کیونکہ عرش متناہی ہے اور جو متناہی کے مساوی ہو وہ متناہی ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے اصغر ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا متناہی اور منقسم ہونا لازم آئے گا اور یہ تمام

صورتیں بداہتہ" باطل ہیں۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۲۵۲-۲۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا امر بلند ہوا یا غالب ہوا اور ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس نے ارادہ کیا در آنحالیکہ وہ عرش پر استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے۔ (انوار التنزیل مع الکازرونی' ج ۳' ص ۲۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن یوسف المشہور بابن حیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا متعین نہیں ہے جبکہ عقلی دلائل اس پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء محال ہے۔ (البحر المحیط' ج ۵' ص ۶۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: اللہ عرش پر غالب ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے لیکن عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے عظیم جسم ہے اس لیے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ عرش پر غالب ہونے کا ذکر فرمایا۔ امام جعفر صادق' حسن بصری' امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ سے یہ منقول ہے کہ استواء معلوم ہے (مستقر ہونا یا بلند ہونا) اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے۔

(مدارک التنزیل علی الخازن' ج ۲' ص ۱۰۰' مطبوعہ پشاور)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جہت منتفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے نہیں متوجہ ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۴' ص ۵۱-۵۰' مطبوعہ منشورات الرضی' قم ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ سبحانہ کی جہت اور مکان سے تنزیہ ضروری ہے کیونکہ جو چیز مکان میں ہو اس کو حرکت اور سکون اور تغیر اور حدوث لازم ہے یہ متکلمین کا قول ہے۔ اور سلف اول رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے جہت کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور رسولوں نے بھی اس طرح فرمایا ہے اور سلف صالحین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً عرش

پر مستوی ہے' البتہ ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ اس کے استواء کی حقیقت میں کیا کیفیت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

استوی کا معنی ہے بلند ہے۔ (اللہ عرش پر بلند ہے) اس بلندی سے وہ بلندی مراد نہیں ہے جو مکان اور مسافت کی بلندی ہوتی ہے' یعنی کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو جو جگہ دوسری جگہوں سے بلند ہو بلکہ اس سے وہ بلندی مراد ہے جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ تمہیں یہ معلوم ہو گا کہ سلف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کا ارادہ ہے درآنحالیکہ وہ استقرار اور جگہ پکڑنے سے منزہ ہے اور استواء کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانے) سے کرنا باطل ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ استواء کا معنی استیلاء ہے' وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا غالب ہونا ہمارے غالب ہونے کی مثل ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ وہ ایسا غالب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ ابتداء یہ کہے کہ وہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی ج ۸' ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: "پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے"۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ استواء متشابہات میں سے ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ کی اس سے جو مراد ہے حق ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں کہ آفرینش کا خاتمہ عرش پر جا ٹھہرا۔ واللہ اعلم باسرار کتابہ۔

(خزائن العرفان' ص ۲۵۳' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور)

استواء علی العرش اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کے مسئلہ میں ہم نے کافی طویل بحث کی ہے اور تمام قابل ذکر متقدمین اور متاخرین کے مذاہب اور ان کی آراء تفصیل سے بیان کی ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو اس مسئلہ میں ہر پہلو سے مکمل واقفیت ہو جائے۔ بہرحال ہمارا اس مسئلہ میں وہی موقف ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر سلف صالحین کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے O (الاعراف: ۵۶-۵۵)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت' وحدانیت اور قدرت اور حکمت پر دلائل قائم کیے تھے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی اس کائنات کا رب ہے تو پھر چاہیے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی سے ہر معاملہ میں دعا کی جائے۔

قرآن مجید میں دعا کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دعا بہ معنی عبادت اور دعاء بہ معنی سوال۔ دعا بہ معنی سوال کی مثال زیر تفسیر آیت ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ "تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سوال کرو" اور دعا بہ معنی عبادت کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج: ۷۳)

بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔

مانعین دعاء کے دلائل

بعض لوگوں نے دعا کرنے سے منع کیا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- جس چیز کے حصول کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے' یا تو اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کو عطا کرنے کا ارادہ کیا ہو گا یا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس چیز کے دینے کا ارادہ کیا ہے تو پھر بندہ دعا کرے یا نہ کرے وہ چیز اس کو مل جائے گی' اور اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ بندہ کو وہ چیز نہیں دے گا تو بندہ پھر لاکھ دعا کرے اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو پھر دعا کرنا بے فائدہ ہے۔

۲- جس مطلوب کے لیے بندہ دعا کر رہا ہے یا تو وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہو گا یا نہیں۔ اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے موافق ہے تو اللہ تعالیٰ از خود وہ عطا فرما دے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ فیاض اور جواد ہے اور اگر وہ مطلوب مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ وہ مطلوب نہیں دے گا۔ لہٰذا دعا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۳- بندہ کا دعا کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تقدیر پر راضی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ تقدیر پر راضی ہوتا تو جو کچھ اللہ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے وہ اس پر مطمئن اور شاکر رہتا اور اپنے حالات کو بدلنے کے لیے دعا نہ کرتا۔ اور تقدیر پر راضی نہ ہونا شرعاً مذموم ہے۔

۴- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جو شخص قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے میرا ذکر اور مجھ سے دعا نہ کر سکا میں اس کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا جو میں نے دعا کرنے والوں کو عطا فرمائی ہے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۹۳۵' اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ خلق افعال العباد' ص ۱۰۵' سنن الدارمی ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۵۶' حلیہ الاولیاء' ج ۷' ص ۳۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔

۵- امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں ڈالا جانے لگا تو حضرت جبرئیل نے آ کر عرض کیا: آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: پھر اپنے رب سے سوال کیجئے انہوں نے فرمایا: اس کو میرے حال کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳' ص ۲۱۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

مانعین دعا کے دلائل کے جوابات

مانعین دعا نے ترک دعا پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اللہ کی عبادت بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے ازل میں اس کے جنتی ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی تقدیر میں اس بندہ کا جنتی ہونا ہے تو پھر وہ عبادت کرے یا نہ کرے وہ جنت میں جائے گا' اور اگر اللہ نے اس کے دوزخی ہونے کا ارادہ کیا ہے اور یہی اس کی تقدیر ہے تو پھر وہ لاکھ عبادت کرے وہ بہر حال دوزخ میں جائے گا۔ نیز پھر اس کو کھانا پینا بھی ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اگر اللہ نے اس کو سیر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ کھائے پئے بغیر بھی سیر ہو جائے گا ورنہ وہ جتنا بھی کھائے کبھی سیر نہیں ہو گا۔ اور اس کو علاج بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو بیمار رکھنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ کسی دوا سے صحت یاب نہیں ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی صحت کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ بغیر دوا کے بھی صحت یاب ہو جائے گا۔ علیٰ ھذا القیاس اس کو حصول رزق کے لیے بھی

کوشش نہیں کرنی چاہیے- اور نہ کسی منصب اور اقتدار کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے- نہ حصول علم کے لیے کوئی سعی کرنی چاہیے' اور ان سب کا حل یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے علم' اس کے ارادہ اور تقدیر کا کوئی علم نہیں ہے اور جس طرح تقدیر میں ہمارا نفع' ہماری عبادت' ہمارا سیر ہونا' ہماری صحت' ہمارا رزق اور ہمارا علم لکھا ہوا ہے اسی طرح اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ نفع ہمیں دعا سے حاصل ہوگا اور یہ عبادت ہمیں کوشش سے حاصل ہوگی- سیر ہونا' ہمارے کھانے سے حاصل ہوگا اور صحت دوا سے حاصل ہوگی- علی ھذا القیاس- تقدیر میں جس طرح یہ امور ہیں اسی طرح ان کے اسباب بھی تقدیر میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر میں اسباب اور مسببات کا سلسلہ مربوط ہے۔

مانعین نے سنن ترمذی کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے- امام احمد نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے- اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھی اور کلبی کی روایت کو ابوسعید کے عنوان سے بیان کرتا تھا- ابو زرعہ اور ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا- امام ابن حبان نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا- امام ابوداؤد نے اس کو ضعیف کہا- اس میں تشیع تھا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر مقدم کہتا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷' ص ۱۹۶-۱۹۵' رقم: ۴۷۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ' تہذیب الکمال رقم: ۳۹۵۶' میزان الاعتدال رقم: ۵۶۶۷)

دوسری حدیث جس کو امام بغوی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس کو بعض مفسرین کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا- امام ابن جریر' حافظ ابن کثیر' حافظ ابن عساکر اور حافظ سیوطی نے اس واقعہ کو متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان تمام روایات میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ جب حضرت جبریل نے کہا: آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیم نے فرمایا تم سے کوئی حاجت نہیں ہے! اور یہ الفاظ نہیں ہیں: "اس کو میرے حال کا جو علم ہے وہ میرے سوال کے لیے کافی ہے" اور اس کے معارض یہ روایت ہے جس کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا جانے لگا تو انہوں نے سر اٹھا کر کہا: "اے اللہ تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں اور زمین میں میرے سوا تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے"۔

(جامع البیان' جز ۱۷' ص ۵۶-۵۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی اس موقع پر ثنا کی اور کریم کی ثنا دعا ہوتی ہے- علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت ابی بن کعب پر موقوف ہے اور یہ کعب احبار کی روایت ہے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ غالباً اسرائیلیات میں سے ہے اور یہ حدیث معلل ہے کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اور بہ کثرت احادیث میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ترغیب اور تلقین کی گئی ہے اور یہ حدیث ان کے مخالف ہے کیونکہ اس میں ترک دعا کی تصریح ہے- اور ہمارے لیے حجت قرآن اور حدیث ہے نہ کہ یہ بے اصل اور معلل روایت۔

دعا قبول نہ ہونے کے فوائد

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بہت دفعہ بار بار دعا کرنے کے باوجود دعا قبول نہیں ہوتی پھر دعا کرنے کا کیا فائدہ ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا محتاج ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا اور کارساز مانتا ہے تو اس کی دعا قبول ہو یا نہ ہو اس دعا کا یہ فائدہ کم تو نہیں ہے کہ اسے اللہ کی معرفت ہوتی ہے' دعا قبول نہ ہونے کے باوجود جب وہ بار بار اللہ ہی کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کے اس ایمان اور یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک سوال اور گدا کے لیے اللہ کے

در کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے۔ وہ رد کرے یا قبول' وہ اس کے سوا اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا' کسی سے سوال نہیں کرتا' کسی کے آگے نہیں گڑگڑاتا اور یہ دعا کا بہت بڑا فائدہ ہے' جس سے بندہ کے توحید پر ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر انسان بار بار دعا کرتا ہے اور اس کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سوال اس کو عطا فرماتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے' بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۹۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

بعض اوقات انسان کی دعا قبول نہ ہو اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان ایسی دعا کرے جس میں گناہ نہ ہو اور نہ قطع رحم ہو تو اللہ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا جلد قبول فرما لیتا ہے یا اس دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس کی مثل اس سے کوئی مصیبت دور فرما دیتا ہے۔ صحابہ نے کہا پھر تو ہم بہت دعا کریں گے' آپ نے فرمایا اللہ بہت دینے والا ہے۔

(اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد ج ۱۰' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' رقم الحدیث: ۱۱۰۷۵' المستدرک' ج ۱' ص ۴۹۳)

ہمیں چونکہ مستقبل اور عاقبت امور کا پتا نہیں ہوتا اس لیے ہم بعض اوقات کسی ایسی چیز کی دعا کرتے ہیں جو انجام کار ہمارے لیے مضر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہ کر کے ہمیں اس نقصان سے بچا لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَسَىٰٓ اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَ عَسَىٰٓ اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ: ۲۱۶)	ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

میں نے البقرہ: ۱۸۶ کی تفسیر میں دعا پر کافی مفصل گفتگو کی ہے اور ان عنوانات پر تقریر کی ہے 'اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء' طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان' دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب اور دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات۔ اس آیت کی تفسیر میں' میں دعا کی فضیلت میں چند احادیث بیان کروں گا اور چپکے چپکے دعا کرنے کے فوائد اور نکات بیان کروں گا۔ ہمارے زمانہ میں بعض لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے شدید مخالف ہیں۔ ہرچند کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں میں اس کے متعلق چند احادیث بیان کر چکا ہوں لیکن بعض محبین کی فرمائش پر میں یہاں مزید تتبع کر کے احادیث اور آثار کو بیان کروں گا۔ فاقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو' اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو ماسوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو' میں تم کو کھانا کھلاؤں

گا۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں سو تم مجھ سے لباس مانگو میں تم کو لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں' سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو' اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن' تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے' اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن' تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے' اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں' پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا' پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

(صحیح مسلم' البر والصلۃ: ۵۵' (۲۵۷۷) ۶۴۵۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۵۷' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی' ص ۲۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا' اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جائے ان میں سے پسندیدہ سوال عافیت کا ہے۔ جو مصیبتیں نازل ہو چکی ہیں اور جو نازل نہیں ہوئیں ان سب میں دعا سے نفع ہوتا ہے۔ سو اے اللہ کے بندو! دعا کرنے کو لازم کر لو۔ (سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۵۴۸' المستدرک ج ۱' ص ۴۹۸)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تقدیر کو صرف دعا مسترد کر سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(صحیح ابن حبان' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۷۲' المستدرک' ج ۱' ص ۴۹۳' امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ کس چیز کی وجہ سے تم کو اپنے دشمنوں سے نجات ملے گی اور کس چیز کے سبب سے تمہارے رزق میں زیادتی ہو گی! تم اپنے دن اور رات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو' کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۸۱۲' مجمع الزوائد' ج ۱۰' ص ۱۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ کا اپنے رب عزوجل سے سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے سو تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم' صلوٰۃ: ۲۱۵' (۴۸۲) ۱۰۶۴' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۸۷۵' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ حج کو جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا ہمارے لیے خیر کی دعا کریں' کیونکہ نبی ﷺ فرماتے تھے جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے حق میں اس کی پس پشت دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے جب

بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے آمین اور تمہارے لیے بھی اس کی مثل ہو۔

آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات

آہستگی اور چپکے چپکے دعا کرنے کے نکات اور فوائد حسب ذیل ہیں:

۱- چپکے چپکے دعا کرنے میں زیادہ ایمان ہے کیونکہ جو شخص چپکے چپکے دعا کرتا ہے اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ دعائیں بھی سن لیتا ہے۔

۲- اس میں زیادہ ادب اور تعظیم ہے کیونکہ بڑوں کے سامنے آہستہ آہستہ بات کی جاتی ہے۔

۳- گڑگڑا کر دعا کرنا آہستگی کے ساتھ دعا کرنے کے زیادہ مناسب ہے۔

۴- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے میں زیادہ اخلاص ہے۔ کیونکہ بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے میں ریاکاری کا خدشہ ہے۔

۵- جو شخص دور ہو اس سے بلند آواز کے ساتھ بات کی جاتی ہے اور جو قریب ہو اس کے ساتھ آہستہ بات کی جاتی ہے تو جو شخص آہستگی کے ساتھ دعا کرتا ہے وہ گویا اپنے رب کو بہت قریب سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ سرگوشی میں دعا کر رہا ہے۔

۶- جہرًا اور بلند آواز کے ساتھ دعا کرنے سے بسا اوقات انسان تھک جاتا ہے یا اکتا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جتنی دیر دعا کرتا رہے اس کی طبیعت میں ملال نہیں ہوتا۔

۷- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے انسان کے خیالات منتشر اور پریشان نہیں ہوتے اور وہ دل جمعی اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

۸- آہستگی کے ساتھ دعا کرنے سے یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ اگر بلند آواز کے ساتھ دعا کرتے ہوئے کسی مخالف یا بدطینت انسان یا جن نے اس کی دعا سن لی تو وہ اس کو فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔

۹- دعا میں انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اس کو اپنے دل کا حال سناتا ہے اور جس طرح راز و نیاز خفیہ ہوتے ہیں اسی طرح دعا بھی خفیہ طریقہ سے مناسب ہے۔

۱۰- حضرت زکریا علیہ السلام نے آہستگی کے ساتھ خفیہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی:

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا (مریم: ۳) جب انہوں نے اپنے رب کو آہستگی کے ساتھ پکارا۔

۱۱- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے لوگ با آواز بلند اللہ اکبر' اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو' تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۲۰۵' صحیح مسلم' الدعوات: ۴۴ (۲۷۰۴) ۶۷۳۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۴۷۲)

۱۲- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن حبان ج ۳' رقم الحدیث: ۸۰۹' کتاب الزہد للوکیع' ج ا' رقم الحدیث: ۱۱۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰' ص ۳۷۵' مسند احمد ج ا' ص ۱۷۸' ۱۷۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۳۱' کتاب الدعا للطبرانی' رقم الحدیث: ۱۸۲۳' شعب الایمان للبیہقی' ج ا' ص ۴۳۰)

۱۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستگی کے ساتھ دعا کرنا ستر با آواز بلند دعاؤں کے

برابر ہے۔

(کتاب الفردوس ج ۲، رقم الحدیث: ۲۸۶۹، الجامع الکبیر ج ۴، رقم الحدیث: ۱۲۰۵۹، الجامع الصغیر ج ۱، رقم الحدیث: ۴۲۰۶، کنز العمال ج ۲، رقم الحدیث: ۳۱۹۶)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں ارباب طریقت کا اختلاف ہے کہ آیا عبادات میں اخفاء افضل ہے یا اظہار؟ بعض کے نزدیک اخفاء افضل ہے تاکہ اعمال ریا سے محفوظ رہیں اور بعض کے نزدیک اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی عبادات میں اقتداء کرنے کی ترغیب ہو۔ شیخ محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی نے کہا اگر کسی شخص کو اپنے اوپر ریاکاری کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اخفاء افضل ہے اور اگر وہ شائبہ ریا سے مامون ہو تو اس کے حق میں اظہار افضل ہے تاکہ دوسروں کی اقتداء کا فائدہ حاصل ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۲۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جبیر بن مطعم، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، قاضی شریح، مسروق، قتادہ، عطا، طاؤس اور مجاہد وغیرہم کے نزدیک دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے سوا کسی دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے آپ اس دعا میں ہاتھ اس قدر اوپر اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۰۳۱) ایک قول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو اس وقت دعا میں ہاتھ اٹھانا حسن اور عمدہ ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں اور جنگ بدر کے دن دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں: دعا جس طرح سے بھی کی جائے، وہ مستحسن ہے۔ کیونکہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو وہ اپنے فقر اور اپنی حاجت کو اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی اور تذلل کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کرے اور یہ مستحسن طریقہ ہے اور اگر چاہے تو اس کے بغیر دعا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا ہے، اور اس آیت میں ہاتھ اٹھانے اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کی قید نہیں لگائی اور ان لوگوں کی مدح کی ہے جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں خواہ کھڑے ہوں، خواہ بیٹھے ہوں۔ (آل عمران: ۱۹۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں دعا کی در آنحالیکہ آپ کا قبلہ کی طرف منہ نہیں تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷، ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بہ کثرت احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے اور یہ مستحسن طریقہ ہے جیسا کہ علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی نے فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کے علاوہ دعا میں دونوں ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے، اس کے علماء نے متعدد جوابات دیے ہیں۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر مبالغہ کے ساتھ استسقاء میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اس قدر مبالغہ کے ساتھ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن اور دیگر مواقع پر دعا میں ہاتھ بلند فرمائے ہیں۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لیے جہت کا اعتقاد نہ کرے۔ امام مالک کا مختار یہ ہے کہ جب مصیبت دور

کرنے کے لیے دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے جیسا کہ استسقاء کی حدیثوں میں ہے اور جب کسی چیز کی رغبت اور طلب کے لیے دعا کرے تو دونوں ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔

(المفہم ج ۲ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے ہر دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ استسقاء میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی دعا میں دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور یہ روایت ان احادیث صحیحہ کے معارض ہے جن میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ بھی دعاؤں میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ احادیث بہت زیادہ ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الدعوات میں مستقل عنوان کے ساتھ ان احادیث کو ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ بلند کرنے کی احادیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر محمول ہے کہ انہوں نے ان مواقع کو نہیں دیکھا' اور یا حضرت انس کی روایت اس پر محمول ہے کہ استسقاء کی دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں چہرے کے متوازی کر لیتے اور آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی اور اس کیفیت کے ساتھ آپ باقی دعاؤں میں ہاتھ بلند نہیں کرتے تھے۔ اس طرح احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۱۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی یہی تقریر کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۵۲ طبع مصر)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک سے ایک روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ نے ہر دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے اور بعض علماء نے فقط استسقاء میں جائز کہا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ دعا میں سنت یہ ہے کہ مصیبت دور کرنے کے لیے جب دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے (اس میں زبان حال سے کہنا ہے کہ اے اللہ! جس چیز کو بدلنا بہ ظاہر ہمارے اختیار میں ہے اس کو ہم نے بدل دیا اور جس کو بدلنا تیرے اختیار میں ہے اس کو تو بدل دے' یعنی ہمارے حالات کو مصیبت سے راحت میں بدل دے اور دعا کرنے والا صرف ہاتھوں کو نہ بدلے بلکہ اپنے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے) اور جب کسی چیز کے حصول کی دعا کرے تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔ حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ان کی پشت سے سوال نہ کرو۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر چاہے تو دعا میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور اگر چاہے تو انگلی سے اشارہ کرے محیط میں ہے انگلی سے اشارہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۳۸-۲۳۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

دعا کے آداب سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف بلند کرے گویا کہ فیض لینے اور نزول برکت کے حصول کا

خشر ہو تاکہ ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرے جیسے اس نے اس برکت کو قبول کرلیا ہے۔

(ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری ص ۳۴ ۱ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مصیبت دور کرنے کے لیے دعا میں سنت یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف رکھے اور جب اللہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھے۔

(تلخیص الحبیر مع شرح المہذب 'ج ۵ ص ۱۰۲)

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد ذکر کرے اس کے بعد اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے وہ دعا کرے جو نبی ﷺ سے منقول ہو۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۰) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک (عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۱۱۸ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲) جب یہ دعائیں کرے تو اپنے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب رکھے۔

(مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی ص ۱۸۹ 'مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر '۱۳۵۶ھ)

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

حصن حصین اور اس کی شرح میں مذکور ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کندھوں تک آسمان کی جانب بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دعا کے وقت تم اپنے دونوں ہاتھ کندھوں یا اس سے ذرا نیچے تک بلند کرو' اور وہ جو حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھ اس قدر بلند کرے کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دے سو وہ بیان جواز پر محمول ہے یا استسقاء پر۔ یا کسی اور سخت مصیبت کے موقع پر جب دعا میں مبالغہ مقصود ہو' اور النہر میں مذکور ہے کہ دعا کی مستحب کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ کشادگی ہو اور اگر کسی وجہ سے دونوں ہاتھ بلند نہ کرسکے تو انگوٹھے کے برابر والی انگلی (سبابہ) سے اشارہ کرے' اور شرح حصن حصین میں مذکور ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ملائے اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھے اور شرح مشکوۃ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن دونوں ہاتھ ملا کر دعا کی۔

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۰-۱۸۹ 'مطبوعہ مصر '۱۳۵۶)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرے اور دونوں ہتھیلیاں چہرے کی جانب کرے۔ (مرقات ج ۲ 'ص ۲۶۸ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ 'ملتان '۱۳۹۰ھ)

محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ دعا کی چار قسمیں ہیں: دعا رغبت' دعا رھبت (مصیبت کے وقت کی دعا) دعا تضرع (گڑگڑا کر دعا کرنا) اور دعا خفیہ۔ دعا رغبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی جانب کرے اور دعا رھبت میں اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کے بالمقابل کرے جیسے کسی مصیبت میں فریاد کر رہا ہو' اور دعا تضرع میں چھنگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی (خنصر اور بنصر) کو موڑے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ اور دعا خفیہ کو انسان اپنے دل میں کرے۔ اسی طرح مجموع الفتاویٰ میں مختصر حاکم شہید کی شرح سرخسی کے حوالے سے مذکور ہے۔

(عالم گیری ج ۵ 'ص ۳۱۸ 'مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر '۱۳۱۰ھ)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ مذکور الصدر عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

اسی بناء پر امام ابو یوسف نے امالی میں لکھوایا ہے کہ صفا مروہ' عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ ان مواقف میں رغبت کے ساتھ دعا کرتا ہے اور مختار یہ ہے کہ دعاء قنوت میں امام اور مقتدی دونوں آہستہ دعا کریں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جو خفیہ ہو' اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں۔ وہ اس طریقہ کو خارج نماز دعا پر قیاس کرتے ہیں۔

(المبسوط ج ۱' ص ۱۶۶' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

مبسوط کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز میں امام کو سراً دعا کرنا چاہیے اور خارج نماز میں امام کو جہراً دعا کرنی چاہیے تاکہ مقتدی اس کی دعا پر مطلع ہو کر آمین کہیں۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے آسمان کی طرف بلند کرے کیونکہ وہ دعا کا قبلہ ہے۔ اس کو حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت انس وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ کہ وہ کندھوں کے بالمقابل دونوں ہاتھوں کو بلند کرے۔ نیز آداب دعا سے یہ ہے کہ وہ ہاتھوں کو ملائے اور انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ (شرح حصن حصین مطبوعہ مکہ المکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں: دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کندھوں تک بلند کرے۔ نبی ﷺ نے تقریباً تیس مقامات پر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ہے اور دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے جیسا کہ سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۵۹-۵۸' دار القلم' بیروت)

خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث

۱- امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ اچھی طرح سے یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے۔ وہ کہنے لگے صبانا صبانا (ہم نے دین بدل لیا) حضرت خالد نے ان کو قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کو انہوں نے ایک قیدی دیا' حتیٰ کہ جس صبح کو حضرت خالد نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا ذکر کیا تب نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر (دوسری روایت میں ہے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر) (کتاب الدعوات' باب رفع الایدی فی الدعا) دو بار یہ دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا' میں اس سے تیری طرف بری ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۲۰)

۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتیوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے' بچے اور لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کر رہے تھے' ابھی ہم مسجد سے نکلے نہیں تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۲۹' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۱۱۶۸' ۱۱۷۴)

۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۰، صحیح مسلم الاستسقاء '۵' (۸۹۵) ۲۰۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۴۸)

۴- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو عامر کو ایک لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی طرف بھیجا ان کا مقابلہ درید بن الصمہ سے ہوا۔ پس درید قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اس کے لشکر کو شکست دی۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے ابو عامر کے ساتھ بھیجا تھا۔ حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں آکر ایک تیر لگا اور وہ تیر ان کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ میں ان کے پاس پہنچا اور کہا اے چچا آپ کو کس نے تیر مارا، انہوں نے حضرت ابو موسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے جس نے مجھ کو تیر مارا ہے۔ میں نے اس کا قصد کیا اور اس کو جالیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ پیٹھ موڑ کر بھاگ۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں یہ کہہ رہا تھا تجھے شرم نہیں آتی تو رکتا کیوں نہیں۔ وہ رک گیا اور ہم نے ایک دوسرے پر تلواروں سے حملے کیے۔ میں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر میں نے حضرت ابو عامر سے کہا اللہ نے آپ کے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تیر نکالو۔ میں نے تیر نکالا تو گھٹنے سے پانی بہنے لگا۔ انہوں نے کہا: اے بھتیجے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اور حضرت ابو عامر نے مجھے اپنا قائم مقام لشکر کا سالار مقرر کیا۔ وہ تھوڑی دیر زندہ رہے پھر فوت ہو گئے۔ جب میں لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حاضر ہوا آپ ایک چارپائی پر بغیر بستر کے لیٹے تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پہلو پر چارپائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے۔ میں نے آپ سے اپنا اور حضرت ابو عامر کا ماجرا عرض کیا اور یہ بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے کہنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے پانی منگوایا وضو کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے کہا: اے اللہ! قیامت کے دن اس کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرما۔ میں نے عرض کیا اور میرے لیے بھی مغفرت کی دعا کیجئے آپ نے کہا اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کو قیامت کے دن عزت کی جگہ میں داخل کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۲۳، صحیح مسلم فضائل صحابہ '۱۶۵' (۲۴۹۸) ۶۲۸۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵، رقم الحدیث: ۸۱۷۸)

۵- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے خیبر پہنچے اس وقت وہ لوگ اپنے کدال اور پھاوڑے لے کر نکل رہے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سمیت آپہنچے اور انہوں نے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا خیبر تباہ ہو گیا بے شک ہم جس قوم کے صحن میں نازل ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوتی ہے جن کو ڈرایا جا چکا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۹۷، مسند احمد ج ۳، ص ۱۶۳-۱۱۱)

۶- سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرہ اولیٰ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر نرم جگہ کا قصد کرتے پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے۔ پھر اسی طرح جمرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارتے پھر بائیں جانب نرم جگہ کا قصد کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۲)

۷- زہری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کی رمی کرتے جو مسجد منیٰ کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے

اور ہر مرتبہ رمی کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر اپنے آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ٹھہر جاتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے اور طویل قیام کرتے۔ پھر دوسرے جمرہ پر آتے اور وہاں سات کنکریاں مارتے اور ہر رمی کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر بائیں جانب وادی کے قریب چلے جاتے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتے پھر جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لاتے اور وہاں سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے پھر لوٹ آتے اور وہاں قیام نہ کرتے۔ زہری نے کہا میں نے سالم بن عبداللہ سے سنا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی مثل حدیث بیان کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۸۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

۸۔ وھب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(الادب المفرد' رقم الحدیث: ۶۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے: میں محض بشر ہوں تو میرا مواخذہ نہ فرما میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں تو 'تو اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۵' یہ حدیث صحیح ہے)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! دوس' نافرمانی کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں ان کے خلاف دعائے ضرر کیجئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے خلاف دعاء ضرر کریں گے۔ آپ نے کہا: "اے اللہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ"۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۶' تہذیب تاریخ دمشق' ج ۷' ص ۶۶' مسند حمیدی ج ۱' رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

۱۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو نے نبی ﷺ سے کہا آپ کا ایک مضبوط قلعہ کے متعلق کیا خیال ہے جو دوس کا قلعہ ہے۔ آپ نے اس کا انکار فرمایا کیونکہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقرر کر دی تھی۔ پھر حضرت طفیل نے ہجرت کی۔ اور ان کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی۔ وہ شخص بیمار پڑ گیا اس شخص نے بے صبری کی اور چھری سے اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں اور وہ مر گیا۔ حضرت طفیل نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا۔ انہوں نے کہا: تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا کہ ہم اس کو ہرگز ٹھیک نہیں کریں گے جس کو تم نے خود خراب کیا ہے۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے عرض کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی معاف کر دے۔ (الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

۱۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں یہ اس رات کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے۔ آپ نے کروٹ لے کر چادر اوڑھی اور جوتے نکال کر اپنے قدموں کے سامنے رکھے اور چادر کی ایک طرف اپنے بستر پر بچھا کر لیٹ گئے' تھوڑی دیر میں نیند کے خیال سے لیٹے رہے۔ پھر آہستہ سے چادر اوڑھی' جوتا پہنا' چپکے سے دروازہ کھولا' آرام سے باہر نکلے اور

آہستہ سے دروازہ بند کردیا۔ میں نے بھی چادر سر پر اوڑھی ایک چادر اپنے گرد لپیٹی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آپ بقیع (قبرستان) پہنچے اور بہت طویل قیام کیا اور تین بار (دعا کے لیے) ہاتھ بلند کیے اور لوٹ آئے۔

(صحیح مسلم الجنائز: ۱۰۳' (۹۷۴) ۲۲۱۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۶' مسند احمد' ج ۶' ص ۲۲۱)

۱۳- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیادار کریم ہے جب کوئی شخص اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو نامراد لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۵۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۵' المستدرک' ج ۱' ص ۵۳۵' ۴۹۷' مسند احمد' ج ۵' ص ۴۳۸' کتاب الدعاء للطبرانی ص ۸۴' رقم الحدیث: ۲۰۲)

۱۴- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے تو جب تک ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے نہیں تھے ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

۱۵- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ دونوں ہاتھ اللہ کی طرف بلند کرتا ہے تو اللہ اس سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۸۶۵' المعجم الکبیر ج ۶' ص ۳۱۴' کتاب الدعا للطبرانی' ص ۸۴)

۱۶- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور ہاتھوں کی پشت دونوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۷)

۱۷- سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۹۲)

۱۸- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز سنائی دیتی ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر ٹھہرے رہے اور جب وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ دے اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں عزت دے اور ہمیں ذلت سے بچا اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر اور ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی رہ۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۳۹' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۲۲۳' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' المستدرک' ج ۱' ص ۵۳۵)

۱۹- حضرت انس رضی اللہ عنہ ستر قاریوں کی شہادت کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کے قاتلوں کے خلاف دعاء ضرر کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۲' ص ۲۱۱)

۲۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دو آدمیوں کے خلاف دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰' رقم الحدیث: ۹۷۲۴)

۲۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخلاص اس طرح ہے' آپ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور یہ دعا ہے آپ نے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کیے اور یہ ابتہال ہے پھر آپ نے اور زیادہ

ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث:٢٠٨)

٢٢- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن جب رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی تو آپ نے چادر پھینک دی اور بغیر (اوپر کی) چادر کے کھڑے ہوگئے اور دونوں ہاتھ خوب بلند کر کے دعا کی۔

اس حدیث کو امام داؤد طیالسی نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ٩ ص ١٣ رقم الحدیث:٦٩٤٣)

٢٣- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں کھڑے ہوئے اس طرح دعا کر رہے تھے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک بلند کیے اور ہتھیلیوں کو زمین کی جانب کیا۔

(مسند احمد ج ٣ ص ١٣ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨ سنن النسائی رقم الحدیث:٣٠١٧، ٣٠١١)

٢٤- حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کسی چیز کا سوال کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنی جانب رکھتے اور جب کسی چیز سے پناہ طلب کرتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو اپنی جانب رکھتے۔

(مسند احمد ج ٤ ص ٥٦ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨ تلخیص الحبیر مع شرح المہذب ج ٥ ص ١٠٢)

٢٥- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ کے دونوں ہاتھ سینہ کی جانب تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔

(المعجم الاوسط ج ٣ رقم الحدیث:٢٩١٣ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨)

٢٦- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ دعا کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے تھے حتیٰ کہ میں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اکتا جاتی تھی۔ (مسند احمد ج ٦ ص ٢٢٥ اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨)

٢٧- حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دعا میں دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ١٣ رقم الحدیث:٧٤٣٠ المطالب العالیہ ج ٣ رقم الحدیث:٣٣٤٥ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨)

٢٨- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

(مسند البزار ج ٤ رقم الحدیث:٣١٤٧ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٢٧١ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨)

٢٩- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان عرفات میں گڑگڑا کر دعا کر رہے تھے۔ آپ کے اصحاب نے کہا یہ ابتہال (اللہ سے عجز و انکسار سے دعا کرنا) ہے۔

(مسند البزار ج ٤ رقم الحدیث:٣١٤٨ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٨)

٣٠- حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جماعت کے ساتھ آئے حتیٰ کہ آپ نے المربطاء کے نزدیک قرن پر قیام کیا۔ اس وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کر رہے تھے۔

(المعجم الاوسط ج ٩ رقم الحدیث:٨٩١٨ مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٦٩)

٣١- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا رب حیا کرنے والا کریم ہے۔ جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو اس کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور ان میں کوئی

خیر نہ ہو۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ بلند کرے تو وہ تین بار یہ کہے یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ارحم الراحمین پھر اپنے چہرے پر خیر کو انڈیل دے (یعنی چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ اس کی سند ضعیف ہے)

(المعجم الکبیر ج ۱۲ رقم الحدیث: ۱۳۵۵۷ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۲۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی طرف اٹھا کر کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ (کے ذمہ کرم) پر یہ حق ہے کہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انہوں نے سوال کیا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (المعجم الکبیر ج ۶ رقم الحدیث: ۶۱۴۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۳۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنگ دستی کی شکایت کی آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور اللہ تعالیٰ سے فراخی کا سوال کرو۔ امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک سند حسن ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۴ رقم الحدیث: ۳۸۴۳ '۳۸۴۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۴۔ حضرت خلاد بن سائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو چہرے تک بلند کرتے۔ اس کی سند میں حفص بن ہاشم مجہول ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۴ رقم الحدیث: ۱۱۸۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۵۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان عرفات میں دیکھا آپ نے اپنی چادر بغل سے نکالی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے جو سر سے متجاوز نہیں تھے اور آپ کے بازو کانپ رہے تھے۔ اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ العزرمی ضعیف راوی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۲۳۸۶ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

۳۶۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۴۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۹ '۳۲۳۰ '۳۲۴۷)

۳۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیت اللہ کو دیکھو' جب صفا اور مروہ پر ہو اور جب میدان عرفات میں ہو اور جب مزدلفہ میں ہو اور جب شیطان پر کنکریاں مارو اور جب نماز قائم کرو تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲ رقم الحدیث: ۱۷۰۹ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۸)

۳۸۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے۔ ہم ایک جگہ ٹھہرے۔ اس دن ہمیں اتنی سخت پیاس لگ رہی تھی کہ لگتا تھا کہ ہماری گردنیں ڈھلک جائیں گی' حتیٰ کہ ایک شخص پانی کی تلاش میں جاتا اور اس حال میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی ہوتی' اور حتیٰ کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرتا اور اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا اور باقی کو اپنے کلیجہ پر رکھتا۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کی دعا قبول کرتا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ابھی وہ ہاتھ نیچے کیے تھے کہ بادل امنڈ آئے اور بارش شروع ہو گئی پھر ٹھہر گئی اور صحابہ نے اپنے برتن پانی سے بھر لیے۔

(المعجم الاوسط ج ۴ رقم الحدیث: ۳۳۱۶)

۳۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ مسجد میں کچھ لوگ ہاتھ بلند کر کے اللہ عزوجل سے دعا کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیا ہے؟ میں نے پوچھا آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نور۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی وہ نور دکھائے۔ حضرت انس نے کہا: آپ نے دعا کی اور میں نے وہ نور دیکھ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے انس جلدی چلو تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں پھر میں نبی ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی چلا پھر ہم نے بھی اپنے ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی' ص ۸۵' رقم الحدیث: ۲۰۶' التاریخ الکبیر' ج ۳' ص ۲۰۲)

۴۰۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ابن آدم جو بات بھی کرتا ہے وہ لکھ لی جاتی ہے۔ جب وہ کوئی خطا کرے اور اس پر توبہ کرنا چاہے تو اسے بلند ہونے والا نور لانا چاہیے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرے اور یہ کہے کہ میں اس خطا سے توبہ کرتا ہوں اور میں دوبارہ یہ کبھی نہیں کروں گا تو اس کی وہ خطا بخش دی جائے گی جب تک کہ وہ اس خطا کو دوبارہ نہ کرے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی ص ۸۵' رقم الحدیث: ۲۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر

دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق مذکور الصدر احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میری نظر میں ہیں لیکن میں اس باب میں صرف چالیس احادیث جمع کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ امت مسلمہ تک چالیس احادیث پہنچانے کے سلسلہ میں متعدد بشارات ہیں ہرچند کہ ان احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔ اسی طرح دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا مانگنے کے باب میں جو ہم نے احادیث پیش کی ہیں' ان میں بھی بعض احادیث کی اسناد ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث معتبر ہوتی ہیں اس لیے ہم نے ان احادیث کو بھی شامل کر لیا ہے۔ پہلے ہم چالیس حدیثوں کی حفاظت کے متعلق احادیث پیش کریں گے۔ پھر احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے کے متعلق دلائل پیش کریں گے۔

چالیس حدیثوں کی تبلیغ کرنے والے کے متعلق نوید اور بشارت

امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ایسی چالیس حدیثیں پہنچائیں جس سے اللہ عزوجل نے ان کو نفع دیا تو اس سے کہا جائے گا جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴' ص ۱۸۹' العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۲)

امام حافظ ابوعمر یوسف ابن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے جس امتی نے چالیس حدیثوں کو روایت کیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ فقیہ عالم ہو گا۔ امام عبد البر نے کہا اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ (کتاب العلم' ج ۱' ص ۴۳' علل متناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کے لیے سنت سے متعلق چالیس حدیثوں کو محفوظ کیا حتیٰ کہ وہ حدیثیں ان تک پہنچا دیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ امام ابن عبد البر نے کہا اس حدیث کی سند اس باب کی حدیثوں میں سب سے بہتر ہے لیکن یہ غیر محفوظ ہے اور امام مالک کی روایات میں غیر معروف ہے۔ (کتاب العلم' ج ۱' ص ۴۳' العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۷)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہو گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۲۵' تہذیب تاریخ دمشق' ج ۲' ص ۳۹۳' مشکوۃ' رقم الحدیث: ۲۵۸' المطالب العالیہ' رقم الحدیث: ۳۰۷۶' کنز العمال' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۸۸۱۷' ۲۹۱۸۲' ۲۹۱۸۳' ۲۹۱۸۴' ۲۹۱۸۵' ۲۹۱۸۶' ۲۹۱۸۷' ۲۹۱۸۸' ۲۸۱۸۹' علی متقی نے یہ احادیث ابن عدی کی کامل' امام ابن عساکر' امام عبدالرزاق' امام بیہقی کی شعب الایمان' امام ابن النجار' امام ابو نعیم کی حلیہ اور امام دیلمی کے حوالوں سے ذکر کی ہیں)

امام حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال' ج ۱' ص ۳۲۴' الجامع الصغیر' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۶۳۶' العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو سنت سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال' ج ۳' ص ۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو چالیس ایسی حدیثیں پہنچائیں جو ان کے دین میں نفع دیں وہ شخص قیامت کے دن علماء میں سے اٹھایا جائے گا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال' ج ۵' ص ۱۷۹۹' ج ۶' ص ۲۳۲۷' ج ۷' ص ۲۵۲۸' العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۸' البدایہ والنہایہ' ج ۸' ص ۳۱۰' شعب الایمان' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۲۵' تہذیب تاریخ دمشق' ج ۲' ص ۳۹۳' مختصر تاریخ دمشق' ج ۳' ص ۲۲۸)

چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر بشارت کی احادیث کی فنی حیثیت

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ اور حافظ ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی' حضرت عمر' حضرت انس' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود' حضرت معاذ' حضرت ابو امامہ' حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو سعید سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہیں جن میں سے ہر سند کی صحت پر بحث کی گئی ہے لیکن کثرت طرق اور اسانید سے اس حدیث کی تقویت ہو گئی اور باوجود ضعف کے سب سے عمدہ سند اس حدیث کی ہے جو حضرت معاذ سے مروی ہے۔

(فیض القدیر' ج ۱۱' ص ۵۷۷۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جس حدیث کا علامہ مناوی نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ عالم ہو گا۔

(العلل المتناہیہ' ج ۱' ص ۱۱۴' المحدث الفاصل' ص ۱۷۳' کتاب العلم' ج ۱' ص ۴۴)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

امام دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسانید ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا میں نے اس حدیث کو تمام اسانید کے ساتھ ایک رسالہ میں جمع کیا ہے (ارشاد الربعین الی طرق حدیث الاربعین' یہ رسالہ چھپ چکا ہے) اس کی ہر سند میں علت قادحہ ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے یہ متن لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ اس کی اسانید متعدد ہیں۔ حافظ ابو طاہر سلفی نے اپنی اربعین میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن پر اعتماد اور میلان کیا گیا ہے اور جن کی صحت معلوم ہے۔ حافظ منذری نے اس کی توجیہ میں یہ کہا کہ ان کی یہ عبارت اس قول پر مبنی ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ (کشف الخفاء و مزیل الالباس' ج ۲' ص ۲۴۶' مطبوعہ مکتبہ الغزالی' دمشق)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اربعین نووی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابوالدرداء' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت انس بن مالک' حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ ہرچند کہ اس کے طرق متعدد ہیں اس کے باوجود حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور علماء رضی اللہ عنہم نے اس باب میں بے شمار تصنیفات سپرد قلم کی ہیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے عبداللہ بن المبارک نے چالیس حدیثوں کا مجموعہ لکھا پھر الحسن بن سفیان النسائی نے اور ابوبکر الاجری نے' اور ابوبکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی نے اور محمد بن اسلم الطوسی نے اور امام الدار قطنی نے اور امام حاکم' امام ابونعیم اور ابو عبدالرحمٰن اسلمی نے اور ابو سعید المالینی اور ابو عثمان الصابونی نے اور عبداللہ بن محمد الانصاری نے اور ابوبکر البیہقی نے اور بے شمار متقدم اور متاخر علماء نے۔

اور میں نے ان ائمہ اعلام اور حفاظ اسلام کی اقتداء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا کہ میں بھی چالیس حدیثیں جمع کروں۔ اور بے شک علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس کے باوجود میرا صرف اس حدیث پر اعتماد نہیں ہے بلکہ دیگر احادیث صحیحہ پر اعتماد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے حاضر غائب کو پہنچا دے اور آپ نے فرمایا اللہ اس کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا' اس کو یاد رکھا اور جس طرح اس کو سنا تھا' اس طرح پہنچا دیا۔
(اربعین نووی' ص ۵۔۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ نیز جب کوئی حدیث متعدد اسانید سے مروی ہو تو حسن ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اس حدیث میں مذکور بشارتوں کی امید پر اور ان علماء اسلام کی اتباع کرتے ہوئے تبیان القرآن کی جلد ثانی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق اور اس جلد رابع میں دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنے کے متعلق چالیس چالیس حدیثیں جمع کی ہیں کیونکہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصریح کی ہے۔
(النکت علی کتاب ابن الصلاح' ج ۱' ص ۴۹۵۔۴۹۴)

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قواعد اور شرائط

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

محدثین' فقہاء اور دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب اور ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو۔ (کتاب الاذکار' ص ۷' مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ' مصر)

اگر حدیث کی اسانید الگ الگ ضعیف ہوں تو ان کا مجموع قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض 'بعض کے ساتھ مل کر قوی ہو جاتی ہیں اور وہ حدیث حسن ہوتی ہے اور اس کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے۔

(شرح المہذب 'ج ۷ 'ص ۱۹۷ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت)

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱- وہ حدیث بہت شدید ضعیف نہ ہو۔ پس جس حدیث کی روایت میں کذابین یا متہم بالکذب منفرد ہوں یا جو بہت زیادہ غلطی کرتے ہوں ان کی روایات پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ شرط متفق علیہ ہے۔

۲- وہ حدیث کسی عام شرعی قاعدہ کے تحت مندرج ہو اور جس حدیث کی کوئی اصل نہ ہو وہ اس قاعدہ سے خارج ہے۔

۳- اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے تاکہ نبی ﷺ کی طرف وہ بات منسوب نہ ہو جو آپ نے نہیں فرمائی۔ موخر الذکر دونوں شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید سے منقول ہیں۔

اور میں کہتا ہوں کہ امام احمد سے یہ منقول ہے کہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل کیا جائے جب اس کے سوا دوسری حدیث نہ مل سکے۔ اور اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث نہ ہو' اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ لوگوں کی رائے کی بہ نسبت ہمیں حدیث ضعیف زیادہ محبوب ہے' اور ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ تمام احناف اس پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رائے اور قیاس پر عمل کرنے سے افضل ہے۔

(القول البدیع 'ص ۳۶۴-۳۶۳ 'مطبوعہ مکتبہ المؤید 'طائف)

دعا میں حد سے بڑھنے کا ممنوع ہونا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الاعراف: ۵۵)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ دعا میں حد سے بڑھنا ممنوع ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے دعا میں ایسی چیز کا سوال کرے جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہو۔ مثلاً وہ نبی بننے کی دعا کرے یا یہ دعا کرے کہ اس کو آخرت میں انبیاء کا مقام اور ان کا رتبہ ملے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اے بیٹے! اللہ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ طلب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: عنقریب میری امت میں سے کچھ لوگ وضوء اور دعا میں حد سے بڑھیں گے۔

(سنن ابو داؤد 'رقم الحدیث: ۹۶ 'سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث: ۳۸۶۴ 'مسند احمد 'ج ۵ 'رقم الحدیث: ۱۶۸۰۱)

حرام چیزوں اور گناہ کا سوال کرنا بھی دعا میں حد سے بڑھنا ہے۔ یا جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا ان کی دعا کرے۔ مثلاً یہ دعا کرے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے یا یہ دعا کرے کہ اس سے کھانے پینے کے اور دیگر لوازم بشریہ مرتفع ہو جائیں یا یہ دعا کرے کہ وہ معصومین سے ہو جائے یا عالم الغیب ہو جائے یا اس کے ہاں بغیر بیوی کے بچہ ہو جائے۔

حد سے زیادہ چلا کر یا زور و شور سے دعا کرنا بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے اور بے پرواہی اور لاابالی پن سے دعا کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا ایسی صفات سے ذکر کرنا جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں وہ بھی حد سے بڑھنے میں داخل ہے۔

محسنین کا معنی

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

محسنین کا معنی ہے احسان کرنے والے۔ یعنی نیکی اور اچھے کام کرنے والے۔ احسان سے یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا' اس کی طرف رجوع کرنا' اس پر توکل کرنا' اس سے حیا کرنا' اس سے ڈرنا' اس سے محبت کرنا اور اس کی عبادت اس طرح کرنا گویا کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہے اور اس کے جلال اور ہیبت سے وہ لرزہ براندام ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان ہے اور درحقیقت یہ خود اپنے ساتھ احسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (الرحمٰن: ۶۰) احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور جو کچھ سیدنا محمد ﷺ لے کر آئے اس پر عمل کیا' اس کی جزاء صرف جنت ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو مسلمان گناہ گار ہیں اور جو کبیرہ گناہ کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مر گئے' ان کے قریب اللہ کی رحمت نہیں ہوگی اور مغفرت اور جنت اللہ کی رحمت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بغیر توبہ کے مرنے والے مرتکب کبیرہ کی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور اس نے کچھ نیک اعمال بھی کیے' وہ محسنین میں داخل ہے خواہ اس نے گناہ کبیرہ بھی کیے ہوں کیونکہ محسنین کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس نے ساری عمر نیک کام کیے ہوئے ہوں اور کسی نیکی کو نہ چھوڑا ہو اور کسی برائی کو نہ کیا ہو' جس طرح عالم کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہو اور کسی چیز سے جاہل نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)	بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشے گا اور جو اس سے کم گناہ ہو وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

پس مسلمان مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ چاہے گا تو اس کو ابتداءً اپنے فضل محض سے بخش دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اس کو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو کچھ سزا دے کر بخش دے گا۔ لیکن کوئی مسلمان بھی اللہ کی بخشش سے بالکلیہ محروم نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے خوش خبری کی ہواؤں کو بھیجتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اس کو کسی بنجر زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں' پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں' اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ (الاعراف: ۵۷)

اس کائنات میں حشر کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی نشانی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے' وہی کائنات میں حاکم اور تصرف کرنے والا ہے اور اس نے انسان کے لیے کائنات کو مسخر کر دیا ہے اور اس نے انسان کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنی ہر ضرورت میں اور ہر آفت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس نے یہ بیان فرمایا کہ اس کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اور اب اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہی رزاق ہے اور حصول رزق کا اہم ذریعہ آسمانی بارش ہے جس کی وجہ سے دریاؤں' چشموں

اور کنوؤں میں انسانوں اور جانوروں کے لیے پینے کا پانی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے پانی فراہم ہوتا ہے۔ اور جس طرح وہ بنجر زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز اور زندہ فرماتا ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ فرمائے گا۔

امام ابوداؤد الطیالسی اور امام بیہقی وغیرہما نے حضرت ابو رزین عقیلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح دوبارہ زندہ فرمائے گا اور مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم کبھی اپنی قوم کی خشک اور قحط زدہ زمین کے پاس سے نہیں گزرے! اور پھر اس زمین کو سبزہ سے لہلہاتے ہوئے نہیں دیکھا! انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: یہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس آیت کے موافق ہے۔

(التذکرہ 'ص ۲۱۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب پہلا صور پھونکنے کے بعد لوگ مر جائیں گے تو عرش کے نیچے سے ان پر بارش ہوگی اور وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح بارش سے سبزہ اگتا ہے حتیٰ کہ جب ان کے اجسام مکمل ہو جائیں گے تو ان میں روح پھونک دی جائے گی۔ پھر ان پر نیند طاری کر دی جائے گی اور وہ اپنی قبروں میں سو جائیں گے اور جس وقت دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ان کے سروں اور آنکھوں میں نیند کا خمار ہوگا اور ان کی ایسی کیفیت ہوگی جس طرح کسی سوئے ہوئے شخص کو اچانک بیدار کرنے سے ہوتی ہے اور اس وقت وہ یہ کہیں گے:

يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰس: ۵۲)

ہائے افسوس ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا (پھر ایک منادی کہے گا) یہ وہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

(جامع البیان 'جز ۸' ص ۲۷۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے' ہم شکر کرنے والوں کے لیے اسی طرح بار بار آیات کو بیان کرتے ہیں۔

(الاعراف: ۵۸)

اچھی اور خراب زمینوں میں مسلمانوں اور کافروں کی مثال

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے لیے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ مومن کی مثال اچھی زمین ہے اور کافر کی مثال خراب زمین ہے اور نزول قرآن کی مثال بارش ہے۔ سو جس طرح اچھی زمین پر بارش ہو تو اس سے سبزہ' پھل' پھول اور غلہ پیدا ہوتا ہے' اسی طرح وہ پاکیزہ روحیں جو جہالت اور برے اخلاق سے مبرا اور منزہ ہوتی ہیں' جب وہ نور قرآن سے مزین ہو جاتی ہیں' تو ان سے عبادات' معارف اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں اور جس طرح خراب زمین پر بارش ہو تو اس سے کم پیداوار ہوتی ہے' اسی طرح جب خراب روحوں پر قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو ان سے بہت کم معارف الٰہیہ اور اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے' اس کی مثال اس کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین پر برستی ہو۔ ان زمینوں میں سے بعض صاف ہوتی ہیں جو بہت زیادہ خشک اور تر گھاس اگاتی ہیں اور بعض زمینیں سخت ہوتی ہیں وہ پانی کو روک لیتی ہیں۔ اللہ اس زمین سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے پانی پیتے ہیں۔ اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور بعض زمینیں ہموار اور چکنی ہوتی ہیں وہ پانی کو روکتی

ہیں نہ گھاس کو اگاتی ہیں۔ پس یہ مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین کی فہم حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ نے مجھے جو دین دے کر بھیجا ہے وہ اس کو نفع دیتا ہے۔ پس وہ علم حاصل کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور اس شخص کی مثال ہے جو اس دین کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کرتا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

وحی الٰہی اور دین اسلام کی مثال نبی ﷺ نے بارش سے دی ہے اور فقہاء کی مثال اس زمین سے دی ہے جو بارش سے سیراب ہونے کے بعد سبزہ اگاتی ہیں اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح فقہاء آپ کی احادیث سے مسائل نکالتے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور محدثین کی مثال اس زمین سے دی ہے جو اپنے اندر پانی جمع کر لیتی ہے اور لوگ اس پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں' اسی طرح محدثین احادیث کو جمع کرتے ہیں اور لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں اور کفار اور منافقین کی مثال اس زمین سے دی ہے جو بارش سے نہ خود فائدہ اٹھاتی ہے نہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' پس انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ

تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے' بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے ○ ان کی

الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں ○ انھوں نے کہا اے میری قوم

لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ

مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی جانب سے رسول (پیغام پہنچانے والا) ہوں ○ میں تمہیں اپنے رب کے

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے ○

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ

آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط

اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

بے شک وہ اندھے لوگ تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے' بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

(الاعراف: ۵۹)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کی تاریخ ولادت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے: نوح بن لامک بن متوشلخ' بن خنوخ (ادریس) بن یرد بن مہلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام۔

امام ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اہل کتاب کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ فرمایا: ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا۔ پوچھا حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: دس قرن (صدیاں) یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح ابن حبان' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۶۱۹۰' المعجم الکبیر' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۴۵' امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ فرمایا: ۳۱۳' المستدرک' ج ۲' ص ۲۶۲' مجمع الزوائد' ج ۱' ص ۱۹۶' مسند احمد' ج ۵' ص ۱۷۹' ۱۷۸' مسند البزار' ج ۱' ص ۲۴۰)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن (قرن کا معنی ہے ایک صدی یا ایک صدی کے لوگ' نسلیں) ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(الطبقات الکبریٰ' ج ۱' ص ۴۲' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو صحیح البخاری کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ لیکن یہ ان کا وہم ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری میں ہے نہ صحاح ستہ کی کسی اور کتاب میں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث کیا جب بتوں کی عبادت اور شیطانوں کی اطاعت شروع ہو چکی تھی اور لوگ کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو بندوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ بعثت کے وقت ان کی عمر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کی عمر اس وقت پچاس سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر اس وقت تین سو پچاس سال تھی اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے ان کی

عمر اس وقت چوراسی سال تھی۔

بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی؟

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی اقتداء کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہو گا۔ سو انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی' اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ ود' یغوث' یعوق' سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور "ود" ان میں سب سے نیک تھے۔ (جامع البیان' ج ۲۹' ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ ود ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین میں اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی صورت میں متمثل ہو کر آیا اور کہنے لگا میں نے تمہارے رونے کو دیکھا ہے' تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے لیے ود کی ایک تصویر بنا دوں۔ تم اپنی مجالس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے ود کی تصویر بنادی' جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ منظر دیکھا تو کہا میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تاکہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں ود کا ذکر کیا کرے' انہوں نے اس کو مان لیا۔ پھر ہر گھر میں ود کا ایک بت بنا کر رکھ دیا۔ پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی۔ پھر اس کے بعد جو نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ ود ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ ود نام کا بت تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۱۰' ص ۷۶ ۳۳' ۷۵ ۳۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ بت جس کی وہ عبادت کرتے تھے اصل میں اللہ کا کوئی نیک بندہ تھا جس کی انہوں نے تصویر اور اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس کا نام ماریہ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب ان میں کوئی نیک شخص مرجاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث ۴۲۷' صحیح مسلم' المساجد ۱۶' (۵۲۸) ۱۱۶۱' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۷۰۳)

غرض یہ کہ جب زمین میں بت پرستی عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور ان کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے تھے اور حضرت نوح زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث شفاعت میں ہے۔ قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں

گے: "اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں"۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۷۱۲' صحیح مسلم' الایمان: ۳۲۷' (۱۹۴) ۴۷۷' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۴۲' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۸۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۳۰۷)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نو سو پچاس سال تبلیغ کی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (العنکبوت: ۱۴)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے۔

سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کرنے اور اس کے جواب میں ان کی قوم کے انکار کرنے اور ان سے مایوس ہونے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے لیے عذاب کی دعا کرنے کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان کے اوپر دردناک عذاب آ جائے○ نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو○ اللہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقرر وقت تک تم کو مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جائے تو وہ موخر نہیں ہوتا کاش تم جانتے○ نوح نے دعا کی اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن (حق کی) دعوت دی' (لیکن) میری اس دعوت سے ان پر بھاگنے کے سوا اور کوئی اثر نہیں ہوا○ اور بے شک جب بھی میں نے ان کو بلایا کہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور بہت تکبر کیا○ میں نے پھر انہیں بلند آواز سے پکارا' پھر میں نے ظاہرا اور خفیہ طریقہ سے (بھی) انہیں سمجھایا○ میں نے کہا تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو' بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے○ وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا○ وہ مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا' وہ تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہا دے گا○ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کو نہیں مانتے○ حالانکہ اس نے تمہیں مرحلہ وار پیدا کیا ہے○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر بنائے○ اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ بنایا○ اور اللہ نے تمہیں ایک نوع کی روئیدگی سے اگایا○ پھر تم کو وہ اس زمین میں لوٹائے گا اور (دوبارہ) تم کو نکالے گا○ اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا○ کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو○ نوح نے دعا کی اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا اور کوئی زیادتی نہیں کی○ اور انہوں نے بہت بڑا مکر کیا○ اور ان کافروں نے کہا تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا○ اور یقیناً انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا اور اے میرے رب ظالموں کے لیے صرف گمراہی کو زیادہ کرنا○ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پایا○ اور نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کوئی بسنے والا کافر نہ چھوڑ○ اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار کافر ہی ہوگی○ اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میرے ماں باپ کی مغفرت فرما اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما اور ظالموں کے لیے صرف ہلاکت کو زیادہ فرما۔ (نوح: ۲۸-۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب

جب حضرت نوح علیہ السلام کی اس طویل عرصہ تک تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا اور چند نفوس کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور انہیں یہ خبر دی کہ قوم نوح پر طوفان کا عذاب آئے گا اور حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر ایمان والوں کو کشتی کے ذریعے اس طوفان سے بچالیا جائے گا۔ اس کا بیان سورہ ھود کی چند آیات میں ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

انہوں نے کہا اے نوح! بے شک تم ہم سے بحث کرتے رہے ہو اور تم ہم سے بہت زیادہ بحث کر چکے ہو' پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس اس عذاب کو لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے رہے ہو○ (حضرت) نوح نے کہا: اگر اللہ چاہے گا تو وہی تمہارے پاس اس عذاب کو لائے گا اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں ہو○ اور اگر اللہ نے تمہیں گمراہی پر برقرار رکھنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کر بھی لوں تب بھی میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی' وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○ کیا وہ (مشرکین مکہ) یہ کہتے ہیں کہ اس کلام کو خود انہوں نے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہیے اگر (بالفرض) میں نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں○ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ صاحب ایمان ہوں گے جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں تو آپ ان کے کرتوتوں سے غم نہ کریں○ اور آپ ہماری وحی کے مطابق ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی مجھ سے آپ کوئی سفارش نہ کریں وہ ضرور غرق کیے جائیں گے○ اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے' نوح نے کہا: اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو عنقریب ہم بھی تمہاری ہنسی اڑائیں گے جیسا کہ تم ہماری ہنسی اڑا رہے ہو○ پس عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب آتا ہے○ حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا: (اے نوح!) ہر قسم سے ایک جوڑا' دو عدد (نر اور مادہ) اس کشتی میں سوار کرلو اور اپنے اہل کو (بھی) ماسوا ان کے جن کے متعلق غرقابی کا قول واقع ہو چکا ہے اور ایمان والوں کو (بھی) سوار کرلو اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ بہت ہی کم تھے○ اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے' بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے○ وہ کشتی ان کو پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان سے لے جارہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو ان سے الگ تھا' اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو○ اس نے کہا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا' نوح نے کہا: آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے گا اور ان کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی تو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا○ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان رک جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے دوری ہے○ اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے○ فرمایا اے نوح! بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے یقیناً اس کے کام نیک نہیں ہیں' آپ مجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جس کا آپ کو علم نہیں' میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں○ نوح نے کہا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو نے میری مغفرت نہ کی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا○ فرمایا گیا: اے نوح کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ تم پر اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ایسی ہیں جن کو ہم (عارضی) فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے درد

تک عذاب پہنچے گا۔ (ھود: ۸-۳۲)

طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفاصیل

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتنے آدمی تھے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ اسی نفر تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں۔ اور کعب احبار سے روایت ہے کہ یہ بہتر (۷۲) نفس تھے۔ حضرت نوح کی بیوی جو ان کی کل اولاد حام' سام' یافث اور یام کی ماں تھیں' اور یام کو اہل کتاب کنعان کہتے ہیں اور یہی غرق ہو گیا تھا حضرت نوح کی بیوی بھی غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گئی تھی کیونکہ وہ کافرہ تھی۔

مفسرین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ یہ طوفان زمین کے پہاڑوں سے پندرہ ذراع (ساڑھے بائیس فٹ) تک بلند ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا۔ زمین کے تمام طول و عرض میں' نرم اور سخت زمین میں' پہاڑوں میں' میدانوں میں اور ریگستانوں میں۔ غرض روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں بچی تھی جہاں پر یہ طوفان نہ آیا ہو۔

قتادہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ ایک سو پچاس دن تک سفر کرتے رہے اور دس محرم کو وہ کشتی سے باہر آئے اور اس دن انہوں نے روزہ رکھا۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کا یہود کے پاس سے گزر ہوا انہوں نے دس محرم کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا اس دن اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو غرق سے نجات دی تھی اور اسی دن جودی پر کشتی ٹھہری تھی تو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ اور اس روزے کے تمہاری بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ اہل کتاب نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا: تم لوگ کشتی سے اترو اور ان تمام جانوروں کو اتارو جو تمہارے ساتھ ہیں۔ بعض جاہل فارسیوں نے اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طوفان ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ بے دین مجوسیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر

اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر اس کے بعد ان ظالموں پر طوفان آیا۔ پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔

امام ابن جریر' امام ازرقی اور دیگر مورخین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قوی قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ' ج ۱' ص ۱۱۰-۱۰۰' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جو آج دنیا میں عراق کے نام سے مشہور ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں ہے اور جو روایات کردستان اور آرمینیہ میں زمانہ قدیم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔

قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ آسمان سے بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اور اس آسمانی بارش کی وجہ سے زمین میں روئیدگی ہوتی ہے جو انسانوں کی مادی حیات کا سبب ہے۔ اور اب اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا ذکر ہے جو سب سے پہلے رسول ہیں جن کو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا اور رسولوں کا بھیجنا انسانوں کی روحانی حیات کا سبب ہے اور جس طرح مادی حیات انسانوں کے لیے نعمت ہے اسی طرح روحانی حیات بھی انسانوں کے لیے نعمت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نازل کر کے حسب ذیل امور پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۔ اس قصہ سے نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ مشرکین مکہ جو آپ کے کھلے ہوئے معجزات اور روشن دلائل کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کائنات میں جب سب سے پہلے رسول آئے تو ان کے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی تھی اور ہمیشہ سے رسولوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔

۲۔ اس قصہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منکرین کا انجام بالآخر عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے اور یہ دنیا میں ان کا حصہ ہے اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب ہو گا اور مومنین کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بالآخر سرفرازی اور آخرت میں سرخروئی عطا فرماتا ہے۔

۳۔ اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو لمبے عرصہ تک ڈھیل دیتا ہے' لیکن بالآخر ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو کافر اس ڈھیل سے مغرور اور مومن اس سے ملول نہ ہوں۔

۴۔ یہ قصہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ امی تھے آپ نے کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اور جب آپ نے یہ قصہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا تو واضح ہو گیا کہ آپ اس قصہ پر صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے مطلع ہوئے تھے اور وحی صرف نبی پر ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت برحق تھی۔

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل

اس آیت میں تین چیزیں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے' مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو عبادت کا حکم دیا پھر اس کی دلیل ذکر فرمائی کہ وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے کیونکہ ان کو دنیا میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ سب اللہ نے عطا فرمائیں' ہر نعمت کو عطا فرمانے والا اور ہر مصیبت کو دور کرنے والا وہی ہے' اس کے سوا کوئی نہیں ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے محسن کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے' اس کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ سب سے بڑا اور حقیقی محسن اللہ تعالیٰ ہے تو پھر وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت کرنے کا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا۔

اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اس خوف سے مراد یقین ہے یا ظن۔ اگر اس سے مراد یقین ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان پر عذاب نازل فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کو عذاب ہو گا۔ اور اگر خوف بمعنی ظن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو غالب گمان تو یہ تھا کہ یہ منکرین اپنے انکار اور کفر پر ڈٹے رہیں گے اور لامحالہ ان پر عذاب آئے گا لیکن ایک مرجوح امکان یہ بھی تھا کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ان پر جو عذاب متوقع ہے وہ ٹل جائے۔ اس لیے فرمایا مجھے تم پر عذاب کا خوف ہے۔

اس عذاب سے مراد عذاب طوفان بھی ہو سکتا ہے اور عذاب قیامت بھی اور چونکہ نوح علیہ السلام نے عظیم دن کا عذاب فرمایا ہے تو اس سے بہ ظاہر قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے۔ کیونکہ عظیم دن سے قیامت کا دن ہی متبادر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں○ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی جانب سے رسول ہوں○ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے○ (الاعراف: ۶۲-۶۰)

اہم اور مشکل الفاظ کے معانی

الملاء: مال دار اور معاشرہ میں بااثر لوگ جن کی لوگوں کے دلوں پر ہیبت چھائی رہتی تھی مجلس میں ان ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں اور وہ محفل میں صدر نشین ہوتے تھے اور وہ نوح علیہ السلام سے مقابلہ اور مناظرہ کرتے تھے۔

فی ضلال مبین: وہ نوح علیہ السلام سے کہتے تھے کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ یعنی اللہ کی توحید' اپنی نبوت' احکام شرعیہ اور قیامت اور آخرت کے متعلق آپ جو کچھ کہتے ہیں' وہ خطا پر مبنی ہے اور غلط ہے۔

لیس بی ضلالۃ: کفار نے حضرت نوح کی طرف کھلی گمراہی کے جس عیب کی نسبت کی تھی' اس کی حضرت نوح نے اپنی ذات سے نفی کی اور اپنی سب سے مکرم اور مشرف صفت کا بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف رسول اور پیغام رساں ہیں اور ان کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ تبلیغ رسالات یعنی پیغام پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن چیزوں کا مکلف کیا ہے' یعنی اوامر اور نواہی' ان کا بیان کرتے ہیں' ان کے لیے کیا کام کرنا ضروری ہیں اور کن کاموں کا نہ کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کن کاموں پر دنیا میں ان کی مذمت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا اور کن کاموں پر ان کی دنیا میں تحسین ہوگی اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ یہ وہ پیغامات ہیں جن کو وہ اپنے رب کی طرف سے پہنچاتے تھے' اور نصیحت اور خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے اور کفر اور معصیت سے روکتے تھے اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے۔

پھر فرمایا: میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ تم کو طوفان کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ نیز میں جانتا ہوں کہ وہ آخرت میں تم کو ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کی توحید اور صفات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے اور اس کا مقصد ان علوم کے حصول کی ترغیب دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہیں اس پر تعجب ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تم متقی ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے○ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (ان سب کو) نجات دے دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا' بے شک وہ اندھے لوگ تھے○ (الاعراف: ۶۴-۶۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اپنی جنس میں سے ایک انسان کے رسول بنانے کو مستبعد خیال کرتی تھی اور اس پر تعجب کرتی تھی۔ ان کے اس استبعاد اور تعجب کی حسب ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱- رسول بھیجنے کا مقصد چند احکام کا مکلف کرنا ہے اور اس تکلیف سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے پاک ہے اور نہ بندہ کو اس سے کوئی فائدہ ہے کیونکہ ان احکام کی وجہ سے وہ اس دنیا میں مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں ثواب کا حصول متوقع ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان احکام کا مکلف کیے بغیر بھی اس ثواب کو پہنچانے پر قادر ہے تو پھر ان احکام کا مکلف کرنا عبث ہو گا اور اللہ تعالیٰ عبث کام سے پاک ہے لہٰذا کسی رسول کی بعثت باطل ہو گئی۔ کیونکہ رسول صرف احکام پہنچانے کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۲- اگر احکام کے مکلف کیے جانے کو مان بھی لیا جائے تو تب بھی رسول کا بھیجنا غیر ضروری ہے کیونکہ رسول اچھے کاموں کا حکم دے گا اور برے کاموں سے روکے گا اور اچھائی اور برائی کے ادراک کے لیے عقل کافی ہے سو جو کام عقل کے نزدیک اچھا ہو گا اس کو ہم کریں گے اور جو برا ہو گا اس کو ترک کر دیں گے پھر کسی رسول کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے!

۳- اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر کسی فرشتے کو بھیجنا چاہیے' کیونکہ ان کی ہیبت زیادہ سخت ہو گی اور ان کی پاکیزگی زیادہ اکمل ہو گی' ان کا کھانے پینے سے مستغنی ہونا معلوم ہے اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا اور جھوٹ سے دور ہونا متحقق ہے۔

۴- اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی بشر کو رسول بنایا جائے تو اس بشر کو رسول بنانا چاہیے جو معاشرہ میں اپنی دولت اور حکومت کی وجہ سے معزز ہو جس کی لوگوں کے دلوں میں عزت ہو اور اس کا رعب اور دبدبہ ہو' جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس مال تھا نہ حکومت۔

ان وجوہات کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام کے دعویٰ نبوت اور رسالت پر ان کی قوم کو تعجب ہوتا تھا اور وہ ان کے رسول ہونے کو مستبعد گردانتے تھے۔ اور جن باتوں کو حضرت نوح وحی کہتے تھے' وہ ان کو حضرت نوح کے دماغ کی خرابی (العیاذ باللہ) خیال کرتے تھے اس لیے کہتے تھے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔

قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس تعجب اور انکار کو زائل کیا بایں طور کہ اللہ کو کسی کی نیکی سے فائدہ اور کسی کی برائی سے کوئی نقصان نہیں لیکن اللہ نے ان لوگوں کو سخت احکام کا مکلف کیا تاکہ اس کے حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب ہو اور اس سے اس کا فضل اور عدل ظاہر ہو گا۔ وہ رحیم و کریم بھی ہے اور قہر و غضب کرنے والا بھی ہے اور ان احکام کی تکلیف اور رسولوں کی بعثت سے اس کی ان صفات کا ظہور ہو گا۔ عقل تمام احکام کے حسن اور قبح کا ادراک نہیں کر سکتی اور عقل یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کے اوقات اور طریقوں کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ اپنا کوئی رسول بھیجے جو بندوں کو یہ بتائے کہ اللہ کس فعل سے راضی اور کس فعل سے ناراض ہوتا ہے اور اگر اللہ فرشتہ کو رسول بنا دیتا تو لوگ اس سے کیسے استفادہ کرتے؟ وہ اس کو دیکھ سکتے تھے نہ اس کا کلام سن سکتے تھے اور چونکہ فرشتہ اور انسان الگ الگ جنس سے ہیں تو فرشتہ کے افعال انسانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے' اور رہا یہ کہ اللہ نے کسی تونگر اور حاکم کو رسول نہیں بنایا بلکہ ایک نادار شخص کو رسول بنایا تو اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں کیونکہ جو شخص معاشرہ میں ذی اقتدار ہو لوگ اسے رسول تو کیا خدا بھی مان لیتے ہیں۔ جیسے فرعون اور نمرود کو لوگوں نے خدا مان لیا تھا۔ اللہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ دولت اور حکومت کی طاقت کی بناء پر اس کی وحدانیت کو نہ مانیں بلکہ علم اور حکمت کی بناء پر اور دلائل اور معجزات کی قوت سے اللہ کی وحدانیت کو مانیں۔ اس لیے اس نے ایک انسان کو

رسالت کے لیے منتخب کیا اور اس میں یہ قوت اور صلاحیت رکھی کہ وہ اللہ سے وحی حاصل کر سکے اور مخلوق کو پہنچا سکے۔ اس کا غیب اور شہادت دونوں سے رابطہ ہو وہ بذریعہ وحی اللہ کے عذاب پر مطلع ہو کر لوگوں کو اس سے ڈرائے اور ان کو ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دے تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو طوفان سے نجات دے دی اور منکرین اور مکذبین کو غرق کر دیا کیونکہ ان کے دل توحید 'نبوت' احکام شرعیہ اور آخرت کو ماننے سے اندھے بن گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا (الانعام: ١٠٤)

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ہدایات کی روشن نشانیاں آگئیں تو جس نے (ان کو) آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو اندھا بنا رہا تو اس میں اسی کا نقصان ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ) ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ

تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ○ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا، بے شک ہم آپ کو

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ

حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور بیشک ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ انہوں نے کہا

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٦٧﴾

اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں ○

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں ○ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ

جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا اللہ تمہاری جسامت کو بڑھا دیا، سو

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، سو آپ ہمارے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پاس وہ (عذاب) لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں ○ (ہود نے) کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے

رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ

تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ

اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ

لیے ہیں، جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، سو تم (عذاب کا) انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا

انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ○ پس ہم نے ہود کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ

دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع

دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ) ہود کو بھیجا' انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے ○

حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب

حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے:

ہود بن عبد اللہ بن رباح بن الجارود بن عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نبی اللہ علیہ السلام۔

ایک قول یہ ہے کہ ہود علیہ السلام نے جامع دمشق میں ایک باغ بنایا تھا اور ان کی قبر وہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی قبر مکہ میں ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی قبر یمن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا نبی مبعوث کیا وہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ (یہ حافظ ابن عساکر کی تحقیق ہے۔ جمہور کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام اول رسل ہیں) پھر حضرت نوح' پھر حضرت ابراہیم' پھر حضرت اسماعیل' پھر حضرت اسحاق' پھر

حضرت یعقوب' پھر حضرت یوسف' پھر حضرت لوط' پھر حضرت ھود بن عبداللہ علیہم السلام۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا دس نبیوں کے علاوہ باقی تمام انبیاء بنو اسرائیل سے مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ دس نبی یہ ہیں:

حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت لوط' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد ﷺ (یہ گیارہ بنتے ہیں)

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد کی طرف بعثت

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد تھی یہ لوگ بت پرست تھے۔ انہوں نے بھی ود' سواع' یغوث اور نسر کی طرح بت بنا لیے تھے ان کے ایک بت کا نام صبار تھا اور ایک بت کا نام صمود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ھود کو بھیجا' حضرت ھود کا تعلق اس قبیلہ سے تھا جس کا نام الخلود تھا۔ حضرت ھود متوسط نسب کے تھے اور مکرم جگہ کے رہنے والے تھے بہت حسین و جمیل تھے اور عاد کی طرح جسیم تھے۔ اور آپ کی داڑھی بہت دراز تھی۔ حضرت ھود نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور لوگوں پر ظلم نہ کریں۔ اس کے علاوہ انہیں اور کوئی حکم نہیں دیا اور انہیں نماز یا کسی اور حکم شرعی کی دعوت نہیں دی' لیکن انہوں نے اللہ کو ماننے سے انکار کیا اور حضرت ھود علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے عاد کے بھائی کی طرف ھود کو بھیجا اور حضرت ھود ان کی قوم کے ایک فرد تھے اور ان کے دینی بھائی نہ تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق' ج ۲۷' ص ۱۳۹-۱۴۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ھود نے کہا: یاد کرو تم قوم نوح کے جانشین ہو اور تم کو معلوم ہے جب انہوں نے نافرمانی کی تو ان پر کس طرح عذاب آیا تھا تم اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد سورتوں میں قوم عاد کی تفصیل بیان کی ہے ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر حسب ذیل ہے:

عاد کی قوت اور سطوت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اور یاد کیجئے عاد کے بھائی (ہم قبیلہ) کو جب انہوں نے اپنی قوم کو "الاحقاف" میں ڈرایا اور ان سے پہلے کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (الاحقاف: ۲۱)

یمامہ' عمان' بحرین' حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدھنا" یا "الربع الخالی" کے نام سے واقع ہے وہ الاحقاف ہے یہ بہت بڑا ریگستان ہے۔ ہرچند کہ یہ آبادی کے قابل نہیں ہے لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی زمین ہے۔ خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی وہ آباد نہیں ہے تاہم زمانہ قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں "عاد ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا' جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قوم عاد نے) کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو' تو تم وہ (عذاب) ہم پر لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو' اگر تم سچوں میں سے ہو○ ھود نے فرمایا: علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمہیں وہی پیغام پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں' لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو○ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنے میدانوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا' (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی طلب کیا ہے یہ ایک (سخت) آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے○ یہ ہر چیز کو اپنے رب

کے حکم سے برباد کر ڈالے گی' پھر انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ اور بے شک ہم نے انہیں ان چیزوں پر قدرت دی تھی جن پر تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور آنکھیں اور دل ان کے کچھ کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ (الاحقاف: ۲۶-۲۴)

جس وقت ان پر عذاب آیا اس وقت قحط اور خشک سالی تھی جب انہوں نے امنڈتا ہوا بادل دیکھا تو خوش ہو کر کہنے لگے بہت برسنے والی گھٹا آئی ہے اب سب ندی نالے بھر جائیں گے اور خوش حالی آجائے گی لیکن یہ بڑے زور کی آندھی تھی جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور اس کے زور کے سامنے آدمی' درخت اور جانور تنکوں کی مانند تھے۔ یہ آندھی ہر چیز کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی اور ہر چیز تباہ کر رہی تھی اور سوائے مکانوں کے کھنڈرات کے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (حضرت ھود نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم ہر اونچے مقام پر فضول کاموں کے لیے یادگار تعمیر کرتے ہو○؟ اور اس امید پر بلند و بالا عمارات بناتے ہو کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے○ اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جابروں کی طرح پکڑتے ہو○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو○ اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی○ اور باغوں اور چشموں سے○ بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے○ انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں○ یہ صرف وہی پرانے لوگوں کی عادت ہے○ اور ہم عذاب یافتہ نہیں ہوں گے○ سو انہوں نے ھود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان کے اکثر لوگ مومن نہ تھے○ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بے حد رحم فرمانے والا○ (الشعراء: ۱۴۰-۱۲۸)

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا○ ارم (کے لوگ) ستونوں (کی طرح لمبے قد) والے○ جن کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہ کیا گیا تھا○ (الفجر: ۸-۶)

نیز فرمایا: رہی قوم عاد تو اس نے زمین میں ناحق سرکشی کی اور کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار (ہی) کرتے رہے○ سو ہم نے (ان کی) نحوست کے دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت والا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو یقیناً زیادہ ذلت والا ہے اور ان کی بالکل مدد نہیں کی جائے گی۔ (حم السجدہ: ۱۶-۱۵)

نیز فرمایا: بے شک ہم نے ان پر نہایت سخت' تیز آواز والی آندھی بھیجی (ان کے حق میں) دائمی نحوست کے دن میں○ وہ آندھی لوگوں کو (اس طرح) اٹھا کر (زمین پر) دے مارتی تھی گویا کہ وہ کھجور کے اکھڑے ہوئے درختوں کی جڑیں ہیں○ تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا خوف دلانا○ (القمر: ۲۱-۱۹)

نیز فرمایا: اور رہے قوم عاد کے لوگ تو وہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے○ اللہ نے اس آندھی کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک متواتر مسلط کر دیا تھا وہ آندھی جڑ کاٹنے والی تھی' سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں○ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے○ (الحاقہ: ۸-۶)

قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قوم عاد الاحقاف میں رہتی تھی۔ (الاحقاف: ۲۱)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف کا معنی ہے ریگستان' جوہری نے کہا کہ الاحقاف عاد کا وطن ہے' ازہری نے کہا یہ یمن کے شہروں کا ریگستان ہے قوم عاد یہاں رہتی تھی۔ (لسان العرب' ج ۹' ص ۵۲' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاحقاف ارض مہرہ اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: الاحقاف عمان سے لے کر حضر موت تک ایک وادی ہے۔ قتادہ نے کہا: الاحقاف ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے۔ یاقوت حموی نے کہا ان تینوں اقوال میں اختلاف نہیں ہے۔

(تاج العروس' ج ۶' ص ۶۷' مطبوعہ مطبعہ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ' معجم البلدان' ج ۱' ص ۱۱۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۹۹ھ)

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں احقاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے' اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے اسے الربع الخالی بھی کہتے ہیں۔ بعض مقامات پر ریت اتنی باریک ہے کہ جو چیز وہاں پہنچے' اندر دھنستی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے مہم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور زبردست اور متمول قوم آباد تھی۔ (ضیاء القرآن ج ۴' ص ۴۹۰' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز' لاہور' ۱۳۹۹ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

الاحقاف صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوب مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن الاحقاف تھا۔ جہاں سے نکل کر وہ گرد و پیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضر موت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ہود کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

الاحقاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شاداب علاقہ ہوگا اور بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگ زار بنا دیا ہوگا۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک لق و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ ۱۸۴۳ء میں بویریا کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارہ پر پہنچ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ حضر موت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ

ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے بدو اس علاقہ سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر وہاں جانے کے لیے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب بدو اسے وہاں لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو وہ اکیلا وہاں گیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں کی ریت بالکل سفوف کی طرح ہے۔ میں نے دور سے ایک شاقول اس میں پھینکا تو وہ پانچ منٹ کے اندر اس میں غرق ہو گیا اور اس رسی کا سرا جل گیا جس کی ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہو Arabia And The Isles Harold Ingrams, London 1946.

(تفہیم القرآن' ج ۴' ص ۶۱۵' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

صالحین کے عرس کی تحقیق

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اس اقتباس سے جہاں الاحقاف کی تاریخی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے' وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نبیوں اور مقدس اور برگزیدہ بندوں کا عرس منانا صرف اہل سنت بریلی مکتبہ فکر کی اختراع نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں مسلمان بزرگوں کا عرس مناتے ہیں۔ عرس کی معنوی اصل یہ ہے۔

امام محمد بن عمر الواقد متوفی ۲۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہر سال شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے' جب آپ گھاٹی میں داخل ہوتے تو بہ آواز بلند فرماتے: السلام علیکم۔ کیونکہ تم نے صبر کیا' پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(کتاب المغازی' ج ۱' ص ۳۱۳' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ' دلائل النبوۃ' ج ۳' ص ۳۰۸' مطبوعہ بیروت' شرح الصدور' ص ۲۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ' درمنثور' ج ۴' ص ۶۴۰' المصنف عبدالرزاق' ۳/۶۷۴۵ (قدیم)۔ رقم الحدیث (جدید) ۶۷۴۵۔

اور عرس کی لفظی اصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبر میں منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے اور جب مردہ یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے تو اس کی قبر وسیع اور منور کر دی جاتی ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ اس عروس کی طرح سو جاؤ جس کو اس کے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کے سوا کوئی بیدار نہیں کرتا۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۰۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اس حدیث میں مومن کے لیے عروس کا لفظ وارد ہے اور عروس کا لفظ عرس سے ماخوذ ہے اور یہ عرس کی لفظی اصل ہے۔

عرس کی حقیقت یہ ہے کہ سال کے سال صالحین اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جائے۔ ان پر سلام پیش کیا جائے اور ان کی تعریف و توصیف کے کلمات کہے جائیں اور اتنی مقدار سنت ہے' اور قرآن شریف پڑھ کر اور صدقہ و خیرات کا انہیں ثواب پہنچانا یہ بھی دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے اپنی حاجات میں اللہ سے دعا کرنے اور شفاعت کرنے کی درخواست کرنا اس کا ثبوت امام طبرانی کی اس حدیث سے ہے' جس میں عثمان بن حنیف نے ایک شخص کو نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرنے کی ہدایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر' ج ۱' ص ۱۸۴-۱۸۳' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ الترغیب والترہیب' ج ۱' ص ۴۷۶-۴۷۴' اور شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ' ج ۱' ص ۲۷۴-۲۷۳)

اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ (الحدیث)

(المصنف، ج ۱۲، ص ۳۲، مطبوعہ کراچی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، فتح الباری، ج ۲، ص ۴۹۶-۴۹۵، مطبوعہ لاہور)

ان تمام مباحث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم جلد ۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سال صالحین کے مزارات کی زیارت کے لیے جانا، ان کو سلام پیش کرنا اور ان کی تحسین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ اور ان کے لیے ایصال ثواب کرنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی صحابہ کرام کی سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اور ہمارے نزدیک عرس منانے کا یہی طریقہ ہے۔ باقی اب جو لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے اضافات کر لیے ہیں، وہ بزرگان دین کی نذر اور منت مانتے ہیں اور ڈھول، باجوں گاجوں کے ساتھ جلوس کی شکل میں ناچتے گاتے ہوئے اوباش لڑکے چادر لے کر جاتے ہیں اور چادر چڑھانے کی بھی منت مانی جاتی ہے اور مزارات پر سجدے کرتے ہیں اور مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے اور مزامیر کے ساتھ گانا بجانا ہوتا ہے اور موسیقی کی ریکارڈنگ ہوتی ہے تو یہ تمام امور بدعت سیئہ قبیحہ ہیں۔ علماء اہل سنت و جماعت ان سے بری اور بیزار ہیں۔ یہ صرف جہلاء کا عمل ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور بے شک ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں ○ انہوں نے کہا: اے میری قوم مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں ○ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں ○ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ (الاعراف: ۶۹-۶۶)

حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق

حضرت ھود علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اس لیے حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے اور اس قصہ میں مذکور ابتدائی آیات تقریباً ویسی ہی ہیں جیسی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ذکر کی گئی، البتہ بعض وجوہ سے ان میں فرق ہے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں عبادت کا حکم دینے کے بعد انہوں نے فرمایا تھا: مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ (الاعراف: ۵۹) اور اس قصہ میں حضرت ھود نے عبادت کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تو کیا تم نہیں ڈرتے! (الاعراف: ۶۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے اور ان سے پہلے دنیا میں کسی بڑے عذاب کے نازل ہونے کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، اس لیے انہوں نے کہا: مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے، اور چونکہ حضرت ھود علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور طوفان نوح کا واقعہ تواتر سے مشہور ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے صرف اس کہنے پر اکتفا کیا تو پس کیا تم ڈرتے نہیں ہو!

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام سے منکروں نے کہا تھا: ہم آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں (الاعراف: ۶۰) اور حضرت ھود علیہ السلام سے منکروں نے کہا: ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم آپ کو جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۶۶) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام بہت بڑی کشتی بنا کر خود کو تھکا رہے تھے اور آپ نے لوگوں کو ایک بہت بڑے طوفان کی آمد سے خبردار کیا تھا اور چونکہ اس سے پہلے طوفان کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی اس لیے منکرین نے کہا آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں' اور حضرت ھود علیہ السلام نے بتوں کی عبادت کو باطل قرار دیا تھا اور ان کی عبادت کو بے وقوفی فرمایا تھا اس لیے انہوں نے بھی مقابلتاً توحید کی دعوت دینے کو بے وقوفی کہا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں۔ (الاعراف: ۶۸) حضرت نوح علیہ السلام چونکہ دعوت کی بار بار تجدید کرتے تھے اس لیے انہوں نے جملہ فعلیہ استعمال فرمایا اور حضرت ھود علیہ السلام ثبوت اور استقرار کے ساتھ دعوت دیتے تھے اس لیے اس کو جملہ اسمیہ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ نیز حضرت ھود کی قوم نے ان کو جھوٹوں کی طرف منسوب کیا تھا اس لیے انہوں نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا تم تو مجھے پہلے امین کہتے تھے اور میں تمہارے نزدیک معتمد تھا تو اب اچانک میں بے وقوف کیسے ہو گیا!

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہ فرمایا تھا: کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے۔ (الاعراف: ۶۳) اور حضرت ھود علیہ السلام نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا: اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (الاعراف: ۶۹)

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ذکر فرمایا ایک تو یہ کہ انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی زمین کا وارث بنایا اور دوسری یہ کہ ان کو قوم نوح سے زیادہ بڑی جسامت اور قوت عطا فرمائی۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان کی قامت اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) تھی۔ وہب نے کہا: ان میں سے ایک آدمی کا سر بڑے گنبد کی طرح تھا۔ (معالم التنزیل' ج ۲' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت) حضرت ھود نے فرمایا: ان نعمتوں کو یاد کرو یعنی ایسے عمل کرو جو ان نعمتوں کے لائق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔

حضرت نوح اور ھود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد ﷺ کی زیادہ عزت اور وجاہت

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ایک عیب کی نسبت کی اور ان سے کہا کہ آپ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں تو انہوں نے اس عیب سے خود اپنی براءت کی اور کہا: اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے (الاعراف: ۶۰) اور حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب منکروں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں تو انہوں نے خود اپنی براءت کی اور کہا: اے میری قوم مجھ میں حماقت نہیں ہے۔

اور جب سیدنا محمد ﷺ کی طرف مشرکین نے عیوب کی نسبت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی براءت کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ اللہ نے آپ کی طرف سے براءت بیان کی۔ ولید بن مغیرہ نے آپ کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما انت بنعمة ربك بمجنون ○ وان لك لاجرا غير ممنون ○ وانك لعلى خلق عظيم ○ (القلم: ۲-۴)	آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) مجنون نہیں ہیں ○ اور یقیناً آپ کے لیے غیر متناہی اجر و ثواب ہے ○ اور بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

عاص بن وائل نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝ (الکوثر: ۳-۱)

بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ۝ تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں ۝ یقیناً آپ کا دشمن ہی ابتر (مقطوع النسل) ہے۔

جب اللہ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے چند دن آپ پر وحی نازل نہیں کی تو ایک مشرک عورت نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (الضحیٰ: ۳-۱)

چاشت کی قسم ۝ اور رات کی قسم جب سیاہی پھیل جائے ۝ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو کوہ صفا پر جمع کر کے دعوت توحید کی تو ابولہب نے کہا تبا لک تم پر تباہی ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۝ (اللھب: ۴-۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہو گیا ۝ اس کو اس کے مال اور کمائی نے کوئی فائدہ نہ دیا ۝ وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں داخل ہو گا ۝ اور اس کی عورت (بھی) لکڑیوں کا گٹھا (سر پر) اٹھائے ہوئے ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت بلند ہے آپ کے قرابت دار اور اصحاب بھی اللہ کو اتنے عزیز تھے کہ اگر کسی نے ان کو عیب لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس عیب سے ان کی براءت بیان کی، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی دس آیتوں میں (النور: ۲۰-۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت بیان کی۔ اور جب منافقین نے صحابہ کرام کو سفہاء (جاہل' احمق) کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت بیان کی۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ: ۱۳)

انہوں نے کہا: کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لائے ہیں سنو یقیناً وہی بے وقوف ہیں' لیکن وہ نہیں جانتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' سو آپ ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آئیں جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں' اگر آپ سچوں میں سے ہیں ۝ (ھود نے) کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا' کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی' سو تم عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۝ پس ہم نے ھود کو اور انکے اصحاب کو عذاب سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ۝ (الاعراف: ۷۲-۷۰)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی دعوت دی' اور اس پر یہ

قوی دلیل قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ انعام کیے ہیں اور بداہت عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان انعامات میں اور ان نعمتوں کے دینے میں ان بتوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے اور انتہائی تعظیم کا وہی مستحق ہے، جس نے انتہائی نعمتیں عطا کی ہوں' اور جب انتہائی نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بت اس کے لائق اور سزاوار نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔

حضرت ھود علیہ السلام کی اس قوی اور قطعی دلیل کا ان کی قوم سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور انہوں نے جان چھڑانے کے لیے اپنے باپ دادا کی تقلید کا سہارا لیا اور کہا کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان کی عبادت چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے سو آپ ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کہا یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت تک تو عذاب نازل نہیں ہوا تھا' پھر حضرت ھود علیہ السلام نے کیسے فرمایا کہ تم پر عذاب نازل ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا مستقبل میں واقع ہونا یقینی اور قطعی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ نے تم پر عذاب نازل کر دیا اس معنی میں ہے کہ اس نے تم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت ھود علیہ السلام کے نزدیک اس عذاب کا واقع ہونا یقینی تھا۔

اس کے بعد حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم بتوں کو الٰہ کہتے ہو حالانکہ ان میں الوہیت کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تم نے کسی بت کا نام عزیٰ رکھا ہے حالانکہ اس میں عزت کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اور تمہارے مذہب کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا انجام اور ان پر عذاب کے نزول کو بیان کیا۔ اس کی تفصیل ہم اس رکوع کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے (ہم قبیلہ) بھائی صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس

مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ

کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے یہ اللہ کی اونٹنی

لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ

تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی (کے ارادہ) سے نہ چھونا، ورنہ

وقف لازم

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن

تمہیں دردناک عذاب گرفت میں لے لے گا ○ اور یاد کرو جب (قوم) عاد کے بعد اللہ نے تمہیں ان کا

بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

جانشین بنایا اور زمین میں تم کو بسایا، تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ

تراش کر گھر بناتے ہو، پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں

لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا

فساد نہ پھیلاتے پھرو ○ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان

مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ

کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح

صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ

اپنے رب کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں، انہوں نے کہا وہ جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں ○

الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا

متکبرین نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں ○ پھر انہوں نے

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ

اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح! ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہم کو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ

ڈراتے تھے، اگر تم رسولوں میں سے ہو ○ تو ان کو زلزلہ (کے عذاب) نے پکڑ لیا پس وہ صبح کو اپنے گھروں

دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ

میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ○ پھر صالح نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے

رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿٧٩﴾

رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے (ہم قبیلہ) بھائی صالح کو بھیجا۔ (الآیہ) (الاعراف: ۷۹-۷۳)

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم ثمود بھی سامی اقوام کی ایک شاخ ہے۔ عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ھود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے۔ اس کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ قوم ثمود' ثمود نام کے ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ امام بغوی لکھتے ہیں اس کا نسب یہ ہے کہ ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح۔ یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔ (معالم التنزیل' ج ۲ ص ۱۴۵)

حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے۔ آج کل یہ جگہ فج الناقۃ کے نام سے مشہور ہے۔ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری محققین نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مکان دیکھا جس کو پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس میں متعدد کمرے اور ایک بڑا حوض ہے۔ مشہور مورخ مسعودی نے لکھا ہے' الحجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے' شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح عاد کو عاد ارم کہا گیا ہے اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمود ارم یا عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ثمود کے زمانہ کا ٹھیک تعین تو نہیں کیا جا سکا لیکن یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ یہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے صفحہ ہستی پر نمودار ہو کر مٹ چکی تھی۔ ثمود بھی اپنے پیش رو بت پرستوں کی طرح ایک بت پرست قوم تھی۔ اور اس کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے: صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حاذر بن ثمود۔ (معالم التنزیل' ج ۲' ص ۱۴۵) حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو بار بار بت پرستی سے منع کیا اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی ہدایت کی لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا' وہ حضرت صالح کی مخالفت کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ کہتے تھے اگر ہمارا طریقہ غلط ہوتا اور ہمارا دین باطل ہوتا تو آج ہم کو یہ دھن دولت' سرسبز و شاداب باغات' میوہ جات اور پھلوں کی کثرت اور یہ بلند' عالی شان' مضبوط اور مستحکم مکان حاصل نہ ہوتے۔ تم خود اپنا حال دیکھو اور اپنے پیروکاروں کی غربت اور افلاس پر نظر ڈالو اور پھر بتاؤ کہ خدا کے نزدیک مقبول تم ہو یا ہم ہیں!

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تم جن مضبوط مکانوں اور دیگر سامان زیست پر فخر کر رہے ہو' اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے تو یہ سب ایک پل میں فنا ہو جائیں گے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اگر واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں تو اللہ کی طرف سے کوئی نشان دکھائیں تب صالح علیہ السلام نے فرمایا تمہارا مطلوبہ نشان اس اونٹنی کی شکل میں موجود ہے۔ اللہ نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی کی باری مقرر فرما دی ہے ایک دن یہ پانی پیے گی اور ایک دن تم پیو گے' اونٹنی کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے:

قوم ثمود کا حضرت صالح سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور ان پر عذاب کا نازل ہونا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صالح علیہ السلام بھی آگئے۔ حضرت صالح

علیہ السلام نے حسب معمول ان کو اللہ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی' ان کو وعظ اور نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر آپ اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک اونٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گابھن ہو اور فوراً بچہ دے دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ قسمیں لیں کہ اونٹنی نکلنے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔ پھر صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکال دی جو ان کی طلب کردہ صفات کے مطابق تھی۔ جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ کی زمین پر کھانے دو وہ جہاں چاہتی چرتی تھی' ایک دن وہ پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی اور جس دن وہ پانی پینے جاتی تو کنوئیں کا سارا پانی پی جاتی۔ ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لیے پانی جمع کر کے رکھتے تھے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دن وہ سب لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی لیتے تھے۔ پھر شیطان نے ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ ایک شخص ولد الزنا تھا اس کی آنکھیں نیلی اور رنگ سرخ تھا اس کا نام قیدار بن سالف بن جندع تھا۔ وہ ان کا رئیس تھا' سب کے مشورہ سے اس نے اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔

امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آچکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لیے بہ طور انعام دی جائیں گی۔ آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔ یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کا بچہ یہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا: آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا' اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا۔ پھر چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ' ج ۱ ص ۱۳۵' ۱۳۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۹۷۴ء)

قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ○ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ○ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ○ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ○ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ○ (الشمس: ۱۱-۱۵)

ثمود نے اپنی سرکشی سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا○ جب ان میں کا سب سے بدبخت اٹھا○ تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا اللہ کی اونٹنی کو (ایذا پہنچانے) اور اس کے پانی کی باری (کو بند کرنے) سے احتراز کرو○ تو انہوں نے اس (رسول) کو جھٹلایا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں○ تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی' اس بستی کو پیوند زمین بنا دیا○ اور وہ ان کو سزا دینے سے نہیں ڈرتا○

قوم ثمود کے نو آدمیوں کی سازش کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ (النمل: ۴۸-۵۳)

اور ثمود کے شہر میں نو شخص ملک میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ۝ انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور صالح اور ان کے اہل پر شب خون ماریں گے پھر ہم ان کے وارث سے کہیں گے کہ اس گھر کے لوگوں کے قتل کے موقع پر ہم حاضری نہ تھے اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ۝ انہوں نے سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر ☆ کی اور ان کو پتا ہی نہ چلا ۝ تو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا بے شک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا ۝ سو یہ ان کے ویران گھر گرے پڑے ہیں کیونکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے (عبرت کی) نشانی ہے ۝ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لا چکے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے ۝

اونٹنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود

قوم ثمود کا قیدار کو اونٹنی کے قتل کے لیے بلانا اور اس کا اونٹنی کو قتل کرنا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر: ۲۳-۳۱)

ثمود نے ڈرانے والے رسولوں کو جھٹلایا ۝ انہوں نے کہا: کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی اتباع کریں' تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے ۝ کیا ہم میں سے صرف اسی پر وحی نازل کی گئی بلکہ وہ بڑا جھوٹا متکبر ہے ۝ عنقریب وہ (قیامت کے دن) جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے ۝ بے شک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو (اے صالح!) آپ (ان کے انجام کا) انتظار کریں اور صبر سے کام لیں ۝ اور ان کو بتا دیجئے کہ پانی ان کے (اور اونٹنی کے) درمیان تقسیم کیا ہوا ہے' ہر ایک اپنے پینے کی باری پر حاضر ہو گا ۝ تو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس نے (اونٹنی کو پکڑا اور) اس کی کونچیں کاٹ دیں ۝ تو کیسا ہوا میرا عذاب

☆ (حضرت صالح علیہ السلام نے جب انہیں عذاب کی خبر سنائی تو انہوں نے انتقاماً حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی۔ جب وہ لوگ اپنے منصوبہ کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے راستہ ہی میں ان پر پتھر برسا کر ان کو ہلاک کر دیا اور یہ اللہ کی خفیہ تدبیر تھی)

اور ڈراتا○ بے شک ہم نے ان پر ایک خوفناک آواز بھیجی تو وہ
کانٹوں کی باڑ لگانے والے کی بچی ہوئی باڑ کے چورے کی طرح
(ریزہ ریزہ ہو کر) رہ گئے○

سورہ القمر کی ان آیات میں بتایا ہے کہ ایک شخص (قیدار) نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کیا تھا اور سورۃ الاعراف اور سورۃ الشمس میں فرمایا کہ قوم ثمود نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہرچند کہ یہ ایک شخص کا فعل تھا لیکن چونکہ پوری قوم اس جرم کی پشت پر تھی اور وہ دراصل اس جرم میں ثمود کی مرضی کا آلہ کار تھا اس لیے اس کا الزام پوری قوم ثمود پر عائد کیا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ گناہ جو قوم کی خواہش پر کیا جائے یا جس گناہ پر قوم راضی ہو وہ ایک قومی گناہ ہے بلکہ جو گناہ قوم کے درمیان علی الاعلان کیا جائے' اور قوم اس کو برا نہ جانے وہ بھی قومی گناہ ہے۔

اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات

اس اونٹنی کو "اللہ کی اونٹنی" اس اونٹنی کی تعظیم اور تکریم کے طور پر فرمایا ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ فرمایا ہے۔ اور اونٹنی کا معجزہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ پتھر کی چٹان پھٹ گئی اور اس سے اونٹنی نکل آئی اور یہ خلاف عادت اور معجزہ ہے اور اونٹنی کا صرف اپنی باری پر پانی پینے کے لیے آنا اور کنوئیں کا سارا پانی پی جانا' اور دیگر حیوانات کا اس دن کنوئیں پر نہ آنا اور دوسرے دن آنا یہ تمام باتیں خلاف عادت اور معجزہ ہیں۔

قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق

ایک اعتراض یہ ہے کہ قوم ثمود کے عذاب کو متعارض اور متضاد عنوانوں سے تعبیر فرمایا گیا ہے' ایک جگہ اس عذاب کو الرجفہ (زلزلہ) (الاعراف: ۷۸) سے تعبیر فرمایا اور ایک جگہ اس عذاب کو الطاغیہ (حد سے تجاوز کرنے والی چیز) سے تعبیر فرمایا (الحاقہ: ۵) اور متعدد جگہ اس کو الصیحہ (ہولناک آواز) سے تعبیر فرمایا۔ (ھود: ۶۷' الحجر: ۸۳' القمر: ۳۱) اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ عذاب ایک خوفناک زلزلہ کی صورت میں آیا تھا اور زلزلہ میں ہولناک آواز ہوتی ہے اس لیے اس کو الصیحہ سے بھی تعبیر فرمایا اور چونکہ یہ آواز بہت زیادہ حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس کو الطاغیہ سے بھی تعبیر فرمایا۔

قرآن مجید کی ان سورتوں میں قوم ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ الاعراف' ھود' الحجر' الشعراء' النمل' فصلت' النجم' القمر' الحاقہ' الشمس۔

قوم ثمود کے قصہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ ثمود نے کہا: اے صالح! اگر آپ سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں! حضرت صالح نے ان سے کہا: زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شگاف سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔ حضرت صالح نے ان سے فرمایا: یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ کی زمین میں چھوڑ دو تاکہ کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ارادہ سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔ (الاعراف: ۷۳) اس کے لیے پینے کی باری ہے اور تمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے۔ (الشعراء: ۱۵۵) جب وہ اس پابندی سے تنگ آ گئے تو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ حضرت صالح نے ان سے فرمایا: تم صرف تین دن اپنے گھروں میں فائدہ اٹھالو پھر تم پر عذاب

آئے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہ ہو گا۔ (ھود: ۶۵) ایک اور سند سے روایت ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن جب تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے' دوسری صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے' جب انہوں نے یہ علامت دیکھی تو انہوں نے خوشبو لگائی اور عذاب کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔

(تفسیر عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۱۱' الدرالمنثور' ج ۳' ص ۴۹۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۵۱۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ الحجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: نشانیوں کا سوال نہ کرنا کیونکہ حضرت صالح کی قوم نے نشانیوں کا سوال کیا تھا وہ اس راستہ سے آتے تھے اور اس راستہ سے لوٹتے تھے انہوں نے اپنے رب کی حکم عدولی کی انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ ایک دن وہ اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ اس کا دودھ پیتے تھے تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر ایک ہولناک آواز نے ان کو پکڑ لیا آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے سب کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ ماسوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا' عرض کیا گیا یارسول اللہ! وہ شخص کون تھا؟ فرمایا ابو رغال۔ جب وہ حرم سے باہر آیا تو وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

(تفسیر عبدالرزاق' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۱۵' اس کی سند صحیح ہے' مسند احمد' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۴۰۹۳' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' جامع البیان' جز ۸' ص ۲۹۸' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۵۰' المستدرک' ج ۲' ص ۳۲۰)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طائف گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابو رغال کی قبر ہے۔ اس حرم کی وجہ سے اس سے عذاب دور ہو گیا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس جگہ اس کو وہی عذاب آ پہنچا تو اس کو دفن کر دیا گیا اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن کی گئی تھی۔ اگر تم اس قبر کو کھودو گے تو اس شاخ کو حاصل کر لو گے تو لوگوں نے اس قبر کو کھود کر اس سے وہ سونے کی شاخ نکال لی۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۰۸۸' تفسیر عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۹۱۶' جامع البیان' جز ۸' ص ۲۹۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ الحجر سے گزرے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں کے پاس سے بغیر روئے نہ گزرنا کہیں تم پر بھی ویسا عذاب نہ آ جائے پھر آپ نے اونٹنی کو تیزی سے دوڑایا اور اس مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۳۸۰' صحیح مسلم' زہد' ۳۹' ۲۹۸۰' ۷۳۲۹' تفسیر عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۹۱۸' جامع البیان' جز ۸' ص ۳۰۰)

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں

أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ

میں سے کسی نے نہیں کی ○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس نفسانی خواہش کے لیے

النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ
آتے ہو بلکہ تم تو (حیوانوں کی) حد سے (بھی) تجاوز کرنے والے ہو ○ ان کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ انہوں

إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ
نے کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ بڑے پارسا لوگ

يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾
ہیں ○ پس ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دی سوا ان کی بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہو گئی ○

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾ ع ١٠ ع ١٢ ١٧
اور ہم نے ان پر پتھر برسائے سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو بھیجا۔ (الآیہ) (الاعراف: ٨٤-٨٠)

حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ٥٧١ ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے: لوط بن هاران (هاران حضرت ابراہیم کے بھائی تھے) بن تارخ بن ناحور بن ساروع بن ارعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ (یہ حضرت ادریس ہیں) بن مهلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں قتال کیا وہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن ہیں جب اہل روم نے حضرت لوط علیہ السلام کو قید کر لیا تو حضرت ابراہیم نے ان سے قتال کیا اور حضرت لوط کو چھڑایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی' آپ ان کے متعلق خبروں کے منتظر تھے کہ قریش کی ایک عورت آئی اور کہنے لگی اے ابو القاسم! میں نے آپ کے داماد کو سفر میں دیکھا ہے' ان کی اہلیہ کمزور لوگوں کے ساتھ دراز گوش پر سوار تھیں اور وہ اس کو چلا رہے تھے اور اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان دونوں کا صاحب ہو' بے شک لوط علیہ السلام کے بعد عثمان اپنے اہل کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی طرف بھیجا گیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو چار شہروں کی طرف بھیجا گیا: سدوم' اموراء' عاموراء اور صبوبراء۔ ان میں سے ہر شہر میں ایک لاکھ جنگ جو لوگ تھے ان کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا۔ حضرت لوط اسی میں رہتے تھے' یہ شام کے شہروں میں سے ہے اور فلسطین سے ایک دن اور رات کی مسافت پر واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو مہلت دی تھی انہوں نے اسلامی شرم و حیاء کے حجاب چاک کر دیے اور بہت بڑی

بے حیائی کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے شہروں میں جاتے اور ان کو نصیحت کرتے وہ ان کی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ عراق اور فلسطین کے درمیان میں واقع ہے۔ تورات میں اس علاقہ کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بحیرہ مردار میں غرق ہو چکا ہے۔ اب صرف بحیرہ مردار ہی اس کی ایک یادگار باقی ہے جسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے' اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے سدوم اور عامورا وغیرہ بیس تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اس سے اس کا نام بحر مردار اور بحر لوط ہے۔ اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

حضرت لوط کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب بدمعاشوں نے یہ سنا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں تو وہ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر دیا اور کہا تم میری بیٹیوں سے نکاح کر لو۔ (ھود: ۷۸) حضرت لوط کو اپنے مہمانوں کی بے حرمتی کا اندیشہ تھا اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ ایک شخص صرف ایک عورت سے نکاح کرتا تھا' انہوں نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ ہماری خواہش کیا ہے۔ (ھود: ۷۹) حضرت لوط نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور مجھے اپنے مہمانوں کے متعلق شرمندہ نہ کرو' کیا تم میں کوئی نیک آدمی نہیں ہے؟ انہوں نے حضرت لوط کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ پھر حضرت جبرئیل اپنی اصل صورت میں آگئے اور کہا: اے لوط! پریشان نہ ہوں' ہم فرشتے ہیں یہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے' ہمیں ان کو عذاب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا: آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں' وہ لوگ جب اندر آئے تو حضرت جبرئیل نے اپنے پر ان کے چہروں پر مل دیے ان کے چہرے خون آلود ہو گئے اور ان کی آنکھیں نکل کر زمین پر گر پڑیں۔ تب انہوں نے کہا اے لوط' تمہارے پاس جادوگر تھے جنہوں نے ہمیں اندھا کر دیا وہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے باہر نکلے اور جیسے ہی صبح ہوئی' ان کو عذاب نے آلیا۔

قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں عورتوں کی بجائے مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ان کے باغات میں پھل تھے اور ان کے کچھ پھل باغات سے اور ان کے گھروں سے باہر لٹکتے رہتے تھے' ایک بار ان کے ہاں قحط پڑ گیا اور پھلوں میں کمی ہو گئی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جو پھل باہر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اگر تم مسافروں کو ان کے کھانے سے منع کر دو تو تمہارے لیے کشادگی ہو جائے گی۔ انہوں نے سوچا کس طرح منع کریں پھر انہوں نے یہ قانون بنایا کہ جو مسافر بھی پھل توڑے گا اس کو ان کے ساتھ نکاح کرنا ہو گا اور اس کو چار درہم جرمانہ دینا ہو گا۔ اس طرح تمہارے پھل محفوظ رہیں گے اور یوں ان کو ہم جنس پرستی کی لت پڑ گئی اور یہ وہ قبیح فعل تھا جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

قوم لوط میں اس عمل کی ابتداء کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک دن ان کے مردوں کے پاس شیطان انتہائی خوبصورت بچے کی

شکل میں آیا اور اس نے ان کو اپنے ساتھ اس عمل کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیا پھر ان کو اس عمل کی لت پڑ گئی۔

حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں

حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی۔ ان کی یہ خیانت زنا نہیں تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لوگوں سے یہ کہا تھا کہ یہ مجنون ہیں۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جب ان کے پاس فرشتے بہ صورت مہمان آئے تو اس نے لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ضحاک نے کہا حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت چغلی کرنا تھی۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوم لوط کو دس علامتوں کی وجہ سے ہلاک کیا گیا اور میری امت میں اس سے ایک علامت زیادہ ہو گی۔ ان کے مرد ہم جنس پرست تھے' وہ غلیل سے شکار کرتے تھے' کنکریاں مارتے تھے' حمام میں کھیلتے تھے' دف بجاتے تھے' شراب پیتے تھے' داڑھی کٹاتے تھے اور مونچھیں لمبی رکھتے تھے' سیٹی بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے' ریشم پہنتے تھے اور میری امت میں ان سے ایک علامت زیادہ ہو گی کہ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(کنز العمال' ۱۰۳۱۴' مختصر تاریخ دمشق' ج ۲۱' ص ۲۴۱-۲۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

عمل قوم لوط کی عقلی قباحتیں

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے قوم لوط کے عمل (اغلام) کی حسب ذیل عقلی خرابیاں بیان کی ہیں:

۱- اکثر لوگ اولاد کے حصول سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اولاد کی وجہ سے انسان پر ان کی پرورش کا بوجھ پڑ جاتا ہے جس کو اٹھانے کے لیے انسان کو زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جماع کو بہت بڑی لذت کے حصول کا سبب بنا دیا ہے' انسان اس لذت کے حصول کے لیے جماع کے فعل کا اقدام کرتا ہے۔ اور جماع کے بعد خواہی نخواہی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقاء کے لیے جماع میں یہ لذت رکھی ہے۔ اب اگر انسان اس لذت کو کسی اور طریقہ سے حاصل کر لے جس سے بچہ پیدا نہ ہو تو اس سے وہ حکمت مطلوبہ حاصل نہیں ہو گی اور اس سے نسل انسانی منقطع ہو گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اس لیے اس عمل کا حرام ہونا ضروری ہوا۔

۲- مرد اپنی فطرت اور وضع کے اعتبار سے فاعل ہے اور عورت منفعل ہے اور جب اس عمل کے نتیجہ میں مرد خود منفعل ہو گا تو یہ فطرت اور حکمت کے خلاف ہے۔

۳- قضاء شہوت کے لیے مرد کا عورت کے ساتھ یہ عمل کرنا جانوروں کے شہوانی عمل کے مشابہ ہے' اس عمل کو صرف اس وجہ سے اچھا قرار دیا گیا ہے کہ یہ حصول اولاد کا سبب ہے۔ اور جب یہ عمل اس طریقہ سے کیا جائے جس میں حصول اولاد ممکن نہ ہو تو یہ نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے بلند مقام سے حیوانوں کی پستی میں جا گرنا ہے۔

۴- جب مرد' مرد کے ساتھ یہ فعل کرے گا تو بالفرض اگر فاعل کو اس عمل سے لذت حاصل ہو گی مگر اس سے مفعول کو بہت بڑا عار اور عیب لاحق ہو گا' جو تمام عمر اس کی ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا اور وہ کبھی فاعل کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکے گا تو ایسی چند منٹ کی خسیس اور گھٹیا لذت کے حصول کا کیا فائدہ جس سے دوسرے شخص کو تمام عمر کے لیے عیب لگ جائے۔

۵- اس عمل کے بعد فاعل اور مفعول میں دائمی عداوت ہو جاتی ہے اور مفعول کو فاعل کی شکل سے نفرت ہو جاتی ہے اور

بعض اوقات مفعول فاعل کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس کے برعکس شوہر اپنی بیوی کے ساتھ جب یہ عمل کرتا ہے تو ان میں الفت اور محبت اور بڑھتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ (الروم: ۲۱)

اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے رحم میں منی کو جذب کرنے کی بہت زبردست قوت رکھی ہے پس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے تو مرد کے عضو کی نالی سے منی کے تمام قطرات منجذب ہو کر عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں' اس کے برعکس جب مرد' مرد کے ساتھ یہ عمل کرے گا تو مفعول کی مقعد میں چونکہ منی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس عمل کے بعد فاعل کے عضو کی نالی میں کچھ قطرات اور ذرات رہ جاتے ہیں جن میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے عضو سوج جاتا ہے اور مہلک قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سوزاک وغیرہ۔

قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں قوم لوط کے عمل کی مذمت فرمائی گئی ہے:

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۶۵-۱۶۶)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ ۝ اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (الاعراف: ۸۱)

بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم تو حیوانوں کی حد سے (بھی) تجاوز کرنے والے ہو۔

احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول یہ دونوں کو قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۴۶۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۳' المستدرک ج ۴' ص ۳۵۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمن کی حکومت ہو جائے گی اور جب زنا بہ کثرت ہو گا تو قیدی بہ کثرت ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھا لے گا پھر وہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(المعجم الکبیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۵۵' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں کو سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت فرماتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت کو دہراتا ہے۔ فرماتا ہے: جس نے قوم لوط کا عمل کیا' وہ ملعون ہے۔ جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے' جس نے قوم لوط کا عمل کیا' وہ ملعون ہے۔ جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا وہ ملعون ہے' جس نے جانوروں کے ساتھ بدفعلی کی وہ ملعون ہے' جس نے اپنے ماں باپ سے تعلق توڑا وہ ملعون ہے۔ جس نے ایک عورت اور اس کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کیا وہ ملعون ہے' جس نے اللہ کی حدود کو بدلا وہ ملعون ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ ملعون ہے۔

(المعجم الاوسط' ج ۹' رقم الحدیث: ۸۴۹۲' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں' اور جو لوگ جانوروں سے بدفعلی کریں اور جو لوگ مردوں سے خواہش پوری کریں۔

(المعجم الاوسط' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۸۵۴' شعب الایمان' رقم الحدیث: ۵۳۸۰' الکامل لابن عدی' ج ۶' ص ۲۲۲۳' مجمع الزوائد)

محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں نے عرب کے بعض قبیلوں میں یہ دیکھا ہے کہ وہاں مرد کے ساتھ اس طرح فعل کیا جاتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا: یہ وہ گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اس امت پر عذاب بھیجا اس کا آپ لوگوں کو علم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر حضرت ابوبکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث: ۵۳۸۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا ہو اس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا: اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۶۲' المستدرک ج ۴' ص ۳۵۵' المعجم الاوسط' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۱۲۸' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۲۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے عمل معکوس کرے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۶۸' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۴۱۹۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ لوطی کی حد کیا ہے؟ فرمایا اس کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے پھینکا جائے' پھر اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۵۲۹' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۳۳۲)

یزید بن قیس نے بیان کیا کہ حضرت علی نے لوطی کو سنگسار کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۵۳۰' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۳۳۲)

زہری نے بیان کیا کہ اگر لوطی شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر کنوارا ہو تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹' ص ۵۳۱' مصنف عبدالرزاق' ج ۷' ص ۳۶۳' السنن الکبریٰ' ج ۸' ص ۳۳۲)

عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اس فعل کی سزا میں امام احمد سے مختلف روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ' اس کو سنگسار کر دیا جائے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس' جابر بن زید' عبداللہ بن معمر اور زہری کا بھی یہی مسلک ہے' کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مرد' مرد سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کو جلا دیا جائے اور دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ تم جن کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔

(المغنی' ج ۹' ص ۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام شافعی کے نزدیک اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فعل زنا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل وطی حرام ہونے میں زنا کے مشابہ ہے۔

(شرح المہذب' ج ۲۰' ص ۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک فاعل کو رجم کیا جائے گا خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ۔ اسی طرح مفعول اگر بالغ ہو تو اس کو بھی سنگسار کیا جائے گا۔ امام مالک سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو قید کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی۔ عطاء' ابراہیم نخعی اور ابن المسیب کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس فعل میں مطلقاً حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اس نے کسی اجنبی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر حد ہے' کنوارے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنے غلام' باندی یا بیوی کے ساتھ یہ فعل کیا ہے تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے۔ زیادات میں مذکور ہے اگر کوئی شخص اس فعل کا عادی ہے تو پھر اس کی سزا خلیفہ کی طرف مفوض ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو اس کو قتل کر دے' اگر چاہے تو اس کو کوڑے مارے اور اگر چاہے تو اس کو قید کر دے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اگر کوئی شخص بار بار یہ فعل کرے تو مفتی بہ قول پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ درر غرر میں مذکور ہے تعزیر یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے یا اس پر دیوار گرا دی جائے یا اس کو بلندی سے گرا دیا جائے پھر اس کو سنگسار کیا جائے۔ الحاوی میں مذکور ہے اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے اس کو قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے یا مر جائے اور اگر وہ اس فعل کا عادی ہو تو اس کو خلیفۃ المسلمین قتل کر دے۔

(رد المحتار' ج ۳' ص ۱۵۶-۱۵۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قوم لوط پر عذاب کی کیفیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (الاعراف: ۸۴)

سو ہم نے ان پر پتھر برسائے سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد ﷺ آپ دیکھیے کہ قوم لوط کے جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور

انہوں نے دلیری سے بے حیائی کے کام کیے اور مردوں سے خواہش نفس پوری کی ان کا کیسا انجام ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر ان شہروں کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی کنکریاں برسائیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۲۴۴)

جب عذاب الٰہی کا وقت آگیا اور رات کی ابتداء ہوئی تو فرشتوں کے اشارہ پر حضرت لوط اپنے خاندان سمیت دوسری طرف سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا اور راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم واپس آگئی۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو پہلے تو ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا پھر آبادی والی زمین کو اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان مٹا دیا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے کفار کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قبیلہ) بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے پس تم

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي

پورا پورا ناپ اور تول کرو، اور لوگوں کو کم تول کر ان کی چیزیں نہ دو، اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۸۵﴾

فساد نہ کرو، اگر تم ایمان لانے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ○

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو ڈراؤ اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

روکو اور اس (سیدھے) راستہ کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو، اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے

فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ

تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور غور سے دیکھو تو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ○ اگر تمہاری ایک جماعت

طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا

اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی ،

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَاۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ (۸۷)

تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے (ہم قبیلہ) بھائی شعیب کو بھیجا' انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے' بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے' پس تم پورا پورا ناپ اور تول کرو' اور لوگوں کو کم تول کر ان کی چیزیں نہ دو' اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو' اگر تم ایمان لانے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ (الاعراف: ۸۵)

حضرت شعیب کا نام و نسب

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام' یویب بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شعیب بن میکون بن عنقا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تحر بن لادی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

ان کی دادی اور ایک قول کے مطابق ان کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عراق سے شام کی طرف ہجرت کی اور ان کی ساتھ دمشق سے گزرے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب اور بلعم اس قبیلہ سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لایا تھا جس دن ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی اور حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کی بیٹیوں سے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اہل تورات کے نزدیک ان کا نام تورات میں میکائیل ہے اور سریانیہ میں ان کا نام حری بن یسخر ہے اور عبرانیہ میں ان کا نام شعیب ہے۔

مدین اور اصحاب الایکہ ایک قوم ہیں یا الگ الگ؟

عکرمہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والے) کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہر چند کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ امتیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (اندھے کنوئیں والے) (الفرقان: ۳۸) فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰، ص ۳۰۹-۳۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی، وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔ بہرحال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱، ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

وانهما لبامام مبين (الحجر: ۷۹) اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے قافلوں کو شام، فلسطین، یمن، بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی قرآن مجید اسی کو امام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قافلوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا۔

بعض متاخرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں، بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا، یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی، اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی بناء پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی، کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

حضرت شعیب کی قوم پر عذاب کا نزول

سورۃ الشعراء میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

اصحاب الایکہ نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O میں تم سے اس کی تبلیغ پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف اللہ رب العلمین پر ہے O پورا پورا ناپ کرو اور کم ناپنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ O اور درست ترازو سے وزن کرو O اور لوگوں کی چیزیں کم تول کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ O اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی جماعتوں کو پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا: آپ تو صرف سحر زدہ لوگوں میں سے ہیں O اور آپ تو صرف ہم جیسے بشر ہیں، اور ہم آپ کو صرف جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں O شعیب نے کہا: میرا رب تمہارے کاموں کو

خوب جانتا ہےO تو انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پس ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بڑے خوفناک دن کا عذاب تھاO بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان کے اکثر مومن نہ تھےO اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب بہت رحم فرمانے والا ہےO (الشعراء: ۱۹۱-۱۷۶)

ایک اور مقام پر فرمایا:

اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوگےO تو ان کو ایک زلزلہ نے پکڑ لیا پھر انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ ہلاک ہوئے پڑے تھےO (الاعراف: ۹۱-۹۰)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کو مدین کی طرف بھیجا تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ یہ لوگ ناپ اور تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب نے ان کو کمی کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت اچھا جواب دیتے تھے۔ جب ان کی قوم کی سرکشی نے بہت طول پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کر دی۔ وہ اپنے گھروں میں گئے تو وہاں بھی گرمی کا سامنا تھا۔ پھر وہ جنگل کی طرف نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے ان کو دھوپ سے سایہ مہیا کیا اس بادل کے نیچے ان کو بہت ٹھنڈک اور آرام ملا۔ پھر انہوں نے باقی لوگوں کو بلایا اور سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا دیا۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ یوم الظلہ (سائبان یا بادل کے دن) کا عذاب تھا۔

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الایکہ میں گزاری اور انہیں اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے مگر ان کی سرکشی دن بہ دن بڑھتی رہی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی مسلط کی اور ان پر بھی وہی عذاب آیا۔ (مراۃ الزمان' ج ۱' ص ۳۸۸-۳۸۷)

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اھل مدین کو ایک زبردست گرج دار آواز کا عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ پر مسلسل سات دن گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے آگ بھیجی جس نے ان کو کھا لیا اور یہی یوم الظلہ کا عذاب تھا۔

(سورہ الاعراف میں مدین پر زلزلہ کے عذاب کا ذکر ہے یہ زلزلہ اسی آواز سے آیا تھا' اور سورہ الشعراء میں اصحاب الایکہ پر یوم الظلہ کے عذاب کا ذکر ہے)

ابو المنذر نے کہا پھر حضرت شعیب نے اپنی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر وہ مکہ چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے اور ان کی عمر ایک سو چالیس سال تھی اور ان کو حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں دفن کیا گیا۔

(المنتظم' ج ۱' ص ۲۱۱-۲۰۹' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر

شیخ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں:

حضرموت میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب (علیہ السلام) کی قبر ہے۔ حضرت شعیب مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرموت کے مشہور شہر

"شیون" کے مغربی جانب ایک مقام ہے جس کو شیام کہتے ہیں۔ اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے' یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔ (قصص القرآن' ج ا' ص ۳۵۴' مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی' ۱۹۷۲ء)

شیخ حفظ الرحمن کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور نفوس قدسیہ کی مبارک قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا دنیا کے تمام مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نیز شعیب نے کہا) اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو ڈراؤ' اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے روکو' اور اس (سیدھے) راستہ کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو' اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے○ اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف: ۸۷-۸۶)

ڈرا دھمکا کر ناجائز رقم بٹورنے والے

حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین کو راستہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ راستہ پر بیٹھ کر ایمان والوں کو ڈراتے تھے اور اللہ کے راستہ پر چلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

حضرت ابن عباس' قتادہ اور مجاہد نے بیان کیا ہے کہ وہ ان راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جاتے تھے اور جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانا چاہتے تھے ان کو روکتے تھے اور کہتے تھے ان کے پاس نہ جاؤ وہ کذاب ہیں' جیسا کہ قریش نبی ﷺ کے ساتھ کرتے اور یہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد ڈاکہ ڈالنا ہے جو لوگ راستہ پر چلنے والے مسافروں کو ڈرا دھمکا کر لوٹ لیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق المائدہ: ۳۳ میں گزر چکی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اس زمانہ میں اس سے مراد ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے ہیں جو لوگوں سے جبراً وہ وصول کرتے ہیں جو شرعاً ان پر لازم نہیں ہیں۔ ہمارے زمانہ میں حکمرانوں نے ہر چیز پر انواع و اقسام کے ٹیکس عائد کیے ہوئے ہیں اور عوام کے ٹیکسوں سے صدر' وزیر اعظم' وفاقی وزراء' گورنر اور صوبائی وزراء کی رہائش کے لیے عالی شان محل نما بنگلے اور کوٹھیاں ہیں۔ ان کے سفر کرنے کے لیے خصوصی طیارے ہیں۔ یہ سال میں ان گنت مرتبہ بیرونی دوروں پر جاتے ہیں اور اپنے ساتھ خوشامدیوں کے ٹولے کو لے جاتے ہیں اور ان کو شاپنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں۔ ان کے اللوں تللوں پر مشتمل اخراجات لاکھوں روپیہ سے متجاوز ہیں۔ غریب عوام کے کھانے کے لیے روٹی بمشکل میسر ہوتی ہے' سر چھپانے کے لیے چھت کا سایہ حاصل کرنا بہت کٹھن ہے اور یہ عوام کے خون پسینے سے کمائی ہوئی رقم سے جبراً ٹیکس وصول کر کے بے دردی سے اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ قومی منصوبوں کے نام پر عالمی بینک سے قرض لیتے ہیں اور اس رقم کو اپنی عیاشیوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور قوم کو قرض میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں غنڈے' مسٹنڈے اور دہشت گرد دکانوں اور گھروں سے زبردستی بھتہ وصول کرتے ہیں۔ فطرانہ' زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی بھی جبراً وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو اسلحہ خریدنے اور اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ گاڑیاں چھین کر ڈاکے ڈالتے ہیں اور قتل و غارت گری کی وارداتیں کرتے ہیں۔ وہ بھی

اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

قوم شعیب کو ترغیب اور ترہیب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کا یہ قول نقل فرمایا: اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت پر برانگیختہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ان کو دور رہنے کی ترغیب دی جائے۔ اس آیت کے تین محمل ہیں۔ ایک یہ کہ تم عدد میں کم تھے تو تم کو تعداد میں زیادہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ تمہارے پاس مال کم تھا تو تم کو زیادہ مال عطا کیا اور تیسرا یہ کہ تم جسمانی طور پر کمزور تھے تو تم کو طاقتور کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا: غور سے دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ پہلی آیت میں ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں ان کو ترہیب کی ہے اور ایمان نہ لانے پر ڈرایا ہے۔

الجزء ۹

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

ان (شعیب) کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ

اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، شعیب نے جواب دیا خواہ

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں O بے شک ہم نے اللہ پر بہتان باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ

گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم نے اللہ پر ہی توکل

تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے O

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ

اور اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے

ربع عند المتقدمین

إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

والوں میں سے ہو گے ○ سو ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مردہ پڑے تھے ○

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی یہاں گھروں میں بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○ پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۹ ۱

پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی، تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں کر افسوس کروں! ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس (شعیب) کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، شعیب نے جواب دیا خواہ ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں ○ (الاعراف: ۸۸)

حضرت شعیب علیہ السلام پر کفر میں لوٹنے کے اعتراض کے جوابات

قرآن مجید میں ہے **او لتعودن فی ملتنا** اس کا معنی ہے "یا پھر تم ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ" اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے دین میں شامل تھے۔ گویا آپ پہلے (العیاذ باللہ) کافر تھے۔ اس سوال کے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔

۱- حضرت شعیب علیہ السلام کے پیروکار ان کے دین میں داخل ہونے سے پہلے کافر تھے۔ سو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت شعیب کو تغلیباً ان کے پیروکاروں میں شامل کر کے یہ کہا کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔

۲- کافر سرداروں نے عوام پر تلبیس اور اشتباہ ڈالنے کے لیے اس طرح کہا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام پہلے ان کے ہی ہم عقیدہ تھے اور پھر ان سے منحرف ہو کر کسی نئے دین میں داخل ہو گئے اور حضرت شعیب نے جواب بھی ان کے ایہام کے موافق دیا کہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ گئے۔

۳- حضرت شعیب علیہ السلام ابتداء میں اپنے دین کو مخفی رکھتے تھے۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہیں۔

۴- اس آیت میں عود صیرورت کے معنی میں ہے یعنی یا پھر تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور ہم نے اسی اسلوب پر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بطور استفہام انکار اور تعجب کے فرمایا کہ تم ہمیں اپنے دین میں داخل ہونے کے لیے کہتے ہو کیا تم ہمیں ہماری مرضی اور پسند کے خلاف اپنے دین میں داخل کر لو گے، تم کو یہ علم نہیں کہ توحید کا عقیدہ ہمارے دلوں

میں پیوست ہے اس کو کوئی نہیں نکال سکتا۔ تم ہمیں اس بستی سے نکالنے کی دھمکی دیتے ہو تو سن لو کہ دین کی محبت کے مقابلہ میں وطن کی محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے کہا) بے شک ہم نے اللہ پر بہتان باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو گئے اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لیے اس دین میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے' ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے' اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے○ (الاعراف: ۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے دین میں دخول سے محفوظ رکھا ہے اور ہمیں اب کفر میں داخل ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہی ہو تو پھر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور ہر چیز میں اس کی حکمت بالغہ ہے' سو تم یہ طمع نہ کرو کہ اللہ کی مشیت میں یہ ہو گا کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو ایمان پر ثابت قدم نہیں رکھے گا اور وہ ہمیں گمراہی میں مبتلا کر دے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں اور مومنوں کو مرتد کرنا چاہے اور ان کو کفر اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یہ چیز اللہ کی حکمت کے خلاف ہے اور ہم نے ہر چیز اور ہر بات میں اللہ ہی پر توکل کر لیا ہے اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ (الطلاق: ۳) — اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

توکل کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ توکل کے دو معنی ہیں ایک معنی ہے کسی کو والی بنانا اور دوسرا معنی ہے کسی پر اعتماد کرنا۔ (المفردات' ج ۲' ص ۶۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ المکرمہ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

توکل یہ ہے کہ تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے جو مسبب الاسباب ہے اور اسباب عادیہ سے قطع نظر کر لی جائے' اور دوسری تعریف یہ ہے کہ جو چیز انسان کی طاقت سے باہر ہے اس میں سعی اور کوشش کو ترک کر دیا جائے اور جو سبب اس کی طاقت میں ہے اس کے حصول کی سعی کی جائے اور یہ گمان نہ کرے کہ مسبب کا حصول اس سبب سے ہوا ہے بلکہ اس کے حصول کا اللہ کی جانب سے اعتقاد رکھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں' آپ نے فرمایا: اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۵۲۵' دار الفکر بیروت' جامع الاصول' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۹۵۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

لوہے سے داغنے اور دم کرانے پر توکل سے بری ہونے کا اشکال

بہ ظاہر اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے داغ لگایا یا دم کرنے کو طلب کیا تو وہ توکل سے بری ہو گیا۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۰۶۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۸۶۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۴۹۰' مسند احمد' ج ۴' ص ۲۴۹'

طبع قدیم' مسند احمد' ج۶' رقم الحدیث: ۱۸۴۲۵' طبع جدید' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۷۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج۸' ص۶۹' مسند عبد بن حمید' رقم الحدیث: ۳۹۳' السنن الکبریٰ للبیہقی' ج۹' ص۳۴۱' جامع الاصول' ج۷' رقم الحدیث: ۵۶۳۴' شعب الایمان' ج۲' رقم الحدیث: ۱۱۶۵)

اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس شخص نے علاج کی نیت سے اپنے کسی عضو پر گرم لوہے سے داغ لگایا یا کسی شخص سے دم کرایا تو وہ توکل سے بری ہو گیا کیونکہ نبی ﷺ نے خود علاج کرنے کی ہدایت کی ہے۔

دوا کرنے اور علاج کرانے کے متعلق احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے پس جب کسی بیماری کی دوا حاصل ہو جائے تو وہ اللہ کے اذن سے تندرست ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم' الطب: ۶۹' (۲۲۰۴) ۵۶۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی' ج۴' رقم الحدیث: ۷۵۵۶' مسند احمد' ج۳' ص۳۳۵' جامع الاصول' ج۷' رقم الحدیث: ۵۶۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کی دوا بھی نازل کی ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۶۷۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۴۳۹' جامع الاصول' ج۷' رقم الحدیث: ۵۶۳۰' السنن الکبریٰ للنسائی' ج۴' رقم الحدیث: ۷۵۵۵)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم دوا کریں آپ نے فرمایا دوا کرو' کیونکہ اللہ نے جو بیماری بنائی ہے اس کے لیے دوا بھی بنائی ہے سوائے بڑھاپے کی بیماری کے۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۳۸۵۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۴۳۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۰۴۵' السنن الکبریٰ' للنسائی' ج۴' رقم الحدیث: ۷۵۵۳' مسند الحمیدی' رقم الحدیث: ۸۲۴' مسند احمد' ج۴' ص۲۷۸' جامع الاصول' ج۶' رقم الحدیث: ۵۶۲۸' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۲۹۱' صحیح ابن حبان' ج۱۳' رقم الحدیث: ۶۰۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ج۸' ص۲' المعجم الکبیر' ج۱' رقم الحدیث: ۴۶۹' سنن کبریٰ للبیہقی' ج۹' ص۳۴۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف ایک طبیب بھیجا' اس نے ان کی ایک رگ کاٹی پھر اس پر گرم لوہے سے داغ لگایا۔

(صحیح مسلم' سلام: ۷۳' (۲۲۰۷) ۵۶۴۱' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۳۸۶۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۴۹۳' مسند احمد' ج۳' ص۳۰۳' مسند عبد بن حمید' رقم الحدیث: ۱۰۱۸' جامع الاصول' ج۷' رقم الحدیث: ۵۶۸۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو تیر کے زخم کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگایا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۳۸۶۶' جامع الاصول' ج۷' رقم الحدیث: ۵۶۸۴)

دوا اور دم سے نبی ﷺ کا علاج کرانا

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنا علاج فرمایا ہے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کا کس چیز سے علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لے کر آتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سے زخم کو دھوتیں

پھر چٹائی کو جلایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھر دی گئی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۴۳، صحیح مسلم، جہاد: ۱۰۱ (۱۷۹۰) ۴۵۶۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۹۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۴۶۴، مسند احمد، ج ۸، رقم الحدیث: ۲۲۸۶۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۴، رقم الحدیث: ۶۵۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گردن کی دونوں جانبوں کی رگوں اور کندھوں کے درمیان فصد لگواتے تھے اور آپ سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو فصد لگواتے تھے۔ (نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری بہترین دوا فصد لگانا ہے)

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۶۹۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۵۸، ۳۸۶۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۴۸۳، صحیح ابن حبان، ج ۱۳، رقم الحدیث: ۶۰۷۷، مسند احمد، ج ۴، رقم الحدیث: ۱۲۱۹۲، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۹، رقم الحدیث: ۳۴۰، جامع الاصول، ج ۷، رقم الحدیث: ۵۶۷۴)

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی خدمت کرتی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پیر میں جب بھی کوئی چھالا یا زخم ہوتا تو آپ مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی لگادوں۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۵۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۸۵۸، مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث: ۱۵۶۳، مسند احمد، ج ۶، ص ۴۶۲، جامع الاصول، ج ۷، رقم الحدیث: ۵۶۴۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو ایک مٹھی کلونجی پھانک لیتے اور اس کے اوپر پانی اور شہد پیتے۔ (المعجم الاوسط، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۰۹، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوتے تو حضرت جبرئیل آکر آپ پر ان کلمات سے دم کرتے باسم یبریک ومن کل داء یشفیک ومن شر حاسد اذا حسد وشر کل ذی عین۔

(صحیح مسلم، الطب: ۳۹، ۲۱۸۵ (۵۵۹۵))

اشکال مذکور کا جواب

جب ان متعدد احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی ﷺ نے بیماری میں علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی بیماری میں علاج کیا ہے اور آپ پر دم کیا گیا ہے اور آپ نے صحابہ کا داغ لگانے سے علاج کیا ہے، تو واضح ہو گیا کہ دوا، دم اور علاج کے ذریعہ اسباب کی رعایت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ کھانے کے ذریعہ بھوک کو دور کرنا اور پانی کے ذریعہ پیاس کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ نبی ﷺ غار حراء میں کئی کئی دنوں کا کھانا لے کر جاتے تھے۔ ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک فراہم کرتے تھے۔ جنگ احد میں آپ دو زرہیں پہن کر گئے تھے، بیماری میں علاج کرتے تھے، دم کراتے تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کسی مقصود کے اسباب کو حاصل کرنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ سید المتوکلین ہیں، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جس شخص نے گرم لوہے سے جسم کو داغا یا دم کرایا، وہ توکل سے بری ہو گیا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے ان کو شفا کا قطعی اور یقینی سبب گمان کیا اور اس سے غافل ہو گیا کہ شفاء اللہ نے دینی ہے تو وہ توکل سے بری ہو گیا، اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ محض اسباب غالبہ ہیں اور شفا کی صرف اللہ سے امید رکھی تو اس کا توکل اپنے حال پر ہے جیسا کہ نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ظاہر ہے۔

توکل کی تعریف پر ایک اور اشکال کا جواب

یہ حدیث بھی بہ ظاہر توکل کی تعریف کے خلاف ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے' وہ صبح کو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو ان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۳۵۱' جامع الاصول' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۷۹' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث ۲۰۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۱۶۴' کتاب الزہد لابن المبارک' رقم الحدیث: ۵۵۹' مسند ابو یعلیٰ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۴۷' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۷۳۰' المستدرک' ج ۴' ص ۳۱۸' حلیۃ الاولیاء' ج ۱۰' ص ۶۹' شعب الایمان' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

اللہ تعالیٰ پر کماحقہ توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم یہ یقین رکھو کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ ہے اور کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا' نفع اور نقصان' فقر اور غنا' مرض اور صحت' امتحان میں کامیابی اور ناکامی' موت اور حیات اور ان کے علاوہ دوسری چیزیں سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہیں۔ پھر اس یقین کے ساتھ اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے اسباب کو بروئے کار لایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے ہی شاد کام کرے گا جیسے وہ پرندوں کو شاد کام کرتا ہے وہ صبح رزق کی تلاش میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ کسب کو ترک کر دیا جائے کیونکہ پرندے بھی رزق کی تلاش میں سعی اور کسب کرتے ہیں۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں قناعت اور توکل کے بعض مدعی بغیر زاد راہ کے سفر کرتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بدعت ہے' صحابہ اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہے بلکہ سلف صالحین زاد راہ لے کر سفر کرتے تھے اور ان کا توکل زاد راہ پر نہیں اللہ پر ہوتا تھا۔ (احیاء العلوم' ج ۴' ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الخیر' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کی کافر قوم پر عذاب نازل فرمائے جس سے حضرت شعیب کا اور ان کے متبعین کا حق پر ہونا واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو!) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے O سو ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مردہ پڑے تھے O جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ صفحہ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے' جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں افسوس کروں O

(الاعراف: ۹۳-۹۰)

نزول عذاب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کی صداقت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کی تکذیب کی۔ اس آیت میں ان کی ایک اور گمراہی کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے لوگوں سے کہا: اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تمہیں نقصان ہو گا۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کے بعد تم کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہو گا جو تم ناپ تول میں کمی کے ذریعہ حاصل کرتے تھے۔ یا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم دین میں گھاٹے میں رہو گے' کیونکہ ان کے نزدیک حضرت شعیب علیہ السلام کا دین باطل

تعا۔ اس کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلہ کے عذاب کو بھیجنے کا ذکر فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت کے بعد وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ اس عذاب میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کی صداقت کی کئی دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے عذاب آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعوت برحق تھی۔ ثانی یہ کہ یہ عذاب صرف حضرت شعیب کے مخالفین پر آیا ان کے موافقین پر نہیں آیا۔ پھر اس میں مزید اعجاز یہ ہے کہ یہ عذاب اس قوم پر نازل ہوا جو ایک شہر میں رہتی تھی یہ عذاب آسمان سے نازل ہوا اور صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جو حضرت شعیب علیہ السلام کے منکر اور مخالف تھے اور ان پر نازل نہیں ہوا جو حضرت شعیب کے متبعین تھے حالانکہ وہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شعیب ان لوگوں کے درمیان سے چلے گئے اور حضرت شعیب ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر چکے تھے اور مکمل نصیحت کر چکے تھے' اس لیے فرمایا: اب میں ان پر افسوس کیسے کروں!

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ

ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا

الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ

تاکہ وہ فریاد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا

حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ

حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے کہا ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے، سو ہم نے ان کو

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتا بھی نہیں چلا○ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا

آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا

فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ○ تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا

بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

عذاب راتوں رات آجائے جب وہ سوئے ہوں ○ اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب

بَأْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ

چاشت کے وقت آجائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں ○ تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں ؛ حالانکہ اللہ کی خفیہ

مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع

تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں ○

رکوع ۱۲ ع ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا تو ہم نے (اس نبی کی تکذیب کے باعث) اس بستی والوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ فریاد کریں ○ پھر ہم نے ان کی بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے اور انہوں نے کہا: ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے سو ہم نے ان کو اچانک گرفت میں لے لیا اور ان کو پتہ بھی نہیں چلا۔ (الاعراف: ۹۵-۹۴)

مشکل الفاظ کے معانی

قریۃ: وہ جگہ جس میں لوگ اجتماعی طور پر رہتے ہوں' اس کا اطلاق شہروں اور دیہاتوں دونوں پر ہوتا ہے۔

الباساء: شدت اور مشقت۔ مثلاً جنگ کی مشقت' ناپسندیدہ اور ناگوار چیز۔ اس کا اطلاق زیادہ تر فقر اور جنگ کی مصیبت پر ہوتا ہے۔

الضراء: وہ چیز جو انسان کے نفس یا اس کی معیشت میں ضرر پہنچائے۔ مثلاً مرض' اس کا مقابل السراء اور النعماء ہے۔

یضرعون: اس کا معنی ضعف اور ذلت ہے۔ اس سے مراد ہے تذلل اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا۔

عفوا: عفو کا معنی ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کا قصد کرنا۔ گناہ سے درگزر کرنا' کسی چیز میں زیادتی کا قصد کرنا' یا زیادہ ہونا' یہاں یہی مراد ہے۔

رنج اور راحت کے نزول میں کافروں اور مسلمانوں کے احوال اور افعال کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں پر ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب نازل کرنے کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ایک عام قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جس بستی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کی طرف کوئی رسول بھیجا اور پھر اس بستی والوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی اور جب وہ تنبیہ کے باوجود اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیامیٹ کرنے کے لیے عذاب بھیج دیا اور جن اقوام پر عذاب بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے وہ صرف ان اقوام کی خصوصیت نہ تھی۔

اور تمام قوموں کی یہ سرشت رہی ہے کہ پہلے اللہ ان کو تنگی' بیماری اور قحط کی آفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر ان کو فراخی اور صحت عطا فرماتا ہے اور خشک سالی دور فرما دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کو پہچانیں اور اس کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ لیکن جب وہ ان نعمتوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھا لیتے ہیں' ان کی تعداد اور ان کے مال میں زیادتی ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ایسا ہمیشہ سے ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے' کبھی ان پر برے دن آتے تھے اور کبھی اچھے دن۔ یہ اللہ کی قدرت اور وحدانیت یا اس کے رسول کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافر مصیبت سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ راحت پر شکر ادا کرتے ہیں' اور مومن کی کیفیت اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ صفت مومن کے سوا اور کسی میں نہیں ہے' اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم' زہد: ۶۴' (۲۹۹۹) ۷۳۶۵' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۳۲' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۲۷۸۰' جامع الاصول' ج ۹' رقم الحدیث: ۷۰۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن مرد اور مومن عورت کی جان' مال اور اولاد پر ہمیشہ مصیبتیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۰۷' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۸۹۱۸' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۲۹۱۳' المستدرک' ج ۱' ص ۳۴۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے بندے کی دنیا میں دو آنکھیں لے لیتا ہوں تو میرے نزدیک اس کے لیے جنت کے سوا اور کوئی جزا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۶۵۳' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۰۸' جامع الاصول' ج ۶' رقم الحدیث: ۴۶۲۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اہل عافیت جب مصیبت اٹھانے والوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھال کو دنیا میں قینچی سے کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۱۰' المشکوۃ' رقم الحدیث: ۱۵۷۰' الترغیب والترہیب' ج ۴' ص ۲۸۲)

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جب ان پر مصائب آئیں تو وہ یہ یقین کریں کہ یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہیں اور ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔ وہ ان مصائب پر صبر کریں اور ان پر واویلا نہ کریں اور حرف شکایت زبان پر نہ لائیں اور جب ان پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اگر انہوں نے رنج و راحت کے ایام کو گردش دوراں اور زمانہ کی علامت پر محمول کیا تو پھر ان کا یہ عمل کافروں کے عمل کے مشابہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا○ تو کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آجائے جب وہ سو رہے ہوں○ اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر چاشت کے وقت آجائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں○ تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں○

(الاعراف: ۹۹-۹۶)

نیک اعمال نزول رحمت کا سبب ہیں اور بد اعمال نزول عذاب کا باعث ہیں

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اگر بستیوں والے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے تو اللہ ان پر آسمانوں اور زمینوں سے برکتوں کے دروازے کھول

دیتا۔ آسمان سے بارشیں نازل فرماتا اور زمین سبزہ اور فصل اگاتی اور ان کے جانوروں اور مویشیوں میں کثرت ہوتی اور ان کو امن اور سلامتی حاصل ہوتی لیکن انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کی معصیت کی وجہ سے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا۔

اس کے بعد دوسری آیتوں سے مقصود انہیں اس بات سے ڈرانا ہے کہ کہیں ان کی غفلت کے اوقات میں ان پر اچانک عذاب آ جائے۔ مثلاً جس وقت یہ سوئے ہوں یا دن کے کسی وقت میں جب یہ لہو و لعب میں مشغول ہوں تو ان پر اچانک عذاب آ جائے۔ پھر فرمایا: کیا یہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں اور اللہ کی خفیہ تدبیروں میں سے یہ ہے کہ ان کی بے خبری میں اچانک ان پر عذاب آ جائے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان صحیح اخروی سعادت اور دنیاوی کشادگی کا سبب ہے اور کفر اور معصیت عذاب کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہے اور کافروں کو عذاب سے ڈرایا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ

جو لوگ سابق ساکنین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم

نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (۱۰۰)

چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیں، اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے ○

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں، بیشک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

معجزات لے کر آئے ہیں پس وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے کیوں کہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے،

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۱۰۱) وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا،

وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (۱۰۲) ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى

اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا ○ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر

بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

فرعون اور اس کی جماعت کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، تو آپ دیکھیے کہ فساد کرنے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ

والوں کا کیا انجام ہوا ○ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

کی طرف سے رسول ہوں ○ میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ

الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

کہوں، بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں سو (اے فرعون) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے ○

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو ○

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس وہ اچانک جیتا جاگتا اژدھا ہو گیا ○ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ع ۱۳ ۹ ۴

دیکھنے والوں کے لیے روشن ہو گیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ سابق ساکنین ارض کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے کیا انہوں نے یہ ہدایت نہیں پائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیں' اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے ○

(الاعراف: ۱۰۰)

کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجنے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے کفار کا حال اجمالاً اور تفصیلاً بیان فرمایا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجے اور جب انہوں نے بار بار اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور متعدد بار یہ کہا کہ اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ تمہاری مخالفت کرنے کی وجہ سے ہم پر عذاب آئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نمائے عرب اور اس سے ملحق علاقوں کے راستوں میں پائے جاتے ہیں اور بعض عربوں نے بھی ان کا مشاہدہ کیا تھا۔ مکہ کے کافر بھی نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور ہم آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو پھر آپ کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اہل مکہ جو قوم نوح' قوم ثمود اور قوم مدین کے بعد ان علاقوں میں آباد ہوئے ہیں' کیا پچھلی قوم کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کو عذاب نہ دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری قدرت میں نہیں ہے بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو عذاب دینا ہماری حکمت میں نہیں ہے۔
اور کفار مکہ کو عذاب نہ دینے کی ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ — اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

کفار مکہ کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے کفر اور عناد کی سزا کے طور پر ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب یہ ایمان نہیں لا سکتے۔ اور مہر سے مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ایسی علامات ثبت کر دی ہیں جن سے فرشتے یہ جان لیتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور اس آیت میں نبی ﷺ کو یہ تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں آپ کی تبلیغ کی اثر آفرینی میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اس کے بعد فرمایا پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ حالانکہ بہ ظاہر وہ سنتے تو تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سننا وہ ہے جو سننے کے بعد اس کو قبول کرے اور چونکہ وہ قبول نہیں کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سننے والے نہ تھے۔

اس آیت کی ایک اور تقریر یہ ہے کہ کفار مکہ سیدنا محمد ﷺ کو منصب نبوت کے لیے نااہل کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اس لیے ہم آپ کے دین میں داخل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ (سیدنا) محمد ﷺ نبوت کے لائق نہیں بلکہ حقیقت میں تم ان کے امتی ہونے کے اہل نہیں ہو۔ اس لیے ہم نے سزا کے طور پر تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے اب تم چاہو بھی تو ہمارے نبی کے امتی نہیں بن سکتے اور ان کے دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔

سابقہ امتوں کے عذاب سے کفار مکہ کا سبق حاصل نہ کرنا

اس پوری آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بعد جو لوگ اس خطہ زمین پر آ کر آباد ہوئے انہوں نے اس زمین پر آثار عذاب دیکھ کر یہ سبق کیوں حاصل نہیں کیا کہ پچھلی امتوں پر ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا تھا سو اگر انہوں نے بھی انکار اور تکذیب کی روش برقرار رکھی تو ان پر بھی عذاب آ سکتا ہے۔ پھر خود ہی فرمایا: انہوں نے یہ سبق اس لیے حاصل نہیں کیا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اور یہ مہر لگانا ان پر جبر اور ظلم نہیں ہے بلکہ ان کے متواتر کفر اور عناد کا نتیجہ ہے اور جب ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے تو وہ کسی نصیحت کو قبول کرنے کے لیے نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ بستیاں ہیں جن کی خبریں ہم آپ کو بیان کرتے ہیں' بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے پس وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے' کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے○ (الاعراف: ۱۰۱)

سیدنا محمد ﷺ کا علم غیب اور آپ کی رسالت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی امتوں کے احوال بیان فرمائے کہ ان رسولوں کی قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور انجام کار ایسے عذاب سے دوچار ہوئے جس کی وجہ سے صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور خصوصیت کے ساتھ ان پانچ قوموں کے احوال اس لیے بیان

فرمائے کہ یہ قومیں جزیرہ نما عرب اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں رہنے والی تھیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ ڈھیل دی اور ان کو بہ کثرت نعمتیں عطا فرمائیں جس کی وجہ سے انہوں نے یہ زعم کرلیا کہ ان کا موقف درست ہے اور رسولوں کا پیش کیا ہوا دین غلط ہے۔ اور سیدنا محمد ﷺ کو بھی اسی علاقہ میں مبعوث فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ قوموں کے احوال بیان فرما کر مکہ والوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم کفر اور تکذیب میں گزشتہ قوموں کی پیروی نہ کرنا ورنہ تم بھی عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاؤ گے!

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان پانچ قوموں کے احوال سے مطلع فرمایا اور آپ نے کسی سے سنے یا کسی کتاب میں پڑھے بغیر ان قوموں کے احوال بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو یہ خبریں صرف وحی الٰہی سے حاصل ہوئی ہیں اور جس پر وحی نازل ہو وہی نبی ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ غیب کی خبریں بیان کی ہیں اور نبی وہی ہوتا ہے جو غیب کی خبریں دیتا ہے۔ سو آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔ ان خبروں کے علاوہ اور بھی بہت سے غیوبات کا آپ کو علم ہے بلکہ آپ کو سب رسولوں سے زیادہ غیب کا علم ہے تاہم آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ آپ کو مطلع علی الغیب کہنا درست ہے۔

تمام نبی حامل معجزہ ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے۔

اس آیت سے یہ تو صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ رسولوں کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے اگرچہ ذکر صرف حضرت صالح علیہ السلام کے اس معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی' اور اس آیت سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو وہ کس بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو نبی صادق اور نبی کاذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۹۸۱' صحیح مسلم' الایمان: ۲۳۹ (۱۵۲) ۳۷۸' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۴۱-۴۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

نبی ﷺ کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے امتیاز

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لاسکے اور مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے جس کی مثل کسی کو نہیں دی گئی اس لیے فرمایا: میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے اس پر جادو یا شعبدہ وغیرہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا جبکہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔ اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ گزر گئے اور ان کے زمانوں میں بھی ان معجزات کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا تھا جو اس موقع پر موجود تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں جو فصاحت اور بلاغت ہے اور غیب کی خبریں ہیں اس کی نظیر لانے سے بلکہ اس کی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے تمام جن اور انس اجتماعی اور انفرادی طور پر ناکام اور عاجز رہے' اور علم کی روز افزوں ترقی اور مخالفین

کی کثرت کے باوجود اب تک عاجز ہیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کو کوئی جھٹلا نہیں سکا اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس میں کمی اور بیشی ثابت نہیں کر سکا۔ ہمارے نبی ﷺ کے عہد سے لے کر قیامت تک ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی نبوت پر کوئی دلیل یا معجزہ قائم نہیں ہے۔

معجزہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جو اللہ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا مدعی ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات ص ۱۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خرق (خلاف) عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جا سکے۔ ایک قول یہ ہے کہ معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت یا رسالت کے مدعی کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو اور بعض علماء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو اور بعض علماء نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی خوارق (اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف امور یا کام) کا ظہور ہو گا لیکن ان سے تصدیق کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ (شرح المقاصد ج ۵' ص ۱۱' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(المسامرہ' ص ۲۱۳' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران' بلوچستان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشر کی عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور بہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔ (اعلام النبوۃ' ص ۴۲' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ)

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرتا ہو۔ اس کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ اس کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱- معجزہ وہ کام ہونا چاہیے جو خلاف عادت ہو جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا' انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا' لاٹھی کا عصا بن جانا' پتھر سے اونٹنی کا نکلنا۔ اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

۲- اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اور بعض نے کہا اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو۔

۳- مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لا سکے۔ اور بعض نے کہا معارضہ سے مامون ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو۔ اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ نبوت سے پہلے صادر ہوں جیسے اعلان نبوت سے پہلے ہمارے نبی ﷺ پر بادل کا سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ۔ ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ

کی کرامات بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہوتا۔
قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب میں ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا' انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا' ایک صاع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا' آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا' بکری کے گوشت کا کلام کرنا' اونٹ کا شکایت کرنا اور بڑے بڑے معجزات' اور تحقیق یہ ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔
۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو۔ اگر وہ خلاف عادت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہو گا بلکہ وہ اہانت ہو گی۔
واضح رہے کہ قرآن اور حدیث میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ معجزہ کے لیے آیت' بینہ' اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
اذا جاءتهم اية (الانعام: ۱۲۴) لقد جاءتهم رسلهم بالبينات (الاعراف: ۱۰۱) فذانك برهانان من ربك (القصص: ۳۲) (المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۱۹۴۔۱۹۱ ملحضا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

افعال غیر عادیہ کی دیگر اقسام

معجزہ کے علاوہ خرق عادت فعل کی حسب ذیل قسمیں ہیں:
۱۔ ارہاص: جو خلاف عادت امر نبی کے لیے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔ جیسے اعلان نبوت سے پہلے نبی ﷺ پر بادل کا سایہ کرنا۔
۲۔ کرامت: مومن کامل کے ہاتھ سے جو خلاف عادت کام صادر ہو' جیسے غوث اعظم کا مردوں کو زندہ کرنا۔
۳۔ معونت: عام مومن کے ہاتھ سے جو خلاف عادت کام صادر ہو۔ جیسے ایک شخص نے اپنے پالتو کتے کے متعلق دعا کی کہ وہ اس کے گھر کے اندر نہ آئے صرف باہر رہا کرے' سو ایسا ہی ہو گیا۔
۴۔ استدراج: کسی کافر کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف عادت کام صادر ہو جیسے دجال کئی کام کرے گا۔
۵۔ اہانت: جو کافر نبوت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر خلاف عادت امر ظاہر ہو لیکن وہ امر اس کے دعویٰ کا مکذب ہو' جیسے ایک کانے شخص نے مسیلمہ کذاب سے کہا: تم دعا کرو کہ میری آنکھ بینا ہو جائے۔ مسیلمہ کذاب نے دعا کی تو اس کانے کی صحیح آنکھ بھی نابینا ہو گئی اور وہ مکمل اندھا ہو گیا۔ یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش گوئی کی کہ اس کا نکاح محمدی بیگم سے ہو گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے پیش گوئی کی کہ مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم بعد میں اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن ہوا یہ کہ مرزا غلام احمد مر گیا اور سلطان محمد اس کی موت کے بعد دیر تک زندہ رہا' نیز مرزا نے پیش گوئی کی کہ عیسائی پادری آتھم ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے دن مر جائے گا (اس وقت وہ بیمار تھا اور ہسپتال میں زیر علاج تھا) لیکن اس تاریخ کو وہ تندرست ہو گیا اور زندہ رہا اور عیسائیوں نے اس کا جلوس نکالا۔

معجزات' انبیاء کے اختیار میں ہونے پر محدثین' فقہاء اور متکلمین کے دلائل

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:
معجزہ میں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ مدعی نبوت کے لیے اللہ کی

جانب سے تصدیق ہے۔ اگر معجزہ اللہ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔
(کتاب الداعی الی الاسلام' ص ۲۸۱' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ' ۱۴۰۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدور ہو گا جیسے اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہو گا اور یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب نبی اس فعل پر قادر ہو گا اور دوسرا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہو گا تو وہ فعل معجزہ ہو گا۔ علامہ آمدی نے کہا: آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے یہ کہا کہ ہوا کی طرف چڑھنے اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے' کیونکہ یہ نبی کے لیے مقدور ہے ان سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے لیے اس پر قدرت پیدا کر دے' اس مثال میں جو چیز معجز ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدور نہیں ہے (کیونکہ یہ قدرت اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے) اور بعض ائمہ نے کہا کہ اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجز ہے (نہ کہ اس پر قدرت) کیونکہ یہ فعل خارق (مخالف) عادت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔
(شرح المواقف' ج ۸' ص ۲۲۴۔ ۲۲۳' مطبوعہ ایران)

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں:

کیونکہ مقصود یہ ہے کہ دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی ﷺ کی تصدیق حاصل ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔ نیز لکھتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجز ہے اور یہ نبی کا مقدور نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل (مثلاً اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا) پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔
(حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف' ج ۸' ص ۲۲۴' مطبوعہ ایران)

اس بحث میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہوا کی طرف چڑھنا یہ مخصوص فعل معجز نہیں ہے بلکہ اس پر نفس قدرت معجز ہے ان پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں خلاف عادت افعال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عام عادت کے مطابق جو افعال ہوتے ہیں مثلاً پہاڑ پر چڑھنا' یا زمین پر چلنا ان افعال میں بھی نفس قدرت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے تو پھر چاہیے کہ ان عام عادی افعال میں بھی نفس قدرت معجز ہو پھر اس دلیل سے عام عادت کے مطابق افعال بھی معجزہ قرار پائیں گے!

حقیقت یہ ہے کہ عام انسانوں کی عادت کے مطابق افعال ہوں یا انبیاء علیہم السلام کے خلاف عادت افعال ہوں ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان افعال کے کاسب انسان اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان افعال کے ساتھ دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں ایک قدرت بہ حیثیت خلق' یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ایک قدرت بہ حیثیت کسب' یہ انسان اور انبیاء کا کام ہے' اور جس طرح عام افعال عادیہ ہمارے اختیار میں دیے گئے ہیں اسی طرح خلاف عادت افعال اور معجزات انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں دیے گئے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

نبی کو نفسہٖ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف عادت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں

جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہیں اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۵۳ مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی امام غزالی کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ خصوصاً مردوں کو زندہ کرنے لاٹھی کو سانپ بنانے چاند کو شق کرنے اور پتھر کے سلام کرنے میں۔ علاوہ ازیں حکیم قادر مختار نے انبیاء علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لیے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افادیت میں کافی ہے۔ اسی وجہ سے معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۷ مطبوعہ ایران)

علامہ تفتازانی کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض معجزات محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں اور ان میں نبی کا بالکل دخل نہیں ہوتا اور بعض معجزات کو اللہ تعالیٰ نبی کے قبضہ اور اختیار میں کر دیتا ہے اور وہ جب چاہتے ہیں ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی ﷺ کے جو معجزات قدرت فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں ان کی حسب ذیل انواع ہیں:

۱- بعض معجزات عالم علوی میں ہیں جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا اور آسمان کی طرف معراج۔

۲- بعض فضا میں ہیں جیسے استسقاء اور استصحاء (بارش کا طلب کرنا اور بادلوں کا چھٹنا) میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی اطاعت کرنا۔

۳- انسانوں جنات اور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۴- درختوں لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا۔

۵- آسمان کے فرشتوں کا آپ کی تائید کرنا۔

۶- نبی ﷺ کی دعا کا قبول ہونا۔

۷- ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبریں دینا۔

۸- کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ کی نبوت اور رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔ (لوامع الانوار الالٰہیہ ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی اس تحریر سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض معجزات نبی ﷺ کے اختیار میں ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ بادل آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ انسانوں حیوانوں درختوں اور پتھروں میں تصرف کرتے تھے۔

معجزات پر انبیاء کے اختیار کے ثبوت میں احادیث

جنات اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تاکہ میری نماز خراب کرے' اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھکا دیا' میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی "اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو"۔ (ص: ۳۵) پھر اللہ نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔

(صحیح مسلم المساجد: ۳۹ (۵۴۱) ۱۱۸۹' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۶۱' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۴۰)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شیطان کے باندھنے پر قدرت دی تھی لیکن آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر ادباً اور تواضعاً ایسا نہیں کیا۔

درختوں پر نبی ﷺ کے تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا میں کس طرح پہچانوں کہ آپ نبی ہیں! آپ نے فرمایا: اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں (ﷺ)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا تو کھجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اترا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر گر گیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۳' المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۲۶۲۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۱۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۹۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں پر بنائی گئی تھی اور نبی ﷺ ان میں سے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ کا منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ اس کے پاس آئے آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۵۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۹۵' جامع الاصول' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۹۷' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۰۰)

اور انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کن ابا خیثمہ ابو خیثمہ ہو جا تو وہ ابو خیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم توبہ ۵۳' (۲۷۶۹) ۶۸۸۳)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے فرمایا: کہ کن یہاں تحقق اور وجود کے لیے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہیے کہ تو حقیقتاً ابو خیثمہ ہو جا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۱' ص ۶۹۱۰' مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (المفہم' ج ۷' ص ۹۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی قاضی عیاض کے حوالے سے یہی تقریر کی ہے۔

(اکمال اکمال المعلم' ج ۹' ص ۱۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انبیاء کے اختیار میں معجزات ہونے پر ایک اشکال کا جواب

معجزات پر نبی کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد: ۳۸) کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے اذن سے' ہر وعدہ کے لیے ایک نوشتہ تقدیر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نشانی (آیت) سے مراد کفار کے فرمائشی معجزات ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اور علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے حدیث جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح مسلم' ج ۲' ص ۳۱۴' مطبوعہ کراچی' عمدۃ القاری' ج ۷' ص ۲۸۳' مطبوعہ مصر)

اور جب بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ان کے اختیار سے واقع ہونا زیادہ لائق ہے۔

معجزات کے صدور میں علماء دیوبند کا موقف

علماء دیوبند کے نزدیک معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' ظاہراً اور حقیقتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہے جیسے کاتب کے قلم سے لکھنے کا صدور ہو جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔ شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ نے اس موضوع پر فارسی میں ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کو مکمل نقل کرنا تو مشکل ہے۔ ہم اس کی بعض عبارات نقل کر رہے ہیں جن سے ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الہیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت' اختیار' قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا' لہٰذا ان افعال کو کھانے اور پینے کی طرح افعال اختیاریہ اور اعمال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہیے اور ان کی مثال کاتب اور قلم کی سی ہے' جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل' ص ۱۷۳' ملخصاً' مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے: اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لیے ظاہر فرماتا ہے' اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل' ص ۱۷۵' مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا کسب بندہ سے ہے اور ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں

بندہ کا کسب بھی نہیں ہوتا۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صورتاً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹھی حقیقتاً اللہ نے پھینکی تھی۔ (الانفال: ۱۷)

اور یہ معنی بھی مراد نہیں ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی، اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص ۱۷۶، مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیاریہ میں عادتاً تصرف ہوتا ہے ظاہراً اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات و تصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے مثل قلم کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل، ص ۱۷۷، مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال، تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال عادیہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہوتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء اور اولیاء کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ، علامہ نووی، علامہ عینی، علامہ تفتازانی اور علامہ میر سید شریف جرجانی ایسے محدثین، فقہاء اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاملین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء اور اولیاء کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ خلقاً نہ کسباً جیسے قرآن مجید کا نزول۔ مردوں کو زندہ کرنا، چاند کا شق ہونا وغیرہ۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ وما رمیت اذ رمیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے خلقاً خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتمد اور مستند مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی۔ ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول اور پس منظر بیان کر دیں:

امام حسین بن محمد فرا بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالمقابل ہوئے تو نبی ﷺ نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری اور فرمایا: ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ یا نتھنوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو شکست ہو گئی۔

(معالم التنزیل، ج ۲، ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک کی مٹھی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔ لیکن احادیث میں یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔

(صحیح مسلم مغازی، ۸۱ (۱۷۷۷) ۴۵۳۹، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۴۵۹، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۷، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۷۷۵، طبع جدید دار الفکر، جامع الاصول، ج ۸، رقم الحدیث: ۶۱۶۱)

بہرحال خاک کی مٹھی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے یہ فعل

خرقِ عادت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں ماری جب آپ نے ماری تھی لیکن اللہ نے وہ مٹھی ماری تھی۔ (الانفال: ۱۷)

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری جب آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی تاکہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری جبکہ آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی اور معجزہ پر نبی ﷺ کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے خاک کی مٹھی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ سے اس کی نفی بھی کی ہے اس لیے اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں ماری اور کسباً ماری تھی۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۴۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام رازی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کے کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی' ج ۹' ص ۱۸۵) اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ کے لیے جو خاک کی مٹھی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور نبی ﷺ کے لیے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ سے نفی کی اور اس کو اپنے لیے ثابت فرمایا۔

(روح المعانی' ج ۹' ص ۱۸۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسباً منسوب ہوتا ہے اور اللہ کی طرف خلقاً منسوب ہوتا ہے۔

(مدارک علی هامش الخازن' ج ۲' ص ۱۸۵' مطبوعہ پشاور)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے خلقاً وہ مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے کسباً وہ مٹھی پھینکی تھی۔

(عنایۃ القاضی علی البیضاوی' ج ۴' ص ۲۶۱' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے فعل کی نفی باعتبار ایجاد کے حقیقتاً ہے اور آپ کے لیے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔

(الفتوحات الالٰہیہ' ج ۲' ص ۲۳۵' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام سے بہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔ البتہ جن معجزات کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا فعل متعلق نہیں ہوتا وہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں جیسے قرآن مجید کا نزول'

مردوں کو زندہ کرنا اور چاند کا شق ہونا۔ مدت سے یہ ارادہ تھا کہ میں معجزات کے متعلق ایک مفصل بحث لکھوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اب یہ توفیق عطا کی۔ وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پہلے تکذیب کرنے کی وجہ سے بعد میں ایمان نہ لانے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی خبریں بیان کرتے ہوئے فرمایا: بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے' پس وہ ان پر ایمان لانے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوئے' کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے' اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہےO (الاعراف: ۱۰۱)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے پہلے تکذیب سے مراد یہ ہے کہ عالم میثاق میں جب ارواح سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ماننے کا عہد لیا گیا تو انہوں نے ناپسندیدگی سے زبانی اقرار کیا تھا اور دل میں تکذیب قائم رکھی تھی اور اسی سابق تکذیب کی وجہ سے انہوں نے عالم اجسام میں آنے کے بعد بھی تکذیب کی۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شروع میں جب انبیاء علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی تو انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے انکار کر دیا۔ پھر بعد میں جب ان پر دلائل اور معجزات کی وجہ سے حق واضح ہو گیا تو پھر انہوں نے اپنے سابق انکار سے رجوع کرنا اپنے لیے باعث عار اور اپنی انا کے خلاف سمجھا اور اسی انکار پر قائم رہے۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اگر ہم ان کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیں اور پھر ان کو دنیا میں بھیجیں تو یہ پھر بھی اللہ' اس کے رسول اور احکام شرعیہ کی تکذیب کریں گے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: ۲۸) اور اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا گیا تو پھر یہ دوبارہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ رسولوں کے آنے سے پہلے یہ کفر پر اصرار کرتے تھے تو رسولوں کے آنے کے بعد بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ معجزات دیکھنے سے پہلے یہ کفر کرتے تھے تو معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ یعنی جب یہ کفر اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو بہ طور سزا اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایاO (الاعراف: ۱۰۲)

دعاؤں سے مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو فراموش کر دینا

ان لوگوں سے مراد پچھلی امتوں کے کافر لوگ ہیں اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے عالم میثاق میں لیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ اس عہد سے یہ مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکال کر عہد لیا فرمایا: الست بربکم قالوا بلٰی (الاعراف: ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! تو یقیناً ہمارا رب ہے۔ اور اب یہ اس وعدہ کو فراموش کر کے شرک کرنے لگے اور مختلف بتوں کی پرستش کرنے

گئے۔

اس عہد سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ اب اگر اس مصیبت سے نجات دے دی تو وہ ضرور اللہ کی اطاعت اور شکر گزاری کرے گا اور جیسے ہی اللہ اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ○ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ پوچھئے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے جسے تم عاجزی اور چپکے چپکے سے پکارتے ہو' اگر ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہئے کہ تم کو اس مصیبت سے اللہ ہی نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے' پھر تم شرک کرتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے' پھر جب اللہ اسے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کے لیے وہ اللہ کو پکارتا تھا اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کو عہد پورا کرنے والا نہ پایا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سب کافر اور فاسق اور عہد فراموش نہ تھے' بعض ایسے بھی تھے جو اپنے رسولوں پر ایمان لے آئے تھے' نیک عمل کرتے تھے اور عہد پورا کرتے تھے گو ایسے نیک لوگ بہت کم تھے۔

یہاں تک حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصص بیان فرمائے اب اس کے بعد والی آیتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی جماعت کی طرف بھیجا' سو انہوں نے ان نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا' تو آپ دیکھئے کہ فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا ○ (الاعراف: ۱۰۳)

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ سے ہمارے نبی ﷺ تک کا زمانہ

امام محمد بن سعد نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱' ص ۴۲' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

نیز امام محمد بن سعد نے محمد بن عمر بن واقد اسلمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور قرن ایک سو سال کی مدت ہے۔ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ بن عمران کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار نو سو سال ہیں اور اس زمانہ میں رسالت منقطع نہیں تھی اور اس مدت میں بنو اسرائیل کی

طرف ایک ہزار نبی بھیجے گئے اور حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے میلاد کے درمیان پانچ سو انہتر سال کی مدت ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے تین ہزار سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ ہزار چار سو انہتر سال بعد ہمارے رسول ﷺ کی ولادت ہوئی اور یہ ۱۴۱۹ھ ہے۔ اس حساب سے حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت سے اب تک ۶۹۴۱ سال گزر چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس ہیں۔ پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت اسماعیل، پھر حضرت اسحاق، پھر حضرت یعقوب بن اسحاق پھر حضرت یوسف بن یعقوب، پھر حضرت لوط، پھر حضرت ھود، پھر حضرت صالح، پھر حضرت شعیب، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام۔ (یہ امام ابن عساکر کی تحقیق ہے اور حافظ ابن کثیر کے نزدیک سب سے پہلے حضرت نوح کو مبعوث کیا گیا) (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پرورش، نکاح، نبوت اور فرعون کو تبلیغ

حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے:

حضرت موسیٰ بن عمران بن قاهث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ کاہنوں نے فرعون (فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا، جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ ریمسس ثانی کا بیٹا منفتاح تھا اس کا دور حکومت ۱۲۹۲ قبل مسیح سے لے کر ۱۲۲۵ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے) سے کہا کہ بنو اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں سے تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے نو مولود بیٹوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اگر تم اسی طرح بنو اسرائیل کے نو مولود بیٹوں کو قتل کرتے رہے تو ہماری خدمت کے لیے بنو اسرائیل میں سے کوئی باقی نہیں بچے گا! تب وہ ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کرا دیتا اور ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو چھوڑ دیتا۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال کے بیٹوں کو قتل کراتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ہارون کی پیدائش کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ جب حضرت موسیٰ کی والدہ کو حضرت موسیٰ کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کی ولادت کی۔ ان کی بہن مریم کے سوا اور کسی کو خبر نہیں دی۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ڈھونڈنے والے ان کے پاس پہنچے انہوں نے حضرت موسیٰ کو تنور میں ڈال دیا لیکن وہ سلامت رہے۔ پھر انہوں نے تین ماہ تک ان کو چھپا کر رکھا۔ پھر ان کو اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ پانی اس تابوت کو بہا کر فرعون تک لے گیا۔ فرعون نے جب تابوت کھولا اور ان کو دیکھا تو کہا یہ میرے دشمن عبرانیوں میں سے ہے یہ ذبح ہونے سے کیسے بچ گیا! اس کی بیوی آسیہ نے کہا یہ ایک سال سے بڑی عمر کا ہے اور تم نے اس سال پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کا حکم دیا تھا۔ اس کو چھوڑ

دو یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا۔

فرعون کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہوتی تھیں اس لیے اس نے حضرت موسیٰ کو رہنے دیا اور ان سے محبت کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پہنچ گئے انہوں نے ان کی بہن مریم کو فرعون کے ہاں بھیجا تاکہ معلوم ہو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ ان کی بہن دوسری عورتوں کے ساتھ آسیہ کے پاس گئیں اور وہاں معلوم ہوا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ تب حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا:

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (القصص: ۱۲)

آیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی طرف راہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔

انہوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ اس نے کہا وہ عمران کی بیوی حنہ ہے۔ انہوں نے اس کو بلوایا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ آئیں تو حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پی لیا اور سو گئے۔

جب حضرت موسیٰ کے دودھ پینے کی مدت ختم ہو گئی تو ایک دن فرعون ان کو اپنی گود میں لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فرعون نے کہا جلاد کو بلاؤ اس کو ابھی ذبح کراتے ہیں۔ آسیہ نے کہا: یہ ناسمجھ بچہ ہے پھر اس نے یاقوت اور انگارے حضرت موسیٰ کے سامنے ڈالے۔ حضرت موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی جس کو دور کرنے کے لیے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (طٰہٰ: ۲۸-۲۷)

اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے وہ فرعون کی سواریوں پر سوار ہوتے اور اس کی طرح لباس پہنتے۔ اور لوگ انہیں موسیٰ بن فرعون کہتے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰ شہر گئے تو وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ایک ان کی قوم بنو اسرائیل سے تھا اور دوسرا ان کے دشمن قبطیوں میں سے تھا۔ اس اسرائیلی نے قبطی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ نے قبطی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو گھونسا مارنا تادیباً تھا۔ آپ کا اس کو قتل کرنے کا قصد نہیں تھا اور نہ عادتاً ایک گھونسا کھا کر کوئی مرتا ہے۔ وہ قضاء الٰہی سے مر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فعل کسی وجہ سے بھی گناہ نہیں تھا۔ آپ کا اس پر نادم ہونا اور اس پر استغفار کرنا آپ کے انکسار اور تواضع کی وجہ سے تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر نادم ہوئے اور آپ اپنے گرفتار ہونے کی وجہ سے خوف زدہ تھے۔ دوسرے دن وہ اسرائیلی کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر اس کے خلاف مدد طلب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا اور اس نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کو مارنے لگے ہیں۔ اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا! (القصص: ۱۸-۱۵) تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ قاتل ہیں۔ وہ حضرت موسیٰ کو پکڑنے کے لیے نکلے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو کر اس شہر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مدین کے راستہ پر لگا دیا۔ (المنتظم' ج ۱' ص ۲۱۹-۲۱۷' طبع بیروت)

اس کے بعد کا واقعہ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

(حضرت) موسیٰ مدین پہنچے تو دیکھا وہاں لوگ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے دور ایک طرف دو عورتیں کھڑی ہیں جو اپنے جانوروں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے ان سے پوچھا تم کیوں الگ کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ یہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو (حضرت) موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف آ گئے اور کہا: اے میرے رب میں یقیناً اس خیر اور برکت کا محتاج ہوں جو تو نے مجھ پر نازل کی ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان دو عورتوں میں سے ایک عورت شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کی اجرت دیں' جب (حضرت) موسیٰ ان لڑکیوں کے باپ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو اپنے حالات بتائے' ان لڑکیوں کے والد نے کہا: آپ ڈریں نہیں! آپ نے ظالم لوگوں سے نجات پالی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا: اے اباجان آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں' بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں ان میں وہی بہترین ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ ان کے والد نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس (مہر) پر کہ تم آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (تبرع) ہوگا' اور میں تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا' تم ان شاء اللہ مجھے نیکوکاروں میں سے پاؤ گے۔

(حضرت) موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی میں ان میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی تاوان نہیں اور ہمارے قول پر اللہ نگہبان ہے۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ نے مدت پوری کر دی تو وہ اپنی بیوی کو لے کر چلے تو انہوں نے پہاڑ طور کی طرف ایک آگ دیکھی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس اس کی کچھ خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تاکہ تم تاپو۔ پھر جب (حضرت) موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار' اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب (حضرت) موسیٰ نے اسے اس طرح لہراتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (ندا آئی) اے موسیٰ! سامنے آئیے اور خوف نہ کیجئے بے شک آپ امن والوں میں سے ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا' اور اپنا بازو اپنی طرف (سینے سے) ملائیں خوف دور ہونے کے لیے' سو یہ دو مضبوط دلیلیں آپ کے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (آپ دعوت دیں) بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والے ہیں تو انہیں میری مدد کے لیے میرے ساتھ رسول بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کریں بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ ہماری نشانیوں کے باعث آپ تک نہ پہنچ سکیں گے' آپ اور آپ کے متبعین ہی غالب رہیں گے۔ پس جب ان کے پاس (حضرت) موسیٰ ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا: یہ تو صرف من گھڑت جادو ہے اور ہم نے یہ باتیں اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں (کبھی) نہیں سنیں۔ اور (حضرت) موسیٰ نے کہا: میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو میرے رب کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور وہ خوب جانتا ہے) کہ آخرت کا انجام کس کے لیے اچھا ہوگا' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔ اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا سوائے ہامان! میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک

اونچی عمارت بنانا تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں سے گمان کرتا ہوں۔ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں بے جا تکبر کیا اور یہ زعم کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا سو ہم نے ان سب کو دریا میں پھینک دیا تو آپ دیکھئے کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ (القصص: ۴۰-۳۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات کو قرآن مجید کی اس سورت اور دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ان کی تفصیل اور تحقیق ہم ان آیتوں کی تفسیر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے اور کہا: اپنی رب کی دعوت پر چلئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا اور ملک الموت کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت اللہ کے پاس گئے اور عرض کیا: تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: میرے بندہ کے پاس جا کر کہو تم زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ایک بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دو' جس قدر بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے' آپ اتنے سال زندہ رہیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: پھر کیا ہو گا؟ کہا پھر موت ہوگی؟ فرمایا: پھر ابھی عنقریب' اے میرے رب! مجھے ارض مقدسہ سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر موت عطا فرمانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تمہیں ان کی قبر راستے کے ایک جانب کثیب احمر کے پاس دکھاتا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۴۰۷' ۱۳۳۹' صحیح مسلم فضائل انبیاء: ۱۵۸-۱۵۷' (۲۳۷۲) ۶۰۳۲-۶۰۳۳-۶۰۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹' مسند احمد' ج ۲' ص ۳۱۵-۳۶۹)

امام عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو عمران جونی نے کہا جب موسیٰ علیہ السلام پر موت کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام رو رہے تھے' فرمایا: میں موت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ موت کے وقت میری زبان ذکر الٰہی سے خشک ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین بیٹیاں تھیں۔ ان کو بلا کر فرمایا: اے میری بیٹیو! عنقریب بنو اسرائیل تمہارے سامنے دنیا پیش کریں گے تم اس میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرنا۔ علماء سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد حضرت یوشع کے لیے وصیت کی تھی اور آپ باب لد پر فوت ہوئے تھے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ سرزمین شام میں فوت ہوئے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ میدان تیہ میں فوت ہوئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سب میدان تیہ میں فوت ہوئے اور حضرت یوشع کے سوا کوئی بیت المقدس میں داخل نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ سے نکل آئے تھے اور بنو اسرائیل سے فرمایا تھا:

اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔ امام ابن جریر نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے ہی بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے ساتھ جبارین کی اس بستی کو فتح کیا تھا۔ کیونکہ اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت موسیٰ نے ہی عوج بن عنق سے قتال کیا تھا۔ عوج ان کا بادشاہ تھا اور بلعام ان لوگوں میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ نے قید کیا تھا اور پھر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری' ج ۱' ص ۴۳۶-۴۳۴' ملخصاً)

ابوالحسین بن المنادی نے کہا یہود کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کہاں ہے اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو خدا بنا لیتے۔ (المنتظم ج ۱ ص ۲۵۴-۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ اپنی والدہ اپنی اولاد اور اپنی اہلیہ سے الوداع ہو گئے تو آپ نے حضرت یوشع کو بلایا اور انہیں لوگوں پر خلیفہ بنا دیا اور ملک الموت کے پاس گئے۔ ملک الموت نے ان سے کہا: اے موسیٰ موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا: مجھ پر اللہ کا حکم جاری کر دو۔ وہ دونوں بستی سے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کھڑے ہوئے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ سب مل کر چلنے لگے حتیٰ کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس پر سفید عمامہ باندھے ہوئے لوگ کھڑے تھے ان سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا: تم یہ کس کی قبر کھود رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ایک ایسے بندہ کی جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اس قبر میں اتر کر اس کو دیکھ لوں؟ انہوں نے کہا: ہاں! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے تو وہ جنت تک کشادہ کر دی گئی اور جنت کی تر و تازگی اور اس کی خوشبو پہنچنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبر میں لیٹ گئے پھر دعا کی اے اللہ مجھے وہ بندہ بنا دے جس سے تو محبت کرتا ہے اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہے پھر ملک الموت نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۵ ص ۳۹۳-۳۹۲ الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۱۱۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم فضائل ۱۶۴ (۲۳۷۵) ۶۰۴۳ سنن النسائی: ۱۶۳۱)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبر میدان تیہ میں ہے۔ ضحاک نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مبہم رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قبروں کو یہود جان لیتے تو ضرور ان کو اپنا خدا بنا لیتے۔ ابن اسحاق نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا صرف رخمہ کو علم تھا یہ وہ شخص ہے جو اس پر مطلع تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو میدان تیہ میں دفن کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل سلب کر لی تاکہ وہ کسی کو بتا نہ سکے۔

۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بیت المقدس کے باب لد کے قریب ہے۔ طبری نے کہا: یہی قول صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت ابن عباس وہب اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ ان کی قبر میدان تیہ میں ہے۔

۳- حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ ان کی قبر عالیہ اور عویلہ کے درمیان ہے اور یہ مسجد قدم کے نزدیک دو محلے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی قبر خواب میں وہاں دکھائی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ عالیہ معروف جگہ ہے اور عویلہ ایک

گرجے کے پاس ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ' ج ۲۵ ' ص ۲۹۸ ' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت ' ۱۴۰۹ھ)

۴- بصری اور البلقاء کے درمیان وادی مآب میں ان کی قبر ہے۔

۵- حافظ ابوالقاسم نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے اور حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان مدین میں ہے۔ اس پر محمد بن عبدالواحد الضیاء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مدین بیت المقدس کے قریب ہے نہ ارض مقدسہ کے' اور مشہور یہ ہے کہ ان کی قبر اریحا میں ہے جو ارض مقدسہ میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کثیب احمر کے پاس ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس قبر کے پاس دعا مستجاب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب موت کی دعا کی اور بیت المقدس میں مدفون ہونے کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ ان کو یہ خدشہ تھا کہ ان کی قبر لوگوں میں مشہور ہو جائے گی تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ فضیلت والی جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس مدفون ہونا مبارک ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ' ج ۱۰ ' ص ۶۲۳۲-۶۲۳۱ ' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ' مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں○ میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں' بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں' سو (اے فرعون!) تو میرے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے○ فرعون نے کہا اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو○ (الاعراف: ۱۰۶-۱۰۴)

فرعون کے دعویٰ خدائی کا رد

حضرت موسیٰ نے کہا: اے فرعون! فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے' جیسے حبشہ کے بادشاہوں کا لقب نجاشی ہے۔ روم کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہے اور ایران کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ ہے۔ ہندو بادشاہ اپنے آپ کو راجہ کہلواتے تھے اور مسلمان بادشاہ اپنے آپ کو سلطان کہلاتے تھے۔ فرعون کا نام قابوس تھا۔ یا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ جدید تحقیق یہ ہے کہ اس کا نام منفتاح تھا۔

فرعون خدائی کا دعویٰ دار تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ابتدائی کلام میں یہ فرمایا کہ میں رب العالمین کا نمائندہ (رسول) ہوں اور اس کلام سے فرعون کے دعویٰ خدائی کا رد فرمایا کیونکہ عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام جہانوں کا رب ہو۔ آسمانوں' زمینوں' سورج' چاند اور ستاروں کا پیدا کرنے والا ہو۔ پتھروں' درختوں' حیوانوں اور انسانوں کا پیدا کرنے والا ہو' فرعون ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں تو فرعون سے پہلے بھی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کا خدائی کا دعویٰ باطل ہے۔ عبادت کا مستحق اور خدا وہی ہے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

قبطیوں کا بنو اسرائیل کو غلام بنانا

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا رسول ہوں اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ میں حق اور صداقت کے سوا کوئی بات نہ کہوں۔ میرے رسول ہونے پر ایک قوی دلیل موجود ہے اور جب میری رسالت ثابت

ہے تو اے فرعون میں تجھے یہ حکم دیتا ہوں کہ تو بنو اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

مصر کے قدیم باشندے قبطی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے چار سو سال پہلے جب حضرت یوسف علیہ السلام یہاں پر آئے اور ان کی اولاد یعنی بنو اسرائیل یہاں پھیل گئی تو مصر کے بادشاہ یعنی فرعون نے ان کو غلام بنا لیا اور وہ بنو اسرائیل سے بیگار لیتے تھے۔ ان سے جانوروں کا دودھ نکلواتے' زمینوں کی کھدائی کراتے اور دیگر مشقت کے کام لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا چاہی۔ اس لیے فرمایا: فرعون بنو اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: اگر تم اپنے دعویٰ کے مطابق اللہ کے رسول ہو تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس وہ اچانک جیتا جاگتا اژدھا ہو گیاO اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے روشن ہو گیاO (الاعراف: ۱۰۸-۱۰۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن گئی تھی۔ وہ بہت بڑا اژدھا تھا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ اس کے دو جبڑوں کے درمیان چالیس ذراع (ساٹھ فٹ) کا فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا جو اپنا منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف دوڑ رہا تھا۔ جب فرعون نے دیکھا کہ وہ اژدھا اس کو کھانے کے لیے دوڑ رہا ہے تو وہ تخت کے اندر گھس گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو روک لے سو انہوں نے اس کو روک لیا۔ (جامع البیان' ج ۹' ص ۲۰' مطبوعہ دار الفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۵۳۲)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ زرد رنگ کا ایک بال دار اژدھا ہو گیا اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور وہ زمین سے تقریباً ایک میل بلند تھا۔ اس کا ایک جبڑا زمین پر تھا اور دوسرا جبڑا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔ وہ فرعون کے پکڑنے کے لیے دوڑا۔ فرعون اپنا تخت چھوڑ کر بھاگا در آنحالیکہ اس کے دست جاری تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس ایک دن میں اس کے چار سو دست جاری ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے پیٹ میں بیماری ہو گئی جو تادم مرگ دور نہ ہو سکی۔ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کا جبہ اس نے اپنی ڈاڑھوں میں پکڑ لیا۔ اس نے لوگوں پر حملہ کیا لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے۔ پھر فرعون نے چیخ کر کہا: اے موسیٰ میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے تمہیں بھیجا ہے' تم اس اژدھے کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور تمہارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دوں گا حضرت موسیٰ نے اس اژدھے کو پکڑ لیا تو وہ پھر لاٹھی ہو گیا۔ (روح المعانی' ج ۹' ص ۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بہ ظاہر اس روایت میں کافی مبالغہ ہے لیکن علامہ آلوسی ایک ثقہ عالم ہیں۔ انہوں نے اس روایت کو اعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے اس لیے اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہو گی کیونکہ اگر وہ عام اژدھا ہوتا تو چند لوگ مل کر اس کو مار ڈالتے۔ لہٰذا اتنی بات یقینی ہے کہ وہ اژدھا بہت بڑا اور غیر معمولی جسیم اور خوفناک تھا اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ خوف اور دہشت سے جب فرعون تخت چھوڑ کر بھاگا ہو تو اس کے دست نکل گئے ہوں تاہم ان کی گنتی بعید از قیاس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب اس کے درباری اور دیگر قبطی اژدھے کو دیکھ کر خوفزدگی سے بھاگے ہوں تو بھگدڑ میں بہت سے درباری اور قبطی مارے گئے ہوں لیکن ان کا پچیس ہزار ہونا' ناقابل فہم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ بہت روشن اور چمک دار تھا اور جب دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ معمول کے مطابق تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ بہت سفید تھا اور اس کی یہ سفیدی برص یا کسی اور بیماری کی وجہ سے نہیں تھی۔

(جامع البیان جز ۹ ص ۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس نور کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ

قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا ہے

اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ ○ انہوں نے فرعون سے کہا اس کو

وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

اور اس کے بھائی کو ٹھیرا لو اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

لے آئیں ○ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا

انعام ہو گا؟ ○ فرعون نے کہا ہاں! اور بیشک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ جادوگروں نے کہا

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں ○

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

موسیٰ نے کہا تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ

اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا ○ اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا

تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا ○ سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا

يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ

بطلان ظاہر ہو گیا ○ پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے ○ اور جادوگر سجدہ میں

سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

گر پڑے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ

فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے ایمان لے آئے ؟ یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے

مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾

جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تاکہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دو، سو عنقریب تم اس کا خمیازہ بھگتو گے ○

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا ○

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ

انہوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے

رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾ ع ٤ ١٤

پاس ہمارے رب کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم کے سرداروں نے (آپس میں) کہا: یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے ○ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ ○ انہوں نے (فرعون سے) کہا: اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھیرالو اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو ○ جو تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ○ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہو گا ○ فرعون نے کہا ہاں! اور بے شک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○

(الاعراف: ١١٤-١٠٩)

ہر نبی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو

اس زمانہ میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادو کی بہت سی قسمیں تھیں اور جادو کی بعض قسمیں بہت بڑی اور بہت حیران کن تھیں اسی لیے فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خیال کیا کہ یہ بہت ماہر جادوگر ہیں۔ پھر انہوں نے آپس میں کہا: کہ انہوں نے اتنے بڑے جادو کو اس لیے پیش کیا ہے کہ شاید یہ ملک اور ریاست کے طلب گار ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو فرعون کی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا ہے' اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قول فرعون کا بھی ہو اور اس کے درباریوں کا بھی ہو۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس کے درباریوں کی طرف منسوب کیا اور سورۃ الشعراء میں اس قول کو خود فرعون کی طرف منسوب کیا۔

"اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟" اس کے متعلق مفسرین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ فرعون کا کلام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ درباریوں کا کلام ہو۔

"بے شک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے" جادوگروں نے فرعون سے اجر کا سوال کیا تھا۔ جواب میں فرعون نے کہا تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے' اس جواب میں ان کے اجر کا ذکر تو نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ بے شک تم کو اجر بھی ملے گا اور تم مقربین میں سے بھی ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ ستر جادوگر تھے اور ایک ان کا سردار تھا جو ان کو جادو سکھاتا تھا یہ مجوسی شخص تھا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا' جیسا کہ متکلمین نے کہا ہے کہ ہر نبی کو اس جنس سے معجزہ دیا جاتا ہے جس جنس کا اس زمانہ میں بہت غلبہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا تو ان کو ایسا معجزہ دیا گیا جو جادو کے مشابہ تھا اور وہ جادوگروں کے تمام کمالات پر غالب آ گیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بہت غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کا ایسا کمال دے کر بھیجا جو ان کی تمام طب اور حکمت پر غالب آ گیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو نبی ﷺ کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر بھیجا جس کی نظیر لانے سے تمام جن اور انس عاجز ہو گئے۔

سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کسی غیر معمولی اور خلاف عادت کام کے ظہور کو سحر کہتے ہیں' اور یہ باقاعدہ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور اسی تعریف سے سحر کا معجزہ اور کرامت سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس کی نیکی اور پاکیزگی معاشرہ میں مشہور ہوتی ہے اور سحر خبیث اور بدکار شخص سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز سحر کسی استاذ سے سیکھا جاتا ہے جب کہ معجزہ نبی سے بغیر کسی شخص کی تعلیم کے ظاہر ہوتا ہے' اور معجزہ نبی اس لیے پیش کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا فرستادہ اور رسول قرار دیتا ہے۔ جبکہ ساحر دعویٰ نبوت کی دلیل کے لیے سحر پیش کرتا ہے نہ وہ لوگوں کو عبادت اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے بلکہ اس کا مقصد لوگوں کو حیران کرنا اور کسی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنا ہوتا ہے' اور نبی دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہوتا ہے اور اسی فرق سے سحر اور کرامت کا فرق بھی ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ کرامت بغیر تعلیم کے کسی نیک مسلمان کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ کسبی نہیں وہبی ہوتی ہے جبکہ سحر کسب اور تعلیم سے کسی فاسق اور شریر شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے۔ سحر کسی شخص کی طبیعت یا

اس کی فطرت کا خاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں' بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے۔ جادو کا معارضہ کیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سحر کرنے والا فسق کے ساتھ ملعون ہوتا ہے' ظاہری اور باطنی نجاست سے ملوث ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوا ہوتا ہے۔ اہل حق کے نزدیک سحر عقلاً جائز اور ثابت ہے اور قرآن اور سنت میں اس کا بیان ہے۔

معتزلہ نے کہا سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض نظر بندی ہے اور اس کا سبب کرتب' ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ: ۱۰۲)

اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا' البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے' وہ لوگوں کو جادو (کے کفریہ کلمات) سکھاتے تھے۔

اسی آیت میں مذکور ہے کہ سحر کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق: ۴)

آپ کہئے کہ میں گرہوں میں (جادو کی) بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں ہے کہ ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر سحر کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ تین راتیں بیمار رہے۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۵۷۶۳) اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۴۷ میں دیکھیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ: ۶۶)

حضرت موسیٰ کی طرف یہ خیال ڈالا گیا کہ ان کے سحر کی وجہ سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف نظر بندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادوگروں کا سحر ہی تخیل اور نظر بندی تھا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ (شرح المقاصد ج ۵' ص ۸۱۔۷۹' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس چیز کا سبب مخفی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب کام ہوتا ہے جو خرق عادت کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس میں قول' عمل اور اعتقاد تینوں کا دخل ہے۔ اس میں شیطان کی مدح اور الفاظ شرکیہ پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ ستاروں کی عبادت اور دوسرے جرائم کرنے پڑتے ہیں اور شیطان سے محبت کرنی ہوتی ہے۔ سحر وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس خبیث ہو اور اس کو شیطان کے ساتھ مناسبت ہو۔ جس طرح فرشتے ان ہی لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرتے ہوں اور اللہ کے ساتھ قرب میں فرشتوں کے مشابہ ہوں' اسی طرح شیاطین ان ہی لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو قول' فعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں۔ اس تعریف سے ساحر' نبی اور ولی سے ممیز ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو مختلف ترکیبوں' آلات اور دواؤں کے ذریعہ عجیب و غریب کام کر کے دکھاتے ہیں' وہ دراصل شعبدہ باز ہیں۔ ان کو ساحر مجازاً کہا جاتا ہے اور یہ بھی بعض کے نزدیک شرعاً مذموم ہے۔

علامہ نووی نے روضۃ الطالبین (ج ۷' ص ۱۹۸) میں یہ تصریح کی ہے کہ سحر بالاجماع حرام ہے۔ جمہور نے سحر کی یہ تعریف کی ہے کہ سحر ایک خلاف عادت کام ہے یہ اعمال مخصوصہ کے ذریعہ اس شخص سے صادر ہوتا ہے جس کا نفس خبیث اور شریر ہو۔

جمہور کے نزدیک سحر کی حقیقت ہے اور ساحر ہوا میں اڑ سکتا ہے' پانی پر چل سکتا ہے' انسان کو قتل کر سکتا ہے اور انسان کو گدھا بنا سکتا ہے۔ ان تمام کاموں میں فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساحر کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ سمندر کو چیر دے' مردے کو زندہ کر دے اور پتھر کو گویا کر دے اور اس طرح کے دوسرے کام جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ معتزلہ اور اہل سنت میں سے الاستراباذی کا یہ مذہب ہے کہ ساحر ایسے کاموں پر قادر نہیں ہوتا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ورنہ نبوت کے اثبات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

بعض محققین نے سحر اور معجزہ میں یہ فرق کیا ہے کہ معجزہ میں نبی تحدی (چیلنج) کرتا ہے کہ اس جیسا کام کر کے دکھاؤ اور سحر میں تحدی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ جھوٹے نبی کے دعویٰ کے موافق خرق عادت ظاہر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ منصب نبوت کو کذابین سے محفوظ رکھتا ہے۔

سحر اور ساحر کا شرعی حکم

علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ جادو کا عمل کرنا کفر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث میں جو سحر کو کبائر میں سے شمار فرمایا ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ کفر بھی کبیرہ گناہ ہے' اور شیخ ابو منصور ماتریدی نے یہ کہا ہے کہ سحر کو مطلقاً کفر قرار دینا خطا ہے بلکہ اس کی حقیقت سے بحث کرنی چاہیے اگر جادو کے عمل میں کوئی ایسی چیز ہو جو ایمان کو رد کرتی ہو تو یہ کفر ہو گا ورنہ نہیں۔ پھر جو سحر کفر ہو اس میں مردوں کو قتل کر دیا جائے گا اور عورتوں کو نہیں قتل کیا جائے گا اور جس سحر کے ذریعہ کسی شخص کو ہلاک کر دیا جائے اس کے مرتکب کا حکم ڈاکوؤں کی طرح ہے۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں اور جب ڈاکو توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی انہوں نے خطا کی کیونکہ فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ مدارک میں اسی طرح مذکور ہے اور یہی بات اصول کے قریب ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ ساحر ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ کہے کہ میں جادو کو ترک کرتا ہوں تو اس کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ میں پہلے جادو کرتا تھا اور اب مدت ہوئی اس کو چھوڑ چکا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ کی باندی نے ان پر جادو کرنے کا اعتراف کیا تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن زید کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ ہر ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دو' سو تین ساحروں کو قتل کر دیا گیا۔ ساحر کو مطلقاً قتل کرنے پر امام شافعی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو قتل نہیں کیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اور مومن کا بھی اسی طرح حکم ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ذمیوں کے وہ حقوق ہیں جو مہاجرین کے ہیں اور ذمیوں کے وہ فرائض ہیں جو مہاجرین کے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۱)

سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم

جادو کے سیکھنے اور سکھانے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ: ۱۰۲) لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

اس آیت میں کفر کی علت جادو سکھانا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ شیطانوں نے کفر کیا اور وہ اس کے باوجود جادو سکھاتے تھے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور

جمہور علماء کا یہی مختار ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مکروہ کام ہیں۔ یہ بعض کا قول ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ دونوں مباح ہیں۔ البتہ وہ جادو سکھانا مذموم ہے جس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو۔ امام رازی کا یہی مختار ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو کا علم قبیح ہے نہ مذموم' کیونکہ فی ذاتہ علم میں شرف اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: ۹) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

اور جو شخص جادو کو نہ جانتا ہو وہ جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کر سکے گا اور معجزہ کے معجزہ ہونے کا علم واجب ہے تو ثابت ہوا کہ جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور جو چیز واجب ہو وہ کیسے حرام اور قبیح ہو سکتی ہے' لیکن امام رازی کی دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ فی نفسہ جادو کا علم قبیح ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جادو کا عمل کرنا ممنوع ہے اور چونکہ جادو کا علم جادو کے عمل کا ذریعہ ہے اس لیے وہ بھی ممنوع ہوگا کیونکہ شریعت میں ممنوع کام کا ذریعہ بھی ممنوع ہے۔ جیسے فی نفسہ زنا ممنوع ہے اور اس کے مقدمات مثلاً بوس و کنار اس فعل کے ارتکاب کا ذریعہ ہیں تو ان سے بھی منع فرمادیا اور فرمایا:

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (الاسراء: ۳۲) زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے۔

شریعت میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ معجزہ اور سحر میں فرق کرنا سحر کے علم پر موقوف ہے کیونکہ اکثر بلکہ تقریباً تمام علماء کو معجزہ اور سحر میں فرق کا علم ہے۔ حالانکہ ان کو سحر کا علم نہیں ہے۔ نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان میں فرق کو جاننے کے لیے یہ کافی ہے کہ معجزہ کا ظہور نبی پر ہوتا ہے جس کی نیکی لوگوں میں معروف ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برخلاف سحر فاسق اور خبیث شخص سے صادر ہوتا ہے اور وہ کسی نیک کام کی دعوت نہیں دیتا اور اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جادو کا علم حاصل کرنا واجب ہوتا تو حضرات صحابہ کرام' اخیار تابعین اور بعد کے ائمہ اور فقہاء جادو کے بہت بڑے عالم ہوتے حالانکہ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے تو کیا ان اسلاف نے اس واجب کو ترک کر دیا تھا اور صرف امام رازی نے اس واجب پر عمل کیا ہے!

(روح المعانی ج ۱' ص ۳۴۰-۳۳۸' ملخصاً' و موضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! آیا آپ پہلے (عصا) ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں○ موسیٰ نے کہا تم ڈالو' جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا○ اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا○ سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہو گیا○ پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے۔

(الاعراف: ۱۱۹-۱۱۵)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ

جادوگروں نے حضرت موسیٰ سے کہا اے موسیٰ! آیا آپ پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پہلے ڈالیں' انہوں نے اپنے اس سوال میں حسن ادب کو ملحوظ رکھا اور اپنے ذکر سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا' اور اسی ادب کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ڈالو' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان کا لاٹھیاں ڈالنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں معارضہ کرنا تھا' اور معجزہ کا معارضہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر کرنے کا حکم کیونکر دیا جب کہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ثبوت اور غلبہ اس پر موقوف تھا کہ وہ اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان لاٹھیوں کو نگل لے تو حضرت موسیٰ نے ان کو لاٹھیاں ڈالنے کا حکم اس حیثیت سے دیا تھا کہ ان کے معجزہ کا غلبہ ثابت ہو اور وہ انجام کار ان جادوگروں کے ایمان لانے کا ذریعہ ہو۔

جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور ان کو خوفزدہ کردیا' اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوت مخیلہ سے لوگوں کے دماغوں پر تاثیر کی اور لوگوں کی آنکھوں پر سحر کیا' سو ان کو وہ لاٹھیاں اور سانپ دوڑتے ہوئے معلوم ہونے لگے' ایک قول یہ ہے کہ ان لکڑیوں اور رسیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا سورج کی تپش سے وہ پارہ حرکت کرنے لگا جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اور لوگ ان سے خوفزدہ ہوگئے۔

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سانپ بن گیا اور جب اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے دو جبڑوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ اس نے ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا' اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ پہلے کی طرح لاٹھی بن گیا' اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم الشان معجزہ تھا' کیونکہ وہ بہت بڑا اژدہا جو ہزاروں لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل چکا تھا آن کی آن میں پہلے کی طرح متوسط لاٹھی بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لاٹھیوں اور رسیوں کو معدوم کردیا یا ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیا اور کسی کو ان کے ریزہ ریزہ ہونے اور ہوا میں تحلیل ہونے کا پتہ نہ چل سکا اور یہ فعل صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے ظہور میں آیا' کیونکہ کسی چیز کو موجود کرنا یا معدوم کرنا' اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف لاٹھی کو پھینکنا اور اس کو پکڑنا تھا اور اس لاٹھی میں یہ صفت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تھی اور لاٹھی کو پھینکنا اور پکڑنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن کے تابع تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ایسے عظیم الشان معجزہ کو ظاہر فرمایا۔ تاہم بعض معجزات انبیاء علیہم السلام کی قدرت سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن وہ قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اور در حقیقت وہی تمام معجزات کا خالق ہے۔ سو حق کا غلبہ ثابت ہوگیا اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کا بطلان ظاہر ہوگیا۔

حق کے غلبہ کے ظہور کا سبب یہ ہے کہ جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ نے جو کچھ کیا اگر وہ جادو ہوتا تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں گم نہ ہوتیں اور جب وہ گم ہوگئیں تو معلوم ہوا کہ یہ کام اللہ سبحانہ کی خلق اور اس کی تقدیر سے ہوا ہے اس میں جادو کا کوئی دخل نہیں تھا' اور اسی وجہ سے معجزہ' جادو سے متمیز ہوگیا۔

"پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہوگئے اور ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوئے"۔

جب فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا نگل گیا اور بغیر کسی شعبدہ' حیلہ اور شبہ کے وہ تمام لاٹھیاں غائب ہوگئیں تو فرعون اور اس کے درباریوں نے جس طمطراق سے ان جادوگروں کو بلایا تھا' وہ رائیگاں گیا اور ان کے غرور کا سر نیچا ہوگیا تو وہ انتہائی ذلت کے ساتھ پسپا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جادوگر سجدہ میں گر پڑے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (الاعراف: ۱۲۰-۱۲۲)

جادوگروں کے ایمان لانے میں علم کی فضیلت

امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر جمع کیے تھے اور انہوں نے ستر ہزار لاٹھیاں اور ستر ہزار رسیاں میدان میں پھینکی تھیں۔ امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں ایک مربع میل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں اتنی تھیں کہ وہ تین سو اونٹوں کا بار تھیں اور جب ان سب لاٹھیوں اور رسیوں کو حضرت موسیٰ کے عصا نے نگل لیا اور وہ معمول کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا تو جادوگروں نے آپس میں کہا یہ چیز جادو سے خارج ہے بلکہ یہ محض اللہ کا فعل ہے اور اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے نبی ہیں۔

متکلمین نے کہا یہ آیت فضیلت علم پر بہت قوی دلیل ہے' کیونکہ وہ جادوگر جادو کی حقیقت سے واقف تھے ان کو معلوم تھا کہ جادو کا انتہائی کمال کیا ہے اور اس وجہ سے انہوں نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو کی حقیقت سے خارج ہے' اگر وہ جادو کے علم میں کامل نہ ہوتے تو وہ یہ استدلال نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یہ سوچتے کہ شاید یہ ہم سے بڑے جادوگر ہیں' اس لیے یہ اس چیز پر قادر ہیں جس سے ہم عاجز ہیں' لیکن چونکہ وہ جادو کے علم میں کامل تھے اس لیے انہوں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ یہ خالق کائنات کی قدرت کا شاہکار ہے۔ پس وہ جادو کے علم میں کامل ہونے کی وجہ سے کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہو گئے۔ سوچئے کہ جب جادو کے علم میں کمال کا یہ ثمرہ ہے تو دین اسلام اور شریعت کے علم میں کمال حاصل کرنے کا کیا ثمرہ ہوگا!

رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ

جادوگر پہلے سجدہ میں گر گئے' پھر اس کے بعد کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لائے' اس کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ بظاہر پہلے ایمان کا اظہار کرنا چاہیے تھا پھر سجدہ کرنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت آ گئی تو وہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی معرفت' کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہونے اور اللہ کے سامنے خضوع اور تذلل کا اظہار کرنے کے لیے بے اختیار سجدہ میں گر گئے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کوئی نعمت ملے تو اس کو بے اختیار سجدہ میں گر جانا چاہیے۔

انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے○

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون العالمین میں داخل ہیں۔ پھر العالمین کے بعد موسیٰ اور ہارون کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جادوگروں کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا تھا اس لیے انہوں نے کہا: ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے تو ہو سکتا ہے کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ بھی رب العالمین ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا' اس لیے انہوں نے کہا: ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ہیں اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ العالمین میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون داخل تھے لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے: "وملائکتہ ورسلہ و جبریل ومیکل" (البقرۃ: ۹۸) ہر چند کہ ملائکہ میں جبرئیل اور میکائیل داخل ہیں لیکن ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا: تم میرے اجازت دینے سے پہلے ایمان لے آئے؟ یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تاکہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دو' عنقریب تم اس کا خمیازہ بھگتو گے○

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا' پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا O انہوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے' اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرنا۔ (الاعراف: ۱۲۶-۱۲۳)

فرعون کا عوام کو شبہات میں ڈالنا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ جن لوگوں کو سب سے زیادہ جادو کا علم تھا وہ لوگوں کے بہت بڑے اجتماع کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے تو اس کو اپنی خدائی کا خطرہ پڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بہت قوی دلیل قائم ہو گئی۔ تو اس نے لوگوں کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کے لیے فوراً دو شبہات ڈالے۔ ایک شبہ یہ ڈالا کہ یہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کی قوت کی وجہ سے ان کی نبوت پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کا مقابلہ دراصل نورا کشتی تھی اور انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ جادوگر عمداً ہار جائیں گے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ ظاہر ہو۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے سردار کی مقابلہ سے پہلے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم پر غالب آ جاؤں تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی گواہی دو گے کہ جس دین کی دعوت دے رہا ہوں وہ حق ہے' جادوگروں کے سردار نے کہا کل ہم ایسا جادو پیش کریں گے جس پر کوئی جادو غالب نہیں آ سکے گا' اور خدا کی قسم اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں ضرور تم پر ایمان لے آؤں گا اور میں ضرور یہ گواہی دوں گا کہ تمہاری دعوت سچی ہے۔ فرعون ان کو باتیں کرتا ہوا دیکھ رہا تھا اس لیے اس نے کہا: یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غالب ہونا پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق تھا حقیقت میں وہ غالب نہیں ہوئے تھے۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فرعون لعین نے دوسرا شبہ یہ ڈالا ان کا مقصد تمہیں تمہارے وطن سے نکالنا ہے اس لیے انہوں نے یہ نورا کشتی کی ہے' فرعون کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے اثرات کو زائل کرنا تھا تاکہ اس کے رعایا اس کی خدائی کے متعلق بدگمان نہ ہو' پھر اس نے کہا تم عنقریب جان لوگے' اپنے اس قول سے اس نے مسلمان ہونے والے جادوگروں کو سزا کی دھمکی دی۔

آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا یا نہیں؟

"میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا' پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا"۔ یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے اور یہ فرعون کی تفصیلی دھمکی ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرعون نے اس دھمکی پر عمل کیا یا نہیں' امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے سولی پر لٹکایا اور جس شخص نے سب سے پہلے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹا' وہ فرعون تھا۔

(جامع البیان ج ۹' ص ۳۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض مفسرین نے کہا: فرعون اس دھمکی پر عمل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَا	فرمایا' ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے'

اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ۔ سو وہ آپ دونوں تک ہماری نشانیوں کے سبب نہ پہنچ سکیں گے آپ دونوں اور آپ کی اتباع کرنے والے غالب رہیں گے۔ (القصص: ٣٥)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو غلبہ کی بشارت دی ہے' اس لیے فرعون ان کو قتل نہیں کر سکتا تھا' لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں غلبہ سے مراد دلیل اور حجت کا غلبہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ حالت اسلام میں ہم پر وفات طاری کرنا اور وفات سے مراد طبعی موت ہے اس کا معنی ہے ان کو قتل نہیں کیا گیا اور یہ زیادہ قوی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ دن کے ابتدائی حصہ میں وہ جادوگر تھے اور دن کے آخری حصہ میں وہ شہداء تھے' نیز انہوں نے اپنے لیے صبر کی دعا کی تھی اور صبر کی دعا اسی وقت کی جاتی ہے جب انسان کسی امتحان' آزمائش اور بلا میں گھر جائے۔ یعنی سولی پر چڑھائے جانے اور ہاتھوں اور پاؤں کے کاٹے جانے سے وہ ڈگمگا نہ جائیں اور اپنے ایمان پر برقرار رہیں اور ان کو اسلام پر ہی موت آئے۔ ان دلائل سے اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر لیا تھا۔

راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا

"انہوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں.... الخ"

جب انسان دین حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس راہ میں مصائب اور مشکلات پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایسی قوت اور جرأت پیدا کر دیتا ہے' ان جادوگروں نے جب بصیرت سے حق کو پہچان لیا تو پوری جرأت کے ساتھ اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا' اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا چاہیے اور اس دنیا کی فانی لذتوں پر آخرت کی دائمی نعمتوں کو قربان نہیں کرنا چاہیے اور راہ حق کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا!

الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ

تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں، فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو

نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا

زندہ رہنے دیں گے، اور بیشک ہم ان پر غالب ہیں ○ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو

بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۣ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

اور صبر کرو، بیشک ساری زمین صرف اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوٓا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنۢ

اور اچھا انجام متقین کے لیے ہے ○ انہوں نے کہا اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی گئیں اور

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ

آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی (موسیٰ نے) کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین

يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ ع

میں ان کا جانشین بنا دے گا، پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا ○

ربع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا؟ تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں' فرعون نے کہا: ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے' اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے' اور بے شک ہم ان پر غالب رہیں گے۔ (الاعراف: ۱۲۷)

فرعون کے معبود کی تفسیر میں اقوال

فرعون کی قوم نے جب دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا نہ ان کو کوئی سزا دی تو انہوں نے یہ کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا' تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں' فرعون نے حضرت موسیٰ سے اس لیے کوئی تعرض نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کو ڈر تھا کہ اگر حضرت موسیٰ نے اس پر عصا چھوڑ دیا تو وہ اژدہا بن کر اس کو کھا جائے گا۔ تاہم اس نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے قوم کو جواب دیا کہ ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور بیٹیوں کو چھوڑ دیں گے' گویا موجودہ نسل کے ختم ہونے کے بعد بنو اسرائیل کی صرف عورتیں رہ جائیں گی اور عورتوں سے تمہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ گویا کہ یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا۔ اور اس سے وقتی طور پر قبطیوں کو تسلی دینا مقصود تھی۔

قبطیوں نے کہا تھا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ فرعون کے معبود کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱- فرعون نے اپنی قوم کے لیے چھوٹے چھوٹے بت بنا رکھے تھے اور اس نے اپنی قوم کو ان کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور خود کو وہ کہتا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اور ان بتوں کا بھی رب ہوں۔

۲- حسن بصری نے کہا: فرعون خود بھی بتوں کی عبادت کرتا تھا۔

۳- امام رازی نے فرمایا کہ فرعون ستاروں کی تاثیر کا قائل تھا اور اس نے ستاروں کی صورتوں کے بت بنا رکھے تھے اور وہ خود بھی ان کی عبادت کرتا تھا اور قوم سے بھی ان کی عبادت کراتا تھا۔

۴- امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی ایک گائے تھی' جس کی اس کی قوم عبادت کرتی تھی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب بھی وہ کوئی خوب صورت گائے دیکھتے تو فرعون اس کی عبادت کا حکم دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو' بیشک ساری زمین صرف اللہ کی ہے' وہ

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور اچھا انجام متقین کے لیے ہےO انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی۔ (موسیٰ نے کہا) عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنادے گا' پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔ (الاعراف: ۱۲۹-۱۲۸)

اللہ پر ایمان کامل کی وجہ سے مصائب کا آسان ہو جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو چیزوں کا حکم دیا اور دو چیزوں کی بشارت دی' ایک یہ حکم دیا کہ اللہ سے مدد طلب کرو اور دوسرا یہ حکم دیا کہ مصائب پر صبر کرو' اور اللہ تعالیٰ سے استمداد اور استعانت کے حکم کو پہلے بیان فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور ہم اس کے بندے اور مملوک ہیں اور مالک کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی مملوک میں جس طرح چاہے تصرف کرے تو اس کا دل اللہ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مالک کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے' پھر اس پر جو مصیبت اور تکلیف وارد ہو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خوشی اور محبت سے ان مصائب کو گلے لگا لیتا ہے اور ان پر کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں بے خطر کود پڑے' حضرت اسماعیل نے راضی بہ رضا ہو کر چھری تلے اپنی گردن رکھ دی' حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر و استقامت سے تمام بیماریوں کو برداشت کیا۔ سو جس شخص کا اللہ پر یقین محکم ہو اس کے لیے مصائب اور مشکلات پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو ایک یہ بشارت دی کہ اللہ ان کے دشمن کو ہلاک کردے گا اور اس کی جگہ ان کو اس زمین کا وارث کردے گا۔ کیونکہ زمین کا مالک اللہ ہے' وہ جس کو چاہے اس زمین کا وارث بنادیتا ہے' اور دوسری بشارت یہ دی کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو آخرت میں بھی تمہارا اچھا انجام ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور تقویٰ قائم رکھنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے۔

کسی بات کو سمجھنے کے لیے سوال کرنے کا جواز

بنو اسرائیل نے جب فرعون کی وعید اور اس کی دھمکیوں کو سنا تو وہ سخت خوفزدہ ہوئے اور گھبرا گئے اور انہوں نے کہا: ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی اذیت دی گئی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے فرعون لعین نے بنو اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ ان سے جزیہ لیتا تھا۔ اور ان سے سخت مشکل کام لیتا تھا' اور ان کو سہولت اور آرام سے منع کرتا تھا' ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو ان کو یہ واثق امید ہو گئی کہ اب ان کی مشکلات کے دن ختم ہو گئے اور ان کو اب فرعون کے ظلم و ستم سے نجات مل جائے گی' لیکن جب انہوں نے فرعون کو پھر دھمکیاں دیتے ہوئے سنا' تو ان کی امید پھر ڈوب گئی اور انہوں نے رنج اور مایوسی سے یہ کہا کہ ہمیں آپ کی آمد سے پہلے بھی اذیت دی گئی تھی اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہم ظلم و ستم کے سائے میں ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بنو اسرائیل کے اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو مکروہ جانا اور یہ کفر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے یہ بشارت دی کہ اب تمہاری

مصیبتوں کے دن گزر گئے تو انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کی مصیبتیں اسی وقت ختم ہو جائیں گی اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے مصائب تو ان پر اسی طرح چھائے ہوئے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس خوشخبری کی کیفیت جاننے کے لیے سوال کیا' اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ وضاحت کی کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے مصائب اسی وقت ختم ہو جائیں گے' بلکہ ان کی نجات کا جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے ان کی نجات اسی وقت ہو گی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنا دے گا' پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر استاد یا شیخ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافت حال کے لیے سوال کیا جا سکتا ہے' اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کوئی حدیث سنتیں جس کا مطلب انہیں سمجھ نہ آتا تو وہ دوبارہ آپ سے رجوع کرتیں حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں' اور نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کا حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا' حضرت عائشہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ (الانشقاق: ۸-۷)
تو جس شخص کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا: یہ تو اعمال نامہ کو پیش کرنے کے متعلق ہے۔ لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۹' ۶۵۳۶' ۶۵۳۷' ۱۰۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور بیشک ہم نے فرعون کے متبعین کو کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

نصیحت قبول کریں ۝ پس جب ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب

تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ

ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ

(ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۝ اور انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ جب بھی ہمیں

مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۳۲ فَاَرْسَلْنَا

مسحور کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝ پس ہم نے ان پر طوفان

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

بھیجا اور ٹڈی دل کے بادل اور جوئیں اور مینڈک اور خون ، درآنحالیکہ یہ الگ الگ نشانیاں

مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ

تھیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھی ہی مجرم قوم ○ اور جب بھی ان پر

عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ ! آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کیجیے،

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ

اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ

کو روانہ کر دیں گے ○ پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان

اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ

کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے ○ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیوں کہ انہوں نے ہماری نشانیوں

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ

کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپروائی برتتے تھے ○ اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے

كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا

اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں ،

فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا

اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیوں کہ انہوں نے صبر

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا

کیا تھا ، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر

الربع

يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى

دیا ○ اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے

قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ

پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کے سامنے آسن جمائے (معتکف) بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا

اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۗ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

معبود بنا دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو ○ بے شک جس کام میں یہ لوگ

مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ

مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے ○ اور موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا

اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے ○ اور (اے بنو اسرائیل!) یاد کرو

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

جب ہم نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی جو تم کو بڑا عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور

ع ۱۲ / ۱۶ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۗ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ ع

تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے فرعون کے متبعین کو کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا تاکہ وہ نصیحت کو قبول کریں ○ جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے' سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۱۳۱-۱۳۰)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

آل فرعون: فرعون کی قوم اور اس کے خواص اور یہ اس کے درباریوں کی جماعت ہے۔ "آل" کا استعمال کسی شخص کے قرابت داروں میں ہوتا ہے۔ جیسے آل ابراہیم اور آل عمران یا اس کا استعمال کسی کے متبعین اور اس کے پیروکاروں میں ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: "ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (المومن: ۴۶) فرعون کے متبعین کو بہت سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ: ۴۹ میں کی ہے۔

سنین: یہ سنۃ کی جمع ہے جس کا معنی سال ہے' لیکن اس کا اکثر استعمال ان سالوں کے لیے کیا جاتا ہے جس میں خشک سالی اور قحط ہو' حدیث میں ہے: "واجعلھا علیھم کسنی یوسف" اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کی طرح قحط کے سال مقرر کردے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۸۰۴' صحیح مسلم' المساجد' ۲۹۴' ۶۷۵' ۱۵۱۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۱۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۴۴' مسند احمد بن حنبل' ج ۲' ص ۲۳۹)

الحسنۃ: ہر اس چیز کو حسن کہتے ہیں جو خوبصورت ہو اور اس کی طرف رغبت کی جاتی ہو' اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو حساً حسن ہو جیسے خوبصورت چہرے' خوب صورت نقوش وغیرہ' دوسری وہ جو عقلاً حسن ہو جیسے فائدہ مند اور نفع آور کام' دوا اور پرہیز وغیرہ۔ تیسری وہ جو شرعاً حسن ہوں جیسے ایمان اور اعمال صالحہ' اور "الحسنۃ" ہر اس نعمت کو کہتے ہیں جس کے حصول سے انسان اپنی روح' بدن اور احوال میں فرحت اور سرور کو پائے' یہاں "الحسنۃ" سے مراد ہے کھیتوں اور باغات کا سرسبز اور شاداب ہونا اور زمین کا زرخیز ہونا اور "السیئۃ" اس کی ضد ہے یعنی خشک سالی اور قحط۔

یطیروا: تطیر اور تشاءم کا معنی ہے بدشگونی اور بدفالی نکالنا' حدیث میں ہے: "لا عدوی ولا طیرۃ" کوئی مرض بنفسہ متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی بدشگونی ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۷۵۳' صحیح مسلم' سلام: ۱۰۲' (۲۲۲۰) ۵۶۸۰' مسند احمد' ج ۱' ص ۱۷۴)

نیز حدیث میں ہے تین چیزوں سے کوئی شخص سلامت نہیں "الطیرۃ والحسد والظن" بدشگونی' حسد اور بدگمانی' کہا گیا پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا: جب تم بدشگونی نکالو تو اپنے کام پر روانہ ہو' اور جب تم حسد کرو تو اس کے درپے نہ ہو اور جب تم بدگمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرو۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۳۷۸۹' فتح الباری' ج ۱۰' ص ۲۸۲)

ایک اور حدیث میں ہے الطیرۃ شرک بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر.....

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۱۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۲۰' ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۳۸' مسند احمد' ج ۱' ص ۴۴۰' ۳۸۹)

حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدشگونی کو موثر حقیقی اعتقاد کرنا شرک ہے اور ہم میں سے ہر شخص کے دل میں بدشگونی کا خیال آتا ہے۔ لیکن اللہ پر توکل سے بدشگونی زائل ہو جاتی ہے۔

قوم فرعون پر پے در پے بلائیں اور آفتیں نازل کرنے کی حکمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا' اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے وقفہ وقفہ سے فرعون کی قوم پر عذاب نازل فرمایا تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو' ایک قسم کا عذاب نازل کرنے کے بعد ان کو توبہ کرنے اور رجوع کرنے کا موقع دیا۔ پھر دوسری قسم کا عذاب نازل فرمایا۔ اور اس طرح وقفہ وقفہ سے چھ قسم کا عذاب نازل فرمایا' لیکن جب انہوں نے کسی طرح رجوع نہیں کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کردیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا کہ اس نے بنو اسرائیل کے دشمن کو ہلاک کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر پے بہ پے مصائب اور بلائیں اس لیے نازل فرمائیں کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور وہ تکلیف اور گھبراہٹ میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ (بنواسرائیل: ۶۷)

اور جب تم کو سمندر میں آفت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے درآنحالیکہ وہ اس کی طرف رجوع کر رہا ہوتا ہے۔ (الزمر: ۸)

پس جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ یہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کو متنبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو پے بہ پے آفتیں اور بلائیں نازل کیں ان سے انہوں نے کوئی سبق یا نصیحت حاصل نہیں کی بلکہ ان کا کفر اور سرکشی اور بڑھ گئی' اور اللہ تعالیٰ جب بھی ان کو سرزنش اور نصیحت کرنے کے لیے ان پر کوئی مصیبت نازل فرماتا تو وہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے۔ اسلام نے کسی چیز سے برا شگون نکالنے یا کسی چیز کو منحوس سمجھنے کی بہت مذمت کی ہے' نبی ﷺ کسی چیز سے نیک شگون تو لیتے تھے لیکن بدشگونی کی آپ نے مذمت فرمائی ہے۔

فال اور شگون نکالنے کی تحقیق

امام رازی نے لکھا ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو یہود نے اس کو بدشگونی کہا اور کہا ان کے آنے سے چیزیں مہنگی ہو گئیں اور بارشیں کم ہو گئیں۔ عرب بدفالی اور بدشگونی کو طائر' تطیر اور طیرہ کہتے تھے وہ طائر (پرندہ) سے فال نکالتے اور فال نکالنے کے لیے پرندہ کو اڑاتے۔ پھر اگر پرندہ دائیں جانب سے آتا تو اس کو نیک شگون قرار دیتے اور اگر وہ بائیں جانب سے آتا تو اس کو بدشگون قرار دیتے۔ اس کے بعد مطلقاً بدشگونی کے لیے طائر اور تطیر کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

(تفسیر کبیر ج ۵'ص ۳۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' روح المعانی جز ۹' ص ۳۲' بیروت)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے بدفال نہیں نکالتے تھے' آپ جب کسی عامل کو بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشاشت دکھائی دیتی' اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی دکھائی دیتی' اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو آپ اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر بشاشت دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی دکھائی دیتی۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۲۰' مسند احمد' ج ۵' ص ۳۳۰' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۷۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ (بات) سنا جو آپ کو اچھا لگا آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے منہ سے فال لے لی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۷' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۷۹۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے تو آپ کو یہ سننا اچھا لگتا یاراشد (اے ہدایت پانے والے) یانجیح (اے کامیاب ہونے والے)

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۲۲' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۸۰۰)

حضرت عروہ بن عامر قرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے بدفالی کا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا: سب سے اچھی چیز نیک فال ہے اور فال مسلمان کو کسی مہم سے نہیں روکتی' پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو کہے: اے اللہ! تیرے سوا کوئی شخص اچھائیوں کو نہیں لا سکتا' اور تیرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا' اور گناہوں سے باز رہنا اور نیکیوں کو کرنا تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۱۹' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۸۰۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا بدشگونی شرک ہے' حضرت ابن مسعود نے کہا: ہم میں سے ہر شخص کو بدشگونی عارض ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس سے سخت ناپسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اس کو زائل کردیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۱۰' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۲۰' مسند احمد ج ۱' ص ۳۸۹' رقم الحدیث: ۳۶۸۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۳۸' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۹۰۹' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۸۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بدشگونی ہے اور مجھ کو فال پسند ہے' صحابہ نے پوچھا: فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھی بات' نیک بات۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۷۵۴' صحیح مسلم' سلام' ۱۱۰' (۲۲۲۳) ۵۶۹۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۱۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد' ج ۳' ص ۱۳۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۵۳۷' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۱۶۱۵' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرض متعدی ہوتا ہے نہ کوئی بدشگونی ہے' (اور اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو) تین چیزوں میں نحوست ہوتی' گھوڑے میں' عورت میں اور مکان میں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۰۹۳' صحیح مسلم' سلام: ۱۱۵' (۲۲۲۵) سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۹۲۲' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۸۲۳' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۳۵۷۱' مسند احمد' ج ۲' ص ۱۱۵' طبع قدیم' رقم الحدیث: ۵۹۶۳' طبع جدید' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۹۱۵' جامع الاصول' رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

حضرت رویفع رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بدشگونی کی وجہ سے اپنی مہم پر نہیں گیا وہ شرک میں آلودہ ہوگیا۔ (مسند البزار' رقم الحدیث: ۳۰۴۶' مجمع الزوائد' ج ۵' ص ۱۰۶)

بدشگونی کی ممانعت کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تطیر (بدشگونی) کی اصل وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین طیر (پرندہ) پر اعتماد کرتے تھے' جب ان میں سے کوئی شخص کسی کام کے لیے نکلتا تو وہ پرندہ کی طرف دیکھتا اگر وہ پرندہ دائیں طرف اڑتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتا اور اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑتا تو وہ اس سے بدشگونی نکالتا اور لوٹ آتا' بعض اوقات وہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے خود پرندہ کو اڑاتے تھے' پھر جس جانب وہ اڑتا تھا اس پر اعتماد کر کے اس کے مطابق مہم پر روانہ ہوتے یا نہ ہوتے۔

جب شریعت آگئی تو اس نے ان کو اس طریقہ سے روک دیا' چونکہ مشرکین بدفال اور بدشگون پر اعتماد کرتے تھے تو مسلمانوں میں بھی اس کے اثرات آگئے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تین چیزوں سے کوئی شخص خالی نہیں ہوتا' بدشگونی' بدگمانی' اور حسد۔ پس جب بدشگونی نکلے تو تم واپس نہ ہونا' اور جب تم حسد کرو تو اس کو طلب نہ کرنا اور جب تم بدگمانی کرو تو اس کی تحقیق نہ کرنا اور تم اللہ ہی پر توکل کرو' اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی اور امام ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا یا جس نے تیر سے فال نکالی یا جو شخص بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس آگیا وہ بلند درجات کو نہیں پاسکتا۔ نیز امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے روایت کیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدشگونی نکالنا شرک ہے' آپ نے اس کو شرک اس لیے قرار دیا کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ شگون اور فال کی وجہ سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر دور ہوتا ہے گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شگون کو شریک کرلیا اور جس نے بدشگونی کی پروا نہیں کی اور سفر پر روانہ ہوگیا تو اس پر اس بدشگونی کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۱۰' ص ۲۱۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

نیک فال کے جواز کا سبب اور بدفال کو شرک قرار دینے کی توجیہ

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

بدشگونی یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنتا ہے یا کوئی چیز دیکھتا ہے اور اس سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل نہیں ہوسکے گی اور فال اس کی ضد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کوئی بات سنے یا کوئی چیز دیکھے تو پھر یہ امید رکھے کہ جس چیز کو اس نے حاصل کرنے کا قصد کیا ہے وہ حاصل ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا: بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور سب سے اچھی چیز فال ہے۔

(صحیح مسلم رقم: ۲۲۲۳' صحیح بخاری رقم: ۵۷۵۵' مسند احمد' ج ۲' ص ۲۶۶)

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدشگون نہیں لیتے تھے لیکن آپ (نیک) فال نکالتے تھے۔ حضرت بریدہ اپنے اہل قبیلہ بنی سہم کے ستر نفر کے ساتھ (ہجرت کے سفر میں) نبی ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے پہنچے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا بریدہ! تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف مڑ کر فرمایا: "بردامرنا و صلح" ہمارا معاملہ ٹھنڈا اور اچھا ہوگیا۔ (آپ نے بریدہ سے برد کی فال نکالی اور برد کا معنی ہے' ٹھنڈا ہونا۔ سعیدی) پھر فرمایا: تم کن لوگوں سے ہو؟ میں نے کہا' اسلم سے' آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا "سلمنا" ہم سلامتی سے رہیں گے۔ پھر فرمایا تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے کہا: بنو سہم سے' آپ نے فرمایا: خرج سهمنا ہمارا حصہ نکل آیا۔

(الاستیعاب علی ہامش الاصابہ' ج ۱' ص ۱۷۴' اسد الغابہ' ج ۱' ص ۱۹۶)

آپ فال کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ نیک فال سے انشراح نفس (شرح صدر' تسکین قلب) ہو جاتا ہے' اور انسان کو جب یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے گی اور اس کی امید بر آئے گی اور وہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہ حسن ظن رکھتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور آپ بدشگونی کو اس لیے ناپسند فرماتے تھے کہ یہ مشرکین کا عمل ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے' جیسا کہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: بدشگونی شرک ہے اور جو شخص بدشگونی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر نہیں ہے) سوا اس شخص کے جو بدشگونی کے باوجود اپنی مہم پر روانہ ہو جائے اور بدشگونی کی بالکل پرواہ نہ کرے۔ البتہ انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کے دل میں بدشگونی کا بالکل خیال نہ آئے' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ بن الحکم نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ بدشگونی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو ان کے دلوں میں کھٹکتی ہے تو وہ اس کے درپے نہ ہوں' اور بعض روایات میں ہے اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا' لیکن جب انسان اللہ پر توکل کرے تو بدشگونی جاتی رہتی ہے' اسی لیے آپ نے فرمایا: جب تم بدشگونی نکالو' تو اپنی مہم پر روانہ ہو اور اللہ پر توکل کرو۔ (الکامل ابن عدی' ج ۴' ص ۱۵۲۳)

عورت، مکان اور گھوڑے میں بدشگونی کی توجیہ

بدشگونی نیک فال کی ضد ہے۔ آپ نے فرمایا: شوم (بدشگونی یا نحوست) کوئی چیز نہیں ہے، شوم صرف تین چیزوں میں ہے: عورت، گھوڑا اور مکان۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۲، ۵۷۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۴، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۵۷۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ اس حدیث میں نفی کے عموم سے یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اور ان تین چیزوں میں فی الواقع شوم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جیسے زمانہ جاہلیت میں مشرکین بعض چیزوں سے بدشگونی لیتے تھے اور ان کو منحوس (بے برکت) کہتے تھے اسی طرح ان تین چیزوں میں نحوست ہے، اور یہ چیزیں فی الواقع مضر ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص مکان یا کسی مخصوص عورت کے متعلق انسان کے دل میں خیال آئے کہ یہ منحوس ہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے دوسرا مکان بدل لے یا دوسری عورت سے نکاح کر لے، لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی چیز اپنی ذات میں مضر نہیں ہے اور ہر چیز کا وہی خالق ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جذام کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں اور یہ جواب ہر اس چیز میں جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق انسان کے دل میں یہ خیال آئے کہ وہ منحوس ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں جانے سے منع کیا ہے، اور وہاں کے رہنے والوں کو اس علاقہ سے نکلنے سے بھی منع کیا ہے، اور اگر مکان، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہو تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تین قسم کی چیزیں ہیں؟

پہلی قسم وہ ہے جس سے بالکل ضرر نہیں ہوتا، نہ ہمیشہ نہ اکثر اوقات، نہ بعض اوقات، نہ نادر ا یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کا بالکل اعتبار نہیں کیا جیسے کسی سفر میں کوے کا ملنا، یا کسی گھر میں الو بولنا۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین ان چیزوں میں ضرر کا اعتقاد کرتے تھے اور ان کو منحوس اور بدشگون کہتے تھے، اسلام نے ان کا رد کیا اور کہا ان میں کوئی بدشگونی نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں بالعموم ضرر ہو مثلاً کسی علاقہ میں طاعون ہو یا اور کوئی وبا ہو تو احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس علاقہ میں جانا نہیں چاہیے اور وہاں سے بھاگنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بھاگنے والے کو ضرر لاحق ہو جائے اور بھاگنے کے سلسلہ میں اس کی محنت رائیگاں چلی جائے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا ضرر کلیتہً نہ ہو، بعض صورتوں میں ہو اور اکثر میں نہ ہو، مثلاً زیادہ عرصہ کسی مکان میں رہنے سے ضرر ہو یا بیوی یا گھوڑے سے کوئی ضرر پہنچے تو اس کو تبدیل کرنے کی رخصت ہے۔

(المفہم، ج ۶، ص ۶۳۱-۶۲۶، مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

بعض روایات اس طرح ہیں "اگر کسی چیز میں شوم (نحوست) ہو تو وہ عورت، مکان اور گھوڑے میں ہے"۔

(صحیح مسلم، سلام ۱۱۸-۱۱۷)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں قطعیت کے ساتھ بدشگونی یا نحوست نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے لیکن اگر تم میں سے کوئی اپنے مکان میں رہنے کو ناپسند کرتا ہو تو اس مکان کو تبدیل کر دے اور اگر

کوئی شخص بیوی کو ناپسند کرتا ہو تو اس کو طلاق دے دے اور گھوڑا پسند نہ ہو تو اس کو فروخت کر دے۔ ایک جواب یہ ہے کہ مکان کی نحوست یہ ہے کہ مکان تنگ ہو یا اس کے پڑوسی اچھے نہ ہوں' اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کے ساتھ جہاد نہ کیا جا سکے اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ اس سے اولاد نہ ہو۔ اور یہ نحوست اس معنی میں نہیں ہے جس معنی میں زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض چیزوں سے نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد کرتے تھے۔ ان کے نزدیک نحوست اور بدشگونی کا معنی یہ تھا کہ کسی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے انسان کسی چیز کو دیکھ لے یا اس کی آواز سن لے تو پھر وہ ناکام ہو جائے' اور عورت' گھوڑے اور مکان میں جس قسم کی نحوست بیان کی گئی ہے یہ وہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نحوست کی نفی اور اثبات کے محل الگ الگ ہیں۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ عورت' گھوڑے اور مکان میں شوم کا معنی تطیر (بدشگونی یا نحوست) نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کی طبیعت کے موافق نہ ہوں' عورت کی سعادت یہ ہے کہ وہ صالحہ (نیک) ہو اور مکان کی سعادت یہ ہے کہ وہ وسیع ہو اور گھوڑے کی سعادت یہ ہے کہ اس پر آسانی سے سواری ہو سکے' اور ان کی شقاوت یہ ہے کہ یہ چیزیں اچھی نہ ہوں' علامہ لیسی نے یہ کہا ہے کہ ان تین چیزوں میں شوم نہیں ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہو سکتی ہے تو ان تین چیزوں میں ہو سکتی تھی کیونکہ انسان ان چیزوں کے ساتھ زیادہ رہتا ہے تو اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان میں نحوست نہیں ہے تو کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷' ص ۴۲۹-۴۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض لوگ بعض دنوں یا بعض مہینوں کو منحوس سمجھتے ہیں یا بعض کام بعض دنوں میں اچھا نہیں جانتے اور اس سلسلہ میں بعض ضعیف یا بعض موضوع روایات بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان احادیث صحیحہ کے سامنے یہ تمام امور باطل ہیں' تمام دن اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور کسی میں کوئی نحوست نہیں ہے اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا زمانہ جاہلیت کے مشرکین کے عقائد کی طرح ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کے عقائد سے محفوظ رکھے۔

بدشگونی لینا کفار کا طریقہ ہے

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا کفار کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَـنَا هٰذِهٖ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓـئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔ (الاعراف: ۱۳۱)

تو جب انہیں خوشحالی پہنچتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچتی تو (اسے) موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے سنو ان (کافروں) کی نحوست اللہ کے نزدیک (مقدر) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ‌ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۔ (یٰس: ۱۸)

(کافروں نے) کہا ہم نے تم سے برا شگون لیا ہے' اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ‌ؕ قَالَ طٰٓـئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ‌ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ۔ (النمل: ۴۷)

(کافروں نے حضرت صالح سے) کہا: ہم نے آپ کے ساتھیوں سے برا شگون لیا ہے۔ (حضرت صالح نے) فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے' بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا ہو۔

کسی چیز سے بدشگونی لینے یا کسی دن کو منحوس قرار دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی المتوفی ٧٤٣ھ لکھتے ہیں:

(نیک) فال نکالنے کی رخصت ہے اور تطیر (بدشگونی) منع ہے۔ اگر کوئی انسان کسی چیز کو دیکھے اور وہ اس کو اچھی لگے اور وہ اس کو اپنی حاجت یا مہم پر جانے کے لیے ابھارے تو وہ اس پر عمل کرے' اور اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو منحوس شمار کیا جاتا ہو اور وہ اس کو اس کی مہم پر جانے سے منع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مہم پر اور اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے روانہ ہو جائے اور اگر اس نے اس بدشگونی کو قبول کر لیا اور اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوا تو یہ طیرہ (بدشگونی) ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ٨' ص ٣١٤۔٣١٣' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤١٣ھ)

سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں ہے الطیرۃ (بدشگونی لینا) شرک ہے' آپ نے اس کو اس لیے شرک فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جن چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے ان کو ناکامی اور نامرادی کے حصول میں سبب موثر خیال کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے اور اگر ان چیزوں کو من جملہ اسباب قرار دیا جائے تو پھر یہ شرک خفی ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن' ج ٨' ص ٣٢٠)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی چیز میں شوم (نحوست) ہو تو وہ مکان' گھوڑے اور عورت میں ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٩٢١' صحیح مسلم' سلام ١١٨-١١٧' شرح السنۃ' ج ٦' ص ٢٧٣' مسند احمد' ج ١' ص ١٨٠)

اس حدیث میں شوم کا معنی نحوست نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے جو چیز شریعت اور طبیعت کے مخالف ہو اور مکان میں شوم یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے پڑوسی اچھے نہ ہوں' اور عورت میں شوم یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو یا بدزبان ہو' اور گھوڑے میں شوم یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ ہو سکے یا وہ اڑیل ہو یا بہت مہنگا ہو' اس کی تائید علامہ بغوی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں اپنا مکان رہائش کے لیے ناپسند ہو یا بیوی سے صحبت ناپسند ہو یا گھوڑا پسند نہ ہو تو وہ ان کو تبدیل کر لے حتیٰ کہ اس کی ناپسندیدگی زائل ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: ہم پہلے ایک گھر میں رہتے تھے ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ہمارا مال بھی بہت زیادہ تھا' پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہو گئے ہماری تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی کم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر کو چھوڑ دو در آنحالیکہ یہ مذموم ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم: ٣٩٢٤' سنن بیہقی ج ٨' ص ١٤٠' کنز العمال رقم: ٢٨٦٤٠)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس مکان سے اس لیے منتقل ہونے کا حکم دیا کیونکہ وہ لوگ اس گھر میں رہنے سے متوحش اور متنفر تھے اور وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا' نہ اس لیے کہ اس مکان میں فی نفسہ کوئی نحوست تھی۔

(شرح السنۃ' ج ٦' ص ٢٧٣)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے کہ اگر کسی چیز میں شوم ہوتی تو ان تین چیزوں میں شوم ہوتی اور جب ان میں شوم نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں شوم نہیں ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ٨' ص ٣٢١' مطبوعہ کراچی)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تطیر کو اس لیے باطل کہا ہے کہ نفع یا ضرر پہنچانے میں کسی چیز کی تاثیر نہیں ہے' انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کام پر جائے خواہ فال اس کے موافق ہو یا مخالف' وہ اپنے رب پر توکل کر کے اپنی مہم پر روانہ ہو' زمانہ جاہلیت میں لوگ

صفر کے مہینہ کو منحوس قرار دیتے تھے تو نبی ﷺ نے اس کو باطل فرمایا اور فرمایا: لا صفر ......
(شرح السنہ ج ۶ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مہینہ کا آخری بدھ دائمی منحوس ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۰۵ الموضوعات لابن الجوزی ج ۲ ص ۷۵)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ رقم: ۸) اور بعض علماء نے اس کو موضوع کہا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم: ۱۵۸۱) علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس کی اسانید ضعف اور وضع سے خالی نہیں۔
(اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۴۴۲-۴۳۹)

علامہ شمس الدین عبدالرؤف المناوی الشافعی المتوفی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں:

اس دن کا منحوس ہونا تطیر کی جہت سے نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور بعض ایام کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور تطیر (بد شگونی) امور دین میں سے نہیں ہے بلکہ یہ فعل جاہلیت سے ہے نجومی کہتے ہیں کہ بدھ کا دن عطارد کا دن ہے اور عطارد منحوس ستارہ ہے اور ان کا یہ قول دین سے خارج ہے یہ دن قوم عاد کے لیے نامبارک تھا کیونکہ اس دن ان پر عذاب آیا تھا۔ سو اس دن کو منحوس فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اس دن اللہ کا عذاب آیا تھا اور اللہ سے بکثرت توبہ اور استغفار کرنا چاہیے جس طرح نبی ﷺ جب الحجر میں گئے تو آپ نے فرمایا ان معذبین کے پاس سے روتے ہوئے گزرنا اول تو یہ حدیث سنداً ضعیف یا موضوع ہے اور یہ ان احادیث صحیحہ سے تصادم اور تعارض کی صلاحیت نہیں رکھتی جن میں یہ تصریح ہے کہ کسی چیز میں شوم یا نحوست نہیں ہے اور برتقدیر تسلیم اس کی یہی تاویل ہے کہ یہ دن قوم عاد کے لیے نامبارک ثابت ہوا تھا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قیامت تک کے لیے یہ دن ہر شخص کے لیے نامبارک ہے علامہ شامی نے دیلمی کی سند ضعیف سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ جس نے بدھ کے دن ناخن تراشے اس سے وسوسہ اور خوف نکل جاتا ہے اور اس کو امن اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۰)

اور منہاج الحلیمی میں اور شعب البیہقی میں یہ حدیث ہے کہ بدھ کے دن زوال کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اور صاحب الہدایہ نے کتاب تعلیم و تعلم میں لکھا ہے کہ بدھ کے دن جو کام شروع کیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ علامہ مناوی نے بدھ کی سعادت اور برکت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے ہفتہ کے دنوں میں سے ہر دن میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور آفت نازل ہوئی اور ہر دن میں کوئی نہ کوئی نعمت ملی ہے اس لیے کوئی دن بھی منحوس نہیں ہے تمام دن اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کسی دن بھی کوئی کام کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے اور جن روایات میں بعض ایام کی نحوست کا ذکر ہے وہ موضوع ہیں یا شدید ضعیف ہیں۔
(فیض القدیر ج ۱ ص ۸۹-۸۶ ملخصاً و موضحاً مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ بد شگونی کی وجہ سے اپنے مطلوبہ کاموں کو کرنے سے رک جاتے تھے شریعت اسلام نے بد شگونی کو باطل کیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ خبر دی کہ کسی نفع کے حصول یا کسی ضرر کے دور کرنے میں شگون کا کوئی اثر نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۷۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "بد شگونی لینا شرک ہے"۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بد شگونی کے تقاضے پر عمل کرنے سے ان کو نفع حاصل ہوتا ہے یا ان سے ضرر دور ہوتا ہے اور جب انہوں نے اس کے تقاضے پر عمل کیا تو گویا انہوں نے شرک کیا اور یہ شرک خفی ہے' اور اگر کسی شخص نے یہ اعتقاد کیا کہ حصول نفع یا دفع ضرر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مستقل موثر ہے تو یہ شرک جلی ہے' آپ نے اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ جس چیز سے انہوں نے بدفالی لی ہے وہ مصیبت کے نزول میں موثر سبب ہے اور بالعموم ان اسباب کا لحاظ کرنا شرک خفی ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ جہالت اور سوء اعتقاد بھی ہو تو اس کا شرک خفی ہونا اور بھی واضح ہے۔

(مرقات ج ۹' ص ۷۔۶' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے فرمایا: "لاطیرۃ" یعنی حصول نفع اور دفع ضرر میں بد شگونی لینے کی کوئی تاثیر اور دخل نہیں ہے اور بد شگونی نہیں لینا چاہیے اور نہ اس کا اعتبار کرنا چاہیے' جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا' شریعت نے اس کو سبب نہیں بنایا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳' ص ۶۲۰' مطبوعہ تیج کمار لکھنؤ)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے فرمایا: "لاصفر" بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ماہ صفر ہے جو محرم کے بعد آتا ہے' عام لوگ اس ماہ کو مصیبتوں' بلاؤں اور آفتوں اور حادثوں کا مہینہ قرار دیتے تھے' یہ اعتقاد بھی باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔

(اشعۃ اللمعات' ج ۳' ص ۶۲۰' مطبوعہ لکھنؤ)

بقیہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن راشد سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "ولاصفر" کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: لوگ ماہ صفر کے دخول کو منحوس سمجھتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لاصفر" یعنی صفر میں نحوست نہیں ہے۔

(مرقات ج ۹' ص ۴' مطبوعہ ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کو منحوس' نامسعود اور نامبارک خیال کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ منحوس ہے اگر اس کی منحوس صورت دیکھ لی جائے یا کسی کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو ضرور دقت اور پریشانی ہوتی ہے اور یہ بات بار بار کے تجربہ سے ثابت ہے' اب اگر کہیں کام کو جاتے ہوئے وہ سامنے آجائے تو لوگ اپنے مکان پر واپس آجاتے ہیں اور کام پر نہیں جاتے۔ اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں' لوگوں کا وہم سامنے آتا ہے۔ شریعت میں حکم ہے "اذا تطیرتم فامضوا" جب کوئی شگون بدگمان میں آئے تو اس پر عمل نہ کرو' وہ طریقہ محض ہندوانہ ہے مسلمانوں کو ایسی جگہ چاہیے کہ "اللھم لاطیر الاطیرک ولاخیر الاخیرک ولاالہ غیرک" پڑھ لے اور اپنے رب پر بھروسہ کرکے اپنے کام کو چلا جائے' ہرگز نہ رکے نہ واپس آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹' ص ۳۹' مطبوعہ مکتبہ رضویہ' کراچی)

بد شگونی کے سلسلہ میں خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی دن نامسعود اور نامبارک نہیں ہے' اسی طرح تمام انسان اور اشیاء اللہ کی پیدا کردہ ہیں اور ان میں سے کوئی چیز منحوس نہیں ہے اور حوادث' آفات' بلاؤں اور مصائب کے نازل ہونے میں

کسی چیز کا دخل نہیں ہے۔ بیماریوں' آفتوں اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا تعلق تکوین اور تقدیر سے ہے' دن اور کسی شے کا کسی شر کے حدوث اور کسی آفت کے نزول میں کوئی دخل اور اثر نہیں ہے' ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بس! اسی لیے کسی بھی جائز صحیح کام کو کسی دن اور کسی چیز کی خصوصیت کی وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں ہے اور کوئی دن اور کوئی چیز منحوس' نامسعود اور نامبارک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا (اے موسیٰ!) آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیںO پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی دل' جوئیں اور مینڈک اور خون' درآنحالیکہ یہ الگ الگ نشانیاں تھیں' انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھی ہی مجرم قوم۔ (الاعراف: ۱۳۳-۱۳۲)

قوم فرعون پر طوفان اور ٹڈی دل وغیرہ بھیجنے کا عذاب

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور گمراہی بیان کی تھی کہ انہوں نے خشک سالی' قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی نحوست (العیاذ باللہ) کی طرف منسوب کیا اور یہ نہ جانا کہ بارش کا نہ ہونا اور غلہ اور پھلوں کا کم پیدا ہونا یا زیادہ ہونا' یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور ان سب چیزوں کا اللہ تعالیٰ خالق ہے کسی مخلوق میں اس کا دخل نہیں ہے' اور اس آیت میں ان کی ایک اور جہالت اور گمراہی بیان فرمائی ہے کہ وہ معجزہ اور سحر میں فرق نہیں کرتے تھے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو اژدہا بن گئی تھی اس کو سحر کہتے تھے' حالانکہ ان کے تمام بڑے بڑے ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے سامنے عاجز ہو چکے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب فرعون کی قوم نے یہ کہا: اے موسیٰ! آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لیے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج تھے' اس وقت انہوں نے قوم فرعون کے خلاف دعاء ضرر کی: "اے میرے رب! تیرا بندہ فرعون زمین میں بہت تکبر اور سرکشی کر رہا ہے اور اس کی قوم نے تیرے عہد کو توڑ دیا ہے' اے میرے رب ان پر عذاب نازل فرما جو ان کے لیے عذاب ہو اور میری قوم کے لیے نصیحت ہو اور بعد والوں کے لیے نشانی اور عبرت ہو' تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا۔ اور وہ زبردست طوفانی بارش تھی جس سے ان کے گھروں میں پانی بھر گیا' بنو اسرائیل اور قبطیوں کے گھر ملے جلے تھے' قبطیوں کے گھر تو پانی سے بھر گئے حتیٰ کہ ان کی گردنوں تک پانی پہنچ گیا۔ ان میں سے جو شخص بیٹھتا وہ پانی میں ڈوب جاتا اور بنو اسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ بھی داخل نہیں ہوا' اور قبطیوں کی زمینوں پر پانی جمع ہو گیا' وہ کھیتی باڑی اور دیگر کوئی کام نہ کر سکے' ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک یہی کیفیت رہی' تب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہم کو اس بارش کے طوفان سے نجات دے دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو ان سے وہ طوفان اٹھا لیا گیا' اور اس سال ان کی بہت اچھی فصل ہوئی ایسی کبھی نہ ہوئی تھی' ہر طرف سبزہ پھیل گیا اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔ تب قبطیوں نے کہا یہ پانی تو ہمارے حق میں نعمت تھا اس سے ہماری فصل اچھی ہوئی اور ہمارے درخت پھلوں سے لد گئے' سو وہ ایمان نہیں لائے اور ایک مہینہ تک آرام اور عافیت سے رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کے بادل بھیجے انہوں نے ان کی تمام فصلوں' پھلوں' حتیٰ کہ درختوں تک کو چاٹ لیا۔ بلکہ انہوں نے دروازوں کو مکان کی چھتوں کو ہر قسم کی لکڑی کو ان کے ساز و سامان کو' کپڑوں کو حتیٰ کہ دروازوں کی کیلوں تک کو کھا لیا' وہ ٹڈیاں ہر چیز کو کھا رہی تھیں اور ان کی بھوک ختم نہیں ہو رہی تھی۔ تب قبطی بہت چیخے چلائے اور بہت فریاد کی اور کہا: اے موسیٰ! آپ سے آپ کے

رب نے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کے واسطے اپنے رب سے دعا کیجئے اگر اس نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے بہت پختہ وعدہ کیا اور بہت پکی قسمیں کھائیں۔ ان پر ٹڈیوں کا یہ عذاب ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹڈیوں کا یہ عذاب دور کر دیا۔ بعض احادیث میں ہے کہ ٹڈیوں کے سینہ پر لکھا ہوا تھا: "جند اللہ الاعظم" (اللہ کا عظیم لشکر)

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا فضا میں مشرق سے مغرب کی طرف گھمایا تو ٹڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہیں واپس چلی گئیں' ان کے کھیتوں میں جو بچا کھچا غلہ باقی رہ گیا تھا انہوں نے کہا یہ بھی کافی ہے اور ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے' انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور اپنی بداعمالیوں پر ڈٹے رہے۔ سو وہ ایک ماہ تک عافیت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قمل بھیج دیں' قمل کی تفسیر میں اختلاف ہے' سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ گندم کے جو سرسریاں وغیرہ نکلتی ہیں وہ قمل ہیں' مجاہد' سدی' قتادہ اور کلبی وغیرہ نے کہا ہے کہ قمل بغیر پروں کی ٹڈیاں ہیں' بعض نے کہا وہ چیچڑی کی ایک قسم ہیں اور بعض نے کہا وہ جوئیں ہیں اور بعض نے کہا وہ ایک قسم کا کیڑا ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: وہ شہر سے باہر بستیوں کے پاس کسی بڑے ٹیلے کے پاس جائیں اور اس ٹیلے پر اپنا عصا ماریں' عصا مارنے سے اس ٹیلے کے اندر سے وہ کیڑے (قمل) پھوٹ پڑے وہ ان کے بچے کھچے کھیتوں کو کھا گئے وہ ان کے کپڑوں میں گھس گئے' ان کا کھانا ان کیڑوں سے بھر جاتا' وہ ان کے بالوں میں' ان کی پلکوں میں' ان کی بھنوؤں میں گھس گئے' وہ ان کے ہونٹوں اور ان کی کھالوں میں گھسنے لگے۔ ان کا چین و قرار جاتا رہا' وہ سو نہیں سکتے تھے' بالآخر وہ بے چین اور بے قرار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رو رو کر فریاد کی اور کہا: ہم توبہ کرتے ہیں' آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھا لے' ان پر سات دن یہ عذاب رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو ان سے یہ عذاب اٹھا لیا گیا' لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور دوبارہ برے اعمال شروع کر دیے اور کہنے لگے کہ ہم یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک جادوگر ہیں جنہوں نے ریت کے ٹیلے کو قمل سے بدل ڈالا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب بھیجا۔ جس سے ان کے گھر اور ان کے صحن بھر گئے' ان کے کھانے اور کھانے کے برتن مینڈکوں سے بھر گئے' وہ جب بھی کسی کھانے کے برتن کو یا کھانے کو کھولتے تو اس میں مینڈک بھرے ہوئے ہوتے۔ جب کوئی شخص بیٹھتا تو مینڈک اچھل کر اس کی ٹھوڑی پر چڑھ جاتے اور جب وہ بات کرنا چاہتا تو مینڈک پھدک کر اس کے منہ کے اندر چلے جاتے' وہ ان کی دیگچیوں میں اچھل کر چلے جاتے اور ان کا کھانا خراب کر دیتے اور ان کی آگ بجھا دیتے۔ وہ جب سونے کے لیے کروٹ لیتے تو دوسری جانب مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا اور وہ کروٹ نہ بدل سکتے۔ وہ منہ میں نوالہ ڈالنے کے لیے منہ کھولتے تو نوالہ سے پہلے مینڈک منہ میں چلا جاتا' وہ آٹا گوندھتے تو آٹے میں مینڈک لتھڑ جاتے' اور جب وہ سالن کی دیگچی کھولتے تو وہ دیگچی مینڈکوں سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔

حضرت عباس نے فرمایا: پہلے مینڈک خشکی کے جانور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی اور جوش کھاتی ہوئی دیگچی میں پھدک کر چلے جاتے اور بھڑکتے ہوئے تنور میں چھلانگ لگا دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی اطاعت کی وجہ سے ان کو پانی کا جانور بنا دیا۔ قبطیوں پر ایک ہفتہ تک مینڈکوں کا عذاب رہا۔ وہ پھر روتے پیٹتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور بہت معافی مانگی اور توبہ کی اور قسمیں کھائیں اور بہت پکے وعدے کیے کہ وہ اب وعدہ نہیں توڑیں گے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی' اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کا عذاب اٹھا لیا' اور وہ ایک ماہ تک آرام اور عافیت کے ساتھ رہے' پھر انہوں نے اپنے وعدوں اور قسموں کو توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ان کے

خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا' پھر دریائے نیل میں خون بہنے لگا۔ ان کے گھروں میں رکھا ہوا پانی خون بن گیا۔ وہ کنوؤں اور نہروں سے جو پانی لاتے تھے وہ سرخ رنگ کا گاڑھا خون ہو تا تھا۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اب تو ہمیں پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے۔ فرعون نے کہا کہ یہ موسیٰ کا جادو ہے' قبطیوں نے کہا یہ جادو کہاں سے ہو گیا ہمارے تمام برتنوں میں سرخ سیال خون بھرا ہوا ہے' پھر فرعون نے قبطی اور اسرائیلی کو جمع کیا قبطی کے پیالہ میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے پیالہ میں پانی ہو تا' پھر جب قبطی اسرائیلی کا پیالہ لے کر پانی پینا چاہتا تو اس کے منہ کے پاس جا کر خون بن جاتا' وہ پانی کے مٹکوں کو دیکھتے تو قبطی کے مٹکے میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے مٹکے میں پانی ہوتا حتیٰ کہ پیاس سے مجبور ہو کر قوم فرعون کی عورت اسرائیلی کے پاس جا کر پانی مانگتی۔ اسرائیلی اس کو پیالے میں پانی دیتا لیکن قبطی عورت جب اس سے پیالہ کو پکڑتی تو وہ خون بن جاتا۔ پھر وہ عورت اسرائیلی سے کہتی کہ تم میرے منہ میں اس پانی کی کلی کر دو' جب اسرائیلی کلی کرتا تو قبطی کے منہ میں پہنچ کر وہ پانی خون بن جاتا۔ اور فرعون کو جب پیاس لگتی تو وہ درختوں کی تر چھال کو چباتا اور اس میں سے سخت کھار اور کڑوا پانی نکلتا۔ وہ سات دن تک اس سخت عذاب میں مبتلا رہے اور خون کے سوا کوئی چیز نہ پی سکے۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روتے پیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے اس عذاب کو اٹھا لے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب اٹھا لیا' ان پر طوفان' ٹڈی دل' سرسریوں' مینڈکوں اور خون کا عذاب پے بہ پے آیا' ہر عذاب کا دورانیہ سات دن تھا۔ اور دو عذابوں کے درمیان عافیت کا وقفہ ایک ماہ تھا۔ لیکن ہر قسم کا عذاب بھگتنے کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آئے اور وہ ایمان لانے سے تکبر کرتے رہے اور دراصل وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

(معالم التنزیل ج ۲' ص ۱۶۹-۱۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۴۹-۱۵۴۴' جامع البیان جز ۹' ص ۵۰-۴۶' زاد المسیر' ج ۳' ص ۲۵۱-۲۵۰' الدر المنثور' ج ۳' ص ۵۲۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قوم فرعون ایمان نہیں لائے گی تو پھر اتنے معجزات دکھانے کی کیا ضرورت تھی!

امام رازی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں' ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے جو چاہے کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس قدر معجزات دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے' اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کی شقاوت اور قساوت دکھانا چاہتا تھا' کیونکہ اس قوم کو بعد میں سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے بار بار نشانیاں دکھا کر اپنی حجت پوری کی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ قوم فرعون کو غرق کر دیا گیا اگر ان کو موقع دیا جاتا تو ہو سکتا تھا وہ ایمان لے آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بار بار مواقع دیے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی اور تکبر پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اسرائیل نے از سماک از نوف شامی روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحروں پر غلبہ پانے کے بعد چالیس سال تک رہے اور بیس سال تک انہیں مختلف معجزات دکھاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۲۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کیجئے' اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور

آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے O پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے O

ستر ہزار فرعونیوں کا طاعون میں مبتلا ہونا

اس آیت میں رجز کا ذکر کیا ہے اس کا معنی عذاب ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس عذاب سے مراد وہی پانچ قسموں کا عذاب ہے جس کا اس سے پہلی آیت میں ذکر فرمایا ہے یعنی طوفان' ٹڈیوں اور قمل وغیرہ کا عذاب اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد طاعون ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا رجز سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر ٹڈیوں اور سرسریوں کی صورت میں مسلط کیا گیا تھا وہ ہر بار یہ عہد کرتے تھے کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور ہر بار اس عہد کو توڑ دیتے تھے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں جب قوم فرعون پر ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب آ چکا اور وہ ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا: تم میں سے ہر شخص ایک مینڈھا ذبح کرے پھر اس کے خون سے اپنی ہتھیلی کو رنگ لے پھر اپنے دروازے پر وہ ہاتھ مارے۔ قبطیوں نے بنو اسرائیل سے پوچھا: تم اپنے دروازوں پر یہ خون کیوں لگا رہے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر ایک عذاب بھیجے گا جس سے ہم سلامت رہیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے' قبطیوں نے کہا: تو اللہ تعالیٰ تم کو صرف ان علامات سے پہچانے گا؟ انہوں نے کہا: ہم کو ہمارے نبی نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ پھر صبح کو فرعون کی قوم کے ستر ہزار افراد کو طاعون ہو چکا تھا اور شام کو وہ سب مر چکے تھے اور ان کو دفنایا بھی نہیں گیا۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کیجئے اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو روانہ کر دیں گے O پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لیے عذاب دور کر دیا جس مدت تک عذاب پہنچنا ان کے لیے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے O

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رجز سے مراد ان مذکورہ پانچ قسموں کا عذاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد طاعون کا عذاب ہو۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہاں رجز سے کون سا عذاب مراد ہے۔

عقائد میں تقلید کا مذموم ہونا اور فروع میں تقلید کا ناگزیر ہونا

اس کے بعد فرمایا: پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون سے متعدد بار عذاب کو دور کیا لیکن وہ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے اور وہ بالآخر اس میعاد پر پہنچ گئے جو ان کو ڈھیل دینے کی آخری حد تھی۔ انتقام کا معنی ہے نعمت سلب کرنا اور سزا دینا اور "الیم" کا معنی ہے سمندر۔ امام رازی نے کشاف کے حوالہ سے لکھا ہے "یم" کا معنی ہے بہت گہرا سمندر جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔ غفلت کا معنی ہے قوت حافظہ' حاضر دماغی اور بیدار مغزی میں کمی کی وجہ سے سہو کا طاری ہونا اور انسان کا کسی چیز کو بھول جانا۔ (المفردات ج ۲' ص ۴۷۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ) اب یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ غفلت انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے تو پھر غفلت کی وجہ سے ان کو کیوں سزا دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے: ہم نے ان کو سمندر میں اس لیے غرق کر دیا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غفلت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرتے تھے اور لاپرواہی برتتے تھے اور ان سے کوئی سبق اور نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے۔ ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں ان کو سزا دینے کے دو سبب بیان کیے ہیں۔ ایک آیات کی تکذیب کرنا اور دوسرا ان سے لاپرواہی برتنا۔ حالانکہ ان کے علاوہ وہ اور بہت سارے گناہ کرتے تھے مثلاً بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور ان سے بلاوجہ بے گار لیتے تھے' اور زمین میں طرح طرح سے فساد کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ ان کو صرف ان ہی دو سببوں سے سزا دی گئی ہے اور ان دو سببوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ تمام فساد اور گناہوں کی جڑ یہ دو چیزیں تھیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے اور ان نشانیوں سے سبق حاصل کرتے تو دوسرے گناہوں میں نہ پڑتے۔

امام رازی نے فرمایا ہے: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلا دلیل اندھی تقلید کرنا مذموم اور باطل ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کھلی کھلی اور واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود کفر میں فرعون کی تقلید کرتی تھی۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۴۸' مطبوعہ بیروت)

اہل سنت جو ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں اس پر اس آیت سے اعتراض نہیں ہوتا۔ اولاً اس لیے کہ اس آیت میں اصول میں تقلید کی مذمت ہے اور اہل سنت اصول میں ائمہ کی تقلید نہیں کرتے بلکہ اصول (یعنی توحید اور رسالت) کو دلائل سے مانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور عقائد میں سب متفق ہیں اور فروع میں ائمہ کی تقلید کرتے ہیں اور اس تقلید کا یہ معنی ہے کہ احکام فرعیہ پر عمل کا جو طریقہ ہمارے امام نے کتاب اور سنت سے مستنبط کیا ہے اس میں ظن غالب یہ ہے کہ وہی صحیح ہے۔ اور دوسرے امام کا طریقہ خطا پر مبنی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ہمارے امام کے اجتہاد میں غلطی ہو اور دوسرے امام کا اجتہاد صحیح ہو لیکن اجتہادی غلطی پر مواخذہ نہیں ہوتا اور اس پر بہرحال ایک اجر ملے گا۔ اس کے برخلاف عقائد میں تقلید نہیں ہوتی نہ ان میں ائمہ کا اختلاف ہوتا ہے' اور ثانیاً اس لیے کہ ہم ائمہ کی اندھی تقلید نہیں کرتے انہوں نے احکام فرعیہ پر عمل کرنے کے جو طریقے کتاب اور سنت سے اخذ کیے ہیں ان سب پر قرآن اور حدیث سے دلائل موجود ہیں جن پر مفصل کتابیں دستیاب ہیں۔ اس کے باوجود ائمہ نے کہا ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ اور ایک عام انسان کو اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ از خود احکام فرعیہ پر عمل کرنے کے طریقوں کو کتاب اور سنت سے نکال سکے بلکہ اس کو قرآن مجید کی تمام آیات کے معانی کا ہی علم نہیں ہوتا اور نہ اس کی نظر میں تمام احادیث ہوتی ہیں' نہ ان کے معانی کا علم ہوتا ہے' اس وجہ سے اس کے لیے امام کی تقلید کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الاعراف: ۷ ۱۳۷)

بنو اسرائیل کو شام پر قابض کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا تھا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں ان کا جانشین بنا دے گا۔ (الاعراف: ۱۲۹) اور یہاں جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس نے قوم فرعون کو سمندر میں غرق کر کے اس کو سزا دے دی ہے اور مومنین کو یہ بھلائی پہنچائی کہ ان کو برکتوں والی سرزمین کا وارث بنا دیا

فرمایا: جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ بنو اسرائیل کو اس لیے کمزور سمجھا جاتا تھا کہ فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا' اور ان سے جزیہ لیتا تھا اور ان سے سخت مشکل اور دشوار کام بہ طور بیگار کراتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا۔

وہ سرزمین جس کے مشرق اور مغرب میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق کون سی زمین ہے؟

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ 'امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے لکھا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱' ص ۳۲۱' جامع البیان جز ۹' ص ۵۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۵۱)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر اور امام ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۵۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے اس سے مراد شام اور مصر ہے۔ کیونکہ مصر ہی فرعون لعنہ اللہ کے قبضہ اور تصرف میں تھا اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق صرف شام ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۳۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس سرزمین سے مراد "ارض مقدسہ" ہے۔ جس کے متعلق فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ بنو اسرائیل کو اس زمین میں لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سرزمین ان کے باپ دادا کا وطن ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کردے گا تو وہ ان کو اس سرزمین میں لے جائیں گے جہاں ان کے باپ دادا رہتے تھے یا عمالقہ کی ہلاکت کے بعد ان کو اس سرزمین میں منتقل کردیا جائے گا کیونکہ اس وقت وہ سرزمین عمالقہ کے قبضہ میں تھی۔ (روح المعانی جز ۹' ص ۳۷' طبع بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو مصر میں متمکن کیا اور عمالقہ کی شکست کے بعد ان کو شام میں متمکن کردیا اور ان کے باپ دادا کا وطن شام تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان کے آباء میں سے تھے جنہوں نے مصر میں رہائش اختیار کرلی تھی' یعنی مصر اور شام دونوں ان کے باپ دادا کے وطن تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان دونوں ملکوں کا بتدریج وارث کیا پہلے مصر کا اور پھر شام کا۔ یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکتوں سے مالا مال تھی۔ ظاہری برکت یہ تھی کہ یہ زمین زرخیز تھی۔ باغات کی کثرت اور پانی کی فراوانی تھی اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام میں کثیر انبیاء کی قبریں تھیں اور مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تھی۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کو سرزمین فلسطین کا وارث بنادیا گیا تھا۔

(تفہیم القرآن ج ۲' ص ۷۰' مطبوعہ لاہور)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام عبدالرزاق' امام ابو الشیخ اور امام ابن عساکر نے لکھا ہے اس سرزمین سے مراد شام ہے۔

امام ابو الشیخ نے عبداللہ بن شوذب سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سرزمین فلسطین ہے۔

سرزمین شام کی فضیلت کے متعلق احادیث

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ترمذی' امام رویانی' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے' اچانک آپ نے فرمایا: شام کے لیے خیر اور سعادت ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کس لیے؟ آپ نے فرمایا: رحمٰن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

امام احمد' امام ابوداؤد' امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن حوالہ الازدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم مختلف لشکر دیکھو گے ایک لشکر شام میں' ایک لشکر عراق میں اور ایک لشکر یمن میں۔ حضرت حوالہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے کوئی جگہ منتخب کیجئے' آپ نے فرمایا: تم شام میں لازماً رہو اور جو وہاں نہ رہے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عہد شکنی کرے اس کو نکالے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام ابن عساکر نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم شام میں لازماً رہو وہ اللہ کے شہروں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے' اس میں اللہ کے سب سے زیادہ نیک بندے رہتے ہیں اور جو وہاں نہ رہ سکے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عہد شکنی کرے اس کو نکالے۔ کیونکہ اللہ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ہر ایمان والا شام میں چلا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رعد' برق اور برکتیں شام کی طرف ہجرت کریں گی۔

امام ابن ابی شیبہ نے کعب سے روایت کیا ہے کہ تمام شہروں میں اللہ کا محبوب شہر شام ہے اور شام میں محبوب قدس ہے اور قدس میں محبوب نابلس پہاڑ ہے۔

امام احمد اور امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دے۔ مسلمانوں نے کہا: اور ہمارے نجد میں' آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۵۳۰-۵۲۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کے سامنے آسن جمائے (معتکف) بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں' موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو○ بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے○ موسیٰ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے○

اور (یاد کرو اے بنو اسرائیل!) جب ہم نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دے دی' جو تم کو برا عذاب دیتے تھے' وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی○ (الاعراف: ۱۴۱-۱۳۸)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

جاوزنا: اس کا معنی ہے عبور کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اس آیت میں بائے تعدیہ ہے اس لیے اس کا معنی ہے عبور کرانا۔

یعکفون: عکوف کا معنی ہے کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا اور بہ طور تعظیم کے اس کو لازم پکڑ لینا۔ الاعتکاف کا شرعی معنی ہے عبادت کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا۔

اصنام: چاندی' پیتل یا کسی اور دھات سے یا مٹی یا لکڑی سے بنایا ہوا مجسمہ۔ مشرکین تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ مجسمہ کبھی کسی انسان کی واقعی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے اور کبھی خیالی صورت کے مطابق بنایا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے خیالی مجسمے بنائے گئے ہیں۔ عبادت کی نیت سے ان کی تعظیم کرنا شرک ہے اور صرف تعظیم کے لیے یہ مجسمے یا تصاویر رکھنا حرام ہے جیسے بعض لوگ علماء اور مشائخ کی تصویریں تبرک اور تعظیم کی نیت سے رکھتے ہیں۔ بعض لوگ زینت (ڈیکوریشن) کی نیت سے انسانوں اور جانوروں کے مجسمے رکھتے ہیں یہ عمل بھی حرام ہے۔

الہ: معبود۔

مناسبت اور ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی زمین کا ان کو وارث بنا دیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ان کو سلامتی کے ساتھ سمندر سے گزار دیا' اور دوسری سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو چیر دیا اور بنو اسرائیل کے لیے اس کو خشک راستہ بنا دیا اور جب وہ سمندر کے پار پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک قوم بتوں کی عبادت کر رہی ہے تو انہوں نے جہالت سے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

بنو اسرائیل نے کون سا سمندر پار کیا تھا اور کس جگہ کسی قوم کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

جس قوم کے پاس سے بنو اسرائیل کا گزر ہوا تھا اس کے متعلق امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: یہ قوم لخم تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ کنعانیوں کی قوم تھی جس کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتال کا حکم دیا گیا تھا۔ (جامع البیان ج ۹' ص ۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جس سمندر کو بنو اسرائیل نے عبور کیا تھا اس کا نام "بحر قلزم" ہے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے کہ یہ دریائے نیل تھا لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ البحر المحیط میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم کو یہ سمندر عبور کیا تھا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا تھا۔ اور بنو اسرائیل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۹' ص ۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

شیخ محمد حفظ الرحمن سیوہاری لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا یہ عرب کی سرزمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے۔

یہ لق و دق بے آب و گیاہ میدان سے شروع ہوتی ہے جو تورات کی زبان میں بیابان شور 'سین' وادی سینا (تیہ) کے نام سے مشہور ہے اور طور تک اس کا دامن وسیع ہے۔ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے اور دور دور تک سبزہ اور پانی کا پتا نہیں۔

اس بات کا قطعی فیصلہ تو ناممکن ہے کہ وہ خاص مقام متعین کیا جا سکے جس سے بنی اسرائیل گزرے اور سمندر کو عبور کر گئے تاہم قرآن اور تورات کی مشترک تصریحات و نصوص سے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ بنو اسرائیل نے بحر قلزم (بحر احمر Red Sea) کے کسی کنارے اور دہانہ سے عبور کیا یا درمیانی کسی حصہ سے۔ بحر احمر دراصل بحر عرب کی ایک شاخ ہے۔ جس کے مشرق میں سرزمین عرب واقع ہے اور مغرب میں مصر۔ شمال میں اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ایک شاخ (خلیج عقبہ) جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری (خلیج سوئز) اس کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ دوسری شاخ پہلی سے بڑی ہے اور شمال میں بڑی دور تک چلی گئی ہے' بنو اسرائیل اسی کے درمیان سے گزرے ہیں۔ اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جس کا نام بحر روم ہے اور بحر روم اور بحر احمر کے اس شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے۔ یہی وہ راستہ تھا جہاں مصر سے فلسطین اور کنعان جانے والے کو بحر احمر عبور کرنا نہیں پڑتا تھا اور اس زمانہ میں یہ راہ قریب کی سمجھی جاتی تھی اور بنو اسرائیل نے بحکم الٰہی یہ راہ اختیار نہیں کی تھی۔ اب اس خشک زمین کو کھود کر بحر احمر کو بحر روم سے ملا دیا گیا ہے اور اس ٹکڑے کا نام نہر سوئز ہے اور بحر احمر کے شمالی دہانہ پر سوئز کے نام سے ایک شہر آباد ہے جو مصر کی بندرگاہ شمار ہوتا ہے۔

(قصص القرآن ج ۱' ص ۷۷ ۴' ۱۷ ۴-۴۶۹ 'مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ سوئز اور اسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے' اس زمانہ میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب کے علاقہ میں موجودہ شہر طور اور ابوزنیمہ کے درمیان تانبے اور فیروزے کی کانیں تھیں جن سے اہل مصر بہت فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کانوں کی حفاظت کے لیے مصریوں نے چند مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انہی چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی مفقہ کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا۔ غالباً انہی مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو' جن پر مصریوں کی غلامی نے مصریت زدگی کا اچھا خاصہ گہرا ٹھپہ لگا رکھا تھا' ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔

(تفہیم القرآن ج ۲' ص ۷۵-۷۴' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۲ھ)

شرک کے فعل کا جہالت اور حماقت ہونا

بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا "ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں" یہ چیز بداہت عقل کے خلاف ہے کہ جس چیز کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنائیں وہ حضرت موسیٰ کا' بنو اسرائیل کا اور تمام جہان کا خالق اور مدبر ہو کیونکہ جو اپنے بننے میں حضرت موسیٰ کا محتاج ہو وہ ان کا اور تمام جہان کا محتاج الیہ اور خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم کیسی جہالت اور بے عقلی کی باتیں کرتے ہو۔ عبادت انتہائی تعظیم کو کہتے ہیں اور انتہائی تعظیم کا مستحق وہ ہے جس نے انتہائی انعام کیا ہو اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو اس میں کسی پر انعام کرنے کی استطاعت کہاں سے ہوگی اور جن لوگوں کو تم بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو ان کے افعال تباہ و برباد ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب غلط اور باطل ہے۔

بنو اسرائیل کی ناشکری اور احسان فراموشی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کی بتوں کی فرمائش کے جواب میں پہلے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے اپنا خدا بنوانا جہالت کی بات ہے۔ پھر فرمایا: جن کو دیکھ کر تم فرمائش کر رہے ہو وہ سب تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ پھر تیسری بار فرمایا جو کچھ یہ بت پرست قوم کر رہی ہے وہ سراسر غلط ہے اور چوتھی بار ان کی حماقت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو (اس زمانہ میں) سب پر فضیلت دی ہے! یعنی اللہ نے تم پر یہ احسان کیا کہ اس نے تم کو سب جہانوں پر فضیلت دی اور تم اس کا جواب اس احسان فراموشی کے ساتھ دے رہے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھر کی بنائی ہوئی مورتیوں کی پرستش کرنا چاہتے ہو! بنو اسرائیل کی فضیلت یہ تھی کہ ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنے کثیر اور قوی معجزات ظاہر فرمائے جو اس سے پہلے کسی کے لیے ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور اہم اور بڑی نعمت اور احسان کا ذکر کیا جبکہ انہیں فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نجات دلائی جو کئی سو سالوں سے ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے۔ سو فرمایا: اور یاد کرو (اے بنو اسرائیل!) جب ہم نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دے دی جو تم کو برا عذاب دیتے تھے' وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت سخت آزمائش تھی۔ سو کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ جیسے ہی تم فرعون سے نجات پا کر سلامتی سے سمندر پار پہنچے اور آزاد فضا میں سانس لیا تو تم اللہ کا ان نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے اس کی عبادت میں شریک بنانے کے لیے فرمائشیں کرنے لگے!

واضح رہے کہ بت پرستی کے لیے معبود بنانے کا مطالبہ تمام اسرائیلیوں نے نہیں کیا تھا بلکہ بعض ناشکروں نے کیا تھا۔

کسی مسلمان موحد کو مشرک قرار دینے کا بطلان

بعض لوگ مطلقاً یا رسول اللہ! کہنے کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے مدد مانگنے کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو حاضر ناظر یا آپ کے حق میں علم غیب کو بھی مطلقاً شرک کہہ دیتے ہیں حالانکہ شرک اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ اللہ کی عطا کے بغیر از خود اپنی طاقت سے سنتے ہیں' از خود اللہ کے اذن کے بغیر مدد کرتے ہیں' آپ خود موجود اور بصیر ہیں اور آپ کو از خود علم حاصل ہے اور اگر آپ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ان اوصاف سے متصف ہوں تو شرک کیسے ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بنو اسرائیل کو اس وقت بھی مشرک نہیں کہا جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیں جس کی ہم عبادت کریں۔ حالانکہ اس سے بڑا شرک اور کیا ہوگا بلکہ صرف یہی فرمایا تم کیسی جہالت کی باتیں کرتے ہو! اور یہ لوگ یا رسول اللہ! کہنے والے کلمہ گو مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں حالانکہ جو مسلمان کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں وہ آپ کے متعلق یہ کیسے عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ از خود سنتے ہیں یا از خود جانتے ہیں بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کے تمام اوصاف اور کمالات عطائی ہیں۔ اس پر کسی نے یہ معارضہ کیا کہ پھر تو آپ کو عطائی خدا کہنا بھی صحیح ہوگا لیکن یہ محض مغالطہ آفرینی ہے کیونکہ خدا قدیم اور واجب الوجود ہوتا ہے وہ عطائی نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف علم' قدرت اور اختیار عطائی ہو سکتے ہیں اور ہیں' ہمیں علم اور اختیار ہماری حیثیت سے عطا کیا گیا اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے مقام کے اعتبار سے علم اور اختیار عطا کیا گیا ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا سو آپ کے رب کی مقررہ مدت

رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ

مکمل چالیس راتیں ہو گئیں ، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری

فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ

جانشینی کرنا اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہونا ○ اور جب موسیٰ ہمارے

مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ

مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے ، اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب ! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں

قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم

فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ

بھی مجھے دیکھ سکو گے ، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش

مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا

ہو کر گر پڑے ، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں

اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ

ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں ○ فرمایا اے موسیٰ ! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام

بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾

سے فضیلت دی ، پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ ○

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ

اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی ،

شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ

سو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو ، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں، عنقریب میں تم کو

دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی

فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا ○ میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین

الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ

میں ناحق تکبر کرتے ہیں ، وہ اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ

یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ

ہدایت کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے ، اور اگر وہ

یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس راستہ کو اختیار کر لیں گے ، کیونکہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیتوں کی تکذیب کی

وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷

ان کے سب (نیک) عمل ضائع ہو گئے ، ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا' پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا۔ سو آپ کے رب کی مقررہ مدت مکمل چالیس راتیں ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا' اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہونا○ (الاعراف: ۱۴۲)

ربط آیات' مناسبت اور موضوع

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا مثلاً ان کو فرعون کی غلامی اور اس کے بے گار لینے سے نجات دی اور ان کو مستقل امت بنایا اور ان کے دین کو ثابت کرنے کے لیے اتنے کثیر معجزات ظاہر فرمائے جو اس سے پہلے کسی امت کے لیے ظاہر نہیں فرمائے تھے۔ اور اس آیت میں ان پر تورات کے نزول کا بیان ہے جس میں ان کی زندگی کے لیے دستور العمل تھا' اور اللہ تعالیٰ کے احکام تھے جن پر انہوں نے عمل کرنا تھا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنو اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کے پاس اللہ کی کتاب لائیں گے جس میں یہ بیان ہو گا کہ ان پر کیا کام کرنے فرض ہیں اور کیا کام ان کے لیے ممنوع ہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کتنے دنوں کے بعد مقرر کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنانے کا ذکر ہے۔

حضرت موسیٰ کے لیے پہلے تیس راتیں اور پھر دس راتیں مزید مقرر کرنے کی حکمت

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا: حضرت ہارون کی اطاعت کرنا کیونکہ میں نے ان کو تم پر اپنا جانشین (خلیفہ) مقرر کر دیا ہے' میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں' اور ان کو بتایا کہ میں تیس دن کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن روزے رکھے انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوں اور ان کے منہ سے بو آ رہی ہو (روزہ رکھنے سے منہ سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے گھاس اٹھا کر اس سے اپنے منہ کو صاف کیا اور گھاس کو چبایا۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم نے روزہ کیوں افطار کیا (گھاس کیوں چبائی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں نے اس چیز کو ناپسند کیا کہ میں تجھ سے اس حال میں کلام کروں کہ میرے منہ سے بو آ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ کیا تم نہیں جانتے کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک سے زیادہ پسند ہے۔ اب واپس جاؤ اور دس روزے مزید رکھو پھر میرے پاس آنا' سو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تیس راتوں سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے اور بعد میں جو دس دن زیادہ کیے' ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۵۶' مطبوعہ مکہ المکرمہ' جامع البیان جز ۹' ص ۷۴)

بعض علماء نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں مسواک کی بہت فضیلت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (صحیح مسلم' الطہارۃ' ۴۲' (۲۵۲) ۵۷۸) اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت (سنت) سے ہیں اور ان دس چیزوں میں آپ نے مسواک کا ذکر فرمایا۔ (صحیح مسلم' الطہارۃ ۵۶' (۲۶۱) ۵۹۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسواک سے منہ کی پاکیزگی ہوتی ہے اور رب راضی ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۳۴) اس لیے مسواک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ روزے رکھنے کا حکم دینا بہ ظاہر محل نظر ہے۔

اب پھر یہ سوال ہو گا کہ تیس راتوں کے بعد الگ سے دس دنوں کو ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداء چالیس راتوں کا ذکر فرماتا' پہلے تیس راتوں کے وعدہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد دس راتوں کا اضافہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ چالیس راتوں کی مدت مکمل ہو گئی۔ اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں اور دنوں میں روزے رکھنے کا حکم دیا اور ان ایام میں عبادت کرنے کا حکم دیا' پھر باقی دس دنوں میں تورات نازل کی گئی اور ان ہی ایام میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔

۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام تیس راتیں پوری کر کے پہاڑ طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ سامری نے ان کی قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا ہے' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میعاد کو پورا کرنے سے پہلے اپنی قوم کی طرف واپس گئے پھر دوبارہ واپس آئے اور دس دن کے روزے رکھے۔

۳- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی تیس دن کی مدت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور بعد کے دس دن کی مدت ان ستر منتخب اسرائیلیوں کے لیے ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ طور پر گئے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر الاعراف: ۱۵۵ میں

آئے گا۔

میقات کا معنی اور کسی کام کی مدت مقرر کرنے کی اصل

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ کے رب کا میقات چالیس راتوں میں مکمل ہو گیا۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے جس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو اس کو میقات کہتے ہیں۔ اس طرح کسی کام کے وقت کے لیے جو جگہ متعین کی گئی ہو اس کو بھی میقات کہتے ہیں۔ جیسے حج کے مواقیت ہیں۔ (المفردات' ج ۲' ص ۶۸۶' طبع مکہ مکرمہ)

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی وعدہ کی تکمیل کے لیے مدت مقرر کرنا قدیم طریقہ ہے۔ اسی طرح کسی کام کے لیے مدت مقرر کرنا بھی قدیم طریقہ اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے' اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنانے کے لیے چھ دنوں کی مدت مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق: ۳۸)

اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہم کو اس سے بالکل تھکاوٹ نہیں ہوئی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مدت مقرر کرنے کے بعد اس میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے اور حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مدت کے بعد دوسری مدت مقرر کر سکتا ہے۔

بندوں کے اعذار کی آخری مدت ساٹھ سال ہے

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی لغزشوں سے درگزر کرنے کی بھی ایک مدت مقرر کر دی ہے اور اس مدت کے بعد اس کی لغزشوں پر کوئی عذر قبول نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی اجل کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال تک پہنچا دیا ہو' اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعذار (بہانوں) کو زائل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۹' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۸۶۵۴)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد انسان کا کوئی عذر باقی نہیں رہا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اگر میری عمر زیادہ کر دی جاتی تو میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر لیتا اور جب کہ وہ اب عذر کی انتہا کو پہنچ چکا ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا جبکہ وہ جو عمر گزار چکا ہے اس میں وہ اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت پر قادر تھا۔ سو اس کو چاہیے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ سے صرف استغفار کرے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے اور آخرت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہو جائے' اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے اب کوئی عذر اور بہانہ نہیں چھوڑا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ان کا مواخذہ فرماتا ہے۔

معمر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ساٹھ یا ستر سال کی عمر تک مہلت دیتا ہے اور جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعذار کو زائل کر دیتا ہے۔ یعنی اس عمر کے بعد اب ترک اطاعت پر کوئی عذر کارگر نہیں ہو گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا کہ ساٹھ سال کی عمر کو اس لیے حد مقرر فرمایا ہے کہ یہ انسان کی عادۃً غالب عمر کے قریب ہے۔ اور

یہ وہ عمر ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور موت کے انتظار میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو بار بار موقع عطا فرماتا ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا بندوں پر لطف اور کرم ہے حتیٰ کہ وہ ان کو حالت جہل سے حالت علم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ پھر ان کو مہلت دیتا ہے حتیٰ کہ واضح حجتوں کے بعد ان سے مواخذہ نہیں فرماتا۔ ہرچند کہ انسانوں کی فطرت میں دنیا سے محبت کرنا اور لمبی امیدیں رکھنا ہے لیکن ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں سے مجاہدہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے وہ کام کریں اور جن برے کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہیں۔ اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جب انسان ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کی موت آنے کا غالب گمان ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوں گی اور بہت کم ستر سال سے تجاوز کریں گے۔ بعض حکماء نے یہ کہا ہے کہ انسان کی عمر کے چار ادوار ہیں۔ (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) ادھیڑ عمر (۴) بڑھاپا اور یہ عمر کا آخری دور ہے اور زیادہ تر یہ دور ساٹھ اور ستر سال کی عمر میں ہوتا ہے اور اس وقت انسان کی جسمانی قوت ضعف اور انحطاط کی طرف مائل ہوتی ہے' اور اب اس کو چاہیے کہ وہ بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اب وہ قوت اور نشاط کی پہلی حالت کی طرف نہیں لوٹ سکتا اور اسی حدیث سے علماء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا پھر بھی اس نے قدرت اور استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا تو وہ گنہ گار ہو گا اور اگر اس سے پہلے قدرت کے باوجود تاخیر کی تو وہ گنہ گار نہیں ہو گا۔ (فتح الباری ج ۱۱' ص ۲۴۰' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

امام مالک نے کہا ہمارے شہر کے علماء چالیس سال تک لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں اور دنیا کو طلب کرتے ہیں اور چالیس سال کے بعد وہ ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸' ص ۲۴۹' دارالفکر' ۱۴۱۵ھ)

شمسی اور قمری تاریخ مقرر کرنے کا ضابطہ

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تاریخ کا اعتبار دنوں کی بجائے راتوں سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثلاثین لیلۃ "تیس راتیں" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا اور عجمیوں کا معمول اس کے خلاف ہے' کیونکہ وہ تاریخ کا اعتبار شمسی مہینوں سے کرتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے کہا: دنیاوی امور اور منافع میں شمسی مہینوں کا حساب جائز ہے اور عبادات اور شرعی احکام میں قمری مہینوں کے حساب سے تاریخیں مقرر کرنا واجب ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اور ان کو نصیحت فرمانا ان کی شان میں کمی کا موجب نہیں

اس کے بعد فرمایا: اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے مناجات کا ارادہ کیا تو اپنے فرائض حضرت ہارون علیہ السلام کو سونپ دیے۔ اس آیت میں کسی کو اپنا نائب بنانے کی اصل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک تھے تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ کیسے بنایا! کیونکہ جو شخص کسی انسان کا شریک ہو وہ اس کے خلیفہ سے بڑے مرتبہ کا ہوتا ہے اور کسی انسان کو بڑے مرتبہ سے کم مرتبہ پر مقرر کرنا اس کی توہین ہے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا کس طرح جائز ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے کیونکہ پہلے ان کو نبی بنایا گیا اور ان کی دعا سے حضرت ہارون کو نبی بنایا گیا اور وہ ان کے وزیر تھے اور فرعون اور بنو اسرائیل کے ساتھ تمام معاملات میں حضرت موسیٰ ہی کو خطاب کیا گیا' ان ہی سے کلام کیا گیا اور ان ہی پر کتاب نازل کی گئی ان ہی

کو معجزات عطا کیے گئے اور فرعون اور قبطیوں کے نزدیک وہی مسئول تھے اور رشد و ہدایت کا کام اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر بنو اسرائیل سے عمل کرانا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ذمہ تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانے کا معنی یہ تھا کہ بنو اسرائیل کی رشد و ہدایت کے سلسلہ میں جو فرائض منصبی موسیٰ علیہ السلام انجام دیتے تھے وہ اب حضرت ہارون علیہ السلام نے انجام دینے ہیں اور اس معنی میں ان کو اپنا خلیفہ بنانے سے ان کے مرتبہ میں ہرگز کمی نہیں ہوئی۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

"اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہونا"۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور نبی ٹھیک ٹھیک کام ہی کرتا ہے اور مفسدوں کی پیروی نہیں کرتا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے اس طرح کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور تاکید فرمایا تھا یا پھر بہ طور تعریض تھا یعنی صراحتاً حضرت ہارون کو خطاب تھا اور اشارتاً اپنی قوم سے خطاب تھا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ھود: ۱۱۲) سو آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی معصوم ہیں' آپ سے یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام کریں۔ اس لیے یہ ارشاد بھی تاکید اور تعریض کے طور پر ہے۔ اسی طرح اس آیت میں فرمایا:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۱۴۵) اور اگر آپ نے (بالفرض) علم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بے شک آپ کا شمار ضرور ظالموں میں سے ہوگا۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الزمر: ۶۵) اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

آپ سے یہ متصور ہے کہ آپ یہودیوں کی پیروی کریں نہ یہ متصور ہے کہ آپ شرک کریں کیونکہ آپ نبی معصوم ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو ان دونوں کاموں سے بہ طور تاکید منع فرمایا یا پھر خطاب آپ کو فرمایا اور مراد آپ کی امت ہے۔ اسی نہج پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے انہوں نے حضرت ہارون سے بہ طور تاکید یا بہ طور تعریض کلام فرمایا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت علی بہ منزلہ ہارون ہیں

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو (مدینہ میں اپنا) خلیفہ بنایا۔ حضرت علی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنا رہے ہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے! البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح مسلم' فضائل الصحابہ: ۳۱ (۲۴۰۴) ۶۱۰۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۴' السنن الکبریٰ للنسائی ج ۳' رقم الحدیث: ۸۴۳۵' مسند احمد ج ۱' ص ۱۸۵)

حدیث مذکور سے روافض کا حضرت علی کی خلافت بلافصل پر استدلال

اس حدیث سے روافض' امامیہ اور شیعہ کے تمام فرقوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر اپنا خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور اس بنا پر روافض نے تین کے سوا تمام صحابہ کی تکفیر کر دی' کیونکہ صحابہ کرام نے اس نص صریح کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر کو خلیفہ بنا دیا۔

چوتھی صدی کے مشہور شیعہ عالم شیخ ابو عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی لکھتے ہیں:

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تین شخصوں کے سوا سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ تین شخص کون ہیں؟ انہوں نے کہا: مقداد بن اسود' ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔ (رجال کشی' ص ۱۲' مطبوعہ ایران)

اور شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی متوفی ۳۲۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحیم قصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ سب لوگ مرتد ہو گئے تھے تو لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اے عبدالرحیم! رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب لوگ دوبارہ جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے۔ (الروضہ من الکافی (فروع کافی ج ۸) ص ۲۹۶' مطبوعہ طہران' ۱۳۶۴ھ)

اور جن لوگوں نے تمام امت اور خصوصاً تمام صحابہ کی تکفیر کی ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید صحابہ کرام کے نقل کرنے اور جمع کرنے سے ثابت ہے اگر یہ ناقلین کافر تھے تو ان کی نقل پر بھی اعتماد نہیں ہو گا۔ نیز تمام احادیث بھی ان ہی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں' اگر یہ کافر تھے تو تمام احادیث بھی غیر معتبر قرار پائیں گی اور جب قرآن اور حدیث دونوں غیر معتبر اور غیر معتمد قرار پائے تو شریعت بالکلیہ باطل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم نہ رہی۔

روافض کے استدلال مذکور کا جواب

اور اس حدیث سے ان کا حضرت علی کی تمام امت پر خلافت کا استدلال کرنا باطل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے ایک خاص معاملہ میں ایک خاص وقت کے لیے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک خاص وقت تک کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی مناجات سے واپس آ گئے تو حضرت ہارون اپنی سابق حالت پر لوٹ آئے۔ علاوہ ازیں حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصل رسالت میں شریک اور ان کے وزیر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد وہ ان کے خلیفہ نہیں تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں حضرت ہارون علیہ السلام کا میدان تیہ میں انتقال ہو گیا تھا' اس لیے اس حدیث سے روافض اور شیعہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ اس چیز پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ تبوک جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف مدینہ میں بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنا نائب بنایا تھا اور نماز پڑھانے کے لیے ان کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا بلکہ یہ منصب حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے سپرد کیا تھا اور جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پہلی حیثیت کی طرف لوٹ آئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اپنا نائب بنایا تھا جیسا کہ ہم عنقریب باحوالہ بیان کریں گے۔ سو اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تمام امت پر دائماً خلیفہ بننا لازم نہیں آتا۔

حضرت ابن ام مکتوم کو تمام مغازی میں خلیفہ بنانا

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تیرہ غزوات میں تشریف لے گئے اور ہر غزوہ میں آپ نے ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے' حالانکہ وہ نابینا تھے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن ام مکتوم کو غزوہ تبوک میں خلیفہ بنایا وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

فائدہ: ابن ام مکتوم کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے اور مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عمرو بن قیس ہے۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ ہے ان کی کنیت ام مکتوم ہے۔ عمرو بن ام مکتوم مکہ میں قدیم اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ جنگ بدر سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور دار القراء میں ٹھہرے۔ یہ مدینہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے لیے اذان دیتے تھے اور عام غزوات میں رسول اللہ ﷺ ان کو خلیفہ بناتے تھے اور یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر گئے ہوئے تھے تو یہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۴' ص ۲۰۶-۲۰۵' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ)

امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تب بھی آپ نے ان ہی کو خلیفہ بنایا تھا۔

(اسد الغابہ ج ۴' ص ۲۵۲' رقم: ۴۰۱۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ نے بھی واقدی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ غزوات میں حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا اور امام ابن اثیر کی طرح ان غزوات کا تفصیل سے ذکر بھی کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۳' ص ۲۷۶' رقم: ۱۹۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے' پھر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور نبی ﷺ عام غزوات میں ان کو مدینہ میں خلیفہ بناتے تھے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس کے بعد حافظ عسقلانی نے امام عبدالبر کے حوالے سے ان تیرہ غزوات کی تفصیل ذکر کی ہے۔

(الاصابہ ج ۴' ص ۴۹۵' رقم: ۵۷۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن ام مکتوم کی خلافت سے حضرت علی کے متعلق مزعوم خلافت بلا فصل پر معارضہ

ان کثیر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے تیرہ مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بنایا اور جب تیرہ مرتبہ خلیفہ بننے اور مسلمانوں کی نمازوں کا امام بننے سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تمام امت کے امیر اور خلیفہ بن جائیں تو صرف ایک مرتبہ مدینہ میں خلیفہ بننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے لازم آئے گا کہ وہ امت کے خلیفہ بن جائیں جبکہ نمازوں کے امام اس وقت بھی حضرت ابن ام مکتوم تھے۔ نیز اگر یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر دلیل تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے اس وقت کیوں نہیں

استدلال کیا جب ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے کہا جارہا تھا۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں امت پر کنٹرول نہیں کر سکے اور اس میں تفرقہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی ہوا اور امت تفرقہ میں بٹ گئی' ہرچند کہ حق پر حضرت علی تھے جیسا کہ حق پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ ہے' تو اس بشارت سے مراد وہی زمانہ ہے۔ جس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں' فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے' پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے' پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں○ (الاعراف: ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق مذاہب اسلام

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں حسب ذیل مذاہب ہیں:

۱- حنبلیہ اور حشویہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور یہ کلام قدیم ہے اور یہ مذہب بداہتہً باطل ہے کیونکہ جو چیز اجزاء سے مرکب ہو اس میں تقدیم اور تاخیر ہوتی ہے اس لیے وہ چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔

۲- کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور اس کا محل اور موصوف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا اور حوادث سے موصوف ہونا لازم آتا ہے اور جو محل حوادث ہو وہ خود حادث ہوتا ہے۔

۳- معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا کلام آواز اور حروف سے مرکب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ قائم ہے مثلاً درخت وغیرہ کے ساتھ۔

۴- اہل سنت و جماعت ماتریدیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک صفت ازلی ہے اس میں آواز اور حروف نہیں ہیں اور اس صفت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں سنا انہوں نے ان آوازوں اور حروف کو سنا جو درخت کے ساتھ قائم تھے۔

۵- اہل سنت اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ازلی صفت ہے اس میں حروف اور آواز نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی صفت کو سنا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی رنگ اور جسم نہیں ہے اور اس کے باوجود دکھائی دے گا حالانکہ جس چیز کا رنگ نہ ہو اس کا دکھائی دینا انسان کے لیے غیر متصور ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر آواز اور حروف کے حضرت موسیٰ نے سنا جبکہ انسان کے نزدیک بغیر آواز اور حروف کے کسی کلام کا سنائی دینا غیر متصور ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۵۳' ملخصاً' مرتباً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح کلام لفظی ہوتا ہے اسی طرح کلام نفسی بھی ہوتا ہے۔ کلام لفظی وہ ہے جو عادتاً سنائی دیتا ہے جیسا کہ معروف کلام ہے اور کلام نفسی وہ ہے جو کلمات اور حروف پر مشتمل ہوتا ہے مگر عادتاً سنائی نہیں دیتا۔ اس کی مثال

یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری تعریف میں یہ کہے کہ "میں نے آپ جیسا خوش اخلاق یا آپ جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا" تو ہمیں یہ الفاظ اور جملے یاد آتے رہتے ہیں اور ہمارے ذہن میں ان الفاظ کی تصویر گھومتی رہتی ہے حالانکہ یہ الفاظ بعد میں سنائی نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہمیں کوئی دلخراش بات کہے تو وہ بات مدتوں ہمارے دل سے نہیں نکلتی اور ہمیں وہ بات یاد آتی رہتی ہے۔ خصوصاً جب ہم اس شخص کو دیکھیں تو اس کے کہے ہوئے الفاظ کی تصویر ہمارے ذہن میں آجاتی ہے سو یہ کلام نفسی ہے اور الفاظ نفسیہ ہیں۔ قرآن مجید میں جو اللہ کا کلام ہے وہ بھی کلام نفسی ہے اور قدیم ہے وہ ان ہی الفاظ نفسیہ پر مشتمل ہے اور الفاظ میں بغیر تقدم اور تاخر کے یہ کلام نفسی ہے اس کلام کی قرائت جو ہم کرتے ہیں وہ کلام لفظی ہے اور حادث ہے اور مقروء یعنی جن الفاظ نفسیہ کی ہم قرأت کرتے ہیں وہ قدیم ہے۔ مثلاً جب ہم الحمد للہ رب العالمین کی قرائت کریں گے تو پہلے الحمد پڑھیں گے پھر للہ پھر رب العالمین لیکن یہ پورا قرآن کلام نفسی کے مرتبہ میں بغیر تقدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ہم کو کوئی بات یاد آتی ہے تو یوں نہیں ہوتا کہ پہلے اس بات کا ایک لفظ یاد آتا ہو پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا' بلکہ بیک وقت مکمل کلام کی تصویر ہمارے ذہن میں آجاتی ہے۔ اسی طرح مکمل قرآن نفسی بغیر تقدم اور تاخر کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کلام کیا وہ بھی کلام نفسی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کلام کو سننا خلاف عادت اور ان کا معجزہ تھا' کیونکہ بغیر آواز کے کسی کلام کو سننا انسان کی عادت اور اس کے معمول کے خلاف ہے۔ میں نے اس مقام کو اسی طرح سمجھا ہے اور امر واقعہ کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قواعد اسلام کے مطابق ہے اور بعض متقدمین اور محققین کی عبارت میں بھی اس تفصیل کی طرف اشارات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کے متعلق احادیث اور آثار

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام بزار' امام ابن ابی حاتم' امام ابو نعیم نے الحلیہ میں اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور کے دن کلام فرمایا تو یہ اس دن کے کلام کا مغائر تھا جب ان کو اس نے ندا کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اللہ سے کہا اے میرے رب! جس طرح تو نے مجھ سے کلام کیا ہے' کیا تیرا کلام اسی طرح کا ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! میں نے دس ہزار زبانوں کی قوت سے تجھ سے کلام کیا ہے اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اس سے بہت زیادہ ہے' حضرت موسیٰ جب بنو اسرائیل کی طرف واپس گئے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! رحمن کے کلام کی صفت بیان کیجئے' آپ نے کہا تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کیا تم نے ایسی گرج اور کڑک کی آواز سنی ہے جو بہت شیریں لگتی ہو؟ اللہ کا کلام اس کے قریب ہے اور وہ اس طرح نہیں ہے۔

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں کعب سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا: اے موسیٰ! میں دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کر رہا ہوں اور مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے اور اگر میں تمہارے ساتھ اپنے کلام کی کنہ اور حقیقت کے ساتھ کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ۔

امام عبد الرزاق' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں کعب سے روایت کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تمام زبانوں سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب میں نہیں سمجھ رہا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کی مثل کلام فرمایا' تب حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے

میرے رب! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا نہیں! میرا کلام جس طرح ہے اگر تم اس کو اسی طرح سن لو تو تم نیست و نابود ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں! البتہ تم نے بہت زیادہ گرجدار بجلی کی کڑک جو سنی ہو اس کو اس کے قریب کہا جا سکتا ہے۔

امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام حاکم نے سند کی تصحیح کے ساتھ عبدالرحمٰن بن معاویہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ان کی طاقت کے مطابق کلام فرمایا اور اگر اللہ ان سے اپنے حقیقی کلام کے ساتھ کلام فرماتا تو حضرت موسیٰ اس کی بالکل طاقت نہ رکھتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام چالیس راتیں اس کیفیت میں رہے کہ جو شخص بھی ان کو دیکھتا تھا' وہ رب العالمین کی تاب نہ لا کر مر جاتا تھا۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۵۳۷-۵۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی بعض تفصیلات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور' امام ابن المنذر' امام حاکم' امام ابن مردویہ' اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا اس دن حضرت موسیٰ نے اونی جبہ پہنا ہوا تھا' اونی چادر تھی' اونی شلوار تھی اور غیر مذبوح دراز گوش کی کھال کی جوتیاں پہنی ہوئی تھیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے اور امام احمد نے کتاب الزہد میں اور امام ابو خیثمہ نے کتاب العلم میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا تو پوچھا اے میرے رب! تجھے اپنے بندوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا جو بندہ میرا بہت زیادہ ذکر کرتا ہو۔ پھر پوچھا تیرے بندوں میں کون سب سے اچھا حاکم ہے؟ فرمایا: وہ شخص جو لوگوں کے خلاف جس طرح فیصلہ کرتا ہو اسی طرح اپنے خلاف بھی فیصلہ کرے۔ پوچھا اے میرے رب! تیرے بندوں میں کون سب سے زیادہ غنی ہے؟ فرمایا جو اس چیز پر راضی ہو جو میں نے اس کو عطا کی ہے۔

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں زہد کی مثل کسی نے کوئی کام نہیں کیا اور میری حرام کردہ چیزوں سے بچنے سے بڑھ کر کسی نے میرا تقرب حاصل نہیں کیا اور میرے خوف سے رونے سے بڑھ کر کسی نے میری عبادت نہیں کی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو نے ان کے لیے کیا تیار کیا ہے اور ان کی کیا جزا ہے؟ فرمایا: جو لوگ دنیا میں زہد کرتے تھے میں ان کے لیے اپنی جنت مباح کر دوں گا وہ اس میں جہاں چاہیں گے رہیں گے' اور جو لوگ حرام کاموں سے بچتے تھے' تو میں قیامت کے دن ہر شخص سے اس کا حساب لیتے وقت مناقشہ کروں گا اور اس کے اعمال کی تفتیش کروں گا لیکن میں ان سے حیا کروں گا اور ان کو عزت اور کرامت دوں گا۔

امام ابوبکر بن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں اور امام ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی راستہ میں جا رہے تھے تو ان کو جبار عزوجل نے ندا کی: یا موسیٰ! حضرت موسیٰ نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا' پھر دوسری بار ندا کی یا موسیٰ بن عمران! انہوں نے پھر دائیں بائیں دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا اور ان پر خوف طاری ہو گیا پھر تیسری بار ندا کی: یا موسیٰ بن عمران! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا لبیک لبیک! اور سجدہ میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ بن عمران! اپنا سر اٹھاؤ' انہوں نے اپنا سر

اٹھایا تو فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم چاہتے ہو کہ تم اس دن میرے عرش کے سائے میں رہو جس دن میرے عرش کے سوا اور کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا تو تم یتیم کے لیے شفیق باپ کی طرح ہو جاؤ اور بیوہ کی مہربان خاوند کی طرح کفالت کرو' اے موسیٰ بن عمران! تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے موسیٰ! تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اے موسیٰ! بنو اسرائیل کے نبی! جس نے مجھ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا منکر تھا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا محمد کون ہے؟ فرمایا: اے موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں نے ان سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی' میں نے عرش' آسمانوں' زمینوں' سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میری تمام مخلوق پر اس وقت تک جنت حرام ہے جب تک کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے' حضرت موسیٰ نے پوچھا: اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کون ہے؟ فرمایا ان کی امت اترتے چڑھتے ہر حال میں حمد کرنے والی ہے' وہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو ڈرتے رہیں گے' میں ان کے کم عمل کو بھی قبول کرلوں گا اور ان کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی وجہ سے جنت میں داخل کردوں گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: مجھے اس امت کا نبی بنادے' فرمایا: اس امت کا نبی ان ہی میں سے ہو گا پھر کہا: اچھا مجھے اس نبی کی امت میں سے بنادے' فرمایا: تم اس سے پہلے ہو۔ اے موسیٰ! ٹھہرو میں تمہیں اور ان کو دار الجلال میں اکٹھا کردوں گا۔

(کتاب السنہ ج ۱' ص ۳۰۵' الشریعہ ج ۱' ص ۲۴۴' حلیۃ الاولیاء ج ۳' ص ۴۳۰-۴۲۹' طبع جدید' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن الشاہین نے کتاب الترغیب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اس شخص کے لیے کیا اجر ہے جو اس عورت سے تعزیت کرے جس کا بچہ فوت ہو چکا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن کسی چیز کا سایہ نہیں ہو گا اس دن میں اس کو اپنے سایہ میں رکھوں گا۔

امام ابن ابی حاتم نے العلاء بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں اپنے کلام سے نوازا' عرض کیا نہیں اے میرے رب! فرمایا اس لیے کہ میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تمہاری طرح متواضع ہو۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۵۴۳-۵۴۲' ملتقطا' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق اہل قبلہ کے مذاہب

اس کے بعد فرمایا: (حضرت موسیٰ نے کہا) اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ الآیہ (الاعراف: ۱۴۳)

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً ممکن ہے' محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ رویت آخرت میں واقع ہو گی' اور مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھیں گے' اور اہل بدعت میں سے معتزلہ' خوارج اور بعض مرجئہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا عقلاً محال ہے' ان کا یہ قول غلط اور باطل ہے' کتاب و سنت کی تصریحات' صحابہ' فقہاء تابعین اور اخیار امت کا اس پر اجماع ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور بیس سے زیادہ صحابہ سے اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ رویت ایک قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے' اس کے لیے شعاع بصری کا دکھائی دینے والے کو احاطہ کرنا اور دکھائی دینے والے کا دیکھنے والے کے بالمقابل ہونا شرط نہیں ہے' لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا

کہ آخرت میں جب مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کی شعاع بصری اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرلے یا اللہ تعالیٰ دیکھنے والوں کی بالمقابل جانب ہو، معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا اس لیے انکار کیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا محاط ہونا اور اس کے لیے سمت اور جہت کا ہونا لازم آئے گا، ہاں ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اس میں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے اور جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہے اور وہ ہمیں دیکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے اس کا جانب مقابل میں ہونا لازم نہیں آتا تو اس کے دکھائی دینے سے جانب مقابل میں ہونا کس طرح لازم آئے گا!

منکرین رویت کے دلائل اور ان کے جوابات

منکرین کی ایک دلیل تو سورۃ الاعراف کی یہ مذکورہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کی نفی ہے' اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے یہ نہیں فرمایا میں ہرگز دکھائی نہیں دوں گا۔

ان کی دوسری دلیل یہ آیت ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں دنیا میں اللہ کو دیکھنے کی نفی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں کفار کے دیکھنے کی نفی ہے اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ مسلمان آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ: ۵۵) اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم تم پر اس وقت تک کبھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں پس تم کو کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا در آنحالیکہ تم دیکھتے تھے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے اس مطالبہ کے سبب ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس لیے عذاب نازل نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور ایک امر محال کا سوال کیا تھا۔ بلکہ عذاب اس لیے نازل فرمایا تھا کہ انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا اور ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر موقوف کر دیا تھا گویا کہ وہ حالت کفر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اپنا دیدار نہیں کرائے گا۔

رہا یہ امر کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز اور ممکن ہے اور محبت الٰہی کی وجہ سے اس کی رویت کا سوال کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت میں ہے: موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ (الاعراف: ۱۴۳)

اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو کرنا اور دعا کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت کے علوم و معارف کے حامل ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیوں کرتے اور اگر بالفرض یہ دعا ناجائز ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی دعا کرنے سے منع فرما

دیتا۔ اور رویت کے امکان پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ — البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۳۵۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کو پہاڑ کے برقرار رہنے پر معلق کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ برقرار رہنا فی نفسہ ممکن ہے اور جو ممکن پر موقوف ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے' پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر اہل سنت کے قرآن مجید سے دلائل

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامہ: ۲۲-۲۳) — قیامت کے دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے' اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۵) — حق یہ ہے کہ وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محجوب ہوں گے۔

اس آیت سے صراحتاً تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے مگر اس سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اسی صورت میں یہ آیت کفار کے لیے حسرت اور محرومی کا موجب ہوگی' کیونکہ اگر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے تو کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ اس میں ہماری کیا تخصیص ہے۔ مسلمان بھی تو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا آپ نے فرمایا: سنو تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو' تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم کو قدرت ہو تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہونا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم' مساجد: ۲۱۱' (۶۳۳) ۱۴۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۷۷' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۶۰' سنن کبری للبیہقی' ج ۱' ص ۳۵۹' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۷۹۹' مسند ابوعوانہ' ج ۱' ص ۳۷۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب آسمان پر ابر نہ ہو تو کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا اسی طرح تم کو اس دن اپنے رب کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۴۳۹' صحیح مسلم' الایمان: ۳۰۲' (۱۸۳) ۴۴۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۳۰' مسند احمد' ج ۲' ص ۵۳۴' ۲۹۳' ۲۵۷' ج ۳' ص ۱۶' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۷۸' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث: ۲۰۸۵۶' المستدرک' ج ۴' ص ۵۸۲'

مشکوۃ‘ رقم الحدیث: ۵۵۵۵‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۶۹۸)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رب کلام فرمائے گا‘ اس شخص کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا اور نہ کوئی حجاب ہو گا جو اس کے رب کو دیکھنے سے مانع ہو۔

(صحیح البخاری‘ رقم الحدیث: ۷۴۴۳‘ صحیح مسلم‘ الزکوٰۃ: ۶۷ (۱۰۱۶) ۲۳۰۹‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۵‘ سنن ابن ماجہ‘ رقم الحدیث: ۱۸۴۳‘ مسند احمد‘ ج ۴‘ ص ۳۷۷‘ ۲۵۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ تھا میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا چیز ہے؟ کہا یہ جمعہ ہے‘ جس کو آپ کا رب آپ پر پیش کرتا ہے تاکہ وہ دن آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی قوم کے لیے عید ہو جائے‘ آپ اول ہیں اور یہود و نصاریٰ آپ کے بعد ہیں‘ آپ نے فرمایا: ہمارے لیے اس عید میں کیا ہے؟ کہا: اس دن میں آپ (سب) کے لیے خیر ہے‘ اس دن میں آپ (سب) کے لیے ایک ساعت ہے‘ اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب سے خیر کی دعا کرے گا اور وہ اس کی قسمت میں ہو تو اللہ اس کو وہ خیر عطا فرمائے گا اور اگر وہ خیر اس کی قسمت میں نہ ہو تو اس سے عظیم چیز کو اس کے لیے ذخیرہ کر دے گا یا اس کی قسمت میں جو شر ہو گا اس شر سے اس کو پناہ میں رکھے گا۔ میں نے کہا: اس آئینہ میں یہ سیاہ نکتہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ ساعت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور آخرت میں ہمارے نزدیک اس کا نام یوم المزید ہے۔ میں نے کہا: تم اس دن کو یوم المزید کس وجہ سے کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے رب عزوجل نے جنت میں مشک سے زیادہ خوشبودار ایک سفید وادی بنائی ہے‘ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہوتا ہے‘ حتیٰ کہ اس کرسی کے گرد نور کے منبر بچھا دیے جاتے ہیں اور انبیاء آ کر اس کرسی کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں‘ پھر اہل جنت آتے ہیں اور ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں‘ پھر ان کا رب تبارک و تعالیٰ ان سب پر تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ وہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ (الحدیث)

(مسند البزار‘ رقم الحدیث: ۳۵۱۹‘ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۲۸‘ المعجم الاوسط‘ رقم الحدیث: ۶۷۱۳‘ مجمع الزوائد ج ۱۰‘ ص ۴۲۱‘ المطالب العالیہ ج ۱‘ ص ۱۵۸-۱۵۷‘ رقم الحدیث: ۵۷۹‘ اس کی سند صحیح ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآن مجید سے ایک اور دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر دلیل ہے‘ کیونکہ کسی چیز کے علم سے وہ چیز منجلی (روشن) ہو جاتی ہے‘ اور کسی چیز کو دکھانا بھی اس چیز کو روشن کر دیتا ہے اور علم کی بہ نسبت دکھانے سے چیز زیادہ منجلی (روشن) ہوتی ہے‘ اس لیے یہاں پر تجلی سے مراد دکھانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اس آیت کے معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو پہاڑ نے دیکھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہاڑ تو ایک پتھر ہے اس کا دیکھنا غیر متصور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں حیات‘ عقل اور فہم پیدا کی ہے اس طرح اس میں رویت اور بصارت بھی بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یجبال اوبی معه والطیر (سبا: ۱۰) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو تم بھی!

نیز پہاڑ پتھروں کی جنس سے ہیں اور پتھروں کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ — بے شک بعض پتھر ضرور خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔

(البقرہ: ۷۴)

اور جب پہاڑ تسبیح کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں تو وہ دیکھ بھی سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب پہاڑ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی طاقت پہاڑ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

منکرین رویت کے ایک اعتراض کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی' اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے رویت کا سوال کرنا گناہ ہے جب ہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے توبہ کی' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت کے بغیر رویت کا سوال کیا تھا اس لیے انہوں نے اپنے اس فعل پر توبہ کی اور ہرچند یہ سوال کرنا گناہ نہیں تھا لیکن ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہوں کے حکم میں ہوتی ہیں' اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں کہ تیرے اذن کے بغیر تجھ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے تو ہوش میں آکر کہا سبحانک یعنی ہم پر ریزہ ریزہ ہونے اور بے ہوش ہونے کی آفت اور مصیبت پہنچی اور تو ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینے کے متعلق حدیث

اس آیت میں کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کا ذکر ہے' رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک حدیث میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی اپنا کچھ سامان بیچ رہا تھا اس کو اس سامان کے عوض جو قیمت دی گئی اس کو اس نے ناپسند کیا اور کہا: نہیں! اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! ایک انصاری نے یہ سنا تو اس یہودی کے چہرے پر ایک طمانچہ مارا اور کہا: تو یہ کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی' حالانکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں! وہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: یا ابا القاسم! میرے لیے ذمہ اور عہد ہے (یعنی میں ذمی ہوں' اور آپ کے ذمہ میری حفاظت ہے) اور فلاں شخص نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے کہا تھا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! حالانکہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے غضب ظاہر ہو رہا تھا' پھر آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو۔ (بخاری: ۳۴۱۸) کیونکہ صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے' سوا ان کے جن کو اللہ چاہے گا۔ پھر دوسری بار صور

پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے' میں (از خود) نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا تھا اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۴' ۲۴۰۷' صحیح مسلم' فضائل انبیاء: ۱۵۹(۲۳۷۳) سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۷۱' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۳۲۴۵' مسند احمد' ج ۳' ص ۳۳-۳۱' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۳۰۹-۶۳۰۸)

"مجھے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت مت دو" اس حدیث کے جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی ﷺ بالاتفاق تمام انبیاء اور مرسلین سے افضل ہیں' پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو' اس اعتراض کے جوابات حسب ذیل ہیں:

آپ کے ارشاد کا یہ معنی ہے کہ نفس نبوت میں کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو' کیونکہ نفس نبوت میں تمام نبیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۵) ہم (ایمان لانے میں) اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔

اور اس ارشاد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مراتب اور درجات کے لحاظ سے کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ بعض رسول بعض رسولوں سے افضل ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ: ۲۵۳) یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا' اور ان میں سے کسی کو (تمام) درجات پر بلندی عطا فرمائی۔

دوسرے جواب کے ضمن میں تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت کے متعلق احادیث

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام نبیوں اور رسولوں پر فضیلت دے دی' اور جب اللہ جل مجدہ نے آپ کو اس افضلیت پر مطلع فرما دیا تو آپ نے خود بیان فرمایا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں' جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کرنے والا ہوں' جتنی زیادہ میری تصدیق کی گئی ہے اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں کی گئی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ان کی تصدیق کی تھی۔ (صحیح مسلم' الایمان: ۳۳۲' (۱۹۶) مشکوۃ' رقم الحدیث: ۵۷۴۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور کوئی فخر نہیں' اور اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہو گا خواہ وہ آدم ہوں یا ان کے علاوہ' اور سب سے پہلے جس شخص سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں' اور کوئی فخر نہیں۔

(سنن الترمذی' تفسیر سورۂ بنی اسرائیل' ۱۸' رقم الحدیث: ۳۱۴۸' مشکوۃ' رقم الحدیث: ۵۷۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے' رسول اللہ ﷺ حجرہ سے نکلے اور ان کی باتیں سننے لگے' بعض صحابہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' دوسرے نے کہا: حضرت موسیٰ

سے اللہ نے کلام فرمایا' ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں' کسی نے کہا حضرت آدم کو اللہ نے منتخب کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سن لیں' تم نے کہا ابراہیم خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں' تم نے کہا موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں' وہ ایسے ہی ہیں' تم نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں' وہ ایسے ہی ہیں' تم نے کہا آدم اللہ کے صفی ہیں' وہ ایسے ہی ہیں' سنو میں اللہ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں' اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا' اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں' اور میں اولین اور آخرین میں اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ (سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن الدارمی' رقم الحدیث: ۷۴' مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۷۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور کوئی فخر نہیں' میں خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں' میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں۔ (مشکوۃ' رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی ﷺ کو یہ علم تھا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں' لیکن آپ نے تواضعاً اور ادباً انبیاء علیہم السلام پر خود کو فضیلت دینے سے منع فرمایا' لیکن اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ملامت سے منع فرماتے' جبکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سخت غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے سے آثار غضب ظاہر ہوئے' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ فضیلت دینا صرف نامناسب نہیں بلکہ حرام تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے انبیاء پر اس طرح فضیلت مت دو جو دوسرے نبیوں میں نقص کی موجب یا موہم ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ مجھے دوسرے نبیوں پر اس طریقہ سے فضیلت مت دو جو کسی لڑائی جھگڑے کا موجب ہو' جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا تھا۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفضیل کے مسئلہ میں زیادہ بحث تمحیص اور غور و فکر نہ کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ دوران بحث تمہارے منہ سے ایسا لفظ نکل جائے جو نامناسب ہو اور اس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے احترام میں کمی آئے۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ اپنی آراء اور اپنی اھواء سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو' ہاں قرآن اور حدیث کے دلائل سے فضیلت کو بیان کرو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضائل کی تمام انواع و اقسام سے فضیلت مت دو' حتیٰ کہ مفضول کے لیے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ کسی اہل کتاب مثلاً یہودی یا نصرانی کے سامنے تمام نبیوں پر میری فضیلت مت بیان کرو ہو سکتا ہے کہ وہ تعصب میں آکر میرے متعلق کوئی تحقیر کا کلمہ کہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ میری دوسرے نبیوں پر فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے خدائی صفات سے متصف کر دو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا اور انہیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔

گیارھویں جواب کے ضمن میں نبی ﷺ کی شان میں غلو کرنے کی ممانعت

گیارھواں جواب یہ ہے کہ دوسرے نبیوں پر میری فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑھا دو۔

نبی ﷺ نے فرمایا میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا، میں تو صرف اس کا بندہ ہوں پس تم کو وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۴۴۵، سنن داری، رقم الحدیث: ۲۷۸۴، مسند ج ۱، ص ۲۴-۲۳)

اس غلو کی بعض یہ مثالیں ہیں۔

اذاں کیا جہاں دیکھو ایمان والو
پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا
کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہولے
تو پھر نام لے وہ حبیب خدا کا

یعنی ناپاک زبان سے اللہ کا نام لینا تو جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کا نام لینا جائز نہیں ہے، جب کہ جنبی کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا ممنوع ہے اور حدیث کا پڑھنا ممنوع نہیں ہے ہرچند کہ خلاف ادب ہے، اسی طرح بے وضو کا قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے اور حدیث کو چھونا جائز ہے اگرچہ خلاف ادب ہے۔ اسی طرح غلو پر مشتمل ایک شعر یہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کی گرفت فرمائے گا تو کیا نبی ﷺ ان کو چھڑائیں گے اور جن مسلمان گنہ گاروں کو آپ چھڑائیں گے تو وہ اللہ کے اذن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کر کے چھڑائیں گے۔ اور دوسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ نبی ﷺ نے سرداران قریش کے ایمان کی طمع میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے بے توجہی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیات نازل فرمائیں۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰیۤ ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰیۤ ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ○ وَهُوَ یَخْشٰی ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ○ (سورہ عبس: ۱۰-۱)

انہوں نے تیوری پر بل ڈالے اور منہ پھیرا ○ اس پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا ○ آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرے ○ یا وہ نصیحت قبول کرے تو اس کو نصیحت نفع دے ○ اور جو بے پرواہی کرتے ہیں ○ تو آپ ان کے در پے ہوتے ہیں ○ اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا ○ اور جو شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا ○ درآنحالیکہ وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے ○ تو آپ نے اس سے بے پرواہی کی۔

اسی طرح تین صحابہ حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع پر رسول اللہ ﷺ نے گرفت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چھڑا لیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی مہم بہت سخت اور دشوار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو عام تیاری کا حکم دیا مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے میں مشغول تھے مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا تیار ہو کر چلا جاؤں گا۔ ایک چھوڑ، دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت میں تھا کہ ادھر رسول اللہ ﷺ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا، میں نے سوچا کہ آپ روانہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا میں

اگلی منزل پر آپ سے جا ملوں گا' اسی سوچ و بچار اور آج کل میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں سخت پریشان تھا' سارے مدینہ میں پکے منافقوں یا معذور مسلمانوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا' میں نے سوچا کہ میں تبوک میں نہ جانے کے متعلق کوئی عذر بیان کر کے جان بچالوں گا' لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خیریت سے تشریف لے آئے ہیں تو سارے جھوٹے عذر کافور ہو گئے اور میں نے سوچا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دینے والی نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے' صحابہ کرام جمع تھے' منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔
میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوا۔ میرے سلام کا آپ نے غضب آمیز تبسم کے ساتھ جواب دیا اور میری غیر حاضری کی وجہ دریافت کی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں کسی دنیا دار کے سامنے پیش ہوتا تو جھوٹے عذر بیان کر کے اپنی چرب زبانی سے صاف بچ جاتا مگر یہاں تو اس ذات کے سامنے معاملہ درپیش ہے کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر وقتی طور پر اپنے آپ کو بچا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا' اس کے برعکس سچ بولنے سے مجھے آپ کی ناراضگی برداشت کرنی پڑے گی مگر اس کا انجام بہتر ہوگا۔ یا رسول اللہ! امر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غزوہ تبوک میں نہ جانے کا کوئی عذر نہیں ہے' جس وقت میں آپ کے ہمراہ تبوک نہیں گیا اس وقت سے زیادہ وسعت اور فراخی مجھے کبھی حاصل نہیں تھی' میں مجرم ہوں آپ جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اس شخص نے سچ کہا ہے اچھا جاؤ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو' بعد میں معلوم ہوا کہ دو اور شخص (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع) بھی میری طرح تھے۔ آپ نے ہم تینوں کے متعلق حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے' سب علیحدہ رہیں' سو کوئی مسلمان ہم سے بات نہیں کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا' وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے اور گھر میں روتے رہتے تھے۔ میں چونکہ سخت اور قوی تھا' مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا تھا' میں آپ کو سلام کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کرتے ہیں یا نہیں' جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔
مخصوص رشتہ دار اور اعزہ بھی مجھ سے بے گانہ ہو گئے تھے ایک روز مجھے شاہ غسان کا ایک خط ملا کہ تم ہمارے ملک میں آجاؤ وہاں تمہاری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے اور وہ خط میں نے جلا دیا۔ چالیس دن بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک حکم پہنچا کہ میں اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤں' چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا' مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر میں اسی حال میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ تو میری نماز جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر بالفرض اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو مسلمان میرا مستقل بائیکاٹ رکھیں گے اور میری میت کے بھی کوئی قریب نہیں آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی اور مجھے زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی' کہ اچانک جبل سلع (ایک پہاڑ) سے آواز آئی: "اے کعب بن مالک' مبارک ہو!" میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا' معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دی کہ ہماری توبہ قبول ہو گئی ہے' آپ نے نماز فجر کے بعد صحابہ کو مطلع کر کے فرمایا اور مجھے خوش خبری سنانے کے لیے ایک سوار میری طرف دوڑا' مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے ندا کی اور سوار سے پہلے اس کی آواز مجھ تک پہنچ گئی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' مسلمان مجھے جوق در جوق مبارک باد دے رہے تھے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا' رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٤٤١٨٬ ٢٧٥٧' صحیح مسلم' التوبہ: ٥٣' (٢٧٦٩) ٦٨٨٣' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٣١٨' سنن النسائی' رقم الحدیث: ٣٤٢٢' صحیح ابن خزیمہ' رقم الحدیث: ٢٤٤٢' سنن الدارمی' رقم الحدیث: ٢٤٥٤' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ١٣٩٣' سنن

الترمذی' رقم الحدیث: ۳۱۰۲' مسند احمد' ج ۳' ص ۴۵۶' جامع الاصول' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۶۲)

حضرت کعب بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول کرنے اور ان کی نجات کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (التوبہ: ۱۱۸)

اور ان تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا حکم موخر رکھا گیا تھا' حتیٰ کہ جب زمین وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ ہمیشہ توبہ کرتے رہیں' بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت مہربان ہے۔

ان مذکور الصدر احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین صحابہ پر گرفت فرمائی اور آپ کے حکم پر مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے مقاطعہ جاری رکھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کی خلاصی کرادی اس لیے یہ مصرع صحیح نہیں ہے کہ: "محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔"

رسول اللہ ﷺ کی شان میں غلو کی ایک اور یہ مثال ہے۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

(اگر میرے نظریہ کو جانو اور حضرت صدیق اکبر کی نظر سے دیکھو تو نبی' اللہ سے زیادہ محبوب ہیں)

یہ اشعار قرآن مجید کی اس آیت کے صراحۃً خلاف ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ: ۱۶۵) اور ایمان والے سب سے زیادہ محبت' اللہ سے کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کائنات میں سب سے افضل ہیں اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ آپ سے محبت ہونی چاہیے لیکن ان تمام تر عظمتوں کے باوجود نبی ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کی مخلوق ہیں' اور خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح تقابل کرنا کہ مخلوق خالق سے زیادہ افضل یا زیادہ محبوب یا زیادہ بااختیار ہے صحیح انداز فکر نہیں ہے۔

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ جنگ بدر کے دن زخمی ہو گئی اور ان کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آگیا' مسلمانوں نے اس کو کاٹ کر نکالنے کا ارادہ کیا' پھر نبی ﷺ سے سوال کیا' آپ نے فرمایا: نہیں! پھر حضرت قتادہ کو بلایا آپ نے اپنی ہتھیلی سے وہ ڈھیلا (اپنی جگہ رکھ کر) دبایا' پھر پتا نہیں چلتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

(مسند ابو یعلیٰ' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۴۹' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۳' ص ۱۰۰۔۹۹' اسد الغابہ' ج ۴' ص ۳۰۷' رقم: ۴۲۷۷' الاصابہ' ج ۵' ص ۳۱۸' رقم: ۷۰۹۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک کمان ہدیہ کی گئی' جنگ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے وہ کمان مجھے دے دی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اس کمان سے تیر مار رہا تھا کہ وہ کمان ٹوٹ گئی' اور میں مستقل رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا رہا جو تیر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف آتا میں اس تیر کے سامنے اپنا چہرہ کر دیتا (اور کمان ٹوٹنے کی وجہ سے) میں اس وقت کوئی تیر نہیں مار رہا تھا' حتیٰ کہ ایک تیر آ کر میری آنکھ میں لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا نکل کر میرے چہرے پر آ گیا' میں نے وہ ڈھیلا نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھا' جب رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ میں نکلی ہوئی آنکھ کا ڈھیلا دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے دعا کی: اے اللہ! قتادہ نے تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے سے بچایا ہے تو اس کی اس آنکھ کو دونوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز بنا دے' سو ان کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر والی تھی۔

(المعجم الکبیر' ج ۱۹' ص ۸' رقم الحدیث: ۱۲' دلائل النبوۃ لابی نعیم' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۷' المستدرک' ج ۳' ص ۲۹۵' الاستیعاب' ج ۳' ص ۳۳۸' رقم: ۲۱۳۱' اسد الغابہ' ج ۴' ص ۷۰۳' رقم: ۴۲۷۷' الاصابہ' ج ۵' ص ۳۱۸' رقم: ۷۰۹۱' مجمع الزوائد' ج ۶' ص ۱۱۳)

غیر محتاط واعظین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ میں اتنی روشنی نہیں تھی جتنی مصطفیٰ ﷺ کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی' اللہ اور اس کے رسول کی عطا میں تقابل کا یہ انداز بہت خطرناک ہے' یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی تھیں فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ ماں باپ کے جسمانی توسل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ملی تھی اس لیے اس آنکھ کا حسن اور اس کی نظر دوسری آنکھ سے زیادہ تھی۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کی فضیلت بیان کرنے میں غلو اور مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کی صفات خدا کے برابر بیان کی جائیں' نہ آپ کو خدا سے بڑھایا جائے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۹۱۸' ۴۶۳۸) نیز آپ نے فرمایا: بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت مت دو۔ (مسند احمد ج ۳' ص ۴۱) اور فرمایا: مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو' اور نہ یونس بن متی پر (البدایہ والنہایہ' ج ۱' ص ۱۷۱) اور ان سب احادیث کا ایک محمل یہ ہے کہ مجھے خدا کے برابر نہ کرو یا مجھے خدا سے نہ بڑھاؤ اور اس محمل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق غلو کیا تھا' پس تم کہو وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۴۴۵) اس توجیہ کے بیان کرنے کے سلسلہ میں کلام طویل ہو گیا کیونکہ ہمارے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں بہت افراط اور تفریط ہے' بعض لوگ آپ کی شان بیان کرنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور آپ کے فضائل میں قطع برید کرتے ہیں اور بعض اس میں افراط کرتے ہیں اور حد سے گزر جاتے ہیں' میں نے اصلاح کی اپنی سی کوشش کی ہے' اللہ تعالیٰ ان سطور میں اثر آفرینی فرمائے۔ (آمین) اب میں اس حدیث کے بقیہ تشریح طلب اجزاء کی وضاحت کرتا ہوں۔ فاقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

صعقہ کا معنی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب پر صعقہ طاری ہو گا' ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔ (الزمر: ۶۸) صعقہ کا معنی موت ہے اور کبھی اس سے مراد بے ہوشی بھی ہوتی ہے' جیسے اس آیت میں ہے وخر موسی صعقا (الاعراف: ۱۴۳) اس آیت میں جن لوگوں کا صعقہ سے استثناء کیا ہے ان کے مصداقوں میں

اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شہداء ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ ان کی تعیین میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے' اور ان میں سے ہر ایک محتمل ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے' میں ازخود نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا (وہ بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن) ان کو مجھ سے پہلے اٹھا لیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلائل

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے فرمایا ہے کہ جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس سے انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور عام انسان سب مر جائیں گے' سو عام لوگوں کے حق میں صعقہ کا معنی موت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں صعقہ کا معنی بے ہوشی ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے حق میں موت کا معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور موت کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں' ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں' اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم السلام تو اپنی وفات کے بعد اس حال کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۶۳۶)

نیز شب معراج تمام انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے' خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کو نبی ﷺ نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح مسلم' فضائل انبیاء: ۱۵۶' (۲۳۷۳) ۶۰۴۲)

اس طرح کی احادیث بہت زیادہ ہیں جن کے مجموعہ سے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے بایں طور کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے' ہرچند کہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے کہ وہ بھی موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا سوائے اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے' اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں ہر شخص پر صعقہ طاری ہو گا ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے' غیر انبیاء کے صعقہ کا معنی ہے وہ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے۔ اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آجائیں گے' اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ حقیقتاً سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور تمام لوگوں سے پہلے اپنی قبر مبارک سے باہر آئیں گے' خواہ وہ انبیاء ہوں یا ان کے غیر' ماسوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق نبی ﷺ کو تردد تھا' آیا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا وہ پہلے صعقہ سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور اس کے قائم مقام طور کی بے ہوشی تھی' بہرحال جو بھی شکل ہو اس حدیث کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو ان کے غیر میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(المفہم' ج ۶' ص ۲۳۴-۲۳۱' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبی ﷺ پر فضیلت جزی کی تحقیق

علامہ قرطبی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی ﷺ پر فضیلت جزی حاصل تھی کہ وہ یا تو پہلے صعقہ سے بے ہوش نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن آپ سے پہلے ہوش میں آگئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ہر صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فضیلت ثابت ہے۔(فتح الباری' ج ٦' ص ٤٤٥' طبع لاہور' عمدۃ القاری' ج ١٢' ص ٢٥١)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ فضیلت جزی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے اور یہ فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات' ج ٤' ص ٤٥١' مطبوعہ تیج کمار لکھنؤ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فضیلت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ اس ذات سے بڑھ جائیں جو ان پر فضائل کثیرہ اور متعدد وجوہ سے مقدم ہیں۔(مرقات ج ١١' ص ١٧' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ١٣٩٠ھ)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر اور اول انسان ہیں اور نبی ﷺ پر ان کی یہ فضیلت جزی ہے لیکن فضیلت کلی نبی ﷺ کو ہی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ اپنی نانی کی دعا کی وجہ سے اپنی ولادت کے وقت میں شیطان سے محفوظ رہے اور انہوں نے پنگوڑے میں کلام کیا اور بچپن ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ لیکن فضیلت کلی کے حامل صرف نبی ﷺ ہیں۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ نے ایک اور جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "میں (از خود) نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے"۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی ﷺ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ حقیقتاً سب سے پہلے آپ ہوش میں آکر قبر سے نکلیں گے۔ اور آپ ہی علی الاطلاق سب سے پہلے اٹھیں گے۔ اور جو گروہ سب سے پہلے قبروں سے اٹھے گا' اس میں علی الاطلاق سب سے پہلے آپ اٹھیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گروہ سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی' ج ١٠' ص ٦٢٣٣' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

قاضی عیاض اور علامہ نووی کے اس جواب کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی ﷺ پر فضیلت جزی بھی نہیں رہی' نبی ﷺ علی الاطلاق سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔

(صحیح مسلم' فضائل: ٣ (٢٢٧٨) ٥٨٣٠' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٦٧٣' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ٣١٥٩' ٣٦٣١' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٣٠٨' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ٦٤٧٨' مسند احمد' ج ١' رقم الحدیث: ١٠٩٨٧' طبع جدید دار الفکر' مسند احمد' ج ١' ص ٢٨١' ج ٣' ص ٣٣٢' المستدرک' ج ٢' ص ٣٦٥' دلائل النبوۃ ج ١' ص ١٣' کنز العمال' رقم الحدیث: ٣١٨٧٩)

قاضی عیاض مالکی متوفی ٥٤٤ھ اور علامہ نووی شافعی' متوفی ٦٧٦ھ کے جواب کو علامہ ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ' علامہ سنوسی مالکی متوفی ٨٩٥ھ' علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ' علامہ سیوطی شافعی متوفی ٩١١ھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی' متوفی

۵۲ھ نے بھی اپنی شروحات میں نقل کیا ہے:
(اکمال اکمال المعلم ج ۸' ص ۷ ـ ۱۴۳' معلم اکمال الاکمال ج ۸' ص ۷ ـ ۱۴۳' عمدۃ القاری ج ۱۲' ص ۲۵۱' الدیباج ج ۲' ص ۲۰۳' اشعۃ اللمعات' ج ۴' ص ۴۵۱)

بظاہر اس حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی ﷺ پر فضیلت لازم آتی ہے۔ مدت دراز سے میں اس اشکال کا جواب دینا چاہتا تھا اور اس حدیث کی مکمل تحقیق کرنا چاہتا تھا' اس کے باوجود نہ جانے کس وجہ سے شرح صحیح مسلم میں اس کی تشریح مجھ سے رہ گئی' زیر تفسیر آیت میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر بے ہوش ہونے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں اس کا حوالہ ہے' اس مناسبت سے میں نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا اور اس کی تفصیل اور تحقیق کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کو اثر آفریں بنائے۔ (آمین) اب پھر میں بقیہ آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: اے موسیٰ! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغاما اور اپنے کلام سے فضیلت دی' پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو' اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۱۴۴)

دیدار نہ کرانے کی تلافی میں کلام سے مشرف فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کو طلب کیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تلافی میں اور دوسری عظیم نعمتیں عطا فرمائیں گویا کہ یوں فرمایا کہ اگر تم کو دولت دیدار حاصل نہیں ہوئی تو تم رنجیدہ نہ ہو میں تمہیں ایک اور عظیم نعمت عطا فرما رہا ہوں وہ میری رسالت اور میرا کلام ہے' سو تم اس نعمت پر میرا شکر ادا کرو۔ اس آیت میں فرمایا ہے: میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے اوروں کو بھی رسول بنایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو رسالت اور کلام دونوں کے مجموعہ سے نوازا ہے۔ اور یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ رسالت اور کلام کے ساتھ میں نے تم کو مخلوق پر فضیلت دی ہے بلکہ فرمایا ہے لوگوں پر فضیلت دی ہے' کیونکہ مخلوق میں فرشتے بھی ہیں اور فرشتے اللہ کا کلام بلاواسطہ سنتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی نعمت پر شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے لوازم اور تقاضوں پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں مین ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی' سو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں' عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا۔ (الاعراف: ۱۴۵)

تورات کی تختیوں کا مادہ' تعداد اور نزول کی تاریخ

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ تورات سونے کے قلموں سے لکھی گئی تھی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات زمرد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی' اس میں ہر چیز کا بیان تھا' اور اس میں نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر

آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بنو اسرائیل بچھڑے کے سامنے بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں' تو جوش غضب سے ان کے ہاتھوں سے تورات گر کر ٹوٹ گئی' پھر وہ ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سر سے پکڑ لیا' پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کے چھ حصے اوپر اٹھا لیے اور ایک حصہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات نازل کی گئی تھی وہ بیری کے پتوں پر لکھی ہوئی تھی اور اس لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ تورات کی تختیاں یاقوت کی تھیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ زمرد کی تھیں اور اس پر سونے سے لکھا ہوا تھا' اور رحمٰن تبارک و تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور آسمان والوں نے قلم چلنے کی آواز سنی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۶۳' ۱۵۶۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابن ابی شیبہ' امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے حکیم بن جابر سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا کسی چیز کو پیدا کرنے میں اپنا ہاتھ نہیں لگایا' اپنے ہاتھ سے جنت میں پودا لگایا' ورس (ایک قسم کی گھاس' جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) اور زعفران کو اس کی مٹی بنایا اور اس میں مشک کے پہاڑ بنائے' حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۵۴۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

تورات کی الواح کے متعلق سات قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ زمرد کی الواح تھیں' سعید بن جبیر نے کہا: یاقوت کی تھیں' مجاہد نے کہا: سبز زمرد کی تھیں' ابوالعالیہ نے کہا: ایک قسم کے کپڑے کی تھیں' حسن بصری نے کہا: لکڑی کی تھیں' وہب بن منبہ نے کہا: پتھر کی تھیں' مقاتل نے کہا: زمرد اور یاقوت کی تھیں۔ ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سات الواح تھیں' ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: دو تختیاں تھیں' اور یہ فرا کا مختار ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: دس تھیں' مقاتل نے کہا: نو تھیں۔ (زاد المسیر ج ۳' ص ۲۵۸' مطبوعہ المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے تھے اور یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عطا فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۱۰' مطبوعہ احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تورات میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل مذکور ہونے کی توجیہ

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم نے ان کے لیے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت لکھ دی تھی۔

ہر چیز سے مراد عموم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اپنے دین میں حلال' حرام اور اچھی اور بری چیزوں کے متعلق جن احکام کی احتیاج تھی وہ سب تورات میں لکھی ہوئی تھیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۶۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ء)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ فرمایا ہے: ہر چیز سے مراد احکام شرعیہ ہیں مثلاً فرض' واجب' حلال اور حرام وغیرہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر چیز کی حکمتیں اور عبرتیں وغیرہ ہیں۔ (زاد المسیر ج ۳' ص ۲۵۸' طبع بیروت)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ عرف اور محاورہ میں کل شئی سے مراد حقیقتاً عموم نہیں ہوتا جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی کے پاس ہر چیز ہے' یا میں شہر میں گیا اور میں نے ہر چیز خرید لی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸' ص ۲۵۳)

میں کہتا ہوں اس سے عموم بھی مراد ہو سکتا ہے جب کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ان کو دنیا میں صلاح اور آخرت میں فلاح کے لیے جس قدر احکام کی احتیاج تھی' اللہ تعالیٰ نے وہ تمام احکام تورات کی الواح میں لکھ دیے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جس قدر احکام شرعیہ دیے تھے تورات میں ان تمام احکام کی تفصیل لکھ دی تھی' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی احکام بیان فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل سنت اور قیاس سے معلوم ہوتی ہے' لیکن بنو اسرائیل کے لیے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام تفصیلات تورات ہی میں لکھ دی تھیں۔ مثلاً نماز کا قرآن مجید میں اجمالی حکم ہے' پانچ اوقات کی تفصیل اور تعیین درج نہیں نہ نماز کی رکعات کی تعداد کا بیان ہے اور ہر رکعت میں کیا پڑھنا ہے' اس کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ حج کے فرائض' ارکان' شرائط اور موانع کا ذکر نہیں ہے' ان تمام امور کی تفصیل سنت میں ہے' اسی طرح بعض احکام قیاس سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً خمر کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے لیکن دیگر نشہ آور چیزوں کی حرمت قیاس سے ثابت ہے۔ بنو اسرائیل کے لیے قیاس اور اجتہاد نہیں تھا نہ ان کے ہاں سنت اور حدیث کی شرعی حیثیت تھی۔ ان کے احکام کا ماخذ صرف تورات تھی' لہٰذا جو تفصیلات ہم کو سنت اور اجتہاد سے معلوم ہوتی ہیں' وہ تمام تفصیلات اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں لکھ دی تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تورات میں احکام بھی لکھے اور تمام احکام سے متعلق ہر تفصیل لکھ دی' اس لیے فرمایا: ہم نے تورات کی الواح میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

تورات کے احکام کا درجہ بہ درجہ ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں۔

آیت کے اس حصہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تورات میں کچھ ایسے حکم بھی ہیں جو بہترین نہیں ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ یہ معنی' مفہوم مخالف کے اعتبار سے لیا گیا ہے' اور ہمارے نزدیک قرآن اور حدیث میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے' اور تورات کے تمام احکام بہترین ہیں اور جن ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے' ان کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ تورات کے احکام درجہ بہ درجہ ہیں اور بعض احکام بعض سے زیادہ بہتر ہیں۔

۲۔ بنو اسرائیل کو برے کاموں سے روکا گیا تھا اور نیک کاموں کا حکم دیا گیا تھا اور برائی سے رکنا' نیکی کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ معاف کر دینا قصاص لینے سے بہتر ہے' اور صبر کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ سو ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ قصاص لینے کی بجائے معاف کر دیں اور بدلہ لینے کی بجائے صبر کریں' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشوریٰ: ۴۰۔۳۹)

اور وہ لوگ جن پر جب (کسی کا) ظلم پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے' بے شک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کے بعد فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں (بہترین کاموں) میں سے ہے۔

۳- تورات میں فرائض، نوافل اور مباح کاموں کے احکام ہیں، فرائض اور نوافل پر عمل کرنا، بہترین عمل ہے اور صرف فرائض پر عمل کرنا اس سے کم درجہ کا ہے اور مباح پر عمل کرنا اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ اسلام میں بھی احکام درجہ بہ درجہ ہیں، پہلے فرائض کا مرتبہ ہے پھر واجبات کا، پھر سنن کا، پھر مستحبات کا، پھر مباحات کا۔

اس کے بعد فرمایا: "عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا"۔ حسن اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد جہنم ہے۔ عطیہ عوفی نے کہا: اس سے مراد فرعون اور اس کی قوم کا گھر ہے جو کہ مصر ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جابرہ اور عمالقہ کے گھر ہیں، جو ان کو اللہ نے شام میں دخول کے وقت دکھائے تھے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ میں عنقریب تم کو ان لوگوں کا انجام دکھاؤں گا جنہوں نے میرے احکام کی مخالفت کی تھی، سو یہ تہدید اور تحذیر ہے۔ (زاد المسیر ج ۳، ص ۲۶۰)

الواح تورات میں نبی ﷺ اور آپ کی امت کی خصوصیات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام ابن ابی حاتم اور امام ابو الشیخ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے آخر میں پیدا ہو گی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گی، تو ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا: اے میرے رب میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت سب سے بہترین امت ہے وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ پر ایمان لائیں گے، تو ان کو میری امت بنا دے، فرمایا: وہ امت احمد ہے، کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت پہلی کتاب پر اور آخری کتاب پر ایمان لائے گی اور وہ گمراہوں سے قتال کرے گی، حتیٰ کہ کانے کذاب سے قتال کرے گی تو ان کو میری امت بنا دے، فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو کھائے گی اور اس کو اس پر اجر ملے گا تو اس کو میری امت بنا دے، فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ (قتادہ نے کہا: تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی شخص صدقہ کرتا اور اس کا وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک آگ بھیجتا وہ اس صدقہ کو کھا لیتی اور اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو وہ یونہی پڑا رہتا اور اس کو درندے اور پرندے کھا جاتے اور بے شک اللہ نے تمہارے فقراء کے لیے تمہارے اغنیاء سے صدقات کو لیا اور یہ اس کی تم پر تخفیف اور رحمت ہے) کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ اس امت کا جب کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیاں اور اس کی دگنی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، تو ان کو میری امت بنا دے، فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں یہ پڑھا ہے، اس امت کا کوئی شخص جب کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کر لے اور جب وہ عمل کر لے تو پھر اس کا ایک گناہ لکھا جاتا ہے تو اس کو میری امت بنا دے، فرمایا: یہ امت احمد ہے۔ کہا: اے میرے رب میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ وہ امت لوگوں کی دعوت قبول کرے گی اور ان کی دعا قبول کی جائے گی تو ان کو میری امت بنا دے، فرمایا: وہ امت احمد ہے، پھر حضرت موسیٰ نے کہا: اے اللہ! مجھے امت احمد بنا دے! فرمایا: میں تم کو دو ایسی چیزیں دے رہا ہوں جو میں نے کسی کو نہیں دیں، میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ فضیلت دی ہے، یہ ایک چیز ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور دوسری چیز یہ ہے کہ موسیٰ کی قوم سے ایک امت ایسی ہو گی جو حق کے ساتھ ہدایت دے گی اور حق کے ساتھ عدل کرے گی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام مکمل راضی ہو گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۶۴، رقم الحدیث: ۸۹۶۵)

امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب تورات میں ان خصوصیات کو پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کی ہیں تو اپنے رب سے کہا: اے رب! وہ کون سے نبی ہیں جن کو اور جن کی امت کو تو نے اول و آخر بنایا ہے؟ فرمایا وہ محمد نبی امی عربی حرمی تہامی ہیں جو قاذر بن اسماعیل کی اولاد سے ہیں ان کو میں نے محشر میں اول بنایا ہے اور ان کو میں نے (دنیا میں) آخر بنایا ہے اور ان پر رسولوں کو ختم کر دیا ہے' اے موسیٰ! میں نے ان کی شریعت کے ساتھ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ان کی کتاب کے ساتھ تمام کتابوں کو' اور ان کی سنت کے ساتھ تمام سنتوں کو' اور ان کے دین کے ساتھ تمام ادیان کو۔ کہا: اے رب! بے شک تو نے مجھے منتخب کیا ہے اور مجھ سے کلام فرمایا ہے' فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تم میرے صفی ہو اور وہ میرے محبوب ہیں' قیامت کے دن میں ان کو بلندی پر اٹھاؤں گا اور ان کے حوض کو سب سے بڑا حوض بناؤں گا اور ان کے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آئیں گے' اور ان کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ کہا: اے رب! تو نے ان کو مکرم اور مشرف بنایا ہے' فرمایا: اے موسیٰ! مجھ پر حق تھا کہ میں ان کو مکرم بناتا اور ان کو اور ان کی امت کو فضیلت دیتا' کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام کلمات پر ایمان لائیں گے اور میرے تمام غیب پر ایمان لائیں گے۔

کہا: اے میرے رب! یہ ان کی نعت ہے' فرمایا: ہاں! کہا: اے میرے رب! کیا تو نے ان کو جمعہ حبہ کیا ہے یا میری امت کو؟ فرمایا بلکہ جمعہ ان کے لیے ہے نہ کہ تمہاری امت کے لیے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں ایک امت کی یہ صفت دیکھی ہے کہ ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے' وہ کون ہیں؟ آیا وہ بنو اسرائیل ہیں یا کوئی اور ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' وضو کے آثار سے (قیامت کے دن) ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پل صراط سے بجلی اور آندھی کی طرح گزرے گی' وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے' کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم پانچ نمازیں پڑھے گی' وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے۔ کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ بدکاروں کی شفاعت کریں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ امت احمد ہے۔ کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کا کوئی شخص کوئی گناہ کرے گا پھر وضو کرے گا تو اس کا گناہ بخش دیا جائے گا اور جب وہ نماز پڑھے گا تو بغیر کسی گناہ کے نماز پڑھے گا' وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تیرے رسولوں کی تبلیغ کی گواہی دے گی' وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا جائے گا جو دوسری امتوں پر حرام تھا' وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے لیے تمام روئے زمین تیمم کا آلہ اور مسجد بنا دی جائے گی' وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہیں' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم ایسی ہو گی کہ اس کا ایک آدمی پچھلی امتوں کے تیس آدمیوں سے افضل ہو گا' وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم تجھ سے محبت کرے گی' تیرے ذکر میں پناہ لے گی' تیری خاطر غضب میں آئے گی وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے۔ کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے اعمال کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور فرشتے ان کو گلے لگائیں گے' وہ کون ہیں' فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک قوم کے نیک لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے' اور ان کے درمیانی طبقہ کے لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا' اور ان کے ظالموں کو بخش دیا جائے گا' وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ امت احمد ہے' کہا: اے میرے رب!

مجھے اس امت میں سے کردے' فرمایا: اے موسیٰ! تم ان میں سے ہو اور وہ تم میں سے ہیں' کیونکہ تم بھی میرے دین پر ہو اور وہ بھی میرے دین پر ہیں لیکن میں نے تم کو اپنی رسالت اور ہم کلام ہونے کی فضیلت عطا کی ہے سو تم شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الدر المنثور' ج ۳' ص ۵۵۵۔۵۵۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں' وہ اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اختیار کرلیں گے کیونکہ انہوں نے (ہمیشہ) ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور وہ ان سے غفلت برتتے رہے۔ (الاعراف: ۱۴۶)

اللہ کی آیات سے کفار کے دلوں کو پھیرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان نہ لانے پر کفار کی مذمت کیوں فرمائی ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (الانشقاق: ۲۰) ان کو کیا ہوا وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ (المدثر: ۴۹) انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ جب کفار اپنے کفر میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جس میں ان کا قلب مرجاتا ہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت مفید نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

تکبر کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں تکبر کرنے والوں پر بھی وعید فرمائی ہے۔ تکبر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ فرماتے ہیں: دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ انسان اللہ کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے' اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرے اور اس میں وہ بڑے اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات ج ۲' ص ۵۴۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"وہ تکبر کرتے ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور یہ تکبر صرف اللہ کو زیبا ہے کیونکہ وہی ایسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے' اس لیے وہی متکبر کی صفت کا مستحق ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی صفت محمود ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے

لیے یہ حق ہے اور دوسروں کے لیے باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ٣٦٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١۵ھ)

امام راغب اصفہانی اور امام رازی نے تکبر کا جو معنی بیان کیا ہے وہ درست ہے لیکن تکبر کا شرعی معنی وہ ہے جو نبی ﷺ کی اس حدیث سے مستفاد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ ایک شخص نے کہا: آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے' تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم الایمان: ١٤٧' (٩١) ٢۵٩' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴٠٩١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٩٨' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۵٩' مسند احمد ج ١' ص ۴۵١' رقم الحدیث: ۴٣١٠' جامع الاصول رقم الحدیث: ٨٢١٠)

تکبر کے معنی کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس حال میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ اس کو دوزخ میں (داخل) کر دے گا' جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ حدیث سنی تو وہ رونے لگے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: اے عبداللہ بن قیس تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے ارشاد کی وجہ سے' آپ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو تم جنت میں ہو گے۔ پھر نبی ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اس میں انہوں نے جہاد کیا اور شہادت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث کو تین بار دہرایا' انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ! میں جمال سے محبت کرتا ہوں' میں تلوار حمائل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں اپنی جوتی اور اس کے تسموں کو حسین بناتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے' تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ اس نے کہا: یا نبی اللہ! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مال ہو وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے' پھر کوئی شخص اس کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کرے' اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ ہے کہ ایک شخص ناک چڑھا کر آئے اور جب وہ پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے' پس یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان کی عیادت کی اور بکری کا دودھ دوہا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ٢٦٧۵' علامہ احمد بن ابی بکر بوصیری متوفی ٨۴٠ھ نے اس حدیث کو مسند عبد بن حمید اور حاکم سے نقل کیا ہے۔ اتحاف السادۃ المهرۃ بزوائد المسانید العشرۃ' ج ٨' ص ٢٩٠)

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی آیات

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن: ٣۵) — اسی طرح اللہ ہر مغرور متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراھیم: ١۵) — اور ہر متکبر معاند ہلاک ہو گیا۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (النحل: ٢٣) — بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیۡنَ (المومن: ۶۰)

بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

تکبر کی مذمت اور اس پر وعید کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ عزت میرا تہبند ہے اور کبریاء (بڑائی) میری چادر ہے جس شخص نے ان میں سے کسی کو بھی کھینچا میں اس کو عذاب دوں گا۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے جس نے ان میں سے ایک کپڑے کو بھی کھینچا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ: ۱۳۶ (۲۶۲۰) ۶۵۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۴ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۴۹ مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۸۸۲۴۸ ۳۱۴)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں چیونٹی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۲ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۰۰ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۹۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹ رقم الحدیث: ۶۶۷۷ الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۵۷ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۲)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم سے زمانہ جاہلیت کے بوجھ کو اتار دیا ہے اور تمہارے باپ دادا کی بڑائی کو ختم کر دیا ہے اب لوگوں کی دو قسمیں ہیں نیک پرہیزگار وہ اللہ عزوجل کے نزدیک کریم ہے اور فاجر بدبخت وہ اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۷ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ اور جنت نے مباحثہ کیا دوزخ نے کہا: مجھ میں متکبرین اور متجبرین داخل کیے گئے ہیں اور جنت نے کہا: مجھے کیا پرواہ ہے جب کہ مجھ میں صرف کمزور عاجز اور متواضع لوگ داخل کیے گئے ہیں۔ (الحدیث) (صحیح مسلم المنافقین: ۳۵ (۲۸۴۶) ۷۰۴۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا: تکبر خیانت اور قرض۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۷۸ مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۲۴۳۲)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کیا میں تم کو اہل

جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر کمزور شخص جس کو بے حد کمزور سمجھا جاتا ہو اگر وہ اللہ پر (کسی کام کی) قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم ضرور پورا کرے گا' اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش' اکڑ کر چلنے والا متکبر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۵۷' ۶۰۷۱' ۴۹۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۶)

حضرت نعیم بن حماز الغطفانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور الکبیر المتعال (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً سب سے بڑا ہے) کو بھول جائے' اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے بدلہ میں دنیا لے' اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو و لعب میں وقت گزارے اور قبروں کو اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے' اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شبہات سے حرام کو حلال کرے' اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کردے' اور کیسا برا ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کردے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۶' مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۲۳۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد شدہ غلام نافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسکین متکبر' بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(مجمع الزوائد ج ۶' ص ۲۵۶' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے' پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا اور کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے' اور مسند بزار میں اس طرح ہے: تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے۔ تمہارا باپ آدم ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔

(المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث: ۴۷۴۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۰۴۴' ۳۵۸۴' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ مسند البزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۴ھ' طبع جدید)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا دوسرا نبطی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے' ایک نے دوسرے سے کہا اے نبطی۔ دوسرے نے اس کو کہا اے حبشی۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اس طرح نہ کہو' تم دونوں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابو یعلی ج ۷' رقم الحدیث: ۴۱۳۶' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۸۶' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۲۴' اتحاف السادۃ المہرۃ ج ۷' رقم الحدیث: ۶۱۰۷)

تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا مکروہ تحریمی ہونا اور تکبر کے بغیر مکروہ تحریمی نہ ہونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳' صحیح مسلم لباس: ۴۲' (۲۰۸۵) ۵۳۵۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۲۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۶۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۰' مسند احمد ج ۲' ص ۵۶' رقم الحدیث: ۵۱۸۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۶۳۶)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تہبند (ٹخنوں سے) نیچے لٹکا رہتا تھا' ان سے اس کے متعلق استفسار کیا گیا' انہوں نے کہا میں ایسا شخص ہوں جس کی پنڈلیاں پتلی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸' ص ۲۰۶' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جس شخص نے بغیر قصد تکبر کے تہبند ٹخنوں کے نیچے باندھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے' اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانا جائز ہے' مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو اور لمبی قمیص یا لمبا تہبند اور کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے میسر نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج۲۱' ص۲۹۵' مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے اپنے تہبند کے ایک جانب پھسل جانے کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا تہبند بلاقصد پھسل جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر حال میں تہبند لٹکانے کو مکروہ کہتے تھے' اس کے جواب میں علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کی تشدیدات میں سے ہے ورنہ حضرت ابن عمر تو خود اس حدیث کے راوی ہیں ان سے یہ حکم کیسے مخفی ہو سکتا ہے۔

(عمدۃ القاری' ج۲۱' ص۲۹۶' مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کسوف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جلدی سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج۲۱' ص۲۹۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

غیر ارادی طور پر تہبند قدموں سے نیچے گھسٹ رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ارادتاً تہبند یا شلوار اتنی لمبی رکھنا کہ وہ قدموں کے نیچے گھسٹ رہی ہو' حرام ہے' خواہ تکبر کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ اس میں بہرحال اسراف ہے اور اپنے کپڑوں کو نجاست سے آلودگی کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ البتہ اگر لباس قدموں کے نیچے نہیں گھسٹ رہا تھا صرف ٹخنوں سے نیچے تھا تو یہ بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے اور تکبر کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

بخاری کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(المرقات ج۸' ص۲۳۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص تکبر' اسراف اور طغیان (سرکشی) کی نیت سے اپنے تہبند کو لمبا بناتا ہے اور اس کو گھسیٹتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف لطف و عنایت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر تہبند اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً سردی ہو یا کوئی بیماری ہو (مثلاً ٹخنے کے نیچے کوئی زخم ہو جس پر مکھیاں بیٹھتی ہوں ان سے زخم کو بچانے کے لیے ٹخنہ ڈھانپے) تو بالکل مکروہ نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج۳' ص۷-۵۳-۵۳۶' مطبوعہ مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:
حرام وہ صورت ہے جب کوئی شخص عجب اور تکبر سے کپڑا لٹکائے۔(اشعۃ اللمعات ج ۳'ص ۵۵۵'مطبوعہ لکھنؤ)
نیز شیخ محقق فرماتے ہیں:
طعام اور لباس میں توسیع' اسراف اور تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر مباح ہے۔
(اشعۃ اللمعات 'ج ۳' ص ۵۵۸' مطبوعہ تیج کمار لکھنؤ)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:
مرد کا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔اسی طرح غرائب میں ہے۔
(فتاویٰ عالمگیری ج ۵' ص ۳۳۳' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ 'بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:
پائنچوں کا کعبین (ٹخنوں) سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر براہ عجب و تکبر ہے تو قطعاً ممنوع و حرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو لٹکایا قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ' امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی الفاظ متقاربہ کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے' اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے جیسے کہ تکبر کی قید سے تم کو خود معلوم ہو گا' حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے فرمایا تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا براہ تکبر کرتا ہو' احادیث میں جو اس پر وعید ہے اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بہ تکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے اگر اسبال تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے' اسی طرح غرائب میں ہے۔
بالجملہ اسبال اگر براہ عجب و تکبر ہے حرام' ورنہ مکروہ اور خلاف اولیٰ نہ حرام و مستحق وعید۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ پائنچے جانب پاشنہ نیچے ہوں اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں' اس طرح کا لٹکانا حضرت ابن عباس بلکہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عکرمہ نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس نے چادر باندھی اور اگلی جانب سے چادر ان کے قدم کی پشت پر تھی اور چادر کی پچھلی جانب اوپر اٹھی ہوئی تھی' میں نے پوچھا: آپ نے اس طرح چادر کیوں باندھی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح چادر باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۶) اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور عدول ہیں جن سے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اسبال کی نفی میں ایک جانب سے اونچا کرنا کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ نصف ساق تک پائنچوں کا ہونا بہتر و عزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار یہیں تک ہوتی تھی۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰' ص ۱۳۵' ایضاً' ص ۱۱۰' ۲۹۵' مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا' کراچی ۱۹۸۸ء)

تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لباس رکھنے کے جواز پر شافعی' مالکی اور حنبلی فقہاء کی تصریحات

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:
امام شافعی نے یہ تصریح کی ہے کہ کپڑا لٹکانے کی تحریم تکبر کے ساتھ خاص ہے۔ ظواہر احادیث کا یہی تقاضا ہے

اور اگر بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے۔
(شرح الطیبی ج ۸ 'ص ۲۰۸ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن 'کراچی '۱۴۱۳ھ)

علامہ نووی شافعی اور علامہ کرمانی شافعی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔
(شرح مسلم ج ۲ 'ص ۱۱۵ 'مطبوعہ کراچی 'شرح کرمانی للبخاری 'ج ۲۱ 'ص ۵۳ 'مطبوعہ بیروت)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

(موطا امام مالک کی) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے بغیر تکبر کے اپنے تہبند کو گھسیٹا (یعنی تہبند اتنا دراز تھا کہ زمین پر گھسٹ رہا تھا) اور نہ اس میں کوئی اکڑ تھی تو اس کو وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی۔ البتہ تہبند 'قمیص اور باقی کپڑوں کو گھسیٹتے ہوئے چلنا ہر حال میں مذموم ہے اور جو تکبر سے کپڑا گھسیٹے اس کو یہ وعید بہر حال لاحق ہوگی۔
(التمہید ج ۳ 'ص ۲۴۴ 'مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور 'فتح المالک بتبویب التمہید لابن عبد البر 'ج ۹ 'ص ۳۸۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت '۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی "الاستذکار" میں تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنے تہبند یا کپڑے کو تکبر یا اکڑ سے نہیں گھسیٹا تو اس کو یہ وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی اور خیلاء اور بطر کا معنی ہے تکبر کرنا 'اکڑ کر چلنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔
(الاستذکار ج ۲۶ 'ص ۱۸۷-۱۸۶ 'مطبوعہ موسسۃ الرسالہ)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں:

صاحب النظم نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو تکبر کا خوف نہ ہو اس کے لیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مکروہ نہیں ہے اور اولیٰ اس کو ترک کرنا ہے۔ (کتاب الفروع ج ۱ 'ص ۳۴۴ 'مطبوعہ عالم الکتب 'بیروت '۱۴۰۵ھ)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر تکبر اور اکڑ کر چلنے کی نیت کے بغیر تہبند یا شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ شلوار یا پاجامہ یا تہبند انسان کی قامت اور اس کے قد سے لمبا نہ ہو کہ قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو 'اگر ایسا ہو تو یہ علامہ ابن عبد البر کی تصریح کے مطابق مذموم ہو گا بلکہ اسراف اور زمانہ قدیم کی عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہو گا۔

ٹخنوں سے نیچے پائنچے لٹکانے میں علماء دیو بند کا موقف

(سوال ۱۱۴) زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت ہے جب کہ براہ تکبر و خیلاء ہو جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ اس پر فخر کیا کرتے تھے اور جب کہ تکبراً نہ ہو محض خوبصورتی اور زینت کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے (الی قولہ) چنانچہ احادیث میں اکثر یہ قید مذکور ہے کہ من جر ازارہ خیلاء (جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا) وغیرہ میں خیلاء کی قید ضرور ہے اور جو حدیثیں مطلق ہیں جیسے ما اسفل من الکعبین ففی النار (جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے) وہ بھی حسب دستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ مطلق و مقید دونوں دو واقعہ پر آئے ہوں 'جیسے کفارہ قتل و کفارہ ظہار 'اور اتحاد واقعہ کے وقت حسب اصول حنفیہ مطلق مقید پر محمول ہو جاتا ہے جیسے کفارہ قسم کا۔ قرائت ابن مسعود میں متتابعات کے ساتھ مقید ہو جانا۔ نیز اس کی موید وہ حدیث ہے کہ حضرت نے ما اسفل من الکعبین کی وعید بیان کی اور فرمایا: من جر ثوبہ خیلاء لن ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ (جس نے تکبر کی

وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! میری ازار لٹک پڑتی ہے الا ان اتعاھد (مگر یہ کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں) تو حضرت نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں (رواہ البخاری' کذا فی المشکوۃ) پس اگر مطلقاً جر ازار (تہبند گھسیٹنا) ممنوع ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے تو معلوم ہوا کہ یہ وعید خیلاء (تکبر) ہی کی صورت ہے اور بلا اس کے جائز ہے اس شبہ کا حل مطلوب ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نور الانوار میں ایک حکم میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی بحث میں ہے: صدقہ فطر کے سبب میں دو نصیں وارد ہیں اور اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہے پس ان کے درمیان جمع کرنا واجب ہے یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ حادثہ واحدہ اور حکم واحد میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یہ اس وقت ہے جب مطلق اور مقید دونوں' حکم میں وارد ہوں تضاد کی وجہ سے' لیکن جب مطلق اور مقید اسباب یا شروط میں وارد ہوں تو پھر کوئی مضائقہ اور تضاد نہیں ہے' پس یہ ممکن ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی تقیید کے ساتھ سبب ہو اور ما نحن فیہ (زیر بحث صورت) میں حکم معصیت ہے اور مطلق جر اور جر للخیلاء اسباب اس کے ہیں یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس مطلق جر کو بھی حرام کہیں گے اور جر للخیلاء کو بھی۔ (مطلق تہبند گھسیٹنا بھی حرام ہے اور تکبر کی وجہ سے گھسیٹنا بھی حرام ہے)

(امداد الفتاوی ج ۴' ص ۱۲۲-۱۲۱' مطبوعہ مکتبہ دار العلوم' کراچی)

مطلق کو مقید پر محمول کرنے یا نہ کرنے کے قواعد

شیخ تھانوی کا مذکور جواب صحیح نہیں ہے۔ اس جواب کا رد کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے اور نہ کرنے کے قواعد کی وضاحت کر دیں تاکہ عام قارئین بھی اس مسئلہ کو آسانی سے سمجھ لیں۔ فقہاء احناف کے نزدیک جب کسی واقعہ میں ایک حکم ایک جگہ مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ حکم میں تضاد ہو گا۔ ایک جگہ مطلق ہے اور ایک جگہ مقید ہے اس کی یہ مثال ہے:

اللہ تعالیٰ نے قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا کہ وہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے پھر اس کے بعد فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ (المائدہ: ۸۹) اور جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

اس آیت میں تین دن کے روزے مطلق ہیں لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات تین دن کے مسلسل روزے۔ پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید ہے۔ اب اگر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے تو حکم میں تضاد لازم آئے گا۔ اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے اور تین دن کے پے در پے روزے رکھنا قسم کا کفارہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید حکم میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے لیکن جب مطلق اور مقید سبب میں وارد ہوں مثلاً ایک واقعہ میں ایک جگہ حکم کا سبب مطلق ہے اور دوسری جگہ اس واقعہ میں حکم کا سبب مقید ہے تو اب مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایک حکم کے کئی سبب ہو سکتے ہیں تو جائز ہے کہ ایک سبب مطلق ہو اور دوسرا سبب مقید ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے: ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو اور دوسری حدیث میں ہے: ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔ پہلی حدیث میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور

دوسری حدیث میں مقید ہے' یعنی مسلمان غلام کا ذکر ہے۔ اب مطلق کو مقید پر نہیں محمول کیا جائے گا کیونکہ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا سبب سر (شخص) ہے' پہلی حدیث میں اس حکم کا سبب مطلق سر یعنی (مطلق) غلام ہے اور دوسری حدیث میں مقید سر (شخص) یعنی مسلمان غلام اس حکم کا سبب ہے اور ایک حکم کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان میں تضاد نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

(نور الانوار ص ۱۶۰-۱۵۹' مطبوعہ کراچی' التوضیح و التلویح' ج۱' ص ۱۲۲' مطبوعہ کراچی' تیسیر التحریر ج۱' ص ۳۳۴-۳۳۰' کشف الاسرار ج۲' ص ۵۳۵-۵۳۴)

شیخ تھانوی کے دلائل پر بحث و نظر

اس تمہید کے بعد ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ شیخ تھانوی کا جواب صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ زیر بحث صورت میں حکم معصیت (نافرمانی) ہے اور مطلق جر اور جر للخیلاء اسباب اس کے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ' ص ۱۲۲)

جر ثوب یا جر ثوب للخیلاء (کپڑا گھسیٹنا یا تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹنا) ہی تو بعینہٖ معصیت اور نافرمانی ہے۔ تھانوی صاحب اسی کو حکم بھی قرار دے رہے ہیں اور اسی کو حکم کے اسباب بھی قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح کون الشیء سببا لنفسہ (کسی چیز کا خود اپنا سبب ہونا) ہے اور یہ بداہۃً باطل ہے' سبب مقدم ہوتا ہے اور اس کا حکم موخر ہوتا ہے اور جب ایک چیز خود اپنا سبب ہوگی تو وہ اپنے آپ پر مقدم ہوگی اور یہ علمی اصطلاح میں دور ہے جو عقلاً محال اور باطل ہے۔

نیز تھانوی صاحب نے لکھا ہے اس بحث میں حکم معصیت ہے۔ (امداد الفتاویٰ' ص ۱۲۲) واضح رہے کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک حکم منطقی یا نحوی ہے۔ اس کی تعریف ہے ایک امر کا دوسرے امر کی طرف ایجاباً یا سلباً اسناد' اور دوسرا حکم شرعی ہے اس کی تعریف ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو۔ (التعریفات ص ۶۶-۶۵' مطبوعہ مکہ مکرمہ) اور مطلق اور مقید کی اس بحث میں حکم سے مراد حکم شرعی ہے یعنی اللہ اور رسول کا حکم۔ پہلے حکم کی مثال ہے کفارہ قسم میں تین دن کے یا مسلسل تین دن کے روزے رکھنا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسرے حکم کی مثال ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو یا ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو یہ رسول ﷺ کے حکم کی مثال ہے۔

اس جواب میں دوسری غلطی یہ ہے کہ اس جواب میں معصیت کو حکم کہا گیا ہے حالانکہ اللہ جل وعلا اور اس کے رسول ﷺ معصیت کا حکم نہیں دیتے بلکہ معصیت نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس حدیث میں سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص فعل پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ کرنے کی وعید سنائی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث اس مخصوص فعل (تکبر سے کپڑا گھسیٹنے) کی ممانعت یا اس سے اجتناب کے حکم کو متضمن ہے' ہم اس حدیث کو بیان کر کے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

عن سالم بن عبد الله عن ابيه رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة قال ابوبكر: يارسول الله ان احد شقي ازاري يسترخي الا ان اتعاهد ذالك منه فقال النبي صلى الله عليه وسلم لست ممن يصنعه خيلاء۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کے سبب سے اپنا کپڑا گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! میرے تہبند کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے' سوا اس کے کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو یہ (تہبند گھسیٹنا) تکبر سے کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴)

اس حدیث میں تہبند گھسیٹنے پر وعید کو نبی ﷺ نے وجوداً اور عدماً خیلاء (تکبر) پر معلق فرمایا ہے۔ وجوداً کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص تکبر سے تہبند گھسیٹے اس پر آپ نے وعید سنائی ہے اور عدماً کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے یعنی تم کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔ شیخ تھانوی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ خیلاء سبب ہوتا ہے عمد کا اس لیے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴' ص ۱۲۳) یعنی آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے اس کا معنی ہے تم عمداً ایسا نہیں کرتے اور تکبر سے مراد عمد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل باطل ہے کیونکہ سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز ہے اور مجاز کا ارادہ اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محال یا متعذر ہو اور یہاں پر اس کلام کو حقیقت پر محمول کرنے اور تکبر کا معنی مراد لینے پر کوئی عقلی یا شرعی مانع نہیں ہے' اس لیے کلام رسول کو اپنی خواہش کا معنی بلاوجہ پہنانا باطل ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ کپڑا لٹکانے یا گھسیٹنے کی علت تکبر ہے تو جس صورت میں تکبر نہیں ہوگا اس صورت میں وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ دیکھیے ربا بالفضل کی حرمت کی علت قدر اور جنس کا اتحاد اور بیع کا ادھار ہوتا ہے اور جب یہ علت نہیں ہوگی تو ربا بالفضل حرام نہیں ہوگا۔ یا جیسے نماز کی شرط وضو ہے جب وضو نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی یا جیسے مثلاً مغرب کی نماز کا سبب غروب آفتاب ہے' جب غروب آفتاب نہیں ہوگا تو مغرب کی نماز فرض نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب کپڑا لٹکانے میں تکبر نہیں ہوگا تو اس کی وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ بعض احادیث میں کپڑا لٹکانے پر وعید ہے مگر وہاں خیلاء یا تکبر کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے لٹک رہا ہو گا وہ دوزخ میں ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض اوقات کسی حکم یا کسی فعل کی کوئی شرط یا اس کا کوئی سبب بہ طور قید بیان فرماتے ہیں اور پھر اس حکم یا فعل کو اس قید کے بغیر بھی بیان فرماتے ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اب وہ قید معتبر نہیں ہے' وہ قید اب بھی معتبر ہوتی ہے اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ حدیث دلیل ہوتی ہے جس میں اس قید کا ذکر فرمایا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

عن النبی ﷺ لیس فی مال زکوة حتی یحول علیه الحول۔	نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک سال نہ گزر جائے کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے وجوب زکوٰۃ کے لیے سال گزرنے کی شرط کا ذکر فرمایا ہے' حالانکہ بے شمار احادیث ہیں جن میں اس شرط کا ذکر نہیں ہے' اس کے باوجود وجوب زکوٰۃ میں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس شرط کا ذکر ہے۔ ہم صرف ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں وجوب زکوٰۃ کے لیے اس شرط کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی بے شمار احادیث ہیں:

عن علی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد عفوت عن الخیل والرقیق فهاتوا صدقة الرقة من کل اربعین درهما درهم ولیس فی تسعین و مائة شیء فاذا بلغت مائتین ففیها خمسة دراهم۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں سے زکوٰۃ معاف کر دی۔ تم ہر چالیس درہم سے ایک درہم چاندی زکوٰۃ دو اور ایک سو نوے درہم میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے اور جب دو سو درہم ہو جائیں تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۷۶)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں تہبند گھسیٹنے یا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر وعید بیان فرمائی اور اس کو تکبر پر معلق فرمایا اور بعض احادیث میں اس قید کا ذکر نہیں فرمایا تو جہاں اس قید کا ذکر نہیں ہے وہاں بھی اس قید کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ احادیث دلیل ہیں جن میں آپ نے اس قید کا ذکر فرمایا ہے، جس طرح ہم نے زکوۃ میں سال گزرنے کی شرط کے متعلق بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حمد ہے جس نے مجھے اس مسئلہ کو حل کرنے کی توفیق دی اور شاید کہ قارئین کو کسی اور جگہ یہ تفصیل اور اس مسئلہ کا حل نہ مل سکے۔

شیخ کشمیری اور شیخ میرٹھی کے دلائل

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور اگر تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہوگی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کی کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہرچند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کی مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابوبکر کا آپ سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بہ طور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر ان کے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابوبکر نے یہ سوال کیا تھا: یا رسول اللہ! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴) اور کسی مناسب امر کو بہ طور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لیے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لیے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔

شیخ بدر عالم میرٹھی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ شریعت نے صرف گھسیٹنے کو تکبر قرار دیا ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کپڑوں کو گھسیٹتے ہیں وہ صرف تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اپنے زمانہ میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے (مشاہدہ لکھنا چاہیے تھا۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر ہمارے زمانہ میں اس طرح نہ ہوتا ہو تو عرب میں بہرحال اس طرح ہوتا تھا، اور اب اس حکم میں سبب کو مسبب کے قائم مقام کرنا ہے (کپڑا گھسیٹنا سبب ہے اور تکبر مسبب ہے اور کپڑا گھسیٹنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ تکبر کا سبب ہے۔ سعیدی غفرلہ) جیسے نیند حدث (وضو ٹوٹنا) نہیں ہے لیکن وہ پٹھوں کے ڈھیلے ہونے کا سبب ہے جس سے عموماً ہوا خارج ہو جاتی ہے اس لیے نیند کو حدث کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح سفر مشقت کے قائم مقام ہے اور مباشرت فاحشہ بھی کسی چیز کے نکلنے کا عادتاً سبب ہے اس لیے مباشرت فاحشہ کو حدث اکبر کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح کپڑا گھسیٹنا بھی تکبر کا سبب ہے اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جس کا ادراک کرنا مشکل ہے، جیسے سفر میں مشقت اور نیند میں حدث اور مباشرت فاحشہ میں کسی چیز کا نکلنا۔ اس لیے کپڑا گھسیٹنے پر ممانعت کا حکم لگا دیا گیا، علاوہ ازیں ہم نے تجربہ کیا

ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے اسی وجہ سے نیک اور اچھے نام رکھنے کا حکم ہے اور جس شخص نے کپڑا گھسیٹا وہ اس بات سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے باطن میں تکبر سرایت کر جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھو۔ اور اگر تم انکار کرو تو ٹخنوں میں تمہارا حق نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۳۔ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۴۴)

اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث احکام لباس سے ہے اور ٹخنوں سے نیچے ہمارا حق نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت میں تکبر کی خصوصیت نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو بھی ایک بالشت سے زیادہ لباس لٹکانے کی اجازت نہیں دی' حالانکہ ان کو لباس لٹکانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب میں تکبر یا عدم تکبر کا فرق نہیں کیا۔

(فیض الباری مع الحاشیہ ج ۴' ص ۴۷۲-۴۷۳' مطبوعہ مجلس علمی سورت ھند' ۱۳۵۷ھ)

شیخ کشمیری' شیخ میرٹھی اور جسٹس عثمانی کے دلائل پر بحث و نظر

شیخ بدر عالم میرٹھی نے لکھا ہے: جس طرح نیند حدث کا سبب ہے اور مباشرت فاحشہ حدث اکبر کا سبب ہے اور سفر مشقت کا سبب ہے' اسی طرح ہم جر ثوب (کپڑا گھسیٹنے) کو تکبر کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کی اتباع میں جسٹس محمد تقی عثمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نیند کا حدث کے لیے سبب ہونا اور مباشرت فاحشہ کا حدث اکبر کے لیے سبب ہونا خلاف قیاس ہے' اور خلاف قیاس اپنے مورد میں بند رہتا ہے۔ اس پر دوسری چیزوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ان چیزوں کو شارع علیہ السلام نے سبب قرار دیا ہے اس لیے وہ ثابت ہیں۔ اور ہماری اور آپ کی وہ حیثیت نہیں ہے کہ ہم از خود کسی چیز کو کسی چیز کا سبب قرار دیں اور وہ حجت شرعیہ ہو جائے۔ نیز شیخ کشمیری اور شیخ میرٹھی کا کلام جر ثوب (کپڑا گھسیٹنے) میں ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ ہمارے نزدیک وہ لباس جائز ہے جو بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو اور پہننے والے کے قد سے متجاوز نہ ہو اور اس کے جواز میں مذاہب اربعہ کے فقہاء متفق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر بہت طویل کلام کیا ہے جس کو جسٹس محمد تقی عثمانی نے بتمامہ نقل کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ بدر عالم میرٹھی کے کلام کا خلاصہ لکھا ہے اور آخر میں بہ طور حاصل بحث یہ لکھا ہے کہ اگر انسان قصداً اسبال (ٹخنوں سے نیچے تہبند باندھے) کرے تو وہ مطلقاً ممنوع ہے' خواہ وہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے اور اگر اس کا تہبند بلا قصد ٹخنوں سے نیچا رہا تو یہ وہ صورت ہے جس کو نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے جائز فرمایا تھا۔

(تکملہ فتح الملہم ج ۴' ص ۱۲۳' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

جو کام بلا قصد ہو وہ خارج از بحث ہے کیونکہ ارادتاً کسی کام پر مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اسبال ثوب اگر انسان کی قامت سے متجاوز نہ ہو اور بغیر تکبر کے ہو تو وہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور جر ثوب مطلقاً ممنوع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس لیے جسٹس صاحب کا اسبال ثوب کو مطلقاً ممنوع کہنا غیر مسموع ہے۔ البتہ مشہور دیوبندی محدث شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ نے فقہاء مذاہب اربعہ کے مطابق لکھا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانا حرام نہیں ہے۔ مکروہ تنزیہی ہے۔

(التعلیق الصبیح ج ۴' ص ۳۹۵-۳۸۴' مطبوعہ لاہور)

ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہماری تحقیق یہ ہے کہ احادیث میں جر ثوب اور اسبال الازار کے الفاظ ہیں۔ جر ثوب کا معنی ہے کپڑا گھسیٹنا۔ اور اسبال الازار کا معنی ہے تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا۔ اگر کوئی مرد جر ثوب کرے یعنی اس کا تہبند یا شلوار کا پائنچہ ٹخنوں سے بہت نیچا ہو حتیٰ کہ اس کے قدموں کے نیچے سے گھسٹ رہا ہو تو یہ بغیر تکبر کے بھی مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں بغیر کسی ضرورت اور بغیر کسی فائدہ کے کپڑے کو ضائع کرنا ہے۔ سو یہ اسراف کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کپڑا قدموں کے نیچے زمین پر گھسٹتا رہے گا تو نجاست کے ساتھ آلودہ ہو گا اور کپڑے کو محل نجاست میں ڈالنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے' کیونکہ عہد رسالت میں عورتیں کپڑا گھسیٹ کر چلتی تھیں اور مردوں کے لیے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے اگر جر ثوب بغیر تکبر کے ہو پھر بھی مکروہ تحریمی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی نے اس کو مذموم فرمایا ہے۔ (تمہید ج ۳' ص ۲۴۴) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے (فتح الباری ج ۱۰' ص ۲۶۳) اور اگر جر ثوب (کپڑا گھسیٹنے) کے ساتھ تکبر بھی ہو تو یہ شدید مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے۔ اور اگر اسبال ازار ہو یعنی تہبند یا شلوار کا پائنچہ ٹخنوں کے نیچے ہو لیکن اس کے قد اور قامت کے برابر ہو گھسٹ نہ رہا ہو تو اگر اس میں تکبر نہیں ہے صرف زینت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ صرف خلاف اولیٰ ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے اور اکڑ اکڑ کر چلتا ہے اور اتراتا ہے تو پھر یہ تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حرمت کی علت صرف تکبر ہے اگر ایک مرد نصف پنڈلیوں تک تہبند باندھتا ہے اور اس کے ساتھ تکبر کرتا ہے' اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار سمجھتا ہے اور ان کو حقیر سمجھتا ہے تو یہ بھی مکروہ تحریمی ہے بلکہ حرام ہے' اس لیے حرمت میں اصل تکبر ہے۔

ہماری اس تحقیق کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی اس عبارت میں ہے:

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہوگی' خصوصاً جبکہ بلاقصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا' اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے' اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے۔ کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم الحدیث: ۱۲۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم الحدیث: ۹۶۸۳-۹۶۸۲) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے کہا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقا ہے' میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ نے آدھی پنڈلیوں

تک تہبند باندھا ہوا تھا (مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۴) اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑا گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ (الی قولہ) قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو' اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے' احمد بن منیع نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند کو گھسیٹنا تکبر سے ہے۔ (الخ)

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۶۴-۲۶۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ٹخنوں سے نیچے لباس رکھنے کے متعلق حرف آخر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس طویل عبارت کے شروع میں ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ اگر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو اور وہ اس کی قامت کے برابر اور بغیر تکبر کے ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہے اور اگر وہ اس کی قامت سے متجاوز ہو اور اس کے قدموں تلے گھسٹ رہا ہو تو پھر وہ حرام ہے۔ جسٹس تقی عثمانی نے یہ پوری عبارت نقل کی ہے پھر بھی نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قصداً کپڑا لٹکانا مطلقاً حرام ہے' اور یہ نتیجہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کے خلاف ہے بلکہ اگر اس کو اجماع متقدمین کے خلاف کہا جائے تو بعید نہ ہو گا۔

شیخ محمد زکریا سہارنپوری متوفی ۱۴۰۲ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں حافظ عسقلانی کی اس تمام عبارت کو نقل کیا ہے' اخیر میں انہوں نے لکھا ہے جو شخص تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹے اس کو وعید لاحق ہو گی اور جو شخص کپڑا لمبا ہونے کی وجہ سے اس کو گھسیٹے یا کسی اور عذر کی وجہ سے اس کو یہ وعید لاحق نہیں ہو گی۔ (اوجز المسالک ج ۶ ص ۲۰۹-۲۰۸' مطبوعہ سہارنپور' ہند)

ہمارے نزدیک اگر کسی شخص کا کپڑا اتنا لمبا ہے کہ وہ قدموں تلے آ کر گھسٹتا ہے تو اس کو پہننا جائز نہیں ہے' اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو چھوٹا کرے یا دوسرا پورا لباس پہنے۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسبال ثواب اور جر ثوب میں فرق نہیں کیا۔

بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ علماء دیوبند کا تہبند یا شلوار کے پائنچوں کو بغیر تکبر کے بھی ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو حرام قرار دینا مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء کے خلاف ہے۔ مرد کی قامت تک کپڑے کا طول بلا تکبر جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کپڑا قامت سے متجاوز ہو اور قدموں تلے آ کر گھسٹ رہا ہو وہ ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے۔

میں نے اس مسئلہ پر شرح صحیح مسلم میں بھی کافی بسط سے لکھا ہے' لیکن یہاں بہت زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اس مسئلہ میں لوگ بہت تشدد کرتے ہیں اور جس کا پائنچہ ٹخنوں سے نیچے ہو اس کو نماز دہرانے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ مفتی رشید احمد نے احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۴ میں اسی طرح لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطور کو نفع آور بنائے اور ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے جو مسائل شرعیہ میں ایسی تشدید کرتے ہیں جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں۔ جب کہ دین آسان اور سہل ہے۔ اور نبی ﷺ نے دین میں سختی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ المطھرین واصحابہ الکاملین وازواجہ الطیبات امہات المومنین وسائر المسلمین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی ان کے سب (نیک) عمل ضائع ہو گئے ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔ (الاعراف: ۷: ۱۴۷)

کفار کی نیکیوں کا ضائع ہو جانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا تھا جو ناحق تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور ان کے اسی تکبر اور تکذیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی آیات سے پھیر دیا' اب وہ تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے' وہ نیکی کا راستہ دیکھنے کے باوجود اس کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر وہ برائی کا راستہ دیکھیں تو فوراً اس کی طرف لپک پڑیں گے۔ اس مقام پر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہتا کہ ان میں سے بعض کافروں نے کچھ نیک عمل بھی تو کیے تھے' مثلاً رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک' ماں باپ کی خدمت' کمزوروں کی مدد' ناداروں' یتیموں اور بیواؤں کی کفالت' رفاہ عامہ کے کام مثلاً کنوئیں کھدوانا' سرائے بنانا' سڑکیں بنانا' آیا ان کو ان نیک کاموں کی کوئی جزا ملے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: چونکہ انہوں نے کفر کیا' ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا اس لیے ان کے تمام نیک اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اعمال صالحہ کے قبولیت کی شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

مرد ہو یا عورت جس نے بھی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ضرور ان کو ان کے کیے ہوئے نیک کاموں کا اجر عطا فرمائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم کافروں کے تمام اعمال کو ضائع فرما دیں گے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان: ۲۳)

کفار ہمارے پاس جو بھی اعمال لے کر آئیں گے ہم ان کو (فضا میں) بکھرے ہوئے غبار کے ذرے بنا دیں گے۔

مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: ۵)

جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کی نیکیوں کی وجہ سے آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی' یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرہ: ۸۶)

کفار کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش دینا۔

(صحیح مسلم الایمان: ۳۶۵' (۲۱۴) ۵۰۷)

تاہم یہ معاملہ بہ طور عدل ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کافر کو اسلام لانے کے بعد اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر عطا فرماتا ہے یا کسی کافر کی نیکیوں کے عوض اس کے عذاب میں تخفیف کر دے تو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ ابولہب اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف اسی وجہ سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرابت اور حسن سلوک کی وجہ سے

ابو طالب اور ابو لہب کو عام قاعدہ سے مستثنیٰ کر لیا گیا۔

فرائض اور واجبات کے ترک پر مواخذہ کی دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے: "ان کو ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو وہ کرتے تھے" اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حرام اور ناجائز کام وہ کرتے تھے اس پر ان کو سزا ملے گی اور جو کام وہ نہیں کرتے تھے اس پر ان کو سزا نہیں ملے گی' یعنی سزا فعل پر ہوگی اور ترک فعل پر سزا نہیں ہوگی۔ تو کافروں نے جو فرائض اور واجبات کو ترک کیا اس آیت کی رو سے ان کو اس پر سزا نہیں ملے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے وقت میں فرض اور واجب کو ادا کرنے کے بجائے کسی اور کام میں مشغول ہونا حرام ہے سو ان کو ان کاموں پر سزا ملے گی جو وہ فرض اور واجب کی ادائیگی کے اوقات میں کرتے تھے کیونکہ جس وقت میں فرض ادا کرنا تھا اس وقت میں کوئی اور کام کرنا حرام تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں فرض اور واجب کے ترک پر بھی سزا کی وعید سنائی ہے:

فِىۡ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوۡنَ ۝ عَنِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ ۝ قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ ۝ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ ۝ (المدثر: ۴۴۔۴۰)	وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے 'مجرموں کے متعلق سوال کر رہے ہوں گے (پھر مجرموں سے پوچھیں گے) تم کو کس گناہ نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حرام کاموں کے ارتکاب پر عذاب ہوگا' اسی طرح فرائض اور واجبات کے ترک پر بھی عذاب ہوگا۔

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بیل کی آواز

لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ

نکلتی تھی، کیا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے، (پھر بھی)

وقف لازم

اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا

انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے ۝ اور جب ان کی خود فریبی کا طلسم جاتا رہا اور انہوں نے جان لیا کہ

اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ

وہ گمراہ ہو چکے ہیں، تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان

مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غضبناک ہو کر تاسف سے کہا، تم نے

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى

میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے بُرے کام کیے، کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی؟

الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ

اور انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون نے) کہا اے میری ماں

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ

کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ

اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجیے ○ موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف

وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ٘ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (جانے کے بعد) اپنے زیوروں سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بیل کی آواز نکلتی تھی' کیا انہوں نے یہ (بھی) نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا تھا نہ ان کو راستہ دکھا سکتا تھا (پھر بھی) انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے ○ (الاعراف: ۱۴۸)

بنو اسرائیل کے بچھڑا بنانے اور اس کی پرستش کرنے کے متعلق روایات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون سے فارغ ہو گئے' طور پر جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر سے نجات دی اور فرعون کو غرق کر دیا' حضرت موسیٰ ارض طیبہ میں پہنچے' اللہ تعالیٰ نے وہاں ان پر من اور سلویٰ نازل کیا' اور اللہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس سے ملاقات کریں۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے ملاقات کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس سے میعاد معلوم کیے بغیر ان سے وعدہ کر لیا کہ وہ تیس راتوں کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اللہ کے دشمن سامری نے کہا: تمہارے پاس موسیٰ نہیں آئیں گے اور تمہاری اصلاح صرف خدا کرے گا جس کی تم عبادت کرتے ہو' حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو قسم دی کہ تم ایسا نہ کرو تم ایک دن اور ایک رات حضرت موسیٰ کا اور انتظار کرو اگر وہ آ جائیں تو فبہا ورنہ پھر تم جو جی میں آئے کرنا۔ پھر دوسرے دن بھی حضرت موسیٰ نہیں آئے تو سامری نے پھر وہی بات کی۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دس دن اور بڑھا دیے ہیں اور اب چالیس دن کی مدت ہو گئی ہے۔

ابو بکر بن عبد اللہ المزنی بیان کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد' سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا' ہم نے قبطیوں کی عید کے دن ان سے بہت سے زیورات عاریۃً لیے تھے اور جو لوگ آپ کے پاس ہیں وہ

جلدی جلدی ان زیورات کو بیچ کر خرچ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ فرعون کی قوم سے عاریۃً لیے تھے اور اب وہ زندہ نہیں ہیں کہ ہم ان کو وہ زیورات واپس کر دیں اور ہم کو پتا نہیں کہ آپ کے بھائی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ جب آئیں گے تو ان کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہوگی یا تو وہ اس کی قربانی پیش کریں گے پھر آگ اس کو کھا جائے گی اور یا ان کو صرف فقراء کے لیے وقف کر دیں گے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: تم نے ٹھیک سوچا اور ٹھیک کہا۔ پھر آپ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس شخص کے پاس آل فرعون کے جتنے بھی زیورات ہوں وہ ہمارے پاس لے آئے۔ وہ ان کے پاس تمام زیورات لے آئے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: اے سامری! تم اس خزانے کو رکھنے کے زیادہ حقدار ہو۔ سامری نے ان زیورات پر قبضہ کر لیا اور وہ خبیث دشمن خدا' سونے کو ڈھالنے والا تھا' اس نے اس سے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنالیا' اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان سے ایک مٹھی بھر مٹی لی تھی اس نے اس بچھڑے کے کھوکھلے پیٹ میں وہ مٹی ڈال دی' تب وہ مجسمہ بچھڑے کی سی آواز نکالنے لگا۔ اس نے صرف ایک بار یہ آواز نکالی تھی۔ سامری نے کہا تیس راتوں کے بعد جو حضرت موسیٰ نہیں آئے تو وہ دراصل اسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (طٰہٰ: ۸۸)

سامری نے ان کے لیے بچھڑے کا بے جان مجسمہ بنا کر نکالا لوگوں نے کہا: یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود' موسیٰ تو بھول گئے۔

سامری یہ کہتا تھا کہ موسیٰ تو بھول گئے' تمہارا اصل خدا تو یہ ہے۔

(جامع البیان' جز ۹' ص ۶۶-۶۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سامری کے متعلق علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ سامرہ نامی ایک بستی کی طرف منسوب تھا۔ جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا تھا وہ اسی سال پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے اس کو پہاڑ کے ایک غار میں چھپا دیا تھا۔ حضرت جبرئیل اس کو غذا پہنچاتے رہے تھے اس وجہ سے وہ حضرت جبرئیل کو پہچانتا تھا' جب جبرئیل سمندر کو عبور کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تاکہ فرعون بھی سمندر میں آجائے تو سامری نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے کچھ مٹی اٹھالی تھی۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کا یہی معنی ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ○ (طٰہٰ: ۹۶-۹۵)

(موسیٰ نے سامری سے) کہا: اے سامری تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی' تو میں نے رسول (جبرئیل کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی' پھر میں نے اس کو (بچھڑے کے پتلے میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۲۵۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو خطبہ دیا اور فرمایا: تم جب مصر سے روانہ ہوئے تو تمہارے پاس قوم فرعون کی امانتیں تھیں اور عاریۃً لی ہوئی چیزیں تھیں اور میرا خیال ہے وہ چیزیں

تمہارے پاس ہیں اور میں ان امانتوں کو اور مانگی ہوئی چیزوں کو تمہارے لیے حلال نہیں قرار دیتا۔ اب ہم وہ چیزیں ان کو واپس تو نہیں کر سکتے' اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور قوم کو حکم دیا کہ جس شخص کے پاس بھی ان امانتوں اور مانگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں لا کر ڈال دے۔ جب لوگوں نے سب کچھ ڈال دیا تو حضرت ہارون نے اس میں آگ لگا دی' اور فرمایا یہ چیزیں ان کے لیے رہیں نہ تمہارے لیے ہوں گی۔ اور سامری کا اس قوم سے تعلق تھا جو بیل کی عبادت کرتی تھی۔ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا' ان کا پڑوسی تھا۔ اس نے بھی وہی مصائب اٹھائے تھے جو بنو اسرائیل نے اٹھائے تھے۔ اس کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے حضرت جبریل کی سواری کے نقش قدم کو دیکھ لیا تھا اور اس سے ایک مٹھی خاک کی اٹھالی تھی۔ حضرت ہارون نے اس سے پوچھا کہ تیری مٹھی میں کیا ہے' اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ آپ یہ دعا نہ کریں کہ جب میں اس مٹھی کو ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بن جائے۔ حضرت ہارون نے فرمایا: تم اس کو گرا دینا اور اس کے لیے دعا کی۔ اس نے کہا میں بیل بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے اس گڑھے میں سے تمام لوہے' پیتل اور زیورات وغیرہ کو نکالا تو وہ ایک کھوکھلا بیل بن گیا اور اس سے بیل کی سی آواز آ رہی تھی۔

قتادہ نے کہا: جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت اور خون کا بنا دیا اور اس سے آواز آ رہی تھی۔

سعید بن جبیر نے کہا: بہ خدا وہ بچھڑا از خود آواز نہیں نکالتا تھا لیکن اس کی دبر (مقعد' مبرز) سے ہوا اس کے اندر داخل ہوتی تھی اور اس کے منہ سے نکل جاتی تھی اور اس ہوا کے گزرنے سے وہ آواز پیدا ہوتی تھی۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ آواز نکالتا تو بنو اسرائیل سجدہ میں گر جاتے اور جب وہ خاموش ہوتا تو وہ سجدہ سے اپنا سر اٹھا لیتے تھے۔

ضحاک سے روایت ہے کہ اس نے صرف ایک بار آواز نکالی تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ وہ ان سے بات کرتا تھا نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا (لیکن یہ استدلال ضعیف ہے' کیونکہ بار بار بیل کی سی آواز نکالنا' اس کے بات کرنے یا کسی بات کے جواب دینے کے ہم معنی نہیں ہے)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۵۶۹-۱۵۶۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کلام کرنے اور ہدایت دینے پر مدار الوہیت کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کر سکتا ہے نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے پھر بھی انہوں نے اس کو معبود بنا لیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ بچھڑا ان سے بات کر سکتا یا ان کو راستہ دکھا سکتا تو پھر بنو اسرائیل کا اس کو معبود قرار دینا صحیح ہوتا۔ حالانکہ محض کسی سے بات کرنے یا کسی کو راستہ دکھانے پر تو الوہیت کا مدار نہیں ہے' اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

۱- الوہیت کا مدار سات صفات حقیقیہ پر ہے: حیات' علم' قدرت' کلام' سمع' بصر اور ارادہ۔ ان میں سے ایک صفت کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا یہ معنی ہے کہ وہ از خود کلام فرماتا ہے اور کسی غیر کی قدرت اور عطا کا اس میں دخل نہیں ہے اور جس کی یہ ایک صفت کلام حقیقی ہوگی اور بغیر کسی احتیاج کے ہوگی اس کی تمام صفات حقیقی ہوں گی' اور اب آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بچھڑا تو مطلقاً کلام نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کلام اس کی حقیقی صفت ہو اور وہ بغیر کسی احتیاج کے کلام کرے تو پھر اس کو معبود

قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا
۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ ہدایت کو پیدا کرتا ہے اور یہ بچھڑا جو مطلقاً ہدایت نہیں دے سکتا' وہ ہدایت کو پیدا کب کر سکتا ہے تو پھر اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا
۳۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات و صفات کی ہدایت حاصل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات اور صفات پر جو دلائل قائم کیے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر جو نشانیاں ہیں انسان ان میں صحیح طریقہ سے غور اور فکر کرے' پس وہی ہدایت دے سکتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ان نشانیوں کو پیدا کرے' اور یہ بچھڑا جو اپنے وجود میں خود دوسروں کا محتاج تھا اور یہ ظاہر سامری کے بنانے سے وجود میں آیا یہ ان نشانیوں کو کیونکر بنا سکتا تھا تو یہ ہدایت دینے پر کیسے قادر ہو سکتا تھا۔ تو اس کو معبود قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا۔
۴۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے کہ یہ بچھڑا جو ان چیزوں پر بھی قدرت نہیں رکھتا جن پر عام انسان قادر ہیں تو تف ہے تم نے ایسے کو خدا مان لیا ہے۔
۵۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا تھا اور اس نے ان کی قوم کو ہدایت دی تھی اس وجہ سے اس آیت میں یہ تعریض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ وہ کلام فرمانے والا ہے اور ہدایت دینے والا ہے۔ تم اس خدا کو چھوڑ کر کہاں بچھڑے کی پرستش میں مشغول ہو۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: "اور وہ ظالم تھے" ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اور کسی کا حق کسی دوسرے کو دینا۔ عبادت اللہ کا حق ہے۔ جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو وہ اللہ کا حق دوسروں کو دے رہا ہے اور یہی ظلم کرنا ہے بلکہ کائنات میں سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کی عبادت اور شرک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کی خود فریبی کا طلسم جاتا رہا اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہم کو نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○
(الاعراف: ۱۴۹)

لما سقط فی ایدیھم کا معنی

"ولما سقط فی ایدیھم" عربی محاورہ میں اس کا معنی ہے: جب انہوں نے لغزش کی یا جب وہ پچھتائے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے ہاتھوں میں ندامت گر گئی۔ بنو اسرائیل بچھڑے کی عبادت کرنے پر بہت نادم ہوئے تھے۔ اس لیے فرمایا "ولما سقط فی ایدیھم" جب کوئی ناپسندیدہ اور مکروہ چیز دل میں آئے تو یہ کہتے ہیں اور ہاتھوں سے دل کا استعارہ کرتے ہیں۔

سقوط کا معنی ہے کسی چیز کا اوپر سے نیچے گرنا۔ عرب کہتے ہیں سقط المطر بارش گری اور حمل ساقط ہونا کہتے ہیں جب ناتمام بچہ پیدا ہو۔ جب انسان کسی عمل کا اقدام کرتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ عمل اچھا اور درست ہے اور اس عمل سے اس کو عزت اور بلندی حاصل ہوگی۔ اور جب اس پر یہ منکشف ہو کہ یہ عمل باطل اور فاسد تھا تو وہ گویا بلندی سے نیچے گر گیا اور جو عزت اور بلندی اس کو حاصل تھی وہ جاتی رہی۔ اس لیے جب کسی شخص سے خطا یا لغزش ہو تو عرب کہتے ہیں ذالک سقطۃ منہ اس کی سربلندی اور سرفرازی گئی۔

اس کے بعد انہوں نے توبہ اور استغفار کیا۔ اور یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے کے بعد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غضبناک ہو کر تاسف سے کہا تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے برے کام کیے! کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی اور انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے' (ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے' تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے○ (الاعراف: ۱۵۰)

قوم کی گمراہی پر حضرت موسیٰ آیا طور سے واپسی پر مطلع ہوئے یا پہلے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا بنو اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ طور سے واپس آنے کے بعد ہوا تھا یا پہاڑ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی گمراہی اور گوسالہ پرستی سے مطلع کر دیا تھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے کچھ آوازیں سنیں تو انہوں نے کہا میں لہو و لعب میں مشغول لوگوں کی آوازیں سن رہا ہوں اور جب انہوں نے یہ معائنہ کیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کر رہے ہیں تو انہوں نے تورات کی الواح کو ڈال دیا جس کے نتیجہ میں وہ ٹوٹ گئیں اور وہ اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

(جامع البیان ج ۹، ص ۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صحیح بات یہ ہے کہ قوم کی گمراہی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر ہی مطلع فرما دیا تھا۔ قرآن مجید کی صریح آیات اور حدیث صحیح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ○ قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ○ قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ○ فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا (طٰہٰ: ۸۶-۸۳)

(اور ہم نے طور پر موسیٰ سے فرمایا) آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی اے موسیٰ؟○ عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں' اے میرے رب! میں نے آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے○ فرمایا تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے○ تو موسیٰ بہت غم و غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنکھ سے دیکھنا سننے کی مثل نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تمہاری قوم فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے تو انہوں نے تختیاں نہیں ڈالیں اور جب انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو تختیاں زمین پر ڈال دیں اور وہ نتیجتاً ٹوٹ گئیں۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۲۴۵۱، المعجم الاوسط ج ۱، رقم الحدیث: ۲۵، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث: ۲۴۴۷، مسند البزار ج ۱، رقم الحدیث: ۲۰۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۸، ۲۰۷۷، المستدرک ج ۲، ص ۳۲۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵، ص ۱۵۷۰، الدر المنثور ج ۳، ص ۵۷۳، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے ج ۱ ص ۱۵۳)

غضب کا معنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا تعین

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غضب اور افسوس کے ساتھ لوٹے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

غضب کا معنی ہے انتقام کے ارادہ سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۶۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ کے غضب کا معنی ہے اپنی نافرمانی سے منع کرنا' نافرمانی کرنے والے پر ناراض ہونا۔ اس سے اعراض کرنا اور اس کو عذاب دینا اور مخلوق کے غضب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے۔ اگر دین اور حق کی خاطر بندہ غضب میں آئے تو یہ غضب محمود ہے۔ اور اگر اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا نہ ہونے یا ناجائز حکم کے نہ ماننے یا اس کی ممانعت کرنے کی وجہ سے غضب میں آئے تو یہ غضب مذموم ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو غضب میں آئے تھے وہ اللہ کی نافرمانی اور شرک کی وجہ سے تھا آپ کا یہ غضب محمود تھا۔ انسان جو اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے غضب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس غضب کے روکنے اور انتقام نہ لینے کی ترغیب دی ہے۔

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴)

جو لوگ تنگی اور فراخی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور نیکو کاروں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۰-۳۹)

اور جن لوگوں کو (کسی کی) سرکشی پہنچے تو وہ بدلہ لیتے ہیں ○ اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے اور جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہیں۔

غیظ و غضب کو ضبط کرنے اور بدلہ نہ لینے کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں غضب کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

سنو! غضب ایک انگارہ ہے جو ابن آدم کے پیٹ میں جلتا رہتا ہے' کیا تم (غضبناک شخص کی) آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں کو نہیں دیکھتے' پس تم میں سے جو شخص غضب میں آئے وہ زمین کو لازم پکڑے' سنو! بہترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت دیر سے غضب میں آئے اور بہت جلد راضی ہو جائے' اور بدترین آدمی وہ شخص ہے جو بہت جلد غضب میں آئے اور بہت دیر سے راضی ہو' اور جو شخص دیر سے غضب میں آئے اور دیر سے راضی ہو' اور جو شخص جلدی غضب میں

آئے اور جلدی راضی ہو تو یہ (بھی) اچھی خصلت ہے۔

(مسند احمد ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۸۶' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' حافظ شاکر نے کہا' اس حدیث کی سند حسن ہے' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸' امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰' صحیح ابن حبان ج ۸' رقم الحدیث: ۳۲۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم لوگ رقوب کس کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس شخص کے ہاں اولاد نہ ہو' آپ نے فرمایا وہ رقوب نہیں ہے' رقوب وہ شخص ہے جس کی (نابالغ) اولاد میں سے اس کی زندگی میں کوئی فوت نہ ہو (حتیٰ کہ وہ اس کے لیے فرط اور سلف ہو جائے) پھر فرمایا تم لوگ پہلوان کس کو شمار کرتے ہو؟ ہم نے کہا جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں' آپ نے فرمایا وہ پہلوان نہیں ہے' پہلوان وہ ہے جو غضب کے وقت خود کو قابو میں رکھنے پر قادر ہو۔

(صحیح مسلم' البر والصلۃ' ۱۰۶ (۲۶۰۸) ۶۵۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۵۵' مسند احمد' ج ۱' ص ۳۸۲' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۷' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۱۹۹)

عروہ بن محمد السعدی اپنے باپ سے اور وہ اپنی دادی عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غضب شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو صرف پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص غضبناک ہو تو وہ وضو کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴' مسند احمد ج ۴' ص ۲۲۶' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۱)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غضب میں آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر اس کا غضب دور ہو گیا تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۲' مسند احمد ج ۵' ص ۱۵۲' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۲۰۲)

کیونکہ جو شخص کھڑا ہوا ہو وہ اپنے ہاتھ پیر چلانے پر بیٹھے ہوئے شخص کے بہ نسبت زیادہ قادر ہوتا ہے اور بیٹھا ہوا شخص اس کی بہ نسبت کم قادر ہوتا ہے اور لیٹا ہوا شخص اور بھی کم قادر ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہاں دو شخص ایک دوسرے پر سب و شتم کر رہے تھے اور جب ان میں سے ایک شخص دوسرے کو برا کہہ رہا تھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ شخص اس کو پڑھ لے تو اس کا غضب جاتا رہے گا' تب ایک شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم پڑھو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اس نے کہا کیا مجھے کوئی بیماری ہوئی ہے؟ یا میں مجنون ہوں جاؤ یہاں سے۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ' ۱۰۹ (۲۶۱۰) ۶۵۲۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۷۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۹' مسند احمد ج ۶' ص ۳۹۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۳۴' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۲۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے وصیت کیجئے اور مجھے زیادہ احکام نہ بتائیں یا اس نے کہا مجھے حکم دیجئے اور مجھے کم سے کم باتیں فرمائیں تاکہ میں بھول نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا تم غضب نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۸۰' مسند احمد ج ۲' ص ۳۶۶' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۲۰۵)

• حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر ہو اور وہ اپنا غضب ضبط کرے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کو تمام لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جو حور چاہے لے لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶' مسند احمد ج ۳' ص ۴۳۸' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۴۲۰۶)

• حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا غضب دور کیا اللہ اس سے اپنے عذاب کو دور کر دے گا' اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔

(المعجم الاوسط ج ۲' رقم الحدیث: ۱۳۴۲' اس کی سند میں عبدالسلام بن ھاشم ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۶۸' عقیلی نے اس کو ضعفاء میں بیان کیا ہے رقم الحدیث: ۱۱۵۵)

اگر انسان اپنے کسی ذاتی نقصان یا ذاتی معاملہ کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کو ضبط کرنا چاہیے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے غضب میں آئے تو اس غضب کے تقاضے پر عمل کرے' اگر اس برائی کو طاقت سے بدل سکتا ہو تو طاقت سے بدلے ورنہ زبان سے اس کی مذمت کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو دل سے برا جانے۔

تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے "انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں"۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کی الواح کو زمین پر ڈال دینا ان کے شدت غضب پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انسان اس قسم کا اقدام اسی وقت کرتا ہے جب وہ شدت غضب سے مدہوش ہو جائے۔ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے تورات کی تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ اس کے کل سات اجزاء تھے چھ اس وقت اٹھا لیے گئے اور صرف ایک حصہ باقی رہ گیا۔ جو اجزاء اٹھا لیے گئے ان میں ہر چیز کی تفصیل تھی' اور جو ایک حصہ باقی رہ گیا اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔

اور کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی تختیاں (زمین پر) ڈال دیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے تورات کی تختیوں کو اس طرح پھینکا کہ وہ ٹوٹ گئیں یہ قرآن مجید میں نہیں ہے اور یہ کہنا اللہ کی کتاب پر سخت جرأت ہے اور اس قسم کا اقدام انبیاء علیہم السلام کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی ناصر الدین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب' فرط صدمہ اور حمیت دین کی وجہ سے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور جب انہوں نے وہ تختیاں پھینکیں تو ان میں سے بعض ٹوٹ گئیں۔ علامہ صبغۃ اللہ آفندی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حمیت دین کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب اللہ کا احترام کیا جائے اور اس سے حفاظت کی جائے کہ وہ گر کر ٹوٹ جائے' یا اس میں کوئی نقصان ہو یا اس کی بے حرمتی ہو' اور صحیح بات یہ ہے کہ شدت غضب اور فرط غم کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قابو ہو گئے اور غیر اختیاری طور پر ان کے ہاتھوں سے یہ تختیاں گر گئیں اور چونکہ ان سے ترک تحفظ صادر ہوا تھا تو اس ترک تحفظ کو تغلیظاً ڈال دینے سے تعبیر فرمایا اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر کوئی عتاب نہیں کیا گیا حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کے ترک تحفظ کو تغلیظاً "ڈال دینے" سے تعبیر فرمایا اور یہ کہا جائے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔ ان آیات میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور میرے نزدیک اس مقام کی تقریر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا تو وہ حمیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آگئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ کو جلد فارغ کرنے کے لیے عجلت سے وہ الواح زمین پر رکھ دیں تاکہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں۔ جس کو قرآن مجید نے ڈالنے سے تعبیر فرمایا' اور اس میں کسی وجہ سے بھی تورات کی تختیوں کی اہانت نہیں ہے اور وہ جو طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ بعض تختیاں ٹوٹ گئیں تو وہ عجلت سے زمین پر رکھنے کی وجہ سے ٹوٹیں اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض نہ تھی اور نہ ان کو یہ گمان تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ یہاں پر صرف دینی حمیت اور فرط غضب کی وجہ سے بہ عجلت ان تختیوں کو زمین پر رکھنا مراد ہے اور بعض علماء نے تختیوں کے ٹوٹنے کے واقعہ کا انکار کیا ہے (جیسے امام رازی) ہرچند کہ یہ روایت مسند بزار' مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ہے۔

(روح المعانی ج ۹' ص ۶۷-۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچنے کی توجیہ اور دیگر فوائد

اس کے بعد فرمایا اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

جو لوگ عصمت انبیاء پر طعن کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کسی شخص کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا اس شخص کا استخفاف اور اس کی اہانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اہانت کی اور یہ عصمت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف بہ طور اہانت نہیں کھینچا تھا بلکہ وہ ان کو اپنے قریب کر کے ان سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے پھر حضرت ہارون نے یہ کیوں کہا تھا کہ اے میری ماں کے بیٹے بے شک قوم نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بنو اسرائیل کے جاہلوں اور عاقبت نااندیشوں سے یہ خدشہ تھا کہ وہ یہ گمان کریں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت ہارون پر بھی اسی طرح غضب ناک ہیں جس طرح بنو اسرائیل پر ان کی گوسالہ پرستی کی وجہ سے غضب ناک تھے۔ اس لیے انہوں نے کہا اے میری ماں جائے! قوم نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور بچھڑے کی عبادت ترک کرنے میں انہوں نے میرا حکم نہیں مانا۔ میں نے ان کو اس فعل سے روکا تھا لیکن میرے پاس ایسی قدرت نہیں تھی کہ میں ان کو بہ زور اس فعل سے روک دیتا۔ بنو اسرائیل میری بات نہیں سنتے تھے قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے۔ تو آپ ہمارے دشمنوں یعنی بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں اور میرا شمار ان ظالموں میں نہ کیجئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ یعنی ان سے مواخذہ کرنے میں مجھے ان کے ساتھ شریک نہ کیجئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے معاف فرما کہ میں نے حمیت دین اور شدت غضب کی وجہ سے یہ اقدام کیا اور میرے بھائی کو معاف فرما کہ انہوں نے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں پر ایسی شدت نہیں کی جو ان کو کرنی چاہیے تھی اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما بے شک تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر جو کھینچا تھا اس کی حسب ذیل چار تاویلیں ہیں:

۱۔ کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں متعارف تھا جیسا کہ اب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لیے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے سر کو پکڑ کر کھینچنا بہ طور اہانت نہ تھا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے رازدارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس خفیہ بات کرنے سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون نے بنو اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی۔ اور چونکہ ان کا غضب اللہ کے لیے تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے اپنے احوال سنانے کے لیے ان کو اپنے قریب کیا تھا۔ حضرت ہارون کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون سے مواخذہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔ حسن بصری نے کہا تمام اسرائیلیوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کیونکہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے علاوہ اگر کوئی مومن بچا ہوتا تو حضرت موسیٰ اس کے لیے بھی دعا کرتے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے شدت جذبات کی وجہ سے حضرت ہارون سے کہا تھا:

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ○ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ○ (طٰہٰ: ۹۳-۹۲)

موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو اس موقع پر میری اتباع کرنے سے آپ کو کیا چیز مانع ہوئی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

اس کی تلافی کرنے کے لیے حضرت موسیٰ نے ان کے لیے بھی دعا کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے بتایا ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی برائی کے مٹانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو وہ صرف زبان سے منع کرنے پر اکتفا کرے اور اس میں بھی جان جانے کا خطرہ ہو تو خاموش رہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غضب کی وجہ سے احکام نہیں بدلتے کیونکہ ہرچند کہ ان کی حالت غضب کی وجہ سے تورات کی تختیاں ساقط ہوئیں تھیں لیکن پھر بھی اس پر یہ حکم مرتب ہوا کہ چند تختیاں ان سے اٹھالی گئیں۔

حالت غضب میں طلاق دینے کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن قیم حنبلی نے غضبناک شخص کی طلاق کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں یہ کہا ہے کہ غضبان شخص کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کو مبادی غضب حاصل ہوں یعنی غضب کی ابتدائی کیفیت ہو۔ اس کی عقل متغیر نہ ہو اور اس کو علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا قصد کر رہا ہے۔ اس قسم میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ انتہائی غضب میں ہو اور اس کو علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ اس کا ارادہ ہو۔ اس قسم میں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال نافذ نہیں ہوں گے اور تیسری قسم وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان متوسط ہو بایں طور کہ وہ مجنون کی مثل نہ ہو۔ یہ قسم محل نظر ہے

اور دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اقوال بھی نافذ نہ ہوں۔ حافظ ابن قیم کا کلام ختم ہوا۔ لیکن صاحب الغایہ حنبلی نے اس تیسری قسم میں حافظ ابن قیم کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں اقوال نافذ ہوں گے اور اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ہمارے موقف کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے مدہوش کی بحث میں لکھا ہے۔ (الی قولہ) پس اس مسئلہ میں مدہوش کی تعریف پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسی پر حکم دائر کرنا چاہیے۔ اور جس شخص کے اقوال اور افعال میں اکثر و بیشتر خلل رہتا ہو یا بڑھاپے یا بیماری یا کسی آفت کی وجہ سے کسی کی عقل میں خلل آ گیا ہو تو جب تک اس کی یہ کیفیت رہے (یعنی الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو اور الٹے سیدھے کام کرتا ہو) اس کے اقوال اور افعال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا خواہ اس کو ان اقوال اور افعال کا علم ہو اور اس نے ان کا ارادہ کیا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ علم اور ارادہ معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کو ادراک صحیح حاصل نہیں ہے۔ آخر میں علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی شخص شدید غضب کی حالت میں طلاق دے اور بعد میں اس کو یاد نہ رہے کہ اس نے کیا کہا تھا اور دو آدمی یہ گواہی دیں کہ اس نے طلاق دی تھی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں اگر اس کی عقل میں خلل ہو اور اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جن کو وہ سمجھتا ہو نہ ان کا ارادہ کرتا ہو تو یہ جنون کا اعلیٰ مرتبہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ والوالجیہ میں مذکور ہے کہ اگر وہ غضب کی ایسی حالت میں ہو کہ اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جو اس کو بعد میں یاد نہ رہیں تو دو گواہوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے کہ یہ عبارت ہمارے بیان کی صراحتاً تائید کرتی ہے۔

(رد المحتار ج ۲' ص ۴۲۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی یہ عادت مشہور و معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں۔ یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو۔ حالانکہ طلاق نہیں ہوتی مگر بحالت غصہ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵' ص ۳۲۹' مطبوعہ سنی دار الاشاعت' فیصل آباد)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

غصہ مانع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے تو اسے مانع قرار دینا گویا حکم طلاق کا راساً ابطال ہے۔ ہاں اگر شدت غیظ و جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے' خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے تو بے شک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی۔ (الی قولہ) اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہو گئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں' کیا میرے منہ سے نکلتا ہے تو اطمینان بندہ کے لیے اس کا ثبوت گواہان عادل سے دے کہ اگرچہ عند اللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو اور اسے عورت کے پاس جانا دیانۃً روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت بقائے نکاح اس کے پاس رہنا ہرگز حلال نہیں ہو سکتا تو ضرور ہوا کہ زید اپنے دعویٰ پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵' ص ۳۳۳-۳۳۲' مطبوعہ فیصل آباد)

علامہ خیر الدین رملی حنفی متوفی ۱۰۸۱ھ لکھتے ہیں:

شرح الطحاوی سے نقل کر کے تاتار خانیہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ تمرتاشی غزی نے اپنے متن تنویر الابصار میں یہ تصریح کی ہے۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر عاقل

کی طلاق واقع نہیں ہوتی سوا اس کے کہ اس کی عقل نشہ کے سبب سے زائل ہو جو کہ معصیت ہے تو اس صورت میں بہ طور سزا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ غیر عاقل میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کی عقل ان امور سے زائل ہوئی ہو۔ جنون' عتہ' برسام' اغماء (بے ہوشی) اور دہش' جنون ایک مشہور بیماری ہے اور عتہ کا معنی ہے کم فہمی اور کلام کا غلط اور صحیح ہونا۔ اور تدبیر کا فساد یہ عقل کے اختلال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی وہ عقل مندوں کی طرح کلام کرتا ہے اور کبھی مجنونوں کی طرح اور برسام ایک بیماری ہے جس میں بیمار ہذیان بکتا ہے (بے سروپا باتیں کرتا ہے) اور دہش کا معنی ہے عقل جاتی رہے بھول اور غفلت کی وجہ سے یا عشق کی وجہ سے اور جس نے مدہوش کی تفسیر حیرت زدہ کی ہے اس نے غلطی کی۔ قاموس میں لکھا ہے کہ مدہوش وہ شخص ہے جس کی عقل ذہول یا عشق کی وجہ سے جاتی رہی۔ مجنون کے متعلق حکم یہ ہے کہ جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کو جنون ہو چکا ہے اور اس نے طلاق دی اور اس نے کہا مجھے دوبارہ جنون ہوا اور میں نے طلاق دی تو اس کی قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا جائے گا' اور اگر پہلے اس کو جنون نہ ہوا ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ خانیہ' تاتار خانیہ اور دیگر کتب میں اسی طرح ہے۔ مدہوش کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر ایک مرتبہ پہلے وہ مدہوش ہو چکا ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر وہ پہلے مدہوش نہیں ہوا تو قضاءً اس کا قول قبول نہیں ہو گا ہاں گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور دیانۃً اس کا قول قبول ہو جائے گا۔ (الفتاویٰ الخیریہ علیٰ هامش الحامدیہ ج ۱ ص ۶۸-۶۷' مطبوعہ کوئٹہ)

شماتت کا معنی اور اس کا شرعی حکم

اس آیت میں ہے: فلا تشمت بی الاعداء "تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں"۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شماتت کا معنی ہے دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' النہایہ ج ۲ ص ۴۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے (دینی) بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شماتت اعداء سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بری تقدیر' سختیوں کے آنے' شماتت اعداء اور سخت مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(صحیح مسلم' الذکر' ۵۳' (۲۷۰۷) ۶۷۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۶' ۷۳۴۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۹۱' مسند احمد ج ۲' ص ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء مغفرت کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے بھائی کا عذر واضح ہو گیا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ ان پر جو ذمہ داری تھی اس کو پورا کرنے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی اور جاہل اسرائیلیوں نے جو گوسالہ پرستی کی تھی' اس کو روکنے کی انہوں نے ہر ممکن کوشش کی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو سختی سے باز پرس کی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اپنے بھائی

کے لیے بھی معافی چاہی کہ اگر بالفرض ان سے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کو بھی معاف فرما۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبیرہ۔ لیکن ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں اس لیے وہ استغفار کرتے ہیں۔ نیز ان سے جو اجتہادی خطا سرزد ہوتی ہے اس پر بھی استغفار کرتے ہیں ہرچند کہ اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ ایک اجر ملتا ہے لیکن وہ مقام عالی کے پیش نظر اس پر بھی استغفار کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے دعا کی پھر اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔ اس میں اسلوب دعا کی تعلیم ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا سب سے زیادہ وہ محتاج ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَ

اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے، ہم بہتان باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور

الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ

جن لوگوں نے برے عمل کیے پھر بد اعمالیوں کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا

رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى

رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو

الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ

انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے

هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا

رب سے ڈرتے ہیں ○ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ

لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

وہ ہمارے مقرر کردہ وقت (پر حاضر ہوں) پھر جب ان کو زلزلہ (یا رعد) نے گرفت میں لے لیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب!

أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ

اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کردیتا، کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا

إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ

یہ تو تیری صرف آزمائش تھی، جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے،

أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ

تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے ○ اور ہمارے لیے

لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ

اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے، فرمایا

عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں، اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے،

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ

تو عنقریب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو گناہوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری

بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۶﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ

آیتوں پر ایمان لائیں گے ○ جو اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے

الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ

پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا، جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي

اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا اور ان سے ان کے بوجھ اتارے گا، اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا

اتارے گا، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی

۹ع۱۹

النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ ع

پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے ہم بہتان باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ (الاعراف: ۱۵۲)

توبہ قبول کرنے کے باوجود بنو اسرائیل پر عذاب کی وعید کی توجیہ

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (البقرہ: ۵۴)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا پس تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو سو ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ یا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس نے ان کی توبہ قبول فرمالینی ہے پھر یہ کس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اس سوال کے متعدد جواب ہیں:

۱۔ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو توبہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی سے پہلے مر چکے تھے۔

۲۔ اس آیت کا مصداق عام بنی اسرائیل ہیں اور عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس عذاب سے مراد انہیں یہ حکم دینا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔

۳۔ اس آیت کے مصداق وہ یہودی ہیں جو نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ کیونکہ جس طرح آباء کے محاسن ابناء کے لیے باعث فخر ہوتے ہیں' اسی طرح آباء کے عیوب ابناء کے لیے باعث عار ہوتے ہیں' اور اس زمانہ کے یہودی بھی اپنے ان آباء کو مانتے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ عنقریب اپنے رب کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دنیا کی زندگی میں ذلت میں گرفتار ہوں گے۔

بدعت سیئہ کی تعریف

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے ہم افتراء کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ان کا افتراء یہ تھا کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود قرار دیا۔ جو شخص دین میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرتا ہے جس کی اصل کتاب اور سنت میں نہ ہو اور وہ شریعت کے کسی حکم کا مغیر ہو اور اس طریقہ کو کار ثواب قرار دیتا ہو وہ شخص اللہ اور رسول پر افتراء کرتا ہے۔ اس لیے امام مالک بن انس نے بدعتی کو مفتری فرمایا اور اس آیت کو پڑھا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا ہر بدعتی کے سر پر ذلت ہوگی اور پھر انہوں نے اس آیت کی

تلاوت کی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷ ص ۲۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے بدعت کی جو تعریف کی وہ بدعت سیئہ کی تعریف ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے شہداء کربلا پر ماتم کرنے اور نوحہ کرنے کو شیعہ باعث اجر و ثواب کہتے ہیں یا پیروں کو دھونے کی بجائے پیروں پر مسح کرنے کو کار ثواب کہتے ہیں اور چند صحابہ کے سوا باقی صحابہ کرام کو تبرا کرتے ہیں اور اس کو ثواب کا کام کہتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ میلاد النبی اور بزرگوں کے لیے ایصال ثواب اور عرس وغیرہ کو بغیر شرعی دلیل کے حرام کہتے ہیں اور ان کو عرفی تحسین کے ساتھ بہ طور استحباب کرنے کو بھی بدعت ناجائز اور حرام کہتے ہیں ان امور مستحبہ کو حرام کہنا بھی شریعت پر افتراء ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے برے عمل کیے پھر بداعمالیوں کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O (الاعراف: ۱۵۳)

توبہ کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عموم اور شمول

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے برے عمل کیے پہلے وہ ان پر توبہ کرے بایں طور کہ ان برے اعمال پر نادم ہو اور ان سے رجوع کرے اور آئندہ ان برے کاموں کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرے اور ان کا تدارک اور تلافی کرے مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں ان کو قضا کرے۔ اگر کسی کا مال غصب کیا تھا تو اس کو واپس کرے۔ پھر کلمہ پڑھے اور یہ تصدیق کرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جو شخص اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اس آیت میں گنہ گاروں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا پھر کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر دوبارہ گناہ کیا اس کے بعد کہا اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ اس نے پھر سہ بارہ گناہ کیا اور کہا اے میرے رب میرے گناہ کو بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو علم تھا کہ اس کا رب گناہ کو بخشتا بھی ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے (اے میرے بندے!) تو جو عمل چاہے کر، میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(صحیح مسلم التوبہ ۲۹ (۲۷۵۸) ۶۸۵۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶ مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۵ جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۵۸۷۶)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدہ پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اس کی وسعت اس کی رحمت اس کے حلم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث میں استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے استغفار اور توبہ کرے بلکہ استغفار کا وہ معنی مراد ہے جو دل میں پیوست ہو جس سے گناہ پر اصرار کی گرہ کھل جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہو۔ اس صورت میں استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو فتنہ میں مبتلا ہو اور بہت توبہ کرنے والا ہو۔ (شعب الایمان ج ۵ رقم الحدیث:

(۲۱۲۷) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے بار بار گناہ صادر ہو اور وہ بار بار توبہ کرے اور جب وہ گناہ کرے تو وہ توبہ کرے' لیکن جو شخص صرف زبان سے استغفر اللہ کہتا ہے اور اس کا دل گناہ کرنے پر مصر ہوتا ہے تو اس کا ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہے۔ اور ایسی زبانی توبہ سے صدق دل سے توبہ کرنی چاہیے کہ آئندہ وہ ایسی زبانی اور بے مغز توبہ نہیں کرے گا۔ اور صغیرہ گناہ' کبیرہ گناہ کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کرے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کبیرہ گناہ پر استغفار کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا اگرچہ پہلی بار گناہ کرنے سے زیادہ قبیح ہے کیونکہ دوبارہ گناہ کر کے وہ خود اپنی توبہ توڑ رہا ہے لیکن جب وہ دوبارہ زیادہ گڑگڑا کر توبہ کرے گا اور کریم کے دروازہ پر فریاد کرے گا تو پہلی توبہ سے احسن ہے کیونکہ وہ اس یقین سے توبہ کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ارشاد ہے جو مرضی آئے کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس کو اب گناہ کرنے کی عام اجازت اور کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیے اور آئندہ کے لیے اس کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے یا یہ کہ اگر اس سے پھر گناہ سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اس کا یہ معنی بھی ہے جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا۔

(المفہم ج ۷' ص ۸۶-۸۵' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر ظاہر دلالت ہے کہ اگر انسان سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کا تکرار کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے' اور اگر تمام گناہوں سے ایک بار ہی توبہ کرے تو اس کی توبہ صحیح ہے' اور یہ جو فرمایا ہے جو مرضی آئے کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم گناہوں پر توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم مع شرحہ للنووی ج ۱۱' ص ۶۸۸۲-۶۸۸۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت کی وسعت اور اس کے رحم و کرم کے عموم و شمول میں بہت احادیث ہیں۔ ہم یہاں پر صرف ایک حدیث اور پیش کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اے ابن آدم! تو نے مجھ سے دعا کی اور دعا قبول ہونے کی امید رکھی۔ میں نے تیری پچھلی سب خطائیں بخش دیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھ کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو تمام روئے زمین کے برابر بھی گناہ کر کے آئے بہ شرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس تمام روئے زمین جتنی مغفرت لے کر آؤں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۷' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۵۸۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں' جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں O (الاعراف: ۱۵۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے غصہ کی تلافی کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ جان لیا کہ بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی اور ان کا

عذر صحیح تھا تو انہوں نے تورات کی جو تختیاں ڈالی تھیں وہ اٹھالیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا تھا اس وقت بھی انہوں نے غصہ میں دو کام کیے تھے۔ تورات کی تختیاں زمین پر ڈال دی تھیں اور حضرت ہارون کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ اور جب غصہ ٹھنڈا ہو گیا تب بھی انہوں نے اس کی تلافی میں دو کام کیے۔ تورات کی تختیاں زمین سے اٹھالیں اور اپنے بھائی کے لیے دعا کی۔

تورات کی تختیاں ٹوٹی تھیں یا نہیں

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے' الالواح سے مراد وہی الواح ہیں جو انہوں نے ڈالیں تھیں۔ (گویا الف لام عہد خارجی کا ہے) اور اس میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ ان تختیوں میں سے کوئی تختی ٹوٹی تھی نہ باطل ہوئی تھی اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ تورات کے سات اجزا میں سے چھ اجزا اٹھالیے گئے تھے اور صرف ایک جز باقی رہ گیا تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تختیوں کو لوٹا دیا اور ان میں بعینہ وہ سب کچھ مذکور تھا جو پہلی تختیوں میں تھا۔ اس تقدیر پر "وفی نسختھا" کا معنی یہ ہو گا اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ ہدایت اور رحمت تھی' اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں ڈالنے کے بعد بعینہ ان ہی تختیوں کو اٹھالیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھیں اور اب بھی "فی نسختھا" کا یہی معنی ہو گا کہ اس کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۷۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اس میں نیک کاموں کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں اور صالح حیات کے لیے اس میں مکمل دستور العمل ہے اور اگر اس میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تاکہ وہ ہمارے مقرر کردہ وقت پر حاضر ہوں پھر جب ان کو زلزلہ (یا رعد) نے گرفت میں لے لیا' تو انہوں نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا یہ تو تیری صرف آزمائش تھی' جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے تو ہدایت عطا فرما دیتا ہے' تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے○ (الاعراف: ۱۵۵)

ستر اسرائیلیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں مختلف روایات

اس آیت کے شان نزول میں کئی روایات ہیں:

امام عبدالرحمٰن بن محمد المعروف بابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' بشر اور بشیر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے' حضرت ہارون اپنے تخت پر لیٹ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان پر وفات طاری کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو بنو اسرائیل نے ان سے پوچھا حضرت ہارون کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی۔ بنو اسرائیل نے کہا آپ نے ان کو قتل کیا ہے' آپ ان پر حسد کرتے تھے' کیونکہ وہ ہمارے ساتھ بہت نرمی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم تصدیق کے لیے جن کو چاہو منتخب کر لو۔ انہوں نے ستر آدمی منتخب کیے اور جب وہ اس مقررہ وقت پر پہنچے تو انہوں نے حضرت ہارون سے پوچھا:

اے ہارون! تم کو کس نے قتل کیا ہے؟ حضرت ہارون نے کہا مجھے کسی نے قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وفات دی ہے۔ تب بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہم آئندہ آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے شان نزول میں اسی روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسری روایت یہ ہے: امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو منتخب کیا تاکہ وہ اپنے رب سے دعا کریں اور انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی اے اللہ! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو وہ نعمتیں دینا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ دعا ناگوار گزری تب ان کو ایک زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷۴' جامع البیان ج ۹ ص ۹۹۔۹۸' مطبوعہ بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ نے ان دونوں روایتوں کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۵ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور بہت مفسرین نے امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ کی اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنو اسرائیل کو ملامت کی اور بچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد ستر تھی' سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ سے ملاقات کے لیے چلو اور اپنی اس گوسالہ پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو۔ جب حضرت موسیٰ ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب کا کلام سن لیں! حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا' حضرت موسیٰ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ حضرت موسیٰ اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ جاؤ' جب حضرت موسیٰ اپنے رب سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا۔ تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ جب قوم اس بادل سے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی۔ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں' اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آ پڑی اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا' جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو وہ میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے' حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے' بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں۔ پھر بنو اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ 'تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۷۹ 'معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۶ 'روح المعانی جز ۹ ص ۲۷ 'تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۳ ص ۶۳)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا جس سے وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کیا۔ نیز امام ابن ابی حاتم نے سعید بن حیان سے روایت کیا ہے کہ ان ستر اسرائیلیوں کو بجلی کی کڑک نے اس لیے ہلاک کیا تھا کہ انہوں نے بچھڑے کی عبادت کا حکم دیا تھا نہ اس سے منع کیا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۷۵ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۷ھ)

سورۂ بقرہ میں الصاعقہ اور سورۃ الاعراف میں الرجفہ فرمانے کی توجیہ

سورۃ البقرہ میں فرمایا تھا: ان کو "الصاعقہ" نے پکڑ لیا (البقرہ: ۵۵) اور اس سورت میں فرمایا ہے ان کو "الرجفہ" نے پکڑ لیا۔ الصاعقہ کے معنی ہیں رعد یا بجلی کی کڑک اور الرجفہ کے معنی ہیں زلزلہ۔ علامہ بیضاوی اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے اس سے مراد الصاعقہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بجلی اس زور سے کڑکی ہو کہ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا ہو اس لیے ایک جگہ اس کو الصاعقہ سے تعبیر فرمایا اور دوسری جگہ الرجفہ سے۔

علامہ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

کلبی نے کہا اس سے مراد زلزلہ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد موت ہے۔ وہ سب مر گئے تھے پھر ان کو زندہ کیا۔ فراء نے کہا وہ ایک آگ تھی جس نے ان کو جلا ڈالا تھا۔ حضرت موسیٰ کا یہ گمان تھا کہ یہ ہلاک ہو گئے ہیں لیکن وہ ہلاک نہیں ہوئے تھے۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۲۶۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ 'بیروت)

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

الرجفہ سے مراد ہے حرکت شدیدہ اور ان کو حرکت شدیدہ نے جو اپنی گرفت میں لیا تھا اس کے سبب کے متعلق چار قول ہیں:

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام لگایا تھا۔

۲- ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے دعا میں حد سے تجاوز کیا تھا' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی نعمت مانگی تھی جو پہلے کسی کو ملی ہو نہ آئندہ ملے۔

۳- قتادہ اور ابن جریج نے کہا یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

۴- سدی اور ابن اسحاق نے کہا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کا مطالبہ کیا اور اللہ کا کلام سننے کے بعد کہا ہم اس کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۲۶۹ 'مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ ستر اسرائیلیوں کی وجہ سے ان کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی: کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہم کو ہلاک کرے گا؟ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الزمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ان ستر اسرائیلیوں کے قصور کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاکت میں مبتلا کرے گا۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا جیسے کہتے ہیں: کیا تم اپنی خدمت کرنے والے کی بے عزتی کرو گے! یعنی تم ایسا نہیں کرو گے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ تو ہم کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ (تفسیر کبیر ج۵ ص ۳۷۷)

اس اعتراض کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی پریشانی میں مبتلا کرے گا۔ وہ اپنے اس کلام سے ان ستر اسرائیلیوں کی شفاعت کرنا چاہتے تھے جو اپنی نادانی اور حماقت کی وجہ سے رعد کی کڑک میں مبتلا ہو کر مارے گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذات کو درمیان میں ڈالا کہ یہ تو قصور وار ہیں لیکن اگر ان کی سزا برقرار رکھی گئی تو میں پریشانی میں مبتلا ہوں گا اور بنو اسرائیل ان کے متعلق مجھ سے سوال کریں گے سو تو مہربانی فرما اور میری خاطر ان کو زندہ کر دے۔

اللہ کے معاف کرنے اور مخلوق کے معاف کرنے میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں کہا تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے کیونکہ مخلوقات میں سے جب کوئی کسی کو بخشتا ہے تو یا تو دنیا میں اس سے اپنی تعریف و توصیف کا طالب ہوتا ہے یا آخرت میں ثواب کا طلب گار ہوتا ہے یا معافی مانگنے والے کے حال کو دیکھ کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے وہ معاف کر دیتا ہے یا یہ نیت ہوتی ہے کہ آج میں اس کو معاف کروں گا تو کل کوئی مجھے معاف کر دے گا۔ یا ماضی میں کبھی اس نے اس کو معاف کیا ہو تو اس کا احسان چکانے کے لیے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ غرض معاف کرنے سے مخلوق کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے اور بے غرض اور بلا عوض معاف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں' بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے' فرمایا میں اپنا عذاب تو جسے چاہتا ہوں اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے' تو عنقریب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو گناہوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے○ (الاعراف: ۱۵۶)

حضرت موسیٰ نے دنیا اور آخرت کی جس بھلائی کا سوال کیا تھا وہ کیا چیز تھی؟

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بقیہ حصہ اور تتمہ ذکر فرمایا ہے۔ دعا میں اصولی طور پر دو چیزیں طلب کی جاتی ہیں مضر چیزوں سے نجات اور مفید چیزوں کا حصول یعنی دفع ضرر اور جلب منفعت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں پہلے یہ کہا کہ ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ دعا کے اس حصہ میں اپنی امت کے لیے ہلاکت اور عذاب سے نجات کو طلب کیا اور دعا کے دوسرے حصہ میں کہا اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں' اور اس میں جلب منفعت کی اور مفید چیزوں کو طلب کیا اور دنیا اور آخرت کی خیر اور حسنہ کو طلب کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں تلقین فرمائی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ: ۲۰۱)	اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما۔

دنیا کی بھلائی کیا ہے اور آخرت کی بھلائی کیا ہے؟ علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے "دنیا کی بھلائی سے مراد ہے پاکیزہ حیات اور اعمال صالحہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد ہے جنت' اللہ تعالیٰ کا دیدار اور دنیا کی نیکیوں پر ثواب" اور زیادہ

عمدہ بات یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد نعمت اور عبادت ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور اس کے علاوہ اور کیا بھلائی ہو سکتی ہے! (البحر المحیط ج ۵ 'ص ۱۹۰) علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ نے لکھا ہے "دنیا کی بھلائی سے مراد اچھی زندگی اور عبادت کی توفیق ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے"۔ (الکازرونی مع البیضاوی ج ۳ 'ص ۴۳) علامہ ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد گناہوں کی بخشش ہے۔ (جامع البیان جز ۹ 'ص ۱۰۵) علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد مغفرت اور جنت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد اس کی جزا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷ 'ص ۱۵۷) باقی مفسرین نے بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں یہ بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو رسول امی کی پیروی کریں گے جن کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کو عطا کر دی۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جو سوال کیا تھا کہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لکھ دے وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ میں (سیدنا) محمد ﷺ کی امت کو عطا کروں گا۔

(جامع البیان جز ۹ 'ص ۱۰۹ 'تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ 'ص ۱۵۸۰)

اب یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو تفسیر علامہ ابوالحیان اندلسی 'علامہ بیضاوی 'علامہ ابن جریر اور علامہ قرطبی وغیرہم نے کی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے 'اس میں سیدنا محمد ﷺ کی امت کی کیا خصوصیت ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اعمال صالحہ کریں گی اور جنت میں جائیں گی جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۹ 'مسند احمد ج ۵ 'ص ۳۴۷ 'سنن الدارمی ج ۲ 'رقم الحدیث: ۲۸۳۵ 'المستدرک ج ۱ 'ص ۸۲ 'مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۶۴۴ 'کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۵۷۲ 'کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۱۴ 'کامل ابن عدی ج ۳ 'ص ۸۵۵ 'ج ۴ 'ص ۱۴۲۰ 'مجمع الزوائد ج ۱۰ 'ص ۴۰۳-۴۰۲)

اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکام شرعیہ آسان ہوں۔ کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کردیں۔ ان کو تیمم کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مال غنیمت حلال نہیں تھا 'قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ کپڑے یا بدن پر جس جگہ نجاست لگ جائے اس کو کاٹنا پڑتا تھا۔ گنہ گار اعضا کو کاٹنا ضروری تھا 'قتل خطا اور قتل عمد میں قصاص لازمی تھا دیت کی رخصت نہیں تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ روزہ کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا اور بہت سخت احکام تھے 'تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ دنیا میں ان کے لیے احکام شرعیہ آسان ہو جائیں۔ یہ دنیا کی بھلائی تھی اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ کم عمل پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے۔ ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ چاہتے

تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سات سو گنا اجر عطا کیا جائے' اور اس معنی میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی امت کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ اس لیے یہ بھلائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی بجائے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو عطا کر دی' اس لیے فرمایا میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کو دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا جو ان سے بوجھ اتارے گا' اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا' سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں○ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں سیدنا محمد ﷺ کے نو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں (۱) نبی (۲) رسول (۳) امی (۴) آپ کا تورات میں مکتوب ہونا (۵) آپ کا انجیل میں مکتوب ہونا (۶) امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر کرنا (۷) پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا (۸) ان سے بوجھ اتارنا (۹) ان کے گلے میں پڑے ہوئے طوق اتارنا۔

نبی اور رسول کے معنی

علامہ مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے بھیجا اور کبھی اس میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح عقائد نسفی' ص ۱۴)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہے کہ رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں اور صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں۔ اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔ اس لیے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الیہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔ (روح المعانی ج ۹' ص ۷۹) لیکن یہ فرق بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی کی جائے۔ یا خواب میں اس پر وحی کی جائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف میں سے ایک تیسرا وصف امی ذکر فرمایا ہے' ہم یہاں لفظ امی کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ امی کا ذکر فرمایا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی ﷺ پر امی کا اطلاق

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ — جو لوگ اس رسول' نبی امی کی پیروی کریں۔

(الاعراف: ۱۵۷)

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ — اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں۔

(الاعراف: ۱۵۸)

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ (البقرہ: ۷۸)

اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو پڑھنے کے سوا (اللہ کی) کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (الجمعہ: ۲)

جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

ان کے علاوہ سورت آل عمران میں دو جگہ (۷۵٬۲۰) امیین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنے لیے ای کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم ای لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۱۳٬ صحیح مسلم الصیام ۱۵ (۱۰۸۰) ۲۴۷۳٬ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۹٬ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۱۴۱٬ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۴۵۱٬ مسند احمد ج ۲٬ ص ۴۳٬ طبع قدیم٬ جامع الاصول ج ۶٬ رقم الحدیث: ۴۳۹۳)

ای کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ای وہ شخص ہے جو نہ لکھتا ہو اور نہ کتاب سے دیکھ کر پڑھتا ہو۔ اس آیت میں ای کا یہی معنی ہے "هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم" قطرب نے کہا امیۃ کے معنی غفلت اور جہالت ہیں سو ای کا معنی قلیل المعرفت ہیں۔ اسی معنی میں ہے "ومنهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی" یعنی وہ ای ہیں جب تک ان پر تلاوت نہ کی جائے وہ از خود نہیں جانتے۔ فراء نے کہا یہ وہ عرب لوگ ہیں جن کے پاس کتاب نہ تھی اور قرآن مجید میں ہے "والنبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل" ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ای اس لیے فرمایا ہے کہ آپ امیین کے نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو ای اس لیے فرمایا کہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے٬ اور یہ آپ کی فضیلت ہے کیونکہ آپ حفظ کرنے سے مستغنی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سنقرئک فلا تنسی" عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ نہیں بھولیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو ای اس لیے فرمایا کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ (المفردات ج ۱٬ ص ۲۹٬ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ٬ بیروت)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے انا امة لا نکتب ولا نحسب "ہم اہل عرب ای ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں" آپ کی مراد یہ تھی کہ ہم اسی طرح ہیں جس طرح اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ یعنی اپنی جبلت اولیٰ پر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ای وہ ہے جو لکھتا نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے بعثت الی امة امیة "میں ای امت کی طرف بھیجا گیا ہوں" یا ای سے عرب مراد ہیں کیونکہ عرب میں لکھنا بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ (النہایہ ج ۱٬ ص ۶۹٬ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ٬ بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے ہم امی لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ یعنی اپنی ماں سے پیدائش کی اصل پر ہیں۔ لکھنا سیکھا ہے نہ حساب کرنا۔ تو وہ اپنی اصل جبلت پر ہیں اور اسی نہج پر ہے امیین میں رسول بھیجا گیا۔ علامہ کرمانی نے کہا اس میں ام القریٰ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والوں کی طرف۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب میں لکھنے والے بھی تھے اور ان میں سے اکثر حساب جاننے والے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لکھنا نہیں جانتے تھے اور حساب سے مراد ستاروں کا حساب ہے اور وہ اس کو بالکل نہیں جانتے تھے۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ ابن صیاد نے نبی ﷺ سے کہا آپ امیین کے رسول ہیں۔ اس شیطان کا مطلب یہ تھا کہ آپ صرف عرب کے رسول ہیں دوسروں کے نہیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے امی وہ شخص ہے جو لکھتا نہ ہو یا اپنی ماں سے پیدائش کے حال پر باقی ہو اور امی غبی اور قلیل الکلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کو امی اس لیے کہا جاتا ہے کہ عرب قوم لکھتی تھی نہ پڑھتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا اور آنحالیکہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے۔ اور یہ آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ نے بغیر کسی تغیر اور تبدل کے بار بار قرآن مجید کو پڑھا۔ قرآن مجید میں ہے "وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب" (الایۃ) حافظ ابن حجر عسقلانی نے احادیث رافعی کی تخریج میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر لکھنے اور شعر گوئی کو حرام کر دیا گیا تھا۔ یہ اس وقت ہے اگر آپ شعر گوئی اور لکھنے کو اچھی طرح بروئے کار لاتے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہرچند کہ آپ کو شعر اور خط میں مہارت تو نہیں تھی لیکن آپ اچھے اور برے شعر میں تمیز رکھتے تھے۔ اور بعض علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ پہلے آپ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن بعد میں آپ نے لکھنا جان لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنت تتلوا من قبلہ (الأیہ) آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور "اس سے پہلے" کی قید کا یہ معنی ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو جان لیا، کیونکہ آپ کا پہلے نہ جاننا معجزہ کے سبب سے تھا اور جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ نے اس کو جان لیا، اور امام ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے مجاہد سے روایت کیا ہے "ما مات رسول اللہ ﷺ حتی کتب و قرء" رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے لکھ نہیں لیا، اور پڑھ نہیں لیا اور مجاہد نے شعبی سے کہا، اس آیت میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ علامہ ابوذر، علامہ ابوالفتح نیشاپوری اور علامہ باجی مالکی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ باجی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، بعض افریقی علماء نے بھی علامہ باجی کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ امی ہونے کے بعد لکھنے کو جان لینا معجزہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے، کیونکہ بغیر کسی انسان کے سکھائے کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی معجزہ ہے۔ ابو محمد بن مفوز نے علامہ باجی کی کتاب کا رد لکھا ہے اور علامہ سمنانی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ بغیر علم کے لکھتے تھے، جیسے بعض ان پڑھ بادشاہ بعض حروف لکھ لیتے تھے حالانکہ ان کو حروف کی تمیز اور شناخت نہیں ہوتی تھی۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۱۹۱ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ امی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کو امی اس لیے کہا ہے کہ آپ امت عرب کی طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر نے کہا ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو امی

فرمایا' یا آپ اپنی ام (ماں) کی طرف منسوب تھے' یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی ماں سے پیدا ہوئے تھے' آپ کا یہ وصف اس تنبیہ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر قائم رہنے (یعنی کسی سے پڑھنا' لکھنا نہ سیکھنے) کے باوجود اس قدر عظیم علم رکھتے تھے سو یہ آپ کا معجزہ ہے۔ امی کا لفظ صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے ان پڑھ ہونا باعث فضیلت نہیں ہے' جیسا کہ متکبر کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعث مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعث مذمت ہے۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ سے کسی وقت لکھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا اور یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور احادیث ظاہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے بالکل نہیں لکھا اور آپ کی طرف لکھنے کی نسبت مجاز ہے' اور بعض اہل بیت سے روایت ہے کہ آپ لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی معتمد سند نہیں ہے' ہاں ابوالشیخ نے اپنی سند کے ساتھ عتبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں' شعبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ (روح المعانی' ج ۹' ص ۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴۸)

اس (کتاب کے نزول) سے پہلے آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے' اگر ایسا ہوتا تو باطل پرستوں کو شبہ پڑ جاتا۔

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا' قریش مکہ کے سامنے آپ کی پوری زندگی تھی' آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے' روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گزری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات' گزشتہ انبیاء و رسل کے حالات' قدیم مذاہب کے عقائد' تاریخ' تمدن' اخلاق اور عمرانی اور عائلی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ امی شخص انتہائی فصیح و بلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں' اس کا وحی الٰہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا' اگر انہوں نے کسی مکتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذاہب اور تاریخ کو پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہو سکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ دراصل ان کا حاصل مطالعہ ہے۔ ہر چند کہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور تمام علمی وسائل بروئے کار لا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے' تاہم اگر آپ نے اعلان نبوت سے پہلے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا ہوتا تو جھوٹوں کو ایک بات بنانے کا موقع ہاتھ لگ جاتا' لیکن جب آپ کا امی ہونا' فریق مخالف کو بھی تسلیم تھا تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی' اور یوں کہنے کو تو ضدی اور معاند لوگ پھر بھی یہ کہتے تھے:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفرقان: ۵)

اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے لکھے ہوئے قصے ہیں جو اس (رسول) نے لکھوا لیے ہیں' سو وہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے مقید کیا ہے اور یہی مقصود ہے۔ کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھنا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی راہ نکل سکتی تھی اور

اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہو سکتا۔ اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہو سکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے منافی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے بعض اجلہ علماء کا یہ قول نقل کیا ہے:

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید بے فائدہ ہو گی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵ مطبوعہ بیروت)

اس استدلال پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا استدلال میں معتبر نہ ہونا اتفاقی نہیں ہے کیونکہ باقی ائمہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں' خصوصاً جب کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے بعثت کے بعد آپ کا لکھنا ثابت ہے' جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر علمی اور عملی کمالات عطا فرمائے ہیں اسی طرح آپ کو لکھنے پڑھنے کا بھی کمال عطا فرمایا ہے' لکھنے کا علم ایک عظیم نعمت ہے' قرآن مجید میں ہے: الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم (العلق: ۵-۴) "جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا' اور انسان کو وہ علم دیا' جس کو وہ جانتا نہ تھا"۔ امت کے ان گنت افراد کو پڑھنے اور لکھنے کا کمال حاصل ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو یہ کمال حاصل نہ ہو اور امی ہونے کا نقطہ یہ مفاد ہے کہ آپ نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست یہ علم عطا فرمایا ہے اور بعثت سے پہلے آپ لکھنے اور پڑھنے میں مشغول نہیں رہے تاکہ آپ کی نبوت میں کسی کو شبہ نہ ہو اور بعثت کے بعد آپ نے پڑھا اور لکھا اور یہ ایک الگ معجزہ ہے۔ کیونکہ بغیر کسی مخلوق سے کسب فیض کے پڑھنا اور لکھنا خلاف عادت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر اعتراض کرتے ہوئے سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی ﷺ کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے' جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا' وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی' پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی' ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاملہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو' حضرت علی نے لفظ "رسول اللہ" کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ (الی قولہ) ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں (الی قولہ) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور ﷺ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں'

باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۳ 'ص ۱۴۳۔ ۱۴۷ ملخصاً' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

الجواب

پہلی بات یہ ہے کہ سید مودودی کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت کے بعد نبی ﷺ کا لکھنا قرآن مجید کی اس آیت اور اس استدلال کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن مجید نے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مطلقاً نفی نہیں کی' بلکہ نزول قرآن سے پہلے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کی ہے۔ لہٰذا نزول قرآن کے بعد جن احادیث میں آپ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ روایات قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر بکثرت کتب صحاح سے رسول ﷺ کا لکھنا ثابت ہے اور سید مودودی کا ان احادیث کو بجائے خود کمزور کہنا لائق التفات نہیں ہے۔ ثالثاً سید مودودی نے جو یہ تاویل کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی اور کاتب سے لکھوا دیا ہو سو یہ احتمال بلا دلیل ہے اور الفاظ کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ رابعاً اس بحث کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سید مودودی نے نبی امی ﷺ کو عام ان پڑھ لوگوں پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے اگر آپ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں' باقی کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے' نہ لکھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور ان کی جہالت ہے اور رسول اللہ کا امی ہونا' آپ کا کمال ہے' کہ دنیا میں کسی استاد کے آگے زانو تلمذ تہ نہیں کیا' کسی مکتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور براہ راست خدائے لم یزل سے علم پا کر اولین اور آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانہ چند ملت بشست

اب ہم قارئین کے سامنے بکثرت حوالہ جات کے ساتھ وہ احادیث پیش کرتے ہیں' جن میں نبی ﷺ کی طرف لکھنے کا اسناد کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا' حتیٰ کہ اس بات پر صلح کی کہ آپ آئندہ سال عمرہ کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں' جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی' کفار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے' اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ منع کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب سے فرمایا رسول اللہ (کے الفاظ) مٹا دو' حضرت علی نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں آپ (کے الفاظ) کو ہرگز نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ ﷺ نے (لکھنا) شروع کیا' اور آپ اچھی طرح (مہارت سے) نہیں لکھتے تھے۔ پس آپ نے لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی کہ کوئی شخص مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوگا' سوا اس کے کہ تلوار نیام میں ہو۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵۱' مسند احمد ج ۴' ص ۲۹۸' جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۶۱۳۳)

امام بخاری نے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں اس طرح ہے:

جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی' کفار مکہ نے کہا ہم اس کو نہیں مانتے' اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو منع نہ کرتے' لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں' آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں' پھر آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ (کے الفاظ) کو مٹا دو' حضرت علی نے کہا نہیں' خدا کی قسم! میں آپ (کے الفاظ) کو نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پکڑا اور لکھا: یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی۔ (الحدیث) (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۶۹۹)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ ان احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت براء کی روایت میں اضطراب ہے اور راویوں نے حضرت براء کے جوں کے توں الفاظ نقل نہیں کیے۔ کسی روایت میں لکھنے کا مطلقاً ذکر نہیں' کسی میں صرف "کتب" ہے اور کسی میں ہے "لیس یحسن یکتب"۔

(تفہیم القرآن' ج ۳' ص ۱۴۷' ملخصاً' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن)

یعنی بعض روایات میں ہے۔ آپ نے لکھا اور بعض روایات میں ہے آپ اچھی طرح یعنی مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔

سید مودودی کا اس اختلاف کو اضطراب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ان روایات کا معنی مضطرب ہو جائے۔ اگر اس قسم کے اختلاف کو اضطراب کہا جائے تو پھر تمام احادیث ساقط الاستدلال قرار پائیں گی۔

علاوہ ازیں جن احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ اور بھی صحابہ کرام سے مروی ہیں اور ان میں "کتب" اور "لیس یحسن یکتب" کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اب ہم دوسرے صحابہ کی روایات کو پیش کر رہے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جمعرات کا دن! کیسا تھا وہ جمعرات کا دن! پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے سنگریزے بھیگ گئے۔ پس میں نے کہا اے ابن عباس! جمعرات کے دن میں کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا اس دن رسول اللہ ﷺ کا درد زیادہ ہو گیا تھا' آپ نے فرمایا میرے پاس (قلم اور کاغذ) لاؤ' میں تمہیں ایک ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے' پس صحابہ میں اختلاف ہو گیا اور نبی علیہ السلام کے پاس اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا' صحابہ نے کہا آپ کا کیا حال ہے؟ کیا آپ بیماری میں کچھ کہہ رہے ہیں؟ آپ سے پوچھ لو۔ (الحدیث)

مسلم کی ایک روایت (۴۱۵۶) میں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کا اختلاف اور شور نبی ﷺ اور آپ کے لکھنے کے درمیان حائل ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۳۱' صحیح مسلم' الوصیۃ' ۲۰' (۱۶۳۷) ۴۱۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰۲۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں مجھ سے فرمایا میرے لیے ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا میں ہی (خلافت کا) مستحق ہوں' اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر پر انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم' فضائل الصحابۃ ۱۱' (۲۳۸۷) ۶۰۶۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے روم کی طرف مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ نے کہا وہ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو' تو رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گویا کہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیکھ رہا تھا اس پر نقش تھا "محمد رسول اللہ"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵' صحیح مسلم' لباس' ۵۶' (۲۰۹۲) ۵۳۷۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۴۸)

حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسریٰ کی طرف' قیصر کی طرف' نجاشی کی طرف اور ہر جابر بادشاہ کی طرف مکاتب لکھے۔ آپ ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور یہ وہ نجاشی نہیں ہے' جس کی نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔

(صحیح مسلم الجہاد والسیر ۷۵' (۱۷۷۴) ۴۵۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۴۷)

امام بخاری اور امام مسلم نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں اور امام ابو داؤد اور امام دارمی نے صرف اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا اور ایک سفید خچر آپ کو ہدیہ میں بھیجی' رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو خط لکھا اور اس کو ایک چادر ہدیہ میں بھیجی' اور آپ نے حکم دیا کہ وہ سمندر کے ساتھ جس شہر میں رہتے ہیں اس میں ان کو جزیہ پر رہنے دیا جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۱' صحیح مسلم' فضائل' ۱۲' (۱۳۹۲) ۵۸۴۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' مسند احمد ج ۵' ص ۴۲۵)

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ کسی کام سے خیبر گئے' پھر حضرت محیصہ کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن سہل کو قتل کرکے کنویں میں ڈال دیا گیا' وہ یہود کے پاس گئے' (الی ان قال) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا تو یہود تمہارے مقتول کی دیت ادا کریں گے اور یا وہ اعلان جنگ کو قبول کریں' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ (فیصلہ) یہود کی طرف لکھ کر بھیج دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۹۲' صحیح مسلم الحدود' ۶ (۱۶۶۹) ۴۲۷۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۲۵-۴۷۲۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۳۰)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ کے علاوہ یہ حضرت عباس' حضرت عائشہ' حضرت انس' حضرت ابو حمید ساعدی اور حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کی روایات ہیں' ان میں سے کسی حدیث کی سند ضعیف نہیں ہے' اور ان تمام احادیث میں نبی ﷺ کے لکھنے کی تصریح ہے اور ان سب کی یہ تاویل کرنا کہ لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ مجاز ہے اور جب تک کوئی عقلی یا شرعی استحالہ نہ ہو کسی لفظ کو حقیقت سے ہٹا کر مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور بلاوجہ حدیث کے الفاظ کو اپنی مرضی کا معنی پہنانا محض اتباع ہوس ہے' خصوصاً اس صورت میں جب کہ قرآن مجید سے نزول قرآن کے بعد آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں' نیز لکھنا اور پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور کمال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو تو یہ نعمت عطا فرمائے اور آپ کو اس نعمت سے محروم رکھے' اور اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ کو لکھنا اور پڑھنا نہیں آتا تھا تو لازم آئے گا کہ اس نعمت اور کمال میں امت آپ سے بڑھ جائے اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہے' امت کو اپنے نبی پر مطلقاً فضیلت نہیں ہوتی' جزی نہ کلی۔

نبی ﷺ کے لکھنے کے متعلق محدثین کی تحقیق

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا محمد بن عبداللہ اور ایک روایت میں ہے آپ نے یہ لکھا' حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے (صحیح البخاری ۴۲۵۱' ۲۶۹۹) علامہ السمنانی' علامہ ابوذر اور علامہ باجی نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے اور ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لکھنا نبی ﷺ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے' اور نہ اس آیت کے معارض ہے' اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی

کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۴۸) اور نہ اس حدیث کے خلاف ہے ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ۱۱-۷۶، سنن ابوداؤد ۲۳۱۹) بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ کا اور زیادہ ہونا ہے، اور یہ آپ کے صدق اور آپ کی رسالت کی اور قوی دلیل ہے، آپ نے کسی سے سیکھے بغیر اور اس کے عادی اسباب کے حصول کے بغیر لکھا ہے لہٰذا یہ اپنی جگہ ایک الگ معجزہ ہے، اور جس طرح نبی ﷺ نے کسی سے پڑھے بغیر اور علم کے دیگر اسباب حاصل کیے بغیر اولین اور آخرین کے علم کو جان لیا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے، اسی طرح کسی سے سیکھے بغیر لکھنا بھی آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا اس وقت آپ نے چند لکیریں ڈالی ہوں اور ان کا مفہوم محمد بن عبداللہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان حروف کی شناخت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ان کی شناخت نہ ہو اور ہر تقدیر پر آپ سے امی کا لقب ساقط نہیں ہوگا، اندلسی اور اندلس کے علاوہ دوسرے ممالک کے علماء نے اس نظریہ کی مخالفت کی بلکہ علامہ باجی کی تکفیر کی لیکن یہ درست نہیں ہے اور شریعت میں اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

(المفہم ج ۴ ص ۶۳۸-۶۳۷، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر یہ لکھائی جاری کردی، یا تو آپ کے علم کے بغیر قلم نے لکھ دیا یا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے لکھنے کا علم دے دیا اور آپ کو پڑھنے والا بنا دیا جب کہ آپ اعلان نبوت کے بعد پڑھتے نہ تھے، اور اس سے آپ کے امی ہونے پر اعتراض نہیں ہوتا اور انہوں نے اس موقف پر شعبی کی روایات سے استدلال کیا ہے، اور بعض سلف سے منقول ہے کہ جب تک نبی ﷺ نے لکھ نہیں لیا آپ کی وفات نہیں ہوئی، اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کا لکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ نزول قرآن سے پہلے کسی کتاب کو نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (العنکبوت: ۴۸) اور نبی ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھتے ہیں، نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۱-۷۶، ابوداؤد: ۲۳۱۹) اور بخاری اور مسلم کی حدیث میں جو ہے کہ آپ نے محمد بن عبداللہ لکھا، اس کا معنی ہے کہ آپ نے اس کے لکھنے کا حکم دیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا، یا آپ نے چور کے ہاتھ کاٹے یا شرابی کو کوڑے لگائے۔

قاضی عیاض نے کہا لکھنے کے قائلین نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر نزول وحی سے پہلے آپ کتاب سے پڑھتے یا لکھتے تو کفار اس قرآن کے متعلق شک میں پڑ جاتے، اور جس طرح آپ کا تلاوت کرنا جائز ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ آپ کا صرف امی ہونا معجزہ نہیں ہے کیونکہ نزول وحی سے پہلے آپ کا نہ پڑھنا اور نہ لکھنا، اور پھر قرآن پیش کرنا اور ان علوم کو پیش کرنا جن کو امی نہیں جانتے یہ ایک معجزہ ہے۔

اور جن لوگوں نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ لکھنے کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا۔ یہ تاویل ظاہر حدیث سے بلا ضرورت عدول کرنا ہے، جب کہ حدیث کی عبارت یہ ہے کہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے، پھر آپ نے لکھا، اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے خود لکھا اور جس طرح قرآن مجید میں ہے: ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لائق ہے۔ (یٰسین: ۶۹) اس کے باوجود آپ نے منظوم کلام کہا مثلاً۔

هل انت الا اصبع دميت
و فی سبیل اللہ ما لقیت

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے' حالانکہ تیرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔

کیونکہ آپ نے شعر گوئی کے قصد اور ارادہ کے بغیر یہ منظوم کلام فرمایا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ لکھنا بھی آپ سے اسی طرح صادر ہوا ہو۔ (شرح الطیبی ج ۸' ص ۷۷-۷۶' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

علامہ طیبی کی اس آخری توجیہ سے ہم متفق نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کو لکھنے کا علم تھا اور آپ نے قصداً لکھا تھا' غیر ارادی طور پر آپ سے لکھنا صادر نہیں ہوا۔ جو شخص آپ کے امی ہونے کی وجہ سے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کا انکار کرتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ ﷺ عالم ہیں یا نہیں۔ اگر وہ آپ کو عالم نہیں مانتا تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ آپ کو عالم مانتا ہے تو جس طرح لکھنا پڑھنا امی کے منافی ہے' اسی طرح عالم ہونا بھی امی کے منافی ہیں۔ خصوصاً وہ جو تمام مخلوقات سے بڑے عالم ہوں' نبی ﷺ احکام شرعیہ کے عالم ہیں اور اسرار الہیہ کے عارف ہیں ایک امی کی یہ صفت کیسے ہو سکتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے امی ہونے کے باوجود آپ کو ان علوم سے نوازا' اسی طرح آپ کو لکھنے اور پڑھنے کے علم سے بھی نوازا!

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ' علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی متوفی ۸۹۵ھ' ان سب نے قاضی عیاض کی عبارت نقل کی ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے علامہ باجی مالکی متوفی ۴۹۴ھ پر تشنیع کی ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح النواوی ج ۸' ص ۴۹۶۶' اکمال اکمال المعلم ج ۶' ص ۴۲۲-۴۲۱' معلم اکمال الاکمال' ج ۶' ص ۴۲۱)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ منقول ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲' ص ۳۰' مطبوعہ مصر)

نیز لکھتے ہیں:

اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲' ص ۱۷۱' مطبوعہ مصر)

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے محمد بن عبد اللہ لکھا' اس پر یہ سوال ہوا کہ آپ تو امی تھے آپ نے اپنا نام کیسے لکھا؟

علامہ عینی نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ امی وہ شخص ہے جو مہارت سے نہ لکھتا ہو نہ کہ وہ جو مطلقاً نہ لکھتا ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں اسناد مجازی ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا لکھنا آپ کا معجزہ تھا۔ (عمدۃ القاری' ج ۱۸' ص ۱۱۳' مطبوعہ مصر)

علامہ عینی کا دوسرا جواب صحیح نہیں ہے اور ان کی پہلی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے یہ جواب علامہ باجی کے مخالفین سے نقل کیا ہے' صحیح جواب وہ ہے جس کو انہوں نے آخر میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے' ہم یہ پوری عبارت پیش کر رہے ہیں ہرچند کہ اس کی بعض چیزیں علامہ طیبی کی عبارت میں آچکی ہیں:

علامہ ابو الولید باجی مالکی نے صحیح بخاری کی اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے پر استدلال کیا ہے' جس میں ہے "پس رسول اللہ ﷺ نے لکھا" یہ محمد بن عبد اللہ کا فیصلہ ہے' حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔ ان کے زمانہ کے علماء اندلس نے ان پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "وما کنت تتلوا من

قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک " آپ نزول قرآن سے پہلے نہ تو کتاب سے پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ علامہ باجی نے اس کے جواب میں کہا کہ قرآن مجید میں نزول قرآن سے پہلے آپ کے پڑھنے اور لکھنے کی نفی ہے' اور جب معجزات سے آپ کی نبوت ثابت ہو گئی اور آپ کی نبوت میں شک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ کے پڑھنے اور لکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی' اور یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے۔ علامہ ابن دحیہ نے کہا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے علامہ باجی کے موقف کی حمایت کی' ان میں شیخ ابوذر ہروی' ابوالفتح نیشاپوری اور افریقہ اور دوسرے شہروں کے علماء شامل ہیں۔ بعض علماء نے حضور ﷺ کے لکھنے پر امام ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے: مجاہد' عون بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے' جب تک آپ نے لکھ اور پڑھ نہیں لیا' مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس روایت کا ذکر کیا انہوں نے کہا عون بن عبداللہ نے سچ کہا ہے' میں نے اس روایت کو سنا ہے' (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں) سہل بن حنظلیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ سے کہا کہ وہ اقرع اور عیینہ کے لیے لکھیں۔ عیینہ نے اس پر کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں متلمس کا صحیفہ لے کر جاؤں گا؟ (یعنی تم نے کچھ کا کچھ تو نہیں لکھ دیا؟) اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس صحیفہ پر نظر ڈالی اور فرمایا معاویہ نے وہی لکھا ہے جو میں نے کہا تھا یونس کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نزول قرآن کے بعد لکھا ہے (سہل بن حنظلیہ کی روایت مذکورہ میں آپ کے پڑھنے کا ثبوت ہے۔ سعیدی غفرلہ) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض آثار سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے اور خوش خطی کی معرفت تھی' کیونکہ آپ نے کاتب سے فرمایا قلم اپنے کان پر رکھو یہ تم کو یاد دلائے گا اور آپ نے حضرت معاویہ سے فرمایا دوات رکھو اور قلم ایک کنارے سے رکھو' باء کو لمبا کر کے لکھو' سین دندانے دار لکھو اور میم کو کانا مت کرو۔ قاضی عیاض نے کہا ہر چند کہ اس روایت سے آپ کا لکھنا ثابت نہیں ہوتا لیکن آپ کو لکھنے کا علم دیا جانا مستبعد نہیں ہے' کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے' اور جمہور نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اور حدیبیہ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی تھے' اور مسور کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی نے لکھا تھا اور صحیح بخاری کی حدیث میں تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے صلح نامہ کو لیا اور اس میں محمد رسول اللہ کو مٹا دیا پھر حضرت علی کو وہ صلحنامہ دوبارہ دے دیا' پھر حضرت علی نے اس میں لکھا۔ علامہ ابن التین نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث میں جو ہے "آپ نے لکھا" اس کا معنی ہے آپ نے لکھنے کا حکم دیا' اور اس کی حدیث میں بہت مثالیں ہیں' جیسے ہے آپ نے قیصر کی طرف لکھا اور آپ نے کسریٰ کی طرف لکھا' اور اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر بھی محمول کیا جائے کہ نبی ﷺ نے اپنا اسم مبارک لکھا تھا' حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ لکھنے کے عالم ہوں اور آپ امی نہ ہوں' کیونکہ بہت سے لوگ مہارت سے نہیں لکھتے' اس کے باوجود وہ بعض الفاظ کو پہچانتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ پر رکھ سکتے ہیں خصوصاً اسماء کو' اور اس وصف کی وجہ سے وہ امی (ان پڑھ) ہونے سے خارج نہیں ہوتے۔ جیسا اکثر بادشاہ اسی طرح ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے ہاتھ پر لکھنے کا عمل جاری ہو گیا ہو اور آپ مہارت سے نہ لکھتے ہوں اور اس صلحنامہ کو آپ نے حسب منشا لکھ دیا ہو' اور یہ اس خاص وقت میں الگ ایک معجزہ ہو' اور اس سے آپ امی ہونے سے خارج نہ ہوں۔ اشاعرہ کے ائمہ اصول میں سے علامہ السمنانی نے یہی جواب دیا ہے' اور علامہ ابن جوزی نے بھی ان کی اتباع کی ہے' علامہ سہیلی نے اس جواب کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر چند کہ یہ ممکن ہے اور آپ کے لکھنے سے ایک اور معجزہ ثابت ہوتا ہے' لیکن یہ اس کے مخالف ہے کہ آپ امی تھے جو لکھتا نہیں' اور جس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ "اگر آپ نزول قرآن سے پہلے لکھتے ہوتے تو منکرین آپ کی نبوت کے متعلق شک میں پڑ جاتے"۔ اس آیت نے تمام شکوک و

شبہات کی جڑ کاٹ دی ہے' اور اگر نزول وحی کے بعد آپ کا لکھنا جائز ہوتا تو منکرین پھر شبہ میں پڑ جاتے اور قرآن کے معاندین یہ کہتے کہ آپ مہارت سے لکھتے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے' علامہ سہیلی نے اس کے جواب میں کہا یہ محال ہے کہ بعض معجزات' بعض دوسرے معجزات کے مخالف ہوں' اور حق یہ ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا' علامہ سہیلی کی بات ختم ہوئی' حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ فقط اپنا نام لکھنا' آپ کے امی ہونے اور معجزہ کے مخالف ہے سو یہ بہت قابل اعتراض ہے۔(فتح الباری ج ۷' ص ۵۰۴' ۵۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس آخری بات سے یہ معلوم ہوا کہ جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا ذکر ہے اس سے آپ کا لکھنا مراد ہے اور آپ کا لکھنا آپ کے معجزہ یا آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: حافظ کا میلان اس طرف ہے کہ اس باب کی حدیث (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نام لکھنا) اپنے ظاہر پر محمول ہے' اور اس خاص وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونے کے باوجود اپنا نام لکھنا آپ کا معجزہ ہے۔

(تکملہ فتح الملہم' ج ۳' ص ۱۸۰' مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی' ۱۴۱۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے اور معجزہ کے خلاف ہے اس میں نظر کبیر ہے یعنی بہت بڑا اعتراض ہے' ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے اس نظر کبیر کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

معجزہ قرآنیہ وجوہ کثیرہ سے ثابت ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کر لی جاتی کہ قرآن لانے والے امی ہیں' تب بھی یہ معجزہ تھا' اور جب اس پر یہ وصف زائد ہوا کہ قرآن کو لانے والے پہلے پڑھتے اور لکھتے نہ تھے تو اس سے اس کا معجزہ ہونا بہ طریق کمال ظاہر ہوا۔ اور معاندین کے اعتراضات منہدم ہو گئے' اس سے ظاہر ہو گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی سے قاری اور کاتب ہوتے اور قرآن پیش کرتے' تب بھی یہ آپ کا معجزہ ہوتا اور یہ بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(مرقات ج ۸' ص ۸۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تلاوت کرنا آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا صرف امی ہونا معجزہ نہیں ہے' آپ نے جب پہلے لکھے' پڑھے بغیر قرآن مجید کو پیش کیا تو یہ آپ کا معجزہ تھا' پھر آپ نے قرآن مجید میں ایسے علوم پیش کیے جن کو امی نہیں جانتے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے ایسے علوم پیش کیے جن کو تمام علماء نہیں جانتے اور وہ ایسے علوم ہیں کہ اگر آپ بالکل امی نہ ہوتے تو پھر بھی ان علوم کو پیش کرنا آپ کا معجزہ تھا' کیونکہ قرآن معجزات کثیرہ پر مشتمل ہے اور جن لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ کے لکھنے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا یہ بلا ضرورت ظاہر معنی سے عدول کرنا ہے۔ یہاں پر قاضی عیاض کی عبارت ختم ہوئی' (ملا علی قاری کہتے ہیں) اس توجیہ میں مجھے قاضی عیاض کے ساتھ توارد ہو گیا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر ظاہر ہو گا' جنہوں نے میری پہلی تقریر (ج ۸' ص ۷۸) کو پڑھا ہو گا۔(مرقات ج ۸' ص ۹۲-۹۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی امی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امی' مدرسی و کتابی تعلیم و تعلم سے ناآشنا کو کہتے ہیں' امیین کا لفظ اسماعیلی عربوں کے لیے بطور لقب استعمال ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مدرسی اور رسمی تعلیم و کتابت سے ناآشنا اپنی بدویانہ سادگی پر قائم تھے۔ اور اسی طرح بنی اسرائیل جو کہ

حامل کتاب تھے ان کے مقابل کے لیے امیت ایک امتیازی علامت تھی۔ (الی قولہ) چنانچہ قرآن نے اس لفظ کو عربوں کے لیے ان کو اہل کتاب سے محض ممیز کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی پہلو سے آنحضرت ﷺ کے لیے نبی امی کا لقب استعمال ہوا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۲' ص ۵۳' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۰۶ھ)

یعنی نبی ﷺ کو امی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ نے کسی مدرسہ میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا' اگر اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست لکھنا پڑھنا سکھا دے اور آپ لکھیں اور پڑھیں تو وہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے' یا بنو اسرائیل سے امتیاز کے لیے آپ کو امی فرمایا سو یہ بھی آپ کے لکھنے پڑھنے کے خلاف نہیں ہے' جیسا کہ قرآن مجید نے تمام اہل مکہ کو امیین فرمایا حالانکہ ان میں لکھنے پڑھنے والے بھی تھے' کاتبین وحی تھے اور بدر کے بعض قیدیوں کے پاس فدیہ کے لیے رقم نہیں تھی تو نبی ﷺ نے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کی اولاد کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۶' المستدرک ج ۲' ص ۱۴۰)

تورات اور انجیل میں نبی ﷺ کی بشارتوں کے متعلق احادیث

نیز اس آیت میں ارشاد ہے: جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اس میں نبی ﷺ کا چوتھا اور پانچواں وصف مذکور ہے' تورات میں آپ کا لکھا ہوا ہونا چوتھا وصف ہے اور انجیل میں آپ کا لکھا ہوا ہونا پانچواں وصف ہے۔ احادیث صحیحہ معتبرہ میں رسول اللہ ﷺ کی ان صفات کا ذکر ہے جو تورات اور انجیل میں ہیں' ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' میں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی اس صفت کے متعلق بتایئے جو تورات میں ہے۔ انہوں نے کہا اچھا اللہ کی قسم تورات میں آپ کی ان بعض صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں' وہ یہ ہیں: اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا در آنحالیکہ آپ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں' اور امیین کی پناہ ہیں' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے' آپ سخت مزاج اور درشت خو نہیں ہیں' اور نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں' لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا' بایں طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵' مسند احمد ج ۲' ص ۱۷۴' طبع قدیم' رقم الحدیث: ۶۶۲۲' طبع جدید' الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۴۶' دلائل النبوۃ ج ۱' ص ۳۷۴' سنن داری رقم الحدیث: ۶' ۵' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۲۷۱' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۳۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۴۶)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد ﷺ کی صفت لکھی ہوئی ہے' اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے اور حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

(جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۳۸)

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد نبی ﷺ کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ زبور میں داؤد علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی تھی۔ اے داؤد! عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہو گا' وہ صادق اور سید ہو گا' میں اس پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ وہ مجھ پر کبھی ناراض ہو گا' میں نے اس کے تمام اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ سب کام) ان کے ارتکاب سے پہلے ہی معاف کر دیے ہیں' ان کی امت پر رحم کیا گیا ہے' میں نے انبیاء کو جیسے نوافل عطا کیے ہیں ان کو بھی اسی طرح کے نوافل عطا کیے ہیں' اور میں نے نبیوں اور رسولوں پر جس طرح کے فرائض فرض کیے ہیں' ان پر بھی ویسے فرائض فرض کیے ہیں۔ حتیٰ کہ

جب قیامت کے دن وہ میرے پاس آئیں گے تو ان کا نور نبیوں کے نور کی طرح ہو گا' کیونکہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کریں جیسا کہ میں نے اس سے پہلے نبیوں پر وضو فرض کیا تھا' اور میں نے ان پر غسل جنابت فرض کیا ہے جس طرح نبیوں پر غسل جنابت فرض کیا تھا' اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو حج کا حکم دیا تھا' اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے' جیسا کہ اس سے پہلے نبیوں کو جہاد کا حکم دیا تھا' اے داؤد میں نے محمد (ﷺ) اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے' میں نے ان کو چھ ایسی فضیلتیں عطا کی ہیں جو کسی اور امت کو عطا نہیں کیں' میں خطا اور نسیان پر ان کی گرفت نہیں کرتا' اور وہ نادانستہ طور پر جو گناہ کر بیٹھیں' پھر مجھ سے معافی طلب کریں تو میں ان کو معاف کر دیتا ہوں اور وہ آخرت کے لیے جو نیکی کریں میں اس کو دگنا چوگنا کر دیتا ہوں' اور ان کی نیکیوں کا میرے پاس اس سے بھی افضل ذخیرہ ہے۔ اور جب وہ مصائب پر صبر کر کے کہیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون تو میں ان کو صلوٰۃ' رحمت اور جنات النعیم کی طرف ہدایت عطا کروں گا' اور جب وہ مجھ سے دعا کریں گے تو یا تو میں اس کو فوراً قبول فرماؤں گا' یا اس کے عوض ان سے کوئی برائی دور کر دوں گا اور یا ان کے لیے آخرت میں اجر کو ذخیرہ کروں گا۔ اے داؤد! محمد (ﷺ) کی امت سے جو شخص یہ شہادت دے گا کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں واحد ہوں اور میرا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ اس شہادت میں صادق ہو گا' تو وہ میری جنت میں اور میری کرامت میں میرے ساتھ ہو گا' اور جس نے مجھ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے محمد (ﷺ) کی تکذیب کی ہو اور ان کے پیغام کی تکذیب کی ہو اور میری کتاب کا مذاق اڑایا ہو تو میں اس کی قبر میں اس پر عذاب انڈیل دوں گا' اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو فرشتے اس کے چہرے اور اس کی دبر پر ضرب لگائیں گے۔ پھر میں اس کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دوں گا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱' ص ۳۸۱-۳۸۰' البدایہ والنہایہ ج ۶' ص ۶۲' تہذیب تاریخ دمشق ج ۱' ص ۳۴۵-۳۴۴)

مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم نبی امی عربی کی تصدیق کرنا جو اونٹ کی سواری کریں گے' زرہ پہنیں گے' عمامہ پہنیں گے جو کہ تاج ہے' اور نعلین پہنیں گے اور ان کے پاس لاٹھی ہو گی' ان کے سر کے بال گھنگریالے ہوں گے' کشادہ پیشانی ہو گی' خوبصورت بھویں ہوں گی' بڑی بڑی آنکھیں ہوں گی' بڑا دہانہ ہو گا' اور گہری سیاہ آنکھیں ہوں گی' کھڑی ناک ہو گی' فراخ پیشانی' گھنی ڈاڑھی ہو گی' چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح ہو گا' ان سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ ان کی گردن میں چاندی اور گلے میں سونا چھلک رہا ہو گا' ان کے گلے کے نیچے سے ناف تک بال ہوں گے۔ ان کی ہتھیلیاں اور قدم پر گوشت ہوں گے' جب وہ لوگوں کے درمیان ہوں گے تو ان پر چھا جائیں گے اور جب وہ چلیں گے تو لگے کا جیسے بلندی سے ڈھلوان کی طرف آ رہے ہوں اور ان کی اولاد کم ہو گی۔

(دلائل النبوۃ ج ۱' ص ۳۷۸' تہذیب تاریخ دمشق ج ۱' ص ۳۴۵)

موجودہ تورات کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں

موجودہ تورات میں بھی سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود ہیں:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا ○ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں ○ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ○ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا' اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا ○ جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے

گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا ○

(تورات استثناء 'باب ۱۸' آیت ۱۹-۱۵ 'پرانا عہد نامہ ص ۱۸۴ 'مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے ○ اور اس نے کہا:

خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں۔ ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔

(تورات استثناء 'باب ۳۳' آیت ۳-۲ 'پرانا عہد نامہ ص ۲۰۱ 'مطبوعہ بائبل سوسائٹی 'لاہور '۱۹۹۲ء)

تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی 'دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے 'اس طرح یہ آیت نبی ﷺ پر پوری طرح منطبق ہوتی تھی 'جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھ دیا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ تورات کے پرانے (۱۹۲۷ء کے) ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا 'دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس 'استثناء 'باب ۳۳ 'آیت ۲ 'ص ۱۹۲ 'مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی 'انارکلی لاہور '۱۹۲۷ء)

اس کی تائید عربی ایڈیشن سے بھی ہوتی ہے 'اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے:

واتی من ربوات القدس۔ دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی 'ص ۳۳۴ '۱۹۸۰ء)

لوئیس معلوف نے ربوۃ کے معنی لکھے ہیں: الجماعۃ العظیمۃ نحو عشرۃ آلاف۔ (المنجد ص ۲۴۷) یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔

دیکھو میرا خادم (پچھلے ایڈیشنوں میں "بندہ" تھا۔ سعیدی غفرلہ) جس کو میں سنبھالتا ہوں 'میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی 'وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا ○ وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا 'اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی ○ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا ○ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے ○ جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا۔ جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا ○ اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا ○ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے ○ یہوواہ میں ہوں یہی میرا نام ہے 'میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتیوں کے لیے روا نہ رکھوں گا ○ دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں 'اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں ○

(تورات 'یسعیاہ 'باب ۴۲ 'آیت ۹-۱ 'مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ص ۶۹۴ '۱۹۸۰ء)

اس اقتباس کی آیت نمبر ۲ میں ہے: وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اس آیت میں نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے: حضرت عمرو بن العاص کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے: اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

اس باب کی آیت نمبر ۶ میں ہے میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی اور حضرت عیسیٰ نے چلا کر کہا اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا' ملاحظہ ہو:

اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے۔ (الی قولہ) اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی۔ ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

(متی کی انجیل باب ۲۷' آیت ۴۶'۳۵' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ص ۳۳' ۱۹۹۲ء)

نیز اس باب کی آیت ۷ میں ہے کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

اس آیت میں بھی نبی ﷺ کے متعلق پیش گوئی ہے اور اس کی تصدیق ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ: ۱۶-۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور کتاب مبین۔ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف لاتا ہے۔

اور حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ تورات میں آپ کی یہ صفت ہے: اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا۔ بایں طور کہ وہ کہیں گے لا الٰہ الا اللہ اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۲۵)

موجودہ انجیل کے متن میں نبی ﷺ کے متعلق بشارتیں

یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا' وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے ؟ ۝ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی ۝

(متی کی انجیل' باب ۲۱' آیت ۴۳-۴۲' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور' ص ۲۵' ۱۹۹۲ء)

یہ آیت بھی نبی ﷺ کی بشارت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا

یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا کی ہے۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ یہ لوگ کفر

فَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ۞ (الانعام: ۸۹) کریں تو بیشک ہم نے ان چیزوں پر ایسی قوم کو مقرر فرمادیا ہے جو ان سے انکار کرنے والے نہیں ہیں۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں O اور جو کچھ تم میرے نام سے چاہو گے میں وہی کروں گا تاکہ باپ بیٹے میں جلال پائے O اگر میرے نام سے کچھ چاہو گے تو میں وہی کروں گا O اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے O اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے O

(یوحنا کی انجیل باب ۱۴' آیت ۱۶-۱۲' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ص ۹۹' ۱۹۹۲ء)

لیکن جب وہ مددگار آئے گا جن کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا کی انجیل' باب ۱۵' آیت ۲۶' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ص ۱۰۰' ۱۹۹۲ء)

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا O اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا O گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے O راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے O عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے O مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے O لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا O

(یوحنا کی انجیل' باب ۱۶' آیت ۱۳-۷' پاکستان بائبل سوسائٹی' لاہور' ص ۱۰۱' ۱۹۹۲ء)

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ (الصف: ۶)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں درآنحالیکہ میں اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔

اس بشارت کی مزید تصدیق انجیل کی اس آیت میں ہے:

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا کی انجیل' باب ۱۴' آیت ۳۰' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ص ۹۹' ۱۹۹۲ء)

نیز ان آیات میں ہے وہ میری گواہی دے گا۔ (یوحنا: باب ۱۵' آیت ۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح مسلم فضائل' ۱۴۳' (۲۳۶۵) ۶۰۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵)

ان آیات میں ہے: وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا (یوحنا' باب ۱۶' آیت ۱۳)

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ سے فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہیں۔

(الشوریٰ: ۵۲)

نیز اس آیت میں ہے: وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ (یوحنا' باب ۱۶' آیت ۱۳)

اور قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۴-۳) اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے۔ ان کا فرمانا وہی ہوتا ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا' باب ۱۶' آیت ۱۳)

یہ پیش گوئی بھی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان کر دیے۔ جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح مسلم الفتن ۲۲' (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نبی ﷺ کی خصوصیات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا۔ یہ نبی ﷺ کا چھٹا وصف ہے' نیکی کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں' اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ وہ شرک نہ کریں' رشوت اور تھوڑے معاوضہ کے بدلہ میں تورات کی آیتوں کا سودا نہ کریں' سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور بشارت سے متعلق آیتوں کو لوگوں سے نہ چھپائیں' اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کے مقابلہ میں اپنے علماء اور راہبوں کے اقوال کو ترجیح نہ دیں' اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو ترک کر دیں۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا کام دوسرے نبیوں اور رسولوں نے بھی کیا ہے' یہاں آپ کے اس وصف کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے' کیونکہ آپ نہایت حکمت اور عمدہ پیرائے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵) حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت قائم کیجئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' اچانک ایک اعرابی آیا اور کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس کو ڈانٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کا پیشاب منقطع نہ کرو' اس کو چھوڑ دو' پس انہوں نے اس کو چھوڑ دیا' حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا (امام بخاری کی روایت میں ہے:

آپ نے فرمایا اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول پانی بہا دو' تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (رقم الحدیث: ۲۲۰) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی کو بلایا اور فرمایا یہ مساجد پیشاب یا کسی اور گندگی ڈالنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں' یہ تو صرف اللہ عزوجل کے ذکر' نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں' یا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر آپ نے ایک شخص کو ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر بہا دیا۔

(صحیح مسلم الطہارۃ ۱۰۰ (۲۸۵۰) ۶۴۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲۸)

حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا' نمازیوں میں سے کسی شخص کو چھینک آئی۔ میں نے کہا: یرحمک اللہ' تو نمازی مجھے گھور کر دیکھنے لگے' میں نے کہا اس کی ماں روئے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ اور وہ اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے' تب میں نے جان لیا کہ وہ مجھے چپ کرانا چاہتے ہیں' سو میں چپ ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی' آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں' آپ نے مجھے مارا نہ ڈانٹا نہ برا کہا۔ آپ نے فرمایا اس نماز میں لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ نماز میں تو صرف تسبیح' تکبیر اور قرآن کی قرأت ہوتی ہے۔ امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے: انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرح نرمی کرنے والا کوئی معلم نہیں دیکھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰۔۹۳۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۵۰۲' مسند احمد ج ۵' ص ۴۴۸)

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ اس آیت کا مصداق تھے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹)

تو اللہ کی کیسی (بے انتہا) رحمت سے آپ ان لوگوں کے لیے نرم دل ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ کسی کام سے منع فرماتے تو اس کی حکمت بھی بیان فرما دیتے۔ مثلاً یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو لعنت کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ (جواب میں) اس کے باپ اور ماں کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳' صحیح مسلم الایمان ۱۴۶' (۹۰) ۲۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲' مسند احمد ج ۲' ص ۲۱۶' ۲۱۴' ۱۹۵' ۲۴۲)

آپ کا منشاء یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دے' لیکن آپ نے اس کو ایسے موثر انداز میں فرمایا کہ جب تم کسی کے ماں باپ کو گالی دو گے تو وہ تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا اور اس طرح تم اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب ہو گے۔ چنانچہ فرمایا تم اپنے ماں باپ کو گالی نہ دو۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی ﷺ کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ جس چیز کا حکم دیتے تھے خود اس پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ آپ نے ہمیں پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور خود بشمول تہجد چھ فرض پڑھتے تھے۔ آپ نے ہمیں طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود وصال کے روزے رکھے جس میں بغیر افطار اور سحر کے

روزے پر روزہ ہوتا ہے۔ اور یہ کئی کئی دن کے روزے ہوتے تھے۔ ہمیں مال کا چالیسواں حصہ زکوۃ دینے کا حکم فرمایا اور خود اپنے پاس مطلقاً مال نہیں رکھتے تھے' ہمارے ترکہ میں وراثت جاری کی اور اپنا تمام ترکہ صدقہ قرار دیا' ہمیں چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا۔

اور آپ کی چوتھی خصوصیت آپ کی اثر آفرینی تھی' آپ نے انبیاء سابقین کے مقابلہ میں تبلیغ کا سب سے کم وقت پایا اور سب سے زیادہ اپنے پیروکار چھوڑے۔ آپ نے خود فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں ان میں سے اسی (۸۰) اس امت کی صفیں ہوں گی اور باقی چالیس صفیں دوسرے انبیاء کی ہوں گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵) انبیاء سابقین کی تبلیغ سے انسان بھی بمشکل مسلمان ہوتے تھے' آپ کی تبلیغ سے انسان مسلمان ہوئے' جنات مسلمان ہوئے' گوہ اور ہرنی نے کلمہ پڑھا' شجر و حجر سلام عرض کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا ہمزاد بھی مسلمان ہو گیا!

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

آج دنیا میں کسی نبی کے پیروکار اپنے نبی کی صحیح تعلیم پر قائم نہیں ہیں صرف آپ کی امت ہے جو آپ کی تعلیم پر قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی!

اشیاء کو حلال اور حرام کرنا نبی ﷺ کا منصب ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی یہ صفت بیان کی کہ "جو ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا' یہ نبی ﷺ کا ساتواں وصف ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو انہوں نے اپنی خواہش سے حرام کر لیا ہے ان کو یہ نبی حلال کرے گا اور جن ناپاک چیزوں کو انہوں نے اپنی مرضی سے حلال کر لیا ہے ان کو یہ نبی حرام کرے گا' یا اس کا یہ معنی ہے کہ جو پاک چیزیں بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں ان کو یہ نبی حلال کر دے گا مثلاً حلال جانوروں کی چربی' اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کر دے گا مثلاً خون' مردار جانور اور شراب وغیرہ۔ جو چیزیں حرام ذریعہ آمدنی سے حاصل ہوں ان کو بھی حرام کر دے گا۔ مثلاً سود' رشوت اور جوا وغیرہ۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حلال اور حرام کرنے کا منصب عطا فرمایا ہے اور آپ کو یہ منصب عطا کیا ہے کہ آپ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کر دیں۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی ایک مثل دی گئی ہے' سنو! عنقریب ایک شخص اپنے تخت پر سیر ہو کر بیٹھا ہو گا وہ یہ کہے گا کہ اس قرآن کو لازم رکھو' اس میں جو تم حلال پاؤ اس کو حلال قرار دو' اور اس میں جو حرام پاؤ اس کو حرام قرار دو' اور بے شک جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا' سنو! تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے' اور نہ ہر کچلیوں سے شکار کرنے والا درندہ اور نہ راستہ میں پڑی ہوئی ذمی کی چیز سوا اس کے کہ اس کا مالک اس سے مستغنی ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۸۶' مسند احمد ج ۴' ص ۱۳۲' المستدرک ج ۱' ص ۱۰۹' المشکوۃ رقم الحدیث: ۱۶۳)

الطیبات اور الخبائث کی تفسیر میں مذاہب اربعہ

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الطیبات سے یہ مراد لینا واجب ہے کہ جو چیزیں طبیعت کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہیں وہ حلال ہیں اور نفع بخش چیزوں میں اصل حلت ہے' لہٰذا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کے نزدیک پاکیزہ اور لذیذ ہے وہ حلال ہے' سوا اس کے کہ کسی اور شرعی دلیل سے وہ حرام ہو' اسی طرح الخبائث سے مراد وہ چیز ہے جو نفس اور طبیعت کے نزدیک گھناؤنی ہو اور اس کا استعمال صحت کے لیے مضر ہو وہ حرام ہے کیونکہ ضرر رساں چیزوں میں اصل حرمت ہے سو ایسی ہر چیز حرام ہے سوا اس کے کسی اور شرعی دلیل سے وہ حلال ہو' اسی قاعدہ کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کتے کی بیع حرام ہے' کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کتا خبیث ہے اور اس کی ثمن (قیمت) خبیث ہے اور جب وہ خبیث ہے تو پھر حرام ہے' کیونکہ اس آیت میں ہے وہ تم پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں نیز خمر (انگور کے کچے شیرہ سے بنی ہوئی شراب) حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رجس (نجس) فرمایا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) اور نجس چیز خبیث ہے اور خبیث چیز حرام ہے پس خمر حرام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۸۲' ۳۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

ان پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں جو ان پر حرام تھیں جیسے چربی (یا اونٹ) اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں جیسے خون' خنزیر کا گوشت اور سود اور رشوت۔ (تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۳' ص ۶۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پاک چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا خبائث خنزیر کا گوشت اور سود وغیرہ ہیں۔ اسی بنا پر امام مالک نے گھناؤنی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے مثلاً سانپ بچھو اور گبریلا وغیرہ' اور امام شافعی کے نزدیک طیبات سے مراد لذیذ چیزیں ہیں لیکن یہ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ شراب اور خنزیر بھی حلال ہو' بلکہ یہ ان کے ساتھ خاص ہے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا' اور ان کے نزدیک خبیث کا لفظ محرمات شرعیہ میں عام ہے۔ اور ان کے نزدیک گھناؤنی چیزیں بھی خبیث ہیں' اس لیے وہ بچھو' گبریلے اور گرگٹ کو حرام کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

طیبات میں چار قول ہیں:

۱- اس سے مراد حلال چیزیں ہیں' یعنی آپ حلال چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔
۲- جن چیزوں کو عرب پاک قرار دیتے تھے۔
۳- اس سے مراد چربی ہے جو بنو اسرائیل پر حرام کی گئی تھی۔
۴- اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو مشرکین عرب حرام کہتے تھے۔

یعنی بحیرہ (جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر دیتے' پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے' نہ پانی اور چارے سے ہنکاتے اور اس کو بحیرہ کہتے) اور سائبہ (جب سفر در پیش ہوتا یا کوئی شخص بیمار ہوتا تو وہ یہ نذر مانتے کہ اگر میں سفر سے خیریت سے واپس آؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ ہے' اس سے بھی بحیرہ کی طرح نفع اٹھانا

حرام ہوتا اور اس کو بھی کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) اور وصیلہ (بکری جب سات بچے جن چکتی تو اگر ساتویں بچہ نر ہوتا تو اس کو صرف مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو اس کو بکریوں میں چھوڑ دیتے اور اگر نر اور مادہ دونوں ہوتے تو کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اس کو وصیلہ کہتے' اس سے بھی نفع اٹھانا حرام ہوتا اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے) اور حام (جب اونٹ دس مرتبہ گیا بھن کر دیتا تو اس کو حامی کہتے اس سے نفع اٹھانا حرام کہتے اور اس کو کھانے پینے کے لیے آزاد چھوڑ دیتے) یہ تعریفیں علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ نے مدارک التنزیل ج ۱' ص ۵۳۲ علی ھامش الخازن میں ذکر کی ہیں۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روک دیا جاتا پس کوئی شخص اس کا دودھ نہ دوہتا تھا' اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کوئی چیز نہیں لادی جاتی تھی' اور وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار نر جنتی اور دوسری بار مادہ' اس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے بشرطیکہ وہ اس طرح دو اونٹنیاں جنتی کہ ان کے درمیان نر نہ ہوتا' اور جو اونٹ مخصوص عدد کے مطابق گیا بھن کرتا اس کو حام کہتے تھے اس کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۳)

اور الخبائث میں تین قول ہیں:

۱- اس سے مراد حرام چیزیں ہیں۔

۲- جن چیزوں کو عرب خبیث سمجھتے تھے اور ان کو نہیں کھاتے تھے مثلاً سانپ اور حشرات الارض۔

۳- جن چیزوں کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے' مثلاً مردار' خون اور خنزیر کا گوشت۔

(زاد المسیر ج ۳' ص ۲۷۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ملا احمد جون پوری حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں:

الطیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان پر حرام کردی گئی تھیں' مثلاً چربی وغیرہ یا جو چیزیں شریعت میں حلال ہیں مثلاً جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا۔ سوا ان چیزوں کے جن کو کسب حرام سے حاصل کیا گیا ہو' اور الخبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نجس ہوں جیسے خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو' یا جو چیزیں حکماً خبیث ہوں جیسے سود اور رشوت وغیرہ اور دوسری چیزیں جو کسب حرام سے حاصل کی گئی ہوں' فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مچھلی کے علاوہ سمندری جانور حرام ہیں۔ کیونکہ وہ سب خبیث ہیں (کیونکہ ان سے گھن آتی ہے) اس میں امام شافعی پر رد ہے۔ کیونکہ وہ تمام سمندری جانوروں کو حلال کہتے ہیں۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۴۲۱' مطبوعہ مکتبہ حقانیہ' پشاور)

امام شافعی کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں اور امام مالک کے نزدیک جن سمندری جانوروں کی نظیر خشکی میں حرام ہے وہ سمندر میں بھی حرام ہیں' مثلاً خنزیر اور کتا۔ باقی سمندری جانور ان کے نزدیک حلال ہیں اور ان کے نزدیک وہ خبیث نہیں ہیں کیونکہ ان کو ان سے گھن نہیں آتی اور دراصل گھن کھانا ایک اضافی چیز ہے۔ بعض لوگوں کو بعض چیزوں سے گھن آتی ہے اور بعض دوسروں کو نہیں آتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی ﷺ کا آٹھواں اور نواں وصف ذکر فرمایا جو ان سے بوجھ اتارے گا اور ان کے گلوں میں پڑے ہوئے طوق اتارے گا۔ (الاعراف: ۱۵۷)

بنو اسرائیل کے بوجھ اور ان کے طوق کا اتارنا

اس سے مراد وہ شدید احکام ہیں جو بنو اسرائیل پر فرض کیے گئے تھے۔

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ ابو موسیٰ ایک بوتل میں پیشاب کر رہے تھے' انہوں نے کہا بنو اسرائیل کو جب پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے۔

(مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث: ۲۳۳۰۸' طبع جدید دار الفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۸۳)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے گھر کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے اہل اور مال کے ساتھ گھر سے نکل کر دشمن کے مقابلہ کو جاؤ حتیٰ کہ تم سب پر موت آ جائے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۸۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

مال غنیمت ان پر حلال نہیں تھا' اس کو ایک آگ آ کر جلا دیتی تھی' ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا' گنہ گار عضو کو کاٹنا لازم تھا' قتل خطا ہو یا قتل عمد اس میں قصاص لازم تھا' دیت مشروع نہ تھی' تیمم کی سہولت نہ تھی' مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

سیدنا محمد ﷺ نے ان تمام مشکل اور شدید احکام کے بوجھ اور طوق اتار دیے اور ان کے مقابلہ میں آسان احکام مشروع فرمائے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے نو اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں نور سے مراد قرآن مجید ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ نازل نہیں ہوا' بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کی نبوت کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے اور علامہ آلوسی نے یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید آپ کے بھیجنے کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ بہرحال نور سے مراد قرآن مجید ہے اور آیت کے اس حصہ میں دو مضمون ہیں' ایک مضمون یہ ہے کہ ایمان وہ معتبر ہے جو آپ کی تعظیم کے ساتھ ہو اور جس نے آپ کی تعظیم نہیں کی وہ مومن نہیں ہے' اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ آپ کی تعظیم اور توقیر کرنے کا حکم مقدم ہے اور قرآن مجید کی اتباع کرنے کا حکم موخر ہے' پہلے ہم آپ کی تعظیم اور توقیر کو بیان کر رہے ہیں۔

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

۱- سورۃ الاعراف: ۱۵۷ میں نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کرنے اور آپ کی نصرت اور حمایت کرنے کا صراحۃً حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل آیات میں بھی صراحت کے ساتھ نبی ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم فرمایا ہے:

۲- اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الفتح: ۹-۸)

بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ۝ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام کو اللہ کی تسبیح کرو۔

۳- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ رمضان کے مہینہ سے پہلے روزے رکھنا مقدم کرتے اور نبی ﷺ سے پہلے روزے رکھنا شروع کردیتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (المعجم الاوسط ج ۳' رقم الحدیث: ۲۷۴۲' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۰۷ھ)

امام عبد بن حمید' امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے قربانی کے دن نبی ﷺ سے پہلے ذبح کر دیا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ ذبح کریں اور یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۱' الدر المنثور ج ۷' ص ۵۴۳)

امام ابن جریر' امام ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو نبی ﷺ کے کلام کرنے سے پہلے کلام کرنے سے منع کیا گیا۔

(جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۰' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰' ص ۳۳۰۲' الدر المنثور ج ۷' ص ۵۴۶)

امام بخاری نے مجاہد سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کوئی شرعی حکم نہ بیان کرو (کوئی فتویٰ نہ دو) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی زبان سے فیصلہ فرمائے۔

(صحیح البخاری باب ۴۹' جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۰' الدر المنثور ج ۷' ص ۵۴۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶' ص ۲۷۴)

۲- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! (عظیم) نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو' اور ان کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کرو' جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے باتیں کرتے ہو' ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔

ابن ابی ملیکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ دو سب سے افضل مسلمان ہلاک ہو جاتے' جب بنو تمیم کی جماعت نبی ﷺ کے پاس آئی تو ان میں سے ایک (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان پر اقرع بن حابس کو امیر بنائیے جو بنو مجاشع کا بھائی ہے اور دوسرے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے کسی اور کو امیر بنانے کے لیے کہا' نافع نے کہا مجھے اس کا نام یاد نہیں ہے پس حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو' حضرت عمر نے کہا تم میری مخالفت کا ارادہ کر رہے ہو' حتیٰ کہ اس معاملہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔

حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بلند آواز سے نہیں کہتے تھے' بہت پست آواز سے بات کرتے حتیٰ کہ حضور ان سے پوچھتے کہ کیا کہا ہے' حضرت ابن الزبیر نے اپنے نانا یعنی حضرت ابوبکر کا ذکر نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۱' سنن کبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۱۴' مسند احمد ج ۴' ص ۴' جامع الاصول ج ۲' رقم الحدیث: ۸۰۹' جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۵-۱۵۴' الدر المنثور' ج ۷' ص ۵۴۸-۵۴۷)

امام بزار' امام ابن عدی' امام حاکم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! اب میں آپ سے صرف آہستہ آہستہ بات کروں گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۵۷' المستدرک ج ۳' ص ۷۴' الدر المنثور' ج ۷' ص ۵۴۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اس (عظیم) نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو (الحجرات: ۲) تو حضرت ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ میں سے ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے رک گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا: اے ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ کیا وہ بیمار ہیں' حضرت سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی بیماری کا کوئی علم نہیں ہے' پھر حضرت سعد' حضرت ثابت کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق پوچھ رہے تھے' حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بولتا ہوں' لہٰذا میں اہل دوزخ سے ہوں' حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ اہل جنت سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۶' صحیح مسلم الایمان ۱۸۷' (۱۱۹) ۳۰۷' جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۴)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ زہری نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شماس نے کہا اے نبی اللہ! مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے سامنے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور میں بلند آواز سے بولنے والا ہوں! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ پسند نہ کرو کہ تمہاری اس کام پر تعریف کی جائے جس کو تم نے کیا ہو اور میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی تعریف چاہتا ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع کیا ہے اور میں حسن و جمال کو پسند کرتا ہوں' آپ نے فرمایا اے ثابت! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ زندگی میں تم نیک نام ہو اور تمہیں شہادت کی موت آئے اور تم جنت میں داخل ہو' سو انہوں نے نیک نامی کے ساتھ زندگی گزاری اور مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

(جامع البیان جز ۲۶' ص ۱۵۴' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حبان' امام طبرانی اور ابو نعیم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' الدر المنثور ج ۷' ص ۵۴۹)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کا حکم دینا اور آپ سے گفتگو کرتے وقت آواز کو پست رکھنا' اور بعض علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنے کو بھی منع کیا ہے اور بعض علماء نے علماء کے سامنے بھی آواز بلند کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں' قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا کہ حیات میں اور بعد از وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام یکساں ہے' اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ آپ کے سامنے آواز بلند نہ کرے نہ آپ سے اعراض کرے۔

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس سے استخفاف اور اہانت مترشح ہو کیونکہ یہ کفر ہے اور اس آیت کے مخاطب مومن تھے' بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ انتہائی پست آواز سے آپ کے سامنے بات چیت کی جائے جیسا کہ کسی بارعب اور پر ہیبت شخص کے سامنے ادب کے ساتھ پست آواز میں بات کی جاتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶' ص ۲۷۹-۲۷۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے:

عروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بہ غور دیکھنا شروع کیا' اس نے کہا بہ خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی تھوکتے تھے' تو کوئی نہ کوئی صحابی اپنا ہاتھ آگے کر دیتا' پھر اس لعاب مبارک کو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں پر ملتا اور جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو

سب اس کام کو کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے کہ لگتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے' اور جب آپ بات کرتے تو آپ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے' آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے تھے' جب عروہ کفار قریش کی طرف واپس گیا تو اس نے کہا اے میری قوم! بہ خدا میں کئی بادشاہوں' قیصرو کسری اور نجاشی کے پاس وفد بنا کر گیا ہوں اور بہ خدا میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم کی جاتی ہو' جیسی تعظیم اصحاب محمد (سیدنا) محمد ﷺ کی کرتے ہیں' بہ خدا جب وہ تھوکیں تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا ہے پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا ہے' اور جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو اس کو کرنے کے لیے سب ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں' اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لیے وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں' اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں' وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲-۲۷۳۱' مسند احمد ج ۴' ص ۳۳۰' ۳۲۹' طبع قدیم دار الفکر)

رسول اللہ ﷺ کے ادب' اجلال اور احترام کا صحابہ کرام اس طرح لحاظ کرتے تھے کہ آپ سامنے بالکل ساکت اور جامد بیٹھے رہتے تھے' اور مطلقاً ہلتے بھی نہیں تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور ان کے ہلنے سے وہ پرندے اڑ جائیں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے' ہم ایک قبر کے پاس پہنچے اور جب لحد بنائی جا رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ (الحدیث)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹' مسند احمد ج ۴' ص ۲۹۵-۲۸۷-۲۷۸' طبع قدیم دار الفکر' بیروت)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں' (یہ) وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے' ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے۔ (الحجرات: ۳)

امام ابن جریر لکھتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے وقت آواز پست رکھتے ہیں' ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی ادائیگی اور گناہوں سے اجتناب کے لیے خاص اور مصفی کر لیا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ الحجرات: ۲ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بہت پست آواز میں بات کرتے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶' ص ۲۸۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یعنی نبی ﷺ کی تعظیم اور تکریم اور آپ کے ادب اور احترام کا صلہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم ہے اور آپ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا اور آپ کے ادب اور احترام کی رعایت نہ کرنا اپنے تمام نیک اعمال کو ضائع کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (الحجرات: ۴)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں سے باہر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو' اگر

یہ نبی ہیں تو ہم اور لوگوں کی بہ نسبت سعادت حاصل کریں گے اور اگر یہ بادشاہ ہیں تو ہم ان کے زیر سایہ رہیں گے، میں ان کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا اور آپ کو بتایا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے، پھر وہ نبی ﷺ کے حجروں کے پاس گئے اور زور سے پکارنے لگے، یا محمد یا محمد تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۳، جامع البیان جز ۲۶، ص ۱۵۸-۱۵۷)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: دوپہر کے وقت نبی ﷺ آرام فرما رہے تھے تو کچھ لوگ آ کر پکارنے لگے یا محمد، یا محمد، ہمارے پاس آئیں، آپ بیدار ہو کر باہر آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶، ص ۲۸۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: ۵)

اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ (خود) ان کی طرف باہر آتے تو یہ ان کے لیے زیادہ اچھا تھا، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو نیند سے بیدار کرنا بھی آپ کے ادب اور احترام کے خلاف ہے اور آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا بھی آپ کے ادب اور احترام کے خلاف ہے، البتہ یا محمد کہہ کر خوشی سے نعرہ لگانا یا آپ کو یاد کرنے کے لیے یا محمد کہنا آپ کو متوجہ کرنے کے لیے یا محمد کہنا جائز ہے اور یا محمد کہہ کر آپ کو بلانا ناجائز ہے، یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر آپ کو بلانا چاہیے، سورۃ الحجرات کی یہ تمام آیات آپ کے ادب اور احترام اور آپ کے اجلال اور اکرام پر دلالت کرتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرہ: ۱۰۴)

اے ایمان والو! (اپنے رسول کو) راعنا نہ کہو، انظرنا (ہم پر نظر کریں) کہو اور خوب سن لیا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی ﷺ سے راعنا کہتے تھے، یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمائیے، جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقع پر کہتے تھے، راعنا، ہماری رعایت فرمائیں، یہود کی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا، اور اس کا معنی تھا، سنو! تمہاری بات نہ سنی جائے، انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کہنے لگے کہ پہلے ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں اور برسر محفل ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے تو وہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے راعنا کہتے تھے، اور آپس میں ہنستے تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہود کی لغت کا علم تھا، انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا تم پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں نے آئندہ تم کو نبی ﷺ سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا، یہود نے کہا کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے) تو تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی ﷺ کی بات غور سے سن لیا کرو تاکہ یہ نوبت نہ آئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۵۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی راعنا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا

بعض یہود اللہ کے کلمات کو اس کے سیاق و سباق سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی، (اور آپ سے کہتے ہیں) سنئے درآنحالیکہ آپ کی بات نہ سنی گئی ہو اور

فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۴۶)

دین میں طعن کرنے کے لیے اپنی زبان کو موڑ کر راعنا کہتے ہیں' اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر (کرم) فرمائیں تو یہ (ان کے حق میں) بہت اچھا اور بہت درست ہوتا' لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرما دی تو صرف قلیل لوگ ایمان لائیں گے۔

امام ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ وہ زبان موڑ کر راعنا کی جگہ راعن کہتے تھے اور راعن کے معنی خطا ہیں تو وہ اس لفظ میں تحریف کرکے آپ کو خطا کرنے والا کہتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور اس کا سدباب کرنے کے لیے مسلمانوں کو راعنا کہنے سے منع فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے شرعی حکم کی تحقیق

رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور توہین کرنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف قول ہیں خواہ توہین کا تعلق آپ کی ذات کے ساتھ ہو یا آپ کے نسب کے ساتھ ہو۔ آپ کے دین کے ساتھ ہو یا آپ کی کسی صفت کے ساتھ ہو اور یہ اہانت خواہ صراحتاً ہو یا کنایتاً ہو یا تعریضاً ہو یا تلویحاً ہو۔ اسی طرح کوئی شخص آپ کو بددعا کرے' آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے' آپ کے عوارض بشریہ یا آپ کے متعلق اشیاء یا اشخاص کا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بطریق طعن یا مذمت ذکر کرے۔ غرض جس شخص سے کوئی ایسا کام صادر ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو وہ کفر ہے اور اس کا قائل واجب القتل ہے۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون نے کہا ہے: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص (آپ کی شان میں کمی) کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے' اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء ج ۲' ص ۱۹۰' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی' ملتان)

بعض فقہاء حنفیہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہیں ہوگی' علامہ علائی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی نبی کو گالی دینے سے کافر ہو گیا ہو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے (خواہ وہ خود توبہ کرے یا اس کی توبہ پر گواہی ہو) اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی کو گالی دینا بندے کا حق ہے اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

(در مختار علی الرد' ج ۳' ص ۳۰۰' مطبع عثمانیہ استنبول)

علامہ شامی حنفی عدم قبول توبہ کی تشریح کرتے ہیں:

کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی' اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ (رد المحتار ج ۳' ص ۳۰۰' مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول)

بعض فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہے۔ علامہ عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو صراحتاً گالی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے' اور ائمہ شافعیہ میں سے علامہ ابوبکر فاسی نے کتاب الاجماع میں لکھا ہے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کو قذف صریح کے ساتھ گالی دی اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے' اگر وہ توبہ کرے گا تب بھی اس سے قتل ساقط نہیں ہو گا کیونکہ یہ حد قذف ہے اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتح الباری ج ۱۲' ص ۲۸۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور)

احناف اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کیا جائے گا' خواہ اس نے توبہ کرلی ہو' امام مالک کی مشہور روایت اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور جمہور احناف اور شوافع کا مذہب ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی وہ کافر ہو گیا خواہ مذاق سے' خواہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے استہزاء کیا یا اس کی ذات سے یا اس کے رسولوں سے یا اس کی کتابوں سے وہ کافر ہو گیا۔

(المغنی ج ۹' ص ۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (التوبہ: ۶۵-۶۶)

اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے' آپ کہیے کیا تم اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول کا استہزاء کر رہے تھے؟ اب عذر نہ پیش کرو کیونکہ تم ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو چکے ہو۔

مشہور آزاد محقق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کے متعلق عذاب الٰہی کی وعید ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے' اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کو بالاتفاق قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے' اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اس اجماع کو بیان کیا ہے' اور اگر گالی دینے والا ذمی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور عنقریب ہم اس کی عبارت نقل کریں گے۔ اور امام احمد اور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے' امام احمد نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے' حنبل کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ (امام احمد) سے سنا وہ فرماتے تھے جس شخص نے نبی ﷺ کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی خواہ مسلمان ہو یا کافر' اس کو قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ (الصارم المسلول ص ۴' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک' ان کے اصحاب' سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کرلی تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا نہ بطور کفر' شیخ ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کسی شخص نے آپ کو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کرلی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گالی کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے۔ ابومحمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عنداللہ

مومن قرار پائے گا۔ (الشفاء ج ۲' ص ۲۲۳۔ ۲۲۲' مطبوعہ ملتان)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی ہو اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے' اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی' لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے' امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ تتمہ وغیرہ سے منقول ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کا یہ حکم ہے تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بطریق اولیٰ یہی ہو گا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی کہ احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ (ردالمحتار ج ۳' ص ۳۰۴۔ ۳۰۱' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ گستاخ رسول کی (دنیاوی احکام میں) توبہ قبول نہیں ہو گی اور اس کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی' اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ (دنیاوی احکام میں) اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی اور اس کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔

فقہاء اسلام کی عبارات کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور واجب القتل ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مرتد وہ شخص ہو گا جو پہلے مسلمان ہو' اگر کوئی غیر مسلم نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا کیا حکم ہے' سو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا اور گستاخی کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی علیہ السلام کے متعلق ایسا لفظ بولے یا ایسا لفظ لکھے جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ (انبیاء سابقین سے مراد وہ نبی ہیں' جن کی نبوت تمام سچے مذاہب میں مسلم ہو۔)

احادیث اور آثار میں غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کی تصریحات

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے' حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ' کعب کے پاس گئے اور کہا اس شخص نے یعنی نبی ﷺ نے ہمیں تھکا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کرتا رہتا ہے نیز کہا بہ خدا تم اس کو ضرور ملال میں ڈال دو گے' اور کہا ہم نے اس کی پیروی کی ہے اور اب ہم اس کو چھوڑنا ناپسند کرتے ہیں' حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آخر کار ماجرا کیا ہو گا' وہ اسی طرح کعب بن اشرف سے باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳۷' ۳۰۳۲' ۳۰۳۱' ۲۵۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا کی باندی ام ولد تھی۔ وہ نبی ﷺ کو برا کہتی تھی اور آپ کو سب و شتم کرتی تھی' وہ نابینا اس کو منع کرتے رہتے تھے اور وہ باز نہیں آتی تھی' ایک رات جب وہ نبی ﷺ کو سب و شتم کر رہی تھی انہوں نے آکر مغول (کھیتی یا بھاوڑ' پیکان والی لاٹھی) لے کر اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دبایا۔ حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور اس کی ٹانگوں میں ایک بچہ آکر اس کے خون میں لتھڑ گیا' صبح کو لوگوں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے سب لوگوں

کو جمع کر کے فرمایا جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے وہ نابینا لوگوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور نبی ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! میں اس باندی کا مالک ہوں وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی اور برا کہتی تھی میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے بھی ہوئے اور وہ میری رفیقہ تھی' گزشتہ رات وہ پھر آپ کو سب و شتم کر رہی تھی اور برا کہہ رہی تھی' میں نے اس کے پیٹ پر کھپی رکھ کر اس کو دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا سنو! گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی اس کا کوئی قصاص یا تاوان نہیں ہو گا)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰۸۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۵)

حضرت عرفہ بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا' انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نصرانی نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی' انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ معاملہ پیش کیا' انہوں نے حضرت عرفہ سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں' حضرت عرفہ نے کہا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء پر عہد کریں' ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں عبادت کرنے دیں گے' اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے' اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے' لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا تم نے سچ کہا۔

(المعجم الاوسط ج ۹' رقم الحدیث: ۸۷۴۳' مطبوعہ ریاض' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹' ص ۲۰۰' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۷)

حضرت عمیر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی۔ جب وہ نبی ﷺ کے پاس جاتے تو وہ آپ کو سب و شتم کرتی اور آپ کو برا کہتی' انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا' اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم کو معلوم ہے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ کیا امن دینے کے باوجود اس کو قتل کیا گیا ہے' اور ان لوگوں کے ماں باپ مشرک تھے' حضرت عمیر کو یہ خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے' انہوں نے نبی ﷺ کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ آپ کے متعلق مجھے ایذا پہنچاتی تھی' نبی ﷺ نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا' نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۷' رقم الحدیث: ۱۲۴' ص ۶۵۔۶۴' مطبوعہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی' نبی ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۹' ص ۲۰۰' طبع بیروت)

حصین بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور بتایا گیا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرتا ہے' انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا' ہم نے ان کو اس لیے امان نہیں دی کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کریں۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶' طبع بیروت)

غیر مسلم گستاخ رسول کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء مذاہب اربعہ کی تصریحات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف کو جو حیلہ سے قتل کیا تھا اس کے سبب اور اس کے جواب میں علماء کا اختلاف ہے' امام المازری نے کہا انہوں نے اس کو حیلہ سے اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے نبی ﷺ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑ

دیا تھا' اور وہ آپ کی ہجو کرتا تھا اور آپ کو سب و شتم کرتا تھا۔ اور اس نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اور وہ آپ کے خلاف لڑنے والوں کے ساتھ شریک جنگ ہوا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸' ص ۵۰۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' ریاض' ۱۴۱۷ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ذمی سے کیا ہوا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے خواہ اس کی شرط ہو یا نہ ہو' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تم سے اس لیے صلح نہیں کی تھی اور اس کو بیت المقدس میں سولی پر لٹکایا گیا' اور حضرت ابن عمر سے کہا گیا کہ ایک راہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتا ہے' انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا' ہم نے اس کو اس لیے امان نہیں دی تھی۔ (الکافی ج ۴' ص ۱۸۴' مطبوعہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے خواہ وہ غیر مسلم ذمی ہو' اس میں امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے کیونکہ وہ اس صورت میں ذمی کے قتل کو جائز نہیں کہتے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۶' ص ۴۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جمہور فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ جو غیر مسلم ذمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں۔

اس طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً سب و شتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ ابواسحٰق ہمدانی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بخدا یا رسول اللہ! وہ میرے ساتھ نیکی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (شرح السیر الکبیر ج ۴' ص ۳۱۸-۳۱۷' مطبوعہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳' ص ۷۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب کوئی شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سیر ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی عورت علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عدی نے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی تھی انہوں نے رات میں اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تعریف فرمائی۔

(الدر المختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۳' ص ۲۸۰-۲۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا عادۃً سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ عورت ہو۔

(رد المحتار' ج ۳' ص ۲۷۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر میں صحابہ کرام کا عمل

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا' اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی میری نگاہ میں بزرگ تھا اور آپ کے اجلال کی وجہ سے میں نگاہ بھر کر آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا' اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ میں آپ کا حلیہ مبارکہ بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا' کیونکہ میں نے آپ کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔
(صحیح مسلم ایمان '۱۹۲' (۱۲۱) ۳۱۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب مہاجرین اور انصار کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر اور عمر بھی ہوتے تھے' پس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سوا کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا' وہ دونوں آپ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام آپ کے گرد اس طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ (الحدیث) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہ ﷺ کا سر مونڈ رہا تھا' اور صحابہ کرام نے آپ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور جب بھی آپ کا کوئی بال مبارک گرتا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا۔
(صحیح مسلم الرویا: ۷۵ (۲۳۲۵) ۵۹۲۹)

قضیہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کو مکہ میں مشرکین کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان سے کہا تم کعبہ کا طواف کر لو' تو حضرت عثمان نے کہا میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف نہ کر لیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۴' ص ۱۳۵۔ ۱۳۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات پوچھنا چاہتا تھا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے اس کو برسوں ٹالتا رہا۔ (الشفاء ج ۲' ص ۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم

قاضی عیاض ابو الفضل عیاض بن موسیٰ متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وفات کے بعد بھی نبی ﷺ کی توقیر اور تعظیم لازم ہے' جس طرح آپ کی حیات میں لازم تھی اور اس کا موقع وہ ہے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے' آپ کی حدیث کا ذکر کیا جائے اور آپ کی سنت کا ذکر کیا جائے اور آپ کا نام مبارک اور آپ کی سیرت طیبہ کا سماع کیا جائے اور آپ کی آل اور عترت کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے' اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کی تعظیم کی جائے۔

ابو ابراہیم تجیبی نے کہا ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ خضوع اور خشوع کی حالت میں ہو اور اس کی حرکات اور سکنات سے وقار ظاہر ہو اور اس پر اسی طرح ہیبت طاری ہو جیسے وہ آپ کے سامنے مودب کھڑا ہے۔

امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالک سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں مناظرہ کیا' امام مالک نے ان سے کہا امیر المومنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ: تم نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو

اونچانہ کرو' اور نہ آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بولو جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بولتے ہو' (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔ (الحجرات: ۲)

اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی جو آپ کو حجروں سے باہر سے پکار کر بلاتی تھی اور ان کو بے عقل فرمایا اور آپ کا احترام اب بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں آپ کا احترام تھا۔

خلیفہ ابو جعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کر لیا اور پوچھا: جب میں رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ سے اپنا رخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں' بلکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شفاعت کو قبول فرمائے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو وہ آپ کے پاس آجاتے' پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (بھی) ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پاتے۔ (النساء: ۶۴)

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ امام مالک کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا' اور وہ اسی وقت جھک جاتے' جب امام مالک سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا محمد بن المنکدر سید القراء تھے ہم جب ان سے کسی حدیث کے متعلق پوچھتے تو ان پر اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ ہم ان کے لیے رحم کی دعا کرتے اور میں نے حضرت جعفر بن محمد الصادق کو دیکھا وہ بہت ہنس مکھ اور پر مزاح شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور میں نے ان کو کبھی بغیر وضو کے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا' پھر امام مالک نے بیان کیا کہ......

عبدالرحمن بن قاسم نبی ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کے رنگ کی طرف دیکھا جاتا' لگتا تھا کہ ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ہیبت سے ان کی زبان خشک ہو گئی ہے' اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے' اور زہری بہت خوش مزاج اور ملنسار شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو لگتا تھا کہ وہ اپنے مخاطب کو بالکل نہیں پہچانتے' یعنی رسول اللہ ﷺ کے تصور میں اس طرح مستغرق ہو جاتے کہ گرد و پیش سے بیگانہ اور بے خبر ہو جاتے۔ صفوان بن سلیم بہت بڑے عابد اور زبردست مجتہد تھے ان کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے' اور ابن سیرین ہنستے رہتے تھے اور جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی جاتی تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا' اور عبدالرحمان بن مہدی جب نبی ﷺ کی حدیث پڑھتے تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور یہ آیت پڑھتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات: ۲) اور اس کی یہ تاویل کرتے کہ جس طرح نبی ﷺ کے بات کرتے وقت خاموش ہونا ضروری ہے اسی طرح اس وقت خاموش ہونا ضروری ہے' جب آپ کی حدیث پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا ادب اور احترام

ابراہیم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس' امام ابو حازم کی مجلس کے پاس سے گزرے وہ اس وقت حدیث بیان کر رہے تھے' امام مالک وہاں سے چلے گئے اور کہا میرے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور میں نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو سننا ناپسند کیا۔

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن المسیب سے ایک حدیث پوچھی وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر حدیث بیان کی اور کہا میں نے اس کو ناپسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں۔

ابو مصعب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس ہمیشہ باوضو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے۔

مصعب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک بن انس جب حدیث بیان کرتے تو وضو کرتے' تیار ہوتے' عمدہ لباس پہنتے' پھر حدیث بیان کرتے۔ ابن ابی اویس نے کہا کہ امام مالک راستہ میں یا کھڑے ہوئے یا جلدی کے وقت حدیث بیان کرنا ناپسند کرتے تھے۔

عبداللہ بن المبارک نے کہا میں امام مالک کے پاس تھا' وہ ہم کو حدیث بیان کر رہے تھے' ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا' ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو کر زرد پڑ گیا لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث منقطع نہیں کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو لوگوں نے آپ کے چہرے کے تغیر کا سبب پوچھا' امام مالک نے فرمایا ہاں! مجھے سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا اور میں صبر کرتا رہا اور میرا صبر صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے احترام کی وجہ سے تھا۔

عبداللہ بن صالح نے کہا امام مالک اور لیث بغیر وضو کے حدیث نہیں لکھتے تھے' اور قتادہ کہتے تھے کہ مستحب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نبی ﷺ کی احادیث نہ پڑھی جائیں' اور اعمش جب بے وضو ہوتے اور حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے۔ (الشفاء ج ۲' ص ۳۹-۳۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کا ادب قرآن مجید کے عمل پر مقدم ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں' ایک نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر' جس پر ہم نے سیر حاصل گفتگو کر لی ہے' اور دوسری چیز یہ ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ نے اتباع قرآن پر مقدم فرمایا ہے' یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی تعظیم کو قرآن مجید کے عمل پر مقدم رکھتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹) اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

اس کے باوجود حضرت ابو بکر نے غار ثور میں سانپوں کے بل پر اپنا پیر رکھ دیا' سانپ ڈنک مارتے رہے لیکن ابو بکر نے اپنا پیر نہیں ہٹایا۔ محب طبری ابو جعفر احمد متوفی ۶۹۴ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے غار ثور میں پہنچے' پھر کہا آپ پہلے غار میں داخل نہ ہوں جب تک کہ اس میں' میں داخل نہ ہو جاؤں' اگر اس میں کوئی مضر چیز ہے تو آپ سے پہلے مجھے ضرر لاحق ہو۔ وہ غار میں گئے تو انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو غار میں لے گئے اور غار میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنی قمیص پھاڑ کر اس کی دھجیاں ان سوراخوں میں بھر دیں اور ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ حضرت ابو بکر کو یہ خوف ہوا کہ کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ ﷺ کو

ایذانہ پہنچائے' تو انہوں نے باقی ماندہ سوراخ پر اپنا پیر رکھ دیا' وہ سانپ حضرت ابوبکر کو ڈنک مار رہا تھا اور حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ ج ا'ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی ۹۲۳ھ نے یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے:

حضرت ابوبکر غار میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے داخل ہوئے تاکہ کسی ناگہانی افتاد کو خود پر ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ محفوظ رہیں۔ انہوں نے غار میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی داخل کر دی تاکہ اس میں سے کوئی چیز نکل کر رسول اللہ ﷺ کو ایذاء نہ پہنچائے' پھر سانپ ان کو ڈنک مارتا رہا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے' اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اس سوراخ سے حضرت ابوبکر کو ڈنک مارا گیا اور انہوں نے بالکل حرکت نہیں کی' لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر گرے۔ آپ نے پوچھا اے ابوبکر کیا ہوا؟ انہوں نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے ڈنک مارا گیا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا تو حضرت ابوبکر کی تکلیف جاتی رہی۔ (المواہب اللدنیہ ج ا' ص ۱۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ علی بن برہان الدین الحلبی المتوفی ۱۰۴۴ھ نے بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے لعاب دہن لگانے کی تصریح ہے۔ (انسان العیون ج ۲' ص ۲۰۵' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

غار کی رات حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! آپ پہلے مجھے داخل ہونے دیجئے' حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے اور غار کی دیواروں میں ہاتھ لگا کر دیکھتے رہے اور جہاں سوراخ دیکھتے اپنی قمیص پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے حتیٰ کہ ان کی پوری قمیص پھٹ گئی اور ایک سوراخ رہ گیا اس میں انہوں نے اپنی ایڑی رکھ دی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائیں' سانپ اور بچھو حضرت ابوبکر کو ڈنک مارتے رہے اور انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی مبادا حضور بیدار ہو جائیں' لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور جب یہ آنسو حضور کے چہرے پر گرے تو آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے ابوبکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (مدارج النبوت ج ۲' ص ۵۸' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر' ۱۹۷۷ء)

علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۴۲ھ نے بھی امام بیہقی اور امام ابی شیبہ کے حوالے سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد ج ۳' ص ۲۴۰)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے اور علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳' ص ۱۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' المنتظم' ج ۲' ص ۱۲۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ: ۲۳۸) سب نمازوں کی پابندی کرو اور درمیانی نماز کی۔

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نیند کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی جارہی تھی اور آپ کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' تب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا' اس پر سورج کو لوٹا دے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہوگیا تھا' پھر میں نے اس کو غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔ (مشکل الآثار ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی' پھر آپ نے حضرت علی کو کسی کام سے بھیجا وہ واپس آگئے' اس اثناء میں نبی ﷺ (عصر کی) نماز پڑھ چکے تھے' نبی ﷺ نے حضرت علی کی گود میں سر رکھا' پھر آپ نے کوئی حرکت نہیں کی حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا' تب نبی ﷺ نے دعا کی: "بے شک تیرے بندے علی نے اپنے نفس کو تیرے نبی پر روک لیا تھا' سو اس پر سورج کی روشنی لوٹا دے"۔ حضرت اسماء کہتی ہیں سورج طلوع ہوگیا حتیٰ کہ اس کی روشنی پہاڑوں اور زمین پر واقع ہوئی۔ پھر حضرت علی اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی پھر سورج غائب ہوگیا۔ یہ واقعہ صہبا میں ہوا تھا۔ (مشکل الآثار' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۱)

اس کی تیسری مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶)

اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کے لیے کھڑے (ہونے کا) ارادہ ہو' (اور تمہارا وضو نہ ہو) تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لو۔

اس آیت کی رو سے بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے حالانکہ ایک سفر کے موقع پر جو مسلمان حضرت عائشہ کا ہار ڈھونڈنے گئے ہوئے تھے' انہوں نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں گئے' جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا' رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لیے قافلہ کو ٹھہرا دیا' اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس جگہ پانی تھا نہ لوگوں کے پاس پانی تھا' تب لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آ کر کہنے لگے' کیا آپ حضرت عائشہ کے کارنامے کو نہیں دیکھ رہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا لیا اور اس جگہ نہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے' تب ابوبکر آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے' حضرت ابوبکر نے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ٹھہرا لیا اور اس جگہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے' حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس حضرت ابوبکر مجھے ڈانٹتے رہے اور جو اللہ نے چاہا وہ کہتے رہے' اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ کو مروڑ رہے تھے۔ اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا سر میرے زانو پر تھا اس لیے میں ہل نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سوتے رہے حتیٰ کہ بغیر پانی کے صبح ہوگئی' تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی اور مسلمانوں نے تیمم کر لیا۔ اس وقت حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابی بکر یہ کوئی تمہاری پہلی برکت تو نہیں ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

(صحیح مسلم کتاب الحیض ۱۰۸ (۳۶۷) ۷۹۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماء سے عاریتہً ہار لیا' وہ ان سے گم ہو گیا' رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو اسے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا' پھر صبح کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی' اور جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کی شکایت کی' تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کر دی' اس وقت اسید بن حضیر نے (حضرت عائشہ سے) کہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے' جب بھی آپ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ پیدا کر دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی۔

(صحیح مسلم کتاب الحیض ۱۰۹ (۳۶۷) ۷۹۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸)

قرآن مجید نے جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر نے رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کی خاطر سانپ اور بچھو کے بل پر اپنی ایڑی رکھ کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا' اور قرآن مجید نے خصوصاً عصر کی نماز کی حفاظت کا حکم دیا اور حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے ادب اور احترام کی خاطر عصر کی نماز ترک کر دی اور آپ کو نیند سے بیدار نہیں کیا' اور قرآن مجید نے نماز کے لیے وضو کو فرض قرار دیا ہے اس کے باوجود بعض مسلمانوں نے اس موقع پر صبح کی نماز بے وضو پڑھ لی ان حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ادب اور احترام مقدم ہے اور قرآن مجید پر عمل مؤخر ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِىْ لَهٗ

(اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملک میں تمام

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا

آسمان اور زمینیں ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' سو تم اللہ پر

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَ

ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، اور

اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ○ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا

ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں ○ اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم

اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

کر دیا جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا

بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ، ہر گروہ نے اپنے پانی پینے

أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ

کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل

السَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کیا ، ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں ، اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَإِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا

جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

جہاں سے چاہو کھاؤ اور حطۃ (معاف کرنا) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ، ہم تمہاری

لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

خطائیں بخش دیں گے اور عنقریب نیکو کاروں کو مزید اجر عطا کریں گے ○ اور ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات

مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ

کو اس کے خلاف سے بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲ ۱۰

بھیجا کیوں کہ وہ ظلم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملکیت میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' سو تم اللہ پر ایمان لاؤ' اور اس کے رسول پر جو امی لقب ہیں' جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم سب ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (الاعراف: ۱۵۸)

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر قرآن مجید کی آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو اس نبی امی

لقب کی پیروی کریں گے جن کو یہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس رسول کی اتباع کرنے کا ہم نے حکم دیا ہے ان کی رسالت کی دعوت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت تمام مخلوق کے لیے ہے اور تمام مخلوق آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی مکلف ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت کے عموم اور شمول پر درج ذیل آیات بھی دلیل ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا:۲۸)

(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ہی خوشخبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان:۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مکرم) بندے پر نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:۱۹)

اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس کے ساتھ ڈراؤں اور ان لوگوں کو جن تک یہ (قرآن) پہنچے۔

سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے عموم اور شمول پر احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' ہر نبی کو اپنی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے' اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کی گئی تھیں' اور میرے لیے تمام روئے زمین پاکیزہ اور پاک کرنے والی اور مسجد بنادی گئی ہے' پس جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے' اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے' اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵، ۴۳۸' صحیح مسلم المساجد ۳ (۵۲۰) ۱۱۴۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۷۳۶، ۴۳۲' مسند احمد ج ۳' ص ۳۰۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۱۱۳۵' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث:۶۳۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم (جامع مانع کلام) عطا کیے گئے ہیں اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی (تیمم کا مادہ یا آلہ) اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کے آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

(صحیح مسلم المساجد ۵ (۵۲۳) ۱۱۴۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۶۷' مسند احمد ج ۲' ص ۴۴۲' ۲۵۰' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث:۶۳۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میرے لیے تمام روئے زمین پاک کرنے والی (آلہ تیمم) اور مسجد بنادی گئی' اور پہلے انبیاء میں سے کوئی نبی اپنی محراب (مسجد) کے بغیر کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی

گئی ہے' جب میرے سامنے مشرکین آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں میرا رعب قائم کر دیتا ہے' اور پہلے نبی کو اس کی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنات اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے' اور پہلے انبیاء خمس (مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ) کو الگ کر دیتے تھے' پھر آگ آکر اس کو کھا جاتی تھی اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو اپنی امت کے فقراء میں تقسیم کر دوں' اور ہر نبی کو ایک شفاعت عطا کی گئی ہے (صحیح مسلم میں ہے ہر نبی نے اس شفاعت کو دنیا میں خرچ کر لیا) اور میں نے اس شفاعت کو اپنی امت کے لیے موخر کر لیا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۴۱)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر پانچ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے' اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاک کرنے والی اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۶۷۴)

وہ معجزات جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں ہیں اور جو آپ سے صادر ہوئے

نیز اس آیت میں فرمایا سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو امی لقب ہیں جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (اے محمد!) آپ کہئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' اور رسالت بغیر معجزہ کے ثابت نہیں ہوتی اور آپ کے معجزات دو طرح کے ہیں ایک تو آپ کی ذات خود معجزہ ہے اور دوسرے وہ معجزات جو آپ سے صادر ہوئے' آپ کی ذات خود معجزہ ہے اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے امی ہونے سے فرمایا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے' کیونکہ آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے' کسی استاد سے تعلیم نہیں حاصل کی اور نہ علماء میں سے کسی کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ علماء کا شہر نہیں تھا اور نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ کے لیے مکہ سے باہر گئے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اس عرصہ میں آپ نے کسی سے علم حاصل کر لیا ہو' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ میں علوم و معارف کے دریا موجزن کر دیے۔ پھر آپ پر اس قرآن مجید کو نازل کیا جس میں اولین و آخرین کے علوم ہیں تو باوجود آپ کے امی ہونے کے ان عظیم علوم و معارف کو بیان کرنا آپ کا زبردست معجزہ ہے۔

آپ کا امی ہونا بھی آپ کی ذات میں معجزہ ہے' آپ کے سر کے بال فتح و کامرانی کی ضمانت ہیں' آپ اپنے کانوں سے قریب و دور کی آوازیں سنتے تھے' جنات اور ملائکہ اور خود خالق کائنات کا کلام سنتے تھے' آپ اپنی آنکھوں سے روشنی اور اندھیرے میں' قریب اور دور یکساں دیکھتے تھے' جنات اور فرشتوں کو دیکھا' خود رب کائنات کو دیکھا' آپ اپنی زبان سے جو کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا' آپ کے لعاب مبارک میں برکت اور شفا تھی' آپ اپنے ہاتھوں سے زمینوں اور آسمانوں پر یکساں تصرف کرتے تھے' اور زمین و آسمان آپ کے قدموں کی زد میں تھے۔ غرضیکہ آپ کے جسم مبارک کا ہر عضو معجزہ تھا۔

آپ کے صدق' آپ کی دیانت آپ کی امانت آپ کی عدالت اور آپ کی شجاعت اور سخاوت کا دور و نزدیک چرچا تھا۔ آپ کو الصادق الامین کہا جاتا تھا۔ یہ آپ کی ذات کا اعجاز تھا کہ جب آپ نے اعلان نبوت کیا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ' حضرت صدیق اکبر' اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ کسی دلیل کو طلب کیے بغیر آپ پر ایمان لے آئے۔

اور جو معجزات آپ سے صادر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں مثلاً چاند کا شق ہونا' ڈوبے ہوئے سورج کا نکل آنا' آپ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا' اور آپ کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے نہ

کوئی اس کی مثال لا سکتا ہے اور علوم و فنون کی وسعت اور مخالفین کی کثرت کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کے اس دعویٰ کو جھٹلا نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات' انجیل اور قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے' وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگوں کا مصداق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس (عظیم) رسول نبی امی پر ایمان لانا تمام لوگوں پر واجب ہے' اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جو حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور حق کے ساتھ عدل کرتا تھا۔ اس گروہ کا مصداق کون ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

یہ قوم چین کے پار رہتی ہے' یہ لوگ حق اور عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' یہ لوگ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے' انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کرنے کو ترک کر دیا' یہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں' ان کا کوئی آدمی ہم تک پہنچ سکتا ہے نہ ہمارا کوئی آدمی ان تک پہنچ سکتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اختلاف ہوا تو ان میں سے ایک گروہ حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا' اور وہ اس پر قادر نہیں تھے کہ بنو اسرائیل کے درمیان رہ سکتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلوق سے دور زمین کے ایک کونے میں پہنچا دیا' ان کے لیے زمین میں ایک سرنگ بنا دی۔ وہ اس میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے حتیٰ کہ وہ چین کے پار پہنچ گئے۔ اور وہ اب تک وہاں دین حق پر قائم ہیں اور لوگوں اور ان کے درمیان ایک سمندر ہے جس کی وجہ سے لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۲۷۱' جامع البیان جز ۹' ص ۱۱۸' زاد المسیر ج ۳' ص ۲۷۴' معالم التنزیل ج ۲' ص ۱۷۳' الدر المنثور' ج ۳' ص ۵۸۵' روح المعانی جز ۹' ص ۸۴)

لیکن محققین نے اس تفسیر کو رد کر دیا ہے کیونکہ عادۃً ایسا ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ہو اور دنیا اس سے ناواقف ہو' جب کہ ذرائع ابلاغ اور آمد و رفت کے وسائل بہت زیادہ ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں یہودیوں کا ایک گروہ تھا جو دین حق پر قائم تھا اور وہ لوگ ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے' جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب' اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ تو بہت کم ہیں اور قرآن نے ان کو امت سے تعبیر فرمایا جو ان کی کثیر تعداد کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایک فرد پر بھی امت کا اطلاق فرمایا ہے:

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً (النحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم (بہ نفس نفیس) ایک امت تھے۔

(زاد المسیر ج ۳' ص ۲۷۴' تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۸۷' روح المعانی جز ۹' ص ۸۴)

میرے نزدیک اس آیت کی زیادہ عمدہ تفسیر یہ ہے کہ بنو اسرائیل میں ہرچند کہ زیادہ تر ضدی' ہٹ دھرم' نافرمان اور فساق فجار تھے لیکن ہر دور میں ان کے اندر چند صالح لوگوں کی بھی ایک جماعت موجود رہی ہے۔ جیسا کہ امتہ کی تنوین میں اس کی

تقلیل کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں بنو اسرائیل کی عہد شکنیوں اور بداعمالیوں پر شدت کے ساتھ سرزنش کی ہے وہاں ان کے اندر اس قلیل گروہ کی تعریف و تحسین بھی فرمائی ہے' حق اور عدل کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس قلیل گروہ میں علماء بھی تھے اور قضاۃ بھی' جو دین حق پر قائم تھے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتے تھے' ان ہی کی نسل سے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پیدا ہوئے' اس تفسیر کی تائید حسب ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

امام عبدالرحمن بن محمد الرازی بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں نے ایک امت ایسی پائی جو اپنے اموال کا صدقہ دے گی' پھر اس کی طرف وہ مال لوٹ آئے گا اور وہ اس کو کھالے گی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے ایک ایسی امت پائی جو پانچ نمازیں پڑھے گی اور وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد ہے' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے کردے! تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو راضی کرنے کے لیے یہ آیت نازل کی: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

ابو الصہباء البکری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عالم اور ایک عیسائی عالم کو بلایا اور کہا میں تم لوگوں سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں اور میں اس کو تم سے بہتر جانتا ہوں' پھر آپ نے یہودی عالم سے کہا یہ بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے کہا خدا کی قسم! کوئی فرقہ نہیں ہوا' حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا۔ ان کے اکہتر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے' پھر آپ نے عیسائی عالم سے کہا بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں کے کتنے فرقے ہو گئے تھے؟ اس نے بھی کہا خدا کی قسم ان میں کوئی فرقہ نہیں ہوا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا' اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' ان کے بہتر فرقے ہوئے تھے اور ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے' اور تم اے یہودی سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور یہی گروہ نجات پائے گا اور تم اے نصرانی سنو بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ (المائدہ: ۶۶)

اور ان میں سے کچھ لوگ اعتدال پر ہیں اور زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو بہت برے کام کر رہے ہیں۔

اور جو لوگ اعتدال پر ہیں وہی نجات پائیں گے' اور رہے ہم! تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف: ۱۸۱)

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے' ان میں سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کی ہدایت دیتے اور اسی کے ساتھ عدل اور انصاف کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امت میں سے یہی گروہ نجات پائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۵۸۸-۱۵۸۷' الدر المنثور ج ۳' ص ۵۸۵)

غرض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں نیک لوگوں کا گروہ بھی ہر دور میں رہا ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا' جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو' تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے' ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی' اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا' ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں' اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۰)

اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کی نافرمانیاں

اس آیت سے مقصود بنو اسرائیل کے احوال کو بیان کرنا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا' کیونکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے پیدا ہوئے تھے تو ان کو باہم متمیز کر دیا تاکہ یہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور ان میں لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی نوبت نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے' اس آیت میں "انبجست" فرمایا ہے اور سورہ بقرہ میں "فانفجرت" فرمایا تھا' لغت میں ان دونوں کا معنی ایک ہے اور انبجاس اور انفجار میں کوئی فرق نہیں ہے' اور بعض ائمہ نے فرق کیا ہے الانبجاس کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا پانی نکلنا اور الانفجار کا معنی ہے بہت زیادہ پانی نکلنا اور ان میں اس طرح تطبیق ہے کہ ابتداء میں تھوڑا تھوڑا پانی نکلا' پھر بعد میں بہت زیادہ اور تیزی سے پانی نکلا' اس کے بعد فرمایا ان پر ہم نے بادل کا سایہ کیا' پھر فرمایا ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ من سے مراد ایک نفیس شیریں ذائقہ دار چیز ہے اور سلویٰ سے مراد بھنے ہوئے بٹیر ہیں' ان سب چیزوں میں ان پر اللہ کی عظیم نعمتوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دھوپ کی تکلیفوں کو دور کیا اور نہایت آسانی سے ان کو کھانے اور پینے کی چیزیں فراہم کیں۔ اس کے بعد فرمایا ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ان ہی چیزوں کو کھاؤ اور ان کے علاوہ اور کسی چیز کو طلب مت کرو' پھر فرمایا اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود کھانے کو ذخیرہ کیا یا اس وقت میں کھایا جس وقت ان کو کھانے سے منع فرمایا تھا اور یا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اور چیزوں کو طلب کیا اور جب مکلف وہ کام کرتا ہے جس سے اس کو منع کیا گیا تھا تو وہ دراصل خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے' اس لیے فرمایا انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ جب بندہ کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عذاب خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔ البقرہ: ۶۰ اور البقرہ: ۵۷ میں ان امور کی بہت تفصیل سے تفسیر کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں جا کر بس جاؤ اور اس کی پیداوار سے جہاں سے چاہو کھاؤ اور حِطَّةٌ (معاف کرنا) کہتے جاؤ' اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا' ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور عنقریب نیکوکاروں کو مزید اجر عطا کریں گے O پس ان میں سے ظلم کرنے والوں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۲-۱۶۱)

البقرہ: ۵۹-۵۸ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اور وہاں اس کی مفصل تفسیر کی جا چکی ہے' اس لیے ان آیتوں کی تفسیر کے لیے اس مقام کو دیکھ لیا جائے۔

وقف لازم

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجیے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سنیچر کے دن

فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

تجاوز کرتے تھے، جب سنیچر کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب سنیچر کا دن نہ

يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾

ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے ۝

معانقة عند المتاخرين

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نصیحت کرنے والوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے

النصف

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے یا عذاب شدید میں مبتلا کرنے والا ہے، انہوں نے کہا تاکہ ہم تمہارے رب کے سامنے حجت پوری کر سکیں

يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ

اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں ۝ اور جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو

عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا

نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت برے عذاب میں جکڑ لیا کیونکہ وہ نافرمانی

يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

کرتے تھے ۝ پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا تم ذلیل

خٰسِـِٕيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

بندر بن جاؤ ۝ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ

جو ان کو برا عذاب چکھاتے رہیں گے، بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بہت زیادہ

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ

بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے ○ اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے بعض

وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

نیک تھے، اور بعض ان سے مختلف تھے، اور ہم نے راحتوں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکشی سے

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ

پلٹ جائیں ○ پھر ان کے بعد ایسے نااہل لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی

عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

سامان آ جائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

کچھ نہیں کہیں گے، اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے

يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا

آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے، کیا تم (یہ بات) نہیں سمجھتے ○ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ

(تو) ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ○ اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس

فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ

طرح) اٹھا لیا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان

۲۱ ع ۹ ۱۱ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو، تاکہ تم متقی ہو جاؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سنیچر کے دن تجاوز کرتے تھے، جب سنیچر کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب سنیچر کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۳)

نافرمانی پر اصرار کرنے والے اسرائیلیوں کو بندر بنانے کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "ایلہ" میں آباد تھی، یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحل سمندر پر واقع تھا، اس جگہ سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں، ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں، ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے۔ بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا، یہی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا۔ وہ ایک بڑے لمبے عرصے تک اس نافرمانی میں مشغول رہے، نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی۔ خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے، کچھ اس کو برا جانتے تھے اور اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں، نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے بڑے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے، ناصحین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ، ہو سکتا ہے تم پر عذاب نازل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱، ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس شہر میں رہنے والے ستر ہزار نفوس تھے۔ اور ان کو منع کرنے والے بارہ ہزار تھے، جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو ناصحین نے کہا: بخدا ہم ایک علاقہ میں نہیں رہیں گے، انہوں نے شہر کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی اور ان سے الگ رہنے لگے اور کئی سال اسی طرح گزر گئے، پھر معصیت پر ان کے مسلسل اصرار کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب فرمایا ایک دن منع کرنے والے اپنے دروازے سے نکلے تو دیکھا مجرمین میں سے کوئی نہیں نکلا، جب کافی دیر ہو گئی تو وہ دیوار پھاند کر گئے، دیکھا تو وہ تمام لوگ بندر بن چکے تھے، ایک قول یہ ہے کہ جوان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے، وہ دوسروں کو پہچان رہے تھے اور دوسرے ان کو نہیں پہچان رہے تھے۔ وہ تین دن تک اس حال میں روتے رہے، پھر سب ہلاک ہو گئے اور کوئی مسخ شدہ شخص تین دن سے زیادہ نہیں رہا اور نہ ان کی نسل چلی۔ (تفسیر خازن ج ۱، ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

اس واقعہ کے بیان میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے معجزہ کا اظہار ہے کیونکہ آپ امی تھے۔ آپ نے اعلان نبوت سے پہلے نہ کسی چیز کو پڑھا تھا نہ لکھا تھا اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا جو ان کے علماء کے درمیان معروف تھا۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ وحی الٰہی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ سمندر میں ہفتہ ہی کے دن بکثرت مچھلیاں آتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی اور بنو اسرائیل کا امتحان تھا کہ وہ مچھلیوں کی بہتات دیکھ کر پھسل جاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے پر جمے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۲)	کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) اس کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔

اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو متمیز کر دیتا ہے۔
اس آیت کے دیگر مباحث کہ موجودہ بندر' ان ہی بندروں کی نسل سے ہیں یا نہیں اور تماسخ اور تناسخ میں فرق کے لیے البقرہ: ۶۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔
اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ یہ قصہ یہودیوں کے درمیان معروف اور مشہور تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا' یہاں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ وہ قوم ہے جس نے اتنی دیدہ دلیری سے اتنا زبردست گناہ کیا تھا اور ایسی کھلی نافرمانی کی تھی تو اگر یہ لوگ (سیدنا) محمد ﷺ کے معجزات اور صاف صاف نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کریں اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں تو ان سے کیا بعید ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نصیحت کرنے والوں سے) کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو' جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے' یا عذاب شدید میں مبتلا کرنے والا ہے' انہوں نے کہا تاکہ ہم تمہارے رب کے سامنے حجت پوری کر سکیں اور شاید کہ یہ اللہ سے ڈریں ○ پس جب انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کو بہت بڑے عذاب میں جکڑ لیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۶۵-۱۶۴)

تبلیغ کا فرض کفایہ ہونا

اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ اس شہر کے رہنے والے تین گروہوں پر منقسم تھے' ایک فریق وہ تھا جو ہفتہ کے دن ان مچھلیوں کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کرتا تھا' دوسرا فریق وہ تھا جو ان کو اس نافرمانی سے منع کرتا تھا اور ڈانٹتا تھا' اور تیسرا فریق وہ تھا جو خاموش رہتا تھا' نافرمانی کرتا تھا اور نہ نافرمانی سے روکتا تھا' اور اس فریق نے منع کرنے والوں سے کہا تم ان کو کیوں منع کرتے ہو جبکہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے' یعنی یہ لوگ گناہوں پر اصرار کر کے اب ایسی حد پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ان کا گناہوں سے پلٹنا بہت مشکل ہے' اس لیے اب ان پر وعظ اور نصیحت بے اثر ہے' لہٰذا اب ان کو نصیحت نہیں کرنی چاہیے۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے اور ان کی گود میں قرآن مجید تھا' میں نے کہا اے ابن عباس! میں آپ پر قربان ہوں' آپ کیوں رو رہے ہیں' حضرت ابن عباس نے سورۃ الاعراف کی ان آیتوں کی تلاوت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجرمین کو سزا دی اور ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اور جو فریق ان کو برائی سے منع کرتا تھا اس کا ذکر فرمایا کہ اس کو نجات دے دی اور تیسرا فریق جو خاموش رہا تھا اور ان کو منع نہیں کرتا تھا اس کا ذکر نہیں فرمایا آیا ان کی نجات ہوئی یا نہیں۔ اور ہم بھی کئی کاموں کو برا سمجھتے ہیں لیکن منع نہیں کرتے اللہ جانے ہماری نجات ہوگی یا نہیں' عکرمہ کہتے ہیں کہ میں آپ پر قربان ہوں' کیا اس فریق نے ان کاموں کو برا نہیں سمجھا تھا جب کہ اس نے یہ کہا کہ تم ان کو کیونکر منع کرتے ہو جب کہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے' حضرت ابن عباس میرے اس جواب سے خوش ہوئے اور مجھے دو دبیز چادریں دینے کا حکم دیا۔

(جامع البیان جز ۹' ص ۱۲۸-۱۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا کہ برائی سے روکنا فرض علی الکفایہ ہے اور جب بعض لوگوں نے بنو اسرائیل کو اس برائی سے روک

کر یہ فرض ادا کر دیا تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو گیا' اس لیے اس تیسرے فریق پر عذاب نازل نہیں ہوا۔
(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۳۹۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ (الاعراف: ۱۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا صبح کو جب وہ نافرمان لوگ اٹھے تو وہ ذلیل بندر بن چکے تھے' وہ تین دن تک اسی کیفیت پر برقرار رہے' لوگوں نے ان کو دیکھا پھر وہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان میں سے جوان بندر بن گئے تھے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے لیکن یہ قول اس آیت کے خلاف ہے' اس میں بھی اختلاف ہے کہ جن لوگوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تھا' موجودہ بندر ان ہی کی نسل سے ہیں یا وہ اسی وقت ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل منقطع ہو گئی تھی' ان تمام امور کی تفصیل البقرہ: ۶۵ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں' ان آیات سے حسب ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

بعض احکام کا استنباط

۱- ایسے حیلے کرنا ممنوع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے احکام بالکلیہ معطل ہو جائیں' اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کا کوئی محل باقی نہ رہے' البتہ کسی آدمی کی شخصی ضرورت کے لیے کوئی ایسی خفیہ تدبیر کرنا جس سے وہ ممنوع کام کے ارتکاب سے بچ جائے یہ انفرادی طور پر جائز ہے لیکن اس کو قاعدہ کلیہ بنا لینا جائز نہیں' جیسے لوگ سود کھانے کے لیے بیع عینہ کا حیلہ کریں یا دکان کی پگڑی لینے کے لیے اس دکان یا مکان میں ایک میز یا الماری رکھ کر اس کے عوض پگڑی کی رقم لے لیں۔

۲- ان آیات میں سد ذرائع کی اصل ہے یعنی جو کام کسی حرام کا ذریعہ ہو وہ بھی ممنوع ہے' ان کا سمندر سے نالیاں کھود کر حوضوں کی طرف لانا مچھلیوں کے شکار کا ذریعہ تھا' اس لیے اس کو بھی منع کر دیا۔

۳- نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے' لیکن یہ فرض کفایہ ہے۔

۴- جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت کے احوال آسان کر دیتا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے جیسے ان اسرائیلیوں کو آزمائش میں مبتلا کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں بہت آتی تھیں۔

۵- اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک نہیں آتا بلکہ تدریجاً آتا ہے جیسے بنو اسرائیل پر مختلف انواع کے عذاب آتے رہے' پھر ان کو بندر بنایا گیا' پھر ان سے حکومت چھینی گئی اور اصل عذاب آخرت میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب چکھائیں گے' بیشک آپ کا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت زیادہ بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے ○ اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا' ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض ان سے مختلف تھے' اور ہم نے راحتوں اور مصیبتوں کے ساتھ ان کی آزمائش کی تاکہ وہ سرکشی سے پلٹ جائیں۔

(الاعراف: ۱۶۸-۱۶۷)

فلسطین میں اسرائیل کا قیام قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی اور معصیت پر دلیری کا ذکر فرمایا تھا اور یہ کہ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو

مسخ کر کے بندر بنا دیا اور اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان کے لیے ذلت اور غلامی مقدر کر دی ہے اور یہ بھی ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے اور یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے رسول مکرم! آپ کے رب نے یہود کے پہلے لوگوں کو ان کے انبیاء کی زبان سے یہ خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے یہود پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو ذلت اور غلامی کا مزا چکھائیں گے' ان پر جزیہ فرض کیا جائے گا' ان کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور یہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر زمین پر زندگی گزاریں گے۔ سب سے پہلے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خراج کو لازم کیا' پھر ان کو یونانیوں نے غلام بنایا پھر کلدانیوں' کلدانیوں اور بابلیوں نے ان کو محکوم بنایا' پھر روم کے نصاریٰ نے ان کو غلام بنایا اور ان سے جزیہ اور خراج لیا' پھر مسلمانوں نے ان سے جزیہ اور خراج لیا' اس کے بعد قریب کے دور میں جرمنی میں ہٹلر نے ان کو چن چن کر قتل کیا اور ملک بدر کر دیا۔

رہا یہ کہ اب انہوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا ہے اور اسرائیل کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی ہے تو وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۱۲)

وہ جہاں بھی پائے جائیں گے ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے بجز اس کے (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی کے ساتھ انہیں سہارا مل جائے۔

اور اسرائیل کی حکومت کا قیام برطانیہ اور امریکہ کے سہارے سے ہوا ہے اور اب بھی بظاہر وہاں یہودیوں کی حکومت ہے اور در پردہ برطانیہ اور امریکہ ہی کی حکومت ہے' اگر آج ان کے سروں پر سے برطانیہ اور امریکہ کا سایہ اٹھ جائے تو وہ پھر محکومی اور غلامی کی زندگی گزاریں گے۔

یہودیوں میں نیکوکار اور بدکار

اور ان پر دوسرا عذاب یہ مسلط فرمایا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں رہتے ہیں' ان میں صالح اور نیک لوگ بھی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے' اور ان میں وہ بھی تھے جو ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے اور وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگ تھے جو سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کرتے تھے اور جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور بعض وہ لوگ تھے جو نیکی اور پرہیزگاری میں ان سے کم تھے' ان میں سے بعض فاسق و فاجر تھے' اور بعض کافر تھے' یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے' یہ لوگ جھوٹ بولتے تھے اور سود کھاتے تھے اور رشوت لے کر احکام بدل دیتے تھے اور جھوٹے فیصلے کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں فریقوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ فرمائے گا جیسے اوروں کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے' نیک لوگوں کو جزا دے گا اور بدکاروں کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو آزمائش میں ڈالتا ہے' ان کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتا ہے تاکہ یہ شکر بجا لائیں اور مصائب اور آلام میں مبتلا کرتا ہے تاکہ یہ صبر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ایسے نااہل لوگ ان کے جانشین ہوئے جو تورات کے وارث ہو کر اس دنیا فانی کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اس کی طرح اور سامان آجائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے' کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے وہ

سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے کیا تم یہ (بات) نہیں سمجھتے۔
(الاعراف: ۱۶۹)

خَلَف اور خَلْف کا معنوی فرق

اس آیت میں ارشاد ہے: فخلف من بعدھم خلف اور خلف کے معنی کے متعلق علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بعد میں آنے والے ردی اور برے لوگوں کو خَلْف کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

خلف اگر لام پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے نیک لوگ' اور اگر لام ساکن ہو تو اس کا معنی ہے بعد میں آنے والے برے لوگ' اور خلف (لام ساکن ہو تو) کی جمع خلوف ہے اور خلف (لام پر زبر ہو تو) کی جمع اخلاف ہے۔ اسی طرح سَلَف کا معنی ہے گزرے ہوئے نیک لوگ اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سلْف کا معنی ہے گزرے ہوئے برے لوگ اور اس کی جمع سلوف ہے۔ (مثلاً ہمارے اعتبار سے صحابہ کرام اسلاف ہیں اور یزید اور شمر سلوف ہیں اور صحابہ کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ خلَف ہیں اور یزید خلْف ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۹۱ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۱۴۱۵ھ النہایہ ج ۲ ص ۴۳۔۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ لسان العرب ج ۹ ص ۸۵۔۸۴ مطبوعہ ایران ۱۴۰۵ھ)

گناہوں پر اصرار کے ساتھ اجر و ثواب کی طمع کی مذمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پھر بنو اسرائیل کے نیک لوگوں کے جانشین برے لوگ ہوئے جو اپنے اسلاف سے تورات کے وارث ہوئے۔ انہوں نے تورات کا مطالعہ کیا اور اس کے احکام کو حاصل کیا۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ بھی اسی آیت کا مصداق تھے۔ انہوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو اختیار کر لیا۔ وہ مال جمع کرنے پر حریص تھے اور اس معاملہ میں حلال اور حرام کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ وہ رشوت لے کر تورات کے احکام بدل دیتے تھے۔ اپنی ریاست چھن جانے کے خوف سے نبی ﷺ کی جو تورات میں صفات تھیں ان کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔ اور بعض آیات میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان کی بداعمالیوں پر ان سے مواخذہ نہیں فرمائے گا وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' ہمارا سلسلہ انبیاء علیہم السلام سے منسلک ہے' وہ مسلسل نافرمانیاں کرتے رہتے اور گناہوں پر اصرار کرتے' اور جس چیز کو وہ پہلے باطل طریقہ سے لے چکے تھے اس کو دوبارہ بھی باطل طریقہ سے لینے سے گریز نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے "کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے" انہوں نے تورات کو پڑھا تھا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ دوسروں کا مال باطل طریقہ سے لینا حرام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اس کے باوجود وہ اس عہد اور میثاق کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ کیا ان کو اتنی سی بات معلوم نہیں تھی کہ دار آخرت اور اس کی دائمی نعمتیں دنیا کی فانی لذتوں سے بہت بہتر ہیں تو پھر چاہیے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے اور ان بداعمالیوں اور اپنی سرکشیوں سے باز آ جاتے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جس طرح ان بداعمال یہودیوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی نافرمانیوں کے باوجود اپنے آپ کو اخروی اجر و ثواب کا امیدوار گردانتے تھے سو آج کل کے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اپنی بداعمالیوں کے باوجود خود کو اجر آخرت

کا امیدوار کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عنقریب لوگوں کے سینوں میں قرآن اس طرح بوسیدہ ہو جائے گا جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتا ہے' وہ بغیر کسی شوق اور لذت کے قرآن کریم کو پڑھیں گے' ان کے اعمال صرف طمع اور حرص ہوں گے وہ خوف خدا سے گناہوں میں کمی نہیں کریں گے وہ برے کام کرنے کے باوجود تبلیغ کریں گے اور یہ کہیں گے کہ عنقریب ہماری بخشش کر دی جائے گی کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

(سنن دارمی ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۴۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (تو) ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ○ (الاعراف: ۱۷۰)

اس کتاب سے مراد تورات ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو بار بار ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کی آیتوں کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہیں توڑتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں فرمائے گا اور ان کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس طرح) اٹھالیا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر ضرور گرنے والا ہے (اس وقت ہم نے ان سے کہا تھا) ہم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی ہو جاؤ ○ (الاعراف: ۱۷۱)

جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو' تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے' پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعے ہلاک کیے گئے' اور پھر زندہ کیے گئے۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لیے فرمایا انہوں نے پھر انکار کیا' تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں' ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آرہی تھی' ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا' تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو' یعنی اس میں تدبر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو' کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے' یہ نہیں کہ ان کے معنی پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔ امام نسائی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بدتر فاسق وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے کسی حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا' اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ بتلا دیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۷' ص ۳۳-۲۳۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران' ۱۳۸۷ھ)

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ

اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ

عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا

کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے)

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ

تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداءً

آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد ہیں، کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے

فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

ہمیں ہلاک کرے گا ○ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں ○

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ

اور (اے رسول مکرم!) ان پر اس شخص کا حال بیان کیجیے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس

فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ

شیطان نے اس کا پیچھا کیا، سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی

إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ

کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی، سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو

عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾ سَاءَ

جھٹلاتے ہیں، آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ کیسی بُری

سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے ○

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ

اٹھانے والے ہیں ○ اور بےشک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے جن اور انسان پیدا کیے

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ

جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں ،

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ

اور ان کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں ، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ

وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ○ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے

بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا

اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں ، جو کچھ وہ کرتے ہیں عنقریب

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

ان کو اس کی سزا دی جائے گی ○ اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (بھی) ہے جو حق کی

۲۳ ع ۱۰ ۱۲ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں' (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ○ یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء

ہمارے آباء نے کیا تھا اور ہم تو اس کے بعد کی اولاد ہیں 'کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا؟○ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں○ (الاعراف: ۱۷۴-۱۷۲)

بنو آدم سے میثاق لینے کے متعلق احادیث

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا 'پھر اس پشت سے اولاد نکالی پھر فرمایا ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اور اولاد نکالی اور فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر عمل کس چیز میں ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے 'حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے 'اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۶ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۳ 'موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۶۱ 'مسند احمد ج ۱ 'ص ۴۴ 'صحیح ابن حبان 'رقم الحدیث: ۶۱۶۶ 'الشریعہ للآجری 'رقم الحدیث: ۱۷۰ 'کتاب الاسماء والصفات للبیہقی 'ص ۳۲۵ 'المستدرک ج ۱ 'ص ۲۷ 'ج ۲ 'ص ۳۲۴ 'ج ۲ 'ص ۵۴۴ 'التمہید لابن عبدالبر ج ۶ 'ص ۳-۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا 'اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی 'پھر وہ سب روحیں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی۔ پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال 'کہا اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا۔ حضرت آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں! انہوں نے کہا کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں عطا کیے تھے! پس حضرت آدم نے انکار کر دیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا۔ اور آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷ 'جامع البیان جز ۹ 'ص ۱۵۵ 'تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم ج ۵ 'ص ۱۶۱۴)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا 'ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چیونٹوں کی مانند نکالا 'پھر ان کی مدت حیات 'ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں 'انہوں نے کہا کیوں نہیں!

(جامع البیان جز ۹ 'ص ۱۵۰)

محمد بن کعب القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ روحوں کو ان کے اجسام سے پہلے پیدا کیا۔
(جامع البیان ج ۹ 'ص ۱۵۷ 'الدر المنثور ج ۳ 'ص ۵۹۹ 'بحوالہ امام ابن ابی شیبہ)

میثاق لینے کا مقام

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرتے ہی ان کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔

امام ابن ابی حاتم' امام ابن مندہ اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر اس روح کو نکالا جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ (الدر المنثور ج ۳ 'ص ۶۰۰' جامع البیان جز ۹ 'ص ۱۴۹)

امام احمد' امام النسائی' امام ابن جریر' امام ابن مردویہ' امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟
(الدر المنثور ج ۳ 'ص ۶۰۱)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی تعیین میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں' حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا' اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ کلبی سے روایت ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا اور یہ کہ جب حضرت آدم کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتار گیا تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷ 'ص ۲۸۳ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میثاق حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکال کر لیا گیا تھا یا بنو آدم کی پشتوں سے

قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لیا اور احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر یہ میثاق لیا۔ اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو بنی آدم مذکور ہے اس سے مراد حضرت آدم اور ان کی اولاد ہیں۔ اور اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور حدیث میں صرف حضرت آدم کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم اصل ہیں اور اصل کا ذکر کرنے کے بعد فرع کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے' اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنے والا فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے اسناد کر دیا کہ وہ حکم دینے والا ہے۔ (علامہ آلوسی نے یہ جواب علامہ بیضاوی سے نقل کیا ہے)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالذات نکالا' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اولاد ان سے بالذات اور براہ راست پیدا ہوئی اس کو نکالا اور پھر ان کے بیٹوں کی پشت سے ان کی براہ راست پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مظہر اصلی تھے اس لیے کل اولاد کا اسناد ان کی طرف کر دیا' خلاصہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو تفصیلاً۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی پشت سے نکالا گیا اور اجمالاً حضرت آدم علیہ السلام کی

پشت سے نکالا گیا۔ قرآن مجید میں تفصیلاً بیٹوں کی پشت سے تمام اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو اجمالاً نکالنے کا ذکر ہے۔

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ دو مرتبہ میثاق لیا گیا ہو ایک مرتبہ حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو اور دوسری بار ان کے بیٹوں کی پشت سے اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے اولاد کو نکال کر میثاق لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔

میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے○

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ اقرار اضطراری تھا بایں طور کہ ان پر حقیقت واقعی منکشف کر دی گئی تھی اور انہوں نے عین الیقین سے مشاہدہ کر لیا تھا تو ان کے لیے جائز ہو گا کہ وہ قیامت کے دن یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس وقت اقرار کیا تھا جب ہم پر یہ حقیقت منکشف کر دی گئی تھی اور جب ہم سے یہ انکشاف زائل کر دیا گیا اور ہم کو ہماری آراء کے حوالے کر دیا گیا تو ہم میں سے بعض صحت اور صواب کو پہنچے اور بعض سے خطا ہوئی' اور اگر انہوں نے اس دن نظر اور فکر سے استدلال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے صحت اور صواب کو پہنچ کر اقرار کیا تھا تو وہ قیامت کے دن یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح پہلے دن ہماری نصرت اور تائید کی گئی تھی اگر بعد میں بھی ہمیں یہ نصرت اور تائید حاصل ہوتی تو بعد میں بھی ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور شرک نہ کرتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی عقل اور بصیرت رکھ دی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کے ادراک پر قادر تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقرار اضطراری تھا اور حقیقت واقعی ان پر منکشف کر دی گئی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں جسمانی تولد کے بعد ان کو ان کی آراء کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے جھوٹو! تم کو تمہاری آراء کے حوالے کب کیا گیا تھا ہم نے تمہارے پاس اپنے نبی اور رسول نہیں بھیجے تھے جو تم کو خواب غفلت سے جگا رہے تھے اور تم کو اس عہد اور میثاق کی یاد دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر اور اپنے رسولوں کے صدق پر دلائل قائم کر دیے ہیں اور جب رسولوں نے یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ازل میں یہ میثاق لیا تھا اور ان کا صدق معجزہ سے ثابت ہو چکا ہے تو اب جو شخص اس میثاق کا انکار کرے گا وہ معاند ہو گا اور اس عہد کا توڑنے والا ہو گا اور مخبر صادق کی خبر کے بعد اس کے بھول جانے اور یاد نہ رہنے کا عذر معتبر نہیں ہو گا۔

کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ذی النون سے پوچھا گیا کیا آپ کو یہ میثاق یاد ہے؟ انہوں نے کہا گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آ رہی ہے اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ لگتا ہے کہ یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۰۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی ﷺ کا اصل کائنات ہونا

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے نبی ﷺ کے ذرہ نے جواب دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا:

ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (حم السجدہ: ۱۱) خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ (تو) دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی ﷺ کا ذرہ تھا۔ اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ تھا اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا' پھر اسی کو پھیلایا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور جب آپ کی تربت (مٹی) شریفہ کعبہ کی مٹی تھی تو آپ ﷺ کا مدفن بھی مکہ میں ہونا چاہیے تھا' کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے' لیکن کہا گیا ہے کہ جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی ﷺ کا مبدء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کا مدفن اقدس ہے۔ اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی ﷺ تخلیق کی اصل ہیں اور تمام کائنات آپ کی تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام مخلوق کی ام (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ کا لقب امی ہے۔

(روح المعانی ج ۹' ص ۱۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) ان پر اس شخص کا حال بیان کیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیاo اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے ذریعہ اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے' یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں آپ (لوگوں کے سامنے) یہ واقعات بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریںo کیسی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھےo (الاعراف: ۱۷۷-۱۷۵)

واتل علیھم نبا الذی کے شان نزول میں مختلف روایات

ان آیتوں میں نبی ﷺ کو جس شخص کا قصہ بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے قرآن مجید اور احادیث میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے نہ اس کی صفت اور اس کی شخصیت کا تذکرہ ہے۔ البتہ مفسرین نے اس کے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ وہ بنو اسرائیل کا ایک شخص تھا اور اس کا نام بلعم بن ابر تھا۔ عمران بن حصین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام بلعم بن باعریا بلعم بن باعوراء تھا۔ نافع بن عاصم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا نام امیہ بن ابی الصلت تھا۔

(جامع البیان ج ۹' ص ۱۶۳-۱۶۰' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عکرمہ نے کہا بلعام نبی تھا اور اس کو کتاب دی گئی تھی' مجاہد نے کہا اس کو نبوت دی گئی تھی اس کی قوم نے اس کو رشوت دی کہ وہ خاموش رہے' اس نے ایسا ہی کیا اور ان کو ان کے فسق و فجور پر ملامت نہیں کی۔ علامہ ماوردی نے کہا یہ اقوال صحیح نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی شخص کو نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے جس کے متعلق اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت ترک نہیں کرے گا اور معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۲۸۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام حسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور ابن اسحاق وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو بلعم کی قوم بلعم کے پاس گئی۔ بلعم کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم تھا۔ ان لوگوں نے بلعم سے کہا موسیٰ بہت سخت آدمی ہے اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ اور وہ ہم کو ہمارے شہروں سے نکالنے اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے آیا ہے' وہ ہم کو قتل کرکے ہمارے شہروں میں بنو اسرائیل کو آباد کرے گا اور تم وہ شخص ہو جو مستجاب الدعوات ہے (جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ان کو یہاں سے بھگا دے۔ بلعم نے کہا تم پر افسوس ہے وہ اللہ کے نبی ہیں' ان کے ساتھ فرشتے اور مومنین ہیں' میں ان کے خلاف کیسے بددعا کر سکتا ہوں' اور مجھے اللہ تعالیٰ سے جو علم ملا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں نے ان کے خلاف بددعا کی تو میری دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے بار بار اصرار کیا تو اس نے کہا اچھا میں استخارہ کرتا ہوں اور اس کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ استخارہ کرنے کے بعد دعا کرتا تھا۔ اس کو نیند میں یہ بتایا گیا کہ ان کے خلاف بددعا نہ کرنا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا میں نے استخارہ کیا تھا اور مجھے ان کے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر اس کی قوم نے اس کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا' انھوں نے دوبارہ اس سے بددعا کرنے کے لیے کہا' اس نے پھر استخارہ کیا اس دفعہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کی قوم نے کہا اگر اللہ کو یہ بددعا کرنا پسند نہ ہوتا تو وہ تم کو پہلی بار کی طرح صراحتاً منع فرما دیتا' وہ اس سے مسلسل اصرار کرتے رہے' حتیٰ کہ وہ ان کے کہنے میں آگیا وہ ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوا گدھی نے اس کو کئی بار گرایا وہ پھر سوار ہو جاتا تھا۔ بالآخر اللہ کے حکم سے گدھی نے اس سے کلام کیا اور کہا افسوس ہے بلعم تم کہاں جا رہے ہو' کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ فرشتے مجھے جانے سے روک رہے ہیں۔ کیا تم اللہ کے نبی اور فرشتوں کے خلاف بددعا کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ بلعم باز نہیں آیا وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بددعا کرنے لگا۔ وہ بنو اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان پر اس کی قوم کے خلاف بددعا کے الفاظ آجاتے تھے' اس کی قوم نے کہا اے بلعم یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو ہمارے خلاف بددعا کر رہے ہو اس نے کہا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے' اللہ کی قدرت مجھ پر غالب آگئی' پھر اس کی زبان نکل کر اس کے سینہ کے اوپر لٹک گئی' اس نے کہا میری تو دنیا اور آخرت برباد ہو گئی۔ اب میں تمہیں ان کے خلاف ایک تدبیر بتاتا ہوں' تم حسین و جمیل عورتوں کو بنا سنوار کر ان کے لشکر میں بھیج دو' اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی ان کے ساتھ بدکاری کر لی تو تمہارا کام بن جائے گا کیونکہ جو قوم زنا کرے اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اس کو کامیاب ہونے نہیں دیتا۔

بنو اسرائیل کے ایک شخص جس کا نام زمری بن شلوم تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود کستی نامی ایک کنعانی عورت کے ساتھ بدکاری کی جس کی پاداش میں اسی وقت بنو اسرائیل پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کا مشیر فنحاص بن العیزار نامی ایک اسرائیلی شخص تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا' جب وہ آیا اور اس کو زمری بن شلوم کی سرکشی کا پتہ چلا تو اس نے خیمہ میں گھس کر زمری اور اس عورت دونوں کو قتل کر دیا۔ تب طاعون کا عذاب ان سے اٹھا لیا گیا لیکن اس اثناء میں ستر ہزار اسرائیلی طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے۔

مقاتل نے کہا کہ بلقاء کے بادشاہ نے بلعام سے کہا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف بددعا کرو' اس نے کہا وہ میرے ہم مذہب ہیں میں ان کے خلاف بددعا نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے اس کو سولی دینے کے لیے صلیب تیار کی وہ ڈر گیا اور گدھی پر سوار ہو کر بددعا کرنے کے لیے گیا۔ گدھی راستہ میں رک گئی اور چلتی نہ تھی وہ گدھی کو مارنے لگا گدھی نے کہا مجھے کیوں مارتے ہو؟ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ پھر وہ لوٹ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! ہم کس وجہ سے میدان تیہ میں بھٹک

رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلعام کی دعا کی وجہ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! جس طرح تو نے میرے خلاف اس کی دعا سن لی ہے اسی طرح اس کے خلاف میری دعا بھی قبول فرما! پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اس سے اسم اعظم چھین لیا جائے اور اس سے ایمان سلب کر لیا جائے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانسلخ منھا یعنی اس سے ایمان اور اسم اعظم چھین لیا گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۶۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص' سعید بن المسیب' زید بن اسلم اور لیث بن سعد نے بیان کیا کہ یہ آیت امیہ بن الصلت ثقفی کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے کتاب (تورات) کو پڑھا تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول بھیجنے والا ہے' اس کو امید تھی کہ وہ متوقع رسول وہ ہو گا' اور جب اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو رسول بنا دیا تو اس نے آپ سے حسد رکھا اور آپ کا کفر کیا' وہ بہت حکمت والا اور نصیحت کرنے والا تھا۔ وہ بعض ممالک کے دورہ پر گیا جب وہ واپس آیا تو مقتولین بدر کے پاس سے گزرا۔ اس نے ان کے متعلق پوچھا اس کو بتایا گیا کہ ان کو سیدنا محمد ﷺ نے قتل کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہوتے تو اپنے رشتے داروں کو قتل نہ کرتے' آخر کار وہ کفر پر ہی مر گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۶۱۶' معالم التنزیل ج ۲' ص ۱۸۰-۱۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ان روایات کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو عامر راہب کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو نبی ﷺ نے فاسق فرمایا تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں راہب تھا جب اسلام آیا تو یہ شام چلا گیا اور اس نے منافقین کو مسجد ضرار بنانے کا حکم دیا اور یہ قیصر کے پاس گیا اور اس کو نبی ﷺ کے خلاف لڑنے پر ابھارا' اور یہ وہیں پر مر گیا۔ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے اور حسن اور اصم نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی ﷺ کو پہچانتے تھے' اور قتادہ' عکرمہ اور ابو مسلم کا قول یہ ہے کہ یہ ان تمام لوگوں کے متعلق عام ہے جن کو ہدایت دی گئی اور انہوں نے ہدایت سے اعراض کیا پھر ان سے ہدایت چھین لی گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بد عمل اور رشوت خور عالم کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تو وہ ان کی اطاعت سے نکل گیا۔

اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو دلائل توحید کی تعلیم دی اور وہ ان کا عالم ہو گیا پھر وہ اللہ کی اطاعت سے اس کی معصیت کی طرف اور اس کی محبت سے اس کی ناراضگی کی طرف نکل گیا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس پر توحید کی ہدایت پیش کی لیکن اس نے ہدایت کو قبول نہیں کیا اور کفر پر برقرار رہا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس شیطان نے اس کا پیچھا کیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جس شخص کو ہدایت دی گئی اور اس نے ہدایت سے اعراض کر کے خواہش نفس اور گمراہی کو اختیار کر لیا اور دنیا کی دلچسپیوں کی طرف راغب ہوا حتیٰ کہ وہ شیطان کا ہم نوا ہو گیا تو اس کا انجام آخرت کی ناکامی اور نامرادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کے حال سے عبرت پکڑیں۔

پھر فرمایا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلندی عطا کرتے مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اس کے اور اس کے کفر کے درمیان اپنی حفاظت کو حائل کر دیتے بایں طور کہ اس کو قہراً اور جبراً ہدایت پر قائم کر دیتے لیکن ایسا کرنا اس کو مکلف کرنے کے منافی تھا' اس لیے ہم نے اس کو اس کے اختیار پر قائم رکھا اور اس نے اپنے اختیار سے ہدایت کی بلندی کے بجائے گمراہی کی پستی کو اختیار کر لیا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الانعام: ۱۴۹) سو اگر اللہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت عطا فرماتا۔

لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا۔

(الرعد: ۳۱)

ان آیات میں علماء کے لیے بہت سخت حکم ہے 'کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات بینات کا علم عطا فرمایا اور اس کو اپنے اسم اعظم کی تعلیم دی اور اس کو مستجاب الدعوات بنایا یعنی اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب اس نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی تو وہ دین سے نکل گیا اور کتے کی مانند ہو گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی بہت زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو اس پر گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے سو اگر وہ شخص ہدایت سے اعراض کرے اور خواہش نفس کی پیروی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے بہت زیادہ دور ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا علم زیادہ ہو اور اس کی دنیا میں بے رغبتی زیادہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہی دور ہو گیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج ۳' رقم الحدیث: ۵۸۸۷' الجامع الصغیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳۹۷' کنز العمال ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۹۰۱۶)

اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ جو علم اللہ کی اطاعت کے ماسوا کا ہو وہ گناہوں کا مادہ ہے۔ علم کی اصل عبادت کی طرف رغبت ہے اور اس کا ثمرہ سعادت ہے۔ اور زہد کی اصل خوف خدا ہے اور اس کا ثمرہ عبادت ہے۔ پس جب زہد اور علم مل جائیں تو سعادت مکمل ہو جاتی ہے۔ حجت الاسلام نے کہا طلب علم میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں 'ایک وہ شخص ہے جو علم کو آخرت کے زاد راہ کے لیے طلب کرتا ہے' وہ علم سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو علم کو دنیا کے مال و متاع کے لیے طلب کرتا ہے اگر توبہ سے پہلے اس کو موت آگئی تو اس کے برے خاتمہ کا اندیشہ ہے 'اور اگر اس کو توبہ کی مہلت مل گئی تو یہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس پر شیطان غالب ہوتا ہے اور وہ اپنے علم کو مال کی کثرت کا ذریعہ بناتا ہے اور اپنے پیروکاروں کی کثرت کی بنا پر تکبر کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نیکوں میں سے شمار کرتا ہے' سو یہ شخص ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

مسند الفردوس کی یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں موسیٰ بن ابراہیم ہے۔ امام دار قطنی نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے روضۃ العقلاء میں اس کو موقوف قرار دیا ہے' یہ حضرت علی کا قول ہے۔ امام ازدی نے کتاب الضعفاء میں حضرت علی سے روایت کیا ہے جس شخص کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو پھر اس کے دل میں دنیا میں محبت زیادہ ہو تو اس پر اللہ کا غضب زیادہ ہوتا ہے۔ (فیض القدیر ج ۱۱' ص ۵۶۲۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

بد عمل اور رشوت خور عالم کی کتے کے ساتھ مماثلت کا بیان

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے یا چھوڑ دو پھر بھی وہ ہانپ کر زبان نکالے۔

قرآن مجید میں یلهث کا لفظ ہے اور جب کتا شدید تھکاوٹ کی وجہ سے یا شدید گرمی اور پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالے تو اس کو عربی میں لهث کہتے ہیں۔

جو عالم دین دنیا کے مال و متاع کی وجہ سے دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے اس آیت میں اس کی مثال ہانپنے والے کتے

سے دی گئی ہے۔ کتا بہ ذات خود ذلیل جانور ہے اور ذلیل تر وہ کتا ہے جو ہر وقت ہانپتا رہتا ہو اور زبان باہر نکالے رہتا ہو خواہ تھکاوٹ ہو یا نہ ہو یا شدید گرمی اور پیاس ہو یا نہ ہو گویا کہ ہانپنا اور زبان باہر نکالنا اس کی طبیعت ثانیہ اور عادت اصلیہ بن گئی ہو۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کی عزت اور کرامت سے نوازا ہو اور اس کو لوگوں کے مال کے مال کچیل لینے سے مستغنی کر دیا ہو' پھر وہ دین کے واضح احکام سے اعراض کر کے دنیا کی طرف جھکے اور اس خبیث عمل اور قبیح فعل پر برقرار رہے اور اس کو پسند کرے تو وہ اپنی طبعی دناءت اور خست کی وجہ سے یہ مذموم کام کر رہا ہے اس کو اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے' جیسا کہ ہر وقت ہانپنے والا کتا کسی ضرورت اور حاجت کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی فطرت ثانیہ کی وجہ سے ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ کتے کے ساتھ اس لیے مثال دی گئی ہے کہ حدیث میں دنیا کو مردار اور اس کے طلب گاروں کو کتا قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی المتوفی ۵۰۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ دنیا کی مثال ایسے مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو گئے ہوں اور اس کو گھسیٹ رہے ہوں تو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم ان کی مثل کتے ہو اور ان کے ساتھ (اس مردار کو) گھسیٹو۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج ۱' رقم الحدیث: ۵۰۲' الدر المنتثرہ رقم الحدیث: ۲۴۲' ص ۱۴۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۰۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۲۱۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کتے پر حملہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا اور اگر اس پر حملہ نہ کرو پھر بھی زبان نکالے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ زبان نکال کر ہانپنا اس کی فطرت ثانیہ اور عادت اصلیہ بن چکی ہے۔ اسی طرح جو شخص گمراہ ہو اور مال پر حریص ہو اس کو تم نصیحت کرو پھر بھی گمراہی پر برقرار رہے گا اور مال کی حرص کرے گا اور اگر اس کو نصیحت کرنا چھوڑ دو پھر بھی وہ گمراہی پر برقرار رہے گا اور مال کی حرص کرے گا۔

ہانپنے والے کتے کی مثال کا تمام گمراہوں اور کافروں کو شامل ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ مثال ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پہلے اہل مکہ یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی ہدایت دینے والا ہادی آئے جو ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف ہدایت دے' پھر جب ان کے پاس ایک ایسا شخص کریم آیا جس کی امانت اور دیانت میں ان کو کوئی شک نہیں تھا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اللہ کی اطاعت نہ کی۔ سو جب انہیں اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی دعوت نہیں دی گئی تھی جب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے اور جب انہیں یہ دعوت دی گئی تب بھی وہ اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے اعراض کرتے تھے تو ان پر یہ مثال منطبق ہو گئی کہ وہ اس ہانپنے والے کتے کی طرح ہیں کہ تم اس پر حملہ کرو تو پھر بھی وہ ہانپتا ہے اور حملہ نہ کرو تو وہ پھر بھی ہانپتا ہے۔

آیات مذکورہ سے مستنبط شدہ احکام شرعیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیسی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ کتے کی مثل ہے اور یہ کیسی بری مثال ہے' کتے کی فطرت یہ ہے کہ وہ اجنبی شخص پر بھونکنے لگتا ہے اور اگر وہی شخص اسے کوئی روٹی کا ٹکڑا یا ہڈی ڈال دے تو وہ اس کے آگے دم ہلانے لگتا

ہے' اس طرح جو بے ضمیر اور رشوت خور علماء اور حکام ہیں وہ لوگوں کو سخت سزاؤں اور جرمانوں سے ڈراتے ہیں اور جب ان کو رشوت کی ہڈی پیش کردی جائے تو وہ ان کے موافق ہو جاتے ہیں۔ ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ ایک شخص کو اللہ کی آیات کا علم دیا گیا لیکن جب اس نے رشوت لے کر غلط کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ علم چھین لیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بے قصور کو نقصان پہنچانے کے لیے یا ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے' ہاں اپنا حق لینے کے لیے یا اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے اگر رشوت دینا ناگزیر ہو تو رشوت دینا جائز ہے البتہ رشوت لینا ہر صورت میں ناجائز ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی عالم کی تقلید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دلائل کا علم دیا جو اس سے چھین لیا گیا' اور خاص طور پر علماء کو اس آیت سے ڈرنا چاہیے کیونکہ ایک عالم کی غلط کاری کی وجہ سے اس کا علم چھین لیا گیا۔ اس لیے علماء کو غلط کاموں کے ارتکاب سے خصوصاً رشوت لے کر غلط کام کرنے سے بچنا چاہیے مبادا ان کا انجام بھی بلعم بن باعوراء کی طرح ہو۔ حکومت بعض علماء کو مختلف مناصب' مراعات اور وظائف دے کر ان سے اپنے حق میں فتوے لیتی ہے اور اپنے موافق بیان دلواتی ہے اگر یہ فتوے اور بیان قرآن اور سنت کی نصوص صریحہ کے خلاف اور ان سے متصادم ہوں تو پھر یہ لوگ اپنے دور کے بلعم بن باعوراء ہیں اور انہیں اس کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہی پر رکھے سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں○ اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے ایسے انسان اور جن پیدا کیے جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں' وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں' وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں○ (الاعراف: ۱۷۸-۱۷۹)

ہدایت اور گمراہی کا اللہ کی جانب سے ہونے کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو بہت بری مثال سے واضح فرمایا ہے۔ اس لیے یہاں پر یہ فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی جانب سے ہیں تو کسی شخص کا ہدایت یافتہ ہونا دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے اور کسی شخص کا گمراہ ہونا دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا پیدا کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور ان کا اختیار کرنا بندہ کی طرف مفوض ہے' بندہ اگر ہدایت کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ہدایت کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس اختیار کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ بہت غامض بحث ہے۔ اس کی تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۷' ص ۲۶۷-۲۶۹ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت پر اشکال کے حسب ذیل جوابات بھی دیے گئے ہیں:

۱- جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت اور ثواب کی طرف ہدایت دے گا وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت سے گمراہ کر دے گا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۲- جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اس نے اس ہدایت کو قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۳- جس نے ہدایت کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس پر خاص لطف و کرم فرمایا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم سے محروم ہو گیا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

بہت سے جنات اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے انسان اور جن پیدا کیے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جن انسانوں اور جنات کے متعلق ازل میں یہ علم تھا کہ وہ کفر پر اصرار کریں گے اور ان کی موت کفر پر ہوگی ان کو اللہ تعالیٰ نے انجام کار دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ عاقبت کا ہے جس کا معنی ہے انجام کار۔ اس کی مثال حسب ذیل آیات ہیں:

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ (یونس: ۸۸)

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے عمال حکومت کو زینت کا سامان اور دنیا کی زندگی کے بہت اموال دیے ہیں تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کریں۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: ۸)

سو اس (موسیٰ) کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور رنج و غم کا باعث ہو جائے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کے اذہان حق کی معرفت کو قبول نہیں کریں گے اور یہ اپنی آنکھوں سے مخلوقات میں اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیات جب تلاوت کی جائیں گی تو یہ ان کو غور و فکر سے نہیں سنیں گے، کفر پر اصرار اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے قلوب ملوف ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹیں ہیں۔ اس آیت سے مقصود یہود کا حال بیان کرنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں، حالانکہ ان کو علم الیقین ہے کہ ان کی کتابوں میں جس نبی کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یہی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ، اور یہ ان بہت سے لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں گویا کہ ان کو پیدا ہی دوزخ کے لیے کیا گیا ہے۔

(الکشاف ج ۲، ص ۱۷۸-۱۷۷، مطبوعہ قم، ایران، ۱۴۱۳ھ)

اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اگر یہ ضدی اور معاند مشرکین ایمان نہیں لاتے اور آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتے تو آپ پریشان نہ ہوں یہ ضدی مشرکین ان لوگوں میں سے ہیں جن کو انجام کار دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے آپ ملول خاطر نہ ہوں آپ اپنے دینی معاملات میں اور اپنے متبعین کے ساتھ مشغول رہیے اور ان کی پرواہ نہ کیجئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جنات تو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں ان کو آگ کے عذاب کی کیا تکلیف ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر اس کو اینٹ ماری جائے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے حالانکہ اینٹ بھی مٹی سے بنی ہوئی ہے۔ سو اسی طرح جنات کو بھی آگ سے تکلیف ہوگی خواہ وہ آگ سے بنے ہوئے ہیں۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اور انس کو پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں' اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ واضح تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' سو جو اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا' اور دوزخ میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو پیدا نہیں فرمایا لیکن جو اپنے اختیار اور ارادے سے کفر کریں گے اور اپنے مقصد تخلیق کے خلاف کام کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ انجام کار دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور دوزخ میں داخل کرنا مقصد تخلیق نہیں ہے۔ اس لیے ان آیتوں میں تعارض نہیں ہے۔

عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں (مگر) وہ ان سے سنتے نہیں۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی وحدانیت کے دلائل پر دل سے غور و فکر نہیں کرتے' اور اس کائنات میں اس کے وجود پر جو نشانیاں ہیں ان کا آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کرتے' اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی جو تلاوت کی جاتی ہے اس کو کانوں سے غور سے نہیں سنتے اور نہ وعظ اور نصیحت کو سنتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے جن کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ امام فخر الدین رازی شافعی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ علم کا محل قلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور مذمت فقہ اور فہم کی ان کے دلوں سے نفی کی ہے اور یہ اسی وقت درست ہوگا جب فقہ اور فہم کا محل قلب ہو۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۱۱ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا' جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کی حدود کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر لیں' سنو ہر بادشاہ کی ایک خاص حد ہوتی ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں اور سنو جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲، ۲۰۵۱' صحیح مسلم المساقات' ۱۰۷ (۱۵۹۹) ۴۰۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۰' ۳۳۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: سنو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہے سر میں نہیں ہے' اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعیہ) اور جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ عقل قلب میں ہے' اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ

عقل دماغ میں ہے۔ علامہ مازری لکھتے ہیں عقل کے قلب میں ہونے کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں فتکون لھم قلوب یعقلون بھا "کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے" اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب "بے شک اس میں دل والے کے لیے نصیحت ہے"۔ ان آیات کے علاوہ اس حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عقل دل میں ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہو اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲' ص ۲۸' مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہونے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا۔ اگر چربی بڑھ جانے اور مٹاپے سے عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز' ذہنی انتشار' انجانا خوف' نسیان' مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات' احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اور اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو' عرف' محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک' سوچ و بچار' احساسات' جذبات' خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال

آیا' میرا دل اس کو نہیں ملتا' حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں الفت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و انزل من السماء ماء اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (البقرہ: ۲۲) حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی' اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا۔ نیز ارشاد ہے حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئة (الکہف: ٨٦) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا' حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے' اور عقلاء اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

مذکورہ حدیث میں صراحتاً عقل اور ادراک کی دل کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہو گا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے۔ علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں: عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل مخ (مغز) ہے' جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔

(دائرۃ المعارف القرن العشرین ج ٦' ص ۵۲۲' مطبوعہ بیروت)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے ایک قول یہ ہے اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔ (کتاب التعریفات ص ٦۵' مطبوعہ ایران)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ (شرح العقائد ص ١٦' مطبوعہ دہلی)

علامہ زبیدی نے اشبیلی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملکہ ہے جس کی وجہ سے نفس میں علوم

اور ادراکات کی صلاحیت ہے' اور اگر عقل جوہر ہے تو وہ ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔

(تاج العروس' ج ۸' ص ۲۶' مطبوعہ مصر)

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کو ذکر کیا ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔

(تاج العروس' ج ۸' ص ۲۵' مطبوعہ مصر)

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم خطاب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (اقرب الموارد' ج ۲' ص ۸۱۲' مطبوعہ ایران)

محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے۔ شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت لازم ہوگی اور اس میں موضحہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے' در مختار) کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی' اور حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس میں موضحہ کی ارش داخل نہیں ہوگی' کیونکہ جنایت (ضرب لگانے) کا محل مختلف ہے کیونکہ موضحہ کا محل اور ہے اور عقل کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب موضحہ بالوں کے ساتھ ہو' ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جانا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بہائم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مرجائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔ (المبسوط ج ۲۶' ص ۹۹' مطبوعہ بیروت)

شمس الائمہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے مکمل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی' ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے۔ علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمان بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمداً ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہوگئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہوگئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو موضحہ کا قصاص لیا جائے گا اور مامومہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقلہ دیت ادا کریں گے' اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہوگئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو موضحہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے اگر علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہو تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول نہیں کی جائے گی۔

(المدونۃ الکبریٰ' ج ۴' ص ۴۸۷' مطبوعہ بیروت)

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل دماغ میں ہے۔ امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن بن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں:

القلب قطعة من دم جامدة سوداء وهو مستكن في الفواد و هو بيت النفس و مسكن العقل۔

قلب سیاہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا ہے یہ دل کی کوٹھڑی ہے نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔

(زاد المسیر ج ۱، ص ۲۸، مطبوعہ بیروت)

کفار کا جانوروں سے زیادہ گم راہ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

انسان اور باقی حیوانات غذا حاصل کرنے کی قوت، نشوونما کی قوت اور تولید کی قوت میں مشترک ہیں، نیز حواس ظاہرہ اور باطنہ میں بھی مشترک ہیں اور تخیل، توہم اور تذکر کے احوال میں بھی مشترک ہیں، انسان اور باقی حیوانات کے درمیان صرف قوت عقلیہ اور فکریہ کی وجہ سے امتیاز ہے جو قوت حق اور خیر کی طرف ہدایت دیتی ہے تاکہ حق اور خیر کے تقاضوں پر عمل کیا جائے۔ جب کفار نے قوت عقلیہ اور فکریہ سے کام لینے سے اعراض کیا اور اس کے توسط سے حق کی معرفت حاصل کرنے اور نیک کام کرنے سے روگردانی کی تو وہ جانوروں کی مانند ہو گئے بلکہ ان سے زیادہ گمراہ، کیونکہ حیوانات کو ان فضائل کے حصول پر کوئی قدرت نہیں ہے اور انسان کو ان کے حصول کی قدرت دی گئی ہے، اور جو لوگ قدرت کے باوجود ان عظیم فضائل کے حصول سے روگردانی کریں ان کا حال ان سے زیادہ خسیس ہو گا جو عجز کی وجہ سے ان فضائل کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس لیے بھی کہ جانور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور کفار اپنے رب کے اطاعت گزار نہیں ہیں اور اس لیے بھی کہ جب جانوروں کو کوئی راہ دکھانے والا ہو تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور راستہ سے نہیں بھٹکتے اور کفار کو انبیاء علیہم السلام سیدھا راستہ دکھاتے تھے لیکن وہ ان کی مخالفت کر کے گمراہی کو اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں، جو کچھ وہ کرتے ہیں عنقریب ان کو اس کی سزا دی جائے گی ○ (الاعراف: ۱۸۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بہت سے جنات اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں، اور اس آیت میں فرمایا اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ غفلت اور عذاب جہنم سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو، اور اصحاب ذوق اور ارباب مشاہدہ کا وجدان یہ ہے کہ دل جب اللہ کی یاد سے غافل ہو اور دنیا اور اس کی دلچسپیوں اور رنگینیوں کی طرف متوجہ اور راغب ہو تو وہ حرص کی آگ اور زمہریر کے بعد اور حجاب میں واقع ہو جاتا ہے اور جب دل میں اللہ کی یاد اور اس کی معرفت ہوتی ہے تو وہ آفتوں اور مصیبتوں کی آگ اور ناکامی اور نامرادی پر حسرتوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا معنی

اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ اسماء احسن معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الفاظ

ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ عزوجل پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم الملک القدوس (الحدیث) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۹۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸) اور ایک قول یہ ہے کہ ان اسماء سے مراد صفات ہیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اللہ کے اوصاف حسنیٰ ہیں۔ مثلاً اللہ علم قدیم کے ساتھ عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا خالق ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ ہو جاتی ہے وغیرہ۔ کیونکہ اسم کا اطلاق صفت پر بھی ہوتا ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کو صرف ان ہی اسماء حسنہ کے ساتھ پکارے' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں نہ کہ اصطلاحیہ' لہٰذا اللہ تعالیٰ کو یا جواد کہنا جائز ہے اور یا سخی کہنا جائز نہیں ہے' اور اس کو یا عالم کہنا جائز ہے اور یا فقیہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اور یا عاقل کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے یخادعون اللہ وھو خادعھم (النساء: ۱۴۲) اور ومکروا ومکر اللہ (آل عمران: ۵۴) لیکن دعا میں یا مخادع اور یا مکار کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ افعال کے اطلاق سے مشتق کا اطلاق لازم نہیں آتا' اور یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا رب ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں ہے یا خالق الخنزیر' یا خالق الخبائث۔

مقاتل رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے نماز میں اللہ اور رحمٰن سے دعا کی تو ایک مشرک نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ ہم رب واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں (یعنی اللہ اور رحمٰن کو) تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو' ان اسماء میں سے جس نام کے ساتھ بھی پکارو اس کے اسماء حسنہ ہیں۔

(حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۲' ص ۲۸۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی بحث میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسم مسمی کا عین ہے یا غیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء کا توقیفی ہونا بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کا بیان کریں گے اور آخر میں اسم اعظم کے متعلق بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

اسم مسمیٰ کا عین ہے یا غیر

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ اسم مسمی کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمی کا عین ہے' اس کی تحقیق یہ ہے کہ اسم کا اطلاق کبھی کلمہ پر ہوتا ہے اور کبھی اسم کا اطلاق ذات اور مسمی پر ہوتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ حقیقی اطلاق کون سا ہے' اشاعرہ نے کہا کہ اسم کا اطلاق کلمہ پر حقیقت ہے اور مسمی پر مجاز ہے اور معتزلہ کا قول اس کے برعکس ہے اور استاذ ابو منصور نے کہا کہ اسم دونوں میں مشترک ہے۔

اشاعرہ کے دلائل میں سے یہ ہے کہ جب کسی معین شخص کا نام پوچھا جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس شخص کا اسم کیا ہے؟ پھر جواب میں وہ کلمہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے وہ شخص دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اسم کی حقیقت وہ کلمہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں سو اگر اسم مسمی کا عین ہو تو متعدد خداؤں کا ہونا لازم آئے گا۔

معتزلہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سبح اسم ربک الاعلی (الاعلیٰ: ۱) "اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کیجئے" اور تسبیح اللہ کی ذات کی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسم اس کی ذات کا عین ہے۔ بہرحال اس مسئلہ میں ہر فریق کے

دلائل اور ان کے جوابات موجود ہیں۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۷۴۔ ۷۳ بیروت)

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے کی تحقیق

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اطلاق کیا ہو یا اس کے رسول ﷺ نے اس اسم کا اطلاق کیا ہو یا اس اسم کے اطلاق پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق کرنا) اور جس اسم کے اطلاق پر اذن شرعی ہو نہ ممانعت ہو اس میں اختلاف ہے۔ اس میں ایک قول توقف کا ہے اور ایک قول ممانعت کا ہے۔ علامہ ابن رشد نے اس قول کو امام اشعری اور امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ مقترح نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ ممانعت حکم شرعی ہے اور بغیر دلیل سمعی کے ممانعت شرعی کا حکم صحیح نہیں ہے۔ مقترح نے کہا اگر اس لفظ سے کسی محال معنی کا وہم ہو تو پھر اس اسم کا اطلاق ناجائز ہے اور اگر کسی محال معنی کا وہم نہ ہو تو پھر اس قسم کا اطلاق جائز ہے۔ علامہ باقلانی نے کہا ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے بشرطیکہ اس کی ممانعت پر اجماع نہ ہو۔ اس لیے سید اور حنان کا اطلاق جائز ہے اور عاقل اور فقیہ کا اطلاق ناجائز ہے۔ البتہ امام مالک نے سید اور حنان کے اطلاق سے منع کیا ہے۔ علامہ باقلانی نے کہا اللہ تعالیٰ نے جن افعال کے ساتھ خود کو موصوف کیا ہے ان کے اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور وہ قرآن میں مذکور ہیں تو ان کا جتنا اطلاق قرآن مجید میں آگیا ہے بس اتنا اطلاق جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اللہ یستھزئ بھم اس کی وجہ سے مستہزئ کا اور سخر اللہ منھم اس کی وجہ سے ساخر کا اطلاق جائز نہیں ہے اور متکلمین اللہ تعالیٰ پر صانع، واجب الوجود اور موثر کا اطلاق بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۷۷۔ ۷۶ مطبوعہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں اختلاف ہے، آیا یہ توقیفی ہیں یا نہیں۔ توقیفی کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اور سنت کی نص کے علاوہ کسی اسم کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہ ہو۔ امام فخرالدین رازی نے یہ کہا کہ ہمارے اصحاب کا مشہور قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اور معتزلہ اور کرامیہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی لفظ کی اللہ پر دلالت عقلاً صحیح ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ قاضی ابوبکر اور امام غزالی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اور صفات توقیفی نہیں ہیں۔ (اس کے برخلاف جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اسماء غیر توقیفی ہیں اور صفات توقیفی ہیں۔ سعیدی غفرلہ) امام غزالی کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا وہ نام رکھیں جو آپ کے والد نے رکھا نہ آپ نے خود رکھا۔ اسی طرح مخلوق میں سے کسی بھی بزرگ شخص کا نام ہم از خود نہیں رکھ سکتے اور جب مخلوق کا نام از خود رکھنا ممنوع ہے تو خالق کا نام از خود رکھنا بہ طریق اولیٰ منع ہونا چاہیے۔ اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے اسم یا صفت کا اطلاق جائز نہیں ہے جس سے نقص کا وہم ہو خواہ نص میں اس لفظ کا اطلاق ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ماہد، زارع اور فالق کہنا جائز نہیں ہے اگرچہ نص قرآن میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ فنعم الماھدون (الذاریات: ۴۸) ام نحن الزارعون (الواقعہ: ۶۴) فالق الحب والنوی (الانعام: ۹۵)

امام ابوالقاسم قشیری نے کہا کہ کتاب، سنت اور اجماع سے جن اسماء کا ثبوت ہو ان اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے اور جس اسم کا ان میں ثبوت نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز نہیں ہے خواہ اس کا معنی صحیح ہو، اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس کے اطلاق کا شریعت میں ثبوت ہو عام ازیں کہ وہ مشتق ہو یا غیر مشتق ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور ہر وہ لفظ جس کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف صحیح ہے' عام ازیں کہ اس میں تاویل ہو یا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اس پر اسم کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔

امام رازی نے کہا کہ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جن صفات کا اللہ تعالیٰ کے لیے ثبوت قطعی ہے ان کا اطلاق مفرد اور مضاف دونوں اعتبار سے صحیح ہے جیسے قادر' قاہر' یا فلاں پر قادر فلاں پر قاہر۔

۲۔ جن صفات کا بہ طور مفرد اطلاق صحیح ہے اور بطور مضاف خاص شرائط کے ساتھ صحیح ہے۔ مثلاً خالق یا ہر چیز کا خالق کہنا صحیح ہے لیکن بندر اور خنزیر کا خالق کہنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ جن صفات کا بطور مضاف اطلاق صحیح ہے اور بہ طور مفرد صحیح نہیں ہے مثلاً منشی کہنا صحیح نہیں ہے اور منشی الخلق کہنا صحیح ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ اگر شریعت میں اس کا سماع ثابت ہو تو اس اطلاق کیا جائے گا ورنہ نہیں' اور تیسری قسم وہ ہے کہ شریعت میں اس کا بہ حیثیت افعال سماع ہے تو انہی کا اطلاق کیا جائے گا اور ان پر قیاس کر کے ان مشتقات کا اطلاق نہیں کیا جائے گا جیسے مکر اللہ اور یستہزئ بھم سو اللہ تعالیٰ پر ماکر اور مستہزی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱۱' ص ۲۲۴۔ ۲۲۳' مطبوعہ لاہور)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جن اسماء اور صفات کے اطلاق کا اذن شرعی ثابت ہے ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز ہے اور جن کی ممانعت ثابت ہے ان کا اطلاق منع ہے' اور جن اسماء کا شریعت میں اذن ہو نہ ممانعت ہو ان کے اطلاق میں اختلاف ہے بہ شرطیکہ وہ ان اسماء میں سے نہ ہوں جو باقی لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم (نام) ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اسماء اعلام کا اطلاق کسی کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ نیز ان اسماء کا اطلاق نقص کا موہم نہ ہو بلکہ مدح کا مظہر ہو' سو ایسے اسماء کے اطلاق کو اہل حق نے منع کیا ہے اور جمہور معتزلہ نے جائز کہا ہے۔ قاضی ابوبکر کا اسی طرف میلان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر خدا اور تنکری کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا اس پر اجماع ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال مردود ہے کیونکہ اگر اجماع ثابت ہو تو وہ اذن شرعی کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور بحث ان اسماء کے اطلاق میں ہے جن کے لیے اذن شرعی نہ ہو۔ (روح المعانی ج ۹' ص ۱۲۱' مطبوعہ بیروت)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو تو اللہ تعالیٰ پر موجود' واجب اور قدیم وغیرہا کا اطلاق کیسے صحیح ہو گا کیونکہ ان کا شریعت میں ثبوت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطلاق اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی دلائل شرعیہ میں سے ہے۔

(شرح العقائد ص ۳۱' مطبوعہ کراچی)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی ان کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق اذن شرعی پر موقوف ہے اور یہ بحث ان اسماء میں نہیں ہے جو لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے بہ طور علم (نام) وضع کیے گئے ہیں بلکہ بحث ان اسماء میں ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہیں۔ سو ان اسماء میں معتزلہ اور کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کسی صفت سے متصف ہونا صحیح ہو تو اس کا

اطلاق جائز ہے خواہ اس کا شرع میں ثبوت ہو یا نہ ہو۔ اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی ابو بکر نے یہ کہا کہ جب کوئی لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو اور اس میں نقص کا وہم نہ ہو تو اس کا اطلاق جائز ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ پر عارف کا اطلاق جائز نہیں' کیونکہ لفظ معرفت سے غفلت کے بعد علم کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے' اسی طرح فقیہ کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو متکلم کی غرض کو سمجھ لے۔ اسی طرح عاقل کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ عاقل اس شخص کو کہتے ہیں جو غلط کام کرنے سے رکے' اور شیخ اور ان کے متبعین نے یہ کہا ہے کہ توقیف ضروری ہے اور یہی مختار ہے۔

(شرح المواقف ص ۶۸۵' مطبوعہ ہند)

واضح رہے کہ علامہ میر سید شریف نے شیخ کے جس قول میں توقیف کو مختار کہا ہے اس کا تعلق ان اسماء سے ہے جو صفات اور افعال سے ماخوذ ہوں کیونکہ نزاع اور بحث انہی میں ہے۔ رہے وہ اسماء جو لغات میں اللہ تعالیٰ کے لیے اعلام ہیں تو ان کے متعلق علامہ میر سید شریف نے تصریح کردی ہے کہ وہ محل نزاع سے خارج ہیں اور ان کے اطلاق کے جواز پر سب کا اتفاق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق اجماع اور اتفاق سے ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس اسماء کی تفصیل جامع ترمذی میں ہے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو' جس نے ان کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ هو الله الذی لا اله الا هو الرحمن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارئ المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلی الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الجليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوی المتين الولی الحميد المحصی المبدئ المعيد المحی المميت الحی القيوم الماجد الواحد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤف مالك الملك ذوالجلال والاكرام المقسط الجامع الغنی المغنی المانع الضار النافع النور الهادی البديع الباقی الوارث الرشيد الصبور۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر نہیں ہے اور اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہ وہ ننانوے نام ہیں جس نے ان ناموں کو گن لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں یہ ہے میں تجھ سے ہر اسم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس اسم کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا جس اسم کو تو نے اپنے علم غیب میں مخصوص کر

لیا ہے' حافظ ابوبکر بن العربی مالکی نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔ ابن العربی نے کہا یہ بہت کم ہیں۔ ان اسماء کی تعیین کا ذکر جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ بعض اسماء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کا تعین اسم اعظم اور لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہے۔ (شرح مسلم ج ۲' ص ۳۴۲' مطبوعہ کراچی)

علامہ قرطبی نے کہا کہ جس شخص نے صحت نیت کے ساتھ جس طرح بھی ان کلمات کو گن لیا' اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (فتح الباری ج ۱۱' ص ۲۲۵' مطبوعہ لاہور)

اسم اعظم کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابو جعفر طبری' امام ابوالحسن الاشعری' امام ابو حاتم بن حبان' قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ نے اسم اعظم کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو بعض دوسرے اسماء پر فضیلت دینا جائز نہیں ہے' اور امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کو اعظم کہنا مکروہ قرار دیا ہے اور جن احادیث میں اعظم کا ذکر ہے اس سے مراد عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء عظیم ہیں۔ امام ابو جعفر طبری نے کہا میرے نزدیک اس سلسلہ میں تمام اقوال صحیح ہیں۔ کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ فلاں اسم اعظم ہے اور کوئی اسم اس سے زیادہ اعظم نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا کسی اسم کے اعظم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس اسم کے ساتھ دعا کرنے والے کو عظیم اجر ملے گا۔ امام جعفر صادق اور جنید وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم میں ڈوب کر دعا کرے وہی اسم اعظم ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اسم اعظم کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی شخص کو اس پر مطلع نہیں کیا۔

بعض علماء اسم اعظم کے ثبوت کے قائل ہیں اور اس کی تعیین میں ان کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں کل چودہ قول ہیں:

۱۔ امام فخرالدین رازی نے بعض اہل کشف سے نقل کیا کہ اسم اعظم "ھو" ہے۔

۲۔ اسم اعظم "اللہ" ہے۔ کیونکہ یہی وہ اسم ہے جس کا اللہ کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا۔

۳۔ اسم اعظم "اللہ الرحمن الرحیم" ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے ایک حدیث روایت کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

۴۔ اسم اعظم "الرحمن الرحیم الحی القیوم" ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے والھکم الہ واحد لاالہ الا ھو الرحمن الرحیم اور سورۂ آل عمران کی ابتداء اللہ لاالہ الا ھو الحی القیوم اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۵۔ "الحی القیوم" کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ بقرہ' آل عمران' اور طٰہٰ۔ حضرت ابو امامہ کہتے ہیں میں نے ان سورتوں میں اسم اعظم کو تلاش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ "الحی القیوم" ہے۔ امام فخرالدین رازی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ربوبیت پر ان کی دلالت سب اسماء سے زیادہ ہے۔

۶۔ "الحنان المنان بدیع السموت والارض ذوالجلال والاکرام الحی القیوم" امام احمد اور امام حاکم نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں اس کی اصل ہے اور امام ابن حبان نے اس

کو صحیح قرار دیا ہے۔

۷- "بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام" اس کو امام ابویعلی نے روایت کیا ہے۔

۸- "ذوالجلال والاکرام" امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے یا ذاالجلال والاکرام کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی دعا قبول ہوگی۔

۹- "اللہ لاالہ الا ھو الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد" امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اسم اعظم کی روایت کے سلسلہ میں اس روایت کی سند سب سے زیادہ قوی ہے۔

۱۰- "رَبِّ رَبِّ" امام حاکم نے حضرت ابودرداء اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا: اللہ کا اسم اکبر رَبِّ رَبِّ ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب بندہ رَبِّ رَبِّ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لبیک میرے بندے! تو سوال کر تجھے دیا جائے گا"۔

۱۱- "لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین" امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو مسلمان شخص ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

۱۲- "ھواللہ الذی لاالہ الاھو رب العرش العظیم" امام رازی نے نقل کیا ہے کہ امام زین العابدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو اسم اعظم کی تعلیم دے تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

۱۳- اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں مخفی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا اسم اعظم ان اسماء میں ہے جن سے تم نے دعا کی ہے۔

۱۴- اسم اعظم کلمۃ التوحید ہے۔ اس کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱' ص ۲۲۵-۲۲۴' مطبوعہ لاہور)

الحاد کا معنی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (غلط راہ اختیار) کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں عنقریب ان کو اس کی سزا دی جائے گی○

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الحاد کے معنی ہیں حق سے تجاوز کرنا' اور الحاد کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے یہ ایمان کے منافی ہے۔ دوسری قسم ہے اسباب کو شریک بنانا یہ ایمان کو کمزور کرتا ہے اور ایمان کی گرہ کو نہیں کھولتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جس کے ساتھ اس کو موصوف کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی ایسی تاویل کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(المفردات ج ۲' ص ۵۷۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی تفصیل

امام فخرالدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد تین قسم پر ہے:

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ طاہرہ کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ کفار نے اپنے بتوں پر اللہ کے ناموں کا ان میں تصرف کر

کے اطلاق کیا۔ مثلاً انہوں نے لفظ اللہ سے اللات بنایا اور العزیز سے عزیٰ بنایا اور المنان سے المناۃ بنایا اور مسیلمہ کذاب نے خود اپنا نام الرحمٰن رکھا۔

۲- اللہ کا ایسا نام رکھنا جو اس کے حق میں جائز نہیں ہے جیسا عیسائی اللہ تعالیٰ کو مسیح کا باپ کہتے ہیں اور کرامیہ اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق کرتے ہیں' اسی طرح معتزلہ اپنی بحث کے دوران کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا تو وہ جاہل ہو گا اور لائق مذمت ہو گا اور اس قسم کے الفاظ بے ادبی کے مظہر ہیں۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ہر وہ لفظ جس کا معنی صحیح ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرنا لازم نہیں ہے' کیونکہ دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق الاجسام ہے لیکن اس کو کیڑوں مکوڑوں اور بندروں کا خالق کہنا جائز نہیں ہے' بلکہ اس قسم کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے۔

۳- بندہ اپنے رب کا ایسے الفاظ کے ساتھ ذکر کرے جس کا معنی وہ نہیں جانتا' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے لفظ کا ذکر کرے جس کا معنی اللہ کی جناب کے لائق نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۱۷-۴۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہونے پر مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ اگر ایک لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ثابت ہو تو کیا اس کے تمام مشتقات کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ نہ اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز ہے نہ انبیاء علیہم السلام کے' اور نہ ملائکہ کے' کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا لفظ آیا ہے۔ عَلَّمَ ادم الاسماء کلھا (البقرہ: ۳۱) علمک مالم تکن تعلم (النساء: ۱۱۳) لیکن اللہ تعالیٰ کو یا معلم کہنا جائز نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے لیے یحب کا لفظ آیا ہے یحبھم و یحبونہ (المائدہ: ۵۴) لیکن اللہ تعالیٰ کو یا محب کہنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا معاملہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں وارد ہے وعصی ادم ربہ فغوی (طٰہٰ: ۱۲۱) لیکن یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ آدم عاصی وغاوی تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے یا ابت استاجرہ (القصص: ۲۶) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر (اجرت پر کام کرنے والا) کہنا جائز نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ الفاظ موہم ہیں اس لیے ان کا انحصار ان ہی نصوص میں واجب ہے اور ان سے مشتق الفاظ کے اطلاق میں توسع میرے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۱۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ صرف ان ہی اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور حدیث کی ان پانچ کتابوں میں ہے۔ صحیح البخاری' صحیح مسلم' سنن الترمذی' سنن ابوداؤد' سنن النسائی۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر اسلام کے احکام کا مدار ہے اور ان کتابوں میں الموطا بھی داخل ہے جو تمام تصانیف حدیث کی اصل ہے اور ان کے علاوہ باقی اسماء کو چھوڑ دو۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۷' ص ۲۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کو اس نام کے علاوہ کسی اور نام سے پکارے جو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رکھا ہے' اس لیے یا جواد کہنا جائز ہے اور یا سخی کہنا جائز نہیں ہے اور یا رحیم کہنا جائز ہے اور یا رفیق کہنا جائز نہیں ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کا نام لینے میں غلطی کرنا زیغ اور الحاد ہے۔

(زاد المسیر ج ۳' ص ۲۹۳' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ نے بھی زجاج کا مذکور الصدر قول نقل کیا ہے۔
(تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۵۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

• اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک ایسا گروہ (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہےO (الاعراف: ۱۸۱)

اس امت میں بھی حق کی ہدایت دینے والے اور حق کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے بہت سے جن اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الاعراف: ۱۷۹) اور اس آیت میں فرمایا اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک گروہ ایسا (بھی) ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۱) اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے بھی بہت مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کی ہدایت دیتا ہے اور اسی کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۹) اور جب اس کلام کو دوبارہ ذکر فرمایا تو اکثر مفسرین کے مطابق اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی امت ہے اور حسب ذیل روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا یہ میری امت ہے یہ حق کے ساتھ لیتے ہیں، دیتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں۔

قتادہ نے کہا ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی اللہ ﷺ جب اس آیت کی قرأت کرتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور تم سے پہلے ایک قوم کو بھی اس کی مثل دی گئی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھتے ومن قوم موسی امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ (الاعراف: ۱۵۹)

(جامع البیان جز ۹ ص ۱۸۱۔۱۸۰، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۲۳، تفسیر امام عبد الرزاق ج ۱، رقم الحدیث: ۹۶۲، زاد المسیر ج ۳، ص ۲۹۴، معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۸۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۶۲۶)

اجماع کے حجت ہونے پر احادیث

اس آیت میں اس کی صریح دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے امر (دین) پر قائم رہے گا جو شخص ان کو ناکام کرنا چاہے یا ان کی مخالفت کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ ان کے پاس اللہ کا امر (موت) آ جائے گا اور وہ اسی (طریقہ، دین) پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۴۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۱، سنن داری رقم الحدیث: ۲۳۰، جامع الاصول ج ۱، رقم الحدیث: ۶۷۷۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا جو ان کو ناکام کرنا چاہے، وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا امر آ جائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔

(صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۰ (۱۹۲۰) ۴۸۶۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۱۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث:

۴۲۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۷۷۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ (صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۳ '(۱۹۲۳) ۴۸۷۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

معاویہ بن قرۃ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل شام فاسد ہو جائیں تو اس میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے اور میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ کامیاب رہے گا جو ان کو ناکام کرنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶ مسند احمد ج ۷ رقم الحدیث: ۲۰۳۸۳ طبع جدید مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۶ ج ۵ ص ۳۵ طبع قدیم صحیح ابن حبان ج ۱۶ رقم الحدیث: ۷۳۰۲ المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۵۶ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۷۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا جماعت پر ہاتھ ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں الگ ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۷۶۱ کتاب الاسماء و الصفات ص ۳۲۲ کتاب السنۃ ج ۱ رقم الحدیث: ۸۰ المستدرک ج ۱ ص ۱۱۵)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تم کو تین چیزوں سے پناہ دی ہے۔ تمہارے خلاف تمہارا نبی دعاء ضرر نہیں کرے گا جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ اور اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں ہوں گے اور تم کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۳ جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۷۶۰ اس کی سند ضعیف ہے)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گی اور جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں مجھے عطا فرما دیں اور ایک دعا سے مجھے منع فرما دیا میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت قحط سے ہلاک نہ ہو جیسا کہ پہلی امتیں ہلاک ہو گئی تھیں تو اللہ عزوجل نے مجھے یہ عطا کر دیا اور میں نے اللہ عزوجل سے یہ سوال کیا کہ ان کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرے جس کے نتیجہ میں بعض بعض سے لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع کر دیا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۹۶ طبع قدیم دار الفکر بیروت مسند احمد بن حنبل ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۷۱۰۱ دار الحدیث قاہرہ)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی السمرقندی المتوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت مرحوم پر پہنچایا اور میرے لیے مختصر مدت رکھی' ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے' اور میں یہ بات بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں' قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ساتھ ہو گا' اور بے شک اللہ عزوجل نے میری امت کے متعلق مجھ سے وعدہ کیا ہے اور ان کو تین چیزوں سے محفوظ رکھے گا۔ ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو کوئی دشمن نیست و نابود کرے گا اور نہ ان کو گمراہی پر جمع کرے گا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابوبکر عمرو بن عاصم الضحاک بن مخلد الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن عاصم الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہو۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(کتاب السنہ ج ۱' رقم الحدیث: ۸۲' مطبوعہ المکتب الاسلامی' ۱۴۰۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہوں۔ (یہ حدیث حسن ہے) (کتاب السنہ ج ۱' رقم الحدیث: ۸۳)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جماعت کے ساتھ لازم رہو' کیونکہ اللہ عزوجل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے راوی' صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راوی ہیں)

(کتاب السنہ ج ۱' رقم الحدیث: ۸۵' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷' ص ۲۴۰' مجمع الزوائد ج ۵' ص ۲۱۹)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا ○

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ

اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ○ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر

مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ

مطلقاً جنون نہیں ہے: وہ تو صرف کھلا ڈرانے والے ہیں ○ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ

غور نہیں کیا اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے ؛ اور اس میں کہ شاید ان کا مقررہ

يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾

وقت قریب آچکا ہے' پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے ○

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ

چھوڑ دیتا ہے ○ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے کہ

وقف لازم / وقف منزل اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي

اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر صرف وہی اس کو ظہور میں لائے گا، آسمانوں اور زمینوں پر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی، وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے

حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں، آپ کہیے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن بہت سے لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ

نہیں جانتے ○ آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ

نصف الحزب ۱۲ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَمَا

چاہے، اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی

معانقة عند المتأخرين ۱۳ مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

تکلیف نہ پہنچتی، میں تو صرف ایمان والوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا اور (اخروی ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بہ تدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے○

(الاعراف: ۱۸۳-۱۸۲)

مشکل الفاظ کے معنی

سنستدرجھم: یہ لفظ استدراج سے بنا ہے اس کا مادہ درجہ ہے۔ درجہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز لپیٹ کر کسی جگہ رکھ دی جائے۔ اور استدراج کا معنی ہے کسی چیز کو درجہ بہ درجہ اوپر چڑھانا یا درجہ بہ درجہ اس کو نیچے اتارنا اور

اس کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج لپیٹنا۔ علامہ طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے استدراج کا معنی ہے کسی شئے کو تدبیر سے پکڑنا۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۶۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کی ہلاکت کو قریب کر دیں گے اور ان کے عذاب کو اس طرح دگنا کر دیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چل سکے گا' کیونکہ یہ لوگ جب بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں یا کوئی گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نعمت اور خیر کے دروازے کھول دیتا ہے' اس سے یہ بہت خوش ہوتے ہیں اور سرکشی اور گمراہی میں اور زیادہ منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جوں جوں ان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ توں توں زیادہ گناہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اچانک ان کو عین غفلت میں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے خزانے لائے گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں مستدرج ہوں کیونکہ تو نے فرمایا ہے: ہم ان کو بہ تدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔

املی لھم: اس کا معنی ہے میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ الاملاء کا معنی ہے مدت طویلہ۔ قرآن مجید میں ہے آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا واھجرنی ملیا (مریم: ۴۶) تو لمبی مدت کے لیے مجھ سے دور ہو جا' اور ملوان کے معنی ہیں دن اور رات۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۱۳-۶۱۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

"ان کیدی متین" کید کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اور متین کے معنی ہیں مضبوط۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں دنیا میں ان کو ان کے کفر پر اصرار کے باوجود باقی رکھتا ہوں اور ان کو جلدی سزا نہیں دیتا' اس لیے کہ یہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے' اور نہ مجھے سزا دینے سے روک سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کید یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب دے گا اور اس کو کید اس لیے فرمایا کہ کفار پر وہ عذاب اچانک آئے گا جس کا انہیں پہلے سے بالکل اندازہ نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے' وہ تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والے ہیں O (الاعراف: ۱۸۴)

تفکر کا معنی

اولم یتفکروا: فکر وہ قوت ہے جو علم کو معلوم کا راستہ دکھاتی ہے' بہ اعتبار نظر عقل کے اس قوت کی جولانی کو تفکر کہتے ہیں' یہ قوت صرف انسان میں ہوتی ہے حیوان میں نہیں ہوتی۔ اور اسی چیز کا تفکر کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جس کی صورت عقل میں حاصل ہو سکے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کی صورت عقل میں حاصل ہو۔ اس لیے فرمایا:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (الروم: ۸)	کیا انہوں نے اپنے دلوں میں کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اسی طرح اس آیت میں بھی فرمایا ہے کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا (الآیہ) غرض ہر جگہ حقائق کائنات میں تفکر کے لیے فرمایا کہیں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ میں تفکر نہیں کیا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۷-۴۹۶' مطبوعہ مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: عقل سے کسی چیز کے معنی کی تلاش اور طلب کو تفکر کہتے ہیں اور کسی شے میں غور و فکر اور تدبر کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔ جیسے جب ہم بصر (آنکھ) سے دیکھتے ہیں تو انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ حاصل ہوتی

ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم آنکھ کی پتلی کو مرئی (دکھائی دینے والی چیز) کی طرف متوجہ کریں تاکہ ہمیں آنکھ سے یہ رویت حاصل ہو۔ اسی طرح بصیرت کی رویت ہے جس کو علم اور یقین کہتے ہیں اور یہ بھی انکشاف اور جلاء کی حالت مخصوصہ ہے اور اس کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم انکشاف اور تجلی کو حاصل کرنے کے لیے عقل کی آنکھ کو مطلوب کی جانب متوجہ کریں اور اس فعل کو نظر عقل کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انہوں نے تفکر نہیں کیا۔ اس میں انہیں تامل اور تدبر کرنے اور اشیاء کی معرفت کے لیے غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ اگر وہ غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ نبی ﷺ کو جنون نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۲۰-۴۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جاہل کفار نبی ﷺ کو کیوں مجنون کہتے تھے اور اس کا جواب

مکہ میں بعض جہال نبی ﷺ کو دو وجہوں سے جنون کی طرف منسوب کرتے تھے:

پہلی وجہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کے افعال ان کے افعال کے مخالف تھے' کیونکہ نبی ﷺ دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اللہ عزوجل کی یاد اور اس سے دعا کرنے میں مشغول رہتے تھے' اس وجہ سے آپ کا عمل ان کے طریقہ کے مخالف تھا۔ لہٰذا انہوں نے اعتقاد کیا کہ آپ مجنون ہیں۔ حسن بصری اور قتادہ نے بیان کیا کہ آپ رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو قبیلہ بہ قبیلہ پکارتے اور فرماتے اے بنو فلاں! اے بنو فلاں! اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو کوئی کہنے والا کہتا کہ تمہارا یہ صاحب تو مجنون ہے' رات سے لے کر صبح تک چلاتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے"۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۱۸۲) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی ﷺ کے معمولات پر غور کرنے کی دعوت دی تاکہ انہیں معلوم ہو کہ نبی ﷺ ان کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے رات بھر پکارتے ہیں العیاذ باللہ کسی جنون کی وجہ سے نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ نزول وحی کے وقت نبی ﷺ پر عجیب و غریب حالت طاری ہوتی تھی آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور رنگ زرد پڑ جاتا اور لگتا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ پس جہال یہ کہتے کہ آپ پر جنون ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ آپ پر کسی قسم کا جنون نہیں ہے کیونکہ آپ ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے فصیح الفاظ کے ساتھ قطعی دلائل اور قوی براہین پیش کرتے ہیں جس کی فصاحت کا معارضہ کرنے سے تمام دنیائے عرب عاجز تھی۔ آپ کے بہت عمدہ اخلاق تھے اور آپ کی معاشرت نہایت پاکیزہ تھی' آپ کی عادات اور خصلات انتہائی نیک تھیں' آپ ہمیشہ اچھے کام کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ تمام صاحبان عقل کے مقتدا اور پیشوا تھے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جو انسان عمدہ اور پاکیزہ شخصیت کا حامل ہو اس کو مجنون قرار دینا کسی طور پر جائز اور درست نہیں ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ کافروں کو عذاب سے ڈرائیں اور مومنوں کو ثواب کی طرف راغب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں میں غور نہیں کیا اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس میں کہ شاید ان کا مقرر وقت قریب آ چکا ہے' پس اس قرآن کے بعد وہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ (الاعراف: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بیان فرمایا تھا اور چونکہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر موقوف ہے اس

لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی الوہیت اور توحید کا بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کی نشانیوں سے اپنی الوہیت پر استدلال فرمایا ہے' آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں سے ہم صرف سورج کی شعاع کے ایک ذرہ کو لیتے ہیں' کسی کھڑکی یا روشن دان سے جب سورج کی شعاع اندر آتی ہے تو ہم چمکیلے ذرات پر مشتمل ایک غبار کو دیکھتے ہیں' ہم ان ذرات میں سے ایک ذرہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص سمت اور خاص وضع پر ہے' سوال یہ ہے کہ سمتیں اور اوضاع اور احیاز تو غیر متناہی ہیں تو اس خاص سمت' خاص حیز اور خاص وضع کے لیے اس کا **مخصص** کون ہے' اس طرح وہ ذرہ اپنے حجم' اپنی صورت و شکل' اپنے رنگ' اپنی طبیعت اور اپنے اثرات میں تمام اجسام اور تمام صور اور اشکال اور تمام رنگوں اور تمام طبائع اور اثرات میں مساوی ہے تو اس خاص حجم' خاص شکل و صورت' خاص رنگ' خاص طبیعت اور اثرات میں ان کا **مخصص** کون ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ **مخصص** کوئی جسم ہے تو وہ جسم بھی ممکن ہو گا تو پھر ہم اس میں کلام کریں گے کہ اس ممکن کو عدم سے وجود میں لانے کا مرجح کون ہے اور یونہی سلسلہ چلتا رہے گا اور قطع تسلسل کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ **مخصص** اور مرجح جسم ممکن اور حادث نہیں ہے بلکہ وہ جسم کا غیر ہے اور قدیم اور واجب ہے اور یہ ضروری ہے کہ وہ قدیم اور واجب واحد ہو کیونکہ ایک سے زیادہ قدیم اور واجب ہوں تو وہ قدم اور وجوب میں مشترک ہوں گے اور کسی اور جز کی وجہ سے باہم ممتاز اور متمیز ہوں گے' سو ان میں ایک جز مشترک ہو گا وہ قدم اور وجوب ہے اور ایک جز متمیز ہو گا' جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے اور جو چیز دو جزوں سے مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کی محتاج ہو گی اور ہر مرکب اور محتاج ممکن ہوتا ہے اور امکان اور احتیاج وجوب' قدم اور الوہیت کے منافی ہے' اور ایک آسان دلیل یہ ہے کہ یہ آسمان' زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب ایک نظم اور ایک طریقہ پر ہیں' اس پوری کائنات کا نظام نظم واحد پر چل رہا ہے' سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہو کر دوسری جانب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا' اسی طرح ہمیشہ آسمان پانی برساتا ہے اور غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی اس نظام کے خلاف نہیں ہوا' سیب کے درخت سے کبھی اخروٹ پیدا نہیں ہوا' کبھی کسی حیوان سے انسان یا کسی انسان سے حیوان پیدا نہیں ہوا اور اس پوری کائنات کا نظم واحد پر جاری رہنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ نے اس عالم کے سوا کروڑوں عالم بنائے ہیں اور ہر عالم میں اس سے عظیم عرش ہے' اور اس سے اعلیٰ کرسی ہے اور ان آسمانوں سے وسیع آسمان ہیں' لہٰذا انسان کی عقل اللہ کے ملک اور ملکوت کا کس طرح احاطہ کر سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر: ۳۱) اور آپ کے رب کے لشکر کی تعداد کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اور جب انسان اللہ کی نشانیوں میں اور کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے اسرار میں سوچ و بچار کرے گا تو اس کے لیے یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ: ۳۲) تو پاک ہے ہمیں صرف ان ہی چیزوں کا علم ہے جن کا علم تو نے ہمیں دیا ہے۔

آیا بغیر دلیل کے ایمان لانا صحیح ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظاہر کائنات میں غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کرنے کا حکم دیا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یونس: ۱۰۱)

آپ کہئے کہ غور سے دیکھو آسمانوں اور زمینوں میں کیا کیا نشانیاں ہیں۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ (ق: ۸-۶)

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے' اور کس طرح اس کو مزین کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے○ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کو پیوست کر دیا اور اس میں ہر طرح کے خوش نما پودے اگائے○ یہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے بندے کے لیے بصیرت اور نصیحت ہیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (الغاشیہ: ۱۷)

کیا یہ لوگ بغور اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا گیا ہے؟

وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الذاریات: ۲۱-۲۰)

اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں بہت نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں تو کیا تم (ان نشانیوں کو) بغور نہیں دیکھتے۔

ان آیات کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا کہ جو شخص غور و فکر کرکے دلیل سے اسلام قبول کرے اسی کا اسلام معتبر ہے' اسی وجہ سے امام بخاری نے "کتاب العلم" میں ایک باب (۱۱) کا یہ عنوان قائم کیا ہے قول اور عمل سے پہلے علم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد: ۱۹) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے علم سے ابتداء کی ہے' امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے سے پہلے دلیل سے اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے' خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص بغیر دلیل کا کلمہ پڑھے اس کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے ورنہ جب مسلمان کفار سے اسلام کے لیے جہاد کرتے تو کفار کے لیے یہ کہنا صحیح ہو تاکہ تمہارا ہم سے جنگ کرنا اور ہم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ تم ہمیں دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت پر غور و فکر کرنے کی مہلت دو' نیز امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور جب وہ یہ کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵)

نیز اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ جب کافر یہ کہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ' اور کہے کہ سیدنا محمد ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور میں دین اسلام کے مخالف ہر دین سے بری ہوتا ہوں۔ اور وہ شخص بالغ اور صحیح

العقل ہو تو اس شہادت اور اقرار کے بعد وہ مسلمان ہو گا اور اگر وہ اس شہادت اور اقرار سے منحرف ہو گیا تو وہ مرتد ہو گا' اور علامہ سمنانی نے کہا ہے کہ سب سے پہلا واجب یہ ہے کہ انسان' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ان تمام امور پر ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دلائل پر غور و فکر کرے' بغیر حجت اور دلیل کے ایمان صحیح ہوتا ہے اس پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمر ابن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چراتی ہے' ایک دن میں اس کے پاس گیا تو بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی' میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا اس کو بھیڑیا لے گیا تو مجھے افسوس ہوا اور میں بھی آخر بنو آدم میں سے ہوں' میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا۔ مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا' آسمان میں؟ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا رقم الحدیث: ۱۵۱۱' صحیح مسلم المساجد ۳۳ (۵۳۷) ۱۱۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۲' ۹۳۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۱' الاستذکار ج ۲۳' رقم الحدیث: ۳۸۳۳۴' ص ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کو اللہ گمراہی پر رکھے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۶)

کافروں کو گمراہی پر پیدا کرنے کا معنی

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں کو اللہ نے گمراہ کیا ہے ورنہ وہ قیامت کے دن یہ حجت پیش کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو گمراہ کر دیا تھا تو ہماری گمراہی میں کیا قصور ہے؟ اور ہمیں اس گمراہی پر سزا دینا کس طرح عدل و انصاف پر مبنی ہو گا' بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب مسلسل کفریہ عقائد پر جمے رہنے کی وجہ سے کافروں کے دلوں میں گمراہی راسخ ہو گئی اور وہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے اختیار سے اس چیز کو ضائع کر دیا جو انہیں ہدایت اور ایمان کی دعوت دیتی تو پھر ان کے دلوں اور دماغوں میں دعوت حق کو قبول کرنے کی استعداد جاتی رہی اور وہ اس طرح ہو گئے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے' اس کے وقت پر صرف وہی اس کو ظہور میں لائے گا' آسمانوں اور زمینوں پر قیامت بہت بھاری ہے وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی' وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں' آپ کہئے اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (الاعراف: ۱۸۷)

آیات سابقہ سے ارتباط

قرآن مجید کے بنیادی مضمون چار ہیں توحید' رسالت' تقدیر اور قیامت' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید' رسالت اور قضاء و قدر کے متعلق آیات نازل فرمائی تھیں تو اب قیامت کے متعلق آیت نازل فرمائی' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے فرمایا تھا شاید ان کا مقررہ وقت قریب آ چکا ہے۔ (الاعراف: ۱۸۵) تاکہ انہیں توبہ اور اصلاح پر برانگیختہ کیا جا سکے۔ اس کے بعد فرمایا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہو کہ قیامت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھا گیا

ہے اور اس سے مسلمانوں کو توبہ اور اداء واجبات میں جلدی کرنے پر برانگیختہ کیا جائے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الساعۃ: ساعت کا لغوی معنی ہے زمانہ کا قلیل جز جو غیر معین ہو' اور عرفی معنی ہے دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ' اور اس کا شرعی معنی ہے قیامت' یہ وہ وقت ہے جس میں تمام جہان ختم ہو جائے گا' حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے اور کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

ایان مرساھا: ایان کا معنی ہے کب' مرسی کا لفظ ارساء سے بنا ہے' ارساء السفینہ کا معنی ہے سمندر میں لنگر ڈال کر جہاز کو ٹھہرانا' اور یہاں مراد یہ ہے کہ قیامت کے وقوع اور حصول کا وقت کب ہے۔

لایجلیھا: اس کا معنی ہے اس کو منکشف نہیں کرے گا' یا ظاہر نہیں کرے گا۔

بغتۃ: البغت کا معنی ہے کسی چیز کا اچانک بغیر توقع اور وہم و گمان کے واقع ہو جانا' قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت لوگوں پر ٹوٹ پڑے گی' درآنحالیکہ کوئی شخص اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا ہو گا اور کوئی شخص بازار میں سودا بیچ رہا ہو گا اور کوئی شخص اپنے ترازو کو اوپر نیچے کر رہا ہو گا۔

(جامع البیان ج ۹' ص ۱۸۷۔۱۸۶' الدر المنثور ج ۳' ص ۶۱۹)

حفی عنھا: الحفی کا معنی ہے کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش کرنا' جو شخص کسی چیز کے متعلق سوال کرنے میں بہت مبالغہ کرے اس کو حفی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: سئلوا النبی ﷺ حتی احفوہ بالمسئلۃ۔ صحابہ نے نبی ﷺ سے سوالات کیے حتیٰ کہ سوالات میں بہت مبالغہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۸۹' صحیح مسلم فضائل ۷ ۱۳۷(۲۳۵۹) ۶۰۰۷' مسند احمد ج ۳' ص ۱۷۷' طبع قدیم)

وقت وقوع قیامت کو مخفی رکھنے کی حکمت

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی جس وقت قیامت واقع ہو گی اس وقت کو اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کی نظیر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان: ۳۴)	بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا (طٰہٰ: ۱۵)	بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الملک: ۲۶۔۲۵)	اور وہ کہتے ہیں کہ قیامت کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ اگر تم سچے ہو ○ آپ کہئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف اللہ کے عذاب سے علی الاعلان ڈرانے والا ہوں۔

اور جب حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ بندوں سے قیامت کے وقوع کے وقت کو مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہو گا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے بہت زیادہ ڈریں گے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آجائے' اور اللہ تعالیٰ کی

عبادت میں ہر وقت کوشاں رہیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علم قیامت کے متعلق لوگوں کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات

امام ابن اسحٰق' امام ابن جریر اور امام ابوالشیخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حمل بن ابی قشیر اور سمویل بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اگر آپ برحق نبی ہیں تو ہمیں بتایئے کہ قیامت کب آئے گی؟ کیونکہ ہمیں معلوم ہے وہ کیا چیز ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ کب آئے گی! آپ کہئے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ الآیہ۔

امام عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی حضرت جبرئیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا السلام علیک یا روح اللہ! انہوں نے جواب دیا وعلیک یا روح اللہ! حضرت عیسیٰ نے کہا اے جبرئیل قیامت کب ہوگی؟ تو جبرئیل نے اپنے پر جھاڑے پھر کہا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا وہ آسمانوں اور زمینوں پر بھاری ہے اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ (الدر المنثور ج ۳' ص ۶۲۰۔۶۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتیوں میں سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے! تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے اس کے سوا اور کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ رہو گے جس سے محبت کرتے ہو' ہم نے پوچھا ہم بھی اسی طرح ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو ہم اس دن بہت زیادہ خوش ہوئے۔ امام مسلم کی روایت ۶۵۸۹ میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے محبت کرتا ہوں۔ ہرچند کہ میرے عمل ان کے اعمال کی طرح نہیں ہیں' امام مسلم کی روایت ۶۵۹۱ میں ہے اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! میں نے قیامت کے لیے بہت بھاری نمازوں' روزوں اور صدقات کی تیاری تو نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸' ۶۱۶۷' ۷۱۵۳' صحیح مسلم فضائل الصحابہ: ۱۶۴' ۱۶۳' ۱۶۱' (۲۶۳۹) ۶۵۸۶' ۶۵۸۹' ۶۵۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مجلس میں مسلمانوں سے گفتگو فرما رہے تھے اسی اثناء میں ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا' بعض مسلمانوں نے کہا آپ نے اس کا سوال سن لیا تھا اور اس کو پسند نہیں فرمایا اور بعض نے کہا آپ نے سنا نہیں' جب آپ نے اپنی گفتگو مکمل فرمائی تو آپ نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا' اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا' اس نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب منصب نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹' ۶۴۹۶' مسند احمد ج ۲' ص ۳۶۱' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۹۰۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کا علم نہیں تھا' ہاں نبی ﷺ قرب قیامت کو اجمالی طور پر جانتے تھے اور آپ نے اس کی خبر بھی دی ہے۔ (روح المعانی ج ۹' ص ۱۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ نبی ﷺ کو تفصیلی طور پر قیامت کے وقوع اور اس کے احوال کا علم تھا اور اس سلسلہ میں آپ سے بہت احادیث مروی ہیں جن کو ہم باحوالہ جات بیان کر رہے ہیں' فنقول وباللہ التوفیق۔

نبی ﷺ کا علامات قیامت کی خبر دینا

۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ارض حجاز سے ایسی آگ نمودار نہ ہو جس سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۸' صحیح مسلم الفتن ۴۲' (۲۹۰۲) ۷۱۵۶' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۸۸۷)

۲- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کذابوں کا خروج نہ ہو ان میں سے ہر ایک یہ زعم کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

(صحیح مسلم الفتن ۱۸۴ (۲۹۲۳) ۷۲۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵' مسند احمد ج ۲' ص ۴۵۰' ۵۲۷' جامع الاصول' ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۸۹۵)

۳- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو' پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے اور جو لوگ اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں ان کا اس دن ایمان لانا مفید نہ ہوگا یا جن لوگوں نے اس سے پہلے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۶' صحیح مسلم الایمان ۲۴۸ (۱۵۷) ۳۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹' ۳۲۳۵' مسند احمد' ج ۵' ص ۴۳۵' ۱۶۵' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۸۹۷)

۴- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درندے انسانوں سے باتیں نہ کریں اور انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا بات نہ کرے اور اس سے اس کی جوتی کا تسمہ بات نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۸' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۸۹۹)

۵- حضرت سلامہ بنت حر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ اہل مسجد امامت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے کہیں گے اور انہیں نماز پڑھنے کے لیے کوئی امام نہیں ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۸۱' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۹۰۸)

۶- قیس بن ابی حازم حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا نیک لوگ ایک ایک کرکے چلے جائیں گے اور تلچھٹ (بھوسی) باقی رہ جائیں گے جیسے جو کی بھوسی یا ردی کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۴' مسند احمد ج ۴' ص ۱۹۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۲' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۹۰۹)

۷- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک نہیں قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۵' صحیح مسلم الفتن ۵۳' (۲۹۰۷) ۷۱۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۷' الموطا رقم الحدیث: ۱۶۵'

مسند احمد ج ۲ ص ۳۶ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۱۱)

۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمانہ متقارب ہو جائے سال ایک ماہ کی طرح گزرے گا اور مہینہ ہفتہ کی طرح گزرے گا اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھنٹہ کی طرح گزرے گا اور ایک گھنٹہ آگ کی چنگاری کی طرح گزر جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۹ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۱۳)

۹۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت صرف اشرار (بدترین لوگوں) پر قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الفتن ۱۳۱ (۲۹۴۹) ۷۲۶۸ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۱۶)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو عظیم جماعتوں میں جنگ نہ ہو ان میں بہت بڑی جنگ ہوگی اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا اور حتیٰ کہ تیس دجالوں کذابوں کا ظہور ہوگا ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور حتیٰ کہ علم اٹھالیا جائے گا اور زلزلے بکثرت ہوں گے اور زمانہ متقارب ہوگا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور بکثرت قتل ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۹ صحیح مسلم الفتن ۱۷ (۲۸۸۰) ۷۱۲۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳ جامع الاصول ج ۱۰ رقم الحدیث: ۷۹۲۰)

۱۱۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین کے لیے قتال کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور کسی کی مخالفت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ ان پر قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال پر ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور اس کا مس ریشم کی طرح ہوگا اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ اس کی روح قبض کرلے گی پھر اشرار (بدترین لوگ) باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الامارۃ ۱۷۶ (۱۹۲۴) ۴۸۷۴ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۱۷)

۱۲۔ حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دھوئیں کا، دجال کا، دابۃ الارض کا، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا، حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا، یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا، ایک مرتبہ مشرق میں، ایک مرتبہ مغرب میں ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم الفتن ۳۹ (۲۹۰۱) ۷۱۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۱ جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۱)

۱۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا ہو، آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، اور جہل کا ظہور ہوگا، اور زنا عام ہوگا، اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے اور عورتیں باقی رہ جائیں گی،

حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔

(صحیح مسلم العلم ٩ (٢٦٧١) ٦٦٦٠' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٨١' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ٢٢١٢' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٠٤٥' مسند احمد ج ٣' ص ١٢٠' جامع الاصول' رقم الحدیث: ٧٩٣٢)

١٤- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متقارب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا' اور قتل بہت زیادہ ہوگا۔

(صحیح مسلم العلم ١٠' (٢٦٧٣) ٦٦٦٣' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٧٠٦٢' ٧٠٦٤' سنن الترمذی: ٢٢٠٧' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٢٥٥' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٠٥٠' ٤٠٥١' مسند احمد ج ٢' ص ٥٢٥' جامع الاصول' رقم الحدیث: ٧٩٣٣)

١٥- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا' عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے گا' اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے گا' جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے' اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے' اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی' اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی' شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والیاں اور ساز رکھے جائیں گے' اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا کہیں گے اس وقت تم سرخ آندھیوں' زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن الترمذی' رقم الحدیث: ٢٢١٧' جامع الاصول' رقم الحدیث: ٧٩٣٥)

١٦- حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو ریشم کو شراب کو اور گانے بجانے کے آلات کو حلال کہیں گے اور ضرور کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ کل آنا' اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو ریشم' شراب اور باجوں کو حلال کہیں گے) مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ٥٥٩٠' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤٠٣٩' جامع الاصول' رقم الحدیث: ٧٩٣٤)

١٧- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عرب کا حاکم وہ شخص نہیں ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا (یعنی محمد) اور دوسری روایت میں ہے اگر ایام دنیا میں سے صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتنا لمبا کر دے گا حتیٰ کہ اس دن میں ایک شخص کو میرے اہل بیت سے مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام کے موافق اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا وہ زمین کو اس طرح عدل اور انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٢٨٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢٣٠)

١٨- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مال بہت زیادہ نہ ہو جائے اور حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے تو اس کو کوئی شخص نہ ملے جو اس کو قبول کرے۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ ٦٠' (١٠١٢) ٢٣٠٢' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ٥٤٤٠)

۱۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' وہ حاکم عادل ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲' صحیح مسلم الایمان' ۲۴۲ (۱۵۵) ۳۸۴' المشکوۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۵)

۲۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہو گی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم الایمان ۲۴۴' (۱۵۵) ۳۸۵' المشکوۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۶)

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف نازل ہوں گے وہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہو گی' اور وہ زمین میں پینتالیس سال رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کیے جائیں گے' پس میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر سے ابوبکر اور عمر کے درمیان سے کھڑے ہوں گے۔

(الوفا لابن الجوزی ص ۸۱۴' المشکوۃ رقم الحدیث: ۵۵۰۸)

۲۲۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے در آنحالیکہ آپ کا چہرہ سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے لا الہ الا اللہ اور اس کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا' آپ نے فرمایا عرب کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آ پہنچا ہے یاجوج ماجوج کی بندش آج کے دن کھل گئی' اس کی طرح پھر آپ نے دس کا عقد کیا' حضرت زینب نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہیں! آپ نے فرمایا ہاں! جب خباثت زیادہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳' صحیح ابن حبان ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۴۹' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۹۰۶۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰۸' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰' ص ۹۳' مسند احمد ج ۱۰' رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶)

۲۳۔ مجمع بن جاریہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم' دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۸' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۱۰۷۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۳۵)

۲۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دابۃ الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی ہو گی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہم السلام کا عصا ہو گا' وہ مومن کے چہرے کو عصا سے روشن کرے گا اور کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا حتیٰ کہ قبیلہ کے لوگ جمع ہو جائیں گے اور وہ کہے گا یا مومن یا کافر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۷۹۴۲)

۲۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل ارشاد روایت کیا ہے جس کے آخر میں آپ نے فرمایا یوم القیامۃ یوم عاشوراء ہے۔ (یعنی محرم کے مہینہ کی دس تاریخ)

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۴۷' ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

۲۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم الجمعہ ۱۸'۸۵۴'۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

۲۷- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دونوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی۔(یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی' ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرمائیں اور موخر الذکر تین حدیثوں میں یہ بھی بتادیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہوگی' مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتا دیا صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر سن بھی بتادیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لاتاتیکم الابغتۃ (الاعراف:۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں مصدق تھے اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ اور علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق علماء اسلام کے نظریات

قیامت کب واقع ہوگی' بارش کب ہوگی' ماں کے پیٹ میں کیا ہے' انسان کل کیا کرے گا اور کون شخص کس جگہ مرے گا' یہ وہ امور خمسہ ہیں جن کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' بحث اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے یا نہیں۔ بعض علماء سلف نے نیک نیتی کے ساتھ یہ کہا کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں پر مطلع نہیں فرمایا' اور اکثر اہل اسلام نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً ان پانچ چیزوں کے علوم میں سے بھی حظ وافر عطا فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں یہ اختلاف ہوا کہ بیشمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے' آیا وہ روز اول سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں' کسی نے کہا متشابہات کا' کسی نے خمس کا' کثیر نے کہا ساعت کا اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔

(خالص الاعتقاد ص ۷۲' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

رسول اللہ ﷺ کو علوم خمسہ و علم روح وغیرہ دیے جانے کے متعلق جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئی منها غیر مسند الی رسول الله ﷺ کان کاذبا فی دعواه۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

(المفہم' ج ۱' ص ۱۵۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی' علامہ ابن حجر عسقلانی' علامہ احمد قسطلانی' ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے:

(عمدۃ القاری ج ۱' ص ۲۹۰' فتح الباری ج ۱' ص ۱۲۴' ارشاد الساری ج ۱' ص ۱۳۸' مرقات ج ۱' ص ۶۵' فتح الملہم ج ۱' ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم ليس فی الاية دليل على ان الله لم يطلع نبيه على حقيقة الروح بل يحتمل ان يكون اطلعه ولم يامره انه يطلعهم وقد قالوا فی علم الساعة نحو هذا والله اعلم

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورہ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا' بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو' قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے سو اللہ اعلم۔

(فتح الباری ج ۸' ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷' ص ۲۰۳)

علامہ زرقانی "المواہب" کی شرح میں لکھتے ہیں:

(وقد قالوا فی علم الساعة) و باقی الخمس المذكورة فی اية ان الله عنده علم الساعة (نحو هذا) يعنی انه علمها ثم امر بكتمها۔

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورہ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(شرح المواہب اللدنیہ ج ۱' ص ۲۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الی انه صلی الله عليه وسلم اوتی علم الخمس ايضا وعلم وقت الساعة والروح وانه امر بكتم ذالك۔

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص ۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج ۲' ص ۳۳۵' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ

الدنیا حتی اطلعه الله علی تلک الخمس ولکنه امره بکتمها۔

نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرما دیا' لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔
(تفسیر صاوی ج ۳' ص ۲۱۵)

اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

لم یقبض رسول الله ﷺ حتی علم کل شی یمکن العلم به۔

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ویجوز ان یکون الله تعالی قد اطلع حبیبه علیه الصلوة والسلام علی وقت قیامها علی وجه کامل لکن لاعلی وجه یحاکی علمه تعالی به الا انه سبحانه اوجب علیه صلی الله تعالی علیه وسلم کتمه لحکمة ویکون ذلک من خواصه علیه الصلوة والسلام ولیس عندی ما یفید الجزم بذلک۔

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقوع وقت قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الٰہی کا اشتباہ ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ ﷺ کے خواص میں سے ہو' لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳)

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه المخصوص وهو قیام القیامة احدا ثم قال بعده لکن من ارتضی من رسول۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰' ص ۶۷۸)

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۴' ص ۳۱۹)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان الغیب ههنا لیس للعموم بل مطلق او معین هو وقت وقوع القیمة بقرینة السیاق ولا یبعدان یطلع علیه بعض الرسل من الملئکة اوالبشر۔

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت' اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔
(شرح المقاصد ج ۵' ص ۶' طبع ایران)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق آنست کہ در آیت دلیلے نیست بر آنکہ حق تعالی مطلع نگر دانیدہ است حبیب خود را صلی اللہ علیہ وسلم بر ماہیت روح بلکہ احتمال دارد کہ مطلع گر دانیدہ باشد و امر نکرد اورا کہ مطلع گرداند ایں قوم را و بعضی از علماء در علم ساعت نیز ایں معنی گفتہ اند الی ان قال ولے گوید بندہ مسکین خصہ اللہ بنور العلم والیقین وچگونہ جرات کند مومن عارف کہ نفی علم بہ حقیقت روح سید المرسلین وامام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کند و دادہ است اورا حق سبحانہ علم ذات و صفات خودو فتح کردہ بروے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب حقیقت جامعہ وے قطرہ ایست از دریائے ذرہ از بیضائے فافہم وباللہ التوفیق۔

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے اور بندہ مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور ﷺ سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں' ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حیثیت ہے۔ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

(مدارج النبوہ ج ۲' ص ۴۰)

سید عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:

وکیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والواحد من اہل التصرف من امتہ الشریفۃ لا یمکنہ التصرف الا بمعرفۃ ہذہ الخمس۔

رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہو گا' حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہو سکتا جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔

(الابریز ص ۴۸۳)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۱۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

لا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ الا من ارتضی من رسول فانہ یطلعہ علی من یشاء من غیبہ والولی تابع لہ یاخذ عنہ۔

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) رہے اولیاء وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۷' ص ۱۷۸)

اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی کے تفحص اور تتبع سے حسب ذیل حوالہ جات ہیں:

علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

لم یخرج صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالی بھذہ الامور ای الخمسۃ:

نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا۔

علامہ شنوانی نے جمع النہایہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا ہے کہ:

قد ورد ان اللہ تعالی لم یخرج النبی ﷺ حتی اطلعہ علی کل شئی۔

بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رضی اللہ عنہ سے راوی:

ھو صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لا یخفی علیہ شئی من الخمس المذکورۃ فی الایۃ الشریفۃ و کیف یخفی علیک ذالک والاقطاب السبعۃ من امتہ الشریفۃ یعلمونھا وھم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والاخرین الذی ھو سبب کل شئی ومنہ کل شئی۔

یعنی قیامت کب آئے گی' مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے' کل کیا ہو گا۔ فلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آیہ کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور ﷺ سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے۔ غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ (ﷺ)

(خالص الاعتقاد ص ۴۳' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا باعث

سورہ لقمان کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (القمان: ۳۴)

بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم' اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے' اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا' بے شک اللہ ہی جاننے والا' (جسے چاہے) خبر دینے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہر چیز کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ مشرکین ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے اس لیے بتایا گیا کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے کاہنوں اور نجومیوں کو ان کا علم ہے اس لیے بتایا گیا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے ' حالانکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے ' روایت ہے کہ دیہاتیوں میں سے حارث بن عمرنبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین خشک ہے میں نے اس میں بیج ڈالنے ہیں ' بارش کب ہو گی؟ اور میری عورت حاملہ ہے اس کے پیٹ میں مذکر ہے یا مونث ' اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں لیکن میں کہاں مروں گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے ' اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے ' نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبر دینا ' وحی ' الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے ' لہٰذا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان غیوب پر انبیاء ' اولیاء اور ملائکہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن ۷۲: ۲۶-۲۷)	(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو اس نے پسند فرمالیا ' جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا ' جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو ' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام: ۵۹)	اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں ' اس کے سوا (بذات خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے ' اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو مخفی رکھا ' لیکن صاحب شرع کی زبان سے اس کی علامتوں کو ظاہر فرما دیا ' مثلاً خروج دجال ' نزول عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ' اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے ' اسی طرح ابوالعزم اصفہانی شیراز میں بیمار ہو گئے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے اگر بالفرض شیراز میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ تندرست ہو گئے اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی ' اور میرے شیخ نے بیس سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر ہی فوت ہوئے تھے۔

(روح البیان ج ۷ ' ص ۱۰۵-۱۰۳ ' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ' کوئٹہ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے علم میں فرق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ' اس قدر خود ضروریات دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا ' مساوی درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ ' دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کے غیر

متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں' اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش' شرق و غرب و جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں' شرق و غرب روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔

بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا' تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۳- یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے یہ بھی ضروریات دین سے ہے' جو ان کا منکر ہو وہ کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴- اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیاء تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم ﷺ کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔ (خالص الاعتقاد ص ۲۲-۲۳' ملخصاً' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

علم کی ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی' یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی' ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے۔ یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔

تو آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے' ان میں قطعاً یہی دو قسمیں مراد ہیں۔ فقہاء کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر بنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ دوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ حاشاللہ علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہونا درکنار خدا کے لیے محال قطعی ہے۔ کہ دوسرے کے دیئے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ حاشاللہ علم غیر محیط خدا کے لیے محال قطعی ہے' جس میں بعض معلومات مجہول رہیں تو علم عطائی غیر محیط حقیقی' غیر خدا کے لیے ثابت کرنا' خدا کی صفت خاصہ ثابت کرنا کیوں کر ہوا۔

تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار خدا کی صفت نہیں ہو سکتی للذا کافر ہوا یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے۔ کیا کوئی احمق سا احمق ایسا اخبث جنون گوارا کر سکتا ہے۔ (خالص الاعتقاد ص ۱۸' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

وماذكرناه في الاية صرح به النووي رحمه الله تعالى فتاواه فقال معناها لا يعلم ذالك استقلالا وعلم احاطة بكل المعلومات لله تعالى۔

یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی' امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات الیہ کو محیط ہو۔

(فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۸' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ)

علامہ ابن حجر مکی نے علامہ نووی کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

معناہ لا یعلم ذالک استقلالا وعلم احاطۃ بکل المعلومات الا اللہ واما المعجزات والکرامات فحصلت باعلام اللہ تعالی للانبیاء والاولیاء لااستقلالا۔

جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی استقلالاً غیب کو نہیں جانتا یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کل معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا اور معجزات اور کرامات میں اللہ کے خبر دینے سے علم حاصل ہوتا ہے استقلالاً نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ الامام النووی ص ۲۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ البقرہ ۳۴ کی تفسیر میں الانعام ۵۰ کے متعلق لکھتے ہیں:

یدل علی اعترافہ بانہ غیر عالم بکل المعلومات۔

یہ آیت آپ کے اس اعتراف پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کل معلومات کو نہیں جانتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱، ص ۴۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ (الانعام: ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد من قولہ لااقول لکم عندی خزائن اللہ انی لا ادعی کونی موصوفا بالقدرۃ اللائقۃ بالالہ تعالی و من قولہ ولا اعلم الغیب انی لا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالی و حصل بمجموع الکلامین انہ لایدعی الالھیۃ۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ میں اس قدرت کا دعویٰ نہیں کرتا جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اور میں غیب نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ میں اللہ کے علم سے موصوف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کا حاصل یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر ج ۴، ص ۵۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ توجوی متوفی ۹۵۱ھ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے:

(حاشیۃ الشیخ زادہ علی الجلالین ج ۲، ص ۱۶۷، عنایت القاضی ج ۴، ص ۶۵، روح المعانی ج ۷، ص ۱۵۵)

علامہ احمد شہاب خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ شفا کی عبارت کے ساتھ مزج کر کے لکھتے ہیں۔

(ھذہ المعجزۃ فی) اطلاعہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی الغیب (معلومۃ علی القطع) بحیث لا یمکن انکارھا اوالتردد فیھا لا حد من العقلاء (لکثرۃ رواتھا واتفاق معانیھا علی الاطلاع علی الغیب) وھذا لاینافی الایات الدالۃ علی انہ لایعلم الغیب الااللہ وقولہ ولو کنت اعلم

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی ﷺ کو یہ کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کر لیتا۔ اس لیے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے

الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علیہ باعلام اللہ تعالی فلہ فامر متحقق لقولہ تعالی فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔

بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی ﷺ کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(نسیم الریاض ج ۳، ص ۱۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ نظام الدین حسین بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ 'لا اعلم الغیب (الانعام: ۵۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا اعلم الغیب فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ۔

آیت کے معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

(تفسیر نیشاپوری علی ھامش جامع البیان ج ۸، ص ۱۳۸، مطبوعہ دار المعرفت بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی صاحب جامع الفصولین سے نقل فرماتے ہیں:

یجاب بانہ یمکن التوفیق بان المنفی ھو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام او المنفی ھو المجزوم بہ لا المظنون ویؤیدہ قولہ تعالی اتجعل فیھا من یفسد فیھا الآیۃ لانہ غیب اخبر بہ الملائکۃ ظنا منھم او باعلام الحق فینبغی ان یکفر لو ادعاہ مستقلا لا لو اخبر بہ باعلام فی نومہ او یقظتہ بنوع من الکشف اذ لا منافاۃ بینہ و بین الآیۃ لما مر من التوفیق۔

(یعنی فقہاء نے دعویٰ علم غیب پر حکم کفر کیا اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذات خود علم غیب مانا جائے، خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی یا نفی قطعی کی ہے نہ کہ ظنی کی، اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے فرشتوں نے عرض کی کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خون ریزی کریں گے، ملائکہ غیب کی خبر نہیں بولے مگر ظناً یا خدا کے بتائے سے، تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بغیر خدا کے بتائے علم غیب کا دعویٰ کرے نہ یوں کہ براہ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے، ایسا علم غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲، ص ۳۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ متعدد کتب حنفیہ میں مذکور ہے:

لو ادعی علم الغیب بنفسہ یکفر۔

اگر بذات خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲، ص ۳۱۱)

نیز علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی التتارخانیۃ وفی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی ﷺ وان الرسل یعرفون

تاتارخانیہ اور فتاویٰ حجہ میں ہے ملتقط میں فرمایا کہ جس نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا کافر نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ اشیاء نبی ﷺ پر عرض کی جاتی ہیں۔ اور بیشک رسولوں

بعض الغیب قال اللہ تعالی عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول اھ قلت بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملۃ کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلۃ المستدلین بھذہ الایۃ علی نفیھا۔

کو بعض علم غیب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا۔ ہمارے ائمہ نے اس کا رد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ اس آیہ کریمہ نے اولیاء سے بھی مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں فرمائی۔

(ردالمحتار' ج ۲' ص ۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ اور علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ الاعراف: ۱۸۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ علیہ ویقدرلی۔

لا اعلم الغیب کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ کے مطلع اور قادر کیے بغیر غیب کو نہیں جانتا۔

(لباب التاویل للخازن' ج ۲' ص ۱۶۷' مطبوعہ پشاور' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲' ص ۲۱۷' مطبوعہ کراچی)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ الانعام: ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا اعلم الغیب مالم یوحی الی ولم ینصب علیہ دلیل۔

آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وحی یا کوئی دلیل قائم نہ ہو' مجھے بذات خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(انوار التنزیل علی ہامش عنایۃ القاضی ج ۴' ص ۶۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

وعندہ مفاتح الغیب وجہ اختصاصھا بہ تعالی انہ لا یعلمھا کما ھی ابتداء الا ھو۔

یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں' اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء بغیر بتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔

(عنایۃ القاضی ج ۴' ص ۷۳' مطبوعہ دار صادر' بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ الجن: ۲۷-۲۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کانہ قیل ماادری قرب ذالک الموعد و بعدہ الا ان یطلعنی اللہ علیہ لان علم الغیب مختص بہ وقد یطلع علیہ بعض خلقہ۔

گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ قیامت کا وعدہ قریب ہے یا بعید ہے سوا اس کے کہ اللہ مجھے اس پر مطلع فرمادے۔ کیونکہ علم غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اپنی بعض مخلوق کو اس پر مطلع فرماتا ہے۔

اور اس کے دو تین سطر بعد لکھتے ہیں:

واختصاصہ بہ تعالی لانہ لایعلم بالذات والکنہ علما حقیقیا یقینیا بغیر سبب کاطلاع الغیر الا اللہ وعلم غیرہ لبعضہ

غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لیے خاص ہے کہ غیب کا بالذات' حقیقی اور یقینی بلا سبب علم (مثلاً غیر کو مطلع کر دینا) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ

لیس علما للغیب الا بحسب الظاھر و بالنسبۃ لبعض البشر (الی قولہ) ولا یقدح فی ھذا الاختصاص کونہ معلوما للغیر باعلامہ تعالی اذا الاختصاص اضافی بالنسبۃ الی من عدا المستثنی۔

بعض مخلوق کو غیب کا علم جو عطا فرماتا ہے وہ حقیقت میں غیب نہیں ہے وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے غیب ہے' یا جن بعض لوگوں سے وہ پوشیدہ ہے ان کے اعتبار سے غیب ہے۔ اور اس اختصاص کے یہ منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ غیب لوگوں کو معلوم ہے کیونکہ یہ اختصاص مستثنیٰ کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور اضافی ہے۔ (یعنی رسولوں کے سوا اور کسی کو یقینی علم غیب نہیں ہوتا) (عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۲۶۱ مطبع دار صادر' بیروت)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ الانعام: ۵۰ میں لا اعلم الغیب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الٰہیہ ہیں) جانتا ہوں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الٰہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو اس کو مطلع کر دیا گیا ہے۔

نیز شیخ عثمانی "قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ" (النمل: ۶۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں (اللہ کا علم حصولی نہیں' حضوری ہے' سعیدی غفرلہ) نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا یا غیب کی خبر دے دی۔

ان عبارات میں علماء دیوبند نے بھی علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کا اعتراف کر لیا ہے اور دیگر کثیر علماء اسلام کی عبارت سے بھی ہم نے اس بحث میں علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کو واضح تر کر دیا ہے۔

قرآن اور سنت میں نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم کے عموم اور علم ما کان وما یکون کی تصریحات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

اس آیت سے علم کلی کے استدلال پر ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس استدلال کی تائید میں بکثرت حوالہ جات نقل کیے ہیں اور اس استدلال پر وارد ہونے والے اعتراضات کا مکمل ازالہ کر دیا ہے۔ جو لوگ اس بحث کو تفصیل اور تحقیق سے جاننا چاہتے ہوں ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱- عن عمرو قال قام فينا رسول الله ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالک من حفظه ونسیه من نسیه۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں' حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کو اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں' جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔
(صحیح بخاری ج ۱' ص ۴۵۳' مطبوعہ کراچی)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۲- عن حذیفة قال لقد خطبنا النبی ﷺ خطبة ماترک فیها شیئا الی قیام الساعة الا ذکره علمه من علمه وجهله من جهله الحدیث۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔
(صحیح بخاری ج ۲' ص ۹۷۷' مطبوعہ کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۳- عن ابی زید قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان وما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان و مایکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۲' ص ۳۹۰' مطبوعہ کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۴- عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول الله ﷺ یوما صلوة العصر بنهار ثم قام خطیبا فلم یدع شیئا یکون الی قیام الساعة الا اخبرنا به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (سنن الترمذی ص ۳۱۹' مطبوعہ کراچی)

۵- عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ کراچی)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز امام ابوداؤد اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۲۷ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۸ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

۶- (عن معاذ بن جبل قال احتبس عنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات غداة من صلوة الصبح حتی کدنا نترای عین الشمس فخرج سریعا فثوب بالصلوة فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم و تجوز فی صلوته فلما سلم دعا بصوته فقال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا فقال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم الغداة انی قمت من اللیل فتوضات فصلیت ما قدر لی فنعست فی صلوتی فاستثقلت فاذا بربی تبارک و تعالی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت رب لبیک قال فیم یختصم الملاء الاعلی قلت لا ادری رب قالها ثلاثا قال فرایته وضع کفه بین کتفی قد وجدت برد انامله بین ثدیی فتجلانی کل شئی و عرفت۔ الحدیث الی ان قال قال ابوعیسی هذا حدیث حسن صحیح سالت محمد ابن اسماعیل عن هذا الحدیث فقال هذا صحیح۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں آنے کے لیے دیر کی، حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے، پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی رسول اللہ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر کر آواز بلند ہم سے فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہو گئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی، پھر مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، اس نے فرمایا اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی ص ۴۶۶ کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے ایک حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

۷- نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی فی احسن صورۃ فقال یا محمد فقلت لبیک ربی وسعدیک قال فیم یختصم الملاء الاعلی قلت ربی لا ادری فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردھا بین ثدیی فعلمت مابین المشرق و المغرب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا' میرے رب نے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں' میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الحدیث سنن الترمذی ص ۴۶۶' کراچی)

۸- امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی عزوجل اللیلۃ فی احسن صورۃ احسبہ یعنی فی النوم فقال یا محمد تدری فیم یختصم الملاء الاعلی قال قلت لا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردھا بین ثدیی اوقال نحری فعلمت ما فی السموات والارض۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا آج رات کو نیند میں میرا رب عزوجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں! نبی ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

(مسند احمد ج ۱' ص ۳۶۸)

۹- امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع کفیہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی حتی تجلی لی ما فی السموت ومافی الارض۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا' میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہو گئیں جو آسمانوں میں ہیں' اور جو زمینوں میں ہیں۔ (مسند احمد ج ۴' ص ۳۶۶)

حافظ الہیثمی ذکر کرتے ہیں:

۱۰- عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔ رواہ الطبرانی ورجالہ وثقوا علی ضعف کثیر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' ہرچند کہ اس حدیث کے راوی

ضعیف ہیں لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۷ بیروت)

نبی ﷺ کے علم کے عموم اور علم ماکان ومایکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره

وانك مامون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے آپ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ فرمایا افلحت یا سواد اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔ اس حدیث کو بکثرت علماء اسلام نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کے اسماء یہ ہیں امام ابو نعیم امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی علامہ ابن عبد البر علامہ سہیلی علامہ ابن الجوزی حافظ ابن کثیر علامہ بدر الدین عینی علامہ جلال الدین سیوطی علامہ حلبی شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج ۱ ص ۱۱۴ دلائل النبوت للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۱ استیعاب علی حامش الاصابہ ج ۲ ص ۱۲۴ الروض الانف ج ۱ ص ۱۴۰ الوفاج ۱ ص ۱۵۳ السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۶ عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۸ الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۱ بیروت انسان العیون ج ۱ ص ۳۲۴ مختصر سیرت الرسول ص ۶۹ سبل الہدیٰ والرشاد ج ۲ ص ۲۰۹)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك مالم تكن تعلم من خبر الاولين والاخرين وما كان وما هو كائن۔

اولین اور آخرین کی خبروں اور ماکان ومایکون میں سے جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۷۳ بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقده من ملكوت السموت والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنى واياته الكبرى وامور الاخرة واشراط الساعة واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان ومايكون ممالم يعلمه الا بوحى۔

آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین آیات کبریٰ امور آخرت علامات قیامت اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ماکان ومایکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی ﷺ نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۰ ملتان)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان علمه (صلى الله عليه وسلم) محيط بالكليات والجزئيات۔

رسول اللہ ﷺ کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔

(المرقات ج ۱۰ ص ۱۵۱)

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں:

کون علمها من علومه صلی اللہ علیه وسلم ان علومه تتنوع الی الکلیات والجزئیات و حقائق و دقائق وعوارف و معارف تتعلق بالذات والصفات وعلمها انما یکون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صلی اللہ تعالی علیه وسلم۔

لوح و قلم' علوم نبی ﷺ سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں' کلیات' جزئیات' حقائق' دقائق' عوارف اور معارف کہ ذات و صفات الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے۔ پھر باایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ' ص ۱۱۶ مطبوعہ پیر جو گوٹھ سندھ' ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الثانیة والاربعون اطلاع علی ماسیکون الثالثة والاربعون الاطلاع علی ما کان مما لم ینقله احد قبله۔

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما سیکون (امور مستقبلہ) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما کان (امور ماضیہ) کا علم ہو' جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۱۲' ص ۳۶۷)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(انزله بعلمه) ای متلبسا بعلمه المحیط الذی لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموت والارض ومن هنا علم صلی اللہ علیه وسلم ما کان وما هو کائن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا' جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ما کان و ما یکون کو جان لیا۔ (روح المعانی ج ۶' ص ۲۲)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فلم یقبض النبی صلی اللہ علیه وسلم حتی علم کل شئی یمکن العلم به۔

رسول اللہ ﷺ کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵' ص ۱۵۴)

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔ (توضیح البیان فی حفظ الایمان' ص ۱۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے' اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی' میں تو صرف ایمان والوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا اور (اخروی ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں۔ (الاعراف: ۱۸۸)

شیخ اسماعیل دہلوی کا رسول اللہ ﷺ کی آخرت میں نفع رسانی پر انکار

اس آیت سے بعض لوگ نبی ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ

کو اپنے لیے نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے تو دوسروں کو نفع کب پہنچا سکتے ہیں اور اس کی تائید میں ایک حدیث سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب الخلافت والامارت میں لکھا ہے کہ بخاری اور مسلم نے ذکر کیا کہ نقل کیا ابو ہریرہ نے کہ جب اتری یہ آیت کہ ڈرا دے تو اپنی برادری کو جو ناتا رکھتے ہیں تجھ سے تو پکارا پیغمبر نے اپنے ناتے والوں کو' پھر اکٹھا کر کے پکارا اور جدا جدا بھی۔ سو فرمایا اے اولاد کعب بن لوی کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہیں اختیار رکھتا تمہار اللہ کے یہاں کچھ' یا یوں فرمایا کہ بیشک میں نہیں کام آنے کا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ' اور اے اولاد مرہ بن کعب' اے اولاد عبد الشمس کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ' اور اے اولاد عبد مناف کی بچاؤ تم اپنی جان کو آگ سے کیونکہ بیشک میں نہ کام آؤں گا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ' اور اے فاطمہ بچاؤ تم اپنی جان کو آگ سے' مانگ لے مجھ سے جتنا چاہے میرا مال نہ کام آؤں گا میں تیرے اللہ کے یہاں کچھ' ف یعنی اور جو لوگ کسی بزرگ کے قرابتی ہوتے ہیں ان کو اس کی حمایت پر بھروسہ ہوتا ہے اور اس پر مغرور ہو کر اللہ کا خوف کم رکھتے ہیں۔ سو اس لیے اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ اپنے قرابتیوں کو ڈرا دیوے۔ سو انہوں نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار میں ہو' سو یہ میرا مال موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ بخل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا' اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا' سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست کر لے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط قرابت کسی بزرگ کی اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آتی جب تک کچھ معاملہ اللہ ہی سے صاف نہ کرے تو کچھ کام نہیں نکلتا۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۲۹' مطبوعہ مطبع علمی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کی تقریر کا رد اور ابطال

شیخ اسماعیل دہلوی کی یہ تقریر حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ شیخ اسماعیل دہلوی نے اس حدیث کا حوالہ غلط دیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب الخلافت والامارت میں نہیں' باب الانذار والتحذیر کی فصل ثانی میں ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں ص ۴۶۰ پر ہے اور بیروت کی طبع شدہ مشکوٰۃ میں رقم الحدیث: ۵۳۷۳ ہے۔ صحیح البخاری میں رقم الحدیث: ۲۷۵۳ ہے اور صحیح مسلم میں الایمان' ۳۴۸ (۲۰۴) ۴۹۱ ہے۔ ترمذی میں رقم الحدیث: ۳۱۹۲' سنن النسائی میں رقم الحدیث: ۳۶۴۴' السنن الکبری للنسائی میں رقم الحدیث: ۱۱۳۷۷ اور مسند احمد میں' ج ۶' ص ۱۸۷ پر ہے۔

۲۔ مشکوٰۃ میں اس حدیث کو امام مسلم کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ کے عذاب سے ڈرانے کے بعد یہ جملہ ہے البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے میں عنقریب صلہ رحم کروں گا۔

غیر ان لکم رحما سابلھا ببلالھا شیخ اسماعیل دہلوی نے حدیث کے اس جملہ کو چھوڑ دیا' حالانکہ مشکوٰۃ میں مسلم کے حوالے سے یہ جملہ موجود ہے۔ جہاں سے انہوں نے اس حدیث کو شروع کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا' اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے مقتبس ہے:

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا (الفتح:١١)

آپ کہئے کہ اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع پہچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الاعراف:١٨٨)

آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے۔

اور اس میں توحید کا بیان ہے اور نبی ﷺ ہرچند کہ مومنین کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے کیونکہ آپ شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلقاً نفع رسانی سے منع فرمایا تاکہ انہیں عذاب سے ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کرلیں اور ان کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے۔ میں عنقریب صلہ رحم کروں گا، میں یعنی میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ قرابت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں گا۔ (المرقات ج ١٠، ص ١٠٥، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ١٣٩٠ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قرابت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو تر کروں گا اور صلہ اور احسان کا پانی چھڑکوں گا۔ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی ﷺ کی شفاعت اس امت کے گنہگاروں کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشان کے لیے، اور احادیث سے ان کے حق میں شفاعت ثابت ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف باقی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ٤، ص ٣٠٧-٣٠٤، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ ﷺ کا آخرت میں نفع پہنچانا

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اس منبر پر فرما رہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی، بیشک میری قرابت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے اور اے لوگو! جب تم حوض پر آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیشوا ہوں گا۔ (الحدیث)

(مسند احمد ج ٣، ص ١٨، دارالفکر طبع قدیم، اس حدیث کی سند حسن ہے، مسند احمد ج ١٠، رقم الحدیث: ١١٠٨١)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، پھر جو ان سے زیادہ قریب ہوں، اور پھر جو ان سے قریب ہوں، پھر انصار کی شفاعت کروں گا، پھر ان کی جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی، پھر اہل یمن کی، پھر باقی عرب کی، پھر اعاجم کی۔

(المعجم الکبیر ج ١٢، رقم الحدیث: ١٣٥٥٠، الکامل لابن عدی ج ٢، ص ٧٩٠، کنز العمال رقم الحدیث: ٣٤٣٤٥، مجمع الزوائد ج ١٠، ص ٣٨١-٣٨٠، الفردوس بماثور الخطاب، رقم الحدیث: ٢٩، اس حدیث کی سند میں حفص بن ابی داؤد متروک ہے اور لیث بن سلیم ضعیف ہے، اللآلی المصنوعہ ج ٢، ص ٤٣٧)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمادیا۔ (الفردوس بماثور الخطاب ٣٤٠٣، کنز العمال، رقم الحدیث: ٣٤١٤٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۶۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے اہل بیت کے متعلق یہ وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا...... میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳' ص ۱۵۰' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' الکامل لابن عدی ج ۵' ص ۱۷۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی' پھر حضرت علی نے صفہ میں عقیل' حضرت حسین اور حضرت عباس سے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت علی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر سبب (نکاح) اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳' ص ۱۴۲' المعجم الکبیر ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۳۳' ۲۶۳۴' ۲۶۳۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۴' السنن الکبریٰ ج ۷' ص ۱۱۴' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۲۵۸' مجمع الزوائد ج ۴' ص ۲۷۱-۲۷۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۳۰۹)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس عورت کے ساتھ بھی نکاح کروں اور میں اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی نکاح کا رشتہ دوں میرے ساتھ جنت میں ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۵۸' مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۱۷' المستدرک ج ۳' ص ۱۳۷' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۰۱۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۷' اسی سے متقارب روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے المعجم الاوسط ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا میں جس کو بھی نکاح کا رشتہ دوں اور جس سے بھی نکاح کروں وہ اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی تو میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔ (کامل ابن عدی ج ۵' ص ۱۸۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی نیکی کی اور اس نے اس کو دنیا میں اس کا صلہ نہیں دیا تو کل جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو مجھ پر اس نیکی کا صلہ دینا واجب ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲' رقم الحدیث: ۱۴۶۹' مجمع الزوائد ج ۹' ص ۱۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۳)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا' اور آپ کی وجہ سے غضب ناک ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں! اب وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳' ۶۲۰۸' ۶۵۷۲' صحیح مسلم ایمان ۳۵۷' (۲۰۹) ۵۰۰' مسند احمد ج ۱' ص ۲۰۶' رقم الحدیث: ۱۷۶۳'

جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۸۳۳)

نفع رسانی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ

موخر الذکر پانچ حدیثوں کے علاوہ باقی مذکور الصدر تمام احادیث کو علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی نے بھی بیان کیا ہے (رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۴۰۵) ان احادیث کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے یہ بات معارض نہیں ہے کہ نبی ﷺ کسی ایک کو بھی اللہ سے مطلقاً نفع یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں بلکہ آپ شفاعت عامہ اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے' سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا مولیٰ عزوجل مالک کرے گا' اسی طرح نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے: میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستغنی نہیں کروں گا' اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا یا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا' اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑاؤں گا۔ اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر برانگیختہ کرنے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں عنقریب اس کی تراوٹ تمہیں پہنچاؤں گا' یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ ان احادیث میں تطبیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے' نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میرے اولیاء' متقی ہوں گے (الادب المفرد) اور نبی ﷺ نے فرمایا میرا ولی اللہ ہے اور صالح مومنین ہیں۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۰۸' مسند احمد ج ۴' ص ۲۰۳' مسند ابو عوانہ ج ۱' رقم الحدیث: ۹۶) سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں' اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کر دی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم الذکر ۳۸' (۲۶۹۹) ۶۷۲۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۴۷)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو موخر کر دیا' اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ حدیث نجات کے منافی نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے' اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پامالی پر بہت غیور ہے' اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے عبد ہیں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے مولیٰ نے آپ کو مالک بنا دیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۷-۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ ﷺ کی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے

عباس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بیشک مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے' نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۹۷' ۱۶۱۰' صحیح مسلم الحج ۲۴۸ (۱۲۷۰) ۳۰۱۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۶۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۳۷' الموطا رقم الحدیث: ۸۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶' طبع قدیم' رقم الحدیث: ۹۹ طبع جدید دار الفکر'

جامع الاصول ج ۳، رقم الحدیث: ۱۴۳۹)

اس حدیث میں حضرت عمر نے حجر اسود کے نفع اور نقصان پہنچانے کی نفی کی ہے لیکن چونکہ بعض دلائل سے حجر اسود کا نفع اور نقصان پہنچانا ثابت ہے' اس لیے جمہور علماء نے بشمول علماء دیوبند اس حدیث میں بالذات کی قید لگائی ہے یعنی تو بالذات نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان' لیکن اللہ کی عطا سے نفع بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

حجر اسود بذاتہ نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (فتح الملہم' ج ۳' ص ۳۲۲' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ حجر اسود بذاتہ نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (بذل المجہود ج ۳' ص ۱۴۰' طبع ملتان)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بغیر اذن الٰہی کے نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۹' ص ۲۴۰) علامہ باجی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (المنتقی ج ۲' ص ۲۸۷) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (ارشاد الساری ج ۳' ص ۱۵۶) ملا علی قاری نے بھی لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ (مرقات ج ۵' ص ۳۲۵) اور علماء دیوبند میں سے شیخ عثمانی نے (فتح الملہم ج ۳' ص ۳۲۲) اور شیخ خلیل احمد نے (بذل المجہود ج ۳' ص ۴۰) میں لکھا ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچاتا' حضرت عمر نے جو حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تو ایک پتھر ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ تو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا' اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد بیان کرتے ہوئے متقدمین علماء اسلام اور خصوصاً علماء دیوبند سب ہی نے بالذات کی قید لگائی ہے کہ حجر اسود بالذات نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا' جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو نفع رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں حج کی گواہی دے گا وہ یہ نفع ضرور پہنچائے گا۔ اسی اسلوب پر کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ (اعراف: ۱۸۸) آپ کہئے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے۔ علماء اہل سنت یہاں بھی بالذات کی قید لگاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ نفع اور ضرر نہیں پہنچاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ میں نفع رکھا ہے وہ نفع آپ پہنچاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے' آپ کی تبلیغ اور آپ کی شفاعت سے اربوں انسانوں کو نفع پہنچے گا اور وہ سب آپ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ یہ کوئی کم نفع ہے؟ لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بالذات کی قید لگانا اور ذاتی اور عطائی اختیارات کی تقسیم خالص مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ قید خانہ زاد اور سینہ زاد ہے۔ قرآن مجید نے آپ کی ذات سے مطلقاً نفع رسانی کی نفی کر دی ہے اور ذاتی اور عطائی کی تقسیم اہل بدعت کی ایجاد اور اختراع ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ایک پتھر (حجر اسود) کی نفع رسانی ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر کے قول لا تنفع میں بالذات کی قید لگالیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی ثابت کرنے کے لیے قل لا املک لنفسی میں بالذات کی قید لگائیں تو مجرم قرار پائیں! یہ کہاں کا انصاف ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نفع رسانی سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان محمد رسول اللہ کہے تو جنت کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت تک کوئی شخص جنت کا مستحق نہیں ہو گا جب تک وہ محمد رسول اللہ نہیں کہے گا' اللہ اکبر! جن کے نام کی نفع رسانی کا یہ عالم ہے ان کی ذات کی نفع رسانی کا کیا عالم ہو گا! اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کا انکار کرتا ہے وہ آپ کا نام نہ لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھلا دے!

رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط' تفریط اور اعتدال پر مبنی نظریات

رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں افراط پر مبنی یہ عقیدہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد
محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

الاعراف: ۱۴۳ کی تفسیر میں ہم نے اس شعر کے رد اور ابطال پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اور نبی ﷺ کی نفع رسانی میں تفریط پر مبنی یہ عبارات ہیں:

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

وعرفت ان اقرارهم بتوحيد الربوبية لم يدخلهم في الاسلام وان قصدهم الملائكة والانبياء يريدون شفاعتهم والتقرب الى الله بذلك هو الذى احل دماءهم واموالهم۔

اور تم جان چکے ہو کہ ان لوگوں کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا' اور ان لوگوں کا انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت کا قصد کرنا اور ان سے اللہ کا قرب حاصل کرنا یہی وہ چیز ہے' جس نے ان کی جانوں اور مالوں کو مباح کر دیا ہے (یعنی ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا جائز ہے)

(کشف الشبہات ص ۹' مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ' بالمدینۃ المنورہ' ۱۳۸۹ھ)

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے' مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا مخلوق اور بندہ ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۶' مطبوعہ مطبع علیمی لاہور)

مخلوق کی نذر اور منت ماننی ہمارے نزدیک ناجائز اور حرام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو جب کہ مستقل سامع اعتقاد نہ کرے جیسا کہ ان کو بندہ سمجھنے سے ظاہر ہوتا ہے تو ان کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے اور عہد صحابہ اور تابعین میں یا محمداہ کہنے کا رواج تھا۔ (کامل ابن اثیر ج ۴' ص ۲۴۶' البدایہ ج ۶' ص ۳۲۴' فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۶۸)

یہ دونوں چیزیں غیر نزاعی ہیں' ہمارا اعتراض اس پر ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو وکیل اور سفارشی سمجھنے پر بھی شرک کا فتویٰ دیا ہے اور ان کو ابوجہل کے برابر شرک قرار دیا ہے اور مسئلہ شفاعت میں اس سے بڑھ کر تفریط کیا ہو گی!

اور رسول اللہ ﷺ کی نفع رسانی میں توازن اور اعتدال پر مبنی نظریہ وہ ہے جس کو اس مقام پر اہل سنت کے مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں ان ہی امور پر قادر ہوں جن پر اللہ عزوجل نے مجھے قدرت دی ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہیں۔

(البحر المحیط ج ۵' ص ۲۴۱' عنایۃ القاضی ج ۵' ص ۲۴۳' زاد المسیر ج ۳' ص ۲۹۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۳۰۱)

امام رازی کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم محیط اور قدرت کاملہ کی نفی کی گئی

ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ' ص ۴۲۵ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بطور اظہار عبودیت یہ کہلوایا گیا ہے۔

(انوار التنزیل علی حاشیۃ عنایۃ القاضی ج ۴ ' ص ۲۴۳ ' مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور مراد یہ ہے کہ میں اپنے نفس کے لیے نفع اور ضرر کا کسی وقت بھی مالک نہیں ہوں مگر جس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ چاہتا ہے تو مجھے اس پر قادر فرماتا ہے اور اس وقت میں اس کی مشیت سے اس کا مالک ہوتا ہوں ' اور یہ استثناء متصل ہے ' شیخ ابراہیم کورانی نے کہا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ بندہ کی قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت سے موثر ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج ۹ ' ص ۱۳۶ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت)

علم غیب کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آپ کہئے:) اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر کو جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ (الاعراف: ۱۸۸)

اس آیت سے بظاہر رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے ' لیکن رسول اللہ ﷺ نے چونکہ غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں جیسا کہ ہم نے قیامت کی بتائی ہوئی نشانیوں کے سلسلہ میں غیب کی خبروں پر مشتمل بکثرت احادیث بیان کی ہیں اور ان شاء اللہ ابھی مزید احادیث بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات کا بھی ذکر کریں گے جن سے رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیا جانا واضح ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں علم غیب کی نفی از خود غیب جاننے کی نفی پر محمول ہے اور ہم اس کی تائید میں مفسرین کرام کے اقوال بھی نقل کریں گے ' سو پہلے ہم غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے ' پھر رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات کو ذکر کریں گے ' پھر اس سلسلہ میں احادیث کا ذکر کریں گے اور آخر میں اس آیت کی توجیہ میں مفسرین کے اقوال ذکر کریں گے ' فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

غیب کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین مبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں علم بالغیب اور ایمان بالغیب کا بکثرت ذکر ہے اور ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں حاصل ہو یا نہ ہو۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ المغیبۃ (وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو) کو مہلت دو حتیٰ کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے پراگندہ بالوں کو سنوار لے اور موئے زہار صاف کر لے۔ (مسند احمد ' ج ۴ ' ص ۲۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مغیب عورت کسی شخص کے پاس کچھ خریدنے گئی اس نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تو اس عورت نے کہا تم پر افسوس ہے میں مغیب ہوں (یعنی میرا شوہر غائب ہے) تو اس شخص نے اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد ج ۱ ' ص ۳۶۹) نیز حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کے لیے ظہر غیب (اس کے غیاب) میں دعا کرتا ہے تو اس دعا کے ساتھ جو فرشتہ موکل ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ آمین!

(صحیح مسلم الذکر ۸۷ ' (۲۷۳۲) ۶۸۰۰ ' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب ملاقات ہو تو اس کو

سلام کرے' جب اس کو چھینک آئے تو اس کو جواب دے (یرحمک اللہ کہے) جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے' جب وہ دعوت دے تو اس کو قبول کرے' جب وہ فوت ہو تو اس کے جنازہ پر جائے' اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور غیب میں (اس کی غیر حاضری میں) اس کی خیر خواہی کرے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۳) سنن ترمذی میں ہے: جب وہ حاضر ہو یا غائب ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔ (رقم الحدیث: ۲۷۳۶)

(النہایہ ج ۳' ص ۳۵۸-۳۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ مع زیادات)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الغیب کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو' امام ابو اسحٰق نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں کہا وہ ہر اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور اس کی نبی ﷺ نے خبر دی ہے جیسے مرنے کے بعد جی اٹھنا' جنت اور دوزخ' اور جو چیز ان سے غائب ہے اور اس کی نبی ﷺ نے خبر دی ہے وہ غیب ہے' نیز غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ ہو' خواہ وہ دل میں ہو' کہا جاتا ہے کہ میں نے وراء غیب سے آواز سنی یعنی اس جگہ سے سنی جس کو میں نہیں دیکھ رہا۔

(لسان العرب ج ۱' ص ۶۵۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں ہو یا نہ ہو۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴' ص ۸۲' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

غیب کا اصطلاحی معنی

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی امر ہے جس کا نہ حواس (خمسہ) ادراک کر سکیں اور نہ ہی اس کی بداہت عقل تقاضا کرے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے علم کی کوئی دلیل (ذریعہ) نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام: ۵۹) اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ ہو (خواہ عقلی دلیل سے اس کا علم ہو خواہ خبر سے) جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت اور اس کے احوال کا علم۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۱' ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کی دوسری قسم میں جو قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جس کے علم پر کوئی دلیل ہو اس سے مراد عام ہے وہ دلیل عقلی ہو یا نقلی ہو' کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کی صفات پر عقلی دلائل قائم ہیں (اور ان کو عقل سے جانا جا سکتا ہے) اور قیامت اور اس کے احوال پر دلائل نقلیہ قائم ہیں (اور ان کو قرآن اور احادیث سے جانا جا سکتا ہے) اور یہ دونوں قسمیں غیب ہیں' اور غیب کی اس دوسری قسم کو انسان ان دلائل سے جان سکتا ہے' اور وہ غیب جس کا علم اللہ سبحانہ کے ساتھ مختص ہے وہ غیب کی قسم اول ہے اور سورۃ الانعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۱' ص ۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
الغیب وہ چیز ہے جو نہ حواس کے تحت واقع ہو اور نہ بداہت عقول اس کا تقاضا کریں اور اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کی خبر سے ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۷۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
غیب کا معنی ہے جو چیز آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسی طرح جو چیز حواس سے اور انسان سے غائب ہو اس پر بھی غیب کا اطلاق ہوتا ہے اور غیب لوگوں کے اعتبار سے ہے اللہ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب نہیں ہے کیونکہ رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے عالم الغیب والشھادۃ اس کا معنی ہے جو چیز تم سے غائب ہے اور جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو اللہ ان سب کا عالم ہے اور یؤمنون بالغیب میں غیب کا معنی ہے جن چیزوں کا حواس سے ادراک نہ ہو سکے اور جن کا بداہت عقل تقاضا نہ کرے اور ان کا علم صرف رسل علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔
(نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

رسول اللہ ﷺ کو علم غیب دیے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۱۷۹)
اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کر دے لیکن (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران: ۴۴)
یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷-۲۶)
(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:
حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔
(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۴ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں خبر صادق حواس سلیمہ اور عقل اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۱۷۹ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:
خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے اس میں رسل کی شرکت ہوگئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ا' ص ۱۵۰' مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ لاہور' کراچی)

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے متعلق احادیث

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کو جس قدر غیوب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو یقینی طور پر معلوم ہیں' کیونکہ وہ احادیث معنیً متواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر متفق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(الشفاء ج ا' ص ۴۴۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۱- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند احمد ج ۵' ص ۳۸۵' جامع الاصول' ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

۲- حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ما کان وما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنۃ: ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۳' مسند احمد ج ۳' ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶' ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۳۱۳)

۳- حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ' حضرت ابو مریم' حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے

احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

۴۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۸' مطبوعہ قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷: ۱۶۴۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۷ ۱۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۴' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ائمہ حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور مکہ مکرمہ' بیت المقدس' یمن' شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور امن کی خبر دی اور یہ کہ کل خیبر حضرت علی کے ہاتھوں سے فتح ہو گا' اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تقسیم کریں گے' اور ان کے درمیان جو فتنے پیدا ہوں گے' اور امت میں جو اختلاف پیدا ہو گا اور وہ پچھلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے' اور کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر ان کی حکومت قائم نہیں ہو گی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے بنو امیہ اور حضرت معاویہ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی' حضرت معاویہ اور حضرت علی کی لڑائی کی خبر دی' حضرت عمار کی شہادت کی خبر دی' آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی' اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت رہے گی' اور پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ تیس دجالوں کے خروج کی خبر دی' قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی۔ قدریہ اور رافضیہ کے ظہور کی خبر دی' ابناء فارس کے دین حاصل کرنے کی خبر دی' اپنی گمشدہ اونٹنی کی خبر دی' جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مریں گے یہ خبر دی' حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی' حضرت سعد کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے واصل ہو گی' حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی' سراقہ کے لیے سونے کے کنگنوں کی خبر دی اور بہت باتوں کی خبر دی' اب ہم ان تمام امور کے متعلق تفصیلاً احادیث بیان کر رہے ہیں۔

۵۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے' سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا' اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیے گئے ہیں۔ (الحدیث)
(دلائل النبوت للبیہقی' ج ۶' ص ۷ ۲۲' صحیح مسلم الفتن ۱۹ (۲۸۸۹) ۲۵ ۷۱۲۶' ۷۱۲۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

۶۔ سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوات پکڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے معاویہ! اگر تم کو کسی علاقہ کا والی بنا دیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا' حضرت معاویہ نے کہا مجھے اس وقت سے یہ یقین تھا کہ مجھے کسی منصب کا والی بنایا جائے گا اور اس کی وجہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔ (مسند احمد ج ۴، ص ۱۰۱، دلائل النبوت ج ۶، ص ۴۴۶، البدایہ والنھایہ ج ۸، ص ۱۴۳)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت مدینہ میں ہوگی اور ملوکیت شام میں۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۸، دلائل النبوت ج ۶، ص ۴۴۷)

۸۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کا سر سہلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو سمندر کے راستے جہاد کریں گے۔ حضرت ام حرام نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کردے آپ نے ان کے لیے دعا کی، پھر سو گئے۔ پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں، فرمایا مجھے میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ (بخاری کی روایت میں ہے: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر میں جہاد کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ رقم الحدیث: ۲۹۲۴) میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ حضرت ام حرام بنت ملحان حضرت معاویہ کے زمانے میں سمندر کے راستہ جہاد میں گئیں وہ اپنی سواری سے گر گئیں ان کو سمندر سے نکالا گیا تو جان بحق ہو چکی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸، ۲۸۷۷، صحیح مسلم الجہاد ۱۶۰ (۱۹۱۲) ۴۸۵۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۱، دلائل النبوت ج ۶، ص ۳۵۲-۳۵۱)

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی، حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو میں بنو فلاں، اور بنو فلاں کا نام لوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۵، ۳۶۰۴، صحیح مسلم الفتن ۷۴ (۲۹۱۷) ۷۱۹۲، دلائل النبوۃ ج ۶، ص ۴۶۵، ۴۶۴)

۱۰۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا جس نے فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرا شخص آیا جس نے راستہ میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے الحیرہ دیکھا ہے، میں نے کہا میں نے اس کو دیکھا تو نہیں لیکن مجھے اس کی خبر دی گئی ہے، آپ نے فرمایا اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ایک مسافرہ کو دیکھو گے جو الحیرہ سے سفر کرکے کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا، میں نے اپنے دل میں کہا پھر اس شہر کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنہوں نے شہروں میں فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکا دی ہے۔ (پھر فرمایا) اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا اور اس کو لینے والے کو ڈھونڈے گا اور اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اس کو قبول کرلے، اور تم میں سے ضرور ایک شخص قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمہ کرے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا جو تم سے زائد تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگ سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقہ) سے، اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ کوئی نیک بات کہہ دے، حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسافرہ کو دیکھا جس نے الحیرۃ سے سفر کرکے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا، اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو کھولا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم ضرور وہ نشانی دیکھ لو گے جو نبی

ﷺ نے فرمائی تھی کہ ایک آدمی مٹھی بھر (سونا یا چاندی) لے کر نکلے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۹۵' دلائل النبوۃ ج ۶' ص ۳۲۳)

۱۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسریٰ فوت ہو گیا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(صحیح مسلم الفتن ۷۵ (۲۹۱۸) ۷۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۲۷' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۶۸۹' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۷۲۷۲' طبع جدید' مسند الشافعی ج ۲' ص ۱۸۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۹۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۱۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹' ص ۱۷۷)

۱۲۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کی پوستین لائی گئی اور ان کے سامنے رکھ دی گئی' اور قوم میں حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم بھی تھے' حضرت عمر نے کسریٰ بن ہرمز کے کنگن' حضرت سراقہ بن مالک کو دیے' انہوں نے ان کو اپنے ہاتھوں میں پہن لیا جو ان کے کندھوں تک پہنچ گئے۔ جب حضرت عمر نے حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو فرمایا الحمدللہ! امام شافعی نے کہا حضرت عمر نے حضرت سراقہ کو یہ کنگن اس لیے پہنائے تھے کہ نبی ﷺ نے حضرت سراقہ کی کلائیوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا تھا گویا کہ تمہارے ہاتھ کسریٰ کے کنگن پہنے ہوئے ہیں' امام شافعی نے کہا جب حضرت عمر نے کسریٰ کے کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے تو کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے کسریٰ بن ہرمز سے کنگن چھین کر سراقہ بن جعشم کو پہنا دیے جو بنو مدلج کا ایک اعرابی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶' ص ۳۲۶۔۳۲۵)

۱۳۔ حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھا لیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں' جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں' اس نے اپنے نبی کے لیے ان کو روشن کیا' جس طرح پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶' ص ۱۰۱' الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰' ۳۱۹۷۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے' اس میں سعید بن سنان رھاوی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۲۸۷)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ہم نے آپ سے سامان کی کمی' غربت اور افلاس کی شکایت کی آپ نے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کیونکہ مجھے تم پر اشیاء کی قلت کی بہ نسبت اشیاء کی کثرت کا زیادہ خوف ہے' بہ خدا یہ دین تم میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سرزمین فارس' سرزمین روم اور سرزمین حمیر فتح کر دے گا۔ (الحدیث) (دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۲۷)

۱۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ: ۳)

اور وہ نبی ان میں سے دوسروں کو بھی (کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں) جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے۔

تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ لوگ کون ہیں! نبی ﷺ نے اس کو جواب نہیں دیا' حتی کہ اس نے دو یا تین مرتبہ سوال کیا اور ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے تو نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہو تو ان کی طرف کے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۷' صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۲۳۰' (۲۵۴۶) ۶۳۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۷)

۱۷- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل کا ملکی نظام ان کے نبی چلاتے تھے' جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا' اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے' صحابہ نے پوچھا پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا پہلے کی بیعت سے وفا کرو' پھر پہلے کی' اور ان کے حقوق ادا کرو' کیونکہ اللہ عزوجل ان سے سوال کرے گا کہ انہوں نے عوام کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵' صحیح مسلم الامارہ ۴۴ (۱۸۴۲) ۴۶۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت تیس سال رہے گی پھر اللہ جس کو چاہے گا ملک دے دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۶' مسند احمد ج ۵' ص ۴۴' دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۴۱)

حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال چار ماہ رہی (دس دن کم تھے) حضرت عمر کی خلافت دس سال چھ ماہ چار دن رہی' حضرت عثمان کی خلافت بارہ دن کم بارہ سال رہی اور حضرت علی کی خلافت دو یا تین ماہ کم پانچ سال رہی۔

(دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۴۲-۳۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

۱۸- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اپنے مرض الموت میں فرمایا میرے لیے ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی (خلافت کی) تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا کہ میں (خلافت کے) زیادہ لائق ہوں اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۱۱' (۲۳۸۷) ۶۰۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۵' مسند احمد ج ۶' ص ۲۲۸' دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۴۳)

۱۹- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے (ایک راوی کا خیال ہے کہ حضرت انس نے حراء پہاڑ کہا تھا) اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ لرزنے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا' تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۵' ۳۶۸۶' ۳۶۹۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۱' مسند احمد ج ۵' ص ۳۳۱' ۳۴۶' دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۵۰)

۲۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (الحجرات: ۲) اے ایمان والو! نبی کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ سے ہوں اور نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے' نبی ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کے متعلق پوچھا اور فرمایا اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرا پڑوسی ہے اور مجھے اس کی بیماری کا کوئی علم نہیں' پھر حضرت سعد نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے

دریافت کرنے کا ذکر کیا' حضرت ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے میری آواز سب سے اونچی ہے' پس میں اہل دوزخ سے ہوں' حضرت سعد نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا آپ نے فرمایا بلکہ وہ اہل جنت میں سے ہے' امام مسلم کی ایک روایت میں ہے (رقم الحدیث: ۳۱۰) کہ جب حضرت ثابت ہمارے درمیان چلتے تھے تو ہم یقین کرتے تھے کہ یہ جنتی ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۶' صحیح مسلم الایمان' ۱۸۷ (۱۱۹) ۳۰۷)

حضرت ثابت مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶' ص ۳۵۵' المستدرک ج ۳' ص ۲۳۴' مجمع الزوائد ج ۹' ص ۳۲۲)

۲۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں' میں ان سے گھبرا گیا اور مجھ کو وہ ناگوار لگے پھر مجھے اجازت دی گئی کہ میں ان کو پھونک سے اڑا دوں' سو میں نے پھونک مار کر ان کو اڑا دیا۔ عبید اللہ نے کہا ان میں سے ایک عنسی تھا جس کو فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷۰' صحیح مسلم الرویا ۲۲' (۲۲۷۴) ۵۸۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۹' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۶۵۴' مسند احمد ج ۱' ص ۲۶۳' طبع قدیم' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۸۲۵۶' طبع جدید)

۲۲- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں لیکن وہ ان میں اختلاف اور نزاع پیدا کرنے کے لیے مایوس نہیں ہے۔

(صحیح مسلم المنافقین ۶۵ (۲۸۱۲) ۶۹۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۴۴' مسند احمد ج ۳' ص ۳۱۳)

۲۳- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی وہ رونے لگیں' پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں' حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے کیا سرگوشی کی تھی جس پر آپ روئیں اور پھر سرگوشی کی تو آپ ہنسیں' حضرت فاطمہ نے فرمایا آپ نے مجھ سے سرگوشی کر کے مجھے اپنی وفات کی خبر دی تو میں روئی پھر سرگوشی کر کے یہ خبر دی کی آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ لاحق ہوں گی تو پھر میں ہنسی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۲۵' صحیح مسلم فضائل صحابہ' ۹۸ (۲۴۵۰) ۶۲۹۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۶۷' مسند احمد ج ۶' ص ۲۸۲' الطبقات الکبریٰ ج ۲' ص ۲۴۷' دلائل النبوت ج ۶' ص ۳۶۵)

۲۴- حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ بن الحارث کی ملاقات کے لیے رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے اور آپ نے ان کا نام الشہیدۃ رکھا تھا' وہ قرآن کی حافظہ تھیں' جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی تیمار داری کروں' شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو شہادت عطا فرمائے گا اور آپ ان کو الشہیدہ کہتے تھے' اور نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کی امامت کیا کریں' ان کو مال غنیمت میں سے ایک باندی اور ایک غلام ملا تھا' جن کو انہوں نے مدبر کر دیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو) حضرت عمر کے دور خلافت میں ان دونوں نے حضرت ام ورقہ کو قتل کر دیا اور دونوں بھاگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو پکڑ لیا گیا اور ان دونوں کو سولی پر لٹکایا' مدینہ میں ان کو سب سے پہلی سولی دی گئی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا' آپ فرماتے تھے چلو الشہیدہ

کی زیارت کے لیے چلیں۔

(مسند احمد ج ۶، ص ۳۰۵، طبع قدیم احمد شاکر نے اس کی ایک سند کو ضعیف اور دوسری سند کو صحیح کہا ہے۔ مسند احمد ج ۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۱۵۸، ۲۷۱۵۷، طبع دار الحدیث قاہرہ، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ المستدرک ج ۱، ص ۱۶۱، رقم الحدیث: ۵۹۲، صحیح ابن خزیمہ، ج ۳، ص ۸۹، رقم الحدیث: ۱۶۷۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۱۳۰، دلائل النبوۃ ج ۶، ص ۳۸۱، الاصابہ رقم الحدیث: ۱۲۲۹۸، الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۶۸۶، اسد الغابہ رقم ۶۲۲۶، کتاب الثقات ج ۳، ص ۴۶۳)

۲۵- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور سوچا آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں گا، آپ مسجد میں نہیں تھے، میں آپ کی تلاش میں نکلا آپ اریس نامی کنویں کی منڈیر پر کنویں میں ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، میں اس کے دروازہ پر چلا گیا اور میں نے سوچا کہ میں آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربان بنوں گا، تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا: کون ہے، آنے والے نے کہا ابوبکر! میں نے کہا ٹھہریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور ان کو جنت کی بشارت دو، حضرت ابوبکر آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر نے دروازے پر دستک دی، میں نے کہا ٹھہریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو، وہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب منڈیر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے دروازہ پر دستک دی، میں نے کہا ٹھہریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے اجازت طلب کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اجازت دے دو، اور جنت کی بشارت دو ان مصائب اور فتنوں کے ساتھ جو ان کو لاحق ہوں گے۔ (ملخصاً)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۳، صحیح مسلم فضائل الصحابہ، ۲۹ (۲۴۰۳) ۶۰۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۱۲، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۰۲، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۱۹۶۶۴)

۲۶- حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ عنقریب واقع ہونے والے ہیں، اس وقت ایک شخص کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپے ہوئے گزرا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہوگا، میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے پھر آپ کی طرف رخ کر کے پوچھا یہ؟ آپ نے فرمایا ہاں!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲، ص ۴۰، المعجم الکبیر ج ۲۰، ص ۷۵۲، مسند احمد ج ۷، رقم الحدیث: ۲۰۳۷۳)

۲۷- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا۔ پھر آپ نے حضرت عثمان بن عفان کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص فتنوں میں مظلوماً قتل کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

۲۸- ابو سہلہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر صابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲، ص ۴۴، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث: ۴۰۷، طبع جدید)

٢٩- حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر کے متعلق فرمایا جس وقت وہ خندق کھود رہے تھے آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا اے ابن سمیہ افسوس ہے! تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

(صحیح مسلم الفتن ٧٠ (٢٩١٥) ٧١٨٧' سنن کبری للنسائی رقم الحدیث: ٨٠٤٨' دلائل النبوة ج ٦' ص ٤٢٠)

٣٠- فضالہ بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت ابو فضالہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گیا' میرے والد نے کہا کاش آپ کی جگہ مجھے اجل آ جاتی! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا حتیٰ کہ مجھے امیر بنا دیا جائے اور میری یہ داڑھی خون سے رنگین ہو جائے یعنی میں شہید ہو جاؤں' حضرت علی شہید کر دیے گئے اور حضرت ابو فضالہ حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(مسند احمد ج ١' ص ١٠٢' طبع قدیم' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ١' رقم الحدیث: ٨٠٢' طبع دار الحدیث قاہرہ' المستدرک ج ٣' ص ١١٣' الطبقات الکبری ج ٣' ص ٣٤' مجمع الزوائد ج ٩' ص ٧-١٣٦' دلائل النبوت ج ٦' ص ٤٣٨)

٣١- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے' آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے' امید ہے کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح فرمادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٧٠٤' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٦١٤٣' مسند احمد ج ٥' ص ٤٩)

٣٢- عمار بن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی ﷺ کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں اور آپ دوپہر کے وقت ایک شیشی اٹھائے ہوئے ہیں جس میں خون بھرا ہوا ہے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے میں آج دن سے لے کر اب تک یہ خون جمع کرتا رہا ہوں۔ ہم نے وہ دن یاد رکھا پھر معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اسی دن شہید کیا گیا تھا۔

(مسند احمد ج ١' ص ٢٤٢' ٢٨٣' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ٢' رقم الحدیث: ٢١٦٥' ج ٣' رقم الحدیث: ٢٥٥٣' طبع دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر ج ١٢' رقم الحدیث: ١٢٨٣٧' ج ٢' رقم الحدیث: ٢٨٢٢) حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ٩' ص ١٩٤' البدایہ والنہایہ ج ٦' ص ٢٣١' المستدرک ج ٢' ص ٣١٤۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

٣٣- حضرت عباس بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو کسی کام سے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ کے پاس ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ لوٹ آئے۔ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں نے اپنے بیٹے کو آپ کے پاس کسی کام سے بھیجا تھا وہ آپ کے پاس ایک شخص کو دیکھ کر لوٹ آئے' اور بات نہ کر سکے' آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ وہ شخص کون تھا' وہ شخص جبریل علیہ السلام تھے اور (حضرت ابن عباس) اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ نابینا نہ ہو جائیں اور ان کو علم دیا جائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ٢٦٧٩' ٢٨٤٨' طبع جدید' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٠٥٨٤' ١٢٨٣٦' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ٦' ص ٢٧٦)

۳۴- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم مصر کو فتح کرو گے اور یہ وہ زمین ہے جس میں قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے تم وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا کیونکہ ان کا ذمہ اور رحم ہے۔ (ذمہ سے مراد حرمت اور حق ہے اور رحم سے مراد یہ ہے کہ حضرت ہاجر، حضرت اسماعیل کی والدہ مصری تھیں)

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ '۲۲۷' (۲۵۴۳) ۶۳۷۵ 'مسند احمد ج ۶' ص ۱۷۳)

۳۵- حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی طرف گئے تو مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا' جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ذات انواط بنا دیجئے جیسا ان کے لیے ذات انواط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں' اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہو گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۷۰۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' ص ۱۰۱' المعجم الکبیر ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۹۰' ۳۲۹۴)

۳۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سر پر (صدی کی انتہا یا ابتداء پر) اس امت کے لیے اس شخص کو مبعوث کرے گا جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا۔ (یعنی بدعات کو مٹائے گا اور جن احکام پر مسلمانوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ان پر عمل کروائے گا۔)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۱' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۱)

۳۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھائی اور جب سلام پھیر لیا تو فرمایا مجھے بتاؤ یہ کون سی رات ہے کیونکہ اس کے ایک سو سال بعد ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا جو روئے زمین پر اب زندہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱' صحیح مسلم فضائل الصحابہ' رقم الحدیث: ۲۱۷' (۲۵۳۷) ۶۳۴۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۸' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۷۱)

۳۸- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودیہ نے ایک بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ایک دست لیا اور اس میں سے کھایا اور آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بھی اس میں سے کھایا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کہا اپنے ہاتھ روک لو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کو بلوایا اور فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ اس نے کہا ہاں! آپ کو کس نے خبر دی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دست کی طرف اشارہ کیا مجھے اس نے خبر دی ہے۔ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا تم نے کس لیے ایسا کیا تھا؟ اس نے کہا میں نے سوچا اگر یہ نبی ہیں تو ان کو اس زہر سے نقصان نہیں ہو گا اور اگر یہ نبی نہیں ہیں تو ہماری خلاصی ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو سزا نہیں دی' اور آپ کے بعض اصحاب جنہوں نے اس بکری کا گوشت کھایا تھا وہ فوت ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری سے کھائے ہوئے گوشت کی وجہ سے پیٹھ کے اوپر گردن کے نیچے فصد لگوائی۔ بنو بیاضہ کے آزاد شدہ غلام نے یہ فصد لگائی تھی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۵۱۰' الادب المفرد' رقم الحدیث: ۲۴۳' جامع الاصول

ج۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۷)

۳۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک بکری تحفہ میں پیش کی گئی جو زہر آلود تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہاں جتنے یہودی ہیں ان سب کو جمع کرو، یہودیوں کو جمع کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں؟ کیا تم مجھ سے سچ بولو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا ہمارا باپ فلاں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ تب یہودیوں نے کہا آپ نے سچ کہا اور نیک کام کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم سے ایک چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں کیا تم مجھے سچ سچ بتا دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم، اور اگر ہم نے جھوٹ بھی بولا تو آپ کو ہمارے جھوٹ کا علم ہو جائے گا جیسا کہ آپ کو ہمارے باپ کے متعلق علم ہوگیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل دوزخ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس میں تھوڑی دیر رہیں گے، پھر ہمارے بعد تم لوگ دوزخ میں جاؤ گے! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ، بہ خدا ہم تمہارے بعد اس میں کبھی بھی نہیں جائیں گے، پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا تم کو اس کام پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو ضرر نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۷۷، مسند احمد ج ۲، ص ۴۵۱، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۹، جامع الاصول ج۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۶)

۴۰۔ انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے، آپ قبر کھودنے والے کو وصیت فرما رہے تھے کہ پیروں کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، اور سر کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو، جب آپ واپس ہوئے تو ایک عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا، آپ نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، پس کھانا لایا گیا، آپ نے اپنا ہاتھ رکھا، پھر قوم نے اپنا ہاتھ رکھا، سب نے کھایا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا آپ اپنے منہ میں ایک لقمہ چبا رہے تھے، آپ نے فرمایا مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے بغیر لیا گیا ہے، پھر اس عورت کو بلایا گیا اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے کسی کو نقیع (بکریاں فروخت کرنے کی جگہ 'منڈی') کی طرف بھیجا تھا، تاکہ میرے لیے بکری خرید لی جائے، تو بکری نہیں ملی، میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا، میں نے اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے وہ بکری مجھے بھیج دی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۳، جامع الاصول ج۱۱، رقم الحدیث: ۸۸۸۹، مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۹۴۲)

۴۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ بدر کے دن) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ نے زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ رکھا تھا کوئی شخص اس سے بالکل متجاوز نہیں ہوا (اسی جگہ گر کر مرا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کو

گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے کل رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار بدر کے گرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے 'کل فلاں یہاں گرے گا۔ انشاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۱' صحیح مسلم المنافقین: ۷۵ (۲۸۷۲) ۷۰۸۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳' مسند احمد ج ۳' ص ۲۱۹-۲۵۸' مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۹۳۸)

۴۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے اس وقت بڑے زور سے آندھی چلی لگتا تھا کہ سوار دفن ہو جائیں گے' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک منافق کی موت کی وجہ سے یہ آندھی بھیجی گئی ہے' جب ہم مدینہ پہنچے تو ایک بہت بڑا منافق مر چکا تھا۔

(صحیح مسلم المنافقین: ۱۵ (۲۷۸۲) ۶۹۰۸' مسند احمد ج ۳' ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۵)

۴۳۔ حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کچھ چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا' جب بکثرت سوال کیے گئے تو آپ غضب ناک ہوئے پھر آپ نے لوگوں سے کہا تم جو چاہتے ہو مجھ سے سوال کرو' ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ سالم ہے شیبہ کا آزاد کردہ غلام' جب حضرت عمر نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۲' ۷۲۹۱)

۴۴۔ حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کل میں یہ جھنڈا ضرور اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا' وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں' وہ تمام رات مسلمانوں نے اس بے چینی میں گزاری کہ آپ کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں' صبح کو تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کو اس جھنڈے کے عطا کیے جانے کی امید تھی' آپ نے پوچھا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے' پھر حضرت علی کو مسلمانوں نے بلایا' وہ لائے گئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی' وہ تندرست ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی تکلیف ہی نہ تھی' آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا' حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں' آپ نے فرمایا اطمینان سے جانا' حتیٰ کہ تم ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ' پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا' اور ان کو یہ بتانا کہ ان پر اللہ کا کیا حق واجب ہے' اللہ کی قسم! اللہ تمہارے سبب سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۹' ۳۷۰۱' صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۳۴' (۲۴۰۶) ۶۱۰۶' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۰۳' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۴۹۵)

۴۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری اس بیماری میں عیادت کی جس کی وجہ سے میں موت کے کنارے پہنچ گیا تھا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنی تکلیف ہے! میں مال دار ہوں اور میری صرف ایک بیٹی ہے کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا کیا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں' پھر آپ نے فرمایا تہائی مال صدقہ کرو' تہائی مال بہت ہے' اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ دو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں' اور تم اللہ کی رضا جوئی کے

لیے جو خرچ بھی کرو گے تم کو اس میں اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس پر بھی اجر ملے گا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنے احباب کے پیچھے رہ جاؤں گا۔ (یعنی حج کے بعد ان کے ساتھ مدینہ نہ جاسکوں گا؟) آپ نے فرمایا تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے' تم اللہ کی رضاجوئی کے لیے جو بھی کرو گے' تمہارے درجے اس سے زیادہ اور بلند ہوں گے اور شاید کہ تم بعد میں زندہ رہو اور تم سے ایک قوم کو فائدہ اور دوسری کو نقصان ہو' اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو قائم رکھ اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹا' لیکن سعد بن خولہ پر افسوس ہے' حضرت سعد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ان پر اس لیے افسوس کیا کہ وہ مکہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ (حضرت سعد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تک زندہ رہے انہوں نے ایران کو فتح کیا جس سے مسلمانوں کو نفع اور مجوسیوں کو نقصان ہوا)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۰۹' صحیح مسلم الوصیۃ '۵' (۱۶۲۸) ۴۱۳۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۶' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۴۵۳' مسند احمد ج ۱' ص ۱۷۹' ۱۷۵' ج ۳' ص ۳۶۵-۳۲)

۴۶- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس قوم سے جنگ نہ کرو جو بالوں والے چمڑے کی جوتیاں پہنیں گے اور حتیٰ کہ تم ترکوں سے قتال نہ کرو' جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی اور ناک چپٹی ہوگی اور ان کے چہرے ہتھوڑوں سے کوٹی ہوئی ڈھالوں کی مانند ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۷' صحیح مسلم الفتن ۶۲ (۲۹۱۲) ۷۱۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۰۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۹۶' مسند احمد ج ۲' ص ۲۳۹' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۰' جامع الاصول ج ۱۰' رقم الحدیث: ۷۸۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم یہود سے قتال کرو گے اور تم ان پر مسلط ہو جاؤ گے' حتیٰ کہ ایک پتھر یہ کہے گا کہ اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی ہے۔ اس کو قتل کر دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۹۳' صحیح مسلم الفتن ۷۹ (۲۹۲۲) ۷۲۰۲' مسند احمد ج ۲' ص ۴۱۷)

۴۷- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ کیا کہ اگر میں اس غزوہ کو پالوں تو میں اس میں اپنی جان اور مال کو خرچ کروں اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو میں سب سے افضل شہید ہوں گا اور اگر میں لوٹ آیا تو میں جہنم سے آزاد ہوں گا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۴' ۳۱۷۳' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت)

۴۸- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور اہل احد پر نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ منبر کی طرف مڑ گئے' (یعنی مسجد کی طرف تشریف لے گئے) آپ نے فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں' اور میں تم پر گواہ ہوں' اور بے شک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کی طرف ضرور دیکھ رہا ہوں' اور بے شک مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں' اور بیشک اللہ کی قسم! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴' صحیح مسلم الفتن: ۳۰ (۲۲۹۶) ۵۸۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' ۳۲۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۴)

۴۹- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو (درہم) مقرر کیا' اور حضرت عباس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس بالکل مال نہیں ہے' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا تو وہ مال کہاں

ہے جو تم نے اور ام الفضل نے حل کر دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آگیا تو یہ مال میرے ان بیٹوں کا ہے: الفضل' عبداللہ اور قثم۔ حضرت عباس نے کہا اللہ کی قسم! مجھے اب یقین ہو گیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں' اس بات کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴' ص ۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

۵۰- امام ابن سعد' عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے دن نوفل کو قید کیا گیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اپنی جان کے فدیہ میں وہ نیزہ دو جو جدہ میں ہے' انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ کے بعد میرے علاوہ کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ میرے پاس جدہ میں نیزہ ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴' ص ۶۹)

۵۱- عاصم بن زید السکونی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا' ان کے ساتھ نبی ﷺ بھی باہر نکلے' آپ ان کو وصیت فرما رہے تھے' حضرت معاذ سوار تھے اور نبی ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ نصیحت سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے معاذ! امید ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے اور شاید کہ تم میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو' رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے خیال سے حضرت معاذ رونے لگے' نبی ﷺ نے فرمایا اے معاذ مت روؤ کیونکہ (آواز سے) رونا شیطان کا کام ہے۔

(مسند احمد ج ۵' ص ۲۳۵' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۱۹۵۳' دلائل النبوت للبیہقی ج ۵' ص ۴۰۵۔۴۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے بالخصوص قیامت کے احوال کی جو خبریں دی ہیں' ان کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے پچیس احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علم ما کان وما یکون کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات سے دس احادیث بیان کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے منجملہ غیب کی جو خبریں دی ہیں اس کے متعلق ہم نے متعدد کتب حدیث سے اکیاون احادیث بیان کی ہیں' سو آپ کے علم غیب کے متعلق یہ کل چھیاسی احادیث ہیں اور ہر ہر حدیث متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے مزین ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے متعلق تمام احادیث کا احاطہ اور احصاء نہیں کیا اور طوالت کی وجہ سے بے شمار احادیث کو ترک کر دیا' اس سے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب عطا فرمایا تھا' وہ علم کا ایسا عظیم سمندر ہے جس کا تصور بھی ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے بکثرت واقعات کی خبر دی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے عظیم معجزوں میں سے ہے تو ان احادیث اور آیت کریمہ "لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر" (الاعراف: ۱۸۸) میں کیسے تطبیق ہو گی' تو میں کہوں گا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ سے بطور تواضع اور ادب یہ کلمات کہلوائے ہوں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے مطلع اور قادر کیے بغیر میں غیب کو نہیں جانتا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کرنے سے پہلے یہ کلمات کہلوائے ہوں' پھر جب اللہ نے آپ کو مطلع کر دیا تو آپ نے غیب کی خبریں دیں' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے: عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ (الجن: ۲۷۔۲۶)

یا اس آیت میں کفار کے سوال کا جواب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے مغیبات پر مطلع فرمایا تو آپ نے ان کی

خبریں دی اور یہ آپ کا معجزہ ہو گیا اور آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل۔ (لباب التاویل للخازن ج ۲ ص ۱۶۷ 'مطبوعہ پشاور)

علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی ان جوابات کو ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان نے ان جوابات کو اختیار کیا ہے اور علامہ آلوسی نے ان جوابات میں تامل کی دعوت دی ہے۔

(حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲ ص ۲۱۷ 'روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۷)

علامہ آلوسی کا مختار جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم غیب کے استمرار کی نفی ہے یعنی اگر میں ہمیشہ غیب کو جانتا ہوتا تو خیر کثیر کو جمع کر لیتا۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۷ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 'بیروت)

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر علم کی نفی کرائی گئی ہے اور جن احادیث میں علم کا ثبوت ہے وہ اللہ کے بتانے سے ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۵۰ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ کلام براہ ادب و تواضع ہے 'معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ذات سے غیب نہیں جانتا جو جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی اطلاع سے (خازن) حضرت مترجم (اعلیٰ حضرت) قدس سرہ نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو سکتا ہے ' جو ذاتی قدرت رکھے اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو 'کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے تو اس کے تمام صفات ذاتی 'تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا 'تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا ' بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور برائیوں سے مراد تنگی اور تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے ' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو 'اور برائی سے بد بخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا 'تو حاصل کلام یہ ہو گا کہ اگر میں نفع اور ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اے منافقین و کافرین تمہیں سب کو مومن کر ڈالتا اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

(خزائن العرفان علی حاشیۃ کنز الایمان ص ۲۸۲ 'مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

علماء دیو بند نے بھی اس سے ملتی جلتی اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں علماء دیو بند کا نظریہ

مفتی محمد شفیع دیو بندی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں 'دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لیے ضروری ہو 'اور اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا۔ اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں 'بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی۔ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کا ارادہ کر کے حدود حرم تک پہنچ گئے مگر حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی‘ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

اور شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم و قدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔

اس آیت نے بھی یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

ہاں اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے خصوصاً ہمارے رسول کریم ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا۔ اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا‘ مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

(معارف القرآن ج ۴‘ ص ۱۴۸-۱۴۷‘ مطبوعہ ادارۃ المعارف‘ کراچی‘ ۱۹۹۳ء)

اس کی مزید وضاحت اس تفسیر سے ہوتی ہے جو شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے النمل: ۶۵ میں سپرد قلم کی ہے۔

ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمایا یا غیب کی خبر دے دی‘ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلان یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں‘ اس لیے علماء محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں (الی قولہ) واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن و دلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل و قرینہ نہ ہو وہ مراد ہے۔ اور الاعراف: ۱۸۸ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں: بہرحال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے ہیں۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے‘ اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

ہمارے نزدیک بھی نبی ﷺ کو باوجود عالم ماکان و مایکون ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً یوں نہیں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ غیب جانتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نبی ﷺ کو غیب کا علم دیا گیا یا نبی ﷺ کو غیب پر مطلع کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے میں اعلیٰ حضرت کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ "علم الغیب وارد ہے کمافی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے کان یعلم علم الغیب مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے المراد بہ الخفی الذی لا ینفذ فیہ ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولھذا لا یجوزان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب (غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے جس میں ابتداً صرف اللہ تعالیٰ کا علم نافذ ہوتا ہے۔ اس لیے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب کو جانتا ہے)

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس ﷺ قطعاً بے شمار غیوب و ماکان و مایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس ﷺ قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ غرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی' امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں کم من معتقد لا یطلق القول بہ خشیۃ ایھام غیرہ مما لا یجوز اعتقادہ فلا ربط بین الاعتقاد و الاطلاق (کتنے عقائد ایسے ہیں جن کا مطلقاً قول نہیں کیا جاتا۔ مبادا ان کے غیر کا وہم کیا جائے جن کا اعتقاد جائز نہیں ہے' اس لیے کسی چیز کا اعتقاد رکھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں کوئی تلازم نہیں ہے) یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں وانما لم یجز الاطلاق فی غیرہ تعالی لانہ یتبادر منہ تعلق علم بہ ابتداء فیکون مناقضا واما اذا قید وقیل اعلمہ اللہ تعالی الغیب او اطلعہ علیہ فلا محذور فیہ (اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداءً ہے' تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹' ص ۸۱' مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ' کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

علم مانی الغد (کل کا علم) کے بارہ میں ام المومنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مانی الغد تھا (کل کا علم تھا) وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔

(ملفوظات ج ۳' ص ۴۴' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی دونوں نے ہی یہ تصریح کی ہے کہ علوم اولین و آخرین کے حامل ہونے اور بکثرت غیوب پر مطلع ہونے کے باوجود نبی ﷺ کو عالم الغیب کہنا اور آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا ہرچند کہ از روئے لغت اور معنی صحیح ہے لیکن اصطلاحاً صحیح نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا

وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی

لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ

تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر مرد نے جب اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیف سا حمل ہوگیا، وہ اس کے ساتھ چل پھر رہی

فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ

تھی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح وسالم بیٹا دیا تو ہم ضرور

مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ

شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے انہیں صحیح وسالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے شریک

اٰتٰٮهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ

ٹھیرا لیے، سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں ○ کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں

شَيۡـئًا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ۚ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ

کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ○ اور وہ ان (مشرکین) کے لیے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد

يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ ؕ سَوَآءٌ

کر سکتے ہیں ○ اور (اے مشرکو!) اگر تم ان بتوں کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آسکیں گے سو تمہارے

عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ

لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ○ بے شک اللہ کو چھوڑ کر

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ

تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اور پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَاۤ ۖ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ

اگر تم سچے ہو ○ کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں

يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

جن سے وہ پکڑ سکیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں، یا ان کے کان ہیں

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

جن سے وہ سن سکیں، آپ کہیے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزماؤ اور اس کے بعد مجھے (بالکل) مہلت مت دو○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے' پھر جب مرد نے اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیف سا حمل ہو گیا وہ اسی کے ساتھ چل پھر رہی تھی' پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بیٹا دیا تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے○ پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں○ (الاعراف: ۱۹۰-۱۸۹)

ان روایات کی تحقیق جن میں مذکور ہے کہ حضرت آدم اور حوا نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حوا حاملہ ہو گئیں تو ان کے پاس ابلیس گیا' حوا کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا' ابلیس نے ان سے کہا تم اس کا نام عبد الحارث رکھ دو' انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا پھر وہ بچہ زندہ رہا' یہ کام شیطان کے وسوسہ سے تھا۔ امام عبد الرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نام رکھنے میں شرک کیا تھا عبادت میں شرک نہیں کیا تھا۔

(تفسیر امام عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۸' مسند احمد ج ۷' رقم الحدیث: ۲۰۱۳۷' المستدرک ج ۲' ص ۵۴۵' الدر المنثور ج ۳' ص ۶۲۳)

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صرف عمر بن ابراہیم از قتادہ کی سند سے مروی ہے۔ اور اس کی روایت لائق احتجاج نہیں ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا ہے اس نے قتادہ سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا اس نے قتادہ سے ایسی احادیث روایت کیں ہیں جن میں اس کی کوئی موافقت نہیں کرتا۔ امام ابن حبان نے اس کا ضعفاء میں شمار کیا اور کہا جب یہ قتادہ سے روایت میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

(تہذیب التہذیب ج ۷' ص ۳۵۹' رقم الحدیث: ۵۰۴۰' تہذیب الکمال رقم الحدیث: ۴۲۰۰' لسان المیزان ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۵۹)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ روایت اہل کتاب کے آثار سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث صحیح ہے کہ جب اہل کتاب تم سے حدیث

بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور اہل کتاب کی روایات کی تین قسمیں ہیں' بعض وہ ہیں جن کا صحیح ہونا ہمیں کتاب اور سنت سے معلوم ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا کذب ہمیں کتاب اور سنت سے معلوم ہے۔ (مثلاً حضرت عیسیٰ کو یہود کا سولی پر لٹکانا) اور بعض وہ ہیں جن کا صدق یا کذب متعین نہیں ہے۔ اور اس روایت کا کذب ہمیں معلوم ہے کیونکہ اگر دونوں میاں بیوی سے مراد حضرت آدم اور حوا ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ دونوں مشرک ہوں کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ہے پس جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور معصوم ہیں ان کا شرک کرنا عادۃً محال ہے' اور امام عبدالرزاق کی روایت کلبی سے ہے اور اس کا حال سب کو معلوم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳' ص ۲۶۵' مطبوعہ دار الاندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم اور حوا کو زمین پر اتار اگیا تو حضرت آدم کی طبیعت میں شہوت ڈال دی گی اور انہوں نے حضرت حوا سے عمل زوجیت کیا' جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ حرکت کرنے لگا اور وہ سوچتی تھیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان کے پاس ابلیس گیا اور کہنے لگا تم نے زمین پر اونٹنی' گائے' بکری' دنبہ اور بھیڑ کو دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے تمہارے پیٹ سے ایسی ہی کوئی چیز نکلے' حضرت حوا یہ سن کر گھبرا گئیں' اس نے کہا میری بات مان لو' اس کا نام عبدالحارث رکھو تو پھر تمہارے مشابہ بچہ پیدا ہو گا۔ حواء نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت آدم نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے ہم کو جنت سے نکلوایا تھا' وہ بچہ مر گیا' حضرت حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں ابلیس پھر ان کے پاس گیا اور کہا میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو' اور ابلیس کا نام فرشتوں میں حارث تھا' اس نے کہا ورنہ کوئی اونٹنی یا گائے یا بکری یا بھیڑ پیدا ہو گی یا تمہارے مشابہ بچہ ہوا تو میں اس کو مار دوں گا جیسے میں نے پہلے بچہ کو مار دیا تھا۔ حواء نے اس واقعہ کا حضرت آدم سے ذکر کیا انہوں نے گویا اس پر ناگواری ظاہر نہیں کی' تو حواء نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ سعید بن جبیر نے ان آیات کا مصداق حضرت آدم اور حوا کو قرار دیا ہے۔

(جامع البیان ج ۹' ص ۱۹۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۶۳۲' الدر المنثور ج ۳' ص ۶۲۴)

یہ روایت بھی باطل ہے۔ کیونکہ حضرت آدم نے اگر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور علم رکھا تھا اور اس کے لفظی معنی کا لحاظ نہیں کیا تھا تو پھر یہ نام رکھنا شرک نہ ہوا کیونکہ اسماء اعلام میں الفاظ کے معانی اصلیہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ان آیات کا مصداق قرار دینا صحیح نہ ہوا اور اگر حضرت آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث بہ طور صفت رکھا تھا تو پھر یہ شرک ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں ان سے شرک کیسے متصور ہو سکتا ہے یہ کیوں کر متصور ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ابلیس کا بندہ قرار دیں۔

جعلا لہ شرکاء (انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے) کی توجیہات

اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے تو دونوں نے اللہ سے دعا کی نیز دوسری روایت میں ہے جب اللہ نے انہیں صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرا لیے یہ دعا کرنے والے اور شریک ٹھہرانے والے کون تھے؟ مفسرین کرام نے ان آیات کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

۱- ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا جہل اور ان کا شرک بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم میں سے ہر شخص کو پیدا کیا ہے' اور اسی کی جنس سے اس کی بیوی بنائی اور جب شوہر نے اپنے بیوی سے عمل زوجیت کر لیا اور وہ حاملہ ہو گئی تو دونوں

میاں اور بیوی نے اللہ سے دعا کی' جو ان کا رب ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم بیٹا دیا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شرک کرنے لگے۔ دہریے کہتے ہیں کہ بچہ کا اس طرح پیدا ہونا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ستارہ پرست کہتے ہیں کہ یہ ستاروں کی چال اور ان کی تاثیر سے پیدا ہوا اور بت پرست یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی دین ہے۔ اور یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ فطرت ہو یا ستارے' بت ہوں یا دیوی اور دیوتا' سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اسی نے اولاد کو بھی پیدا کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اسی نے بیٹا دیا' حضرت زکریا جب بڑھاپے میں اولاد سے ناامید ہو چکے تھے تو انہوں نے اسی کو پکارا اور اسی سے دعا کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کو فرزند عطا کیا۔ سو اولاد کی طلب کے لیے اسی کے آستانہ پر سر جھکانا چاہیے اور اولاد پانے کے بعد اسی کا شکر ادا کرنا چاہیے' البتہ اولاد کی طلب کے لیے نیک لوگوں اور بزرگوں سے دعا کرانا جائز ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔

طلب اولاد کے لیے اگر نذر مانی ہو تو اللہ کی عبادت مقصودہ کی نذر مانی جائے' نذر عبادت ہے اس لیے کسی ولی یا بزرگ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے' اگر کسی بزرگ کی دعا سے اولاد ہو یا ان کے وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اولاد ہو' تب بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا ان کی دعا سے اولاد ہوئی' اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کے عطا کرنے سے اولاد ہوئی ہے اور فلاں بزرگ وسیلہ ہیں' اور یوں کہے کہ فلاں بزرگ نے اولاد عطا کی ہے تو یہ سبب کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اس مجازی نسبت کا ذکر کرنے کی بجائے حقیقی نسبت کا ذکر کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے جس نے اس بزرگ کی دعا قبول فرمائی اور جائز حد تک اس بزرگ کی بھی تعظیم کرے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۱' مسند احمد ج ۲' ص ۲۵۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۰۲۵' مجمع الزوائد ج ۵' ص ۲۱۷)

۲- اس آیت میں ان قریش سے خطاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے' اور وہ قصی کی اولاد تھے' اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کی بیوی عربیہ قرشیہ بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بیٹا عطا فرما دیا تو ان دونوں میاں بیوی نے اس کی دی ہوئی نعمت میں اللہ تعالیٰ کے شریک گھڑ لیے اور انہوں نے اپنے چار بیٹوں کے یہ نام رکھے۔ عبد مناف' عبد العزیٰ' عبد قصی اور عبد اللات اور اس کے بعد ان کے متبعین کے متعلق فرمایا سو اللہ اس سے بلند ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں۔

۳- اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیات حضرت آدم اور حواء کے متعلق ہیں تو یہ آیتیں مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہیں اور اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں ہمزہ استفہام کا مقدر ہے یعنی اجعلا لہ شرکاء اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بیٹا عطا کر دیا تو کیا انہوں نے اللہ کے شریک گھڑ لیے تھے؟ تو اے مشرکو! تم کیوں اللہ کے لیے شریک گھڑتے ہو؟ اور اللہ اس چیز سے بلند ہے جس میں یہ مشرک اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں۔

۴- اس صورت میں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں جعلا کا فاعل اولادھما ہے اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم

مقام کر دیا جو جعلا میں ضمیر فاعل ہے اور معنی اس طرح ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء کی دعا کے موافق ان کو صحیح و سالم بیٹا دیا تو ان کی اولاد نے اللہ کی دی ہوئی نعمت میں شریک گھڑ لیے۔

۵- قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ یہ آیتیں یہود اور نصاریٰ سے متعلق ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی دعا کے موافق صحیح و سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس اولاد کو یہود و نصاریٰ بنا دیا اور یوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

(جامع البیان جز ۹' ص ۱۹۷' زاد المسیر ج ۳' ص ۳۰۳)

۶- حوا ہر مرتبہ ایک مذکر اور ایک مونث دو بچے جنتی تھیں اور جعلا کا فاعل یہ دو بچے ہیں۔ یعنی جب ان کی دعا سے حضرت حوا کے دو صحیح و سالم بچے ہو گئے تو ان بچوں نے بڑے ہو کر اللہ کے شریک بنا لیے یا پھر ان کی اولاد در اولاد نے۔

(زاد المسیر ج ۳' ص ۳۰۳' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

غلط طریقہ سے نام لینے اور نام بگاڑنے کی مذمت

بعض تفاسیر کے مطابق ان آیتوں میں شرک فی التسمیہ (نام رکھنے میں شرک) کی مذمت فرمائی ہے۔ یعنی عبدالحارث' عبدالعزیٰ' عبدالات وغیرہ نام رکھنا شرک ہیں۔ اور عبداللہ اور عبدالرحمٰن ایسے نام رکھنے چاہئیں۔ ہمارے زمانہ میں نام کے سلسلہ میں بہت فروگزاشت پائی جاتی ہے بعض لوگ اپنے بچے کا نام عبدالرحمٰن یا عبدالخالق رکھتے ہیں اور لوگ اس کو رحمٰن صاحب خالق صاحب کہتے ہیں۔ کسی کا نام عبدالغفور ہوتا ہے اس کو لوگ غفورا' غفورا کہتے ہیں۔ کسی کا نام انعام الٰہی ہوتا ہے اور لوگ اس کو الٰہی صاحب کہتے ہیں یہ پڑھے لکھے لوگوں کا حال ہے اور پنجاب میں جو ان پڑھ لوگ ہیں وہ غلام محمد کو گاما اور غلام رسول کو سولا کہتے ہیں اور جس کا نام کنیز فاطمہ ہو اس کو پھتو کہتے ہیں۔ یہ نام تو صحیح اور مستحب ہیں لیکن ان ناموں کو غلط طریقہ سے پکارنے والے سخت بے ادبی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ (الحجرات ۱۱)	اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ بلاؤ کیسا برا نام ہے ایمان کے بعد فاسق کہلانا' اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

بچوں کا نام رکھنے کی تحقیق

دوسری بڑی خرابی نام رکھنے کے سلسلہ میں ہے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ نام رکھنے میں انفرادیت ہو اور ان کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ان کے بچے کا نام نیا اور اچھوتا ہو۔ خواہ اس کا مطلب' معنی کچھ نہ ہو۔ اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ لوگ شرجیل نام رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مہمل لفظ ہے اصل لفظ شرحبیل ہے۔ اسی طرح بچی کا نام ثوبیہ رکھتے ہیں یہ بھی مہمل لفظ ہے اصل لفظ ثویبہ ہے۔ بہترین نام عبداللہ اور امۃ اللہ ہیں' ہم چاہتے ہیں کہ نام رکھنے کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے جو ہدایات دیں ان پر مشتمل احادیث کو یہاں بیان کر دیں۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ ناموں کے متعلق احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

(صحیح مسلم الآداب ۲(۲۱۳۲) ۵۴۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۸)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میرا نام برہ (نیکوکار) رکھا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم

اپنی پاکیزگی اور بڑائی مت بیان کرو' اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکوکار ہے۔ صحابہ نے پوچھا ہم ان کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۲' صحیح مسلم الاداب ۱۹' (۲۱۴۲) ۵۵۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۲)

جن اسماء سے صاحب اسم کی پاکیزگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہو ایسے نام رکھنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہیں' جیسے آج کل لوگ نام رکھتے ہیں شمس الزمان' شمس الھدیٰ' اعظم خان' اکبر خان وغیرہ۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ شمس الدین اور محی الدین نام رکھنا ممنوع ہے اس میں خودستائی کے علاوہ جھوٹ بھی ہے۔ علامہ قرطبی مالکی نے بھی ایسے ناموں کو ممنوع لکھا ہے اور علامہ نووی شافعی نے مکروہ لکھا ہے۔ (ردالمحتار ج ۵' ص ۲۶۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عاصیہ (گنہ کرنے والی) تھا۔ نبی ﷺ نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔

(صحیح مسلم الاداب' ۱۵' (۲۱۳۹) ۵۵۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ برے ناموں کو تبدیل کردیتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

شریح بن ہانی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے قوم سے سنا کہ وہ ان کی کنیت ابوالحکم کے ساتھ ان کو پکارتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا بے شک اللہ ہی حکم ہے اور اسی کی طرف مقدمات پیش کیے جاتے ہیں تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے؟ انہوں نے کہا میری قوم کا جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان حکم دیتا ہوں (فیصلہ کرتا ہوں) تو میرے حکم پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں (سو اس لیے میری کنیت ابوالحکم ہے یعنی حکم دینے والا) آپ نے فرمایا یہ اچھا نہیں ہے' تمہارے بیٹے ہیں؟ شریح نے کہا میرے تین بیٹے ہیں۔ شریح' مسلم اور عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح' آپ نے فرمایا پس تم ابو شریح (شریح والا) ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۸۷)

اللہ کے اسماء صفات کی طرف اب کی اضافت کر کے کنیت رکھنا ممنوع ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ شخص اللہ کی صفت والا ہے جیسے کوئی شخص ابوالغفور' ابوالرحیم یا ابوالاعلیٰ کنیت رکھ لے۔

عبدالنبی نام رکھنے کا شرعی حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے میرا عبد' (بندہ) اور میری بندی' تم سب اللہ کے عبد ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندی ہیں۔ لیکن تم کو کہنا چاہیے میرا غلام اور میری باندی یا میرا نوکر اور میری نوکرانی۔

(صحیح مسلم الفاظ الادب' ۱۳' (۲۲۴۹) ۵۷۶۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۷۰' مسند احمد ج ۲' ص ۴۴۴)

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے' حرام نہیں ہے۔ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا

مملوک اللہ کا عبد ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے' اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عبد کہے تو اس میں شرک کی مشابہت کا خدشہ ہے' لہٰذا اس سے احتراز کے لیے اولیٰ ہے کہ اس کو میرا نوکر اور میرا خادم کہے' اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عبد کی اضافت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ (النور: ٣٢)
اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عباد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کردو۔

اسی طرح احادیث میں بھی عبد کی اضافت مسلمان کی طرف کی گئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے عبد اور اس کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٦٣' صحیح مسلم زکوٰۃ ٨' (٩٨٢) ٢٢٣٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٥٩٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٦٢٨' سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٤٦٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨١٢)

علامہ ابن بطال نے کہا کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تغلیظ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں' اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہرحال اللہ کا عبد ہے اب اگر وہ اسے میرا عبد کہے تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آگیا۔

(عمدۃ القاری ج ١٣' ص ١١٠' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ١٣٤٨ھ)

بعض لوگوں کا نام عبدالنبی اور عبدالرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان' اس عنوان کے تحت لکھا ہے۔ علی بخش' حسین بخش' عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا۔ (بہشتی زیور ج ١' ص ٣٥' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ' لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے۔ عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنا سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے۔ اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے' اس کی وجہ سے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ عبدالنبی' عبدالرسول اور عبدالمصطفیٰ نام رکھنا' ہرچند کہ جائز ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے' اس لیے خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے' اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام نبی' غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عبد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا خادم کہے۔ یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عبودیت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(النہایہ ج ٣' ص ١٥٥' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' مجمع بحار الانوار ج ٣' ص ٥١٢' مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ' ١٤١٥ھ)

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ١٠٣١ھ لکھتے ہیں:

اجلاء الشافعیہ میں سے علامہ اذرعی نے کہا فتاویٰ میں مذکور ہے کہ ایک انسان کا نام عبدالنبی رکھا گیا میں نے اس میں توقف

کیا۔ پھر میرا اس طرف میلان ہوا کہ یہ نام حرام نہیں ہے' جب اس کے ساتھ نبی ﷺ کی نسبت سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا جائے اور لفظ عبد سے خادم کے معنی کا ارادہ کیا جائے' اور اس نام کی ممانعت کی بھی گنجائش ہے جب جاہلوں کے عقیدہ شرکیہ کا خدشہ ہو یا کوئی شخص لفظ عبد سے حقیقت عبودیت کا ارادہ کرے' علامہ دمیری نے یہ کہا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جب اس سے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے کا قصد کیا جائے تو جائز ہے اور اکثر علماء کا میلان اس نام رکھنے کی ممانعت کی طرف ہے' کیونکہ اس میں اللہ کا شریک بنانے کا خدشہ ہے اور حقیقت عبودیت کے اعتقاد کا خطرہ ہے۔ جس طرح عبدالدار نام رکھنا منع ہے اور اسی قیاس پر عبدالکعبہ نام رکھنا حرام ہے۔

(فیض القدیر ج ۱' ص ۳۲۲-۳۲۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد حنفی لکھتے ہیں:

عبدالنبی نام رکھنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے' کیونکہ اس سے یہ وہم ہوگا کہ نبی ﷺ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اور اس دلیل کو مسترد کر دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص بھی عبدالنبی کا لفظ سنتا ہے وہ اس سے خادم کا معنی سمجھتا ہے مخلوق کا معنی نہیں سمجھتا۔ ہاں اولیٰ یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھا جائے تاکہ یہ وہم نہ ہو۔

(حاشیہ فیض القدیر علی ہامش السراج المنیر ج ۱' ص ۵۱' المطبوعہ المطبعہ الخیریہ' ۱۳۰۴ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنا ممنوع ہے' علامہ مناوی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جبکہ اس نسبت سے مشرف ہونا مقصود ہو' اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے' جیسے عبدالدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۵' ص ۲۶۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبہ میں فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا میں آپ کا عبد اور خادم تھا۔ (الامن والعلیٰ ص ۲۴' مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد خلاف اولیٰ نہیں ہے کیونکہ آپ نے عبد کے ساتھ خادم کے لفظ کا ذکر فرمایا ہے جس سے عبد بمعنی مخلوق کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یا ماں کے نام کی طرف؟

قیامت کے دن انسان کو اس کے باپ کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے لوگوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارا جائے گا اور اس باب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷' صحیح مسلم جہاد ۹ (۱۷۳۵) ۴۴۴۸)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک تم قیامت کے دن اپنے ناموں سے اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۸ ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۱۸ ' سنن داری رقم الحدیث: ۲۶۹۴ ' مسند احمد ج ۵ ' ص ۱۹۴ ' طبع قدیم ' اس کی سند صحیح ہے ' مسند احمد ج ۱٦ ' رقم الحدیث: ۲۱۸۵۹ ' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۴۴ ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ' ص ۳۰٦ ' مشکوٰۃ ' رقم الحدیث: ۴۷٦۷)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی ماں کے نام کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

سعید بن عبداللہ اودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت وہ نزع کی کیفیت میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اس طرح عمل کرنا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر کی مٹی ہموار کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو جانا پھر کہنا اے فلاں بن فلانہ ' کیونکہ وہ تمہاری بات سنے گا اور جواب نہیں دے سکے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلانہ تو پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا۔ پھر کہنا اے فلاں بن فلانہ تو وہ کہے گا اللہ تم پر رحم کرے ہم کو ہدایت دو ' لیکن تم کو اس کے کلام کا شعور نہیں ہوگا۔ پھر اس سے یہ کہنا کہ یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو ان لاالہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ کی شہادت دیتے تھے اور تم اللہ کو رب مان کر ' اور اسلام کو دین مان کر ' اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر راضی تھے۔ پھر منکر اور نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے گا یہاں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جس کو جواب تلقین کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! اگر ہم کو اس کی ماں کا نام یاد نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا پھر پکارنے والا اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یا فلاں بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸ ' رقم الحدیث: ۷۹۷۹ ' تہذیب تاریخ دمشق ج ٦ ' ص ۴۲۴ ' مجمع الزوائد ج ۲ ' ص ۳۲۴ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۴۰٦ ' ۴۲۹۳۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اس شخص کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

اس موضوع پر حسب ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے قیامت کے دن ان کو ان کے ناموں سے پکارے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ' رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲ ' البدور السافرہ ص ۳۲۵ ' الدر المنثور ج ۸ ' ص ۵۳)

حافظ سیوطی نے البدور السافرہ میں یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے لیکن الدر المنثور میں امام طبرانی اور امام ابن مردویہ کے حوالوں سے اس طرح ذکر کی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کا پردہ رکھتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارے گا۔ لیکن امام طبرانی کی روایت میں ماؤں کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا ہے اس حدیث کا ایک راوی اسحٰق بن بشر ابو حذیفہ متروک ہے (مجمع الزوائد ج ۱۰ ' ص ۳۵۹) حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں: امام ابن حبان نے کہا اس کی احادیث کو اظہار تعجب کے سوا لکھنا جائز نہیں ہے۔ امام دار قطنی نے کہا یہ کذاب متروک ہے۔ علی بن مدینی نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ' یہ شخص ۲۶۰ ھ میں بخاری میں فوت ہو گیا تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ' ص ۳۳۵ ' رقم ۷۴۰ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱٦ ھ)

امام ابن عدی اسحاق بن ابراہیم الطبری کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ عزوجل کی طرف سے لوگوں پر ستر کرتے ہوئے ان کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شمس الدین ذہبی اسحاق بن ابراہیم الطبری کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن عدی اور امام دار قطنی نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا اور امام ابن حبان نے کہا یہ ثقات سے موضوعات کو روایت کرتا ہے اس کی احادیث کو اظہار تعجب کے سوا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے اس کی متعدد باطل روایتوں کی مثال ذکر کی ہے حافظ ذہبی نے اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے یہ منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۲۷ رقم: ۷۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام بخاری کی صحیح حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے آباء پر پردہ رہے۔ نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اشیاء پر حکم ان کے ظاہر کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صرف ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا تاکہ ان کے (اصل) آباء پر پردہ رہے۔ (علامہ عسقلانی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے اور امام ابن عدی نے اس کی مثل حضرت انس سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کسی شخص کی پہچان اور شناخت کے لیے اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا بہت زیادہ واضح ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چیزوں کے ظاہر پر حکم لگانا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی اس کے اسی باپ کی طرف نسبت کی جائے گی جو دنیا میں اس کا باپ مشہور تھا نہ کہ اس کے حقیقی باپ کی طرف اور یہی قول معتمد ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

بچوں کا نام محمد رکھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں ہی قاسم ہوں اور تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۶ صحیح مسلم الاداب ۵ (۲۱۳۱) ۵۴۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۸)

حضرت ابووہب جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کے نام رکھو۔ اور تمام اسماء میں اللہ کو محبوب عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں اور حارث اور ہمام تمام ناموں میں سچے ہیں اور سب سے قبیح نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوہ) ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

حارث کے صادق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حارث کا معنی ہے کسب اور کام کرنے والا اور ہر انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے سو یہ نام اپنے معنی کے مطابق ہے اور ہمام کا معنی ہے ارادہ کرنے والا اور ہر انسان کسی نہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ مناوی نے کہا ہے کہ عبداللہ نام رکھنا مطلقاً افضل ہے' اس کے بعد عبدالرحمٰن ہے' اس کے بعد محمد نام رکھنا افضل ہے' پھر احمد نام رکھنا' پھر ابراہیم نام رکھنا۔ ایک اور جگہ یہ ہے کہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ ان کی مثل دوسرے نام لاحق ہیں مثلاً عبدالرحیم اور عبدالمالک وغیرہ۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ محمد اور احمد نام' اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا وہی نام رکھا ہے جو اس کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد یا احمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ابن عساکر نے حضرت ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے کہا ہے اس باب میں یہ سب سے عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (ردالمحتار ج ۵' ص ۲۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

"محمد" نام رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض کی اسانید ضعیف ہیں لیکن چونکہ فضائل میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے ہاں تین بیٹے ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہیں رکھا اس نے جہالت کا کام کیا۔

(الکامل لابن عدی ج ۶' ص ۲۱۰۷' المعجم الکبیر ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۰۷۷' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۲۰۴' مسند الحارث ص ۲۰۰-۱۹۹)

حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ' لیث سے متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن اس کا ضعف وضع تک نہیں پہنچا۔ امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے اس سے احادیث کو روایت کیا ہے' اور امام ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ حدیث مسند الحارث میں بھی ہے اور یہ مقبول کی قسم میں داخل ہے۔

(اللآلی المصنوعہ ج ۱' ص ۹۴-۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ کسی کا نام محمد نہ رکھے تو یہ بے وفائی کے کاموں میں سے ہے اور جب تم اس کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو برا کہو (گالی دو) اور نہ اس پر سختی کرو' نہ اس پر ناک چڑھاؤ اور نہ اس کو مارو' اس کی قدر منزلت اور تعظیم و تکریم کرو اور اس کی قسم پوری کرو۔

(الکامل لابن عدی ج ۳' ص ۸۹۰)

امام ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں اس حدیث کی تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام دیلمی متوفی ۵۰۹ھ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے چار بیٹے ہوں اور وہ میرا نام کسی کا نہ رکھے اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۳' رقم الحدیث: ۵۹۸۱) نیز امام بکیر نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے: جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس نام کی تعظیم کے سبب سے اس کی تعظیم اور توقیر کرو اور اس کی تکریم کرو' اس کی تذلیل اور تحقیر نہ کرو اور اس پر سختی نہ کرو۔

(الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۰' اللآلی المصنوعہ ج ۱' ص ۹۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو نہ محروم کرو۔ امام دیلمی کی روایت میں یہ اضافہ ہے (نام) محمد میں برکت رکھی گئی ہے اور جس گھر میں محمد ہو' اور جس مجلس میں محمد ہو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۹ ، مجمع الزوائد ' ج ۸ ' ص ۴۸ ' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۳۵۴ ' کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۵۱۹۷ ' ۴۵۲۲۰)(اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

• امام فراوی اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد! کھڑے ہوں اور جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیں تو ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہو گا وہ کھڑا ہو جائے گا اور یہ گمان کرے گا کہ یہ اس کو نداء کی گئی ہے تو نام محمد کی کرامت کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔(تنزیہ الشریعہ مطبوعہ القاہرہ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند معضل (منقطع) ہے اور اس کی سند سے کئی راوی ساقط ہیں۔

(اللآلی المصنوعہ ج ۱ ' ص ۹۷ ' مطبوعہ بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا نام محمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

(تنزیہ الشریعہ ج ۱ ' ص ۱۹۸ ' جامع الاحادیث الکبیر رقم الحدیث: ۲۳۲۵۵ ' کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۵۲۲۳)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس باب میں جتنی احادیث وارد ہیں یہ ان سب میں عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(اللآلی المصنوعہ ج ۱ ' ص ۹۷ ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ ان کو شریک قرار دیتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے ' اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ○ اور وہ ان (مشرکین) کے لیے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور (اے مشرکو!) اگر تم ان بتوں کو ہدایت کے حصول کے لیے پکارو ' تو وہ تمہارے پیچھے نہ آ سکیں گے سو تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ○

(الاعراف: ۱۹۳-۱۹۱)

بتوں کی بے مائیگی اور بے چارگی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا یہ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ آیت اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ ان آیات میں جن لوگوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے ان کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام سے نہیں ہے ' بلکہ اس سیاق اور سباق کا تعلق مشرکین سے ہے۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں ہے ' کیونکہ اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ مخلوق کسی چیز کو خلق کرنے پر قادر نہیں ہے۔

دوسری آیت کا مفاد یہ ہے کہ معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے پر قادر ہو اور بت اپنی پرستش کرنے والوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ' تو ان کی پرستش اور عبادت کرنا کیوں کر درست ہو گی۔ بلکہ بتوں کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی ان بتوں کو توڑ دے تو وہ اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتے ' تو جو اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے پر قادر نہیں ہے تو وہ تمہیں تکالیف اور مصائب سے کب بچا سکتے ہیں۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جس طرح یہ بت حصول نفع اور دفع ضرر پر قادر نہیں ہیں ' اسی طرح ان کو کسی چیز کا علم بھی نہیں ہے ' اس لیے جب تم انہیں کسی نیک کام کے لیے پکارو تو یہ تمہارے پیچھے نہیں لگیں گے ' اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم ان کو کسی خیر اور اچھائی کے لیے پکارو تو یہ تمہاری پکار کا جواب نہیں دیں گے یا تم ان سے کوئی دعا کرو تو یہ تمہاری دعا کو قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو

پکارو یا خاموش رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم ان کو پکارو اور پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچے ہو○ کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں' یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں آپ کہئے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور پھر اپنی تدبیر مجھ پر آزماؤ اور اس کے بعد مجھے (بالکل) مہلت مت دو○ (الاعراف: ۱۹۵-۱۹۴)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بت تو بے جان پتھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہاری طرح بندے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بر تقدیر فرض ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو' وہ بے جان پتھر ہیں۔ جن کے حواس ہیں اور نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں' اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ حواس اور عقل رکھتے ہیں اور حرکت بالارادہ کر سکتے ہیں' تب بھی زیادہ سے زیادہ وہ تمہاری طرح بندے ہیں اور ان کو تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے' پھر تم نے ان کو اپنا خالق' اپنا رب اور اپنا معبود کیسے فرض کر لیا۔ پھر اس پر دلیل قائم فرمائی کہ ان کو تم پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور اگر تم ان کے رب اور معبود ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو ان کو پکارو تاکہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں۔

اس آیت میں بتوں کو پکارنے کا جو حکم دیا ہے وہ بتوں کے عجز کو ثابت کرنے کے لیے ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کسی کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے تو پھر وہ خدائی کی صلاحیت کب رکھ سکتے ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اے مشرکو! تم اور وہ ایک جیسے ہیں بلکہ وہ تم سے بھی ارذل اور ادنیٰ ہیں کیونکہ تم تو چلنے پھرنے' چیزوں کو پکڑنے اور سننے اور دیکھنے پر قادر ہو اور وہ تو اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ مشرکین نبی ﷺ کو اپنے بتوں سے خوف زدہ کرتے تھے' اس لیے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اور تمہارے بت اگر میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو بگاڑ لیں' اور پھر مجھے بالکل مہلت نہ دیں اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ بت کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ سو ان کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾

بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے ○

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا

اور تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود

أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ

اپنی مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے،

وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَ

اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ رہے ○ آپ عفو و درگزر کا طریقہ

اُمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ

اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے ○ اور (اے مخاطب) اگر شیطان تمہیں کوئی

الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بےشک وہ بہت سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ○ بےشک جو لوگ اللہ

اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی

مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ۚ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

آنکھیں کھل جاتی ہیں ○ اور شیطانوں کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کھینچتے رہتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کمی نہیں کرتے ○

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ

اور (اے رسول معظم) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں کوئی نشانی منتخب کر لی! آپ کہیے کہ میں صرف اس

مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

چیز کی اتباع کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً

رحم کیا جائے ○ اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو

وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ

اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے

مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

نہ ہو جاؤ ○ بےشک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾ ع السجدة

تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہےO اور تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیںO اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سن نہیں سکیں گے اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ (بہ ظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (حقیقت میں) بالکل نہیں دیکھ رہے۔ (الاعراف: ۱۹۶-۱۹۸)

اللہ اور رسول کے مقرب نیک لوگ ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ فرمایا تھا کہ بتوں کو حصول نفع اور دفع ضرر پر مطلقاً قدرت نہیں ہے اور اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ صاحب عقل کو یہ چاہیے کہ صرف اللہ کی عبادت کرے جو دین اور دنیا کے منافع پہنچانے کا ولی ہے۔ دین کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا جس میں معیشت اور آخرت کا مکمل اور جامع نظام ہے اور دنیا کے منافع اس طرح پہنچائے کہ اس نے فرمایا وہ صالحین کا ولی ہے یعنی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ آواز بلند فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میرے باپ کی آل میرے مددگار نہیں ہیں' میرا ولی اللہ ہے اور نیک مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۰' صحیح مسلم الایمان: ۳۶۶' (۲۱۵) ۵۰۸' مسند احمد ج ۴' ص ۲۰۳)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میرے ولی (دوست یا مقرب) نیک مسلمان ہیں خواہ وہ نسباً مجھ سے بعید ہوں۔ اور جو نیک نہیں ہیں وہ میرے ولی (مقرب) نہیں ہیں خواہ وہ نسباً مجھ سے قریب ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز اپنی اولاد کے لیے کچھ مال جمع نہیں کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا انہوں نے کہا اگر میری اولاد صالح اور نیک ہوئی تو اس کا ولی اور مددگار اللہ ہے لہٰذا اس کو میرے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر میری اولاد مجرم اور گنہ گار ہوئی تو میں اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ O (القصص: ۱۷) موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر احسان فرمایا ہے سو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۳۵' غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳' ص ۳۶۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

دوسری آیت میں پھر یہ ذکر فرمایا کہ یہ بت نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی' سو یہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور اس کے بعد والی آیت میں فرمایا اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ بظاہر آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں' اس سے مراد بت ہیں یا مشرکین۔ اگر اس سے مراد بت ہیں تو ان کے دیکھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے اور بالمقابل ہیں اور چونکہ دیکھنے والا بالمقابل ہوتا ہے اس لیے فرمایا وہ بظاہر دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بالکل نہیں دیکھ رہے' اور اگر اس سے مراد مشرکین ہیں تو پھر معنی یہ ہے کہ یہ کفار اور مشرکین ہر چند کہ بہ ظاہر آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن یہ چونکہ آپ کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عداوت سے دیکھتے ہیں تو گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے یا چونکہ وہ حق سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نبوت کے جو دلائل اور نشانیاں رکھی ہیں ان کا اثر قبول نہیں کرتے اس لیے گویا کہ وہ آپ کو نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے○

(الاعراف: ۱۹۹)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور نیک مسلمانوں کا حامی و ناصر ہے' اور بت اور ان کے پجاری کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے' کیونکہ صالح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کی جائے۔

معاف کرنے' نیکی کا حکم دینے اور جاہلوں سے اعراض کرنے کے الگ الگ محامل

بندوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ان سے تساہل اور درگزر کرنا مستحسن ہے اور بعض چیزوں میں ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی انسان ذاتی نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا مستحسن ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور حدود اللہ کو پامال کرے تو اس کے ساتھ مداہنت کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے معاف کرنے کے حکم کا تعلق انسان کے ذاتی معاملات سے ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور روگردانی کا معاملہ ہو وہاں نیکی کا حکم دینا اور برائی پر ٹوکنا ضروری ہے' اور اگر نیکی کا حکم دینے پر کوئی شخص بدتمیزی اور جہالت سے پیش آئے تو پھر اس سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا: اے جبرئیل اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا' پھر کہا اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دیں جو آپ کو محروم کرے اس کو عطا کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے اس سے آپ تعلق جوڑیں۔

(جامع البیان ج ۹' ص ۲۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر جو تم سے تعلق توڑے' تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو' اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ میں دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو آپ نے فرمایا اے عقبہ بن عامر! اپنی زبان پر قابو رکھو' اپنے گناہوں پر روؤ اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔

(مسند احمد ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۴۵۸' ۱۷۴۵۷' شیخ احمد شاکر نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد ج ۱۳' رقم الحدیث: ۱۷۳۸۳)

عفو اور درگزر کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوری: ۴۳)
اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوری: ۴۰)
اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پھر جو معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التغابن: ۱۴)
اور اگر تم معاف کر دو' اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: ۲۲)
اور انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں (اے ایمان والو) کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ: ۱۳)
آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عفو اور درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے غضب کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو' اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو ضبط کرلے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶' مسند احمد ج ۵' رقم الحدیث: ۱۵۶۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کس شخص کو پہلوان کہتے ہو؟ ہم نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۹' صحیح مسلم البر والصلۃ ۱۰۶' (۲۶۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ اللہ کی طرف سے انتقام لیتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' صحیح مسلم فضائل ۷۷ (۲۳۲۷) الموطا رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو مارا نہ عورت کو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۶)

حضرت ابو تمیمہ ہجیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نیک کام کو حقیر نہ جاننا اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو' تو کشادہ جبیں اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرو اور پانی مانگنے والے کو اپنے ڈول سے پانی دینا۔ اگر کسی شخص کو تمہارے کسی عیب کا علم ہو اور وہ تمہیں اس کے ساتھ برا کہے تو تمہیں اس کے جس عیب کا علم ہو تم اس کو اس کے عیب کے ساتھ برا نہ کہنا' تمہیں اس پر اجر ملے گا اور اسے اس کا گناہ ہو گا اور

تم تکبر سے تہبند نہ لٹکانا کیونکہ اللہ عزوجل تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی شخص کو گالی نہ دینا' میں نے اس کے بعد کسی کو گالی نہیں دی نہ بکری کو نہ اونٹ کو۔ (مسند احمد ج ۷' رقم الحدیث: ۲۰۶۶۰' مطبوعہ دار الفکر طبع جدید)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قدرت کے باوجود کسی کو معاف کر دیا تنگی کے دن اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۷' رقم الحدیث: ۷۵۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درگزر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے بعض لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرع بن حابس اور عیینہ کو سو سو اونٹ دیے اور عرب کے سرداروں کو بھی عطا فرمایا' اور ان کو اس دن تقسیم میں ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا' اور اس میں اللہ کی رضاجوئی کا قصد نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں نے دل میں سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا' میں آپ کے پاس گیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا' پھر آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۶' صحیح مسلم زکوۃ: ۱۴۰' (۱۰۶۲) ۲۴۰۸' مسند احمد ج ۱' ص ۳۸۰-۳۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں مشرکہ تھی میں اس کو اسلام کی دعوت دیتا تھا' ایک دن میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت ناگوار اور بری باتیں کہیں جن سے میں بہت رنجیدہ ہوا' میں روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا اور وہ انکار کرتی تھی' آج میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے مجھے ایسی باتیں سنائیں جن سے مجھے بہت رنج ہوا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے' آپ نے دعا کی اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے خوش خوش گھر لوٹا' ماں نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو کہا وہیں ٹھہرو اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی' اس نے غسل کیا' کپڑے بدلے' پھر کہا اے ابوہریرہ! اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مبارک ہو' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا اچھا ہوا۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ ۱۵۸ (۲۴۹۱) ۶۲۷۹)

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص نے بدر کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ کیا' وہ اونٹ پر ہودج میں سوار تھیں' قریش مکہ کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت زینب کا پیچھا کیا حتیٰ کہ مقام ذی طویٰ پر ان کو پالیا' ھبار بن الاسود نے ان کو نیزہ مارا حضرت زینب گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲' ص ۴۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ سے واپسی پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اچانک دروازہ سے ھبار بن الاسود داخل ہوا مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ یہ ھبار بن الاسود ہے' آپ نے فرمایا میں نے اس کو دیکھ لیا ہے' ایک شخص اس کو مارنے کے لیے کھڑا ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے' ھبار کھڑا ہوا اور اس نے کہا السلام علیک یا نبی اللہ! اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ' یا رسول اللہ! میں

آپ سے بھاگ کر کئی شہروں میں گیا اور میں نے سوچا میں عجم کے ملکوں میں چلا جاؤں' پھر مجھے آپ کی نرم دلی' صلہ رحمی اور دشمنوں سے آپ کا درگزر کرنا یاد آیا' اے اللہ کے نبی ہم مشرک تھے اللہ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی' اور ہم کو ہلاکت سے نجات دی۔ آپ میری جہالت سے درگزر فرمائیں اور میری ان تمام باتوں سے جن کی خبر آپ تک پہنچی ہے' میں اپنے تمام برے کاموں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو معاف کر دیا' اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو اسلام کی ہدایت دے دی اور اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(الاصابہ ج ٦' ص ٤١٣' رقم: ٨٩٥١' اسد الغابہ رقم: ٢٠٩٧' الاستیعاب رقم: ٢٧١٠)

ایک ھبار بن الاسود کو معاف کر دینے کی مثال نہیں ہے' آپ نے ابوسفیان کو معاف کر دیا جس نے متعدد بار مدینہ پر حملہ کیا۔ وحشی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے عزیز چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو شہید کیا تھا۔ ہند کو معاف کر دیا جس نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا' فتح مکہ کے بعد تمام ظالموں کو معاف کر دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا جو آپ کو ہمیشہ اذیتیں پہنچاتا رہا' جس نے کہا تھا آپ کی سواری سے بدبو آتی ہے' جو غزوہ احد میں عین لڑائی سے پہلے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا تھا' جس نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے' ذلت والوں کو نکال دیں گے' جس نے آپ کے حرم محترم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھی اور آپ کو رنج پہنچایا۔ اس نے بھی جب مرتے وقت آپ کی قمیص اپنے کفن کے لیے منگوائی تو آپ نے عطا کر دی' آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ صفوان بن معطل' عمیر بن وہب' اور عکرمہ بن ابوجہل کو معاف کر دیا۔ سراقہ کو امان لکھ دی اور بہت سے ظالموں اور ستم شعاروں کے مظالم اور ان کی جفاؤں سے اعراض کر کے انہیں معاف کر دیا۔ غرض آپ کی پوری زندگی خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجھلین سے عبارت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ بہت سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے○ (الاعراف: ٢٠٠)

نزغ شیطان کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں:

نزغ کا معنی ہے کسی چیز کو فاسد اور خراب کرنے کے لیے اس میں داخل ہونا۔

(المفردات ج ٢' ص ٦٣١' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ نے لکھا ہے:

نزغ کا معنی ہے' کسی نوکدار چیز کو چبھونا۔ کسی کو کسی کے خلاف بھڑکانا' فساد ڈالنا' نزغ الشیطان بینھم کا معنی ہے شیطان نے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور ان کے درمیان فساد ڈال دیا۔

(النہایہ ج ٥' ص ٣٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ)

وساوس شیطان سے نجات کا طریقہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے اور جاہلوں کی جفا اور جہالت پر انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب اگر مجھے ان کی باتوں پر غصہ آئے تو کیا کروں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر شیطان آپ کو غضب میں لائے تو آپ اللہ کی پناہ

طلب کریں۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

نزغ شیطان کا معنی ہے شیطان کا وسوسہ۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تھا' ان کے درمیان شیطان نے وسوسے ڈال دیئے تھے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو برا کہتا رہا' پھر وہ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک کہ ہر ایک نے دوسرے سے معافی نہیں مانگ لی۔

متقدمین میں سے ایک استاذ نے اپنے شاگرد سے کہا اگر شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کے خلاف کوشش کروں گا' استاذ نے کہا اگر وہ پھر اکسائے؟ کہا' میں پھر کوشش کروں گا' کہا اگر وہ پھر اکسائے؟ کہا میں پھر کوشش کروں گا۔ استاذ نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا۔ استاذ نے کہا یہ بتاؤ اگر تم بکریوں کے ریوڑ کے درمیان سے گزرو اور بکریوں کا محافظ کتا تم پر بھونکنے لگے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں اس کو دور بھگانے کی کوشش کروں گا استاذ نے کہا یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا لیکن اگر تم بکریوں کے چرواہے سے مدد طلب کرو تو وہ کتے کو تم سے دور کر دے گا' اسی طرح جب شیطان تم کو کسی گناہ پر اکسائے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو' وہ شیطان کو تم سے دور کر دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وسوسہ شیطان کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض اور اس کے جوابات

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کا گناہ اور معصیت پر اقدام ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اگر شیطان تم کو کوئی وسوسہ ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس آیت میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ثانیاً جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض شیطان آپ کو کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں اور اس سے شیطان کا آپ کو وسوسہ ڈالنا لازم نہیں آتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ — اگر بالفرض آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ (الزمر: ۶۵)

اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ العیاذ باللہ شرک کریں۔

اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ — آپ کہئے اگر (بہ فرض محال) رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں (اس کی) سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ (الزخرف: ۸۱)

ثالثاً شیطان کا صرف وسوسہ ڈالنا عصمت کے منافی نہیں ہے' عصمت کے منافی یہ ہے کہ آپ شیطان کا وسوسہ قبول کریں اور یہ اس آیت سے ثابت نہیں' بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ — بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے۔

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (الحجر: ۴۲) — ماسوا گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کا قرین لگا دیا گیا ہے اور ایک قرین فرشتوں میں سے لگا دیا گیا ہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ

بھی۔ لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہوگیا وہ مجھے نیک باتوں کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم منافقین ۶۹ (۲۸۱۴) ۶۹۷۵ مشکوۃ رقم الحدیث: ۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بہت بڑا جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز کو خراب کرے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اس کو دھکا دے کر بھگا دیا' اور میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ صبح کو تم سب اسے دیکھتے۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ (ص: ۳۵) سلیمان نے دعا کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو زیبا نہ ہو۔

(صحیح مسلم المساجد ۳۹' (۵۴۹) ۱۱۸۹' سنن کبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ شیطان کو نبی ﷺ پر کوئی غلبہ نہیں بلکہ نبی ﷺ ہی غالب تھے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ نبی ﷺ شیطان کا وسوسہ قبول کریں۔

ثالثاً اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے کہ جب شیطان مسلمانوں کو کسی چیز کا وسوسہ ڈالے تو وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں○ (الاعراف: ۲۰۱)

طائف من الشیطان کا معنیٰ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کو ورغلانے کے لیے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو طائف کہتے ہیں' کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے اس کو طیف کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲' ص ۴۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

طیف کا اصل معنیٰ جنون ہے پھر اس کو غضب' شیطان کے مس کرنے اور اس کے وسوسہ کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اس کو طائف بھی کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۳' ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

طیف کا معنیٰ تخیل ہے اور طائف کا معنیٰ شیطان ہے' اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں جب انہیں کوئی وسوسہ لاحق ہو تو وہ اللہ عزوجل کی قدرت میں اور اللہ نے ان پر جو انعام کیے ہیں ان میں غور کرتے ہیں اور پھر معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۳۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انسان کس طرح غور و فکر کر کے انتقام لینے کو ترک کرے

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب انسان کسی دوسرے شخص پر غضب ناک ہو اور اس کے دل میں شیطان یہ خیال ڈالے کہ وہ اس سے انتقام لے تو پھر

وہ انتقام نہ لینے کی وجوہات پر غور و فکر کرے اور انتقام لینے کے ارادہ کو ترک کردے۔ وہ وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱- انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ خود کتنے گناہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے پر قادر ہے' اس کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے اور اس سے انتقام نہیں لیتا سو اس کو بھی چاہیے کہ وہ انتقام لینے کا ارادہ ترک کردے۔

۲- جس طرح اس کا مجرم بے بس اور مجبور ہے اسی طرح وہ بھی اللہ کا مجرم ہے اور اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہے۔

۳- غضب ناک شخص کو ان احکام پر غور کرنا چاہیے جن میں اسے انتقام کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۴- اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے غضب اور انتقام کے تقاضوں کو پورا کردیا تو اس کا یہ عمل موذی درندوں کی طرح ہوگا اور اگر اس نے صبر کیا اور انتقام نہیں لیا تو اس کا یہ عمل انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی مثل ہوگا۔

۵- اس کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جس کمزور شخص سے آج وہ انتقام لینا چاہتا ہے ہوسکتا ہے کل وہ قوی اور قادر ہو جائے اور یہ کمزور اور ناتواں ہو جائے اور اگر وہ اس کو معاف کردے تو پھر یہ شخص اس کا احسان مند رہے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۵' ص ۷ ۴۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انسان کس طرح غور و فکر کرکے گناہوں کو ترک کرے

امام رازی نے ترک انتقام کی جو یہ وجوہات بیان کی ہیں ان کو معصیت کی دیگر انواع میں بھی جاری کیا جاسکتا ہے۔ جب بھی شیطان انسان کو کسی معصیت اور گناہ پر اکسائے وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر غور کرے کہ اللہ اس پر اتنی مہربانی کرتا ہے تو کیا یہ انصاف ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ نیز اس پر غور کرے کہ اگر اس نے یہ گناہ کیا تو اس سے شیطان راضی ہوگا اور اللہ ناراض ہوگا تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ اللہ کو ناراض اور شیطان کو راضی کرے۔ نیز یہ سوچنا چاہیے اگر آج اس نے اللہ کے حکم کو بھلا دیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کو بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیہ: ۳۴)

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

اور یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے اس کو دنیا میں رزق دینے اور پرورش کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کر رہا ہے تو اس نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی اطاعت کا جو وعدہ کیا ہے' وہ اس کو کیوں پورا نہیں کر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ: ۴۰)

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اللہ سے جو دعا کرتا ہے' اللہ اسے قبول کرلیتا ہے تو پھر کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اللہ اس سے جو کچھ کہے وہ بھی اس پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (البقرہ: ۱۸۶)

جب دعا کرنے والا دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔

اور یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے وہ گناہ کرلیا تو وہ فساق و فجار کی مثل ہوگا اور اگر اس نے اس گناہ سے دامن بچالیا تو وہ انبیاء کا متبع اور اولیاء کی مانند ہوگا۔ اور جو شخص فساق و فجار کے کام کرے گا وہ کیسے یہ توقع کرسکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی اللہ کے نیک بندوں کی طرح ہوگی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ

جن لوگوں نے دلیری سے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان

نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثیہ: ۲۱)

کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں!

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں' اپنے شاگردوں' مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور برے کام نہیں کرتا اور جب تنہا ہو اور صرف اللہ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے! حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ: ۴۴)

تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

اور یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے برے کام چھوڑ بھی دیئے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جب کہ اللہ کے ڈر سے اس نے گناہ اور برے کام چھوڑ دیئے تو اللہ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (النازعات: ۴۱-۴۰)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا' اور اس نے اپنے نفس (امارہ) کو (اس کی) خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

نیز فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمن: ۴۶)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

خوف خدا سے مرنے والے نوجوان کو دو جنتیں عطا فرمانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا' حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے' اس کا ایک بوڑھا باپ تھا' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا' اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی' وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی' ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا' جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہو گئی' اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا' اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے' کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے' باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے

پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا' صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو' پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے' حضرت عمر نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کی سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع' رقم: ۱۱۴' ج ۱۹' ص ۱۹۱-۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر الاعراف' ۲۰۱' ج ۳' ص ۲۶۹' طبع دار الاندلس بیروت' شرح الصدور ص ۱۳' طبع دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال ج ۲' ص ۵۱۷-۵۱۶' رقم الحدیث: ۴۶۳۴)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا' ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی' وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا اے چچا! حضرت عمر کے پاس جائیں ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر کے پاس گیا' اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا تمہارے لیے دو جنتیں ہیں' تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱' ص ۴۶۹-۴۶۸' رقم الحدیث: ۷۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۶' ص ۱۴۷' طبع قدیم' ج ۷' ص ۷۰۸' طبع جدید دار الفکر' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۵' روح المعانی ج ۲۷' ص ۱۱۶)

حافظ ابن عساکر نے جو حدیث تفصیلاً روایت کی ہے اس پر حافظ ابن کثیر نے بھی اعتماد کیا ہے اور اس کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے اور اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱- گناہ کی ترغیب کے موقع پر اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے گناہ کو ترک کر دینا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے۔

۲- نیک مسلمان اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

۳- نیک مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

۴- کسی فوت شدہ مسلمان کی تعزیت کے لیے اس کے والدین اور اعزہ کے پاس جانا حضرت عمر کا طریقہ ہے۔

۵- صاحب قبر سے کلام کرنا اور صاحب قبر کا جواب دینا' اس حدیث سے یہ دونوں امر ثابت ہیں۔

۶- جن احادیث میں ہے کہ قبر والے ایسا جواب نہیں دیتے جن کو تم سن سکو' ان کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا جواب عادۃً نہیں

سن سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شیطانوں کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کمی نہیں کرتے○ (الاعراف: ۲۰۲)

شیطان کے بھائی بند کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد انسانوں میں سے شیطان ہیں اور وہ لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین جنات کی مدد کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ شیاطین کے بھائی بند وہ کفار ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر کے شیاطین کی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول معظم!) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں نہ کوئی نشانی منتخب کرلی! آپ کہیے کہ میں صرف اس چیز کی اتباع کرتا ہوں جس کی میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے○ (الاعراف: ۲۰۳)

کفار کے فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ شیاطین الانس اور شیاطین الجن لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوع کو بیان فرمایا ہے کہ وہ بطور سرکشی معجزات مخصوصہ طلب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے تھے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا○ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا○

(بنو اسرائیل: ۹۰-۹۳)

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ زمین سے ہمارے لیے کوئی چشمہ جاری کردیں○ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے درمیان آپ بہتے ہوئے دریا جاری کردیں○ یا آپ اپنے قول کے مطابق ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ ہمارے سامنے فرشتوں کو لے آئیں○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں آپ کہیے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر ہوں اور اللہ کا فرستادہ (رسول)

جب آپ نے ان کے فرمائشی معجزات پیش نہیں کیے تو وہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے آپ کو یہ معجزات نہیں دیے تو آپ اپنی طرف سے یہ معجزات کیوں نہیں پیش کردیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اللہ سے کوئی مطالبہ یا فرمائش کروں' اللہ تعالیٰ از خود جو چاہتا ہے میرے ہاتھ سے نشانی یا معجزہ صادر فرمادیتا ہے۔ اور ان کے فرمائشی معجزات کو پیش نہ کرنا اسلام کی تبلیغ' ہدایت اور میری نبوت کے اثبات کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے اور اس کا معجزہ ہونا بالکل ظاہر ہے' اور جو واقعی ہدایت کا طالب ہو اس کے لیے تو یہ قرآن ہی کافی ہے اور جس نے خواہ مخواہ کی حجت بازی کرنا ہو اس کے لیے سینکڑوں دلائل بھی ناکافی ہیں۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت تو علمی اور عقلی اعتبار سے ہے۔ نبی ﷺ نے بہ کثرت حسی دلائل بھی پیش کیے' جن کو دیکھ کر بغیر غور و فکر کے بداہتہً آپ کا دعویٰ نبوت میں صادق ہونا

ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کیے' آپ کی دعا سے ڈوبا ہوا سورج طلوع ہو گیا' پتھر نے آپ کو سلام کیا' درخت اور اس کے خوشے آپ کے حکم پر چل کر آئے' مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا' کئی بار آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا اور کتنی مرتبہ کم کھانا بہت زیادہ آدمیوں کے لیے کافی ہو گیا۔ اس طرح کے اور بہت معجزات ہیں' ان تمام معجزات کو دیکھنے کے باوجود سرکش اور ضدی کفار ایمان نہیں لائے' چونکہ یہ لوگ طلب ہدایت کے لیے نہیں بلکہ محض حجت بازی اور ضد بحث کے طور پر معجزات کو طلب کرتے تھے اس لیے ان کے فرمائشی معجزات پیش نہیں کیے گئے۔ نیز سابقہ امتوں میں کفار نے فرمائشی معجزات طلب کیے اور معجزات دکھائے جانے کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان پر آسمانی عذاب آیا' اب اگر ان کے فرمائشی معجزات پیش کر دیے جاتے اور پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب آنا چاہیے تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ — اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے○ (الاعراف: ۲۰۴)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی تھی کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والے لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کو غور سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔

قرآن مجید پڑھنے کے آداب

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

فتاویٰ میں مذکور ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ بہترین کپڑے پہنے' عمامہ باندھے اور قبلہ کی طرف منہ کرے' اسی طرح عالم پر علم کی تعظیم واجب ہے۔ گرمیوں میں صبح کے وقت قرآن مجید کو ختم کرے اور سردیوں میں اول شب میں۔ اگر وہ قرآن مجید پڑھنے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور اس کو ریاکاری کا خدشہ ہو تو اس وجہ سے قرآن کریم پڑھنے اور نماز پڑھنے کو ترک نہ کرے' اسی طرح باقی فرائض کو بھی خوف ریا کی وجہ سے ترک نہ کرے۔ لیٹ کر قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور قرأت کے وقت اپنی ٹانگیں ملا لے۔ کسی شخص نے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد کیا ہو پھر اس کو باقی قرآن مجید یاد کرنے کی فرصت مل جائے تو نفلی نماز پڑھنے سے قرآن مجید کو یاد کرنا افضل ہے اور فقہ کا علم حاصل کرنا باقی قرآن مجید کے حفظ کرنے سے افضل ہے' اور بغیر علم کے زہد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن مجید خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲' خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱' ص ۱۰۳۔۱۰۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی جتنی مقدار سے نماز جائز ہوتی ہے قرآن مجید کی اتنی مقدار کو حفظ کرنا ہر مکلف پر فرض عین ہے۔ اور سورہ فاتحہ کو اور کسی ایک سورت کو حفظ کرنا واجب ہے اور پورے قرآن کو حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور سنت عین پڑھنا نفل پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن مجید کو مصحف سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کے مصحف کو دیکھنے اور قرآن مجید کو پڑھنے

دونوں عبادتوں کو جمع کرنا ہے' اور باوضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اچھے کپڑے پہن کر تعظیم اور اکرام کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا مستحب ہے۔ قرات سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے۔ اعوذ باللہ ایک بار پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ قرات کے دوران کوئی دنیاوی کام نہ کرے حتیٰ کہ اگر اس نے سلام کا جوب دیا یا سبحان اللہ یالا الہ الا اللہ کہا تو اعوذ باللہ کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ فتاویٰ الحجہ میں مذکور ہے' اور النوازل میں مذکور ہے کہ محمد بن مقاتل سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے سورہ توبہ کو بغیر بسم اللہ پڑھے پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے کہا اس نے خطا کی۔ علامہ سمرقندی نے کہا سورہ توبہ کو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر پڑھنا شروع کرے اور یہ قول قراء کی تصریح کے مخالف ہے انہوں نے کہا سورۂ توبہ سے پہلے بسم اللہ کو اس لیے نہیں لکھا کہ بسم اللہ امان ہے اور سورہ توبہ رفع امان کے لیے ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ بتا دیتے تھے کہ اس کو فلاں جگہ رکھو اور رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور آپ نے سورہ توبہ کا مقام نہیں بتایا' اور میں نے دیکھا کہ اس کا قصہ الانفال کے قصہ کے مشابہ ہے کیونکہ الانفال میں عہود کا ذکر ہے اور اس میں رفع العہود کا ذکر ہے اس لیے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں صحابہ کا اختلاف تھا بعض نے کہا الانفال اور براءۃ (توبہ) ایک سورت ہیں جو قتال کے لیے نازل ہوئیں اور بعض نے کہا یہ الگ الگ سورتیں ہیں' اس لیے ان کے درمیان فاصلہ کو رکھا گیا اور بسم اللہ کو نہیں لکھا گیا۔ اولیٰ یہ ہے کہ چالیس دن میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا جائے' دوسرا قول یہ ہے کہ سال میں دو بار قرآن مجید ختم کیا جائے' امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جس نے سال میں دو بار قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کرے البتہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہ کرے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد' ترمذی' اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۴۹)

بستر پر لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ سنن ترمذی میں شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بستر پر لیٹ کر قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کی ہر موذی چیز سے حفاظت کرتا ہے البتہ ادباً' ٹانگیں ملائے' غسل خانہ میں اور مواضع نجاست میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۴' ص ۵۷-۵۶' مطبوعہ بیروت' غنیۃ المستملی' ص ۴۹۷-۴۹۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ)

قرآن مجید سننے کا حکم آیا نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا خارج از نماز کو بھی شامل ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے بعض' بعض کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے کہ سلام علی فلاں' سلام علی فلاں۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی واذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا۔

بشیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے لوگوں کو امام کے ساتھ نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا' جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا ابھی تک تمہاری سمجھ داری کا وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو' جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

یہ حدیث فقہاء احناف کی دلیل ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی چاہیے۔ اس حدیث کو امام ابن جریر کے

علاوہ امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ' رقم الحدیث: ۸۷۳۰)
ان کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ' ص ۱۷۱ ' الدر المنثور ج ۳ ' ص ۶۳۵)

طلحہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک واعظ وعظ کر رہا تھا اور عبید بن عمیر اور عطا بن ابی رباح باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا آپ دونوں وعظ نہیں سن رہے اور وعید کے مستحق ہو رہے ہیں' ان دونوں نے میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی نصیحت دہرائی' انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے' جب میں نے تیسری بار کہا تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا یہ حکم صرف نماز کے متعلق ہے۔

مجاہد' سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی روایت ہے کہ قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم اس وقت ہے جب قرآن مجید کو نماز میں پڑھا جائے۔

حضرت ابن عباس' ابراہیم نخعی' عامر' قتادہ' ابن زید اور زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ حکم نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ صحابہ نے کہا نماز کے علاوہ تلاوت کے دوران قرأت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نماز کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت نفل ہے خواہ وعظ میں ہو' اس تلاوت کے دوران خاموش رہنا فرض نہیں ہے۔

مجاہد اور عطا بن ابی رباح سے یہ روایت بھی ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سننے اور خاموش رہنے کا حکم نماز اور خطبہ میں ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم جمعہ کے خطبہ کے متعلق ہے۔ نیز مجاہد سے روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ کے متعلق ہے۔ عطا بن ابی رباح سے روایت ہے کہ دو وقتوں میں خاموش رہنا واجب ہے جب امام نماز میں قرآن پڑھ رہا ہو یا وہ خطبہ دے رہا ہو۔

حسن بصری' سعید بن جبیر اور عطا بن ابی رباح سے بھی یہ روایت ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ دونوں کے متعلق ہے۔
(جامع البیان جز ۹ ' ص ۲۲۰-۲۱۶ ' ملخصا' مطبوعہ دار الفکر ' بیروت)

قرآن مجید کی اس ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کو خواہ نماز میں پڑھا جائے یا خطبہ اور وعظ میں یا اس کی عام تلاوت کی جائے ہر صورت میں قرآن مجید جب پڑھا جائے تو اس کا سننا فرض ہے اور تلاوت اور قرأت کے وقت خاموش رہنا بھی فرض ہے۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:
ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرأت کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا لازم ہے خواہ یہ قرأت نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔

آیا قرآن مجید سننا فرض عین ہے یا فرض کفایہ

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:
ایک شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پہلو میں دوسرا شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو' اور فقہ میں مشغول شخص کے لیے قرآن مجید سننا ممکن نہ ہو تو نہ سننے والے کا گناہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہو گا' اسی اصل پر اگر کوئی شخص رات کو چھت پر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ شخص گنہ گار ہو گا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ' ص ۱۰۳ ' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ ' کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

نماز اور خارج نماز میں قرآن مجید کو سننا مطلقاً واجب ہے' کیونکہ یہ آیت ہر چند کہ نماز کے متعلق وارد ہے' لیکن اعتبار خصوصیت سبب کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے' اور یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو۔ قنیہ میں مذکور ہے کہ گھر میں بچہ قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام کاج میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہوں گے بشرطیکہ انہوں نے اس کے پڑھنے سے پہلے کام شروع کیا ہو' ورنہ وہ معذور نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد علامہ شامی نے خلاصۃ الفتاوئی کی عبارت نقل کی ہے کہ اگر فقہ میں مشغول شخص کے پاس کوئی قرآن پڑھے یا رات کو چھت پر پڑھے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو ان کے نہ سننے کا گناہ پڑھنے والے پر ہوگا۔ کیونکہ ان کے نہ سننے کا سبب پڑھنے والا ہے۔ یا وہ سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کر کے اذیت پہنچا رہا ہے' اس میں غور کرنا چاہیے' اور شرح المنیہ میں یہ مذکور ہے کہ اصل میں قرآن کریم کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کی تلاوت کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض کے خاموش ہو جانے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے' جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے تاکہ مسلمان کے حق کی رعایت ہو اور بعض کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے اور باقی مسلمانوں سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ قرآن کریم پڑھنے والے پر اس کا احترام کرنا واجب ہے بایں طور کہ وہ بازاروں میں قرآن مجید نہ پڑھے اور نہ ان مقامات پر قرآن کریم پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور اگر اس نے وہاں پڑھا تو قرآن مجید کی حرمت کو ضائع کرنے والا وہی شخص ہوگا' سو وہی گنہ گار ہوگا نہ کہ مشغول لوگ' تاکہ لوگوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں حرج نہ ہو۔ (غنیۃ المستملی ص ۴۹۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۱۲ھ) قاضی القضاۃ یحییٰ منقاری زادہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

(ردالمحتار ج ۱' ص ۳۶۷-۳۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ نے غنیۃ المستملی کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار' ج ۱' ص ۲۳۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ ابراہیم حلبی صاحب غنیۃ المستملی متوفی ۹۵۶ھ نے قرآن مجید سننے کے حکم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے ان کی اتباع کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لیے آسانی ہے' لیکن ان کی دلیل دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ انہوں نے قرآن مجید سننے کے حکم کو سلام کا جواب دینے کے حکم پر قیاس کیا ہے حالانکہ سلام کا جواب دینے کا حکم خبر واحد سے ثابت ہے اور اس کا وجوب ظنی ہے اور قرآن مجید سننے کا حکم خود قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت قطعی ہے' سو یہ اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کرنا ہے' اور ثانیاً اس لیے کہ سلام کا جواب دینے میں مسلمان کے حق کی رعایت ہے اور قرآن مجید سننے میں اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے میں اللہ کے کلام کے حق کی رعایت ہے اور اللہ کے کلام کے حق کی رعایت بندہ کے حق کی رعایت سے کئی درجہ افضل ہے۔ نیز اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک محفل میں تلاوت کی جا رہی ہو اور ایک آدمی خاموش ہو کر سنے اور باقی شرکاء محفل تلاوت کی طرف توجہ نہ کریں اور آپس میں باتیں کرتے رہیں تو یہ امر جائز ہو حالانکہ اس میں قرآن مجید کی صریح بے حرمتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک قاضی منقاری زادہ کا یہ قول صحیح ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

قرآن مجید سننے کے حکم میں مذاہب فقہاء

اس سلسلہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف میں سے علامہ منقاری زادہ کے نزدیک قرآن مجید سننا فرض عین ہے اور یہی صحیح ہے اور علامہ حلبی کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

امام مالک کے نزدیک قرآن مجید نماز میں پڑھا جائے یا خارج از نماز' اس کا سننا واجب ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جزء ۷' ص ۳۱۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ واذا قرء فانصتوا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۴) جب امام قرائت کرے تو خاموش رہو حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث امام مالک کی اور ان فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب امام بلند آواز سے قرائت کرے تو مقتدی قرائت نہ کرے' اور امام دار قطنی کا اس حدیث پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر حفاظ کا اجماع نہیں ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ (المفہم ج ۲' ص ۳۹' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی قرآن مجید کا سننا فرض ہے کیونکہ علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذا قرء القران فاستمعوا له و انصتوا (الاعراف: ۲۰۴) اور حضرت ابوہریرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے' جس میں آپ نے بلند آواز سے قرائت کی تھی۔ پھر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرائت کی تھی؟ ایک شخص نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! میں نے قرأت کی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب ہی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے قرآن پڑھنے میں دشواری کیوں ہو رہی ہے۔ پھر لوگ ان نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قرائت کرتے تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا۔

(الموطا رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۹-۳۴۸' مسند احمد ج ۲' ص ۲۸۷' ۲۴۰' ج ۵' ص ۳۴۵' الکافی ج ۱' ص ۲۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے۔ قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے ظاہر الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مطلقاً واجب ہو اور عامۃ العلماء کے نزدیک خارج از نماز قرآن مجید کا سننا مستحب ہے اور جو علماء امام کے پیچھے مقتدی کی قرائت کو واجب نہیں کہتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور یہ استدلال ضعیف ہے۔ (انوار التنزیل و اسرار التاویل مع حاشیہ الکازرونی' ج ۳' ص ۸۹)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی مصری لکھتے ہیں:

جن محفلوں میں قرآن مجید کی قرائت کی جائے ان میں قرآن کریم سننے اور خاموش رہنے کو ترک کرنا بہت سخت مکروہ ہے۔ مومن پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس کے سننے پر حریص ہو' جیسا کہ وہ مجلس میں قرآن مجید کی تلاوت پر حریص ہوتا ہے۔ (التفسیر المنیر ج ۹' ص ۲۳۰-۲۲۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

صحیح یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس کا سننا اور خاموش رہنا ہر حال میں اور ہر کیفیت میں واجب ہے خواہ نماز ہو یا غیر نماز ہو۔ (التفسیر المنیر ج ۹' ص ۲۳۲' مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب کی کسی ایک آیت کو بھی غور سے سنا ہے اس کے لیے دگنی چوگنی نیکی لکھی جائے گی اور جس نے اس آیت کی تلاوت کی وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور

ہو گی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۱ ، مسند احمد ج ۸ ، رقم الحدیث: ۸۴۷۵ ، طبع قاہرہ ، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۵)

امام کے پیچھے قرآن سننے میں مذاہب اربعہ

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الفیروز آبادی الشیرازی الشافعی المتوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

آیا مقتدی پر بھی سورہ فاتحہ کی قراءت واجب ہے اس میں غور کیا جائے گا اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے تو مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قراءت واجب ہے اور اگر وہ ایسی نماز ہے جس میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے تو اس میں دو قول ہیں "کتاب الام اور البویطی میں مذکور ہے کہ اس میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے" کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی آپ پر قراءت دشوار ہو گئی آپ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کر رہے تھے! ہم نے کہا اللہ کی قسم ہاں ہم ایسا کر رہے تھے آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے سوا ایسا نہ کیا کرو کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ نے بلند آواز سے قراءت کی تھی آپ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قراءت کی تھی؟ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا (تبھی) میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری تلاوت میں دشواری کیوں ہو رہی ہے جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے قراءت کرتے تھے ان نمازوں میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قراءت کرنا ترک کر دیا۔ (المہذب ج ۱ ص ۷۲ ، مطبوعہ دار الفکر ، بیروت)

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں مختلف اور متضاد اقوال ہیں

علامہ شمس الدین محمد بن مفلح المقدسی الحنبلی المتوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں:

اثرم نے نقل کیا ہے کہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ابن الزاغوانی نے شرح الخرقی میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور ہمارے اکثر اصحاب اس کے وجوب کو نہیں پہچانتے اس کو نوادر میں نقل کیا ہے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس نماز میں آہستہ قراءت ہوتی ہے اس میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے۔ ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ ہر رکعت میں جب امام بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدی اس کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور انہوں نے کہا کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کفایت کرے گا اور سری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اور سکتات میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(کتاب الفروع ج ۱ ص ۴۲۷ ، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذا قرء القران فاستمعوا لہ وانصتوا۔ (الاعراف: ۲۰۴)

(الکافی ج ۱ ص ۲۴۶ ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ، ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن علی الخرشی المالکی المتوفی ۱۱۰۱ھ لکھتے ہیں:

فرض نماز اور نفل نماز میں امام پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ البتہ سری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

(حاشیۃ الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۱ ص ۲۶۹ ، مطبوعہ دار صادر بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک نماز سری ہو یا جہری' امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ (الاعراف: ۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور جن نمازوں میں آہستہ قراءت کی جاتی ہے ان میں اگرچہ سننا ممکن نہیں ہے لیکن خاموش رہنا ممکن ہے۔ پس اس سے ظاہر نص کے اعتبار سے ان نمازوں میں خاموش رہنا واجب ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے امام کے پیچھے قراءت کرنے کو ترک کر دیا اور ان کے امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس ظاہر ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے قراءت کو ترک کیا تھا اور حدیث مشہور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امام کو اس لیے امام بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف نہ کرو جب وہ تکبیر پڑھے تو تم تکبیر پڑھو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اس حدیث میں امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۴)

ہمارے نزدیک بغیر قراءت کے کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی اور مقتدی کی نماز بغیر قراءت کے نہیں ہے بلکہ یہ نماز قراءت کے ساتھ ہے اور وہ امام کی قراءت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس شخص کی قراءت ہے۔

(یہ حدیث حضرت جابر' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت ابو سعید خدری' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت انس اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۵۰' شرح معانی الآثار ج ۱' ص ۱۲۸' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۲۵۰' حلیۃ الاولیاء ج ۷' ص ۳۸۹' رقم الحدیث: ۱۰۹۵۷' طبع جدید' زوائد البوصیری ج ۲' ص ۴۴۳' رقم الحدیث: ۱۴۴۰' المعجم الاوسط ج ۸' رقم الحدیث: ۷۵۷۵' مجمع الزوائد ج ۲' ص ۱۱۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۷۹۷' مسند احمد ج ۳' ص ۳۳۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲' ص ۱۶۱-۱۶۰' کامل ابن عدی ج ۶' ص ۲۱۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱' ص ۳۷۷' کتاب الآثار للامام محمد ص ۱۷' کتاب الآثار لابی یوسف ص ۲۴' رقم الحدیث: ۱۱۳' بدائع الصنائع ج ۱' ص ۵۲۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے تعدد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور اسی (۸۰) کبار صحابہ سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت منقول ہے جن میں حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ہیں اور کئی صحابہ سے یہ منقول ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے' جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے متعلق احادیث

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قراءت کرے تو وہ فرماتے جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے۔ اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو قراءت کرے۔ نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (یہ صحیح حدیث ہے)

(الموطا رقم الحدیث: ۱۹۳' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۴۸۸' سنن کبریٰ ج ۲' ص ۱۶۱' موطا امام محمد ص ۹۴' شرح معانی الآثار ص ۱۲۹)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قراءت کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں صرف ایک شغل ہے اور تمہیں امام کی قراءت کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی۔
عبیداللہ بن مقسم نے حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہ کرو۔
ابو حمزہ نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کیا وہ امام کے پیچھے قراءت کریں' حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں۔
(شرح معانی الآثار ص ۱۲۹' مطبوعہ مجتبائی پاکستان' لاہور)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عمر' حضرت جابر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت ثابت ہے اور حضرت ابو سعید' حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے بھی روایات وارد ہیں۔
(الدرایہ مع الہدایہ الاولین ص ۱۲۱' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)
جریر از سلیمان از قتادہ از حضرت عبداللہ بن مسعود روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔ (امام مسلم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)
(صحیح مسلم صلاۃ: ۶۳' (۴۰۴) ۸۸۰' مسند احمد ج ۴' ص ۳۹۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۷۳-۹۷۲)
ان احادیث کے علاوہ ہم متعدد حوالہ جات کے ساتھ یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر' صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (الاعراف: ۲۰۵)

ذکر خفی کی فضیلت

اس آیت میں یا تو خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یا اس سے ہر سننے والا مخاطب مراد ہے' اس آیت میں دل سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے یا آہستہ اور پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق ہوں' اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے' اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں' اور اگر وہ ایک جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں' اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں' اور اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔
(صحیح مسلم الذکر ۲۱' ۲۶۷۵' ۶۶۷۹' مسند احمد ج ۲' ص ۴۵۳' طبع قدیم' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث: ۸۶۳۵' طبع قاہرہ)
آہستہ آہستہ ذکر کرنے یا دل میں ذکر کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ذکر کرنا اخلاص کے زیادہ قریب ہے اور اس کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے۔ اور ذکر فی نفسہ سے مراد یہ ہے کہ جن اذکار کا وہ زبان سے ذکر کر رہا ہے ان کے معانی سے واقف ہو' اور اس کا دل ذکر کے معانی کی طرف متوجہ ہو اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت میں ڈوبا ہوا ہو' کیونکہ اگر وہ خالی زبان

سے ذکر کرے اور دل اس کے معنی کے تصور' اس کی یاد' اور خضوع اور خشوع سے خالی ہو تو وہ ذکر بے سود ہے' بلکہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایسے ذکر سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔

معتدل آواز کے ساتھ جہر بالذکر ممنوع نہیں ہے

دون الجھر من القول زبان سے آواز بلند کیے بغیر اس کا معنی ہے چلا چلا کر ذکر نہ کیا جائے یا گلا پھاڑ کر ذکر نہ کیا جائے جیسے کوئی شخص بہرے سے بات کر رہا ہو یا کسی دور کھڑے ہوئے آدمی سے چلا کر بات کر رہا ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے مسلمان بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم سننے والے اور قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے' پھر آپ نے فرمایا اور آنحالیکہ میں آپ کے پیچھے تھا اور میں کہتا ہوں لاحول ولاقوۃ الا باللہ گناہوں سے بچنا اور نیکی کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے پھر فرمایا اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی رہنمائی نہ کروں' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۰۵' ۶۴۰۹' صحیح مسلم ذکر ۴۴' (۲۷۰۴) ۶۷۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۸' ۱۵۲۷' ۱۵۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۲' مسند احمد ج ۴' ص ۳۹۴' ۴۰۲)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ آپ نے گلا پھاڑ کر اور چلا چلا کر ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اور یہ حدیث معتدل آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کے منافی نہیں ہے۔

ذکر کے لیے صبح اور شام کے اوقات کی تخصیص کی حکمت

صبح اور شام کے اوقات کو ذکر کے ساتھ خاص فرمایا ہے' یوں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے اور کسی وقت اس کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیے لیکن ان اوقات کی خصوصیت یہ ہے کہ صبح کے وقت انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے اور نیند بہ منزلہ موت ہے اور بیداری بہ منزلہ حیات ہے اور اس وقت جہان بھی ظلمت سے نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اس لیے اس وقت میں اس خاص نعمت پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ اور شام کا وقت جو بہ منزلہ موت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ موت کے بعد ہی انسان اخروی نعمتوں سے ہم کنار ہوتا ہے' نیز ان اوقات میں انسان پر سکون ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بہت مناسب اوقات ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فجر کے وقت رات کے فرشتے جا رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے آ رہے ہوتے ہیں تو دونوں فرشتے اس کے ذکر کو لکھ لیں گے اور اسی طرح شام کے وقت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ○ (الاعراف: ۲۰۶)

فرشتوں کی کثرت عبادت سے انسان کو عبادت پر ابھارنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی تلقین کی تھی اور دائماً ذکر کرنے کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کے محرکات اور بواعث کو مزید تقویت دی ہے اور فرمایا جو آپ کے رب کی بارگاہ کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے بہت مکرم اور مشرف ہیں وہ طاہر اور معصوم ہیں وہ شہوت اور غضب کے محرکات سے بری ہیں اور کینہ اور حسد کے بواعث سے منزہ ہیں' ان اوصاف اور کمالات کے باوجود جب وہ دائماً اللہ عزوجل

کی عبادت کرتے ہیں اور خضوع اور خشوع سے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انسان جو کہ جسمانی ظلمتوں اور بشری کثافتوں کا مرقع ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کی آماجگاہ ہے تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرے۔ فرشتوں کی اطاعت اور عبادت کے متعلق قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں:

لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ○ (التحریم: ۶)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے' وہی کرتے ہیں جس کا نہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ○ وَّ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ○ وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ○ (الصفت: ۱۶۶-۱۶۴)

اور ہم (فرشتوں) میں سے ہر ایک کے لیے اس کے قیام کی جگہ مقرر ہے○ اور بے شک ہم ہی صف باندھنے والے ہیں○ اور بے شک ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔

وَ تَرَی الۡمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ (الزمر: ۷۵)

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ عرش الٰہی کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہوں گے۔

فرشتوں کی کثرت عبادت ان کی افضلیت کو مستلزم نہیں

قرآن مجید کی اس آیت میں فرشتوں کی طہارت اور عصمت اور قدر و منزلت کے باوجود ان کی اطاعت اور عبادت کو بیان کر کے عام مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت اور عبادت پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ ان آیات میں خطاب عام مسلمانوں کی طرف متوجہ ہے اور جہاں تک افضلیت کا تعلق ہے تو ہمارے متکلمین نے تصریح کی ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر (نیک مسلمان) عامۃ الملائکہ سے افضل ہیں اور جہاں تک فرشتوں کی کثرت عبادت اور اطاعت کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں رکھا گیا اور ان میں بھوک اور پیاس اور دیگر انسانی اور بشری تقاضے نہیں رکھے گئے' اور ان کو اطاعت اور عبادت سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی چیز نہیں' نہ ان پر کسی کی کفالت کی ذمہ داری ہے' اور انسان کے ساتھ یہ تمام عوارض ہیں سو ان عوارض اور ان تقاضوں کے باوجود انسان کا گناہوں سے رکنا اور اللہ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے جو ان عوارض اور موانع کے بغیر عبادت کرتے ہیں۔

حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے وله یسجدون کا تعارض اور اس کے جوابات

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور فرشتے اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے حالانکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا امام رازی نے امام غزالی سے اس سوال کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور آسمان کے عظیم فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے اثبات اور نفی کے محل الگ الگ ہیں۔ پھر امام رازی نے خود اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نفی عموم ہے اور حضرت آدم کے قصہ میں خاص فرشتوں کے سجدہ کا ذکر ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام غزالی اور امام رازی کی عظمتیں مسلم ہیں لیکن میرے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سجدہ عبودیت کی نفی ہے یعنی فرشتے اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا سجدہ نہیں کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم

سے سجدہ تعظیم کیا تھا' اور اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت آدم کو صرف زمین کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا جبکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس (الحجر: ۳۰) تو ابلیس کے سوا سب کے سب فرشتوں کے اکٹھے ہو کر آدم کو سجدہ کیا نیز البقرہ: ۳۴ کی تفسیر میں خود امام رازی نے یہ تصریح کی ہے کہ اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ سورۃ الحجر کی آیت میں جمع کا صیغہ ہے پھر اس کو کل اور اجمعون کی تاکیدات سے موکد کیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں صرف ابلیس کا استثناء کیا ہے' اور پھر لکھا ہے کہ البتہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ صرف زمین کے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا اور انہوں نے اس کو مستبعد جانا کہ اکابر ملائکہ کو حضرت آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۱' ص ۴۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس لیے محفوظ جواب یہی ہے کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ تعظیم ادا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فرشتے سجدہ عبادت نہیں کرتے اور سیاق کلام بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین کی جا رہی ہے کہ فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت نہیں کرتے۔

سجدہ تلاوت کی تحقیق

سورۃ الاعراف کی یہ آخری آیت ہے اور قرآن مجید میں یہ پہلی آیت سجدہ ہے اور آخری آیت سجدہ سورۃ العلق کی آخری آیت ہے واسجد واقترب (العلق: ۱۹) آیات سجدہ کے متعلق فقہاء کے دو قسم کے اختلاف ہیں' ایک اختلاف اس میں ہے کہ آیت سجدہ کا حکم کیا ہے آیا اس آیت کو پڑھنے یا سننے کے بعد اس آیت پر سجدہ کرنا سنت ہے یا واجب؟ اور دوسرا اختلاف آیات سجدہ کی تعداد میں ہے۔ ہم پہلے آیات سجدہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف بیان کریں گے اور پھر ان کی تعداد میں فقہاء کے مذاہب بیان کریں گے۔

سجدہ تلاوت کے حکم میں مذاہب فقہاء

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر کے اوپر سجدہ کی آیت تلاوت کی پھر منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا' دوسرے جمعہ کو پھر اس آیت کو پڑھا تو مسلمان سجدہ کے لیے تیار ہوئے' حضرت عمر نے کہا اپنی جگہ بیٹھے رہو' بے شک اللہ نے ہم پر اس سجدہ کو فرض نہیں کیا مگر یہ کہ ہم سجدہ کرنا چاہیں پھر حضرت عمر نے سجدہ نہیں کیا اور لوگوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اس کو غور سے سننے والے دونوں کے لیے سجدہ تلاوت مشروع ہے' کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور جب سجدہ کی آیت سے گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے' اور اگر قرآن پڑھنے والا سجدہ تلاوت ادا نہ کرے تو اس کو غور سے سننے والا سجدہ کرے' کیونکہ سجدہ دونوں کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ایک کے سجدہ ترک کرنے کی وجہ سے دوسرا سجدہ کو ترک نہ کرے' اور جس شخص نے کسی شخص سے تلاوت سنی لیکن وہ اس کو غور سے نہیں سن رہا تھا (آیت سجدہ کی طرف متوجہ نہ تھا) تو اس کے متعلق امام شافعی نے کہا میں اس پر سجدہ کرنے کی ایسی تاکید نہیں کرتا جیسے میں غور سے سننے والے کو سجدہ

کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو غور سے سنے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ اس پر ہے جو اس کے لیے بیٹھے۔ اور سجدہ تلاوت کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم میں سے کسی شخص نے سجدہ نہیں کیا۔ (المہذب ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورہ النجم پڑھی تو ہم میں سے کسی نے بھی سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور حضرت عمر نے کہا اے لوگو! ہم آیات سجدہ کے ساتھ گزرتے تھے تو جو سجدہ کر لیتا وہ درست کرتا اور جو سجدہ نہیں کرتا اس پر کوئی گناہ نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا۔

(الکافی ج ۱ ص ۲۷۲-۲۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں

تلاوت کرنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب ہے خواہ اس نے سننے کا قصد کیا ہو یا نہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: سجدہ اس پر ہے جو اس کو سنے اور جو اس کی تلاوت کرے "لفظ "علی" وجوب کے لیے آتا ہے اور حدیث میں قصد کی قید نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۴۳ مطبوعہ شرکہ علمیہ ملتان)

علامہ المرغینانی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سجدہ صرف اس شخص پر ہے جو آیت سجدہ کو سنتا ہے۔

(المصنف ج ۲ ص ۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

حفص نے بیان کیا کہ ابراہیم نخعی، نافع اور سعید بن جبیر نے یہ کہا کہ جس شخص نے آیت سجدہ کو سنا اس پر سجدہ کرنا لازم ہے۔ (المصنف ج ۲ ص ۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

سجدہ تلاوت کے وجوب پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان آیات سے بھی استدلال کیا ہے:

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ — اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

(الانشقاق: ۲۱)

اس آیت میں سجدہ نہ کرنے پر مذمت کی گئی ہے اور مذمت واجب کے ترک کرنے پر ہوتی ہے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا (النجم: ۶۲) — پس اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔

وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ (العلق) — آپ سجدہ کریں اور (ہم سے مزید) قریب ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں سجدہ کا امر کیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے سو ان آیات سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب ہے۔

سجدہ تلاوت کی تعداد میں مذاہب فقہاء

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عزائم سجود القرآن گیارہ سجدے ہیں ان میں سے مفصل (الحجرات سے آخر قرآن تک) میں کوئی سجدہ نہیں

ہے۔(یعنی النجم' الانشقاق اور العلق کے سجدات)۔ (الموطا ص ۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی اندلسی مالکی متوفی ۴۹۴ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے جمہور اصحاب کا یہی مذہب ہے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور ابن وھب نے کہا عزائم سجود القرآن چودہ سجدے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا عزائم السجود پندرہ سجدے ہیں انہوں نے سورہ حج کا دوسرا سجدہ بھی شامل کر لیا۔

(المنتقی ج ۱' ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں پندرہ سجدے ہیں۔ پہلا سجدہ سورۃ الاعراف کی آخری آیت میں ہے و لہ یسجدون (الاعراف: ۲۰۶) دوسرا سجدہ و ظلالھم بالغدو و الاصال (الرعد: ۱۵) تیسرا سجدہ و یفعلون ما یؤمرون (النحل: ۵۰) چوتھا سجدہ و یزیدھم خشوعا (بنی اسرائیل: ۱۰۹) پانچواں سجدہ خروا سجدا و بکیا (مریم: ۵۸) چھٹا سجدہ یفعل ما یشاء (الحج: ۱۸) ساتواں سجدہ تفلحون (الحج: ۷۷) آٹھواں سجدہ نفوراً (الفرقان: ۶۰) نواں سجدہ رب العرش العظیم (النمل: ۲۶) دسواں سجدہ و ھم لا یستکبرون (السجدہ: ۱۵) گیارہواں سجدہ خر راکعا و اناب (ص: ۲۴) بارھواں سجدہ ان کنتم ایاہ تعبدون (حم السجدہ: ۱۵) تیرھواں سجدہ واعبدوا (النجم: ۶۲) چودھواں سجدہ لا یسجدون (الانشقاق: ۲۱) پندرھواں سجدہ واسجد واقترب (العلق: ۱۹)۔ (احکام القرآن ج ۴' ص ۳۶۹-۳۶۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ سجدات تلاوت چودہ سجدے ہیں (علامہ ابن العربی مالکی کے حوالے سے جو ہم نے پندرہ آیات سجدہ ذکر کی ہیں ان میں سورۃ ص ۲۴' کے علاوہ باقی وہی آیات سجدہ ہیں) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرآن مجید میں پندرہ سجدوں کی تعلیم دی۔ ان میں سے تین مفصل میں ہیں' دو حج میں ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ سجود تلاوت گیارہ سجدے ہیں۔ اور انہوں نے مفصل کے تین سجدے ساقط کر دیئے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی آپ نے مفصل کی کسی آیت پر سجدہ نہیں کیا۔ (مفصل کے سجدات سے مراد النجم' الانشقاق اور العلق کے سجدات ہیں)

(المہذب ج ۱' ص ۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

سجدات القرآن چودہ سجدے ہیں (سورہ ص کے سجدہ کے علاوہ باقی مذکورہ سجدات) ان میں سے دو سجدے الحج میں ہیں اور تین مفصل میں ہیں۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ پندرہ سجدے ہیں' ان میں سے ایک ص کا سجدہ ہے' کیونکہ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پندرہ سجدوں کی تعلیم دی' ان میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سجدہ الحج میں ہیں۔ (سنن ابوداؤد) اور صحیح یہ ہے کہ سورہ ص کا سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورۃ ص عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

تمام آیات سجدات اجماع سے ثابت ہیں سوائے مفصل کے سجدات کے اور الحج کے دوسرے سجدہ کے اور یہ سجدے حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ثابت ہیں' اور حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا الحج

میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جس نے یہ دو سجدے نہیں کیے اس نے ان کو نہیں پڑھا۔ (ابوداؤد)
(الکافی ج ا' ص ۲۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) الاعراف (۲) الرعد (۳) النحل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) الحج کا پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) النمل (۹) الم تنزیل السجدہ (۱۰) ص (۱۱) حم السجدہ (۱۲) النجم (۱۳) الانشقاق (۱۴) اقرء۔ اس کی تعداد میں دیگر فقہاء سے ہمارے تین اختلاف ہیں' پہلا اختلاف یہ ہے امام شافعی' امام احمد اور بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک سورہ الحج کا دوسرا سجدہ (ارکعوا واسجدوا (الحج: ۷۷) بھی سجدہ تلاوت ہے اور ہمارے نزدیک وہ نماز کا سجدہ ہے۔ (جن احادیث سے ان ائمہ نے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہیں۔ فتح القدیر میں تفصیل کے ساتھ ان کی وجہ ضعف بیان کی گئی ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان سجدات کو شمار کیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے اور سورہ الحج کا ایک سجدہ شمار کیا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سجدہ تلاوت الحج میں پہلا سجدہ ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے۔ نیز جب سجدہ کا رکوع کے ساتھ ذکر ہو تو اس سے مراد نماز کا سجدہ ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے واسجدی وارکعی۔ (آل عمران: ۴۳)

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ سورہ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ سجدہ شکر ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورہ ص پڑھی اور سجدہ تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ تلاوت کیا' صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سجدہ ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا' اگر یہ سجدہ واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورہ ص پڑھ رہا ہوں جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں پھر آپ نے اس مجلس میں سورہ ص کو پڑھنے کا حکم دیا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر سجدہ کیا۔ (اس حدیث کا امام ترمذی اور امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور اس میں دوات اور قلم کی جگہ درخت کا ذکر ہے اور اس میں درخت کی اس دعا کا ذکر ہے اے اللہ! مجھ سے اس سجدہ کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس سجدہ کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹' المستدرک ج ا' ص ۲۲۰-۲۱۹)

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مفصل (النجم' الانشقاق' العلق) میں تین سجدے ہیں' اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ ہماری دلیل حضرت عمران بن حصین کی حدیث ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مفصل میں تین سجدے ہیں۔
(بدائع الصنائع ج ۲' ص ۳۰۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حرف آخر

الحمدللہ علی احسانہ آج بہ روز منگل مورخہ ۱۸ شعبان ۱۴۱۹ھ / ۸ نومبر ۱۹۹۸ء کو بعد از نماز ظہر سورۃ الاعراف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العالمین جس طرح ان سورتوں کی تفسیر کو آپ نے مکمل کرا دیا ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں' اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں' اس کو تاقیام قیامت فیض آفریں رکھیں' اس کو موافقین کے لیے باعث استقامت اور مخالفین کے لیے باعث ہدایت بنائیں اور اس کتاب کو اور میری باقی کتابوں کو مخالفین کے شر اور فساد سے محفوظ رکھیں' اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دیں۔ امین یارب العالمین بجاہ

حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین صلوات اللہ علیہ وعلی الہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ امہات المومنین والعلماء الراسخین والاولیاء العارفین۔

سُورَةُ الأَنفَالِ

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الانفال

انفال کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انفال نَفَل کی جمع ہے۔ نفل مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن مختلف اعتبارات کی وجہ سے اس کے معنی مختلف ہیں۔ جہاد میں فتح اور کامیابی کے اعتبار سے اس مال کو غنیمت کہتے ہیں' اور یہ لحاظ کیا جائے کہ بغیر وجوب کے ابتداءً یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے اس کو نفل کہتے ہیں' اور بعض علماء نے غنیمت اور نفل میں عموم اور خصوص کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔ سو جو مال مشقت یا بغیر مشقت کے' استحقاق یا بغیر استحقاق کے' جہاد میں کامیابی سے پہلے یا اس کے بعد حاصل ہو' اس کو مال غنیمت کہتے ہیں' اور مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے انسان کو جو مال حاصل ہو اس کو نفل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دشمن سے جنگ کے بغیر مسلمانوں کو جو مال فئے حاصل ہوتا ہے' اس کو نفل کہتے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد سامان سے جو چیزیں الگ کرلی جاتی ہیں' ان کو نفل کہتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (الانفال: ۱) لوگ آپ سے الانفال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

اس آیت میں الانفال کا یہی آخری معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۲' ص ۶۵۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے مال غنیمت (جب ن اور ف پر زبر ہو) اور اس کی جمع انفال ہے۔ اور جب (ف پر جزم ہو) نفل ہو تو اس کا معنی ہے زیادہ۔ امام ابوداؤد حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینفل الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس اذا رجع۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد مال غنیمت کا چوتھائی حصہ تقسیم کرتے' اور جہاد سے واپسی کے بعد خمس منہا کر کے تہائی حصہ تقسیم فرماتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱' مسند احمد ج ۴' ص ۱۶۰)

نیز امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نجد کی طرف ایک لشکر

کے ساتھ روانہ کیا پھر چند مسلمانوں کو بہ طور کمک روانہ کیا۔

فکان سهمان الجيش اثنى عشر بعيرا اثنى عشر بعيرا و نفل اهل السرية بعيرا بعيرا وكانت سهمانهم ثلثة عشر ثلثة عشر۔

اس لشکر کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ آپ نے بہ طور کمک آنے والے کو ایک ایک اونٹ زیادہ عطا کیا تو ان کا حصہ تیرہ اونٹ ہو گئے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۱'الموطا رقم الحدیث: ۹۸۷'مسند احمد ج ۲'ص ۶۲)

احادیث میں نفل اور انفال کا ذکر بہت زیادہ آیا ہے اور بعض عبادات کا نام نوافل رکھا گیا ہے کیونکہ وہ فرائض پر زائد ہوتی ہیں۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا يزال العبد يتقرب الى بالنوافل بندہ نوافل کے ذریعہ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲'مسند احمد ج ۲'ص ۶۲)

سورۃ الانفال کی وجہ تسمیہ

نفل کا معنی مال غنیمت ہے اور کفار سے چھینے ہوئے سامان سے جو چیزیں الگ کرلی جاتی ہیں ان کو بھی نفل کہا جاتا ہے' اور اس سورت میں نفل کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوگا۔ اس لیے اس سورت کا نام الانفال رکھا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں ایک تلوار لے کر آیا' میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو مشرکین سے ٹھنڈا کر دیا ہے آپ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ نہ میری ملکیت ہے نہ تمہاری۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید آپ یہ کسی ایسے شخص کو عطا فرما دیں گے جس نے میری طرح مشقت نہ اٹھائی ہوگی' پھر تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا تم نے مجھ سے یہ تلوار مانگی تھی اس وقت یہ میری ملکیت میں نہیں تھی' اور اب یہ میری ملکیت میں آچکی ہے سو اب یہ تمہاری ہے۔ اور تب یہ آیت نازل ہوئی يسئلونك عن الانفال- (الانفال: ۱) یہ (مسلمان) آپ سے مال غنیمت سے زائد چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۰'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۱۲'سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۰)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میرے بھائی عمیر کو قتل کر دیا گیا تھا اور میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا تھا' میں نے اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا' اس تلوار کا نام ذا الکیفہ تھا۔ میں اس تلوار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گیا' آپ نے فرمایا اس تلوار کو وہاں جا کر ڈال دو جہاں مال غنیمت کا سامان اکٹھا کر کے رکھا گیا ہے۔ میں واپس گیا اور اپنے بھائی کے قتل کیے جانے اور اس تلوار کے لیے جانے سے مجھے اس قدر رنج ہوا تھا جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورۃ الانفال نازل ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اپنی تلوار لے لو۔

(مسند احمد ج ۱'ص ۱۸۰'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴'ص ۳۷۰'سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۶۸۹'سنن کبریٰ ج ۶'ص ۲۹۱' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۴۶۸'الدر المنثور ج ۴'ص ۳)

سورۃ الانفال کا زمانہ نزول

امام نحاس' امام ابو الشیخ اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۴' ص ۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ پوری سورۃ الانفال بدر کے معاملات میں نازل ہوئی ہے۔ غزوہ بدر ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان المبارک میں رونما ہوا اور یہ تحویل قبلہ کے دو ماہ بعد ہوا تھا' اور اس کے نزول کی ابتداء بدر سے واپسی سے پہلے ہوئی' کیونکہ اس کی پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان بدر میں تھے اور ابھی مال غنیمت کی تقسیم شروع نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

ترتیب نزول کے لحاظ سے سورۃ الانفال کا مقام' اس کی آیتوں کی تعداد اور سبب نزول

یہ سورت سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے سورۃ البقرہ نازل ہوئی' پھر آل عمران اور پھر الانفال۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے جو سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ واضح رہے کہ ایک سورت کے بعد دوسری سورت نازل ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ دوسری سورت پہلی سورت کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے' بلکہ کئی مرتبہ پہلی سورت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری سورت کا نزول شروع ہو جاتا تھا اور سورہ بقرہ کے نزول کی تکمیل سے پہلے سورۃ الانفال کا نزول مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ سورۃ الانفال میں صرف ایک قسم کے احکام ہیں یعنی مال غنیمت اور جہاد سے متعلق احکام ہیں۔ اور سورۃ البقرہ میں عبادات اور معاشرتی اور تمدنی مسائل سے متعلق انواع و اقسام کے احکام ہیں۔

جابر بن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الانفال کے نزول سے پہلے اٹھاسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں اور اس کا نمبر نواسی ہے۔ اور یہ سورہ آل عمران کے بعد اور سورۃ الاحزاب سے پہلے نازل ہوئی۔ اہل مدینہ' اہل مکہ اور اہل بصرہ کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد چھہتر ہے اور اہل شام کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد ستتر ہے۔ اور اہل کوفہ کی گنتی کے مطابق اس کی آیات کی تعداد پچھتر ہے۔

اس کے نزول کا سبب جنگ بدر کے دن اہل بدر کا مال غنیمت اور انفال میں اختلاف تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بعض صحابہ نے آپ سے انفال کے متعلق سوال کیا تھا جیسا کہ اس کی پہلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

غزوہ بدر کا خلاصہ

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سورۃ الانفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی۔ غزوہ بدر کی پوری تفصیل کتب سیرت میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں ایک کافر عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ پر بہت برہمی کا اظہار کیا اور کہا تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرمی کے قتل نے تمام کفار قریش کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا۔ اسی دوران ابو سفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا ہوا تھا' ابو سفیان نے وہیں سے مکہ خبر بھیج دی۔ کفار قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ کفار قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے دفاع کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آ گیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدسیہ شہید ہوئے ہیں۔ جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور صنادید قریش میں سے جو لوگ بہادری اور مردانگی میں نام آور تھے

سب ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف وغیرہم تھے۔ ستر کافر قتل کیے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت کریمانہ سلوک کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس کی پوری بحث ان شاء اللہ متعلقہ آیات کی تفسیر میں آئے گی۔

غزوہ بدر کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کے (قافلہ کے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا' حضرت ابوبکر نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے اعراض کیا۔ پھر حضرت عمر نے کوئی مشورہ دیا آپ نے ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے دوڑا دیں گے' اگر آپ ہمیں برک الغماد تک گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کریں گے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بلایا' لوگ آئے اور وادی بدر میں اترے۔ وہاں قریش کے پانی پلانے والے ملے۔ ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ فام غلام تھا صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی پتا نہیں! لیکن یہاں ابوجہل' عتبہ' شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ بتایا تو صحابہ نے اس کو پیٹنا شروع کیا۔ اس نے کہا اچھا میں تمہیں ابوسفیان کے متعلق بتاتا ہوں' جب انہوں نے اس کو چھوڑ کر ابوسفیان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی پتا نہیں لیکن یہاں لوگوں میں ابوجہل' عتبہ' شیبہ' اور امیہ بن خلف ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے پھر مارنا شروع کر دیا' اس وقت نبی ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جب یہ سچ بولتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ بولتا ہے تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا۔ (یعنی جس جگہ آپ نے جس شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا' وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)

(صحیح مسلم مغازی: ۸۳' (۱۷۷۹) ۴۵۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۱' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ خیمہ میں دعا کر رہے تھے اے اللہ! اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا یا رسول اللہ! آپ کے لیے یہ دعا کافی ہے' آپ نے اپنے رب سے بہت گڑگڑا کر دعا کی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مسرور ہوتے ہوئے خیمہ سے نکلے در آنحالیکہ آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے (کافروں کا) یہ گروہ عنقریب شکست کھایا ہوا ہو گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے○ بلکہ ان سے (اصل) وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت کڑوی ہے۔ (القمر: ۴۵-۴۶)' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۳' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۱۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم اصحاب محمد (ﷺ) یہ باتیں کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد طالوت کے اس لشکر کے برابر تھی جس نے ان کے ساتھ دریا پار کیا تھا اور صرف مومن نے ہی ان کے ساتھ دریا پار کیا تھا اور ان کی تعداد تین

سودس اور کچھ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۸ جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۶۰۱۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جنگ بدر کے دن کم سن قرار دیا گیا' اس دن مہاجرین کی تعداد ساٹھ اور کچھ تھی اور انصار کی تعداد دو سو چالیس اور کچھ تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۶ جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۰۲۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور للکارا کہ کون ہم سے مقابلہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں انصار کے نوجوان مسلمانوں کے لشکر سے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے اپنا حسب نسب بتایا۔ عتبہ وغیرہ نے کہا ہمیں تم سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ہم اپنے عم زادوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ آپ کھڑے ہوں' اے علی تم کھڑے ہو' اے عبیدہ بن حارث تم کھڑے ہو۔ پھر حضرت حمزہ عتبہ کے مقابل آئے اور شیبہ کے سامنے میں (حضرت علی) آیا حضرت عبیدہ اور ولید گتھم گتھا ہو گئے اور ہر ایک نے دوسرے کو لہولہان کر دیا۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ اور ہم حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لشکر اسلام میں لے آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۵ مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۴ جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۶۰۳۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف (وہ کافر جس کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے اور وہ ان پر بہت ظلم کرتا تھا تا آنکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت مہنگے داموں سے ان کو امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا) سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مکہ میں میرے مال و دولت کی حفاظت کرے' میں مدینہ میں اس کے مال و دولت کی حفاظت کروں گا۔ جب میں نے معاہدہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو اس نے کہا میں "رحمٰن" کے نام سے واقف نہیں ہوں' تم وہی نام لکھو جو زمانہ جاہلیت میں لکھتے تھے۔ بہرحال میں نے اس سے معاہدہ کر لیا۔ جنگ بدر کے دن میں پہاڑ پر پہنچا تاکہ اس کو قتل ہونے سے بچا سکوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا' وہ اس جگہ گئے جہاں انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا اے انصار کے جوانو! وہ امیہ بن خلف ہے' اگر آج امیہ بچ گیا تو میری نجات نہیں ہوگی۔ پھر حضرت بلال نے انصار کی ایک جماعت کے ساتھ ہمارا پیچھا کیا۔ جب مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے تو میں نے امیہ کا بیٹا ان کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اس کو قتل کرنے میں مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر انہوں نے ہمارا پیچھا کیا۔ امیہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا جب وہ ہم تک پہنچ گئے تو میں نے اس سے کہا تم اونٹ کی طرح بیٹھ جاؤ وہ اس طرح بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا جسم اس کے اوپر ڈال دیا تاکہ اس کی حفاظت کروں۔ وہ میرے نیچے سے اس کو تلواریں مارنے لگے حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ایک کی تلوار میری ٹانگ پر لگی۔ حضرت عبدالرحمٰن ہمیں اپنے پیر کی پشت پر اس زخم کا نشان دکھایا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۱ جامع الاصول ج ۸ رقم الحدیث: ۶۲۰۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں صف میں کھڑا ہوا تھا' میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میرے دائیں بائیں انصار کے دو نوجوان کم سن لڑکے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میرے ارد گرد ان سے زیادہ طاقت ور لوگ ہوتے' اچانک ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا اے چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! اے بھتیجے! تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے' قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت

تک الگ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ مرجائے جس کی موت پہلے مقرر ہو چکی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا مجھے اس کی بات پر تعجب ہوا۔ پھر دوسرے نے مجھ سے اسی طرح کہا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے دیکھا ابوجہل لوگوں کے درمیان پھر رہا ہے' میں نے کہا کیا تم نہیں دیکھ رہے یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق تم مجھ سے سوال کر رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا وہ دونوں نوجوان تلواروں سے اس پر حملہ کرنے کے لیے باز کی طرح جھپٹے' اس پر حملہ کیا اور حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو اس کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تلواروں سے خون صاف کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں تلواروں پر نظر ڈالی پھر آپ نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے جسم سے چھینا ہوا سامان معاذ بن عمرو بن الجموح کو دیا جائے اور ان نوجوانوں کا نام معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۱' صحیح مسلم الجہاد: ۴۲' (۱۷۵۲) ۴۴۸۸' مسند احمد ج ا' ص ۱۹۲' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۷۳' طبع جدید' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن فرمایا کون شخص ہمیں دیکھ کر یہ بتائے گا کہ ابوجہل کا کیا ہوا؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے تو دیکھا اس کو عفراء کے دو بیٹے قتل کر چکے تھے' حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی داڑھی پکڑلی اور کہا تو ابوجہل ہے؟ (ابھی اس میں کچھ رمق حیات تھی) اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی شخص کو قتل کیا تھا؟ صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے ابوجہل میں ابھی رمق حیات تھی' اس کی ٹانگ پر تلوار لگی تھی۔ حضرت ابن مسعود نے کہا میں نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن! تجھے اللہ نے ذلیل کر دیا۔ اس نے کہا مجھے اس کی فکر نہیں۔ پھر اس نے کہا کیا تمہاری قوم نے مجھ سے بھی بڑے کسی آدمی کو قتل کیا تھا یا کہا کاش مجھے کسانوں کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔ پھر میں نے اس کے اوپر اپنی تلوار ماری۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی مگر وہ اس سے کچھ نہ کر سکا۔ اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ اس نے مجھ سے کہا تمہاری تلوار کند ہے' میری تلوار پکڑ لو اور جڑ سے میری گردن کاٹ دو۔ میں نے اس کی تلوار اس پر ماری۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی تلوار مال غنیمت کے حصہ سے زیادہ دی۔ عتبہ نے ابوجہل سے واپسی کے لیے کہا تھا تو ابوجہل نے کہا یہ خوف سے بزدل ہو چکا ہے۔ عتبہ نے کہا عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا پاخانہ خطا ہوتا ہے اور ہم میں سے کون بزدل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۶۳' ۳۹۶۲' ۳۹۶۱' صحیح مسلم الجہاد: ۱۱۸' (۱۸۰۰) ۴۵۸۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۰۳۲' ۶۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے' ہم چاند دیکھنے لگے اور میری نگاہ تیز تھی۔ لہٰذا میں نے چاند دیکھ لیا اور میرے سوا اور کسی کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ میں نے حضرت عمر سے کہا کیا آپ چاند نہیں دیکھ رہے؟ وہ چاند نہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا میں عنقریب چاند دیکھ لوں گا جب میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں گا۔ پھر وہ ہمیں اہل بدر کے حالات بتانے لگے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ ہمیں کفار کے گرنے کی جگہیں بتا رہے تھے اور فرما رہے تھے ان شاء اللہ یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے' ان شاء اللہ یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' جس جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نشان لگایا تھا' کوئی کافر اس جگہ سے سرمو متجاوز نہیں ہوا۔ پھر ان تمام کفار کو ایک دوسرے کے اوپر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ رسول اللہ

ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے اس کو برحق جان لیا جس کا تم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا' کیونکہ میں نے اس چیز کو برحق پالیا جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! آپ بے روح اجسام سے کیسے کلام فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے کلام کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' البتہ یہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

(صحیح مسلم صفت النار: ۷۶' (۲۸۷۳) ۷۰۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۴' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۳۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو (درہم) مقرر فرمایا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۱' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور کہا ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں' آپ نے فرمایا اس کا ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۱۸' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ کی رقومات بھیجیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع کو چھڑانے کے لیے مال بھیجا اور انہوں نے وہ ہار بھی بھیج دیا جو ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کے ساتھ ان کی رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو اور اس کا وہ ہار بھی واپس کر دو۔ مسلمانوں نے کہا بسر و چشم۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص سے یہ عہد لیا کہ وہ زینب کو آپ کے پاس آنے کے لیے چھوڑ دے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور انصار کے ایک شخص کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ تم بطن یاجج (ایک جگہ کا نام) پر ٹھہرنا' حتیٰ کہ تمہارے پاس سے زینب گزریں' پھر تم ان کو ساتھ لے کر یہاں آجانا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۲' جامع الاصول ج ۸' رقم الحدیث: ۶۰۴۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا غزوہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو انیس مرد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر با آواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی! اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما' اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما' اے اللہ! اہل اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ آپ ہاتھ پھیلا کر با آواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور چادر پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور کہنے لگے یا نبی اللہ! اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے' آپ کا رب آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی' میں تمہاری لگاتار ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرماؤں گا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی------

ابوزمیل نے کہا حضرت ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا' اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھ" (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا' اس مسلمان

نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ اس دن مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جب مسلمانوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے فرمایا تمہارا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا یا نبی اللہ! یہ ہمارے عم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں' میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہو گی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' بخدا یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے' لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں۔ آپ عقیل کو حضرت علی کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں اور میرا فلاں رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ یہ لوگ کافروں کے بڑے اور ان کے سردار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی اور میری رائے پسند نہیں آئی۔ دوسرے دن جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کا صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں' اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے ایسی صورت بناؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس واقعہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھ پر پیش آیا ہے' بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ وہ درخت نبی ﷺ کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کفار کا زمین پر خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنا لے..... سو تم کو جو مال غنیمت حاصل ہے' اس کو کھاؤ درآنحالیکہ یہ حلال اور طیب ہے۔ پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔

(صحیح مسلم المغازی: ۵۸' (۱۷۶۳) ۴۵۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰' جامع الاصول' ج ۸' رقم الحدیث: ۶۹۱۴)

سورۃ الانفال کے مضامین کا خلاصہ

انفال (مال غنیمت کے ذخیرہ کے علاوہ کوئی زائد چیز) کے متعلق ایک سوال کا جواب' خوف خدا اور اللہ پر توکل کی تلقین' نماز' صدقہ و خیرات اور جہاد کی ترغیب۔ (النساء: ۱-۶)

کفار کے قافلہ تجارت پر حملہ کرنے کے بجائے لشکر کفار کے خلاف جہاد کرنے کی اہمیت' فرشتوں کی مدد اور ان کا وجہ اطمینان ہونا' مسلمانوں کی تسکین کے لیے ان پر نیند طاری کرنا اور بارش نازل فرمانا' جو مسلمانوں کے لیے مفید اور کفار کے لیے مضر تھی۔ کفار کی گردنیں اڑانے کا حکم دینا اور کفار کے مقابلہ سے پیٹھ موڑنے کی ممانعت' مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا' دراصل اللہ کا قتل کرنا تھا اور آپ کا خاک پھینکنا بھی درحقیقت اللہ کا خاک پھینکنا تھا۔ بدر کی فتح کے بعد کفار کو متنبہ کرنا کہ اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں کے خلاف شرارت کی تو تمہیں پھر سزا دی جائے گی اللہ مسلمانوں کا حامی ہے۔ (الانفال: ۱۹-۷)

مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کا حکم اور نافرمانی کرنے سے ممانعت' جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو انہیں حاضر ہونے کا حکم' کم تعداد مسلمانوں کا کثیر تعداد کفار پر غالب آنا محض اللہ کی نصرت کی وجہ سے تھا۔ امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت' مال اور اولاد کا فتنہ ہونا' خوف خدا سے گناہ ترک کرنے پر مغفرت کی نوید' ہجرت کے وقت نبی ﷺ پر

اللہ کا احسان کہ اس نے آپ کو کفار کے شر اور ان کی سازش سے مامون رکھا۔ کفار کا یہ کہنا کہ اگر یہ قرآن برحق ہے تو اس کے انکار کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا' اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں آئے گا حالانکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ نماز کے اوقات میں کافروں کا شور مچا کر مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنا اور لوگوں کو اسلام سے روکنا' اور اس وجہ سے ان کا مستحق عذاب ہونا۔ (الانفال: ۷-۳۰)

کفار کو قبول اسلام کا حکم دینا ورنہ ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم' خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) کے مصارف کا بیان' کفار کے تجارتی قافلہ کے مقابلہ میں لشکر کفار کے مقابلہ کی ترجیح' فتح بدر کا اسلام کی حجت ہونا' لشکر کفار کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر کے دکھانا اور لشکر اسلام کو کفار کی آنکھوں میں زیادہ کر کے دکھانا یہ محض اللہ کی تائید اور نصرت ہے۔ کفار سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم دینا اور آپس کے اختلاف اور بزدلی سے منع کرنا۔ ان کافروں کی روش سے اجتناب کا حکم جو اپنے زور اور طاقت پر اکڑتے تھے اور شیطان کے بہکانے میں آگئے اور شیطان کا ان سے بری ہونا۔ (الانفال: ۴۸-۳۸)

منافقین کی مذمت' موت کے وقت کفار کی حالت کا بیان اور آل فرعون کے انجام سے ان کی مشابہت' آل فرعون پر عذاب کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ جن کافروں نے آپ سے عہد شکنی کی' ان کو میدان جنگ میں سزا دینے کا حکم' جو قوم عہد شکنی کرے اس کے معاہدوں کو توڑنے کا حکم' کفار سے جنگ کے لیے آلات حرب جمع کرنے کا حکم' اگر کفار مائل بہ صلح ہوں تو ان سے صلح کرنے کا حکم' اور اگر وہ دھوکا دیں تو آپ اللہ کی نصرت پر توکل کریں۔ اللہ کا مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنا اور آپ کے لیے اللہ کی نصرت اور مسلمانوں کی حمایت کا کافی ہونا۔ (الانفال: ۶۴-۴۹)

آپ کو یہ حکم دینا کہ مسلمانوں کو جہاد پر راغب کریں' پہلے بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں سے مقابلہ کا مکلف کرنا' پھر تخفیف کر کے سو مسلمانوں کو دو سو کافروں سے مقابلہ کا مکلف کرنا۔ کفار کا خون بہائے بغیر ان سے فدیہ لینے کا عدم جواز اور اجتہادی خطا کی وجہ سے مسلمانوں کے فدیہ لینے کو معاف کرنا۔ آپ کی وساطت سے بدر کے قیدیوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں کوئی نیکی ہے تو تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا' اور اگر انہوں نے آپ سے خیانت کا ارادہ کیا تو جس طرح اب وہ شکست اور قید و بند سے دوچار ہوئے ہیں دوبارہ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک دوسرے کی حمایت اور ولایت کی بنیاد رکھنا اور جو لوگ دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کریں وہ مسلمانوں کی ولایت اور حمایت میں داخل نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ دینی معاملات میں مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد لازم ہے۔ بہ شرطیکہ اس سے تمہارے کسی سابقہ معاہدہ پر زد نہ پڑے۔ کفار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنا بہت بڑے فتنے اور فساد کا موجب ہے۔ مہاجرین' انصار اور مجاہدین کے لیے رزق میں وسعت اور مغفرت کی نوید' بعد میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے بھی پہلوں کے ساتھ لاحق ہیں۔ بعض رشتہ دار دوسرے رشتہ داروں سے زیادہ راجح ہیں ○

(الانفال: ۷۵-۶۵)

سورۃ الانفال کے مقاصد

مال غنیمت کے احکام کا بیان کرنا' مسلمانوں کو چاہیے کہ باہم اتفاق سے رہیں۔ مسلمانوں کا غزوہ بدر کی طرف نکلنا اور قلت تعداد کے باوجود اللہ کی تائید اور نصرت سے کامیابی' دشمن کے خلاف جہاد کی تیاری کرنا' دین کی بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرنا' جس سبب سے مسلمان غزوہ بدر کے لیے نکلے۔ معرکہ بدر میں دونوں جماعتوں کے قتال کی کیفیت' منافقوں کے مکر و فریب سے احتراز کرنا' ان سابقہ امتوں کی مثال جنہوں نے اپنے رسولوں کی مخالفت کی اور اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ مسلمانوں اور کافروں کے

درمیان معاہدوں کے احکام' قیدیوں کے احکام' دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں کے احکام' ان تمام امور کو بیان کرنا اس سورت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے سورۃ الانفال کی تفسیر شروع کرتا ہوں۔ الٰہ العالمین! مجھے اس تفسیر میں ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور مامون رکھنا۔ مجھے حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب عطا فرمانا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمانا اور اس کو قیامت تک مسلمانوں کے لیے اثر آفرین رکھنا۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وعلی اٰلہ الطاھرین و اصحابہ الکاملین و اٰلاخیار التابعین و العلماء الراسخین من المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین وسائر المسلمین الی یوم الدین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

۲۲/ دسمبر ۱۹۹۸ء

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انفال مدنی ہے اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

(اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموالِ غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ

سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم مومن (کامل) ہو تو اللہ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو ○ وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

تو ان کے دل خوفزدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں

وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚۖ ۲ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق

رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ ۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

میں سے خرچ کرتے ہیں ○ یہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے رب کے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۚ ۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ

پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور معزز روزی ہے ○ (مال غنیمت کی تقسیم میں ان کا اختلاف

رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

کرنا اسی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے باہر لایا تھا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو

لَكٰرِهُوْنَ ۙ ۵ یُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ كَاَنَّمَا

ناپسند کرنے والا تھا ○ وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے، گویا کہ وہ

یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ؕ ۶ وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ

آنکھوں دیکھتے موت کی طرف دھکیلے جا رہے تھے ○ اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے

اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ

ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (قافلہ)

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ

تمہارے ہاتھ لگے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور

یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ ۷ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ

کافروں کی جڑ کاٹ دے ○ تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور ناحق کو باطل کر دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ ۸ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

خواہ مجرموں کو ناگوار ہو ○ اور (یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا

لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ

قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں ○ اور اللہ نے اس کو تمہارے

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

لیے صرف خوشخبری بنایا تا کہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع ۱ ۱۰ ۱۵

بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموال غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے' سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر تم مومن (کامل) ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ (الانفال:۱)

انفال کا معنی اور اس کے مصداق میں مفسرین کے نظریات

انفال کے معنی میں صحابہ کرام اور اخیار تابعین کا اختلاف ہے' عکرمہ' مجاہد' ضحاک' قتادہ' عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انفال کا معنی ہے: اموال غنیمت۔

عطاء' ابن جریج اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ انفرادی طور پر مشرکوں سے مسلمان جو چیز حاصل کر لیں مثلاً غلام یا سواری وغیرہ وہ انفال ہے' یا مشرکین سے جو چیز چھین لیں یا اس کے لباس سے اتار لیں مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے جو چیزیں الگ کر لی جائیں وہ انفال ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: انفال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا گھوڑا انفال میں سے ہے اور مشرکین سے چھینی ہوئی چیزیں انفال میں سے ہیں۔

نیز عطا نے کہا جو چیز بغیر جنگ کے مسلمان انفرادی طور پر مشرکین سے حاصل کر لیں وہ انفال ہے۔

مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ انفال کا معنی خمس ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ انفال مال غنیمت سے وہ زائد چیز ہے جس کو امیر لشکر' لشکر کے بعض یا کل افراد کو بہ طور ترغیب اور تحریص عطا کرتا ہے۔ جس میں ان کی یا تمام مسلمانوں کی بہتری ہو' اور وہ چیز کفار سے چھینے ہوئے سامان میں سے ہوتی ہے یا امیر لشکر تک وہ زائد پہنچتی ہے یا مشرکین کے اسباب میں سے ہوتی ہے' ہم نے اس قول کو اولیٰ اس لیے کہا ہے کہ کلام عرب میں نفل اصل سے زائد چیز کو کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لشکریوں کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہو اور لشکری کو وہ چیز امیر لشکر نے عطا کی ہو جیسے کافر سے چھینا ہوا مال' وہ انفال ہے۔

(جامع البیان جز ۹' ص ۲۲۸-۲۲۴' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں انفال کے ان تمام معانی کا احتمال ہے اور بعض کی بعض پر ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے' اگر حدیث سے کسی ایک معنی کی تعیین ثابت ہو جائے تو وہی معنی متعین ہو جائے گا۔ ان معانی میں تناقض نہیں ہے اس لیے ان تمام معانی کا ارادہ کرنا جائز ہے اور اقرب یہ ہے کہ اس سے مراد خمس ہے جو نبی ﷺ کا مال ہے اور آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے یا تقسیم کے بعد اس میں سے جس کو چاہیں بطور ترغیب عطا فرما دیں' اور جس مجاہد کو یہ ملے گا وہ اس کے حصہ مال غنیمت سے زائد ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۴۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ کا مختار یہ ہے کہ انفال سے مراد مال غنیمت ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے عظیم غنیمت کو حاصل کیا' اس میں ایک تلوار بھی تھی' میں وہ تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا' اور عرض کیا مجھے یہ تلوار زیادہ دے دیں کیونکہ آپ کو میرا حال معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے۔ میں اس کو وہاں رکھنے گیا' پھر میرے دل میں خیال آیا میں آپ کے پاس دوبارہ گیا اور کہا آپ مجھے یہ تلوار دے دیں! آپ نے بہ آواز بلند فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو لیا ہے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: یسئلونک عن الانفال۔ (الانفال: ۱)

(صحیح مسلم فضائل صحابہ: ۴۳' (۲۴۱۲) ۶۱۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

مال غنیمت کے استحقاق میں صحابہ کرام کا اختلاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں' نیز فرمایا اور آپس میں صلح رکھو' اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مال غنیمت کے حکم میں اختلاف تھا' پھر انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے نبی ﷺ سے سوال کیا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انفال (مال غنیمت) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں' وہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کر دیں۔ مال غنیمت کے حکم میں مسلمانوں کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسا ایسا کام کیا اس کو فلاں فلاں چیز زائد ملے گی' پس نوجوان آگے بڑھے اور بڑے بوڑھے جھنڈوں کے پاس کھڑے رہے اور ان کے ساتھ نہیں گئے' جب اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی تو بوڑھوں نے کہا تم ہماری پناہ میں تھے' اگر تم شکست کھاتے تو ہماری طرف آتے' تو تم ہمارے بغیر مال غنیمت نہ لو' جوانوں نے اس کا انکار کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے یہ مال غنیمت ہمارے لیے رکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یسئلونک عن الانفال" (الآیہ)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۹۷' المستدرک' ج ۲' ص ۳۲۶' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی' جامع البیان جز ۹' ص ۲۲۸' الدر المنثور' ج ۴ ص ۶)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے' میں آپ کے ساتھ بدر میں حاضر تھا' مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا' اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی' مسلمانوں کی ایک جماعت ان کا پیچھا کر رہی تھی اور ان کو قتل کر رہی تھی اور مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کا مال جمع کر رہی تھی' اور تیسری جماعت رسول اللہ ﷺ کے گرد آپ کی حفاظت کر رہی تھی' مبادا آپ کو دشمن کی طرف سے کوئی ضرر پہنچے' حتیٰ کہ جب رات ہوگئی اور مسلمانوں کی آپس میں

ملاقات ہوئی تو جن مسلمانوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا' انہوں نے کہا کہ اس مال میں اور کسی کا حق نہیں ہے' اس مال غنیمت کو ہم نے اکٹھا کیا ہے' اور جن مسلمانوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس مال غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو بھگایا ہے اور ہم نے اس کو شکست دی ہے' اور جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ اس مال غنیمت کے حقدار نہیں ہو' ہم نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی' مبادا آپ کسی کافر کے حملہ کی زد میں آ جائیں اور ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آپ سے اموال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہئے کہ انفال (کے حکم) کے اللہ اور رسول ﷺ مالک ہیں' سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو ان میں ان کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔

(مسند احمد ج ۵' ص ۳۲۴' طبع قدیم' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۸۲۶' طبع جدید' دار الفکر مسند احمد ج ۱۶' رقم الحدیث: ۲۲۶۶۱' طبع دار الحدیث قاہرہ' شیخ احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ المستدرک' ج ۲' ص ۳۲۶' مجمع الزوائد' ج ۷' ص ۲۶' الدر المنثور' ج ۴' ص ۵)

تنفیل (کسی نمایاں کارنامہ پر مجاہدوں کو غنیمت سے زائد انعام دینے) میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ خمس (مال غنیمت کے پانچویں حصہ) میں سے امام اجتہاد سے جو انعامات عطا کرے وہ انفال ہیں' اور مال غنیمت کے باقی چار حصوں میں سے نفل (یہ انعام) نہیں دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اصل مال غنیمت سے نفل دینا اس لیے جائز نہیں کہ مال غنیمت کے مستحقین متعین ہیں اور وہ میدان جہاد میں گھوڑے دوڑانے والے مجاہدین ہیں' اور خمس میں سے عطا کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے اور اس کے مستحقین غیر معین ہیں' امام مالک کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا ان کو مال غنیمت میں بہت زیادہ اونٹ ملے اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ تھے اور ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ الموطا رقم الحدیث: ۹۸۷ اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ ان کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے ان کو ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا تو ہر ایک کو تیرہ تیرہ اونٹ مل گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۴۴)

نیز امام مالک نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین سے لوٹے اور جعرانہ کی طرف جانے لگے اور آپ کی چادر درخت کی شاخوں سے الجھ کر گر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری چادر اٹھا دو' کیا تم کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھ کو عطا کیا ہے میں وہ تمہارے درمیان تقسیم نہیں کروں گا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر اللہ مجھے تہامہ کے درختوں کے برابر اونٹ بھی عطا کرے تو میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا' پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں قیام کیا تو فرمایا کسی کے پاس سوئی یا دھاگہ بھی ہے تو دے دے کیونکہ مال غنیمت عار ہے اور نار کا سبب ہے۔ اس کے بعد آپ نے زمین کو کرید ا اور اونٹ کا ایک بال یا کوئی چیز اٹھا کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مال عطا فرمایا ہے اس میں سے خمس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے اور خمس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ (محل استدلال یہ آخری جملہ ہے کہ خمس بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے)۔ (الموطا رقم الحدیث: ۹۹۴' مسند احمد ج ۶' رقم الحدیث: ۱۵۱۳)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷' ص ۳۵۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تنفیل میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابواسحٰق ابرہیم بن علی الشیرازی الشافعی المتوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص ایسا کارنامہ انجام دے جس کی وجہ سے دشمن پر فتح حاصل ہو مثلاً وہ دشمن کی جاسوسی کرے اور اس کے راستوں کو یا اس کے قلعہ کا کھوج لگائے یا وہ ابتداءِ دار الحرب میں داخل ہو یا سب کے بعد دار الحرب سے لوٹے تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو نفل دے (مال غنیمت کے حصہ سے زیادہ دے) کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں چوتھائی حصہ زائد عطا فرماتے تھے اور لوٹتے وقت تہائی حصہ' اور زائد کی مقدار لشکر کے امیر کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ وہ جنگی مصلحت کے لیے خرچ کرتا ہے اور بہ قدر عمل دیتا ہے' کیونکہ جو شخص ابتداء میں دار الحرب میں داخل ہوتا ہے اس وقت دشمن اس سے غیر محتاط ہوتا ہے۔ اور جو آخر میں دار الحرب سے لوٹتا ہے اس کو دشمن کے خوف کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ ابتداءً دار الحرب میں داخل ہونے والوں کی نسبت آخر میں لوٹنے والوں کو زیادہ حصہ دیتے تھے۔ زائد حصہ مسلمانوں کے بیت المال سے دینا بھی جائز ہے اور اس مال سے بھی دینا جائز ہے جو مشرکین سے لے کر جمع کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے تو یہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو نفل (مال غنیمت سے زائد حصہ) خمس میں سے دیا جاتا تھا' اور اس لیے بھی کہ خمس وہ مال ہے جس کو کسی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اس لیے وہ خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا' اور نفل کی مقدار کا مجہول رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عقد کا عوض ہے اور اگر نفل کفار کے مال سے دیا جائے تو پھر اس کا مجہول رکھنا جائز ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے ابتداء میں چوتھائی حصہ رکھا اور لوٹنے میں تہائی رکھا اور یہ مال غنیمت کا ایک مجہول حصہ ہے۔ (کیونکہ مال غنیمت کی مقدار غیر معلوم ہے تو اس کا تہائی یا چوتھائی حصہ بھی غیر معلوم ہوگا۔) (المہذب ج ۲ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تنفیل میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

نفل کا معنی ہے کسی شخص کو اس کے حصہ سے زیادہ دینا' اور اس کی دو نوع ہیں:

نوع اول وہ ہے جس میں نفل کا استحقاق کسی شرط کی وجہ سے ہو' اور اس کی پھر دو قسمیں ہیں: قسم اول یہ ہے کہ امیر جب دار الحرب میں جہاد کے لیے داخل ہو تو وہ اپنے سامنے ایک لشکر کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد چوتھائی حصہ دینے کا اعلان کرے اور جب وہ واپس لوٹے تو پھر ایک لشکر کو حملہ کرنے کے لیے بھیجے اور ان کو پانچویں حصہ کے بعد تہائی حصہ دینے کا اعلان کرے' اور جب مال غنیمت اکٹھا ہو تو دونوں لشکروں کو حسب اعلان دے پھر باقی مال غنیمت ان دونوں لشکروں سمیت پورے بڑے لشکر میں تقسیم کرے۔ نوع اول کی دوسری قسم یہ ہے کہ امیر اس شخص کے لیے کسی زائد حصہ کا اعلان کرے جو مسلمانوں کے لیے کوئی مفید کام انجام دے' مثلاً امیر یہ کہے کہ جو شخص اس قلعہ میں داخل ہوگا اس کو یہ انعام ملے گا' یا یہ کہے کہ جو شخص قلعہ میں نقب لگائے گا' یا جو شخص کسی کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو یہ انعام ملے گا' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص کسی قتیل (کافر) کو قتل کرے گا' اس کا سب سامان اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۱۸)

اور یہ انعام مسلمانوں کے مال سے دینا بھی جائز ہے اور مشرکین سے لیے ہوئے مال سے دینا بھی جائز ہے۔ اگر مسلمانوں کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر مشرکین کے مال سے انعام کا اعلان کیا جائے تو پھر اس کی مقدار کا مجہول رکھنا بھی جائز ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے کسی قتیل کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا

سامان اس کا ہے' اور سامان کی مقدار مجہول ہے۔
نوع ثانی یہ ہے کہ کسی مسلمان کی کسی خاص کارکردگی کی وجہ سے امام اس کو خصوصی زائد حصہ دے مثلاً اس نے جنگ میں زیادہ مشقت برداشت کی ہو یا کسی اہم معاملہ میں جاسوسی کی ہو یا وہ مقدمۃ الجیش میں ہو یا اور کوئی نمایاں کام کیا ہو تو اس میں بغیر پیشگی شرط کے بھی زائد حصہ دینا جائز ہے' جیسا کہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نبی ﷺ کے اونٹ لوٹ لیے' حضرت سلمہ بن الاکوع نے ان کا پیچھا کیا تو نبی ﷺ نے ان کو سوار کا حصہ بھی دیا اور پیادہ کا حصہ بھی دیا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۷' الکافی' ج ۴' ص ۱۳۹-۱۳۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

تنفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
اگر امام حالت جنگ میں کسی شخص کے لیے تنفیل (زائد حصہ دینے) کا اعلان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' مثلاً یہ کہے کہ جس شخص نے کسی قتیل (کافر) کو قتل کیا تو اسے اس کا سلب (سامان) ملے گا' یا لشکر سے یہ کہے کہ خمس نکالے جانے کے بعد تمہیں اس کا چوتھائی حصہ ملے گا' کیونکہ جنگ پر ابھارنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یایھا النبی حرض المومنین علی القتال" (الانفال: ۶۵) اے نبی آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔ اور یہ اعلان بھی ایک قسم کا جنگ پر ابھارنا ہے۔ تنفیل (زائد حصہ دینے کا اعلان کرنا) اس طرح بھی ہو سکتا ہے اور کسی اور طرح بھی ہو سکتا ہے' لیکن امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں سے حاصل کیے ہوئے تمام مال کا اعلان کردے کیونکہ اس سے تمام مجاہدوں کا حق ضائع ہو گا' ہاں اگر تمام لشکر کے لیے اعلان کردے تو یہ جائز ہے' اور جب مال غنیمت جمع کر کے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے تو پھر کسی کے لیے اعلان نہ کرے' کیونکہ اب اس میں دوسروں کا حق موکد ہو چکا ہے' البتہ خمس میں سے اب بھی اعلان کیا جا سکتا ہے' کیونکہ خمس میں مال غنیمت لینے والوں کا بھی حق ہے اور جب کافر کا سلب (سامان) قاتل کو نہ دیا جائے تو وہ من جملہ مال غنیمت میں سے ہے اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہیں' اور کافر کا سلب اس کے کپڑے' اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے اور سواری پر جو زین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی اس میں داخل ہیں' اسی طرح سواری کے اوپر جو کافر کا سامان ہو وہ بھی اس میں شامل ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی چیز اس میں داخل نہیں ہے۔ پھر تنفیل (خصوصی حصہ دینے کا اعلان) کا حکم یہ ہے کہ اس سے دوسروں کا حق منقطع ہو جاتا ہے اور مجاہدین اس کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال غنیمت دارالاسلام میں پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر امام نے یہ اعلان کیا کہ جس شخص کو کوئی باندی ملی وہ اس کی ہے اور کسی مجاہد کو ایک باندی مل گئی اور اس نے اس کا استبراء کر لیا (یعنی باندی کا حیض گزر گیا) تب بھی اس مجاہد کے لیے اس باندی سے مباشرت کرنا جائز ہے نہ اس کو فروخت کرنا۔ یہ امام حنیفہ اور امام ابویوسف کا قول ہے' امام محمد کے نزدیک یہ دونوں امر جائز ہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۵۸۰-۵۷۸' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ' ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی لوگ مومن کامل ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے رہیں۔
(الانفال: ۲)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ کمال ایمان کمال طاعت کو مستلزم ہے اور کمال ایمان اس وقت حاصل ہو گا جب اللہ کے ذکر سے مسلمان کا دل خوف زدہ ہو اور اللہ کی آیات سن کر اس کا ایمان قوی ہو اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرے' نماز قائم کرے اور

صدقہ و خیرات ادا کرے' سو ایسے لوگوں کا ہی ایمان کامل ہے اور وہ برحق مومن ہیں۔

وجل کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: "وجلت قلوبھم" علامہ راغب اصفہانی وجل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وجل کا معنی ہے خوف محسوس کرنا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ ○ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ (الحجر: ۵۳-۵۲)

(ابراہیم نے کہا) ہم تم سے ڈر محسوس کر رہے ہیں (فرشتوں نے) کہا آپ مت ڈریے۔

(المفردات' ج ۲' ص ۶۶۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات

قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰهِ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا' ایسی کتاب جس کی تمام باتیں ایک جیسی ہیں' بار بار دہرائی ہوئی' جو مسلمان اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ ○ (المؤمنون: ۲-۱)

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے' وہ جو اپنی نماز میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ (المؤمنون: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ (آل عمران: ۱۷۵)

یہ محض شیطان ہے جو (تمہیں) اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے' سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ڈرو' اگر تم مومن ہو۔

فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ (المائدہ: ۴۴)

سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ (الملک: ۱۲)

بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں' ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی ○ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی ○ (النزعت: ۴۱-۴۰)

اور رہا وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس (امارہ) کو اس کی خواہش سے روکا تو بے شک اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن: ۴۶)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا' اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو قسمیں ہیں ایک ہے عذاب کے خوف سے گناہوں کو ترک کرنا' یہ خوف عام مسلمانوں کو ہوتا ہے بلکہ عام مسلمانوں میں سے بھی پرہیزگاروں کو ہوتا ہے' اور دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے اور اس کی بے نیازی سے ڈرنا' یہ خوف انبیاء اور مرسلین' اولیاء کاملین اور ملائکہ مقربین کو ہوتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ قرب ہوتا ہے اس کو اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٠)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کو جاننے والا ہوں۔

(صحیح مسلم صوم:٧٩' (١١١٠) ٢٥٥٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٣٨٩' سنن کبریٰ للنسائی' ج ٥' رقم الحدیث:٣٠٢٥)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے! (یا آپ کے بال سفید ہو گئے) آپ نے فرمایا مجھے سورہ ھود' سورۃ الواقعہ اور سورۃ المرسلات نے بوڑھا کر دیا۔ (ان سورتوں میں قیامت کا ذکر ہے' یعنی قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے آپ کے بال سفید ہو گئے۔)

(شمائل ترمذی رقم الحدیث:٤١' سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٢٩٧' حلیۃ الاولیاء ج ٤' ص ٣٥' المستدرک ج ٢' ص ٣٤٣' المعجم الکبیر ج ١٧' ص ٢٨٦' رقم الحدیث:٧٩٠' کامل ابن عدی ج ٢' ص ٦٦٤)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے' اور میں وہ آوازیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' بے شک آسمان چرچرا رہا ہے (خوف خدا سے ڈری ہوئی آوازیں نکال رہا ہے) اور اس پر حق ہے کہ وہ چرچرائے' اور اللہ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ' اور تم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور تم گھر سے باہر صحن میں نکل جاؤ اور بہ آواز بلند اللہ سے فریاد کرو۔ حضرت ابوذر نے کہا اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٣١٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤١٩٠)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن سناؤ' تو میں نے سورۃ النساء پڑھی۔ حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء:٤١)

اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٤٥٨٢' صحیح مسلم رقم الحدیث:٨٠٠' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٣٢٦٨' سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٠٣٦' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤١٩٤' مسند احمد ج ١' رقم الحدیث:٣٥٥٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٧٠٦٥' المعجم الکبیر ج ٨' رقم الحدیث:٨٤٦٠' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:٥٢٢٨' سنن کبریٰ للبیہقی ج ١٠' ص ٢٣١)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے' آپ ایک قبر کے

کنارے بیٹھ گئے اور آپ رونے لگے حتیٰ کہ قبر کی مٹی بھیگ گئی۔ پھر آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! اس کی مثل کے لیے تیاری کرو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روو' اگر تم رو نہ سکو تو رونے جیسی شکل بنا لو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندہ مومن کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلے خواہ وہ مچھر کے سر جتنا ہو' پھر وہ آنسو رخسار کے سامنے کے حصہ کو مس کرے اللہ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک پرندے کو بیٹھا دیکھ کر کہا تیرے لیے کتنی خیر ہے اے پرندے تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھتا ہے' کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتے!

(کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن الخطاب نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کاش میں ایک تنکا ہوتا! کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا! کاش میں پیدا نہ ہوتا' کاش میں بھولا بسرا ہوتا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۳۴)

حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ حرم بن حیان اور عبداللہ بن عامر اپنی سواریوں پر جا رہے تھے' راستہ میں خشک گھاس ملی تو ان کی اونٹنیاں اس گھاس کی طرف دوڑیں اور ان میں سے ایک نے وہ گھاس کھالی۔ حرم نے عبداللہ سے کہا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم یہ گھاس ہوتے اور تم کو یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی' عبداللہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس کو پسند نہیں کروں گا' بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے گا' بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں' بیشک میں یہ امید رکھتا ہوں۔ حرم نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے دل کی بات مانی جائے گی تو میں یہ پسند کرتا کہ میں خشک گھاس ہوتا اور مجھے یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۳۷)

زیاد بن مخراق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میری خواہش ہے کہ میں اپنے گھر کا ایک مینڈھا ہوتا' گھر میں کوئی مہمان آتا اور مجھے ذبح کر دیا جاتا اور گھر والے مجھے کھا لیتے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۳۸)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا کاش میں ایک مینڈھا ہوتا' مجھے گھر والے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں گھاس ہوتا اور مجھے تیز ہوا کے دن آندھی اڑا کر لے جاتی۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۲۴۱)

اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کاش میں ایک درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا! کاش میں پیدا نہ کی جاتی۔

(کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۱' الطبقات الکبریٰ ج ۷' ص ۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۲ ص ۲۵۲-۲۵۱)

ضحاک بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے کہا کاش میں پرندہ ہوتا۔ (کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۲)

قاسم بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے پاس ایک شخص نے کہا کاش میں اصحاب الیمین سے ہوتا' حضرت عبداللہ نے کہا کاش مجھے مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔ (کتاب الزہد للوکیع' رقم الحدیث: ۱۶۳)

یعقوب بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر کہا کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔

(کتاب الزہد للوکیع' رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک انصاری نوجوان ان کی خدمت میں آئے اور کہا اے امیر المومنین! آپ اللہ کی بشارتوں سے خوش ہو جائیں' آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں جس کا آپ کو علم ہے' اور پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے عدل کیا' پھران تمام فضائل کے بعد آپ کو شہادت نصیب ہوئی' حضرت عمر نے کہا اے میرے بھتیجے! کاش یہ سب برابر سرابر ہو جائے' مجھ کو عذاب ہو نہ ثواب ملے۔(الحدیث)(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۲)

حضرت عثمان رضی اللہ کے آزاد کردہ غلام ھانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی' ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں! حضرت عثمان رضی اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے' اگر انسان کو اس سے نجات مل جائے تو بعد کی منزلیں زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس سے نجات نہ ملے تو بعد کی منزلیں اور مشکل ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جو بھی ہولناک منظر دیکھا قبر کا منظر اس سے زیادہ ہولناک تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۸' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۵۲' صحیح ابن حبان ج ۹' رقم الحدیث: ۲۹۹۲' مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث: ۷۹۳۰)

حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم ان صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں جنت کی بشارت دے دی تھی' اس کے باوجود یہ صحابہ اللہ کی بے نیازی اور جلال ذات سے اس قدر خوف زدہ رہتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے کہا کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھا لیتے یا میں ایک پرندہ ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا اور حضرت عثمان رضی اللہ قبر کو دیکھ کر بے اختیار روتے تھے اور دیگر کبار صحابہ بھی اللہ تعالیٰ کے جلال ذات اور حساب و کتاب کی شدت سے گھبرا کر اور خوف کی زیادتی سے یہ کہتے تھے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا' یا میں خشک گھاس ہوتا جس کو جانور کھا لیتے' یا کوئی حلال جانور ہوتا جس کو مسلمان ذبح کر کے کھا لیتے اور مجھے حساب و کتاب کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ جاتا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس آیت سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔ محققین اور امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی' اس کی تحقیق یہ ہے کہ امام اعظم اور محققین کے نزدیک نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں' اس لیے اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور نفس ایمان میں اعمال کے داخل ہونے کے ائمہ ثلاثہ اور محدثین بھی قائل نہیں ہیں اور ائمہ ثلاثہ اور محدثین ایمان کامل میں اعمال کے داخل ہونے کے قائل ہیں' اور ایمان کامل میں اعمال کے دخول کے امام اعظم اور محققین بھی قائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایمان میں ان سب کے نزدیک اعمال داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور ایمان کامل میں ان سب کے نزدیک اعمال داخل ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔ اس سے ایمان کامل ہی مراد ہے۔

اصل میں یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے' امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے ایمان کامل مراد ہوتا ہے' اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ اور امام اعظم کے

نزدیک جب ایمان کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے نفس ایمان مراد ہوتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی' اور دونوں جانب دلائل ہیں۔

اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے البقرہ: ۳ میں کردی ہے' اس لیے جو قارئین 'ایمان کے تمام مذاہب' دلائل اور ان میں محاکمہ جاننا چاہیں وہ اس کا مطالعہ کرلیں۔

اس کے بعد فرمایا ہے: اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں' توکل کی تفصیل اور تحقیق ہم نے آل عمران: ۱۵۹ میں بیان کر دی ہے' اس کے لیے تبیان القرآن' ج ۲' ص ۱۳۹ کا مطالعہ فرمائیں' اس آیت میں حصر فرمایا ہے یعنی یہ صرف اللہ سے ڈرنے والوں کی صفت ہے کہ وہ صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت اور اعانت پر اعتماد کرتے ہیں اور اللہ کے ماسوا سے بالکلیہ مستغنی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (الانفال: ۳)

مال حرام سے نجات کے طریقے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تین باطنی صفات بیان فرمائیں تھیں۔

۱- وہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔

۲- اللہ کی آیات سن کر ان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

۳- اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

اور ان کے باطن کی پاکیزگی پر ظاہری پاکیزگی مترتب ہوتی ہے اور قلب کی جلاء اور صفاء کا قالب پر اثر ہوتا ہے' اس لیے اس کے بعد ان کے ظاہر کی دو صفات بیان فرمائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں' بدنی عبادات میں سب سے افضل نماز ہے' اس لیے اس کا ذکر فرمایا' اور اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرنا مالی عبادت ہے اس میں زکوٰۃ' صدقات' نماز' اور جہاد کے لیے خرچ کرنا' مساجد پر خرچ کرنا' کنویں کھدوانا' لائبریریاں قائم کرنا' دینی مدارس کی امداد کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا داخل ہے۔ اور ان تمام نیک کاموں میں حلال مال سے خرچ کرنا چاہیے حرام مال سے نیکی کرنا اور سماجی اور رفاہی امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس مال حرام کی حرمت قطعی ہو' اس کو صدقہ کرنا کفر ہے اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اور پھر بھی وہ دینے والے کو دعا دے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ حرام مال سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال جس کا ہے اس کو واپس کردے۔ اگر وہ شخص مر چکا ہو تو اس کے ورثاء کو واپس کردے۔ اور اگر ان کا پتا نہ چل سکے تو اس مال کے مالک کی طرف سے اس کو صدقہ کرکے اس کا ثواب اس کو پہنچادے' اور اگر اس نے حرام ذرائع سے روپیہ کمایا ہو تو اس مال کو اپنے پاس نہ رکھے اور اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت سے کسی فقیر یا حاجت مند کو دے دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی لوگ برحق مومن ہیں' ان کے رب کے پاس ان کے لیے (بلند) درجات ہیں اور بخشش اور معزز روزی ہے۔ (الانفال: ۴)

میں یقیناً مومن ہوں یا میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنے میں فقہاء اور متکلمین کا اختلاف

آیات سابقہ میں تین باطنی اور دو ظاہری صفات ذکر کی گئی ہیں یعنی اللہ کا ذکر سن کر دل کا خوفزدہ ہونا' آیات سن کر ایمان زیادہ ہونا اور صرف اللہ کے فضل اور اس کی نصرت پر اعتماد اور توکل کرنا' اور نماز قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا' اور جو مسلمان ان پانچوں صفات کے ساتھ متصف ہوں ان کے متعلق فرمایا اولئک ھم المومنون حقا۔ "وہی برحق مومن

ہیں" اور ظاہر ہے کوئی مسلمان جزم اور یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان صفات کے ساتھ متصف ہوں اور برحق مومن ہوں۔ کیونکہ جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ برحق مومن ہیں اور ان کے لیے ان کے رب کے پاس (جنت میں) بلند درجات ہیں اور بخشش اور عزت والی روزی ہے' سو یہ کہنا کہ میں برحق مومن ہوں' اس کہنے کو مستلزم ہے کہ میں جنتی ہوں اور کوئی شخص یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں جنتی ہوں تو وہ یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق مومن ہوں' ورنہ اس کا اس آیت کے نصف اول پر ایمان ہو گا اور باقی نصف پر ایمان نہیں ہو گا۔ اس بناء پر ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ "انا مؤمن حقا" (میں برحق مومن ہوں) بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے "انا مؤمن انشاء اللہ" (انشاء اللہ میں مومن ہوں۔)

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزر ہوا' آپ نے ان سے پوچھا: اے حارث! تم نے کس حال میں صبح کی۔ انہوں نے کہا میں نے اس حال میں صبح کی درآنحالیکہ میں برحق مومن تھا' آپ نے فرمایا غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے' سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہوں' میں رات بھر بیدار رہا اور دن بھر پیاسا رہا (یعنی روزہ سے رہا) اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا تھا وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے تھے اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا تھا وہ بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اے حارث! تم نے معرفت حاصل کر لی ہے۔ تم ان (مذکورہ) تین اوصاف کو لازم رکھنا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۱' ص ۴۳' المعجم الکبیر ج ۳' رقم الحدیث: ۳۳۶۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲ کتاب الزہد للبیہقی رقم الحدیث: ۹۷۱' مجمع الزوائد ج ۱' ص ۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۹۸۸' الدر المنثور ج ۴' ص ۱۳)

امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اور امام قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے درج ذیل اثر سے بھی ائمہ ثلاثہ کے موقف پر استدلال کیا ہے۔

حسن بصری سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے کہا ایمان کی دو قسمیں ہیں: اگر تم مجھ سے اللہ' فرشتوں' کتابوں' رسولوں اور یوم آخرت کے ایمان کے متعلق سوال کرتے ہو تو میں مومن ہوں' اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ مومن صرف وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ (الانفال: ۲) تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۵۴-۴۵۳' الجامع لاحکام القرآن جزء ۷' ص ۳۲۹' بیروت)

مبحث مذکور میں فریقین کے درمیان محاکمہ

اس مبحث میں تحقیق یہ ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱- نفس ایمان یعنی دل سے ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے۔

۲- ایمان کامل یعنی دل سے تصدیق کرنا' زبان سے اقرار کرنا اور تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنا۔

نفس ایمان کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں' اور ایمان کامل کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں اور انسان کو تصدیق بالقلب پر ہر چند کہ یقین ہوتا ہے لیکن مستقبل میں احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے متعلق وہ کچھ نہیں کہہ سکتا آیا مستقبل میں وہ نیک عمل کرے گا یا نہیں۔ اس لیے ایمان کامل کے اعتبار سے اس کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ میں برحق مومن ہوں بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ انشاء اللہ میں مومن ہوں۔ امام ابو حنیفہ جب مطلقاً لفظ ایمان بولا

جائے تو اس سے نفس ایمان مراد لیتے ہیں اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ میں برحق مومن ہوں یا میں یقیناً مومن ہوں۔ ائمہ ثلاثہ جب لفظ ایمان مطلقاً بولا جائے تو اس سے مومن کامل مراد لیتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میں یقیناً مومن ہوں کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔

"میں یقیناً مومن ہوں" کہنے کے دلائل

علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

بہ شمول امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کثیر سلف صالحین کا یہ موقف ہے کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں اور امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب اور اکثرین نے اس سے منع کیا ہے' کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور فرشتوں' کتابوں' رسولوں' تقدیر اور یوم آخرت کی تصدیق ہے اور اس تصدیق کے تحقق اور ثبوت میں کوئی شک اور تردد نہیں ہے' اور جس شخص کو اس تصدیق کے تحقق میں شک اور تردد ہو گا' وہ قطعی طور پر مومن نہیں ہو گا اور جب اس کو شک اور تردد نہیں ہے تو پھر انشاء اللہ میں مومن ہوں' کہنے کو ترک کرنا اولیٰ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں حقاً اور یقیناً مومن ہوں' اور تصدیق میں شک اور تردد کے وہم کو دور کیا جائے۔ اور جو ائمہ "میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنے کے قائلین ہیں' ان کے دلائل اور ان دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں:

"میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنے کے دلائل کا تجزیہ

۱۔ میں مومن ہوں کے ساتھ انشاء اللہ' اللہ کے ذکر کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اور ادب کے لیے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں' اور اپنے نفس سے تکبر کو دور کرنے کے لیے' اور تردد مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے صرف اس قول کی صحت معلوم ہوتی ہے نہ کہ "میں انشاء اللہ مومن ہوں" کی ترجیح "میں یقیناً مومن ہوں" کہنے پر۔ اور تردد کا وہم بہرحال باقی رہتا ہے اور تبرک اور ادب کی ایمان کے ساتھ کیا تخصیص ہے' یہ تو باقی نیک اعمال اور عبادات میں بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ تصدیق ایمانی' جس پر نجات کی مدار ہے وہ ایک مخفی امر قلبی ہے اور شیطان اور خواہش اس کے معارض ہوتے رہتے ہیں۔ ہرچند کہ انسان کو اس کے حصول کا یقین ہوتا ہے لیکن وہ اس خطرہ سے مامون نہیں ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز لاحق ہو جائے جو نجات کے منافی ہو' خاص طور پر جب وہ احکام شرعیہ اور ممنوعات شرعیہ کی تفصیلوں کو دیکھتا ہے تو اس کو بعض احکام اور ممنوعات اپنی خواہشات کے خلاف دکھائی دیتے ہیں اور بہت سی چیزیں جو اس کے نزدیک لذیذ اور پسندیدہ ہیں اور شرعاً ممنوع ہیں اور کتنی مرتبہ وہ احکام شرعیہ کے مقابلہ میں اپنے نفس کے تقاضوں پر عمل کر لیتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے ایمان کو اللہ کی مشیت کے سپرد کر دے اور کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقریر ایمان کامل میں جاری ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان میں۔

۳۔ امام الحرمین نے یہ کہا ہے کہ ایمان فی الحال قطعاً ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جس ایمان پر کامیابی اور نجات کا مدار ہے یہ وہ ایمان ہے جو پوری زندگی میں موت تک قائم رہے اور کوئی شخص جزم اور یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تاحیات مومن رہے گا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا' اس وجہ سے سلف صالحین نے یہ کہا "کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنا چاہیے' اس لیے اب اشاعرہ پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ جب انسان ایمان کے ساتھ متصف ہے تو وہ یقیناً مومن ہے اور انشاء اللہ میں مومن ہوں کہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ میں انشاء اللہ زندہ ہوں کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے' کئی لوگ زندگی

میں نیک اور صالح ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ بدکاری پر ہوتا ہے اور کئی لوگ پوری زندگی مومن ہوتے ہیں اور ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے' اور انسان کچھ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر اور وہ اللہ کے علم میں مومن ہے یا نہیں' وہ ہرچند کہ اس وقت قطعاً اور یقیناً مومن ہے اور اس میں کوئی شک اور تردد نہیں لیکن وہ کفر پر خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے۔ اس لیے انجام بخیر کی امید سے وہ کہتا ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں' یعنی جس طرح اب میں قطعاً اور یقیناً مومن ہوں تو اگر اللہ نے چاہا تو میں تادم مرگ مومن ہی رہوں گا اور ایمان پر آئندہ بھی برقرار رہوں گا اور یہ قول برحق ہے اور اس آیت کے موافق ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۖ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف: ۲۴-۲۳)

اور آپ کسی چیز کے متعلق ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں' مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب آپ بھول جائیں تو آپ اللہ کو یاد کریں۔

یہ تقریر بالکل درست ہے لیکن اس تقدیر پر مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یقیناً مومن ہوں' نہیں کہنا چاہیے بلکہ میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ حال کے اعتبار سے میں یقیناً مومن ہوں کہنا چاہیے اور مآل اور خاتمہ کے اعتبار سے میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ صحت اور عافیت کے ساتھ ایمان پر ہماری زندگی برقرار رکھے اور عزت اور کرامت کے ساتھ ایمان پر ہمارا خاتمہ کرے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی ہر آفت اور بلا اور ہر فکر اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور ہمیں دارین کی فوز و فلاح عطا فرمائے اور آخرت میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب کی رفاقت عطا فرمائے۔ (آمین)

(شرح المقاصد ج ۵' ص ۲۱۷-۲۱۵' ملخصا" و موضحا" مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (مال غنیمت کی تقسیم میں ان کا اختلاف کرنا اسی طرح ہے) جس طرح اس وقت ان کا اختلاف تھا جب آپ کا رب حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے باہر لایا تھا' اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو ناپسند کرنے والا تھا ۝ وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے' گویا کہ وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے تھے۔ (الانفال: ۶-۵)

بعض صحابہ کے نزدیک لشکر کفار سے مقابلہ کا ناگوار ہونا' اس کا پس منظر اور پیش منظر

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ قریش کا قافلہ شام سے مکہ آ رہا تھا' اور اس میں بہت زیادہ غلہ اور ساز و سامان تھا' اس قافلہ کے ساتھ چالیس سوار تھے۔ ان میں ابوسفیان' عمرو بن العاص' اور دوسرے کفار قریش تھے' حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس قافلہ کی خبر دی' آپ نے مسلمانوں کو بتایا وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ وہ قافلہ پر حملہ کر کے اس کا مال و متاع چھین لیں گے' کیونکہ اس قافلہ میں مال بہت زیادہ تھا اور اس کے محافظ کم تھے' جب وہ قافلہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلے تو اہل مکہ کو اس کی خبر ہو گئی' ابوجہل نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر ندا کی' اے اہل مکہ ہر مشکل اور رسوائی سے اپنے آپ کو بچاؤ اگر (سیدنا) محمد (ﷺ) نے قافلہ لوٹ لیا' تو تم ہرگز فلاح نہ پا سکو گے' ان ہی دنوں عباس بن عبدالمطلب کی بہن نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی سے کہا میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے' میں نے دیکھا ہے کہ ایک شتر سوار آیا اور اس نے پکار کر کہا اے عہد شکن قوم تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑو' اور اس نے پہاڑ سے ایک چٹان الگ کر لی اور مکہ کے ہر گھر میں اس چٹان سے ایک پتھر ٹوٹ کر پہنچ گیا' عباس نے یہ خواب ابوجہل کو سنایا تو ابوجہل نے کہا کہ تم

مردوں کی نبوت پر راضی نہ ہوئے تھے کہ تمہاری عورتوں نے دعویٰ نبوت کرنا شروع کر دیا' پھر ابوجہل تمام اہل مکہ کو لے کر نکلا اور یہ بہت بڑا لشکر تھا' ابوجہل کو بتایا گیا کہ ابوسفیان کے قافلہ نے ساحل کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور وہ محفوظ ہو چکا ہے' تم اب لوگوں کو واپس مکہ لے جاؤ۔ اس نے کہا نہیں! خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا' حتیٰ کہ ہم اونٹوں کو ذبح کریں گے' شراب پئیں گے اور ہماری باندیاں آلات موسیقی کے ساتھ گانا سنائیں گی اور تمام قبائل عرب ہمارے خروج کی خبر سن لیں گے' اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرچند کہ قافلہ کو نہیں لوٹا لیکن وہ اپنی قوم کو لے کر میدان بدر میں آچکے ہیں' اور میدان بدر میں تمام قبائل عرب سال میں ایک بار بازار لگاتے تھے' ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے' تجارتی قافلہ یا لشکر قریش! نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا قریش مکہ' ہر مشکل اور ہر مصیبت کا چیلنج قبول کر کے مکہ سے نکل کر یہاں آن پہنچے ہیں' تمہارے نزدیک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا پسندیدہ ہے یا لشکر کفار پر حملہ کرنا' اصحاب نے کہا بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی بہ نسبت تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا' آپ نے فرمایا تجارتی قافلہ تو ساحل سمندر کے راستے مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور اب وہ تمہاری دست برد سے محفوظ ہے' اور ادھر ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہے۔ اصحاب نے پھر کہا یا رسول اللہ ﷺ! قافلہ کا پیچھا کیجئے اور دشمن کو چھوڑیئے' جب نبی ﷺ غضب ناک ہوئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اچھی باتیں کہیں' پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے' اور کہا آپ وہی کام کیجئے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے' اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں' اللہ کی قسم اگر آپ عدن کی طرف بھی روانہ ہوئے تو انصار میں سے کوئی شخص آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا' پھر حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے' اور آپ جو بھی ارادہ کریں گے' ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۲۴) بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک ہماری آنکھوں کی پلکیں جھپکتی رہیں گی' پھر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور آپ نے فرمایا اللہ کی برکت سے روانہ ہو' بے شک میں قوم کفار کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ (الحدیث)

(دلائل النبوۃ' ج ۳' ص ۳۴-۲۸' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اس قصہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ لشکر قریش سے مقابلہ کرنا صرف بعض اصحاب کو ناگوار تھا تمام صحابہ کو ناگوار نہیں تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو ناپسند کرنے والا تھا' اور یہ فرمایا ہے کہ "وہ حق ظاہر ہونے کے باوجود آپ سے اس میں بحث کر رہے تھے" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کی بجائے قافلہ کے مال و متاع کی وجہ سے اس پر حملہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ ان کو یہ بتا چکے تھے کہ اس مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گی اور ان کی بحث یہ تھی کہ ہم تو قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ اور آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا تاکہ ہم اس لشکر سے مقابلہ کرنے کی اچھی طرح تیاری کر لیتے' پھر ان پر لشکر کفار کا جو رعب اور ہیبت طاری تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال سے تشبیہ دی ہے جو آنکھوں دیکھے موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہوں' ان کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کفار کے مقابلہ میں ان کی تعداد ایک تہائی تھی' اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور باقی پیادہ تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی بہت کم تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (قافلہ تجارت) تمہارے ہاتھ لگے' اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ○ تاکہ وہ حق کو ثابت کردے اور ناحق کو باطل کردے خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

(الانفال: ۸-۷)

ابوسفیان کے قافلہ تجارت پر حملہ کو بعض صحابہ کے ترجیح دینے کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان قریش کے چند سواروں کے ساتھ شام سے آرہا تھا' وہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے' جب نبی ﷺ کو اس قافلہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور ان کو بتایا کہ اس قافلہ میں بہت مال اور سامان ہے اور اس کے محافظوں کی تعداد بہت کم ہے تو صحابہ مدینہ سے باہر نکلے' ان کا ارادہ صرف ابو سفیان اور اس کے سواروں پر حملہ کرنے کا تھا اور وہ صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے نکلے تھے اور ان کو یہ خیال نہیں تھا کہ کوئی بہت بڑی جنگ ہوگی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۰۹)

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین کی تفسیر میں فرمایا ابو سفیان تجارتی قافلہ لے کر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا تھا' اہل مدینہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے' اہل مکہ کو یہ خبر پہنچ گئی تو وہ بہت عجلت میں قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اس قافلہ پر غالب نہ آجائیں۔ ادھر وہ قافلہ نبی ﷺ کی زد سے باہر نکل گیا' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا' صحابہ کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ آسان اور زیادہ پسندیدہ تھا اور اس میں مال غنیمت کے حصول کی زیادہ توقع تھی۔ جب وہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ کی زد سے باہر نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کفار سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا جو ابو سفیان کے قافلہ کی حفاظت کے قصد سے مدینہ کی سرحد پر پہنچ چکا تھا' مسلمانوں کو ان کی عددی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی کی وجہ سے ان سے مقابلہ کرنا ناگوار لگا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۱۳)

اس سے پہلے ہم نے دلائل النبوۃ کے حوالے سے جو ذکر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے ناراض ہوئے۔ یہ بعد کی بات ہے جب واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین نازل ہو چکی تھی اور یہاں جو ہم نے جامع البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ صحابہ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے' یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ابن زید اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے قصد سے بدر کی طرف روانہ ہوئے' ادھر شیطان سراقہ بن جعشم کی شکل میں اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور تمہاری شوکت اور قوت کے مقابلہ میں وہ لوگ ٹھہر نہیں سکتے' پھر وہ مسلح ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے مقام روحاء پر جاسوس بھیجے ہوئے تھے انہوں نے آکر آپ کو لشکر کفار کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم سے تجارتی قافلہ یا لشکر کفار میں سے کسی ایک کا وعدہ فرمایا ہے' مسلمانوں کے نزدیک قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ پسندیدہ تھا کیونکہ اس میں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہیں تھا' اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۱۶)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت: ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے۔ پھر آیت: ۸ میں فرمایا تاکہ حق کو ثابت کر دے اور ناحق کو باطل کر دے اور بظاہر یہ تکرار ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں حق کو ثابت کرنے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور دوسری آیت میں حق کو ثابت کرنے سے مراد ہے دین اسلام اور قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت کرنا اور کفار کے باطل عقائد کا بطلان واضح کرنا اور معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح دین اسلام کے غلبہ اور سرفرازی کا سبب بنی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں O اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بنایا تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O (الانفال: ۱۰-۹)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ حق کو ثابت کرے گا اور ناحق کو باطل فرمائے گا' اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ جو لوگ دین حق پر قائم ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مصیبت اور امتحان کے موقع پر فریاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔

غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ کا گڑگڑا کر دعا کرنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن نبی ﷺ نے مشرکین کی تعداد کی طرف دیکھا اور اپنے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ تین سو اور کچھ تھے' پھر آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی' رسول اللہ ﷺ اسی طرح دعا فرما رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی چادر کندھے سے ڈھلک گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کے کندھے پر رکھی اور آپ سے لپٹ گئے۔ اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں آپ نے اللہ عزوجل سے بہت فریاد کر لی ہے عنقریب آپ کا رب آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں۔

(صحیح مسلم الجہاد ۵۸' (۱۷۶۳) ۴۵۰۷' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث' ۲۶۹۰' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۴۷۹۳' مسند احمد ج ۱' ص ۲۰۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۹۶' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۶' ص ۳۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی' ج ۳' ص ۵۳-۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱۰' ص ۳۵۰' ج ۱۴' ص ۳۶۶-۳۶۵' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۲۲۴' جز ۹' ص ۲۵۱)

احادیث میں یہی مذکور ہے کہ اس وقت نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے' لیکن قرآن مجید میں جمع کا صیغہ ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ صحابہ کرام دعا کر رہے تھے اور بظاہر یہی اقرب ہے کیونکہ صحابہ کرام کو دشمن کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی سے بہت خوف تھا۔ تاہم ان میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ نبی ﷺ دعا فرما رہے تھے اور صحابہ اس پر آمین کہہ رہے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں۔ اور اللہ نے اس کو صرف تمہارے لیے خوش خبری بنایا تھا تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں

اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا یا نہیں۔ اس میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے' ہم اس سلسلہ میں فرشتوں کے قتال کے متعلق پہلے احادیث اور آثار بیان کریں گے پھر اس مسئلہ میں علماء اسلام کے نظریات بیان کریں گے اور آخر میں اپنا موقف پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے' قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا' البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا' ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے' پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۳' ص ۵۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا' جو اس سے آگے تھا' اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھ" (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا۔ اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ پھٹ گیا تھا' جیسے کوڑا لگا ہو' اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا' اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲' ص ۹۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا' ان کے عماموں کا رنگ سبز' زرد اور سرخ تھا' اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ابو رہم غفاری اپنے ابن عم سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے' جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوگا تو ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے' پھر ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے' اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا چوتھائی ہیں' جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کی بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آکر ہم کو ڈھانپ لیا' ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں' اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا "حیزوم آگے بڑھو" اور ہم نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے

ٹھہو' پیچھے سے آؤ' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے' پھران کی طرح ایک اور جماعت آئی اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی' پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے دگنے نظر آئے' میرا عم زاد فوت ہو گیا' اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سائب بن ابی حبیش اسدی' حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا' ان سے پوچھا پھر کس نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی' مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا' اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا' حضرت عبدالرحمن بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا' حضرت عبدالرحمن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے' حتیٰ کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی حبیش! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا ناپسند کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے' اے ابن عوف! اپنے قیدی کو لے جاؤ! تو حضرت عبدالرحمن مجھے لے گئے۔ سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو مخفی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو موخر کرتا رہا بالآخر میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے' اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے۔ جس سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی تائید کی گئی ہے' اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔

امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔" اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا" اور حضرت ابوبکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخرو کرے گا' پھر اللہ عزوجل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگاتار فرشتے نازل کیے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں' ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں' جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہوئے' پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آ گئی۔

امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں' اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر! اور ان کے قدم اکھاڑ دے' پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان' کافروں کو قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے۔ اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کہاں سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔

(کتاب المغازی' ج ۱' ص ۸۱-۷۵' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' الطبعۃ الثالثۃ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے۔ انہوں نے اپنی بینائی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے

ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں بینا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔
(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۸۱ جامع البیان ج ۴ ص ۵۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۴)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

حضرت ابوداؤد مازنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں۔ سو میرے تلوار مارنے سے پہلے ہی اس کا سر کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔
(زاد المسیر ج ۱ ص ۴۵۳-۴۵۲ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳ جامع البیان ج ۴ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابو سفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو چتکبرے گھوڑں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے ابو رافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابوالیسر تھے۔ حضرت ابوالیسر دبلے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالیسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملائکہ نے کسی دن بھی قتال نہیں کیا باقی ایام میں وہ عددی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتال نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قریظہ اور نضیر کا محاصرہ کرتے رہے اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی پھر ہم واپس آگئے سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سر دھو رہے تھے اچانک آپ کے پاس جبرئیل آئے اور کہا اے محمد! ﷺ آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم قریظہ اور نضیر کے پاس پہنچے اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان جز ۴ ص ۵۲-۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے بخدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے آپ ان کی طرف نکلئے۔ آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو غنم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱-۵۹۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فرشتوں کے قتال کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے فرشتوں کی آمد کا معاملہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم

نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے' ان کی دلجمعی کے لیے' ان کو مطمئن کرنے کے لیے' جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے' دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا' انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرانا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے' مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے' جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتال کیا تھا ان میں بعض سنداً ضعیف ہیں اور بعض میں تاویل اور توجیہ ہے۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

جنگ بدر میں فرشتوں کے نازل کرنے کی آیات ہیں۔ ان کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے' سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمالیا' پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمالیا' بشرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی' اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں' اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی' اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے' البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ۔ (الانفال: ۹)	جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں۔

(جامع البیان ج ۴' ص ۵۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتال کیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے' لیکن انہوں نے عملی طور پر قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا' اور یہی جمہور کا قول ہے۔ لیکن ابو بکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں:

۱- تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے' حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے قوم لوط کے چار شہروں کی زمین کو تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس کو زمین پر پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

۲- قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

۳۔ اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آ رہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی' اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہیے تھا حالانکہ یہ منقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے شبہات وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں' سو ابوبکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتال کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تواتر کے قریب ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ چتکبرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا' ابوبکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی کام پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳' ص ۴۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر تلوار مارتے اور ہماری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۔ (الانفال: ۱۲)	جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کروں گا' تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے کافر الگ پہچانے جاتے تھے' ان کی گردنوں کے اوپر تلوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب تھی' اور ہر ضرب ایسی تھی جیسے آگ سے جلی ہوئی ہو' امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے' اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی' کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ابوجہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ باوجود میری پوری کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا' اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل پر سکون رہیں' اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنا دیا' سو ہر وہ لشکر جو صبر و ضبط سے کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آکر اس کے ساتھ قتال کرتے ہیں' حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا' اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے آتے تھے' اور بعض علماء نے کہا کہ یہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں' تسبیح پڑھیں اور لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں' اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتال نہیں کیا وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لیکن

پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قتادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی۔ حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ شعبی نے کہا نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے' نبی ﷺ اور مسلمانوں پر یہ خبر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (آل عمران: ۱۲۵-۱۲۴) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ ان کی مدد کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا' اور اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی گئی تھی' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور بچیں تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام جنگوں میں مدد فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی سے ڈرے تو جب انہوں نے قریظہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال) ملائکہ سے مدد فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے متعلق ہے اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کی جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں بہت شدت سے قتال کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتال سے مدد نہ کی گئی ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن' ج ۴' ص ۱۹۵-۱۹۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں:

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ان کے ارادے پختہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران: ۱۲۶) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو' سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے' اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے' کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نقل فرمایا ہے' اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے ان کو جنگ کے متعلق عمدہ تدبیریں القاء کریں گے۔ چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے مخفی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھہرایا اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیر اندازوں کو پیچھے کھڑا کیا' اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا' امام ابن حجر نے اس کی نفی کی ہے اور

حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا ہے اور کسی جنگ میں قتل نہیں کیا' ابوبکر اصم نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے' اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی' نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا' نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی' حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ (الانفال: ۴۴) اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر آ رہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سر کٹ کٹ کر گر رہے ہوں' پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تواتر سے نقل ہونا چاہیے تھا۔

امام رازی نے جو ابوبکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوبکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کہیں یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفعل قتل کیا ہے' البتہ سورہ انفال میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا' اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر کرتے ہیں' اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزول ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران: ۱۲۶' الانفال: ۱۰)

باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال ان دنوں میں مختلف تھے' جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کی' اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔

(المنار ج ۴' ص ۱۱۵-۱۱۲' ملخصاً مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں کے قتل کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتل کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(انوار التنزیل ص ۲۳۵' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتل کیا تھا یا قتل نہیں کیا تھا' بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا' اس کی تفصیل "کشاف" میں ہے۔

(عنایۃ القاضی' ج ۴' ص ۲۵۶' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا غزوہ بدر میں فرشتوں کو بھیجنا صرف تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے تھا' جیسے بنی اسرائیل کے لیے سکینہ کو نازل کیا گیا تھا۔ یعنی تم نے اپنی قلت تعداد اور ضعف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا اور فریاد کی تو تمہیں مدد کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا تاکہ تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے دل مطمئن ہوں اور (حقیقت میں) امداد صرف اللہ

کی جانب سے ہے' اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم یہ نہ گمان کرو کہ فرشتوں نے مدد کی ہے' کیونکہ تمہاری اور فرشتوں کی مدد کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتوں کی مدد کرنا اللہ کی طرف سے بطور اسباب ہے اور جس کی اللہ مدد فرمائے وہی منصور ہے۔ (الکشاف ج ۲' ص ۲۰۲' مطبوعہ ایران' ۱۴۱۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امداد کو محض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے' اور بعض احادیث میں اس کی دلیل ہے حضرت ابو اسید نے نابینا ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور بینا ہوتا تو تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹' ص ۱۷۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صراحۃً یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال کیا' البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے:

اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ (الانفال: ۱۲)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کروں گا' تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا' لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن' ج ۲' ص ۱۳۳' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (المحرر الوجیز ج ۸' ص ۲۷' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے' ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنوں سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی' ج ۹' ص ۱۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (البحر المحیط' ج ۵' ص ۲۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایات میں ہے بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر بر حاشیہ قرآن مطبوعہ سعودی عربیہ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

ابوداؤد مازنی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوا۔ اس کا سر میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر بر حاشیہ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں لیا ہوگا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں' بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کی کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۱۳۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے' انہوں نے دو ٹوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتال کا قول کیا ہے اور نہ صراحۃً اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتال ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں:

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکۃ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا۔ فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا' اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا' حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی' مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن' ج ۲' ص ۱۷۴' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں' اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیے۔ مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا' اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در منثور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔

(معارف القرآن' ج ۴' ص ۱۹۷' مطبوعہ ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۳۹۷ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۷ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے بعض کم سوادوں نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھاوا دینے کے لیے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں۔ ان کے خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ

یہ بات محض تمہاری تسلی کے لیے کہہ دی گئی تھی اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی گویا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چکمہ دیا اور خود ہی اپنا بھانڈا پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تمہیں چکمہ دے کر لڑا دیا آئندہ میرے بھرے میں نہ آنا' فرشتوں ورشتوں کی بات محض ایک بھڑہی تھی' شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی عقلمند نہیں سمجھتے۔

(تدبر قرآن' ج ۳' ص ۴۴۵۔۴۴۴' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۱۹ھ)

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی انہوں نے جس غیر سنجیدہ انداز سے تعبیر کی ہے وہ قابل صد افسوس اور مذمت ہے۔

شیعہ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے' جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے' انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور عمامہ کا شملہ کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا' انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا' اور ماضی اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جہاد کا حکم دیا گیا تھا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان شخص نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا اور وہ شخص کسی اور کو نہ دیکھتا' اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا' اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں یہ فرق تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔ (منہج الصادقین' ج ۴' ص ۱۶۸' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

آیۃ اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے' بعض اس کے معتقد ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا' اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے' اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے' ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے۔ اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱- آل عمران: ۱۲۶ اور الانفال: ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

۲- اگر کفار کو فرشتوں نے قتل کیا تھا تو مجاہدین بدر کی کیا فضیلت رہ جاتی ہے؟

۳- جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے' جن میں سے کچھ کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور باقی کو دوسرے مجاہدین نے' اور تاریخ میں یہ محفوظ ہے کہ کس کافر کو کس مسلمان نے قتل کیا تھا تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(تفسیر نمونہ' ج ۷' ص ۱۰۵۔۱۰۴' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ' ایران' ۱۳۶۹ھ)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کے متعلق امام رازی کا تبدیل شدہ نظریہ

آل عمران: ۱۲۵۔۱۲۷ کی جو امام فخر الدین رازی نے تفسیر کی ہے اس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں امام

رازی نے اس سے مختلف تقریر کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کی تقویت اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی دائیں جانب تھے۔ اور حضرت میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر اسلام کی بائیں جانب تھے اور اس لشکر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور وہ فرشتے مردوں کی صورت میں سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہوں نے کفار سے قتال کیا تھا' ایک قول یہ ہے کہ ان فرشتوں نے غزوہ بدر میں قتال کیا تھا اور غزوہ احزاب اور غزوہ حنین میں قتال نہیں کیا تھا۔ اور روایت ہے کہ ابوجہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا تھا وہ آواز کہاں سے آتی تھی جس کو ہم سنتے تھے اور بولنے والا نظر نہیں آتا تھا' حضرت ابن مسعود نے کہا وہ فرشتے تھے' تب ابوجہل نے کہا تو پھر انہوں نے ہم کو شکست دی ہے تم نے نہیں دی' اور روایت ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑا مارنے والے کی آواز سنی' اس نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو وہ نیچے گرا پڑا تھا اور اس کا چہرہ شق ہو گیا تھا' اس انصاری نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمان سے مدد آئی تھی۔ علماء کی دوسری جماعت نے یہ کہا کہ فرشتوں نے قتال بالکل نہیں کیا' وہ صرف مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بڑھانے کے لیے آئے تھے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے' ورنہ پوری دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ ہی کافی ہے' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے بازو کے ایک پر سے قوم لوط کے تمام شہروں کو تباہ اور برباد کر دیا تھا اور قوم ثمود کے شہروں کو اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو صرف ایک چیخ سے ہلاک کر دیا تھا۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کی امداد کی کیفیت سورہ آل عمران میں بہت تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ غزوہ بدر میں فرشتے قتال کے لیے نازل نہیں ہوئے تھے اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ۔ (الانفال: ۱۰)	اور فرشتوں کو نازل فرمانا صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے تھا اور اس لیے کہ تمہارے دل مطمئن رہیں۔

فراء نے یہ کہا کہ "وماجعلہ" کی ضمیر لگاتار فرشتوں کی طرف لوٹتی ہے' یعنی لگاتار فرشتوں کو بھیجنا صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے تھا اور زجاج نے بھی یہی کہا ہے کہ لگاتار فرشتوں کو بھیجنا صرف بشارت دینے کے لیے تھا۔ اور یہ تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ فرشتوں کی امداد بشارت سے حاصل ہو گئی تھی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ غزوہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے دعا کر رہے تھے اور آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آگئی' پھر آپ نے حضرت ابوبکر کے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کی مدد کی بشارت لو' میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل گھوڑے پر سوار آرہے ہیں۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کو نازل کرنے سے صرف خوشخبری دینا مقصود تھا۔ اور یہ اس بات کی نفی کرتی ہے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا' اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ "مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے"۔ (الانفال: ۱۰) اور اس سے اس امر پر تنبیہہ کرنا مقصود ہے کہ ہرچند کہ فرشتے مومنین کی موافقت میں نازل ہوئے تھے' لیکن مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس پر اعتماد نہ کریں' بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی اعانت اور امداد' اس کی ہدایت اور اس کے کافی ہونے پر اعتماد کریں۔ کیونکہ اللہ ہی عزیز اور غالب ہے جس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اور وہی ایسا قاہر ہے جس پر کوئی قہر نہیں کر سکتا' اور وہی حکیم ہے اور وہ اپنی حکمت سے جانتا ہے کہ کس جگہ نصرت کرنی چاہیے سو وہ اس جگہ نصرت فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوتے تھے اور انہوں نے خود جنگ نہیں کی۔ اس کے برخلاف بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے معارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے اور متعدد زخمی ہوئے نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمال نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوئی۔ اور پھر ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ تمام کافروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔ علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

تو (اے مسلمانو!) تم نے ان کافروں کو (حقیقتہ) قتل نہیں کیا لیکن ان کو اللہ نے (حقیقتاً) قتل کیا ہے اور (اے محبوب) آپ نے (حقیقتاً خاک) نہیں پھینکی جس وقت (بظاہر) آپ نے (خاک) پھینکی تھی وہ (خاک) اللہ نے پھینکی۔

بظاہر اصحاب بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقتاً قتل نہیں کیا اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اگر فرشتوں نے بظاہر قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: اے مسلمانو! تم نے کافروں کو حقیقتہ قتل نہیں کیا ان کو تو درحقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہراً کی نہ حقیقتہ تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہراً نہ حقیقتاً اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لیے تھا جو فرشتے بدر میں اترے انہیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہو۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن رفاعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد اہل بدر میں سے تھے) کہ حضرت جبرائیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اہل بدر کو کون سا درجہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں یا اس طرح کوئی اور بات فرمائی۔ حضرت جبرائیل نے کہا ہم بھی اسی طرح فرشتوں میں بدری فرشتوں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۲۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث میں یہ معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس جنگ میں ان کو مسلمانوں کی معیت کا شرف اور مرتبہ دیا جائے۔

میں نے اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی ہے اور امہات کتب حدیث میں مجھ کو فرشتوں کے قتال کے متعلق جس قدر احادیث ملیں میں نے ان سب کا ذکر کیا لیکن میں نے دیکھا یہ احادیث باہم متعارض اور مضطرب ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ احزاب میں بھی

قتل کیا' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بلکہ کافر بھی فرشتوں کو دیکھ رہے تھے' اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو قتل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا' البتہ بغیر کسی فاعل کے کافروں کے سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے' اس کے برخلاف قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا بلکہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قتل کیا تھا اور فرشتے صرف مسلمانوں کی دل جمعی کے لیے نازل ہوئے تھے' میرے نزدیک احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ حجت ہیں لیکن قرآن مجید بہ ہر نوع احادیث پر مقدم ہے۔ نیز قواعد اسلام اور اصول اور درایت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ جنگ صرف مسلمانوں نے لڑی تھی۔ میں نے اس مسئلہ میں دیگر فقہاء اسلام کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے۔ بہرحال میرے قلب و ضمیر کے مطابق حق یہی ہے اور اگر حق دوسری جانب ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے اور میں اس سے تائب ہوں۔

آل عمران: ۱۲۴-۱۲۷ کی تفسیر میں بھی میں نے یہی تقریر کی ہے لیکن اس کی اہمیت اور افادہ کے پیش نظر میں نے چند مزید حوالہ جات کا اضافہ کر کے اس تقریر کو دوبارہ ذکر کر دیا ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ

(یاد کرو) جب اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا جو تمہارے لیے بے خوفی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے

مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ

بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو

عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ⑪ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى

ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جما دے ○ اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں

الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ

کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو، میں عنقریب ان کافروں کے دلوں

الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

میں رعب ڈال دوں گا، سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن

ضرب لگاؤ ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو

يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑬ ذَٰلِكُمْ

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ یہ ہے (تمہاری

فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سزا) سو اس کو چکھو اور بیشک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ○ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾

جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو ○

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

اور جس شخص نے جنگ کی حکمت عملی یا ایک جماعت سے ملنے (کے قصد) کے بغیر میدان جنگ سے پیٹھ پھیری

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ

تو بے شک وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ

کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے ○ سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کو قتل نہیں کیا، لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک

اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً

نہیں پھینکی جس وقت آپ نے وہ خاک پھینکی تھی، لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی تاکہ وہ مومنوں کو اچھی آزمائش کے ساتھ

حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

گزارے، بیشک اللہ بہت سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ○ یہ تو تمہارے ساتھ معاملہ ہے اور اللہ کفار کی چالوں کو

الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا

کمزور کرنے والا ہے ○ (آپ ان کافروں سے کہیے) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم (کفر اور شرک

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

سے) باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر ایسی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے، اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو

شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ ع

وہ تمہارے کسی کام نہ آسکے گا اور بے شک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یاد کرو) جب اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا جو تمہارے لیے بے خوفی کا باعث ہوئی اور تم پر آسمان سے بارش نازل فرما رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کرے اور تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جمادے O اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو' میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی چھ انواع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ غزوہ بدر میں صرف اللہ کی طرف سے مدد تھی۔ اب اللہ تعالیٰ تفصیل سے اس امداد کو بیان فرما رہا ہے۔ الانفال کی آیت ۱۲' ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس امداد کی چھ انواع بیان فرمائی ہیں۔

۱- مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنا۔

۲- آسمان سے بارش نازل فرمانا۔

۳- مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا اور ان کے دلوں کو مضبوط کرنا۔

۴- مسلمانوں کے قدم جمانا۔

۵- فرشتوں کی طرف یہ وحی نازل فرمانا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

۶- کافروں کے دلوں پر رعب طاری کرنا اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت ڈالنا۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ہر امداد کی نعمتوں کو بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

جس دن کی صبح جنگ ہونی تھی اس رات مسلمانوں پر نیند کا طاری ہونا

نعاس' غنودگی کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان بالکل مطمئن ہوتا ہے اور اس کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا' مسلمانوں پر یہ غنودگی اس رات طاری ہوئی تھی جس کی صبح کو انہوں نے کفار کے خلاف جہاد کرنا تھا' اور اس رات ان کو نیند آجانا نہایت عجیب تھا کیونکہ ان کی تعداد کم تھی اور صبح ان کو اپنے سے تین گنا لشکر کا سامنا کرنا تھا۔ بظاہر اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے ان کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مطمئن اور مضبوط کر دیا' مسلمانوں میں سے حضرت مقداد بن اسود کے پاس ایک چتکبرے رنگ کا گھوڑا تھا جس کا نام سبحہ تھا۔ ایک گھوڑا حضرت زبیر بن العوام کے پاس تھا جس کا نام یعسوب تھا' اور ایک گھوڑا مرثد بن ابی مرثد کے پاس تھا جس کا نام سیل تھا' نبی ﷺ کے پاس ایک تلوار اور ایک زرہ تھی' اور مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور ایک اونٹ پر باری باری تین مسلمان سوار ہوتے تھے۔ حضرت ابولبابہ اور حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں بھی ایک اونٹ تھا' ان صاحبوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ مستقل اونٹ پر سوار رہیں اور وہ پیدل چلتے رہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں ہو اور میں تمہاری بہ نسبت اجر سے مستغنی نہیں ہوں۔ اس کے برخلاف کفار قریش کے پاس ایک سو گھوڑے تھے اور ہر گھوڑے پر ایک زرہ پوش سوار تھا اور جو پیدل تھے ان کے پاس بھی زرہیں تھیں۔ وہ ہر روز نو' دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور ان کے ساتھ باندیاں تھیں جو گا بجا کر اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار پڑھ کر ان کو جوش دلا رہی تھیں اور ان کی آتش غضب کو اور بھڑکا رہی تھیں' اندریں حالات مسلمانوں کو زیادہ فکر مند اور پریشان ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ اسی طرح بے چینی سے جاگ کر رات گزارتے تو صبح کو وہ لڑنے کے لیے تازہ دم نہ ہوتے' سو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور ان کی یہ امداد کی کہ ان پر نیند طاری کر دی اور جمعہ کی صبح کو جس دن جنگ ہونی تھی وہ بالکل تازہ دم اور

جنگ کے لیے تیار تھے۔(الطبقات الکبریٰ' دلائل النبوۃ' سبل الہدیٰ والرشاد ملتقطا)

مسلمانوں پر اس رات غنودگی طاری کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

ہر نیند اور غنودگی اللہ کی طرف سے طاری ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس غنودگی کو طاری کرنے کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے اور اس کو اہمیت سے بیان فرمایا تو ضرور اس میں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- جب کوئی شخص اپنے دشمن سے خوفزدہ ہو اور اس کو اپنے اہل و عیال کی جان کا خطرہ ہو تو عادتاً اس کو نیند نہیں آتی اور جب اس کیفیت میں نیند آجائے تو یہ ضرور ایک غیر معمولی بات ہے۔

۲- وہ ایسی گہری نیند نہیں سوئے تھے کہ گرد و پیش بے بالکل بے خبر ہو جاتے ورنہ دشمن ان پر اچانک ٹوٹ پڑتا اور ان سب کو ہلاک کر دیتا۔ بلکہ ان پر صرف غنودگی طاری کی جس سے ان کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور صبح کو وہ تازہ دم اٹھیں' اور اگر رات کو دشمن ان کی طرف آتا تو وہ فوراً بیدار ہو جاتے اور دشمن ان کو بے خبری میں ہلاک کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

۳- ایک بڑی جماعت کے ہر شخص کو بیک وقت نیند کا آجانا یہ بھی غیر معمولی بات ہے۔

۴- نیند بے فکری اور سکون کے وقت آتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دل و دماغ سے دشمن کے خوف اور اس کی فکر کو دور کر دیا تھا' اور تین سو تیرہ نفوس کے دل و دماغ میں بہ یک وقت ایک ہی قسم کی کیفیات کا طاری ہونا یہ بھی ایک غیر معمولی بات ہے۔

ان مذکورہ وجوہ سے معلوم ہوا کہ اس رات مسلمانوں پر غنودگی طاری کرنے میں کئی وجوہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا اظہار تھا اور رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔

بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ اور بارش کا نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بدر کی طرف روانہ ہوئے' ادھر مشرکین پہلے پہنچ چکے تھے اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا' ان کا پڑاؤ وادی کے اوپر کی جانب تھا اور نبی ﷺ وادی کی نچلی جانب تھے۔ کئی مسلمان جنبی ہو چکے تھے اور ان کے غسل کے لیے پانی نہیں تھا' اور کئی پیاسے تھے اور جو مسلمان جنبی تھے وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے جنابت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے' شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم کفار قریش پر غالب آنے کی کیسے توقع کر سکتے ہو حالانکہ تم میں کئی مسلمان بغیر وضو کے حالت جنابت میں نماز پڑھ رہے ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش نازل کی۔ انہوں نے غسل کیا' وضو کیا اور پانی پیا۔ وہ جگہ ریتلی تھی اور ریت کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے اب ان کے قدم ریت پر جم گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں سے شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو زائل کر دیا۔ (جامع البیان' ج ۹' ص ۲۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا کہ کفار قریش نے وادی بدر کے آخری کونے پر پڑاؤ ڈالا تھا اور ان کے پیچھے ریت کا ٹیلہ تھا' رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اس ٹیلہ کے پیچھے تھے اور ریت کی زیادتی کی وجہ سے ان کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے' اور پانی پر قریش کا قبضہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی' جس سے ریت بیٹھ گئی اور جہاں قریش تھے وہاں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲' ص ۲۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بیہقی نے زہری' محمد بن یحییٰ بن حبان' عاصم بن عمر بن قتادہ' اور عبداللہ بن ابی بکر وغیرہم سے غزوہ بدر کے متعلق ایک

طویل حدیث روایت کی ہے اس میں بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کے متعلق بیان کیا ہے:
قریش نے وادی بدر کے آخری کنارے میں پڑاؤ ڈالا اور بدر کے سارے کنویں مدینہ کی طرف سے ابتدائی کنارے کے ریتلے میدان کے وسط میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی جس سے ریت بیٹھ گئی اور اس جگہ چلنا آسان ہو گیا' اور جس جانب کفار قریش تھے وہاں سخت کیچڑ ہو گئی اور وہاں چلنا دو بھر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ سرعت سے روانہ ہوئے اور کفار قریش پر سبقت کر کے نزدیک ترین پانی کے کنویں پر پہنچ گئے۔ حضرت حباب بن منذر نے کہا یا رسول اللہ! کیا اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس جگہ قیام کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہم اس جگہ سے سرمو تجاوز نہ کر سکیں یا آپ نے جنگ کی حکمت عملی کی وجہ سے اس جگہ کو منتخب فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ صرف جنگ کی حکمت عملی ہے۔ حضرت حباب نے کہا یا رسول اللہ! تب یہاں سے اٹھئے اور ایسی جگہ قیام کیجئے کہ بدر کے تمام کنویں ہماری پشت پر ہوں' پھر ایک کنویں کے سوا باقی تمام کنویں بند کرا دیجئے۔ اور زمین کھود کر ایک حوض بنوا دیجئے اور اس میں سارا پانی جمع کر لیں تاکہ اس حوض پر ہمارا قبضہ ہو' ہم جب چاہیں وہاں سے پانی حاصل کر لیں اور قریش کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ مل سکے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا فیصلہ فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرما لیا۔ (دلائل النبوۃ' ج ۳' ص ۳۵-۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

بدر کے دن بارش کے نزول میں اللہ کی نعمتیں

کفار قریش نے پہلے پہنچ کا پانی پر قبضہ کر لیا تھا' مسلمان خوف زدہ اور پیاسے تھے اور بعض جنبی تھے' انہیں پینے کے لیے پانی میسر تھا نہ غسل کے لیے' علاوہ ازیں ریت میں ان کے پاؤں دھنس رہے تھے اور ہوا سے ریت اڑ رہی تھی' اور شیطان ان کے دلوں میں وسوسے ڈال رہا تھا کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے:

۱- ان کی پیاس بجھ گئی اور انہوں نے غسل کر لیا کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے زمین کو کھود کر ایک حوض بنا لیا تھا جس میں انہوں نے بارش کا پانی اکٹھا کر لیا۔

۲- اللہ تعالیٰ تم سے شیطان کی نجاست دور کرے' اس سے یہ مراد ہے کہ اس بارش کے ذریعہ انہوں نے غسل کر لیا اور ان سے نجاست دور ہو گئی' نیز اس سے شیطان کا ڈالا ہوا یہ وسوسہ باطل ہو گیا کہ اگر تم دین حق پر ہوتے تو اس طرح پیاسے اور جنبی نہ رہتے۔

بقیہ چار نعمتوں کی تفصیل

اس کے بعد فرمایا تاکہ تمہارے دلوں کو ڈھارس بندھائے۔ یہ تیسری نعمت اور امداد کا بیان ہے' کیونکہ بارش نازل ہونے کی وجہ سے ان کے دل مضبوط ہو گئے اور گھبراہٹ اور خوف ان سے دور ہو گیا۔ لغت میں ربط کا معنی باندھنا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کے دلوں کو باندھ دیا تاکہ اس میں خوف و گھبراہٹ نہ داخل ہو سکے۔

پھر فرمایا اور تمہارے قدموں کو جما دے' یہ چوتھی نعمت اور امداد کا بیان ہے' کیونکہ ریت میں مسلمانوں کے پاؤں دھنس رہے تھے اور ان کو چلنے میں مشکل اور دشواری تھی' اور بارش ہونے کے بعد ریت بیٹھ گئی اور وہ قدم جما کر چلنے لگے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیے تو وہ جنگ میں ثابت قدم ہو گئے۔ کیونکہ اگر ان کے دل کمزور ہوتے تو یہ خدشہ رہتا کہ وہ جنگ کی شدت سے گھبرا کر بھاگ جائیں گے' اور اس نعمت اور امداد کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مسلمان وادی بدر کی جس جانب تھے وہاں ریتلی زمین تھی اور کفار قریش جس جانب تھے وہاں دھول اور مٹی تھی' اور بارش ہونے

سے ریت بیٹھ گئی اور مسلمانوں کے لیے آسانی ہو گئی اور جہاں دھول اور مٹی تھی وہاں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گئی اور ان کا چلنا دو بھر ہو گیا تو اس بارش نے جہاں مسلمانوں کے لیے آسانی کی' وہاں کفار کے لیے مشکل اور دشواری کی اور دشمن کی مصیبت بھی انسان کے لیے نعمت ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی فرما رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' یہ نعمت اور امداد کی پانچویں قسم ہے۔ اس نعمت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ جب فرشتے مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ ان کے یعنی فرشتوں کے ساتھ ہے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ مسلمانوں کی مدد کرو اور ان کو ثابت قدم رکھو۔ اور فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کا یہ معنی ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ خبر دے دی اور اس سے مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے اور وہ اس جنگ میں ثابت قدم رہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں عنقریب ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا' اور یہ نعمت اور امداد کی چھٹی قسم ہے' کیونکہ انسان کے جسم کا امیر اس کا دل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو قوی کر دیا اور ان کے دلوں سے کفار کے خوف کو زائل کر دیا اور پھر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس کے بعد فرمایا سو تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہے اور اس جملہ سے متصل ہے کہ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ حکم مومنوں کو ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ فرشتوں کو قتال اور جہاد کے لیے نہیں نازل کیا گیا تھا۔ ان کے ہر جوڑ پر وار کرو یعنی ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ ڈالو۔ اس کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ جس طرح بھی چاہو ان کو مار ڈالو' کیونکہ گردن کے اوپر سر ہے اور سر اشرف الاعضاء ہے اور جوڑ اضعف الاعضاء ہیں پس یہاں اشرف اور اضعف کا ذکر کر کے متنبہ کیا ہے کہ ان کو جس طرح چاہو قتل کر دو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو ان کو قتل کر دو یا پھر ان کی انگلیوں اور ان کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو تاکہ یہ تم پر حملہ کرنے کے قابل نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○ یہ ہے (تمہاری سزا) سو اس کو چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ (الانفال: ۱۴-۱۳)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو براہ راست اور بلاواسطہ نعمتیں ہیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کی ہوئی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو بالواسطہ نعمتیں ہیں' کیونکہ کسی جماعت کے مخالفین پر عذاب بھی اس جماعت کے حق میں نعمت ہوتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اللہ سے شقاق کیا۔ شقاق کا معنی ہے ایک شخص ایک شق (جانب) پر ہو اور دوسرا شخص دوسری شق پر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ کسی ایک شق پر ہو یا کسی ایک جانب ہو' اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے شقاق کیا کہ وہ ایک جانب دین اسلام پر تھے اور وہ دوسری جانب کفر پر تھے۔

پہلی آیت میں فرمایا تھا جو اللہ اور اس کے رسول سے شقاق (تنازع) کرے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور اس

دوسری آیت میں اس عذاب کی صفت بیان کی ہے کہ وہ عذاب معجل (فوری) بھی ہے اور موجل (اخروی) بھی ہے۔ معجل عذاب کو ذالکم سے بیان فرمایا یعنی: یہ ہے (تمہاری سزا) یہ اشارہ دنیاوی سزا کی طرف ہے' اس میں ستر کافر مارے گئے تھے اور ستر کافروں کو قید کر لیا گیا تھا۔

اور فرمایا ہے چکھو' اس میں اس عذاب کو کھانے پینے کی اشیاء سے تشبیہ دی گئی ہے' یعنی جس طرح کھانے پینے کی چیزیں لذیذ اور نفس کو مرغوب ہوتی ہیں تو یہ عذاب بھی حکماً تمہارے لیے مرغوب ہے' کیونکہ تمہیں بارہا بتایا گیا کہ تم جو کفر اور شرک کر رہے ہو یہ عذاب کا باعث ہے اس کے باوجود تم کفر اور شرک سے چمٹے رہے سو تمہیں کفر اور شرک مرغوب تھا اور وہ عذاب کو مستلزم ہے تو عذاب بھی تمہیں حکماً مرغوب ہوگا' سو اب تم اپنی مرغوب چیز کو چکھو۔

رسول اللہ ﷺ کا مقتولین بدر سے خطاب فرمانا اور سماع موتی کی بحث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولین بدر کو تین دن تک پڑے رہنے دیا' پھر آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور ان کو پکار کر فرمایا اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف' اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے کیے ہوئے وعدہ کو سچا پالیا' بے شک میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچا پایا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ اجسام ہیں' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ کے حکم سے ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ (صحیح مسلم صفۃ الجنۃ ۷۷ (۲۸۷۴) ۷۰۹۰)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

چونکہ عادتاً مردوں سے کلام نہیں کیا جاتا تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مردوں سے کلام کرنے کو مستبعد جانا اور نبی ﷺ نے اس کا یہ جواب دیا کہ وہ زندوں کی طرح آپ کے کلام کو سن رہے ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے سننے کی یہ صفت دائمی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی یہ صفت بعض اوقات میں ہو۔ (المفہم ج ۷' ص ۱۵۱' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے قاضی عیاض مالکی سے اس حدیث کی یہ شرح نقل کی ہے:

جس طرح عذاب قبر اور قبر کے سوال و جواب کی احادیث سے مردوں کا سننا ثابت ہے اس طرح ان کا سننا بھی ثابت ہے' اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے ان کے جسم یا جسم کے کسی جز کی طرف روح کو لوٹا دیا جائے' علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ بغیر روح کے لوٹائے ہوئے جسم سن لیتا ہے' اس کا یہ دعویٰ بداہت کے خلاف ہے۔ اور شاید جو لوگ سماع موتی کے منکر ہیں ان کی یہی مراد ہو کہ روح کو لوٹائے بغیر جسم نہیں سن سکتا اور جو اس کے قائل ہیں وہ اعادہ روح کے ساتھ سماع کے قائل ہیں اور اس صورت میں یہ اختلاف اٹھ جاتا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷' ص ۳۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسینی المتوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

اگر علامہ ابی کی روح سے مراد حیات ہے تو پھر تو واضح ہے کہ بغیر حیات کے جسم کے سننے کا دعویٰ کرنا بداہت کے خلاف ہے اور اگر روح سے وہ متعارف معنی مراد ہے۔ جس کا جسم میں حلول ہوتا ہے اور جس کے نکلنے سے جسم مردہ ہو جاتا ہے اور جسم میں اس کے حلول کی وجہ سے جسم عادتاً زندہ ہوتا ہے تو پھر یہ لازم نہیں ہے کہ اگر روح کو جسم میں نہ لوٹایا جائے' تو جسم نہ سن

سکے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم میں روح کو لوٹائے بغیر اس میں حیات پیدا کر دے اور سماعت کا ادراک پیدا کر دے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ مازری نے کہا اس حدیث سے بعض لوگوں نے سماع موتیٰ (مردوں کے سننے) پر استدلال کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے عام حکم ثابت نہیں ہوتا یہ صرف مقتولین بدر کے ساتھ خاص ہے' قاضی عیاض مالکی نے ان کا رد کرتے ہوئے لکھا جن احادیث سے عذاب قبر اور قبر میں سوالات اور جوابات ثابت ہیں اور ان سے سماع موتیٰ ثابت ہوتا ہے اور ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی' اسی طرح اس حدیث سے بھی سماع موتیٰ ثابت ہے دونوں کا ایک محمل ہے' اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا ہو یا ان کے جسم کے کسی ایک عضو میں حیات پیدا کر دی ہو اور جس وقت اللہ ان میں سماعت پیدا کرنا چاہے وہ سن لیتے ہوں' یہ قاضی عیاض کا کلام ہے اور یہی مختار ہے اور جن احادیث میں اصحاب قبور کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کا بھی یہی تقاضا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۱ ص ۶۰۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ موت عدم محض اور فناء صرف نہیں ہے بلکہ موت روح کے بدن سے منقطع ہونے اور اس کی بدن سے مفارقت کا نام ہے اور وہ ایک حال سے دوسرے حال میں اور ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہونا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ مردہ اپنے اصحاب کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۷ ص ۳۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں تو مردہ ان کی جوتیوں کے چلنے کی آواز سنتا ہے' پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں' اس کے بعد قبر میں سوال و جواب کا ذکر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' ۱۳۷۴' صحیح مسلم کتاب الجنۃ: ۷۱ (۲۸۷۰) سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۰۴۸)

سماع موتیٰ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مردہ کے گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا کہ مردہ کو اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہیں' اور یہ ایسا ہی ہے کہ جب جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور اس میں مشرکین میں سے مقتولین بدر پڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جو فرمانا تھا' حضرت عمر نے روایت کیا یہ میرا کلام سن رہے ہیں اور وہ بھول گئے۔ آپ نے فرمایا تھا ان کو علم ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ برحق ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى (النمل: ۸۰) — بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ (فاطر: ۲۲) — اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔

(صحیح مسلم الجنائز ۲۶ (۹۳۲) ۲۱۲۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۹' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۲۰۷۶)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیتوں سے استدلال کیا ہے ان سے مراد کفار ہیں گویا کہ وہ اپنی قبروں میں مردہ ہیں اور ان آیتوں میں سنانے سے مراد ان کا نبی ﷺ کے ارشاد کو سمجھنا اور آپ کے پیغام کو قبول کرنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال: ۲۳)

اور اگر (بالفرض) اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں (آپ کا پیغام) ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) اللہ انہیں سنا بھی دیتا تب بھی وہ اعراض کرتے ہوئے ضرور پیٹھ پھیرتے۔

اور یہ اس طرح ہے جیسے ان کے حواس خمسہ سلامت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا گونگا اور اندھا فرمایا کیونکہ سننے بولنے اور دیکھنے کی جو غرض و غایت اور اس کے تقاضے ہیں وہ ان کو پورا نہیں کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کو اپنا پیغام نہیں سناتے جو اس پیغام کو فہم و تدبر سے نہیں سنتے اور نہ اس پیغام کو قبول کرتے ہیں۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ ان آیتوں میں حقیقتاً مردے مراد ہیں تب بھی ان آیات کا ان احادیث سے کوئی تعارض نہیں ہے جن سے مردوں کا سننا ثابت ہے کیونکہ اگر ان آیتوں سے بالعموم مردوں کے سننے کی نفی مراد ہو تب بھی عام میں تخصیص جائز ہے اور مخصص وہ احادیث ہیں جن سے مردوں کا سننا ثابت ہے اور ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کسی وقت اور کسی حال میں مردے سن لیتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں نے جو کچھ ان (مقتولین بدر) سے کہا اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲، ص ۳۴۷) اور آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تم میرے کلام کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۲، المفہم، ج ۲، ص ۵۸۶، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں کے سننے کا انکار کرتی ہیں اور ان کے علم اور جاننے کا اعتراف اور اقرار کرتی ہیں، امام بیہقی نے فرمایا علم سماعت کے منافی نہیں ہے اور آیت کریمہ: آپ مردوں کو نہیں سناتے (النمل: ۸۰) کا جواب یہ ہے کہ آپ مردوں کو بہ حیثیت مردہ نہیں سناتے لیکن اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ سن لیتے ہیں، جیسا کہ قتادہ نے بیان کیا ہے، اور مقتولین بدر کے سننے کی حدیث صرف حضرت عمر نے روایت نہیں کی اور نہ اس روایت میں حضرت ابن عمر منفرد ہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت ابوطلحہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۵) اور اس کی مثل حدیث کو امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو لیکن وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے کنویں والو! کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پالیا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا، کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پالیا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ سن رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو لیکن یہ آج جواب نہیں دے سکتے!

(المعجم الکبیر ج ۱۰ ' رقم الحدیث: ۱۰۳۲۰ 'کتاب السنہ' رقم الحدیث: ۸۸۴ ' نیز امام ابن اسحاق نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ السیرۃ النبویہ' ج ۲ ' ص ۲۵۰)

اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ امام ابن اسحاق نے مغازی میں یونس بن بکیر کی سند جید کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضرت ابو طلحہ کی حدیث کی مثل کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (السیرۃ النبویہ' ج ۲ ' ص ۲۵۰)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: امام احمد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ مقتولین بدر کو کنویں میں پھینک دیا جائے۔ امیہ بن خلف کے علاوہ سب کو پھینک دیا گیا کیونکہ وہ اپنی زرہ میں پھول چکا تھا۔ جب ان کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے رب کے اس وعدہ کو سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا؟ کیونکہ میں نے اس وعدہ کو سچا پایا جو مجھ سے میرے رب نے کیا تھا' آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں؟ آپ نے ان سے فرمایا انہوں نے جان لیا ہے کہ میں نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق ہے' اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سن لیا۔ میں نے ان سے جو کہا تھا وہ برحق تھا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا انہوں نے جان لیا۔ (مسند احمد ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۶۲۹۹ ' طبع قاہرہ' مسند احمد ج ۶ ' ص ۲۷۶ ' طبع قدیم' دار الفکر) حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ روایت کیا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' ہم کو مسند احمد میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ البتہ امام ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں' بہرحال حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اگر امام احمد کی یہ روایت (یا امام ابن اسحاق کی یہ روایت) محفوظ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے سابق انکار سے رجوع فرمالیا' کیونکہ ان کے نزدیک دیگر صحابہ کی روایت سے یہ امر ثابت ہو گیا تھا جو اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقع پر حاضر نہیں تھیں۔ امام اسماعیلی نے یہ کہا ہے کہ ہرچند کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فہم اور ذکاوت اور کثرت روایت اور بحر علم میں غواص ہونے کے لحاظ سے تمام صحابہ پر فائق ہیں لیکن ثقہ اور معتمد صحابہ کی روایت کو اسی وقت مسترد کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا مثل ثقہ روایت میں اس کے منسوخ یا مخصوص یا محال ہونے کی تصریح ہو۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ جس چیز کا حضرت عائشہ نے انکار کیا ہے اور جس چیز کو دوسرے صحابہ نے ثابت کیا ہے ان کو جمع کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "انک لا تسمع الموتی" (النمل: ۸۰) "آپ مردوں کو نہیں سناتے" یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ اس وقت سن رہے تھے۔ کیونکہ اسماع کا معنی ہے سنانے والے کی آواز کو سامع تک پہنچانا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو سنایا تھا بایں طور کہ اپنے نبی ﷺ کی آواز ان تک پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا وہ اب جان رہے ہیں یا ان کو اب علم ہو رہا ہے' تو اگر حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے خود یہ الفاظ سنے تھے تو یہ دیگر صحابہ کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ وہ اب سن رہے ہیں بلکہ اس کی موید ہے' علامہ سہیلی نے جو اس مقام پر بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث خرق عادت (معجزہ) پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ صحابہ نے کہا کیا آپ مردوں سے کلام کر رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا جو صحابہ کی روایت کے مطابق وہ اب سن رہے ہیں اور حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق ان کو اب علم ہو رہا ہے' اور جب مردہ ہونے کی حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو اس حال میں ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے۔ اور یہ سماعت یا ان کے سر کے کانوں سے تھی یا ان کے دل کے کانوں سے تھی۔ اور دیگر صحابہ کی روایت کو حضرت عائشہ کی روایت پر اس لیے ترجیح ہے کہ وہ اس موقع پر حاضر تھے اور حضرت عائشہ اس موقعہ پر

موجود نہ تھیں' حضرت عائشہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ماانت بمسمع من فی القبور" (فاطر: ۲۲) "آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں"۔ اور یہ آیت اس آیت کی مثل ہے افانت تسمع الصم اوتھدی العمی (الزخرف: ۴۰) "تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اور اندھوں کو ہدایت دیں گے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور وہی توفیق دیتا ہے اور وہی دلوں کے کانوں تک نصیحت پہنچاتا ہے نہ کہ آپ' اور مردوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے کفار کو مردہ اور بہرہ فرمایا' پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سناتا ہے جب وہ چاہتا ہے اور حقیقت میں نہ اس کا نبی سنا سکتا ہے نہ کوئی اور' پس اس آیت سے حضرت عائشہ کے استدلال کا دو وجوہ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اول یہ کہ یہ آیت کفار کو اہل ایمان کی دعوت دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور ثانی یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس چیز کی نفی کی ہے کہ حقیقت میں وہ سنانے والے نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سنانے والا ہے۔ اور اللہ نے صحیح فرمایا ہے وہی جب چاہتا ہے ان کو سناتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(الروضۃ الانف' ج ۲' ص ۶۷' مطبوعہ ملتان' فتح الباری' ج ۷' ص ۳۰۳-۳۰۴' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے یہ آیات اپنے موقف میں تلاوت کیں' ان آیات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان آیات میں سماع کے پیدا کرنے کی نفی کی گئی اور سماع کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے رسول اللہ ﷺ پیدا نہیں کرتے' بدر کے کنویں میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر کے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا دیا' یہ تفسیر قتادہ نے بیان کی ہے اور علامہ سہیلی نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر حاضر نہیں تھیں' رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو"۔ تو اس موقع پر انہی کی روایت معتبر ہے جنہوں نے یہ الفاظ سنے تھے' اور جب اس حالت میں ان کا جاننا ممکن ہے تو ان کا سننا بھی ممکن ہے' یا تو ان کفار نے حضور ﷺ کے ارشاد کو اپنے سر کے کانوں سے سنا تھا اور یہ اس وقت ہے جب فرشتوں کے سوال کے وقت ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دی گئی تھیں جیسا کہ اکثر اہل سنت کا قول ہے۔ یا انہوں نے دل اور روح کے کانوں سے سنا جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے کہ سوال صرف روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور روح کو جسم میں لوٹایا نہیں جاتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۷' ص ۹۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی سلطان بن القاری متوفی ۱۰۱۴ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے شرح الہدایہ میں یہ تصریح کی ہے کہ اکثر مشائخ حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ مردہ سنتا نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کتاب الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی سے کلام نہیں کرے گا' پھر اس نے کسی مردہ سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس کی قسم اس شخص کے متعلق تھی جو سوچ سمجھ کر اس کی بات کا جواب دے اور مردہ اس طرح نہیں ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) یہ جزیہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ قسم کی بنا عرف پر ہوتی ہے اور مردہ سے بات کرنے کو عرف میں کلام نہیں کہتے اور اس سے حقیقت میں مردہ کے سننے کی نفی نہیں ہوتی' جس طرح فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کھانے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو گوشت فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا (النحل: ۱۴)	وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔

حضرت عمر کی اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ نبی ﷺ یہ کس طرح فرما سکتے ہیں کہ تم میرے کلام کو ان (مقتولین بدر) سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ (النمل: ۸۰) اور فرمایا ہے: آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے' اس کو مسترد کرنا صحیح نہیں ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس حدیث اور قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ مردوں سے مراد قرآن مجید میں کفار ہیں' اور نفی کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان کفار کو میرا پیغام سنا کر کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے' اور اس آیت میں مطلقاً سنانے کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرہ: ۱۷۱) — وہ بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ عقل سے کام نہیں لیں گے۔

ان کو بہرا' گونگا اور اندھا اس لیے فرمایا کہ وہ کان' زبان اور آنکھوں سے نفع نہیں اٹھاتے تھے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ان کافروں کو ایسا پیغام نہیں سنا سکتے جس سے وہ آپ کے پیغام کو تسلیم اور قبول کرلیں' علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ آیت اور اس کی مثل دوسری آیتوں کا محمل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے حواس کو حق بات سننے اور حق کو دیکھنے سے روک لیا تھا' بے شک اللہ جس کو چاہے سناتا ہے اور اس میں ہدایت پیدا کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کی آیات میں فہم سے کام لے اور نصیحت حاصل کرے۔ رہی دوسری آیت: آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ کفر پر اصرار کرتے تھے۔ ان کو اس آیت میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے ایمان لانے سے مایوس کرنے میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص: ۵۶) — بے شک آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

پھر انہوں نے یہ جواب دیا کہ مقتولین بدر کو اپنا کلام سنانا' رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت اور آپ کا معجزہ تھی۔ اور کفار کو زیادہ حسرت زدہ کرنا تھا' میں کہتا ہوں کہ یہ قتادہ کا قول ہے اور یہ جواب اور یہ قول مردود ہے کیونکہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کا سوال کرنا اور آپ کا جواب دینا خصوصیت کے منافی ہے اور منکرین سماع موتی پر اس حدیث سے اشکال ہو گا کہ جب لوگ مردہ کو دفن کرکے واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰)

اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ یہ حدیث دفن کے بعد اول وقت تک کے ساتھ مخصوص ہے تاکہ مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دے سکے تو یہ جواب اس حدیث سے مردود ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان میں گئے اور فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۴' مرقاۃ المفاتیح' ج ۸' ص ۱۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں جو یہ حدیث ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہر چند کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ معنی کے اعتبار سے معلول ہے اور اس میں ایک ایسی علت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ نبی

ﷺ سے ثابت نہ ہو اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔

(ردالمحتار' ج ۳' ص ۱۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے مخالف ہے۔ ہم علامہ قرطبی' علامہ ابن حجر عسقلانی' علامہ سہیلی' علامہ محمود بن احمد عینی اور ملا قاری کی وہ توجیہات نقل کر چکے ہیں جن میں انہوں نے اس حدیث اور قرآن مجید کی آیات میں تطبیق دی ہے' اور ہم قبر والے پر سلام پڑھنے کی حدیث بھی باحوالہ بیان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ اس حدیث کو مزید حوالہ جات اور دیگر احادیث کو بھی بحث کے آخر میں بیان کریں گے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس بحث میں فرماتے ہیں:

عرض: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد: نہیں' وہ جو فرما رہی ہیں حق فرما رہی ہیں۔ وہ مردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں' مردے کون ہیں' جسم' روح مردہ نہیں' اور بے شک جسم نہیں سنتا' سنتی روح ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ام المومنین کے حضور میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "ما انتم باسمع منھم" "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ ام المومنین نے فرمایا اللہ رحم فرمائے امیر المومنین پر حضور ﷺ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا بلکہ فرمایا "انھم لیعلمون" "بے شک وہ جانتے ہیں' امیر المومنین کو سہو ہوا' انہوں نے فرمایا "ما انتم باسمع منھم" "تو خود ام المومنین رضی اللہ عنہا مردوں کے علم کا اقرار فرماتی ہیں: سماع سے بے شک انکار فرماتی ہیں' اور وہ بھی اس کے ان معنوں سے جو عرف میں شائع ہیں' سماع کے عرفی معنی ان آلات کے ذریعہ سے سننا' یہ یقیناً بعد مرنے کے روح کے لیے نہیں' روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے اس جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔ پھر ام المومنین کا ان آیتوں سے استدلال اور بھی اس کو ظاہر کر رہا ہے۔ "انک لا تسمع الموتی" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" موتی کون ہیں؟ اجسام' قبور میں کون ہیں؟ وہی اجسام' تو پھر اجسام ہی کے سننے سے انکار ہوا۔ اور وہ یقیناً حق ہے۔ (پھر فرمایا) خود ام المومنین رضی اللہ عنہا کا طرز عمل سماع موتی کو ثابت کر رہا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ میرے حجرہ میں دفن ہوئے میں بغیر چادر اوڑھے بے حجابانہ حاضر ہوتی اور کہتی "انما ھو زوجی" "میرے شوہر ہی تو ہیں' پھر میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دفن ہوئے' جب بھی میں بغیر احتیاط کے چلی جاتی اور کہتی "انما ھما زوجی وابی" "میرے شوہر اور میرے باپ ہی تو ہیں' پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے' تو میں نہایت احتیاط کے ساتھ چادر سے لپٹی ہوئی حاضر ہوتی' اس طرح کہ کوئی عضو کھلا نہ رہے "حیاء من عمر" عمر رضی اللہ عنہ کی شرم سے۔ تو اگر ارواح کا سمع بصر نہ مانتیں تو پھر "حیاء من عمر" کے کیا معنی؟ (پھر فرمایا) تین باتوں میں ام المومنین کا خلاف مشہور ہے اور ان تینوں میں غلط فہمی' ایک تو یہی سماع موتی کہ وہ سماع عرفی کا جسموں کے واسطے انکار فرماتی ہیں' اور اس کو غلط فہمی سے ارواح کے سماع حقیقی پر محمول کیا جاتا ہے۔ دوسرے معراج کے جسدی کے بارہ میں انکار مشہور ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں: "مافقدت جسد رسول اللہ" جسد اقدس میرے پاس سے کہیں نہ گیا۔ حالانکہ آپ معراج منامی کے بارہ میں فرما رہی ہیں جو مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی۔ اس وقت ام المومنین خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بلکہ نکاح سے بھی مشرف نہ ہوئی تھی اسے اس پر محمول کرنا سراسر غلطی ہے۔ تیسرے علم مافی الغد کے بارہ میں ام المومنین کا قول ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور کو علم مافی الغد (یعنی آنے والی کل کا علم) تھا وہ جھوٹا ہے۔ اس سے مطلق علم کا انکار نکالنا محض جہالت ہے' علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ

کشاف پر میر سید شریف رحمتہ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۲۸۲ - ۲۸۱ ۔حامد اینڈ کمپنی لاہور)

دیوبند کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

سماع موتی کا مسئلہ گزر چکا ہے اور رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (فاطر: ۲۲) سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ قبر والوں کو ایسا پیغام نہیں سناتے جس پر ان کا قبول کرنا مترتب ہو یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ان قبر والوں کو ہمارے اس جہان میں نہیں سناتے اور ان قبر والوں کا سننا عالم برزخ میں ہے۔ اور وہ ہمارے جہان کے اعتبار سے معدوم ہے اور یا یہ آیت اس طرح ہے جس طرح فرمایا ہے وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں۔ (البقرہ: ۱۷۱) یعنی ان کو سننے کے باوجود بہرہ فرمایا۔ اسی طرح یہاں فرمایا کہ آپ ان بہروں کو نہیں سناتے۔ علامہ سیوطی نے کہا وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے' اس کو قبول نہیں کرتے اور اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے اس لیے فرمایا آپ ان کو نہیں سناتے گویا اس آیت میں کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دی ہے۔ (فیض الباری ج ۴' ص ۹۰' مطبوعہ مجلس علمی ہند' ۱۳۵۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

میں یہ کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے کے متعلق احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ امام ابو عمر (ابن عبد البر) نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص مردہ کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر دنیا میں اس کو پہچانتا تھا تو اس کو پہچان لیتا ہے' (یہ روایت بالمعنی ہے) حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے' پس اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' البتہ علامہ ابن الہمام نے یہ کہا ہے کہ سماع موتی میں اصل نفی ہے اور جن مواضع میں سماع ثابت ہے ان کا استثناء کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر اصل میں نفی کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ اور جب فی الجملہ سماع ثابت ہے تو پھر تخصیص کے ادعا کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ "انک لا تسمع الموتی" اور "ما انت بمسمع من فی القبور" اور ان آیتوں سے بظاہر مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی ہوتی ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے سنانے کی نفی کی ہے' سننے کی نفی نہیں کی اور ہماری بحث مردوں کے سننے میں ہے' اور علامہ سیوطی نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے پیغام کو کان لگا کر نہیں سنتے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کا نفع نہیں حاصل کرتے' کیونکہ مردوں کا سماع سے فائدہ حاصل کرنا دنیاوی زندگی میں متصور ہے اور اب اس کا وقت گزر چکا ہے' اسی طرح یہ کفار ہرچند کہ زندہ ہیں لیکن آپ کا ان کو ہدایت دینا غیر مفید ہے کیونکہ یہ نفع نہ اٹھانے میں مردوں میں شامل ہیں۔ پس ان آیتوں سے مردوں کے سننے کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ سننے سے ان کے فائدہ اٹھانے کی نفی مقصود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نفی سماع سے ماننے اور عمل کرنے کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو کتنی مرتبہ نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ یعنی مانتا نہیں اور عمل نہیں کرتا' سو قبر میں مردے بھی سنتے نہیں اور عمل نہیں کرتے۔ اس اعتبار سے زندہ کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ آپ کی بات مانیں گے نہیں اور اس پر عمل نہیں کریں گے' اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب مردوں کے لیے سننا ثابت ہے تو کیا وہ نفع بھی اٹھا سکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ جو لوگ نیکی پر فوت ہوئے وہ سننے سے نفع بھی حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ العیاذ باللہ کفر پر فوت ہوئے تو ان کے لیے نفع کہاں؟ وہ لوگ صرف آواز سنتے ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم قبر میں جس سماع کے ثبوت کے درپے ہیں وہ عالم برزخ میں سماع ہے۔ اور قرآن مجید نے

مردوں کے جس سننے کی نفی کی ہے وہ ہمارے اس عالم کے اعتبار سے ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۲۶۸-۲۶۷ ملخصاً مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

سماع موتیٰ کے ثبوت میں بعض دیگر احادیث اور آثار

اس سے پہلے ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ نے مقتولین بدر کے متعلق صحابہ سے فرمایا (۱) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' اور اس پر مفصل بحث و نظر کا بھی ذکر کیا اور صحیح بخاری' صحیح مسلم اور سنن نسائی کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی (۲) کہ دفن کے بعد قبر میں مردہ جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا اور اس کی تائید میں صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ کے حوالوں سے یہ حدیث بیان کی (۳) کہ نبی ﷺ قبرستان گئے اور فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ یہ سلام کرنا اسی وجہ سے تھا کہ قبر میں مردے سنتے ہیں۔ اب اس کی تائید میں ہم مزید احادیث پیش کر رہے ہیں:

(۴) امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے' اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(الاستذکار' ج ۲' ص ۱۶۵' رقم الحدیث: ۱۸۵۸' مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ' بیروت)

علامہ قرطبی اور علامہ مناوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو التمہید میں بھی روایت کیا ہے لیکن ہم نے التمہید کے دو نسخوں اور فتح المالک میں اس حدیث کو تلاش کیا اس میں یہ حدیث نہیں ہے' امام عبد البر نے اس حدیث کو صرف الاستذکار میں روایت کیا ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے (احیاء العلوم' ج ۴' ص ۴۷۲) اور اس کے حاشیہ پر حافظ عراقی نے لکھا ہے کہ عبد الحق الاشبیلی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے' علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے امام ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو کتاب القبور میں روایت کیا ہے' اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (اتحاف السادۃ المتقین' ج ۱۰' ص ۳۶۶) علامہ زین الدین بن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (احوال القبور' ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۳ھ) محمد ناصر الجیولی نے اس کا دار البرزخ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن عبد البر نے اس حدیث کو الاستذکار اور التمہید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ابو محمد عبد الحق نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم جوزیہ حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو محمد عبد الحق الاشبیلی نے یہ عنوان قائم کیا کہ مردے زندوں کے متعلق سوال کرتے ہیں اور ان کے اقوال اور اعمال کو پہچانتے ہیں پھر کہا کہ امام ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے ایسے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو پس اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے' اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس کو نہ پہچانتا ہو اور سلام کرے' تب بھی وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ عنقریب ہم اس حدیث کو باحوالہ ذکر کریں گے۔ (الروح ص ۱۱-۱۰' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۰ھ)

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس قسم کی احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبر والے کی زیارت کرتا ہے اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے' اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء دونوں کے لیے عام ہے اور اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ مشروع کیا ہے کہ وہ اہل قبور کو سلام کریں جس طرح سننے والے اور عقل والے شخص کو سلام کیا جاتا ہے۔ حافظ عراقی نے کہا ہے کہ امام عبدالبر نے اس حدیث کو التمہید اور الاستذکار میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حافظ عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فیض القدیر ج ۱۰' ص ۵۴۳۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب المتوفی ۴۶۳ھ نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو بندہ بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے' جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا' پس اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۶' ص ۱۳۷' مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' الجامع الصغیر' ج ۲' رقم الحدیث: ۸۰۶۲' شرح الصدور ص ۲۰۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال ج ۱۵' رقم الحدیث: ۴۲۵۵۶' مطبوعہ بیروت)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

(۶) سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جس قبر کے پاس سے گزرتے اس کو سلام کرتے تھے۔

(المصنف ج ۳' رقم الحدیث: ۶۷۲۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: ہم قبروں پر سلام کرنے کے لیے کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین' یرحم الله المستقدمین مناوالمستاخرین' انا انشاء الله بکم لاحقون۔ (المصنف' ج ۳' رقم الحدیث: ۶۷۲۲)

(۸) زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اور ان کے ایک شاگرد ایک قبر کے پاس سے گزرے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا سلام کرو' اس شخص نے پوچھا کیا قبر کو سلام کروں' حضرت ابو ہریرہ نے کہا' اگر اس نے کسی دن دنیا میں تمہیں دیکھ لیا تھا تو وہ اب تمہیں پہچان لے گا۔ (المصنف' ج ۳' رقم الحدیث: ۶۷۲۳)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

(۹) زاذان بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب قبرستان میں داخل ہوتے تو فرماتے اس دیار میں رہنے والے مومنین اور مسلموں پر میرا سلام ہو' تم ہم پر مقدم ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم تمہارے ساتھ ضرور ملیں گے' اور ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۱۰) جندب ازدی بیان کرتے ہیں کہ ہم سلمان کے ساتھ حرہ کی طرف گئے۔ حتیٰ کہ جب ہم قبروں کے پاس پہنچے تو انہوں نے دائیں طرف متوجہ ہو کر کہا' السلام علیکم یا اهل الدیار من المؤمنین والمؤمنات۔ الحدیث۔

(۱۱) مجاہد سے روایت ہے کہ وہ قبروں پر سلام عرض کرتے تھے۔

(۱۲) موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا سالم بن عبداللہ رات ہو یا دن' جس وقت بھی قبر کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے السلام علیکم' میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا ان کے والد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(۱۳) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو ان میں سے کوئی شخص یہ کہے السلام علیکم یا اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم للاحقون انتم لنا فرط ونحن لکم تبع ونسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔

(۱۴) عامر بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی زمین سے لوٹتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو کہتے السلام علیکم وانا بکم للاحقون پھر اپنے اصحاب سے کہتے کہ تم شہداء کو سلام نہیں کرتے تاکہ وہ تمہارے سلام کا جواب دیں۔

(۱۵) عبداللہ بن سعد الجاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم پہچانتے تھے تو کہو 'السلام علیکم اصحاب القبور' اور جب تم ان قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم نہیں پہچانتے تھے تو کہو السلام علی المسلمین۔

(۱۶) ابو مویہبہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ البقیع کی طرف جائیں ان کے لیے دعا کریں اور ان کو سلام کریں۔ (المصنف ج ۳' ص ۳۴۱-۳۳۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد سے لوٹتے ہوئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔ (پھر صحابہ سے فرمایا) تم ان کی زیارت کرو اور ان کو سلام کرو۔ (المعجم الاوسط ج ۴' ص ۳۲۹' رقم الحدیث: ۳۷۱۷' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ)

(۱۸) عبداللہ الاودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کرنا جس طرح حضور ﷺ نے ہمیں مردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے' آپ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو تم اس کی قبر پر مٹی ہموار کر دینا' پھر تم میں سے کوئی شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو جائے' پھر اس کو چاہیے کہ یہ کہے یافلاں بن فلانہ' وہ اس کلام کو سنے گا اور جواب نہیں دے گا' پھر کہے کہ یافلاں بن فلانہ' تو وہ اٹھ کر سیدھا بیٹھ جائے گا پھر کہے یافلاں بن فلانہ' تب وہ مردہ کہے گا اللہ تم پر رحم کرے ہماری رہنمائی کرو۔' لیکن تم کو (ان کے کلام کا) شعور نہیں ہوتا' پس اس شخص کو کہنا چاہیے: یاد کرو جب تم دنیا سے گئے تھے تو یہ شہادت دیتے تھے کہ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ اور تم اللہ کو رب مان کر راضی تھے اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو نبی مان کر اور قرآن کو امام مان کر' پھر منکر اور نکیر میں سے ایک اپنے صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہے گا اب یہاں سے چلو ہم اس شخص کے پاس نہیں بیٹھتے جس کو حجت کی تلقین کر دی گئی ہے' پھر ان کے سامنے اللہ حجت کرنے والا ہوگا' ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ اگر ہمیں اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو آپ نے فرمایا تو پھر اس کو حواء کی طرف منسوب کرے اور کہے یافلاں بن حواء۔

(المعجم الکبیر ج ۸' رقم الحدیث: ۷۹۷۹' مجمع الزوائد' ج ۲' ص ۳۲۴' التذکرہ' ج ۱' ص ۱۲۹' تہذیب تاریخ دمشق' ج ۶' ص ۴۲۴' کنز العمال' رقم الحدیث: ۴۲۴۰۶' ۴۲۹۳۴)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں کہ حافظ ابو محمد عبدالحق اور شیبہ بن ابی شیبہ نے اس حدیث سے استدلال کیا

ہے۔ یہ حدیث احیاء العلوم میں بھی ہے اور بہت علماء نے اس سے استدلال کیا ہے' اور شیخ فقیہ امام مفتی الانام ابوالحسن علی بن هبۃ اللہ شافعی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث پر عمل کر کے میت کو تلقین کرنی چاہیے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۱۲۰' ۱۱۹ ملحصا' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

واضح رہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے آباء کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو امہات کی طرف نسبت کا ذکر ہے یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دفن کے بعد قبر کا واقعہ ہے۔ اس حدیث میں مردہ کے سننے کی صاف تصریح ہے۔ اور چونکہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے اور یہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

ملا علی قاری نے علامہ نووی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک ضعیف حدیث اہل علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے۔ (مرقات' ج ۲' ص ۹۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

امام ابوبکر حسین بن احمد بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

(۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۷' رقم الحدیث: ۹۲۹۶' شرح الصدور ص ۳۰۲)

(۲۰) نیشاپور کے قاضی ابو ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا' اور اس نے کہا میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا' قاضی کے پوچھنے پر بتایا کہ میں کفن چور تھا اور قبروں سے کفن چراتا تھا۔ ایک عورت فوت ہو گئی میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تاکہ میں اس کی قبر دیکھ لوں۔ رات کو میں نے قبر کھودی اور اس کا کفن اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس عورت نے کہا سبحان اللہ! ایک جنتی مرد جنتی عورت کا کفن اتار رہا ہے' پھر اس عورت نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو بخش دیا' جنہوں نے میری نماز جنازہ پڑھی تھی۔

(شعب الایمان' ج ۷' رقم: ۹۲۶۱' شرح الصدور' ص ۳۰۸)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

(۲۱) یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا' حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے' اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا' وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا' اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی' وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی' ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا' جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی اندر آ گئی۔ اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۲۰۱)	بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں' انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں' اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا' اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے' کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں

آیا اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے' باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا' باپ نے پوچھا: اے بیٹے! تم نے کونسی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ گھر والوں نے اسے ہلایا جلایا' لیکن وہ مرچکا تھا' انہوں نے اس کو غسل دیا اور اسے جا کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی' صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو' پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے' حضرت عمر نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دوبار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ترجمہ عمرو بن جامع رقم: ۱۱۴' ج ۱۹' ص ۱۹۱-۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر الاعراف ۲۰۱' ج ۳' ص ۲۶۹' طبع دار الاندلس بیروت' شرح الصدور ص ۲۱۳' طبع دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال ج ۲' ص ۵۱۷-۵۱۶' رقم الحدیث: ۴۶۳۳)

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

(۲۲) عطاء بن یسار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبرستان میں جاتے اور فرماتے "السلام علیکم دار قوم مؤمنین!" ہمارے پاس اور تمہارے پاس وہ چیز آچکی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں' اے اللہ! بقیع الغرقد والوں کی مغفرت فرما۔

جن علماء کا یہ مذہب ہے کہ مردوں کی روحیں قبروں کے صحنوں پر ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں میں پڑے ہوئے مردوں کو خطاب فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' مگر یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (الی قولہ) قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ لوگوں کی جوتیوں سے چلنے کی آواز سنتا ہے' اور ان امور کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی ان کو صرف تسلیم کیا جائے گا اور ان کی اتباع کی جائے گی۔ امام عبد البر فرماتے ہیں جو شخص قبرستان میں جائے وہ ان کو سلام کرے اور وہ الفاظ کہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ (التمہید ج ۲۰' ص ۲۴۰' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ المکرمہ' ۱۴۱۶ھ)

(۲۳) عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود نہ پایا میں آپ کے پیچھے گئی' آپ بقیع کے قبرستان میں گئے تو آپ نے فرمایا السلام علیکم دار قوم مؤمنین! تم ہمارے پیش رو ہو' اور بیشک ہم تم سے ملنے والے ہیں' اے اللہ! ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ہم کو ان کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔ (التمہید' ج ۲۰' ص ۲۴۱' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ المکرمہ' ۱۴۱۶ھ)

(۲۴) روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قبرستان میں گئے اور قبروں کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز سے ندا کی اے اہل قبور! آیا تم ہمیں اپنی خبریں دو گے یا ہم تمہیں خبریں سنائیں؟ ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے اور عورتوں نے دوسری شادیاں کر لیں' اور تمہارے گھروں میں اب تمہارے سوا اور لوگ رہتے ہیں' یہ ہماری خبریں ہیں' اب تم ہمیں اپنی خبریں سناؤ' پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو! اللہ کی قسم! اگر یہ جواب دینے کی طاقت رکھتے تو یہ

کہتے کہ ہم نے تقویٰ سے بہتر کوئی زاد راہ نہیں پایا۔

(۲۵) ابو عثمان النہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سخت گرم دن میں نکلا اور قبرستان میں گیا' وہاں دو رکعت نماز پڑھی' پھر ایک قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک آواز سنی "میرے پاس سے ہٹ جا' اور مجھے ایذا نہ پہنچا" تم جو کہتے ہو تمہیں اس کا علم نہیں ہے اور ہمیں علم ہے اور ہم کہتے نہیں ہیں' تمہاری یہ دو رکعت نماز مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

(۲۶) ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ میں قبرستان میں جا رہا تھا' اچانک میں نے غیب سے ایک آواز سنی: اے ثابت ہماری خاموشی سے دھوکا نہ کھانا' یہاں پر کتنے ہی لوگ مغموم ہیں۔

(۲۷) امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بقیع الغرقد کے پاس سے گزرے تو فرمایا السلام علیکم اہل القبور! ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری بیویوں نے شادیاں کر لیں' اور تمہارے گھروں میں اب اور لوگ رہتے ہیں' اور تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے' تو غیب سے آواز آئی: اے عمر بن الخطاب! ہماری خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو نیک اعمال بھیجے تھے وہ مل گئے' اور ہم نے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا اس کا نفع پا لیا' اور ہم نے جو اپنے پیچھے مال چھوڑا وہ گھاٹا تھا۔ (التمہید ج ۲۰' ص ۲۴۲ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ المکرمۃ' ۱۴۱۶ھ)

ہمارے زمانہ میں بعض لوگ سماع موتی کا شدت سے انکار کرتے ہیں' اس لیے میں نے احادیث صحیحہ و مقبولہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے اور مذاہب اربعہ کے مستند علماء کی تصریحات بھی پیش کی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ علامہ قرطبی مالکی' علامہ نووی شافعی' علامہ ابن قیم حنبلی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رضا بریلوی اور مکتب فکر دیوبند کے محدث شیخ انور شاہ کشمیری کی تصریحات بھی پیش کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو اثر آفریں بنا دے (آمین) انشاء اللہ النمل: ۸۰ اور فاطر: ۲۲ میں اس پر مزید بحث کی جائے گی۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ الراشدین وعلماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو جب جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو' اور جس شخص نے جنگ کی حکمت عملی یا ایک جماعت سے ملنے (کے قصد) کے بغیر میدان جنگ سے پیٹھ پھیری تو بیشک وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ (الانفال: ۱۶-۱۵)

زحف کا معنی

الانفال کی آیت ۱۵ میں "زحفا" کا لفظ ہے' زحف کا لغوی معنی ہے: بچہ کا سرین یا گھٹنے کے بل آہستہ آہستہ گھسٹنا اور "زحف العسکر الی العدو" کا معنی ہے: لشکر کا کثرت کے سبب سے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا' زحف البعیر کا معنی ہے اونٹ کا تھک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا' اس آیت میں زحف سے مراد ہے دشمن کا بہت بڑا لشکر کیونکہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کے لشکر کی تعداد تین گنا زیادہ تھی۔ (المفردات ج ۱' ص ۲۸۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

میدان جنگ سے پسپائی کی دو جائز صورتیں

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی فوج کی پسپائی جنگ کی کسی حکمت عملی کی بنا پر ہو' مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ موثر ہو تو اس صورت میں مسلمان فوج کا پسپا ہونا جائز ہے۔ اور جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان سپاہیوں کی ایک جماعت مرکزی فوج سے بچھڑ گئی ہے اب وہ اپنے بچاؤ کے لیے پسپا ہو کر مرکزی فوج سے ملنا چاہتی ہے تو اس قسم کی پسپائی بھی جائز

ہے' مسلمان فوج کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا صرف اس صورت میں ناجائز اور حرام ہے جبکہ وہ بزدلی سے محض جنگ سے بچنے کی خاطر میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگے۔

میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا بہت سخت گناہ اور اکبرا لکبائر میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے اجتناب کرو' پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ کون کون سی چیزیں ہیں' آپ نے فرمایا:

۱- اللہ کا شریک بنانا۔

۲- جادو کرنا۔

۳- جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔

۴- یتیم کا مال کھانا۔

۵- سود کھانا۔

۶- جنگ کے دن دشمن سے پیٹھ پھیرنا۔

۷- بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگانا۔

(صحیح مسلم الایمان: ۱۴۵ (۸۹) ۲۵۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دگنی یا اس سے کم ہو تو پھر مسلمانوں کا میدان سے بھاگنا جائز نہیں

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ میدان جنگ میں مسلمان کافروں کو پیٹھ نہ دکھائیں اور یہ حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ کفار مسلمانوں سے تعداد میں دگنے سے زیادہ نہ ہوں' اگر کفار مسلمانوں سے دگنے ہوں تو پھر مسلمانوں کا ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ تین گنے زیادہ ہوں اور پھر مسلمان ان سے پیٹھ موڑ کر بھاگیں تو پھر یہ حرام اور ناجائز نہیں ہے' ابن ماجشون نے یہ کہا ہے کہ فوج کے ضعف' قوت اور عدد کی رعایت کی جائے گی' اگر کافر فوج کی تعداد ایک سو ہو اور مسلمان بھی ایک سو ہوں' لیکن وہ بہت ہٹے کٹے اور قوی اور توانا ہوں اور مسلمان دبلے پتلے اور کمزور ہوں تو عدد میں برابر ہونے کے باوجود مسلمانوں کا ایسے کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا دو سو کافروں سے کسی حال میں بھاگنا جائز نہیں ہے اور اگر کافر دو سو سے زیادہ ہوں تو ان سے بھاگنا اگرچہ جائز ہے لیکن صبر و استقامت سے ان کے مقابلہ پر جمے رہنا اور ڈٹے رہنا احسن اور افضل ہے' غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کافروں کے مقابلہ پر تھے ان میں ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ مستعرب تھے۔

فتح اندلس کی تاریخ میں مذکور ہے کہ جب ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلام طارق سترہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر اندلس پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے' ان کے مقابلہ میں عیسائی حکمران ذریق ستر ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ طارق صبر و استقامت کے ساتھ ذریق سے جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے طارق کو فتح یاب کیا اور ذریق شکست کھا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۳۴۱-۳۴۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے دگنی تعداد میں کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے:

فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ- (الانفال: ۶۶)

پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت قیامت تک کے لیے عام ہے یا یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنے کی ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ ممانعت قیامت تک کے لیے ہے۔

ابونضرہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ ممانعت یوم بدر کے ساتھ مخصوص تھی اور مسلمانوں کے لیے اس دن بھاگنا جائز نہ تھا' اور اگر وہ بھاگتے تو مشرکین ہی کی سمت بھاگتے' کیونکہ روئے زمین پر اس وقت ان کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۲۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت یوم بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۸' السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۲۰۳' المستدرک ج ۲' ص ۳۲۷' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۳۷۷' ج ۹' ص ۲۶۶' الدر المنثور ج ۴' ص ۳۶)

حضرت ابوسعید نے کہا یہ آیت خصوصیت سے اہل بدر کے متعلق ہے' حضرت عمر بن الخطاب' حضرت ابن عمر' نافع' عکرمہ' الحسن' ضحاک' قتادہ' ربیع بن انس' ابونضرہ' یزید بن ابی حبیب اور سعید بن جبیر کا بھی یہ قول ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۷۰' رقم الحدیث: ۸۸۹۲' ۸۸۹۱' مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم بدر کے دن تھا اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مسلمانوں کی اور کوئی جماعت نہیں تھی' لیکن اب بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی جماعت ہیں۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ فرار صرف بدر کے دن تھا کیونکہ اس دن مسلمانوں کی کوئی جائے پناہ نہیں تھی جہاں پناہ حاصل کرتے اور آج کل فرار نہیں ہے۔

یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن بھاگنے والوں کے لیے دوزخ کو واجب کیا ہے' اور احد کے دن بھاگنے والوں کے متعلق فرمایا:

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ

(آل عمران: ۱۵۵)

شیطان ہی نے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے ان کے قدم پھسلا دیے تھے اور بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

اور اس کے سات سال بعد جنگ حنین میں بھاگنے والوں کے متعلق فرمایا:

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ- (التوبہ: ۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں گھمنڈ میں ڈال دیا تو اس (کثرت) نے کسی چیز کو تم سے دور نہ کیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور پھر تم پیٹھ پھیر کر لوٹے۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۲۷) پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمالیتا ہے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(جامع البیان جز۹' ص ۲۶۸-۲۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور قیامت تک مسلمانوں پر مذکور الصدر دو صورتوں کے سوا میدان جنگ سے اس وقت تک بھاگنا جائز نہیں ہے جب تک کہ دشمن کی تعداد دگنے سے متجاوز نہ ہو' اور یہ آیت محکم ہے اور اس کا کوئی ناسخ نہیں ہے' اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمان اگر بھاگتے تو مشرکین ہی کی طرف بھاگتے کیونکہ مدینہ میں انصار مسلمین موجود تھے' اور جنگ احد اور جنگ حنین میں بھاگنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا' اور اللہ تعالیٰ کا معافی کا اعلان کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہو گیا تھا' لیکن انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اس آیت کے محکم ہونے اور قیامت تک واجب العمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت جنگ بدر میں قتال اور جنگ ختم ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے' امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔

اگر دشمن کی تعداد دگنی ہو یا دگنی سے کم ہو اور پھر کوئی مسلمان جنگ سے بچنے کی کوشش کے لیے دشمن سے پیٹھ موڑ کر بھاگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے' اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے' اس کو معاف کر دے گا۔ حضرت زید ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا "استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ" تو اس کی مغفرت کردی جائے گی خواہ وہ میدان جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی جس وقت آپ نے وہ خاک پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی تاکہ وہ مومنوں کو اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے' بے شک اللہ بہت سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے○ یہ تو تمہارے ساتھ معاملہ ہے اور اللہ کفار کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۱۸-۱۷)

مسلمانوں سے کفار بدر کے قتل کی نفی کے محامل

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں:

جنگ بدر کے دن صحابہ آپس میں بحث کرنے لگے' ایک نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے' تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کو قتل نہیں کیا' لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۶۷۲' جامع البیان ج ۹' ص ۲۷۰' الدر المنثور' ج ۴' ص ۳۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ان کو قتل کرنے پر فخر نہ کرو' اگر اللہ تمہاری مدد نہ فرماتا اور تمہیں حوصلہ اور قوت نہ عطا فرماتا تو تم ان کو قتل نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے بظاہر تم نے ان کو قتل کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کو اللہ نے قتل کیا ہے' یا تم نے ان کو کسباً قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو خلقاً قتل کیا ہے۔ یا تم نے ان کو صورۃً قتل کیا ہے اور اللہ نے ان کو معناً قتل کیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر اچھے اور نیک کام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی چاہیے اور جب انسان اللہ کی توفیق سے کوئی اچھا اور نیک کام کرے تو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

وما رمیت اذ رمیت کے شان نزول میں مختلف اقوال

اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کرتے ہیں:

ابی بن خلف نبی ﷺ کے پاس ایک ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ) جب یہ ہڈی بوسیدہ ہو جائے گی تو اس کو کون زندہ کرے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس کو زندہ کرے گا' پھر تجھ پر موت واقع کرے گا' پھر تجھ کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ جنگ احد کے دن ابی بن خلف نے کہا اللہ کی قسم! میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کو دیکھتے ہی قتل کر دوں گا' جب نبی ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ انشاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۲۷۲' مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں:

جنگ احد کے دن ابی بن خلف اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا حتیٰ کہ نبی ﷺ کے قریب پہنچ گیا' مسلمان اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا ٹھہرو ٹھہرو! نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک میں نیزہ پکڑا اور ابی بن خلف کی طرف تاک کر مارا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی توڑ دی' ابی بن خلف زخمی ہو کر اپنے اصحاب کی طرف پلٹا' اس کے اصحاب اس کو اٹھا کر لے گئے اور کہا خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ یہ سن کر ابی بن خلف نے کہا خدا کی قسم! اگر میں لوگوں کے درمیان ہوتا تو وہ پھر بھی مجھے قتل کر دیتے' کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انشاء اللہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ اس کے اصحاب اس کو بے ہوشی کی کیفیت میں لے گئے وہ راستہ ہی میں مرگیا اور انہوں نے اس کو وہیں دفن کر دیا' ابن المسیب نے کہا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی "وما رمیت اذ رمیت" یعنی آپ نے وہ نیزہ نہیں مارا' جب آپ نے نیزہ مارا تھا' لیکن اللہ نے وہ نیزہ مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' ص ۱۶۷۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۳۴۴' الدر المنثور ج ۴' ص ۴۱' المستدرک ج ۲' ص ۳۲۷' اسباب النزول رقم الحدیث: ۴۷۱)

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے:

امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اور امام علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگوائی' تو ایک بہت لمبی کمان لائی گئی' آپ نے فرمایا کوئی اور کمان لاؤ' تو ایک درمیانی کمان لائی گئی رسول اللہ ﷺ نے اس کمان سے یہودیوں کے قلعہ کا نشانہ لگا کر تیر مارا جو کنانہ بن ابی الحقیق کو جا کر لگا جو اس وقت بستر پر لیٹا ہوا تھا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" یعنی آپ نے تیر نہیں مارا' جس وقت آپ نے تیر مارا تھا لیکن اللہ نے وہ تیر مارا تھا۔

(تفسیر امام ابن حاتم' ج ۵' ص ۱۶۷۴-۱۶۷۳' اسباب نزول القرآن' رقم الحدیث: ۴۷۲' الدر المنثور ج ۴' ص ۴۱)

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے: اور یہی جمہور مفسرین کا مختار ہے:

جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا یہ لوگ روسیاہ ہو جائیں تو وہ خاک سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بڑھ کر ان کو قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے اور ان کی شکست کا اصل سبب خاک کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے پھینکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" اور (اے رسول معظم!) آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔

(جامع البیان جز ۹ ص ۲۷۰۲-۲۷۰۲ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۷۳ اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۴۷۳ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۳۱۲۸ حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۴ الدر المنثور ج ۴ ص ۴۰)

نبی ﷺ سے خاک کی مٹھی پھینکنے کی نفی اور اثبات کے محامل

اس آیت سے پہلے نبی ﷺ سے خاک کی مٹھی پھینکنے کی نفی کی ہے اور پھر اس کو ثابت کیا ہے اور بظاہر یہ تعارض ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ نفی اور اثبات کے محمل الگ الگ ہیں اور معنی اس طرح ہے: آپ نے خاک کی مٹھی حقیقتاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی بظاہر پھینکی تھی یا آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی' یا آپ نے خاک کی مٹھی معناً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی صورۃً پھینکی تھی' یا آپ نے خاک کی مٹھی عادۃً نہیں پھینکی جب آپ نے خاک کی مٹھی خلاف عادت پھینکی تھی۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے محمد! (ﷺ) آپ نے خاک کی مٹھی اس طرح نہیں پھینکی کہ آپ تمام کافروں کی آنکھوں میں وہ خاک پہنچادیں' جب کہ آپ نے صورۃً خاک کی مٹھی پھینکی تھی' لیکن یہ مقصود اللہ نے پورا کیا اور وہ خاک تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچادی حتیٰ کہ وہ سب شکست کھا گئے اور آپ کافروں کی جڑ کاٹنے پر قادر ہوگئے۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی پھینک کر ان کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک پھینکی تھی لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۳ ص ۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۶ھ)

علامہ منصور بن الحسن القرشی المتوفی ۸۶۰ھ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

زیادہ مناسب یہ معنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاک کی مٹھی حقیقتاً پھینکی تھی' لیکن اس خاک کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ (حاشیہ الکازرونی ج ۳ ص ۹۶-۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ آپ نے خلقاً اور حقیقتاً خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً اور صورۃً خاک کی مٹھی پھینکی تھی' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ تمام بندوں کے افعال اسی طرح ہیں' ظاہراً اور کسباً بندے فعل کرتے ہیں اور حقیقتاً اور خلقاً اللہ تعالیٰ فعل کرتا ہے۔ یعنی فعل کا کسب بندہ کرتا ہے اور فعل کا خلق اور اس کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے' تو پھر نبی ﷺ کے خاک کی مٹھی پھینکنے کی کیا خصوصیت تھی جو یہ فرمایا کہ آپ نے حقیقتاً خاک نہیں پھینکی جب آپ نے بظاہر خاک پھینکی تھی' جب کہ تمام بندوں کے افعال اسی طرح ہیں۔ اس کے جواب میں' میں یہ کہتا ہوں کہ بندہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قدرت پیدا کی ہے جو اللہ کے اذن سے موثر ہوتی ہے پس جب اللہ سبحانہ چاہتا ہے تو وہ قدرت موثر ہوتی ہے اور جب وہ نہیں چاہتا تو وہ قدرت موثر نہیں ہوتی' یہ بات نہیں ہے کہ بندہ میں بالکل قدرت نہ ہو جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ بندہ کی ایسی قدرت موثرہ ہے کہ اللہ جس فعل کو کرنا نہ چاہے بندہ اس فعل کو بھی کرے' اور جب یہ معاملہ اس طرح ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی ﷺ نے جو خاک پھینکی تھی یہ وہی پھینکنا ہو' جس پر وہ عظیم اثر مرتب ہوا اور نبی ﷺ نے حقیقتاً یہ فعل کیا اور یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ کو عطا کی گئی تھی اور جو اللہ کے اذن سے موثر تھی۔ لیکن چونکہ یہ فعل خلاف عادت اور خلاف معمول تھا کیونکہ معروف اور معمول یہ ہے کہ بندہ کو جو قدرت دی جاتی ہے اس سے اس قسم کے عظیم آثار پیدا نہیں ہوتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نبی ﷺ سے نفی کی اور اس فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ گویا کہ یوں

کہا گیا کہ خاک کی اس مٹھی کا پھینکنا ہر چند کہ حقیقتاً آپ سے صادر ہوا ہے اس قدرت کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کے اذن سے موثر ہوئی ہے لیکن چونکہ یہ بہت عظیم الشان کام ہے اور عادۃً افعال بشر کے خلاف ہے تو گویا کہ یہ فعل آپ سے صادر نہیں ہوا' بلکہ اللہ جل شانہ سے بلاواسطہ صادر ہوا ہے' اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ آپ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب نہیں کیا جب آپ نے خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اللہ نے خاک پھینک کر ان کو مرعوب کیا اور اس طرح دونوں آیتوں کا فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اللہ نے قتل کی نفی کی اور اپنی طرف قتل کرنے کی نسبت کی اور فرمایا سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن ان کو اللہ نے قتل کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس فعل کو ثابت نہیں کیا اور نبی ﷺ کے متعلق فرمایا آپ نے خاک نہیں پھینکی جب آپ نے خاک پھینکی تھی' پہلے آپ سے اس فعل کی نفی کی پھر آپ کے لیے اس فعل کو ثابت کیا' اور وجہ فرق یہ ہے کہ قتل کرنا دنیا اس قدر مستبعد اور محیر العقول کام نہیں تھا اس لیے عام اصول کے مطابق فرمایا کہ تم نے حقیقتاً ان کو قتل نہیں کیا جب تم نے ان کو ظاہراً قتل کیا تھا' اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو خاک پھینکی وہ تمام کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور وہ مرعوب ہو کر شکست کھا گئے اور چونکہ یہ فعل عام افعال بشر کے منافی تھا اس لیے پہلے اس کی آپ سے مبالغۃً نفی کی اور پھر اس کو حقیقتاً آپ کے لیے ثابت کیا اور چونکہ آپ نے حقیقتاً یہ فعل اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے کیا تھا اس لیے فرمایا اللہ نے یہ خاک پھینکی تھی۔ (روح المعانی' جز ۹' ص ۱۸۷-۱۸۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

معجزات کا مقدور ہونا

نبی ﷺ کا خاک کی اس مٹھی کو پھینکنا معجزہ تھا اور علامہ آلوسی کی تحقیق اور تقریر کے مطابق آپ نے یہ خاک اللہ سبحانہ کی دی ہوئی قدرت سے پھینکی تھی جو اس کے اذن سے موثر تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کی قدرت اور ان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ البتہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جزی فعل کے صدور کے وقت تازہ اذن لیا جائے بلکہ اس کے لیے اذن کلی کافی ہے۔ جیسے شفاعت بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے لیے بھی اذن مطلق کافی ہے اور ہر جزی شفاعت کے لیے تازہ اذن لینا ضروری نہیں۔ چنانچہ بکثرت احادیث میں ہے کہ صحابہ آپ سے استغفار کی درخواست کرتے اور آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور کہیں یہ وارد نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کے لیے اذن لیتے پھر استغفار کرتے' سو یہی حال معجزات کا ہے۔

اچھی آزمائش کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ وہ مومنوں کو اچھی آزمائش کے ساتھ گزارے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں آزمائش کا معنی انعام ہے' یعنی نبی ﷺ کے اس خاک پھینکنے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عظیم نعمت عطا فرمائے گا اور وہ نعمت معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہے اور مال غنیمت اور اجر و ثواب ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معرکہ بدر کی فتح کے بعد اللہ عزوجل مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالے گا کہ اس کے بعد کی جنگوں میں وہ بدر کی فتح کے گھمنڈ میں چور ہو جاتے ہیں یا حسب سابق عجز و نیاز کے پیکر بنے رہتے ہیں یا آئندہ وہ اپنی قوت اور عددی برتری پر اتراتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر نگاہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا "اللہ کفار کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے" یعنی اللہ سبحانہ کفار کے دلوں میں رعب ڈال دے گا' حتیٰ کہ وہ بکھر کر کمزور ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آپ ان کافروں سے کہئے کہ:) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے اور اگر تم (کفر اور شرک سے) باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے'

اور تمہارا گروہ خواہ کتنا زیادہ ہو وہ تمہارے کسی کام نہ آسکے گا اور بیشک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال: ۱۹)

اللہ نیک مسلمانوں کی نصرت اور حمایت فرماتا ہے' بدکاروں کی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے سامنے فیصلہ آچکا ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کی طرف متوجہ ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زہری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابو جہل بن ہشام نے دعا کی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اور رشتہ کو منقطع کرنے والا ہو' اس کو آج کے دن ہلاک کردے' اس کی مراد تھی سیدنا محمد ﷺ اور اس کی اپنی ذات میں سے جو جھوٹا ہو۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ سے نبی ﷺ کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ! ان دو لشکروں میں سے جو زیادہ عزیز ہو' اور ان دو جماعتوں میں سے جو زیادہ مکرم ہو' اور ان دو قبیلوں میں سے جو زیادہ بہتر ہو اس کو فتح عطا فرما۔

ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب مشرکین روانہ ہوئے تو وہ اپنے قافلہ کو دیکھ رہے تھے اور قافلے والوں ابو سفیان اور اس کے اصحاب نے مشرکین کی طرف مدد مانگنے کا پیغام بھیجا تھا۔ تب ابو جہل نے دعا کی: اے اللہ! ہم دونوں میں سے جو تیرے نزدیک بہتر ہو اس کی مدد فرما۔ (جامع البیان ج ۹' ص ۲۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے پھر یہی حرکت کی تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے۔ اس میں بھی کفار کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول سے عداوت رکھنے' ان کی تکذیب کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے سے باز آگئے تو یہ دنیا میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم قتل کیے جانے' قیدی بنائے جانے اور بہ طور غنیمت تمہارے اموال کے لیے جانے سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم دائمی عذاب سے بچ جاؤ گے اور ثواب سے مالا مال کیے جاؤ گے' اور اگر تم نے دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کی تو ہم دوبارہ مسلمانوں کو تم پر مسلط کردیں گے اور تم غزوہ بدر میں مشاہدہ کرچکے ہو کہ اللہ کی تائید اور نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے اور تم کتنی ہی بھاری جمعیت کو لے کر کیوں نہ آؤ' وہ تم کو شکست سے نہیں بچا سکتی۔ اور اگر ان آیات کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے' تو معنی اس طرح ہوگا:

جب نبی ﷺ اور مسلمانوں نے کفار کے بہت بڑے لشکر کو دیکھا تو نبی ﷺ اور صحابہ نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر فتح اور نصرت کی دعا کی اور کہا اے اللہ! تو نے کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا ہم سے وعدہ کیا ہے سو وہ ہمیں عطا فرما' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے ہم سے فتح طلب کی تھی سو لو اب فتح آچکی ہے۔ اور اگر تم انفال (اموال غنیمت) میں جھگڑا کرنے سے باز آ گئے اور قیدیوں کا فدیہ لینے سے رک گئے تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم ان جھگڑوں کی طرف دوبارہ پلٹ گئے تو ہم تمہاری مدد کرنے سے رک جائیں گے کیونکہ ہم نے تم سے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے' وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم دائما ہماری اطاعت کرو گے اور ہماری نافرمانی نہیں کرو گے' اور اگر تم اسی روش پر برقرار رہے تو تمہاری تعداد کی کثرت بھی تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی مسلمانوں کی نصرت اور حمایت کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے اعراض نہ کرو

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ

جب کہ تم سن رہے ہو ○ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ

لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ

نہیں سنتے تھے ○ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں

الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ

جو عقل سے کام نہیں لیتے ○ اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا،

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے ○ اے ایمان والو!

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا

اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ○

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا

اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ

اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ اور یاد کرو جب تم کم تعداد میں تھے، زمین میں کمزور سمجھے

فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ

جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں ملیامیٹ کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے

بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ يَا أَيُّهَا

تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو ○ اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ

اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تمہیں

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ

علم ہو ○ اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور

اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع

بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے ○

ع ٣ ١٧

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے اعراض نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو ○ (الانفال: ٢٠)

رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کا واجب ہونا

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ فرمایا ہے کہ جب تم کسی چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا حکم سن رہے ہو تو اس حکم کی اطاعت کرو اور اس حکم سے اعراض نہ کرو۔ اس جگہ یہ نہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ کون سا حکم سن رہے تھے جس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور اس سے اعراض کرنا حرام ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حکم کا ذکر نہ کر کے اس کے عموم پر متنبہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے اور جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو کوئی حکم دیں تو ان کے لیے اس حکم پر عمل کرنے یا عمل نہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب: ٣٦)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں کوئی اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں چونکہ غزوہ بدر اور جہاد کا ذکر آ رہا تھا تو اس قرینہ سے یہاں بھی جہاد کا حکم دینا مراد ہے اور جہاد میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں انسان پر بہت دشوار ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کی وجہ سے خصوصاً جہاد کے حکم میں آپ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہر چند کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا واحد ہونا

اس آیت میں دوسری بحث یہ ہے کہ پہلے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر فرمایا "اور اس سے اعراض نہ کرو" چونکہ پہلے دو کی اطاعت کا ذکر ہے اس لیے بہ ظاہر تثنیہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی یعنی ان سے اعراض نہ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے پیٹھ

نہ پھیرو- اور پیٹھ پھیرنا اور اعراض کرنا رسول اللہ ﷺ کے حق میں متصور ہو سکتا ہے اس لیے واحد کی ضمیر ذکر کی اور مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اعراض نہ کرو۔(تفسیر کبیر' ج۵' ص۴۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واحد ہے الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر ذکر کی ہے کہ اس کی اطاعت سے اعراض نہ کرو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (المائدہ: ۱۶-۱۵) — بے شک تمہارے پاس آگیا اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین ○ اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہ پر لاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے نور اور کتاب مبین (یعنی رسول ﷺ اور قرآن مجید) اس لیے یہاں بھی بہ ظاہر تثنیہ کی ضمیر ذکر کرنی چاہیے تھی۔ یعنی اللہ ان کے ذریعہ ۔۔۔۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کی ہدایت واحد ہے اس پر متنبہ کرنے کے لیے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس کی ایک اور نظیر یہ آیت ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ: ۶۲) — اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے کہ اس کو راضی کیا جائے۔

یہاں بھی پہلے اللہ اور رسول کا ذکر ہے تو بہ ظاہر تثنیہ کی ضمیر لانی تھی لیکن واحد کی ضمیر لائی گئی ہے تاکہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے' الگ الگ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے○ (الانفال: ۲۱)

یہ آیت اس سے پہلی آیت کی تاکید ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے لیے کسی حکم کو قبول کرنا اس حکم کو سننے کے بعد ہی ممکن ہے' اس لیے کسی حکم کو سننا اس کو قبول کرنے سے کنایہ ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ کا معنی ہے جس نے اللہ کی حمد کی اللہ نے اس کو قبول کر لیا۔ پس اس آیت میں یہ فرمایا ہے تم ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جو زبان سے کہتے ہیں ہم نے اللہ کے احکام کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دلوں سے قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ منافقین کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے○ (الانفال: ۲۲)

عربی میں دابہ چوپایہ کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں کفار کو جانوروں اور چوپایوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح جانور کسی نصیحت سے نفع حاصل نہیں کرتے اسی طرح یہ کفار بھی کسی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق فرمایا یہ بہرے اور گونگے ہیں' کیونکہ یہ کسی حکم کو سن کر اس کو قبول نہیں کرتے اور کسی وعظ اور نصیحت کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اپنی زبان سے کبھی سچ بولتے ہیں نہ سچائی کا اعتراف کرتے ہیں' سو یہ اپنے کانوں اور اپنی زبانوں سے کام نہیں لیتے

اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے○ (الانفال: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی معلومات واقعیہ اور اس کی معلومات فرضیہ

اس آیت کا لفظی معنی اس طرح ہے اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہوتا تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے اور اللہ کو جس چیز کے ہونے کا علم نہ ہو اس کا ہونا محال ہے' یعنی اللہ کو اس چیز کے متعلق یہ علم ہوگا کہ وہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز فی نفسہ نہ ہو اور اللہ کو یہ علم ہو کہ وہ ہے تو یہ علم خلاف واقع ہوگا' اور جو علم خلاف واقع ہو وہ جہل ہوتا ہے' اور اللہ کا علم واقع کے مطابق ہے' لہٰذا جو چیز ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہوگا کہ وہ ہے اور جو چیز نہیں ہے اس کے متعلق اللہ کو علم ہوگا کہ وہ نہیں ہے' اور چونکہ ان میں کوئی خیر نہیں تھی اس لیے اللہ کو علم تھا کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہوتا یعنی اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم نہیں ہے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہوتا تو وہ ان کو دین حق کے دلائل اور آخرت کے متعلق نصیحتیں سناتا اور ان کے ذہنوں اور دماغوں میں اس کی فہم پیدا کرتا' اور اگر وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور وہ دلائل اور نصائح سے کوئی نفع حاصل نہیں کریں گے' پھر بھی ان کو دلائل اور نصائح سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی معلومات کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تمام موجودات (۲) تمام معدومات (۳) اگر ہر موجود نہ ہوتا تو اس کا کیا حال ہوتا (۴) اگر ہر معدوم موجود ہوتا تو اس کا کیا حال ہوتا۔ پہلی دو قسموں کا علم واقع کا علم ہے اور بعد کی دو قسموں کا علم مفروضات کا علم ہے اور یہ واقعات کا علم نہیں ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں منافقین کے متعلق یہ آیت ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ○ (الحشر: ۱۲-۱۱)

کیا آپ نے ان منافقوں کو نہ دیکھا جو اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے متعلق ہم کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ (منافق) یقیناً جھوٹے ہیں○ اگر وہ (اہل کتاب) نکالے گئے تو منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو وہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی○

اس آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ اگر منافقوں نے اہل کتاب کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یہ مفروضات کا علم ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ منافقین کا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ وہ اہل کتاب کی مدد کریں گے تو ان کا اہل کتاب کی مدد کرنا محال ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بر سبیل فرض فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے ان کی مدد کی تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

اور مفروضات کے علم کی دوسری مثال یہ آیت ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: ۲۸) — اور اگر (بالفرض) یہ کافر دنیا میں دوبارہ بھیج دیے گئے تو پھر یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر معدوم چیز موجود ہو جائے تو اس کا کیا حال ہو گا اور یہ ایک فرضی چیز کی مثال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۷۱-۴۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں اس کی اور بھی مثالیں ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ○ (الزخرف: ۸۱) — آپ کہیے اگر (بالفرض) رحمان کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔

اس آیت میں بھی معدوم چیز کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ بھی فرضی چیز کا علم ہے۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۲) — اگر زمین و آسمان میں (بالفرض) اللہ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام الٹ پلٹ ہو جاتا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس: ۹۴) — پس اگر (بالفرض) آپ کو اس چیز کے متعلق شک ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

آپ کا قرآن مجید میں شک کرنا معدوم ہے لیکن بالفرض اگر اس کا وقوع ہو تو اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵) — اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

آپ کا شرک کرنا محال ہے لیکن یہ فرض وقوع اس کا حال بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو' جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ○ (الانفال: ۲۴)

فرض نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا واجب ہے' اور نفل نماز میں ماں کے بلانے پر

جب کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اس کی ماں اس کو نماز میں بلائے تو اس پر واجب ہے کہ نماز توڑ کر ماں کے بلانے پر حاضر ہو جائے البتہ باپ کے بلانے پر نفل نماز نہ توڑے۔

امام بیہقی نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ جب تمہاری ماں تمہیں اس حال میں بلائے کہ تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کے پاس حاضر ہو' اور جب تمہیں تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث: ۷۸۸۳' الدر المنثور' ج ۴' ص ۱۷۴' طبع قدیم' مطبعہ المیمنہ' مصر' ۱۳۱۴ھ)

امام ابن ابی شیبہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری ماں تم کو نماز میں بلائے تو

اس کی خدمت میں حاضر ہو اور جب تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو۔

(الکتاب المصنف ج ۲، ص ۱۹۳، رقم الحدیث: ۸۰۱۳، امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو مکحول سے بھی روایت کیا ہے، رقم الحدیث: ۸۰۱۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اور فرض نماز میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی دلیل مذکور الصدر قرآن مجید کی آیت ہے اور درج ذیل احادیث ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا پس میں حاضر نہیں ہوا۔ (جب میں نے نماز پڑھ لی) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو (الانفال: ۲۴) امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اس طرح روایت کیا ہے: میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: میرے بلانے پر تم کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۴، ۴۶۴۷، ۴۷۰۳، ۵۰۰۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۸۵، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۳۳۷۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۳۶۸، مسند احمد ج ۴، ص ۲۱۱، المعجم الکبیر ج ۲۲، ص ۳۰۳)

اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یا ابی! حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وعلیک السلام! اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی: اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! اور میں انشاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ امام رویانی نے یہ کہا ہے کہ نماز میں آپ کے بلانے پر جانا واجب نہیں ہے اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نمازی یہ دیکھے کہ تاخیر سے کوئی حادثہ ہو جائے گا تو وہ نماز توڑ دے، مثلاً وہ دیکھے کہ ایک نابینا شخص کنوئیں کی سیدھ میں جا رہا ہے اور اگر اس نے اس کو متنبہ نہ کیا تو وہ کنوئیں میں گر جائے گا تو وہ نماز توڑ دے۔ (روح المعانی، جز ۹، ص ۱۹۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مسلمانوں کے حق میں کیا چیز حیات آفریں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو، مفسرین کا اس میں

اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو مسلمانوں کے لیے حیات آفریں ہے۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد حق ہے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اس میں حیات اور عفت ہے اور اس میں دنیا اور آخرت کے فتنوں سے حفاظت ہے۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد جہاد ہے۔ کیونکہ جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عطا کی' اور جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف جارحیت سے روکا۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں حق کو مراد لینا اولیٰ ہے' کیونکہ دشمن کے خلاف جہاد کرنے کے حکم کو ماننا بھی حق میں داخل ہے' اور قرآن کے حکم پر عمل کرنا بھی حق میں داخل ہے اور حق کو قبول کرنے میں ہی قبول کرنے والے کی حیات ہے' کیونکہ دنیا میں اس کا ذکر جمیل باقی رہے گا اور اس میں بھی اس کی حیات ہے اور آخرت میں اس کو جنتوں میں دائمی حیات حاصل ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ان کے اسلام لانے کے بعد قبول حق پر برقرار رہنے کی تلقین فرماتے تھے کیونکہ آپ کے تمام احکام حق تھے اور حضرت ابو سعید بن معلی اور حضرت ابی بن کعب جن کو آپ نے بلا کر یہ آیت سنائی تھی وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۲۸۳-۲۸۲' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ کے حائل ہونے کے محامل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا اللہ' کافر اور اس کے ایمان لانے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مومن اور اس کے کفر کرنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کافر اور اس کے ایمان اور اللہ کی اطاعت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا کافر اور اس کی اطاعت اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ بندوں سے زیادہ ان کے دلوں کا مالک ہے اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لا سکتا ہے نہ کفر کر سکتا ہے' نیک کام کر سکتا ہے نہ گناہ کر سکتا ہے۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۲۸۷-۲۸۳' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

انسان اور اس کی موت کے درمیان اللہ حائل ہو جاتا ہے اور انسان سے جو کام رہ گئے ہوں وہ ان کی تلافی نہیں کر پاتا۔ کہا گیا ہے کہ جنگ بدر کے دن مسلمان' کفار کی کثرت سے خوف زدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وہ ان کے دل کو خوف کے بعد بے خوفی سے بدل دے گا۔ امام ابن جریر کا یہی مختار ہے کہ انسان کے دلوں کا اللہ زیادہ مالک ہے اور وہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے' ایمان نہ کفر' نیکی نہ گناہ۔

(الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۳۴۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ جب سب کچھ اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے تو نیک کاموں پر انسان مدح اور ثواب کا اور برے کاموں پر مذمت اور سزا کا کیوں مستحق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اللہ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ اللہ اپنے اس علم ازل کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بنو آدم کے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کا معنی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اکثریوں قسم اٹھاتے تھے لا و مقلب القلوب دلوں کو الٹنے پلٹنے والے کی قسم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۷، ۷۳۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۷۱، ۳۷۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۹۲، مسند احمد ج ۲، ص ۲۵، طبع قدیم، رقم الحدیث: ۴۷۸۸، طبع جدید، سنن داری، رقم الحدیث: ۲۳۵۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یا ام المومنین! جب رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس ہوتے ہیں تو وہ زیادہ تر کس چیز کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ زیادہ تر یہ دعا فرماتے ہیں یا مقلب القلوب! میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کس قدر زیادہ یہ دعا کرتے ہیں یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک! آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے وہ جس دل کو چاہتا ہے سیدھا رکھتا ہے اور جس دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ پھر حدیث کے راوی نے یہ آیت تلاوت کی ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا (آل عمران: ۸) اے ہمارے رب ہمیں ہدایت یافتہ کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۴۳، مسند احمد ج ۴، ص ۱۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۹۱۸۸، مطبوعہ بیروت، الشریعہ للآجری، ص ۳۸۶-۳۸۷، المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱، رقم الحدیث: ۷۵۹، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۳۲۷، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۷۷۲، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۷۸۵، ج ۲۳، رقم الحدیث: ۸۶۵، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۱۰، ج ۱۰، ص ۱۷۶، المطالب العالیہ، رقم الحدیث: ۳۶۲، ۳۹۴۰، کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، ۱۸۹۳، موارد الظمآن، رقم الحدیث: ۲۴۱۹، المستدرک، ج ۲، ص ۲۸۹، ۲۸۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دلوں کو الٹ پلٹ کرنے سے مراد ہے دل کے اعراض اور احوال کو الٹ پلٹ کرنا، دلوں کی ذوات کو الٹ پلٹ کرنا مراد نہیں ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی فعل کا داعی، محرک اور باعث اور کسی فعل کا ارادہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱، ص ۵۲۷، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (الانعام: ۱۱۰) ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں۔

یعنی ہم جس طرح چاہتے ہیں ان کے دلوں میں تصرف کرتے ہیں۔ معتزلہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پس وہ ایمان نہیں لائیں گے اور مہر لگانے کا ان کے نزدیک یہ معنی ہے کہ ہم ان کے دلوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ جو چاہیں اپنے لیے اختیار کریں۔ اور لغت عرب کے اعتبار سے تقلیب کا یہ معنی صحیح نہیں ہے اور طبع (مہر لگانے) کا معنی ترک کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اہل سنت کے نزدیک طبع (مہر لگانے) کا معنی ہے کافر کے دل میں کفر پیدا کرنا اور موت تک اس کو اسی حال پر برقرار رکھنا۔ اور حدیث میں ہے اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے۔ حافظ

عسقلانی نے یہ روایت بالمعنی کی ہے۔ اصل حدیث اس طرح ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے مصرف القلوب! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم القدر '۱۷' (۲۶۵۴) ۶۶۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴' رقم الحدیث: ۷۸۶۱)

قاضی بیضاوی نے کہا دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے اور اس نے یہ تصرف اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کیا' اور نبی ﷺ جو یہ دعا فرماتے تھے یا مقلب القلوب! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے یہ تصرف اس کے تمام بندوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے اور کسی وہم کرنے والے کے اس وہم کو دفع کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس تصرف سے مستثنیٰ ہیں اور نبی ﷺ نے خصوصاً اپنے دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب نبی ﷺ کا پاکیزہ ترین دل بھی اللہ سبحانہ کی پناہ لینے کا محتاج ہے تو دوسرے لوگ جو آپ سے کہیں کم رتبہ کے ہیں وہ اس دعا کرنے کے کس قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔ (فتح الباری' ج ۱۳' ص ۳۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

رحمان کی دو انگلیوں سے کیا مراد ہے

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

انگلی کے ظاہر معنی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا محال ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہوں تو اس کا ہر جز دوسرے جز کی طرف محتاج ہو گا اور وہ مجموعہ مفتقر اور حادث ہو گا اور یہ الوہیت کے منافی ہے' اور بعض ائمہ نے اس حدیث کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مجاز بالاستعارہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری ہتھیلی میں ہے اور فلاں شخص تو میری مٹھی میں ہے اور اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ فلاں شخص پر میں قادر ہوں اور متصرف ہوں اور میں جس طرح چاہوں اس پر تصرف کر سکتا ہوں اور جب اس سے بھی زیادہ مبالغہ کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو میری دو انگلیوں میں ہے یعنی میں بہت آسانی سے اس پر تصرف کر سکتا ہوں' اور بعض علماء نے کہا اس انگلی سے مراد نعمت کو بھی لیا جا سکتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی میرے نزدیک اچھی انگلی ہے' یعنی اس کی مجھ پر ایک نعمت ہے جیسا کہ ہاتھ سے نعمت مراد لیتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں تو یہاں صرف دو انگلیوں کا ذکر کیوں فرمایا ہے' جس سے دو نعمتیں متبادر ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن وہ سب نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک قسم ہے نفع پہنچانا اور دوسری قسم ہے ضرر دور کرنا۔ گویا کہ یوں کہا گیا کہ تمام بنو آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے تحت تصرف ہیں وہ جس سے چاہے ضرر دور فرمائے اور جس کو چاہے نفع پہنچائے۔

میں کہتا ہوں اس طور پر یہ جواب اس وقت درست ہو گا جب بنو آدم سے مراد صالحین ہوں' جن کے دلوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ متکفل ہے۔ باقی رہے کفار اور فساق تو اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے' ان میں تصرف فرماتا ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے یا زنگ لگا دیتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ حدیث مقصود سے خارج ہو گی۔ اس لیے پہلی تاویل زیادہ مناسب ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔ (یعنی انگلی کی کوئی تاویل نہ کی جائے)

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! مصرف القلوب! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اس سے پہلی تاویل کی تائید ہوتی ہے یعنی تمام بنو آدم کے دلوں کا رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہونا اس معنی میں

ہے کہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں پر بہت آسانی سے تصرف کرتا ہے۔
(المفہم ج ۶ ص ۶۷۳-۶۷۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت 'اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۲۸-۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں ایک تو یہی جواب دیا کہ دو انگلیوں سے مراد قدرت اور تصرف ہے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث پر بغیر کسی تاویل اور توجیہ کے ایمان لانا چاہیے اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ حق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: ۱۱) اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔
(صحیح مسلم مع شرحہ للنواوی ج ۱۰ ص ۶۷۱۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)
میں کہتا ہوں کہ یہی جواب صحیح ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ رحمان کی انگلیاں ہیں اور وہ انگلیاں مخلوق کی انگلیوں کی مثل نہیں ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم اس میں اپنی طرف سے کوئی تاویل اور توجیہ نہیں کرتے' نہ ان کا معنی بیان کرتے ہیں نہ ان کی کیفیت کو ہم جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:
اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ کے چہرے' اس کے ہاتھ اور اس کے نفس کا جو ذکر ہے' وہ اس کی بلا کیف صفات ہیں اور یہ تاویل نہ کی جائے کہ ہاتھ سے اس کی قدرت ہے یا اس کی نعمت ہے' کیونکہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے' لیکن اس کا ہاتھ اس کی بلا کیف صفت ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا بھی اس کی بلا کیف صفات ہیں۔
(الفقہ الاکبر مع شرح الفقہ الاکبر ص ۳۷-۳۶ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O (الانفال: ۲۵)

ظالموں پر عذاب کے نزول میں صالحین کا شمول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ بنو آدم اور ان کے دلوں کے درمیان اللہ حائل ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتنوں' آزمائشوں اور عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر ظالموں پر عذاب نازل ہوا تو وہ صرف ظالموں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تم سب پر نازل ہوگا اور نیک لوگوں اور بدکاروں سب پر یہ عذاب نازل ہوگا۔
امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان بدکاروں کو نہ رہنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ (جامع البیان جز ۷ ص ۲۸۸ رقم الحدیث: ۱۲۳۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
نبی ﷺ کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر نکلے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ آپ فرما رہے تھے عرب والوں کے لیے اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپہنچا ہے' آج کا دن یاجوج ماجوج کے سوراخ کی وجہ سے فتح کر لیا گیا ہے' پھر آپ نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنایا اور فرمایا اس کی مثل۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب بدکاری بہت زیادہ ہو جائے گی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۶' صحیح مسلم الفتن ۲' (۲۸۸۰) ۷۱۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:

۲۹۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۳۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود قائم کرنے والے اور اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے (ترمذی کی روایت میں ہے اللہ کی حدود نافذ کرنے میں سستی اور نرمی کرنے والے) کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض لوگوں کے نام اوپر کی منزل کا قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے نام نچلی منزل کا۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل پر گئے پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے لیں تو اوپر کی منزل والوں کو زحمت نہیں ہوگی۔ اگر اوپر کی منزل والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک دیا تو وہ بھی نجات پالیں گے اور نچلی منزل والے بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۶، ۲۴۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۰، صحیح ابن حبان ج۱، رقم الحدیث: ۲۹۷، مسند احمد ج۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۹، طبع جدید، مسند احمد ج۴، ص ۲۷۳-۲۷۰-۲۶۸، طبع قدیم، سنن کبریٰ للبیہقی ج۱۰، ص ۲۸۸، ۹۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں گناہوں کے کام کیے جا رہے ہوں اور وہ ان گناہوں کو مٹانے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ مٹائیں تو اللہ ان کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔

(صحیح ابن حبان ج۱، رقم الحدیث: ۳۰۰، سنن ابوداؤد ج۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ ج۲، رقم الحدیث: ۴۰۰۹، مسند احمد ج۴، ص ۳۶۱، ۳۶۴، طبع قدیم، المعجم الکبیر للطبرانی، ج۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جائیں، وہ قوم زیادہ قوی اور غالب ہو پھر بھی مداہنت کرے اور خاموش رہے اور برائی کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو پھر ان سب پر عذاب آئے گا، المعجم الکبیر ج۲، رقم الحدیث: ۲۳۸۵، ۲۳۸۱، ۲۳۸۰، مسند احمد ج۴، ص ۳۶۳، ۳۶۶، طبع قدیم، سنن کبریٰ للبیہقی، ج۱۰، ص ۹۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات بیان کی جائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی، ج۴، رقم الحدیث: ۲۱۸۱، سنن ابوداؤد ج۴، رقم الحدیث: ۴۳۴۴، سنن ابن ماجہ ج۲، رقم الحدیث: ۴۰۱۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مجمع الزوائد ج۷، ص ۲۷۲)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل میں سب سے پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کر کے یہ کہتا اے شخص اللہ سے ڈر، اور جو کام تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ کام تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر جب دوسرے دن اس سے ملاقات کرتا، تو اس کا وہ کام اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع نہ کرتا۔ جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ بہت برا کام تھا۔ (المائدہ: ۷۹-۷۸) پھر آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، با خدا تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا اور تم

ضرور ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑ لینا' اور تم اس کو ضرور حق پر عمل کے لیے مجبور کرنا' ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک جیسے کردے گا پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳' رقم الحدیث: ۴۳۳۷' ۴۳۳۶' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۹' ۳۰۵۸' سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث: ۴۰۰۶' مسند احمد ج ۱' ص ۳۹۱' طبع قدیم' امام احمد کی سند میں انقطاع ہے اس لیے یہ سند ضعیف ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۷۱۳' طبع دار الحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط ج ۱' رقم الحدیث: ۵۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۷' ص ۲۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہود نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' خود ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ان کے اسی قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ (الایہ) (المائدہ: ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں' ان سب کو عذاب پہنچتا ہے پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۷۱۰۸' صحیح مسلم صفۃ الجنۃ ۸۴' (۲۸۷۹) ۷۱۰۱)

بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے نیکوکاروں کو عذاب کیوں ہوگا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر: ۳۸) ہر نفس اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ: ۲۸۶) اس نے جو نیک کام کیا اس کا فائدہ صرف اسی کو ہے' اور اس نے جو برا کام کیا اس کا ضرر صرف اسی کو ہے۔

ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص سے دوسرے کے گناہوں پر گرفت نہیں کی جائے گی اور دوسرے کے گناہوں کا کسی شخص کو عذاب نہیں ہوگا' اور مذکور الصدر احادیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب عذاب آئے گا تو وہ بدکاروں کے ساتھ نیک لوگوں کو بھی ہوگا اور زیر تفسیر آیت کا بھی یہی منشاء ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں تو ہر دیکھنے والے پر فرض ہے کہ وہ اس برائی کو مٹائے یا اس برائی پر ٹوکے اور ملامت کرے ورنہ کم از کم اس کو دل سے برا جانے اور وہ ان لوگوں سے ناراض ہو اور ان سے محبت کا تعلق نہ رکھے' اور جب نیک لوگ ایسا نہیں کریں گے تو وہ گنہ گار ہوں گے اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ایک فرشتہ کی طرف وحی کی کہ فلاں فلاں بستی والوں پر ان کی بستی کو الٹ دو' اس نے کہا اس بستی میں ایک بندہ ہے جس نے ایک پل بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا اس بستی کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو کیونکہ میری وجہ سے اس شخص کا چہرہ ایک دن بھی غصہ سے متغیر نہیں ہوا۔ اس حدیث کے دو راویوں کی تضعیف کی گئی ہے' لیکن ابن المبارک اور ابوحاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷' ص ۲۷۰' المعجم الاوسط ج ۸' رقم الحدیث: ۷۶۵۷' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ)

المائدہ: ۶۴ اور المائدہ: ۸۷ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے ان آیتوں کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے' زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے' تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں ملیامیٹ کر دیں گے تو اللہ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی تاکہ تم شکر ادا کرو○ (الانفال: ۲۶)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور شکر گزاری کرے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ پھر ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید موکد فرمایا ہے' اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ لوگ تعداد اور قوت میں بہت کم تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بعد ان کو بہت قوت اور غلبہ حاصل ہوا' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی سے گریز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم تعداد میں کم تھے اور تم کو زمین میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور تم دوسرے شہروں میں سفر کرنے سے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو لوٹ لیں گے۔ اللہ نے تمہیں پناہ دی بایں طور کہ تمہیں مکہ سے مدینہ منتقل کیا اور تم کفار کے شر سے محفوظ ہو گئے اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت عطا کی یعنی جنگ بدر کے دن کفار پر تمہاری ہیبت طاری کر دی جس کے نتیجہ میں وہ تم سے تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود شکست کھا گئے اور پاک چیزوں سے تمہیں روزی دی یعنی تمہارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ جبکہ تم سے پہلی امتوں پر وہ حرام تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں سختی سے آسانی کی طرف اور مصیبتوں سے نعمتوں کی طرف منتقل کیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو انفال (مال غنیمت) کی تقسیم میں تمہارا جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح ہر دور میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر نعمتوں سے نوازتا ہے اور مصیبتوں سے نجات دے کر راحتوں کی طرف منتقل کرتا ہے لیکن مسلمان ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کو اپنا شعار نہیں بناتے۔ یاد خدا سے غافل رہتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ اپنے اعمال سے خود کو اللہ کی نعمتوں کا نااہل ثابت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ: ۳۰)	اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی کرتوتوں کے سبب پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

اندلس میں آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد وہاں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جاتی رہی بلکہ وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور صرف عیسائی بننے والوں کو زندہ رہنے دیا گیا اور اب وہاں پر صرف برائے نام مسلمان ہیں اور سلطنت بغداد کو چنگیز اور ہلاکو نے تاراج کیا۔ برصغیر میں کئی صد سالوں پر محیط مسلمانوں کی حکومت انگریزوں نے ختم کی اور ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کو غلام بنائے رکھا اور ماوراء النہر کی مسلم ریاستیں ایک بڑے عرصہ تک روس کی کالونی بنی رہیں اور وہاں اسلامی اقدار اور آثار کو بڑی بے دردی سے مٹایا گیا' اور ماضی قریب میں پاکستان کو دولخت کیا گیا اور بھارت نے مشرقی پاکستان کو متحدہ پاکستان سے کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ اسی طرح جو لوگ انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے اور اس کی نعمتوں کی نہ صرف ناشکری

کرتے ہیں بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں وہ جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اطاعت پر قائم رکھے اور گناہوں سے بچائے اور اپنا شکر گزار بندہ بنائے رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تمہیں علم ہو○ (الانفال: ٢٧)

اللہ اور رسول سے خیانت کی ممانعت کے شان نزول میں متعدد روایات

اس آیت کے متعدد شان نزول ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

١- عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ ابو سفیان مکہ سے روانہ ہوا تو حضرت جبرئیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ ابو سفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے تم اس کی طرف روانہ ہو اور اس خبر کو چھپا کر رکھنا۔ ایک شخص نے ابو سفیان کو یہ پیغام بھیج دیا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) تم پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں سو تم اپنے دفاع اور اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو' تب اللہ عزوجل نے آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ١٢٣٥٨' جز ٧' ص ٢٩٤' الدر المنثور' ج ٤' ص ٤٨)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

٢- حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے' ابو مرثد کو اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے' آپ نے فرمایا یہاں سے روانہ ہو اور روضہ خاخ پر پہنچ جاؤ۔ وہاں مشرکین کی ایک عورت ملے گی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکین کی طرف لکھا ہوا ایک خط ہو گا۔ ہم نے اس عورت کا پیچھا کیا جس جگہ کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی کی تھی وہاں وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔ ہم نے اس سے کہا وہ خط لاؤ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھا لیا اور اس کی تلاشی لی' ہمیں اس کے پاس سے خط نہیں ملا۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ نے غلط نہیں فرمایا تھا تم وہ خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل سنجیدہ ہیں تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر ہمیں دیا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص نے اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے' آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب سے پوچھا تم نے کس وجہ سے یہ کام کیا؟ حضرت حاطب نے کہا اللہ کی قسم! میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والا نہ رہوں' میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ میرا ان مشرکین پر کوئی احسان ہو جائے اس احسان کی وجہ سے اللہ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور رکھے اور آپ کے اصحاب میں سے ہر شخص کا وہاں کوئی قبیلہ ہے جس کی وجہ سے اللہ ان کے اہل اور ان کے مال سے کافروں کے شر کو دور رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اور اس کے حق میں سوائے خیر کے اور کوئی کلمہ نہ کہنا۔ حضرت عمر نے کہا اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ اہل بدر سے نہیں ہے اور بے شک اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔ یا فرمایا میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۳' مسند احمد ج ۱' ص ۱۰۵)

حضرت ابولبابہ انصاری کی توبہ

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ روایت کرتے ہیں:

۳۔ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیجیں' ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے۔ (ان کے نام میں اختلاف ہے' رفاعہ' مبشر اور بشیر تین قول ہیں۔ آپ حضرت علی کی خلافت تک زندہ رہے۔ الاستیعاب رقم الحدیث: ۳۱۸۰) تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا' جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے مردان کے پاس کھڑے ہوگئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں' اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لیے حضرت ابولبابہ کا دل نرم ہوگیا۔ بنو قریظہ نے ان سے کہا اے ابولبابہ! آپ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا) محمد ﷺ) کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں؟ انہوں نے کہا ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے یہ جان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ سیدھے واپس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی تھی۔

عبداللہ بن ابی قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو (الانفال: ۲۷) امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا' اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے' اس دن سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابولبابہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ ﷺ ہنس رہے تھے' میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے تھے؟ آپ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول کرلی گئی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کو یہ خوش خبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو تو' حضرت ام سلمہ حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے ابولبابہ تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا مسلمان انہیں کھولنے کے لیے جھپٹے۔ حضرت ابولبابہ نے کہا اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت ابولبابہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے' ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی' وہ یہ ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O(التوبہ: ۱۰۲)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' انہوں نے کچھ نیک کاموں کو کچھ برے کاموں کے ساتھ ملا لیا' عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۳' ص ۲۴۳-۲۶۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' جامع البیان جز ۷' رقم الحدیث: ۱۲۳۵۹' اسد الغابہ ج ۶' ص ۲۶۰' رقم الحدیث: ۶۲۰۵' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۴۷۷)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا یا نبی اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں' میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کر دوں' نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے صرف تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۹۷۴۵' المستدرک' ج ۳' ص ۶۳۲' کنز العمال' رقم الحدیث: ۳۴۰۷۱)

حافظ ابو عمر یوسف بن محمد بن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ نے حضرت ابولبابہ کی توبہ کا ایک اور سبب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے لوہے کی وزنی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی راتیں باندھے رکھا۔ (علامہ ابن اثیر نے سات سے نو راتیں لکھی ہیں) حتیٰ کہ ان کی سماعت بہت کم ہو گئی اور بینائی بھی بہت کم ہو گئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لیے جانا ہوتا تو ان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتیں۔

حضرت ابولبابہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا حافظ ابن عبدالبر نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے' انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا' اور کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرما لے یا میں مر جاؤں۔ وہ سات دن بندھے رہے کچھ کھایا نہ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ ان سے کہا گیا کہ اے ابولبابہ! اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے' انہوں نے کہا بہ خدا میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ آکر مجھے کھولیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کو کھولا۔ التوبہ: ۱۰۳ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے علاوہ سات' آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے' پھر وہ نادم ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا نیک عمل توبہ تھا اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک سے رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال: ۲۷)

(الاستیعاب ج ۴' ص ۳۰۵-۳۰۴-۳۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے محامل

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت نہ کریں اور اس کو اس لیے خیانت فرمایا

کہ یہ اللہ کے عطیہ میں خیانت کرنا ہے' اور رسول کی اس لیے خیانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مال غنیمت کی تقسیم کا والی رسول اللہ ﷺ کو بنایا ہے۔ سو جس شخص نے اس مال غنیمت میں خیانت کی اس نے اللہ اور رسول کی خیانت کی۔ اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کے اور بھی محامل ہیں: اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا ہے اور رسول کی خیانت آپ کی سنت کو ترک کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی خیانت فرائض کو ترک کرنا یا ان کی ادائیگی میں کمی کرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ کو مکمل ادا کرنا امانت ہے اور کسی بھی حکم شرعی میں کمی کرنا یا اس کو ترک کرنا خیانت ہے' اور مال غنیمت میں خیانت کرنا بھی اس میں داخل ہے ہرچند کہ ان آیات کا نزول مال غنیمت میں خیانت کے متعلق ہے لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد اور سبب کا نہیں ہوتا۔

ابن زید نے کہا اس قسم کی خیانت منافقین کرتے تھے ان کو معلوم تھا کہ وہ کافر ہیں اور وہ پھر بھی ایمان کو ظاہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے:

وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (النساء: ۱۴۲)

اور وہ (منافقین) جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

یہ منافقین تھے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دین کی وجہ سے امن دیا اور وہ خیانت کرتے تھے' ایمان ظاہر کرتے تھے اور ان کے باطن میں کفر تھا۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۲۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کریں۔ امانت ادا کرنے کی تاکید اور خیانت کرنے پر وعید کے متعلق اس آیت کے علاوہ قرآن مجید میں اور یہ آیات ہیں:

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ (البقرہ: ۲۸۳)

پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے' اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء: ۵۸)

بے شک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانت ادا کرو۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب: ۷۲)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور ڈرے اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (المؤمنون: ۸)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانت ادا کرنے اور خیانت نہ کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے تو جھوٹ

بولے' جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائی تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵' ۳' صحیح مسلم الایمان' ۱۰۶' (۵۸) ۲۰۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۰' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۷۷' مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۷۶' سنن کبریٰ' ج ۶' ص ۲۸۸)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت مت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۵' ۱۲۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۷۱' المستدرک' ج ۲' ص ۴۶' مسند احمد ج ۳' ص ۴' مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۲۶۰۰)

۳- حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت بڑی خیانت یہ ہے کہ تمہارا بھائی تم سے کوئی بات کہے اور وہ اس میں سچا ہو اور تم اس کو جھوٹا کہو۔

(مسند احمد ج ۴' ص ۱۸۳' مجمع الزوائد ج ۸' ص ۹۸' اتحاف السادة المہرة ج ۸' ص ۲۶۴' رقم الحدیث: ۶۰۲۳)

۴- حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں' جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو تم اس کو ادا کرو' جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو' جب تم بات کرو تو سچ بولو' تم اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اپنی نظروں کو نیچا رکھو اور اپنے ہاتھوں کو کسی کے آگے نہ پھیلاؤ۔ (شعب الایمان ج ۴' رقم الحدیث: ۵۲۵۵' مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۷۵' سنن کبریٰ ج ۶' ص ۲۸۸)

۵- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے سے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے ماسوا امانت کے۔ قیامت کے دن ایک بندہ کو لایا جائے گا خواہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکا ہو۔ اس سے کہا جائے گا کہ اپنی امانت کو ادا کر۔ وہ کہے گا اے رب میں اب کیسے امانت کو ادا کروں اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے' پھر کہا جائے گا اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ' اس کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا پھر اس کے سامنے اس امانت کی مثل پیش کی جائے گی جس شکل و صورت میں اس کو وہ امانت دنیا میں پیش کی گئی تھی۔ وہ اس کو پہچان لے گا وہ اس امانت کے پیچھے دوزخ کے ایک گڑھے میں اترے گا حتیٰ کہ اس کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھے گا اور جب وہ گمان کرلے گا کہ وہ اس گڑھے سے باہر نکل رہا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گڑھے میں نیچے گرتا چلا جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے کہا نماز امانت ہے اور وضو امانت ہے اور وزن امانت ہے اور پیمائش امانت ہے اور انہوں نے کئی چیزیں گنیں اور ان سب سے بڑی امانت وہ ہے جو لوگ کسی کے پاس کوئی چیز رکھتے ہیں۔ زاذان کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت براء بن عازب کے پاس گیا انہوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت ابن مسعود نے بیان کیا تھا۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت رکھوانے والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو۔

(مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۴۵' شعب الایمان' ج ۴' رقم الحدیث: ۵۲۶۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

۶- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے لوگوں سے جو چیز اٹھائی جائے گی وہ امانت ہے' اور آخر میں جو چیز باقی رہ جائے گی' وہ نماز ہے اور بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کی نماز میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(شعب الایمان ج ۴' رقم الحدیث: ۵۲۷۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶' ص ۲۸۹' مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۶۰)

۷- حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے سے دھوکہ نہ کھانا' جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نماز پڑھے لیکن جو امانت دار نہیں وہ دین دار نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ٬ رقم الحدیث: ۲۰۱۹۲ ٬ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ٬ رقم الحدیث: ۳۰۳۱۷ ٬ شعب الایمان ج ۴ ٬ رقم الحدیث: ۵۲۷۹ ٬ کنزالعمال رقم الحدیث: ۸۴۳۶ ٬ مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۴۶)

۸- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی شخص کی نماز کو دیکھو نہ اس کے روزے کو ٬ یہ دیکھو وہ اپنی بات میں کس قدر سچا ہے ٬ اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ کس قدر امانت دار ہے اور جب اس پر دنیا پیش کی جائے تو وہ کس قدر متقی ہے۔ (شعب الایمان ج ۴ ٬ رقم الحدیث: ۵۲۷۹ ٬ کنزالعمال رقم الحدیث: ۸۴۳۵)

۹- حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کی تھیں ٬ ایک تو پوری ہو چکی ہے اور دوسری کا میں انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری ٬ پھر قرآن نازل ہوا اور لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت اٹھ جانے کی پیش گوئی بیان کی اور فرمایا ایک شخص تھوڑی دیر سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکل جائے گی ٬ اور چھالے کی طرح اس کا اثر رہ جائے گا جس طرح پیر کے نیچے انگارہ آنے سے آبلہ پڑ جاتا ہے اور اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ایک کنکری لے کر اس کو اپنے پیر پر لڑھکا دیا اور فرمایا پھر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی امانت داری اور دیانت داری سے کام نہیں لے گا حتیٰ کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک دیانت دار شخص ہوا کرتا تھا اور یہ کہ فلاں شخص کس قدر بیدار مغز ٬ خوش مزاج اور زیرک ہے ٬ لیکن اس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ نے فرمایا ایک وہ وقت تھا جب میں ہر شخص سے بغیر کسی خدشہ اور کھٹکے کے خرید و فروخت کر لیتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا دین اس کو خیانت سے روکے گا ٬ اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو حاکم کے خوف سے خیانت نہیں کرے گا لیکن اس زمانے میں ٬ میں فلاں فلاں شخص کے علاوہ خرید و فروخت میں اور کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۷۶ ٬ صحیح مسلم ایمان: ۲۳۰ (۱۴۳) ۳۶۰ ٬ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۶ ٬ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۳ ٬ مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ٬ رقم الحدیث: ۲۰۱۹۴)

۱۰- عطا خراسانی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا جو شخص اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس نے کسی شخص کی امانت ادا نہیں کی ہوگی ٬ اللہ عزوجل اس کی نیکیوں کو لے گا جب کہ وہاں دینار ہوگا نہ درہم۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی ٬ رقم الحدیث: ۱۴۸)

۱۱- حضرت انس بن مالک نے فرمایا جب کسی گھر میں خیانت ہو تو اس سے برکت چلی جاتی ہے۔

(مکارم الاخلاق للخرائطی ٬ رقم الحدیث: ۱۵۱ ٬ مطبوعہ مطبعہ المدنی قاہرہ ٬ ۱۴۱۱ھ)

۱۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے گم ہوگی وہ امانت ہے اور آخر میں نماز گم ہوگی۔ ثابت بنانی نے کہا ایک شخص روزے رکھتا ہے ٬ نماز پڑھتا ہے لیکن جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ امانت ادا نہیں کرتا۔

(مکارم الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۱۵۵ ٬ المعجم الکبیر ج ۹ ٬ رقم الحدیث: ۸۷۹۹ ٬ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے ٬ مجمع الزوائد ٬ ج ۷ ٬ ص ۳۲۹)

۱۳- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان اور مال میں امین سمجھیں۔ (مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۶ ٬ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۴)

۱۴- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں جبار داخل ہوگا نہ بخیل' نہ خائن اور نہ بد خلق۔ (مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۱)

۱۵- مجاہد نے کہا مکر' دھوکا اور خیانت دوزخ میں ہیں اور مکر اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔

(مکارم الاخلاق' رقم الحدیث: ۱۵۸' المستدرک' ج ۴' ص ۶۰۷)

۱۶- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں سچے کو جھوٹا کہا جائے گا اور جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا۔

(مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۶۷' مسند احمد ج ۲' ص ۲۹۱)

۱۷- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خطبہ دیا تو اس میں فرمایا سنو جو امانت ادا نہ کرے وہ ایمان دار نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔

(مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶' ص ۲۸۸' مسند احمد ج ۳' ص ۲۵۱' ۲۱۰' ۱۵۴' ۱۳۵' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۰۰' مجمع الزوائد ج ۱' ص ۹۶' اس کی سند ضعیف ہے)

۱۸- میمون بن مہران نے کہا تین چیزیں ہر نیک اور بد کو ادا کی جائیں گی' صلہ رحمی کرو خواہ نیک ہو یا بد' عہد جس سے بھی کیا ہے پورا کرو خواہ نیک ہو یا بد' ہر ایک کی امانت ادا کرو خواہ نیک ہو یا بد۔ (مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۵۹)

۱۹- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور سچ بولنے کی اور عہد پورا کرنے کی' اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی' اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی اور یتیم پر رحم کرنے کی اور ملائمت سے بات کرنے کی اور (ہر مسلمان کو) سلام کرنے کی اور تواضع اور عاجزی کی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱' ص ۲۴۱-۲۴۰)

۲۰- حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا جب وہ آیا تو اس نے کہا یہ چیزیں تمہارے لیے ہیں اور یہ چیزیں مجھے ہدیہ کی گئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اللہ کی حمد کے بعد فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم اپنے بعض مناصب پر عامل بناتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ چیز تمہارے لیے ہے اور یہ چیز مجھے ہدیہ کی گئی ہے' وہ اپنی ماں کے گھر میں یا اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گیا پھر یہ دیکھا جاتا کہ اس کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہے یا نہیں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز لے گا' وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی۔ اگر وہ اونٹ ہے تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا' اگر وہ گائے ہے تو وہ ڈکرا رہی ہوگی اور اگر وہ بکری ہے تو وہ ممیا رہی ہوگی! پھر آپ نے ہاتھ بلند کر کے تین دفعہ فرمایا اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے!

(مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۱۳۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۷' ۷۱۷۴' صحیح مسلم الامارہ: ۲۶' (۱۸۳۲) ۴۶۵۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۹' مسند احمد ج ۵' ص ۴۲۳-۲۸۵' ۲۷۷)

النساء: ۵۸ میں بھی ہم نے امانت اور خیانت پر کئی لحاظ سے بحث کی ہے۔ سیر حاصل بحث کے لیے اس تفسیر کو بھی دیکھنا چاہیے۔ البتہ امانت اور خیانت کے موضوع پر یہاں زیادہ احادیث بیان کی ہیں اور بعض ان احادیث کا یہاں ذکر نہیں کیا جو وہاں بیان کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے

پاس اجر عظیم ہے۔ (الانفال: ۲۸)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت کی جن نعمتوں سے نوازا ہے' اور جو اولاد تمہیں عطا کی ہے وہ تمہارے لیے امتحان اور آزمائش ہیں تاکہ اس آزمائش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم مال اور اولاد میں اللہ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور مال اور اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہے یا نہیں' اور تم یہ یقین رکھو کہ اپنے مال اور اولاد میں تم اللہ کے احکام کے مطابق جو عمل کرتے ہو اس کا اجر و ثواب اللہ ہی کے پاس ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تاکہ آخرت میں تمہیں اجر جزیل مل جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا تم میں سے ہر شخص فتنہ میں مبتلا ہے پس تم گمراہ کرنے والے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ (جامع البیان جز ۹' رقم الحدیث: ۱۲۳۰۷' ص ۲۹۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اولاد' رشتہ داروں اور مال و متاع کی محبت اگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت سے مانع ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ: ۲۴)

آپ کہئے کہ اگر تمہارے باپ دادا' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان' تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم نافذ کردے' اور اللہ فاسق لوگوں کو منزل مقصود پر نہیں پہنچاتا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی در حقیقت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے فتنہ کے متعلق فرمایا:

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو بحرین جزیہ لینے کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کرلی تھی اور حضرت علاء بن حضرمی کو ان کا عامل مقرر کردیا تھا۔ پھر حضرت ابو عبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے' انصار کو جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ سب فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے بعد ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گئے وہ سب آپ کے سامنے پیش ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو آپ مسکرائے' پھر آپ نے فرمایا میرا گمان یہ ہے کہ تم سب کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ ابو عبیدہ بحرین سے کچھ

مال لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو اور اس چیز کی امید رکھو جس سے تم خوش ہو گے' پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ہے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا تم پر اس طرح وسیع کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر دنیا وسیع کر دی گئی تھی' پھر تم دنیا میں اس طرح رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے دنیا میں رغبت کی تھی' جس طرح وہ ہلاک ہو گئے تھے' تم بھی اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۸' صحیح مسلم الزھد ۶' (۲۹۶۱) ۷۲۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۶۶' مسند احمد ج ۴' ص ۱۳۷۔۲۲۷)

اور اولاد کے فتنہ ہونے کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے۔ اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آ گئے انہوں نے سرخ قمیصیں پہنی ہوئی تھیں وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے' ان کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا دیا اور پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ ارشاد فرمایا ہے تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔ (الانفال: ۲۸) میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو پھر میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنے خطاب کو منقطع کیا اور ان بچوں کو اٹھایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۱۳' مشکوٰۃ' رقم الحدیث: ۶۱۶۸)

اولاد کی محبت میں انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائے یا کسی عبادت کو ترک کر دے یا ان کی محبت میں کوئی ناجائز کام کرے تو یہ ممنوع ہے۔ نبی ﷺ نے رحمت اور رقت کے غلبہ سے اپنے ان نواسوں کو جو دوران خطبہ' خطبہ منقطع کر کے اٹھایا تو یہ کسی قسم کا ممنوع کام نہیں تھا بلکہ آپ کا ہر کام وحی الٰہی کی اتباع میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت حسنین کریمین کا جو مرتبہ اور مقام ہے' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو ان کا بلند درجہ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لیے آپ نے ان کو دوران خطبہ اٹھ کر اپنے پاس بٹھایا اور اپنے اس عمل سے آپ نے یہ مسئلہ بتلایا کہ کم سن بچوں پر شفقت کرنی چاہیے اور اگر دوران وعظ کسی واعظ اور خطیب کو ایسی صورت حال سے سابقہ پڑ جائے تو اس کا اپنے بچوں کو دوران وعظ اٹھا لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ آپ کی سنت بھی ہے اور آپ کا بچوں کے اٹھانے پر یہ آیت پڑھنا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں یہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّـكُمۡ فُرۡقَانًا

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کر دے گا

وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝۲۹

اور تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

وَ اِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِيُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ يَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ يُخۡرِجُوۡكَ ؕ

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کر دیں،

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ○ اور جب ان پر ہماری

اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں (بس رہنے دو) ہم سن چکے ہیں، اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس (کلام) کی مثل بنا لیتے، یہ تو صرف

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ اور (یاد کیجیے) جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے

مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ

حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی دوسرا) دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ

لے آ ○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں، اور نہ اللہ (اس وقت)

اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ

انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں ○ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا

اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا

حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام)

اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ

جانتے ○ اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تالیاں

تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ

بجاتے تھے، سو اب عذاب کو چکھو کیوں کہ تم کفر کرتے تھے ○ بے شک

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں ،

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ

وہ عنقریب اور بھی خرچ کریں گے ، پھر یہ ان کے لیے باعث پشیمانی ہوگا پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے ، اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ○ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے ،

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ

اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے ، پھر ان سب کا ڈھیر بنا دے ، پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں

فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۳۷﴾ ع ۹ ۱۸

ڈال دے ، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کردے گا اور تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ (الانفال: ۲۹)

کبیرہ گناہوں کے اجتناب سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

اللہ سے ڈرتے رہنے کا معنی ہے تقویٰ اختیار کیے رہنا۔ اور تقویٰ کا معنی ہے ایمان لانے کے بعد تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور تمام محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا۔ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے کبیرہ گناہوں سے بچنا اور دوسرا مرتبہ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا اور تیسرا مرتبہ ہے خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کاموں سے بچنا' اور اس آیت میں پہلا مرتبہ مراد ہے یعنی کبیرہ گناہ سے بچنا۔ کیونکہ اس پر جو دوسری جزاء مرتب کی ہے وہ ہے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔ اور شرط اور جزاء میں تغایر ہوتا ہے' اس لیے اس آیت کا معنی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو اللہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

مومنوں اور کافروں کا دنیا اور آخرت میں فرق

اللہ سے ڈرتے رہنے اور تقویٰ اختیار کرنے پر جو پہلی جزا مرتب کی ہے وہ ہے تمہیں کفار سے الگ اور ممتاز کردے گا۔ اس سے مراد یا دنیا میں الگ اور ممتاز کرنا ہے یا آخرت میں۔ اگر دنیا میں مسلمانوں کو کافروں سے الگ اور ممتاز کرنا مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں اپنے احوال باطنہ اور احوال ظاہرہ کے لحاظ سے کافر سے ممتاز ہوتا ہے۔ احوال باطنہ سے اس لیے کہ کافر کے دل میں اللہ کا انکار ہوتا ہے اور مسلمان کے دل میں اللہ پر ایمان ہوتا ہے اور کافر کا دل کینہ' بغض' حسد اور مکر و فریب سے پر ہوتا ہے اور مومن کا دل ان تمام اوصاف رذیلہ سے پاک اور صاف ہوتا ہے۔ اور مسلمان جس قدر اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی معرفت کا نور بڑھتا جاتا ہے۔ اور جب اس کے دل میں یہ انوار اور تجلیات ہوں تو پھر ان اوصاف

رذیلہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور احوال ظاہر میں مومن کافر سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے کہ مومن کو اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے جبکہ کافر اللہ کی تائید اور نصرت سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مومن آخرت میں کافر سے ممتاز ہو گا تو یہ بالکل ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر آخرت میں لطف و کرم فرمائے گا ان کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل و رسوا کر کے دوزخ میں داخل کر دے گا۔

پھر فرمایا: اور تم کو بخش دے گا۔ اگر دوسرے جز میں گناہوں کے مٹانے سے مراد صغیرہ گناہوں کا معاف کرنا ہو تو بخشنے کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی شفاعت سے مسلمانوں کے کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا یا اپنے فضل محض سے کبیرہ گناہوں کو بخش دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہوں کو مٹانے سے مراد دنیا میں گناہوں پر پردہ رکھنا ہو اور بخشنے سے مراد آخرت میں گناہوں کو بالکلیہ زائل کرنا ہو۔

جب نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے شفاعت کر دی ہے تو آخرت میں شفاعت کیوں ہو گی؟

ایک دفعہ مجھ سے ایک عالم نے سوال کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات کو مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیک عمل ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو گناہ ہوں تو میں تمہارے گناہوں پر استغفار کرتا ہوں۔

(الوفا با حوال المصطفیٰ ص ۸۰۱)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو' یا جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی نیکی ہو۔ ان کو جنت کے صحن میں ڈال دیا جائے گا۔ اہل جنت ان کے اوپر پانی چھڑکیں گے۔ پھر ان سے جلن کے آثار دور ہوں گے اور زندگی اور تروتازگی کے آثار نمودار ہوں گے۔

(صحیح مسلم الایمان ۳۱۶' (۱۹۱) ۴۶۱)

تو جب نبی ﷺ نے دنیا میں گنہ گاروں کے لیے استغفار کر لیا تو پھر حشر میں شفاعت کیوں ہو گی! اور جب دنیا اور قبر میں شفاعت ہو چکی تو پھر بعض گنہ گاروں کو دوزخ میں عذاب کیوں ہو گا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ ان ہی کے لیے شفاعت فرمائیں گے جن کی شفاعت کی اللہ آپ کو اجازت دے گا۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے بعض گنہ گاروں کی شفاعت کی اجازت آپ کو دنیا میں دے اور بعض کی شفاعت کی اجازت آپ کو حشر میں دے' اور جن کو دوزخ میں ڈالا جائے گا ان کی شفاعت کی اجازت آپ کو نہ دے بلکہ محض اپنا فضل ظاہر فرمانے کے لیے کسی کی شفاعت کے بغیر اپنے مجرد کرم سے ان کو بخش دے اور دوزخ سے نکال لے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی شفاعت کی وجہ سے ان کو صرف صورۃً عذاب ہو اور حقیقتاً عذاب نہ ہو کیونکہ عذاب تو درد کے ادراک اور احساس کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ جب ان کو دوزخ میں ڈالے تو ان کا ادراک اور احساس زائل کر دے اور اس کو عذاب کا بالکل پتا نہ چلے جیسے بیہوش کر کے سرجری اور جراحی کا عمل کرتے ہیں تو مریض کو چیر پھاڑ کا بالکل پتا نہیں چلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے ان کو دوزخ سے نکال لے اور ان سے جلنے اور عذاب کے آثار کو دور کر دے۔ دوسرا جواب میں نے یہ دیا کہ ہو سکتا ہے دنیا میں آپ ان کی پردہ پوشی یا تخفیف عذاب کے لیے یا قبر کے عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں اور حشر میں بالکلیہ عذاب سے نجات کے لیے استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل

اس کے بعد فرمایا: اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور یہ اس کا کتنا بڑا فضل ہے کہ نیکی کرنے کا جذبہ بھی دل میں وہ پیدا کرتا ہے۔

پھر اس نیک کام کو کرنے کے لیے بدن میں طاقت اور منہ میں زبان بھی وہ پیدا کرتا ہے۔ اس نیک کام کے لیے جن دیگر اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی وہ پیدا کرتا ہے' اس نیکی کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو بھی وہ دور کرتا ہے۔ پھر ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ تمہارے نیک کاموں کا اجر ہے! بعض اوقات ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ شخص اس نیکی سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً وہ ایک بھوکے کو کھانا کھلانا چاہتا ہے لیکن اس کے منہ میں کینسر ہے وہ کھا نہیں سکتا۔ ایک شخص کسی مریض کو صحت یاب کرنے کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرتا ہے لیکن اس کو کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا' اور بعض اوقات کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو لیکن جس کے ساتھ ہم نیکی کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری نیکی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو جس کو ہم نے کھانا کھلا دیا' تو یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے کھانے والے میں کھانے کی صلاحیت پیدا کی۔ ہم نے جس کا علاج کیا تو یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے دواؤں میں شفا کی تاثیر رکھی' اور ہم نے جس کے ساتھ نیکی کی تو یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے اس شخص میں ہماری نیکی قبول کرنے پر آمادگی پیدا کی سب کچھ تو اس نے کیا ہے پھر اس کا کتنا فضل ہے کہ ہم سے کہتا ہے کہ لو یہ اپنی نیکیوں کا انعام اور اجر و ثواب لے لو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے O (الانفال: ۳۰)

کفار قریش کا نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کرنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے ہر قبیلہ کے سردار دارالندوہ میں جمع ہوئے' وہاں ابلیس شیخ جلیل (بوڑھے شخص) کی صورت میں آیا' قریش کے سرداروں نے اس کو دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں شیخ نجد ہوں' میں نے سنا کہ تم یہاں کسی امر میں مشورہ کے لیے جمع ہو' میں نے چاہا کہ میرا مشورہ بھی اس معاملہ میں شامل ہو جائے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تم بھی آجاؤ۔ شیخ نجد نے کہا تم اس شخص کا کوئی موثر بندوبست کرو ورنہ یہ تمہارے تمام معاملات پر قابض ہو جائے گا۔ کسی نے کہا اس شخص کو زنجیروں میں جکڑ دو پھر حوادث روزگار کا انتظار کرو حتیٰ کہ یہ ہلاک ہو جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اور شعراء مثلاً زہیر اور نابغہ ہلاک ہو چکے ہیں۔ شیخ نجد نے چلا کر کہا نہیں نہیں یہ رائے بالکل ناپختہ ہے اگر تم نے اس کو قید کر لیا تو اس کا رب اس کو قید سے نکال لائے گا اور اس کے اصحاب اس کو تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ پھر انہوں نے کوئی اور تجویز سوچی' کسی نے کہا ان کو اس شہر سے نکال دو حتیٰ کہ تم سب کو اس سے نجات مل جائے۔ شیخ نجد نے کہا یہ رائے بھی ٹھیک نہیں ہے کیا تم کو اس کی زبان دانی' طلاقت لسانی اور دلوں میں اترنے والی شیریں بیانی کا علم نہیں ہے۔ یہ جہاں بھی ہو گا اپنا ایک جتھا بنا لے گا پھر تم پر حملہ کر کے تم سب کو ملیامیٹ کر دے گا۔ سو کوئی اور اسکیم بتاؤ۔ تب ابوجہل نے کہا میں تمہیں ایک ایسا مشورہ دیتا ہوں کہ تم نے اس سے بہتر مشورہ پہلے نہیں سنا ہو گا۔ سب نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا ہم ہر قبیلہ سے ایک نوخیز نوجوان اور ایک پختہ جوان کو لے لیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک برہنہ تلوار ہو اور سب مل کر یکبارگی ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اور جب سب مل کر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کا خون ہر قبیلہ کے ذمہ ہو گا اور میں نہیں گمان کرتا کہ بنو ہاشم کا قبیلہ قریش کے تمام قبائل سے جنگ کر سکے گا اور جب وہ قصاص لینے کو مشکل پائیں گے تو دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم کو ان کی ایذا رسانی سے نجات مل جائے گی۔ شیخ نجد نے بے ساختہ کہا بہ خدا یہی وہ صحیح اور صائب رائے ہے جو اس شخص نے پیش کی ہے اس کے علاوہ اور کوئی راہ صحیح نہیں ہے۔

پھر وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کا عزم لے کر اٹھے اور اس مجلس سے منتشر ہو گئے اور حضرت جبرئیل نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر نہ گزاریں اور آپ کو مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت دی اور جب آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آپ پر سورہ الانفال نازل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں آپ پر اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور یہ آیت نازل فرمائی "اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے"۔

(جامع البیان جز ۹' ص ۳۰۱-۳۰۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳' ص ۳۰۷' الدر المنثور ج ۴' ص ۵۲-۵۱' السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲' ص ۹۶-۹۴' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۳' ص ۲۳۳-۲۳۱' الروض الانف ج ۱' ص ۲۹۱)

اللہ تعالیٰ کا کفار کی سازش کو ناکام کر کے آپ کو ان کے نرغہ سے نکال لانا

علامہ محمد بن یوسف شامی صالحی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

جب کفار نبی ﷺ کو قتل کرنے کا عزم کر کے مجلس سے منتشر ہو گئے تو حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا آج رات آپ اپنے اس بستر پر نہ سوئیں جس پر آپ پہلے سویا کرتے تھے اور آپ کی قوم کی سازش کے متعلق خبر دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے نکلنے کی اجازت دے دی ہے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو کفار آپ کے دروازہ کے باہر گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ کب آپ سوئیں تو وہ اچانک آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور ہرگز تمہیں کوئی ناگوار بات نہیں چھوئے گی۔ رسول اللہ ﷺ اسی چادر کو اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔

کفار باہر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ابوجہل بن ہشام نے کہا بے شک (حضرت سیدنا) محمد (ﷺ) یہ زعم کرتے ہیں کہ اگر تم نے ان کی پیروی کر لی تو تم عرب اور عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ پھر تم جب موت کے بعد اٹھو گے تو تمہارے لیے ایسے باغات ہوں گے جیسے اردن کے باغات ہیں اور اگر تم نے ان کی پیروی نہ کی تو تم قتل ہو گے اور جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تم کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا۔ پس رسول اللہ ﷺ باہر آئے اور آپ کی مٹھی میں خاک تھی آپ نے فرمایا ہاں میں یہ کہتا ہوں اور تم ان میں سے ایک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کو کچھ نظر نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ خاک ان کے سروں پر ڈال دی ان کو کچھ دکھائی نہ دیا' اور آپ سورۂ یٰسین کی ان آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل آئے:

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰس: ۹-۱)

یٰس ۝ حکمت والے قرآن کی قسم ۝ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ۝ صراط مستقیم پر (ہیں) ۝ یہ قرآن العزیز الرحیم کا نازل کردہ ہے ۝ تاکہ آپ ان کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے سو وہ غافل ہیں ۝ بے شک ان کے اکثر لوگوں پر ہمارا قول ثابت ہو چکا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے ۝ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں سو وہ اپنے منہ اوپر اٹھائے ہوئے ہیں ۝ ہم نے ایک آڑ ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور

ایک آڑ ان کے پیچھے پھر ہم نے ان کو ڈھانپ دیا تو وہ کچھ نہیں دیکھتے O

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال دی اور پھر آپ نے جہاں چاہا وہاں تشریف لے گئے۔ پھر ان کافروں کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تم یہاں پر کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا۔ اس نے کہا اللہ نے تمہیں نامراد کر دیا۔ اللہ کی قسم (سیدنا) محمد (ﷺ) یہاں سے چلے گئے ہیں اور وہ تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں تم ذرا اپنا جائزہ تو لو۔ پھر ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس کے سر پر مٹی تھی۔ پھر وہ آپ کے گھر گئے تو دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو (سیدنا) محمد (ﷺ) سوئے ہوئے ہیں اور ان پر ان کی چادر ہے۔ وہ اسی طرح کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔ تو پھر وہ کہنے لگے خدا کی قسم اس شخص نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف جا چکے تھے۔

حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھ کر آپ کی جگہ سو گئے اور مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی توقع تھی۔ وہ حضرت علی کی گھات لگا کر بیٹھے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وضو کر رہے تھے جب انہوں نے دیکھا تو کہا افسوس یہ تم ہو یہ تم ہی کروٹیں بدل رہے تھے تمہارے صاحب تو کروٹیں نہیں بدلتے تھے۔ اور حاکم نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اللہ کی رضا کے عوض اپنی جان کو فروخت کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

اس روز کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یاد کیجئے! جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں' وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام کر دیا وہ نامراد ہو گئے اور اللہ عزوجل نے سیدنا محمد ﷺ کو کامیابی اور سرخروئی سے نوازا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد' ج ۳' ص ۲۳۳-۲۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں (بس رہنے دو) ہم سن چکے ہیں' اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس کلام کی مثل بنا لیتے' یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (الانفال: ۳۱)

نضر بن الحارث کے جھوٹے دعوے

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کے شان نزول کے متعلق روایت کیا ہے کہ نضر بن الحارث ایک تاجر تھا اور وہ تجارت کے لیے فارس اور دیگر ممالک کا سفر کرتا تھا۔ اس نے وہاں دیکھا لوگ انجیل پڑھتے تھے اور رکوع اور سجود کرتے تھے۔ جب وہ مکہ میں آیا تو اس نے دیکھا کہ سیدنا محمد ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ بھی رکوع اور سجود کرتے ہیں تو نضر نے کہا ہم اس قسم کا کلام سن چکے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۴۰۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں یہ آیت نضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ تجارت کے لیے الحیرہ گیا۔ وہاں اس نے کلیلہ اور دمنہ کے قصہ کہانیوں کی کتابیں خریدیں اور کسریٰ اور قیصر کی کتابیں خریدیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کی خبریں بیان فرمائیں تو نضر نے کہا اگر میں چاہوں تو میں اس طرح کی خبریں سنا سکتا ہوں۔ اور یہ محض اس کے بلند

بانگ دعوے اور ڈینگیں تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا یہ زعم تھا کہ وہ قرآن کی مثل بنا سکتے ہیں جیسا کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے یہ زعم کیا تھا لیکن جب انہوں نے اس کی مثل بنانے کی کوشش کی تو وہ عاجز ہو گئے لیکن انہوں نے عناداً کہا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن 'جزء ۷' ص ۳۵۶ 'مطبوعہ دار الفکر 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی (دوسرا) دردناک عذاب لے آ۔ (الانفال: ۳۲)

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کفار کا یہ کلام نقل کیا ہے: اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم اسی طرح سورہ اسراء میں بھی ان کا کلام نقل کیا ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (الاسراء: ۹۳-۹۰)

اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ۝ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ ان کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ۝ یا آپ اپنے کہنے کے مطابق ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ ہمارے سامنے اللہ کو اور فرشتوں کو (بے حجاب) لے آئیں ۝ یا آپ کا سونے کا گھر ہو' یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم ہرگز آپ کے (آسمان پر) چڑھنے پر (بھی) ایمان نہیں لائیں گے' حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں۔

یہ کفار کا کلام ہے اور یہ کلام نظم قرآن کی جنس سے ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کفار نے قرآن کی مثل کلام بنا لیا تھا۔

امام رازی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ کلام مقدار میں بہت کم ہے اور اتنی کم مقدار کا کلام قرآن مجید سے معارضہ کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اتنی کم مقدار کے کلام میں فصاحت اور بلاغت کی وجوہ ظاہر نہیں ہو سکتیں اور یہ جواب اسی وقت چل سکے گا جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ قرآن مجید نے تمام سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج نہیں کیا بلکہ سورت طویلہ کی مثل لانے کا چیلنج کیا ہے جس میں کلام کی قوت ظاہر ہو سکے۔ (تفسیر کبیر 'ج ۵' ص ۴۷۹ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 'بیروت '۱۴۱۵ھ)

لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تمام سورتیں معجزہ ہیں اور کوئی سورت بڑی ہو یا چھوٹی اس کی کوئی شخص نظیر نہیں لا سکتا۔ بلکہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت معجزہ ہے اور کوئی شخص کسی آیت کی بھی نظیر نہیں لا سکتا' اور اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں کفار کا جو کلام نقل کیا ہے یہ بعینہٖ ان کا کلام نہیں ہے وہ اتنا فصیح و بلیغ کلام نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فصیح و بلیغ کلام میں منتقل کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ درحقیقت اللہ کا کلام ہے کفار کا کلام نہیں ہے۔ البتہ کفار کے کلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ڈھال کر بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں ۝ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ

لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O (الانفال: ۳۴-۳۳)

کسی قوم میں جب اس کا نبی موجود ہو تو اس قوم پر عذاب نہیں آتا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ اگر قرآن حق ہے اور وہ اس کے منکر ہیں تو ان پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے اور کوئی عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ جب تک (سیدنا) محمد ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں ان پر عذاب نہیں آئے گا اور یہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے ہے اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت جاریہ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی والوں پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجا جب تک کہ اپنے نبی کو وہاں سے نکال نہیں لیا۔ جیسا کہ حضرت ھود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں سے باہر بھیج دیا، اس کے بعد ان کی بستیوں پر عذاب نازل فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب انبیاء علیہم السلام کا ان کے درمیان موجود ہونا نزول عذاب سے مانع ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے ہوتے ہوئے ان کے خلاف جہاد اور قتال کیوں مشروع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلسل کفر اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی بناء پر آسمان سے عذاب کا نزول اور چیز ہے جس سے کافروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے، اور ایمان کی دعوت کو مسترد کرنے کے نتیجہ میں ان سے قتال اور جہاد کرنا اور چیز ہے۔

کفار کے استغفار کی متعدد تفاسیر

کفار پر عذاب نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اہل مکہ میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا جب کہ ان اہل مکہ میں مسلمان بھی موجود ہیں جو استغفار کرتے ہیں۔ ابن ابزیٰ نے کہا جب تک مکہ میں مسلمان ہیں جو استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا اور جب مسلمان مکہ سے چلے گئے تو فرمایا اللہ ان پر عذاب کیوں نہ نازل کرے حالانکہ یہ مشرکین مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا تمہارے لیے دو امانیں تھیں۔ ایک نبی ﷺ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے حالانکہ آپ ان میں موجود ہیں، اور نبی ﷺ کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد یہ امان تو اب نہیں رہی، اور دوسری امان قیامت تک کے لیے ہے اور وہ اللہ سے استغفار کرنا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۳) اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے:

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ اہل مکہ استغفار نہیں کرتے تھے۔ اگر وہ استغفار کرتے تو ان کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ عکرمہ نے اس کی تفسیر میں کہا انہوں نے عذاب کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا اور نہ اس وقت ان پر عذاب نازل کرے گا جبکہ وہ اسلام میں داخل ہو رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت عذاب نہیں دیتا جب اس کے نبی اس قوم میں موجود ہوں، وہ اپنے نبیوں کو ان کے درمیان سے نکال لاتا ہے پھر ان پر عذاب نازل فرماتا ہے اور جو ان میں سے پہلے ایمان لا چکے ہوں ان پر بھی عذاب نازل نہیں فرماتا، اور مجاہد نے کہا جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں تو ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

امام ابن جریر نے کہا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں، حتیٰ کہ اللہ آپ کو ان کے درمیان سے باہر لے آئے کیونکہ وہ کسی بستی کو اس وقت ہلاک نہیں کرتا جب ان میں ان کا نبی موجود ہو۔ اور نہ اللہ اس وقت ان پر عذاب نازل فرماتا ہے جب وہ اپنے کفر اور گناہوں پر استغفار کر

رہے ہوں۔ لیکن وہ اپنے کفر سے توبہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں پھر فرمایا اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں اور اس کے متولی تو متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے' اور اللہ تعالیٰ نے مکہ سے نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد ان کو میدان بدر میں تلوار کے عذاب سے دوچار کیا۔ بعض علماء نے کہا یہ دوسری آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں خبر دی گئی ہے اور نسخ خبر میں نہیں امر اور نہی میں واقع ہوتا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے مسجد حرام کے ولی تو صرف متقی مسلمان ہیں یعنی جو مسلمان اللہ کے فرائض کو ادا کرتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔

(جامع البیان ج۹' ص۳۱۶-۳۰۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے سو اب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے○ (الانفال: ۳۵)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں پرندہ جو سیٹی بجانے کی آواز نکالتا ہے اس کو مکاء کہتے ہیں۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہے کہ ان کا سیٹی بجانا قلت غناء میں پرندوں کی سیٹیوں کے قائم مقام ہے۔ (المفردات' ج۲' ص۶۱۰' مطبوعہ مکہ مکرمہ) صدی کا معنی ہے گونج دار آواز جو مثلاً کسی پہاڑ یا گنبد سے ٹکرا کر آتی ہے۔ (المفردات' ج۲' ص۳۶۶' مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

المکاء ایک پرندہ ہے جو بہ کثرت سیٹیاں بجاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو مکاء کہتے ہیں اور تصدیہ کا معنی ہے تالی بجانا۔

(الکشاف' ج۲' ص۲۱۸' مطبوعہ ایران)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قریش بیت اللہ میں برہنہ طواف کرتے تھے اور سیٹیاں بجاتے تھے۔ مجاہد نے کہا وہ نبی ﷺ کے طواف کرتے وقت معارضہ کرتے تھے' آپ کے طواف اور آپ کی نماز میں خلل ڈالنے کے لیے سیٹیاں بجاتے تھے۔ مقاتل نے کہا جب نبی ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو وہ آپ کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو کر سیٹیاں بجاتے تاکہ آپ کی نماز میں التباس اور اشتباہ پیدا کریں۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ان کا سیٹیاں اور تالیاں بجانا ان کی عبادت تھی۔ اور مجاہد اور مقاتل کے قول پر وہ نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے کے لیے ایسا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس کا قول زیادہ قریب بہ صحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان افعال کو ان کی نماز قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر' ج۵' ص۴۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جاہل صوفیاء کے رقص و سرود پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کی جو مذمت کی ہے اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو رقص کرتے ہیں' تالیاں پیٹتے ہیں اور بے ہوش ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز۷' ص۳۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سو اب عذاب کو چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔ اس عذاب سے مراد تلوار کا عذاب ہے جو ان کو جنگ بدر کے دن پہنچا اور

یا ان سے یہ قول آخرت میں کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں' وہ عنقریب اور بھی خرچ کریں گے پھر یہ ان کے لیے باعث پشیمانی ہو گا' پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گےO تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے' پھر ان سب کا ڈھیر بنا دے پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں ڈال دے' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیںO

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی بدنی عبادات کا حال بیان فرمایا کہ ان کی بدنی عبادت سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہے۔ اور اب ان آیتوں میں ان کی مالی عبادات کا حال بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے یہ مال خرچ کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک ان کی مالی عبادت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اپنا مال مشرکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس مال کے ذریعے قوت حاصل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا یہ مال خرچ کرنا عنقریب ان کے لیے ندامت کا سبب ہو گا۔ کیونکہ ان کے اموال خرچ ہو جائیں گے اور ان کی تمنا پوری نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور کلمۃ الکفر کو کلمۃ اللہ پر غالب کر دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے اور کلمۃ الکفر کو پست کرتا ہے۔ پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے والوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور ان کو عذاب دے گا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ زندہ رہنے والوں اور مرنے والوں کے انجام پر اور اپنے انجام پر حسرت اور ندامت ہو گی۔ کیونکہ جو کافر ان کے ساتھ زندہ رہے ان کا مال اس جنگ میں ضائع ہو گیا اور وہ غمزدہ اور شکست خوردہ لوٹے اور جو ہلاک ہو گئے وہ قتل کیے گئے اور ان کے ہتھیار' سواری اور لباس اتار کر مجاہدین کو دیے گئے اور ان کو بہ عجلت دائمی عذاب اور آگ میں ڈال دیا گیا اور جس شخص نے اس مہم میں مال خرچ کرنے کا انتظام کیا تھا وہ حسب ذیل روایات کے مطابق ابوسفیان ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الحکم بن عتیبہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے جنگ احد میں مشرکین کے اوپر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا اور ایک اوقیہ اس وقت ۴۲ مثقال کا تھا۔

محمد بن یحییٰ' عاصم بن عمر اور الحصین بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے کفار پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفار شکست خوردہ ہو کر مکہ لوٹے' ادھر ابوسفیان بھی اپنے قافلہ کو لے کر مکہ پہنچ گیا۔ تو عبداللہ بن ربیعہ' عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ چند قریش کے ساتھ لے کر ان لوگوں کے پاس تعزیت کے لیے گئے جن کے باپ' بھائی اور بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور قافلہ کے دیگر تاجروں سے کہا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے تمہیں شکست سے دوچار کیا اور تمہارے بہترین جنگ جوؤں کو قتل کر دیا اب تم ان کے خلاف جنگ میں اس مال سے ہماری مدد کرو۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری بار جنگ میں ہم اس شکست کی تلافی کر لیں' تو تمام کفار تاجر اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ مشرکین مسلمانوں پر حملہ کرنے اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں بتایا کہ وہ ابوسفیان ہے یا کوئی اور' بلکہ بالعموم کفار کے مال خرچ کرنے کی خبر دی ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کس جنگ میں مال خرچ کر رہے تھے' اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے معرکہ بدر میں مال خرچ کرنے والے کافر مراد

ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جنگ احد میں مال خرچ کرنے والے کافر مراد ہوں۔
(جامع البیان جز ۹ ص ۳۲۴-۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
اس کے بعد فرمایا تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے پھران سب کا ڈھیر بنا دے پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (الانفال: ۳۷)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان فرق کا ذکر فرمایا ہے اور کفار کو خبیث فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو طیب فرمایا ہے۔ یہ ان کے درمیان دنیا میں فرق ہے اور آخرت میں فرق یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کفار کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ
آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور
اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ
اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو (اس معاملہ میں) پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ○ اور ان کے خلاف جنگ کرتے
حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ
رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لیے ہو جائے پس اگر وہ
انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا
باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ
اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾
بیشک اللہ تمہارا کارساز ہے، وہ کیا اچھا کارساز اور کیسا اچھا مددگار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو اس معاملہ میں پہلوں کی سنت گزر چکی ہے ○ (الانفال: ۳۸)

سابقہ آیات سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مالی عبادتیں اور بدنی عبادتیں بیان فرمائی تھیں اور اس آیت میں ان کو اسلام لانے کی دعوت دی ہے۔
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے نبی مکرم! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا اور اگر ان مشرکوں نے پھر آپ کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کی

تھی اور مشرکین کو شکست اور رسوائی سے دو چار کیا تھا وہ پھر ایسا ہی کرے گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں اللہ کی سنت پہلوں میں جنگ بدر میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح پچھلی امتوں کے کافروں نے جب اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور سرکشی کی اور ان رسولوں کی نصیحت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت ناک عذاب سے دو چار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ: ۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً ضرور بہ ضرور غلبہ مجھے ہو گا اور میرے رسولوں کو ہو گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء: ۱۰۵)

اور بے شک ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

ایمان لانے سے سابقہ گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۝ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (الفرقان: ۷۰-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور اس شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت سے رہے گا ۝ البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

اور کفر کے ترک کرنے اور ایمان لانے سے گناہوں کے مٹ جانے کے متعلق امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے:

ابن شماسہ مہری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص کے پاس گئے وہ اس وقت قریب المرگ تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے پھر انہوں نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہا اے اباجان! کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی، کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی، حضرت عمرو بن العاص نے ان کی طرف منہ کر کے فرمایا ہمارے نزدیک سب سے افضل عبادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے۔ اور میری زندگی میں تین دور گزرے ہیں ایک وہ دور تھا کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں تھا اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ تھی کہ میں آپ پر قدرت پاتا اور آپ کو قتل کر دیتا۔ اگر میں اس دور میں مرجاتا تو میں بلاشبہ اہل دوزخ میں سے ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا: اپنے ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں، آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے پوچھا اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے کیے

ہوئے گناہوں کو مٹا دیتی ہے' اور حج پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ کوئی بزرگ تھا۔ اور آپ کے جلال کی وجہ سے میں یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکوں اور اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا کہ میں آپ کا حلیہ بیان کروں تو میں اس پر قادر نہ تھا' کیونکہ میں نے آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اور اگر میں اس دور میں مر جاتا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا۔ پھر ہمیں چند مناصب پر فائز کیا گیا اور میں نہیں جانتا کہ ان میں میرا کیا حال ہے۔ پس اگر میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ ہو' نہ آگ ہو' اور جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی چھڑک دینا اور پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور میں دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم الایمان: ۱۹۲' (۱۲۱) ۳۱۴' مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اسلام' ہجرت اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ اور حدیث کے الفاظ کے عموم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان اعمال سے حقوق شرعیہ اور حقوق آدمیہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کافر حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کا مال غصب کیا ہو۔

(المفہم ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ کیا زمانہ جاہلیت کے اعمال کا ہم سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے برے عمل کیے اس سے جاہلیت اور اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے اس سے اول اور آخر کا مواخذہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۱' صحیح مسلم الایمان: ۱۸۹ (۱۲۰) ۳۱۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ '۴' ۳۷۹)

علامہ ابو العباس القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا دین اسلام میں دخول صحیح ہو۔ وہ اسلام میں اخلاص سے داخل ہو اور تاحیات اسلام پر قائم رہے۔ مرتد نہ ہو' اور اس حدیث میں اساءت' کفر اور نفاق کے مقابلہ میں ہے۔ اور اس حدیث میں اساءت سے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہے' ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا اسلام اسی شخص کے سابقہ گناہوں کو مٹائے گا جس نے اسلام لانے کے بعد تاحیات کوئی گناہ نہ کیا ہو اور یہ قطعاً باطل ہے۔ قرآن مجید' حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے۔ اور مواخذہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو گناہ کیے ہیں ان پر سزا ہو گی اور یہ مواخذہ اس شخص سے ہو گا جو نفاق سے اسلام میں داخل ہوا ہو یا اسلام کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔ (المفہم ج ۱ ص ۳۲۷' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں احسان اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے اسلام میں داخل ہوا ہو اور یہ کہ وہ حقیقی مسلمان ہو تو اس کے سابقہ گناہ قرآن مجید کے نصوص صریحہ' حدیث صحیح اور اجماع سے معاف کر دیے جائیں گے' اور برے عمل اور اساءت سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے اسلام میں داخل نہ ہو بلکہ وہ صرف بہ ظاہر کلمہ شہادت پڑھے اور

دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ پس ایسا شخص منافق ہے اور وہ اپنے کفر پر باقی ہے۔ لہٰذا اس سے صورۃً اسلام کے اظہار سے پہلے اور اس کے بعد کے تمام گناہوں پر مواخذہ ہو گا اور اس کو سزا ملے گی کیونکہ وہ اپنے کفر پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم ہے۔

(شرح النواوی مع المسلم' ج ا' ص ۸۱۰' مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کافر کے سابقہ گناہوں کے بخشنے میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم

اللہ تعالیٰ کافر کے جو پچھلے تمام گناہ بخش دیتا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا لطف و کرم ہے۔ کیونکہ کفار انواع و اقسام کے کفر اور جرائم' فواحش و منکرات اور معاصی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اگر ان کے سابقہ گناہوں پر مواخذہ کیا جاتا تو وہ توبہ سے ان گناہوں کی تلافی کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مغفرت کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبول توبہ کو آسان کر دیا اور اسلام کے بعد ان کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا تاکہ ان کا دین اسلام میں داخل ہونا آسان ہو جائے' اور اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے پچھلے گناہوں پر ضرور مواخذہ ہو گا تو وہ توبہ کرتے نہ اسلام لاتے۔ کیونکہ انسان کو جب معلوم ہو کہ اس کو اس کے جرائم کی معافی نہیں مل سکتی تو پھر وہ بغاوت پر اتر آتا ہے اور کھل کر جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے۔ اس نے پوچھا روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک راہب (عیسائیوں کا پیر) کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی وہ گیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور ایک سینکڑہ پورا کر دیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے تو ایک عالم کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ توبہ اور اس کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور اپنے علاقہ کی طرف لوٹ کر نہ جانا وہ بری جگہ ہے۔ وہ وہاں سے چل پڑا۔ ابھی آدھے راستے پر پہنچا تھا کہ اس کو موت نے آلیا۔ پھر اس کے متعلق رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان مباحثہ ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیک عمل بالکل نہیں کیا۔ تب ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم (منصف) بنا لیا۔ اس نے کہا ان دونوں زمینوں کے درمیان پیمائش کرو جس زمین کے وہ زیادہ قریب ہو اس کو اسی کے ساتھ لاحق کر دو۔ انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ تب اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔

امام مسلم کی دوسری سند کے ساتھ جو روایت ہے (۶۸۷۷) اس میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا (یعنی اس کے علاقہ کی زمین) اور اس زمین (جہاں نیک لوگ رہتے تھے) کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' صحیح مسلم التوبہ: ۴۶ (۲۷۶۶) ۶۸۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے کہ اگر کافر کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور زندیق بھی کافر ہے سو اگر وہ اپنی زندیقی سے باز آجائے تو اس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جانے چاہئیں۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ مقبول ہے جیسا کہ اس ظاہر آیت کا تقاضا ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول نہیں

ہے کیونکہ وہ اپنی زندیقی کو مخفی رکھتا ہے اور اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ ہم اس بحث میں پہلے زندیق کا معنی بیان کریں گے پھر زندیق اور دہری وغیرہ کا فرق بیان کریں گے' پھر فقہاء کا اختلاف ذکر کریں گے اور آخر میں یہ بتائیں گی کہ اس کی توبہ قبول نہ ہونے کا کیا محمل ہے۔

زندیق کا معنی اور مفہوم

علامہ محمد طاہر ھندی متوفی ۹۸۷ھ علامہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ سے نقل کرکے لکھتے ہیں:

زنادقہ مجوس کی ایک قوم ہے جس کو ثنویہ بھی کہتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نور مبدءِ خیرات ہے اور ظلمت مبدءِ شرور ہے۔ پھر اس لفظ کو ہر ملحد فی الدین کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اور یہاں اس سے مراد وہ قوم ہے جو اسلام سے مرتد ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ زنادقہ سبائیہ کو کہتے ہیں جو عبداللہ بن سبا کے اصحاب ہیں' ان لوگوں نے طلب فتنہ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام کا اظہار کیا۔ پہلے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ پھیلایا' پھر شیعوں سے مل کر ان کو ان کی جہالتوں میں گمراہ کیا' حتیٰ کہ شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معبود ہونے کا اعتقاد کیا' حضرت علی نے ان سے توبہ طلب کی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو عبرت ناک سزا دینے کے لیے ان کو جلا دیا۔ اور علامہ ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ نے جامع الاصول کی شرح میں لکھا ہے کہ زندیق وہ شخص ہے جو کفر کو چھپاتا ہو اور اسلام کو ظاہر کرتا ہو' جس طرح منافق ہیں' یا یہ ثنویہ کی ایک قوم ہے۔ (مجوس کی ایک قسم) یا وہ شخص ہے جس کا کوئی دین نہ ہو یا یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضرت علی نے جلا دیا تھا جو بتوں کی پرستش کرتے تھے یا رافضی ہیں۔ (مجمع بحار الانوار' ج ۲' ص ۴۴۲-۴۴۱' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

زندیق' منافق' دہری اور ملحد کی تعریفوں کا باہمی فرق

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے عربی زبان میں زندیق کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کی نفی کرتا ہو' اور جو شریک کو ثابت کرتا ہو' اور جو اللہ کی حکمت کا انکار کرتا ہو' اور مرتد اور زندیق کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ کبھی زندیق مرتد نہیں ہوتا جیسا کہ اصلی زندیق جو دین اسلام سے منحرف نہ ہوا ہو۔ اور کبھی مرتد زندیق نہیں ہوتا جیسے کوئی مسلمان مثلاً یہودی یا عیسائی ہو جائے (العیاذ باللہ) اور کبھی زندیق مرتد بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی مسلمان زندیق ہو جائے' العیاذ باللہ۔ اور اصطلاح شرع میں فرق زیادہ ظاہر ہے کیونکہ شریعت میں زندیق اس کو کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرے لیکن یہ دوسری قید مسلمان زندیق کے اعتبار سے ہے اور زندیق' منافق' دہری اور ملحد میں فرق یہ ہے کہ کفر کو چھپانا تو ان سب میں مشترک ہے لیکن منافق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا' اور دہری اس کے ساتھ ساتھ حوادث کی اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کا بھی انکار کرتا ہے۔ (یعنی خدا کو نہیں مانتا) اور ملحد وہ شخص ہے جو شریعت مستقیمہ سے انحراف کرکے جہات کفر میں سے کسی جہت کی طرف مائل ہو اور جو شخص ملحد ہو اور دین سے انحراف کرے اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کرے اور نہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے فاعل مختار ہونے کا اعتراف کرے۔ اس قید کے اعتبار سے ملحد' دہری سے مفارق ہو گیا اور اس میں کفر کو چھپانے کی قید بھی نہیں ہے اس اعتبار سے وہ منافق سے مفارق اور الگ ہو گیا۔ اور نہ اس میں یہ شرط ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہو اور اس اعتبار سے وہ مرتد سے ممتاز ہو گیا لہٰذا ملحد کی تعریف کفر کے تمام فرقوں کو شامل ہے اور اس کا مفہوم سب سے عام اور وسیع ہے۔ یہاں تک ابن کمال پاشا کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں لیکن زندیق اس اعتبار سے کہ وہ کبھی کافر اصلی ہوتا ہے اور کبھی مسلمان زندیق ہو جاتا ہے۔ اس کی تعریف میں نبوت کے اعتراف کی شرط نہیں ہے اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کسی دین کا پابند نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار ج ۳ 'ص ۲۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

زندیق کی توبہ اور اس کو قتل کرنے کے شرعی احکام

علامہ عبدالواحد کمال ابن ہمام متوفی ۸۶۲ھ فرماتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ظاہر مذہب کے مطابق ساحر اور زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور زندیق وہ شخص ہے جو کسی دین کا پابند نہ ہو اور رہا وہ شخص جس کے باطن میں کفر ہو اور وہ اسلام کو ظاہر کرتا ہو وہ منافق ہے' اور توبہ قبول نہ کرنے میں اس کا حکم بھی زندیق کی طرح ہے۔ زندیق کی توبہ اس لیے قبول نہیں کی جائے گی کہ وہ کسی دین کو بھی نہیں مانتا اور اپنے اس کفر کو مخفی رکھتا ہے' اور اس کی زندیقی کا علم اس طرح ہو گا کہ بعض لوگ اس پر مطلع ہو جائیں یا وہ خود اپنے کسی معتمد علیہ کو بتائے۔ اس لیے اس کی توبہ پر اطمینان نہیں ہے۔ اور منافق بھی اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے اس لیے اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی' اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے گا اور جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی وہ منافق ہے' اور زندیق اگر عربی ہو اور وہ کسی دین کے نہ ماننے کو منافق کی طرح مخفی رکھتا ہو تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر بالفرض وہ اپنی زندیقی کا اظہار کرتا ہو اور پھر تائب ہو جائے تو پھر واجب ہے کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اور اس کی توبہ قبول کر لی جائے' جیسا کہ باقی دیگر ان کفار کا حکم ہے جو اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور پھر توبہ کر لیتے ہیں تو ان کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو اپنے باطن میں بعض ضروریات دین مثلاً حرمت خمر (انگوری شراب) کی حرمت کا انکار کرتا ہو اور بہ ظاہر اس کی حرمت کا اعتراف کرتا ہو۔ (فتح القدیر' ج ۶' ص ۹۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں مذکور ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو ظاہر المذاہب قرار دیا ہے' لیکن خانیہ کی بحث حظر و اباحت میں مذکور ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اگر ساحر یا اس زندیق کو توبہ سے پہلے گرفتار کر لیا جائے جو مشہور ہو اور اپنے مذہب کا داعی ہو پھر گرفتاری کے بعد وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر توبہ کرنے کے بعد اس کو گرفتار کیا جائے تو پھر اس کی توبہ قبول کی جائے گی (میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ہمام نے اس زندیق کی توبہ قبول نہ کرنے کے متعلق لکھا ہے جو اپنی زندیقی کو مخفی رکھے لیکن جو اپنی زندیقی کا اعلان کرے اور اس کی دعوت دے اس کا انہوں نے عام کافروں کی طرح حکم بیان کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(در مختار علی ردالمحتار' ج ۳' ص ۲۹۶' مطبوعہ بیروت)

زندیق کی توبہ مقبول ہونے یا نہ ہونے کے الگ الگ محمل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ نے تجنیس میں لکھا ہے اگر زندیق اپنی زندیقی میں معروف نہ ہو اور نہ اپنی زندیقی کی دعوت دیتا ہو تو اگر وہ زندیق مشرکین عرب سے ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ عجمی ہو تو اس کو اس کے شرک پر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ مرتد ہے' اور اگر وہ ذمی ہو اور پھر زندیق بنا ہو تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے' اور اگر زندیق اپنی زندیقی میں معروف ہو اور اپنی زندیقی کی دعوت دیتا ہو تو اگر

وہ گرفتار ہونے سے پہلے اپنے اختیار سے توبہ کرے اور اپنی زندیقی سے رجوع کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ واضح رہے کہ فقہاء نے جو کہا ہے کہ ساحر یا زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس کا بھی یہی محمل ہے کہ سب و شتم کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ زندیق کی توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں جو اختلاف ہے وہ دنیا کے اعتبار سے ہے باقی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توبہ بالاتفاق قبول کر لی جائے گی۔

(ردالمحتار ج ۳' ص ۲۹۶' مطبوعہ بیروت)

زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر امام رازی کے دلائل اور تحقیق مقام

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ زندیق کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کی دو دلیلیں ہیں' پہلی دلیل سورۃ الانفال کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (الانفال: ۳۸) یہ آیت کفر کی تمام انواع کو شامل ہے اور اس میں زندیق بھی داخل ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندیق کے حال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے واقعی زندیقی سے توبہ کر لی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں" اور جب اس نے زندیقی سے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زندیق زندیقی سے رجوع کرنے کا مکلف ہے اور اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ توبہ کرے اور اگر اس کی توبہ قبول نہ کی جائے تو لازم آئے گا کہ اس کو ایسی چیز کا مکلف کیا جائے جو اس کی طاقت میں نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ: ۲۵) وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۴۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے زندیق کی جس توبہ کے قبول کرنے پر دلائل دیے ہیں' یہ اللہ کے نزدیک توبہ ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ اور اس توبہ کے متعلق فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ توبہ قبول ہوگی۔ فقہاء کا اختلاف اس میں ہے کہ زندیق توبہ کر لے تو آیا اس کو قتل کرنے کا حکم ساقط ہو گا یا نہیں اور دنیا میں اس کی یہ توبہ مفید ہوگی یا نہیں' اور زندیق کی توبہ کے قبول کرنے یا نہ کرنے سے ان کی یہی مراد ہے اور آخرت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم علامہ شامی کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لیے ہو جائے○ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے○ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا کارساز ہے وہ کیسا اچھا کارساز اور کیسا اچھا مددگار ہے○ (الانفال: ۴۰-۳۹)

فتنہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اگر یہ کفار اپنے کفر سے باز آگئے تو ان کی بخشش کر دی جائے گی اور اگر انہوں نے دوبارہ وہی روش اختیار کی تو جس طرح پچھلی امتوں کو سزا دی گئی تھی ان کو بھی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کفار باز نہیں آتے تو وہ ان سے قتال کریں حتیٰ کہ کفر کا غلبہ نہ رہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کفار سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔ فتنہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' قتادہ اور سدی سے مروی ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ اور پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام کی وجہ سے تنگ نہ کیا جائے اور شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی کر دی جائے۔

عروہ بن زبیر نے بیان کیا ہے کہ دعوت اسلام کی ابتداء میں مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا' تب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دوسرا فتنہ یہ تھا کہ جب مکہ کی گھاٹیوں میں انصار نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کی تو قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں ایذاء دینی شروع کی اور یہ دوسرا فتنہ تھا۔ پھر ہجرت کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار کے خلاف قتال کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور وہ اسلام لانے کی بناء پر مسلمانوں کو تنگ نہ کر سکیں۔ (جامع البیان جز ۹' ص ۳۲۹-۳۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

صرف جزیرہ عرب سے کفر کا غلبہ ختم کرنا مقصود ہے یا پوری دنیا سے

"اور پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے" امام رازی نے لکھا ہے کہ مکہ اور اس کے گرد و نواح میں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے۔ اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کافروں سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ تمام دنیا میں شرک نہ رہے اور تمام شہروں میں اسلام قائم ہو جائے۔ ہماری رائے میں اس آیت کا صحیح معنی یہ ہے کہ جب تک دنیا میں کفر کا زور اور شرک کا غلبہ ہے کافروں سے جنگ کرتے رہو۔ اور مسلمان اپنے آپ کو ہر وقت حالت جہاد میں سمجھیں اور ایسے اسباب اور وسائل کے حصول میں کوشاں رہیں جس سے وہ پوری دنیا سے شرک کا قلع قمع کر سکیں اور کافروں کے جن جن علاقوں کو فتح کریں وہاں تبلیغ کر کے کافروں کو مسلمان بنائیں تاکہ ان کی عددی قوت میں اضافہ ہو' اور ہر دور میں جنگی ہتھیاروں کی جو تازہ ایجادات ہوں ان کو حاصل کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم میں ترقی کریں۔ اس دور میں مسلمانوں کی پس ماندگی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تبلیغ اسلام نہیں کی۔ مغلوں نے ہندوستان پر کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومت کے استحکام میں لگے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے لیکن مفتوحہ علاقوں میں تبلیغ اسلام کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جدید سائنسی علوم کے حصول میں کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ پوری دنیا سے کفر اور شرک کا غلبہ ختم کیا جائے اور توحید اور اسلام کا پوری دنیا میں غلبہ ہو اور جب مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو وہ دنیا میں مغلوب اور محکوم ہو گئے' بعض علاقے انہوں نے جہاد کے ذریعے فتح ضرور کیے لیکن ویکون الدین کلہ للہ پر عمل نہیں کیا اور کافروں کو مسلمان کرنے کی کوئی موثر کوشش نہیں کی چنانچہ وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا کارساز ہے۔ یعنی اگر کفار توبہ نہ کریں اور ایمان نہ لائیں تو تم ان کی پرواہ نہ کرو' اللہ تمہارا مولیٰ ہے وہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تم سے مصیبتوں کو دور کرے گا۔ وہ کیسا اچھا کارساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

الربع

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ

اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بیشک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے

لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ

اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں

السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

کے لیے ہے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

فیصلہ کے دن نازل کی جس دن دو لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ۝٤١ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى

قادر ہے ○ جب تم (وادی بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي

اور (تجارتی) قافلہ تم سے نچلی جانب تھا، اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں

الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ

ضرور مختلف ہو جاتے، لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا، تاکہ جو ہلاک

مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ

ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے، اور بے شک

اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٤٢ ۙ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَ

اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے ○ (اور یاد کیجیے) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کو کم تعداد میں دکھا رہا تھا اور

لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور بہت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تم کو

سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ

اس سے) سلامت رکھا، بے شک وہ دورن سینہ امور کو بہ خوبی جاننے والا ہے ○ اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں

الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ

کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ ع ۵

جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے 'اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (چیز) پر جو اللہ نے اپنے (مکرم) بندے پر فیصلہ کے دن نازل کی جس دن دو لشکر مقابل ہوئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○ (الانفال: ۴۱)

ربط مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور جہاد میں جب مسلمان فتح یاب ہو جائیں تو میدان جنگ میں کفار کا جو مال 'اسباب اور ہتھیار وغیرہ ہاتھ آئیں وہ مال غنیمت ہے۔ سو اب جہاد کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ مال غنیمت کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ مال غنیمت کے ساتھ نفل اور فئے کا حکم بھی متصل ہے۔ ہم مال غنیمت سے نفل اور فئے کا حکم بیان کریں گے تاکہ شرح صحیح کے ساتھ مال غنیمت کی تعریف اور اس کے احکام اور ان میں مذاہب معلوم ہو سکیں۔ نفل کی تفصیل اگرچہ پہلے گزر چکی ہے لیکن ہم ربط مضمون کی خاطر اس کا دوبارہ اعادہ کر رہے ہیں۔

نفل 'تنفیل اور سلب کی مختصر تشریح

نفل کا لغوی معنی ہے زیادتی اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے امام بعض مجاہدین کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے ان کے حصہ سے زائد کوئی چیز عطا کرے۔

تنفیل کا معنی یہ ہے کہ امام بعض مجاہدین کی کسی زائد چیز کے ساتھ تخصیص کر دے۔ مثلاً امام کہے کہ جس نے فلاں چیز حاصل کر لی تو اس کا چوتھائی یا تہائی حصہ اس کو ملے گا۔ یا کہے کہ جس نے فلاں چیز پر قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی قتیل (کافر) کو قتل کیا اس کا سلب (اس کا سامان) اسی کا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۲ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۱ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۱۷)

اور سلب میں مقتول کے کپڑے 'اس کے ہتھیار 'اس کی سواری اور سواری کے آلات داخل ہیں۔

فئے کا معنی

فئے کا لغوی معنی ہے لوٹنا اور اصطلاح شرح میں فئے اس چیز کا نام ہے جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو نہ دوڑایا ہو۔ مثلاً وہ اموال جو امام المسلمین کی خدمت میں ارسال کیے جاتے ہوں یا وہ اموال جو اہل حرب سے

معاہدہ کی بناء پر لیے گئے ہوں۔ اموال فئے میں خمس نہیں ہوتا کیونکہ فئے غنیمت نہیں ہے۔ اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے بہ طور قہر اور غلبہ لیا جائے۔ اور مال فئے بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ اس میں آپ اپنی مرضی سے تصرف فرماتے تھے خواہ اس مال کو آپ اپنے اوپر خرچ فرمائیں یا اپنے اہل و عیال پر یا جن پر آپ چاہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ (الحشر: ٦)

اور جو مال اللہ نے ان سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹا دیے تو تم نے ان پر نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو از قبیل فئے عطا فرمائے تھے۔ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے، آپ ان اموال سے اپنے اہل کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور باقی اموال کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ٢٩٠٤، صحیح مسلم الجہاد ٤٨ (١٧٥٧) ٤٤٩٤، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٩٥٦، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٧١٩، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ١١٥٧٦)

رسول اللہ ﷺ اور بعد کے ائمہ مسلمین میں فرق یہ ہے کہ اہل حرب کی طرف سے جو مال ائمہ مسلمین کو بھیجا جائے گا، وہ عامۃ المسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی کفار پر ہیبت تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا دو ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے اور ائمہ کی ہیبت مسلمانوں کی وجہ سے ہے لہٰذا اس مال میں ائمہ کے ساتھ عام مسلمان بھی شریک ہیں۔

مال غنیمت کی تعریف

مال غنیمت اس مال کا نام ہے جو اہل حرب سے قہر اور غلبہ سے حاصل کیا جائے اور یہ قہر اور غلبہ فوج کے ذریعہ حاصل ہوگا۔ اور فوج یا حقیقتاً ہوگی یا حکماً، اور حکماً فوج کا معنی ہے امام کا اذن۔ اور امام شافعی کے نزدیک اہل حرب سے غلبہ کے ساتھ جو مال جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ غنیمت ہے اور وہ فوج یا امام کے اذن کی شرط نہیں لگاتے۔ مال غنیمت کے چار حصے امیر لشکر، لشکر اسلام میں تقسیم کرے گا سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ اور پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ٩ ص ٧٤-٥٨٠ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٨ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء شافعیہ کا موقف

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور اس خمس کی تقسیم کی کیفیت میں مشہور قول یہ ہے کہ اس خمس کے پھر پانچ حصص کیے جائیں گے، ان میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے ہیں نہ کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل سے۔ کیونکہ حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یہ آپ کے بھائی بنو ہاشم ہیں ان کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ ان کی نسل سے ہیں، آپ یہ بتائیے کہ آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو عبد المطلب کو عطا فرمایا اور ہم کو محروم کر دیا حالانکہ ہم اور وہ بہ منزلہ واحد ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جاہلیت اور اسلام میں مجھ

سے بالکل الگ نہیں ہوئے اور صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں' یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۸۰)

اور بقیہ تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک خمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے' ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگا اور اس کو مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا جہاں اس حصہ کو رسول اللہ ﷺ خرچ کرتے تھے' مثلاً مجاہدوں کے لیے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری کے لیے' اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر' اس کی تقسیم ان میں اس طرح ہوگی کہ مردوں کو دو حصے ملیں گے اور عورتوں کو ایک حصہ ملے گا۔ اور خمس کے باقی تین حصے یتیموں' مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

خمس کے پانچ حصے کیے جائیں گے' ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے' ایک حصہ یتیموں کا ہے' ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ (الانفال: ۴۱) اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ مصالح المسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو مال تم پر لوٹایا ہے اس میں سے اس بال کے برابر بھی میرے لیے جائز نہیں ہے سواء خمس کے اور وہ بھی تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۴۹' ۴۱۵۰) نبی ﷺ نے خمس کو تمام مسلمانوں کے لیے قرار دیا اور تمام مسلمانوں کے لیے خمس کو صرف کرنے کا یہی معنی ہے کہ اس کو ان کے مصالح میں صرف کیا جائے' ان کی سرحدوں کی حفاظت پر اور گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری پر اس مال کو خرچ کیا جائے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ انتظامیہ کے ساتھ مختص ہے اور دوسری روایت ہے کہ گھوڑوں اور ہتھیاروں پر اس رقم کو خرچ کیا جائے۔

خمس کا دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں پر خرچ کیا جائے اور آپ کے قرابت دار بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ نے خمس کو بنو ہاشم اور بنو المطلب میں تقسیم فرمایا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے بھائیوں میں سے بنو المطلب میں خمس کو تقسیم فرمایا اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا حالانکہ آپ سے ان کی قرابت اور ہماری قرابت واحد ہے۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں' حضرت جبیر نے کہا نبی ﷺ نے اس خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو بالکل عطا نہیں فرمایا' جیسا کہ آپ نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کے درمیان خمس کو تقسیم فرمایا تھا' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق خمس کو تقسیم فرماتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ اپنے قرابت داروں کو جو عطا فرماتے تھے حضرت ابوبکر ان کو وہ عطا نہیں کرتے تھے لیکن ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے قرابت داروں کو خمس میں سے عطا کرتے تھے۔ امام ابوداؤد کے علاوہ کسی نے یہ جملہ روایت نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر حضور کے قرابت داروں کو نہیں دیتے تھے۔ الخ۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اضافہ زہری نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶'

ص ۲۴۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۸۷) اور ان کے درمیان بر طریق عموم تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر فرمایا ہے: اور (آپ کے) قرابت داروں کے لیے (الانفال: ۴۱) اور اس لیے کہ اس حق کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس میں عموم ہوگا جس طرح میراث میں عموم ہوتا ہے۔ پس اس میں سے غنی اور فقیر اور مرد اور عورت سب کو دیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے خمس میں سے حضرت عباس کو عطا فرمایا تھا اور وہ غنی تھے اور آپ نے اپنی پھوپھی صفیہ کو عطا فرمایا تھا' اور مردوں کو دو حصے اور عورتوں کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

جہاں تک یتیموں کے حصہ کا تعلق ہے تو یتیم اس کم سن بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا احتلام (بلوغت) کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا اور اس میں اس کے فقیر ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ غنی بالمال غنی بالاب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور مسکینوں کے حصہ میں مسکین سے وہ مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسافروں کے حصہ میں بھی وہی مسافر مراد ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ (الکافی ج ۴' ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المالکی المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے ہے۔ اللہ کے حصہ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ کا حصہ اور رسول کا حصہ واحد ہے اور اللہ کے لیے ہے فرمانا کلام کے استفتاح (تمہید) کے لیے ہے' دنیا اور آخرت اور ساری مخلوق اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور دوسرا قول ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس غنیمت کو لایا جاتا اس غنیمت کے چار حصے آپ لشکر اسلام میں تقسیم فرماتے پھر آپ بقیہ خمس میں سے ایک مٹھی بھر کر اٹھا لیتے اور اس کو کعبہ کے لیے وقف کر دیتے' پھر بقیہ خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم فرماتے' اس میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوتا' ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا' ایک حصہ یتیموں کا' ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۶' ص ۵۰۴' رقم الحدیث: ۳۳۲۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اور رسول کے حصہ کے متعلق بھی دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ رسول کے حصہ کا ذکر استفتاح کلام کے لیے ہے جس طرح اللہ کے حصہ کا ذکر ہے۔ اور خمس میں سے کوئی چیز اللہ کے لیے ہے نہ رسول کے لیے ہے' اور خمس کے چار حصے کیے جائیں گے ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لیے اور ایک حصہ یتیموں کے لیے' ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خمس میں سے ایک حصہ رسول کے لیے ہے اور اس کی کیفیت میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کے قرابت داروں کو بہ طور وراثت ملے گا' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو ملے گا' تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو گھوڑوں اور ہتھیاروں میں صرف کیا جائے گا' چوتھا قول یہ ہے کہ اس کو عامۃ المسلمین کے مصالح میں صرف کیا جائے گا۔

(احکام القرآن' ج ۲' ص ۴۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

خمس کی تقسیم میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی حیات میں خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ ایک حصہ نبی ﷺ کے لیے' ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کے لیے' ایک حصہ یتیموں کے لیے' ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں

کے لیے ہے۔ جیسا کہ الانفال: ۴۱ میں تفصیل سے ہے۔ اس آیت کے شروع میں مذکور ہے: خمس اللہ کے لیے ہے۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ خمس عبادت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خمس کی تعظیم کے لیے ہو جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں اضافت تعظیم کے لیے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے حصہ میں اور ذوی القربیٰ کے حصہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے علماء احناف رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ اب وہ مصالح المسلمین میں مشغول رہتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ خمس رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی جیسا کہ آپ کی زندگی میں صفی (مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ جو چاہتے اپنے لیے چن لیتے مثلاً تلوار، زرہ یا باندی) اور فے آپ کی خصوصیت تھی، پھر آپ کے بعد صفی اور فے میں کسی کی خصوصیت نہ تھی۔ اس لیے واجب ہے کہ خمس میں بھی کسی کی خصوصیت نہ ہو، اس لیے آپ کے بعد آپ کا حصہ خلفاء راشدین کے لیے نہیں ہو گا۔

اور آپ کے قرابت داروں کے حصہ کے متعلق امام شافعی نے کہا ہے کہ وہ اب بھی باقی ہے اور وہ اولاد بنو ہاشم کو ملے گا، اس میں فقیر اور غنی برابر ہیں، اور ہمارے نزدیک بنو ہاشم کے اغنیاء کو خمس میں سے نہیں دیا جائے گا، البتہ بنو ہاشم کے فقراء کو خمس میں سے دیا جائے گا اور ان کے لیے علیحدہ حصہ وضع کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ فقراء کے حصے میں داخل ہیں بلکہ دوسرے فقراء پر مقدم ہیں۔ ہمارے نزدیک خمس کے تین حصے کیے جائیں گے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ فقراء کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ (بدائع الصنائع، ج ۹، ص ۵۰۰-۴۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء اربعہ راشدین نے خمس کے اسی طرح تین حصہ کیے تھے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اور ان کی اقتداء کرنا کافی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو ہاشم کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے دھوون اور میل کچیل کو ناپسند کیا ہے اور اس کے عوض میں تم کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا ہے اور معوض یعنی زکوٰۃ اغنیاء کے لیے جائز نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کا عوض یعنی خمس بھی بنو ہاشم کے اغنیاء کے لیے جائز نہ ہو۔

(ہدایہ اولین، ص ۵۷۷-۵۷۶، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف نے از کلبی از ابو صالح از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے، اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ تھا اور رسول کے قرابت داروں کا ایک حصہ تھا، اور یتیموں کا ایک حصہ تھا، اور مسکینوں کا ایک حصہ تھا، اور مسافروں کا ایک حصہ تھا۔ پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے خمس کے تین حصے کیے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں خلفاء راشدین کے اس فعل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور اسی بناء پر امام ابو یوسف کی کلبی سے یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ کلبی ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے ماسوا اس کے کہ وہ دوسرے راویوں کی موافقت کرے۔ (فتح القدیر ج ۵، ص ۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو یوسف نے جو خلفاء راشدین کا فعل نقل کیا ہے کہ وہ خمس کے تین حصہ کرتے تھے اس کی تائید حسب ذیل

روایات سے ہوتی ہے۔

امام عبد الرزاق صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بن محمد بن علی ابن الحنفیہ نے واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا اللہ کا ذکر بطور تمہید ہے دنیا اور آخرت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور خمس رسول کے لیے ہے اور ان کے قرابت داروں کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان دو حصوں میں اختلاف ہوا' کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ اور کسی نے کہا قرابت داروں کا حصہ خلیفہ کی قرابت کی وجہ سے ہے' اور اصحاب محمد ﷺ کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ ان دو حصوں کو گھوڑوں میں اور فی سبیل اللہ جہاد میں خرچ کیا جائے اور یہ حضرت ابوبکر اور عمر کی خلافت میں تھا۔ (مصنف ج ۵' ص ۲۳۸' رقم الحدیث: ۹۴۸۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۳ھ)

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (المصنف ج ۶' ص ۵۲۱' رقم الحدیث: ۳۳۴۴۰' مطبوعہ بیروت)

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خمس کی تقسیم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر عمل کیا۔ (المصنف ج ۵' ص ۲۳۷' رقم الحدیث: ۹۴۷۹' مطبوعہ بیروت)

اور امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حسن نے اس آیت (الانفال: ۴۱) کی تفسیر میں کہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اہل بیت کو کسی نے نہیں دیا' حضرت عمر نے نہ کسی اور نے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ معاملہ امام المسلمین کی طرف مفوض ہے وہ اس کو فی سبیل اللہ اور فقراء میں جہاں اللہ کا ارادہ ہو وہاں خرچ کرے۔ (المصنف ج ۶' ص ۵۲۱' رقم الحدیث: ۳۳۴۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس کے بعد فرمایا اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (کتاب) پر جو اللہ نے فیصلہ کے دن نازل کی' یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ اس تفصیل کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا لہٰذا اے مسلمان اہل لشکر تم اس خمس میں طمع نہ رکھو اور مال غنیمت کے باقی جو چار حصے ہیں ان پر قناعت کرو۔

یوم الفرقان سے یوم بدر مراد ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں امتیاز کر دیا تھا' اور جمعان سے مراد مسلمانوں اور کافروں کے دو گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کے دن اپنے معزز بندے یعنی نبی ﷺ پر جو چیز نازل کی اس سے مراد اس دن نازل ہونے والی آیات ہیں۔ اور وہ فرشتے جو مسلمانوں کے قدم جمانے کے لیے نازل ہوئے تھے اور دیگر نشانیاں مثلاً خاک کی مٹھی کا ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ جانا' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کہ تم کم تعداد میں تھے اور تم کو بڑی تعداد والوں پر غالب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم (وادی بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے نچلی جانب تھا' اور اگر تم مقابلہ کا وقت مقرر کرتے تو پہنچنے کے وقت میں ضرور مختلف ہو جاتے' لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو (اللہ کے نزدیک) کیا ہوا تھا' تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے' اور بے شک اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ○ (الانفال: ۴۲)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

العدوۃ الدنیا کا معنی ہے وادی کا ایک کنارہ جو مدینہ کے قریب تھا۔ العدوۃ القصوی کا معنی ہے وادی کی دوسری جانب جو مدینہ سے دور تھی۔ الرکب اسفل منکم کا معنی ہے تجارتی قافلہ وادی بدر کے نیچے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تھا۔ ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پہلے سے وقت مقرر کیے بغیر کفار کے

بالمقابل لاکھڑا کیا تاکہ جو کام اللہ کے علم میں ہو چکا ہے وہ واقع اور خارج میں بھی ہو جائے اور وہ کام اسلام کی سربلندی اور کفر کی پستی ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب کر دکھایا تاکہ اب جو کفر کرے تو اللہ کی حجت پوری ہونے کے بعد کفر کرے اور روز قیامت کے لیے اس کا کوئی عذر باقی نہ رہے' اور اللہ کی حجت یہ تھی کہ مسلمان کم تعداد میں ہونے کے باوجود اللہ کی تائید و نصرت سے اپنے سے تین گنے زائد کافروں پر غالب آ گئے۔ ویحیی من حی عن بینۃ یعنی جو شخص ایمان لائے وہ شرح صدر کے ساتھ حجت ظاہرہ کو دیکھ کر ایمان لائے۔ ہلاکت اور حیات سے مراد کفر اور ایمان ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے موت اور زندگی مراد ہو یعنی مرے تو دلیل دیکھ کر مرے اور زندہ رہے تو دلیل دیکھ کر زندہ رہے۔

فتح بدر میں سیدنا محمد ﷺ کی دلیل نبوت

مسلمانوں کا لشکر ابتداء میں کمی اور تیاری نہ ہونے کی وجہ سے بہت خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا تھا' جس جگہ ان کا قیام تھا وہ جگہ پانی سے دور تھی اور وہ زمین ریتلی تھی جس میں ان کے پیر دھنس جاتے تھے۔ اور کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے پاس ہتھیار بھی وافر مقدار میں تھے' سامان خورد و نوش بھی بہت تھا اور وہ پانی کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کی زمین ریتلی نہیں تھی ان کے لیے چلنا آسان تھا' اور ان کے پیچھے ان کا قافلہ تھا جس سے ضرورت کے وقت ان کو مدد حاصل ہونے کی امید تھی۔ یہ ظاہریہ حالات کافروں کے موافق اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا اور جنگ کے وقت نقشہ بدل گیا۔ مسلمانوں کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی اور کفار کو بدترین شکست ہوئی۔ اور یہ سیدنا محمد ﷺ کا عظیم معجزہ تھا' اور آپ کے دعویٰ نبوت پر بہت قوی دلیل تھی' کیونکہ آپ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس وقت مسلمانوں کی فتح کی پیش گوئی کی تھی جب ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کی فتح کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پس بدر کی فتح سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا اور اسلام کی صداقت پر قوی دلیل قائم ہو گئی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی کفر میں ہلاک ہو گا تو دلیل قائم ہونے اور حجت پوری ہونے کے بعد کفر میں ہلاک ہو گا اور جو اسلام کی حیات حاصل کرے گا تو وہ دلیل قائم ہونے کے بعد شرح صدر سے اسلام کو قبول کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور یاد کیجئے) جب اللہ آپ کو خواب میں کافروں کی تعداد کم دکھا رہا تھا اور اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور آپس میں اختلاف کرتے' لیکن اللہ نے (تم کو اس سے) سلامت رکھا بے شک وہ درون سینہ امور کو بہ خوبی جاننے والا ہے ○ (الانفال: ۴۳)

کفار کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نیند میں کفار کی تعداد کم دکھائی' آپ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ کافر تھوڑے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ (جامع البیان جز ۱۰' ص ۱۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ واقعہ میں کفار زیادہ تعداد میں تھے تو ان کو کم تعداد میں دیکھنا یا دکھانا واقع کے خلاف ہے تو اللہ سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو تمام کفار نہیں دکھائے تھے بلکہ ان کی قلیل تعداد دکھائی تھی اور آپ کو ان ہی کی خبر دی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقع میں اگرچہ زیادہ تھے لیکن انجام اور مآل کے اعتبار سے تھوڑے تھے۔ پھر فرمایا اگر اللہ آپ کو ان کی زیادہ تعداد دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے لیکن اللہ نے تم کو سلامت رکھا۔

امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امر کو سلامت رکھا حتیٰ کہ

ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو ابتداء میں یہ علم ہو جاتا کہ دشمن کی تعداد ان سے تین گنے سے بھی زیادہ ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ آپس میں جنگ کے متعلق اختلاف کرتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا یا ان کو جنگ بدر میں شکست اور ہزیمت سے سلامت رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد (بھی) ان کو کم دکھائی تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو اس کے نزدیک کیا ہوا ہے' اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں○ (الانفال: ۴۴)

مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی اور مشرکوں کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ پہلی صورت میں مشرکین کی تعداد کم دکھانے کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان ان کی اصل تعداد دیکھ کر گھبرا نہ جائیں اور دوسری صورت میں مشرکوں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں زیادہ تیاری اور احتیاط نہ کریں تاکہ وہ آسانی سے شکست کھا جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ زیادہ کو کم دکھانا اللہ کی شان کے کس طرح لائق ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور کافر دونوں ایک دوسرے سے اتنے فاصلہ پر ہوں کہ ہر فریق دوسرے کی اصل تعداد کا ادراک نہ کر سکا ہو اور ہر فریق کو دوسرے کی تعداد اصل سے کم دکھائی دی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار اپنے تکبر اور بلند بانگ دعووں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو پہلے ہی کم تھے' ان کو اور بھی کم سمجھ رہے ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا

اے ایمان والو! جب تمہارا مخالف فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہ کثرت

اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ

اور آپس میں مخالفت نہ کرو۔ ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ بے شک

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اور لوگوں کو (اپنا زور اور قوت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

لیے خوش نما بنا دیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بیشک میں تمہارا

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

رفیق ہوں، اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایڑیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ

میں تم سے بری الذمہ ہوں بیشک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع رکوع ۲

اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو جب تمہارا مخالف فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ (الانفال: ٤٥)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اس نے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھیں، چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک جنگ سے سابقہ پیش آچکا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کے آداب تعلیم فرمائے۔ جس میں پہلی چیز ہے جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ نبی ﷺ نے ایک اور چیز بھی بتلائی ہے کہ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ یا کسی بھی آزمائش اور بلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے لیکن جب ان پر جنگ مسلط کر دی جائے تو پھر ان کو اس جنگ میں ثابت قدم رہنا لازم ہے اور اس سے پیٹھ موڑنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے ایسی احادیث بیان کریں گے جن میں رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر جنگ میں ثابت قدم رہنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد دوران جنگ ذکر کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

• امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ٢١١ھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے کہ تم ان کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کیے جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب وہ اشتعال انگیز گیت گاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے آئیں تو تم زمین کو لازم پکڑ لینا' زمین پر بیٹھ جانا اور یہ دعا کرنا: اے اللہ ہمارے اور ان کے رب! ہماری پیشانیاں اور

ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں' اور تو ہی ان کو قتل کرے گا۔ اور جب وہ تمہارے قریب پہنچیں تو تم ان پر حملہ کر دینا اور یہ یاد رکھنا کہ جنت تلواروں کے نیچے ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۴۸' رقم الحدیث: ۹۵۱۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۳ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو' اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو اور اگر وہ چلائیں تو تم خاموش رہنا۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۵۰' رقم الحدیث: ۹۵۱۸' مطبوعہ بیروت' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵' رقم الحدیث: ۱۱۷۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا ہو گا۔ (المعجم الاوسط ج ۹ ص ۷' ۲' رقم الحدیث: ۸۰۵۲' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ)

دشمن اسلام کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی فضیلت اور اجر و ثواب

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دشمن سے مقابلہ میں صابر رہا حتیٰ کہ وہ شہید کر دیا گیا یا اس نے کسی دشمن کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔

(المعجم الاوسط' ج ۵' ص ۴۳' ۷' رقم الحدیث: ۴۱۳۱' مطبوعہ ریاض)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دشمن سے مقابلہ میں صبر کیا حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا یا اس نے دشمنوں کو قتل کیا تو وہ قبر کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔

(المعجم الاوسط' ج ۹' ص ۱۱۶-۱۱۵' رقم الحدیث: ۸۲۳۹' مطبوعہ ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین دوست چار ہیں۔ اور چار سو پر مشتمل بہترین فوج ہے اور چار ہزار پر مشتمل بہترین لشکر ہے اور جو لشکر بارہ ہزار پر مشتمل ہو وہ تعداد میں کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائے گا بشرطیکہ وہ سچ بولیں اور ثابت قدم رہیں۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۱' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۲۵۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۷۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۹۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۱۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۶۶۳' مسند احمد ج ۱' ص ۲۹۴' سنن بیہقی ج ۹' ص ۱۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص دو آدمیوں سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے اور جو تین کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱' ص ۷۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۵۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۵' ص ۳۲۸)

دوران قتال اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مجلز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ دشمن سے مقابلہ کرتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ تو میرا بازو ہے اور میرا مددگار ہے' میں تیری مدد سے پھرتا ہوں اور تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں اور تیری مدد سے قتال کرتا ہوں۔

(المصنف ج ۶' ص ۵۱۸' رقم الحدیث: ۳۳۴۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی جماعتوں اور جماعتوں کے خلاف دعا ضرر کی: اے

اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے' جلد حساب لینے والے کفار کی جماعتوں کو شکست دینے والے' ان کو شکست دے اور ان کے قدم ڈگمگا دے۔ (المصنف ج ٦' ص ٥١٨' رقم الحدیث: ٣٣٤٣٣' مطبوعہ بیروت)

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے' قتال کے وقت' جنائز کے وقت اور ذکر کے وقت۔

(المصنف ج ٦' ص ٥١٧' رقم الحدیث: ٣٣٤٠٩' طبع بیروت' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٢٦٥٦)

سعید بن جبیر قتال کے وقت آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور قرآن پڑھتے وقت اور جنائز کے وقت۔

(المصنف ج ٦' ص ٥١٧' رقم الحدیث: ٣٣٤١٠' طبع بیروت)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کی تلاوت کرنے اور ذکر کرنے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو نماز پڑھنے اور قتال کرنے کا حکم نہ دیتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کے وقت بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے: یایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون O (الانفال: ٤٥) (تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ٩١٣٢)

جن آثار میں قتال کے وقت بلند آواز سے ذکر سے منع کیا ہے' ان کا منشاء یہ ہے کہ بہت چلا کر ذکر نہ کیا جائے جس سے دشمن کو مسلمانوں کی پوزیشن کا پتا چل جائے اور متوسط اور معتدل جہر کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

عطاء نے کہا جنگ کے وقت خاموش رہنا اور ذکر کرنا واجب ہے۔ پھر انہوں نے الانفال: ٤٥ کی تلاوت کی۔ میں نے پوچھا وہ بلند آواز سے ذکر کریں' کہا ہاں!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ٥' رقم الحدیث: ٩١٣٣' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ٦' ص ٥١٧' رقم الحدیث: ٣٣٤٠٨)

دوران قتال ذکر کے متعلق علماء کے اقوال

امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ نے لکھا ہے کہ دوران جنگ دل سے اللہ کو یاد کرنا چاہیے اور زبان سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو انتہائی شدید حالت میں بھی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی وقت بھی اس کا دل اور اس کی زبان اللہ کے ذکر سے خالی رہے۔ اگر ایک شخص مغرب سے مشرق تک اپنے اموال کی سخاوت کرے اور دوسرا شخص مشرق سے مغرب تک تلوار سے جہاد کرتا جائے' تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اور اجر ان سے زیادہ ہوگا۔

(تفسیر کبیر' ج ٥' ص ٤٨٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں اس ذکر کے متعلق علماء کے تین اقوال ہیں:

١۔ جب مصائب اور مشکلات میں تمہیں گھبراہٹ ہو تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ اللہ کے ذکر سے طمانیت اور تقویت حاصل ہوگی۔

٢۔ اپنے دلوں کے ساتھ ثابت قدم رہو اور اپنی زبانوں سے اللہ کا ذکر کرو' کیونکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت دل پر سکون نہیں ہوتا اور زبان مضطرب رہتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا تاکہ دل پر سکون ہو اور زبان سے ذکر جاری رہے اور اس طرح ذکر کرے جس طرح اصحاب طالوت نے ذکر کیا تھا:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ: ٢٥٠)

اے اللہ! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہمیں قوم کافرین پر فتح عطا فرما۔

اور یہ حالت اسی وقت حاصل ہوگی جب انسان کی معرفت قوی ہو اور اس کی بصیرت روشن ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس وعدہ کو یاد کرو کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں اور مالوں کے بدلہ جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس میں کافی بحث کی گئی ہے کہ دوران قتال جس ذکر کا حکم دیا ہے اس سے مراد ذکر بالقلب ہے یا ذکر باللسان۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد زبان سے ذکر کرنا ہے اور دل اس ذکر کے موافق ہو یعنی اس کا ذہن اس ذکر کے معانی کی طرف متوجہ ہو' ایسا نہ ہو کہ زبان سے اللہ کا ذکر ہو اور دل ودماغ کہیں اور ہو۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا اگر کسی شخص کو ذکر ترک کرنے کی رخصت دی جاتی تو حضرت زکریا علیہ السلام کو رخصت دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا ۔ (آل عمران: ۴۱)

آپ تین دن لوگوں سے بغیر اشاروں کے بات نہیں کر سکیں گے اور اپنے رب کا بکثرت ذکر کریں۔

اور کسی شخص کو دوران قتال ترک ذکر کی رخصت دی جاتی' مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (الانفال: ۴۵)

جب تمہارا مخالف فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہنا اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنا۔

قتادہ نے کہا جس وقت بندہ تلوار سے جہاد کی شدت میں ہو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر ذکر فرض کیا ہے۔ اور اس ذکر کا حکم یہ ہے کہ یہ خفی ہو کیونکہ مواضع قتال میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے جبکہ ذکر کرنے والا تنہا ہو لیکن مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حملہ کرتے وقت بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحسن اور مستحب ہے تاکہ دشمن اسلام پر رعب اور ہیبت طاری ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مخالفت نہ کرو' ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ (الانفال: ۴۶)

اختلاف رائے کی بناء پر مخالفت نہ کی جائے

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو یہ حکم دائمی ہے۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں' خصوصاً جہاد کے معاملہ میں اور آپس میں مخالفت نہ کرو جیسا کہ بدر اور احد میں بعض مسلمانوں نے بعض کی مخالفت کی۔

غیر منصوص' حالات میں اختلاف رائے ممنوع نہیں ہے اور دلائل کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی انسان اپنے موقف پر ڈٹا رہے اور اپنی رائے سے رجوع نہ کرے' اور یہ ممنوع ہے کہ کسی غیر منصوص معاملہ میں اپنی رائے سے اختلاف کی بنا پر فریق ثانی کی مخالفت شروع کر دے اس کو سب وشتم کرے اور لعن وطعن کرے اور اس کی تکفیر کرنے سے بھی گریز نہ کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض فروعی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا لیکن انہوں نے اس اختلاف رائے کو ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کا رنگ نہیں دیا اور باہمی احترام کو قائم رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عذر کی حالت میں جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں قرار دیتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے۔ معراج کی شب اللہ عزوجل کا دیدار کرنے اور سماع موتیٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ حج تمتع میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ جنبی کی تلاوت قرآن میں حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ رکوع میں تطبیق (رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر رانوں کے درمیان رکھنا) کرنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ ضرورت سے زائد مال کے صدقہ کرنے کے وجوب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جمہور صحابہ سے اختلاف تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں اختلاف تھا لیکن انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی۔ ائمہ مجتہدین کا مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

سو عصری اور اجتہادی مسائل میں اگر ایک عالم کی رائے دوسرے عالم سے مختلف ہو تو اس میں شدت نہیں کرنی چاہیے اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کرے' اور عام آدمی جس عالم کے دلائل سے متفق ہو اس پر عمل کرے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے یعنی قرآن اور سنت کے منصوص اور واضح احکام پر عمل کرو۔ اس کے بعد فرمایا ولا تنازعوا یعنی ایک دوسرے سے تنازع اور جھگڑا نہ کرو اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔ اس کا محمل یہ ہے کہ اجتہادی اور فرعی مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو۔

امام رازی نے یہ اشکال قائم کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور تنازع سے منع کیا ہے۔ اس سے لازم آیا کہ صرف قرآن اور حدیث کے احکام پر عمل کیا جائے اور قیاس کے احکام پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ قیاس تنازع کو واجب کرتا ہے پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر قیاس تنازع کو واجب نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۴۹۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے' اولاً اس لیے کہ امام رازی نے فرمایا ہر قیاس تنازع کو واجب نہیں کرتا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض قیاس تنازع کو واجب کرتے ہیں تو ان پر عمل کرنا جائز نہ ہوا۔ ثانیاً یہ کہ تنازع سے کیا مراد ہے اختلاف یا مخالفت اور جھگڑا' اگر اس سے مراد اختلاف ہے تو اختلاف معیوب چیز نہیں ہے قرآن اور سنت میں اس کی بہت مثالیں ہیں روایات میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے' اور اگر اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالفت کرنا ہے تو وہ برحق ہے اور وہ قیاس کے منافی نہیں ہے۔ عموماً ایک مجتہد کا قیاس دوسرے مجتہد کے قیاس سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک دوسرے کی مخالفت کو واجب نہیں کرتا' بلکہ ہر مجتہد اور اس کے متبعین کو چاہیے کہ وہ دلائل کے ساتھ اپنے قیاس پر عمل کریں اور ایک دوسرے کی مذمت نہ کریں اور نہ اس کی مخالفت کریں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنا ہے

اس آیت کا ایک اور محمل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے تمام مسلمان ایک نظام حکومت قائم کریں اور مسلمانوں کے تمام علاقے باہم متحد ہو کر ایک خلیفہ کے ماتحت ہوں' اور ولا تنازعوا کا معنی یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی مملکتیں اور حکومتیں قائم کر کے وحدت ملی کو پارہ پارہ نہ کریں۔ کیونکہ اگر مسلمان ایک نظام خلافت کو توڑ کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے تو ان کے رعب اور طاقت کی ہوا اکھڑ جائے گی اور وہ کم ہمت اور کم حوصلہ ہو جائیں گے' اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں کی ایک سلطنت تھی اور مسلم ریاستیں باہم متحد تھیں تو دشمنان اسلام کو مسلمان ملکوں پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور جب یہ اتحاد ٹوٹ گیا اور خلافت اسلامیہ چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تبدیل ہو گئی تو دشمنان اسلام نے مسلم ریاستوں کو تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جب تک اندلس میں ایک نظام حکومت قائم رہا وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی اور جب طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے سرزمین اندلس مختلف حکومتوں میں بٹ گئی تو عیسائی حکمرانوں نے ایک ایک کر کے

پورے اندلس پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ متحدہ پاکستان بنگالی اور غیر بنگالی کے تعصب کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور آپس کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کی ہوا اکھڑ گئی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ نوے ہزار مسلم افواج نے ایک ہندو جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنا زور اور طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○ (الانفال: ۴۷)

مشکل الفاظ کے معنی

البطر: زجاج نے کہا نعمت میں سرکشی کو بطر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائے تو اگر وہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی رضاجوئی میں خرچ کرے اور یہ یقین رکھے کہ یہ نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں تو یہ ان نعمتوں کا شکر ہے اور اگر وہ ان نعمتوں کو اپنے احباب' اقرباء اور معاصرین پر فخر کرنے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ بنائے تو یہ بطر (اترانا) ہے۔

رئاء الناس: کسی شخص کے باطن میں خرابی ہو اور وہ لوگوں کے سامنے اچھائی دکھانے کا قصد کرے تو یہ ریا ہے۔ ریا اور نفاق میں یہ فرق ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں کفر ہو تو یہ نفاق ہے' اور اگر کوئی شخص عبادت کا اظہار کرے اور اس کے باطن میں معصیت ہو تو یہ ریا ہے۔ امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کیا ہے جن مشرکین قریش نے نبی ﷺ سے وادی بدر میں قتال کیا تھا وہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نکلے تھے' ان سے کہا گیا کہ تمہارا قافلہ پہنچ گیا ہے اور تمہارا مقصد پورا ہو گیا اب لوٹ آؤ' انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک عرب والے ہماری شان و شوکت کے قصے بہ طور مثال بیان نہیں کریں گے۔ اور روایت ہے کہ اس دن نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ آج یہ قریش اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے تیرے رسول سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔

(در منثور ج ۴' ص ۷۷' تفسیر ابن جریر ج ۱۰' ص ۲۴)

فخر اور ریا کی مذمت

اس آیت میں فرمایا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی طاقت) دکھاتے ہوئے نکلے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے' جب تک ہم وادی بدر نہ پہنچ جائیں۔ وہاں پر ہم اونٹ ذبح کریں گے اور شراب پئیں گے اور ہماری باندیاں ہمیں جوش دلانے والے نغمے سنائیں گی اور جب بھی عرب ہمارا ذکر سنیں گے تو ہم سے خوف زدہ ہوں گے' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارا معاملہ ان لوگوں کی طرح اپنا زور دکھانے اور سنانے کے لیے نہیں ہونا چاہیے اور نہ لوگوں میں اپنی شہرت کے لیے ہونا چاہیے' تمہاری نیت خالص اللہ کی رضاجوئی اور اللہ کے دین کی نصرت کے لیے ہونی چاہیے۔

(جامع البیان ج ۱۰' ص ۲۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ دشمن سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہیں اور دوران قتال اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ اور ان کو اس بات سے منع کیا کہ دشمن سے ان کے قتال کا محرک اور باعث اپنے زور اور طاقت کو دکھانا اور سنانا ہو بلکہ ان سے قتال کا باعث صرف اللہ کے احکام پر عمل اور اس کی رضاجوئی اور خوشنودی ہونی چاہیے۔ اسلام

کے تمام احکام کا حاصل یہ ہے کہ انسان مخلوق میں مشغول رہ کر اللہ کے احکام پر عمل کرتا رہے اور فخر اور تکبر سے بچے۔ انسان گناہ کرے اور اخلاص اور انکسار کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان عبادت کر کے اس پر فخر اور غرور کرے۔ اس کے بعد فرمایا "اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے" اس میں یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بسا اوقات انسان یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کام کو محض اللہ کی رضا کے لیے اخلاص سے کر رہا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ وہ تمہارے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ اسے علم ہے کہ تم کون سا کام حقیقت میں اللہ کے لیے کرتے ہو اور کون سا کام حقیقت میں دکھاوے کے لیے کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا' اور بے شک میں تمہارا رفیق ہوں' اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ ایڑیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے○ (الانفال: ٤٨)

ابلیس کا سراقہ کی شکل میں آکر کفار کو بہکانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن ابلیس کفار کے لشکر میں سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں متشکل ہو کر آیا اور کہنے لگا: آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا محافظ ہوں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر مشرکین کے چہرے پر ماری' پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اور حضرت جبرئیل ابلیس کی طرف بڑھے اس وقت اس کا ایک ہاتھ مشرک کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اس شخص سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور وہ اور اس کا ساتھی پیٹھ موڑ کر بھاگے۔ اس شخص نے کہا اے سراقہ تم تو ہمارے رفیق تھے اب کہاں جا رہے ہو؟ ابلیس نے کہا بے شک میں ان کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ اس نے اس وقت کہا تھا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تھا۔ (جامع البیان جز ١٠' ص ٢٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طلحہ بن عبید اللہ بن کریز بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کو کسی دن بھی اس قدر چھوٹا' اس قدر رحمت سے دور' اس قدر حقیر اور اس قدر غضبناک نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے' کیونکہ اس دن وہ اللہ کی رحمت نازل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے' اور بڑے بڑے گناہوں کی اللہ کی طرف سے معافی دیکھتا ہے۔ اور جس قدر ذلیل وہ جنگ بدر کے دن تھا پوچھا گیا کہ اس نے جنگ بدر کے دن کیا دیکھا تھا؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس نے دیکھا کہ جبرئیل فرشتوں کی صفیں ترتیب دے رہے ہیں۔

(الموطا رقم ٢٤٥' مصنف عبد الرزاق ج ٥' ص ١٨-١٧' رقم الحدیث: ٨٨٣٢' الاستذکار ج ١٣' رقم الحدیث: ٩١٨' جامع البیان جز ١٠' ص ٢٧' التمہید ج ١' ص ١١٥' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

ابلیس کو سراقہ کی شکل میں متشکل ہونے کی قدرت دینے کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابلیس کے سراقہ بن مالک کی شکل میں متشکل ہونے سے کیا فائدہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ جب کفار قریش مکہ واپس لوٹے تو انہوں نے کہا سراقہ نے ہم کو شکست سے دو چار کیا۔ جب سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا بہ خدا مجھے تو تمہارے بدر جانے کی خبر ہی نہیں ہوئی حتیٰ کہ مجھ تک تمہاری شکست کی خبر پہنچی' اس وقت کفار قریش نے جان لیا کہ وہ شخص سراقہ نہیں بلکہ شیطان تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ غیر معمولی طاقت والا ہے تو اس نے مسلمانوں کے لشکر کو شکست کیوں نہیں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لشکر میں حضرت جبرئیل کو فرشتوں کے ساتھ دیکھا اس لیے وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب شیطان کو یہ قدرت ہے کہ وہ بشری شکل میں متشکل ہو کر کفار کی مدد کر سکتا ہے تو پھر چاہیے تھا کہ وہ ہر جنگ میں ایسا ہی کرتا اور اس کے نتیجہ میں کسی جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح یاب ہونے نہ دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صرف جنگ بدر میں ہی یہ قدرت دی تھی اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتے بھی نازل کیے تھے جو شیطان کا توڑ کر سکتے تھے' اور باقی مہمات اور غزوات میں نہ فرشتوں کو نازل کیا اور نہ شیطان کو یہ قدرت دی' اور جنگ بدر میں اس کو یہ قدرت دینے کا فائدہ رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ ظاہر کرنا تھا۔ نیز اس میں یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ ابلیس لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جب لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں تو وہ ان سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ

اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں (کفر کی) بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں

هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ

کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے، اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بے شک اللہ بہت غالب

حَكِيمٌ ۝۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ

بڑی حکمت والا ہے ○ اور کاش تم (وہ منظر) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں،

يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝۵۰

ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب جلنے کا عذاب چکھو ○

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝۵۱

یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ

ان کی عادت فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے

اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ

ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا، بے شک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب

الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا

دینے والا ہے ○ یہ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے

عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں، اور بے شک اللہ بہت سننے والا

عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا

بے حد جاننے والا ہے ○ (ان کا معاملہ) فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ان سے پہلے

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ ۚ

اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کے متبعین کو غرق کر

وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ

دیا اور وہ سب ظالم تھے ○ بے شک زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں

كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ

نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے ○ ان میں سے بعض لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار

يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا

اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے ○ پس اگر آپ

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

ان کو میدانِ جنگ میں پائیں تو ان کو دھتکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں، وہ

يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ

عبرت حاصل کریں ○ اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کا عہد برابر برابر

إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ منزل ۲

ان کی طرف پھینک دیں، بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں (کفر کی) بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے' اور جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے○ (الانفال: ۴۹)

ان آیات میں غزوہ بدر پر تبصرہ اور اس کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں غزوہ بدر کے متعلق شیطان کی کارروائی بیان فرما کر اس پر تبصرہ فرمایا تھا۔ اس آیت میں غزوہ بدر کے متعلق منافقین اور دوسرے بعض کافروں کے خیالات بیان فرما کر ان پر تبصرہ فرمایا ہے۔

منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی عذر کے غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور بعض نے کہا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مکہ میں بہ ظاہر اسلام کا اقرار کیا تھا۔ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ بدر میں آئے جب انہوں نے مسلمانوں کی کم تعداد دیکھی تو کہا ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور اسلام کے متعلق ان کو شرح صدر نہیں تھا یہ مشرکین قریش کے ساتھ تھے انہوں نے بہ ظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اصحاب محمد کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے جو وہ اتنی کم تعداد کے باوجود اپنے سے تین گنے زائد لشکر سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۰' ص ۲۹-۲۸' ملخصاً-مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے اور اسی پر اعتماد کیا اور اللہ کی قضا پر راضی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ تو جو شخص اس کی پناہ میں ہو وہ محفوظ رہے گا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے اور اس کی قضاء پر راضی ہو گئے تاکہ اللہ ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کاش تم (وہ منظر) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں' ان کے چہروں اور ان کے کولھوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو اب جلنے کا مزہ چکھو○ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے○ (الانفال: ۵۱-۵۰)

مقتولین بدر کی بوقت موت کیفیت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں آنے والے کفار کی زندگی کے احوال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں ان کی موت کے وقت کے احوال بیان فرمائے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں خصوصیت سے بدر میں قتل ہونے والے کفار کی موت کے احوال مراد نہ ہوں بلکہ عمومی طور پر کفار کی موت کے وقت ان کا یہی حال ہوتا ہو۔

فرشتے کہیں گے کہ لو اب حریق (جلنے) کا عذاب چکھو علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ فرشتے ان سے کہیں گے کہ لو اب آخرت کا عذاب چکھو' ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ لوہے کے گرز ہوں گے اور جب وہ ان گرزوں سے کفار پر ضرب لگائیں گے تو اس سے آگ بھڑکے گی۔ شیخ زادہ نے کہا ایک قول یہ ہے کہ الحریق آگ کا اسم ہے۔ فرشتے کافروں کی روح نکالتے وقت ان کو گرز ماریں گے جس سے ان کے زخموں میں آگ بھڑکے گی اور فرشتے ان سے استہزاء' کہیں گے لو اب اس آگ کا مزہ چکھو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے" یعنی تم نے کفر اور دیگر گناہ جو کیے یہ ان

کی سزا ہے۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہے "یہ اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا" ہاتھوں سے مراد خود ان کے نفوس ہیں اور نفوس کو ہاتھوں سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ اکثر کام انسان اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔

عذاب کے مستحق کو عذاب نہ دینا بھی جائز ہے

علامہ زمخشری نے یہ کہا ہے کہ کفار کو یہ عذاب دو سببوں سے ہو گا ایک سبب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ کفار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے جس طرح مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ (الکشاف ج ٢ ص ٢٢٩ مطبوعہ ایران)

اس تفسیر کو یہ لازم ہے کہ ظلم کی نفی بھی عذاب دینے کا سبب ہے کیونکہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا۔ اور اس قول میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا بھی ظلم ہے اور یہ بداہتہً باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض گنہ گار مسلمانوں کو عذاب نہیں دے گا اور ان کو بخش دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ٤٨)

بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور شرک سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس لیے علامہ زمخشری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کفار کے عذاب کے دو سبب ہیں ایک سبب ان کا کفر اور ان کے گناہ ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کفار کے عذاب کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ان کا کفر اور گناہ ہیں اور بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے وہ اس سبب کی قید ہے۔ کیونکہ اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو یہ ممکن ہو گا کہ اللہ کفار کو بغیر گناہوں کے بھی عذاب دے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ قید لگا کر یوں فرمایا یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تم نے پہلے کیے تھے درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ان کو بغیر گناہوں کے عذاب نہیں دے گا اور یہ ان کو عذاب دینے کا دوسرا سبب نہیں ہے ورنہ بہ طور مفہوم مخالف یہ معنی ہو گا کہ اگر اللہ ظالم ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ بندوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ دیتا حالانکہ جو شخص عذاب کا مستحق ہو اس کو عذاب نہ دینا شرعاً ظلم ہے نہ عقلاً۔

علامہ زمخشری کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ مومنین کو ثواب عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں۔ سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٦٧٣، صحیح مسلم منافقین ٧٥ (٢٨١٦) ٦٩٨٢، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٠١، سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٧٣٣، مسند احمد ج ٢ ص ٢٥٦، ٢٣٥، ج ٣ ص ٣٢٧، ٥٢)

اللہ کسی بندہ پر کوئی ظلم نہیں کرتا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے

اس کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا' اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مقید کی نفی کی جائے تو وہ نفی قید کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ بندوں پر ظلم تو کرتا ہے مگر بہت زیادہ ظلم نہیں کرتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور وہ کثرت ظلم پر دلالت کرتا ہے اور بندے بھی کثیر ہیں اور ظلم کی کثرت بندوں کی کثرت کے مقابلہ میں ہے' اور یہ قاعدہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو احاد کی تقسیم احاد کی طرف ہوتی ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی ایک بندہ پر ایک ظلم بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی عادت فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی مثل ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا' بے شک اللہ بڑی قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے○ یہ اس لیے ہے کہ اللہ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس وقت تک وہ اس نعمت کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں' اور بے شک اللہ بہت سننے والا' بہت جاننے والا ہے○ (الانفال: ۵۳-۵۲)

کفار بدر کا متبعین فرعون کے مماثل ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وادی بدر پر حملہ کرنے والے کافروں کو دنیا میں شکست کی ذلت سے دو چار کیا اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ اب ان آیتوں میں یہ بتلا دیا ہے کہ ان کافروں کو جو دنیا اور آخرت میں عذاب دیا ہے وہ صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ تمام کافروں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے' اور سب منکروں کے ساتھ اس کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے ان لوگوں کا اپنے کفر میں وہ طریقہ ہے جو فرعون کے متبعین کا اپنے کفر میں طریقہ تھا۔ تو ان لوگوں کو قتل کر کے اور قید کر کے ایسی سزا دی گئی ہے جیسی سزا فرعون اور ان کے متبعین کو سمندر میں غرق کر کے دی گئی تھی۔ پھر فرمایا اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ کی ہے کہ اس دنیاوی عذاب کے علاوہ ان کو آخرت میں بھی عذاب دیا جائے گا جیسا کہ قوم فرعون کو بھی غرق کرنے کے بعد آخرت میں عذاب دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قوم فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لائی اور اپنے کفر کرڈٹی رہی اور حضرت موسیٰ کی مخالفت کرتی رہی تو ان کو دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا اسی طرح یہ کفار بدر بھی سیدنا محمد ﷺ کے کثیر معجزات دیکھنے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ کی مخالفت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس لیے ان کو بھی دنیا اور آخرت کا عذاب دیا گیا۔

اہل مکہ پر اللہ کی ان نعمتوں کا بیان جن کی انہوں نے ناشکری کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدل کر اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔ یعنی چاہیے یہ تھا کہ وہ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتی اور خود کو اس نعمت کا اہل قرار دیتی لیکن جب وہ شکر کرنے کے بجائے کفران نعمت کرے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اس نعمت کی اہل نہیں ہے تو پھر اللہ اس نعمت کو عذاب سے تبدیل کر دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار مکہ کو اس عذاب سے پہلے کون سی نعمت ملی تھی؟ وہ مکہ میں عیش و عشرت اور بہت زیادہ آسودگی اور خوش حالی کی زندگی نہیں گزار رہے تھے اور وہ اس وقت کی متمدن دنیا میں رزق کی فراوانی کے ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے اور علم و حکمت اور مال و دولت کے لحاظ سے کسی نمایاں حیثیت کے حامل نہیں تھے تو ان کو ایسی کون سی نعمت حاصل تھی جو ان کے کفر کی وجہ سے جاتی رہی؟ اس سوال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل عطا فرمائی اور صحیح و سالم اعضاء کے ساتھ پیدا کیا' اور نیک کام کرنے اور برے کاموں سے رکنے کی قدرت عطا فرمائی۔ چاہیے تھا کہ وہ خود اپنی عقل سے غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کو پہچانتے اور خود اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت نہ کرتے اور فسق و فجور اور قتل و غارت گری سے اجتناب کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام یہ کیا کہ عقل سلیم کی رہنمائی کرنے کے لیے ان میں ایک نبی ان ہی میں سے بھیجا جس کی سابقہ زندگی آئینہ کی طرح شفاف تھی' اس کی صداقت' دیانت' امانت اور عفت ان سب کے نزدیک مسلم تھی اور جب انہوں نے دعویٰ نبوت کیا اور اللہ کی توحید کا اعلان کیا تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے قریش مکہ کو چاہیے تھا کہ وہ ان کا دعویٰ مان لیتے۔ پھر تیسری نعمت ان کو یہ عطا کی کہ اس نبی کو ایسے قاطع معجزات عطا کیے کہ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد عقل کے نزدیک ان کی نبوت کو مان لینا واجب تھا' لیکن انہوں نے اس نعمت کی بھی ناشکری کی' وہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں بت پرستی پر ڈٹے رہے اور ضد اور عناد سے نبی ﷺ کی مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ یہ مخالفت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ مدینہ میں نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ سو انہوں نے اللہ کی پے در پے نعمتوں کے مقابلہ میں مسلسل کفر کیا اور جب ان کے اعمال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کے اہل نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو عذاب سے بدل دیا۔ دنیا میں ان کو شکست کی ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا اور آخرت میں ان کے لیے دائمی دردناک عذاب تیار کیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب وہ ہے جو قاضی بیضاوی نے دیا ہے کہ مان لیا کہ قریش مکہ' بہت خوش حالی' فراخی اور وسعت کی حالت میں نہ تھے لیکن وہ جس حال میں بھی تھے وہ بدر کی شکست کی ذلت' جس میں ان کے ستر افراد مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور اس ذلت کے مقابلہ میں ان کی پہلی زندگی جس پر شکست کا داغ نہ تھا بہرحال بعد کی زندگی سے بہتر تھی' اور اس زندگی کے مقابلہ میں نعمت تھی لیکن جب انہوں نے اس نعمت کی ناقدری کی اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو دنیا میں شکست کی ذلت کے عذاب اور آخرت میں دائمی عذاب سے بدل دیا' اور ان کا اس دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا ان کے اپنے کفر اور معصیت کی وجہ سے تھا' اللہ تعالیٰ کا ان پر کسی وجہ سے ظلم نہیں تھا۔

جو قوم خود کو کسی نعمت کا نااہل ثابت کرتی ہے اللہ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ کسی قوم کو نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو عذاب سے تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی بد اعمالیوں سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔ یہ قاعدہ جس طرح پچھلی امتوں میں اور کفار مکہ میں جاری ہوا' اسی طرح یہ قاعدہ بعد میں اقوام مسلم میں بھی جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع سلطنت کی نعمت عطا کی لیکن جب انہوں نے خلافت کو ملوکیت سے تبدیل کر لیا اور اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت کیا تو وہ اسلامی سلطنت جو تین براعظموں' افریقہ' یورپ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی' چھوٹے چھوٹے ملکوں میں سمٹ کر رہ گئی۔ اسپین میں طوائف الملوکی کے علاوہ وہاں کے حکمران شراب اور رقص و موسیقی کی رنگینیوں میں ڈوب گئے اور وہاں نہ صرف اسلامی مملکت کا خاتمہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا یا جبراً عیسائی بنا لیا گیا' یا جلا وطن کر دیا گیا۔ برصغیر میں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی لیکن وہ اپنی حکومتوں کے استحکام میں ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرتے رہے اور اسلام کی تبلیغ سے غافل رہے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی اور وہ ڈیڑھ سو سال تک انگریز کی غلامی میں رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی لیکن اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک میں مسلمانوں نے چوبیس سال تک اسلامی نظام نافذ نہیں کیا علی الاعلان سودی نظام جاری کیا اور

مغربی انداز فکر' مغربی جمہوریت اور مغربی اقدار کو سینہ سے لگائے رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدھی نعمت چھین لی اور مشرقی پاکستان' پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔ اب بھی باقی ماندہ پاکستان کے وہی طور طریقے ہیں اور ہمیں اس دن سے ڈرنا چاہیے کہ یہ باقی ماندہ نعمت بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افراد کے انفرادی گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن کسی قوم کی اجتماعی تقصیر سے فطرت درگزر نہیں کرتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت ہے کہ جو قوم اپنے آپ کو کسی نعمت کا اہل ثابت نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو عذاب سے بدل دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کا معاملہ) فرعون کے متبعین اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی' تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کے متبعین کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھےo (الانفال: ۵۴)

اس آیت کا پہلی آیت کی تفصیل ہونا

اس آیت میں وہی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا اور یہ آیت پہلی آیت کی تاکید ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ قوم فرعون کو عذاب دیا گیا اور اس آیت میں اس عذاب کی تفصیل ہے کہ قوم فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا' اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور اس میں اس کی تفصیل فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کی' اور پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ انہوں نے خود کو نعمت کا نااہل ثابت کیا اور اس آیت میں اس کی تفصیل کی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کی تکذیب کی اور دیگر گناہ کیے' اور یہ بتایا کہ ان کی نعمتوں کو جو عذاب سے تبدیل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتےo (الانفال: ۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ قریش کی ایک جماعت ہے جس کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم' ج ۵' ص ۱۷۱۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ)

یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی اور اللہ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں اور ان کے ایمان نہ لانے سے پریشان نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے بعض لوگوں نے آپ سے معاہدہ کیا اور وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتےo (الانفال: ۵۶)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

اس کا ربط بھی پہلی آیت سے ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق کفار ہیں جو اے محمد (ﷺ) آپ سے بار بار عہد کر کے توڑ دیتے ہیں انہوں نے آپ سے عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں سے بعض لوگوں نے اس لیے فرمایا کہ یہ معاہدہ بنو قریظہ کے ہر فرد سے نہیں ہوا تھا بلکہ بنو قریظہ کے اکابر سے ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ بنو قریظہ تھے جنہوں نے جنگ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑا مشرکین کو ہتھیار فراہم کیے۔ پھر انہوں نے کہا ہم سے غلطی ہو گئی' آپ نے ان سے دوبارہ معاہدہ کیا انہوں نے اس معاہدہ کو پھر جنگ خندق میں توڑ دیا۔ (جامع البیان ج ١٠ ' ص ٣٤ ' تفسیر کبیر ' ج ٥ ' ص ٤٩٧)

اس کے بعد فرمایا "اور وہ نہیں ڈرتے" یعنی وہ اللہ سے اس عہد شکنی میں نہیں ڈرتے یا اس سے نہیں ڈرتے کہ اس طرح لوگ ان کی مذمت کریں گے کہ ان لوگوں کے عہد کا اعتبار نہیں ہے یہ بار بار عہد کر کے اس کو توڑ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو دھتکار دیں تاکہ جو ان کے پیچھے ہیں وہ عبرت حاصل کریں O (الانفال: ٥٧)

مشکل الفاظ کے معانی

فاما تثقفنهم: ثقف کا معنی ہے کسی چیز کے حصول میں مہارت حاصل کرنا۔ ثقفت کذا اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی چیز کو اپنی غیر معمولی بصارت اور مہارت سے دیکھ لو۔ پھر مجازاً اس کو صرف کسی چیز کے ادراک' حصول اور پانے کے معنی میں استعمال کیا گیا' یعنی جب تم ان کو میدان جنگ میں پاؤ یا پکڑ لو۔ (المفردات' ج ١' ص ٣٤٠)

فشرد بهم: تشرید کا معنی ہے کسی چیز کو مضطرب اور متفرق کر دینا' تتر بتر کر دینا' اور کسی شخص کے ساتھ ایسا کام کیا جائے جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ یعنی آپ جب بنو قریظہ کو میدان جنگ میں نہ پائیں تو ان کو اس طرح تتر بتر کر دیں جس سے دوسرے عہد شکنوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ عہد شکنی سے باز رہیں۔ (المفردات' ج ١' ص ٣٤٠)

نبی ﷺ کو یہ حکم اس لیے دیا کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ عہد شکنی کی' آپ ان کو ایسی سزا دیں کہ دوبارہ کوئی شخص آپ سے عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کو جس قوم سے عہد شکنی کا خدشہ ہو تو ان کا عہد برابر برابر ان کی طرف پھینک دیں' بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا O (الانفال: ٥٨)

فریق ثانی کی عہد شکنی کی وجہ سے معاہدہ ختم کرنے کی صورتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کسی قوم سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور اس کے دلائل ثابت ہوں تو پھر ان سے معاہدہ توڑ دینا واجب ہے۔ کیونکہ بنو قریظہ نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا' پھر انہوں نے ابو سفیان اور اس کے حامی مشرکوں کی نبی ﷺ کے خلاف مدد کی' تب رسول اللہ ﷺ کو یہ قوی گمان ہوا کہ یہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ساتھ بدعہدی کریں گے۔ ایسی صورت میں امام المسلمین پر واجب ہے کہ وہ ان سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دے اور ان سے اعلان جنگ کر دے۔ اور جب دوسرے فریق کی جانب سے علانیہ عہد کی خلاف ورزی ہو اور ان کی عہد شکنی پر قطعی یقین حاصل ہو جائے تو پھر عہد توڑنے کے اعلان کی بھی ضرورت نہیں ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے ساتھ کیا کیونکہ خزاعہ نبی ﷺ کی حفاظت میں تھے اور اہل مکہ نے ان کو قتل کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ ختم کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا لشکر مرالظہران تک پہنچ گیا اور وہ مکہ سے چار فرسخ پر تھا۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان اس وقت ضروری ہے جب معاہدہ کی مدت ختم نہ ہوئی ہو یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور نہ ہوئی ہو یا ان کی عہد شکنی یقینی اور قطعی نہ ہو' اور اگر معاہدہ کی مدت ختم ہو گئی یا فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور اور یقینی ہو تو پھر معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اہل مکہ سے کیے ہوئے معاہدہ کو ختم کرنے کے اعلان کے بغیر ان پر حملہ کیا کیونکہ انہوں نے علی الاعلان معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

خزاعہ نبی ﷺ کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو کنانہ کی مدد کرتے ہوئے خزاعہ کو قتل کیا۔
(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۴۹۸۔۴۹۷' الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۳۹۰۔۳۸۹' روح المعانی' جز ۱۰' ص ۲۳)

مسلمانوں کے سربراہ کی عہد شکنی زیادہ مذموم اور زیادہ بڑا گناہ ہے

اس کے بعد فرمایا بے شک اللہ عہد شکنوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس میں یہ دلیل ہے اگر فریق ثانی نے عہد شکنی نہ کی ہو' نہ عہد شکنی کرنے کی کوئی علامت ہو تو پھر بغیر اعلان کے ان سے معاہدہ ختم کرنا یا توڑنا جائز نہیں ہے اور معاہدہ کی مدت کو پورا کرنا ضروری ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہ ان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئے حتیٰ کہ معاہدہ توڑ کر ان پر حملہ کیا' تب ایک شخص گھوڑے یا خچر پر سوار آیا اور وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر' اللہ اکبر معاہدہ پورا کرو' عہد شکنی نہ کرو۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ حضرت عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص اور کسی قوم کے درمیان کوئی عہد ہو تو نہ وہ کوئی گرہ باندھے اور نہ کوئی گرہ کھولے حتیٰ کہ معاہدہ کی آخری مدت گزر جائے' یا ان کی طرف ان کا عہد برابر برابر پھینک دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب اللہ اولین اور آخرین کو جمع کرے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷' صحیح مسلم الجہاد ۹ (۱۷۳۵) ۴۴۲۸' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۳۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن اس کی عہد شکنی کے برابر جھنڈا نصب کیا جائے گا اور سنو! امیر المسلمین کی عہد شکنی سب سے بڑی ہے۔
(صحیح مسلم الجہاد ۱۶ (۱۷۳۸) ۴۴۵۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں عہد شکنی پر سخت وعید ہے' خاص طور پر مسلمانوں کی حکومت کے سربراہ اور امیر المسلمین کے لیے۔ کیونکہ اس کی عہد شکنی کا ضرر بہ کثرت مخلوق کی طرف پہنچتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ سربراہ مملکت اپنے عہد کو پورا کرنے پر ہر طرح قادر ہوتا ہے اور اس کو عہد شکنی کی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امیر المسلمین کی خیانت اور عہد شکنی یہ ہے کہ وہ اپنی رعیت سے کیے ہوئے وعدوں اور کفار سے کیے ہوئے عہود کو پورا نہ کرے اور ان کی خلاف ورزی کرے یا وہ اس امانت میں خیانت کرے جو مسلمانوں نے اس کو سربراہی سونپ کر اس کے پاس رکھی ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی ادا نہ کرے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرے اور بیت المال میں خیانت کرے اور قومی خزانہ کو قومی مفاد میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے ذاتی مفاد میں استعمال کرے۔ اسی طرح حکومت کے دیگر وسائل کو اپنے ذاتی فوائد کے لیے استعمال کرے تو وہ خائن اور عہد شکن ہے اور ان حدیثوں کی وعید کا مصداق ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنے امیر سے عہد شکنی نہیں کرنی چاہیے اور اس کی بیعت کرنے اور اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے خلاف فتنے پیدا نہیں کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیے اور اتحاد ملت میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہیے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ دوسروں کی عہد شکنی کی بہ نسبت سربراہ مملکت کی عہد شکنی بہت بڑا جرم اور عظیم گناہ ہے' اس میں بہت خرابیاں ہیں۔ کیونکہ جب وہ معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کے بغیر دوسرے ملکوں سے معاہدہ توڑیں گے تو

دشمنان اسلام ان کے کسی وعدہ پر اعتبار کریں گے نہ ان کی صلح پر۔ اس سے دنیا میں مسلمانوں کا بھرم جاتا رہے گا اور اس کا بہت نقصان ہوگا اور اس سے غیر مسلم مسلمانوں کی دعوت اسلام پر دین اسلام میں داخل ہونے سے متنفر ہوں گے اور تمام دنیا میں ائمہ مسلمین کی مذمت ہوگی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷، ص ۳۹)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا

اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ نکل گئے، بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ اور (اے مسلمانو!)

لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ

تم بہ قدر استطاعت، ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے اور ان سے تم

عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ

اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ

اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ

انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا

إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

جائے گا، اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِن يُرِيدُوا

اور اللہ پر توکل کریں، بے شک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے ○ اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کا

أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ

ارادہ کریں تو بے شک اللہ آپ کو کافی ہے وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی جماعت

وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ

سے آپ کی تائید فرمائی ○ اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی، اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو بھی

جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ

خرچ کر دیتے تو (از خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی،

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

بے شک وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○ اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ع

والے مومنین ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ نکل گئے' بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ (الانفال: ۵۹)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جو کافر مسلمان سے لڑنے کے لیے وادی بدر میں آئے ہیں' ان سے کس طرح مقابلہ کیا جائے اور ان پر غالب ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے' نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جو کافر آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اب وہ کافر باقی رہ گئے تھے جو مکہ میں تھے اور بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے' لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ اذیت پہنچائی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتا رہا ہے کہ یہ کافر جو بدر میں نہ آنے کی وجہ سے قتل یا گرفتار ہونے سے بچ گئے' وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ گئے وہ دنیا میں کسی اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے ورنہ آخرت میں تو بہرحال دائمی عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو) تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے ہتھیار تیار رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑے' اور ان سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے' اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ (الانفال: ۶۰)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے (الانفال: ۵۸) میں یہ فرمایا تھا جو کافر آپ سے عہد شکنی کریں آپ بھی ان کا عہد ان پر پھینک دیں۔ اور اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ کافروں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار مہیا کریں' ایک قول یہ ہے کہ معرکہ بدر میں مسلمانوں نے پہلے سے مقابلہ کی تیاری نہیں کی تھی ہتھیار جمع کیے تھے نہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کا بندوبست کیا تھا ہنگامی طور پر اچانک ان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی اور انہوں نے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں اور کفار سے جنگ کرنے کے لیے جس قدر ہتھیار' سواریاں اور افرادی قوت مہیا کر سکتے ہیں وہ کر لیں۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کسی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے اس کے اسباب کو جمع کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ توکل کا معنی ہی یہ ہے کہ اسباب کے حصول کے بعد نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

تیر اندازی کے فضائل

زیر تفسیر آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: "تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے قوت کو مہیا کرو" اس آیت میں

قوت سے مراد اسلحہ کی تمام انواع اور اقسام ہیں اور اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جن دشمنان اسلام سے تمہارا مقابلہ ہو ان کے خلاف جو اسلحہ سب سے زیادہ زیادہ موثر ہو' اس اسلحہ کو مہیا کرو۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ہتھیار سب سے زیادہ مہلک ہو اس ہتھیار کو حاصل کرلو۔ عہد رسالت میں سب سے زیادہ مہلک ہتھیار تیر تھا اس لیے نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور تیرو کمان کے حصول کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے۔ سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے' سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے۔ (صحیح مسلم الامارہ ١٦٧ (١٩١٧) ٤٨٦٣' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥١٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٨١٣)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: عنقریب تمہارے لیے زمینیں فتح کی جائیں گی اور اللہ تمہیں کافی ہوگا۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے سے عاجز نہ ہو۔

(صحیح مسلم الامارۃ ١٦٨ (١٩١٨) ٤٨٦٤)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر پھر اس کو ترک کر دیا' وہ ہم میں سے نہیں ہے' یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم الامارۃ ١٦٩ (١٩١٩) ٤٨٦٦)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ عزوجل ایک تیر کے سبب سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا تیر کا بنانے والا جو تیر بنانے میں ثواب کی نیت کرتا ہو' اور تیر کو حاصل کرنے والا اور تیر اندازی کرنے والا' تم تیر اندازی کرو اور شہہ سواری کرو' اگر تم تیر اندازی کرو تو وہ میرے نزدیک گھڑ سواری سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کھیل میں صرف تین چیزیں پسندیدہ ہیں' کسی شخص کا اپنے گھوڑے کو سدھانا' کسی شخص کا اپنی زوجہ سے دل لگی کرنا اور کمان سے تیر مارنا اور پکڑنا اور جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر اس کو ناپسند کر کے اس کو چھوڑ دیا تو یہ ایک نعمت ہے جس کو اس نے ترک کر دیا یا اس نے کفران نعمت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥١٣' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٩٧٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٨١١' سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٤٠٥' مسند احمد ج ٦' رقم الحدیث: ١٧٣٠٢)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک جماعت کے پاس سے گزرے وہ آپس میں تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے (کہ کس کا تیر نشانے پر پہنچتا ہے) نبی ﷺ نے فرمایا اے بنو اسماعیل تیر اندازی کرو' کیونکہ تمہارے باپ تیر انداز تھے۔ تم تیر مارو اور میں بنو فلاں کے ساتھ ہوں تو ان میں سے ایک فریق نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا تم کیوں نہیں تیر مارتے' انہوں نے کہا ہم کیسے تیر ماریں حالانکہ آپ ان کے ساتھ ہیں! نبی ﷺ نے فرمایا تم تیر مارو میں تم سب کے ساتھ ہوں! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٨٩٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٨١٥)

اسلحہ کے استعمال کی تربیت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور کبھی یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔

اس دور میں تیر اندازی کے مصداق ایٹمی میزائل ہیں

نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں یہ دشمن کے خلاف بہت بڑا اور بہت موثر ہتھیار تھا۔ اس زمانہ میں تیر اندازی کی جدید شکل میزائل ہے۔ جس طرح تیر کو کمان میں رکھ کر ہدف پر مارتے ہیں اس طرح میزائل کے وار ہیڈ میں ایٹم بم' ہائیڈروجن بم' اور نیوٹران بم رکھے جاتے ہیں اور لانچنگ پیڈ سے

میزائل کو ہدف پر داغا جاتا ہے۔ سو جس طرح اس زمانہ میں تیر اندازی کا علم حاصل کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری تھا اسی طرح اس زمانہ میں ایٹم بم' اور ہائیڈروجن بم کی تیاری کا علم حاصل کرنا اور میزائل بنانے کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس دور میں ایٹمی صلاحیت کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور جب تک کسی ملک کو ایٹمی صلاحیت حاصل نہ ہو اس کی بقا کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے۔ جس سے وہ شہر تباہ ہو گئے اور جاپان وہ جنگ ہار گیا۔ اگر اس وقت جاپان کے پاس بھی ایٹم بم ہوتے تو امریکہ کبھی بھی جاپان پر ایٹم بم نہیں گرا سکتا تھا۔ امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ کے زمانہ میں شدید مخالفت کے باوجود امریکہ نے روس یا چین پر ایٹمی حملہ کی جسارت نہیں کی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان ملکوں کے پاس بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہیں اور امریکہ ان کے دور مار براعظمی ایٹمی میزائلوں کی زد میں ہے۔

اس لیے آج مسلمانوں کو اپنی بقا کے لیے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری بلکہ سب سے اہم اور سب سے مقدم فرض ہے۔

ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے تفکر کرنا اور اس کیلئے سائنسی علوم حاصل کرنا افضل ترین عبادت ہے

اللہ تعالیٰ نے حقائق کائنات میں غور و فکر کرنے اور تدبر اور تفکر کرنے کی ترغیب دی ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِۚ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبان عقل کے لیے ضرور نشانیاں ہیں○ جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ محض بے فائدہ پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے سو تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حقائق کائنات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے تو وہ غور و فکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کس چیز میں غور و فکر کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ میں' آپ نے فرمایا اللہ میں تفکر نہ کرو اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶' ص ۶۷-۶۸' رقم الحدیث: ۵۷۱۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۰۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶' ص ۵۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرو' اور اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط' ج ۷' ص ۱۷۲' رقم الحدیث: ۶۳۱۵' شعب الایمان' ج ۱' ص ۱۳۶' رقم الحدیث: ۱۲۰' کتاب العظمہ' ص ۱۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں غور و فکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۷' ص ۱۹۷' رقم الحدیث: ۳۵۲۱۳' بیروت' شعب الایمان' ج ۱' ص ۱۳۶' رقم الحدیث: ۱۱۸)

علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ ان احادیث کی اسانید اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کے اجتماع سے اس حدیث میں قوت حاصل

ہوگئی اور ان کا معنی صحیح ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ساعت میں تفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کتاب العظمہ، ج ۱، ص ۳۳، رقم الحدیث: ۴۳، الجامع الصغیر، ج ۲، رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے (الموضوعات، رقم الحدیث: ۲۳۰۲) لیکن حافظ سیوطی نے علامہ ابن جوزی کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی تخریج میں اس حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا ہے اور اس کا شاہد بھی ہے۔

(فیض القدیر ج ۸، ص ۴۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں پر غور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید میں تفکر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس کے حساب لینے کے متعلق تدبر کرے اور اپنے اعمال کے میزان میں وزن اور کمی کے متعلق اور پل صراط کی باریکی اور تیزی کے باوجود اس پر سے گزرنے کے متعلق سوچے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور کرے، جس دن بچے خوف سے بوڑھے ہو جائیں گے، جس دن ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچہ سے غافل ہوگی، جس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا، اور ہر شخص اپنی بیوی، اور بچوں سے اور ماں اور باپ سے بھاگے گا۔ جس دن اللہ تعالیٰ نیکوکاروں اور بدکاروں کو الگ الگ صفوں میں کھڑا کر دے گا اور اللہ جانے وہ نیکوں کی صف میں ہوگا یا بدوں کی صف میں ہوگا اور جب وہ ان امور میں غور و فکر کرے گا تو اس کے دل میں خوف خدا بہت قوی ہوگا، اور اس کا مطمح نظر اور نصب العین صرف آخرت ہوگی، وہ دنیا کی رنگینیوں اور مرغوبات نفس سے اعراض کر کے خلوص قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے گا اور انتہائی رغبت کے ساتھ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے گا، اور جس کا ان امور میں تفکر کم ہوگا وہ مرغوبات نفس کا اسیر ہو جائے گا، اس کا دل سخت ہو جائے گا، اس پر غفلت غالب ہوگی وہ اگر عبادت کے لیے کھڑا بھی ہوگا تب بھی اس کا دل دنیاداری میں مشغول ہوگا، وعظ و نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور آخرت کے بجائے دنیا اس کا مطمح نظر ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری عبادت اعضاء ظاہرہ سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت دل سے ہوتی ہے اور باطنی عبادت ظاہری عبادت سے افضل ہے، اور کامل تفکر یہ ہے کہ انسان کا دل عالم شہادت اور عالم حواس سے نکل کر عالم الغیب میں تفکر کرے، اور جس چیز میں غور و فکر کرے گا وہ جس قدر عظیم ہوگی اس کا تفکر بھی اسی قدر عظیم ہوگا۔ پس بعض علماء مخلوقات اور مصنوعات میں تفکر کر کے اس کے خالق اور صانع کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور بعض احوال آخرت میں تفکر کر کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں، اور بعض اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت اور اس کی دیگر صفات میں تفکر کرتے ہیں اور کائنات کے ہر حادثہ سے اس صفت کی معرفت حاصل کرتے ہیں جو اس حادثہ کی محدث ہے۔ (فیض القدیر، ج ۸، ص ۴۲۱۷، موضحاً، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ حقائق کائنات کا سراغ لگانا اور اس پر آشوب دور میں انسان کی ضرورتیں پوری کرنے کے اسباب اور علل کو جدید سائنس سے معلوم کرنا، انسان کی فلاح کے لیے مہلک اور لاعلاج امراض کا جدید میڈیکل سائنس سے علاج دریافت کرنا، اور ملک اور قوم کے دفاع کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق غور و فکر کر کے ایٹمی ہتھیار اور میزائل بنانا تاکہ مسلمانوں کا ملک دشمنان اسلام کے حملوں سے محفوظ رہے اور اقوام عالم میں عزت اور آزادی کے ساتھ گزارہ سکے، اور زراعت کے شعبوں میں

سائنسی تکنیک سے ایسے طریقے معلوم کرنا جن سے فصل زیادہ پیدا ہو اور قدرتی آفات سے محفوظ رہ سکے تاکہ ملک خوشحال ہو اور دوسروں کا دست نگر نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے علوم حاصل کرنا اور ایسے امور میں ایک لمحہ کا غور و فکر بھی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے' اور اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ اگر ملک سلامت اور آزاد ہو گا تو اس کے باشندے اللہ کی عبادت کر سکیں گے اور ملک غذا اور دوا میں خود کفیل ہو گا تو وہ دوسروں کے سہارے کے بغیر خوشحالی سے رہ سکیں گے۔ سو ملک کے تمام باشندوں کی عبادتوں اور ریاضتوں اور نیک اعمال کا وجود ملک کی بقاء اور اس کی آزادی پر موقوف ہے اور اس کی بقا اور آزادی عصری تقاضوں کے مطابق ایٹمی ہتھیار بنانے پر موقوف ہے۔ تو جن مسلمان سائنسی ماہرین نے یہ ہتھیار بم اور میزائل بنائے اور اس کے بنانے میں جو تفکر کیا تو یہ تفکر بہت عظیم عبادت ہے اور ملک کے تمام عبادت گزاروں کی عبادتوں کے اجر و ثواب سے ان کو بھی حصہ ملے گا۔ تاہم ہم ان سائنسی ایجادات کے خلاف ہیں جو عیاشی اور فحاشی کو فروغ دیتی ہیں خواہ وہ دوائیں ہوں یا آلات ہوں۔

جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی فضیلت اور اس دور میں ان کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور تم بہ قدر استطاعت ان (سے مقابلہ) کے لیے بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو"۔

جہاد کے لیے بندھے ہوئے گھوڑوں کی بہت فضیلت ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ عروہ بارقی کے پاس ستر گھوڑے تھے' جن کو انہوں نے جہاد کے لیے تیار رکھا ہوا تھا۔ گھوڑوں کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لیے اجر کا باعث ہے' ایک گھوڑا آدمی کے لیے اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے اور ایک گھوڑا آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہے۔ جو گھوڑا آدمی کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے اللہ کی راہ میں باندھ رکھا ہو اور چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی دراز کر دی ہو۔ وہ اس چراگاہ یا باغ میں جہاں تک جا کر چرے گا' وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ اس کی رسی کو کاٹ دے اور وہ کسی ایک یا دو جگہوں کے چکر لگائے تو جتنے قدم وہ چلے گا یا جتنی لید کرے گا وہ سب اس کی نیکیاں شمار ہوں گی اور اگر وہ گھوڑا دریا کے پاس سے گزرے اور اس کا پانی پیے' خواہ اس کا مالک اس کو پانی پلانا نہ چاہتا ہو' پھر بھی وہ اس کی نیکیاں شمار ہوں گی' اور جو شخص سوال سے بچنے کے لیے گھوڑا باندھے اور اس کی سواری میں اللہ اور بندوں کے حقوق فراموش نہ کرے وہ اس کے لیے ستر کا باعث ہے۔ اور جو گھوڑا آدمی کے لیے گناہ ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو آدمی نے فخر اور دکھاوے اور مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے رکھا ہو وہ اس کے لیے باعث گناہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم زکوٰۃ ۲۴ (۹۸۷) ۲۲۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۷۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے پوچھا: کون سا غلام سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس کے مالک کے نزدیک سب سے نفیس اور سب سے مہنگا ہو۔

(صحیح مسلم الایمان ۱۳۶ (۸۴) ۲۴۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۲۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۳)

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ کی راہ میں وہ گھوڑا رکھنا چاہیے جس کی قیمت سب سے زیادہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عورتوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ کسی

چیز سے محبت نہیں تھی۔ (سنن النسائی رقم الحدیث:۳۵۶۶)

حضرت ابو وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے موافق نام رکھو۔ اور اللہ عزوجل کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ اور گھوڑوں کو باندھ کر رکھو اور ان کی پیشانیوں کو اور ان کی رانوں کو ملو' اور دین کی سربلندی اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ان کو رکھو نہ کہ زمانہ جاہلیت کے بدلے لینے کے لیے' اور ایسے گھوڑے رکھو جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سرخ اور سفید ہوں یا جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سفید ہوں یا ان کا ماتھا اور ہاتھ پیر کالے اور سیاہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۴۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۷)

عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں مجاہدین گھوڑوں پر بیٹھ کر جہاد کرتے تھے اور دشمن ممالک کا سفر کرتے تھے۔ اس دور میں ٹینک اور بکتربند گاڑیوں کو گھوڑوں کے بدلہ میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ دشمن ممالک پر حملہ کرنے کے لیے جنگی طیاروں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ٹینک' بکتربند گاڑیاں' فوجی ٹرک اور لڑاکا طیارے ان سب کے حصول میں وہی اجر و ثواب ہو گا جو پہلے گھوڑوں میں ہوتا تھا۔

نامعلوم دشمنوں کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے سوا دوسرے دشمن جنہیں تم نہیں جانتے' اللہ انہیں جانتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں ان کے سوا دوسرے دشمنوں کے مصداق میں اختلاف ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ وہ بنو قریظہ ہیں۔ سدی نے کہا اس سے مراد اہل فارس ہیں۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں تم انہیں نہیں جانتے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور تمہارے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد جنات ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اللہ کے اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کے لیے ہتھیار مہیا کرنے اور باندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا اور مسلمان ان دشمنوں کو جانتے تھے' کیونکہ مسلمانوں کو بنو قریظہ اور اہل فارس کی عداوت کا علم تھا کیونکہ ان کو علم تھا کہ وہ مشرک ہیں اور وہ ان کے مخالف اور جنگجو لوگ ہیں' اور دشمنوں کی دوسری قسم وہ تھی جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے جو بنو آدم کے غیر ہیں۔ وہ ان کے ٹھکانوں اور ان کے احوال کو نہیں جانتے' ان کو صرف اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے کیونکہ بنو آدم جنات کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایک قول یہ ہے کہ گھوڑوں کی آواز سے جن خوف زدہ ہوتے ہیں اور جس گھر میں گھوڑا ہو جنات اس گھر کے قریب نہیں جاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان منافقین کو بھی نہیں جانتے تھے تو اس آیت سے ان کو کیوں مراد نہیں لیا جا سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں سے نہیں ڈرتے تھے وہ صرف اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اور مسلمانوں کو ان کے نفاق کا پتا نہ چل جائے۔

(جامع البیان ج ۱۰' ص ۴۳-۴۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مسلمانوں کے نامعلوم دشمنوں کے مصداق کا تعین کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کے سوا دوسرے دشمن جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے' بس کوئی شخص کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو ان دشمنوں کا علم ہے' الا یہ کہ ان دشمنوں کی تعیین کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث ہو اور آپ کا یہ ارشاد ہے کہ وہ جن ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان کسی ایسے شخص کی عقل کو فاسد نہیں کرتا جس کے گھر میں گھوڑا ہو۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ بھی

روایت ہے کہ جنات اس گھر کے قریب نہیں جاتے ہیں جس میں گھوڑا ہو اور جنات گھوڑوں کی آواز سن کر بھاگ جاتے ہیں۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۷، ص ۳۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے یزید بن عبداللہ بن عریب الملیکی سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جن ہیں۔ اور آپ نے فرمایا جن کسی ایسے گھر کو خراب نہیں کرتے جس میں عمدہ گھوڑا ہو۔
(المعجم الکبیر ج ۱۷، ص ۱۸۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۵، ص ۱۷۰۹)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۷)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: امام ابو الشیخ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ وہ جن ہیں اور جو شخص اپنے گھر میں گھوڑوں کو باندھے جن اس کے گھر کو خراب نہیں کرتے، اور امام ابو الشیخ اور امام ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث روایت کی ہے یعنی شیطان کسی گھوڑے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر کی گرہ ہے لہٰذا شیطان کبھی اس پر قدرت نہیں پائے گا۔ (الدر المنثور، ج ۴، ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام رازی نے فرمایا اس آیت کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ جب وہ مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کریں گے تو وہ خوف زدہ ہو کر اپنے نفاق کو ترک کر دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے باز آ جائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ آلات جہاد کی کثرت سے جنات کا خوف زدہ ہونا غیر معقول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دشمن ہیں جو مسلمان ہیں، کیونکہ مسلمان آپس میں بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۵۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میری رائے یہ ہے کہ جن احادیث سے اس آیت کا مصداق جنات کو بتایا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ اس لیے ہمیں خلاف عقل روایات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور جب اللہ اور اس کے رسول نے ان دشمنوں کی تعیین نہیں کی تو ہمیں اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے اور اس کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

دشمنان اسلام کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کی حکمت

کفار کو جب یہ علم ہو گا کہ مسلمانوں کے جہاد کی مکمل تیاری کر لی ہے اور جہاد کے تمام آلات اور اسلحہ کو حاصل کر لیا ہے تو وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں گے اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ملکوں پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے، اور اس خوف کی وجہ سے وہ جزیہ کی ادائیگی کے لیے تیار ہو جائیں گے اور بسا اوقات یہ خوف ان کے ایمان لانے کا سبب بن جائے گا، اور اس خوف کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کی مدد نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے اس رعب اور دبدبہ کی وجہ سے اقوام عالم میں مسلمانوں کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اس کا تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یعنی اے مسلمانو! تم آلات حرب اور جنگ کے لیے سواریوں کے حصول میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں بھی اس کا اجر عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اس نے تمہارے لیے ثواب کا ذخیرہ کر لیا ہے، جو تم کو قیامت کے دن پورا پورا دیا جائے گا۔

سورۃ الانفال کی ان آیات میں کفار کے خلاف جہاد کرنے اور مال غنیمت کی تقسیم کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس لیے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث بیان کریں اور جہاد کے فقہی احکام بیان کریں اور اس کے بعد مال غنیمت کی تقسیم' گرفتار شدہ قیدیوں کے احکام اور فدیہ کی تفصیل بیان کریں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

جہاد کی فضیلت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (الصف: ١٢-١٠)

اے ایمان والو! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری راہنمائی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہ رہے ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں اور ہمیشہ کی جنتوں میں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ٩٦-٩٥)

بلا عذر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں' اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑے ثواب کی فضیلت دی ہے ○ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور رحمت ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (التوبہ: ٢٢-٢٠)

جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں' اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور رضا کی اور جنتوں کی خوشخبری سناتا ہے' جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے ○ وہ اس میں ابد تک ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے ○

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو ان کے لیے جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے' وہ اللہ کی راہ میں قتال (جہاد) کرتے ہیں' پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ: ۱۱۱)

ہیں' اس پر تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ پس تم اپنی اس بیع سے خوش ہو جاؤ جو تم نے بیع کی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے اس نے پوچھا یہ کس کا کلام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! یہ نفع والی بیع ہے' ہم اس بیع کو ہرگز واپس نہیں کریں گے نہ اس کو رد کرنے کا مطالبہ کریں گے' وہ جہاد کے لیے نکلا اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ (جامع البیان جز ۱۱' ص ۴۹)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر قتال (جہاد) کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ○

جہاد افضل اعمال ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے اپنی حیات کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزا میں اس حیات سے افضل حیات عطا فرماتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۷۰-۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے ○ اللہ نے ان کو جو اپنے فضل سے دیا وہ اس پر خوش ہیں' اور بعد والے لوگوں کے متعلق جو ابھی ان سے نہیں ملے یہ بشارت پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جہاد کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ درآنحالیکہ تم (جنگ کی شدت میں) صابر ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو' آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا؟ اس نے کہا یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں قرض کے ماسوا۔ بشرطیکہ تم صابر ہو ثواب کی نیت کرنے والے ہو' آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہ ہو۔ بے شک جبرئیل نے یہ (قرض کے ماسوا کی قید) مجھے ابھی بتائی ہے۔ (صحیح مسلم الامارہ ۱۱۷ (۱۸۸۵) ۴۷۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: ایک شخص مال غنیمت کے لیے قتال کرتا ہے اور ایک شخص اس لیے قتال کرتا ہے تاکہ اس کی بہادری کا ذکر کیا جائے اور ایک شخص اپنے خاندان کی غیرت کی وجہ سے قتال کرتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اس لیے قتال کرتا ہے کہ

اللہ کا دین سربلند ہو وہ اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۰ ، صحیح مسلم الامارہ ۱۵۱-۱۴۹ ' (۱۹۰۴) ۴۹۳۶-۴۹۳۹ ' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۵۱۸ ، ۲۵۱۷ ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۳ ' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۶ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۴ ' صحیح مسلم الامارہ ۱۱۲ ' (۱۸۸۱) ۴۷۹۳ ' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس حال میں مرا کہ اس نے جہاد کیا نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔
(صحیح مسلم الامارہ ۱۵۸ ' (۱۹۱۰) ۴۸۴۸ ' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۲ ' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۹۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ' مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتال کروں پھر مجھے قتل کر دیا جائے ' پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے ' پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر مجھے قتل کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے تین مرتبہ اس کو قسم کھا کر بیان کیا۔
(صحیح مسلم الجہاد ۱۰۹ ' (۱۸۷۶) ۴۷۸۱ ' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۷ ' الموطا رقم الحدیث: ۹۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ' تم میں سے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہو گا ' اور اللہ کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے ' تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو گا ' رنگ خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔
(الموطا رقم الحدیث: ۱۰۰۱ ' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۳ ' صحیح مسلم الجہاد ۱۰۵ ' (۱۸۷۶) ۴۷۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے کا فقط اتنا درد ہوتا ہے جتنا تم میں سے کسی ایک شخص کو چیونٹی کاٹنے کا درد ہوتا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۵ ' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۶۱ ' سنن الدارمی ' رقم الحدیث: ۲۴۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی فوت ہو اور اس کے لیے اللہ کے پاس اجر ہو وہ دنیا میں واپس جانے سے خوش نہیں ہو گا ' خواہ اس کو دنیا اور مافیہا مل جائیں ' ماسوا شہید کے ' کیونکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور پھر قتل کیا جائے کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت دیکھ لے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۷ ' صحیح مسلم الامارہ ۱۰۸ ' (۱۸۷۷) ۴۷۸۴ ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے (آل عمران: ۱۶۹) حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا تھا ' آپ نے فرمایا شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں ' ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں ' اور پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ پھر ان کا رب ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے تم کسی چیز کو چاہتے ہو؟ وہ کہتے ہیں ہم کس چیز کی خواہش کریں کہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں چرتے ہیں۔ یہ مکالمہ تین مرتبہ ہو گا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو بغیر پوچھے نہیں چھوڑا جا رہا تو وہ کہیں گے

کہ ہمارے رب ہماری خواہش یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں' جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھے گا کہ ان کو اور کوئی خواہش نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم الامارۃ (۱۸۸۷) '۴۸۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۱)

جہاد کی حکمت اور اس سوال کا جواب کہ کافروں کو قتل کرنا اللہ اور رسول کی رحمت کے منافی ہے

جہاد کی مشروعیت اور اس کی فضیلت اور اس کی ترغیب' تحریص اور تحریک میں آیات اور احادیث بہت زیادہ ہیں' جہاد کی مشروعیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سب سے خاص وصف آپ کی رحمت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جہاد سے انسان مارے جاتے ہیں اور ان کا خون بہتا ہے' عورتیں بیوہ ہوتی ہیں اور بچے یتیم ہوتے ہیں' اموال تلف ہوتے ہیں آبادیاں ویران ہوتی ہیں' شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور بہت سی علمی اور تحقیقی متاع ضائع ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاد فتنہ اور فساد کا سبب ہے اور تباہی اور بربادی کا موجب ہے تو جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اس کو جہاد کی شریعت کے ساتھ مبعوث کرنا کس طرح حکمت کے مطابق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان مل جل کر تمدنی زندگی گزارتے ہیں تو انسان اپنی ضرورت اور اپنے عیش و آرام کی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی پسند اور اپنے مزاج کے خلاف چیزوں کو دور کرنا چاہتے ہیں اور بسا اوقات وہ ان مقاصد کے حصول کے لیے زور آزمائی کرتے ہیں اور ہر زبردست ہر زیردست کو مغلوب کرتا ہے۔ اور بسا اوقات اس میں قتل اور خون ریزی کی نوبت آجاتی ہے' کیونکہ جب کسی شخص کو اپنا مطلوب حاصل نہ ہو تو وہ غیظ و غضب میں آجاتا ہے۔ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ جب ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں ہوئی تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا اور یہ اس دنیا میں قتل کا پہلا واقعہ تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (المائدہ: ۲۷)

اور آپ انہیں آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ سنائیں جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی تو دوسرے نے کہا میں تم کو ضرور قتل کروں گا' پہلے نے کہا اللہ صرف متقین کی قربانی قبول فرماتا ہے ○

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتل اور خونریزی انسان کی فطرت میں ہے اور اسلام دین فطرت ہے اور شریعت اسلامیہ میں باقی پچھلی تمام شریعتوں کے مقابلہ میں انسانوں پر زیادہ رحمت اور شفقت ہے' اس لیے اسلام نے یہ چاہا کہ انسان اپنے سفلی جذبات' حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے اور زور اور سلطنت حاصل کرنے کے لیے جو قتل اور خونریزی کرتا ہے اس کا رخ موڑ دیا جائے' اور بجائے اس کے کہ انسان اپنی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انسانوں کا خون بہائے' وہ عدل و انصاف کو فروغ دینے' اعلیٰ ملکوتی اقدار کے حصول اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے مجرموں اور اللہ کے باغیوں کا خون بہائے تاکہ دنیا سے کفر اور شرک' ظلم اور سرکشی اور فحاشی اور بے حیائی کی جڑیں کاٹ دی جائیں اور دنیا سے شر اور فساد دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى

اور اگر اللہ بعض (ظالم) لوگوں کو بعض (عادل) لوگوں سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر

الْعٰلَمِیْنَ○ (البقرہ:۲۵۱) — فضل فرمانے والا ہے○

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ○ (الحج:۴۰)

اور اگر اللہ بعض (ظالم) لوگوں کو بعض (عادل) لوگوں سے دور نہ فرماتا تو راہبوں کی عبادت گاہیں' اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ضرور منہدم کر دی جاتیں اور اللہ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے' بے شک اللہ ضرور قوت والا' بہت غالب ہے○

اس حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد کو مشروع کیا اور جہاد اور قتال کی مشروعیت سے صرف یہ مقصد تھا کہ لوگوں کو زمین پر اللہ کی عبادت پر قدرت مہیا کی جائے اور شر اور فساد کا قلع قمع کیا جائے یا اس کو کم کر دیا جائے' اور تمام آسمانی مذاہب اور شریعتوں کا یہی مقصد رہا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ عزوجل نے کافروں' ظالموں' باغیوں اور مجرموں سے قتال کو مشروع کیا۔ ہرچند کہ قتال اور جہاد سے انسانوں کا خون بہتا ہے' عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں لیکن اس سے دنیا میں توحید' عدل و انصاف اور خیر کثیر کا حصول ہوتا ہے اور خیر کثیر کے حصول کے لیے شر قلیل کو برداشت کرنا ناگزیر ہوتا ہے بلکہ اس شر قلیل کو برداشت کرنا خیر کثیر ہے اور شر قلیل کی وجہ سے خیر کثیر کو ترک کر دینا بجائے خود شر کثیر ہے۔

جہاد کے فرض عین ہونے کی صورتیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تین حالتوں میں جہاد فرض عین ہے۔

۱- امام المسلمین اور سربراہ مملکت اسلامیہ کسی شخص یا کسی جماعت کو جہاد اور قتال کے لیے طلب کرے تو ان لوگوں کے لیے جہاد کے لیے نکلنا فرض عین ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۗ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ (التوبہ:۳۹-۳۸)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا! جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے حالانکہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے○ اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

اور اس آیت کی دلالت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام المسلمین کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے میں سستی کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور جہاد کے لیے نہ نکلنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

امام المسلمین کے طلب کرنے پر جہاد کے فرض عین ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب (مکہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲۵' ۳۰۷۷' صحیح مسلم الامارہ' ۸۵' (۱۳۵۳) ۴۷۴۶' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۴۸۰' سنن الترمذی

رقم الحدیث: ۱۵۹۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۴۹۶، ۱۹۹۱، جامع الاصول، ج ۲، رقم الحدیث: ۶۹۰۰)

اور اس حدیث کی دلالت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے امام کے طلب کرنے کے بعد جہاد کے لیے نکلنے کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

۲- جہاد کے فرض عین ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر کے اس میں داخل ہو جائے یا ان کی مملکت کے کسی حصہ پر قبضہ کر لے تو اس وقت دشمن سے قتال کرنا فرض عین ہے اور اس کی فرضیت اجماع سے ثابت ہے۔

۳- جہاد کے فرض عین ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب دشمن سے صف بہ صف مقابلہ ہو رہا ہو تو اس وقت دشمن سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (الانفال: ۱۵)

اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو۔

اس آیت کی وجہ دلالت اور اس کی تفسیر الانفال: ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورتیں

جب دشمن مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے نہ اس کے کسی حصہ پر قبضہ کرے، نہ امام مسلمانوں کو جہاد کے لیے طلب کرے تو تبلیغ اسلام کے لیے کفار پر حملہ کرنا فرض کفایہ ہے، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۹۵)

بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑے ثواب کی فضیلت دی ہے۔

اس آیت کی جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر اس طرح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں اور بلا عذر جہاد نہ کرنے والوں دونوں سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ البتہ جہاد کرنے والوں کو زیادہ اجر و ثواب کی بشارت دی ہے، اگر ہر جہاد فرض عین ہوتا تو جہاد نہ کرنے والے گنہ گار ہوتے اور ان سے اچھے اجر کا وعدہ نہ فرماتا، کیونکہ مقصود تو اللہ کے دین کی سربلندی اور تبلیغ اسلام ہے سو جن مسلمانوں نے اس فریضہ کو ادا کر لیا تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو گئی جیسا کہ تمام فروض کفایہ میں ہوتا ہے۔

تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے لشکر یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے، اور اس امیر کے ساتھ جو مسلمان ہوتے ان کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتے۔ پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو، جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کریں ان کے

خلاف قتال کرو' خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' مثلہ نہ کرو (کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو) کسی بچہ کو قتل نہ کرو اور جب تمہارا مشرکین میں سے اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دو' وہ ان میں سے جس چیز کو بھی مان لیں تم اس کو ان سے قبول کر لو اور پھر ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ۔ ان کو یہ دعوت دو کہ وہ اپنے شہر سے دار مہاجرین کی طرف منتقل ہو جائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کے وہ حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے حقوق ہیں اور ان پر وہ چیزیں فرض ہوں گی جو مہاجرین پر فرض ہیں۔ اور اگر وہ اپنے شہر سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو وہ مسلمان اعرابیوں کی طرح ہوں گے اور ان پر اللہ کا وہ حکم جاری ہو گا جو مومنین پر جاری ہے' اور مال غنیمت اور فئے میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو گا' البتہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں تو پھر ان کا حصہ ہو گا۔ اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر ان سے جزیہ قبول کر لو اور ان پر حملہ کرنے سے رک جاؤ' اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو اللہ سے مدد حاصل کر کے ان سے قتال کرو' اور جب تم قلعہ میں بند لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو ضامن بناؤ تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بناؤ۔ لیکن تم اپنی اور اپنے اصحاب کی ضمانت دو' کیونکہ اگر تم نے اپنی اور اپنے اصحاب کی ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو یہ اس سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ضمانت توڑنے کی نسبت کرو' اور جب تم قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ کے حکم سے قلعہ سے باہر لاؤ تو تم اللہ کے حکم سے ان کو باہر نہ لانا لیکن تم ان کو اپنے حکم سے قلعہ سے نکالنا' کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔

(صحیح مسلم الجهاد ۳' (۱۷۳۱) ۴۴۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۸)

جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کی سربلندی کے لیے کافروں سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی ملک کے مسلمان بھی کافروں سے جہاد نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہ گار ہوں گے۔

جب تک دنیا میں مسلم اقوام تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے جہاد کرتی رہیں وہ دنیا میں عزت اور سربلندی کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور جب انہوں نے جہاد چھوڑ دیا اور عیش و طرب کی زندگی اختیار کر لی' مسلمان مشقت' جانفشانی اور سخت کوشی کی جگہ سہولت' آرام اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے لگے تو ذلت اور محکومی ان کا مقدر ہو گئی۔ اسپین میں مسلمانوں کا عروج اور زوال' ہندوستان میں مسلمان سلاطین کی سربلندی اور پستی اور عربوں کی اسرائیلیوں سے فتح اور شکست کا راز اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے۔

آج پاکستان کی قوم بھی تہذیب اور کلچر کے نام پر سینما' وی سی آر اور ڈش پر پاکستانی اور ہندوستانی فلموں کے دیکھنے کے وفور شوق میں مبتلاء ہے اور میوزک کے شور میں ڈوبی ہوئی ہے اور فلموں میں جو فحاشی اور نیم عریاں تہذیب دکھائی جاتی ہے اس کو عملی زندگی میں آرٹ اور فیشن کے نام پر فروغ دے رہی ہے' یہی وجہ ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر نوے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عسکری تاریخ کی بدترین مثال قائم کی۔

جہاد کے مباح ہونے کی شرائط

جہاد کے مباح ہونے کی دو شرطیں ہیں:

۱- دشمن دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو۔

۲- مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گا اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیے کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سامان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ (عالمگیری ج ۲، ص ۱۸۸)

جہاد کے وجوب کی شرائط

جہاد کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں: (۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) آزاد ہونا (۵) مرد ہونا (۶) معذور نہ ہونا (۷) ضروریات کا خرچ موجود ہونا۔

اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ کافر پر جنگ میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ عقل کی شرط اس لیے ہے کہ مجنون جہاد نہیں کر سکتا، اور بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ کمزور ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو میں نے اپنے آپ کو جنگ احد کے لیے پیش کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ نبی ﷺ آزاد شخص سے اسلام اور جہاد کی بیعت لیتے تھے اور غلام سے صرف اسلام کی بیعت لیتے تھے جہاد کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ اور مرد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہے اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ غیر معذور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اندھا، لنگڑا اور بیمار نہ ہو اور یہ اس لیے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (الفتح: ۱۷) (جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور خرچ موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (التوبہ: ۹۱)

(جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ بیماروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو زاد راہ (خرچ) نہیں پاتے، جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرلی ہو۔

اگر جہاد مسافت قصر سے کم پر ہو تو مدت جہاد میں اہل و عیال کا خرچ ضروری ہے اور ہتھیاروں کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر جہاد مسافت قصر پر ہو تو اس کے ساتھ ساتھ سواری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ (التوبہ: ۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ انہیں (جہاد کے لیے) سواری دیں تو آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو وہ اس حال میں واپس چلے گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کیونکہ ان کو یہ رنج تھا کہ ان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہے۔

(المغنی، ج ۱۰، ص ۱۶۴، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مال غنیمت کی تقسیم کی تفصیل اور جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جب امام کسی شہر کو صلح سے فتح کرے تو اس شہر کی زمین اپنے حال پر رہے گی (عشری ہو تو عشری اور خراجی ہو تو خراجی) اور زمین ان کی ملکیت میں باقی رہے گی اور اگر وہ کسی شہر کو جنگ سے فتح کرے تو اگر امام چاہے تو وہاں کی زمین اور اموال سے خمس نکالنے کے بعد اس کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو غلام بنا لے اور اگر چاہے تو وہاں کے رہنے والوں کو اس زمین پر برقرار رکھے اور ان کے افراد پر جزیہ مقرر کرے اور ان کی زمین سے خراج وصول کرے۔ پہلی صورت اولیٰ ہے جبکہ مال غنیمت کی ضرورت ہو۔ اور اگر چاہے تو وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دے اور وہاں کسی اور قوم کو آباد کرے اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کرے (علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام کے اس اختیار پر یہ اعتراض ہے کہ یہ اجماع صحابہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے مضافات کی زمین لشکر میں تقسیم نہیں کی تھی اور نہ اس سے خمس نکالا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو کچھ کیا تھا اس موقع پر وہی مناسب تھا۔ اور یہ لازمی امر نہیں تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو لشکر کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ جو طریقہ مناسب سمجھے اس پر عمل کرے) یہ حکم اس وقت ہے جب اس شہر کے رہنے والے کافر ہوں اور اگر وہ مسلمان ہوں تو وہ زمین صرف عشری ہوگی۔ اگر قیدی مسلمان نہ ہوں تو امام چاہے تو ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنا لے اور اگر چاہے تو ان کو ذمی بنا لے اور خواہ وہ مسلمان ہو گئے ہوں ان کو بلا عوض چھوڑ دینا حرام ہے کیونکہ انکے ساتھ غانمین (اہل لشکر) کا حق متعلق ہے۔ امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ۴)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو ان قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو، پھر خواہ احسان کر کے ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو، حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم سورہ توبہ کی اس آیت سے منسوخ ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: ۵)

سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔

اور جنگ ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لینا حرام ہے اور جنگ ختم ہونے سے پہلے مالی فدیہ لینا جائز ہے (یعنی مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑ دینا اور مسلم قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے (درر) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کی بھی زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۳، ص ۲۲۹-۲۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنا جائز ہے اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو

چھوڑنا جائز نہیں ہے اسی طرح سیر کبیر میں مذکور ہے۔ امام محمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر کافر بہت بوڑھا ہو اور اس کی نسل کا بڑھنا متوقع نہ ہو' اسی طرح الاختیار میں مذکور ہے۔ اور مسلمان قیدی کے بدلہ میں کافر قیدی کو چھوڑنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ المحیط میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔ السیر الکبیر میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا جائز ہونا زیادہ ظاہر روایت ہے۔ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلہ میں دو مسلمان چھڑائے جو کہ مکہ میں قید تھے۔ (فتح القدیر' ج ۵' ص ۴۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) میں کہتا ہوں کہ ہم اسی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ فقہ کے متون میں جو یہ لکھا ہے کہ مالی فدیہ کے بدلہ میں مشرکین کو چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال کی ضرورت نہ ہو لیکن جب ان کو مال کی ضرورت ہو تو مشرکین کو مالی فدیہ کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں مالی فدیہ کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا) اسی طرح مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو چھوڑنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳' ص ۲۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی نے السیر الکبیر کا جو حوالہ دیا ہے اس کی شرح میں شمس الائمہ السرخسی الحنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

امام محمد شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے فرمایا مشرکین قیدیوں کے بدلہ میں ان مسلمان قیدیوں کو چھڑانا جائز ہے جو کفار کی قید میں ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اس کی شرح میں علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

یہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ظاہر روایت ہے۔ اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ قیدی کے بدلہ میں قیدی کو چھڑانا جائز نہیں ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کو مشرکین کی قید سے چھڑانا واجب ہے اور یہ مطلوب صرف ان کے قیدی چھوڑنے سے حاصل ہو گا اور یہ مشرکین کے قتل کو ترک کرنے سے زیادہ برا نہیں ہے اور مسلمانوں کی منفعت کے لیے یہ جائز ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ امام کے لیے مشرک قیدیوں کو غلام بنانا جائز ہے' اور مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کا نفع ان کے قیدیوں کو غلام بنانے سے زیادہ ہے' اور ہمارے اس قول کی تائید حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عقیل کے ایک مشرک قیدی کے بدلہ میں دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔

(شرح السیر الکبیر ج ۴' ص ۱۵۸۷' مطبوعہ المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے کے متعلق احادیث

علامہ ابن ہمام اور علامہ سرخسی نے مشرک قیدی کے بدلہ میں مسلمان قیدی کے چھڑانے کی جن حدیثوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے درآنحالیکہ وہ شخص بندھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اس سے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حاجی کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ (یعنی عضباء) اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے اس کی بات کو عظیم گردانتے ہوئے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف

کے بدلہ میں پکڑا ہے۔ پھر آپ چلے گئے' اس نے پکار کر کہا یا محمد! (ﷺ) رسول اللہ ﷺ مہربان اور رقیق القلب تھے آپ اس کے پاس لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ اس وقت کہتا جب تجھے اپنے معاملہ کا اختیار تھا (یعنی گرفتار ہونے سے پہلے) تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا۔ آپ پھر چل دیے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد! (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھلایئے اور میں پیاسا ہوں مجھے کچھ پلایئے۔ (آپ نے اس کو' کوئی چیز دے کر فرمایا) یہ لو اپنی حاجت پوری کرو۔ پھر اس کو ان دو شخصوں کے عوض چھوڑ دیا گیا۔ (جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا)

(صحیح مسلم النذر ۸' (۱۶۴۱) ۴۲۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۷۵' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۶۷' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۸۲۹' مسند احمد ج ۴' ص ۴۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۵۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۳۹۵' المنتقی رقم الحدیث: ۹۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹' ص ۷۲' دلائل النبوۃ ج ۴' ص ۱۸۸' المعجم الکبیر ج ۱۸' ص ۱۹۰' رقم الحدیث: ۴۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے ساتھ جہاد کیا۔ اس جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا۔ جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا ہم رات کے آخری حصہ میں اترے۔ پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا اور (ان کے) پانی پر پہنچے اور اس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا۔ میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو وہ سب ٹھہر گئے۔ میں ان سب کو گھیر کر لے آیا۔ ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لے آیا' حضرت ابوبکر نے وہ لڑکی مجھ کو انعام میں دے دی۔ ہم مدینہ میں پہنچے۔ ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے اتارے بھی نہ تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے ہبہ کردو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس نہیں اتارا ہے' اگلے دن پھر میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے ہبہ کردو تمہارا باپ بہت اچھا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے اس کا لباس تک نہیں اتارا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں مکہ کے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔

(صحیح مسلم الجہاد ۴۶' (۱۷۵۵) ۴۴۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۴۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۴' ص ۴۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۲۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹' ص ۱۲۹)

نبی ﷺ نے مشرک قیدی کو بلا معاوضہ احساناً بھی آزاد فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کرکے لائے۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور وہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا اے محمد (ﷺ) خیر ہے۔ اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان کریں

گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں' اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حتیٰ کہ اگلے روز پھر آپ نے فرمایا اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میری وہی رائے ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں' اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا اور غسل کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔

اے محمد (ﷺ) بخدا پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چہرہ نہیں تھا اور اب آپ کا چہرا انور مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا پہلے میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین ناپسندیدہ نہ تھا اور اب مجھے آپ کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ بخدا پہلے میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسندیدہ نہ تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا درآنحالیکہ میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا' اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی شخص نے ان سے کہا کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' لیکن میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور سن لو' خدا کی قسم! اب تمہارے پاس اس وقت تک یمامہ سے گندم کا کوئی دانہ نہیں پہنچے گا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں۔

(صحیح مسلم الجہاد ۵۹' (۱۷۶۴) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹)

نیز رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے کئی قیدیوں کو احساناً چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک قیدی ابوالعاص بن ابی الربیع تھے۔ چنانچہ امام ابن اسحاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا اور اس فدیہ میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جہیز میں رخصتی کے وقت دیا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو اپنے قیدی کو زینب کی خاطر چھوڑ دو اور زینب کا دیا ہوا فدیہ واپس کر دو۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیں سو انہوں نے حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۲' المستدرک ج ۳' ص ۲۳' مسند احمد ج ۶' ص ۲۷۶' السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲' ص ۲۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مطلب بن حنطب کو بھی بلا عوض احسان کر کے چھوڑ دیا۔ مطلب بن حنطب کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص کی کئی بیٹیاں تھیں اور

وہ محتاج تھا آپ نے اس کو بھی بلا عوض چھوڑ دیا۔ اس کا نام ابو عزہ الجمحی تھا۔ آپ نے اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کئی اشعار کہے۔ پھر وہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ گرفتار ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا:

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبو زدہ (بدر کے قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں ان سب کو چھوڑ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۹، ۴۰۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۸۰، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۷۴۱۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۶۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۵۰۸، ۱۵۰۷، ۱۵۰۶)

جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلہ میں آزاد کرنے پر صاحب ہدایہ کے اعتراض کا جواب

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مصنف (صاحب ہدایہ) نے یہ کہا ہے کہ ان تمام واقعات کا حکم سورۂ توبہ کی آیت اقتلوا المشرکین "مشرکین کو قتل کردو" سے منسوخ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بدر کے یہ واقعات سورہ توبہ نازل ہونے سے پہلے کے ہیں لیکن مصنف کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اقتلوا المشرکین مشرکین کو قتل کردو کا یہ حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے۔ اگر ان کو قتل کرنا ضروری ہوتا تو ان کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے اور یہ کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بلا معاوضہ احساناً چھوڑنے کے تمام واقعات غیر منسوخ ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیت فاما منا بعد واما فداء جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو بھی غیر منسوخ اور محکم ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟

اس بحث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا لازمی اور حتمی حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہ امیر کی رائے اور صواب دید پر موقوف ہے اور اس کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ پہلے دنیا میں عام جنگی چلن یہی تھا کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیتی تھی۔ اس لیے اسلام نے بھی یہ اجازت دی کہ اگر کوئی قوم مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بناتی ہے تو مسلمان بھی اس قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنالیں۔ کیونکہ:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

لیکن اب جبکہ دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام نہیں بناتی تو اب کسی مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے اب جنگی قیدیوں کو فاما منا بعد واما فداء کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے احساناً اور امتناناً چھوڑ دینا چاہیے، اور چونکہ اسلام انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا داعی ہے اور عدل و احسان کا نقیب ہے اور حسن عمل اور کار خیر میں کافروں سے آگے ہے اس لیے یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ جب فریق مخالف جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا روا نہیں رکھتا تو مسلمانوں کے لیے بدرجہ اولیٰ ان کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلے سے بنائے لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق احکام تو

بیان کیے گئے ہیں لیکن جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کہیں ہدایت نہیں دی۔ اس کے برخلاف ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے جنگی چلن کے مطابق جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بھی بنایا تھا لیکن آپ نے بدر کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر کے حسن عمل کی مثال قائم کی بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا اور بعض کو بلا فدیہ رہا کیا اور "فاما منا بعد واما فداء" پر پورا پورا عمل کیا۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا رخصت پر عمل ہے اور ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کر دینا عزیمت پر عمل ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوری: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے' پھر جو شخص معاف کر دے اور (برائی کی) اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا کر جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا پر عمل کیا اور آزاد کر کے فمن عفا واصلح پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداءً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے سے انکار کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بالآخر نور رسالت ان پر غالب آگیا اور سواد عراق کے جنگی قیدیوں کو انہوں نے قتل کیا نہ لونڈی اور غلام بنایا بلکہ ان سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ قرار دیا' اور اس واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ بنانا جائز ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اور اگر مسلمانوں کا امیر چاہے تو جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دے اور انہیں ذمی بنا دے جیسا کہ حضرت عمر نے سواد عراق کے جنگی قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں:

اس میں حضرت عمر کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے سواد عراق والوں سے کیا تھا۔ اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ قتل کو ترک کرنے کا اختیار ثابت نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ یہ اختیار اس آیت کے خلاف ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم "تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو" اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ مستامن' اہل ذمہ اور عورتوں وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا متنازع فیہ (یعنی جنگی قیدی) بھی حضرت عمر کے اس فعل کے سبب اس آیت کے اس عموم سے خاص کیے جائیں گے۔

(الکفایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ان دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا' اس زمانہ کے مخصوص حالات کی بناء پر معمول تھا اور بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا طریقہ متروک ہو چکا ہے بلکہ سرے سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا اب معیوب سمجھا جاتا ہے' تو اب جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے جواز کو اسلام کے ساتھ نتھی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اسلام نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا کہیں حکم نہیں دیا۔ اس کے جواز کو فقہاء نے بعض جزوی واقعات سے مستنبط کیا ہے اور یہ واقعات اخبار احاد سے ثابت ہیں جو زیادہ سے زیادہ ظنیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا قرآن مجید کا حکم قطعی

ہے' اور بعض جزوی اور ظنی واقعات کی بناء پر قرآن مجید کی نص قطعی کو ترک کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا عقل اور اصول کے خلاف ہے۔ جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کیا ہے تو انہی احادیث پر عمل کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے صریح حکم کے مطابق ہیں' اور جو احادیث اس حکم کے خلاف ہیں ان کی توجیہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اب جبکہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی وجہ باقی نہیں رہی اس لیے اب اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے بارے میں صرف ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے' حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو' (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرو' تا آنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے' یہی (اللہ کا حکم) ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کافروں سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس طریقہ کی وجہ یہ ہے کہ) وہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں' بے شک وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ (الانفال: ۶۱)

اس سے پہلی آیت میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے اسلحہ مہیا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح قبول کر لو۔

دشمن سے صلح کرنے کا حکم آیا منسوخ ہے یا نہیں

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہے:

اقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ (التوبہ: ۵)

تم مشرکین کو قتل کر دو انہیں جہاں بھی پاؤ۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبہ: ۲۹)

جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان سے قتال کرو۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے لیکن یہ آیت صلح کے حکم کو متضمن ہے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بہتری ہو۔ اور جب مسلمانوں کے امیر کی رائے یہ ہو کہ ان سے صلح کی جائے تو پورے ایک سال صلح نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر مشرکین کی قوت زیادہ ہو تو دس سال تک بھی ان سے صلح کرنا جائز ہے۔ اور اس مدت سے زیادہ تک صلح کرنی جائز نہیں ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے کیونکہ آپ نے ان سے دس سال کی مدت تک کے لیے صلح کی تھی' پھر انہوں نے مدت پوری ہونے سے پہلے عہد شکنی کی۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دشمن سے صلح کرنے یا صلح نہ کرنے کے الگ الگ محمل

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اہل جزیہ سے جزیہ قبول کرلیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے صلح کی' اور ان کے بعد بہت سے ائمہ نے بلاد عجم کے کفار سے صلح کی۔ ان سے جزیہ قبول کیا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ ان کو جڑ سے اکھاڑنے پر قادر تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کافر شہروں سے کچھ مال کی ادائیگی پر صلح کی۔ ان میں سے خیبر بھی ہے۔ آپ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد وہ زمین ان لوگوں کے حوالہ اس شرط پر کردی کہ وہ اس زمین کی پیداوار کا نصف آپ کو ادا کریں گے۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا تھا اور مشرکین سے کچھ قبول نہیں کیا جاتا (جزیہ صرف اہل کتاب سے قبول کیا جاتا ہے)

ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر دشمن آپ کو صلح کی دعوت دے تو آپ اس کو قبول کرلیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اگر صلح کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور منفعت ہو یا وہ صلح کے ذریعہ کسی ضرر کو دور کرسکتے ہوں یا وہ صلح کرنے کے محتاج ہوں تو اگر وہ خود ابتداءً صلح کرلیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے چند شرائط پر صلح کی اور بعد میں خود انہوں نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الضمری' اکیدر' دومہ اور اہل نجران سے صلح کی' اور دس سال کی مدت کے لیے قریش سے صلح کی پھر قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ صلح کرتے رہے۔

اور اگر مسلمانوں کے پاس قوت اور بہت بڑا لشکر ہو اور وہ غالب ہوں تو پھر ان کو صلح نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (محمد: ۳۵)

(اے مسلمانو!) حوصلہ پست نہ کرو اور ان سے صلح کی درخواست نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ ہرگز تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔

جنگ احزاب کے دن عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف المری آپ کے پاس آئے اور آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھ غطفان کو لے کر چلے جاؤ اور قریش کو ان کے منصوبہ میں رسوا کردو ہم تم کو مدینہ کی تہائی کھجوریں دیں گے اور تم اپنی قوم کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ صرف بات چیت تھی ابھی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ اس پر راضی ہیں تو پھر آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا' ان دونوں نے کہا یارسول اللہ! اگر آپ کو یہ معاہدہ پسند ہو تو ہم اس کو قبول کرلیتے ہیں یا اگر آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں یا آپ یہ معاہدہ صرف ہماری خاطر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ میں یہ معاہدہ تمہاری خاطر کر رہا ہوں کیونکہ تمام عرب جمع ہو کر تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں' تب حضرت سعد بن معاذ نے کہا یارسول اللہ! خدا کی قسم! ہم اور یہ لوگ پہلے مشرک تھے اور بت پرستی کرتے تھے۔ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اس کو پہچانتے تھے اس وقت بھی ان لوگوں نے ہم سے یہ توقع نہیں رکھی کہ وہ ہم سے مدینہ کی کوئی کھجور حاصل کرلیں گے وہ ہم سے کھجوریں خریدتے تھے یا ہم ان کو بہ طور مہمانی کھلا دیتے تھے اور اب جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت دی ہے اور ہم کو ہدایت دی ہے تو کیا اب ہم ان کو اپنے اموال دے دیں گے۔ خدا کی قسم ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا ہے اور عیینہ اور حارث سے فرمایا تم دونوں واپس

جاؤ ہمارے پاس صرف تلوار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷، ص ۳۹۹۔۳۹۷، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کمزور ہوں اور دشمن غالب ہو تو وہ دشمن کو مال دے کر بھی صلح کر سکتے ہیں اور اگر صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو تو وہ مال لے کر بھی صلح کر سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال کی اس آیت کا تقاضا ہے' اور اگر مسلمان طاقتور ہوں اور ان کے پاس بہت اسلحہ اور بہت زیادہ افرادی قوت ہو تو پھر دشمن سے صلح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت ۳۵ کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو بے شک آپ کو اللہ کافی ہے' وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی جماعت سے آپ کی تائید فرمائی O (الانفال: ۶۲)

دشمن کی نیت فاسد ہونے کے باوجود صلح کا جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔ (الانفال: ۶۱) اور اس آیت میں صلح کے احکام میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ آپ کو دھوکا دینے کے لیے صلح کی پیشکش کریں تب بھی آپ بہ وقت ضرورت ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیں۔ کیونکہ احکام کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے اور صلح ایمان سے بڑی چیز تو نہیں ہے اور جب کوئی ایمان کا اظہار کرے خواہ دل میں کفر ہو تو اس کو قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر صلح کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر آپ کو دشمن سے خیانت کا خطرہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آیت اس پر محمول ہے جب آپ کو قوی قرائن اور علامات سے یہ معلوم اور ظاہر ہو جائے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو ان کا عہد ان کے منہ پر مار دیں' اور یہ آیت اس پر محمول ہے کہ ان کی خیانت صرف ان کے دل میں ہے اور ان کے عمل سے کوئی خیانت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ شر اور فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور فتنہ کو بھڑکانا چاہتے ہیں' بلکہ ان کے احوال سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ صلح کی درخواست پر ثابت قدم ہیں اور لڑائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ اللہ پر توکل کر کے ان سے صلح کر لیں اور اللہ کی مدد آپ کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے مسلمانوں کے درمیان الفت پیدا کی' اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزوں کو بھی خرچ کر دیتے تو (از خود) ان کے درمیان الفت پیدا نہ کر سکتے' لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کی' بے شک وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے O (الانفال: ۶۳)

اسلام کی نعمت سے عرب کے مخالف دھڑوں کا باہم شیر و شکر ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس قوم کی طرف بھیجا جس میں تعصب' حمیت اور جوش انتقام بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ اگر ایک قبیلہ کا شخص دوسرے قبیلہ کے شخص کو تھپڑ بھی مار دیتا تو جب تک وہ اس شخص سے بدلہ نہیں لے لیتا تھا' اس کو چین نہیں آتا تھا۔ پھر اسلام لانے کے بعد ان کی کایا اس طرح پلٹ گئی کہ اسلام کی خاطر ایک شخص اپنے باپ' بیٹے اور بھائی کو قتل کر دیتا تھا حتیٰ کہ جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے جنگ کے لیے للکارا تو اس کے بیٹے ابو حذیفہ بن عتبہ اپنے باپ کے خلاف تلوار نکال کر مقابلہ کے لیے بڑھے لیکن نبی ﷺ نے ان کو بٹھا دیا (المغازی للواقدی' ج ۱' ص ۷۰) جنگ بدر میں حضرت ابو حذیفہ کا باپ عتبہ اور چچا شیبہ اور بھائی ولید بن عتبہ تینوں جنگ کے آغاز میں ہی مارے گئے لیکن حضرت ابو حذیفہ کے صبر اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اسی طرح جذبہ جہاد سے سرشار کفار کے خلاف لڑتے رہے۔ عبد الرحمن بن ابی بکر جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے

لڑنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو مقابلہ کے لیے للکارا اور کہا میں عبدالرحمن بن عتیق ہوں مجھ سے کون مقابلہ کرے گا تو حضرت ابوبکر تلوار میان سے نکال کر آگے بڑھے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اپنی تلوار کو میان میں رکھو اور اپنی جان سے ہمیں نفع پہنچاؤ۔ (المغازی للواقدی' ج ۱' ص ۲۵۷' الاستیعاب' ج ۲' ص ۳۶۸' رقم ۱۴۰۲) اور یہ سب لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہو گئے اور سب آپ کے اعوان اور انصار بن گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اوس اور خزرج ہیں ان کے درمیان شدید خصومت تھی اور ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اسلام لانے کے بعد ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض جاتا رہا اور اس کی جگہ الفت اور محبت نے لے لی۔ اور اس شدید عداوت کو قوی محبت سے بدل دینا اور پرانی دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قدرت میں نہ تھا اور یہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک مستحکم دلیل اور آپ کے صدق پر ایک ظاہر معجزہ تھا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے پہلے عرب قوم میں دائمی عداوت اور جنگ تھی وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے تھے۔ لیکن جب سے وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ان کی باہمی عداوت اور دشمنی جاتی رہی اور دلوں کی سختی اور قساوت زائل ہو گئی اور اس کی جگہ ایک دوسرے سے شدید محبت اور الفت ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے معاون اور ہمدرد بن گئے۔

عارضی اور فانی محبت اور دائمی اور باقی محبت کے مبادی اور اسباب

تحقیق یہ ہے کہ محبت خیر اور کمال سے ہوتی ہے اور نفرت شر اور نقصان سے ہوتی ہے۔ پھر خیر اور کمال مادی اور جسمانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے اور چونکہ مادی اور جسمانی چیزیں حادث اور تغیر پذیر ہوتی ہیں اس لیے مادی اور جسمانی چیزوں کے کمال اور ان کے حسن و جمال اور ان کی منفعت اور فائدہ کی وجہ سے جو محبت ہو تو جب ان چیزوں کا حسن اور کمال جاتا رہے گا اور ان کی افادیت زائل ہو جائے گی تو ان کی محبت بھی زائل ہو جائے گی۔ جو شخص کسی شخص سے اس کے حسن و جمال یا مال و دولت کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو جب اس کا حسن و جمال زائل ہو جائے گا یا اس کا مال ختم ہو جائے گا تو اس سے محبت بھی زائل ہو جائے گی۔

اس طرح خیر اور کمال مجرد اور روحانی چیزوں میں بھی ہوتا ہے جیسے روحانیت' سعادت' علم و حکمت' عبادت و ریاضت' تقویٰ اور پرہیزگاری' رسول اللہ ﷺ کی صفات مبارکہ' اللہ عزوجل کی صفات قدسیہ' اس کا قرب اور اس کی توجہ' یہ دائمی اور سرمدی کمالات ہیں تو جو شخص ان کمالات کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو یہ کمال دائمی ہے اس لیے یہ محبت بھی دائمی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مادی کمال کی وجہ سے محبت عارضی اور فانی ہوتی ہے اور روحانی کمال کی وجہ سے محبت باقی اور دائمی ہوتی ہے' لوگ دنیاداروں سے جو محبت کرتے ہیں وہ ان کی دنیا زائل ہونے یا ان کے مرجانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور جو لوگ اولیاء اللہ سے ان کے روحانی کمال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں وہ محبت ان کے وصال کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ لاہور میں بہت وسیع اور عریض جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کا مزار پرانوار بھی ہے۔ جہانگیر کا مقبرہ ویران پڑا رہتا ہے اور حضرت ہجویری کے مزار پر دن رات زائرین اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ قرآن مجید نے اس طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (الزخرف: ۶۷)

قیامت کے دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے۔

صحابہ کرام کی باہمی محبت کا سبب

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب دنیاوی کمال اور خیر کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے سو یہ محبت جلد زائل ہو گئی اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ کیا اور جب ان کا مطلوب اخروی سعادت ہو گئی تو ان کے دلوں کی سختی جاتی رہی اور وہ سب ایک دوسرے کے محب اور معاون ہو گئے اور یہ محبت دائمی ہے' اور یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے دلوں سے مادی چیزوں کی محبت کو نکال کر اس کی جگہ اخروی سعادت کی محبت پیدا کر دی اور عارضی محبت کو دائمی محبت سے بدل دیا' بے شک وہ بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین ○ (الانفال: ۶۴)

حضرت عمر جب اسلام لائے تو مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی؟

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب کفار آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے یعنی وہ ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو اللہ کافی ہے۔ آپ دین اور دنیا کی ہر ضرورت میں صرف اس پر نظر رکھیں اور آپ کے لیے وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی ہے۔ یہ آیت غزوہ بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور مومنین سے مراد انصار ہیں۔ لیکن درج ذیل روایت اس کے خلاف ہے' تاہم یہ روایت شدید ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ انتالیس مرد اور عورتیں اسلام لا چکے تھے جب حضرت عمر اسلام لائے تو چالیس کا عدد پورا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین۔ (الانفال: ۶۴)

(المعجم الکبیر ج ۱۱' ص ۴۷' رقم الحدیث: ۱۲۴۷۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی اسحٰق بن بشر الکاہلی ہے اور وہ کذاب راوی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷' ص ۲۸)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اسحاق بن بشر کاہلی کے متعلق لکھتے ہیں:

ائمہ حدیث نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ علی بن مدینی نے لکھا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ امام ابن حبان نے کہا اظہار تعجب کے سوا اس کی احادیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔ امام الدار قطنی نے کہا یہ کذاب متروک ہے۔

(میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۳۳۵' رقم ۱۱۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں دوسری علت یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال میں جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس کے بعد حضرت عمر نے اسلام قبول کیا تھا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد تراسی تھی جبکہ اس روایت میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد انتالیس تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کیا اور وہ بہت طاقتور اور دلیر شخص تھے ان کی وجہ سے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مسلمان قریش پر غالب آگئے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے حتیٰ کہ عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کر لیا' اور جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے قریش سے جنگ کی حتیٰ کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت عمر اس وقت اسلام لائے تھے جب رسول اللہ

ﷺ کے اصحاب حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۳۸۰-۳۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی' ان کے کم عمر بچوں کے سوا ان کی تعداد تراسی تھی۔ اور اس میں ان کو شک ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ان میں تھے یا نہیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۸-۳۶۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعثت کے کون سے سال میں اسلام لائے تھے اور اس وقت مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی اس میں کافی اختلاف ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔ امام محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بعثت نبوی کے چھٹے سال اسلام لائے تھے اور وہ ذوالحج کا مہینہ تھا اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ وہ بعثت کے پانچویں سال اسلام لائے تھے۔ امام ابو نعیم نے کہا انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے تین دن بعد اسلام قبول کیا۔ امام ابن سعد نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ اس وقت چالیس مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے۔ اسحاق بن بشر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس وقت ترانوے مرد اور تیئیس عورتیں مسلمان ہو چکے تھے پھر حضرت عمر اسلام لائے۔ (یہ نقل صحیح نہیں ہے اسحاق بن بشر نے انتالیس مردوں اور عورتوں کی روایت کی ہے سعیدی غفرلہ) شاید یہی روایت صحیح ہو کیونکہ حبشہ میں تراسی مردوں اور عورتوں نے ہجرت کی تھی جیسا کہ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر دو ہجرتوں کے درمیان میں مسلمان ہوئے۔ پس حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اسحاق کذاب ہے۔ حدیث وضع کرتا ہے اور اس کی روایت ثقہ راویوں کی روایت سے متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد ج ۲ ص ۳۷۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ شامی کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسحاق بن بشر کاہلی کذاب ہے لیکن اس کی روایت وہ نہیں ہے جو انہوں نے نقل کی ہے۔ بلکہ انتالیس مسلمانوں کی تعداد کو اسی نے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے المعجم الکبیر اور مجمع الزوائد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی حضرت ابن عباس سے انتالیس کی روایت ذکر کر کے اس کو رد کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن' جز ۷' ص ۴۰۰) امام ابو الحسن الواحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسحاق بن بشر سے انتالیس کی روایت ذکر کی ہے۔ (اسباب النزول' ص ۲۴۱' رقم الحدیث: ۴۸۴) خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد چالیس کا عدد پورا ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ

اے نبی مکرم! مومنین کو قتال پر برانگیختہ کیجئے، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے

مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو (صبر

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ○

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ

اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ

ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صبر کرنے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ

والے) ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ کسی نبی کے لیے

لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ

یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں، حتیٰ کہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہا دے، تم اپنے لیے

عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْ

دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اگر

لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا

پہلے سے (مال غنیمت کو حلال کرنے کا) حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا ○ پس تم نے

مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی (مکرم!) مومنین کو قتال پر برانگیختہ کیجئے، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ○ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ (الانفال: ۶۶-۶۵)

مسلمانوں پر تخفیف کر کے مشکل حکم کو منسوخ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے بیس (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے' اور بیس مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے" تو یہ فرض کر دیا گیا کہ سو مسلمان دو سو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اگر تم میں سے بیس (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے تو یہ بات مسلمانوں پر شاق گزری۔ کیونکہ ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے تو پھر تخفیف کا حکم آ گیا کہ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے' اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آ جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خوش دلی' ثابت قدمی' بہادری اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ حتیٰ کہ شروع میں مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ایک مسلمان دس اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرے۔ پھر اللہ نے اس حکم میں تخفیف فرما دی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا مکلف کیا اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ فرار نہ ہوں۔ اور جب ان کا دشمن ان سے دگنا ہو تو اس کے مقابلہ میں ان کا بھاگنا حرام ہے۔

یہ آیت اگرچہ صورۃً خبر ہے لیکن اس سے مراد امر ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے' اس آیت سے امر مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بعد میں تخفیف فرما دی اور تخفیف اس کلام میں ہوتی ہے جس کا حکم دیا گیا ہو خبر میں تخفیف نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو جس کام کا پہلے حکم دیا گیا تھا تخفیف کر کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

ابو مسلم نسخ کا قائل نہیں ہے اس نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر ان مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کا صبر ہو تو بیس دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر اس درجہ کا صبر نہ ہو تو پھر ایک سو مسلمان دو سو پر غالب ہوں گے' لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر کی صورت میں ایک حکم دیا پھر بعد میں اس کے اندر تخفیف کر دی' اور اگر پہلا حکم بدستور باقی رہے تو پھر تخفیف کا کوئی معنی نہیں ہو گا۔

کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر تم میں سے ایک ہزار صبر کرنے والے ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ غلبہ صرف اللہ کے اذن اور ارادہ سے ہوتا ہے اور اللہ کی تائید اور نصرت اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں اور مسلمانوں میں جنگ کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہ فرق جنگ کے ہدف اور نصب العین کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ میں اعتماد اور بھروسے کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور جنگ کے محرک' داعی اور باعث کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔

نصب العین اور ہدف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ کافر اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو اور نہ جزا اور سزا کو' ان کا جنگ سے مقصود صرف اس فانی دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ حیات بعد الموت کے قائل

نہیں ہیں' اس لیے وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس سے متنفر ہوتے ہیں اور زندگی پر زیادہ سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مومن اللہ کو اور روز آخرت کو مانتا ہے' حیات بعد الموت اور جزا اور سزا پر اس کا ایمان ہوتا ہے' وہ موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر اس کو موت آجائے تو وہ شہید ہو گا اور اس کو پھر زندگی ملے گی اور رزق دیا جائے گا' اس کو دنیا کے ساتھ لگاؤ نہیں ہوتا وہ عزم راسخ' اخلاص اور صحیح جذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں آتا ہے اس لیے وہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں کافروں کے خلاف لڑنے سے نہیں گھبراتا۔

کافر جنگ میں افرادی قوت' اسلحہ اور مادی چیزوں پر اعتماد کرتا ہے۔ اور مومن کا اعتماد صرف اللہ عزوجل کی اعانت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب کافر اور مومن میدان جنگ میں اترتے ہیں تو مومن کی فتح' کامیابی اور کامرانی کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔

کافر کا دل چونکہ اللہ کے نور' اس کی معرفت اور اس پر ایمان سے خالی ہوتا ہے اس لیے وہ لڑائی کے وقت کمزور اور بزدل ہوتا ہے اور مسلمان کا دل اللہ کے نور اور اس کی معرفت سے معمور ہوتا ہے اور وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے باعث جہاد میں شریک ہوتا ہے اس لیے وہ خوش دلی اور شرح صدر کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہادے' تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے' اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اگر پہلے سے (مال غنیمت کو حلال کرنے کا) حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بڑا عذاب پہنچتا ○ (الانفال: ۶۸-۶۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اسری: یہ اسیر کی جمع ہے جیسے قتیل کی جمع قتلی ہے اور جریح کی جمع جرحی ہے۔ اسیر کی جمع اساریٰ بھی آتی ہے۔ عرب قیدی کو اسار (تسمہ) سے باندھ دیتے تھے اس لیے قیدی کو اسیر کہتے تھے۔ بعد میں ہر گرفتار شدہ کو اسیر کہا جانے لگا خواہ اس کو باندھا گیا ہو یا نہیں۔ (النہایہ' ج ۱' ص ۵۰)

یثخن: اثخان کے معنی کسی چیز میں زیادتی اور مبالغہ کرنا ہے۔ حضرت زینب نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سختی اور تیز مزاجی سے کلام کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا لم انشبها حتی اثخنت علیها پھر میں نے ان کو مہلت نہ دی حتیٰ کہ میں نے ان کو بہت زیادہ مبالغہ سے جواب دیے۔

(صحیح مسلم فضائل الصحابہ ۸۳' (۲۴۴۲) ۶۱۷۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۱)

اور اس آیت میں اس کا معنی ہے کفار کو قتل کرنے اور ان کا خون بہانے میں مبالغہ کرنا۔ (النہایہ' ج ۱' ص ۲۰۳)

بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل حدیث کے آخر میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ اپنی قوم کا خیال فرمائیں' ان سے فدیہ لے لیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو قتل کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں متفق ہو جاتے تو میں تم سے اختلاف نہ کرتا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہائے۔ (الانفال: ۶۷)

(المعجم الکبیر ج ١١، ص ٣٤٨-٣٤٧، رقم الحدیث: ١٢٤٤٤، المستدرک، ج ٢، ص ٣٢٩، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ٦، رقم الحدیث: ٣٣٢٥٠)

امام مسلم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کافروں کو گرفتار کیا، جب انہوں نے ان کو قید کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ آپ کے عم زاد ہیں اور آپ کے قبیلہ کے لوگ ہیں میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہوگی، امید ہے ان کو اللہ اسلام کی ہدایت دے دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے اے ابن الخطاب! انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم! یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم ان پر قدرت پا کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ علی، عقیل کی گردن اڑا دیں، اور میں فلاں کی گردن اڑا دوں، کیونکہ یہ کفار کے ائمہ اور صنادید ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف میلان فرمایا اور میری رائے کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ دوسرے دن جب میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر بیٹھے رو رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں، اگر مجھے از خود رونا آگیا تو میں روؤں گا ورنہ میں کوشش کر کے روؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اصحاب نے فدیہ کی رائے دی تھی، اس کے سبب اس درخت تک ان کا عذاب آچکا تھا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں، تب یہ آیت نازل ہوئی کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ قیدی بنائے حتیٰ کہ وہ زمین میں کافروں کا اچھی طرح خون بہائے...... (الآیہ: ٦٩-٦٧)

(صحیح مسلم الجہاد ٥٨، (١٧٦٣) ٤٥٠٧) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٦٩٠، مسند احمد رقم الحدیث: ٢٢١-٢٠٨)

مال دنیا کی طمع کی وجہ سے بعض صحابہ پر عتاب نازل ہوا نہ کہ رسول اللہ ﷺ پر فدیہ کو ترجیح دینے کی وجہ سے

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فدیہ لینے کی رائے کو جو ترجیح دی تھی، اس پر یہ عتاب متوجہ ہوا ہے، لیکن یہ تفسیر قطعاً باطل ہے۔ یہ عتاب ان بعض صحابہ کی طرف متوجہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، جنہوں نے مال دنیاوی کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور قدیم الاسلام صحابہ اور ابوبکر نے جو فدیہ لینے کی رائے دی تھی وہ آخرت کی وجہ سے دی تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کی آخرت سنور جائے گی اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو مادی اور افرادی قوت حاصل ہوگی۔ اور حدیث میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ بھی اگر نازل ہوتا تو ان ہی پر نازل ہوتا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کا رونا بھی ان ہی اصحاب پر نزول عذاب کے خوف کی وجہ سے تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے فرماتا ہے: اے مومنو! تم مشرکین سے دنیا کی متاع اور اس کی لذت کی وجہ سے فدیہ لیتے ہو، اور اللہ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ (جامع البیان جز ١٠، ص ٥٥، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص الحنفی المتوفی ٣٧٠ھ لکھتے ہیں:

یہ محال ہے کہ عذاب نازل ہونے کی وعید کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہو یا اس کا تعلق فدیہ کے متعلق حضرت ابوبکر کی

رائے کو پسند کرنے سے ہو کیونکہ نبی ﷺ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' آپ کا ہر قول اور فعل اتباع وحی سے ہوتا ہے۔
(احکام القرآن ج ۳' ص ۲۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت جنگ بدر کے دن نبی ﷺ کے اصحاب پر عتاب کے لیے نازل ہوئی کہ تمہارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم ایسا فعل کرو جس سے یہ لازم آئے کہ نبی ﷺ نے کافروں کا زیادہ خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنا لیا۔ تم دنیا کے مال کا ارادہ کرتے ہو' حالانکہ نبی ﷺ نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ جنگ کے وقت کافروں کو باقی رکھا جائے اور نہ آپ نے ہرگز دنیا کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ارادہ لڑنے والوں میں سے بعض صحابہ نے کیا تھا پس یہ ملامت اور عتاب ان کی طرف متوجہ ہے جنہوں نے متاع دنیا کی وجہ سے نبی ﷺ کو فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس کے علاوہ دوسرے معنی کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۷' ص ۴۰۳-۴۰۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنا کوئی پسندیدہ امر نہ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی بنانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح کافروں کا خون نہ بہالے میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہادیا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو قید کر لیا گیا تھا نبی ﷺ نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو گرفتار کیا تھا۔ رؤسائے قریش میں سے جو نامور قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے' ان میں شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج کفار قریش جو جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے مارے گئے ان لوگوں کے مارے جانے سے کفار قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ لہٰذا کفار قریش کے صنادید سمیت ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا۔ یہ عمل اس وقت ناپسندیدہ اور اس آیت کے خلاف ہوتا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا گیا تو پھر آپ کا یہ عمل ناپسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔ (الانفال: ۶۷)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی۔ ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال دنیا کی طمع سے بری ہیں ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو۔ سو حضرت ابوبکر نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت کی بنا پر ہی تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

عتاب کی دوسری وجہ بلا اجازت مال غنیمت لینا ہے

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الانفال:٦٨) اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہو سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مال غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور مال غنیمت کو کھا جاتی۔ سلیمان اعمش نے کہا اس بات کو اب ابوہریرہ کے سوا کون بیان کر سکتا ہے' اور جب جنگ بدر ہوئی تو مال غنیمت کی حلت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٠٩٦' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٤' ص ٣٨٨-٣٨٧' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:١١٢٠٩' المنتقی رقم الحدیث:١٠١٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٤٨٠٦' مسند احمد ج ٣' رقم الحدیث:٧٤٣٣' التمہید لابن عبدالبر ج ٦' ص ٤٥٧' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٦' ص ٢٩١-٢٩٠)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال: ٦٩) سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآنحالیکہ وہ حلال' طیب ہے۔

اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورۂ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی۔ اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے اور گرفتار کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو پھر یہ حکم نازل ہوا کہ میدان جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو پھر ان کو گرفتار کر لو اور گرفتار کرنے کے بعد ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بلا فدیہ رہا کر دو۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اسلام ایک کمزور شاخ کی مانند تھا اور دشمنان اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم دیا اور فدیہ لینے سے منع کیا (فی الواقع اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے سے منع نہیں کیا۔ سعیدی) اور جب مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی اور شجر اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیں

اور اگر چاہیں تو بغیر فدیہ کے احساناً- اور احساناً قیدیوں کو رہا کر دیں اور فرمایا فاما منا بعد واما فداء-

(روح المعانی ج ۱۰، ص ۳۳، مطبوعہ بیروت)

بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کے جوابات

سورۂ انفال کی ان آیات سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قید کر لیا' اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کیا اور ان افعال پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے یہ حکم نازل فرما چکا تھا کہ:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۱۲) سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

امام رازی نے ان نکات پر بڑی نفیس بحث کی ہے' لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ما کان لنبی ان یکون لہ اسری (کافروں کا اچھی طرح خون بہائے بغیر ان کو قید کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یوم بدر کو صحابہ کرام نے کافروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا اور زمین میں اچھی طرح خون بہانے کی یہ شرط نہیں ہے کہ تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے' اور قتل کرنے اور خون بہانے کے بعد صحابہ نے کافروں کو قید کیا تھا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے اور جب صحابہ کرام نے ایک جائز کام کیا تھا تو اس آیت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے یا معاذ اللہ سرکار دو عالم ﷺ نے کوئی گناہ یا معصیت کی تھی۔ خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں خود اس فعل کا حکم دے کر اس کے جواز کو موکد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد: ۴) سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

باقی رہا یہ کہ جب یہ ایک جائز کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عتاب کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر اچھی طرح خون بہانے کی کوئی حد اور مقدار نہیں ہے اور اس کا تعین اور انضباط نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ اس قدر کثرت سے کافروں کو قتل کیا جائے کہ کفار کے دلوں پر رعب پڑے اور ہیبت چھا جائے تاکہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی جرأت نہ کریں' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حد تک کافروں کو قتل کرنا اجتہاد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ گمان فرمایا ہو کہ جس قدر کافروں کو قتل کیا جا چکا ہے ان سے یہ مقدار حاصل ہو گئی ہے اور فی الواقع وہ مقدار حاصل نہ ہوئی ہو تو یہ آپ کی اجتہادی خطاء ہے کیونکہ اس حد کے سلسلہ میں کوئی نص نازل نہیں ہوئی تھی اور ہرچند کہ اجتہادی خطاء بھی موجب اجر و ثواب ہوتی ہے اور اس پر مواخذہ یا ملامت نہیں ہوتی' لیکن مقربین قرب الٰہی کے اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ نیکوکاروں کی نیکیاں بھی ان کے ہاں برائی کے حکم میں ہوتی ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے از راہ لطف و محبت بطور تعریض فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قیدی بنا لے۔ صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ

تمہیں ان کو قیدی بنانا نہیں چاہیے تھا یا تمہارا یہ اقدام غلط تھا' بلکہ تعریض اور کنایہ سے کام لے کر نبی ﷺ کی شان کی عظمت اور مرتبہ کی رفعت کو ظاہر فرمایا کیونکہ ایسے مواقع پر صراحت کو چھوڑ کر انہیں کے لیے تعریض اور کنایہ سے کام لیا جاتا ہے جن کا مرتبہ بلند اور پایہ اونچا ہو!

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معرکہ بدر کے متعلق ہے فاضربوا فوق الاعناق و اضربوا منھم کل بنان (الانفال: ۱۲) سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ اور جب نبی ﷺ نے تمام کافروں کو قتل نہیں کیا اور ستر کافروں کو قید کر لیا تو اس حکم کی مخالفت ہوئی۔ اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو بنفسہ کفار کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' یہ خطاب صحابہ کو تھا اور جب انہوں نے سب کافروں کو قتل کرنے کی بجائے بعض کافروں کو گرفتار کر لیا تو یہ حکم عدولی ان صحابہ سے ہوئی' نبی ﷺ نے ان کو گرفتار کیا تھا نہ گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا نہ آپ کو شروع میں اس کا علم ہوا۔ جب صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا تب آپ کو علم ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب آپ کو علم ہو گیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ کافروں کے قتل کا حکم دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے یعنی حالت جنگ میں کفار کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ' یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا رہا کیا جائے۔ اگر حالت جنگ کے بعد بھی ان کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو آپ اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۱۰-۵۰۹' مطبوعہ بیروت)

اس سوال کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ سو تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمام کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لہٰذا جب صحابہ کرام نے ستر کافروں کو قتل کر دیا تو اس آیت کے حکم پر عمل ہو گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور گرفتار کرنے سے منع نہیں کیا تھا اس لیے اگر صحابہ نے بعض کافروں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تو اس میں انہوں نے کوئی حکم عدولی اور گناہ نہیں کیا اور جب کہ بعد میں وہ کافر اسلام لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ محمد میں خود جنگ کے بعد کافروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ اقدام عین منشاء الٰہی کے مطابق تھا۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے سلسلے میں ہم نے بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کی تفصیل اور اس پر اعتراضات اور جوابات کو بیان کیا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا حتماً اور لازماً نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ آزاد کر دینا ہے اور قرآن مجید کی بھی یہی ہدایت ہے جیسا کہ سورۂ محمد کی آیت فاما منا بعد و اما فداء سے واضح ہے اور بعض فقہاء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ: ۵) سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو سے منسوخ ہے۔ کیونکہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم حالت جنگ پر محمول ہے یعنی حالت جنگ میں مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو' اگر یہ حکم عام ہوتا یعنی جنگ ہو یا امن ہر حال میں مشرکین کو قتل کر دو تو مستامن اور اہل ذمہ کو بھی قتل کرنا واجب اور ضروری ہوتا۔ حالانکہ تمام فقہاء نے مستامن اور ذمیوں کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ مستامنوں کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ	اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (التوبہ: ۶)

اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے' پھر آپ اُسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پناہ اور امن حاصل کر کے دار الاسلام میں داخل ہوں۔ اور اہل ذمہ کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ: ۲۹)

اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین حق کو نہیں اپناتے (ان سے اس وقت تک جنگ کرو) جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر (یعنی مسلمانوں کے تابع بن کر) رہیں۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جو جزیہ ادا کریں اور مسلمانوں کی حکومت تسلیم کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے تحت زندگی گزاریں۔

جس طرح مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے قرآن مجید نے مستامنوں اور ذمیوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح اس حکم سے جنگی قیدیوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور اس استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے ان کو رہا کرو' یا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دو' تا آنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اور اس آیت کی رو سے جنگی قیدی' مشرکین کو قتل کرنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (التوبہ: ۵) "سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" اور واقتلوھم حیث ثقفتموھم (النساء: ۹۱) "تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو" حرب اور جنگ کی حالت پر محمول ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام ابن جریر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے بدلے میں دو مسلمانوں کا فدیہ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲' ص ۸۹' مطبوعہ کراچی) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں ایک لشکر جنگ کے لیے گیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت سلمہ کو ایک مشرک عورت بطور باندی انعام میں دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت حضرت سلمہ سے واپس لے لی اور اس کو فدیہ میں دے کر ان مسلمانوں کو چھڑایا جو مکہ میں کفار کی قید میں تھے۔

(صحیح مسلم ج ۲' ص ۸۹' مطبوعہ نور محمد کراچی' ان حدیثوں میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی دلیل ہے' سعیدی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ مشرکین کو بالعموم قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے' کیونکہ

ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی قتل کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(روح المعانی' ج ۲۶' ص ۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر پہلے سے مال غنیمت کو حلال کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا O پس تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O (الانفال: ۶۹-۶۸)

بدر میں بلا اذن مال غنیمت لینے کے باوجود عذاب نہ آنے کا سبب کیا تھا؟

اس کا سبب مذکور ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا آسمان سے ایک آگ نازل ہو کر مال غنیمت کو کھا جاتی تھی' اور جب جنگ بدر کا دن تھا تو مسلمان مال غنیمت کے حلال ہونے کے حکم کے نزول سے پہلے مال غنیمت اٹھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اگر پہلے سے (یہ حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے بڑا عذاب ہوتا۔ (الانفال: ۶۸)

امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۷۴۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴' ص ۳۸۸-۳۸۷' طبع کراچی' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۰۹' المنتقیٰ رقم الحدیث: ۱۰۷۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۰۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶' ص ۲۹۱-۲۹۰' التمہید لابن عبد البر' ج ۶' ص ۴۵۷)

امام رازی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحابہ کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر منع نہیں کیا گیا تھا تو پھر نزول عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہے' اگر ان کو اس سے پہلے مال غنیمت لینے سے منع کیا گیا تھا تو پھر ان کا مال غنیمت لینا فعل حرام قرار پایا اور اگر یہ کہیں کہ چونکہ عنقریب مال غنیمت حلال ہونے والا تھا' اس وجہ سے ان کا یہ کام تخفیف عتاب کا موجب ہے تو ہم کہیں گے پھر انہیں نزول عذاب کا مستحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

(تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ان کو مال غنیمت لینے سے پہلے منع نہیں کیا گیا تھا لیکن ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کا بلا اجازت مال غنیمت لینا ان کے حق میں نزول عذاب کا باعث تھا' کیونکہ جس کا مرتبہ جس قدر بلند ہو اس پر گرفت اتنی سخت ہوتی ہے اور چونکہ لوح محفوظ میں پہلے سے یہ لکھا ہوا تھا کہ اس امت پر مال غنیمت حلال ہے اس وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں ہوا اور ان کو صرف ملامت کرنے پر اکتفا کی گئی۔

عذاب نہ آنے کا دوسرا سبب اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوح محفوظ میں پہلے سے اہل بدر کی معافی کا حکم لکھا ہوا ہے اگر یہ حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا۔ اہل بدر کی معافی پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی اقدامات کی کفار مکہ کو خبر دینا چاہی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا وہ خط پکڑ لیا اور ان سے یہ خط لکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اہل مکہ کا حلیف تھا میں چاہتا تھا کہ ان پر کوئی احسان کر کے وہاں اپنے قرابت داروں کی حفاظت کروں۔ میں نے یہ کام کفر' ارتداد یا نفاق کی وجہ سے نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا

یہ بدر میں حاضر ہوا ہے اور تمہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر پر متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٠٧، صحیح مسلم فضائل الصحابہ ١٦١ (٢٤٩٤) ٦٢٨٣ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٦٥٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٣١٦، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٥٨٥)

امام فخرالدین رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ بدری صحابہ کو کفر کرنے، زنا کرنے اور شراب پینے سے نہیں منع کیا گیا اور ان برے کاموں کے ارتکاب پر ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا، نیز اگر اس حدیث کو مان لیا جائے کہ بدری صحابہ جو چاہیں کریں تو یہ اس کو مستلزم ہو گا کہ ان سے احکام شرعیہ کا مکلف ہونا ساقط ہو گیا اور اس کا کوئی عاقل قول نہیں کر سکتا۔ نیز اگر ان کو ہر کام کرنے کی اجازت اور رخصت ہے تو پھر بلا اذن مال غنیمت لینے کی وجہ سے ان پر عتاب کیوں آیا اور ملامت کیوں کی گئی اور ان کے لیے اس درخت تک عذاب کیوں آپہنچا تھا؟
(تفسیر کبیر، ج ٥، ص ٥١٣، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

امام رازی کی بہت بڑی علمی شخصیت ہے اور میں ان کی گرد راہ کے بھی برابر نہیں ہوں تاہم امام رازی کے اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدری صحابہ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ اپنی مغفرت کے متعلق تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کفر صادر ہونے نہیں دے گا، اور گناہ کبیرہ سے بھی ان کو محفوظ رکھے گا اور اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو گیا تو مرنے سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔ اور ان کا بلا اجازت مال غنیمت لینا اور پھر اس کے باوجود ان پر عذاب نہ آنا تو اس حدیث کے موید اور موافق ہے کیونکہ درخت تک عذاب آنے کے باوجود ان پر اسی لیے عذاب نہیں آیا کہ وہ بدری صحابہ تھے اور لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بدری صحابہ مغفور ہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کو ملامت کیوں کی گئی اور عتاب کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عتاب ہونا، آخرت میں مغفرت کے منافی نہیں ہے۔

امام رازی نے خود اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ حکم نہ کیا ہوتا کہ وہ اس واقعہ کو معاف کر دے گا تو ان کو بڑا عذاب پہنچتا، اور یہ حکم اگرچہ تمام مسلمانوں کے لیے ثابت ہے لیکن اہل بدر کی عبادات بہت عظیم تھیں۔ انہوں نے اسلام کو قبول کیا اور سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت کی، بغیر ہتھیاروں اور تیاری کے کفار کے اپنے سے تین گنا لشکر سے مقابلہ کیا تو یہ کہنا بعید نہیں کہ وہ بلا اجازت مال غنیمت لینے کے جس گناہ کے مرتکب ہوئے اور اس گناہ کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق ہوئے وہ ان کی عبادات کے ثواب کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور ان کا ثواب اس عذاب سے بہت زیادہ ہے تو اس گناہ کے معاف ہونے کی زیادہ توقع ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٥، ص ٥١٣، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ پہلے دو جواب جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہیں ان پر امام رازی نے اعتراضات کیے اور ان کو مسترد کر دیا اور جو جواب اور جو تفسیر ان کی رائے پر مبنی ہے اس کو انہوں نے معتمد قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ہمارے علم کی ان کے علم کے ساتھ وہی نسبت ہو سکتی ہے جو ذرہ کو آفتاب کے ساتھ اور قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے، اس کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک اس باب میں وہی تفسیر معتمد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر مبنی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّمَن فِيٓ أَيۡدِيكُم مِّنَ ٱلۡأَسۡرَىٰٓ إِن يَعۡلَمِ

اے نبی! ان قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر

اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ

اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور اگر یہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے

مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

خیانت کر چکے ہیں تو اللہ نے ان میں سے بعض لوگوں پر آپ کو قادر (غالب) کر دیا، اور اللہ بہت جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ○ بےشک

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ

اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ، اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی ، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور تم جو کام بھی کرتے ہو

بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ

اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان میں سے بعض ، بعض کے ولی ہیں ، اگر تم ان احکام پر عمل نہیں

فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ

کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور

جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ

اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ برحق

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے ○ اور جو لوگ بعد میں

مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا

ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو وہ بھی تم میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

میں قرابت دار (بطور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی ان قیدیوں سے کہئے جو آپ کے قبضہ میں ہیں اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے اور اللہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (الانفال: ۷۰)

بدر میں رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبر دینے سے متاثر ہو کر حضرت عباس کا مسلمان ہونا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جس شخص نے عکرمہ سے سنا اس نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے (جنگ بدر میں) عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کیا وہ ابو الیسر کعب بن عمرو تھے۔ ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے ابو الیسر! تم نے اس کو کیسے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا اس معاملہ میں ایک ایسے شخص نے میری مدد کی تھی جس کو میں نے اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد' اس کی ایسی ایسی ہیئت تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد ایک مکرم فرشتہ نے کی تھی۔ اور عباس سے فرمایا اے عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث کا فدیہ بھی دو اور اپنے حلیف عتبہ بن جحدم کا فدیہ بھی دو جن کا تعلق بنو الحارث بن فہر سے ہے۔ عباس نے ان کا فدیہ دینے سے انکار کیا اور کہا میں اس غزوہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا' یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تمہارے معاملہ کو خوب جاننے والا ہے اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا دے گا۔ لیکن تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو سو تم اپنا فدیہ ادا کرو۔ اور رسول اللہ ﷺ اس سے بیس اوقیہ سونا (بہ طور مال غنیمت) وصول کر چکے تھے۔ عباس نے کہا یا رسول اللہ اس بیس اوقیہ سونے کو میرے

فدیہ میں کاٹ لیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں! یہ وہ مال ہے جو اللہ نے ہمیں تم سے لے کر دیا ہے۔ عباس نے کہا میرے پاس اور مال تو نہیں ہے' آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا۔ اور تم نے یہ کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آگیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دینا' اتنا قثم کو دینا اور اتنا عبداللہ کو دینا۔ تب عباس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(مسند احمد ج ۱' ص ۳۵۳' طبع قدیم' دار الفکر مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' طبع جدید' دار الفکر شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ امام محمد بن اسحاق اور عکرمہ کے درمیان راوی مجہول ہے' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے اور اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۶' ص ۸۶' امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس حدیث کو دو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ دونوں سندیں متصل ہیں۔ طبقات کبریٰ ج ۴' ص ۱۰-۹' ۱۱-۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبقات کبریٰ ج ۱' ص ۱۴-۱۳' ۱۵' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا' حافظ ذہبی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ المستدرک ج ۳' ص ۳۲۴' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' امام ابو نعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' دلائل النبوۃ ج ۲' ص ۴۷۶' رقم الحدیث: ۴۰۹' مطبوعہ دار النفائس' بیروت' حافظ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر' المتوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ تہذیب تاریخ دمشق' ج ۷' ص ۲۳۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' مختصر تاریخ دمشق' ج ۱۱' ص ۳۳۰-۳۲۹' علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۷۱ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' الروض الانف' ج ۲' ص ۹۴' مطبوعہ ملتان' امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو زہری اور ایک جماعت سے روایت کیا ہے' دلائل النبوۃ' ج ۳' ص ۱۴۳-۱۴۲' حافظ ابن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اس کا از محمد بن اسحاق از ابی نجیح از عطا از ابن عباس ذکر کیا ہے اور یہ بھی سند متصل ہے السیرۃ النبویہ' ج ۲' ص ۴۰۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ۔ البدایہ والنہایہ' ج ۳' ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ' تفسیر ابن کثیر' ج ۳ ص ۳۴۹' مطبوعہ ادارہ الاندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ' علامہ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۴۲ھ نے بھی اس کا اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے' سبل الھدیٰ والرشاد' ج ۴' ص ۹۹' مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے' علامہ ابو الحسن بن محمد ماوردی' متوفی ۴۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' النکت والعیون' ج ۲' ص ۳۳۴-۳۳۳' موسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی' متوفی ۵۱۶ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے' اس کے آخر میں ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں لا الٰہ الا اللہ' بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' اس بات پر اللہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں تھا' معالم التنزیل' ج ۲' ص ۲۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' امام حاکم اور امام بیہقی کی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں' علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے الکشاف' ج ۲' ص ۲۳۸' مطبوعہ ایران' امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ نے کلبی کی روایت سے اس کا ذکر کیا ہے' اسباب النزول ص ۲۴۵' رقم الحدیث ۴۸۹' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' علامہ ابو الفرج محمد بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' زاد المسیر ج ۳' ص ۳۸۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ' علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی ۶۶۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' الجامع لاحکام القرآن جز ۸' ص ۴۰۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے' انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۳' ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الفکر

بیروت ۱۴۱۶ھ ' علامہ احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' عنایۃ القاضی ' ج ۴ ' ص ۲۹۳ ' مطبوعہ دار صادر بیروت ' ۱۲۸۳ھ ' علامہ محی الدین مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ' ج ۲ ' ص ۳۱۷ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کا ذکر کیا ہے ' الدر المنثور ' ج ۴ ' ص ۱۱۱ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' لباب التاویل ' ج ۲ ' ص ۲۱۱ ' مطبوعہ پشاور ' علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' غرائب القرآن ' ج ۳ ' ص ۴۲۱ ' دار الکتب العلمیہ ' بیروت ' ۱۴۱۶ھ ' علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' البحر المحیط ' ج ۵ ' ص ۳۵۵ ' مطبوعہ ۱۴۱۲ھ ' شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' فتح القدیر ' ج ۲ ' ص ۴۲۱ ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ' شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' الفتوحات الالٰہیہ ' ج ۲ ' ص ۲۵۸ ' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ' علامہ سید محمود آلوسی نے اس کا ذکر کیا ہے ' روح المعانی ' ج ۱۰ ' ص ۷۳-۳۶ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت ' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' معارف القرآن ' ج ۴ ' ص ۲۹۰ ' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ' ۱۳۹۷ھ ' شیعہ مفسرین میں سے سید محمد حسین طباطبائی نے اس کا ذکر کیا ہے ' المیزان ' ج ۹ ' ص ۱۴۲ ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ' طہران ' شیخ فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' مجمع البیان ' ج ۴ ' ص ۸۹۰ ' مطبوعہ طہران ' شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ نے اس کا ذکر کیا ہے ' منہج الصادقین ' ج ۴ ' ص ۲۱۵ ' مطبوعہ ایران ' غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ' فتح البیان ' ج ۵ ' ص ۲۱۸-۲۱۷ ' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ ' بیروت ' ۱۴۱۲ھ)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے ' اور یہ علم غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطا سے حاصل ہوا تھا۔ ہم نے اس کے ثبوت میں اس قدر حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر مکتب فکر کے قدیم اور جدید علماء اسلام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا علم غیب مسلم اور غیر نزاعی ہے۔

بدر کے قیدیوں سے جو مال غنیمت لیا گیا تھا مسلمان ہونے کے بعد ان کو اس سے زیادہ مال مل جانا

امام محمد بن اسحاق المطلبی متوفی ۱۵۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب کہتے تھے کہ یہ آیت مبارکہ یایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری (الانفال: ۷۰) اللہ کی قسم میرے متعلق نازل ہوئی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تھا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے کہا تھا کہ میرے بیس اوقیہ (آٹھ سو درہم) جو مجھ سے لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا تھا۔

(سیرۃ امام ابن اسحاق ' مطبوعہ ۱۳۶۸ھ ' مطبوعہ معارف اسلامی ایران)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب نے فرمایا بخدا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ سوال کیا کہ مجھ سے جو بیس اوقیہ لیے گئے ہیں ان کو فدیہ کی رقم میں کاٹ لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں میں اللہ عزوجل سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں۔

(المعجم الاوسط ' ج ۹ ' ص ۴۹ ' رقم الحدیث: ۸۱۰۳ ' مطبوعہ ریاض ' المعجم الکبیر ج ۱۱ ' ص ۱۳۷ ' رقم الحدیث: ۱۱۳۹۸)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس نے فرمایا مجھ سے جو بیس اوقیہ لیے گئے تھے اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا کیے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے زمزم عطا فرمایا اور اگر مجھے زمزم کے بدلہ میں تمام اہل مکہ کا مال دیا جاتا تو وہ میں پسند نہ کرتا' اور اس کے علاوہ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ' ج ۴' ص ۱۵' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ج ۱' ص ۱۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ اس آیت کے نزول کا سبب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو زیادہ مال مل جانا ہے لیکن اس آیت کا حکم تمام بدر کے قیدیوں کو شامل ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے۔ مثلاً آپ ان لوگوں سے کہئے جو آپ کے قبضہ یا آپ کی قید میں ہیں اور فرمایا جو قیدی ہیں' اور فرمایا تمہارے دلوں میں' اور فرمایا اللہ تمہیں اس سے زیادہ دے گا' اور فرمایا جو تم سے لیا گیا تھا' اور فرمایا تم کو بخش دے گا یہ سب عام الفاظ ہیں۔ اور جب خصوصیت مورد اور عموم الفاظ میں تعارض ہو تو ان الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اس آیت میں فرمایا ہے جو کچھ تم سے لیا گیا ہے وہ تم کو اس سے خیر (زیادہ اچھی چیز) دے گا' اس خیر سے زیادہ مال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے ایمان اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو مراد لیا جائے اور یہ کہ وہ کفر اور تمام بری باتوں سے توبہ کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے توبہ کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی' حال اور مستقبل' تمام زمانوں پر محیط ہے

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: اگر اللہ تمہارے دلوں میں کسی خیر کو جان لے گا تو تم کو اس سے زیادہ بہتر چیز عطا فرمائے گا جو تم سے بہ طور مال غنیمت لیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا اس وقت علم ہوتا ہے جب وہ چیز حادث ہوتی ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے دلوں میں خیر کے جاننے کو شرط اور ان کو اس سے بہتر چیز عطا کرنے کو جزا بنایا ہے اور شرط اور جزاء کا تحقق مستقبل میں ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا جب ان کے دلوں میں خیر ہوگی تو اللہ اس کو جان لے گا۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا ظاہر تو اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں نے تقریر کی ہے لیکن جب دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا حادث ہونا محال ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہوں تو وہ محل حوادث ہوگا اور محل حوادث حادث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم اور واجب الوجود ہے' اس لیے اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے۔ یعنی جب یہ معلوم (ان کے دلوں کی خیر) حادث ہوگا تو اللہ ان کو اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا جو ان سے لی گئی تھی۔ (تفسیر کبیر' ج ۵' ص ۵۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ قدس سرہ العزیز نے اس آیت میں علم کا معنی علم ظہور کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کسی بھلائی کو ظاہر کر دیا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے (فدیہ) لیا گیا ہے۔

اب ہم اس آیت کے چند مزید تراجم پیش کر رہے ہیں:

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اگر داند خدا در دل ہائے شما نیکی بدہد شمارا بہتر از آنچہ گرفتہ از شما۔

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
اگر داند خدا در دل شما نیکی البتہ بدھد شمارا بہتر از آنچہ گرفتہ از شما۔
شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
اگر جانے گا اللہ بیچ دلوں تمہارے کے بھلائی دیوے گا تم کو بھلائی اس چیز سے کہ لیا گیا ہے تم سے۔
شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
اگر جانے اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ اس آیت کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:
اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔
شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں تو اللہ نے ان میں سے بعض لوگوں پر آپ کو قادر (غالب) کر دیا اور اللہ بہت جاننے والا بے حد حکمت والا ہے۔ (الانفال: ۷۱)

اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ ﷺ سے کفار کی خیانت کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عباس اور ان کے اصحاب نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ آپ جو کچھ اللہ کے پاس سے لے کر آئے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم آپ کے متعلق اپنی قوم کو نصیحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا' آپ سے خیانت کی اور اس قول کے مطابق عمل نہیں کیا تو آپ افسوس نہ کریں یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کر چکے ہیں۔ انہوں نے کفر کیا' آپ سے قتال کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ (جامع البیان جز ۱۰' ص ۶۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی ﷺ سے خیانت کرنے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ جس کو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا تو یہ آپ سے خیانت کی اور اس سے پہلے یہ اللہ کی وحدانیت کا انکار کر کے اللہ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں۔ تیسری خیانت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کیا تو ان سے یہ عہد لیا تھا کہ دوبارہ آپ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور مشرکین سے معاہدہ نہیں کریں گے۔ اگر انہوں نے اس عہد کی خلاف ورزی کی اور آپ سے خیانت کی تو آپ افسوس نہ کریں یہ پہلے اللہ سے بھی عہد کر کے توڑ چکے ہیں اور اللہ سے عہد کر کے اس کو توڑنے کی مثال ان آیتوں میں ہے:

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَىٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ کہئے کہ تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے' جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر اس نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہوں گے ○ آپ کہئے کہ اس (مصیبت) سے اور ہر سختی سے تمہیں اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ○ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اسی کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس (مصیبت) کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو پکارتا تھا' اور اللہ کے شریک بنا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بہکائے' آپ کہئے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو' بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں' اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی' وہ اس وقت تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں' اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو' اور تم جو کام بھی کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے○ (الانفال: ۷۲)

عہد رسالت میں مومنین کی چار قسمیں

اس آیت (الانفال: ۷۲) میں اور اس سورت کی آخری آیت (الانفال: ۷۵) میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایمان لانے والوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) مہاجرین اولین' ان کا ذکر آیت ۷۲ کے اس حصہ میں ہے ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ (۲) انصار' ان کا ذکر آیت مذکورہ کے اس حصہ میں ہے والذین اووا ونصروا (۳) جن مومنین نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی ان کا ذکر الانفال: ۷۵ کے اس حصہ میں ہے والذین امنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم (۴) وہ مومنین جنہوں نے فتح مکہ تک ہجرت نہیں کی ان کا ذکر (الانفال: ۷۲) کے اس حصہ میں ہے والذین امنوا و لم یھاجروا۔

مہاجرین اولین کی دیگر مہاجرین اور انصار پر فضیلت

مہاجرین اولین نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے جہاد کیا۔ کیونکہ جب وہ اپنے وطن کو چھوڑ آئے تو ان کے تمام مال و دولت اور ان کے مکانوں اور تجارت پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا۔ پھر انہوں نے مکہ سے مدینہ آنے کے لیے اور غزوات میں شرکت کرنے کے لیے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ کیونکہ انہوں نے بغیر ہتھیاروں اور بغیر عددی قوت اور بغیر تیاری کے غزوہ بدر میں کفار کے خلاف جہاد کیا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے مقابلہ میں ان کو اپنا مال عزیز تھا نہ جان' اور چونکہ وہ ہجرت کرنے میں اور اللہ کی راہ میں مال اور جان خرچ کرنے میں بعد کے مسلمانوں پر سابق اور اول تھے اس لیے ہجرت اور جہاد میں وہ بعد کے مسلمانوں کے لیے امام' پیشوا اور مقتدا بن گئے اس لیے ان کا مرتبہ اور اجر و ثواب بعد میں ہجرت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ:۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے' سب سے پہلے ایمان لانے والے' اور جن لوگوں نے نیک کاموں میں ان کی پیروی کی' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید: ۱۰)

جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور جہاد کیا' ان لوگوں کا بہت بڑا درجہ ہے اور اللہ نے ان سب سے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ: ۱۱-۱۰)

سبقت کرنے والے' سبقت کرنے والے ہیں وہی (اللہ کے) مقرب ہیں۔

مہاجرین اولین سابقین نے سب مسلمانوں سے پہلے ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اور اس کی راہ میں جہاد کر کے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے اس نیک عمل کی راہ دکھائی اس لیے قیامت تک کے مسلمانوں کی ان نیکیوں کا اجر ان کے نامہ اعمال کی زینت ہو گا' حدیث شریف میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا' اور بعد والوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی اس کو اپنے کام کا گناہ بھی ہو گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے اعمال کا گناہ بھی ہو گا اور ان کے اپنے کاموں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم الزکوۃ ۶۹ (۱۰۱۷) ۲۳۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' مسند احمد ج ۴' ص ۳۵۹' ۳۵۷' المعجم الکبیر ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۴۵' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث: ۲۱۰۲۵' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۴' ص ۱۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۰۷۸)

لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ اپنی نوع کے لوگوں کو کوئی نیک کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی اس نیک کام کرنے کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں پر کوئی مشکل کام اس وقت آسان ہو جاتا ہے جب وہ اور لوگوں کو بھی وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ سو اس اعتبار سے مہاجرین اولین کو بعد کے مسلمانوں پر بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔

مومنین انصار کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی طرف ہجرت کی تھی تو اگر وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں جگہ نہ دیتے اور آپ کی مدد نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی جان اور اپنے مال کے نذرانے پیش نہ کرتے اور مشکل مہمات میں اصحاب رسول کا ساتھ نہ دیتے تو ہجرت کے مقاصد پورے نہ ہوتے۔ اس کے باوجود مہاجرین اولین کا مرتبہ انصار مدینہ سے کئی وجہ سے افضل ہے۔

۱- مہاجرین سابقین اولین ایمان لانے میں انصار اور باقی سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔ اور ایمان لانا ہی تمام فضیلتوں کا مبدء اور منشاء ہے۔

۲- مہاجرین اولین مسلسل تیرہ سال کفار قریش کی زیادتیوں اور ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے اور تمام سختیوں پر صبر کرتے رہے۔

۳- انہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا' عزیز و اقارب کو چھوڑا' گھر' تجارت اور باغات کو چھوڑا اور اسلام کی خاطر یہ تمام مصائب مہاجرین نے برداشت کیے۔

۴- رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو قبول کرنے کا دروازہ مہاجرین اولین نے کھولا۔ انصار نے ان کی اقتداء کی اور ان کی مشابہت اختیار کی اور مقتدی مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے وراثت کا مشروع پھر منسوخ ہونا

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اس جگہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ولایت سے مراد وراثت ہے یا ولایت سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس ولایت سے مراد وراثت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث کر دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی' وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں ان کو وراثت نہیں ملے گی اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں" تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ اور اب قرابت وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ مجاہد' ابن جریج' قتادہ' عکرمہ' حسن بصری' سدی اور زہری سے بھی اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۰' ص ۶۹-۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر نسخ نہیں ہے اور ولایت کا معنی نصرت اور اعانت ہے' اور یہی تفسیر راجح ہے۔

ولایت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ولایت کا معنی

ولاء اور توالی کا معنی یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایسا حصول ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔

اور اس کا قرب کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ خواہ قرب بہ حیثیت مکان ہو یا قرب بہ حیثیت نسب ہو یا قرب بہ حیثیت دین ہو یا بہ حیثیت دوستی قرب ہو یا بہ حیثیت نصرت اور اعتقاد قرب ہو۔

اور ولایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) کا معنی نصرت ہے اور ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) کا معنی ہے کسی امر کا والی ہونا اور اس میں تصرف کرنا۔ اور ولی اور مولیٰ ان میں سے ہر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں یعنی ناصر' اور کارساز اور اسم مفعول کے معنی میں یعنی منصور' واللہ ولی المؤمنین (آل عمران: ۶۸) اس کا معنی ہے اللہ مومنین کا ناصر اور کارساز ہے اور مومنین اللہ کے ولی ہیں یعنی اللہ کے منصور ہیں اللہ ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایت کی نفی کر دی ہے یایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء (المائدہ: ۵۱) یعنی یہود اور نصاریٰ کو اپنا ناصر اور مددگار نہ بناؤ۔ اسی طرح فرمایا ما لکم من ولایتھم من شیء (الانفال: ۷۲) یعنی تم ان کی مطلقاً نصرت نہ کرو۔ (المفردات' ج ۲' ص ۶۹۳-۶۹۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ولی ہے اس کا معنی ہے ناصر اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تمام عالم اور مخلوقات کا مربی اور منتظم' اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے والی ہے اس کا معنی ہے تمام اشیاء کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا اور ولایت کا لفظ تدبیر' قدرت اور فعل کی خبر دیتا ہے اور جب تک کسی چیز میں یہ معانی جمع نہ ہوں اس پر والی کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں لفظ مولی بہ کثرت استعمال ہوا ہے اور یہ ان معانی میں ہے: رب' مالک' سید' منعم' معتق (آزاد کرنے والا) ناصر' محب' تابع' پڑوسی' عم زاد' حلیف' عقید (جس سے معاہدہ کیا ہو) سسرالی رشتہ دار' غلام' آزاد کردہ' ان میں سے اکثر معنی میں مولی کا لفظ حدیث میں وارد ہے' اور حدیث کا سیاق و سباق جس معنی کا مقتضی ہو مولی کا لفظ اسی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا مالک ہو یا اس کا انتظام کرے وہ اس کا مولی اور ولی ہے' اور کبھی ان اسماء کے مصادر مختلف المعنی ہوتے ہیں۔ پس ولایت (زبر کے ساتھ) کا معنی نسب میں قریب اور نصرت اور آزاد کرنے والا ہے اور ولایت (زیر کے ساتھ) کا معنی امارت ہے اور ولاء کا معنی آزاد شدہ ہے۔

(النہایہ ج ۵' ص ۱۹۸-۱۹۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

چونکہ وَلایت کا معنی نسبی قرابت بھی ہے اس لیے اس آیت میں وراثت کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کم سے کم نسخ کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نصرت کے معنی پر محمول کیا جائے اور سیاق و سباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

کفار سے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ ماسوا اس قوم کے جس کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔

یعنی جن مسلمانوں نے دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی' پھر انہوں نے دار الحرب سے رہائی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے ان کی فوجی قوت یا مال سے مدد طلب کی تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کو ناامید اور نامراد نہ کریں۔ ہاں اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں جس قوم کے ساتھ ایک مدت معین تک کا تمہارا معاہدہ ہو تو پھر تم اس معاہدہ کو نہ توڑو' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین شرائط پر صلح کی۔ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا وہ اس کو انہیں واپس کر دیں گے' اور مسلمانوں کی طرف سے جو مشرکین کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے' اور یہ کہ اگلے سال مسلمان عمرہ کے لیے آئیں گے اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہریں گے اور اپنے ہتھیاروں کو میان میں رکھ کر آئیں گے مثلاً تلوار اور تیر کمان وغیرہ۔ پھر حضرت ابو جندل بیڑیوں میں چلتے ہوئے مسلمانوں کی طرف آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو صلح نامہ لکھ رہے تھے اس وقت سہیل کے بیٹے حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے آئے اور اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اپنی فتح کے متعلق کوئی شک نہیں تھا اور اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب تھا۔ اور جب انہوں نے صلح اور رجوع کا معاملہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرائط مان لی ہیں تو ان کو اتنا زیادہ رنج اور قلق ہوا کہ لگتا تھا وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔ جب سہیل نے اپنے بیٹے ابو جندل کو دیکھا تو ان کے پاس گیا اور ان کے منہ پر تھپڑ مارے' اور ان کو گریبان

سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا اور اس نے کہا یا محمد (ﷺ) ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر وہ حضرت ابوجندل کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا تاکہ ان کو قریش کی طرف لے جائے اور حضرت ابوجندل بلند آواز سے فریاد کرنے لگے اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا' یہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ مسلمانوں کو ان کی فریاد کی وجہ سے اور زیادہ قلق ہوا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوجندل! صبر کرو اور اجر و ثواب کی نیت کرو' تمہیں اور دوسرے کمزور مسلمانوں کو اللہ نجات دینے والا ہے اور ان کے لیے کشادگی کرنے والا ہے' اور میں ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابوجندل دل شکستہ ہو کر اپنے باپ کے ساتھ چلے گئے اور معاہدہ پورا ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳' ص ۲۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن ہشام لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبصیر عتبہ بن اسید بھی مدینہ پہنچ گئے یہ ان مسلمانوں میں سے تھے جن کو مکہ میں قید کر کے رکھا گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچے تو ان کی بازیابی کے لیے ازہر بن عبد عوف اور اخنس بن شریق نے آپ کو خط لکھا اور بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ان کے آزاد کردہ غلام کو انہیں لینے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ دونوں ازہر اور اخنس کا خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبصیر! ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے اور ہمارے دین میں عہد شکنی کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ تمہارے لیے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے نجات اور کشادگی کی صورت پیدا کرنے والا ہے' تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔ حضرت ابوبصیر نے کہا یارسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کی طرف لوٹا رہے ہیں وہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیں گے! آپ نے فرمایا اے ابوبصیر! تم واپس جاؤ عنقریب اللہ تمہاری رہائی کی صورت پیدا کر دے گا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳' ص ۳۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ابوجندل بن سہیل بن عمرو مکہ میں بہت پہلے اسلام لا چکے تھے ان کے باپ سہیل نے ان کو زنجیروں سے باندھ کر مکہ میں قید کیا ہوا تھا اور ان کو ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد یہ رہا ہو کر مقام العیص میں پہنچ گئے اور حضرت ابوبصیر سے مل گئے۔ (حضرت ابوبصیر کو جو دو آدمی لینے آئے تھے' انہوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا مکہ بھاگ گیا تھا۔ وہ پھر مدینہ گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کی پاس داری کی وجہ سے ان کو قبول نہیں کیا۔ پھر یہ مدینہ سے نکل کر مقام العیص پہنچ گئے حضرت ابوجندل بھی ان سے آملے۔ اس طرح وہاں تقریباً ستر مسلمان مکہ سے بھاگ کر ان کے پاس آ گئے ان کو مکہ سے آنے والا جو کافر ملتا یہ اس کو قتل کر دیتے اور کفار کے جو قافلے وہاں سے گزرتے ان کو لوٹ لیتے۔ حتیٰ کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا کہ وہ مکہ سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کی شرط سے دست بردار ہوتے ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور یہ لوگ مدینہ آ گئے۔ (سیرت ابن ہشام' ج ۳' ص ۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴) پھر حضرت ابوجندل' حضرت ابوبصیر کے پاس رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبصیر وہاں وفات پا گئے اور حضرت ابوجندل دیگر مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں ۱۸ھ کو شام میں فوت

ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ' ص ۲۸۳ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ' ان میں سے بعض ' بعض کے ولی ہیں ' اگر تم ان احکام پر عمل نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ (الانفال: ۷۳)

دو مختلف ملتوں کے ماننے والوں کے مابین دوستی اور وراثت جائز نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایت (نصرت اور وراثت) کو منقطع کر دیا ہے۔ اور مومنوں کو مومنوں کا ولی بنایا اور کافروں کو کافروں کا ولی بنایا۔ کفار اپنے دین اور معتقدات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اگر کسی کافر عورت کا مسلمان بھائی ہو تو وہ اس کا ولی نہیں ہے اور وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا ' کیونکہ ان کے درمیان ولایت نہیں ہے۔ اس کا نکاح اس کا ہم مذہب ولی کرے گا۔ جس طرح مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان ولی ہی کر سکتا ہے ' اگر اس کا باپ یا دادا کافر ہو تو وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا وارث ہو گا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸۳ ' ۴۲۸۴ ' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۹ ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱۴ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۱ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابو حاتم مزنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسے رشتہ کا پیغام آئے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو ' اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت فتنہ اور فساد ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۶ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی نصرت کی وہی لوگ برحق مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے۔ (الانفال: ۷۴)

مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں تکرار ہے کیونکہ آیت ۷۲ میں بھی یہی مضمون بیان فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ۷۲ سے مقصود یہ تھا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کی تعریف و توصیف کی جائے کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور یہ برحق مومن ہیں۔ مہاجرین اولین نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا ' انہوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا ' عزیز و اقارب کو چھوڑا ' مال و دولت اور مکانوں اور باغات کو چھوڑا۔ اسی طرح انصار نے بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا سو وہ بھی تم میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں ' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (الانفال: ۷۵)

ہجرت کی تعریف اور ہجرت کے متعلق مختلف النوع احادیث

اس آیت سے وہ مسلمان مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد ہجرت کی۔ اور اس ہجرت کا مرتبہ پہلی ہجرت

سے کم ہے۔ حدیبیہ کے بعد دو سال تک صلح کا زمانہ رہا پھر مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت بھی ختم ہو گئی۔ ہجرت کی تعریف یہ ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا یا دار الخوف سے دار الامن کی طرف نکلنا۔ جیسے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ یا حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ شہوات' منکرات' اخلاق ذمیمہ اور معاصی کو ترک کرنا ہجرت ہے۔ (المفردات' ج ٢' ص ٦٩٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٨٣٤' صحیح مسلم الحج ٤٤٥ (١٣٥٣) ٣٢٤٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٠١٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٥٩٦' سنن النسائی رقم الحدیث: ٤١٧٤' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٧٨٥٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٧٣)

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی حضرت مجاہد کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ مجاہد ہیں جو آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے' آپ نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر بیعت کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٧٩' ٣٠٧٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر لیثی کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی۔ ہم نے آپ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب ہجرت نہیں ہے' پہلے مسلمان اپنے دین کے سبب سے اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے' کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں' لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا ہے' اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٩٠٠' مطبوعہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ پر؟ آیا کسی خاص قوم پر ہجرت فرض ہے؟ یا جب آپ رحلت فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ ﷺ ایک ساعت خاموش رہے' پھر آپ نے فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو' اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو' اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کردو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مہاجر ہو۔ (مسند البزار' رقم الحدیث: ١٧٥٠)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو' اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٤٧٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٤ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کردے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٠)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ رہے' ان کے (چولھوں میں) ایک ساتھ آگ جلتی ہوئی نہ دیکھی جائے۔

(المعجم الکبیر ج ٤' رقم الحدیث: ٣٨٣٦' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ٥' ص ٢٥٣)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ زمین اللہ کی زمین ہے

اور یہ لوگ اللہ کے بندے ہیں' جس جگہ تم کو خیر ملے وہاں رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(المعجم الکبیر ج ٧' رقم الحدیث: ٢٥٠' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں بعض راویوں کو میں نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد' ج ٥' ص ٢٥٥)

ہجرت کے مختلف معانی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں

حدیث میں ہجرت کا بہت زیادہ ذکر ہے' ایک حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٧٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٥٣' مسند احمد ج ١' ص ٢٢٦)

اور ایک حدیث میں ہے: ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٢٢٦' مسند احمد ج ١' ص ١٩٢)

ہجر کا لغوی معنی وصل کی ضد ہے یعنی فراق' پھر اس کا غالب اطلاق ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے اور دوسری زمین کی خاطر پہلی زمین کو ترک کرنے پر کیا جانے لگا۔

ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (التوبہ: ١١١)

بے شک اللہ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا۔

ایک شخص نبی ﷺ کے پاس اپنے اہل و عیال اور مال چھوڑ کر آ جاتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہ کرتا اور جس جگہ ہجرت کی تاحیات وہیں رہتا۔ اور نبی ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ مرجائے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی۔ اسی بنا پر آپ نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں موت پر افسوس کیا وہ حج کے لیے مدینہ سے مکہ آئے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٢٩٥)

اور جب آپ مکہ میں آئے تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں مکہ میں موت نہ دینا۔ (مسند احمد ج ٢' ص ٢٥) اور جب مکہ دار الاسلام بن گیا تو وہ مدینہ کی طرح ہو گیا اور ہجرت منقطع ہو گئی۔

ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جو دیہاتیوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے اس طرح کے افعال نہیں کیے جس طرح پہلی ہجرت کرنے والوں نے کیے تھے' پس وہ مہاجر تو ہیں لیکن مہاجرین اولین کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اس سے یہی ہجرت مراد ہے۔

ان ہی احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے ہجرت کرو اور تکلف اور تصنع سے مہاجر نہ بنو۔ یعنی اللہ کے لیے اخلاص سے ہجرت کرو اور بغیر صحیح ہجرت کے مہاجرین کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ ان احادیث میں سے یہ حدیث بھی ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ہجرت (ترک تعلق و ترک سلام و کلام) کرے۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ' ٢٥' ٢٥٦٠' ٦٤١٢' مسند احمد ج ٢' ص ٣٧٨)

اس ہجرت سے وصل کی ضد مراد ہے۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کی کسی دنیاوی کوتاہی کی بناء پر اس سے ترک تعلق نہ کرے البتہ دین میں کسی بدعقیدگی کی بناء پر یا کسی غیر شرعی کام کی بناء پر ترک تعلق جائز ہے' کیونکہ اہل اھواء اور اھل بدعت سے دائمی ہجرت (ترک تعلق) رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص علانیہ معصیت سے توبہ نہ کرے اس

سے ہجرت ضروری ہے' کیونکہ جب حضرت کعب بن مالک اور ان کے دیگر اصحاب نے بلاعذر غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے ہجرت کرلیں یعنی ترک تعلق کریں حتیٰ کہ ان کی ازواج کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیا' مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے ترک تعلق رکھا اور ان کی ازواج نے ان سے ایک ماہ تک' اور حضرت عائشہ نے ایک ماہ تک حضرت ابن الزبیر سے ترک تعلق رکھا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے بعض لوگ اللہ کا ذکر صرف اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ مہاجر ہوتے ہیں یعنی ان کے قلب نے زبان سے ہجرت کی ہوئی ہوتی ہے زبان ذکر کرتی ہے اور دل غافل ہوتا ہے' یعنی وہ اخلاص سے اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

(النہایہ' ج ۵' ص ۲۱۳-۲۱۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہجرت کی مختلف النوع احادیث میں تطبیق

ہجرت سے متعلق جن احادیث کا ہم نے ذکر کیا ہے' ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی' بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کر سکتا ہے اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے۔ اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

۱- جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔

۲- علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی' اب یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

۳- علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن' اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی۔ ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آجائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔

۴- کفار کے علاقہ سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔

۵- جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین' جان' مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا خطرہ ہو۔ جہاں اسلامی شعائر' فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب' کلچر اور سوسائٹی کے برے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں' اور زمین کے جس حصہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور وہ آزادی کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا' ص ۳۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمعیت کی ضرورت تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فرضیت باقی رہی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار ایذاء دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ (العیاذ باللہ) دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَاؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًاۙ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًاۙ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء: ٩٩-٩٧)

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے' البتہ مردوں' عورتوں اور بچوں میں سے جو (واقعی) بے بس (اور مجبور) ہیں' جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں' تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔

جو شخص دارالکفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مشرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے اور سنن ابوداؤد میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ دارالکفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(فتح الباری' ج ٦' ص ١٩٠' مطبوعہ لاہور' ١٤٠١ھ)

دارالکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں لا ھجرۃ بعد الفتح فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر' لہٰذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے' لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے متعلق تین قول ہیں:

١- پہلا قول: جو شخص دارالکفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دارالکفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

٢- دوسرا قول: مسلمان دارالکفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دارالکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ

بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دارالکفر میں کفار کی بدعہدی اور فتنہ سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی' بدچلنی اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں' اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

٣- تیسرا قول: جو مسلمان قید' مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دارالکفر سے ہجرت نہ کر سکتا ہو اس کے لیے دارالکفر میں رہنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو ماجور ہو گا۔

(فتح الباری' ج ٦' ص ٣٨' مطبوعہ لاہور' ١٤٠١ھ)

ہجرت کی اقسام

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

١- دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت' جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی' یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر انگلینڈ' امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔

٢- دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا' جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی' یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا۔ اسی طرح جو شخص دارالکفر میں اظہار دین پر قادر نہ ہو اس کا دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

٣- قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہو گی' سو روئے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں چلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔

٤- برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ١' ص ٣٥' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ١٣٤٨ھ)

ایک اور قسم کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے:

٥- ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔ بخاری)

ہجرت الی اللہ کی توضیح

اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الٰہی میں اس طرح ڈھال لے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو' اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس منزل پر آ جائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھاتا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس لگتی' وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا۔ اس مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہو تا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے صبغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے۔

اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ!

یعنی انسان کے لیے ملکوتی صفات اپنانا حتیٰ کہ مظہر جبرئیل ہونا بھی کمال نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الوہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرئیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے' اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب اس سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور حکم الگ الگ اور مغائر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

ذوالارحام کی تعریف' ان کے مصادیق اور ان کی وراثت کے ثبوت میں احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں:

ذوالرحم کا معنی لغت میں مطلقاً ذوالقرابت ہے اور اصطلاح شرع میں ذوالرحم ہر وہ رشتہ دار ہے جس کا حصہ کتاب اللہ میں مقرر ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ وہ عصبہ ہو (یعنی میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار' جیسے دادا' چچا' بیٹا' بھائی وغیرہ) اور جب صرف یہی ہو اور اس کے ساتھ ذوی الفروض' عصبہ نسبی اور عصبہ سببی نہ ہو تو میت کا کل مال اس کو مل جاتا ہے۔ (شرح السراجیہ ص ١٣٥' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

ذوالارحام کی مثالیں یہ ہیں: جیسے بیٹی کی اولاد (نواسے' نواسی) پوتی کی اولاد' نانا' نانا کی ماں' بہن کی اولاد (بھانجے' بھانجیاں) بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) پھوپھیاں خواہ باپ کی سگی بہن ہو یا علاتی یا اخیافی' ماموں' خالہ' اخیافی چچا کی اولاد' ماموں کی اولاد' سگے چچا یا علاتی چچا کی اولاد۔

مقدام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اہل و عیال چھوڑ کر مرا اس کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے' اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں (احق) وارث ہوں' میں اس کی دیت ادا کروں گا اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٢٨٩٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٣٨)

ابو امامہ سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو ایک تیر آ کر لگا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا اور اس کے ماموں کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے اس کے متعلق حضرت عمر کو خط لکھا' حضرت عمر نے ان کے جواب میں لکھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس کا کوئی مولا نہ ہو اس کا اللہ اور اس کا رسول مولا ہے اور جس کا اور کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ٤٠٦٨' ٤٠٦٧' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢١١٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٣٧' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ٦' ص ٢١٤' المنتقیٰ رقم الحدیث: ٢٦٤' مسند احمد' ج ١' ص ٢٨)

اختتامی کلمات اور دعا

آج ٢٢ ذوالقعدہ ١٤١٩ھ / ١١ مارچ ١٩٩٩ء کو بروز جمعرات بعد از نماز عشاء سورۃ الانفال کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمد للہ رب العلمین۔ الٰہ العالمین جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی ہے' قرآن مجید کی باقی

سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمانا۔ مجھے اس تفسیر میں خطا اور زلل سے محفوظ رکھنا۔ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمانا اور اس کو منکرین اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھنا اور اس کو تاقیامت فیض آفریں رکھنا اور اس کو عقائد اور اعمال میں موثر بنانا۔ اس تفسیر کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دینا' اور تمام مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں کو اس کی طرف متوجہ اور راغب کر دینا' اور محض اپنے فضل سے میرے تمام گناہوں کو معاف کر دینا' دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے شاد کام کرنا' مجھے' میرے والدین اور میرے اساتذہ اور میرے تلامذہ' اس تفسیر کے ناشر' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح' اس کے معاونین اور اس کے قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر' ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرمانا خصوصاً صحت اور سلامتی کے ساتھ ایمان پر خاتمہ کرنا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين وعلى اله الطاهرين واصحابه الكاملين وعلى ازواجه امهات المؤمنين وعلى علماء ملته واولياء امته وسائر المؤمنين اجمعين۔

ماخذ و مراجع

کتب الہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ 'مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ 'موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ 'کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۲ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ 'موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ 'کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ 'کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۴ھ 'مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ 'المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ 'کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ 'المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ 'المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی مکی' متوفی ۲۲۷ھ 'سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ 'المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ 'دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ 'مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ 'المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ 'دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ 'دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ 'کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۱- امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی' متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ

۲۲۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۲۳۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۴۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۲۵۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۲۶۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۲۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۳۱۔ امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۳۲۔ امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الآحاد والمثانی، مطبوعہ دارالرایہ ریاض، ۱۴۱۱ھ
۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت
۳۴۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۳۵۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۶۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۸۔ امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دارالمامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ
۴۱۔ امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز
۴۲۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ
۴۳۔ امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ
۴۴۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۴۵۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ
۴۶۔ امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ
۴۷۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت
۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض، ۱۴۱۳ھ
۴۹۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۵۰۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۰۵ھ
۵۱۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'مسند الشامیین 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت '۱۴۰۹ھ

۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ 'کتاب الدعاء 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۳ھ

۵۴- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی 'متوفی ۳۶۴ھ 'عمل الیوم واللیلۃ 'مطبوعہ موسسہ الکتب الثقافیہ بیروت '۱۴۰۸ھ

۵۵- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ 'الکامل فی ضعفاء الرجال 'مطبوعہ دارالفکر بیروت

۵۶- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ 'الناسخ والمنسوخ من الحدیث 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۲ھ

۵۷- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ 'متوفی ۳۹۶ھ 'کتاب العظمۃ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۵۸- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری 'متوفی ۴۰۵ھ 'المستدرک 'مطبوعہ دارالباز 'مکہ مکرمہ

۵۹- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی 'متوفی ۴۳۰ھ 'حلیۃ الاولیاء 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ

۶۰- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی 'متوفی ۴۳۰ھ 'دلائل النبوۃ 'مطبوعہ دارالنفائس بیروت

۶۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'سنن کبریٰ 'مطبوعہ نشرالسنہ ملتان۔

۶۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الاسماء والصفات 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'معرفۃ السنن والآثار 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'دلائل النبوۃ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الآداب 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۰۶ھ

۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب فضائل الاوقات 'مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ '۱۴۱۰ھ

۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'شعب الایمان 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۰ھ

۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی 'متوفی ۴۵۸ھ 'البعث والنشور 'مطبوعہ دارالفکر 'بیروت '۱۴۱۴ھ

۶۹- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی 'متوفی ۴۶۳ھ 'جامع بیان العلم وفضلہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۷۰- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی المتوفی ۵۰۹ھ 'الفردوس بماثور الخطاب 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۰۶ھ

۷۱- امام حسین بن مسعود بغوی 'متوفی ۵۱۶ھ 'شرح السنۃ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۲ھ

۷۲- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر 'متوفی ۵۷۱ھ 'مختصر تاریخ دمشق 'مطبوعہ دارالفکر بیروت '۱۴۰۴ھ

۷۳- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر 'متوفی ۵۷۱ھ 'تہذیب تاریخ دمشق 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ

۷۴- امام مجدالدین المبارک بن محمد الشیبانی 'المعروف بابن الاثیر الجزری 'المتوفی ۶۰۶ھ 'جامع الاصول 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ

۷۵- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ 'الاحادیث المختارۃ 'مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ الحدیثیہ مکہ مکرمہ '۱۴۱۰ھ

۷۶- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری 'المتوفی ۶۵۶ھ 'الترغیب والترہیب 'مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ '۱۴۰۷ھ 'دار ابن کثیر بیروت '۱۴۱۴ھ

۷۷- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی 'متوفی ۶۶۸ھ 'التذکرۃ فی امور الآخرۃ 'مطبوعہ دارالبخاری مدینہ منورہ

۷۸- امام ولی الدین تبریزی 'متوفی ۷۴۲ھ 'مشکوۃ 'مطبوعہ اصح المطابع دہلی 'دارارقم بیروت

۷۹- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی 'متوفی ۷۶۲ھ 'نصب الرایہ 'مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند '۱۳۵۷ھ

-۸۰ امام محمد بن عبداللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۷ھ

-۸۱ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

-۸۲ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ

-۸۳ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

-۸۴ امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ

-۸۵ امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

-۸۶ حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی، متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

-۸۷ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

-۸۸ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

-۸۹ امام عبد الرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۰۳ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

-۹۰ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ

-۹۱ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء

-۹۲ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

-۹۳ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۸ھ

-۹۴ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

-۹۵ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

-۹۶ علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ

-۹۷ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

-۹۸ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

-۹۹ امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

-۱۰۰ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ

-۱۰۱ امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت

-۱۰۲ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

-۱۰۳ شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ

-۱۰۴ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت

-۱۰۵ امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ

-۱۰۶ امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

-۱۰۷ امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۰۸- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۱۰۹- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۱۰- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ

۱۱۱- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۲- علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، کشاف، مطبوعہ نشر البلاغہ قم ایران، ۱۴۱۳ھ

۱۱۳- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۴- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۶- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۶ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۱۷- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۱۸- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۱۹- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ

۱۲۰- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۲۱- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۲۲- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۲۳- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء

۱۲۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۲۵- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۲۶- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۲۷- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۲۸- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۲۹- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۳۰- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۳۱- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۳۲- علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۳۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

۱۳۴- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۳۵- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۳۶- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ

۱۳۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۱۳۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۳۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۰۔ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند
۱۴۱۔ شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان، ناصر خسرو ایران
۱۴۲۔ علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۴۳۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ
۱۴۴۔ علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی بمبئی
۱۴۵۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۱۴۶۔ شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالٰہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ مصر، ۱۳۰۳ھ
۱۴۷۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
۱۴۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۴۹۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۵۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۵۱۔ علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۵۲۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوع مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۵۳۔ علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۵۴۔ علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۵۵۔ علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض
۱۵۶۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۵۷۔ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۵۸۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۵۹۔ علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس
۱۶۰۔ سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ
۱۶۱۔ مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
۱۶۲۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ
۱۶۳۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۶۴۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۶۵۔ علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶۶۔ استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۶۷۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ

۱۶۸- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۶۹- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۰- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۷۱- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۲- ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۷۳- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۷۴- علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرھان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۵- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۷۶- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۷۷- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۷۸- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۸۷ھ
۱۷۹- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقی، مطبوعہ مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۸۰- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۱- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۲- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۸۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۸۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ
۱۸۵- علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۸۷- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۱۸۸- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸۹- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ
۱۹۰- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۱۹۱- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۹۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۱۹۴۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقات' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ
۱۹۵۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ
۱۹۶۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ
۱۹۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۱۹۸۔ شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری' متوفی ۱۳۵۳ھ' تحفۃ الاحوذی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۱۹۹۔ شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر' ۱۳۵۷ھ
۲۰۰۔ شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۰۱۔ شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۰۲۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناہیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ
۲۰۳۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۰۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' میزان الاعتدال' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۰۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۰۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۰۷۔ علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمان السخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' المقاصد الحسنۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۰۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۱۰۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق

کتب لغت

۲۱۱۔ امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۱۲۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۱۳۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۱۴۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۱۵۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۱۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۱۷۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم ایران
۲۱۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۱۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ

۲۲۰- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر

۲۲۱- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء

۲۲۲- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور

۲۲۳- ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۲۴- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۲۵- امام عبدالملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۲۶- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۲۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ

۲۲۸- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت

۲۲۹- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۳۱- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی، متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان

۲۳۲- علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۳۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت

۲۳۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۲۳۶- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ کراچی

۲۳۷- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۳۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ

۲۴۰- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۲۴۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۴۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ

۲۴۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۴۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۴۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۴۶- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۴۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۴۸۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۴۹۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۵۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۲۵۱۔ علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
۲۵۲۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۳۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۲۵۴۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ
۲۵۵۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتار خانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ
۲۵۶۔ علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۵۷۔ علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۵۸۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۵۹۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶۰۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۶۱۔ علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۲۶۲۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۲۶۳۔ علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ
۲۶۴۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحرالرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۶۵۔ علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۶۶۔ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
۲۶۷۔ علامہ خیرالدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۶۸۔ علامہ علاءالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدرالمختار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۲۶۹۔ علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۷۰۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۷۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۷۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ
۲۷۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ
۲۷۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۷۵۔ امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، جدالممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۲۷۶۔ امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۷۷- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۲۷۸- علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۷۶ھ' بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۷۹- علامہ نور اللہ نعیمی' متوفی ۱۴۰۳ھ' فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۸۰- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' الام' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۳ھ
۲۸۱- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' الحاوی الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸۲- علامہ ابو اسحاق شیرازی' متوفی ۴۵۵ھ' المہذب' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۸۳- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۸۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۸۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' روضۃ الطالبین' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۲۸۶- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الحاوی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۸۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ' نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸۸- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی' متوفی ۱۰۸۷ھ' حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۸۹- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۹۰- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۱- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۹۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا
۲۹۳- علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۲۹۴- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۹۶- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۲۹۷- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۹۸- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض
۲۹۹- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فلاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۰۰- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شیعہ

۳۰۱۔ نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی علیہ السلام) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۰۲۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۰۳۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۰۴۔ شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، موسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۰۵۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۰۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۰۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۰۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۰۹۔ امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۳۱۰۔ علامہ ابو البرکات عبد الرحمان بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۳۱۱۔ شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۴ھ
۳۱۲۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۳۱۳۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۱۴۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۱۵۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۱۶۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر
۳۱۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ
۳۱۸۔ علامہ محمد بن احمد السفارینی، المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۱۹۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۲۰۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۳۲۱۔ علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ
۳۲۲۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح و تلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۲۳۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض
۳۲۴۔ علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۲۵۔ علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۲۶- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۲۷- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ
۳۲۸- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ
۳۲۹- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
۳۳۰- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر
۳۳۲- علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۳۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۳۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۳۵- علامہ ابن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ
۳۳۶- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۳۷- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۳۸- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۷ھ
۳۳۹- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۴۰- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۴۱- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران، ۱۳۷۸ھ
۳۴۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور
۳۴۳- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۳۴۴- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۴۵- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۴۶- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۴۷- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یا رسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیانُ القرآن جلد چہارم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی